ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

[illegible]

(البقرۃ: ۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

## وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمیٰ بہ

## برکات القرآن

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی سیالوی

(سابق مدرس جامعہ [illegible])

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

# علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں ڈاؤن لوڈ کرنے کے ٹیلگرام پر ان چینل و گروپ کو جوائن کریں

https://telegram.me/Tehqiqat

https://telegram.me/faizanealahazrat

https://telegram.me/FiqaHanfiBooks

https://t.me/misbahilibrary

آرکایو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلوگسپوٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے (یہ) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ:۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

عربی

# وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمٰی بہ

# برکات القرآن

## جلد اول

(الفاتحہ تا التوبہ)

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، شاہد محمود
مطبع : روبی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : شعبان 1430ھ / جولائی 2009ء

**Farid Book Stall**
*Phone No:092-42-7312173-7123435*
*Fax No.092-42-7224899*
*Email:info@faridbookstall.com*
*Visit us at:www.faridbookstall.com*

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تفسیر مدارک التنزیل (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عرضِ مترجم

نحمدہ ونصلی ونسلم وعلی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعینO

حمد وصلوٰۃ کے بعد محترم قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن مجید کا مؤدب و بامحاورہ اور سلیس اُردو زبان میں ترجمہ اور ''تفسیر مدارک'' جیسی فنی کتاب کا اُردو میں ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں مختصر ضروری حواشی کا اضافہ بے شک میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم اور اس کی خاص عنایت ومہربانی ہے' اس پر جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں' کم ہے' مگر یہ بندۂ ناچیز بذاتِ خود پُرتقصیر اور کم علم ہونے کے اعتبار سے اس لائق نہیں ہے کہ اتنا بڑا اہم اور علمی کام سرانجام دے سکے' تاہم اللہ تعالیٰ جس سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے' اسے خود منتخب فرمالیتا ہے' اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور اس کی مہربانی کا کمال ہے۔

اس لیے اس ترجمہ کے بارے میں چند معروضات پیش کرنا بے حد ضروری ہیں' تاکہ قرآن مجید اور ''تفسیر مدارک'' کا ترجمہ پڑھنے اور سمجھنے میں مزید آسانی پیدا ہو جائے۔

(۱) قرآن مجید اور تفسیر مدارک کا ترجمہ کرتے وقت احساس ذمہ داری' احساسِ کمتری اور اعتماد میں کمی کے باعث گھبراہٹ و پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ اُردو محدود زبان ہے' جب کہ عربی زبان فصیح وبلیغ اور ایک وسیع لغت ہے جس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں' انہی معانی میں سے مناسب وموزوں کا انتخاب بہت مشکل ہو جاتا ہے' خصوصاً قرآن مجید کے ترجمہ میں یہ مشکل افزوں تر ہو جاتی ہے لیکن قرآن مجید کے مختلف تراجم خصوصاً: کنز الایمان' جمال القرآن اور نور القرآن (تبیان القرآن میں شامل ترجمۂ قرآن) وغیرہم کے تراجم کے مطالعہ کی وجہ سے ترجمہ قرآن کریم میں میرے لیے بہت آسانی پیدا ہوئی جن کی برکت سے یہ ترجمہ ان شاء اللہ العزیز بامحاورہ اور سلیس اُردو تراجم میں بہترین ترجمۂ قرآن ثابت ہوگا۔

(۲) تفسیر مدارک کا ترجمہ کرتے وقت تفسیر روح المعانی' تفسیر مظہری' تفسیر روح البیان اور تفسیر تبیان القرآن خصوصی طور پر زیر مطالعہ رہیں' ان کے علاوہ تفسیر کبیر' تفسیر خازن' تفسیر بغوی' تفسیر صاوی' تفسیر ضیاء القرآن' تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر عثمانی وغیرہم بھی زیر مطالعہ رہیں' جن کی برکت اور مدد سے تفسیر مدارک کا ترجمہ اور اس کا مفہوم واضح کرنے میں آسانیاں پیدا ہوئیں اور مختلف قراءت کی ابحاث میں تفسیر مظہری اور تفسیر روح المعانی کے علاوہ حرز الامانی ووجہ التھانی فی القراءات السبع' بہت مدد ومعاون ثابت ہوئیں' نیز روایت حفص میں قراءت کے مسائل کے لیے القول السدید فی علم التجوید' سے کافی استفادہ کیا' بہرحال قرآن مجید اور تفسیر کے ترجمہ کی خوبیاں متقدمین تراجم وتفاسیر کی مرہون منت ہیں' البتہ جہاں کہیں

تقصیر ہوئی ہوگی وہ بندۂ ناچیز کی طرف سے ہوئی ہوگی۔

(۳) چونکہ ''تفسیر مدارک'' قدیم طرز کی کتاب ہے اس لیے عنوانات سے خالی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تفسیر سے پہلے الگ جلی حروف میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں تا کہ پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے نیز بعض مقامات میں تفسیر مزج (ترجمہ کے ساتھ مربوط تفسیر) کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سابق اُردو کلام کو لاحق آیات کے ترجمہ کے بعد اُردو کلام کے ساتھ مربوط و متصل بیان کیا گیا ہے لیکن جب کوئی قاری پہلے اُردو کلام کے اختتام تک پہنچتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے حالانکہ وہ حصہ لاحق ترجمہ آیات کے بعد اُردو کلام میں لکھا ہوتا ہے اس لیے قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ دورانِ مطالعہ جہاں کہیں ایسا محسوس کریں تو وہاں پہلے اُردو کلام کو ترجمہ آیات کے بعد اُردو کلام کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو سابق اُردو کلام لاحق اُردو کلام کے ساتھ مربوط پائیں گے۔

(۴) سورۃ المائدہ سے گرائمر اور قراءت کی مختلف ابحاث کو آیت کی تفسیر کے اختتام پر آخر میں لکھا گیا ہے تا کہ قارئین کرام تفسیر کے مطالعہ کے دوران تفسیر کے درمیان گرائمر یا قراءت کے مسائل آ جانے کی وجہ سے ملول و پریشان بھی نہ ہوں اور تفسیر پڑھتے وقت تسلسل میں خلل بھی نہ آئے البتہ اشد ضرورت کے وقت گرائمر یا قراءت کو دورانِ تفسیر بعض مقامات پر بیان کر دیا گیا لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے مثلاً ''تفسیر مدارک'' کے مصنف نے گرائمر یا مختلف قراءت بتا کر اس کے مطابق تفسیر بیان کی تو ترجمہ میں بھی گرائمر یا اختلافِ قراءت لکھ کر اس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے نیز گرائمر اور قراءت کو بریکٹ [ ] کے اندر لکھا گیا ہے تا کہ عربی دان علمائے کرام کے علاوہ اُردو دان اہل علم حضرات کے لیے بوقت مطالعہ تفسیر کے درمیان گرائمر اور اختلافِ قراءت کی بحث تسلسل میں خلل انداز نہ ہو نیز ''تفسیر مدارک'' کے حواشی نصف قرآن (پندرہ پارہ تک) کم ہیں جب کہ نصف ثانی کے حواشی کچھ زیادہ ہیں لہٰذا مسلک اہل سنت کے تمام مسائل جاننے کے لیے مکمل تفسیر اور اس کے حواشی کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ آخر میں اکابر علمائے اہل سنت کی خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ قلیل اور صغیر تقصیرات سے درگزر فرمائیں البتہ ضروری تصحیح و تنبیہ کے لیے ناشر کے ذریعہ آگاہ فرمائیں۔ شکریہ

اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل سے اس تفسیر کو مقبول عام اور مفید تام بنائے۔

میری میرے والدین میرے اساتذہ کرام کی اور میرے جملہ احباب کی مغفرت و بخشش فرمائے۔ آمین ثم آمین

واحد بخش غوثوی مہاروی
موبائل:0322-4042114

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مدارک التنزیل اور اس کے مصنف کا تذکرہ

## (از علامہ غلام رسول سعیدی)

تفسیر کے موضوع پر فقہاء شافعیہ نے بہت زیادہ کام کیا ہے' فقہاء مالکیہ' فقہاء حنبلیہ اور فقہاء احناف کی اتنی زیادہ تفسیریں نہیں ہیں' بہر حال فقہاء احناف کی تفسیروں میں مشہور تفسیر علامہ ابوبکر احمد بن علی جصاص متوفی ۳۷۰ھ کی تفسیر ''احکام القرآن'' ہے اور علامہ ابو اللیث سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ کی تفسیر ''بحر العلوم'' ہے اور علامہ نسفی متوفی ۷۱۰ھ کی ''مدارک التنزیل'' ہے' علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم حنفی متوفی ۸۸۰ھ کا ''حاشیہ ابن التجید علی البیضاوی'' ہے' علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ کا ''حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی'' ہے' علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ کی تفسیر ''ابو السعود'' ہے' علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ کی ''عنایۃ القاضی'' ہے' علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ کی ''تفسیراتِ احمدیہ'' ہے' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ کی ''روح البیان'' ہے' علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ کا ''حاشیۃ القونوی علی البیضاوی'' ہے' قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ کی ''تفسیر مظہری'' ہے' علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی ''روح المعانی'' ہے' مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ کی ''تفسیر نعیمی'' ہے' علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء کی ''ضیاء القرآن'' ہے اور اس فقیر کی تفسیر ''تبیان القرآن'' ہے۔

''تفسیر مدارک التنزیل'' کے مصنف علامہ ابو البرکات کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

علامہ محی الدین عبد القادر متوفی ۷۷۵ھ نے علامہ نسفی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے' جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے من وعن نقل کیا ہے' اس کو ہم پیش کر رہے ہیں: (الجواہر المضیۃ ص ۲۷۱' میر محمد کتب خانہ' کراچی)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی' علامۃ الدنیا ہیں' الحافظ عبد القادر نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ متاخرین کے زھاد میں سے ایک ہیں' فقہ اور اصولِ فقہ میں ان کی مفید تصانیف ہیں' انہوں نے ''المنظومۃ'' کی شرح میں ''المستصفیٰ'' لکھی ہے اور ''النافع'' کی شرح ''المنافع'' کے نام سے لکھی ہے اور ''الوافی'' کی شرح میں ''الکافی'' لکھی ہے اور فقہ میں ''کنز الدقائق'' لکھی ہے (یہ کتاب درسِ نظامی میں شامل ہے اور البحر الرائق' النہر الفائق' تبیین الحقائق' رمز الحقائق اور شرح العینی اس کی مشہور شروحات ہیں) اور اصولِ فقہ میں ان کی مشہور کتاب ''المنار'' ہے (علامہ الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے ''افاضۃ الانوار'' کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے اور علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ''نسمات الاسحار'' کے نام سے اس پر حاشیہ لکھا ہے) اصول فقہ میں ان کی ایک اور کتاب ہے ''العمدۃ فی اصول الدین''۔

علامہ شمس الدین اکردری سے انہوں نے فقہ کا علم حاصل کیا اور احمد بن محمد العتابی سے زیادات کی روایت کی۔ علامہ عسقلانی فرماتے ہیں: ماہ ربیع الاوّل ۷۰۱ھ میں جمعہ کی شب ان کا انتقال ہو گیا۔ (الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۴۷، دار الجیل بیروت)

## مدارک التنزیل وحقائق التاویل از نسفی

### تعارف مؤلف

علامہ غلام احمد حریری لکھتے ہیں:

اسم گرامی عبداللہ بن احمد بن محمود اور کنیت ابوالبرکات ہے، نسبت نسفی ہے نسف ماوراء النہر میں ایک شہر کا نام ہے۔ آپ بڑے عابد وزاہد اور ائمہ معتبرین میں سے تھے۔ مسلکاً حنفی تھے۔ حدیث نبوی اور فقہ واصول کے یگانہ روزگار امام تھے۔ کتاب اللہ کے زبردست مفسّر تھے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف بہت مشہور ہیں:

(۱) متن الوافی فی الفروع (۲) الکافی شرح الوافی (۳) کنز الدقائق فی الفقہ (۴) المنار فی اصول الفقہ (۵) العمدۃ فی اصول الدین (۶) مدارک التنزیل وحقائق التاویل

اور دیگر تصانیف جو علماء میں معروف ومتداول ہیں، آپ نے جن مشائخ عصر سے استفادہ کیا، ان میں شمس الائمہ کردری اور احمد بن محمد عتابی جیسے اکابر کے اسماء شامل ہیں۔ آپ نے ۷۰۱ھ میں وفات پائی اور علاقہ کردستان کے مقام ایذج میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۴۷، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۱۲)

### تعارف تفسیر

امام نفسی نے اس کتاب کو ''تفسیر بیضاوی'' اور ''کشاف'' سے اخذ کیا۔ البتہ ''کشاف'' میں جو معتزلی عقائد مرقوم تھے، ان سے احتراز کیا اور مسلک اہل السنّت پر گامزن رہے۔ یہ ایک متوسط القامت تفسیر ہے، نہ بہت طویل اور نہ زیادہ مختصر۔ مؤلف نے اس میں وجوہ اعراب اور مختلف قسم کی قراءتوں کو یکجا کر دیا ہے ''تفسیر کشاف'' میں جو بلاغی نکات اور محسنات بدیعیہ تھے، ان کو اس تفسیر میں سمولیا گیا ہے۔ سورتوں کے فضائل کے سلسلہ میں جو احادیث موضوعہ ''کشاف'' میں مذکور ہیں، وہ اس میں مندرج نہیں۔ بقول حاجی خلیفہ شیخ زین الدین ابو محمد عبدالرحمان بن ابوبکر بن العینی نے ''تفسیر مدارک'' کا ایک اختصار لکھا ہے اور اس پر اضافے بھی کیے ہیں، مگر یہ دستیاب نہیں ہو سکا، تاکہ اس پر تبصرہ کیا جا سکتا۔

اس کی عبارت مختصر اور سلیس ہے۔ یہ ''تفسیر کشاف'' کے محاسن کی جامع اور اس کے نقائص سے پاک ہے۔ اس میں ''تفسیر بیضاوی'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، بلکہ مفسر نسفی بعض جگہ ''بیضاوی'' کی عبارت بلاردّ وبدل یا باد نیٰ تغیر نقل کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ النجم کی تفسیر ''بیضاوی ونسفی'' دونوں میں ملاحظہ کر کے اندازہ لگائیے کہ ان کی عبارت باہم کس حد تک ملتی جلتی ہے۔

### علوم نحو وفقہ وقراءت

تفسیر زیر تبصرہ میں اعراب وقراءت کے مختلف وجوہ واقسام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، تاہم اس میں نحوی مباحث دیگر تفاسیر کے مقابلہ میں کم ہیں۔ صاحب مدارک قراءت سبعہ کا ذکر کر کے ہر قراءت کو اس کے قاری کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے آیت سے متعلق فقہی مذاہب ومسالک بیان کرتے ہیں۔ امام نسفی کڑی سرگرمی سے حنفی مسلک کی حمایت کرتے اور دوسرے مسالک کی پرزور تردید کرتے ہیں۔ اس کی مثال مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے:

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' (البقرۃ: ۲۲۸)۔ (تفسیر مدارک ج ۱ ص ۸۹)

"وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ" (البقرہ:۲۳۷)۔(تفسیر مدارک ج۱ ص۸۹)

## اسرائیلیات

تفسیر مدارک کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اسرائیلیات کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے۔امام نسفی جہاں کوئی اسرائیلی روایت کرتے ہیں' وہاں ہر جگہ اس پر نقد و جرح نہیں کرتے' بخلاف ازیں بعض جگہ تبصرہ کرتے ہیں اور بعض جگہ یوں ہی آگے گزر جاتے ہیں' مثلاً آیت قرآنی:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ. (النمل:۱۶) سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہا: لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھلائی گئی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام نسفی نے ایک اسرائیلی روایت ذکر کی ہے جس میں مختلف پرندوں کا ذکر کر کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام بتایا ہے کہ فلاں پرندہ یوں کہتا ہے اور فلاں یوں' اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

قرآن کریم میں فرمایا:

هَلْ اَتَاكَ نَبَاُ الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ. (ص:۲۱) کیا آپ کے پاس دشمنوں کی خبر آئی ہے' جب وہ دیوار پر چڑھ کر حضرت داؤد کے یہاں پہنچے تو ان سے گھبرا گئے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ مدارک نے ایسی روایات ذکر کی ہیں' جو حضرت داؤد علیہ السلام کی عفت و عصمت کے منافی نہیں' پھر کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت داؤد نے اُوریا نامی شخص کو بار بار جنگ میں بھیجا' تا کہ وہ مارا جائے اور آپ اس کی بیوی کو اپنے نکاح میں لے آئیں' یہ بات کسی صالح شخص کو بھی زیب نہیں دیتی چہ جائیکہ ایک نبی سے اس کا صدور ہو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص افسانہ گو لوگوں کی طرح یہ واقعہ بیان کرے گا' میں اس کو ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا۔انبیاء پر بہتان طرازی کی شرعی حد یہی ہے۔(مدارک ج۴ ص۲۹)

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ. (ص:۳۴) اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' پھر وہ جھک گئے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام نسفی نے ایسی روایات ذکر کی ہیں' جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی پاک دامنی سے لگا کھاتی ہیں' پھر یہ لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں انگوٹھی اور شیطان کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے' نیز یہ روایت ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان کے گھر میں بت کی پوجا کی جاتی تھی' تو یہ یہود کے اباطیل میں سے ہے۔(مدارک ج۴ ص۳۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ سابق الذکر دونوں آیات کی تفسیر میں امام نسفی نے ایسے من گھڑت واقعات کی تردید کی ہے' جو انبیاء کی عصمت کے منافی ہیں اور اس طرح سہل انگاری سے کام نہیں لیا' جس طرح سابقہ مثالوں میں لیا ہے۔ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات میں سے جو عقائد پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' امام نسفی اس کی تردید کرتے ہیں اور جو عقائد پر اثر انداز نہ ہوں' ان کو بلا تنقید ذکر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے' بشرطیکہ اس واقعہ میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو۔علاوہ ازیں عقل و شرع سے بھی متصادم نہ ہو۔بہر کیف یہ کتاب اہل علم کے یہاں معروف و مقبول ہے اور متوسط ضخامت کے چار اجزاء میں چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے۔امام نسفی کی دیگر تصانیف کی طرح لوگوں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

(تاریخ تفسیر و مفسرین ص۲۷۵۔۲۷۷' کشمیر بک ڈپو' فیصل آباد' پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تعارف (مترجم کی سوانح حیات)

## (از قاری فدا حسین، فتح گڑھ، لاہور)

قدرت اپنے دین اسلام کے غلبے وترقی اور اپنے کلام مقدس کی اشاعت وخدمت کے لیے جس کو چاہتی ہے، منتخب کر لیتی ہے، اس میں نہ تو مالی وسائل کا عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ہی شہرت و ناموری کے اعتبار سے اعلیٰ ذاتوں وقبیلوں کو دیکھا جاتا ہے۔ قدرت بلا امتیاز جس پر مہربان ہوتی ہے اور اپنا خاص فضل فرماتی ہے، اسے وراثت علوم نبوی کے زیور سے آراستہ فرما کر اپنے مقدس کلام اور پسندیدہ دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور خدمت پر مامور فرما دیتی ہے اور وہ مخلوق خدا کے لیے چشمہ فیض بن جاتا ہے، جس کی علمی وروحانی سخاوت وجوادی سے لوگ فیض یاب ومستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

ایک بچہ پسماندہ علاقے اور غریب ونادار گھرانے میں آنکھ کھولتا ہے، مالی وسائل کے فقدان اور فقر وافلاس کی وجہ سے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ نومولود جوان ہو کر وارثین علوم انبیاء کی صف میں شمار ہوگا اور علمی دنیا میں اسے یہ مقام حاصل ہوگا کہ اسے استاذ العلماء والفضلاء کے عظیم لقب سے پکارا جائے گا اور بڑے بڑے امراء واغنیاء اس کی زیارت وقدم بوسی کو باعث فخر وسعادت سمجھیں گے۔

چنانچہ انہی خوش قسمت افراد میں سے ایک حضرت استاذ العلماء والفضلاء، جامع المنقول والمعقول حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی دامت برکاتہم العالیہ ہیں، جن کو قدرت نے پسماندہ علاقے اور غریب گھرانے سے اٹھایا اور انہیں میراث علوم نبوی کا ایک وافر حصہ عطا فرما کر دین اسلام کے فروغ اور اپنے مقدس کلام کی تبلیغ واشاعت اور خدمت کے لیے منتخب فرمایا، سو علامہ موصوف نہ صرف علم منقولات ومعقولات کی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں بلکہ عملی وروحانی دنیا میں بھی انہیں ایک مقام حاصل ہے اور آپ تشنگانِ علوم ومعارف کو اپنے بحر ذخار اور چشمہ فیض سے سیراب کر رہے ہیں۔

### نام، ولدیت اور تاریخ پیدائش وجائے ولادت اور قبیلہ

آپ کا پورا نام محمد واحد بخش غوثوی ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام کرم حسین خان ہے اور آپ ۳۰ جون ۱۹۴۹ء کو مظفر گڑھ کے مضافاتی گاؤں پنجے والا نامی بستی میں ناخواندہ اور غریب وشریف گھرانے میں پیدا ہوئے اور ذات وقبیلہ کے اعتبار سے آپ کا تعلق بلوچ قبیلہ سے ہے اور شجاعت ودلیری، غیرت وحمیت اور بہادری وخودداری بلوچ قوم کی نمایاں خصوصیات ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان خصوصیات کا عنصر آپ کی شخصیت میں نمایاں ہے۔

### ناظرہ قرآن اور ابتدائی دینی تعلیم

علامہ موصوف کے والد گرامی اگرچہ ناخواندہ تھے، لیکن نیکی، پارسائی، پرہیزگاری وتقویٰ اور سادگی وشرافت کے پیکر تھے

اور دینی ذوق رکھتے تھے اور وہ اپنے ہونہار فرزند کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا شوق وجذبہ رکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے اسی شوق وجذبہ کے تحت آپ کو اپنے ہی گاؤں میں حضرت مولانا صوفی میاں کریم الدین ہاشمی قریشی علیہ الرحمۃ (جو اپنے دور کے ولی کامل تھے) کے سپرد کیا' جن سے آپ نے ناظرہ قرآن کریم اور بعض پنجابی زبان میں دینی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

## حفظ قرآن کریم

اگرچہ ناظرہ قرآن پڑھنا بھی باعث سعادت ہے مگر قرآن کریم کو حفظ کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی ایک اپنی چاشنی اور روحانی لذت ہے' چنانچہ آپ دینی کتب کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے حفظ قرآن کی طرف متوجہ ہو گئے' سو آپ نے اپنے گاؤں میں ابتدائی چار پارے حافظ غلام نبی صاحب' حافظ غلام قادر مہر صاحب اور حافظ غلام سرور صاحب سے حفظ کیے' پھر آپ نے سندیلہ نامی بستی میں مدرسہ تعلیم القرآن میں حافظ محمد صدیق صاحب سے بقیہ چھبیس پارے حفظ کر کے قرآن کریم مکمل کیا۔

## علوم شرقیہ کی ابتداء اور مدرسہ دیوبند میں داخلہ

حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے گرام نامی بستی (جو "حافظ نور محمد" کے نام سے مشہور ہے) کی مسجد کے دیوبندی امام وخطیب مولوی جمال دین کی وساطت سے علوم شرقیہ (درس نظامی) کی تعلیم کی خاطر دیوبند مکتب فکر کی مشہور درسگاہ خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) میں داخلہ لیا۔ بنیادی طور پر چونکہ وہ دیوبند مکتب فکر کی درسگاہ تھی' اس لیے اس میں نصابی کتب کی تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے مسلک دیوبند (وعقائد باطلہ) کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا اور مسلک اہل سنت کے طلباء کے عقائد بگاڑنے کے لیے ان پر خصوصی توجہ مرکوز رکھی جاتی تھی' جس کی وجہ سے اس درسگاہ میں آپ فارسی کی ابتدائی دو تین کتب پڑھنے کے سوا اور کچھ حاصل نہ کر سکے۔ البتہ دیوبندیت میں آپ کا ذہن ضرور پختہ ہو گیا اور دیوبندیت کے رنگ میں خوب رنگے گئے۔

## عقائد دیوبند کا غلبہ اور جامعہ معینیہ میں داخلہ

یہ بات واضح ہے کہ اوائل عمری میں جو سبق پڑھایا جاتا ہے' وہ ذہن میں پتھر پر لکیر کی مانند نقش ہو جاتا ہے' اس کا مٹنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہوتا لیکن مشکل ضرور ہوتا ہے' الّا یہ کہ کوئی ماہر ومشاق اور صاحب قال وحال استاذ مل جائے تو پھر یہ مشکل نہیں رہتا۔

چنانچہ اس حوالے سے آپ اپنی کہانی خود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس دوران دیوبندیت کی چھاپ مجھ پر اس طرح چھا چکی تھی اور اس کے اثر سے میری کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ جب اہل سنت (بریلوی مکتب فکر) کی مسجد سے درود وسلام کی آواز سنائی دیتی تو مجھے بہت غصہ آتا اور میں سوچتا کہ کاش! میرا بس چلتا اور میں یہ درود وسلام بند کرا سکتا اور انبیاء کرام کے معجزات وکمالات اور اولیاء کرام کی کرامات کے متعلق ذہن میں منفی خیالات آتے رہتے تھے' مگر کبھی کبھی دل ملامت بھی کرتا تھا' پھر یہاں سے اسی مکتب فکر دیوبند کی دوسری درسگاہ جامع مسجد تھانہ شاہ جمال میں داخلہ لے لیا۔ والدین اگرچہ ناخواندہ تھے' مگر صحیح سنی العقیدہ تھے' عقائد دیوبندیت سے انہیں سخت نفرت تھی' اسی لیے اس مذکور درسگاہ میں چند ماہ ہی گزرے تھے کہ میرے والدین نے میری ذہنی کیفیت کو بھانپ لیا اور اصرار کر کے مجھے ڈیرہ غازی خان شہر میں دارالعلوم جامعہ معینیہ میں داخل کرا دیا' جہاں مجھے استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا غلام جہانیاں معینی

علیہ الرحمۃ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

چنانچہ جب میں مذکور دارالعلوم میں داخل ہوا تو چونکہ میں ذہنی طور پر مسلک دیو بند میں ڈھل چکا تھا' اس لیے اس دارالعلوم کے طلباء سے مسلکی اختلاف کی بناء پر نوک جھوک اور بحث وتمحیص ہوتی رہتی تھی۔ایک مرتبہ حاضر وناظر کے مسئلہ پر دورانِ بحث میری زبان سے سخت جملہ نکل گیا' جس سے طلباء مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مدرسہ کے مہتمم حضرت علامہ پیر غلام جہانیاں معینی علیہ الرحمۃ سے میری شکایت کر دی' حضرت صاحب نے مجھے بلایا اور اپنے جلال کو ضبط کر کے نرمی سے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب تم اہل سنت وجماعت کی مساجد ومحافل کے منبروں پر بیٹھ کر اہل سنت کے عقائد صحیحہ کی ترجمانی کرو گے' سو ایسا ہی ہوا' چنانچہ ڈیرہ غازی خاں میں دارالعلوم جامعہ معینیہ میں فارسی کی تمام کتب متداولہ اور صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتب پڑھیں۔

## جامعہ نعیمیہ میں داخلہ اور عقائد دیو بند کا صفایا

جب استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے متعلق علم منطق اور علم فلسفہ کا شہرہ سنا تو ان علوم کے حصول کے لیے جامعہ نعیمیہ' گڑھی شاہو' لاہور میں داخلہ لیا۔قبلہ سعیدی صاحب اس وقت صدر مدرس ہونے کی وجہ سے آخری درجہ کی کتب پڑھایا کرتے تھے' ایک دن علامہ سعیدی صاحب نے اپنے کمرے میں ڈیرہ غازی خاں کے میرے ایک ساتھی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین'' میں ''نور'' سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ''کتاب'' سے قرآن مجید مراد ہے' میں نے سن کر کہا کہ نہیں بلکہ نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید مراد ہے' سعیدی صاحب نے فرمایا کہ وہ کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ اس کے بعد ''یھدی بہ اللّٰہ'' ہے' جس میں ضمیر واحد ہے' اگر نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہوتے تو ضمیر واحد کی بجائے تثنیہ کی ضمیر ''بھما'' ہوتی' سعیدی صاحب نے فرمایا کہ پھر نور اور کتاب مبین سے حضور اقدس مراد لی جائے تو پھر ضمیر واحد کے ہونے میں خرابی لازم نہیں آئے گی' میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا' فرمایا: اب ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ میں نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے جو تغایر کو چاہتی ہے' فرمایا: نور اور کتاب مبین سے قرآن مجید کیسے مراد لیا جائے گا؟ میں نے کہہ دیا کہ اس وقت واؤ عطف نہیں' واؤ تفسیری مراد ہو گی' علامہ سعیدی صاحب نے فرمایا: تو پھر نور اور کتاب مبین دونوں سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مراد لینے میں بھی واؤ تفسیری مراد ہو گی' اس کے بعد میں لا جواب ہو گیا اور میرے ساتھی نے علامہ سعیدی صاحب کو بتایا کہ یہ (واحد بخش) دیو بندی مسلک کو قبول کر چکا ہے' چنانچہ چند دنوں کے بعد قبلہ سعیدی صاحب نے ہماری کلاس کو منطق کی کتاب ''مرقات'' پڑھانا شروع کر دی اور دورانِ تدریس عقائد اہل سنت کے دلائل اور مخالفین کی کتب سے ان کی گستاخانہ عبارتوں کی تردید بیان فرماتے رہتے' جس کی وجہ سے میرے ذہن میں تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔

ایک دن ''مرقات'' کے سبق میں کلی وجزئی کی بحث کے دوران جزئی کی تعریف کے حوالے سے میرے ایک سوال کے جواب میں مسئلہ حاضر وناظر پر مدلل بحث فرمائی تو میں نے اسی وقت مطمئن ہو کر دوبارہ مسلک اہل سنت (بریلوی) اختیار کرنے کا باقاعدہ طور پر اعلان کر دیا۔اس طرح اس مرد قلندر کی زبان سے نکلی ہوئی یہ بات پوری ہوئی کہ ''ایک وقت آئے گا کہ جب تم اہل سنت وجماعت کی مساجد ومحافل کے منبروں پر بیٹھ کر اہل سنت کے عقائد صحیحہ کی ترجمانی کرو گے''۔

## جامعہ نعیمیہ میں جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا

دارالعلوم جامعہ نعیمیہ (گڑھی شاہو' لاہور) میں جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا' ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' ان سے آپ نے ''قطبی'' اور'' میر قطبی'' پڑھیں۔
(۲) شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی' ان سے آپ نے'' مرقات' شرح تہذیب' سلم العلوم' ملاحسن' حمد اللہ' قاضی مبارک' ہدایت الحکمۃ' میبذی' صدرا' شمس بازغہ' شرح جامی' شرح عبد الغفور' شرح عقائد' خیالی' شرح نخبۃ الفکر' بیضاوی' جلالین (نصف اوّل)' طحاوی اور بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ اور نسائی'' پڑھیں۔
(۳) شیخ الفقہ علامہ مفتی عبد العلیم سیالوی' ان سے آپ نے فقہ اور اصولِ فقہ کی اکثر کتب پڑھیں۔
(۴) مفتی عبد القیوم خان ہزاروی (صدر دار الافتاء' تحریک منہاج القرآن)' ان سے آپ نے'' ہدایۃ النحو' کافیہ اور اصول الشاشی'' پڑھیں۔

علامہ موصوف کو اگرچہ اپنے تمام اساتذہ کرام سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت ہے اور ان کا انتہائی ادب واحترام سے ذکر کرتے ہیں' مگر علامہ سعیدی صاحب سے والہانہ عقیدت رکھتے اور ان سے بہت زیادہ متاثر ہیں' اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نصابی کتب میں سے معقولات ومنقولات کی اکثر کتب اور صحاح ستہ کی تمام کتب آپ نے انہی سے پڑھیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے دل ودماغ پر جو دیوبندیت کا گمراہ کن زنگ لگ چکا تھا' اس کو علامہ سعیدی صاحب نے ہی مضبوط دلائل کے نورانی ریگ مار سے صاف کر کے اہل سنت کا نورانی اور عشق مصطفیٰ کا وجدانی رنگ چڑھایا۔

## سندِ فراغت

ہونہار وباصلاحیت زیرِ تعلیم طالب علم نے شب وروز خوب محنت کی' جس پر قابل ترین وجوہر شناس اور صاحب بصیرت اساتذہ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا' بالآخر محنت رنگ لائی اور ۱۹۷۴ء میں لائق ترین طالب علم نے جامعہ نعیمیہ' لاہور سے سندِ فراغت حاصل کی۔

## آغازِ تدریس

جس بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی درسگاہ (جامعہ نعیمیہ' لاہور) سے آپ نے اپنی دینی تعلیم (درسِ نظامی) کی تکمیل کی' اسی ادارہ میں آپ کو (۱۹۷۴ء میں ہی) بہ طور مدرس مقرر کیا گیا' تدریس کا یہ سلسلہ (ایک سال کے وقفہ سے) ۱۹۸۲ء تک رہا یعنی آپ نے جامعہ نعیمیہ میں سات برس تک درسِ نظامی کی مختلف نصابی کتب پڑھائیں۔فنِ تدریس میں آپ باکمال' انتہائی قابل اور کامیاب ترین استاذ رہے (اور راقم کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے)۔جامعہ نعیمیہ سے تدریس چھوڑنے کے بعد اگرچہ مختلف مساجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا' تاہم باقاعدہ طور پر تدریس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

## سرکاری ملازمت

۱۹۸۵ء میں آپ نے محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔۲۹ اپریل ۱۹۸۵ء کو آپ پاکستان ریلوے (بوائز) ہائی سکول' مغل پورہ' لاہور میں بہ طور عربی استاذ تعینات ہوئے' تاحال اسی سکول میں اپنے تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔سیکنڈ ٹائم درس نظامی کی تدریس اور تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ساتھ ساتھ جامع مسجد قبا (نیو کینال پارک' لاہور) میں خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

## روحانی نسبت

آپ کو زبدۃ الصالحین حضرت الحاج خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آف چشتیاں شریف ضلع بہاول نگر سے روحانی نسبت (شرف بیعت) حاصل ہے' جو اپنے دور کے عظیم روحانی پیشوا تھے' اسی نسبت کی وجہ سے آپ اپنے نام کے

ساتھ غوثوی مہاروی لکھتے ہیں اور روحانیت وطریقت میں آپ اپنے پیرومرشد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

## شخصیت واَوصاف

آپ کی شخصیت پرسکون' پروقار اور بارعب ہے' عاجزی وانکساری اور خودداری واستغناء آپ کا شعار ہے۔ رہن سہن اور لباس میں صفائی ستھرائی اور نظافت ونفاست پسند ہے' مگر زیبائش وآرائش' نمود ونمائش اور ریاء کاری سے کوسوں دور ہیں۔ سادگی کا مجسمہ اور حسن اخلاق کا پیکر ہیں' خوش طبع' ملنسار اور مہمان نواز ہیں' آپ اپنے دوستوں اور شاگردوں سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں' خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں اور ان کا بہت اکرام کرتے ہیں' طبیعت میں جلال کا غلبہ ہے' دین کے معاملہ میں حق گوئی وبیبا کی آپ کا وصف خاص ہے' آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کسی مسئلہ یا علمی اشکال کے حل کے لیے اپنے شاگردوں کی طرف رجوع کرنے اور ان سے پوچھنے میں عار محسوس نہیں کرتے' بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ الغرض وہ تمام اوصاف وخوبیاں جو ایک عالم دین میں ہونی چاہئیں' وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آپ اعلیٰ ذہانت وفطانت اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ تالیفات وتصنیفات کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں' آپ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

## ترجمہ تفسیر مدارک اور فرید بک سٹال سے تعلق

فرید بک سٹال (اُردو بازار' لاہور) ایک ایسا ادارہ ہے' جو عرصے سے احادیث وتفاسیر اور دیگر عربی کتب کے تراجم اور دینی کتب کی اشاعت وطباعت میں انتہائی خلوص اور دینی جذبہ کے ساتھ مصروف کار ہے' جس کے روح رواں جناب سید محسن اعجاز ہیں' قبلہ شاہ صاحب دینی کتابوں اور عربی کتب کے تراجم کی اشاعت کا ایک ذوق رکھتے ہیں اور اس ذوق کو آپ کے خلوص نے چار چاند لگا دیئے ہیں اور وہ جس ذوق' خلوص اور دینی جذبہ کے تحت کتابوں کی اشاعت وطباعت میں مصروف ہیں' وہ آپ ہی کا حصہ ہے' آپ انتہائی قابل قدر اور مخلص دوست ہیں' وہ علماء کی دل وجان سے قدر واحترام کرتے ہیں' ان کو ایسے فاضل علماء کی تلاش رہتی ہے' جو خالصتاً دینی جذبہ کے تحت دینی کتب کی تصنیف وتالیف اور عربی کتب کے تراجم کرنے کی نہ صرف صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ اعلیٰ ذوق بھی رکھتے ہوں اور اگر ان کو باذوق وباصلاحیت اور مخلص ودینی جذبہ رکھنے والا عالم دین مل جائے اور ان کے ادارے میں کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

سو علامہ واحد بخش صاحب انہی علماء میں سے ایک ہیں' جن کی قبلہ شاہ صاحب کو تلاش رہتی ہے' چنانچہ علامہ صاحب کی جب (راقم الحروف کی وساطت سے) شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کا تفصیلی تعارف ہوا تو شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور بلاتاخیر ان کو اپنے ادارے کے ساتھ منسلک کر دیا اور اسی وقت ''تفسیر مدارک'' کے ترجمہ کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی' سو اس وقت علامہ صاحب ''تفسیر مدارک'' کا اُردو زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں اور وہ تکمیلی مراحل میں ہے۔

''تفسیر مدارک'' عربی ادب کا شاہکار ہے' جس کے مفاہیم ومطالب کو سمجھنا عام عربی دان کے بس کا روگ نہیں ہے' اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے' جو نہ صرف عربی اور اس کے قوانین کو جانتا ہو بلکہ عربی ادب کا بھی ماہر ہو' چنانچہ علامہ صاحب نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مذکورہ تفسیر کا اُردو زبان میں ترجمہ کر کے اس کے دقیق وپیچیدہ عقدوں کو انتہائی نفیس طریقے سے حل کیا ہے اور ترجمہ میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے کہ ایک کم تعلیم یافتہ بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور یہ ترجمہ نہ صرف عام آدمی کے لیے مفید ونافع ہوگا' بلکہ اس سے طلباء وعلماء یکساں مستفید ہو سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کے علم وعمل میں مزید ترقیاں عطا فرمائے' ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائے'

اس کو مفید خاص و عام بنائے' ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور ان کا سایہ تادیر قائم رکھے' اور اللہ تعالیٰ سید محسن شاہ صاحب کے ذوق' اخلاص اور دینی جذبہ میں مزید اضافہ فرمائے اور ان کے ادارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' دشمنوں کی عداوت' حاسدوں کے حسد اور شریروں کے شر سے محفوظ رکھے اور تا قیامت اس کو قائم و دائم رکھے۔

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین.

طالب دعا:
قاری فدا حسین
جامع مسجد بابا یتیم شاہ' فتح گڑھ' لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# خطبہ

## (از علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النفسی' متوفی ۷۱۰ھ)

تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو اپنی ذاتِ اقدس میں اوہام کے اشاروں سے منزہ ہے اور اپنی صفات میں عقول و افہام کے ادراک سے پاک ہے اور الوہیت کے ساتھ متصف ہے' وہی ہر موجود سے پہلے ہے اور وہی دائمی اوصاف کمالیہ کے ساتھ باقی ہے اور تمام مخلوقات کے بعد بھی وہی رہے گا اور وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے انوارِ جلال نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے' وہ ایسا متکبر ہے کہ اس کی عظمت و کبریائی نے افکار کو درماندہ کر دیا ہے' وہ ایسا قدیم ہے کہ آغاز و ابتداء اور محدثات و ممکنات کی مماثلت و مشابہت سے بہت بلند و بالا ہے' وہ ایسا عظیم ہے کہ مکان کی حدود سے منزہ ہے' نیز وہ اجسام و ابدان اور تمام مخلوقات کی مشابہت سے بہت بلند و بالا اور مبّرا ہے' وہ ایسا قادر ہے کہ اس کی قدرتوں کو کیفیت و احاطہ کے ساتھ محدود و مقید نہیں کیا جا سکتا' وہ ایسا قاہر ہے کہ اس سے کسی کو مکلّف کرنے اور کسی پر فرائض و حقوق کو بجا لانے کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا' وہ ایسا علیم ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا' وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے ایسی عالی شان کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی ہے جو تمام بدنوں اور روحوں کے لیے یکساں شفا ہے اور صلوٰۃ و سلام نازل ہو اس ذاتِ بابرکات پر جو عقل و دانش کی عیاری اور کند ذہن رکھنے والے کم عقلوں کی حماقت سے اجتناب و احتراز کرتے رہے اور فصاحت و بلاغت اور نصیحت و خیر خواہی کے میدان میں اترنے والے تھے' جن کا اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے' جو تمام مخلوق کے رسول و نبی بن کر مبعوث ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین حق کی دعوت دینے والے تھے اور اللہ تعالیٰ اور حق کی طرف بلانے والے تھے اور آپ کی آل پر اور آپ کی اتباع کرنے والوں پر۔

مولانا الشیخ امامِ معظم' عالم کبیر' عظیم الشان مقتدا اور روئے زمین پر رہنے والوں کے استاذ' سنن و فرائض کو از سر نو زندہ کرنے والے' قرآنی اسرار کے حقائق کھولنے والے' تفسیری حقائق کے اسرار کی چابی' کلام الٰہی کے ترجمان' علمِ معانی اور علم بیان کے ماہر اور اصول و فروع کے جامع' منقولات و معقولات میں مرجعِ خلائق' دین و ملت کے محافظ' شیخ الاسلام والمسلمین' انبیائے کرام اور مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم کے وارث' اکابر مجتہدین میں کامل ترین' بڑے بڑے محققین کے سردار' صاحب کرامت و سعادت ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی' اللہ تعالیٰ آپ کی طویل عمر کے ذریعے دین اسلام کو نفع پہنچائے اور آپ کی بابرکت ملاقاتوں اور صحبتوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے' نے فرمایا کہ مجھ سے بعض ایسے احباب نے درخواست کی جن کی فرمائش ماننا میرے لیے واجب تھا' چنانچہ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں ایک ایسی کتاب تحریر کروں جو مختلف قراءتوں اور مختلف وجوہِ اعراب کی جامع ہو اور علم بدیع و علم اشارات اور دیگر علوم کے حقائق و دقائق پر مشتمل ہو اور اہل سنت و جماعت کے اقوال سے آراستہ ہو اور اہل بدعت و ضلالت کے باطل نظریات و خیالات سے

مبرا ہو البتہ اکتاہٹ میں ڈالنے والی بڑی طویل اور مفصل تفسیر بھی نہ ہو اور نہ ہی قرآن مجید کے معانی و مطالب میں خلل ڈالنے والی بالکل مختصر تفسیر ہو بلکہ ایک متوسط اور درمیانی تفسیر ہو لیکن میں یہ سوچ کر کہ اس عظیم الشان مقصد کو حل کرنے کے لیے قوت بشری قاصر ہے اور اس عظیم الشان و مقتدر اور مستحکم و مضبوط کتاب کے شہسواروں (مفسرین) میں شامل ہونے کی وجہ سے پرخطر راہ پر چلنا پڑے گا' میں کبھی قدم آگے بڑھاتا اور کبھی پیچھے کر لیتا' یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے یہ کام شروع کر دیا' اگرچہ مصروفیات اور رکاوٹیں بہت زیادہ حائل تھیں لیکن اس کے باوجود میں نے مختصر مدت میں اس کتاب کو مکمل کر لیا اور میں نے اس تفسیرِ مبارک کا نام ''مدارك التنزيل و حقائق التاويل'' رکھا ہے اور وہی (اللہ) ہر مشکل کو آسان بنانے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے' جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

آمین ثم آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ (مترجم)

الحمد للّٰہ الذی نزل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیراO والصلوۃ والسلام علٰی سیدنا ونبینا محمد المصطفٰی خاتم الرسل والانبیآء وعلٰی اٰلہ بررۃ التقی واصحابہ نجوم الھدی ومن اھتدی بھدیہ الٰی یوم الجزاء۔

## حفاظت قرآن مجید

(۱) قرآن مجید ایک ایسی مقدس و بے مثال اور ممتاز و منفرد کتاب ہے' جو روزِ ازل سے آج تک تمام کی تمام بعینہٖ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی' اس کا کوئی لفظ' کوئی حرف' کوئی نقطہ اور کوئی حرکت و سکون کسی انسان کی پسند و ناپسند سے کم و بیش نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا' کیونکہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ یہ ہدایاتِ الٰہی کا مکمل اور جامع ترین متن ہے۔ اس کے بعد چونکہ اور کوئی کتاب نہیں آنی' اس لیے اس کو قیامت تک اپنی اصلی حالت میں رکھنا واجب و ضروری ہے تاکہ قیامت تک ہر زمانہ کے لوگ اس سے ہدایت حاصل کرتے رہیں۔ اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل اور کمی و بیشی سے بچنے کے لیے اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (الحجر:۹) بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم خود اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نزولِ قرآن کی ابتداء ہی سے اس کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہ کرام کی ایک جماعت کو مقرر فرما دیا تھا اور نزولِ قرآن کا یہ سلسلہ تقریباً تیئیس برس تک جاری رہا' پھر وحی کے نزول کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا' صبح و شام اور دوپہر کو' رات میں' سفر و حضر میں کسی وقت میں وحی کا نزول ہو جاتا تھا' اس لیے آپ نے چالیس کے قریب صحابہ کرام کاتبِ وحی مقرر فرما دیئے تھے' تاکہ جب بھی وحی کا نزول ہو کسی نہ کسی موجود کاتبِ وحی سے اسے لکھوا لیا جائے' چنانچہ جب بھی کوئی آیت یا آیات کا مجموعہ یا کوئی سورۃ یا نصف سورت جس مقدار میں نازل ہوتی تو ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق کاتبانِ وحی اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے' نیز آپ یہ رہنمائی بھی فرما دیتے کہ اسے کس سورت سے پہلے یا بعد یا کس سورت میں کن آیات کے ساتھ لکھا جائے' اس طرح جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگرانی میں آپ کی ہدایات کے مطابق تحریر کیا جاتا رہا' لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون نہیں تھیں' بلکہ کاغذوں کے ٹکڑوں' ہڈیوں کے ٹکڑوں' کھجوروں کے چھلکوں' پتھر کی سلوں وغیرہ پر لکھی جاتی رہیں۔ مسجد نبوی میں ایک مقام متعین تھا' جہاں وہ عبارات لکھ کر رکھ دی جاتی تھیں' صحابہ کرام اس کی نقل کر کے لے جاتے اور یاد کر لیتے تھے اور

چونکہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کو فرض قرار دے دیا گیا تھا' اس لیے صحابہ کرام پانچوں نمازوں میں اس کی تلاوت کرتے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور قرآن مجید کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ حفظ قرآن بھی تھا' کیونکہ حضور سرورِ کائنات ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق دلاتے رہتے تھے اور قیامت کے دن حافظِ قرآن کو مقامات رفیعہ اور مدارجِ عالیہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے تھے' یہاں تک کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی مکمل قرآن کریم اکثر صحابہ کرام' امہات المؤمنین' اہل بیت اور صحابیات کو حفظ ہو چکا تھا۔

(۴) جب حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ پر کلام الٰہی وحی کی صورت میں نازل ہوتا تو آپ کے قلب مبارک میں محفوظ ہو جاتا تھا' اس طرح پورا قرآن مجید آپ کے قلب اطہر پر نقش ہو کر خود بہ خود یاد ہو جاتا تھا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ''(القیامہ:۱۷۔۱۸) ''بے شک اس کو جمع و محفوظ کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۝ سو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں''۔ واضح ہو کہ ان آیاتِ مبارکہ سے ایک یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ درحقیقت جامع قرآن خود اللہ تعالیٰ ہے' جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ مبارک میں قرآن مجید کو ترتیب وار جمع کر کے محفوظ فرما دیا اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں تحریر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے قرآن مجید حضور نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں محفوظ فرما دیا تھا' اسی ترتیب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے اپنے صحابہ کرام کو لکھوا دیا تھا' اس لیے اس موجودہ ترتیب کو ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ماہِ رمضان المبارک میں دن کے وقت قرآن مجید کا جتنا حصہ اس سال تک نازل ہو چکا ہوتا' اسے بلند آواز سے دہرایا کرتے تھے اور ایسے صحابہ کرام جن کو لکھنا پڑھنا آتا تھا' اپنا ذاتی نسخہ ساتھ لاتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاوت پر اس کا موازنہ کرتے جاتے' اگر کوئی غلطی ہوتی تو درست کر لیتے تھے' یہی وجہ ہے کہ وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے' بغیر کسی معمولی تغیر کے' بغیر کسی ادنیٰ ردّ و بدل کے اب تک ہمارے پاس محفوظ موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ و موجود رہے گا۔

## جمع وتدوین قرآن مجید

واضح رہے کہ قرآن مجید کے جمع و تدوین کے تین ادوار ہیں:

(۱) عہد نبوی ﷺ (۲) عہد صدیقی رضی اللہ عنہ (۳) عہد عثمانی رضی اللہ عنہ

### (۱) عہد نبوی ﷺ

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حضور نبی کریم ﷺ کے سینۂ اقدس میں محفوظ فرما دیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ ''(القیامہ:۱۶۔۱۹) ''آپ اس (حفظ قرآن) کے لیے اپنی زبان کو تیز تیز نہ چلائیں تاکہ آپ اس کو جلد از جلد یاد کر لیں ۝ بے شک اس کو جمع کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے ۝ سو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۝ پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ۝''۔

ان آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن مجید حضور نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک میں ترتیب

وار جمع کر کے محفوظ فرما دیا تھا' پھر خود حضور سید عالم ﷺ نے بھی اپنے فاضل اور فن تحریر میں ماہر صحابہ کرام کی ایک جماعت کو قرآن مجید کی کتابت کے لیے متعین فرما دیا تھا' جنہیں کاتبانِ وحی کہا جاتا تھا تاکہ نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ جمع و تدوین قرآن کا فریضہ بھی سرانجام پاتا رہے' چنانچہ جب بھی کوئی آیت یا چند آیات یا کوئی سورت نازل ہوتی تو حضور ہر آیت کے متعلق یہ وضاحت فرما دیتے کہ یہ آیت مبارکہ فلاں سورت کے شروع میں یا آخر میں فلاں مقام پر لکھی جائے' اس طرح جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہا' رسول اکرم ﷺ کی نگرانی میں آپ کی ہدایات کے مطابق تحریر کر کے جمع بھی کیا جاتا رہا' نیز روایت میں ہے کہ نزولِ وحی کے چوتھے روز کتابت قرآن مجید شروع ہو گئی تھی اور سب سے پہلے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو کتابت وحی کا شرف حاصل ہوا تھا' حضور نبی اکرم ﷺ نے وحی الٰہی قلم بند کروانے کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا' تقریباً بیالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کام پر مامور تھے' ان حضرات میں زیادہ تر مشہور نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن سعد' حضرت زبیر بن العوام' حضرت خالد بن سعید' حضرت عمرو بن العاص' حضرت حنظلہ بن ربیع' حضرت امیر معاویہ' (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کاتبانِ وحی کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر وقت پر ایک کاتب نہ ملے تو دوسرا کاتب اس خدمت کو سرانجام دے دے۔ حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تو یہاں تک حکم تھا کہ خواہ کوئی فرد رہے یا نہ رہے' وہ ضرور رہیں تاکہ اگر کاتبانِ وحی میں سے کوئی کاتب وقت پر نہ مل سکے تو کتابت وحی کے کام میں رکاوٹ واقع نہ ہو۔

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں! کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوتی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی ہے اور کتاب اللہ کی جو آیت نازل ہوتی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اونٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جا سکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس ضرور جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کس نے قرآن جمع کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ چار صحابہ کرام نے اور وہ سب انصار میں سے تھے' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ کرام نے قرآن مجید جمع کیا' حالانکہ حضرت ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبد اللہ بن سائب' حضرت عبد اللہ ابن عباس' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ (البتہ ان میں سے بعض نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قرآن مجید مکمل کیا) اور ابن داؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن صامت' حضرت معاذ' ابو حلیمہ' حضرت مجمع بن حارثہ' حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن مخلد وغیرہم کا ذکر کیا ہے (اور ان میں سے بھی بعض نے حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ کرام نے قرآن مجید کو جمع کیا' ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت

عمرو بن عاص' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی حدیث کی چند توجیہات یہ ہیں:

(۱) تمام وجوہ اور تمام قراءت کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

(۲) ان چار صحابہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے بلاواسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا' باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔

(۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے' اس لیے ان کا حال مخفی رہا' انہوں نے ریا اور عجب کے خدشے کی وجہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔

(۴) ان چار صحابہ کے قرآن جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔

(۵) ان چار صحابہ نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۔۵۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ) نوٹ: حضرت مسروق سے یہاں تک تفسیر "تبیان القرآن" ج اوّل ص ۱۰۲۔۱۰۰ کے مقدمہ سے ماخوذ ہے)

## (۲) عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں جمع و تدوین قرآن

حضور سید عالم نبی محترم رسول مکرم ﷺ کے دور میں قرآن مجید کو کتابی شکل میں ایک مصحف میں جمع نہیں کیا گیا تھا' بلکہ کاغذوں' ہڈی کے ٹکڑوں' کپڑوں کے ٹکڑوں' کھجور کے چھلکوں اور پتھر کی سلوں وغیرہ پر لکھا جاتا رہا' نیز زبانی حفظ کیا جاتا رہا کیونکہ نزولِ وحی کا عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں مسلسل جاری وساری رہتا تھا اور صبح وشام' دن رات غرضیکہ ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان قائم تھا' اس لیے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں مکمل قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن نہیں تھا۔

پھر حضور سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد شروع میں تدوین وجمع قرآن کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا کیونکہ صحابہ کرام میں ایک بہت بڑی تعداد حفاظ کرام کی موجود تھی' جن کے سینوں میں قرآن مجید زبانی محفوظ تھا' نیز تمام صحابہ کرام کے پاس جو کچھ موجود تھا' اس کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور اس کا بے حد احترام کرتے تھے' جس کی وجہ سے قرآن مجید کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا' جس کے نتیجے میں تدوین قرآن مجید کا کام ضروری ہو گیا اور وہ یہ کہ مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور بہت سے کمزور ایمان لوگ اس کے ساتھ مل گئے' جن کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کرام کے لشکر بھیجے اور یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی بہت بڑی خونریز جنگ ہوئی' جس میں خود مسیلمہ کذاب مارا گیا اور واصل جہنم ہوا اور اس کی جھوٹی نبوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا' لیکن ختم نبوت و رسالت کے فداکاروں کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا' کیونکہ اس جنگ یمامہ میں تقریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہو گئے تھے' جن میں سات سو کے قریب قرآن کے حفاظ وقراء شہید ہوئے تھے' جس کی وجہ سے قرآن مجید کو کتابی شکل میں ایک مصحف میں جمع کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلوایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے' حضرت ابوبکر

صدیق نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر یوں ہی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں' میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں' جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر کر دیا اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم عقل مند شخص ہو اور ہمیں تمہارے متعلق کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں ہے اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے' سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو' بہ خدا! اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ ایسا کام کیوں کر رہے ہو' جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت ابوبکر صدیق مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا' جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کا سینہ کھول دیا تھا' پس میں نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا' میں نے پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی شاخوں' پتھروں اور مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا' حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت ''لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ'' مجھے حضرت خزیمہ انصاری کے پاس ملی' پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رکھا گیا' پھر ان کی وفات کے بعد تا حیات حضرت عمر کے پاس رہا' پھر ان کے بعد حضرت ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ۱۳۸۱ھ) ابن اشعث نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت زید بن ثابت نے لکھا: لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیات کے لکھے جانے پر دو گواہ پیش نہ کرتے' حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے اور سورۂ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شہادت تھی' حضرت زید نے کہا کہ اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی اکیلی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا ہے' پھر اس آیت مبارکہ کو لکھ لیا گیا۔

(الاتقان ج ۱ ص ۵۸۔۵۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ) نوٹ: ماخوذ از تفسیر ''تبیان القرآن'' ج ۱ ص ۱۰۳۔۱۰۲)

## (۳) عہد عثمانی میں تدوین قرآن

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اوّلین مخاطب اہل عرب تھے' جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی' لیکن ان کے لہجوں میں' تلفظ الفاظ میں اور بعض اعراب و حرکات میں بیّن (واضح) تفاوت و اختلاف تھا' یہ صورت حال ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اُردو بولی جاتی ہے' وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ ابتداء میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انہیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قراءت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کیونکہ سب اہل زبان تھے' اس لیے ایسے تفاوت و اختلاف سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی' لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دوسرے ممالک بھی قلمرو اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے لفظ اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا' جو اس کو اس کے استاذ نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کو غلط قرار دینے لگ گئے اور فتنہ و فسا

کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آیا' جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو حیران و پریشان کر دیا' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جنگ آرمینیہ میں شریک تھے' عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے' ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا' جس سے باہمی نزاع (جھگڑا) پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کو غلط قرار دیا اور اسے محرف قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں سخت فکر دامن گیر ہوئی' چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ واپس آئے تو اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''**ادرك هذه الامة قبل ان تهلك**'' اس امت کی چارہ سازی کیجئے' اس سے پہلے کہ یہ امت ہلاک ہو جائے اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا: ''**انی اخشی علیهم ان یختلفوا فی کتابهم کما اختلف الیهود والنصاریٰ**'' یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔ قرآن کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا' محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب و لہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی' لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی' ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دِہ اور مضر تھا' چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغتِ قریش کے مطابق لکھیں' چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سدّ باب ہو گیا۔ امت اسلامیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے ہی آپ کو جامع آیات القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب و لہجہ کے تفاوت اور قراءتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تاکہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے' چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان اُمور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتا چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا' مثلاً قریش ''حَتّٰی'' (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ ''عَتّٰی'' کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف ''اَتَین'' کو مکسور پڑھا کرتے' جیسے ''تِعْلَمُوْنَ'' اور قریش کی لغت میں حروف ''اَتَین'' مفتوح ہیں جیسے ''تَعْلَمُوْنَ''۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف ''اتین'' کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ''ماء غیر اسن'' ہے لیکن بنی تمیم اسے ''مآء غیر یاسن'' پڑھتے۔ ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا' لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں' اس لیے اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا' چنانچہ وہی قرآن جو عرشِ عظیم کے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا' ایک صحیفہ میں مدون فرمایا' وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے' بغیر کسی معمولی تغیر کے اور بغیر کسی ادنیٰ ردّ و بدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۴-۱۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا' وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے' ہر سورت کی تمام آیات اس میں ترتیب سے جمع تھیں' لیکن تمام سورتیں متفرق (اور الگ الگ) تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ نے جو مصحف جمع کیا' وہ مرتب تھا' اس میں تمام سورتیں ترتیب دار جمع تھیں۔ حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا' اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ التلاوت تھیں یا جو غیر لغتِ قریش پر آیات تھیں یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی' اس کو جلانے کا حکم دیا تھا' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو (مٹانے) میں مبالغہ کرنے کے لیے کاغذات کو جلایا تھا۔ علامہ ابن بطال نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لکھا ہے' ان کو جلا دیا جائے لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی اور اب اگر قرآن مجید کے ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحابِ حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قابل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے' جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید (دور) ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۔ ۱۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے' ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے ان اوراق کو جلایا تھا' جس کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے' جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا' انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تا کہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے' کیونکہ اگر وہ واقعۃً قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نجاست سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت (یقینِ کامل) سے ثابت ہے' جب اس کے اوراق بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو دھونا متعین ہے یا نہیں' بلکہ چاہیے یہ کہ دھونے کے بعد اس کے غسالہ (دھوون) کو پی لیا جائے کیونکہ قرآن ہر بیماری کی دوا ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ) ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے جو بوسیدہ اوراق کو دھونے کا مسئلہ لکھا ہے' یہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہے' آج کل جب کہ پختہ سیاہی سے طباعت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے' البتہ ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کر دینا چاہیے جو لوگوں کے پیروں تلے نہ آتی ہو۔

## قرآن مجید کی سورتوں' آیتوں اور حروف کا بیان

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

اس پر سب کا اجماع (اتفاق) ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیرہ سورتیں ہیں' انہوں نے سورۃ الانفال اور سورۂ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی علامت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو ماقبل اور مابعد سے منقطع (الگ) ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے منقطع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا کہ آیاتِ مبارکہ کا علم توقیفی ہے' اس میں قیاس کی مجال نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ "الٓمّٓ" جس سورت میں بھی ہے' اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور "الٓمّٓصٓ" کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے' جب کہ "الٓرٰ" اور "الٓمّٓرٰ" کو ایک آیت شمار نہیں کیا۔ "حٰمٓ' یٰسٓ" اور "طٰہٰ" کو ایک آیت شمار کیا ہے اور "طٰسٓ" کو ایک آیت شمار نہیں کیا۔

آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آیت کی طرف پر وقف فرماتے

تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے' جس سے سننے والا یہ گمان کرتا کہ یہ ایک آیت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں۔

علامہ دانی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھ ہزار آیات ہیں' پھر اس کے بعد اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس سے زائد نہیں ہیں' بعض نے کہا: دو سو چار زائد ہیں' بعض نے کہا: چودہ زائد ہیں' بعض نے کہا: انیس زائد ہیں' بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔

(الاتقان ج ۱ ص ۶۷۔ ۶۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ) نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۷۔۱۰۶' نیز ۱۱۲۔۱۱۱)

## مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | قرآن مجید کے پارے | ۳۰ |
| ۲ | قرآن مجید کی سورتیں | ۱۱۴ |
| ۳ | قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق | ۶۶۱۶ |
| ۴ | امر | ۱۰۰۰ |
| ۵ | نہی | ۱۰۰۰ |
| ۶ | وعد | ۱۰۰۰ |
| ۷ | وعید | ۱۰۰۰ |
| ۸ | قصص واخبار | ۱۰۰۰ |
| ۹ | عبر وامثال | ۱۰۰۰ |
| ۱۰ | حرام وحلال | ۵۰۰ |
| ۱۱ | دعا | ۱۰۰ |
| ۱۲ | منسوخ الحکم آیات (باعتبار شہرت) | ۱۲ |

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۲)

## قرآن مجید اور اس کی تعلیم وتلاوت کے فضائل

(۱) قرآن مجید دائمی ہدایت کی کتاب ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کو چونکہ جسم اور روح سے مرکب پیدا کیا' اس لیے جہاں اس کی جسمانی اور فطری ضروریات پوری کرنے کے لیے مادی وسائل پیدا فرمائے' وہاں اس کی روحانی تعلیم وتربیت اور تزکیہ ورہنمائی کے انتظامات بھی فرمائے' چنانچہ انسان کی روحانی تعلیم وتربیت کے لیے ہر زمانے اور ہر علاقے میں انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور انہیں میں سے بعض کو براہِ راست اور بعض کو بالواسطہ کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں ہدایات کے مجموعے بھی عطا فرمائے' پھر چونکہ ابتداء میں انسان کی ضروریاتِ زندگی مختصر تھیں تو حقوق وفرائض بھی مختصر تھے اور ہدایات بھی مختصر تھیں' پھر جیسے جیسے انسانی زندگی کی ضروریات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا تو زندگی کے پہلو بھی بڑھتے چلے گئے اور اسی کے مطابق ہدایات کا مجموعہ بھی ضخیم ہوتا چلا گیا' ایک کے بعد آنے والی ہر دوسری کتاب پہلی سے زیادہ ہدایات پر مشتمل ہوتی تھی اور اسی طرح ایک کے بعد آنے والا ہر دوسرا نبی پہلے سے زیادہ اخلاقِ حسنہ کا معلم ہوتا تھا' اسی طرح

اخلاقِ حسنہ کی تعلیم اور ہدایت اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پایہ تکمیل تک جا پہنچیں' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں لکھ دیں' جو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمائی' اس طرح نبوت کا مقصد پورا ہو گیا اور ہدایت کا عمل مکمل ہو گیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ'' (البقرہ:۱۸۵) ''ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے اور (اس میں) ہدایت کی اور حق و باطل میں فرق کرنے کی روشن دلیلیں ہیں''۔

(۲) قرآن مجید سب سے زیادہ سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ'' (بنی اسرائیل:۹) ''بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور بڑا مضبوط و مستحکم ہے''۔

(۳) قرآن مجید موعظت و شفاء اور ہدایت و رحمت ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ O'' (یونس:۵۷) ''اے لوگو! بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت آ گئی ہے''۔

(۴) قرآن مجید بے مثل معجزہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا اور فرمایا کہ ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا O'' (بنی اسرائیل:۸۸) ''(اے محبوب!) فرما دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثال لانے پر جمع ہو جائیں تو اس کی مثال نہیں لا سکیں گے اور اگر چہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں''۔ پھر جب تمام جن و انس مل کر بھی قرآن مجید جیسی کوئی کتاب بنا کر نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے چیلنج میں تخفیف کر دی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پورے قرآن مجید کی مثل تو نہیں لائی جا سکتی لیکن چند سورتیں پیش کی جا سکتی ہیں' چنانچہ اس خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O'' (ھود:۱۳) ''کیا کفارِ مکہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اسے خود گھڑ لیا ہے (اے محبوب!) تم فرما دو کہ تم اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تم جن کو بلا سکتے ہو بلا لو' اگر تم سچے ہو''، پھر جب کفارِ عرب دس سورتیں بھی قرآن مجید جیسی نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے چیلنج میں مزید کمی کر دی اور ارشاد فرمایا:

''وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O'' (البقرہ:۲۳) ''اور اگر تمہیں اس (کتاب) میں شک ہے جو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر نازل کی ہے تو تم اس جیسی ایک سورت لا کر پیش کرو اور تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتوں کو بلا لو' اگر تم سچے ہو''۔ پھر جب کفارِ عرب قرآن مجید کی ایک سورت جیسی سورت بنا کر نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ایک مکمل سورت نہیں بنا سکتے تو ایک جملہ اس جیسا بنا کر لائیں' مگر وہ یہ بھی نہ کر سکے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ O'' (الطور:۳۴) ''سو وہ اس جیسی ایک بات بنا کر لے آئیں' اگر وہ سچے ہیں''۔

(۵) قرآن مجید شک و شبہ سے بالاتر کتابِ ہدایت ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O'' (البقرہ:۲) ''یہ وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں' پرہیزگاری اختیار کرنے والوں

کے لیے سراسر ہدایت ہے''۔

(۶) قرآن مجید باطل کی آمیزش سے پاک کتاب ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌO لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍO'' (حٰم السجدہ: ۴۲) ''اور بے شک البتہ یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے' جس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے آ سکتا ہے (یہ) بڑی حکمتوں والے (اور) بہت خوبیوں والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے''۔

(۷) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ'' ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے (بخاری نے اس کو روایت کیا)۔

(۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے گھر سے) باہر تشریف لا کر مسجد نبوی میں تشریف لائے' جبکہ ہم مسجد کے متصل صفہ میں موجود تھے' سو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ روزانہ صبح بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہ کسی قسم کے گناہ اور قرابت داروں سے قطع تعلق کیے بغیر دو توانا اور موٹی اونٹنیاں لے کر آئے' ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم تو سب لوگ یہی چاہتے ہیں' تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ وہ صبح سویرے مسجد میں جائے اور کتاب الٰہی (قرآن مجید) میں سے دو آیتیں تلاوت کرے اور اس کی تعلیم حاصل کرے تو یہ اس کے لیے دو فربہ اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات تین اونٹنیوں سے اس کے لیے بہتر ہیں اور چار آیات سیکھنا چار اونٹنیوں سے اس کے لیے بہتر ہے اور یہ اونٹوں کی تمام تعداد سے بہتر ہیں۔ (رواہ مسلم) مطلب یہ کہ دو قرآنی آیات کی تعلیم و تلاوت اونٹوں کی کثیر تعداد سے بہتر ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت دنیا میں اور آخرت میں دونوں میں عظیم ترین نفع کا باعث ہے' بخلاف اونٹوں کے' خلاصہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باقی رہنے والے منافع کی ترغیب دی اور فانی ہو جانے والی دولت کے لالچ سے روکا اور یہ بہ طور مثال سمجھایا' ورنہ قرآن مجید کی ایک آیت کی قدر و منزلت اور اس کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تمام دنیا حقیر و قلیل ہے۔

(۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو' وہ (آخرت میں) معزز و محترم اور نیکوکار انبیائے کرام اور فرشتوں کی رفاقت میں ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو دشواری کے ساتھ اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہے' اسے دوگنا اجر و ثواب ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف دو آدمیوں پر رشک (ان جیسا ہونے کی آرزو) کرنا جائز ہے' ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دولت سے مالا مال فرمایا' پس وہ آدمی دن اور رات کے اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت و تعلیم میں مشغول و مصروف رہتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال عطا کیا' پس وہ آدمی دن اور رات کے اوقات میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۱۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ'' ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے بہت سی قوموں کو سربلند فرمائے گا اور اس کتاب کے سبب کئی دوسری قوموں کو پست و ذلیل کرے گا۔ (رواہ مسلم)

(۱۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا' آپ فرماتے ہیں کہ' اِقْرَءُ وا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ '' (رواہ مسلم) (اے مسلمانو!) قرآن مجید کو پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی یقیناً شفاعت کرے گا۔

(۱۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ '' (رواہ الترمذی والدارمی) بے شک جس شخص کے دل میں قرآن کریم میں سے کچھ نہیں' وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

(۱۴) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید کے حفظ نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول ومصروف رکھا تو میں سوال کرنے والوں کو عطا کرنے سے زیادہ اسے عطا کروں گا۔'' وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰی سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ '' (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی) اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت و بزرگی باقی تمام کلاموں پر اس طرح ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی فضیلت و برتری اس کی تمام مخلوق پر ہے۔

(۱۵) حارث بن عبداللہ اعور نے کہا کہ میں مسجد میں گیا تو اچانک دیکھا کہ لوگ باتوں میں مشغول ہیں' سو میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا یقیناً لوگوں نے یہ مشغلہ شروع کر دیا ہے' میں نے عرض کیا: جی ہاں' حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا: لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں: خبردار! عنقریب فتنے برپا ہوں گے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان فتنوں سے نکلنے اور بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے' جس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد آنے والے حالات کی پیشین گوئیاں ہیں اور تمہارے درمیان وقوع پذیر ہونے والے حوادثات کے لیے حکم ہے اور یہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے' کوئی مخول نہیں' جس متکبر نے اس کو چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو طلب کیا' اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط و مستحکم رسی ہے اور یہ حکمت سے بھرپور نصیحت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے' یہ وہ کتاب ہے' جس کو خواہشات کے پرستار تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ لوگوں کی زبانیں اس کے مشابہ اپنا کلام اس میں شامل کر سکتی ہیں اور نہ علماء اس سے کبھی سیر ہوں گے اور بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی اور اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے' جب جنوں نے اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا' یہاں تک کہ انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا' جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور جس نے اس کے مطابق کہا' اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا' اس کو اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا' اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا' اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا کی گئی۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

(۱۶) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تو قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں ترقی پاتا جا اور جس طرح تو دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھا کرتا تھا' اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا جا' سو بے شک جہاں تو آخری آیت کریمہ جا کر پڑھے گا' وہی تیرا ٹھکانا ہوگا۔ (رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد والنسائی)

(۱۷) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) سے ایک حرف پڑھا' اس کے لیے ایک نیکی ہے اور اس ایک نیکی کا اجر وثواب دس گنا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے' الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

(۱۸) حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک ایسا نورانی تاج پہنایا جائے گا' جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ حسین وجمیل ہوگی' جبکہ سورج تمہارے گھروں میں اتر آئے' سو تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے' جس نے اس پر عمل کیا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

(۱۹) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا ''اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ وَشَفَّعَہٗ فِیْ عَشَرَۃٍ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ کُلُّھُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَہُ النَّارُ'' تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا' جن میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

(۲۰) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے' جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے' جب اسے پانی لگ جائے' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ان کی صفائی کس طرح ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ'' کثرت سے موت کو یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

نوٹ: مذکورہ بالا تمام احادیث مبارکہ ۱ تا ۲۰ مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۹۔ ۱۸۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی سے منتخب کی گئی ہیں۔

## تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت' سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو' نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم وفراست حاصل کرو اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) قاضی ابو محمد عبدالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں' جو شرع میں مطلوب ہیں۔

(۳) قاضی ابو العالیہ نے ''وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا'' کی تفسیر میں کہا کہ حکمت سے مراد قرآن کی فہم (وفراست اور سمجھ بوجھ) ہے اور حضرت قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد قرآن میں تفقہ (احکامِ قرآن کی معرفت میں مہارت حاصل) کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا: حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

(۴) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کی تعریف کی' ان سے

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں' آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے: ''اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ''۔

(۵) حضرت شعبی نے کہا: حضرت مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ کا سفر کیا' وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہے' وہ ملک شام چلا گیا ہے' پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

(۶) ایاس بن معاویہ نے کہا: جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے' وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں' ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے' جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کو پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا' وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے (یعنی وہ اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا جاتا ہے)۔

(۸) حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے' جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

(۹) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ (ماہر عالم دین) نہیں ہو سکتا' جب تک اس کو قرآن کی وجوہِ کثیرہ کا علم نہ ہو۔

(۱۰) حضرت حسن بصری نے فرمایا: غیر عربی ہلاک ہو گئے' ان میں سے ایک شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہے' پھر وہ اللہ تعالٰی پر افتراء باندھتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنی مجلس میں پہلے قرآن مجید پڑھتے' پھر اس کی تفسیر بیان کرتے' پھر حدیث بیان کرتے۔

(۱۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہر چیز کا علم قرآن میں ہے' لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۵۔۱۲۶)

## رموزِ اوقافِ قرآن مجید

ہر ایک زبان کے اہلِ زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں' کہیں نہیں ٹھہرتے' کہیں کم ٹھہرتے ہیں' کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے اہلِ علم نے اس کے ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں' جن کو رموزِ اوقافِ قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں:

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے' وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں' یہ حقیقت میں گول ت ہے' جو بہ صورت ۃ لکھی جاتی ہے' اور یہ وقفِ تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی' البتہ چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے' اس کو آیت کہتے ہیں۔

یہ علامت وقفِ لازم کی ہے' اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے' اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی

مثال اُردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ اٹھو' مت بیٹھو۔ جس میں اٹھنے کا حکم اور بیٹھنے کی ممانعت ہے' اس لیے اٹھو' پر ٹھہرنا لازم ہے' اگر نہ ٹھہرا جائے تو اٹھو مت بیٹھو ہو جائے گا' جس میں اٹھنے کی ممانعت اور بیٹھنے کا حکم ہو جائے گا اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے' مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے' جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج یہ وقفِ جائز کی علامت ہے' یہاں ٹھہرنا بہتر ہے اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز یہ وقف مجوز کی علامت ہے' یہاں ٹھہرنے کی اجازت ہے' مگر نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص یہ علامت وقفِ مرخص کی ہے' یہاں ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے یہ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے' یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق یہ قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے' یہ چونکہ وقف کا قول ضعیف ہے' اس لیے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

صل یہ قد یوصل کی علامت ہے یعنی یہاں کبھی ٹھہرا جاتا ہے اور کبھی نہیں' لیکن یہاں ٹھہرنا اور وقف کرنا بہتر ہے۔

قف یہ لفظ قف ہے' جس کے معنی ہیں: ٹھہر جاؤ' اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے' جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س یا سکتہ یہ سکتہ کی علامت ہے' یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے' مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے' یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے' لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے اور وقفہ میں زیادہ۔

لا اس کے معنی ''نہیں'' کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ اگر عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے اور اگر آیت کے اوپر ہو تو اس میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے' لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے' اس سے مطلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا' وقف اسی جگہ نہیں چاہیے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ۃ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفیوں کے نزدیک آیت ہے' وقف کرے تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

∴ ∴ یہ تین نقاط والے دو دو وقف قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو معانقہ کہتے ہیں' کبھی اس کو مختصر کر کے مع لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے' دوسرے پر نہیں۔ ہاں! وقف کرنے میں رموز کی قوت وضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

خادم العلماء
حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سورۂ فاتحہ

یہ سورت مکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی ہے کیونکہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب نماز فرض کی گئی تھی' پھر دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ معظمہ کو قبلہ بنایا گیا تھا اور اس سورت کا نام "اُمُّ الْقُرْاٰن" بھی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سیدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے "اُمُّ الْقُرْاٰن" کو نہیں پڑھا اور "اُمُّ الْقُرْاٰن" نام رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مبارکہ ان تمام معانی کی جامع ہے جو پورے قرآن مجید میں موجود ہیں اور اسی بناء پر اس سورت کا نام "وافیہ" اور "کافیہ" بھی ہے اور اس سورت کا نام "سورۃ الکنز" بھی ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ عَرْشِيْ" یعنی فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے' نیز اس سورت کا نام "سورۃ الشفا" اور "سورۃ شافیہ" بھی ہے کیونکہ حضور رحمت عالمیاں ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّام". یعنی "سورت فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے سوائے موت کے" نیز اس کا نام "سورۃ مثانی" بھی ہے کیونکہ یہ سورتِ مبارکہ نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے یعنی بار بار پڑھی جاتی ہے' نیز یہ کہ یہ سورت نماز میں واجب یا فرض ہے اور اس کا نام "سورۃ الحمد" اور "سورۃ الاساس" بھی ہے کیونکہ یہ سورت مبارکہ قرآن مجید کی بنیاد ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب تم بیمار ہو جاؤ یا تمہیں کوئی اور شکایت ہو تو تم اپنے اوپر "سورۃ الاساس" کا دم لازم کر لو اور سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت کی سات آیات ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| آیاتہا ۷ رکوعہا ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | (۱) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (۵) |

المنزل ۱

سورۂ فاتحہ مکی ہے          اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○          اس کی سات آیات' ایک رکوع ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ ع

ع ۱

تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ثابت ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○ بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ روزِ جزاء کا مالک ہے ○ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ○ تو ہمیں سیدھے راستے پر

چلا○ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا○

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ [مدینہ منورہ بصرہ اور شام کے قراء نے یہاں وقف کیا ہے] محض اس بناء پر کہ بسم اللہ شریف نہ سورت فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا جز ہے بلکہ اسے سورتوں کے شروع میں صرف ایک دوسرے سے جدا کرنے اور تبرک حاصل کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے اس لیے ان کے نزدیک نماز میں بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا جب کہ مکہ مکرمہ اور کوفہ کے قراء کا موقف یہ ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ اور دوسری تمام سورتوں کی ایک مستقل آیت ہے (سوائے سورت توبہ کے) امام شافعی اور آپ کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی موقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اسلاف نے بسم اللہ کو قرآن مجید میں ثابت رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید کو ہر اس چیز سے خالی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے نیز حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے بسم اللہ کو ترک کر دیا اس نے گویا کتاب اللہ کی ایک سو چودہ آیات کو ترک کر دیا' ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے' حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے سورت فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا' چنانچہ جب میرا بندہ کہتا ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ'' یعنی میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ کہتا ہے: ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثناء بیان کی' اور جب بندہ کہتا ہے: ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت و بزرگی بیان کی' اور جب بندہ کہتا ہے: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے' میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں عطا کروں گا' پھر جب بندہ کہتا ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہی پائے گا' پس اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ''الحمد لله'' سے ابتداء فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ کا حصہ نہیں ہے اور جب سورت فاتحہ کا حصہ نہیں تو بالاتفاق کسی بھی سورت کا حصہ نہیں ہے اور یہ صحاح المصابیح (نیز مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) میں مذکور ہے' باقی جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ بسم اللہ شریف قرآن مجید کی ایک آیت ہے اور ہمارے نزدیک سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کے لیے نازل کی گئی ہے' علامہ فخر الاسلام نے اس کو اپنی کتاب ''مبسوط'' میں ذکر کیا ہے اور ہم پر اعتراض تو تب وارد ہوتا جب ہم بسم اللہ کو قرآن کریم کی آیت قرار نہ دیتے اور اس کی پوری تقریر ''الکافی'' میں موجود ہے۔ [بسم اللہ کی ''با'' فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے] اصل عبارت یوں ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَقْرَءُ اَوْ اَتْلُوْ''. (اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں یا تلاوت کرتا ہوں) کیونکہ بسم اللہ کی تلاوت بھی قراءت ہی ہے جس طرح مسافر جب قیام کرتا ہے اور کوچ کرتا ہے تو کہتا ہے ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَكَاتِ'' تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے نام سے قیام کرتا ہوں اور اللہ ہی کے نام سے کوچ کرتا ہوں اور اسی طرح ذبح کرنے والا اور ہر فاعل اپنے فعل میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہے اور بسم اللہ سے ابتداء کرتے وقت فعل کو مخفی رکھتا ہے باقی فعلِ محذوف کو مؤخر اس لیے مقدر مانا گیا ہے کہ فعل اور اس کے متعلق میں اہم ترین اس کا متعلق ہوتا ہے اور کفار اپنے بتوں کے نام سے ابتداء کرتے تھے' چنانچہ وہ کہا کرتے تھے: ''بِسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى'' (لات اور عزیٰ کے نام سے شروع) لہٰذا مسلمانوں کا دینی و ملی فریضہ

ہے کہ اپنے ہر کام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کے نام کو مختص کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب فعل کے متعلق کو مقدم مانا جائے اور فعل کو مؤخر مانا جائے' تا کہ حصر واختصاص کا معنی حاصل ہوجائے' باقی رہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" (العلق:۱) میں فعل کا اپنے متعلق سے مقدم ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی جس میں قراءت کا حکم زیادہ اہم تھا اس لیے یہاں فعل کو مقدم کرنا ہی زیادہ موزوں اور مناسب تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ "اِقْرَاْ" کو "بِاسْمِ رَبِّكَ" کی طرف متعدی نہ کیا جائے بلکہ "اِفْعَلِ الْقِرَاءَةَ وَحَقِّقْهَا" کے معنی پر محمول کیا جائے (قراءت کیجئے اور اس پر قائم رہیے) جیسے اہل عرب کہتے ہیں: "فُلَانٌ يُعْطِي وَيَمْنَعُ" (فلان آدمی عطا کرتا ہے اور روکتا ہے) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "بِاسْمِ رَبِّكَ" اپنے بعد والے "اِقْرَاْ" کا مفعول بہ ہو اور قراءت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ" (المومنون:۲۰) میں "دھن" کا تعلق ("تنبت" کے مصدر) "اِنْبَات" کے ساتھ ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے قراءت کرتا ہوں اور دراصل اس میں بندگانِ خدا کو تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام سے کس طرح برکت حاصل کریں اور کس طرح اس کی تعظیم وتوقیر بجالائیں [اور بسم اللہ میں "با" کو مبنی بر کسرہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرفیت اور جر (زیر) کے معنی کو مستلزم ہے' اس لیے اس کو کسرہ دیا گیا ہے تا کہ اس کی حرکت اس کے عمل کے مطابق ہوجائے اور "بسم اللہ" میں لفظ اسم ان اسماء میں سے ہے جن کا پہلا حرف مبنی بر سکون ہوتا ہے جیسے "اِبْنٌ" اور "اِبْنَةٌ" اور ان کے علاوہ دوسرے اسماء' چنانچہ جب اہل عرب ان اسماء کے ساتھ بولنے کا آغاز کرتے ہیں تو شروع میں ہمزہ کا اضافہ کردیتے ہیں تا کہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے جو ناممکن ہے اور جب یہ کلام کے درمیان میں آجاتا ہے تو کسی چیز کے اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی' چنانچہ بعض اہل عرب اس میں اضافہ نہیں کرتے اور ساکن کو حرکت دے کر اس سے بے نیاز ہوجاتے ہیں اور اسے "سِمٌ" پڑھتے ہیں' دراصل "سِمٌ" اور "اِسْمٌ" ان اسماء میں سے ہیں جن کے آخری حرف کو گرادیا جاتا ہے جیسے "يَدٌ" اور "دَمٌ" ہیں اور اسم کی اصل "سِمْوٌ" ہے اور اسی سے مشتق ہے۔ اس کی دلیل اس سے نکلنے والے کلمے ہیں جیسے "اَسْمَاءٌ' سَمِيٌّ' سُمَيَّتٌ" ہیں] اور اسم کا معنی بلندی ہے کیونکہ اسم اپنے مسمّٰی کی ذات اور اس کے ذکر کو بلند کردیتا ہے اور بسم اللہ میں اسم کے الف کو ساقط کردیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" میں الف کو ثابت رکھا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے الف کو فقط لفظ سے ساقط کردیا گیا ہے اور اس کے حذف ہوجانے کے عوض میں "بـــا" کو دراز کرکے لکھا جاتا ہے' چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: بسم اللہ کی با کو دراز کرکے لکھو اور "سین اور میم" کو خوب واضح کرکے لکھو۔ ﴿اللّٰہ﴾ لفظ اللہ کی اصل "اِلٰهٌ" ہے جیسے "اَلنَّاسُ" کی اصل "اُنَاسٌ" ہے' [پھر ہمزہ کو حذف کرکے اس کے عوض میں الف لام تعریف کا شروع میں داخل کردیا گیا (اور لام تعریف کو الہ کے لام میں مدغم کردیا گیا)] اور "اِلـــٰهٌ" اسم جنس ہے جو ہر معبود پر بولا جاتا ہے خواہ وہ برحق معبود ہو خواہ باطل ہو' پھر معبودِ برحق کے ساتھ خاص کردیا گیا جیسا کہ "النـــجم" ہر ستارہ کو کہا جاتا تھا' پھر صرف ثریا ستارے کے ساتھ مخصوص ہوگیا لیکن لفظ اللہ ہمزہ حذف ہوجانے کے بعد صرف برحق معبود کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے' اب کسی دوسرے معبود پر نہیں بولا جاتا [اور یہ اسم علم ہے اسم صفت نہیں کیونکہ اس کی صفت لائی جاتی ہے مگر اس کو کسی اسم کی صفت نہیں بنایا جاتا' چنانچہ جس طرح "شَيْئٌ رَجُلٌ" نہیں کہہ سکتے' اسی طرح "شَيْئٌ اِلـٰهٌ" نہیں کہا جاسکتا البتہ "اَللّٰهُ وَاحِدٌ صَمَدٌ" کہہ سکتے ہیں' لفظ اللہ کے اسمِ علم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے موصوف کا ہونا ضروری اور لازمی ہے جس پر ان صفات کو محمول کیا جاسکے لیکن اگر تمام اسماء کو صفات قرار دیا جائے تو صفات بغیر موصوف کے باقی رہ جائیں گی اور

یہ جائز نہیں' بہرحال خلیل' زجاج' محمد بن حسن اور حسین بن فضل کے نزدیک یہ اسم ذات کسی سے مشتق نہیں ہے] ایک قول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اشتقاق کا معنی ہے: دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو ایک معنی میں مشترک قرار دینا اور چونکہ اہل عرب کے ہاں ''اِلٰہٌ'' کا معنی ''تَحَیُّرٌ'' بھی ہے (یعنی حیران ہونا) تو اب اللہ اور الٰہ تحیر و دہشت کے معنی میں مشترک ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اوہام و عقول معبودِ برحق یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران و پریشان ہیں' اس لیے گمراہی زیادہ ہے اور ہر طرف باطل پھیل چکا ہے جب کہ صحیح نظر و فکر بہت کم ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ کا لفظ ''اَلِہَ یَاْ لَہُ اِلٰھًا'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: عبادت کرنا اور یہ ''اِلٰہ'' مصدر ہے اور ''مَاْلُوْہٌ'' کے معنی میں ہے یعنی معبود' جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ'' (لقمان:۱۱) میں خلق بہ معنی مخلوق ہے (جس کا ترجمہ ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے)۔[اللہ کے لام کو اس وقت پُر پڑھا جائے گا جب اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ (زبر یا پیش) ہوگا اور جب اس سے پہلے کسرہ (زیر) ہوگی تو اسے باریک پڑھا جائے گا جب کہ بعض اہل عرب اسے ہر حال میں باریک پڑھتے ہیں اور بعض ہر حال میں پُر پڑھتے ہیں لیکن جمہور اہل عرب پہلی صورت کو درست قرار دیتے ہیں] ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ یہ ''فَعْلَانُ'' کے وزن پر ہے اور ''رِحْمٌ'' سے مشتق ہے] یہ وہ ذات ہے جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو جیسے ''غَضْبَان'' ''غَضَبٌ'' سے بنا ہے اور یہ وہ شخص ہوگا جو غصے سے بھرا ہوا ہو اور اسی طرح ﴿اَلرَّحِیْمُ﴾ ہے کیونکہ ''رَحِیْمٌ'' ''فَعِیْلٌ'' کے وزن پر ہے اور ''رِحْمٌ'' سے بنا ہے جیسا کہ ''مَرِیْضٌ'' ''مَرَضٌ'' سے بنا ہے] اور رحیم کے مقابلے میں رحمان میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ رحیم میں ایک چیز زیادہ ہے جب کہ رحمٰن میں دو چیزیں زیادہ ہیں اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' اس لیے دعا میں منقول ہے: ''یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا'' کیونکہ یہ دنیا میں کافر و مسلم سب کو شامل ہے اور ''یَا رَحِیْمَ الْاٰخِرَۃِ'' کیونکہ یہ صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ رحمٰن نام کے اعتبار سے خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی صفت نہیں بنتا اور معنی کے اعتبار سے عام ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے جب کہ رحیم اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر رحم کرنے والے پر بولا جاتا ہے' البتہ معنوی لحاظ سے صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے' یہی وجہ ہے کہ رحمٰن رحیم سے مقدم ہے اگرچہ رحیم زیادہ بلیغ ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جائے جیسے کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ عَالِمٌ ذُوْ فُنُوْنٍ نِحْرِیْرٌ'' (یعنی فلاں آدمی عالم ہے اور بہت سے فنون میں ماہر ہے) نیز رحمٰن اسمِ علم کی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کسی کی صفت نہیں بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مطلب ہے: اس کا اپنے بندوں پر انعام و احسان فرمانا' دراصل اس کا معنی ہے: شفقت و نرمی کرنا' باقی رہا مسیلمہ کذاب کے حق میں کسی شاعر کا یہ قول کہ ''وَاَنْتَ غَیْثُ الْوَرٰی لَازِلْتَ رَحْمَانًا'' (یعنی تو مخلوق کے لیے بارانِ رحمت ہے تو ہمیشہ سے رحمٰن ہے) تو یہ اپنے کفر میں عذاب کا اضافہ کرنے کے باب سے ہے۔[اور جنہوں نے غیر منصرف کے لیے یہ شرط بیان کی کہ اس کی مونث ''فَعْلَانَۃٌ'' کے وزن پر نہ ہو تو ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث ''فَعْلَانَۃٌ'' کے وزن پر نہیں آتی اور جن کے نزدیک غیر منصرف ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی مونث ''فَعْلٰی'' کے وزن پر آئے تو ان کے نزدیک رحمٰن منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث ''فَعْلٰی'' کے وزن پر نہیں آتی لیکن پہلی وجہ درست ہے]۔

۱-﴿اَلْحَمْدُ﴾ کسی کی فضیلت و عظمت کی وجہ سے اس کی خوبیاں بیان کرنا حمد کہلاتا ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی اصل تو نصب ہے اور اس کو فعل مقدر کے ساتھ پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ ان مصادر منصوبہ میں سے ہے جن کے افعال مقدر ہوتے ہیں اور یہ خبر کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے ''شُکْرًا وَّکُفْرًا'' ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (جملہ اسمیہ ہو جانے کی بناء پر حدوث کی بجائے) ثبوت و دوام کے معنی پر دلالت کرے اور اس کی خبر ﴿ لِلّٰهِ ﴾ ہے اور یہ جار مجرور محذوف عامل کے متعلق ہے یعنی ''وَاجِبٌ'' یا ''ثَابِتٌ'' ] (جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر طرح کی خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے واجب و ثابت ہیں) اور ایک قول یہ ہے کہ حمد و مدح مترادف ہیں اور دونوں کا معنی ہے: کسی کی خوبی پر اس کی تعریف کرنا خواہ کسی نعمت کے عوض میں ہو خواہ بغیر نعمت کے ہو جیسے کہو کہ میں نے فلاں آدمی کی اس کے احسان کرنے پر تعریف کی ہے (یا) میں نے اس کی خداداد (شجاعت) و بہادری اور خاندانی شرافت پر تعریف کی ہے لیکن شکر صرف احسان کرنے پر تعریف کرنا ہے اور یہ عام ہے' دل سے کرے' زبان سے کرے یا جسمانی اعضاء سے کرے' چنانچہ کسی شاعر نے کہا: ''میری تین چیزیں تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہیں: میرے ہاتھ' میری زبان اور میرا مخفی ضمیر یعنی دل'' اور صرف زبان سے تعریف کرنا شکر کا ایک حصہ ہے اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ حمد شکر کی بنیاد ہے' لہٰذا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بھی نہیں کی۔ اس حدیث میں حمد کو شکر کی بنیاد قرار دیا گیا ہے' اس لیے زبان سے کسی نعمت کا ذکر کرنا دل اور اعضاء سے زیادہ واضح اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ دل کا عمل مخفی ہوتا ہے جب کہ اعضاء کے عمل میں کئی احتمال پیدا ہو سکتے ہیں اور حمد کی نقیض اور ضد ذم (برائی) ہے اور شکر کی نقیض کفران (ناشکری) ہے' ایک قول یہ ہے کہ کسی کے ذاتی اوصاف کمالیہ پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا باقی' قادر' عالم' ابدی اور ازلی ہونا اور کسی کے احسان کرنے پر اس کی تعریف کرنا شکر ہے اور حمد ان دونوں کو شامل ہوتی ہے' نیز ہمارے نزدیک ''اَلْحَمْدُ'' میں الف لام استغراقی ہے (یعنی تمام قسم کی خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) اس لیے حمد کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ مقرون و متصل بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے' البتہ فرقہ معتزلہ اس کے خلاف ہے اور اس فرقہ سے اختلاف خلقِ افعال کے مسئلہ کی وجہ سے ہے' جس کی تحقیق ہم نے کئی مقامات پر بیان کی ہے ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ رب کا معنی ہے: مالک' چنانچہ ابوسفیان کے حق میں صفوان کا کلام اسی معنی میں ہے اور وہ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی آدمی میری پرورش کرے اس سے تو بہتر ہے کہ قریش کا کوئی مرد میری پرورش کرے اور یہ ''رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا فَھُوَ رَبٌّ'' (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے اسم فاعل) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بہ طور مبالغہ مصدر صفت ہو جیسا کہ عدل کے ساتھ وصف بیان کیا جاتا ہے اور مطلق رب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے' البتہ اضافت کے ساتھ بندوں کے حق میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ. (یوسف:۲۳) — بے شک وہ میرا آقا ہے جس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے۔

قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ. (یوسف:۵۰) — فرمایا: تو اپنے بادشاہ کے پاس پلٹ جا۔

نیز علامہ واسطی نے کہا ہے: رب ابتداء کے اعتبار سے ''خالق'' ہے' غذا کے اعتبار سے ''مربی'' ہے اور انتہا کے اعتبار سے ''غافر'' (بخشنے والا) ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس کے خالق کو جانا اور پہچانا جائے ''عالَم'' کہلاتا ہے خواہ اس کا تعلق جواہر سے ہو خواہ اعراض سے ہو' نیز اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات کو ''عالَم'' کہا جاتا ہے کیونکہ ہر موجود اپنے خالق و مالک کے وجود کی علامت و دلیل ہے [ اور اس کو واؤ اور نون کے ساتھ جمع لایا گیا ہے (جمع مذکر سالم کی رفعی حالت واؤ اور نون کے ساتھ ''عالمون'' آتی ہے) باوجودیکہ یہ صرف عقلاء کی صفات کے ساتھ مخصوص ہے یا جو اس کے حکم میں ہے جیسے ''اعلام'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں وصفیت کا معنی پایا جاتا ہے جو علم کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔]

۲۔﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ان دونوں کا ذکر گزر چکا ہے اور (ان دونوں کا دوبارہ ذکر) اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ کا جز اور حصہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر یہ فاتحہ کا جز ہوتی تو رحمٰن و رحیم کا اعادہ نہ ہوتا کیونکہ یہ اعادہ بلا فائدہ ہوتا۔

۳۔﴿ مٰلِكِ ﴾ [امام عاصم' یعقوب' کسائی' خلف اور علی کسائی کی قراءت ''مَالِكِ'' ہے اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے ''مَلِكِ'' پڑھا ہے] اور بعض کے نزدیک یہی مختار ہے کیونکہ یہ اضافت سے بے نیاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہے یعنی ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' (الغافر:١٦) ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' نیز اس لیے کہ ہر بادشاہ مالک ہوتا ہے لیکن ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اور اس لیے بھی کہ بادشاہ کا حکم مالک و مملوک اور تمام رعایا پر نافذ و جاری ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ ہے کہ ''مَالِكِ'' پڑھنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اس کے حروف زیادہ ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''مَـٰلِكِ'' پڑھا ہے ﴿ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ روزِ جزاء' چنانچہ کہا جاتا ہے: جیسا کرو گے ویسی جزاء پاؤ گے [اور یہاں ''مالك'' کی اضافت ''یوم'' کی طرف یہ اسم فاعل کی اضافت ظرف کی طرف ہے وسعت کے طور پر] جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے ''یَا سَارِقَ اللَّيْلَةِ اَهْلَ الدَّارِ'' یعنی ''اے رات کے وقت چوری کرنے والے' گھر کے مالک سے ہوشیار رہ'' بہر حال قیامت کے دن ہر حکم کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور قیامت کے دن کے ساتھ مالک کی تخصیص بھی اس لیے کی گئی ہے کہ اس دن صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حکم چلے گا [اور مالک کی اضافت اسم معرفہ کی طرف جائز قرار دی گئی ہے اگرچہ اسم فاعل کی اضافت حقیقی نہیں ہوتی کیونکہ اس سے دوام و استمرار کا قصد کیا گیا ہے اس لیے یہ اضافت حقیقی بن گئی ہے' لہٰذا معرفہ کی صفت بنانا جائز ہے۔] ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' میں حمد کی تمام اقسام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے کے بعد ان اوصاف کا اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرنا کہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ رحمٰن و رحیم یعنی تمام نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور جزاء و سزا کے دن کا مالک ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذات پاک میں یہ تمام صفات موجود ہیں وہی حمد و ثناء کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

٤۔﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ [سیبویہ اور خلیل کے نزدیک ''اِیَّا'' اسم ضمیر ہے' البتہ سیبویہ کے نزدیک ''اِیَّا'' کے آخر میں حرفِ کاف خطاب کا ہے اور اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں اور خلیل کے نزدیک وہ بھی اسم ضمیر ہے اور ''اِیَّا'' کو اس کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اسم مُظہر کے مشابہ ہے اور فعل اور فاعل سے مقدم ہے' کوفیوں نے کہا کہ ''اِیَّاكَ'' مکمل اسم ضمیر ہے اور مفعول کی تقدیم صرف اختصاص کے ارادہ سے کی گئی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم عبادت کو صرف تیرے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور یہ انتہائی تواضع اور انکساری ہے اور ہم استعانت کو صرف تیرے ساتھ مخصوص کرتے ہیں[1] اور یہاں غیبت سے خطاب کی طرف عدول صرف التفات اور توجہ پیدا کرنے اور معبودِ برحق کے مشاہدہ کے لیے ہے اور کبھی غیبت سے خطاب کی طرف اور کبھی خطاب سے غیبت کی طرف اور کبھی غیبت سے متکلم کی طرف کلام میں تبدیلی ہوتی رہتی

---

[1] واضح ہو کہ پاک و ہند میں چند اسلامی مسائل کو متنازع بنا دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک استعانت کا مسئلہ بھی ہے' بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں سے ہر طرح کی استعانت کو حرام و شرک قرار دے دیا ہے حالانکہ استعانت حرام و شرک صرف اس وقت ہوگی جب انبیائے کرام اور اولیائے کرام کو مستقل بالذات اور حقیقی متصرف و مددگار سمجھ کر ان سے مدد طلب کی جائے لیکن اگر مستقل بالذات اور حقیقی متصرف و مددگار صرف اللہ تعالیٰ کو مانا جائے اور ان ہستیوں کو محض مظہرِ عون الٰہی جان کر اور یہ عقیدہ رکھ کر کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تصرفات کا اختیار دیا ہے' اور اسی بنا پر ان کو متصرف باذن اللہ سمجھ کر ان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ''۔(یونس:۲۲)'' یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور انہیں خوب موافق ہوائیں لے کر چلتی ہیں'' اور اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: ''وَ اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ''۔(الفاطر:۹)'' اور وہ اللہ ہے جس نے ہوائیں بھیجیں' پس وہ بادل کو اٹھا کر چلاتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' ایک شاعر امراء القیس کا مقولہ ہے:

تطاول لیلک بالاثمد ونام الخلی ولم ترقد

وبات وباتت له لیلة کلیلة ذی العائر الارمد

وذالك من نبأ جاء نی وخبرته عن ابی الاسود

''تیری رات اثمد میں طویل ہوگئی اور جانور سو گئے اور تو نہ سو سکا اور اس نے پوری رات گزار دی اور اس کی رات (بے چینی میں) اس طرح گزری جس طرح آشوبِ چشم کی وجہ سے دکھتی آنکھ والے کی رات گزرتی ہے اور یہ اس خبر کی وجہ سے ہوا جو میرے پاس آ پہنچی اور میں نے اسے ابوالاسود کے بتانے سے جان لیا ہے''۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مدد طلب کی جائے تو یہ مدد لینا جائز ہے' درحقیقت یہ استعانت بھی اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کیونکہ حقیقی مستعان وہی ہے اور اس کے مقبول بندے مجازی طور پر مستعان ہیں' لہٰذا ان حضرات سے استعانت نہ حرام ہے اور نہ شرک ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔ یہاں حاشیہ میں اختصار کی وجہ سے صرف چند قرآنی آیات مبارکہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

''ماتحت الاسباب'' یعنی امورِ عادیہ میں استعانت

(۱) ''وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ''۔(المائدہ:۲)'' اور نیکی اور پرہیز گاری میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو''۔

(۲) ''فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ''۔(التحریم:۴)'' بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں'' واضح ہو کہ یہاں مولا بہ معنی معاون و ناصر یعنی مددگار ہے۔ (تفسیر ابن عباس وروح المعانی)

(۳) ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ''۔(الصف:۱۴)'' اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہوں گے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں''۔

(۴) ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ''۔(آل عمران:۸۱)'' البتہ تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور البتہ تم ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرو گے''۔

(۵) ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ''۔(محمد:۷)'' اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا''۔

(۶) ''وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا''۔(النساء:۷۵)'' اے اللہ! تو اپنی طرف سے ہمارے لئے کسی کو معاون بنا دے اور تو اپنی طرف سے ہمارے لیے مددگار بنا دے''۔

(۷) ''وَ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا''۔(بنی اسرائیل:۸۰)'' (اے اللہ!) تو اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار بنا دے''۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہر حال ان تینوں ابیات میں متکلم سے خطاب کی طرف اور خطاب سے غیب کی طرف اور غیب سے متکلم کی طرف التفات موجود ہے' چنانچہ امراء القیس نے ''لَیْلُکَ'' کی بجائے ''لَیْلِی''' اور ''بَاتَ'' سے ''بِتّ'' اور ''جَآءَ نِیْ'' کی بجائے ''جَاءَ کَ'' نہیں کہا اور عرب کے لوگ اسے اکثر و بیشتر استعمال کرتے رہتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب کلام ایک انداز سے دوسرے انداز کی طرف منتقل ہوتا ہے تو وہ سماعت کی قبولیت میں زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور اپنی مضبوطی کی وجہ سے سامعین میں خوب اور عمدہ نرمی اور تازگی پیدا کرتا ہے اور کانوں میں رس گھولتا ہے اور ایسے مقامات بہت سے فوائد و لطائف کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ کسی پر واضح نہیں ہوتے سوائے زبردست ماہر علمائے دین کے اور یہ بہت قلیل ہیں اور اس جگہ (آیتِ مبارکہ میں غیبت سے خطاب کی طرف تبدیلی) کی خصوصیت یہ ہے کہ جب یہ ذکر کیا گیا کہ ہر قسم کی حمد و ثناء کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر بہت بڑی صفات جاری و ساری کی گئیں تو بندوں کے علم کا تعلق ایک عظیم الشان معلوم کے ساتھ قائم ہو گیا جو تمام اقسام کی حمد و ثناء اور انتہائی عاجزی و انکساری' نیز تمام مہمات و مشکلات میں استعانت کے لائق ہے تو اس ممتاز و منفرد معلوم کو ان صفات کے ذریعے خطاب کے صیغے سے مخاطب کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ اے ان صفات کی حامل ذات اقدس! ہم تو صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اس آیتِ مبارکہ میں عبادت کو استعانت سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ طلب حاجت سے پہلے وسیلہ پیش کرنا قبولیت کے لیے زیادہ موثر ہوتا ہے یا اس لیے کہ آیات کے نظم اور وزن موافق ہو جائیں جس طرح رحمٰن کو رحیم سے مقدم کیا گیا ہے اگر چہ زیادہ بلیغ کلام کو مقدم نہیں کیا جاتا اور یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ○''۔ (المائدہ:۵۵) [یہاں ولی بہ معنی ناصر و معاون ہے (تفسیر ابن عباس' روح المعانی)] ''بے شک تمہارے مددگار اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں○''۔

(۹) ''فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا''۔ (الکہف:۹۵) ''پس تم میری مدد کرو قوت سے' میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا''۔

## ''ما فوق الاسباب'' یعنی امورِ غیر عادیہ میں استعانت

(۱) ''قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ''۔ (النمل:۴۰) ''اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کے پاس لے آتا ہوں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے' پس جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے''۔

(۲) ''اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا''۔ (یوسف:۹۳) ''میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پہ ڈال دو ان کی بینائی واپس آ جائے گی''۔

(۳) ''قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا''۔ (مریم:۱۹) ''جبریل نے کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تجھے پاکیزہ بیٹا عطا کروں''۔

(۴) ''اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ''۔ (آل عمران:۴۹) ''بے شک میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی طرح مورت بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اور میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر

استعانت کو مطلق ذکر کیا گیا ہے تا کہ آیت مبارکہ ہر قسم کی استعانت کو شامل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ مخصوص استعانت مراد ہو اور وہ یہ کہ عبادت کی ادائیگی میں توفیق الٰہی کی استعانت مراد ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اِهْدِنَا" استعانت کے مطلوب کا بیان ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ میں تمہاری کس طرح مدد کروں؟ تو بندوں نے عرض کیا:

۵-﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ یعنی ہمیں سیدھے راستے پر چلا جیسے تم کسی کھڑے ہوئے آدمی کو کہو: "قُمْ حَتّٰى اَعُوْدَ اِلَيْكَ" تم ٹھہرو یہاں تک میں واپس تمہارے پاس لوٹ آؤں" تو اس کا مطلب یہ ہوگا "اُثْبُتْ عَلٰى مَا اَنْتَ عَلَيْهِ" یعنی تم اپنی اسی حالت میں یہیں ٹھہرے رہو' یا اس سے یہ مراد ہو کہ جس طرح اب حال میں ہمیں سیدھے راستہ پر چلا رہا ہے اسی طرح مستقبل میں بھی اسی سیدھے راستے پر قائم رکھنا [اور ہدایت ایک مفعول کی طرف تو بلا واسطہ متعدی ہوتی ہے لیکن دوسرے مفعول کی طرف "لام" یا "اِلٰی" کے واسطے سے متعدی ہوتی ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هَدٰنَا لِهٰذَا" (الاعراف:۴۳) "اسی نے ہمیں یہ راہ دکھائی" نیز ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "هَدٰنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (الانعام:۱۶۱) یعنی میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے"۔ "سِرَاطٌ" (سین کے ساتھ) کا معنی ہے: صاف اور کھلا راستہ اور یہ "سَرَطُ الشَّيْءِ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو نگلنا' گویا راستہ اپنے اوپر چلنے والے کو نگل جاتا ہے اور ["صِرَاط" میں صاد سین سے بدلا ہوا ہے اس لیے کہ صاد اور طاء صفت اطباق میں ہم جنس ہیں کیونکہ صاد' ضاد اور طا' ظا حروف مطبقہ میں سے ہیں اور کبھی صاد کو اشمام کے ساتھ حرف زا کی آواز میں پڑھا جاتا ہے کیونکہ حرف زا' طا کے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ یہ دونوں مجہورہ ہیں اور یہ امام حمزہ کی قراءت ہے اور پورے قرآن میں سین کے ساتھ سراط پڑھنا ابن کثیر کی قرات ہے اور کلمہ کی اصل یہی ہے' باقی قراء نے خالص صاد کے ساتھ صراط پڑھا ہے اور یہ لغتِ قریش ہے اور مصحف امام (حضرت عثان) میں یہی ہے اور سبیل اور طریق کی طرح مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے] اور صراط مستقیم سے مراد حق کا راستہ یعنی ملت اسلام ہے۔

۶-﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ["الصراط" کا بدل ہے اور یہ مکرر عامل کے حکم میں ہے] اور اس کا ایک فائدہ تو تاکید ہے' دوسرا یہ بتانا ہے کہ "صراط مستقیم" کی تفسیر صراط مسلمین ہے تا کہ یہ مسلمانوں کے راستہ کی استقامت کی گواہی بن جائے بلیغ اور مؤکد طریقہ پر اور اس سے نیک مسلمان اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں یا فسق و فجور میں تبدیل ہو جانے سے پہلے کی قوم موسیٰ مراد ہے۔﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ [یہ "اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے بدل ہے یعنی انعام یافتہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے سلامت رہے یا یہ "الذین" الخ کی صفت ہے یعنی یہ لوگ نعمتِ مطلقہ کے جامع ہیں اور اس سے ایمان کی نعمت اور غضبِ خدا اور گمراہی سے سلامت رہنے کی نعمت مراد ہے اور باقی رہا یہ کہ یہ "الذین" کی صفت کیونکر جائز ہوگئی جب کہ وہ معرفہ ہے اور "غیر" مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے کہ "غیر" جب دو متضاد جملوں کے درمیان میں واقع ہو اور وہ دونوں معرفہ ہوں تو پھر "غیر" اضافت کے ساتھ معرفہ بن جاتا ہے جیسے "عَجِبْتُ مِنَ الْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُوْنِ یعنی مجھے حرکت سے تعجب ہوا لیکن سکون سے نہیں" یہاں منعم علیہم اور مغضوب علیہم دونوں متضاد ہیں اور اس لیے بھی کہ "اَلَّذِيْنَ" نکرہ کے قریب ہے کیونکہ اس سے معین قوم مراد نہیں ہوتی اور "غیر المغضوب علیھم" اضافت کی وجہ سے تخصیص حاصل ہو جانے کی بناء پر معرفہ کے قریب ہے' لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک' ایک اعتبار سے مبہم ہے اور ایک اعتبار سے مخصوص ہے' اس لیے دونوں آپس میں مساوی ہو گئے اور پہلا "علیھم" مفعول ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور دوسرا "علیھم" فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع

ہے]اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد جھٹلانے والوں سے انتقام لینا اور ان پر عذاب نازل کرنا ہے' نیز بادشاہ غضب ناک ہو کر اپنے ماتحت عملہ سے جو معاملہ کرتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ کرنا مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مغضوب علیھم'' سے یہود مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ. (المائدہ:۶۰) یعنی اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان پر غضب ناک ہوا'' اور ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' سے نصاریٰ یعنی عیسائی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا'' (المائدہ:۷۷) ''یقیناً وہ پہلے سے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے'' واضح ہو کہ بصریوں کے نزدیک حرف لا زائد ہے' محض تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا اور کوفیوں کے نزدیک ''لا'' ''غیر'' کے معنی میں ہے۔ ﴿آمین﴾ یہ دعا ہے جو فعل کے معنی میں ہے اور وہ ہے ''اِسْتَجِبْ'' جس کا معنی ہے: قبول فرما جس طرح ''رُوَيْدًا'' اسم ہے اور فعل امر کے معنی میں ہے اور وہ ہے۔ ''اَمْهِلْ'' یعنی ''مہلت دے'' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آمین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: ''اِفْعَلْ'' یعنی اے اللہ! تو ہی کر'' اور یہ مبنی ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں' ایک الف مدہ کے ساتھ' دوسری الف مدہ کے بغیر یعنی قصر کے ساتھ اور وہ اصل ہے اور مد یہ ہے کہ ہمزہ کو لمبا کر کے یعنی کھینچ کر پڑھا جائے جیسا کہ شاعر نے کہا:

يَا رَبِّ لَا تَسْلُبَنِّيْ حُبَّهَا اَبَدًا    وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنَا

''اے میرے رب! اس کی محبت مجھ سے کبھی سلب نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے (میری دعا پر) آمین کہا''۔
اور اس نے (الف مدہ کے بغیر) ''امین'' کہا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری دوری کو مزید بڑھا دیا' حضور سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے تلقین کی کہ جب میں سورۂ فاتحہ کی قرات سے فارغ ہو جاؤں تو آمین کہوں' نیز فرمایا: آمین کہنا ایسے ہے جیسے کتاب پر مہر اور یہ قرآن مجید میں سے نہیں ہے اس دلیل کی بناء پر کہ قرآن مجید میں ثابت نہیں ہے۔

الجزء ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ البقرہ مدنی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○   اس کی دو سو چھیاسی آیات' چالیس رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ
عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

الم○ یہ وہ عالی شان کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے' تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے وہ اسے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب! آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں○

## حروف مقطعات کی بحث

١-﴿ الٓمّٓ ﴾[ یہ اور ان جیسے تمام حروف مقطعات اسماء ہیں اور ان کے مسمیات وہ مفرد حروف ہیں جن سے کلام بنا ہے مثلاً قاف ''قَالَ'' کے پہلے حرف پر دلالت کرتا ہے' الف ''قَالَ'' کے درمیان والے حرف پر دلالت کرتا ہے اور لام ''قَالَ'' کے آخری حرف پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح دوسرے حروف ہیں' باقی رہی اس بات کی دلیل کہ یہ حروف اسماء ہیں یہ ہے کہ ان حروف میں سے ہر ایک مستقل معنی پر دلالت کرتا ہے اور ان میں امالہ' تفخیم' معرفہ' نکرہ' جمع اور تصغیر کے ساتھ تصرف کیا جاتا ہے اور یہ معرب ہیں (معرب وہ جس کے آخری حرف کی حرکت عامل کے بدلنے سے بدل جائے) اور یہ زید وغیرہ اسماء (جو بوقت گنتی ساکن پڑھے جاتے ہیں) کی طرح ساکن ہوتے ہیں اور ان پر اعراب نہیں آتا کیونکہ ان میں اعراب کا تقاضا کرنے والا کوئی عامل نہیں ہوتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حروف اسمِ صوت کی طرح مبنی ہیں (مبنی وہ جس کے آخری حرف کی حرکت برقرار رہتی ہے اور عامل کے بدلنے سے نہیں بدلتی) جیسے کوّے کی آواز کے لیے ''غَاقَ'' استعمال کیا جاتا ہے] مگر جمہور کے نزدیک یہ حروف سورتوں کے نام ہیں' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ساتھ قسم فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں (اس کی تفصیل ہماری کتاب ''خصائص الاسماء الحسنٰی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں جن کے معانی اللہ تعالیٰ کے (بتائے) بغیر کوئی نہیں جانتا۔[1]

اور ان حروف کا نام معجمہ (گونگے) اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنے معانی نہیں بتاتے بلکہ ان کے معانی میں ابہام ہوتا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سورتوں کے شروع میں یہ اسماء دھمکانے اور ڈرانے کے لیے بہ طور تنبیہ استعمال ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید کے ساتھ مشرکین کو چیلنج دینے کے لیے انہیں بیدار کرنا اور ان کے سامنے تلاوت کیے جانے والے کلام میں

---

[1] خیال میں رہے کہ حروفِ مقطعات کے معانی بالذات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے اس کے کریم ورحیم محبوب رحمۃ للعالمین ﷺ جانتے ہیں۔ علامہ قاضی ناصر الدین عبد اللہ بیضاوی کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا' چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''وَلَعَلَّهُمْ اَرَادُوْا اَنَّهَا اَسْرَارٌ بَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلِهٖ ﷺ وَرُمُوْزٌ لَمْ يَقْصُدْ بِهَا اِفْهَامَ غَيْرِهٖ۔'' یعنی صحابہ کرام کی مراد یہ ہے کہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار ورموز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر کسی اور کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا' البتہ علامہ السید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے یہاں تک لکھا ہے کہ ''فَلَا يَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ'' یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد حروفِ مقطعات کو کوئی نہیں جانتا سوائے اولیائے کرام کے جو آپ کے وارث ہیں اور وہ بھی آپ کی بارگاہِ فیض رساں سے جانتے ہیں''۔ اختصار کی وجہ سے باقی عبارات کی بجائے صرف حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں (تفسیر انوار التنزیل' روح المعانی' روح البیان' مظہری) نیز حروفِ مقطعات کے معانی کے بارے میں مفسرینِ کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ علامہ ابن جریر نے سب کو درست قرار دیا ہے کیونکہ ایک لفظ کئی کئی معانی کے لیے آتا ہے' لہٰذا سب مراد ہو سکتے ہیں (ابن کثیر) لیکن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ الف سے اللہ' لام سے جبریل اور میم سے محمد (ﷺ) مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن حضرت جبریل کے واسطے سے حضرت سید عالم محمد عربی ﷺ پر نازل فرمایا۔

(تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی' تفسیر ابن عباس' روح المعانی' مظہری' تفسیر کبیر بروایت حضرت ضحاک' تفسیر ابو سعود)

نظر وفکر کی تحریک پیدا کرنا مقصود ہے کہ جس قرآن مجید کی مثال پیش کرنے سے وہ عاجز آ چکے ہیں یہ بھی انہیں حروف سے منظوم ومرکب ہے جن حروف سے یہ لوگ اپنا کلام منظوم ومرکب کرتے ہیں تا کہ وہ نظر وفکر کے ذریعے اس بات پر یقین کر لیں کہ کلامِ عرب کے بڑے بڑے بلغاء وفصحا اور ادبا کا آپس میں طویل رجوع کرنے اور غور وفکر کرنے کے باوجود' نیز اپنی تمام تر توانائیوں اور طاقتوں کے باوجود قرآن مجید کے سامنے بے بس ہو جانا اور قرآن مجید کی مثال پیش کرنے سے عاجز آ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ زبردست قدرت وطاقت رکھنے والے خالق کا کلام ہے اور یہ قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب قرآن مجید کو قبول کرنے کے زیادہ مناسب ہے اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورتوں کو ان مفرد کلمات کے ساتھ اس لیے شروع کیا گیا ہے کہ انسانی سماعت سے جو سب سے پہلے کلام ٹکرائے وہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کی مستقل دلیل بن جائے اور یہ اس لیے کہ خود ان حروف کے بولنے میں تمام عرب مساوی ہیں' ان پڑھ بھی اور پڑھے لکھے بھی البتہ اس کے برعکس ان حروف کو ناموں کے ساتھ استعمال کرنا صرف انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو پڑھے لکھے ہیں اور جنہوں نے پڑھے لکھے لوگوں کے پاس آنا جانا رکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے اور ان پڑھ لوگوں کا ان کو ناموں کے ساتھ استعمال کرنا بہت بعید ہے جس طرح ان کے لیے لکھنا پڑھنا مشکل ہے اور اس بات کی شہرت کے باوجود کہ یہ حروف ان کلمات میں سے ہیں جن کو اہل فن سے حاصل نہیں کیا جا سکتا پھر بھی ان کا قرآن مجید میں استعمال کیے جانے کا معاملہ اس طرح ہے جس طرح گزشتہ اقوام کے واقعات کا معاملہ ہے جو قرآن مجید میں ذکر کیے گئے ہیں جن کا نہ قریش سے تعلق ہے اور نہ ان کے ہم مرتبہ کسی قبیلے سے تعلق ہے جن کے متعلق انہیں مکمل معلومات حاصل ہوں تا کہ اس بات پر دلیل قائم ہو جائے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے لیے ان تمام چیزوں کا حصول وحی کے ذریعے ہوتا ہے اور آپ کی نبوت کی صحت کے لیے شہادت مل جائے [اور یاد رکھو کہ سورتوں کے آغاز میں حروف تہجی کے نصف نام ذکر کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں: الف' لام' میم' صاد' را' کاف' ہا' یا' عین' طا' سین' حا' قاف' نون اور حروف تہجی کی تعداد کے مطابق انتیس سورتوں کے شروع میں یہ اسماء استعمال ہوئے ہیں اور یہ کل حروف تہجی کے نصف (چودہ حروف) پر مشتمل ہیں' چنانچہ حروف مہموسہ میں سے نصف استعمال ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں: صاد' کاف' ہا' سین' حا اور مجہورہ میں سے نصف: الف' لام' میم' را' عین' طا' قاف' یا' نون اور شدیدہ میں سے نصف: الف' کاف' طا' قاف اور رخوہ میں سے نصف: لام' میم' را' صاد' ھا' عین' س' حا' نون اور مطبقہ میں سے نصف: صاد' طا اور منفتحہ میں سے نصف: الف' لام' میم' را' کاف' ہا' عین' سین' حا' قاف' یا' نون اور مستعلیہ میں سے نصف: قاف' صاد' طا اور منخفضہ (مستفلہ) میں سے نصف: لام' میم' را' کاف' ہا' یا' عین' سین' حا' نون اور حروف قلقلہ میں سے نصف: قاف' طا ذکر کیے گئے ہیں اور ان اقسام کے جو حروف ذکر نہیں کیے گئے وہ ذکر کردہ حروف سے کم ہیں] اور تم جانتے ہو کہ کسی چیز کی اکثریت کل کے قائم مقام ہوتی ہے (''لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ'' کے مطابق حروف کی تمام اقسام بیان ہو گئیں) بہر حال اللہ تعالیٰ کا عرب کے سامنے ان الفاظ کا بیان کرنا جن سے وہ اپنا کلام مرکب کرتے اور بناتے ہیں' گزشتہ دھمکی اور تنبیہ کی طرف اشارہ کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا مقصود ہے اور بلاشبہ مختلف سورتوں کے شروع میں مختلف حروف کا الگ الگ آنا اس لیے ہوا کہ جن کو قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج دیا گیا ہے ان کے لیے دھمکی اور تنبیہ کا بار بار اعادہ کیا جائے تا کہ ان کے دل نرم ہو جائیں اور اصل مقصود کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جلد اور موثر ترین صورت میں حاصل ہو جائے۔ اسی طرح قرآن مجید میں دیگر واقعات اور احکام کو جو مکرر بیان کیا گیا ہے ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ واقعات واحکام دلوں میں راسخ اور مستحکم ہو جائیں اور یہ حروف مقطعات ایک ہی طریقہ پر نہیں آئے بلکہ ان کی تعداد مختلف ہے مثلاً ''ص' ق' ن'

طٰہٰ، طٰسٓ، یٰسٓ، حٰمٓ، الٓمٓ، الٓرٰ، طٰسٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓمٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ ''پس یہ ایک حرف دو تین چار پانچ حروف پر مشتمل ہو کر استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ اہل عرب کو اپنے کلام میں ان حروف کو استعمال کرنے کی عادت ہے' نیز جس طرح عرب کے کلمات کے صیغے ایک دو تین چار پانچ الفاظ تک استعمال ہوتے ہیں اسی طرح انہیں کے طریقے پر سورتوں کے شروع میں یہ حروف لائے گئے اور ''الٓمّٓ'' سب جگہ ایک مکمل آیت استعمال ہوئی ہے' اسی طرح ''الٓمّٓصٓ'' ایک مکمل آیت ہے البتہ ''الٓمّٓرٰ'' کو آیت شمار نہیں کیا گیا' اسی طرح ''الٓرٰ'' کو پانچوں سورتوں میں آیت شمار نہیں کیا گیا' ''طٰسٓمٓ'' کو دونوں سورتوں میں ایک مکمل آیت شمار کیا گیا ہے' ''طٰہٰ'' اور ''یٰسٓ'' دو آیات ہیں' ''طٰسٓ'' آیت نہیں ہے' ''حٰمٓ'' تمام سورتوں میں ایک مکمل آیت ہے' ''حٰمٓ عٓسٓقٓ'' دو آیات ہیں' ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' ایک مکمل آیت ہے' ''صٓ'' اور ''نٓ'' اور ''قٓ'' تینوں کو آیت شمار نہیں کیا گیا اور یہ کوفیوں کے نزدیک ہے۔ ان کے علاوہ باقی حضرات نے ان میں سے کسی کو آیت شمار نہیں کیا اور یہ توقیفی علم ہے جس میں قیاس کو دخل نہیں جیسا کہ سورتوں کی معرفت توقیفی ہے' نیز ان تمام حروف پر مکمل وقف کیا جائے گا بشرطیکہ ان کو ایسے مستقل معنی پر محمول کیا جائے جو اپنے بعد والے کی طرف محتاج نہ ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب ان کو سورتوں کے اسماء نہ بنایا جائے اور ان کو اسمائے اصوات کی طرح مانا جائے یا پھر ان کو الگ مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''الٓمّٓ'' (آل عمران:۱) یعنی ''ھٰذِہٖ الٓمّٓ'' پھر اللہ تعالیٰ نے ابتدا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ۔ (آل عمران:۲) [چنانچہ جنہوں نے ان مفردات کو سورتوں کے اسماء قرار دیا ہے ان کے نزدیک تو ان کا محلِ اعراب ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ دیگر اسمائے اعلام کی طرح ہیں اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں یا پھر ان کے ساتھ قسم اٹھانے کی صورت میں منصوب یا مجرور ہیں اور یہ قسم کی صورت میں لفظ اللہ کی جگہ پر واقع ہیں یعنی ''اُقْسِمُ بِاللّٰہِ'' کی بجائے ''اُقْسِمُ بِالٓمّٓ'' ہے اور لفظ اللہ میں دو لغتیں ہیں (مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب اور حرف جر آ جانے کی وجہ سے مجرور) اور جنہوں نے ان حروف کو سورتوں کے اسماء قرار نہیں دیا ان کے مذہب میں ان کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہے جس طرح جملہ اور مفرداتِ معدودہ کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔]

۲۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ یعنی یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی وعدہ فرمایا تھا' ''ذالك'' سے ''الم'' کی طرف اشارہ ہے' باقی رہا یہ کہ اسم اشارہ مذکر ہے اور اس کا مشار الیہ مونث ہے اور وہ سورۃ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ذالک کی خبر اگر کتاب ہو تو چونکہ کتاب اپنے معنی اور مسمّٰی کے اعتبار سے مذکر ہے' لہٰذا مذکر و مونث کے اعتبار سے ذالک پر خبر کا حکم جاری کرنا جائز ہے۔

(تو گویا اسم اشارہ ذالک کا مذکر لانا خبر کے لحاظ سے ہے) اور اگر ''الکتاب'' ''ذالك'' کی صفت واقع ہو تو پھر صراحت کے ساتھ اشارہ کتاب کی طرف ہوگا کیونکہ اسم اشارہ کے ساتھ اس جنس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو اس کی صفت واقع ہو رہی ہو جیسے تم کہو ''ذٰلِكَ الْاِنْسَانُ فَعَلَ كَذَا'' یا ''ھِنْدٌ ذٰلِكَ الشَّخْصُ فَعَلَ كَذَا. یعنی ہند یہ ایسا انسان یا ایسا شخص ہے جس نے اس طرح کیا ہے' اور ''ذالك الكتاب'' کو ''الم'' کے ساتھ جوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ''الم'' کو سورت کا اسم قرار دیا جائے تو ممکن ہے ''الم'' مبتدا اول ہو اور ''ذالك'' مبتدا ثانی ہو اور ''الکتاب'' اس کی خبر ہو اور جملہ بن کر مبتدائے اول کی خبر بن جائے ] اور اب معنی یہ ہوگا: یہ ایسی کامل کتاب ہے جس کے مقابلہ میں باقی تمام کتب ناقص ہیں جیسے تم کہو: ''ھو الرَّجُلُ'' اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مردانگی میں کامل ترین اور مردوں میں پائی جانے والی تمام پسندیدہ خصلتوں کا جامع آدمی ہے' [اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''الم'' مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی ''ھٰذِہٖ الٓمّٓ'' یہ ایک جملہ بن جائے گا اور ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' دوسرا

جملہ بن جائے گا اور اگر ''الم'' کو اسم صوت کی طرح قرار دیا جائے تو ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہو گا اور ''اَلْكِتَابُ'' اس کی خبر ہو گی] معنی یہ ہو گا کہ یہ وہ عالی شان نازل کردہ کتاب ہے جو کامل ترین کتاب ہے۔ ﴿لَا رَیْبَ﴾ ''لَا شَكَّ'' کے معنی میں ہے یعنی کوئی شک نہیں اور یہ ''رَابَنِیْ'' کا مصدر ہے جس کا معنی ہے: دل میں شک کا پیدا ہونا' چنانچہ ''ریب'' کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق قلب انسانی میں قلق واضطراب کی کیفیت کا پیدا ہو جانا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالی شان ہے: ''دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ فَاِنَّ الشَّكَّ رِیْبَةٌ وَاِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِیَةٌ. جو چیز تمہیں شک وشبہ میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک وشبہ میں نہ ڈالے کیونکہ شک میں پریشانی ہے اور سچ میں سکون ہے'' (بخاری کتاب البیوع باب ۳' ترمذی کتاب القیامۃ باب ۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۳)۔ درحقیقت جو کام مشکوک ہوتا ہے اس میں دل مضطرب وپریشان ہو جاتا ہے اور اسے قرار وسکون نہیں ملتا اور جو کام صحیح اور سچا ہوتا ہے اس سے دل مطمئن ہوتا ہے اور اس کام سے سکون حاصل ہوتا ہے اور اسی سے ''رَیْبَ الزَّمَانِ'' بنا ہے اور یہ گردشِ زمانہ کا وہ روگ ہے جو دل کے سکون کو تباہ وبرباد کر دیتا ہے اور دل اس کے مصائب وآلام سے بے قرار ہو جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس آیت مبارکہ میں بہ طور استغراق تمام شکوک وشبہات کی نفی کر دی گئی ہے حالانکہ کفارِ مکہ کے دلوں میں قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں شک تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ کسی کو شک نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے پر اس قدر واضح دلائل اور روشن ترین براہین بیان کر دیے گئے ہیں کہ کسی شک کرنے والے کے لیے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی اور اللہ تعالیٰ نے ''لَا فِیْهِ رَیْبٌ'' نہیں فرمایا جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ''لَا فِیْهَا غَوْلٌ'' (الصافات:۴۷) یعنی ''اس میں مدہوشی نہیں ہو گی'' کیونکہ ''ریب'' پر حرف نفی داخل کرنے سے مراد قرآن شریف سے ''ریب'' کی نفی کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم حق ہے باطل نہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں اور اگر ظرف (فیہ) کو پہلے لایا جاتا تو مراد سے بعید کا قصد ہو جاتا اور وہ یہ کہ دوسری کتاب میں شک ہے البتہ اس کتاب میں شک نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لَا فِیْهَا غَوْلٌ'' میں قصد کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا کی شراب پر بہشت کی شراب کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس میں عقول مدہوش نہیں ہوں گی جس طرح دنیا کی شراب عقول انسانی کو مدہوش کر دیتی ہے [اور ''فیہ'' پر وقف کرنا مشہور ومعروف ہے البتہ امام نافع اور امام عاصم نے ''رَیْبَ'' پر وقف کیا ہے اور وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقف کرتے وقت خبر دینے کی نیت کرے] اور درحقیقت عبارت یوں ہے: ''لَا رَیْبَ فِیْهِ'' ﴿فِیْهِ هُدًی﴾ [قاری ابن کثیر مکی نے اس کی ہر ''ھا'' میں اشباع کیا ہے (ضمہ کو واؤ مدہ کے ساتھ اور کسرہ کو یا مدہ کے ساتھ کھینچ کر پڑھنا اشباع کہلاتا ہے) اور امام حفص نے ''فِیْهٖ مُهَانًا'' (الفرقان:۶۹) میں اشباع کرنے میں ان کی موافقت کی ہے جیسے تیرا قول ''مَرَرْتُ بِهٖ وَمَنْ عِنْدَهٗ وَفِیْ دَارِهٖ'' اور جس طرح ''فِیْ دَارِهٖ وَمَنْ عِنْدَهٗ'' نہیں کہا جاتا تو واجب ہے کہ ''فِیْهِ'' نہ کہا جائے اور سیبویہ نے کہا کہ جس نے ''فِیْهِ'' میں وقف کا قول کیا ہے اس نے تین ساکن حروف کو جمع کر دیا ہے اس لیے کہ (۱) ھا سے پہلے یا ساکن ہے اور (۲) خود ''ھا'' ساکن ہے کیونکہ ہائے متحرکہ ان کے کلام میں ساکن کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے کہ ھا خفی ہے اور خفی ساکن کے قریب ہے اور (۳) ہا کے بعد کی یا (ساکن ہے کیونکہ ''فِیْهِ'' دراصل ''فِیْهِیْ'' ہے) اور ''هُدًی'' مصدر ہے اور فعل کے وزن پر ہے ''بُکٰی'' کی طرح] اور اس کا معنی ہے: ایسا راستہ دکھانا جو منزلِ مقصود تک پہنچا دے اس دلیل کی بنا پر کہ اس کے مقابلہ میں ''ضَلَالَةٌ'' واقع ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ''اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی'' (البقرہ:۱۶) ''(وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی) اور یقیناً قرآن مجید کو پرہیزگاروں کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے''۔

﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ حالانکہ متقی حضرات تو ہدایت یافتہ ہوتے ہیں (پھر قرآن کی ہدایت کا مقصد کیا ہوا) اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح تم کسی عزیز اور مکرم شخص سے کہو: ''اَعَزَّكَ اللّٰهُ وَاَكْرَمَكَ. اللہ تمہیں عزیز و مکرم رکھے'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اس معزز و مکرم شخص کے لیے عزت و تکریم کے اضافہ کی دعا کر رہے ہو کہ اس پر ثابت قدم رہے اور اس پر قائم رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' یعنی'' ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ'' یا اس لیے انکا نام متقی رکھا کہ وہ عنقریب تقویٰ کے لباس کو اختیار کر کے متقی ہونے کا شرف حاصل کرنے والے ہیں' حضور سید عالم ﷺ کے فرمانِ عالی شان کی طرح ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ'' (بخاری' مسلم' ابوداؤد' موطا' کتاب الجہاد' ترمذی' کتاب السیر ) یعنی'' جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو مقتول کا لوٹا ہوا تمام سامان قاتل کا ہوگا''۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی آدمی حج کا ارادہ کرے تو جلدی کرے کیونکہ ممکن ہے کہ عنقریب بیمار ہو جائے۔ ان دونوں حدیثوں میں غور کیجئے کہ قتل ہونے والے کو قتیل اور بیمار ہونے والے کو مریض قرار دیا گیا ہے (اسی طرح قرآن کی ہدایت سے تقویٰ اختیار کرنے والے کو متقی کہا گیا ہے) یہاں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن گمراہوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ انسانوں کے دو گروہ ہیں: ایک وہ گروہ جس کا گمراہی پر قائم رہنا معلوم ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جس کا ہدایت کی طرف لوٹ آنا معلوم ہے' قرآن مجید صرف دوسرے گروہ کے لیے ہدایت ہے اور اگر اس سے مزید واضح عبارت سے لایا جاتا تو یوں کہا جاتا کہ قرآن مجید گمراہی کے بعد ہدایت کی طرف رجوع کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے لیکن ہمارے ذکر کردہ طریقے کو بیان کرنے کے لیے کلام کو مختصر کر کے ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' فرمایا گیا ہے۔ بہر حال قرآن مجید کی کوہان اور دونورانی سورتوں (بقرہ اور آل عمران) میں سے پہلی سورت کا آغاز اولیاء اللہ کے ذکر مبارک سے کیا گیا ہے۔ [یاد رہے کہ متقی لغت میں عرب کے قول ''وَقَاهُ فَاتَّقٰى'' سے اسم فاعل ہے' لہٰذا اس کا ''فا'' کلمہ واؤ ہے اور ''یا'' کلمہ لام ہے اور جب اس (مجرد) سے (مزید فیہ) باب افتعال بنایا گیا ہے تو واؤ کو تا سے تبدیل کیا گیا اور اس تا کا دوسری تا میں ادغام کر دیا گیا ہے' اس طرح ''وَقٰى'' سے ''اِتَّقٰى'' بن گیا] اور ''وَقَايَةٌ'' کا معنی ہے: بچنا' اور شریعت میں متقی وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ہر اس کام سے بچالے جس کے کرنے یا چھوڑنے پر عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے [اور ''هُدًى'' کا محلِ اعراب رفع ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' کے ساتھ مل کر ''ذٰلِكَ'' کی خبر ہے یا پھر ''فِيْهِ'' کی ھا ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر اس کا محل نصب ہے لیکن بلاغت کے اعتبار سے راجح قول یہ ہے کہ ''الٓمّٓ'' ایک مستقل جملہ ہے یا پھر حروف معجم کا حصہ ہے اور مستقل جملہ ہے جب کہ ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' دوسرا جملہ ہے اور ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' تیسرا جملہ ہے اور ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' چوتھا جملہ ہے]۔ بلاغت کی زبان میں ان جملوں کی ترتیب نہایت حسین ہے کیونکہ ان کو بغیر حرف عطف کے موتیوں کی لڑی کی طرح عمدہ ترتیب میں لایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام جملے آپس میں اسی طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح چند بھائی آپس میں گلے ملے ہوتے ہیں' چنانچہ دوسرا جملہ پہلے کے ساتھ متحد و متصل ہے اور اسی طرح تیسرا جملہ دوسرے کے ساتھ اور چوتھا جملہ تیسرے کے ساتھ متحد و متصل ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے (''الٓمّٓ'' کے ساتھ) تنبیہ فرمائی کہ یہ وہ بے مثل کلام ہے جس کے ساتھ (کفار کو) چیلنج دیا گیا ہے' پھر (''ذالك الكتاب'' کے ساتھ) اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ نہایت باکمال عظیم الشان کتاب ہے گویا یہ چیلنج کرنے کی وجہ کا بیان ہے' پھر (''لا ريب فيه'' کے ذریعہ) اس سے ہر قسم کے شک وشبہ کی نفی کر دی گئی ہے' اس طرح قرآن مجید کے کمال کے لیے مہر تصدیق ثبت ہوگئی اور قرآن کریم کی حقانیت کی شہادت مہیا ہوگئی کیونکہ حق و یقین کے لیے اس سے بڑھ کر کامل ترین کوئی کمال نہیں اور باطل کے لیے اس سے بڑھ کر ناقص ترین کوئی نقص نہیں' چنانچہ

ایک عالمِ دین سے کہا گیا کہ تمہیں کس چیز میں لذت حاصل ہوتی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے پسندیدہ ترین دلیل کی وضاحت کرنے میں اور کمزور ترین شبہ کی تردید کرنے میں مزہ آتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ کتاب پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے' اس طرح ایک تو اس کتاب کا یقینی کلامِ الٰہی ہونا ثابت کر دیا کہ اس کے اردگرد شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی' دوسرا اس کتاب کا ایسا حق ہونا ثابت کر دیا کہ اس کے آگے اور پیچھے باطل نہیں آ سکتا' پھر ان چاروں جملوں میں کوئی بھی خلل پذیر نہیں رہا' اس کے بعد ان کو نہایت عمدہ ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے اور اہم ترین نکات سے اس خوبصورت نظم کو منظوم کیا گیا ہے' چنانچہ پہلے جملے میں حذف اور اشارہ ہے کہ مطلوب نہایت لطیف ترین ہے اور دوسرے میں عظیم الشان تعریف ہے اور تیسرے میں ''رَیب'' کی اپنے ظرف پر تقدیم ہے اور چوتھے میں حذف ہے' پھر یہاں مصدر ''هُدًى'' کو اسمِ وصف ''هَادِی'' کی جگہ رکھا گیا ہے گویا قرآن پاک صرف ہدایت دینے والا ہی نہیں بلکہ سراسر عین ہدایت ہے اور اس کو نکرہ لانے میں اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسی عظیم الشان ہدایت ہے' جس کی کنہہ اور گہرائی معلوم نہیں کی جا سکتی اور متقین کے ذکر میں اختصار کی توجیہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

۳- ﴿الَّذِيْنَ﴾ [محلاً مرفوع یا منصوب ہے بہ طور مدح کے] یعنی ''هُمُ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ. متقی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں' یا ''اَعْنِي الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ'' [یا پھر یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى'' ہے یا یہ خبر کی جگہ پر واقع ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور متقین کی صفت ہے] اور یہ صفتِ کاشفہ یعنی متقین کی وضاحت کے لیے وارد ہوئی ہے جیسے تیرا قول ''زَيْدٌ الْفَقِيْهُ'' اور یہ ان اوصاف پر مشتمل ہے جو متقین کے لیے بنیاد ہیں یعنی ایمان بالغیب ہے جو تمام عبادات کی اساس ہے اور نماز و صدقہ جو دونوں بدنی و مالی عبادات ہیں اور یہ دونوں دوسری نیکیوں کے لیے مہر ہیں' کیا تم نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے اور نماز کے ترک کو اسلام اور کفر کے درمیان میں حدِ فاصل قرار دیا ہے جب کہ زکوٰۃ کو دینِ اسلام کا پل قرار دیا ہے اور ان دونوں کی شان یہ ہے کہ باقی تمام عبادات ان کے تابع ہیں' اس لیے کلام مختصر ہے مگر اس نے تمام عبادات کے ذکر سے مستغنی کر دیا ہے گویا یہ عنوان کی طرح ہے جس کے تحت دیگر اوصاف کے علاوہ نماز اور صدقہ کی فضیلت کا بہترین اظہار ہے یا یہ متقین کی صفت ''مادحہ'' ہے' جس میں پرہیز گاروں کی تعریف و توصیف کے علاوہ دیگر فوائد بھی عیاں ہیں جیسے تمہارا قول ''زَيْدٌ الْفَقِيْهُ الْمُتَكَلِّمُ الطَّبِيْبُ'' یعنی ''زید زبردست عالم' بہترین کلام دان اور ماہر حکیم ہے'' اور متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو برائیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی وہ تصدیق کرتے ہیں [اور یہ باب افعال سے ہے] اور اس کا مجرد مصدر ''اَمْنٌ'' ہے اور اہلِ عرب کا قول ہے: ''اٰمَنَهٗ'' یعنی اس نے تصدیق کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایمان لانے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹ بولنے اور دین کی مخالفت کرنے سے محفوظ و مامون کر لیتا ہے (نیز جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے) اور اس کو حرف باسے اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''اَقَرَّ'' اور ''اِعْتَرَفَ'' کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ ﴿بِالْغَيْبِ﴾ جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اور اس کی حضور نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے جیسے حشر و نشر اور حساب و کتاب وغیرہ (نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات' فرشتے' جنت و دوزخ' پل صراط' میزان اور عذابِ قبر وغیرہ) یہاں غیب بہ معنی غائب ہے اور اسم فاعل کو مصدر کا نام دے دیا گیا ہے جیسے تیرا قول ''غَابَ الشَّيْءُ غَيْبًا''. یعنی ''فلاں چیز غائب ہے'' اور یہ اس وقت ہے جب اس کو ایمان کا صلہ قرار دیا جائے لیکن اگر اس کو حال بنایا جائے تو غیبت اور مخفی کے معنیٰ میں ہو گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں دراں حالیکہ وہ غائب ہیں ایمان والی چیزوں سے جس کا مطلب ہے کہ وہ غیبت کے ساتھ ملتبس ہیں اور صحیح ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے لیکن عمل

ایمان میں داخل نہیں۔ ﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں لیکن ادا کو قیام سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قیام خود نماز کا رکن ہے جیسے نماز کو قنوت کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ قنوت کا معنی قیام ہے جو نماز کا ایک اہم رکن ہے اور اسی طرح نماز کو کبھی رکوع سے، کبھی سجود سے اور کبھی تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ تمام صفتیں نماز میں موجود ہیں یا اقامتِ صلوٰۃ سے مراد ارکانِ نماز کو اعتدال اور سکون سے ادا کرنا ہے یہ ''اَقَامَ الْعُوْدَ'' سے بنا ہے جب گیلی لکڑی کو گرم کر کے بالکل سیدھا کر دیا جائے یا نماز ہمیشہ ادا کرنا اور اس کی پوری حفاظت کرنا مراد ہے اور یہ ''قَامَتِ السُّوْقُ'' سے بنا ہے یعنی بازار میں خوب رونق آ گئی کیونکہ جب کسی چیز کی خوب حفاظت کی جائے تو وہ اس چیز کی طرح ہو جاتی ہے جس کی رونق اور مانگ بڑھ جاتی ہے اور رغبت کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی چیز کو ضائع کر دیا جائے تو وہ کھوٹے سکے کی طرح بے کار ہو جاتی ہے جس میں کوئی رغبت نہیں کرتا اور ''صَلٰوة'' کا لفظ ''صَلّٰی'' سے بنا ہے جیسے زکوٰۃ کا لفظ ''زَكّٰی'' سے بنا ہے لیکن واؤ کے ساتھ لکھنے کی وجہ صرف نماز کی تفخیم و تعظیم ہے۔ صلوٰۃ کا لغوی معنی ہے: چوتڑوں کو حرکت دینا چونکہ نمازی قیام و قعود اور رکوع و سجود کے وقت یہ کام بھی کرتا ہے، نیز دعا کرنے والے کو مُصَلّی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ خشوع و خضوع اور عاجزی میں رکوع اور سجود کرنے والے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے انہیں عطا کیا ہے اور ما کا لفظ ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے (یعنی ما موصولہ ہے)۔ ﴿ يُنْفِقُوْنَ ﴾ وہ صدقہ کرتے ہیں۔ حرف من تبعیضیہ داخل کر کے مسلمانوں کو فضول خرچی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور انہیں اس سے منع کیا گیا ہے اور مفعول کو مقدم کر کے اس کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہے کیونکہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے جو زکوٰۃ کی بہن ہے یا اس کے علاوہ راہ خدا میں خرچ ہونے والے دوسرے صدقات مراد ہیں کیونکہ اس کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور ''اَنْفَقَ'' اور ''اَنْفَدَ'' دونوں آپس میں بھائی ہیں اور ہر وہ کلمہ جس کے فا کلمہ کی جگہ نون آ جائے اور عین کلمہ کی جگہ فا آ جائے تو اس کا معنی نکلنا اور جانا ہوتا ہے اور یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں بلکہ خارج ہیں کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

٤۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اس سے اہل کتاب کے مومن مراد ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے دیگر مسلمان ساتھی جو ہر اس وحی پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور انہوں نے آخرت پر ایسا یقین رکھا کہ اس سے ان کے سابقہ باطل نظریات زائل ہو گئے مثلاً جنت میں سوائے یہود و نصاریٰ کے کوئی داخل نہ ہو سکے گا اور دوزخ کی آگ صرف چند روز انہیں چھوئے گی، پھر اگر اس کا عطف ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' پر کیا جائے تو وہ متقین میں داخل ہوں گے اور اگر اس کا عطف متقین پر کیا جائے تو پھر متقین میں داخل نہیں ہوں گے گویا کہا گیا کہ قرآن مجید پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو آپ کی طرف نازل ہونے والے کلام پر ایمان رکھتے ہیں یا اس سے پہلوں کی توصیف مراد ہے اور درمیان میں حرف عطف اسی طرح لایا گیا ہے جس طرح صفات کے درمیان لایا جاتا ہے جیسے تمہارے قول میں ''ھُوَ الشُّجَاعُ وَالْجَوَّادُ'' نیز کسی شاعر کا قول ہے:

اَبُو الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنُ الْهَمَامِ
وَلَيْثُ الْكَتِيْبَةِ فِي الْمُزْدَحَمِ

''ابو ملک بڑا سردار اور بڑے سردار کا بیٹا ہے اور میدان جنگ میں فوجی دستہ کا شیر ہے''۔

اور معنی یہ ہے کہ بیشک یہ لوگ ان سابقہ صفات کے اور اس صفت کے بھی جامع ہیں۔ ﴿ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ یعنی قرآن مجید اور اس سے تمام قرآن مراد ہے، صرف اس قدر نہیں جو ان کے ایمان لانے کے وقت سے پہلے نازل ہو چکا تھا

کیونکہ پورے قرآن پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے اگر چہ قرآن کا بعض حصہ ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود حصہ پر نازل شدہ موجود حصہ کو تغلیباً فعل ماضی سے ذکر کیا گیا یا اس لیے کہ بعض قرآن نازل ہو چکا تھا اور بعض کے نازل ہونے کا انتظار تھا لیکن پورے قرآن مجید کو نازل شدہ قرار دیا گیا ( کیونکہ باقی کا نزول بھی یقینی تھا)۔
﴿ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی تمام کتب مراد ہیں۔ ﴿ وَبِالْاٰخِرَةِ ﴾ یہ ''اٰخرۃ'' کی مونث ہے اور ''اٰخر''، ''اَوَّلٌ'' کی ضد ہے اور یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ ''اَلدَّار'' ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ''۔ (القصص:۸۳) اور یہ دنیا کی طرح صفات غالبہ میں سے ہے اور امام نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ اس طرح کہ ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت لام کو دے دی۔ ﴿ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ ''ایقان'' کہتے ہیں شک کے زائل ہو جانے کے بعد علم راسخ اور یقین محکم کو۔

۵۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى ﴾ [یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اگر ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کو مبتدا قرار دیا جائے اور اس جملہ کو اس کی خبر قرار دیا جائے تو پھر یہ جملہ محلاً مرفوع ہوگا ورنہ اس کا کوئی محل نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے موصول کو متقین پر محمول کیا جائے اور دوسرے موصول کو مبتدا قرار دیا جائے اور ''اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى'' کو اس کی خبر بنا دیا جائے] اور صرف انہیں کو ہدایت وفلاح کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے (جو اہل کتاب آپ کی نبوت پر ایمان لائے) تا کہ ان اہل کتاب پر طعن و تشنیع کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے مگر گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور امید یہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پالیں گے اور ''عَلٰى هُدًى'' میں حرف علٰی کے معنی استعلاء کے ہیں جس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر متمکن ہو چکے ہیں اور اس پر غالب ہیں۔ اس میں اہل ایمان کی حالت کو اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چیز پر سوار ہو اور وہ سواری اس کے مکمل کنٹرول میں ہو جیسے کہتے ہیں ''هُوَ عَلَى الْحَقِّ وَعَلَى الْبَاطِلِ. یعنی فلاں آدمی حق پر قائم ہے اور فلاں آدمی باطل پر قائم ہے'' اور انہوں نے گویا اپنے قول سے تصریح کی ہے کہ فلاں آدمی نے گمراہی کو اپنا مرکب بنا لیا ہے اور جہالت پر سوار ہو چکا ہے اور خواہشات کی راہ پر براجمان ہو چکا ہے اور ہدایت کا مطلب ہے کہ ﴿ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ انہیں ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ ''هُدًى'' کو نکرہ لانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ مطلق اور عظیم الشان ہدایت مراد لی جائے جس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی گویا کہا گیا کہ کس ہدایت پر ہیں جیسے ''لَقَدْ وَقَعْتُ عَلٰى لَحْمٍ اَىْ لَحْمٍ عَظِيْمٍ. یعنی میں نے بہترین گوشت حاصل کیا''۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ یعنی انہوں نے جو طلب کیا اس میں کامیاب ہو گئے اور جن چیزوں سے پرہیز کیا ان سے نجات پالی چنانچہ ''فَلَاحٌ'' کا معنی ہے: مطلوب کو حاصل کرنا اور ''مُفْلِحٌ'' کا معنی ہے: مطلوب کو پانے والا گویا ''مُفْلِحٌ'' وہ شخص ہے جس کے لیے کامیابی وکامرانی کے تمام دروازے کھل جائیں کیونکہ ''مُفْلِحٌ'' کا لغوی معنی ہے پھٹنے اور کھلنے والا' اسی طرح دیگر وہ الفاظ جو فا اور عین کلمہ کی جگہ میں اس کے ساتھ شریک ہیں جیسے ''فَلَقَ' فَلَذَ' فَلَى'' [اور یہاں حرف عطف واؤ آیا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ (الاعراف:۱۷۹) یعنی وہی لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں' وہی غافل ہیں۝'' کیونکہ یہاں دو مختلف خبریں (دنیا میں ہدایت کی خبر' آخرت میں نجات کی خبر) ہیں جو عطف کا تقاضا کرتی ہیں جب کہ وہاں چوپائیوں کے ساتھ تشبیہ اور غفلت میں دونوں خبریں متحد ہیں کیونکہ دوسری خبر پہلی کی تاکید ہے اس لیے عطف کی ضرورت نہیں اور یہاں جدا جدا خبریں ہیں اور عطف کا فائدہ یہ ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا جملہ خبر ہے' صفت یا تاکید نہیں اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مسند کا فائدہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی غیر کے لیے یا وہ

(وَاُولٰٓئِكَ) مبتدا ہے اور ''مُفْلِحُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ''اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ'' کی خبر ہے] بہرحال غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مختلف طریقوں سے تنبیہ کرتے ہوئے متقین کے لیے حاصل ہونے والی رشد و ہدایت اور فلاح ونجات کی تخصیص کو ثابت کیا ہے جسے کوئی اور حاصل نہیں کر سکا اور وہ اس طرح کہ اسم اشارہ کا ذکر مکرر کیا گیا ہے' لہٰذا اس میں تنبیہ ہے کہ جس طرح متقین کے لیے ہدایت کے سبب عظمت و بزرگی حاصل ہوئی ہے اسی طرح قیامت کے روز یہ تعظیم وتکریم فلاح کے سبب بھی حاصل ہوگی اور ''اَلْمُفْلِحُوْنَ'' کو معرفہ لانے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ متقی وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تمہیں (قرآن کے ذریعے) یہ خوشخبری مل چکی ہے کہ وہ آخرت میں یقیناً فلاح پائیں گے جس طرح تمہیں خبر ملے کہ تمہارے شہر کے ایک آدمی نے توبہ کر لی تو تم یہ معلوم کرو گے کہ وہ کون ہے؟ جب تمہیں کہا جائے کہ زید نے توبہ کر لی ہے یعنی اسی شخص نے توبہ کی ہے جس کی توبہ کی خبر تمہیں مل چکی ہے' پھر ''وَاُولٰٓئِكَ'' اور ''المفلحون'' کے درمیان (ھم ضمیر کا) فاصلہ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے مراتب دکھائے اور انہوں نے جو کچھ طلب کیا ہے اس کو طلب کرنے کی تمہیں رغبت دلائے اور انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کو آگے بھیجنے کا تمہیں شوق دلائے۔ اے اللہ! ہمیں تقویٰ کے لباس سے آراستہ فرما اور ہمارا حشر اسی جماعت میں فرمانا جن کے ذکر سے تو نے سورۃ البقرہ کا آغاز کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے اولیاء کرام کا ان صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کے ذریعے وہ خدا کے مقرب بنے اور بیان فرمایا کہ یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے تو اس کے بعد ان کے اضداد کا (اپنے درج ذیل ارشاد میں) ذکر فرمایا ہے اور یہ وہ نافرمان و سرکش لوگ ہیں جن کو ہدایت ربانی نے نفع نہیں دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷ ع

بے شک جو لوگ کفر میں پختہ ہو چکے ہیں ان کے لیے برابر ہے چاہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے ○

## کافروں کی صفات

۶- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کفر کا معنی ہے: انکار کر کے حق کو چھپانا اور یہ ترکیب ستر کے معنی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کاشتکار اور رات کو عربی میں کافر کہا جاتا ہے (کیونکہ کاشتکار بیج کو زمین میں چھپاتا ہے جب کہ رات بھی پردہ پوش ہوتی ہے) اور یہاں حرف عطف نہیں لایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ○ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ○ (الانفطار: ۱۳-۱۴) بے شک نیک لوگ جنت میں ہوں گے ○ اور نافرمان جہنم میں ہوں گے ○'' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پہلی عبارت قرآن مجید کی حقانیت وصداقت کے بیان کے لیے لائی گئی ہے' مومنوں کے اوصاف بیان کرنے کے لیے نہیں جب کہ یہاں دوسری عبارت بعض ہٹ دھرم اور ضدی کافروں کی خبر دینے کے لیے لائی گئی ہے' لہٰذا دونوں میں فرق ہے اور وہ دونوں عبارتیں اس طرز پر واقع ہیں کہ ان میں عطف کی گنجائش ہی نہیں رہی اگرچہ تقریر کا آغاز مسلسل رواں

طریقے سے کیا گیا ہے اور''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' سے مراد وہ مخصوص و معین لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ۔ ﴿سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ [کوفیوں نے دونوں ہمزوں کے ساتھ قراءت کی ہے (جب کہ بعض قاریوں نے دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھا ہے اور بعض نے تسہیل کے ساتھ بین بین پڑھا ہے)''سَوَآءٌ''مصدر ہے اور''استوا'' کے معنی میں ہے اور یہ طور وصف بیان کیا گیا ہے جس طرح دوسرے مصادر کے ساتھ موصوف لائے جاتے ہیں' اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:''اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ''(آل عمران:٦٤) اس کا معنی ہے: یکساں برابر اور ایک جیسا اور یہ''اِنَّ'' کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] گویا کہا گیا ہے کہ بے شک جو لوگ کفر میں مستحکم ہو چکے ہیں ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے (انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا' البتہ آپ کو تبلیغ پر اجرِ عظیم ملے گا) [یا''سَوَآءٌ''خبرِ مقدم ہے اور''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' مبتدا مؤخر ہے یعنی ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے اور یہ پورا جملہ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور فعل کے ذریعے خبر دینا بھی جائز ہے اگر چہ یہ ایک دائمی خبر ہے کیونکہ یہ اس کلام کی جنس سے ہے جس میں لفظ کی جانب سے معنی کی جانب کا لحاظ کیا جاتا ہے اور یہاں ہمزہ اور''اَمْ'' کے لفظ محض استوا کے معنی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں اور دونوں استفہام (سوالیہ) کے معنی سے خالی ہیں۔ سیبویہ نے کہا: یہ حرفِ استفہام پر جاری کیے گئے ہیں لیکن استفہام کے معنی میں نہیں جس طرح تمہارے اس قول میں حرفِ ندا لایا گیا ہے:''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا اَیَّتُهَا الْعِصَابَةُ''(یعنی اے اللہ اس جماعت کو بخش دے) یعنی استفہام کی صورت میں لائے گئے ہیں لیکن حقیقت میں استفہام کے لیے نہیں لائے گئے جس طرح''اَیَّتُهَا'' حرفِ ندا کی صورت میں لایا گیا ہے' ندا کے معنی میں نہیں] اور''اِنْذَار'' کا معنی ہے: گناہوں سے بچانے کے لیے دھمکی کے ذریعے کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا۔ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے یا''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس سے پہلے والا جملہ معترضہ ہے یا پھر یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے]' نیز کفر پر اصرار کرنے کے باوجود کفار کو ڈرانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتِ عامہ کا اظہار ہو جائے اور آپ کو تبلیغِ حق پر اجر و ثواب عطا کیا جائے۔

٧- ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ زجاج نے کہا:''ختم'' کا معنی ہے: چھپانا کیونکہ کسی بھی معاہدہ کی کاپی پر مہر لگا کر اس کی تحریر کو مستور و محفوظ کر دیا جاتا ہے تاکہ اس پر کوئی مطلع نہ ہو سکے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اب وہ کسی بھلائی کی بات کو نہیں سمجھ سکتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دی ہے کہ نہ ان کے دلوں سے کفر نکل سکتا ہے اور نہ ایمان ان کے دلوں میں داخل ہو سکتا ہے اور ہمارے نزدیک مہر لگانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے دل پر ظلمت و تاریکی اور تنگی پیدا کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت تک ایمان نہیں لاتا جب تک وہ ظلمت و تاریکی اس کے دل میں قائم رہتی ہے جب کہ معتزلہ کے نزدیک انسانوں کے دلوں پر شقاوت کا محض نشان لگا دیا جاتا ہے جس کے سبب فرشتوں پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کافر ہیں' پس وہ ان پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر نہیں کرتے اور حقیقت میں مہر لگانے والے خود کافر ہیں مگر چونکہ کافر کو قدرت و اختیار اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اس لیے مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے گویا فعل کی نسبت سبب کی طرف کی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے:''فلاں حاکم نے شہر تعمیر کیا''(حالانکہ تعمیر کرنے والے مستری اور مزدور ہوتے ہیں) [اور چونکہ فعل کے متعلقات مختلف ہوتے ہیں فاعل' مفعول بہٖ' مصدر' ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان سب فعل کے متعلقات ہیں لیکن فاعل کی طرف فعل کا اسناد حقیقی ہوتا ہے

جب کہ باقی چیزوں کی طرف مجازی اسناد ہوتا ہے' کیونکہ یہ اشیاء فاعل کے ساتھ فعل کے تعلق میں مشترک ہیں] جیسے آدمی شجاعت و بہادری میں شیر کے ساتھ شریک ہوتا ہے اس لیے آدمی کے لیے شیر کا نام مستعار لیا جاتا ہے (اور کہا جاتا ہے: فلاں آدمی شیر ہے) اور یہ خلق افعال کے مسئلہ کی فرع ہے (یعنی تمام کائنات کی طرح تمام افعال کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے' بندہ اپنے افعال کا صرف کاسب و مختار ہوتا ہے)۔ ﴿وَعَلٰی سَمْعِهِمْ﴾ یہ ''سَمْعٌ'' واحد لایا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل قول میں بطن کو واحد لایا گیا ہے: ''كُلُوْا فِیْ بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعِفُّوْا. یعنی اپنے پیٹ کو کھانا کھلاؤ (مگر زیادہ کھا کر اسے) سزا نہ دو''۔ ایک تو اس لیے کہ التباس کا اندیشہ نہیں ہے اور دوسرا اس لیے کہ ''سَمْعٌ'' اصل میں مصدر ہے' کہا جاتا ہے ''سَمِعْتُ الشَّيْءَ سَمْعًا وَسَمَاعًا'' اور مصدر کی جمع نہیں لائی جاتی اور تیسرا اس لیے کہ یہ اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر سب پر بولا جاتا ہے اور اس کو تثنیہ اور جمع کی ضرورت نہیں رہتی' پس اصل کا لحاظ کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مضاف محذوف ہے یعنی ''وَعَلٰی مَوَاضِعِ سَمْعِهِمْ'' ہے اور اس کو ''وَعَلٰی اَسْمَاعِهِمْ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ ﴿وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [اور جار مجرور محلاً مرفوع ہے اور خبر مقدم ہے اور ''غِشَاوَةٌ'' مبتدا موخر ہے] اور بصر آنکھ کے نور کو کہتے ہیں یعنی جس کے ساتھ چیزوں کو دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بصیرت دل کے نور کو کہتے ہیں یعنی جس کے ساتھ دل سے سوچا اور دیکھا جاتا ہے گویا وہ دونوں لطیف جوہر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کان اور قلب میں پیدا فرما دیا ہے اور ''غِشَاوَةٌ'' فعل ماضی ''غَشَا'' سے ''فِعَالَةٌ'' کے وزن پر مصدر ہے جس کا معنی ہے: پردہ اور چھپانا اور یہ لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو کسی چیز کو محیط ہو جیسے دوپٹہ' پگڑی اور ٹوپی اور کان مہر کے حکم میں داخل ہیں' پردہ کے حکم میں نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً. (الجاثیہ:٢٣) اور اللہ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے'' کیونکہ وہ اپنے کانوں کی کیفیت کو جانتے تھے مگر اپنے دلوں کی کیفیت کو وہ نہیں جانتے تھے [اور ''غِشَاوَةٌ'' کو ''جَعَلَ'' فعل مصدر کے سبب منصوب بھی پڑھا گیا ہے] (یعنی وَجَعَلَ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً) اور ''وَعَلٰی سَمْعِهِمْ'' میں حرف جار کو مکرر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں جگہوں پر سخت ترین مہر لگا دی گئی ہے۔ شیخ امام ابو منصور بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کافر نے قولِ حق یعنی حق بات کو نہ سنا اور اپنی ذات میں اور دیگر مخلوقات میں غور و فکر نہ کیا تا کہ حدوث کے آثار دیکھ لیتا اور یقین کر لیتا کہ ان سب چیزوں کا خالق ہے تو اللہ تعالیٰ نے گویا اس کی آنکھ اور کان پر پردہ ڈال دیا اگرچہ یہ حقیقت نہیں اور اس کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک کان پردہ کے حکم میں داخل ہیں اور یہ آیتِ مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے (معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ بندوں کی بھلائی کے کام کرتا ہے نقصان کے نہیں) کیونکہ اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کافروں کے حق میں مہر نہ لگانا بھلائی ہے جب کہ مہر لگانا نقصان ہے (تو ثابت ہو گیا کہ نفع و نقصان سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے البتہ ادباً نقصان و برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی بجائے اپنی طرف کی جائے)۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ عذاب کا لفظ معنی اور صیغہ کے اعتبار سے ''نَكَالٌ'' کی طرح ہے (یعنی عبرت ناک سزا دینا' اس کا معنی روکنا اور باز رکھنا بھی آتا ہے) اس لیے کہ جب کوئی کسی چیز سے روک دیا جائے تو تم کہتے ہو: ''اَعْذَبُ عَنِ الشَّيْءِ. یعنی فلاں چیز سے زیادہ روکنے والا ہے'' جس طرح کہو: ''نُكِلَ عَنْهُ. فلاں آدمی کو اس سے روک دیا گیا'' اور عظیم اور کبیر میں فرق یہ ہے کہ عظیم حقیر کے مقابلہ میں آتا ہے اور کبیر صغیر کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے گویا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے جس طرح حقیر صغیر سے کمتر ہے اور یہ دونوں اجسام و احوال میں استعمال ہوتے ہیں جیسے کہا جائے: ''رَجُلٌ عَظِيْمٌ كَبِيْرٌ'' تو

اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ فلاں آدمی جسم اور شان دونوں میں بڑا ہے اور عذاب کو نکرہ لانے کا معنی یہ ہے کہ ان کی آنکھوں پر کوئی ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جس کو لوگ نہیں جانتے اور وہ آیات الٰہی سے اندھے پن کا پردہ ہے اور ان کے لیے بڑے بڑے مصائب و آلام میں سے کوئی بڑا عذاب ہوگا جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وقف لازم

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ وہ اللہ اور ایمان والوں کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہ (حقیقت میں) فریب نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○ ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ○ اور جب ان سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ○ سنو! بے شک وہی فسادی ہیں لیکن ان کو شعور نہیں ○

## منافقین کی صفات

۸- ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے دین اور ایمان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قبول کیا اور اس میں ان کے دل اور زبان موافق ہوگئے' جو زبان نے کہا دل نے اس کی تصدیق کی' پھر ان کافروں کا ذکر فرمایا جنہوں نے زبان اور دل دونوں سے دینِ حق کا انکار کیا' پھر تیسری قسم منافقوں کی بیان فرمائی جنہوں نے زبان سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کیا مگر دل سے انکار کیا اور ان کے دلوں نے زبان کی تصدیق نہیں کی اور وہ کافروں سے بڑھ کر خبیث و ناپاک ہیں کیونکہ انہوں نے دھوکہ دینے اور مذاق اڑانے کی نیت سے کفر کے ساتھ ایمان کی آمیزش کی اس لیے ان کے بارے میں (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی ہے: ''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (النساء:۱۴۵) یعنی بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے'' حضرت مجاہد نے فرمایا: اس سورت کے شروع میں چار آیات مومنوں کی تعریف میں' پھر دو آیات کافروں کے ذکر میں اور پھر تیرہ آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دھوکہ دہی' خباثت' حماقت' جہالت' ہنسی مذاق و سرکشی میں بھٹکنا اور دیگر عیوب بیان فرمائے' نیز ان کو بہرا' گونگا اور اندھا قرار دیا اور ان کے لیے نہایت بدترین مثالیں بیان فرمائیں [اور منافقوں کے قصے کو کافروں کے قصے پر عطف کیا گیا ہے جیسا کہ ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف کیا جاتا ہے اور ''نَاسٌ'' کی اصل ''اُنَاسٌ'' ہے' اس کا ہمزہ تخفیف کے لیے لازمی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے جس طرح لام تعریف کے

ساتھ والا ہمزہ حذف کر دیا جاتا ہے چنانچہ ''اَلْاُنَاسُ '' نہیں کہا جاتا] اور اس کے اصل ہونے کی شہادت ''اِنسان' اُناسی'' اور ''اِنـس '' کے الفاظ ہیں اور انسانوں کو ناس اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب کے سامنے ظاہر وعیاں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے انس ومحبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نظر آتے ہیں جب کہ جنوں کو اس لیے جن کہا جاتا ہے کہ وہ نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں [اور ''نَاسٌ '' ''فُعَالٌ '' کے وزن پر ہے کیونکہ وزن میں کلمہ کے اصل کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ''قِ'' کا وزن ''اِفْعِلْ'' ہے حالانکہ اس میں صرف عین کلمہ باقی رہ گیا ہے اور یہ اسم جمع ہے کیونکہ اس کا تعلق اسماء جمع سے ہے اور اس میں لام تعریف جنس کا ہے اور اس کے بعد ''مَنْ '' موصوفہ ہے اور اس کے بعد ''یَقُوْلُ '' اس کی صفت ہے] گویا کہا گیا ہے کہ لوگوں میں سے کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں اور منافقوں نے اپنے ظاہری ایمان کو اللہ اور آخرت کے دن کے ساتھ مخصوص کر دیا جب کہ آخرت کے دن سے مراد وہ وقت ہے جس کی کوئی حد نہیں' وہ ابدی اور دائمی وقت ہے نہ ختم ہونے والا وقت' اس کو آخر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ تمام اوقات دنیوی کے بعد آئے گا یا اس سے حشر ونشر کا وہ مخصوص وقت مراد ہے جس میں حساب وکتاب ہوگا یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور منافقوں نے اپنے دعویٰ میں یہی خیال کیا ہے کہ انہوں نے ایمان میں اول وآخر دونوں جانبوں کا احاطہ کر لیا ہے اور یہ اس لیے کہ اعتقادی مسائل کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: مسائل مبدا اور مسائل معاد اور مسائل مبدا سے مراد کائنات کے خالق و مالک اور صانع کی معرفت اور اس کے اسماء وصفات کی معرفت ہے اور مسائلِ معاد سے حشر ونشر کے وقوع پذیر ہونے اور قبروں سے اٹھنے' پل صراط سے گزرنے' میزان کے قائم ہونے اور دیگر احوالِ آخرت کو جاننا مراد ہے اور حرف با کو مکرر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے دونوں ایمانیات میں سے ہر ایک پر درستگی وصحت اور مضبوطی کے ساتھ ایمان رکھنے کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ جس میں فاعل کی حالت کو ذکر کیا گیا ہے فعل کی نہیں' منافقوں کے قول ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ '' کے مطابق ہے جس میں انہوں نے فعل کی حالت کا ذکر کیا ہے' فاعل کی نہیں کیونکہ مقصد تو ان کے دعویٰ کی تردید کرنا ہے اور فصیح وبلیغ اور موکد طریقہ پر ان کے دعویٰ کی نفی کرنا مقصود ہے اور وہ ہے ان کی ذوات کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج کرنا اور اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا. (المائدہ:٣٧) یعنی کافر جہنم کی آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ نہیں نکل سکیں گے''۔ یہ ''وَمَا يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا'' سے زیادہ بلیغ ہے اور دوسرے جملہ یعنی جواب میں مطلق ایمان کی نفی کی گئی ہے جب کہ پہلے جملہ یعنی منافقوں کے دعویٰ میں مقید ایمان کا ذکر ہے اس لیے ایک احتمال یہ ہے کہ ''وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ '' میں مقید ایمان کی نفی مراد ہے جو ان کے دعویٰ میں مذکور ہے۔ اسی بناء پر دوسرے جملہ میں قید کو ترک کر دیا گیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اصل ایمان کی نفی مراد ہے اور اسی کے ضمن میں مقید ایمان (صرف اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان) کی بھی نفی ہو جائے گی اور یہ آیتِ مبارکہ کرامیہ فرقہ کے قول کی نفی کر رہی ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور کچھ نہیں کیونکہ منافقوں کے زبانی اقرار کے باوجود یہ آیتِ مبارکہ ان کے ایمان کی نفی کر رہی ہے اور یہ آیتِ مبارکہ اہل سنت کے قول کی تائید کر رہی ہے کہ ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل میں اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے' فقط زبان سے اقرار کافی نہیں [اور ''ما'' نافیہ کی خبر پر حرف با داخل کر کے نفی کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ پہلے کلام سے بے خبر سامع بھی اس کے ذریعے نفی پر استدلال کر سکتا ہے اور (''مَنْ يَّقُوْلُ '' میں) لفظ ''من '' لفظی اعتبار سے واحد ہے اس لیے اس کے بعد ''يَقُوْلُ '' فعل واحد لایا گیا ہے اور معنوی اعتبار سے ''مَنْ '' جمع ہے اس لیے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ''وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ '' میں ''هم '' ضمیر اور مومنین اسم فاعل جمع کر کے لائے گئے ہیں]۔

۹۔﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ ﴾ دراصل ''یُخَادِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ'' ہے یعنی منافق رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَسْـئَلِ الْقَرْیَۃَ'' (یوسف:۸۲) اصل میں ''اَھْلَ الْقَرْیَۃِ'' ہے یعنی بستی والوں سے پوچھیے۔ اسی طرح ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے یعنی جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا ہے اس کے برخلاف زبان سے ظاہر کرتے ہیں چنانچہ ''خداع'' کا معنی ہے: دل کی بات کے خلاف ظاہر کرنا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی منزلت وشان کو بلند فرما دیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریب کاری کو اپنے ساتھ فریب کاری قرار دیا ہے یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ. (الفتح:۱۰) بے شک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے'' اور ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ منافق اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کا اپنا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور یہ مثال بہت سے لوگوں کے لیے واقع ہوتی رہتی ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ ''عَاقَبْتُ اللِّصَّ. میں نے چور کو سزا دی'' اور ایک دوسری قراءت میں ''یَخْدَعُوْنَ اللّٰہَ'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ ''یَقُوْلُ'' کا بیان ہے یا یہ جملۂ مستانفہ (یعنی نیا جملہ) ہے گویا کہا گیا کہ یہ لوگ جھوٹ بول کر ایمان کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں اور اس میں ان کا کیا فائدہ ہے؟ جواب میں کہا گیا ہے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور اس میں ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے جس طرح ان کے علاوہ دوسرے کافروں کے ساتھ کی جاتی ہے اور ان پر بھی وہی احکام جاری وساری کیے جائیں جو مسلمانوں پر جاری کیے جاتے ہیں اور ان کو بھی مالِ غنیمت وغیرہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح حصہ ملتا ہے اور وقف کرنے والوں نے کہا: یہاں ''بِمُؤْمِنِیْنَ'' پر وقف کرنا لازم ہے ورنہ وصل کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ منافق دھوکہ دینے والے مسلمان نہیں ہیں اس طرح ان کے ایمان کی نفی نہیں ہوگی بلکہ دھوکہ دینے کی نفی ہوگی لہٰذا وصل کو ترک کیا جائے گا اور وقف لازماً کیا جائے گا جیسے تمہارا یہ قول کہ ''مَا ھُوَ بِرَجُلٍ کَاذِبٍ یعنی وہ شخص جھوٹا نہیں ہے'' حالانکہ آیت کا مقصد ان سے ایمان کی نفی کرنا ہے اور ان کے لیے دھوکہ دہی اور فریب کاری کو ثابت کرنا ہے اور جس نے ''یُخَادِعُوْنَ'' کو ''یَقُوْلُ'' کی ''ھُوَ'' ضمیر سے حال بنایا ہے اس نے ''یقول'' کو اس کا عامل قرار دیا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''یَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ مُخَادِعِیْنَ. یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں'' اور جس نے اس کو ''بِمُؤْمِنِیْنَ'' کی ضمیر سے حال بنایا ہے اس نے اسم فاعل یعنی مومنین کو اس کا عامل قرار دیا ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ وہ دھوکہ دینے کی حالت میں مومن نہیں رہتے اب اس صورت میں وقف کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور پہلی وجہ ہی درست ہے۔﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی منافق کفر کو چھپا کر اور ایمان کو ظاہر کر کے رسول اکرم ﷺ اور دیگر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔﴿ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ ﴾ یعنی جو دھوکہ دہی اور فریب کاری کا معاملہ منافقین پیغمبر اعظم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں در حقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ اس کا نقصان انہیں کو پہنچے گا اور ان کی دھوکہ دہی کا انجام آخرت میں عذاب ہے جو ان کو پہنچے گا لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا کسی اور کو نہیں [امام نافع اور ابوعمرو بصری اور ابن کثیر مکی نے پہلے جملے کی مطابقت میں اس کو ''وَمَا یُخَادِعُوْنَ'' پڑھا اور پہلے دو قاریوں نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ ''خَدَعَ'' اور ''خَادَعَ'' دونوں کا ایک معنی ہے] اور نفس کا معنی ذات روح اور حقیقت ہے پھر اس کو دل اور روح کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ نفس ان دونوں کے لیے آتا ہے اور خون کو بھی نفس کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قیام خون کے ساتھ وابستہ ہے اور پانی کو بھی نفس کہا جاتا ہے کیونکہ نفس کو اس کی شدید ضرورت ہوتی ہے اور یہاں ''اَنْفُس'' سے مراد ان کی ذوات ہیں اور معنی یہ ہے

کہ وہ اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ دھوکہ انہیں پہنچے گا' ان سے گزر کر کسی غیر کو نہیں پہنچے گا۔ ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ بے شک دھوکہ دہی کا عذاب انہیں کو پہنچے گا اور شعور کا معنی ہے: کسی چیز کو جاننا اور جو کپڑا جسم سے لپٹا ہوا ہو اس کو شعار کہتے ہیں اور انسان کے حواس کو ''مشاعرِ انسان'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ علم و شعور کے آلات ہیں اور معنی یہ ہے کہ اس کا ضرر ان کو محسوس کی طرح پہنچے گا اور وہ غفلت میں سرکشی کی وجہ سے اس آدمی کی طرح ہیں جس کے لیے حس و شعور اور علم نہیں ہے۔

١٠- ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ یعنی ان کے دلوں میں شک و نفاق ہے اور دو چیزوں کے درمیان میں تردد کو شک کہتے ہیں اور منافق لوگ کفر و ایمان میں متردد رہتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ منافق کی مثال اس بکری کی مانند ہے جو دو بکریوں کے درمیان کھڑی ہو اور پریشان ہو کہ اس بکری کے پاس جاؤں یا اس بکری کے پاس جاؤں اور اسی طرح مریض بھی موت و حیات کے درمیان پریشان رہتا ہے کیونکہ مرض صحت کی ضد ہے جب کہ فساد صحت کا متضاد ہے' اس لیے ہر قسم کے فساد کو مرض کہا جاتا ہے اور شک اور نفاق دل کا فساد ہے۔ ﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں سے انتقام لینے اور ان پر غلبہ پانے سے کمزور کر دیا اور اقتدار سے انہیں عاجز کر دیا جس کے سبب نفاق کا مرض اور زیادہ ہو گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفاق کی مختلف صورتیں پیدا کر کے ان میں مزید نفاق پیدا کرنا مراد ہے جیسا کہ ایمان کے اضافہ میں مشہور ہے (کیونکہ آیات الٰہی کے نزول اور اسلام کی روز بروز ترقی سے منافقوں کا نفاق زیادہ ہوتا اور اہل ایمان کا ایمان ترقی پذیر ہوتا)۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یہاں ''فَعِيْلٌ'' بہ معنی ''مُفْعِلٌ'' ہے یعنی ''اَلِيْمٌ'' بہ معنی ''مُؤْلِمٌ'' ہے یعنی دکھ اور درد دینے والا عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ کوفیوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی منافق اپنے قول میں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے ہیں جھوٹے ہیں اور چونکہ ما مصدر یہ ہے اس لیے فعل بہ معنی مصدر ہے اور کذب کا مطلب ہے: خلاف واقع بات کرنا یا خلافِ واقع خبر دینا' [نیز کوفیوں کے علاوہ باقی قاریوں نے ''يُكَذِّبُوْنَ'' یعنی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے] جس کا مطلب ہے کہ منافقوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت اور جو کچھ وحی کے ذریعہ تعلیمات الٰہی لے کر آئے ہیں سب کی تکذیب کی اور جھٹلا دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کذب و جھوٹ میں مبالغہ ہے جس طرح صدق میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''صَدَّقَ. اس نے خوب سچ بولا ہے'' ان دونوں کی نظیر یہ ہے: ''بَانَ الشَّيْءُ وَبَيَّنَ. یعنی فلاں چیز ظاہر ہوگئی اور خوب واضح ہوگئی ہے''۔

١١- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ [اس کا ''يَكْذِبُوْنَ'' پر عطف کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ''يَقُوْلُ اٰمَنَّا'' پر معطوف کیا جائے کیونکہ اگر یوں کہا جائے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ'' ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تو یہ صحیح ہوگا] اور معنی یہ ہوگا کہ کچھ لوگ وہ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (تو کہتے: ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں) اور فساد کا معنی ہے: کسی چیز کا اپنی صحیح اور درست حالت سے نکل جانا اور نفع بخش نہ ہونا اور اس کی ضد اصلاح ہے جس کا مطلب ہے: کسی چیز کا اپنی صحیح اور مفید حالت میں ہونا اور زمین میں فساد کرنا یہ ہے کہ جنگ و جدل اور فتنہ و لڑائی کی تحریک پیدا کرنا اور لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے لڑانا کیونکہ اس طرح کرنے سے زمین میں فتنہ و فساد شروع ہو جاتا ہے اور لوگوں کا سکون برباد ہو جاتا ہے' دینی و دنیوی منافع اور سرسبز و شاداب کھیتیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور زمین میں منافقوں کا فساد کرنا یہ تھا کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتے اور ان کے سامنے مسلمانوں کے راز فاش کر دیتے تھے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکساتے رہتے۔ یہ وہ کرتوت ہیں جو ان کو فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کی نوبت تک پہنچا دیتے۔ ﴿قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ وہ کہتے کہ ہم تو رواداری اور صلح

کلی کے ساتھ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اصلاح کرنے والے ہیں اور فساد کی وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے بغیر اور داغدار کرنے والے کسی بھی شک وشبہ کے بغیر مصلحین کی خوبی اور صفت صرف اور صرف ہمارے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ''اِنَّمَا'' کا لفظ حکم کو کسی چیز کے ساتھ یا کسی چیز کو حکم کے ساتھ خاص کرنے کے لیے آتا ہے جیسے تمہارا قول کہ ''اِنَّمَا یَنْطَلِقُ زَیْدٌ وَاِنَّمَا زَیْدٌ کَاتِبٌ یعنی صرف زید بولتا ہے اور زید ہی کاتب ہے'' اور حرف ما کافہ ہے جس نے ''اِنَّ'' کے عمل کو روک دیا۔

۱۲-﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴾ کہ بے شک وہ خود ہی فساد برپا کرنے والے ہیں [اور یہاں مفعول بہ کو حذف کر دیا گیا ہے ''اَلَا'' مرکب ہے ہمزہ استفہام اور حرف نفی سے تاکہ اپنے بعد والے کلام کے ثبوت پر تنبیہ کا معنی دے اور جب حرف استفہام نفی پر داخل ہوتا ہے تو تحقیق وثبوت کے معنی کا افادہ دیتا ہے] جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ. (القیامۃ: ۴۰) یعنی کیا وہ اس پر قادر نہیں''، چونکہ یہ اس مقام پر تحقیق کے معنی کے لیے آتا ہے اس لیے اس کے بعد جو جملہ آتا ہے وہ قسم کے معنی کو متضمن ہو کر شروع ہوتا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اصلاح پسندی کے دعویٰ کی نہایت بلیغ انداز میں تردید فرمائی ہے اور ان پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور نرالے انداز سے اس میں خوب مبالغہ فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے شروع میں حرف ''اَلَا'' اور حرف ''اِنَّ'' تاکید کے لیے لایا' نیز خبر کو معرفہ لایا اور مبتدا وخبر کے درمیان ''هُمۡ'' ضمیر لایا' آخر میں ''لَا يَشۡعُرُوۡنَ'' فرما کر ان کے دعویٰ کی خوب تردید فرمائی۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى ۖ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۶﴾

اور جب ان سے کہا جاتا: ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تو کہتے: کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے' سنو! بے شک وہی بے وقوف ہیں اور لیکن وہ جانتے نہیں O اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے تو کہتے: ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے تو کہتے: ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو (ان کے ساتھ) صرف مذاق کرتے ہیں O اللہ ان کو ان کے مذاق کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں O یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O

۱۳-﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾ منافقوں کو دو طرح سے نصیحت

کی گئی ہے' ایک یہ کہ جس حالتِ نفاق پر وہ قائم تھے اس پر ان کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ راہِ حق سے دور اور فساد کا موجب تھی اور دوسری وجہ یہ کہ ان کو وہ سیدھا اور مضبوط راستہ دکھایا گیا ہے جس پر عقلمند اور اہل بصیرت گامزن تھے اور انہیں اہل حق کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مگر ان کا یہ جواب کہ وہ بے وقوف ہیں' انتہائی جہالت و سرکشی کی وجہ سے تھا اور اس میں عالم دین کے لیے تسلی و تشفی ہے جو اس کو جہلا کی طرف سے سامنا کرنا پڑتا ہے [باقی رہی یہ بات کہ یہاں ''قِیْلَ'' کا اسناد ''لَا تُفْسِدُوْا'' اور ''اٰمِنُوْا'' کی طرف کر دیا گیا ہے جب کہ فعل کا اسناد فعل کی طرف صحیح نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں لفظِ فعل کی طرف اسناد کیا گیا ہے جب کہ فعل کے معنی کی طرف کسی فعل کا اسناد ممنوع ہے اور فعل کے لفظ کی طرف کسی فعل کا اسناد منع نہیں گویا یوں کہا گیا: ''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ هٰذَا الْقَوْلُ'' مگر انہوں نے کذب بیانی اور جھوٹ کو سواری بنا لیا اور ''كَمَا'' میں حرف ''ما'' کافہ ہے جس طرح ''رُبَمَا'' میں ہے یا ''ما'' مصدریہ ہے جس طرح ''بِمَا رَحُبَتْ'' (التوبہ:٢٥) میں ہے اور ''النَّاس'' میں لام عہد کا ہے] یعنی جس طرح رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھی ایمان لائے اور وہ حضرات مشہور و معروف ہیں یا اس سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور آپ کی جماعت مراد ہے یعنی جس طرح تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی ایمان لائے ہیں (اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ) یا ''لام'' جنس کا ہے یعنی جس طرح انسانیت میں کامل حضرات ایمان لائے یا درحقیقت صرف مسلمانوں کو انسان قرار دیا گیا اور ان کے علاوہ باقی سب جانوروں کی طرح ہیں [اور ''كَمَا'' میں حرف کاف نصب کے محل میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ''اِيْمَانًا مِثْلَ اِيْمَانِ النَّاسِ'' اور اسی طرح: ''كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ'' میں کاف محلاً منصوب ہے اور ''اَنُؤْمِنُ'' میں استفہام کا ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' میں الناس کی طرف اشارہ ہے] اور منافقوں نے مسلمانوں کو بے وقوف کہا حالانکہ وہ عقل مند اور دانش ور حضرات تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ منافقین نے اپنی جہالت سے یہ یقین کر لیا کہ جو بات ان میں ہے وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے اور دراصل جو آدمی باطل کے راستے پر سوار ہو جاتا ہے وہی بے وقوف ہے اور ''سَفَهٌ'' عقل اور حلم کی کمی کو کہتے ہیں۔

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کہ بے شک وہ خود ہی بے وقوف ہیں اور بلا شبہ یہاں ''لَا يَعْلَمُوْنَ'' اور اس سے پہلے ''لَا يَشْعُرُوْنَ'' کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سفاہت دراصل جہالت ہے اس لیے اس کے ساتھ علم کا ذکر ہی زیادہ بہتر ہے اور اس لیے بھی کہ ایمان میں نظر و استدلال کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ نظر کرنے والا ایمان کی معرفت حاصل کر لیتا ہے لیکن زمین میں فساد کرنا یہ معاملہ عادات پر مبنی ہے' پس وہ محسوس کی طرح ہے [اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''هُمْ'' فصل کے لیے ہے یا پھر ''هُمْ'' مبتدا ہے اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' اس کی خبر ہے اور جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے]۔

١٤- ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''وَاِذَا لَاقَوْا'' پڑھا ہے اور جب تم نزدیک ہو کر کسی کا استقبال کرتے ہو تو کہا جاتا ہے: ''لَقِيْتُهٗ وَلَاقَيْتُهٗ'' اور پہلی آیت میں منافقین کا عقیدہ اور ان کا نفاق بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ عمل و دخل اور برتاؤ' ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا اور مختلف چہروں سے ملاقات کرنا اور ان کے سامنے اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنا اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالنا کہ یہ ان کے ساتھ ہیں' بیان کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ﴾ ''خَلَوْا'' کا معنی ہے: خلوت نشینی اختیار کرنا یعنی کسی کے ساتھ الگ ہونا' چنانچہ جب کوئی کسی کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرتا ہے تو کہتا ہے: ''خَلَوْتُ بِفُلَانٍ'' یعنی میں نے فلاں آدمی سے تنہائی میں ملاقات کی' اور حرف ''اِلٰى'' کے ساتھ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ابتدا اور انتہا دونوں پر دلالت ہوتی ہے یعنی جب منافقین مسلمانوں سے الگ ہو کر اپنے شیطانوں یعنی سرداروں کو تنہائی میں ملتے ہیں (تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں) اور یہ بھی

جائز ہے کہ ''خَلَا'' بہ معنیٰ ''مضٰی'' ہو اور شیاطین سے وہ لوگ مراد ہوں جو سرکشی اور نافرمانی میں شیطانوں کی مثل ہو گئے ہوں اور وہ یہود ہیں [اور سیبویہ کے نزدیک شیاطین میں ''نون'' اصلی ہے' اس کی دلیل اہل عرب کا یہ قول ہے ''تَشَیْطَنَ'' اور یہ ''شطن'' سے مشتق ہے] جس کا معنی ہے: دور ہونا' چونکہ شیطان اور اس کے پیروکار بھلائی اور اصلاح کے کاموں سے دور رہتے ہیں اس لیے انہیں شیاطین کہا جاتا ہے اور انہیں کا ایک قول یہ ہے کہ ''نون'' زائدہ ہے اور ''شَاطَ'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: خراب ہونا اور باطل ہونا اور اس کے ناموں میں ایک نام باطل ہے۔ ﴿قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ﴾ یعنی بے شک ہم تو تمہارے دوست اور ساتھی ہیں اور تمہارے دین میں ہم تمہارے ساتھ موافق ہیں اور منافقین مسلمانوں سے جملہ فعلیہ کے ساتھ مخاطب ہوئے اور اپنے سرداروں سے جملہ اسمیہ کے ساتھ مخاطب ہوئے جو حرف ''اِنَّ'' کے ساتھ محقق ہے اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں سے خطاب میں ''اٰمَنَّا'' کہہ کر صرف اپنے ایمان کے حدوث (وقتی ایمان لانے) کا دعویٰ کیا ہے' دوام واستمرار کا نہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے اظہار میں مستقل توحید کے اقرار کا دعویٰ نہیں کیا یا اس لیے کہ ان کے دل اس میں ان کی موافقت و معاونت نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے باطل عقائد میں ایسا کوئی محرک و باعث نہیں تھا اور یا اس لیے کہ اگر منافقین اپنے دعویٰ میں تاکید اور مبالغہ کے الفاظ استعمال کر بھی لیتے تو بھی ان کی بے ایمانی مسلمانوں سے مخفی نہ رہتی کیونکہ مسلمان بھلا ان سے ایمان کی توقع کس طرح کرتے جب کہ ان کی منافقانہ چالیں مہاجرین و انصار کے سامنے عیاں تھیں لیکن انہوں نے اپنے قومی و مذہبی بھائیوں کو برضا و رغبت مخاطب کیا تھا اور ان کی طرف سے یہ مقبول ترین دعویٰ تھا مگر چونکہ ان کا یہ دعویٰ ظاہر کے خلاف اور مخفی تھا (کیونکہ یہ لوگ بظاہر کلمہ توحید پڑھ چکے تھے) اس لیے ان کا کلام تحقیق و تاکید کا متقاضی تھا ﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِنَّا مَعَكُمْ'' کی تاکید ہے کیونکہ اس کا معنی یہودیت پر قائم رہنا ہے اور انہوں نے ''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' کہہ کر اسلام کی تردید کی اور اپنی طرف سے ان کے سامنے دفاع کیا کیونکہ کسی چیز کا مذاق اڑانے والا اس چیز کی تحقیر کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے اور اس کے معتبر و مسلم ہونے کی تردید کرتا ہے اور کسی چیز کی نقیض کی تردید اس چیز کے ثبوت کی تاکید ہوتی ہے یا خود اس چیز کا از سر نو ثبوت ہوتا ہے گویا جب منافقین نے اپنے سرداروں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو انہوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو پھر مسلمانوں کی موافقت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو ان سے صرف ''استہزا'' کرتے ہیں اور ''استہزا'' کا معنی ہے: ہنسی مذاق کرنا اور ''استہزا'' ''هَزْءٌ'' سے مشتق ہے جس کا اصل معنی خفت و حقارت ہے اور یہ ایک زہریلا قتل ہے اور ''هَزَءَ يَهْزَءُ'' کا ایک معنی گھر میں مرنا ہے۔

۱۵- ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ منافقوں کو ''استہزا'' کی سزا دے گا' یہاں جزا کو ''استہزا'' کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ:۴۰) برائی کا بدلا اسی طرح کی برائی ہے'' دوسرا ارشاد ہے: ''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ۔ (البقرہ:۱۹۴) پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر زیادتی کرو''، ان آیات میں برائی کے بدلے کو برائی اور زیادتی کے بدلے کو زیادتی قرار دیا گیا ہے حالانکہ بدلا لینا نہ برائی ہے اور نہ زیادتی ہے (صرف مشاکلت و مشابہت کی بناء پر کہا گیا ہے) اور یہ اس لیے ہوا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے ''استہزا'' فرمانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے کار' بے ہودہ اور لغو فعل ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ یہ پسندیدہ ترین وجہ ہے' دراصل اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' کو بغیر عطف کے انتہائی عظمت و جلالت کے موقع پر بہ طور نئے جملہ کے بیان کیا گیا ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ''استہزا'' فرمائے گا جو ان کے

''استھزا'' سے کہیں زیادہ بلیغ اور بہتر ہوگا (کیونکہ منافقین کا ''استھزا'' لغو اور بے کار تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کا ''استھزا'' بامعنی اور بامقصد ہوگا) اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ان پر ذلت و رسوائی اور عبرت ناک عذاب نازل کرے گا' چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مصائب و آلام لحہ بہ لحہ اور موقع بہ موقع نازل ہوں گے اس لیے ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' کہا گیا ہے اور ''اَللّٰهُ مُسْتَهْزِیءٌ بِهِمْ'' نہیں کہا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب منافقین کے قول ''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' کے مطابق نہ ہو جائے ﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے اور یہی زجاج سے منقول ہے۔ ﴿ فِىْ طُغْيَانِهِمْ ﴾ اپنی سرکشی و غلو اور اپنے کفر و نفاق میں۔ ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴾ یہ حال ہے یعنی بھٹکتے رہیں اور حیران و پریشان رہیں اور یہ آیت مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ پر حجت ہے (اس کی وضاحت ''غِشَاوَةٌ'' کی تشریح میں گزر چکی ہے)۔

۱۶۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ ہے یعنی انہوں نے ہدایت کے عوض ضلالت کو بدل لیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کر لیا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ منافقین نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خرید لیا' یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ ہدایت پر نہ تھے کیونکہ ان کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پہلے ایمان لائے' پھر کافر بن گئے یا یہود میں بعض لوگ حضور نبی کریم رؤف رحیم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے لیکن جب آپ ان میں تشریف لے آئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کفر اختیار کر لیا یا اس لیے کہ وہ ہدایت پر قادر تھے گویا ہدایت ان میں موجود تھی' پھر انہوں نے اسے ترک کر کے گمراہی کو اختیار کر لیا اور یہ آیت ''بیع تعاطی'' کے جواز پر دلیل ہے (بغیر ایجاب و قبول کے خرید و فروخت کرنا) کیونکہ مشتری و بائع خرید و فروخت کے الفاظ ادا نہیں کرتے لیکن منافقوں نے گمراہی کے مقابلہ میں ہدایت کو اپنے اختیار سے ترک کیا اور اسی کو خرید و فروخت کہا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ ہمارے لیے دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی شخص کی چیز اس کی رضا مندی سے لے کر اس کی رقم ادا کر دے تو یہ آدمی خریدار کہلائے گا اگر چہ زبان سے کچھ نہ بولے' بہر حال ''ضلالة'' کا مطلب ہے کہ اپنے اختیار سے ہدایت کو چھوڑ کر غلط راستے پر چلنا جیسے کہا جاتا ہے: ''ضَلَّ مَنْزِلَهٗ'' کہ فلاں شخص نے اپنی منزل کو کھو دیا' پھر اس کو دینِ حق سے بھٹک جانے کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ ﴿ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ ﴾ ''رِبْحٌ'' اصل مال پر زائد منافع کو کہتے ہیں اور تجارت تاجر کا پیشہ ہے یعنی جو شخص منافع کمانے کے لیے خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں ''رِبْحٌ'' کا اسناد تجارت کی طرف اسنادِ مجازی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تجارت میں نفع نہیں کمایا کیونکہ ان کی تجارت نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی [اور جب ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خریدنا مجاز واقع ہوا ہے تو اس کے بعد ربح اور تجارت کا بہ طور استعارہ ترشیحہ ذکر کیا ہے (مشبہ بہ کے مناسب کا ذکر کرنا استعارہ ترشیحہ کہلاتا ہے) جیسے کسی شاعر کا قول ہے:

وَلَمَّا رَاَيْتُ النَّسْرَ عَزَّ ابْنَ دَايَةٍ ۔۔۔ وَعَشَّ فِيْ وَكْرَيْهِ جَاشَ لَهٗ صَدْرِیْ

''جب میں نے شاہین کو دیکھا کہ وہ کوے پر غالب آ گیا ہے اور اس نے اس کے گھونسلے میں اپنا آشیانہ بنا لیا ہے تو پوری رات میرا دل دھڑکتا رہا'']۔

اس شعر میں جب شاعر نے سفید بالوں کو شاہین کے ساتھ اور سیاہ بالوں کو کوے کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس کے بعد ان کے مناسب گھونسلہ اور آشیانہ کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ اور وہ تجارت کے طریقوں کی ہدایت نہیں رکھتے تھے جس طرح کاروباری ماہر تاجر نفع و نقصان کے طریقوں کو جانتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تجارت کا مقصد تو اصل مال کی حفاظت کرتے ہوئے نفع کمانا ہے مگر منافقین نے دونوں کو ضائع کر دیا' ان کا اصل مال ہدایت ہے جو گمراہی کے سبب ان کے

پاس نہ رہی اور جب ان کے پاس گمراہی کے سوا کچھ نہ رہا تو نفع بھی نہ رہا اگرچہ انہوں نے دنیاوی اغراض حاصل کر لیے کیونکہ گمراہ خاسر ونا کام ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ جس کا اصل مال سلامت نہ رہے اسے نفع کمانے والا نہیں کہا جاتا۔[ایک قول یہ ہے کہ ''اَلَّذِیْنَ'' ''اُولٰٓئِکَ'' کی صفت ہے اور ''فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ'' آخر آیت تک محلاً مرفوع ''اُولٰٓئِکَ'' کی خبر ہے۔]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِ
هِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾ اَوْ
كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ
اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ
ع ۱۳/۲ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی' پھر جب اس کا آس پاس خوب جگمگا اٹھا تو اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے○ بہرے' گونگے' اندھے ہیں' پس وہ واپس نہیں لوٹیں گے○ یا جیسے آسمان سے برستا پانی جس میں تاریکیاں اور گرج اور چمک ہو' وہ کڑک کے سبب اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں موت کے خوف سے' اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے○ قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اُچک لے جائے' جب بھی ان کے لیے بجلی چمکتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

۱۷-﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل صفات بیان کر دیں تو ان کے بعد مثالیں پیش کیں تا کہ ان کی پہچان زیادہ واضح ہو جائے اور بیان مکمل ہو جائے کیونکہ مثالیں بیان کرنے سے پوشیدہ معانی واضح ہو جاتے ہیں اور حقائق سے پردے اٹھ جاتے ہیں' تاثیریں عیاں ہو جاتی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے دیگر کتب سماویہ میں کثرت سے مثالیں بیان فرمائیں اور انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام ''سورۃ الامثال'' رکھا ہے اور عرب کے کلام میں مثل کا لفظ نظیر اور شبیہ کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''مِثْلٌ مَثَلٌ'' (ن) ''مَثِیْلٌ'' اور ''شِبْہٌ شَبَہٌ شَبِیْہٌ'' پھر ہر اس قول کو جس کی مثال پیش کی گئی ہو ''مَثَل'' کہتے ہیں اور نیز عرب صرف اس قول کی مثال بیان کرتے ہیں جس میں غرابت پائی جاتی ہو اس لیے اس میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے تا کہ مطلب نہ بدلے اور مثال صرف اس قصہ یا وصف یا حال کی بیان کی جاتی ہے جو اہم اور عجیب وغریب ہو گویا کہا گیا کہ منافقین کا عجیب وغریب حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ کو روشن کیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ'' (الرعد:۳۵) اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے'' یعنی ہم نے آپ سے جو عجائبات بیان کیے ہیں ان میں سے ایک عجیب وغریب

اور عظیم الشان قصہ جنت کا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے عجائبات بیان کرنا شروع کیے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ ہیں اور اس کے ہر وصف میں عظمت وجلالت کی شان موجود ہے اور اس آیت میں "اَلَّذِیْ" دراصل "اَلَّذِیْنَ" کی جگہ پر واقع ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "وَخُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا. (التوبہ:۶۹) اور تم بے ہودگی میں پڑ گئے جیسے وہ بے ہودگی میں پڑ گئے"۔ چونکہ جماعت کی واحد کے ساتھ تشبیہ وتمثیل نہیں ہوسکتی اس لیے یا تو "مُسْتَوْقِدِیْنَ" (آگ جلانے والوں) سے جنس مراد لی جائے یا پھر فوج مراد لی جائے یعنی (ان کی مثال اس فوج یعنی جماعت کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی) اس بنا پر کہ منافقین کی ذوات کو آگ جلانے والے کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی تاکہ جماعت کی واحد کے ساتھ تشبیہ لازم آجائے بلکہ منافقین کے قصہ کو آگ جلانے والوں کے قصہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور "اِسْتَوْقَدَ" کا معنی "اَوْقَدَ" ہے اور "وَقُوْدٌ" اور "وَقُوْدُ النَّارِ" کا معنی روشن کرنا' چمکانا اور آگ کے شعلے کا بلند ہونا ہے اور "نار" کا معنی ہے: جلانے والا روشن اور گرم ترین لطیف جوہر اور یہ "نَارَ یَنُوْرُ" سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے: اچھلنا' بدکنا اور چمکنا' چونکہ آگ میں بھی روشنی کے ساتھ حرکت واضطراب اور جوش ہوتا ہے اس لیے اسے نار کہتے ہیں۔ ﴿فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ "اِضَاءَۃٌ" کا معنی ہے: خوب چمکانا اور روشن کرنا اور اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا. (یونس:۵) یعنی وہی ہے جس نے سورج کو خوب روشن کرنے والا اور چاند کو روشن بنایا" [اور یہ (اَضَآءَتْ) فعل متعدی ہے اور ایک احتمال یہ بھی کہ متعدی نہ ہو بلکہ لازم ہو اور "مَا حَوْلَهٗ" کی طرف مسند ہو اور اس کو معنی پر محمول کرتے ہوئے مونث لایا گیا ہے اس لیے کہ آگ جلانے والے کے اردگرد کے اماکن واشیاء مراد ہیں (جو مونث ہیں) اور ﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ "فَلَمَّا" کا جواب ہے اور یہ ظرف زمان اور حرف "اذا" کی طرح اس کا جواب بھی اس کا عامل ہوتا ہے اور لفظ "مَا" موصولہ ہے اور "حَوْلَهٗ" ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے یا نکرہ موصوفہ ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: "فَلَمَّا اَضَآءَتْ شَیْئًا ثَابِتًا حَوْلَهٗ" اور ضمیر کا واحد اور جمع آنا کبھی لفظ پر اور کبھی معنی پر محمول کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے] اور نور آگ کی روشنی کو کہتے ہیں' نیز ہر روشنی کو نور کہتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا نور لے گیا اور اس کو زائل کر دیا اور اسے چلنے جانے والا بنا دیا اور "ذَهَبَ بِهٖ" کا معنی ہے: اسے ساتھی بنا لیا اور اسے لے گیا' نیز اللہ تعالیٰ کے نور لیجانے کا مطلب ہے: اللہ نے اسے روک لیا اور جس کو اللہ تعالیٰ روک لے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا' لہٰذا یہ "اِذْهَاب" سے زیادہ بلیغ ہے اور اللہ تعالیٰ نے "ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ" نہیں فرمایا تاکہ "فَلَمَّا اَضَآءَتْ" کے موافق ہو جاتا کیونکہ نور زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ "ضَوْء" زائد معنی پر دلالت کرتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا نور بالکل زائل کر دیا اور ان سے مکمل سلب کر لیا' اگر "ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ" کہا جاتا تو یہ وہم پیدا ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ ان کا زائد نور لے گیا اور باقی اصل نور ان کے پاس ہے حالانکہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کس طرح ذکر فرمایا ﴿وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ﴾ "ظلمت" نور کی ضد ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو جمع لایا اور کس طرح اس کو نکرہ بیان فرمایا اور کس طرح اس کے بعد جملہ ارشاد فرمایا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اتنے سخت اندھیرے ہیں کہ بلند وبالا اور دراز قد جسم تک دکھائی نہیں دیتا اور یہ ارشاد ہے: ﴿لَّا یُبْصِرُوْنَ﴾ [اور اگر "تَرَكَ" فعل ماضی کا تعلق ایک چیز کے ساتھ ہو تو یہ بہ معنی "طَرَحَ" "پھینک دیا" اور "خَلّٰی" "چھوڑ دیا" کے ہوتا ہے اور اگر اس کا تعلق دو چیزوں کے ساتھ ہو تو یہ بہ معنی "صَیَّرَ" (کر دیا' بنا دیا) کے ہوتا ہے اور افعالِ قلوب کے قائم مقام ہوتا ہے اور "وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ" اسی سے ہے' اصل میں "هُمْ فِیْ ظُلُمَاتٍ" ہے' پھر "تَرَكَ" داخل کیا اور دونوں جز محلًا منصوب ہیں اور "لَا یُبْصِرُوْنَ" کا مفعول بہ ساقط کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ متروک ومطروح کے قبیل سے ہے' مقدر منوی کے

قبیل سے نہیں گویا فعل بالکل متعدی نہیں ہے] اور منافقین کے حال کو آگ جلانے والے کے حال کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ انہوں نے ایمان کی روشنی کو ضائع کر دیا اور تاریکی و حیرانگی میں گر پڑے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کفر و نفاق کی تاریکیوں میں منافقین کا مخبوط الحواس ہو کر ہمیشہ سرگرداں رہنا ہی بہتر ہے' پھر وہ مواد جس سے وہ روشنی حاصل کرتے ہیں اس کا نفع ان بکواسات سے کم ہے جو ان کی زبانوں پر جاری رہتے اور روشنی کے مقابلہ میں نفاق کی ظلمت انہیں دائمی عذابِ آخرت کی طرف لے جانے والی ہے اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ انہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی کو خرید لیا ہے تو اس کے بعد یہ تمثیل بیان کی گئی ہے تا کہ ان کی فروخت کردہ ہدایت کو آگ جلانے والے کے اردگرد کو روشن کرنے والی آگ کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور ان کی خرید کی ہوئی گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اندھیروں میں چھوڑنے اور ان کے نور کو زائل کرنے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور نار کو اس لیے نکرہ لایا گیا ہے تا کہ اس کی بڑھائی کو ظاہر کیا جائے۔

۱۸- ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ﴾ یعنی "هُمْ صُمٌّ" وہ بہرے ہیں' دراصل منافقین کے حواس صحیح سلامت تھے لیکن جب انہوں نے حق سننے سے اپنے کان بند کر لیے اور زبان سے حق بولنے اور آنکھوں سے حق کو نظر و فکر سے دیکھنے اور نگاہِ بصیرت کو وا کرنے سے انکار کر دیا تو گویا ان کے مشارع اور حواس ختم ہو گئے اور سننے' بولنے اور دیکھنے کی حقیقی صلاحیت برباد ہو گئی اور علمائے بیان کے نزدیک اس کا طریقہ عرب کے کلام کے طریقہ پر ہوتا ہے جیسے وہ شجاعت و بہادری میں شیر ہے اور جود و سخا میں سمندر ہے مگر یہ صفات میں ہوتا ہے اور وہ اسماء میں ہوتا ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق اس آیت کریمہ میں کوئی بلیغ تشبیہ ہے اور نہ اس میں استعارہ ہے کیونکہ مستعار لہ مذکور ہے اور وہ منافقین ہیں اور استعارہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مستعار لہ کا ذکر بالکل لپیٹ دیا جائے اور کلام اس سے بالکل خالی کر لیا جائے کیونکہ اس سے منقول عنہ اور منقول لہ مراد ہوتے ہیں اگرچہ اس پر حال یا کلام کا مضمون دلالت نہ کرتا ہو ﴿فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ ہدایت کو فروخت کرنے کے بعد منافقین رشد و ہدایت اور دینِ حق کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے اور نہ وہ گمراہی خریدنے کے بعد گمراہی کو چھوڑیں گے کیونکہ ان میں کسی چیز کی طرف یا کسی چیز سے رجوع کرنے کی طلب ختم ہو چکی ہے یا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ منافقین ان لوگوں کی طرح ہیں جو اپنی جگہ میں جامد و ساکن ہو کر حیران و پریشان ہوں' نہ وہاں سے ادھر ادھر ہلتے جلتے ہوں اور نہ یہ جانتے ہوں کہ آگے کو جانا ہے یا پیچھے کو جانا ہے۔

۱۹- ﴿اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ﴾ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منافقین کے حال کو دوسری تمثیل کے ساتھ دوبارہ بیان فرمایا تا کہ ان کی پہچان زیادہ واضح ہو جائے' پہلی مثال میں منافقین کو آگ جلانے والوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے ظاہری ایمان کو روشنی کے ساتھ اور اس کے ختم ہو جانے کو آگ کے بجھنے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہاں اس آیت مقدسہ میں دینِ اسلام کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ دین اسلام کے ذریعہ مردہ قلوب زندہ ہو جاتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس کے متعلقات میں کفار کو ظلمات' رعد' برق اور رعد کی وعید کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مسلمانوں کی طرف سے جو مصائب و آلام ان کو پہنچتے ہیں ان کو صواعق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اب معنی یہ ہوگا "اَوْ كَمَثَلِ ذَوِیْ صَیِّبٍ" یعنی منافقین کی مثال بارش میں گھرے ہوئے شخص کی طرح ہے' یہاں "مَثَلَ" کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر عطف دلالت کر رہا ہے اور "ذَوِیْ" کو بھی حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر "یَجْعَلُوْنَ" دلالت کر رہا ہے' مقصد یہ ہے کہ منافقین کی مثال اس قوم کی طرح ہے جس کو آسمانی بارش نے اندھیروں' گرج اور چمک کے

ساتھ گھیر لیا ہے' پھر جو مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچی تھیں وہ پہنچیں' بہر حال اس میں اشیاء کو اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے مگر مشبہات کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ. (الغافر:۵۸) یعنی اندھا اور بینا اور نیک مسلمان اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے''۔

امرأالقیس کا شعر ہے:

كَانَّ قُلُوْبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَّيَابِسًا لَدَىٰ وَكْرِهَا الْعُنَابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِيْ

''گویا پرندوں کے دل خشک وتر ہیں کیونکہ ان کے گھونسلوں کے پاس انگور اور کھجوریں بوسیدہ ہیں''۔

بلکہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بہ طور استعارہ مخفی کر کے لایا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہاں دونوں تمثیلیں تمثیلاتِ مرکبہ میں سے ہیں متفرقہ سے نہیں کیونکہ واحد کے ساتھ واحد کی تشبیہ نہیں دی جاتی جس کا بیان یہ ہے کہ عرب الگ الگ اور جدا جدا اشیاء کو لیتے ہیں' پھر ان کے مجموعہ کو نظائر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں' امرأالقیس نے بھی اسی طرح کہا ہے لیکن ایسی اشیاء جو کسی وصف میں باہم مشترک ہوں تو ان کے مجموعہ سے حاصل شدہ کیفیت کو تشبیہ دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مساوی ہو جاتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا. (الجمعہ:۵) ''ان کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا' پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اس گدھے کی طرح ہے جس نے پشت پر بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں''۔ یہود نے تورات کے ساتھ جہالت و نادانی کا جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی کیفیت کو گدھے کی جہالت و نادانی کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دینا مراد ہے جس نے پر از حکمت بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں' چنانچہ حکمت و دانائی اور عزت و وقار کی کتابیں اٹھانے میں دونوں کی حالتیں برابر ہیں جنہیں سوائے محنت و مشقت اور تکلیف کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا' نیز اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ. (الکہف:۴۰) اور ان کے سامنے دنیوی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی ہے ہم نے اسے آسمان سے اتارا ہے' چنانچہ اس آیت مبارکہ میں دنیوی زندگی کی بقا کی قلت مراد ہے جس طرح پانی سے اگنے والے سبزے کی بقا چند دنوں کے لیے ہوتی ہے' لہٰذا یہاں بھی ایک کیفیت کو دوسری کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پس اگر افراد کی افراد کے ساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ ہو جن کا آپس میں کسی وصف میں ایک دوسرے سے تعلق نہ ہو اور نہ انہیں کسی مشترک وصف میں متحد قرار دیا گیا ہو تو پھر یہ تشبیہ جائز نہیں' چنانچہ اسی طرح جب منافقین نے گمراہی کو اختیار کر لیا تو اس سے حیرت و پریشانی اور معاملات کی شدت واقع ہوئی' اس کو اندھیری رات میں آگ جلانے کے بعد بجھ جانے سے جو تکلیف و مشقت آگ جلانے والے کو حاصل ہو گی اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اسی طرح ان کی حالت کو ایسے شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اندھیری رات میں بارش میں گھر جائے جس میں گرج اور چمک ہو اور کڑک کے باعث موت کا خوف طاری ہو اور دوسری تمثیل پہلی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ معاملہ کی شدت اور حیرت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے اور عرب کے لوگ ایسی حالت میں ہلکی چیز کو سخت چیز میں درج کر دیتے ہیں اور یہاں دوسری تمثیل کو پہلی تمثیل پر حرف ''اَوْ'' کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے کیونکہ یہ اصل میں دو چیزوں کے مساوی ہیں یا بعض کے نزدیک منافقین کے شکوک و شبہات بیان کرنے میں یہ دونوں مثالیں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں' لہٰذا حرف ''اَوْ'' یہاں صرف مساوات کے لیے مستعار لیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ قول ''جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ'' مقصد یہ ہے کہ حسن اور ابن سیرین جلوس (بیٹھنے) کی

کیفیت میں مساوی و برابر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا. (الدھر:۲۴) اور ان میں سے کسی گناہگار یا ناشکرے کی بات نہ مانو''، یعنی معصیت کے وجوب میں گناہ اور ناشکری دونوں برابر ہیں' پس اسی طرح یہاں منافقین کے قصہ کی کیفیت کو ان دونوں مثالوں میں بیان کردہ قصوں کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ دونوں کی کیفیات تمثیل کے اعتبار سے مستقل ہونے میں برابر ہیں' لہٰذا ان میں سے جس کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے درست ہے اور اگر دونوں کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو پھر بھی درست ہے اور ''صَيِّبٌ'' اس بارش کو کہتے ہیں جو آسمان سے برستی ہے اور بادلوں کو بھی ''صَيِّبٌ'' کہا جاتا ہے اور ''صَيِّبٌ'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ بارش کی شدید و سخت اور خوف زدہ کر دینے والی قسم ہے جس طرح پہلی مثال میں لفظ ''نَارً'' کو نکرہ لایا گیا ہے اور آسمان سایہ دار چھت کو کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ چاروں سمتوں میں پھیلی ہوئی فضا کو آسمان کہا جاتا ہے اور اگرچہ بارش آسمان سے اترتی ہے لیکن آسمان کا ذکر کرنے اور اس کو ''اَلسَّمَآء'' معرفہ لانے میں یہ فائدہ بتانا مقصود ہے کہ بارش آسمان کے تمام کناروں سے برستی ہے صرف ایک سے نہیں کیونکہ آسمان کا ہر کنارہ مستقل آسمان ہے' لہٰذا معرفہ لانے میں مبالغہ مقصود ہے جس طرح ''صَيِّبٌ'' کو نکرہ لانے میں مبالغہ مقصود ہے اور اس میں اس قول کی دلیل ہے کہ بادل آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے پانی لے کر برستا ہے جب کہ بعض نے کہا کہ بادل سمندر سے پانی لیتا ہے' پھر اوپر چڑھ جاتا ہے [اور ''ظُلُمَاتٌ'' جار مجرور کے ساتھ مرفوع ہے کیونکہ یہ قوی ہے اور اس لیے کہ یہ ''صَيِّبٌ'' کی صفت ہے بخلاف اس کے کہ اگر تم شروع میں ہی ''فِيْهِ ظُلُمَاتٌ'' کہتے اور اس میں سیبویہ اور اخفش کے درمیان اختلاف ہے] اور ''رَعْدٌ'' بادل کی اس آواز کو کہتے ہیں جو آسمان کے ساتھ بادل کے ٹکرانے سے سنی جاتی ہے یا پھر بادلوں کو چلانے والے فرشتے کی آواز کو رعد کہتے ہیں اور ''بَرْقٌ'' بادل سے چمکنے والی بجلی کو کہتے ہیں یہ ''بَرَقَ الشَّیْءُ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: وہ چیز روشن ہو گئی [اور ''فِيْهِ'' میں ضمیر ''صَيِّبٌ'' کی طرف لوٹتی ہے' لہٰذا ''صَيِّبٌ'' کو ظلمات کے لیے ظرف مکان بنایا گیا ہے] پس اگر ظلمات سے مراد بادل ہوں تو پھر بادلوں کی سیاہی اور بادلوں کے پاٹوں کا ایک دوسرے پر اوپر نیچے چڑھنے کی وجہ سے پیدا شدہ سیاہی اور رات کی سیاہی کو ظلمات (جمع کے ساتھ) کہا جائے گا لیکن اگر اس سے مراد بارش ہو تو پھر بارش کے مسلسل کثیف قطرات کی سیاہی اور بادلوں کے سایوں کی سیاہی اور رات کی سیاہی کو ظلمات کہا جائے گا' اگر ''صَيِّبٌ'' سے مراد بادل ہوں تو اس کا ''رعد'' اور ''برق'' کے لیے ظرفِ مکان ہونا ظاہر ہے اور اگر اس سے مراد بارش ہو تو اس کے ساتھ رعد اور برق کا ذکر اس کے متعلقات ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے کیونکہ عموماً بارش کے ساتھ گرج اور چمک ہوتی ہے اور رعد اور برق دونوں کو اس لیے جمع نہیں لایا گیا کہ یہ دراصل مصدر ہیں جیسے کہا جاتا ہے: ''رَعَدَتِ السَّمَآءُ وَبَرَقَتْ بَرَقًا. یعنی آسمان خوب گرجا اور خوب چمکا''، لہٰذا دونوں میں اصل کی رعایت کی گئی ہے اس لیے ان کو جمع نہیں لایا گیا اور ان تمام اشیاء کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ اس سے ان کی بڑی اقسام مراد ہیں گویا کہا گیا ہے کہ اس میں سخت ترین اندھیرے ہیں اور زبردست گرج ہے اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تیز ترین بجلی ہے۔ ﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ [فعل مضارع کی ضمیر اصحاب ''صیب'' کی طرف لوٹتی ہے اگرچہ محذوف ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ. (الاعراف:۴) یا وہ دوپہر کے وقت سو رہے تھے''، کیونکہ معنوی اعتبار سے محذوف باقی ہوتا ہے اگرچہ اس کے لفظ ساقط ہو جاتے ہیں اور ''يَجْعَلُوْنَ'' کسی اعراب کا محل نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے] اور اس لیے بھی کہ جب شدت و گھبراہٹ پر دلالت کرنے والی گرج اور بجلی کا ذکر کیا گیا تو گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اس طرح کی گرج میں ان کا کیا حال ہو گا؟ جواب میں کہا گیا کہ وہ اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں' پھر کہنے والے نے کہا کہ اس طرح آنکھوں کو خیرہ کرنے

والی تیز بجلی میں ان کا کیا حال ہو گا؟ جواب میں کہا گیا کہ قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اچک لے پھر یہاں بہ طور مجاز ''اَصَابِع'' کا ذکر کیا گیا ہے ''اَنَامِل'' (پوروں) کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی پوروں کے سروں کا ذکر کیا گیا ہے اگر چہ کانوں میں انگلیاں نہیں پورے یا ان کے صرف سرے داخل کیے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا. (المائدہ: ۳۸) پس ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو''۔ اس آیت میں تمام ہاتھ کاٹنے مراد نہیں بلکہ صرف کلائیوں تک ہاتھ کاٹنے مراد ہیں' البتہ ''اصابع'' یعنی انگلیوں کے ذکر میں مبالغہ ہے (گویا شدتِ حیرت سے پوری انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں) لیکن ''اَنَامِل'' یعنی پوروں کے ذکر میں نہیں ہے' پھر اس خاص انگلی (سبابہ) کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے کان بند ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ''فَعَالَةٌ'' کے وزن پر ہے اور ''سَبٌّ'' گالی دینا سے مشتق ہے' لہٰذا قرآن کے آداب کے پیشِ نظر اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے' باقی یہ کہ ''مسبحہ'' کے نام سے کیوں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک نیا نام ہے جو مشہور و معروف نہیں ﴿مِّنَ الصَّوَاعِقِ﴾ ''یَجْعَلُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی کڑک کے سبب وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور ''صَاعِقَة'' سخت گرج کو کہتے ہیں جس کے ساتھ آگ کے شعلے نکلتے ہیں' اہل عرب کہتے ہیں: ''تَنْقَدُ مِنَ السَّحَابِ. یعنی بادل سے شعلے چمکے''۔ جب بادل آسمان سے ٹکراتے ہیں تو باریک اور گرم آگ نکلتی ہے اور جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا دیتی ہے لیکن جلد بجھ جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کھجور پر گرتی ہے اور اس کے نصف حصے تک کو جلا دیتی ہے' پھر بجھ جاتی ہے جیسے ''صَعَقَتْهُ صَاعِقَةٌ. یعنی اس کو بجلی کی کڑک نے ہلاک کر دیا''، نیز ''صَعِقَ'' بہ معنی ''مَاتَ'' بھی آتا ہے یعنی فلاں آدمی بجلی کے جلانے یا اس کی آواز سے مر گیا۔ ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ یہ مفعول لہ ہے' جاندار کی زندگی کے خاتمہ کو موت کہتے ہیں یا یہ عرض ہے جس کے طاری ہونے پر حیات کی حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ یعنی کفار و منافقین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے جس طرح محاط بہ (گھیرا ہوا) محیط (گھیرنے والے) سے نہیں بچ سکتا [اور یہ مجاز ہے' نیز یہ جملہ معترضہ ہے' جس کے لیے اعرابی کوئی محل نہیں]۔

۲۰-﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''خطف'' کا معنی ہے: کسی چیز کو جلدی اور اچانک پکڑ لینا اور ''كَادَ'' فعل کو بہت قریب کرنے کے لیے آتا ہے' [''يَخْطَفُ'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''كَادَ'' کی خبر ہے] ﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ﴾ [لفظ کل ظرف ہے اور ''ما'' نکرہ موصوفہ ہے' جس کا معنی ہے: وقت اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] تقدیر عبارت یہ ہے: ''كُلَّ وَقْتٍ اَضَآءَ لَهُمْ فِيْهِ. یعنی جب بھی ان کے لیے بجلی چمکتی ہے'' اور اس کا عامل بعد میں آنے والا جواب ہے اور وہ ﴿مَّشَوْا فِيْهِ﴾ ہے یعنی اس کی روشنی میں چلتے ہیں۔ یہ تیسرا جملہ مستانفہ ہے اور یہ اس آدمی کا جواب ہے جو کہتا ہے کہ بجلی کے تیز چمکنے اور اس سے خوف زدہ ہونے کے وقت منافقین کیا کرتے ہیں۔ یہ مثال منافقین کے لیے اتنی شدید ہے جتنی بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کے لیے بارش کی شدت ہے کیونکہ وہ انتہائی حیرت و جہالت میں پریشان ہیں اور سوچتے ہیں کہ کس کو اختیار کریں اور کس کو چھوڑیں۔ جب وہ تیز چمکنے والی بجلی کا سامنا کرتے ہیں تو بینائی کے چھن جانے کے خوف سے بجلی کی تیز چمک اور روشنی کو غنیمت سمجھ کر متحرک ہو جاتے ہیں اور اس میں چند قدم چلتے ہیں لیکن جب وہ روشنی ختم ہو جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں [اور ''اَضَآءَ'' فعل متعدی ہے] یعنی جب بجلی ان کے لیے چلنے کا راستہ روشن کر دیتی ہے تو اس پر چل پڑتے ہیں [اور مفعول محذوف ہے یا پھر غیر متعدی ہے] یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چل پڑتے ہیں اور ''مشی'' مخصوص حرکت (میانہ روی چال) کو کہتے ہیں اور جب کچھ زیادہ تیز ہو جائے تو سعی (ہلکا دوڑنا) ہے' پھر جب اور زیادہ تیز ہو جائے تو اسے ''عَدْوٌ'' (تیز دوڑنا) کہتے ہیں۔ ﴿وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ﴾ ''اَظْلَمَ'' فعل غیر متعدی ہے اور

''اَضَآءَ'' کے ساتھ ''کُلَّمَا'' اور ''اَظْلَمَ'' کے ساتھ ''اِذَا'' کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ منافقین اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے دوڑنے کی حد تک انتہائی حریص تھے' چنانچہ جب ان کے سامنے روشنی چمکتی تو فوراً اس میں چل پڑتے لیکن توقف میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ ﴿قَامُوْا﴾ رک جاتے اور اپنی جگہ پر کھڑے رہتے اور اسی سے ''قَامَ الْمَآءُ'' لیا گیا ہے یعنی جب پانی جم جاتا ہے تو کہتے ہیں: ''قَامَ الْمَاءُ''۔ ﴿وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ﴾ سخت ترین کڑک کے سبب ﴿وَاَبْصَارِهِمْ﴾ بجلی کی چمک سے ''شَآءَ'' کا مفعول محذوف ہے کیونکہ اس کا جواب اس پر دلالت کررہا ہے یعنی اگر اللہ ان کی سماعت اور بصارت کو لیجانا چاہتا تو ضرور لیجاتا البتہ ''شَآءَ'' میں اس قسم کے حذف بہت زیادہ ہیں' مقصد یہ ہے کہ اہل عرب مفعول کو ظاہر نہیں کرتے مگر کسی غریب و عجیب چیز میں جیسے یہ قول ہے: ''فَلَوْ شِئْتَ اَنْ اَبْكِي دَمًا لَبَكَيْتُهٗ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ سَاحَةُ الصَّبْرِ اَوْسَعُ. یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں خون کے آنسو بہاؤں تو میں اس پر رووں گا لیکن صبر کا میدان بہت وسیع ہے''۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا. (الانبیاء:۱۷) یعنی اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے''۔ ''لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا. (الزمر:۴) یعنی اگر اللہ اپنا بیٹا بنانا چاہتا''۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے فرقوں یعنی مسلمانوں' کافروں اور منافقوں کی تعداد بیان فرمائی اور ان کے اوصاف و احوال ذکر فرمائے اور سعادت و شقاوت کے اعتبار سے اور اللہ کی بارگاہ سے اخروی حصہ پانے یا نہ پانے کے اعتبار سے ہر فرقے کے لیے جو مخصوص ہے اس کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ خطاب کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ التفات مذکور میں سے ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا اس امید پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤO جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے تمہارے کھانے کے لیے کچھ پھل پیدا کیے' پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہوO

## توحید و عبادت کے دلائل

۲۱- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ حضرت علقمہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جہاں ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' آتا ہے وہاں اہل مکہ سے خطاب ہوتا ہے اور جہاں ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' آتا ہے وہاں اہل مدینہ کو خطاب ہوتا ہے اور اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور ''یا'' حرف ندا ہے جو دور سے پکارنے کے لیے آتا ہے اور ''اَيْ'' اور ''ہمزہ'' نزدیک سے پکارنے کے لیے آتے ہیں' پھر ''یا'' ہر اس شخص کے پکارنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو غافل و بے خبر ہو اور مقصد کو بھول چکا ہو' وہ اگرچہ قریب اور نزدیک ہو لیکن اسے بعید اور دور قرار دے کر حرف ''یا'' سے پکارا جاتا ہے' لہٰذا جب حرف ''یا'' سے قریب

موجود کو پکارا جائے گا تو یہ محض تاکید کرنے اور خبردار کرنے کے لیے ہوگا کہ خطاب کے بعد انتہائی اہم اور معتبر مضمون کی طرف منادیٰ کو متوجہ کیا جا رہا ہے (تاکہ غفلت چھوڑ کر عمل کے لیے متحرک ہو جائے) اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے لیکن اس کے باوجود دعا کرنے والے کا ''یَا رَبِّ'' کہنا اس لیے ہے کہ وہ اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا قصوروار سمجھتا ہے اور انکساری کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ کے قرب سے بعید اور دور خیال کرتا ہے اور قبولیتِ دعا پر مزید ہلاکت خیز اعمال کے خوف سے اپنی کوتاہی کا اقرار و اعتراف کرتا ہے [اور ''اَیُّ'' حرف ندا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ حرف ندا معرف باللام پر داخل ہو جس طرح ''ذُوْ'' اور ''اَلَّذِیْ'' ہے جو صلہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں' صلہ اسم جنس ہو خواہ اسم معرفہ ہو بشرطیکہ وہ جملہ ہو اور ''اَیُّ'' اسم مبہم ہے جو ایسے اسم کا محتاج ہوتا ہے جو اس کے ابہام کو دور کر دے اسلیے اس کے بعد اسم جنس یا اس کا قائم مقام ضرور آتا ہے جس کے ساتھ یہ متصف ہوتا ہے تاکہ ندا کا مقصود واضح ہو جائے' لہٰذا ''یَا'' اور ''اَیُّ'' جس میں عمل کریں گے اس اسم کا تابع اس کی صفت بنے گا جیسے ''یَا زَیْدُ الظَّرِیْفُ'' ہے (جس میں ظریف زید کی صفت ہے) مگر ''اَیُّ'' بغیر صفت کے مستقل استعمال نہیں ہوتا جس طرح زید استعمال ہوتا ہے اس لیے یہ بغیر صفت کے استعمال نہیں ہوگا اور حرف تنبیہ (ھَا) موصوف اور صفت کے درمیان اس لیے داخل کیا جاتا ہے کہ ندا کے معنی کی تاکید ہو جائے یا پھر اضافت کے عوض میں آتا ہے جس کا ''اَیُّ'' مستحق ہے] اور قرآن مجید میں اس طریق پر ندا کو کثرت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے جن اوامر و نواہی اور مواعید و وعیدات کے ساتھ ندا فرمائی ہے وہ تمام عظیم الشان اور بڑی عظمت والے مواعظ ہیں' لہٰذا ان پر واجب ہے کہ وہ ان امور پر عمل پیرا ہونے کے لیے بیدار ہو جائیں اور اپنے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کی طرف راغب و متوجہ ہوں حالانکہ وہ غافل و بے خبر بنے ہوئے ہیں' لہٰذا مقتضائے حال یہ ہے کہ انہیں مؤکد و مؤثر اور بلیغ خطاب کے ساتھ مخاطب کیا جائے۔ ﴿اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ (پہلے) رب تعالیٰ کی توحید مانو (پھر عبادت کرو)۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے توحید الٰہی مراد ہے۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ یہ صفت موضحہ ممیّزہ ہے کیونکہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو رب کہتے تھے اور ''خلق'' کا معنی ہے: کسی معدوم کو مخصوص انداز پر متوازی بنانا اور معتزلہ کے نزدیک کسی شے کو اندازہ سے متوازی بنانا ''خلق'' ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک معدوم بھی شے ہے کیونکہ ان کے نزدیک شے وہ چیز ہے جس کو جاننا اور اس کے متعلق خبر دینا صحیح ہو اور ہمارے نزدیک موجود چیز کو شے کہتے ہیں۔ ابوعمرو نے ''خَلَقكُّمْ'' ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اس جملہ سے ان پر حجت پیش کی گئی ہے کہ ان کا اور ان سے پہلے لوگوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ خود اس بات کے معترف و مقر تھے' لہٰذا ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اقرار کرتے ہو کہ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اسی کو واحد لاشریک مان کر اسی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت نہ کرو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی تم اس امید پر عبادت کرو کہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ اور اس کے سبب عذاب سے نجات پا لو اور ''لَعَلَّ'' امید اور طمع کے معنی میں آتا ہے لیکن طمع ایک کریم و رحیم سے متعلق ہے اس لیے اس کو حتمی اور یقینی وعدہ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جس کا پورا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ سیبویہ نے یہی کہا ہے اور قطرب نے کہا کہ ''لَعَلَّ'' بہ معنی ''کَیْ'' ہے یعنی تاکہ تم متقی اور پرہیزگار ہو جاؤ۔

۲۲۔ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ﴾ [''جَعَلَ''، ''صَیَّرَ'' کے معنی میں ہے اور ''اَلَّذِیْ'' بہ طور مدح محلاً منصوب ہے یا ''ھُوَ''، ضمیر مقدر کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] ﴿فِرَاشًا﴾ یعنی بچھونا جس پر بیٹھتے ہو اور سوتے ہو اور لیٹ دیتے ہو

اور یہ ''جَعَلَ'' کا دوسرا مفعول ہے اور اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ زمین ہموار سطح ہے یا کروی (گول) ہے کیونکہ بچھونا دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ یعنی آسمان کو چھت بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا. (الانبیاء:۳۲) یعنی ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے'' اور یہ مصدر ہے اور عمارت کا بھی یہ نام رکھا جاتا ہے۔

﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ یعنی بارش ﴿ فَاَخْرَجَ بِهٖ ﴾ پانی کے ساتھ۔ ہاں البتہ پھلوں کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اور اس کی ایجاد سے ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے پانی کو پھلوں کے اگنے کا سبب بنایا ہے جس طرح مرد کے پانی کو اولاد کی پیدائش کا سبب بنایا ہے حالانکہ وہ بغیر سبب تمام اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے جس طرح کہ اس نے تمام مادوں اور اسباب کو پیدا کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق اور نشو ونما میں تدریجی نظام عمل کو جاری فرما دیا ہے' چنانچہ وہ ہر چیز کو درجہ بہ درجہ منزل بہ منزل ایک حال سے دوسرے حال میں ایک مرتبہ سے دوسرے میں منتقل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنے طبعی درجۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے تاکہ حقیقت بین نگاہوں سے بغور دیکھنے والوں کے لیے عبرت و حکمت حاصل ہو جائے اور ﴿ مِنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ [میں حرف ''مِنْ'' تبعیض یا بیان کے لیے ہے ﴿ رِزْقًا ﴾ اگر حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہو تو یہ ''اَخْرَجَ'' کا مفعول لہ ہوگا اور اگر حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہو تو پھر یہ ''اَخْرَجَ'' کا مفعول بہ بنے گا' باقی رہی یہ بات کہ یہاں ''ثمرات'' (جمع مونث) کہا گیا ہے اور ''ثَمَرٌ'' (ثَمَرَةٌ کی جمع) اور ''ثِمَارٌ'' (جمع الجمع) نہیں کہا گیا اگرچہ آسمانی پانی (بارش) سے ثمر کی پیداوار بہت زیادہ ہوتی ہے' ایک تو اس لیے کہ ''ثَمَرَاتٌ'' سے ''ثَمَرَةٌ'' کی جماعت مراد ہے (اس لیے مونث کا صیغہ لایا گیا ہے) اور دوسرا اس لیے کہ جمع کے صیغے ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے رہتے ہیں کیونکہ سب میں جمع کا معنی پایا جاتا ہے۔] ﴿ لَّكُمْ ﴾ اگر رزق بعینہٖ مراد ہو تو یہ اس کی صفت جاریہ ہوگی اور اگر رزق کو مسمّٰی کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ رزق کا مفعول بہ ہوگا' گویا کہا گیا ہے کہ یہ رزق صرف تمہارے لیے ہے۔ ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ یہ امر کے ساتھ متعلق ہے یعنی تم صرف اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ نہ کسی کو ہمسر بناؤ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَلَّذِیْ'' بہ طور مبتدا مرفوع ہو اور ''فَلَا تَجْعَلُوْا'' اس کی خبر ہو اور حرف ''فا'' کو اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ کلام جزا کو متضمن ہے] یعنی اللہ وہ یکتا ذات ہے جس نے اپنی واحدانیت پر شہادت دینے والے روشن دلائل اور عظیم الشان آیات تم پر واضح کر دی ہیں' پس تم اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور ''ند'' مثل کے معنی میں آتا ہے کیونکہ مساوی اور ہم پایہ مخالف کو مقابل و ہمسر کہا جاتا ہے ''لَیْسَ لِلّٰهِ نِدٌّ وَّلَا ضِدٌّ'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم پایہ اور مقابل کوئی نہیں ہے۔ ﴿ وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم جانتے ہو کہ یہ بت نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں اور نہ رزق دے سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور رازق بھی ہے۔

''تَعْلَمُوْنَ'' کا مفعول یا تو متروک ہے اور وہ ''اَنْتُمْ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ'' ہے یعنی تم اہل علم ہو پھر بتوں کو خدا کا شریک بنانا تمہاری انتہائی جہالت ہے اور یہ جملہ ''فَلَا تَجْعَلُوْا'' سے حال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کے اثبات اور کفر و شرک کے ابطال پر ان کے سامنے اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور قدرت و اختیار کی زندگی عطا کی اور زمین کو پیدا کیا جو ان کے لیے ٹھہرنے اور آرام کرنے کی قرار گاہ ہے اور آسمان کو پیدا کیا جس کو ان کے لیے تعمیر کردہ گنبد اور زمین میں گڑھے ہوئے خیمہ کی طرح چھت بنایا اور اس کو سایہ دار بلند ترین خیمہ ہونے کے باوجود عقدِ نکاح کے مشابہ اور مساوی قرار دیا کیونکہ آسمان سے زمین پر پانی برستا ہے جس کے سبب زمین کے پیٹ سے اولاد کی طرح پھل پیدا ہوتے ہیں جو بنی آدم کا رزق بنتا ہے' یہ سب کچھ توحید تک پہنچانے والی اور کفر و شرک کو مٹانے والی بہترین دلیل ہے کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی چیز کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کے

اثبات اور قرآن کریم کو اعجاز قرار دینے والی حجت کو پیش کرتے ہوئے اس پر عطف فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖ ۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو O پھر اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے O

## قرآن مجید کی عظمت

۲۳- ﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا﴾ [''مَا'' نکرہ موصوفہ ہے یا ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے۔] ﴿عَلٰى عَبۡدِنَا﴾ ''عَبۡد'' سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ''عَبۡد'' عقل مند مملوک کو کہتے ہیں اور مملوک اس آدمی کو کہتے ہیں جو ہمہ وقت مالک کی بارگاہ میں موجود رہے اور اس پر مالک کا حکم غالب رہے۔ اس آیت میں ''نَزَّلۡنَا'' کہا گیا ہے ''اَنۡزَلۡنَا'' نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت آہستہ آہستہ نازل کیا گیا ہے بیک وقت سارا قرآن نازل نہیں کیا گیا اور اسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور کچھ آیات کے بعد پھر کچھ آیات یکے بعد دیگرے حسب ضرورت نازل نہ ہوتا اور نہ ان طریقوں پر نازل ہوتا جن پر ہم شعراء اور خطباء کو دیکھتے ہیں کہ جتنا کلام بنا سکتے ہیں کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ پیش کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح ناظم اپنے منظوم کلام اور اشعار کا دیوان ایک دم بنا کر پیش نہیں کرتا اور نہ نثر میں اپنا کلام پیش کرنے والا ایک دم خطبات بیان کرتا ہے (بلکہ پہلے خوب تیاری کرتے ہیں) لہٰذا اگر اس کو اللہ تعالیٰ نازل کرتا تو سارا قرآن کریم ایک دفعہ نازل کر دیتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً''۔ (الفرقان:۳۲) یعنی کافروں نے کہا: ان پر سارا قرآن ایک بار کیوں نہیں نازل کیا گیا'' اس لیے انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن میں شک ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا ہے ﴿فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ﴾ تو تم ہی ایک دفعہ ایک سورت بنا کر لاؤ اور تم بھی قرآن مجید کے حصوں کی طرح کوئی حصہ بنا کر پیش کر دو یا قرآن کریم کی چھوٹی سی سورتوں میں سے کوئی ایک سورت بنا کر لاؤ' بہرحال ''سورت'' قرآن مجید کے ایک مستقل حصہ کو کہتے ہیں جو کم از کم تین آیات پر مشتمل ہو۔ اگر اس کی ''واؤ'' اصل ہے تو پھر یا تو اس کا نام ''سورۃ المدینۃ'' سے لیا گیا ہے کیونکہ شہر کے ارد گرد دیوار کو ''سورۃ المدینۃ'' کہتے ہیں یعنی شہر پناہ چونکہ سورت قرآن پاک کا ایک محدود و محفوظ حصہ ہے جس طرح شہر ارد گرد دیوار سے محدود و محفوظ ہوتا ہے یا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''سورت'' علم کے کئی فنون اور فوائد کی کئی اقسام پر مشتمل ہوتی ہے جس طرح شہر پناہ شہر کے تمام محلوں اور گلیوں کو محیط ہوتی ہے یا اس لیے یہ نام رکھا گیا ہے کہ یہ رتبہ کے معنی میں ہے کیونکہ

سورتیں منازل ومراتب کے قائم مقام ہیں کہ قاری قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوا منازل ومراتب پر ترقی کرتا جاتا ہے اور یہ سورتیں بذاتہا خود بھی مرتبہ ہیں یعنی طوال' اوساط اور قصار ہیں یا سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دین میں اس کی شان بڑی بلند ہے اور اس کا مقام بڑا عظیم وجلیل ہے اور اگر سورت کی ''واؤ'' اصلی نہ ہو بلکہ ہمزہ سے تبدیل ہو چکی ہو تو پھر سورت نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سورت قرآن کریم کا ایک حصہ اور ایک ٹکڑا ہوتی ہے جس طرح کسی چیز کے بقیہ حصہ کو ''سُوْرُ الشَّیْءِ'' کہتے ہیں یعنی چیز کا بچا ہوا حصہ' نیز قرآن مجید کو الگ اور جدا جدا سورتوں میں تقسیم کرنے کے بہت سے فوائد ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے تورات' انجیل' زبور اور باقی صحائف جو وحی کے ذریعہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائے ان کو سورتوں میں تقسیم کر دیا اور مصنفین نے ہر فن کی اپنی کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کے عنوان کو تراجم کے ساتھ آراستہ کر دیا ہے اور ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جب ایک جنس مختلف انواع واقسام پر مشتمل ہوتی ہے تو وہ بیان کے اعتبار سے زیادہ حسین وبہتر ہوتی ہے کیونکہ اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور ان میں سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا جب ایک سورت یا کتاب کا ایک باب پڑھ کر ختم کر لیتا ہے اور پھر دوسرا شروع کرتا ہے تو اسے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور کتاب کو پڑھنے اور اسے حاصل کرنے کی زیادہ تحریک پیدا ہوتی ہے خواہ وہ اسی خوشی میں پوری کتاب ہی پڑھ ڈالے اور یہی وجہ ہے کہ قراء نے قرآن مجید کو سات' دس اور پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب حافظ ایک سورت یاد کرنے میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کا ایک مستقل حصہ یاد کر لیا ہے جس کا آغاز بھی ہے اور اختتام بھی ہے اور جتنا حصہ یاد کر لیتا ہے اس کے دل میں اس کی عظمت بیٹھ جاتی ہے اور وہ خود اپنے دل میں معزز ومحترم ہو جاتا ہے اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لیتا تو وہ ہم سب میں بہت زیادہ معزز و بزرگ سمجھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے نماز میں پوری سورت تلاوت کرنا افضل ہے۔﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [یہ ''بِسُوْرَةٍ'' سے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے اور اس کی ''ہ'' ضمیر ''مَا نَزَّلْنَا'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ایسی سورت جو اس کی مثل ہو یعنی ایسی سورت لاؤ جو غرابت بیان میں' علو مرتبہ اور حسن نظم میں قرآن کریم کی صفت پر واقع ہو [یا یہ ضمیر ''عَبْدِنَا'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ایسے شخص سے ایک سورت بنوا کر لاؤ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ''اُمِّیّ'' ہو نہ کوئی کتاب پڑھی ہو اور نہ علما سے کچھ سیکھا ہو (پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل ہیں اس لیے کہ) یہاں قرآن اور حامل قرآن ﷺ کی مثیل ونظیر لانا مقصود نہیں ہے (کیونکہ ''فَاْتُوْا'' امر کا صیغہ صرف تعجیز کے لیے آیا ہے) اور ضمیر کو قرآن کریم کی طرف لوٹانا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ. (یونس:۳۸) پس تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ'' نیز فرمایا: ''فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ. (ھود:۱۳) پس تم اس طرح کی دس سورتیں بنائی ہوئی لاؤ''۔ ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (بنی اسرائیل:۸۸) تم فرما دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی (کتاب) لائیں تو اس جیسی نہیں لا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں''، کیونکہ ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹانے سے کلام کی ترتیب زیادہ بہتر ہو جائے گی اور وہ اس لیے کہ گفتگو قرآن مجید کے بارے میں ہے نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اور معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن میں شک ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو تم بھی اس طرح کا کچھ کلام پیش کرو اور اگر ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹائی جائے تو معنی یہ ہو گا کہ اگر تمہیں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بارے میں شک ہے' جن پر قرآن نازل کیا گیا ہے تو تم اس طرح کے شخص سے قرآن پیش کرو اور اس لیے بھی کہ

یہ تفسیر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کے موافق ہے: ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ﴾ ''شهيد'' کی جمع ہے اس کا معنی حاضر ہے یا گواہی دینے والا ہے۔ ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور یہ ''شُهَدَآء'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی تم ان کو بلا لو جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود قرار دے چکے ہو اور تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز تمہارے لیے گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو یا وہ تمہارے لیے گواہی دیں کہ (تمہارا من گھڑت کلام) قرآن مجید کی مثل ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ کہ بیشک وہ (قرآن) بناوٹی کلام ہے اور وہ حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا کلام ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے کیونکہ پہلا کلام اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم بھی قرآن کریم کی طرح ایک سورت لاؤ اور اس کام میں اپنے معبودوں سے مدد مانگو۔

۲۴- ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی روشن دلیل کی طرف راہنمائی فرما دی جس سے وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کو پہچان گئے تو ان سے فرمایا: اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکے اور تمہارا عجز ظاہر ہو گیا ہے اور ان کی تصدیق کرنا لازم ہو گئی ہے تو تم ان پر ایمان لے آؤ اور ڈرو اس عذاب سے جو جھٹلانے والے معاندین کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس میں دو دلیلیں ہیں' ایک اثبات نبوت کی دوسری قرآن کے معجزہ ہونے کی صحت کی اور یہ خبر دینا مقصود ہے کہ کفار مکہ قرآن کریم کی مثل ہرگز نہیں لا سکیں گے اور یہ غیب کی خبر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جان سکتا تھا اور جب غور و فکر سے پہلے ان کا معارضہ سے عاجز آنا ان کے شک کی طرح تھا جس کا فصاحت کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی بلاغت پر ان کے اعتماد کا موازنہ کیا جا سکتا ہے تو ان کے گمان کے مطابق ان سے کلام بیان کیا گیا ہے' چنانچہ کلام کے شروع میں حرف ''اِنْ'' لایا گیا ہے جو شک وشبہ کے لیے آتا ہے اور حرف ''اِذَا'' نہیں لایا گیا جو وجوب کے معنی میں آتا ہے اور ''اِتْيَان'' (قرآن کی مثل لانا) کو فعل سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی افعال میں سے ایک فعل ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ وہ کنایہ کے قائم مقام ہے جو تمہیں اختصار عطا کرتی ہے کیونکہ اگر لفظ ''اِتْيَان'' سے لفظ فعل کی طرف عدول نہ کیا جاتا تو عبارت دراز ہو جاتی اور یوں کہا جاتا: ''پس اگر تم اس کی مثل نہیں لا سکتے اور تم اس کی مثل ہرگز نہیں لا سکو گے'' [اور ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' محلِ اعراب نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور تردد کے معنی میں آنے والے لفظ شرط ''ان'' نے اعتراض کو خوبصورت کر دیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' سے اس تردد کی بیخ کنی کر دی اور ''لَا'' اور ''لَنْ'' دونوں مستقبل کی نفی کے لیے ہم معنی ہیں مگر حرف ''لَنْ'' میں تاکید کا معنی ہے اور خلیل کے نزدیک اس کی اصل ''لَا اَنْ'' ہے جب کہ فراء کے نزدیک ''لَا'' ہے۔ اس کے الف کو نون سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ نفی مستقبل کی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے] باقی اس بات کا علم کہ یہ غیب کی خبر ہے یہاں تک کہ اسے قرآن مجید کا معجزہ قرار دیا جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کفارِ مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قسم کا معارضہ کیا ہوتا تو سب جگہ مشہور ہو جاتا (اور سلفاً خلفاً منقول ہوتا) کیونکہ طعن و تشنیع کرنے والے قرآن کا دفاع کرنے والوں سے بہت زیادہ تھے اور آگ سے بچنے کے لیے ان کی طرف سے قرآن کی مثل نہ لانا شرط ہے اس لیے کہ جب وہ قرآن کی مثل نہیں لائیں گے تو ان کا معارضہ سے عاجز ہونا ظاہر ہو جائے گا اور ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی تصدیق صحیح ہو جائے گی اور جب ان کے نزدیک آپ کی تصدیق صحیح ہو جائے گی تو پھر آپ سے عناد رکھنے اور اطاعت سے انکار کی وجہ سے ان پر جہنم لازم و واجب ہو جائے گی' پس ان سے کہا گیا ہے: اگر تم معارضہ کرنے سے عاجز آ جاؤ تو عناد ترک کر دینا' لہٰذا ''فَاتَّقُوا النَّارَ'' اپنی جگہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ آگ سے بچنا ترکِ عناد کا سبب ہے اور یہ

''کنایہ'' کے باب سے ہے جو بلاغت کا حصہ ہے اور اس کا فائدہ اختصار ہے جو قرآن مجید کا زیور ہے' اور ''وَقُوْدُ'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے آگ کے شعلے بلند ہو جائیں (ایندھن)[اور یہ مصدر مضموم ہے اور اس پر فتح بھی آیا ہے اور ''اَلَّذِیْ'' اور ''اَلَّتِیْ'' کے صلہ کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب معلوم ہو] ویسے تو ممکن ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے سن رکھا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو یا اس آیت کریمہ سے قبل انہوں نے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد سن لیا ہو: ''قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم:۶) تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچالو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے''۔ بے شک وہاں (تحریم میں) ''نَارٌ'' نکرہ آیا ہے جب کہ یہاں (بقرہ میں) ''اَلنَّارُ'' معرفہ آیا ہے اس لیے کہ وہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے' پھر یہ آیت مبارکہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اس لیے یہاں اس کے ذریعہ اس آگ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو کفارِ مکہ نے پہلے جان لیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'' کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ اپنے علاوہ باقی ہر قسم کی آگ سے ممتاز اور جدا ہے کیونکہ اس کو انسانوں اور پتھروں کے ذریعے جلایا جاتا ہے اور وہ گندھک کے پتھر ہیں اور یہ بہت تیز جلتے ہیں اور بہت دیر سے بجھتے ہیں اور بہت بدبودار ہوتے ہیں' بدن کو بہت جلد چمٹ جاتے ہیں یا اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی تاکہ کفار کو بہت زیادہ حسرت و افسوس ہو اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پتھروں کے ساتھ جوڑ دیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو بتوں کے ساتھ جوڑے رکھا اور ان کی عبادت و پرستش کرتے رہے اور انہوں نے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ. (الانبیاء:۹۸)'' بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے رہے اللہ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہیں''، یعنی اس کا بالن اور ایندھن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے ساتھ کافروں کو عذاب جہنم میں اکٹھا کر دیا تاکہ انہیں اپنے باطل معبودوں کو جلتے ہوئے دیکھ کر زیادہ تکلیف ہو۔

﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ دوزخ ان کے لیے تیار کی گئی ہے' اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جہنم بن چکی ہے بخلاف جہم کے قول کے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ایک طریقہ جاری فرما رکھا ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب' خوف کے ساتھ خوشخبری کا ذکر کر دیتا ہے تاکہ اس کے بندے قرب کے اعمال کو خوشی سے حاصل کریں اور خدا سے دور کرنے والے اعمال کے ارتکاب سے ڈریں' پھر جب اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور ان کو عذاب سے ڈرایا دھمکایا تو اس کے ساتھ ہی مومنوں اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور انہیں خوشخبری سنائی' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڰ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور خوشخبری دیجئے انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا' (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے: یہ تو وہی رزق ہے جو پہلے دیا گیا تھا' اور وہ شکل و صورت میں ملتے جلتے انہیں دیئے جائیں گے' اور ان کے لیے ان باغوں میں پاک بیبیاں ہوں گی' اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے○

## نیک مسلمانوں کے انعامات کا بیان

۲۵۔﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَبَشِّر'' کا مامور یا تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں (یعنی صرف آپ کو حکم دیا گیا ہے) یا ہر شخص ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امر اپنی عظمت اور علوشان کے سبب اس بات کا حق دار ہے کہ جو شخص خوشخبری سنانے پر قدرت رکھتا ہے وہ یہ خوشخبری ہر ایک کو سنایا کرے' اور اس کو ''فَاتَّقُوْا'' پر معطوف کیا گیا ہے جیسے تم کہو کہ اے بنی تمیم! ڈرو ان بداعمال کے انجام سے جن کا تم نے ارتکاب کیا ہے' اے فلاں! بنی اسد کو میرے احسانات کی خوشخبری سنا دو جو میں ان پر کرنے والا ہوں' یا پھر کافروں کے عذاب کو بیان کرنے والے پچھلے جملہ پر مسلمانوں کے ثواب کو بیان کرنے والے اس جملہ کو معطوف کر دیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ زید کو قید و بند اور تکلیف ومشقت کے ساتھ سزا دی جائے گی اور عمر کو معافی اور آزاد ہو جانے کی خوشخبری دو' پھر ''بشارت'' ایسی خبر سنانے کو کہتے ہیں جس سے خبر سننے والے کو مسرت وخوشی حاصل ہو اور اسی وجہ سے علماء دین نے کہا کہ جب کسی آدمی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جس نے فلاں شخص کی آمد کی خوشخبری سنائی تو وہ آزاد ہے' چنانچہ انہوں نے اپنے مالک کو یکے بعد دیگرے الگ الگ آنے والے شخص کی خوشخبری سنائی تو سب سے پہلے خوشخبری سنانے والا آزاد ہو جائے گا کیونکہ صرف اسی نے اپنے مالک کو خبر سنا کر مسرور وخوش کیا باقیوں نے نہیں اور اگر مالک ''بَشَّرَنِيْ'' کی بجائے ''اَخْبَرَنِيْ'' کہتا تو سب آزاد ہو جاتے کیونکہ خبر سب نے سنائی ہے اور اسی سے ''بُشْرَة'' بنا ہے اور بدن کے ظاہری چمڑے کو اور صبح کی سب سے پہلی روشنی کو ''بُشْرَہ'' کہتے ہیں لیکن ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے'' کا معاملہ برعکس ہے (کیونکہ یہ دراصل خوشخبری نہیں ذلت کی خبر ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کے ذریعہ کافروں کا مذاق اڑایا گیا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے دشمن سے کہے کہ تمہیں تمہاری اولاد کے قتل ہو جانے اور مال و دولت لُوٹ لیے جانے پر خوشخبری ہو' اور لفظ ''صَالِحَةٌ'' ''حَسَنَةٌ'' کی طرح اسم بامسمّٰی ہے اور عقلِ سلیم اور کتاب وسنت کی روشنی میں جو اعمال درست اور صحیح ہوتے ہیں انہیں ''صالحات'' کہتے ہیں اور لام جنس کا ہے اور یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اعمال کو ایمان کا جزو قرار دیا اور اعمال کو ایمان میں داخل کیا ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اعمال صالحہ کو ایمان پر معطوف کیا گیا ہے جب کہ معطوف' معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ تم تو کہتے ہو کہ مسلمان بغیر اعمال صالحہ کے جنت میں جا سکتا ہے حالانکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے جنت کی خوشخبری صرف انہیں دی ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اس لیے کہ بشارتِ مطلقہ کے لیے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ شرط ہیں اور ہم گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بشارتِ مطلقہ ثابت نہیں کرتے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ بشارتِ مقیدہ ثابت کرتے ہیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو اس کو اس کے گناہوں کے برابر سزا دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔﴿ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ﴾ یعنی ''بِاَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ'' ان کے لیے باغات ہیں [اور یہاں ''اَنَّ'' اپنے اسم منصوب اور جار مجرور سے مل کر ''بَشِّر'' کے متعلق ہے' یہ سیبویہ کے نزدیک ہے نہ کہ خلیل کے نزدیک (ان کے نزدیک ''اَنَّ'' اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر بحکم مفرد ''بَشِّر'' کا مفعول بہ ہے] اور یہ قرآن میں کثرت سے آیا ہے اور ''جنت'' کھجوروں اور گھنے درختوں کے باغ کو کہتے ہیں۔ دراصل ''جَنَّةٌ'' کا معنی ستر اور پوشیدہ ہونا ہے اور اسی سے جن' جنون (دیوانگی)' جنین (ماں کے رحم میں موجود بچہ)' جنت' جان (جن کی اسم جمع) اور جنان (دل) بنے ہیں اور ''دَارُ الثَّوَابِ. بہشت'' کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ستر و پوشیدگی پائی جاتی ہے اور جنت بن چکی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ'' (البقرہ:۳۵) (تم اور تمہاری

بیوی بہشت میں ٹھہرو)۔ایک گروہ معتزلہ اس کے خلاف ہے اور جنت کے جمع اور نکرہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے ''دارالثواب'' کا نام جنت ہے اور وہ بہت سی بہشتوں پر مشتمل ہے کیونکہ انہیں صالحین کے اعمال کے مطابق کئی درجات و مراتب پر مرتب کیا گیا ہے چنانچہ صالحین میں سے ہر طبقہ کو ان بہشتوں میں سے حسب مراتب بہشتیں ملیں گی۔ ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ یہ پورا جملہ ''جَنّٰتٍ'' کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے مطلب یہ ہے کہ اس کے درختوں کے نیچے جس طرح تم بہتی نہروں کے کناروں پر اگے ہوئے درختوں کو دیکھتے ہو اور بہشت کی نہریں بغیر گڑھے کے جاری ہوں گی اور سب سے زیادہ پاکیزہ اور اچھے باغات وہ ہوتے ہیں جن کے درخت گھنے ہوں اور ان میں نہریں جاری ہوں اور یہ کشادہ اور بہتی نہریں ندی نالوں سے بڑی اور دریا سے چھوٹی ہوتی ہیں جس طرح ''نیل'' کو مصر کی نہر کہا جاتا ہے اور عمدہ لغت کے مطابق (نون پر زبر اور ھا پر سکون کے ساتھ) ''نَھْــرٌ'' ہے (جس کی جمع انہار ہے) اور لفظ کا مدار وسعت پر ہے نہروں کی طرف جاری اور بہنے کی نسبت مجازاً ہے (کیونکہ نہر میں پانی بہتا ہے نہر نہیں) اور ''اَلْاَنْھَار'' کو معرف باللام لایا گیا ہے کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد ''اَنْھَارُھَا'' ہو اور ''ھَا'' ضمیر جو کہ مضاف الیہ ہے حذف کر کے اس کے عوض لام تعریف لگایا گیا ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا. (المریم:۴) یعنی سر کے بال سفید ہو گئے ہیں'' یا لام تعریف سے ان نہروں کی طرف اشارہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہیں ''فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى. (محمد:۱۵) اس میں پانی کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بگڑتا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور ایسے شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت بخش ہے اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو صاف ستھرا ہے'' اور بہتا پانی تو نعمتِ عظمیٰ اور لذتِ کبریٰ ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے ساتھ رواں دواں نہروں کا ذکر کیا ہے اور ان کو جنت کی باقی تمام صفتوں سے پہلے ذکر کیا ہے۔ ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا ﴾ [یہ ''جَنّٰتٍ'' کی دوسری صفت ہے یا یہ نیا جملہ ہے] اس لیے کہ جب کہا گیا کہ ان کے لیے باغات ہیں تو سامع کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہوں گے یا دوسری اجناس کے ہوں گے جو دنیا کی اجناس کے مشابہ نہیں ہوں گے تو جواب میں کہا گیا کہ ان کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کے مشابہ یعنی باہم ہم جنس ہوں گے اگرچہ ذائقے لذت اور حسن و جمال میں انتہائی مختلف ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ﴿ مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ ﴾ یعنی جب انہیں ان باغات میں سے کھانے کے لیے پھل دیئے جائیں گے یعنی سیب اور انار وغیرہ تو کہیں گے: یہ تو اس سے پہلے دیا جا چکا ہے اور یہاں حرف ''مِنْ'' پہلا اور دوسرا دونوں ابتدائے غایت کے لیے ہیں کیونکہ رزق کا آغاز جنت سے ہوگا اور جنت کے رزق کا آغاز پھلوں سے ہوگا اس کی مثال یہ ہے کہ تم کہو کہ مجھے فلاں شخص نے رزق دیا ہے تو تم کو کہا جائے گا: کہاں سے؟ تو تم کہو گے: اپنے باغ سے تو تمہیں کہا جائے گا کہ اس نے تمہیں اپنے باغ میں سے کون سا پھل دیا ہے؟ تو تم کہو گے: انار دیا ہے اور یہاں پھل سے مراد ایک سیب یا ایک انار نہیں ہے بلکہ پھلوں کی مختلف انواع و اقسام مراد ہیں۔ ﴿ رُزِقْنَا ﴾ اصل میں ''رُزِقْنَاهُ'' ہے ضمیر مفعول بہ کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی ''مِنْ قَبْلِ هٰذَا'' ہے پھر جب اس سے اس کی اضافت کو جدا کر دیا گیا تو اس کو مبنی قرار دے دیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح کا رزق ہمیں پہلے دیا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تشبیہ دی گئی ہے۔ ﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے ''اَبُوْ يُوْسُفَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ. یعنی ابو یوسف ابو حنیفہ ہی کی طرح ہیں''۔ تم تشبیہ کو مستحکم کرنا چاہتے ہو گویا امام ابو یوسف کی ذات امام ابو حنیفہ ہی کی ذات ہے اور ''بِهٖ'' میں ضمیر دنیا اور آخرت میں ملنے والے رزق کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''هٰذَا الَّذِيْ

رِزْقًا مِنْ قَبْلُ'' دنیا و آخرت میں ملنے والے تمام رزق کو شامل ہے اور بلاشبہ جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے کسی دوسری جنس کے نہیں ہوں گے اس لیے کہ انسان مانوس چیز کو پسند کرتا ہے اور مشہور و معروف چیز کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اور جب آدمی ایسی چیز دیکھتا ہے جو اسے پسند نہ ہو تو اس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے اور اسے اس چیز سے بچاتی ہے اور اس لیے بھی کہ جب انسان ایسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسے پہلے مل چکی ہو تو اس کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور جب اس میں عمدگی و خوبی اور لذت و مزہ میں واضح فرق ملاحظہ کرتا ہے تو اس کا تعجب زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کا تجسس بڑھ جاتا ہے اور وہ لوگ یہ جملہ ہر اس وقت دہرائیں گے جب بھی انہیں ہر قسم کا نیا پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا اور یہ دنیوی نعمتوں کے عارضی اور فانی ہونے پر اور آخرت کی نعمتوں کے قائم و دائم رہنے کی فضیلت پر عمدہ ترین دلیل ہے' نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں ایسا عظیم تفاوت اور فرق ہو گا کہ ان کا تعجب ہر لحہ اور ہر رزق پر بڑھتا ہی جائے گا جیسا کہ لفظ ''هٰذَا'' اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھلوں میں سے انہیں جو رزق دیا جائے گا وہ ان کو باہم ملتا جلتا دیا جائے گا جیسا کہ حضرت حسن سے روایت ہے کہ ان کو بڑا پیالہ دیا جائے گا جس سے وہ کھائیں گے' پھر جب دوبارہ دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں دیا جا چکا ہے' فرشتہ کہے گا: کھاؤ! کیونکہ رنگ ایک جیسا ہے مگر ذائقہ اور مزہ مختلف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ بے شک جنتی آدمی پھل لے گا تا کہ اسے کھائے مگر ابھی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے تبدیل کر دے گا اور اس کی جگہ اسی کی مانند اور دے دے گا اور جب جنتی اسے دیکھیں گے اور اس کی شکل و صورت پہلے کی شکل و صورت سے ملتی جلتی ہو گی تو کہیں گے: وہی تو ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا'' جملہ معترضہ ہے جو صرف تاکید و تقریر کے لیے آیا ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ فلاں آدمی فلاں شخص سے بہت اچھا ہے اور بہت اچھا ہے جو اس نے کیا ہے اور اس نے اس طرح تجویز پیش کی ہے اور اس کی تجویز درست ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ''وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. (النمل:۳۴) اور وہ اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ اسی طرح کرتے ہیں''۔ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ﴾ [''اَزْوَاجٌ'' مبتدا ہے اور ''لَهُمْ'' خبر ہے اور ''فِيْهَا'' ظرف مستقر ہے] ﴿مُّطَهَّرَةٌ﴾ ایک جیسے اخلاق و عادات والیاں' نہ مغرور ہوں گی اور نہ تکبر کریں گی یا وہ حیض و نفاس جیسے مخصوص نسوانی عوارضات سے پاک ہوں گی' نیز ان عوارضات سے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں میں موجود ہیں جیسے بول و براز اور باقی گندگیوں اور ناپاکیوں وغیرہ سے وہ پاک ہوں گی اور موصوف کی طرح صفت کو جمع اس لیے نہیں لایا گیا کیونکہ یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں' نیز ''طَاهِرَةٌ'' نہیں کہا کیونکہ ''مُطَهَّرَةٌ'' زیادہ بلیغ ہے اور یہ زیادہ پاکیزگی کا معنی دیتا ہے' نیز یہ بتانا اور ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ پاک و صاف پیدا کی گئی ہیں اور انہیں صرف اللہ تعالیٰ نے پاک و صاف پیدا کیا ہے۔ ﴿وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [''خُلْد'' اور ''خُلُوْد'' کا معنی ہے: ہمیشہ قائم و باقی رہنا اور کبھی ختم نہ ہونا اور اس سے جہمیہ فرقہ کا قول باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جنت اور جنتی لوگ سب فنا ہو جائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ ''اول'' بھی ہے اور ''آخر'' بھی ہے حالانکہ اول کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ ہے اور آخر کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہو گا' لہٰذا یہ قول بداہت کے ساتھ ثابت ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بذاتہ باقی ہے اور اس کی تمام صفات باقی ہیں' پس اگر جنت اور جنتی حضرات بھی باقی رہیں تو خالق و مخلوق کے درمیان مشابہت پیدا ہو جائے گی جو محال اور ناممکن

ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ''اول'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں بلکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور اس کے حق میں ''آخر'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی انتہاء کوئی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے گا' اس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء ہے'وہ ازلی اور ابدی ہے اور ہمارے حق میں ''اول'' ہونے کا مطلب ہے: پہلا فرد اور ''آخر'' کا مطلب ہے: سب سے پچھلا فرد اور اللہ تعالیٰ کا اول وآخر کے ساتھ موصوف ہونا صرف صفتِ کمال کو بیان کرنے کے لیے ہے' نیز زوال ونقص کی تردید کرنے کے لیے ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حدوث اور فنا کے احتمال سے پاک ہے نہ کہ اس طرح جس طرح انہوں نے کہا اور بقا میں مشابہت کیسے لازم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتہ باقی ہے اور اس کی بقا واجب' لازم اور ضروری ہے جب کہ مخلوق کی بقا نہ ذاتی ہے نہ لازمی بلکہ صرف جائز ہے' لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ ''واجب الوجود'' ٹھہرا اور اس کی مخلوق ''ممکن الوجود'' ٹھہری' بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مکڑی اور مکھی کا ذکر کیا اور اس کی مثال بیان کی تو یہود نے مذاق اڑایا اور کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مشابہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیات) نازل کیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

وقف لازم

بے شک اللہ کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں فرماتا مچھر کی مثال ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی' لیکن جو لوگ ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اور جنہوں نے کفر کیا وہ تو کہتے ہیں کہ اللہ نے اس (حقیر) مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے' اور بہتوں کو اس سے ہدایت عطا کرتا ہے' اور وہ اس سے صرف فاسقوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے O

## کفار کی کج روی اور اللہ تعالیٰ کی شان

۲۶- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً﴾ یعنی اللہ تعالیٰ مچھر وغیرہ کی مثال بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا کیونکہ جو آدمی کسی حقیر چیز کی مثال بیان کرنے سے شرم وحیاء کرتا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے اور اس کی مثال بیان کرنے کو چھوڑ دیتا ہے۔ اصل حیاء تغیر وتبدل' انکسار وانفعال کی وہ حالت ہے جو انسان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب اسے کسی عیب لگنے یا مذمت ورسوائی ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم ذات پر تغیر اور خوف ذم جائز نہیں ہے' لیکن چونکہ ترک حیاء کے لوازمات میں سے ہے اس لیے ترک کو حیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ عبارت کافروں کے کلام کے مطابق واقع ہوئی ہو کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''اَمَا يَسْتَحْيِي رَبُّ مُحَمَّدٍ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا بِالذُّبَابِ وَالْعَنْكَبُوْتِ. کیا (حضرت) محمد (ﷺ) کے رب کو حقیر سی مکھی اور مکڑی کی مثال دیتے ہوئے حیاء نہیں آتی'' تو ان کے کلام کے مقابلہ میں ان کے سوال کے مطابق جواب دیا گیا ہے۔ یہ کلامِ عرب میں بہترین فن ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں' ایک میں بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے دوسری میں حرف جار کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''اِسْتَحْيَيْتُهٗ وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ'' اور یہاں دونوں احتمال ممکن ہیں اور ''ضرب المثل'' کو ''ضرب اللبن'' اور ''ضرب الخاتم'' سے لیا گیا ہے اور لفظ ''مَا''

ابہامیہ ہے اور یہ جب اسم نکرہ پر داخل ہوتا ہے تو ابہام کو بڑھا دیتا ہے اور اس کے عموم میں اضافہ کر دیتا ہے جیسے تیرا یہ قول "اَعْطِنِیْ كِتَابًا مَّا. کوئی کتاب مجھے دے دیجئے" جب تم کوئی کتاب چاہتے ہو یا یہ صلہ ہے تاکید کے لیے آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ. (النساء:۱۵۵) تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے" گویا فرمایا گیا: یقیناً اللہ تعالیٰ مثال بیان کرنے کو ترک نہیں کرتا [اور "بَعُوْضَةً" "مَثَلًا" کا عطف بیان ہے یا پھر "اَنْ يَّضْرِبَ" کا مفعول ہے اور "مَثَلًا" اسم نکرہ "بَعُوْضَةً" کا حال مقدم ہے یا یہ دونوں ("مَثَلًا" اور "بَعُوْضَةً") منصوب ہو کر "اَنْ يَّضْرِبَ" کے مفعول ہیں اور یہ فعل "جَعَلَ" کے معنی میں ہے] اور یہ "بَعْضٌ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: ٹکڑا یا کاٹنا جیسے "بِضْعٌ" اور "عَضْبٌ" ہیں۔ کہا جاتا ہے: اس نے اسے کاٹ دیا ہے اور اسی سے "بَعْضُ الشَّيْءِ" ہے کیونکہ کسی شے کا بعض اس کا ایک ٹکڑا ہی ہوتا ہے اور "بعوض" دراصل "قطوع" کی طرح فعول کے وزن پر صفت ہے پھر اسم کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ تو اس سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ ہو جس معنی کے لیے مثال بیان کی گئی ہے اور وہ قلت و حقارت ہے یا جسم میں اس سے بڑھ کر ہو یعنی جسم میں زیادہ بڑی ہو گویا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو مکھی اور مکڑی کی مثال کو اجنبی اور غیر مناسب خیال کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مچھر سے بڑی ہیں اور یوں نہ کہا جائے کہ مچھر سے چھوٹی چیز کی مثال کیسے بیان کی جا سکتی ہے حالانکہ یہ انتہائی چھوٹا جانور ہے کیونکہ مچھر کا پر مچھر سے بہت چھوٹا ہوتا ہے اور کئی درجے زیادہ حقیر ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی مثال مچھر کے ساتھ بیان کی ہے۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ [ضمیر یا مثل کی طرف راجع ہے یا "اَنْ يَّضْرِبَ" کی طرف راجع ہے] اور حق ایسی مثبت چیز کو کہتے ہیں جس کا انکار جائز نہ ہو جب کوئی چیز ثابت اور واجب ہو تو اسے کہا جاتا ہے: "حَقَّ الْاَمْرُ" ] ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ محلاً منصوب ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں عامل حق کا معنی ہے [اور ذوالحال حق میں مستتر ضمیر ہے] (وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا) اور اس پر وقف کیا جائے گا کیونکہ اگر وصل کیا جائے گا تو یہ اپنے مابعد کی صفت بن جائے گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور کافروں نے "مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا" حقارت کے لیے کہا تھا جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمرو کے متعلق فرمایا تھا: "يَا عَجَبًا لِابْنِ عَمْرٍو" یہ جملہ ان کی حقارت کے لیے بولا گیا تھا اور "مَثَلًا" یا تو تمییز ہے اور اس لیے منصوب ہے یا حال ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح "هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً. (الاعراف:۷۳) یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے (قدرت کی) نشانی ہے" اور "اَمَّا" ایسا حرف ہے جس میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے "فَا" کے ساتھ جواب دیا گیا ہے اور کلام میں اس کا فائدہ صرف تاکید پیدا کرنا ہے جیسے تم کہو: "زَيْدٌ ذَاهِبٌ. زید جانے والا ہے" لیکن جس وقت تم اس میں تاکید پیدا کرنا چاہو کہ وہ ہر حال میں جائے گا تو پھر یوں کہنا ہوگا: "اَمَّا زَيْدٌ فَذَاهِبٌ. لیکن زید ضرور جائے گا" اس لیے سیبویہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے: "مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ ذَاهِبٌ. جب بھی کچھ ہوگا تو زید ضرور جائے گا" اور یہ تفسیر ایک تو تاکید کا اور دوسرا شرط کے معنی کا فائدہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے (یہاں مختصر کلام) "فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَقُوْلُوْنَ" نہیں فرمایا کیونکہ دونوں جملوں کو جو حرف "اَمَّا" کے ساتھ شروع ہوتے ہیں وارد کر کے مسلمانوں کی بہت بڑی حمد و ستائش کی ہے اور ان کی زبردست خوبی بیان کی ہے جب کہ کافروں کے غفلت اختیار کرنے پر طعن کیا ہے اور احمقانہ جملہ کہنے پر ان کی مذمت بیان کی ہے ["مَاذَا" میں دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ "مَا" حرف استفہام ہے اور "ذَا" اسم موصول ہے اور "اَلَّذِيْ" کے معنی میں ہے اس طرح یہ دو کلمے بنتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ "ذَا" "مَا" سے مل کر مرکب ہو گیا ہے اور دونوں کو استفہام کے لیے ایک اسم بنا دیا گیا ہے لہٰذا یہ ایک کلمہ ہے بہر حال پہلی وجہ کی بنا پر

حرف ''مَا'' مرفوع ہوکر مبتدا ہوگا اور ''ذَا'' اپنے صلہ ''اَرَادَ'' کے ساتھ مل کر خبر بنے گا اور اس میں ضمیر عائد محذوف ہوگی' اور دوسری وجہ کی بنا پر ''مَاذَا'' مرکب ہے اور محلاً منصوب ہوکر ''اَرَادَ'' کا مفعول مقدم بنے گا] اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''اَیَّ شَیْءٍ اَرَادَ اللّٰہُ. یعنی اللہ نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ اور ''اِرَادَۃٌ'' ''اَرَدْتُّ الشَّیْءَ'' کا مصدر ہے جب تم اس چیز کو اپنے لیے طلب کرو اور تمہارا دل اس کی طرف راغب ہو چکا ہو اور متکلمین کے نزدیک یہ فعل اپنے مفعولات کی قدرے تخصیص اور قدرے تعمیم کا تقاضا کرتا ہے اور اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ''ارادہ'' کے ساتھ حقیقۃً متصف ہوتا ہے جب کہ بغداد کے معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کے ساتھ حقیقت میں متصف نہیں' لہٰذا جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارادہ کرلیا ہے' تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نسیان اور بغیر کسی اکراہ کے یہ کام کیا ہے اور اگر یہ کسی غیر کا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کام کا حکم دیا ہے۔ ﴿یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا﴾ یہ کلام حرف ''اَمَّا'' سے شروع کیے گئے گزشتہ دونوں جملوں کے لیے تفسیر اور بیان کے قائم مقام ہے۔ امثال قرآنی کو برحق جاننے والے اور اس کو برحق نہ جاننے والے جاہل اور اس کا مذاق اڑانے والے دونوں کثرت کے ساتھ موصوف ہیں' اور اس کو حق جاننا ہدایت کے باب سے ہے جب کہ اس کے حسنِ مورد سے انکار کرنا اور اس سے ناواقف رہنا ضلالت و گمراہی کے باب سے ہے اور اہل ہدایت حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اگر چہ گمراہوں کے مقابلہ میں قلیل ہیں کیونکہ تھوڑے ہدایت یافتہ حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اگر چہ بظاہر صورت میں تھوڑے ہیں۔ شعر کا ترجمہ:

ان الکلام کثیر فی البلاد وان　　　قلوا کما غیرھم قل وان کثروا

''شہروں میں کلام بہت کیا جاتی ہے اگر چہ بولنے والے افراد کم ہوں جب کہ دیہاتوں میں گفتگو کم ہوتی ہے اگر چہ افراد زیادہ ہوں''۔

اور انسان میں گمراہی کا فعل پیدا کرنا ''اضلال'' ہے' اور اس میں ''ہدایت'' کا فعل پیدا کرنا ''ہدایت'' ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہی حق ہے اور یہ آیت مبارکہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ جس کو کافروں نے ناپسند کیا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ حقیر چیزوں کی مثال بیان کی جاتی ہے ان کو بتایا جائے کہ یہ انکار کرنے' ناپسند کرنے اور اظہارِ تعجب کرنے کی جگہ نہیں ہے کیونکہ مثال بیان کرنے کا مقصد معنی کی تشریح کرنا ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف رجوع محض معنی کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے' نیز ایک خیالی اور وہمی چیز کو مثال کے ذریعہ مشاہدہ کے قریب کر دیا جاتا ہے' لہٰذا ممثل لہ (جس کی مثال بیان کی جائے) عظیم ہوگا تو ممثل بہ (جس کے ساتھ مثال بیان کی جائے) بھی عظیم ہوگا اور اگر ممثل لہ حقیر ہوگا تو ممثل بہ بھی حقیر ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ چونکہ حق واضح اور روشن ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ''ضیاء'' اور ''نور'' کی مثال بیان کی جاتی ہے جب کہ باطل حق کی ضد ہوتا ہے' اس لیے اس کے لیے ''ظلمت'' کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ جب کفار کے معبود' جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا' مکھی اور مکڑی سے بڑھ کر حقیر اور گھٹیا ہیں تو اس لیے حقارت و کمزوری میں مکڑی کے گھر کو ان کے مماثل قرار دیا گیا ہے اور ان کو مکھی سے بھی گھٹیا قرار دیا گیا ہے اور ان کے لیے مچھر کی مثال بیان کی گئی ہے تو اس قدر ادنیٰ اور حقیر بتوں کی مثالوں کو ناپسند و اجنبی خیال نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کو انوکھا خیال کرنا چاہیے اور نہ متمثل یعنی مثال بیان کرنے والے کے حق میں یہ کہنا چاہیے کہ وہ بتوں کے لیے مچھر کی مثال بیان کرنے میں حیاء کرتا ہے کیونکہ وہ تو مثال بیان کرنے میں مصیب اور حق بجانب ہے اور اپنے قول میں سچا ہے اور اس نے امرِ واقع کی مثال بیان کی ہے' نیز یہ آیتِ مبارکہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ مسلمان جن کی عادت انصاف کرنا ہے اور معاملات میں عقلِ سلیم کے ساتھ غور و فکر کرنا ہے' جب انہوں

نے اس مثال کو سنا تو وہ جان گئے کہ یہ حق ہے لیکن کفار جن کی عقلوں پر جہالت غالب آ چکی تھی جب انہوں نے اس مثال کو سنا تو مخالفت شروع کر دی اور دشمن ہو گئے اور اس پر بطلان کا فتویٰ جڑ دیا اور انکار کر کے مقابلہ شروع کر دیا اور یہی عمل مسلمانوں کی ہدایت کا اور کافروں اور فاسقوں کی ضلالت و گمراہی کا سبب بن گیا اور ان پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا کس طرح انکار کر دیا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ چوپائیوں' پرندوں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کی مثالیں بیان کرتے رہتے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں: چیونٹی سے زیادہ خوراک جمع کرنے والا' مکھی سے زیادہ بہادر' چیچڑ سے زیادہ سننے والا' پروانہ سے زیادہ کمزور' گھن سے بھی زیادہ کھانے والا' مچھر سے بڑھ کر کمزور و ناتواں اور مچھر کے مغز سے زیادہ نایاب' لیکن مغلوب و مبہوت کافر کی خساست و کمینگی یہ ہے کہ وہ فرطِ حیرت سے ایک واضح اور روشن حقیقت کا انکار کر دیتا ہے۔ ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ [یہ (فاسقین) ''یُضِلُّ'' کا مفعول ہے' اور استثناء کی بنا پر منصوب نہیں ہے کیونکہ ''یُضِلُّ'' اپنے مفعول میں عمل کرنا نہیں چھوڑتا] اور ''فِسق'' کا معنیٰ ''اپنے ارادہ کے ساتھ نکلنا'' ہے' اور شریعت میں ''فاسق'' اس کو کہتے ہیں جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل جائے اور معتزلہ کے نزدیک ایسا شخص دو منزلوں کے درمیان گر جاتا ہے یعنی مومن اور کافر کے درمیان گر جاتا ہے (نہ مومن رہتا ہے نہ کافر) اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا بطلان تم پر واضح ہو جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۹

جو اللہ کے عہد کو خوب پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر تمہیں مارے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے O وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں سب کچھ پیدا کیا' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات ہموار آسمان بنا دیئے' اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے O

۲۷- ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ﴾ ''نقض'' کا معنیٰ فسخ کرنا اور آپس میں جڑی دو چیزوں کو الگ کرنا ہے۔ ''عہد'' کا معنیٰ ہے: ''مضبوط و مستحکم اور پختہ کرنا''۔ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑنے والوں سے مراد یا تو یہود کے متعصب علما ہیں' یا ان میں سے منافقین مراد ہیں' یا پھر تمام کفار مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عقول میں راسخ کر دیئے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں توحید کی وصیت کی تھی اور ان پر عقیدۂ توحید لازم قرار دیا تھا یا پھر وہ ''میثاق'' مراد

ہے جو ان سے لیا گیا تھا کہ جب ان کے پاس رسولِ اکرم نبی محتشم ﷺ کو بھیجا جائے گا جن کی اللہ تعالیٰ معجزات سے تصدیق وتائید فرمائے گا تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق وتائید کریں اور آپ کی اتباع کریں اور آپ کا ذکر مبارک لوگوں سے نہیں چھپائیں گے' یا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے اور رشتے ناطے نہیں توڑیں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے تین عہد لیے تھے' ان میں سے ایک عہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم سے لیا تھا کہ ان سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا. (الاعراف:۱۷۲) اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی ہے'' اور دوسرا وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف انبیائے کرام کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ وہ نبوت ورسالت کی تبلیغ کریں گے اور دینِ حق کو قائم کریں گے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا'' (الاحزاب:۷) اور اے محبوب! یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا اور خاص کر تم سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا'' اور تیسرا وہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے علما کے ساتھ مخصوص فرمایا' چنانچہ فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' (آل عمران:۱۸۷) ''اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا جنہیں کتاب عنایت کی گئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لی[1] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ ''مِیْثَاق'' کی اصل ''وَثَاقَة'' ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو مضبوط ومستحکم کرنا' اور ضمیر ''عہد'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی وہ عہد جس کو قبول کرنے

[1] اللہ تعالیٰ نے چوتھا عہد تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالم ارواح میں حضور سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ جب آپ ان کی حیات مبارکہ میں مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ'' (آل عمران:۸۱) ''اور اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب وحکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم الشان رسول تشریف لے آئیں جو تصدیق کرنے والے ہوں اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا: پس تم سب گواہ ہو جاؤ! اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''۔ حضرت علی مرتضیٰ و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آخر تک جس نبی کو بھی بھیجا' اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا اور ضرور آپ کی مدد کرے گا' پھر وہ نبی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی امت سے یہ عہد لیتا تھا۔

(تفسیر روح المعانی' تفسیر ابن کثیر' تفسیر کبیر' تفسیر مظہری' انوار محمدیہ' المواہب اللدنیہ)

اور اپنے ذمے لازم کرنے کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کیا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ میثاق صرف وعدہ کے معنی میں ہو جس طرح میعاد اور وعدہ کے معنی میں آتا ہے یا یہ ضمیر اسم جلالت ''اللہ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنے کے بعد (اس کو توڑ دیا) اور حرف ''مِـن'' ابتدائے غایت کے معنی کے لیے آیا ہے۔ ﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ یعنی رشتہ داروں سے رشتہ کے تعلق کو توڑنا اور مسلمانوں سے دوستی ختم کرنا مراد ہے یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے تعلق توڑنا اور بعض آیات پر ایمان لانے اور بعض آیات سے انکار کرنے کے سبب حق پر اتفاق و اجتماع کے تعلق کو ختم کرنا مراد ہے اور بہ طور ''استعلاء'' اپنے مخصوص قول کے ذریعے فعل طلب کرنا ''امر'' کہلاتا ہے [اور ''مَا'' نکرہ موصوفہ ہے یا موصولہ ہے اور ''الَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور ''اَنْ يُّوْصَلَ'' محلاً مجرور ہے اور ''بِهٖ'' کی ضمیر سے بدل ہے یعنی ''بِوَصْلِهٖ'' اس کو ملانا' یا پھر محلاً مرفوع ہے یعنی ''هُوَ اَنْ يُّوْصَلَ'' وہ ملایا جائے (گویا مبتدا محذوف ''هُوَ'' کی خبر ہے)] ﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ راستے میں ڈاکہ ڈالنے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کے سبب (زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) [﴿اُولٰٓئِكَ﴾ مبتدا ہے ﴿هُمُ﴾ ضمیر فصل ہے اور خبر ﴿الْخٰسِرُوْنَ﴾ ہے] یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ایفائے عہد کے بدلے عہد شکنی اور صلہ رحمی کے بدلے قطع رحمی اور اصلاح کے بدلے فساد اور ثواب کے بدلے عذاب اختیار کر لیا ہے۔

۲۸- ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ''كَيْفَ'' ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے جیسے تمہارا یہ قول ''اَتَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ. کیا تم خدا کا انکار کرتے ہو' حالانکہ تمہارے پاس ایسے دلائل (قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں جو تمہارے سامنے) موجود ہیں' جو تمہیں کفر سے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہیں' اور یہ استفہام انکاری ہے جو تعجب کے لیے آیا ہے۔ اس کی مثال تمہارا یہ قول ہے: ''اَتَطِيْرُ بِغَيْرِ جَنَاحٍ وَكَيْفَ تَطِيْرُ بِغَيْرِ جَنَاحٍ'' ''کیا کوئی پرندہ بغیر بازوؤں کے اڑ سکتا ہے اور پرندہ بغیر بازوؤں کے کیسے اڑ سکتا ہے'' (پس ثابت ہو گیا کہ ہمزہ اور کیف ہم معنی ہیں)۔ ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ اور تم اپنے باپ دادوں کی پشتوں میں بے جان نطفہ تھے [اور اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے' نیز اس کے بعد لفظ ''قَدْ'' پوشیدہ ہے اور ''اَمْوَاتٌ'' ''مَيِّتٌ'' کی جمع ہے جس طرح ''اَقْوَالٌ'' ''قِيْلٌ'' کی جمع ہے]' نیز اصل میں حیات کے نہ ہونے کو موت کہا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ''بَلْدَةً مَّيْتًا. (الفرقان:۴۹) یعنی مردہ شہر''۔ ﴿فَاَحْيَاكُمْ﴾ تمہیں رحموں میں زندگی بخشی۔ ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں مقرر کردہ زندگی کے اختتام پر مارے گا۔ ﴿ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں حشر کے دن زندہ کرے گا۔ ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اس کی بارگاہ میں جزاء کے لیے حاضر کیے جاؤ گے' یا پھر اللہ تعالیٰ قبروں میں تمہیں زندگی عطا کرے گا' پھر قیامت کے دن تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اس آیت کریمہ میں پہلا عطف ''فا'' کے ساتھ ہے جب کہ باقی تمام عطف ''ثُمَّ'' کے ساتھ ہیں کیونکہ پہلی زندگی (ماں کے شکم میں) موت کے بعد بغیر کسی تاخیر کے عطا کی جاتی ہے لیکن دنیا میں عموماً کافی عرصہ زندگی گزارنے کے بعد موت آتی ہے' اس لیے ''ثُمَّ'' کے ساتھ عطف کیا گیا جو تاخیر کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح موت کے بعد دوسری زندگی سے مراد اگر قبروں سے اٹھنے کے بعد قیامت کے دن کی زندگی ہے تو پھر زندگی کا تراخی (تاخیر) کے ساتھ آنا واضح ہے اس لیے ''ثُمَّ'' کے ساتھ عطف کیا گیا جو تراخی کے لیے آتا ہے اور اگر قبر کی زندگی مراد ہے تو پھر بھی مرنے کے بعد (غسل' کفن اور دفن میں کافی) تاخیر ہو جاتی ہے' پھر جزاء کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری' حشر و نشر کے کافی عرصہ بعد ہو گی (کیونکہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا) نیز اس آیت مبارکہ میں موت و حیات کے مذکورہ قصہ کے ساتھ استفہام انکاری کے ذریعے ان کے کفر اختیار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے گویا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ واقعہ ایسے روشن دلائل پر مشتمل ہے جو انہیں کفر سے ایمان کی طرف لانے کے لیے کافی ہیں' نیز اس

لیے بھی کہ یہ واقعہ بڑی بڑی نعمتوں پر مشتمل ہے جن کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کیا جائے۔

۲۹۔﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ ﴾ یعنی تمہاری خاطر اور تمہارے دینی و دنیوی نفع کے لیے ہر چیز پیدا کر دی گئی ہے۔ پہلی صورت تو واضح اور ظاہر ہے لیکن دوسری صورت میں نظر وفکر کیا جائے تو اللہ صانع' قادر' حکیم اور علیم کی ذات پر دلالت کرنے والے عجائبات نظر آئیں گے اور اس میں آخرت کی یاد دہانی ملے گی کیونکہ اس کی لذتیں ثواب کی یاد دہانی کراتی ہیں' جب کہ اس کی سختیاں عذابِ آخرت کی یاد دہانی کراتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کرخی اور امام ابوبکر رازی اور معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''خَلَقَ لَكُمْ'' سے استدلال کیا ہے کہ تمام اشیاء سے نفع اٹھانا صحیح ہے اور تمام اشیاء اصل میں مباح پیدا کی گئیں (پھر جن اشیاء کو شریعت نے حرام قرار دے دیا وہ ممنوع ہو گئیں باقی اپنے اصل پر جائز رہیں)۔﴿ جَمِیْعًا ﴾ یہ لفظ ''مَا'' کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔﴿ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ ﴾ ''استواء'' کا معنی اعتدال اور استقامت ہے' کہا جاتا ہے: ''اِسْتَوَى الْعَوْدُ اَیْ قَامَ وَاعْتَدَلَ. یعنی لکڑی سیدھی اور برابر ہوگئی''۔ پھر کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس نے توجہ کی اور ارادہ کیا' جیسے چھوڑا ہوا تیر جس کو تیر انداز اپنے ارادے اور پوری توجہ کے ساتھ سیدھا نشانہ پر چھوڑتا ہے تاکہ ادھر ادھر نہ مڑ جائے' اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ'' (حٰم السجدۃ:۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمانوں کو پیدا کرنے کی طرف توجہ کی اور قصد و ارادہ فرمایا اور اس دوران کسی اور چیز کو پیدا کرنے کا قصد و ارادہ نہیں فرمایا اور آسمانوں سے مراد بلندی کی جہات اور سمتیں ہیں گویا کہا گیا کہ پھر اس نے بلندی کی طرف قصد و ارادہ فرمایا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔﴿ فَسَوّٰىهُنَّ ﴾ [اس میں ''هُنَّ'' ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر و تشریح ﴿ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ نے کر دی ہے جیسے عرب کا قول ہے: ''رُبَّهٗ رَجُلًا'' (اس میں ''رَجُلًا'' ضمیر ''ہٗ'' کی تفسیر ہے) اور کہا گیا ہے کہ ''هُنَّ'' ضمیر ''اَلسَّمَآء'' یعنی آسمان کی طرف راجع ہے اور یہ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے جب کہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے کیونکہ یہ اسم جنس کے معنی میں ہے] اور ''تَسْوِیَه'' کا معنی ہے: ان کو تخلیق میں یکساں اور برابر کرنا اور ان کو ہر قسم کے شگاف اور ٹیڑھا ہونے سے محفوظ رکھنا' یا ان کی تخلیق مکمل کرنا اور یہاں لفظ ''ثُمَّ'' زمین کی خلقت پر آسمانوں کی خلقت کی فضیلت و برتری بیان کرنے کے لیے آیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کے خلاف نہیں ہے'' وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا. (النازعات:۳۰) اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا''' کیونکہ زمین کے مادہ کی خلقت آسمان کی خلقت سے پہلے ہوئی' پھر اس کو آسمان کی تخلیق کے بعد پھیلایا گیا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی جگہ سے زمین کو ایک پتھر کی شکل میں پیدا فرمایا جس پر دھواں چمٹا ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے (اپنی قدرت کاملہ سے) اس دھوئیں کو اوپر چڑھایا اور اسی سے آسمانوں کو پیدا فرمایا مگر اس پتھر والی شکل کی جگہ کو روک لیا اور اس سے زمین کو پیدا فرمایا' پس یہی مقصد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ ''كَانَتَا رَتْقًا. (الانبیاء:۳۰) یعنی زمین و آسمان آپس میں ملے ہوئے تھے''۔

﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں کو بغیر کسی فرق کے مضبوط' مستحکم' یکساں اور برابر پیدا فرمایا اور زمین میں اس کے باشندوں کی ضروریات کے مطابق ہر قسم کی مفید و نفع بخش چیزیں پیدا فرما دیں [اور ورش کے علاوہ مدینہ منوہ کے قراء نے ''وَهُوَ'' اور ''هِیَ'' وغیرہما کو ''ہائے'' متحرک کے ساتھ پڑھا ہے (اور یہی روایتِ حفص کے مطابق ہے) مگر ورش' ابوعمر اور علی نے ''وَهْوَ'' ''ہا'' کو ساکن کر کے پڑھا ہے اور انہوں نے ''واؤ'' کو عین کلمہ قرار دیا ہے' پس وہ کلمہ ''عضد'' (یعنی بازو) کے قائم مقام ہوگئی اور وہ کہتے ہیں: کہ ''عَضْدٌ'' میں ''ضاد'' ساکن ہے] اور جب اللہ تعالیٰ نے

زمین کو پیدا فرمایا تو اس میں جنوں کو بسایا اور فرشتوں کو آسمان میں بسایا لیکن جنوں نے زمین میں فساد پھیلایا' چنانچہ فرشتوں کی ایک جماعت ان کی طرف بھیجی گئی جنہوں نے ان کو سمندر کے جزائر اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف پھینک دیا اور خود ان کی جگہ پر مقیم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو ان کا قصہ یاد دلا دیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں' فرشتوں نے کہا: کیا تو ایسے شخص کو نائب بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں' فرمایا: بے شک میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے O اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ O

## حضرت آدم علیہ السلام کا بیان

۳۰-﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ [''اِذْ'' منصوب ہے' اس سے پہلے فعل ''اُذْکُرْ'' پوشیدہ ہے' اس کا معنی ہے: ''یاد کیجئے'' اور ''مَلَائِكَةٌ'' ''مَلْاَكٌ'' کی جمع ہے جس طرح ''شَمَائِلُ'' ''شَمْاَلٌ'' کی جمع ہے اور اس کے آخر میں جمع کی ''تا'' لاحق کر دی گئی ہے۔] ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ﴾ ''بے شک میں بنانے والا ہوں'' یہ ''جَعْلٌ'' سے مشتق ہے جس کے دو مفعول ہوتے ہیں اور وہ دو ہیں ﴿فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ خلیفہ کی تعریف: یہ وہ شخص ہوتا ہے جو کسی کے بعد اس کی جگہ پر جانشین ہوتا ہے اور یہ ''فَعِیْلَةٌ'' کے وزن پر بہ معنی ''فَاعِلَةٌ'' ہے اور اس کے آخر میں ہائے تانیث (یعنی تائے تانیث) مبالغہ کی زیادہ کی گئی ہے اور معنی یہ ہے کہ میں تم میں سے ایک خلیفہ بنانے والا ہوں کیونکہ جن فرشتوں سے کہا گیا تھا وہ زمین کے باشندے تھے تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان کی جگہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی اولاد میں خلافت رکھ دی اور ''خلائف'' یا ''خلفاء'' نہیں کہا کیونکہ ''خلیفہ'' سے مراد صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضرت آدم کے ذکر نے اولاد کے ذکر سے مستغنی کر دیا جس طرح قبیلہ کے باپ کا ذکر قبیلہ کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے جیسے تم کہتے ہو: مضر اور ہاشم یا اس سے مراد ہے کہ جو تمہارا خلیفہ بنے گا' یا جو مخلوق تمہارا خلیفہ بنے گی' اس لیے واحد لایا گیا ہے یا اس سے مراد ہے کہ میرا خلیفہ کیونکہ حضرت آدم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر نبی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص:۲۶) اے داؤد! بے شک ہم نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے'' اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے ہی اس کی خبر سنا دی تاکہ وہ یہ سوال کریں اور ان کو وہ جواب دیا جائے جو انہیں دیا گیا

ہے اور وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت الٰہی کو ان کی پیدائش سے پہلے جان لیں یا اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے معاملات میں باہم مشورہ کرنے کی تعلیم دے کہ اس کے بندے کوئی کام کرنے سے پہلے باہم مشورہ کرلیا کریں ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمتِ بالغہ کی وجہ سے مشورہ لینے سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا﴾ یہ تعجب کا اظہار ہے کہ فرماں برداروں کی بجائے نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جارہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اور جہالت ونادانی سے پاک ہے اور یہ بات انہوں نے یا تو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جان لی تھی یا لوح محفوظ سے پڑھ کر جان لی تھی یا جن وانس میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرلیا (کہ جس طرح جنوں نے زمین میں فساد پھیلایا تھا اسی طرح بنی آدم بھی فساد پھیلائیں گے)۔ ﴿وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ وہ خون بہائیں گے اور ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ﴾ [میں واؤ حال کی ہے جیسے تم کہو: "اَتُحْسِنُ اِلٰى فُلَانٍ وَاَنَا اَحَقُّ مِنْهُ بِالْاِحْسَانِ. کیا تم فلاں شخص پر احسان کرو گے حالانکہ احسان کا حق میں زیادہ رکھتا ہوں"۔ ﴿بِحَمْدِكَ﴾ یہ حال کے محل میں واقع ہے] یعنی ہم تیری تسبیح کرتے ہیں دراں حالیکہ ہم تیری حمد وثناء بیان کرنے والے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی تیری حمد وثناء کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ. (المائدہ:۶۱) اور بے شک وہ (آپ کی بارگاہ میں) کفر کی حالت میں داخل ہوئے"۔

﴿وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ ہم اپنے آپ کو صرف تیری خاطر پاک کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ تسبیح وتقدیس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کی برائی اور عیب سے پاک ماننا اور ہر قسم کی برائی اور عیب سے اسے دور جاننا اور یہ "سَبَّحَ فِي الْاَرْضِ وَقَدَّسَ فِيْهَا. سے بنا ہے یعنی وہ زمین میں چلا گیا اور اس میں دور نکل گیا"۔ ﴿قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اس میں جو حکمتیں میں جانتا ہوں وہ تم پر مخفی اور پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ان میں انبیائے کرام اولیائے عظام اور علمائے کرام پیدا ہوں گے [اور "مَا" بہ معنی "اَلَّذِيْ" ہے اور یہ "اَعْلَمُ" کا مفعول ہے اور اس میں ضمیر عائد محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے یعنی "مَالَا تَعْلَمُوْنَهٗ" اور حجازی اور ابو عمرو نے "اِنِّيَ" (یعنی "یا" ساکن کو مفتوح) پڑھا ہے]۔

۳۱-﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ﴾ ["اٰدَمَ" اسم علم ہے اور عجمی ہے] اور قریب ترین بات یہ ہے کہ آدم کا لفظ آزر (عابر، عاذر) کی طرح فاعل کے وزن پر ہے] اور کچھ لوگوں نے آدم کو "اَدِيْمُ الْاَرْضِ" "سطح زمین" سے یا "اُدْمَةٌ" "گندم گوں رنگ" سے مشتق قرار دیا ہے جیسا کہ انہوں نے یعقوب کو "عَقَب" سے اور ادریس کو "درس" سے اور ابلیس کو "ابلاس" (اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا) سے مشتق قرار دیا ہے] ﴿الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ ["اَيْ اَسْمَآءَ الْمُسَمَّيَاتِ. یعنی مسمیات کے اسماء" (کا علم دیا گیا ہے) مضاف الیہ کو حذف کردیا گیا ہے کیونکہ وہ معلوم ہے اور اسماء کا ذکر اس پر دلالت کررہا ہے اس لیے کہ اسم اپنے مسمّیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اس کے عوض میں "اَلْاَسْمَآء" پر الف لام داخل کردیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا" (مریم:۴) یعنی سر کے بال سفید ہوگئے اور "وَعَلَّمَ اٰدَمَ مُسَمَّيَاتِ الْاَسْمَآءِ" کو مقدر قرار دینا اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تعلیم کا تعلق اسماء کے ساتھ ہے نہ کہ مسمیات کے ساتھ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ. مجھے ان کے نام بتاؤ" اور "اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ. اے آدم! فرشتوں کو ان سب چیزوں کے نام بتاؤ" اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ چیزیں بتاؤ (نہ آدم سے فرمایا کہ) تم ان کو یہ چیزیں بتاؤ اور تمام "مسمیات" کے اسماء کی تعلیم دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اجناس کو جس طرح پیدا فرمایا ان کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لاکر دکھا دیا اور آپ کو بتایا کہ اس چیز کا نام گھوڑا ہے اور اس کا نام اونٹ ہے اور اس کا نام اِس طرح ہے اور اس کا نام اُس طرح ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے حتیٰ کہ پیالہ چمچہ ڈوئی اور جوتا وغیرہ تک سب کچھ سکھا دیا تھا۔ ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اللہ تعالیٰ نے مسمیات کو پیش فرمایا اور ضمیر مذکر لانے کی وجہ یہ ہے کہ مسمیات میں عقلاء بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے غالب قرار دے دیا (تو گویا ضمیر مذکر تغلیبا لائی گئی ہے) اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ فرشتے ان کے نام بتانے سے عاجز ہیں اس لیے ان کے سامنے مسمیات پیش کر کے ان کے نام پوچھنے کا مقصد صرف ان کے عجز کو ظاہر کرنا تھا۔ ﴿فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ﴾ مجھے خبر دو اور مجھے بتاؤ ﴿بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ تم (اپنے خیال میں) اگر سچے ہو کہ میں زمین میں فساد پھیلانے والوں اور خونریزی کرنے والوں کو اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں' اور اس آیت میں ان کا رد ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ جن علمی فوائد کے پیش نظر انہیں خلیفہ بنایا جائے گا وہ دیگر تمام فوائد کے اصول اور بنیاد ہیں اور انہیں کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق قرار پاتے ہیں کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرشتوں نے کہا: تو ہر عیب سے پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا' بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان سب چیزوں کے نام بتا دو' جب آدم نے ان سب چیزوں کے نام ان کو بتا دیئے' تو فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمین کا غیب جاننے والا ہوں O

۳۲- ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ تجھ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ ہو یا تیری تدبیر میں تجھ پر کوئی اعتراض کیا جائے اور اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ (جب) اسماء کا تنہا علم عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے تو شریعت کے علم کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا اور ''سُبْحَانَكَ'' مصدر کی بنا پر منصوب ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''سَبَّحْتُ اللّٰهَ تَسْبِيْحًا'' یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی خوب بیان کی''۔ ﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ اسماء کا علم اس میں داخل نہیں ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور ''علم'' بہ معنی معلوم ہے یعنی ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ﴾ معلم نہیں ﴿الْحَكِيْمُ﴾ اس میں جو تو نے فیصلہ کر دیا اور جو تو نے تقدیر میں مقدر کر دیا ہے [اور کاف ''كَ'' ''اِنَّ'' کا اسم ہے اور ''اَنْتَ'' مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور یہ جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے یا ''اَنْتَ'' کی ضمیر فصل ہے اور ''الْعَلِيْمُ'' ''اِنَّ'' کی پہلی خبر اور ''الْحَكِيْمُ'' ''اِنَّ'' کی دوسری خبر ہے]۔

۳۳- ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ ہر چیز کا اصل نام بتا دیا۔ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ان دونوں میں جو کچھ تم سے پوشیدہ ہے وہ میں ہی جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو گا (مجھے سب معلوم ہے)۔ ﴿وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ﴾ مجھے معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا' اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا O اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں جہاں سے چاہو جتنا چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے O

## فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم

۳۴- ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ یعنی ان کے سامنے جھک جاؤ اور ان کی عظمت وفضیلت کے پیش نظر ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ' حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ صرف جھکنا تھا اور ٹھوڑی کے بل گر کر سجدہ نہ تھا حالانکہ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ جس سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اس سے (حقیقی اور عرفی سجدہ) زمین پر چہرے کا رکھ دینا مراد ہے اور صحیح مذہب کے مطابق حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ تعظیمی سجدہ تھا کیونکہ اگر سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو ابلیس کبھی نہ رکتا اور گزشتہ شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا' پھر جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اسے ہمیشہ کے لیے منسوخ فرمادیا: ''لَا يَنْبَغِيْ لِمَخْلُوْقٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى. یعنی مخلوق کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے''۔

﴿ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ﴾ یہ استثناء متصل ہے کیونکہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا جب کہ حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اصل یہ ہے کہ استثناء مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ. (الاعراف:۱۲) جب میں نے تجھے حکم دیا ہے تو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے منع کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''كَانَ مِنَ الْجِنِّ. (الکہف:۵۰) شیطان جنوں میں سے تھا'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں میں سے ہو گیا' جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ. (ھود:۴۳) پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا''۔ [اور ایک قول یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے' متصل نہیں ہے] کیونکہ شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ قرآن مجید کی صریح آیت مبارکہ کے مطابق وہ جنوں میں سے تھا اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول ہے' اور اس لیے بھی کہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور اس لیے بھی کہ شیطان نے انکار کیا اور نافرمانی کی اور تکبر کیا جب کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ. (الکہف:۵۰) تو کیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی نسل کو دوست بناتے ہو' اور فرشتوں کی نسل نہیں ہوتی اور علامہ جاحظ سے منقول ہے کہ بے شک جن اور فرشتے ایک جنس ہیں کیونکہ ان میں سے جو پاک ہو گئے وہ فرشتے ہیں اور جو خبیث ہو گئے وہ شیطان ہیں اور جو درمیاں میں رہ گئے وہ جن ہیں۔ ﴿ اَبٰى ﴾ جس چیز کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا شیطان اس سے باز رہا اور اس پر عمل نہ کیا ﴿ وَاسْتَكْبَرَ ﴾ اور اس سے تکبر کیا ﴿ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور شیطان حکم خدا کو رد کرنے' تکبر کرنے اور انکار کرنے کی وجہ سے کافروں میں سے ہو گیا' صرف حکم خدا پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ ترک سجدہ سے

کوئی ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اور نہ یہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے' البتہ معتزلہ اور خوارج اس کے خلاف ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ کافر رہا اور یہ مسئلہ موافات میں سے ہے (یعنی ایمان کا اعتبار خاتمہ بالخیر پر ہوتا ہے)۔

## حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم

۳۵۔﴿ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ ﴾ [یہ فعل امر ہے ''سَكَنَ الدَّارَ. وہ گھر میں ٹھہرا'' ''يَسْكُنُهَا سُكْنٰى. وہ اس میں ٹھہرے گا'' سے مشتق ہے اور کہا جاتا ہے کہ متحرک ساکن ہو گیا یعنی ٹھہر گیا] ﴿ اَنْتَ ﴾ [یہ ''اُسْكُنْ'' کے فاعل ''مُسْتَكِنْ'' ''ٹھہرنے والا'' کی تاکید ہے تاکہ ﴿ وَزَوْجُكَ ﴾ کا اس پر عطف کرنا صحیح ہو جائے] ﴿ الْجَنَّةَ ﴾ مشہور و معروف روایت کے مطابق جس جنت میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو رکھا گیا تھا' وہ ''جنت الخلد'' تھی جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے [اور اس میں ''لام'' تعریف کا ہے] اور معتزلہ نے کہا ہے کہ وہ یمن میں ایک باغ ہے کیونکہ جنت نہ تو تکلیف کا گھر ہے اور نہ وہاں سے باہر نکالا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص بہ طورِ جزاء اور اجر و ثواب کے لیے جنت میں داخل ہوا سے وہاں سے نہیں نکالا جاتا' چنانچہ حضور سید عالم ﷺ شبِ معراج جنت میں داخل بھی ہوئے اور خارج بھی ہوئے' اندر بھی تشریف لے گئے اور باہر بھی تشریف لے آئے اور جنتی لوگ بھی توحید اور معرفت الٰہی کے مکلف ہوتے ہیں۔ ﴿ وَكُلَا مِنْهَا ﴾ یعنی ''مِنْ ثِمَارِهَا'' ''اس کے پھل کھاؤ'' [مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿ رَغَدًا ﴾ موصوف محذوف کی صفت ہے اور وہ مصدر ہے یعنی ''اَكْلًا رَغَدًا وَاسِعًا'' ''خوب پیٹ بھر کر کھانا''۔ ﴿ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ [''شِئْتُمَا'' کو ابو عمرو نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور ''حَيْثُ'' ظرف مکان مبہم کے لیے آتا ہے یعنی جنت میں جس جگہ چاہو]۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ اور اس درخت یعنی گندم کے قریب نہ جانا' اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان بھلا کیسے نافرمانی نہ کرے جب کہ اس کی روزی گناہ کے درخت سے ہے' یا انگور مراد ہے کیونکہ یہی پھل تمام فتنوں کی جڑ اور اصل ہے یا اس درخت سے انجیر مراد ہے۔ ﴿ فَتَكُوْنَا ﴾ [''تَقْرَبَا'' پر عطف کی وجہ سے اس پر جزم ہے یا منصوب ہے اور ''وَلَا تَقْرَبَا'' نہی کا جواب ہے] ﴿ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ان لوگوں میں سے (ہو جاؤ گے) جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یا ان لوگوں میں سے (ہو جاؤ گے) جو اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پس شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے جنت سے دور کر دیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا' اور ہم نے فرمایا: تم (سب) نیچے اترو' تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور

فائدہ اٹھانا ہے O پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد مہربان ہے O ہم نے فرمایا: تم سب جنت سے نیچے اتر جاؤ' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آ جائے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

۳۶- ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ درخت سے یعنی شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعے پھسلنے پر ابھارا' اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ شیطان نے اس درخت کے سبب دونوں کے پھسل جانے کو ظاہر کر دیا یا ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا' اس معنی میں کہ شیطان ان دونوں کو جنت سے باہر لے گیا اور انہیں جنت سے دور کر دیا اور جناب حمزہ نے اس کو ''فَـاَزَالَهُمَـا'' پڑھا ہے (پس شیطان نے دونوں کو دور کر دیا) اور حضرت آدم علیہ السلام کا (اجتہادی) خطاء کے سبب جنت کے درخت سے کھانے کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں' پہلی تاویل: یا تو ''نہی'' کو تنزیہ (خلافِ اولیٰ) پر محمول کیا گیا ہے تحریم پر نہیں' دوسری تاویل: یا لامِ تعریف کو عہد خارجی (مخصوص وہی درخت' جس کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا) پر محمول کیا گیا ہے (کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہی سمجھے اور دوسرے درخت سے کھا لیا) جب کہ اللہ تعالیٰ نے جنس کا ارادہ فرمالیا تھا (کہ اس قسم کے کسی درخت سے نہیں کھانا) اور پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے (اور تیسری تاویل یہ ہے کہ بظاہر منع کیا گیا تھا حقیقت میں نہیں) اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر خطاء کا اطلاق جائز ہے جیسا کہ بخاری کے مشائخ نے کہا ہے' کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جو غیر ارادی طور پر حکمِ شریعت کی خلاف ورزی کرنے پر بولا جاتا ہے جیسا کہ کیچڑ میں چلنے والا ہوتا ہے اور سمرقند کے مشائخ نے فرمایا کہ جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر معصیت (گناہ) کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان کے کسی فعل پر خطاء کا اطلاق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے سب سے بہتر کو چھوڑ کر مباح اور جائز کو اختیار کر لیا جس پر انہیں عتاب کیا گیا۔ ﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ [اگر ''عَـنْهَا'' کی ضمیر شجرہ یعنی درخت کی طرف لوٹتی ہو تو پھر اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے انہیں جنت سے نکال دیا ورنہ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں اور وہاں کی عزت و کرامت سے انہیں نکال دیا اور شیطان کو (سجدۂ آدم سے انکار کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالتے ہوئے) کہا گیا کہ ''اُخْـرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ. جنت سے نکل جا پس تو یقیناً مردود ہے'' پھر یہ مردود حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو پھسلانے جنت میں پہنچ گیا کیونکہ جس طرح فرشتے تعظیم و تکریم کے ساتھ جنت میں جاتے ہیں اس طرح تعظیم و تکریم کے لیے شیطان کو جنت میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا لیکن حضرت آدم و حواء کے امتحان کی خاطر وسوسہ ڈالنے کے لیے شیطان کو جنت میں جانے سے منع نہیں کیا گیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے جب جنت میں جانا چاہا تو جنت کے خازن نے اسے روک دیا اور یہ مردود سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں پہنچ گیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی تھی۔ ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا﴾ ''هُبُـوْطٌ'' کا معنی ہے: زمین پر اترنا اور یہ خطاب حضرت آدم و حواء علیہما السلام اور ابلیس کو تھا۔ ایک قول میں ہے کہ ان کے ساتھ سانپ کو بھی یہ خطاب کیا گیا اور صحیح یہ ہے کہ اس سے حضرت آدم و حواء اور ان کی اولاد مراد ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات تمام نسلِ انسانی کی بنیاد ہیں گویا ان دونوں کو تمام انسان قرار دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے: ''قَالَ اهْبِطَا مِنْهَـا جَمِيْعًا. (طٰہٰ:۱۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ''۔ ﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بغض و عداوت اور دشمنی و کینہ رکھیں گے اور ایک دوسرے کو گمراہ کریں گے [اور یہ جملہ حال کی جگہ واقع ہے اس لیے یہ ''اِهْبِطُوْا'' کی واؤ (''هُمْ'' ضمیر) سے حال ہے یعنی تم سب نیچے اتر جاؤ در اں

حالانکہ تم ایک دوسرے سے عداوت کرو گے ] ﴿ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ زمین تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ ہے یا تمہیں زمین میں ٹھہرنا اور رہنا ہے۔ ﴿ وَّمَتَاعٌ ﴾ زندگی کا لطف اٹھانا ہے اور اسباب دنیا سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ ﴿ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ قیامت کے دن تک یا موت کے آنے تک۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دنیا کے خورد ونوش (کھانے) نے ہمیں طویل غم کا وارث بنا دیا۔

۳۷۔ ﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کلمات کو حاصل کرنے اور انہیں قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ابن کثیر مکی نے ''آدم'' پر نصب اور ''کَلِمَات'' پر رفع پڑھا ہے' اب معنی یہ ہوگا کہ وہ کلمات و الفاظ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف خود متوجہ ہو گئے اور آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کے پاس آ کر آپ کو وصول ہو گئے اور وہ کلمات وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمائے ہیں کہ ''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (الاعراف: ۲۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے'' اور اس میں ان کی اولاد کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے بچنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے نیکی کا راستہ کیسے پہچان سکتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین کلام وہ ہے جو ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطاء کرنے کے بعد کہا تھا اور وہ یہ ہے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ. اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے تو تو مجھے بخش دے' بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا'' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ''يَا رَبِّ اَلَمْ تَخْلُقْنِيْ بِيَدِكَ؟ قَالَ بَلٰى قَالَ يَا رَبِّ اَلَمْ تَنْفُخْ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ؟ اَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتُكَ غَضَبَكَ؟ اَلَمْ تُسْكِنِّيْ جَنَّتَكَ؟ وَهُوَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: بَلٰى بَلٰى قَالَ فَلِمَ اَخْرَجْتَنِيْ مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ بِشُؤْمِ مَعْصِيَتِكَ قَالَ فَلَوْ تُبْتُ اَرَاجِعٌ اَنْتَ اِلَيْهَا؟ قَالَ نَعَمْ''. اے میرے پروردگار! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا؟ فرمایا: کیوں نہیں' عرض کیا: اے میرے رب! کیا تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟ کیا تیری رحمت تیرے غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا؟ اور وہ عالی شان خدا فرماتا رہا: کیوں نہیں! کیوں نہیں' حضرت آدم (علیہ السلام) نے عرض کی: پھر تو نے مجھے جنت سے کیوں نکالا؟ فرمایا: تیری معصیت کے سبب' تو آپ نے عرض کی: اگر میں توبہ کر لوں تو کیا تو مجھے معاف فرما دے گا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں[1]'' ﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور قبولیت کے ساتھ توجہ

---

[1] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کا ارتکاب کر لیا تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: ''يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِيْ (وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ) فَقَالَ اللّٰهُ: يَا اٰدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟ وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ: يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَرَفْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِذَا سَاَلْتَنِيْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ' وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ وَهُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ. (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمائی' (اور توبہ قبول فرمائی) اور یہاں صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ حضرت حواء ان کے تابع ہیں اور قرآن وسنت کے اکثر مقامات میں اس طرح عورتوں کا ذکر بالتبع کیا گیا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ﴾ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ اپنے بندوں پر انتہائی رحم فرمانے والا ہے۔

۳۸۔﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا﴾ [حال ہے یعنی سب اکٹھے ہو کر یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ زمین پر اترنے کے حکم کو محض تاکید کے لیے دوبارہ بیان کیا گیا ہے یا اس لیے کہ پہلے جنت سے آسمان کی طرف اترنے کا حکم دیا گیا' پھر آسمان سے زمین کی طرف اترنے کا حکم دیا گیا ہے یا اس لیے کہ (دوسری دفعہ) اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد شامل کیا گیا ہے: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى﴾ یعنی میں تمہارے پاس کوئی رسول بھیجوں گا یا تم پر کوئی کتاب نازل کروں گا' اس دلیل کی بنا پر کہ اس کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا. اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا''۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ﴾ یعنی جس نے میری ہدایت کو قبول کیا اور اس پر ایمان لایا ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ﴾ مستقبل یعنی آخرت میں انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور جو کچھ پیچھے چھوڑ گئے اس پر وہ غمگین نہیں ہوں گے [اور شرط ثانی ''فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ'' اپنے اس جواب کے ساتھ مل کر شرط اول ''فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ'' کا جواب ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اِنْ جِئْتَنِیْ فَاِنْ قَدَرْتُ اَحْسَنْتُ اِلَیْكَ. یعنی اگر تم میرے پاس آئے تو اگر میں قدرت رکھتا ہوں گا تو تمہارے ساتھ احسان کروں گا'' اور یعقوب نے پورے قرآن میں ''فَلَا خَوْفٌ'' میں ''فا'' پر رفع اور تنوین کی بجائے ''فتح'' پڑھا ہے]۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے بحق محمد (ﷺ) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اس لیے کہ اے میرے رب! جب تو نے مجھے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا دیکھا تو میں نے جان لیا کہ تو نے جس نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا ہے' بے شک وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا ہے' اگر محمد (ﷺ) کو پیدا نہ کرتا تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا اور وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں' اور اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: اعلاء السنن' باب زیارۃ قبر النبی الکریم ﷺ ج ۱۰ ص ۵۰۱' بہ حوالہ طبرانی' وفاء الوفاء' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۵۵' الوفاء باحوال المصطفیٰ باب اول' روح المعانی ج ۱' روح البیان ج ۱' فتح العزیز پارہ اول بہ حوالہ معجم صغیر' حاکم' ابو نعیم' بیہقی' انوار المحمدیہ)۔ حضرت امام الائمہ' سراج الامۃ' امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قصیدہ نعمانیہ'' میں فرماتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

''آپ ﷺ وہ ہیں کہ جب آدم علیہ السلام نے آپ کا وسیلہ اختیار کیا اپنی خطا پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے جد امجد ہیں''۔ (ملاحظہ ہو: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۸۳)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ ع

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی دوزخی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○ اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرو○ اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو○

۳۹- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ﴾ [''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ہے یعنی آگ والے اور اس کے مستحق اور جملہ محل رفع میں واقع ہے اور مبتدا یعنی ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'' کی خبر ہے] ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

## بنی اسرائیل کے واقعات

۴۰- ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ یہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اسرائیل ان کا لقب ہے اور ان کی عبرانی زبان میں اس کا معنی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ یا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے کیونکہ ''اسرا'' کا معنی بندہ یا برگزیدہ ہے اور ''ایل'' کا معنی اللہ ہے [اور یہ غیر منصرف ہے اس میں علیت اور عجمہ ہونا دو سبب موجود ہیں] ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا تا کہ شکر کرنا چھوڑ دیں اور نعمتیں عطا کرنے والے (خدا) کی اطاعت کریں اور ان سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے آباؤ اجداد پر انعام فرمائیں تھیں جن کو ان پر شمار کر کے بیان فرمایا کہ ان کو فرعون کے عذاب سے نجات دی اور اس کو غرق کر دیا اور بچھڑے کو خدا بنا لینے کے باوجود ان کو معاف فرما دیا اور ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا زمانۂ مبارک پانے کا شرف عطا فرمایا جن کی بشارتیں تورات وانجیل میں دی گئیں تھیں ﴿وَاَوْفُوْا﴾ پورا پورا ادا کرو۔ کہا جاتا ہے: ''وَفَيْتُ لَهٗ بِالْعَهْدِ فَاَنَا وَافٍ بِهٖ. (یعنی ثلاثی مجرد کے باب سے) تم نے فلاں کا عہد پورا کیا ہے تو میں بھی اس کو پورا کروں گا'' اور ''اَوْفَيْتُ لَهٗ بِالْعَهْدِ فَاَنَا مُوْفٍ بِهٖ. (ثلاثی مزید فیہ کے باب سے) اور مختار ''اَوْفَيْتُ'' (یعنی ثلاثی مزید فیہ) ہے اور اسی کے مطابق قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ ﴿بِعَهْدِيْٓ﴾ جو مجھ پر ایمان لانے اور میری اطاعت کرنے کا عہد مجھ سے کیا تھا (اس کو پورا کرو) یا پیکرِ رحمت نبی مکرم ﷺ اور سراسر معجزہ کتاب پر ایمان لانے کا عہد (پورا کرو) ﴿اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ تمہاری نیکیوں پر حسنِ ثواب کا جو وعدہ میں نے تم سے کیا ہے (وہ میں پورا کروں گا) اور ''عَهْد'' ''مُعَاهِد'' یعنی عہد کرنے والا اور ''مُعَاهَد'' جس سے عہد کیا جائے'' دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ دونوں معاہدے یہ ہیں (جو درج ذیل آیت میں بیان کیے گئے ہیں) ''لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (المائدہ:۱۲) اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور اللہ کو قرض حسنہ دیا تو میں البتہ تم سے تمہارے گناہ مٹادوں گا اور میں ضرور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی''، اور اہل اشارہ نے کہا کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) تم میرے محنت کے گھر میں میری خدمت کے لیے کمر بستہ ہو کر میری عزت و حرمت کی حفاظت کا وعدہ پورا کرو میں اپنے نعمت کے گھر میں کرامت کا تاج پہنا کر اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرما کر اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ ﴿وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو سو تم میرا عہد نہ توڑو اور یہ تمہارے اس قول سے لیا گیا ہے کہ ''زَيْدًا رَهِبْتُهٗ'' میں زید ہی سے ڈرتا ہوں [اور یہ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' (الفاتحہ:۴). سے اختصاص کا فائدہ دینے میں زیادہ مؤکد ہے ''وَاِيَّايَ'' منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے جس پر بعد والا فعل دلالت کر رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَارْهَبُوْا اِيَّايَ فَارْهَبُوْن'' اور پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا فعل اس پر دلالت کرتا ہے' باقی رہا یہ کہ ''اِيَّايَ'' کو ''فَارْهَبُوْنَ'' سے منصوب قرار کیوں نہیں دیا گیا تو وہ اس لیے کہ اس نے اپنا مفعول لے لیا ہے اور وہ ''یا'' محذوف ہے اور ''یا'' کے حذف ہونے پر نون کا کسرہ دلالت کر رہا ہے (کیونکہ ''یا'' کا ماقبل مکسور ہوتا ہے' لہٰذا دراصل ''فَارْهَبُوْنِيْ'' تھا) جس طرح ''زَيْدًا فَاضْرِبْهُ'' میں ''زَيْدًا'' کو ''اِضْرِبْهُ'' سے منصوب بنانا جائز نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے]۔

۴۱۔ ﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ﴾ قرآن مجید پر ایمان لاؤ ﴿مُصَدِّقًا﴾ یہ ہائے ضمیر محذوفہ سے تاکیدی حال ہے گویا دراصل یوں کہا گیا ہے: ''اَنْزَلْتُهٗ مُصَدِّقًا. اس قرآن کو میں نے نازل کیا ہے دراں حالیکہ یہ قرآن تصدیق کرنے والا ہے''۔ ﴿لِّمَا مَعَكُمْ﴾ تورات کی یعنی عبادت' توحید' نبوت اور شان محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ یعنی تم اس کے پہلے منکر نہ بنو یا پہلی جماعت یا پہلا منکر گروہ نہ بنو یا یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اس کا پہلا منکر نہ بنے اور یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے کہ اس قرآن پر سب سے پہلے ایمان لانا ان پر واجب و لازم ہے کیونکہ وہ اس کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس کی خوبیوں سے آگاہ ہیں [اور ''بِهٖ'' میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا﴾ تبدیل نہ کرو ﴿بِاٰيٰتِيْ﴾ ان میں تحریف و تغییر کر کے ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس سے دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے قیادت و ریاست اور چودھراہٹ مراد ہے جو ان کے احبار کو اپنی قوم میں حاصل تھی اور ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر لی تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾ [''فَخَافُوْنِيْ' فَارْهَبُوْنِيْ'' اور ''فَاتَّقُوْنِيْ'' دونوں حالتوں (اثبات و حذف) میں یائے متکلم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور اسی طرح یعقوب کی قراءت میں ہر وہ ''یا'' جو لکھنے میں حذف ہو جائے]۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ
وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا
لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤO اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کروO کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو؟ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو' کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟O اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو' اور بے شک نماز دشوار ہے ماسوا ان لوگوں کے جو (اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیںO

---

٤٢- ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [''لَبْسُ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ'' کا مطلب ہے: حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور اس میں حرف ''با'' اگر صلہ (ملانے) کی ہو جس کی مثال تمہارے اس قول میں ہے: ''لَبِسْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ. یعنی میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا ہے'' تو اب آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ جو تورات میں سے نہیں ہے اس کو تورات میں نہ لکھو ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حق تمہارے اس باطل کے ساتھ مل جائے گا جو تم نے خود (اپنے ہاتھوں سے) لکھا ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں اور تمہارے باطل میں امتیاز اور فرق نہیں رہے گا اور اگر حرف ''با'' استعانت کی ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ. میں نے قلم کی مدد سے لکھا'' تو اب معنی یہ ہوگا کہ تم اپنے اس باطل کی مدد سے حق کو مشتبہ اور مشکوک نہ بناؤ جسے تم خود (اپنے ہاتھوں سے) لکھتے ہو] ﴿وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ [یہ فعل نہی کے حکم میں داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے] معنی یہ ہے: ''وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ. اور حق کو نہ چھپاؤ'' [یا ''اَنْ'' مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور واؤ جمع کے معنی میں ہے] یعنی حق کو باطل کے ساتھ ملا کر اور حق کو چھپا کر جمع نہ کرو جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَ تَشْرَبَ اللَّبَنَ. یعنی نہ مچھلی کھاؤ اور نہ دودھ پیو'' اور دونوں معاملات الگ الگ ہیں کیونکہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کا مطلب وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ جو تورات میں سے نہیں ہے اس کو تورات میں نہ لکھنا اور حق کو نہ چھپانا اس طرح ہے کہ وہ کہتے تھے: ہم تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور وصف کہیں نہیں پاتے اور نہ اس طرح کا کوئی حکم پاتے ہیں۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم حق کو باطل کے ساتھ ملانے والے ہو اور حق کو چھپانے والے ہو کیونکہ کسی قبح اور برائی سے جہالت و نادانی کی وجہ سے بسا اوقات اس کے ارتکاب کرنے والے کی معذرت قبول کر لی جاتی ہے۔

٤٣- ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ یعنی مسلمانوں کی نماز کی طرح نماز قائم کرو اور مسلمانوں کی زکوٰۃ کی طرح زکوٰۃ ادا کرو ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ کیونکہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا یعنی اسلام قبول کر لو اور مسلمانوں کے عمل جیسے تم عمل کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ رکوع سے نماز مراد ہو جیسا کہ نماز کو سجود سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کا حکم ہو یعنی تم نمازیوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز پڑھا کرو اکیلے نہ پڑھا کرو۔

٤٤- ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ﴾ [ہمزۂ استفہام جملے کی تقریر کے لیے ہے] اور یہود کے علماء کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے اور ان کے حال پر تعجب کرنے کے لیے ہے۔ ﴿بِالْبِرِّ﴾ یعنی خیر و بھلائی کی وسعت' اور اسی سے ''اَلْبَرُّ'' ہے کیونکہ فضا وسیع و عریض ہوتی ہے اور یہ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے اور اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ. یعنی تم نے سچ کہا اور نیک بات کی'' اور یہود کے علماء اپنے اعزاء و اقارب اور دیگر لوگوں کو تنہائی اور علیحدگی میں نصیحت کرتے ہوئے انہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہ کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو صدقات و خیرات کرنے کا حکم دیتے تھے لیکن خود صدقات و خیرات نہیں کرتے تھے اور جب ان کے پاس صدقات لائے جاتے تھے تا کہ ان کو تقسیم کر دیں تو ان میں خیانت کرتے تھے۔ ﴿وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ اور نیکی کے معاملے میں اپنے آپ کو چھوڑ جاتے ہو جیسے یاد ہی نہیں۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ اس میں ان کی سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم تورات پڑھتے ہو اور اس میں حضور

نبی اکرم نور مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت موجود ہے یا اس میں ان کو خیانت کرنے اور نیکی ترک کرنے اور قول و عمل میں تضاد اختیار کرنے پر ڈانٹا جا رہا ہے۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم اس قباحت کو نہیں سمجھتے جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے تا کہ اس کی قباحت تمہیں اس کے ارتکاب سے روک دے اور یہ بہت بڑی زجر و توبیخ ہے۔

۴۵۔﴿وَاسْتَعِیْنُوْا﴾ تم اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو ﴿بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ یعنی دونوں جمع کر کے بجالاؤ اور وہ یہ کہ نماز ادا کرو اور نماز کی مشکلات پر صبر کرو اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرو اور ضروریاتِ نماز کا خیال رکھو یعنی دل میں اخلاص ہو اور نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کو دور رکھو اور خشوع و خضوع اور آدابِ نماز کی رعایت کرو اور اس یقین کے ساتھ حاضر رہو کہ زمین و آسمان کو زبردست قائم رکھنے والے خدا کے سامنے کھڑے ہو یا یہ مطلب ہے کہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کے ذریعہ مدد چاہو اور ان کے وقوع ہونے پر نماز کی طرف رجوع کرو اور اس کے ذریعے رب سے التجاء کرو کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کو کوئی معاملہ غم میں ڈالتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہیں سفر میں ان کے بھائی قثم کی موت کی اطلاع ملی تو انہوں نے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا اور دو رکعت نماز نفل ادا کی پھر فرمایا: ''وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ. اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو'' اور ایک قول یہ ہے کہ صبر سے روزہ مراد ہے کیونکہ روزہ میں کھانے پینے والی چیزوں سے صبر کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے ماہِ رمضان کو ''شَهْرُ الصَّبْرِ. یعنی صبر کا مہینہ'' کہا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ صلٰوۃ سے مراد دعا ہے یعنی مصیبتوں پر صبر کے ذریعے مدد چاہو اور ان کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اور التجاء کرتے ہوئے دعا کے ذریعے مدد چاہو ﴿وَاِنَّهَا﴾ ''هَا'' ضمیر صلٰوۃ یا استعانت کی طرف لوٹتی ہے ﴿لَكَبِیْرَةٌ﴾ البتہ دشوار اور بھاری ہے جیسے تمہارا قول ہے کہ ''كَبُرَ عَلَیَّ هٰذَا الْاَمْرُ. یعنی مجھ پر یہ کام دشوار و بھاری ہو گیا ہے''۔ ﴿اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ﴾ کیونکہ وہ مشکلات برداشت کرنے پر صبر کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کے ذخیرہ کی امید رکھتے ہیں اس لیے ان پر نماز ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

ع ۵

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ ضرور اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور بے شک میں نے تمہیں اس وقت کے اہل جہاں پر برتری عنایت کی تھی ○ اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی (کافر) شخص کا بدلا نہ بن سکے گا اور نہ کسی (کافر) کی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اس سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گا ○

۴۶۔﴿الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ یعنی ان کے رب تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اسے پالینے اور اس کی طرف

سے ثواب کے ملنے کی توقع کرتے ہیں اور اس میں رغبت وطمع رکھتے ہیں اور ''یَظُنُّوْنَ'' کی تفسیر ''یَتَیَقَّنُوْنَ'' کے ساتھ بھی کی گئی ہے یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ کی قراءت میں ''یَظُنُّوْنَ'' کی بجائے ''یَعْلَمُوْنَ'' ہے یعنی وہ جانتے ہیں کہ ضرور انہیں جزائے خیر ملے گی' چنانچہ وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن جو جزا پر یقین نہیں رکھتا اور نہ ثواب کی امید رکھتا ہے اس پر تو صرف مشقت ہی مشقت ہے اور ''خشوع'' کا معنی ہے: عاجزی اور انکساری کرنا اور ''خضوع'' کا معنی ہے: نرمی کرنا اور فرمانبرداری کرنا اور ''لقاء'' کی تفسیر رؤیت کے ساتھ بھی کی گئی ہے اور ''مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ'' کا معنی ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا دیدار بلا کیف کریں گے۔ ﴿وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کے معاملے کا مالک نہیں۔

## بنی اسرائیل پر احسانات کا بیان

۴۷- ﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ﴾ اس عبارت کو محض نعمت کی تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ﴾ [یہ محلاً منصوب ہے اور ''نِعْمَتِیْ'' پر عطف ہے] یعنی میری نعمت اور میری عنایت کردہ فضیلت کو یاد کرو۔ ﴿عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾ لوگوں کی بہت بڑی تعداد پر (تمہیں فضیلت دی گئی) کہا جاتا ہے: ''رَاَیْتُ عَالِمًا مِّنَ النَّاسِ. میں نے لوگوں میں سے ایک عالم کو دیکھا'' اور اس سے مراد کثرت ہوتی ہے۔

۴۸- ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا﴾ قیامت کے دن (سے ڈرو) [اور یہ مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] ﴿لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ﴾ ایماندار ﴿عَنْ نَّفْسٍ﴾ کافرہ ﴿شَیْـًٔا﴾ یعنی کوئی جان کسی جان کے لازمی حقوق میں سے کچھ ادا نہیں کر سکے گی [اور ''شَیْئًا'' مفعول بہ ہے یا مصدر ہے یعنی تھوڑا سا بدلا اور جملہ محلاً منصوب ہے اور ''یَوْمًا'' کی صفت ہے اور موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''لَا تَجْزِیْ فِیْهِ''] ﴿وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے ''تا'' کے ساتھ ''وَلَا تُقْبَلُ'' پڑھا ہے اور ''مِنْهَا'' میں ضمیر نفس مومنہ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کسی نفسِ مومنہ کی سفارش کسی نفسِ کافرہ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی (خلاصہ یہ کہ کوئی مسلم کسی کافر کی سفارش نہیں کر سکے گا) اور کہا گیا ہے کہ یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ ان کے آباء واجداد میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں' وہ ان کی سفارش کریں گے تو اس آیتِ کریمہ میں انہیں اس سے مایوس کر دیا گیا ہے (کیونکہ شفاعت کے حصول کے لیے ایمان شرط ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ. (المدثر:۴۸) کافروں کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہیں دے گی''۔ گنہگاروں کے لیے شفاعت کی نفی میں معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرنا مردود ہے کیونکہ کفار کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے (نہ کہ مسلمانوں کے لیے) اور خود نبی اکرم رسولِ اعظم فخرِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے بڑے گنہگاروں کے لیے ہوگی' جس نے میری شفاعت کو جھٹلا دیا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ ﴿وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ یعنی فدیہ (نہیں لیا جائے گا) کیونکہ فدیہ مساوی اور برابر معاوضہ ہوتا ہے جو کسی مجرم کی جان چھڑانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ ﴿وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی [اور اس کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ نفسِ نکرہ نفوسِ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے اور ''نَفْسٌ'' کو ''عِبَادٌ'' یا ''اَنَاسِیٌّ'' کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے]۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ
الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى
اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی○ اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تو ہم نے تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے○ اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا' پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے○

۴۹- ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ [''ال'' کی اصل ''اَھْل'' ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''اُھَیْل'' آتی ہے' پھر ''ھا'' کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے] اور اس کا استعمال اشراف و معززین کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جیسے بادشاہ کی اولاد وغیرہ اس لیے ''اٰلِ اَسْکَاف. موچیوں کی آل'' اور ''آلِ حجام'' نہیں کہا جاتا اور فرعون قوم عمالقہ کے بادشاہ کا نام ہے جیسا کہ روم کے بادشاہ کو قیصر اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا ہے۔ ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ یہ آل فرعون سے حال ہے یعنی وہ تمہیں رسوا کن عذاب پہنچاتے تھے' یہ ''سَامَه خَسْفًا. ذلیل ورسوا کرنا'' سے بنا ہے' جب کسی کو ظلم کر کے رسوا کیا جائے اور اس کی اصل ''سَامَ السِّلْعَةَ'' ہے جب کوئی بھاؤ طلب کرے گویا اس کا معنی ہے کہ وہ تمہیں (ستانے کے لیے) تلاش کرتے ہیں۔ ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ وہ تمہارے لیے اس کا ارادہ کرتے ہیں اور ''مُسَاوَمَةُ الْبَیْعِ'' کا مطلب ہے: فروخت کا مزید مطالبہ کرنا اور ''سُوْء'' کا لفظ ''یَسُوْمُوْنَکُمْ'' کا دوسرا مفعول ہے اور یہ ''سِیْئ'' کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُوْءِ الْخَلْقِ وَسُوْءِ الْفِعْلِ. میں برے خلق اور برے عمل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں''۔ ان دونوں کی قباحت مراد ہے اور ''سُوْءُ الْعَذَابِ'' اور عذاب سب کا معنی سخت ترین اور قبیح ترین برائی ہے۔ ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ [یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''یَسُوْمُوْنَکُمْ'' کا بیان ہے اس لیے عطف کو ترک کر دیا گیا ہے] ﴿وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ تمہاری بیٹیوں کو خدمت کرانے کے لیے زندہ چھوڑ دیتے ہیں' اور فرعونیوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہ ظالمانہ عمل اس لیے کیا تھا کہ کاہنوں نے فرعون کو ڈرایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے سبب اس کا ملک اس سے چھن جائے گا جیسا کہ کاہنوں نے نمرود کو ڈرایا تھا مگر اپنے ملک کے تحفظ کے لیے فرعون اور نمرود کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہی ہوا۔ ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ﴾ اگر ''ذٰلِکُمْ'' کے ساتھ اشارہ فرعون کے ظالمانہ سلوک کی طرف ہو تو پھر اس سے محنت و مشقت اور آزمائش مراد ہوگی اور اگر نجاتِ خداوندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے نعمت مراد ہوگی۔ ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [یہ ''بَلَاءٌ'' کی پہلی صفت ہے ﴿عَظِيْمٌ﴾ یہ اس کی دوسری صفت ہے]۔

۵۰- ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا﴾ یعنی ہم نے اس کے درمیان فاصلہ کر دیا اور وہاں سے پانی کو دور کر دیا یہاں تک کہ اس میں تمہارے لیے بہت سے راستے بن گئے اور ''فَرَّقْنَا'' (را مشدد کے ساتھ بھی) پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے اس میں کئی حصے بنا دیئے' کہا جاتا ہے کہ اس نے دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور بہت سی چیزوں کو جدا جدا کئی حصوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد کے مطابق دریا کو الگ الگ بارہ راستوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ﴿بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ وہ اس میں

چلنے لگے اور پانی ان کے راستوں سے الگ ہو گیا تھا گویا وہ ان کے سبب الگ اور جدا ہو گیا یا یہ کہ ہم نے دریا کو تمہارے سبب چیر دیا تھا یا ہم نے سمندر کو تمہارے لیے پھاڑ دیا' پس یہ حال کے محل میں واقع ہے' مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں ہمیں نظر نہیں آ رہے اور ہم ان کو دیکھے بغیر راضی نہیں ہوں گے (دریا میں راستے بننے کے بعد پانی پہاڑ کی طرح دیوار بن کر ان کے درمیان حائل ہو گیا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنے عصا کو اس طرح گھما کر ماریں تو آپ نے اپنا وہ عصا پانی کی دیواروں پر مارا تو اس میں کھڑکیوں کی طرح روشن دان بن گئے اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے کی گفتگو سننے لگ گئے۔

﴿فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ اور تم فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور تمہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔

۵۱-﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اس لیے فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وحی کا وعدہ فرما لیا تھا اور ان سے طور کے پاس مقررہ مدت میں آنے کا وعدہ فرمایا تھا [اور ابو عمرو بصری نے "وَعَدْنَا" (الف کے بغیر) پڑھا ہے جیسے (اصل میں) تھا] اور فرعون کی ہلاکت کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف رجوع کرتے' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ پر کتاب نازل فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ذوالقعدہ اور ذی الحج کے دس دن مدت مقرر فرمائی۔

﴿اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً﴾ چونکہ مہینوں کا آغاز راتوں سے ہوتا ہے اس لیے دن کی بجائے چالیس رات فرمایا [اور "اَرْبَعِیْنَ" کا لفظ "وٰعَدْنَا" کا دوسرا مفعول ہے ظرف نہیں کیونکہ اس کا معنیٰ "وَاعَدْنَاهُ فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً" نہیں ہے (جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے ان سے چالیس رات میں وعدہ کیا ہے)] ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ ["اَیْ اِلٰهًا"] یعنی تم نے (بچھڑے کو) معبود (بنا لیا) پھر "اِتَّخَذْتُمْ" کے دوسرے مفعول "اِلٰهًا" کو محذوف کر دیا گیا ہے [اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو حفص نے ذال کو بغیر ادغام کے ظاہر کر کے پڑھا ہے (دوسرے قاریوں کی طرح ذال کو تا میں مدغم کر کے "اِتَّخَتُّمْ" نہیں پڑھا)] ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ یعنی تم نے عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھا ہے (کہ تم نے خدا کی بجائے بچھڑے کی عبادت کی ہے) [اور یہ جملہ حال ہے] یعنی جس وقت تم نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اس وقت تم اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو○ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والی قوت دی تاکہ تم ہدایت پاؤ○ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر

اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو' تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک یہی تمہارے لیے بہتر ہے' تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے O

۵۲- ﴿ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ ﴾ ہم نے تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ تمہارا بچھڑے کو معبود بنا لینے کے بعد ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تا کہ تم اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ میں نے تم کو معاف فرما دیا۔

۵۳- ﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ''کتاب'' اور ''فرقان'' دونوں کا مفہوم جامع کتاب ہے جو حق اور باطل میں فرق واضح کرتی ہے اور وہ تورات ہے اور اس کی نظیر ''رَاَيْتُ الْغَيْثَ وَاللَّيْثَ'' ہے (میں نے سخی اور بہادر آدمی کو دیکھا ہے) جب تمہارا ارادہ ایسے آدمی کے بارے میں ہو جو سخاوت اور شجاعت دونوں کا جامع ہو' یا تورات اور عصا کا سانپ بننا اور ہاتھ کا بغل سے نکالنے کے بعد روشن ہو جانا اور دیگر معجزات مراد ہیں جو ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرتے ہیں یا ''فرقان'' سے شریعت مراد ہے جو حلال اور حرام کے درمیان فرق کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ فرقان سے مراد سمندر کا پھٹنا ہے یا اللہ تعالیٰ کی وہ مدد مراد ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے درمیان فرق واضح کر دیا تھا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

۵۴- ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ﴾ ان لوگوں سے (فرمایا) جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ اے میری قوم! تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ ﴾ وہ خدا جس نے تمام مخلوق کو ہر قسم کے خلل سے بری پیدا فرمایا اور اس میں ڈانٹ ہے ان لوگوں کے لیے ان میں سے جنہوں نے عالم و حکیم خدا کی عبادت چھوڑ دی ہے جس نے ان کو ہر قسم کے خلل سے بری پیدا کیا ہے اور گائے کی پوجا کی جو حماقت و بے عقلی میں مشہور ہے۔ ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ بعض نے کہا: یہ اپنے ظاہر پر ہے یعنی اپنے آپ کو خود قتل کرو اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور بعض نے کہا کہ یہ ان لوگوں کو حکم ہے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی کہ وہ بچھڑے کے پجاریوں کو قتل کر دیں' چنانچہ ستر ہزار بنی اسرائیلی قتل کر دیئے گئے تھے۔ ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ توبہ اور قتل ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ﴾ گناہ پر اصرار کرنے کی نسبت تمہارے لیے بہتر ہے ﴿ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ گناہ اگر چہ بہت ہوں لیکن وہ توبہ قبول کر کے بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے ﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ وہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اگر چہ وہ بڑے بڑے ہوں [اور اس آیت مبارکہ میں پہلی ''فا'' سبب کے لیے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے اور دوسری ''فا'' تعقیب (قدرے تاخیر) کے لیے ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ اگر تم توبہ کا ارادہ کر چکے ہو تو پھر اپنے آپ کو قتل کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو ان کا اپنے آپ کو قتل کرنا قرار دیا [اور تیسری ''فا'' شرط محذوف کے ساتھ متعلق ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶ وَظَلَّلْنَا
عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں' پھر تم کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے O پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا تا کہ تم شکر کرو O اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا' جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ' اور انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۵۵- ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ [ہم اپنے سامنے دیکھ لیں "جَهْرَةً" مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے جیسا "قَرْفُصَاء. اکڑوں بیٹھنا" جلوس فعل کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے یا یہ "نری" سے حال واقع ہے]۔ ﴿ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ ﴾ موت (نے تم کو اپنی گرفت میں لے لیا) بعض نے کہا کہ یہ آگ تھی جو آسمان سے آئی تھی جس نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا تھا' ایک روایت میں ہے کہ کوہِ طور پر جانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام جن ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے تھے انہوں نے آپ سے کہا کہ چونکہ ہم نے دوسرے بنی اسرائیلیوں کی طرح گائے کی پوجا نہیں کی' لہٰذا آپ ہمیں اس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار کرائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں سوال کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا: بے شک آپ نے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیا ہے اور ہمیں نہیں کراتے' جب آپ دیدارِ الٰہی کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے' لہٰذا ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک کڑک بھیج دی جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے دیدارِ الٰہی کی نفی پر استدلال کیا ہے کیونکہ اگر دیدارِ الٰہی جائز ہوتا تو ان کے جائز سوال پر انہیں عذاب نہ دیا جاتا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ (یہ تو دیدارِ الٰہی کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اگر دیدارِ الٰہی منع ہوتا تو سوال کرنے سے منع کر دیا جاتا لیکن جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدارِ الٰہی کے سوال سے منع نہیں کیا گیا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کے ان ستر آدمیوں کو بھی سوال سے منع نہیں کیا گیا بلکہ) ان کو کفر کے سبب عذاب دیا گیا تھا (۱) کیونکہ ان کا یہ قول کفر تھا کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ نہ لیں (۲) اور اس لیے بھی کہ انہوں نے معجزات کو دیکھنے کے بعد بھی دیدارِ الٰہی کے بغیر آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ معجزات کے ظہور کے بعد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا واجب اور لازم ہو جاتا ہے اور قوم کے لیے معجزات سے انکار کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوتا (۳) اور اس لیے بھی کہ انہوں نے رہنمائی لینے (اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح شوق دیدارِ الٰہی) کے لیے سوال نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے یہ سوال صرف بغض وعناد اور شک وشبہ کی بنا پر کیا تھا۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ اور تم اس کڑک کو دیکھ رہے تھے جب وہ آسمان سے اتری تھی۔

۵۶- ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ ﴾ پھر ہم نے تمہیں زندہ کر دیا اور "بَعْث" کی اصل کسی چیز کو اس کی جگہ سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ہے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تا کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

۵۷- ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ یعنی ہم نے بادل کو تم پر سایہ فگن کر دیا اور یہ مقام "تِیـہ" میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ

نے بادل کو ان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا اور سائبان بن کر ان کو سورج کی گرمی سے بچاتا تھا اور رات کو آگ کا ایک ستون اترتا جس کی روشنی میں وہ چلتے تھے اور ان کے کپڑے نہ پھٹتے تھے اور نہ پرانے ہوتے ہیں۔

﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ ﴾ "من" سے مراد ترنجبین ہے اور یہ برف کی طرح (سفید رنگ کا میٹھا پکوان) طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک بنی اسرائیل پر اترتا رہتا تھا جو ہر ایک آدمی کے لیے ایک صاع (چار کلوگرام سے کچھ زائد) ہوتا تھا۔

﴿ وَالسَّلْوٰى ﴾ جنوب کی ہوا ان کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آتی تھی چنانچہ ان کے پاس "سَلوٰی" کافی مقدار میں جمع ہو جاتے تھے اور یہ بٹیر کی طرح ہوتے ہیں پھر ہر ایک آدمی اپنی ضروریات کے مطابق انہیں پکڑتا اور ذبح کر لیتا اور ہم نے ان سے فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ لذیذ اور حلال چیزیں کھاؤ ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا ﴾ انہوں نے ان نعمتوں کا انکار کر کے خود ہی ظلم کیا تھا اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا تھا (بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ [ "اَنْفُسَهُمْ" کا لفظ "یَظْلِمُوْنَ" کا مفعول ہے اور یہ جملہ "كَانُوْا" کی خبر ہے]۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْؕ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ ع

ع۱۳

اور جب ہم نے فرمایا: اس بستی میں داخل ہو جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو: ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور عنقریب نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ○ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو انہیں فرمائی گئی تھی اس کے علاوہ دوسری بات کے ساتھ بدل دیا تو ہم نے آسمان سے ان ظالموں پر عذاب نازل کیا اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

۵۸- ﴿ وَاِذْ قُلْنَا ﴾ "مقامِ تیہ" سے نکلنے کے بعد ہم نے ان سے فرمایا: ﴿ ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ ﴾ (کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ) یعنی بیت المقدس یا اریحا میں اور "قریہ" کا معنی ہے: وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ یہ "قریت" سے ماخوذ ہے کیونکہ بستی بھی مخلوق کو جمع کر لیتی ہے ان کو مقامِ تیہ سے نکلنے کے بعد اس بستی میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا ﴾ اس بستی کا طعام اور اس کے پھل وغیرہ کھاؤ ﴿ حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ﴾ جہاں چاہو فراخ اور کشادہ ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ ﴾ بستی کے کسی دروازے سے داخل ہو جاؤ یا اس گنبد کے دروازے سے جس میں وہ نماز ادا کرتے تھے اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی زندگی میں تو صرف دروازے میں داخل ہوئے تھے اور ان کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے ﴿ سُجَّدًا ﴾ [یہ حال ہے اور ساجد کی جمع ہے] اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے بیت المقدس کے دروازے تک پہنچتے ہی انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ﴿ وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ [ "فِعْلَةٌ" کے وزن پر ہے اور "حَطٌّ" سے ماخوذ ہے جیسے "جِلْسَةٌ" ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] "اَیْ مَسْئَلَتُنَا حِطَّةٌ اَوْ اَمْرُكَ حِطَّةٌ" یعنی ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ معاف ہوں یا تیرا حکم ہے کہ ہم تجھ سے

معافی مانگیں'' [ اور یہ اصل میں منصوب ہے اور اس کو'' حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا حِطَّةً '' کے معنی میں پڑھا گیا ہے ]'' (اے اللہ!) ہم سے ہمارے گناہ بالکل مٹا دے'' اور اس کو مرفوع اس لیے کیا گیا تا کہ اس کو ثبات کا معنی دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہم اس بستی میں اتریں گے اور اسی میں ٹھہریں گے' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' پڑھنا ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' پڑھنا ہے ( کہ ان دونوں کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ) ﴿ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ [ '' خَطِيْئَةٌ '' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: گناہ' اور نافع مدنی نے ( '' یَا '' مضموم اور '' فَا '' مفتوح کے ساتھ ) '' يُغْفَرْ '' پڑھا ہے اور ابن عامر شامی نے ( '' تَا '' مضموم کے ساتھ ) '' تُغْفَرْ '' پڑھا ہے ]۔ ﴿ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ہم اسے اجر و ثواب زیادہ عطا کریں گے جو تم میں سے نیک ہو گا اور یہ کلمہ ثواب میں زیادتی کا سبب ہے اور جو تم میں سے گنہگار ہو گا اس کے لیے توبہ اور مغفرت ہے۔

۵۹- ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ اس میں کچھ عبارت محذوف اور مقدر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے'' پس ان ظالموں سے جو بات کہی گئی تھی اس کو اس بات کے ساتھ بدل دیا' جو انہیں نہیں کہی گئی تھی ) [ پس '' بَدَّلَ '' ایک مفعول کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے اور دوسرے مفعول کی طرف '' بَا '' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' پھر جو مفعول '' بَا '' کے ساتھ آتا ہے وہ یہاں متروک ہے ( یعنی اس کو چھوڑ دیا گیا ہے ) اور جو مفعول بغیر '' بَا '' کے ہوتا ہے وہ یہاں موجود ہے ( وہ '' قَوْلًا غَيْرَ '' ہے ) ] یعنی انہوں نے '' حِطَّةٌ '' کی جگہ ایک اور کلمہ رکھ دیا۔ انہیں ایسی بات کہنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا معنی توبہ اور استغفار تھا لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی اور ایسی بات کہہ دی جس کا معنی وہ نہیں تھا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے '' حِطَّةٌ '' کی جگہ '' حِنْطَةٌ '' کہا تھا اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بولی میں '' حَطًّا سَمْقَاثَا '' یعنی سرخ گندم کہا تھا'' اور یہ بھی فرمانِ الٰہی کی حقارت کے لیے کہا تھا' نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو چیز ( عفو و مغفرت ) طلب کرنی تھی اس سے روگردانی کرنے اور اپنی خواہشات کے مطابق دنیا کے اغراض و مفادات حاصل کرنے کے لیے کہا تھا۔ ﴿ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا ﴾ '' رِجْز '' سے مراد عذاب الٰہی ہے اور '' اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا '' کو دوبارہ لانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان کے کرتوتوں کی قباحت کو مزید ظاہر کیا جائے اور دوسرا یہ بتایا جائے کہ ان پر عذابِ الٰہی کے نزول کی وجہ ان کا ظلم کرنا ہے۔ ﴿ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ یہ '' رِجْزٌ '' کی صفت ہے ﴿ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ ( عذاب الٰہی کے نزول کا دوسرا ) سبب ان کا فسق و فجور ہے' ایک روایت میں ہے کہ طاعون کی بیماری سے صرف ایک گھنٹے میں ان کے چوبیس ہزار افراد مر گئے تھے جب کہ بعض نے کہا کہ ستر ہزار افراد مر گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو' تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو جان لیا' اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ○

## حضرت موسیٰ کا معجزہ اور بنی اسرائیل کی ذلت کی وجہ

۶۰۔﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ [''اِذْ'' نصب کے محل میں واقع ہے] گویا کہا گیا ہے: اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی طلب کیا یعنی انہوں نے دعا کی کہ ان کی قوم کو سیراب کیا جائے۔﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پیاس سے نڈھال ہو گئے' تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی' تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے پانی طلب کرنے کی دعا کی تو ان سے فرمایا گیا کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریں [اور اس میں لام عہد خارجی کا ہے] اور اس سے ایک مخصوص پتھر کی طرف اشارہ ہے' چنانچہ روایت میں ہے کہ یہ طور کا پتھر تھا جس کو آپ نے اپنے ساتھ اٹھا رکھا تھا اور یہ مربع شکل کا پتھر تھا جس کی چار طرفیں تھیں۔ ہر طرف سے تین چشمے نکلتے تھے۔ اس طرح بنی اسرائیل (کے بارہ قبیلوں میں سے) ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ تھا اور وہ کل چھ لاکھ افراد تھے اور یہ لشکر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا' یا اس میں لام جنس کے لیے ہے یعنی کسی پتھر پر مارو جسے پتھر کہا جا سکے اور یہ ثبوتِ نبوت کی دلیل میں زیادہ اظہار ہے اور معجزہ کے ظاہر کے لیے قدرت و اختیار میں زیادہ واضح ہے ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ ''فا'' کا تعلق فعلِ محذوف سے ہے یعنی ''فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ. سو آپ نے اپنا عصا مارا تو (بارہ چشمے) پھوٹ پڑے'' یعنی کثرت سے بہنے لگ گئے' یا یہ کہ اگر آپ نے عصا مارا تو چشمے پھوٹ پڑیں گے اور اب ''فا'' فصیحہ ہوگا جو صرف بلیغ کلام میں واقع ہوتا ہے] ﴿مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ قبیلوں کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے۔[اور ''عَشْرَةَ'' کی شین میں کسرہ اور فتح دونوں پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ دو لغتیں ہیں اور ''عَيْنًا'' تمیز ہے] ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ﴾ ہر گروہ نے جان لیا ﴿مَّشْرَبَهُمْ﴾ اپنا چشمہ جس سے وہ پانی پیتے تھے اور ہم نے ان کو حکم فرمایا: ﴿كُلُوْا﴾ ''منّ'' اور ''سلویٰ'' کھاؤ ﴿وَاشْرَبُوْا﴾ چشموں کا پانی پیو ﴿مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق دیا ہے وہ سب کھاؤ ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ کرو' اور ''عَيْث'' بدترین فساد ہے ﴿مُفْسِدِيْنَ﴾ [یہ تاکیدی حال ہے] یعنی فساد میں سرکشی نہ کرو اور فساد کرتے وقت حد سے مت بڑھو کیونکہ وہ زمین میں زبردست سرکشیاں کرتے تھے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا
مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ
اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ
مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۷

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ زمین کی اگائی ہوئی بعض چیزیں ہمارے لیے نکال دے یعنی سبزی اور ککڑی اور گندم و لہسن اور مسور اور پیاز' فرمایا: کیا تم بہتر

کے بدلے میں ادنیٰ مانگتے ہو کسی شہر میں اتر جاؤ وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا ہے اور ان پر ذلت اور ناداری مسلط کر دی گئی ہے اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ نافرمانیاں کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے O

٦١- ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے اور یہ وہ رزق ہے جو انہیں تیہ کے میدان میں ''مَنّ'' اور ''سلویٰ'' کی صورت میں دیا گیا تھا اور انہوں نے ایک طعام کہا ہے حالانکہ وہ دو طعام تھے کیونکہ انہوں نے ایک کھانے سے وہ کھانا مراد لیا جو تبدیل نہیں ہوتا (بلکہ روزانہ ایک قسم کا کھانا ملتا تھا) اور اگر کسی آدمی کو دستر خوان پر روزانہ ایک قسم کے کئی کھانے دیئے جائیں اور ان میں تبدیلی نہ کی جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی صرف ایک کھانا کھاتا ہے اور وحدت سے تبدل واختلاف کی نفی مراد ہوتی ہے یا انہوں نے یہ کہنا چاہا کہ وہ دونوں کھانے ایک قسم کے تھے کیونکہ دونوں کو ملا کر کھانا اہل لذت اور اہل ثروت کی عادت ہے اور وہ زراعت پیشہ لوگ تھے پس انہوں نے چاہا کہ انہیں سبزی اور گندم لہسن وغیرہ سے مرکب کھانے دیئے جائیں۔ ﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ اپنے رب سے سوال کرو اور اس سے کہو کہ ہمارے لیے نکال دے ﴿یُخْرِجْ لَنَا﴾ وہ ہمارے لیے ظاہر کر دے اور پیدا کر دے ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا﴾ جن سبزیوں کو زمین اگاتی ہے اور اس سے عمدہ سبزیاں مراد ہیں جیسے پودینہ، اجوائن گیندنا اور تھوم وغیرہ جس کو لوگ کھاتے ہیں ﴿وَقِثَّآئِهَا﴾ ککڑی ﴿وَفُوْمِهَا﴾ یہ گندم ہے یا لہسن (تھوم) ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''فُوْمِهَا'' کی بجائے ''ثُوْمِهَا'' ہے ﴿وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی﴾ اور مسور کی دال اور پیاز اور حضرت موسیٰ نے فرمایا: کیا تم اسے تبدیل کرنا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے؟ اور وہ مرتبہ کے اعتبار سے قریب ترین اور مقدار کے اعتبار سے کم ترین ہو اور ''دُنو'' اور ''قُرب'' دونوں کو مقدار کی قلت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ﴿بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ بلند ترین و بہترین ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ شہروں میں سے کوئی شہر یعنی تیہ کے میدان سے کسی شہر کی طرف اتر جاؤ اور تیہ کا میدان بیت المقدس سے لے کر ''قِنَّسرین'' تک تقریباً ٩٦ کلومیٹر لمبا اور ٦٤ کلومیٹر چوڑا ہے یا فرعون کا مصر مراد ہے (ملک مصر) [اور اس کو دو اسباب سے خالی کر کے منصرف پڑھا گیا ہے اور وہ دو سبب یہ ہیں: تانیث اور معرفہ ہونا کیونکہ اس سے غیر معین شہر مراد ہے یا یہ ساکن الاوسط (درمیانہ حرف ساکن) ہونے کی وجہ سے (منصرف ہے) جیسے نوح اور لوط اور ان دونوں میں (دو سبب) عجمی ہونا اور معرفہ ہونا پائے جاتے ہیں (مگر درمیان کا حرف ساکن ہونے کی وجہ سے منصرف ہیں)] ﴿فَاِنَّ لَكُمْ﴾ شہر میں ﴿مَّا سَاَلْتُمْ﴾ جن چیزوں کا تم نے سوال کیا ہے وہ سب چیزیں شہروں میں ملتی ہیں میدانِ تیہ کے جنگل میں نہیں ملتیں ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ ذلت و خواری اور افلاس و تنگ دستی یعنی ذلت و رسوائی نے ان کو گھیر لیا ہے اور ان پر حاوی ہو گئی ہے اور یہ اس میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص خیمہ میں گھرا ہوا ہو جس پر خیمہ ہر چہار اطراف سے اس پر بند کر دیا جائے یا ذلت و خواری ان کے ساتھ چمٹا دی گئی ہے حتیٰ کہ یہ ان کے ساتھ اس طرح لازم ہو گئی ہے جس طرح گارا دیوار کے لیے لازم اور ضروری ہوتا ہے پس یہودی حقیر و ذلیل اور خسیس و رذیل قوم ہے یا حقیقت میں ایسے ہیں یا پھر محض اس خوف سے کہ ان پر جزیہ دگنا کر دیا جائے اپنے آپ کو مسکین و فقیر اور غریب و نادار ظاہر کرتے ہیں۔ [حمزہ اور علی کسائی دونوں قاریوں نے ''عَلَیْهُمُ الذِّلَّةُ'' میں ''هَا'' پر ضمہ پڑھا ہے (جیسے ''عَلَیْهُمْ، اِلَیْهُمْ، لَدَیْهُمْ'' نیز روایتِ حفص میں دو جگہ ''وَمَا اَنْسَانِیْهُ'' (الکہف:٦٣) اور ''عَلَیْهُ اللّٰهَ'' (الفتح:١٠) میں ''هَا'' پر ضمہ پڑھا جاتا ہے)] اور اسی طرح ہر وہ کلمہ جس میں ''ھا'' سے پہلے

''یا'' ساکنہ ہو (وہاں ''ہا'' پر ضمہ پڑھتے ہیں) ابو عمرو نے ''ھا'' اور میم دونوں کے نیچے کسرہ (زیر) پڑھا ہے (جیسے ''عَلَیْھِمِ الذِّلَّۃُ'') جب کہ دوسرے قاریوں نے ''ھَا'' کے نیچے کسرہ اور میم کے اوپر ضمہ پڑھا ہے] ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ یہ تمہارے قول ''بَاءَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ'' سے لیا گیا ہے یعنی جب قاتل اس بات کا مستحق ہو جائے کہ اسے مقتول کے بدلے قتل کر دیا جائے اس بنا پر کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مساوی اور برابر ہیں' یعنی یہ یہودی اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور کسائی سے منقول ہے کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ گزشتہ ذلت و رسوائی اور فقر و افلاس اور غضب الٰہی کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ﴾ نافع نے ہمزہ کے ساتھ ''اَلنَّبِیْئِیْنَ'' پڑھا ہے اور اسی طرح اس باب کے تمام کلمات ہمزہ کے ساتھ پڑھے جائیں گے یعنی یہ سب کچھ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرنے اور انہیں قتل کرنے کے سبب ہوا' چنانچہ یہودیوں نے حضرت شعیاء اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ صلوات اللہ تعالیٰ علیہم کو شہید کر دیا تھا اور ''نَبِی'' ''نَبَاٌ'' سے بنا ہے کیونکہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (غیب کی) خبریں دیتے ہیں اور یہ فعیل کے وزن پر ہے اور ''مُفْعِلٌ'' (اسم فاعل) کے معنی میں ہے یا ''مُفْعَلٌ'' (اسم مفعول) کے معنی میں ہے یا یہ ''نَبَا'' سے بنا ہے یعنی بلند مرتبہ عالی شان کیونکہ ''نَبْوَۃٌ'' بلند جگہ کو کہتے ہیں]۔ ﴿بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ ان کے نزدیک بھی ناحق ہے کیونکہ یہودی اگر انصاف کرتے تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کوئی ایسی چیز ذکر نہیں کی جس کے سبب وہ ان کے نزدیک تورات میں قتل کے مستحق قرار پاتے [اور یہ ''یَقْتُلُوْنَ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور محلاً منصوب ہے] یعنی یہودی انبیائے کرام کے قتل کو ناحق جانتے ہوئے ان کو قتل کرتے تھے۔ ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ اشارہ کرنے کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے ﴿بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ﴾ مختلف قسم کے گناہوں کے ارتکاب کرنے اور ہر معاملہ میں حد سے تجاوز کرنے' اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے انکار کرنے اور انبیائے کرام کو قتل کرنے کے سبب نافرمان ہو گئے اور بعض نے کہا ہے کہ ہفتہ کے دن (شکار کرنے کی وجہ سے) حد سے تجاوز کرنا مراد ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کفر اختیار کرنے اور پیغمبروں کو قتل کرنے کی طرف اشارہ ہو اس بنا پر کہ یہی چیزیں ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کا سبب بنیں کیونکہ وہ انہی دو کاموں میں منہمک ہو گئے تھے اور غلو سے کام لیتے ہوئے انتہا پسند ہو گئے تھے' حتیٰ کہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے اور آیاتِ الٰہی کے انکار کرنے کی جسارت کر لی یا یہ کہ وہ کفر و انکار اور قتل و غارت کے ساتھ ساتھ دوسری نافرمانیاں بھی کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ
وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ
اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
ذٰلِکَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٦٤﴾

بے شک ایمان والے اور یہودی اور عیسائی اور صابئین (میں سے) جو سچے دل سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تم پر طور کو اٹھا لیا' کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے لے لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد کرو اس امید پر کہ تم پرہیزگار بن جاؤ O پھر اس کے بعد تم پھر گئے' پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے O

## ایمان اور عمل صالح کی اہمیت' عہدِ الٰہی سے روگردانی اور حکمِ الٰہی سے روگردانی پر عذابِ الٰہی

۶۲- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا اقرار کیا مگر ان کے دل زبان کے موافق نہ تھے تو وہ منافق ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اور جو یہودی ہو گئے [جب کوئی شخص یہودیت میں داخل ہوتا تو ''هَادَ یَهُوْدُ'' اور ''تَهَوَّدَ'' کہا جاتا اور اس کا اسم فاعل ''هَائِدٌ'' اور جمع ''هُوْدٌ'' ہے]۔ ﴿وَالنَّصٰرٰی﴾ [''نَصْرَانٌ'' کی جمع ہے جیسے ''نَدْمَانٌ'' کی جمع ''نَدَامٰی'' آتی ہے کہا جاتا ہے کہ ''رَجُلٌ نَصْرَانٌ وَامْرَاَةٌ نَصْرَانَةٌ''۔ یعنی عیسائی مرد اور عیسائی عورت'' اور نصرانی میں ''یَا'' مبالغہ کی ہے جیسے ''احمری'' میں ہے] ان کو نصاریٰ اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی تھی۔ ﴿وَالصّٰبِـِٕیْنَ﴾ مشہور دین سے خارج ہو کر کسی دوسرے مذہب کی طرف نکلنے والے اور یہ ''صَبَاَ'' سے بنا ہے' جب کوئی شخص دین سے خارج ہو جائے اور اس سے مراد وہ قوم ہے جو یہودیت اور نصرانیت سے پھر گئی اور فرشتوں کی پوجا شروع کر دی اور بعض نے کہا کہ یہ زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ان کافروں میں سے جو سچے دل سے خالص ایمان لائے۔ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور نیک عمل کیے تو ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [اور اگر ''مَنْ اٰمَنَ'' کو مبتدا قرار دیا جائے تو یہ محلاً مرفوع ہوگا اور ''فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ'' اس کی خبر ہوگی اور اگر اس کو ''اِنَّ'' کے اسم سے بدل اور معطوف علیہ قرار دیا جائے تو یہ محلاً منصوب ہوگا اور ''اِنَّ'' کی خبر پہلی صورت میں جملہ ہوگی اور دوسری صورت میں (''فَلَهُمْ'' میں) ''هُمْ'' خبر ہوگی اور اس پر حرف ''فَا'' اس لیے آیا ہے کہ (''مَنْ اٰمَنَ'' میں) ''مَنْ'' شرط کے معنی کو متضمن ہے]۔

۶۳- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ﴾ اور جو کچھ تورات میں ہے اس کو قبول کرنے کا جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا۔ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ اور ہم نے تم پر پہاڑ کو اٹھا لیا' پہاڑ کو ہم نے تم پر اٹھا لیا یہاں تک کہ تم نے ہمارا عطا کردہ عہد قبول کر لیا اور وہ اس طرح کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات کی تختیاں لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے اس میں بھاری ذمہ داریاں اور تکالیف شاقہ دیکھیں تو ان پر تورات گراں گزری اور انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا اور لہٰذا انہوں نے کوہِ طور کو جڑ سے اکھاڑا اور بنی اسرائیل کے اوپر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا اور حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر قبول کر لو تو درست ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا' چنانچہ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور ہم نے ان سے فرمایا: ﴿خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ﴾ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے یعنی تورات اس کو ﴿بِقُوَّةٍ﴾ پوری کوشش اور ہمت کے ساتھ پکڑ لو ﴿وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ﴾ جو کچھ کتاب میں ہے اس کو یاد کرو اور لوگوں کو پڑھاؤ اور اس کو بھول نہ جانا اور نہ اس سے غافل ہو جانا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تمہیں یہ امید ہونی چاہیے کہ تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔

٦٤- ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پھر تم وعدہ سے پھر گئے اور اس کو پورا کرنے سے اعراض کر لیا۔ ﴿مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کو قبول کر لینے کے بعد ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ تم سے عذاب کو مؤخر کر کے اور تم کو توبہ کی توفیق عطا فرما کر اگر تم پر فضل الٰہی نہ کیا جاتا اور تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ تو تم عذاب میں ہلاک ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾

اور بے شک تمہیں وہ لوگ ضرور معلوم ہیں تم میں سے جنہوں نے ہفتہ کے دن سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ○ پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانے کے اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا○ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو' انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں○ انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچھیا' (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو' سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاؤ○ انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک پیلی گائے ہے' جس کی رنگت گہری زرد ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے○

٦٥- ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ﴾ تم نے جان لیا اور ''عَلِمْتُمْ'' ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ ''سَبْتٌ'' مصدر ہے کہتے ہیں ''سَبَتَ الْيَهُوْدُ'' جب یہودی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے ہیں' دراصل بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن زیادتی اور سرکشی کی تھی' ان کے لیے حد مقرر کر دی گئی تھی کہ ہفتہ کے دن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اس کی تعظیم میں گزاریں گے مگر انہوں نے اس حد سے تجاوز کیا اور عبادت کے دن شکار میں مشغول ہو گئے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا (جس میں وہ ناکام ہو گئے) ہوا یوں کہ مچھلیاں باقی دن سمندر میں چھپی رہتیں مگر ہفتہ کے دن بڑی تعداد میں جمع ہو کر اپنے منہ نکالے سمندر کے پانی سے ظاہر ہو جاتیں لیکن ہفتے کا دن گزرتے ہی وہ تمام مچھلیاں منتشر ہو کر ادھر ادھر گم ہو جاتیں اور پھر پورے چھ دن نظر

نہ آتیں' چنانچہ یہودیوں نے سمندر کے پاس گڑھے کھودے اور سمندر سے گڑھوں کی طرف نالیاں بنا دیں' ہفتہ کے دن مچھلیاں آتیں اور گڑھوں میں داخل ہو جاتیں اور اس دن شکار سے محفوظ رہتیں اور یہودی اس دن سمندر کے پاس' نالیوں کے منہ بند کر دیتے تا کہ مچھلیاں واپس نہ جا سکیں اور اتوار کے دن شکار کر لیتے تو ہفتے کے دن مچھلیوں کو قید کرنا یہودیوں کی زیادتی تھی ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا﴾ ''كُوْنُوْا'' کا مطلب ہے کہ تم ہمارے بنانے سے بن جاؤ ﴿قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ ''كَانَ'' (یعنی ''كُوْنُوْا'') کی خبر ہے یعنی تم بندر پن اور گھٹیا پن کے جامع بن جاؤ اور ذلیل بندر بن جاؤ اور ''خَسْءٌ'' کا معنی ہے: ذلیل و گھٹیا اور دھتکارا ہوا۔

٦٦-﴿فَجَعَلْنٰهَا﴾ ہم نے ان کو مسخ کر دیا ﴿نَكَالًا﴾ عبرت ناک سزا دے کر' جس کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کریں اور بغاوت و سرکشی سے باز آ جائیں ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا﴾ جو اس واقعہ سے پہلے کے لوگ ہیں ان کے لیے ﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ اور جو امتیں اور قومیں اس کے بعد ہوں گی ان کے لیے' کیونکہ سابقہ تمام کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر کر دیا گیا ہے اور اس سے انہوں نے عبرت حاصل کی اور بعد میں آنے والوں میں سے جن کو یہ خبر پہنچی انہوں نے اس سے عبرت حاصل کی ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ یہ ان کی قوم کے وہ صالح اور نیک لوگ ہیں جنہوں نے مجرموں کو ہفتہ کے دن شکار کرنے اور حکم خدا سے تجاوز کرنے سے منع کیا تھا یا اس سے ہر وہ نیک اور پرہیز گار انسان مراد ہے جو اس واقعہ کو سن کر نصیحت حاصل کرے۔

## گائے کا قصہ

٦٧-﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ﴾ یعنی وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور یہ ''اُذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ'' (البقرہ:۴۰) میں ''نِعْمَتِیَ'' پر معطوف ہے گویا فرمایا: اور اس کو یاد کرو اور اس وقت کو یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے فرمایا اور اسی طرح یہ ''اُذْكُرُوْا'' ان تمام اسمائے ظرف میں مانا جائے گا جو گزر چکے ہیں یعنی میری نعمت کو یاد کرو اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو نجات دی اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہاری خاطر دریا کو پھاڑ دیا تھا اور میری نعمت کو یاد کرو اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے اپنے رب سے پانی کی دعا کی تھی اور وہ تمام ظروف جو ''وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ'' (البقرہ:۱۲۴) تک آئیں گے (ان میں بھی ''اُذْكُرُوْا'' پوشیدہ ہوگا)۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ﴾ دراصل ''بِاَنْ'' ہے ﴿تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ مفسرینِ کرام نے بیان کیا ہے کہ اس قصہ کا ابتدائی حصہ تلاوت میں مؤخر ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا'' (البقرہ:۷۲) اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک مال دار آدمی تھا' جس کا نام عامیل تھا' اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے قتل کر دیا تا کہ وہ اس کے مال کے وارث بن جائیں اور قتل کرنے کے بعد اس کو شہر کے ایک دروازے میں پھینک دیا' پھر آ کر قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو ماریں' وہ زندہ ہو جائے گا' پھر ان کو اپنے قاتل کی خبر دے گا ﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ کیا آپ ہمیں مذاق کی جگہ سمجھتے ہیں؟ یا آپ ہمیں مذاق کرنے والوں میں سے قرار دیتے ہیں یا پھر آپ ہمیں مذاق قرار دیتے ہیں [جناب حمزہ نے ''هُزْءًا'' ''زَا'' ساکنہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ امام حفص نے ''هَا'' اور ''زَا'' کو ضمہ اور واؤ کے ساتھ ''هُزُوًا'' پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے اس کو مشدد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ ''عِيَاذٌ'' اور ''لِيَاذٌ'' دونوں کا ایک معنی ہے' اور وہ پناہ مانگنا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ کیونکہ دین کے معاملہ میں مذاق کرنا جہالت اور کم عقلی کی بات ہے اور اس میں یہودیوں پر طعن کیا گیا کہ تم جاہل ہو کیونکہ تم نے میری طرف مذاق کی نسبت کی ہے۔

٦٨۔﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ گائے کے حال اور اس کی صفت کے متعلق سوال کیا گیا ہے' کیونکہ یہودی گائے کی ماہیت وحقیقت کو جانتے تھے [اس لیے کہ''ما''اگر چہ جنس کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آتا ہے اور ''کَیْفَ'' کسی کے وصف کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آتا ہے لیکن یہاں''مَا'' کا حرف''کَیْفَ'' کی جگہ پر واقع ہے] اور یہ اس لیے کہ انہیں تعجب ہوا کہ ایک ذبح شدہ اور مردہ گائے کا ایک ٹکڑا مارنے سے مردہ کس طرح زندہ ہو جائے گا' پس انہوں نے اس عظیم الشان عجیب گائے کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا [اور''مَا هِيَ'' میں''مَا''مبتدا ہے اور''هِيَ'' اس کی خبر ہے]۔﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ﴾''فَارِضٌ''کا معنی ہے: سن رسیدہ' عمر رسیدہ یعنی بوڑھی گائے نہ ہو' اس کو''فَارِضٌ''اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور گائے اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ جاتی ہے [اور''فَارِضٌ''مرفوع ہے کیونکہ یہ''بَقَرَةٌ'' کی صفت واقع ہو رہا ہے اور ﴿وَلَا بِكْرٌ﴾ اس پر معطوف ہے] اور''بِكْرٌ'' کا معنی ہے: نوجوان گائے ﴿عَوَانٌ﴾ ادھیڑ عمر ﴿بَيْنَ ذَٰلِكَ﴾ بوڑھی اور نوجوان کے درمیان [اور''بَيْنَ ذَيْنِكَ'' نہیں کہا حالانکہ''بَيْنَ'' کا لفظ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ''ذَٰلِكَ'' سے واحد کی طرف اشارہ ہے یعنی مذکور کی طرف اشارہ ہے' اور کبھی اسم اشارہ کی جگہ ضمیر بھی استعمال کی جاتی ہے' ابوعبیدہ نے کہا کہ میں نے رؤبہ سے اس کے (درج ذیل) شعر کے بارے میں کہا:

فِيهَا خُطُوطٌ مِنْ سَوَادٍ وَبَلَقٍ ۔۔۔ كَأَنَّهُ فِي الْجِلْدِ تَوْلِيعُ الْبَهَقِ

''اس کے چہرے میں سیاہ اور سفید لکیریں ہیں گویا وہ چمڑے پر دھاری دار داغ ہیں''۔

اگر تم نے''كَأَنَّهُ'' کی ضمیر سے خطوط کا ارادہ کیا ہے تو تم''كَأَنَّهَا'' کہو' اور اگر تم نے''سواد''اور''بلق'' کا ارادہ کیا ہے تو تم''كَأَنَّهُمَا'' کہو' سو اس نے جواب میں کہا کہ میری مراد''كَأَنَّ ذَاكَ'' ہے۔﴿فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ﴾ یعنی تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے پورا کرو۔ دراصل''تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ'' ہے یا''اَمَرَكُمْ'' بہ معنی''مَاْمُوْرُكُمْ'' ہے' مفعول کو مصدر کا نام دیا جاتا ہے جیسے''ضَرْبُ الْاَمِيْرِ'' میں''ضَرَبَ''''مَضْرُوْبٌ'' کے معنی میں ہے۔

٦٩۔﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا﴾ [''ما'' کا لفظ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ استفہام کے لیے ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے بیان کر دے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو۔ ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا﴾''فَاقِعٌ''''فُقُوْعٌ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: سخت گہرا زرد رنگ اور وہ بھی خالص زرد رنگ اور اس کو تاکید کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:''اَصْفَرُ فَاقِعٌ. خوب گہرا زرد رنگ ہے'' یعنی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ گہرا زرد ہو اور یہ لفظ یہاں بھی تاکید کے لیے استعمال کیا گیا ہے [اور یہ''لَوْنٌ'' کی خبر نہیں بن سکتا مگر اس صورت میں کہ''لَوْنٌ'' کو اس کے سبب مرفوع قرار دیا جائے جس طرح فاعل مرفوع ہوتا ہے اور اس کو مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے تم کہو:''صَفْرَاءُ فَاقِعَةٌ لَّوْنُهَا''اور''صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا''اور''لَوْنٌ'' کے ذکر سے صرف تاکید کا فائدہ ہوا ہے کیونکہ ''لَوْنٌ'' کسی چیز کی ہیئت و کیفیت بیان کرنے کے لیے آتا ہے] اور وہ ہے رنگ کی کیفیت بتانا کہ یہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اس گائے کا خوب گہرا زرد رنگ ہے جیسا کہ تم کہو:''جَدَّ فُلَانٌ جِدَّهٗ. یعنی فلاں آدمی نے اپنے کام میں خوب محنت کی ہے''۔﴿تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ اپنے حسن و خوبصورتی کے سبب دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو اور کسی فائدے کی قوی امید یا کسی فائدے کے حصول پر قلبی خوشی کو سرور کہتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو ہم نے فرمایا: اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو' اس طرح اللہ اس مردے کو زندہ فرما دے گا' اور وہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو○ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں' اور بے شک کچھ پتھروں سے ندیاں پھوٹ پڑتی ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکل آتا ہے' اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں' اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے○

۷۳- ﴿فَقُلْنَا﴾ (معطوف ہے)] ﴿اضْرِبُوْهُ﴾ [''ہ'' ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے اور اس ضمیر کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ نفس کو شخص اور انسان کی تاویل میں لیا گیا ہے یا یہ ضمیر مقتول کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ'' اس پر دلالت کر رہا ہے۔] ﴿بِبَعْضِهَا﴾ یعنی گائے کا بعض حصہ اور وہ زبان ہے یا دائیں ران ہے یا اس کی دم مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے: ''فَضَرَبُوْهُ فَحَيِيَ. یعنی انہوں نے گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا تو وہ زندہ ہو گیا''، پھر اس عبارت کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ اس پر دلالت کر رہا ہے' ایک روایت میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں میرے دو چچا زاد بھائیوں نے قتل کیا ہے' پھر وہ دوبارہ مر کر گر پڑا اور اس کے دونوں چچا زاد بھائیوں کو گرفتار کر لیا گیا' اور مقتول کے قصاص میں ان کو قتل کر دیا گیا اور اس کے واقعہ کے بعد قاتل کو مقتول کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى'' کا خطاب یا تو حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کے منکرین کو کیا گیا ہے یا پھر مقتول کے زندہ ہو جانے کے وقت موجود لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا۔ ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کے دلائل دکھاتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے' جس طرح وہ تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ پس تم اپنی عقلوں سے سوچ سمجھ کر اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرو اور یہ سمجھو کہ جو ایک جان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمام مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ کسی ایک جان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ بغیر وسیلہ اور واسطہ کے مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے لیکن گائے کو ذبح کرنے اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارنے سے زندہ کرنے میں (درج ذیل) حکمتیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب کرنے سے پہلے اس کی بارگاہ اقدس میں نذر پیش کرنا مستحب عمل ہے (۲) زیادہ سوالات کرنے اور تحقیق و تفتیش کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے اور

ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا اس کے غم کم ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زرد رنگ کو خوشی کا باعث قرار دیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ ع۱۰ ۸

انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ صاف بیان کر دے کہ وہ گائے کیسی ہے' بے شک وہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے' اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے O آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے: وہ یقیناً ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرتی ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو' بے عیب ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو' تو انہوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے' پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے O اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا' پھر تم ایک دوسرے پر تہمت لگانے لگے' اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو تم چھپاتے تھے O

۷۰- ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ گائے کے حال اور اس کے وصف کے بارے میں سوال کو دوبارہ دہرایا جا رہا ہے اور مزید وضاحت طلب کی جا رہی ہے تاکہ اس کی صفت وحالت کا بیان پہلے سے زیادہ واضح ہو جائے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: اگر یہ لوگ کوئی ادنیٰ سی گائے پیش کر دیتے اور اس کو ذبح کر دیتے تو ان کی طرف سے کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے سوالات کر کے سختی سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی فرمائی اور اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ کسی بات کی تحقیق وتفتیش میں بے جا سختی سے کام لینا اور حد سے بڑھ کر کھوج میں پڑنا نحوست ہے۔ ﴿إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا﴾ یعنی زرد رنگ کی گائیں بہت ہیں' لہٰذا جس گائے کا زرد رنگ بیان کیا گیا ہے وہ ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے۔ ﴿وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اس گائے تک پہنچ جائیں گے' جو اس وقت تک ہم پر مخفی ہے [اور ''ان'' کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' جملہ معترضہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر یہ لوگ استثناء یعنی ان شاء اللہ نہ کہتے تو ان کے لیے گائے کا بیان کبھی بھی ختم نہ ہوتا]۔

۷۱- ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ﴾ [''لَا ذَلُوْلٌ'' ''بَقَرَةٌ'' کی صفت ہے اور ''لَا ذَلُوْلٌ'' کا معنی ہے: ایسی گائے جس سے خدمت نہ لی جائے یعنی ہل میں جوتنے اور زمین کو پھاڑنے کی وجہ سے ذلیل وکمزور نہ ہو]۔ ﴿وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ اور وہ پانی اٹھا کر لانے والے جانوروں میں سے نہ ہو جس پر پانی لاد کر کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ [اور اس آیتِ مبارکہ میں پہلا حرف ''لا'' نفی کا ہے اور دوسرا ''لا'' زائد ہے جو صرف پہلے ''لا'' کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسی کمزور گائے نہ ہو جو کھیتی باڑی کرنے کے لیے زمین میں ہل چلاتی ہو اور کھیتوں

کو پانی سے سیراب کرتی ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل ''ذَلُوْلٌ'' کی صفتیں ہیں گویا کہا گیا ہے کہ زمین میں ہل چلانے والی اور کھیتوں کو سیراب کرنے والی کمزور گائے نہ ہو ﴿مُسَلَّمَةٌ﴾ تمام عیبوں اور کام کاج کی وجہ سے پڑنے والے نشانات سے سلامت ہو' اور ﴿لَّا شِيَةَ فِيْهَا﴾ زرد رنگ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہ ہو جو اس کے چمڑے کے رنگ کے خلاف ہو اور اس کے جسم میں کسی قسم کے زخم وغیرہ کے چمکدار نشان نہ ہوں بلکہ وہ گائے مکمل زرد رنگ کی ہو حتیٰ کہ اس کے سینگ اور کھر وغیرہ بھی زرد رنگ کے ہوں اور یہ دراصل مصدر ہے اور ''وَشٰى يَشِىْ وَشْيًا وَشِيَةً'' سے لیا گیا ہے' جس کا معنی ہے: داغ' نشان اور کپڑے پر نقش ونگار کرنا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جس وقت ایک رنگ دوسرے رنگ میں مل کر خلط ملط ہو جائے۔ ﴿قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ﴾ اب آپ نے گائے کا حقیقی وصف بیان کر دیا ہے اور اس کے معاملہ میں تمام اشکال ختم ہو گئے ہیں۔ قاری ابوعمرو نے ''جِـئْـتَ'' اور اس کے دیگر افعال کو ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ ﴿فَذَبَحُوْهَا﴾ چنانچہ انہوں نے بیان کردہ تمام اوصاف والی گائے کو تلاش کر لیا اور اس کو ذبح کر دیا۔ ﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے' یا تو گائے کی قیمت بہت زیادہ تھی یا پھر قاتل کے پتہ چل جانے پر رسوائی کا ڈر تھا۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک بزرگ تھا' اس کے پاس گائے کی بچھیا تھی۔ اس نے اپنی عمر کے آخری وقت اس کو جنگل میں لے جا کر چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے میرے اللہ! میں اس بچھیا کو اپنے بیٹے کی خاطر تیری امانت وحفاظت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں' تو اس کی حفاظت فرما تاکہ جب میرا بیٹا جوان ہو جائے تو آ کر لے جائے'' چنانچہ گائے محفوظ رہی اور یہ گائے سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ قیمتی تھی' بہرحال مقتول کے وارث اس یتیم لڑکے اور اس کی ماں کے پاس گئے (کیونکہ اس وقت تک لڑکے کا والد فوت ہو چکا تھا) اور گائے کی قیمت لگائی' یہاں تک کہ انہوں نے گائے کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر خرید لیا جب کہ وہ گائے صرف تین دینار کی تھی اور مقتول کے ورثاء اس گائے کو چالیس سال تک تلاش کرتے رہے تھے اور یہ بیان مطلق کو مقید کرنے کے قبیل سے ہے' لہٰذا (کوئی سی گائے کو ذبح کرنے کے بارے میں مطلق حکم کے لیے) یہ ناسخ ہے اور فعل سے پہلے نسخ جائز ہے اور اسی طرح فعل پر قدرت حاصل کرنے سے پہلے بھی ہمارے ہاں نسخ جائز ہے البتہ معتزلہ فرقہ اس میں ہمارے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

۷۲۔ ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا﴾ یہاں ''وَاذْكُرُوْا'' مقدر ہے' جس سے جماعت کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ قتل انہی میں پایا گیا تھا۔ ﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ پھر تم نے اختلاف کیا اور اس کے معاملے میں جھگڑا کیا کیونکہ تمام جھگڑے والے اپنا اپنا دفاع کرنے لگ گئے تھے یا یہ کہ تم ایک دوسرے سے اپنا دفاع کرنے لگے یعنی تم ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے' چنانچہ جس پر قتل کا الزام لگایا جاتا وہ خود الزام لگانے والے پر الزام لگا دیتا' یا اس لیے کہ کسی دوسرے پر الزام لگانا بھی اپنا دفاع کرنا ہے [اور ''اِدّٰارَءْتُمْ'' دراصل ''تَدَارَءْتُمْ'' تھا' پھر تخفیف کے ارادہ سے ''فَا'' کلمہ کی جگہ پر واقع دال کے ہم جنس بنانے کے لیے ''تَا'' کو دال سے تبدیل کر دیا گیا تاکہ ادغام کیا جا سکے' پھر تبدیل شدہ دال کو ساکن کیا گیا کیونکہ ادغام کی شرط یہ ہے کہ پہلے حرف کو ساکن کیا جائے اور ہمزۂ وصل کو شروع میں زیادہ کیا گیا ہے کیونکہ ساکن حرف سے آغاز ممکن نہیں ہے اور ''فَادّٰرَءْتُمْ'' کو قاری ابوعمرو نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے]۔ ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ قتل کے معاملے کو ہر حال میں ضرور ظاہر کرنے والا ہے' جس کو تم چھپاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اس کو نہیں چھپائے گا اور ''مُخْرِجٌ'' کے اس لفظ نے بوقت اختلاف مستقبل میں آنے والے واقعہ کی حکایت بیان کی ہے [اور یہ کلام معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ دونوں یہ ہیں ''اِدّٰارَءْتُمْ'' (معطوف علیہ ہے) اور

اس میں جلدی کرنی چاہیے (٣) باقی جانوروں کی بجائے گائے کو ذبح کرنے کا حکم اس لیے بھی دیا گیا تھا کہ گائے کی قربانی افضل ہے (٤) اور اس لیے بھی کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے گائے کی پرستش و پوجا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر ان کے معبود کی ذلت اور بے بسی ظاہر ہو جائے (٥) طلب حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں توسل پیش کرنے کا جواز ثابت ہو جائے' بہر حال مناسب تو یہ تھا کہ مقتول کا ذکر گائے کو ذبح کرنے کے حکم سے پہلے کیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کے بارے میں جھگڑا کیا تو ہم نے حکم دیا کہ تم ایک گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارو' لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے جرائم کرنے پر ان کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بہت سے قصے بیان کیے ہیں اور یہ دو قصے اگر چہ متصل ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ڈرانے اور ڈانٹنے کے لیے ایک مستقل قصہ ہے' سو پہلے قصہ (یعنی گائے کو ذبح کرنے) میں حکمِ خدا کو مذاق سمجھنے اور حکمِ خدا کی تعمیل میں جلدی نہ کرنے اور جو ان کے تابع ہیں ان پر انہیں ڈانٹا گیا ہے اور دوسرے قصہ (مردے کو زندہ کرنے) میں ایک محترم جان' جس کا قتل کرنا حرام اور ممنوع تھا' کو مار ڈالنے اور جو قدرت کی دیگر نشانیاں اس کے تابع ہیں ان پر ڈانٹا گیا اور گائے کے ذبح کرنے کے قصہ کو مقتول کے قصہ سے پہلے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اگر بعد میں ذکر کیا جاتا تو ایک قصہ بن جاتا جس سے دوبارہ ڈرانے اور دھمکانے کا مقصد فوت ہو جاتا اور مقتول کے ذکر کو الگ بیان کرنے میں اس کے مستقل قصہ ہونے کی رعایت کی گئی ہے اگر چہ اس قصہ میں ''بَقَرَةٌ'' کی طرف ضمیر لوٹا کر اس کو پہلے قصے کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے لیکن صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا' جیسے ارشاد فرمایا: ''اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا. یعنی مقتول کو اس کا ایک ٹکڑا مارو'' تا کہ بتایا جائے کہ بندوں کو ڈرانے اور دھمکانے کی طرف رجوع کرنے کے اعتبار سے یہ دو مستقل قصے ہیں اور بقرۃ کی طرف ضمیر لوٹانے کے اعتبار سے یہ ایک قصہ ہے اور بعض اہلِ علم نے بیان فرمایا کہ یہ قصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص مشاہدات کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کرنا چاہتا ہے تو وہ مجاہدات کے ذریعہ اپنے نفس امارہ کو ذبح کر کے فنا کر دے۔

٧٤۔ ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ''ثُمَّ'' قساوتِ قلبی کے دور ہونے کی وجہ سے آیا ہے یعنی تمہارے دل قساوت اور سختی میں بہت دور جا پڑے ہیں ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ ﴾ ان چیزوں کے ذکر کرنے کے بعد بھی جو دلوں کو نرم کر دیتی ہیں اور دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی ہے قلوب کو قساوت اور سختی کے ساتھ متصف کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے دل وعظ و نصیحت اور عبرت و سبق حاصل کرنے سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ مقتول کو زندہ کرنے اور اس سے پہلے بیان کی گئی تمام نشانیوں کی طرف اشارہ ہے ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ ﴾ ان کے دل سختی میں پتھروں کی طرح ہیں ﴿ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں [ کیونکہ ''قَسْوَةً'' کے بعد ''مِنْهَا'' مقدر ہے اور ''اَشَدُّ'' ''كَاف'' پر معطوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: ''اَوْ مِثْلُ اَشَدُّ قَسْوَةً''. ] یعنی ان کے دل پتھروں سے زیادہ سخت چیزوں کی طرح ہیں' [ پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے ] یا وہ خود بخود سب سے زیادہ سخت ہیں یعنی جس شخص کو دلوں کا حال معلوم ہے وہ ان کو پتھروں کے ساتھ تشبیہ دے گا یا جو ہر کے ساتھ تشبیہ دے گا جو پتھر سے زیادہ سخت ہے مثلاً لوہا یا جس نے دلوں کی سختی کو جان لیا وہ ان کو پتھر کے ساتھ تشبیہ دے گا یا وہ کہے گا کہ یہ پتھر سے زیادہ سخت ہیں' ''اَشَدُّ'' کی بجائے ''اَقْسٰی'' نہیں فرمایا کیونکہ ''اَشَدُّ'' زیادہ واضح ہے یا یہ سختی کی زیادتی پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور ''مُفَضَّل عَلَيْهِ'' کی ضمیر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اشتباہ نہیں ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''زَيْدٌ كَرِيْمٌ وَ عَمْرٌو اَكْرَمُ. زید سخی ہے لیکن عمرو اس سے بڑھ کر سخی ہے''۔ ﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ ﴾ یہ بیان ہے کہ ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں ﴿ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ﴾ [ ''مَا'' ''اَلَّذِىْ'' کے معنی

میں ہے اور محلاً منصوب ہے اور یہ "اِنَّ" کا اسم ہے اور لام تاکید کے لیے ہے" "یَتَفَجَّرُ" "تَفَجُّرٌ" سے مشتق ہے اور "تفجّر" کا معنی ہے: بہت زیادہ بہنا اور بار بار پھوٹنا۔ ﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ﴾ [اس کی اصل "یَتَشَقَّقُ" ہے اور اعمش نے اسی طرح پڑھا ہے' پھر تا کو شین سے بدل دیا گیا ہے اور تبدیل شدہ شین کو اصل شین میں ادغام کر دیا گیا ہے] ﴿فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ﴾ بعض پتھر ایسے ہیں جو بہت زیادہ پھٹ جاتے ہیں جس سے بہت زیادہ پانی ابلتا ہے' اور بعض پتھر ایسے ہیں جو لمبائی یا چوڑائی میں پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بھی وافر مقدار میں پانی پھوٹتا ہے مگر ان کے دل نرم نہیں ہوتے۔ ﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ﴾ اور بعض پتھر پہاڑ کی بلند چوٹی سے گر پڑتے ہیں ﴿مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت وفرماں برداری سے مجاز ہے کیونکہ پتھر بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہیں اور اس کے ارادے پر عمل کرنے سے نہیں رکتے مگر ان یہودیوں کے دل نہ اطاعت گزار ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ "خشیت" سے اس کا حقیقی مفہوم مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں حیات وتمیز پیدا کرتا ہے جس کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال ودبدبہ کو پہچان کر خشیت الٰہی سے گر پڑتے ہیں اور اہل سنت کے نزدیک جسم میں حیات' تمیز اور شعور پیدا کرنے کے لیے جسم کی مخصوص شکل وصورت شرط نہیں ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ" الخ (الحشر:۲۱) مگر یہود کے دل نہیں ڈرتے کیونکہ وہ پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [ابن کثیر مکی نے "یا" کے ساتھ "یَعْمَلُوْنَ" پڑھا ہے] اور یہ جملہ یہود کے لیے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور قیامت کے روز تمہیں اس کے سامنے حساب وکتاب کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ
ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ
بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا
يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ تمنا رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے' پھر اس کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل دیتے O اور جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: کیا تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں؟ تاکہ وہ ان باتوں کو تمہارے رب کے پاس حجت لائیں' کیا تم کو عقل نہیں O کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں O

## یہود کی تحریفات کا بیان اور نیک و بد کا انجام

۷۵۔﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ ﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم ان سے یہ توقع رکھتے ہو ﴿ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ﴾ کہ تمہاری دعوت کی وجہ سے وہ ایمان لے آئیں گے اور تمہارے دین کو قبول کر لیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۔ (العنکبوت:۲۶) تو اس پر لوط ایمان لایا'' اس سے مراد یہود ہیں جن کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں ﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ ان سے پہلے کے یہودیوں میں ایک گروہ ایسا بد نصیب تھا کہ ﴿ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ کلام الٰہی یعنی تورات کی آیات سنتا تھا ﴿ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ ﴾ پھر ان کو بدل دیتا تھا جیسا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور سنگسار کرنے کی آیات کو بدل دیا تھا ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾ یعنی انہوں نے پہلے اس کو سمجھ لیا تھا اور اپنے ذہنوں میں مضبوط کر لیا تھا' پھر اس کے بعد اس میں تحریف کر دی تھی ﴿ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور کلام الٰہی میں تحریف کر دی تھی' پس ان کے لیے اس میں عبرت ہے۔

۷٦۔﴿ وَاِذَا لَقُوا ﴾ یعنی جب منافقین یا یہودی ملاقات کرتے ہیں ﴿ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ مخلص مسلمانوں سے یعنی سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ملتے ہیں تو ﴿ قَالُوْٓا ﴾ منافقین کہتے ہیں ﴿ اٰمَنَّا ﴾ ہم تمہاری طرح ایمان رکھتے ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ تم برحق ہو اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جن کی سابقہ کتب میں بشارت دی گئی ہے ﴿ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ ﴾ جنہوں نے منافقانہ رویہ اختیار نہیں کیا وہ جب تنہائی میں ﴿ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ ان لوگوں سے ملتے جنہوں نے منافقانہ رویہ اختیار کیا ہوا تھا تو ﴿ قَالُوْٓا ﴾ ان کو ڈانٹتے ہوئے کہتے: ﴿ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ ﴾ کیا تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کو وہ باتیں بتاتے ہو ﴿ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تمہارے لیے تورات میں بیان کر دی ہیں ﴿ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ﴾ تا کہ وہ ان باتوں کو تم پر بطور حجت پیش کریں جو تمہارے رب نے اپنی کتاب میں نازل کر دی ہیں۔ انہوں نے ان کی حجت کو اور ان کے اس قول کو کہ تمہاری کتاب میں اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت قرار دیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں؟ جب تم کہتے ہو کہ فلاں چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس طرح ہے اور فلاں چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح ہے تو ان دونوں کا معنی ایک ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ مضاف محذوف ہے اصل میں ''عِنْدَ كِتَابِ رَبِّكُمْ'' ہے جب کہ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے رب کے پاس جو کچھ تم نے ان کو بتایا ہے اس کے ساتھ تم سے جھگڑیں گے اور تم پر تمہاری باتوں کو حجت کے طور پر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ پہلے تم نے ہمارے دین اور ہمارے رسول کی تصدیق کی' پھر تم نے ان کے ساتھ کفر کیا ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ یہ تمہارے خلاف حجت ہے کہ تم انہیں پہچانتے ہو' پھر ان کی پیروی نہیں کرتے۔

۷۷۔﴿ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ ﴿ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ وہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے' اس میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے تھے اور اپنے ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝۷۸

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو زبانی پڑھنے کے سوا کتاب کا علم نہیں رکھتے اور وہ صرف گمان کرتے ہیں ○ سو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں' پھر کہہ دیتے ہیں: یہ اللہ کا کلام ہے تا کہ وہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت وصول کر لیں' پھر جہنم کا عذاب ہے ان کے ہاتھوں کے لیے جو انہوں نے لکھا اور انہوں نے (اس کے عوض) جو کچھ کمایا وہ بھی ان کے لیے باعثِ عذاب ہے ○ اور انہوں نے کہا: ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن' (اے محبوب!) تم فرما دو: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے؟ پس اللہ اپنے عہد کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ○

۷۸- ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور یہود میں سے کچھ لوگ ﴿اُمِّيُّوْنَ﴾ ان پڑھ ہیں جو کتاب کو اتنی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے کہ وہ تورات کا مطالعہ کرتے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تحقیق کرتے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ وہ تورات کو جانتے ہی نہیں (اس لیے وہ نہ تورات کا مطالعہ کرتے اور نہ تحقیق کرتے) ﴿اِلَّاۤ اَمَانِيَّ﴾ مگر وہ اپنی خواہشات کے مطابق اپنی چند آرزوؤں پر قائم ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان کو جہنم کی آگ صرف چند گنتی کے دن (چالیس روز تک) چھوئے گی' پھر جنت میں پہنچ جائیں گے یا اس کا مطلب ہے کہ ان کے اعمال کا دارومدار چند من گھڑت اور جھوٹے عقائد پر ہے جن کو انہوں نے اپنے علماء سے سنا اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے قبول کر لیا اور اسی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں تب سے آج تک کوئی آرزو نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ وہ تورات کو صرف زبانی پڑھ لیتے مگر اس کا مفہوم اور اس کا معنی نہیں جانتے تھے اس لیے تورات کی تلاوت کے باوجود ان پڑھ ہی رہے' انہیں کا قول ہے کہ شروع رات سے لے کر آخر رات تک میری تمنا صرف کتاب اللہ کی تلاوت ہے تنگ و تاریک غسل خانہ میں نہیں یعنی یہ لوگ اپنی منزل کی حقیقت کو نہیں جانتے' یہ تو صرف ان چند چیزوں کو پڑھتے ہیں جو انہوں نے اپنے پادریوں سے حاصل کی تھیں اور یہ استثناء منقطع ہے۔ ﴿وَاِنْ هُمْ﴾ [اور حرف ''اِنْ'' شرط کا نہیں بلکہ ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ''وَاِنْ هُمْ'' بہ معنی ''وَمَا هُمْ'' (ترجمہ اگلے جملے میں آ رہا ہے)] ﴿اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ تورات میں جو کچھ ہے اس کو یہ لوگ نہیں جانتے اور اے محبوب! آپ کی نبوت کا انکار صرف اپنے گمان سے کرتے ہیں کیونکہ یہود کے علماء حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے بغض و عناد رکھتے تھے۔ انہوں نے باوجود علم کے تورات میں تحریف کر دی تھی' پھر عوام نے ان کی اندھی تقلید اختیار کر لی۔

۷۹-﴿فَوَيْلٌ﴾ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ''وَيْـلٌ'' ہے[1] ﴿لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ ہلاکت و بربادی ان لوگوں کے لیے ہے جو تحریف شدہ کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ لوگ اپنی طرف سے جو چاہتے لکھ دیتے تھے۔ یہاں ہاتھوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے تاکہ مجاز کا وہم نہ رہے جس کا مطلب ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے کسی اور سے نہیں لکھواتے تھے۔ ﴿ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ پھر کہتے کہ یہ (تحریف شدہ کتاب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ﴿لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ تاکہ وہ اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت وصول کرلیں ﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ رشوت کے ذریعے وصول کی گئی دولت مراد ہے۔

۸۰-﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ یعنی چالیس روز کیونکہ انہوں نے چالیس روز تک گائے کے بچھڑے کی پوجا کی تھی اس لیے ان کا خیال تھا کہ اتنے روز ان کو عذابِ جہنم کی سزا ملے گی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ دنیا کی مدت صرف سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار سال کے عوض میں ایک دن کی سزا ملے گی ﴿قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد کیا ہوا ہے کہ وہ تمہیں صرف اتنا عذاب دے گا جتنے دن تم نے گائے کے بچھڑے کی عبادت کی تھی اور اس سے زیادہ عذاب نہیں دے گا؟ ﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ﴾ اس عبارت کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے' تقدیر عبارت اس طرح ہے: (ترجمہ) اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [حرف ''اَمْ'' استفہام کے معنی میں حرف ''اِمَّــا'' کے برابر ہے یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم ہے؟ یا اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں یا پھر حرف ''اَمْ'' استفہام کے معنی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور حرف ''بَـل'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے] (اور اب ترجمہ یہ ہوگا:) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ع ۱۱ ۹

ہاں کیوں نہیں جس نے بُرا کام کیا اور اس کی برائی نے اس کو گھیر لیا تو وہ جہنمی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور جو

[1] ترمذی شریف کتاب التفسیر باب اول سورت ۲۱' آیت ۱۸

لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنا اور لوگوں سے بھلائی کی باتیں کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر چند لوگوں کے سوا تم سب (اس عہد سے) پھر گئے اور تم منہ موڑنے والے ہو O

۸۱- ﴿بَلٰی﴾ یہ نفی کے اثبات کے لیے ہے (نفی یہ تھی کہ یہود نے کہا:) ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی (اور اثبات یہ ہے کہ) بلکہ تمہیں جہنم کا عذاب ہمیشہ ہوگا جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ. وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ جس نے شرک کیا۔ حضرت ابن عباس' حضرت مجاہد اور دیگر حضرات سے یہی مروی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ ﴿وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ﴾ جس شخص پر موت شرک کی حالت میں واقع ہوئی تو اس کے لیے نجات کے تمام راستے بند ہو گئے لیکن اگر اس کی موت حالت ایمان میں اس پر واقع ہو تو چونکہ سب عبادات سے بڑی عبادت ایمان ہے' لہٰذا اس کا کوئی گناہ اس کا احاطہ نہیں کرے گا اور وہ اس آیتِ مبارکہ کی وعید میں شامل نہیں ہوگا اور اس تاویل سے معتزلہ اور خوارج کا استدلال باطل ہو گیا اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ گناہ بندے پر غالب آ جائیں گے جس طرح دشمن غالب آ جاتا ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور توبہ کرنے سے بھی اس کے گناہ اس سے نہ چھوٹیں۔ امام نافع مدنی نے ''خَطِيْٓئَتُهٗ'' کی بجائے ''خَطِيْٓاٰتُهٗ'' پڑھا ہے۔

## بنی اسرائیل کے میثاق کا بیان

۸۳- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''مِیْثَاق'' اس پختہ عہد کو کہا جاتا ہے جس میں انتہائی تاکید کی گئی ہو ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [یہ جملہ خبریہ ہے اور نہی کے معنی میں ہے جیسے تم کہو: ''تَذْهَبُ اِلٰى فُلَانٍ تَقُوْلُ لَهٗ كَذَا. یعنی تم فلاں آدمی کے پاس جاؤ اور اس سے اس طرح کہو'' اس سے مراد امر ہوگا اور جملہ خبریہ امر اور نہی کی صَراحت سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ کسی کام کو بجا لانے اور کسی ممنوع سے رکنے میں زیادہ موثر ہوتا ہے اور وہ کسی کام کی خبر دیتا ہے' حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں ''لَا تَعْبُدُوْا'' ہے جو اس کی تائید کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَقُوْلُوْا'' بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اس میں قول مضمر ہے اور ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی نے ''لَا تَعْبُدُوْنَ'' کی بجائے ''لَا يَعْبُدُوْنَ'' پڑھا ہے کیونکہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے اور تمام اسمائے ظاہرہ غائب ہوتے ہیں' اور اس کا معنی ہے: ''اَنْ لَّا يَعْبُدُوْا'' پھر جب حرف ''اَنْ'' کو حذف کر دیا گیا تو نصب کی بجائے رفع دے دیا گیا۔] ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اصل میں ''وَاَحْسِنُوْا'' ہے [تاکہ اس کے ساتھ امر کا عطف مل جائے اور وہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَقُوْلُوْا'' ہے جس کا اس پر عطف کیا گیا ہے] ﴿وَّذِی الْقُرْبٰى﴾ قرابت دار اور رشتہ دار مراد ہیں ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ ''يَتِيْمٌ'' کی جمع ہے اور ''يَتِيْمٌ'' اس چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے یا اس کے بالغ ہونے تک فوت ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: کوئی شخص بالغ ہو جانے کے بعد یتیم نہیں رہتا ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ ''مِسْكِيْنٌ'' کی جمع ہے اور مسکین وہ ہوتا ہے جس کو فقر و حاجت نے چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا ہو ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور اچھی بات وہ ہوتی ہے جو اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے اچھی ہو کیونکہ اس میں حسن زیادہ ہوتا ہے' حمزہ اور علی دونوں قاریوں نے ''حَسَنًا'' پڑھا ہے۔ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پھر تم عہد سے پھر گئے اور تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ﴾ بعض نے کہا: ''قَلِيْلٌ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہود میں سے مسلمان ہو گئے

تھے ﴿وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور تم ہی وہ قوم ہو کہ معاہدوں سے پھر جانا اور وعدوں سے روگردانی کرنا تمہاری عادت ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالنا' پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہی دیتے ہو○ پھر تم ہی وہ لوگ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور تم اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور تم گناہ اور ظلم کر کے ان کے خلاف مدد کرتے ہو' اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آ جائیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کو نکالنا تم پر حرام کر دیا گیا تھا' کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ پس ان لوگوں کی سزا کیا ہو گی تم میں سے جو یہ کام کریں گے؟ سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے' اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے○

٨٤-﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ہم نے تم سے یہ عہد لیا کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ قتل و غارت اور خونریزی کا کام نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالے اور جب نسب اور قوم' دین اور مذہب ایک ہو اور آپس میں ملتا جلتا ہو تو غیر آدمی کو اپنا نفس اور اپنا عین قرار دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اپنے غیر کو قتل کرنا بھی اپنے نفس کو قتل کرنا ہے کیونکہ اس کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ ﴿ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ﴾ پھر تم نے پختہ عہد کا اقرار کیا اور اپنے اوپر لازم کر لینے کا تم نے اعتراف کیا۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ اور تم اس پر گواہ بن گئے جیسے تم کہو: "فلاں شخص نے اپنے بارے میں اس طرح اقرار کیا اور اس پر گواہ بن گیا" یا یہ مطلب ہے کہ اے یہود کی جماعت! آج تم اس معاہدہ پر اپنے اسلاف کے اقرار کی گواہی دے رہے ہو۔

٨٥-﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ یہود کی طرف سے عہد کرنے' اقرار کرنے اور گواہی دینے کے بعد ان کی طرف اپنے قومی ساتھیوں کو جلاوطن کرنے اور انہیں قتل کرنے اور ان پر ظلم کرنے کی نسبت کو بہت بعید سمجھا جا رہا ہے [ "اَنْتُمْ" مبتداء ہے اور "هٰٓؤُلَآءِ" بمعنی "اَلَّذِيْنَ" ہے اور ﴿تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ "هٰٓؤُلَآءِ" کا صلہ ہے اور "هٰٓؤُلَآءِ" اپنے صلہ کے ساتھ مل کر "اَنْتُمْ" کی خبر ہے۔] ﴿وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے عہد کا لحاظ کیے بغیر اپنے ایک گروہ کو

ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ ﴿تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ﴾ [تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر شد کے ہے اور یہ کوفی کی قراءت میں ہے یعنی تم ان کے خلاف مدد کرتے ہو۔ اس کے علاوہ باقی قاریوں نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے پھر جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے ایک "تَا" کو حذف کر دیا ہے (دراصل "تَتَظَاهَرُوْنَ" ہے) پھر بعض نے دوسری "تَا" کو محذوف قرار دیا کیونکہ اسی کی وجہ سے ثقل پیدا ہوا اور بعض نے پہلی "تَا" کو محذوف قرار دیا اور جنہوں نے تشدید کے ساتھ "تَظَّاهَرُوْنَ" پڑھا ہے انہوں نے دوسری "تا" کو "ظا" سے تبدیل کیا پھر تبدیل شدہ "ظا" کو اصل "ظا" میں مدغم کر دیا] ﴿بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ گناہ اور ظلم کے ساتھ ﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ﴾ [ابوعمرو بصری نے "تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے "اُسْرٰى تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے اور حمزہ نے "اَسْرٰى تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے اور علی کسائی نے "اُسَارٰى تُفَادُوْهُمْ" پڑھا ہے۔ "فَدٰى" اور "فَادٰى" کا ایک معنی ہے اور "اُسَارٰى" حال واقع ہو رہا ہے اور یہ "اَسِيْرٌ" کی جمع ہے اور اسی طرح "اَسْرٰى" ("اَسِيْرٌ" کی جمع) ہے] اور ﴿وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ﴾ میں ضمیر شان کی ہے یا یہ ضمیر مبہم ہے اور ﴿اِخْرَاجُهُمْ﴾ اس کی تفسیر ہے ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ﴾ قیدیوں کے عوض میں فدیہ دینے پر ایمان رکھتے ہو ﴿وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ قتل اور جلاوطن کرنے کی حرمت کا انکار کرتے ہو۔ امام اسدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے چار عہد لیے: (۱) قتل و غارت نہ کرنا (۲) جلاوطن نہ کرنا (۳) اپنوں کے خلاف مدد نہ کرنا (۴) قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لینا مگر انہوں نے تمام احکام سے اعراض کیا اور روگردانی کی سوائے ایک کے یعنی قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لینے پر عمل کیا۔ ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ﴾ "ذٰلِكَ" سے کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھنے اور بعض حصہ کا انکار کرنے کی طرف اشارہ ہے ﴿مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ﴾ ذلت و رسوائی۔ ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ بروز قیامت انہیں جو سخت ترین عذاب دیا جائے گا اس کی کیفیت یہ ہو گی کہ اس میں ذرہ برابر راحت و خوشی نہیں ہو گی اور نہ اس میں آرام و سکون ملے گا (بلکہ مسلسل تکلیف دہ عذاب دیا جائے گا) یا یہ مطلب ہے کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ بدترین اور سخت ترین ہو گا ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [ابن کثیر مکی نافع مدنی اور ابوبکر نے "یا" کے ساتھ "يَعْمَلُوْنَ" پڑھا ہے۔]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ ۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی پس ان سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بعد لگاتار رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو

روشن دلیلیں عطا فرمائیں اور ہم نے پاک روح سے ان کی مدد کی' تو کیا جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا پیغام لے کر آیا جن کو تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم نے تکبر کیا' پس ایک گروہ کو تم نے جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو تم قتل کرنے لگ گئے O

۸۶- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ انہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو اختیار کر لیا جس طرح ایک خریدار (قیمت کے عوض میں سامان وغیرہ کو) اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ پس نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ کوئی شخص ان کی طرف سے دفاع کر کے ان کی مدد کر سکے گا۔

## انبیائے کرام کی بعثت پر بنی اسرائیل کی سرکشیاں

۸۷- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یکبارگی عطا کی تھی۔ ﴿وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ کہا جاتا ہے: "قَفَاهُ" جب اس شخص کے بعد کسی کو بھیجا جائے۔ یہ "قَفَا" سے بنا ہے جیسے "ذَنَبَهٗ" "ذَنْبٌ" سے بنا ہے "قَفَا بِهٖ" کا مطلب ہے کہ جب کسی کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے یعنی ہم نے ان کے بعد انہی کے طریقے پر بہت سے رسول بھیجے اور وہ یہ ہیں: یوشع' اشمویل' شمعون' داؤد' سلیمان' شعیاء' ارمیاء' عزیر' حزقیل' الیاس' الیسع' یونس' زکریا اور یحییٰ علیہم السلام وغیرہم ﴿وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ﴾ وہ (مریم) خادم کے معنی میں ہے یعنی خدمت گزار اور مریم کا وزن "مَفْعَل" ہے کیونکہ فَعِیْل کا وزن مصادر میں ثابت نہیں ہے] اور "بَیِّنَاتٍ" سے واضح معجزات مراد ہیں جیسے مردوں کو زندہ کرنا' مادرزاد نابینوں کو بینا کرنا' کوڑھی کے مریضوں کو شفایاب کرنا اور مغیبات کی خبریں دینا۔ ﴿وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ یعنی پاک روح۔ [اور ابن کثیر مکی نے "اَیَدْنَاهُ" میں دال کو سکون کے ساتھ' جیسے ہے' ویسے پڑھا ہے "اَیْ بِالرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ. اور ہم نے ان کی پاک روح کے ساتھ مدد کی" جیسے کہا جاتا ہے: "حَاتِمُ الْجُوْدِ" (یعنی الروح موصوف اپنی صفت "اَلْمُقَدَّسَةِ" کی طرف مضاف ہے جیسے حاتم موصوف اپنی صفت جود کی طرف مضاف ہے)] "روح" کو "قدس" کے ساتھ خصوصیت اور تقرب کی وجہ سے موصوف کیا گیا ہے یا "رُوْحُ الْقُدُسِ" سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ جو وحی اور پیغامات الٰہی وہ لے کر آتے ہیں ان میں دلوں کے لیے زندگی ہوتی ہے اور یہ (روح سے حضرت جبریل کا مراد ہونا) اس لیے بھی ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تو حضرت جبریل آپ کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے تھے یا روح القدس سے مراد انجیل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا. (الشوریٰ:۵۲) یعنی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے" یا پھر اس سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم مراد ہے جس کے ذکر سے آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے ﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى﴾ "تَهْوٰی" "تُحِبُّ" کے معنی میں ہے۔ ﴿اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ تم نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کر اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ﴾ جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ﴿وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور "قَتَلْتُمْ" (فعل ماضی) یا تو آیات کی موافقت کے لیے نہیں فرمایا اور یا پھر اس لیے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایک گروہ کو قتل کرو گے کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے ہو' اگر میں ان کو تم سے نہ بچاتا (تو تم ان کو قتل کر دیتے) اور اس لیے تم نے اُن پر جادو کیا' تھوڑ تم نے ان کو بکری کا زہر آلود گوشت کھلایا اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! بے شک ہم نے تمہارے انبیائے کرام کو وہ چیزیں دیں جو ہم نے ان کو دیں' پھر جب تمہارے پاس ان میں سے ایک سچا رسول تشریف لایا تو تم نے ان پر ایمان لانے

سے انکار کر کے تکبر کیا اور ہمزہ توبیخ اور ''فا'' کے درمیان ''اِسْتَكْبَرْتُمْ'' کو ذکر کر کے ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اور یہود نے کہا: ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں' بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی تو ان میں سے تھوڑے ایمان لاتے ہیںO اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو تصدیق کرنے والی ہے اس (آسمانی کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے (نبی آخر الزمان ﷺ کے وسیلہ سے) کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے' پھر جب ان کے پاس وہ نبی تشریف لایا جس کو انہوں نے جان اور پہچان لیا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا' سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہوO کتنی بُری چیز ہے وہ جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس (قرآن) کے ساتھ کفر کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اپنی کتاب کیوں) نازل فرماتا ہے' پس وہ غضب پر غضب کے سزاوار ہو گئے' اور کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب ہےO

۸۸- ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ ''غُلْفٌ'' ''اَغْلَفُ'' کی جمع ہے یعنی وہ قلوب جبلی پردوں سے مستور ہیں اور سردارِ انبیاء شافع روزِ جزاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو احکام لے کر آئے ہیں وہ ان قلوب تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ وہ ان احکام کو سمجھ سکتے ہیں اور یہ ''اغلف'' (حشفہ کو ڈھانپ لینے والی جھلی) سے مستعار لیا گیا ہے' نیز وہ شخص جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو ﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات کی تردید کر دی ہے کہ ان کے دل جبلی اور پیدائشی طور پر پردوں سے مستور ہیں کیونکہ وہ تو فطرت اور حق قبول کرنے کی صلاحیت پر پیدا کیے گئے ہیں' بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور انہیں لعنتی قرار دے دیا ہے اور ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا ہے ﴿فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [''قَلِيْلًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی دراصل ''فَاِيْمَانًا قَلِيْلًا يُّؤْمِنُوْنَ'' تھا ''مَا'' حرفِ زائدہ ہے] اور مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہیں (دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہود میں سے بہت تھوڑے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں) اور ایک قول کے مطابق قلت عدم کے معنی میں ہے یعنی یہودی سرے سے ایماندار ہی نہیں اور ''غُلْفٌ'' (لام ساکن) ''غُلُفٌ'' (لام مضموم) کا مخفف ہے اور اس کو ''غلاف'' کا جمع بھی پڑھا گیا ہے

یعنی ہمارے دل علوم کے خزانے ہیں' لہٰذا جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہمیں کافی ہے اور ہم غیروں سے بے نیاز ہیں یا یہ کہ ہمارے دل علوم کے خزانے ہیں' لہٰذا اگر آپ (حضور ﷺ) ہمارے پاس حق لے کر آئے ہوتے تو ہم ضرور قبول کر لیتے (حالانکہ حضور ﷺ ' قرآن اور اسلام برحق ہیں)۔

٨٩۔ ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ جب یہود کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب یعنی قرآن مجید آ گیا جو ﴿ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ ان کی اصل کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' ان کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے ﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے۔ ﴿ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ جب مشرکین یہود سے لڑائی کرتے تو یہود ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے اور کہتے: "اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ نَعْتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ. اے اللہ! تو اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما' جو آخری زمانہ میں بھیجے جائیں گے' جن کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں اور یہ لوگ اپنے دشمنوں مشرکین سے کہتے کہ وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائیں گے اور ہماری تصدیق کریں گے' ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے"۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا ﴾ "ما" موصولہ ہے یعنی جس کو انہوں نے پہچان لیا اور "جَآءَ" کا فاعل ہے ﴿ كَفَرُوْا بِهٖ ﴾ انہوں نے بغاوت و سرکشی' حسد' کینہ اور چودھراہٹ کے لالچ کی وجہ سے کفر اختیار کیا۔ ﴿ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ اسم ضمیر (عَلَيْهِمْ) کی جگہ اسم ظاہر "عَلَى الْكَافِرِيْنَ" کو رکھا گیا ہے تا کہ اسم ظاہر دلالت کرے کہ لعنت انہیں صرف ان کے کفر کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اور "اَلْكَافِرِيْنَ" میں لام عہد کا ہے یعنی صرف یہود پر لعنت ہو یا لام جنس کا ہے اور اس میں پہلے یہودی داخل ہیں' پھر دوسرے کافر اور پہلے "لَمَّا" کا جواب پوشیدہ ہے اور وہ اس طرح ہے: "كَذَّبُوْا بِهٖ اَوْ اَنْكَرُوْهُ. یعنی یہود نے اس کی تکذیب کی یا اس کا انکار کیا" یا پھر پہلے اور دوسرے "لَمَّا" کا جواب یہی "كَفَرُوْا بِهٖ" ہے کیونکہ دونوں کا مقتضیٰ اور مفاد ایک ہے۔

٩٠۔ ﴿ بِئْسَمَا ﴾ ["مَا" نکرہ موصوفہ مفسرہ ہے جو "بِئْسَ" کے فاعل کی تفسیر کرتا ہے یعنی بہت بری چیز ہے ﴿ اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ﴾ یعنی انہوں نے کفر کے عوض اپنے ایمان کو فروخت کر دیا اور "بِئْسَ" مخصوص بالذم ہے (یعنی اس کے ساتھ کسی کی صرف مذمت بیان کی جاتی ہے)] ﴿ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن مجید نازل فرمایا ہے اس کا یہود انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں۔ ﴿ بَغْيًا ﴾ [یہ "يَكْفُرُوْا" کا مفعول لہ یعنی کفر و انکار کی وجہ سے حسد ہے اور اس چیز کی طلب ہے جو ان کے مقدر میں نہیں ہے اور یہ "اِشْتَرَوْا" کی علت ہے۔] ﴿ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ ﴾ [یہ لام مقدر کے ساتھ "بَغْيًا" کا متعلق ہے دراصل "لِاَنْ يُّنَزِّلَ" ہے یا علیٰ مقدر کے ساتھ "بَغْيًا" کا متعلق ہے' دراصل "عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ" ہے] یعنی یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسد اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرماتا ہے۔ ﴿ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی وحی مراد ہے۔ ﴿ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ اور وہ سرورِ انبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں۔ ﴿ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ﴾ لہٰذا وہ لگاتار غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے کیونکہ انہوں نے برحق نبی کے ساتھ کفر کیا اور ان کے خلاف بغاوت کی یا یہ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا یا پھر یہ کہ انہوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے کہنے وغیرہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کیا۔ ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ اور کافروں کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب "بِئْسَمَا" اور اس باب کے تمام صیغوں میں ابوعمرو نے بغیر ہمزہ کے قراءت کی ہے اور "يُنَزِّلُ" کو ابن کثیر مکی

اور ابو عمرو بصری نے بغیر تشدید کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل فرمائیں تو کہتے: ہم صرف اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں' حالانکہ وہ حق ہے جو (اصل کتاب) ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے' تم فرما دو کہ اگر تم ایماندار تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو قتل کیوں کرتے رہے؟O اور بے شک موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے' پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھےO

۹۱- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان یہودیوں سے کہا جاتا۔ ﴿اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کہ اس پر یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یا مطلق (وحی پر ایمان لاؤ) جو ہر کتاب کو شامل ہے۔ ﴿قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ وہ کہتے: ہم صرف تورات پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی۔ ﴿وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ انہوں نے یہ بات کہی حالانکہ وہ تورات کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں ﴿وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ وہ قرآن تورات کا مخالف نہیں بلکہ ''مصدق'' ہے اور اس میں ان کی بات کی تردید ہے کیونکہ جب انہوں نے تورات کے موافق و مصدق کا انکار کیا تو یقیناً انہوں نے خود تورات کا انکار کردیا اور ''مُصَدِّقًا'' تاکیدی حال ہے۔ ﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ﴾ تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کیوں کیا؟ فعل مستقبل کو فعل ماضی کی جگہ رکھا گیا ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اور تورات پر ایمان رکھنے کے دعویٰ کے باوجود انبیائے کرام کو قتل کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ تورات تو انبیائے کرام کے قتل کو جائز قرار نہیں دیتی۔ ایک قول کے مطابق یہودیوں نے بیت المقدس میں صرف ایک دن میں تین سو نبیوں کو شہید کردیا تھا۔

۹۲- ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ بے شک تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح اور روشن نو معجزات لے کر آئے (جو یہ ہیں: عصا کے مارنے سے پانی کا نکلنا' دریا کا پھٹ جانا اور راستے دے دینا' ٹڈی' جوئیں' مینڈک' خون' کپڑے لے کر پتھر کا بھاگنا' کوہ طور کا اٹھا کر ان کے سروں پر بلند کرنا اور ہاتھ کا سورج کی طرح روشن ہو جانا) قاری ابو عمرو' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے دال کو جیم میں مدغم کر کے پڑھا ہے' جیسے تھا۔ ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوہ طور کی طرف تشریف لے جانے کے بعد ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ یہ حال ہے یعنی تم نے بچھڑے کی عبادت کی دراں حالانکہ تم عبادت کو غیر کے محل میں رکھنے والے تھے یا ان پر اعتراض ہے یعنی تم ایسی بدنصیب قوم ہو کہ ظلم کرنا تمہاری عادت ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ
بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ
لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا (اور فرمایا:) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور سنو! انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بسا دی گئی' تم فرما دو: تمہارا ایمان تم کو کیسا بُرا حکم دیتا ہے اگر تم ایماندار ہو ○ تم فرما دو: اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں ہے تو بھلا موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو ○ اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے ان بُرے اعمال کی وجہ سے جو وہ پہلے کر چکے ہیں' اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے ○

۹۳- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ کوہِ طور کے بلند کرنے کے ذکر کو دوبارہ لایا گیا ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ زائد امور کا اضافہ کیا گیا ہے جو پہلے ذکر کے ساتھ نہیں تھے۔ ﴿وَّاسْمَعُوْا﴾ تورات میں تم کو جن احکام کا حکم دیا گیا ہے ان کو غور سے سنو۔ ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا﴾ انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی بات کو سن لیا ہے۔ ﴿وَعَصَيْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے جواب کے بالکل مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم میری بات کو غور سے سنو لیکن تمہارا سننا قبول کرنے اور اطاعت کرنے کی نیت سے ہو تو انہوں نے کہا: ہم نے سن لیا لیکن اطاعت و قبولیت کی سماعت سے نہیں۔ ﴿وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت اور اس کی عبادت کی خواہش اور لالچ داخل کر دی گئی جیسا کہ کپڑے میں رنگ داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''فی قلوبھم'' میں پلانے کے مکان کا بیان ہے [اور ''العجل'' کا مضاف محذوف ہے (دراصل ''حُبَّ الْعِجْلِ'' ہے)] ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر اور ان کے عقیدۂ تشبیہ کے سبب۔ ﴿قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ﴾ تمہارا ایمان تورات کے ساتھ تمہیں کیسا برا حکم دیتا ہے کیونکہ تورات میں بچھڑے کی عبادت کا حکم نہیں تھا اور ان کے ایمان کی طرف امر کی اضافت ان کا تمسخر اڑانے کے لیے کی گئی ہے اور اسی طرح ان کی طرف ایمان کی اضافت ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ان کے ایمان میں شک کے اظہار اور ان کے دعویٰ ایمان کی صحت میں طعن کرنے کے لیے (حرف ''اِنْ'' لایا گیا ہے)۔

۹۴- ﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ یعنی دارِ آخرت سے مراد جنت ہے۔ ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یہ ظرف ہے اور ''لَکُمْ'' ''کَانَ'' کی خبر ہے (یعنی ''کَانَتْ'' کی خبر ہے)۔ ﴿خَالِصَةً﴾ یہ ''اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی سالم اور خالص تمہارے لیے ہے اور اس میں تمہارے سوا کسی کا حق نہیں ہے یعنی اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت میں

یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا (تو موت کی تمنا کرو تا کہ جنت میں پہنچ جاؤ)۔ ﴿مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ یہ لام جنس کا ہے۔ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس میں تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو کیونکہ جس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہے تو اس کو جنت کا شوق ہوتا ہے تا کہ دنیا کے عیبوں سے نجات حاصل کرے (اور جنت میں جا کر انعام پائے) جیسا کہ ان دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں منقول ہے جن کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک موت سے محبت کرتا اور اسے چاہتا تھا اور اس میں جانے کا شوق رکھتا تھا۔

۹۵۔ ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ یہ ''اَبَدًا'' ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی یہودی جب تک زندہ رہیں گے موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور کبھی نہیں کریں گے۔ ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اس کا سبب ان کے وہ بداعمال ہیں جو وہ آگے بھیج چکے ہیں یعنی نبی الانبیاء حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں تحریف کرنا وغیرہ اور یہ پیشین گوئی معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے کیونکہ اس میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور ایسا ہی ہوا جیسے قرآن مجید نے خبر دی جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' (البقرہ:۲۴) اور تم ہرگز (قرآن کی مثل) نہیں لاسکو گے'' کیونکہ اگر یہودیوں نے موت کی تمنا کی ہوتی تو ان کی یہ بات منقول ہو جاتی جیسا کہ باقی حوادثات نقل کیے گئے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ یہ ان کے لیے ڈانٹ اور دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے مظالم کو خوب جاننے والا ہے (اور انہیں اس پر سخت ترین سزا دے گا)۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور البتہ آپ یہودیوں کو تمام لوگوں سے اور مشرکوں سے بڑھ کر زندگی کا حریص پائیں گے ان میں ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو اور اس کو اس قدر عمر مل بھی جائے تو وہ اس سے عذاب کو دور نہیں کرے گی اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں O تم فرمادو: جو کوئی جبریل کا دشمن ہے تو بے شک اس (جبریل) نے تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ (قرآن) نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مؤمنوں کے لیے ہدایت و بشارت ہے O

## زندگی کی حرص' فرشتوں سے عداوت اور حضور ﷺ کی نبوت کا انکار

۹۶۔ ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ﴾ [''هُمْ'' اور ''اَحْرَصَ النَّاسِ'' ''وَجَدَ'' (یعنی ''لَتَجِدَنَّ'') کے مفعول ہیں ﴿عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ ''حَيٰوةٍ'' کا نکرہ لانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مخصوص زندگی مراد ہے اور وہ طویل' دراز اور لمبی زندگی ہے' لہٰذا اس کے ساتھ قراءت کرنا حضرت ابی بن کعب کی قراءت ''عَلَى الْحَيَاةِ'' (معرفہ) سے بہتر ہے۔]

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ ''اَحْرَصَ النَّاسِ'' کا معنی ہے''اَحْرَصَ مِنَ النَّاسِ''یعنی یہودی تمام لوگوں سے زیادہ حریص ہیں' ہاں البتہ ان لوگوں میں مشرکین بھی داخل ہیں لیکن ان کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ بھی زندگی کے بہت زیادہ حریص ہیں جیسا کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کا خاص کر ذکر کیا گیا ہے اگر چہ یہ دونوں فرشتوں میں داخل ہیں یا پھر اس سے مراد''وَاَحْرَصَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا'' ہے یعنی یہودی مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں' پھر اس کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ''اَحْرَصَ النَّاسِ'' اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں بہت بڑی تکلیف دہ ملامت اور جھڑک ہے کیونکہ مشرکین آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے' لہٰذا ان کا دنیا کی زندگی پر حریص ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ ان کے لیے یہی جنت ہے لیکن اہل کتاب اور جزاء و سزا کا اقرار کرنے والے لوگ' جب اس ناپائیدار دنیاوی زندگی کے حریص ہو جائیں تو وہ اس لائق ہیں کہ ان کو سب سے زیادہ سخت لعن طعن کیا جائے' باقی رہا یہ کہ وہ مشرکوں سے زیادہ حریص (کیوں) ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے کیونکہ انہیں اپنی حالت کا علم ہے اور مشرکین یہ نہیں جانتے۔ ﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں نئے طریقے سے یہودیوں کے زیادہ حریص ہونے کا بیان ہے اور بعض نے کہا کہ مشرکوں سے مراد مجوس ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں سے کہا کرتے تھے:''عِشْ اَلْفَ نيروز. ہزار سال زندہ رہو'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عجمیوں کا کلام اس طرح ہوتا ہے''زی ہزار سال یعنی ہزار سال زندہ رہو''اور بعض نے کہا کہ کلام کا آغاز''وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا'' سے ہوتا ہے یعنی''وَمِنْهُمْ نَاسٌ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ. ان میں سے کچھ لوگ چاہتے ہیں (کہ انہیں ہزار سال زندگی مل جائے)''موصوف محذوف ہے اور اس بناء پر''وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا'' سے یہودی طرف اشارہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے حضرت عزیر کو خدا کہا تھا ﴿ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ میں ضمیر''اَحَدُهُمْ'' کی طرف لوٹتی ہے ﴿ اَنْ يُّعَمَّرَ ﴾ [اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد''اَنْ يُّعَمَّرَ''''بِمُزَحْزِحِهٖ'' کا فاعل ہے یعنی ان میں سے کسی کی اتنی عمر اس کو عذاب سے نہیں بچا سکے گی اور یہ جائز ہے کہ''هو'' ضمیر مبہم ہو اور''اَنْ يُّعَمَّرَ'' اس کی توضیح وتشریح ہو' اور''زَحْزَحَه'' کا معنی دور کرنا اور ایک طرف ہٹانا ہے اور'' جامع العلوم'' وغیرہ میں کہا گیا ہے کہ''لَوْ يُعَمَّرُ''''اَنْ يُّعَمَّرَ'' کے معنی میں ہے' پس''لَوْ'' یہاں''اَنْ'' کے قائم مقام ہے اور''اَنْ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے معنی میں ہے اور''يَوَدُّ'' کا مفعول ہے''اَیْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ تَعْمِيْرَ اَلْفِ سَنَةٍ. ان میں کوئی ہزار سال زندہ رہنا چاہتا ہے''۔] ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے' پس اس پر ان کو سزا دے گا اور قاری یعقوب نے''يَعْمَلُوْنَ'' کو''تا'' کے ساتھ''تَعْمَلُوْنَ'' پڑھا ہے۔

۹۷-﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ﴾ [ابن کثیر مکی نے (''جَبْـرِيل'' میں)''جیم'' پر فتح اور''راء'' کے نیچے کسرہ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور امام حفص کے علاوہ کوفیوں نے''را'' اور''جیم'' پر فتح اور ہمزہ کے ساتھ اشباع کر کے پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بغیر ہمزہ کے''را'' اور''جیم'' کے نیچے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں (دو سبب) معرفہ اور عجمہ ہیں اور اس کا معنی ہے:''عبداللہ''] کیونکہ سریانی زبان میں''جبر'' کا معنی''عبد'' ہے اور''ایل'' اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم ابن صوریا حضور نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے تو آپ نے فرمایا: حضرت جبریل' تو اس نے کہا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی فرشتہ آپ پر وحی لاتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے کیونکہ اس نے تو ہمارے ساتھ کئی مرتبہ دشمنی کی ہے اور سب سے سخت ترین دشمنی یہ کی کہ اس نے ہمارے نبی پر وحی نازل کر کے خبر دی کہ بے شک بیت

المقدس کو بخت نصر خواب کردے گا' چنانچہ ہم نے ایک بہادر آدمی اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو بابل میں جا کر اس نے ایک
مسکین اور کمزور لڑکا پایا تو جبریل نے آ کر اس کو اس سے روک دیا اور کہا: اگر تمہارے رب نے تمہیں ہلاک کرنے کے لیے
اس کو حکم دیا ہے تو تم اس پر غالب نہیں آ سکتے اور اگر یہ وہ نہیں' تو تم کس جرم میں اسے قتل کرو گے؟ ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ﴾ بے
شک حضرت جبریل نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا اور اس قسم کی ضمیروں سے میری مراد وہ تمام ضمیریں ہیں جن کا مرجع
پہلے مذکور نہیں ہوتا' ان میں عظمت و شان کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ مرجع کی شہرت کی وجہ سے اسے اتنا عظیم الشان قرار دیا
جاتا ہے کہ گویا وہ خود اپنی ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس کے صریح نام کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کفایت کر جاتا ہے۔
﴿عَلٰی قَلْبِکَ﴾ اس نے آپ کو یاد کرایا اور قلب (دل) کو مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہی حفظ کا محل ہے جیسا کہ ارشاد باری
تعالیٰ ہے: ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ○عَلٰی قَلْبِکَ. (الشعراء:۱۹۴) حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام نے قرآن مجید کو
آپ کے قلب مبارک پر نازل کیا'' اور کلام کا حق یہ تھا کہ ''عَلٰی قَلْبِیْ'' کہا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کے طور
پر واقع ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا ہے اور بلاشبہ یہ کلام اس طرح درست ہوگا کہ ''فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ'' کو
شرط کی جزاء قرار دیا جائے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ اہل کتاب میں سے اگر کوئی حضرت جبریل کا دشمن ہے تو اس کی
عداوت و دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس نے تو ایسی کتاب نازل کی ہے' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' پس اگر
وہ انصاف کرتے تو اس سے محبت کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے کہ اس نے قرآن نازل کر کے ایسا کام کیا ہے جو نفع دیتا ہے اور
ان کے لیے مفید ہے اور ان پر نازل کی گئی کتابوں کو صحیح قرار دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ شرط کا جواب محذوف ہے اور اس کی تقدیر
عبارت یوں ہے: جو حضرت جبریل کا دشمن ہے تو اسے غیظ و غضب میں مر جانا چاہیے کیونکہ اسی جبریل نے آپ کے قلب مبارک
پر وحی نازل کی ہے ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾
اس میں یہود کا رد ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ بے شک جبریل جنگ اور شدت و سختی کے احکام نازل کرتا ہے تو جواب میں کہا
کہ بے شک وہ ہدایت اور بشارت بھی نازل کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ
اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٩٨ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
الْفٰسِقُوْنَ ۝٩٩ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٠ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠١

جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے○ اور
بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کیں ہیں' اور ان کا انکار نہیں کریں گے مگر فاسق لوگ○ اور کیا جب بھی وہ

کوئی عہد کرتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس کو پھینک دیتا ہے' بلکہ ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے O اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول تشریف لایا جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں O

۹۸- ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ﴾ [یہ قاری ابو عمرو بصری اور امام حفص کی قراءت ہے اور قاری نافع مدنی نے ''مِيْكَائِلَ'' ہمزہ کے ساتھ بغیر ''یا'' کے اسی طرح ''مِيْكَاعِلَ'' (عین کے ساتھ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قاریوں نے ہمزہ مکسور اور ''یا'' مدہ کے ساتھ اشباع کر کے ''مِيْكَائِيْلَ'' پڑھا ہے] اور حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی فضیلت و عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان دونوں کا ذکر خاص کر الگ کیا گیا ہے گویا یہ دونوں دوسری جنس سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ وصف میں تغایر ذات میں تغایر کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے ''لَهُمْ'' ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ''لِلْكَافِرِيْنَ'' کو اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اسم ظاہر اس بات پر دلالت کرے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے ان کا دشمن ہوا ہے اور بلاشبہ فرشتوں سے عداوت و دشمنی رکھنا انبیائے کرام علیہم السلام سے عداوت و دشمنی رکھنے کی طرح کفر ہے اور جو ان کا دشمن ہے اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے۔

۹۹- ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ کافروں میں سے سرکشی کرنے والے لوگ (مراد ہیں) اور لام جنس کا ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اہل کتاب کی طرف اشارہ ہو اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ابن صوریا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور آپ پر کوئی ایسی آیت نازل نہیں کی گئی جس کے سبب ہم آپ کی اتباع کریں تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۰۰- ﴿اَوَكُلَّمَا﴾ اس میں واؤ عطف کی ہے اور اس کا عطف محذوف کلام پر کیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَكَفَرُوْا بِالْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَكُلَّمَا. کیا انہوں نے روشن اور واضح آیتوں کا انکار کیا ہے؟ اور جب'' ﴿عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ﴾ اس عہد کو انہوں نے توڑ دیا اور اس کو پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ کیونکہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اس عہد کو نہیں توڑا تھا۔ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ان میں سے اکثر لوگ تورات پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کا دین سے کچھ تعلق نہیں رہا' سو وہ عہدوں کو توڑنا گناہ شمار نہیں کرتے اور نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔

۱۰۱- ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جو تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں اور اہل کتاب سے یہود مراد ہیں۔ ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ﴾ یعنی تورات' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرنا' جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں درحقیقت تورات کے ساتھ کفر کرنا ہے اور اس کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے یا ''كِتَابَ اللّٰهِ'' سے قرآن مجید مراد ہے جس کو قبول کرنا ان پر فرض تھا مگر انہوں نے اس کو ماننے کی بجائے اس کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ﴿وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ یہود کی طرف سے کتاب الٰہی کو ترک کرنے اور اس سے روگردانی کرنے کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی آدمی کسی چیز کو قلتِ توجہ اور اس سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے اسے پسِ پشت پھینک دیتا ہے (اسی طرح یہود نے قرآن و تورات کو پسِ پشت ڈال دیا تھا)۔ ﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ
بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا
نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ
زَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّ
هُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۲

اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دورِ حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے O اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا لیکن شیطانوں نے کفر کیا' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور (انہوں نے اس جادو کی پیروی کی) جو بابل شہر میں دو فرشتوں' ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو' پس لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے جس کے ذریعے وہ مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی کر دیتے اور وہ اس کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ لوگ اس چیز کو سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گی اور انہیں نفع نہیں دے گی اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور البتہ کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں فروخت کر دیں' کاش وہ جان لیتے O

## جادو کی پیروی اور ہاروت و ماروت کا قصہ

۱۰۲- ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ یعنی یہود نے کتاب اللہ کو پسِ پشت پھینک دیا اور جادو کی کتابوں کی پیروی اختیار کر لی اور ان شعبدہ بازوں کے پیچھے لگ گئے جو ان کتابوں کو ان کے سامنے پڑھا کرتے تھے ﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ ان کے زمانہ میں اور ان کے دورِ حکومت میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیاطین آسمان پر چڑھ کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن لیتے اور اپنی طرف سے ان میں بہت سی جھوٹی باتیں شامل کر لیتے اور جادوگروں کو بتا دیتے اور انہوں نے ان باتوں کو کتابوں میں لکھ لیا' جن کو پڑھ کر لوگوں کو جادو سکھاتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہ باتیں مشہور ہو گئیں یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ جنات غیب جانتے ہیں اور لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم ہے جس کے ذریعے ان کی حکومت قائم و دائم ہے اور اسی علم کی وجہ سے آپ نے جن و انس اور ہوا کو تابع فرمان بنا لیا ہے۔ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ اس ارشاد سے شیطانوں کو جھٹلایا گیا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو بہتان لگایا تھا کہ آپ جادو کا اعتقاد رکھتے تھے اور جادو پر عمل کرتے تھے سب کی تردید کر دی گئی ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ﴾ یہ شیاطین وہی ہیں' جنہوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جادو کو استعمال کرنے اور اس پر کتابیں لکھنے کی وجہ سے کفر کیا۔ [قاری عبد اللہ بن عامر شامی'

قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے تخفیف کے ساتھ "لٰکِنْ" (یعنی بغیر تشدید کے) اور "اَلشَّیٰطِیْنُ" رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔]
﴿یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ [حال کے محل میں واقع ہے] یعنی انہوں نے کفر کیا دراں حالیکہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو پھسلانے اور گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ﴾ جمہور اس بات پر متفق ہیں [کہ لفظِ "مَا" "اَلَّذِیْ" کے معنی میں ہے اور "اَلسِّحْرَ" پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی شیاطین ان (یہود) کو وہ جادو سکھاتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا [یا پھر "مَا تَتْلُوْا" پر عطف ہے] یعنی یہود اس جادو کی پیروی کرتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ ﴿بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ یہ ان دو فرشتوں کے نام ہیں اور "اَلْمَلَکَیْنِ" کا عطف بیان ہے اور جو کچھ ان دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا وہ جادو کا علم تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی آزمائش تھی اور جو شخص اس جادو کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا اگر اس میں ایمان کی لازمی شرائط کی نفی ہوتی تو وہ شخص کافر ہو جاتا اور جو شخص اس سے دور رہتا یا اس کو سیکھ تو لیتا لیکن اس پر عمل نہ کرتا تا کہ اس کے حملے سے بچا رہے اور اس کی وجہ سے کسی کے دھوکہ میں نہ آ جائے تو وہ شخص مسلمان رہتا' چنانچہ شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر حال میں جادو کو کفر کہنا غلط ہے بلکہ اس کی حقیقت کو جاننا واجب اور لازمی ہے' پھر اگر اس میں ضروریات ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ کفر ہے ورنہ کفر نہیں' پھر جو جادو کفر ہے اس میں تو مردوں کو قتل کیا جاتا ہے عورتوں کو نہیں اور جو جادو کفر نہیں اور اس میں کسی جان کو ہلاک کرنا ہو تو اس میں راہزن کا حکم نافذ ہوگا اور اس میں مرد و زن یکساں ہوں گے اور ایسا جادوگر جب توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جس نے کہا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی تو اس نے یقیناً غلط کہا ہے کیونکہ فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کر لی گئی تھی اور بعض نے کہا کہ "اُنْزِلَ" کا معنی ہے کہ عمل سے روکنے کے باوجود دونوں فرشتوں کے دلوں میں جادو کا علم ڈال دیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ (ہاروت اور ماروت) وہ دو فرشتے ہیں جن کو باقی فرشتوں نے (آزمائش کے لیے) منتخب کیا تھا تا کہ ان میں شہوت پیدا کی جائے (کیونکہ) جب فرشتوں نے اولادِ آدم پر (ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے) عار کا اظہار کیا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تمہارے اندر بھی ان کی طرح شہوت ہوتی تو تم سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے۔ فرشتوں نے کہا: اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ہم ہرگز گناہ نہ کرتے) پھر یہ دونوں فرشتے زمین پر آ کر (شروع میں تو دن میں) انصاف کرتے اور رات کو اوپر چڑھ جاتے' پھر یہ دونوں فرشتے زہرہ نام کی عورت پر عاشق ہو گئے' سو اس نے ان کو شراب پینے پر آمادہ کر لیا اور انہوں نے (شراب پی کر) زنا کیا تو ایک آدمی نے ان کو دیکھ لیا جس کی وجہ سے انہوں نے اس کو قتل کر دیا (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایک عذاب کے اختیار کرنے کی اجازت ملنے پر) انہوں نے عذابِ آخرت کے بدلے میں دنیا کا عذاب اختیار کر لیا' چنانچہ (اس وقت سے لے کر اب تک) بابل کے کنویں میں الٹا لٹکا کر ان کو عذاب دیا جا رہا ہے (اور یہ عذاب قیامت تک جاری رہے گا[1]) اور بابل

[1] واضح رہے کہ بعض کا یہ قول قرآن مجید کی ان تمام روایات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس قصہ کو بنی اسرائیل نے وضع کیا ہے (یعنی گھڑ لیا ہے)۔ علامہ قرطبی نے کہا: ایسی تمام روایات ضعیف ترین ہیں' ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے' فرشتے اللہ تعالیٰ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہوتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ امام رازی نے کہا کہ ایسی تمام روایات فاسد' مردود اور غیر مقبول ہیں کیونکہ قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے اور یہ روایات اس کے خلاف ہیں۔ علامہ ابوالحیان اندلسی نے کہا: ان روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور فرشتے معصوم ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔
نوٹ: اس کی تفصیل' تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۴۹۳۔۴۹۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' میں دیکھئے۔

کے نام کی وجہ یہ ہے (بابل کا لغوی معنی مختلف ہونا ہے) کہ اس سرزمین پر مختلف زبانوں کا آغاز ہوا تھا۔ ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ﴾ اور وہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ نہیں سکھاتے ﴿حَتّٰى يَقُوْلَآ﴾ یہاں تک کہ وہ دونوں اس کو (جادو کی برائیوں سے) آگاہ کرتے اور تنبیہ کرتے ہوئے اس کو نصیحت کرتے اور اس سے کہتے: ﴿اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ﴾ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف امتحان اور آزمائش بن کر آئے ہیں ﴿فَلَا تَكْفُرْ﴾ تو تم اس جادو کو سیکھ کر اور اس پر ایسے طریقے سے عمل کر کے جس سے کفر لازم آ جائے کافر نہ بن جانا۔ ﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا﴾ [اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' پر ''فـا'' کا عطف کیا گیا ہے یعنی وہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو سکھاتے تو لوگ ان سے جادو اور کفر دونوں سیکھ لیتے تھے' ان دونوں باتوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کے دو فرمان ''كَفَرُوْا'' اور ''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' ہیں یا ''فَا'' کا عطف پوشیدہ عبارت پر کیا گیا ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَيَاْتُوْنَ فَيَتَعَلَّمُوْنَ'' اور اس پر ''مِنْ اَحَدٍ'' دلیل ہے یعنی لوگ آتے اور ان فرشتوں سے جادو سیکھتے۔ ﴿مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ وہ جادو کا علم ہے جس کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی تھی اور وہ اس طرح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ محض امتحان کی خاطر جادو کے وقت میاں بیوی میں نافرمانی' سرکشی اور اختلاف و ناچاقی پیدا کر دیتا اور اہل سنت کے نزدیک (اللہ تعالیٰ ان میں اضافہ فرمائے) جادو ایک حقیقت ہے اور معتزلہ کے نزدیک جادو ایک تخیلاتی چیز ہے اور ایک شعبدہ بازی ہے۔ ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ﴾ اور وہ جادو کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے ارادہ سے ﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ یہ علم آخرت میں نفع نہیں دے گا اور اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جادو سے بچنا اور اس سے دور رہنا واجب ہے جس طرح سائنس کے اس علم سے بچنا لازم ہے جو آدمی کو گمراہی کی طرف لے جائے۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا﴾ یہود جانتے تھے ﴿لَمَنِ اشْتَرٰىهُ﴾ جو شیاطین تلاوت کرتے ہیں اس کو جس نے کتاب الٰہی کے عوض میں خرید لیا ﴿مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ تو آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ''خـلاق'' کا معنی نصیب ہے۔ ﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ﴾ انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کے ذریعے ان کے علم کی نفی فرما دی اور اس سے پہلے اپنے ارشاد: ''وَلَقَدْ عَلِمُوْا'' کے ذریعے ان کے لیے علم کو تاکید قسمی کے ساتھ ثابت فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کاش وہ لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے لیکن جب انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا تو انہیں جاہل قرار دے کر فرمایا: گویا وہ نہیں جانتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع ١٢ ١٢
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو اللہ کی طرف سے بہت بہتر ثواب پا لیتے' کاش وہ جان لیتے O اے ایمان والو! (اپنے رسول سے) "رَاعِنَا" نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظرِ کرم فرمائیں اور پہلے ہی غور سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے O اہلِ کتاب میں سے کافر اور مشرک (دونوں) یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے' اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے O

۱۰۳- ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا﴾ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لاتے ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے اور شیطانوں کی کتابوں پر عمل کرنے اور کتاب الٰہی کو پسِ پشت ڈالنے جیسے گناہوں پر قائم رہنے کی بجائے ان کو ترک کر دیتے ﴿لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ کا ثواب (جو ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر انہیں عطا کیا جاتا) اس سے بہت بہتر ہے' جس میں وہ مشغول ہیں اور وہ اس کو یقیناً جانتے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنے علم پر عمل کرنا ترک کر دیا تو انہیں جاہل قرار دیا گیا اور آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ سب سے بہتر ہے اور "لَوْ" کے جواب میں جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ثواب کے ثبات واستقرار اور اس کے قائم و دائم رہنے کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے "لَمَثُوْبَةُ اللّٰهِ خَيْرٌ" نہیں فرمایا' کیونکہ آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ ثواب میں سے جو کچھ ہو (تھوڑا ہو یا زیادہ) وہ ان کے حق میں سب سے بہتر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حرف "لَوْ" تمنا کے معنی میں ہے گویا کہا گیا ہے کہ کاش وہ ایمان لاتے' پھر اللہ تعالیٰ نے "لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ" سے ابتدا فرمائی۔

## بارگاہِ مصطفےٰ میں آدابِ گفتگو

۱۰۴- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ مسلمانوں کا طریقہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی علمی مسئلہ بیان کیا جاتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے: "رَاعِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. اے اللہ کے رسول! ہماری رعایت فرمائیں' اور ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم آپ کی بات کو سمجھ لیں اور یاد کر لیں اور یہودیوں کے نزدیک "رَاعِيْنَا" عبرانی یا سریانی زبان میں گالیوں کا کلمہ تھا جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے اور جب انہوں نے مسلمانوں کو "رَاعِنَا" کہتے سنا تو انہوں نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور انہوں نے بھی رسول اکرم نبی معظم ﷺ کو اسی کلمہ کے ساتھ بلانا شروع کر دیا اور ان کا مقصد اس کلمہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں بکنا ہوتا (اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی ناگوار تھی' اسی لیے) تو مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا اور ان کو اس کلمہ کا ہم معنی لفظ بولنے کا حکم دیا گیا اور وہ لفظ "اُنْظُرْنَا" ہے جو "نَظْرَةٌ" سے ماخوذ ہے' اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی کسی کا انتظار کرتا ہے۔ ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور رسول اللہ ﷺ جو کلام تم سے فرماتے ہیں اس کو اچھی طرح غور سے سنو اور آپ جو مسائل تم سے بیان کرتے ہیں ان کو کان لگا کر حاضر دماغی کے ساتھ یاد کرو تاکہ بات کو دوبارہ دہرانے اور رعایت و مہلت طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑے' یا یہ مطلب ہے کہ تم قبول کرنے اور اطاعت کرنے کے جذبہ کے تحت غور سے سنو اور تمہارا سننا یہود کے سننے کی طرح نہ ہو جائے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے: ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (دردناک عذاب ان) یہودیوں کے لیے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں (اور اللہ تعالیٰ نے "كَافِرِيْنَ" کہہ کر واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی گستاخی کفر ہے)۔ ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ "اَلِيْمٌ" کا معنی دردناک ہے۔

۱۰۵-﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾[ابن کثیر اور ابوعمرو نے تخفیف کے ساتھ ''اَنْ يُّنْزَلَ'' پڑھا ہے] یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے کافر نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔ ﴿مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [پہلا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ'' میں) بیان کے لیے ہے' کیونکہ جنہوں نے کفر کیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اہل کتاب (۲) مشرکین' اور دوسرا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ خَيْرٍ'' میں) زائد ہے صرف ''استغراقِ خیر'' کے لیے ہے (یعنی ہر قسم کی خیر) اور تیسرا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ رَّبِّكُمْ'' میں) ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''خَيْر'' سے مراد وحی ہے اور اسی طرح رحمت سے وحی مراد ہے۔] ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہودی اپنے آپ کو زیادہ حق دار سمجھتے ہیں کہ ان کی طرف وحی کی جائے' اس لیے وہ تم سے حسد کرتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ تم پر وحی میں سے کچھ نازل ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے نبوت کے ساتھ مخصوص فرما لیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

جب ہم کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے ہم بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہےO کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی مددگار ہےO کیا تم اپنے رسول سے ایسے (بے ہودہ) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرتا ہے تو وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیاO

## نسخ کا بیان' اہل کتاب کی آرزو' نیک مسلمان کی شان اور یہود و نصاریٰ کی مذہبی چپقلش

شانِ نزول: ۱۰۶-اور جب انہوں نے (یعنی مشرکین و یہود نے) زبانِ طعن دراز کی اور کہا کہ کیا تم (سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو نہیں دیکھتے کہ اپنے صحابہ کو پہلے ایک کام کا حکم دیتے ہیں پھر اس سے منع کر دیتے ہیں اور اس پہلے کام کے خلاف دوسرے کام کا حکم دیتے ہیں اور آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں (لہٰذا یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا ہے جو اپنے دل سے گھڑ لیتے ہیں۔ روح المعانی) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات (پہلی دو آیات ۱۰۷-۱۰۶) نازل فرمائیں۔ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ لغت میں ''نسخ'' کا معنی تبدیل کرنا ہے اور شریعت میں کسی مطلق شرعی حکم کی انتہاء (یعنی اختتامی مدت) کو بیان کرنا ہے جس کے بارے میں اس کا حکم ہمیشہ کے لیے قائم رہنا ہمارے ذہنوں میں راسخ

ہو چکا تھا' لہٰذا ہمارے حق میں نسخ کے ذریعے حکم کی تبدیلی ہوتی ہے جب کہ صاحب شریعت کے حق میں محض (حکمِ شرعی کی مدت پوری ہو جانے کا) بیان ہوتا ہے اور اس میں ''بداء'' کا جواب ہے جس کا منکرینِ نسخ یعنی یہود دعویٰ کرتے ہیں (نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ میں علم الٰہی کے مطابق' جس حکم کی مدت پوری ہو چکی ہوتی ہے اس کو دوسرے نئے حکم سے بدل دیا جاتا ہے جب کہ ''بداء'' میں آدمی پہلے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے' پھر کسی خامی کی وجہ سے اس کو ترک کر دیتا ہے' لہٰذا ''بداء'' اس وقت ہوتا ہے جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہیں ہوتا اس لیے یہ صرف انسانوں میں ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناقص اور نا تمام ہوتا ہے جب کہ علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں ''نسخ'' ہوتا ہے ''بداء'' نہیں ہے) اور ''نسخ'' کا محل وہ کلام ہوتا ہے جو بنفسہ وجود وعدم کا احتمال رکھتا ہو اور اس کو ایسی چیز لاحق نہ ہو جو نسخ کے منافی ہو یعنی وقت کا مخصوص ومحدود ہونا یا دائمی ہونا (یہ دونوں چیزیں نسخ کے منافی ہیں) اور یہ نسخ نص اور دلالۃ النص دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ دل سے ارادہ کرنا ممکن ہو اگرچہ فعل ممکن نہ ہو' معتزلہ اس کے خلاف ہیں اور یہ نسخ کتاب وسنت سے متفقاً (کتاب کا نسخ کتاب سے اور سنت کا نسخ سنت سے) اور مختلفاً (کتاب کا نسخ سنت سے اور سنت کا نسخ کتاب سے ہر طرح) جائز ہے اور تلاوت اور حکم دونوں کا نسخ اور بغیر تلاوت صرف حکم کا اور بغیر حکم صرف تلاوت کا نسخ بھی جائز ہے اور حکم کے ساتھ کسی وصف کا نسخ' جیسے نص پر زیادتی' تو یہ بھی ہمارے نزدیک نسخ ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں اور ''انساء'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی یاد نکال دی جاتی ہے (یا ان کو لوگوں کے دلوں سے بھلا دیا جاتا ہے) اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو نے (''نُنْسِهَا'' کی بجائے) ''نَنْسَأْهَا'' پڑھا ہے یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور ہم اس کو پیچھے کر دیتے ہیں' یہ ''نَسَأْتُ'' سے ماخوذ ہے یعنی پیچھے ہٹا دینا۔ ﴿نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ﴾ ہم اپنے بندوں کے لیے اس سے بہتر آیت لاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ منسوخ آیت پر عمل کرنے کے ثواب سے ناسخ آیت پر عمل کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ ﴿اَوْ مِثْلِهَا﴾ یا (اجر وثواب اور فائدہ میں) اس کی مثل لاتے ہیں کیونکہ قرآن کی بعض آیات کو بعض آیات پر فضیلت نہیں (بلکہ تمام کلام فضیلت میں برابر ہے)۔ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ وہ قادر ہے' لہٰذا وہ (منسوخ آیت سے) بہتر یا اس کی مثل (ناسخ آیت) لانے پر قادر ہے۔

١٠٧- ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پس وہی تمہارے تمام معاملات کا مالک ہے اور ناسخ و منسوخ میں سے جس کے ساتھ وہ تمہیں بندگی کا حکم دیتا ہے اس (کی حکمتوں اور مصلحتوں) کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی ایسا متولی نہیں ہے جو تمہارے معاملات کو درست کر لے۔ ﴿وَّلَا نَصِیْرٍ﴾ اور نہ کوئی ایسا مددگار ہے جو تمہیں عذابِ آخرت سے بچا سکے۔

١٠٨- ﴿اَمْ تُرِیْدُوْنَ﴾ [''اَمْ'' منقطعہ ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے ''بَلْ تُرِیْدُوْنَ''] بلکہ تم چاہتے ہو کہ ﴿اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ اپنے محترم ومکرم رسول سے ایسے سوال کرو جیسے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیے گئے تھے' چنانچہ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قریشِ مکہ نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے اور مکہ مکرمہ کی سرزمین کو ہمارے لیے ہموار اور وسیع وعریض اور کشادہ بنا دیجئے تو آپ پر سوالات' اعتراضات اور طلبِ معجزات کی خواہش کرنے سے ان کو منع کر دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیجئے۔ ﴿وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ﴾ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات پر اعتماد اور یقین کرنا ترک کر دیا اور ان

میں شک کیا اور ان کے سوا کا طلب گار بن گیا ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ تو وہ یقیناً سیدھے اور اعتدال کے راستے سے بھٹک گیا اور راہِ حق سے دور ہو کر گمراہ ہو گیا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا
مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى
يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

بہت سے اہلِ کتاب نے چاہا کہ کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں' اپنے دلوں میں حسد رکھنے کی وجہ سے اس کے بعد کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا تھا' تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے' اور بے شک اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو O

۱۰۹۔﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ﴾ بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں ﴿مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ [یہ "کُم" ضمیر سے حال ہے] یعنی یہودی یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر کر کافر بنا دیں۔

شانِ نزول: یہ آیتِ کریمہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب غزوۂ احد کے بعد یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہیں اس جنگ میں کتنی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں یہ شکست نہ ہوتی' پس تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ اور تمہارے لیے اب یہی بہتر ہے۔ ﴿حَسَدًا﴾ [یہ مفعول لہٗ ہے] یعنی حسد و بغض کی وجہ سے (تمہارے مرتد ہونے کے متمنی ہیں) اور "حسد" کا معنی ہے کہ کسی کے پاس کوئی خیر و بھلائی دیکھ کر افسوس کرنا اور اس پر جلنا کہ یہ خیر و بھلائی اس کی بجائے مجھے ملتی۔ ﴿مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ یہ "وَدَّ" کے متعلق ہے یعنی یہ لوگ اپنے نفسوں کی آرزوؤں اور اپنی خواہشات کی وجہ سے تمہارا مرتد ہو جانا پسند کرتے ہیں اور اپنے دین کی تائید اور حق کی طرف رغبت کی خاطر نہیں اس لیے انہوں نے ایسی تمنا ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ حق واضح ہو جانے کے بعد کی جب انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ یقیناً تم مسلمان حق پر ہو' یا اس کا تعلق "حَسَدًا" کے ساتھ ہے یعنی اس حسد کی وجہ سے حق سے اعراض و روگردانی کرتے ہیں جو ان کے دلوں سے مبالغہ کی حد تک جوش مارتا ہوا ابھرتا ہے۔ ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ تو آپ ان کی جہالت' نادانی اور عداوت کے پیشِ نظر عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیجئے اور ان کے ساتھ معافی و چشم پوشی کی راہ پر چلیے (تاکہ وہ نرم ہو کر دین حق کی طرف راغب ہو جائیں)۔ ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال کا حکم نازل کر دے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر ہے۔

۱۱۰۔ ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ ﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے خواہ نماز ہو خواہ صدقات و خیرات ہوں یا ان دونوں کے علاوہ کسی قسم کی نیکی ہو تو ﴿ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اس کا اجر و ثواب تم اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور پاؤ گے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (چونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو یقیناً دیکھ رہا ہے اس لیے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل اس کے پاس ضائع نہیں ہوگا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

اور اہلِ کتاب نے کہا: جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے' یہ ان کی آرزوئیں ہیں' تم فرما دو کہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو○ ہاں کیوں نہیں؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کا ثواب اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○

۱۱۱۔ ﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (''قَالُوْا'' میں جمع مذکر غائب کی) ضمیر یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے' یعنی یہود نے کہا: جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور کوئی نہیں جائے گا اور نصاریٰ نے کہا: جنت میں صرف نصرانی جائیں گے اور کوئی نہیں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے اقوال کو اس اعتماد پر جمع کر کے بیان کر دیا کہ سننے والے' ہر فریق کے قول کی مراد سمجھ جائیں گے اور ہر قسم کے شک اور التباس سے محفوظ رہیں گے کیونکہ ان کو دونوں فریقوں کے درمیان عداوت و دشمنی کا علم ہو چکا ہے اور ان کو معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فریق اپنے دوسرے ساتھی فریق کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے؟ ''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ'' یہود نے کہا: نصرانی کسی دین پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا: یہودی کسی دین پر نہیں ہیں'' اور ''هُوْد'' ''هَائِدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''عَائِذٌ'' کی جمع ''عُوْذٌ'' ہے (مصری نسخہ میں ہے: جیسے ''عَائِذٌ'' کی جمع ''عُوْذٌ'' ہے) اور ''كَانَ'' کا اسم ''مَنْ'' کے اعتبار سے واحد ہے اور ''كَانَ'' کی خبر ''مَنْ'' کے معنی کے اعتبار سے جمع لائی گئی ہے۔] ﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ اس سے ان کی مذکورہ بالا تمناؤں اور آرزوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) رب تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر کوئی خیر و بھلائی نازل نہ ہو (۲) مسلمان اسلام قبول کرنے کے بعد پھر دوبارہ کافر ہو جائیں (۳) جنت میں ان کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا' یہ ان کی باطل آرزوئیں تھیں [اور ''اُمْنِيَّةٌ'' ''اُفْعُوْلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور ''تمنی'' سے ماخوذ ہے جیسے ''اُضْحُوْكَةٌ'' ہے۔] ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ تم جنت میں دخول کے لیے اپنی تخصیص کی کوئی سند اور دلیل پیش کرو [اور ''هَاتِ'' ''هَا'' کے قائم مقام ہے' اس کا معنی ہے: ''اُحْضُرْ'' یعنی حاضر کرا اور یہ جملہ ان کے قول: ''لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' کے ساتھ متصل ہے اور ''تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ'' جملہ معترضہ ہے۔] ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

۱۱۲۔ ﴿ بَلٰى ﴾ یہود و نصاریٰ نے اپنے علاوہ جنت میں جانے کی جو نفی کی تھی اس کا اثبات ہے۔ ﴿ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ ﴾

﴿لِلّٰهِ﴾ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص بنالیا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا' ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ قرآن مجید کی تصدیق کرنے والا ہو' ﴿فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ﴾ [یہ "مَنْ اَسْلَمَ" کا جواب ہے اور یہ کلام مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور "بلٰی" کے لفظ سے ان کے دعویٰ کی تردید کردی گئی ہے۔] ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ان کا اجر وثواب ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کچھ نہیں اور نصاریٰ نے کہا: یہود کچھ نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں' اسی طرح بے علم لوگوں نے اِن کی باتوں کی مانند کہا' سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کے ویران کرنے میں کوشش کرے' یہ لوگ مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں مگر ڈرتے ہوئے' ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

۱۱۳- ﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ﴾ یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ وہ کسی صحیح اور معتبر دین پر نہیں ہے۔ اور "واؤ" ﴿وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ میں حال کے لیے ہے اور کتاب جنس کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے یہ کہا' حالانکہ وہ اہل کتاب اور اہل علم ہیں اور کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور جو تورات وانجیل کا حامل ہو اور ان پر ایمان رکھتا ہو اس کا فرض ہے کہ وہ باقی (دوسری کتاب) کا انکار نہ کرے کیونکہ دونوں کتابوں میں سے ہر ایک کتاب دوسری کی تصدیق کرتی ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی قول کی مثل ہے جو (اے مخاطب!) تم نے (اہل علم یہود ونصاریٰ سے) سنا ہے۔ ﴿قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ان جہلاء نے ایسی باتیں کیں جن کے پاس نہ کوئی علم ہے اور نہ کوئی کتاب ہے جیسے بت پرست کافر اور فرقہ معطلہ ہیں' انہوں نے ہر اہل دین کے لیے یہی کہا کہ وہ کسی دین پر نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ یہود ونصاریٰ کے لیے بہت بڑی زجر وتوبیخ ہے کہ انہوں نے علم رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ملا دیا جو بے علم اور جاہل ہیں۔ ﴿فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود ونصاریٰ میں اس طرح فیصلہ فرمائے گا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایسی سزا دے گا جو اس کے لائق ومناسب ہوگی۔

## مساجد میں ذکر سے منع کرنے والا بڑا ظالم ہے اور سب کا مالک صرف اللہ ہے' جاہلانہ سوال ------- اور یہود ونصاریٰ کی مذمت

۱۱۴۔﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ﴾ [اور ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور یہ حرف استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور ''اَظْلَمُ'' اس کی خبر ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے؟ اور ''اَنْ یُّذْكَرَ'' ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے (پہلا مفعول ''مَسَاجِدَ اللّٰهِ'' ہے) جیسے تم کہتے ہو: ''مَنَعْتُهٗ كَذَا. میں نے اس کو اس طرح منع کیا'' (متعدی بدو مفعول کی مثال ہے (۱) ''ہ'' (۲) ''کــذا'')] اور اس کی مثال (درج ذیل دو آیات) ہیں: ''وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. (بنی اسرائیل:۵۹) اور ہمیں ایسی نشانیاں بھیجنے سے کسی نے نہیں روکا مگر یہی کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا''۔ ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا. (بنی اسرائیل:۹۴) اور لوگوں کو ایمان لانے سے کس نے روکا ہے'' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''ان'' کے ساتھ حرفِ جر محذوف ہو یعنی ''مِنْ اَنْ یُّذْكَرَ'' ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ''مَنَعَ'' کا مفعول لہ بنا کر منصوب قرار دیا جائے اور معنی یہ ہوگا کہ مسجدوں سے روکنے کی وجہ کراہتِ ذکر ہے اور یہ حکم اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے عام ہے اور بے شک ان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرنے والا ظلم کرنے میں سب سے بڑھ کر ظالم ہے اور اس کا سبب بیت المقدس میں عیسائیوں کا گندگی پھینکنا اور اس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکنا ہے یا رسول اللہ ﷺ (اور آپ کے صحابہ کرام) کو حدیبیہ کے سال (سن چھ ہجری) میں مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکنا (مراد) ہے۔ باقی رہا یہ کہ مساجد اللہ کہا گیا ہے جب کہ صرف ایک مسجد میں ذکر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ بیت المقدس یا مسجد حرام ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کا سبب خاص ہے مگر یہ حکم اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے عام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ. (الہمزۃ:۱) ہر غیبت کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے''۔ حالانکہ یہ آیتِ کریمہ خاص اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھی (مگر اس کا حکم ہر غیبت کرنے والے کے لیے عام ہے)۔ ﴿وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا﴾ اور جس نے ذکر الٰہی روک کر ان (مساجد) کو ویران کرنے کی کوشش کی اور ''مَــنْ'' سے عموم مراد ہے جس طرح مساجد سے عموم مراد ہے (لہٰذا جس کسی مسجد میں جو کوئی ذکر الٰہی سے روکے گا وہ سب سے بڑا ظالم ہوگا)۔ ﴿اُولٰٓىٕكَ﴾ وہی ذکرِ خدا کرنے سے روکنے والے لوگ ہیں ﴿مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ﴾ ان کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں داخل ہوں۔ ﴿اِلَّا خَآىٕفِیْنَ﴾ [یہ ''اَنْ یَّـدْخُـلُوْهَـا'' کی ضمیر ''هُمْ'' سے حال ہے] یعنی حالتِ خوف میں اور مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں ان کو گرفتار نہ کرلیں بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں پر غالب ہوں اور ان کو کنٹرول کریں اور مسجدوں میں داخل ہونے سے روکیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کا ظلم وستم اور زیادتی وسرکشی نہ ہوتی تو حق یہ تھا کہ مسلمانوں کو روکنے کی بجائے وہ خود مسجدوں میں خوف زدہ ہو کر ڈرتے ہوئے داخل ہوتے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ عیسائیوں میں سے جب بھی کوئی عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوتا تو قتل کیے جانے کے اندیشے سے خوف زدہ ہو کر اور اجنبی سا ہو کر داخل ہوتا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں جو نصرانی پایا جائے گا اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ نے (سن ۹ ہجری کو) اعلان فرما دیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج نہیں کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: ان کو کنٹرول حاصل کرنے کے لیے مسجد میں داخلہ سے روکا جائے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے درمیان تنہائی میں ملاقات کے لیے مسجد میں

بیٹھے رہنے سے روکا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (الاحزاب:۵۳) اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ تم رسولِ خدا کو تکلیف دو''۔ ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ قتل و غارت کرنا اور حربی کو قید کر دینا اور ذمی پر جزیہ لاگو کرنے کی ذلت و رسوائی یہود و نصاریٰ کے لیے دنیوی عذاب ہے۔ ﴿وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں بڑے عذاب سے مراد جہنم کی آگ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے' جس سمت (چاہو) منہ کر لو سب سمتیں اللہ ہی کی ہیں' بے شک اللہ بڑی وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O اور انہوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ تو اس سے پاک ہے' بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے ملک میں ہے' سب اس کے حکم کے تابع ہیں O وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے اور جب وہ کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے O

۱۱۵- ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک تمام روئے زمین کے ممالک اسی کی ملکیت میں ہیں اور سب کا وہی (اللہ تعالیٰ) مالک و متولی ہے۔ ﴿فَاَيْنَمَا﴾ شرط ہے ﴿تُوَلُّوْا﴾ اس (شرط) کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی پس تم جس کسی مکان میں ہوا اپنے چہروں کو قبلہ کی طرف پھیر لو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ. (البقرہ:۱۴۴) پس (اے حبیب!) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہوا اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو'' اور (شرط کا) جواب یہ (درج ذیل) ہے: ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ اس کی جہت ہے' جس کی طرف منہ کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور جس پر وہ راضی ہے اور معنی یہ ہے کہ جب تمہیں مسجد حرام یا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے تو میں نے تمہارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے' لہٰذا زمین کے جس حصہ میں چاہو نماز پڑھو اور اس میں اپنا منہ قبلہ کی طرف کر لو کیونکہ ہر مکان میں قبلہ رخ ہونا ممکن ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس کی رحمت وسیع اور کشادہ ہے' اس لیے وہ اپنے بندوں پر وسعت کرنا چاہتا ہے اور وہ ان کی مصلحتوں اور فائدوں کو خوب جاننے والا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیتِ کریمہ سواری پر سوار ہو کر نماز پڑھنے والے مسافر کے حق میں نازل ہوئی تھی کہ جس طرف سواری کا منہ ہو ادھر نماز پڑھ لو اور بعض نے کہا کہ ایک قوم پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تو انہوں نے مختلف اطراف میں نماز پڑھ لی' پھر جب صبح ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے غلط رخ نماز پڑھ لی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی معذوری قبول فرما لی اور یہ آیتِ مبارکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حجت ہے' جب کوئی آدمی اشتباہ کی صورت میں قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھ لے (تو امام شافعی کے نزدیک دوبارہ پڑھنی ہوگی) اور بعض نے کہا کہ آیتِ کریمہ کا ایک معنی یہ ہے کہ ذکر و فکر اور

دعاوغیرہ کے لیے جدھر چاہو منہ کرلو۔

۱۱۶-﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم اور حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں[ابن عامر شامی نے ''قَالُوْا'' بغیر واؤ کے پڑھا ہے اور واؤ کو اس اعتبار پر ثابت کیا گیا ہے کہ اس قصہ کا ماقبل پر عطف ہے اور حذف اس اعتبار پر کیا گیا ہے کہ یہ ایک نیا اور دوسرا قصہ ہے]﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ اولاد سے پاک ہے اور اس کی تنزیہ بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے اور اولاد کا ہونا اس کی شان سے بہت بعید ہے۔﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت میں داخل ہے اور ہر چیز میں حضرت مسیح اور حضرت عزیر داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں اور اولاد کا ہونا ملک کے منافی ہے(تو ثابت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد نہیں)﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ سب اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور ان میں سے کوئی چیز اس کی تکوین وتقدیر سے مانع نہیں اور ''کُلٌّ'' کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز یا ہر وہ چیز جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا سب اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں' عبادت گزار ہیں'اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والے ہیں اور وہ اپنے پجاریوں کے شرکیہ رشتوں کے منکر ہیں جن کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ پہلے ''مَا'' لایا جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے' پھر اس کے ساتھ اپنا قول ''قَانِتُوْنَ'' لایا جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسا کہ یہ قول ہے کہ ''سُبْحَانَ مَا سَخَّرَ كُنَّ لَنَا. پاک ہے وہ جس نے تمہیں ہمارے لیے مسخر کر دیا''(تا کہ ثابت ہو جائے کہ ذوی العقول(عقل مند)اور غیر ذوی العقول(بے عقل)سب اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار اور اس کے ملک میں ہیں)۔

۱۱۷-﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ بغیر کسی سابق مثال کے زمین و آسمان کا اختراع و ایجاد کرنے والا ہے اور ہر وہ شخص جو ایسا کام کرے جس کی پہلے مثال نہ ہو تو اسے کہا جاتا ہے:''اَبْدَعْتَ. یعنی تو نے بغیر نمونہ چیز ایجاد کر لی'' اور اس لیے اہل السنہ والجماعۃ کی مخالفت کرنے والے کو مبتدع یعنی بدعتی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دین اسلام میں ایسی چیز داخل کر دیتا ہے جس کو اس سے پہلے صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیش نہیں کیا۔﴿وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی حکم یا تدبیر کا فیصلہ کرتا ہے﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[یہ دونوں ''کان'' تامہ سے ماخوذ ہیں یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے(لہٰذا تخلیق کا تعلق ارادۂ الٰہی کے ساتھ ہے امر ''کُنْ'' کے ساتھ نہیں کیونکہ)یہ(امر ''کُنْ'')سرعت تکوین اور امتثال امر(یعنی ارادۂ تخلیق ہوتے ہی فوراً وہ چیز ہو جاتی ہے)سے مجاز ہے اور اس لیے ''ثُمَّ'' (یعنی ''فَيَكُوْنُ'' کی بجائے ''ثُمَّ يَكُوْنُ'')نہیں فرمایا]اور اس کا معنی صرف یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اور کسی وقفہ اور رکاوٹ کے بغیر فوراً وجود میں آ جاتی ہے'جس طرح ایک مامور و مطیع اور فرماں بردار غلام کو حکم دیا جائے تو وہ فوراً بجالاتا ہے اور وہ نہ دیر لگاتا ہے اور نہ رکتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے اور(اس لیے)اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اولاد ہونے سے اپنی تنزیہ کو مؤکد فرمایا ہے کیونکہ جو ذات اقدس قدرت و اختیار کی اس عظیم صفت کے ساتھ موصوف ہو تو یقیناً اس کی تمام صفات اجسام کی صفات کے مغائر ہوں گی تو اس کے لیے اولاد کا ہونا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے[اور عام قراءت کے مطابق ''فَيَكُوْنُ'' کے آخر میں رفع(پیش)کی وجہ استیناف(الف اور نیا جملہ ہونا)ہے یعنی ''فَهُوَ يَكُوْنُ'' ہے یا اس کو ''يَقُوْلُ'' پر عطف کیا جائے اور قاری ابن عامر شامی نے لفظ ''کُنْ'' کی وجہ سے نصب کے ساتھ ''فَيَكُوْنَ'' پڑھا ہے کیونکہ یہ امر حاضر ہے اور امر کا جواب ''فَا'' کے ساتھ منصوب آتا ہے اور ہم

کہتے ہیں کہ ''کُنْ'' حقیقت میں امر نہیں ہے کیونکہ ''وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَکُوْنُہٗ فَیَکُوْنُ'' کہا جائے (اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو فوراً پیدا کر دیتا ہے' پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے) یا ''فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ'' کہا جائے' ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جب بات اس طرح ہے تو (''فَیَکُوْنُ'' کے لیے) نصب کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا اور یہ اس لیے کہ اگر لفظِ ''کُنْ'' امر ہو تو پھر یا تو اس کے ساتھ موجود کو ''مُخَاطَب'' کیا جائے گا (یعنی پہلے سے موجود کو) اور موجود کو ''کُنْ'' کے ساتھ ''مُخَاطَب'' نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ جو چیز پہلے موجود ہے اس کو دوبارہ ''کُنْ'' کہنا باطل ہے) یا پھر معدوم کو ''مُخَاطَب'' کیا جائے گا اور معدوم کو بھی ''مُخَاطَب'' نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ خطاب بالمعدوم باطل ہے)۔]

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ مِّثْلَ قَوْلِہِمْ ؕ تَشَابَہَتْ قُلُوْبُہُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾

اور جاہل لوگوں نے کہا: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی (کیوں) نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا جس طرح انہوں نے کہا ہے' ان سب کے دل ایک جیسے ہیں' بے شک ہم نے یقین کرنے والی قوم کے لیے واضح طور پر نشانیاں بیان کر دی ہیں O بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور آپ سے دوزخیوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا O

۱۱۸- ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اس سے مشرکین یا اہل کتاب کے لوگ مراد ہیں' اور ان سے علم کی نفی اس لیے کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا۔ ﴿لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ﴾ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح وہ فرشتوں سے کلام کرتا ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ سے کلام کیا' ان کا یہ رویہ تکبر وغرور اور بغاوت وسرکشی کی وجہ سے تھا۔ ﴿اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ﴾ انہوں نے یہ مطالبہ محض آیات سے انکار اور ان کی اہانت کی نیت سے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جو آیات ان کے پاس آ چکی تھیں وہ بھی تو آیات ہی تھیں۔ ﴿کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ مِّثْلَ قَوْلِہِمْ تَشَابَہَتْ قُلُوْبُہُمْ﴾ ان کے اور ان سے پہلے لوگوں کے دل جہالت وگمراہی میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مساوی ہو چکے ہیں (اس لیے یہ لوگ اور ان سے پہلے کے لوگ ایک جیسے مطالبے کرتے رہے) ﴿قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ یعنی ہم نے یہ آیات ایسی قوم کے لیے بیان کی ہیں جو انصاف کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ واقعی یہ آیات الٰہی ہیں اور ان کا اعتراف واقرار کرنا اور ان پر یقین کرنا اور ان کے غیر کو چھوڑ کو صرف ان پر اکتفاء کرنا واجب ولازم ہے۔

۱۱۹- ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ مسلمانوں کو ثواب کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿وَّنَذِیْرًا﴾ اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا (بنا کر بھیجا) ﴿وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾ جب آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور کفار کو اسلام کی دعوت دینے میں اپنی پوری جدوجہد صرف کر دی تو اس کے بعد ہم آپ

سے کفار کے متعلق سوال نہیں کریں گے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے [اور یہ جملہ ''نَذِيْرًا'' ''بَشِيْرًا'' اور ''بِالْحَقِّ'' کی طرح حال واقع ہو رہا ہے یعنی آپ سے کفار کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں یہ فعل نہی ''لَا تَسْئَلْ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کافروں کے عذاب کے بارے میں نہ پوچھ' جیسا کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا آدمی کے بارے میں سوال کرتے ہوئے پوچھو: ''كَيْفَ فُلَانٌ''. یعنی فلاں آدمی کیسا ہے تو جواب میں تمہیں کہا جائے گا: ''لَا تَسْئَلْ عَنْهُ''. کہ اس کے متعلق مت پوچھ'' اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کے ساتھ کیا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم کو کافروں کے احوال کے بارے میں سوال کرنے سے منع کر دیا[1]

---

[1] حضور رحمت عالمیاں ﷺ کے آباء و اجداد خصوصاً والدین کریمین کی نجات کے متعلق مکمل تفصیل و تشریح فقیر کی کتاب ''دلائل النجات لاصول سید الکائنات'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں اختصار کے پیشِ نظر چند ضروری معروضات پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) یہ روایت حدیث کی کسی معتمد و معتبر کتاب میں نہیں ہے' البتہ بعض تفاسیر میں منقطع سند کے ساتھ ذکر کی گئی ہے جو قابلِ حجت اور قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(۲) اس آیت مبارکہ کا یہ شانِ نزول بیان کرنا غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کی آیات میں یہود کا تذکرہ چلا آ رہا ہے' لہٰذا اس آیتِ کریمہ میں ''اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ'' سے اہلِ کتاب کے کفار مراد ہیں۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے (جس زمانہ میں پیغمبر تشریف نہ لائے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں) کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی اکرم رسول معظم ﷺ تک کے عرصہ میں کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا اور قرآن مجید میں ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی قوم میں نبی تشریف نہ لائے اس وقت تک اس قوم کو عذاب نہیں دیا جائے گا تاکہ وہ قوم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ یا اللہ! اگر ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی نبی' تیری شریعت لے کر آتا تو ہم ایمان لے آتے مگر جب تو نے ہمارے پاس پیغمبر ہی نہیں بھیجا تو عذاب کیوں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (بنی اسرائیل:۱۵) اور ہم (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیں گے جب تک (ان کی طرف پہلے) رسول نہ بھیج دیں''۔

(۴) حضور سرور عالم ﷺ کے والدین سے شرک سمیت کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ثابت نہیں ہے بلکہ وہ موحد و پارسا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین حنیف پر کاربند تھے' جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے دینِ حنیف پر قائم تھے' اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' عبید اللہ بن جحش' عثمان بن حویرث' رباب بن البراء' اسعد ابو کریب حمیری' قس بن ساعدہ ایادی اور ابو قیس بن صرمہ۔

(۵) حضور سید عالم ﷺ کے والدین کریمین کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور دینِ اسلام میں داخل ہو کر خیر الامم امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں شامل ہوئے اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ امام ابن شاہین' علامہ ابو بکر خطیب بغدادی' علامہ سہیلی' علامہ قرطبی' علامہ محب طبری اور علامہ ناصر الدین بن المنیر وغیرہم کا یہی مسلک ہے۔ (ماخوذ من الحاوی للفتاویٰ ج ۲ رسالہ مسالک الحنفاء ص ۲۰۲ تا ۲۳۳)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع

وقف منزل ع ۹ ١٤ ١٤

اور آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں' آپ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور (اے مخاطب!) اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آ چکا تو تجھے اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگاO جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے' یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کرتے ہیں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیںO

١٢٠-﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ گویا یہود و نصاریٰ نے حضور ﷺ سے کہا کہ اگرچہ آپ ہمیں راضی رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن ہم آپ سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ہمارے دین اور ملت کی پیروی نہیں کرتے' چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ایمان لانے کے خواہش مند تھے اس لیے انہوں نے دین اسلام میں داخل ہونے اور ایمان قبول کرنے سے آپ کو مایوس کرنے کے لیے یہ مطالبہ کیا' چنانچہ اللہ عزوجل نے آپ کو ان کے اس کلام سے آگاہ فرمایا۔﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ﴾ یہی وہ ہدایت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرما لیا ہے۔﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ اس ہدایت سے دین اسلام مراد ہے اور وہی مکمل ہدایت ہے' اس کے علاوہ کہیں ہدایت نہیں ہے اور (اے یہود و نصاریٰ!) جس ملت کی اتباع کی تم دعوت دیتے ہو وہ ہدایت نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف خواہشِ نفسانی ہے۔(اے مخاطب!) کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کو نہیں دیکھتے: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اگر تم نے ان کے اقوال جو سراسر نفسانی خواہشات اور من گھڑت بدعات ہیں' کی پیروی کی ﴿بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسلام ہے یا دین اسلام کے آ جانے کے بعد' جس کی صحت واضح اور روشن براہین و دلائل کے ذریعے معلوم ہو چکی ہے ﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ﴾ تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے (بچانے کے لیے) ﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ کوئی حامی و ناصر اور مددگار نہیں ہوگا۔

١٢١-﴿اَلَّذِيْنَ﴾ [مبتدا ہے۔﴿اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یہ اس کا صلہ ہے] اور اس سے اہل کتاب کے مؤمن مراد ہیں اور کتاب سے مراد تورات یا انجیل ہے یا حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔﴿يَتْلُوْنَهٗ﴾ [یہ ''هُمْ'' ضمیر مقدرہ سے حال واقع ہو رہا ہے] کیونکہ وہ اس کتاب کی تلاوت نزول کے وقت نہیں کرتے تھے۔﴿حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی ترتیل' حروف کی ادائیگی' غور و فکر اور تدبر کرنے کے اعتبار سے وہ کتاب کی قراءت اس طرح کرتے ہیں جیسے قراءت کرنے کا حق

ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس کتاب پر عمل کرتے ہیں اور اس کے تمام مضامین پر ایمان رکھتے ہیں اور اس میں حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کی بیان کی گئی نعت وصفت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ [ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ہے اور یہ (مبتداء وخبر) جملہ بن کر ''اَلَّذِیْنَ'' کی خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''یَتْلُوْنَهٗ'' اس کی خبر ہو اور یہ جملہ اس کی دوسری خبر ہو] ﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ کیونکہ وہ رشد و ہدایت اور ایمان کے عوض میں شرک وکفر اور گمراہی خرید کر نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور میں نے اس زمانہ کے سب لوگوں پر تمہیں فضیلت بخشی تھی○ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ بدلا نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی○ اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو انہوں نے ان (سب) کو پورا کر دیا' اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں' عرض کی: اور میری اولاد سے' رب نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا○

۱۲۲- ﴿ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ ﴾ اے اولادِ یعقوب! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائیں تھیں ﴿ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور میں نے تمہارے زمانے کے تمام جہان والوں پر تمہیں فضیلت و بزرگی دی تھی۔

۱۲۳- ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴾ [''هم'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''یُنْصَرُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور چاروں جملے ''یَوْمًا'' کی صفت واقع ہو رہے ہیں] یعنی اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی (کافر) کا بدلا نہ بنے گا' اور نہ اس میں فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس میں سفارش کسی (کافر) کو فائدہ دے گی اور نہ اس میں (کافروں کی) مدد کی جائے گی اور بنی اسرائیل کی طرف سے بار بار گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان دو آیات کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا قصہ جس طرح شروع کیا اسی طرح اس کو ختم کیا۔

## حضرت ابراہیم کا امتحان' کعبہ کی تعمیر' حضور کی آمد کی دعا اور آپ کی شان

۱۲٤- ﴿ وَاِذِ ﴾ اور یاد کیجئے جب ﴿ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی کے ذریعے

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمایا اور ہماری طرف سے آزمائش تو اپنی کسی نامعلوم چیز کا اظہار ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں اس کی کسی معلوم چیز کا اظہار ہوتا ہے اور آزمائش کا انجام حاضر و غائب سب کے لیے کسی مخفی امر کا اظہار ہوتا ہے اس لیے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو آزمانا اس بات سے مجاز ہے کہ وہ اپنے بندے کو دو امروں میں سے کسی ایک امر کا اختیار دے کر ظاہر کرتا ہے کہ اس کا یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلتا ہے یا اپنی خواہش کی تکمیل کرتا ہے' گویا اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ کیا کرتا ہے تا کہ اس کے مطابق اس کو جزاء و سزا دے۔ [حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''اِبْرٰهِيْمُ رَبَّهٗ'' میں ابراہیم کو مرفوع پڑھا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت بھی یہی ہے] یعنی حضرت ابراہیم نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جیسے کوئی امتحان لیتا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ ان کی دعا قبول کرتا ہے یا نہیں ﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو صحیح طریقے سے پورا کیا جیسا کہ کسی چیز کو پوری طرح ادا کرنے کا حق ہوتا ہے اور آپ نے ان کو کسی قسم کی کمی و زیادتی کے بغیر اچھی طرح پورا پورا ادا کیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى. (النجم: ۳۷) اور ابراہیم وہ جو احکامِ الٰہی پوری طرح بجالایا'' اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی کمی کے پورا پورا عطا کر دیا اور اس معنی پر کلمات سے وہ (درج ذیل) دعائیں مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مانگی تھیں (۱) ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا. (البقرہ:۱۲۶) اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنادے'' (۲) ''وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ. (البقرہ:۱۲۸) اور ہم کو اپنا فرماں بردار رکھ'' (۳) ''وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (البقرہ:۱۲۹) اور ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج دے'' (۴) ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا. (البقرہ:۱۲۷) اے ہمارے پروردگار ہماری طرف سے (تعمیرِ کعبہ کی محنت) قبول فرما'' اور مشہور قراءت کے مطابق کلمات سے (دس چیزیں مراد ہیں) پانچ سر میں ہیں: (۱) سر میں مانگ نکالنا (۲) مونچھیں پست کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا' اور پانچ باقی جسم میں ہیں: (۱) ختنہ کروانا (۲) ناخن کاٹنا (۳) بغل کے بال صاف کرنا (۴) زیر ناف بال مونڈنا (۵) استنجا کرنا' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شریعتوں کے پورے تیس حصے مراد ہیں دس براءۃ میں ''اَلتَّآئِبُوْنَ'' (التوبہ:۱۱۲) اور دس احزاب میں ہیں ''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ'' (الاحزاب:۳۵) اور دس مومنون اور معارج میں ''يُحَافِظُوْنَ'' تک' اور بعض نے کہا کہ کلمات سے مناسکِ حج مراد ہیں۔ ﴿قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' اور امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی اقتدا کی جائے یعنی لوگ اپنے دینی مسائل میں تمہاری اقتداء و پیروی کریں گے۔ ﴿قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ میری اولاد میں سے بھی امام و پیشوا بنادیجئے جس کی پیروی کی جائے۔ آدمی کی ذریت اس کی اولاد کو کہتے ہیں خواہ لڑکے ہوں خواہ لڑکیاں ہوں' اس میں سب یکساں ہیں [اور یہ ''فُعِيْلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور ''ذَرْءٌ'' سے مشتق ہے یعنی مخلوق پھر ہمزہ کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا] ﴿قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ امام حفص اور حمزہ نے ''یا'' کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری اولاد میں سے ظالموں یعنی کافروں کو منصبِ امامت نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے (آیت کے اس حصے میں) خبر دی ہے کہ مسلمانوں کی امامت کافروں کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

وَعَلٰى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ○ (الصافات: ۱۱۳) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں' اور ان کی اولاد میں سے کوئی نیک کام کرنے والا ہے اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے ○" اور "مُحْسِنٌ" سے مومن مراد ہے اور "ظالم" سے کافر مراد ہے' معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاسق امامت کا مستحق نہیں' انہوں نے کہا کہ ظالم کو بھلا امامت کے منصب پر کیسے مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ امام تو ظلم روکنے کے لیے ہوتا ہے' لہٰذا جب خود ظالم کو امام مقرر کیا جائے گا' تو اس پر یہ مشہور مثال صادق آئے گی کہ جس نے بھیڑیئے کو بکریوں کا چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ظالم سے مراد کافر ہے کیونکہ وہ مطلق ظالم ہے (جس کا فردِ کامل کافر ہے) اور بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ ان کی اولاد بھی نبی ہو جیسے وہ خود ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ ظالم نبی نہیں ہو گا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ
مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا
اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکزِ ثواب اور امن کی جگہ بنا دیا اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ بنالو ○ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے پختہ عہد لیا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اچھی طرح پاک صاف رکھو ○ اور جب ابراہیم نے عرض کی: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس میں رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں' رب نے فرمایا: اور جس نے کفر کیا تو میں اس کو بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا' پھر میں اس کو مجبور کر کے جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دوں گا' اور وہ لوٹنے کی بُری جگہ ہے ○

۱۲۵- ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ﴾ کعبہ معظمہ اور یہ نام اس پر غالب آ گیا ہے جس طرح ثریا نامی ستاروں پر نجم کا اسم غالب آ گیا ہے۔ ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے لیے' بار بار لوٹ کر آنے (اور ثواب حاصل کرنے) کا مرکز و مرجع ہے کہ اس مقام سے (لوگ گھروں کو جانے کے لیے) جدا ہوتے ہیں اور پھر اسی مقام کی طرف (حج و عمرہ کے لیے) لوٹ کر آتے رہتے ہیں۔ ﴿وَاَمْنًا﴾ اور امن کی جگہ ہے کیونکہ مجرم اسی جگہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں تو ان کا تعاقب نہیں کیا جاتا جب تک اس جگہ سے باہر نہ نکل جائیں اور یہ آیت مبارکہ حرم شریف میں پناہ لینے والے کے بارے میں ہماری دلیل ہے۔ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ اور ہم نے (حکم دیتے ہوئے) فرمایا کہ اس مقام کو نماز گاہ بنا کر اس میں نماز پڑھا کرو اور حضور سرورِ کونین رسولِ ثقلین ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ

مقام ابراہیم ہے' تو حضرت عمر نے عرض کی کہ ہم کیوں نہ اس مقام کو نماز گاہ بنالیں' حضور نے فرمایا: مجھے ابھی اس کا حکم نہیں ملا' چنانچہ اسی روز ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی اور بعض نے کہا: ''مُصَلًّى'' بہ معنی ''مدعًی'' یعنی دعا کرنے کی جگہ ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ومقدس قدموں کے نشان موجود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پورا حرم شریف مقامِ ابراہیم ہے[ اور ابن عامر شامی اور نافع مدنی نے ''وَاتَّخَذُوْا'' فعل ماضی (جمع مذکر غائب) کے لفظ کے ساتھ ''جَعَلْنَا'' پر عطف کرکے (''خا'' پر فتح) پڑھا ہے] یعنی وہ مقامِ ابراہیم جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشان تھے اور آپ اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ (کعبہ کی دیواریں بلند کرنے کے لیے) تلاش کرکے لائے تھے اور اس کے پاس آپ کی اولاد کی رہائش بھی تھی' اس کو لوگوں نے قبلہ بنالیا اور اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے ﴿وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ﴾ ہم نے ان کو حکم دیا' ﴿أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾ [امام حفص اور نافع مدنی نے ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے یعنی ''بِأَنْ طَهِّرَا'' یا ''أَيْ طَهِّرَا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے گھر' کعبہ معظمہ کو بت پرستی اور گندگی اور ہر قسم کی نجاست سے خوب پاک صاف رکھو ﴿لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ کعبہ شریف کے اردگرد گھومنے والوں کے لیے (یعنی کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے) ﴿وَالْعٰكِفِيْنَ﴾ کعبہ معظمہ کے پڑوسیوں کے لیے' جو اس کے قریب ٹھہرے ہوئے ہیں یعنی جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرلی ہے اور وہاں مقیم ہیں جو کبھی وہاں سے جدا نہیں ہوتے یا اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور ایک قول یہ ہے کہ ''طَائِفِيْنَ'' سے مسافرین مراد ہیں جو مختلف ممالک سے زیارتِ کعبہ کے لیے مکہ معظمہ میں آتے ہیں اور ''عَاكِفِيْنَ'' سے مکہ مکرمہ کے مقیم لوگ مراد ہیں۔ ﴿وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ اور نمازیوں کے لیے اور ''رُكَّعٌ'' ''رَاكِعٌ'' کی اور ''سُجُوْدٌ'' ''سَاجِدٌ'' کی جمع ہے۔

۱۲۶- ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اس شہر یا اس جگہ کو بنادے' ﴿بَلَدًا اٰمِنًا﴾ امن والا شہر [یہ ''عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ'' کی طرح (موصوف صفت) ہے یا اس کا مطلب ہے کہ جو اس شہر میں داخل ہو وہ امن والا ہو جائے جیسے تمہارا یہ قول ''لَيْلٌ نَائِمٌ'' رات سونے والی ہے (یعنی رات میں سونے والا) لہٰذا اسم اشارہ (هٰذا) مفعول اوّل اور ''بَلَدًا'' دوسرا مفعول ہے اور ''اٰمِنًا'' اس کی صفت ہے۔] ﴿وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور اس میں رہنے والوں کو ہر طرح کے پھلوں میں سے رزق عطا فرما' کیونکہ وہاں ان کے لیے پھل نہیں تھے' پھر آپ نے کلام کو بدلتے ہوئے کہا: ﴿مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ﴾ اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے۔ یہ کل سے بدل البعض ہے یعنی اس میں رہنے والوں میں سے صرف مسلمانوں کو رزق عطا فرما' آپ نے رزق کو امامت پر قیاس کیا (کہ جس طرح کفار اپنے کفر کی وجہ سے امامت کے اہل نہیں اسی طرح رزق کے بھی اہل نہیں) پس آپ نے رزق کے ساتھ مومنین کو مخصوص کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ میں کافر کو بھی رزق دوں گا' ﴿فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا﴾ پس میں اس کو تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا یا تھوڑے عرصے تک یعنی موت تک اس کو فائدہ دوں گا (کیونکہ دنیا فانی اور چند روزہ ہے' اس میں کافر جتنے فائدے اٹھائے وہ آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں قلیل اور تھوڑے ہیں) [ابن عامر شامی نے ''فَأُمْتِعُهٗ'' (بغیر تشدید کے مخفف کرکے باب افعال سے) پڑھا ہے۔ ﴿ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ﴾ پھر میں اس کو مجبور کردوں گا ﴿إِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ آگ کے عذاب کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے کہ اس میں جہنم کی آگ کا عذاب ہے' لہٰذا مخصوص بالذم محذوف ہے۔]

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں بلند کرنے لگے (تو اس وقت عرض کرنے لگے:) اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما' بے شک تو سب کی سننے والا بہت جاننے والا ہے O اے ہمارے رب! ہمیں ہمیشہ اپنا فرماں بردار برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا مسلمان بنا کر رکھنا اور ہمیں حج میں ہماری عبادات کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما' بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا' نہایت مہربان ہے O

۱۲۷- ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ﴾ ماضی کے حال کی حکایت بیان ہو رہی ہے۔ ﴿اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ﴾ ''قَوَاعِدُ'' ''قَاعِدَةٌ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: اساس اور بنیاد اور دراصل دیوار کا ہر جز اپنے مافوق کے اعتبار سے اساس و بنیاد ہوتا ہے اور یہ صفت غالبہ ہے اور اس کا معنی ہے: ثابت و قائم اور بنیادوں کو بلند کرنے کا مطلب ہے: ان بنیادوں پر عمارت تعمیر کرنا کیونکہ جب ان پر عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو وہ پستی کی شکل وصورت سے بلندی کی شکل وصورت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور چھوٹی سی دیواروں سے ایک بلند و بالا اور عالی شان عمارت بن جاتی ہے۔ ﴿مِنَ الْبَيْتِ﴾ بیت اللہ شریف اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔ ﴿وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ اس کا ''اِبْرَاهِيْمُ'' پر عطف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پتھر لا کر آپ کو پکڑاتے ﴿رَبَّنَا﴾ [''اَیْ یَقُوْلَانِ رَبَّنَا. یعنی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں کہتے: اے ہمارے رب! (ہم سے قبول فرما)'' اور یہ فعل محلاً منصوب ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قراءت میں اس فعل کو ظاہر کر کے پڑھا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کرتے ہوئے یہ دعا مانگتے رہے: ''رَبَّنَا'' ﴿تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے قبول فرما' اور اس مقدس گھر کی تعمیر کے سبب ہمیں اپنا مزید قرب عطا فرما۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ﴾ بے شک تو ہی ہم سب کی دعائیں سننے والا' ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ہماری نیتوں اور ہماری تمام قلبی کیفیتوں کو جاننے والا ہے اور پہلے ''قواعد'' کو مبہم رکھنے اور بعد میں واضح کرنے میں بیت اللہ شریف کی تکریم و تعظیم کا روشن ترین اظہار مقصود ہے۔

۱۲۸- ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مخلص بنا اور ہم پر اپنی خصوصی توجہ فرما۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ. کہ اس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ مخلص بندہ بن گیا یا ہمیں (پہلے کی طرح آئندہ بھی) اپنا فرمانبردار بنا دے جیسے کہا جاتا ہے: ''فلاں آدمی فرماں بردار اور تابعدار ہو گیا'' جب وہ عاجزی و انکساری اختیار کر لیتا ہے اور مطیع و فرماں بردار بن جاتا ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو اپنے لیے ہمارے اخلاص و اطاعت میں اضافہ فرما (تاکہ ہم صرف تیرے مخلص و مطیع بندے بن کر رہیں) ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ﴾ اور ہماری اولاد میں سے بنا دے' ﴿اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ایک جماعت کو اپنا مسلم و مطیع اور فرماں بردار و مخلص [اور ''مِنْ'' کا حرف تبعیض کے لیے ہے یا بیان کرنے کے لیے ہے] اور بعض نے کہا: اس امت سے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور باقی رہا یہ کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے صرف اپنی اولاد کو دعا کے ساتھ مخصوص فرمایا' تو وہ اس لیے کہ اولاد

ماں باپ کی شفقت ومحبت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:٦) تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچالو'' ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ یہ ''رَاٰی'' سے منقول ہے' معنی یہ ہے کہ ہمیں دکھایا ہمیں بتا اور اس لیے یہ فعل دو مفعولوں سے تجاوز نہیں کرتا یعنی ہمیں حج میں عبادت کے مقامات دکھا اور ہمیں ان کی پہچان بتا [اور ''مَنَاسِك'' کا واحد ''مَنْسَكٌ'' ہے۔ سین پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور وہ عبادت کی جگہ کو کہتے ہیں اور اس لیے عابد (عبادت کرنے والے) کو ''نَاسِك'' کہتے ہیں۔ ابن کثیر مکی نے ''اَرْنَا'' (''راء'' کو سکون کے ساتھ) پڑھا ہے (جو دراصل ''اَرْاِنَا'' بروزن ''اَكْفِنَا'' تھا' ہمزہ کو حرکت سمیت گرادیا) اس کو انہوں نے ''فَخْذ'' پر قیاس کیا ہے اور قاری ابوعمرو کسرہ کو اشمام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔] ﴿وَتُبْ عَلَيْنَا﴾ اور ہم سے (صغائر یا خلافِ اولیٰ امور بجالانے کی وجہ سے) جو تقصیر ہوگئی ہو اس کی توبہ قبول فرما' یا انہوں نے اپنی اولاد کی کوتاہیوں کی معافی کے لیے توبہ طلب کی۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ
اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾

اے ہمارے رب! ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج دے جو انہی میں سے ہو جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور وہ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک کردے' بے شک تو ہی سب پر غالب (اور تو ہی) سب سے بڑا حکمت والا ہے O اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے گا سوائے اس کے جو دل سے بے وقوف ہو اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا تھا اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے O اور جب ان سے ان کے رب نے فرمایا: میری اطاعت پر قائم رہو تو ابراہیم نے عرض کی کہ میں پروردگارِ عالم کی اطاعت پر قائم ہوں O

١٢٩۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ﴾ اے ہمارے رب! مسلمان جماعت میں بھیج دے' ﴿رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ایک عظیم الشان رسول' جو انہی کی نسل سے ہو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلم جماعت میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء وعلیہ السلام کو مبعوث فرمایا' خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَنَا دَعْوَةُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَ بُشْرٰى عِيْسٰى وَ رُؤْيَا اُمِّيْ. میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کے خواب کا نظارہ ہوں'' ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ﴾ وہ ان پر تیری آیات پڑھے گا اور تیری طرف سے کی گئی وحی کے مطابق تیری وحدانیت کے دلائل اور تیرے نبیوں اور رسولوں کی صداقت کی تبلیغ فرمائے گا۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ رسول ان کو قرآن مجید کی تعلیم دے گا۔ ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور وہ انہیں سنت اور قرآن کے فہم کی تعلیم دے گا۔ ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ اور وہ انہیں شرک وکفر اور باقی تمام نجاستوں سے پاک فرمائے گا۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ﴾ بے شک تو ہی غالب ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوگا' ﴿الْحَكِيْمُ﴾ بے شک تو ہی بڑی حکمت والا ہے ان تمام امور میں جن پر تو والی وحاکم ہے۔

۱۳۰-﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾[''مَنْ'' استفہام کا ہے اور انکار کے معنی میں ہے]یعنی اس بات سے انکار کیا جارہا ہے کہ عقل مندوں میں کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین جو ایک واضح اور روشن حق ہے سے منہ موڑے گا (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا) اور ''مِلَّت'' سنت اور طریقہ کو کہتے ہیں۔ زجاج سے اسی طرح منقول ہے۔﴿اِلَّا مَنْ﴾ [محلا مرفوع ہے اور ''یرغب'' کی ضمیر سے بدل ہے اور یہ بدل صحیح ہے] کیونکہ بغیر کسی سبب کے کون منہ پھیرے گا جیسے تمہارا یہ قول کہ ''هَلْ جَـاءَ كَ اَحَدٌ اِلَّا زَيْدٌ''.''کیا تمہارے پاس کوئی آیا ہے سوائے زید کے'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت سے منہ نہیں پھیرے گا مگر وہ شخص جو ﴿سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ دل سے جاہل ہو یعنی دل میں غور وفکر نہ کرے [اور ''سَـفِـهَ'' کو ''جَهِلَ'' کی جگہ رکھا گیا ہے اور ''جَهِلَ'' کی طرح اس کو متعدی لایا گیا ہے یا اس کا معنی ہے: ''سَفِهَ فِيْ نَفْسِهٖ'' پھر حرف ''فِيْ'' کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ'' (الاعراف:۱۵۵) میں حرف ''مِنْ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اصل میں ''مِنْ قَوْمِهٖ'' ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ'' (البقرہ:۲۳۵) دراصل ''عَلٰى عُقْدَةِ النِّكَاحِ'' ہے (اور حرف علیٰ محذوف ہے) اور ''نَفْسَهٗ'' میں زجاج سے دو وجہیں منقول ہیں اور فراء نے کہا: یہ تمییز کی بناء پر منصوب ہے اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ''نَفْسَهٗ'' معرفہ ہے۔]﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں منتخب فرمالیا ہے اور وہ آخرت میں نیکوں میں سے اٹھیں گے اور آیت مبارکہ کو ان لوگوں کی رائے کی خطا کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے جو آپ کے دین سے منہ پھیرتے ہیں کیونکہ کوئی شخص آپ کے طریقے اور دین سے منہ پھیر کر سعادتِ دارین اور کرامت دارین جمع نہیں کرسکتا۔

۱۳۱-﴿اِذْ قَالَ﴾[''اِذْ'' ''اِصْطَفَيْنَا'' کا ظرف ہے یا ''اُذْكُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ جس صالح اور نیک ہستی کو منتخب کیا گیا ہے اس جیسی شخصیت کی ملت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔﴿لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ﴾ (جب) حضرت ابراہیم سے ان کے رب تعالیٰ نے فرمایا: اطاعت گزار و فرمانبردار ہو جاؤ اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرلو۔﴿قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اپنا دین تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے خالص کر دیا ہے اور میں اسی کا مطیع اور فرمانبردار ہو چکا ہوں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے پسند کر لیا ہے' پس تم مرتے دم تک مسلمان رہنا O کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا' ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی' ایک معبود کی اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں O وہ ایک امت ہے جو گزر چکی' اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا O

## حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کی وصیت

۱۳۲- ﴿ وَوَصّٰى ﴾ [ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے '' وَاَوْصٰى '' پڑھا ہے۔ ﴿ بِهَآ ﴾ ملت یا کلمہ کے ساتھ وصیت کی اور وہ کلمہ '' اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ '' ہے۔ ﴿ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ﴾ یہ (یعقوب) ابراہیم پر معطوف ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے بھی اسی ملت کی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔] ﴿ يٰبَنِيَّ ﴾ یہاں '' قول'' محذوف ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ دین عطا کیا ہے جو تمام ادیان سے زیادہ پسندیدہ دین ہے اور وہ دین اسلام ہے اور اس نے تمہیں اس دین کو اپنانے کی توفیق بخشی۔ ﴿ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ پس تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ثابت و قائم ہو' پس حقیقت میں حالتِ اسلام کے خلاف موت واقع ہونے سے نہی کی گئی ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: '' لَا تُصَلِّ اِلَّا وَاَنْتَ خَاشِعٌ. تو نماز ادا نہ کر مگر اس حال میں کہ تو عاجزی کرنے والا ہو' تو اس میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ نماز میں عجز و تواضع ترک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۳۳- ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ [ '' اَمْ '' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے' اور '' شُهَدَآء '' شہید کی جمع ہے اور حاضر کے معنی میں ہے یعنی تم اس وقت حاضر نہیں تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت حاضر ہوئی یعنی موت کا وقت قریب آ گیا اور یہ خطاب مومنوں کو ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس وقت موجود نہیں تھے اور تمہیں اس کا علم وحی کے ذریعے ہوا ہے' یا پھر حرف '' اَمْ '' متصلہ ہے اور اس سے پہلے مقدر محذوف ہوگا] اور یہ خطاب یہود کو ہوگا کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فوت نہیں ہوا مگر یہودیت پر' گویا کہا گیا ہے کہ کیا تم انبیائے کرام کے بارے میں یہودیت کا دعویٰ کرتے ہو؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت واقع ہوئی ﴿ اِذْ قَالَ ﴾ [ یہ پہلے '' اِذْ '' سے بدل ہے اور ان دونوں میں عامل '' شُهَدَآء '' ہے یا یہ '' حَضَرَ '' کا ظرف ہے۔ ﴿ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ حرف '' مَا '' استفہام کے لیے ہے اور '' تَعْبُدُوْنَ '' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرو گے؟ اور '' مَا '' ہر چیز کے لیے عام ہے یا اس کے ساتھ معبود کی صفت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' جیسے تم کہتے ہو: '' مَا زَيْدٌ ''. یعنی زید کیا ہے؟ تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آیا زید فقیہ (ماہر عالم) ہے یا حکیم ڈاکٹر ہے۔ ﴿ مِنْ بَعْدِيْ ﴾ یعنی میری موت کے بعد' ﴿ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ ﴾ انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا کے معبود کی' یہاں '' اِلٰه '' کے ذکر کا اعادہ کیا گیا ہے تاکہ بغیر اعادہ حرف جار کے مجرور کی ضمیر پر عطف لازم نہ آ جائے۔ ﴿ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ﴾ یہ اسماء مبارکہ '' اٰبَآئِكَ '' کے لیے عطفِ بیان ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے '' اٰبَآء '' میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ وہ آپ کے چچا ہیں کیونکہ چچا بھی باپ ہوتا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا: یہ میرے باپ دادا

کے قائم مقام ہیں۔ ﴿اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ ["اِلٰـهَ اٰبَآئِكَ" سے بدل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ". (العلق:۱۵-۱۶) "(ہم ضرور پکڑیں گے) پیشانی سے ۝ جھوٹی پیشانی" یا اختصاص کی بناء پر منصوب ہے یعنی ہم آپ کے باپ دادا کے معبود سے صرف ایک معبود کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ﴿وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں' یہ جملہ "نَعْبُدُ" کے فاعل سے حال ہے یا "نَعْبُدُ" پر جملہ معطوفہ ہے یا پھر یہ جملہ معترضہ ہے اور صرف تاکید کے لیے آیا ہے]۔

۱۳۴- ﴿تِلْكَ﴾ امت مذکورہ بالا کی طرف اشارہ ہے یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام اور ان کی توحید پرست اولاد مراد ہے۔ ﴿اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ وہ امت گزر چکی۔ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ کسی کو غیر کا عمل فائدہ نہیں دے گا (جب تک وہ خود موحد و مسلم نہ ہو) خواہ وہ پہلے کا ہو خواہ بعد کا ہو' پس ان کو ان کی اپنی کمائی فائدہ دے گی اور اسی طرح تمہیں تمہاری کمائی فائدہ دے گی اور یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ (یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہنے کے باوجود) اپنے آباء و اجداد پر فخر و غرور کرتے تھے۔ ﴿وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے تم پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور اہل کتاب نے کہا: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا لو گے' تم فرما دو: بلکہ ہم تو ابراہیم کے دین پر ہیں جو ہر باطل سے الگ تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ۝ (مسلمانو!) تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ کو عنایت کیا گیا اور اس پر جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا' ہم (ایمان لانے میں) ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں ۝

۱۳۵- ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ یہود نے کہا: تم یہودی بن جاؤ اور عیسائیوں نے کہا: تم عیسائی بن جاؤ ﴿تَهْتَدُوْا﴾ تم ہدایت پا جاؤ گے' اس پر جزم اس لیے آئی ہے کہ یہ امر کا جواب ہے۔ ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ﴾ تم فرما دو کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے پیروکار ہیں۔ ﴿حَنِيْفًا﴾ [یہ مضاف الیہ (ابراہیم) سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے "رَاَيْتُ وَجْهَ هِنْدٍ قَائِمَةً. میں نے ہند کا چہرہ دیکھا دراں حالیکہ وہ کھڑی تھی"] اور "حنیف" اس کو کہتے ہیں جو تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف دینِ حق کو اپنانے والا ہو۔ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے اور یہ جملہ اہل کتاب وغیرہ پر تعریض و تنقید کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر

ایک شرک کرنے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کا دعویٰ کرتا تھا۔

۱۳۶۔ ﴿قُوْلُوْٓا﴾ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے یا پھر کافروں کو ہے یعنی تم یہ کہو تا کہ تم حق پر ہو جاؤ ورنہ تم باطل پر رہو گے۔ ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا تھا (''اسباط'' کا واحد ''سبط'' ہے اور) ''سبط'' پوتے کو کہتے ہیں اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سبط رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہاں اسباط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اور آپ کے بارہ بیٹوں کی اولاد مراد ہے اور ''اُنْزِلَ'' ''اِلٰی'' اور ''عَلٰی'' دونوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے یہاں ''اِلٰی'' کے ساتھ اور سورۂ آل عمران میں علٰی کے ساتھ متعدی وارد ہوا ہے۔] ﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ وہ اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یعنی صرف بعض پر ایمان نہیں رکھتے (بلکہ تمام نبیوں و رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں) اور ہم نہ بعض کا انکار کرتے ہیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا (کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا) اور ''اَحَدٍ'' جماعت کے معنی میں ہے لہٰذا اس پر ''بَيْنَ'' کا داخل کرنا صحیح ہے۔ ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾

پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ لوگ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہ محض ضد میں ہیں، پس تمہیں ان کی طرف سے اللہ کفایت کرے گا اور وہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہےO ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو گا اور ہم اسی کے عبادت گزار ہیںO تم فرما دو کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں اور ہم اس کے ساتھ مخلص ہیںO

۱۳۷۔ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ اس آیت مبارکہ کا ظاہر مشکل ہے کیونکہ یہ تو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا اور پاک ہے [پس اس لیے بعض نے کہا کہ ''با'' حرف زائدہ ہے اور ''مثل'' مصدر محذوف کی صفت ہے، اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا مِّثْلَ اِيْمَانِكُمْ''۔ اگر وہ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو (تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں گے)'' اور ''بِہٖ'' میں ''ھا'' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور با کا زائدہ ہونا کوئی نادر الوقوع نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ

سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا. (یونس:۲۷)اور جن لوگوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلا اسی جیسا ہے" اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: "جَزَآءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا" جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. (الشوریٰ:۴۰)اور برائی کا بدلا اسی کی مثل برائی ہے" اور بعض نے کہا: مثل کا لفظ بھی زائد ہے یعنی "فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ. پس اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو (تو ہدایت پالیں گے)" اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "بِمَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ" اس کی تائید کرتی ہے اور "مَا" "اَلَّذِيْ" کے معنی میں ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابی کی "بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ" والی قراءت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "با" استعانت کے لیے ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے "كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ. میں نے قلم کی مدد سے لکھا" یعنی اگر وہ ایمان میں ایسی گواہی کے ذریعے داخل ہو جائیں جو تمہاری گواہی جیسی ہو جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو (تو ہدایت پالیں گے)۔] ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور تم ان سے جو کہتے ہو اگر وہ اس سے منہ پھیر لیں اور انصاف سے کام نہ لیں یا اگر وہ گواہی دینے اور اس کے ذریعے ایمان میں داخل ہونے سے منہ پھیر لیں؛ ﴿فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ تو وہ صرف مخالفت و عداوت میں پڑے ہوئے ہیں اور حق کے طلب گاروں میں سے بالکل نہیں ہیں۔ ﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ﴾ تو اے محبوب! اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں ضرور تمہاری کفایت کرے گا' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ اس کا مکرم و معظم رسول اہل کتاب پر ضرور غالب آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو جلا وطن کر دیا گیا اور اس میں سین کا معنی یہ ہے کہ یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اگرچہ ایک وقت تک مؤخر ہو۔ ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ﴾ اور وہ ان کی تمام باتوں کو سننے والا ہے اور ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ ان کے تمام بغض و کینے' جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں' جاننے والا ہے' پس وہ ان کو ضرور سزا دے گا اور یہ ان کے لیے وعید ہے یا اپنے رسول ﷺ کے لیے وعدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو سنتا ہے اور آپ کی نیت کو جانتا ہے اور دینِ حق کے اظہار و غلبہ کے لیے آپ کے ارادوں کو وہ جانتا ہے اور وہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور آپ کو آپ کی مراد تک پہنچائے گا۔

۱۳۸-﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا دین [اور یہ مصدر مؤکد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ" کی وجہ سے منصوب ہے (یعنی ہم اللہ کے دین پر ایمان لے آئے ہیں) اور یہ "فِعْلَةٌ" کے وزن پر ہے اور "صَبَغَ" سے ماخوذ ہے جیسے "جِلْسَةٌ" "جَلَسَ" سے مشتق ہے اور "صِبْغَةٌ" اس حالت و کیفیت کا نام ہے جس پر رنگ چڑھتا ہے اور اس کا معنی ہے: "تَطْهِيْرُ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ کا کسی کو خوب پاک کرنا" کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا دلوں کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں اصل بات یہ ہے کہ نصرانی اپنی اولاد کو زرد رنگ کے پانی میں غوطہ دیتے تھے جس کو وہ معمودیہ کا نام دیتے اور کہتے: یہ رنگ ان کو پاک کر دیتا ہے' چنانچہ جب ان میں سے کوئی شخص اپنے بچے کے ساتھ ایسا کرتا تو وہ کہتا: اب یہ بچہ پکا سچا نصرانی ہو گیا ہے' اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کی برکت سے ہم پر توحید کا رنگ چڑھا دیا ہے اور اب ہمیں اپنے آپ کو تمہارے رنگ میں رنگنے کی ضرورت نہیں ہے اور "صِبْغَةٌ" کا لفظ صرف مشاکلت و مشابہت کے لیے لایا گیا ہے جیسے تمہارا اس آدمی سے کہنا جو درخت لگا رہا ہو کہ "درخت لگاؤ جیسے فلاں شخص لگاتا ہے" آدمی سے مراد تمہاری وہ شخص ہو جو انگور کے پودے لگاتا ہے۔] ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کسی کا رنگ بہتر نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رنگ سے مراد دینِ اسلام ہے یا کفر و شرک سے پاک کرنا مراد ہے۔ ﴿وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ ["اٰمَنَّا بِاللّٰهِ" پر عطف ہے اور یہ عطف دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "صِبْغَةَ اللّٰهِ" "قُوْلُوْا اٰمَنَّا" کے مفعول میں داخل ہے یعنی تم کہو یہ اور یہ "وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ. اور ہم صرف اس کی عبادت کرنے

والے ہیں'' اور مصنف علیہ الرحمۃ اس کے قول کی تردید کرتے ہیں جس نے یہ خیال کیا کہ ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' ''مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ'' سے بدل ہے یا ایسے فعل مقدر سے منصوب ہے جس کا اضمار واجب ہے اس کا معنیٰ ''عَلَيْكُمْ صِبْغَةَ اللّٰهِ'' ہے کہ تم پر اللہ کا رنگ (یعنی دین اسلام) لازم ہو اس (تردید) کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نظم میں خلل اور افتراق و فاصلہ لازم آ جائے گا اور کلام الٰہی اپنے اتفاق و اتحاد اور نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا اور اس کا اس بناء پر منصوب ہونا کہ یہ مصدر مؤکد ہے یہ وہ قول ہے جس کو سیبویہ نے ذکر کیا ہے اور یہ قول وہ ہے جو حذام نے کہا ہے۔]

۱۳۹- ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کی شان میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ اور اس بات میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چھوڑ کر عرب سے نبی منتخب کر لیا اور تم کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر وحی نازل کرتا تو ہم پر نازل کرتا اور تم اپنے آپ کو ہم سے زیادہ نبوت کا حق دار سمجھتے ہو۔ ﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ہم سب اس بات میں مشترک ہیں کہ یقیناً ہم سب اسی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور وہی ہم سب کا رب ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت و کرامت عطا فرما دیتا ہے۔ ﴿وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ بے شک امر کی بنیاد ہی عمل ہے اور جس طرح تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں سو اسی طرح ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں۔ ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ہم اسی کے موحد بندے ہیں اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو اور مخلص بندہ غیر کی نسبت کرامت اور نبوت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے' تم فرما دو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس (امانت) تھی اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○ وہ ایک امت ہے جو گزر چکی' اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہی ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا ○

۱۴۰- ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ﴾ [ابن عامر شامی اور ابوبکر کے علاوہ کوفی نے ''تَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور حرف ''اَمْ'' اس قراءت پر ''اَتُحَآجُّوْنَنَا'' میں ہمزہ کے برابر ہے یعنی دو امروں میں سے کونسا امر پسند کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے حکم میں جھگڑا کرنا یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہودیت و نصرانیت کا دعویٰ کرنا' یا پھر حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے یعنی بلکہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ (حضرات ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے) ان (مذکورہ بالا قاریوں) کے علاوہ دوسروں نے ''يَقُوْلُوْنَ'' ''یَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قراءت پر ہمزہ صرف منقطعہ ہو گا۔] ﴿اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے اپنے نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا ہے کہ آپ ان کا رد کرتے ہوئے ان پر سوال کریں: ﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تو ان کے حق میں ملت اسلام کی گواہی دی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (آل عمران:٦٧) ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ موحد و مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے"۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس تھی جس گواہی کو ادا کرنا اس پر لازم و واجب تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں توحید کی گواہی دینی تھی کہ آپ نے تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف عقیدہ توحید کو اختیار فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر اس گواہی کو چھپایا' یا یہ معنی ہے کہ اگر ہم اس گواہی کو چھپاتے تو ہم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہ ہوتا' اس لیے ہم اس گواہی کو نہیں چھپاتے اور اس میں اہل کتاب پر طعن ہے کہ انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی گواہی کو چھپایا جو ان کی کتب میں اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور آپ کے حق میں باقی گواہیوں کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مِنَ اللّٰهِ" میں حرف "مِنْ" کی مثال تمہارے اس قول میں موجود ہے کہ "هٰذِهٖ شَهَادَةٌ مِّنِّيْ لِفُلَانٍ" جب تم اس فلاں آدمی کے لیے گواہی دو کہ اس کے لیے یہ صفت ہے۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے اور گواہی کو چھپانے اور تمہارے (دیگر) اعمال سے غافل نہیں ہے۔

١٤١- ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس آیت مبارکہ کو دوبارہ صرف تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ پہلی آیت مبارکہ سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں اور اس دوسری آیت مبارکہ سے یہود و نصاریٰ کے اسلاف و اکابر مراد ہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے' تم فرما دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے' جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف چلاتا ہے ○ اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں ○ اور (اے محبوب!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے' ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا مگر صرف اس لیے کہ جو اس رسول کی پیروی کرتا ہے اس کو ہم ممتاز کر دیں' اس شخص سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے' اور بے شک یہ (قبلہ کی تبدیلی) بھاری تھی مگر ان پر (نہیں) جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارے ایمان

کو برباد کر دے' بے شک اللہ لوگوں پر بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O

## تحویلِ قبلہ کا بیان

۱۴۲- ﴿ سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ ﴾ کم عقل لوگ' دراصل ''سَفَهٌ'' کا معنی ہے: کم عقل اور بے وقوف ہونا اور اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہ لوگ کعبہ معظّمہ کی طرف متوجہ ہونے کو ناپسند کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ نسخ کو جائز نہیں سمجھتے تھے یا اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرنے اور استہزاء و مذاق اڑانے کے بڑے حریص تھے یا پھر اس سے مشرکین مراد ہیں کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ وہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) پہلے اپنے آبائی قبلہ کعبہ شریف سے رخ موڑ کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' پھر اب اس سے رخ موڑ کر کعبہ معظّمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا ہے بس اب اللہ کی قسم! یہ اپنی قوم کے دین کی طرف بھی ضرور لوٹ آئیں گے اور ان کے اعتراض کے بارے میں وقوعہ سے پہلے اطلاع دینے میں یہ فائدہ ہے کہ آپ کے قلبِ اطہر کو تسلی و تشفی ہو جائے کیونکہ اچانک تکلیف دہ اور ناپسندیدہ خبر شدید کرب و اضطراب اور انتہائی دکھ کا باعث بنتی ہے اور ضرورت سے پہلے جواب کا تیار رکھنا اور اس کا اظہار کرنا دشمن کو رسوا کرنے کے لیے زیادہ مؤثر ہوتا ہے' چنانچہ تیراندازی سے پہلے تیر تیار اور جمع کیے جاتے ہیں۔

﴿ مَا وَلّٰىهُمْ ﴾ ان کو کس نے پھیر دیا ﴿ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ﴾ ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ اس سے ان کی مراد بیت المقدس ہے اور ''قبلہ'' اس سمت کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان نماز میں منہ کرتا ہے کیونکہ اس وقت نمازی قبلہ کے مقابل ہوتا ہے۔ ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ﴾ مشرق کے ممالک اور مغرب کے ممالک اور تمام روئے زمین اسی کی ملکیت میں ہیں۔ ﴿ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ روئے زمین پر رہنے والوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' ﴿ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ سیدھی راہ کی طرف' یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو قبلۂ حق کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور وہ کعبہ معظّمہ ہے جس کی طرف اس نے منہ کرنے کا ہمیں حکم دے رکھا ہے یا تمام مقامات اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں' جس کی طرف وہ چاہتا ہے منہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے' چنانچہ کبھی کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیتا ہے اور کبھی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیتا ہے' اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہی سب مقامات کا اکیلا مالک ہے۔

۱۴۳- ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ ﴾ اور اس عجیب و غریب فعل (یعنی بیت المقدس کی بجائے افضل ترین قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ کرنے) کی طرح ہم نے تمہیں (بہترین و افضل ترین امت) بنایا ہے [اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور ''ذاء'' حرب جر ہے جو کاف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور لام اشارہ قریب اور اشارہ بعید میں فرق بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور کاف (ک) خطاب کے لیے ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے۔] ﴿ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ بہترین امت اور بعض نے کہا ہے کہ وسط بہترین ہوتا ہے کیونکہ اطراف میں جلد خلل واقع ہو جاتا ہے اور درمیان کی چیزیں ہر طرف سے محفوظ ہوتی ہیں یعنی جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو بہترین قبلہ بنایا ہے اسی طرح ہم نے تمہیں تمام امتوں میں بہترین امت بنایا ہے یا یہ مطلب ہے کہ معتدل و میانہ رو امت' کیونکہ وسط اپنے اطراف کے درمیان میں ہوتا ہے' بعض سے بعض کی طرف زیادہ قریب نہیں ہوتا یعنی جس طرح ہم نے تمہارے قبلے کو مشرق و مغرب کے درمیان متوسط بنایا ہے اسی طرح ہم نے تمہیں افراط و تفریط کے درمیان معتدل امت بنایا ہے کیونکہ تم نہ تو عیسائیوں کی طرح غلو کرتے ہو کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے ساتھ متصف قرار دیا اور نہ قوم یہود کی طرح انتہاء پسند ہو کہ انہوں نے پاک مریم بی بی پر زنا کی تہمت لگائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا قرار دیا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)۔ ﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ ﴾ تاکہ تم گواہ ہو جاؤ۔

''شُهَدَآءَ'' الفِ تانیث آ جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں پر۔ یہ ''شُهَدَآءَ'' کا صلہ ہے ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ''لِتَكُوْنُوْا'' پر عطف ہے۔ مروی ہے کہ قیامت کے دن سابقہ امتیں اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام سے مطالبہ کرے گا کہ اس کا جواب دیں کہ انہوں نے اپنی امتوں کو یقیناً تبلیغ کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (چنانچہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی مگر کافروں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ماننے سے انکار کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اپنی صفائی میں گواہ پیش کرو تو انبیائے کرام عرض کریں گے کہ امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء ہماری گواہ ہے) پھر اس امت مسلمہ کو پیش کیا جائے گا اور یہ امت انبیائے کرام کے حق میں گواہی دے گی تو سابقہ امتیں کہیں گی کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ یہ جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی پر اپنی کتابِ ناطق (قرآن مجید) نازل کی جس میں اس کے بتانے سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا' پھر سیّد الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں پوچھا جائے گا' آپ ان کا تزکیہ کرتے ہوئے ان کی تصدیق و تائید فرمائیں گے اور ان کی عدالت و صداقت کی گواہی دیں گے اور گواہی کبھی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے جیسے مشہور و معروف اشیاء کے بارے میں ایک دوسرے سے سن کر گواہی دی جاتی ہے (جیسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تمام عالم اسلام کے مسلمان گواہی دیتے ہیں مگر سب نے نہیں دیکھا اور اسی طرح دوسرے ممالک کے مشہور و معروف شہر ہیں) اور جب ''شَهِيْدٌ'' کا لفظ ''رَقِيْبٌ'' کے معنی میں ہو تو اس کو کلمہ استعلاء (حرفِ علیٰ) کے ساتھ لایا جاتا ہے[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ.'' (المائدہ:۱۱۷) (اے اللہ!)

---

[1] رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کی شان

جیسے یہاں آیت مبارکہ میں ''وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' فرمایا گیا ہے' لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ رسول تم پر نگہبان ہیں اور تمہارے احوال و اعمال سے آگاہ رہتے ہیں اس لیے تمہارے حق میں گواہی دیں گے' چنانچہ امام ابوبکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ اَعْمَالُ اُمَّتِيْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِيْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا النُّخَامَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيْحِ. (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۱' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

مجھ پر میری امت کے اچھے اور بُرے تمام اعمال پیش کیے گئے تو میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کیا جاتا ہے اور میں نے ان کے بُرے اعمال میں دیکھا کہ ناک کی رینٹ کو مسجد میں ڈال دیا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے ''صحیح مسلم'' میں روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَاُحَدِّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ. (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴' تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۱' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷' ج ۱۲ ص ۴۲۱' الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۲۹' مطبوعہ

میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے' تم مجھ سے (حلال و حرام کے بارے میں) باتیں پوچھتے ہو اور میں تمہیں (بذریعہ وحی) احکام بیان کرتا ہوں اور میری وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے' تمہارے تمام اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے رہیں گے اور میں نیک اعمال کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)۔

تو ہی ان پر نگہبان ومحافظ تھا'' اور بعض نے کہا کہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اے امت محمدیہ ﷺ) تا کہ تم لوگوں پر دنیا میں ان تمام معاملات میں گواہ بن جاؤ جن میں عادل و نیک لوگوں کے بغیر گواہی صحیح اور قابل قبول نہیں اور یہ رسول اکرم ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں کہ تمہاری صفائی پیش کریں اور تمہاری عدالت وصداقت کا اعلان کر دیں اور علامہ الشیخ ابومنصور رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عدالت کے ساتھ متصف فرمایا ہے اور گواہی کا استحقاق اور اس کی قبولیت عدل ہی کی وجہ سے ہوتی ہے' لہٰذا اس امت کے (اہلِ علم) افراد جب کسی چیز پر متفق ہو جائیں اور اس کے حق میں گواہی دے دیں تو اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہو جائے گا اور پہلے شہادت کا صلہ مؤخر بیان کیا گیا ہے جب کہ دوسری دفعہ مقدم بیان کیا گیا ہے۔ اس کی دراصل وجہ یہ ہے کہ پہلی شہادت میں سابقہ امتوں پر اس امت محمدیہ ﷺ کی گواہی کا اثبات مقصود ہے اور دوسری میں اس امت کے اختصاص کا ذکر کیا گیا ہے کہ صرف ان کے حق میں سیّد الانبیاء رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء گواہی دیں گے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا﴾ ہم نے اس سمت کو قبلہ نہیں بنایا جس پر آپ تھے اور وہ کعبہ معظمہ' پس ''اَلَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا'' قبلہ کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ ''جَعَلَ'' (یعنی ''جَعَلْنَا'') کا مفعولِ ثانی ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے' پھر ہجرت کے بعد آپ کو یہود کی دل جوئی کی خاطر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا' پھر (سترہ ماہ بعد) آپ کو کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا گیا ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ جس قبلہ کو آپ پسند کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں پہلے جس طرف آپ منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اس کو ہم نے قبلہ صرف لوگوں کو آزمانے اور ان کا امتحان لینے کے لیے بنایا ہے تا کہ ہم صادق الاسلام اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو ان لوگوں سے ممتاز وظاہر کر دیں جو تحویلِ قبلہ کے وقت شک وشبہ اور تردد کی بناء پر دین اسلام سے مرتد ہو کر الٹے پاؤں واپس (کفر کی طرف) مڑ جاتے ہیں۔ شیخ العالم حضرت ابومنصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''لِنَعْلَمَ'' کا معنی یہ ہے: تا کہ ہم جان لیں کہ یہ چیز ہو چکی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

دار الکتب العلمیہ بیروت' سیرتِ رسول عربی ص ۴۳۵)

کروں گا اور بُرے اعمال کو دیکھ کر تمہارے لیے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔

علاوہ ازیں اس آیت مبارکہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''تفسیر فتح العزیز'' المعروف بہ ''تفسیر عزیزی'' میں لکھتے ہیں:

باشد رسولِ شما برشما گواہ زیر انکہ او مطلع است بنور نبوت بررتبۂ ہرمتدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ در دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اومے شناسد گناہانِ شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک وبدِ شمارا و اخلاص و نفاقِ شمارا۔

تمہارا رسول ﷺ تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ نورِ نبوت کے ذریعے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ سے آگاہ ہیں کہ وہ میرے دین میں کس درجہ میں پہنچ چکا ہے؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کونسا پردہ ہے جس کی وجہ سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے؟ چنانچہ وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں اور تمہارے ایمان کے درجوں کو اور تمہارے نیک و بد تمام اعمال کو اور تمہارے اخلاص ونفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔

(فتح العزیز پارہ دوم سورۃ البقرہ آیت: ۱۴۳ ص ۵۱۸' مطبوعہ افغانی دار الکتب لال کنواں' دہلی)

اور موجود ہوگئی ہے جس کے متعلق ہم پہلے یہ جانتے تھے کہ یہ ہو جائے گی اور وجود میں آئے گی' پس ہر وہ چیز جس کے وجود کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اس کو ازل سے جانتا ہے کہ یہ چیز اس وقت موجود ہوگی جس وقت وہ خود اس کے وجود کا ارادہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس طرح متصف نہیں ہوتا کہ ازل میں اس کا علم یہ ہو کہ یہ چیز موجود ہو چکی ہے کیونکہ یہ چیز ازل میں موجود نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا علم اس کے ساتھ کس طرح متعلق ہوگا کہ یہ چیز موجود ہو چکی ہے۔ ہاں البتہ جب یہ چیز موجود ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں داخل ہو جائے گی' پس اب یہ چیز موجود ہو چکی ہے' کے اعتبار سے اس کا معلوم بنے گی' لہٰذا تغیر و تبدل معلوم میں ہوتا ہے علم میں نہیں یا پھر اس کا معنی یہ ہے: تا کہ ہم پیروی کرنے والوں کو پھر جانے والوں سے ممتاز کر دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ. (الانفال: ۳۷) تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے ممتاز کر دے'' لہٰذا تمیز کی وجہ علم کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ علم کے ذریعہ ہی امتیاز حاصل ہوتا ہے یا پھر (لِنَعْلَمَ) کا معنی ہے: تا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور دیگر مسلمان جان لیں (کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے خواص (اور ماننے والوں میں سے) ہیں یا (پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ) جو لوگ نہیں جانتے ان سے خطاب میں ملاطفت و ملائمت پیدا کرنے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے جیسے سونے کے پگھلنے سے انکار کرنے والے کے لیے کہا جائے: ''فَلْنُلْقِهٖ فِي النَّارِ لِنَعْلَمَ اَيَذُوْبُ. پس ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے تا کہ ہم جان لیں کہ آیا یہ پگھل جاتا ہے؟'' ﴿وَاِنْ كَانَتْ﴾ تحویل قبلہ یا تقررِ قبلہ یا خود قبلہ (مراد ہے جو ''كَانَتْ'' کا اسمِ محذوف ہے) [اور ''اِنْ'' خفیفہ ہے (یعنی ساکن ہے جو دراصل ثقیلہ یعنی مشدد تھا)] ﴿لَكَبِيْرَةً﴾ یعنی وہ بھاری اور گراں ہے اور یہ ''كَانَ'' (یعنی كَانَتْ) کی خبر ہے اور ''لَامْ'' ''اِنْ'' نافیہ اور ثقیلہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ ﴿اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ دراصل ''هَدَاهُمُ اللّٰهُ'' ہے اور (ماقبل کی طرف) لوٹنے والی (جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمْ'') محذوف ہے یعنی (تحویل قبلہ ضرور شاق و بھاری اور گراں ہے) مگر ان لوگوں پر نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے اور وہ اتباعِ رسول میں سچے ہیں اور اس پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم ہیں ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ نماز کو ایمان سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ اہلِ ایمان پر فرض ہے اور اہلِ ایمان ہی کی طرف سے قبول ہوتی ہے اور اس کو باجماعت ادا کرنا ایمان کی دلیل ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے بھائیوں میں سے جو قبلہ کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ﴾ [امام حفص' ابن عامر شامی اور نافع حجازی نے (رَءُوْفٌ) کو اشباع (یعنی مد) کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ ان کے علاوہ باقی قاریوں نے ''فَعُلٌ'' کے وزن پر (بغیر مد کے پڑھا ہے) اور یہ دونوں وزن مبالغہ کے لیے ہیں] ﴿رَّحِيْمٌ﴾ چونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے اس لیے وہ ان کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں فرمائے گا اور ''رَافت'' رحمت سے بڑھ کر ہے اور ان دونوں کو یہاں جمع کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں کیا گیا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ
بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بے شک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں' تو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں' (اے نبی!) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیر لو اور بے شک جنہیں کتاب دی گئی' وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ (قبلہ کی تبدیلی) ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اور اللہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے O اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ہر قسم کا معجزہ لے کر بھی آ جائیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے' اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں O اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں' اور (اے مسلمان!) اگر تو نے جان بوجھ کر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بلاشبہ تو اس وقت ضرور ظالموں میں سے ہو جائے گا O

۱۴۴- ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ﴾ ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا اور آپ کی نظر کا پھرنا دیکھ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے رب کریم سے یہ توقع رکھتے تھے کہ یہود کی مخالفت میں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت میں آپ کو کعبہ معظّمہ کی طرف پھیر دے گا اور اس لیے بھی کہ اہل عرب کو ایمان کی طرف دعوت دینے کا یہ بہترین سبب تھا کیونکہ وہ اس پر فخر کرتے تھے اور اس کی زیارت کرتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ پس ہم آپ کو ضرور عطا فرمائیں گے اور ہم آپ کو اس کی طرف منہ کرنے کا ضرور اختیار دیں گے۔ یہ تمہارے قول ''وَلَّيْتُهُ كَذَا'' سے مشتق ہے جب تم کسی کو والی و مختار بنا دو' یا اس کا یہ معنی ہے کہ ہم آپ کو اس سمت کی طرف کر دیں گے جس کے آپ قریب ہیں نہ کہ بیت المقدس کی سمت کی طرف۔ ﴿قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ آپ جس قبلہ کو چاہتے ہیں اور جس کی طرف آپ رغبت و شوق رکھتے ہیں اور آپ اپنے دل میں پوشیدہ اغراض صحیحہ کے باعث اس کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کی موافقت کی ہے۔[1] ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اس کی طرف' اور ''شَطْر'' ظرف کی بناء پر منصوب

[1] امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں واحد مذکر مخاطب فعل مضارع معروف ذکر فرمایا ہے کہ ''قِبْلَةً تَرْضَاهَا. یعنی جس قبلہ پر آپ راضی ہیں'' اور واحد متکلم فعل مضارع معروف ''قِبْلَةً اَرْضَاهَا. یعنی جس قبلہ پر میں راضی ہوں'' نہیں فرمایا' کیونکہ اس میں اشارہ کر دیا گیا ہے (کہ رضائے خدا وہی ہے جو رضائے مصطفےٰ ہے) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَا مُحَمَّدُ كُلُّ اَحَدٍ يَّطْلُبُ رِضَائِىْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ فِى الدَّارَيْنِ. اے محمد! (ﷺ) تمام مخلوق میں سے ہر ایک میری رضا چاہتا ہے اور میں دونوں جہان میں تیری رضا چاہتا ہوں''۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' سورۃ البقرہ: ۱۴۲)
اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)
اس کی مزید توضیح و تشریح ان شاء اللہ العزیز سورۃ ''والضحیٰ'' کی آیت ۵ میں کی جائے گی۔

ہے یعنی آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' یعنی اس کی جہت اور اس کی سمت کی طرف' کیونکہ دور دراز رہنے والوں کے لیے عین قبلہ کی طرف متوجہ ہونا بہت مشکل ہے اور کعبہ معظمہ کی بجائے مسجد حرام کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جہت اور سمت کی رعایت واجب اور ضروری ہے بعینہٖ قبلہ کی رعایت واجب نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' پھر آپ کو کعبہ معظمہ کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ﴾ اور تم جس کسی سرزمین پر ہو اور نماز کا ارادہ کرو' ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ تو اس کی طرف اپنے چہروں کو پھیر لو۔ ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ اہل کتاب جانتے ہیں کہ کعبہ معظمہ کی طرف تحویل قبلہ حق ہے اس لیے کہ ان کے انبیائے کرام علیہم السلام نے بشارت دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ [ابن کثیر مکی' ابو عمرو' نافع مدنی اور عاصم نے ''یـا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قاریوں نے ''تـا'' کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] پس پہلی قراءت کی بناء پر کافروں کے کفر وانکار کرنے پر انہیں سزا کی وعید سنائی گئی ہے اور دوسری قراءت کی بناء پر نیک اعمال قبول کرنے اور ان پر اجر وثواب عطا کرنے کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

۱۴۵۔ ﴿وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اہل کتاب میں سے صرف بغض وعناد رکھنے والے لوگ مراد ہیں۔ ﴿بِكُلِّ اٰيَةٍ﴾ قطعی اور مضبوط ترین دلیل' کہ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کرنا یقیناً حق ہے۔ ﴿مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ﴾ کیونکہ ان کا آپ کی اتباع و پیروی کو ترک کرنا کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہیں ہے تاکہ حجت و دلیل قائم کر کے اس کو زائل کر دیا جائے بلکہ ان کی کتابوں میں آپ کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ آپ برحق نبی ہیں' اس کو جاننے کے باوجود صرف تکبر وغرور اور بغض وعناد کی وجہ سے انہوں نے آپ کی پیروی کرنا چھوڑ دی اور جواب قسم محذوف ہے اور جواب شرط کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔
﴿وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ اور آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں' اس میں ان کے طمع کو پوری طرح ختم کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ اس امید میں مضطرب تھے اور کہتے تھے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت قدم رہے تو ہم امید رکھیں گے کہ آپ وہی صاحب ہیں جن کے ہم منتظر ہیں اور اس امید میں تھے کہ آپ ان کے قبلہ کی طرف رجوع فرمائیں گے اور قبلہ کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ اہل کتاب کے دو قبلے ہیں' ایک یہود کے لیے اور دوسرا نصاریٰ کے لیے' اس لیے کہ وہ بطلان میں متحد ہیں۔ ﴿وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ﴾ باوجود اس کے کہ وہ آپ کی مخالفت میں متفق ہیں لیکن قبلہ کی شان میں مختلف ہیں اور ان میں سے ایک قبلہ پر اتفاق واتحاد کی امید نہیں کی جاسکتی جیسا کہ ان سے آپ کی موافقت کی امید نہیں کی جاسکتی' سو یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں اور نصاریٰ بیت المقدس کی شرقی جانب مطلع الشمس کی طرف منہ کرتے ہیں۔ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ دلیل واضح ہو جانے اور اس بات کا احاطہ کرنے کے بعد کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسلام ہے پھر بھی اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو ﴿اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ یقیناً اس وقت تم بہت بُرے ظلم کے مرتکب ہونے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور اس میں سامعین کے لیے لطف وکرم کا اظہار ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب بھی ہے اور دلیل کے واضح ہو جانے کے بعد اس کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے پر ڈرانا مقصود بھی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے اور ''لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' پر وقف کرنا لازم وضروری ہے اور اگر فصل و وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ'' ظالمین کی صفت بن جائے گی حالانکہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر ''يَعْرِفُوْنَهٗ'' ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِؕؐ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًاؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

وقف منزل — ع — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (اہل کتاب) آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ (ایک گروہ) جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں O حق (وہی ہے جو) تمہارے رب کی طرف سے ہے' پس تو (اے مسلم!) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا O اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) متوجہ ہوتا ہے تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ' تم کہیں بھی رہو' اللہ تم سب کو (قیامت کے روز) اکٹھا کر کے لے آئے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

١٤٦- ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ﴾ یعنی ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ (اہل کتاب) حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یا قرآن مجید کو یا تحویل قبلہ کو پہچانتے ہیں اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ آگے فرمایا: ﴿كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ کیوں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: اس لیے کہ مجھے حضرت محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی ہونے میں شک نہیں لیکن رہا میرا بیٹا تو ہوسکتا ہے اس کی والدہ نے کوئی خیانت کی ہو' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سر چوم لیا۔ ﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ﴾ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ جس نے اسلام کو قبول نہیں کیا ﴿لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ﴾ البتہ وہ حسد اور عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں۔ ﴿وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں حق کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

١٤٧- ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [''اَلْحَقُّ'' مبتداء ہے اور ''مِنْ رَّبِّكَ'' اس کی خبر ہے اور لام جنس کا ہے یعنی حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے غیر کی طرف سے یعنی حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہے جس پر آپ رواں دواں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت نہیں ہے وہ حق نہیں ہے جس پر اہلِ کتاب چل رہے ہیں' لہٰذا ان کی راہ باطل ہے یا پھر ''لام'' عہد کا ہے اور اس حق کی طرف اشارہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ چل رہے ہیں یا ''اَلْحَقُّ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' دراصل ''هُوَ الْحَقُّ'' ہے اور ''مِنْ رَّبِّكَ'' خبر کی خبر ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے۔] ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ سو تم (طریق مصطفےٰ کے برحق ہونے میں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

١٤٨- ﴿وَ لِكُلٍّ﴾ اور مختلف اہل مذاہب میں سے ہر ایک کے لیے ﴿وِّجْهَةٌ﴾ قبلہ ہے اور اس کو (اصل کے مطابق) پڑھا گیا ہے (جب کہ قیاس کے مطابق ''زِنَةٌ'' اور ''عِدَةٌ'' کی طرح ''جِهَةٌ'' پڑھا جانا چاہیے تھا) اور ضمیر ﴿هُوَ﴾ ''لِكُلٍّ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ﴿مُوَلِّیْهَا﴾ میں ''وِجْهَةٌ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی (دراصل) ''هُوَ مُوَلِّیْهَا وِجْهَةٌ'' تھا' پھر ایک مفعول کو حذف کر دیا گیا یا پھر ''هُوَ'' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی (دراصل) ''اَللّٰهُ مُوَلِّیْهَا اِیَّاهُ'' تھا (ترجمہ) بندے کو

قبلہ کی طرف پھیرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ھُوَ مُوَلّٰھَا'' ہے] یعنی وہی قبلہ کو بدلنے والا ہے اور یقیناً اسی نے اس قبلہ کو تبدیل کیا ہے (لہٰذا یہود و نصاریٰ کا اعتراض لغو ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے اور تمہارے علاوہ دیگر قوموں میں سے ہر ایک کے لیے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ پس تم قبلہ وغیرہ جیسے نیک معاملات میں اپنے غیروں سے سبقت کرو اور نیک کاموں میں ان سے آگے بڑھو۔ ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا﴾ تم اور تمہارے دشمن جہاں کہیں ہوں ﴿يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن لائے گا اور حق پرستوں اور باطل پرستوں میں فیصلہ کر دے گا یا یہ مطلب ہے کہ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تم میں سے ہر ایک کا یہی قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی خواہ اس کی جہت جنوبی ہو' شمالی ہو' شرقی یا غربی ہو' لہٰذا تم اپنی اپنی مدمقابل جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور یہ وہ جہات ہیں جو (چاروں طرف) خانہ کعبہ کی سمت میں واقع ہیں اگرچہ وہ مختلف ہیں' بہرحال مختلف جہات میں سے تم کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ تم سب کو (بروزِ قیامت میدان محشر میں) جمع کر کے لائے گا اور تم سب کی نمازوں کو ایک جہت میں قرار دیا جائے گا گویا تم سب نے مسجد حرام کے سامنے نمازیں ادا کی ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

(اے محبوب!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں سو اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O اور (اے محبوب!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں سو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو پس تم اپنا منہ اسی طرف پھیر لو' تاکہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت نہ رہے' سوائے ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ O

۱۴۹- ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ اور آپ سفر کرنے کے لیے جس ملک اور شہر سے باہر نکلیں ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ تو جس وقت آپ اپنی نماز پڑھنے لگیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ مامور بہ (یعنی تحویلِ قبلہ کا حکم) ﴿لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے [اور ابو عمرو نے ''یا'' کے ساتھ (يَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے]۔

۱۵۰- ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ اور اے حبیب!

آپ جہاں سے باہر نکلیں سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو اور یہ تکرار (دراصل) قبلہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کی تاکید اور اس کی اہمیت کی خاطر کیا گیا ہے کیونکہ ایک حکم کے منسوخ ہونے کی وجہ سے فتنہ وفساد اور شکوک وشبہات کا خطرہ تھا اس لیے مسلمانوں کو بار بار حکم دیا گیا تا کہ وہ اس حکم پر ثابت رہیں کہ ان میں سے ہر ایک (علاقہ کے لوگوں) کے لیے (ایک جہت وسمت) مقرر کر دی گئی ہے جو دوسرے (علاقہ کے لوگوں) کے لیے مقرر نہیں کی گئی اس لیے کہ اس کے مختلف فوائد ہیں۔ ﴿ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ ﴾ اللہ تعالیٰ نے قبلہ تبدیل کرنے کے متعلق تمہیں پہلے حجت ودلیل کا تعارف کرا دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں تمہیں واضح بیان کر دیا ہے کہ ” وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا “ (یعنی ہر مذہب والے کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے) تا کہ تورات میں تحویل قبلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے یہودی اس کے خلاف تم پر کوئی حجت بازی نہ کر سکیں اور معاندین کے قول پر حجت کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بات کو اس طرح بیان کرتے جس طرح کوئی حجت بیان کرتا ہے ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں' یہ جملہ ” اَلنَّاسِ “ سے مستثنیٰ ہے یعنی عام یہود میں سے کوئی حجت بازی نہیں کرے گا سوائے ان کے جو ان میں سے ضدی اور عناد وبغض رکھنے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہمارے قبلہ بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ نہیں بنایا مگر صرف اس لیے کہ آپ اپنی قوم کے دین کی طرف جھک گئے ہیں اور اپنے شہر سے محبت کرنے لگے ہیں اور اگر یہ حق پر ہوتے تو لازمی طور پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی طرف منہ کرتے رہتے یا اس کا معنی یہ ہے کہ عرب کے لوگ تم پر کوئی حجت واعتراض نہ لا سکیں کہ تم نے عرب کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کعبہ معظمہ کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دیا ہے ماسوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں اور وہ اہلِ مکہ ہیں' جو کہتے ہیں کہ اب ان پر حق ظاہر ہوا ہے کہ اپنے آبائی قبلہ کی طرف واپس لوٹ آئے ہیں' اب امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ اپنے آبائی دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ ﴾ پس تم اپنے قبلہ کے متعلق ان کے طعن وتشنیع اور الزامات سے نہ ڈرو کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ﴿ وَاخْشَوْنِیْ ﴾ اور مجھ سے ڈرتے رہو اور کسی معاملہ میں میری مخالفت نہ کرو۔ ﴿ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ ﴾ میں نے تمہیں سکھایا اور بتایا (کہ ہر دین کے پیروکاروں کا ایک قبلہ ہوتا ہے) تا کہ تم پر کوئی حجت پیش نہ کر سکے اور تا کہ میں کعبہ شریف کی رہ نمائی کر کے تم پر اپنی ایک اور نعمت پوری کر دوں ﴿ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ اور تا کہ تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی ہدایت حاصل کرو۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ
وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ ع ۱۸/۵
الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ
لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے O سو تم میرا ذکر کرو' میں تمہارا ذکر کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو O اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد چاہو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے O

۱۵۱- ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ ﴾ میں کاف یا تو اپنے ماقبل کے ساتھ متعلق ہے یعنی تا کہ میں تمہیں آخرت میں ثواب عطا فرما کر تم پر اپنی ایک اور نعمت پوری کر دوں جس طرح میں نے دنیا میں رسول بھیج کر تم پر اپنی ایک نعمت پوری کر دی ہے یا اس کا تعلق اپنے مابعد کے ساتھ ہے یعنی جس طرح میں نے رسول بھیج کر تمہیں یاد رکھا ہے تو تم میری اطاعت وفرماں برداری اختیار کر کے مجھے یاد کرو' میں تمہیں ثواب عطا فرما کر یاد رکھوں گا' لہٰذا اس دوسری صورت میں ''تَهْتَدُوْنَ'' پر وقف کیا جائے گا اور پہلی صورت میں وقف نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ جو رسول (ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے وہ) تمہارے علاقے عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ وہ تم پر پڑھتے ہیں ﴿ اٰيٰتِنَا ﴾ ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید۔ ﴿ وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ ﴾ اور وہ تمہیں پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور وہ تمہیں سنت اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے یعنی جن چیزوں کی معرفت تک رسائی وحی کے بغیر ناممکن تھی۔

۱۵۲- ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ پس تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں مغفرت وبخشش کے ساتھ یاد رکھوں گا' تم مجھے حمد وثناء کے ساتھ یاد کیا کرو' میں تمہیں عنایت وعطا کے ساتھ یاد رکھوں گا اور تم مجھے سوال کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں نوال وکرم کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے توبہ کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں گناہوں کی بخشش کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے اخلاص کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں خلاص (نجات) کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے مناجات (دعاؤں) کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں نجات کے ساتھ یاد کروں گا ﴿ وَاشْكُرُوْا لِيْ ﴾ اور تم میری ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں ﴿ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ اور تم میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

## شہداء کی فضیلت

۱۵۳- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ ﴾ اے ایمان والو! صبر سے مدد چاہو۔ صبر میں تمام فضیلتیں پائی جاتی ہیں (کیونکہ تمام ممنوعات سے رکنا' تمام احکام پر عمل کرنا اور مصائب وآلام کو برداشت کرنا صبر میں شامل ہے)۔ ﴿ وَالصَّلٰوةِ ﴾ اور بے شک یہ نماز تمام برائیوں سے روکتی ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نصرف ومعونت اور بروقت مدد کرنے کے سبب تمام صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (کیونکہ تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا توفیقِ الٰہی کے بغیر ناممکن ہے)۔

۱۵۴- ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو (مردہ) نہ کہو۔ یہ آیت مبارکہ شہدائے بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ کل چودہ آدمی تھے۔ ﴿ اَمْوَاتٌ ﴾ دراصل ''هُمْ اَمْوَاتٌ'' (ہے اور جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمْ'' مبتداء محذوف ہے ''اَمْوَاتٌ'' اس کی خبر ہے)۔ ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ ﴾ دراصل ''هُمْ اَحْيَاءٌ'' (ہے اور یہاں بھی جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمْ'' مبتداء محذوف ہے اور ''اَحْيَاءٌ'' اس کی خبر ہے)۔ ﴿ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ لیکن تم اس کو نہیں جانتے کیونکہ ہم لوگ ''شُهَدَاء'' کی زندگی کو حواس ظاہرہ سے نہیں جان سکتے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ''شہداء'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں' انہیں رزق دیا جاتا ہے' جس سے ان کی ارواح کو راحت وخوشی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرعونیوں کی روحوں پر صبح وشام جہنم کی آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کی ارواح کو تکلیف پہنچتی ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو جنت کے پھلوں کا رزق دیا جاتا ہے اور وہ جنت کی خوشبو پاتے ہیں اور جنت میں نہیں رہتے[1]

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور البتہ ہم کچھ ڈر' بھوک اور کچھ مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان میں تمہیں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو ○ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہِ حق پر قائم ہیں ○ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان پھیرے لگائے اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ نیکی کی جزاء دینے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے ○

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''صحیح مسلم'' کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ ''شہداء'' کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں یعنی جنت کے پھلوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں' پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں جا کر ٹھہرتی ہیں۔ اس روایت سے پہلے حیاتِ شہداء کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''شہداء'' کی ارواح کو اجسام کی قوت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ زمین میں' آسمان میں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں ''وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَآءَ هُمْ وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآءَ هُمْ. اور اپنے دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ'' اور اسی حیات کی وجہ سے زمین نہ ان کے جسموں کو کھاتی ہے اور نہ ان کے کفنوں کو کھاتی ہے' نیز قاضی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہے اور اس سے بہت بڑھ کر ظاہر ہوتی ہے اور اس کے آثار تو دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواجِ پاک سے نکاح جائز نہیں لیکن اس کے برعکس شہید کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے نکاح جائز ہے (اسی طرح شہید کا ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جاتا ہے مگر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انبیاء کا ترکہ تقسیم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## امتحان میں صبر کرنے والوں کی شان

۱۵۵-﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ﴾ اور ہم تمہارے احوال کو جانچنے اور آزمانے کے لیے ان صبر آزما چیزوں (خوف' بھوک اور مال' جان' اولاد کے نقصان) میں ضرور مبتلا کریں گے اور یہ ابتلاء و آزمائش ایک ممتحن کے عمل کے مشابہ ہوگی (تا کہ ہم لوگوں پر ظاہر کر دیں کہ) آیا تم اطاعت و فرماں برداری پر صبر کر سکتے ہو یا نہیں۔ ﴿ بِشَیْءٍ ﴾ اور ان مصیبتوں میں سے ہر ایک مصیبت کے ساتھ تھوڑی سی (آزمائش کریں گے) اور اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں کو قلیل فرمایا ہے تا کہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے کہ انسان کو جو مصیبت پہنچتی ہے اگر چہ وہ عظیم اور بڑی ہو لیکن اس سے بڑی مصیبت کے مقابلہ میں یہ ان کے لیے قلیل ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ دکھا دے کہ اس کی رحمت ہر حال میں ان کے ساتھ شاملِ حال رہتی ہے (اور مصیبت تو کبھی کبھار تھوڑی دیر کے لیے ہوتی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کے آنے کی اطلاع دے دی تا کہ انسانوں کے دل ان کے لیے تیار ہو جائیں اور ان کو برداشت کرنا قدرے آسان ہو جائے۔ ﴿ مِّنَ الْخَوْفِ ﴾ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور دشمن کا ڈر ﴿ وَالْجُوْعِ ﴾ قحط یا ماہِ رمضان کے روزوں کی بھوک ﴿ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ﴾ مال مویشی کی موت کے ساتھ یا زکوٰۃ کی (ادائیگی کے ساتھ یا لوٹ مار' چوری چکاری اور ڈکیتی وغیرہ کے ذریعے مالوں میں نقصان کر کے آزمائش کی جائے گی) اور اس کا عطف ''شَــیْءٍ'' پر ہے یا پھر ''خَــوْفِ'' پر ہے یعنی کچھ مال میں کمی کر کے (آزمایا جائے گا)۔ ﴿ وَالْاَنْفُسِ ﴾ قتل' موت یا بیماری اور بڑھاپے کے ساتھ (جانوں کی آزمائش ہوگی) ﴿ وَالثَّمَرٰتِ ﴾ کھیتی باڑی اور میوہ جات کی بربادی یا اولاد کی موت مراد ہے کیونکہ اولاد دلوں کے پھل ہوتے ہیں۔ ﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو یا ان مصیبتوں کے نزول کے وقت ''اِنَّــا لِـلّٰــهِ وَاِنَّــا اِلَیْــهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کیونکہ ''اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَیْـهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنا تقدیرِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنے کا اظہار اور اس پر یقینِ محکم کا اقرار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی مصیبت کے وقت ''اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض اس کا نقصان پورا کرے گا اور اس کو اس مصیبت سے بہتر بدلا عطا کرے گا اور اس کے لیے نیک جانشین مقرر کر دے گا جو اس کو راضی کرے گا اور ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے پڑھا: ''اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' آپ سے عرض کی گئی کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں' ہر وہ چیز جو بندۂ مومن کو ایذاء اور دکھ پہنچاتی ہے وہ مصیبت ہے اور اس آیت مبارکہ میں یا تو رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے یا پھر ہر اس شخص سے خطاب ہے جو اس کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ہوتا بلکہ وہ ورثاء کی بجائے عوام پر صدقہ ہوتا ہے) اور صدیقین بھی شہداء سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں (اس لیے وفات کے بعد ان کو بھی زندگی عطا کی جاتی ہے اور ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے زیادہ قوی ہوتی ہے) اور صالحین یعنی اولیائے کرام تو یہ شہداء کے تابع ہیں (کیونکہ یہ نفس کے ساتھ جہادِ اکبر کرتے ہیں اس لیے وفات کے بعد ان کو بھی زندگی عطا کی جاتی ہے) جیسا کہ قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ ''مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ'' کی ترتیب اس پر دلیل ہے اور اسی لیے عالی مرتبت صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں'' وَقَدْ تَوَاتَرَتْ عَنْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَوْلِیَآءِ اَنَّهُمْ یَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَآءَ هُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآءَ هُمْ وَیَهْدُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مَنْ یَّشَآءُ اللّٰهُ تَعَالٰى. بلاشبہ بہت سے اولیائے کرام سے تسلسل کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں' اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

صلاحیت واہلیت رکھتا ہے۔

۱۵۶- ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ [صابرین کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس پر وقف نہیں بلکہ "رَاجِعُوْنَ" پر وقف ہے اور جس نے "اَلَّذِیْنَ" کو مبتداء قرار دیا ہے اور "اُولٰٓئِكَ" کو اس کی خبر قرار دیا ہے وہ صابرین پر وقف کرتا ہے "رَاجِعُوْنَ" پر نہیں اور پہلی وجہ بہتر ہے اس لیے کہ "اَلَّذِیْنَ" اور جو اس کے بعد ہے وہ سب صابرین کا بیان ہے] ﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ﴾ [قابل کراہت ایذاء اور "مُصِیْبَةٌ" اسم فاعل ہے "اَصَابَتْهُ شِدَّةٌ" سے مشتق ہے یعنی اس کو سختی اور مصیبت لاحق ہوئی اور پہنچی اور "مُصِیْبَةٌ" پر وقف کرنا درست نہیں کیونکہ ﴿قَالُوْٓا﴾ "اِذَا" کا جواب ہے اور "اِذَا" اور اس کا جواب "اَلَّذِیْنَ" کا صلہ ہے] ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار ہے' ﴿وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اپنی ذاتوں پر ہلاکت کا اقرار ہے کہ ہم سب نے ایک دن مرجانا ہے۔

۱۵۷- ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ "صَلٰوةٌ" کا معنی ہے: شفقت ومہربانی کرنا اس لیے اس کو "رَاْفَةٌ" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور صلوٰۃ ورحمت کو اس طرح جمع کیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "رَاْفَةً وَّرَحْمَةً" (الحدید: ۲۷) میں اور "رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" (التوبہ: ۱۱۷) میں جمع کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر بار بار شفقت' مہربانی اور رحمت و رافت ہوتی رہے گی۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ راہِ راست پر چلنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے مصیبت کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہترین اجر ومعاوضہ دو چیزیں ہیں: ایک صلوٰۃ اور دوسری رحمت اور بہترین سربلندی وکامیابی یعنی ہدایت حاصل کرنا ہے۔

۱۵۸- ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ یہ دونوں (مکہ مکرمہ کے) دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ ﴿مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور اس کی عبادات کے نشانات میں سے دو نشان ہیں' اور "شَعَائِر" "شَعِیْرَةٌ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے: علامت و نشانی۔ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ﴾ پس جو آدمی کعبہ معظمہ کے حج کا ارادہ کرے' ﴿اَوِ اعْتَمَرَ﴾ یا کعبہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ کرے (تو اس پر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں) اور "حج" کا معنی ہے: قصد وارادہ کرنا اور "اِعْتِمَار" (یعنی عمرہ) کا معنی ہے: زیارت کرنا' پھر یہ دونوں (حج وعمرہ) بیت اللہ شریف کے قصد وزیارت کرنے پر دو معروف عبادات کے علم مشہور ہو گئے ہیں اور یہ معانی میں اس طرح ہیں جس طرح اعیان واشخاص میں نجم اور بیت (ستارہ اور گھر کے لیے مشہور ہیں)۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ﴾ سو اس پر کوئی گناہ نہیں (کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے) ﴿اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [دراصل "یَتَطَوَّفُ" تھا پھر "تَا" کو "طَا" میں مدغم کر دیا گیا ہے] اور اصل میں "طَوْفٌ" کسی چیز کے اردگرد چلنے کا نام ہے اور یہاں آیت مبارکہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ نام کے دو بت نصب تھے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی' ان دونوں نے کعبہ شریف میں زنا کیا تھا جس کی وجہ سے ان کی شکلیں مسخ کر کے پتھر بنا دی گئیں اور ان دونوں مسخ شدہ پتھروں کو صفا اور مروہ پر رکھ دیا گیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں (اور خانہ کعبہ کی توہین سے پرہیز کریں) پھر جب زیادہ عرصہ بیت گیا تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان دونوں کی عبادت شروع کر دی گئی اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تو بطور تعظیم ہر چکر میں ان کو چھو کر گزرتے اور جب اسلام کا دور آیا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے زمانہ جاہلیت کے عمل کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنا ناپسند کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: "فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ" سے اس حرج اور کراہت کو دور فرما دیا اور بتا دیا کہ اب ان کے درمیان سعی کرنا کوئی گناہ نہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کرنا حج کا رکن نہیں ہے (وَرنہ اس کو لازم اور فرض قرار دیا جاتا) جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ﴾ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج کا رکن نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے: اپنے طور پر نفلی نیکی کرنا اور صفا اور مروہ کے درمیان بغیر شرعی فرض کے سعی کرنا اور قراء میں سے حمزہ اور علی نے ''وَمَنْ يَّطَّوَّعْ'' پڑھا ہے (یعنی فعلِ ماضی کی بجائے فعل مضارع پڑھا ہے) جو دراصل ''يَتَطَوَّعُ'' تھا پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا۔ ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر بہت زیادہ جزاء عنایت فرمانے والا ہے۔ ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

| |
|---|
| إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ |
| لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ |
| تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ |
| إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ |
| وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ |
| وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ |

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ آیات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں واضح بیان کر دیا ہے تو انہیں لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں○ مگر جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں' اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں○ بے شک جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے○ اس میں ہمیشہ رہیں گے' نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی○

## شانِ مصطفیٰ ﷺ میں یہود کی خیانت

۱۵۹- ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ ﴾ بے شک علمائے یہود میں سے جو لوگ چھپاتے ہیں ﴿ مَآ أَنْزَلْنَا ﴾ جو کچھ ہم نے تورات شریف میں نازل کیا ہے۔ ﴿ مِنَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ ایسے واضح دلائل و آیات جو شانِ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شہادت و گواہی دیتے ہیں۔ ﴿ وَالْهُدٰى ﴾ حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف جمیلہ کے ساتھ ساتھ ہدایتِ اسلام (کو بھی یہود کے پادری چھپایا کرتے تھے)۔ ﴿ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ ﴾ جن (دلائل) کو ہم نے لوگوں کے لیے واضح اور کھول کر بیان کر دیا ہے ﴿ فِي الْكِتٰبِ ﴾ تورات میں اور اس میں ہم نے کوئی اشکال نہیں رہنے دیا پھر بھی انہوں نے اس واضح بیان میں (شانِ مصطفیٰ اور ہدایت اسلام کو) چھپانے کا قصد کیا اور اس کو چھپا لیا۔ ﴿ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن سے لعنت صادر ہوتی ہے اور وہ فرشتے اور جن و انس میں سے اہل ایمان ہیں (جو ان دشمنانِ شانِ مصطفیٰ ﷺ پر لعنت کرتے

ہیں)۔

۱۶۰-﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا﴾ مگر جنہوں نے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپانے اور ایمان کو ترک کرنے سے توبہ کرلی ﴿وَ
اَصْلَحُوْا﴾ اور انہوں نے جن چیزوں میں فساد پیدا کیا تھا ان میں اپنے احوال کی اصلاح کرلی اور اپنی طرف سے جو تقصیر
تھی اس کی تلافی کی۔﴿وَبَیَّنُوْا﴾ اور انہوں نے جو کچھ چھپایا تھا وہ سب کچھ ظاہر کردیا۔﴿فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ﴾ تو
ایسے لوگوں کی میں توبہ قبول کرلیتا ہوں۔﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہوں۔

۱۶۱-﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ یعنی شانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دینِ حق کو چھپانے والے جو
یہودی وغیرہ بغیر توبہ کے مر گئے ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی
اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں ان پر زندگی میں لعنت کی گئی اور اس آیت مبارکہ میں موت کے
بعد بھی ان پر لعنت کی گئی (گویا یہ لوگ زندگی میں اور موت کے بعد بھی لعنتی ہیں) اور یہاں لوگوں سے مراد یا تو فقط مسلمان
ہیں یا پھر مسلمان اور کافر دونوں مراد ہیں کیونکہ قیامت کے روز کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
ارشاد فرمایا: "كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا. (الاعراف:۳۸) جب بھی ایک جماعت (جہنم میں) داخل ہوگی تو اپنی ہم
خیال دوسری جماعت پر لعنت کرے گی"۔

۱۶۲-﴿خٰلِدِیْنَ﴾ [یہ "عَلَیْهِم" میں "هُمْ" ضمیر سے حال واقع ہورہا ہے۔﴿فِیْهَا﴾ وہ لعنت میں یا جہنم کی آگ
میں ہمیشہ رہیں گے اور یہاں ضمیر (فِیْهَا) اس لیے استعمال کی گئی ہے تاکہ جہنم اور لعنت کی ہولناکی اور ان کی خوفناک کیفیت
کو بیان کیا جائے۔﴿لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ "یُنْظَرُوْنَ" "اِنْظَارٌ" سے مشتق ہے یعنی ان سے نہ تو
عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ نہ ان کا انتظار کیا جائے گا تاکہ وہ معذرت پیش کریں
یا یہ معنی ہے کہ ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں کی جائے گی۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِیْ خَلْقِ ع ۱۹
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی
الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O بے شک آسمانوں
اور زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کو بدلنے میں اور لوگوں کے فائدے کے لیے سمندر میں کشتیوں کو چلانے میں
اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور
ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں کے چلانے میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مشیت الٰہی کے تابع ہیں (ان سب
میں) عقل مندوں کے لیے ضرور (قدرت کی) نشانیاں ہیں O

## تخلیق کائنات سے توحید کا اثبات اور شرک کی تردید

۱۶۳- ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ وہ اپنی الوہیت و معبودیت میں یکتا ہے اور اس میں اس کا اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ درست نہیں (بلکہ باطل ہے) کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو معبود قرار دیا جائے۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تقریر ہے کیونکہ اس سے غیر کی نفی ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات واضح ہوگیا ہے [اور ''هو'' ضمیر مرفوع ہے کیونکہ یہ ''لا اله'' کا بدل واقع ہو رہی ہے اور یہاں نصب جائز نہیں اس لیے کہ بدل دلالت کرتا ہے کہ اعتماد ثانی پر ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ کا معنی بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جب کہ نصب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعتماد اول (یعنی مبدل منہ) پر ہوتا ہے۔ ﴿الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہی تمام اصولی و فروعی اور چھوٹی بڑی نعمتوں کا مالک ہے اور اس صفت کا اس کے سوا کوئی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا یا تو نعمت ہے یا پھر ''مُنْعَمٌ عَلَيْهِ'' (وہ تمام مخلوق جن پر انعام کیا گیا) ہے [اور اس کا رفع اس بناء پر ہے کہ یہ مبتداء کی خبر ہے یا پھر یہ ''هو'' سے بدل واقع ہو رہا ہے لیکن صفت نہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں ہوسکتی]۔

اور جب مشرکین نے ایک معبودِ برحق کا اعلان سنا تو انہیں اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ) نازل فرمائی۔

۱۶۴- ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بدلتے رہنے میں (نیز زمین و آسمان کے) رنگ و روغن میں اور (دن رات) کے بڑے چھوٹے ہونے میں بڑھنے اور گھٹنے میں اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں ﴿وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں کے چلنے میں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں (''بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ'' میں ''مَا'' موصول کا ہے اور ''با'' مصاحبت کی ہے یعنی) اس کے ساتھ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے کہ وہ ان میں سوار ہوتے ہیں (اور منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں یا پھر ''ما'' مصدریہ ہے یعنی) لوگوں کے نفع کی خاطر اور ﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے اور ﴿مِنْ مَّآءٍ﴾ میں حرف ''مِنْ'' بیانِ جنس کے لیے ہے اور ''مَـآء'' سے مراد بارش ہے کیونکہ آسمان سے جو نازل ہوتا ہے وہ بارش وغیرہ ہوتی ہے پھر ''اَنْـزَلَ'' پر ﴿فَاَحْيَا بِهِ﴾ کو معطوف کیا گیا ہے (اس کا ترجمہ آگے آرہا ہے) ﴿الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ذریعے زمین کو مردہ (خشک اور ناقابل کاشت) ہونے کے بعد زندہ (یعنی ہرا بھرا) کر دیا پھر ''فَاَحْيَا'' پر ﴿وَبَثَّ﴾ کو معطوف کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پھیلا دیئے ہیں ﴿فِيْهَا﴾ زمین میں ﴿مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ہر قسم کے وہ جانور جو زمین پر چلتے ہیں۔ ﴿وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ [قاری حمزہ اور علی کسائی نے ''اَلرِّيَاح'' کی بجائے ''اَلرِّيْح'' پڑھا ہے یعنی ہواؤں کو ان کے اپنے اپنے مقام میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف اور جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کی طرف چلانے اور ان کی کیفیات میں گرم و سرد سخت و نرم اور بانجھ (غیر مفید) و ثمر آور (مفید) کر کے چلانے اور پھیرنے میں اور ایک قول یہ ہے کہ کبھی رحمت کا موجب بنا کر اور کبھی عذاب و ہلاکت کا موجب بنا کر چلانے میں ﴿وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع و مطیع ہو کر چلنے والے بادل کہ جہاں خدا چاہتا ہے وہاں پر برسنا شروع کر دیتے ہیں ﴿بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمان اور زمین کے درمیان یعنی ہوا میں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ البتہ (یہ سب چیزیں) عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو اپنے عقول کی نگاہوں سے غور کے ساتھ دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں پھر ان تمام چیزوں کے ذریعے ان کے ایجاد کرنے والے کی قدرت اور ان کے پیدا کرنے والے خدا کی

وحدانیت وحکمت پر استدلال کرتے ہیں۔

اور حدیث نبوی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور اس کو پس پشت ڈال دیا یعنی نہ تو اس میں غور وفکر کیا اور نہ اس سے عبرت وسبق حاصل کیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

اور کچھ لوگ غیر اللہ کو معبود قرار دے کر شرک کرتے ہیں (اور) ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں' اور اگر یہ ظالم جس عذاب کو آخرت میں دیکھیں گے (اس کو دنیا میں) دیکھ لیتے (تو تسلیم کر لیتے) کہ بے شک تمام طاقتیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے ○ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنی پیروی کرنے والوں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے سارے اسباب ختم ہو جائیں گے ○

۱۶۵- ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ یعنی ان روشن ترین دلائل کے باوجود کچھ ایسے (احمق) لوگ بھی ہیں ﴿مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی مورتیوں کو معبود قرار دے کر انہیں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ﴿يُّحِبُّوْنَهُمْ﴾ ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے سامنے جھکتے ہیں جیسے محبوب کی تعظیم کی جاتی ہے ﴿كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی بارگاہ میں سر نیاز خم کیا جاتا ہے یعنی مشرکین بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ محبت کرنے میں اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان مساوی سلوک روا رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے اور اس کا تقرب حاصل کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ اور مشرکین جو اپنے معبودانِ باطلہ سے محبت کرتے ہیں ان سے بڑھ کر مسلمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ مسلمان کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے اور مشرکین مصائب وشدائد میں اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مصیبتوں اور تکلیفوں سے گھبرا کر اس کی پناہ لیتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں۔

﴿وَلَوْ يَرَى﴾ [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے (فعل واحد مذکر غائب "یــری" کی بجائے فعل واحد مذکر حاضر) "تــری" پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کے مخاطب رسول اکرم نبی محترم ﷺ ہیں یا ہر مخاطب مراد ہے یعنی اگر تم اس کو دیکھ لو تو سمجھو تم نے بہت عظیم امر دیکھ لیا۔ ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا﴾ بتوں کو معبود قرار دے کر ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی طرف اشارہ ہے (کہ انہوں نے شرک کر کے ظلم عظیم کیا ہے اس لیے وہ بڑے ظالم ہیں)۔ ﴿اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ ابن

عامر شامی نے (''یا'' کو رفع دے کر فعل مضارع مجہول) ''یُرَوْنَ'' پڑھا ہے ﴿اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا﴾ یہ اپنے ماقبل جملہ کا حال واقع ہو رہا ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے یعنی اگر یہ لوگ جنہوں نے شرک کر کے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے جان لیتے کہ ساری قدرت اور طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی ہر چیز پر جزاء و سزا دینے والا ہے اور ان کے بتوں کے پاس کچھ نہیں' نیز یہ جان لیتے کہ اس کا عذاب ظالموں کے لیے بڑا سخت ہے جب کہ یہ لوگ قیامت کے روز عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو البتہ یہ لوگ اس روز ان لوگوں میں سے نہ ہوتے جو (شرک کے باعث) ندامت و شرمندگی اور حسرت و افسوس میں داخل ہوں گے اور یہاں جواب محذوف ہے [ کیونکہ جب حرف ''لَوْ'' ایسے جملے پر داخل ہوتا ہے جس میں اس کے جواب کا شوق دلانا مقصود ہو یا اس سے خوف زدہ کرنا مقصود ہو تو پھر اس کے ساتھ جواب کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے تا کہ ہر مذہب والے کا دل اس کے جواب کی طرف جائے اور حرف ''لَوْ'' فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اسی طرح ''اِذْ'' ہے' اس کو بھی اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ فعل ماضی پر دلالت کرے لیکن یہاں یہ دونوں فعل مستقبل پر داخل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مستقبل کی خبر دینا اس کی صداقت و راست بازی کے پیش نظر ماضی کی طرح ہے ]۔

۱٦٦- ﴿اِذْ تَبَرَّاَ﴾ ''ذال'' اور ''تا'' جہاں بھی اکٹھے واقع ہوں وہاں عراقی ''ذال'' کو ''تا'' میں مدغم کر کے پڑھتے ہیں جب کہ امام عاصم ایسا نہیں کرتے اور یہ ''اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے ﴿الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا﴾ جن کی پیروی کی جاتی رہی' وہ قوم کے سردار ہیں ﴿مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا﴾ اپنے پیروکاروں سے ﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ﴾ اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے یعنی جس وقت کافروں کے سردار عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔ ﴿وَتَقَطَّعَتْ﴾ اس کا ''تَبَرَّاَ'' پر عطف ہے۔ ﴿بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ وہ وسائل اور ذرائع جن کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دین پر متفق تھے وہ ختم ہو جائیں گے اور آپس کی خاندانی رشتہ داریاں اور دوستی کی تعلق داریاں سب ختم ہو جائیں گی۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ
كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ
النَّارِ ﴿۱٦۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱٦۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ
وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱٦۹﴾

اور پیروی کرنے والے کہیں گے: کاش! ہمارے لیے (دنیا میں) لوٹنا ممکن ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں' اس طرح اللہ ان کے اعمال کو حسرت ناک بنا کر ان کو دکھائے گا' اور وہ دوزخ سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں ○ اے لوگو! تم زمین کی صرف حلال و پاک چیزیں کھاؤ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ بے شک وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں تمہیں ایسی بات کہنے کا (حکم دیتا ہے) جس کا تمہیں علم نہیں ○

۱۶۷- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا﴾ اور اس دن پیروکار کہیں گے: ﴿لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ کاش ایک دفعہ دوبارہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے ﴿فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ﴾ یہ تمنی کے جواب میں منصوب ہے کیونکہ حرف ''لَو'' تمنی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ کاش ایک دفعہ دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم بھی ان سے بے زار ہو جائیں گے۔ ﴿كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا﴾ جس طرح وہ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ ﴿كَذَٰلِكَ﴾ ان کی قبیح اور بدترین آرزوؤں کی طرح ﴿يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو بتوں کی عبادت کرنے کے بد اعمال حسرت ناک بنا کر دکھائے گا۔ ﴿حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ندامت و شرمندگی ہوگی اور یہ ''یُرِیْھِم'' کا تیسرا مفعول ہے اور اس کا معنی ہے کہ ان کے بد اعمال ان پر حسرت ناک بنا دیئے جائیں گے' چنانچہ وہ اپنے اعمال کی جگہ حسرتوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکیں گے۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ اور وہ جہنم کی آگ سے نہیں نکالے جائیں گے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

## رزقِ حلال کی اہمیت اور شیطان کی اتباع کی ممانعت

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے ''بَحِیْرَۃ'' وغیرہ نام کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تھا[1]

۱۶۸- ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا﴾ اے لوگو! (حلال طیب چیزیں) کھاؤ۔ یہ امر اباحت کے لیے ہے (وجوب کے لیے نہیں) ﴿مِمَّا فِي الْأَرْضِ﴾ (''مِمَّا'' اصل میں ''مِنْ مَا'' ہے اور اس میں) ''مِنْ'' تبعیض کا ہے کیونکہ زمین کی ہر چیز نہیں کھائی جاتی (بلکہ بعض وہ چیزیں کھائی جاتی ہیں جو کھانے کے قابل ہوتی ہیں) ﴿حَلَالًا﴾ یہ ''کُلُوْا'' کا مفعول بہ ہے یا پھر ''مِمَّا فِی الْاَرْضِ'' کا حال واقع ہو رہا ہے۔ ﴿طَيِّبًا﴾ ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ شیطان کے راستوں پر نہ چلو جن کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتا ہے۔ قاری ابو عمرو اس کے علاوہ عباس' نافع مدنی' حمزہ اور ابوبکر نے (خُطُوَاتِ میں) ''طا'' کو ساکن پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے ''طا'' کو مضموم پڑھا ہے) اور ''خُطْوَۃٌ'' اصل میں چلنے والے کے دونوں قدموں کے درمیان کی مسافت کو کہتے ہیں۔ ''اِتَّبَعَ خُطُوَاتِہٖ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کی اقتداء کرے اور اس کے طریقے پر چلے۔ ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ جس کی عداوت و دشمنی ظاہر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں (اور ''مُبِیْنٌ'' ''اَبَانَۃٌ'' سے مشتق ہے جس کا فعل ماضی ''اَبَانَ'' ہے) اور ''اَبَانَ'' لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کے خلاف نہیں اور وہ یہ ہے: ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ۔ (البقرہ:۲۵۷) اور جنہوں نے کفر کیا ہے ان کا دوست طاغوت یعنی شیطان ہے'' کیونکہ وہ حقیقت میں لوگوں کا دشمن ہے اور بظاہر ان کا دوست ہے' چنانچہ وہ بظاہر ان سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے اعمال کو ان کے سامنے خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے اور حقیقت میں ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

۱۶۹- ﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ﴾ شیطان کی اتباع سے روکنے کے وجوب اور اس کی عداوت کے ظہور کا بیان ہے یعنی شیطان تمہیں خیر و بھلائی کا کبھی حکم نہیں دے گا' وہ صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ ﴿بِالسُّوءِ﴾ قبیح اور برا کام ﴿وَالْفَحْشَاءِ﴾

[1] جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی جن میں آخری نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان چیر دیتے تھے اور اس پر سوار ہونے اور سامان لادنے اور اس کے ذبح کو حرام قرار دے دیتے تھے اور اس کو کسی جگہ بھی گھاس چرنے اور پانی پینے سے منع نہ کیا جاتا تھا اور اس کو بحیرہ کہتے تھے۔

بڑے بڑے گناہوں میں سے حد سے بڑھ کر بدترین گناہ اور ایک قول یہ ہے کہ ''سُوْء'' اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کے ارتکاب پر حد (یعنی شرعی سزا) لاگو نہ ہو سکے اور ''فَحْشَآء'' اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کے ارتکاب پر حد لاگو ہو سکے۔ ﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا﴾ ''بِالسُّوْءِ'' پر معطوف ہونے کے باعث جر کی جگہ پر واقع ہے دراصل ''بِاَنْ تَقُوْلُوْا'' ہے۔ ﴿عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور بغیر علم کے تمہارا یہ کہہ دینا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے) اور اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے جب کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہ ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں: بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور کیا اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں O اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارتا ہے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا' بہرے' گونگے' اندھے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سمجھتے O اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O

## مشرک آباء واجداد کی تقلید کی ممانعت

۱۷۰- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ان تعلیمات کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں۔ ''هُمْ'' کی ضمیر ''نَاسِ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ان سے التفات کے طریقے پر خطاب کرنے سے عدول کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ مشرکین مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود کی ایک جماعت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایمان لانے اور قرآن کریم کی اتباع کی دعوت دی تو ﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیونکہ وہ ہم سے بہتر اور زیادہ جانتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ [واؤ حال کے معنی میں ہے اور ہمزہ مشرکین کے کلام کی تردید کرنے اور ان کی بے ہودہ گفتگو پر تعجب کرنے کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی ہے کہ کیا یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی پیروی کریں گے خواہ وہ (بے عقل ہوں اور) ﴿لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا﴾ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں (اور خواہ وہ) ان لوگوں میں سے ہوں جو ﴿وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ حق کی راہ نہیں پا سکتے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثال بیان کی اور فرمایا:

۱۷۱- ﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [مضاف محذوف ہے] یعنی کافروں کو دین حق اور ایمان کی دعوت دینے والوں کی

مثال ﴿ كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ ﴾ اس شخص کی طرح ہے جو بلند آواز سے پکارتا ہے ﴿ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً ﴾ اس کو جو سوائے چیخ و پکار کے کچھ نہیں سنتا جیسے جانور نہیں سنتے اور معنی یہ ہے کہ کافروں کو ایمان کی دعوت دینے والوں کی مثال اس طرح ہے کہ کافران کی دعوت حق کو نہیں سنتے مگر ذہنی اور بصری توجہ کے بغیر صرف کانے کی سرسراہٹ اور آواز کی بھنبھناہٹ کی طرح سنتے ہیں' جیسے چوپایوں کو آواز دینے والا ہوتا ہے کہ چوپائے صرف اس کی آواز کو اور اس پکار کو سنتے ہیں جس میں زجر و توبیخ ہوتی ہے اور کچھ نہیں سمجھتے جیسا کہ عقل مند سمجھتے ہیں۔ "نَعِيْقٌ" کا معنی ہے: آواز دینا جیسا کہ کہا جاتا ہے: "نَعَقَ الْمُؤَذِّنُ وَالرَّاعِيْ بِالضَّأْنِ. کہ مؤذن نے (لوگوں کو) آواز دی اور چرواہا نے بھیڑ بکریوں کو آواز دی" اور "نِدَاءٌ" اس آواز کو کہا جاتا ہے جو سنی جا سکے اور "دُعَاءٌ" ایسی آواز کو کہا جاتا ہے جو کبھی سنی جا سکے اور کبھی نہ سنی جا سکے۔ ﴿ صُمٌّ ﴾ [ مبتداء مضمر کی خبر ہے' اصل میں "هُمْ صُمٌّ" ہے یعنی وہ بہرے ہیں۔ ﴿ بُكْمٌ ﴾ دوسری خبر ہے یعنی وہ گونگے ہیں ﴿ عُمْيٌ ﴾ یعنی حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں' یہ تیسری خبر ہے۔ ﴿ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ پس وہ نصیحت کو بھی نہیں سمجھتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جن چیزوں کو مشرکین نے حرام قرار دیا ہے وہ حلال ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۷۲- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ﴾ اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں یعنی ان میں سے لذیذ اور حلال چیزیں کھاؤ ﴿ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں ﴿ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ اگر یہ بات درست ہے کہ تم صرف اسی (خدا) کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہو اور اقرار کرتے ہو کہ بے شک وہی تمام نعمتیں عطا کرنے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کو بیان کیا اور فرمایا:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک اللہ نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیئے ہیں' پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ لذت و شہوت سے کھائے اور نہ ضرورت سے زائد کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے O بے شک اللہ نے جو کتاب میں نازل کیا ہے اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

۱۷۳- ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار حرام کر دیا ہے اور اس سے ہر وہ جانور مراد ہے جو ذبح کے قابل ہو مگر بغیر ذبح کے مر جائے اور حرف "إِنَّمَا" مذکور کے اثبات اور اس کے ماسوا کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار حرام کیا ہے۔ ﴿ وَالدَّمَ ﴾ بہنے والا خون حرام ہے کیونکہ دوسرے مقام میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا. یعنی بہتا خون حرام ہے''۔ (الانعام: ۱۴۶) البتہ حدیث نبوی کے مطابق دو مردار اور دو خون حلال ہیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ دو مردار اور دو خون ہمارے لیے حلال کر دیئے گئے یعنی مچھلی' ٹڈی' کلیجی اور تلی ﴿ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ ﴾ یعنی خنزیر اپنے تمام اعضاء و اجزاء سمیت حرام ہے لیکن گوشت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کھانے میں صرف یہی مقصود ہوتا ہے ﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (تو حرام ہے ورنہ نہیں) اور اصل میں ''اِهْلَال'' کا معنی ہے: آواز کو بلند کرنا یعنی اس کے ساتھ بتوں کے لیے آواز بلند کی گئی ہو اور یہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں (کا طریقہ تھا کہ وہ جانور کو ذبح کرتے وقت) ''بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى'' کہا کرتے تھے[1] ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ جو شخص مجبور ہو جائے۔ [قاری ابوعمرو بصری اور حمزہ اور عاصم نے نون کو مکسور پڑھا ہے التقائے ساکنین کی وجہ سے یعنی نون اور ضاد کی وجہ سے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے ''طَا'' کے مضموم ہونے کی مناسبت سے نون کو مضموم پڑھا ہے ﴿ غَيْرَ ﴾ حال ہے یعنی (مجبوری کی حالت میں مذکورہ بالا حرام چیزوں کو) کھانے والا شخص نہ تو ﴿ بَاغٍ ﴾ لذت و شہوت کا طالب ہو ﴿ وَّلَا عَادٍ ﴾ اور نہ تو ضرورت کی مقدار میں حد سے بڑھنے والا ہو اور جس نے کہا کہ امام وقت پر بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ حرام سفر پر جانے والا ہو تو اس کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ طاعت کا سفر بھی بلاضرورت جائز نہیں اور بلاسفر گھر میں رہنا جائز ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی بغاوت کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا' پس وہ محرومی کا مستحق نہیں اور مضطر و مجبور شخص کے لیے اس قدر حرام اشیاء استعمال کرنا جائز ہے جس سے اتنی جسمانی قوت بحال ہو جائے کہ زندگی بچ جائے اور پیٹ بھر کر نہ کھایا جائے کیونکہ اباحت صرف اضطرار کے لیے ہے' لہٰذا اسی قدر جائز ہے جس قدر ضرورت مندفع ہو سکے۔ ﴿ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ تو ان چیزوں کے کھانے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ بخشنے والا ہے بھلا وہ حالت مجبوری میں مردار کھانے پر کیوں کر گرفت فرمائے گا۔ ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ جب کہ اس نے خود رخصت عنایت کی ہے۔

## محبوبِ خدا کی شان میں یہود کی خیانت

شانِ نزول: درج ذیل آیات یہود کے علماء کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے یہود سے رشوت لے کر حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اوصاف و کمالات اور آپ کی نعت و تعریف کی آیات کو تبدیل کر دیا۔

۱۷۴۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ بے شک جو لوگ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مقدسہ کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات میں نازل کی ہیں۔ ﴿ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ اور اس کے عوض میں تھوڑی سی حقیر قیمت وصول کرتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ ﴾ یہ لوگ (شانِ مصطفیٰ چھپانے کے معاوضہ میں رشوت کا مال) کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (اہلِ عرب) کہتے ہیں: ''اَكَلَ فُلَانٌ فِيْ بَطْنِهٖ وَاَكَلَ فِيْ بَعْضِ بَطْنِهٖ. یعنی فلاں شخص نے پیٹ بھر کر کھایا اور فلاں نے کچھ کم کھایا''۔ ﴿ اِلَّا النَّارَ ﴾ کیونکہ جب انہوں نے ایسا مال کھایا جو آگ کا سبب ہے کہ اس مال کی وجہ سے ان کو آگ کی سزا ملے گی تو گویا انہوں نے آگ کھا لی اور اسی سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ ''اَكَلَ فُلَانٌ الدَّمَ'' جب کوئی شخص خون بہا کھا جائے جو درحقیقت خون کرنے کا بدلا ہوتا ہے (نیز)

[1] لہٰذا جس جانور کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے صرف اسی کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ جانور حلال ہے خواہ ذبح سے پہلے یا اس کے بعد ایصالِ ثواب کی غرض سے کسی ولی کا نام لیا جائے۔ اسی طرح ایصالِ ثواب کی دیگر جائز اشیاء کا حکم ہے بشرطیکہ رسماً نہ کی جائیں۔

کہا کہ وہ لوگ ہمیشہ پالان کھا جاتے ہیں یعنی پالان کی قیمت کھا جاتے ہیں' قیمت کی جگہ پالان اس لیے کہا کہ قیمت سبب ہے۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے خوش کرنے والا کلام نہیں فرمائے گا لیکن تکلیف دہ کلام فرمائے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: "اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ O (المومنون:۱۰۸) یعنی تم اس (جہنم) میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو' ﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہ تو ان کو ان کے گناہوں کے میل کچیل سے پاک کرے گا اور نہ ان کی تعریف کرے گا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور حرفِ نفی اپنے فعل کے ساتھ مل کر "اُولٰٓئِكَ" کی خبر ہے اور "اُولٰٓئِكَ" اپنی خبر کے ساتھ مل کر "اِنَّ" کی خبر ہے اور تینوں جملے "اِنَّ" کی خبر پر معطوف ہیں تو اس طرح تمام جملے ملا کر "اِنَّ" کی چار خبریں ہو گئیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۱

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی اور بخشش کے بدلے عذاب (خرید لیا)' سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں O یہ اس لیے کہ بے شک اللہ نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے' اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ یقیناً مخالفت کے باعث حق سے بہت دور ہو گئے ہیں O

۱۷۵- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت مبارکہ چھپا کر ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت و بخشش کے بدلے عذاب کو خرید لیا ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ پس کس چیز نے ان کو ایسے عمل پر صبر دلا دیا ہے جو ان کو جہنم کی آگ میں لے جائے گا اور یہ جملہ سوالیہ ہے مگر اس کا معنی زجر و توبیخ کرنا اور انہیں ڈانٹنا ہے۔

۱۷۶- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ یعنی یہ عذاب اس سبب سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا﴾ اور بے شک جنہوں نے اختلاف کیا یعنی اہل کتاب نے ﴿فِى الْكِتٰبِ﴾ لام جنس کا ہے یعنی اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں اختلاف کیا' چنانچہ انہوں نے بعض کتابوں کے بارے میں کہا: یہ حق ہیں اور بعض کے بارے میں کہا: یہ باطل ہیں ﴿لَفِىْ شِقَاقٍ﴾ اختلاف میں ﴿بَعِيْدٍ﴾ یعنی یہ لوگ اختلاف کے سبب یا اپنے کفر کی وجہ سے حق سے بہت دور ہو گئے ہیں اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل فرمایا جیسا کہ وہ خود جانتے تھے اور جنہوں نے اس میں اختلاف کیا وہ ہدایت سے بہت دور ہو چکے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن اصل نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے خرچ کرے اور نماز کو قائم رکھے اور زکوۃ ادا کرے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والے ہوں جب کوئی عہد کریں اور مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت صبر کرنے والے ہوں' یہی سچے لوگ ہیں' اور یہی پرہیزگار ہیں O

۱۷۷- ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا﴾ یعنی تمہارا (اپنے چہروں کو) پھیرنا کوئی نیکی نہیں ہے ﴿وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ اور یہ اہل کتاب کو خطاب ہے کیونکہ عیسائیوں کا قبلہ بیت المقدس کا مشرق ہے اور یہود کا قبلہ اس کا مغرب ہے اور ان دو فریقوں میں سے ہر ایک فریق یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ہی اصل نیکی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نیکی پر نہیں ہو کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ اور لیکن نیکی ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ یا نیکی کرنے والا اور یہ دونوں قول حذف مضاف کی بناء پر ہیں اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے اور ہر اچھے اور پسندیدہ عمل اور بھلائی کا نام "بِـرّ" ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قبلہ کے معاملہ میں مسلمانوں اور اہل کتاب کا غور وخوض زیادہ ہو گیا تو انہیں کہا گیا کہ سب سے بڑی نیکی جس کی شان میں مشغول ہو کر باقی تمام قسم کی نیکیوں سے غافل ہونا لازم اور واجب ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ نیکی جس کا اہتمام کرنا واجب ولازم ہے وہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ہے اور (آیتِ مبارکہ میں مذکورہ) ان اعمال پر قائم رہنا ہے اور "لَيْسَ الْبِرَّ" میں "اَلْبِرَّ" کا منصوب ہونا اس بنا پر ہے کہ یہ "لَيْسَ" کی خبرِ مقدم ہے اور "اَنْ تُوَلُّوْا" اس کا اسمِ مؤخر ہے۔ یہ امام حفص اور امام حمزہ کی قراءت ہے "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ" قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قرات ہے اور امام مبرد سے منقول ہے' آپ نے فرمایا: اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو قرآن مجید پڑھتے ہیں تو تم "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ" ہی پڑھنا اور "وَلٰكِنَّ الْبَارَّ" بھی پڑھا گیا ہے ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ یعنی حشر کے دن (جس دن سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ﴾ یعنی تمام کتب الٰہیہ یا صرف قرآن مجید مراد ہے ﴿وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا مال کی محبت کے باوجود یا مال دینے کی محبت سے سرشار ہو کر اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ اپنا مال اس حال میں دینا چاہتا ہے کہ اس کا دل دینے پر خوش ہوتا ہے ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ یعنی رشتہ دار۔ ان کو اس لیے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک صدقہ ہی ہے اور اپنے رشتہ دار کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے دوسرا صلہ رحمی بھی ہے ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور قرابت داروں اور یتیموں میں سے صرف فقراء اور ضرورت مند مراد ہیں اور ان کو اس لیے مطلق ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں کسی قسم کا التباس واشتباہ نہیں ہے

﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ مسکین کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہمیشہ لوگوں کے ہاں سکون ملتا ہے اس لیے اس کو مسکین کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے اپنے پاس کچھ نہیں ہوتا جیسے نشہ باز کو ہمیشہ شراب میں سکون ملتا ہے ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اور اس سے وہ مسافر مراد ہے جس کے پاس مال ختم ہو جائے اور یہ اسم جنس ہے اگر چہ باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور مسافر کو ابن السبیل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ وہ سفر کا التزام رکھتا ہے یا مہمان (کو بھی ابن السبیل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی سفر کر کے آتا ہے جیسے راہزن کو ابن الطریق کہا جاتا ہے) ﴿وَالسَّآئِلِيْنَ﴾ کھانا وغیرہ مانگنے والے ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ اور مکاتبوں (جن غلاموں کا آقا ایک مقرر مقدار رقم پر آزاد کرنے کا وعدہ کر لے ان کو مکاتب کہا جاتا ہے) کی معاونت میں مال خرچ کیا جائے تا کہ وہ غلامی کی زندگی سے آزاد ہو جائیں یا قیدیوں کو چھڑانے میں مال خرچ کیا جائے ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ یعنی فرض نمازیں ادا کرتا ہے ﴿وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور فرض کردہ مال ادا کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ پہلے کی تاکید ہے اور بعض نے کہا: پہلے سے نفلی صدقات اور دوسرے نیک کام مراد ہیں ﴿وَالْمُوْفُوْنَ﴾ اور پورا کرنے والے ہیں۔ اس کا "مَنْ اٰمَنَ" پر عطف ہے ﴿بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ اپنے عہد کو جب وہ اللہ تعالیٰ اور دیگر انسانوں سے عہد کرتے ہیں ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ یہ مدح کے طور پر منصوب ہے اور مدح کے ساتھ اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ مقاماتِ جہاد اور مصائب و شدائد میں صبر کرنے کی فضیلت کو باقی تمام اعمال پر ظاہر کیا جائے یعنی یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں ﴿فِي الْبَاْسَآءِ﴾ فقر و فاقہ میں اور انتہائی تکلیف وسختی میں ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور امراض و آفات میں ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ اور جہاد کے وقت ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ یعنی اس صفت صبر کے حامل وہی لوگ ہیں جو اپنے دین میں سچے ہیں۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اے ایمان والو! ناحق مارے جانے کے خون کا بدلا لینا تم پر فرض کیا گیا ہے' آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت' پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا ہو تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جائے اور اس کی ادائیگی نیکی کے ساتھ کی جائے' یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے' پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا○ اور اے عقلمند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلا لینے میں زندگی ہے' تا کہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو○

## قصاص کے احکام

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبائلِ عرب میں سے دو قبیلوں کے درمیان خون بہا کا جھگڑا

چل رہا تھا اوران میں سے ایک دوسرے سے زیادہ طاقتور تھا تو انہوں نے قسم کھا کر دوسرے قبیلے سے کہا کہ ہم اپنے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد اور ایک آدمی کے بدلے میں تمہارے دو آدمی ضرور قتل کریں گے' پھر وہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے جب کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کا مبارک دور شروع ہو چکا تھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۷۸-﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا ہے ﴿ الْقِصَاصُ ﴾ اس سے مراد خون کا بدلا لینے میں مساوات و برابری قائم کرنا ہے اور اس کی اصل ''قَصَّ اَثَرَهٗ وَاقْتَصَّهٗ '' سے ہے جب کوئی شخص کسی کی اتباع کرتا ہے اور اسی سے ''قَاصٌّ '' (قصہ گو) بنا ہے کیونکہ وہ بھی قصے اور کہانیوں کی پیروی کرتا ہے ﴿ فِي الْقَتْلٰى ﴾ یہ ''قَتِيْلٌ '' کی جمع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ مقتولوں کے بارے میں مساوات اور مماثلت کا لحاظ رکھنا تم پر فرض کیا گیا ہے ﴿ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ﴾ مبتداء خبر ہیں یعنی آزاد کے بدلے میں آزاد کو (خون بہا کی) سزا دی جائے گی یا اس کو قتل کیا جائے گا ﴿ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ﴾ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس نص کی وجہ سے غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ہمارے (احناف) کے نزدیک آزاد اور غلام کے درمیان قصاص جاری کیا جاتا ہے (یعنی قتل کی صورت میں غلام کو آزاد کے بدلے میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ. (المائدہ:۴۵) بے شک جان کے بدلے جان ہے (خواہ مقتول مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام) اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں برابر بدلا ہے''۔ جیسا کہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص ہے اور (احناف کا یہ موقف) حضور سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق ہے کہ ''اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ. تمام مسلمانوں کا خون یکساں ہے'' اور اس لیے بھی کہ ذاتی طور پر اشخاص میں تفاضل و برتری معتبر نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک پوری جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں سب کو قتل کیا جائے گا اور اس لیے بھی کہ ایک نوع کے ساتھ حکم کی تخصیص سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری نوع سے اس کی نفی ہو جائے بلکہ اس میں حکم دوسری دلیل کے ثبوت پر موقوف ہوتا ہے اور دلیل وارد (ثابت) ہو چکی ہے جیسا کہ ہم نے (آیتِ مائدہ سے) بیان کر دیا ہے ﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾ مفسرین کرام نے کہا کہ عفو عقوبت کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے: ''عَفَوْتُ عَنْ فُلَانٍ'' جب تم نے اس کو معاف کر دیا ہو اور اس کو سزا دینے سے اپنا منہ پھیر لیا ہو اور یہ جانی (مجرم) اور جنایت (جرم) کی طرف ''عَنْ'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے درج آیات میں ارشاد فرمایا:) ''ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ. (البقرہ:۵۲) پھر ہم نے اس کے بعد تم کو معاف کر دیا''۔ ''وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ. (الشوریٰ:۲۵) اور وہ گناہوں سے درگزر فرماتا ہے'' اور جب وہ دونوں (جانی اور جنایت) جمع ہو جائیں تو پہلے کی طرح لام کے ساتھ متعدی ہوگا' سو تم یوں کہہ سکتے ہو: ''عَفَوْتُ لَهٗ عَنْ ذَنْبِهٖ. کہ میں نے اس کی خاطر اس کا جرم معاف کر دیا'' اور اس قانون کے مطابق یہ حدیث ہے: ''عَفَوْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ. یعنی میں نے تمہیں (خدمت کے) غلام اور (سواری کے) گھوڑوں کی زکوٰۃ معاف فرما دی ہے'' اور زجاج نے کہا کہ ''مَنْ عُفِيَ لَهٗ'' کا مطلب ہے کہ قاتل کا خون بہا کے معاوضہ میں قتل کرنا ترک کر دیا گیا ہے اور ازہری نے کہا کہ لغت میں عفو کا معنی زائد ہے اور اسی کے مطابق یہ آیت مبارکہ ہے: ''يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (البقرہ:۲۱۹) یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تم فرما دو: جو زائد

ہو"۔ کہا جاتا ہے: "عَفَوْتُ لِفُلَانٍ بِمَالٍ" جب تم اس کو اس کے مال سے بڑھ کر زیادہ عطا کر دو اور "عَفَوْتُ لَهٗ عَمَّا لِيْ عَلَيْهِ" اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو چھوڑ دو اور جمہور کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا ہو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ فعل کا اسناد مصدر کی طرف ہے جیسے "سِيْرَ بِزَيْدٍ بَعْضُ السَّيْرِ" اور بھائی سے مقتول کے وارث مراد ہیں اور اخوت کا ذکر کر کے وارث کو نرم رویہ اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے کیونکہ ان دونوں میں قومی اور اسلامی رشتہ موجود ہے اور "مَنْ" سے قاتل مراد ہے جس کو اس کا جرم معاف کیا گیا ہو اور دوسرے مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی اور بعض نے کہا کہ "لَهٗ" دوسرے مفعول کا قائم مقام ہے اور "لَهٗ" اور "اَخِيْهِ" کی ضمیریں "مَنْ" کی طرف راجع ہیں اور "اِلَيْهِ" کی ضمیر "اَخِيْ" کی طرف لوٹتی ہے یا مطالبہ کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے جس پر "اَخِيْ" دلالت کر رہا ہے اور معنی یہ ہے کہ طالب قاتل سے بھلائی کے ساتھ تقاضا کرے یعنی نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے اچھے انداز میں مطالبہ کرے اور مطلوب یعنی قاتل کو خون بہا نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے کہ نہ تو اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور نہ ناقص وردی مال ادا کرے اور کچھ معاف کرنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جب خون بہا کا کچھ معاف کر دیا گیا ہو یا مقتول کے بعض وارثوں نے قاتل کو معاف کر دیا تو اس کو مکمل معافی دی جائے گی اور قصاص ختم ہو جائے گا اور جس نے "عَفَا" کی تفسیر "تَرَكَ" کی اس نے "شَيْءٌ" کو مفعول بہ قرار دیا ہے اور اسی طرح جس نے "عَفَا" کی "اَعْطٰی" کے ساتھ تفسیر کی یعنی وارث کو جب صلح کے طور پر اس کے بھائی یعنی قاتل کے مال سے کچھ دے دیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بغیر سختی کے بھلائی کے ساتھ وصول کرے اور قاتل پر لازم ہے کہ وہ اس کو بغیر تاخیر کے جلدی ادا کر دے اور اتباع کا رفع مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی دراصل "فَالْوَاجِبُ اِتِّبَاعٌ" ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ معاف کرنے اور قصاص کی بجائے خون بہا لینے کا مذکورہ بالا حکم ﴿تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے کیونکہ تورات میں قتل کا بدلا صرف قتل کرنا تھا اس کے علاوہ اور کوئی رعایت نہیں تھی اور انجیل میں قتل کا بدلا نہ تھا اور نہ خون بہا بلکہ صرف معاف کر دینے کا حکم تھا اور ہمارے لیے (یعنی شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں) وسعت و گنجائش اور آسانی مہیا کرنے کے لیے قتل کا بدلا قتل اور صلح کے طور پر بالکل معاف کر دینا اور بطور خون بہا مقتول کے عوض میں مقرر کردہ مال وصول کرنا جائز کر دیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب مؤمن ہے (اور ایمان سے خارج نہیں) کیونکہ قتل کرنے کے باوجود اسے ایمان کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ایمان کے ذریعے ثابت شدہ اسلامی اخوت کو باقی رکھا گیا ہے اور تخفیف اور رعایت اور رحمت کا مستحق قرار دیا گیا ہے ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس تخفیف و رعایت کے بعد جو شخص قتل کے مقرر کردہ شرعی قانون سے تجاوز کرتے ہوئے قاتل کی بجائے کسی اور کو قتل کرے گا یا خون بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تو اس کو آخرت میں دردناک قسم کا عذاب ہوگا۔

۱۷۹۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتا ہے اس لیے کہ اس میں عجیب و غریب اور انوکھا انداز اختیار کیا گیا ہے کیونکہ قصاص تو قتل ہے اور زندگی کو مٹاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو حیات کا ظرف (اور سبب) بنا دیا گیا ہے (اور مظروف جب ظرف میں آ جاتا ہے تو محفوظ ہو جاتا ہے) اور قصاص کو معرفہ لانے اور "حَيٰوةٌ" کو نکرہ لانے میں روشن ترین بلاغت ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قصاص کے حکم کی وجہ سے اس جنس میں تمہارے لیے بہت بڑی حیات ہے؛ اس لیے کہ قصاص نے زمانہ جاہلیت کی ایک بدترین رسم کو روک دیا اور وہ یہ کہ ایک آدمی کے قتل ہو جانے پر اس کے ورثاء جب بھی قدرت پاتے قاتل کے خاندان کی پوری جماعت کو قتل کر دیتے تھے (جب کہ قصاص میں

صرف قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اور باقی لوگوں کی زندگیاں محفوظ ہو جاتی ہیں) لہٰذا قصاص بذاتِ خود حیات ہے یعنی مکمل حیات ہے یا حیات کی ایک قسم ہے اور یہ وہ حیات ہے جو قاتل کو قصاص کا حکم معلوم ہونے کی وجہ سے قتل سے باز آ جانے پر حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب وہ قتل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو قصاص یاد آ جاتا ہے اور وہ قتل سے رک جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ساتھی قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ خود قصاص سے محفوظ ہو جاتا ہے تو گویا قصاص کا مشروع ہونا دو جانوں کی حیات کا سبب ہے ﴿ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ اے صاحبانِ عقول ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم قصاص کے خوف سے قتل سے بچ جاؤ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

۲۲ ع ۶

جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر وہ مال چھوڑ جائے تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے' یہ پرہیز گاروں پر لازم ہے○ پھر جس نے اس کو سننے کے بعد بدل دیا تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا' بے شک اللہ سب کچھ سننے (اور) جاننے والا ہے○ پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا اندیشہ ہو تو وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے○

۱۸۰- ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''كُتِبَ'' بہ معنی ''فُرِضَ'' ہے یعنی تم پر وصیت کرنا فرض کر دیا گیا ہے ﴿ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور اس کی علامات اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں ﴿ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ﴾ تو اگر وہ کثیر مال چھوڑ کر جا رہا ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے غلام نے وصیت کرنا چاہی جس کے پاس سات سو درہم تھے تو آپ نے اس کو منع کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنْ تَرَكَ خَيْرًا'' اور خیر سے مراد کثیر مال ہے اور تمہارے پاس کثیر مال نہیں ہے اور ''كُتِبَ'' کا فاعل ﴿ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ ''اَلْوَصِيَّةُ'' ہے یعنی ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے اور دراصل اسلام کے ابتدائی دور میں وارث کے لیے وصیت کرنا ضروری تھا' پھر میراث کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ ہم نے اس کو ''شرح المنار'' میں بیان کر دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو کفر کے سبب وارث نہیں بن سکتے تھے اس لیے کہ وہ اسلام کے نئے دور میں تھے۔ خود آدمی تو مسلمان ہو جاتا لیکن اس کے ماں باپ اور دیگر رشتہ دار مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اسلام نے مسلمان کی وراثت غیر مسلم کے لیے ختم کر دی ہے' لہٰذا حقِ قرابت پورا کرنے کے لیے ان کے درمیان وصیت کو بطور استحباب جائز قرار دیا گیا اور اس صورت میں ''كُتِبَ'' کا معنی ''فُرِضَ'' مراد نہیں لیا جا سکتا ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ انصاف کے ساتھ (وصیت کی جائے) اور وہ یہ ہے کہ نہ تو مالدار کے لیے وصیت کی

جائے اور نہ ضرورت مند کو چھوڑا جائے اور نہ تہائی مال سے زیادہ وصیت کی جائے ﴿حَقًّا﴾ مصدر مؤکد ہے یعنی اصل میں ''حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا'' ہے کہ یہ وصیت ثابت اور لازم ہے ﴿عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ان لوگوں پر جو شرک سے بچتے ہیں۔

۱۸۱-﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ﴾ اگر یہ وصیت گواہوں اور وصیت کرنے والوں کی طرف سے شریعت کے موافق تھی تو پھر جس نے اس کو اس کے مقام سے تبدیل کر دیا ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ اس وصیت کو سننے کے بعد ﴿فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ تو اس کا گناہ صرف انہی لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اس وصیت کو تبدیل کر دیا ہے ان کے علاوہ وصیت کرنے والے اور جن کو وصیت کی گئی ہے ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ دونوں اس ظلم سے بری ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی بات کو سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ تبدیل کرنے والے کے ظلم کو جاننے والا ہے۔

۱۸۲-﴿فَمَنْ خَافَ﴾ پس وہ جانتا ہے اور ان کے کلام میں یہ رائج ہے کہ ''خَافَ''''عَلِمَ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' وہ کہا کرتے ہیں: ''اَخَافُ اَنْ لَّا تُرْسِلَ السَّمَآءُ'' اور وہ اس سے ظنِ غالب مراد لیتے ہیں جو علم کے قائم مقام ہے ﴿مِنْ مُّوْصٍ﴾ امام حفص کے علاوہ کوفیوں نے ''مُوَصٍّ'' (باب تفعیل سے) پڑھا ہے ﴿جَنَفًا﴾ وصیت کرنے میں غلطی کر کے حق سے روگردانی والا ہے ﴿اَوْ اِثْمًا﴾ یا جان بوجھ کر ظلم کرنے والا ہے ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ﴾ جن کے لیے وصیت کی گئی ہے ان کے درمیان صلح کرا دے اور اس سے والدین اور دیگر رشتہ دار مراد ہیں کہ ان کو شریعت کے طریقہ پر لگا دے ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ تو اس (غلط وصیت کو) تبدیل کرنے والے پر اب کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس نے تو باطل کو حق کی طرف تبدیل کر دیا ہے۔ (پہلے) اس شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو باطل کے ساتھ تبدیل کرتا ہے' پھر اس کا (ذکر کیا گیا) جو باطل کو حق کے ساتھ تبدیل کرتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر تبدیلی گناہ نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ وصیت کرنے والے کی زندگی کی حالت میں ہے یعنی جو شخص وصیت کے وقت حاضر ہوا اور اس نے وصیت کو خلافِ شرع دیکھا تو اس نے وصیت کرنے والے کو اس سے روکا اور اس کو درست وصیت کرنے پر آمادہ کیا' لہٰذا وصیت کرنے والے نے پہلے جو کچھ کہا اس پر اب اس کو کوئی گناہ نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے' تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ○ گنتی کے چند دن ہیں' سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو دوسرے دنوں میں اتنے روزوں کی گنتی پوری کرنی ہوگی' اور جو لوگ روزہ نہیں رکھ سکتے ان پر ہر روزے کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا دینا لازم ہے' پھر جو اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے' اور روزے رکھنے تمہارے لیے زیادہ بہتر ہیں اگر تم جانتے ہو○

## روزوں کے احکام

۱۸۳- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں کیونکہ ''کُتِبَ'' ''فُرِضَ'' کے معنی میں ہے ﴿ الصِّيَامُ ﴾ یہ ''صَامَ'' فعل کا مصدر ہے اور اس سے ماہِ رمضان کے روزے مراد ہیں ﴿ كَمَا كُتِبَ ﴾ اصل میں ''کِتَابَةً مِثْلَ مَا كُتِبَ'' ہے کیونکہ یہ (کَمَا) مصدر محذوف (کِتَابَةً) کی صفت ہے ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے زمانہ تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اور سابقہ تمام امتوں پر روزے فرض کیے گئے تھے' سو یہ قدیمی عبادت ہے اور تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ ہر ایک کے لیے دن کو روزے فرض کیے گئے ہیں یعنی ماہِ رمضان کے دنوں میں روزے رکھ کر تم اس طرح عبادت کرنے والے ہو جس طرح تم سے پہلے لوگ عبادت کرتے تھے۔

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم روزوں کے ذریعے گناہوں سے بچو کیونکہ روزے نفس کو (گناہوں سے) باز رکھتے ہیں اور اس کو برائی کے مواقع سے روک دیتے ہیں یا (یہ معنی ہے:) تاکہ تم پرہیز گاروں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ کیونکہ روزے رکھنا ان کا شعار ہے۔

۱۸۴- ﴿ اَيَّامًا ﴾ اس کا منصوب ہونا ''اَلصِّيَامُ'' کی وجہ سے ہے (کیونکہ ''اَلصِّيَامُ'' کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے ''اَيَّامًا'' اس کا مفعول فیہ ہے) یعنی ''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَصُوْمُوْا اَيَّامًا'' کہ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم (ماہِ رمضان کے) دنوں میں روزے رکھو ﴿ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ مقرر اوقات جن کی گنتی معلوم ہے یعنی چند دن۔ اس کا اصل معنی ہے: قلیل اور تھوڑا مال جس کی گنتی کی جا سکے نہ کہ کثیر مال (جس کی گنتی نہ کی جا سکے) ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا ﴾ پس تم میں سے جو بیمار ہو اور اس کو خوف ہو کہ روزے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی ﴿ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾ یا سفر پر سوار ہو ﴿ فَعِدَّةٌ ﴾ تو اس پر گنتی پوری کرنا لازم ہے یعنی (حالتِ مرض وسفر میں روزہ) تو کھول دے گا البتہ جتنے دن روزے نہیں رکھے گا اتنے دن کے روزے رکھنا اس پر لازم ہوگا اور ''عِدَّةٌ'' ''مَعْدُوْدٌ'' کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ افطار کی جگہ گنتی کر کے اتنے دن روزے رکھے جائیں ﴿ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ سفر اور بیماری کے دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں اور ''اُخَرَ'' غیر منصرف ہے کہ اس میں وصف اور الف لام سے معدول ہونے کے باعث (دو سبب موجود ہیں) کیونکہ ''فُعْلٰی'' کی صفت میں اصل یہ ہے کہ اس کی جمع الف لام کے ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے ''کُبْرٰی'' اور ''اَلْکُبَرُ'' اور ''صُغْرٰی'' اور ''اَلصُّغَرُ'' ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ جو لوگ روزے رکھ سکتے ہوں اور ان کے پاس کوئی عذر بھی نہ ہو لیکن اس کے باوجود اگر وہ افطار کرنا چاہیں اور روزے نہ رکھیں تو ان پر لازم ہے ﴿ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ ہر روزہ کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا جو گندم کا نصف صاع ہے یا اس کے علاوہ پورا صاع ہے' سو ''طَعَامُ'' ''فِدْيَةٌ'' سے بدل ہے اور قاری نافع مدنی اور ابن ذکوان نے ''فِدْيَةُ طَعَامِ مَسَاكِيْنَ'' پڑھا ہے اور یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب ان پر روزے فرض کیے گئے اور وہ اس کے عادی نہیں تھے جس کی وجہ سے ان پر روزے رکھنا دشوار ہو گیا تو انہیں افطار کرنے اور اس کی جگہ فدیہ دینے کی رخصت دی گئی' پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' کے نازل ہونے کے بعد یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا (اور صرف روزے رکھنا لازم قرار دیا گیا) اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ'' کو دوبارہ ذکر کیا گیا کیونکہ پہلے منسوخ کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا اور اب ناسخ کے ساتھ ذکر کیا گیا تاکہ یہ کلام اس حکم کے باقی وجاری رہنے پر دلالت

کرے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ''لَا یُطِیْقُوْنَهٗ. یعنی جو روزہ نہیں رکھ سکتے''، پس حرفِ نفی لا کو مقدر کیا گیا ہے حضرت حفصہ کی قراءت اسی طرح ہے اور اس معنی پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا﴾ پھر جو شخص اپنی خوشی سے فدیہ کی مقدار سے زیادہ دے دے ﴿فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ﴾ تو وہ اس کے لیے بہتر ہے یعنی تطوع یا خیر ہر ایک اس کے لیے بہتر ہے ''یَطَّوَّعْ''، ''یَتَطَوَّعُ'' کے معنی میں ہے' یہی قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت ہے ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا﴾ اے روزوں کی طاقت رکھنے والو! (یا طاقت نہ رکھنے والو!) روزے رکھنا ﴿خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ فدیہ دینے اور خوشی سے زیادہ نیکی کرنے سے بہتر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر میں اور حالت بیماری میں روزے رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں تم پر مشقت زیادہ ہو جائے گی ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو [یہ محذوف جواب کی شرط ہے]۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں رکھنے والا اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے' پس تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ اتنے روزوں کی گنتی دوسرے دنوں میں پوری کر لے' اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطا کی ہے اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤO

۱۸۵- ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ہے یعنی قرآن مجید کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا اور وہ شبِ قدر میں نازل ہوا یا ماہِ رمضان کی شان میں نازل کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ'' اور یہ ''اَلصِّیَامُ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هُوَ شَهْرٌ'' اور رمضان ''رمض'' کا مصدر ہے جس کا معنی جلانا ہے' پھر اس کی طرف شہر کو مضاف کر کے مجموع کو علم قرار دیا گیا اور یہ غیر منصرف ہے۔ اس میں دو سبب ہیں: معرفہ ہونا اور الف نون (زائدتان) اور اہل عرب نے اس کا نام رمضان اس لیے رکھا کہ بھوک و پیاس کی گرمی اور اس کی شدتِ حرارت کی وجہ سے وہ اس میں جلنے لگتے اور اس لئے کہ جب انہوں نے مہینوں کے نام رکھے تو زمانوں اور موسموں کا لحاظ رکھتے ہوئے جس موسم میں مہینہ واقع ہوا اسی موسم کے نام پر رکھ دیا گیا' چنانچہ یہ مہینہ انتہائی گرمیوں کے دنوں میں آ گیا تھا اس لیے اس کا نام رمضان رکھا گیا' اگر تم کہو کہ حدیث میں صرف رمضان آیا ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. کہ جس نے رمضان میں

ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے"[1] باوجود اس کے کہ اس مہینہ کا نام مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ (شَهْرُ رَمَضَانَ) ماہِ رمضان ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حذف کے باب سے ہے کیونکہ اس میں التباس سے امن ہے (لہٰذا حدیث میں دراصل "مَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ" الخ ہے) اور قاری ابن کثیر مکی نے ہمزہ کے بغیر "اَلْقُرَانُ" پڑھا ہے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ اس میں "هُدًى" کا نصب حال واقع ہونے کی وجہ سے ہے یعنی یہ قرآن مجید اس حال میں نازل کیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے اور اس کی آیات بالکل واضح اور روشن ترین ہیں کیونکہ ان میں حق کی طرف واضح ہدایت پائی جاتی ہے اور حق و باطل میں فرق کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا کہ یہ قرآن مجید ہدایت ہے' پھر ذکر کیا کہ اس کی آیات واضح ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی (قرآن مجید) اور دیگر کتب سماوی ہدایت دینے والی' ہدایت و گمراہی میں فرق کرنے والیوں کے ذریعے حق و باطل میں فرق واضح کر دیا ہے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ پس جو شخص اس مہینہ میں حاضر و مقیم ہو اور مسافر نہ ہو تو اس مہینہ میں ضرور روزے رکھے اور افطار نہ کرے اور "اَلشَّهْرَ" ظرف (زمان' مفعول فیہ) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح "فَلْيَصُمْهُ" میں "ها" ہے اور وہ مفعول بہ نہیں ہے کیونکہ مقیم اور مسافر دونوں ماہِ رمضان کو پانے والے ہیں۔

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے "فَعِدَّةٌ" مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے' دراصل "فَعَلَيْهِ عِدَّةٌ اَىْ صَوْمُ عِدَّةٍ۔ یعنی اس پر روزوں کی گنتی پوری کرنا واجب و لازم ہے" ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اس لیے اس نے سفر اور مرض میں افطار کو مباح قرار دیا ہے ﴿وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اور وہ تمہارے ساتھ مشقت نہیں چاہتا اور (اس لیے) جس نے مریض اور مسافر پر افطار کو فرض قرار دیا ہے حتیٰ کہ اگر یہ دونوں روزے رکھیں گے تو ان پر اعادہ واجب ہوگا تو اس نے اس (آسانی کے) موجب سے عدول کیا ہے ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ تاکہ تم نے جتنے دن افطار کیا ہے بیماری اور سفر ختم ہونے کے بعد اتنے دن کی گنتی پوری کرو اور جس فعل کی علت بیان کی گئی ہے وہ محذوف ہے۔ اس پر سابق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: "لِتَعْلَمُوْا وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. تاکہ تم جان لو اور تاکہ تم گنتی پوری کرو" ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ماہِ رمضان کے روزے پانے اور افطار کے دنوں کے بدلے میں گنتی پوری کرنے کی رعایت کے لیے رخصت دینے اور حالتِ مرض و سفر میں افطار کی اباحت کی رخصت دینے کا جو ذکر کیا گیا ہے ان تمام امور کی وجوہ بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کلام شروع فرمایا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد' لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ" گنتی کی رعایت دینے کے حکم کی علت بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے اور" وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ" افطار کی ذمہ داری سے بری ہونے اور قضا کرنے کی کیفیت بتانے کی علت بیان کرنے کے لیے ہے اور" وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" رخصت دینے کی علت بیان کے لیے ہے اور یہ نہایت لطیف طریقہ پر ترتیب بیان کرنے کی قسم ہے اور" وَلِتُكَبِّرُوا" کو علیٰ کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ حمد کے معنی پر مشتمل ہے' گویا کہا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اس کی حمد کے ساتھ بیان کرو کہ اس نے تمہیں اپنی طرف ہدایت

[1] بخاری کتاب الایمان باب ۲۸' مسلم کتاب الصیام رقم الحدیث: ۲۰۳' ابوداؤد کتاب رمضان باب ۱' ترمذی کتاب الصوم باب ۱' نسائی کتاب الصیام باب ۳۹

بخشی۔ قاری ابوبکر نے ''وَلِتُكْمِلُوا'' کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (۱۸۶)

اے محبوب! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ ان کو فرما دیں کہ) بے شک میں ان کے نزدیک ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں اس امید پر کہ وہ ہدایت حاصل کر لیں O

شانِ نزول: اور جب ایک اعرابی نے حضور سرورِ عالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے تاکہ ہم اس سے مناجات کریں یا بعید ہے تاکہ ہم اس کو بآوازِ بلند پکار کر اپنی معروضات پیش کریں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۸۶۔ ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو (آپ فرما دیں:) بے شک میں علم اور اجابتِ دعا کے اعتبار سے تمہارے قریب ہوں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکانی قُرب و بُعد سے بہت بلند و بالا ہے ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے۔ قاری یعقوب اور سہل نے دونوں حالتوں (وصل اور وقف) میں ''دَعَانِیْ'' (''یا'' کے اثبات کے ساتھ) پڑھا ہے اور ابو عمرو اور نافع مدنی نے ان دونوں کی موافقت کی ہے البتہ قالون نے وصل کی حالت میں موافقت نہیں کی۔ ان کے علاوہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں ''یـا'' کے بغیر (اِذَا دَعَـانِ) پڑھا ہے، پھر دعا کا قول کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سچا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ناممکن ہے مگر یہ کہ دعا قبول کرنا قضائے حاجت کے خلاف ہو، بہرحال دعا کا قبول کرنا یہ ہے کہ بندہ عرض کرے: اے میرے رب! اور اللہ تعالیٰ کا جواب ہو ''لَبَّیْكَ عَبْـدِیْ. میرے بندے! میں موجود ہوں'' اور اس قدر دعا کا قبول ہونا ہر مسلمان کے لیے ثابت ہے اور اسی کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی رہا حاجت کا پورا ہونا اور مراد کا عطا کیا جانا تو یہ کبھی فوراً ہو جاتا ہے اور کبھی عرصۂ دراز کے بعد ہوتا ہے اور کبھی آخرت میں ہوتا ہے اور کبھی اس کی حاجت اور مراد کے علاوہ کسی اور مقصد میں اس کے لیے خیر و بھلائی عطا کی جاتی ہے ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ﴾ جب وہ مجھ سے اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعا قبول کرتا ہوں، اسی طرح جب میں انہیں ایمان و اطاعت کی دعوت دوں تو وہ بھی مجھ پر ضرور ایمان لائیں اور میری بات کو مانیں اور اطاعت و فرماں برداری کریں ﴿وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ اور ان دونوں فعلوں میں لام امر کا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ تاکہ وہ راہِ راست پانے سے پُر امید رہیں اور ''رُشْـدٌ'' (ہدایت) ''غَیٌّ'' (گمراہی) کی ضد ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآىِٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا
عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى

يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُونَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو؛ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمادیا' پس اب تم ان سے صحبت کر سکتے ہو اور اللہ نے جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ (رات) کے سیاہ دھاگے سے واضح ہو جائے' پھر رات آنے تک روزے پورے کرو اور عورتوں سے مباشرت نہ کرو' جب تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں' پس ان کے قریب نہ جاؤ' اللہ اس طرح لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں O

شانِ نزول: اسلام کے ابتدائی دور میں دستور تھا کہ جب شام ہو جاتی تو ہر آدمی روزہ افطار کر لیتا اور اس کے لیے نماز عشاء اور سونے تک کھانا پینا اور اپنی بیویوں سے جماع کرنا جائز ہوتا لیکن جب عشاء کی نماز پڑھ لیتا یا سو جاتا اور روزہ افطار نہ کرتا تو دوسری آنے والی شام تک اس کے لیے کھانا پینا اور اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہو جاتا' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھ لینے کے بعد اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کیا اور جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ کام تمہارے لائق نہ تھا (اس پر چند اور آدمی بھی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی غلطی کا اعتراف کیا) تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۸۷۔ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ روزوں کی راتوں میں بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ ''رَفَثٌ'' کا معنی جماع کرنا ہے ﴿إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ اس کو حرف ''الی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''جانے'' کے معنی پر مشتمل ہے اور یہاں جماع کی بجائے اس کی جگہ لفظ ''رَفَث'' کو بطور کنایہ ذکر کیا گیا ہے جو قباحت کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جماع کی اجازت سے پہلے (ماہِ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانا) ان کے ہاں نہایت قبیح فعل محسوس کیا جاتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو نفسوں کے ساتھ خیانت کرنے کا نام دیا ہے اور جب میاں بیوی معانقہ کرتے ہیں اور آپس میں گلے لگتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک گلے لگ کر دوسرے پر مشتمل ہو جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے رشتے کو لباس سے تشبیہ دی ہے کیونکہ لباس بھی ملبوس پر مشتمل ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو اور بعض نے کہا کہ لباس کا معنی ہے کہ میاں بیوی حرام سے بچنے کے لیے ایک دوسرے کا ستر ہیں اور ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ'' نیا جملہ ہے اور میاں بیوی کے عملِ زوجیت کو حلال قرار دینے کے سبب کا بیان ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب تمہارے اور ان کے درمیان اس طرح کا اختلاط و ملاپ ہے تو تمہارا ان کے بغیر صبر کرنا کمیاب ہوگا اور ان سے اجتناب کرنا تمہارے لیے مشکل ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے مباشرت کرنے کی رخصت دی ہے ﴿عَلِمَ

اللہ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے کہ تم بیویوں کے ساتھ جماع کے سبب ان پر زیادتی کرتے تھے اور نیکی سے ان کا ایک حصہ کم کرتے تھے اور ''اِخْتِیَانٌ'' ''خِیَانَۃٌ'' سے مشتق ہے جیسے ''اِکْتِسَابٌ'' ''کسب'' سے بنا ہے اور اس (مزید فیہ) میں معنیٰ کی زیادتی اور شدت پائی جاتی ہے ﴿فَتَابَ عَلَیْکُمْ﴾ جب تم نے گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ﴿وَعَفَا عَنْکُمْ﴾ اور رخصت و اجازت سے پہلے تم نے جو کچھ کیا تھا وہ تمہیں معاف فرما دیا ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ سو اب تم ان سے روزوں کی راتوں میں جماع کر سکتے ہو اور یہ امر اباحت (و اجازت) کے لیے ہے (وجوب کے لیے نہیں) اور مجامعت کو مباشرت کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس حالت میں میاں بیوی کے جسم آپس میں ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ﴿وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللہُ لَکُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مباشرت کے ذریعے جو اولاد تمہاری قسمت میں لکھ دی ہے وہ طلب کرو یعنی تم صرف قضائے شہوت کے لیے ان سے مباشرت نہ کرو بلکہ (تم اپنی بیویوں کے ساتھ اس نیت سے جماع کرو کہ) اللہ تعالیٰ نے نکاح کے ذریعے جو نسل تمہارے لیے مقدر کر دی ہے اسے تلاش کرو یا وہ محل (یعنی فرج) تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور تمہارے لیے حلال کر دیا ہے نہ کہ وہ محل (یعنی دُبُــر) جس کو تمہارے لیے حلال نہیں بلکہ حرام محل قرار دیا گیا ہے ﴿وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ﴾ اور صبح صادق کی وہ پہلی ساعت جو نمودار ہو کر دھاگے کی طرح آسمان کے کناروں میں پھیل جاتی ہے اس کے ظاہر ہونے تک کھاؤ اور پیو ﴿مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ اور یہ رات کی وہ سیاہی ہے جو (آسمان کے کناروں میں) پھیل جاتی ہے اور سفید اور سیاہ دو دھاگوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ ان کا امتداد ہے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ یہ بیان ہے کہ سفید دھاگے سے مراد فجر ہے کوئی اور چیز مراد نہیں اور سیاہ دھاگے کے بیان کو چھوڑ کر صرف سفید دھاگے کے بیان پر اس لیے اکتفا کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک کا بیان دوسرے کے لیے بیان ہے یا ''مِنْ'' تبعیض کا ہے کیونکہ فجر کا بعض اور اس کا پہلا حصہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنَ الْفَجْرِ'' نے اس کو استعارہ کے باب سے نکال دیا ہے اور اس کو بلیغ ترین تشبیہ بنا دیا ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ''رَاَیْتُ اَسَدًا. میں نے شیر کو دیکھا ہے'' مجاز ہے سو جب تم فلاں آدمی سے (شجاعت و بہادری میں) بڑھ جاؤ گے تو تشبیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول پر میں نے ایک سفید اور ایک سیاہ دونوں دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیے اور ان کو دیکھتا رہا مگر سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ممتاز اور واضح نظر نہ آیا تو میں نے حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تم تو بڑی لمبی گردن والے ہو یعنی سلامت دل والے کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کے سیدھا سادھا ضعیف العقل ہونے اور قلتِ فہم و فراست پر استدلال کیا جاتا ہے (پھر آپ نے فرمایا:) بلاشبہ سفید دھاگے سے دن کی روشنی اور سیاہ دھاگے سے رات کی سیاہی مراد ہے ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ﴾ پھر تم رات کے آنے تک روزوں کو پورا کرو یعنی ان اشیاء سے (کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے رات کے آنے تک) رکے رہو اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام (یعنی آیتِ مذکورہ) میں (درج ذیل مسائل کے لیے) دلیل ہے: (۱) رمضان کے روزے کی دن میں نیت کرنا جائز ہے (۲) غسل میں فجر تک تاخیر کرنا جائز ہے (۳) وصال کے روزے ممنوع ہیں (۴) جان بوجھ کر کھانے اور پینے کی صورت میں کفارہ ادا کرنا واجب ہے (۵) جنابت روزے کے منافی نہیں ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ﴾ اور تم ان سے جماع نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو چکے ہو' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ رمضان کی راتوں میں جماع حلال ہے لیکن معتکف کے لیے حلال

نہیں اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف مسجد کے سوا کہیں جائز نہیں اور یہ کہ باقی مسجدوں کو چھوڑ کر ایک مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ﴿ تِلْكَ ﴾ یعنی وہ احکام جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ﴿ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں ﴿ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ سو تم مخالفت اور رد و بدل کر کے ان کے قریب بھی نہ جاؤ ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں یعنی شریعتیں بیان کرتا ہے ﴿ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ لوگ محرمات سے بچیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا
ع ۲۳ ۶ فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ
الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا
الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ وہ مال حاکموں کے پاس لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کا کچھ مال ناجائز طریقے سے جان بوجھ کر کھا سکو O لوگ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں' تم فرما دو کہ یہ لوگوں کے (دینی و دنیاوی معاملات) اور حج کے لیے علامات ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اور تم گھروں میں دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ نجات حاصل کرو O

## ناجائز مال کی ممانعت اور چاند کے فائدے

۱۸۸- ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ ﴾ یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ ﴿ بِالْبَاطِلِ ﴾ ایسے ناجائز طریقے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ مباح قرار دیا ہے اور نہ مشروع فرمایا ہے ﴿ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ﴾ دراصل ''وَلَا تُدْلُوْا بِهَا'' ہے اور یہ مجزوم ہے اور نہی کے حکم میں داخل ہے یعنی مالی معاملات میں فیصلہ کرانے کے لیے تم اپنے مال (بطور رشوت) حکام کو نہ دو ﴿ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ ﴾ تاکہ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرانے کے ذریعے تم لوگوں کے کچھ مال گناہ کے طریقے سے کھاؤ یعنی جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم یا جان بوجھ کر ظالم کے حق میں فیصلے کے لیے صلح کے ذریعے (نیز چوری' ڈاکہ' جوا' رشوت' سود' نوحہ' موسیقی' خیانت' دھوکہ دہی اور دوسرے غلط حیلوں بہانوں کے ذریعے لوگوں کا مال کھانا حرام ہے) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کرانے کے لیے آنے والے دو فریقوں سے فرمایا کہ بے شک میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آتے ہو اور تم میں سے بعض اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی وجہ سے دوسرے فریق سے زیادہ دلائل قائم کر لیتا ہے جب کہ میں تو انہیں دلائل کے مطابق فیصلہ کروں گا جو اس سے سنوں گا' پھر میں نے جس شخص کے لیے اس کے بھائی کا حق لے کر دے دیا تو وہ اس کو ہرگز نہ لے کیونکہ میں نے اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کیا ہے' چنانچہ وہ دونوں فریق رونے لگ گئے اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا کہ میں اپنا حصہ اپنے ساتھی کو دیتا

ہوں[1] اور ایک قول یہ ہے کہ "وَتُدْلُوْا بِھَا" کا معنی ہے کہ تم کچھ مال حکام بد کے پاس بطور رشوت نہ لے جاؤ' کہا جاتا ہے: "اَدْلٰی دَلْوَہٗ" یعنی اس نے اپنا ڈول پانی لینے کے لیے کنویں میں ڈالا' ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم جانتے ہو کہ بے شک تم باطل پر ہو اور گناہ کی قباحت کو جانتے ہو پھر اس کا ارتکاب کرنا بہت زیادہ قبیح ہے اور اس کے مرتکب کو زجر و توبیخ کرنا اور اس کو ڈانٹنا زیادہ ضروری ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ پہلی رات دھاگے کی طرح باریک نمودار ہوتا ہے' پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا ابھر جاتا ہے اور برابر ہو جاتا ہے' پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح پہلی رات باریک تھا اور سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا تو یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۸۹- ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ﴾ "اَھِلَّۃٌ" "ھِلَالٌ" کی جمع ہے (جس کا معنی ہے: آواز کو بلند کرنا) اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ (چاند رات) اس کو دیکھ کر آوازیں بلند کرتے ہیں (اور خوش ہو کر آپس میں ایک دوسرے کہتے ہیں: وہ دیکھو نئے مہینے کا چاند نظر آ گیا ہے) ﴿قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ یعنی یہ ایسی علامات ہیں جن کے ساتھ لوگ کھیتوں میں کاشت کرنے کے موسموں اور تجارتی منڈیوں میں تجارت کے کاروبار اور تجارتی ممالک کے ساتھ اوقات کا تقرر کرتے ہیں اور سرکاری ملازمین کے لیے رجسٹروں میں حاضری کے اوقات مقرر کرتے ہیں اور روزے رکھنے اور افطار کرنے اور عورتوں کی عدت' ایامِ ماہواری اور مدتِ حمل وغیرہ کے لیے اوقات متعین کرتے ہیں اور نیز حج کی علامت ہیں جن کے ساتھ اس کا وقت معلوم کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول: انصار میں سے کچھ لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھ لیتے تو پھر وہ باغ' گھر اور حویلی میں دروازے سے داخل نہ ہوتے' پھر اگر ان کے گھر مٹی کے بنے ہوتے تو دروازے کی بجائے گھر کی پچھلی جانب سے نقب لگا کر داخل ہوتے اور وہاں سے نکلتے اور اگر ان کے گھر اُون کے بنے ہوئے خیمے کے ہوتے تو پھر خیمے کی پچھلی جانب سے آتے جاتے تو یہ (درج ذیل) آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا﴾ اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل ہونے کی بجائے ان کی پچھلی جانب سے آیا اور جایا کرو یعنی دروازے سے داخل ہونے میں تم پر کوئی حرج نہیں اور یہاں "اَلْبِرُّ" کے آخر پر رفع پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جہاں آیت مبارکہ دو وجہوں کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے وہاں رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ صرف ایک وجہ کا احتمال رکھتی ہے اور وہ رفع پڑھنا ہے کیونکہ حرف "با" صرف "لَیْسَ" کی خبر پر داخل ہوتی ہے (لہٰذا "بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ" "لَیْسَ" کی خبر ہے اور "اَلْبِرُّ" "لَیْسَ" کا اسم ہے اس لیے مرفوع ہے) ﴿وَلٰکِنَّ الْبِرَّ﴾ اور لیکن نیک آدمی ﴿مَنِ اتَّقٰی﴾ وہ ہے جو ان چیزوں سے بچا رہا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور "اَلْبُیُوْت" ("بَیْتٌ" کی جمع ہے) کو قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری اور امام حفص نے "با" مضموم کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی اصل ہے جیسے "کَعْبٌ" کی جمع "کُعُوْبٌ" ہے اور جس نے "با" کے نیچے کسرہ پڑھا ہے تو وہ صرف "یا" کی مناسبت کی وجہ سے پڑھا ہے لیکن یہ قراءت کسرہ (زیر) سے ضمہ (یعنی پیش) کی طرف

[1] بخاری کتاب الشہادات باب ۲۷' مسلم کتاب الاقضیہ رقم الحدیث: ۴' ابوداؤد کتاب الاقضیۃ باب ۷' جامع ترمذی کتاب الاحکام باب ۱۱' سنن نسائی کتاب القضاۃ باب ۱۳' ابن ماجہ کتاب الاحکام باب ۵' موطا امام مالک کتاب الاقضیۃ رقم الحدیث: ۱

انتقال کو لازم کرتی ہے (جو زبان پر ثقیل ہے) اور جب انہوں نے چاند اور اس کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت کے بارے میں سوال کیا تو گویا انہیں کہا گیا کہ یہ تو معلوم ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے' سو تم اس کے بارے میں سوال کرنا چھوڑ دو اور تم اپنی ایک عادت (یعنی احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں دروازے سے آنے جانے کی بجائے پچھلی جانب سے آنے جانے کے بارے) میں غور کرو جس کو تم نیکی خیال کرتے ہو حالانکہ وہ نیکی نہیں ہے' پس یہ ہے اس جملے کا ماقبل کے ساتھ تعلق اور ایک احتمال یہ ہے کہ جب چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کو علاماتِ حج کے طور پر ذکر کیا گیا تو اس ناپسندیدہ اور بُری عادت کو بالتبع ذکر کیا گیا کیونکہ احرام بھی حج کے افعال میں سے ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کے برعکس سوال کرنے کی مثال بیان کی گئی ہے (جس میں انہوں نے چاند سے متعلق انسانی فوائد ومصالح پوچھنے کی بجائے چاند کی ہیئت کے بارے میں سوال کر دیا جو منصبِ نبوت سے خارج ہے) اور اس سلسلے میں ان کے سوال کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر میں دروازے سے آنا چھوڑ دے اور اس کے پچھواڑے سے داخل ہوا کرے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے یہ مناسب ہے کہ تم اپنے سوالوں میں برعکس رویہ اختیار کرو لیکن نیکی اس شخص کی ہے جس نے اس معاملہ میں تقویٰ اختیار کیا اور ایسے سوالوں سے بچتا رہا اور اس قسم کی جسارت نہیں کی ﴿وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ اور تم اپنے گھروں میں دروازوں سے آیا کرو اور معاملات کو انہی طریقوں کے مطابق بجالایا کرو جن کے مطابق ان کو ادا کرنا واجب ہے اور تم ان میں اُلٹ پلٹ طریقے اختیار نہ کیا کرو یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا واجب اور لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال حکمت اور صواب پر مبنی ہیں' ان میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور نہ ان میں شک کی گنجائش ہے یہاں تک کہ ان کے متعلق سوال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ سوال کرنے پر شک کی تہمت لگنے کا امکان ہے (اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) ''وَلَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ. (الانبیاء:۲۳) اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے بازپُرس نہیں کی جائے گی اور اُن (بندوں) سے بازپُرس کی جائے گی'' ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنا کا تمہیں حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم دائمی نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور ان (کافروں) کو تم جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا اور شرک کا فتنہ قتل سے

زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان کو قتل نہ کرو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں' پھر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کر دو' کافروں کی یہی سزا ہے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

## جہاد اور حج کا بیان

۱۹۰- ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یعنی دین اسلام کے غلبہ اور کلمۂ توحید کی سربلندی کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا جہاد ہے ﴿الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی صرف انہی سے لڑو اور جو لوگ تم سے نہیں لڑتے تم ان سے نہ لڑو اور اس معنی پر یہ آیتِ مبارکہ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً. (التوبہ:۳۶) اور تم تمام مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم تمام مسلمانوں سے لڑتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلی آیت مبارکہ ہے جو سب سے پہلے جہاد کے بارے میں نازل ہوئی تھی (جس میں مشروط اجازت دی گئی)' چنانچہ رسول اللہ ﷺ صرف انہی کافروں سے جہاد کرتے تھے جو آپ سے لڑتے تھے اور جو آپ سے نہیں لڑتے تھے تو آپ بھی ان سے نہیں لڑتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ تم صرف ان لوگوں سے جہاد کرو جو لڑنے کے لیے تم سے مقابلہ کرتے ہیں نہ ان سے جو مقابلہ نہیں کر سکتے جیسے بوڑھے اور بچے اور مذہبی راہ نما اور عورتیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام کافروں سے جہاد کرو کیونکہ تمام کافر مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے وہ سب لڑنے والوں کے حکم میں شامل ہیں ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ اور تم لڑائی میں آغاز نہ کرو یا جن کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو نہ مارو جیسے عورتیں اور بوڑھے اور اسی طرح دوسرے لوگ یا ان کا مثلہ کر کے (یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک آنکھیں کاٹ کر شکل بگاڑ کر) حد سے نہ بڑھو ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۱۹۱- ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ اور انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔ "ثقف" کا معنی ہے: کسی چیز پر غلبہ حاصل کر کے اس کو پوری طرح پالینا ﴿وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ اور ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال دیا تھا یعنی مکہ مکرمہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس آیت مبارکہ میں مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' چنانچہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ یعنی کفارِ مکہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا تمہارے لیے ان کے قتل کو مباح قرار دینے سے زیادہ سخت ہے اور بعض نے کہا کہ فتنہ سے مراد آخرت کا عذاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مشقت و مصیبت جو انسان پر نازل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی عذاب بن جاتی ہے وہ اس کے لیے قتل سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور ایک حکیم و دانا آدمی سے پوچھا گیا کہ موت سے زیادہ سخت کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: وہ چیز ہے جس میں مبتلا ہو کر موت کی آرزو کی جائے' چنانچہ وطن سے نکالنے کو ان فتنوں میں سے شمار کیا گیا ہے جن کے نازل ہونے پر موت کی تمنا کی جاتی ہے ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ﴾ یعنی تم حرم شریف میں ان سے جنگ کا آغاز نہ کرو جب تک وہ حرم میں تم سے جنگ کا آغاز نہیں کرتے' سو ہمارے نزدیک مسجد حرام سے پورا حرم مراد ہے ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ پس اگر وہ حرم شریف میں تم سے جنگ کریں تو تم بھی حرم میں ان سے جنگ کرو' چنانچہ ہمارے ہاں محترم مہینوں میں جنگ کی جا سکتی ہے حرم شریف میں نہیں سوائے اس کے کہ کفار حرم شریف میں ہم سے جنگ شروع کر دیں تو پھر اس وقت ہم بھی حرم شریف میں ان سے جنگ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ. کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو" کا بظاہر یہی تقاضا ہے کہ تمام جگہوں میں ان سے جنگ کرنا جائز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ" کے پیشِ نظر حرم

شریف کو مخصوص کر لیا گیا ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ حرم شریف میں ہم سے جنگ شروع کر دیں (تو پھر ہمارے لیے حرم شریف میں بھی ان سے جنگ کرنا جائز ہے) جیسا کہ "شرح التأویلات" میں ہے۔ ﴿ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ("كَذٰلِكَ" محلاً مرفوع) مبتدا ہے اور "جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ" اس کی خبر ہے' قاری حمزہ اور علی کسائی نے "وَلَا تَقْتُلُوْهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكُمْ فَاِنْ قَتَلُوْكُمْ" پڑھا ہے۔

۱۹۲- ﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا ﴾ پس اگر وہ (کفار) شرک اور جنگ کرنے سے باز آ جائیں ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ سرکشیاں اور غلط کاریاں بہت بخشنے والا ہے ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ ان کے ایمان اور توبہ قبول فرما کر ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ
لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۛ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾ مع

اور ان کو قتل کر دو یہاں تک کہ کسی قسم کا کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور فقط اللہ کا خالص دین رہ جائے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوا ظالموں کے کسی کو سزا نہیں دی جائے گی ○ حرمت والے مہینہ کا حرمت والا مہینہ بدلا ہے اور تمام محترم چیزوں کا بدلا ہے' پھر جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

۱۹۳- ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ اور ان کو قتل کر دو تا کہ کفر و شرک کا فتنہ نہ رہے اور "كَانَ" (یعنی "لَا تَكُوْنَ") تامہ ہے اور "حَتّٰى" "كَيْ" (تا کہ) کے معنی میں ہے یا "اِلٰى اَنْ" (یہاں تک) کہ معنی میں ہے ﴿ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے جس میں شیطان کا کچھ حصہ نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے ﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ پس اگر وہ کفر و شرک سے رک جائیں تو تم ان سے جنگ نہ کرو کیونکہ سختی صرف ظالموں کے لیے ہے اور وہ اب ظالم نہیں رہے یا کفر و شرک سے نہ رکنے والے ظالموں کے علاوہ کسی پر ظلم نہ کرو' ظالموں کی سزا کو مشاکلت کی بنا پر ظلم کہا گیا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ. سو جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو"۔

شانِ نزول: جب حدیبیہ کے سال (۶ھ میں) مشرکینِ مکہ حرمت والے مہینے ذیقعد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے (اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کرام سمیت عمرہ کرنے سے روک دیا اور آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت پر صلح ہو

گئی) پھر جب اگلے سال مسلمان عمرہ کی قضا کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں روانہ ہوئے اور وہ اس وقت کفار سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ذیقعد کا مہینہ تھا تو (درج ذیل آیت مبارکہ نازل کر کے) انہیں فرمایا گیا کہ

۱۹۴- ﴿اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ﴾ ہے یعنی یہ حرمت والا مہینہ اس حرمت والے مہینے کا بدلا ہے اور اس کی بے حرمتی اس کی بے حرمتی کا بدلا ہے یعنی جس طرح انہوں نے اس مہینہ کی حرمت کو تم پر چاک کر دیا ہے اسی طرح تم بھی اس کی حرمت کو ان پر چاک کر دو ﴿وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ یعنی ہر محترم چیز میں بدلا لینے کا قانون جاری ہے لہٰذا جو شخص کسی بھی حرمت والی چیز (خواہ ماہِ حرام ہو یا حرم شریف) کی حرمت کی ہتک کرے گا اس سے اس بنا پر بدلا لیا جائے گا کہ اس نے محترم چیز کی حرمت کی ہتک کی ہے سو جب انہوں نے تمہارے مہینے کی حرمت کی ہتک کی ہے تو تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو اور تم کسی چیز کی پرواہ نہ کرو (کیونکہ بے حرمتی کی ابتدا ان کی طرف سے ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس قانون کی تاکید فرما دی ہے: ﴿فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ﴾ پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اس میں حرف ''مَنۡ'' شرطیہ ہے اور ''با'' زائدہ نہیں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) ان کی زیادتی کے برابر سزا دی جائے یا حرفِ ''با'' زائدہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) جیسے انہوں نے زیادتی کی ہے ویسے ہی تم ان پر زیادتی کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم بدلا لیتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو پس جو تم پر زیادتی کرے تم اس کے ساتھ ایسی زیادتی نہ کرو جو تمہارے لیے جائز نہ ہو ﴿وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

۱۹۵- ﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اپنے صدقات و خیرات اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں خرچ کرو اور یہ حکم جہاد کی ضروریات میں اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں خرچ کرنے کے لیے عام ہے ﴿وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ﴾ اور تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور حرفِ باء زائدہ ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو قتل نہ کرو (اس لیے خودکشی کرنا حرام ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا جب وہ اپنی ہلاکت کا خود سبب بن جائے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب ہے یا خرچ کرنے میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ خود محتاج ہو جائے اور اس کے بیوی بچے فقر و فاقہ سے ہلاک ہو جائیں یا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے یا پھر جہاد کو چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے جو دشمن کی تقویت کا باعث بنتا ہے (یہی وجہ ہے کہ آج (۲۰۰۷ء میں) غیر مسلم حکومتیں طاقتور ہو گئیں ہیں اور مسلم حکومتیں کمزور ہو چکی ہیں) اور ''تَهۡلُكَةٌ'' اور ''هَلَاكٌ'' اور ''هَلۡكٌ'' سب کا ایک معنی ہے ﴿وَاَحۡسِنُوۡا﴾ اور تم نیک اعمال کرنے پر ثواب عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھو ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محتاجوں اور ضرورت مندوں پر احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا

اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ
اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ع ﴿۱۹۶﴾

ع ۲۴ ۹ ۸

اورتم حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو' پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی تمہیں آسانی سے مل جائے وہ بھیج دو اور اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ پر پہنچ جائے' پھر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو اس کے بدلا میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے' پھر جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا فائدہ حاصل کرے تو وہ ایک قربانی کرے جو آسانی سے ادا کر سکے' پھر جو شخص قربانی نہ کر سکے تو حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھو جب تم (گھر) واپس لوٹ آؤ' یہ پورے دس (روزے) ہوئے' یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہنے والے نہ ہوں' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ○

۱۹۶- ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے حج اور عمرہ کو اس کے فرائض اور شرائط کے ساتھ بغیر کسی کمی وبیشی کے پورا پورا ادا کرو اور بعض علماء نے کہا کہ شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا مراد ہے' پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حج اور عمرہ کو شروع کرے تو ان دونوں کو مکمل کرنا اس شخص پر لازم ہو جاتا ہے اور ہم (حنفی حضرات) اسی کے قائل ہیں کہ بے شک عمرہ شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ سے عمرہ کے واجب ہونے پر استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شروع کرنے کے بعد واجب اور نفل دونوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے (خلاصہ یہ کہ عمرہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے سنت ہے) یا یہ کہ جب تم اپنے گھروں سے روانہ ہوتے وقت حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لو تو پھر ان دونوں کا پورا کرنا واجب ہے یا یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے الگ سفر کی نیت کر لو تو پھر ان کا پورا کرنا واجب ہے یا یہ مطلب ہے کہ حج اور عمرہ میں حلال رقم خرچ کرو اور ان کے ساتھ کوئی کاروبار اور تجارت وغیرہ نہ کرو (بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دونوں کو مکمل ادا کرو ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ ''اُحْصِرَ فُلَانٌ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کو کسی بیماری یا عجز یا دشمن کے خوف کی وجہ سے روک دیا جائے اور ''حُصِرَ'' (کہا جاتا ہے) جب اس کو دشمن جانے سے روک دے اور اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ہمارے نزدیک بیماری یا دشمن یا ان کے علاوہ ہر وہ رکاوٹ جس کی وجہ سے حج اور عمرہ کرنے سے روک دیا جائے احصار ثابت ہو جائے گا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا ٹانگ ٹوٹنے سے وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ احرام کھول دے[1] یعنی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب ۴۳' ترمذی کتاب الحج باب ۹۴' نسائی کتاب المناسک باب ۱۰۲' ابن ماجہ کتاب المناسک باب ۸۵' دارمی کتاب المناسک باب ۵۷' احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۴۵۰

اور اس پر آئندہ سال حج کرنا فرض ہے' اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احصار صرف دشمن حائل ہونے کی صورت میں ثابت ہوگا اور آیت مبارکہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ احصار عمرہ میں بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کا ذکر حج اور عمرہ دونوں کے بعد کیا گیا ہے ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ پس جو قربانی آسانی سے حاصل ہو بھیج دو۔ کہا جاتا ہے: "یَسَرَ الْاَمْرُ وَاسْتَيْسَرَ" یعنی کام آسان اور نرم ہو گیا" جیسے کہا جاتا ہے: "صَعَبَ وَاسْتَصْعَبَ" یعنی کام مشکل و دشوار ہو گیا" اور "اَلْهَدْیُ" "هَدْيَةٌ" کی جمع ہے یعنی اگر تمہیں بیت اللہ شریف کی طرف جانے سے روک دیا جائے اور تم حج یا عمرے کا احرام باندھ چکے ہو اور تم احرام کھولنا چاہتے ہو تو تم پر قربانی کا جانور (حرم شریف میں) بھیجنا واجب ہے جو آسانی سے حاصل ہو جائے خواہ اونٹ ہو خواہ گائے ہو خواہ بکری ہو' پس "ما" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی "فَعَلَيْكُمْ مَا اسْتَيْسَرَ" پس جو قربانی آسانی سے حاصل ہو اس کو بھیجنا تم پر واجب ہے" یا یہ منصوب ہے یعنی "فَاهْدُوْا لَهٗ مَا اسْتَيْسَرَ" پس قربانی کا جو جانور آسانی سے حاصل ہو اس کو تم بھیج دو" ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ یہ خطاب "مُحْصَرِيْنَ" (وہ لوگ جن کو احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرے سے روک دیا جائے) کے لیے ہے یعنی تم اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ قربانی کا وہ جانور جس کو تم نے حرم شریف بھیجا ہے وہ اپنے محل یعنی اپنی اس جگہ پہنچ جائے جس میں اس کو قربان کرنا واجب ہے اور وہ حرم شریف ہے اور یہ آیت مبارکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ احصار کا دم حرم شریف میں ہی ذبح کیا جائے گا اس کے علاوہ کسی جگہ جائز نہیں جب کہ ان کے نزدیک حرم کے علاوہ دوسری جگہ بھی ذبح کرنا جائز ہے ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا﴾ پس تم میں سے جس شخص کو بیماری ہو جس کی وجہ سے سر منڈانے کی ضرورت پیش آ جائے ﴿اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ﴾ یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور وہ جوئیں اور زخم وغیرہ ہے ﴿فَفِدْيَةٌ﴾ تو جب وہ اپنا سر منڈائے گا اس پر فدیہ ادا کرنا واجب ہو جائے گا ﴿مِّنْ صِيَامٍ﴾ وہ تین روزے ہیں ﴿اَوْ صَدَقَةٍ﴾ یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے ہر مسکین کے لیے گندم کا نصف صاع ہے ﴿اَوْ نُسُكٍ﴾ یا ایک بکری کی قربانی دے اور یہ کلمہ یا تو مصدر ہے یا پھر "نَسِيْكَةٌ" کی جمع ہے ﴿فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ﴾ پھر جب تم احصار سے محفوظ ہو جاؤ یعنی جب تمہیں نہ روکا جائے اور تم بیت اللہ شریف کی طرف آنے جانے کے لیے آزاد ہو اور تم امن کی حالت میں ہو اور تمہیں وسعت و خوشحالی حاصل ہو ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ﴾ تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کو ملانے سے فائدہ حاصل کرے اور حج کے وقت میں عمرہ کے ساتھ فائدہ اٹھانے کا مطلب ہے کہ حج کے تقرب سے نفع اٹھانے سے پہلے عمرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا نفع اٹھایا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ جب آدمی عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیتا ہے تو احرام کی وجہ سے جو چیزیں حرام تھیں ان کے مباح ہو جانے کا نفع حاصل کر لیتا ہے جب تک حج کا احرام نہیں باندھ لیتا ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ سو جو قربانی آسانی سے حاصل ہو وہ ادا کرے اور وہ حج تمتع کی قربانی ہے اور یہ وہ قربانی ہے جس کا گوشت (عید الاضحیٰ کی قربانی کے گوشت کی طرح) کھایا جائے گا (لہٰذا قربانی دینے والا حاجی بھی اس کو کھا سکتا ہے) ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جو شخص قربانی نہ کر سکے ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ﴾ تو اس پر حج کے دنوں میں تین روزے رکھنے واجب ہیں اور وہ حج اور عمرہ کے دونوں احراموں کے درمیان کے مہینے ہیں (اور یہ تین روزے سات' آٹھ اور نو ذوالحج کے دنوں میں رکھنا مستحب ہیں) ﴿وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ اور سات روزے اس وقت رکھو جب تم واپس لوٹو اور حج کے افعال سے فارغ ہو جاؤ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ یہ پورے دس روزے قربانی کے بدلے میں واقع ہیں یا ثواب میں یا پھر اس سے ابہام کو دور کرنا مراد ہے' لہٰذا حرف واؤ کے بارے میں اب یہ وہم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اباحت (یا اَوْ) کے معنی میں ہے جیسا کہ "جَالِسِ الْحَسَنَ وَابْنَ سِيْرِيْنَ" کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ ان دونوں کو یا ان

میں سے کسی ایک کو بٹھا دے تو تعمیلِ حکم ہو جائے گی۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ ہمارے نزدیک یہ حج تمتع کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کے لیے نہ حج تمتع ہے اور نہ حج قران ہے[1] اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک (حج تمتع) کے حکم کی طرف اشارہ ہے یعنی قربانی یا (قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں) روزوں کا واجب ہونا اور ان پر کوئی چیز واجب نہیں ﴿لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ وہ مواقیت میں رہنے والے اور وہاں سے مکہ مکرمہ تک کے درمیان رہنے والے لوگ مراد ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور حج وغیرہ کے متعلق جن افعال کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جن افعال سے تمہیں منع کیا گیا ہے ان کے بارے میں تم اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالٰی ان لوگوں کو سخت عذاب دینے والا ہے جو اس سے نہیں ڈرتے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

حج کے مہینے مشہور ہیں، سو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو وہ حج میں نہ عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر کرے نہ گناہ کی بات کرے اور نہ کسی سے جھگڑا کرے اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے، اور تم سفر خرچ تیار رکھو اور بہترین سفر خرچ تقویٰ ہے اور عقل والو مجھ سے ڈرتے ہو○ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے واپس پلٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور بے شک اس سے پہلے تم بے علم لوگوں میں سے تھے○

۱۹۷- ﴿اَلْحَجُّ﴾ یعنی حج کا وقت مراد ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے: "اَلْبَرْدُ شَهْرَانِ. یعنی سردی کا موسم اور اس کا وقت دو مہینے ہے" ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ یہ مہینے لوگوں کے نزدیک مشہور ہیں، ان کا جاننا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں اور وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے دس دن ہیں اور ان مہینوں میں حج متعین کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ حج کے افعال میں سے کوئی

[1] واضح رہے کہ حج اور عمرہ کے کل چار طریقے ہیں: (۱) مفرد عمرہ یہ ہے کہ صرف عمرہ ادا کرنے کی نیت کر کے میقات یا اس سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے (۲) حج مفرد یعنی صرف حج کی نیت کر کے میقات یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے (۳) حج قران یعنی حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھے ادا کرنے کی نیت کر کے حج کے مہینوں (شوال، ذیقعد اور ذوالحج کے دس دن) میں میقات یا اس سے پہلے دونوں کا احرام باندھے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے، پھر حج کے افعال ادا کرے (۴) حج تمتع، وہ یہ ہے کہ میقات یا اس سے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرے یا عمرے کا اکثر طواف حج کے مہینوں میں ادا کرے، پھر احرام کھول دے، پھر اسی سال جب حج کا وقت آ جائے تو حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

فعل ان مہینوں کے علاوہ جائز نہیں اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان مہینوں کے سوا کسی اور مہینے میں احرام باندھنا جائز نہیں اور ہم احناف کے نزدیک (وقت سے پہلے وضو کی طرح) احرام باندھنا اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے اوران کو(''شَهْر'' کی بجائے) ''اَشْهُرٌ'' جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ تیسرے مہینے کے دس دن شامل ہیں یا اس لیے کہ اسم جمع میں ایک سے زائد عدد بھی مشترک ہوتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تعالیٰ ہے: ''فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا. (التحریم:۴) یعنی تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں'' ﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ پھر جو شخص ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو لازم کر لے ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ تو وہ نہ جماع کرے یا وہ نہ اس کا عورتوں کے سامنے ذکر کرے اور نہ وہ بے حیائی کی گفتگو کرے ﴿وَلَا فُسُوْقَ﴾ اور وہ نہ گناہ کرے یا وہ گالیاں نہ دے کیونکہ حضور سیّد عالم ﷺ کا فرمان ہے: ''سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ. یعنی مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے''[1] یا وہ بُرے القاب سے کسی کو نہ بلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ. (الحجرات:۱۱) بُرا نام رکھنا گناہ ہے'' ﴿وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ اور نہ وہ اپنے خادموں، دوستوں، ساتھیوں اور بُرائی کرنے والوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے اور بے شک ان چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ ان چیزوں سے بچنا تو ہر حال میں واجب و لازم ہے اس لیے کہ حج کے ساتھ ان امور کا ارتکاب زیادہ قبیح ہے جس طرح نماز میں ریشمی لباس پہننا اور قرآن مجید کی قراءت میں نغمہ سرائی کرنا زیادہ بُرا ہے اور یہاں نفی سے مراد یہ ہے کہ ان برائیوں سے بچنا واجب اور ضروری ہے اور یہ کہ حقیقت میں یہ برائیاں کسی انسان میں نہیں ہونی چاہئیں اور قاری ابوعمرو بصری اور ابن کثیر مکی نے پہلے دو (فَلَا رَفَثٌ وَّلَا فُسُوْقٌ) کو نہی پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ محرم نہ بُری بات کہے اور نہ بُرا کام کرے اور تیسرے (وَلَا جِدَالَ) کو جنگ و جدال کی نفی کرنے کے لیے خبر کے معنی پر محمول کر کے منصوب پڑھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ حج کے بارے میں نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے اور نہ اختلاف کی، پھر اللہ تعالیٰ کی بُرائی سے روکنے کے بعد اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے نیکی کرنے اور قبیح اور گندی گفتگو کی بجائے اچھی اور پاکیزہ گفتگو کرنے اور بُرائی اور بے حیائی کی بجائے نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے اور لڑائی اور جھگڑے کی بجائے اتفاق و اتحاد اور اچھے اخلاق اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، وہ تمہیں نیکی کی جزا ضرور عطا فرمائے گا اور اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی بات رد کر دی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

شانِ نزول: جب یمن کے لوگ حج کو روانہ ہوتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں (وہی ہمیں کھلائے پلائے گا)، پھر یہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے (کہ کھانا وغیرہ دوسرے لوگوں سے مانگ کر کھاتے اور بھیک مانگ کر گزارا کرتے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿وَتَزَوَّدُوْا﴾ یعنی سامانِ سفر تیار رکھو اور لوگوں کو پریشان کرنے اور ان پر بوجھ بننے اور بھیک مانگنے سے بچو ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ یعنی لوگوں کو پریشان کرنے اور ان پر بوجھ بننے سے بچنا اور سفر خرچ تیار رکھنا بہتر ہے یا محرمات و ممنوعات سے پرہیز کر کے آخرت کے لیے سامانِ نجات (نیک اعمال) تیار رکھو کیونکہ بہترین زادِ راہ گناہوں سے بچنا ہے ﴿وَاتَّقُوْنِ﴾ اور میرے عذاب سے ڈرتے رہو اور یہ ''دَعَانِ'' (البقرۃ:۱۸۶) کی طرح ہے کہ (کہ آخر سے ''یا'' محذوف کر دی گئی ہے، دراصل ''وَاتَّقُوْنِيْ'' تھا) ﴿يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اے عقلمندو یعنی عقل کا تقاضا خوفِ خدا ہے اور عقلمندوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ عقلمند

[1] رواہ الامام احمد فی مسندہ ج ۵ ص ۴۳۹

نہیں ہے۔
شانِ نزول: (مندرجہ ذیل آیت مبارکہ) اس قوم کی تردید میں نازل کی گئی ہے جن کا خیال تھا کہ تجارت کا کاروبار کرنے والے تاجروں اور اپنے اونٹ کرایہ پر دینے والوں کو حج کا ثواب نہیں ملے گا اور وہ کہا کرتے کہ یہ لوگ حج کرنے والے نہیں بلکہ یہ کاروباری اور روزی کمانے والے مزدور لوگ ہیں۔

**۱۹۸-** ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا﴾ حج کے موسم میں (مالی کاروبار کے ذریعے رزق) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ کہ تم اپنے رب کے فضل اور اس کی عطا (یعنی اس کا رزق) طلب کرو اور وہ تجارت اور کرایہ کے ذریعے منافع حاصل کرنا ہے ﴿فَإِذَا أَفَضْتُمْ﴾ پھر جب تم کثیر اجتماع کے ساتھ واپس لوٹو اور یہ "افاضة الماء" سے ہے اور وہ پانی کا کثرت سے بہنا ہے اور دراصل "اَفَضْتُمْ اَنْفُسَكُمْ" ہے لیکن مفعول کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے ﴿مِّنْ عَرَفٰتٍ﴾ یہ موقف یعنی ٹھہرنے کی جگہ کا نام ہے اور "اذرعات" کی طرح جمع کے ساتھ اس کا نام رکھا گیا ہے اور یہ اسم منصرف ہے (غیر منصرف نہیں) کیونکہ اس میں "تا" تانیث نہیں ہے بلکہ یہ اپنے ماقبل الف کے ساتھ مل کر جمع مؤنث کی علامت ہے اور اس جگہ کا نام عرفات اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس جگہ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی' پھر جب آپ نے اس جگہ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور ایک قول یہ ہے کہ (جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر ہند میں بھیج دیا گیا اور حضرت حوا کو جدہ میں بھیج دیا گیا تو بعد ازاں عرفات کے) اس میدان میں حضرت آدم اور حضرت حوا کی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عرفات میں وقوف کرنا واجب ہے کیونکہ میدان عرفات سے روانگی اس میں ٹھہرنے کے بعد ہی متصور ہو سکتی ہے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو تم تلبیہ ("لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ" کہنا) اور تہلیل ("لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا) اور تکبیر ("اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہنا) اور حمد و ثناء ("اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا) اور دیگر دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر دیا مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو ﴿عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ اور یہ مقام قزح ہے اور یہ ایک پہاڑی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے اور اس جگہ پر میقدہ بھی ہے (جہاں زمانۂ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کرتے تھے) اور "مَشْعَرٌ" کا معنی ہے: جاننے اور معلوم کرنے کی جگہ کیونکہ یہ عبادت کرنے کے جاننے کی جگہ ہے (اس لیے اس کو مشعر کہا جاتا ہے اگرچہ سوائے وادیٔ محسر کے مزدلفہ کی ساری سرزمین پر عبادت و ذکر کرنا جائز ہے مگر افضل مشعر حرام کے پاس ہے اور اس مشعر کو حرام کے ساتھ اس کی عزت و حرمت کی وجہ سے موصوف کیا گیا ہے اور ایک قول کے مطابق پورا مزدلفہ مشعر حرام ہے اور اس جگہ کا نام مزدلفہ جمع ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس جگہ حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے اور ان سے قرب حاصل کیا یا اس لیے کہ یہاں دو نمازیں مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں یا اس لیے کہ لوگ اس جگہ وقوف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں ﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ﴾ ما مصدریہ ہے یا پھر ما کافہ ہے یعنی اس (اللہ تعالیٰ) کو اچھی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں اچھی ہدایت دی ہے یا اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے' اس کو (تعلیم الٰہی کے بغیر) کیسے یاد کر سکتے ہو اور اس سے منہ نہ پھیرو ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اور بے شک تم ہدایت قبول کرنے سے پہلے ﴿لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ یقیناً جاہلوں میں سے تھے تمہیں (ایمان و اطاعت کی) پہچان حاصل نہیں تھی بھلا اُسے یاد کیسے کرتے اور اس کی عبادت کیونکر کرتے اور اس میں "اِنْ" کو ثقیلہ (مُشَدَّدْ) سے خفیفہ (ساکن) بنا دیا گیا ہے اور لام فارقہ (ایک قول یہ ہے کہ "اِنْ" نافیہ ہے اور لام "اِلَّا" کے معنی میں ہے)۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت مانگو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O پھر جب تم اپنے حج کی تمام عبادات پوری کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کرو' پھر لوگوں میں سے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں O اور ان میں سے جو یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا O

۱۹۹- ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ پھر تمہیں وہیں سے لوٹنا چاہیے جہاں دوسرے لوگ لوٹتے ہیں اور مزدلفہ نہ لوٹو۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قریش کو حکم ہے کہ وہ عرفات سے جمع کی طرف روانہ ہوا کریں کیونکہ یہ لوگ جمع (مزدلفہ) میں وقوف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں' لہٰذا ہم اس سے باہر نہیں نکلیں گے' ایک قول یہ ہے کہ عرفات سے مزدلفہ کی طرف لوٹنے کا ذکر (پچھلی آیت کریمہ میں) کر دیا گیا ہے' لہٰذا اس آیت کریمہ میں جمع (یعنی مزدلفہ) سے منیٰ کی طرف لوٹ جانے کا ذکر ہے اور اس معنی پر "اَلنَّاسُ" سے مراد جنس ہے اور خطاب مؤمنوں کے لیے ہے ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو موقف کے بارے میں مخالفت کرنے پر اور اسی طرح زمانہ جاہلیت کی غلطیوں پر اور اعمالِ حج میں کوتاہیوں پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور تم پر بے حد مہربان ہے۔

۲۰۰- ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ﴾ پس جب تم اپنی عبادات مکمل ادا کر کے فارغ ہو جاؤ جن کا تمہیں حج کے بارے میں حکم دیا گیا تھا اور (منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف) تم روانہ ہونے لگو ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو اور اس میں خوب مبالغہ کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے مفاخر اور شجاعت و بہادری کے کارناموں کے ذکر میں کرتے ہو اور وہ دراصل جب ارکانِ حج ادا کر لیتے تو منیٰ میں مسجد اور پہاڑ کے درمیان وہ لوگ کھڑے ہو جاتے اور اپنے آباء واجداد کے فضائل کو بیان کرتے اور ان کے شجاعت و بہادری کے محاسن کا ذکر کرتے تھے ﴿اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ یعنی ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو اور یہ جر کے محل میں واقع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "كَذِكْرِكُمْ" میں ذکر کے مضاف الیہ ("كُمْ" ضمیر) پر عطف کیا گیا ہے جیسے تم کہتے ہو کہ جس طرح قریش اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہیں یا قوم کے ذکر سے بڑھ کر ذکر کرنا اور یہاں "ذِكْرًا" تمیز واقع ہو رہا ہے ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ﴾ پھر حج میں حاضر ہونے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو

اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا کی نعمتوں کا سوال کرتے اور کہتے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا﴾ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں عطا فرما یعنی ہماری عطا ہمیں خاص کر دنیا میں مقرر کر دے یعنی رعب و دبدبہ اور مال و دولت ﴿وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں''خــلاق'' کا معنی نصیب ہے کیونکہ ان کا مقصد دنیا تک محدود ہے اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کثرت سے کیا کرو کیونکہ کچھ لوگ کم طلب کرنے والے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے صرف دنیا کے اغراض طلب کرتے ہیں اور کچھ لوگ زیادہ طلب کرنے والے ہیں' وہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتے ہیں' پس تم زیادہ طلب کرنے والے بن جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

۲۰۱- ﴿وَمِنۡهُمۡ﴾ اور ان لوگوں میں سے جو حج میں حاضر ہوتے ہیں ﴿مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡيَا حَسَنَةً﴾ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما یعنی نعمت اور عافیت یا علم سے مالا مال فرما اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما ﴿وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ اور آخرت میں بھی بھلائی یعنی معافی اور مغفرت عطا فرما یا مال و دولت اور جنت عطا فرما یا ثنائے مخلوق اور رضائے حق یا ایمان و امان یا اخلاص و نجات یا سنت کی اتباع اور جنت یا قناعت و شفاعت یا نیک عورت اور حور عین یا سعادت کی زندگی اور قبور سے حشر کے ساتھ بشارت عطا فرما ﴿وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما یا آگ کے عذاب اور بُری عورت سے بچا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِیۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اور گنے چنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو تو جو شخص دو دن میں جلدی کر کے چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (یہ حکم) اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے اور ہے وہ سب سے زیادہ جھگڑالو O

۲۰۲- ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یعنی دونوں جہانوں کی بھلائی کی دعا کرنے والوں ﴿لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا﴾ کے لیے حصہ ہے جو انہوں نے نیک اعمال کمائے ہیں اور وہ ثواب ہے جو بہترین فوائد و منافع (کی صورت میں عنایت کیا جائے گا) یا ان کی کمائی کے سبب یا دعا کو کسب کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ دعا بھی اعمال میں سے ایک عمل ہے اور اعمال کسب کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں فریقوں کی طرف اشارہ ہو اور بے شک دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق کے لیے اس کی کمائی کی جنس سے اس کے لیے حصہ ہے ﴿وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ﴾ عنقریب قیامت قائم ہو گی اور بندوں سے

حساب لیا جائے گا' لہٰذا تم آخرت کے طلب کرنے اور زیادہ سے زیادہ ذکر کرنے کے لیے جلدی کرو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو مخلوقات کے جلد حساب لینے کے ساتھ موصوف فرمایا باوجود یکہ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگی اور ان کے اعمال بھی بہت زیادہ ہوں گے تاکہ یہ بات اس کی کمال قدرت پر دلالت کرے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے وجوب پر دلالت کرے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا اتنی دیر میں حساب لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک لمحہ میں سب کا حساب لے لے گا۔

۲۰۳۔ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا گنے چنے دنوں میں ذکر کیا کرو اور یہ ایام تشریق ہیں (دس ذوالحج سے لے کر تیرہ ذوالحج تک) اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ان دنوں میں نمازوں کے بعد اور جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد تکبیرات (یعنی ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'') پڑھنا مراد ہیں (اور راجح قول کے مطابق یہ تکبیرات نو ذوالحج کی صبح سے لے کر تیرہ ذوالحج کی عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ واجب اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہیں) ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ﴾ تو جس نے جانے میں جلدی کی یا جلدی روانہ ہو گیا اور ''تَعَجَّلَ'' اور ''اِسْتَعْجَلَ'' دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور دونوں ''عَجَّلَ'' کے معنی میں آتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ''تَعَجَّلَ فِي الْاَمْرِ وَاسْتَعْجَلَ. یعنی اس نے کام میں جلدی کی'' اور یہ دونوں متعدی استعمال ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے: اس نے جانے میں جلدی کی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَمَنْ تَاَخَّرَ'' کے مطابق ان میں مطاوعت (یعنی فعلِ متعدی کے بعد اسی سے فعلِ لازم لانا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مفعول نے فاعل کا اثر قبول کر لیا ہے) زیادہ موافق ہے ﴿فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ ان تین دنوں میں سے دونوں میں (کنکریاں مار کر جلدی چلا گیا) اور رکا نہیں تاکہ تیسرے دن کنکریاں مارتا اور ان تین دنوں میں سے صرف دو دنوں میں جمروں کو کنکریاں مارنے پر اکتفاء کر لیا ﴿فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ تو اس جلدی کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں ﴿وَمَنْ تَاَخَّرَ﴾ اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ اس نے تیسرے دن بھی (شیطانی جمروں کو) کنکریاں ماریں ﴿فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى﴾ تو اس پر کوئی گناہ نہیں' یہ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا یعنی جو شکار کرنے سے بچ گیا یا جو بے حیائی کی گفتگو اور گناہوں سے بچ گیا یا اس کو تاخیر و تقدیم میں اختیار دیا گیا ہے اگرچہ تاخیر کرنا افضل و بہتر ہے لیکن اسے فاضل اور افضل میں اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ مسافر کو روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں اختیار دیا گیا ہے اگرچہ روزہ رکھنا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے دو گروہ ہو گئے' ایک گروہ تاخیر کرنے کو گناہ خیال کرتا تھا اور دوسرا گروہ جلدی جانے کو گناہ خیال کرتا تھا تو قرآن مجید نے دونوں سے گناہ کی نفی کر دی اور واضح کر دیا کہ نہ تاخیر کرنا گناہ ہے اور نہ جلدی کرنا گناہ ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تمام معاملات میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور جان لو کہ بے شک تم سب اس کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے۔

## منافق و مسلم کی پہچان اور ان کے مسائل

۲۰۴۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ﴾[1] اور لوگوں میں سے بعض کی گفتگو آپ کو بہت اچھی اور عجیب لگتی ہے اور

[1] یہ اور اس سے اگلی دو آیات اخنس بن شریق ثقفی منافق کے متعلق نازل ہوئی تھیں جو مدینہ منورہ میں حضور رحمتِ عالمیان ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور کہا کہ میں صرف اسلام کے ارادہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بالکل سچ بول رہا ہوں' اس کی یہ باتیں سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت تعجب ہوا' پھر جب یہ روانہ ہوا تو راستے میں مسلمانوں کے کھیتوں کو آگ لگا دی اور ان کے جانوروں کو ہلاک کر دیا۔ (روح المعانی الجزء الثانی)

آپ کے قلبِ اطہر میں وزنی اور عظیم محسوس ہوتی ہے اور اسی وجہ سے جو بات نفس کو عظیم اور انوکھی محسوس ہوتی ہے اس کو عجیب چیز کہا جاتا ہے ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''فِيْ'' ''قَوْلُـهٗ'' کے متعلق ہے یعنی دنیا کے لحاظ سے اس کی گفتگو آپ کو اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ محبت کا دعویٰ کر کے مال و متاع چاہتا ہے اور وہ اس کے ساتھ آخرت کا ارادہ نہیں رکھتا یا حرف ''فِيْ'' ''يُعْجِبُكَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی دنیا میں اس کی میٹھی باتیں آپ کو اچھی لگتی ہیں مگر آخرت میں نہیں کیونکہ میدانِ محشر میں اس کی زبان گنگ ہو جائے گی اور گفتگو نہ کر سکے گا ﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ﴾ یعنی وہ قسم اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے دل میں آپ کی اور دینِ اسلام کی جو محبت ہے اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ اور وہ سخت جھگڑالو اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے اور ''خصام'' اور مخاصمت کا معنی جھگڑنا ہے اور یہ اضافت فی کے معنی میں ہے کیونکہ ''اَفْعَلُ'' جس کی طرف مضاف ہوتا ہے وہ اس کا بعض ہوتا ہے جیسے کہتے ہو: ''زَيْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ. بہرحال ایسا شخص عمدہ کلام نہیں ہوتا' لہٰذا اس کی اصل عبارت ''اَلَدُّ فِي الْخُصُوْمَةِ'' ہے یا پھر ''اَلْخِصَام'' ''خَصْمٌ'' کی جمع ہے جیسے ''صَعْبٌ'' کی جمع ''صِعَابٌ'' ہے اور اصل عبارت یوں ہے: ''وَهُوَ اَلَدُّ الْخُصُوْمِ خُصُوْمَةً. یعنی وہ بہت سخت جھگڑالو ہے''۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

جب وہ پیٹھ موڑ کر واپس ہوتا ہے تو وہ زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشش میں لگا رہتا ہے اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا O اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو گناہ کرنے کے لیے اس پر ضد سوار ہو جاتی ہے' پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً بہت بُرا ٹھکانا ہے O اور لوگوں میں سے ایک وہ شخص ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے کے لیے اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے O پھر اگر روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تم پھسل گئے تو جان لو کہ بے شک اللہ بہت غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے O

۲۰۵- ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى﴾ اور جب وہ آپ سے اٹھ کر واپس لوٹتا ہے اور نرم و شیریں گفتگو کرنے کے بعد واپس چلا جاتا ہے ﴿سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا﴾ تو وہ زمین پر دوڑتا پھرتا ہے تا کہ اس میں فساد برپا کر دے جس طرح اس نے قبیلہ ثقیف کے ساتھ کیا تھا کیونکہ اس کے اور ان کے درمیان دشمنی چلی آ رہی تھی تو ایک دفعہ اس نے ایک رات ان کے پاس گزاری اور ان کے جانوروں کو ہلاک کر دیا اور ان کے کھیتوں کو جلا ڈالا ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ یعنی ان کے کھیتوں

اور جانوروں کو ہلاک کر ڈالا یا (یہ مطلب ہے کہ) جب حاکم بن جائے تو ایسے ظالمانہ کام کرنا شروع کر دے جو بُرے اور ظالم حکام کیا کرتے ہیں یعنی لوگوں کے جانور اور کھیتیاں تباہ و برباد کر کے زمین میں فساد برپا کر دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ظلم کو غالب کر دے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بارش برسانا روک دے اور خشک سالی کی وجہ سے کھیتیاں سوکھ کر تباہ و برباد ہو جائیں اور جانور ہلاک ہو جائیں ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

۲۰۶- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُ﴾ اور جب اخنس بن شریق سے کہا گیا کہ ﴿اتَّقِ اللّٰهَ﴾ فساد پھیلانے اور کھیتوں کو جلانے اور جانوروں کو ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ تو اس کو تکبر و غرور اور نخوت وعار اور زمانۂ جہالت کی حمیت وضد اور ہٹ دھرمی ان گناہوں پر اُبھارتی ہے جن سے اس کو منع کیا گیا ہے اور ان گناہوں کا ارتکاب اس پر لازم کر دیتی ہے یا پھر ''بـا'' سبب کی ہے یعنی اس گناہ کے سبب ضد اور ہٹ دھرمی اس پر سوار ہو جاتی ہے جو اس کے دل میں ہے اور وہ کفر ہے ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ﴾ سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے ﴿وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی جہنم بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۲۰۷- ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس کو فروخت کر دیتے ہیں ﴿ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ دراصل ''لِابْتِغَاءِ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں) ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر مہربانی کرتے ہوئے اس کارِ خیر پر ان کو ثواب عنایت فرمائے گا۔

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت مبارکہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ جب مشرکینِ مکہ نے آپ کو اسلام ترک کرنے کے لیے مجبور کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا تو آپ نے اپنا مال دے کر اپنے آپ کو ان سے خرید لیا[1] یا یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا رہتا ہے اور بُرائی سے روکتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے شہید کر دیا جاتا ہے (یا یہ آیت مبارکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی الجزء الثانی)

---

[1] علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت لکھا ہے کہ جب حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ارادے سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو کفار مکہ کو علم ہو گیا اور انہوں نے آپ کا تعاقب کر کے آپ کو ساتھیوں سمیت گھیر لیا اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا' حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تیروں کا کشکول تھا اور آپ تیر چلانے کے بہت ماہر تھے اور تیر بھی نشانے پر لگتا تھا' آپ نے فرمایا: اے قریشیو! تم جانتے ہو میں کیسا ماہر تیرانداز ہوں اور نشانہ پر تیر لگانا میرا خاصہ ہے' لہٰذا میرے پاس جتنے تیر ہیں ایک ایک تیر تمہارے ایک ایک کے دل پر کاری ضرب لگائے گا' جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں اپنی تیز دھار تلوار سے تمہارا صفایا کرتا رہوں گا' اب تم جو چاہو کر لو اور میرا واپس لوٹ کر تمہارے پاس جانا بھی مفید نہیں کیونکہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں' میں نے چند روز کے بعد آخر مرنا ہی ہے اور میرے پاس بہت مال ہے جو مکہ میں میرے گھر میں مدفون ہے' تم واپس چلے جاؤ میں تمہیں اپنے کل مال کا پتہ بتا دیتا ہوں' جا کر سب لے لو مگر مجھے مدینہ طیبہ جانے دو اور تمہیں معلوم ہے کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور مرتے دم تک میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا' چنانچہ کفار مکہ نے آپ کی بات مان لی اور آپ کا سارا مال لے لیا اور آپ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے' جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو مبارک دی اور فرمایا: تجارت میں بہت نفع کمایا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ کیسے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت مذکور کے نزول کا واقعہ سنایا جس سے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشخبری سنانے پر بھی آپ بہت خوش ہوئے۔ (روح البیان' روح المعانی' ابن کثیر الجزء الثانی)

۲۰۸۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ ﴾ قاری علی اور حجازی نے سین پر فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا معنی ہے: فرماں برداری اور اطاعت کرنا یعنی تم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ اور اس کی اطاعت کرو یا اسلام مراد ہے اور خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ وہ اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے یا منافقین کو خطاب ہے کیونکہ وہ اپنی زبانوں سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے تھے اور زبانی ایمان رکھتے تھے ﴿ کَآفَّةً ﴾ تم میں سے کوئی شخص اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ باہر نہ کھینچ لے اور یہ ''اُدْخُلُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم سب اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ یا یہ ''اَلسِّلْم'' سے حال ہے گویا انہیں حکم دیا گیا ہے کہ تمام طاعات میں داخل ہو جاؤ یا اسلام کی تمام راہوں اور اس کے تمام حصوں میں داخل ہو جاؤ اور '' کَآفَّةً''، ''کَفٌّ'' سے بنا ہے (جس کا معنی روکنا ہے) گویا انہیں روک دیا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جماعت سے خارج ہو (بلکہ آپس میں متحد و متفق رہیں) ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ﴾ اور تم شیطان کے قدموں یعنی اس کے وسوسوں اور خیالوں کی پیروی نہ کرو ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس کی عداوت و دشمنی ظاہر و عیاں ہے۔

۲۰۹۔ ﴿ فَاِنْ زَلَلْتُمْ ﴾ پھر اگر تم دین اسلام میں داخل ہونے کی بجائے اس سے پھر گئے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ ﴾ یعنی تمہارے پاس ایسے واضح دلائل اور روشن شواہد آ چکنے کے بعد جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جس دین میں تمہیں داخل ہونے کی دعوت دی گئی ہے وہ حق ہے ﴿ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ﴾ سو تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ایسا غالب ہے کہ کوئی چیز تمہیں عذاب دینے سے اس کو نہیں روک سکتی ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا دانا اور صاحب حکمت ہے وہ کسی کو ناحق عذاب نہیں دے گا اور مروی ہے کہ ایک قاری نے ''عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ'' کی جگہ ''غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'' کی تلاوت کی تو ایک اعرابی نے تلاوت کو سنا اور وہ قرآن کریم پڑھا ہوا نہیں تھا' سو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے کیونکہ حکیم و دانا نافرمانی و سرکشی کے ساتھ مغفرت و بخشش اور رحمت کا ذکر نہیں کرتا اس لیے کہ نافرمان اس پر مغرور ہو جائے گا۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَقُضِیَ
ع ۲۵ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ
بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ
الْعِقَابِ ۝۲۱۱ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ
وقف لازم اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ
حِسَابٍ ۝۲۱۲

کیا وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سایوں میں اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام تمام ہو جائے اور تمام کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے ۝ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دی تھیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو حاصل کر لینے کے بعد بدل دیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا

ہےO کافروں کے لیے دنیا کی زندگی آراستہ کردی گئی ہے اور وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور قیامت کے دن پرہیزگار مسلمان ان (کافروں) سے بلند ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر گنتی کے روزی دیتا ہےO

۲۱۰-﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ وہ انتظار نہیں کر رہے ﴿إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ آ جائے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم یا اس کا عذاب آ جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ'' (النحل:۳۳) یعنی یا تمہارے رب کا حکم آ جائے ''فَجَآءَ هَا بَاْسُنَا'' (الاعراف:۴) پس ان پر ہمارا عذاب آ پہنچا' یا اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور اس کا معنی ہے: ''اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ بِبَاْسِهٖ'' کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے کہ ''فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ'' سو جان لو بے شک اللہ (ہر چیز پر) غالب ہے ﴿فِيْ ظُلَلٍ﴾ ''ظُلَّةٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی سایہ کرنا ہے ﴿مِّنَ الْغَمَامِ﴾ اس کا معنی سحاب یعنی بادل کے ہیں اور یہ ڈرانے کے لیے فرمایا ہے کیونکہ بادل سے بارانِ رحمت کا گمان ہوتا ہے' جب اس سے عذاب نازل ہوگا تو معاملہ زیادہ خوف ناک اور بہت ہیبت ناک ہو جائے گا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی وہ فرشتے آ جائیں جو ان کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں یا ان کا قیامت کے دن حاضر ہونا مراد ہے ﴿وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ اور ان کی ہلاکت کا کام پورا ہو گیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر فراغت ہو گئی ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بعض امور کا مالک بنایا لیکن قیامت کے روز تمام امور اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور ''تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ'' کو جیسے ہے (یعنی تا پر ضمہ اور جیم پر فتح اس کو) ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے پڑھا ہے۔

۲۱۱-﴿سَلْ﴾ اس کی اصل ''اِسْئَلْ'' ہے' ہمزہ کو حذف کرنے کے بعد اس کا فتحہ سین کو دے دیا گیا اور ہمزۂ وصل کی بھی ضرورت نہ رہی اس لیے اسے بھی حذف کر دیا گیا تو ''سَلْ'' رہ گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حکم ہے یا ہر ایک کے لیے ہے اور یہ سوال دراصل بنی اسرائیل کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے جیسا کہ قیامت کے روز کافروں سے سوال کیا جائے گا ﴿بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ﴾ اے محبوب! بنی اسرائیل سے پوچھیئے کہ ہم نے ان کو کتنی روشن نشانیاں عنایت کی ہیں یعنی ان کے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر معجزات کی صورت میں یہ نشانیاں ان کو دی گئی تھیں یا ان کو دی گئی کتابوں کی ہر وہ آیت مراد ہے جو دینِ اسلام کی حقانیت پر گواہ ہے اور ''كَمْ'' استفہامیہ اور خبریہ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر دے اور وہ اس کی آیات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں کیونکہ یہی آیات ہدایت اور گمراہی سے نجات حاصل کرنے کے اسباب ہیں جن کو بنی اسرائیل نے تبدیل کر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کو ظاہر کر دیا تا کہ یہ بنی اسرائیل کی ہدایت کا سبب بن جائیں مگر انہوں نے ان کو اپنی گمراہی کا سبب بنا دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:۱۲۵) پس ان کی خباثت پر اور خباثت کو بڑھا دیا' یا انہوں نے اپنی کتاب کی وہ آیات تبدیل کر دیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دینِ حق پر دلالت کرتی تھیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ﴾ یعنی اس کو جاننے پہچاننے اور اس کی صحت وحقانیت معلوم کرنے کے بعد (انہوں نے اس میں تحریف کر دی) کیونکہ جب تک کوئی چیز کو جان پہچان نہ لے تو گویا وہ اس سے دور ہوتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سخت عذاب دینے والا ہے جو اس کے مستحق ہیں۔

۲۱۲-﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی آراستہ کر دی گئی ہے اور آراستہ کرنے والا شیطان ہے' جس نے اپنے وسوسوں کے ذریعے دنیا اور اس کی زیبائش کافروں کے لیے ان کی آنکھوں میں آراستہ کر دی اور اس کو ان کے دلوں میں محبوب بنا دیا اس لیے کافر دنیا کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے یا اللہ تعالیٰ ان میں شہوات کو پیدا کرتا ہے

کیونکہ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اس پر اس کی قراءت دلیل ہے جس نے" زَیَّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (زا پر ضمہ کی بجائے فتحہ ) پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دنیا کو حسین وجمیل اور خوبصورت بنا دیا ہے ﴿ وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں' چنانچہ کفار مکہ فقراء مومنین کا مذاق اڑایا کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود' حضرت عمار بن یاسر' حضرت صہیب رومی اور دیگر غریب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذاق اڑاتے تھے یعنی چونکہ کفار صرف دنیا کے طلب گار ہیں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے اس لیے وہ ان مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے جنہیں دنیا سے کوئی وافر حصہ نہیں ملایا تھا یا وہ دنیا کی بجائے صرف آخرت کے طلب گار رہتے تھے ﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا ﴾ اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا یعنی کفر و شرک سے بچتے رہے اور اس سے فقراء مسلمان مراد ہیں ﴿ فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ مؤمنین قیامت کے دن کفار سے مراتب میں بلند ہوں گے اس لیے کہ وہ بلند و بالا جنت میں ہوں گے اور کفار سب سے نیچے دوزخ کی آگ میں ہوں گے ﴿ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر روزی فراخ کرنا چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ قارون وغیرہ کو وسیع رزق عطا فرمایا اور رزق میں وسعت و فراخی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت و مصلحت کی وجہ سے عطا کی جاتی ہے' دراصل اس میں تمہاری آزمائش کی جاتی ہے اور اگر عزت افزائی کے لیے رزق میں وسعت و کشادگی کی جاتی تو تمام بنی نوع انسان میں مومنین اس کے زیادہ حق دار ہوتے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ط وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

تمام لوگ ایک دین پر تھے' پھر اللہ نے خوشخبری دینے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے اور اس میں صرف ان لوگوں نے اختلاف کیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی' روشن دلائل آجانے کے بعد محض آپس کی سرکشی کی وجہ سے' سو اللہ نے اپنے حکم سے ان کے اختلاف میں مسلمانوں کو حق بات کی ہدایت عنایت فرمائی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے O

۲۱۳- ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک تمام لوگ صرف دین اسلام پر متفق رہے یا حضرت نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ سب کے سب ایک دین اسلام پر متفق و متحد تھے' پھر بعد میں اختلاف پیدا ہو گیا ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس پیغمبروں کو بھیجا اور اس میں اختلاف وقوع پذیر ہونے کا جملہ آیت مبارکہ میں محذوف ہے اور اس کے حذف پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے:" لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ. (البقرہ:۲۱۳) تاکہ یہ پیغمبر لوگوں کے درمیان

ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں انہوں نے اختلاف برپا کیا تھا'' نیز حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس کے حذف پر دلالت کر رہی ہے اور وہ یہ ہے: ''کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا. یعنی پہلے سب لوگ ایک امت تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا'' اور اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد بھی دلالت کر رہا ہے: ''وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا '' (یونس:۱۹) یعنی ''سب لوگ ایک امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا'' یا یہ مطلب ہے کہ پہلے سب لوگ ایک امت یعنی کافر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان کی طرف انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا' سو انہوں نے ان حضرات سے اختلاف کیا لیکن پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے ﴿مُبَشِّرِیْنَ﴾ مؤمنوں کو ثواب کی خوشخبری سنانے والے ﴿وَمُنْذِرِیْنَ﴾ اور کافروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے اور یہ دونوں کلمے حال واقع ہو رہے ہیں ﴿وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک کتاب نازل فرمائی ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو بیان کرنے کے لیے ﴿لِیَحْکُمَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ یا کتاب یا پھر وہ پیغمبر جس پر کتاب نازل کی گئی ہے فیصلہ کریں ﴿بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ﴾ لوگوں کے درمیان اس دین کے بارے میں جس میں لوگ اتفاق کے بعد اختلاف کر بیٹھے تھے ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ﴾ اور اختلاف نہیں کیا اس حق میں ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ﴾ مگر ان لوگوں نے جنہیں اختلاف ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب دی گئی تھی یعنی اس کے باوجود کہ ان کی طرف کتاب نازل کی گئی لیکن وہ اختلاف میں اور زیادہ بڑھ گئے تھے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ﴾ اس کی صداقت پر واضح اور روشن دلائل آ جانے کے بعد ﴿بَغْیًاۢ بَیْنَھُمْ﴾ یہ مفعول لہ ہے یعنی اختلاف کا سبب آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرنا اور دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا اور ان میں انصاف کا نہ ہونا ہے ﴿فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس حق کی طرف ہدایت فرمائی جس میں اختلاف کرنے والوں نے اختلاف کیا ﴿مِنَ الْحَقِّ﴾ یہ ''لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ'' کا بیان ہے ﴿بِاِذْنِہٖ﴾ اپنے علم کے ساتھ ﴿وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عنایت فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ط مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ایسی سخت مصیبتیں ابھی تک نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں' ان کو سخت ترین مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں اور زبردست جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ (اس وقت کے) رسول اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو بے شک اللہ کی مدد عنقریب آئے گی O لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تم فرما دو کہ تم جو اچھی چیز خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور

محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو نیکی کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

۲۱۴-﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ ﴾ "ام" منقطعہ ہے متصلہ نہیں اس لیے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام کا ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے "اَعِنْدَكَ زَيْدٌ اَمْ عَمْرٌو" یعنی ان دونوں میں سے تمہارے پاس کون ہے؟ اور اس کا جواب ہوگا: زید۔ اگر اس کے پاس زید ہوا یا اس کا جواب ہوگا عمرو اگر اس کے پاس عمرو ہوا لیکن رہا "ام" منقطعہ تو وہ استفہام اور خبر کے بعد واقع ہوتا ہے اور وہ "بل" اور ہمزہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اب تقدیر عبارت یوں ہوگی: "بَلْ اَحَسِبْتُمْ" اور اس میں ہمزہ جملے کی تقریر اور حسبان وگمان اور اس کے استبعاد کے انکار کے لیے ہے' جب اللہ تعالیٰ نے روشن اور واضح دلائل آ جانے کے بعد انبیائے کرام سے سابقہ امتوں کے اختلاف کا ذکر کیا جس کے ذریعے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو صبر واستقامت اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی شجاعت و بہادری کو ابھارا باوجود یکہ مشرکین اور اہل کتاب نے ان سے اختلاف کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کیا اور آپ سے عداوت و دشمنی پیدا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے سب سے بلیغ ترین طریقہ اختیار کرتے ہوئے التفات وخطاب کے جملے کے ساتھ مخاطب فرمایا: "اَمْ حَسِبْتُمْ" ﴿ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ ﴾ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں تم داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک (وہ مصیبتیں اور تکلیفیں) تم پر نہیں آئیں (جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں) اور "لَمَّا" میں توقع کا معنی ہے یعنی مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے تم پر تکلیفوں اور مصیبتوں کا آنا متوقع ہے اور ان کا انتظار ہے ﴿ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا ﴾ ان لوگوں کی طرح جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی شدت وایذا برداشت کرنے میں ان کا حال نمونہ ہے ﴿ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ تم سے پہلے لوگ یعنی انبیائے کرام اور ان پر ایمان لانے والے مؤمنین ﴿ مَسَّتْهُمُ ﴾ یہ "مثل" کا بیان ہے اور یہ نیا جملہ ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ وہ مثال کیسے ہیں تو جواب میں کہا گیا: "مَسَّتْهُمُ" ﴿ الْبَاْسَآءُ ﴾ ان کو فقر وفاقہ اور خوف ورنج پہنچا ﴿ وَالضَّرَّآءُ ﴾ بیماری اور درد ﴿ وَزُلْزِلُوْا ﴾ اور ان کو مختلف اقسام کی سختیوں کے پہنچنے کے سبب ہلا کر رکھ دیا گیا اور ان کو بہت پریشان کیا گیا اور ان پر کی گئی سختیوں کی شدت زلزلے کے مشابہ تھی ﴿ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ آخر کار ان مصیبتوں اور تکلیفوں میں مضطرب و بے چین ہو کر خدا کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے مسلمان کہہ اٹھے کہ ﴿ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ یعنی کفار کی طرف سے ان پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ان میں صبر کرنے کی مزید قوت برداشت نہ رہی حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہہ دی اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی تمنا کی اور شدت وسختی کے طویل عرصہ کا اظہار کیا تو ان سے کہا گیا کہ ﴿ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ مدد کی طلب میں جلدی کرنے پر ان کو جواب دیا گیا ہے کہ سن لو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد بالکل قریب ہے۔ قاری نافع مدنی نے "يَقُوْلُ" کی لام کو مرفوع پڑھا ہے ماضی کے حال کی حکایت کی وجہ سے (کیونکہ جب حتیٰ کے بعد آنے والا فعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس پر رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں) جیسے "شَرِبَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى يَجِيْٓءَ الْبَعِيْرُ يَجُرُّ بَطْنَهٗ" یعنی اونٹ نے پانی پیا حتیٰ کہ اونٹ کا چار سالہ بچہ اپنے پیٹ کی جگالی کرتا ہوا آ گیا اور باقی قراء نے حرف "ان" کے مضمر ہونے اور معنی استقبال کی بنا پر نصب پڑھا ہے کیونکہ حرف "اَن" علامتِ نصب ہے۔

## انفاق و جہاد کی اہمیت کا بیان

شانِ نزول: حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت بڑے آدمی تھے اور ان کے پاس بہت بڑا مال تھا' چنانچہ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے اموال سے کیا خرچ کریں

اور ہم کہاں خرچ کریں تو (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۵-﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں' آپ فرما دیں کہ جو اچھا مال تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ'' مال کے خرچ کرنے کے بیان پر مشتمل ہے اور اس سے ہر قسم کا اچھا مال خرچ کرنا مراد ہے اور یہ کلام اہم ترین مقصود پر مبنی ہے اور وہ مصارف (جن پر مال خرچ کرنا ہے) کو بیان کرنا ہے کیونکہ خرچ کرنا تب معتبر و مقبول ہوگا جب اپنے موقع ومحل پر استعمال کیا جائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں نفلی نفقہ مراد ہے ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ اور تم جو نیکی کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے' سو وہ اس پر ضرور جزاء عطا فرمائے گا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ع ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶ ۱۰

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے' اور ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو' اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو' اور (حقیقتِ حال کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

۲۱۶-﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ تم پر کفار سے جہاد فرض کر دیا گیا ہے ﴿وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ ''کُرْہٌ'' مصدر ہے اور کراہت کے معنی میں ہے' لہٰذا وصف کی جگہ مصدر صرف مبالغہ کے لیے لایا گیا ہے جیسے یہ قول ہے: ''فَاِنَّمَا هِيَ اِقْبَالٌ وَّاِدْبَارٌ'' گویا جہاد فی نفسہٖ ناپسند ہے اس لیے لوگ اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں یا وہ فعل بہ معنی مفعول ہے جیسے ''خبز'' بہ معنی ''مَخْبُوْز'' ہے ''اَیْ وَهُوَ مَكْرُوْهٌ لَّكُمْ. یعنی وہ تم کو ناپسند ہے'' ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اور ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر وہ تمہارے لیے بہتر ہو' سو تم جہاد کرنا ناپسند کرتے ہو حالانکہ اس میں دو خوبیوں میں سے ایک خوبی لازمی ہے یا تو فتح و کامیابی اور مال غنیمت اور یا پھر شہادت اور بہشت ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا﴾ اور ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کرو اور وہ جہاد کے لیے جانے کی بجائے گھر میں بیٹھا رہنا ہے ﴿وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ وہ تمہارے لیے برا ہو کیونکہ اس میں ذلت ورسوائی' فقر و فاقہ اور مالِ غنیمت اور اجر و ثواب سے محرومی ہے ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم اس کو نہیں جانتے' لہٰذا تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل پیرا ہونے میں جلدی کرو اگر چہ وہ تم پر دشوار ہو۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى

يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ
وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

وہ لوگ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم فرمادو کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے اور فساد برپا کرنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے' اور تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو وہ تمہیں دین سے پھیر دیں' اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور وہ حالتِ کفر میں مرجائے تو ان کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو جائیں گے اور وہ لوگ جہنمی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

شانِ نزول: حضور سیّدِ عالم نبی مکرم ﷺ نے مجاہدین کا ایک دستہ مشرکین (کے تجارتی قافلہ) کی سرکوبی کے لیے بھیجا جنہوں نے (بطن نخلہ میں پہنچ کر) مشرکین کو قتل کر دیا جب کہ اس رات رجب کا چاند چڑھ چکا تھا مگر مجاہدین کو اس کا علم نہیں تھا جس کی بنا پر قریش نے کہنا شروع کر دیا کہ (رحمت عالمیاں سرورِ کونین حضرت) محمد (مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء) نے ماہِ حرام میں لڑنا حلال قرار دے دیا جس میں خوف زدہ بھی پُر امن ہو جاتے ہیں تو اس موقع پر (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔

۲۱۷- ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ یعنی کفار یا مسلمان ماہِ حرام میں لڑنے اور جنگ کرنے کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿قِتَالٍ فِيْهِ﴾ یہ ''اَلشَّهْرِ'' سے بدل ہے اور قاری علی کسائی نے ''عَنْ قِتَالٍ فِيْهِ'' مکرر عامل کے ساتھ پڑھا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ. (یعنی قوم ثمود کے سرداروں نے) کمزور مسلمانوں سے (کہا کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں)'' (الاعراف:۷۵)۔ ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ فرمادو: اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ دراصل ''اِثْمٌ كَبِيْرٌ'' ہے یعنی بڑا گناہ اور ''قِتَالٌ'' مبتدا ہے اور ''كَبِيْرٌ'' اس کی خبر ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا جائز ہے کیونکہ یہ نکرہ ''فِيْهِ'' کا موصوف ہے (گویا نکرہ مخصصہ ہو گیا ہے) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو'' (التوبہ:۵)۔ ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ شریف کا عمرہ کرنے سے مشرکین کا روکنا اور یہ مبتدا ہے ﴿وَكُفْرٌۢ بِهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا' اس کا ''صَدٌّ'' پر عطف ہے۔ ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اس کا عطف ''سَبِيْلِ اللّٰهِ'' پر ہے۔ دراصل ''وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا ہے اور فراء نے خیال کیا ہے کہ اس کا عطف ''بِهٖ'' کی ھا ضمیر پر ہے یعنی ''كُفْرٌ بِهٖ وَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' ہے اور بصریوں کے نزدیک حرف جار کے اعادہ کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں اس لیے ''مَرَرْتُ بِهٖ وَزَيْدٍ'' نہیں کہا جا سکتا لیکن ''مَرَرْتُ بِهٖ وَبِزَيْدٍ'' کہا جا سکتا ہے' لہٰذا اگر ''بِهٖ'' کی ھا پر عطف ہوتا تو اس آیت مبارکہ میں یوں ارشاد فرمایا جاتا: ''وَكُفْرٌ بِهٖ وَبِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''۔ ﴿وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ﴾ یعنی مسجد حرام والوں کو نکالنا اور وہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین ہیں اور اس کا عطف بھی ''صَدٌّ'' پر ہے ﴿مِنْهُ﴾ مسجد حرام سے اور تینوں اسماء

کی خبر ﴿ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ہے یعنی ماہِ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ کے گمان پر غلطی کی وجہ سے ماہِ حرام میں مجاہدین کے سریہ (فوج کا وہ دستہ جس کی قیادت حضور کی بجائے کسی صحابی نے کی ہو) کے جنگ کرنے سے (مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا' مسجد حرام میں جانے سے منع کرنا اور مسجد حرام کے باشندوں کو نکالنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے ﴿ وَالْفِتْنَةُ ﴾ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالنا (اور لوگوں کو اسلام سے روکنا) اور کفر و شرک کرنا ﴿ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ ماہِ حرام میں قتل کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے یا کفار کا مسلمانوں کو ایذا دینا اور مار پیٹ کرنا ماہِ حرام میں مسلمانوں کے قتل کرنے سے بہت زیادہ قبیح و بُرا ہے ﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ ﴾ اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر کر کفر کی طرف لے جائیں اور یہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی دائمی عداوت کی خبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار کبھی مسلمانوں کی عداوت سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ وہ انہیں دین سے پھیر لیں اور حرف "حَتّٰى" تعلیل کے معنی میں ہے جیسے "فُلَانٌ يَعْبُدُ اللّٰهَ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. فلاں آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے گا تاکہ جنت میں داخل ہو جائے"۔ یعنی کفار تم سے جنگ کرتے رہیں گے تاکہ تمہیں دینِ اسلام سے برگشتہ کر دیں ﴿ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ﴾ اس میں کفار کی استطاعت و قوت کی ناکامی بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ کر سکتے (تو تمہیں دین سے پھیر دیتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے) جیسے تمہارا اپنے دشمن سے یہ کہہ دینا کہ اگر تم مجھ پر قابو پالو تو مجھے زندہ نہ چھوڑنا جب کہ تمہیں یقینِ کامل ہو کہ وہ تم پا قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ﴿ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ﴾ اور تم میں سے جو شخص اپنے دین کو چھوڑ کر ان کے دین کی طرف لوٹ جائے گا ﴿ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ ﴾ پھر وہ کفر کی حالت میں یعنی ارتداد کی حالت میں مر جائے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو جائیں گے کیونکہ مسلمانوں کو دنیا میں جو اسلام کے فوائد و برکات حاصل ہیں وہ ان کے لیے ختم ہو جائیں گے اور آخرت میں اجر و ثواب اور حسنِ انجام سے محروم ہو جائیں گے ﴿ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ اور وہ جہنمی ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت مبارکہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ محض مرتد ہو جانے سے اعمال ضبط نہیں ہوتے جب تک اس پر موت واقع نہ ہو' ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشادِ مبارک میں ضبط اعمال کو مطلقاً مرتد ہونے کے ساتھ معلق کر دیا ہے یعنی "وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ. (المائدہ:۵) اور جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا تو اس کے عمل یقیناً برباد ہو جائیں گے"۔ اور دراصل ہمارے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور ان کے نزدیک مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ
نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ ﴿۲۱۹﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں' آپ فرما دیں: جو ضرورت سے زائد ہو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کروO

شانِ نزول: جب اس سریہ کے مجاہدین نے حضور سیّد عالم ﷺ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمیں اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی طرح اجر وثواب ملے گا تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۸- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشرکین سے جہاد کیا اور اس جگہ وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ﴿اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ "اِنَّ" کی خبر ہے۔ کہا گیا ہے کہ "مَنْ رَجَا طَلَبَ وَمَنْ خَافَ هَرَبَ. جو امید رکھتا ہے وہ طلب کرتا ہے اور جو ڈرتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے" ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

## شراب وجوئے کی مذمت اور اموالِ یتیم کی حفاظت کا بیان

شانِ نزول: شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں:

(۱) یہ آیت مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی یعنی "وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا. (النحل:۶۷) اور تم کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے نبیذ تیار کرتے ہو اور بہترین رزق حاصل کرتے ہو"، چنانچہ مسلمان شراب پیتے رہے اور وہ ان کے لیے حلال تھی' پھر (مدینہ منورہ میں آ کر) حضرت عمر فاروق اور صحابہ کرام میں سے چند دیگر حضرات نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ہمیں شراب کے متعلق فتویٰ دیجئے' کیونکہ یہ عقل کو زائل کرتی ہے اور مال کو ضائع کرتی ہے تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۹-(۲) ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں (اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے بعد) ایک قوم تو شراب پیتی رہی اور دوسرے لوگوں نے شراب پینا ترک کر دیا' پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کی دعوت کی اور انہوں نے شراب پی اور نشہ کی وجہ سے مخمور و مدہوش ہو گئے اور ان میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی تو "قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھ دیا جس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی (۳) "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی. (النساء:۴۳) اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ"، چنانچہ شراب پینے والے بالکل تھوڑے رہ گئے باقی سب نے شراب پینا ترک کر دی' پھر حضرت عتبان بن مالک نے ایک جماعت کی دعوت کی اور جب شراب پینے سے مدہوش ہو گئے تو آپس میں ایک دوسرے سے لڑ پڑے اور مار دھاڑ شروع کر دی' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کرتے ہوئے عرض کی: "اَللّٰهُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا. اے اللہ! شراب کے متعلق ہمارے لیے مکمل اور واضح حکم بیان کر دیجئے" تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی: (۴) "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ" یہ "فَهَلْ

اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ" تک نازل ہوئی تھی: اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تو کیا تم اس سے باز آ ؤ گے" (المائدہ:۹۰۔۹۱)۔ تو حضرت عمر فاروق نے عرض کی: اے میرے رب! ہم باز آ گئے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر جائے پھر اس جگہ منارہ تعمیر کر دیا جائے تو میں اس پر اذان نہیں پڑھوں گا اور اگر شراب کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے پھر وہ خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اُگ آئے تو میں اپنے جانور کو وہاں نہیں چراؤں گا' انگوروں کو نچوڑ کر آگ پر جوش دیا جاتا ہے۔ جب جوش مارتا ہوا پک کر گاڑھا ہو جاتا ہے اور جھاگ پیدا ہو جاتی ہے تو شراب بن جاتی ہے۔ خمر (شراب) کو "خَمَرَہٗ" سے مصدر کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی ڈھانپنا ہے کیونکہ شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور "مَیْسِر" "قُمار" (جوئے) کو کہتے ہیں اور یہ "یَسَرَ" سے مصدر میمی ہے جیسے "وَعَد" (سے "مَوْعِدَۃٌ" مصدر میمی ہے) مثلاً کہا جاتا ہے: "یَسَرْتُہٗ. میں نے اس سے جوا کھیلا ہے" اور یہ "یُسْرٌ" سے مشتق ہے کیونکہ جیتنے والا بغیر کسی مشقت ومحنت کے بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مدمقابل آدمی کا مال لے لیتا ہے یا یہ "یَسَارٌ" سے مشتق ہے کیونکہ جوئے کے ذریعے بڑی آسانی سے مال حاصل کیا جاتا ہے (عرب میں زیادہ تر اونٹوں پر جوا کھیلا جاتا تھا) جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس دس تیر ہوتے جن میں سے سات پر لکیروں کے نقش ہوتے اور وہ یہ تھے: (۱) "فَذٌّ" اس کا ایک حصہ مقرر ہوتا (۲) "تـوام" اس کے دو حصے ہوتے (۳) "رقیب" اس کے تین حصے ہوتے (۴) "حلس" اس کے چار حصے ہوتے (۵) "نافس" اس کے پانچ حصے ہوتے (۶) "مسبل" اس کے چھ حصے ہوتے (۷) "معلی" اس کے سات حصے ہوتے اور تین بغیر کسی علامت کے محض سادہ ہوتے' ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) منیح (۲) سفیح (۳) وغد' اہل عرب ان تمام تیروں کو کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ لیتے اور کسی عادل ومنصف شخص کے ہاتھ پر رکھ دیتے' پھر وہ آدمی ان کو حرکت دیتا اور اپنا ہاتھ داخل کر کے ہر آدمی کے نام پر ایک ایک تیر نکالتا جاتا تھا اور جس شخص کے نام پر سادہ تیر نکل آتا جس کا حصہ مقرر نہیں تھا تو وہ شخص کچھ نہ لیتا اور تمام اونٹوں کی قیمت ادا کرتا اور ان اونٹوں کا گوشت محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کیا جاتا اور وہ خود اس سے نہ کھاتے اور وہ اس سخاوت پر بڑا فخر کرتے اور جو اس میں داخل نہ ہوتا اس کی مذمت کرتے' بہرحال جوئے کے حکم میں اس کی تمام اقسام شامل ہیں جیسے قمار' نرد' شطرنج وغیرہ (لاٹری' معمہ بازی' ریس کورس میں گھڑ دوڑ' تاش' کیرم اور دیگر کھیلوں میں ہار جیت پر رقمیں لگانا' کرکٹ' فٹ بال اور سکوائش وغیرہ کے ملکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں سٹہ کھیلنا یہ سب جوئے میں شامل ہیں) اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ آپ سے ان دونوں کے لین دین کے متعلق سوال کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ﴾ آپ فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ آپس میں باہم جھگڑوں' سب وشتم اور گالی گلوچ اور جھوٹ وغیرہ کا سبب بنتے ہیں۔ قاری حمزہ اور علی کسائی نے "كَبِیْرٌ" کی جگہ "كَثِیْرٌ" پڑھا ہے یعنی شراب اور جوئے میں بہت زیادہ گناہ ہے ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ شراب میں تجارت کے ذریعے منافع کمایا جاتا ہے اور اس کے پینے میں لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور جوئے میں فقراء کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے (کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے لوگ جوئے سے جیتی ہوئی رقمیں فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے) اور نیز اس کے ذریعے بلا تکلف مال ودولت حاصل ہوتی ہے ﴿وَاِثْمُهُمَآ﴾ اور ان دونوں کے کاروبار میں گناہ کا عذاب ﴿اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے شرابی اور جوئے باز بہت زیادہ گناہوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں ﴿وَیَسْــٴَـلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ﴾ اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں: زائد' یعنی جو ضرورت سے زائد ہو وہ

خرچ کرو اور اسلام کے ابتدائی دور میں ضرورت سے زائد مال کا صدقہ کر دینا فرض تھا' چنانچہ اگر کوئی شخص کسان ہوتا تو سال بھر کی روزی کے لیے غلہ رکھ لیتا اور جو زائد بچ جاتا اس کو صدقہ کر دیتا اور اگر مزدور ہوتا تو ایک دن کا خرچ رکھ لیتا اور باقی زائد مال کا صدقہ کر دیتا' پھر یہ آیت مبارکہ زکوٰۃ کی آیتِ کریمہ سے منسوخ ہو گئی۔ قاری ابوعمرو نے ''اَلْعَفْوُ'' کو مرفوع پڑھا ہے اور جس نے اس کو منصوب قرار دیا ہے اس نے ''یُنْفِقُوْنَ'' سے نصب کی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ''مَاذَا'' کو ایک اسم قرار دیا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے'' قُلْ یُنْفِقُوْنَ الْعَفْوَ'' آپ فرمادیں کہ یہ لوگ ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دیا کریں'' اور جس نے اس کو مرفوع پڑھا ہے اس نے ''مَا'' کو مبتدا اور ''ذَا'' کو اس کے صلہ سمیت ''مَا'' کی خبر قرار دیا ہے' لہٰذا ''ذَا'' ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور ''یُنْفِقُوْنَ'' اس کا صلہ ہے یعنی ''مَا الَّذِیْ یُنْفِقُوْنَ. وہ کیا خرچ کریں'' تو جواب دیا گیا ''اَلْعَفْوُ'' یعنی ''هُوَ الْعَفْوُ'' پس جواب کا اعراب سوال کے اعراب کی طرح ہوگا تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے ﴿ کَذٰلِكَ ﴾ کاف نصب کے محل میں واقع ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے ''اَیْ تَبْیِیْنًا مِثْلَ هٰذَا التَّبْیِیْنِ. یعنی اس روشن ترین وضاحت کی طرح خوب وضاحت کرنا'' ﴿ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ O فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے امور میں غور و فکر کرو اور ''فِیْ'' ''تَتَفَكَّرُوْنَ'' کے متعلق ہے یعنی تم ان امور میں سوچ و بچار کرو جن کا تعلق دونوں جہانوں سے ہے اور جو تمہارے لیے مفید ہے اسے لے لو یا یہ کہ تم دونوں جہانوں میں غور و فکر کرو' پھر جو باقی رہنے والے اور زیادہ منافع بخش امور ہیں انہیں اختیار کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فِیْ'' کا تعلق ''یُبَیِّنُ'' کے ساتھ ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا و آخرت کے معاملہ میں اور جن امور کا تعلق ان دونوں سے ہے ان کے بارے میں اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم تفکر سے کام لو۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ
وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا اور آخرت کے معاملے میں' اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ ملا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں' اور اللہ جانتا ہے فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے' اور اگر اللہ چاہتا تو وہ تمہیں ضرور مشقت میں ڈالتا' بے شک وہ غالب حکمت والا ہے O

شانِ نزول: جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا O بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' اور عنقریب وہ جہنم میں جائیں گے O'' (النساء:۱۰) چنانچہ مسلمانوں نے یتیموں کو الگ کر دیا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا وغیرہ کھانا اور ان کے مال کی نگرانی کرنا ترک کر دیا اور انہوں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۰- ﴿ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ﴾ اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ فرمادیں کہ ان کی اصلاح بہتر ہے یعنی ان کی اور ان کے مال کی اصلاح کی خاطر اپنے ساتھ ملا کر رکھنا ان کو اور

ان کے اموال کو دور اور الگ رکھنے سے بہتر ہے ﴿وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ﴾ اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا رکھو اور اکٹھے زندگی گزارو ﴿فَاِخۡوَانُكُمۡ﴾ تو وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں اور بھائی کا حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ اکٹھا رہے ﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ﴾ اور اللہ تعالیٰ یتیموں کے مال کو ضائع کرنے والے فسادی کو اور ان کے مال کی اصلاح کرنے والے مصلح کو سب کو جانتا ہے' لہٰذا ان کو ان کی کارکردگی کے مطابق جزا اور سزا دے گا' پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یتیموں کے مال کی اصلاح اور خیر خواہی کے سوا اور کوئی کوشش نہ کرو ﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تم پر مشقت ڈالنا چاہتا ﴿لَاَعۡنَتَكُمۡ﴾ تو وہ تم پر ضرور مشقت ڈالتا اور تمہیں تکلیف میں مبتلا کرتا جس کے باعث تم مطلقاً مداخلت کے مجاز نہ رہتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے بندوں کو مشقت میں ڈال دے اور ان کو حرج و تکلیف میں مبتلا کر دے ﴿حَكِيۡمٌ﴾ وہ صاحبِ حکمت ہے۔ اپنے بندوں کو ان کی ہمت و طاقت کے مطابق (اوامر و نواہی کا) مکلف بناتا ہے۔

| |
|---|
| وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ |
| اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ |
| مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَنَّةِ |
| وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۲۱﴾ ع |

اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور بے شک مسلمان باندی' مشرکہ عورت سے بہتر ہے' اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک مرد سے بہتر ہے' اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگتا ہو اور یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O

## مشرک مرد و زن سے نکاح کی ممانعت' حیض' قسم اور ایلا کا بیان

شانِ نزول: حضرت مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اسے عناق نامی مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

۲۲۱- ﴿وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ﴾ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یعنی ان سے شادی بیاہ نہ کرو کیونکہ جب کوئی شخص شادی کرتا ہے تو ''نَكَحَ'' کہا جاتا ہے اور جب کسی غیر کی شادی کراتا ہے تو ''اَنۡكَحَ'' کہا جاتا ہے ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ﴾ اور البتہ مسلمان لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگرچہ ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ مشرکہ عورت تمہیں اچھی لگے اور تم اس کو پسند کرنے لگو ﴿وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو یعنی ان کی کسی مسلمان عورت سے شادی نہ کرو' اسی طرح زجاج نے کہا اور جامع العلوم نے کہا کہ دو مفعولوں میں سے ایک مفعول محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَلَا تُنۡكِحُوۡهُنَّ الۡمُشۡرِكِيۡنَ'' اور تم ان کا مشرکین سے نکاح نہ کرو ﴿حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا﴾ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں ﴿وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ﴾

﴿وَلَوْاَعْجَبَكُمْ﴾ اور مسلمان غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگر وہ تمہیں اچھا لگے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی اور فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ اور یہ مشرکات ومشرکین کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ لوگ ﴿يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ کفر کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ والوں کا عمل ہے' سوان کا حق یہ ہے کہ نہ ان سے دوستی کی جائے اور نہ ان سے سسرالی رشتہ قائم کیا جائے ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ یعنی اولیاء اللہ اور وہ مومنین (یعنی صحابۂ کرام) ہیں جو لوگوں کو جنت ومغفرت اور ان اعمال صالحہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جو ان کو جنت اور مغفرت تک پہنچا دیں تو یہ ہیں وہ حضرت جن سے محبت ودشمنی اور رشتے ناطے جوڑنا واجب ولازم ہے ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اپنے علم کے ساتھ یا اپنے حکم کے ساتھ ﴿وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کرلیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' تم فرمادو کہ وہ گندگی ہے' سوتم حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قربت نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں' پھر جب وہ مکمل پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ' جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے' بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے ○ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور نیک عمل کرتے رہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آگاہ رہو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور (اے محبوب!) مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے ○

شانِ نزول: عرب کی عادت تھی کہ وہ حیض والی عورتوں کے ساتھ نہ کھانا کھاتے اور نہ ان کے ساتھ پیتے تھے اور نہ ان کے ساتھ ایک مکان میں رہائش رکھتے تھے (بلکہ ان کو الگ ایک کمرہ میں بند کر دیتے تھے) یہودی اور مجوسی بھی اپنی عورتوں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے' چنانچہ ابو الدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! ہماری عورتیں جب حیض کی حالت میں ہوں تو ہم ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۲-﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' "مَحِيْضٌ" مصدر ہے (جیسے "مَبِيْتٌ") کہا جاتا ہے" حَاضَتْ مَحِيْضًا" جیسے تمہارا یہ قول ہے: "جَاۗءَ مَجِيْئًا" ﴿قُلْ هُوَ اَذًى﴾ آپ فرما دیں کہ وہ گندگی ہے یعنی حیض ایسی چیز ہے جس سے طبیعت کو گھن آتی ہے اور اس کی قربت موجب ایذا ہے ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ سوتم عورتوں سے حالتِ حیض میں الگ رہو اور ان سے پرہیز کرو یعنی ان کے ساتھ مجامعت کرنے سے اجتناب اور پرہیز کرو اور بعض نے کہا کہ نصاریٰ اپنی عورتوں سے حالتِ حیض میں جماع کرتے رہتے تھے اور حیض کی

پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہودی اپنی عورتوں سے حیض کی حالت میں بالکل الگ رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان دونوں معاملات کے درمیان میانہ روی کا حکم دیا ہے' پھر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مرد اپنی عورت سے حیض کی حالت میں اس حصہ سے پرہیز کرے گا جس پر تہبند مشتمل ہے (یعنی عورت کی ناف سے لے کر گھٹنے تک) اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف شرمگاہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: مرد صرف خون کے راستے سے پرہیز کرے اور اس کے سوا عورت کے باقی جسم سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ ﴾ اور جماع کرنے کے لیے ان کے قریب نہ جاؤ یا یہ کہ مجامعت کے لیے ان سے قربت حاصل نہ کرو ﴿ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں اور امام حفص کے علاوہ باقی کوفی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ غسل کر کے پاک ہو جائیں اور اس کی اصل ''یَتَطَهَّرْنَ'' تھی' پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ دونوں قریب المخرج ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں نے ''یَطْهُرْنَ'' پڑھا ہے یعنی حیض کا خون ختم ہو جائے (تو بغیر غسل بھی جماع کیا جا سکتا ہے) اور چونکہ دونوں قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں اس لیے ہم (احناف) نے دونوں پر عمل کیا اور ہم نے کہا کہ جب حیض کی اکثر مدت (یعنی دس دن) پوری ہو جانے کے بعد خون ختم ہو جائے تو تخفیف کی قراءت کے پیش نظر غسل کے بغیر عورت سے جماع کرنا جائز ہے اور اگر اس سے کم مدت (یعنی دس دن مکمل ہونے سے پہلے) خون ختم ہو جائے تو تشدید کی قراءت کے پیش نظر عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ غسل کر لے یا پھر ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے اور اس صورت پر محمول کرنا معکوس صورت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ برعکس صورت میں کسی ایک قراءت پر عمل ترک کرنا لازم آئے گا جیسا کہ واضح ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند اپنی بیوی سے قربت نہیں کر سکتا یہاں تک کہ خون سے بھی پاک ہو جائے اور نہا کر بھی پاک ہو جائے' ان کی دلیل (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ ﴾ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان سے جماع کرو' سو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دونوں (خون سے پاک ہونا اور نہا کر پاک ہونا) کو جمع کر دیا ہے ﴿ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یعنی عورت سے اس مقام میں جماع کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اور وہ قبل ہے (یعنی اگلی شرمگاہ) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منہیات کے ارتکاف سے توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اگر وہ (راہ راست سے) پھسل گئے تو وہ (جنت کی راہ سے) پھسل گئے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت اس لیے کرتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کی عظمت و وسعت کو پہچان لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے ﴿ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ پانی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے یا عورتوں کے پیچھے دُبر میں جماع کرنے سے یا حالتِ حیض میں جماع کرنے سے یا بے حیائی کے کاموں سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

شانِ نزول: یہود کہا کرتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کے قُبل (اگلی شرمگاہ) میں پیچھے کی طرف سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۳- ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی تمہارے لیے کھیتی باڑی کرنے کی جگہیں ہیں اور یہ مجاز ہے' ان کو کھیتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ان کے رحموں کے اندر جو نطفہ ڈالا جاتا ہے جس سے نسل پیدا ہوتی ہے اس کو زمین میں بیج ڈالنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اللہ

تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ'' اس کے پچھلے ارشاد ''فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' کی توضیح وتشریح اور اس کا بیان ہے یعنی بے شک وہ مقام جہاں آنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے وہ حرث (یعنی کھیتی) کا مکان ہے، فرث (یعنی گوبر) کا مکان نہیں اور یہاں تنبیہ کردی گئی ہے کہ بیویوں کے پاس جانے کا اصل مقصد اولاد ونسل کی طلب ہے اور شہوت وخواہش کی تکمیل کرنا نہیں، لہٰذا تم ان کے پاس اسی جگہ میں جاؤ جہاں یہ مقصد پورا ہوتا ہے ﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ یعنی ان (اپنی بیویوں) سے جماع کرو جس وقت چاہو یا جیسے چاہو پچھلی طرف سے یا سیدھا لٹا کر یا پہلو پر لٹا کر بشرطیکہ جماع کی جگہ ایک ہو اور وہ کھیتی کی جگہ ہے (یعنی اگلی شرمگاہ) اور یہ ایک تمثیل ہے یعنی جس طرح تم اپنی اراضی میں بیج بونے کے ارادے سے جس طرف سے چاہتے ہو آتے ہو اور کوئی سمت تمہارے لیے ممنوع نہیں ہوتی اسی طرح تم اپنی بیویوں کے پاس جاسکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ''هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ'' اور ''مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' اور ''فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ'' لطیف کنایات اور خوبصورت اشارات میں سے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان آداب کا خیال رکھے اور محاورات وتحریرات میں اس قسم کے آداب واشارات کا اہتمام کیا کرے ﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾ اور تم اپنے بھلے کے لیے اعمالِ صالحہ کو آگے بھیجو جن کا آگے بھیجنا تم پر واجب ہے اور یہ ان اعمال کے علاوہ ہیں جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے یا اس سے مراد اولاد کو طلب کرنا ہے یا پھر جماع کرنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا مراد ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، پس تم ممنوعات کا ارتکاب نہ کرو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ اور جان لو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرو گے اور اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جاؤ گے، لہٰذا تم اس سے ملاقات کرنے کی تیاری کرو ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ مومنوں کو اجر وثواب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تین جگہ ''يَسْـَٔلُوْنَكَ'' کو بغیر حرف واؤ کے بیان فرمایا ہے، پھر تین جگہ واؤ کے ساتھ بیان فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے واقعات کے متعلق ان کے سوالات متفرق اور الگ الگ پوچھے گئے تھے اس لیے ان کو بغیر واؤ کے لایا گیا ہے گویا ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی نوعیت میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جب کہ دوسرے واقعات کے متعلق مسلمانوں نے ایک ہی وقت میں تینوں سوال پوچھے تھے اس لیے ان کو حرف واؤ جمع کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ
يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو ترک کردو، اور اللہ سب کی سننے والا خوب جاننے والا ہے○ اللہ تمہاری زبان سے بے ارادہ نکلی ہوئی قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہارے دلوں کی (پختہ ارادوں سے) کھائی ہوئی قسموں پر گرفت فرمائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے○ جو لوگ اپنی عورتوں

کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے' پھر اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اور اگر انہوں نے چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O

۲۲۴- ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ اور تم اپنی قسموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو نشانہ نہ بناؤ "عُرْضَةٌ" "فُعْلَةٌ" کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی پر ہے (یعنی "مَعْرُوْضَةٌ") جیسے "قُبْضَةٌ" ("مَقْبُوْضَةٌ" کے معنی میں) ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جو کسی چیز کے آگے حائل ہو اور یہ "عَرْضُ الْعُوْدِ عَلَى الْاِنَاءِ" سے مشتق ہے یعنی لکڑی کو برتن پر رکھنا کہ اس کے سامنے مانع اور حائل ہو جائے (جیسے) تم کہو: "فُلَانٌ عُرْضَةٌ دُوْنَ الْخَيْرِ" کہ فلاں آدمی نیکی اور بھلائی کے آگے حائل ہو گیا ہے دراصل آدمی نیکی نہ کرنے کی قسم اٹھا لیتا جیسے صلہ رحمی' لوگوں میں صلح کرانے یا کسی کے ساتھ نیکی کرنے یا عبادت کرنے کی' پھر بعد میں کہتا کہ اگر میں نے نیکی کی تو مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ میں قسم توڑ بیٹھوں گا' چنانچہ وہ اپنی قسم پورے کرنے کے لیے نیکی کرنا ترک کر دیتا تو ان سے کہا گیا کہ تم اپنی قسموں پر اللہ تعالیٰ کو نشانہ مت بناؤ یعنی جس چیز پر تم نے قسم کھا لی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ اور جس پر حلف اٹھایا گیا ہے اس کو یمین (قسم) اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا یمین کے ساتھ تعلق ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے قسم کے لیے حلف اٹھا لیا' پھر اس نے دیکھا کہ اس کے غیر میں بھلائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور بھلائی کا کام کر لے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ﴾ "لِاَيْمَانِكُمْ" کا عطفِ بیان ہے یعنی جن امور پر قسم اٹھائی گئی ہے وہ نیکی کرنے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے بچنا ہے اور لام کا تعلق فعل کے ساتھ ہے یعنی تم اپنی قسموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو نشانہ مت بناؤ اور یہ بھی جائز ہے کہ لام تعلیل کا ہو اور اس کا تعلق "اَنْ تَبَرُّوْا" فعل کے ساتھ ہو یا پھر "عُرْضَةٌ" کے ساتھ ہو یعنی تم اپنی قسموں کی خاطر نیکی نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اور اللہ تمہاری قسموں کو سنتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اور تمہاری نیتوں کو خوب جانتا ہے۔

۲۲۵- ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسم میں تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا اور لغو وہ کلام ہے جو درجہ اعتبار سے ساقط ہو اور یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کا قسم کے معاملات میں اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کسی ایسی چیز پر قسم اٹھائے جس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ وہ سچ ہے جب کہ واقع میں اس کا معاملہ برعکس ہو اور اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری یمینِ لغو پر جس کی تم میں سے کسی نے قسم اٹھائی ہو گی تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو زبان پر بغیر قصد و ارادہ کے جاری ہو جائے جیسے کوئی غیر ارادی طور پر کہہ دے: "لَا وَاللّٰهِ. نہیں قسم اللہ کی" اور "بَلٰى وَاللّٰهِ. ہاں اللہ کی قسم" ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر سزا دے گا ﴿بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ جس پر تمہارے دلوں نے قسم اٹھانے میں جھوٹ بولنے کے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے اور وہ یہ کہ جان بوجھ کر خلاف واقع جھوٹی قسم کھائے اور اس کو یمینِ غموس کہا جاتا ہے کیونکہ دل کے عزم اور قصد سے قسم میں جھوٹ بولا گیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے یمین غموس میں بھی کفارہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے کیونکہ دل کا کسب عزم و قصد ہے اور مؤاخذہ کو یہاں بیان نہیں کیا گیا جب کہ سورت مائدہ میں مؤاخذہ کو بیان کیا گیا ہے' لہٰذا وہاں کا بیان یہاں کا بیان سمجھا جائے گا اور ہم کہتے ہیں کہ یہاں مؤاخذہ کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور اس کا تعلق دارالجزاء یعنی آخرت سے ہے اور سورت مائدہ میں مواخذہ کو مقید ذکر کیا گیا ہے جس کا تعلق دارالابتلاء یعنی دنیا

ہے ہے لہٰذا ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جا سکتا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے لہٰذا تمہاری لغو اور بے ہودہ قسموں میں گرفت نہیں فرمائے گا۔

۲۲۶- ﴿ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ ﴾ ان لوگوں کے لیے جو قسمیں کھا لیتے ہیں اور یہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے ﴿ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ﴾ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی۔ اس میں حرف ''مِنْ'' جار مجرور یعنی ''لِلَّذِیْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے جیسے تم کہو: ''لَكَ مِنِّیْ نُصْرَةٌ وَلَكَ مِنِّیْ مَعُوْنَةٌ'' یعنی اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسمیں کھانے والوں کے لیے ﴿ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ﴾ چار مہینوں تک مہلت ہے یعنی ایلا (اپنی عوت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے والوں کے لیے چار ماہ تک انتظار کرنا لازم ہے اور یہ ظرف مستقر ہے ''یُؤْلُوْنَ'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ ''اٰلٰی'' (فعل ماضی) ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: ''اٰلٰی فُلَانٌ عَلٰی اِمْرَاَتِهٖ'' کہ فلاں آدمی نے اپنی بیوی سے ایلا کرلیا ہے' اور ''اٰلٰی فُلَانٌ مِنْ اِمْرَاَتِهٖ'' کہنے والے کا یہ قول اس کا وہم ہے جو اس کو اس آیت کریمہ سے تو ہم پیدا ہوا ہے اور تمہارا یہ کہنا جائز ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ''من'' کے ساتھ متعدی اس لیے لایا گیا ہے کہ اس قسم میں ''یُؤْلُوْنَ'' بعد کے معنی کو متضمن ہے تو گویا یوں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے دور رہیں گے ﴿ فَاِنْ فَآءُوْ ﴾ پس اگر وہ ان مہینوں کے اندر رجوع کرلیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ''فَاِنْ فَآءُوْا فِیْهِنَّ'' ہے یعنی اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے اصرار سے اس کے ساتھ جماع کرنے کی طرف رجوع کرلیں ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے کہ اس نے (اپنے بندوں کی سہولت کے لیے) کفارہ کو مشروع قرار دے دیا ہے۔

۲۲۷- ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ اور اگر انہوں نے رجوع ترک کر کے طلاق دینے کا پختہ اراد کرلیا ہے تو مدتِ ایلاء کے پورے ہو جانے کا انتظار کریں (کیونکہ ایلاء کی مدت پوری ہونے پر عورت کو طلاق بائنہ ہو جائے گی) ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ایلاء کرنے کے کلمات کو خوب سننے والا ہے ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ اس کی نیت کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت مبارکہ رجوع ترک کرنے اور طلاق دینے کے لیے اصرار کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے مدتِ ایلا کے اندر رجوع کرلیا (تو بہتر ہے) اور اگر مدتِ ایلا گزر جانے کے بعد طلاق کا پختہ عزم کرلیا ہے (تو طلاق بائنہ ہو چکی) کیونکہ حرف ''فا'' تعقیب کے لیے آتا ہے اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ ''فَاِنْ فَآءُوْا'' اور ''وَاِنْ عَزَمُوْا'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ'' کی تفصیل ہے اور تفصیل مفصل کے بعد آتی ہے جیسے تم کسی سے کہو کہ میں پورا مہینہ تمہارے پاس مہمان بن کر ٹھہروں گا' پھر اگر میں نے تمہاری تعریف کی تو اس مہینہ کے آخر تک تمہارے پاس قیام کروں گا ورنہ میں تمہارے پاس قیام نہیں کروں گا مگر اسی وقت واپس لوٹ جاؤں گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ
ع ۲۸ ۷ ۱۲ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے جو چیز ان کے رحموں میں پیدا کی ہے اُسے چھپائیں اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے شوہر اس مدت میں ان کو واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ حسن سلوک کے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور عورتوں کے لیے شریعت کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو ان پر برتری حاصل ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے O

## طلاق ورضاعت کے مسائل

۲۲۸- ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ﴾ اس سے وہ طلاق والیاں مراد ہیں جن سے دخول کیا گیا ہو اور ان کو حیض بھی آتا ہو ﴿یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ یہ خبر امر کے معنی میں ہے اور اصل کلام یوں ہے ''وَلْیَتَـرَبَّـصِ الْـمُـطَلَّقَاتُ. اور چاہیے کہ طلاق والیاں رکی رہیں'' اور امر کو خبر کی صورت میں لانے سے مقصود امر کی تاکید کرنا ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ امر ان اوامر میں سے ہے جس کی تعمیل جلد از جلد واجب ہے تو گویا ان عورتوں نے اپنے آپ کو روک کر حکم کی تعمیل کر دی ہے لٰہذا موجود فی الواقع کی خبر دی جا رہی ہے اور اہل عرب دعا میں بھی اسی طرح کہا کرتے ہیں یعنی ''رَحِـمَكَ الـلّٰـهُ'' اس کو بھی دعا کے قبول ہو جانے کے یقین پر خبر کی صورت میں لایا گیا ہے گویا رحمت حاصل ہو گئی ہے اس لیے اس کی خبر دی جا رہی ہے اور اس کو مبتدا (وَالْمُطَلَّقَاتُ) کی خبر قرار دینے پر تاکید کی مزید اہمیت حاصل ہو جائے گی کیونکہ جملہ اسمیہ دوام وثبات اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے اور ''اَنْـفُس'' کے ذکر کرنے میں ان کو عدت کے لیے اپنے آپ کو روکنے پر ابھارنا اور مزید راغب کرنا مقصود ہے کیونکہ عورتوں کے نفوس مردوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اس لیے انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو کنٹرول میں رکھیں اور ان کو رغبت وطمع پر غالب کر دیں اور انہیں رکے رہنے پر مجبور کر دیں ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (یعنی طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو) تین حیض تک (روکے رکھیں) اور ''قُرُوْءٍ'' یا تو (قاف پر زبر کے ساتھ) ''قَرْءٌ'' کی جمع ہے یا (قاف پر پیش کے ساتھ) ''قُرْءٌ'' کی جمع ہے بہرحال اس کا معنی حیض ہے کیونکہ حضور سیّد عالم رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے (آپ نے ایک عورت سے فرمایا:) ''دَعِی الصَّلٰوۃَ اَیَّامَ اَقْرَائِكَ. یعنی تو اپنے حیض کے ایام کی نمازیں چھوڑ دے''۔[1] نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا ارشادِ گرامی ہے کہ ''طَلَاقُ الْاَمَـةِ تَـطْلِیْـقَتَـانِ وَعِدَّتُهَا حَیْضَتَـانِ. یعنی لونڈی کے لیے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں''۔[2] یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''طُهْرَانِ'' نہیں فرمایا (بلکہ ''حَیْضَتَانِ'' فرمایا جس سے ثابت ہو گیا کہ ''قُرُوْءٍ'' کا معنی حیض ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: ''وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ. (الطلاق:۴) اور تمہاری جو عورتیں حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تمہیں شک ہو (کہ اس کا کیا حکم ہے) تو ان کی عدت تین مہینے ہے''۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مہینوں کو حیض کا قائم مقام کیا ہے طہر کو نہیں کیا (تو واضح ہو گیا کہ عدت میں حیض معتبر ہے طہر نہیں) اور اس لیے بھی کہ عدت گزارنے سے مقصد تو رحم کا استبراء (یعنی بچے سے رحم کا بری اور خالی ہونا) ہے اور وہ حیض ہی ہے جو رحم کا استبراء کرتا ہے نہ کہ طہر اور یہی وجہ ہے کہ لونڈی کا استبراء حیض سے ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اگر عدت میں طہر معتبر ہوتا جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو عدت دو طہر اور تیسرے طہر کے کچھ حصہ کے ساتھ ختم ہو جاتی اور تین کا عدد ٹوٹ جاتا کیونکہ

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۱۰۷' نسائی کتاب الطلاق باب ۷۴' ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۱۱۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۰-۴۶۴

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۶' ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۳۰' دارمی کتاب الطلاق باب ۱۷

جب کوئی آدمی اپنی عورت کو طہر کے آخر میں طلاق دے گا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار کیا جائے گا لیکن جب وہ آدمی عورت کو حیض کے آخر میں طلاق دے گا تو ہمارے نزدیک اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا (بلکہ اس کے علاوہ مکمل تین حیض عدت میں شمار ہوں گے کیونکہ) ''ثَلٰثَةَ'' عدد مخصوص (تین) کے لیے اسم خاص ہے جو اس سے کم پر نہیں بولا جاتا اور جب عورت کو حیض آتا ہے تو کہا جاتا ہے: '' اَقْرَاَتِ الْمَرْاَةُ'' اور ''اِمْرَاَةٌ مُقْرِئٌ'' اور قرآن کریم میں ''ثَلٰثَةَ'' منصوب اس لیے ہے کہ یہ مفعول بہ واقع ہو رہا ہے یعنی وہ تین حیض گزارنے تک رکی رہیں یا پھر ظرف کی بناء پر منصوب ہے یعنی وہ تین حیض کی مدت تک (نکاحِ ثانی سے اپنے آپ کو) روکے رکھیں اور اس کا ''مُمَیِّز'' جمع کثرت (قُرُوْء) کو لایا گیا' جمع قلت کو نہیں لایا گیا اور وہ ''اَقْرَاء'' ہے کیونکہ دونوں جمع کے معنی میں مشترک ہیں اس لیے بطور وسعت کسی ایک پر اکتفا کیا جا سکتا ہے اور غالب امکان یہ ہے کہ ''قَرْءٌ'' کی جمع کے لیے ''اَقْرَاء'' سے زیادہ ''قُرُوْءٌ'' استعمال ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ قلیل الاستعمال مہمل کے قائم مقام ہوتا ہے ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں جو کچھ پیدا کیا ہے اس کا چھپانا ان کے لیے جائز نہیں یعنی اولاد یا حیض کا خون یا ان دونوں میں سے کسی کو بھی چھپانا جائز نہیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب عورت اپنے خاوند سے تفریق چاہتی ہو اس لیے وہ اپنے حمل کو چھپالے تاکہ طلاق کی وجہ سے اس کو وضع حمل کا طویل انتظار نہ کرنا پڑے اور تاکہ اس کا خاوند بچے پر شفقت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے سے باز نہ آجائے یا وہ حیض کو چھپالے اور حیض کے ہوتے ہوئے کہہ دے کہ میں پاک ہوں تاکہ اس کو جلدی سے طلاق دے دی جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی اہمیت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں' کیونکہ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے عذاب دینے پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے بڑے جرم کرنے پر جراءت نہیں کرے گا ﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ ﴾ ''بُعُوْل'' جمع ہے ''بَعْل'' کی اور آخر میں جمع کی تانیث لاحق کر دی گئی ہے ﴿ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ﴾ یعنی ان کے خاوند رجوع کر کے ان کو واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ طلاقِ رجعی سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا حرام نہیں ہو جاتا کیونکہ طلاق کے بعد بھی اس کو خاوند قرار دیا ہے ﴿ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ یعنی عدت کے لیے ٹھہرنے کی مدت میں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب مرد نے رجوع کا ارادہ کر لیا ہے اور عورت انکار کر دے تو عورت کی بات پر خاوند کی بات اختیار کرنا واجب ولازم ہے کیونکہ رجوع کا حق خاوند کو ہے عورت کو نہیں ﴿ اِنْ اَرَادُوْٓا ﴾ اگر مرد حضرات رجوع کے ذریعے یہ چاہتے ہوں کہ ﴿ اِصْلَاحًا ﴾ ان کے درمیان اور ان کی عورتوں کے درمیان صلح ہو جائے اور ان عورتوں کی اصلاح کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا چاہتے ہوں اور ان کو نقصان پہنچانا نہ چاہتے ہوں ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ ﴾ اور عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں یعنی عورتوں کے حقوق مردوں پر واجب ولازم ہیں جیسے حق مہر ادا کرنا اور نان نفقہ ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کے ساتھ حسن معاشرت سے رہنا اور ان کو ضرر ونقصان نہ پہنچانا اور اسی طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق واجب ولازم ہیں کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی جائے اور عورتوں پر لازم ہے کہ مرد جو جائز کام کہیں اس پر عمل کریں اور جس ناجائز کام سے منع کریں اس سے باز آجائیں ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ایسے معروف اور اچھے طریقے پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور نہ لوگوں کی مہذب عادات کے خلاف ہو' لہٰذا میاں بیوی میں سے کوئی اپنے جیون ساتھی کو ناجائز کام پر مجبور نہیں کر سکتا اور مماثلت و برابری سے مراد ایک دوسرے کے حقوق کے وجوب کا حسن ہے اور جنسِ فعل میں مماثلت مراد نہیں' لہٰذا خاوند پر واجب نہیں

کہ جب اس کی بیوی اس کے کپڑے وغیرہ دھو کر دے اور کھانا وغیرہ تیار کر دے تو وہ بھی اسی طرح کرے بلکہ وہ اس حسن سلوک کا بدلا اس طرح ادا کرے جو اس کی شان کے لائق ہو ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے یعنی مرد کا عورت پر زیادہ حق ہے اور اگر چہ میاں بیوی جنسی لذت وتمتع کے حصول میں برابر کے شریک ہیں لیکن بیوی کے معاملات میں مرد کے محافظ ونگران ہونے اور خوراک ولباس اور رہائش مہیا کرنے اور نکاح کی ملکیت حاصل کرنے کی وجہ سے مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے' اس کے معاملات میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں ﴿حَكِيْمٌ﴾ دانا اور صاحب حکمت ہے وہ جو بھی حکم دیتا ہے وہ مبنی برحق اور صحیح ودرست ہوتا ہے اور وہی حسین وجمیل اور سب سے اچھا ہوتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

دوبارہ طلاق دینے کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (دونوں طریقے جائز ہیں) اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ دونوں فریقوں کو یہ ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے' پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت بدل خلع دے کر طلاق لے لے' یہ اللہ کی حدیں ہیں' سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے وہ ظالم ہیں ○

## طلاق کے مسائل واحکام کا بیان

۲۲۹- ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ یہاں طلاق بہ معنی تطلیق ہے جیسے سلام بہ معنی تسلیم ہے یعنی شرعی طلاق یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد تفریق کر کے دوسری طلاق دی جائے اکٹھے طلاق نہ دی جائے اور نہ ایک دفعہ چھوڑ دیا جائے اور ''مَرَّتَان'' سے تثنیہ مراد نہیں ہے بلکہ تکرار مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ. (الملک:۴) پھر دوبارہ نگاہ اٹھا'' یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ نگاہ اٹھا' یہاں ''كَرَّتَيْنِ'' تثنیہ نہیں ہے اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ایک ہی طہر میں دو یا تین طلاقیں یکبارگی دینا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں متفرق طلاقیں دینے کا حکم دیا ہے اس لیے کہ اس کا ظاہر اگر چہ خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا خلاف واقع ہونا لازم آئے گا کیونکہ کبھی اکٹھے طلاقیں دے دی جاتی ہیں۔

شانِ نزول: ایک قول کے مطابق ایک انصاریہ عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے خاوند نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ہمیشہ ہر بار تجھے طلاق دے کر عدت کے قریب رجوع کر لیا کروں گا (اس طرح میں تجھے عمر بھر قید رکھوں گا نہ آزاد کروں گا اور نہ گھر بساؤں گا) تو یہ آیت مبارکہ ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَان'' نازل ہوئی یعنی طلاق رجعی دوبار تک ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔ ﴿فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ﴾

طلاق کے بعد بھلائی کی نیت سے رجوع کر کے عورت کو روک لینا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بھلائی کی نیت سے رجوع کر کے عورتوں کو روک لینا تم پر واجب و لازم ہے ﴿ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا اور وہ اس طرح ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدت ختم ہونے پر اس کی عورت طلاق بائنہ کے ذریعے اس سے جدا ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دے۔

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت کریمہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی جمیلہ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ آپ سے نفرت و بغض رکھتی تھی جب کہ آپ اس سے محبت کرتے تھے اور انہوں نے اس کو اپنا ایک باغ بھی دے دیا تھا' چنانچہ اس عورت نے وہ باغ واپس کر کے اس کے عوض میں خلع کر لیا (اگر عورت حق مہر یا اس کے علاوہ رقم وغیرہ خاوند کو دے کر اس کے عوض میں طلاق لے لے تو اس کو خلع کہا جاتا ہے) اور یہ اسلام میں سب سے پہلا خلع تھا ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ ﴾ اے شوہرو! یا اے وقت کے حاکمو! کیونکہ یہی وہ حکمران ہیں کہ جب فیصلہ جات کے لیے ان کے پاس مقدمات دائر کیے جاتے ہیں تو حکمران لینے اور دینے کے لیے فیصلہ کا حکم سناتے ہیں گویا اب یہ خود لینے اور دینے والے ہیں۔

﴿ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ تم نے اپنے مال میں سے حق مہر وغیرہ کی صورت میں جو کچھ ان کو دے دیا ہے اسے واپس لینا تمہارے لیے حلال نہیں ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ مگر یہ کہ میاں بیوی جانتے ہوں کہ رشتۂ زوجیت کے سبب اللہ تعالیٰ کی جو حدود ان پر لازم ہیں ان کو اس وجہ سے قائم نہیں رکھ سکیں گے کہ عورت کی طرف سے سرکشی و نافرمانی اور بد اخلاقی ظاہر ہو جائے ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ ﴾ اور یہ جائز ہے کہ پہلا خطاب (مذکورہ بالا) شوہروں کو ہو اور یہ دوسرا خطاب حاکموں کو ہو یعنی اے حاکمو! اگر تمہیں یہ خوف ہو ﴿ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴾ کہ میاں بیوی دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو شوہر نے طلاق دینے کے عوض میں جو کچھ لیا ہے اور بیوی نے طلاق لینے کے عوض میں جو کچھ دیا ہے اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ﴿ فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ﴾ اس میں (کوئی گناہ نہیں) جو عورت نے اپنی گلو خلاصی کے لیے خاوند کو معاوضہ دیا اور حق مہر کی صورت میں جو کچھ اس کو دیا گیا تھا اس کے بدلے میں اس نے خاوند سے طلاقِ خلع لے لی' قاری حمزہ نے ''اَلَّا اَنْ يَّخَافَا'' کو مبنی للمفعول (یعنی یا کو ضمہ دے کر ''اِلَّا اَنْ يُّخَافَا'' فعل مجہول) پڑھا ہے اور ''اِلَّا يُقِيْمَا'' کو اس کے الفِ ضمیر سے بدل قرار دیا ہے اور یہ بدل الاشتمال ہے جیسے ''خِيْفَ زَيْدٌ تَرْكُهٗ اِقَامَةَ حُدُوْدِ اللّٰهِ'' میں ہے یعنی زید کو اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہ رکھنے سے ڈرایا گیا ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ یعنی نکاح' قسم' ایلاء' طلاق اور خلع وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ پس تم مخالفت و نافرمانی کر کے ان سے تجاوز نہ کرو ﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں یعنی اپنی جانوں کو ضرور نقصان پہنچانے والے ہیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس نے (تیسری) طلاق اس کو دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے' پھر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر ان کو غالب گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ اہل علم قوم کے لیے بیان فرماتا ہے O

۲۳۰۔ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ پھر اگر خاوند اپنی عورت کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق دے دے (جواب آگے آ رہا ہے) لیکن اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خلع بھی طلاق ہے تو یہ (تیسری نہیں) چوتھی طلاق ہوگی' میں کہتا ہوں کہ خلع طلاقِ بدل ہے اور وہ تیسری طلاق ہے اور یہ طلاق اسی طلاقِ بدل کا بیان ہے یعنی اگر خاوند اپنی عورت کو تیسری طلاقِ بدل (یا مطلق طلاق) دے دے تو (اس عورت کا دوبارہ خاوند کے لیے) حلال ہونے کا حکم اس طرح ہے کہ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ﴾ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں رہتی ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ یہاں تک کہ وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے ہونے والے شوہر سے نکاح کر لے اور یہاں نکاح کی نسبت عورت کی طرف اس طرح کی گئی ہے جس طرح مرد کی طرف کی جاتی ہے جیسے "تَــزَوُّج" (کی نسبت میاں بیوی دونوں کی طرف کی جاتی) ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح عورت کی رضا اور اقرار سے منعقد ہوگا اور دوسرے خاوند کی عورت کے ساتھ جماع کی شرط حدیثِ عسیلہ کی وجہ سے لگائی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مشہور و معروف ہے۔[1]

اور فقہ کا قانون اس کے بارے میں یہ ہے کہ جب خاوند اپنی عورت سے ایسی جدائی اختیار کر لے جس کے بعد ندامت سے خلاصی باقی نہ رہے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک عقد ثانی کے ذریعے کوئی نوجوان اس کے ساتھ دخول نہ کرے اور یہ قانون اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ خاوند اپنی عورت کو طلاق مُغلَّظہ دینے کے ارتکاب سے رک جائے ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ پھر اگر دوسرا خاوند جماع کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ تو پہلے شوہر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہیں ﴿أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ کہ ان میں سے ہر ایک دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنے جیون ساتھی کی طرف رجوع کر لے ﴿إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ﴾ اگر ان کو غالب گمان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں اور یہاں "اِنْ ظَنَّا" کی بجائے "اِنْ عَلِمَا" نہیں فرمایا کیونکہ ان کا یقین امر غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جن کو وہ بیان فرماتا ہے' قاری مفضل نے اس کو نون کے ساتھ (نُـبَـيِّنُهَا) پڑھا ہے ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو ان کے لیے بیان کیا گیا ہے اس کو وہ سمجھتی ہے۔

[1] جس کو بخاری' مسلم اور دیگر ائمۂ حدیث نے بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی حضور سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی تھیں اور میں نے (عدت گزر جانے کے بعد) عبد الرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا ہے' پھر اس نے اپنے دوپٹے کا ایک کونہ ہلا کر اشارے سے بتایا کہ عبد الرحمان نامرد ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا کہ گویا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے مگر ایسا نہیں ہو سکتا جب تک تو اس کا شہد نہ چکھے اور وہ تمہارا شہد نہ چکھ لے یعنی جب تک تم جماع کے ذریعے ایک دوسرے سے لطف اندوز نہیں ہوتے اس وقت تک پہلے خاوند کے پاس واپس نہیں جا سکتی۔ تفصیل کے لیے اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی' مظہری الجزء الثانی' ابن کثیر الجزء الثانی)۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

اور جب تم عورتوں کو (طلاق رجعی) دو' پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا باعزت طریقے سے ان کو چھوڑ دو اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم زیادتی کرو اور جو ایسا کرتا ہے تو یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا ہے' اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ اور تم پر جو اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو اور اللہ نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل کی ہے وہ اس کی تمہیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

۲۳۱- ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی اپنی عدت کے آخری ایام تک پہنچ جائیں اور عدت کی انتہا کے قریب پہنچ جائیں کیونکہ "اَجَل" کا لفظ پوری مدت پر بھی بولا جاتا ہے اور مدت کے آخر پر بھی بولا جاتا ہے' چنانچہ انسان کی پوری عمر کو بھی "اَجل" کہا جاتا ہے اور اس موت کو بھی "اجل" کہا جاتا ہے جس پر (انسانی عمر کا) اختتام ہوتا ہے۔ ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ تو انہیں تم نیکی کے ساتھ روک لو یا پھر بھلائی کے ساتھ ان کو چھوڑ دو یعنی یا تو انہیں ضرر اور نقصان نہ پہنچانے کی نیت سے ان سے رجوع کر لو یا پھر انہیں بالکل چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور وہ بغیر نقصان اٹھائے آزاد ہو جائیں ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ "ضِرَارًا" یا مفعول لہ ہے یا حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم اپنی عورتوں کو ضرر و نقصان پہنچانے اور دکھ اور تکلیف دینے کی غرض سے انہیں نہ روکے رکھو' دراصل بات یہ تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا اور اس کو چھوڑ دیتا تھا لیکن جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جاتی تھی تو پھر وہ بغیر کسی مقصد کے اس سے رجوع کر لیتا تھا تا کہ اس کی عدت لمبی ہو جائے اور ضرر و تکلیف دینے کے لیے روکنے کا یہی مطلب ہے ﴿لِّتَعْتَدُوا﴾ تا کہ تم ان پر ظلم و زیادتی کرو یا اس لیے کہ تم انہیں طلاق لینے کے لیے فدیہ دینے پر مجبور کر دو ﴿وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ﴾ اور جو یہ کام کرتا ہے یعنی ضرر و تکلیف پہنچانے کی خاطر اپنی بیوی کو روکتا ہے ﴿فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ تو اس نے یقیناً اپنی جان پر ظلم کیا ہے کیونکہ اس نے ایسا کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا ہے ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق نہ بنا لو یعنی ان کو لینے میں اور ان پر عمل کرنے میں پوری کوشش کرو اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں پوری رعایت کرو ورنہ تم نے گویا ان کو مذاق بنا لیا ہے کیونکہ جو شخص کسی کام میں کوشش نہیں کرتا تو اسے کہا جاتا ہے کہ تم نے اس کام کو تماشا اور مذاق بنا لیا ہے ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور نعمت سے

اسلام اور نبوتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے ﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ﴾ اور اس نے تم پر جو کتاب وحکمت نازل کی ہے (اس کو یاد کرو) کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے سنتِ نبوی ﷺ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آیات کے مقابلہ میں نعمت کو ذکر کیا ہے تاکہ آیاتِ قرآنیہ کے حقوق کو قائم کیا جائے (یعنی ان پر عمل کیا جائے) اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ وہ تمہیں اس (پر عمل کرنے) کی نصیحت کرتا ہے جو اس نے تم پر نازل کیا ہے اور یہ (''اَنْزَلَ'' کی ضمیر فاعل سے) حال واقع ہو رہا ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے ساتھ اس نے تمہیں امتحان میں ڈالا ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (خصوصاً) نعمتوں کو یاد رکھنے' تقویٰ اختیار کرنے اور نصیحت وغیرہ قبول کرنے کو (خوب جانتا ہے) اور یہ وعدہ وعید سے زیادہ بلیغ و فصیح ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو نئے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دونوں شریعت کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں' یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

۲۳۲- ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے کیونکہ دونوں کلاموں کا سیاق وسباق اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں آیتوں میں ''فَبَلَغْنَ'' سے الگ الگ معنی مراد ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے بعد نکاح کا ذکر ہے اور یہ عدت کے بعد ہوتا ہے اور پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر ہے اور یہ عدت کے اندر ہوتا ہے (لہٰذا پہلی آیت میں ''فَبَلَغْنَ'' سے عدت کے آخر میں پہنچنا مراد ہے اور دوسری میں عدت کے اختتام تک پہنچنا مراد ہے) ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ تو تم انہیں نہ روکو' ''اَلْعَضْلُ'' کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور تنگ کرنا ہے ﴿اَنْ يَّنْكِحْنَ﴾ نکاح کرنے سے ﴿اَزْوَاجَهُنَّ﴾ ان کے ہونے والے شوہروں سے جو ان میں رغبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے خیر خواہی کرتے ہیں اور اس آیتِ مبارکہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ نکاح عورت کی مرضی اور اس کے اقرار سے منعقد ہوگا اور اس آیت میں خطاب ان شوہروں سے ہے جو اپنی طلاق یافتہ بیوی کو عدت ختم ہونے کے بعد بھی دوسری جگہ نکاح کرنے سے زبردستی منع کرتے تھے اور ان کو ہونے والے شوہروں کے ساتھ شادی کرنے سے روکتے تھے اور ہونے والے شوہروں کو ازواج مستقبل کے اعتبار سے کہا گیا ہے یا پھر خطاب وارثوں کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے وارثو! تم اپنی طلاق یافتہ عورتوں کو اپنے پہلے شوہروں کی طرف رجوع کرنے سے نہ روکو اور ان کو طلاق دینے کے بعد ازواج ماضی کے اعتبار سے کہا گیا ہے

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ معقل بن یسار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب اس نے اپنی بہن کو پہلے خاوند کے پاس جانے سے روک دیا تھا یا یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے یعنی تمہارے درمیان کوئی روکنے والا موجود نہ ہو کیونکہ جب ان کے درمیان کوئی روکنے والا موجود ہو اور باقی سب اس پر راضی ہوں تو گویا سب لوگ روکنے والوں کے حکم میں ہوئے۔

﴿إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم﴾ جب نکاح کا پیغام دینے والے اور عورتیں راضی ہوں ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ بھلائی کے ساتھ۔ دراصل دین میں اور اخلاق و مروت میں اچھا ہونا نکاح کی شرائط میں سے ہے یا مہرِ مثلی اور ہم کفو کے ساتھ کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے کی صورت میں وارثوں کو اعتراض کرنے اور نکاح سے روکنے کا حق پہنچتا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ اس میں حضور نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے یا پھر ہر شخص کو خطاب ہے ﴿يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ نصیحت صرف انہی لوگوں میں اثر کرتی ہے اور انہی کے لیے مفید ہے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یعنی عورتوں کو ضرر و نقصان نہ پہنچانا اور ان کو نکاح کرنے سے نہ روکنا ﴿أَزْكٰى لَكُمْ وَأَطْهَرُ﴾ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور زیادہ پاکیزہ ہے یعنی یہ گناہوں کے میل کچیل سے بہتر ہے یا زیادہ ستھرا اور زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بہتر و پاکیزہ تر ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس میں پاکیزگی و طہارت کو خوب جانتا ہے ﴿وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور تم اس کو نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں' یہ (حکم) اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمے دستور کے مطابق ان کا کھانا اور پہننا لازم ہے اور کسی شخص کو مکلف (ذمہ دار) نہیں بنایا جائے گا مگر اس کی طاقت کے مطابق' نہ والدہ کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ والد کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے' پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم دستور کے مطابق طے شدہ اجرت ان کو ادا کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے O

## رضاعت کا بیان

۲۳۳۔﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں اور یہ خبر (یُرْضِعْنَ) ''يَتَرَبَّصْنَ'' کی طرح امر مؤکد کے معنی میں ہے اور یہ امر مستحب کے طریقے پر ہے یا پھر وجوب کے طور پر ہے کیونکہ بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ قبول نہیں کرتا یا بچہ کے لیے دودھ پلانے والی نہ ملے یا باپ اجرت دینے سے عاجز ہو یا پھر والدات سے طلاق یافتہ مائیں مراد ہیں اور بچے کے باپ پر طلاق یافتہ سابقہ بیوی کا نان ونفقہ اور لباس کا واجب ہونا صرف دودھ پلانے کی وجہ سے ہے ﴿حَوْلَيْنِ﴾ ظرف ہے ﴿كَامِلَيْنِ﴾ ''تَامَّيْنِ'' یعنی مائیں پورے دوسال دودھ پلائیں۔ یہ ''حَوْلَيْنِ'' کی تاکید ہے کیونکہ ''حَوْلَيْنِ'' میں چشم پوشی کی جاتی ہے (اس طرح کہ ''حَوْلَيْنِ'' یعنی دو سال بول کر پونے یا ڈیڑھ سال مراد لیا جاتا ہے) چنانچہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ''اَقَمْتُ عِنْدَ فُلَانٍ حَوْلَيْنِ'' (میں نے فلاں آدمی کے پاس دوسال قیام کیا ہے) جب کہ تم نے اس آدمی کے پاس دوسال مکمل قیام نہ بھی کیا ہو ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو مدتِ رضاعت پوری کرنا چاہتا ہو کیونکہ یہ کلام اس شخص کے لیے بیان کیا گیا ہے جس کی طرف یہ حکم متوجہ کیا گیا ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کا انتظام کرنا باپ پر واجب ہے ماں پر نہیں اور بچے کو دودھ پلانے کے لیے دایہ کا انتظام کرنا باپ پر لازم ہے مگر یہ کہ جب ماں ازخود دودھ پلانے کے لیے آمادہ ہو اور یہ اس کے لیے مستحب ہے لیکن اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور جب تک بیوی یا معتدہ (عدت گزارنے والی بیوی) موجود ہوں اس وقت تک کسی اور دایہ کو اجرت پر نہیں رکھا جا سکتا ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ اور اس پر لازم ہے جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے (کہ وہ مدت رضاعت تک بچے کی ماں کو لباس وخوراک مہیا کرے) ''ہٗ'' ضمیر اس لام کی طرف لوٹتی ہے جو ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَعَلَى الَّذِيْ يُوْلَدُ لَهٗ'' اور وہ والد ہے اور ''لَهٗ'' فاعل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے جس طرح ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' میں ''عَلَيْهِمْ'' ہے (الفاتحہ:۷) اور والد کی بجائے ''عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ'' اس لیے کہا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مائیں اپنے بچے کو صرف باپوں کے لیے جنتی ہیں کیونکہ اولاد والد کے لیے ہوتی ہے اور نسب بھی باپ کی طرف سے چلتا ہے ماں کی طرف سے نہیں اس لیے باپوں پر واجب ہے کہ وہ بچوں کی ماؤں کو خوراک اور لباس مہیا کرتے رہیں جب تک وہ ان کے بچوں کو دودھ پلاتی رہیں جس طرح دایہ کا حکم ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے والد کے نام کا ذکر کیا ہے جہاں یہ معنی مراد نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا. اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی باپ اپنے بچے کا بدلا نہ بنے گا اور نہ کوئی بچہ اپنے باپ کا کچھ بدلا بن سکے گا'' (لقمان:۳۳)۔﴿رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ان (عورتوں) کی خوراک اور لباس دستور کے مطابق (بچے کے باپ پر لازم ہے) نہ حد سے زیادہ ہو اور نہ حد سے کم' اس کی تفسیر اس کے بعد آ رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو کسی ایسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں کیا جائے گا جو اس کی وسعت وطاقت میں نہ ہو اور نہ ان دونوں کو ضرر دیا جائے گا ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کسی شخص کو اس کی طاقت اور قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں کیا جائے گا اور تکلیف کا معنی ہے: کسی کو مشقت میں ڈالنا کہ اس کا اثر عیاں ہو جائے اور ''وُسْعَهَا'' اس لیے منصوب ہے کہ یہ ''تُكَلَّفُ'' کا دوسرا مفعول ہے نہ کہ استثناء کی بنا پر اور البتہ دونوں مفعولوں کے درمیان ''اِلَّا'' داخل کر دیا گیا ہے ﴿لَا تُضَآرَّ﴾ ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے (تا پر) رفع کے ساتھ بطور جملہ خبر یہ پڑھا ہے اور یہ نہی کے معنی میں ہے اور یہ مبنی للفاعل اور مبنی للمفعول دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اصل میں ''لَا تُضَارِرُ'' را کے نیچے کسرہ کے ساتھ تھا یا ''تُضَارَرُ'' را پر فتح کے ساتھ تھا

اور باقی قراء نے ''لَا تُضَارِّ'' فعل نہی پڑھا ہے اور یہ دراصل ''تُضَارِرْ'' تھا' پہلی را کو ساکن کر کے دوسری را میں مدغم کر دیا گیا' پھر التقائے ساکنین ہو گیا اور التقائے ساکنین سے بچنے کے لیے دوسری را کو فتحہ دے دیا گیا ﴿وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ یعنی والدہ اپنے بچے کے ذریعے اپنے خاوند کو دکھ نہ پہنچائے اور وہ اس طرح کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ سختی کرے اور عدل و انصاف کے برعکس اس سے خوراک ولباس کا زیادہ مطالبہ کرے اور بچے کی دیکھ بھال میں کوتاہی کر کے اس کے دل کو پریشان کرے اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد اس سے کہے کہ بچے کے لیے دایہ کا انتظام کر دیا اس طرح کئے اور غلط بہانے بنائے ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ یعنی والد اپنے بچے کے سبب اپنی عورت کو دکھ نہ پہنچائے اور وہ اس طرح کہ عورت کا لباس اور خوراک جو بچے کے والد پر واجب ہے وہ اس کو دینے سے انکار کر دے یا اس سے بچہ چھین لے جب کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہو اور یہ معنی اس وقت ہوگا جب یہ فعل مبنی للمفعول ہو اور نہی کے معنی میں ہو یعنی خاوند کی طرف سے عورت کو اور عورت کی طرف سے خاوند کو بچے کے سبب دکھ اور رنج پہنچانے سے منع کیا گیا ہے یا ''تُضَارُّ'' ''تَضُرُّ'' کے معنی میں ہے اور باصلہ کی ہے یعنی ماں اپنے بچے کو نقصان نہ پہنچائے' لہٰذا وہ اس کو خراب غذا نہ دے بلکہ اس کی غذا کا خاص خیال رکھے اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد باپ کے حوالے نہ کر دے اور نہ باپ اپنے بچے کو نقصان پہنچائے اور وہ اس طرح کہ بچے کو عورت کے ہاتھ سے چھین لے یا اس کے حقوق (خوراک ولباس وغیرہ) میں کمی کر دے جس کی وجہ سے ماں بچے کے حق میں کوتاہی کرنا شروع کر دے' پھر یہاں ''بِوَلَدِهَا'' اور ''بِوَلَدِهٖ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ بچے کو نقصان پہنچانے سے عورت کو منع کیا گیا ہے اس لیے بچے کی نسبت اسی کی طرف کر دی گئی ہے تاکہ اس نسبت سے بچے کا والد اس کی ماں پر مہربان ہو ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ﴾ اس کا ''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' پر عطف ہے اور ان دونوں کے درمیان کی عبارت ''معروف'' کی تفسیر وتشریح ہے اور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ باپ کی غیر موجودگی میں بچے کے وارث پر ﴿مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ اسی طرح (بچے کی ماں کے حقوق) خوراک اور لباس وغیرہ دینے واجب تھے' پھر اس میں اختلاف ہے' چنانچہ علامہ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی میں بچے کے تمام ورثا پر باپ کی طرح حقوق واجب ہیں اور ہمارے (احناف) کے نزدیک صرف محرم رشتہ دار پر حقوق واجب ہیں سب پر نہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے: '' وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحْمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذٰلِكَ. یعنی محرم رشتہ دار وارث پر بچے کے باپ کی طرح (عورت کو خوراک اور لباس وغیرہ دینا واجب) ہے'' اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بچے کے ماسوا نان نفقہ وغیرہ کچھ لازم نہیں ہے ﴿فَاِنْ اَرَادَا﴾ یعنی پھر اگر ماں باپ دونوں چاہیں ﴿فِصَالًا﴾ کہ بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے بشرطیکہ یہ ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ﴾ ان دونوں کی مرضی اور ان کے باہمی مشورے سے طے ہو جائے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ تو اس معاملے میں ان پر کوئی گناہ نہیں خواہ وہ بچے کو دو سال سے زیادہ دودھ پلائیں خواہ دو سال سے کم کر دیں اور یہ وسعت و گنجائش حد مقرر کرنے کے بعد عنایت کی گئی ہے اور ''تَشَاوُرٍ'' کا مطلب ہے کہ کسی کی رائے حاصل کرنا اور یہ ''شُرْتُ الْعَسَلَ'' سے بنا ہے (اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب کوئی آدمی مکھی کے چھتے سے شہد نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس لیے فرمایا ہے تاکہ ماں باپ دونوں غور وفکر اور بڑے سوچ وبچار کے بعد باہمی اتفاق اور رضا مندی سے دودھ چھڑانے کا عمل سرانجام دیں' لہٰذا وہ ذات اقدس ہر قسم کے عیب سے پاک ہے جس نے بڑوں کو ادب کی تعلیم دی اور چھوٹے بچے کو یونہی ان کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا اور دونوں کا اتفاق معتبر وضروری قرار دیا کیونکہ باپ کے لیے نسب اور ولایت ہے اور ماں کے لیے شفقت وعنایت ہے ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

﴿اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو اور زجاج کے نزدیک "اَوْلَادَكُمْ" اصل میں "لِاَوْلَادِكُمْ" ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "اِسْتَرْضَعَ" "اَرْضَعَ" سے منقول ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "اَرْضَعَتِ الْمَرْاَةُ الصَّبِیَّ" کہ عورت نے بچے کو دودھ پلایا" اور "اُسْتُرْضِعَتْهَا الصَّبِیُّ" یعنی اس عورت سے بچے کو دودھ پلانے کا مطالبہ کیا گیا" اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اصل میں "اَنْ تَسْتَرْضِعُوا الْمَرَاضِعَ اَوْلَادَكُمْ" ہے (یعنی تم اپنی اولاد کو دودھ پلانے والیوں سے دودھ پلوانا چاہو) پھر ایک مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ماں کے انکار کرنے یا دودھ پلانے سے عاجز آ جانے کے وقت ماں کے علاوہ (کسی اور دودھ پلانے والی عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہو) ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ﴾ تو تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جب تم دودھ پلانے والیوں کو سپرد کر دو ﴿مَّآ اٰتَيْتُمْ﴾ وہ اجرت جو ان کو دینے کے لیے تم نے طے کر لی ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں "اَتَيْتُمْ" (الف مقصورہ کے ساتھ) ہے (اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب) کسی کے ساتھ احسان کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اسی سے ہے کہ "كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا. یعنی اس کا وعدہ ضرور پورا ہوگا" (مریم:۶۱)۔ اور اجرت کا پہلے سپرد کرنا مستحب ہے جواز کے لیے شرط نہیں ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ یہ "سَلَّمْتُمْ" کے متعلق ہے یعنی تم دودھ پلانے والیوں کو اجرت خوش دلی کے ساتھ دستور کے مطابق ادا کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے یعنی تمہارے اعمال اس سے مخفی نہیں ہیں' لہٰذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں' پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر اس کام میں کوئی گرفت نہیں ہوگی جو وہ عورتیں اپنے بارے میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے ○

## بیوہ کی عدت و نکاح اور طلاق کے مسائل

۲۳۴- ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ جب کوئی چیز مکمل اور پوری لے لی جائے تو کہا جاتا ہے: "تَوَفَّيْتُ الشَّيْءَ وَاسْتَوْفَيْتُهٗ" کہ میں نے فلاں چیز پوری پوری لے لی ہے یعنی ان کی روحیں قبض کر لی گئیں ﴿وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ "يَذَرُوْنَ" بہ معنی "يَتْرُكُوْنَ" ہے یعنی وہ بیویاں چھوڑ جائیں ﴿يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں یعنی تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں ان کی بیویاں اپنے آپ کو روکے رکھیں یعنی اپنی عدت پوری کریں یا اس کا معنی یہ ہے کہ "يَتَرَبَّصْنَ بَعْدَهُمْ بِاَنْفُسِهِنَّ" یعنی وہ شوہروں کے مرنے کے بعد (عدت پوری کرنے کے لیے) اپنے آپ کو روکے رکھیں' پھر "بَعْدَهُمْ" کو محذوف کر دیا گیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے (کہ عدت گزارنے کے لیے رکنا شوہروں کے مرنے کے بعد ہوتا ہے) باقی اس کو مقدر ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جب خبر جملہ واقع ہو رہی ہو (جیسے یہاں خبر جملہ واقع ہو رہی ہے) تو اس وقت خبر میں ایسی ضمیر کا ہونا واجب ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہو۔ مفضل کی قراءت میں (يَتَوَفَّوْنَ) یا پر فتح ہے یعنی ان کی

عمریں پوری ہو گئیں اور وہ فوت ہو گئے ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ یعنی ''وَعَشْرَ لَیَالٍ'' (دس راتیں) اور ایام (یعنی دن) راتوں کے تابع ہوتے ہیں (کیونکہ مہینے کا آغاز چاند رات سے ہوتا ہے اس لیے اہل عرب کے نزدیک تاریخ کا اعتبار راتوں سے ہوتا ہے) اور اس میں ایام کا اعتبار کرتے ہوئے تمیز مذکر استعمال نہیں کی جاتی جیسے کہا جاتا ہے: ''صُمْتُ شَهْرًا. میں نے مہینے بھر روزے رکھے'' اگر ''اَیَّام'' کا ذکر کر دیا جاتا تو یہ اہل عرب کے کلام سے خارج ہو جاتا ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ پھر جب ان کی عدت ختم ہو جائے ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ﴾ تو اے پیشوایانِ قوم اور حکامِ بالا تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ ﴾ جو وہ اپنے بارے میں پیغامِ نکاح وصول کرنے کے متعلق کریں ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ایسے احسن طریقے سے جو روحِ شریعت کے خلاف نہ ہو اور شریعت اس کا انکار نہ کرے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن کے ہر عمل کو خوب جانتا ہے اور وہ ہر دم تمہارے دلوں کی خفیہ کیفیات سے آگاہ رہتا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ
اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ
اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ
الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ
ع ۳۰ ۱۴ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾

اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو اشارے سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپا رکھو' اللہ کو معلوم ہے کہ (عدت کے بعد) تم عنقریب ان کا ذکر کرو گے لیکن تم ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ شریعت کے مطابق ان سے بات کرو اور تم (ان سے) عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کر لو یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے' پس تم اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد بردبار ہے O

۲۳۵- ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ ﴾ اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشاروں اور کنایوں سے (بیوہ) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو۔ دراصل ''خِطْبَةٌ'' کا معنی (جب کہ خا کے نیچے زیر ہو) نکاح کا مطالبہ کرنا ہے اور تعریض کا معنی ہے کہ نکاح کا ارادہ رکھنے والا شخص عورت سے کہے کہ تم بڑی خوبصورت اور نیک سیرت ہو اور میری غرض بھی یہی ہے کہ میں کسی خوبصورت اور نیک عورت سے شادی کر لوں اور اسی قسم کا کلام بولے جس سے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر ہو جائے تا کہ اگر وہ عورت اس میں رغبت رکھتی ہے تو اپنے آپ کو اس کے لیے روکے رکھے اور انتظار کرے (اور عدت کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح کا وعدہ نہ کر لے) لیکن جب تک عدت گزر نہیں جاتی اس کو صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام نہ دے' لہٰذا اس طرح نہیں کہہ سکتا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور کنایہ اور تعریض میں فرق یہ ہے کہ کنایہ میں اشارے سے بات کی جاتی ہے اور اپنے مطلب کو ایسے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو اس مطلب و معنی کے لیے وضع نہیں کیے گئے اور تعریض میں کسی شے کا مطلب ایسے طریقے سے بیان کرنا کہ اس میں مطلب کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بھی ہو سکتا ہو یعنی ذو معانی الفاظ استعمال کرنا جیسے کوئی ضرورت مند کسی دولت مند سے کہتا ہے کہ میں

تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں تمہیں سلام پیش کروں اور تمہارے روئے مبارک کی زیارت کروں' اس لیے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ میرا تمہیں سلام کرنا مراد مانگنے کے لیے تمہیں کافی ہے تو گویا کلام کو ایسی غرض کی طرف لوٹانا جس پر وہ دلالت کر سکے ﴿ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ یا تم اسے چھپائے رکھو اور اپنے دلوں میں مخفی رکھو' سو تم اپنی زبانوں پر اس کا تذکرہ نہ کرو نہ اشاروں سے اور نہ صراحت و ضاحت سے ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم ضرور ان کے سامنے تذکرہ کرو گے اور تم ان میں رغبت رکھنے کی وجہ سے ان سے بات چیت کرنے سے باز نہیں آؤ گے' سو تم ان سے ذکر کرو ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ اور لیکن تم ان سے خفیہ وعدے نہ کرو اور ان سے جماع کا ذکر نہ کرو کیونکہ یہ انہیں چیزوں میں سے ہے جن کو چھپایا جاتا ہے یعنی عدت کے اندر تم ان سے یہ نہ کہو کہ میں اس عمل (یعنی جماع کرنے) پر پوری طرح قدرت و طاقت رکھتا ہوں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ مگر یہ کہ تم قانونِ شریعت کے مطابق بات کرو اور وہ اس طرح کہ تم ان سے اشاروں اور کنایوں میں نکاح کی پیش کش کرو اور صراحت کے ساتھ کوئی بات نہ کرو اور حرف ''اِلَّا'' ''لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی عدت والی عورتوں سے وعدہ ہرگز نہ لو البتہ ایسا وعدہ لے سکتے ہو جو شریعت میں معروف ہو اور اس میں کسی قسم کی برائی نہ ہو ﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ ﴾ اور تم نکاح کا پختہ ارادہ نہ کر لو یہ ''عَزَمَ الْاَمْرَ'' سے بنا ہے جب کسی کام کو کر گزرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے' یہاں عقد نکاح سے منع کرنے کے لیے بطور مبالغہ عزم کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عزم فعل سے پہلے ہوتا ہے تو جب عزمِ نکاح منع ہے تو عقد نکاح بطریق اولیٰ منع ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم عدت والی عورتوں سے عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو یا یہ معنی ہے کہ تم نکاح کے عقد کو نہ توڑو (اس لیے کہ جب تک عورت کی عدت ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ اپنے خاوند کے عقد نکاح میں رہتی ہے) کیونکہ حقیقت میں عزم کا معنی توڑنا آتا ہے اور درج ذیل حدیث اسی معنی میں ہے: ''لَا صِيَامَ لِمَنْ لَّمْ يَعْزِمِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ'' اور دوسری روایت میں ''لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ'' ہے یعنی جس نے رات کو روزہ رکھنے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ (کامل) نہیں ہے[1] یعنی (آیت کا مطلب یہ ہوا کہ) تم عقد نکاح پر (نکاح کا) پختہ ارادہ نہ کرو ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور عدت کو کتاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی فرضیت کتاب الٰہی (قرآن مجید) سے ثابت ہے یعنی یہاں تک کہ وہ اتنی مدت ٹھہری رہے جتنی اس کے لیے لکھ دی گئی ہے یعنی اس کی میعاد (پوری کر لے) ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے ان پختہ ارادوں کو خوب جانتا ہے جو شرعاً ناجائز ہیں ﴿ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ سو اس سے ڈرو اور دوران عدت عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ اور یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت حلیم ہے' وہ تمہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کرے گا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کے لیے حق مہر

[1] ترمذی کتاب الصوم باب ۳۳

مقرر نہ کیا ہو اور تم ان کو استعمال کی کچھ چیزیں دے دو' خوشحال پر اس کی طاقت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی ہمت کے لائق ہے' استعمال کی چیز دستور کے مطابق دینا ہے' نیکی کرنے والوں پر یہ واجب ہے O

شانِ نزول: درج ذیل آیتِ مبارکہ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے نہ اپنی بیوی کے لیے حقِ مہر مقرر کیا تھا اور نہ اس سے جماع کیا تھا۔

۲۳۶- ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ تم پر حق مہر کے وجوب کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ﴿اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ اگر تم نے اپنی عورتوں کو (جماع کرنے سے پہلے) طلاق دے دی ہے۔ یہ جملہ شرط ہے اور اس کے جواب پر ''لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ'' دلالت کرتا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسآءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. یعنی اگر تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی تو تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ جب تک تم نے ان سے جماع نہیں کیا اور حرفِ ما شرطیہ ہے یعنی اگر تم نے ان کو نہیں چھوا (چھونے سے مراد جماع کرنا ہے)۔ حمزہ اور علی کسائی دونوں قراء نے اس کو ''تُمَاسُّوْهُنَّ'' (باب مفاعلہ سے) پڑھا ہے جہاں بھی قرآن مجید میں آیا کیونکہ یہ فعل دو (فاعل و مفعول) کے درمیان واقع ہوتا ہے ﴿اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ مگر یہ کہ تم ان کے لیے حق مہر مقرر کر دو یا (یہ معنی ہے کہ) یہاں تک کہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر دو اور مہر مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (عقد نکاح کے وقت) حق مہر کا نام لے کر بتا دیا جائے اور یہ اس لیے کہ غیر موطوءہ مطلقہ (یعنی جس کو جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے) کے لیے نصف مہر اس صورت میں ہوگا جب اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو اور اگر اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس کے لیے مہر مثلی کا نصف بھی نہیں ہوگا بلکہ چند کپڑے دینا ہوں گے اور اس بات کی دلیل کہ گناہ حق مہر کے تابع ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ'' سے لے کر ''فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ'' تک' سو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ'' اس جگہ منفی جناح (یعنی منفی گناہ) کا اثبات ہے ﴿وَّمَتِّعُوْهُنَّ﴾ یہ فعل محذوف پر معطوف ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَطَلِّقُوْهُنَّ وَمَتِّعُوْهُنَّ. پس تم ان کو طلاق دے دو اور ان کو استعمال کے لیے کچھ دے دو' اور استعمال کی چیزیں تین ہیں: (۱) قمیص (۲) پاجامہ (۳) دوپٹہ ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ﴾ دولت مند پر یعنی جس کو روزی میں وسعت و فراخی حاصل ہو ﴿قَدَرُهٗ﴾ اس کی قدرت و گنجائش کے مطابق یعنی جس قدر وہ دینے کی طاقت رکھتا ہے اور ابوبکر کے علاوہ کوفہ کے دیگر قراء نے دونوں جگہ ''قَدَرُهٗ'' (دال کو مفتوح) پڑھا ہے اور ان میں دونوں لغات (یعنی دال کو مفتوح اور ساکن دونوں طرح پڑھنا) جائز ہیں ﴿وَعَلَى الْمُقْتِرِ﴾ اور تنگ دست و زبوں حال پر ﴿قَدَرُهٗ﴾ اس کی قدرت و ہمت کے مطابق ہے اور ہمارے (احناف) کے نزدیک اس غیر مدخولہ مطلقہ کے علاوہ کسی اور مطلقہ کو استعمال کے لیے کچھ چیزیں دینا واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ باقی مطلقہ عورتوں کو استعمال کی کچھ چیزیں دینا مستحب ہیں ﴿مَتَاعًا﴾ یہ ''مَتِّعُوْهُنَّ'' کی تاکید ہے یعنی نفع دینا ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ایسے طریقے پر جو شریعت میں اور مروت میں مستحسن اور بہتر ہو ﴿حَقًّا﴾ یہ ''مَتَاعًا'' کی صفت ہے یعنی نفع پہنچانا اور استعمال کی کچھ چیزیں شوہروں پر واجب و لازم ہیں یا یہ ان پر حق ہے ﴿عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ مسلمانوں پر یا ان لوگوں پر جو استعمال کی چیزیں دے کر مطلقہ عورتوں کے ساتھ نیکی کرنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کو عمل کرنے سے پہلے محسنین اس طرح کہا گیا جیسے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ. یعنی جس نے مقتول کو قتل کیا تو مقتول کا تمام سامان اسی کا ہے''۔[1] اور یہ

[1] بخاری کتاب الخمس باب ۱۸' مسلم کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۴۲' ابوداؤد کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۲۷۱۶' ترمذی کتاب السیر باب ۱۳' ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ۲۹' الموطا کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۱۸' مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۲۔ ۲۹۵

نیکی صدقہ وخیرات اور بخشش وغیرہ نہیں جو شوہر پر لازم نہ ہو بلکہ یہ متاع واجب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا حکم بیان کیا ہے جس کا حق مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو چھونے (یعنی ہم بستری) سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

اور اگر تم نے عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دی جب کہ تم ان کا حق مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کردہ کا نصف حق مہر (ادا کرنا واجب) ہے مگر یہ کہ عورتیں از خود معاف کر دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے اور تمہارا زیادہ دے دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے کو نہ بھولو' بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہےO تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص کر) درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کروO

۲۳۷- ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ اور تم ان کو چھونے (یعنی جماع کرنے) سے پہلے طلاق دے دو۔ یہاں حرف ''اَنْ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یعنی دراصل ''مِنْ قَبْلِ مَسِّكُمْ اِيَّاهُنَّ'' ہے ﴿وَقَدْ فَرَضْتُمْ﴾ اور تم مقرر کر چکے ہو' یہ جملہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے ﴿لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ ان کے لیے حق مہر ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ﴾ تو جو حق مہر تم مقرر کر چکے ہو اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ یہاں مطلقہ عورتیں مراد ہیں اور حرف ''اَنْ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر استثناء کی وجہ سے محلاً منصوب ہے گویا کہا گیا ہے کہ تم نے جو حق مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (یعنی آدھا) مہر ادا کرنا تم پر ہر حال میں لازم ہے مگر جس وقت وہ (مطلقہ عورتیں) اپنا حق مہر تمہیں معاف کر دیں اور مردوں کے (یعنی جمع مذکر کے فعل) ''يَعْفُوْنَ'' اور عورتوں کے (یعنی جمع مؤنث کے فعل) ''يَعْفُوْنَ'' کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے میں واؤ ''هُمْ'' ضمیر کی ہے اور نون رفع کی علامت ہے جب کہ دوسرے فعل میں واؤ لام کلمہ کی ہے (کیونکہ یہ ''عَفْوٌ'' سے بنا ہے اس لیے یہ فعل ناقص واوی ہے) اور اس میں نون ''هُنَّ'' ضمیر کی ہے اور یہ فعل مبنی ہے' اس میں کسی عامل کے عمل کا کوئی اثر نہیں ہوتا (اس لیے اس میں نونِ ضمیر باقی ہے جب کہ فعلِ مذکر میں نون علامتِ رفع ''اَنْ'' ناصبہ کی وجہ سے ساقط ہو گئی ہے) ﴿اَوْ يَعْفُوَا﴾ اس کے محل پر عطف ہے (اس لیے منصوب ہے مطلب یہ ہے:) یا شوہر زیادہ دے دے ﴿الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور وہ شوہر ہے' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر' حضرت شریح' حضرت مجاہد' حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ اس لیے کہ طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے تو نکاح کے عقد کی بقا بھی اس کے ہاتھ میں رہے گی اور معنی یہ ہے کہ شریعت میں نصف مہر

واجب ہے مگر یہ کہ عورت سارا مہر معاف کر دے یا خاوند احسان کے طور پر پورا حق مہر ادا کر دے اور امام مالک اور امام شافعی کے قدیم قول کے مطابق اس سے خاوند کی بجائے وارث مراد ہے۔ ہم (احناف اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ وہ (وارث) تو بچی کی بخشش کا مالک نہیں بن سکتا تو اس کو وارث پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے ﴿وَاَنْ تَعْفُوْٓا﴾ یہ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ ہے اور یہ شوہروں اور بیویوں کو خطاب بطور تغلیب کے ہے۔ زجاج نے یہی ذکر کیا ہے یعنی کل حق مہر دے کر خاوند کا معاف کرنا اس کے لیے بہتر ہے اور کل حق مہر چھوڑ کر بیوی کا معاف کر دینا اس کے اپنے حق میں بہتر ہے یا پھر خاوند کے لیے بہتر ہے ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ﴾ اور تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنا نہ بھولو ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے سو وہ تمہیں تمہارے احسانات اور نیکیوں پر جزا عطا فرمائے گا۔

۲۳۸- ﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ﴾ تمام نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں تمام ارکان و شرائط کے ساتھ پوری پابندی سے ہمیشہ ادا کرتے رہو ﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی﴾ تمام نمازوں کے درمیان والی نماز یعنی سب سے بڑی فضیلت والی نماز کیونکہ اہل عرب ''اَفْضَلُ'' کے لیے ''اَوْسَطُ'' کا لفظ بولتے ہیں اور اس نماز کو الگ اور تمام نمازوں پر عطف کر کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نماز فضیلت میں سب سے منفرد و ممتاز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے اور جمہور بھی اسی پر متفق ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا کہ ''شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُیُوْتَهُمْ نَارًا. یعنی کفار نے ہمیں درمیانی نماز نمازِ عصر سے دور رکھا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے''[1] اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بلاشبہ یہ وہی نماز ہے جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے (جہاد کے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو کر کچھ دیر کے لیے) توجہ پھیر لی تھی اور حضرت حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے مصحف میں ہے ''وَالصَّلٰوةُ الْوُسْطٰی صَلٰوةُ الْعَصْرِ. درمیانی نماز عصر کی نماز ہے'' اور اس لیے بھی کہ یہ نماز رات کی دو نمازوں اور دن کی دو نمازوں کے درمیان واقع ہے اور اس کی فضیلت و اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے وقت میں لوگ کاروبار زندگی اور تجارت میں مشغول ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دن کے درمیان میں واقع ہے یا پھر فجر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دن کی نمازوں اور رات کی نمازوں کے درمیان واقع ہے یا مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے (جب کہ عشاء کی نماز تین اور دو رکعت نمازوں کے درمیان اور فجر کی نماز چار چار رکعت نماروں کے درمیان اور عصر کی نماز چار اور تین رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے البتہ ظہر کی نماز بھی چار اور دو رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے) اور اس لیے بھی کہ مغرب کی نماز سری نمازوں (ظہر و عصر) اور جہری نمازوں (عشاء و فجر) کے درمیان واقع ہے یا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ دو طاق نمازوں (مغرب کی تین رکعت نماز اور وتر کی تین رکعت نماز واجب) کے درمیان واقع ہے یا یہ نماز شبِ قدر کی طرح متعین نہیں ہے تاکہ مسلمان تمام نمازوں کی حفاظت کیا کریں ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ اور تم نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہوا کرو ﴿قٰنِتِیْنَ﴾ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم فرماں بردار ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر عاجزی کے ساتھ متوجہ رہو یا تم اپنے قیام میں صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور قنوت کا مطلب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر یاد کرو یا اپنے قیام کو دراز کرو۔

[1] بخاری کتاب الجہاد باب ۹۸' مسلم کتاب المساجد رقم الحدیث: ۲۰۲-۲۰۶' ترمذی کتاب تفسیر البقرہ باب ۳۱' نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴' ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ۶' مسند احمد ج ۱ ص ۷۹-۸۱-۱۱۳

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل یا سوار (جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لیا کرو) پھر جب تم حالتِ امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے' جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے O اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے گھر سے نکالے بغیر سال بھر تک نان نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں' پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں دستور کے مطابق کیا اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق نان نفقہ ہے جو خوفِ خدا رکھنے والوں پر واجب ہے O

۲۳۹- ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ پھر اگر تمہیں دشمن وغیرہ کا ڈر ہو ﴿فَرِجَالًا﴾ یہ حال ہے یعنی تم پیادہ ہو کر نماز ادا کرو اور یہ ''رَاجِلٌ'' کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام بھی آتی ہے ﴿اَوْ رُكْبَانًا﴾ یا اکیلے اشارے کے ساتھ سوار ہو کر (نماز پڑھو) اور اس سے قبلہ رخ ہونے کا حکم ساقط ہو جائے گا ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ پھر جس وقت تم سے خوف وڈر زائل ہو جائے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور امن وسکون کے ساتھ نماز پڑھو ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرنا جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے ﴿مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ جو کچھ تم نہیں جانتے تھے کہ حالتِ خوف وڈر میں اور حالتِ امن وسکون میں نماز کس طرح ادا کرنی ہے۔

۲۴۰- ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ﴾ اور تم میں سے جو لوگ مر جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں۔ ابن عامر شامی' ابوعمرو' حمزہ اور امام حفص نے ''وَصِيَّةً'' کو منصوب پڑھا ہے یعنی زجاج کے نزدیک ''فَلْيُوْصُوْا وَصِيَّةً'' ہے' پس وہ ضرور وصیت کر جائیں۔ ان کے علاوہ باقی قاریوں نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ''فَعَلَيْهِمْ وَصِيَّةٌ'' تو ان پر وصیت کرنا لازم ہے ﴿مَّتَاعًا﴾ ''وَصِيَّةً'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ وہ مصدر ہے (جو فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے) یا تقدیرِ عبارت یوں ہے: ''مَتِّعُوْهُنَّ مَتَاعًا'' انہیں نان نفقے کا سامان دے کر نفع پہنچاؤ ﴿اِلَى الْحَوْلِ﴾ ایک سال تک' یہ ''مَتَاعًا'' کی صفت ہے ﴿غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ گھر سے نکالے بغیر' یہ مصدر مؤکد ہے۔ جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''هٰذَا الْقَوْلُ غَيْرَ مَا تَقُوْلُ''. یہ بات اس کے علاوہ ہے جو تم کہتے ہو' یا یہ ''مَتَاعًا'' کا بدل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں پر فرض ہے جو اپنی بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں کہ وہ مرنے سے پہلے وصیت کر جائیں کہ ان کے بعد ان کی بیویوں کو ایک کامل سال تک متاع دی جائے یعنی خاوند کے ترکہ سے

ان پر خرچ کیا جائے اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے اور یہ وصیت کرنا اسلام کے ابتدائی دور میں جائز تھی' پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'' سے منسوخ ہوگئی اور ناسخ تلاوت کے اعتبار سے بے شک پہلے ہے لیکن نزول کے اعتبار سے بعد میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ'' (البقرہ:۱۴۲) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ'' (البقرہ:۱۴۴) ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾ پھر اگر وہ (بیوہ) عورتیں ایک سال گزر جانے کے بعد اپنے شوہروں کے گھر سے چلی جائیں ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ﴾ تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے بارے میں مناسب رویہ اختیار کریں جیسے زیب و زینت کرنا اور سوگ ترک کر کے نکاح کی کوشش کرنا اور اس کے لیے بات چیت کرنا ﴿مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾ دستور کے مطابق جس سے شریعت منع نہ کرتی ہو ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ احکام جاری کرنے میں سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

۲۴۱- ﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ﴾ اور عدت پوری ہونے تک طلاق یافتہ عورتوں کو نان نفقہ دینا (واجب ہے) ﴿بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا﴾ قانونِ شریعت کے مطابق واجب ہے ''حَقًّا'' مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے ﴿عَلَى الْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیزگاروں پر۔

ع ۷ ۱۵

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ
خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ
مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اس طرح اللہ اپنی آیات کو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤO کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں تھے' سو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ' پھر اللہ نے انہیں زندہ فرمایا' بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتےO اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خوب جان لو کہ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا (اور) جاننے والاO

۲۴۲- ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھو۔ ''تَعْقِلُوْنَ'' رفع کی جگہ میں واقع ہے کیونکہ یہ ''لَعَلَّ'' کی خبر ہے اور اگر اس سے نان نفقہ مراد ہے تو پھر مذکورہ مطلقہ عورتوں کے علاوہ مراد ہیں اور یہ نان نفقہ بطور استحباب کے ہوگا۔

## موت سے فرار' جہاد' انتخابِ طالوت اور تبرکات کا تذکرہ

۲۴۳- ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ یہ خطاب اور تقریر اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ان کے قصے اور پہلے

لوگوں کے واقعات کو سن رکھا ہے اور اس سے مقصود ان کی حالت سے تعجب دلانا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ہر اس شخص کو خطاب کیا گیا ہو جس نے یہ واقعہ نہ دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو کیونکہ یہ کلام تعجب دلانے کے معنی میں ضرب المثل کے قائم مقام ہو چکا ہے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے یعنی اپنے گاؤں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک قول کے مطابق واسط کا شہر مراد ہے جس میں طاعون کی بیماری پھیل گئی تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی جن کو ان کے بادشاہ نے جہاد کی دعوت دی تو یہ لوگ موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگ گئے' سو اللہ تعالیٰ نے آٹھ دن تک ان پر موت طاری کر دی' پھر آٹھ دن کے بعد ان کو زندہ فرمایا ﴿وَهُمْ اُلُوْفٌ﴾ یہ جملہ حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ کئی ہزار تھے کیونکہ یہ جمع کثرت ہے (جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا) اور یہ ''اَلْفٌ'' کی جمع ہے ''آلِفٌ'' کی جمع نہیں ہے ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ موت کے خوف سے (وہ بھاگ نکلے) یہ ''خَرَجُوْا'' کا مفعول لہ ہے ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: تم سب مر جاؤ' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی اور بے شک اس کو اس عبارت کے ساتھ لانے سے مقصد یہ تھا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادے سے ایک آدمی کی طرح ایک ہی وقت میں مر گئے اور ان کی یہ موت غیر عادی اور غیر طبعی تھی اور اس حقیقت کے بیان کرنے میں ایک مقصد تو یہ ہے کہ جہاد کرنے کے لیے مسلمانوں میں شجاعت و بہادری کا جذبہ پیدا کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ موت کا آنا ضروری ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اور اس سے راہِ فرار اختیار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے' سو بہتر یہی ہے کہ یہ موت اللہ تعالیٰ کی راہ میں آ جائے ﴿ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا سے راہِ فرار اختیار نہیں کیا جا سکتا اور یہ فعلِ محذوف پر معطوف ہے جس کی تقدیری عبارت یہ ہے: ''فَمَاتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ. سو وہ سب مر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا'' اور جب اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا'' کا معنی ہے: ''فَاَمَاتَهُمْ. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی'' تو اس کا (یعنی ''ثُمَّ اَحْيَاهُمْ'' کا) عطف بھی اس کے معنی پر ہوگا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے کیونکہ ان کو ایسے واقعات دکھاتا ہے جن سے وہ عبرت حاصل کریں جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو دکھایا اور جس طرح اس نے ان کا واقعہ بیان کر کے تمہیں دکھایا (یہ معنی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بڑا فضل فرمایا کیونکہ ان کو زندہ فرما دیا تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکیں ورنہ اگر وہ چاہتا تو ان کو قیامت کے دن تک مردہ رہنے دیتا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے' اور اس بات کی دلیل کہ یہ قصہ جہاد کرنے کی رغبت دلانے کے لیے بیان کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے:

۲۴۴- ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو' پس اللہ تعالیٰ نے اس اعلان اور اطلاع کرنے کے بعد کہ موت سے فرار فائدہ نہیں دے گا جہاد کرنے پر برانگیختہ کیا اور اس پر ابھارا اور یہ خطاب یا تو امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہے یا ان لوگوں کو ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا تھا ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے' وہ ان کی بھی سنتا ہے جو جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان کی باتیں بھی سنتا ہے جو جہاد میں سبقت کر جاتے ہیں ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو لوگ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ
وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لیے قرض حسن کو کئی گنا بڑھا دے اور اللہ رزق کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۲۴۵- ﴿مَنْ﴾ یہ ''مَـنْ'' استفہامیہ (یعنی سوالیہ) ہے اور رفع کے محل میں واقع ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے (اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے) ﴿ذَا﴾ یہ ''مَـنْ'' کی خبر ہے ﴿الَّذِیْ﴾ یہ ''ذَا'' کی صفت ہے یا اس سے بدل واقع ہو رہا ہے ﴿یُقْرِضُ اللّٰہَ﴾ یہ ''اَلَّـذِی'' کا صلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے اس کو قرض کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ قرض کے بعد اس کے عوض میں اس کے مثل پر قبضہ کیا جاتا ہے اور اس کو قرض اس لیے کہا گیا ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال میں سے کچھ حصہ کاٹ کر قرض لینے والے کو دیتا ہے اور قرض کا معنی بھی کاٹنا ہے اور اسی سے ''اَلْمِقْرَاضُ'' اور ''قَرْضُ الْفَارِ'' اور ''اَلْاِنْقِرَاضُ'' بنا ہے (مقراض کا معنی ہے: کاٹنے کا آلہ یعنی چھری' چاقو اور قینچی یا اس کا پھل اور ''قَـرْضُ الْـفَارِ'' کا معنی ہے چوہے کا کاٹنا جیسے کہا جاتا ہے: ''قَـرَضَ الْفَارُ الثَّوْبَ. یعنی چوہے نے کپڑے کو کاٹ دیا'' اور ''اِنْقِرَاضٌ'' کا معنی ہے: کٹ جانا اور ختم ہو جانا) پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ان کا مال اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے اور ہرگز ضائع نہیں ہوگا اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس خرچ کرنے پر ان کو ضرور ہر حال میں جزائے خیر عطا فرمائے گا ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ خوش دلی کے ساتھ حلال وطیب مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس سے جہاد کے لیے مال خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں مال و دولت کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے (اس آیت مبارکہ میں) صدقہ دینے کی ترغیب دی تاکہ جہاد کے اسباب تیار کیے جا سکیں ﴿فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ﴾ عاصم نے اس کو استفہام کے جواب ہونے پر منصوب پڑھا ہے اور ابو عمرو' نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی نے ''یُقْرِضُ'' پر عطف کر کے اس کو مرفوع پڑھا ہے یا یہ الگ نیا جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے گا اور ابن عامر شامی نے ''فَیُـضَعِّفَہٗ'' (یعنی تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے منصوب) پڑھا ہے اور ابن کثیر مکی نے ''فَیُـضَـعِّـفُـہٗ'' (یعنی تشدید کے ساتھ مرفوع) پڑھا ہے ﴿اَضْعَافًا﴾ مصدر کی جگہ میں واقع ہے جس کا معنی کئی گنا بڑھانا ہے ﴿کَثِیْرَۃً﴾ زیادہ دینا' اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک کے عوض میں سات سو عطا فرمائے گا ﴿وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ﴾ اور اللہ تعالیٰ (کبھی) اپنے بندوں پر رزق تنگ کر دیتا ہے اور (کبھی) ان پر کشادہ کر دیتا ہے' لہٰذا جب اس نے تمہیں رزق میں وسعت دی تو تم اس کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو تاکہ وہ تمہاری خوشحالی کو تنگی میں تبدیل نہ کر دے' حجازی' عاصم اور علی نے ''وَیَبْـصُطُ'' (صاد کے ساتھ پڑھا ہے) ﴿وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے آگے بھیجے گئے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا
لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلْ عَسَیْتُمْ

اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تم نے موسیٰ (کی وفات) کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے فرمایا: کیا ایسا ممکن ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم نہیں لڑو گے' انہوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے' پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے منہ پھیر لیا' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے O

۲۴۶- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ﴾ کیا تم نے (بنی اسرائیل میں سے ان کی) جماعت کی طرف نہیں دیکھا اور ''مَلَاْ'' کا معنی ہے: برگزیدہ اور معزز گروہ کیونکہ یہ لوگ دلوں کو جلالت وعظمت سے اور آنکھوں کو ہیبت ورعب سے بھر دیتے ہیں۔

﴿مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے ﴿مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اور حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ ''حِيْنَ قَالُوْا'' یعنی جب بنی اسرائیلیوں نے کہا' ﴿لِنَبِيٍّ لَّهُمُ﴾ اپنے پیغمبر سے اور وہ حضرت شمعون یا یوشع یا اشمویل ہیں ﴿ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا﴾ آپ جہاد کرنے کے لیے ہمارے ساتھ ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم جنگ کی تدبیر میں اس کے مشورے سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے حکم پر عمل کریں ﴿نُّقَاتِلْ﴾ ہم لڑیں۔ نون کے ساتھ (فعل مضارع جمع متکلم) ہے اور اس کے آخر میں جزم جواب ہونے کی وجہ سے ہے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں' یہ ''نُقَاتِل'' کا صلہ ہے ﴿قَالَ﴾ نبی نے فرمایا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ﴾ قاری نافع مدنی نے ''عَسَيْتُمْ'' (سین مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے) جیسے (قرآن مجید میں) ہے: ﴿اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے (یاد رہے کہ یہ جملہ) ''عَسٰی'' کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان شرط فاصل ہے اور ''عَسٰی'' کی خبر ﴿اَلَّا تُقَاتِلُوْا﴾ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ (اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو) کیا قریب ہے کہ تم نہیں لڑو گے یعنی کیا معاملہ ایسی ہی ہوگا جیسا کہ میں اس کی توقع رکھتا ہوں کہ تم ہرگز نہیں لڑو گے اور بزدلی کا مظاہرہ کرو گے' بہر حال انہوں نے ''هَلْ'' استفہامیہ داخل کر کے اس کے بارے میں سوال کر دیا جس کی ان کو توقع تھی اور انہوں نے اس سوال سے اپنی بات کی تقریر اور اثبات کا ارادہ کیا کہ بے شک جو متوقع ہے وہ ہو کر رہے گا اور یقیناً ان کی توقع اور رائے درست اور صحیح ہے ﴿قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑیں گے یعنی ہمارے لیے وہ کون سا داعیہ اور سبب ہے جس کی وجہ سے ہم جہاد ترک کر دیں گے اور اس میں ہماری کون سی غرض وابستہ ہے جس کی وجہ سے ہم نہیں لڑیں گے ﴿وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا﴾ حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے ''وَقَدْ'' میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور یہ اس لیے کہ جالوت کی قوم مصر اور فلسطین کے درمیان (بحر روم کے ساحل پر) رہتی تھی (جس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا' ان کے بادشاہوں کو قتل کر دیا) اور اس نے ان کے بادشاہوں کے چار سو چالیس شہزادوں کو گرفتار کر لیا تھا اس لیے ان کا

مقصد یہ تھا کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو اب ہمارے لیے جہاد ضروری ہو گیا ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ﴾ پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا یعنی جب ان کی درخواست والتماس قبول کر لی گئی (اور جہاد میں قیادت کرنے کے لیے ایک بادشاہ ان کے لیے مقرر کر دیا گیا تو) ﴿تَوَلَّوْا﴾ انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے چند لوگ (اپنے عہد پر قائم رہے) اور وہ اہل بدر کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ افراد تھے ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے اور یہ ان کے لیے وعید ہے کہ انہوں نے جہاد ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے' انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہم پر کس طرح ہو سکتی ہے' حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی' پیغمبر نے فرمایا: بے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے منتخب فرما لیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے' اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بہت بڑی وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O

۲۴۷- ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ﴾ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو (تمہارا بادشاہ) مقرر کیا ہے اور داؤد اور جالوت کی طرح یہ طالوت بھی عجمی اسم ہے اور معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے ﴿مَلِكًا﴾ یہ طالوت سے حال ہے یعنی بادشاہ ﴿قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا﴾ انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہمارے اوپر کیسے ہو سکتی ہے یعنی وہ کیسے اور کہاں سے (ہمارا بادشاہ بن گیا ہے) اور یہ اس کی بادشاہی سے انکار ہے اور اس بات پر تعجب کا اظہار ہے کہ اس کا بادشاہ ہونا بہت بعید ہے ﴿وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ﴾ حالانکہ ہم اس سے بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں اور واؤ حال کے معنی میں ہے ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ اور اس کو مال و دولت میں وسعت و فراخی نہیں دی گئی اور حقیقت حال یہ ہے کہ وہ بادشاہی کا مستحق نہیں ہے کیونکہ بادشاہی کے لیے اس سے زیادہ حق دار موجود ہیں اور وہ تو ایک غریب آدمی ہے جب کہ بادشاہ کے لیے مال و دولت بہت ضروری ہے جس سے اس کی حکومت مستحکم رہے گی اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ نبوت لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ مخصوص تھی اور بادشاہت یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ طالوت (ان میں کسی کی اولاد میں سے نہ تھا بلکہ) بنیامین کی اولاد میں تھا اور وہ ایک غریب آدمی اور ماشکی یا موچی تھا اور ایک روایت میں ہے: جب بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ان کو عصا عطا کیا گیا جس کے ساتھ آدمی کو ناپا جاتا کہ بنی اسرائیل پر کون بادشاہ ہو گا' چنانچہ طالوت کے سوا عصا کے برابر کوئی شخص پورا نہ اترا ﴿قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ﴾ اللہ کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے منتخب فرما لیا ہے

اور صاد ساکنہ کی وجہ سے ''اِصْطَفَاهُ'' میں ''طا'' ''تا'' سے بدل کر آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر منتخب کر لیا اور وہ تم سے زیادہ مصلحتوں کو جانتا ہے اور اس کے حکم پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کردہ نسب اور مال کی کثرت کی مصلحتوں سے زیادہ مفید و نفع بخش دو مصلحتوں کا ذکر فرمایا اور وہ ہیں علم اور جسامت میں وسعت و کشادگی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَزَادَهٗ بَسْطَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو وسعت و فراخی بخشی اور ''بَسْطَةً'' ''زَادَ'' کا دوسرا مفعول ہے ﴿فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ علم اور جسم میں (وہ سب سے زیادہ ہے) کہتے ہیں کہ طالوت اپنے وقت میں تمام بنی اسرائیلیوں سے دیانت و امانت داری اور فنِ حرب و ضرب میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا اور وہ کندھوں اور سر کے اعتبار سے تمام انسانوں سے دراز تھا اور ''بَسْطَةً'' کا معنی وسعت و کشادگی اور امتداد و درازی ہے اور بادشاہ کے لیے اہل علم ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ جاہل وان پڑھ آدمی ذلیل و پست اور جلد باز وغیر مفید ہوتا ہے اور بادشاہ کے لیے دراز قد اور توانا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کی عظمت و وجاہت ہو اور ان کے دلوں میں ہیبت و رعب ہو ﴿وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا فرما دیتا ہے یعنی بادشاہی اسی (اللہ تعالیٰ) کی ہے جس میں کسی کو جھگڑے اور اعتراض کرنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کر دیتا ہے اور یہ وراثت سے نہیں ملتی اور نہ اس میں وراثت چلتی ہے (بلکہ اہلیت سے ملتی ہے) ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ یعنی جس شخص کے پاس مال و دولت کی وسعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم اور عطا و بخشش کرنے میں بڑی وسعت فرماتا ہے اور فقر و غربت کے بعد اس کو غنی و مالدار بنا دیتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو بادشاہی کے لیے منتخب کرتا ہے اس کی اہلیت کو خوب جانتا ہے' پھر جس وقت بنی اسرائیل نے اپنی نبی سے طالوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی نشانی طلب کی۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں جس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے' بے شک اس میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو O

۲۴۸- ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ﴾ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا کہ بلاشبہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا یعنی تورات شریف کا صندوق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جنگ کرتے تو اس صندوق کو اپنے آگے آگے رکھتے جس کی برکت سے بنی اسرائیل کو اطمینان و سکون ملتا اور وہ جنگ سے فرار نہیں ہوتے تھے ﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان و سکون ہے ﴿وَبَقِيَّةٌ﴾ اور بچی ہوئی چیزیں ہیں اور وہ (تورات شریف کی) تختیوں کے چند ٹکڑے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک اور آپ کا لباس مبارک اور تورات شریف کی کچھ آیات تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین شریفین تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک تھا ﴿مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ یعنی اس میں سے جس کو حضرت

موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے چھوڑا تھا اور آل کا لفظ زائد ہے' ان دونوں حضرات کی تفخیم شان کے لیے استعمال کیا گیا ہے ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی اس تابوت کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو اوپر اٹھالیا تھا' پھر اس کو فرشتے اٹھا کر نیچے لائے اور اس وقت بنی اسرائیل اسے دیکھ رہے تھے اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے اور ''فِيهِ سَكِينَةٌ'' اور ''مِنْ رَّبِّكُمْ'' بھی اسی طرح ہیں ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک تمہاری طرف تابوت کے لوٹ آنے میں اس بات کی نشانی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر بادشاہ مقرر فرمایا ہے اگر تم تصدیق کرنے والے (ایمان دار) ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا کہ بے شک اللہ ایک نہر کے ذریعے تمہارا امتحان لے گا تو جس نے اس کا پانی پی لیا سو وہ میرا پیروکار نہیں اور جس نے اس کا پانی نہیں پیا تو بلاشبہ وہ میرا پیروکار ہے' سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلّو پانی پی لیا' سو چند لوگوں کے سوا سب نے اس کا پانی پی لیا' پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ مسلمان نہر کو عبور کر گئے تو (پانی پینے والے) کہنے لگے: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں رہی (مگر) جو لوگ اللہ سے ملاقات کرنے پر یقین رکھتے تھے' انہوں نے کہا: بہت دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بہت بڑی جماعت پر غالب آ گئی' اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O

۲۴۹- ﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ﴾ پھر جب طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ دشمن سے جنگ کرنے کے لیے اپنے شہر سے نکلے اور ''بِالْجُنُوْدِ'' یعنی دراں حالیکہ طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ شامل تھے اور وہ اسّی ہزار تھے اور وہ وقت سخت گرمی کا تھا اور انہوں نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک نہر جاری فرما دے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک نہر جاری فرما دی تو) ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ طالوت نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسے آزمانے والا معاملہ کرتا ہے ﴿بِنَهَرٍ﴾ ایک نہر کے ذریعے اور وہ فلسطین کی نہر ہے تاکہ جہاد کرنے کے لیے جدوجہد کرنے والے مخلص اور عذر و بہانہ پیش کرنے والے غیر مخلص ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ﴾ سو جس نے منہ لگا کر نہر سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا ﴿فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ پس وہ میرے پیروکاروں اور میری جماعت میں سے نہیں ہے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾ اور جس نے اس کو نہیں چکھا یہ ''طَعْمُ الشَّيْءِ'' سے ہے' جس کا معنی

ہے: چکھنا ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ﴾ تو بے شک وہ میرا ہے اور نافع مدنی اور ابوعمرو نے ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے ﴿اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ﴾ مگر جس نے ایک چلّو پانی پی لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس جملے کا اپنے فرمان '' فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّیْ '' سے استثناء فرمایا ہے اور دوسرا جملہ (یعنی وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ) حکم میں استثناء سے مؤخر ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے ﴿غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ﴾ ہاتھ سے چلّو بھرنا اور اہل حجاز اور ابوعمرو نے ''غَرْفَةً'' (غین کو مفتوح) پڑھا ہے بہ معنی مصدر کے ہے اور غین پر ضمہ پڑھا جائے تو ''مَغْرُوْف'' (یعنی اسم مفعول) کے معنی میں ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ سے ایک چلّو بھر کر پانی پینے کی اجازت و رخصت ہے لیکن گھٹنوں کے بل پانی سے منہ لگا کر پیٹ بھر کر پینے کی اجازت نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ذیل میں ارشاد فرمایا:) ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ﴾ یعنی انہوں نے گھٹنوں کے بل پانی سے منہ لگا کر خوب پیا ﴿اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے صرف ایک چلّو بھر پانی پر اکتفا کیا اور وہ تین سو تیرہ آدمی تھے ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ﴾ یعنی جب اس نہر کو عبور کر لیا ﴿هُوَ﴾ طالوت نے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں یعنی تھوڑے سے مسلمانوں نے ﴿قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ﴾ یعنی پانی پینے والوں نے کہا: آج ہم میں جنگ کرنے کی قوت نہیں ﴿بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ جالوت اور اس کے لشکروں کے ساتھ' یہ جالوت بڑا جابر و ظالم شخص تھا' عمالقہ قوم سے تھا اور عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا اور اس کے خود میں تین سو رطل لوہا تھا ﴿قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ﴾ جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید تھی یعنی جن کو شہادت کا یقین تھا انہوں نے کہا: (کئی دفعہ تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں) بعض نے کہا کہ ''قَالُوْا'' میں ''هُمْ'' ضمیر سے وہ بڑی جماعت مراد ہے جنہوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور طالوت اور دیگر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ''اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ'' سے مراد وہ قلیل جماعت ہے جو طالوت کے ساتھ ثابت قدم رہی اور ایک روایت میں ہے کہ ایک چلّو پانی ایک آدمی اور اس کی سواری کے لیے کافی ہو جاتا (اور اسی ایک چلّو پانی سے اس کی اور اس کی سواری کی پیاس بجھ جاتی) اور جنہوں نے (نافرمانی کر کے پیٹ بھر کر) پانی پی لیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور ان کی پیاس پہلے سے بڑھ گئی تھی ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ﴾ ''کَمْ'' خبریہ ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محلًا مرفوع ہے ﴿غَلَبَتْ﴾ اس کی خبر ہے ﴿فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد سے (چھوٹی جماعتیں) بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۵۲﴾

پھر جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے آئے تو انہوں نے (دعا کرتے ہوئے) کہا: اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما O تو انہوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جتنا چاہا انہیں علم عطا فرما دیا اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کا دفاع نہ کرتا تو زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے O یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں O

۲۵۰- ﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ اور جب طالوت اور اس کے ساتھی جالوت اور اس کے لشکروں کو قتل کرنے کے لیے نکلے تو ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! دشمنانِ دین سے جنگ کرنے کے لیے ہمیں صبر عطا فرما اور ''اَفْرِغْ'' کا معنی ہے: ڈال دے ﴿وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ اور ہمارے دلوں کو تقویت دے کر اور ہمارے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر ہمیں ثابت قدم رکھ ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافر قوموں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

۲۵۱- ﴿فَهَزَمُوْهُمْ﴾ یعنی طالوت اور مسلمانوں نے جالوت اور اس کے لشکر کو شکست دے دی ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ﴾ حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ دراصل حضرت داؤد علیہ السلام کے والد گرامی جناب ایشا اپنے دیگر چھ بیٹوں کے ساتھ طالوت کے لشکر میں شامل تھے اور حضرت داؤد ان کے ساتویں بھائی تھے اور یہ سب سے چھوٹے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ جالوت کو حضرت داؤد ہی قتل کریں گے تو انہوں نے ان کے باپ سے مانگ لیا' پس وہ آ گئے اور راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ہر ایک پتھر نے پکار کر کہا کہ آپ ہمیں اٹھا لیں اور آپ سے ہر پتھر نے کہا: بلاشبہ آپ ہمارے ذریعے ہی جالوت کو قتل کریں گے' چنانچہ آپ نے ان کو اپنے کشکول میں اٹھا لیا اور وہ پتھر جالوت کو مارے اور اس کو قتل کر ڈالا اور طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد سے بیاہ دی (جس کی وجہ سے لوگ حضرت داؤد کے گرویدہ ہو گئے) پھر طالوت نے ان سے حسد کرنا شروع کر دیا اور ان کو قتل کرنا چاہا (مگر بعد میں توبہ کر لی)' پھر تائب ہو کر فوت ہو گئے ﴿وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو سرزمینِ مقدس کے مشارق و مغارب کی سلطنت عطا فرمائی اور حضرت داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی بادشاہ پر متفق نہیں ہوئے تھے ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور نبوت عطا فرمائی ﴿وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا آپ کو علم عطا فرما دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی اور جانوروں اور پرندوں کی بولی کا علم عطا فرمایا اور اس کے علاوہ جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کو علم عطا فرمایا ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾ [''اَلنَّاسَ'' مفعول بہ ہے] ﴿بَعْضَهُمْ﴾ [یہ ''اَلنَّاسَ'' سے بدل ہے' قاری نافع مدنی نے ''دَفْعُ اللّٰهِ'' کی بجائے ''دِفَاعُ اللّٰهِ'' پڑھا ہے اور ''دِفَاعٌ'' ''دَفَعَ يَدْفَعُ'' یا ''دَافَعَ يُدَافِعُ'' کا مصدر ہے] ﴿بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض لوگوں کا دفاع نہ کرتا اور بعض نیکوں کے ذریعے دوسرے بعض کا فساد نہ روکتا تو فسادی لوگ غالب آ جاتے اور زمین تباہ ہو جاتی اور اس کے فوائد یعنی کھیتی باڑی اور نسل انسانی مٹ جاتی یا یہ معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد نہ کرتا تو کفار کے غالب آنے اور نیکوں کے قتل ہو جانے اور شہروں کے برباد ہو جانے اور بندگان خدا کو اذیت دینے کی وجہ سے زمین تباہ ہو جاتی ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں اپنا فضل و کرم فرمایا کہ ان سے فساد کو دور کر دیا اور یہ فرمان معتزلہ کے خلاف مسئلہ اصلح میں بہترین دلیل ہے (کہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کی اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے اور اس

کے کاموں میں ہزار ہا مصلحتیں ہوتی ہیں اور جہاد میں بھی یہی مصلحت ہے کہ کفار کی شرارت و سرکشی اور بغاوت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جائے )۔

۲۵۲- ﴿تِلْكَ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اٰيٰتُ اللّٰهِ﴾ ہے یعنی بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کے گھروں سے بھاگنے اور ان پر موت طاری کرنے' پھر انہیں دوبارہ زندہ کرنے اور طالوت کو بادشاہ بنانے اور ایک بچے (حضرت داؤد) کے ہاتھ سے ایک جابر و سرکش جالوت کو قتل کرانے کے واقعات و قصص میں قدرتِ خدا کی عظیم نشانیاں ہیں ﴿نَتْلُوْهَا﴾ [یہ "اٰيٰتُ اللّٰهِ" سے حال ہے' اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے یا "اٰيٰتُ اللّٰهِ" "تِلْكَ" سے بدل ہے اور "نَتْلُوْهَا" اس کی خبر ہے] ﴿عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم آپ پر یہ آیات و واقعات یقین کامل کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں جن میں اہل کتاب کو بھی شک نہیں ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح لکھا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں تب ہی تو آپ ان کو ایسے واقعات کی خبر سناتے ہیں جب کہ آپ نے نہ اہل کتاب سے سنا ہے اور نہ ہی آپ ان کی کتاب پڑھنا جانتے ہیں۔

الجزء ۳　وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع

۳۳ ع ۵

یہ رسول ہیں ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو بے حساب درجوں میں بلند فرمایا اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور ہم نے پاک روح (حضرت جبریل) سے ان کی مدد فرمائی اور اگر اللہ چاہتا تو رسولوں کے بعد آنے والے لوگ روشن معجزات آ جانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے O

## رسولوں کے مراتب کا بیان

۲۵۳- ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ﴾ یہ اشارہ ان رسولوں کی طرف ہے جن کے واقعات و قصص اس سورت میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بیان کیے گئے یا پھر ان رسولوں کی طرف اشارہ ہے جن کا علم رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ثابت ہے ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر وصف نبوت و رسالت کے علاوہ دیگر خصائص و کمالات میں فضیلت و برتری عنایت کی ہے کیونکہ تمام انبیاء و رسل وصف نبوت و رسالت میں مساوی اور برابر ہیں (اور تمام کے تمام مکمل طور پر سو فی صد نبی و رسول ہوئے ہیں) جس طرح تمام مؤمنین وصف ایمان میں برابر ہیں اور ایمان کے بعد اطاعات و عبادات میں مختلف ہیں (کوئی زیادہ فرماں بردار کوئی کم) پھر

اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی وضاحت بیان فرمادی کہ ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا یعنی دراصل ''کَلَّمَهُ اللّٰهُ'' ہے اس میں صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے یعنی ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت وعظمت عنایت کی ہے کہ ان سے بلا واسطہ براہِ راست کلام فرمایا ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ ﴾ ''بَعْضَهُمْ'' ''رَفَعَ'' کا پہلا مفعول ہے اور ﴿ دَرَجٰتٍ ﴾ دوسرا مفعول ہے یعنی بے شمار درجوں میں (بلند فرمایا) یا بے شمار درجوں کی طرف بلند فرمایا یعنی ان میں سے بعض کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر بلند فرمایا اور فضیلت میں ان کے باہم مختلف ہونے کے باوجود وہ کثیر درجات میں ان سب سے افضل ہے اور وہ حضرت سید انبیا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول مبعوث ہونے کی وجہ سے ان تمام انبیائے کرام پر افضل ہیں اور اس لیے بھی کہ آپ کو ایک ہزار سے بڑھ کر ایسے کمالات و امتیازات اور معجزات وخصائص عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی ورسول کو عطا نہیں فرمائے گئے اور ان سب معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے (جس کی ہر آیت مبارکہ مستقل معجزہ ہے اس طرح صرف قرآن مجید کی صورت میں آپ کے خصوصی معجزات کی تعداد ہزاروں سے بڑھ جاتی ہے) کیونکہ قرآن مجید قیامت تک باقی اور زندۂ جاوید معجزہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک صراحت کے ساتھ لینے کی بجائے مبہم ذکر کرنے میں عظمت شان کا اظہار ہے کہ آپ کی فضیلت کا علم سب پر واضح ہے چنانچہ آپ کی فضیلت و عظمت کسی پر مشتبہ و مخفی نہیں رہ سکتی اور آپ ایسے ممتاز ہیں کہ آپ کے بارے میں کسی قسم کا التباس واشتباہ ہو ہی نہیں سکتا اور ایک قول کے مطابق اس سے حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل خدا علیہما الصلوٰۃ والسلام اور ان دونوں کے علاوہ دیگر اولی العزم رسول مراد ہیں ﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے ہیں جیسے مردوں کو زندہ کرنا اور مادرزاد نابینا کو بینا کر دینا اور کوڑھ کے مریض کو شفا دے دینا وغیرہ وغیرہ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ اور ہم نے ان کو پاک روح یعنی جبریل علیہ السلام یا انجیل کے ساتھ قوت دی ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ لڑائی نہ کرتے یعنی اختلاف نہ کرتے کیونکہ قتل و غارت کا سبب یہی اختلاف تھا ﴿ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ﴾ جو رسولوں کے بعد ہوئے ﴿ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ ان کے پاس واضح اور روشن ترین معجزات آجانے کے بعد ﴿ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا ﴾ اور لیکن وہ میری مشیت کے مطابق مختلف ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا اختلاف بیان کیا اور فرمایا: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ﴾ تو میری مشیت سے ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے رسولوں کے معاملات اسی نہج پر جاری وساری رہے یعنی ان میں سے کسی نبی کی اطاعت پر اس کی پوری امت نہ اس کی زندگی میں متفق ہوئی اور نہ اس کی وفات کے بعد بلکہ اس سے اختلاف کیا سو اس میں سے بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے پھر قتل کا فعل محض تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے یعنی اگر میں چاہتا کہ وہ آپس میں نہ لڑیں تو وہ نہ لڑتے کیونکہ میری سلطنت میں ہر کام میری مشیت کے موافق ہوتا ہے اور اس سے معتزلہ کا قول باطل ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ بنی اسرائیل آپس میں نہ لڑیں تو وہ نہ لڑتے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو چاہا کہ وہ نہ لڑیں لیکن پھر بھی وہ لڑ پڑے ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے (اس جملہ میں) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کے لیے مشیت وارادے کو ثابت کیا ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۵۴)

اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ شفاعت کام آئے گی' اور کفار ہی ظالم ہیں O

## شفاعت کی بحث' آیۃ الکرسی کی فضیلت اور حق و باطل کی پہچان

۲۵۴ - ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اس مال میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے یا یہ حکم عام ہے اور تمام صدقاتِ واجبہ کو شامل ہے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ ﴾ یعنی اس دن کے آنے سے پہلے (راہِ خدا میں تم خرچ کرلو) جس میں تم راہِ اللہ خرچ نہ کرنے کی تلافی نہیں کر سکو گے کیونکہ اس دن خرید وفروخت نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم وہ سب کچھ خرید لو جو تم خرچ کرتے ہو ﴿ وَلَا خُلَّةٌ ﴾ اور نہ دوستی کام آئے گی تا کہ تمہارے دوست اس (دوستی) کی بدولت تم سے درگزر کر سکیں[1] ﴿ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ ﴾ یعنی کافروں کے لیے شفاعت نہیں ہوگی لیکن مؤمنین کے لیے شفاعت ہوگی یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش وشفاعت نہیں ہو سکے گی[2] ﴿ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور کافروں نے بروز قیامت اپنی حاجات کے لیے آگے کچھ نہ بھیج کر (اور راہِ خدا

---

1. یعنی کافروں کے لیے نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی شفاعت کام آئے گی کیونکہ اس دن تمام دوستیاں ختم ہو جائیں گی البتہ اللہ والوں کی دوستیاں کام آئیں گی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ O (الزخرف:٦٧) پرہیز گاروں کے علاوہ اس دن تمام گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے O

2. یاد رہے کہ صرف کافروں کے لیے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا اور نہ کافر کسی کی شفاعت کر سکیں گے لیکن مسلمانوں کی باذن اللہ شفاعت ہوگی' لہٰذا جن آیاتِ بیّنات میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ صرف کافروں کے لیے ہے اور جن آیاتِ بیّنات میں باذن الٰہی شفاعت کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے وہ صرف مسلمانوں کے لیے ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے:

(۱) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:۲۵۵) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے۔

(۲) مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ. . (یونس:۳) کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔

(۳) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا O (مریم:۸۷) لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر جس نے رحمٰن سے شفاعت کا عہد لے رکھا ہے O

(۴) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا O (طٰہٰ:۱۰۹) اس دن کسی کی شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس کو رحمٰن نے اجازت دے دی اور اس کی بات پسند فرمائی O

(۵) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ. (سبا:۲۳) اور اس کے پاس کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں مال خرچ کرنے کے بجائے زکوٰۃ ترک کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یا اس روز کافر ہی ظالم ہوں گے اور قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے ''لَا بَیْعَ فِیْهِ وَلَا خُلَّةَ وَلَا شَفَاعَةَ'' (ان کے آخر کو بغیر تنوین کے مفتوح پڑھا ہے)۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ خود زندہ ہے (اور) دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے' نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند' اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے' وہ جانتا ہے جو کچھ ان (لوگوں) کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' اور وہ لوگ اس کے علم میں سے حاصل نہیں کر سکتے مگر وہ خود جس قدر چاہے' اور اس کی کرسی (یعنی اس کا علم) آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور ان کی حفاظت اس کے لیے کوئی مشکل نہیں اور وہی سب سے بلند بڑی عظمت والا ہے O

۲۵۵- ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''لا'' اپنے اسم اور خبر اور جو اس کی جگہ بدل ہوتا ہے کے ساتھ مل کر محلاً مرفوع ہے اور مبتدا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۶) اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ. (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

(۷) وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

قیامت کے دن سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر فخر نہیں۔

(۸) یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةٌ اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ. (سنن ابن ماجہ ص ۳۲۰' نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء' علماء پھر شہداء۔

(۹) مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَهٗ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ. (سنن ابن ماجہ ص ۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جس نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان میں سے دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جن کے لیے جہنم واجب کر دی گئی ہوگی۔

یہاں اختصار کی وجہ سے چند آیات و احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ شفاعت کی مکمل بحث ''شرح صحیح مسلم'' جلد دوم مطبوعہ فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور' میں ملاحظہ فرمائیں' نیز سورۃ مریم آیت ۸۷ کے تحت تفسیر مدارک کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کی خبر ہے اور لفظ اللہ مبتدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ اَلْحَیُّ ﴾ وہ باقی ہے اس پر کبھی فنا نہیں آئے گی ( کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے خود زندۂ جاوید ہے ) ﴿ الْقَیُّوْمُ ﴾ وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور تمام مخلوق کی تدبیر اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے خوب نگرانی کرنے والا ہے ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ ﴾ اس کو اونگھ نہیں آتی "سِنَةٌ"، "نُعَاسٌ" کا ہم معنی ہے اور "نُعَاسٌ" کا معنی ہے: مکمل نیند آنے سے پہلے دماغ پر غنودگی کا چھانا ﴿ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ مفضل سے مروی ہے کہ سر میں ثقل وغنودگی کے چھانے کو "سِنَةٌ" اور آنکھوں میں غنودگی در آنے کو "نُعَاسٌ" اور دل میں غنودگی کے آجانے کو نیند کہا جاتا ہے اور یہ "قَیُّوْمٌ" کی تاکید ہیں (یعنی قیوم وہ ہوتا ہے جس کو نہ اونگھ آئے اور نہ نیند آئے ) کیونکہ جس پر یہ چیزیں طاری ہو جائیں اس کے لیے قیوم ہونا محال و ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان (لوگوں) سے کہہ دو کہ میں نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو روک رکھا ہے' اگر مجھے بھی نیند یا اونگھ آ جاتی تو یہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے ﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی (اللہ تعالیٰ) کی ملکیت میں ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ واختیار میں ہے ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے یعنی کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی کبریائی کا بیان ہے اور یہ کہ بے شک کسی کو اختیار نہیں کہ وہ قیامت کے دن کلام کر سکے مگر وہی شخص کلام کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اس جملہ میں کفار کے اس خیال کا رد ہے کہ بت ان کے لیے شفاعت کریں گے ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا اور ضمیر "مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان میں عقلاء بھی شامل ہیں ﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ ﴾ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ اور ادراک نہیں کر سکتے اور دعا میں کہا جاتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ عِلْمَكَ فِیْنَا. اے اللہ ہمارے بارے میں اپنے علم کے مطابق مغفرت فرما" یہاں "عِلْمَكَ" بہ معنی "مَعْلُوْمَكَ" ہے ﴿ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ مگر جس قدر وہ چاہتا ہے بتلا دیتا ہے ﴿ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ یعنی اس کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے اور اسی سے "كُرَّاسَةٌ" (کاپی) ہے کیونکہ یہ علم پر مشتمل ہوتی ہے اور علماء کو بھی اسی لیے کراسی کا لقب دیا جاتا ہے اور علم کو کرسی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ مکان بنتا ہے اور یہ عالم کے لیے کرسی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا. (المؤمن:۷) اے ہمارے رب! تو نے رحمت اور علم کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے" یا کرسی سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی مراد ہے اور بادشاہی کو کرسی کہنے کی وجہ بھی اس کا مکان ہونا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی کرسی ہے یا کرسی سے اس کا عرش مراد ہے۔ حضرت حسن سے اسی طرح مروی ہے یا اس سے وہ تخت مراد ہے جو عرش کے نیچے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی بڑے جنگل میں لوہے کی چھوٹی سی انگوٹھی پڑی ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسے بہت بڑے جنگل کی فضیلت لوہے کی ایک چھوٹی سی انگوٹھی پر ہوتی ہے یا کرسی سے اس کی قدرت مراد ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَلَا یَـٔوْدُهٗ ﴾ اور اس کو بھاری نہیں لگتی اور نہ اس پر مشکل ہے ﴿ حِفْظُهُمَا ﴾ آسمانوں اور زمین کی حفاظت کرنا ﴿ وَهُوَ الْعَلِیُّ ﴾ اور وہ اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں بہت بلند ہے اور ﴿ الْعَظِیْمُ ﴾ اپنی عزت وجلالت اور بزرگی میں سب سے بڑا ہے یا "عَلِیٌّ" کا معنی ہے کہ وہ ان تمام صفات سے بلند و بالا (اور منزہ) ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور "عَظِیْمٌ" کا معنی ہے کہ وہ ان تمام صفات کے ساتھ متصف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں' پس یہ دونوں کمالِ توحید کی جامع ہیں اور

بلاشبہ آیۃ الکرسی میں تمام جملوں کو بغیر حرف عطف کے ترتیب دیا گیا ہے کیونکہ یہ جملے بہ طور بیان لائے گئے ہیں‘ سو پہلے جملے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے اور اس پر نگہبان ہے اور اس سے لمحہ بھر غافل نہیں رہتا اور دوسرے جملے میں ہے کہ زمین و آسمان کی وہ تمام چیزیں جن کی وہ تدبیر فرماتا ہے ان کا مالک ہے اور تیسرے میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کا بیان ہے اور چوتھے جملے میں یہ ہے کہ وہ مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے اور پانچویں جملے میں اس کے علم اور تمام معلومات کے ساتھ اس کے تعلق کی وسعت کا بیان ہے یا پھر اس کی جلالت اور اس کی قدر و منزلت کی عظمت کا بیان ہے اور اس آیت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے یہاں تک کہ اس کی فضیلت میں جتنی روایات وارد ہوئی ہیں کسی اور آیت کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں۔

## فضائل آیت الکرسی

(۱) ان میں ایک وہ روایت ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا کرے گا اس کو موت کے سوا جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکے گی اور اس کو ہمیشہ نہیں پڑھے گا مگر صدیق یا عابد۔

(۲) اور جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت اس آیت مبارکہ کو پڑھ لیا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے پڑوسی کو اور پڑوسی کے پڑوسی کو اور اس کے اردگرد تمام گھروں کو امن عطا فرمائے گا۔

(۳) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسانوں کے سردار حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور عرب کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اور اس پر فخر نہیں اور فارس کے سردار حضرت سلمان فارسی ہیں اور روم کے سردار حضرت صہیب ہیں اور حبشہ کے سردار حضرت بلال ہیں اور پہاڑوں کا سردار طور ہے اور دنوں کا سردار جمعۃ المبارک کا دن ہے اور تمام کلاموں کا سردار قرآن مجید ہے اور قرآن کریم کا سردار سورۂ بقرہ ہے اور سورۂ بقرہ کی سردار آیۃ الکرسی ہے۔

(۴) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس گھر میں یہ آیت مبارکہ پڑھی جائے وہاں سے تیس دن تک شیطان ہجرت کر جاتا ہے اور واپس نہیں آتا اور چالیس دن تک اس میں نہ مرد جادوگر داخل ہوسکتا ہے اور نہ عورت جادوگرنی اس میں آسکتی ہے۔

(۵) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سونے کے وقت اس آیۃ الکرسی کو پڑھ کر سوئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو ساری رات صبح ہونے تک اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔

(۶) اور حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان دو آیتوں کو شام کے وقت پڑھے گا تو ان آیات کی برکت سے صبح ہونے تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو صبح کے وقت ان کو پڑھے گا تو ان آیات کی برکت سے شام ہونے تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور وہ دو آیات یہ ہیں: (الف) آیۃ الکرسی (ب) حٰم المؤمن سے لے کر ''اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ'' تک (اس کو ''دارمی'' نے کتاب فضائل القرآن باب ۱۴ میں روایت کیا ہے) کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی توحید اور تعظیم و تکریم اور اس کی صفات عظمیٰ پر مشتمل ہیں اور اللہ رب العزت سے بڑھ کر کوئی مذکور نہیں (کیونکہ سب سے زیادہ ذکر اللہ تعالیٰ ہی کا کیا جاتا ہے) تو جو اس کا ذکر ہوگا وہ بھی تمام اذکار سے افضل ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اشرف العلوم علم توحید ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ ع

دین میں جبر نہیں ہے' بے شک نیک راہ' گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے' پھر جو شخص باطل کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اس نے بلاشبہ مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے' اور اللہ سب کچھ سننے' جاننے والا ہے O اللہ مسلمانوں کا والی و مددگار ہے' ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے' اور کافروں کے معاون شیطان ہیں' جو ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں' وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

٢٥٦- ﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ﴾ دین حق کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور وہ دین اسلام ہے اور ایک قول کے مطابق یہ جملہ خبریہ نہی کے معنی میں ہے اور ایک روایت کے مطابق ایک انصاری کے دو بیٹے تھے جو اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گئے اور ان کا یہ باپ ان کے پیچھے پڑ گیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم مسلمان ہو جاؤ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میرے بعض افرادِ خانہ جہنم میں جائیں اور میں دیکھتا رہوں؟ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس انصاری نے اپنے بیٹوں کو چھوڑ دیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے' پھر بعد میں جہاد کے حکم سے اس کو منسوخ کر دیا گیا تھا ﴿ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ واضح دلائل کے ذریعے ایمان کفر سے متمیز ہو گیا ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ ﴾ پس جو شیطان یا بتوں کا انکار کر دے ﴿ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اس نے یقیناً (مضبوط رسی کو) تھام لیا ﴿ بِالْعُرْوَةِ ﴾ مضبوط و مستحکم ﴿ الْوُثْقٰى ﴾ یہ ''اَوْثَقُ'' کی تانیث ہے یعنی مضبوط و محکم اور محفوظ و مامون رسی ﴿ لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ یہ ایسی مضبوط رسی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گی' یہ نظر و استدلال سے معلوم چیز کی مشاہد و محسوس کے ساتھ تمثیل بیان کی گئی ہے تاکہ سننے والا اس کو یوں تصور کرے کہ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے' اس طرح اس کا اعتقاد محکم ہو جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے دین اسلام کے بارے میں اپنے اعتقاد کو بہت مضبوط و مستحکم کر لیا ہے جس میں شک و شبہ کا گزر ہرگز نہیں ہو سکتا ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے قول و اقرار کو سننے والا ہے اور ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ اس کے اعتقاد کو جاننے والا ہے۔

٢٥٧- ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جن کا ایمان لانا اس کے ارادے میں تھا یعنی ان کا مددگار اور ان کے تمام امور و معاملات کا متولی ہے ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ ﴾ ان کو کفر و گمراہی کے اندھیروں سے نکالتا ہے اور ''ظُلُمَات'' کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کی مختلف اقسام ہیں ﴿ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ایمان اور ہدایت کی طرف اور اس کو واحد سے اس لیے لایا گیا ہے کہ ایمان متحد ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور یہ مبتدا ہے اور جملہ اور وہ ہے ﴿ اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ﴾ یہ اس کی خبر ہے (یعنی) ان کے دوست شیطان ہیں جو ﴿ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ﴾

ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں اور ظلمات کو اس لیے جمع لایا گیا ہے کہ ''طَاغُوْت'' کا لفظ جمع کے معنی میں ہے یعنی جو لوگ کفر پر قائم رہے اور اس پر اڑے رہے ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا مددگار ہے' چنانچہ اگر دین کے بارے میں ان کو شک وشبہ واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرما کر اور ان کو اس کے حل کرنے کی توفیق عنایت فرما کر ان کو شک وشبہ سے نکال لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس شبہ سے نکل کر یقین محکم کے نور تک پہنچ جاتے ہیں اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو واضح اور ظاہر وعیاں نور سے نکال کر شک وشبہ سے اندھیروں میں دھکیل دیتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم ومحترم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعجب دلایا اور ربوبیّت کا دعویٰ کرنے والے نمرود کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناظرہ سے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس بناء پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو بادشاہی دی تھی' جب ابراہیم نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں' ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے' سو تو اس کو مغرب سے لے آ' سو کافر کے ہوش اڑ گئے' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O

## مناظرۂ ابراہیم ونمرود اور مُردوں کو زندہ کرنے کے واقعات

۲۵۸- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم کے رب کی ربوبیّت کے بارے میں ان سے مجادلہ ومقابلہ کیا اور ان سے مناظرہ کرنے لگا اور ''رَبِّهٖ'' میں ''هَا'' ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یا ''اَلَّذِیْ حَآجَّ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا رب ہے ﴿اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت عطا فرمائی تھی یعنی سلطنت کی عطا نے اس کو اِترا دیا تھا اور اس میں تکبر و غرور پیدا کر دیا تھا' سو وہ اس لیے جھگڑ پڑا تھا اور یہ آیت مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ کے خلاف زبردست دلیل ہے[1] یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس (نمرود) نے اس وقت جھگڑا کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت عنایت کی تھی ﴿اِذْ قَالَ﴾ یہ جملہ ''حَآجَّ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''اَنْ اٰتٰهُ'' سے بدل ہے جب اس کو وقت کے معنی میں لیا جائے ﴿اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ﴾

[1] دراصل معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہے کہ وہ کافروں کو بادشاہی نہ دے ورنہ یہ بات بہت بُری ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کو بادشاہی عطا فرما کر مسلمانوں پر مسلط کر دے کیونکہ یہ مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہے مگر اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتحان لینے کے لیے کافروں کو بادشاہی عطا فرماتا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ غوثوی

قاری حمزہ نے اس کو (''رَبِّیْ'' یا ساکن کے ساتھ پڑھا ہے' مظہری) ﴿الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ گویا نمرود نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ﴿قَالَ﴾ نمرود نے جواب میں کہا: ﴿اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ﴾ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں' اس کا مقصد یہ تھا کہ میں چاہوں تو قاتل کا قتل معاف کر دوں اور چاہوں تو اس کو قتل کر دوں' پھر اس لعین نے جھگڑے کے وقت یہاں پر بات ختم کر دی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی دلیل کا اضافہ فرمایا جس میں کمزور عقل رکھنے والے کو بھی شک وشبہ نہیں ہوسکتا' چنانچہ ﴿قَالَ اِبْرٰهٖمُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تو اس کو مغرب سے نکال دے اور یاد رہے کہ یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف پھرنا نہیں جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے کیونکہ پہلی دلیل لازم تھی لیکن جب اس لعین نے زندہ کرنے کا ایک شخص کو چھوڑ دینے اور دوسرے کو قتل کر دینے کے ساتھ معارضہ پیش کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسے طریقے کے ساتھ اس سے کلام فرمایا جس کا وہ معارضہ پیش نہ کر سکا اور یہ لوگ اہل نجوم تھے اور مغرب سے مشرق کی طرف ستاروں کا حرکت کرنا ان کو معلوم تھا اور حرکتِ شرقیہ جو ہمیں حرکتِ قسر یہ محسوس ہوتی ہے وہ ایسی ہے جیسے حوض یا کنویں کا پانی چرخی پر اپنی طبعی حرکت کی سمت کے برعکس حرکت کرتا ہے' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میرا رب سورج کو حرکت قسری کے ساتھ اس کی طبعی حرکت کے برعکس (مشرق سے مغرب کی طرف) حرکت دیتا ہے اور تو اس کو اس کی طبعی حرکت کے موافق (مغرب سے مشرق کی طرف) حرکت دے کر دکھا اور یہ اس سے زیادہ آسان ہے ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ سو وہ کافر متحیر و مدہوش ہو گیا اور مبہوت و پریشان ہو کر رہ گیا ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کیوں نہیں کہا کہ آپ اپنے رب سے کہیں کہ وہ سورج کو مغرب سے مشرق کی طرف نکال دے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمرود کے ذہن سے یہ بات نکال دی تھی اور ایک قول کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ نمرود صرف اپنے لیے ربوبیّت کا دعوے دار تھا اور اپنے علاوہ کسی غیر کے لیے ربوبیّت کو نہیں مانتا تھا (اس لیے اس نے حضرت ابراہیم سے یہ سوال نہیں کیا تھا) اور نمرود کے قول ''اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ'' کا معنی یہ ہے کہ جس کی طرف زندہ کرنے اور مارنے کی نسبت کی جاتی ہے وہ صرف میں ہوں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ علم کلام میں گفتگو کرنے اور اس میں مناظرہ کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ'' اور مجادلہ و مناظرہ دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے' پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی نمرود سے مناظرہ کیا تھا اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود سے مناظرہ ہرگز نہ کرتے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام حرام کے ارتکاب سے معصوم ہوتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کافروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور جب ہم ان کو اس کی دعوت دیں گے تو وہ ضرور ہم سے اس بات کی دلیل طلب کریں گے اور دلائل بغیر مناظرہ نہیں دیئے جاسکتے'' ''شرح تاویلات'' میں اسی طرح لکھا ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ

كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی' اس نے کہا: اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اس کو سو برس تک مردہ رکھا' پھر اس کو زندہ کر دیا (اور) فرمایا کہ تو یہاں کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا رہا ہوں' اللہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تو ایک سو سال تک ٹھہرا رہا' پس تو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھ جو ابھی تک نہ بدلیں' نہ سڑیں اور تو اپنے گدھے کو دیکھ اور تاکہ ہم لوگوں کے لیے تجھے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ' ہم ان کو آپس میں کس طرح جوڑتے ہیں' پھر ہم ان کو گوشت پہناتے ہیں' پھر جب اس پر اللہ کا اختیار واضح ہو گیا تو اس نے کہا: مجھے یقین آ گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

۲۵۹- ﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ﴾ اس کا معنی ''أَوَ رَأَيْتَ مِثْلَ الَّذِي'' ہے یعنی کیا آپ نے اس شخص کی مانند دیکھا ہے؟ پھر اس کو حذف کر دیا گیا اس لیے کہ '' أَلَمْ تَرَ '' اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں تعجب کے کلمے ہیں یا یہ لفظ پر نہیں بلکہ معنی پر محمول ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''أَرَأَيْتَ كَالَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ'' اور صاحب ''کشاف'' نے کہا کہ اس میں کاف حرفِ زائد ہے (اس کا معنی مطلوب نہیں صرف تحسین کلام کے لیے لایا گیا ہے) اور ''الَّذِي'' فرمان باری تعالیٰ '' إِلَى الَّذِي حَاجَّ '' پر معطوف ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ گاؤں سے گزرنے والا حشر و نشر اور قیامت کا منکر و کافر تھا' ایک تو اس لیے کہ نظم میں نمرود کے واقعہ کے ساتھ اسی طریقہ پر اس کو ذکر کیا گیا ہے' دوسرا یہ کہ اس کو کلمہ استبعاد (یعنی ایسا کلمہ جس سے کسی کام کے بعید از امکان کا اظہار ہو) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے ''أَنَّىٰ يُحْيِي'' (یعنی اللہ تعالیٰ کیسے زندہ کرے گا) اور اکثریت کی رائے یہ ہے کہ گزرنے والے حضرت عزیر علیہ السلام ہیں' انہوں نے چاہا کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھیں تاکہ بصیرت میں اضافہ ہو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور ''أَنَّىٰ يُحْيِي'' طریقۂ احیاء کی معرفت سے عجز کا اعتراف ہے اور زندہ کرنے والے (خدا) کی قدرت کی عظمت و بلندی کا اقرار ہے ﴿عَلَىٰ قَرْيَةٍ﴾ یہ بستی بیت المقدس کی تھی جس کو بخت نصر نے حملہ کر کے ویران و برباد کر دیا تھا اور اس بستی میں رہنے والے ہزاروں بنی اسرائیلیوں کو نکال دیا تھا ﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا﴾ اور یہ بستی اپنی چھتوں سمیت گری پڑی تھی یا اس کی چھتیں گر گئی تھیں' پھر ان پر دیواریں گر گئی تھیں اور ہر اونچی چیز کو عرش کہا جاتا ہے ﴿قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي﴾ اس شخص نے کہا کہ کیسے زندہ کرے؟ یعنی ''أَنَّىٰ'' بہ معنی ''كَيْفَ'' ہے ﴿هَٰذِهِ﴾ ''أَيْ أَهْلَ هَٰذِهِ'' یعنی اس بستی میں رہنے والوں کو ﴿اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ﴾ اللہ تعالیٰ (اس بستی کے رہنے والوں کو) ان کے مر جانے کے بعد (کیسے زندہ کرے گا) تو اللہ تعالیٰ نے اس پر سو سال تک (عبرت کی) موت طاری کر دی ﴿ثُمَّ بَعَثَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے (سو سال گزر جانے کے بعد دوبارہ) اس کو زندہ کر دیا ﴿قَالَ﴾ فرشتے نے اس سے کہا: ﴿كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ

﴿لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ تو کتنی دیر ٹھہرا؟ اس نے کہا: میں ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں گا' اور یہ بات اس نے اپنے ظن اور خیال سے کہی تھی اور اس میں اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے اور مروی ہے کہ وہ صبح چاشت کے وقت فوت ہوا تھا اور ایک سو سال کے بعد سورج کے غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے زندہ کیا گیا تھا' سو اس نے سورج کی طرف دیکھنے سے پہلے ''یَوْمًا'' کہہ دیا تھا' پھر اس نے سورج کی طرف توجہ کی اور سورج کا بقیہ وقت ملاحظہ کیا تو ''اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ'' کہہ دیا ﴿قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایک سو سال تک ٹھہرے ہو' پس تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو۔ مروی ہے کہ کھانے میں انجیر اور انگور تھا اور پینے میں انگور کا شیرہ اور دودھ تھا' چنانچہ اس نے انجیر اور انگور کو ویسے پایا جیسے وہ توڑے گئے تھے اور مشروب بھی اپنی اصل حالت میں تروتازہ تھا ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ وہ کھانا پینا بالکل نہیں بگڑا' اور اس کی ''ھا'' اصلی ہے یا ''ھا'' سکتہ کی ہے اور وہ دونوں حالتوں میں ''السنة'' سے مشتق ہے کیونکہ اس کا لام کلمہ ''ھا'' ہے اس لیے کہ اس کی اصل ''سُنَیْهَةٌ'' ہے اور فعل ''سَانَهْتُ'' آتا ہے' کہا جاتا ہے: ''سَانَهْتُ فُلَانًا اَیْ عَامَلْتُهٗ سَنَةً'' یعنی میں اس کے ساتھ ایک سال تک کام کرتا رہا' یا لام کلمہ ''واؤ'' ہے کیونکہ اس کی اصل ''سُنَوَةٌ'' ہے اور فعل ''سَانَیْتُ'' آتا ہے اور اس کا معنی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو سو برسوں نے بھی خراب نہیں کیا اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے وصل کی حالت میں ''لَمْ یَتَسَنَّ'' ، ''ھا'' کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے اور وقف کی حالت میں ''ھا'' کے اثبات کے ساتھ ''لَمْ یَتَسَنَّهْ'' پڑھا ہے۔ ﴿وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ﴾ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھئے کہ اس کی ہڈیاں کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جدا ہو گئیں اور چورہ چورہ ہو گئیں اور دراصل ان کے پاس ایک گدھا بھی تھا جس کو انہوں نے باندھ دیا تھا' پھر وہ مر گیا اور اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں یا یہ معنی ہے کہ اس کی طرف دیکھئے کہ وہ اپنی جگہ میں صحیح سلامت ہے جیسے تم نے اس کو باندھا تھا اور یہ قدرت کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ہے کہ وہ گدھا بغیر چارہ اور بغیر پانی کے سو سال تک صحیح سلامت زندہ رہا جس طرح اس کا کھانا پینا تغیر وتبدیلی سے محفوظ رہا ﴿وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیں' سو ہم نے یہ اس لیے کیا ہے کہ ہم موت طاری کرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر دیں اور اس کے ساتھ کئی چیزوں کی حفاظت کریں اور ایک قول یہ ہے کہ واؤ کو محذوف پر معطوف کیا گیا ہے ''اَیْ لِتَعْتَبِرَ وَلِنَجْعَلَكَ.'' یعنی تاکہ تو عبرت حاصل کر لے اور تاکہ ہم تجھے (اپنی قدرت کی نشانی) بنا دیں' اور بعض نے کہا کہ آپ اپنی قوم کے پاس گدھے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور فرمایا: میں عزیر ہوں لیکن لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تو آپ نے فرمایا: تورات لاؤ' پھر آپ نے اس کو زبانی پڑھنا شروع کر دیا اور حضرت عزیز سے پہلے کسی نے بھی تورات کو زبانی نہیں پڑھا تھا' پس تورات کی یہ زبانی تلاوت آپ کا معجزہ قرار پایا اور بعض نے کہا کہ جب آپ اپنے گھر لوٹ کر آئے تو آپ نے اپنی اولاد کو بوڑھا پایا جب کہ آپ خود جوان تھے ﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ﴾ اور ہڈیوں کی طرف دیکھیے یعنی گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھئے یا ان مُردوں کی ہڈیوں کی طرف دیکھیے جن کو زندہ کرنے سے آپ کو تعجب ہو رہا ہے ﴿كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ ہم ان کو کس طرح حرکت دیتے ہیں اور ہم ان میں سے بعض کو بعض کی طرف باہم جوڑنے کے لیے کس طرح اٹھاتے ہیں اور حجاز اور بصرہ کے قاریوں نے اس کو ''را'' کے ساتھ ''نُنْشِرُهَا'' پڑھا ہے اور اس کا اب معنی ''نُحْیِیْهَا'' ہے یعنی ہم اس کو زندہ کرتے ہیں ﴿ثُمَّ نَكْسُوْهَا﴾ یعنی پھر ہم ان ہڈیوں کو پہناتے ہیں ﴿لَحْمًا﴾ گوشت (یاد رہے کہ) ''لَحْمٌ'' (گوشت) کو مجازاً لباس قرار دیا گیا ہے ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ﴾ پھر جب اس پر ظاہر ہو گیا۔ اس کا فاعل مقدر ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' یعنی پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

تو ﴿قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اس نے کہا: میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' پہلے جملے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا جملہ اس کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے عرب کا قول ہے: ''ضَرَبَنِيْ وَضَرَبْتُ زَيْدًا. یعنی اس (زید) نے مجھے مارا اور میں نے زید کو مارا'' اور یہ بھی جائز ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پھر جب اس پر وہ چیز ظاہر ہوگئی جو اس پر مشکل و مخفی تھی یعنی مردوں کو زندہ کرنے کا عمل (تو اس نے کہا: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''قَالَ اِعْلَمْ'' کو لفظ امر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو یقین رکھ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یا اس نے خود اپنے آپ سے کہا (کہ جان لو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ

۳۵ع۳ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾

اور جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا' اللہ نے فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! مجھے یقین ہے لیکن تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے' اللہ نے فرمایا: سوتم چار پرندے پکڑ لو اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لو' پھر ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے' پھر ان کو بلا لیجئے وہ تمہارے پاس پاؤں کے ساتھ دوڑتے ہوئے آ جائیں گے' اور یقین رکھئے کہ بے شک اللہ زبردست غالب ہے (اور) بڑی حکمت والا ہے ○

۲۶۰- ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دے اور یہاں ''اَرِنِيْ''، ''بَصِّرْنِيْ'' کے معنی میں ہے ﴿كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اور ''كَيْفَ''، ''تُحْيِ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ حضرت ابراہیم نے عرض کیا: کیوں نہیں! مجھے یقین ہے لیکن تا کہ میرے دل کو مزید اطمینان حاصل ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ'' فرمایا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم تمام لوگوں سے بڑھ کر ایمان میں ثابت قدم ہیں تا کہ آپ وہی جواب دیں جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے پر جواب دیا ہے کیونکہ اس میں سننے والوں کے لیے بہت بڑا فائدہ ہے اور ''بَلٰى'' نفی کے بعد اثبات کا معنی دیتا ہے اور اب اس کا معنی یہ ہے کہ ہاں! میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے یقینِ کامل حاصل ہے لیکن علم ضروری و بدیہی (اور علم الیقین) کے ساتھ میں قلبی سکون و اطمینان کے لیے علم استدلالی (اور عین الیقین) کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں' نیز دلائل کے ظاہر کر دینے سے دلوں کو زیادہ سکون ملتا ہے اور بصیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے' پھر علم استدلالی کے ساتھ تو مدمقابل کا شک دور کیا جا سکتا ہے بہ خلاف علم ضروری کے اور ''لام'' فعل محذوف کے متعلق ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَلٰكِنْ سَاَلْتُ ذٰلِكَ اِرَادَةَ طَمَانِيَةِ الْقَلْبِ. اور لیکن میں نے یہ سوال اطمینان قلب کے ارادے سے کیا ہے'' ﴿قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چار پرندے لے لو یعنی مور، مرغ، کوّا اور کبوتر ﴿فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ﴾ قاری حمزہ نے اس کو ''فَصِرْهُنَّ'' صاد کو مکسور پڑھا ہے یعنی ان سب پرندوں کو آپس میں جمع کر دو اور ان سب کو اپنے ساتھ مانوس کر لو ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ان کے ٹکڑوں کو الگ الگ کر کے اپنے سامنے والی زمین کے پہاڑوں پر رکھ دو اور وہ پہاڑ چار تھے یا سات تھے اور قاری حمزہ اور قاری ابو بکر نے ''جُزُءًا'' (جیم اور زا کو) مضموم پڑھا ہے ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ﴾ پھر ان کو بلاؤ اور ان سے کہو: ''تَعَالَيْنَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے پاس آ جاؤ'' ﴿يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾ یہ مصدر ہے اور محلاً حال ہے یعنی یہ پرندے اڑتے ہوئے یا اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے تیزی کے ساتھ تیرے پاس آ جائیں گے اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ پرندوں کو پکڑنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ ملا لیں تا کہ آپ ان کو غور سے دیکھ لیں اور ان کی صورتوں اور شکلوں کو پہچان لیں تا کہ آپ کو پرندوں کے زندہ ہو جانے کے بعد ان کے بارے میں شبہ نہ ہو اور نہ یہ وہم ہو کہ یہ وہ نہیں کوئی اور ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کو ذبح کر لیں اور ان کے پَر نوچ لیں اور ان کے گوشت کے ٹکڑے کر لیں اور ان کے حصے الگ الگ کر لیں اور پھر ان کے پروں اور خون اور گوشت کو آپس میں مکس کر لیں اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کے حصے پہاڑوں پر رکھ دیجئے اور ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا ایک چوتھائی حصہ رکھا جائے، پھر بلند آواز سے پکاریں اور کہیں: ''تَعَالَيْنَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی. تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ادھر میرے پاس آ جاؤ'' چنانچہ ہر حصہ اڑتا ہوا دوسرے حصے سے مل جائے گا یہاں تک کہ وہ بدن بن جائیں گے، پھر وہ اپنے سروں کے پاس آئیں اور ہر بدن اور جسم اپنے اپنے سر سے جڑ جائے گا ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے اور اس کے ارادے کو کوئی نہیں روک سکتا ﴿حَكِيْمٌ﴾ اپنی تدبیر میں بڑی حکمت والا ہے اور وہ جو کام کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اپنی قدرت پر دلائل بیان کیے تو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور یاد رکھو کہ جو شخص اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کو خرچ کرنے پر اجرِ عظیم ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو (۱۰۰) دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھا دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بہت جاننے والا ہے ○ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

## راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت

۲۶۱- ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ [یہاں مضاف کو محذوف ماننا ضروری ہے "اَیْ مِثْلُ نَفْقَتِهِمْ"] یعنی ان لوگوں کے خرچ کرنے کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ اس دانے کی طرح ہے یا ان کی مثال بیج بونے والے کسان کی طرح ہے ﴿اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ اس دانے نے سات خوشے اگائے جس کے ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔ حقیقت میں اگانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چونکہ دانہ سبب بنتا ہے اس لیے اگانے کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی ہے جیسا کہ زمین اور پانی کی طرف بھی اگانے کی نسبت کر دی جاتی ہے اور سات خوشے اگانے کا معنی یہ ہے کہ دانے سے ایک تنا نکلتا ہے جس سے سات شاخیں پھوٹتی ہیں' ان میں سے ہر شاخ میں ایک خوشہ نکلتا ہے (جس میں سو دانے ہوتے ہیں) اور یہ تمثیل صدقات و خیرات کے اجر و ثواب کو کئی گنا بڑھانے کی تصویر ہے گویا وہ دیکھنے والے کے سامنے ہے اور یہاں جس بیج کے ہر خوشے میں سو دانے ہونے کی مثال دی گئی ہے وہ باجرہ' کنگنی اور مکئی میں موجود ہے اور بسا اوقات زرخیز اور طاقتور زمین میں گندم کی شاخ پھوٹتی ہے' پھر اس کے دانے بھی اس مقدار کو پہنچ جاتے ہیں (یعنی ہر خوشے سے سو دانے نکل آتے ہیں) علاوہ ازیں یہ تمثیل (اجر و ثواب کے اعتبار سے بہر حال) صحیح ہے اور اگرچہ بالفرض واقع میں موجود نہ بھی ہوتی اور یہاں آیت میں "سُنْۢبُلَاتٍ" کی بجائے "سَنَابِلَ" کو لانا ایسے ہے جیسے "اَقْرَاء" کی جگہ "قُرُوْءٍ" کو لایا گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس کئی گنا کو جس کے لیے چاہتا مزید کئی گنا اور بڑھا دیتا ہے لیکن ہر خرچ کرنے والے کے لیے نہیں کیونکہ خرچ کرنے والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے سات سو گنا سے بھی زیادہ دے دیتا ہے' قاری ابن عامر شامی اور قاری ابن کثیر مکی نے "یُضَاعِفُ" کی بجائے "یُضَعِّفُ" پڑھا ہے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ فضل و کرم اور جود و سخا میں بڑی وسعت فرمانے والا ہے ﴿عَلِیْمٌ﴾ خرچ کرنے والوں کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۲۶۲- ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں' پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتلاتے اور احسان جتلانا یہ ہے کہ جس پر احسان کیا ہے اس کے سامنے اپنے احسانات گننے لگ جائے اور اس کو بتلائے کہ اس پر بڑے احسانات کیے ہیں اور اس پر محسن کا حق واجب ہو گیا ہے اور (اس لیے بزرگانِ دین) کہا کرتے ہیں کہ جب تم کسی پر کوئی احسان کرو تو اس کو بھول جاؤ ﴿وَّلَاۤ اَذًى﴾ اور نہ تکلیف دے اور وہ یہ ہے کہ اپنے احسان کے سبب اس پر فخر و ناز کرے اور "ثُمَّ" کا معنی احسان و تکلیف کے ترک کرنے اور خرچ کرنے کے درمیان فرق کا اظہار کرنا ہے اور بے شک ان دونوں کو ترک کرنا خرچ کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ ایمان پر استقامت اختیار کرنے کو اس میں داخل ہونے سے بہتر قرار دیا گیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا. (الفصلت:۳۰) بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے" ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی ان کے لیے ان کے خرچ کرنے کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ﴾ اور ان کو نہ اجر و ثواب کے کم ہونے کا خوف ہوگا اور نہ گھٹیا اجر و ثواب ملنے کا ڈر ہوگا ﴿وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ ان کو اس کے ضائع ہونے کا غم ہو گا یا (یہ معنی ہے کہ) نہ ان کو عذاب کا خوف ہوگا اور نہ ثواب کے فوت ہونے کا غم و رنج ہوگا اور یہاں اس آیت مبارکہ میں "لَهُمْ اَجْرُهُمْ" اور اس کے بعد (آیت ۲۷۴ میں) "فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ" فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اسم موصول

(اَلَّذِیْنَ) شرط کے معنی کو متضمن نہیں ہے اور وہاں اسم موصول شرط کے معنی پر مشتمل ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ
حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ
یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو' اور اللہ بڑا بے پرواہ بہت حلم والا ہےO اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو' اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا' اس کی مثال چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو' پھر اس پر پُر زور بارش پڑی تو اس کو بالکل صاف کر دیا' وہ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں پائیں گے' اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتاO

۲۶۳- ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ سائل کو احسن طریقے سے اچھا جواب دینا ﴿وَّمَغْفِرَةٌ﴾ اور مسئول (جس سے سوال کیا گیا ہے) کا سائل کی ناقابل برداشت گفتگو سن کر اس کو معاف کر دینا اور اس سے درگزر کرنا یا حسنِ جواب کے سبب اللہ سے مغفرت و بخشش حاصل کرنا ﴿خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ﴾ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد سائل کو ستایا جائے' اور اس کو نکرہ مبتدا کی خبر بنانا صحیح ہے کیونکہ مبتدا (نکرہ محضہ نہیں بلکہ) اپنی صفت کی وجہ سے نکرہ مخصصہ بن گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ غَنِیٌّ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے' اس کو خرچ کرنے والے کی ضرورت نہیں نہ اس کا محتاج ہے خواہ وہ سائل پر احسان جتاتا پھرے یا اس کو دکھ دے ﴿حَلِیْمٌ﴾ حلیم و بردبار ہے' وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور یہ سائل پر خرچ کر کے احسان جتانے اور اس کو دکھ پہنچانے والے کے بارے میں وعید ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) فرمان سے اس کی تاکید فرما دی:

۲٦٤- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ﴾ اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح تم اپنے صدقات و خیرات ضائع نہ کرو۔ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہے اور تقدیر (عبارت اس طرح ہے): ''اِبْطَالًا مِثْلَ اِبْطَالِ الَّذِیْ'' یعنی صدقات ضائع کرنا اس شخص کے ضائع کرنے کی طرح ہے جو ﴿یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر یعنی تم احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اپنے صدقات کا اجر و ثواب ضائع نہ کرو جس طرح ایک منافق ضائع کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اپنا مال خرچ کرنے میں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ آخرت کے ثواب کا اور ''رِئَآءَ'' مفعول لہ ہے ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے منافق کی اور اس کے مال خرچ کرنے کی جس سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا چکنے پتھر کے ساتھ مثال دی

جس پر مٹی پڑی ہو ﴿فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ﴾ پھر اس پر بڑی دانے دار بارش برسے ﴿فَتَرَكَهٗ صَلْدًا﴾ تو اس کو اس پر پڑی ہوئی مٹی سے بالکل صاف کردے ﴿لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس میں سے کسی چیز کا ثواب حاصل نہیں کرسکیں گے ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو پسند کرتے رہیں گے۔

**وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۶۵﴾**

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو بلند سرزمین پر واقع ہو اس پر زوردار بارش ہو جائے تو وہ دُوگنا پھل لائے' پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اوس کافی ہے' اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے O

۲٦۵- ﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی دینِ اسلام کی تصدیق کرنے کے لیے اور اپنے نفوس کی گہرائی سے خرچ کرتے ہیں تاکہ جزا کے مستحق ہو جائیں کیونکہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ ثواب حاصل کرنے کے لیے خلوصِ قلب اور دل کی گہرائی سے خرچ کرنا اسلام کی تصدیق اور اس پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہے اور ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور یہ مفعول لہ پر معطوف ہے یعنی رضا حاصل کرنے اور دل کو مضبوط رکھنے کے لیے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زکوٰۃ کی مد میں ان کے مال خرچ کرنے کی مثال ﴿كَمَثَلِ جَنَّةٍ﴾ اس باغ کی طرح ہے جو ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ اونچی جگہ پر واقع ہو اور اس باغ کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ اس کے درخت بہت اچھے ہوتے ہیں اور اس کے پھل بہترین ہوتے ہیں۔ قاری عاصم اور قاری ابن عامر شامی نے ''بِرَبْوَةٍ'' (را کو مفتوح پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے را کو مضموم پڑھا ہے) ﴿اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا﴾ اس پر زوردار بارش ہو جائے تو وہ (دوگنا) پھل لائے۔ قاری نافع مدنی اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو نے ''اُكْلَهَا'' (تخفیف کی خاطر کاف کو ساکن کرکے) پڑھا ہے (اور باقی قراء نے کاف پر ضمہ پڑھا ہے' جس کا معنی) پھل ہے ﴿ضِعْفَیْنِ﴾ یعنی یہ باغ بارش سے پہلے جو پھل دیتا تھا بارش کے بعد اس پر دوگنا زیادہ پھل دینے لگا ﴿فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی برسے تو ہلکی بوندا باندی کافی ہو جاتی ہے یعنی ایسی بارش جس کے قطرے چھوٹے چھوٹے اور معمولی ہوں' اتنی سی ہلکی بارش اس لیے کافی ہو جاتی ہے کہ اس کی زمین بہت اچھی اور زرخیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حال کی مثال ایسے باغ کے ساتھ دی گئی ہے جو بلندی پر واقع ہو اور ان کے زیادہ اور کم خرچ کرنے کی مثال زوردار بارش اور ہلکی بوندا باندی بارش کے ساتھ دی گئی ہے اور جس طرح دونوں بارشوں میں ہر ایک بارش باغ کا پھل دوگنا دیتی ہے بالکل اسی طرح رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کا زیادہ یا تھوڑا مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ ہوتا ہے اور اس کے نزدیک ان کے قرب اور ان کے حسنِ حال کے لیے اضافہ کا باعث ہوتا ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ

تمہارے زیادہ اور کم خرچ کرنے کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان دونوں میں ریا اور اخلاص کے اعتبار سے تمہاری نیتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾ ع

کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے ندیاں بہتیں ہوں' اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں' پھر اس پر گرم بگولہ آ جائے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے' اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

٢٦٦- ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ﴾ اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے ﴿أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ﴾ کہ اس کے لیے ایک باغ ہو ﴿مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ﴾ کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) باغ کے مالک کے لیے ﴿فِيهَا﴾ اس کے باغ میں ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ہر قسم کے پھل تھے اور ''ثَمَرَاتِ'' سے مراد وہ فوائد ہیں جو مالک کو اس میں حاصل تھے یا اس لیے کہ جب کھجوروں اور انگوروں کے درخت زیادہ مکرم سمجھے جاتے تھے اور زیادہ منافع بخش تھے تو ان دونوں کا ذکر خاص کر لیا اور باغ کو انہی دونوں کا قرار دے دیا حالانکہ وہ باغ تمام قسم کے درختوں پر مشتمل تھا کیونکہ ان دونوں کو باقی درختوں پر غالب قرار دے دیا اور ان کے بعد ہر قسم کے پھلوں کا ذکر کر دیا ﴿وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ﴾ واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا ایک باغ ہو اور اس حال میں اس پر بڑھاپا چھا جائے ﴿وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ﴾ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور اس کی واؤ بھی حال کے معنی میں ہے اور پورا جملہ ''أَصَابَهُ'' کی ''هَا'' سے محلاً حال واقع ہو رہا ہے ﴿فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ﴾ پھر اس باغ کو سخت ترین آندھی کا گرم بگولہ گھیر لے۔ ''إِعْصَارٌ'' اس سخت آندھی کو کہتے ہیں جو زمین پر گول دائرہ کی شکل میں گھومتی ہوئی ستون کی طرح آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے ﴿فِيهِ﴾ اس سخت آندھی کے بگولے میں بھڑکتی ہوئی ﴿نَارٌ﴾ آگ ہو اور یہ ظرف ہے کیونکہ ظرف کو ''إِعْصَارٌ'' کا وصف قرار دیا گیا ہے ﴿فَاحْتَرَقَتْ﴾ جس سے وہ سارا باغ جل کر تباہ و برباد ہو جائے اور یہ اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو نیک اعمال صرف ریا کاری کے لیے کرتا رہا' پھر جب قیامت کے روز یہ شخص اپنے تمام اعمال برباد دیکھے گا تو اس کو اس طرح حسرت ہوگی جس طرح اس شخص کو افسوس ہوگا جس کا پھل دار باغ ہو اور وہ خود بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہوں اور ذریعہ معاش صرف یہی باغ ہو مگر اچانک اس پر آگ کا بگولہ آ گرے اور اس کو تباہ کر دے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی بیان کی طرح جو پہلے گزر چکا ہے ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ توحید کی تحقیق اور دین کی تصدیق کے لیے تمہارے سامنے اپنی آیات بیان فرماتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ تا کہ تم ان میں غور وفکر کرو اور ان کو سمجھو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ مال خرچ کرو اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور ناقص مال کا ارادہ نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو اور تم خود اس کو نہیں لو گے مگر یہ کہ تم اس میں آنکھیں بند کر لو اور جان لو کہ بے شک اللہ بے نیاز ہے' بہت تعریف کیا ہوا ہے O شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل و کرم کا وعدہ فرماتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا ہے' بہت جاننے والا ہے O

۲۶۷- ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنی عمدہ کمائی میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرو اور یہ آیت مبارکہ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل ہے ﴿ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے زمین کی پیداوار دانے' پھل اور معدنیات وغیرہ جو اگائی ہیں اس میں سے (خرچ کرو) اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَمِنْ طَيِّبَاتِ مَا اَخْرَجْنَا لَكُمْ" مگر اس سے پہلے "طَيِّبَاتِ" کے ذکر کی وجہ سے یہاں حذف کر دیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ ﴾ ناکارہ اور ردی مال کا قصد نہ کرو ﴿ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ﴾ کہ تم اسی کو خرچ کرنے کے لیے مخصوص کر لو اور محلاً حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم ناقص و ردی مال کا ارادہ نہ کرو دراں حالیکہ تم خرچ کرنے والے ہو یعنی خرچ کرنے میں کوتاہی کرنے والے (نہ بنو) ﴿ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ ﴾ اور تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم اس کو اپنے حقوق میں نہیں لیتے ﴿ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ﴾ مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی سے کام لو اور اس میں رخصت دے دو اپنے قول کے مطابق کہ فلاں شخص نے اپنا حق لینے میں چشم پوشی کر لی ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر لے اور فروخت کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے: "اَغْمِضْ. یعنی تو آنکھیں بند کر لے" اور اس طرف توجہ نہ کر گویا تو نہیں دیکھ رہا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اہل عرب ردی اور خراب کھجوریں صدقہ کیا کرتے تھے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صدقات و خیرات سے بے نیاز ہے ﴿ حَمِيْدٌ ﴾ وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے یا وہ بے حد تعریف کیا ہوا ہے۔

۲۶۸- ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ ﴾ شیطان تمہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے میں (غربت و محتاج ہو جانے سے) ڈراتا ہے ﴿ الْفَقْرَ ﴾ اور وہ تم سے کہتا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ تم فقیر و غریب ہو جاؤ گے اور لفظ "وعد" خیر و شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے ﴿ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ اور وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور وہ تمہیں بخل کی ترغیب دیتا ہے اور صدقات و خیرات کرنے سے منع کرتا ہے جیسے ایک آمر شخص اپنے مامور و ماتحت کو کسی کام کی ترغیب دیتا ہے اور

اہل عرب کے نزدیک فاحش بخیل شخص کو کہا جاتا ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ خرچ کرنے میں تم سے وعدہ فرماتا ہے ﴿مَّغْفِرَةً مِّنْهُ﴾ کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَفَضْلًا﴾ اور وہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم نے خرچ کیا ہے یا وہ تمہیں اس پر آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور جس پر چاہتا ہے اس پر وسعت و کشائش فرماتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ تمہارے تمام افعال و اعمال اور تمہاری ہر قسم کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت سے نواز دیتا ہے اور جس کو حکمت سے نواز دیا جائے تو اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا گیا اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر عقل والے ○ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اور جو منت مانتے ہو تو اللہ اس کو یقیناً جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ اگر تم صدقات و خیرات علانیہ دو تو وہ بہت اچھا دینا ہے لیکن اگر تم ان کو چھپا کر ضرورت مندوں کو دے دو تو وہ تمہارے لیے سب سے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے گا' اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○

٢٦٩۔ ﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے قرآن و سنت کا علم عطا فرما دیتا ہے یا ایسا نافع اور مفید علم عطا فرما دیتا ہے جو بندے کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے اور علم پر عمل کی توفیق عطا فرما دیتا ہے ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ اور جس کو حکمت سے نواز دیا جائے تو اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا گیا ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے مواعظ حسنہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر عقلِ سلیم رکھنے والے حضرات یا باعمل علماء اور اس سے مقصود عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے کیونکہ یہ تمام آیات راہِ خدا میں مال خرچ کرنے پر مشتمل ہیں۔

٢٧٠۔ ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو ﴿اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یا اس کی نافرمانی میں کوئی منت مانتے ہو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ تمہیں اس کا بدلا ضرور دے گا ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں سے وہ لوگ مراد ہیں جو صدقات و خیرات سے منع کرتے ہیں یا اپنے مال کو نافرمانی اور گناہوں کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں یا

ناجائز اور گناہوں کی منتیں مانتے ہیں یا منتیں مان کر پورا نہیں کرتے' ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿مِنْ اَنْصَارٍ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کرے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو بچالے۔

۲۷۱- ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ﴾ اگر تم صدقات و خیرات ظاہر کر کے خرچ کرو تو ان کو ظاہر کر کے خرچ کرنا اچھی چیز ہے [اور ''مَا'' نکرہ غیر موصولہ ہے اور موصوفہ نہیں ہے اور مخصوص بالمدح ''هِیَ'' ہے اور ورش کے علاوہ ابوعمرو اور نافع مدنی نے ''فَنِعْمَاهِیَ'' میں نون مکسور اور عین کو ساکن کر کے پڑھا ہے اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے نون کو مفتوح اور عین کو مکسور پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے نون اور عین دونوں کو مکسور پڑھا ہے] ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ﴾ اگر تم صدقات کو چھپا کر دو اور وہ فقراء کو دے دو اور وہ صدقات چھپا کر ان کے مصارف تک پہنچا دو ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے یعنی چھپا کر دینا تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ صدقات سے مراد نفلی صدقات ہیں اور ظاہر کر کے علانیہ دینا فرائض میں افضل ہے کیونکہ اس میں تہمت کا خوف نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا ایسا شخص ہو جس کا دولت مند ہونا لوگوں میں مشہور و معروف نہ ہو تو اس کے لیے چھپا کر زکوٰۃ ادا کرنا افضل ہے اور نفلی صدقات دینے والا اگر یہ ارادہ کر لے کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی اقتدا کریں تو اس کے لیے علانیہ صدقات دینا افضل ہے ﴿وَيُكَفِّرُ﴾ قاری نافع مدنی' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے اس کو نون اور ''را'' کو جزم کے ساتھ (نُكَفِّرْ) پڑھا ہے اور قاری ابن عامر شامی اور امام قاری حفص نے ''یا'' کے ساتھ ''را'' کو مرفوع (يُكَفِّرُ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قاریوں نے نون اور رفع کے ساتھ (نُكَفِّرُ) پڑھا ہے' سو جس نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اس نے ''فا'' اور اس کے مابعد کے محل پر عطف کیا ہے کیونکہ یہ جوابِ شرط ہے اور جس نے مرفوع پڑھا ہے اس نے اسے نیا جملہ قرار دیا ہے اور (اس کے شروع میں) ''یا'' پڑھنے پر یہ معنی ہوگا: ''يُكَفِّرُ اللّٰهُ'' ﴿عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے گناہ مٹادے گا اور نون پڑھنے پر یہ معنی بنے گا: ''نَحْنُ نُكَفِّرُ. ہم معاف کر دیں گے'' ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے علانیہ اور خفیہ تمام اعمال کو ﴿خَبِيْرٌ﴾ جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ان کو ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ لازم نہیں ہے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے' اور تم جو اچھی چیز خرچ کرو گے تو وہی تمہیں نفع دے گی' اور تم خرچ نہیں کرو گے مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے' اور تم جو اچھی چیز خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا بدلا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۷۲- ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ﴾ آپ کے ذمے ان کو ہدایت یافتہ بنانا نہیں یعنی آپ پر یہ واجب و لازم نہیں کہ آپ ان کو مکمل ہدایت یافتہ بنا دیں اور ان تمام برائیوں سے روک دیں جس سے ان کو منع کیا گیا ہے مثلاً صدقات کے بعد احسان جتلانے اور ان کو دکھ پہنچانے اور ناقص و خراب مال خرچ کرنے سے روکنا آپ پر واجب نہیں مگر یہ کہ آپ ان کو نواہی و اوامر کی تبلیغ کر دیں اور بس ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے یا

ہدایت کی توفیق دینا آپ پر لازم نہیں یا ہدایت کا پیدا کرنا آپ کے ذمہ لازم نہیں کیونکہ توفیق دینا اور ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (آپ کا کام ہدایت کی طرف دعوت دینا اور راہِ حق دکھانا ہے اور بس) ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور تم جو عمدہ مال خرچ کرو گے ﴿فَلِاَنْفُسِكُمْ﴾ تو وہ تمہارے لیے ہے' اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور تمہارے غیر کو نفع نہیں ہوگا' پس تم اس کے ذریعے لوگوں پر احسان نہ رکھو اور ان پر ظلم و تکبر کر کے انہیں تکلیف نہ دو ﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ اور تم خرچ نہیں کرو گے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یعنی تمہارا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور ان انعامات کو طلب کرنے کے لیے ہو جو اس کے پاس محفوظ ہیں' سو تمہیں کیا ہوا کہ اس کے ساتھ لوگوں پر احسان رکھو اور ایسا ناقص مال خرچ کرو جس کی مثل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں کی جاتی' یا یہ نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی تم خرچ نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾ اور تم جو اچھا مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا بدلا دیا جائے گا بلکہ اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا تو اب تمہارے لیے کوئی عذر نہیں کہ تم خرچ کرنے سے منہ موڑ لو اور اس کو احسن اور بہتر طریقے سے خرچ نہ کرو ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے لیے ثواب میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا'' (الکہف:۳۳) یعنی اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا''۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي
الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۲۷۳) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ
عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ (۲۷۴) وقف منزل

(یہ صدقات) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں زمین میں چل پھر نہیں سکتے' نادان لوگ ان کو امیر خیال کرتے ہیں' تم ان کو ان کی صورت سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے' اور تم جو اچھا مال خرچ کرتے ہو تو اللہ اس کو خوب جانتا ہے O جو لوگ اپنا مال رات' دن' خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

۲۷۳- ﴿لِلْفُقَرَآءِ﴾ حرف جار لام محذوف کے متعلق ہے ''اَیْ اِعْمَدُوْا لِلْفُقَرَآءِ. یعنی خرچ کرنے میں فقیروں کو دینے کا ارادہ کرو' یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هٰذِهِ الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ. یعنی یہ صدقات و خیرات فقراء و محتاجوں کے لیے ہیں' ﴿الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ جن کو جہاد نے روک دیا ہے اور ان کو کاروبار کرنے سے منع کر دیا ہے ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے وہ یہ طاقت نہیں رکھتے ﴿ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ﴾ کہ کاروبار کرنے اور کمانے کے لیے زمین میں سفر کرتے پھریں اور ایک قول کے مطابق وہ اصحاب صفہ ہیں اور وہ مہاجرینِ قریش میں

سے تقریباً چار سو آدمی تھے جن کے لیے مدینہ منورہ میں رہائش گاہیں نہیں تھیں اور نہ مدینہ منورہ میں ان کے قبائل آباد تھے اور یہ لوگ مسجد نبوی کے صفہ یعنی چھت دار برآمدے میں رہتے تھے' رات کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیاں چن کر توڑتے اور غذا بناتے اور ہر جنگی لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے باہر جایا کرتے تھے اور ان کو خود رسول اللہ ﷺ بھیجا کرتے تھے' جب شام ہوتی تو جس شخص کے پاس زائد خوراک ہوتی وہ اس کو ان کے پاس لا کر پیش کر دیتا ﴿یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ﴾ اور جاہل اور نادان لوگ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کو (امیر) خیال کرتے ہیں۔ابن عامر شامی' یزید' حمزہ اور عاصم سوائے اعشٰی اور ھبیرہ کے انہوں نے ''یَحْسَبُهُمْ'' (سین کو فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اور باقی قراء نے سین کو کسرہ دے کر (یَحْسِبُهُمْ) پڑھا ہے ﴿أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ لوگ ان کو غنی خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ کسی کے سامنے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ آپ ان کو ان کی شکل و صورت یعنی چہروں کی پیلاہٹ (پیلا پن) اور کمزور حالت سے پہچان لیں گے ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ وہ لوگوں سے گڑگڑا کر عاجزی دکھا کر سوال نہیں کرتے بعض نے کہا کہ یہاں سوال اور عاجزی دکھانے' دونوں کی نفی ہے جیسے کسی کا قول ہے:''عَلٰی لَاحِبٍ لَا یُهْتَدٰی بِمَنَارِہٖ. وہ کھلی سڑک پر منار کے ساتھ بھی منزل مقصود تک نہیں جا سکتا'' شاعر نے منار اور اس سے ہدایت پانے' دونوں کی نفی کی ہے اور ''اِلْحَاح'' کہتے ہیں سوال میں اصرار کرنا اور اس طرح چمٹ جانا کہ بغیر کچھ وصول کیے مسئول سے جدا نہ ہونا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ بردبار سوال کرنے سے بچنے والے پاک دامن سے محبت کرتا ہے' اور بدحال سائل حد سے زیادہ گڑگڑانے والے سے بغض رکھتا ہے اور بعض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ سوال کرتے تو بڑی نرمی کے ساتھ سوال کرتے تھے' حد سے زیادہ اصرار نہیں کرتے تھے نہ گڑگڑاتے تھے ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ اور تم جو اچھا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ضائع نہیں ہوگا۔

۲۷۴۔﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ جو لوگ اپنے مال رات' دن' خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔یہاں ''سِرًّا'' اور ''عَلَانِيَةً'' دونوں حال واقع ہو رہے ہیں یعنی دراں حالیکہ وہ چھپا کر خرچ کرنے والے ہیں اور دراں حالیکہ علانیہ خرچ کرنے والے ہیں یعنی تمام اوقات اور تمام احوال میں عام طور پر صدقہ خیرات کرتے رہتے ہیں' جب بھی انہیں کسی محتاج کی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے جلدی کرتے ہیں اور اس میں تاخیر نہیں کرتے اور کسی وقت اور حال میں عذر تک نہیں کرتے اور ایک قول کے مطابق یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے چالیس ہزار دینار صدقہ کے خرچ کیے' دس ہزار رات کو اور دس ہزار دن کو اور دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ خرچ کیے یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی' آپ صرف چار درہموں کے مالک تھے جن میں سے ایک درہم رات کو اور ایک درہم دن کو اور ایک درہم خفیہ اور ایک درہم علانیہ خرچ کیا ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ سو ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن کھڑے نہیں ہوں گے' مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا: خرید و فروخت سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے تو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ باز آ گیا تو اس سے پہلے وہ جو کچھ لے چکا تھا وہ اس کے لیے حلال ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے دوبارہ سود لیا تو وہ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

## سود کی حرمت کا بیان

۲۷۵- ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ﴾ مال کے عوض مال کے مقابلے میں جو زائد از معاوضہ ہو وہ سود ہے' ربٰو اکو واؤ کے ساتھ ان کی لغت پر لکھا جاتا ہے جو اس میں تفخیم کرتے ہیں جیسا کہ صلٰوۃ اور زکٰوۃ کو لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد جمع کی واؤ سے تشبیہ دینے کے لیے الف لکھا جاتا ہے ﴿ لَا يَقُوْمُوْنَ ﴾ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ کھڑے نہیں ہوں گے ﴿ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ ﴾ مگر اس طرح اٹھیں گے کہ اس کو شیطان نے چھو کر بے ہوش کر دیا ہے یعنی مرگی کے بیمار آدمی کی طرح۔ چونکہ سود خور معاملات میں لوگوں کو بے وقوف بنایا کرتا تھا اس لیے اس کے مقابلے میں اسے یہی سزا دی گئی۔ ''خبط'' کا معنی ہے: اندھی اونٹنی کی طرح پاؤں مارتے ہوئے بے راہ چلنا ﴿ مِنَ الْمَسِّ ﴾ چھونے سے یعنی جنون کی وجہ سے اور یہ ''لَا يَقُوْمُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی شیطان کے چھونے کی وجہ سے وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح مرگی کا بیمار آدمی اٹھتا ہے یا یہ ''يَقُوْمُ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی جس طرح جنون کی وجہ سے مرگی کا بیمار کھڑا ہوتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ سود خور قیامت کے روز حالتِ جنون میں کھڑے ہوں گے جس طرح مرگی کا بیمار آدمی دیوانہ ہوتا ہے' یہ ان کی علامت و نشانی ہوگی جس کے ذریعے اہل موقف ان کو پہچان لیں گے اور بعض نے کہا ہے: جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو میدان محشر کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے جائیں گے مگر سود خور اٹھتے ہی گر پڑیں گے' مرگی والے کی طرح بے ہوش ہوں گے اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں سود کھایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹوں کو بڑھا کر پھولا دیا یہاں تک کہ ان کے پیٹ اتنے بوجھل ہو جائیں گے کہ وہ کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے مگر کھڑے نہیں ہو سکیں گے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ عذاب ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے ہوگا کہ ﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ انہوں نے کہا: خرید و فروخت سود کی طرح ہے اور ''اِنَّمَا الرِّبٰوا مِثْلُ الْبَيْعِ'' نہیں فرمایا یعنی سود بیع (خرید و فروخت) کی طرح ہے حالانکہ گفتگو سود کے بارے میں ہو رہی ہے خرید و فروخت کے بارے میں نہیں اس لیے کہ یہ بہ طور مبالغہ فرمایا گیا اور وہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد سود کی حلت کے بارے میں مبالغے کی حد تک پختہ ہو چکا تھا اس لیے تو انہوں نے سود کو حلت میں اصل اور قانون قرار دیا حتیٰ کہ انہوں نے بیع (یعنی خرید و فروخت) کو سود کے مشابہ قرار دیا ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا

اور سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے بیع اور ربٰوا میں مساوات و برابر کی نفی کر دی گئی ہے کیونکہ حلت وحرمت دو متضاد چیزیں ہیں اس لیے آپس میں ایک دوسرے کے مماثل کیسے ہو سکتی ہیں اور قیاس کی دلالت کو قرآن مجید کی اس نص نے ختم کر دیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا بیع کو حلال قرار دینا اور سود کو حرام قرار دینا ان کے قیاس کے بطلان کی واضح دلیل ہے ﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت پہنچ چکی اور سود سے نہی کی ڈانٹ مل چکی ﴿فَانْتَهٰى﴾ پھر اس نے نہی کی پیروی کی اور سود سے رک گیا ﴿فَلَهٗ مَا سَلَفَ﴾ تو اس کے لیے حلال ہے جو پہلے لے چکا' لہٰذا اس سے گزشتہ سود پر مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ حرمت کے نزول سے پہلے لے چکا ﴿وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے' وہی قیامت کے روز اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا اور اس کے معاملے میں تمہارا کچھ تعلق نہیں' لہٰذا تم اس سے اس کا مطالبہ نہ کرو ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ زجاج سے یہ معنی منقول ہے کہ جس نے دوبارہ سود کو حلال سمجھا یا جس نے دوبارہ سود کو حلال سمجھ کر لیا ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ سو وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ وہ سود کو حلال سمجھ کا کافر ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کو جو شخص حلال کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' لہٰذا وہ دائمی دوزخ کا مستحق ہو گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ معتزلہ کا فاسقوں کے لیے دائمی عذاب ثابت کرنے کا اس آیت مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ
رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی تو ان کے لیے ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان دار ہو O پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارے لیے جائز ہیں تم کسی پر ظلم نہ کرو تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۷۶۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا﴾ اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے یعنی اس سے برکت کو اٹھا لیتا ہے اور جس مال میں سود شامل ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا ہے ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اس کو زیادہ کرتا ہے یعنی جس مال سے صدقہ نکالا جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ کرتا ہے اور اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے

کہ زکوٰۃ مال میں سے کچھ کم نہیں کرتی[۱] ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ﴾ سود کو حلال سمجھ کر بڑے کفر کرنے والے ناشکرے اور ﴿اَثِيْمٍ﴾ سود کھانے کی وجہ سے گناہ میں سرکشی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

۲۷۷۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سود کی حرمت پر ایمان لے آئے۔

۲۷۸۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو یعنی سود خوروں نے لوگوں پر جو سود لاگو کر رکھا تھا اس میں سے کچھ لے لیا اور جو باقی رہ گیا ہے اس کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اس باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اور اس کا مطالبہ نہ کرو اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ قریش کی قوم پر ان کا مال قرض تھا اور انہوں نے مال لینے کے مواقع پر اصل مال کے ساتھ سود کا مطالبہ بھی کیا ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم کامل مومن ہو کیونکہ کمالِ ایمان کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا حکم دیا جائے اس پر عمل کیا جائے۔

۲۷۹۔﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا یقین رکھو یعنی جان لو۔ یہ ''اَذِنَ بِالشَّيْءِ'' سے بنا ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کو کوئی جان لے اور اس کی تائید حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے ہو جاتی ہے جس میں ہے: ''فَاَيْقِنُوْا. پس تم یقین کرو''۔ قاری ابن غالب کے علاوہ قاری حمزہ اور قاری ابو بکر نے ''فَاٰذِنُوْا'' پڑھا ہے یعنی اپنے علاوہ دوسروں کو اس جنگ سے آگاہ کر دو اور اللہ تعالیٰ نے ''بِحَرْبِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' نہیں فرمایا کیونکہ ''بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' فرمانا زیادہ بلیغ و فصیح ہے اس لیے کہ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ایک بہت بڑی قسم کی جنگ کا یقین کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو قبیلہ ثقیف نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ﴾ اور اگر تم توبہ کر لو اور سود سے باز آ جاؤ ﴿فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ﴾ تو تمہارا اصل مال تمہارے لیے جائز ہے' تم مقروضوں سے اصل مال سے زیادہ کا مطالبہ کر کے ان پر ظلم نہ کرو ﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو خوشحال ہونے تک اس کو مہلت دے دو اور تمہارا (اپنا اصل مال) ان پر صدقہ کر دینا

[۱] مسلم کتاب البر رقم الحدیث:۶۹' ترمذی کتاب البر باب ۸۲' دارمی کتاب الزکوٰۃ باب ۳۴' موطا کتاب الصدقہ باب ۱۲' مسند امام احمد ج۲ ص ۲۲۵۔۳۸۶

تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○

۲۸۰۔ ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ﴾ اور اگر تمہارے قرض داروں میں سے کوئی قرض دار تنگ دست ہو ﴿فَنَظِرَةٌ﴾ تو اس کے حق میں مہلت کا فیصلہ زیادہ بہتر ہے ﴿اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ خوشحال ہو جانے تک۔قاری نافع مدنی نے "مَيْسُرَةٍ" (میں سین کو مضموم) پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا﴾ قاری عاصم نے اس کو بغیر شد کے مخفف پڑھا ہے اس کے علاوہ نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے دراصل دو "تا" میں سے ایک حذف کرنے پر تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور ادغام کی صورت میں تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی تم اپنے قرض داروں میں سے تنگ دستوں پر اپنا اصل کل مال یا بعض صدقہ کر دو (تو سب سے بہتر ہے) ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ قیامت میں تمہارے لیے بہتر ہوگا اور بعض نے کہا کہ صدقہ دینے سے مراد مہلت دینا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان مقروض کو مہلت دے گا تو وہ اس کے لیے ہر روز صدقہ شمار ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تو تم اس پر عمل کرتے گویا ان کو ان لوگوں میں سے کر دیا گیا جو اس پر عمل نہیں کرتے اور اگر وہ اس کو جانتے بھی تھے تو گویا وہ اس کو نہیں جانتے۔

۲۸۱۔ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور تم ڈرو اس دن سے جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔قاری ابوعمرو نے "تَـرْجِعُوْنَ" (یعنی "تـا" کو مفتوح پڑھا ہے کیونکہ "رَجَعَ" لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ آخری آیت ہے جس کو حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اے محبوب! اس کو سورۃ بقرہ کی دو سو اسّی آیات کے بعد رکھیے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس دن یا اکیاسی دن یا سات دن یا پھر صرف تین ساعات زندہ رہے ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا یعنی اس کی کمائی کی پوری جزا دی جائے گی ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور نیکیاں کم کر کے اور برائیاں زیادہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ
رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا

اِلٰۤى اَجَلِهٖؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَاؕ وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۪ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ۬ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ (۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقرر مدت تک کسی قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک عدل و انصاف کے ساتھ دستاویز لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے' جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے تو اسے ضرور لکھ دینا چاہیے اور جس شخص پر قرض ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس کے حق میں کچھ کم نہ کرے' پھر اگر جس پر قرض ہے اگر وہ کم عقل ہے یا کمزور ہے یا لکھنا نہیں جانتا تو اس کا متولی انصاف کے ساتھ لکھا دے اور تم اپنے مردوں میں دو گواہ بنالو' پھر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تا کہ ان میں سے ایک بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں اور مقررہ مدت تک دستاویز لکھنے سے ملال نہ کرو' قرض بڑا ہو یا چھوٹا' یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو خوب قائم رکھنے والی ہے اور بہت قریب ہے کہ (اس لکھائی کی وجہ سے) تم شک و شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ وہ سودا جس کا تم ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہو وہ دست بہ دست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب تم ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O

## کاروبار اور لین دین میں دستاویزات کی تحریری اہمیت

۲۸۲- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی کو قرض دو یعنی جب تمہارا کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو قرض دے۔ کہا جاتا ہے: ''دَايَنْتُ الرَّجُلَ'' یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم اس کے ساتھ قرض کا معاملہ کرو خواہ قرض دینے کا معاملہ ہو یا لینے کا ﴿ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور معین مدت تک جیسے کھیتی کاٹنے یا اناج صاف کرنے یا حجاج کے آنے کی تاریخ مقرر کرنا اور بے شک دَین کا ذکر ضرور محسوس کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''اِذَا تَدَايَنْتُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى'' نہیں فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَاكْتُبُوْهُ ﴾ میں ضمیر کو دین کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ اگر پہلے دین کا ذکر نہ کیا جاتا تو واجب ہو جاتا کہ یوں کہا جائے: ''فَاكْتُبُوا الدَّيْنَ'' اور اس کی وجہ سے قرآن مجید کے نظم کا حسن نہ رہتا اور اس لیے بھی تا کہ واضح ہو جائے کہ قرض کی کئی قسمیں ہوتی ہیں نقد اور ادھار (میعادی اور غیر میعادی) اور بے شک قرض کو لکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ بھولنے سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت مستحکم ہو جاتا ہے اور انکار کرنے سے بہت دور ہو جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ جب تم ادھار قرض پر آپس میں لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ مستحب امر ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس دین سے مراد بیع سَلَم ہے (یعنی کسی چیز کی قیمت پہلے وصول کر لی

جائے اور وہ چیز خریدار کو کچھ مدت کے بعد مقررہ تاریخ کو دی جائے) اور انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمایا ہے تو بیع سَلَم کو مباح قرار دے دیا ہے اور انہی سے مروی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیع سَلَم کو مقررہ مدت تک کی ضمانت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں طویل ترین آیت کریمہ نازل فرمائی ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سَلَم میں مدت کا ذکر شرط ہے ﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ ﴾ اور چاہیے کہ تمہارے درمیان یعنی قرض لینے اور دینے والے کے درمیان لکھ دیا کرے ﴿ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ انصاف کے ساتھ لکھنے والا اور ''بِالْعَدْلِ'' ''كَاتِبٌ'' کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ایسا کاتب ہو کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے اس پر امین ہو بڑی احتیاط کے ساتھ لکھتا ہو اور اس پر جس قدر لکھنا واجب ہے اس سے نہ زیادہ لکھے اور نہ کم لکھے اور اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کاتب فقیہ ہو اور دستاویزی شرائط کا عالم ہو حتیٰ کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ شریعت کے مطابق اپنے مکتوب پیش کر سکے اور ایسے کاتب کا انتخاب کرنا لین دین کرنے والوں کا کام ہے کہ وہ اپنی دستاویز صرف متدیّن عالم سے لکھوائیں تا کہ وہ دستاویز میں متفقہ تحریر درج کرے ﴿ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ ﴾ اور لکھنے والوں میں سے کوئی کاتب انکار نہ کرے ﴿ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ﴾ لکھنے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دستاویز لکھنے کی تعلیم دی ہے وہ تبدل و تغیر سے کام نہ لے اور ''كَمَا'' ''اَنْ يَّكْتُبَ'' کے متعلق ہے ﴿ فَلْيَكْتُبْ ﴾ سو اسے چاہیے کہ اس کتابت کو لکھا کرے اور اس سے منہ نہ موڑے ﴿ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ ﴾ اور وہ شخص دستاویز لکھوائے جس پر قرض ہو اور جس پر قرض واجب ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں لکھوائے گا کیونکہ اس کے ذمے قرض کے ثبوت اور اس کے اقرار کے لیے گواہی لی جائے گی' لہٰذا یہ تحریر اس کی زبانی اس پر اقرار ثابت ہو گی اور ''اِمْلَالٌ'' اور ''اِمْلَاءٌ'' دونوں لغتیں ہیں ﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ اور جس شخص پر قرض ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور لکھوانے سے نہ رکے ورنہ اپنے کل حق کا انکاری ہو گا ﴿ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ﴾ اور وہ لکھوانے میں اس حق میں سے کچھ کم نہ کرے' جو اس پر واجب ہے ورنہ وہ اپنے حق کے بعض حصے کا انکاری ہو گا ﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا ﴾ پھر اگر جس پر قرض ہے وہ کم عقل یعنی دیوانہ ہو کیونکہ سفاہت عقل میں کمی کو کہتے ہیں یا فضول خرچی یا تصرف سے جہالت کے سبب اس کو کاروبار سے روک دیا گیا ہو ﴿ اَوْ ضَعِيْفًا ﴾ یا بچہ ہو ﴿ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ ﴾ یا وہ لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یعنی لکھنے سے عاجز ہو یا گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو ﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ ﴾ تو چاہیے کہ اس کا سرپرست لکھوائے جو اس کے معاملات کا متولی ہو اور اس کا قائم مقام ہو ﴿ بِالْعَدْلِ ﴾ انصاف سے کام لے کر حق اور سچ لکھائے ﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ ﴾ اور دو گواہ طلب کرو جو تمہارے حق میں لین دین کے متعلق گواہی دیں ﴿ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ تمہارے مردوں میں سے یعنی مسلمانوں کے مردوں سے (کیونکہ کفار کی گواہی مسلمانوں کے بارے میں قابلِ قبول نہیں) اور مسلمان ہونے کے ساتھ اس کا بالغ اور آزاد ہونا بھی گواہی میں شرط ہے اور ہمارے نزدیک کفار کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے حق میں قبول ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ ﴾ پھر اگر دو مرد گواہی دینے کے لیے میسر نہ ہوں ﴿ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ﴾ تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور حدود اور قصاص کے علاوہ باقی مالی معاملات میں عورتوں کے ساتھ مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو اور جن کی عدالت و انصاف پسندی کو تم جانتے ہو اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ناپسندیدہ شخص بھی گواہ ہو سکتا ہے ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک عورت گواہی کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے [قاری حمزہ نے ''اِنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا'' شرط کے ساتھ پڑھا ہے اور'' فَتُذَكِّرُ'' کی را کو مرفوع اور کاف کو مشدد پڑھا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ عَادَ

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ. (المائدہ:۹۵) جو دوبارہ شکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلا لے گا"۔[ قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے "فَتُذْكِرَ" کی را کو منصوب پڑھا ہے یہ "ذِكْرٌ" سے ہے "تَذَكُّرٌ" سے نہیں ]﴿ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾ اور جب گواہوں کو گواہی کی ادائیگی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں یا جب انہیں گواہ بننے کے لیے لایا جائے تو وہ انکار نہ کریں تا کہ ان کے حقوق برباد نہ ہو جائیں اور ان کو گواہ بننے سے پہلے گواہ اس لیے کہا کہ ان کو اس مقام پر فائز ہونے والوں کا قائم مقام قرار دے دیا' سو پہلی صورت ( گواہی دینا) فرض ہے اور دوسری صورت ( گواہ بننا) مستحب ہے ﴿ وَلَا تَسْئَمُوْٓا ﴾ اور ملال نہ کرو۔ شاعر کہتا ہے کہ تو ابھی زندگی کی تکالیف سے گھبرا گیا ہے اور تیرا باپ نہ رہے زندگی سے تو وہ اکتائے جو اسی سال کی زندگی گزار رہا ہے ﴿ اَنْ تَكْتُبُوْهُ ﴾[ اس کے لکھنے سے اور اس کی (ہُ) ضمیر "دَيْــن" یا حق کی طرف لوٹتی ہے ]﴿ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا ﴾ حق کسی حال میں ہو' چھوٹا ہو یا بڑا (اس کو لکھ لو) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سَلَم کپڑوں میں بھی جائز ہے کیونکہ جو چیز ماپ کر دی جائے یا تول کر دی جائے تو اس کے بارے میں چھوٹا اور بڑا نہیں کہا جاتا البتہ پیائشی اشیاء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر دستاویز کی طرف لوٹتی ہو جس میں لین دین کا معاہدہ لکھا تا ہے اور یہ کہ مختصر لکھو یا مفصل لکھو یا ﴿ اِلٰٓى اَجَلِهٖ ﴾ لین دین کرنے والوں کی متفقہ مدت تک لکھ لو ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾[ "اَنْ تَكْتُبُوْهُ" کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مصدر کے معنی میں ہے ] یعنی وہ لکھنا ﴿ اَقْسَطُ ﴾ انصاف کے زیادہ قریب ہے: قسط کا معنی عدل ہے ﴿ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک' یہ "اَقْسَطُ" کا ظرف ہے ﴿ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ ﴾ اور گواہی کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ معاون و مددگار ہے اور افعل التفضیل کے دونوں صیغے یعنی "اَقْسَطُ" اور "اَقْوَمُ" سیبویہ کے مذہب پر "اَقْسَطَ" اور "اَقَامَ" سے بنے ہیں ﴿ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ﴾ اور ( یہ لکھت اس بات کے ) زیادہ قریب ہے کہ تم شک وشبہ میں نہ پڑو اور گواہ حاکم اور صاحب حق کے لیے شک وشبہ کو ختم کرنے کے زیادہ قریب ہے کیونکہ کبھی مقدار میں اور صفات میں شک واقع ہو جاتا ہے لیکن جب مکتوب کی طرف رجوع کیا جائے گا تو شک زائل ہو جائے گا اور "اَدْنٰى" کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ "دَنُوٌّ" سے مشتق ہے ﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً ﴾ یہ امام عاصم کی قراءت ہے یعنی مگر یہ کہ تجارتی کاروبار ہو مگر یہ کہ معاملہ نقد تجارت کا ہو [ اور قاری عاصم کے علاوہ نے "تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ" پڑھا ہے' اس بنا پر کہ كَانَ (تَكُوْنَ) تامہ ہے یعنی مگر یہ کہ تجارت نقد و نقد ہو یا وہ ناقصہ ہے اور "تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ" اس کا اسم ہے ] اور ﴿ تُدِيْرُوْنَهَا ﴾ اس کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ بَيْنَكُمْ ﴾[ "تُدِيْرُوْنَهَا" کے لیے ظرف ہے ] اور معنی یہ ہے کہ وہ تجارت جس کو آپس میں چلاتے گھماتے ہو اور ایک دوسرے کو دست بہ دست دیتے اور لیتے ہو ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ﴾ تو ( نقد لین دین کی صورت میں ) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو یعنی مگر یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نقد اور دست بہ دست خرید و فروخت کرو تو پھر کوئی حرج نہیں اگر تم نہ لکھو کیونکہ لین دین میں جو وہم ہو سکتا ہے اب وہ وہم اس میں نہیں ہو سکتا ﴿ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ اور جب تم خرید و فروخت کرنے لگو تو گواہ مقرر کر لیا کرو اور خرید و فروخت کے وقت گواہی کے لیے مطلق حکم دیا گیا ہے خواہ نقد ہو خواہ ادھار ہو کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی صورت اختلاف کے واقع ہونے سے بہت دور ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم یہ خرید و فروخت کرنے لگو یعنی نقد تجارت کرنے لگو تو گواہ مقرر کر لیا کرو اس بنا پر کہ اس صورت میں صرف گواہ بنانا کافی ہے تحریری ثبوت کی ضرورت نہیں اور یہ امر استحبابی ہے ﴿ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ﴾ اور لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے [ ( اور اس میں دو احتمال ہیں ) ایک یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کے مطابق یہ مبنی للفاعل ( مضارع معروف ) ہے اور اس کی اصل "لَا يُضَارِرْ" ہے اور دوسرا یہ ہے کہ حضرت

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت کے مطابق یہ بنی للمفعول (فعل مضارع مجہول) ہے اور اس کی اصل ''لَا یُضَارَرْ'' ہے ]اور (پہلی صورت میں) معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ کاروباری فریقین کو نقصان نہ دیں اور وہ اس طرح کہ جب ان کو طلب کیا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں اور کاتب اپنی کتابت میں اور گواہ گواہی دینے میں تحریف' زیادتی اور کمی نہ کریں یا (دوسری صورت میں) معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور وہ اس طرح کہ ان کو لکھنے اور گواہی دینے کے لیے قبل از وقت جلد از جلد ان کی اپنی مصروفیت چھڑا کر بلا لیا جائے اور ان سے جھگڑا کیا جائے اور کاتب کو حق کتابت نہ دیا جائے اور گواہ کو اپنے شہر سے آنے جانے کی مشقت کا معاوضہ نہ دیا جائے ﴿وَاِنْ تَفْعَلُوْا﴾ اور اگر تم نے ان کو نقصان پہنچایا ﴿فَاِنَّهٗ﴾ تو بے شک نقصان دینا ﴿فُسُوْقٌۢ بِكُمْ﴾ تمہارے لیے گناہ ہوگا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے احکام کی مخالفت نہ کرو ﴿وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے احکام کی تعلیم دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے' نہ اس کو سہو لاحق ہوتا ہے اور نہ اس سے کوتاہی ہوتی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
ع ۳۹ / ۷ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں دے دیا جائے' پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرتا رہے' جو اس کا رب ہے اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے O اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ اس کا تم سے حساب لے گا تو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

## رہن کا ثبوت' امانت وشہادت کی اہمیت' ملکیت الٰہی کا بیان

۲۸۳- ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ﴾ اے ادھار پر لین دین کرنے والو! اگر تم (سفر پر) ہو ﴿عَلٰى سَفَرٍ﴾ یعنی تم مسافر ہو ﴿وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ﴾ اور تم دستاویز لکھنے والا منشی نہ پاؤ تو کوئی چیز گروی دے دو [ قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابو عمرو بصری نے ''فَرُهُنٌ'' (راء پر ضمہ) پڑھا ہے یعنی وہ چیز جس کے ساتھ رہن کو معتبر و مستحکم کیا جائے اور یہ دونوں (رِهَانٌ اور رُهُنٌ) ''رَهْنٌ'' کی جمع ہیں جیسے ''سَقْفٌ'' کی جمع ''سُقُفٌ'' اور ''بَغْلٌ'' کی ''بِغَالٌ'' ہے اور ''رَهْنٌ'' دراصل مصدر ہے' پہلے اس کو اسم قرار دیا گیا' پھر اس کی جمع تکسیر ''رِهَانٌ'' بنا دی گئی ] اور جب کہ سفر میں غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ گواہوں اور دستاویز لکھنے

والوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مال کی حفاظت کے لیے بہ طور ارشاد و رہنمائی حکم دے دیا ہے کہ جو شخص سفر پر ہو (اور ادھار لین دین کرنا چاہتا ہو تو) گواہ اور تحریری دستاویز کے ذریعے اعتبار دلانے کی جگہ گروی کے ذریعے اپنا اعتبار دلائے لیکن یہ بات نہیں کہ گروی رکھنے کے لیے سفر شرط ہے ﴿ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلیل ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے [ایسا نہیں جیسا کہ امام مالک نے خیال فرمایا کہ رہن بغیر قبضہ کے صرف ایجاب و قبول کے ساتھ صحیح ہے] ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اطمینان و اعتماد ہو یعنی اگر لین دین کرنے والوں میں قرض خواہ کو مقروض پر اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی وجہ سے اطمینان و اعتبار ہو تو تحریری دستاویز تیار کرنے اور گواہ مقرر کرنے اور رہن رکھنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ سو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی امانت یعنی قرض ادا کر دے۔ ["اُؤْتُمِنَ" باب افتعال سے ہے اور "امن" سے مشتق ہے] اور اس کے ذریعے مقروض کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کے حسن ظن پر پورا اترے اور اس کا اعتماد قائم رکھتے ہوئے اپنی امانت یعنی قرض اسے واپس ادا کر دے اور وہ حق جو اس پر اعتبار کر کے بہ طور امانت بغیر رہن رکھنے کے اس کو دیا گیا ہے وہ اسے ادا کر دے اور قرض کو امانت کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مقروض کی کوئی چیز گروی رکھے بغیر صرف اس پر اعتبار کر کے اس کو قرض کی رقم دی گئی ہے ﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ اور وہ قرض خواہ کے حق کا انکار کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ﴾ اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ' یہ گواہوں کو خطاب ہے ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ اور جو گواہی کو چھپائے گا تو یقیناً وہ دل کا گناہ گار ہے [اور "قَلْبُهٗ"، "اٰثِمٌ" کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے' گویا کہا گیا ہے کہ "فَاِنَّهٗ يَاْثَمُ قَلْبُهٗ". سو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہوتا ہے' یا پھر "اٰثِمٌ" خبر مقدم ہے اور "قَلْبُهٗ" مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور یہ جملہ "اِنَّ" کی خبر ہے اور بے شک "اٰثِمٌ" کی نسبت اکیلے قلب کی طرف کی گئی ہے] حالانکہ جملہ اعضاء گنہگار ہوتے ہیں نہ کہ اکیلا قلب تو اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہی کو چھپانے والا اس کو دل میں چھپاتا ہے اور اس کے ساتھ گفتگو نہیں کرتا' بہرحال جب گواہی کو چھپانے کے گناہ کا ارتکاب دل کرتا ہے اور یہ کسب دل ہی کا ہوتا ہے تو اس لیے گناہ کی نسبت دل کی طرف کر دی گئی ہے کیونکہ فعل کا اسناد ارتکاب کرنے والے فاعل کی طرف کرنا جو اس کو عمل میں لاتا ہے زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: یہ وہ ہے جس کو میری آنکھوں نے دیکھا اور یہ وہ ہے جس کو میرے کانوں نے سنا اور یہ وہ ہے جس کو میرے دل نے پہچانا اور اس لیے کہ دل تمام اعضاء کا رئیس ہوتا ہے اور یہ گوشت کا وہ ٹکڑا ہے کہ اگر یہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر یہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ گناہ انسان کے اصل نفس میں جاگزیں ہو گیا اور اس کی بہترین جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اس لیے بھی کہ افعالِ قلوب جسم کے تمام افعال سے اعظم ہوتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمام نیکیوں اور تمام برائیوں کی اصل اور بنیاد ایمان اور کفر ہے اور یہ دونوں افعال قلوب میں سے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گواہی کے چھپانے کو دل کا گناہ قرار دیا تو خود ہی گواہی دے دی کہ یہ بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور جھوٹی گواہی دینا اور گواہی کو چھپانا بہت بڑے گناہ ہیں ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور تم جو کچھ کرتے ہو یعنی گواہی کو چھپانا اور اس کے اظہار کرنے کو اللہ تعالیٰ ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ جاننے والا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

۲۸۴۔ ﴿ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی

ملکیت میں ہے اور اسی کے قبضہ واختیار میں ہے اور سب اسی کا پیدا کردہ ہے ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ ﴾ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو یا اس کو چھپا لو یعنی برائی وغیرہ ﴿ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا یعنی تمہیں اس کا بدلا دے گا اور تمہیں جزا دے گا اور انسان جو گناہ اپنے دل میں مخفی رکھتا ہے ان میں قلبی خیالات اور وسوسے شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں اور لیکن جس گناہ کا دل سے ارادہ کر لے اور اس کے کرنے کا پختہ عزم کر لے (تو پھر گرفت کی جائے گی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفر کا عزم یعنی پکا اور پختہ ارادہ کفر ہے اور پختہ عزم کے بغیر صرف گناہ کا خیال آ جانا معاف ہے اور جب کوئی آدمی کسی گناہ کا پختہ عزم کر کے اس پر نادم ہو جائے اور اس سے رجوع کر لے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر لے تو اس کو بخش دیا جائے گا' پھر جب کسی گناہ کا پختہ ارادہ کر لے اور اس پر قائم رہے مگر کسی ایسی رکاوٹ کی وجہ سے رک جائے جو اس کے اختیار میں نہ ہو تو اس کے ایسے فعل کے ارتکاب پر اس کو سزا نہیں دی جائے گی یعنی زنا کے پختہ عزم کرنے پر زنا کے ارتکاب کرنے کی سزا نہیں ملے گی اور باقی رہی یہ بات کہ آیا زنا کے پختہ عزم کرنے کے ارتکاب پر سزا ملے گی؟ (یا نہیں ملے گی) ایک قول یہ ہے کہ نہیں ملے گی کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرما دیں جو دلوں میں پیدا ہوتی ہیں جب تک میرا امتی اس پر عمل نہیں کرتا یا جب تک اس کے ساتھ کلام نہیں کرتا[1] اور جمہور علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث شریف دل میں آنے والے خیالات و وسوسوں کے بارے میں پختہ عزم کے بارے میں نہیں ہے اور مؤاخذہ صرف پختہ عزم کے بارے میں ثابت ہے اور شیخ ابومنصور اور شمس الائمہ حلوانی رحمہما اللہ کی رائے بھی یہی ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (النور:۱۹) بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب ہے" اور حضرت ام المؤمنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب کوئی کسی گناہ کا پختہ عزم و ارادہ کر لیتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کر سکتا ہے تو اس کو دنیا میں رنج و غم میں مبتلا کر کے سزا دی جاتی ہے اور اکثر تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم گھبرا گئے اور انہوں نے کہا کہ کیا ہر اس خطا پر ہمارا مؤاخذہ ہوگا جس کا ہمارے دلوں میں خیال آ جائے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا (درج ذیل) ارشاد "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے لے کر اپنے فرمان "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" تک نازل فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مؤاخذہ کرنے کو گناہ کے ارتکاب کرنے پر معلق فرما دیا' صرف ارادہ کرنے یا خیال آنے پر نہیں اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اگلی آیت کریمہ یعنی "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" الخ سے منسوخ ہو گئی ہے حالانکہ محققین اس بات پر متفق ہیں کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری عاصم نے ان کو مرفوع پڑھا ہے یعنی وہ "يَغْفِرُ" اور "يُعَذِّبُ" ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے قاریوں نے ان دونوں کو جوابِ شرط پر عطف کر کے مجزوم پڑھا ہے اور ابو عمرو بصری نے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور "الاشارۃ والبشارۃ" میں اسی طرح مذکور ہے اور صاحب کشاف نے کہا کہ "را" کو لام میں مدغم کرنا صریح غلطی ہے کیونکہ "را" حرف مکرر ہے جس کی وجہ سے یہ مضاعف کے قائم مقام ہے اور مضاعف کا ادغام

[1] بخاری کتاب الایمان باب ۱۵' مسلم کتاب الایمان' ابو داؤد کتاب الطلاق' ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۱۴' مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۵۵-۳۹۳-۴۷۴

جائز نہیں ہے اور ابو عمرو سے اس کو روایت کرنے والے نے ذہل غلطی کی ہے ایک تو بات غلط کہی دوسرا عربی میں سب سے زیادہ ماہر عالم کی طرف نسبت کر دی اس شخص نے اپنی عظیم جہالت کی وجہ سے کس قدر تکلیف دہ بات کہہ دی ہے ]﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر یعنی بخشنے پر اور عذاب دینے پر اور ان کے علاوہ ہر چیز پر ﴿قَدِیْرٌ﴾ قادر ہے۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾﴾

رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور مسلمان (ایمان لائے) سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور مان لیا' اے ہمارے پروردگار! ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

۲۸۵- ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لائے یہ رسول اس (کلام) پر جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور تمام مومنین ایمان لائے اگر ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' کا عطف ''اَلرَّسُوْلُ'' پر ہو تو وہ جس کا قائم مقام ﴿كُلٌّ﴾ [کی تنوین ہے وہ ''اَلرَّسُوْلُ'' اور ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' دونوں کی طرف لوٹے گی یعنی اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے] ﴿اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے [اور اس پر وقف کیا گیا ہے اور اگر ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' الخ مبتدا ہے تو اس بنا پر ''كُلٌّ'' مبتدا ثانی ہوگا اور تقدیر ہوگی: ''كُلٌّ مِّنْهُمْ'' یعنی ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اور ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ'' الخ مبتدا ثانی کی خبر ہے اور یہ جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور اس کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹے گی اور ''اٰمَنَ'' میں ''كُلٌّ'' کی طرف راجع ضمیر واحد اس معنی کی بنا پر لائی گئی ہے یعنی ''كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ اٰمَنَ'' ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''كُتُبِهٖ'' کی بجائے ''كِتَابِهٖ'' پڑھا ہے یعنی اس سے قرآن یا جنسِ کتاب مراد ہے] ﴿لَا نُفَرِّقُ﴾ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتے بلکہ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں ﴿بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان [اور ''اَحَدٍ'' جمع کے معنی میں ہے اس لیے اس پر ''بَیْنَ'' داخل کیا گیا ہے اور یہ اسی اسم پر داخل ہوتا ہے جو ایک سے زیادہ پر دلالت کرتا ہو اور تم ''اَلْمَالُ بَیْنَ الْقَوْمِ'' کہہ سکتے ہو لیکن ''اَلْمَالُ بَیْنَ زَیْدٍ'' نہیں کہہ سکتے] ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا ہے یعنی ہم نے آپ کا فرمان قبول کر لیا ہے ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی فرماں برداری اختیار کر لی ہے ﴿غُفْرَانَكَ﴾ [دراصل ''اِغْفِرْ لَنَا غُفْرَانَكَ'' ہے اور یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ہمیں بخش دے' ہم تیری بخشش کے طالب ہیں ﴿رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور تیری طرف لوٹنا ہے اور اس میں قیامت کے اٹھنے اور جزا ملنے پر اقرار ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے اور یہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اپنے ایمان پر قائم رہتا ہے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کرتا' جو اس نے نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور جو اس نے بُرائی کمائی وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا ہم نے خطا کی ہو تو ہماری گرفت نہ فرما' اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا ہے' اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے اور ہمیں معاف فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مالک ہے' سو کافروں کی قوم پر تو ہماری مدد فرما O

## تکلیف بقدر وسعت اور دعائے مؤمنین کا بیان

۲۸٦- ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ یہ مؤمنوں کے کلام کی حکایت ہے یا نیا جملہ ہے' خود اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو مکلّف نہیں کرتا ﴿اِلَّا وُسْعَهَا﴾ مگر اس کی طاقت وقدرت کے مطابق کیونکہ تکلیف اسی فعل پر لازم ہوتی ہے جس پر مکلّف کو قدرت واختیار حاصل ہو' "شرح التاویلات" میں اسی طرح ہے اور صاحبِ "کشاف" نے کہا کہ وسعت یہ ہے کہ انسان اس کو کر سکے اور وہ کام انسان پر مشکل نہ ہو اور نہ اس کے کرنے میں تنگی ہو یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو مکلّف نہیں کرتا مگر اس فعل کا جو اس کی طاقت میں ہو اور اس کا کرنا انسان پر آسان ہو' یہ نہیں کہ انسان کی انتہائی قوت اور جد و جہد سے بڑھ کر ہو' چنانچہ یہ بات انسان کی طاقت میں ہے کہ وہ پانچ نمازوں سے زیادہ ادا کر سکے اور ایک ماہ سے زیادہ روزے رکھ سکے اور ایک دفعہ سے زیادہ حج کر سکے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ یعنی جو نیک عمل انسان نے کیا ہے اس کا فائدہ اس کو پہنچے گا اور جو اس نے بُرا عمل کیا ہے اس پر اس کو سزا ملے گی اور خیر کو کسب کے ساتھ اور شر کو اکتساب کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ باب افتعال خواہش اور تیزی کے ساتھ کام کرنے کے لیے آتا ہے اور نفس برائی کے ارتکاب میں خواہش کے ساتھ تیزی دکھاتا ہے جب کہ نیکی کرنے کے لیے تکلف سے کام لیتا ہے ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ﴾ اے ہمارے رب! اگر ہم تیرے احکام میں سے کسی حکم کو بھول کر چھوڑ دیں تو ہماری گرفت نہ فرمانا ﴿اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ یا ہم غلطی سے کوئی برائی کر لیں' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بھول چوک اور غلطی سے گناہ کرنے پر مؤاخذہ اور گرفت کرنا جائز ہے جب کہ معتزلہ اس کے خلاف ہیں حالانکہ ان دونوں سے بچنا ممکن ہے اور اگر ان دونوں پر مؤاخذہ کرنا جائز ہی نہ ہوتا تو ان سے بچنے کا رب تعالیٰ سے سوال کرنا بے کار ہوتا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا﴾ اے ہمارے رب! ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال یعنی ایسی مشقت نہ ڈال جو اٹھانے والے کو اپنے ثقل اور بھاری بوجھ ہونے کی وجہ سے اپنی منزل تک پہنچنے سے روک دے اور یہ تکلیف شاقہ کے لیے استعارہ ہے جیسے توبہ کے لیے اپنے آپ کو قتل کرانا اور جسم اور کپڑے وغیرہ پر نجاست

لگ جانے کی صورت میں اس حصے کو کاٹ دینا ﴿كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بھاری بوجھ ڈالا تھا یعنی یہودیوں پر ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں جو ہم سے پہلے لوگوں پر عقوباتِ موذیہ اور تکالیفِ شاقہ کا بوجھ ڈالا گیا تھا ﴿وَاعْفُ عَنَّا﴾ اور ہمیں معاف فرما یعنی ہماری برائیاں مٹا دے ﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما اور یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلا کبیرہ گناہوں کے لیے اور دوسرا صغیرہ گناہوں کے لیے ہے ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور ہم پر رحم فرما کہ ہمارے مفلس و کنگال ہونے کے باوجود ہمارے میزان کو بھاری کر دینا یا پہلی دعا شکلیں بگاڑنے اور دوسری دعا زمین میں دھنسانے اور تیسری دعا غرق ہونے سے بچانے کے لیے ہے ﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾ تو ہمارا سردار ہے اور ہم تیرے محتاج بندے ہیں یا تو ہمارا مددگار ہے یا تو ہی ہمارے تمام امور و معاملات کا متولی اور منتظم ہے ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ سو تو کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما کیونکہ مولا کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے لے کر آخر تک پڑھ لیں تو یہ اس کو پوری رات کفایت کریں گی اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جس نے ان دو آیتوں کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیا تو اس کو رات بھر کی شب بیداری سے کفایت کریں گی اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ میں نے سورۃ البقرہ پڑھی ہے یا میں نے بقرہ پڑھ لی ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''خَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ. یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئیں ہیں'' اور بعض علماء نے کہا کہ ایسا کہنا مکروہ ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ میں نے وہ سورت پڑھی ہے جس میں بقرہ (گائے) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ آل عمران مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی دو سو آیات' بیس رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؕ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶﴾

الم○ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ خود ہمیشہ سے زندہ ہے' اوروں کو قائم رکھنے والا ہے○ اسی نے آپ پر حق پر مبنی کتاب کو نازل کیا ہے' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا○ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اسی نے فرقان کو نازل کیا ہے' بے شک جنہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے' اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے○ بے شک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے' زمین میں نہ آسمان میں○

وہی ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب حکمت والا ہے○

## نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ میں اثباتِ توحید اور ابن اللہ کی تردید کا بیان

۱- ﴿الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ﴾ [التقائے ساکنین (دو ساکنوں کے جمع ہو جانے) کی وجہ سے میم کو حرکت دی گئی ہے یعنی میم کے سکون اور اللہ کے لام کے سکون کی وجہ سے میم کو حرکت دی گئی ہے اور فتحہ (زبر) کی حرکت اس لیے دی گئی ہے کہ فتحہ خفیف ہے اور ''یـا'' کو کسرہ نہیں دیا گیا اور اس سے پہلے میم کو کسرہ دے دیا گیا ہے تاکہ مسلسل کسرات سے بچا جا سکے اور (دوسری) میم کا فتحہ اس کے سکون اور اس سے پہلے ''یـا'' کے سکون کی وجہ سے نہیں آیا کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو ''حٰمٓ'' میں فتحہ لازمی ہوتا اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میم کی فتحہ لفظ اللہ کے ہمزہ کی فتحہ ہے جو میم کو منتقل کر دی گئی ہے کیونکہ یہ ہمزہ وصل کا ہمزہ ہے جو کلام کے درمیان آ جانے کی صورت میں حرکت سمیت گر جاتا ہے اور اگر اس کی حرکت کو نقل کرنا جائز ہوتا تو خود ہمزہ ثابت رکھنا بھی جائز ہوتا حالانکہ اس کو درمیانِ کلام میں ثابت رکھنا جائز نہیں اور یزید اور اعشی نے میم کو ساکن قرار دیا ہے اور انہوں نے الف کو قطعی قرار دیا ہے اور باقیوں نے الف کو وصلی قرار دے کر میم کو فتحہ دیا ہے اور لفظ اللہ مبتدا ہے۔

۲- ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کی خبر ہے یعنی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [اور ''لَا'' کی خبر مقدر ہے اصل میں ''لَا اِلٰهَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا هُوَ'' ہے اور ''هُوَ'' محلاً مرفوع ہے اور ''لَا'' کے محل سے بدل ہے اور اس کا اسم ﴿الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هُوَ الْحَیُّ'' یا پھر ''هُوَ'' سے بدل ہے اور ''اَلْقَیُّوْمُ'' ''فَیْعُوْلٌ'' کے وزن پر ہے اور فعل ماضی ''قَامَ'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: انصاف پر قائم رہنے والا اور ہر شخص نے جو کچھ کرنا ہے اس کی نگرانی کرنے والا]۔

۳- ﴿نَزَّلَ﴾ یعنی اسی اللہ نے نازل فرمائی ہے ﴿عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید ﴿بِالْحَقِّ﴾ یہ حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حق پر مبنی کتاب کو نازل فرمایا ہے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے ﴿وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ اور اس نے تورات و انجیل کو نازل فرمایا اور یہ دونوں عجمی نام ہیں اور ''وَرْی'' اور ''نَجْلٌ'' سے ان کے اشتقاق کا تکلف کیا گیا ہے اور ان کا وزن ''تَـفْـعَلَةٌ'' اور ''اِفْـعِیْلٌ'' ہے اور بعد ازاں ان کا عربی ہونا بھی صحیح ہے اور باقی رہی یہ بات کہ ''نَزَّلَ الْكِتَابَ'' اور ''اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ'' (کیوں) کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے (تقریباً تیئس سال میں) نازل کیا گیا ہے (اور یہی ''نَـزَّلَ'' کا معنی ہے) اور تورات و انجیل یہ دونوں کتابیں ایک ہی دفعہ نازل کی گئی تھیں۔

٤- ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ قرآن مجید سے پہلے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لیے یا پھر تمام لوگوں کے لیے ہدایت تھیں ﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ اور اس نے فرقان یعنی جنس کتاب نازل فرمائی ہے کیونکہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے یا فرقان سے زبور مراد ہے یا پھر قرآن مجید کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ قرآن کی صفت ہے اس کی عظمت اور شان کو ظاہر کرنے کے لیے فرقان کہا گیا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتابوں میں سے ان کو ماننے سے انکار کر دیا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور سخت سزا دینے والا ہے ایسی سزا دینے پر کوئی انتقام لینے والا قادر نہیں ہے۔

۵-﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں یعنی سارے عالم میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے لیکن اس کو آسمان اور زمین سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر سے اور مومنوں کے ایمان سے آگاہ ہے اور وہ ان کو اس پر سزا و جزا دے گا۔

٦-﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ وہی (اللہ) ہے جو ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری مختلف صورتیں بنا دیتا ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اپنی سلطنت میں بہت غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ وہ اپنی تدبیر اور منصوبہ بندی میں بڑا دانا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بنو نجران کے ساٹھ سواروں کا ایک وفد مدینہ منورہ میں پہنچا جن کا امیر عاقب تھا اور ان کا وزیر سید تھا اور ان کا پادری اور علامہ ابو حارثہ تھا تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناظرہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں تو ان کا باپ کون ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں! ایسا ہی ہوتا ہے' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوگی اور بلاشبہ ہمارا رب تعالیٰ تمام بندوں پر نگران ہے' وہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کو رزق عطا فرماتا ہے اور حضرت عیسیٰ اس پر قادر نہیں ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے مگر جس قدر اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم دی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے رحمِ مادر میں جس طرح چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت بنا دی' سو ان کی والدہ ان سے حاملہ ہوگئیں اور ان کو جنم دیا اور ان کو دودھ پلایا اور وہ کھاتے پیتے تھے اور بات چیت کرتے تھے اور جب کہ ہمارا رب تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور پاک ہے تو وہ لوگ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے تو سورت آل عمران کے شروع سے لے کر تقریباً اسی آیات سے کچھ زائد تک ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ م وَ
الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ ۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ ۸

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وقف لازم
وقف منزل

وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات کا معنیٰ واضح ہے وہی کتاب کی اصل ہیں' دوسری وہ آیات ہیں جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہے' پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی اور (حسبِ خواہش) اس کا معنیٰ حاصل کرنے کے لیے اشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' اور اس کا اصل معنیٰ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور علم کے ماہر

علماء کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے' سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر عقل والے O اے ہمارے رب! تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا ہمیں ہدایت دینے کے بعد اور تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' بے شک تو عطا فرمانے والا ہے O

## آیاتِ محکمات اور متشابہات کی تشریح

۷۔﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید نازل فرمائی ﴿مِنْهُ﴾ اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کی بعض ﴿اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ آیات محکم ہیں جو عبارت کے لحاظ سے مضبوط و مستحکم ہیں اور احتمال و اشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ وہ کتاب کی اصل ہیں [ اور متشابہات کی تاویل کر کے ان پر محمول کیا جا سکتا ہے اور ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے ] ﴿وَاُخَرُ﴾ اور دوسری آیات ﴿مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ اشتباہ والی ہیں جن کے معانی میں چند احتمالات ہوتے ہیں' اس کی مثال یہ ہے: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طٰهٰ:۵) سو "استوٰی" جلوس (بیٹھنے) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور قدرت و غلبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن پہلا معنی اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں بیٹھنے سے پاک ہے) اور اس کی مضبوط ترین دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ. (الشوریٰ:۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں" یا پھر محکم آیات وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر کتاب میں حکم نازل فرمایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ. (الانعام:۱۵۱)" تم فرما دو کہ ادھر آؤ میں تمہیں پڑھ کر سنا دیتا ہوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے" "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (بنی اسرائیل: ۲۳)" اور تمہارے رب نے حکم دے دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' اور متشابہات وہ آیات ہیں جو اس کے علاوہ ہیں یا محکمات وہ ہیں جن میں صرف ایک معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ ہیں جن میں چند معانی کا احتمال ہو یا محکم وہ آیت ہے جس کا اصل معنی معلوم ہو اور متشابہ وہ آیت ہے جس کا اصل معنی معلوم نہ ہو یا ناسخ وہ جس پر عمل کیا جائے اور منسوخ وہ ہے جس پر عمل نہ کیا جا سکے اور باقی رہی یہ بات کہ پورا قرآن مجید محکم کیوں نہیں؟ تو اس لیے کہ متشابہات آیات کے ذریعے بندوں کا امتحان لینا مقصود ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے والوں اور اس میں متزلزل ہونے والوں کے درمیان امتیاز واضح کرنا مقصود ہے اور متشابہ آیات میں علمائے دین کا باہم مناظرے کرنا اور ان کے اصل معانی معلوم کرنے سے عاجز آ جانا اور ان کے معانی حاصل کرنے میں خالص کوششیں کرنا اور پھر ان کو محکم آیات کی طرف لوٹا دینے سے ان کو بہت سے فوائد اور علوم کثیرہ حاصل ہوتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے درجات و مراتب حاصل ہوتے ہیں ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ سو جن کے دلوں میں کجی ہے اور وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں اور یہ اہل بدعت ہیں ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ﴾ تو یہ لوگ متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں' پھر یہ بدعتی لوگ اپنے مطلب کے ایسے معانی حاصل کرتے ہیں جو نہ محکم آیات کے مطابق ہوتے اور نہ اہل حق کے اقوال کے مطابق ہوتے ﴿مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ اس سے ان کا مقصد فتنہ و فساد پھیلانا اور لوگوں کو دین حق سے پھیرنا اور ان کو گمراہ کرنا ہوتا ہے ﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ اور متشابہ آیات میں وہ اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے کی طلب میں رہتے ہیں ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور اس کا اصل معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی اس کی برحق تاویل جس پر متشابہ آیت کو محمول کرنا واجب و لازم ہوتا ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہدایت نہیں دے سکتا ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ اور جو علم میں ماہر ہیں یعنی علم میں ثابت قدم ہیں

اوراس میں مضبوط و مستحکم ہیں [جمہور کے نزدیک یہ نیا جملہ ہے اوران کے نزدیک ''اِلَّا اللّٰہُ'' پر وقف ہے اورانہوں نے متشابہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم اپنے لیے مخفی رکھا ہے اوران کے نزدیک یہ مبتدا ہے ]اور ﴿ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ﴾ اس کی خبر ہے یعنی علم میں ماہر علماء کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متشابہات کو ایمان کے ساتھ تسلیم کرنے اور بغیر کیفیت کے حق بات پر اعتقاد رکھنے پر ماہر علمائے دین کی تعریف ہے اور متشابہ آیات کے نازل کرنے کا فائدہ ان پر ایمان لانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے جو مراد لی ہے اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھنا ہے اوران اشیاء کی واقفیت سے افہام بشری اور عقول انسانی کے عجز وقصور کی پہچان کرانا مقصود ہے جن کی طرف رسائی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے راہ نہیں رکھی [اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے اور وہ ہے: ''وَیَقُوْلُ الرّٰسِخُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ. اور ماہر علمائے دین کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اِنْ تَاْوِیْلُهٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ. یعنی اس کا اصل معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اوران میں سے بعض علمائے دین اس پر وقف نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ علوم دینیہ کے ماہر علمائے دین (اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے) متشابہات کو جانتے ہیں اور ''یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ'' نیا کلام ہے اور راسخین کے حال کی وضاحت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ متشابہات کا معنی جاننے والے کہتے ہیں: ہمارا اس پر پختہ ایمان ہے یعنی متشابہات پر یا اس کتاب (یعنی قرآن مجید) پر ایمان رکھتے ہیں ﴿ كُلٌّ ﴾ اس کے متشابہات اور اس کے محکمات میں سے ہر ایک آیت قرآنی ﴿ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ صاحب حکمت کی طرف سے ہے' جس کے کلام میں تناقض و تضاد نہیں ہے ﴿ وَمَا یَذَّكَّرُ ﴾ اور نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس کی اصل ''یَتَذَكَّرُ'' ہے ﴿ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ مگر عقل والے اور یہ ذکاوتِ ذہن اور حسنِ نظر پر ماہرین علم دین کی تعریف و توصیف ہے اور بعض علماء نے کہا کہ ''یَقُوْلُوْنَ'' ''رَاسِخِیْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے۔

۸- ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا ﴾ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا یعنی ہمارے دلوں میں کجی پیدا کر کے ان کو حق کے راستے سے ہٹا نہ دینا ﴿ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا ﴾ اس کے بعد کہ تو نے محکم پر عمل کرنے اور متشابہ کو تسلیم کرنے کی ہدایت سے نوازا ﴿ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ اور تو ہمیں اپنے پاس سے نیکی کی توفیق اور حق پر ثابت قدم رہنے کی نعمت عطا فرما ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے اور یہ آیت کریمہ راسخین کا مقولہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نیا کلام ہو یعنی تم یہ کہو اور اسی طرح اس کی بعد والی آیت ہے اور وہ یہ ہے:

ع ۹
رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ⑨ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑪

اے ہمارے رب! بے شک تو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں' بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو اللہ سے ان کے مال بچا سکیں گے اور نہ ان

کی اولاد کچھ کام آئے گی' اور وہی لوگ جہنم کا ایندھن ہیں○ جیسے فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ تھا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○

۹۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ ﴾ یعنی اے ہمارے رب! بے شک تو ہی حساب کے دن یا جزا کے دن سب لوگوں کو جمع فرمائے گا ﴿ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا یعنی الوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے جیسے تمہارا یہ مقولہ ہے کہ سخی کے پاس آنے والا سائل رسوا نہیں کیا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ثواب دینے کا اور کافروں کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے خلاف نہیں کرے گا۔

## کفار کے اموال اور اولاد کے غیر مفید ہونے کا بیان

۱۰۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ بے شک جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے ﴿ لَنْ تُغْنِيَ ﴾ ہر گز نفع نہ دے گا یا ہر گز دور نہ کرے گا ﴿ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کا مال اور نہ ان کی اولاد ﴿ شَيْئًا ﴾ چیزوں میں سے کوئی چیز (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کافروں کو نہیں بچا سکے گی) ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴾ اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں یعنی آگ کو جس سے جلایا اور بھڑکایا جاتا ہے۔

۱۱۔﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں کا حال اور طریقہ ہے اور ''اَلدَّاْبُ'' ''دَاَبَ فِي الْعَمَلِ'' کا مصدر ہے جب کوئی شخص تکلیف اٹھا کر کام کرے' اب اس کا غالب استعمال انسان کی حالت اور اس کی عادت کے لیے کر دیا گیا ہے اور کاف محلاً مرفوع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حق کو جھٹلانے والے کفار مکہ کی حالت فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کی حالت جیسی ہوگئی ہے یا پھر کاف ''لَنْ تُغْنِيَ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی کفار مکہ کو ان کا مال اور اولاد نفع نہ دے گا جس طرح ان سے پہلے کافروں کو ان کے مال و اولاد نے فائدہ نہیں دیا [اور قاری ابوعمرو بصری نے ''كَـدَابِ'' بغیر ہمزہ جیسے ہے ویسے پڑھا ہے] ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' یہ ان کے حال کی تفسیر ہے جو انہوں نے کیا تھا یا یہ ان کے فعل کی تفسیر ہے اس بنا پر کہ یہ ان کی حالت کے بارے میں پوچھے گئے سوال مقدر کا جواب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی تحقیق انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے۔﴿ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

آپ کافروں سے فرما دیں کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے○ بے شک دو گروہوں میں تمہارے لیے نشانی تھی جو آپس میں لڑ پڑے' ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا

جو آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھتا تھا' اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے O

## غزوۂ بدر کا حال' فانی زینت کا ذکر' بندگانِ خدا کا تذکرہ

۱۲-﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ آپ کافروں سے فرمادیں' یہاں کافروں سے مکہ مکرمہ کے مشرکین مراد ہیں ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾ تم عنقریب غزوۂ بدر کے دن مغلوب ہو جاؤ گے ﴿وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ﴾ اور تم جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے "جَهَنَّم"، "جِهْنَام" سے بنا ہے جس کا معنی ہے: گہرا کنواں [اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے دونوں کو "یا" کے ساتھ (سَیُغْلَبُوْنَ وَیُحْشَرُوْن) پڑھا ہے] ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے یعنی ان کی قرارگاہ دوزخ ہے۔

۱۳-﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ بے شک تمہارے لیے نشانی ہے' یہ مشرکینِ قریش کو خطاب ہے ﴿فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا﴾ دو گروہوں میں جو بدر کے دن آپس میں لڑ پڑے ﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا تھا اور وہ مومنوں کی جماعت تھی ﴿وَاُخْرٰى﴾ اور دوسرا گروہ ﴿كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ﴾ کفار مسلمانوں کو مشرکین کی تعداد سے دوگنا یعنی دو ہزار دیکھ رہے تھے یا مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا یعنی چھ سو چھبیس دیکھ رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لڑائی کے وقت مسلمانوں کی تعداد ان سے دوگنا اس لیے دکھائی تھی تاکہ کفار مسلمانوں سے ڈر جائیں اور جنگ سے بھاگ جائیں [قاری نافع مدنی نے "تَرَوْنَهُمْ" پڑھا ہے] یعنی اے مشرکینِ قریش! تم مسلمانوں کو اپنی کافر جماعت سے دوگنا دیکھ رہے ہو یا تم انہیں ان کی تعداد سے ڈبل دیکھ رہے ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف نہیں ہے جو سورۂ انفال میں ارشاد ہے یعنی: "وَیُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ. (الانفال:۴۴) اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر دے گا"۔ چنانچہ ابتدائے جنگ میں مسلمان ان کی نگاہوں میں تھوڑے نظر آئے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جراءت کر بیٹھے' پھر جب میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد ان کی نگاہوں میں دوگنی نظر آئی یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو گئے' لہٰذا یہ قلت و کثرت دو مختلف حالتوں میں دکھائی گئی اور مختلف احوال پر محمول کرنے کی مثال یہ ہے: "فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ. (الرحمٰن:۳۹) سو اس دن گناہ کے بارے میں نہ انسانوں سے پوچھا جائے گا اور نہ جنوں سے" "وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ. (الصافات:۲۴) اور ان کو ٹھہراؤ بے شک ان سے پوچھا جائے گا" اور کبھی مسلمانوں کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھانا اور کبھی زیادہ کر کے دکھانا قدرت میں اور نشانی کے اظہار میں زیادہ بلیغ ہے اور "مِثْلَیْهِمْ" حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا تعلق آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿رَاْیَ الْعَیْنِ﴾ یعنی ایسا کھلم کھلا ظاہر دیکھنا جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو ﴿وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے جیسا کہ اس نے اہل بدر کو دشمن کی نگاہوں میں زیادہ کر دکھایا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک تھوڑی سی تعداد کو زیادہ کر کے دکھانے میں ﴿لَعِبْرَةً﴾ البتہ نصیحت ہے ﴿لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ عقل مندوں اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ
مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

لوگوں کے لیے آراستہ کردی گئی ہے خواہشات کی محبت' عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بے شمار خزانوں کے ڈھیر اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی باڑی' یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہےO آپ فرمادیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں' پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے' اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہےO

١٤- ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ہے اور جمہور کے نزدیک امتحان کی خاطر اللہ تعالیٰ ہی آراستہ کرنے والا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ''اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ. (الکہف:۷) بے شک جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے اہل زمین کے لیے سنگار بنادیا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں'' اور حضرت مجاہد کی قراءت بھی اس کی دلیل ہے جس میں انہوں نے ''زَيَّنَ لِلنَّاسِ'' مبنی للفاعل (یعنی فعل ماضی معروف) پڑھا ہے اور حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آراستہ کرنے والا شیطان ہے ﴿حُبُّ الشَّهَوٰتِ﴾ خواہشات کی محبت' شہوت کا معنی ہے: نفس کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا اور اس کو بہت چاہنا اور وہ اعیان واشیاء جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کو بہ طور مبالغہ شہوات قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان تمام چیزوں کو چاہا جاتا ہے یا گویا اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا شہوات نام رکھ کر ان کی خساست ورذالت کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ حکماء کے نزدیک شہوت کو رذیل خواہش سمجھا جاتا ہے' جو اس کی پیروی کرتا ہے اس کو مذموم قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر حیوانیت کی گواہی دیتا ہے ﴿مِنَ النِّسَآءِ﴾ عورتیں' اور لونڈیاں بھی اس میں داخل ہیں ﴿وَالْبَنِيْنَ﴾ ''اِبْنٌ'' کی جمع ہے اور اس جگہ کے علاوہ کبھی یہ بیٹوں اور بیٹیوں دونوں پر واقع ہوتا ہے مگر یہاں صرف بیٹے مراد ہیں کیونکہ لوگ طبعی طور پر انہی کو چاہتے ہیں اور اپنے دفاع کے لیے ان ہی کو تیار کیا جاتا ہے ﴿وَالْقَنَاطِيْرِ﴾ ''قِنْطَارٌ'' کی جمع ہے اور وہ کثیر مال کے معنی میں آتا ہے۔ بعض نے کہا: بیل کے برابر دولت سے بھری مشک ''قنطار'' ہے یا ایک لاکھ دینار ''قنطار'' کہلاتا ہے اور جب اسلام کا آغاز ہوا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں سو آدمیوں نے مال کثیر جمع کر رکھا تھا ﴿الْمُقَنْطَرَةِ﴾ ڈھیر اور تہ بہ تہ جمع کیا گیا مال یا دفن کیا ہوا خزانہ ﴿مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ سونے کو عربی میں ''ذَهَبٌ'' اس لیے نام دیا گیا ہے کہ یہ جلد خرچ ہونے والی چیز ہے اور چاندی کو ''فِضَّةٌ'' اس لیے کہتے ہیں کہ خرچ ہونے میں متفرق اور منتشر ہو جاتی ہے کیونکہ ''فَضٌّ'' کا معنی ''تفریق'' یعنی جدا جدا ہونا ہے ﴿وَالْخَيْلِ﴾ اور گھوڑے' ان کا نام ''خیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ چلتے وقت گردن اکڑا کر غرور کے ساتھ چلتے ہیں ﴿الْمُسَوَّمَةِ﴾ نشان زدہ' یہ ''سَوْمَةٌ'' سے بنا ہے' جس کا معنی علامت ہے یا اس کا معنی ہے: چرنے والا' یہ ''اَسَامَ الدَّآبَّةَ وَسَوَّمَهَا'' سے بنا ہے یعنی مالک نے جانور کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور اس پر نشان لگا دیا (یا داغ دار کر دیا) ﴿وَالْاَنْعَامِ﴾ آٹھ نر مادہ جوڑے (ایک جوڑا بھیڑ کا' ایک جوڑا بکری' ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے

کا) ﴿ وَالْحَرْثِ ﴾ اور کھیتی ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مذکورہ بالا اشیاء ﴿ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ دنیا کی زندگی کا سامان ہے جس سے دنیا میں فائدہ حاصل کیا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانے کے لیے بہترین ٹھکانا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دنیا سے بے رغبت کیا (اور آخرت کی طرف رغبت دلائی) چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۵- ﴿ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ﴾ آپ فرمادیں کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں؟ یعنی اس (سامان دنیا) سے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ﴿ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ ﴾ پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس بہشتیں ہیں' یہ نیا کلام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس (سامان دنیا) سے بہتر چیز کا بیان ہے [لہٰذا ''جَنّٰتٌ'' مبتدا اور ''لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا'' اس کی خبر ہے ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ اس کے نیچے ندیاں بہتی ہیں' یہ ''جَنّٰتٌ'' کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا'' کا لام ''بِخَیْرٍ'' کے ساتھ متعلق ہو اور متقین کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ ان سے یہی لوگ نفع حاصل کریں گے اور ''جَنّٰتٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے' دراصل ''هُوَ جَنّٰتٌ'' ہے اور اس کی وہ قراءت مدد کرتی ہے جس میں ''جَنّٰتٍ'' کو مجرور پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ ''بِخَیْرٍ'' کا بدل ہے ﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی ﴿ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے' ان کو اس پر جزا دے گا یا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان کے احوال کو بھی دیکھ رہا ہے اس لیے اس نے ان لوگوں کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ؕ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

النصف

جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے' پس تو ہمارے گناہ معاف فرما اور تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ○ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور اطاعت کرنے والے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہر بخشش مانگنے والے ○ اللہ نے گواہی دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور (اسی بات کی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (گواہی دی) درآں حالیکہ وہ انصاف کو قائم رکھنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے' اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر (اسلام کی حقانیت کا) علم آجانے کے بعد محض باہمی حسد کی وجہ سے اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ جلد

حساب لینے والا ہے O

۱۶- ﴿ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ ﴾ مدح کے طور پر منصوب ہے یا مرفوع ہے یا مجرور ہے اس لیے کہ یہ متقین کی صفت ہے یا ''بِالْعِبَادِ'' کی صفت ہے' ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ اے ہمارے رب! بے شک ہم آپ کی دعوت قبول کر کے ایمان لے آئے ہیں ﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ سو آپ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دیں ﴿ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ اور تو اپنے فضل و کرم سے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

۱۷- ﴿ اَلصّٰبِرِیْنَ ﴾ جو اطاعات و عبادات اور مصائب و آلام پر صبر کرتے ہیں اور یہ مدح کے طور پر منصوب ہے ﴿ وَالصّٰدِقِیْنَ ﴾ اور جو حق کی خبریں سنانے میں اور احکامِ عمل کے بجالانے اور پختہ ارادے کے کر گزرنے کی نیت میں سچ بولنے والے ہیں ﴿ وَالْقٰنِتِیْنَ ﴾ اور جو دعوت حق دینے والے یا اطاعت کرنے والے ہیں ﴿ وَالْمُنْفِقِیْنَ ﴾ اور جو صدقہ خیرات کرنے والے ہیں ﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ اور جو رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نماز پڑھنے والے یا مغفرت و بخشش طلب کرنے والے ہیں اور سحری کا ٹائم اس لیے خاص کیا گیا کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خلوت و تنہائی کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! مرغ تم سے زیادہ عقل مند نہ ہو جائے کہ وہ سحری کے وقت اذان دے اور تم سوتے رہو اور ان صفات کے درمیان واوٴ عاطفہ اس لیے ذکر کی گئی ہے تاکہ یہ بات عیاں ہو جائے کہ ہر ایک صفت بہ درجہ کمال ان میں موجود تھی' نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر ایک صفت ان کی تعریف میں مستقل ہے۔

## توحید کی شہادت' دین کی حقانیت اور اہل کتاب کی بغاوت

۱۸- ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا' ارشاد فرمایا: ﴿ اَنَّهٗ ﴾ ''اَیْ بِاَنَّهٗ'' یعنی بے شک وہی ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ اور فرشتوں نے اس لیے (گواہی دی) کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کا مشاہدہ کیا ﴿ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ یعنی انبیائے کرام اور علمائے اسلام ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ اللہ تعالیٰ رزق اور موت کی تقسیم میں اور جزا و سزا دینے میں انصاف کو قائم رکھتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کریں اور آپس میں برابری کا معاملہ کریں [اور یہ منصوب اس وجہ سے ہے کہ اسمِ اللہ تعالیٰ سے مؤکد حال واقع ہو رہا ہے یا ''هُوَ'' ضمیر کا حال ہے اور بے شک حال (یعنی ''قَآئِمًا'') کو مفرد منصوب لانا اور دونوں معطوف علیہ (یعنی ''اَلْمَلَآئِكَةُ'' اور ''اُولُوا الْعِلْمِ'') کو چھوڑ دینا جائز ہے کیونکہ التباس و اشتباہ کا خطرہ نہیں لیکن اگر تم یہ کہو کہ ''جَآءَ زَیْدٌ وَّعَمْرٌو رَاكِبًا'' تو یہ جائز نہیں (کیونکہ معلوم نہیں کہ ''رَاكِبًا''، ''زَیْدٌ'' کا حال ہے یا ''عَمْرٌو'' کا حال ہے) ہاں! اگر تم یوں کہو کہ ''جَآءَ نِیْ زَیْدٌ وَّھِنْدٌ رَاكِبًا'' تو یہ جائز ہے کیونکہ ''رَاكِبًا'' مذکر کا صیغہ آنے سے ذوالحال ممتاز ہو گیا (کہ وہ زید ہے نہ کہ ھند کہ یہ عورت کا نام ہے)] اور اللہ تعالیٰ نے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ کو صرف تاکید کی خاطر دوبارہ ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ یہ اس بنا پر مرفوع ہے کہ یہ نیا کلام ہے (اور مبتدا محذوف کی خبر ہے) یعنی ''هُوَ الْعَزِیْزُ'' اور یہ ''هُوَ'' کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں ہو سکتی یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اس کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا اور ایسا حکیم و دانا ہے کہ وہ کبھی حق سے روگردانی نہیں کرتا۔

۱۹- ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے' یہ ایک مستقل الگ

جملہ ہے اور اس کو نون کے فتح کے ساتھ ''اَنَّ الدِّیْنَ'' بھی پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ'' سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سونے کے وقت یہ آیت مبارکہ (''شَھِدَ اللّٰہُ'' سے لے کر ''اَلْاِسْلَامُ'' تک) پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرشتوں کی ستر ہزار مخلوق پیدا فرمائے گا جو اس شخص کے لیے قیامت تک مغفرت و بخشش کی دعا کرتے رہیں گے اور جو شخص اس کے بعد کہے: میں گواہی دیتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اور اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھتا ہوں اور یہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس امانت ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ بے شک میرے بندے کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں عہد کو پورا کروں' اے میرے بندے! جنت میں داخل ہو جا ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ﴾ یعنی اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا جو توحید کا دین ہے' چنانچہ نصاریٰ نے تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ گھڑ لیا اور یہود نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ﴾ مگر یہ جاننے کے بعد کہ اسلام حق ہے جس کے مانے بغیر نجات ممکن نہیں ﴿بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ﴾ یعنی ان کا یہ اختلاف محض باہمی حسد' طلب ریاست' دنیا کے حصول اور ایسے لوگوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہوا جن کو اسلام کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا اور بعض نے کہا کہ حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بارے میں ان کو اختلاف تھا کہ ان میں سے کچھ آپ پر ایمان لے آئے اور کچھ نے آپ کی نبوت کے ساتھ کفر کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا اختلاف اس بات کا علم آ جانے کے بعد ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ﴿وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی اس کے براہین و دلائل کے ساتھ کفر کرتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ جلد اور سخت سزا دینے والا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع ۱۰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾

پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیں کہ میں نے صرف اللہ کے لیے اپنے چہرے کو جھکا دیا ہے اور میرے پیروکاروں نے' اور آپ اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے فرما دیں کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہدایت پا گئے' اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا ہے تو بے شک آپ پر فقط پیغام پہنچانا لازم ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے○ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے اور انصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں○

۲۰۔﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ پھر اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دینِ حق اسلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور جمہور کے نزدیک ان لوگوں سے بنونجران کا وفد مراد ہے ﴿فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ﴾ سو آپ فرما دیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا ہے یعنی میں نے اپنے آپ کو اور اپنے جملہ امور کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے لیے خالص کر دیا ہے اور میں نے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں بنایا کہ میں اس کے سوا کسی کی عبادت کروں یا اس کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کروں یعنی بے شک میرا دین توحید کا دین ہے اور یہ وہی مستحکم دین ہے جس کی صحت وحقانیت تمہارے پاس اسی طرح ثابت ہے جس طرح میرے نزدیک ثابت ہے اور میں کوئی نئی چیز نہیں لایا کہ تم میرے ساتھ اس کے بارے میں جھگڑا کرو اور اسی طرح یہ ارشاد ہے: "قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا." (آل عمران:۶۴) اے محبوب! تم فرما دو کہ اے اہلِ کتاب! تم ایک ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے' وہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم سب اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں"۔ پس جھگڑے کا یہی دفاع ہے کہ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھی مؤمنین جس راہ پر گامزن ہیں وہ یقین کی راہ ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے تو اس کے بارے میں جھگڑنے کا کیا فائدہ؟ ﴿وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ [اور اس کا عطف "اَسْلَمْتُ" کی "تَا" ضمیر پر ہے یعنی میں نے اور میری پیروی کرنے والوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور الفاظِ فاصل کے لیے یہی بہتر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ واؤ "مَعَ" کے معنی میں ہو تو یہ جملہ مفعول معہ ہو جائے گا (وصل اور فصل کی) دونوں حالتوں میں "وَمَنِ اتَّبَعَنِي" ہے البتہ سہل اور یعقوب نے وصل کی حالت میں ابوعمرو بصری کی موافقت کی ہے اور قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی' حفص' اعشی اور برجمی نے "وَجْهِيَ" پڑھا ہے] ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ان لوگوں سے فرما دیں جن کو کتاب دی گئی ہے یعنی یہود ونصاریٰ سے (فرما دیں) ﴿وَالْاُمِّيّٖنَ﴾ اور مشرکینِ عرب سے فرما دیں جن کے پاس کوئی کتاب نہیں ﴿ءَاَسْلَمْتُمْ﴾ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟ [کوفی نے دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے] یعنی بے شک تمہارے پاس ایسے واضح معجزات آ چکے ہیں جو اسلام کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے یا ابھی تک اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو؟ اور بعض نے کہا کہ الفاظ کے اعتبار سے یہ جملہ استفہامیہ ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ امر ہے یعنی تم اسلام قبول کرو یا تم اسلام لے آؤ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ○ (المائدہ:۹۱) یعنی تم باز آ جاؤ اور برائیوں سے رک جاؤ"۔ کیونکہ یہاں "مُنْتَهُوْنَ" فعل امر "اِنْتَهُوْا" کے معنی میں ہے ﴿فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہدایت پا گئے یعنی انہوں نے رشد و ہدایت کو پا لیا کہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ گئے ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا کافی ہے یعنی وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ آپ کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں کیونکہ آپ تو بروقت لوگوں کو آگاہ کرنے والے ہیں اور آپ پر صرف خدا کا پیغام پہنچانا لازم ہے اور ہدایت کے راستے سے لوگوں کو آگاہ کرنا لازم ہے (سو وہ آپ کر چکے) ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسلام اور ان کے کفر کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

۲۱۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں' ان لوگوں سے اہلِ کتاب مراد ہیں اور ان کے آباء واجداد نے جو اپنے زمانے کے

نبیوں کو قتل کیا تھا' اس پر یہ اہل کتاب راضی تھے اس لیے قتل کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے ﴿ بِغَیْرِ حَقٍّ ﴾ یہ مؤکد حال ہے کیونکہ نبی کا قتل ناحق ہی ہوتا ہے ﴿ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ ﴾ اور ان کو بھی قتل کر دیتے تھے جو انہیں (انصاف کا) حکم دیتے [اور قاری حمزہ نے "یُقَاتِلُوْنَ" پڑھا ہے] ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کرنے کا ﴿ مِنَ النَّاسِ ﴾ یعنی نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے دن کے اول وقت میں صرف ایک پہر میں تینتالیس نبیوں کو قتل کر ڈالا تو بنی اسرائیل میں ایک سو بارہ عبادت گزار علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قاتلوں کو نیکی کرنے کا حکم دیا اور برائی کرنے سے روکا تو ان ظالموں نے اسی دن پچھلے پہر ان مبلغین کو بھی قتل کر ڈالا ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ [ "اِنَّ" کی خبر پر "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ "اِنَّ" کا اسم جزا کے معنی کو متضمن ہے ] گویا یوں کہا گیا ہے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کفر کریں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں [اور یہ اس لیے ہے کہ "اِنَّ" ابتدا کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا' اس کا معنی تحقیق دینا ہے تو گویا اس کا داخل کرنا نہ کرنا یکساں ہے البتہ اگر اس کی جگہ "لَیْتَ" یا "لَعَلَّ" آ جاتے تو "فا" کا داخل کرنا ممنوع ہو جاتا]۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ٘ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ٘ وَّ غَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ۫ وَ وُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال برباد ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں O کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا وافر حصہ دیا گیا (جب) ان کو کتاب الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ پھر جانے والے ہیں O یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے کہا: ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن' اور ان کے دین میں انہیں اس جھوٹ نے دھوکہ دیا جو وہ خود گھڑتے تھے O سو ان کا کیسا بُرا حال ہو گا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں' اور ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۲- ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے ﴿ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ دنیا اور آخرت میں' سو دنیا میں تو ان کے لیے ذلت و رسوائی ہے اور ان پر لعنت ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴾ اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں اور اس کو آیات کی موافقت کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے ورنہ مفرد نکرہ جب نفی کے تحت آ جاتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

۲۳-﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا؟ اس سے یہود کے علماء مراد ہیں اور انہوں نے تورات سے علم کا وافر حصہ حاصل کیا [اور حرف ''مِـنْ'' تبعیض کا ہے یا بیان کے لیے ہے] ﴿ يُدْعَوْنَ ﴾ ان کو بلایا جاتا ہے [یہ ''اَلَّـذِيْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تورات یا قرآن مجید کی طرف ﴿ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ﴾ تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کر دے' کتاب کو اس لیے حاکم قرار دیا گیا ہے کہ یہ حکم کا سبب ہے یا یہ معنی ہے تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو آپ سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے پوچھا کہ آپ کس دین پر ہیں؟ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا: میں ملتِ ابراہیم پر ہوں' انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو یہودی تھے' آپ نے ان سے فرمایا: بے شک ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تورات پر ہوگا' لہٰذا تم جاؤ اور اس کو لے کر آؤ لیکن انہوں نے انکار کر دیا (تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی) ﴿ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے' ان کا یہ جاننے کے بعد کہ کتاب الٰہی کی طرف رجوع کرنا واجب ہے' ان کی روگردانی کرنے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے ﴿ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ یہ وہ بدنصیب قوم ہے جس کی اپنے دین سے روگردانی کرنا ہمیشہ عادت رہی ہے۔

۲۴-﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ یہ اس بنا پر ہوا کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن یعنی ان کا روگردانی کرنا اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ پر عذاب کو ہلکا سمجھ لیا ہے اور انہوں نے گنتی کے چند دنوں کے بعد دوزخ کی آگ سے نکلنے کی امید پر اعراض کر لیا ہے اور وہ چالیس دن ہیں یا سات دن ہیں [اور ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور ''بِـاَنَّهُمْ'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں ان بہتان تراشیوں نے جو وہ خود گھڑ کر بیان کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ پر ان کی بہتان تراشی نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ '' نَحْنُ اَبْنٰٓـؤُا اللّٰهِ وَاَحِبّٰٓـؤُهٗ'' یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں سو وہ ہمارے گناہوں پر ہم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا مگر تھوڑی سی مدت۔

۲۵-﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ ﴾ پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے ﴿ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ اور ہر شخص کو پوری جزا دی جائے گی جو اس نے کمایا تھا ﴿ وَهُمْ ﴾ یہ ضمیر جمع ہر شخص کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ یہ ''كُـلُّ الـنَّـاسِ'' کے معنی میں ہے ﴿ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی نہ ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

آپ یوں عرض کیجئے کہ اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور تو جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے' اور سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے' بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور تو مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرما دیتا ہے O

## اللہ تعالیٰ کی سلطنت وقدرت' کفار سے تعلق کی صورت' اتباعِ رسول کا فائدہ

۲۶- ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ [میم حرفِ ندا ''یَا'' کے عوض میں ہے (کیونکہ دراصل ''یَـا اَللّٰہُ'' تھا) اس لیے یہ دونوں جمع نہیں ہوتے اور یہ اس اسم کا خاصہ ہے جیسا کہ قسم میں اس پر ''تَا'' کا داخل ہونا اور ''یَـا اَللّٰہُ'' میں حرفِ ندا کا بمع لام تعریف اور ہمزہ قطعی کے داخل ہونا اس کی خصوصیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم ہے] ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ حقیقت میں تو ہی ملک کا مالک ہے' سو تو ہی اس میں تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے مملوکات میں تصرف کرتے ہیں اور یہ دوسری ندا ہے یعنی اصل میں ''یَـا مَـالِكَ الْمُلْكِ'' ہے ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ تو جس کو چاہتا ہے سلطنت سے حصہ عطا فرماتا ہے جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے ﴿وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے' پس پہلا ملک عام ہے اور آخری دو خاص ہیں جو کل کا بعض ہیں۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ فتح فرمالیا تو اپنی امت سے ملک روم اور ملک فارس کی فتح کا وعدہ فرمایا تو منافقین اور یہودیوں نے کہا کہ ایسا ہونا بہت دور کی بات ہے اور یہ ناممکن ہے (حضرت سرورِ کونین) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ملک روم اور فارس کی فتح کیسے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور ہیں اور بڑے جنگ جو لوگ ہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور تو جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا فرما کر عزت دیتا ہے ﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے اس سے ملک چھین کر ذلت ورسوائی میں مبتلا کر دیتا ہے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ یعنی خیر وشر دونوں تیرے دستِ قدرت میں داخل ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے دو ضدوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کر کے دوسری کو چھوڑ دیا اس لیے کہ کلام اس خیر کے بارے میں واقع ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عنایت فرماتا ہے اور یہ وہ خیر ہے جس کا کافروں نے انکار کیا ہے' سو فرمایا کہ بھلائی تیرے دستِ قدرت میں ہے جو اپنے دشمنوں کے برخلاف اپنے اولیاء اور دوستوں کو عطا فرماتا ہے ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے اور تیری عطائے قدرت کے بغیر کوئی شخص کسی چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتا اور ایک قول یہ ہے کہ ملک سے عافیت کا ملک مراد ہے یا قناعت کا ملک مراد ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے بہشت کے بادشاہ وہ لوگ ہوں گے جو ایک ایک دن کی روزی پر قناعت کرتے تھے یا ملک سے شب بیداری کرنے والوں کا ملک مراد ہے۔ حضرت ابوبکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص اطاعت وفرماں برداری کے ذریعے دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ معرفت کے ساتھ معزز ومکرم ہو جاتا ہے یا اطاعت وفرمانبرداری اور قناعت کے ذریعے دنیا سے استغناء معرفت میں مکرم کر دیتا ہے اور اس کے برعکس کرنے سے ذلت نصیب ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے دن رات کا آپس میں ایک دوسرے میں داخل کرنے اور زندہ اور مردے کا ایک دوسرے سے نکلنے کا ذکر کر کے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر فرمایا اور اس پر اپنے بے حساب رزق کا عطف فرمایا۔

۲۷- ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ [''اِیْـلَاج'' کا معنی ہے: کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز میں داخل کرنا اور وہ یہاں مجاز ہے] یعنی (موسم گرما میں) رات کے اوقات کم ہو جاتے ہیں اور دن میں بڑھ جاتے ہیں اور (موسم سرما میں) دن کے اوقات کم ہو جاتے ہیں اور رات میں بڑھ

جاتے ہیں ﴿ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ﴾ اور تو زندہ کو مردے سے نکالتا ہے کہ حیوان کو بے جان نطفہ سے یا چوزے کو انڈے سے یا مؤمن کو کافر سے پیدا کرتا ہے ﴿ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ﴾ اور تو مردے کو زندہ سے نکالتا ہے کہ نطفہ کو انسان سے یا انڈے کو مرغی سے یا کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے ﴿ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور مخلوق اس کی تعداد اور اس کی مقدار کو نہیں پہچان سکتی اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم و متعین اور محدود ہوتی ہے (لہٰذا بغیر حساب مخلوق کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے) تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ جو خدائے قدوس ان محیّر العقول عظیم ترین افعال پر قدرت رکھتا ہے' پھر جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دینے پر قدرت رکھتا ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اہل عجم سے ملک چھین کر انہیں ذلیل و پست کر دے اور اہل عرب کو وہ ملک عطا فرما کر معزز کر دے اور بعض کتب میں یہ لکھا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) میں ہی اللہ ہوں' تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور تمام بادشاہوں کے دل اور ان کی پیشانیاں میرے ہاتھ میں ہیں' لہٰذا اگر بندوں نے میری اطاعت کی تو میں ان پر بے حد رحمت نازل کروں گا اور اگر انہوں نے میری نافرمانی کی تو میں ان پر بُرے بادشاہ مسلط کر کے ان کو سزا دوں گا' سو تم بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ ہو جاؤ بلکہ میری طرف رجوع کرو میں ان کو تم پر مہربان کر دوں گا اور انبیائے کرام علیہم السلام کے فرمان کا یہی معنی ہے کہ جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم ہوں گے [اور قاری ابوبکر کے علاوہ قاری نافع مدنی اور کوفی نے ''اَلْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَالْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ'' میں ہر ''یا'' کو مشدد پڑھا ہے]۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اہل ایمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس کا اللہ کی نصرت سے کوئی تعلق نہیں رہے گا مگر یہ کہ تمہیں ان سے خطرہ ہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے○ آپ فرما دیں کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ سب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے○

۲۸- ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ﴾ مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں' اس میں کافروں کی دوستی سے مسلمانوں کو باہمی رشتہ داری کی وجہ سے یا اسلام سے پہلے کی دوستی کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور (یعنی محلّہ داری کی) وجہ سے منع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (اہل ایمان سے) محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر (دشمنانِ دین سے) بغض رکھنا ایمانِ کامل کی بہت بڑی خوبی ہے ﴿ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مسلمانوں کو چھوڑ کر' یعنی بے شک کافروں سے دوستی کرنے کی بجائے مسلمانوں سے دوستی کرنے میں بڑی

گنجائش رکھی ہے' لہٰذا تم کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح نہ دو ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾ اور جو شخص کافروں سے دوستی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت سے اس کا کچھ تعلق نہیں رہے گا (بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت سے محروم ہو جائے گا) کیونکہ دوست کی دوستی اور دشمن کی دوستی دو متضاد چیزیں ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ﴾ مگر یہ کہ تمہیں ان سے کسی قسم کا خوف و خطرہ ہو تو اس صورت میں بچاؤ کی تدبیر کرنا واجب و لازم ہے یعنی کافروں کو تم پر غلبہ حاصل ہو اور تمہیں اپنی جان و مال کا خوف ہو تو اس وقت ان سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کرنا اور دل میں ان کی عداوت و دشمنی کو چھپانا جائز ہے ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے' لہٰذا تم اس کے دشمنوں سے دوستی کر کے اس کے غضب کو دعوت نہ دو اور یہ سخت ترین وعید ہے ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ یعنی تم سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹ کر جانا ہے اور اس کے پاس عذاب تیار ہے اور یہ دوسری وعید و دھمکی ہے۔

۲۹- ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر تم کفار کی دوستی وغیرہ جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں کو اپنے سینوں میں چھپاؤ یا ظاہر کرو ﴿ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور اس پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ زیادہ بلیغ وعید ہے ﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ [یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے اور جوابِ شرط پر معطوف نہیں ہے] یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات بابرکات ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے' لہٰذا نہ تمہارا ظاہر اس پر مخفی ہے اور نہ تمہارا باطن اس سے پوشیدہ ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' سو وہ تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

معانقة ۳ ع ۳

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اس دن ہر شخص اپنی نیک کمائی کو حاضر پائے گا اور اپنی بُری کمائی کو (بھی حاضر پائے گا) اور یہ آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا فاصل ہوتا اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے O (اے محبوب!) آپ فرما دیں (کہ اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O آپ فرما دیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا O بے شک اللہ نے آدم' نوح' آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اس وقت کے تمام جہانوں والوں پر منتخب فرما لیا O

۳۰-﴿ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ﴾ [''یَوْمَ''، ''تَوَدُّ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''بَیْنَهٗ'' میں ضمیر ''یوم'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنی بھلائی اور بُرائی دونوں کو اپنے سامنے حاضر پائے گا اور تمنا کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس روز قیامت کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا یعنی دور کی مسافت ہوتی [یا ''یوم'' منصوب ہے ''اُذْكُرْ'' (محذوف) کی وجہ سے اور ''تَجِدُ'' صرف ''مَا عَمِلَتْ'' (کو مفعول بنانے کے لیے اس) پر واقع ہو رہا ہے اور ''وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''تَوَدُّ'' اس کی خبر ہے] یعنی جس شخص نے برا عمل کیا وہ قیامت کے دن آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس بُرے عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا [اور ''مَا'' کو شرطیہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ ''تَوَدُّ'' مرفوع ہے' ہاں! البتہ جب شرط فعل ماضی ہو تو رفع جائز ہوتا ہے لیکن جزم کثیر الاستعمال ہے اور مبرد کے نزدیک رفع شاذ ہے] اور اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں پر طاری ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہیں ﴿ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت شفقت فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندوں پر شفقت ہی تو ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات سے ڈراتا رہتا ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غضب ناک کرنے کے درپے نہ ہو جائیں اور یہ جائز ہے کہ مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کی وجہ سے ان کو ڈرانے کے باوجود اس کی وسعتِ رحمت کی امید کی جا سکتی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ O (الفصلت:۴۳) بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے O''۔

شانِ نزول: جب یہودیوں نے کہا کہ ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں (ہمیں کسی کی پیروی اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے) تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۳۱-﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے بندے کی محبت یہ ہے کہ غیر کے مقابلہ میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ وہ اپنے اس اطاعت گزار بندے سے راضی ہو جائے اور اس کے نیک عمل پر اس کی تعریف کرے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں کئی قوموں نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی زبانی محبت الٰہی کے دعویٰ کے لیے عملی تصدیق مقرر فرما دے (لہٰذا اتباعِ رسول اکرم ﷺ محبت الٰہی کے دعویٰ کی عملی تصدیق ہے) تو جس نے محبت الٰہی کا دعویٰ کیا اور اس کے رسول کی سنتوں کی مخالفت کی' سو وہ جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب (قرآن مجید) اس کی تکذیب کرتی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ بندے کو اس کی معرفت اور اس کی خشیت حاصل ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اور اس کی یاد میں مشغول رہے اور ہمیشہ اس سے مانوس رہے اور بعض نے کہا کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی خصوصیات کو چھوڑ کر آپ کے باقی تمام اقوال' تمام اعمال اور تمام احوال کی اتباع کرنے کا نام محبت الٰہی ہے اور بعض نے فرمایا کہ محبت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ غور و فکر کرتا رہے اور زیادہ سے زیادہ گوشہ نشین رہے اور ہمیشہ خاموشی اختیار کرے جب کسی غیر محرم پر نظر پڑے تو اسے نہ دیکھے اور جب اس کو برائی وغیرہ کی طرف بلایا جائے تو نہ سنے اور جب کسی مصیبت میں گھر جائے تو غمگین نہ ہو اور جب کوئی نعمت پا لے تو بے جا خوشی کا اظہار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ کسی سے کوئی امید وابستہ کرے ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور وہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۳۲- ﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ لوگو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت کرو اور بعض علماء نے فرمایا کہ محبت کی علامت یہی ہے (کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے) ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے روگردانی کریں اور ممکن ہے کہ یہ فعل مضارع ہو"اَیْ فَاِنْ تَتَوَلَّوْا" یعنی پھر اگر تم روگردانی کرو گے" ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

## حضرت آدم' حضرت نوح' آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کی فضیلت وشان کا بیان

۳۳- ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا ہے ﴿اٰدَمَ﴾ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ﴿وَنُوْحًا﴾ اور تمام رسولوں کے بزرگ حضرت نوح علیہ السلام کو ﴿وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق علیہما السلام اور ان کی اولاد کو ﴿وَاٰلَ عِمْرٰنَ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو' یہ دونوں عمران بن یصھر کے بیٹے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم بنت عمران بن ماثان ہیں اور دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ ہے ﴿عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ ان کے زمانے میں رہنے والے تمام جہاں کے لوگوں پر (ان کو منتخب فرمایا)۔

ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

یہ ایک دوسرے کی نسل سے ہیں' اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے○ جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ خالص تیری عبادت کے لیے وقف ہے' سو تو مجھ سے قبول فرمالے' بے شک تو بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے○ پھر جب اس نے جنا (تو) کہنے لگی: اے میرے رب! میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے' اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے' اور اس نے جو لڑکا مانگا وہ اس لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا' اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچنے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں○

۳۴- ﴿ذُرِّیَّةً﴾ اولاد' یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے بدل ہے ﴿بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ﴾ [مبتدا ہے اور اس کی خبر محلاً منصوب ہے اور "ذُرِّیَّةً" کی صفت ہے] یعنی وہ دونوں آل ایک تھے' پھر ان کا سلسلہ آگے بڑھا اور ایک دوسرے سے

ان کی شاخیں پھیل گئیں' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون عمران سے اور عمران یصھر سے اور یصھر قاھث سے اور قاھث لاوی سے اور لاوی یعقوب سے اور یعقوب اسحاق سے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم بنت عمران بن ماثان ہیں اور وہ یہود ابن یعقوب بن اسحاق سے جا ملتا ہے اور رسول اللہ ﷺ آل ابراہیم میں داخل ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دین میں ایک دوسرے کی شاخ ہیں ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا' جاننے والا ہے' وہ جانتا ہے کہ انتخاب و برگزیدگی کی کون صلاحیت رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ عمران کی بیوی کی بات کو اور اس کی نیت کو سننے جاننے والا ہے۔

۳۵- ﴿إِذْ قَالَتِ﴾ [اور ''اِذْ'' اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ﴿امْرَاَتُ عِمْرٰنَ﴾ یہ عمران بن ماثان کی بیوی اور حضرت مریم کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی نانی جان ہیں اور یہ بی بی حنہ بنت فاقوذا ہیں ﴿رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ﴾ اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے نذر مان لی ہے یعنی میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ﴿مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ [ ''مُحَرَّرًا'' ''مَا'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ ''مَا'' ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے] یعنی جو میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا ہے اور نہ میں اس کو اپنے قبضہ میں رکھوں گی اور نہ اس سے میں خدمت لوں گی اور نذر کی یہ قسم ان کے نزدیک جائز تھی یا یہ کہ میں نے اس کو خالص عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' کہا جاتا ہے: ''طِيْنٌ حُرٌّ'' یعنی خالص مٹی ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ﴾ سو تو مجھ سے قبول فرما لے [قاری نافع مدنی اور قاری ابو عمرو بصری نے ''مِنِّيَ'' (''یا'' کو مفتوح) پڑھا ہے جب کہ باقی قرّاء نے ''یا'' کو ساکن پڑھا ہے اور ''تقبل'' کا معنی ہے کہ کوئی چیز بہ رضاء و رغبت لے لینا ﴿إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک تو ہی سب کچھ سنتا' جانتا ہے۔

۳۶- ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا﴾ پھر جب عمران کی بیوی نے جنا [اور ''هَا'' ضمیر ''مَا فِيْ بَطْنِيْ'' کی طرف لوٹتی ہے اور اس کو مؤنث ''حَبْلَةٌ'' (حمل) یا ''نَفْسٌ'' (جان) یا ''نَسَمَةٌ'' (روح) کی تاویل پر لایا گیا ہے] ﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى﴾ بولی: اے میرے رب! بے شک میں نے لڑکی جنی ہے [''وَضَعْتُهَا'' کی ضمیر سے ''اُنْثٰى'' حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اس نے جو حمل یا جان یا روح کو جنا ہے وہ بچی ہے اور اس نے یہ بات صرف اس لیے کہی کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکوں کو آزاد کیا جاتا تھا تو اس نے اپنی نذر پر معذرت کا اظہار کیا اور اس نے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور اس نے یہ بات رنج و غم اور افسوس کے طریقے پر کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے اور اس جملے میں مولودہ بچی (حضرت مریم) کی عظمت کا اظہار ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس چیز کو سب سے زیادہ جانتا ہے جو اس نے جنی ہے اور جو اس کے ساتھ عجائبات قدرت اور بڑے بڑے امور و معاملات وابستہ ہیں [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری ابوبکر نے اس کو ''وَضَعْتُ'' (فعل ماضی واحد متکلم) پڑھا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ہزارہا اسرار و رموز اور حکمتیں ہو سکتی ہیں اور اس قراءت کے مطابق یہ جملہ عمران کی بیوی کے مقولہ میں داخل ہوگا اور پہلی قراءت کے مطابق ''اُنْثٰى'' پر وقف ہوگا اور ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ'' ارشاد باری تعالیٰ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کے لیے شروع ہوا ہے] ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ﴾ اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا تھا ﴿كَالْاُنْثٰى﴾ اس لڑکی (حضرت مریم) کی طرح نہیں ہو سکتا اور ان دونوں میں لام تعریف عہد کا ہے ﴿وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے [اور یہ جملہ ''اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى'' پر معطوف ہے اور ان دونوں کے درمیان دو جملے معترضہ (یعنی دو نئے جملے) بیان کیے گئے ہیں] اور اس جملے میں حضرت حنہ نے اپنی بیٹی کا نام مریم اللہ تعالیٰ سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کی

زبان میں مریم کا معنی عابدہ (عبادت گزار بچی) تھا تو گویا اس نے اپنی اس بچی کے ذریعے قربِ الٰہی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے ان کی عصمت و پاک دامنی کا مطالبہ کیا تا کہ حضرت مریم کا کردار ان کے نام کے مطابق ہو جائے اور اس نے جو اس بچی سے (نیک نامی) کی امید وابستہ کر رکھی ہے وہ سچ ثابت ہو جائے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اپنی اس بچی (حضرت مریم) اور اس کی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں شیطان مردود سے پناہ طلب کی ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ اور بے شک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود شیطان سے [اور قاری نافع مدنی نے ''وَاِنِّیَ'' (یعنی ''یا'' کو ساکن کی بجائے مفتوح) پڑھا ہے اور ''رَجِیْم'' کا معنی ملعون ہے] چنانچہ حدیث شریف ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے اور جب شیطان اس کو چھوتا ہے تو وہ چیختا ہے سوائے حضرت مریم کے اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ کے[1]

فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّکَفَّلَھَا زَکَرِیَّا ؕ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ؕ قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ۚ قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾

تو اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو اچھی طرح پروان چڑھایا' اور زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا' جب زکریا اس کے پاس اس کے کمرے میں جاتے' تو اس کے پاس (بے موسے پھل اور) رزق پاتے' زکریا نے فرمایا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ کہنے لگی: وہ اللہ کی طرف سے آتا ہے' بے شک وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہےO اسی آستانے پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی اور عرض کیا: اے میرے رب! تو اپنی طرف سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما' بے شک تو ہی دعا سننے والا ہےO سو فرشتوں نے اس کو پکارا اور وہ اس وقت عبادت گاہ میں کھڑا نماز ادا کر رہا تھا' بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری سناتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار ہوگا اور عورتوں سے بچنے والا' نیکوکار نبی ہوگاO

۳۷-﴿فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا﴾ تو اللہ تعالیٰ نے مریم کو قبول فرما لیا اور منت میں لڑکے کی جگہ اس پر راضی ہو گیا ﴿بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ بہتر قبولیت کے ساتھ۔ بعض نے کہا کہ قبول ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو قبول کیا جائے اور جیسے سعوط ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو ناک میں چڑھایا جاتا ہے اور قبول کو حضرت مریم کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ منت میں لڑکے کی جگہ ان کو قائم کر کے قبول کر لیا گیا تھا یا اس لیے کہ ولادت کے فوراً بعد بڑھنے اور خدمت کے قابل ہونے سے پہلے ان کو بیت

[1] بخاری شریف کتاب الانبیاء باب ۴۴' مسلم شریف کتاب الفضائل رقم الحدیث ۱۴۶

المقدس کے متولی کے سپرد کر دیا گیا تھا' چنانچہ مروی ہے کہ جب مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حنہ انہیں کپڑے میں لپیٹ کر مسجد (یعنی بیت المقدس) میں لے گئیں اور ان کو علماء کے سپرد کر دیا اور وہ علماء حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور وہ بیت المقدس کے نگران تھے' وہ کعبہ معظمہ کے نگرانوں کی طرح تھے اور حضرت حنہ نے ان سے فرمایا کہ یہ میری نذر ہے اسے لے لو' چنانچہ سب کے سب اسے لینے میں دلچسپی لینے لگے کیونکہ حضرت مریم ان کے امام کی بیٹی تھیں اور ان کے صاحب قربان کی بیٹی تھیں اور بنو ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے اور ان کے علماء تھے' سو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ان کی تربیت کے لیے صرف میں ہی مستحق ہوں کیونکہ ان کی ہمشیرہ میری منکوحہ ہے تو انہوں نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ہم سب ان کے بارے میں قرعہ اندازی کر لیتے ہیں' سب راضی ہو گئے اور یہ کل ستائیس افراد تھے اور اس پر عمل کرنے کے لیے نہر کی طرف چل پڑے' وہاں پہنچ کر سب نے اپنی قلمیں نہر میں ڈال دیں (اور طے یہ پایا کہ جس کا قلم پانی پر تیرنے لگے گا وہی حضرت مریم کا کفیل ہوگا) چنانچہ حضرت زکریا کا قلم پانی کے اوپر بلند ہو گیا اور باقی سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے تو حضرت زکریا ان کے کفیل مقرر ہو گئے [اور بعض نے کہا کہ یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف محذوف مقدر ہے دراصل ''فَتَقَبَّلَهَا بِذِیْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ اَیْ بِاَمْرٍ ذِیْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ. یعنی سب سے بہتر قبول کرنے والے کے حکم سے اس کو قبول کر لیا گیا'' اور یہی ان کی خصوصیت ہے ﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بہترین تربیت فرمائی اور یہ تربیتِ حسنہ سے مجاز ہے اور ابن عطا نے کہا: جس کا پھل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر ہو تو اس کو سب سے بہترین تربیت کہا جائے گا [اور ''نَبَاتًا'' خلاف صدر یا خلافِ تقدیر مصدر ہے (یعنی اپنے عامل فعل کے غیر کا مصدر ہے) دراصل ''نَبَتَتْ نَبَاتًا'' ہے] ﴿وَّكَفَّلَهَا﴾ یعنی حضرت زکریا نے اس کو قبول کر لیا اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے ضامن بن گئے [اور قاری کوفی نے ''وَ كَفَّلَهَا'' پڑھا ہے] جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو مریم کا کفیل اور ان کے مصالح کا ضامن بنا دیا ﴿زَكَرِيَّا﴾ [ابو بکر کے علاوہ کوفی نے پورے قرآن مجید میں اس کو قصر کے ساتھ (یعنی مد کے بغیر) پڑھا ہے اور قاری ابو بکر نے اس جگہ زکریا پر مد اور نصب پڑھا ہے جیسے ثانیہ اور ثالثہ میں پڑھا ہے] اور عبرانی زبان میں زکریا کا معنی ہے: ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر کرنے والا ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس ان کے کمرے میں جاتے اور بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لیے مسجد میں ایک محراب بنایا ہوا تھا یعنی ایک اونچا کمرہ جس پر سیڑھی کے ذریعے چڑھ کر جاتے تھے اور بعض نے کہا کہ محراب ایک برگزیدہ اور بہترین مقام کا نام ہے گویا حضرت مریم کو بیت المقدس کے ایک برگزیدہ اور بہترین مقام میں رکھا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ وہ لوگ اپنی ہر مسجد کو محراب کہتے تھے اور حضرت زکریا ان کے پاس اکیلے جایا کرتے تھے۔

## حضرت مریم کی کرامت

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ان کے پاس رزق موجود پاتے' دراصل حضرت مریم کے پاس بہشت سے ان کا رزق نازل ہوتا تھا اور آپ نے کبھی کسی عورت کا دودھ نہیں پیا (کیونکہ پوری مدتِ رضاعت میں ان کی پرورش جنتی کھانوں سے ہوتی رہی) چنانچہ حضرت زکریا موسم گرما میں ان کے پاس موسم سرما کے پھل پاتے اور موسم سرما میں ان کے پاس موسم گرما کے پھل پاتے تھے ﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ ایک دن حضرت زکریا نے حضرت مریم سے سوال کرتے ہوئے فرمایا: اے مریم! یہ پھل کی صورت میں تیرا رزق تیرے پاس کہاں سے آتا ہے کیونکہ یہ دنیا کے رزق کے مشابہ نہیں؟ اور یہ ان کی غیر موجودگی میں آتا تھا ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ حضرت مریم نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے' سو آپ تعجب نہ کریں۔ بعض

مفسرین نے فرمایا کہ حضرت مریم نے بچپن میں یہ کلام کیا تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھولے میں کلام کیا تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (بے حساب) رزق عطا فرماتا ہے' یہ حضرت مریم کا کلام ہے یا پھر پروردگار عالم کا کلام ہے ﴿بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾ بے حد کثرت مال کی وجہ سے یا اپنے فضل و کرم کی وجہ سے ان گنت دیتا ہے جس کا شمار کرنا ممکن نہیں یا نیک عمل پر جزا دیتا ہے۔[1]

۳۸- ﴿هُنَالِكَ﴾ اس مکان میں جہاں آپ حضرت مریم کے پاس محراب میں بیٹھے ہوئے تھے یا اسی وقت (یہ دعا فرمائی) دراصل ''هُنَا''، ''حَيْثُ'' اور ''ثَمَّ'' ظرف زمان کے لیے استعمال ہوتے ہیں' چنانچہ جب حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مریم کی کرامت دیکھی اور ان کی قدر و منزلت دیکھی تو انہیں رغبت ہوئی کہ ان کی بیوی ایشاع کو بھی

---

## حضرت فاطمہ خاتونِ جنت کی کرامت

[1] ''مسند ابو یعلیٰ'' میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قحط کی وجہ سے حضور سیّد عالم ﷺ پر کئی دن فاقہ سے گزر گئے (یہ تقاضائے بشریت) آپ کو بھوک محسوس ہوئی تو آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے گئے مگر وہاں کسی کے پاس کھانا وغیرہ نہ ملا اور حضرت سیّدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ بیٹی! تمہارے پاس کچھ کھانا موجود ہو تو لے آؤ مگر یہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ کچھ نہیں' حضور نبی اکرم ﷺ یہاں سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا لا کر پیش کر دیا' آپ نے اسے لے کر ایک برتن میں رکھ دیا اور فرمایا: اگر چہ مجھے اور میرے شوہر نامدار اور بچوں کو بھوک لگی ہے لیکن ہم سب فاقے سے رہیں گے اور خدا کی قسم! یہ کھانا میں حضور رسول اکرم ﷺ کو ہی پیش کروں گی' پھر حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں' چنانچہ حضور ﷺ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے' حضرت خاتون جنت نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کھانا بھجوا دیا ہے جس کو میں نے چھپا کر رکھا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: میری پیاری بیٹی! لے آؤ' اب خاتونِ جنت نے برتن کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئیں کہ برتن روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا ہے لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہوگئی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا بیان کی اور خدا کے پیغمبر پر درود و سلام پڑھا اور سارا کھانا حضور کی خدمت میں پیش کر دیا' آپ نے اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور دریافت فرمایا کہ ''اَنّٰى لَكِ هٰذَا. یہ تیرے لیے کہاں سے آیا ہے؟'' حضرت خاتونِ جنت نے جواب دیا کہ ''هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ. یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے'' حضور نبی کریم ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا: ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ جَعَلَكِ شَبِیۡهَةً بِسَیِّدَةِ بَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ. اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے (اے فاطمہ!) تمہیں بنی اسرائیل کی سردار بی بی مریم کے مشابہ بنایا ہے'' کیونکہ انہیں جب بھی اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو وہ یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی المرتضیٰ' حضرت فاطمہ' حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین کو اور تمام ازواجِ پاک کو بلایا اور وہ کھانا تناول فرمایا' سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر وہ کھانا ذرہ برابر کم نہ ہوا اور اتنا ہی باقی بچا رہا جتنا کھانے سے پہلے تھا' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ کھانا آس پاس کے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر' روح البیان' تفسیر مظہری' روح المعانی الجزء الثالث) اس آیت مبارکہ اور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے کرامات اولیاء اللہ کا برحق ہونا واضح ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذالک

ایسا بچہ عطا ہو جیسے ان کی ماں حنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحب کرامت بیٹی عطا ہوئی ہے اگرچہ وہ بانجھ اور بوڑھی ہو چکی تھیں، لیکن ان کی ماں بھی اسی طرح بانجھ اور بوڑھی ہو چکی تھیں اور بعض علما نے فرمایا کہ جب حضرت زکریا نے بے موسمی پھل دیکھے تو انہیں بانجھ عورت کے ہاں اولاد ہونے کا یقین ہو گیا ﴿ دَعَازَكَرِيَّارَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً ﴾ حضرت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے لڑکا عطا فرما ''وَلَد'' اور ''ذُرِّيَّة'' واحد اور جمع دونوں پر بولے جاتے ہیں ﴿ طَيِّبَةً ۚ ﴾ بابرکت 'لفظ ''ذُرِّيَّـة'' کی وجہ سے مؤنث لایا گیا ہے ﴿ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴾ بے شک تو دعا کا سننے والا یعنی دعا قبول کرنے والا ہے۔

۳۹۔﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ تو اسے فرشتوں نے آواز دی۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا کو حضرت جبریل علیہ السلام نے ندا دی تھی [اور بے شک ''اَلْـمَلَآئِكَةُ'' محض اس لیے کہا گیا کہ اس کا معنی ہے: ان کو اس جنس کی طرف سے ندا کی گئی جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے: ''فُلَانٌ يَـرْكَبُ الْخَيْلَ. یعنی فلاں آدمی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے''۔ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''یا'' اور امالہ کے ساتھ ''فَـنَادِيْهِ'' پڑھا ہے] ﴿ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ﴾ اور وہ اس وقت مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ مرادات نمازوں کی ادائیگی سے حاصل کی جا سکتی ہیں اور انہی نمازوں کی ادائیگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور حاجات پوری ہوتی ہیں اور ابن عطاء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی عالی شان حالت و کیفیت منکشف نہیں فرماتا مگر اوامر کی اتباع اور اطاعات میں اخلاص اختیار کرنے اور مساجد سے مضبوط تعلق قائم کرنے سے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ ﴾ [ابن عامر شامی اور حمزہ اور علی کسائی نے الف کو مکسور پڑھا ہے قول مقدر کی وجہ سے یا اس لیے کہ ندا خود قول ہے اور باقی قراء نے مفتوح پڑھا یعنی دراصل ''بِـاَنَّ اللّٰهَ'' تھا ﴿ يُبَشِّرُكَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوشخبری سناتا ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے اس کو اور اس کے بعد آنے والے فعل کو ''يَبْشُرُ'' (یعنی ''یـا'' پر فتح ''بـا'' کو ساکن اور شین کو مضموم) پڑھا ہے 'یہ ''بَشَرَ يَبْشُرُ'' سے ہے اور اس تخفیف و تشدید میں دونوں لغتیں جائز ہیں] ﴿ بِيَحْيٰى ﴾ [اگر یہ عجمی اسم ہے تو یہ غیر منصرف ہے اور یہی ظاہر ہے معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے موسیٰ اور عیسیٰ جیسے اسموں کی طرح اور اگر یہ عربی ہو تو پھر یہ معرفہ اور وزنِ فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے جیسے ''يَعْمَرُ'' ہے] ﴿ مُصَدِّقًا ﴾ اس سے حال واقع ہو رہا ہے ﴿ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے' سو یہ پہلے شخص ہیں جو حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں گے اور حضرت عیسیٰ کو ''كَلِمَةُ اللّٰهِ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ بغیر باپ کے امر ''كُنْ'' سے پیدا ہوئے تھے یا یہ معنی ہے کہ حضرت یحییٰ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والے اور اس کی کتاب پر ایمان لانے والے ہیں ﴿ وَسَيِّدًا ﴾ اور وہ اپنی قوم کا سردار ہوگا یعنی شرف و عظمت میں ان پر فائق ہوگا اور وہ واقعی اپنی قوم پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنی قوم سے افضل تھے کیونکہ آپ نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ کبھی گناہ کا ارادہ تک نہیں کیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''سَيِّدٌ'' وہ ہے جو اطاعت و فرماں برداری کے ذریعے کونین کو عمدہ بنالے ﴿ وَّحَصُوْرًا ﴾ اور پاک دامن جو قدرت و طاقت کے باوجود عورتوں کے قریب تک نہ جائے اور اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے روک کر رکھنے والا ﴿ وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور پیغمبر ہوگا اور صالحین میں پرورش پائے گا کیونکہ انبیائے کرام کی پشت سے پیدا ہوگا یا جماعتِ صالحین میں سے ہوگا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ
اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ ع ۱۱ / ۱۲
قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى
نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے اور میری عورت بانجھ ہو چکی ہے' فرمایا: اللہ جو چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے O عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارہ کے بات نہیں کر سکے گا' اور تو اپنے رب کو کثرت سے یاد کیا کر اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح پڑھا کر O اور جس وقت فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے منتخب کر لیا ہے اور تجھے پاکیزہ بنایا ہے اور جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کیا O اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کیجئے اور سجدہ کیجئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے O

---

۴۰- ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ﴾ حضرت زکریا نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیوں کر ہوگا؟ حضرت زکریا نے عادت جاریہ کے اعتبار سے تعجب کا اظہار کیا ہے (کہ اس بڑھاپے کی عمر میں عادۃً بچے نہیں ہوتے) اور قدرت الٰہی کی عظمت و بڑائی کا اظہار کیا ہے شک کی بنا پر نہیں کہا ﴿وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ﴾ اور حالانکہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے جیسے عرب کا مقولہ ہے کہ فلاں آدمی کو بڑھاپے نے آ لیا ہے یعنی میرے اندر بڑھاپے نے اثر کر لیا ہے اور مجھے ضعیف و ناتواں کر دیا ہے اور اس وقت حضرت زکریا کی عمر ننانوے سال کی تھی اور آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی ﴿وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ﴾ اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے اور اولاد کے قابل نہیں رہی ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح (خلاف عادت بڑھاپے کی عمر میں بھی) جو چاہتا ہے عجیب و غریب افعال سرانجام دیتا ہے۔

۴۱- ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً﴾ [قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری نے "لِیَ" (لام کو مکسور اور "یا" کو مفتوح) پڑھا ہے] حضرت زکریا نے عرض کی: اے میرے رب! میرے لیے کوئی علامت اور نشانی مقرر فرما دے جس کے ذریعے میں پہچان لوں کہ واقعی میری بیوی حاملہ ہو گئی ہے تاکہ جب یہ نشانی آئے تو میں اس نعمت پر تیرا شکر ادا کروں ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو اس وقت لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکے گا ﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ تین دن تک مگر ہاتھ کے اشارہ سے یا سر یا آنکھ یا ابرو کے اشارے سے بات کر سکے گا۔ "رَمْز" کا اصل معنی حرکت کرنا ہے' کہا جاتا ہے: "اِرْتَمَزَ" جب کوئی چیز حرکت کرے اور اللہ تعالیٰ نے رمز کا استثناء اس لیے کیا ہے کہ یہ کلام کی جنس سے نہیں ہے بلکہ کلام کے قائم مقام ہے' جو کچھ کلام سے سمجھا جاتا ہے وہی اس سے سمجھایا جا سکتا ہے اس بنا پر اس کو کلام کہا جاتا ہے یا یہ استثناء منقطع ہے (جس کا پہلے کلام سے کوئی تعلق نہیں) اور بلاشبہ لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کی تخصیص اس لیے

کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قدرت کے باوجود حضرت زکریا کی زبان صرف انسانوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے بند کی گئی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کے لیے آپ کی زبان بند نہیں ہوئی تھی اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ یعنی لوگوں کے ساتھ گفتگو نہ کر سکنے کے دنوں میں اپنے رب کا کثرت سے ذکر کیجئے اور صبح و شام تسبیح بیان کیجئے اور یہ روشن ترین دلائل اور عظیم الشان آیات میں سے ہے اور بے شک لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے آپ کی زبان صرف اس لیے بند کر دی گئی تھی تاکہ آپ کی زبان کو اس مدت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ خالص کر دیا جائے اور آپ کی زبان کسی غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائے گویا جب آپ نے شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے نشانی طلب کی تو آپ سے کہا گیا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم سوائے شکرِ خدا کے اپنی زبان کو بند رکھو گے' سوال کرنے سے جو ظاہر ہوتا ہے اس کے لیے یہی جواب بہترین ہے "عَشِيِّ" زوال سے لے کر غروب آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں اور فجر کے طلوع ہونے سے لے کر چاشت کے وقت تک کے عرصے کو "اِبْكَار" کہتے ہیں۔

## حضرت مریم کی فضیلت اور حضرت عیسیٰ کی ولادت و معجزات وغیرہ کا بیان

۴۲- ﴿وَإِذْ﴾ [ "اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ" پر اس کا عطف کیا گیا ہے یا مقدر عبارت یوں ہے: "وَاذْكُرْ اِذْ. اور اس وقت کو یاد کیجئے"] جب ﴿قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ﴾ فرشتوں نے کہا: اے مریم! مروی ہے کہ فرشتوں نے یہ گفتگو حضرت مریم سے بالمشافہ کی تھی (اور یہ آپ کی کرامت تھی) ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے پہلے ہی چن لیا تھا جب تجھے تیری ماں سے قبول فرما لیا اور تیری پرورش فرمائی اور تجھے بہترین و عالی شان کرامت کے ساتھ مخصوص فرمایا ﴿وَطَهَّرَكِ﴾ اور تجھے تمام بُرے اور گندے افعال سے پاک پیدا کیا ﴿وَاصْطَفٰىكِ﴾ اور پھر تجھے دوبارہ برگزیدہ بنا دیا (اور یہ فضیلت و برتری دی) ﴿عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کی عورتوں پر کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ عطا فرما دیا اور یہ فضیلت کسی عورت کو حاصل نہیں۔

۴۳- ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ اے مریم! تم اپنے رب کی ہمیشہ اطاعت کرو اور نماز میں قیام کو لمبا کرو ﴿وَاسْجُدِيْ﴾ اور سجدہ کرو اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم کو قنوت اور سجدہ کا ذکر کر کے نماز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ قیام و سجدہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں' پھر ان سے ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے یعنی جماعت میں شامل ہو کر نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کیجئے یعنی تو نمازیوں میں شمار ہو جا ان کے علاوہ کسی غیر میں تمہارا شمار نہ ہو۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ
اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ
يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں ہم آپ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں' اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ اندازی کرتے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے' اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○ یاد کیجئے جب فرشتوں نے

کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے خوشخبری سناتا ہے' اپنے پاس سے ایک کلمہ کی' جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں ذیشاں ہوگا اور (خدا کا) قرب رکھنے والوں میں سے ہوگا○

۴۴- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حضرت حنہ' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت مریم کے سابقہ قصے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب واقعات ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم ان کو (اے محبوب!) آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجتے ہیں یعنی یہ واقعات ان غیبوں میں سے ہیں جن کو آپ بغیر وحی (یعنی تعلیم خدا کے بغیر) نہیں جان سکتے تھے ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ﴾ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ اپنی قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے یعنی اپنے تیروں کو' یہ ان کے وہ تیر ہوا کرتے تھے جن کو وہ قرعہ اندازی کرنے کے لیے دریا میں ڈالا کرتے تھے یا یہ وہ قلمیں تھیں جن کے ساتھ وہ تورات شریف لکھا کرتے تھے اور انہوں نے ان قلموں سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے ان کو قرعہ اندازی کے لیے منتخب کیا تھا کہ ﴿اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ ان میں سے حضرت مریم کی کفالت ونگرانی کون کرے [اس کا تعلق فعلِ محذوف کے ساتھ ہے' جس پر ''يُلْقُوْنَ'' دلالت کرتا ہے] گویا کہا گیا کہ وہ قرعہ اندازی اس لیے کرتے تھے کہ وہ دیکھیں یا جان لیں یا کہیں کہ حضرت مریم کی کفالت کون کرے ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ حضرت مریم کے بارے میں جھگڑ رہے تھے کیونکہ وہ سب ان کی کفالت میں رغبت رکھتے تھے۔

۴۵- ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی یاد کیجئے (اے حبیب!) جب فرشتوں نے کہا ﴿يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ﴾ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دیتا ہے ﴿مِّنْهُ﴾ اپنی طرف سے [یہ کلمہ کی صفت ہے اور محلاً مجرور ہے] ﴿اسْمُهُ﴾ [یہ مبتدا ہے اور کلمہ کی ضمیر کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کا مسمّٰی (یعنی حضرت عیسیٰ) مذکر ہے] جن کا نام ﴿الْمَسِيْحُ﴾ مسیح ہے [یہ اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ''كَلِمَةٌ'' کی صفت ہے محلاً مجرور ہے] اور مسیح فضیلت و بزرگی والے القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق اور فاروق ہیں اور عبرانی زبان میں مشیح ہے' جس کا معنی ہے: مبارک' جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ. (مریم:۳۱) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک بنایا ہے میں جہاں کہیں ہوں'' اور بعض نے کہا کہ آپ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا تھا کہ آپ جب کسی مصیبت زدہ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیتے تو وہ تندرست ہو جاتا یا اس لیے کہ آپ زمین کی سیر و سیاحت پر رواں دواں رہتے کسی ایک مخصوص جگہ کو اپنا وطن نہ ٹھہراتے ﴿عِيْسَى﴾ یہ مسیح سے بدل ہے ﴿ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی ''هُوَ ابْنُ مَرْيَمَ. وہ مریم کے بیٹے ہیں'' اور اس کو عیسیٰ کی صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ ان کا نام صرف عیسیٰ ہے اور بس اور ان کا نام عیسیٰ ابن مریم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابن مریم ان کی پہچان کے لیے فرمایا کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کی نسبت صرف ان کی ماں ہی کی طرف کی جا سکتی ہے ﴿وَجِيْهًا﴾ قدر و منزلت کے مالک صاحب وجاہت ﴿فِى الدُّنْيَا﴾ دنیا میں نبوت و اطاعت کے ساتھ ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں درجات کی بلندی اور شفاعت کے ساتھ ﴿وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اور آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سبب قرب رکھنے والوں میں سے ہیں [اور ''وَجِيْهًا'' حال ہے ''كَلِمَةٌ'' سے کیونکہ وہ موصوف ہے] اور اسی طرح ''وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' ہے یعنی قرب خدا رکھنے والوں میں ثابت ہو گئے ہیں اور اسی طرح

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ

لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾

اور وہ گہوارہ میں اور پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور وہ نیکوں میں سے ہو گاO کہنے لگی: اے میرے رب! میرے لیے بچہ کہاں سے ہو گا؟ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا' فرمایا: اللہ یونہی پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے' جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہےO اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گاO

۴٦-﴿وَیُكَلِّمُ النَّاسَ﴾ ہے یعنی دراں حالیکہ آپ لوگوں سے گفتگو کریں گے ﴿فِی الْمَهْدِ﴾ گہوارہ میں [اور یہ "یُكَلِّمُ" کی ضمیر سے حال ہے "اَیْ ثَابِتًا فِی الْمَهْدِ. یعنی دراں حالیکہ آپ اس وقت گہوارہ میں موجود ہوں گے" اور مہد ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بچے کو سلانے کے لیے بچھایا جاتا ہے' اس کو مصدر کا نام دیا گیا ہے ﴿وَكَهْلًا﴾ [اس پر عطف ہے] "اَیْ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ طِفْلًا وَّ كَهْلًا. یعنی حضرت عیسیٰ بچپن اور پکی عمر میں دونوں حالتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح کلام فرمائیں گے" ان کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام میں کوئی فرق نہیں ہو گا' کہولت کی حالت میں عقل پختہ ہو جاتی ہے اور اس میں انبیائے کرام سے خبریں دریافت کی جاتی ہیں ﴿وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اور نیکوں میں سے ہو گا' یہ بھی حال ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: "یُبَشِّرُكِ بِهٖ مَوْصُوْفًا بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ. یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی بشارت دیتا ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو گا"۔

۴۷-﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ حضرت مریم نے عرض کی: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ چیز ہو جائے تو وہ چیز بغیر کسی تاخیر کے فوراً ہو جاتی ہے لیکن اس کو امر "كُنْ" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ اشیاء تکوین الٰہی سے بہت جلد موجود ہو جاتی ہیں۔

۴۸-﴿وَیُعَلِّمُهُ﴾ [قاری نافع مدنی اور قاری عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے اور یہ حال کی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے "وَجِیْهًا" پر معطوف ہے اور باقی قراء نے نون کے ساتھ ("نُعَلِّمُهٗ" فعل مضارع معروف جمع متکلم) پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہاں سے کلام کا آغاز ہوا ہے] ﴿الْكِتٰبَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو کتابت کی تعلیم دے گا' چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں بہترین خطاط تھے اور بعض نے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کتاب مراد ہے ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ حلال اور حرام کے بیان کی تعلیم دے گا یا کتاب سے ہاتھ کے ساتھ لکھنا مراد ہے اور حکمت سے زبان کے ساتھ بیان کرنا مراد ہے ﴿وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ اور تورات اور انجیل۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم
مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ
وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ
فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ
مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾

اور بنی اسرائیل کا رسول ہوگا' فرمائے گا: بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں' میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے' اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے (کوڑھی) کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں' اور میں اس طعام کی خبر دیتا ہو جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو' بے شک ان میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو○ اور تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں اس تورات کی جو میرے سامنے ہے تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں' پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو○

۴۹- ﴿وَرَسُولًا﴾ یعنی ہم اس کو رسول بنا کر بھیجیں گے یا حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں بڑی شان والے ہوں گے اور دراں حالیکہ وہ رسول ہوں گے ﴿إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ بنی اسرائیل کی طرف ﴿أَنِّي﴾ اصل میں ''بِاَنِّیْ'' ہے یعنی بے شک میں ﴿قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں جو میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اس کی صداقت پر وہ دلیل ہوگی ﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم﴾ [یہ ''اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ'' سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا ''اٰیَۃٍ'' سے بدل مجرور ہے یا اس بنا پر مرفوع ہے کہ اصل میں ''ھِیَ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ'' ہے۔ قاری نافع مدنی نے ''اِنِّیَ'' (ہمزہ کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر فتح) پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ جملہ مستأنفہ ہے ﴿مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ یعنی میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل وصورت میں مقدر کروں گا (یعنی خلق' تقدیر و تسویہ کے معنی میں ہے) ﴿فَأَنفُخُ فِيهِ﴾ ضمیر کاف کی طرف لوٹتی ہے یعنی میں اس چیز میں پھونکوں گا جو پرندے کی شکل وصورت کے مماثل و مانند ہوگی ﴿فَيَكُونُ طَيْرًا﴾ پس وہ باقی پرندوں کی طرح ایک پرندہ ہو جائے گا [قاری مدنی نے ''طَیْرًا'' کی بجائے ''طَائِرًا'' پڑھا ہے] ﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چمگادڑ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بنائی تھی ﴿وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ﴾ اور میں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہوں اور ''اَکْمَہَ'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اندھا پیدا ہوا ہو ﴿وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ نے ''بِاِذْنِ اللّٰہِ'' دوبارہ اس لیے ذکر کیا تاکہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں الوہیت کا توہم کرنے والوں کے وہم کو دفع کیا

جائے۔ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرمایا اور لوگ دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے دیکھ لینے کے باوجود کہا کہ یہ کھلا جادو ہے' لہٰذا کوئی اور معجزہ دکھائیں تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اے فلاں شخص! تو نے یہ کھانا کھایا ہے' اے فلاں شخص! تو نے یہ کھانا چھپا کر رکھا ہے اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا: ﴿ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ اور میں تمہیں بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں [اور ان دونوں جملوں میں "مَا"، "اَلَّذِیْ" کے معنی میں ہے یا پھر مصدریہ ہے] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک ان گزشتہ (بیان کردہ معجزات میں) ﴿ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ البتہ تمہارے لیے (میری نبوت کے صدق پر) بہت بڑی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

۵۰۔ ﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ یعنی میں تمہارے پاس دلائل لے کر آیا ہوں اور میں تمہارے پاس "مُصَدِّق" (یعنی تصدیق کرنے والا) بن کر آیا ہوں' اپنے سامنے کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" کی طرف اس کو لوٹایا گیا ہے یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نشانی لے کر آیا ہوں تاکہ میں تمہارے لیے حلال کر دوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہود پر چربی' اونٹ کا گوشت' مچھلی اور ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا' سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دیں ﴿ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں' اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو محض تاکید کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس تم میری تکذیب کرنے اور میری مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ اور تم میری اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى
مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ
ع۵ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

بے شک میرا اور تمہارا رب صرف اللہ ہے' سو تم صرف اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے O پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون بنتے ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے' اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں O اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی اتباع کی' سو تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے O اور کافروں نے قتل کی سازش کی اور اللہ نے سزا دینے کی تدبیر فرمائی' اور اللہ سزا دینے کی سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے O

۵۱۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ ﴾ بے شک میرا اور تمہارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار کیا ہے اور نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کے عقیدہ کے خلاف اپنی ذات سے ربوبیت کی

ٹی کی ہے ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ سو تم میرے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے جو اپنے صاحب کو دائمی اور قائم رہنے والے امن و چین کے گھر (بہشت) میں پہنچا دیتا ہے۔

## حضرت عیسیٰ کے قتل کی سازش اور حواریوں کی وفاداری کا ذکر

۵۲۔ ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کا کفر یقینی طور پر معلوم کر لیا جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا جیسے حواس کے ذریعے علم حاصل کیا جاتا ہے تو ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف میری مدد کون کرے گا| قاری نافع مدنی نے ''اَنْصَارِیَ'' (''یا'' کو مفتوح) پڑھا ہے اور یہ ''نَاصِرٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اَصْحَابٌ''، ''صَاحِبٌ'' کی جمع ہے یا پھر ''نَصِيْرٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اَشْرَافٌ''، ''شَرِيْفٌ'' کی جمع ہے اور ''اِلَى اللّٰهِ''، ''اَنْصَارِیْ'' کی ''یا'' سے حال ہے اور محذوف کے ساتھ متعلق ہے تقدیر عبارت ''ذَاهِبًا اِلَى اللّٰهِ وَمُلْتَجِئًا اِلَيْهِ'' ہے یعنی میرے مددگار وہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے اور اس کی پناہ لینے والے ہوں گے ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ حواریوں نے کہا: دراصل آدمی کا حواری اس کا برگزیدہ اور اس کا خاص آدمی ہوتا ہے ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ﴾ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں اور اے عیسیٰ (علیہ السلام)! آپ گواہ ہو جائیں ﴿بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں اور حواریوں نے اپنے اسلام قبول کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی صرف اپنے ایمان کی مضبوطی اور تاکید کے لیے طلب کی تھی کیونکہ قیامت کے دن انبیاء و رسل (ایمان لانے کی صورت میں) اپنی قوم کے حق میں گواہی دیں گے اور (ایمان نہ لانے کی صورت میں) ان کے خلاف گواہی دیں گے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلاشبہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے۔

۵۳۔ ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم اس پر ایمان لا چکے جو تو نے (اپنے پیغمبر پر) نازل کیا ہے اور ہم نے تیرے رسول (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی اتباع اختیار کر لی ہے ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ سو تو ہمیں گواہی دینے والے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ لکھ لے جو (بروز قیامت) اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے یا ان کے ساتھ (ہمیں لکھ لے) جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں یا (نبی اکرم رسول اعظم حضرت) محمد (مصطفےٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے ساتھ لکھ لے اس لیے کہ یہ امت (بروز قیامت) لوگوں پر گواہی دے گی۔

۵۴۔ ﴿وَمَكَرُوْا﴾ یعنی بنی اسرائیل کے کفار نے سازش کی تھی جن کا کفر حضرت عیسیٰ نے اس وقت معلوم کر لیا تھا جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا ﴿وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب اور سازش کرنے پر ان کو اس طور پر سزا دی کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور جس شخص نے آپ کو دھوکہ دہی کے ذریعے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا یہاں تک کہ یہود نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی اضافت و نسبت کرنا جزا کے معنی کے علاوہ کسی طرح جائز نہیں کیونکہ جب مکر کا لفظ فریب و دھوکہ اور استہزاء و مذاق کے معنی میں ہو تو مخلوق کے نزدیک مذموم و بُرا ہے (تو پھر سوائے جزا کے معنی کے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟) اسی طرح ''شرح التاویلات'' میں ہے ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والوں میں سے سب سے زیادہ طاقتور ہے اور عذاب دینے پر سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہے یہاں تک کہ سزا پانے والا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پوری عمر دوں گا اور تجھے اپنے پاس اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک کافروں پر غالب کر دوں گا' پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آ ؤ گے تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کر دوں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ سو جنہوں نے کفر کیا تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت ترین عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا○ اور لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو پورا پورا اجر و ثواب عنایت فرمائے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا○

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر

۵۵۔﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ ''مَكَرَ اللّٰهُ'' کا ظرف ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ﴾ اے عیسیٰ! بے شک میں تیری مدتِ حیات کو پورا کروں گا جس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں تجھے کفار کے قتل سے بچاؤں گا (کہ وہ تجھے قتل نہیں کر سکیں گے ) اور تیری حفاظت کروں گا اور میں تجھے طبعی موت دوں گا اور تیرے دشمن اپنے ناپاک ہاتھوں سے تجھے قتل نہیں کر سکیں گے ﴿وَرَافِعُكَ إِلَىَّ﴾ اور میں تجھے اپنے آسمان اور اپنے فرشتوں کی قرارگاہ کی طرف اٹھالوں گا ﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور میں تجھے کافروں کے بُرے پڑوس سے اور ان کی خبیث اور بُری صحبت سے پاک کر دوں گا اور بعض نے کہا کہ ''مُتَوَفِّيْكَ'' کا معنی ہے کہ میں تمہیں زمین سے مکمل اور پوری طرح اٹھالوں گا جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے اپنا پورا مال لے لیا یا یہ معنی ہے کہ میں تجھے آسمان سے نزول کے بعد تیرے طبعی وقت میں تجھے موت دوں گا اور اب اٹھالوں گا کیونکہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی۔ حضور نبی اکرم رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے خلیفہ بن کر میری امت پر نزول فرمائیں گے' سولی کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو حرام قرار دیں گے اور چالیس سال زندہ رہیں گے' شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے' پھر وفات پا جائیں گے' بھلا وہ امت کیوں کر ہلاک ہوگی جس کے شروع میں میں ہوں اور اس کے آخر میں حضرت عیسیٰ ہیں اور میری اہل بیت میں سے امام مہدی اس کے وسط میں ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ میں تجھے نیند کے ساتھ وفات دوں گا اور نیند کی حالت میں تجھے اوپر اٹھالوں گا تا کہ تجھے کسی قسم کا خوف و ڈر لاحق نہ ہو اور آسمان میں تو امن و سکون کے ساتھ میرے قربِ خاص میں ہوگا[1] ﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

[1] واضح رہے کہ توفی کے معنی کی تحقیق اور مرزائیوں کی تردید سورۃ المائدہ:۱۱۷ کے تحت حاشیہ میں کی گئی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿اتَّبَعُوْكَ﴾ اور آپ کے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کو (غالب کردوں گا) کیونکہ وہ اصل دینِ اسلام میں آپ کی پیروی کرتے رہے اگرچہ شریعتیں مختلف تھیں' وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور یہود و نصاریٰ میں سے جنہوں نے آپ پر جھوٹ باندھا ﴿فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا﴾ صرف آپ کی وجہ سے کافروں پر (مسلمانوں کو غالب کردوں گا) ﴿اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے روز تک وہ لوگ ان کافروں پر دلیل کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ اکثر احوال میں غالب و بلند رہیں گے ﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آؤ' ﴿فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

۵٦'۵۷- ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ٘ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ سو جنہوں نے کفر کیا ہے تو ان کو میں سخت عذاب دوں گا دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ٘ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو پورا اجر و ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا' اور یہ دونوں آیتیں حکم (یعنی فیصلۂ خداوندی) کی تفسیر ہیں [اور قاری حفص نے ''فَیُوَفِّیْهِمْ'' (''یا'' کے ساتھ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف) پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے نون کے ساتھ جمع متکلم فعل مضارع معروف پڑھا ہے)۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ
كَمَثَلِ اٰدَمَؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿٦۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ۫ ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ﴿٦۱﴾

یہ کچھ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جن کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں O بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے' اللہ نے اسے مٹی سے بنایا' پھر اس سے فرمایا: ہو جا تو وہ فوراً ہو گیا O اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا O پھر (اے محبوب!) جو آپ سے عیسیٰ کے بارے میں جھگڑا کرے اس کے بعد کہ تمہیں اس کا علم آ چکا تو ان سے فرما دو: آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو بلا لیں' پھر ہم مباہلہ کریں تو ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں O

۵۸- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے حالات کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں اور یہ مبتدا ہے ﴿نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ﴾ یہ اس کی خبر ہے ﴿مِنَ الْاٰیٰتِ﴾ یہ خبر کی خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ﴿وَ الذِّكْرِ الْحَكِیْمِ﴾ یعنی محکم قرآن (ذکر سے مراد قرآن اور حکیم بہ معنی محکم ہے) یا گویا کہ قرآن مجید کثرتِ احکام کی وجہ سے حکمت کی باتیں بولتا ہے۔

## حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی نفی' مباہلے کا چیلنج اور اہلِ کتاب کو توحید کی دعوت

۵۹- ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ یعنی بے شک حضرت عیسیٰ کی شان اور ان کی عجیب وغریب حالت حضرت آدم علیہ السلام کی عجیب ترین شان کی طرح ہے ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ ان کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور یہ جملہ حضرت آدم کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی مشابہت کی تفسیر ہے اور اعراب کے لحاظ سے اس کا کوئی محل نہیں یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور نہ وہاں باپ ہے اور نہ ماں ہے' سو حضرت عیسیٰ کا یہی حال ہے کیونکہ صرف باپ کے بغیر موجود ہونے سے بغیر ماں باپ کے موجود ہو جانا زیادہ عجیب وغریب ہے اور زیادہ خلاف عادت ہے' پس یہاں غریب کو ''اَغْـرَبْ'' کے ساتھ اور عجیب کو ''اَعْـجَبْ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تا کہ جب مخالف غریب سے غریب ترین اور عجیب سے عجیب ترین میں غور کرے گا تو یہ مثال اس کے لیے حجت قاطعہ ثابت ہوگی اور شبہ کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دے گی اور ایک عالمِ دین سے منقول ہے کہ اس کو روم میں قید کر لیا گیا اور انہوں نے روم کے عیسائیوں سے کہا کہ تم حضرت عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ بغیر باپ کے ہیں' انہوں نے فرمایا: پھر تو حضرت آدم بھی عبادت کے مستحق ہونے چاہئیں کیونکہ ان کے ماں باپ دونوں نہیں ہیں' انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے' ان عالم دین نے فرمایا: پھر تو حضرت حذقیل عبادت کے زیادہ مستحق ہونے چاہئیں کیونکہ حضرت عیسیٰ نے تو صرف چار آدمی زندہ کیے تھے جب کہ حضرت حذقیل نے آٹھ ہزار زندہ کیے تھے تو انہوں نے جواب میں کہا کہ حضرت عیسیٰ پیدائشی اندھوں اور کوڑھی کے مریضوں کو شفا دیتے تھے' آپ نے فرمایا: پھر تو حضرت جرجیس عبادت کے زیادہ حق دار ہوئے کیونکہ یہ جلائے جانے کے بعد صحیح وسلامت زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے (اس پر وہ خاموش ہو گئے) ﴿ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہو جا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان بنا دیا ﴿فَيَكُوْنُ﴾ ''اَیْ فَـكَـانَ. یعنی وہ ہو گیا'' [کیونکہ یہ ماضی کے حال کی کہانی ہے (فعل مضارع فعل ماضی کے معنی میں ہے) اور ''ثُمَّ'' خبر کی خبر پر ترتیب کے لیے ہے مخبر عنہ کی ترتیب کے لیے نہیں ہے]۔

**شانِ نزول:** جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا (اور کہا کہ آپ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' آپ نے فرمایا: ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) تو اس نے کہا: کیا آپ نے بغیر باپ کے بیٹا دیکھا ہے؟ اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (جس میں بتا دیا گیا کہ بغیر باپ کے ہونا الوہیت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اس کے باوجود نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں)۔

۶۰- ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' دراصل ''هُوَ الْحَقُّ'' ہے] ﴿فَلَا تَكُنْ﴾ پس اے سننے والے! تو نہ ہو جا ﴿مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ شک کرنے والوں میں سے' اور ایک احتمال یہ ہے کہ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے اور یہ خطاب محض جوش دلانے اور مذکورہ بالا حکم پر برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے. کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام شک کرنے سے معصوم ہیں۔

۶۱- ﴿فَمَنْ حَآجَّكَ﴾ پھر نصاریٰ میں سے جو شخص آپ سے جھگڑا کرے ﴿فِيْهِ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ اس کے بعد کہ آپ کے پاس ایسے واضح دلائل آ چکے جن سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے (کہ آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل عقیدہ پر ہیں) [1] ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا﴾ تو آپ ان سے فرما دیں: ادھر آ ؤ

[1] اس میں ''مَا''، ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے۔

اور یہاں آنے سے مراد ارادہ اور رائے کا اظہار کرنا ہے جیسے تم (اپنے احباب یا اقارب وغیرہ سے) کہو کہ ادھر آؤ ہم مل بیٹھ کر اس مسئلہ میں غور وفکر کریں ﴿نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی ہم اور تم میں سے ہر فریق اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور اپنے آپ کو مباہلہ کرنے کے لیے بلا کر لے آئے ﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ﴾ پھر ہم مباہلہ کریں گے یعنی ہم یوں کہیں گے کہ ہم میں سے اور تم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور ''بَهْلَةٌ'' کا معنی لعنت کرنا ہے اور اس کی ''با'' پر فتح یا ضمہ دونوں پڑھنا جائز ہیں اور ''بَهَلَهُ اللّٰهُ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ''اِبْتِهَال'' کا اصل معنی یہی ہے' پھر اس کو ہر اس دعا میں استعمال کیا جاتا ہے' جس کے مانگنے میں خوب محنت وکوشش صرف کی جائے اگر چہ اس میں کسی پر لعنت نہ کی جائے۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: ہمیں کچھ مہلت دیجئے تا کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں' سو ان کے صاحب رائے سردار عاقب نے کہا: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتُمْ يَا مَعْشَرَ النَّصَارٰى اَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ. اے نصرانیوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ بے شک (حضرت سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی اور رسول ہیں'' اور جو قوم اللہ تعالیٰ کے نبی سے مباہلہ کرتی ہے اس کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو جاتے ہیں' لہٰذا اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو تم سب کے سب ضرور ہلاک ہو جاؤ گے' سو اگر تم کو اپنا دین پیارا ہے تو مباہلہ سے انکار کر دو اور اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور تم اپنے گھروں کو کوچ کر جاؤ' چنانچہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے صبح سویرے حضرت حسین کو گود میں اٹھائے ہوئے سینے سے لگا رکھا ہے (اور مباہلہ کرنے تشریف لا رہے ہیں) اور حضرت حسن کی انگلی مبارک تھام رکھی ہے اور آپ کے پیچھے حضرت فاطمہ چل رہی ہیں اور ان کے پیچھے حضرت علی چل رہے ہیں اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں گا تم آمین کہنا' نجران کے لاٹ پادری نے یہ سن کر کہا: ''يَا مَعْشَرَ النَّصَارٰى اِنِّىْ لَاَرٰى وُجُوْهًا لَوْ سَاَلُوا اللّٰهَ اَنْ يُّزِيْلَ جَبَلًا مِّنْ مَّكَانِهٖ لَاَزَالَهٗ بِهَا. اے نصاریٰ کی جماعت! بے شک میں ایسے نورانی اور مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کی درخواست کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان چہروں کی برکت سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے گا'' سو تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی زندہ نہیں رہے گا' چنانچہ انہوں نے آپ سے عرض کی: اے ابوالقاسم! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ لوگ آپ کو سالانہ کپڑوں کے دو ہزار جوڑے دیا کریں گے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! بے شک ہلاکت و بربادی نجران کے باشندوں کے بالکل قریب آ چکی تھی' اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں مسخ ہو جاتے اور اگر چہ مباہلہ آپ کے اور آپ کو جھٹلانے والوں کے درمیان مخصوص تھا لیکن آپ نے بیٹوں اور عورتوں کو اس لیے شامل فرمالیا کہ یہ آپ کے حال' نبوت کی صداقت اور یقینِ کامل کے پختہ ہونے پر دلالت کرنے میں زیادہ مضبوط و مستحکم عمل ہے کہ آپ نے اس کام کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑوں اور اپنے عزیز ترین پاروں کو پیش کرنے کی جراءت فرمائی اور آپ نے صرف اپنی ذات کو پیش کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا اور یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے دشمنوں کے جھوٹا ہونے پر پورا اعتماد تھا حتیٰ کہ اگر مباہلہ پورا ہو جاتا تو آپ کے دشمن اپنے اعزاء واحباب سمیت ہلاک ہو جاتے اور بیٹوں اور عورتوں کو اس لیے بھی مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام گھر والوں میں زیادہ عزیز

ہوتے ہیں اوردلوں میں سب سے زیادہ یہی گھر کر چکے ہوتے ہیں اور اپنی ذات سے پہلے ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان کے قرب مکان اور قرب منزلت پر تنبیہ ہو جائے اور یہ دعوت مباہلہ حضور نبی اکرم رسول معظم نور مجسم شفیع الامم ﷺ کی نبوت کی صحت و حقانیت کی روشن ترین دلیل ہے کیونکہ کسی موافق اور مخالف سے ایک روایت بھی مروی نہیں ہے کہ ان نجران کے نصرانیوں نے اس دعوت مباہلہ کو قبول کیا ہو ﴿ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾ سو ہم اور تم میں سے سب حضرت عیسیٰ کی شان میں باطل عقیدہ رکھنے والے جھوٹوں پر لعنت بھیجیں گے [اور ''نَبْتَهِلْ'' اور ''نَجْعَلْ'' دونوں ''نَدْعُ'' پر معطوف ہیں]۔

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

بے شک یہ سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' بے شک اللہ ہی زبردست غالب ہے بڑی حکمت والا ہے O پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے O (اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ اے اہل کتاب! تم ایک ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (وہ یہ ہے کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب بنائے' پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ تم گواہ ہو جاؤ بے شک ہم مسلمان ہیں O

٦٢- ﴿ إِنَّ هٰذَا ﴾ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جو کچھ آپ پر بیان کیا گیا ہے یہ ﴿ لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ﴾ البتہ ایک سچا بیان ہے [اور ''هُوَ''، ''إِنَّ'' کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان ضمیر فاصل ہے یا پھر یہ مبتدا ہے اور ''الْقَصَصُ الْحَقُّ'' اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ''إِنَّ'' کی خبر ہے اور فصل پر لام کا داخل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جب لام کو خبر پر داخل کرنا جائز ہے تو فصل پر داخل کرنا بطریق اولیٰ جائز ہو جائے گا کیونکہ یہ مبتدا کے زیادہ قریب ہے اور اس کی اصل تو یہ ہے کہ اس کو مبتدا پر داخل کیا جائے] ﴿ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے [اور اس میں حرف ''مِنْ'' دراصل ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کے فتح مبنی کی جگہ پر استغراق کے معنی کے افادہ کے لیے آیا ہے] اور اس سے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی نفی کرنا مراد ہے ﴿ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی انتقام لینے میں سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ احکام کی تدبیر کرنے میں بڑا دانا ہے۔

٦٣- ﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا ﴾ سو اگر وہ روگردانی کریں اور عقیدۂ توحید کو قبول نہ کریں ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو خوب جاننے والا ہے' اس آیت مبارکہ میں ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو (درج ذیل)

ارشاد میں ذکر کیا گیا ہے: ''زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ (النحل:۸۸) ہم نے ان کو عذاب پر عذاب بڑھا کر دیا یہ بدلا ہے اس کا جو وہ فساد کرتے تھے ۝''۔

٦٤- ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے' یہاں اہل کتاب سے دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) مراد ہیں یا نجران کا وفد یا پھر مدینہ منورہ کے یہود مراد ہیں اور ''سَوَآءٍ'' کا معنیٰ ''مُسْتَوِيَةٍ'' ہے یعنی یکساں اور برابر کلمہ (توحید) جس میں نہ قرآن کا اختلاف ہے اور نہ ہی تورات و انجیل کا اختلاف ہے اور کلمہ کی تفسیر و تشریح اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب بنائے گا یعنی اس طرف آ ؤ یہاں تک کہ ہم نہ حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیں اور نہ حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیں اور نہ اپنے علماء کی ان باتوں میں اطاعت کریں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف رجوع کیے بغیر از خود حلال و حرام کے مسائل گھڑ لیے ہیں اور حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ہم نے (اس موقع پر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو ان (علمائے یہود) کی عبادت نہیں کرتے تھے' حضور نے فرمایا: کیا وہ تمہارے لیے حلال و حرام نہیں کرتے تھے کہ تم ان کی باتوں پر اعتماد کر کے ان کو لے لیتے تھے؟ حضرت عدی نے کہا کہ ہاں! یہ بات تو ہے' حضور نے فرمایا: بس وہ یہی ہے ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ توحید سے روگردانی کریں اور اس سے انکار کر دیں ﴿فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں پس تم پر حجت لازم ہو چکی ہے' اب تم پر واجب ہے کہ تم اعتراف کر لو اور تسلیم کر لو کہ بے شک ہم ہی مسلمان ہیں تم نہیں جیسا جھگڑنے اور پچھاڑنے کے بعد غالب مغلوب سے کہتا ہے کہ تو اعتراف کر لے کہ بے شک میں ہی غالب ہوں اور تو میرے غلبہ اور جیت کو تسلیم کر لے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اور تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں' کیا تم عقل نہیں رکھتے ۝ سنو! تم وہی لوگ ہو کہ تم نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم تھا تو اب تم اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں' اور (اس کے بارے میں) اللہ خوب جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ۝ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل عقیدہ سے الگ رہنے والے مخلص مسلمان تھے' اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ۝

حضرت ابراہیم کے بارے میں اہلِ کتاب کے اختلاف کی قرآنی وضاحت، آپ کے سچے پیروکاروں کی نشاندہی

۶۵۔ ﴿ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اے اہل کتاب! تم حضرت ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل ان کے بعد نازل کی گئی ہیں ۔ دراصل یہود و نصاریٰ میں سے ہر گروہ کا یہ خیال تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں میں سے ہیں اور انہوں نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی مسلمانوں سے جھگڑا کیا تو انہیں کہا گیا کہ یہودیت تو تورات کے نزول کے بعد پیدا ہوئی اور نصرانیت انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی اور جب کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک ہزار کا فاصلہ ہے اور ان کے درمیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی ایسے دین پر کیسے کاربند رہ سکتے ہیں جو ان کے ہزاروں سال بعد پیدا ہوا ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے تاکہ تم اس قسم کی محال و ناممکن بحث میں جھگڑا نہ کرو۔

۶۶۔ ﴿ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ ﴾ [ "ھا" تنبیہ کے لیے ہے اور "اَنْتُم" مبتدا ہے اور "ھٰؤُلَآءِ" اس کی خبر ہے ] ﴿ حَاجَجْتُمْ ﴾ یہ جملہ مستأنفہ ہے جو پہلے کی وضاحت کر رہا ہے یعنی تم ہی وہ احمق لوگ ہو اور تمہاری حماقت اور تمہاری کم عقلی کی دلیل یہ ہے کہ تم اس میں جھگڑا کرتے ہو ﴿ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ جس میں تورات و انجیل کے بیان کر دینے سے تمہیں علم ہے لیکن ﴿ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور نہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین سے ہونا اس کا تمہاری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "ھٰؤُلَآءِ" "اَلَّذِیْنَ" کے معنی میں ہے اور "حَاجَجْتُمْ" اس کا صلہ ہے اور قاری نافع اور ابو عمرو بصری نے "ھَا اَنْتُمْ" کو مد کے ساتھ اور بغیر مد کے دونوں طرح پڑھا ہے ﴿ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ ﴾ اور تم نے جس بات پر جھگڑا کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم نہیں جانتے یعنی تم اس سے جاہل ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین سے مبرّا تھے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

۶۷۔ ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ تمام باطل ادیان سے الگ رہنے والے مخلص مسلمان تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے گویا اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے یہود و نصاریٰ مراد لیے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم جس طرح یہود و نصاریٰ میں سے نہیں تھے اسی طرح آپ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے (بلکہ آپ موحد تھے)۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸ ۱۵

بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جوان پر ایمان رکھنے والے ہیں' اور ایمان والوں کا اللہ مددگار ہےO اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے چاہا کہ کاش! وہ تمہیں کسی طرح گمراہ کردیں' اور وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتےO اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہوO اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو؟ حالانکہ تم خود جانتے ہوO

۶۸- ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ﴾ بے شک تمام لوگوں میں حضرت ابراہیم کے ساتھ زیادہ خاص اور زیادہ قریب (جواب آگے آرہا ہے) [یہ ''وَلِیٌّ'' سے مشتق ہے' جس کا ایک معنی قرب ہے] ﴿لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی ظاہری زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد ان کی پیروی کی ﴿وَهٰذَا النَّبِيُّ﴾ خصوصاً یہ نبی ﷺ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت وعظمت کے پیش نظر ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس نبی سے مراد (سیّد الانبیاء' حبیبِ خدا' سرورِ ہر دوسرا حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور آپ کی امت (دعوت) میں سے جو لوگ ایمان دار ہیں ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مؤمنوں کا ولی یعنی ان کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

۶۹- ﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ﴾ اہل کتاب کے ایک گروہ نے چاہا کہ کاش! وہ تمہیں گمراہ کردیں' وہ یہودی تھے جنہوں نے حضرت حذیفہ بن یمان' حضرت عمار بن یاسر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہودیت کی دعوت دی تھی ﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو کیونکہ گمراہ کرنے کا وبال صرف انہیں پر پڑتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا' ایک ان کے گمراہ ہونے پر دوسرا لوگوں کو گمراہ کرنے پر ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔

۷۰- ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی تورات وانجیل کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ اور ان کا کفر یہ تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ وغیرہ کی نبوت کی صحت کے بارے میں تورات و انجیل جو باتیں بیان کرتی تھیں ان پر ایمان نہیں لاتے تھے ﴿وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ اور تم خود گواہ ہو کیونکہ تم خود اعتراف کرتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یا تم رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم ان دونوں کتابوں (تورات وانجیل) میں حضور کی نعت کی گواہی دیتے ہو یا تم اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہیں۔

۷۱- ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ کہ تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر ایمان لاکر اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کفر کرکے حق و باطل میں خلط ملط کرتے ہو ﴿وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ﴾ اور تم حق کو یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت مبارکہ کو کیوں چھپاتے ہو ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (سازش کے تحت اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل کی گئی ہے تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو شاید وہ (اپنے دین سے) پھر جائیں○ اور تم ایمان نہ رکھو مگر اس پر جو تمہارے دین کے تابع ہو' (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے' (اس پر ایمان نہ رکھنا) کہ جیسا تمہیں (دین ہدایت) دیا گیا ہے ایسا کسی اور کو دیا جائے گا (اور نہ اس پر ایمان رکھنا کہ قیامت کے دن) تمہارے رب کے پاس تم پر کوئی حجت لا سکے گا' آپ فرما دیں کہ بے شک فضل و کرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا' خوب جاننے والا ہے○ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے○

## اہلِ کتاب کی بددیانتیاں اور پیغمبروں کی دیانت داری

۷۲- ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے آپس میں کہا: ﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ مسلمانوں پر جو قرآن نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ ﴿وَجْهَ النَّهَارِ﴾ دن کے شروع میں' اور یہ ظرف ہے یعنی مسلمانوں پر جو کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی ہے اس پر دن کے پہلے پہر ایمان کا اظہار کرو ﴿وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ﴾ اور اس کے پچھلے پہر انکار کر دو ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ شاید مسلمان کہیں کہ یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم حضرات ہیں' یہ اسلام سے اس لیے پھر گئے ہوں گے کہ انہوں نے اسلام میں کوئی کمزوری دیکھ لی ہو گی جو صرف ان پر واضح ہو گئی ہو گی' لہٰذا تمہارے پھرنے پر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں گے۔

۷۳- ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ﴾ ''وَلَا تُؤْمِنُوْا'' کا تعلق ﴿اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ﴾ کے ساتھ ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی تم اس بات پر ایمان کا اظہار نہ کرنا کہ جیسا تمہیں دیا گیا ہے ویسے کسی اور کو دیا جائے گا مگر تم اپنے اہل دین کے سامنے اس کا اظہار کر سکتے ہو دوسروں کے سامنے نہیں' ان کا مقصد یہ تھا کہ تم مسلمانوں کے سامنے اپنی اس تصدیق کو چھپائے رکھو کہ انہیں بھی ویسے ہی کتاب دی گئی ہے جیسے تمہیں دی گئی تھی اور (ان کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ) تم صرف اپنے فرقوں کے سامنے اس کا اظہار کر سکتے ہو مسلمانوں کے سامنے نہیں تاکہ وہ اپنے دین پر پہلے سے زیادہ مستحکم نہ ہو جائیں اور نہ تم مشرکین کے سامنے اس کا اظہار کرنا تاکہ مسلمان ان کو اسلام کی طرف دعوت نہ دے سکیں ﴿اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ [یہ ''اَنْ یُّؤْتٰى'' پر معطوف

ہے اور ''یُحَاجُّوْکُمْ'' کے اندر جو ضمیر ہے وہ ''اَحَدٌ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ جمع کے معنی میں ہے' مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دین والوں کے علاوہ کسی کو نہ ماننا ورنہ قیامت کے روز مسلمان حق کے ذریعے تم پر حجت لائیں گے اور حجت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر غالب آ جائیں گے اور جملہ معترضہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درحقیقت ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اسلام قبول کر لیتا ہے یا مسلمان اسلام پر پہلے کی طرح ثابت قدم رہتا ہے اور تمہارا مکروفریب اور مسلمانوں اور مشرکوں سے اپنا ایمان و تصدیق چھپانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد بھی اسی طرح ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ چاہتا ہے دے دیتا ہے' فضل سے مراد ہدایت و توفیق ہے یا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ'' پر کلام پورا ہو جاتا ہے یعنی تم اپنا ظاہری ایمان جو دن کے شروع میں لاتے ہو اس کی تصدیق و تائید نہ کرو مگر ان کے سامنے جو تمہارے دین کے پیروکار ہیں یا ان کے سامنے جو تم میں مسلمان ہو چکے ہیں ان میں سے جو تمہارے دین کے تابع ہیں کیونکہ ان کا واپس لوٹ آنا اہل کتاب کے نزدیک دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ارجیٰ تھا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَنْ يُّؤْتٰى'' کا معنی یہ ہے (کہ اہل کتاب کے سرداروں نے عام لوگوں سے کہا کہ تم اس پر ایمان نہ رکھنا) کہ کسی اور کو دیا جائے گا جیسا تمہیں دیا گیا ہے' مطلب یہ کہ ''اَنْ يُّؤْتٰى'' دراصل ''لِاَنْ يُّؤْتٰى'' کے معنی میں ہے اور تم نے یہی بات کی اور اسی مقصد کے لیے سوچا کسی اور مقصد کے لیے نہیں یعنی (اے اہلِ کتاب!) تمہارے اندر جو حسد اور بغاوت ہے کہ جیسا علم و کتاب تمہیں دیا گیا ہے ایسا کسی اور کو بھی دیا جائے گا اسی حسد نے تمہیں اس بات کی دعوت دی کہ تم یہ بات کہو جو تم نے کہہ دی [اور اس پر قاری ابن کثیر مکی کی مد اور استفہام کے ساتھ ''اٰنْ'' کی قراءت دلالت کرتی ہے] یعنی کیا کسی اور کو بھی ایسی کتاب دی جائے گی جیسے تمہیں دی گئی ہے؟ بہرحال تم اُن (مسلمانوں) پر حسد کرتے ہو اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ'' کا اس بنا پر معنی یہ بنے گا کہ تم نے جو کچھ سوچا وہ یہی سوچا کہ جیسے تمہیں کتاب دی گئی ہے ویسے کسی اور کو دی جائے گی اور وہ اس کتاب کے ذریعے تمہارے رب کے پاس تمہارے کفر پر تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ مصلحت کو خوب جاننے والا ہے۔

۷۴- ﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ وہ اپنی رحمت یعنی نبوت یا اسلام کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ
تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

اور اہل کتاب میں سے کچھ وہ لوگ ہیں کہ اگر تو اس کے پاس امانت کے ڈھیر رکھ دے تو وہ تجھے ادا کر دے گا اور ان میں کچھ وہ ہیں کہ اگر تو اس کے پاس صرف ایک دینار امانت کا رکھ دے تو وہ تجھے واپس ادا نہیں کرے گا مگر جب تک تو اس

کے سر پر کھڑا رہے' یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ اَن پڑھوں کے معاملات میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیںO ہاں! کیوں نہیں! جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری کرتا رہا تو بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہےO

۷۵- ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ﴾ اور اہلِ کتاب میں سے کچھ وہ لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر سارا مال امانت رکھ دو تو وہ تمہیں واپس ادا کر دیں گے اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے پاس قریش کے ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھ دیا تو انہوں نے وہ سارا سونا واپس مکمل طور پر ادا کر دیا ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو تو وہ اس کو تمہیں واپس ادا نہیں کریں گے' یہ فنحاص بن عازورا ہے جس کے پاس قریش کے ایک شخص نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو اس نے انکار کر دیا اور واپس کرنے کی بجائے خیانت کی اور بعض مفسرین نے کہا کہ زیادہ مال پر امانت داری کرنے والے نصرانی ہوا کرتے تھے کیونکہ ان پر امانت داری و دیانت داری غالب تھی اور تھوڑے سے مال پر خیانت کرنے والے یہودی ہوا کرتے تھے کیونکہ ان پر خیانت و بددیانتی غالب تھی ﴿ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىٕمًا ﴾ مگر یہ کہ تم اے صاحب حق! اس کے سر پر کھڑے رہو اور اس کے ساتھ ساتھ رہو [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی' علی کسائی اور امام حفص ان تمام قراء نے "یُؤَدِّہٖ" اور "لَا یُؤَدِّہٖ" میں "ھا" کے کسرہ کو اشباع کے ساتھ (یعنی کسرہ کو یائے مدہ کے ساتھ کھینچ کر) پڑھا ہے اور قاری ابوعمرو بصری نے ایک روایت کے مطابق بغیر مد کے پڑھا ہے' ان حضرات کے علاوہ باقی قراء نے "ھا" کو ساکن کر کے (یُؤَدِّہْ اور لَا یُؤَدِّہْ) پڑھا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ امانت ادا نہ کرنے اور خیانت کرنے کی طرف اشارہ ہے [جس پر "لَا یُؤَدِّہٖ" دلالت کر رہا ہے] ﴿ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ﴾ یعنی ان کا لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا اس سبب سے تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا یعنی ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر نہ گناہ ہوگا نہ ہماری مذمت ہوگی' ان پڑھوں سے ان کی مراد وہ لوگ تھے جو اہلِ کتاب نہیں تھے (اور وہ کہا کرتے تھے) کہ ہم نے ان کے مال و زر روک کر اور انہیں نقصان پہنچا کر جو کچھ کیا ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر نہیں تھے اور اہلِ کتاب اپنے مخالفوں پر ظلم کرنا جائز سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کی ہماری کتاب میں کوئی عزت و حرمت نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے قریش کے کچھ آدمیوں سے کوئی لین دین کیا' پھر جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں سے مال کی واپسی کا تقاضا کیا اور کہا کہ اب تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں بنتا کیونکہ تم نے اپنا دین و مذہب چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا ہے ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ اور وہ یہ دعویٰ کر کے کہ یہ سب کچھ ان کی کتاب میں موجود ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں ﴿ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

۷۶- ﴿ بَلٰی ﴾ اہل کتاب نے جو نفی کی تھی کہ ان پڑھوں کے بارے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اس کا یہ اثبات ہے یعنی بلکہ اُن پر اَن پڑھوں کے بارے میں گرفت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد: ﴿ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی ﴾ [جملہ مستانفہ ہے جو "بَلٰی" کے قائم مقام جملے کی تقریر کرتا ہے اور "بِعَھْدِہٖ" میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کیا اور اس سے ڈر گیا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان سے محبت کرتا ہے [ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے (دراصل "یُحِبُّھُمْ" ہونا تھا) اور متقین کا عموم اس ضمیر کا قائم مقام ہے جو جزا میں "مَنْ" کی طرف راجع ہے اور اس میں ایمان اور دیگر نیک اعمال اور کفر اور بُرے اعمال

سے بچنا بھی داخل ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ ۪ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِیۡقًا یَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

بے شک جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں تھوڑا سا مال وصول کرتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور قیامت کے دن اللہ ان سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ ان پر نظرِ رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا O اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو گھما کر کتاب میں تحریف کر دیتے ہیں' تا کہ تم یہ سمجھو کہ یہ بھی کتاب میں سے ہے' حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے' حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا' اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں O

---

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہیں کی طرح اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہوئے تھے ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر ''مَنْ اَوْفٰی'' کی طرف لوٹتی ہو یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے وہ تمام وعدے پورے کیے جو اللہ تعالیٰ نے اس سے لیے تھے اور وہ خیانت و دھوکہ دہی کے ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ یہودیوں میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے تورات شریف میں تحریف کر دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت شریف اور آپ کی شان کو تبدیل کر دیا اور اس کے عوض میں رشوت کا مال وصول کیا۔

۷۷-﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ﴾ بے شک جولوگ خرید کرتے ہیں یعنی تبدیل کرتے ہیں (اور وصول کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے عہد کے عوض میں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس رسول اکرم پر ضرور ایمان لائیں گے جو ان کی کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرے گا ﴿وَاَیۡمَانِهِمۡ﴾ اور اپنی ان قسموں کے عوض میں جو انہوں نے اپنے اس اقرار کے ساتھ حلف اٹھایا تھا کہ ''وَاللّٰهِ لَنُؤۡمِنَنَّ بِهٖ وَلَنَنۡصُرَنَّهٗ. اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ان پر البتہ ضرور ضرور ضرور ایمان لائیں گے اور ہم یقیناً ان کی ضرور ضرور مدد کریں گے'' ﴿ثَمَنًا قَلِیۡلًا﴾ دنیا کا سامان رشوت وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''بِعَهۡدِ اللّٰهِ'' اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ ''بِعَهۡدِهٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا ﴿وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان سے ایسی گفتگو نہیں فرمائے گا جو ان کی خوشی کا باعث بن سکے (بلکہ غضب و ناراضگی کی گفتگو فرمائے گا جس سے بجائے خوشی کے غم و رنج بڑھے گا) ﴿وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کی طرف نظرِ رحمت بھی نہیں فرمائے گا ﴿وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ﴾ اور نہ انہیں پاک

کرے گا یعنی ان کی تعریف وتوصیف نہیں فرمائے گا ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

۷۸۔﴿ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ ﴾ اور بے شک اہل کتاب میں سے البتہ ایک گروہ ہے جو کتاب کی تلاوت کرتے وقت صحیح نازل کردہ تلفظ سے تحریف شدہ تلفظ کی طرف اپنی زبانوں کو پھیرتے ہیں اور یہ گروہ کعب بن اشرف' مالک بن صیف' اور حیی بن اخطب وغیرہ کا تھا اور ''يَلْوُونَ'' ''لَيٌّ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: پھیرنا اور گھمانا اور اس سے رجم کرنے کی آیات اور حضور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں بیان کی گئی آیات مبارکہ میں اہل کتاب کی طرف سے تحریف کرنا مراد ہے ﴿ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ ﴾ تا کہ تم اس تحریف کردہ کلام کو اللہ کی کتاب تورات شریف سے سمجھو اور یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ یہ لوگ اپنے تبدیل شدہ کلام کو کتاب الٰہی کے کلام کے مشابہ بنانے کے لیے تورات کے پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو نرمی سے چلاتے ہوں تا کہ تم ان کے کلام کو اس کے (یعنی کلام الٰہی کے) مشابہ خیال کرو [لہٰذا ''لِتَحْسَبُوهُ'' کی ضمیر اس محرف کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ'' دلالت کرتا ہے] ﴿ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ ﴾ اور وہ درحقیقت کتاب الٰہی یعنی تورات میں سے نہیں (بلکہ یہود کا اپنا من گھڑت کلام ہے) ﴿ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ﴾ اور وہ کہتے ہیں: یہ (کلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ ''وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ'' کی تاکید ہے اور یہود کو اس ناشائستہ اور ظالمانہ حرکت پر لعن طعن کرنا اور ان کی سخت مذمت کرنا مقصود ہے ﴿ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۹ ۱۶

کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب وحکمت اور نبوت سے نواز دے' پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے عبادت گزار بندے ہو جاؤ لیکن وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس لیے کہ تم اس کو خود پڑھتے ہو○ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا ٹھہرالو' کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو○

۷۹۔﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ ﴾ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب (اور حکمت و نبوت) عطا کرے اور یہ آیت مبارکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کی تکذیب و تردید کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ایک مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں ''أَفَلَا نَسْجُدُ لَكَ. تو کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''لَا يَنْبَغِي أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْرِمُوا

نَبِیَّکُمْ وَاعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ. کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں لیکن تم اپنے نبی کی تعظیم کیا کرو اور ان کے قرابت داروں کا حق پہچانو'' ﴿ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ﴾ اور حکمت و نبوت' اور حکمت سے مراد سنت ہے یا مقدمات کے فیصلہ کرنے کی قوت و دانش مراد ہے ﴿ ثُمَّ یَقُوْلَ ﴾ اس کا ''یُؤْتِیَہُ'' پر عطف ہے ﴿ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ﴾ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے عبادت گزار بندے بن جاؤ لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ' ربانی رب کی طرف منسوب ہے جس میں الف اور نون کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت کے ساتھ بہت وابستہ ہو جانا اور جس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انتقال کر گئے تو حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس امت کا ربانی عالم دین انتقال کر گیا ہے اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ علمائے دین میں سے فقہاء (اسلامی احکام کے ماہرین قرآن و سنت میں کامل دستگاہ رکھنے والے) ربانیّین ہیں اور بعض نے کہا کہ قرآن و سنت کی تعلیم دینے والے علماء ربانیّین ہیں اور (جمہور) مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر عالِم باعمل ربانی عالم ہے ﴿ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ ﴾ اس وجہ سے کہ تم کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہو [اور کوفیوں نے اور ابن عامر شامی نے اس کو تشدید کے ساتھ (تُعَلِّمُوْنَ) پڑھا ہے' ان کے علاوہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ (تَعْلَمُوْنَ) پڑھا ہے] ﴿ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم اسے پڑھتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس سبب سے کہ تم علماء ہو اور اس سبب سے کہ تم کتاب الٰہی کے علم کی خاطر پڑھتے پڑھاتے ہو اور ربانیّت (اللہ والا ہونا) وہ قوت ہے جو اطاعتِ الٰہی پر مضبوطی حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور علم دین کے پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی شخص کی بدقسمتی کے لیے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اس نے بڑی جد و جہد اور محنت کر کے اور اپنی جان کو ہلاکت کی بھٹی میں ڈال کر علم حاصل کیا' پھر اس کے باوجود اس نے اپنے علم کو عمل کا ذریعہ نہ بنایا' سو اس شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے بہترین باغ لگایا جس کے دیکھنے سے پژمردہ دل شاداب ہو جاتے ہیں لیکن وہ باغ اس کو اپنے پھل سے نفع نہیں دیتا اور بعض نے کہا: ''تَدْرُسُوْنَ'' کا معنی ہے کہ تم لوگوں کو پڑھاتے ہو جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لِتَقْرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ. (بنی اسرائیل: ۱۰۶) تا کہ آپ (اے محبوب!) لوگوں پر اس کو پڑھیں'' تو اب یہ ''تُدَرِّسُوْنَ'' کے معنی میں ہوگا [جو ''تَدْرِیْس'' سے مشتق ہے (یعنی لوگوں کو پڑھانا) جیسا کہ ابن جبیر کی قراءت ہے]۔

۸۰- ﴿ وَلَا یَاْمُرَکُمْ ﴾ [یہ ''ثُمَّ یَقُوْلَ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''مَا کَانَ لِبَشَرٍ'' میں نفی کے معنی کی تاکید کے لیے لام زیادہ کیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نبوت عطا فرمائے اور اس کو حکم دے کہ وہ لوگوں کو شرک ترک کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے لیکن وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دے اور وہ تمہیں حکم دے ﴿ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو اپنا رب بنا لو جیسے تم کہتے ہو کہ زید کے لیے جائز نہیں کہ میں اس کا احترام کروں لیکن وہ میری توہین کرے اور مجھ سے نہ ڈرے [اور حجازی اور ابوعمرو بصری اور علی کسائی نے اس کو (یعنی ''وَلَا یَاْمُرُکُمْ'' کو) ابتدائے کلام پر محمول کر کے مرفوع پڑھا ہے] ﴿ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ ﴾ [اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''وَلَا یَاْمُرُکُمْ'' اور ''اَیَاْمُرُکُمْ'' میں ضمیر فاعل ''بَشَرٍ'' کے لیے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کیا وہ انسان (جس کو نبوت عطا کی گئی ہے) یا اللہ تعالیٰ تمہیں کفر کا حکم دیں گے ﴿ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب حضرات مسلمان تھے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے آپ سے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت طلب

کی تھی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور (اے محبوب!) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس ایسا عظیم الشان رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے عرض کی: ہم نے اقرار کر لیا' فرمایا: سو تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں O پھر جو اس کے بعد پھر گیا تو وہ نافرمان ہیں O کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے اسی کی فرماں بردار ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O

## تمام انبیاء سے میثاق لینے' تمام مخلوق کے مطیع ہونے کا بیان

۸۱- ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا اور یہ آیت مبارکہ اپنے ظاہر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پختہ عہد لیا یا پھر حذفِ مضاف کی بنا پر انبیائے کرام کی اولاد سے پختہ عہد لینا مراد ہے اور وہ بنی اسرائیل ہیں[1] ﴿لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ﴾ کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت دوں' اس میں لام قسم کے معنی میں ہے کیونکہ انبیائے کرام سے عہد لینا حلف کے معنی میں ہے [اور ''لَتُؤْمِنُنَّ'' کا لام قسم کا جواب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَا'' کا لفظ شرط کے معنی کو متضمن ہو اور ''لَتُؤْمِنُنَّ'' شرط اور قسم دونوں کے جواب کے قائم مقام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ''مَا''

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ حیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور دین اسلام کی نشر و اشاعت میں آپ کی مدد کریں گے' پھر انہیں حکم دیا کہ ہر نبی اپنی اپنی امت سے یہی عہد لے گا اور اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا بھی یہی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں بھی یہی کچھ بیان کیا گیا ہے اور اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں: روح المعانی' ابن کثیر' جامع البیان' مظہری' انوار المحمدیۃ المقصد الاول' نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ارسلت الی الخلق کافۃ. یعنی میں تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹' مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین)

موصولہ ہو اور ''لَلَّذِیْ اٰتَیْتُکُمُوْہُ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ'' کے معنی میں ہو ]یعنی میں تمہیں جو چیز دے دوں تم اس پر ضرور ضرور ایمان لانا ﴿ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ﴾ پھر تمہارے پاس تعظیم الشان رسول تشریف لائے [اور یہ جملہ صلہ پر معطوف ہے اور اس میں ''مَا'' موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ''ثُمَّ جَآءَ کُمْ بِہٖ'' ہے ﴿مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ﴾ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا جو تمہارے پاس ہے ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ﴾ یعنی البتہ تم اس رسول پر ضرور ضرور ایمان لانا ﴿وَلَتَنْصُرُنَّہٗ﴾ ''اَیِ الرَّسُوْلَ وَھُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ'' اور البتہ تم ضرور ضرور اس رسول کی مدد کرو گے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں [قاری حمزہ نے ''لِمَا اٰتَیْتُکُمْ'' (یعنی لام کو حرف جارہ قرار دے کر مکسور) پڑھا ہے اور ''مَا'' موصولہ ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے یا ''مَـا'' مصدریہ ہے ]یعنی میرا تمہیں کتاب و حکمت دینا' پھر تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے رسول کا تشریف لانا اس سبب سے ہے (کہ تم ان پر ایمان لاؤ) اور لام تعلیل کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام سے عہد لیا کہ تم ضرور ضرور میرے اس رسول پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اس سبب سے ہے کہ میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں گا اور بے شک یہ رسول جن پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ تمہارے موافق ہوں گے مخالف نہیں ہوں گے [قاری نافع مدنی نے (واحد متکلم کی جگہ جمع متکلم) ''اٰتَیْنَاکُمْ'' پڑھا ہے ] ﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ اور یہاں عہد کو ''اِصْر'' اس لیے کہا گیا کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کو (اقرار و اعتراف اور تحریر و دستاویز اور حلف و قسم کے ذریعے) خوب باندھا اور مضبوط کیا جاتا ہے ﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا﴾ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تو تم اس اقرار پر ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ ﴿وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور میں تمہارے اقرار کرنے اور ایک دوسرے پر گواہ بننے پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں اور یہ ان پر تاکید و تنبیہ ہے اور ان کو عہد سے پھرنے پر ڈرانا اور دھمکانا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اور ایک دوسرے پر گواہی کی اہمیت کو جانتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ انبیائے کرام کے عہد و اقرار کرنے پر گواہ ہو جاؤ۔

۸۲- ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ تو جو بندہ (بفرض محال) اس پختہ عہد اور مضبوط اقرار کے بعد پھر جائے گا اور اس عہد کو قبول کر لینے کے بعد اس کو توڑ دے گا اور تشریف لانے والے (آخر الزمان) پیغمبر پر ایمان لانے سے روگردانی کرے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سو وہ سرکشی کرنے والے کافروں میں سے ہو جائیں گے۔

۸۳- ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ﴾ [جملے کا جملے پر عطف کرنے والے ''فـا'' پر ہمزہ استفہام کو انکار کے لیے داخل کیا گیا ہے اور اصل معنی یہ ہے: ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ. تو وہی لوگ فاسق ہیں اور دین الٰہی کے علاوہ اور دین کو طلب کرتے ہیں'' پھر ان دونوں جملوں کے درمیان ہمزہ داخل کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ محذوف پر عطف کیا جائے جس کی تقدیر عبارت یوں ہو گی: ''اَيَتَوَلَّوْنَ فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ. کیا وہ پھر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کر لیں گے'' اور یہاں مفعول بہ کو اپنے فعل سے مقدم کیا گیا ہے اور وہ ''غَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ'' ہے کیونکہ یہ مفعول اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ وہ انکار جو ہمزہ استفہام کا معنی ہے وہ معبودِ باطل کی طرف متوجہ ہے ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ﴾ اور اسی کے تابع فرمان ہو چکی ہے وہ تمام مخلوق جو آسمانوں میں ہے یعنی فرشتے وغیرہ ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ہے یعنی تمام انسان اور جنات وغیرہ ﴿طَوْعًا﴾ خوشی سے دلائل توحید میں غور و فکر کرنے اور اپنی ذات سے انصاف کرنے کے ساتھ ﴿وَّكَرْهًا﴾ اور ناخوشی سے تلوار کے ساتھ یا عذاب دیکھنے کے ساتھ جیسے بنی

اسرائیل پر پہاڑ کو اٹھا کر ان پر کھڑا کر دینا اور فرعون کو پانی کی غرقابی کا گھیر لینا اور قریب المرگ ہو جانا (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے [اور ''طَوْعًا وَّكَرْهًا'' حال واقع ہونے پر منصوب ہیں' دراصل ''طَائِعِيْنَ وَ مُكْرِهِيْنَ'' ہے] ﴿وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے' پھر وہ تمہیں اعمال پر جزا دے گا [اور امام حفص کی قراءت میں دونوں جگہ ''يَبْغُوْنَ'' اور ''يُرْجَعُوْنَ'' ''یا'' کے ساتھ ہے اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دوسرے فعل میں تا اور جیم مفتوح کے ساتھ (تَرْجِعُوْنَ) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرنے والے صرف عہد سے پھر جانے والے لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے والے تمام لوگ ہیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی قراء نے دونوں فعلوں میں ''تا'' کے ساتھ' نیز دوسرے فعل میں جیم کو مفتوح (تَبْغُوْنَ اور تُرْجَعُوْنَ) پڑھا ہے]۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

آپ فرما دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا' ہم ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں O اور جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا O

۸۴- ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے ایمان لانے کی خبر سنا دیں [اس لیے ''قُلْ'' میں واحد کی ضمیر اور ''اٰمَنَّا'' میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی طرف سے ایمان لانے کی گفتگو فرمائیں جیسا کہ بادشاہ اپنی طرف سے گفتگو کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ التحیات والتسلیمات کی جلالت قدر اور عظمت شان کا اظہار کیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہاں ''اُنْزِلَ'' کو حرف استعلاء (یعنی ''عَلٰی'') کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے جب کہ سورۃ البقرہ میں حرف انتہاء (یعنی ''اِلٰی'') کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ''اُنْزِلَ'' میں دونوں معانی پائے جاتے ہیں کیونکہ وحی اوپر سے نازل ہوتی ہے اور رسول اکرم ﷺ پر آ کر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے' چنانچہ یہ فعل کبھی دونوں معانی میں سے ایک کے ساتھ آتا ہے اور کبھی دوسرے معنی کے ساتھ آتا ہے اور صاحب ''لباب'' نے کہا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ''قُوْلُوْٓا'' میں امت کو خطاب ہے جو ''اِلٰی'' ہی کے ساتھ صحیح اور درست ہو سکتا ہے کیونکہ کتب الٰہیہ انبیائے کرام اور ان کی امتوں تک پہنچ کر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہیں اور یہاں ''قُلْ'' فرما کر حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آپ کی

امت کو لہٰذا یہاں "عَلٰی" ہی مناسب ہے کیونکہ یہ کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل کی گئی ہے اس میں امت شریک نہیں لیکن یہ وجہ قابلِ اعتراض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران:۷۲) یعنی تم اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے"۔ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ اور جو حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اسباط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور اس میں بہت سے انبیائے کرام مبعوث ہوئے تھے ﴿وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ﴾ اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیائے کرام کو دیا گیا [اور سورۃ البقرہ میں "وَمَآ اُوْتِیَ" مکرر لایا گیا ہے اور یہاں دوبارہ نہیں لایا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ" میں دینے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے] ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ہم ان میں سے کسی کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے (بلکہ ہم سب پر مکمل ایمان رکھتے ہیں) جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں (کہ وہ بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں) ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں اور موحد ہیں اور ہم اپنے آپ کو اسی کا مخلص قرار دیتے ہیں' ہم اپنی عبادات میں اس کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

۸۵- ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا﴾ یعنی جو شخص توحید اور رضائے الٰہی یا دینِ محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا' یہاں "دِیْنًا" تمیز واقع ہو رہا ہے ﴿فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو خسارے اور نقصان میں پڑ گئے۔

كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾

اللہ اس قوم کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس واضح دلائل و معجزات آ چکے تھے' اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور ان کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی' تو اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

## مرتدین کی مذمت

شانِ نزول: کفارِ مکہ کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں آ کر مسلمان ہو گیا' پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے چلا گیا اور مکہ

مکرمہ میں جا پہنچا' ان کے بارے میں درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی:

۸۶- ﴿ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیونکر ہدایت دے گا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا ﴿ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ﴾ [واؤ حال کے معنی میں ہے اور "قَدْ" پوشیدہ ہے] یعنی انہوں نے کفر کیا حالانکہ تحقیق وہ رسول اکرم یعنی حضرت محمد (مصطفےٰ ﷺ) کے برحق ہونے کی گواہی دے چکے تھے [یا "اِيْمَانِهِمْ" میں جو فعل کا معنی ہے اس پر عطف ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: "بَعْدَ اَنْ اٰمَنُوْا. اس کے بعد کہ وہ ایمان لے آئے"] ﴿ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ اور ان کے پاس ایسے شواہد آ چکے تھے (جو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں) جیسے قرآن مجید اور دیگر معجزات ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی جب تک کفار اپنے کفر پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دے گا یا یہ کہ جب وہ کفر کی موت مریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی راہ نہیں دکھائے گا۔

۸۷- ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یہ مبتدا ہے ﴿ جَزَآؤُهُمْ ﴾ دوسرا مبتدا ہے' اس کی خبر ﴿ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ﴾ ہے اور یہ دونوں "اُولٰٓئِكَ" کی خبر ہیں [یا "جَزَآؤُهُمْ" "اُولٰٓئِكَ" سے بدل الاشتمال ہے] ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [خَالِدِيْنَ" "عَلَيْهِمْ" میں "هِمْ" ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] (آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

۸۸- ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ وہ اس میں یعنی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

۸۹- ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ مگر جنہوں نے اس کے بعد یعنی کفرِ عظیم اختیار کرنے اور مرتد ہو جانے کے بعد توبہ کر لی ﴿ وَاَصْلَحُوْا ﴾ اور انہوں نے (اپنے ایمان کو) فاسد و برباد کرنے کے بعد اپنی اصلاح کر لی یا اصلاح میں داخل ہو گئے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما کر ان کا گزشتہ کفر معاف فرما دے گا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ ان پر مہربانی فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۱۱ ۱۷

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا' پھر کفر میں اور بڑھ گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی' اور یہی لوگ گمراہ ہیں ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اگر ان میں سے کوئی شخص زمین بھر سونا فدیہ میں دینا چاہے گا تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا' اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ○

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ (ایک قول کے مطابق) یہود کے بارے میں نازل ہوئی:

۹۰-﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ﴾ بے شک جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تورات پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انجیل کے ساتھ کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ پھر وہ (سرور انبیاء حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور قرآن مجید کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا اس کے بعد کہ وہ آپ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے' پھر اس پر اصرار کرتے رہنے اور ہر وقت آپ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے رہنے سے کفر میں اور بڑھ گئے۔

شانِ نزول: (دوسرے قول کے مطابق) یا یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے بھاگ گئے اور مکہ مکرمہ میں جا پہنچے اور ان کے کفر کا بڑھنا یہ تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم مکہ میں ٹھہر کر (رحمت دو عالم جانِ دو عالم حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں حوادثاتِ زمانہ کی گردش کا انتظار کریں گے ﴿لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی یعنی موت کے وقت ان کا ایمان لانا ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ کافر لوگ موت کے وقت ہی توبہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: "فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا. (الغافر:۸۵) جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انہیں ان کے ایمان نے نفع نہ دیا"۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ اور یہی لوگ مکمل گمراہ ہیں۔

۹۱-﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی موت مر گئے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا "فَلَنْ یُّقْبَلَ" میں حرف "فَا" اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ یہ کلام شرط اور جزا پر مبنی ہے اور فدیہ قبول نہ کرنے کا سبب کفر پر موت ہے اور اس سے پہلی آیتِ کریمہ میں "فَا" کا ترک کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ وہ کلام مبتدا اور خبر ہے اور اس میں سببیّت پر کوئی دلیل نہیں اور "ذَهَبًا" تمیز ہے ﴿وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ یعنی ان کا فدیہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ لوگ فدیہ میں زمین بھر سونا دے دیں۔ حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز کافر سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس زمین کے برابر سونا ہو تو کیا تو اسے فدیہ میں دے دے گا؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں! سو اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں اس سے بہت آسان سوال کیا گیا تھا' بعض نے کہا: اس میں واؤ نفی کی تاکید کے لیے ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ اور ان کے لیے عذاب کو دور کرنے والے مددگار نہیں ہوں گے۔

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

وقف جبریل علیہ السلام

تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہو اور تم جو چیز خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہےO ہر قسم کا طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے تورات کے نزول سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' آپ فرما دیجئے کہ تم تورات کو لا کر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہوO تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے سو وہی لوگ ظالم ہیںO آپ فرما دیں: اللہ نے سچ فرمایا' پس تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو' جو ہر باطل سے الگ توحید پرست تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھےO

## نیکی حاصل کرنے کا عمل' بنی اسرائیل کا افتراء

٩٢- ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ تم ہرگز نیکی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے یا تم نیک نہیں بن سکتے یا تم اللہ تعالیٰ کی نیکی یعنی اس کا ثواب حاصل نہیں کر سکتے ﴿حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ یہاں تک کہ تم اپنے اموال میں سے وہ مال خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور اس کو سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنا پسندیدہ مال خرچ کیا اگرچہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو تو وہ شخص اس آیت مبارکہ کے مصداق میں داخل ہو گیا۔ امام واسطی نے فرمایا کہ بعض محبوب ترین مال راہِ خدا میں خرچ کرنے سے آدمی نیکی حاصل کر لیتا ہے اور دونوں جہاں سے خلوت اختیار کر کے آدمی رب تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق نے فرمایا کہ تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے مگر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نیکی کر کے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے محبوب سے محبوب چیز کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق مروی ہے کہ آپ شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ کر دیا کرتے تھے' آپ سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت ہی کیوں نہیں صدقہ کر دیتے؟ آپ نے فرمایا کہ شکر مجھے محبوب و مرغوب ہے' میں چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں پیاری چیز خرچ کروں ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے تم جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اسے خوب معلوم ہے' سو وہ تمہیں اس کے مطابق جزا دے گا [اور پہلا ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں ہے: ''حَتّٰی تُنْفِقُوْا بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ'' یہاں تک کہ تم کچھ وہ مال خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور دوسرا تبیین کے لیے ہے یعنی خرچ کسی قسم کا ہو خواہ عمدہ مال ہو جسے تم پسند کرتے ہو خواہ ردی اور گھٹیا ہو جسے تم ناپسند کرتے ہو (بہرحال اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے)۔

**شانِ نزول:** جب یہود نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ اونٹ کا گوشت تناول فرماتے ہیں اور اس کا دودھ بھی نوش جان فرماتے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھا' سو ہم بھی اس کو حلال سمجھتے ہیں' یہود نے کہا کہ بے شک یہ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے دین میں ہمیشہ حرام رہا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب و تردید کے لیے درج ذیل آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

٩٣- ﴿كُلُّ الطَّعَامِ﴾ یعنی تمام کھانے جن میں اختلاف واقع ہو گیا ہے' سو ان میں سے کچھ اس سے پہلے بھی حرام تھے جیسے مردار اور خون ﴿كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ یہ سب بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے [''حِلًّا'' مصدر ہے' کہا جاتا ہے: ''حَلَّ الشَّیْءُ حِلًّا'' یعنی فلاں چیز حلال ہو گئی'' اس لیے یہ مونث و مذکر اور واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ" (الممتحنۃ:١٠) وہ (مسلمان) عورتیں اُن (کافروں) کے لیے حلال نہیں۔ ﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ ماسوا اس کے جس کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب نے اپنے آپ پر تورات کے نزول سے پہلے حرام کر لیا تھا [اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے اس کو (بغیر تشدید) تخفیف کے ساتھ (اَنْ تُنْزَلَ) پڑھا ہے] اور وہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ مراد ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں حضرت یعقوب کو بہت مرغوب تھیں اور آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات کے نازل کرنے سے پہلے تمام کھانے پینے بنی اسرائیل کے لیے جائز تھے ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تورات نازل کی گئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کر دیا گیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام کر دینے کی وجہ سے ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اے محبوب! ان سے فرما دیں کہ تم تورات لے کر آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ ان کی کتاب سے ہی ان پر دلائل قائم فرمائیں اور منہ بولتے ثبوت تورات کے ذریعے انہیں ذلیل کریں اور بتائیں کہ ان کھانوں کی حرمت ان یہودیوں پر اس وقت ہوئی جب انہوں نے بغاوت اور ظلم کیا اور ان کی حرمت ہمیشہ سے نہیں تھی جیسا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں' چنانچہ یہودیوں نے تورات پیش کرنے کی جراءت نہ کی اور عاجز آ کر مبہوت ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے اور یہ آیت مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صداقت کی روشن ترین دلیل ہے' نیز احکامِ شرعی کے نسخ کے جواز کی بھی واضح دلیل ہے جس کا یہود انکار کرتے تھے۔

٩٤- ﴿فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ سو جس نے اپنے خیال سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے دین میں حرام تھیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد کہ ان پر قوی ترین دلیل لازم و ثابت ہو چکی ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو یہی لوگ ظالم و متکبر اور منکر ہیں جو نہ اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور نہ ہی دلائل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

٩٥- ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان میں سچ فرمایا ہے کہ یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور اس آیت میں ان کے جھوٹ بولنے پر تنقید و تنکیر کی گئی ہے یعنی یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس میں سچ فرمایا ہے اور تم جھوٹے ہو ﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ پس تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کرو اور وہی ملتِ اسلام ہے جس پر خاتم الانبیاء' سرورِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے مسلمان ساتھی گامزن ہیں تاکہ تم یہودیت سے نجات و خلاصی حاصل کر لو جس نے تمہارے دین و دنیا کو برباد کرنے کی وجہ سے تمہیں مشکل میں ڈال دیا ہے حتیٰ کہ تمہاری اغراض پوری کرنے کے لیے تمہیں کتاب الٰہی کی تحریف کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور جس نے ان پاک چیزوں کو حرام کر تا تم پر لازم کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں پر حلال کر دی تھیں ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿٩٦﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا البتہ وہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہےO اس میں واضح نشانیاں ہیں مقامِ ابراہیم ہے' اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے' اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو' اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہےO آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو' حالانکہ اللہ تمہارے اعمال پر گواہ ہےO آپ فرمادیجئے: اے اہل کتاب! تم ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ تم ٹیڑھا راستہ چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو' اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہےO

## بیت اللہ کی فضیلت اور حج کی فرضیت کا بیان

شانِ نزول: اور جب یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ (چونکہ) ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے قبلے بیت اللہ شریف سے پہلے ہے (اس لیے وہ افضل ہے) تو اللہ تعالیٰ نے (ان کی تردید میں درج ذیل دو) آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

٩٦-﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ ﴾ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے (وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے) اور اس کا بنانے والا خود اللہ عزوجل ہے اور اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے لیے گھر بنانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کی عبادت گاہ بنا دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک لوگوں کی سب سے پہلی عبادت گاہ کعبہ معظمہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک مسجد حرام (جس میں کعبہ شریف ہے) بیت المقدس سے چالیس سال پہلے تعمیر کی گئی تھی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بعض نے فرمایا کہ طوفانِ نوح (علیہ السلام) کے بعد سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا حج کیا گیا تھا اور بعض نے فرمایا کہ سب سے پہلا گھر یہی ہے جو آسمان اور زمین کی تخلیق کے وقت پانی پر نمودار ہوا تھا اور بعض نے فرمایا کہ سب سے پہلا گھر یہی ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے روئے زمین پر تعمیر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وُضِعَ لِلنَّاسِ"، "بَيْت" کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے اور ﴿ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ﴾ خبر ہے یعنی (سب سے پہلا) گھر البتہ وہی ہے جو بکّہ میں ہے اور یہ بلد حرام (یعنی محترم شہر مکہ) کا نام ہے اور مکہ اور بکہ دو لغتیں ہیں اور بعض نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ پورے شہر کو کہا جاتا ہے اور بکہ صرف مسجد حرام کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بکہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہجوم ہے' چونکہ بیت اللہ شریف کے پاس لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے اس لیے اسے بکہ کہا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ بہت بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ کے رکھ دیتا ہے' جب بھی کسی سرکش نے اس کو ویران کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کو ہلاک کر دیا ﴿ مُبَارَكًا ﴾ بڑا بابرکت ہے کہ حج کرنے والوں اور عمرہ کرنے والوں کو بہت اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ﴿ وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴾ اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ ان کا قبلہ اور ان کی عبادت گاہ ہے [اور "مُبَارَكًا" اور "هُدًى" دونوں "وُضِعَ" کی ضمیر سے حال ہیں۔

۹۷۔﴿ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں ﴿ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ یہ ''اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ'' کا عطف بیان ہے اور واحد کے ساتھ جماعت کا بیان صحیح اور درست ہے کیونکہ یہ واحد اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور سخت ترین پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشان نمودار ہونے کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر قوی ترین دلیل ہونے اور اپنی شان کے ظہور کے اعتبار سے بہت سی نشانیوں کے قائم مقام ہے یا اس لیے کہ یہ خود بہت سی نشانیوں پر مشتمل ہے کیونکہ سخت ترین پتھر میں قدموں کا نشان پڑنا (ایک) نشانی ہے اور قدموں کا ٹخنوں سمیت پتھر میں گھس جانا (دوسری) نشانی ہے اور پتھر کا کچھ حصہ نرم ہونا اور کچھ حصہ سخت ہونا (تیسری) نشانی ہے اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کے ماسوا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان کا پتھر میں باقی رہنا (چوتھی) نشانی ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے خاص کر یہ کہ ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ اور جو اس میں داخل ہوگا وہ امن والا ہو جائے گا [ یہ بھی ''اٰیات'' کا عطف بیان ہے اگر چہ معنی کے اعتبار سے یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ ہے ] کیونکہ یہ اس میں داخل ہونے والے کے پُر امن ہونے پر دلالت کرتا ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس میں روشن نشانیاں ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کا پتھر ہے اور دوسرا حرم شریف میں داخل ہونے والے کا پُر امن ہو جانا ہے اور یہ دو نشانیاں جمع کے معنی میں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ان دو نشانیوں کو ذکر کر دیا جائے اور ان کے علاوہ باقی کا ذکر چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ دو بھی بہت سی نشانیوں پر دلالت کرتی ہیں، گویا کہا گیا کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ایک مقام ابراہیم ہے اور دوسرا حرم شریف میں داخل ہونے والے کے لیے امن ہے اور ان کے علاوہ بہت سی نشانیاں ہیں جیسے تیر اندازوں کی کثرت کے ساتھ پتھروں کا مٹ جانا اور پرندوں کا خانہ کعبہ کے اوپر سے نہ اُڑنا وغیرہ وغیرہ اور بعض کا ذکر چھوڑنے کی مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے، آپ نے فرمایا: ''حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَآءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ[1] تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لیے پسندیدہ بنا دی گئی ہیں خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ پھر ''قُرَّةُ عَيْنِيْ'' تین چیزوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ الگ کلام ہے کیونکہ یہ دنیا کی چیزوں میں سے نہیں ہے اور تیسری چیز کا ذکر لپیٹ دیا گیا ہے گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری چیز کا ذکر ترک کر دیا ہے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ آپ کے شایانِ شان نہیں کہ دنیا کی چیز کا ذکر کریں، سو آپ نے دین میں سے ایک چیز کا ذکر فرما دیا اور بعض مفسرین نے پتھر میں قدموں کے نشان کے سبب کے بیان میں فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی بنیاد کو بلند کر دیا اور ضعفِ پیری کی وجہ سے پتھر اٹھانے سے عاجز آ گئے تو آپ اس پتھر کے اوپر کھڑے ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک پتھر میں گھس گئے اور بعض نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات کے لیے شام سے مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے آپ سے عرض کی کہ آپ سواری سے نیچے تشریف لائیے تا کہ آپ کا سر مبارک دھویا جائے مگر آپ سواری سے نہ اترے تو اس نے ایک پتھر لا کر آپ کی دائیں طرف رکھ دیا اور آپ نے اپنا قدم مبارک اس پر رکھا حتیٰ کہ بہو نے آپ کے سر کا دایاں حصہ دھویا، پھر اس کو بائیں طرف لا کر رکھا اور آپ نے بایاں پاؤں اس پر رکھا یہاں تک آپ کی بہو نے آپ کے سر مبارک کا بایاں حصہ دھویا جس کی وجہ سے اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان باقی رہ گئے اور حرم شریف میں داخل ہونے والے کو امان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درج ذیل دعا کی برکت سے ملی: ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا. (ابراہیم: ۳۵) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا

[1] نسائی شریف کتاب عشرۃ النساء باب ا، مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۱۸۵۔ ۱۹۹

دے'' اور جب کوئی آدمی بڑا جرم کر لیتا' پھر آ کر حرم میں پناہ لیتا تو اسے حرم میں گرفتار نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو حرم شریف میں پکڑ لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا جب تک وہ حرم سے باہر نہیں نکلے گا اور جس کو حل میں (حرم سے باہر) قصاص میں یا مرتد ہونے کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے قتل کرنا لازم ہو جائے' پھر وہ حرم شریف میں پناہ لے لے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر اس کو ٹھہرنے نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کو کھانا پینا دیا جائے گا اور نہ اس سے لین دین کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اور بعض علماء نے کہا کہ اس کو دوزخ کی آگ سے امن مل جائے گا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اٰمِنًا مِّنَ النَّارِ. یعنی حرمین میں سے کسی ایک میں جس شخص پر موت واقع ہو جائے گی وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے مامون و محفوظ اٹھے گا'' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ حجون اور بقیع دونوں کو اطراف سے پکڑا جائے گا اور جنت میں پھیلا دیا جائے گا اور یہ دونوں مکہ اور مدینہ کے قبرستان ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ جس نے دن میں ایک ساعت مکہ مکرمہ کی گرمی پر صبر کر لیا تو اس سے دو سو سال کی مسافت کے برابر جہنم دور کر دی جائے گی ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر لوگوں پر حج کا فرض ہونا ثابت و واجب ہو گیا [اور قاری ابوبکر کے علاوہ قاری حفص کوفی نے ''حِجُّ الْبَیْتِ'' (حا کے نیچے کسرہ) پڑھا ہے اور اس صورت میں یہ اسم ہے اور فتح کے ساتھ مصدر ہے اور بعض نے کہا: ''حَجَّ یَحُجُّ'' کے مصدر میں یہ دونوں لغتیں فصیح و بلیغ ہیں ﴿ مَنِ ﴾ یہ محلاً مجرور ہے' یہ کل سے بدل البعض ہے] ﴿ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ جو وہاں تک جانے کے لیے راستے کی طاقت رکھتا ہو' حضور نبی اکرم رسول اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تفسیر سامان سفر اور سواری کے ساتھ کی ہے اور ''اِلَیْهِ'' میں ضمیر ''بَیْت'' کی طرف یا ''حِجٌّ'' کی طرف لوٹتی ہے اور کسی چیز کی طرف آنے جانے کی ہر جگہ اس کا راستہ کہلاتی ہے۔

شانِ نزول: اور جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا'' نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل مذاہب کو جمع فرمایا اور ان کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا. بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے سو تم حج کرو'' تو صرف ایک اہل ملت ایمان لائے اور وہ مسلمان تھے اور باقی پانچ اہل ملت نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ نہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے اور نہ ہم اس کا حج کریں گے تو آیتِ کریمہ کا (درج ذیل) حصہ نازل ہوا:

﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ یعنی جس نے حج کی فرضیت کا انکار کر دیا اور یہ حضرت ابن عباس' حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کفران سے (ناشکری کے معنی میں) لیا گیا ہو یعنی جس نے ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا جو رزق کی فراخی اور جسمانی صحت کی صورت میں اسے عطا کی گئیں اور اس نے حج ادا نہیں کیا ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴾ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے اور ان سے اور ان کی اطاعت سے مستغنی و بے پرواہ ہے اور اس آیت کریمہ میں چند وجوہ سے تاکید و تنبیہ اور سخت گیری کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں سے (ایک ''لِلّٰهِ'' میں) لام تخصیص ہے اور (دوسرا ''عَلَى النَّاسِ'' میں) ''عَلٰی'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کی گردنوں پر لازمی حق ہے اور ان میں سے (تیسرا) ابدال ہے جس میں مراد دوبار اور مکرر ہوتی ہے (کیونکہ ابدال میں مراد پر دو چیزیں دلالت کرتی ہیں' ایک مبدل منہ دوسرا اس کا بدل) اور اس لیے کہ ابہام کے بعد ایضاح (وضاحت) اور اجمال کے بعد تفصیل دو مختلف صورتوں میں بیان کی

گئی ہے اور ان میں سے (چوتھی تاکید یہ ہے کہ) ''وَمَنْ لَّمْ یَحُجَّ'' کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَمَنْ کَفَرَ'' حج نہ کرنے والوں کے لیے سخت ترین وعید ہے اور ان میں سے (پانچویں تاکید) استغنا کا ذکر ہے اور یہ قہر و غضب کی دلیل ہے اور ان میں سے (چھٹی تاکید یہ ہے کہ) ''فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْہُ'' کی بجائے ''فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ'' ارشاد فرمایا ہے] کیونکہ اس میں حج کے انکاری سے مضبوط دلیل کے ساتھ بے نیازی کا ذکر ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے تو حج کے انکاری سے لازمی طور پر بے نیاز ہونا ثابت ہو گیا اور اس لیے بھی کہ یہ کامل بے نیازی کی دلیل ہے' لہٰذا یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے زبردست غضب پر ''عَنْہُ'' کی نسبت سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔

## اہل کتاب کی سرزنش اور ان کی مذمت کا بیان

۹۸- ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﱪ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو جو حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق پر دلالت کرتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال پر گواہ ہے اور وہ تمہیں ان اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

۹۹- ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ﴾ آپ فرما دیں کہ اے اہل کتاب! تم ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین حق سے کیوں روکتے ہو جس کا راہِ خدا ہونا تمہیں معلوم ہے' اسی پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی اسلام ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا تو اہل کتاب اپنی پوری کوشش کے ساتھ اس کو منع کرتے اور روکتے تھے اور ''تَصُدُّوْنَ''، ''صَدٌّ'' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: روکنا ﴿تَبْغُوْنَهَا﴾ [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی تم اللہ تعالیٰ کے راستے کو طلب کرتے ہو ﴿عِوَجًا﴾ ٹیڑھا' میانہ روی اور استقامت سے ہٹا کر اس لیے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ کو ان کی اصل جگہ سے بدل دیتے ہو اور اسی طرح دوسری کارستانیاں کرتے ہو ﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ﴾ اور تم خود گواہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے' جو کسی کو اس سے روکے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کردے گا ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال خصوصاً اس کے راستے سے روکنے کے عمل سے بے خبر نہیں اور یہ سخت ترین وعید (دھمکی) ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے راہِ حق سے روکنے والوں کی پیروی سے مسلمانوں کو منع کر دیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کفر کی طرف پھیر دیں گے ○ اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے' اور جو شخص اللہ کے دین

کومضبوطی کے ساتھ پکڑے گا تو بے شک اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی جائے گی O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان رہ کر O

١٠٠- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی اطاعت کر لی تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کافر بنا دیں گے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے کہا کہ شاس بن قیس یہودی ایک دفعہ اوس اور خزرج کے مسلمان انصار کے پاس سے گزرا جو آپس میں شیر وشکر ہو کر ایک مجلس میں گفتگو کر رہے تھے' ان کی محبت بھری گفتگو اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت دیکھ کر یہ یہودی غضب ناک ہو گیا اور جل کر رہ گیا' اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ ان کے پاس جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دے تا کہ یہ لوگ بجائے محبت کے ایک دوسرے سے ناراض ہو کر دشمن بن جائیں اور بعاث کا دن وہ دن تھا جس میں اوس اور خزرج کی آپس میں جنگ ہوئی تھی جس میں اوس قبیلہ کو فتح حاصل ہوئی تھی' چنانچہ اس نوجوان نے یہی کچھ کیا اور اسی وقت ان میں جھگڑا شروع ہو گیا اور سب نے ''ہتھیار' ہتھیار'' پکارنا شروع کر دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا تم جاہلیت کو دعوت دے رہے ہو حالانکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے معزز و محترم بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی ہے؟ چنانچہ پوری قوم پہچان گئی کہ یہ شیطانی وسوسہ تھا' سو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور روتے ہوئے ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تو اس موقع پر (مذکورہ بالا) آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

١٠١- ﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ﴾ استفہام کے معنی میں ہے جس میں انکار اور تعجب ہے یعنی تم کفر کیسے کر سکتے ہو یا تمہارے پاس کفر کہاں سے آ سکتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس پر تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہیں تازہ بہ تازہ وعظ و نصیحت کی جاتی ہے' آیات سے مراد قرآن پاک ہے جو سراسر معجزہ ہے ﴿ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ﴾ اور تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ تمہیں بروقت آگاہ کرتے رہتے ہیں اور تمہیں نصیحت کرتے رہتے ہیں اور تم سے تمہارے شکوک و شبہات دور فرماتے ہیں ﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے یا وہ لوگوں کو کفار کی شرارتوں اور ان کی فریب کاریوں کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کی ترغیب دیتا ہے ﴿ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ تو بلاشبہ اس کو دین حق کی ہدایت دے دی گئی یا جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنے شکوک و شبہات کے وقت ملجا و ماویٰ اور اپنی پناہ گاہ ٹھہرا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شک و شبہ سے محفوظ کر لیتا ہے۔

## تقویٰ کی حقیقت اور اتحاد کی اہمیت

١٠٢- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو تقویٰ بندوں پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کو قائم کیا جائے اور محرمات و ممنوعات سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ اطاعت کی جائے اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر ادا کیا جائے اور کبھی ناشکری نہ کی جائے اور ہمیشہ اس کو یاد رکھا

جائے اور کبھی اس کا ذکر بھلایا نہ جائے یا متقی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے اگر چہ اس کے اپنے یا اپنی اولاد یا اپنے ماں باپ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بعض نے کہا کہ جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے اس طرح کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈر سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے اور ''تُقَاۃ''، ''اِتَّقٰی'' سے مشتق ہے جس طرح ''تُؤدۃ''، ''اتاد'' سے مشتق ہے ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو یعنی تمام احوال میں اسلام پر قائم رہنا اور جب تم پر موت آئے تو اسلام کے حال کے سوا کسی اور حال پر نہ ہونا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو' اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے' اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ○ اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں○

## اتفاق واتحاد کی برکت

۱۰۳- ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو یعنی قرآن مجید کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''اَلْقُرْاٰنُ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ لَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ رَشَدَ وَمَنِ اعْتَصَمَ بِهٖ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط ترین رسی ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ وہ کثرت کے ساتھ دھرانے سے پرانا ہوگا' جس نے اس کے مطابق بات کی وہ سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کر لیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا'' ﴿جَمِيْعًا﴾ یہ مخاطبین کی ضمیر (اَنْتُمْ) سے حال ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اجماع امت کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور اس کی دلیل ﴿وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ہے یعنی فرقوں میں نہ بٹو اور ایسے کام نہ کرو جن سے افتراق وانتشار پیدا ہو جائے اور اتحاد واتفاق اور اجتماعیت ختم ہو جائے یا یہ کہ باہمی اختلافات کی وجہ سے حق سے دور نہ ہو جانا (بلکہ ہمیشہ حق کا ساتھ دینا) جیسا کہ یہود ونصاریٰ اختلافات کا شکار ہو گئے یا جیسا کہ تم خود زمانہ

جاہلیت میں قبیلوں اور فرقوں میں بٹ چکے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑائیاں کرتے تھے ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ إِخْوَانًا ﴾ اور اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن چکے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔ دراصل زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان دشمنیاں اور لڑائیاں ہوا کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی' چنانچہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے گئے اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے ﴿ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر اس طرح پہنچ چکے تھے کہ جہنم کی آگ میں تم گرنے والے تھے اس لیے کہ تم کفر کی وجہ سے اس کے اوپر پہنچ چکے تھے ﴿ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾ تو اس نے تمہیں اسلام کی برکت سے اس لیے بچا لیا اور یہ معتزلہ فرقہ کا رد ہے کیونکہ ان کے نزدیک (انسان خود مختار ہے' لہٰذا) یہ لوگ اپنے آپ کو خود چھڑاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں [اور ضمیر ''حُفْرَةٍ'' کی طرف یا ''اَلنَّار'' کی طرف یا ''شَفَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی نسبت ''حُضْرَة'' کی طرف کی گئی ہے اور ''شَفَا'' کا معنی ہے: کنارہ اور اس کا لام کلمہ واؤ ہے اس لیے کہ اس کا تثنیہ ''شَفَوَانِ'' آتا ہے] ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس فصیح و بلیغ بیان کی طرح ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں یعنی قرآن مجید کو کھول کر صاف صاف بیان کرتا ہے جس میں امر و نہی اور وعدو وعید کی وضاحت کی جاتی ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ تاکہ تم ہدایت سے پُر امید ہو جاؤ یا یہ مطلب ہے تاکہ تم اس کے ذریعے راہِ حق کی طرف اور ان اعمال کی طرف ہدایت پا لو جن کے بجالانے میں ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

## تبلیغ دین کی اہمیت

١٠٤- ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔ معروف اسے کہتے ہیں جس کو شریعت اور عقل سلیم مستحسن قرار دے ﴿ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ برائی سے منع کریں۔ ''مُنْكَر'' اسے کہتے ہیں جس کو شریعت اور عقل سلیم قبیح قرار دے یا معروف وہ عمل ہے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو اور منکر وہ عمل ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہو یا معروف اطاعت ہے اور منکر معصیت ہے اور بھلائی کی طرف دعوت دینا تمام مسائل تکلیفیہ کو عام ہے' کرنے والے کاموں کو بجالانے کی دعوت دینا اور نہ کرنے والے کاموں کو ترک کرنے کی دعوت دینا اس میں داخل ہیں خاص کردہ مسائل (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) جن کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور اس میں ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی صلاحیت وہی رکھتا ہے جس کے پاس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس سلسلے کو قائم رکھنے کے لیے اس کو کیسے ترتیب دینی ہے تاکہ اگر مشکل عمل کی طرف ترقی مفید نہ ہو تو آسان عمل سے آغاز کرے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. تو ان کے درمیان صلح کرادو' پھر ارشاد فرمایا: ''فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ. (الحجرات:۹) تو زیادتی کرنے والے سے لڑو' یا یہ ''مِنْ'' تبیین کے لیے ہے یعنی تم ایسی امت بن جاؤ کہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کر وجیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ. (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہو تاکہ تم نیکی کا حکم دو' ﴿ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ یعنی یہی لوگ کامل کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ أَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ فَهُوَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ

وَخَلِيفَةُ رَسُوْلِهِ وَخَلِيفَةُ كِتَابِهِ. جو شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کی زمین پر اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے اور اس کی کتاب (قرآن مجید) کا خلیفہ ہے'' اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''اَفْضَلُ الْجِهَادِ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ. سب سے بہترین جہاد نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے''۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے واضح دلائل آ جانے کے بعد اختلاف برپا کر دیا' اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے O جس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے' لیکن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا' سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس لیے کہ تم کفر کیا کرتے تھے O اور لیکن جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا O

## فرقہ بندی کی مذمت

۱۰۵- ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو عداوت و دشمنی کے سبب بہت سے فرقوں میں بٹ گئے ﴿وَاخْتَلَفُوْا﴾ خسیس و رذیل دنیا اور گھٹیا خواہشات کی وجہ سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے آپس میں اختلاف برپا کیا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ اس کے بعد کہ ان کے پاس ایسے واضح اور روشن ترین دلائل آ چکے جو ایک کلمہ پر موجب اتفاق و اتحاد تھے اور وہ کلمۂ حق ہے ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

۱۰۶- ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ﴾ یعنی مؤمنوں کے چہرے اس دن (نورِ ایمان سے) روشن و چمک دار ہوں گے [اور ''یَوْمَ'' ظرفیت کی بنا پر ظرف مستقر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ ''لَهُمْ'' ہے یا ''عَظِيْمٌ'' ہے یا ''اُذْكُرُوْا'' ہے ﴿وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ یعنی کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور مؤمنوں کے چہروں کی سفیدی نور کی وجہ سے ہو گی اور کافروں کے چہروں کی سیاہی ظلمت کی وجہ سے ہو گی ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ لیکن پھر جن کے چہرے سیاہ ہو چکے ہوں

گے تو ان سے کہا جائے گا: ﴿ اَكَفَرْتُمْ ﴾ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا' پھر "فا" اور قول دونوں کو معلوم ہونے کی بنا پر اکٹھے حذف کر دیا گیا ہے اور ہمزہ توبیخ (یعنی ڈانٹنے کے لیے) اور ان کے حال پر تعجب کرنے کے لیے لایا گیا ہے ﴿ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ میثاق کے دن ایمان لانے کے بعد' تو اس صورت میں تمام کافر مراد ہوں گے اور یہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور یہی ظاہر ہے یا اس سے مرتدین مراد ہیں یا پھر منافقین مراد ہیں یعنی کیا تم نے بہ ظاہر ایمان لانے کے بعد باطن میں کفر چھپا رکھا تھا یا اس سے اہل کتاب مراد ہیں اور ان کا ایمان لانے کے بعد کفر یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کی نبوت کا اقرار و اعتراف کیا تھا لیکن آپ کے اعلانِ نبوت کے بعد انہوں نے تکذیب کی اور آپ کو جھٹلا دیا ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ تو اب تم عذاب چکھو' اس کا سبب یہ ہے کہ تم (دنیا میں) کفر کرتے تھے۔

١٠٧۔ ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ اور لیکن جن کے چہرے سفید و روشن ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں یعنی اس کی نعمت میں ہوں گے اور وہ دائمی ثواب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نیا الگ جملہ بیان کیا اور فرمایا: ﴿ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' نہ ان کو وہاں سے نکالا جائے گا اور نہ ان پر موت آئے گی۔

١٠٨۔ ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ ﴾ یہ وہ آیات ہیں جو وعد اور وعید وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ﴿ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ﴾ ہم ان کو آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو بُروں کو سزا دینے اور نیکوں کو جزائے خیر دینے کے لیے حق و عدل اور انصاف پر مشتمل ہیں ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے اور وہ اس طرح کہ کسی کو بغیر جرم کے پکڑ لے یا کسی مجرم کے عذاب میں اضافہ کر دے یا کسی نیک کے ثواب میں کمی کر دے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا)۔

ع ١١ ٨

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور تمام اُمور اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے O تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا' ان میں سے کچھ مسلمان ہیں اور اکثر کافر ہیں O وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے ماسوا زبانی اذیت کے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو وہ تمہارے سامنے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

١٠٩۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے' پس وہ نیک کو اس کی نیکی پر جزائے خیر عنایت فرمائے گا اور بد کو اس کی بدی پر سزا دے گا [اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے ''تَرْجِعُ'' (تا مضموم اور جیم مفتوح) پڑھا ہے ''کَانَ'' (اور اس کے باقی افعال) کا مطلب ہے: گزشتہ زمانہ میں کسی چیز کا بطور ابہام پایا جانا اور یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ چیز پہلے نہ ہو اور نہ وجود کے منقطع ہونے پر دلالت کرتا ہے (بلکہ دوام کے لیے بھی آتا ہے جیسے کَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ'' اسی سے ہے۔

۱۱۰-﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ گویا کہا گیا ہے کہ تم بہترین امت پائی گئی ہو یا اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو یا لوح محفوظ میں بہترین امت ہو یا یہ کہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں میں تمہارا ذکر کیا گیا کہ تم بہترین امت ہو اور تمہاری یہ صفت بیان کی گئی ہے: ﴿اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کہ یہ لوگوں کی بھلائی کے لیے ظاہر کی جائے گی ''لِلنَّاسِ'' کا لام ''اُخْرِجَتْ'' کے ساتھ متعلق ہے ﴿تَاْمُرُوْنَ﴾ یہ الگ نیا کلام ہے' امت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کی وجہ بیان کی گئی ہے جس طرح تم کہو: ''زَيْدٌ كَرِيْمٌ يُطْعِمُ النَّاسَ وَيَكْسُوْهُمْ'' یعنی زید بڑا سخی آدمی ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ان کو کپڑے پہناتا ہے''۔ اس میں سخاوتِ زید کی وجہ کھانا کھلانا اور کپڑے پہنانا بیان کی گئی ہے (اس کا معنی ہے کہ) تم لوگوں کو حکم دیتے ہو ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کرنے کا ﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور تم ہر بُرائی سے خصوصاً کفر سے منع کرتے ہو ﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو یعنی ایمان باللہ پر تم ہمیشہ قائم رہتے ہو یا اس لیے کہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی ﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اور اگر اہل کتاب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتے تو ان کے لیے ایمان لانا بہتر ہوتا اس سے جس پر قائم ہیں کیونکہ انہوں نے عوام کو اپنی پیروی کرانے اور چودھراہٹ کو قائم رکھنے کی خواہش میں دین اسلام کے مقابلے میں اپنے باطل دین کو ترجیح دے رکھی ہے' لہٰذا اگر وہ ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں چودھراہٹ اور عوامی اتباع اور دنیا کے اموال واسباب سے بہتر ثابت ہوتا جن کی وجہ سے انہوں نے باطل دین کو دین اسلام پر ترجیح دی ہے' نیز انہیں اخروی کامیابی بھی حاصل ہو جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے پر اہل کتاب کے لیے ڈبل اجر وثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے ﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ان میں سے کچھ مومن بھی ہیں جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور آپ کے دیگر مسلمان ساتھی ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور ان میں اکثر اپنے کفر کی وجہ سے سرکش ہو چکے ہیں۔

## اہلِ کتاب کی اکثریت کی مکاریاں

۱۱۱-﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى﴾ وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر زبانی اذیت تک محدود ہوگا کہ دین اسلام کے بارے میں زبان طعن دراز کرنا اور ڈرانا دھمکانا وغیرہ وغیرہ ﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو شکست کھا کر تمہارے سامنے پیٹھ پیچھے بھاگ جائیں گے اور نہ وہ تمہیں قتل کر کے نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ وہ تمہیں قید کر کے نقصان پہنچا سکیں گے ﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ پھر ان کو کسی کی طرف سے مدد نہیں ملے گی اور نہ وہ تم سے بچ سکیں گے اور اس آیت مبارکہ میں اہل کتاب کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں کے لیے تسلی ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے اور ان کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور یہ پہلی خبر ہے جو انہیں سنائی گئی ہے [جس کو شرط و جزا کے جملے پر معطوف کیا گیا ہے اور صرف ''يُوَلُّوْكُمْ'' پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ اگر اس پر عطف کیا جاتا تو ''ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْا'' (بغیر نون کے) کہا جاتا] اور باقی اس کو الگ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں کرے گا خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں اور ''ثُمَّ'' مرتبہ میں تراخی بیان کرنے کے لیے آتا ہے کیونکہ ان پر ذلت ورسوائی کے مسلط ہونے کی خبر دینا ان کے پشت دے کر بھاگ جانے کی خبر دینے سے بڑی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾

ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے وہ کہیں بھی پائے جائیں مگر یہ کہ وہ اللہ کی رسی اور (مسلمان) لوگوں کی رسی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی ہے' یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے' یہ اس لیے بھی ہوا کہ وہ نافرمانیاں کرتے اور حد سے تجاوز کرتے تھے O وہ سب برابر نہیں ہیں' اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں O

١١٢- ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ یعنی یہودیوں پر ذلت لازم کر دی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں' یہاں ''ضُرِبَتْ'' کا معنی ''اُلْزِمَتْ'' ہے اور ''ھُمْ'' ضمیر کا مرجع صرف یہود ہیں ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے اور ''با'' کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے] اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِلَّا مُعْتَصِمِيْنَ اَوْ مُتَمَسِّكِيْنَ بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ. یعنی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والے یا اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والے'' ﴿وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''حبل'' کا مطلب عہد اور ذمہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ان پر ذلت ہر حال میں لازم کر دی گئی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم یا مسلمانوں کے ذمہ میں پناہ لے لیں یعنی ان کو کبھی عزت نہیں مل سکتی ماسوا اس ایک صورت کے اور وہ یہ ہے کہ جزیہ قبول کر کے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے ذمہ میں پناہ حاصل کر لیں ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے غضب کو واجب کر لیا ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ اور ان کو سزا دینے کے لیے ان پر محتاجی لازم کر دی گئی ہے ان کے اس کہنے پر کہ ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ. (آل عمران:١٨١) بے شک اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں'' یا یہ معنی ہے کہ مال و دولت رکھنے کے باوجود ان پر غربت و محتاجی کا خوف لازم کر دیا گیا ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے ذلت و مسکنت کا ان پر لازم کر دینا اور غضب الٰہی کے ساتھ لوٹنے کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ تمام سزائیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے انکار کرنے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کے سبب ان پر لازم کر دی گئیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ یعنی یہ کفر اور یہ قتل اس سبب سے ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

۱۱۳- ﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ﴾ تمام اہل کتاب برابر نہیں ہیں ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لَیْسُوْا سَوَآءً'' کے بیان کے لیے الگ لایا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ'' کو اللہ تعالیٰ کے دوسرے ارشاد ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ'' کے بیان کے لیے لایا گیا ہے ﴿ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ ﴾ ایک ایسی جماعت جو حق پر قائم رہنے والی انصاف پسند ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَقَمْتُ الْعُوْدَ فَقَامَ. یعنی میں نے لکڑی کو سیدھا کیا تو وہ سیدھی ہوگئی'' اور اس سے اہل کتاب کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا ﴿ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن مجید کی رات کے اوقات میں تلاوت کرتے ہیں'' ''اٰنَاء'' جمع ہے اس کا واحد ''اَنْیٌ'' ہے جیسے ''مَعًی'' یا ''اَنْوٌ'' ہے جیسے ''قَنْوٌ'' ہے یا ''اِنْیٌ'' جیسے ''نِجْیٌ'' ہے ﴿ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴾ اور وہ سجدہ کرتے ہیں یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں بعض نے کہا کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان کی نمازِ تہجد کو سجدوں سمیت رات کے اوقات میں تلاوت قرآن مجید کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں' اور یہی لوگ نیکوں میں سے ہیں○ اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں تو ان کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی' اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے○ بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے' اور یہی لوگ جہنمی ہیں' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے○

۱۱٤- ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں یعنی ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کی تمام اقسام کو ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں ﴿ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ کفر سے اور شریعت کے تمام ممنوعات سے روکتے ہیں ﴿ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾ اور وہ فوت ہونے کے خوف سے نیکیوں کو بجا لانے میں جلدی کرتے ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ ''یَتْلُوْنَ'' اور ''یُؤْمِنُوْنَ'' دونوں ''اُمَّۃٌ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہیں یعنی یہ حق پر قائم رہنے والا' قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا مسلمان گروہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو یہودیوں میں نہیں تھیں یعنی تلاوت قرآنِ مجید' سجدہ ریزیاں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیونکہ یہودیوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنا ایمان نہ لانے کے برابر تھا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کو شریک ٹھہراتے تھے اور وہ بعض کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا انکار کرتے

تھے اور اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ثابت کرتے تھے جو اس کی شان کے لائق نہیں تھیں اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منکر تھے کیونکہ وہ دین میں مداہنت سے کام لیتے تھے اور وہ نیکیوں میں جلدی کرنے کے قائل نہیں تھے کیونکہ وہ حد درجے کے کاہل و سست تھے' انہیں نیکیوں میں کوئی رغبت نہیں تھی اور نیکی میں جلدی کرنا یہ ہے کہ اس میں بہت رغبت ہو کیونکہ جو شخص کسی کام میں رغبت رکھتا ہے اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے ﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾ اور یہی لوگ جن کی صفات اوپر بیان کی گئی ہیں ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ مسلمانوں میں سے ہیں یا نیک لوگوں کی جماعت میں سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے۔

١١٥- ﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ﴾ [امام حفص کوفی نے ابوبکر کے علاوہ دونوں میں "یا" پڑھا ہے باقی قراء نے "تا" کے ساتھا پڑھا ہے البتہ ابوعمرو بصری نے دونوں کو اختیار کیا ہے اور "يُكْفَرُوْهُ" کو دو مفعولوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے اگرچہ "شَكَرَ" اور "كَفَرَ" صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں] جیسے تم کہو: "شَكَرَ النِّعْمَةَ وَكَفَرَهَا" یعنی اس نے نعمت کا شکر ادا کیا اور فلاں نے اس کی ناشکری کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل حرمان کے معنی کو متضمن ہے یعنی وہ جو نیکی کرتے ہیں تو ان کو اس کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جائے گا گویا کہا گیا کہ تمہیں اس کی جزائے خیر سے محروم نہیں کیا جائے گا ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ اس میں پرہیزگاروں کے لیے بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔

١١٦- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہیں بچا سکیں گے ﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ
حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾

اس مال کی مثال جس کو وہ لوگ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی طرح ہے جس میں سخت سردی ہو جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والی قوم کے کھیتوں پر جا پڑی تو اس ہوا نے اس کو ہلاک کر دیا' اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں O اے ایمان والو! تم غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہیں چھوڑیں گے' وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں سخت تکلیف پہنچے' بے شک ان کی باتوں سے ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے' بے شک ہم نے تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو O

١١٧- ﴿ مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اس مال کی مثال جس کو وہ لوگ اس دنیا کی زندگی میں فخر و غرور اور عزت و جاہ اور توصیف وتعریف کے حصول کی خاطر اور لوگوں کے درمیان حسن ذکر قائم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں یا جو مال کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کفر ترک کیے بغیر خرچ کرتے ہیں ﴿ كَمَثَلِ رِيْحٍ ﴾ ہوا سے ہلاک ہونے والی کی طرح ہے اور وہ کھیتی ہے یا اس مال کو ہلاک کرنے کی مثال جو وہ خرچ کرتے ہیں ہوا سے ہلاک ہونے والی کھیتی کی طرح ہے ﴿ فِيْهَا صِرٌّ ﴾ جس میں سخت سردی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے اور یہ مبتدا اور خبر مل کر ''رِیْحٍ'' کی صفت ہونے کی بنا پر جر کی جگہ پر واقع ہیں' مثال یہ دی گئی ہے کہ ﴿ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ وہ ٹھنڈی ہوا ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پہنچی جس نے کفر کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا ﴿ فَاَهْلَكَتْهُ ﴾ تو اس نے کھیتی کو ہلاک و برباد کر دیا' یہ ان کے کفر کی سزا ہے ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی تباہ و برباد کر کے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ ایسے جرائم کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں جن کے باعث وہ عذاب وسزا کے حق دار بن گئے [یا یہ ضمیر ''مُنْفِقِیْنَ'' (یعنی خرچ کرنے والوں) کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے نفقات وصدقات قبول نہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ انہوں نے اپنے مال اس طرح خرچ نہیں کیے جس سے وہ قبولیت کے لائق ہو جاتے۔

شانِ نزول: یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت ان مسلمانوں کو ان کی دوستی سے منع کر دیا۔

١١٨- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً ﴾ اے ایمان والو! تم کسی کافر کو راز دان نہ بناؤ۔ ''بِـطَـانَـة'' آدمی کے محرم راز' صاحب اسرار' مخصوص اور مخلص دوست کو کہا جاتا ہے اور اس کو جسم کے اندرون حصہ پر پہنے گئے کپڑے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ شَعَارِیْ. فلاں آدمی میرا بھیدی دوست ہے'' اور حدیث شریف میں ہے: ''اَلْاَنْصَارُ شَـعَـارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ. یعنی انصار مدینہ میرا اندرونی لباس (مخصوص مشیر) ہیں اور باقی لوگ میرا بیرونی لباس ہیں'' ﴿ مِّنْ دُوْنِكُمْ ﴾ اپنے ہم جنس اور ہم قوم مسلمانوں کے علاوہ (کسی کو راز دان نہ بناؤ) اور یہ ''بِـطَـانَـةٍ'' کی صفت ہے یعنی ایسا راز دان دوست جو تم میں سے نہ ہو مگر تمہارے لیے رواداری اور درگزر سے کام لیتا ہو ﴿ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ﴾ [محلًا منصوب ہونے کی بنا پر ''بِطَانَةٍ'' کی صفت ہے] یعنی یہ منافقین تمہارا دین برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے' کہا جاتا ہے: ''اَلَا فِـی الْاَمْـرِ یَـاْلُوْ. جب کسی کام میں کوتاہی کی جائے'' اور ''خَـبَـال'' کا معنی فساد کرنا ہے [اور اس کا منصوب ہونا تمیز کی بنا پر ہے یا حذف کی وجہ سے ہے' دراصل ''فِـیْ خَبَالِکُمْ'' ہے] ﴿ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ﴾ یعنی وہ تمہیں انتہائی بدترین تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں' سو ''مَـا'' مصدر یہ ہے اور ''عـنـت'' سخت ترین ضرر و مشقت کو کہتے ہیں یعنی وہ بہت آرزو رکھتے ہیں اور شدید تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین و دنیا کے معاملات میں سخت نقصان پہنچائیں' یہ ایک الگ جملہ ہے جو ان منافقین کو راز دان دوست بنانے کی ممانعت کی علت اور وجہ بیان کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ بے شک ان کی دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اس لیے کہ باوجود اپنے آپ کو ضبط میں لانے کے ان کی زبانیں ان کے کنٹرول میں نہیں رہیں' ان کے مونہوں سے ایسی بکواسات نکل جاتیں ہیں جن سے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی معلوم ہو جاتی ہے ﴿ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ ﴾ اور جو کچھ ان کے سینوں میں تمہارے لیے بغض وحسد چھپا ہوا ہے ﴿ اَكْبَرُ ﴾

وہ اس سے بڑھ کر ہے جو ظاہر ہو چکا ہے ﴿قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ﴾ بے شک ہم نے تمہارے لیے وہ تمام نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں جو دین اسلام میں اخلاص اور اولیاء اللہ سے محبت و دوستی اور دشمنانِ دین سے عداوت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾ اگر تم وہ سب کچھ سمجھ جاؤ جو تمہارے لیے بیان کیا گیا ہے۔

هٰٓاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا
اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ
يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

ع ۱۲ ۱۱ ۴

سنو! تم ہی وہ لوگ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں' اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں' آپ فرما دیں کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُرائی پہنچے تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو ان کا مکر وفریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' بے شک اللہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے ہوئے ہے O

۱۱۹- ﴿هٰٓاَنۡتُمۡ اُولَآءِ﴾ [''هَا'' تنبیہ کا ہے اور ''اَنۡتُمۡ'' مبتدا ہے اور ''اُولَآءِ'' اس کی خبر ہے] یعنی (اے مؤمنو!) تم ہی وہ لوگ ہو جو صرف ہمارے ساتھ محبت کرنے کی بجائے اہل کتاب (کے منافقین) سے محبت کر کے غلطی کر رہے ہو ﴿تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ﴾ تم تو ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتے' یہ ان سے دوستی کرنے کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان ان اہل بغض سے محبت کرتے ہیں [یا ''اُولَآءِ'' موصول ہے اور ''تُحِبُّوۡنَهُمۡ'' اس کا صلہ ہے] اور ﴿وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ [میں واؤ حال کے لیے اور یہ ''لَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ'' کی ضمیر مخاطب سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے] یعنی وہ لوگ تم سے محبت و دوستی نہیں کرتے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ اس کے باوجود تم سے بغض و عداوت کرتے ہیں تو تمہیں کیا ہوا کہ تم ان سے دوستی کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کے کسی حصے پر ایمان نہیں لاتے اور اس میں سخت قسم کی دھمکی ہے کیونکہ جتنا تم اپنے دینِ حق میں مستحکم ہو اس سے بڑھ کر وہ اپنے باطل دین میں سخت ہیں اور بعض نے کہا کہ ''الکتاب'' میں لام جنس کا ہے ﴿وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا﴾ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں یعنی وہ تمہارے سامنے کلمہ توحید کا اظہار کرتے ہیں ﴿وَاِذَا خَلَوۡا﴾ اور جب تم سے جدا ہو جاتے ہیں یا جب وہ آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں ﴿عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ﴾ تو وہ غصے کی وجہ سے تمہارے خلاف اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں' یہاں غیظ وغضب میں جلنے والے اور نادم و پشیمان ہونے والے کو انگلیوں' پوروں اور انگوٹھوں کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے ﴿قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم اپنے غصے کی وجہ سے مر جاؤ' اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات ان پر دعائے ضرر

کرنے کے لیے نازل فرمائے ہیں تا کہ ان کا غصہ پہلے سے زیادہ بڑھ جائے یہاں تک کہ وہ اس غصہ سے ہلاک ہو جائیں اور ان کے غیظ وغضب اور غصہ بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اہل اسلام کی قوت بڑھنے سے ان کا غیظ وغضب اور ان کا غصہ اور زیادہ ہو گا جس سے ان کی ذلت و رسوائی میں مزید اضافہ ہو گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منافقین کے سینوں میں چھپے ہوئے بغض وعناد کو خوب جانتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جو کچھ وہ اسلام کے خلاف گفتگو کرتے ہیں اسے بھی خوب جانتا ہے اور یہ بھی اس مقولہ میں داخل ہے یعنی آپ انہیں بتا دیں کہ وہ جو کچھ چھپا رہے ہیں غصے کے مارے انگلیاں کاٹنا اور تنہائی میں ملتے وقت آپس میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف گفتگو کرنا آپ ان سے فرما دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر مخفی چیزوں کو جانتا ہے جو تم آپس میں چھپاتے پھرتے ہو اور وہ سینوں میں چھپے ہوئے منصوبہ جات ہیں' لہٰذا تم یہ خیال نہ کرو کہ تمہارے چھپے ہوئے رازوں میں سے کوئی چیز اس پر مخفی رہ سکتی ہے یا کوئی بات اس کے علم سے خارج ہو سکتی ہے یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان سے یہ سب کچھ بیان کر دیں اور اس پر تعجب نہ کریں کہ میں نے آپ کو ان کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ کر دیا ہے کیونکہ میں اس سے زیادہ مخفی چیزوں کو جانتا ہوں اور یہ وہ ہیں جن کو انہوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے۔

۱۲۰- ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ﴾ اگر تمہیں خوشحالی' آسودگی' مال غنیمت اور فتح ونصرت ملے تو ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ انہیں برا لگتا ہے اور ان چیزوں کا تمہیں ملنا انہیں غمگین کر دیتا ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور تمہیں مذکورہ بالا چیزوں کے برعکس (قحط سالی' تنگ دستی' شکست و ناکامی جیسی مصیبتیں پہنچ جائیں تو خوش ہو جاتے ہیں) اور لفظ ''مَسّ'' کو ''اَصَابَ'' سے بطور مستعار لیا گیا ہے کیونکہ معنی ایک ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے: ''اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ وَّهُمْ فَرِحُوْنَ○ (التوبہ:٥٠) یعنی اگر آپ کو بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے: ہم نے اپنا کام ٹھیک کر لیا اور خوشیاں مناتے پھر جاتے ہیں'' ﴿يَّفْرَحُوْا بِهَا﴾ وہ ان تکلیف دہ چیزوں کے پہنچنے پر خوش ہو جاتے ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا﴾ اور اگر تم ان کی عداوت و دشمنی پر صبر کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تمہیں جو ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اس سے بچو یا اگر تم دین کی مشکلات پر صبر کرو اور اس کے محارم سے اجتناب کرنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ ﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا﴾ تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاؤ گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تعلیم و رہنمائی دی جا رہی ہے کہ دشمن کے مکر و فریب پر صبر و تقویٰ کے ذریعے مدد لی جائے اور حکماء نے کہا کہ جب تم چاہو کہ تمہارا حاسد ذلیل و خوار ہو جائے تو تم اپنے اندر فضل و کمال میں اضافہ کرو [اور ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور نافع مدنی نے ''لَا يَضِرْ'' (ضاد کے نیچے کسرہ اور را کو مجزوم) پڑھا ہے ''ضَارَ يَضِيْرُ'' سے بنایا ہے' نقصان پہنچانے کے معنی میں ہے اور یہ واضح ہے' ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت مشکل ہے کیونکہ یہ شرط کا جواب ہے اور شرط کا جواب مجزوم ہوتا ہے' لہٰذا یہاں ''را'' پر فتح مناسب تھا جیسے عاصم سے مفضل کی قراءت منقول ہے مگر ''را'' کا ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا ہے جیسے ''مُدُّ'' ہے (کہ اس میں عین کلمہ پر ضمہ کی وجہ سے لام کلمہ کو ضمہ دیا گیا اگرچہ اس پر فتحہ اور کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے)] ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ [سہل نے ''تا'' کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] اب معنی ہو گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صبر اور تقویٰ وغیرہ اعمال کو ﴿مُحِيْطٌ﴾ جانتا ہے' سو تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے تم اہل ہو [اور اس کے علاوہ باقی قراء نے ''یا'' کے ساتھ (يَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] یعنی دشمنانِ دین تمہاری عداوت میں جو کچھ کر رہے ہیں اس کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' ان کو اس پر ضرور سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾

اور یاد کیجیے اے محبوب! جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے جب کہ آپ مسلمانوں کو موروچوں پر جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہےO جب تم میں سے صرف دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کرلیا اور اللہ ان کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیےO البتہ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکرگزار رہوO جب آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرےO ہاں! کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کیے رہو اور پھر اچانک تم پر دشمن چڑھائی کر دے تو اسی وقت تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گاO

## غزوۂ بدر میں عنایت کیے گئے انعامات کا بیان، سود کی ممانعت اور اطاعت کا حکم

۱۲۱- ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! یاد کیجیے جب آپ مدینہ منورہ میں اپنے گھر سے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ سے اُحد تشریف لے جانے کے لیے صبح کے وقت باہر تشریف لائے ﴿تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ ان کو اتار رہے تھے اور یہ حال ہے ﴿مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ جنگ کے مورچے اور دشمن کی تاک لگانے کے لیے بیٹھنے کی جگہیں جیسے میمنہ، میسرہ، قلب، جناحین اور ساقہ اور "لِلْقِتَالِ" "تُبَوِّئُ" کے ساتھ متعلق ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تم سب کی تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں اور قلبی ارادوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ مشرکین مکہ جنگ کرنے کے لیے بدھ کے دن احد میں پہنچ گئے تھے اور حضور نبی اکرم رسول محترم ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور عبد اللہ ابن ابی (منافقوں کے سردار) کو بلایا اور اس سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ آپ مدینہ ہی میں ٹھہریں کیونکہ جب بھی ہم ان کے مقابلے کے لیے جنگ کرنے مدینہ سے باہر گئے تو شکست کھا کر لوٹے اور اگر انہوں نے مدینہ میں آ کر ہم پر حملہ کر دیا تو ہم سب مل کر ان کو شکست دے دیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے ارد گرد ذبح کی ہوئی گائے دیکھی جس کی تعبیر میں نے فتح سمجھی ہے اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میری تلوار کا کونہ ٹوٹ گیا ہے، میں نے اس کی تعبیر شکست سے لی ہے اور میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں نے اپنا ہاتھ زرہ کے اندر ڈال دیا ہے جس کی تعبیر میں نے

مدینہ میں لوٹ آنا لی ہے' پھر شوقِ شہادت رکھنے والی قوم نے احد میں جا کر جنگ کا اصرار جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اپنی امت کی خاطر جنگی ہتھیار پہن کر تشریف لائے' پھر اصرار کرنے والے حضرات نے نادم ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! جنگ کا معاملہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ جب وہ اپنی امت کی خاطر جنگی لباس پہن لے' پھر جنگ کیے بغیر اتار دے' پھر آپ جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد روانہ ہوئے اور پندرہ شوال بروز ہفتہ صبح کے وقت احد کی گھاٹی میں پہنچ گئے۔

۱۲۲- ﴿اِذْ ھَمَّتْ﴾ [یہ ''اِذْ غَدَوْتَ'' سے بدل یا پھر ''عَلِیْمٌ'' کا معنی اس کا عامل ہے] ﴿طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ﴾ یعنی جب تم میں انصار کے دو گروہ خزرج سے بنو سلمہ اور اوس سے بنو حارثہ نے (بزدلی کا) ارادہ کر لیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور مشرکین تین ہزار کے لشکر کے ساتھ احد میں پہنچ چکے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ صبر کر کے ثابت قدم رہے تو فتح ضرور حاصل ہو گی لیکن عبد اللہ بن ابی بن سلول (منافقوں کا سردار) ایک تہائی (یعنی تین سو) آدمیوں کا لشکر لے کر واپس نکل گیا اور کہا کہ ہم اپنی اولاد سمیت کیوں جنگ کریں تو اس وقت ان دو قبیلوں نے ان کی پیروی میں واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور یہ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کے ساتھ چلتے رہے اور واپس نہ ہوئے۔ ﴿اَنْ تَفْشَلَا﴾ یہ کہ پھسل جائیں یعنی بزدلی دکھائیں اور اپنی کمزوری ظاہر کریں اور ''فشــــل'' کا معنی ہے: بزدل اور پست ہمت ہو جانا ﴿وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا﴾ اور ان دونوں سے محبت کرنے والا یا ان کی مدد کرنے والا یا ان کے معاملہ کا متولی اللہ تعالیٰ ہے تو انہیں کیا ہوا کہ وہ بزدلی کا مظاہرہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا نہ کریں ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ہی مسلمانوں کو بھروسا کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کریں کسی اور پر نہیں اور اپنے تمام امور صرف اسی کے ہاں سپرد کر دیں کسی اور کے نہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب ہم کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر سنا دی کہ وہ ہمارا حامی و مددگار ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن فتح و نصرت عطا فرمائی حالانکہ وہ تعداد میں قلیل و کمزور اور سامانِ حرب کے اعتبار سے بے سروسامان تھے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۲۳- ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں تمہاری مدد فرمائی اور یہ بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پانی کے ایک چشمے کا نام ہے جو بدر نامی شخص کی ملکیت میں تھا اور اس کے نام پر اس کو بدر کہا جانے لگا اور اللہ تعالیٰ نے احد کے بعد بدر کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ صبر اور شکر کا جامع ہے ﴿وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ اور تم گنتی کے اعتبار سے کم زور تھے کیونکہ مسلمان صرف تین سو دس سے کچھ اوپر تھے جب کہ ان کا دشمن تقریباً ایک ہزار کے لشکر پر مشتمل تھا اور ان کی یہ تعداد صرف لڑنے والوں کی تھی' پھر مسلمان صرف مدافعت کی خاطر ان کے ایک قافلے کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے' ان کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور ان کے دشمن کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور دوسرا سامانِ جنگ ہتھیار وغیرہ اس کے علاوہ تھے اور یہاں جمع قلت کے ساتھ ''اَذِلَّـةٌ'' اس لیے کہا گیا ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ مسلمان بے سروسامان ہونے کے ساتھ تعداد میں بھی قلیل تھے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول کا ساتھ نہ چھوڑو بلکہ ان کے ساتھ ثابت قدم رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم اپنے تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو جو اس نے صبر و تقویٰ کے ذریعے فتح و نصرت کی صورت میں تم پر انعام فرمائی تھی۔

١٢٤- ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یہ ''نَصَرَكُمْ'' کا ظرف ہے] اس بنا پر کہ حضور یہ بات ان سے بدر کے دن فرما رہے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس وقت مدد کی جب حضور تم سے یہ بات فرما رہے تھے یا یہ ''اِذْ غَدَوْتَ'' سے دوسرا بدل ہے اس بنا پر کہ (اے محبوب!) آپ ان سے یہ بات احد کے دن فرما رہے تھے ﴿اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے [ابن عامر شامی نے ''مُنَزَّلِيْنَ'' (باب تفعیل سے زا کو مشدد) پڑھا ہے اور ابوحیوۃ نے ''مُنْزِلِيْنَ'' (زا کے نیچے کسرہ دے کر باب افعال سے اسم فاعل کے وزن پر) پڑھا ہے] یعنی مدد کو اتارنے والے فرشتے اور ''اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ'' کا معنی اس بات کا انکار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد نہیں کرے گا اور اس جملے کو حرف ''لَنْ'' کے ساتھ لایا گیا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے یہ بات بتانے کے لیے کہ مسلمان اپنی عددی کمی اور کمزوری اور اپنے دشمن کی کثرت اور مسلح ہونے کے سبب مدد سے مایوس ہونے والوں کی طرح تھے۔

١٢٥- ﴿بَلٰٓى﴾ [حرف ''لَنْ'' کے بعد اثبات ہے] یعنی تین ہزار فرشتوں کی امداد تمہیں کافی ہو جائے گی' سو اللہ تعالیٰ نے کفایت کو واجب کر دیا' پھر ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا﴾ اگر تم جنگ میں صبر کرو گے اور ثابت قدم رہو گے ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی مخالفت سے بچو گے اور ان کی نافرمانی نہیں کرو گے ﴿وَيَاْتُوْكُمْ﴾ اور تم پر مشرکین حملہ کر دیں ﴿مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ [یہ ''فَارَتِ الْقِدْرُ'' سے لیا گیا ہے] (یہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب ہانڈی جوش مارنے لگتی ہے' پھر اس کو سُرعت (جلدی) کے معنی میں مستعار لے لیا گیا ہے' پھر اس حالت کو کہا گیا جس میں بالکل تاخیر نہ ہو اور نہ اس میں کسی قسم کی کمزوری ہو' پس کہا گیا: ''خَرَجَ مِنْ فَوْرِهٖ. فوراً نکل آئے'' جیسے کہو: اسی وقت بالکل نہ ٹھہرا' اور اسی سے امام کرخی کا قول ہے کہ مطلق امر فوری طور پر واجب العمل ہوتا ہے' اس میں تاخیر بالکل نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ اسی وقت مشرکین تم پر حملہ کر دیں ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا' مطلب یہ کہ مشرکین کے آنے پر فرشتوں کا نزول مؤخر نہیں ہوگا بلکہ اسی وقت نازل ہو جائیں گے یعنی اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جلدی مدد فرمائے گا اور تمہاری فتح کو بہت آسان کر دے گا ﴿مُسَوِّمِيْنَ﴾ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' عاصم اور سہل نے واؤ کے نیچے کسرہ پڑھا ہے] یعنی فرشتے اپنے آپ کو نمایاں کر کے نشان زدہ سواریوں کے ساتھ میدان جنگ میں اتریں گے اور ''سوم'' کا معنی علامت ہے۔ حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں اور دُمیں سفید ہوں گی اور ان کے علاوہ دوسرے قراء نے واؤ پر فتح پڑھا ہے یعنی نشان زدہ فرشتے اتریں گے۔ امام کلبی نے کہا کہ ان کے سروں پر زرد رنگ کی پگڑیاں تھیں جن کے شملے کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے اور غزوۂ بدر کے دن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پگڑی زرد رنگ کی تھی تو فرشتے اسی رنگ کی پگڑیاں پہن کر اترے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پہلے ایک ہزار فرشتے اترے تھے' پھر تین ہزار ہو گئے' پھر بعد ازاں پانچ ہزار کر دیئے گئے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا

خَآئِبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور اللہ نے اس (فتح ونصرت) کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد تو نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے O تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کی جڑ کاٹ دے یا ان کو ذلیل کرے' سو وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں O آپ کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں خواہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ ان کو عذاب دے کیونکہ وہ بلاشبہ ظلم کرنے والے ہیں O اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

۱۲۶- ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ﴾ [ضمیر امداد کی طرف راجع ہے جس پر "اَنْ یُّمِدَّکُمْ" دلالت کرتا ہے] ﴿اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے تمہاری امداد کو محض تمہارے لیے خوشخبری بنا دیا ہے کہ بے شک ہر حال میں تمہاری مدد کی جائے گی ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ﴾ تاکہ تمہارے دل اس کے ذریعے مطمئن رہیں جیسا کہ سکینہ بنی اسرائیل کے لیے مدد الٰہی کی بشارت اور ان کے دلوں کے لیے اطمینان کا سبب بنا تھا ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور حقیقی مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' نہ جنگ سے حاصل ہوتی ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں ان اسباب میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی نصرت ورحمت کی امید کو مضبوط بنا دیتا ہے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ ایسا زبردست غالب ہے کہ اس کو اس کے احکام میں مغلوب نہیں کیا جا سکتا ﴿الْحَکِیْمِ﴾ صاحب حکمت ہے جو اپنے دوستوں کو امداد عطا فرماتا ہے اور دشمنانِ دین سے جہاد کا حکم دے کر ان کا امتحان لیتا ہے۔

۱۲۷- ﴿لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ تاکہ ان میں سے ایک گروہ کو قتل اور قید کرا کے ہلاک کر دے اور یہ بدر کے دن ہوا کہ قریش کے سرداروں میں ستر آدمی قتل کیے گئے اور ستر آدمی قید کر لیے گئے تھے [اور اس کا لام "وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ" کے ساتھ متعلق ہے یا "وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے ساتھ متعلق ہے یا پھر "یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ" کے ساتھ متعلق ہے] ﴿اَوْ یَکْبِتَهُمْ﴾ یا انہیں ذلیل ورسوا کر دے اور شکست سے ان کو غصہ دلائے اور ان کا غیظ وغضب بڑھائے اور "کَبْتٌ" کی حقیقت انتہائی توہین ہے جو دل میں واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے چہرے پر شرمندگی وندامت اور غیظ وغضب عیاں ہو جاتا ہے ﴿فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ﴾ سو وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔

۱۲۸- ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ﴾ ["شَیْءٌ" "لَیْسَ" کا اسم ہے اور "لَکَ" اس کی خبر ہے اور "مِنَ الْاَمْرِ" "شَیْءٌ" سے حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ یہ صفت مقدمہ ہے] ﴿اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ﴾ [اس کا "لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" پر عطف ہے اور "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ" معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان کے معاملات کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ انہیں ہلاک کر دے خواہ انہیں شکست دے دے خواہ ان کی توبہ قبول کر لے اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں ﴿اَوْ یُعَذِّبَهُمْ﴾ یا انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اگر وہ کفر پر اصرار کرتے ہیں اور آپ کو ان کے معاملے میں کچھ (ذاتی) اختیار نہیں' بے شک آپ تو عبد مبعوث ہیں جو ان کو ڈرانے اور ان

سے جہاد کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں[1]

[امام فراء سے مروی ہے کہ "اَوْ" "حتّٰی" کے معنی میں ہے اور ابن عیسیٰ سے منقول ہے کہ "اَوْ" بہ معنی "اِلَّا اَنْ" کے

اختیاراتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] خیال میں رہے کہ بعض لوگ ایسی آیات سے جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کسی اختیار یا علم کی نفی کی گئی ہو آپ کو محض بے اختیار اور بے علم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کے بعض اکابر کی کتب سے آپ کے لیے تشریعی اختیارات اور بعض علوم غیبیہ کا ثبوت ملتا ہے' نیز بندگانِ خدا کے کمالات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں ذاتی نہیں' بہر حال اختصار کے پیش نظر چند آیات آپ کے مطلق اختیارات' پھر تشریعی اختیار پر قرآن وسنت کے چند دلائل عرض کیے جاتے ہیں تا کہ حقیقت واضح ہو جائے:

(١) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ (النساء:٦٥)

اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو آپس کے تمام جھگڑوں میں حاکم مان لیں' پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور اس کو دل سے تسلیم کر لیں٥

(٢) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ. (التوبہ:٥٩)

اور کاش! وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے' عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کے رسول ہمیں مزید عطا فرمائیں گے۔

(٣) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. (الاحزاب:٣٦)

اور کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ میں کچھ اختیار رہے۔

(٤) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ٥ (الکوثر:١)

بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرما دیں٥

امام فخر الدین رازی نے اس آیت مبارکہ کے تحت کوثر کے چند معانی لکھے ہیں: (الف) اَلْخَيْرُ الْكَثِيْرُ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ 'یعنی دین ودنیا کی سب خوبیاں آپ کو عطا کر دی گئیں ہے۔ (ب) هٰذَا اللَّفْظُ يَتَنَاوَلُ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَخَيْرَاتِ الْاٰخِرَةِ 'یہ کوثر کا لفظ دنیا اور آخرت کی تمام خوبیوں پر مشتمل ہے (ج) اَعْطَاكَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ 'یعنی زمین وآسمانوں کے پیدا کرنے والے نے آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطا فرما دیں (د) امام رازی پندرھویں قول کے تحت لکھتے ہیں: "اَلْمُرَادُ مِنَ الْكَوْثَرِ جَمِيْعُ نِعَمِ اللّٰهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. یعنی کوثر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں ہیں جو اس نے (سرور انبیاء حضرت) محمد (مصطفٰے) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیں اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے"۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ٤٩٥۔٥٠١)

(٥) وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. (التوبہ:٧٤)

اور ان کو برا نہ لگا مگر یہی کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے ان کو غنی کر دیا۔

تشریعی احکام میں اختیاراتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(١) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:١٥٧)

اور آپ مسلمانوں کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے: '' لَا لْزِمَنَّكَ اَوْ تُعْطِيَنِىْ حَقِّىْ. میں ہر حال میں لازمی طور پر تیرے ساتھ رہوں گا مگر یہ کہ تو میرا حق مجھے دے دے'' ] یعنی اے محبوب! آپ کو ان کے معاملہ میں (ذاتی) کوئی اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے تا کہ آپ ان کی اس حالت پر خوش ہو جائیں یا ان کو عذاب میں مبتلا کر دے تا کہ آپ کو ان سے تسکین حاصل ہو۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو روک دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۲) وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. (التوبہ:۲۹) — اور وہ لوگ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

(۳) فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (النساء:۱۰۱) — پس تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کچھ نمازیں قصر کر کے پڑھو اگر تمہیں کفار کے حملہ کا ڈر ہو۔

اس آیت مبارکہ میں نمازِ قصر کی اجازت صرف خوف کی صورت میں دی ہے جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خداداد اختیار سے ہر شرعی سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: '' اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا وَّاِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَاَيْنَاهُ يَفْعَلُ''۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے لہٰذا ہم کچھ نہیں جانتے اور ہم وہ کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ کو کرتے دیکھا ہے۔
(شفاء شریف ج ۲ ص ۱۱ 'فاروقی کتب خانہ ملتان)

(۵) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا○ (النساء:۱۰۳) — بے شک ہر نماز مؤمنوں پر مقررہ وقت میں فرض کی گئی ہے○

اس آیت مبارکہ میں ہر نماز کو الگ الگ اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنا فرض کر دیا گیا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرفات میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔

(۶) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ. (البقرہ:۲۸۲) — اور دو مردوں کو گواہ بنالو' پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

مگر حضور نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر کر دیا۔

(۷) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (النساء:۳) — تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند آ جائیں دو دو' تین تین اور چار چار۔

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیات فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک دوسرے نکاح کی ممانعت فرما دی۔

(۸) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. (المائدہ:۶) — اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (نماز سے پہلے) اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولو۔

(تفصیل ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجنائز عنوان منصب رسالت' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائیں گے ﴿ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ تو بے شک وہ ظالم ہیں اس لیے وہ عذاب دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

۱۲۹-﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی حقیقی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے آپ کے لیے نہیں (کیونکہ آپ کسی چیز کے حقیقی مالک نہیں) اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کے ملک میں ہے ﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے یعنی مومنوں کے لیے بخشش فرماتا ہے ﴿ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے یعنی کافروں کو ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

احادیثِ مبارکہ سے اختیاراتِ نبوی ﷺ کا ثبوت

(۱) اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ. (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۸۵۔۹۷۵' مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۰) — بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

(۲) بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ. (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۱۸) — میں سو رہا تھا کہ اس دوران زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

(۳) وَاِلَیَّ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ. (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۴) — اور قیامت کے روز جنت کی چابیاں مجھے دی جائیں گی اور میں فخر یہ نہیں کہتا۔

(۴) اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ. (بخاری ج ۱ ص ۴۳۹) — بے شک میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں اور میں ہی تمام خزانوں کا نگران ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

(۵) سَلْنِیْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ اَوَ غَیْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ. (نسائی ج ۱ ص ۱۷۱' باب فضل السجود' مسلم ج ۱ ص ۱۹۳' باب فضل السجود' مشکوٰۃ شریف باب السجود وفضلہ ص ۸۴) — حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اے ربیعہ! مجھ سے مانگ لے' میں نے عرض کیا: میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی مانگ لو' میں نے عرض کیا: بس یہی کافی ہے۔

نوٹ: آخر میں عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک حوالہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس زیر بحث آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے: "جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِهٖ بِیَدِهٖ فَمَنْ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ كَاَحَادِ النَّاسِ لَا یَمْلِكُ شَیْئًا اَصْلًا وَّلَا یَنْفَعُ بِهٖ لَا ظَاهِرًا وَّلَا بَاطِنًا فَهُوَ كَافِرٌ خَاسِرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاسْتِدْلَالُهٗ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ ضَلَالٌ مُّبِیْنٌ. یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دے دیں تو اب جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نبی کریم ﷺ عام لوگوں کی طرح کسی چیز کے بالکل مالک نہیں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں' سو وہ کافر ہے' دنیا میں اور آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہے اور اس آیت مبارکہ کو بطور دلیل پیش کرنا کھلی گمراہی ہے۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۷' مطبع مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾

اے ایمان والو! تم کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤO اور تم اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہےO اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائےO اور اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی تمام آسمان اور زمین ہے' وہ پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہےO جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں' غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں' اور اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہےO

۱۳۰- ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے ''مُضَعَّفَةً'' (بغیر الف کے عین کو مشدد کر کے باب تفعیل سے) پڑھا ہے] یہ آیت مبارکہ سود کھانے سے ممانعت کے ساتھ اس عمل پر توبیخ (یعنی دھمکی) بھی ہے جس کو دُگنا تگنا سود کھانے کے لیے وہ لوگ روش بنا چکے تھے کیونکہ جب قرض کے واپس کرنے کی مدت پوری ہو جاتی تو ان میں سے قرض دینے والا اپنے مقروض سے کہہ دیتا کہ یا تو میرا قرض واپس کر دو یا پھر سود میں اضافہ کر کے مدت میں مہلت لے لو (چنانچہ اگر مقروض کے پاس رقم نہ ہوتی تو وہ مدت بڑھا کر سود در سود دینے پر تیار ہو جاتا) ﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور سود کھانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ فلاح پالو۔

۱۳۱- ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اگر اس کے محارم سے پرہیز کرنے میں اس سے نہ ڈریں اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی امید کو اپنی رحمت کے ساتھ معلق کر کے اس کے بعد فرمایا تا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت زیادہ سے زیادہ اختیار کریں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۳۲- ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اس آیت مبارکہ میں مرجیہ فرقہ کے اس قول کی تردید ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ نقصان نہیں دیتا اور جہنم کی آگ کا عذاب بھی بالکل نہیں ہوگا اور ہمارے (اہل سنت) کے نزدیک کافروں کے علاوہ نافرمان و گنہگار بھی جہنم میں

داخل ہوں گے اگر چہ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ "لَعَلَّ" اور "عَسٰی" اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحقیق کے لیے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسے مواقع پر ان کا ذکر کرنا تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی باریکی اور رضائے الٰہی پانے اور اس کی رحمت وثواب وصول کرنے کی صعوبت اہل معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔

## مغفرت کی اہمیت' جنت کی وسعت واہمیت اور گناہوں پر ندامت واستغفار کی اہمیت

۱۳۳- ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ﴾ اور تم اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو [ قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے بغیر واؤ کے "سَارِعُوْا" پڑھا ہے اور جس نے واؤ کو ثابت رکھا ہے اس نے اس کا ماقبل پر عطف کیا ہے اور جس نے واؤ کو حذف کیا ہے اس نے اس کو الگ ایک نیا جملہ قرار دیا ہے ] اور مغفرت و جنت کی طرف دوڑنے کا یہ معنی ہے کہ ایسے کاموں پر عملی توجہ دی جائے جو ان دونوں تک پہنچا دیں' پھر بعض نے کہا کہ وہ پانچ نمازیں مراد ہیں یا تکبیر اولیٰ یا اطاعت وفرماں برداری یا اخلاص یا توبہ یا جمعہ اور پنجگانہ نماز باجماعت ادا کرنا ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ یعنی اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" (الحدید:۲۱) اور اس سے مراد جنت کی وسعت وکشادگی کا وصف بیان کرنا ہے اس لیے اس کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو لوگ اس کی مخلوق میں سے زیادہ وسیع اور کشادہ جانتے ہیں اور چوڑائی کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ عام طور پر چوڑائی لمبائی سے کم ہوا کرتی ہے اور یہ بطور مبالغہ کہا گیا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اگر ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ملایا جائے اور جو یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے یا چوتھے آسمان میں ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی سمت میں ہے نہ یہ کہ اس میں ہے یا اس کے بعض حصے میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: گھر میں باغ ہے اگر چہ وہ اس سے زیادہ بڑا ہوتا ہے کیونکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کا دروازہ اس کی طرف ہے[۱] ﴿اُعِدَّتْ﴾ "جَنَّةٍ" کی صفت ہونے کی وجہ سے محلًا مجرور ہے یعنی ایسی کشادہ جنت ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں' پھر متقی وہ ہے جو کفر وشرک سے بچتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. (الحدید:۲۱) اور جنت جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی چوڑائی کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو (کفر وشرک چھوڑ کر) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے" یا متقی وہ ہے جو گناہوں سے بچتا رہتا ہے' پھر اگر دوسرا معنی مراد ہو تو جنت ان کو بغیر سزا پانے کے فوراً مل جائے گی اور اگر پہلا معنی مراد ہو تو پھر بھی آخر کار جنت میں جائیں گے' اس پر وقف کیا جائے گا اگر

۱۳۴- ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ [ کو مبتدا قرار دیا جائے اور "وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً" کو اس پر معطوف قرار دیا جائے اور "اُولٰٓئِكَ" کو اس کی خبر قرار دیا جائے اور اگر اس کو متقین کی صفت قرار دیا جائے اور "وَالَّذِيْنَ اِذَا

[۱] امام بغوی نے کہا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا: آیا آسمان میں ہے یا زمین میں ہے؟ آپ نے فرمایا: کون سی زمین اور کون سا آسمان ہے جو جنت کو اپنے اندر سما سکے؟ تو انہوں نے کہا: پھر وہ کہاں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے' حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۳۸ مطبع ندوۃ المصنفین' دہلی)

فَعَلُوْا فَاحِشَةً'' کو اس پر معطوف قرار دیا جائے تو پھر اس (متقین) پر وقف نہیں کیا جائے گا (ترجمہ) جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں] پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ آیت مبارکہ تو پھر فقط اس بات کی دلیل ہو جائے گی کہ جنت صرف پرہیز گاروں اور توبہ کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے لیے نہیں' میں کہتا ہوں کہ یہ بھی جائز ہے کہ جنت تیار تو ان دو جماعتوں کے لیے کی گئی ہو لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے معاف کر دینے سے ان کے علاوہ گنہگار بھی جنت میں داخل کیے جائیں جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ کھانا امیر جماعت کے لیے تیار کیا گیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ اس کے ماتحت بھی وہ کھانا کھاتے ہیں' کیا یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ'' (آل عمران: ۱۳۱) ''اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' پھر کافروں کے علاوہ نافرمان و گنہگار مسلمان بھی اس میں داخل کیے جائیں گے حالانکہ اس پر سب متفق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں سب سے پہلے خرچ کرنے کی صفت کے ساتھ آغاز فرمایا کیونکہ یہ طبعی طور پر انسان پر دشوار ہوتا ہے اور اس لیے بھی پہلے ذکر کیا ہے کہ خرچ کرنا انسان کے خلوص کی بڑی دلیل ہے اور اس لیے بھی کہ اس وقت یہی سب سے بڑا عمل تھا کیونکہ غریب و ضرورت مند مسلمانوں کی ہمدردی و غم خواری اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لیے مالی امداد کی اشد ضرورت تھی اور بعض علماء نے فرمایا: تمام حالات میں خرچ کرنا مراد ہے تاکہ خوشحالی اور تنگی کی کسی حالت سے خالی نہ رہے ﴿وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ﴾ اور غصہ روکنے والے' کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے مشکیزہ بھر کر اس کا منہ بند کر دیا اور اسی سے ''کَظْمَ الْغَیْظَ'' ہے اور وہ یہ ہے کہ صبر کر کے اپنے غصہ کو روک لے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہونے دے اور غیظ غضب کی وجہ سے دل کی حرارت کو بھڑکا دیتا ہے اور حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَّ ھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اِنْفَاذِہٖ مَلَا اللّٰہُ قَلْبَہٗ اَمْنًا وَّاِیْمَانًا. جس نے اپنے غصہ کو ضبط کر لیا جب کہ وہ اس کو جاری کرنے اور اس پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و سکون اور ایمان سے بھر دے گا''[1] ﴿وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ اور لوگوں کو معاف کر دینے والے یعنی جب ان پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ زیادتی کرنے والے سے انتقام نہیں لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہیں؟ یہ پکار سن کر صرف وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو دنیا میں لوگوں کو معاف کرتے رہے ہوں گے' حضرت امام ابن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ ایک روز ہارون الرشید ایک شخص پر غصہ نکال رہا تھا اور اس پر غضب ناک ہو رہا تھا کہ انہوں نے ہارون الرشید کو یہ حدیث سنا دی' چنانچہ انہوں نے فوراً اس شخص کو معاف کر دیا اور رہا کر دیا ﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت کرتا ہے اور اس میں لام جنس کا ہے' لہٰذا یہ تمام نیک لوگوں کو شامل ہے اور اس کے تحت وہ نیک لوگ بھی شامل ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یا یہ لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت امام ثوری سے منقول ہے کہ احسان یہ ہے کہ برائی کرنے والے سے نیکی کی جائے کیونکہ نیکی کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنا تجارت ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۠ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ۳' ترمذی کتاب البر باب ۷۴' ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۸' مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۳۸۔ ۴۴۰

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾

اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کر گزرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہوئے اللہ کو یاد کر لیتے ہیں' اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشے گا' اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے O یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلا ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنتیں ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور نیک کام کرنے والوں کا بہت اچھا اجر ہے O بے شک تم سے پہلے کچھ طریقے گزر چکے ہیں تو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا O

۱۳۵- ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ اور وہ لوگ کہ جب وہ بے حیائی کا کام کر لیتے ہیں' فاحشہ ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو قباحت و برائی میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہو [اور یہ جائز ہے کہ ''وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً'' جملہ مبتدا ہو اور ''أُولٰٓئِكَ'' اس کی خبر ہو] ﴿أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ﴾ یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں' بعض نے کہا کہ فاحشہ کبیرہ گناہ کو اور اپنی جان پر ظلم کرنا صغیرہ گناہ کو کہا جاتا ہے یا فاحشہ زنا کو اور نفس پر ظلم بوس و کنار اور ہاتھ وغیرہ لگانے کو کہا جاتا ہے ﴿ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ وہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں تاکہ یہ یادِ الٰہی ان کی توبہ کا باعث بن جائے ﴿فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور ان کی قباحت پر نادم و پشیمان ہو کر مغفرت و بخشش طلب کرنے لگے۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی اس وقت شیطان بہت رویا تھا ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون بخشے گا [''مَنْ'' مبتدا ہے اور ''يَغْفِرُ'' اس کی خبر ہے اور اس میں ایک ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''إِلَّا اللّٰهُ'' ''يَغْفِرُ'' میں ضمیر سے بدل ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''وَلَا أَحَدٌ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا'' اور یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے]
اور اس جملہ میں بندوں کے نفوس کے لیے خوشخبری اور توبہ کی ترغیب و تنشیط ہے اور اس پر برانگیختہ کرنا اور ابھارنا ہے اور مایوسی و ناامیدی سے ڈرانا اور دھمکانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان ہے اور اس کی مغفرت و بخشش کا توبہ کرنے والے کے قریب ہونے کا بیان ہے اور خبردار کرنا ہے کہ اگرچہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کا عفو و کرم ان سے بڑھ کر عظیم ترین ہے ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا﴾ اور وہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے یعنی وہ اپنے بُرے کاموں پر قائم نہیں رہتے اور اصرار کا معنی اقامت ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً''[1] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرتا رہتا ہے وہ اگرچہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کا اعادہ کر لے پھر بھی وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں کہلائے گا اور مروی ہے کہ استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ بھی صغیرہ

[1] ابوداؤد کتاب الوتر باب ۲۶' ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۰۶

ہو جاتا ہے) اور گناہ پر اصرار کرنے سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے) ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ جانتے ہیں [یہ ''وَلَمْ يُصِرُّوْا'' سے حال ہے] یعنی وہ جانتے ہیں کہ بے شک انہوں نے بہت بُرا کیا ہے۔ یا وہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے گناہ کوئی نہیں بخشے گا۔

۱۳۶۔ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ جن کی مذکورہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں ﴿جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے پر ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے ان کا صلہ مغفرت وبخشش ہے ﴿وَجَنّٰتٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے ایسی بہشتیں (ان کو ملیں گی) ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا یہ بہت اچھا صلہ ہے اور یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی کام کرنے والوں کے لیے مغفرت وبخشش اور بہشتیں بہترین صلہ ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ ایک خرما فروش کے بارے میں نازل ہوئی جس نے (کھجوریں لینے کے لیے آنے والی) ایک عورت سے کہا کہ تم کھجوریں چاہتی ہو اور میرے گھر میں عمدہ کھجوریں ہیں، سو وہ شخص اس عورت کو اپنے گھر لے گیا اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا اور منہ چوم لیا، پھر وہ اس پر نادم ہوا اور توبہ کر لی یا اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کو ایک ثقفی مسلمان نے جہاد میں جاتے وقت اپنی بیوی بچوں پر نگران مقرر کیا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا، چنانچہ یہ ایک روز کسی کام کے لیے جب اس کے گھر آیا اور اس کی بیوی کو دیکھا اور اس کا منہ چوم لیا، پھر فوراً شرمندہ ہو کر وہاں سے نکلا اور چیختا چلاتا جنگل میں چلا گیا (اور توبہ واستغفار کرنے لگا) تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو گیا۔

۱۳۷۔ ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ [''مَضَتْ'' کے معنی میں ہے] یعنی گزر چکے ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾ تم سے پہلے بہت سے طریقے ''سُنَنٌ'' سے جھٹلانے والی قوموں کی بربادی کے وہ واقعات مراد ہیں جن کو گزشتہ نافرمان قوموں میں اللہ تعالیٰ جاری وساری فرما چکا ﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ سو تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا، پھر اس سے عبرت حاصل کرو۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾

یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم (اللہ کے وعدہ پر) ایمان رکھتے ہو ○ اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں تو اسی طرح مخالف قوم کو بھی زخم پہنچ چکے ہیں، اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں، اور تاکہ اللہ مسلمانوں کو ممتاز کر دے اور تم میں سے کچھ کو شہادت کا درجہ عطا فرما دے، اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ○

۱۳۸-﴿هٰذَا﴾ یعنی قرآن مجید یا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ﴿بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى﴾ لوگوں کے لیے بیان ہے اور رشد و ہدایت اور ان کی رہنمائی کرنا ہے ﴿وَّمَوْعِظَةٌ﴾ نصیحت کرنے سے مقصود رغبت دلانا اور ڈرانا ہے ﴿لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ شرک سے بچنے والوں کے لیے۔

## جہاد میں کمزوری کی بجائے شجاعت و بہادری دکھانے اور حق پر قائم رہنے کی تلقین

۱۳۹-﴿وَلَا تَهِنُوْا﴾ اور (غزوۂ احد میں) تمہیں جو ہزیمت و شکست ملی ہے اس کی وجہ سے تم جہاد میں کمزوری نہ دکھاؤ ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اور تم مال غنیمت کے نہ ملنے یا اپنے مسلمان بھائیوں میں سے کچھ مجاہدوں کے قتل کیے جانے یا زخمی ہونے پر غم نہ کھاؤ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو ان تکلیفوں پر تسلی دینا ہے جو ان کو احد کے دن پہنچی تھیں اور ان کے دلوں کو تقویت دینا ہے ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ حالانکہ تم ان سے اعلیٰ ہو اور ان پر غالب ہو کیونکہ بدر کے دن تم نے ان سے زیادہ فتح و نصرت اور غنیمت حاصل کر لی تھی جو انہوں نے احد کے دن تم سے حاصل کی ہے یا آخر کار تم ہی فتح و کامیابی اور مدد کے اعتبار سے سر بلند و غالب رہو گے اور یہ مسلمانوں کے لیے آنے والی سر بلندی و غلبہ کی بشارت ہے کہ بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا یا تم شان و مرتبہ کے اعتبار سے سر بلند و اعلیٰ ہو کیونکہ تمہاری لڑائی اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے ہے اور ان کی لڑائی شیطان اور کلمۂ کفر کی حفاظت کے لیے ہے یا اس لیے کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے اور ان کے مقتول جہنم میں جائیں گے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اس کا تعلق نہی کے ساتھ ہے یعنی اگر تمہارا ایمان صحیح ہے تو تم کمزوری نہ دکھاؤ کیونکہ بے شک ایمان کی صحت دل کی قوت اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد اور دشمنان دین کی پرواہ نہ کرنے کو واجب و لازم کرتی ہے یا اس کا تعلق ''اَعْلَوْنَ'' کے ساتھ ہے یعنی اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ کی بشارت دیتا ہے۔

۱۴۰-﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ﴾ اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ نے (قُرْحٌ میں) قاف پر ضمہ (پیش) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے قاف پر فتح (زبر) پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں (معنی ایک زخم ہے) جیسے ''ضُعْفٌ'' اور ''ضَعْفٌ'' ہیں (دونوں کا معنی کمزوری ہے) اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ''قَرْحٌ'' قاف کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی زخم ہے اور اگر قاف پر پیش ہو تو معنی زخم کا درد ہے ﴿فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾ یعنی اگر انہوں نے احد کے دن تم سے فتح حاصل کر لی ہے تو اس سے پہلے بدر کے دن تم نے ان سے فتح حاصل کی تھی' پھر جب ان کے دل اس سے کمزور نہیں ہوئے اور وہ تمہاری عداوت و دشمنی سے باز نہیں آئے اور تم سے لڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں' سو تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ کمزوری نہ دکھاؤ ﴿وَتِلْكَ﴾ اور یہ مبتدا ہے ﴿الْاَيَّامُ﴾ اس کی صفت ہے اور ﴿نُدَاوِلُهَا﴾ خبر ہے یعنی ہم ان دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں ﴿بَيْنَ النَّاسِ﴾ یعنی ہم ان دنوں میں جزا و سزا اور فتح و شکست کو بدلتے رہتے ہیں کبھی ان کو عطا کر دیتے ہیں اور کبھی ان کو جیسے کتاب کا یہ شعر ہے:

فَيَوْمًا عَلَيْنَا وَيَوْمًا لَنَا     وَيَوْمًا نُسَآءُ وَيَوْمًا نُسَرُّ

''سو کسی دن ہمیں شکست ہوتی ہے اور کسی دن ہمیں فتح و نصرت ملتی ہے اور کسی دن مہلت ملتی اور کسی دن زخم ملتے ہیں''۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی ہم ان دنوں کو تدبیر کی مصلحتوں کے لیے پھیرتے رہتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کی پہچان کرا دے جو صبر و استقامت اور ایمان کے سبب اپنے غیروں سے ممتاز ہو گئے جیسا کہ وہ خود

ان کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے ﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا اعزاز عطا فرمادے اور اس سے احد کے دن شہید ہونے والے خوش نصیب مراد ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم میں ان لوگوں کو منتخب فرمالے جو قیامت کے دن دوسری امتوں پر گواہی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کے مطابق: "لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: ۱۴۳) تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ" ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِينَ﴾ اور یہ بعض اور بعض کی تفصیل بیان کرنے کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا جو ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں میں سے نہیں ہیں اور وہ منافقوں اور کافروں کی جماعت ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ ع وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾

اور تاکہ اللہ مسلمانوں کو پاک کردے اور کافروں کو مٹادے O کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے تمہارے مجاہدوں کا امتحان نہیں لیا اور نہ صبر کرنے والوں کو آزمایا ہے O اور تم موت کے ملنے سے پہلے شہادت کی موت کی تمنا کیا کرتے تھے' تو اب تم نے اس کو دیکھ لیا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے O اور محمد (خدا نہیں) صرف رسول ہیں' بے شک ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں' تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا وہ شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے' اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا' اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا O

۱۴۱- ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پاک صاف کردے "تَمْحِيصٌ" کا معنی تطہیر و تصفیہ ہے یعنی طہارت و صفائی ﴿وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ﴾ اور کافروں کو ہلاک کردے یعنی اگر ایام کی گردش مسلمانوں پر آجائے تو ان کو ممتاز کرنے اور شہادت کا درجہ دینے اور پاک صاف کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اگر کافروں پر آجائے تو ان کو ہلاک کرنے اور ان کے نام و نشان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ہوتی ہے۔

۱۴۲- ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے ["أَمْ" منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے] یعنی یہ خیال نہ کرو ﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ﴾ اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں کی پہچان نہیں کرائی یعنی ابھی تک تم نے جہاد نہیں کیا کیونکہ علم معلوم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو علم کی نفی متعلق کی نفی کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے کہ متعلق کے انتفاء سے علم منتفی ہو جاتا ہے (جیسے) تم کہتے ہو: "مَا عَلِمَ اللَّهُ

فِیْ فُلَانٍ خَیْرًا. یعنی اس فلاں آدمی میں تو خیر ہی نہیں ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کے ساتھ متعلق ہوتا" [اور "لَمَّا" "لَمْ" کے معنی میں آتا ہے مگر اس میں ایک قسم کی توقع ہوتی ہے' چنانچہ یہاں اس نے ماضی میں جہاد کی نفی پر اور مستقبل میں جہاد کے وجود کی توقع پر دلالت کی ہے] ﴿ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ اور نہ صبر کرنے والوں کو آزمایا ہے [یہاں "یَعْلَمَ" پر "اَنْ" پوشیدہ کی وجہ سے نصب آیا ہے اور واؤ جمع کے معنی میں ہے جیسے "لَا تَاْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ. تم نہ مچھلی کھاؤ اور نہ دودھ پیو" یا پھر "یَعْلَمِ اللّٰہُ" پر عطف کی وجہ سے مجزوم ہے' پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے میم کو حرکت دے دی گئی ہے اور ماقبل مفتوح کی وجہ سے فتحہ کی حرکت دی گئی ہے۔

١٤٣- ﴿ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ﴾ اور تم موت کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو خطاب کیا گیا جو بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور وہ آرزو کیا کرتے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوں تا کہ وہ شہادت کا اعزاز حاصل کر لیں اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اصرار کیا تھا کہ مدینہ منورہ سے نکل کر باہر احد میں جا کر مشرکین کے ساتھ جنگ کی جائے ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے مبارک مدینہ شریف میں رہ کر دفاعی جنگ کرنے کی تھی یعنی تم موت کا مشاہدہ کرنے اور اس کی شدت وسختی کو جاننے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے ﴿ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ یعنی بے شک تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جب تمہارے بھائی تمہارے سامنے شہید ہو رہے تھے اور قریب تھا کہ تم قتل کر دیے جاتے اور یہ توبیخ (دھمکی) ہے ان کے لیے موت کی تمنا کرنے پر اور اس بات پر کہ حضور ﷺ کے نکلنے کا سبب یہی لوگ ہیں جنہوں نے اصرار کیا تھا' پھر آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن انہوں نے شہادت کی تمنا کی تھی تا کہ وہ شہداء کا درجہ حاصل کریں اور انہوں نے کفار کے غلبہ کا قصد نہیں کیا تھا جیسے کوئی شخص نصرانی حکیم سے دوائی لے کر پی لے کیونکہ اس کا ارادہ صرف شفا کا حصول ہے اور اس کے دل میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ دشمنِ خدا سے فائدہ لے رہا ہے اور اس کے پیشہ پر اپنی رقم برباد کر رہا ہے' بہر حال جب ابن قمیئہ نے رسول اللہ ﷺ کو پتھر مارا تو آپ کے سامنے کے چار دانت مبارک شہید ہو گئے' اس بدبخت نے آگے بڑھ کر آپ کو شہید کرنا چاہا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آپ سے دور کر دیا اور یہی علم بردار تھے یہاں تک ابن قمیئہ نے ان کو شہید کر دیا اور وہ ان کو رسول اللہ ﷺ خیال کر رہا تھا' چنانچہ وہ چیختا ہوا بھاگا اور اعلان کیا کہ میں نے (حضرت) محمد (مصطفےٰ ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ شیطان تھا جس نے کہا تھا: "اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ. سن لو (حضرت) محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے ہیں" جس کی وجہ سے لوگوں میں آپ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور اکثر مسلمان بھاگ گئے اور سرورِ انبیاء حبیبِ کبریا رسولِ خدا ﷺ مسلمانوں کو بلانے لگے: "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ. اے اللہ کے بندو! ادھر آؤ" یہاں تک کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کے پاس اکٹھی ہو گئی' سو آپ نے انہیں ملامت کی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں جب ہمیں آپ کی شہادت کی خبر ملی تو ہم گھبرا گئے اور پیٹھ دے کر بھاگ گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہو گئی:

١٤٤- ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ اور محمد (ﷺ)[1] صرف رسول ہیں (خدا نہیں) ان سے پہلے رسول گزر چکے یہاں "خَلَتْ" "مَضَتْ" کے معنی میں ہے یعنی گزر گئے' لہٰذا جس طرح دوسرے رسول دنیا سے کوچ کر گئے اسی طرح آپ نے بھی ایک دن کوچ کرنا ہے اور جس طرح ان کے پیروکاران کے کوچ کر جانے کے بعد

[1] اس اسم مبارک کے فضائل و برکات سورۃ الفتح: ٢٩ کے حاشیہ میں بیان کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز' غوثوی مہاروی

ان کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اسی طرح تم پر بھی لازم ہے کہ ان کے کوچ کرنے کے بعد ان کے دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہو کیونکہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد احکام الٰہی اور رسالت کی تبلیغ کرنا اور توحید الٰہی کی حجت قائم کرنا تھی نہ یہ کہ وہ دائمی طور پر اپنی امت میں موجود رہیں ﴿اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓی اَعۡقَابِکُمۡ﴾ تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور اس آیت مبارکہ میں ''فا'' جملہ شرطیہ کے ساتھ متعلق ہے جو اپنے سے پہلے جملے کے ساتھ متعلق ہے اور یہ جملہ شرطیہ سببیت پر دلالت کرتا ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے' یہ انکار اس بات کا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبعی موت یا شہادت کی موت کے بعد صحابہ کرام کے الٹے پاؤں پھر جانے کے لیے آپ سے پہلے رسولوں کے گزر جانے کو سبب قرار دیا جائے البتہ صحابہ کرام کا یہ جاننا کہ آپ سے پہلے انبیاء و رسل کے گزر جانے کے بعد ان کے دین کا باقی رہنا اور ان کے پیروکاروں کا اس پر کاربند رہنا یہ واجب کرتا ہے کہ اس کو اس بات کا سبب قرار دیا جائے کہ صحابہ حضور کے وصال کے بعد الٹے پاؤں نہیں پھریں گے بلکہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قائم رکھیں گے اور خود بھی اس پر قائم رہیں گے اور الٹے پاؤں پھر جانا مجاز ہے جس کا مطلب ہے مرتد ہو جانا اور اپنے دین کو چھوڑ دینا ﴿وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا﴾ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکے گا بلکہ وہ اپنا نقصان کرے گا ﴿وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو نیک جزاء عنایت فرمائے گا یعنی جو اپنے دین سے نہیں پھرے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شاکرین اس لیے رکھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت دین اسلام پر اس کا شکر ادا کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اسلام پر قائم رہے۔

وَمَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ؕ وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَکَانُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا کَانَ قَوۡلَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا اور سب کا وقت لکھا ہوا ہے' اور جو شخص دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے' اور جو آخرت کا فائدہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے' اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو اچھی جزاء دیں گے ○ اور کتنے نبیوں کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جہاد کیا اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی مصیبتوں کی وجہ سے وہ سست نہ ہوئے اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ وہ (کافروں سے) دبے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور وہ اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں بخش دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور تو کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما ○

١٤٥-﴿وَمَا كَانَ﴾ اور یہ جائز نہیں ﴿لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کسی جان کے لیے کہ وہ مر جائے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے یعنی اس کے علم کے ساتھ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دے اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مرنا محال ہے اور اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور دشمن سے لڑنے کے لیے شجاعت و بہادری کی تحریک پیدا کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ جنگ سے بچنے اور موت سے ڈرنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کوئی شخص اپنے وقت مقررہ سے پہلے نہیں مرے گا اگر چہ وہ ہلاکت خیز مقامات اور جنگ کے معرکوں میں اندر گھس جائے ﴿كِتٰبًا﴾ مصدر مؤکد ہے جس کا معنی ہے: موت کا مقررہ وقت لکھ دیا گیا ہے ﴿مُّؤَجَّلًا﴾ مقرر و متعین جس کی مدت معین ہو جائے نہ اس سے آگے ہو سکے اور نہ پیچھے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ﴾ اور جو لڑائی میں ارادہ کرتا ہے ﴿ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ دنیا کے فائدے یعنی مال غنیمت کا اور یہ ان لوگوں پر تعریض و تنقید ہے جو احد کے دن مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم اس کو اس میں سے یعنی دنیا کے مال سے کچھ مال دیں گے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ اور جو آخرت کا اجر یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ (دین اسلام) کی سربلندی اور آخرت کا درجہ چاہتا ہے ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ﴾ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا اور ان کو جہاد کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی ہم ان کو ایسی بہترین جزا عطا فرمائیں گے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی ہو گی۔

١٤٦-﴿وَكَاَيِّنْ﴾ [اس کی اصل ''اَیّ'' ہے اس پر تشبیہ کا کاف داخل کر دیا گیا ہے اور یہ ''کَمْ'' کے معنی میں آتا ہے جو کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابن کثیر مکی نے ''کَائِنْ'' پڑھا ہے جو ''کَاعِنْ'' کے وزن پر ہے ﴿مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ﴾ ابن کثیر، ابو عمرو بصری اور نافع مدنی نے ''قُتِلَ'' پڑھا ہے] ﴿مَعَهٗ﴾ یہ ''قَاتَلَ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی نبیوں نے کافروں سے جہاد کیا دراں حالیکہ ان کے ساتھ ﴿رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ بہت سے اللہ والوں نے ساتھ دیا [اور ''رِبِّیُّوْنَ' رَبَّانِیُّوْنَ'' دونوں طرح آتا ہے حضرت حسن بصری سے را پر ضمہ (پیش) پڑھنا منقول ہے اور بعض کے نزدیک را پر فتح (زبر) پڑھا جائے گا اور فتحہ پڑھنا قیاس کے موافق ہے کیونکہ یہ ''رَبّ'' کی طرف منسوب ہے اور ضمہ اور فتحہ تغیرات نسب کی وجہ سے ہے] ﴿فَمَا وَهَنُوْا﴾ سو انہوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے وقت کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ﴿لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا﴾ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں ملیں اور نہ اس کے بعد انہوں نے جہاد میں کمزوری دکھائی ﴿وَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ اور نہ وہ اپنے دشمنوں کے سامنے جھکے نہ ان سے دبے اور یہ طعن و تشنیع ہے ان لوگوں پر جنہوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر لڑتے وقت کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کیا تھا اور دشمنوں سے دب گئے یہاں تک کہ انہوں نے ابوسفیان سے امان طلب کرنے کے لیے عبد اللہ بن ابی (منافقوں کے سردار) کا سہارا لینے کا ارادہ کر لیا تھا (مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا) ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی کافروں سے جہاد کرنے پر صبر کرنے والے۔

١٤٧-﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ یعنی ان کا اور کچھ کہنا نہیں تھا ماسوا اس کہنے کے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور اللہ والے ہونے کے باوجود گناہوں کی اپنی طرف نسبت کرنا ان کی انتہائی عاجزی تھی ﴿وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ اور بندگی کی حد میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ اور جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ ﴿وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کی قوم پر غلبہ کے ذریعے ہماری مدد فرما اور دشمنان دین پر مدد اور جنگ کے مقامات میں ثابت قدم رہنے کی طلب پر گناہوں کی معافی مانگنے کی دعا کو اس لیے مقدم کیا

گیا کہ اس میں عاجزی وانکساری کی وجہ سے جلد قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾
سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

سو اللہ نے ان کو دنیا میں (بھی) انعام عطا فرمایا اور آخرت میں (بھی) بہترین اجر وثواب عطا فرمایا اور نیکی کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے O اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر دیں گے' سو تم نقصان اٹھا کر پلٹ جاؤ گے O بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے O ہم عنقریب کافروں کے دلوں مین رعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے O

١٤٨- ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا اجر یعنی فتح ونصرت اور مال غنیمت سب کچھ عطا فرمادیا ﴿وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت کا بہترین انعام یعنی مغفرت و بخشش اور جنت بھی عطا فرمادی اور آخرت کے ثواب کو حسن کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے تا کہ اس کی فضیلت وعظمت اور تقدم واولیت کو عیاں کیا جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی معتبر واہم ہے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت کرتا ہے یعنی چونکہ یہ لوگ نیک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔

١٤٩- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں کفر وشرک کی طرف لوٹا دیں گے ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ سو تم نقصان اٹھا کر پلٹ جاؤ گے۔ ایک قول کے مطابق یہ آیت مبارکہ تمام کفار کے بارے میں ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کفار سے دور رہیں اور ان سے کنارہ کش رہیں اور کسی معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کریں ورنہ وہ مسلمانوں کو اپنی موافقت میں کر لیں گے۔ حضرت امام سدی سے منقول ہے کہ اگر تم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے سامنے جھک گئے اور ان سے امان طلب کرنے لگے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا دیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے شکست کے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

١٥٠- ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے' سو تم اس کے غیروں کی مدد سے بے نیاز ہو جاؤ ﴿وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴾ اور وہی سب سے بہترین مددگار ہے۔

١٥١- ﴿سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے [ابن عامر شامی اور علی کسائی نے ''الرُّعُبَ'' (عین پر پیش) پڑھا ہے اور یہ دولغتیں ہیں] بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن مشرکین کے دلوں میں انجانا خوف ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے بغیر کسی سبب کے قوت وغلبہ حاصل کر لینے کے باوجود مکہ مکرمہ کی طرف شکست کھا کر بھاگ گئے ﴿بِمَآ اَشۡرَکُوۡا بِاللّٰہِ﴾ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کا سبب اس کے ساتھ ان کا شریک ٹھہرانا تھا ﴿مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا﴾ معبود جن کو شریک ٹھہرانے کی سند اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی اور اس کا یہ مقصد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر اس نے ان پر نازل نہیں کی کیونکہ شرک تو باطل ہے وہ اس لائق ہی نہیں کہ اس کے ثبوت پر حجت قائم کی جائے بلکہ حجت اور اس کے نزول کی اکٹھی نفی کرنا مراد ہے جیسے کسی کا قول ہے: ''وَلَا تَرَی الضَّبَّ ھُنَا یَنۡجَحِرُ. اور تو وہاں گوہ کو نہیں دیکھے گا جو اپنے رہنے کے لیے بل بناتی ہو'' یعنی وہاں گوہ نہیں ہوتی تو بل کیونکر بنائے گی اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہاں گوہ رہتی ہے لیکن بل نہیں بناتی ﴿وَمَاۡوٰىھُمُ﴾ اور ان کے لوٹنے کی جگہ (یعنی ٹھکانا) ﴿النَّارُ ۚ وَبِئۡسَ مَثۡوَی الظّٰلِمِیۡنَ﴾ جہنم ہے اور ظالموں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔

وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَعَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾

اور بے شک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے' یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور تم نے حکم (نبوی) میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ تمہیں وہ (فتح) دکھا چکا تھا جس کو تم چاہتے تھے تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے بعض آخرت کو چاہتے ہیں' پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا' تا کہ وہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا' اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے O

شانِ نزول: اور جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ احد سے واپس مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ شکست اور مصائب ہمیں کہاں سے پہنچے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے مدد کا وعدہ فرمایا تھا تو (ان کے جواب میں درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

## غزوۂ احد کے حوالے سے مسلمانوں کو انتباہ

١٥٢- ﴿وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا ثابت کر دیا ﴿اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ﴾ جب تم ان کو بے دریغ بری طرح قتل کر رہے تھے [علامہ ابن عیسیٰ نے کہا کہ یہ ''حَسّ'' سے مشتق ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ قتل کے ذریعے کسی کی جڑ کاٹ کر ہلاک کرنا ﴿بِاِذۡنِہٖ﴾ اس کے حکم اور اس کے علم کے ساتھ ﴿حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ﴾ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے ﴿وَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ اور تم نے حکم میں

جھگڑا کیا (جو حضور نے تیر اندازوں کو فرمایا تھا کہ تم اس درے پر ٹھہرے رہو ان شاء اللہ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہو گی بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا) ﴿ وَعَصَيْتُمْ ﴾ اور تم نے اپنے نبی کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنے مرکز (درے) کو چھوڑ دیا اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے ﴿ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جس کو تم چاہتے تھے یعنی فتح و کامیابی اور کفار کا مقہور و مغلوب ہو جانا اور ''اِذَا'' محذوف کے متعلق ہے' تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ. یعنی جب تم بزدل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مدد روک لی'' اور یہ بھی جائز ہے کہ معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بزدل ہونے کے وقت تک اپنا وعدہ سچا کر کے دکھا دیا تھا (پھر جب تم بزدل ہو گئے اور کمزوری دکھائی تو مدد الٰہی کے رک جانے سے تم مغلوب ہو گئے اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی) ﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا ﴾ تم میں سے کچھ لوگ دنیا چاہتے تھے یعنی مال غنیمت اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے مرکز کو چھوڑ دیا تھا۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا اور مدینہ منورہ کو اپنے سامنے رکھا اور تیر اندازوں کو احد پہاڑ کے ایک درے پر مقرر فرمایا اور آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے اور اس جگہ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے خواہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو خواہ شکست لیکن جب مشرکین سے آمنا سامنا ہوا تو تیر اندازوں نے پوری بہادری کے ساتھ مشرکین پر تیروں کی بارش برسا دی اور ان کے گھوڑوں کا رخ پیچھے موڑ دیا اور باقی مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے پیچھے سے قتل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ جب تیر اندازوں نے کمزوری دکھائی اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپس میں جھگڑنے لگے' بعض نے کہا کہ چونکہ مشرکین شکست کھا گئے ہیں' لہٰذا ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے' چنانچہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مال غنیمت لوٹنے لگ گئے اور بعض نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو' سو جو حضرات اپنی اس جگہ پر ثابت قدم رہے ان میں تیر اندازوں کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سے کم ساتھیوں کے ساتھ ٹھہرے رہے اور درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہی لوگ مراد ہیں ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾ اور تم میں سے بعض آخرت کا ارادہ رکھتے تھے' چنانچہ مشرکین نے درے پر مقرر بقایا تیر اندازوں پر حملہ کر دیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کر دیا' پھر دوسرے مسلمانوں پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو شکست دے دی اور انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا اور اسی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ ﴾ پھر تمہیں ان سے پھیر دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد تم سے روک لی' سو مشرکین تم پر غالب آ گئے ﴿ لِيَبْتَلِيَكُمْ ﴾ تاکہ وہ مصائب و آلام پر تمہارے صبر کو اور شدائد و تکالیف کے وقت تمہاری ثابت قدمی کو آزمائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا امتحان لینے والا معاملہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیتا ہے اس پر جزا نہیں دیتا جو وہ خود اس کے بارے میں جانتا ہے ﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی وقت معاف کر دیا جب تم رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے اپنی کوتاہی پر نادم و پشیمان ہو گئے تھے ﴿ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو معاف کر کے اور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر فضل فرمانے والا ہے یا ان پر تمام حالات میں فضل فرمانے والا ہے خواہ ان کو فتح و کامیابی نصیب ہو خواہ شکست سے دوچار ہونا پڑے کیونکہ آزمائش بھی رحمت ہے جس طرح مدد کرنا رحمت ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَاكُمْ
فَأَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَابَكُمْ ۗ
وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

جب تم میدانِ جنگ چھوڑ کر دور بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہاری پچھلی جماعت میں تمہیں پکار رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم کا بدلا غم دیا تا کہ تم اس (مالِ غنیمت) پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس (مصیبت) پر جو تمہیں پہنچی' اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے O

۱۵۳- ﴿ إِذْ تُصْعِدُونَ ﴾ [یہ منصوب ہے یا تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لِيَبْتَلِيَكُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اذْكُرُوا'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ تم سرزمین احد کی اونچائی کی طرف تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے تھے اور ''اِصْعَاد'' زمین کے میدان میں اونچائی کی طرف جانے کو کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں پھیر دینے کے سبب تم میدانِ احد میں دور بھاگے جا رہے تھے ﴿ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ ﴾ اور تم کسی کی طرف نہیں دیکھتے تھے اور یہ دشمن کے خوف اور انتہائی شکست سے عبارت ہے ﴿ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ ﴾ اور رسول اکرم ﷺ تمہیں پکار پکار کر فرما رہے تھے: ''إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَنْ يَكُرُّ فَلَهُ الْجَنَّةُ. اے اللہ کے بندو! میری طرف آ جاؤ' میں ہی اللہ کا رسول ہوں' آج جو شخص دشمن پر لوٹ کر حملہ کر دے گا اس کو جنت ملے گی'' اور یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے ﴿ فِيٓ أُخْرَاكُمْ ﴾ تمہاری پچھلی صف میں اور تمہاری دوسری جماعت میں اور یہ پیچھے (میدان جنگ میں رہ جانے والی جماعت) تھی' کہا جاتا ہے: تو لوگوں کے آخر میں آیا اور ان کے پیچھے آیا ہے جیسے تم کہو: ان کے شروع میں اور ان سے پہلے' یہ اس تاویل میں ہے کہ وہ ان کے آگے اور ان کی پہلی جماعت ہے ﴿ فَأَثَابَكُمْ ﴾ [یہ ''صَرَفَكُمْ'' پر معطوف ہے] یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بدلا دیا ﴿ غَمًّا ﴾ غم و رنج کی صورت میں جب اس نے تمہیں کفار سے پھیر دیا اور تمہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا ﴿ بِغَمٍّ ﴾ اس غم کے بدلے میں جو تم نے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا تھا کہ تم نے ان کے حکم کی نافرمانی کی تھی یا دگنا غم یعنی غم پر غم اور غم کے ساتھ غم پہنچایا اور یہ ایسا غم تھا جس کی وجہ سے لوگ سخت بے چین ہو گئے اور جھنجھوڑ دیے گئے یعنی رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی خبر' مسلمانوں کا زخمی ہونا اور بعض کا قتل ہونا اور مشرکین کا کامیاب ہو جانا اور مال غنیمت اور نصرت الٰہی کا نہ ملنا ﴿ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ ﴾ تا کہ تم غموں اور تکلیفوں کے گھونٹ پینے کے عادی ہو جاؤ' پھر فوائد و منافع کے کھو جانے پر تم غم نہ کھاؤ ﴿ وَلَا مَآ أَصَابَكُمْ ﴾ اور نہ تم نقصانات کے پہنچنے پر غم کھاؤ ﴿ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال میں سے کوئی عمل اس پر مخفی و پوشیدہ نہیں اور یہ جملہ اطاعت و فرماں برداری کے لیے ترغیب ہے اور نافرمانی اور گناہ کرنے پر ترہیب (دھمکی اور ڈراوا) ہے۔

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ
قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ
لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر سکون کی نیند نازل کی جس نے تمہاری ایک جماعت کو ڈھانپ لیا' اور دوسری جماعت کو اپنی جانوں کی فکر پڑی تھی' وہ اللہ کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کی طرح ناحق گمان کر رہے تھے' کہتے تھے کہ کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہے' آپ فرما دیجئے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے' وہ اس کو اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں آپ پر ظاہر نہیں کرتے' کہتے ہیں کہ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے' آپ فرما دیں! اگر تم گھروں میں ہوتے تو جن کا قتل ہونا لکھا جا چکا ہے وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل کر آ جاتے اور تا کہ اللہ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے' اور تا کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کر دے' اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O

١٥٤- ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا ﴾ پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند طاری کر دی یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر امن وسکون نازل کیا اور ان پر طاری خوف کو ان سے دور کر دیا یہاں تک کہ سب اونگھنے لگے اور ان پر نیند غالب آ گئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم اپنے خیموں میں تھے کہ اونگھ نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ہماری حالت یہ ہوگئی کہ ہم میں سے کسی کے ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو وہ اسے اٹھا لیتا' تلوار پھر گر جاتی تو وہ پھر اٹھا لیتا [اور ''اَمَنَةٌ'' کا معنی امن وسکون ہے اور ''نُعَاسًا''، ''اَمَنَةً'' سے بدل ہے یا یہ مفعول ہے اور ''اَمَنَةً'' اس سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ حال اپنے ذوالحال پر مقدم ہے جیسے ''رَاَيْتُ رَاكِبًا رَجُلًا'' میں ہے اور دراصل ''اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ نُعَاسًا ذَا اَمَنَةٍ'' تھا کیونکہ ''نُعَاسًا'' (اونگھ) بذاتِ خود امن نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَمَنَةً'' مفعول لہ ہو یا مخاطبین سے حال ہو اور ''ذُوْ اَمَنَةٍ'' کے معنی میں ہو یا یا پھر ''اٰمِنٌ'' کی جمع ہو جیسے ''بَرَرَةٌ''، ''بَارٌّ'' کی جمع ہے] ﴿ يَّغْشٰى ﴾ [اس کا فاعل ''نُعَاسٌ'' ہے یعنی نیند نے ڈھانپ لیا' قاری حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''تا'' اور امالہ کے ساتھ (تغشی) پڑھا ہے یعنی (اس صورت میں ''تغشی'' کا فاعل) ''اَمَنَةٌ'' ہے] ﴿ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ﴾ تم میں سے ایک گروہ کو (امن والی نیند نے ڈھانپ لیا تھا) وہ سچے اور یقین رکھنے والے لوگ تھے ﴿ وَطَآئِفَةٌ ﴾ اور ایک گروہ منافقین کا تھا ﴿ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ جن کو اور کوئی غم نہیں تھا ماسوا اپنی جانوں کے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو نہ دین کا غم تھا اور نہ رسول اللہ ﷺ کا غم تھا اور نہ مسلمانوں رضوان اللہ علیہم کا غم تھا ﴿ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کرتے اور یہ مصدر کے حکم میں ہے یعنی ''يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ. وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق اور سچ گمان کی بجائے ناجائز وغلط گمان رکھتے تھے'' حالانکہ ان پر واجب ولازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق ظن رکھتے اور ان کا غلط گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ (سرور کائنات فخرِ موجودات حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ) ﷺ کی مدد نہیں فرمائے گا ﴿ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾ جہالت کا گمان اور یہ ''غَيْرَ الْحَقِّ'' سے بدل ہے' اس سے مخصوص ملت جاہلیت کا گمان مراد ہے یا اہل جاہلیت کا گمان یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے جاہل معرفت

حق سے عاری مشرکین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس قسم کا ناجائز و غلط گمان اور کوئی نہیں کر سکتا ﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ وہ کہتے کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے امر سے ہمارے لیے بھی کچھ حصہ ہے اور وہ اس سے دشمن پر غلبہ اور مدد مراد لیتے تھے۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک امر یعنی مدد خداوندی اور دشمن پر غلبہ ﴿كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ سب کا سب اللہ تعالیٰ یعنی اس کے دوستوں مؤمنین کے لیے ہے' ارشاد ہے: "وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ. (الصافات: ١٧٣) اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا" ["كُلَّهٗ" امر کی تاکید ہے اور "لِلّٰهِ" "اِنَّ" کی خبر ہے' قاری ابوعمرو بصری نے "كُلُّهٗ" (لام پر رفع) پڑھا ہے اور یہ مبتدا ہے اور "لِلّٰهِ" اس کی خبر ہے اور جملہ "اِنَّ" کی خبر ہے] ﴿يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ﴾ وہ لوگ تلوار کے خوف سے یہ بات اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں آپ پر ظاہر نہیں کرتے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ وہ آپ کی اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہ بے شک تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں اپنے دلوں میں یا ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ﴿لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾ اگر (مدد و غلبہ کا) امر ہمارے لیے کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے یعنی اگر (نصرت و غلبہ کا) امر ایسے ہوتا جیسا کہ (سرور عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) نے کہا ہے کہ بے شک تمام امور اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے دوستوں کے لیے ہیں اور بے شک وہی غالب رہیں گے تو ہم کبھی مغلوب نہ ہوتے اور اس جنگ میں جو مسلمان قتل کیے گئے ہیں وہ بھی قتل نہ کیے جاتے ["قَدْ اَهَمَّتْهُمْ" "طَآئِفَةٌ" کی صفت ہے اور "يَظُنُّوْنَ" "طَآئِفَةٌ" کی خبر ہے یا دوسری صفت ہے یا حال ہے یعنی "قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ظَآنِّيْنَ" اور "يَقُوْلُوْنَ" "يَظُنُّوْنَ" سے بدل ہے اور "يُخْفُوْنَ" "يَقُوْلُوْنَ" سے حال ہے اور "قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ" حال اور ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "يَقُوْلُوْنَ" "يُخْفُوْنَ" سے بدل ہے یا جملہ مستأنفہ ہے] ﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو یعنی جس شخص کا اس جنگ میں قتل کیا جانا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے تو اس جنگ میں اس شخص کا جانا لازمی ہے' سو اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ﴿لَبَرَزَ﴾ تو تمہارے درمیان میں سے وہ لوگ ضرور نکلتے ﴿الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ جن کا اپنی قتل گاہوں میں پہنچ کر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا' "مضاجعهم" کا معنی "مصارعهم" یعنی گرائے جانے اور مارے جانے کی جگہ ہے تاکہ وہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے کہ بے شک وہ ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مسلمانوں میں سے جن کا قتل ہونا تھا ان کا قتل ہونا لکھ دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا: بے شک مسلمان مشرکین پر غالب آ کر رہیں گے کیونکہ اسے علم تھا کہ آخر کار مسلمانوں نے غالب آ جانا ہے اور دین اسلام تمام باطل ادیان پر یقیناً غالب ہو کر رہے گا اور بے شک مسلمانوں پر بعض اوقات رنج و غم جو آ جاتا ہے وہ ان کے لیے گناہوں سے پاکیزگی کا باعث بن جاتا ہے ﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اخلاص کا امتحان لے اور تاکہ ان کے دلوں میں شیطانی وسوسوں کو مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں کام بہت سی مصلحتوں کے لیے ہوتے ہیں' نیز آزمائش کے لیے اور ان کو گناہوں سے پاک کر کے خالص بنانے کے لیے ہوتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا
كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا ع

تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى
لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ۚ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ
وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

بے شک تم میں سے جو لوگ بھاگ گئے تھے جس دن دو فوجیں ملی تھیں' ان کو صرف شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا اور بے شک اللہ ان کو معاف فرما چکا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے متعلق کہا جب وہ سفر پر چلے گئے یا جہاد کرنے گئے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے' تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھ دے' اور اللہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے O

۱۵۵- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ ﴾ بے شک تم میں سے جو لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ﴾ جس دن حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جماعت اور ابوسفیان کی جماعت احد کے میدان میں لڑنے کے لیے آمنے سامنے ہوئیں ﴿ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ ﴾ بے شک ان کو شیطان نے پھسلایا کہ شیطان نے ان کو پھسل جانے کی دعوت دی اور انہیں اس پر اکسایا ﴿ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ﴾ ان کے بعض کاموں کے سبب کہ انہوں نے اپنے اس مرکز کو چھوڑ دیا جس پر ہر حال میں ٹھہرنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین انہیں رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی تھی' سو اس عمل کی نسبت شیطان کی طرف کرنا صرف مسلمانوں پر لطف و کرم کرنے اور انہیں اپنا قریبی قرار دینے اور ان کے اس عمل کی علت و سبب بیان کرنے کی وجہ سے کی گئی ہے اور انہیں ادب سکھانے کی نصیحت کی گئی ہے اور غزوۂ احد کے روز اصحاب رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے صرف تیرہ صحابہ کرام آپ کے ساتھ رہ گئے تھے باقی سب بھاگ گئے' ان تیرہ میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت طلحہ' حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص اور باقی انصار مسلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے تھے ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر سے کام لیا اور ان کو معاف فرما دیا ﴿ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿ حَلِيمٌ ﴾ زبردست بردبار ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

۱۵۶- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کیا جیسے عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کیا ﴿ وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ ﴾ اور انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا یعنی اپنے نسبی بھائیوں یا نفاقی بھائیوں سے کہا ﴿ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ ﴾ جب وہ سفر پر چلے جاتے یعنی جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے سفر پر روانہ ہو جاتے ﴿ أَوْ كَانُوا غُزًّى ﴾ [''غُزًّى'' ''غَازٍ'' کی جمع ہے جیسے ''عُفًّى'' ''عَافٍ'' اور ''سُجَّدٌ'' ''سَاجِدٌ'' کی جمع ہے ] (ترجمہ) یا مسلمان جہاد کرنے کے لیے جاتے اور ان پر موت طاری ہو جاتی یا لڑائی میں مارے جاتے ﴿ لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ﴾ اگر وہ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کی پشیمانی پیدا کر دے' لام کا تعلق ''لَا تَكُونُوا'' سے ہے یعنی تم وہ بات کہنے میں اور اس کا اعتقاد رکھنے میں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس بات کا افسوس پیدا کر دے اور تمہارے دل اس سے نادم و پشیمان ہو جائیں یا لام کا تعلق ''قَالُوا'' کے ساتھ ہے یعنی انہوں نے یہ بات کہی

اور ان کا عقیدہ بھی یہی ہے تا کہ یہ بات ان کے دلوں میں حسرت کا باعث بن جائے اور حسرت کسی پیاری چیز کے ضائع ہونے پر ندامت وافسوس کو کہا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' یہ ان کے اس قول کا رد ہے کہ جہاد زندگی کو ختم کر دیتا ہے یعنی اختیار اسی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' کبھی تو وہ مسافر اور مجاہد کو زندگی عطا کر دیتا ہے اور مقیم اور گھر میں بیٹھنے والے پر موت طاری کر دیتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دے گا [اور قاری ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی نے اس کو "یَعْمَلُوْنَ" پڑھا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے (جن پر ان کو ضرور سزا ملے گی)۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت ان کے مال و دولت سے بہتر ہے جس کو وہ ذخیرہ کرتے ہیں ○ اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو تم سب نے اللہ کی طرف اٹھنا ہے ○ (اے محبوب!) آپ اللہ کی مہربانی سے ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند مزاج' سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے دور ہو جاتے' سو آپ ان کو معاف فرما دیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور آپ بعض اہم معاملات میں ان سے مشورہ کریں اور جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسا کریں' بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

١٥٧- ﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ [اور قاری نافع مدنی اور عاصم کے علاوہ باقی کوفیوں نے "مِتُّمْ" میم کے نیچے کسرہ پڑھا ہے اور امام حفص نے اس سورۃ کے علاوہ میں ان ہی کی اتباع کی ہے اور انہوں نے باب "مَاتَ يَمَاتُ" (بروزن خَافَ يَخَافُ) سے بنایا ہے گویا انہوں نے اس کے اور "قُتِلْتُمْ" کے درمیان موافقت کا ارادہ کیا ہے' ان کے علاوہ باقی قراء نے پورے قرآن مجید میں میم کو مضموم (یعنی پیش) پڑھا ہے' بہر حال ضمہ کی صورت میں یہ "مَاتَ يَمُوْتُ" سے ہوگا اور کسرہ کی صورت میں "مَاتَ يَمَاتُ"' "خَافَ يَخَافُ" کی طرح ہوگا جیسے تم کہو: "خِفْتُ" اور "مِتُّ"] ﴿ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں [یہاں "مَا"' "الَّذِيْ" کے معنی میں ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور امام حفص نے "يَا" کے ساتھ پڑھا ہے]۔

١٥٨- ﴿ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ بہر حال تم اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور اٹھ کر جاؤ گے' تم ایسے رحیم خدا کی طرف اٹھائے جاؤ گے جس کی رحمت بڑی وسیع ہے' وہ تمہیں بہت بڑا ثواب عنایت

فرمائے گا اور اللہ کے اسم کا اس جگہ مقدم ہونا [اس کے متصل حرف ''اِلٰی'' پر لام کا داخل ہونا ایسی شان ہے جو دلیل لانے سے بے نیاز کر دیتی ہے''لَمَغْفِرَةٌ''قسم کا جواب ہے اور یہ شرط کے جواب کے قائم مقام ہے اور''لَاِلَی اللّٰهِ'' بھی اسی طرح ہے] اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے اس گمان کی تکذیب فرمائی کہ ان کے بھائیوں میں سے جو سفر پر گئے اور جو جہاد کرنے گئے وہ اگر مدینہ منورہ میں رہتے تو نہ مرتے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا اس لیے کہ یہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھ جانے کا سبب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ بات پوری ہو جاتی جس کا تمہیں خوف ہے یعنی موت سے ہلاکت اور راہِ خدا میں قتل ہونا تو بے شک راہِ خدا میں موت آنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مغفرت و بخشش اور رحمت کامل جانا تمہاری جمع کی ہوئی دنیا سے بہت بہتر ہے کیونکہ دنیا آخرت کے لیے زادِ راہ کا ذریعہ ہے' لہٰذا جب بندہ اصل مراد پالیتا ہے تو اس کو زادِ راہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

## نرم رویے اور مشاورت کی اہمیت اور آزمائش کی حکمت

١٥٩- ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں''مَا'' کا تاکید کے لیے اضافہ کیا گیا ہے اور اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کا مسلمانوں کے لیے نرم ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوا اور رحمت کا مطلب ہے کہ آپ کا دل شفقت و مہربانی سے بھرپور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رفق ونرمی اور لوگوں پر مہربان ہونے کی توفیق عطا فرما دی ہے ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا﴾ اور اگر آپ تند خو سخت مزاج (اور) ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ سخت دل ہوتے ﴿لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ تو وہ لوگ ضرور آپ سے الگ ہو جاتے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص آپ کے پاس باقی نہ رہتا ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ تو آپ وہ حقوق ان کو معاف فرما دیں جن کا تعلق خاص آپ کے ساتھ ہے جو احد کے دن کوتاہی کی وجہ سے ان سے پورے نہ ہو سکے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ اور آپ ان کے لیے ان کوتاہیوں پر بخشش طلب کیجئے جن کا تعلق خصوصاً حقوق اللہ کے ساتھ ہے تاکہ ان پر آپ کی شفقت و کرم نوازی پوری ہو جائے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ اور آپ جنگ وغیرہ اور اس قسم کے معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کریں جن کے بارے میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' ان کو خوش رکھنے اور ان کے دلوں کو تسکین دینے اور ان کے مراتب کو بلند کرنے کے لیے تاکہ ان معاملات میں آپ کی امت آپ کی پیروی کرے۔ حدیث شریف میں ہے:''مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ اِلَّا هُدُوْا لِاَرْشَدِ اَمْرِهِمْ. یعنی جب کوئی قوم کسی معاملے میں باہم مشورہ کرتی ہے تو مشورہ کی برکت سے عمدہ ترین کام کی طرف اس کی رہنمائی کی جاتی ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام سے زیادہ کسی قوم کو مشورہ کرتے نہیں دیکھا [اور''شَاوَرْتُ فُلَانًا'' کا معنی ہے کہ میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور اس نے اپنی رائے پیش کی اور''شُرْتُ الدَّابَّةَ'' کا مطلب ہے کہ میں نے جانور کو سواری کے لیے آزمایا اور''شُرْتُ الْعَسَلَ'' کا مطلب ہے کہ میں نے چھتے سے شہد کو نکال لیا ہے اور اس میں اجتہاد کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ قیاس ایک حجت ہے] ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ﴾ پھر جب آپ مشورہ کرنے کے بعد اپنی رائے کو قطعی شکل دے دیں تو ایک رائے کا پختہ ارادہ کر لیں ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ تو آپ اپنے کام کو بہترین طریقے پر کرنے میں مشورہ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کیجئے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور توکل کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسا کرنا اور اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دینا اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام خداؤں کی غلامی کا پٹہ اتار پھینکنا اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور تمام اسباب

سے تعلق توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا توکل کہلاتا ہے۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا' اور اگر وہ تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا' اور مؤمنین کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے O اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کرنے والی چیز کو لے کر آئے گا' پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی اتباع کی وہ اس شخص جیسا ہوگا جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O وہ لوگ باہم متفاوت اور مختلف ہیں' اور اللہ ان کے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے O

١٦٠- ﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے جس طرح بدر کے مقام پر اس نے تمہاری مدد کی تھی ﴿فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد صرف وہی حاصل کر سکتا ہے جو اپنی قوت و طاقت سے بری ہو جائے اور اپنے رب تعالیٰ سے وابستہ ہو جائے اور صرف اسی کی قدرت و طاقت پر کامل اعتماد رکھے ﴿وَإِن يَخْذُلْكُمْ﴾ اور اگر وہ تمہاری مدد کرنا چھوڑ دے جس طرح اس نے اُحد کے دن تمہاری مدد کرنا چھوڑ دی تھی ﴿فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ﴾ تو وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ترک ہو جانے کے بعد تمہاری مدد کر سکے یا وہ تمہارے اس قول سے ہے کہ فلاں آدمی کے بعد تمہارے ساتھ کوئی نیکی نہیں کرے گا کیونکہ تم نے اس پر زیادتی کی ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہ کہ صرف اسی کی ذات پر توکل اور اعتماد کرنا واجب و ضروری ہے ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور مؤمنوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیا کریں یعنی مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ رب کو توکل کے ساتھ مخصوص کر لیں اور اپنا ہر معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اپنے اس علم کی بنا پر کہ اس کے سوا کوئی حقیقی مددگار نہیں کیونکہ اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہے۔

١٦١- ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ﴾ اور کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے [قاری ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری' حفص' اور عاصم نے "اَنْ یَّـغُلَّ" (یعنی "یا" پر زبر اور غین پر پیش) پڑھا ہے جس کا معنی ہے: خیانت کرنا اور ان کے علاوہ باقی قراء نے "اَنْ یُّغَلَّ" (یعنی) "یا" پر پیش اور غین پر زبر پڑھا ہے] (جس کا معنی ہے: چوری کرنا) کہا جاتا ہے: "غَلَّ شَيْئًا مِّنَ الْمَغْنَمِ غُلُوْلًا". جب کوئی شخص چھپ کر کوئی چیز چوری اٹھا لے اور کہا جاتا ہے: "اَغَلَّهٗ" جب کوئی شخص

کسی کو خیانت کرنے والا پائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کام نبی کے لیے صحیح و درست نہیں ہے (یعنی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے) کیونکہ نبوت خیانت کے منافی ہے اور اسی طرح جس نے اس کو مبنی للمفعول (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے‘ سو اس نے بھی اسی طرف رجوع کیا ہے کیونکہ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ نبی کے لیے یہ صحیح اور درست نہیں کہ وہ چور پایا جائے اور جب تک کوئی شخص چوری نہ کرے اس کو چور نہیں کہا جا سکتا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ بدر میں مشرکین سے جو مالِ غنیمت حاصل کیا گیا تھا اس میں ایک سرخ رنگ کی مخملی چادر بھی تھی جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی جس پر منافقین نے کہا تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اس چادر کو اٹھا لیا ہے‘ تو ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ امانت میں خیانت کرنا نبی کی شان کے لائق نہیں)۔

﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے روز خیانت کا سامان اٹھا کر لائے گا یعنی جس چیز میں کسی نے خیانت کی ہو گی وہ اس کو بعینہٖ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن خیانت کرنے والا خیانت کا وبال اور اس کا گناہ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کے مطابق پورا بدلا دیا جائے گا ”ثُمَّ يُوَفّٰى كُلُّ مَا كَسَبَ“ نہیں فرمایا تاکہ اپنے ماقبل ارشاد باری تعالیٰ ”وَمَنْ يَّغْلُلْ“ کے موافق و مطابق ہو جاتا بلکہ عام حکم بیان کیا گیا ہے تاکہ خیانت کرنے والا اور اس کے علاوہ دوسرے جرائم کرنے والا ہر شخص اس کے تحت داخل ہو جائے اور یہ جملہ اپنے ماقبل کے ساتھ معنی کے اعتبار سے موافق و متصل ہے اور یہ انداز بلاغت و فصاحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جب خیانت کرنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر نیکی یا بدی کرنے والے کو یقینی طور پر بدلا دیا جائے گا اور اس کے عمل کے مطابق پوری جزا یا سزا دی جائے گی تو اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ ان لوگوں کی طرح اپنے جرم سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا باوجودیکہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ہر شخص کو اسی قدر جزا یا سزا دی جائے گی جس قدر اس نے نیکی یا برائی کی ہو گی (یعنی نہ سزا میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ثواب میں کمی کی جائے گی)۔

١٦٢- ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ﴾ تو کیا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی۔ ایک قول کے مطابق اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں ﴿كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور یہ منافقین اور کفار ہیں ﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

١٦٣- ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ باہم متفاوت و مختلف ہیں جیسا کہ درجات و مراتب میں فرق ہے یا یہ کہ درجات و مراتب والے لوگ باہم مختلف ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان میں سے ثواب حاصل کرنے والوں کی منزلیں اور سزا پانے والوں کی منزلیں مختلف ہوں گی یا جزا اور سزا کے درمیان فرق ہو گا ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور ان کے درجات کو خوب جانتا ہے‘ سو اس کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ
قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

بے شک اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے سب سے بڑا رسول مبعوث فرمایا' وہ ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے' اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے O اور یہ کیوں ہوا کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جب کہ تم اس سے دگنی مصیبت انہیں پہنچا چکے تھے' تو تم نے کہہ دیا کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی' آپ فرما دیں کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

## حضور کی بعثت احسانِ عظیم ہے

١٦٤- ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا (یعنی) رسول اللہ ﷺ کی قوم میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا اور باقی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے صرف مؤمنوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ آپ کی بعثت سے فائدہ انہی لوگوں نے اٹھایا ہے ﴿ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ جب ان میں انہی کی جنس (یعنی بنی نوع انسان میں) سے انہی کی طرح عربی بولنے والا ہم زبان رسول بھیجا یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بھیجا جیسا کہ وہ خود انہی کی اولاد میں سے ہیں اور ان میں آپ کی بعثت احسان اس اعتبار سے ہے کہ جب آپ انہی میں سے ہیں تو زبان ایک ہو گئی' اس طرح ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان تعلیمات کو سمجھنا اور حاصل کرنا آسان ہو گیا جو ان کے لیے لازم وضروری تھیں اور چونکہ وہ لوگ آپ کی امانت داری و دیانت داری اور آپ کی صداقت وسچائی جیسے حالات سے واقف تھے اس لیے یہ بات اُن کو حضور پر ایمان لانے اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے کے زیادہ قریب کر سکتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی قراءت میں ''مِنْ اَنْفَسِهِمْ'' (''نفیس'' کی جمع) ہے یعنی ان میں سے ہر اعتبار سے نفیس ترین اور بزرگ ترین ہستی کو رسول بنا کر ان میں بھیجا گیا ہے ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ آپ ان پر اس کی آیات یعنی قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے ہیں جب کہ وہ لوگ اس سے پہلے جاہلِ مطلق تھے اور ان کے کانوں نے کبھی وحی کو نہیں سنا تھا ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ اور آپ ان کو ایمان کے ذریعے کفر وسرکشی کے میل کچیل سے پاک کرتے ہیں یا ان سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور آپ ان کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ اور بے شک وہ لوگ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت سے پہلے ﴿ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے کہ ان کی جہالت وگمراہی سب کے سامنے ظاہر وعیاں تھی جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا [اور ''اِنْ'' خفیفہ (اِنَّ) ثقیلہ کا مخفف ہے اور لام مفتوحہ اس کے اور ''اِنْ'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان اور بات یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

١٦٥- ﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ اور کیا جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی اور اس مصیبت سے مراد وہ سانحہ ہے جو احد کے دن مسلمانوں میں سے ستر مجاہدین کی شہادت سے ان کو پہنچا ﴿ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ بے شک تم بدر کے دن مشرکین کے ستر آدمی قتل کر کے اور ستر آدمی قید کر کے ان کو اس سے دگنی مصیبت پہنچا چکے ہو اور یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''مُصِيْبَةٌ'' کی صفت ہے ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ تم نے کہا: یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ہے ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما

دیجئے کہ وہ تمہاری طرف سے ہے کہ تم نے مدینہ منورہ سے نکلنا اختیار کیا اور تم نے مرکز کو چھوڑ دیا[''لَمَّا'' ''قُلْتُمْ'' کے ساتھ منصوب ہے اور ''اَصَابَتْكُمْ'' محلاً مجرور ہے کیونکہ ''لَمَّا'' اس کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَقُلْتُمْ حِيْنَ اَصَابَتْكُمْ'' اور ''اَنّٰى هٰذَا'' منصوب ہے کیونکہ یہ ''قُلْتُمْ'' کا مقولہ ہے اور ہمزہ جملہ کی تقریر کے لیے اور ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے اور اس جملے کی واؤ کا عطف غزوۂ احد کے گزشتہ قصے پر کیا گیا ہے اور وہ ''وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ'' ہے یا اس کا عطف محذوف پر کیا گیا ہے] گویا کہا گیا: ''اَفَعَلْتُمْ كَذَا وَ قُلْتُمْ حِيْنَئِذٍ كَذَا. (یعنی) کیا تم نے اس طرح کیا ہے اور تم نے اس وقت اس طرح کہا ہے'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ مدد کرنے پر بھی قادر ہے اور مدد روکنے پر بھی قادر ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

اور وہ مصیبت جو دو فوجوں کے مقابلے کے دن تمہیں پہنچی تھی تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور تا کہ اللہ مؤمنوں کو ممتاز کر دے O اور تا کہ منافقوں کی پہچان کرا دے اور ان سے کہا گیا کہ ادھر آؤ' اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا اپنا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم اس جنگ کو صحیح جانتے تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے' اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں' وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی تھی' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں O جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے' اے محبوب! آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے تم موت کو ٹال کر دکھا دو O

١٦٦- ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ﴾ اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے [''مَا'' ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور یہ مبتدا ہے] ﴿يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ جس دن دو جماعتیں' ایک جماعت تم مسلمانوں کی اور دوسری جماعت مشرکین کی احد کے مقام پر آپس میں ٹکرائی تھیں ﴿فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ یہ خبر ہے سو وہ مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی اس کے علم کے مطابق اور اس کے فیصلے سے تمہیں پہنچی تھی ﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تا کہ اللہ مؤمنوں کو ممتاز کر دے۔

١٦٧- ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا﴾ اور وہ مصیبت اس لیے پہنچی تھی تا کہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور تا کہ مسلمانوں کا ایمان ظاہر ہو جائے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو جائے ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ﴾ اور ان سے یعنی منافقین سے کہا گیا اور یہ نیا کلام ہے [گرامر کے اعتبار سے اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں] ﴿تَعَالَوْا

﴿قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ تم (بھی) آ ؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی آخرت کے لیے اس طرح جہاد کرو جس طرح مسلمان جہاد کرتے ہیں ﴿اَوِادْفَعُوْا﴾ یا تم دفاع کرو یعنی اگر تم آخرت کے لیے نہیں لڑتے تو کم از کم تم اپنا' اپنے بیوی بچوں اور مالوں کا دفاع کرنے کے لیے لڑو اور ایک قول کے مطابق مطلب یہ ہے کہ اے منافقو! اگر تم دینی جذبہ کے تحت نہیں لڑتے تو کم از کم تم دشمن کا دفاع کرنے کے لیے مجاہدین اسلام کی جماعت کو بڑھانے کے لیے شامل ہو جاؤ کیونکہ فوج کی کثرت بھی دشمن کو مرعوب کر دیتی ہے جس سے دشمن گھبرا کر راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے ﴿قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ﴾ یعنی انہوں نے کہا کہ اگر ہم اس لڑائی کو جہاد اور صحیح جنگ تصور کرتے تو ہم تمہاری ضرور پیروی کرتے' ان کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا اپنی غلط سوچ کی وجہ سے لڑنا جہاد نہیں ہے اور نہ اس کو جنگ کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَىٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ یعنی اس سے قبل وہ اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے تھے اور ان سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جس سے ان کا کفر ظاہر ہو جاتا لیکن جب وہ غزوۂ احد کے روز مسلمانوں کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے اسلام کے خلاف جو کہنا تھا کہا تو وہ اس کی وجہ سے ایمان سے دور ہو گئے جس کا ان کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا اور کفر کے قریب ہو گئے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس روز مدد کے اعتبار سے مسلمانوں کی بہ نسبت کافروں کے زیادہ قریب ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے الگ ہو کر مسلمانوں کی جماعت کی کثرت کو قلت میں بدل دیا اور مشرکین کی تقویت کا سبب بنے ﴿یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا اقرار کر کے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں لیکن دلوں میں کفر کو چھپاتے ہیں اور "افـواہ" کی قید تاکید کے لیے اور مجاز کی نفی کے لیے ہے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے نفاق وغیرہ کو خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں۔

١٦٨- ﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْا﴾ یعنی منافقوں کے سردار عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا اور یہ رفع کی جگہ پر واقع ہے [دراصل "هُمُ الَّذِیْنَ قَالُوْا" ہے یا "یَكْتُمُوْنَ" کی واؤ سے بدل ہے یا پھر "اَعْنِیْ" مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا "اَلَّذِیْنَ نَافَقُوْا" سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا "فِیْ اَفْوَاهِهِمْ" یا "فِیْ قُلُوْبِهِمْ" کی ضمیر سے بدل ہونے کی بنا پر مجرور ہے] ﴿لِاِخْوَانِهِمْ﴾ اپنے بھائیوں سے جو منافقت میں ان کے بھائی تھے اور وہ احد کے دن مارے گئے ﴿وَقَعَدُوْا﴾ یعنی انہوں نے کہا اور خود بھی جنگ میں جانے کی بجائے (اپنے گھروں میں) بیٹھے رہے ﴿لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ اگر ہمارے بھائی اس معاملے میں ہماری اطاعت کرتے اور ہم نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کی جو تلقین کی تھی اس پر عمل کرتے تو جنگ میں جا کر نہ مارے جاتے جس طرح ہم نہیں مارے گئے ﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم اپنے آپ سے موت کو ٹال دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ سے بچنا تقدیر کا لکھا ٹال دے گا تو تم موت سے اپنے آپ کو بچا لو یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم نے جنگ سے بچنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے اور وہ ہے جنگ میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا تو تم موت سے بچنے کا راستہ بھی ڈھونڈ لو اور ایک روایت میں ہے کہ جس دن انہوں نے یہ بات کہی تھی اس دن ان کے ستر منافقین مر گئے تھے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ لا فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ لا وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ

يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہےO وہ اس پر خوش ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے' اور وہ اپنے بعد والے لوگوں پر خوش ہو رہے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوش ہیں' اور اس پر کہ بلاشبہ اللہ مؤمنوں کے ثواب کو ضائع نہیں فرماتاO

## شہیدوں اور غازیوں کے فضائل

۱۶۹- ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ اور خیال نہ کرو اور یہ آیت مبارکہ شہدائے احد کے حق میں نازل ہوئی [اور ابن عامر شامی' حمزہ' علی اور عاصم نے اس کو سین مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے (وَلَا تَحْسِبَنَّ) سین کو مکسور پڑھا ہے] اور یہ خطاب خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے یا ہر ایک کے لیے ہے ﴿الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا﴾ جن کو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا ہے ان کو مردہ (نہ سمجھو) [ابن عامر شامی نے "قُتِّلُوْا" ("تَا" کو تشدید کے ساتھ) پڑھا ہے] ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ [دراصل "بَلْ هُمْ اَحْيَآءٌ" ہے] (یعنی) بلکہ وہ زندہ ہیں ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ وہ اپنے رب کے ہاں مقرب بندے ہیں (اور اس کا روحانی) قرب رکھنے والے ہیں ﴿يُرْزَقُوْنَ﴾ انہیں باقی زندوں کی طرح رزق دیا جاتا ہے وہ کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور یہ ان کے زندہ ہونے کی (دلیل اور) تاکید ہے اور ان کے اس حال کی توصیف ہے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۱۷۰- ﴿فَرِحِيْنَ﴾ [یہ "يُرْزَقُوْنَ" کی ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ خوش ہو رہے ہیں ﴿بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا فرمایا ہے اور وہ شہادت کی توفیق دینا ہے اور باقی کرامت و فضیلت جو ان کو دوسروں پر عنایت کی ہے کہ انہیں مرنے کے بعد زندگی دینا' مقرب بنانا اور قیامت قائم ہونے سے پہلے انہیں جنت کا رزق اور دیگر جنتی نعمتیں ملنا اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسموں میں منتقل کر دیا' وہ جنت کی نہروں پر سیر کرتی ہیں اور اس کے پھل کھاتی ہیں اور وہ عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں[1] اور ایک قول کے مطابق یہ رزق جنت میں قیامت کے روز ملے گا مگر یہ ضعیف قول ہے اس لیے کہ اس طرح پھر تخصیص کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا ﴿وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ﴾ اور وہ خوش ہو رہے ہیں اپنے مجاہدین بھائیوں کے متعلق بشارت پر جو ﴿لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ ابھی تک شہید نہیں ہوئے کہ جا کر ان سے ملتے ﴿مِّنْ خَلْفِهِمْ﴾ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کی شہادت کے بعد ان کے پیچھے صحیح سلامت باقی رہ گئے اور وہ خود (غزوۂ احد میں شہادت پا کر) ان بھائیوں سے سبقت کر کے اگلے جہاں چلے گئے یا "لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ" کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنے شہداء بھائیوں کی فضیلت و شان کو نہیں پایا ﴿اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کہ نہ ان پر

1 مسلم کتاب الامارۃ رقم الحدیث: ۱۲۱' ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۲۵' ترمذی کتاب التفسیر آل عمران باب ۱۱۹' ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۴' دارمی کتاب الجہاد باب ۱۸' مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۸۶

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [اور یہ "اَلَّذِیْنَ" سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے اس حال پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں بے خوف و بے غم امن سکون کے ساتھ اٹھایا جائے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو ان کے پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے متعلق یہ بشارت سنا دی ہے اس لیے وہ اس پر خوش ہو رہے ہیں اور شہداء کے حال اور پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بشارت پر ان کے خوش ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ ان کے بعد صحیح سلامت باقی رہ جانے والوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ جہاد میں خوب کوشش کریں اور شہداء کے منازل و مراتب حاصل کرنے میں خوب رغبت سے کام لیں۔

۱۷۱- ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ وہ اس نعمت پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائی اور اس فضل پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کرامت و عزت کے اضافہ کی صورت میں ان پر فرمایا ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ﴾ [اس کا "نِعْمَةٍ" اور "فَضْلٍ" پر عطف ہے، قاری علی کسائی نے "اِنَّ اللّٰهَ" کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور الگ جملہ قرار دیا ہے اور اس بنا پر یہ جملہ معترضہ ہے] ﴿لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں وافر ثواب عطا فرمائے گا۔

مع

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

جو لوگ زخمی ہونے کے بعد اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو گئے ان نیکی کرنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے بہت بڑا ثواب ہے ○ جن سے بعض لوگوں نے کہا کہ بے شک (قریش کے) لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان مزید پختہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ○ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ سلامت لوٹ آئے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ بے شک شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو ○

۱۷۲- ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے بلانے پر حاضر ہو گئے (یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کا حکم قبول کر لیا) [یہ مبتدا ہے اور "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا" اس کی خبر ہے یا "اَلْمُؤْمِنِيْنَ" کی صفت ہے یا مدح کی بنا پر منصوب ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ اس کے بعد کہ انہیں زخم پہنچا "قَرْحٌ" کا معنی "جَرْحٌ" ہے یعنی

زخم۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب احد کے مقام سے روانہ ہو گئے اور روحاء کے مقام پر پہنچ گئے تو (مسلمانوں کو ختم کیے بغیر واپسی پر) پشیمان ہوئے اور (مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے) واپس لوٹنے کا ارادہ کیا اور یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی تو آپ نے انہیں ڈرانے اور اپنی اور اپنے صحابۂ کرام کی قوت کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ فرما لیا اور آپ نے صحابۂ کرام کو ابوسفیان کا تعاقب کرنے کے لیے بلایا اور آپ ستر مسلمانوں کے ساتھ اتوار کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ جانے والے تمام صحابہ کرام زخمی تھے یہاں تک کہ جب آپ صحابہ سمیت مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر حمرآء الاسد کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ جنگ سے گریز کر کے چلے گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا ﴾ ان نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے (بہت بڑا اجر وثواب ہے) اس میں "مِنْ" بیان کا ہے (اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) اس کی مثال (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں موجود ہے: "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح:۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں سے بخشش اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرما چکا ہے ۝" کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے بلانے پر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حاضر ہو گئے تھے وہ سب کے سب نیک اور پرہیزگار تھے نہ کہ صرف بعض ﴿ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ آخرت میں (ان کو) بہت بڑا اجر وثواب ملے گا۔

۱۷۳۔﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض لوگوں نے کہا ["اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا" سے بدل ہے] ﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ﴾ بے شک لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، مروی ہے کہ ابو سفیان نے احد سے واپس ہوتے وقت پکار کر کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہماری تمہاری جنگ ہوگی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" پھر جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اہل مکہ کو لے کر نکلا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ لڑے بغیر واپس چلا جائے، چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود اشجعی سے ملاقات کی جو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں آیا ہوا تھا اور اس سے کہا کہ اے نعیم! بے شک میں نے (حضرت) محمد (ﷺ) سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ ہم بدر کے مقام پر جنگ کریں گے مگر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ واپس لوٹ جاؤں، لہٰذا تو مدینہ میں جا کر ان کو کسی طرح روک دے میں تجھے دس اونٹ انعام میں دوں گا، چنانچہ نعیم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ مسلمان جنگ کرنے کی خوب تیاری کر رہے ہیں تو نعیم نے ان سے کہا کہ تم جنگ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہو لیکن قریش مکہ نے تو تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، سو اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آئے گا تو اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "وَاللّٰهِ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ لَمْ يَخْرُجْ مَعِيَ اَحَدٌ. یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تو ضرور جاؤں گا اگرچہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ جائے" پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ستر جان نثار سوار لے کر روانہ ہوئے تو سب کی زبان پر یہ ورد جاری تھا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے" یہاں تک کہ وعدہ پورا کرتے ہوئے آپ دیگر ساتھیوں سمیت بدر صغریٰ میں پہنچ گئے اور وہاں آٹھ دن قیام کیا اور مسلمانوں کے پاس تجارت کا سامان بھی تھا جس کو انہوں نے یہاں کی منڈی میں فروخت کیا اور ڈبل منافع کمایا، پھر جنگ کیے بغیر صحیح سلامت مالِ تجارت لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے اور ابوسفیان مکہ پہنچ گیا تو اہل مکہ نے اپنے لشکر کا نام ستو کا لشکر رکھ دیا اور انہوں نے جنگی جوانوں سے کہا کہ تم بدر صغریٰ کی منڈی میں صرف ستو

کھانے گئے تھے بہر حال اس آیت میں پہلے ''اَلنَّاس'' سے نعیم بن مسعود اشجعی مراد ہے صیغہ جمع کا ہے مگر مراد واحد ہے یا پھر وہ خود اور اس کے پیروکار مراد ہوں گے جو اس کی مانند مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کرتے رہے اور دوسرے ''اَلنَّاس'' سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہیں ﴿فَاخْشَوْهُمْ﴾ پس تم ان سے ڈرو اور خوف کرو ﴿فَزَادَهُمْ﴾ یعنی اس مقولہ نے کہ ''اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ'' یا قول نے یا نعیم نے ﴿اِيْمَانًا﴾ تو ان کی بصیرت ویقین کو بڑھا دیا (اور پختہ کر دیا) ﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے یعنی وہی اللہ ہماری کفایت فرمائے گا' کہا جاتا ہے: ''اَحْسَبَهُ الشَّيْئُ'' جس وقت اس کو چیز کفایت کرے اور وہ کفایت کرنے والا کے معنی میں ہے [اس دلیل کی بنا پر کہ تم کہتے ہو: ''هٰذَا رَجُلٌ حَسْبُكَ. یعنی یہ شخص تمہیں کافی ہے'' پھر اس میں نکرہ کو موصوف بنایا گیا ہے کیونکہ ''حَسْبُكَ'' کی اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے] ﴿وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اور اچھا کارساز ہے جس کی طرف تمام امور سپرد کیے جاتے ہیں۔

١٧٤- ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور نعمت سے مراد سلامتی کے ساتھ واپسی اور دشمن کا ان سے ڈر کر راہِ فرار اختیار کر جانا ہے ﴿وَفَضْلٍ﴾ اور فضل سے وہ منافع مراد ہیں جو مال تجارت سے حاصل ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے بدر صغریٰ کی منڈی میں ایک درہم کے عوض دو درہم کمائے ﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ﴾ انہیں دشمن کی فریب کاری وغیرہ سے کوئی ایسی مصیبت نہیں پہنچی جو انہیں تکلیف دیتی [اور ''اِنْقَلَبُوْا'' میں ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح ''بِنِعْمَةٍ'' ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَرَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ مُنْعِمِيْنَ بَرِيْئِيْنَ مِنْ سُوْءٍ. پس وہ بدر سے انعام واکرام لے کر تکلیف وغیرہ سے صحیح سلامت واپس لوٹ آئے'' ﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے جرأت وبہادری کا مظاہرہ کر کے دشمن کی طرف ڈرانے دھمکانے اور روکنے کے باوجود ان کے مقابلے میں نکل کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی ہے [اور یہ ''اِنْقَلَبُوْا'' پر معطوف ہے] ﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل وکرم فرمایا کہ ایسے کاموں کی توفیق دی جو انہوں نے سرانجام دیئے۔

١٧٥- ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ [''شَيْطَان''، ''ذَالِكُمْ'' کی خبر ہے] یعنی بے شک تمہیں روکنے والا شیطان ہے اور وہ نعیم بن مسعود اشجعی ہے جو ﴿يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ﴾ اپنے دوستوں یعنی منافقوں کو ڈراتا ہے اور یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ان کی شیطانیت کے بیان کے لیے لایا گیا ہے [یا شیطان اسم اشارہ کی صفت ہے اور ''يُخَوِّفُ'' اس کی خبر ہے] ﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ یعنی پس تم اس (شیطان) کے دوستوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم ایماندار رہو کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ بندہ دوسرے کے خوف پر اللہ تعالیٰ کے خوف کو ترجیح دے [سہل اور یعقوب نے وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''وَخَافُوْنِيْ'' (''یا'' کے اثبات کے ساتھ) پڑھا ہے اور ابوعمرو بصری نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

اور اے محبوب! آپ ان لوگوں سے غمگین نہ ہوں جو کفر میں دوڑے پھرتے ہیں' بے شک وہ اللہ (والوں) کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے' اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے○ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اور کافر ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے' بے شک ہم تو اس لیے انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں' اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے○

## کفر کا نقصان کافروں کو ہوگا' علم غیب خدا کی اطلاع کے بغیر ناممکن ہے' بخل کی مذمت

۱۷۶- ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ ﴾ اور آپ کو غمگین نہ کردیں [قاری نافع مدنی نے پورے قرآن مجید میں اس کو "یُحْزِنْکَ" (بابِ افعال سے) پڑھا ہے] ماسوا سورۃ الانبیاء کی (درج ذیل) آیت کے یعنی "لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ" (الانبیاء: ۱۰۳) ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہیں کرے گی" ﴿ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ وہ لوگ جو کفر میں دوڑتے پھرتے ہیں یعنی وہ لوگ آپ کو اس خوف کے سبب غم میں نہ ڈال دیں کہ وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں گے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہیں دیکھ رہے کہ ﴿ إِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ﴾ بے شک وہ اللہ کے دوستوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے یعنی بے شک وہ لوگ کفر میں دوڑنے پھرنے سے اپنے سوا کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کفر کا وبال ان کے اپنے سوا کسی اور پر نہیں پڑے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرمایا کہ ان کے کفر کا وبال ان پر کیسے پڑے گا ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے اجر و ثواب کا کوئی حصہ نہ رکھے ﴿ وَلَهُمْ ﴾ اور ان کے لیے ثواب کے بجائے ﴿ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ بہت بڑا عذاب ہوگا جو انسان کا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا (اس آیت مبارکہ سے قدریہ اور معتزلہ فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفر و معصیت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتے ہیں (مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں ہوتی) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ کفار کو آخرت میں ثواب نہ ملے کفار کے کفر و معصیت کا ارادہ کیے بغیر نہیں ہو سکتا (تو ثابت ہو گیا کہ خیر و شر مشیّت الٰہی سے ہوتے ہیں)۔

۱۷۷- ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید لیا یعنی انہوں نے ایمان کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا ﴿ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ﴾ [یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے' پہلی آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں ہے جو جنگ سے پیچھے رہ گئے یا اسلام سے مرتد ہو گئے اور دوسری آیت کریمہ تمام کفار کے بارے میں ہے یا اس کا برعکس ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۷۸- ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ﴾ [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے اس فعل میں اور اس کے بعد تینوں فعلوں (اسی سورت کی آیات ۱۸۰ اور ۱۸۸) میں "یا" مضموم اور "یا" کے ساتھ "یَحْسَبُنَّ" پڑھا ہے اور قاری حمزہ نے سب کو "تا" کے ساتھ پڑھا ہے اور قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے سب کو "یا" کے ساتھ پڑھا ہے ماسوا "فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ" کے کیونکہ اس کو "تا" کے ساتھ پڑھا ہے ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ "یا" کے ساتھ پڑھنے والوں کے نزدیک یہ جملہ (فاعل ہونے کی بنا پر) محلًا مرفوع ہے یعنی "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. کافر لوگ یہ خیال نہ کریں" ﴿ أَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنْفُسِهِمْ ﴾ کہ بے شک ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے [اور اس میں "أَنَّ" اپنے اسم اور اپنی خبر کے ساتھ مل کر "یَحْسَبَنَّ" کے دو مفعولوں کی جگہ پر واقع ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِمْلَاءَنَا خَيْرًا لِّأَنْفُسِهِمْ. یعنی کافر ہماری مہلت کو اپنے لیے خیر تصور نہ کریں" [اور "مَا" مصدریہ ہے اور علم الخط کے قیاس کے مطابق

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو الگ لکھا جاتا لیکن امام مظلوم (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مصحف میں متصل لکھا گیا ہے اس لیے اس کی خلاف ورزی نہیں کی جاتی اور جنہوں نے ( لَا تَحْسَبَنَّ) ''تا'' کے ساتھ پڑھا ہے ان کے نزدیک ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' منصوب ہے یعنی ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الْکَافِرِیْنَ'' اور ''اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ'' ''الْکَافِرِیْنَ'' سے بدل ہے ]یعنی آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ کافروں کو مہلت دینا ان کے لیے بہتر ہے [اور ''اَنَّ'' اپنے اسم اور خبر وغیرہ کے ساتھ مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے ]اور ''اِمْلَاءٌ لَّهُمْ'' کا معنی ہے: ''اِمْهَالٌ لَّهُمْ'' یعنی ان کو مہلت دینا اور ان کی عمر دراز کرنا'' ﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا﴾ بے شک ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں [اور اس ''مَا'' کا حق یہی ہے کہ اس کو متصلاً لکھا جائے کیونکہ یہ ''مَا'' کافہ ہے پہلا ''مَا'' کافہ نہیں (بلکہ مصدریہ ہے) یہ جملہ مستأنفہ ہے اور پہلے جملے کی تعلیل اور وجہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے ] گویا کہا گیا کہ کیا وجہ ہے کافر اس مہلت کو اپنے لیے خیر اور بہتر خیال نہ کریں تو جواب میں کہا گیا کہ بے شک ہم ان کو جو مہلت دے رہے ہیں وہ محض اس لیے دے رہے ہیں تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں (اور وہ اپنے کفر و معصیت کی وجہ سے ذلت ناک عذاب کے مستحق قرار پائیں) اور یہ آیت مبارکہ دو مسائل (۱) مسئلہ اصلح اور (۲) ارادۂ معاصی میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔[1] ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ اور ان کے لیے ذلت ناک اور رسوا کن عذاب ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ
الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ
مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾
وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا
لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ

[1] دراصل اہل سنت کے نزدیک تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' کوئی کام خواہ خیر ہو یا شر' نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا جب کہ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف افعالِ خیر کا خالق ہے اس لیے وہ انسانوں کے لیے بدی کا ارادہ نہیں کرتا۔ اصلح کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے متعلق صرف اصلاح اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور ارادۂ معاصی کا مطلب ہے کہ انسانوں کے گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہوتے ہیں' مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے ان کے عقیدہ کی تردید اور اہل سنت کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اس لیے مہلت دیتا ہے تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں' اگر اللہ تعالیٰ صرف بھلائی کا ارادہ کرتا اور گناہ کا ارادہ نہ کرتا تو کافروں کو کفر و گناہ کی مہلت نہ دیتا کہ یہ دونوں بھلائی کے کام نہیں برائی کے کام ہیں' لہٰذا قرآن مجید سے ثابت ہو گیا کہ ہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے البتہ برائی کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور خوشنودی شامل نہیں ہوتی بلکہ ناراضگی شامل ہوتی ہے لیکن ارادہ اور مشیت کسی مصلحت کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ غوثوی مہاروی

ع ۱۸ ۹

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر اب تم ہو یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے گا' اور اللہ تم عام لوگوں کو غیب پر مطلع نہیں فرمائے گا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کر لیتا ہے' جو اس کے رسول ہیں' تو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو اور اگر تم ایمان دار رہے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے O اور جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو عطا کیا ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے' بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے' انہوں نے جس کے ساتھ بخل کیا ہے وہ عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا' اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے' اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے O

۱۷۹۔ ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم اب ہو کہ مخلص مسلمان اور منافق مل جل کر رہ رہے ہیں اور بہ ظاہر تصدیق اسلام کی وجہ سے سب اکٹھے رہے ہیں' اس آیت میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے ﴿ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ یہاں تک کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے یعنی منافق کو مخلص مسلمان سے جدا کر دے [ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''يُمَيِّزَ'' (پہلی ''یا'' مضموم' میم مکسور اور دوسری ''یا'' کو ساکن باب افعال سے یا پھر پہلی ''یا'' مضموم' میم مفتوح اور دوسری ''یا'' کو مشدد یعنی ''يُمَيِّزَ'' باب تفعیل سے ) پڑھا ہے اور ''اَنْتُمْ'' میں مخلص مسلمانوں اور منافقوں کو خطاب ہے ] گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو اس حال میں نہیں چھوڑے گا جس پر تم اب ہو کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے رہتے ہو یہاں تک کہ وہ اپنے نبی پر وحی بھیج کر اور تمہارے احوال سے آگاہ فرما کر منافقین کو تم سے الگ کر دے گا ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ تم میں سے کسی کو غیبوں کا علم عطا فرما دے' سو تم کسی آدمی کے نفاق اور کسی کے اخلاص کی خبر دیتے وقت رسولوں کے متعلق یہ وہم نہ کیا کرو کہ وہ بھی دلوں کے نظریات و خیالات پر اسی طرح مستقل ذاتی طور پر مطلع اور آگاہ ہوتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر مستقل اپنے آپ مطلع ہوتا ہے اس لیے وہ کافروں کے کفر (منافقوں کے نفاق) اور مومنوں کے ایمان کی خبریں دیتے ہیں ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ یعنی لیکن اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے اور اس کی طرف وحی بھیجتا ہے اور اس کو غیب کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بتلاتا ہے کہ فلاں آدمی کے دل میں نفاق ہے اور فلاں شخص کے دل میں اخلاص ہے' سو رسول خدا ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتلانے سے جانتے ہیں ذاتی طور پر اپنے آپ نہیں جانتے[1] اور یہ آیت مبارکہ باطنیہ فرقہ پر حجت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کے لیے علم غیب کا عقیدہ

[1] ابتداء میں کئی لوگ زبان سے اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں میں داخل ہو جایا کرتے اور مسلمان ان سے بالکل اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے لیکن ہر نازک مرحلہ پر یہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس' ان کی صفوں میں انتشار اور ان کے رازوں کو افشاء کر کے اذیت و تکلیف پہنچاتے' اس لیے زیادہ دیر تک ان کا مسلمانوں میں ملے جلے رہنا مناسب نہ تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکمت الٰہی اس بات کی روادار نہیں کہ مخلص و منافق آپس میں ملے جلے رہیں بلکہ ان کو الگ الگ کرنا ضروری ہے۔ ان کو کیوں کر الگ الگ کیا گیا؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ابتلاء و آزمائش سے' اسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے یا بذریعہ وحی اپنے نبی مکرم ﷺ کو منافقوں کا علم عطا فرمانے سے' چنانچہ علامہ بیضاوی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میری امت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رکھتے ہیں اگر چہ یہ لوگ اس کے لیے نبوت کو ثابت نہیں کرتے لیکن یہ نظریہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ یہ لوگ غیر رسول کے لیے علم غیب ثابت کرتے اور مانتے ہیں اور اگر وہ اپنے امام کے لیے نبوت کو ثابت کرتے تو قرآن مجید کی دوسری آیت مبارکہ کی مخالفت کرتے اور وہ یہ ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب:۴۰) اور لیکن آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ سوتم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر صفت اخلاص سے متصف ہو کر ایمان لاؤ ﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور نفاق سے بچو ﴿فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ تو تمہارے لیے آخرت میں بہت بڑا اجر و ثواب ہوگا۔

**شانِ نزول:** (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے:

۱۸۰- ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اور جو لوگ مال میں بخل

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا' اس وسعت علمی پر کسی مؤمن نے اعتراض نہیں کیا بلکہ منافقین نے ازراہِ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مؤمن اور ہر کافر کو جانتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقوں کا علم تھا' نیز یہ بھی پتا چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بہ جبیں ہو کر اعتراض کرتے۔ ''تفسیر خازن'' اور ''معالم التنزیل'' میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ منافقین کا یہ قول حضور ﷺ کو پہنچا تو حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِيْ عِلْمِيْ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ فِيْمَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّاْتُكُمْ بِهٖ. اس قوم کا کیا ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں' اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا'' عبد اللہ بن حذافہ اٹھے (ان کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا) اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حذافہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' قرآن کے پیشوا ہونے پر اور آپ ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں' سو آپ ہمیں معاف فرما دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. تو کیا تم باز آ ؤ گے کیا تم باز آ ؤ گے'' پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے' اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا' وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو سکھا دیتا ہے اور اس ذات کریم نے اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو جتنا چاہا دیا'' یہ جتنا'' اللہ تعالیٰ کے علم غیر متناہی کا بعض ہے لیکن مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود و قیود ہم انسان مقرر نہیں کر سکتے' جو لوگ اس ''جتنا'' کو یہاں تک تنگ کر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اور تو اور اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا ان کی اپنی تنگ دلی اور تنگ نظری مستحق ہزار تاسف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کرم و عطا و بخشش (کریم' معطی' وہاب) کے انکار کا نام توحید رکھنا کہاں کا انصاف ہے' ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفےٰ کے قلب منور کو علوم غیبیہ سے بھرپور فرمایا لیکن حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی بلکہ وہ محض عطائے الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط و تفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرہ اور صحرا' قطرہ اور دریا کی بھی نہیں لیکن علوم خلائق کے مقابلہ میں وہ بحر ذخار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غواص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل سورۃ آل عمران:۱۷۹)

کرتے ہیں وہ اس کو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل عطا کیا ہے اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں [اور جس نے اس کو ''تـا'' کے ساتھ پڑھا ہے اس نے مضاف محذوف کو مقدر مانا ہے] یعنی ''وَلَا تَحْسَبَنَّ بُخْلَ الْبَاخِلِيْنَ. اور آپ بخل کرنے والوں کے بخل کو ان کے لیے بہتر خیال نہ کریں'' [اور ''هُوَ'' فاصلہ کے لیے اور ''خَيْرًا لَّهُمْ'' مفعول ثانی ہے اور اسی طرح جس نے ''یَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور ''يَحْسَبَنَّ'' کا فاعل ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کی ضمیر یا ''اَحَدٌ'' کی ضمیر کو قرار دیا ہے اور جس نے اس کا فاعل ''الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ'' کو قرار دیا ہے] تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بُخْلَهُمْ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ. اور جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ اپنے بخل کو اپنے لیے بہتر تصور نہ کریں'' [اور ''هُوَ'' فصل کی ضمیر ہے اور ''خَيْرًا لَّهُمْ'' مفعولِ ثانی ہے ﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ بلکہ وہ یعنی بخل ان کے لیے بہت برا ہے کیونکہ ان کا مال ختم ہو جائے گا مگر اس مال کا وبال ان پر باقی رہے گا ﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ عنقریب قیامت کے دن ان کے بخل کردہ اموال کو ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا' یہ ارشاد باری تعالیٰ ''بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ'' کی تفسیر ہے یعنی عنقریب ان کے مال کو جس کو انہوں نے راہ حق میں خرچ کرنے سے روکے رکھا ان کی گردنوں میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا جیسا حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ مَّنَعَ زَكٰوةَ مَالِهٖ يَصِيْرُ حَيَّةً ذَكَرًا اَقْرَعَ لَهٗ نَابَانِ فَيُطَوَّقُ فِيْ عُنُقِهٖ فَيَنْهَشُهٗ وَيَدْفَعُهٗ اِلَى النَّارِ. یعنی جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ روک لی وہ مال (قیامت کے دن) گنجا نر سانپ بن جائے گا جس کے منہ میں دو کچلیاں ہوں گی اور وہ اس کے گلے کا طوق بن کر لپٹ جائے گا اور اس کو ڈستا جائے گا اور اس کو دوزخ کی آگ میں لے جائے گا'' ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے وہ بھی اسی کے ملک میں ہے' وہاں کے باشندوں کو ان کے اموال کا وارث بنا دیتا ہے تو ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت والے مال میں بخل کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے [اور ''مِيْرَاثٌ'' اصل میں ''مِوْرَاثٌ'' تھا پھر واؤ کو ''یَـا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے] ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے [اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے اس کو ''یَـا'' کے ساتھ (يَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے اور ''تَـا'' کے ساتھ پڑھنا فعلِ مخاطب ہونے کی بنا پر وعید کے لیے زیادہ بلیغ ہے اور ''یَـا'' کے ساتھ پڑھنا ظاہر کے مطابق ہے (اس لیے کہ اس آیت مبارکہ کے دیگر افعال غائب کے ہیں)]۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ (وقف لازم)
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ
تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ
فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

البتہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں' عنقریب ہم ان کا کہا اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا لکھ لیں گے' اور ہم کہیں گے: جلا دینے والا عذاب چکھوO یہ بدلا ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتاO جن لوگوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے اقرار لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے قربانی پیش کرے جسے آسمانی آگ آ کر کھا جائے' اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی رسول بہت سے معجزات لے کر آئے اور وہ قربانی بھی جو تم نے کہی تو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا تھا اگر تم سچے ہوO

## یہود کی تکلیف دہ روش

١٨١- ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں ۔ یہ بات یہود نے اس وقت کہی تھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد سنا: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. (البقرہ:٢٤٥) وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے'' اور انہوں نے کہا کہ (حضرت سیّد عالم نبی اکرم رسول معظم) محمد (ﷺ) کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے اس لیے ہم دولت مند ہوئے اور وہ فقیر و محتاج ہوا اور اللہ تعالیٰ کے سننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ﴾ ہم عنقریب نگران فرشتوں کو حکم دیں گے کہ انہوں نے جو کہا ہے اسے اپنے صحیفوں میں لکھ لیں کیونکہ مخلوق میں کتابت کے ذریعے تحریر کو محفوظ کر لیا جاتا ہے' سو اس لیے اس کو بطور مجاز یہ نام دیا گیا [اور اس میں ''مَا'' مصدر یہ ہے یا ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے ﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ اور ان کا نبیوں کو ناحق شہید کرنا [''مَا'' پر معطوف ہے] ان کا انبیائے کرام کو قتل کر دینا اس بے ہودہ کہنے کا قرینہ ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ یہ دونوں جرم بڑے جرم ہونے میں برابر ہیں اور جو انبیائے کرام کو شہید کر سکتے ہیں ان کا اس بے ہودہ بات پر دلیر ہونا بعید از قیاس نہیں ﴿ وَنَقُوْلُ ﴾ اور ہم قیامت کے دن ان سے کہیں گے: ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ یعنی جلانے والی آگ کا عذاب چکھو جس طرح تم نے مسلمانوں کو (دنیا میں) غم و رنج پہنچائے۔ حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ بات ان سے جہنم کے دربان فرشتے کہیں گے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ یہ اس کے حکم سے ہوگا [اور قاری حمزہ نے ارشاد باری تعالیٰ ''سَنَكْتُبُ'' میں ''سَيُكْتَبُ'' ''یَا'' مضموم اور ''تَا'' مفتوح کے ساتھ فعل مضارع مجہول) اور ''قَتْلَهُمْ'' میں مرفوع اور ''نَقُوْلُ'' کی بجائے ''يَقُوْلُ'' پڑھا ہے]۔

١٨٢- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ان کے گزشتہ ذکر کردہ عذاب کی طرف اشارہ ہے ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ یعنی یہ عذاب تمہارے ان کفریات و گناہوں کا بدلا ہے جو تم نے آگے بھیجے تھے اور ہاتھوں کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے ہی ہوتے ہیں تو غلبہ کے طور پر تمام اعمال کو ہاتھوں کی کارکردگی قرار دیا گیا اور اس لیے بھی کہ کسی چیز کے حکم دینے والے کو اس چیز کا فاعل کہا جاتا ہے' لہٰذا ہاتھوں کا ذکر تحقیق کے لیے ہے یعنی یہ کام اس کا اپنا ہے کسی غیر کا نہیں کیونکہ اس کے حکم سے ہوا ہے ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ اور اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا' لہٰذا وہ ان کو بغیر جرم کے سزا نہیں دے گا۔

١٨٣- ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا ﴾ جن لوگوں نے کہا [(سابقہ آیت میں) ''اَلَّذِيْنَ قَالُوْا'' سے بدل ہونے کی بنا پر یہ محلًا

مجرور ہے یا ''اَعْنِیْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''ھُمْ'' ضمیر پوشیدہ کی وجہ سے مرفوع ہے ] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ تورات میں ہمیں حکم دیا اور ہمیں تاکید کی ﴿ اَلَّا نُؤْمِنَ ﴾ کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں ﴿ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴾ کسی رسول پر یہاں تک وہ قربان پیش کرے اور آسمان سے آگ اترے اور اسے کھا جائے' سو اگر آپ ایسا معجزہ دکھا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور ان کا یہ دعویٰ باطل اور اللہ تعالیٰ پر افتراء تھا کیونکہ آگ کا قربانی کو کھا جانا آنے والے رسول پر ایمان لانے کا سبب نہیں تھا اس لیے کہ یہ ایک معجزہ ہے' لہٰذا اب یہ اور دوسرے معجزات برابر ہیں (اور آپ نے دیگر بہت سے معجزات دکھائے تھے جو نبوت کی تصدیق کے لیے کافی ہیں خصوصاً قرآن مجید) ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مجھ سے پہلے کئی رسول قربانی کے علاوہ بہت سے واضح معجزات لے کر آئے تھے ﴿ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ ﴾ اور وہ قربانی بھی لے کر آئے تھے جو تم نے کہی یعنی تمہارے اسلاف نے کی تھی جن کی ملت پر تم ہو اور جن کے اس فعل پر تم راضی ہو ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ ﴾ تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا؟ یعنی اگر تمہارے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ ہے تو تم ان پیغمبروں پر ایمان کیوں نہیں لائے جو یہ قربانی لائے تھے اور تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم صرف اس وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

پھر اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا' جو روشن معجزات اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○ ہر جان دار چیز موت کو چکھنے والی ہے' اور بے شک قیامت کے دن تمہیں تمہارا معاوضہ پورا ملے گا' سو جو شخص دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا' اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ○

---

١٨٤- ﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ پھر اگر آپ کو یہود جھٹلاتے ہیں تو یہ بات آپ کو ہولناک و غمگین نہ کرے کیونکہ اس سے پہلے بھی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ اسی طرح کیا تھا ﴿ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ وہ کھلم کھلا معجزات لے کر آئے تھے ﴿ وَالزُّبُرِ ﴾ [''زبور'' کی جمع ہے ''زَبْر'' سے مشتق ہے جس کا معنی تحریر ہے اور ابن عامر شامی نے ''بالزُّبُر'' پڑھا ہے (با جارہ زائدہ کے ساتھ)] ﴿ وَالْكِتٰبِ ﴾ اور جنس کتاب مراد ہے ﴿ الْمُنِيْرِ ﴾ روشن کرنے والی۔ بعض نے کہا: وہ دونوں اصل میں ایک ہیں اور ان دونوں کو مختلف اوصاف کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے' پس زبور وہ کتاب ہے جس میں ڈرانے والا حکم ہو اور کتاب منیر وہ کتاب ہے جو صرف رہنمائی کرنے والی ہے۔

١٨٥- ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ ہے اور نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں عموم ہے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان کا آپ کو جھٹلانا رنجیدہ نہ کرے کیونکہ سب نے مرنے کے بعد میرے پاس

لوٹ کر آنا ہے انہیں جھٹلانے کی سزا دوں گا اور آپ کو صبر کرنے پر جزائے خیر دوں گا اور یہی مطلب ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کا کہ ﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ یعنی اور بے شک تمہیں قیامت کے دن تمہارے اعمال کا ثواب مکمل اور پورا دیا جائے گا کیونکہ دنیا جزا کا گھر نہیں ہے ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ﴾ سو جو شخص دور کر دیا گیا یہ "زحزحة" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: دور کر دینا ﴿عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ دوزخ کی آگ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا یعنی وہ خیر کے ساتھ کامیاب ہو گیا اور بعض نے کہا کہ اس کو مطلق کامیابی حاصل ہو گی اور بعض نے کہا کہ پسندیدہ چیز کو حاصل کرنا اور ناپسندیدہ چیز سے دور رہنا کامیابی کہلاتا ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ دنیا کو اس شخص کے سامان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (جو عمدہ مال اوپر اور ردی مال نیچے رکھ دیتا ہے تاکہ) وہ خریدنے والے کو چکمہ دے کر دھوکے میں ڈال دے تاکہ وہ یہ سامان خریدے پھر اس کے بعد یہ بات واضح ہو کہ اس کو ردی اور ناکارہ سامان دیا گیا ہے اور شیطان دھوکہ دینے والا ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی لیکن جس نے دنیا کے ذریعے آخرت کو حاصل کیا تو اس کے لیے دنیا نجات کا سامان ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دنیا سبز پودوں کی طرح ہے اور پودوں کے ساتھ دل بہلانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾

البتہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں آزمایا جائے گا' البتہ تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے بہت سی اذیت ناک باتیں سنو گے' اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے O اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم ضرور اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے' تو انہوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا اور انہوں نے اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت وصول کر لی' پس وہ بہت بُری چیز خرید رہے ہیں O

١٨٦- ﴿لَتُبْلَوُنَّ﴾ اصل میں "وَاللّٰهِ لَتُبْلَوُنَّ" ہے یعنی اللہ کی قسم! تمہیں ضرور آزمایا جائے گا ﴿فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ﴾ تمہارے اموال میں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے اور اس میں آفات وغیرہ پیش آنے کے ذریعے ﴿وَاَنْفُسِكُمْ﴾ قتل' قید' زخم اور مختلف اقسام کے خوف و ڈر اور مصائب و آلام وارد کر کے تمہیں تمہاری جانوں میں آزمایا

جائے گا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفس اسی ظاہری نظر آنے والے جسم کو کہا جاتا ہے نہ کہ وہ جو انسان میں باطن معنیٰ ہے (یعنی روح) جیسا کہ بعض متکلمین اور فلاسفروں نے کہا ہے" شرح التاویلات" میں اسی طرح لکھا ہے ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ضرور (تکلیف دہ باتیں) سنو گے یعنی یہود و نصاریٰ سے ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ اور مشرکین سے بہت سی اذیت ناک (باتیں سنو گے) جیسے دین کے متعلق طعن و تشنیع اور ایمان لانے والوں کو ایمان لانے سے روکنا اور ایمان داروں کو گنہگار قرار دینا' اسی طرح کی دوسری باتیں ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا ﴾ اور اگر تم ان تکلیفوں پر صبر کرو گے ﴿ وَتَتَّقُوْا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہو گے ﴿ فَاِنَّ ذٰلِكَ ﴾ تو بے شک یہ صبر اور تقویٰ ﴿ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں یعنی ان امور میں سے ہیں جن پر پختہ ارادہ کر کے قائم رہنا واجب ہے مسلمانوں کو اس کے ساتھ اس لیے مخاطب کیا گیا ہے تا کہ وہ آنے والے شدائد و تکالیف پر اپنے آپ کو عادی بنالیں اور آنے والی تکلیفوں پر صبر کریں اور تیار رہیں تا کہ اچانک شدت وسختی کے پہنچنے پر نہ گھبرائیں اور نہ اسے انوکھی تکلیفیں سمجھیں اور نہ وہ پریشان ہوں۔

۱۸۷- ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ اور وہ وقت یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا کہ ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور تم اس کو لوگوں سے نہیں چھپاؤ گے اور ان سے مخاطب ہونے کی حکایت پر اس کو" تا" کے ساتھ پڑھا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:" وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ" (بنی اسرائیل:۴)" اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ تم زمین میں ضرور فساد کرو گے" [اور قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری اور ابو بکر نے" یا" کے ساتھ (لَيُبَيِّنُنَّهٗ وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ) پڑھا ہے کیونکہ وہ غائب ہے اور ان فعلوں میں" ہٗ" ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے] اور اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ ان پر کتاب کو بیان کرنا اور اس کو چھپانے سے پرہیز کرنا واجب قرار دیا ہے ﴿ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ پس انہوں نے اس میثاق کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کی ان پر جو تاکید کی گئی تھی اس کی رعایت نہیں کی اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ دی اور پسِ پشت پھینکنے کا مطلب ہے: اس کو چھوڑ دینا' اس پر عمل نہ کرنا اور اس کو کوئی اہمیت نہ دینا اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ علمائے دین پر واجب و لازم ہے کہ اپنے علم کے مطابق وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کریں اور اس کی کوئی چیز کسی فاسد غرض کے تحت نہ چھپائیں جیسے ظالموں کی اذیت سے بچنے کے لیے یا کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے یا ان کے دلوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کے مظالم پر نرمی اختیار کرنا یا علم میں بخل سے کام لینا اور حدیث شریف میں ہے کہ" مَنْ كَتَمَ عِلْمًا عَنْ اَهْلِهٖ اَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ. یعنی جو شخص کسی مستحق سے اپنا علم چھپائے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کے منہ میں جہنم کی آگ کی لگام ڈال دے گا" ﴿ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ اور انہوں نے اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت خرید لی یعنی اس کے عوض دنیا کا تھوڑا سا سامان وصول کر لیا ﴿ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴾ سو بہت برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' سو ان کو عذابِ الٰہی سے نجات پانے والا ہرگز خیال نہ کرنا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور زمین' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں O

۱۸۸- ﴿لَا تَحْسَبَنَّ﴾ اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اس کے دو مفعولوں میں سے ایک ﴿الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ﴾ ہے اور دوسرا مفعول "بِمَفَازَةٍ" ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ "فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ" تاکید کے لیے ہے' تقدیر عبارت اس طرح ہے: "لَا تَحْسَبَنَّهُمْ فَائِزِيْنَ. یعنی اے محبوب! آپ ان کو کامیاب گمان نہ کرنا" ﴿بِمَآ اٰتَوْا﴾ ["بِمَا فَعَلُوْا" جو کچھ انہوں نے کیا' اور یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے اور "جَآءَ" اور "اَتٰى" دونوں فعل کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں] (جیسے) "اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا. (مریم:۶۱) بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے" "لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا" (مریم:۲۷) بے شک تم نے برا کام کیا ہے" [اور نخعی نے "بِمَا اُوْتُوْا" پڑھا ہے] یعنی جو کچھ انہوں نے عطا کیا ﴿وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ان کاموں پر جو انہوں نے نہیں کیے تو آپ ان کو عذاب سے نجات پانے والا خیال نہ کرنا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے تورات کا کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے حق کو چھپایا اور آپ کو اس کے خلاف بتایا اور آپ کے سامنے ظاہر یہ کیا کہ انہوں نے آپ سے سچ کہا ہے اور انہوں نے چاہا کہ آپ اس پر ان کی تعریف کریں اور انہوں نے جو کچھ مکر و فریب کیا تھا اس پر خوش ہوئے' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو اس پر مطلع فرما دیا اور ان پر وعید نازل کر کے آپ کو تسلی دی یعنی اے محبوب! جو یہود آپ سے مکر و فریب کر کے خوش ہو رہے ہیں اور آپ کے دریافت کرنے پر وہ آپ کو سچی خبر نہ بتا کر چاہتے یہ ہیں کہ آپ ان کی تعریف کریں' ایسے یہودیوں کو عذابِ الٰہی سے نجات پانے والا خیال نہ فرمانا اور ایک قول کے مطابق اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار کر کے بڑے خوش ہوتے اور اس کے ذریعے اپنی اغراض حاصل کرتے اور چاہتے تھے کہ ان کے پاس ظاہری ایمان پر تعریف کی جائے جس کو انہوں نے حقیقت میں قبول نہیں کیا تھا اور اس آیت کریمہ میں ہر اس شخص کے لیے وعید ہے جو کوئی نیکی کر کے اس پر خود پسند لوگوں کی طرح خوش ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایسے کاموں پر اس کی تعریف کریں جو اس میں نہیں ہیں۔

۱۸۹- ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین میں صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے اور وہی ان دونوں کے معاملے کا مالک ہے اور اس میں ان لوگوں کی تکذیب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

## تخلیق میں دانشوروں کے لیے سبق' اہلِ ایمان کی دعا اور اس کی قبولیت کا تذکرہ

۱۹۰- ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی

پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں البتہ قدرت الٰہی کی ایسی واضح نشانیاں اور روشن ترین دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے صانع' قدیم' علیم' حکیم اور قادر ہونے پر دلالت کرتی ہیں ﴿لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ عقل والوں کے لیے جن کی عقل خواہش سے پاک صاف ہو جیسے چھلکا اتارنے سے بادام کی گری خالص ہو جاتی ہے' چنانچہ عقل مند آدمی دیکھتا ہے کہ جواہر میں پیدا ہونے والا عرض جواہر کے حدوث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جوہر عرض حادث سے خالی نہیں ہوتا اور جو عرضِ حادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہوتا ہے' پھر اس کا حدوث مُحدِث (خالق) پر دلالت کرتا ہے اور وہ قدیم ہے ورنہ دوسرے محدث کی ضرورت ہو گی اس طرح غیر متناہی سلسلہ چلا جائے گا جو کہ محال ہے[1] اور اللہ تعالیٰ کی صنعت کا حسن اس کے علم پر دلالت کرتا ہے اور اس کی مضبوطی حکمتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی بقا قدرتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَاَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيْهَا. یعنی اس شخص کے لیے ہلاکت ہے' جس نے اس آیت کریمہ کو پڑھا اور اس میں غور وفکر نہیں کیا''۔

حکایت: ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو تیس سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا' ایک دن بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور اس پر سایہ فگن ہو گیا' وہ نوجوان شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس بادل کی عبادت کرنے لگا جس کی نحوست سے بادل سایہ فگن نہ ہوا بلکہ اس شخص سے کہا کہ تجھ سے بھول ہو گئی شاید تو نے اس عرصہ میں کوئی کوتاہی کی ہے' اس شخص نے کہا: مجھے تو یاد نہیں' بادل نے کہا کہ شاید تو نے آسمان کی طرف دیکھا ہے لیکن غور وفکر کر کے عبرت حاصل نہیں کی' اس نوجوان نے کہا: شاید یہی وجہ ہے' بادل نے کہا کہ تمہیں اسی وجہ سے سزا دی گئی ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ ۚ

جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں پر اور زمین میں غور وفکر کرتے رہتے

[1] ہر وہ چیز جو قائم بالذات ہو یعنی اپنے وجود کے قیام میں کسی دوسری چیز (مخلوق) کی محتاج نہ ہو جوہر کہلاتی ہے جیسے درخت اور اس کے پتے' انسان' قلم' کرسی اور میز وغیرہ اور عرض ہر وہ چیز جو اپنے وجود کے قیام میں کسی دوسری چیز کی محتاج ہو جیسے پتے کا سبز رنگ ہونا' انسان کا گورا' سفید اور گندمی رنگ ہونا اور قلم' کرسی اور میز وغیرہ کے مختلف رنگ عرض کہلاتے ہیں اور ہر وہ چیز جس کی ابتدا اور انتہا ہو حادث کہلاتی یعنی ہر فانی چیز حادث ہے جب کہ اس کے مقابلے میں قدیم وہ ذات ہوتی ہے جس کی نہ ابتداء ہو اور نہ انتہاء ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے جو ازلی اور ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے ہے۔

ہیں' (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے اس کو بے کار نہیں بنایا' تو پاک ہے' پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ○ اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو دوزخ کی آگ میں داخل کر دے تو اس کو تو نے ضرور رسوا کر دیا' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سنا کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ' سو ہم ایمان لے آئے' اے ہمارے رب! پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری بُرائیاں مٹا دے اور تو ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر دے ○

---

۱۹۱-﴿اَلَّذِيْنَ﴾ [یہ ''اُولِی'' کی صفت واقع ہونے کی بنا پر محلًا مجرور ہے یا ''اَعْنِیْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''هُمْ'' ضمیر پوشیدہ کی وجہ سے مرفوع ہے ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں ﴿قِيٰمًا﴾ قدرت کے وقت وہ کھڑے ہو کر (نماز ادا کرتے ہیں) ﴿وَّقُعُوْدًا﴾ بیٹھ کر پڑھتے ہیں ﴿وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ اور یعنی عجز کے وقت لیٹ کر نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں [اور قیام اور قعود دونوں ''يَذْكُرُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہے ہیں اور ''وَعَلٰى جُنُوْبِهِمْ'' بھی حال ہے] اور مقصد یہ ہے کہ عقل والے ہر حال میں کھڑے' بیٹھے' لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ انسان ان تین احوال سے خالی نہیں ہوتا اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ. یعنی جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں چرے (کھائے) تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرے'' ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ لوگ ان دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں جو ان بڑے بڑے اجسام کی ایجاد پر اور ان کی بے مثل اور انوکھی صفت و مضبوطی پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے والوں کی عقول و افہام ان کے بعض عجائبات کے ادراک کی وجہ سے صانع (یعنی خالق) کی عظمتِ شان اور اس کی سلطنت کی کبریائی سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے بستر پر سیدھا لیٹا ہوا تھا' جب اس نے اپنا سر اٹھا کر ستاروں اور آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا مالک و خالق ہے' اے اللہ تعالیٰ! تو مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظرِ کرم فرمائی اور اسے بخش دیا اور حضور سیّد عالم رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: ''لَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ. یعنی غور و فکر جیسی کوئی عبادت نہیں'' (کیونکہ عبادت سے بندہ جنت تک پہنچتا ہے اور تفکر سے خالقِ جنت تک پہنچتا ہے) اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ غور و فکر غفلت کو دور کرتا ہے اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اور دلوں سے غموں کو زائل کرتا ہے اور دلوں کو غور و فکر سے روشنی حاصل ہوتی ہے ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ یعنی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے یہ مخلوق بے کار نہیں بنائی' یہ جملہ حال کی جگہ میں واقع ہے یعنی وہ غور و فکر کرتے ہیں دراں حالیکہ کہتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے اس کو کسی حکمت و مصلحت کے بغیر بے کار مخلوق نہیں بنایا بلکہ تو نے ان کو بہت بڑی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تو نے مکلفین کے لیے اسے مساکن بنادیا ہے اور ان کے لیے اپنی معرفت کی دلیلیں بنا دیا ہے اور ''هٰذَا'' سے خلق کی طرف اشارہ ہے اس بنا پر کہ اس سے مراد مخلوق ہے یا پھر آسمانوں اور زمین کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ مخلوق کے معنی میں ہیں گویا کہا گیا کہ تو نے اس عجیب مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تو پاک ہے یعنی تو بے کار مخلوق بنانے کے وصف سے پاک ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ سو تو ہمیں دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچالے [یہاں ''فا'' جزاء کے معنی کے اعتبار سے داخل کیا گیا] تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''اِذَا نَزَّهْنَاكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. یعنی جب ہم نے تیری پاکی بیان کی ہے تو تو ہمیں دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچالے۔

۱۹۲۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ﴾ اے ہمارے پروردگار! جسے تو جہنم کی آگ میں داخل کر دے تو اسے تو نے ذلیل کر دیا یا اس کو تو نے ہلاک کر دیا یا اس کو تو نے رسوا کر دیا اور اہلِ وعید (یعنی معتزلہ) نے اس آیت کریمہ اور ارشاد باری تعالیٰ "يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" (التحریم:۸) "اس دن اللہ تعالیٰ نبی پاک اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا" کے ذریعے یہ استدلال کیا ہے کہ جہنم میں مومنین کو داخل نہیں کیا جائے گا اور جو جہنم میں داخل کیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کا جہنم میں جانا ذلت نہیں بلکہ اس کو ادب سکھانا ہے (اور اس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنا ہے) اور بے شک اس سے بڑھ کر ضرور ذلت ہے (یعنی اگر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہو تو ذلت ہے) ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ لام سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے' اس سے کفار مراد ہیں ﴿مِنْ اَنْصَارٍ﴾ اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوں گے جو ان کی سفارش کر سکیں گے جیسا کہ مسلمانوں کے لیے بہت سے سفارشی ہوں گے۔

۱۹۳۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے منادی کو سنا جیسے تو کہے: "سَمِعْتُ رَجُلًا يَقُوْلُ كَذَا. یعنی میں نے فلاں آدمی کو اس طرح کہتے ہوئے سنا ہے" سو یہاں "رجل" کی جگہ فعل کو رکھا گیا ہے اور مسموع کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ تم نے اس جگہ ایسے اسم (رجل) کو موصوف بنایا جو خود سنتا ہے اور اس نے مسموع کے ذکر سے بے نیاز کر دیا ہے اور اگر وصف نہ ہوتا تو مسموع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اور یہ کہنا درست ہے کہ "سَمِعْتُ كَلَامَ فُلَانٍ. میں نے فلاں آدمی کا کلام سنا" اور یہاں منادی سے مراد رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا قرآن مجید مراد ہے ﴿يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی خاطر وہ دعوت دے رہا ہے اور اس میں منادی (پکارنے والے) کی شان کی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ جو منادی ایمان کے لیے ندا دے رہا ہے اس سے بڑا کوئی منادی نہیں ﴿اَنْ اٰمِنُوْا﴾ اصل میں "بِاَنْ اٰمِنُوْا" ہے یا صرف "اٰمِنُوْا" ہے یعنی تم ایمان لے آؤ ﴿بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا﴾ اپنے پروردگار پر' سو ہم ایمان لے آئے' حضرت الشیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں استثناء کرنا (کہ میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا) باطل و ناجائز ہے (بلکہ یوں کہا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقیناً مومن ہوں) ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے تمام بڑے گناہ بخش دے ﴿وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾ اور ہمارے تمام چھوٹے گناہ مٹا دے ﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما یعنی ہمیں ان کی صحبت کے ساتھ مخصوص کر دے اور ان کی جماعت میں شامل فرما اور "اَبْرَار" سنت نبوی پر عمل کرنے والوں کو کہتے ہیں' یہ "بَرٌّ" کی جمع ہے یا پھر "بَارٌّ" کی جمع ہے جیسے "رَبٌّ" کی جمع "اَرْبَاب" اور "صَاحِبٌ" کی جمع "اَصْحَاب" ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمالیا ہے اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا' بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے مرد یا عورت کی محنت ضائع نہیں کروں گا' تم ایک دوسرے سے ہو' سو جنہوں نے ہجرت کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور میری راہ میں انہیں اذیتیں دی گئیں اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید کر دیئے گئے میں ضرور ان کے گناہ مٹا دوں گا اور میں ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہ ثواب اللہ کی طرف سے ہے' اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے O

۱۹٤۔ ﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ﴾ اے ہمارے رب! تو ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے پر ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا جو تو نے اپنے رسولوں پر نازل کرنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور ''عَلٰی''' ''وَعَدْتَّنَا'' کے ساتھ متعلق ہے اور جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ثواب عطا فرمانے یا دشمنانِ دین پر مدد کرنے کا وعدہ مراد ہے اور باقی رہی یہ بات کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ کیوں کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی توفیق طلب کی ہے جس کے سبب وعدہ پورا کرنے کے اسباب کی حفاظت کی جا سکے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمالے جن کے لیے یہ وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ وعدہ کن لوگوں کے لیے ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں اس راہ پر قائم وثابت رکھ جو ہمیں تیرے وعدے تک پہنچا دے (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے ﴿ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ اور تو قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا یا یہ عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے ﴿ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴾ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا اور یہ مصدر (میمی) ہے اور وعدہ کے معنی میں ہے۔

۱۹۵۔ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ یعنی ''اِسْتَجَابَ''' ''اَجَابَ'' کے معنی میں ہے یعنی ان کے رب تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ﴿ اَنِّیْ ﴾ دراصل ''بِـاَنِّیْ'' ہے یعنی بے شک میں ﴿ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ﴾ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ''مِنْكُمْ'' عامل کی صفت ہے ﴿ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ﴾ مرد ہو یا خواہ عورت' یہ عامل کا بیان ہے ﴿ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾ مرد عورت سے اور عورت مرد سے ہے' تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو یا تم مدد کرنے میں اور دین میں ایک دوسرے سے ہو اور یہ جملہ معترضہ ہے جس کے ذریعے عورتوں کی مردوں کے ساتھ وعدہ الٰہی میں شرکت بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عمل کرنے والے بندوں سے فرمایا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو کسی مشکل امر نے رنجیدہ اور غمگین کر دیا ہو وہ پانچ مرتبہ ''رَبَّنَا'' کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوف وغم سے نجات دے گا اور وہ جو چاہتا ہے اسے عطا فرمائے گا اور آپ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں ﴿ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ﴾ سو جن لوگوں نے ہجرت کی' اور یہ جملہ مبتدا ہے اور یہ ان میں سے عمل کرنے والوں کے اعمال کی تعظیم کے طور پر

تفصیل ہے گویا ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ حسین ترین اور اعلیٰ ترین اعمال سرانجام دیئے ہیں اور وہ اپنے وطن سے ہجرت کرنا اور اپنے دین کی خاطر ( کافروں کو چھوڑ کر ) اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنا یہاں تک کہ ( سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر ) صرف اسی کی ذات پر ایمان رکھنا' لہٰذا جس طرح ابتدائے اسلام میں ہجرت کرنا جائز تھی اسی طرح قیامت تک بہ وقت ضرورت ہجرت کرنا جائز ہے ﴿ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ اور انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا جن میں وہ پیدا ہوئے اور نشوونما پائی اور بڑھ کر جوان ہوئے تھے ﴿ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ ﴾ اور انہیں میری راہ میں یعنی دین اسلام کی خاطر گالی گلوچ اور مار پٹائی اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں ﴿ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا ﴾ اور انہوں نے مشرکین سے جہاد کیا اور شہید کیے گئے [ اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے '' قُتِّلُوْا '' ( یا مشدد کے ساتھ ) پڑھا ہے اور حمزہ اور علی کسائی نے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے '' وَقُتِلُوْا وَقَاتَلُوْا '' پڑھا ہے اور یہ قراءت اس بات کی دلیل ہے کہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی اور اس کی خبر ] ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ہے اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے ( ترجمہ ) البتہ میں ان کے گناہ مٹا دوں گا اور انہیں میں ضرور باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿ ثَوَابًا ﴾ مصدر مؤکد کی جگہ واقع ہے یعنی '' اِثَابَةً '' یا '' تَثْوِيْبًا '' ہے اور یہ ثواب ﴿ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد '' لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ '' کا معنی '' لَاُثِيْبَنَّهُمْ '' ہے یعنی میں ان کو ثواب عطا کروں گا ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ اور بہترین ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی بہترین اجر و ثواب دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

کافروں کا شہروں میں ( خوشحالی سے ) گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ○ ( یہ خوشحال زندگی ) تھوڑے عرصے تک کا سامان ہے' پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ان میں ہمیشہ رہیں گے' یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے' اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے ○

## کافروں کی خوشحال زندگی کا انجام اور اہل تقویٰ کا انعام

شانِ نزول: مسلمانوں کی ایک جماعت نے کفار کی عیش و عشرت سے بھرپور خوشحال زندگی دیکھ کر کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی زندگیاں خوشحال دیکھ رہے ہیں جب کہ ہم مسلمان بھوک و تنگ دستی سے مر رہے ہیں تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

١٩٦- ﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾ کافروں کا خوش حال ہو کر شہروں میں گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور یہ خطاب ہر شخص کے لیے ہے یا حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ہے مگر اس سے مراد آپ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں یا اس لیے کہ آپ اپنی قوم کے سردار اور پیشوا ہیں اور کبھی ایک سردار کو خطاب کیا جاتا ہے مگر اس سے

اس کی پوری قوم مراد ہوتی ہے' پس گویا کہا گیا کہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے یا اس لیے کہ بے شک کبھی رسول اللہ ﷺ نے ان کی خوشحال زندگی سے دھوکہ نہیں کھایا' سو آپ جس حال میں تھے اسی پر رہنے کی آپ کو تاکید کی گئی ہے اور اس حال کے التزام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ O'' (القصص: ٨٦) سو تم کافروں کے کبھی مددگار نہ بنناO ''وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O'' (الانعام: ١٤) اور تم کبھی شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جاناO اور یہ نہی (یعنی کسی کام سے روکنے کی) مثالیں ہیں اور امر (یعنی کسی کام کرنے کی) مثالیں یہ (درج ذیل) ہیں: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O'' (الفاتحہ: ٥) اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھO ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا'' (النساء: ١٣٦) اے ایمان والو! تم اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو۔

١٩٧- ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَىْ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ'' یعنی ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تھوڑا سا سامان ہے''] اور اس سے مراد عنقریب ان کا قتل ہو جانا ہے جس کی وجہ سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے جو ثواب تیار کر رکھا ہے اس کے مقابلے میں یہ سامان قلیل ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کا مال بذات خود قلیل و تھوڑا ہے کیونکہ یہ جلد ختم ہو جانے والا ہے اور ہر وہ چیز جو جلد ختم ہونے والی ہے (اور دائمی نہ ہو وہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو) قلیل اور تھوڑی ہوتی ہے ﴿ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے یعنی انہوں نے اپنے لیے جو بچھونے بچھائے ہیں وہ بہت برے بچھونے ہیں۔

١٩٨- ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے یعنی شرک سے بچتے رہے ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا﴾ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ مہمانی ہے اور ''نُزُل'' اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ ''جنات'' سے حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ یہ صفت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا عامل ''لَهُمْ'' میں لام ہے یا یہ مصدر مؤکد ہے گویا کہا گیا: ''رِزْقًا اَوْ عَطَاءً'' ﴿مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' یہ ''نُزُل'' کی صفت ہے ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کثرت سے دائمی نعمتیں ﴿خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہیں یعنی ان فانی اور قلیل نعمتوں سے بہتر ہیں جن میں فجار و نافرمان لوگ مشغول ہیں اور ''لٰكِنَّ'' تشدید کے ساتھ زائد ہے اور وہ استدراک کے لیے ہے یعنی ان کی استفادہ کی چیزوں میں بقاء و دوام ہے لیکن یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور درج ذیل آیت حضرت عبد اللہ ابن سلام اور دیگر اہل کتاب مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی تھی یا یہ نجران کے چالیس' حبشہ کے بتیس اور روم کے آٹھ باشندوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے' پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَ
رَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع
ع ۲۰ / ۱۱

اور بے شک کچھ اہل کتاب ضرور اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا درآں حالیکہ وہ اللہ کے لیے سرنگوں رہتے ہیں' وہ اللہ کی آیات کے عوض میں حقیر قیمت وصول نہیں کرتے' یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے' بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے بڑھ جاؤ اور جہاد کے لیے سرحدوں پر تیار رہو' تا کہ تم کامیابی حاصل کرلو O

۱۹۹- ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ اور بے شک کچھ اہل کتاب ضرور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں [''اِنَّ'' کے اسم پر ابتدا کا لام اس کے اسم اور ظرف کے درمیان فاصلہ کے لیے ہے] ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ﴾ اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا یعنی دونوں کتابوں (تورات وانجیل) میں سے ﴿خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ دراں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں' یہ ''يُـؤْمِـنُ'' سے حال ہے کیونکہ ''مَـنْ يُّـؤْمِـنُ'' جمع کے معنی میں ہے ﴿لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت نہیں خریدتے جیسا کہ ان کے بڑے اور ان کے علماء کرتے تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے' یہ حال کے بعد دوسرا حال ہے ''اَیْ غَیْـرَ مُشْتَرِیْنَ. یعنی دراں حالیکہ وہ خریدنے والے نہیں تھے'' ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے یعنی وہ اجر وثواب جو ان کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں وعدہ فرمایا ہے یعنی ''اُولٰٓئِكَ يُـؤْتَـوْنَ اَجْـرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ. (القصص:۵۴) یہی وہ لوگ ہیں جن کو دگنا اجر وثواب عنایت کیا جائے گا'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ اس کا علم ہر چیز میں جاری وساری ہے۔

۲۰۰- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا﴾ اے ایمان والو! تم اپنے دین اور اس کی تکالیف پر صبر کرو۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ناپسندیدہ کام پر بغیر کسی جزع فزع کے نفس کو روکنا صبر ہے ﴿وَصَابِرُوْا﴾ اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرو یعنی جنگ کی مشکلات میں صبر کرنے میں ان پر تم غالب آ جاؤ اور ان سے صبر کرنے میں اور ثابت قدم رہنے میں کم نہ ہو جانا ﴿وَرَابِطُوْا﴾ اور تم اپنی سرحدوں پر اس انداز سے قائم و ہوشیار ہو کہ ان پر تم اپنے گھوڑوں (اور دیگر جنگی سواریوں) کی پوزیشن مضبوط کرو اور خوب نگرانی کرتے ہوئے جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ تم کامیابی حاصل کرلو۔ فلاح کا مطلب ہے: ناپسندیدہ چیز سے نجات پانے کے بعد مطلوب کو حاصل کر لینا اور ''لَعَلَّ'' انجام کار کے غائب ہونے کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے تا کہ انسان اعمال سے پہلے انجام پر تکیہ نہ کر لے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ تم میری محبت میں ترک شکایت کے ساتھ صبر کرو اور میری نعمت کے حصول میں قبول قضا کے ساتھ صبر کا مظاہرہ کرو اور میری خدمت میں خالص رضا کی خاطر اپنے نفسوں کو مضبوط و تیار رکھو تا کہ تم میرے قرب کے حصول میں کامیاب وکامران ہو جاؤ۔ حضور نبی اکرم رسول محترم ﷺ نے فرمایا کہ تم دو چمکدار سورتوں بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن گویا بادل یا سائبان یا پرندوں کے جھنڈ (کی شکل میں) قطار در قطار آئیں گی اور اصحاب (یعنی تلاوت کرنے والوں) کی طرف سے (مغفرت کرانے کے لیے رب تعالیٰ سے) جھگڑا کریں گی[1] (یعنی شفاعت کریں

[1] اس کو امام مسلم نے ''کتاب المسافرین'' میں روایت کیا ہے۔ رقم الحدیث: ۲۵۲

گی) اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر اور خوب جانتا ہے اور سب نے گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(٤) سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ (٩٢) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ١٧٦ رکوعاتہا ٢٤

سورۃ النساء مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو چھہتر آیات' چوبیس رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلایا' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں (کے تعلقات توڑنے) سے ڈرو' بے شک اللہ تم پر نگران ہے○ اور تم یتیموں کو ان کا مال دے دو اور ردی مال کو عمدہ مال سے نہ بدلو' اور تم ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ' بے شک یہ بڑا گناہ ہے○

## تخلیق انسان کا اصل اور یتیموں کے بارے میں احکام

١-﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ اے آدم کی اولاد ﴿ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ تم اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے یعنی تم سب ایک ہی جڑ کی شاخیں ہو اور وہ تمہاری اصل اور جڑ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے ﴿ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس ایک جان سے اس کی زوجہ کو پیدا فرمایا' اس جملہ کا محذوف جملہ پر عطف کیا گیا گویا کہا گیا کہ "مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اَنْشَاَهَا وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا. یعنی اسے ایک جان سے پیدا کیا' اس کی خوب پرورش فرمائی اور اس میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا" اور مطلب یہ ہے کہ تم سب خاندان' قبائل اور جماعتیں صرف ایک ہستی' ایک شخصیت سے پیدا ہوئے ہو اور یہی اس کی شان ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور اس کی بیوی حوا کو اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا فرمایا ﴿ وَبَثَّ مِنْهُمَا ﴾ اور ان دونوں حضرت آدم و حضرت حوا سے (بہت سے مردوں اور عورتوں کو) پھیلا دیا ﴿ رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾ بہت سے مردوں اور بہت سی عورتوں کو یعنی ان دونوں سے جنس انسان کی دو نوعیں پھیلا دیں اور وہ دو نوعیں (نر اور مادہ) مردوں کی اور عورتوں کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے ایک صفت بیان کی' پھر اس سے بنی نوع انسان کی تخلیق کی کیفیت کی تفصیل بیان فرمائی یا وہ (یعنی وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا) "خَلَقَكُمْ" پر معطوف ہے اور "يَا اَيُّهَا النَّاسُ" میں خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا تھا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے تمہاری ماں حضرت حوا کو پیدا کیا اور ان دونوں سے تمہارے علاوہ بھی گزشتہ امتوں میں سے بہت سے مردوں اور بہت سی

عورتوں کو پیدا کیا (اس صورت میں خطاب) حصر کے لیے ہوگا' پھر اگر تم یہ کہو کہ کلام الٰہی کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ تقویٰ کے حکم دینے کے بعد ایسا کلام لایا جاتا جو تقویٰ کی طرف راغب کرنے کا باعث بنتا تو اللہ تعالیٰ کا نسلِ انسانی کو ایک جان سے تخلیق کرنا اس تفصیل کے ساتھ جس کا اس نے ذکر فرمایا ہے تقویٰ کی طرف راغب کرنے کا داعی اور سبب کیسے بن سکتا ہے؟

اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ یہ تخلیق انسانی ان دلائل میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں اور جو ذات اس قسم کی تخلیق پر قادر ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے مقدورات و اختیارات میں کفار کو ان کے کفر پر اور فساق و فجار کو ان کے فسق و فجور پر سزا دینا بھی شامل ہے' لہٰذا اس میں غور و فکر کرنے سے انسان اس بات تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایسی ذاتِ اقدس کی گرفت سے ڈرے جو اس پر پوری قدرت رکھتی ہے (اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) اور اس کی سزا سے ڈرتا رہے کیونکہ تخلیق انسانی کا کارنامہ ان پر بھرپور نعمت کو ظاہر کرتا ہے' سو ان کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی ناشکری کرنے میں اس سے ڈرتے رہیں' اس آیت مبارکہ کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: چونکہ عورت کی تخلیق مرد سے ہوئی ہے اس لیے اس کا مقصود صرف مرد ہوتا ہے اور مرد کی تخلیق چونکہ مٹی سے ہوئی ہے اس لیے اس کا مطمعِ نظر زمین ہوتی ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے وسیلے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو [اور اصل میں ''تَتَسَاءَلُوْنَ'' تھا پھر ''تا'' کو سین سے تبدیل کر کے سین میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ تا صفتِ ہمس میں سین کے قریب ہے' اہل کوفہ نے اجتماعِ تائین کے سبب ثقل آ جانے کی وجہ سے دوسری ''تا'' کو حذف کر کے ''تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ'' پڑھا ہے] یعنی تم میں سے بعض اپنے دوسرے بعض سے اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کے نام پر سوال کرتے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کے نام پر برائے کرم اس طرح کر لو ﴿وَالْاَرْحَامَ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسم پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قرابت داری کے تعلقات توڑنے سے بچو یا یہ جار مجرور کی جگہ پر واقع ہے (یعنی اصل میں ''بِالْاَرْحَامِ'' ہے) جیسے تیرا یہ قول ہے: ''مَرَرْتُ بِزَیْدٍ وَعَمْرًا'' یا مجرور ہے اور اس کا ''بِهٖ'' کی ضمیر پر عطف ہے' یہ قاری حمزہ کی قراءت کے اور ظاہر کے مطابق ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ متصل ضمیر اپنے متصل اسم کی طرف ہوتی ہے اور جار مجرور ایک شے کی طرح ہوتے ہیں' لہٰذا یہ کلمہ کے بعض حصے پر عطف کے مشابہ ہو جائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر محافظ ہے یا تمہارے احوال کا عالم ہے۔

٢- ﴿وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ﴾ اور تم یتیموں کو ان کا مال انہیں واپس کر دو یعنی جن کے باپ مر گئے ہیں اور وہ ان کی کفالت سے محروم ہو کر تنہا رہ گئے ہیں اور یتیم کا معنی ہے: اکیلا' الگ' تنہا اور یکتا اور اسی سے بے مثال و یکتا موتی کو ''دُرَّةٌ یَتِیْمَةٌ'' یعنی بے مثال اور یکتا موتی'' کہا جاتا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ انسانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ مر جائے اور حیوانات میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں مر جائے اور اس اسم کا حق تو یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب یتیموں پر بولا جائے کیونکہ باپ کے بچھڑنے کی تنہائی سب کے لیے باقی رہتی ہے مگر اب یہ اسم یتیموں کے بالغ ہونے اور مردوں کی عمر کو پہنچنے تک بولا جاتا ہے اور جب یتیم بچے بالغ ہونے پر اپنے کفیل اور نگران سے بے نیاز ہو جاتے (اور کاروبارِ زندگی چلانے کے قابل ہو جاتے) ہیں تو یتیم کا نام ان سے ختم ہو جاتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: ''لَا یُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ''[1] بالغ ہو جانے کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا'' یعنی شریعت کی تعلیم کے مطابق لغت کے اعتبار سے نہیں یعنی جب کوئی بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو اس پر بچپن کے احکام جاری نہیں ہوتے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ تم یتیم بچوں کو بالغ ہو جانے کے بعد ان کا تمام مال انہیں واپس

1 اس کو امام ابوداؤد نے ''کتاب الوصایا'' باب: ٩ میں روایت کیا ہے۔

دے دو اور آیت مبارکہ میں ان کو بچپن سے بالغ ہو جانے کے بعد یتیم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی یتیمی کا زمانہ قریب گزرا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یتیموں کے بالغ ہونے کے بعد ان کا مال ان کو واپس کرنے میں تاخیر نہ کی جائے بشرطیکہ تم ان میں کاروبار زندگی چلانے کی صلاحیت اور فہم و فراست معلوم کر لو اور (دوسرا اشارہ) یہ ہے کہ انہیں ان کا مال یتیمی اور بچپن کا نام زائل ہونے سے پہلے دے دیا جائے ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ اور تم خراب مال کو اچھے مال کے بدلے میں تبدیل نہ کرو یعنی تم حرام مال کو تبدیل نہ کرو اور وہ یتیموں کا مال ہے حلال کے بدلے میں اور وہ تمہارا اپنا مال ہے یا یہ کہ تم ناجائز روپے کو نہ اپناؤ اور وہ ہے یتیموں کے مال کی پرواہ نہ کرنا' ضائع ہونے دینا' خود استعمال کر لینا' اچھے اور جائز روپے کے بدلے میں اور وہ ہے یتیموں کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا اور خود اس کے استعمال سے پرہیز کرنا اور ''تفعل'' کو ''استفعال'' کے معنی میں استعمال کرنا ناپسندیدہ عمل ہے اور اسی سے ''تعجل'' بہ معنی ''استعجال'' استعمال ہوتا ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ [یہاں ''اِلٰی'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی ''مُضَافَةً اِلٰى اَمْوَالِكُمْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ تم خرچ کرنے میں یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ نہ ملاؤ تاکہ تمہیں ان کا مال اپنے مال سے الگ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے' یہ صرف کم پرواہی کی وجہ سے ہو ہے باوجودیکہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملانا اور حلال و حرام کو آپس میں برابر قرار دینا تمہارے لیے حلال و جائز نہیں ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک ان کا مال کھانا ﴿كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ بہت بڑا گناہ ہے۔

| |
|---|
| وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ |
| مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا |
| فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا |
| النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ |
| نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔا مَّرِيْٓـــًٔا ۝۴ |

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے حق میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان میں سے دو دو' تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو' پھر اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک عورت سے نکاح کر لو یا اپنی لونڈیوں سے استفادہ کرو' یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ان میں ناانصافی نہ کرو O اور تم عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو' پھر اگر وہ اس میں سے کچھ تمہیں دے دیں تو تم اسے مزے مزے سے کھاؤ O

۳- ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا﴾ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے ''اَقْسَطَ'' کا معنی عدل و انصاف کرنا ہے ﴿فِي الْيَتٰمٰى﴾ یتیموں کے حق میں۔ ''یَتَامٰی'' بچیوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس طرح بچوں کے لیے بولا جاتا ہے اور یہ ''یَتِیْمَة'' اور ''یَتِیْم'' دونوں کی جمع ہے لیکن ''اَیْتَام'' صرف ''یَتِیْم'' کی جمع ہے کسی غیر کی نہیں ﴿فَانْكِحُوْا مَا

طَابَ لَكُمْ ﴾ سو تم صرف ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے حلال ہیں ﴿ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ کیونکہ ان عورتوں میں سے کچھ کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جیسے وہ عورتیں جن کا ذکر آگے آیتِ تحریم میں آ رہا ہے اور بعض نے کہا کہ ''مَا'' صفت کی طرف لے جانے کے لیے آتا ہے کیونکہ ''مَا'' اہل عقل کی صفات میں استعمال ہوتا ہے گویا کہا گیا ہے: ''اَلطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَآءِ. یعنی عورتوں میں سے جو پسند ہوں'' اور اس لیے کہ عقلاء میں سے مؤنثات غیر عقلاء کے قائم مقام ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد اسی قبیل سے ہے: ﴿ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ دو دو اور تین تین اور چار چار' یہ تینوں اسم نکرہ ہیں اور منع صرف کے دو سبب وصف اور عدل کے پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں اور علم نحو کے امام سیبویہ کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے اور [مِنَ النِّسَآءِ سے یا ''مَا طَابَ'' سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں] اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے لیے پاکیزہ اور پسند کی محدود عورتوں سے نکاح کر لو جن کی تعداد دو دو اور تین تین اور چار چار تک ہے' پھر اگر تم یہ کہو کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے میں نکاح کنندہ کے لیے جو الفاظ یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کا مطلب تو یہ ہے کہ مرد دو یا تین یا چار عورتوں کو نکاح میں جمع کر سکتا ہے پھر ''مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ'' کے معنی میں تکرار کیوں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ چونکہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اس لیے ان کے معانی میں تکرار واجب ہے تاکہ نکاح کرنے والا مذکورہ بالا تعداد میں سے جس عدد کے مطابق نکاح کرنا چاہتا ہے اسی کو منتخب کر لے جیسے تم ایک جماعت سے کہو کہ یہ ایک ہزار درہم تم آپس میں دو دو اور تین تین اور چار چار درہم تقسیم کر لو لیکن اگر اس کی بجائے مفرد الفاظ لائے جاتے (جن کے معنی میں تکرار نہ ہوتا) تو معنی واضح نہ ہوتا اور ان الفاظ کے درمیان واؤ کو اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ کئی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کا جواز تفریق کے ساتھ ہے۔[1] اور اگر اس کی جگہ ''اَوْ'' لایا جاتا تو صرف نکاح کا جواز ثابت ہوتا ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں کی مذکورہ بالا تعداد رکھنے میں ان کے درمیان عدل و انصاف نہیں کر سکو گے ﴿ فَوَاحِدَةً ﴾ تو لازمی طور پر ایک بیوی پر اکتفا کرو یا صرف ایک بیوی اختیار کرو ﴿ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ یا جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں (یعنی کنیزیں) ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے وہ لوگ زنا میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے لیکن یتیموں کی کفالت کرنے میں حرج خیال کرتے تھے تو ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں یتیموں کے حق میں ظلم و زیادتی کا خوف ہے تو تم زنا کے بارے میں بھی خوف کرو اور جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کر لو اور محرمات کے اردگرد نہ گھومو یا یہ کہ وہ لوگ یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی میں حرج خیال کرتے تھے لیکن زیادہ سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے حالانکہ جب منکوحہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی تو ان سے ان عورتوں کے معاملات میں ظلم و ناانصافی بھی ہو جاتی تھی تو گویا ان سے کہا گیا ہے کہ جب تم یتیموں کے اموال کے حق میں حرج محسوس کرتے ہو تو ان کے معاملات میں بھی شرم کرو اور ایک قول یہ ہے کہ اگر یہ ڈر ہے کہ تم یتیم بچیوں سے نکاح کرنے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو دوسری بالغ لڑکیوں سے نکاح کر لو کہا جاتا ہے: ''طَابَتِ الثَّمَرَةُ. یعنی پھل پک کر تیار ہو گیا ہے'' یا تمہاری مملوکہ لونڈیاں اور خوشحالی میں ایک آزاد بیوی اور کنیزوں کے درمیان (باری کے علاوہ باقی معاملات میں) مساوات قائم کرنا ہو گی اور کنیزوں کی تعداد مقرر نہیں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ایک بیوی اور کنیزوں کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے

---

[1] یعنی صرف دو دو یا صرف تین تین یا صرف چار چار ورنہ دو اور تین اور چار نو ہو جائیں گی' نیز دو دو چار اور تین تین چھے اور چار چار آٹھ' اس طرح تعداد بڑھ کر اٹھارہ ہو جائے گی اور یہ تعداد قرآن و سنت اور جمہور اہل سنت کے خلاف اور ناجائز ہے جیسا کہ روافض و خوارج اور نخعی و ابن ابی لیلیٰ کا خیال ہے۔(اس آیت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر مظہری جلد ثانی)

﴿ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم کسی ایک بیوی کی طرف نہ جھک جاؤ یا ان میں سے کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرلو جب ترازو ایک طرف جھک جائے تو کہا جاتا ہے: "عَالَ الْمِيْزَانُ عَوْلًا. کہ ترازو ایک طرف جھک گیا ہے" اور جب حاکم ظلم وزیادتی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: "عَالَ الْحَاكِمُ فِيْ حُكْمِهٖ. کہ حاکم نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا ہے" اور امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تم اپنے اہل وعیال کو نہ بڑھاؤ' لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ "اَعَالَ يُعِيْلُ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کے ہاں اولاد زیادہ ہو جائے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کو تمہارے اس قول سے قرار دیا جائے گا: "عَالَ الرَّجُلُ عِيَالَهٗ يَعُوْلُهُمْ. یعنی فلاں آدمی نے اپنی اولاد کو بڑھالیا ہے اور اس کو بڑھا رہا ہے" جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "مَانَهُمْ يَمُوْنُهُمْ" جب کوئی آدمی اپنی اولاد پر خرچ کرتا ہے کیونکہ جس کی اولاد بڑھ جائے گی تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بڑھا رہا ہے اور اس کا نقصان یہ ہے کہ کثیر اولاد رکھنے والے والد کے لیے تقویٰ و پرہیز گاری اور کسب رزق حلال مشکل ہو جائے گا اور اس قسم کا کلام علم امتیازات میں سے ہوتا ہے جس کو صحیح مفہوم پر محمول کرنا لازمی ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے متعلق "تَعِيْلُوْا" سے "تَعُوْلُوْا" کی طرف تحریف کا گمان نہ کیا جائے گویا اس کلمہ کی تفسیر میں کنایات واشارات کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔

٤۔ ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ ﴾ اور عورتوں کو ان کے حق مہر ادا کر دو ﴿ نِحْلَةً ﴾ بطور وجوب خوش دلی سے ادا کرو کیونکہ یہ "نَحَلَهٗ كَذَا" سے مشتق ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو عطیہ دیتا ہے اور اس کو خوش دلی سے بخش دیتا ہے [اور "نِحْلَةً وَنَحْلًا" دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور یہ بطور مصدر منصوب ہے کیونکہ "نِحْلَةً" اور "اِيْتَاءً" بہ معنی "اِعْطَاء" ہیں ] یعنی دینا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ان کے حق مہر ان کو خوش دلی سے عطا کرو [ یہ "اٰتُوْا" کی ضمیر مخاطب (اَنْتُمْ) سے حال ہے ] یعنی تم ان کو حق مہر ادا کرو دراں حالیکہ تم خوش دلی سے تحفہ کے طور پر بخشش کرنے والے ہو یا یہ صدقات میں سے ہے یعنی دیگر صدقات کی طرح تم اس کو اپنی خوش دلی سے بطور بخشش اپنا فرض ادا کرو (یعنی تنگ دلی اور بوجھ سمجھ کر ادا نہ کرو اور نہ بالکل ہضم کر جاؤ) اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لیے بخشش اور عطیہ ہے اور اس کی طرف سے عورتوں پر فضل و احسان ہے اور بعض دیگر اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ "نِحْلَةً" کا معنی ملت و شریعت اور دیانت ہے جیسے کہا جاتا ہے: "فَلَانٌ يَنْتَحِلُ كَذَا اَيْ يَدِيْنُ بِهٖ. کہ فلاں آدمی اس کے ساتھ دیانت سے پیش آتا ہے" یعنی (اے شوہرو!) تم اپنی بیویوں کے حق مہر دیانت داری کے ساتھ (بغیر کمی کے پورا مہر) شریعت کا فرض سمجھ کر ادا کرو۔ اب اس صورت میں "نِحْلَةً" مفعول لہ ہے اور اس میں شوہروں کو خطاب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب عورتوں کے وارثوں کو ہے کیونکہ وہی اپنی بیٹیوں کے حق مہر وصول کرتے ہیں (اور خود ہضم کر جاتے ہیں) ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ ﴾ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس حق مہر میں سے تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں کیونکہ حق مہر صدقات کے ہم معنی ہے اور یہاں "كُمْ" کی ضمیر مخاطب سے شوہر مراد ہیں (یعنی عورتیں اپنے شوہروں کے لیے حق مہر کا کچھ حصہ یا کل چھوڑ دیں تو جائز ہے) ﴿ نَفْسًا ﴾ یہ تمیز ہے اور اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے غرض جنس کو بیان کرنا ہے اور اس پر واحد دلالت کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر عورتیں تمہیں اپنے کچھ مہر بخش دیں اور ان کے دل اس پر راضی ہوں اندر سے تنگ نہ ہوں اور شوہروں کی بداخلاقی اور ان کے برے طرز عمل سے بچنے کے لیے مجبور ہو کر نہ دیں (تو شوہروں کے لیے لینا جائز ہے ورنہ نہیں) اور یہ آیت مبارکہ حق مہر ادا کرنے کے معاملے میں مردوں کی راہ تنگ کر دینے اور احتیاط کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ حق مہر معاف کر دینے کی شرط کو عورتوں کی خوش دلی پر موقوف کیا گیا ہے اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

''فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ'' کی بجائے ''فَاِنْ وَهَبْنَ لَكُمْ'' نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ حق مہر میں بخشش کی رعایت عورتوں کی رضامندی اور خوش دلی پر موقوف ہے ﴿فَكُلُوْهُ﴾ اس میں ''ھا'' ضمیر ''شَیْءٍ'' کی طرف لوٹتی ہے' سوتم اسے کھاؤ ﴿هَنِیْٓـًٔا﴾ مزے سے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے ﴿مَّرِیْٓـًٔا﴾ خوشگواری کے ساتھ جس میں کوئی بیماری نہیں ہے (دونوں کا معنی ہے: مزے دار' خوشگوار' بہترین پکا ہوا کھانا) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ دنیا میں بلا مطالبہ مزے دار کھانا اور آخرت میں بلا محنت و مشقت کے مزے دار کھانا [ اور یہ دو صفاتی اسم ہیں ''هَنُؤَ الطَّعَامِ وَمَرُؤَ'' سے مشتق ہیں جن کا معنی مزے دار کھانا ہے جس میں عیب نہ ہو اور یہ دونوں مصدر کے وصف ہیں یعنی ''اَكْلًا هَنِیْـئًا مَّرِیْئًا'' عمدہ خوشگوار کھانا' یا یہ ''كُلُوْهُ'' کی ضمیر سے حال ہیں اور معاف کردہ حق مہر کی اباحت اور محنت و مشقت کے ازالہ کے مبالغہ کے لیے ہیں۔ یزید نے ان کو بغیر ہمزہ کے ''هَنِیًّا مَرِیًّا'' پڑھا ہے اور حالت وقف میں حمزہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے اور باقی قراء نے ان کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے ] اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی شکایت ہو تو وہ اپنی بیوی سے حق مہر میں سے تین درہم مانگ لے' پھر ان کا شہد خرید لے اور اس کو بارش کے پانی میں مکس (Mix) کر کے پی لے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اس کو مزے دار بنانے کے ساتھ باعث شفا اور باعث برکت بنادے گا۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۝٦

اور تم اپنا وہ مال کم عقلوں کو نہ دو جس کو اللہ نے تمہارے لیے ذریعۂ معاش بنادیا ہے اور اس مال میں سے تم ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے عمدہ بول بولو O اور تم یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں' پھر اگر تم ان میں کاروباری صلاحیت محسوس کرو تو ان کا مال ان کے سپرد کردو اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے ان کا مال تم فضول خرچی میں اور جلدی میں نہ کھاؤ' اور جو کفیل مال دار ہو تو وہ ضرور پرہیز کرے' اور جو ضرورت مند ہو وہ بقدر ضرورت کھالیا کرے' پھر جب تم ان کا مال ان کو واپس کرنے لگو تو ان پر گواہ بنالو اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O

۵۔ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ اور تم ان کم فہم لوگوں کو مال نہ دو جو اپنا مال فضول خرچ کرتے ہیں اور نامناسب و بے کار جگہ پر خرچ کرتے ہیں اور انہیں اپنے مال کے اصلاح کرنے کی اور اس میں اضافہ کرنے اور میں تصرف کرنے کی قدرت و صلاحیت نہیں ہے اور اس میں خطاب وارثوں کو ہے اور اللہ تعالیٰ نے کم عقلوں کے اموال کو ورثاء کی طرف مضاف کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَمْوَالَكُمُ﴾ کیونکہ وہی لوگ ان کا مال اپنے پاس رکھتے ہیں اور اسے روک کر رکھتے ہیں (اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے) ﴿الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اجسام کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری بیوی بچوں کے لیے ذریعۂ معاش بنایا ہے [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے ''قِیَمًا'' بہ معنیٰ ''قِیَامًا'' پڑھا ہے' جس طرح ''عَوْذًا'' بہ معنیٰ ''عِیَاذًا'' آیا ہے اور ''قِیَامٌ'' اصل میں ''قِوَامٌ'' تھا' واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے ''یَا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور بعض سلف فرمایا کرتے تھے کہ مال مؤمن کا ہتھیار ہے اور اگر میں اپنا مال چھوڑ جاؤں' جس کا اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے وہ اس سے بہتر ہے کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں اور حضرت سفیان رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کے پاس مال تھا جسے الٹ پلٹ کر دیکھتے اور فرماتے: اگر یہ مال میرے پاس نہ ہوتا تو بنو عباس مجھے گھیر کر غلام بنا لیتے ﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا﴾ اور ان کو اس مال میں سے کھلاؤ اور ان کو کھلانے پلانے کے لیے ایک مناسب مقدار مقرر کر دو بایں طور کہ ان کے مال کی تجارت کرو اور منافع کماؤ یہاں تک ان کا روزمرہ کا خرچ ان کے منافع سے ہو اصل مال سے نہ ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا سارا مال ان پر خرچ کرنے میں ختم ہو جائے ﴿وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور انہیں پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو' ابن جریج نے کہا کہ ان سے بہترین وعدہ کرو کہ اگر تم باصلاحیت ہو گئے اور کاروباری ہدایات کے مالک بن گئے تو ہم تمہارا مال تمہارے حوالے کر دیں گے اور عقلی اور شرعی اعتبار سے ہر وہ اچھی چیز جس سے دلوں کو سکون حاصل ہو جائے خواہ وہ بات ہو یا عمل وہ معروف کہلاتا ہے اور ہر وہ قبیح چیز جس سے دلوں کو نفرت ہو جائے وہ منکر کہلاتی ہے۔

٦- ﴿وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی﴾ اور تم یتیموں کو آزماتے رہو اور ان کی عقلوں کا امتحان لیتے رہو اور ان کے حالات چیک کرتے رہو اور بالغ ہونے سے پہلے مال کے تصرف کے ذریعے انہیں پہچانو' سو ہمارے (احناف کے) نزدیک آزمائش یہ ہے کہ اس کو کچھ مال دیا جائے جس سے وہ تصرف کرے یعنی خرید و فروخت کرے تاکہ مستقبل میں اس کی حالت واضح ہو جائے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند لڑکے کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر یعنی بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے کیونکہ نکاح کی صلاحیت بالغ ہی رکھتا ہے اور نکاح سے مقصود کا حصول یعنی اولاد کی طلب بالغ سے پوری ہوتی ہے ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ پھر اگر تصرفات میں ان کی رشد و ہدایت اور معاملات میں ان کی صلاحیت تم پر واضح ہو جائے ﴿فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ تو بالغ ہونے پر بغیر کسی تاخیر کے ان کا مال ان کو دے دو [اور اس کلام کا باہم تعلق یہ ہے کہ ''حَتّٰی'' کے بعد ''فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ'' تک پورے کلام کو ابتلاء اور آزمائش کی غایت قرار دیا گیا ہے اور یہ ''حَتّٰی'' اور اس کے بعد کے جملے ہیں جیسے کسی شاعر کا کلام ہے: ''حَتّٰی مَآءِ دَجْلَةَ اَشْكَلَ'' اور ''حَتّٰی'' کے بعد والا جملہ شرطیہ ہے کیونکہ ''اِذَا'' شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اور فعل شرط ''بَلَغُوا النِّكَاحَ'' ہے اور ''فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ'' یہ ارشاد باری تعالیٰ شرط اور جزاء پر مشتمل جملہ ہے جو شرط اول کی جزا بن رہا ہے اور وہ ہے: ''اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ''] پس گویا کہا گیا ہے کہ تم یتیموں کو ان کے بالغ ہونے کے وقت تک اور ان کو ان کا اپنا مال واپس دینے کا استحقاق پیدا ہونے تک ان میں عقل و فہم' رشد و ہدایت اور کاروباری صلاحیت کی شرط کے ساتھ آزماتے رہو اور ''رُشْدًا'' کو نکرہ لانا یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس سے مخصوص ''رُشْد'' مراد ہے اور وہ تجارت اور کاروبار چلانے کی صلاحیت کی رشد و ہدایت مراد ہے یا یہ قلت کا فائدہ دیتا ہے یعنی کچھ اور تھوڑی سی کاروباری صلاحیت کافی ہے یہاں تک کہ پوری ہدایت اور مکمل کاروباری صلاحیت کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی

دلیل ہے کہ جب یتیم پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو اس کا مال واپس کر دینا جائز ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ اور تم ان کے مال ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے فضول خرچی میں اور جلدی جلدی خرچ کر کے نہ کھاؤ[ سو"اِسْرَافًا" اور" بِدَارًا" دونوں مصدر ہیں اور حال کی جگہ میں واقع ہیں اور "اَنْ يَّكْبَرُوْا" مصدر کی جگہ میں واقع ہے اور "بِدَارًا" کے ساتھ محلًا منصوب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان دونوں کا مفعول لہ ہو یعنی تمہارا ان کے مال کو فضول خرچی میں اڑانا اور جلدی خرچ کرنے کا سبب ان کے بڑے ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے تم ان کے مال خرچ کرنے میں زیادتی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم یتیموں کے بڑے ہونے سے پہلے جہاں چاہیں گے خرچ کر لیں گے ورنہ وہ بالغ ہو جانے کے بعد اپنا مال ہم سے چھین لیں گے ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور جو شخص مال دار ہو تو وہ پرہیز کرے اور جو شخص محتاج ہو تو وہ ضرورت کے مطابق کھالے اور اس آیت میں معاملہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک یہ کہ وصی و متولی مال دار ہو اور دوسرا یہ کہ وہ محتاج و غریب ہو سو مال دار وصی تو اس کے کھانے سے بچتا رہے یعنی وہ یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرے اور "اِسْتَعَفَّ" زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت "عَفَّ" کے کیونکہ اس میں عفت کے اضافہ کی طلب ہے اور محتاج و غریب نگران یتیم کے مال سے احتیاط کے ساتھ بقدر ضرورت اپنی محنت کے مطابق کھالے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ یتیم کے مال کا نگران اس کے مال سے اس قدر کھائے جس سے بھوک مٹ جائے اور اس قدر پہنے جس سے جسم چھپ جائے ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بنالو کہ تم نے ان کا مال ان کے سپرد کر دیا ہے اور انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے' گواہ بنانے سے باہمی اختلاف کا دفاع ہو جائے گا اور اختلاف و انکار کے وقت تم پر جو قسم لازم آتی اس کا فدیہ ہو جائے گا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہے' لہٰذا تم پر سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے یا اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ" کے ساتھ ہے یعنی یتیم کے مال کا نگران اس کے مال میں فضول خرچی نہ کرے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ اس پر اس سے حساب لے گا اور اس کے بدلے میں اس کے عمل کے مطابق اس کو جزا یا سزا دے گا اور "كَفٰى" کا فاعل لفظ جلالہ "اَللّٰه" ہے اور اس پر حرف با زائدہ ہے اور "كَفٰى" دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے' اس کی دلیل "فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ" ہے۔ (البقرہ: ۱۳۷)

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس میں سے مردوں کے لیے حصہ ہے' اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس میں عورتوں کے لیے حصہ ہے' خواہ وہ کم ہو یا زیادہ یہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے○ اور جب تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں دو اور ان سے نرمی کے ساتھ اچھی بات کہو○

٧۔﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۠ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾
مردوں کے لیے حصہ ہے اس مال میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں' اس آیت میں رشتہ داروں سے ورثاء مراد ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں ﴿ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ﴾ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ [یہ "مِمَّا تَرَكَ" سے تکرارِ عامل کے ساتھ بدل ہے اور "مِنْهُ" کی ضمیر "مَا تَرَكَ" کی طرف لوٹتی ہے ] ﴿ نَصِيبًا ﴾ یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے بہ معنٰی "اَعْنِي نَصِيبًا" یعنی مراد یہ ہے کہ یہ حصہ ﴿ مَّفْرُوضًا ﴾ مقرر اور واجب ہے' ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کو اس کا حصہ الگ کر دیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے پیچھے اپنی ایک بیوی اور تین بیٹیاں چھوڑیں اور اس کے چچازاد بھائیوں نے ساری میراث پر قبضہ کر لیا اور اس کی بیوی اور بیٹیوں کو کچھ نہ دیا کیونکہ وہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث کا حق دار وہ ہے جو جنگ لڑ سکے اور مال غنیمت حاصل کرے' چنانچہ ام کحت رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور شکایت کی تو حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: اب تم واپس گھر چلی جاؤ اور میں وحی کا انتظار کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کوئی حکم بیان فرما دے' سو مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی اور آپ نے مرحوم کے چچازاد بھائیوں کی طرف آدمی بھیجا اور حکم فرمایا کہ اس کا ترکہ تقسیم نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا حصہ بھی مقرر فرما دیا ہے لیکن اس کی مقدار بیان نہیں کی (اس لیے تقسیم موقوف رکھی جائے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وضاحت بیان کر دے' اس کے بعد "يُوصِيكُمُ اللَّهُ" الخ کی آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرحوم کی بیوی ام کحت کو آٹھواں حصہ اور اس کی بیٹیوں کو دو تہائی مال دیا اور باقی اس کے چچازاد بھائیوں کو دے دیا۔

٨۔﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ﴾ یعنی جب ترکے کی تقسیم کے وقت حاضر ہو جائیں ﴿ أُولُو الْقُرْبَىٰ ﴾ وہ رشتہ دار جو ترکہ میں وارث نہیں ﴿ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ ﴾ اجنبیوں میں سے یتیم اور مسکین لوگ (حاضر ہو جائیں) ﴿ فَارْزُقُوهُم ﴾ تو تم ان کو بھی دے دو ﴿ مِّنْهُ ﴾ اس مال میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور یہ حکم استحبابی ہے اور یہ اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا' بعض اہل علم نے کہا کہ شروع اسلام میں یہ حکم واجب اور لازمی تھا' پھر بعد میں میراث کی آیت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا (اور صرف استحباب باقی رہ گیا) ﴿ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ اور ان سے اچھی بات کہو یعنی معذرت کرو تو اچھی اور وعدہ کرو تو اچھا اور بعض علماء نے کہا کہ قولِ معروف یہ ہے کہ ان کو مال دیتے وقت یہ کہا جائے کہ یہ لو اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل فرمائے اور دینے والے جو کچھ دیں اسے تھوڑا تصور کریں اور ان پر احسان نہ جتلائیں۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع

ع ١٠ / ١٢

اور وہ لوگ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور و بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں ان کے متعلق کیسا خوف ہوتا' پس انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور انہیں محبت بھری سچی بات کہنی چاہیے O بے شک جو لوگ ناحق طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں' وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O

۹۔﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان پر کس قدر خوف ہوتا تو انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اچھی بات کہنی چاہیے' یہاں یتیموں کے نگران مراد ہیں' انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی گود میں پرورش پانے والے یتیم بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان پر شفقت و مہربانی کیا کریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان کے متعلق انہیں کیسا خوف ہوتا اور وہ اس بات کو اپنے ذھنوں میں رکھیں اور اس کو سوچیں تا کہ وہ یتیموں کے بارے میں شفقت و رحمت کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں اور حرف ''لَوْ'' اپنے مدخول سمیت ''اَلَّذِيْنَ'' کا صلہ ہے یعنی وہ لوگ ڈریں جن کا حال اور وصف یہ ہے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں اور یہ موت کے فرشتوں کے حاضر ہونے کے وقت کی بات ہے جب بندے پر موت طاری ہونے کا وقت قریب آ جاتا ہے تو اس وقت اس پر اپنے بچوں کے ضائع ہونے اور ان کے کفیل نہ ہونے کا کتنا خوف ہوتا ہے اور ''لَوْ'' کا جواب ''خَافُوْا'' ہے اور یتیموں کے نگران کا قول سدید یہ ہے کہ وہ جیسے اپنی اولاد سے حسن ادب اور شفقت و نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ یتیم بچوں کے ساتھ بات چیت کیا کریں اور جس طرح وہ اپنی اولاد کو اے میرے بیٹے! اے میرے بچے! کہہ کر بلاتے ہیں اسی طرح وہ یتیم بچوں کو بلایا کریں۔

۱۰۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں [''ظُلْمًا'' مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے] ﴿اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ﴾ بے شک وہ اپنے پیٹوں میں کھاتے ہیں یعنی وہ یتیموں کے مال سے اپنے پیٹوں کو (آگ سے) بھرتے ہیں ﴿نَارًا﴾ یعنی وہ لوگ جو کچھ کھا رہے ہیں وہ ان کو آگ کی طرف کھینچ لے جائے گا' سو اس لیے وہ گویا خود آگ کو کھا رہے ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب یتیموں کا مال کھانے والے کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت اس کی قبر سے اس کے منہ سے اور اس کے ناک سے اور اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا ہو گا جس سے تمام لوگ پہچان لیں گے کہ یہ آدمی دنیا میں یتیم کا مال کھاتا تھا ﴿وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ اور وہ عنقریب دوزخ کی آگوں میں سے ایسی آگ میں داخل ہوں گے جس کا کام ہر وقت بھڑکتے رہنا ہے [قاری ابن عامر شامی اور ابوبکر نے ''یا'' پر ضمہ کے ساتھ ''وَسَيُصْلَوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے]۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۗ
وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے' پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا دو تہائی حصہ ان کے لیے ہے' اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے (کل ترکہ کا) نصف ہے' اور اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے سے چھٹا حصہ ملے گا اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے (اور باقی باپ کا ہوگا) اور اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہوگا' (یہ مذکورہ بالا تمام تقسیم) مرنے والے کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی' تمہارے ماں' باپ اور تمہاری اولاد (اور) تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب کون ہے' یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

## احکامِ وراثت کا بیان

۱۱- ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ لیتا ہے اور تمہیں حکم دیتا ہے ﴿فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ تمہاری اولاد کے متعلق یعنی ان کی وراثت کے بارے میں اور یہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل یہ (درج ذیل کلام مبارک) ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یعنی ان میں سے لڑکے کے لیے یعنی تمہاری اولاد میں سے لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے' یہاں "مِنْهُمْ" کی ضمیر جو اولاد کی طرف لوٹتی ہے محذوف ہے کیونکہ اس کو بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے: "اَلسَّمَنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ. کہ ایک درہم (سکہ) میں چار رطل (پیمانہ) گھی آتا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے مرد کے حصہ سے آغاز کیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو لڑکیوں کے لیے ایک لڑکے کے حصہ کے برابر ہے یا یہ کہ لڑکی کے لیے لڑکے کے حصے کا نصف ہے' یہ مرد کی عورت پر فضیلت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جیسا کہ اس کا حصہ ڈبل رکھا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ مردوں کو وراثت دیا کرتے تھے عورتوں کو نہیں دیتے تھے اور اس آیت مبارکہ کے نزول کا بھی یہی سبب ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ مردوں ہی کے لیے کافی ہے کہ عورتوں کے حصے کا ڈبل انہیں دیا جائے تاکہ وہ عورتوں کے حصے میں سرکشی و نافرمانی نہ کر بیٹھیں یہاں تک کہ عورتوں کو محروم کر دیں اس کے باوجود کہ ماں باپ سے رشتہ داری کا تعلق ان کو بھی وہی حاصل ہے جو مردوں کو ان کے ساتھ حاصل ہے اور یہاں اجتماعی حالت مراد ہے یعنی جب وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں حصہ دار ہوں تو لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے ملیں گے جیسا کہ دو لڑکیوں کو (جب کہ صرف وہی وارث ہوں تو) دو حصے ملتے ہیں لیکن انفرادی حالت میں لڑکا سارا مال لے لے گا اور دو بیٹیاں دو تہائی مال لے لیں گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد انفرادی حکم بیان فرمایا ہے ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً﴾ یعنی پھر اگر اولاد میں صرف عورتیں ہوں یعنی بیٹیاں ہوں ان کے ساتھ کوئی بیٹا نہ ہو ﴿فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ [یہ "كَانَ" (یعنی كُنَّ) کی دوسری خبر ہے یا "نِسَآءً" کی صفت ہے] یعنی (دو یا) دو سے زائد بیٹیاں ہوں ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ تو ان کے لیے دو تہائی مال ہے جو میت نے چھوڑا ہے کیونکہ یہ آیت وراثت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ وراثت کا مال چھوڑنے والی میت ہے ﴿وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً﴾

﴿فَلَهَا النِّصْفُ﴾ اور اگر ایک بیٹی ہو تو اس کے لیے نصف مال ہے یعنی اگر ایک لڑکی پیدا ہوئی ہو [ قاری نافع مدنی نے ''وَاحِدَةٌ'' (مرفوع) پڑھا ہے اس بنا پر کہ ''كَانَ'' تامہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ''فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً'' کے موافق نصب ہے ]
پھر اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیوں کا ذکر بیٹے کے ساتھ حالت اجتماعی میں کیا ہے اور انفرادی حالت میں ایک بیٹی اور دو سے زائد بیٹیوں کا ذکر کیا ہے لیکن انفرادی حالت میں دو بیٹیوں کا ذکر نہیں فرمایا تو ان کا کیا حکم ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ان کے حکم میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو بیٹیوں کو ایک بیٹی کے قائم مقام قرار دیا ہے جماعت کے قائم مقام قرار نہیں دیا اور ان کے علاوہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو جماعت کے حکم میں شامل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مقتضٰی کے مطابق کہ ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے'' کیونکہ جو شخص فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ جائے تو بیٹی کے لیے ایک تہائی حصہ ہوگا اور بیٹے کے لیے دو تہائی حصہ ہوگا' سو جب ایک بیٹی کے لیے تہائی ہے تو دو بیٹیوں کے لیے دو تہائی ہوگا اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا: ''إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ'' یعنی اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے ترکے سے اس کی بہن کو نصف مال ملے گا اور وہ خود بہن کی ساری جائیداد کا وارث بن جائے گا اگر اس کی اولاد نہ ہو' پھر اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو اس کے ترکے میں سے ان دو بہنوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور دو بیٹیاں رشتہ کے اعتبار سے میت کے لیے دو بہنوں کی طرح ہوتی ہیں' سو اس لیے انہوں نے دو بیٹیوں کے لیے وہی حصہ واجب قرار دیا جو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کے لیے واجب قرار دیا ہے اور انہوں نے ان دو کا حصہ اس سے کم نہیں کیا جو ان دونوں سے دور ہے اور اس لیے کہ جب بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ وارث بنے گی تو ایک تہائی حصہ اس کے لیے واجب ہے' لہٰذا جب وہ اپنی جیسی بہن کے ساتھ وارث بنے گی تو اس کے لیے ایک تہائی حصہ واجب ہونا زیادہ ضروری ہے اور اس کی بہن کے لیے اس کے ساتھ اتنا حصہ ہوگا جتنا اس کے لیے بھائی کے ساتھ ایک تہائی حصہ ملتا ہے اگر وہ اپنے بھائی کے ساتھ اکیلی بہن شریک ہو' لہٰذا دو بیٹیوں کے لیے دو تہائی حصہ واجب ہوگا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مرد کے ساتھ عورت شریکِ وراثت نہ ہو تو وہ مرد سارا مال لے لے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر قرار دیا ہے اور انفرادی حالت میں عورت کے لیے نصف مال قرار دیا ہے تو معلوم ہوا کہ مرد کے لیے انفرادی حالت میں نصف کا ڈبل یعنی کل مال ہوگا ﴿وَلِأَبَوَيْهِ﴾
[ ''أَبَوَيْهِ'' کی ضمیر میت کی طرف لوٹتی ہے اور ''أَبَوَيْهِ'' سے ماں باپ دونوں مراد ہیں مگر مذکر کا لفظ غلبہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ] ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے [ اور یہ ''لِأَبَوَيْهِ'' سے تکرارِ عامل کے ساتھ بدل ہے ] اور اس بدل کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ''وَلِأَبَوَيْهِ السُّدُسُ'' کہا جاتا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ میت کے ماں باپ دونوں اس چھٹے حصے میں شریک ہیں اور اگر ''وَلِأَبَوَيْهِ السُّدُسَانِ'' کہا جاتا تو اس سے وہم ہوتا کہ میت کے ماں باپ پر دو چھٹے حصے برابر اور کم وبیش دونوں طرح تقسیم کیے جا سکتے ہیں اور اگر ''وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ أَبَوَيْهِ السُّدُسُ'' کہا جاتا تو تاکید کا فائدہ ختم ہو جاتا اور یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے اور ''اَلسُّدُسُ'' مبتدا (مؤخر) ہے اور ''لِأَبَوَيْهِ'' اس کی خبر (مقدم) ہے اور ان دونوں کے درمیان بدل بیان کے لیے ہے اور حضرت حسن بصری نے ''السدس' الربع' الثمن'' اور ''الثلث'' سب کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اس میں سے جو میت چھوڑ جائے اگر اس کی اولاد ہو' یہ لفظ ''وَلَدٌ'' مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ پھر اگر

اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ اس کے وارث بن جائیں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میت کے وارث فقط اس کے والدین ہوں اور کوئی نہ ہو کیونکہ جب اس کے وارث ماں باپ کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی ہو تو میاں بیوی میں سے جو زندہ ہے اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال میں ماں کا ایک تہائی حصہ ہے کل ترکہ سے تہائی نہیں اس لیے کہ باپ وراثت میں ماں سے زیادہ قوی ہے کیونکہ جب فقط ماں باپ وارث ہوں تو اس وقت باپ کا حصہ ماں کے حصے سے ڈبل ہوتا ہے سو اگر ماں کے لیے کامل ایک تہائی مقرر کر دیا جائے تو ماں کا حصہ باپ کے حصے سے بڑھ جائے گا کیونکہ اگر کوئی عورت شوہر اور ماں باپ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو شوہر کے لیے نصف ہوگا اور ماں کے لیے ایک تہائی اور باقی (چھٹا حصہ) باپ کے لیے ہوگا تو اس طرح ماں کے لیے دو حصے ہوں گے اور باپ کے لیے ایک حصہ ہوگا' پس حکمِ شریعت الٹ ہو جائے گا یہاں تک کہ عورت کے لیے دو مردوں کے حصہ کے برابر ہو جائے گا[ قاری حمزہ اور علی کسائی نے لام مکسور کے قرب کی وجہ سے "فَلِاِمِّهٖ" میں ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے ﴿فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ پھر اگر میت کے کئی بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے' یہ اس صورت میں ہے جب میت کے بہن بھائی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے اور ایک بھائی ماں کا حصہ نہیں گھٹا سکتا اور حقیقی بھائی اور علاتی (باپ شریک) بھائی اور اخیافی (ماں شریک) بھائی ماں کا حصہ گھٹانے میں برابر ہیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ﴾ وصیت پوری کرنے کے بعد' اس کا گزشتہ تمام میراث کی تقسیم کے ساتھ تعلق ہے صرف اس کے ساتھ تعلق نہیں جو اس کے قریب ہے' گویا کہا گیا کہ ان تمام حصوں کی تقسیم وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی ﴿یُّوْصِیْ بِهَاۤ﴾ جس کی مرنے والا وصیت کر گیا[ قاری ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور حماد اور یحییٰ نے صاد پر فتح پڑھا ہے (یعنی "یُوْصٰی" فعل مضارع مجہول) اعشیٰ نے پہلے "یُوْصٰی" میں ان کی موافقت کی ہے اور امام حفص نے "یُوْرَثُ" (فعل مضارع مجہول) کے قرب کی وجہ سے دوسرے "یُوْصٰی" میں ان کی موافقت کی ہے (اور صاد کو مفتوح پڑھا ہے) اور پہلے "یُوْصِیْ" میں "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ" کی مجاورت کی وجہ سے صاد کے نیچے کسرہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں جگہ دونوں صاد مکسور پڑھے ہیں یعنی "یُوْصِیْ بِهَا الْمَیِّتُ". جس کی مرنے والا وصیت کر جاتا ہے" ﴿اَوْ دَیْنٍ﴾ یا قرض ادا کرنے کے بعد اور یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شریعت میں قرض ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے جب کہ یہاں تلاوت میں وصیت مقدم ہے اور دین مؤخر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف "اَوْ" استعمال کیا گیا ہے جو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا (کہ وصیت کا دین سے مقدم ہونا لازمی ہو) کیا تم نہیں دیکھتے جب کہتے ہو: "جَآءَ نِیْ زَیْدٌ اَوْ عَمْرٌو" جس کا معنی یہ ہے کہ ان دو آدمیوں میں سے کوئی ایک آدمی میرے پاس آیا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان دو چیزوں میں کسی ایک کے بعد وصیت یا قرض اور اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ سے ترتیب ثابت نہیں ہوتی بلکہ مؤخر کو مقدم کرنا اور مقدم کو مؤخر کرنا جائز ہے جیسے یہاں ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے جو دَین (قرض) کو وصیت پر مقدم واجب قرار دیا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق کیا ہے یعنی "اَلَا اِنَّ الدَّیْنَ قَبْلَ الْوَصِیَّةِ. سنو! بے شک قرض کو وصیت سے پہلے ادا کرنا ہوگا" اور اس لیے بھی کہ وصیت اس اعتبار سے میراث کے مشابہ ہے کہ یہ ایک بلا عوض صلہ اور انعام ہے' لہٰذا اس کو ادا کرنا وارثوں پر شاق اور گراں ہوگا اور اس کو ادا کرنا زیادتی کا گمان پیدا کرتا ہے بہ خلاف قرض کے' سو اس لیے وصیت کو قرض پر تلاوت میں مقدم ذکر کیا گیا ہے تا کہ لوگ قرض کے ساتھ اس کو ادا کرنے کے لیے جلد از جلد کوشش کریں ﴿اٰبَآؤُكُمْ﴾ یہ مبتدا

ہے ﴿وَاَبْنَآؤُكُمْ﴾ اس کا ''اٰبَآؤُكُمْ'' پر عطف ہے اور خبر ﴿لَا تَدْرُوْنَ﴾ ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ﴿اَيُّهُمْ﴾ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿اَقْرَبُ لَكُمْ﴾ ہے اور یہ جملہ ''تَدْرُوْنَ'' سے محلًا منصوب ہے ﴿نَفْعًا﴾ تمیز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ یہ معاملہ تمہارے سپرد کر دیتا جب کہ تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے لیے مفید ہے تو اموال کو حکمت و مصلحت کے خلاف تقسیم کر دیتے۔ اور حصوں میں فرق منافع کے فرق کی وجہ سے ہے اور تم اس فرق کو نہیں جانتے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کا خود متولی بن گیا اور اس کو تمہارے اجتہاد پر نہیں چھوڑا کیونکہ تم حصوں کی معرفت سے عاجز ہو اور اس جملہ کو محض تاکید کے لیے درمیان میں لایا گیا ہے اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''فَرِيْضَةً'' تاکیدی مصدر ہے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے ''اَيْ فَرَضَ اللّٰهُ ذٰلِكَ فَرْضًا''. یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بطور فرض مقرر فرمایا ہے'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی تخلیق سے پہلے جانتا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر فرمائے اور میراث وغیرہ میں جو حصص مقرر فرمائے ہیں وہ ان سب میں زبردست حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۗ ﴿١٢﴾

اور تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ جائیں اس میں سے تمہارے لیے نصف حصہ ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے وہ وصیت کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہارے ترکے میں سے ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے تم وصیت کر جاؤ یا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد ہو اور اس کا ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی مال

میں شریک ہوں گے' اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی یا قرض ادا کرنے کے بعد' جس میں کسی کا نقصان نہ ہو' یہ اللہ کا حکم ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت بردبار ہے○

۱۲- ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ﴾ یعنی تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ کر فوت ہو جائیں اس میں تمہارے لیے نصف ترکہ ہے ﴿ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ﴾ اگر ان کی اولاد (یعنی بیٹا یا بیٹی نہ ہو ﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ ﴾ اور اگر تم سے یا تمہارے علاوہ (کسی سابق شوہر سے) ان کی اولاد ہو ﴿ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ تو تمہیں ان کے ترکے سے چوتھائی حصہ ملے گا وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے وہ وصیت کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ اور تمہارے ترکہ میں سے ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہارے ترکے سے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کے بعد جو تم کسی کے لیے کر جاؤ یا قرض ادا کرنے کے بعد' پھر اس چوتھائی اور آٹھویں حصے میں ایک بیوی اور چند بیویاں برابر برابر شریک ہوں گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے" اس دلیل کی بنا پر خاوند کی میراث بیوی کی میراث سے دوگنا مقرر کی گئی ہے ﴿ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ ﴾ اور اگر آدمی یعنی میت [اور یہ "كَانَ" کا اسم ہے] ﴿ يُورَثُ ﴾ جس کا وارث بنایا جائے گا یعنی جس کی وراثت کا مال تقسیم کیا جائے گا [اور یہ "رَجُلٌ" کی صفت ہے] ﴿ كَلَالَةً ﴾ [یہ "كَانَ" کی خبر ہے یعنی اگر وہ آدمی جس کا ترکہ تقسیم کیا جائے گا کلالہ ہو یا "يُورَثُ"، "كَانَ" کی خبر ہے اور "كلالہ"، "يُورَثُ" میں ضمیر پوشیدہ سے حال ہے اور کلالہ (ایک معنی یہ ہے کہ) وہ شخص ہوتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو اور (دوسرا معنی یہ ہے کہ) کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو میت کے نہ والد ہوں اور نہ اس کی اولاد ہوں اور یہ دراصل مصدر ہے اور "کلال" کے معنی میں ہے یعنی جس کی قوت گویائی میں رکاوٹ اور نقص ہو] ﴿ أَوِ امْرَأَةٌ ﴾ یا عورت [اس کا "رَجُلٌ" پر عطف ہے] ﴿ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ﴾ اور اس کا ایک بھائی ہو یا ایک بہن ہو یعنی ماں کی طرف سے ہو' اگر تم کہو کہ اس سے پہلے مرد اور عورت دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے [تو یہاں ضمیر واحد اور مذکر (لَهُ) کیوں ذکر کی گئی ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس کو مفرد تو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حرف "اَوْ" دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے لیے آتا ہے اور اس کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ "رَجُلٌ" کی طرف راجع ہے اور وہ مذکر ہے جس کے ساتھ کلام کا آغاز ہوا ہے یا یہ ضمیر ان دو میں سے کسی ایک کی طرف راجع ہے اور وہ ہے مذکر] ﴿ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ تو ان دو میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ﴿ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ اور اگر وہ ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے کیونکہ وہ ماں کے رشتہ کی وجہ سے ترکے کے مستحق ہوئے ہیں اور ماں ایک تہائی سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتی اس لیے ان میں مرد کو عورت پر فضیلت نہیں دی گئی ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی یا قرض ادا کرنے کے بعد' پھر وصیت کو بار بار مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وصیت کرنے والے مختلف ہیں' سو پہلی وصیت کرنے والے والدین اور اولاد ہیں' دوسری وصیت کرنے والی بیوی ہے' تیسری وصیت کرنے والا خاوند ہے اور چوتھی وصیت کرنے والا یا کرنے والی کلالہ ہے ﴿ غَيْرَ مُضَارٍّ ﴾ یہ حال ہے یعنی جو وصیت کی جائے وہ وارثوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور وہ اس طرح کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی جائے یا کسی وارث کے لیے وصیت کی جائے ﴿ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ﴾ یہ

مصدر (فعل محذوف کے لیے) تاکید ہے ''اَیْ یُوْصِیْکُمْ بِذٰلِكَ وَصِیَّةً'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے'' ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو ظلم وزیادتی کرتے ہیں یا وہ اپنی وصیت میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں ﴿حَلِیْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ظلم وزیادتی کرنے والوں پر بڑا بردبار ہے' ان کو جلدی سزا نہیں دیتا اور یہ وعید ہے [پھر اگر تم کہو کہ جس نے ''یُوْصٰی بِھَا'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے اس کے نزدیک ذوالحال کہاں ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ وہ ''یُوْصٰی'' میں مضمر ہے اور وہ اپنے فاعل کے قائم مقام ہے کیونکہ جب ''یُوْصٰی بِھَا'' پڑھا جائے تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اس جگہ کوئی وصیت کرنے والا ہے جیسے ''رِجَالٌ'' فاعل ہے جس پر ''یُسَبَّحُ'' (النور:٣٦) دلالت کرتا ہے کیونکہ ''یُسَبِّحُ لَهٗ'' پڑھا گیا تو معلوم ہو گیا کہ یقیناً کوئی تسبیح پڑھنے والا (مُسَبِّحٌ) ضرور ہے اس لیے ''یُسَبِّحُ'' میں فاعل مضمر مانا گیا ہے] اور یاد رکھو کہ وارثوں کی کئی اقسام ہیں' ایک قسم اصحاب الفرائض کی ہے اور یہ وہ قرابت دار ہیں جن کے حصے قرآن وسنت میں مقرر کر دیئے گئے ہیں جیسے ایک بیٹی ہے جس کا حصہ نصف ترکہ ہے اور ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہے اور پوتی اور اس سے آگے نیچے تک اولاد کی غیر موجودگی میں بیٹی کی طرح ہے البتہ صلبی بیٹی کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہے اور یہ ایک بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کے ساتھ محروم ہو جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ یا اس کے نیچے کوئی ایسا لڑکا شامل ہو جائے جو اس کو عصبہ بنا دے اور حقیقی بہنیں' بیٹوں اور پوتوں کی غیر موجودگی میں بیٹیوں کی طرح ہیں اور علاتی (باپ کی طرف سے) بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح ہیں ان کی غیر موجودگی میں اور یہ دونوں فریق بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ بن جاتے ہیں اور وہ بیٹے اور پوتے اور دادا کی موجودگی میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محروم ہو جاتی ہیں اور اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن بھائی ہوں تو ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے اور ان کے مردان کی عورتوں کی طرح برابر حصہ دار ہوں گے اور یہ اخیافی بہن بھائی میت کے باپ اور دادا اور بیٹے اور پوتے اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) تک کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے اور میت کے بیٹے یا پوتے اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) کی موجودگی میں باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی یا پوتی اور اس کے نیچے (پڑپوتی وغیرہ) کی موجودگی میں بھی باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی یا پوتی وغیرہ کو دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے گا وہ بھی باپ کو ملے گا اور جد جو باپ کا باپ ہے (یعنی دادا) وہ باپ کی طرح ہے اس کی غیر موجودگی میں مگر ماں کے بقایا ایک تہائی مال کی طرف لوٹانے کے مسئلہ میں اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) کی موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یا میت کے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں خواہ کسی جہت سے ہوں ان کی موجودگی میں بھی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا لیکن ان کی غیر موجودگی میں ماں کو کل مال کا ایک تہائی ملے گا اور جب میت کے ورثاء میں ماں باپ اور خاوند یا بیوی ہو تو حق احد الزوجین ادا کرنے کے بعد ماں کو ایک تہائی ملے گا اور دادی خواہ ایک ہو یا چند ہوں اس کے لیے چھٹا حصہ ہے (بشرطیکہ ماں نہ ہو) اور دور کی دادیاں اور نانیاں قریب طبقہ کی دادیوں اور نانیوں کی موجودگی میں محروم ہو جاتی ہیں اور تمام دادیاں اور نانیاں ماں کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہیں اور تمام دادیاں اور پڑدادیاں باپ کی موجودگی کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہیں اور خاوند کے لیے چوتھائی حصہ ہے جب کہ بیوی کے بیٹے یا پوتے اگر چہ اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) تک موجود ہوں اور ان کی غیر موجودگی میں بیوی کے لیے چوتھائی حصہ ہے اور عصبات وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جو فرض حصص کی ادائیگی کے بعد بقایا ترکے کے وارث بنتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حق دار بیٹا ہے' پھر پوتا اس سے نیچے تک' پھر باپ ہے' پھر

دادا ہے اور اس سے اوپر تک حقیقی بھائی' پھر علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی' پھر حقیقی بھتیجا' پھر علاتی بھتیجا' پھر چچا' پھر علاتی چچا' پھر دادا کے چچا' پھر غلام کا آقا' پھر ترتیب کے مطابق اس کے عصبہ وارث بنیں گے اور وہ خواتین جن کا حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے وہ اپنی بہنوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں ان کے غیر کے ساتھ نہیں اور ذوی الارحام وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جو نہ عصبات میں سے ہوتے ہیں اور نہ اصحاب الفرائض میں سے ہوتے ہیں' ان کی ترتیب بھی عصبات کی ترتیب جیسی ہوتی ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ ع

ع ٢ ١٤

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس شخص کو ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہی بڑی کامیابی ہے O اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا اللہ اس شخص کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا' اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

۱۳- ﴿تِلْكَ﴾ اس سے ان احکام کی طرف اشارہ کیا گیا جن کا یتیموں' وصیتوں اور وراثتوں کے باب میں ذکر کیا گیا ہے ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ ان احکام کا نام حدود اس لیے رکھا گیا کہ شریعتوں کے جو احکام مکلفین کے لیے مقرر کیے گئے وہ حدود کی طرح ہوتے ہیں جن سے تجاوز کرنا ان کے لیے جائز نہیں ہوتا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول کی اطاعت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

١٤- ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا رہے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا' وہ اس میں ہمیشہ رہے گا [پھر ''خَالِدِيْنَ'' اور ''خَالِدًا'' حال کی بنا پر منصوب ہیں اور لفظ ''مَنْ'' کے معنی اور اس کے لفظ کے اعتبار سے کبھی جمع اور کبھی مفرد ذکر کیے جاتے ہیں۔ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے (دونوں آیات میں ''يُدْخِلْهُ'' کی بجائے) ''نُدْخِلْهُ'' پڑھا ہے ﴿وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر و ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے اور معتزلہ (جن کے نزدیک گناہ گار مسلمان دائمی دوزخی ہے وہ) اس آیت مبارکہ سے استدلال نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ آیت کفار کے حق میں ہے کیونکہ کافر ہی وہ شخص ہے جو تمام حدود الٰہی سے تجاوز کر جاتا ہے لیکن گناہ گار مومن' سو وہ ایمان قبول کر لینے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے اور وہ توحید کی حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہے اور اس لیے حضرت ضحاک نے یہاں معصیت کی تفسیر شرک کے ساتھ کی ہے اور امام کلبی نے

فرمایا کہ جو شخص میراث کی تقسیم کا انکار کر کے اور اس کی حدود سے تجاوز کرنے کو حلال اور جائز سمجھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ دائمی دوزخی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حکام کو مخاطب کیا اور فرمایا:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو تم ان پر اپنے چار مسلمان مردوں کی گواہی لو' پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم انہیں اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان پر موت آ جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر کر دے O اور تم میں سے جو مرد اور عورت ایسا کام کریں تو تم ان کو سزا دو' پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرلو' بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان ہے O

## زنا کے مسائل

۱۵- ﴿وَالّٰتِیْ﴾ اور یہ ''اَلَّتِیْ'' کی جمع ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے ﴿یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ یعنی وہ زنا کریں کیونکہ تمام برائیوں میں یہ سب سے زیادہ برا کام ہے' کہا جاتا ہے: ''اَتَی الْفَاحِشَةَ'' اور ''جَاءَ هَا'' اور ''رَهِقَهَا'' اور ''غَشِیَهَا'' یہ سب ہم معنی ہیں ﴿مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ﴾ تمہاری عورتوں میں سے اور اس میں حرف ''مِنْ'' تبعیض (بعض) کے معنی میں ہے اور ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ خبر ہے (ترجمہ) سو تم ان پر گواہ طلب کرو ﴿اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ اپنے مسلمانوں میں سے چار (گواہ لو) ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پھر اگر وہ زنا کی گواہی دے دیں ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ﴾ تو ان کو گھروں میں روک رکھو ﴿حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یعنی یہاں تک کہ انہیں موت کے فرشتے وفات دے دیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ'' (النحل:۲۸) ''کہ انہیں فرشتے وفات دیتے ہیں'' یا یہ معنی ہے کہ یہاں تک کہ انہیں موت پکڑ لے اور ان کی روحیں قبض کر لے ﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ﴾ بعض علمائے اسلام نے کہا کہ یہاں ''اَوْ'' ''اِلَّا اَنْ'' کے معنی میں ہے' ترجمہ یہ ہوگا: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے مقرر فرما دے ﴿سَبِیْلًا﴾ اس کے علاوہ کوئی اور راہ' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لوگو! مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو' بے شک اللہ تعالیٰ نے ان (عورتوں) کے لیے راہ مقرر فرما دی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد عورت جب زنا کریں تو انہیں ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے جلا وطن کرو اور جب شادی شدہ مرد عورت زنا کریں تو ایک سو کوڑے مارو اور پتھر مار مار کر ختم کر دو[1]

۱۶- ﴿وَالَّذٰنِ﴾ اس سے زانی مرد اور زانیہ عورت مراد ہے [قاری ابن کثیر مکی نے نون کو مشدد پڑھا ہے] ﴿یَاْتِیٰنِهَا﴾

[1] رواہ مسلم فی کتاب الحدود رقم الحدیث: ۱۲-۱۳' ابو داؤد فی کتاب الحدود باب ۲۳' الترمذی فی کتاب الحدود باب ۸' ابن ماجہ فی کتاب الحدود باب ۷

﴿مِنْكُمْ﴾ یعنی تم میں سے جو مرد وزن اس بے حیائی (زنا) کا کام کریں ﴿فَاٰذُوْهُمَا﴾ تو تم انہیں ڈرا دھمکا کر اور عار و شرم دلا کر دکھ پہنچاؤ اور ان سے کہو: کیا تمہیں حیا نہیں آئی' کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے ﴿فَاِنْ تَابَا﴾ پھر اگر وہ اس بے حیائی کے کام سے توبہ کر لیں ﴿وَاَصْلَحَا﴾ اور وہ اپنی حالت تبدیل کر لیں (اور نیک ہو جائیں) ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے درگزر کرو اور انہیں ڈرانا دھمکانا اور ان کی مذمت کرنا چھوڑ دو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے' وہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرما لیتا ہے' بے حد مہربان ہے' توبہ کرنے والے پر بہت رحم فرماتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے زنا کی جو حد نازل ہوئی ہے وہ اذیت دینا ہے' پھر گھر میں بند رکھنا ہے' پھر کوڑے مارنا یا سنگسار کرنا ہے تو لہٰذا نزول کی ترتیب سے تلاوت کی ترتیب برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مرد عورت شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا صرف سنگسار کرنا ہے اور کچھ نہیں اور جب مرد عورت غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا صرف ایک سو کوڑے مارنا ہے اور کچھ نہیں اور اگر ان میں ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا غیر شادی شدہ ہو تو ان میں سے شادی شدہ کو سنگسار کرنا ہے اور دوسرے کو ایک سو کوڑے مارنا ہے (بعض علمائے دین کے نزدیک) پہلی آیت مبارکہ سحاقات (آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لذت حاصل کرنے والی عورتوں) کے بارے میں ہے اور دوسری آیت مبارکہ لواطین (آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے مردوں اور لڑکوں) کے بارے میں ہے اور جو سورۂ نور میں حکم آیا ہے وہ زانی مرد اور زانیہ عورت کے بارے میں ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل ہے کہ لواطت میں بطور تعزیر سزا دی جائے گی اور بطور حد سزا نہیں دی جائے گی' اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ آیت ''اَذٰى'' لواطت (مردوں کا ہم جنس کے ساتھ بدفعلی کرنے) کے بارے میں ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ کی معافی ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے بُرے عمل کرتے ہیں' پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی اللہ توبہ قبول فرما لیتا ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O اور ان کے لیے توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت حاضر ہو جاتی ہے تو کہہ دیتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی ہے اور نہ ان کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں' ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۱۷- ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ﴾ یہ ''تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ'' سے ہے جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی توبہ قبول فرماتا ہے یعنی اس توبہ کا قبول کرنا ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے اور اس سے وجوب مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب و لازم نہیں ہے لیکن یہ وعدہ تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کو واجب کی طرح ضرور قبول فرمائے گا اسے ترک نہیں کیا جائے گا

﴿ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ ﴾ ان لوگوں کے لیے جو برا عمل یعنی گناہ کرتے ہیں' چونکہ گناہ کرنے پر برا عذاب ملتا ہے اس لیے گناہ کو''سُوْء'' کہتے ہیں ﴿ بِجَهَالَةٍ ﴾ نادانی سے' یہ لفظ حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی وہ لوگ گناہ کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ ان جان ہوتے ہیں کیونکہ برائی کا ارتکاب ان چیزوں میں سے ہے جس کی طرف بے وقوفی ہی دعوت دیتی ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے نافرمانی کی وہ جاہل ہے جب تک جہالت سے نکل نہیں جاتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی جہالت یہ ہے کہ اس نے فانی لذت کی خاطر باقی اور دائمی لذت کو ترک کر دیا اور بعض نے فرمایا کہ وہ گناہ سے جاہل نہیں لیکن اس کی حقیقت اور اس کی سزا سے جاہل ہے ﴿ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ ﴾ پھر وہ تھوڑی دیر بعد توبہ کر لیتے ہیں اور وہ موت سے پہلے تک کا زمانہ ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے'' حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ '' سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ موت کے حاضر ہونے کا وقت ہی وہ وقت ہے جس میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ حضرت ضحاک نے فرمایا کہ موت سے پہلے ہر توبہ قریب کی توبہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے تک توبہ قبول ہو جاتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے جب تک اس کی روح اس کے حلق تک نہیں پہنچ جاتی اور اس آیت میں'' مِنْ '' تبعیض کا ہے یعنی وہ توبہ کرتے ہیں بعض قریب زمانہ میں گویا گناہ کے پائے جانے کے درمیان اور موت کے حاضر ہونے تک کے درمیان جو زمانہ ہوتا ہے اس کا نام زمانہ قریب رکھا گیا ہے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا' یہ وعدہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا کرے گا اور یہ اطلاع دینا ہے کہ بخشش ہر حال میں ضرور ہوگی ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ توبہ پر ان کے عزم و ارادہ کو خوب جانتا ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ بہت بڑا دانا' اسی نے حکم دیا ہے کہ گناہ پر ندامت و شرمندگی توبہ ہے۔

١٨- ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ اور ان کے لیے توبہ نہیں جو برے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آ جاتی ہے تو کہتا ہے کہ بے شک اب میں نے توبہ کر لی یعنی ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ مؤخر کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ملک الموت کے مشاہدہ کرنے اور موت کے اسباب حاضر ہونے پر مکلّف ہونے کی حالت ختم ہو جاتی ہے' سو ان کی توبہ اس لیے قبول نہیں کی جاتی کہ یہ حالت اضطرار اور مجبوری کی ہوتی ہے اپنے اختیار اور ارادہ کی حالت میں نہیں ہوتی اور توبہ قبول کرنا ثواب ہے اور ثواب کا وعدہ صاحب اختیار کے لیے ہوتا ہے ﴿ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ ﴾ [یہ جملہ'' لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ '' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے] یعنی نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو موت کے آنے تک گناہ کرتے رہتے ہیں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو مرتے دم تک ﴿ وَهُمْ كُفَّارٌ ﴾ کافر رہتے ہیں اور وہ کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں' حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پہلی آیت مبارکہ مؤمنوں کے حق میں ہے اور درمیانی منافقوں کے بارے میں ہے اور آخری کافروں کے بارے میں ہے اور بعض مصاحف میں دو لاموں کے ساتھ ہے اور وہ مبتدا ہے جس کی خبر ﴿ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ہے یعنی ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' یہ'' عتید'' سے بنا ہے' جس کا معنی حاضر ہے یا اس کی اصل'' اَعْدَدْنَا '' ہے' پھر دال کو'' تا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـٴًـاؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ' اور تم انہیں عقد ثانی سے نہ روکو تا کہ تم کچھ حق مہر واپس لے لو جو انہیں ادا کر چکے ہو مگر یہ کہ وہ اعلانیہ بے حیائی پر اتر آئیں' اور ان سے نیک سلوک کرو' پھر اگر تم انہیں ناپسند کرنے لگو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی پیدا کر دے O اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہتے ہو' اور تم اسے ڈھیر سارا مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ نہ لو' کیا تم اس پر بہتان اور کھلے گناہ کا الزام لگا کر اس کو واپس لے لو گے؟ O

---

شانِ نزول: زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک بری رسم اور عادت تھی کہ آدمی اپنے مورث کی بیوی کا اس طرح بھی وارث بن جاتا تھا کہ اپنے مورث کے مرنے کے فوراً بعد اس کی بیوی پر اپنا کپڑا ڈال دیتا' پھر اس سے حق مہر ادا کیے بغیر شادی رچا لیتا تھا' اس بری رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۱۹- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ' یعنی جس طرح میراث تقسیم کی جاتی ہے اس طرح تم ان کی عورتوں کو وراثت کے طور پر نہ لے لیا کرو جب کہ وہ اس کو ناپسند کرتی ہیں یا انہیں مجبور کر کے نہ لیا کرو' یہاں ''کَرْهًا'' کاف پر فتح کے ساتھ کراہت کے معنی میں ہے [اور قاری حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''کُرْهًا'' کاف پر ضمہ کے ساتھ پڑھا' ''اِكْرَاه'' مصدر سے لیا گیا جس کا معنی ہے: کسی کو مجبور کرنا' اس وقت یہ مفعول کے معنی میں حال کی جگہ پر واقع ہو رہا ہے اور ''كَرْهٌ'' کے ساتھ قید اس کی غیر موجودگی میں جواز پر دلالت نہیں کرتی] کیونکہ کسی چیز کا ذکر کے ساتھ مخصوص کرنا اس کے ماسوا سے نفی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ'' (الاسراء: ۳۱) ''یعنی تم اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو'' اور (زمانۂ جاہلیت کی بری رسم ایک یہ بھی تھی کہ) جب کوئی آدمی کسی عورت سے شادی کرتا اور اسے اس کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے گھر میں قید کر رکھتا تھا اور اس کو بدترین طرز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا تا کہ وہ اپنی آزادی کے عوض میں اپنا مال دے دے اور خلع (رقم وغیرہ دے کر طلاق حاصل کرنا) کے ذریعے طلاق حاصل کر لے تو (درج ذیل حصہ میں) ان سے کہا گیا ہے کہ ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ اور تم انہیں روک کر نہ رکھو [اور ''اَنْ تَرِثُوْا'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس میں ''لَا'' نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی تمہارے لیے نہ یہ جائز ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کو گھر میں روک کر رکھو [یا یہ نہی کے ساتھ مجزوم ہے اور ایک الگ جملہ ہے اور اس صورت میں کَرْهًا پر وقف کرنا جائز ہے] اور ''عضل'' کا معنی روکنا اور تنگ کرنا ہے (یعنی انہیں تنگ کرنے کے لیے نہ روکو) ﴿لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ﴾

تا کہ تم نے جو ان کو حق مہر ادا کیا ہے اس میں کچھ واپس لے لو [اور اس کا لام "تَعْضُلُوْا" کے ساتھ متعلق ہے] ﴿اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾ مگر یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگیں اور "فَاحِشَه" کا مطلب ہے کہ عورت نافرمان ہو جائے اور خاوند کو دکھ دے اور اس کے افراد خانہ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے لڑے جھگڑے یعنی مگر یہ کہ ان کی طرف سے بد اخلاقی عیاں ہو جائے تو پھر تم خلع کے مطالبے میں معذور ہو اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ "فَاحِشَة" سے زنا مراد ہے' سو اگر وہ زنا کریں تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت سے خلع کا مطالبہ کرے [اور قاری ابن کثیر مکی اور ابو بکر نے "مُبَیَّنَةٍ" میں "یا" کو مفتوح پڑھا ہے اور یہ عام الظرف کے اعم سے استثناء ہے یا مفعول لہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ تم انہیں تمام اوقات میں نہ روکو مگر جس وقت وہ بے حیائی کریں یا یہ کہ تم کسی سبب سے انہیں نہ روکو مگر یہ کہ وہ بے حیائی کریں اور (ان میں تیسری خرابی یہ تھی کہ) وہ لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ صحیح معاشرت نہیں رکھتے تھے اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور تم ان سے نیک سلوک کرو اور وہ یہ ہے کہ رات گزارنے اور خرچ کرنے میں ان کے ساتھ انصاف کیا جائے اور ان سے گفتگو میں نرمی اور خوبصورتی کو اختیار کیا جائے ﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ﴾ پھر اگر تم ان کی بدصورتی یا بداخلاقی کی وجہ سے انہیں ناپسند کرتے ہو ﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا﴾ تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں یعنی اس چیز میں یا اس ناپسند میں بہت بڑی بھلائی یعنی بہت زیادہ ثواب یا نیک بیٹا پیدا کر دے اور معنی یہ ہے کہ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو تم انہیں صرف کراہت نفوس کی وجہ سے اپنے سے الگ نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ تم ایک ذات کو ناپسند کرو مگر وہی ذات دین کے اعتبار سے زیادہ مفید ہو اور خیر کے زیادہ قریب ہو اور جس ذات کو تم پسند کرو وہ اس کے برعکس ہو' لہٰذا خیر و اصلاح کے اسباب میں نظر رکھنی چاہیے اور فرمانِ باری تعالیٰ "فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا" شرط کی جزا ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو کراہت کے باوجود ان پر صبر کرو کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی ہو مگر جس کو تم پسند کرتے ہو اس میں بھلائی نہ ہو اور (چوتھی خرابی زمانہ جاہلیت میں یہ تھی کہ) جب کوئی آدمی کسی حسین عورت کو دیکھ کر اسے پسند کر لیتا (اور اس سے نکاح کرنا چاہتا اور موجودہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا) تو اپنی بیوی پر بہتان تراشی شروع کر دیتا اور اس پر زنا کاری کی تہمت لگا دیتا اور اسے مجبور کر دیتا کہ اس نے حق مہر میں جو رقم وغیرہ اس کو دی تھی وہ اس کو وہ رقم وغیرہ واپس دے کر خلع کی صورت میں طلاق حاصل کر لے اس لیے ان سے کہا گیا ہے:

٢٠- ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ اور اگر تم بیوی کو تبدیل کرنا چاہتے ہو دوسری عورت کی جگہ یعنی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہو ﴿وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ﴾ اور تم اپنی کسی بیوی کو (ڈھیر سارا مال) دے چکے ہو اور یہاں صرف خاوند مراد ہے اور جمع ('اٰتَیْتُمْ') اس لیے ذکر کیا گیا کہ خطاب مردوں کی جماعت کو ہے ﴿قِنْطَارًا﴾ مالِ عظیم (یعنی ڈھیر سارا مال) جیسا کہ سورۃ آل عمران میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے اور ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر شریف پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ لوگو! عورتوں کے حق مہر بہت زیادہ نہ باندھا کرو تو ایک عورت نے کہا: ہم آپ کی بات کی پیروی کریں یا اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پیروی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا. اور تم اپنی کسی ایک بیوی کو ڈھیر سارا مال دے چکے" چنانچہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ ہر شخص عمر سے زیادہ علم رکھتا ہے' تم جس قدر مہر پر نکاح کرنا چاہو کر سکتے ہو ﴿فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا﴾ سو تم اس ڈھیر سارے حق مہر میں سے کچھ نہ لو ﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ کیا تم وہ مال واپس لینے کے لیے اس پر بہتان لگاؤ گے اور اعلانیہ گناہ

کا الزام لگاؤ گے اور ''مُبِيـنـ'' بہ معنیٰ ''بَيِّـنٌ'' کے ہے یعنی کھلم کھلا گناہ اور بہتان کا معنی حیران ہونا ہے اور وہ اس طرح کہ تم اپنے مدمقابل آدمی پر ایسا بدترین گناہ کا الزام لگاؤ جس سے وہ بری ہے کیونکہ اس سے وہ آدمی حیران و پریشان ہو جائے گا [اور ''بُهْتَانًا'' حال کی بنا پر منصوب ہے ] یعنی دراں حالیکہ تم بہتان لگانے والے اور اس کو گناہ میں ملوث کرنے والے ہو' پھر میاں بیوی کی باہمی خلوت کے بعد حق مہر لینے کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ ع ۸ ۱۴

اور تم کیونکر اسے واپس لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکیں ہیں O اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا جماع کر چکے ہیں مگر جو پہلے ہو چکا ہے' بے شک یہ بہت بڑا گناہ اور قابل نفرت کام ہے' اور وہ بُرا راستہ ہے O

۲۱- ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ اور تم حق مہر کا مال واپس کیسے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے ہو یعنی تم بغیر کسی حائل اور رکاوٹ کے ایک دوسرے کے ساتھ خلوت نشینی حاصل کر چکے ہو اور اسی سے ''افضاء'' لیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ ہم احناف کے لیے واضح دلیل ہے کہ خلوت صحیحہ حق مہر کو واجب ولازم کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حق مہر لینے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی علت خلوت کو قرار دیا ہے ﴿وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ'' (البقرہ:۲۲۹) ''پھر تم دستور کے مطابق روک لو یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو' اور اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اپنے بندوں سے خود لیا ہے تو گویا یہ ایسا ہے جیسا ان خواتین نے عہد لیا ہو یا حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگو! تم اپنی عورتوں کے بارے میں مجھ سے نیک وصیت قبول کر لو کیونکہ وہ بلاشبہ تمہارے ہاتھوں میں تمہاری معاون و مددگار خادم ہیں' تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ وصول کیا ہے اور تم نے ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے عہد کے ساتھ اپنے اوپر حلال کیا ہے[1]

شانِ نزول: اور جب ''لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا'' نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے تو اس کو چھوڑ دیا ہے اور ہم کبھی ان کے زبردستی وارث نہیں بنیں گے لیکن ہم انہیں نکاح کا پیغام دیں گے' پھر ان کی رضامندی سے ان سے نکاح کریں گے تو ان سے (درج ذیل آیت میں) کہا گیا:

۲۲- ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادوں نے جماع کیا ہے اور بعض نے کہا کہ نکاح سے مراد جماع کرنا ہے یعنی جن عورتوں سے تمہارے آباء واجداد نے جماع کیا ہے ان سے تم جماع نہ کرو اور اس سے ثابت ہوا کہ جن عورتوں سے باپ دادا نے زنا یا ملکِ یمین یا نکاح کے ساتھ جماع کیا ہو ان سے جماع کرنا اولاد کے لیے حرام ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے اور اکثر مفسرین اسی پر متفق ہیں اور جب مسلمانوں نے کہا

[1] رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء باب ا' مسلم فی کتاب الرضاع رقم الحدیث: ۲۲' الترمذی کتاب الرضاع باب ۱۱' ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۳

کہ ہم اسلام سے قبل یہ کام کرتے تھے تو ہمارے گزشتہ حال کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر جو ہو چکا یعنی لیکن جو اس سے پہلے گزر چکا ہے اس پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا اور علمِ نحو کے امام سیبویہ کے نزدیک استثناء منقطع ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حال میں اس عقد کی صفت بیان فرمائی اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ بے شک یہ انتہائی برا عمل ہے ﴿وَّمَقْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے نزدیک یہ ناراضگی اور بغض کا عمل ہے اور ان میں سے صاحب مروت لوگ بھی اس کو ناپسند کرتے تھے اور اس کو برا جانتے تھے اور اس کو نکاحِ مقت کہا کرتے تھے اور اس سے جو بچہ پیدا ہوتا اسے مقتی کہا جاتا تھا ﴿وَسَآءَ سَبِیْلًا﴾ اور یہ طریقہ کار برا طریقہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘ وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾

تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم دخول کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے دخول نہیں کیا تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو جمع کرنا مگر جو ہو چکا ہے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا انتہائی رحم فرمانے والا ہے ○

## محرمات ومحللات کا بیان

اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں حلال و پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرنے کا ذکر کیا اور اس سے پہلے بعض ان خواتین کا ذکر کیا جن سے نکاح کرنا حرام ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی موطوءہ ہیں تو اب باقی محرمات کو ذکر فرمایا اور وہ سات نسبی ہیں اور سات سببی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سات نسبی محرمات کے ذکر کے ساتھ آغاز فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۲۳۔﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾ تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئی ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد ان سے نکاح کرنے کی حرمت ہے اور ہم نے ''المختار فی شرح المنار'' میں اس کا ذکر کر دیا ہے اور نانیاں اور دادیاں بھی اس میں شامل ہیں ﴿وَبَنٰتُكُمْ﴾ اور تمہاری بیٹیاں اور پوتیاں اور نواسیاں بھی اس میں شامل ہیں اور اس میں اصل یہ ہے کہ جب جمع کو جمع کے مقابلے میں ذکر کیا جائے تو احاد کو احاد پر تقسیم کیا جاتا ہے تو اب ہر قسم بیٹے پر اس کی ہر قسم کی ماں حرام ہے اور اسی طرح ہر قسم کے باپ پر اس کی ہر قسم کی بیٹی حرام ہے ﴿وَاَخَوٰتُكُمْ﴾ اور تمہاری حقیقی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں

سب کی سب تم پر حرام ہیں ﴿وَعَمّٰتُكُمْ﴾ اور تمہاری تینوں قسم کی پھوپھیاں ﴿وَخٰلٰتُكُمْ﴾ اور اسی طرح تمہاری تمام خالائیں ﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ﴾ اور اسی طرح تینوں قسم کی بھتیجیاں ﴿وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ اور اسی طرح بھانجیاں' پھر اللہ تعالیٰ نے (سات نسبی محرمات کے ذکر کرنے کے بعد) سات سببی محرمات کا ذکر شروع کیا اور فرمایا: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں' اللہ تعالیٰ نے رضاعت (دودھ پینے) کونسب کے قائم مقام کیا ہے' چنانچہ ''مُرْضِعَه'' (دودھ پلانے والی) کو ''رَضِيْع'' (دودھ پینے والے بچہ) کے لیے ماں قرار دیا اور اس کے ساتھ دودھ پینے والے بچے اور بچی کو بھائی اور بہن قرار دیا ہے اور دودھ پلانے والی کے شوہر کو اس کا باپ قرار دیا اور اس کے باپ کو اس کا دادا قرار دیا اور اس کی ہمشیرہ کو اس کی پھوپھی قرار دیا اور اس کی تمام اولاد کو خواہ اس نے اس کے ساتھ دودھ نہ پیا ہو یا اس سے پہلے دودھ پیا ہو یا اس کے بعد دودھ پیا ہو وہ اس کے باپ کی طرف سے بہن بھائی ہیں اور دودھ پلانے والی کی ماں' اس کی نانی اور اس کی بہن' اس کی خالہ اور دودھ پلانے والی کا ہر وہ بچہ بچی جو اس خاوند سے ہے وہ اس دودھ پینے والے کے ماں باپ شریک بہن بھائی ہوں گے' اس کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس خاوند سے نہ ہو وہ اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کی اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ رضاعت کی وجہ سے ہر اس رشتہ دار سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جس سے نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے ﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ اور تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں اور یہ محض عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ﴾ اور تمہاری پروردہ بچیاں اور عورت کے موجودہ شوہر کے علاوہ اس کے پہلے شوہر سے پیدا ہونے والے اس کے بچے بچی کو ربیب اور ربیبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ موجودہ شوہر ان کی اس طرح تربیت کرتا ہے جس طرح عموماً کوئی اپنے بچوں کی تربیت کرتا ہے' پھر اس میں وسعت پیدا کی گئی اور اپنی بیوی کی تمام سابقہ بچیوں کو ربائب کہا جانے لگا اگر چہ اس موجودہ شوہر نے ان کی تربیت نہ بھی کی ہو ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ جو تمہاری گود میں ہیں اور داؤد نے کہا: جب اس کی گود میں پرورش نہیں پائے گی تو حرام بھی نہیں ہوگی' ہم نے جواب میں کہا کہ گود کا ذکر غلبہ حال کے سبب کیا گیا ہے بطور شرط ذکر نہیں کیا گیا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تحریم نکاح کی علت بیان کی جائے یعنی بے شک یہ بچیاں تمہاری گود میں پرورش پانے اور تمہاری حفاظت میں باپردہ رہنے کے سبب تمہاری بیٹیوں کی طرح ہیں گویا تمہارا اپنی بیویوں کی بیٹیوں سے عقد نکاح کرنا ایسا ہے جیسے اپنی بیٹیوں سے نکاح کرنا ہو ﴿مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ تمہاری ان عورتوں میں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو اور یہ ''رَبَآئِبُكُمْ'' سے متعلق ہے یعنی مدخولہ بہا عورت کی پرورش پانے والی بیٹی اس کے موجودہ شوہر پر حرام ہے اور اگر شوہر نے اپنی اس بیوی سے دخول نہیں کیا تو اس کی بیٹی سے شوہر کا نکاح کرنا حلال و جائز ہے اور دخول سے مراد ان سے جماع کرنا ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ ''بَنٰى عَلَيْهَا وَضَرَبَ عَلَيْهَا الْحِجَابَ. یعنی اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور اس پر پردہ ڈال دیا'' یعنی تم نے اس پردے میں دخول و جماع کیا [اور ''بـا'' فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے ہے اور عورت کو چھونا وغیرہ بھی دخول کے قائم مقام ہے اور بعض علماء نے ''الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ'' کو اس سے پہلے ذکر کی گئی عورتوں اور بعد میں ذکر کی جانے والی عورتوں کے لیے صفت قرار دیا جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں کیونکہ ایک وصف مختلف عوامل کے موصوفین پر واقع نہیں ہوتا اور یہ اس لیے کہ پہلی عورتیں اضافت کی وجہ سے مجرور ہیں اور دوسری حرف ''مِنْ'' جارہ کی وجہ سے مجرور ہیں اور یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تمہاری عورتوں کے پاس سے گزرا اور میں زید کی ذہین عورتوں سے بھاگ گیا' یہ اس بنا پر کہ ظریفات (تیز ذہن والیاں) ان عورتوں اور ان کی عورتوں کی صفت ہے۔ اسی طرح زجاج وغیرہ نے کہا اور یہ اس سے بہتر ہے جو صاحب ''کشاف'' نے اس

بارے میں کہا ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ پھر اگر تم نے ان سے دخول (جماع) نہیں کیا تو تم پر کوئی گناہ نہیں یعنی جب تم نے اپنی بیویوں کو جماع کرنے سے پہلے اپنے سے طلاق دے کر جدا کر دیا ہو یا وہ جماع سے پہلے وفات پا جائیں تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ ﴾ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں اور یہ "حَلِيْلَةٌ" کی جمع ہے اس سے مراد بیوی ہے کیونکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے حلال ہے یا ہر ایک دوسرے کے بستر پر اترتا اور سوتا ہے یہ "حل" یا "حلول" سے لیا گیا ہے ﴿ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں لیکن تمہارے منہ بولے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا جب ان کو حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ" (الاحزاب: ٣٧) "تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو" اور یہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے حرمت کی نفی نہیں ہے ﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ یعنی ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر کے رکھنا تم پر حرام ہے اور یہ محلا مرفوع ہے کیونکہ اس کو محرمات پر معطوف کیا گیا ہے یعنی بیک وقت دو بہنوں کو جمع کرنا تم پر حرام ہے ﴿ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ لیکن جو گزر چکا وہ معاف ہے اس کی دلیل تعالیٰ کا (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا انتہائی مہربان ہے اور حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ سوتیلی ماں سے نکاح کرنے اور بیک وقت دو بہنوں سے نکاح کرنے کے علاوہ باقی سب محرمات کو حلال جانتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بیان میں "اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" فرما دیا ہے۔

الجزء ٥

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

اور شادی شدہ عورتیں مگر جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ' یہ اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے' اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں کہ تم اپنے مال کے عوض انہیں حاصل کرو پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے حرام کاری کے لیے نہیں' سو تم نے جن عورتوں سے نکاح کیا ان کے حق مہر ادا کرو یہ فرض کیا گیا ہے اور مہر مقرر کرنے کے بعد جس مقدار پر تم باہم راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

٢٤- ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ اور شادی شدہ عورتوں سے نکاح کرنا تم پر حرام ہے یعنی شوہروں والیاں کیونکہ انہوں نے شادی کر کے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کر لیا ہے [قاری علی کسائی نے اس جگہ صاد کو مفتوح پڑھا ہے اور باقی پورے قرآن مجید میں جہاں یہ اسم آیا ہے وہاں صاد کو مکسور پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے پورے قرآن مجید میں صاد کو صرف مفتوح پڑھا ہے] ﴿ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ مگر جن کافر عورتوں کے تم مالک بن چکے ہو یعنی انہیں قید کر کے تم ان

کے مالک بن گئے جب کہ ان کے خاوند دار الحرب میں رہ گئے ہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ منکوحات سے نکاح کرنا تم پر حرام ہے یعنی شوہر دار عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے مگر جن غیر مسلم عورتوں کو تم گرفتار کر کے اور وہاں سے نکال کر اپنے ملک میں لے آؤ اور ان کے شوہر وہیں دار الحرب میں رہ جائیں کیونکہ اختلاف ملک کے سبب ان میں تفریق ہو جائے گی اور اب یہ عورتیں ان شوہروں کی بیویاں نہیں رہیں گی البتہ صرف قید کرنے سے نہیں' سو اب یہ غیر مسلم خواتین (تقسیمِ امیر کے بعد) ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے استبراء (حیض گزر جانے) کے بعد بغیر عقد ثانی کے اپنے مالک کے لیے حلال ہو جائیں گی ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''کتاب'' مصدر مؤکد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے اور اس نے تم پر فرض کر دیا ہے اور وہ محرمات کا حرام ہونا ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ﴾ [اور اس جملے کا فعل مضمر پر عطف کیا گیا ہے جس نے ''كِتَابَ اللّٰهِ'' کو نصب دی ہے] ''اَیْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمَ ذَالِكَ وَاَحَلَّ لَكُمْ. یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت تم پر لکھ دی ہے اور اس نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے'' ﴿مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ مذکورہ بالا محرمات کے ماسوا کو [اور ابو بکر کے علاوہ باقی کوفی قاریوں نے ''حُرِّمَتْ'' پر عطف کر کے ''اُحِلَّ'' (فعل ماضی مجہول) پڑھا ہے] ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ یہ مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور ان کے ماسوا سے نکاح کا حلال ہونا بیان فرما دیا ہے اس بنا پر کہ تم ان کو طلب کرو [یا یہ ''وَرَاءَ ذَالِكُمْ'' سے بدل ہے اور ''تَبْتَغُوْا'' کا مفعول مقدر ہے اور وہ ''اَلنِّسَآءَ'' ہے اور بہتر تو یہی ہے کہ مقدر نہ مانا جائے] ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی حق مہر کے ذریعے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بغیر حق مہر کے جائز نہیں اور یہ کہ حق مہر ہر حال میں واجب ہے اگر چہ مقرر نہ بھی کیا جائے اور یہ کہ حق مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے اور یہ کہ بالکل تھوڑی سی چیز حق مہر نہیں بن سکتی جیسے ایک دانہ یا ایک روپیہ کیونکہ عام طور پر اس کو مال نہیں کہا جاتا ﴿مُّحْصِنِيْنَ﴾ اس حال میں کہ تم پاک دامن رہنے کے لیے یہ کام کرو ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ حرام کاری کرنے والے نہ بنو تا کہ تمہارا مال ضائع نہ ہو جائے اور تم اپنے آپ کو ان چیزوں کا محتاج نہ بناؤ جو تمہارے لیے حلال نہیں ہیں ورنہ تمہارے دین و دنیا برباد ہو جائیں گے اور ان دو بربادیوں کے جمع ہو جانے سے بڑھ کر کوئی بربادی نہیں ہو سکتی اور ''احصان'' کا معنی ہے: پاک دامن ہونا اور اپنے آپ کو حرام میں واقع ہونے سے بچانا اور ''مسافح'' زانی کو کہتے ہیں کیونکہ ''سفح'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: غیر محل میں منی کا بہانا ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ پس ان میں سے جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ہے ﴿فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ تو تم ان کو ان کے حق مہر ادا کرو کیونکہ حق مہر ان سے نفع حاصل کرنے کا عوض ہے [سو ''مَا'' ''نِسَآء'' کے معنی میں ہے اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے یا بیان کے لیے ہے اور ''بِهٖ'' کی ضمیر لفظ ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''فَاٰتُوْهُنَّ'' میں ''مَا'' کے معنی کی طرف لوٹتی ہے] ﴿فَرِيْضَةً﴾ [یہ ''اُجُوْر'' سے حال ہے] یعنی عورتوں کے حق مہر فرض کر دیئے گئے ہیں [یا ''اِیْتَآء'' کی جگہ پر اس کو رکھا گیا ہے کیونکہ ''ایتاء'' (یعنی مہر ادا کرنا) فرض قرار دیا گیا ہے یا یہ مصدر مؤکد ہے] ''اَیْ فُرِضَ ذٰلِكَ فَرِيْضَةً'' یعنی وہ فرض کر دیا گیا ہے ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ حق مہر مقرر کرنے کے بعد جس مقدار پر تم میاں بیوی باہم راضی ہو جاؤ خواہ بیوی اپنا مہر کم کر دے یا سارا حق مہر اپنے خاوند کو بخش دے یا خاوند مقرر مقدار سے زیادہ ادا کر دے یا میاں بیوی جس مقام یا جس پیمانہ پر حق مہر ادا کرنے پر رضا مند ہو جائیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی تخلیق سے پہلے جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ بہت حکمت والا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عقد نکاح جو فرض کیا ہے اس میں بھی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ نسب کی حفاظت کی جائے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ'' متعہ کے حق میں نازل ہوا تھا جو صرف تین دن کے لیے تھا' جس وقت اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اپنے

رسول کریم پر فتح فرمایا تھا' پھر منسوخ کردیا گیا تھا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع ۴

اورتم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتا تو وہ تمہاری مملوکہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کرلے' اور اللہ تمہارے ایمان کوخوب جانتا ہے' تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو' سوتم ان کے مالکوں سے اجازت لے کران سے نکاح کرواور حسب دستوران کے حق مہران کوادا کرو' پاک دامن ہوں' نہ علانیہ بدکار ہوں اور نہ خفیہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں' پس جب وہ نکاح سے محفوظ ہوجائیں' پھر بے حیائی کا کام کریں توان کوآزاد (کنواری) عورت کی سزا کی آدھی سزا ملے گی' یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو بدکاری کا ڈر ہواور صبر کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

۲۵- ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ ["طَوْلٌ" کا معنی "فَضْلٌ" ہے] یعنی ضرورت واحتیاج سے زائد مال جیسے کہا جاتا ہے: "لِفُلَانٍ عَلَيَّ طَوْلٌ". کہ فلاں آدمی کا مال مجھ سے برتر اور زائد ہے" (جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو شخص تنگ دستی کی وجہ سے آزاد عورت سے نکاح نہیں کرسکتا وہ مسلمان کنیز سے نکاح کرے اس میں کوئی عار نہیں) [اور یہ لفظ "يَسْتَطِعْ" کا مفعول بہ ہے] ﴿اَنْ يَّنْكِحَ﴾ [یہ "طول" کا مفعول ہے کیونکہ لفظ "طول" مصدر ہے اور مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے یا یہ "طول" سے بدل ہے] ﴿الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ آزاد مسلمان عورتیں ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ یعنی مسلمان کنیزوں میں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مِنْ فَتَيَاتِكُمْ" کا مطلب ہے: مسلمان لونڈیوں سے (کیونکہ اپنی مملوکہ لونڈی سے بغیر نکاح جماع کرنا جائز ہے) اور اب آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مال میں اتنی زیادہ وسعت وقدرت نہیں رکھتا کہ اس کے ذریعے آزاد عورت سے نکاح کرسکے تو وہ کسی لونڈی سے نکاح کرلے اور ہمارے حنفی مذہب میں کتابی لونڈی سے نکاح جائز ہے اور مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں مؤمنہ کی قید صرف استحبابی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں سب کا اتفاق ہے کہ ایمان شرط ہے حالانکہ آیت مذکورہ بالا میں مؤمنہ کی قید موجود ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر جو وسعت عنایت فرمائی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ لونڈی' یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح جائز ہے اگر چہ نکاح کرنے والا مال دار ہو اور اس روایت میں بھی ہمارے لیے دلیل موجود ہے کہ باوجود قدرت و مال دار ہونے کے لونڈی وغیرہ سے نکاح جائز ہے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ﴾ اس میں تنبیہ ہے کہ ان کے ظاہری ایمان مقبول ہیں اور اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے زبان سے اقرار واظہار شرط لازم نہیں اس لیے کہ شرعی

ایمان کا علم مختلف نہیں ہوتا ﴿بَعۡضُكُمۡ مِّنۢ بَعۡضٍ﴾ تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو یعنی تم لونڈیوں سے نکاح کرنے میں عار نہ سمجھو اور نہ ان سے نفرت کرو کیونکہ تم آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اولاد ہو اور آیت کریمہ کے اس حصہ میں قومیت پر تفاخر کرنے اور خاندانی اونچ نیچ سے نفرت کرنے پر ڈرایا گیا ہے ﴿فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ﴾ تو ان سے ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرلو' یہاں ''اَهۡل'' سے مراد ان کے مالک ہیں اور یہ ہماری دلیل ہے کہ کنیزیں اپنے مالک کی اجازت ملنے کے بعد اپنا نکاح خود بخود کرلیں تو جائز ہے کیونکہ مالک کی اجازت لازم قرار دی گئی ہے' مالک کا نکاح کرانا لازمی قرار نہیں دیا گیا اور اس لیے غلام اور لونڈی کے لیے مالک کی اجازت کے بغیر شادی بیاہ کرنا جائز نہیں ہے ﴿وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ اور تم انہیں بغیر کسی تاخیر وضرر کے ان کے حق مہر حسب دستور ادا کردو اور ان مہروں کے حق دار ان کے مالک ہیں' سو ان کے حق مہر خود ان کو ادا کرنا بھی ان کے مالکوں کو ادا کرنے کے برابر ہے کیونکہ وہ خود اور جو کچھ ان کی ملکیت میں ہے وہ سب ان کے مالکوں کا مال ہے [یا مقدر عبارت اس طرح ہے: ''وَاٰتُوۡا مَوَالِيۡهِنَّ'' مضاف کو حذف کردیا گیا ہے] معنی یہ ہے کہ ان کے آقاؤں کو ان کے مہر ادا کرو ﴿مُحۡصَنٰتٍ﴾ پاک دامن عورتیں [اور یہ ''اٰتُوۡهُنَّ'' کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ علانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ ہوں ﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ﴾ اور نہ خفیہ بدکاری کرنے والیاں ہوں اور لفظ ''اَخۡدَان'' کا معنی ہے: خفیہ طور پر بنائے گئے دوست ﴿فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ﴾ پھر جب وہ شادی کے سبب محفوظ ہو جائیں [حضرت امام حفص کی قراءت کے علاوہ کوفی قراء (نیز حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر) کی قراءت میں ''اَحۡصَنَّ'' (فعل ماضی معروف) پڑھا گیا ہے] ﴿فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ﴾ اور اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں ﴿فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ﴾ تو ان پر آزاد عورت کی سزا کی نسبت سے آدھی سزا ہوگی' یہاں ''مُحۡصَنَاتِ'' کا معنی آزاد عورتیں ہیں کیونکہ لونڈیوں کے لیے زنا کاری کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے ﴿مِنَ الۡعَذَابِ﴾ یہاں عذاب سے مراد شرعی حد یعنی پچاس کوڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''مَا عَلَى الۡمُحۡصَنَاتِ'' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لونڈیوں کو صرف کوڑوں کی سزا ہوگی سنگساری کی سزا نہیں کیونکہ سنگساری آدھی نہیں ہوسکتی اور یہاں ''محصنات'' سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا ﴿لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ﴾ کنیزوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے جس کو ایسے گناہ کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے اس پر شہوت غالب آجائے گی' دراصل ''عَنَتٌ'' کا معنی یہ ہے کہ ہڈیوں کی سلامتی کے باوجود انہیں توڑنا' پھر ہر قسم کی مشقت کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے اور گناہ کی جگہوں سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد زنا کاری ہے کیونکہ یہی چیز ہلاکت کا سبب ہے ﴿وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا﴾ [یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے (اور ''خَيۡرٌ لَّكُمۡ'' اس کی خبر ہے)] یعنی پاک دامن رہ کر لونڈیوں سے نکاح نہ کر کے صبر کرنا بہت بہتر ہے ﴿خَيۡرٌ لَّكُمۡ﴾ کیونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں اپنی اولاد کو مملوکیت کی بھینٹ چڑھانا ہے اور اس لیے بھی کہ لونڈی اپنے مالک کی دست نگر ہوتی ہے اور اپنی مرضی سے وقت نہیں نکال سکتی اور وہ ذلیل وخوار اور ہمیشہ پستی کا شکار رہتی ہے اور یہ سب نقصانات شوہر کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے لیے باعثِ توہین ہیں حالانکہ مؤمن کی شان عزت ورعب سے رہنا ہے اور حدیث میں ہے کہ آزاد عورتیں گھر آباد کرتی ہیں اور کنیزیں گھر برباد کرتی ہیں ﴿وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جرائم پر پردہ پوشی فرماتا ہے ﴿رَّحِيۡمٌ﴾ اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہوئے (توبہ کرنے پر) گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ
تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ
ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ
تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اللہ چاہتا ہے کہ وہ (اپنے احکام) تمہارے لیے کھول کر بیان کر دے اور تمہیں ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اپنی رحمت سے تم پر توجہ فرمائے' اور اللہ خوب جاننے والا بہت بڑا دانا ہے O اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے' اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک جاؤ O اللہ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے O اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم باہمی رضامندی سے کوئی تجارتی کاروبار کرو' اور تم اپنوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے O

۲۶- ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ﴾ [اس کی اصل "يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّبَيِّنَ لَكُمْ" ہے اور لام بیان کی تاکید کے ارادہ سے زیادہ کیا گیا ہے جیسے " لَا اَبَا لَكَ" میں "اَبٌ" کی اضافت کی تاکید کے لیے "كَ" ضمیر مخاطب سے پہلے لام کا اضافہ کیا گیا ہے ]اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تمہارے لیے وہ تمام فوائد و مصالح اور نیک اعمال بیان کر دے جو تم پر مخفی ہیں ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم سے پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کے ان راستوں پر تمہیں چلانا چاہتا ہے جن پر وہ حضرات اپنے دین و مذہب کے مطابق چلتے رہے تاکہ تم (اصولِ دین میں) ان کی پیروی کرو ﴿ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور وہ تمہیں ان معاملات میں توبہ کی توفیق عنایت فرماتا ہے جن میں تم سے خلاف شریعت کام ہوتے رہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں میں بڑی حکمتیں کارفرما ہیں جو اس نے بندوں کے لیے مشروع و مقرر فرمائیں۔

۲۷- ﴿ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور گزشتہ مضمون کی تاکید و تقریر اور اس کو مؤثر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا دوبارہ ذکر فرما دیا ہے ﴿ وَيُرِيْدُ ﴾ فاسق و فاجر اور نافرمان لوگ چاہتے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴾ جو خود خواہشات کی پیروی کرتے ہیں کہ تمہیں میانہ روی اور دینِ حق سے پھیر دیں اور اس سے بڑھ کر کوئی بڑا انحراف و اعراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان خواہشات نفس کے پیروکار بن کر ان کے موافق بن جائیں اور کہا گیا ہے: وہ لوگ یہودی تھے جو باپ شریک بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح جائز قرار دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ان رشتوں کو حرام قرار دیا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم پر تمہاری خالائیں اور پھوپھیاں حرام ہیں جب کہ تم اپنی خالہ زاد اور پھوپھی زاد سے نکاح جائز سمجھتے ہو' لہٰذا تم اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی نکاح کر لیا کرو تو اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ دراصل یہود یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح بدکار اور زانی بن جاؤ۔

۲۸۔ ﴿ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ﴾ لونڈیوں سے نکاح حلال قرار دینے اور دیگر امور میں رخصت دینے سے اللہ تعالیٰ تم پر دراصل تخفیف کرنا چاہتا ہے ﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ اور انسان چونکہ کمزور پیدا کیا گیا ہے اس لیے وہ شہوات وخواہشاتِ نفسانی پر صبر نہیں کر سکتا اور نہ وہ عبادات واطاعات کی مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے۔

## حرام کمائی' کبیرہ گناہوں اور مالی برتری کی تمنا کی ممانعت

۲۹۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی جیسے چوری' خیانت و بد دیانتی' ڈاکہ زنی' جوا بازی اور سودی کاروبار ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً ﴾ مگر یہ کہ تجارت واقع ہو [کوفی قراء نے ''تِجَارَةً'' (منصوب) پڑھا ہے] یعنی مگر یہ کہ تجارت کا کاروبار ہو ﴿ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ [یہ ''تِجَارَةً'' کی صفت ہے] یعنی ایسی تجارت جو باہمی رضامندی سے قیمت کے ساتھ خرید وفروخت ہو یا مال کے بدلے مال کا لین دین ہو (تو اس طرح لوگوں سے کمایا گیا مال تمہارے لیے کھانا جائز ہے) اور یہ استثناء منقطع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ لیکن تم باہمی رضامندی سے طے پانی والی تجارت کا قصد کرو یا یہ معنی ہے کہ لیکن تمہاری تجارت آپس کی رضامندی سے طے ہو جس کی شرعاً ممانعت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کے ذکر کو اس لیے مخصوص کیا ہے کہ رزق کے اکثر اسباب اسی سے متعلق ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مال کے بدلے مال کی تجارت جائز ہے اور ایسی موقوف خرید وفروخت جس میں باہمی رضامندی سے اجازت دی گئی ہو تو وہ بھی جائز ہے اور نیز یہ آیت مبارکہ خرید وفروخت کی مجلس کے اختتام تک اختیار کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس کاروبار میں مجلس خرید وفروخت سے جدا ہونے تک اختیار کی شرط کے بغیر باہمی رضامندی کی تجارت سے کھانا مباح قرار دیا گیا ہے' لہٰذا مجلس اور منڈی سے جدا ہونے تک اختیار کی قید لگانا قرآنی آیت پر زیادتی ہے (جیسا کہ شافعیوں کا قول ہے) ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ اور تم اپنے ہم جنس (ہم مذہب) مسلمانوں کو قتل نہ کرو کیونکہ تمام مؤمنین ایک جان کی طرح ہیں یا یہ معنی ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو قتل نہ کرے (جسے خودکشی کہتے ہیں) جیسا کہ بعض جاہل ونادان لوگ کرتے ہیں یا قتل کا معنی ہے: ناجائز طریقے سے لوگوں کے مال کھانا کیونکہ دوسروں پر ظلم کرنے والا اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے کی طرح ہے یا یہ کہ تم خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو کہ تم اس کے سبب لوگوں کو قتل کرنے لگو یا ایسے جرائم کا ارتکاب کرو جو قتل کو واجب کرتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے اور اس نے تم پر اپنی رحمت برسانے کے لیے تمہیں ایسے کاموں سے آگاہ فرمایا جن میں تمہارے اموال کی حفاظت اور تمہارے ابدان واجسام کی بقا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جرم کبیر کرنے پر اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تا کہ ان کی توبہ قبول کی جائے اور ان کے گناہ معاف کیے جائیں اور لیکن اے امت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تم پر اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ اس ذاتِ کریم نے ان مشکل ترین تکالیف کا تمہیں مکلف نہیں بنایا۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾

اور جو شخص یہ ظلم اور زیادتی کرے گا تو ہم عنقریب اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیں گے' اور یہ کام اللہ پر آسان ہے O اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہ بخش دیں گے اور ہم تمہیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے O اور تم اس کی آرزو نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے' مردوں کے لیے ان کی اپنی کمائی سے حصہ ہے' اور عورتوں کے لیے ان کی اپنی کمائی سے حصہ ہے' اور اللہ سے اس کا فضل مانگو' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۳۰- ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا یعنی قتل کرے گا یا کسی جان کو قتل کرنے کا اقدام کرے گا ﴿عُدْوَانًا وَّظُلْمًا﴾ زیادتی اور ظلم کے ساتھ' بھول کر نہیں اور نہ بطور قصاص کرے اور یہ دونوں مصدر ہیں حال کی جگہ پر واقع ہیں یا مفعول لہما ہیں ﴿فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا﴾ تو عنقریب ہم اس کو ایسی آگ میں داخل کریں گے جس کا عذاب بہت سخت ہوگا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ﴾ اور اس شخص کو اس آگ میں داخل کرنا ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی آسان ہے اور آیت مبارکہ اس شخص کے لیے وعید (دھمکی) ہے جو دائمی عذاب کو محال سمجھتا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں یہ اس بات کا بیان ہے کہ مجرم دوزخ کی آگ میں جانے کا مستحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و بخشش کے وعدہ کے ساتھ۔

۳۱- ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: اس سورت کے شروع سے لے کر اس مذکورہ بالا آیت تک جس قدر کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور انہی سے دوسری آیت میں یہ بھی ہے کہ کبیرہ گناہ صرف تین ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا' اور بعض اہل علم نے کہا کہ کبیرہ گناہ سے کفر کی تمام اقسام مراد ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کی قراءت میں ہے: "مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ وَهُوَ الْكُفْرُ" یعنی جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ کفر کرنا ہے" ﴿وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا﴾ [قاری نافع مدنی نے "مَدْخَلًا" (میم کو مفتوح) پڑھا ہے اور یہ دونوں قراءتوں پر ظرف مکان کے معنی میں ہے اور مصدر میمی بھی ہو سکتا ہے] ﴿كَرِيْمًا﴾ حسین و جمیل یعنی ہم انہیں اچھی جگہ میں داخل کریں گے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اس سورۂ نساء کی آٹھ آیات ایسی ہیں جو اس امت کے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہیں جن پر سورج طلوع و غروب ہو چکا ہے: (۱) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (۲) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (۴) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا

یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (٦) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (٧) وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْیَظْلِمْ نَفْسَهٗ (٨) مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ اورمعتزلہ فرقہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے پر صغیرہ گناہوں کا معاف ہو جانا واجب ولازم ہے اور یہ کہ کبیرہ گناہوں کی بخشش نہ ہونا باطل ہے کیونکہ کبیرہ اور صغیرہ گناہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت میں برابر ہیں' اگر وہ چاہے تو دونوں پر گرفت کر کے عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو دونوں معاف فرما دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' (النساء:۴۸) بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں شرک کے علاوہ کے تمام گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرما لیا ہے اور اس وعدہ کو اپنی مشیت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ'' (ھود:۱۱۴) بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں' سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے لیے جائز ہے کہ نیکیوں کے ذریعے معاف کر دیئے جائیں کیونکہ ''سَیِّئَاتِ'' کا لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے اور جب غیر کا مال ناجائز طریقے سے لینا اور ناحق قتل کرنا اور غیر کے مال و منصب کی تمنا کرنا (منع ہے تو پہلے دو کی ممانعت ذکر کرنے کے بعد اب تیسری ممانعت کا ذکر کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے انہیں کسی کے مال و منصب کی آرزو سے منع کر دیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

۳۲- ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کیونکہ یہ فضیلت و برتری اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جو اس کی حکمت بالغہ اور تدبیر حقہ سے صادر ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات جانتا ہے اور رزق میں کشادگی اور فراخی اور تنگی میں سے کس شخص کے لیے کیا مناسب ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جو قسمت لکھ دی ہے اس پر راضی رہے اور اپنے بھائی کی قسمت پر حسد نہ کرے کیونکہ حسد یہ ہے کہ آدمی یہ تمنا اور آرزو کرے کہ فلاں چیز فلاں شخص سے زائل ہو جائے اور مجھے مل جائے اور غبطہ (یعنی رشک) یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ تمنا کرے کہ فلاں شخص کی طرح مجھے بھی مال و دولت یا عہدہ و منصب مل جائے اور یہ خواہش جائز ہے جب کہ پہلی تمنا ناجائز ہے۔

شانِ نزول: اور جب مردوں نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ میراث کی طرح ہمیں اجر و ثواب بھی عورتوں کے اجر و ثواب سے ڈبل ملے گا اور عورتوں نے کہا کہ میراث کی طرح ہم پر گناہوں کا بوجھ مردوں کے گناہوں کے بوجھ کا آدھا ہو گا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ مردوں کے لیے صرف اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لیے صرف اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے یعنی یہ جزا و سزا میراث کی طرح نہیں ہے ﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوں گے اور تم لوگوں کے منصب و جاہ کی تمنا نہ کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اس کی طرف سے فضیلت و برتری استحقاق کے مواقع کو جاننے سے دی گئی ہے اور امام ابن عیینہ نے فرمایا کہ اس وقت کسی کو سوال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جب اسے کچھ عطا کرنا ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ غَضِبَ عَلَیْهِ. کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے'' اور اس میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بہت سی بھلائی روک لیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندے کو اس وقت تک عطا نہیں کروں گا

جب تک وہ مجھ سے سوال نہیں کرے گا [قاری ابن کثیر مکی اور علی کسائی نے "وَسَلُوْا" (بغیر ہمزہ کے) پڑھا ہے]۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

اور ہم نے ہر ایک کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال میں جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں' اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تم انہیں ان کا حصہ دے دو' بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے O مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (یعنی مردوں کو عورتوں پر) فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں' سو نیک عورتیں فرماں بردار رہتی ہیں (اور) خاوند کی غیر موجودگی میں (اس کی آل اولاد' گھربار' آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے' اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور ان کو بستروں پر اکیلا چھوڑ دو' پھر انہیں ہلکا سا مارو' پھر اگر وہ تمہاری فرماں بردار ہو جائیں تو تم ان کے خلاف اذیت ناک راستہ نہ ڈھونڈو' بے شک اللہ سب سے بلند' سب سے بڑا ہے O

۳۳- ﴿وَلِكُلٍّ﴾ [مضاف الیہ محذوف ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَلِكُلِّ اَحَدٍ اَوْ لِكُلِّ مَالٍ. یعنی ہر ایک کے لیے یا ہر مال کے لیے" ﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ ہم نے ورثاء مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے مالک بنتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں (تاکہ اس کو حقوق کے مطابق تقسیم کیا جائے) ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اس میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں [اور یہ جملہ مال محذوف کی صفت ہے یعنی ہر ایک مال کے لیے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں' یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر "مَوَالِيَ" دلالت کرتا ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يَرِثُوْنَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ" یعنی وہ لوگ وارث بنیں گے جو والدین نے چھوڑا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی تمہارے ہاتھوں نے جو عہد باندھا ہے [اور یہ مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کی خبر "فا" کے ساتھ واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے] ﴿فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ پس انہیں ان کا حصہ دے دو [اور کوفی قراء نے "عَقَدَتْ" پڑھا ہے] یعنی ان کے معاہدوں کو تمہارے ہاتھوں نے باندھا ہے (جب کہ بعض قراء نے "عَاقَدَتْ" بھی پڑھا ہے) اور اس عقد سے عقدِ موالات مراد ہے اور یہ جائز ہے اور عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس سے وراثت ثابت ہو جاتی ہے اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مرد یا عورت مسلمان ہو جاتا جس کا کوئی ولی وارث نہ ہوتا اور نہ وہ عربی ہوتا اور نہ وہ کسی کا آزاد کردہ غلام ہوتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے کہتا کہ میں نے تجھے اس شرط پر اپنا وارث مقرر کیا ہے کہ جب میں کسی کا خون کر دوں گا تو تم

میری دیت (خون بہا) ادا کرنا اور جب میں مر جاؤں گا تو تم میرے وارث ہو گے اور دوسرا کہتا کہ میں نے عہد قبول کر لیا تو معاہدہ دونوں میں منعقد ہو جاتا اور اعلیٰ ادنیٰ کا وارث بن جاتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے یعنی وہ غیب و شہادت' ظاہر و باطن اور پوشیدہ و عیاں سب کو جانتا ہے اور یہ کلام مبارک وعدو وعید کے لیے زیادہ بلیغ ہے۔

## مرد کی فضیلت اور ثالث کی اہمیت کا بیان

٣٤- ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ مرد عورتوں کے حاکم و نگران ہیں کہ انہیں (امور خیر کا) حکم دینے والے ہیں (اور امور قبیحہ سے) روکنے والے ہیں جس طرح رعایا پر حکام نگران و حکمران ہوتے ہیں اور اس لیے انہیں رعایا کا کفیل و ذمہ دار کہا جاتا ہے ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [''بَعْضَهُمْ'' میں جمع کی ضمیر (هُمْ)] مردوں اور عورتوں کے لیے ہے یعنی مرد حضرات ان پر اس سبب سے نگران ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بعض کو فضیلت دی ہے اور وہ مرد حضرات ہیں بعض پر فضیلت دی ہے اور وہ عورتیں ہیں (جن چیزوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:) عقل میں کامل ہونا' ارادے کی مضبوطی' مستقل مزاجی' صاحب رائے ہونا' قوت و شجاعت' جہاد' نماز روزہ میں کامل ہونا' نبوت وخلافت' امامت' اذان' خطبہ' جماعت' جمعہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق ۹ ذی الحجہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد با آواز بلند ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' پڑھنا اور حدود و قصاص میں گواہی دینا' میراث میں ڈبل حصے کا حق دار ہونا اور اس میں عصبہ ہونا اور نکاح و طلاق کا مالک ہونا اور نسب کا اس کی طرف منسوب ہونا' خاندان کا سردار ہونا اور سر پر عمامہ باندھنے کی فضیلت حاصل کرنا ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ اور اس وجہ سے کہ مرد حضرات ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مردوں پر بیویوں کا نان و نفقہ واجب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں' ان میں پہلی قسم نیک عورتوں کی ہے اور وہ یہ ہیں: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ سو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے وہ تمام حقوق ادا کرتی ہیں جو ان پر شرعاً لازم ہوتے ہیں ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ﴾ پوشیدہ مقامات کی حفاظت کرتی ہیں' غیب جو ظاہر نہ ہو یعنی جب ان کے شوہر موجود نہیں ہوتے تو اس وقت بھی ان چیزوں کی حفاظت کرتی رہتی ہیں جن کی حفاظت حالتِ تنہائی اور حالتِ پوشیدہ میں بھی ان پر لازم ہے اور وہ ہے اپنی عزت و آبرو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت اور گھر بار' مال و اولاد کی حفاظت کرنا اور بعض نے کہا کہ غیب سے مراد شوہروں کے اسرار و رموز اور ان کے رازوں اور بھیدوں کی حفاظت کرنا اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا ہے ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ہے کہ ان کے شوہروں کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید کی ہے اور وہ ارشاد یہ ہے: ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (النساء: ۱۹) ''اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو گناہوں سے بچالیا اور شوہروں کی غیر موجودگی میں حفاظت کی انہیں توفیق عنایت فرمائی یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی یہی حفاظت ہے کہ انہیں اس طرح (نیک' فرماں بردار اور عزت و آبرو کی محافظہ) بنا دیا ہے اور دوسری قسم نافرمان عورتوں کی ہے اور وہ یہ ہیں: ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ اور جن عورتوں کے نافرمان ہونے اور اپنے شوہروں کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا تمہیں اندیشہ ہو اور ''نَشز'' بلندو بالا مکان کو کہتے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عورت کا ''نشوز'' یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے حقوق پورے نہ کرے اور اس کے حکم کو نہ مانے ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ تو تم انہیں نصیحت کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب

سے انہیں ڈراؤ کیونکہ خوف خدا اور نصیحت آمیز کلام سخت ترین دلوں کو نرم کر دیتا ہے اور متنفر و نافرمان طبیعتوں کو اطاعت و فرماں برداری کی طرف راغب کر دیتا ہے ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ اور تم انہیں بستروں میں چھوڑ دو یعنی انہیں اپنے لحاف میں داخل نہ کرو اور یہ جماع نہ کرنے سے کنایہ ہے یا یہ کہ خاوند اس کے بستر میں لیٹ کر اپنی پشت کو اس سے پھیر کر دوسری طرف کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "فِی الْمَضَاجِعِ" کہا ہے "عَنِ الْمَضَاجِعِ" نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں بستروں میں چھوڑ دو یہ نہیں فرمایا کہ انہیں بستروں سے الگ کر دو) ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ اور تم انہیں ہلکی مار مارو سخت مار نہ مارو (جس سے وہ زخمی ہو جائیں) اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو نصیحت کرنے کا حکم دیا' پھر ان کو بستروں میں چھوڑ دینے کا حکم دیا' پھر اگر ان میں نصیحت بھی کارگر نہ ہو اور ترکِ تعلق اور بستروں میں چھوڑ دینا بھی کوئی فائدہ نہ دے تو پھر ان کو نرم انداز میں مارنے کا حکم دیا ﴿ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ ﴾ پھر اگر وہ نافرمانی ترک کر کے تمہاری فرماں بردار بن جائیں ﴿ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ﴾ تو ان کے خلاف کاروائی کی راہ نہ ڈھونڈو اور تم تکلیف دہ تعاقب ان سے دور کر دو [اور اس میں "سَبِيْلًا" "تَبْغُوْا" کا مفعول ہے اور یہ "تَبْغُوْا" "بَغَيْتُ الْاَمْرَ" سے بنا ہے] "اَیْ طَلَبْتُهٗ. یعنی میں نے اسے طلب کیا" ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بلند و بالا اور بہت بڑا ہے یعنی اگر تمہارے ہاتھ تمہاری بیویوں پر بلند اور غالب ہیں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر قدرت ان پر تمہاری قدرت سے بہت بڑھ کر ہے' لہٰذا تم ان پر ظلم و ستم کرنے سے پرہیز کرو یا یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بلند اور بہت بڑا ہے اور تم اس کی نافرمانیاں کرتے ہو اس کے باوجود کہ اس کی شان بہت بلند ہے اور اس کی سلطنت و حکومت بہت بڑی ہے' پھر جب تم اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہو تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمالیتا ہے' لہٰذا تم بھی اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم پر جو زیادتی کرے تم اسے معاف کر دو' وہ جب بھی اپنی غلطی سے رجوع کر لے' پھر اللہ تعالیٰ نے وارثوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں ان کے درمیان جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کر دو' اگر وہ دونوں منصف صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان اتفاق کی توفیق پیدا کر دے گا' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بہت خبر رکھنے والا ہے ○ اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور نزدیک کے ہمسایوں اور دور کے ہمسایوں اور

کروٹ کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ نیک سلوک کرو' بے شک اللہ متکبروں' خود اپنی بڑائی بیان کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O

۳۵- ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا﴾ [اس کی اصل ''شِقَاقًا بَيْنَهُمَا'' تھی' پھر بطور وسعت ''شقاق'' کو ظرف کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سبا:۳۳) اس کی اصل ''بَلْ مَكْرٌ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' ہے] اور ''شقاق'' کا معنی عداوت و مخالفت کرنا ہے کیونکہ میاں بیوی میں سے جو بھی یہ کام کرے گا وہ دوسرے پر گراں ہوگا یا وہ اپنے ساتھی کی جانب کی بجائے دوسری سمت کی طرف مائل ہو جائے اور ''هُمَا'' کی ضمیر ''زوجین'' یعنی میاں بیوی کے لیے ہے' اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کا نام لے کر اس سے پہلے ذکر نہیں فرمایا (تو ''بَيْنَهُمَا'' میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایسے ناموں کا ذکر جاری فرما دیا جو ان پر دلالت کرتے ہیں اور وہ: ''الرجال'' اور ''النساء'' ہیں ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ﴾ تو تم مرد کی طرف سے ایک ایسا منصف مرد ثالت مقرر کر دو جو فیصلہ کرنے اور عورت کی اصلاح کرنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہو ﴿وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کر دو اور میاں بیوی کی طرف سے دو منصف با صلاحیت ثالت اس لیے مقرر کر دیئے ہیں کہ عزیز و اقارب اندرونی حالات کو اور اصلاح طلب حالات اور تصفیہ طلب امور کو سب سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں اور میاں بیوی کے دل ان سے زیادہ مطمئن ہوتے ہیں' سو یہ دونوں ثالت میاں بیوی کے اندرونی اور قلبی محبت و عداوت اور ساتھ چلنے یا جدا ہونے کے ارادوں کو بخوبی عیاں کر سکیں گے اور ﴿اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا﴾ [میں تثنیہ کی ضمیر دو ثالثوں کی طرف راجع ہے اور ﴿يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا﴾ میں ''هُمَا'' کی ضمیر ''زوجین'' یعنی میاں بیوی کے لیے ہے] یعنی اگر وہ دونوں ثالت میاں بیوی کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں اور ان کی نیتیں درست ہیں تو ان کی وساطت میں برکت پیدا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی حسن سعی کی برکت سے میاں بیوی کے درمیان الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد پیدا کر دے گا اور ان دونوں کے دلوں میں محبت و اتفاق ڈال دے گا یا یہ ضمیر بھی ثالثوں کے لیے ہے یعنی اگر وہ دونوں میاں بیوی کے لیے صلح اور خیر خواہی چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو توفیق عطا فرمائے گا اور وہ ایک متفقہ بات پر متفق ہو جائیں گے اور اتفاق کی طلب میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے یہاں تک کہ مقصد و مراد مکمل ہو جائے گا یا یہاں ضمیر بھی میاں بیوی کے لیے ہے یعنی اگر میاں بیوی خود اپنے درمیان اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور خیر کے طلب گار ہیں اور آپس کے اختلاف و عداوت کو دور کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان الفت و محبت ڈال دے گا اور ان کے اختلاف کو اتفاق سے اور ان کے بغض کو محبت سے تبدیل کر دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ثالثوں کے ارادے کو خوب جانتا ہے ﴿خَبِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں سے ظالم سے خبردار ہے اور ہمارے نزدیک ثالثوں کو میاں بیوی کے درمیان تفریق کا اختیار نہیں ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ان کو تفریق کرنے کا اختیار ہے۔

## عبادت کا حکم' شرک کی ممانعت' حقوق العباد کی اہمیت اور بخل کی مذمت

۳٦- ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو' بعض اہل علم نے کہا کہ عبودیت چار چیزوں کا نام ہے: (۱) وعدوں کو پورا کرنا (۲) حاصل اور موجود نعمتوں پر راضی رہنا (۳) حدود الٰہی کی حفاظت کرنا (۴) غیر موجود اور لا حاصل اور نہ ملنے والی نعمتوں پر صبر کرنا ﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ اور اس کے ساتھ کسی بت وغیرہ کو شریک نہ ٹھہراؤ اور یہ مصدر کا احتمال ہے ''اَیْ اِشْرَاكًا'' یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دینا ﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو قول میں یعنی گفتگو کرنے میں' فعل میں یعنی ان کے ساتھ رہن سہن' برتاؤ' رویے اور ہر عمل میں حسن سلوک کے ساتھ

پیش آ ؤ اور ضرورت کے وقت ان پر مال خرچ کرو ﴿ وَّبِذِی الْقُرْبٰی ﴾ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ہر اس شخص کے ساتھ نیک سلوک کرو جس کے درمیان اور تمہارے درمیان کسی قسم کا رشتہ ہو خواہ بھائی ہو یا چچا ہو یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار ہو ﴿ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾ اور یتیموں اور محتاجوں اور قریب کے پڑوسیوں سے نیک سلوک کرو ﴿ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ اور دور کے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرو یا قریب کے پڑوسی سے مراد قرابت و رشتہ کے اعتبار سے قریبی پڑوسی مراد ہے اور دور کے پڑوسی سے اجنبی پڑوسی مراد ہے ﴿ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾ اور پہلو اور کروٹ کے ساتھی سے مراد بیوی کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: یا وہ شخص مراد ہے جو تیری صحبت میں اس طرح رہے کہ اسے تیری معیت اور سنگت حاصل رہے خواہ وہ سفر کا ساتھی ہو خواہ تعلیم علوم میں ساتھی ہو یا اس کے علاوہ کسی صنعت وحرفت میں ساتھی ہو یا مجلس یا مسجد میں تیرے پہلو میں بیٹھنے والا ساتھی ہو ﴿ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ اور مسافر یا مہمان مراد ہے ﴿ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ﴾ اور جن کے تم مالک ہو یعنی غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نیک سلوک کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ متکبر کو پسند نہیں کرتا جو اپنے رشتہ داروں اور اپنے پڑوسیوں سے نفرت کرتا ہے اور ان پر توجہ نہیں کرتا ﴿ فَخُوْرَا ﴾ نہ غرور کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے جو شیخی مارنے کے لیے اپنے مناقب ومحاسن گنتا اور بیان کرتا رہتا ہے' سوا گر وہ تکبر وشیخی مارنے کی بجائے حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے اپنے محاسن بیان کرتا تو شکر گزار ہو جاتا۔

اِلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾

جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں عنایت کیا اس کو چھپاتے ہیں' اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر' اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے گا تو وہ بہت بُرا ساتھی ہے ○ اور ان پر کیا آفت آ جاتی اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے' اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے ○ بے شک اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا' اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور وہ اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے ○

۳۷۔ ﴿ اِلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ ﴾ [یہ "مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا" سے بدل واقع ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور لفظ "مَنْ"

کے معنی کے اعتبار سے اس کو جمع لایا گیا ہے یا پھر مخصوص بالذم کی بنا پر منصوب ہے یا اس بنا پر مرفوع ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ] تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''هُمُ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ'' وہی لوگ بخل کرتے ہیں ﴿ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ﴾ اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں [ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''بِالْبَخَلِ'' (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے جیسے ''رُشْدٌ'' اور ''رَشَدٌ'' ہے یعنی اپنے زیر کنٹرول مال میں بھی بخل کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ دوسروں کے قبضہ میں مال ہوتا ہے اس میں بھی بخل کرنے کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مال میں بخل کرتے رہیں' یہ سخیوں کو ناراض کرنے کے لیے کرتے ہیں' بعض نے کہا کہ بخل یہ ہے کہ بخیل آدمی خود تو کھاتا ہے لیکن دوسروں کو نہیں کھلاتا اور شح (حریص بخیل) یہ ہے نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھلائے اور سخی وہ ہوتا ہے جو خود بھی کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے اور جواد وہ ہوتا ہے جو خود نہیں کھاتا (بلکہ خود بھوکا رہ کر) دوسروں کو کھلاتا ہے ﴿ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مال کی وسعت اور خوشحالی کی صورت میں جو انعام دیا تھا وہ لوگ اس کو چھپایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں ہے: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر احسان کرتا ہے تو وہ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے اس بندے پر اس نعمت کا اثر دیکھے۔ ہارون الرشید کے ایک اعلیٰ افسر نے ان کے محل کے سامنے اپنا محل تعمیر کرایا اور کسی چغل خور نے اس کی شکایت کر دی تو اس افسر نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! کریم و شریف آدمی خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر دیکھے اس لیے میں نے چاہا کہ میں آپ کے احسانات کے آثار دکھا کر خوش کروں' چنانچہ ہارون الرشید کو اس کی یہ گفتگو بہت پسند آئی۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کو چھپایا اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس کے ساتھ ان کو آخرت میں ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

۳۸- ﴿ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ﴾ [ یہ ''اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ'' پر معطوف ہے یا ''عَلَى الْكَافِرِيْنَ'' پر معطوف ہے ] اور جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں ﴿ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ یہ مفعول لہٗ ہے یعنی یہ لوگ فخر و مباہات کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ لوگ بڑے سخی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ نہیں کرتے اور یہ منافقین تھے یا مشرکین مکہ تھے ﴿ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴾ اور وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ برا ساتھی ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کو بخل' ریا اور ہر قسم کی شرارت پر ابھارتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہو کہ دوزخ کی آگ میں ان کا ساتھی شیطان ہو گا۔

۳۹- ﴿ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اور ان کا کون سا نقصان ہو جاتا اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے یعنی ایمان لانے میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں ان پر کون سی مصیبت اور وبال آ پڑتا اور اس سے مراد ان کی مذمت کرنا اور انہیں ڈرانا اور دھمکانا ہے ورنہ اس میں ہر قسم کی منفعت اور مصلحت تھی اور یہ ایسے ہے جیسے کسی نافرمان سے کہا جائے کہ اگر تو نیک ہو جاتا تو تیرا کون سا نقصان ہو جاتا حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ نیک ہونے میں کوئی نقصان نہیں لیکن اس کی مذمت کرنا اور ڈانٹنا مقصود ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے' یہ جملہ ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے۔

٤٠۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا" ذَرَّۃٌ" چھوٹی سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنا ہاتھ مٹی میں داخل کیا اور اس کو نکال کر اوپر اٹھایا' پھر اس میں پھونک ماری اور فرمایا کہ اس کا اڑتا ہوا ہر قطرہ ذرہ ہے اور بعض نے کہا کہ گھر کے روشن دانوں اور کھڑکیوں میں نظر آنے والے غبار کے قطرات میں سے ہر قطرہ ذرہ ہے ﴿ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً ﴾ اور اگر وہ نیکی ذرہ کے برابر ہو [ اور "مثقال" کی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ یہ مؤنث کی طرف مضاف ہے اور اہل حجاز اور قاری علی کسائی نے "حَسَنَۃٌ" کو مرفوع پڑھا ہے اور "کَانَ" (تَكُ) کو تامہ قرار دیا ہے اور "تَكُ" اصل میں "تَکُنْ" تھا لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیف کرنے کے لیے نون کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿ يُضٰعِفْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ اس نیکی کا اجر وثواب دگنا کر دیتا ہے [ قاری ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے "یُضَعِّفْھَا" (باب تفعیل سے عین مشدد کے ساتھ ) پڑھا ہے ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرما دے اس کی مقدار کو بھلا کون جان سکتا ہے جب کہ پوری دنیا کے سامان کو قلیل فرمایا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ کے اس قول کی تردید ہوگئی ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مجرم ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر چہ اس نے بہت ساری نیکیاں کی ہوں۔

وقف النبی علیہ السلام

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ ع

ع ۳

سو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O اس دن وہ لوگ تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! انہیں مٹی میں دبا کر ان پر زمین برابر کر دی جائے' اور وہ لوگ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے O

٤١۔﴿ فَكَيْفَ ﴾ سو یہود وغیرہ کفار کیسے کریں گے ﴿ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ ﴾ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہے اس پر وہ گواہ ان کے بارے میں گواہی دے گا اور وہ گواہ ان کا نبی ہوگا ﴿ وَّجِئْنَا بِكَ ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! ہم آپ کو لائیں گے ﴿ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ان پر یعنی آپ کی امت پر ﴿ شَهِيْدًا ﴾ گواہ' یہ حال ہے یعنی ہم آپ کو اس حال میں آپ کی امت پر گواہ بنا کر پیش کریں گے جس وقت آپ ایمان لانے والوں کے ایمان کی گواہی دیں گے اور کفر کرنے والوں کے کفر کی اور منافقت کرنے والوں کی منافقت پر گواہی دیں گے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی اور آپ خاموش ہو کر غور سے سنتے رہے یہاں تک کہ جب وہ اس آیت مبارکہ "وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ خوب روئے اور فرمایا: بس ہمیں کافی ہے۔

٤٢۔﴿ يَوْمَئِذٍ ﴾ یہ آنے والے اگلے ارشاد کا ظرف ہے یعنی اس (قیامت کے ) دن ﴿ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ﴾ اور انہوں نے رسول کریم کی نافرمانی کی تھی کہ کاش! ان کو دفن کر کے ان پر زمین برابر کر دی جائے جس طرح مردوں کو دفن کر کے زمین برابر

کر دی جاتی ہے یا قیامت کے دن وہ آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں قبروں سے نہ اٹھایا جاتا اور بے شک وہ اور زمین برابر ہو جاتے یا جب جانور مٹی ہو جائیں گے تو وہ لوگ ان کی حالت کی تمنا کریں گے [ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''تسا'' پر فتح اور سین کو مخفف کر کے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ''تتسوّٰی'' تھا اور ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے ''تسا'' کو سین میں مدغم کر کے پڑھا ہے (تَسَّوّٰی) ﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾ یہ جملہ مستأنفہ ہے یعنی وہ لوگ اپنی باتوں کے چھپانے پر قادر نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا |
| مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ |
| عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا |
| مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ |
| عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ |
| وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿٤٤﴾ |

اے ایمان والو! تم حالتِ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہے یا تم نے عورتوں کو چھو لیا ہے اور تم پانی پر قادر نہیں تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو کہ تم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے O کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں راہِ حق سے بہکا دیں O

## نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت اور یہود کی خیانت

**شانِ نزول:** جب حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا اور شراب تیار کرائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت کو دعوت دی اور اس وقت شراب جائز تھی تو انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی؛ پھر انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو امام بنایا تا کہ وہ انہیں نمازِ مغرب پڑھا دے تو اس نے نماز میں ''قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ'' پڑھ دیا جس پر یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

٤٣- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اے ایمان والو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو یعنی تم اس (نشہ کی) حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو یعنی جو تم نماز میں پڑھتے ہو اس کو سمجھنے لگو اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ نشہ کی حالت میں ارتداد کا کلمہ بولنے سے آدمی مرتد (بے ایمان) نہیں ہو جاتا کیونکہ سورت الکافرون میں نفی کے لاموں کا چھوڑنا کفر ہے لیکن اس صحابی کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے اسم کے ساتھ ''اٰمَنُوْا'' کہہ کر مخاطب

فرمایا اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا اور نہ اس کو تجدیدِ ایمان کا حکم دیا اور اس لیے بھی کہ اس امت مرحومہ کے تمام اہل علم حضرات نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جس شخص کی زبان پر غلطی سے کفر کا کلمہ جاری ہو جائے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا ﴿ وَلَا جُنُبًا ﴾ [''وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى'' پر اس کا عطف ہے کیونکہ واؤ کے ساتھ اس جملے کا محل حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور نہ جنابت کی حالت میں یعنی جنابت کی حالت میں بھی تم نماز نہ پڑھو ''جُنُبٌ'' (بڑی ناپاکی) [واحد اور جمع اور مذکر اور مؤنث سب کے لیے مساوی استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ مصدر کے قائم مقام ہے اور وہ ''اِجْنَابٌ'' ہے] ﴿ اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ ﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَا جُنُبًا'' کی صفت ہے یعنی تم جنبی ہونے کی صورت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ماسوا مسافر کے یعنی مقیم جنبی بغیر نہائے نماز نہ پڑھیں ماسوا مسافروں کے اور جنبی سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے غسل نہ کیا ہو' گویا کہا گیا ہے کہ تم بغیر نہائے نماز نہ پڑھو ﴿ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ یہاں تک کہ تم غسل کر لو مگر یہ کہ تم مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر لو اور مسافر کو تیمم کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ مسافر کی غالب حالت میں پانی دستیاب نہیں ہوتا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مذہب ہے اور حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز کے قریب نہ جانے سے نماز کے مقامات مراد ہیں جہاں نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور وہ مساجد ہیں اور نہ جنابت کی حالت میں یعنی تم جنات کی حالت میں مسجدوں کے قریب نہ جاؤ مگر یہ کہ تم راستہ عبور کرنے کے لیے مسجدوں سے گزرو' سو اس قول کے مطابق بہ وقت ضرورت جنبی کو مسجد میں سے گزرنا جائز ہے ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾ اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہے یعنی پست زمین سے کیونکہ وہ لوگ پست زمین میں قضائے حاجت کر کے آتے تھے اور یہ بے وضو ہو جانے سے کنایہ ہے ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ یا تم نے عورتوں کو چھو لیا یعنی تم نے ان سے جماع کیا' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی طرح منقول ہے ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ﴾ اور تم پانی کے استعمال پر قدرت نہ پاؤ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا بہت دور ہونے کی وجہ سے یا پانی حاصل کرنے کے آلہ (ڈول وغیرہ) گم ہو جانے کی وجہ سے یا سانپ یا درندہ یا دشمن کی رکاوٹ کی وجہ سے ﴿ فَتَيَمَّمُوْا ﴾ تو تم تیمم کر لو اور شرط کے حکم میں چار چیزیں داخل کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) بیمار (۲) مسافر (۳) بے وضو (۴) جُنبی (ناپاک) اور ان کی جزا ایک ہے اور وہ ہے تیمم کا حکم دینا جو ان سب کے ساتھ متعلق ہے' سو بیمار حضرات جب کمزوری کے سبب حرکت نہ کر سکتے ہوں اور پانی تک پہنچنے سے عاجز ہوں' جب ایسی صورت میں وہ پانی کو نہ پا سکیں اور مسافر جب پانی کے بہت دور ہونے کی وجہ سے اس کو حاصل نہ کر سکیں اور بے وضو اور جنبی حضرات بعض اسباب کی وجہ سے پانی حاصل نہ کر سکیں تو ان سب کے لیے تیمم کرنا ضروری ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''لَمَسْتُمْ'' پڑھا ہے] ﴿ صَعِيْدًا ﴾ مٹی' علامہ زجاج نے کہا کہ ''صعید'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اوپر ہو خواہ مٹی ہو یا کچھ اور اور اگرچہ خالی پتھر ہو جس پر مٹی بھی نہ ہو' اگر تیمم کرنے والا اس پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لے تو وہ پاک ہو جائے گا اور سورت مائدہ میں ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں ہے ﴿ طَيِّبًا ﴾ پاک ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴾ تو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو' بعض نے کہا ہے کہ ''با'' زائدہ ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینے اور آسانی پیدا کرنے کے سبب بہت معاف کرنے والا ہے ﴿ غَفُوْرًا ﴾ غلطی اور کوتاہی کو بہت

بخشنے والا ہے۔

٤٤۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ یہاں رؤیتِ قلبی مراد ہے اور اس کو ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے اس کا معنی ہے: کیا تمہارا علم ان تک نہیں پہنچا؟ یا یہ معنی ہے: کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ ان لوگوں کی طرف جن کو تورات کے علم کا ایک حصہ دیا گیا ہے اور وہ لوگ یہود کے علماء تھے ﴿ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ ﴾ وہ گمراہی خرید رہے ہیں یعنی وہ لوگ ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت پر واضح دلائل سامنے آ جانے کے باوجود وہ یہودیت پر ڈٹے ہوئے ہیں حالانکہ حضور سرورِ عالم ﷺ وہی عربی نبی ہیں جن کی تورات و انجیل میں خوشخبری سنائی گئی تھی ﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ اور اے مسلمانو! وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ حق سے بھٹک جاؤ جس طرح وہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ حمایت کے لیے کافی ہے اور اللہ مدد کرنے کے لیے کافی ہے ○ یہود میں سے بعض لوگ کلام کو اس کی اصل جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے اور نہیں مانا اور آپ سنئے نہ سنائے جائیں اور اپنی زبانیں گھما کر ''راعنا'' کہتے ہیں اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور آپ سنئے اور ہم پر نظر کرم فرمایئے تو البتہ یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور زیادہ درست ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت مسلط کر دی سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت تھوڑے لوگ ○

٤٥۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اس نے تمہیں ان کی عداوت و دشمنی سے خبردار کر دیا ہے سو تم ان سے بچو اور اپنے معاملات میں ان سے مشورہ وغیرہ نہ لو اور نہ ان کی نصیحت پر کان دھرو ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچانے میں کافی کارساز ہے ﴿ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴾ اور تمام مشکلات کو دفع کرنے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے سو تم اسی کی حمایت و نصرت پر بھروسا کرو اس کے علاوہ کسی پر نہ کرو یا یہ معنی ہے کہ تم ان کی (یعنی یہود کی) پرواہ نہ کرو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں تمہاری ضرور مدد کرے گا اور وہی اللہ تعالیٰ ان کے مکر و فریب کے مقابلے میں تمہاری کفایت فرمائے گا [اور ''وَلِيًّا'' اور ''نَصِيْرًا'' تمیز کی بنا پر یا پھر حال واقع ہونے کی بنا پر منصوب ہیں]۔

## تحریف کرنے کے باوجود یہود کو ایمان کی دعوت اور شرک کی مذمت

۴۶-﴿مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ [یہ ''اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتَابِ'' کا بیان ہے یا یہ ''لِاَعْدَائِكُمْ'' کا بیان ہے اوران دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ''نَصِیْرًا'' کے ساتھ متعلق ہو یعنی یہود کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا جیسے ارشاد ہے: ''وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا'' (الانبیاء:۷۷) اور ہم نے ان کی مدد فرمائی اس قوم پر جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا [یا پھر یہ محذوف کے ساتھ متعلق ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا قَوْمٌ یُّحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ'' یعنی یہود کی ایک جماعت کلام کو تبدیل کر دیتی ہے [اور اس میں ''قوم'' مبتدا ہے اور ''یُحَرِّفُوْنَ'' اس کی صفت ہے اور ''مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا'' اس کی خبر مقدم ہے اور موصوف محذوف ہے اور وہ قوم ہے اس کی جگہ اس کی صفت کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:] ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ وہ کلام الٰہی کو اس کی جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ اس کو مٹا دیتے ہیں اور زائل کر دیتے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اس کو تبدیل کیا اور اس کی جگہ دوسرا کلمہ رکھا تو انہوں نے اس کو تورات کی اس جگہ سے تبدیل کر دیا جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو رکھا تھا اور انہوں نے اس کو وہاں سے ہٹا دیا جیسے انہوں نے تورات میں ''اسمر ربعة'' (گندم گوں درمیانہ قد) کو تبدیل کر کے اس کی جگہ ''اٰدَمُ طِوَالٌ'' لکھ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ''عَنْ مَّوَاضِعِهٖ'' ذکر کیا ہے جب کہ سورۂ مائدہ میں ''مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ'' (المائدہ:۴۱) ذکر کیا ہے تو ''عَنْ مَّوَاضِعِهٖ'' کا معنی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کسی کلمہ کو اس کی اس اصلی جگہ سے دور کر دینا جہاں اللہ تعالیٰ کی حکمت رکھنا واجب کرتی ہے اور اس کو دوسرے تبدیل شدہ کلمہ کی جگہ رکھنا جہاں ان کی خواہشات کا تقاضا پورا ہوتا ہو اور ''مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ'' کا معنی یہ ہے کہ کلمات الٰہیہ کے لیے مناسب جگہیں ہوں جہاں رکھنا ان کے لیے مناسب ہے مگر جب یہود نے ان کو اصل جگہ سے تبدیل کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا تو وہ کلمات اس مسافر کی طرح ہو گئے جس کی اپنی رہائش اور مکان رکھنے کے بعد اب حالت سفر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور دونوں معنی قریب قریب ہیں ﴿وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا﴾ اور وہ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے ﴿وَعَصَیْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہود اس پر خوش ہوتے تھے ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور ہماری بات سنیے ﴿غَیْرَ مُسْمَعٍ﴾ یہ مخاطب سے حال ہے یعنی آپ ہماری بات سنیے مگر آپ کی نہ سنی جائے اور یہ قول دو مطلب رکھتا ہے: ایک مذمت کا احتمال رکھتا ہے کہ ہماری بات سن لے تمہارے حق میں ہماری یہ دعا ہے کہ تم کسی کی بات کو نہ سن سکو اس لیے کہ اگر ان کی بددعا آپ کے خلاف قبول ہو جاتی تو آپ کچھ نہ سن سکتے اور بہرے ہو جاتے' انہوں نے یہ بات اس بھروسا پر کہی تھی کہ کاش! ان کی یہ بات قبول کر لی جائے یا یہ معنی ہے کہ سن لے تجھے اس بات کا جواب نہ دیا جائے جس کی تم لوگوں کو دعوت دیتے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ایسا جواب نہ سنایا جائے جو تمہارے مدعا اور تمہارے مشن کے موافق ہو تو گویا تم کچھ نہ سن سکو یا یہ معنی ہے کہ سنیے تمہاری ایسی کوئی بات نہ سنی جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ اور دوسرا مطلب مدح کا احتمال رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ہماری بات سنیے تمہیں کوئی تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے اور جب کوئی کسی کو گالی دے تو تم کہتے ہو: ''اَسْمَعَ فُلَانٌ فُلَانًا'' کہ فلاں آدمی نے فلاں شخص کو سنا دیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَّرَاعِنَا﴾ ایک احتمال یہ ہے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے تا کہ ہم آپ سے بات چیت کر سکیں یعنی ہمارا خیال کیجئے اور ہمارا انتظار کیجئے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عبرانی یا سریانی کلمہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے' جس کے ساتھ یہود گالیاں دیتے تھے اور وہ کلمہ ''رَاعِیْنَا'' ہے' چنانچہ یہود اس کے ذریعے دین کا مذاق اڑاتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ذومعانی کلمہ بول کر آپ کا مذاق اڑاتے اور وہ اس کلمہ

سے دل میں گالی دینے اور توہین کرنے کی نیت کرتے تھے جب کہ وہ اس کلمہ کے ذریعے زبان سے تعظیم وتکریم کا اظہار کرتے تھے ﴿لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ﴾ وہ اپنی زبان مروڑ کر تبدیل کر کے بولتے تھے یعنی وہ لوگ اپنی زبانیں حق سے باطل کی طرف گھماتے' چنانچہ وہ ''انْظُرْنَا'' (ہم پر آپ نظرِ کرم فرمایئے) کی جگہ ''رَاعِنَا'' بولتے اور ''لَا اُسْمِعْتَ مَكْرُوْهًا'' (آپ کو تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے) کی جگہ ''غَيْرَ مُسْمَعٍ'' بولتے تھے یا وہ لوگ اپنی زبانوں کو گھما کر گالی کے معنی کو دل میں پوشیدہ رکھتے اور منافقت سے کام لے کر تعظیم کا اظہار کرتے تھے ﴿وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ﴾ اور وہ دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اس سے ان کا یہ قول مراد ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو ضرور انہیں باتوں کی خبر دیتا جن کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سن لیا ہے اور ہم نے اس کو مان لیا ہے اور وہ یہ نہ کہتے کہ ہم نے نہیں مانا ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور صرف اتنا کہتے کہ ہماری بات سنیے [اور اس کے ساتھ ''غَيْرَ مُسْمَعٍ'' نہ ملاتے] ﴿وَانْظُرْنَا﴾ [''رَاعِنَا'' کی بجائے ''وَانْظُرْنَا'' کہتے کہ ہم پر نظرِ کرم فرمایئے] ﴿لَكَانَ﴾ تو البتہ ان کی یہ باتیں ﴿خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حق میں بہت بہتر ہوتیں ﴿وَأَقْوَمَ﴾ اور سب سے زیادہ انصاف پر مبنی ہوتیں اور سب سے زیادہ صحیح اور درست ہوتیں ﴿وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اختیار کر لینے کے سبب ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے' چنانچہ ان میں سے حضرت عبد اللہ ابن اسلام اور آپ کے دیگر ساتھی ایمان لے آئے تھے یا یہ معنی ہے کہ مگر تھوڑا سا کمزور ایمان لاتے تھے جو قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ وہ لوگ صرف اپنے خالق پر ایمان لاتے تھے باقی سب کا انکار کرتے تھے اور جب یہود ایمان نہ لائے تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ
اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع ۸ ۴

اے اہلِ کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے جو تمہارے پاس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں' سو ہم ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتے کے روز شکار کرنے والوں پر لعنت کی تھی' اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے O بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ کمایا O کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کر دیتا ہے' اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا

جائے گاO دیکھو! یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں' اور وہ افتراء صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہےO

٤٧- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ﴾ اے اہل کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ وہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (یعنی قرآن مجید) تورات کی تصدیق کرنے والا ہے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا ﴾ اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں یعنی ہم ان کی صورتوں کے نقوش مٹا دیں کہ ان کی آنکھیں' ابرو' ناک اور منہ وغیرہ مٹا دیں ﴿ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ ﴾ پھر ہم ان کو ان کی پیٹھ کی طرف کر دیں اور ہم ان کو پشت کی طرح ہموار کر دیں اور وہ اس طرح کہ ان کے چہروں کو ان کی پشتوں کی طرح برابر کر دیا جائے اور ''فا'' سببیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو برعکس کر کے دُھرا عذاب دیا جائے گا کہ ایک کو دوسرے کی جگہ پر کر دیا جائے گا یعنی چہروں کو بگاڑنے کے بعد پشت کی جگہ لوٹا دیا جائے گا اور اب معنی یہ ہوگا کہ ہم ان کے چہروں کو بگاڑ دیں گے' پھر ان کے بگڑے ہوئے چہروں کو پشتوں کی جگہ الٹا دیں گے اور پشتوں کو چہروں کے مقام پر رکھ دیں گے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ''طَمْسٌ'' سے دلوں کا بگاڑنا مراد ہے جیسا کہ قبطیوں کے مالوں کو تبدیل کر کے پتھر بنا دیا گیا تھا' ''وُجُوْہٌ'' سے ان کے سر اور وجاہت وعزت وسرداری مراد ہے یعنی اس سے پہلے کہ ہم ان کی باعزت سیادت کے احوال بدل دیں اور ہم ان کا اقبال وخوش بختی اور سرداری چھین لیں اور ہم ان کو ذلیل ورسوا اور پست کر کے اوندھا کر دیں ﴿ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ﴾ یا ہم ان پر لعنت کر دیں جیسا کہ ہم نے ہفتے کے دن شکار کرنے والوں پر لعنت بھیجی تھی یعنی ہم ان کو مسخ کر دیں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو مسخ کر دیا تھا [اور اگر ''وُجُوْہٌ'' سے سرداری مراد ہو تو (هُمْ) ضمیر ''وُجُوْہٌ'' کی طرف لوٹے گی یا پھر ''اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ'' کی طرف بطور التفات لوٹے گی اور یہ وعید (دھمکی) اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر وہ تمام یہود ایمان نہیں لائیں گے (تو ان کے چہروں کو مسخ کر دیا جائے گا) اور جب کہ ان میں سے بعض حضرات ایمان لے آئے تھے' چنانچہ جب حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی تو شام سے واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے' اپنے گھر بیوی بچوں کے پاس جانے سے پہلے سیدھے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوئے اور عرض کی کہ میں یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ میں اپنا چہرہ بگڑنے سے پہلے اپنے گھر پہنچ سکوں گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے: (۱) چہروں کا بگڑنا (۲) ان پر لعنت کا برسنا' پھر اگر چہروں کے بگڑنے سے ان کی سرداری کے احوال کا تبدیل کرنا مراد ہے تو یہ ایک کام تو ہو چکا اور اگر اس کے علاوہ مراد ہے تو ان پر لعنت ہو چکی ہے کہ ہر زبان ان پر لعنت کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہود کے بارے میں اس کا انتظار ہے (ممکن ہے کہ یہ عذاب انہیں قیامت میں دیا جائے گا) ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ عذاب الٰہی ہے جس کا یہود سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿ مَفْعُوْلًا ﴾ ہر حال میں حکم خدا ہو کر رہتا ہے' سو اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان میں سے ایک امر ضرور واقع ہوگا۔

٤٨- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اگر وہ شرک کی حالت میں مر گیا ﴿ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ یعنی شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ بخش دے گا اگر چہ کبیرہ گناہ ہو اور بغیر توبہ کے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرک توبہ کرنے کے بعد بخشا جائے گا (ورنہ نہیں) اور بے شک شرک کے علاوہ بخشش کا وعدہ ہر اس گنہگار مسلمان کو شامل ہے جس نے توبہ نہیں کی یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشے گا جو شرک کرتا ہے جب کہ وہ مشرک ہی رہے اور اس شخص کو بخش دے گا جو گناہ کرتا ہے جب کہ وہ گنہگار ہی ہو۔ حضور نبی اکرم رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَضُرُّهٗ خَطِيْئَتُهٗ'' جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس نے

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہو گا تو وہ شخص جنت میں داخل ہو گا اور اس کا کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔[1]
﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ کا مغفرت کے وعدے کو اس ارشاد کے ساتھ مقید کرنا اس کو اس کے عموم سے خارج نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ'' (الشوریٰ:۱۹) ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے جس کو چاہتا رزق عطا فرماتا ہے'' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے پورے قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ محبوب ہے اور معتزلہ کا اس آیت کریمہ کو صرف توبہ کرنے والے پر محمول کرنا باطل ہے کیونکہ توبہ کرنے سے تو کفر کرنے والا بھی بخشا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ'' (الانفال:۳۸) ''اے محبوب! کافروں سے فرمادیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے'' لہٰذا جو اس سے کم ہے اس کی مغفرت توبہ کے ساتھ بطریق اولیٰ ہو گی اور آیت مبارکہ ان دونوں کے درمیان فرق بیان کرنے کے لیے لائی گئی اور وہ یہی ہے جس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ گھڑا یعنی اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا جس کی وجہ سے وہ دردناک عذاب کا مستحق ہو گیا۔

## یہود کی خودستائی' بے ایمانی' اسلام دشمنی اور اس کا انجام

شانِ نزول: اور یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ یہود و نصاریٰ میں سے ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنے آپ کو پاک باز بتایا تھا اور کہا تھا کہ ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' (المائدہ:۱۸) ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' ''وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' (البقرہ:۱۱۱) اور انہوں نے کہا کہ جنت میں صرف یہودی اور نصرانی جائیں گے''۔

۴۹- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک باز ثابت کرتے ہیں اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو خود اپنے آپ کو پاک باز ثابت کرتا ہے اور خود ہی اپنے آپ کو پاکیزہ اعمال کے ساتھ موصوف کرتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ مطیع و فرماں بردار اور متقی و پرہیزگار ثابت کرتا ہے ﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے' اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ معتبر پاکیزگی اسی کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ بناتا ہے اور اس کے علاوہ کسی کا از خود پاکیزہ بننا یا کسی کو بنانا کوئی قابل اعتبار حقیقت نہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ ہی پاکیزگی کی اہلیت و صلاحیت رکھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور اس کی مثل (درج ذیل ارشاد ہے:) ''فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى'' (النجم:۳۲) ''سو تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ بتاؤ وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے'' ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اپنے آپ کو پاکیزہ بتاتے ہیں ان کو پاکیزگی بتانے کی سزا دی جائے گی مگر جتنی سزا کے وہ حق دار ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا یا جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو ان کی پاکیزگی پر ثواب دیا جائے گا اور ان کے ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی ﴿فَتِيْلًا﴾ ذرہ کے برابر اور انگلیوں میں میل کچیل کے جو ذرات پیدا ہو جاتے ہیں انہیں ''فتیل'' کہا جاتا ہے۔

۵۰- ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ دیکھو! یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور وہ اپنے

[1] رواہ مسلم فی کتاب الایمان رقم الحدیث:۱۵۰ ـ ۱۵۳' البخاری فی کتاب العلم باب ۴۹' الترمذی فی کتاب الایمان باب ۱۸' النسائی فی کتاب الصلوٰۃ باب ۱' ابن ماجہ فی کتاب الدیات باب ۱' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۴۷ ـ ۳ ـ ۸۲ ـ ۳ ج ۲ ص ۱۷۰ ـ ۳۶۲

خیال میں سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ ترین لوگ ہیں ﴿ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ اور ان کے اس خیال کے باوجود ان کے باقی تمام گناہوں میں یہ افتراء اور یہ بہتان ان کے صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ بت اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے' اور جس پر اللہ لعنت کردے تو اس کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے O کیا ان کا ملک میں کچھ حصہ ہے' اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ایک تل کے برابر بھی کوئی چیز لوگوں کو نہ دیتے O کیا وہ لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے' سو بلاشبہ ہم نے ابراہیم کی آل کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی تھی O

۵۱- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ عطا کیا گیا یعنی یہود کو ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ ﴾ جو بتوں پر ایمان لاتے ہیں "جِبْتٌ" سے بت اور ہر وہ چیز مراد ہے جن کی یہود وغیرہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ﴿ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾ اور وہ کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

شانِ نزول: یہ حُیَیّ ابن اخطب اور کعب بن اشرف یہودیوں نے کہا تھا جو یہود کا ایک وفد لے کر مکہ مکرمہ گئے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کرلیں' جب قریش سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور دین کے اعتبار سے تم ہم سے زیادہ ان کے قریب ہو اور قرابت کے اعتبار سے وہ تم سے زیادہ ہمارے قریب ہیں' لہٰذا ہمیں تم پر اعتبار نہیں ہے' ممکن ہے کہ تم ہم سے دھوکہ کرو اس لیے تم ہمارے اطمینان کے لیے ہمارے خداؤں کو سجدہ کرو تاکہ ہمیں تم پر اطمینان ہوجائے' چنانچہ ان سب یہودیوں نے ان کے خداؤں کو سجدہ کیا اور یہی بتوں اور شیطان پر ان کا ایمان لانا ہے کیونکہ انہوں نے بتوں کو سجدہ کیا اور یہ کام کر کے انہوں نے ابلیس ملعون کی اطاعت کی' پھر ابو سفیان نے کہا کہ بتاؤ! ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا (محبوب خدا حضرت سرور کائنات) محمد (ﷺ) زیادہ ہدایت یافتہ ہیں' کعب بن اشرف نے کہا: تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔

۵۲-﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی انہیں رحمت سے دور کر دیا ہے ﴿ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيرًا ﴾ اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے تو تم اس کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے جو اس کی مدد کر سکے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دو اوصاف بخل اور حسد کو بیان کیا ہے اور یہ دونوں بدترین خصائل میں سے ہیں کہ وہ اپنا مال روک کر رکھتے ہیں اور دوسروں کے مال کی تمنا کرتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

۵۳-﴿ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ ﴾ پس اس میں ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور ہمزہ کا معنی اس بات سے انکار ہے کہ ان کا ملک میں کچھ حصہ ہے ﴿ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴾ یعنی اگر ملک میں ان کا کچھ حصہ ہوتا یعنی وہ دنیادار مالک ہو جاتے یا اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کے ملک کا مالک بنا دیتا تو پھر یہ لوگ بخل کی زیادتی کے باعث کسی کو ایک باریک دھاگہ کے برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے اور ''نقیر'' کھجور کی گٹھلی کے باریک شگاف کو کہا جاتا ہے اور یہ قلت وحقارت میں مثال دی جاتی ہے جیسے کپاس کی بٹی ہوئی باریک بتی (جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے)۔

۵٤-﴿ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ بلکہ کیا وہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں؟ حسد سے روکنے اور اس کی قباحت بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ (یعنی یہودی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں سے محض اس لیے حسد و بغض رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح ونصرت اور غلبہ وکامیابی عطا فرمائی اور ان کی عزت ووقار میں اضافہ کر دیا اور ان کو دن بہ دن ترقی سے ہمکنار کر دیا ہے ﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ إِبْرٰهِيمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور بے شک ہم نے (اس سے پہلے) ابراہیم کی آل کو کتاب یعنی تورات شریف اور حکمت یعنی نصیحت اور فقہ (دستورِ اسلامی) عطا کی ہے ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيمًا ﴾ اور ہم نے انہیں بہت بڑا ملک عطا فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں) حضرت یوسف' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بادشاہی عطا فرمائی تھی اور یہ ان پر حجت ہے کہ وہ خود اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کو کتاب وحکمت سے نوازا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسلاف ہیں اور یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب وحکمت سے اسی طرح نوازا ہے جس طرح آپ کے اسلاف (بزرگوں کو) نوازا گیا تھا۔

| |
|---|
| فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾ إِنَّ |
| الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ |
| جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا |
| وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ |
| أَبَدًا ۚ لَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۚ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۵۷﴾ |

تو ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائے اور ان میں سے کچھ نے اس سے منہ پھیر لیا' اور ان کو بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے○ بے شک جنہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ہم عنقریب ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے'

جب کبھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں سے تبدیل کر دیں گے تاکہ وہ ہمیشہ عذاب کو چکھتے رہیں' بے شک اللہ زبردست غالب ہے (اور) بہت بڑی حکمت والا ہے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم عنقریب ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے' ان میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی' اور ہم ان کو گھنے سایہ میں داخل کریں گے O

۵۵-﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ﴾ تو یہود میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ اور ان میں سے کچھ نے منہ موڑ لیا اور جاننے کے باوجود اس کی صحت سے انکار کر دیا یا یہود میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور آپ سے اعراض کر لیا ﴿وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا﴾ اور منکرین کے لیے بھڑکتی ہوئی جہنم کافی ہے۔

۵٦-﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا﴾ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ہم عنقریب ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے اور ''نُصْلِيْهِمْ'' کا معنیٰ ''نُدْخِلُهُمْ'' ہے یعنی ہم ان کو داخل کریں گے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ جب کبھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ''نَضِجَتْ'' کا معنیٰ ''اَحْرَقَتْ'' ہے یعنی جل جانا ﴿بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ تو ہم ان کے علاوہ دوسرے چمڑے سے تبدیل کر دیں گے اور ان چمڑوں کو تیار کریں گے جو پہلے نہیں جلائے گئے اور تبدیل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ہیئت و شکل بدل دی جائے گی ان کی اصلیت نہیں بدلی جائے گی اور اہل حق کا یہی مذہب ہے' کرامیہ اس کے خلاف ہیں اور حضرت فضیل سے منقول ہے کہ جل کر پکی کھال کی جگہ کچی کھال چڑھا دی جائے گی ﴿لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ تاکہ وہ لوگ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور یہ عذاب کبھی منقطع اور ختم نہ ہو جیسے کسی عزیز کے لیے تمہارا یہ کہنا کہ ''اَعَزَّكَ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ عزت پر قائم رکھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر بہت غالب ہے وہ مجرموں کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ اس میں بہت بڑی حکمت والا ہے جو وہ کافروں کے ساتھ کرتا ہے۔

## اہل ایمان کا انعام' امانت کی اہمیت' اللہ اور رسول کی اطاعت اور قرآن وسنت کی اہمیت

۵۷-﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے' ان میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی یعنی وہ ہر قسم کی نجاست و گندگی اور حیض و نفاس کے خون سے پاک صاف ہوں گی ﴿وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا﴾ اور ہم انہیں خوب گھنے سایہ میں داخل کریں گے' یہ ''ظَلِيْلٌ'' صفت ہے جو لفظ ''ظِلٌّ'' سے مشتق ہے اور یہ معنی کی تاکید کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْلٌ اَلْيَلُ'' یعنی بہت سیاہ رات اور یہ وہ طویل گھنا سایہ ہے جس میں دھوپ نہیں گزر سکے گی اور یہ سایہ ہمیشہ قائم رہے گا' اس کو سورج نہیں مٹا سکے گا اور خوشگوار سہانا معتدل موسم ہوگا جس میں نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی ہوگی اور یہ صرف جنت کا سایہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے حکام بالا کی امانتیں ادا کرنے اور عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ

تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۵۹﴾ ع

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو' بے شک اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے' بے شک اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے O اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی' پھر اگر کسی چیز میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے تو تم اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو' یہ بہت بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے O

۵۸- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس حکم میں فرائض کی ادائیگی بھی شامل و داخل ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کو انسان نے اپنے ذمے لیا تھا اور حواس کی حفاظت کرنا بھی اس میں شامل ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں ﴿ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ ﴾ اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو ﴿ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ﴾ تو انصاف اور برابری سطح پر فیصلہ کرو (تاکہ کسی فریق کے ساتھ زیادتی نہ ہو) اور کہا گیا کہ حضرت عثمان بن طلحہ بن عبد الدار خانہ کعبہ کے خادم اور چابی بردار تھے اور رسول اللہ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن) ان سے چابی لے لی تھی' پھر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چابی دے کر حکم فرمایا کہ یہ چابی انہیں واپس کر دو اور حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے اور آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو حضرت عثمان بن طلحہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام آسمانوں سے نیچے اترے اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دیتے ہوئے عرض کی کہ اب یہ چابی ہمیشہ حضرت عثمان بن طلحہ کی اولاد میں رہے گی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ﴾ [اس میں "مَا" نکرہ منصوبہ موصوفہ ہے اور "يَعِظُكُمۡ بِهٖ" اس کی صفت ہے] گویا کہا گیا ہے کہ وہ بہت بہترین چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [یا یہ "مَا" موصولہ محلاً مرفوع ہے اور اس کا صلہ اس کے بعد والا جملہ ہے] یعنی وہ بہت اچھی چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [اور مخصوص بالمدح محذوف ہے] "اَیْ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ذَالِكَ" یعنی اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ بہتر ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے' امانتیں ادا کرنا اور فیصلہ جات میں عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے [اور نافع مدنی ابو عمرو بصری نے نون کو مکسور عین ساکن کر کے (نِعۡمَا) پڑھا ہے اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے نون کو مفتوح اور عین کو مکسور (نَعِمَّا) پڑھا ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًا ﴾ بے شک اللہ تمہاری سب باتیں سننے والا ہے ﴿ بَصِيۡرًا ﴾ تمہارے تمام اعمال کو وہ دیکھ رہا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حکام کو امانتیں ادا کرنے اور انہیں عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا تو پھر اپنے (درج

ذیل) ارشاد میں عام لوگوں کو بھی ان کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے کا حکم دیا:

٥٩- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول پاک کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو امیر ہے اس کی (اطاعت کرو) یعنی "اُولِی الْاَمْرِ" سے حکام وقت مراد ہیں یا علمائے دین مراد ہیں جن کا حکم وفیصلہ اور فتویٰ حکام وقت پر بھی نافذ وجاری ہوتا ہے ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾ پھر اگر تمہارا اور حکام وقت کا دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے ﴿ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ تو تم اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کی طرف لوٹا دو یعنی تم اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یعنی کیونکہ ایمان اطاعت وفرماں برداری کو واجب ولازم کرتا ہے نہ کہ نافرمانی کو اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک حکام وقت حق کے مطابق چلتے رہیں گے اس وقت تک ان کی اطاعت وفرماں برداری رعایا پر واجب ولازم رہے گی اور جب وہ حق کی مخالفت کریں گے تو ان کی اطاعت جائز نہیں رہے گی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ"۔ یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں' اور حکایت بیان کی گئی ہے کہ مسلمہ بن عبد الملک بن مروان نے ابو حازم سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" میں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا؟ تو ابو حازم نے کہا کہ کیا حق کی مخالفت کی صورت میں تم سے اطاعت کا حکم چھین نہیں لیا گیا اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کے مطابق "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ اَیِ الْقُرْاٰنِ وَالرَّسُوْلِ فِیْ حَیَاتِهٖ وَاِلٰی اَحَادِیْثِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ" یعنی اگر تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی قرآن مجید کی طرف لوٹا دو اور رسول پاک کی طرف لوٹا دو ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد ان کی احادیث مبارکہ کی طرف لوٹا دو ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ رجوع کی طرف اشارہ ہے یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا ﴿ خَیْرٌ ﴾ دنیا میں بھی بہتر ہے ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴾ اور آخرت میں اس کا سب سے اچھا انجام ہوگا۔

## منافقین کے نفاق' حضور کی شفاعت وحاکمیت اور اطاعت کی اہمیت کا بیان

شانِ نزول: بشر نامی منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا اور یہودی نے اس کو حضور نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی کیونکہ یہودی جانتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رشوت نہیں لیتے اور فیصلہ صحیح کرتے ہیں اور منافق نے اس کو یہودیوں کے رشوت خور عالم وسردار کے پاس جانے کی دعوت دی تا کہ اس کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا سکے (مگر یہودی نے انکار کر دیا اور منافق کو حضور کے پاس جانے کے لیے مجبور کر دیا)' چنانچہ یہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (اور اپنا اپنا مدعا بیان کیا جس سے یہودی کا برحق ہونا ثابت ہو گیا) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا مگر منافق اس پر راضی نہ ہوا اور یہودی سے کہا کہ آیئے! ہم حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فیصلہ کرا لیتے ہیں (چنانچہ دونوں حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے) اور یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ سنا دیا ہے لیکن یہ شخص ان کے فیصلے پر راضی نہیں ہے تو حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کہ کیا اسی طرح ہوا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! (ایسا ہی ہوا ہے) سو حضرت عمر نے فرمایا: تم دونوں یہیں ٹھہرو یہاں تک میں واپس تمہارے پاس آ جاؤں' چنانچہ حضرت عمر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار اٹھائی اور پھر واپس گھر سے باہر تشریف لائے اور اپنی اس تلوار کے ساتھ اس منافق کی

گردن کاٹ دی اور فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کے فیصلہ پر راضی نہیں اس کے لیے میرا یہی فیصلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید میں (درج ذیل) آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بے شک وہ ایمان لا چکے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے چاہتے یہ ہیں کہ شیطان سے فیصلہ کرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے O اور جب انہیں کہا گیا کہ تم اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول پاک کی طرف آؤ تو آپ نے منافقوں کو دیکھا کہ وہ آپ سے منہ پھیر لیتے ہیں O پھر ان کا کیسا حال ہوگا جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑے گی ان کے اپنے ہاتھوں کے آگے بھیجے ہوئے کرتوتوں کے سبب پھر وہ لوگ اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے آپ کے پاس آئے کہ نیکی اور باہمی موافقت کے سوا ہمارا اور کوئی ارادہ نہیں تھا O

۶۰- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے خیال میں دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ بے شک عمر نے حق اور باطل میں فرق کر دیا ہے چنانچہ حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے ان کی یہ بات سن کر حضرت عمر سے فرمایا: ''اَنْتَ الْفَارُوْقُ. اے عمر! تم فاروق ہو'' (اس لیے حضرت عمر کا لقب فاروق ہے) ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ [یہ ''يَزْعُمُوْنَ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں ﴿اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ کہ وہ اپنا فیصلہ شیطان سے کرالیں یعنی کعب بن اشرف یہودی کے پاس اپنا مقدمہ لے جائیں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان اس لیے کہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت و دشمنی میں اور سرکشی و نافرمانی میں بہت بڑھ چکا تھا یا اسے شیطان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یا رسول اکرم نبی محترم سرور عالم ﷺ کے پاس اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے جانے کی بجائے کسی اور کو مقدمات کے فیصلے کا اختیار دینا شیطان کو حاکم ماننے کے مترادف ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ﴾ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو حق سے بہکا دے ﴿ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ بہت دور کی گمراہی یعنی موت تک لے جانے والی گمراہی۔

٦١۔﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ اور جب ان سے یعنی منافقین سے کہا گیا کہ ﴿ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ ﴾ تم اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب (قرآن مجید) اور رسول کریم کی طرف آؤ ﴿ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے منہ پھیر کر آپ کے غیر کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتے ہیں تاکہ رشوت دے کر اس کو اپنے فریب میں پھنسا لیں اور وہ انہی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

٦٢۔﴿ فَكَيْفَ ﴾ سو ان کا کیسا حال ہوگا اور وہ اس وقت کیسے کریں گے ﴿ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑے گی جیسے حضرت عمر کا بشر منافق کو قتل کر دینا ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اس وجہ سے کہ ان کے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے کہ آپ کی بجائے آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے کا ارادہ کیا اور آپ کے فیصلے پر الزام لگایا اور آپ کے فیصلے پر راضی نہ ہوئے ﴿ ثُمَّ جَآءُوْكَ ﴾ پھر منافقین میں سے مقتول کے ساتھی آپ کے پاس حاضر ہوئے ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ [یہ ''جَاءُوْكَ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے حاضر ہوئے ﴿ اِنْ اَرَدْنَآ ﴾ کہ ہم نے آپ کے غیر کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کرانے سے کوئی ارادہ نہیں کیا ﴿ اِلَّآ اِحْسَانًا ﴾ مگر نیکی کا ارادہ کیا برائی کا نہیں ﴿ وَّتَوْفِيْقًا ﴾ دو جھگڑنے والے فریقوں کے درمیان موافقت و صلح کا ارادہ کیا تھا آپ کی مخالفت کا ہم نے ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ آپ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور یہ ان کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہے کہ ان کا یہ عمل غلط تھا اور بے شک وہ عنقریب نادم و شرمندہ ہوں گے لیکن ان کی یہ ندامت و شرمساری انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ان کی معذرت انہیں بچا سکے گی اور ایک قول کے مطابق اس منافق کے ورثاء اس کے خون بہا کا مطالبہ کرنے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا خون رائیگاں کر دیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جانے سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ وہ انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے اور دونوں فریقوں کے درمیان موافقت و صلح کرا کے ہمارے ساتھی کے ساتھ نیکی کریں گے اور ہمارے دلوں میں ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ حضرت عمر ان کے حق میں ایسا فیصلہ کر گزریں گے جو انہوں نے کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں نفاق کو اللہ خوب جانتا ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو خوب نصیحت کیجئے اور ان کے دلوں میں اتر جانے والی مؤثر بات کیجئے ○ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی

اطاعت کی جائے اور اگر بے شک وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور یہ رسول بھی ان کی سفارش کر دیتے تو وہ لوگ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان پاتے O تو اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم مان لیں' پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں رکاوٹ و تنگی نہ پائیں اور (اس کو) خوشی کے ساتھ دل و جان سے تسلیم کر لیں O

۶۳- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلبی نفاق کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا﴾ سو ان سے اعراض کیجئے یعنی ان کی معذرت قبول کرنے سے منہ پھیر لیجئے اور ان کو زجر و توبیخ کیجئے اور ان کے غلط عمل سے انکار کر کے انہیں ڈانٹ کر نصیحت کیجئے اور ان کو نصیحت کرنے میں ڈرا دھمکا کر مبالغہ کیجئے یا ان کو سزا دینے سے اعراض کیجئے اور ان کو عتاب کر کے نصیحت کیجئے اور آپ کے دل میں وعظ کا جو جذبہ موجزن ہے اس سے کام لے کر ان کی کنہ کی مراد تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جس کی وجہ سے انہوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور بلاغت یہ ہے کہ ناصح اپنی زبانی تبلیغ کے ذریعے کسی کے دل کی گہرائی تک پہنچ جائے [اور ''فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ'' ''قُلْ لَّهُمْ'' سے متعلق ہے] یعنی ان کے نفوس خبیثہ اور قلوب شریرہ جو منافقت سے لبریز ہیں ان میں اتر جانے والی بات ان سے فرمایئے جو ان میں خوب اثر کرے۔

۶۴- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور ہم نے کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجا ﴿اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے آسانی پیدا کرنے سے اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی جائے یا اللہ کے حکم کے سبب اس کی اطاعت کی جائے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے جن کی طرف رسول بھیجا ہے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رسول کی اطاعت کریں کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے اس لیے اس کے رسول کی اطاعت خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰)'' اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور اگر انہوں نے فیصلہ کے لیے شیطان کے پاس جا کر جب اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تھا ﴿جَآءُوْكَ﴾ تو مخالفت کے ارتکاب سے معذرت کرتے ہوئے اور منافقت سے توبہ کرتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہو جاتے ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ سو وہ مخالفت و منافقت کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہوئے مغفرت و بخشش مانگتے ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسولِ کریم ان کی شفاعت کرتے ہوئے ان کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرتے [اور ''اِذْ ظَّلَمُوْٓا'' میں ''اَنَّ'' کی خبر عامل ہے اور وہ ''جَآءُوْكَ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ ظلم کرتے وقت آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا﴾ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا پا لیتے اور وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا جان لیتے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ''وَاسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ'' کہ آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجئے نہیں فرمایا اور اس سے طریقۂ التفات کی طرف عدول کر کے آپ کے اسم مبارک (الرَّسُوْلُ) کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کی رفعت و بلندی کا اظہار ہو جائے اور آپ کے استغفار کی عظمت و کرامت ظاہر ہو جائے اور اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ آپ کے اسم گرامی ''رسول'' کی شفاعت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند مقام ہے ﴿رَّحِیْمًا﴾ ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے' بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے ایک اعرابی آیا اور آ کر آپ کی قبر

انور سے لپٹ گیا اور اس کی خاک شفا اٹھا کر اپنے سر پر لگائی اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے ہم نے سن لیا ہے اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس میں یہ آیت مبارکہ بھی ہے کہ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الاٰیۃ اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں' میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں' آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت کی دعا کیجئے تو حضور کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ بے شک تجھے بخش دیا گیا ہے۔[1]

---

[1] میں یہاں قارئین کی روحانی تسکین اور اس واقعہ کی تائید وتوثیق کے لیے اپنے مشفق ومربی استاذی المکرم شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی "تفسیر تبیان القرآن" ج ۲ ص ۷۱۴۔۷۱۶ کا مضمون نقل کر رہا ہوں جس کے بعد مزید دلائل کی ضرورت نہیں رہے گی۔

## حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان میں الشیخ ابومنصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب "الشامل" میں حضرت شیخ عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" الاٰیۃ اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے اندر مدفونین میں سب سے بہتر ہیں — جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں — اس میں عفو ہے' اس میں سخاوت ہے' اس میں لطف وکرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا' حضرت عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی' میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۸۔۳۲۹' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵' البحر المحیط ج ۳ ص ۲۹۴' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں: یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی شیخ عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹۔۴۶۰' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٦٥- ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ [اصل میں ''فَوَ رَبِّكَ'' ہے] جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ'' (الحجر:٩٢) اور ''لَا'' قسم کے معنی کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور قسم کا جواب ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ہے یا تقدیر اس طرح ہے: ''فَلَا اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ کَمَا یَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ'' سو نہیں یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں' پھر فرمایا: اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہو سکتے ﴿حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ یہاں تک کہ وہ آپ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم مان لیں جن معاملات میں وہ آپس میں اختلاف کر بیٹھیں اور باہم الجھ پڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہو جائیں اور اسی سے ''شجر'' لیا گیا ہے کیونکہ درخت کی شاخیں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں اور آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾ پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں تنگی اور رکاوٹ محسوس نہ کریں اور ''حَرَجًا'' کا معنی ''ضَيِّقًا'' ہے یعنی ان کے دل آپ کے فیصلے پر تنگ نہ ہو جائیں اور کسی قسم کی ناگواری ان کے دلوں پر نہ آئے یا ان کے دلوں میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو کیونکہ شک کرنے والا اپنے معاملے میں تنگ دل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے سامنے یقین واضح ہو جائے ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اور وہ آپ کے فیصلے کو خوب تسلیم اور قبول کر لیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیں اور اس کو پوری طرح مکمل مان لیں یعنی اس کے لیے خالص ہو جائیں اور ''تسلیم'' مصدر ہے جو فعل کی تاکید کے لیے تکرار کے قائم مقام ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ لوگ آپ کے فیصلے کو اس طرح دل و جان سے تسلیم کر لیں کہ اس کے متعلق نہ ظاہر میں شک وشبہ رہے نہ باطن میں رہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کے حکم اور آپ کے فیصلے پر راضی ہو جائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معروف دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں: عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے' اسی طرح دیگر متعدد علمائے کرام نے قدیماً وحدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ ''مواہب'' میں بہ سند امام ابومنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن حرب ہلالی سے روایت ہے کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ ''یَا خَیْرَ الرُّسُلِ'' اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوں' پھر دو شعر پڑھے اور اس حضرت محمد بن حرب کی وفات ٢٢٨ھ میں ہوئی۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں' پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ٢٥٤) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ٤٠) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے (اعلاء السنن ج ١٠ ص ٣٣٠) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعتِ مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص ١٢٨) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہ کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (تسکین الصدور ص ٣٦٥-٣٦٦ ملخصاً مطبوعہ ادارہ نصرت العلوم' گوجرانوالہ)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾

اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر باہر نکل جاؤ تو ان میں سے صرف تھوڑے سے لوگ اس پر عمل کرتے' اور اگر وہ لوگ اس پر عمل کر لیتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور ایمان پر قائم رہنے کے لیے زیادہ مضبوط ہوتا O اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہم ضرور ان کو اپنی طرف سے بہت بڑا اجر وثواب عطا فرماتے O اور ہم ضرور ان کو سیدھے راستے پر چلاتے O اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا رہے گا تو وہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں' اور یہ بہت عمدہ ساتھی ہیں O

٦٦- ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ﴾ اور اگر ہم منافقوں پر فرض کر دیتے یعنی اگر ہمارا لکھا ہوا حکم ان پر جاری ہو جاتا ﴿اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو (یعنی تمہارے جرم کی یہی سزا ہے) [اس میں حرف ''اَنْ'' مفسرہ ہے] یعنی تم جہاد کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دو یا یہ معنی ہے کہ اگر ہم ان پر واجب کر دیتے جس طرح ہم نے بنی اسرائیل پر اپنے آپ کو قتل کرنا واجب کر دیا تھا ﴿اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ﴾ یا ہجرت کر کے اپنے گھروں سے باہر نکل جاؤ ﴿مَّا فَعَلُوْهُ﴾ تو وہ لوگ اپنی منافقت کی وجہ سے یہ کام ہرگز نہ کرتے اور اس میں ''ھا'' ضمیر دونوں فعلوں کے مصدروں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتی ہے اور وہ قتل کرنا یا گھر سے باہر نکل جانا ہے یا یہ ضمیر مکتوب کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''كَتَبْنَا'' دلالت کر رہا ہے ﴿اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے چند لوگ اس پر عمل کرتے [قاری ابن عامر شامی نے اس کو استثناء کی بنا پر ''قَلِیْلًا'' (منصوب) پڑھا ہے اور یہ ''فَعَلُوْا'' کی واؤ سے بدل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اور اگر انہیں جس کی نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کر لیتے یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کر لیتے اور آپ کے فیصلے کو مان لیتے ﴿لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾ تو البتہ یہ عمل ان کے لیے دین و دنیا (دونوں جہانوں) میں بہتر ہوتا ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا﴾ اور ایمان کو ثابت و قائم رکھنے میں زیادہ مستحکم ہوتا اور اس میں شک و شبہ کو بہت دور کر دیتا۔

٦٧- ﴿وَّاِذًا﴾ یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے' گویا کہا گیا ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو کہا گیا کہ اگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہے ﴿لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ تو ہم ان کو اپنے پاس سے بہت زیادہ اجر و ثواب عنایت کریں گے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

٦٨- ﴿وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴾ اور ہم ان کو ضرور سیدھے راستے پر چلائیں گے یعنی ہم ان کو دین حق پر ثابت رکھیں گے اور ''صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' (موصوف صفت) ''هَدَیْنَا'' کا دوسرا مفعول ہے۔

۶۹- ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے رہیں گے تو وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا' وہ انبیائے کرام اور صدیقین ہیں جیسے انبیائے کرام کے افاضل صحابہ کرام اور صدیق وہ جو بہت سچ بولنے والا ہو جس کا ظاہر معاملات میں صداقت وسچائی کے ساتھ آراستہ ہو اور اس کا باطن مراقبہ ومجاہدہ سے آراستہ ہو یا صدیق وہ شخص ہوتا ہے جس کا کردار اور گفتار (نیز عقیدہ) سچا ہو ﴿ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ اور شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے ﴿ وَالصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے احوال اچھے ہوں اور اعمال نیک ہوں ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ اور یعنی یہ کتنے اچھے ساتھی اور کتنے عمدہ دوست ہیں اور یہ ''رَفِيْقًا'' صدیق اور خلیط کی طرح ہے کہ واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے (کیونکہ یہ لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہے)۔

ع ۱۱

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۟ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا
حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۟ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۟ وَلَئِنْ
اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ
يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۟

یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے' اور اللہ کافی ہے جاننے والا O اے ایمان والو! تم اپنے دفاع کی خاطر سامانِ جنگ تیار کر لو پھر دشمن کی طرف الگ الگ گروپ کی شکل میں روانہ ہو جاؤ یا سب مل کر نکلو O اور بے شک تم میں سے البتہ ایک گروہ ضرور تاخیر کرے گا' پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ گئی تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا O اور اگر تمہیں اللہ کا فضل مل جائے تو وہ ضرور کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہیں تھی: کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا O

۷۰- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ﴾ [ہے یا پھر ''الْفَضْلُ'' اس کی صفت ہے ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اطاعت گزاروں کے لیے اجر عظیم اور انعام یافتہ حضرات کی رفاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی فضل وکرم فرمایا ہے یا مراد یہ ہے کہ انعام یافتہ حضرات کی فضیلت و عظمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی ہے' خوب جاننے والا ہے کہ کون صاحب فضیلت ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو کر رہا ہے وہ اس کا فضل وکرم ہے مگر معتزلہ اس کے خلاف کہتے ہیں۔

جہاد کا حکم اور مظلوم ومقہور مسلمان قوم کی آزادی کے لیے جہاد کرنے کی اہمیت

۷۱- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے دفاع اور بچاؤ کے لیے سامان جنگ لے لو اور

''حِذْرٌ'' اور ''حَذَرٌ'' کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: اپنے آپ کو بچانا اور اپنا دفاع کرنا اور یہ دونوں ''اِثْرٌ'' اور ''اَثَرٌ'' کی طرح ہیں اور جس وقت کوئی شخص ہوشیار ہو جائے اور خوف دلانے والی چیز سے بچ کر رہے تو کہا جاتا ہے: ''اَخَذَ حِذْرَهٗ. کہ فلاں آدمی نے اپنا بچاؤ کر لیا'' گویا اس نے اپنے دفاع کو بچنے کا آلہ بنا لیا جس کے ذریعے وہ اپنے نفس کو بچا لیتا ہے اور اپنی روح کی حفاظت کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ہوشیار رہو اور دشمن سے بچنے کا انتظام کرو ﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ﴾ سو تم الگ الگ جماعتیں بنا کر دشمن کی طرف نکل جاؤ اور گروہ در گروہ بن کر نکلو پس ''ثبات'' کا معنی ''جماعات'' ہے اس کا واحد ''ثُبَةٌ'' ہے ﴿اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا﴾ یعنی یا تم سب مل کر نکلو یا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی قیادت میں نکلو کیونکہ جماعت بغیر امیر کے نامکمل ہوتی ہے جیسے ہار بغیر جوہری کے نہیں پرویا جاتا یا الگ الگ گروپ بن کر نکلو جب کہ دشمن کے مقابلے میں روانگی کا اعلان عام نہ ہو یا سب مل کر نکلو جب روانگی کا عام اعلان ہو جائے۔

٧٢- ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ﴾ میں لام ابتدا کے لیے ہے جیسے ''اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ'' (النحل:١٨) میں ہے اور ''مَنْ'' موصولہ ہے ﴿لَّيُبَطِّئَنَّ﴾ میں قسم کا جواب محذوف ہے اس کی تقدیر یوں ہے: ''وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ اَقْسَمَ بِاللّٰهِ لَيُبَطِّئَنَّ'' اور بے شک تم میں سے البتہ ایک گروہ وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ وہ ضرور تاخیر کرے گا [اور قسم اور جوابِ قسم ''مَنْ'' کا صلہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر وہ ہے جو ''لَيُبَطِّئَنَّ'' میں پوشیدہ ہے یعنی وہ ضرور تاخیر کرے گا اور وہ ضرور جہاد سے پیچھے رہ جائے گا اور ''بَطُؤَ'' کا معنی ہے: ''اَبْطَاَ'' یعنی تاخیر کی اور ''مَا بَطُؤَ بِكَ'' کہا جاتا ہے پھر ''با'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنْكُمْ'' کا مطلب ہے کہ وہ بہ ظاہر تم میں سے ہیں لیکن باطن اور حقیقت میں تم میں سے نہیں ہیں کیونکہ منافقین ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیوں قتل کرتے ہو ٹھہرو اور دیر کرو تا کہ جنگ کا معاملہ واضح ہو جائے ﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے یعنی تم قتل ہو جاؤ یا تمہیں شکست ہو جائے ﴿قَالَ﴾ تاخیر کرنے والا کہتا ہے: ﴿قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا ورنہ مجھے بھی ویسے مصیبت پہنچتی جس طرح ان کو پہنچی ہے۔

٧٣- ﴿وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور البتہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل یعنی فتح و کامیابی یا مال غنیمت مل جائے ﴿لَيَقُوْلَنَّ﴾ تو یہ تاخیر کرنے والا مال غنیمت کے فوت ہو جانے پر افسوس کرتے ہوئے ضرور کہے گا حصول ثواب کے لیے نہیں کہے گا ﴿كَاَنْ﴾ [ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی دراصل ''كَاَنَّهٗ'' ہے] ﴿لَّمْ تَكُنْ﴾[1] [قاری حفص اور ابن کثیر مکی نے اس کو ''تا'' کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ [یہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ ''لَيَقُوْلَنَّ'' ہے اور اس کا مفعول ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ﴾ ہے] اور معنی یہ ہے کہ گویا اس کی تمہارے ساتھ اس سے پہلے کوئی دوستی نہیں تھی کیونکہ منافقین بہ ظاہر مسلمانوں سے دوستی کرتے لیکن اندرون خانہ مسلمانوں کے لیے مصیبتوں اور ہلاکتوں کے طلب گار رہتے ﴿فَاَفُوْزَ﴾ [یہ منصوب ہے کیونکہ تمنّی کا جواب ہے] ﴿فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ تو میں مال غنیمت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کر لیتا۔

---

[1] واضح رہے کہ قدیم مصری نسخے میں ''كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ'' ہے اور یہ باقی قراء کی قراءت ہے اور اس مفسر کے قول ''وَبِالتَّاءِ'' کے مناسب بھی یہی ہے لیکن ہم نے قدیم نسخے کی پیروی نہیں کی بلکہ ہم نے امام حفص کی قراءت کے مطابق قرآنِ مجید کے متن کی پیروی کی ہے (کیونکہ قرآن مجید میں ''كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ'' ہے) الشیخ زکریا عمیرات۔ غوثوی مہاروی

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

پھر وہ لوگ اللہ کی راہ میں ضرور لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض میں فروخت کرتے ہیں' اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑتا ہے' پھر وہ مارا جاتا ہے یا وہ غالب آجاتا ہے تو ہم عنقریب اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے O اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں بعض ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی آزادی کے لیے نہیں لڑتے جو دعا کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں' اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز و حامی بنا دے' اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے مددگار بنا دے O

۷۴۔ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں فروخت کرتے ہیں' یہاں ''یَشْرُوْنَ'' بہ معنی ''یَبِیْعُوْنَ'' ہے یعنی بیچتے ہیں اور اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض میں بدلنا چاہتے ہیں یعنی اگر وہ لوگ رک گئے ہیں جن کے دل بیمار ہیں اور ان کی نیتیں جہاد کرنے سے کمزور ہو گئی ہیں تو اسلام پر ثابت قدم رہنے والے مخلص مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں یا یہ معنی ہے کہ جو خرید رہے ہیں اور اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ اپنی نفاق کی حالت کو بدل دیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم پر ایمان لانے میں مخلص ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے' پھر وہ مارا جاتا ہے یا وہ غالب آجاتا ہے تو ہم عنقریب اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے ہر مجاہد سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کامیاب ہو کر لوٹ آئے یا شکست کھا کر شہید ہو جائے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کے اعزاز میں جہاد کرنے پر اس کو بہت بڑا اجر و ثواب عنایت کیا جائے گا۔

۷۵۔ ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ استفہام نفی میں تاخیر کرنے پر تنبیہ کرنے کے لیے اور اثبات میں انکار کے لیے آتا ہے] ﴿لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑتے [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں عامل فعل مستقر ہے جیسے تم کہتے ہو: ''مَالَكَ قَائِمًا''] اور معنی یہ ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے

تم جہاد کو ترک کر رہے ہو حالانکہ اس کے دواعی واسباب ظاہر ہو چکے ہیں ﴿ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ [یہ ''سَبِیْلِ اللّٰہ'' پر معطوف ہونے کی بنا پر مجرور ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزوروں کی خلاصی کرانے میں (کفار سے جہاد کرو) [یا یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے] یعنی کمزور کرنے والے ظالموں سے کمزور مظلوموں کی خلاصی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سے مخصوص کر لی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہر کار خیر کو شامل ہے لیکن مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں سے آزاد کرانا سب سے بڑی خیر ہے اور سب سے خاص خیر ہے اور کمزوروں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا اور مشرکین مکہ نے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا تو وہ ذلیل و کمزور ہو کر ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے پیچھے مکہ مکرمہ میں رہ گئے اور مشرکین انہیں سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے ﴿ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے‘ یہاں بچوں کا ذکر مشرکین کے مظالم کی زیادتی کو ثابت کرنے کے لیے کیا گیا ہے حتیٰ کہ بچوں کے ماں باپ کو مقہور و مغلوب کرنے کے علاوہ ان غیر مکلّف بچوں تک ان کے مظالم پہنچ چکے تھے اور یہ اس لیے کہ کمزور و مظلوم مسلمان اپنی دعاؤں میں اپنے بچوں کو شریک کر لیتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ ان بے گناہ بچوں کی دعا کی برکت سے ان پر اپنی رحمت نازل فرما دے جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے‘ آپ نے فرمایا کہ میں اور میری ماں کمزور عورتوں اور بچوں میں سے تھے ﴿ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے یعنی مکہ مکرمہ سے ﴿ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ﴾ جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں [اس میں ''الظالم''،''قریة'' کی صفت ہے مگر اس کو ''اَهْلُهَا'' کی طرف مسند کیا گیا ہے اس لیے اس کو ''القریة'' کا اعراب دیا گیا ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے اور اس کا ''اهل'' کی طرف اسناد کر کے ذکر کیا گیا ہے] جیسے تم کہتے ہو: ''مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ ظَلَمَ اَهْلُهَا'' کہ اس بستی سے جس کے رہنے والوں نے ظلم کیا ہے ﴿ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ اور تو ہمارے لیے اپنی طرف سے کارساز بنا دے جو ہمارے معاملے کا انتظام سنبھال لے اور ہمیں ہمارے دشمن سے نجات دلا دے ﴿ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴾ اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے مددگار مہیا کر دے جو دشمنانِ دین کے خلاف ہماری مدد کرے اور یہ مسلمان بڑے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اس سے مدد طلب کرتے تھے‘ سو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے لیے مدینہ منورہ کی طرف نکلنے کو آسان فرما دیا اور باقی بعض فتح مکہ تک یہیں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کے لیے بہترین حامی و مددگار مہیا فرما دیا اور وہ (سرکارِ مدینہ‘ سرورِ قلب و سینہ حضرت) محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ہیں‘ چنانچہ آپ نے ان کا بہترین انتظام فرمایا اور ان کی زبردست مدد فرمائی اور جب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا اور انہوں نے ہر فریادی کی فریاد رسی فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے اقتدار اور مدد و نصرت کو ویسے پایا جیسے انہوں نے چاہا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ طاقتور کے مقابلے میں کمزور کی مدد فرماتے تھے یہاں تک کہ تمام اہل مکہ ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے اور سب سے زیادہ معزز ہو گئے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں کیونکہ وہی ان کا حامی و مددگار ہے اور ان کے دشمن شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں جن کا شیطان کے علاوہ کوئی مددگار نہیں‘ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ اَلَمْ
تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ
وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ
الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

جو لوگ ایمان دار ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں' سو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو' بے شک شیطان کا مکروفریب کمزور ہےO کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ اللہ سے ڈرنے کی طرح لوگوں سے ڈرنے لگا یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا' اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور تو نے ہمیں کچھ مہلت کیوں نہ دے دی؟ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے' اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گاO

٧٦- ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ ﴾ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ﴾ سو تم شیطان کے دوستوں یعنی کفار سے لڑو ﴿ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ ﴾ بے شک شیطان کا فریب یعنی اس کے وسوسے' بعض اہل علم نے فرمایا کہ فریبیوں کے طریقے پر حیلہ اور بہانہ کر کے فساد پھیلانا ''کید'' کہلاتا ہے ﴿ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ نہایت کمزور ہے کیونکہ وہ ایک دھوکہ ہے جو کسی نصب العین کی طرف رجوع نہیں کرتا یا یہ معنی ہے کہ شیطان کا مکرو فریب اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اور اس کی تدبیر کے مقابلے میں بہت کمزور ہے اور مسلمان جب تک مکہ مکرمہ میں رہے انہیں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے سے روک دیا گیا تھا اور وہ تمنا و آرزو کیا کرتے تھے کہ انہیں کافروں کے ساتھ لڑنے کی اجازت دی جائے تو ان کے حق میں یہ (درج ذیل) آیت مبارک نازل ہوئی:

٧٧- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ تم لڑنے سے اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ ﴾ اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا یعنی مدینہ منورہ میں جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ اچانک ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے یعنی وہ لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان سے کفار لڑیں گے جس طرح وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی سختی نازل فرما دے' یہ خوف دین میں شک کی بنا پر نہیں تھا اور نہ جہاد سے روگردانی کی وجہ سے تھا بلکہ دلوں میں خطرات کی وجہ سے اور موت سے خوف کی وجہ سے فرار تھا۔ حضرت الشیخ امام ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خوف طبعی خوف تھا اور ان میں یہ خوف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آرڈر سے اعتقادی کراہت کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ انسان ہر اس چیز سے کراہت

کرنے پر پیدا کیا گیا ہے جس میں اس کی ہلاکت کا غالب امکان ہو[اور" خَشْيَةِ اللّٰهِ" میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے اور وہ "يَخْشَوْنَ" میں ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے ]یعنی وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے مشابہ ہو گئے ہیں ﴿ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ یا اس سے زیادہ ڈرتے ہیں' یہ حال پر معطوف ہے یعنی یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے زیادہ لوگوں سے ڈرتے ہیں[اور حرف "اَوْ" تخییر کے لیے ہے ]یعنی اگر تم یہ کہو کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے تو تمہارا یہ کہنا درست ہے اور اگر تم یہ کہو کہ وہ اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں تو بھی درست ہے کیونکہ ان کو اس کی مثل بھی خوف حاصل تھا اور اس سے زیادہ بھی ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا' ہمیں تھوڑی سی مہلت کیوں نہیں دے دی؟ یعنی تو نے ہمیں مرنے تک مہلت کیوں نہیں دے دی تا کہ ہم اپنے بستر مرگ پر موت کی آغوش میں چلے جاتے (اور جہاد سے بچ جاتے )اور یہ سوال ان پر جہاد فرض کرنے کی حکمت کے بارے میں کیا گیا ہے اس کے حکم پر اعتراض نہیں کیا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو اس سوال پر ڈانٹا نہیں گیا بلکہ ان کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کے ذریعے جواب دیا گیا ہے: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا سا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت سب سے بہتر ہے( کیونکہ ) دنیا کا سامان تھوڑا اور فانی ہے' زائل ہونے والا اور آخرت کا سامان بہت زیادہ اور دائمی ہے' باقی رہنے والا ہے اور جب کثیر مال زوال پذیر ہو تو قلیل اور تھوڑا شمار ہوتا ہے تو پھر قلیل و تھوڑا اور زائل ہونے والا کس شمار میں ہوگا ﴿ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ قتل و غارت کی مشقت پر تمہارے اجر و ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے گا' سو تم اس سے اعراض و روگردانی نہ کرو[ اور قاری ابن کثیر مکی اور حمزہ اور علی کسائی نے اس کو "یا" کے ساتھ( لَا يُظْلَمُوْنَ ) پڑھا ہے ]پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں خبردار کیا ہے کہ موت سے ڈرنا اور جہاد سے بچنا تقدیر سے نجات نہیں دیتا:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پالے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں رہو' اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی تو کہتے: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی بُرائی پہنچتی تو کہتے: یہ آپ کی طرف سے ہے' (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ سب اللہ کی

طرف سے ہے' سو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات کو نہیں سمجھتے O (اے انسان!) تجھے جو بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو بُرائی پہنچے تو وہ تیرے نفس کی کارستانی ہے' اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے' اور اللہ گواہی کے لیے کافی ہے O جو شخص رسول کریم کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا O

## نیکی و بدی کی نسبت کرنے کا ضابطہ' اطاعتِ رسول کی اہمیت اور منافقین کے نفاق

۷۸- ﴿ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ ﴾ [''مَا'' زائدہ ہے' ''اَیۡنَ'' میں شرط کے معنی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے] یعنی تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پالے گی ﴿ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ﴾ اور اگر چہ تم مضبوط ترین بلند و بالا قلعوں یا محلات میں رہو ﴿ وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ ﴾ اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے یعنی خوشحالی و زرخیزی اور دولت کی فراوانی کی کوئی نعمت ملتی ہے ﴿ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ﴾ تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی وہ لوگ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ﴿ وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ ﴾ اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے یعنی قحط سالی و تنگ دستی کی جب کوئی مصیبت انہیں پہنچتی ہے ﴿ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ﴾ کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے یعنی وہ لوگ اسے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے اور یہ سب مصیبتیں آپ کی نحوست کی وجہ سے ہیں (نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ ذَالِکَ) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب منافقین اور یہودیوں کو کوئی بھلائی پہنچتی تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے اور جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو سیّد عالم حضرت محمد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی طرف اس کو منسوب کر دیتے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ﴾ [اور مضاف الیہ محذوف ہے' ''اَیۡ کُلُّ ذَالِکَ'' یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' سو وہی رزق کشادہ کرتا ہے اور وہی تنگ دست کرتا ہے ﴿ فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴾ سو اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اتنی سی بات نہیں سمجھتے ورنہ وہ جان لیتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق کو بڑھاتا اور گھٹاتا ہے اور یہ سب کچھ حکمت و دانائی سے صادر ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۷۹- ﴿ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ ﴾ اے انسان! تجھے جو بھلائی پہنچے یعنی جو نعمت و احسان ملے اور یہ تمام انسانوں کو عام خطاب ہے اور علامہ زجاج نے کہا: اس کے مخاطب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں مگر اس سے مراد آپ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں ﴿ فَمِنَ اللّٰہِ ﴾ تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان میں سے ہے ﴿ وَمَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ﴾ اور تجھے جو برائی و مصیبت اور تکلیف و پریشانی پہنچے تو وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے اس لیے وہ تیری ہی طرف سے ہے یعنی تیرے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ'' (الشوریٰ: ۳۰) ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تو اس کی وجہ تمہارے ہاتھوں کی کارستانیاں ہیں'' ﴿ وَاَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے' یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں حتیٰ کہ وہ تنگ دستی و پریشانی کو آپ کی طرف منسوب کرتے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے' لہٰذا رسالت کی تبلیغ کرنا آپ کے ذمے ہے اور نیکی اور بدی آپ کے ذمے نہیں ﴿ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور بعض نے کہا: یہ پہلے متصل ہے یعنی وہ لوگ بات کی حقیقت کو نہیں سمجھتے (اس لیے) کہتے ہیں کہ جو بھلائی تجھے پہنچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے وہ تیری طرف سے ہے اور معتزلہ کا دوسری آیت کریمہ

میں "حَسَنَةٌ" اور "سَيِّئَةٌ" کو اطاعت اور معصیت پر محمول کرنا کھلم کھلا بے راہ روی ہے اور اس پر "مَا اَصَابَكَ" دلالت کرتا ہے کیونکہ افعال میں "مَا اَصَبْتَ" کہا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ خلق اور ایجاد کے اعتبار سے نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں تو ان کے لیے اس میں حجت کہاں ہوگی اور "شَهِيْدًا" تمیز ہے۔

٨٠۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جو رسول کریم کی اطاعت کرتا ہے بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم جاری کرتے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی نہی کے مطابق کسی کام سے منع کرتے ہیں' لہٰذا آپ کے اوامر ونواہی میں آپ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے ﴿وَمَنْ تَوَلّٰى﴾ اور جس نے اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے تو آپ بھی اس سے اعراض فرمالیجئے ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ سو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان پر ان کے اعمال کی حفاظت کریں اور ان پر ان سے حساب لیں اور ان کو سزا دیں۔

| |
|---|
| وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ |
| تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى |
| بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا |
| فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ |
| وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْ |
| لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾ |

اور وہ کہتے ہیں: ہم نے اطاعت کی' پھر جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس کے خلاف منصوبہ بناتا ہے' جو آپ فرماتے ہیں اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو منصوبہ بناتے ہیں' اور آپ ان سے اعراض فرمالیں' اور اللہ پر بھروسا رکھیں اور کارسازی کے لیے اللہ کافی ہے○ سو وہ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے آیا ہوتا تو البتہ وہ اس میں بہت اختلاف پاتے○ اور جب خوف یا امن کی کوئی خبر ان کے پاس آتی تو وہ اس کو عام نشر کر دیتے' اور اگر وہ اس کو رسول پاک اور صاحب اختیار حضرات کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو خبر کا تجزیہ کرنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت کو ضرور جان لیتے' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے○

٨١۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور جب آپ منافقین کو کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ﴿طَاعَةٌ﴾ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ہمارا کام اور ہماری شان آپ کے حکم کی اطاعت کرنا ہے ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو غلط منصوبہ تیار کرتا ہے اور اسے مکمل کرتا ہے [اور "بَيَّتَ"، "بَيْتُوْتَةٌ" سے مشتق ہے] کیونکہ اس کا معنی ہے کہ رات کو کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا اور اس کے بارے میں غور وفکر اور تدبیر تیار کرنا یا یہ "ابیاتِ شعر" سے ہے کیونکہ شاعر ان کے بارے میں غور وفکر اور تدبیر کرتا ہے اور ان کو درست کر

کے مکمل کرتا ہے [اور قاری حمزہ اور ابو عمرو بصری نے ''تـا'' کو ''طـا'' میں مدغم کر کے پڑھا ہے ] ﴿غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ﴾ اس کے برخلاف جو آپ نے انہیں فرمایا تھا اور آپ نے جو ان کو حکم دیا تھا یا اس کے خلاف کیا جو انہوں نے خود آپ کے سامنے اقرار کیا تھا اور جو اطاعت کے اختیار پر مشتمل عہد لیا تھا کیونکہ انہوں نے انکار کو چھپائے رکھا اور قبول و نافرمانی اور اطاعت کے اقرار کو نہیں چھپایا اور بے شک وہ جو کہتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں دلوں میں اس کے خلاف نفاق و بغض رکھتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ﴾ اور وہ لوگ رات کو جو منصوبے تیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہا ہے اور ان کے اعمال کے صحیفوں میں ثبت کر رہا ہے اور ان کو اس پر ضرور سزا دے گا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان سے انتقام لینے کا اپنے دل میں نہ سوچئے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور آپ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مضرت کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے اور جب اسلام قوی اور غالب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ان سے انتقام لے لے گا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اس لیے جو اس پر توکل اور بھروسا کرتا ہے وہ اس کی کفایت فرماتا ہے۔

۸۲- ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ تو وہ لوگ قرآن مجید میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ اس کے معانی اور اس کے حروف میں تأمل و سوچ بچار کیوں نہیں کرتے؟ اور تدبر کا مطلب ہے: کسی معاملے کے انجام میں نظر و تأمل اور غور و فکر کرنا اور یہ سوچنا کہ آخر کار اس کا انجام کیا ہوگا اور نتیجہ کیا نکلے گا' پھر ہر قسم کے تأمل و تفکر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کے ذریعے غور و فکر کر کے دل کو دلائل کی طرف مائل کیا جائے اور یہ آیت مبارکہ روافض کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ قرآن کریم کا معنی اور مفہوم حضور سرور عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امامِ معصوم کی تفسیر کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا اور یہ آیت مبارکہ قیاس کے صحیح ہونے اور تقلید جامد کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ﴾ اور یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے ہوتا جیسا کہ کفار نے گمان کیا تھا ﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ تو البتہ وہ لوگ اس میں توحید و شرک اور حلال و حرام کی حیثیت سے بہت زیادہ اختلاف یعنی تناقض و تضاد پاتے یا بلاغت کے اعتبار سے اس میں اختلاف پاتے کہ قرآن کریم کا بعض حصہ اعجاز و کرامت کی انتہائی حد تک پہنچا ہوتا اور اس کا بعض حصہ اس سے قاصر ہوتا جس کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا یا معانی کے اعتبار سے اختلاف ہوتا کہ اس کا بعض حصہ غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا جو مخبر عنہ کے موافق ہوتا اور اس کا بعض حصہ مخبر عنہ کے مخالف ہوتا اور اس کا بعض حصہ علمائے معانی کے نزدیک صحیح معنی پر دلالت کرتا اور اس کا بعض حصہ فاسد اور غیر متفق معنی پر دلالت کرتا لیکن ملحدوں نے چند آیات میں اختلاف کا دعویٰ کیا ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ'' (الاعراف:۱۰۷) ''تو وہ اژدھا ظاہر ہو گیا'' ''كَاَنَّهَا جَآنٌّ'' (النمل:۱۰) ''گویا وہ سانپ ہے'' ''فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (الحجر:۹۲) ''اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے'' ''فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ'' (الرحمٰن: ۳۹) ''پس اس دن انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا'' تو اہل حق نے ان کے شبہات زائل کر دیئے ہیں اور ان شاء اللہ تم ہماری اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر ان شبہات کے جوابات اور تشریح پڑھ لو گے۔

## راز فاش کرنے کی ممانعت

۸۳- ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ﴾ اور جب امن یا خوف کی کوئی خبر ان کے پاس آتی اور یہ کمزور مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تھے جن میں حالات کو پرکھنے اور جانچنے کی مہارت نہیں یا پھر یہ منافقین تھے کہ جب رسول

اللہ ﷺ کے لشکروں کے متعلق امن وسلامتی یا خوف وبیم اور اختلاف وانتشار کی کوئی خبر انہیں پہنچتی تو ﴿ اَذَاعُوْا بِهٖ ﴾ اس کو (تمام لوگوں میں) پھیلا دیتے اور ان کا اسی قسم کی خبروں کے پھیلانے سے فتنہ وفساد برپا ہو جاتا' کہا جاتا ہے: "اَذَاعَ السِّرَّ وَاَذَاعَ بِهٖ" یعنی فلاں شخص نے راز کو فاش کر دیا اور اسے پھیلا دیا [اور "بِهٖ" کی ضمیر امر یا امن یا خوف کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ حرف "اَوْ" ان میں سے کسی ایک کا تقاضا کرتا ہے ﴿ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ ﴾ اور اگر وہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اور معاملات پر گہری نگاہ رکھنے والے بڑے بڑے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرف لوٹا دیتے یا ان حضرات کی طرف لوٹا دیتے جن کو ان پر امیر مقرر کیا گیا تھا ﴿ لَعَلِمَهُ ﴾ انہیں جو خبر دی گئی ہے اس کی تدبیر کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ جو ان میں سے اپنی ذہانت اور اپنے تجربے اور جنگی معاملات اور ان کی فریب کاریوں کو خوب جاننے اور پرکھنے کی وجہ سے اس کا نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور ذی اختیار اصحاب رائے سے امن اور وثوق کی کوئی خبر معلوم کر لیتے تو دشمنانِ دین پر ظاہر کر دیتے یا خوف اور جنگ میں انتشار کی کوئی خبر محسوس کرتے تو اس کو لوگوں میں پھیلا دیتے جو دشمنوں تک جا پہنچتی جس سے فتنہ وفساد رونما ہو جاتا اور اگر وہ لوگ اس کو رسول اکرم ﷺ اور ذی اختیار تک محدود رکھتے اور اس کو انہیں کے سپرد کر دیتے اور ایسے ہو جاتے کہ گویا انہوں نے کچھ نہیں سنا تو وہ حضرات اس کی حقیقت کو جان لیتے جو خبر کا تجزیہ کر کے اس کا نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ اس کی تدبیر کیسے کریں اور کیا چیز لے لیں اور کیا چیز چھوڑ دیں' پھر کنواں کھودتے وقت پہلی مرتبہ جو پانی نکلتا ہے اس کو "نبط" کہتے ہیں اور "استنباط" کا معنی "استخراج" یعنی کسی چیز کو نکالنا ہے' پھر آدمی اپنی ذہنی قوت اور علمی تدبر کے ذریعے مشکل الفاظ سے جو معانی حاصل کر لیتا ہے اب ان کے لیے "استنباط" استعمال کیا جاتا ہے ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ رسول اکرم رحمت دو عالم ﷺ کو بھیج کر تم پر فضل وکرم نہ فرماتا ﴿ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ اور کتاب (یعنی قرآن مجید) نازل کر کے تم پر اپنی رحمت نہ فرماتا ﴿ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ ﴾ تو تم ضرور شیطان کے پیروکار ہو جاتے اور کفر وشرک پر قائم رہتے ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ماسوا چند لوگوں کے جو شیطان کی پیروی نہ کرتے بلکہ وہ اپنی عقل سلیم کے ذریعے ایمان لاتے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ وغیرہما (ورقہ بن نوفل اور دین حنیف کے پیروکار اہل فترت)۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ
اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً
حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

تو (اے محبوب!) اللہ کی راہ میں قتال کیجئے' صرف آپ کو اس کا مکلف کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دیجئے'

عنقریب اللہ کافروں کی سختی کو روک دے گا' اور اللہ بہت سخت پکڑ کرنے والا ہے اور بہت سخت عذاب دینے والا ہے O اور جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے' اور جو بُری شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو' بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے O اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو O

## جہاد کی اہمیت اور اچھی بُری سفارش کی وضاحت

شانِ نزول: جب اس سے پہلی آیات میں ذکر کیا گیا کہ منافقین جہاد سے باز رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے سے جی چراتے ہیں اور زبانی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کر کے اپنے محبوب کو (تنہا جہاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے) فرمایا:

٨٤- ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اگر لوگ آپ سے الگ ہو جائیں اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیجئے ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ آپ کو صرف آپ کے نفس کا مکلّف کیا جاتا ہے کسی غیر کے نفس کا نہیں' لہٰذا آپ اکیلے جہاد کی طرف قدم بڑھایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و مددگار ہے کوئی لشکر نہیں۔

شانِ نزول: حضور سرور کون و مکان رحمت عالمیاں ﷺ نے بدر الصغریٰ میں جانے کے لیے لوگوں کو دعوتِ جہاد دی کیونکہ غزوہ احد میں ابوسفیان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدر الصغریٰ کے مقام میں (جنگ کے لیے) ملاقات کا وعدہ کیا تھا' بہرحال لوگوں کو وہاں جانا ناگوار گزرا اور جنگ میں جانے سے کترانے لگے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ ستر مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے اور اگر ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہ جاتا تو آپ اکیلے روانہ ہو جاتے ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں اور ان کے بارے میں آپ کے ذمے صرف جہاد کرنے کی ترغیب دینا ہے اور بس' ان کو عار دلانا نہیں ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ کافروں کی سختی کو روک دے گا یعنی ان کی پکڑ اور سختی کو روک دے گا اور اس سے قریش مکہ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی سختی کو ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر روک دیا اور وہ بدر الصغریٰ کے مقام پر نہ پہنچے اور ''عَسٰی'' طمع اور امید دلانے کا کلمہ ہے مگر کریم کا طمع دینا یقیناً پورا ہوتا ہے اور لئیم و بخیل کے وعدہ پورا کرنے سے کریم کا وعدہ جلد پورا ہوتا ہے ﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ قریش کی پکڑ سے زیادہ سخت ہے ﴿وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ ''بَاْسًا'' کی طرح تمیز ہے۔

٨٥- ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ جو اچھی سفارش کرے اور وہ شر کے دفع کرنے کی سفارش ہو یا ایسے نفع کے حصول کی سفارش ہو جس کی شریعت میں اجازت ہو ﴿يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے اس سے حصہ ہے یعنی سفارش کے ثواب سے ﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ اور جو بری سفارش کرے یہ وہ سفارش ہے جو اچھی سفارش کے برخلاف ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کی تفسیر میرے سوا کوئی نہیں جانتا' اس کا معنی توحید کا حکم دینا' کفار سے جہاد کرنا ہے اور اس کا برعکس بری سفارش ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صلح کے لیے چل کر جانا اچھی سفارش ہے اور اس کے برعکس چغل خوری کے لیے چلنا پھرنا بری سفارش ہے ﴿يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے اس سے حصہ ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یہ ''اَقَاتَ عَلَی الشَّیْءِ'' سے ماخوذ ہے (یعنی) وہ شخص فلاں چیز پر قادر ہو گیا ہے یا ''مقیت'' بہ معنیٰ ''حفیظ'' ہے اور ''قُوْتٌ'' (خوراک' روزی دینا' کفالت کرنا'

حفاظت کرنا) سے مشتق ہے کیونکہ خوراک انسان کو قوت وطاقت دیتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے (اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے)۔

## سلام کی اہمیت' امتناع کذب اور حشر کا تذکرہ

٨٦- ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ ﴾ یعنی جب تم پر سلام کیا جائے کیونکہ "تحیۃ" ہمارے دین کے مطابق دنیا اور آخرت میں سلام ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) "فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (النور: ٦١) "سو تم (گھر میں داخل ہوتے وقت) اپنوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک دعا ہے" "تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ" (الاحزاب: ٤٤) "جس دن وہ لوگ فرشتے سے ملاقات کریں گے تو وہ ان کو سلام کہہ کر دعائے خیر دے گا" اور اہل عرب ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو "حَيَّاكَ اللّٰهُ" کہا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی دراز کرے' پھر اسلام آنے کے بعد اس کو سلام سے تبدیل کر دیا گیا ﴿ بِتَحِيَّةٍ ﴾ یہ "تَفْعِلَةٌ" (کے وزن پر باب تفعیل) "حَيَّا يُحَيِّيْ تَحِيَّةً" سے ماخوذ ہے ﴿ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ ﴾ تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یعنی جب تمہیں کوئی شخص "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہے تو تم اس کے جواب میں "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہو اور جب وہ تمہیں "وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" بھی کہہ دے تو تم "وَبَرَكَاتُهٗ" بڑھا کر کہو کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کا ایک منتہیٰ (اختتام) ہوتا ہے' سلام کا منتہیٰ "وَبَرَكَاتُهٗ" ہے ﴿ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ یا اسی کو لوٹا دو یعنی اس کی مثل جواب دو اور سلام کا جواب اسی کی مانند لوٹا دو کیونکہ جواب دینے والا سلام کرنے والے کے قول کا جواب دیتا ہے اور اس جگہ مضاف محذوف ہے یعنی اس کی مثل جواب دو اور سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے اور اس سے بہتر الفاظ کے ساتھ جواب دینا فضل وکرم اور احسان ہے اور جب کوئی آدمی کسی مسلمان قوم کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کرے اور وہ لوگ جواب نہ دیں تو روح القدس ان سے الگ ہو جاتا ہے اور سلام کرنے والے آدمی کو فرشتے جواب دے دیتے ہیں اور خطبہ اور تلاوت قرآن کے دوران بلند آواز سے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا اور روایت حدیث اور علم کے مذاکرہ کے وقت' اذان اور اقامت کے دوران بھی سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شطرنج اور نرد وغیرہ کھیلنے والے اور گانا گانے والے اور قضائے حاجت کرنے والے اور کبوتروں کو اڑانے والے' بغیر کسی عذر کے حمام میں ننگا نہانے والے یا اس کے علاوہ ننگے شخص کو سلام نہیں کیا جائے گا اور جب مرد گھر میں داخل ہو تو اپنی عورت کو سلام کرے اور چلنے والے بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو' گھوڑے پر سوار گدھے پر سوار کو (یعنی اعلیٰ سواری والا ادنیٰ سواری والے کو) چھوٹا بڑے کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں اور جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں تو سلام کرنے میں جلدی کریں۔ بعض کا قول ہے کہ ہم مذہب کو اس کے سلام سے بہتر سلام کے ساتھ جواب دے اور ذمی کو اس کے سلام کی طرح جواب دے اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ[1] اَیْ وَعَلَيْكُمْ مَا قُلْتُمْ" جب تمہیں کوئی اہل کتاب سلام کرے تو تم کہو: "وَعَلَيْكُمْ" یعنی تم پر وہی کچھ ہو جو تم نے کہا ہے کیونکہ وہ "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" (تم پر موت آئے) کہتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالی شان ہے کہ سلام کرنے میں دھوکہ جائز نہیں یعنی "عَلَيْكَ" نہ کہا جائے بلکہ "عَلَيْكُمْ" کہا جائے کیونکہ آدمی کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے والے دو فرشتے بھی ہوتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا یعنی اللہ تعالیٰ

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاستئذان باب ٢٢ ' مسلم فی کتاب السلام رقم الحدیث: ٩'٧٧٨' الموطأ فی کتاب السلام رقم الحدیث: ٣' الدارمی فی کتاب الاستئذان باب ٧ ' احمد فی مسندہ ج ٢ ص ٩ ' ج ٣ ص ٩٩

تم سے ہر چیز کا اور سلام وغیرہ کا حساب لے گا۔

٨٧-﴿اَللّٰهُ﴾ مبتدا ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کی خبر ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کی خبر ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ﴾ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے قسم اللہ کی! وہ تمہیں ضرور جمع کرے گا ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ یعنی وہ تمہیں ضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا اور ''قِيَامَةٌ'' اور ''قِيَامٌ'' ''طِلَابَةٌ'' اور ''طِلَابٌ'' کی طرح ہیں اور اس سے مراد ان کو قبروں سے اٹھانا ہے یا ان کو حساب لینے کے لیے اٹھانا مراد ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' (المطففین:٦) ''اس دن سب لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے'' ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے [یہ ''يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' سے حال ہے اور ضمیر ''هَا'' یوم کی طرف لوٹتی ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے ''اَىْ جَمْعًا لَا رَيْبَ فِيْهِ'' یعنی اس دن لوگوں کے جمع ہونے میں کوئی شک نہیں اور ضمیر ''هـا'' جمع کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ [''حَدِيْثًا'' تمیز ہے اور یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے] یعنی وعدہ اور وعید کرنے میں اور خبر دینے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے) اس لیے کہ اس کا جھوٹ بولنا محال بالذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے بارے میں خلاف واقع خبر دینا بدترین عمل ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾

سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو حصوں میں بٹ گئے ہو اور اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے' کیا تم اس کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہو جس کو اللہ نے گمراہ قرار دے دیا ہے' اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے دے تم اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پا سکو گے ○ وہ چاہتے ہیں کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے ہیں تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ' سو تم ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کے دین میں لوٹ آئیں' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو' اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ○

## منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ' منافقوں کی خطرناک تمنا اور ان سے جہاد کرنے کا حکم

٨٨-﴿فَمَا لَكُمْ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ ہے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس قوم کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے ہو جنہوں نے کھلم کھلا منافقت کی اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے اور تم پر بھی ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے ان کے کفر کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا۔

شانِ نزول: اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منافقین کی ایک جماعت کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور انہوں نے بیماری کا

بہانہ بنا کر رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ انہیں مدینہ منورہ سے دور جنگل میں جا کر رہنے کی اجازت دی جائے (جہاں کی آب وہوا موافق ہو) پھر جب اجازت ملنے کے بعد روانہ ہوئے تو منزل بہ منزل چلتے رہے اور سفر جاری رکھا حتیٰ کہ مشرکین کے پاس جا کر ان سے مل گئے جس کی وجہ سے مسلمان ان کے بارے میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئے' کچھ نے کہا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں اور کچھ نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں (تو اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کی تائید میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی) [اور ''فِئَتَيْنِ'' حال ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَالَكَ قَائِمًا'' علامہ سیبویہ نے کہا کہ جب تم ''مَالَكَ قَائِمًا'' کہتے ہو] تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تو کیوں کھڑا ہوا ہے؟ اور اس کا نصب تاویل کی بنا پر ہے یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے تجھے اس حال میں ٹھہرایا ہوا ہے؟ ﴿ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کافروں کے حکم میں تبدیل کر دیا ہے ﴿ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ ان کے ان اعمال بد کی وجہ سے جو انہوں نے مرتد ہو جانے اور مشرکین میں جا ملنے کی صورت میں سرانجام دیئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو مسلم سے کافر میں بدل دیا' لہٰذا تم بھی ان کے کفر کے بارے میں اختلاف نہ کرو (بلکہ ان کے کفر پر متفق ہو جاؤ) ﴿ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ﴾ کیا تم ان کو راہِ راست پر لا کر ہدایت یافتہ مسلمانوں میں داخل کرنا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے (ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ قرار دے دیا ہے؟ یا کیا تم ان کا نام ہدایت یافتہ رکھنا چاہتے ہو جن کی گمراہی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے' سو آیت مبارکہ کا یہ حصہ ان مسلمانوں کو عار دلانے کے لیے ہے جنہوں نے منافقوں کو ہدایت یافتہ (یعنی مسلمان) قرار دیا تھا اور یہ آیت مبارکہ ہمارے مذہب کی دلیل ہے کہ کسب (اختیار) بندے کے لیے ثابت ہے اور تخلیق رب تعالیٰ کے لیے ثابت ہے جس کی قدرت عظیم ترین ہے ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے دے تم اس کے لیے ہدایت کا طریقہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔

۸۹- ﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا ﴾ [کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اور ''مَا'' مصدریہ ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہیں کی طرح کافر ہو جاؤ ﴿ فَتَكُوْنُوْنَ ﴾ یہ ''تَكْفُرُوْنَ'' پر معطوف ہے ﴿ سَوَآءً ﴾ یعنی تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ ﴿ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اسلام کے ساتھ مقبول ومعتبر ہے ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ پھر اگر وہ ایمان قبول کرنے سے روگردانی کر لیں ﴿ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ تو تم ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو جیسا کہ تمام مشرکین کا یہی حکم ہے ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ اور تم ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ کسی کو مددگار بناؤ اور اگر وہ تمہارے لیے دوستی اور امداد کی پیش کش کریں تو تم ان کی طرف سے اسے قبول نہ کرو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

مگر جو لوگ ایسی قوم سے مل جائیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو یا وہ تمہارے پاس ایسی حالت میں آ جائیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ آ چکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے لڑیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر ضرور مسلط کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے' پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں' تو پھر اللہ نے تمہارے لیے ان پر لڑنے کے لیے کوئی راہ نہیں رکھی ○

## معاہدے کی اہمیت

۹۰- ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ ﴾ مگر یہ کہ یہ منافقین ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں اور ان سے جا ملیں (جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ'' ''دُوْنَ الْمَوَالَاۃِ'' سے استثناء ہے یعنی تم ان کو پکڑو اور ان کو قتل کر و دوستی نہ کرو ﴿ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ ﴾ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو اور قوم سے اسلمیوں کے افراد مراد ہیں کیونکہ ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ہوا تھا اور وہ معاہدہ یہ تھا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے پہلے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپ کی مدد کرے گا اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کرے گا اور یہ معاہدہ اس شرط پر ہوا کہ جو شخص ہلال بن عویمر اسلمی کے پاس پہنچ جائے گا اور اس سے پناہ حاصل کر لے گا اس کو ہلال بن عویمر اسلمی کی طرح امان دے دی جائے گی یعنی تم ان کو قتل کر دو ماسوا ان کے جو ایسی قوم سے مل جائیں گے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو ﴿ اَوْ جَآءُوْکُمْ ﴾ [یہ قوم کی صفت پر معطوف ہے] یعنی ماسوا ان لوگوں کے جو معاہدین قوم سے جا ملیں یا وہ قوم جس نے لڑائی ترک کر دی ہے نہ وہ تمہارے لیے لڑتے ہیں اور نہ وہ تمہارے خلاف لڑتے ہیں یا ''اَلَّذِیْنَ'' کے صلہ پر عطف ہے یعنی ماسوا ان کے جو معاہدہ کرنے والوں کے پاس پہنچ جائیں یا ان کے پاس جو تم سے نہیں لڑتے ﴿ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ ﴾ [یہ ''قَدْ'' مضمر کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے] اصل میں ''قَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ'' تھا اور ''حصر'' کا معنی تنگ ہونا اور عاجز آ جانا ہے ﴿ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ ﴾ ان کے دل اس سے تنگ آ جائیں کہ وہ تم سے لڑیں یعنی وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے عاجز آ جائیں ﴿ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ﴾ یا وہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے دلوں کو تقویت دے کر ان کے دلوں سے تنگی کو دور کر کے تم پر مسلط کر دیتا ﴿ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ﴾ تو وہ تم سے ضرور لڑتے [اور یہ ''لَسَلَّطَھُمْ'' پر معطوف ہے اور لام تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے] ﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ ﴾ پھر اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تمہارا تعاقب نہ کریں ﴿ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ ﴾ اور وہ تم سے نہ لڑیں اور وہ تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیج دیں یعنی فرماں برداری اور اطاعت گزاری اختیار کر لیں ﴿ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا ﴾ تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر لڑنے کے لیے کوئی راہ نہیں رکھی۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ؕ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی
الْفِتْنَۃِ اُرْکِسُوْا فِیْھَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا
اَیْدِیَھُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ؕ وَاُولٰٓئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

عنقریب تم (منافقوں کی) ایک دوسری جماعت ایسی پاؤ گے جو تمہارے ساتھ بھی امن سے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں' جب بھی انہیں فتنہ کی طرف واپس بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں اوندھے گر پڑتے ہیں' پھر اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو' اور یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار دیا ہے O

۹۱۔ ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ﴾ عنقریب تم ایک اور قوم پاؤ گے جو منافقت کر کے (یعنی بہ ظاہر مسلمان ہو کر) چاہتے ہیں کہ تم سے امن کے ساتھ رہیں ﴿وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے صلح رکھ کر امن کے ساتھ رہیں اور یہ قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان کی قوم ہے' یہ لوگ جب مدینہ منورہ آئے تو اسلام قبول کر لیا اور عہد کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ امن سے رہیں گے لیکن جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس واپس لوٹ کر گئے تو کفر اختیار کر لیا اور اپنا معاہدہ توڑ دیا ﴿كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ جب انہیں فتنہ کی طرف لوٹایا جاتا یعنی جب ان کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ان کی قوم دعوت دیتی تو اس میں اوندھے گر پڑتے یعنی وہ لوگ قبیح ترین اور بدترین طریقہ پر جنگ میں کود پڑتے اور وہ اس میں تمام دشمنوں سے زیادہ شرارتیں کرتے تھے ﴿فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پھر اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش نہ ہوں اور جنگ کرنے سے باز نہ آئیں ﴿وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ [یہ "لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ" پر معطوف ہے] یعنی اگر وہ صلح حاصل کرنے کے لیے تمہارے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے ﴿وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ﴾ [یہ بھی اسی پر معطوف ہے] یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ سے باز نہیں آتے ﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ تو تم ان کو پکڑو اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو بشرطیکہ تم ان پر قابو پا لو اور ان پر غلبہ حاصل کرو ﴿وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلم کھلا اختیار دے دیا ہے یعنی ہم نے تمہیں ان کی عداوت و دشمنی کے ظاہر ہونے اور کفر میں ان کا حال منکشف ہونے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے ساتھ غداری کرنے کی وجہ سے ان پر واضح حجت بیان کر دی ہے یا ہم نے تمہیں ان پر کھلم کھلا تسلط و غلبہ پانے کا اختیار دے دیا ہے کہ ہم نے تمہیں ان کو قتل کر دینے کی اجازت دے دی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ
تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے ماسوا غلطی کے' اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور خون بہا ادا کرنا واجب ہے جو مقتول کے وارثوں کو سپرد کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں' پھر اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا' اور اگر وہ اس قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تو مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے گا' پھر جو شخص غلام نہ پائے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھے' یہی اللہ کی طرف سے اس کی توبہ ہے' اور اللہ خوب جاننے والا بہت دانا ہے O

---

## قتلِ خطا کے احکام اور قتلِ عمد کی سزا

۹۲- ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ اور کسی مسلمان کے لیے صحیح نہیں اور نہ اس کو مناسب ہے اور نہ اس کے حال کے لائق ہے ﴿اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾ کہ وہ کسی مسلمان کو پہل کر کے بغیر قصاص کے قتل کر دے یعنی مسلمان اس کافر کی طرح نہیں جس کا خون بہانا اس سے پہلے مباح قرار دیا گیا ہے ﴿اِلَّا خَطَـًٔا﴾ مگر غلطی کی بنا پر اور یہ استثناء منقطع ہے اور ''لٰكِنَّ'' کے معنی میں ہے یعنی اگر غلطی سے قتل واقع ہو جائے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہو' ای قَتْلًا خَطَـًٔا'' اور معنی یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس سے کسی مؤمن کا ابتداءً قتل نہ ہو مگر یہ کہ بغیر قصد و ارادہ کے غلطی سے قتل ہو جائے اور وہ اس طرح کہ کسی کافر پر تیر (یا گولی وغیرہ) چلائے اور مسلمان کو جا لگے یا کسی شخص کو کافر سمجھ کر اس پر تیر وغیرہ چلا دے لیکن وہ مسلمان نکل آئے ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے [''خَطَـًٔا'' مصدر محذوف کی صفت ہے] ''اَىْ قَتْلًا خَطَـًٔا'' یعنی غلطی سے قتل کرنا ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ [یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے' ''اَىْ فَعَلَيْهِ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ'' یعنی اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہے اور ''تحریر'' کا معنی آزاد کرنا ہے اور حر اور عتیق شریف النسل آزاد کو کہتے ہیں کیونکہ شرافت آزادوں میں ہوتی ہے جیسا کہ کمینگی اور گھٹیا پن غلاموں میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بہترین پرندوں کو ''عتاق الطیر'' اور اچھے گھوڑوں کو ''عتاق الخیل'' کہا جاتا ہے کہ ان کی نسل عمدہ ہوتی ہے اور ''رَقَبَةٌ'' کا معنی غلام ہے اور اہل عرب کے قول میں اس کو ''رَاْسٌ'' (سر) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے (اور کہا جاتا ہے:) ''فُلَانٌ يَمْلِكُ كَذَا رَاْسًا مِنَ الرَّقِيْقِ'' کہ فلاں آدمی اس طرح غلام کے سر کا مالک ہو جاتا ہے ﴿مُّؤْمِنَةٍ﴾ بعض نے کہا کہ جب قاتل نے ایک مسلمان جان کو قتل کر کے زندوں کی جماعت سے خارج کر دیا تو اس پر لازم ہو گیا کہ وہ اس کی مثل ایک جان کو آزادوں کی جماعت میں داخل کرے اس لیے کہ غلامی کی قید سے کسی کو آزاد کرنا اس کو زندہ کرنے کے مترادف ہے کہ غلام آزادی سے پہلے مردوں میں شامل ہوتا ہے کیونکہ غلام ہونا کفر کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور کفر حکمی طور پر موت ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ'' (الانعام:۱۲۲) ''کیا وہ شخص جو (پہلے) مردہ تھا (کافر تھا) تو ہم نے اس کو زندہ کر دیا (کہ ہم نے اس کو مسلمان بنا دیا)'' اور اس لیے اس کو آزاد لوگوں کی طرح تصرف سے منع کر دیا گیا ہے اور یہ ایک مشکل بات ہے کیونکہ اگر یہی بات ہے تو قتلِ عمد میں بھی غلام آزاد کرنا واجب ہونا چاہیے لیکن اس میں کہا جا سکتا ہے کہ غلام کا آزاد کرنا قتل خطا میں اس لیے واجب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان جان کے عوض میں قاتل کو بچا لیا کیونکہ اس میں قصاص کو واجب نہیں کیا بلکہ اس پر مقتول کی مثل ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا واجب کیا ہے ﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ﴾ اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا کی رقم ادا کی جائے جس کو وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے جس طرح وہ میراث کو تقسیم کرتے ہیں اور

خون بہا اور ترکے میں ہر اعتبار سے کوئی فرق نہیں' لہٰذا خون بہا سے مقتول کا قرض ادا کیا جائے گا اور وصیت نافذ ہو جائے گی اور جب کوئی وارث باقی نہ رہے تو خون بہا کی رقم بیت المال میں جمع کی جائے گی اور رسول اکرم ﷺ نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اشیم کی دیت کا وارث بنایا تھا لیکن خون بہا ادا کرنا قاتل کے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے اور کفارہ ادا کرنا قاتل پر واجب ہے ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ﴾ مگر یہ کہ مقتول کے وارث خون بہا قاتل پر صدقہ کر دیں یعنی اسے معاف کر دیں اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ خون بہا ادا کرنا ہر حال میں لازمی ہے مگر خون بہا صدقہ کر دینے کی حالت میں نہیں ﴿ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ ﴾ پھر اگر غلطی سے قتل کیا جانے والا شخص تمہاری دشمن قوم سے ہو یعنی کافروں سے ہو کیونکہ عدو کا لفظ جمع پر بولا جاتا ہے ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ اور وہ یعنی مقتول مسلمان ہو ﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا یعنی جب کوئی حربی شخص (یعنی غیر مسلم ملک کا باشندہ) دارالحرب (یعنی غیر مسلم حکومت کے ملک) میں اسلام قبول کر لے اور ہمارے پاس ہجرت کر کے نہ آئے اور کوئی مسلمان اس کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کے قتل کرنے پر ایک مسلمان کی عصمت و آبرو کے توڑنے کی وجہ سے قاتل پر کفارہ لازم آئے گا اور خون بہا لازم نہیں آئے گا کیونکہ عصمت کی قیمت دارالاسلام (اسلامی ملک) میں ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس مقتول کو حاصل نہیں ہے ﴿ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ اور اگر وہ یعنی مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے یعنی تم مسلمانوں کے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو مقتول کا وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہوگا ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا یعنی اگر مقتول ذمی (اسلامی ملک کی شہریت رکھنے والا غیر مسلم) ہو تو اس کا حکم مسلمان شخص کے حکم کی مثل ہوگا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی کا خون بہا مسلمان کے خون بہا کی طرح ہے اور یہی ہمارا قول ہے ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾ سو جو قاتل غلام نہ پائے یعنی اس کی ملکیت میں کوئی غلام نہ ہو اور نہ اتنا سرمایہ ہو کہ اس کے ساتھ غلام خرید سکے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھنا اس پر واجب ہے ﴿ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت ہے اور اس کی طرف سے رحمت ہے' جب اللہ تعالیٰ کسی کی توبہ قبول کرتا ہے تو اس پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے یعنی روزوں کا مشروع ہونا اس کی طرف سے توبہ کی قبولیت ہے [یا دراصل ''فَلْيَتُبْ تَوْبَةً'' ہے تو اس کا منصوب ہونا مصدر (مفعول مطلق) ہونے کی بنا پر ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ وہ اس میں بڑی حکمت والا ہے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے O اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لو اور جو آدمی تم سے سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے' تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو' تو اللہ کے پاس بہت زیادہ غنیمتیں ہیں' اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا' سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو' بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے O

۹۳۔ ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے' ''مُتَعَمِّدًا'' ضمیرِ قاتل سے حال ہے یعنی قاتل کسی مسلمان کو اس کے ایمان کی وجہ سے قصداً قتل کر دے اور یہ کفر ہے یا قاتل اس کے قتل کو حلال اور جائز سمجھ کر اس کو قتل کر دے اور یہ بھی کفر ہے ﴿ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ﴾ تو ایسے قاتل کی سزا دوزخ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''هِيَ جَزَآؤُهٗ اِنْ جَازَاهُ'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی تو اس کی یہی سزا ہے اور ''خلود'' سے کبھی طویل قیام یعنی مدتِ دراز مراد ہوتی ہے اور معتزلہ کا یہ قول کہ قاتل ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل ارشاد کے مخالف ہے:) ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى'' (البقرہ:۱۷۸) ''اے ایمان والو! ناحق مارے جانے والے کے بارے میں تم پر قصاص لینا فرض کر دیا گیا ہے'' ﴿ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا اور اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ﴿ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے کیونکہ اس نے بہت بڑے جرم اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ'' یعنی ایک مسلمان شخص کے قتل ہونے کے مقابلے میں پوری دنیا کو مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان اور معمولی ہے۔[1]

## جہاد کے وقت اسلام ظاہر کرنے والے کو قتل کرنے سے پہلے تحقیق کرنے کا حکم

۹٤۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اے ایمان والو! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو یعنی جہاد کی راہ میں چلو ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ [ قاری حمزہ اور علی کسائی نے ''فَتَثَبَّتُوْا'' پڑھا ہے اور یہ دونوں افعال امر بابِ تفعل سے ہیں اور استفعال کے معنی میں ہیں ] یعنی تحقیق کرو اور معاملے کی وضاحت اور اس کا ثبوت تلاش کرو اور بے احتیاطی سے ہلاکت میں نہ پڑو ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے [ قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور حمزہ نے ''اَلسَّلَمَ'' پڑھا ہے اور یہ دونوں اطاعت و فرماں برداری کرنے کے معنی میں ہیں ] اور بعض نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے اور بعض نے کہا کہ سلام کرنا مراد ہے جو اہل اسلام کی دعا ہے [ اور ''لَسْتَ مُؤْمِنًا'' قول سے محلاً منصوب ہے ]۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مرداس بن نہیک مسلمان ہو گیا مگر اس کی قوم میں سے ان کے علاوہ کوئی مسلمان نہ ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی قوم کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر ان کی طرف روانہ فرمایا اور وہ تمام لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضرت مرداس اپنے اسلام قبول کر لینے کے اعتماد پر وہیں باقی رہے اور کہیں نہ گئے اور

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الدیات باب ۷ ' ابن ماجہ فی کتاب الدیات باب ۱ ' النسائی فی کتاب التحریم باب ۲

جب انہوں نے اسلامی لشکر کے سواروں کو دیکھا تو اپنی بکریوں کے ریوڑ کو پہاڑ کی وادی کے موڑ کے پاس لے آئے اور خود پہاڑ پر چڑھ گئے' جب لشکرِ اسلام قریب سامنے آ گیا تو انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت مرداس نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: '' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' اور لشکر کو '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ '' کہا مگر حضرت اسامہ بن زید نے انہیں قتل کر دیا (کہ شاید جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے) اور اس کی بکریاں لے کر واپس مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا تو آپ انتہائی غمگین ہو گئے اور فرمایا کہ کیا تم نے بکریوں کی خاطر انہیں قتل کر دیا (جس پر حضرت اسامہ نے نادم ہو کر توبہ و استغفار کی) اور حضرت اسامہ کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو یعنی تم مال غنیمت کے طلب گار ہو جو جلد ختم ہو جانے والا ڈھیر ہے اور یہ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم جن کو قتل کرنے لگو نہ ان سے ایمان کا ثبوت طلب کرو اور نہ ان کے حالات کی تحقیق و تفتیش کرو (بلکہ انہیں مارو اور مال اکٹھا کرو) اور '' عـرض '' کا معنی مال ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ جلد ختم ہو جانے والا ہوتا ہے [اور '' تَبْتَغُوْنَ '' حال واقع ہو رہا ہے '' تَقُوْلُوْا '' کی ضمیرِ فاعل سے] ﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت زیادہ غنیمتیں ہیں' وہ تمہیں بہت سا مالِ غنیمت عطا فرمائے گا اور تمہیں اس آدمی کے مال سے بے نیاز کر دے گا جو اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہے اور تمہارے حملہ کے وقت اسلام میں پناہ لیتا ہے جب کہ تمہارا مقصد اس کا مال حاصل کرنا ہے ﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے جب تم ابتدائے اسلام میں داخل ہوئے تھے میں نے تمہاری زبان سے کلمۂ شہادت سنا تو تمہارے مال و جان کی حفاظت کی بغیر اس اطلاع کے انتظار کے کہ تمہارے دل تمہاری زبانوں کے موافق ہو گئے ہیں اور '' كَذٰلِكَ '' میں کاف '' كَانَ '' ( كُنْتُمْ ) کی خبر ہے جو '' كَانَ '' اور اس کے اسم سے مقدم ہے ﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں دین اسلام پر استقامت بخشی اور ایمان کے اظہار کا موقع عطا کیا' سو تم بھی اسلام میں داخل ہونے والوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ سو تم خوب تحقیق کیا کرو اور تحقیق کرنے کا دوبارہ حکم محض تاکید کرنے کے لیے دیا گیا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے' لہٰذا کسی کو ناحق قتل کرنے کی جرأت نہ کرو اور اس بارے میں احتراز اور احتیاط کرو۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع

بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے مسلمان اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر

نہیں ہیں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے O اس کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور رحمت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے O

## جہاد کے فضائل اور ہجرت کی اہمیت وفضیلت

۹۵- ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے مسلمان (مجاہدوں کے) برابر نہیں ہیں [ قاری نافع مدنی ابن عامر شامی اور علی کسائی نے "غَيْرَ" کو "قَاعِدُوْنَ" سے استثنآء یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب (غَيْرَ) پڑھا ہے اور قاری حمزہ نے "مُؤْمِنِيْنَ" کی صفت قرار دے کر مجرور (غَيْرِ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے قَاعِدُوْنَ کی صفت قرار دے کر مرفوع ("غَيْرُ" جیسے قرآن میں ہے) پڑھا ہے] اور "اَلضَّرَرِ" سے بیماری مراد ہے یا اندھایا لنگڑا یا لنجا ہونا یا اس قسم کی کوئی آفت مراد ہے ﴿وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والے مجاہدین (جہاد نہ کرنے والوں سے افضل ہیں) [اور اس کا "قَاعِدُوْنَ" پر عطف ہے] اور مجاہد کے بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے کے درمیان مساوات و برابری کی نفی کی گئی ہے اور اگر چہ یہ بات سب کو معلوم ہے مگر جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اور ان میں جہاد کرنے کی تحریک و ترغیب پیدا کرنے کے لیے یہ نفی کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (الزمر:۹) "کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟" سو اس میں طلب علم کی تحریک و ترغیب اور جہالت پر راضی رہنے پر دھمکی دی گئی ہے ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور اس جملے کو پہلے جملے کے بیان کے لیے اور جہاد سے بیٹھے رہنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے درمیان برابری کی نفی کی وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ برابر و یکساں کیوں نہیں ہیں؟ تو اس جملے کے ذریعے اس کا جواب دیا گیا ہے ﴿دَرَجَةً﴾ [یہ مصدر کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ یہ تفضیل سے "مَرَّةً" کی جگہ پر واقع ہے گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو ایک درجہ میں فضیلت دی ہے جیسے تمہارا یہ قول "ضَرَبَهٗ سَوْطًا" ہے] ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے یعنی جہاد سے بیٹھے رہنے والوں اور مجاہدوں میں سے ہر ایک گروہ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے [اور "كُلًّا" "وَعَدَ اللّٰهُ" کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول "اَلْحُسْنٰى" ہے] یعنی بہترین ثواب اور وہ جنت ہے اگر چہ مجاہدین بیٹھے رہنے والوں سے ایک درجہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کو بہت بڑے ثواب کے ساتھ فضیلت دی ہے [بعض نے فرمایا کہ "اَجْرًا"، "فَضَّلَ" کی وجہ سے منصوب ہے] کیونکہ یہ "اَجَرَهُمْ اَجْرًا" کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا ثواب عطا کیا ہے۔

۹۶- ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ اس کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور رحمت ہے [اور یہ "اَجْرًا" سے بدل ہے یا "دَرَجَاتٍ" اس طرح منصوب ہے جس طرح "دَرَجَةً" منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی فضیلتیں دی ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے: "ضَرَبَهٗ اَسْوَاطًا" یعنی فلاں آدمی نے اس کو بہت سی ضربیں لگائیں [اور "اَجْرًا" نکرہ سے حال ہے اور وہ "دَرَجَاتٍ" ہے وہ اس پر مقدم ہے اور "مَغْفِرَةً" اور "رَحْمَةً" اپنے پوشیدہ فعلوں کے ساتھ منصوب ہیں] یعنی "وَغَفَرَ لَهُمْ وَرَحِمَهُمْ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً" اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا

اور ان پر رحمت نازل کی اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو کسی عذر کی وجہ سے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ میں فضیلت دی ہے جب کہ حضور نبی کریم ﷺ کی اجازت سے دوسروں پر اکتفا کر کے بغیر کسی عذر کے جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کو بہت سے درجوں میں فضیلت دی ہے کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کی) معذرت قبول کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمًا﴾ (اپنے بندوں کو) وافر اجر و ثواب عطا فرما کر ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

بے شک فرشتے جن کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟' وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے' فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے' سو یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O مگر جن کو عاجز کر دیا گیا مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے وہ نہ نکلنے کی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں O سو یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان کو معاف کر دے گا' اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے O

**شانِ نزول:** یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کی جب کہ اس وقت ان پر ہجرت کرنا فرض تھا اور وہ لوگ مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گئے اور ان کے ساتھ مل کر (مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کے لیے) بدر کے مقام پر پہنچ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافر ہو کر مارے گئے۔

۹۷- ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ بے شک جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل ماضی ہو ان قراء کی قراءت کے مطابق جنہوں نے ''تَوَفَّتْهُمْ'' پڑھا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل مضارع ہو اور ''تَتَوَفَّاهُمْ'' کے معنی میں ہو اور ''تا'' کے اجتماع کی وجہ سے دوسری ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہو] اور ''تَوَفّی'' کا معنی روح کو قبض کرنا اور بدن سے نکالنا ہے اور ''مَلآئِكَةُ'' سے ملک الموت اور اس کے معاونین مراد ہیں ﴿ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ [یہ ''تَوَفَّاهُمْ'' میں مفعول کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہجرت ترک کر کے اور کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ یعنی فوت ہونے والوں سے فرشتوں نے کہا: ﴿فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ یعنی تم اپنے دین کے معاملے میں کس چیز پر عمل پیرا تھے اور اس کا معنی انہیں ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے کہ بے شک وہ لوگ اب

دین کے معاملے میں کسی چیز پر نہیں رہے ﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم سرزمین مکہ میں ہجرت کرنے سے عاجز تھے اور کفار مکہ ہمیں مجبور کر کے (مسلمانوں سے لڑنے کے لیے) مکہ سے نکال کر (بدر میں) لے آئے تھے ﴿قَالُوْٓا﴾ یعنی فرشتوں نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا: ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع وعریض اور کشادہ وفراخ نہیں تھی کہ اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے اور فرشتوں کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم مکہ مکرمہ سے بعض دوسرے ممالک اور دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کر کے نکل جانے پر قادر تھے جن میں تمہیں اپنے دین کا اظہار کرنے سے کوئی ممانعت نہ ہوتی اور نہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی کوئی ممانعت تھی [اور استفہام کے جواب واقع ہونے کی بنا پر ''فَتُهَاجِرُوْا'' منصوب ہے] ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے [اور ''فَاُولٰٓئِكَ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس پر ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''اَلَّذِيْنَ'' میں ابہام شرط کے مشابہ ہے یا ''اِنَّ'' کی خبر ''قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ'' ہے اور مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' دراصل ''قَالُوْا لَهُمْ'' ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ملک یا شہر میں اپنے دین کو قائم رکھنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ اس کو قائم رکھنا واجب ہے اور وہ جانتا ہو کہ دوسرے ملک یا شہر میں وہ اپنے دین کو کما حقہ قائم رکھ سکے گا تو پھر اس پر ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف بھاگ گیا ہو خواہ وہ ایک بالشت زمین سے بھاگا ہو' پھر بھی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جنت میں اس کے باپ کے رفیق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے اور خود اس کے رفیق محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہوں گے۔

۹۸-﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ مگر جن کو زبردستی دبا لیا گیا مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے اور ان کو اہل وعید (جو قدرت واختیار کے باوجود کمزور بنے رہے اور ہجرت نہ کی اور کفار سے مل گئے جس پر انہیں عذابِ دوزخ کی خبر سنائی گئی) سے مستثنیٰ (یعنی الگ) کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ درحقیقت ایسے کمزور وعاجز لوگ تھے جو ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً﴾ اپنے فقر وفاقہ' غربت اور عاجزی وکمزوری کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے نکلنے کے لیے کوئی تدبیر ومنصوبہ اور اسباب وغیرہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے ﴿وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا﴾ اور نہ انہیں راستوں کی کوئی پہچان ہے [اور ''وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ'' ''اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ'' کی صفت ہے یا ''الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ'' کی صفت ہے اور یہ جائز ہے اور یہ جملے بھی نکرے ہیں کیونکہ موصوف میں اگرچہ لام تعریف داخل ہے لیکن اس میں کسی چیز کا تعین نہیں] جیسے شاعر کا قول ہے: ''وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِي'' اور البتہ تحقیق میں ایک بخیل کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے گالیاں دیتا ہے۔

۹۹-﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ﴾ سو یہی لوگ ہیں جن کو عنقریب اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور ''عَسٰی'' اگرچہ امید دلانے کے معنی کے لیے آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین ولزوم کے معنی میں آتا ہے کیونکہ کریم وسخی جب امید دلاتا ہے تو اس کو ضرور پورا کرتا ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی تخلیق سے پہلے بہت معاف فرمانے والا' بے حد بخشنے والا ہے۔

**وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ**

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا' اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے' پھر اس کو موت گھیر لے تو بلاشبہ اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم بعض نمازیں قصر سے پڑھو' اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیں گے' بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

۱۰۰- ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ پائے گا یعنی ایسے راستے پر ہجرت کرے جو اس کی قوم کے خلاف ہو یعنی ان سے جدا ہو جائے ان کی ناک خاک آلود کرتے ہوئے اور ''رغم'' کا معنی ذلت ونرمی ہے اور اس کا اصل معنی ناک کو زمین پر رگڑنا ہے اور ''رَاغَمْتُ الرَّجُلَ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو جدا کر دو اور وہ تمہاری جدائی کو اس لیے ناپسند کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے اس کو ذلت لاحق ہو جائے گی ﴿وَّسَعَةً﴾ اور وہ رزق میں یا دین کے اظہار کرنے میں یا خوف کے امن کے ساتھ تبدیل ہو جانے سے اپنے دل میں وسعت وفراخی پائے گا ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا﴾ اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے [اور ''مُهَاجِرًا''، ''يَخْرُجْ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی طرف یعنی جس طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہجرت کا حکم دیا ہے اس طرف جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے ﴿ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ پھر منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہجرت کے راستے میں اس پر موت واقع ہو جائے [اور یہ جملہ ''يَخْرُجْ'' پر معطوف ہے] ﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ تو بے شک اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس کو اجر وثواب حاصل ہو گیا اور یہ وعدے کی تاکید ہے ورنہ اس کی مخلوق میں سے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے انتہا رحم فرمانے والا ہے اور اہل علم اکابر نے فرمایا ہے کہ ہر وہ ہجرت جو طلبِ علم یا حج یا جہاد یا اپنے شہر سے دوسرے شہر میں اس لیے ہو کہ اس میں اطاعت وعبادت یا قناعت یا زہد وتقویٰ یا رزق حلال کے حصول میں اضافہ ہو جائے گا تو یہ ہجرت بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی خاطر ہو گی اور اگر اس کو اس راہِ ہجرت میں موت آ گئی تو اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو جائے گا۔

## نمازِ قصر کا بیان اور جہاد جاری رکھنے کی تاکید

۱۰۱- ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو' سو ''اَلضَّرْبُ فِى الْاَرْضِ'' کا مطلب ہے: زمین میں سفر کرنا ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کر دو یعنی

رکعاتِ نماز کی تعداد میں قصر ہے' سو چار رکعتوں والی نماز (ظہر' عصر اور عشاء) میں دو رکعتیں نماز پڑھو اور آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ سفر میں قصر کر کے نماز پڑھنا صرف رخصت ہے اور مکمل نماز ادا کرنا عزیمت ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ ''لَا جُنَاحَ'' تخفیف اور رخصت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نماز میں قصر کرنا عزیمت (لازمی عمل) ہے رخصت نہیں ہے اور سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (مگر جب مقیم نے امام کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنی ہو تو مکمل پڑھی جائے گی) اس لیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانو! تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر سفر کی نماز بغیر کسی کمی کے دو رکعتیں مکمل نماز ہے' رہی آیت مبارکہ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) گویا صحابہ کرام میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مکمل نماز کی صورت میں ثواب مکمل ملے گا (تو قصر نماز میں ثواب کم ملے گا) جس سے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ نمازِ قصر میں ان کا نقصان ہوگا' سو اللہ تعالیٰ نے ''لَا جُنَاحَ'' فرما کر ان کے دلوں کو اطمینان دلایا کہ نمازِ قصر میں کوئی گناہ نہیں ہے (کہ ثواب میں کمی ہو جائے) اور وہ اس پر مطمئن ہو گئے ﴿ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ کفار تمہیں قتل کرنے یا زخمی کرنے یا گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (تو نماز میں قصر کرنے پر کوئی گناہ نہیں) اور خوارج کے نزدیک ظاہر آیت کے مطابق نمازِ قصر کے جواز کے لیے خوفِ کفار شرط ہے اور جمہور کے نزدیک خوفِ کفار شرط نہیں ہے کیونکہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں حالانکہ اب ہم امن میں ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی تعجب ہوا تھا جس طرح تمہیں تعجب ہوا ہے اور میں نے رسولِ خدا سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ صدقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے' لہٰذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو[1] اور یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ایسا صدقہ جو ملکیت کا احتمال نہ رکھتا ہوا سقاطِ محض ہوتا ہے رد کرنے کا احتمال نہیں رکھتا اگرچہ صدقہ کرنے والا ان میں سے ہو جن کی اطاعت لازمی نہ ہو جیسے قصاص کا وارث جب وہ قصاص معاف کر دے تو جس کی اطاعت لازم ہے اس کا صدقہ قبول کرنا اور رد نہ کرنا بطریقِ اولیٰ لازمی ہوگا اور اس لیے بھی کہ آیت مبارکہ کے نزول کے وقت ان کا حال اس طرح کا تھا (لہٰذا خوفِ کفار اتفاقی قید ہے قصر کے لیے شرط نہیں) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ ''اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا'' (النور: ۳۳) ''اگر وہ کنیزیں (بدکاری سے) بچنا چاہیں'' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ''مِنَ الصَّلٰوةِ اَنْ یَّفْتِنَكُمْ'' یعنی تاکہ کفار تم پر نماز کی حالت میں حملہ کر کے کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں' اس بات کی دلیل ہے کہ آیت کریمہ سے مراد قصر احوال ہے اور وہ یہ ہے کہ خوف کے وقت سوار اپنی سواری پر اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے گا یا قراءت اور رکوع اور سجود اور تسبیح کو کم کر دے گا جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ﴿ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴾ بے شک کفار تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں' لہٰذا ان سے بچ کر رہو اور ان سے محتاط رہو۔

وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى

[1] رواہ مسلم فی کتاب المسافرین حدیث ۴' ابو داؤد فی کتاب السفر باب ۱' الترمذی فی کتاب تفسیر سورۃ النساء باب ۲۰' النسائی فی کتاب الخوف باب ۱' ابن ماجہ فی کتاب الاقامۃ باب ۷۳' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷۹' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۵-۳۹

لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً
وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ
تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

اور اے محبوب! جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں اور آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور وہ اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں' پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں' اور دوسری جماعت آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی' اب وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ بھی اپنی حفاظت کریں اور اپنا اسلحہ ساتھ لیے رہیں' کافر تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحے اور اپنے ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں' اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس ہو یا تم بیمار ہو جاؤ کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو' اور اپنی حفاظت کرتے رہو' بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۱۰۲- ﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! جب آپ اپنے اصحاب میں تشریف فرما ہوں ﴿ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ اور آپ انہیں نماز پڑھانا چاہیں' اس آیت کریمہ کے ظاہر سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نماز خوف نہیں پڑھی جائے گی جب کہ جمہور علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر زمانے میں ائمہ کرام حضور سید عالم رسول اکرم نبی معظم ﷺ کے نائب و قائم مقام ہوتے ہیں' لہٰذا آپ کو خطاب ہر زمانے کے امام کو شامل ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ'' (التوبہ: ۱۰۳) ''اے محبوب! ان سے صدقے کا مال لیجئے (اور) ان کو پاک کیجئے'' اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے ﴿ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ ﴾ تو آپ ان کی دو جماعتیں بنا لیں اور ان میں ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو جائے اور آپ ان کو نماز پڑھائیں اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے ﴿ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ﴾ اور وہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں یعنی وہ لوگ جو دشمن کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر اس سے مراد نمازی ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ اپنا وہ اسلحہ لیے رہیں جو انہیں نماز میں رکاوٹ نہ بنے جیسے تلوار اور خنجر وغیرہ ﴿ فَاِذَا سَجَدُوْا ﴾ یعنی جب وہ (پہلی جماعت) دونوں سجدوں کے ساتھ اپنی ایک رکعت نماز مکمل کر لے اور ہمارے نزدیک سجود سے اس کا ظاہری معنی سجدے کرنا مراد ہے جب کہ امام مالک مرحوم کے نزدیک سجود سے نماز مراد ہے ﴿ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ﴾ تو یہ لوگ تمہارے پیچھے چلے جائیں یعنی یہ پہلی جماعت جس نے ایک رکعت نماز آپ کے ساتھ پڑھ لی ہے وہ پیچھے لوٹ جائے اور دشمن کے سامنے جا کر کھڑی ہو جائے ﴿ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا ﴾ [''لَمْ يُصَلُّوْا'' ''طَآئِفَةٌ'' کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے] (ترجمہ یہ ہے:) اور وہ دوسری جماعت آ جائے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ﴿ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ ﴾ یعنی وہ دوسری جماعت جو دشمن کے سامنے کھڑی تھی حاضر ہو جائے اور آپ کی دوسری رکعت میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ نماز ادا کرے ﴿ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ ﴾ اور وہ اپنا

بچاؤ کرتے رہیں جس کی بدولت وہ دشمن سے بچ سکیں جیسے زرہ وغیرہ پہنے رہنا ﴿وَاَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں یہ ''سَلَاحٌ'' کی جمع ہے اور اس سے ہر وہ ہتھیار مراد ہے جس کے ذریعے جنگ کی جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز میں مسلح ہونا شرط ہے اور ہمارے نزدیک مستحب ہے اور نمازِ خوف کی کیفیت مشہور ہے۔[1] ﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾ کافر چاہتے ہیں اگر تم اپنے اسلحہ جات اور اپنے سازوسامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں یعنی وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہاری نماز میں بے خبر پائیں تو پوری قوت کے ساتھ وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ اور اگر بارش وغیرہ سے تمہیں تکلیف پہنچے یا تم بیمار ہو جاؤ تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو اور اپنا بچاؤ کرتے رہو اور اگر بارش کی وجہ سے جسم گیلے ہو جانے کے سبب یا بیماری کی وجہ سے ضعف و کمزوری لاحق ہونے کے سبب اسلحہ جات اٹھانا ان پر بھاری ہو جائے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلحہ جات اتار کر رکھنے کی اجازت دے دی ہے اور اس کے باوجود ان کو دشمن سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا بھی حکم دے دیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمان غافل ہو جائیں اور دشمن بے خبری میں اچانک حملہ کر دے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور آیت مبارکہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیشگی آگاہ کر دیا کہ وہ ان کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گا تاکہ مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ اپنے بچاؤ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ دشمن کے غلبے کی توقع ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعبدی حکم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

[1] حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل السیّد محمد نعیم الدین الشاہ المراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پوری کر کے دشمن کے مقابل چلی جائے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل کھڑی تھی وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے' پھر فقط امام سلام پھیر دے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے اور سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابل چلی جائے' پھر دوسری جماعت اپنی جگہ آ کر ایک رکعت جو باقی رہی تھی اس کو قراءت کے ساتھ پورا کر کے سلام پھیر دے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور پہلی جماعت لاحق ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور سیّد عالم ﷺ کا اسی طرح نمازِ خوف ادا فرمانا مروی ہے' حضور کے بعد بھی صحابہ کرام پڑھتے رہے ہیں' حالت خوف میں دشمن کے مقابل اس اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز با جماعت ادا کرنا کس قدر اہم اور ضروری ہے' مسائل: حالت سفر میں اگر صورت خوف پیش آ جائے تو اس کا یہ بیان ہوا لیکن اگر مقیم کو ایسی حالت پیش آ جائے تو وہ چار رکعت والی نمازوں میں ہر ہر جماعت کو دو دو رکعت نماز پڑھائے اور تین رکعت والی نماز میں پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری کو ایک رکعت نماز پڑھائے۔ (تفسیر خزائن العرفان سورۃ النساء:۱۰۲' حاشیہ نمبر ۲۸۲)

يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ ع

جب تم نماز پڑھ لو تو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرو پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز پڑھو' بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے اور کافروں کے تعاقب میں سستی نہ کرو○ اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو بھی تکلیف پہنچتی ہے' جس طرح تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو وہ اس کی امید نہیں رکھتے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت بڑی حکمت والا ہے○

١٠٣- ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ پھر جب تم نماز ادا کر لو یعنی جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹے ہوئے یعنی تمام احوال میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری و ساری رکھو یا یہ مطلب ہے کہ جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو اگر تم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت رکھتے ہو تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور اگر تم کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو تم بیٹھ کر نماز پڑھ لو اور اگر تم بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو پھر تم لیٹ کر نماز ادا کر لو ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ﴾ پھر جب خوف زائل ہو جانے کی وجہ سے تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے اور تم پرسکون ہو جاؤ ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ تو تم سب مل کر ایک جماعت کے ساتھ نماز پوری کرو یا جب تم مقیم ہو جاؤ تو نماز پوری کر کے پڑھو اور اس میں قصر نہ کرو یا جب تمہیں (بیماری کے بعد) اپنی صحت پر اطمینان حاصل ہو جائے تو تم قیام' رکوع اور سجود کو پورا کرو ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے یعنی نماز کی فرضیت اوقاتِ معلومہ کے ساتھ محدود کی گئی ہے۔

١٠٤- ﴿وَلَا تَهِنُوْا﴾ اور تم نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ سستی کرو ﴿فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ قتل و غارت اور جنگ کرنے کے لیے کفار کی تلاش میں اور ان کا پیچھا کرنے میں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے ان پر حجت قائم فرمائی ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ اگر تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو انہیں بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امید رکھتے ہو وہ نہیں رکھتے یعنی قتل ہونے اور زخمی ہونے کی وجہ سے صرف تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ وہ تو تمہارے ان کے درمیان مشترک ہے وہ ان کو بھی پہنچتی ہے جس طرح تمہیں پہنچتی ہے' پھر جب وہ (کفار) اس پر صبر کرتے ہیں تو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم ان کی طرح صبر نہیں کرتے اس کے باوجود کہ تم ان سے زیادہ صبر کے حق دار ہو کیونکہ تم تمام ادیان پر اپنے دین کے غالب ہونے اور آخرت میں بہت بڑے ثواب پانے کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ مسلمانوں کی تمام جنگی تکالیف کو جانتا ہے جو انہیں پہنچتی ہیں ﴿حَكِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے میں بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۗ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ لا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ ج وَلَا

تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف برحق کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کے لیے جھگڑنے والے نہ ہو جائیں O اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کیجئے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں' جو اپنے آپ کو خیانت میں ڈالتے ہیں' بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا' جو بددیانت (اور) گنہگار ہو' وہ لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے O حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ایسی تجویز کرتے ہیں جس کو اللہ پسند نہیں کرتا' اور اللہ ان کے تمام کاموں کو گھیرنے والا ہے O

## یہود کی خیانت' استغفار کی اہمیت اور حضور پر اللہ کے فضل و رحمت کا بیان

**شانِ نزول:** مروی ہے کہ انصار کے قبیلے بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ایک پڑوسی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زرہ آٹے کی بوری میں رکھ کر چوری کر لی' اتفاق سے بوری پھٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس میں سے آٹا راستے میں گرتا گیا اور طعمہ نے زرہ سمیت آٹے کی بوری زید بن سمین یہودی کے گھر میں بطور امانت چھپا دی' پھر جب (شک کی بنا پر) طعمہ کے پاس جا کر زرہ کی تلاش کی گئی تو اس کے پاس نہ ملی اور اس نے قسم اٹھالی کہ اس نے یہ چوری نہیں کی اور نہ اس کو اس کے بارے میں کوئی علم ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور گرے ہوئے آٹے کے نشانات پر چلتے ہوئے یہودی کے گھر جا پہنچے اور اس کو پکڑ لیا (کیونکہ زرہ سمیت آٹے کی بوری اس کے گھر میں پائی گئی تھی) تو اس نے کہا کہ مجھے طعمہ بن ابیرق نے دی ہے اور یہود کی ایک جماعت نے اس کے حق میں گواہی دی جس پر طعمہ کے قبیلہ بنو ظفر نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رسول خدا سرور انبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چلو' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے آدمی کی وکالت کریں (اور حضور کے سامنے قسمیں کھا لیں کہ طعمہ بے قصور ہے اور یہودی چور ہے) اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہمارا ساتھی بے قصور مارا جائے گا اور ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور یہودی بری ہو جائے گا جس کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی حمایت کرنا چاہی تو یہ آیات نازل ہو گئیں۔

١٠٥- ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کی تصدیق کرنے والی سچی کتاب نازل کی ہے ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلا دیا ہے اور جو آپ کی طرف وحی کی ہے۔ حضرت الشیخ امام ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اے محبوب! آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے گئے اصول میں آپ کو غور و فکر کرنے کا الہام کیا ہے اور اس آیت مبارکہ سے آپ کے حق میں اجتہاد کرنے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾

اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑا نہ کیجئے یعنی آپ بنوظفر قبیلہ کی خاطر یہود سے جھگڑا نہ کیجئے۔

١٠٦- ﴿ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ سے طعمہ کی حمایت کے ارادہ کرنے پر مغفرت طلب کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

١٠٧- ﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ گناہ کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں' گنہگاروں کے گناہ کو ان کی اپنی جانوں کے ساتھ خیانت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کا وبال اور نقصان انہی پر پڑے گا اور اس سے طعمہ اور اس کی قوم میں سے اس کے معاونین مراد ہیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ طعمہ چور ہے یا پھر جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے تا کہ طعمہ کو اور ہر اس شخص کو شامل ہو جائے جو اس کی طرح خیانت کرتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا اور ''خَوَّانًا'' مبالغہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ طعمہ کو خوب جانتا ہے کہ اس نے خیانت میں زیادتی کی ہے اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور مروی ہے کہ طعمہ بن ابیرق اس فیصلہ کے بعد مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا تھا اور وہاں جا کر چوری کی نیت سے ایک گھر کی دیوار میں نقب لگائی تا کہ گھر والوں کا سامان لوٹ لے مگر وہ دیوار اس کے اوپر گر پڑی جس کی وجہ سے اسی جگہ ہلاک ہو گیا اور بعض نے کہا ہے کہ جب تم کسی شخص کے کسی گناہ پر آگاہ ہو جاؤ تو سمجھ لو کہ اس نے اس سے پہلے کئی گناہ کیے ہوں گے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کی والدہ روتی ہوئی آئی اور آپ سے عرض کی کہ میرے بیٹے نے یہ پہلی چوری کی ہے' لہٰذا آپ اس کو معاف فرما دیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ گناہ کرنے پر اپنے بندے کی گرفت نہیں فرماتا۔

١٠٨- ﴿ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ ﴾ وہ لوگوں سے شرم و حیا اور ان کے ضرر پہنچنے کے خوف کی وجہ سے چھپتے پھرتے ہیں ﴿ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے اور نہ اس سے شرم و حیا کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے اور ان کو جانتا ہے اور ان کے حالات سے آگاہ ہے اور اس سے کسی کا کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان میں شرم و حیا اور خوف خدا بہت کم رہ گیا ہے اس کے باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ تمام لوگ اس کے سامنے ہیں' اس کے سامنے کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی اس سے غائب ہے ﴿ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ ﴾ جب وہ تدبیریں کرتے ہیں' اس کی اصل یہ ہے کہ رات کو باہم مل کر تدبیریں بنانا ﴿ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ایسی تدبیریں جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا اور وہ یہ کہ طعمہ (اور اس کی قوم کا) یہ تدبیر کرنا کہ زرہ زید بن سمین یہودی کے گھر میں پھینک دی جائے تا کہ اس کی بجائے زید بن سمین یہودی کو چور قرار دلوایا جائے اور طعمہ کا قسم اٹھانا کہ اس نے چوری نہیں کی اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کلام وہ معنی ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہوتا ہے (اور اسی کو کلامِ نفسی کہتے ہیں) کیونکہ تدبیر کو قول قرار دیا گیا ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴾ اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو گھیرے ہوئے ہے یعنی وہ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم نے لوگوں کے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ

يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ
اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ
خَطِيْٓــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

ع ۸/۱۴

تم آگاہ ہو جاؤ کہ تم نے دنیا میں تو ان کی طرف سے جھگڑا کر لیا' تو قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا یا ان کو بچانے والا کون ہوگا O اور جو شخص کوئی بُرا کام کرلے یا اپنی جان پر ظلم کرلے پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا O اور جو شخص کوئی گناہ کماتا ہے تو بلاشبہ اس کی کمائی صرف اسی کی جان پر پڑے گی' اور اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O اور جو شخص کوئی بڑا گناہ یا چھوٹا گناہ کمائے' پھر کسی بے گناہ پر اس کی تہمت لگا دے تو اس نے یقیناً بہت بڑا بہتان اور کھلم کھلا گناہ اپنے ذمے لے لیا O

۱۰۹- ﴿ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ ﴾ [''اَنْتُمْ'' میں اور ''اُولَآءِ'' میں ''هَا'' تنبیہ کے لیے ہے اور یہ دونوں مبتدا خبر ہیں (یعنی ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہے اور ''اُولَآءِ'' اس کی خبر ہے)] ﴿ جٰدَلْتُمْ ﴾ تم نے جھگڑا کیا [اور یہ جملہ ''اُولَآءِ'' کی خبر واقع ہونے کا بیان ہے جیسے کسی سخی کے لیے کہا جائے: ''اَنْتَ حَاتِمٌ تَجُوْدُ بِمَا لِكَ'' کہ تو سخی ہے اپنے مال کی سخاوت کرتا ہے یا ''اُولَآءِ'' اسم موصول ہے ''اَلَّذِيْنَ'' کے معنی میں ہے اور ''جَادَلْتُمْ'' اس کا صلہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ کم عقلو! تم نے جھگڑا کیا ﴿ عَنْهُمْ ﴾ طعمہ اور اس کی قوم کی طرف سے ﴿ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یعنی جب آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار فرمائے گا تو اس دن ان کی طرف سے کون جھگڑے گا [اور ''عَنْهُمْ'' کی بجائے ''عَنْهُ'' بھی پڑھا گیا ہے] یعنی طعمہ کی طرف سے (کون جھگڑے گا) ﴿ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴾ یا ان کا وکیل کون ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے انہیں کون بچائے گا اور ان کی حفاظت کون کرے گا۔

۱۱۰- ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا ﴾ اور جو شرک کے سوا کوئی اور گناہ کرے ﴿ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ﴾ یا جو شخص شرک یا کسی بدترین گناہ کے ذریعے اپنی جان پر ظلم کرے جس کا نقصان دوسرے کو پہنچے جیسا کہ طعمہ نے حضرت قتادہ اور یہودی کے ساتھ کیا یا ایسے عمل سے اپنی جان پر ظلم کرے جو صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے جھوٹی قسم اٹھانا ﴿ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا اور یہ طعمہ کے لیے استغفار و توبہ کرنے کی ترغیب ہے۔

۱۱۱- ﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ﴾ اور جو شخص گناہ کمائے گا تو اس کی کمائی اس کی ذات پر پڑے گی کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' بڑی حکمت والا ہے' وہ کسی بے قصور کو کسی کے گناہ کی سزا نہیں دے گا۔

۱۱۲- ﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓــَٔةً ﴾ اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کمائے ﴿ اَوْ اِثْمًا ﴾ یا کوئی بڑا گناہ کمائے یا پہلا وہ گناہ ہے جو اس کے درمیان اور اس کے رب کے درمیان ہے اور دوسرا گناہ وہ ہے جو بندوں پر مظالم کے بارے میں ہے ﴿ ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــًٔا ﴾ پھر وہ اپنا گناہ کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جس طرح طعمہ بن ابیرق نے اپنا جرم زید بن سمین کے سر

تھوپ دیا تھا ﴿ فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا ﴾ تو اس نے بے شک بہت بڑا جھوٹ بولا ﴿ وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ اور کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کیا اور یہ اس لیے کہ وہ ایک تو چوری کر کے گنہگار ہوا اور (دوسرا) ایک بے قصور آدمی پر تہمت لگا کر گناہ کیا' سو وہ دو گناہوں کا مرتکب ہوا اور بہتان کہتے ہیں کہ کسی بے قصور پر جھوٹا الزام لگا دینا جس سے وہ حیران و پریشان ہو جائے اور وہ اس الزام سے بے خبر ہو۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾

اور (اے محبوب!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا' اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے' اور اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے O ان کے اکثر مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے یا نیکی کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے' اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو ہم اس کو بہت بڑا ثواب عنایت کریں گے O

١١٣- ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر خطا اور ہر عیب سے معصوم نہ بنایا ہوتا اور ان کے پوشیدہ رازوں اور خفیہ ارادوں پر آپ کو اطلاع دے کر آپ پر اس نے لطف و کرم نہ کیا ہوتا ﴿ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ ﴾ تو البتہ ان میں سے یعنی قبیلہ بنوظفر میں سے ایک جماعت نے (آپ کو گمراہ کرنے کا) ارادہ کر لیا تھا یا ''طَآئِفَةٌ'' سے خود بنوظفر مراد ہیں [اور ''مِنْهُمْ'' کی ضمیر ''اَلنَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے] (یعنی لوگوں میں سے بنوظفر نے ارادہ کر لیا تھا) ﴿ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ﴾ کہ وہ آپ کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے سے بہکا دیں حالانکہ آپ نے عدل و انصاف کا ارادہ کیا ہوا تھا اور وہ جانتے تھے کہ ان کا ساتھی ہی مجرم ہے ﴿ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں کیونکہ اس کا وبال انہیں پر پڑے گا ﴿ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ﴾ اور وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ آپ نے صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے طعمہ کے حق میں عمل کرنا چاہا تھا لیکن آپ کے قلب مبارک میں ناانصافی کا ارادہ بالکل نہیں تھا بلکہ حقیقت اس کے برعکس تھی (یعنی آپ اپنے دل میں تو عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے) ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور حکمت یعنی سنت نازل فرمائی ﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب

کچھ سکھا دیا ہے جو کچھ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے یعنی دین اسلام اور دیگر شریعتوں کے مسائل و معاملات یا مخفی و پوشیدہ اور غیب کے معاملات و مسائل اور دلوں کے اسرار و رموز سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا ہے ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ کو بے شمار علوم عطا فرمادیئے اور آپ پر انعامات و اکرامات کی بارش فرمادی۔

## نیک مشاورت کی اہمیت' رسولِ اکرم اور اجماع کی مخالفت کا انجام اور شرک کی مذمت

۱۱٤- ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ﴾ ان لوگوں کی سرگوشیوں میں اور ان کے باہمی خفیہ مشوروں اور سازشوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی ﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ سوائے اس شخص کی سرگوشی کے جس نے صدقہ دینے کا حکم دیا [اور یہ ''كَثِيرٍ'' یا ''نَجْوَاهُمْ'' سے بدل واقع ہونے کی بنا پر مجرور ہے یا استثناء منقطع ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''وَلٰكِنَّ'' کے معنی میں ہے] (یعنی) لیکن جس شخص نے صدقہ دینے کا حکم دیا ہے تو اس کے مشورہ میں بھلائی ہے ﴿أَوْ مَعْرُوفٍ﴾ یا نیکی کرنے کا حکم دیا یعنی قرض دینے یا کسی مظلوم کی فریادرسی کرنے یا ہر قسم کی بھلائی کرنے کا حکم دیا یا پھر صدقہ سے زکوٰۃ مراد ہے اور معروف سے ہر قسم کے نفلی صدقات مراد ہیں ﴿أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یعنی آپس میں عداوت رکھنے والے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دینا اور کوشش کرنا ﴿وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص مذکورہ بالا کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے اور اس سے وہ شخص خارج ہو گیا جو یہ مذکورہ بالا کام دکھاوے کے لیے یا شہرت کے لیے کرتا ہے اور یہ مفعول لہ ہے اور یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ''إِلَّا مَنْ أَمَرَ'' فرمایا' پھر ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ'' فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعے نیکی کرنے والے پر دلالت کی جائے کیونکہ جب نیکی کا حکم دینے والا نیکوں کی جماعت میں شامل ہے تو نیکی کرنے والا بطریق اولیٰ نیکوں میں شامل ہوگا' پھر ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ'' فرما کر نیکی کرنے والے کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ اس سے بہت بڑا اجر و ثواب عنایت کرنے کا وعدہ فرمالیا یا اس سے ''وَمَنْ يَّأْمُرْ بِذٰلِكَ'' مراد ہے (یعنی جو مذکورہ بالا کاموں کا حکم دے) [لیکن ''أَمَر'' کو فعل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے] ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ تو ہم عنقریب ان کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے [قاری ابو عمرو بصری اور حمزہ نے ''يُؤْتِيهِ'' پڑھا ہے]۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
ع ۱۷ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ
وقف لازم اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اور جو شخص راہِ حق واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے تو ہم اس کو اسی راہ پہ چھوڑ دیں گے جس کی طرف وہ خود پھر گیا ہے اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O اور بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت نہیں کرتے' مگر عورتوں کی اور وہ عبادت نہیں کرتے مگر سرکش شیطان کی O جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لوں گا O

---

۱۱۵- ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ﴾ اور جو شخص رشد و ہدایت کے ظاہر ہونے اور (راہِ حق کی) دلیل واضح ہونے کے بعد رسول پاک کی مخالفت کرتا ہے ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مسلمانوں کی اس راہ کی مخالفت کرتا ہے جس دین حنیف کی راہ میں مسلمان گامزن ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے جس کی مخالفت جائز نہیں جس طرح کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی راہ کی مخالفت کو شرط میں جمع کر دیا ہے اور اس کی جزاء سخت ترین عذاب مقرر فرمایا ہے' لہٰذ سلمانوں کے اجماع کی اتباع اسی طرح واجب ولازم ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور آپ کی دوستی واجب ولازم ہے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ وہ گمراہی کی جس راہ کی طرف از خود پھر جائے گا ہم اسے اسی کی طرف موڑ دیں گے اور ہم اس کو دنیا میں اسی راہ پر چھوڑ دیں گے جس کو اس نے خود اختیار کر لیا ہے اور آخرت میں ہم اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ طعمہ بن ابیرق کے مرتد ہو جانے پر اس کے بارے میں نازل ہوئی۔

۱۱۶- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ بے شک اسے نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' اس آیت کریمہ کی تفسیر اسی سورۃ (کی آیت: ۴۸) میں گزر چکی ہے ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بہت دور جا پڑا۔

## شیطان کے ہتھکنڈوں کا بیان

۱۱۷- ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت نہیں کرتے مگر عورتوں کی' لفظ ''اِنَاثًا'' ''اُنْثٰی'' کی جمع ہے اور اس سے مراد لات' عُزّٰی اور مناۃ نامی بت ہیں اور عرب کے ہر قبیلے کے پاس ایک بت ہوتا تھا جس کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کو بنی فلاں کی بیٹی کہا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَنْ ذَالِكَ) ﴿ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا ﴾ اور وہ صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ اسی شیطان نے ان کو بتوں کی عبادت کرنے کی ترغیب دی اور ان کو فریب دیا تو انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی اس لیے ان کی اطاعت کو شیطان کی عبادت قرار دیا گیا ﴿ مَّرِيْدًا ﴾ اطاعت وفرماں برداری سے خارج وسرکش اور ہر کارِ خیر سے خالی ومحروم اور اسی سے ''امرد'' (بے ریش لڑکا) بنا ہے۔

۱۱۸- ﴿ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرما دی ہے' شیطان کی دو صفتیں ہیں: سرکش اور ملعون (گویا) شیطان سرکشی اور لعنتِ خدا کا جامع ہے اور (شیطان کا درج ذیل) قول بہت بدترین ہے: ﴿ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ

﴿نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا﴾ اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر و جدا حصہ ضرور لوں گا کہ ایک ہزار میں نو سو ننانوے (۹۹۹) لازماً میرے ہوں گے اور ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ‌ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۤـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا مَحِيۡصًا ﴿۱۲۱﴾

اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا اور میں انہیں ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور انہیں ضرور حکم دوں گا تو اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتیں تبدیل کر دیں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیتا ہے تو بے شک وہ کھلم کھلا نقصان میں جا پڑا O وہ ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف پُرفریب وعدے کرتا ہے O یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے بچنے کی جگہ نہیں پائیں گے O

۱۱۹- ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ﴾ اور میں ان کو گمراہی کی دعوت دے کر دنیا اور شہوات کو آراستہ کر کے اور وسوسے ڈال کر ضرور گمراہ کروں گا اور اگر اس کو لوگوں کے اندر گمراہی نافذ کرنے کی طاقت ہوتی تو وہ سب لوگوں کو گمراہ کر دیتا ﴿وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ﴾ اور لمبی عمر ملنے اور مال و دولت کے حاصل ہو جانے کی باطل اور ناجائز آرزوئیں ضرور میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ﴾ اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیر دیں گے "بتك" کا معنی ہے: کاٹنا اور چیرنا اور "تبتيك" کا معنی ہے: کثرت سے بار بار کاٹنا اور چیرنا یعنی میں انہیں ضرور ترغیب دوں گا کہ وہ چوپاؤں کے کان کاٹ ڈالیں اور اہل جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جنم دیتی اور پانچویں مرتبہ نر جنتی تو اس کا کان چیر دیتے (اور اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے) اور اس سے نفع اٹھانا اپنے اوپر حرام کر لیتے (اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ استعمال کرتے اور نہ اس کو ذبح کرتے) ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ﴾ اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی صورتیں بگاڑ دیں گے جیسے حامی نام کے جانور کی آنکھ نکالنا اور اس پر سوار ہونے کو حرام قرار دینا یا خصی کرنا اور یہ عمل چوپایوں میں جائز ہے لیکن بنی نوع انسان میں جائز نہیں ہے (جب کہ کفار مکہ غلاموں کو خصی کر دیتے تھے) یا جسم کو سوئی وغیرہ کے ذریعے چھیدنا یا کسی قرابت دار (بیٹے وغیرہ) کے رشتے سے انکار کر کے دوسروں کی طرف منسوب کرنا یا بالوں کو سیاہ کر کے بڑھاپے کو تبدیل کرنا یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا یا مردوں کا اپنی شکل و صورت اور گفتار و رفتار کو عورتوں کے مشابہ بنانا (اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ بننا) یا اللہ تعالیٰ کی فطرت یعنی دین اسلام کو تبدیل کرنا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ "لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ" (الروم:۳۰) یعنی "اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز نہ بدلنا" ﴿وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیتا ہے اور شیطان اس کو جس طرف بلاتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتا ہے تو بے شک اس نے دنیا اور آخرت

میں یعنی دونوں جہانوں میں واضح اور صریح نقصان اٹھایا۔

۱۲۰- ﴿ یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے کہ نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے اور نہ حشر ونشر ہوگا اور نہ حساب وکتاب ہوگا اور ان کو ایسی آرزوئیں دلاتا ہے جو وہ کبھی حاصل نہ کر سکیں گے اور شیطان ان سے پُرفریب وعدے کرتا ہے اور انہیں چیزیں حقیقت کے خلاف دکھاتا ہے۔

۱۲۱- ﴿ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ﴾ انہیں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے نہ پھر سکیں گے اور نہ بھاگ سکیں گے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا وعدہ سچا ہے' اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہو سکتا ہےO نہ تمہاری آرزوئیں پوری ہوں گی اور نہ اہل کتاب کی آرزوئیں' جو شخص کوئی بُرا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی' اور وہ اللہ کے سوا کسی کو نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگار O اور جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مسلمان ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گاO

## نیکوں کا انعام' غیر مسلموں کی باطل تمنائیں' دین میں مخلص کا تعارف اور حضرت ابراہیم کی شان

۱۲۲- ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور کفر اختیار کرنے کے معاملے میں انہوں نے شیطان کی پیروی نہیں کی ﴿ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴾ عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [اور ابراہیم نخعی نے ''سَیُدْخِلُهُمْ'' پڑھا ہے] ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' یہ دونوں مصدر ہیں پہلا اپنی ذات کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرا اپنے غیر (وَعْدَ) کی تاکید کے لیے ہے ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں کون سچا ہو سکتا ہے؟ [''قِیْلًا'' دراصل ''قَوْلًا'' ہے اور یہ جملہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور نفی کے معنی میں ہے] یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ تیسری تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے جو سچے وعدے کیے ہیں ان کی تاکیدیں لانے کا فائدہ شیطان کے ان جھوٹے وعدوں کا مقابلہ کرنا ہے جو اس نے اپنے پیروکار چیلوں سے کیے ہوئے ہیں۔

۱۲۳-﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ﴾ اے مشرکو! تمہاری آرزوئیں اور تمہاری خواہشات کے مطابق معاملہ نہیں ہوگا کہ تمہارے بت تمہیں فائدہ دیں گے ہرگز نہیں ﴿ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ اور نہ یہود و نصاریٰ کی خواہشات پر فیصلہ ہوگا جیسا کہ انہوں نے کہا ہے: ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' (المائدہ:۱۸) ''ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' (البقرہ:۸۰) ''ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن'' ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے جو شخص برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائے گا اور نہ کوئی مددگار اور یہ کفار کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا:

۱۲۴-﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ [سو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَهُوَ مُؤْمِنٌ'' حال واقع ہو رہا ہے اور پہلا ''مِنْ'' ''تبعیض'' کے لیے ہے اور دوسرا ''مِنْ'' ''مَنْ يَّعْمَلْ'' میں ابہام کے بیان کے لیے ہے] اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں (ترجمہ) اور جو شخص نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مسلمان ہو ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ﴾ تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری اور ابوبکر نے ''يُدْخَلُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے] ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴾ اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا ''نقیر'' ''نقرہ'' سے بنا ہے اور ''نقرہ'' کھجور کی گٹھلی کی پشت میں باریک شگاف کو کہا جاتا ہے اور ''لَا يُظْلَمُوْنَ'' میں ضمیر برے عمل کرنے والوں اور نیک عمل کرنے والوں دونوں کی طرف لوٹتی ہے (ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی) اور یہ بھی جائز ہے کہ دو فریقوں میں سے کسی ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کی دلیل قرار پائے اور اہل کتاب کی تمنا کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ'' اور ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ'' کا ذکر ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ'' اور ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ'' کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' کے بعد کیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝۱۲۵ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
ع ۱۸/۱۱/۱۵ الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝۱۲۶ ع

اور اس سے زیادہ کس کا دین اچھا ہے' جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا ہے اور وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ابراہیم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے' جو ہر باطل سے جدا' صرف حق کے ماننے والے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا○ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے○

۱۲۵-﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ﴾ اور اس سے بہتر کس کا دین ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا ہے یعنی جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور اپنی ذات کو اسی کے سپرد کر دیا ہے اور

اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی ذات کے لیے نہ کسی رب کو جانتا ہے اور نہ کسی معبود کو ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ اور وہ نیکیاں کرنے والا ہو ﴿ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ﴾ اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہو جو تمام باطل ادیان سے منہ پھیرنے والے تھے اور [ یہ متبع یا ابراہیم سے حال ہے ] ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنا لیا ہے' خلیل کا اصل معنی مخلص دوست ہے اور تمہارا خلیل وہ ہے جو تمہاری دوستی میں تمہارے ساتھ مخلص و موافق ہو یا جس کی محبت تمہارے دل کے وسط میں اتر جائے یا تمہاری دوستی ایسی صحیح اور سچی ہو جیسے اس کی دوستی سچی اور کھری ہے اور '' خُلَّةٌ '' کا معنی ہے: خالص و سچی دوستی جو رازدارانہ خالص و گہری دوستی کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے اور محبت اس سے زیادہ خالص اور زیادہ گہری ہوتی ہے کیونکہ یہ دل کی چاہت سے پیدا ہوتی ہے اور [ یہ جملہ معترضہ ہے اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ] جیسے یہ قول ہے: '' وَالْحَوَادِثُ جُمَّةٌ '' اور مصائب و آلام بہت زیادہ ہوتے ہیں' اور اس کا فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور آپ کے طریقے کی اتباع کے وجوب کی تاکید کرنا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب کی منزل تک پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا خلیل بنا لیا تو پھر بہتر یہی ہے کہ اس کی ملت اور طریقے کی اتباع کی جائے اور اگر اس جملہ کو سابقہ جملوں پر معطوف کیا جائے تو اس کا کوئی معنی نہیں رہے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے بنایا کہ آپ محتاجوں اور فاقہ کشوں کو کھانا کھلاتے تھے اور سلام کرنے کو عام رائج کیا اور جب لوگ رات کو سو جاتے تو آپ رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی کہ میں نے آپ کو اپنا خلیل اس لیے بنایا کہ آپ لوگوں کو دینا پسند کرتے ہیں لیکن لینا پسند نہیں کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ لوگوں کو دیتے ہیں لیکن ان سے آپ سوال نہیں کرتے نہ ان سے آپ کچھ مانگتے ہیں۔

۱۲۶- ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس لیے اپنا خلیل بنایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل بننے کی احتیاج ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی احتیاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے منزہ ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۖ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

اور یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں جو کتاب میں تلاوت کیا جاتا ہے وہ حق تم ان کو نہیں دیتے جو ان کے لیے ادا کرنا فرض کیا گیا ہے اور چاہتے یہ ہو کہ تم ان سے نکاح کر لو اور کمزور بچوں کے بارے میں' اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو' اور تم جو نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

## یتیم بچیوں کے حقوق کا بیان

۱۲۷۔﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ﴾ اور یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں اور افتاء مبہم و نامعلوم اور مشکل چیز کی وضاحت کرنے کو کہتے ہیں ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کتاب یعنی قرآن مجید میں یتیم لڑکیوں کے حقوق کے متعلق تلاوت کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى'' (النساء:۳) تو اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام یعنی قرآن مجید یتیم لڑکیوں کے متعلق انصاف قائم رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ تمہارے اس قول جیسا ہے: ''اَعْجَبَنِيْ زَيْدٌ وَكَرَمُهٗ'' یعنی مجھے زید اور اس کی سخاوت دونوں نے تعجب میں ڈال دیا ہے [اور ''مَا يُتْلٰى''، ''يُفْتِيْكُمْ'' میں ''هُوَ'' ضمیر پر یا لفظ ''اَللّٰهُ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور ''فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ''، ''يُتْلٰى'' کا صلہ ہے یعنی ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر قرآنی احکام تلاوت کیے جاتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ''، ''فِيْهِنَّ'' سے بدل ہو اور اضافت بہ معنیٰ ''مِنْ'' کے ہو] ﴿ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ ﴾ وہ یتیم لڑکیاں جن کو تم وہ حقوق بھی نہیں دیتے جو میراث وغیرہ کی صورت میں ان کے لیے لازمی مقرر کیے گئے ہیں؛ دراصل اسلام کے زریں عہد مبارک سے قبل زمانہ جاہلیت میں لوگ یتیم لڑکیوں اور ان کے مالوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے؛ پھر اگر وہ لڑکی حسینہ وجمیلہ ہوتی تو کفیل اس کے ساتھ شادی کر لیتا اور اس کا مال کھا جاتا اور اگر بدصورت ہوتی تو اس کے ساتھ نہ خود شادی کرتا نہ کسی دوسری جگہ کراتا بلکہ اس کو محروم کر کے ہمیشہ روک کر رکھتا یہاں تک کہ وہ بیچاری مر جاتی اور یہ اس کے مال کا وارث بن جاتا ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ اور تم ان میں ان کے حسن و جمال کی بنا پر نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو یا ان کے قبیحہ اور بدصورت ہونے کی بنا پر تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو ﴿ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ﴾ اور کمزور بچوں کے بارے میں یعنی یتیم بچوں کے بارے میں (انصاف سے کام لو) [اور یہ مجرور ہے اور ''يَتٰمَى النِّسَآءِ'' پر معطوف ہے] اور زمانہ جاہلیت میں طاقتور مردوں کو وارث بناتے تھے جب کہ بچوں اور لڑکیوں کو نہیں بناتے تھے ﴿ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى ﴾ [یہ بھی ''اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ'' کی طرح مجرور ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یتیم لڑکیوں اور کمزوروں اور یتیموں کے حق میں تمہیں فتویٰ دیتا ہے کہ تم (ان کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے) کھڑے ہو جاؤ [یا پھر یہ منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ اور یہ حکام کو خطاب ہے کہ وہ ان کے بارے میں غور و فکر کریں اور ان کو ان کے تمام حقوق پوری طرح ادا کرائیں ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ ان کے مال اور میراث کے بارے میں انصاف سے کام لو ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ ﴾ اور جو بھی تم نیکی کرتے ہو؛ یہ شرط ہے؛ اس کا جواب ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴾ ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر جزا دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ
وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا

اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ
یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں‘ اور صلح کرنا ہی بہتر ہے‘ اور دلوں میں حرص رکھی گئی ہے‘ اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے O اور تم ہرگز اپنی عورتوں کے درمیان پورا انصاف نہیں کر سکو گے خواہ تم کتنی حرص کرو تو تم مکمل طور پر ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ تم بے رغبت بیوی کو اس طرح چھوڑ دو کہ درمیان میں لٹکی رہے‘ اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت مہربان ہے O اور اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا‘ اور اللہ بڑی وسعت وحکمت والا ہے O

## میاں بیوی کے درمیان صلح کے طریقہ کار اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان

۱۲۸- ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا﴾ اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی جدائی کا اندیشہ محسوس کرتی ہے یعنی اس کو اس بات کی توقع ہے کہ اس کا خاوند اس کو الگ کر دے گا کیونکہ خاوند کے متکبرانہ رویے اور دیگر علامات کی وجہ سے اس پر یہ بات عیاں ہوگئی ہے اور ''نُشُوز'' کا مطلب ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے الگ ہو جائے اور اس کے پاس آنا بند کر دے اور خرچ وغیرہ نہ دے اور گالی گلوچ یا مار پیٹ کے ذریعے اس کو اذیت و تکلیف پہنچائے ﴿اَوْ اِعْرَاضًا﴾ یا اس سے روگردانی کرے بایں طور کہ اس سے بات چیت کم کر دے اور اس سے محبت و پیار کم کر دے یہ سب کچھ اس لیے ہو کہ بیوی کی عمر بڑی ہوگئی ہو یا شکل وصورت میں قبیح ہو یا بد خلق و بدسیرت ہو یا بلاوجہ رنج و ملال میں رہتی ہو یا خاوند کو دیکھ کر اس سے آنکھیں پھیر لیتی ہو وغیرہ ذالک ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا﴾ تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس صلح کر لیں [اور یہ اہل کوفہ کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت میں ''یَصَّالِحَا'' ہے یعنی اصل میں ''یَتَصَالِحَا'' تھا''تا'' کو صاد سے تبدیل کر دیا گیا اور اس تبدیل کردہ صاد کو اصل صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿صُلْحًا﴾ دونوں فعلوں میں ہر ایک سے یہ مصدر کے معنی میں ہے اور صلح کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی خوشی سے اپنی باری سوکن کو بخش دے یا اپنا کل مہر یا بعض یا نان نفقہ اپنے خاوند کو بخش دے ﴿وَالصُّلْحُ خَیْرٌ﴾ اور صلح کرنا طلاق دینے اور عورت پر زیادتی کرنے اور باہم لڑنے جھگڑنے وغیرہ سب سے بہتر ہے یا یہ معنی ہے کہ صلح کرنا نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے جس طرح لڑنا جھگڑنا برائیوں میں سے ایک برائی ہے اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح معترضہ ہے: ﴿وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ اور حرص و بخل دلوں میں حاضر کر دیا گیا ہے جو ان سے کبھی غائب نہیں ہوتا اور نہ ان سے جدا ہوتا ہے یعنی حرص و بخل دلوں پر چھاپ دیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ نہ عورت اپنے حقوق معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنے حقوق معاف کرتا ہے اور نہ عورت اپنی باری اور مہر وغیرہ سے دست بردار ہوتی ہے اور نہ مرد اس کی باری مقرر کرتا ہے جب اس سے بے رغبت ہو جاتا ہے بلکہ ان میں سے ہر کوئی اپنے فائدے کا طالب ہوتا ہے اور ''اُحْضِرَتْ'' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے پہلا مفعول ''انفس''

ہے (اور دوسرا "شح" ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے طبیعت کی مخالفت کرنے اور شریعت کی پیروی کرنے کی ترغیب دی ہے ﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا﴾ اور اگر تم اپنی عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان کی حفاظت و دیکھ بھال کرتے رہو اگر چہ وہ تمہیں ناپسند ہوں اور ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہیں پسند ہوں اور تم حق صحبت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر صبر کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے اور ان سے روگردانی کرنے اور انہیں اذیت دینے اور ان سے لڑنے جھگڑنے سے بچتے رہو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ تو بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے یعنی نیکی اور پرہیز گاری سے آگاہ ہے جن پر تمہیں ثواب عطا فرمائے گا اور عمران خارجی بہت بدصورت شخص تھا اور اس کی بیوی بہت خوبصورت عورت تھی ایک دن اس نے اپنے اس خاوند کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اور تجھے جنتی بنایا اس نے کہا کہ کیسے؟ تو عورت نے جواب دیا کہ اس لیے کہ میرے جیسی خوبصورت بیوی تجھے عطا کی گئی جس پر تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کہ میرے ساتھ حسن سلوک کیا) اور تمہارے جیسا خاوند مجھے عنایت کیا گیا تو میں نے صبر کیا اور جنت کا وعدہ شکر گزار اور صبر کرنے والوں کے لیے کیا گیا۔

۱۲۹- ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ﴾ اور تم اپنی عورتوں کے درمیان اس طرح مکمل اور پورا پورا انصاف اور برابری ہرگز نہیں کر سکو گے کہ تمہارے دل کا طبعی میلان کسی بیوی کی طرف زیادہ نہ ہو اور مکمل انصاف یہ ہے کہ خاوند اپنی تمام بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے میں نان نفقہ دینے وعدہ کرنے میں دیکھنے میں توجہ کرنے میں ان کی باتیں برداشت کرنے میں اور خوش طبعی وغیرہ میں برابری کرے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ محبت کرنے میں تمام بیویوں کے درمیان مساوات و برابری کی جائے اور حضور سیّد عالم نبی محتشم رسول معظم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کے درمیان باری مقرر فرمایا کرتے تھے اور ان میں عدل و انصاف قائم رکھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اے اللہ! تو میری اس معاملہ میں گرفت نہ فرمانا جس (طبعی محبت و میلان) کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں[1] یعنی محبت کا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو سب بیویوں میں سے زیادہ پیاری اور محبوبہ ترین بیوی تھیں ﴿وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اور اگر چہ تم تمام بیویوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے کی پوری کوشش کرتے رہو (پھر بھی تم ان میں مساوات و برابری نہیں کر سکو گے) ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ تو مکمل طور پر تم ایک طرف نہ جھک جاؤ یعنی ناپسندیدہ بیوی پر مکمل ظلم و ستم نہ کرو کہ اس کی رضامندی کے بغیر اس کی باری تم بند کر دو یعنی امکانی حد تک اس سے مکمل میلان و رغبت نہ چھوڑ دو اور اگر ان میں تم سے مکمل انصاف نہیں ہو سکتا تو کم از کم تم ان پر ظلم تو نہ کرو جس میں بار بار مارنا اور بات بات پر ان کو ڈانٹنا شامل ہے [اور "كُلَّ" مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ اس کا حکم وہی ہے جو اس کے مضاف الیہ کا حکم ہے] ﴿فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ سو تم اس کو بے بس عورت کی طرح چھوڑ دو (ایسا نہ کرنا) "معلقة" وہ عورت ہوتی ہے جو نہ تو شوہر دار ہو اور نہ طلاق یافتہ ہو ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا﴾ اور اگر تم ان تمام بیویوں کے درمیان اصلاح کرو اور سب کے ساتھ نیک سلوک کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تم ظلم و ستم کرنے سے پرہیز کرو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے وہ تمہیں تمہاری طبعی اور قلبی محبت و میلان پر بخش دے گا وہ بہت مہربان ہے تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں طبعی میلان پر سزا نہیں دے گا۔

---

[1] رواہ الترمذی فی کتاب النکاح باب ۴۱

۱۳۰-﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا﴾ یعنی اگر میاں بیوی کسی چیز پر صلح نہ کریں اور خلع کے ذریعے عورت کو خاوند کی طرف سے طلاق دینے اور حق مہر پورا ادا کرنے اور عدت کا خرچ دے دینے کے سبب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں ﴿یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا﴾ تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا ﴿مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ اپنی وسعت اور غنیٰ سے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک میاں بیوی کو پہلے ساتھی سے بہتر رزق عطا فرمائے گا اور اس کی زندگی سے زیادہ فراخ زندگی عطا فرمائے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نکاح حلال قرار دے کر وسعت و فراخی دینے والا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ طلاق کی اجازت دینے میں بڑی حکمت والا ہے سو وسعت کا مطلب قدرت و غنیٰ ہے اور ''واسع'' کا مطلب غنی و مقتدر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و غنیٰ کو اپنے (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۸

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو' اور اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ بہت بے نیاز ہے' بے حد تعریف کیا ہوا ہے ○ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ کافی ہے' وہی کارساز ہے ○ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے' اور اللہ اس پر خوب قادر ہے ○ جو دنیا کا انعام چاہتا ہے' سو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے' اور اللہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے ○

۱۳۱-﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق مملوک ہے' اور وہ مالک و بادشاہ بننے والے سب اس کے بندے اور غلام ہیں ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ ''الکتاب'' اسم جنس ہے جو تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے [اور ''مِنْ قَبْلِكُمْ'' سے گزشتہ تمام امتیں مراد ہیں اور یہ ''وَصَّيْنَا'' کے یا ''اُوْتُوا'' کے متعلق ہے اور ''اِيَّاكُمْ'' ''اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا'' پر معطوف ہے] (ترجمہ) اور بے شک ہم نے ان کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں یہ حکم دیا ہے ﴿اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو [یا ''اَنْ'' مفسرہ ہے] کیونکہ وصیت قول کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ قدیمی اور پرانی وصیت ہے جو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کو کرتا رہا ہے اور صرف تم اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ

کے ذریعے کامیابی وکامرانی حاصل کرتے ہیں ﴿وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا﴾ [یہ ''اِتَّقُوا'' پر معطوف ہے] کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ہم نے انہیں اور تمہیں کہا ہے کہ اگر تم کفر اختیار کرو گے ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے اور ان کی عبادت سے بے پرواہ و بے نیاز ہے ﴿حَمِيۡدًا﴾ وہ اپنی نعمتیں کثرت کے ساتھ عطا فرمانے کے سبب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد وثناء اور تعریف بیان کی جائے اور ''لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ'' کو مکرر لانے سے تقویٰ کے موجب کی تقریر وتقویت اور اس کو استحکام دینا مقصود ہے کیونکہ جب تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور وہی سب کا خالق و مالک ہے تو اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اصل اور بنیاد تقویٰ ہے اور تقویٰ کے بعد ''اِنۡ تَكۡفُرُوۡا'' کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ تقویٰ سے مراد شرک وغیرہ سے بچنا ہے (کیونکہ توحید ہی تمام نیکیوں کی اصل ہے)۔

۱۳۲- ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے وہی کارساز ہے' سو تم اسی کو اپنا حامی وکارساز بنالو اور اس کے علاوہ کسی ذات پر حقیقی بھروسا نہ کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے ان کو خوف دلایا ہے اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی ہے۔

۱۳۳- ﴿اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے یعنی تمہیں ہلاک کر دے ﴿اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ﴾ اے لوگو! اور (تمہاری جگہ) دوسرے لوگوں کو لے آئے یعنی تمہاری جگہ وہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے یا انسانوں کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو پیدا کر دے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کام پر زبردست قدرت رکھتا ہے۔

۱۳٤- ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا﴾ جو دنیا کا انعام چاہتا ہے جیسے کوئی مجاہد جو اپنے جہاد سے مال غنیمت حاصل کرنا چاہتا ہے ﴿فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ؕ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر وثواب موجود ہے' پھر اس کو کیا ہوا ہے کہ وہ ان میں سے ایک کو طلب کرتا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ طلب بھی اسی کو کرتا ہے جو خسیس ترین اور حقیر ترین ہے (کیونکہ دنیا کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو آخرت کے مقابلے میں قلیل وحقیر ہے) ﴿وَكَانَ سَمِيۡعًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سننے والا ہے ﴿بَصِيۡرًا﴾ وہ سب کے کاموں کو دیکھنے والا ہے اور یہ وعدہ (خوشخبری) بھی ہے اور یہ وعید (عذاب کی دھمکی) بھی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ
اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ‌ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ فَلَا
تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا‌ ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡ

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو! تم ہمیشہ انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ اگر چہ یہ تمہارے یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہو' اگر وہ مال دار ہو یا غریب ہو تو اللہ ان کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہے' سو تم انصاف کرتے وقت حق سے ہٹ کر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو' اور اگر تم پھر گئے یا تم نے روگردانی کی تو بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے O اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے نازل فرمائی تھی ہمیشہ کے لیے ایمان لاؤ' اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرتا ہے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O

## عدل وانصاف کا حکم

۱۳۵- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ اے ایمان والو! تم ہمیشہ عدل و انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ یعنی عدل وانصاف قائم کرنے میں کوشاں رہو اور اس کی بالادستی کے لیے خوب جدوجہد اور محنت کرتے رہو اور کبھی کسی پر ظلم نہ کرو ﴿شُهَدَآءَ﴾ یہ خبر کے بعد (دوسری) خبر ہے ﴿لِلّٰهِ﴾ یعنی تم اپنی گواہیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کرتے رہو ﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور اگر چہ یہ گواہی تمہارے خلاف ہو اور اپنے خلاف گواہی دینا یہ ہے کہ اگر اپنی ذات پر اقرار لازم آتا ہو تو اقرار کرلے اور اپنی ذات کو بچانے کے لیے انکار نہ کرے کیونکہ گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لیے گواہی دینی ہے اس کے لیے اس کا حق ثابت کرنا ہے اور یہ اس لیے کہ دعویٰ' شہادت اور اقرار سب کسی پر کسی کے لیے حق کی خبر دینے میں مشترک ہیں مگر دعویٰ میں کسی دوسرے کے خلاف اپنے حق میں خبر دی جاتی ہے اور اقرار میں کسی کے لیے اپنے خلاف اعتراف کیا جاتا ہے اور شہادت میں کسی کے خلاف کسی دوسرے کے حق میں گواہی دی جاتی ہے ﴿اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ یعنی اگر چہ یہ گواہی تمہارے باپوں' اور تمہاری ماؤں اور تمہارے قرابت داروں کے خلاف ہو ﴿اِنْ يَّكُنْ﴾ اگر وہ شخص جس کے خلاف گواہی دی جانی ہے وہ ﴿غَنِيًّا﴾ دولت مند اور امیر ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اس کے خلاف گواہی روکی نہیں جائے گی ﴿اَوْ فَقِيْرًا﴾ یا وہ فقیر وغریب ہو تو اس پر رحم کرنے کے لیے اس کے خلاف گواہی نہیں روکی جائے گی ﴿فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ سو اللہ تعالیٰ غنی اور فقیر دونوں کا خیر خواہ ہے یعنی ان دونوں پر نظر کرم اور رحمت فرمانے میں [اور ''بِهِمَا'' میں ضمیر تثنیہ لائی گئی ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک امیر یا فقیر ہو [ کیونکہ یہ ضمیر اس معنی کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا'' دلالت کرتا ہے اور وہ جنس غنی اور جنس فقیر ہے ] گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور فقیر دونوں جنسوں کا خیر خواہ ہے یعنی امیروں کا بھی اور غریبوں کا بھی ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ پس تم اس ارادے سے خواہش کی پیروی نہ کرو کہ تم حق سے روگردانی کرو گے [ اور ''تَعْدِلُوْا''' ''عدول'' سے مشتق ہے یا یہ ''عدل'' سے مشتق ہے ] یعنی لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تم اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ﴿وَاِنْ تَلْوٗٓا﴾ اور اگر تم گواہی دینے میں کوئی ہیر پھیر کرو گے [ قاری

ابن عامر شامی اور قاری حمزہ نے ایک واؤ (ساکن) کے ساتھ لام کو ضمہ دے کر (وَاِنْ تَلُوْا) پڑھا ہے اس صورت میں یہ فعل "ولایت" سے مشتق ہے] ﴿ اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ یعنی اگر گواہی کو قائم کرنے سے پھر جاؤ یا اس کی ادائیگی سے اعراض کرو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہیر پھیر کرو[اور "تَلْوٗا" دو واؤ کے ساتھ اور لام ساکن کے ساتھ ہو تو یہ "لَیٌّ" سے مشتق ہے] یعنی اگر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے سے یا حق کی گواہی دینے سے اپنی زبانیں موڑ لو یا گواہی دینے سے روگردانی کرو اور گواہی ادا نہ کرو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھتا ہے سو تمہیں ان پر ضرور بدلا دے گا۔

## ایمان پر قائم رہنے کی تلقین' کفر و نفاق کا انجام اور قرآن پر تنقید کرنے والوں سے پرہیز کا حکم

۱۳۶- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ یہ مسلمانوں کو خطاب ہے ﴿ اٰمِنُوْا ﴾ ایمان پر ثابت قدم رہو اور اس پر ہمیشہ قائم رہو یا یہ اہل کتاب کو خطاب ہے کیونکہ یہ لوگ بعض کتابوں اور بعض رسولوں پر ایمان لاتے تھے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے تھے یا یہ منافقوں کو خطاب ہے یعنی اے نفاق کے ساتھ ایمان والو! اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ ﴿ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی (سرورِ کون و مکان فخر عالیان حضرت) محمد ﷺ پر ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم ﷺ پر نازل فرمائی ہے یعنی حق و باطل میں' حلال و حرام میں اور نیک و بد میں فرق کرنے والے قرآن پر ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے نازل فرمائی تھی یعنی جنسِ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن مجید) سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل فرمائی تھیں[اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَكُتُبِهٖ" ہے اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر اور ابوعمرو بصری نے "نُزِّلَ" اور "اُنْزِلَ" مبنی للمفعول پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے یہاں "نَزَّلَ" اور "اَنْزَلَ" مبنی للفاعل پڑھا ہے] اور بے شک قرآن مجید کے لیے "نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ" اور دیگر کتابوں کے لیے "اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید بیس سال سے زیادہ عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جاتا رہا جب کہ اس سے پہلے دیگر کتابیں بیک وقت اکٹھی نازل کی گئیں ﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرتا ہے یعنی جو شخص ان چیزوں میں سے کسی کا بھی انکار کرتا ہے ﴿ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴾ تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا کیونکہ کسی ایک کے ساتھ کفر کرنا سب کے ساتھ کفر کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ
اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾
الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ
الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے' پھر کافر ہو گئے' پھر ایمان لائے' پھر کافر ہو گئے' پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے ان کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ نجات دکھائے گاO منافقوں کو خبر دار کر دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہےO جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں' پس بے شک عزت تو ساری اللہ کے لیے ہےO اور بے شک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں' ورنہ بے شک تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے' بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرے گاO

## مرتدین اور منافقین کی مذمت

۱۳۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر وہ بچھڑے کی عبادت کر کے کافر ہو گئے ﴿ثُمَّ اٰمَنُوْا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے جب آپ کوہ طور سے واپس لوٹ آئے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ پھر وہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کر کے کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے ﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو نجات یا جنت کی راہ دکھائے گا یا اس سے مراد منافقین ہیں جو بہ ظاہر ایمان لے آئے اور دل میں بار بار کفر کرتے رہے اور موت تک نفاق پر قائم رہنے سے ان کا کفر مزید بڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد اس بات کی تائید کرتا ہے:

۱۳۸- ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ "اَىْ اَخْبِرْهُمْ" یعنی انہیں خبر سنا دیجئے اور "اَخْبِرْ" کی جگہ "بَشِّرْ" (خوشخبری سنا دیجئے) اس لیے لایا گیا ہے تاکہ منافقین کا مذاق اڑایا جائے ﴿بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ کہ بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۳۹- ﴿الَّذِيْنَ﴾ [ذم کی بنا پر منصوب ہے یا مرفوع ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں یا یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا یہ لوگ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ دراصل منافقین کافروں سے دوستیاں کرتے تھے اور ان سے نصرت و حمایت اور پناہ طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا کام کبھی پورا نہیں ہو گا ﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ بے شک ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ خود عزت عطا فرما دے جیسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (المنافقون:۸) "اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم اور مؤمنوں کے لیے ہے"۔

۱۴۰- ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ [قاری عاصم نے نون کو مفتوح ("نَزَّلَ" فعل ماضی معروف) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے نون کو مضموم ("نُزِّلَ" فعل ماضی مجہول) پڑھا ہے] (ترجمہ) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) نازل فرمایا

ہے ﴿فِی الْکِتٰبِ﴾ یعنی قرآن مجید میں ﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ﴾ کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کا مذاق اڑانے اور کفریہ گفتگو کے علاوہ کسی اور بات چیت میں شروع ہو جائیں اور ''خوض'' کا معنی شروع ہونا ہے [اور ''اَنْ'' ثقیلہ سے مخفف ہے [''اَیْ اَنَّہٗ اِذَا سَمِعْتُمْ'' یعنی بے شک جب تم سنو' یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا جس کی شان اس طرح ہے اور شان وہ ہے جس کا افادہ جملہ اپنی شرط اور جزا کے ساتھ مل کر کرے [اور ''اَنْ'' اپنی جگہ ''نُزِّلَ'' (فعل ماضی مجہول) کے سبب محلاً مرفوع ہے یا ''نَزَّلَ'' (فعل ماضی معروف) کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ]اور کتاب (یعنی قرآن) میں ان پر وہی حکم نازل کیا گیا ہے جو مکہ میں مشرکین کے بارے میں ان پر نازل کیا گیا تھا' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ'' (الانعام:۶۸) ''اور جب تم مشرکینِ مکہ کو دیکھو کہ وہ ہماری آیتوں میں بحث کر رہے ہیں تو تم ان سے اعراض کرلو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مشرکین کی مجلس میں قرآن مجید کا ذکر آ جاتا تو یہ لوگ اس میں بحث شروع کر دیتے اور قرآن مجید پر طعن کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس وقت تک ان کے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا گیا جب تک وہ لوگ اس میں بحث کرتے رہیں اور مکہ مکرمہ میں جو کام مشرکین کرتے تھے وہی کام مدینہ منورہ میں منافقین نے کرنا شروع کر دیا اس لیے مسلمانوں کو ان کے پاس بھی بیٹھنے سے منع کر دیا گیا جس طرح مکہ میں مشرکین کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا گیا تھا ﴿اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ﴾ یعنی ورنہ بے شک تم بھی گناہ میں انہی کی طرح ہو جاؤ گے جب تک ان کے پاس بیٹھے رہو گے اور اس میں تمام وجوہِ تمثیل مراد نہیں ہیں کیونکہ منافقین کا قرآن کی آیت میں طعن و تشنیع کرنا کفر ہے اور ان کے پاس بیٹھنا گناہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَھَنَّمَ جَمِیْعًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں جمع فرمائے گا کیونکہ کفر کرنے میں اور مذاق اڑانے میں وہ مشترک اور اکٹھے ہوتے ہیں۔

اِلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ۖ وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ع (۱۴۱)

ع ۱۷

جو تمہارا انتظار کر رہے ہیں' پھر اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح نصیب ہو تو کہتے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا ہے' سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا' اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں دے گاo

۱۴۱- ﴿اِلَّذِیْنَ﴾ [یہ ''اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ'' سے بدل ہے یا منافقین کی صفت ہے یا ذم کی بناء پر منصوب ہے ] ﴿یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ﴾ وہ لوگ تمہارا انتظار کرتے ہیں کہ تمہارے لیے کون سی نئی خبر آتی ہے فتح و کامیابی کی یا شکست و ناکامی

کی ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت اور مال غنیمت حاصل ہو جائے ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ تو کہتے ہیں: کیا ہم نے تمہارے ساتھ مدد نہیں کی لہٰذا تم ہمیں بھی مال غنیمت کے حصے میں شریک کرلو ﴿ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ﴾ اور اگر کافروں کا حصہ ہو اور مسلمانوں کی کامیابی کو فتح 'ان کی شان کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کہا گیا کیونکہ یہ وہ عالی شان کامیابی ہے جس پر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور کافروں کی کامیابی کو نصیب اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ایک خسیس و ذلیل چیز ہے جو ان کو حاصل ہوئی ہے کیونکہ یہ صرف دنیا کا سامان ہے جو ان کو حاصل ہوا ہے ﴿ قَالُوْٓا ﴾ منافقوں نے کافروں سے کہا: ﴿ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ﴾ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم تمہیں قتل کرنے پر قادر نہ تھے لیکن ہم نے تمہیں زندہ رہنے دیا اور قتل نہیں کیا اور ''استیلاء'' کا معنی غلبہ اور قابو پانا ہے ﴿ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا کہ ہم نے انہیں تم پر حملہ کرنے سے روکا اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالے جس سے ان کے دل کمزور ہو گئے اور وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے عاجز آ گئے اور تمہارے خلاف ان کی مدد کرنے میں ہم نے سستی کا مظاہرہ کیا' لہٰذا تم نے جو مال و اسباب حاصل کیا ہے اس میں سے ہمارا حصہ نکالو ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ﴾ اے مسلمانو! اور اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت کے روز کیونکہ منافقوں کو دوزخ میں اور مسلمانوں کو جنت میں داخل کرے گا ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر فوقیت ہرگز عطا نہیں کرے گا اور یہ آیت مبارکہ دلیل کے ساتھ مؤول ہے۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا اس سے حجت و دلیل مراد ہے یعنی کفار کبھی بھی دلائل کے ساتھ مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ انہیں دھوکے کی سزا دینے والا ہے' اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں' لوگوں کے لیے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا سا O وہ اس کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں' نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے' اور اللہ جس کو گمراہی پہ جانے دے تو تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں پاؤ گے O اے ایمان والو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حجت قائم کرنا چاہتے ہو O

## منافقین کی فریب کاریاں اور ان کا انجام ماسوا ان کے جنہوں نے توبہ کرلی

۱٤۲ـ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ بے شک منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یعنی منافقین وہی رویہ اختیار کرتے ہیں جو دھوکے دینے والا اختیار کرتا ہے کہ یہ لوگ ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور کفر کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں کیونکہ منافق وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان کا اظہار کرے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھے یا یہ معنی ہے کہ منافق اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں جن کو منافق دھوکہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کو اپنی طرف منسوب کر کے ان کی عظمت و شان کا اظہار کیا (کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا) ﴿ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو دھوکہ باز کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے جان اور مال محفوظ کر کے ان کو پُر امن چھوڑ دیا اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ تیار کر رکھا ہے [اور ''خَادِع''، ''خَادَعْتُهُ'' سے اسم فاعل ہے] جس کا معنی ہے کہ تو اس پر غالب آ گیا اور تو اس سے زیادہ تجربہ کار نکلا اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ دینے کی سزا دے گا ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ بوجھل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں' ان کا نماز کے لیے جی نہیں چاہتا لیکن غفلت کے ساتھ تو مسلمانوں کو بھی آزمایا جاتا ہے [اور ''كُسَالٰى''، ''کسلان'' کی جمع ہے جیسے ''سکارٰی''، ''سکران'' کی جمع ہے] ﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ﴾ یہ حال ہے' یعنی وہ اپنی نمازیں دکھاوے اور شہرت کے قصد سے پڑھتے ہیں [اور ''مـرآءة'' مفاعلة کے وزن پر ''رؤيـة'' سے مشتق ہے] کیونکہ دکھاوا کرنے والا شخص اپنا عمل لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ﴿ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں یعنی وہ نمازیں بہت ہی کم ادا کرتے ہیں کیونکہ جب وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوتے ہیں تو نمازیں بالکل نہیں پڑھتے یا یہ معنی ہے کہ منافق تسبیح و تہلیل (سُبْحَانَ اللّٰه ' لَا اِلٰه اِلَّا اللّٰهُ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کبھی کبھی اور بہت ہی کم کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ تھوڑا سا ذکر الٰہی بھی اللہ تعالیٰ رضا کی خاطر کرتے تو یہ بہت ہو جاتا (مگر منافق تو دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے تھوڑا سا ذکر کر لیتے تھے)۔

۱٤۳ـ ﴿ مُّذَبْذَبِيْنَ ﴾ حیران ہو کر پھرنے والے' [یہ ذم کی بنا پر منصوب ہے] یعنی شیطان اور خواہشات نفسانی نے انہیں کفر اور ایمان کے درمیان متحیّر و حیران کر دیا ہے' سو وہ ان کے درمیان حیران و پریشان کبھی کفر کی طرف اور کبھی ایمان کی طرف پھرتے رہتے ہیں اور مذبذب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا آدمی ہر دو جانب سے ایک سے دوسری جانب دفع ہوتا رہتا ہے اور اس کو کسی ایک جانب میں قرار نہیں ملتا [مگر ''ذبذبة'' کے لفظ میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے جب کہ ''ذَبٌّ'' میں تکرار نہیں ہوتا] ﴿ بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ کفر و ایمان کے درمیان ﴿ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ نہ وہ ادھر مومنوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں کہ انہیں مؤمن کہا جائے ﴿ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ اور نہ وہ اُدھر کافروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں کہ انہیں کافر کہا جائے ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پر چھوڑ دے تم اس کے لیے ہدایت کی راہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔

۱٤٤ـ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴾ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر تم کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کی واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لیے عذاب کا حکم دے دے [یہاں ''سُلْطَانًا مُّبِيْنًا'' کا معنی صریح اور واضح حجت ہے]۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۖ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے' اور تم ان کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے O مگر جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے' اور عنقریب اللہ مؤمنوں کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا O اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور سچے دل سے ایمان لاؤ' اور اللہ شکر کی جزا دینے والا' خوب جاننے والا ہے O

١٤٥- ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ بے شک منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے یعنی اس طبقہ میں ہوں گے جو دوزخ کی گہرائی میں سب سے نیچے ہوگا اور جہنم کے سات طبقات ہیں جن کو درکات کہا جاتا ہے کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور بے شک منافقوں کو کافروں سے زیادہ سخت عذاب ہوگا کیونکہ وہ دنیا میں قتل سے محفوظ رہے اس لیے وہ عدل وانصاف کے اعتبار سے آخرت میں دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کے مستحق ہیں (جہاں سب سے زیادہ عذاب ہوگا) کیونکہ یہ لوگ دینِ حق کو نہ ماننے میں کفار کے مشابہ و مماثل ہیں لیکن اسلام اور اہل اسلام کا مذاق اڑانے اور فریب دینے میں ان سے زیادہ سخت اور بڑھ کر کافر ہیں [اور اعشی کے علاوہ کوفہ کے قراء نے ''دَرْكْ'' میں ''را'' کو ساکن کر کے پڑھا اور ان کے علاوہ باقی قراء نے ''را'' کو مفتوح (دَرَكْ) پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں جائز ہیں اور علامہ زجاج نے ''را'' پر فتح کو اختیار کیا ہے] ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ اور تم ان کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے جو ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

١٤٦- ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی [اور یہ ''وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا'' کی مجرور ضمیر سے استثناء ہے] ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور انہوں نے حالت نفاق میں اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال و اسرار بگاڑ لیے تھے ان کو درست کر لیا اور نیکیاں کرنے لگ گئے ﴿وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہو گئے جس طرح مخلص مسلمان وابستہ ہیں ﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ اور انہوں نے اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور وہ اپنی اطاعت وفرماں برداری سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سو ایسے لوگ مسلمانوں کے ساتھی ہیں اور یہی لوگ دنیا و آخرت میں مؤمنوں کے دوست ہیں ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا اور یہ لوگ بھی مؤمنوں کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہوں گے [اور یہاں لفظ کا اتباع کرتے ہوئے خط میں ''یا'' کو ساقط کر دیا گیا ہے (کیونکہ ''یا'' ساکن اور لفظ اللہ کا لام مدغم ساکن کی وجہ سے التقائے ساکنین ہو گیا تو تلفظ میں ''یُؤْتِ'' سے ''یا'' کو حذف کرنے کے ساتھ خط میں بھی حذف کر دیا گیا)]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تقویت کے لیے کہ وہ کسی شکر گزار مؤمن کو عذاب نہیں دے گا سوالیہ جملے کے ساتھ ارشاد فرمایا:

۱۴۷۔﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ [اور لفظ ''ما''، ''یفعل'' سے منصوب ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کس سبب سے عذاب دے گا؟ لہٰذا ''مُنعِم'' (انعام کرنے والے) کو معرفت کے ساتھ ماننا ایمان ہے اور نعمت کا اعتراف شکر ہے اور ''مُنعِم'' کا انکار کفر ہے اور نعمت سے عناد ناشکری ہے اس لیے کافر عذاب کا مستحق ہے اور یہاں شکر کو ایمان پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ جب عقل مند آدمی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے کہ اس کو پیدا فرمایا گیا ہے اور اسے بے شمار منافع عنایت کیے گئے ہیں تو وہ مبہم شکر ادا کرتا ہے' پھر جب اس کی نظر و فکر مُنعِم کی معرفت تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اس پر ایمان لے آتا ہے' پھر تفصیل کے ساتھ اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہتا ہے' لہٰذا شکر ایمان پر مقدم ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے پر جزا دینے والا ہے اس لیے وہ تمہارے شکر ادا کرنے پر تمہیں بہترین جزا عطا فرمائے گا اور تمہارا تھوڑا سا عمل قبول فرما کر بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا ﴿عَلِيمًا﴾ تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

| |
|---|
| لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا |
| عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ |
| اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ |
| يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ |
| سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ |

اللہ بُری بات کا اعلان کرنا پسند نہیں فرماتا ماسوا مظلوم کے' اور اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے O اگر تم نیکی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یا کسی بُرائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ بہت معاف فرمانے والا زبردست قدرت والا ہے O بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ ہم کفر کرتے ہیں' اور وہ لوگ اس کے درمیان کوئی راستہ بنانا چاہتے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

## ظالم کے ظلم پر مظلوم کا آواز بلند کرنا اس کا حق ہے مگر معاف کرنا جائز ہے اور اللہ و رسول کے درمیان تفریق کرنا کفر ہے

۱۴۸۔﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اللہ تعالیٰ نہ بری بات کے اعلان کو پسند کرتا ہے اور نہ بری بات کو بغیر اعلان کے پسند کرتا ہے لیکن بری بات کا اعلان کرنا بہت زیادہ برا ہے ﴿اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ سوائے مظلوم کے اعلان کے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اعلان سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے اور مظلوم کا اعلان یہ ہے کہ ظالم کو بددعا دے اور ظالم میں جو ظلم و ستم کرنے کی برائی ہے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بری بات کے اعلان سے گالی دینا مراد ہے سوائے مظلوم کے کیونکہ یہ گالی دینے والے ظالم کے جواب میں اتنی گالی دے دے جتنی اس

نے گالی دی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ'' (الشوریٰ:۴۱) ''اور بے شک جس نے ظلم سہنے کے بعد انتقام لیا تو ان لوگوں پر مواخذہ کرنے کی کوئی راہ نہیں'' ﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا﴾ اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی شکایت کو بہت سننے والا ہے ﴿عَلِيْمًا﴾ اور وہ ظالم کے ظلم وستم کو خوب جاننے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے درگزر اور معاف کرنے کی ترغیب دی اور اس بات کی ترغیب دی کہ کوئی شخص کسی کی برائی کا اعلان نہ کرے اگر چہ وہ بدلا اور انتقام لینے کے طریقے پر ہو اور اس کو اعلان کی اجازت دینے کے بعد افضل وبہتر طریقۂ کار کی ترغیب دی اور نیکی کو ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کا ذکر کر کے عفو ودرگزر کرنے کے ساتھ تشبیہ دی اور فرمایا:

۱۴۹- ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا﴾ اگر تم برائی کے اعلان کے بجائے نیکی اور بھلائی کو ظاہر کرو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یا تم وہ نیکی چھپا کر کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر عفو کو معطوف کر کے فرمایا: ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ یا تم برائی سے درگزر کرو یعنی اس کو اپنے دلوں سے مٹا دو اور اس بات پر دلیل کہ نیکی کو ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کے ذکر سے اصل مقصود عفو ودرگزر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا' بڑی قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انتقام اور بدلا لینے کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود ہمیشہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم اس کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے عفو ودرگزر سے کام لو۔

۱۵۰- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں جیسے یہود حضرت عیسیٰ مسیح اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انجیل اور قرآن کا انکار کرتے ہیں اور جیسے نصرانی حضرت نبی اکرم رسول اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کرتے ہیں ﴿وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دین اپنا لیں حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔

۱۵۱- ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو پورے کافر ہیں کیونکہ کسی ایک پیغمبر کے ساتھ کفر کرنا سب کے ساتھ کفر کرنے کے مترادف ہے ﴿حَقًّا﴾ [یہ سابقہ جملے کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے] جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ حَقًّا'' یہ شخص یقیناً عبداللہ ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ یقیناً پورے اور مکمل کافر ہیں [یا یہ کافرین کے مصدر کفر کی صفت ہے] یعنی انہوں نے ایسا کفر کیا ہے جس کا ثبوت یقینی اور پختہ ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ اور ہم نے کافروں کے لیے آخرت میں ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ ع يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ ع ٢١/١١
السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہ کیا تو ایسے لوگوں کو عنقریب اللہ ان کا اجر وثواب عطا فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے محبوب! اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں' سو انہوں نے موسیٰ سے اس سے بڑھ کر سوال کیا اور کہا کہ آپ ہمیں اللہ کو ظاہر کر کے دکھا دیں تو ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے کڑک نے پکڑ لیا' پھر انہوں نے واضح معجزات آ جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا تو ہم نے یہ معاف کر دیا' اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عنایت کیا O

١٥٢- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ [اور یہاں لفظ ''اَحَدٍ'' پر ''بَيْنَ'' کا داخل ہونا اس لیے جائز ہے کہ یہ لفظ ''اَحَد'' مذکر و مؤنث اور واحد' تثنیہ' جمع سب کے لیے عام ہے] (ترجمہ) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا ﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے ساتھ کیے گئے وعدے کے مطابق اجر وثواب عطا فرمائے گا [اور امام حفص نے ''یا'' کے ساتھ ''يُؤْتِيْهِمْ'' پڑھا ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ تمام گناہوں کی پردہ پوشی فرما دے گا ﴿رَّحِيْمًا﴾ وہ نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ نیکیاں قبول فرما لے گا اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے اس باطل قول کی تردید کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خبر دی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عنایت فرمائے گا (خواہ وہ کیسا گنہگار ہو) لہٰذا وہ اس وعدے کے عموم میں داخل ہے' نیز اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں کا قول بھی باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ مغفرت ورحمت قدیم صفات میں سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (فعل ماضی کے ساتھ) فرمایا: ''وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' اور جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں غفور ورحیم نہیں تھا' پھر بعد میں وہ غفور اور رحیم ہو گیا۔

## اہل کتاب کا بے ہودہ سوال و دیگر نافرمانیوں کا ذکر اور حضرت عیسیٰ کو زندہ اٹھا لینے اور اہل ایمان کا بیان

شانِ نزول: جب فنحاص بن عاذورا اور اس کے ساتھیوں نے حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے کہا کہ آپ اگر سچے نبی ہیں تو بیک وقت آپ آسمان سے ایک پوری کتاب اتار کر لائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکمل کتاب ایک دم دی گئی تھی تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

١٥٣- ﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے تخفیف کے ساتھ (اَنْ تُنْزِلَ) پڑھا ہے] یعنی اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے آسمان سے مکمل کتاب ایک وقت میں اتار کر پیش کر دیں جیسا کہ تورات شریف کی پوری کتاب ایک دم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی تھی اور یہودیوں نے یہ سوال عناد وبغض کی وجہ سے کیا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ سوال رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کرتے تو ان کو سوال کا جواب عنایت کیا جاتا کیونکہ مکمل قرآن مجید کا ایک وقت میں نزول ممکن ہے ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ [یہ شرط مقدر کا جواب ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! انہوں نے آپ سے جو سوال کیا ہے اگر آپ اس کو بڑا سمجھتے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا۔

سوال: یہ سوال تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں نے کیا تھا' پھر اس سوال کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس کے یہودیوں کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے اور وہ ان کے ستر سردار تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا۔

جواب: چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس کے یہودی انہی کے مذہب پر قائم تھے اور ان کے سوال پر یہ راضی تھے اس لیے سوال کی نسبت انہی کی طرف کی گئی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھے ﴿فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ سو انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! آپ اللہ تعالیٰ کو ظاہر کر کے ہمیں دکھا دیجئے یعنی اس کو ہمارے سامنے لایئے تاکہ ہم اس کو اپنے سامنے کھلم کھلا دیکھ سکیں ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ تو ان کو ہولناک عذاب یا جلا دینے والی آگ نے پکڑ لیا ﴿بِظُلْمِهِمْ﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے بے محل چیز کا سوال کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا یا انہوں نے دیدار الٰہی کے سوال میں تعصب وعناد برتنے اور معجزات کی طلب میں اپنے نبی پر تحکم بازی سے کام لینے کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا لیکن دیدار کے سوال کرنے کی وجہ سے نہیں کیونکہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے جس طرح قرآن مجید کا بیک وقت نزول ممکن تھا اور اگر عذاب خداوندی کا سبب دیدارِ الٰہی کا سوال کرنا ہوتا تو پھر حضرت موسیٰ اس کے زیادہ مستحق ہوتے کیونکہ انہوں نے کہا تھا ''رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' (الاعراف: ١٤٣) ''اے میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں'' حالانکہ انہیں کسی کڑک یا عذاب نے نہیں پکڑا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امید دلائی اور اپنے دیدار کو ممکن کے ساتھ مقید فرمایا اور ممکن کے ساتھ اسی کو مقید کیا جائے گا جس کا ثبوت ممکن ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد زندہ فرمایا ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا [اور یہاں ''اِلٰـهًا'' محذوف ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح معجزات آچکے تھے یعنی تورات شریف اور نو معجزات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے) ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ﴾ تو ہم نے اپنے فضل وکرم کے سبب ان سے درگزر کیا اور ان کو معاف کر دیا اور ہم نے ان کو ہلاک نہیں کیا ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ اور ہم نے موسیٰ کو مخالفین پر کھلم کھلا غلبہ اور واضح تسلط عطا فرمایا تھا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے ان پر کوہِ طور اٹھایا اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان سے کہا: ہفتے کے روز حد سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا O سو عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ان پر (ہم نے پاک چیزیں حرام کر دیں) اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق شہید کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں' بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی تو وہ بہت کم

لوگ ایمان لائیں گے O اور اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا O

١٥٤- ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے اوپر ان کے عہد کے سبب کوہِ طور کو اٹھایا تا کہ ڈر جائیں اور عہد شکنی نہ کریں ﴿وَقُلْنَا لَهُمُ﴾ اور ہم نے انہیں فرمایا جب کہ پہاڑ ابھی ان کے سروں پر تھا ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ یعنی تم داخلے کے وقت ایلیاں کے دروازے میں اپنے سروں کو جھکا کر داخل ہو جانا ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا﴾ اور ہم نے ان سے فرمایا کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو [قاری ورش نے ''تَعَدُّوْا'' (عین مفتوح اور دال مشدد) پڑھا ہے جب کہ قاری نافع مدنی نے ''تَعْدُّوْا'' عین کو ساکن اور دال کو مشدد کر کے پڑھا ہے اور ان دونوں نے ''تَعْتَدُوْا'' (کی ''تا'' کو دال میں) مدغم کر کے پڑھا ہے اور حضرت ابی کی قراءت میں بھی یہی ہے مگر انہوں نے ''تا'' کو دال میں مدغم کیا' پھر ایک روایت کے مطابق عین کو ساکن رہنے دیا اور دوسری روایت کے مطابق ''تا'' کے فتح کو نقل کر کے عین کو دے دیا] ﴿فِي السَّبْتِ﴾ ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے (حد سے تجاوز نہ کرو) ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور ہم نے ان سے مضبوط و مستحکم اور مؤکد و پختہ عہد لیا۔

١٥٥- ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ [دراصل ''فَبِنَقْضِهِمْ'' ہے اور اس میں حرف ''ما'' تاکید کے لیے زائدہ ہے اور حرف ''با'' ارشاد باری تعالیٰ ''حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ'' کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ بِنَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ'' یعنی ہم نے ان پر پاک چیزیں اس لیے حرام کر دی تھیں کہ انہوں نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد اس کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا'' ارشاد باری تعالیٰ ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ'' سے بدل ہے] ﴿مِّيْثَاقَهُمْ﴾ اور تاکید کا معنی یہ ہے کہ بے شک پاکیزہ چیزوں کا ان پر حرام کر دینا صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہوا اور اسی پر کفر اور انبیائے کرام کے قتل وغیرہ کو عطف کیا گیا ہے ﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یعنی ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار کرنے کی وجہ سے ﴿وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ﴾ اور ان کا انبیائے کرام کو ناحق قتل کر دینے کی وجہ سے جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ وغیرہما علیہما السلام ﴿بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ بغیر کسی ایسے سبب کے جس کے ساتھ وہ قتل کے مستحق ہوتے ﴿وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ [''غُلْفٌ''، ''اَغْلُفْ'' کی جمع ہے] یعنی ان کے دل پردوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں' ان میں کوئی وعظ و نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہود کا یہ کہنا کہ ہمارے دل پردوں سے ڈھانپے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی تردید و انکار کر رہا ہے ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے۔

١٥٦- ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ﴾ [اس کو ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ'' پر معطوف کیا گیا ہے یا اس کے ساتھ متصل ارشاد باری تعالیٰ ''بِكُفْرِهِمْ'' پر معطوف کیا گیا ہے] اور جب ان سے بار بار کفر صادر ہوا کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا' پھر حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا تو ان کے بعض کفر کو بعض پر معطوف کیا گیا ہے ﴿وَّقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ اور حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بہت بڑے بہتان لگانے کی وجہ سے اور وہ یہ کہ انہوں نے حضرت مریم کی طرف زنا کی نسبت کی تھی۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا
لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو شہید کر دیا' حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ اسے سولی دیا لیکن ان کے سامنے عیسیٰ کی شبیہ بنا دی گئی' اور بے شک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا البتہ وہ ان کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں' ان کو اس کا کچھ علم نہیں ماسوا اس کے کہ وہ گمان کی پیروی کرتے ہیں' اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا' اور اللہ بہت غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے ○ اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا مگر وہ ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا' اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس لیے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ○

١٥٧- ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ﴾ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بے شک ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے' حضرت عیسیٰ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو برکت کے ساتھ چھوا تھا تو گویا آپ مسیح بہ معنی ممسوح ہوئے یا اس لیے کہ آپ بیماروں اور مادر زاد نابینوں اور کوڑھ کے مریضوں پر اپنا ہاتھ پھیر کر ان کو شفایاب کر دیتے تھے تو آپ کا نام مسیح بہ معنی ماسح ہے یعنی چھو کر شفایاب کرنے والا ﴿عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ یہودی آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مانتے تھے لیکن انہوں نے آپ کو ''رَسُوْلَ اللّٰهِ'' بطور مذاق کہا تھا جیسے کفار مکہ نے ہمارے رسول اللہ ﷺ کو بطور مذاق کہا تھا کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ'' (الحجر:٦) ''اے وہ شخص جس پر نصیحت آمیز قرآن نازل کیا گیا ہے! تم مجنون ہو' اور ایک احتمال یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وصف رسالت کے ساتھ موصوف فرما کر ''رَسُوْلَ اللّٰهِ'' ارشاد فرمایا ہے اگر چہ انہوں نے آپ کو یہ نہیں کہا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کو نہ قتل کیا ہے اور نہ انہوں نے آپ کو سولی پر لٹکایا لیکن ایک آدمی کو آپ کا ہم شکل بنا دیا (جس کو انہوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا) ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ حضرت مریم کو قید کر لیا' چنانچہ حضرت عیسیٰ نے ان پر دعائے ضرر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: ''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَبِكَلِمَتِكَ خَلَقْتَنِيْ'' ''اے میرے اللہ! تو میرا رب ہے اور تو نے مجھے اپنے کلمہ ''کُنْ'' سے پیدا فرمایا ہے' اے اللہ! جس نے مجھے اور میری والدہ کو قید کر لیا ہے ان پر لعنت بھیج' چنانچہ جنہوں نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو قید کیا تھا ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور خنزیر بنا دیا' سو تمام یہودی آپ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی اور فرمایا: عنقریب ان کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور یہودیوں کی صحبت سے آپ کو پاک کر دیا جائے گا' چنانچہ حضرت عیسیٰ نے اپنے

ساتھیوں سے فرمایا کہ تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اس کو میرا ہم شکل بنا دیا جائے اور اس کو قتل کر کے سولی دیا جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: میں تیار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی شبیہ ڈال دی اور اسے قتل کر کے سولی دیا گیا اور بعض نے کہا کہ ایک آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منافقت کرتا تھا' چنانچہ جب لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں' پھر وہ حضرت عیسیٰ کے گھر میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا اور اس منافق پر آپ کی شبیہ ڈال دی اور جب یہود اس گھر میں داخل ہوئے تو اس منافق کو قتل کر دیا اور انہوں نے یہی خیال کیا کہ یہ شخص حضرت عیسیٰ ہیں اور اس آیت مبارکہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت کم ہی ایمان لائیں گے ممکن ہے اس سے وہی بدنصیب قوم مراد ہو جنہوں نے آپ سے بغض و عناد رکھا (اور آپ کے قتل کی سازش کی) جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حکم لگا دیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے [اور ''شُبِّـهَ'' کا اسناد جار مجرور کی طرف کیا گیا ہے اور وہ ''لَهُـمْ'' ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''خِيْـلَ اِلَيْـهِ'' گویا کہا گیا لیکن ان کے لیے تشبیہ واقع ہوگئی یا اس کا اسناد ضمیر مقتول کی طرف کیا گیا جس پر ''اِنَّـا قَتَـلْنَا'' دلالت کر رہا ہے] گویا کہا گیا کہ لیکن ان لوگوں کے لیے آپ کی ایک شبیہ بنا دی گئی جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ اور بے شک جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا تھا وہ یہودی تھے' انہوں نے کہا تھا کہ اس مقتول کا چہرہ حضرت عیسیٰ کے چہرۂ مبارکہ کی طرح ہے لیکن بدن ہمارے ساتھی کے بدن کی طرح ہے یا پھر عیسائیوں نے اختلاف کیا' انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ اِلٰہ ہیں اور اِلٰہ کے بیٹے ہیں اور تین خداؤں میں سے تیسرے خدا اور اِلٰہ ہیں ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ بے شک وہ آپ کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں' ان کو آپ کے بارے میں کچھ علم نہیں ماسوا گمان و خیال کی پیروی کے' یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ گمان و خیال کی پیروی علم کی جنس سے نہیں ہے یعنی لیکن وہ لوگ ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور باقی رہا یہ سوال کہ اختلاف کرنے والوں کو پہلے شک کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور شک یہ ہوتا ہے کہ دو طرفوں میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی جائے' پھر ان کو ظن کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ظن یہ ہوتا ہے کہ دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف کو ترجیح دی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ انہیں آپ کے بارے میں شک ہے یقینی علم نہیں ہے لیکن ان کے سامنے ایک علامت ظاہر ہوگئی (مقتول کا چہرہ حضرت عیسیٰ کے چہرے کی طرح تھا) جس کی وجہ سے وہ لوگ شک سے ظن کی طرف منتقل ہو گئے اور انہوں نے ظن و گمان سے کام لے کر ایک (قتل کی) جانب کو ترجیح دے دی اور بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک جنہوں نے آپ کے قتل کے بارے میں اختلاف کیا وہ لوگ یقیناً آپ کے قتل کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ ہیں تو ہمارے ساتھی کہاں گئے؟ اور اگر یہ ہمارے ساتھی ہیں تو حضرت عیسیٰ کہاں گئے ہیں؟ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا [''اَیْ قَتْـلًا يَقِيْنًا'' یعنی یقین کا موصوف قتل محذوف ہے یہ اس کی صفت ہے یا ''وَمَا قَتَـلُوْهُ مُتَيَقِّنِيْنَ'' ہے] مطلب یہ کہ انہوں نے آپ کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا یا یہ کہ انہوں نے حقیقت میں حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا (بلکہ آپ کے ہم شکل اپنے ساتھی کو قتل کیا تھا) [بہرحال ''يَقِيْنًا'' کو ''وَمَا قَتَلُوْهُ'' کی تاکید قرار دیا گیا ہے] یعنی حضرت عیسیٰ کا مقتول نہ ہونا (اور آسمان پر زندہ اٹھایا جانا) حقیقت میں یقینی طور پر ثابت ہے]۔

۱۵۸- ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر وہاں لے گیا جہاں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کا حکم نہیں چلتا یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ یہودیوں سے انتقام

لینے کے لیے ان پر بہت غالب ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بچانے کے لیے اپنی طرف اٹھا لینے کی بہترین تدبیر فرمائی ہے۔

١٥٩- ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ [''لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' جملہ قسمیہ ہے جو محذوف موصوف کی صفت واقع ہو رہا ہے] جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' اور اسی کی مثل یہ ارشاد ہے:''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات:١٦٤) اور آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کوئی ایسا شخص نہیں مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور اقرار کرے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں یعنی جب وہ اپنی روح کے نکلنے سے پہلے موت کا مشاہدہ کرے گا تو ایمان لے آئے گا مگر اس وقت اس کا ایمان لانا اس کو فائدہ نہیں دے گا کیونکہ جان کنی کے وقت مکلّف ہونے کا وقت ختم ہو جاتا ہے [یا دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ کے لیے ہوں] یعنی بے شک ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا مگر وہ حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس سے وہ تمام اہل کتاب مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں موجود ہوں گے' ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت جتنے لوگ ہوں گے وہ سب آپ پر ایمان لائیں گے یہاں تک کہ ایک ملت رہ جائے گی اور وہ ملت اسلام ہوگی باقی تمام باطل مذاہب ختم ہو جائیں گے یا ''بِهٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف یا حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے اور دوسری (''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی) ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے' اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر اہل کتاب مرنے سے پہلے علاماتِ موت کا مشاہدہ کر کے حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے گا ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہودیوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا اور عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا تھا۔

١٦٠- ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ ﴾ اور یہ وہی چیزیں ہیں جو سورۂ انعام میں ذکر کر دی گئی ہیں یعنی ''وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ'' (الانعام:١٤٦) ''اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا ہے'' اور اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے یہودیوں پر پاکیزہ چیزیں ان کے ظلم عظیم کی وجہ سے حرام کر دیں جس کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا اور یہ وہ ظلم عظیم ہے جس کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ﴿ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے یعنی اس لیے کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے ﴿ كَثِيْرًا ﴾ یعنی خلق کثیر کو روکتے تھے یا ان کا روکنا کثیر و زیادہ تھا۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا

٢٢ ع ١٠ ٢

عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾ ع

اور سود لیتے تھے حالانکہ ان کو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس لیے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے' اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ لیکن ان میں سے جو علم میں ماہر ہیں اور ایمان والے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے ○

---

۱٦۱- ﴿ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ ﴾ اور ان کے سود خور ہونے کی وجہ سے حالانکہ انہیں سود کھانے سے منع کیا گیا تھا اور ان پر سود حرام تھا جس طرح ہمارے لیے حرام ہے لیکن یہود سود کا کاروبار اور لین دین کرتے تھے ﴿ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴾ اور ان کا لوگوں کے مال کو ناحق کھانے کی وجہ سے یعنی رشوت کے ذریعے اور دیگر حرام وجوہ کے ذریعے ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ ﴾ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے تیار کر رکھا ہے یعنی مؤمنوں کے لیے نہیں ﴿ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ دردناک عذاب یعنی آخرت میں۔

۱٦۲- ﴿ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ ﴾ یعنی اہل کتاب میں سے جو علم میں ماہر اور پختہ ہیں خدا کا خوف رکھنے والے جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی ان (اہل کتاب) میں سے جو مؤمن ہیں اور مہاجرین وانصار میں سے جو مؤمن ہیں اور "اَلرّٰسِخُوْنَ" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اس کی خبر ہے یعنی وہ ایمان لاتے تھے ﴿ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید پر ﴿ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے یعنی دیگر آسمانی کتبِ الٰہیہ پر ﴿ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں' [یہ مدح کی بنا پر منصوب ہے] اور یہ نماز کی فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے [اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں "وَالْمُقِيْمُوْنَ" ہے اور حضرت مالک بن دینار وغیرہ رحمہ اللہ کی بھی یہی قراءت ہے] ﴿ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے [اور یہ مبتدا ہے] ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں [اور یہ اس پر معطوف ہے اور اس کی خبر ﴿ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ہے' قاری حمزہ نے "یا" کے ساتھ (سَيُؤْتِيْهِمْ) پڑھا ہے] (ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں جن کو عنقریب ہم بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ
اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ
وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى
تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ

بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح نوح اور اس کے بعد نبیوں کی طرف بھیجی' اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی' اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی O اور ایسے رسولوں کو ( بھی ) ہم نے بھیجا ہے جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے آپ کو بیان کر دیا ہے' اور ایسے رسولوں کو ( بھی ) ہم نے بھیجا ہے جن کا قصہ ہم نے آپ کو بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے ( بلاواسطہ ) حقیقتاً کلام فرمایا O ہم نے تمام رسولوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے بھیجا تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے' اور اللہ زبردست غالب ہے' بڑی حکمت والا O

## وحی الٰہی اور رسولوں کی بعثت کا مقصد

١٦٣- ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ یہ اہل کتاب کے سوال کا جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان سے ان پر یکبارگی ایک مکمل کتاب اتار کر لا دیں اور اس آیتِ مبارکہ سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی کی وہی شان ہے جو گزشتہ دیگر انبیائے کرام کی وحی کی شان تھی ﴿ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ ﴾ بے شک ہم نے اے محبوب! آپ کی طرف اس طرح وحی کی ہے جس طرح حضرت نوح اور اس کے بعد دیگر نبیوں کی طرف وحی کی تھی یعنی جیسے حضرت ہود اور حضرت صالح اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام ہیں ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ﴾ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور اسباط یعنی یعقوب کی اولاد کی طرف وحی کی تھی ﴿ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی [ قاری حمزہ نے '' زُبُوْرًا '' ( '' زا '' کو مضموم ) پڑھا ہے' یہ مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے ] اور یہ اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔

١٦٤- ﴿ وَرُسُلًا ﴾ [ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر '' اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ '' دلالت کر رہا ہے اور وہ پوشیدہ فعل '' اَرْسَلْنَا وَنَبَّانَا '' ہے ] یعنی ہم نے بہت سے رسول اور نبی بنا کر بھیجے ﴿ قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ جن کے قصے ہم نے اس سے پہلے آپ کو بیان کر دیئے ہیں یعنی اس سورت سے پہلے ﴿ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے ہیں جن کے قصے ہم نے آپ کو بیان نہیں کیے' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول خدا حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام دنیا میں بھیجے گئے' انہوں نے عرض کی کہ ان میں رسول کتنے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ رسول تھے جن میں سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری رسول ( سرورِ کائنات مفخر موجودات حضرت ) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان میں سے چار رسول عرب میں سے ہوئے ہیں (۱) حضرت ہود (۲) حضرت صالح (۳) حضرت شعیب (۴) حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی صحت کے لیے معین و مقرر انبیائے کرام کی معرفت شرط نہیں بلکہ ایمان کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر ان میں سے ہر نبی کی معرفت شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہر نبی کا قصہ ہم سے بیان کر دیتا ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

١٦٥- ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ [ تمام وجوہ سے بہترین وجہ یہ ہے کہ یہ مدح کے طور پر منصوب ہے ] یعنی میں نے رسولوں کو بھیجا ہے [ اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے "وَرُسُلًا" سے بدل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول ہو ] یعنی ہم نے رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ [ میں لام "مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" کے ساتھ متعلق ہے ] اور معنی یہ ہے کہ بے شک رسولوں کو فرماں برداروں کو خوشخبری دینے والا اور نافرمانوں کو ڈرسنانے والا بنا کر اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ان کی بعث کی علت کی وضاحت کی جائے اور حجت کے التزام کی تکمیل کی جائے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد وہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ اگر تو ہمارے پاس رسول بھیجتا اور وہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کرتا اور اس چیز سے آگاہ کرتا جس چیز سے آگاہ کرنا اس کے لیے ضروری تھا اور ہمیں شریعت کی راہ میں پہچان کراتا جیسے عبادات اور دیگر مشروعات یعنی ان کی مقادیر اور ان کے اوقات اور اصولوں کے علاوہ ان کی کیفیات وغیرہ کیونکہ ان کو عقل وفہم کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے ( تو ہم ضرور ایمان لاتے ) ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو عذاب دینے پر بہت غالب ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے رسولوں کے بھیجنے میں بڑی حکمت والا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل کیا ہے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے' اور فرشتے گواہی دیتے ہیں' اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے O بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ( لوگوں کو ) اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے O بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا O سوائے جہنم کی راہ کے اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے O

شانِ نزول: اور جب آیت مبارکہ "اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ" نازل ہوئی تو اہل کتاب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ہم آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ( درج ذیل ) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

١٦٦- ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کی طرف جو کچھ نازل کیا ہے اس کی گواہی دینے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ معجزات کے اظہار کے سبب نزولِ وحی کی صحت کو ثابت کیا جائے جس طرح دعاوی کو دلائل کے ذریعے ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ حکیم و دانا کسی جھوٹے کی معجزہ کے ذریعے تائید وتصدیق نہیں کرتا ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل

کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم پر جو وحی نازل کی ہے وہ اس کو خوب جانتا ہے کہ میرا محبوب اس کا اہل اور مستحق ہے کہ اس پر وحی نازل کی جائے اور وہ اس کی تبلیغ کرے گا اور اس وحی کو لوگوں تک ضرور پہنچائے گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کو اپنے بندوں کے مصالح و منافع اور فوائد کے مطابق نازل کیا ہے جس کو وہ ازل سے جانتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ فرقہ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے جو وہ صفات الٰہیہ کے انکار میں کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنی ذات اقدس کے لیے صفت علم کو ثابت کر دیا ہے ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ﴾ اور فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے اگرچہ اس کے علاوہ کوئی اور گواہی نہ دے۔

## کافروں کے انجام کا بیان

١٦٧- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ بے شک جنہوں نے حضور سرور کونین حضرت محمد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت و رسالت کی تکذیب کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے اور یہ یہودی ہیں ﴿ وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور انہوں نے لوگوں کو راہِ حق سے روکا اور انہیں دین حق قبول کرنے سے منع کیا اور انہوں نے عرب والوں سے کہا کہ بے شک ہم ان کا ذکر اپنی کتاب تورات شریف میں نہیں پاتے ﴿ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ بے شک یہ لوگ راہِ حق سے بہت دور گمراہی میں جا پڑے۔

١٦٨- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ بے شک جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَظَلَمُوْا ﴾ اور انہوں نے حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت کو تبدیل کر کے اور آپ کی نبوت کا انکار کر کے آپ پر ظلم کیا ﴿ لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے ﴿ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴾ اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کوئی راہ دکھائے گا۔

١٦٩- ﴿ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾ ماسوا دوزخ کی راہ کے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے یعنی ان کو دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رکھنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اور تقدیر عبارت "يُعَاقِبُهُمْ خَالِدِيْنَ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کی سزا دے گا [اور یہ حالِ مقدرہ ہے] اور یہ دونوں آیات اس قوم کے متعلق ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مریں گے۔

**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾**

اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے یہ رسول حق لے کر تمہارے پاس تشریف لائے ہیں، سو تم اپنی بھلائی کے لیے ان پر ایمان لاؤ، اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے O

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتِ عامہ کا بیان

١٧٠- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق لے کر تشریف لائے ہیں یعنی دین اسلام لے کر تشریف لائے ہیں یا یہ حال ہے یعنی حق کو ثابت کرنے والے سچے اور برحق رسول بن کر تشریف لائے ہیں ﴿ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ﴾ سو تم اپنی بھلائی کی خاطر ایمان لے آؤ

اوراسی طرح ''اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ'' اپنی بھلائی کی خاطر عقیدۂ تثلیث سے باز آ جاؤ'' [فعل مضمر کی وجہ سے ''خَیْرًا'' منصوب ہے] اور یہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تین خداؤں کے عقیدہ سے باز آنے اور ایمان قبول کرنے کی ترغیب دی تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی امر پر ابھار رہا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ''خَيْرًا لَّكُمْ'' یعنی جس حال میں تم ہو اس سے ہٹ کر اپنی بھلائی کا ارادہ کرو اور اپنی بھلائی کا حکم بجالاؤ اور کفر اختیار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور عقیدۂ تثلیث کی بجائے عقیدۂ توحید اختیار کرو ﴿ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اگر تم کفر اختیار کرو گے تو بے شک آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے لہٰذا تمہارا کفر کو اختیار کرنا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کو بھی جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں ﴿ حَكِيْمًا ﴾ وہ بڑا صاحب حکمت اور بڑا دانا ہے وہ ان دونوں گروہوں کو برابر برابر بدلا اور صلہ نہیں دے گا (بلکہ مسلمانوں کو نیک جزا اور کافروں کو عذاب کی سزا دے گا)۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۬ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

وقف لازم ۲ ع ۵

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو' بے شک مریم کا بیٹا عیسیٰ مسیح اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے' جس کو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا' اور اس کی طرف سے ایک روح ہے' سو تم اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ' اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں' تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس سے باز آ جاؤ' بے شک اللہ ہی واحد معبود ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو' اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ کافی کارساز ہے O

## اہل کتاب کے غلو کا بیان

۱۷۱- ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ ﴾ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ گزرو' چنانچہ یہودی حضرت عیسیٰ مسیح کو ان کے مقام سے گرا کر حد سے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو ابن الزنا کہہ دیا (نعوذ باللہ من ذالک) اور عیسائیوں نے ان کو ان کے اصل مقام سے اٹھا کر خدا قرار دے کر حد سے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا (نعوذ باللہ من ذالک) ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق حق سچ کے علاوہ اور کچھ نہ کہو اور حق یہ ہے کہ وہ شرک اور بیٹے سے پاک ہے ﴿ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ بے شک حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح اللہ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ ﴿ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' یہ مبتدا

کی خبر ہے اور وہ مسیح ہے اور عیسیٰ عطف بیان ہے یا بدل ہے ﴿وَكَلِمَتُهٗ﴾ اس کا ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' پر عطف ہے اور بعض نے کہا کہ یہ کلمۃ اس لیے ہیں کہ جس طرح کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح کلمہ سے بھی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے ﴿اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مریم کی طرف بھیجا [اور یہ حال ہے اور اس میں ''قَدْ'' مقدر ہے (دراصل ''قَدْ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ'' ہے) جو اس جملے کے ساتھ مراد ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ کلمہ حضرت مریم کی طرف پہنچایا اور اس کو حضرت مریم کے بطن میں پھونک دیا ﴿وَرُوْحٌ﴾ [یہ بھی خبر پر معطوف ہے] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد میں ''رُوْحًا'' کہا گیا ہے ''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا'' (الشوریٰ:٥٢) ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک جانفزا وحی بھیجی'' کیونکہ قرآن مجید دلوں کو زندگی عطا کرتا ہے ﴿مِّنْهُ﴾ یعنی اس کی تخلیق اور تکوین کے ذریعے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ'' (الجاثیہ:١٣) ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا تابع فرمان کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے'' اور علامہ علی بن حسین بن واقد مروزی نے ہارون الرشید کے عیسائی غلام کو ان کی مجلس میں یہ آیت مبارکہ سنا کر جواب دیا تھا جب اس نے یہ گمان کر لیا کہ تمہاری کتاب میں دلیل موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جزو (بیٹے) ہیں (کیونکہ جب ''جَمِيْعًا مِّنْهُ'' کہنے سے تمام مخلوق ''اَبْنَآءُ اللّٰهِ'' نہیں ہو جاتی تو حضرت عیسیٰ بھی ''وَرُوْحٌ مِّنْهُ'' کہنے سے ابن اللہ نہیں ہو جاتے) ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو [اور ''ثَلَاثَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے] (اور وہ ''اَلْاٰلِهَةُ'' ہے) یعنی تم یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں (بلکہ یوں کہا کرو: اللہ واحد لاشریک ہے) ﴿اِنْتَهُوْا﴾ تین الٰہ کہنے سے باز آ جاؤ ﴿خَيْرًا لَّكُمْ﴾ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور قرآن مجید جس پر صریح دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ حضرت مسیح اور حضرت مریم تینوں معبود ہیں اور حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے' کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے: ''ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (المائدہ:١١٦) ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو'' ''وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبہ:٣٠) ''اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں'' ﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے [اور اس میں لفظ ''اَللّٰهُ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور ''وَاحِدٌ'' خبر کی تاکید ہے] ﴿سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو [دراصل ''اُسَبِّحُهٗ تَسْبِيْحًا مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ'' ہے] یعنی میں اس کی خوب پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اس جملے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ اور اپنی پاکیزگی بیان کی ہے ان باتوں سے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان دونوں کے اندر جو کچھ ہے وہ سب اس کی مخلوق ہے اور اس کی ملکیت میں ہے تو اس کی بعض مملوک چیز اس کا جزو اور حصہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ابنیت اور ملک جمع نہیں ہو سکتے' علاوہ ازیں جزو اجسام میں صحیح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے بہت بلند و بالا ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے کہ وہی آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان کا محافظ و مدبر ہے اور جو معاملات کی کفایت سے عاجز ہوتا ہے وہ ایسے بیٹے کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مدد کرے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ
يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ
بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾

مسیح اللہ کا بندہ بننے میں کچھ عار محسوس نہیں کرتے اور نہ مقرب فرشتے' اور جو اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو عنقریب اللہ ان سب کو اپنے سامنے جمع کرے گاO سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو اللہ ان کو ان کا اجر بھرپور عطا فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل سے مزید اجر عطا فرمائے گا' اور لیکن جن لوگوں نے (عبادت میں) عار محسوس کی اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا' اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگارO اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہےO

## اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا باعثِ عار نہیں' نیکوں اور بُروں کا انجام

شانِ نزول: اور جب نجران کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ ہمارے آقا اور بزرگ حضرت عیسیٰ پر عیب کیوں لگاتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں کیا کہتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا تو کوئی عیب نہیں' انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! یہ عیب ہے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

۱۷۲- ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ﴾ یعنی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار محسوس نہیں کرتے' اس آیت مبارکہ میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید کر دی گئی ہے ﴿وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور نہ مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے میں عار محسوس کرتے ہیں' اس سے عرب کے ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کی گئی ہے جو فرشتوں کو اپنا معبود مان کر ان کی پرستش کرتے تھے ﴿الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ یعنی کروبیین جو عرش اعظم کے اردگرد رہتے ہیں جیسے حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور اسی طبقے کے دیگر فرشتے اور معنی یہ ہے کہ مقرب فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے بننے میں عار و عیب محسوس نہیں کرتے پھر "عَبْدًا لِّلّٰهِ" کے دلالت کرنے کی وجہ سے اس (معطوف) سے یہ عبارت حذف کر دی گئی اور جو لوگ بنی آدم پر فرشتوں کی فضیلت کے قائل ہیں وہ اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے افضل ہیں کیونکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص میری خدمت سے عار محسوس نہیں کرتا اور نہ اس کا باپ عار محسوس کرتا ہے' باپ کی جگہ غلام نہیں کہا جاتا (بیٹے سے باپ افضل ہوتا ہے لیکن

غلام آقا سے افضل نہیں ہوتا ) کیونکہ یہ بہتر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد '' وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ '' کا معنی یہ ہے کہ جو ان (حضرت عیسیٰ) سے شان میں بڑھ کر ہیں اور فضیلت میں ان سے زیادہ ہیں بارگاہ خداوندی میں مقرب فرشتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے بننے میں عار محسوس نہیں کرتے اور اس پر مقربین کی تخصیص بھی دلالت کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ثانی اوّل سے افضل ہوتا ہے' لیکن یہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام مقربین فرشتے مل کر بصورت جماعت حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں اور ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ تمام مقربین فرشتے مجموعی اعتبار سے بنی آدم کے ایک رسول سے افضل ہیں بعض اہل سنت اسی کے قائل ہیں اور یہ اس لیے کہ فرشتے انسان کی قدر سے بڑھ کر اپنی قدرتِ فائقہ اور علومِ لوحی رکھنے اور توالد و ازدواجیت سے یکسر پاک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں عار محسوس نہیں کرتے تو جو دوسرے سے جنم لیتا ہے وہ کیوں کر عار محسوس کرے گا حالانکہ بنی آدم ان تمام چیزوں پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے جن پر فرشتے قدرت و اختیار رکھتے ہیں اور نہ یہ ان تمام چیزوں کو جانتے تھے جن کو فرشتے جانتے ہیں اور یہ اس لیے کہ گرفت میں سخت گیری اور علوم میں وسعت اور عجیب و غریب اور نرالی پیدائش احمقوں میں یہ وہم پیدا کر دیتی ہے کہ ایسی شخصیت عبودیت و بندگی کی شان سے بہت بلند و بالا ہے جیسا کہ عیسائیوں کو یہ وہم ہوا کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور وہ مادرزاد نابینوں کو بینا کر دیتے ہیں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کر دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں اور لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کھاتے ہیں اور جو کچھ ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اس کی خبریں من و عن بیان فرما دیتے ہیں تو انہوں نے آپ کو عبودیت و بندگی کی شان سے مبرا و منزہ قرار دے دیا لیکن ان سے کہا جائے گا کہ یہ اوصاف تو حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر فرشتوں میں بھی موجود ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں عار محسوس نہیں کرتے تو حضرت مسیح کیوں عار محسوس کریں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خواص بشر یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خواص ملائکہ یعنی ان میں سے جو رسل ملک ہیں سے افضل ہیں جیسے حضرت جبریل اور میکائیل اور عزرائیل اور ان کی طرح دیگر فرشتے (خواص ملائکہ ہیں جن سے انبیائے کرام افضل ہیں) اور خواص ملائکہ عوام مؤمنین سے افضل ہیں اور عوام مؤمنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور فرشتے پر بشر کی فضیلت کے لیے ہماری دلیل یہ ہے کہ بنی نوع انسان نے شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خواہشات کے اسباب کو مغلوب و مقہور رکھا اس کے باوجود کہ ان کی تخلیق اور پیدائش انہی خواہشات پر کی گئی ہے' چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام ملائکہ علیہم السلام کے عصمت (گناہوں سے پاک ہونے) میں مشابہ و مساوی ہو گئے ہیں مگر نفسانی محرّکات اور جسمانی دواعی کو مغلوب و مقہور کر لینے کی وجہ سے انبیائے کرام فرشتوں سے فضیلت حاصل کر کے افضل ہو گئے ہیں اور بنی نوع انسان کی اطاعت زیادہ مشقت طلب ہے کیونکہ ان کے ساتھ موانع (نفسانی محرکات و خواہشات) موجود ہوتے ہیں جب کہ فرشتوں کی اطاعت ان موانع سے خالی ہوتی ہے کیونکہ ان کی تخلیق اطاعت پر کی گئی' لہٰذا حدیث نبوی کے مطابق انبیاء و مومنین کا ثواب فرشتوں کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے ﴿ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نفرت کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے یعنی بڑا بنتا ہے اور بڑائی کو طلب کرتا ہے ﴿ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴾ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا اور اس کی بندگی سے نفرت و عار محسوس کرنے اور تکبر کرنے پر ان کو سزا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

۱۷۳ - ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

﴿وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ سولیکن جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر وثواب پورا پورا عطا فرمائے گا اور اپنے فضل وکرم سے ان کو اور زیادہ دے گا اور لیکن جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کی اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ تفصیل مفصّل (جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے) کے مطابق نہیں کیونکہ تفصیل دو فریقوں پر مشتمل ہے جب کہ مفصل صرف ایک فریق پر مشتمل ہے۔

جواب: اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا یہ مقولہ ہے: ''جَمَعَ الْاِمَامُ الْخَوَارِجَ'' کہ وقت کے حاکم نے خوارج (باغیوں) کو جمع کر لیا ہے' سو جس نے اس پر خروج نہیں کیا (یعنی بغاوت وسرکشی نہیں کی) اس کو بادشاہ پوشاک پہنائے گا اور بڑے انعام سے نوازے گا اور جس نے اس پر خروج کیا ہے اس کو سزا دے گا اور یہ طریقہ دو وجہ سے صحیح ہے' ایک یہ کہ مفصّل میں دو فریقوں میں سے ایک کے ذکر کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس پر تفصیل دلالت کرتی ہے کیونکہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا ذکر دوسری چیز کے ذکر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اس آیت مبارکہ کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ'' کے اندر تفصیل میں دو فریقوں میں سے صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے ان کے غیر (یعنی نیک ایمان داروں) کے ساتھ احسان کرنا ان کو غمگین کر دے گا' لہٰذا یہ بھی ان کو عذاب دینے میں داخل ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرے گا اور تکبر کرے گا تو اس کو حسرت وافسوس کا عذاب بھی ہو گا جب وہ نیک عمل کرنے والوں کے اجر وثواب کو دیکھے گا اور اس کو دیکھے گا جو اس کو اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچے گا۔

١٧٤- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک مضبوط اور واضح دلیل آ گئی ہے یعنی یہ رسول اکرم جو معجزات کے ذریعے منکر پر غالب آ جاتے ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید جس کے ساتھ حیرت کے اندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا
نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا
الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع ٢٤

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا' اور ان کو سیدھی راہ دکھائے گا○ (اے محبوب!) آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص بے اولاد فوت ہو جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے ترکے کا نصف حصہ اس کی بہن کو ملے گا' اور وہ مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی بہن بے اولاد ہو' پھر اگر دو بہنیں ہوں تو بھائی کے ترکے سے ان کا دو تہائی حصہ ہوگا' اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' اللہ تمہارے لیے واضح بیان کرتا ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ' اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

١٧٥- ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ﴾ سو لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا یعنی اللہ تعالیٰ کو یا قرآن مجید کو ﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ﴾ تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا ﴿وَفَضْلٍ﴾ اور زیادہ انعام عطا فرمائے گا ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ﴾ اور ان کو اپنی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف یا فضل و کرم کی طرف یا اپنی راہ کی طرف رشد و ہدایت دے گا ﴿صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ سیدھا راستہ [ سو صراط مضاف محذوف سے حال ہے ]۔

## وراثت کا بیان

**شانِ نزول:** حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ بے شک میں کلالہ ہوں (نہ ماں باپ زندہ ہیں نہ اولاد ہے تو ارشاد فرمائیے کہ) میں اپنے متروکہ مال کے متعلق کیا کروں تو (ان کے اس سوال کے جواب میں) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

١٧٦- ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے ﴿إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ [ ''اِمْرُؤٌ'' فعل مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر (اس کے بعد والا) فعلِ ظاہر (هَلَكَ) کر رہا ہے اور ''لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ'' اس کی صفت واقع ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے ] یعنی اگر بے اولاد شخص فوت ہو جائے اور یہاں ''وَلَد'' سے مراد بیٹا ہے اور یہ لڑکا اور لڑکی دونوں پر مشترک بولا جاتا ہے کیونکہ بیٹا (باپ کی) بہن کو محروم کر دیتا ہے اور بیٹی اس کو محروم نہیں کرتی ﴿وَلَهُ أُخْتٌ﴾ یعنی ماں باپ کی طرف سے (حقیقی) بہن ہو یا صرف باپ کی طرف سے (یعنی علاتی) بہن ہو ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ یعنی میت کے ترکے سے اس کی ایک بہن کو نصف حصہ ملے گا ﴿وَهُوَ يَرِثُهَا﴾ یعنی بھائی بہن کے تمام مال کا وارث بن جائے گا اگر موت کا معاملہ برعکس مقدر ہو کہ بہن فوت ہو جائے اور اس کے بعد اس کا بھائی زندہ رہ جائے ﴿إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ﴾ اگر مرحومہ بہن کی اولاد یعنی بیٹا نہ ہو کیونکہ بیٹا (ماں کے) بھائی کو محروم کر دیتا ہے مگر بیٹی نہیں۔

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ صرف بیٹا بھائی کو محروم نہیں کرتا بلکہ (میت کا) باپ بھی محروم کرنے میں اس کی مانند ہے تو صرف بیٹے کی نفی کرنے پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بیٹے کی نفی کا حکم بیان کیا گیا ہے اور والد کی نفی کا حکم سنت نبوی کے بیان کی طرف سپرد کیا گیا ہے اور وہ حضور سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَلِأَوْلَى عَصَبَةٍ ذَكَرٍ'' یعنی ذوی الفروض (میت کے وہ رشتہ دار جن کے حصے قرآن میں مقرر کر دیئے گئے ہیں) کو ان کے حصص دے دو اور جو باقی رہ جائے

تو وہ اس مرد کا حصہ ہے جو میت کے سب سے زیادہ قریب (عصبہ) ہو[1] اور باپ بھائی سے زیادہ (میت کا) قریبی رشتہ دار ہے ﴿ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ ﴾ یعنی اگر دو بہنیں ہوں اور اس پر ''وَلَهٗ اُخْتٌ'' دلالت کر رہا ہے ﴿ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ﴾ تو ان دونوں کو میت کے ترکے میں سے دو تہائی حصہ ملے گا ﴿ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً ﴾ اور اگر وارث بننے والے بھائی ہوں اور یہاں ''اِخْوَةً'' سے بہن بھائی دونوں مراد ہیں لیکن بطور غلبہ مردوں کا ذکر کیا گیا ہے ﴿ رِّجَالًا وَّنِسَآءً ﴾ مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی ﴿ فَلِلذَّكَرِ ﴾ تو ان میں سے مرد کے لیے ﴿ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''اَلْحَقَّ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حق کو واضح بیان فرماتا ہے [اور یہ ''اَلْحَقَّ'' (محذوف) ''يُبَيِّنُ'' کا مفعول ہے] ﴿ اَنْ تَضِلُّوْا ﴾ کہ تمہارا گمراہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی کنہ اور حقیقت سمیت جانتا ہے' ان کے وجود سے پہلے بھی جانتا تھا اور ان کے موجود ہو جانے کے بعد بھی جانتا ہے۔

اٰيَاتُهَا ١٢٠ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا ١٦

سورۃ المائدہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو بیس آیات' سولہ رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ○١



اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو' تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں' ماسوا ان جانوروں کے جن کا حکم عنقریب تمہیں سنایا جائے گا لیکن احرام کی حالت میں تمہارے لیے شکار کرنا حلال نہیں' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے○

## معاہدوں کی پابندی کا حکم' حلال و حرام کا ذکر' امورِ خیر میں مدد کرنے کا حکم اور امورِ شر میں مدد کی ممانعت کا حکم

١- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے عہدوں کو پورا کرو (جب کوئی شخص اپنا عہد پورا کرتا ہے تو) کہا جاتا ہے: ''وَفٰى بِالْعَهْدِ وَاَوْفٰى بِهٖ'' یعنی اس شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور ''عقد'' کا معنی ہے: مضبوط اور پختہ عہد' اس کو رسی وغیرہ کی مضبوط گرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس سے تمام احکام شرعیہ تکلیفیہ اور وہ تمام معاہدے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کر دیئے ہیں اور ان کو اپنے بندوں پر لازم کر دیا ہے یا اس سے وہ وعدے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تم سے فرمائے ہیں (مثلاً نیک اعمال پر اجر و ثواب' جنتیں اور ان کے انعامات' رضائے الٰہی و دیدارِ الٰہی وغیرہ) یا پھر تمہارے آپس کے وہ معاہدات و معاملات اور امانات وغیرہ مراد ہیں جو تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ پختہ عقد و عہد کرتے ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وہ تمام معاہدات مراد ہیں جو اس نے اپنے دین میں حرام کو حرام

[1] رواہ البخاری فی کتاب الفرائض باب ٥-٧-٩-١٠' مسلم فی کتاب الفرائض رقم الحدیث:٢-٣' الترمذی فی کتاب الفرائض باب ٨' احمد فی مسندہ ج ١ ص ٣٢٥

جاننے اور حلال کو حلال جاننے کے متعلق مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیئے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے پہلے مجمل کلام بیان فرمایا' پھر اس کے بعد اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ﴾ چار پاؤں والے جانور تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں اور ''بَهِيْمَةٌ'' ہر چار پاؤں والے جانور کو کہتے ہیں خواہ وہ خشکی پر رہتا ہو یا سمندر میں رہتا ہو [اور ''اَنْعَامِ'' کی طرف اس کی اضافت بیانیہ ہے اور یہ ''مِنْ'' کے معنی میں ہے] جیسے ''خَاتَمُ فِضَّةٍ'' (چاندی کی انگوٹھی) ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جانوروں میں سے چوپائے تمہارے لیے حلال ہیں اور یہ آٹھ جوڑے ہیں (جن کا ذکر سورۃ الانعام آیات ۱۴۳-۱۴۴ میں آئے گا) اور بعض نے فرمایا کہ ہرن اور جنگلی گائے وغیرہما مراد ہیں ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ماسوا ان جانوروں کے جن کا ذکر آیت تحریمہ (سورۃ المائدہ آیت ۳ میں) تمہیں سنایا جائے گا اور وہ یہ آیت ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ'' الایۃ ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ ﴾ [''لَكُمْ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی تمہارے لیے یہ چیزیں حلال کر دی گئیں لیکن شکار کرنا حلال نہیں ﴿ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ جب کہ تم حالتِ احرام میں ہو [اور یہ جملہ ''مُحِلِّي الصَّيْدِ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بعض جانوروں کو حلال قرار دیا ہے دراں حالیکہ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو تمہارے لیے شکار کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے تاکہ تم پر تنگی واقع نہ ہو [اور ''حُرُمٌ'' ''حرام'' کی جمع ہے اور وہ مُحرِم ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ احکام میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے یا حلال و حرام کرنے میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے (لہٰذا ہمارا اوّلی فرض ہے کہ اس کے حلال کردہ کو حلال اور اس کے حرام کردہ کو حرام سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

وقف لازم الترجمہ

اے ایمان والو! تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم کی طرف بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو حرمت والے گھر کا ارادہ کر کے اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے آئیں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قسم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا' ان پر تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو' اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دینے سے منع کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔

۲۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو تم حلال نہ کرو اور ''شعائر'' ''شعیرۃ'' کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جس کو کسی عبادت کی علامت و نشانی قرار دیا جائے جیسے مواقف حج (حج کی خاطر ٹھہرنے کی جگہیں) اور مرامی الجمار (شیطان کو کنکر مارنے کی جگہیں) اور مطاف (طواف کی جگہ) اور مسعٰی (صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ) اور وہ افعال جو حج کی علامات ہیں جن کو اپنانے سے ایک مسلمان حاجی کہلاتا ہے جیسے احرام، طواف، سعی، حلق (سر منڈوانا) اور نحر کرنا (قربانی کرنا) ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ اور نہ حرمت و عزت والے مہینے کو حلال جانو (جیسے ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب) ﴿ وَلَا الْهَدْیَ ﴾ اور نہ قربانیوں کو لوٹنا حلال جانو اور یہ وہ قربانی کے جانور ہیں جن کو بیت اللہ شریف (مکہ مکرمہ) میں بھیجا جاتا ہے اور ان کے ساتھ بطور عبادت الٰہی اللہ تعالیٰ کا تقرب و رضا اور خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اور یہ ''هَدْیَةٌ'' کی جمع ہے ﴿ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ ﴾ اور نہ قلادہ والی قربانیوں کو حلال سمجھو اور ''قَـلَائِد'' ''قلادۃ'' کی جمع ہے اور اس سے جوتے اور چمڑے کے توشہ دان کی رسی یا درخت کی چھال وغیرہ سے بنا ہوا وہ ہار یا پٹا مراد ہے جو قربانی کے جانوروں کے گلے میں ڈالا جاتا تھا ﴿ وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ ﴾ اور نہ حرمت والے گھر یعنی مسجد حرام کا ارادہ کر کے آنے والے زائرین کے مال و آبرو کو حلال سمجھو اور اس سے حج کرنے اور عمرہ کرنے کے لیے آنے والے زائرین حضرات مراد ہیں اور ان چیزوں کو حلال قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کی عزت و حرمت کو قائم رکھنے کی بجائے ان کی توہین کی جائے اور ان چیزوں اور اللہ تعالیٰ کے محترم گھر کے پاس عبادات الٰہیہ اور ارکانِ حج ادا کرنے والوں کے درمیان رکاوٹ ڈالی جائے اور حج کے مہینوں میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کی جائیں کہ جن کی وجہ سے لوگ حج کرنے سے رک جائیں اور لوٹ مار کرنے کے لیے قربانی کے جانوروں کا تعاقب کیا جائے یا ان جانوروں کو ان کے مقام (مکہ معظمہ) میں پہنچنے سے روک دیا جائے لیکن باقی رہا ''قلائـد'' تو ممکن ہے کہ ان سے مراد قلادہ والے جانور ہوں [اور وہ اونٹ ہیں اور اس کو ''اَلْهَـدْیُ'' پر اختصاص کے لیے معطوف کیا گیا ہے] کیونکہ قلادہ والے جانور قربانی کے جانوروں میں سے اعلیٰ اور بہتر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَجِبْـرِیْـلَ وَمِیْكٰلَ'' (البقرہ:۹۸) میں فرشتوں کے ذکر کے بعد حضرت جبریل و میکائل کا ذکر اختصاص کے لیے کیا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ قربانی کے جانوروں میں خاص کر قلادہ والے جانوروں کی بے حرمتی سے بچو اور یہ بھی جائز ہے کہ عام قربانی کے جانوروں کی لوٹ کرنے کی ممانعت میں مبالغہ کرنے کے لیے قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ کرنے سے منع کیا گیا ہو یعنی تم قلادہ والے قربانی کے جانوروں کو حلال نہ جانو چہ جائے کہ تم دیگر قربانی کے جانوروں کو حلال سمجھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ'' (النور:۳۱) ''اور مؤمن عورتیں اپنی زیب و زینت اور بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں'' اس آیت مبارکہ میں زیب و زینت کے اظہار سے ممانعت دراصل زیب و زینت والے اعضاء کے اظہار سے منع کرنے میں مبالغہ کرنا مقصود ہے ﴿ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ وہ اپنے رب تعالیٰ کا فضل و کرم یعنی اس کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں [اور ''یَبْتَـغُوْنَ''، ''آٰمِّیْنَ'' میں ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَرِضْوَانًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان سے راضی ہو جائے لہٰذا تم ان صفات کی حامل قوم کی تعظیم کے پیش نظر ان کی بے حرمتی کے درپے نہ ہو جاؤ (بلکہ ان کا احترام کرو) ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ تو تم شکار کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ'' کے ذریعے حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کے بعد حالتِ احرام سے نکل آنے پر شکار کرنے کی اباحت و اجازت بیان کی جارہی ہے ﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ اور کسی قوم کی سخت ترین دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ جنہوں نے تمہیں (حدیبیہ کے

سال عمرہ کرنے سے) روکا تھا ان پر زیادتی کرنے لگ جاؤ] اور ''جَرَمَ''، ''کَسَبَ'' کی طرح (کبھی) ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور (کبھی) دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے (جیسے) تم کہتے ہو: ''جَرَمَ ذَنْبًا کَسَبَہٗ'' کی مثل ہے (یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہونے کی مثال ہے) اور ''وَ جَرَمْتُہٗ ذَنْبًا کَسَبْتُہٗ اِیَّاہُ'' کی مثل ہے (یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے کی مثال ہے) اور ''لَا یَجْرِمَنَّکُمْ'' کے دو مفعولوں میں پہلا مفعول مخاطبین کی ضمیر (کُمْ) ہے اور دوسرا مفعول ''اَنْ تَعْتَدُوْا'' ہے اور ''اَنْ صَدُّوْکُمْ''، ''شَنَاٰنُ'' کے متعلق ہے اور ''شناٰن'' کا معنی بیماری ہے اور وہ سخت ترین بغض وکینہ ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور ابوبکر کی قراءت میں (شَنْاٰنُ) نون کے سکون کے ساتھ ہے] اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں کسی قوم کا بغض وکینہ ان پر زیادتی کرنے کے لیے نہ اکسائے اور نہ ان سے انتقام لینے پر اُبھارے' [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں (ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے یعنی) ''اِنْ صَدُّوْکُمْ'' شرط ہے] اور مسجد حرام سے روکنے کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور دیگر مسلمانوں کو حدیبیہ کے دن عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور ''اعتداء'' کا معنی ہے: ان سے انتقام لینا اور انہیں مکروہ ترین سزا دینا ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ اور نیکی و پرہیز گاری اور درگزر وچشم پوشی کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو ﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ اور زیادتی وگناہ اور انتقام لینے اور دل کی آگ بجھانے کے لیے دشمن پر ظلم وزیادتی کرنے میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرو یا نیکی حکم کی تعمیل کا نام ہے اور تقویٰ ممنوع وحرام کو ترک کرنے کا نام ہے اور گناہ حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام ہے اور ظلم وزیادتی ممنوع وحرام پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر قسم کی نیکی وتقویٰ اور ہر قسم کے گناہ وزیادتی کے لیے عموم مراد لیا جائے تو اس طرح یہ آیت مبارکہ اپنے عموم کی وجہ سے عفو ودرگزر اور انتقام و بدلا لینے کو شامل ہو جائے گی ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں اور اس سے نہ ڈرنے والوں کو سخت ترین عذاب دینے والا ہے۔

| |
|---|
| حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ |
| وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ |
| وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ |
| الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ |
| وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ |
| مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ |

تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھونٹنے سے مر جانے والا اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرنے والا اور سینگ وغیرہ لگنے سے مرنے والا اور جس کو درندے نے کھایا ہو' ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا اور جو تقرب کے لیے بتوں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے تمہارا قسمت معلوم کرنا یہ سب گناہ کے کام ہیں' اب کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں' سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ

ہی سے ڈرو' آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کر لیا ہے' سو جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو جائے گناہ کی طرف راغب نہ ہو' تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

## حرام اشیاء کا بیان

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن کو زمانۂ جاہلیت میں لوگ کھایا کرتے تھے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۳۔﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾ تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے یعنی وہ چوپایہ جو بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر جائے ﴿ وَالدَّمُ ﴾ اور خون یعنی بہنے والا خون تم پر حرام ہے ﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ﴾ اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے اور خنزیر سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک تمام کا تمام نجس و ناپاک ہے اور گوشت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ مقصد میں یہی اہم ترین چیز ہے ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کا نام پکارا جائے تو وہ حرام ہے' جس طرح کفار اپنے جانوروں پر ذبح کے وقت ''بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى'' کہا کرتے تھے ﴿ وَالْمُنْخَنِقَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کیا گیا ہے جس کا لوگوں نے گلا دبا دیا ہو یہاں تک کہ وہ (سانس بند ہو جانے کی وجہ سے) مر جائے یا کسی پھندے وغیرہ میں گلا گھونٹ جانے کی وجہ سے مر جائے ﴿ وَالْمَوْقُوْذَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے جس کو لوگوں نے ڈنڈے یا پتھر وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو ﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے جو بلند پہاڑ وغیرہ سے گر کر یا کنویں میں گر کر مر جائے ﴿ وَالنَّطِيْحَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے' جس کو دوسرے جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو یا جو سینگ وغیرہ لگنے سے مر جائے ﴿ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ﴾ اور جس جانور کو درندہ کھا لے وہ حرام کر دیا گیا ہے یعنی جس کا کچھ حصہ درندہ کھا لے اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائے ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ مگر جس جانور کو (مرنے سے پہلے) تم ذبح کر لو (تو وہ تمہارے لیے حلال ہے) اور شرط یہ ہے کہ وہ ذبح شدہ جانور کی طرح حرکت کر رہا ہو اور تڑپ رہا ہو [اور یہ استثناء ''مُنْخَنِقَةُ'' اور اس کے بعد مذکورہ بالا جانوروں کی طرف راجع ہے] چنانچہ ان جانوروں میں سے جس جانور کو زخمی حالت میں پالیا جائے اور اس میں روح اور زندگی باقی ہو اور ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ اور جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیے جائیں وہ تم پر حرام ہیں' دراصل کفار مکہ نے بیت اللہ شریف کے اردگرد پتھر کے تراشیدہ بت نصب کیے ہوئے تھے جن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کفار اپنے جانور ان کے نام پر ذبح کرتے تھے اور اس عمل سے وہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ اس کے ذریعے ان کا تقرب حاصل کرتے تھے [اور انہوں نے ان کا نام ''اَنْصَاب'' رکھا ہوا تھا جس کا واحد ''نُصُبْ'' ہے یا پھر یہ جمع ہے اور اس کا واحد ''نِصَابْ'' ہے] ﴿ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ اور یہ کہ تم تیروں کے ذریعے اپنی قسمت معلوم کرو [یہ جملہ مرفوع ہے اور یہ جملہ ''اَلْمَيْتَةُ'' پر معطوف ہے] یعنی تم پر مردار اور اسی طرح دیگر مذکورہ بالا جانور اور تیروں کی فال سے قسمت آزمائی کرنا حرام کر دیا گیا ہے [اور ''اَزْلَام'' مخصوص تیر تھے' اس کا واحد ''زَلَمْ'' اور ''زُلَمْ'' آتا ہے] اور اہل عرب میں سے جب کوئی شخص سفر یا جنگ یا تجارت یا شادی وغیرہ کرنے کا ارادہ کرتا تو پہلے ان تیروں کی طرف قصد کر کے جاتا اور یہ تین تیر تھے' ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا: ''اَمَرَنِيْ رَبِّيْ'' (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے) اور دوسرے تیر پر لکھا ہوتا: ''نَهَانِيْ رَبِّيْ'' (میرے رب نے مجھے منع کر دیا ہے) اور تیسرا تیر خالی ہوتا' پھر اگر حکم والا یعنی پہلا تیر نکل آتا تو وہ شخص اپنے کام کے لیے جاتا اور اگر منع کرنے والا

یعنی دوسرا تیر نکل آتا تو وہ شخص کام پر جانے سے رک جاتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو وہ دوبارہ قرعہ اندازی کرتا اور تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کا معنی یہ ہے کہ تیروں کے ذریعے ان چیزوں سے اپنی قسمت ونصیب کی معرفت حاصل کرنا جو اس کے مقسوم میں نہیں ہے۔علامہ زجاج نے کہا کہ ان لوگوں کے درمیان اور نجومیوں کے اس قول کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ فلاں ستارے کی وجہ سے کام نہیں نکلے گا اور فلاں ستارے کے طلوع ہونے پر کام ہو جائے گا اور'' شرح التأویلات'' میں اس کا رد کر دیا گیا ہے اور اس کے مصنف نے کہا ہے کہ نجومی یہ نہیں کہتا کہ اگر فلاں ستارہ نکل آیا تو فلاں حکم دیا جائے گا اور اگر فلاں ستارہ نکل آیا تو فلاں کام سے روک دیا جائے گا جیسا کہ تیروں سے فال نکالنے والے یہ لوگ کرتے ہیں بلکہ نجومی اللہ تعالیٰ کے احکام پر علامات و دلائل قائم کرتا ہے (پھر ان کی روشنی میں نتیجہ اخذ کرتا ہے) اور یہ جائز ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ستاروں میں ایسے معانی اور علامات مقرر فرما دیتا ہو جن کے ذریعے احکام معلوم کیے جا سکتے ہوں اور ان معانی وعلامات کے ذریعے ستاروں سے بہت سی چیزیں حاصل کی جا سکتی ہوں اور اس میں کوئی ملامت نہیں البتہ اس شخص پر ملامت ہے جو اللہ تعالیٰ پر براہِ راست حکم صادر کرتا ہے اور اس پر گواہ بنتا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ بھی جوئے کی ایک قسم ہے اور'' وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ '' سے ان کی مراد متعین بتوں پر اونٹوں کو بانٹنا ہے ﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ یہ گناہ کے کام ہیں یعنی تیروں سے قسمت وغیرہ معلوم کرنے کے لیے فال نکالنا نافرمانی وحکم عدولی ہے اور اطاعت الٰہی سے نکلنا ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور تمام حرام اشیاء کی طرف اشارہ ہو یعنی یہ سب گناہ کے کام ہیں ﴿اَلْیَوْمَ﴾ اس سے معین دن مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے:'' اس وقت اور اب'' (یعنی موجودہ زمانہ) اور یہ اس طرح ہے کہ تم کہو:'' اَنَا الْیَوْمَ قَدْ کَبِرْتُ'' جس سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ اب میں بڑا اور جوان ہو گیا ہوں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کا دن مراد ہے اور یہ آیت مبارکہ حجۃ الوداع میں نو ذی الحج بروز عرفہ بعد نماز عصر جمعۃ المبارک کے دن نازل ہوئی تھی [اور'' اَلْیَوْمَ''،'' یَئِسَ '' سے ظرف (کی بنا پر منصوب) ہے] ﴿یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ﴾ کافر تمہارے دین کو مٹانے اور اس پر غالب آنے سے مایوس وناامید ہو گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما کر اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیا ہے ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ تو تم دین اسلام کے غالب ہو جانے اور خوفِ کفار کے زائل ہو جانے اور ان کے غالب ہونے کے بعد اب ان کے مغلوب ہو جانے پر ان سے نہ ڈرو ﴿وَاخْشَوْنِ﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو یعنی تم مخلص ہو کر فقط مجھ ہی سے ڈرو [اور اس کو وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یائے (متکلم محذوفہ) کے بغیر پڑھا گیا ہے] ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ﴾ آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے یعنی بے شک میں تمہارے دشمن کے خوف کے مقابلے میں تمہیں کافی ہوں اور میں نے تمہیں ان پر غالب کر دیا ہے جیسے بادشاہ کہتے ہیں کہ آج ہماری بادشاہی کامل ہو گئی ہے یعنی جس سے ہم ڈرتے تھے اس کے مقابلے میں ہماری کفایت کر دی گئی ہے یا یہ معنی ہے کہ میں نے تمہارے لیے ان چیزوں کو مکمل کر دیا ہے جن کی تمہیں مکلف ہونے کی حیثیت سے حلال وحرام کی تعلیم کے سلسلے میں ضرورت تھی اور میں نے اسلام کے اصول وضوابط اور قیاس کے قوانین پر تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا ہے [اور'' اَلْیَوْمَ'' ارشادِ باری تعالیٰ'' اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' سے ظرف (ہونے کی بنا پر منصوب) ہے] ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ اور میں نے مکہ معظمہ کی فتح عنایت کر کے اور اس میں امن وامان اور قوت وغلبہ کے ساتھ داخلہ عطا فرما کر اور زمانۂ جاہلیت کی بُری رسمیں مٹا کر اور ارکانِ حج کے غلط طور طریقے ختم کر کے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے ﴿وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ اور میں نے تمہارے لیے بطور ملت ومذہب اسلام کو پسند کر لیا ہے یعنی میں نے تمام ادیان میں سے تمہارے لیے صرف اسلام کو پسند کیا ہے اور تمہیں بھی آگاہ کر دیا ہے کہ صرف یہی

اکیلا اسلام ہی پسندیدہ دین ہے (جیسے ارشاد باری تعالیٰ:) ''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ'' (آل عمران:۸۵) ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا'' [اور ''دِیْنًا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ اس کا تعلق بھی محرمات سے ہے [اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''ذٰلِكُمْ فِسْقٌ'' جملہ معترضہ ہے] جس کے ساتھ تحریم کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ ان تمام خبیث اشیاء کی حرمت دین کامل میں شامل ہے اور ان حرام چیزوں سے بچنا نعمت تامہ اور پسندیدہ دین ہے کیونکہ صرف اسی دین اسلام کی پسند کا اظہار کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے دینوں کی پسند کا اظہار نہیں کیا گیا ہے اور اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص (مذکورہ بالا محرمات میں سے) کسی مردار وغیرہ کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائے ﴿فِیْ مَخْمَصَةٍ﴾ سخت بھوک میں (کہ اگر کچھ نہ کھایا تو مر جائے گا) ﴿غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ﴾ گناہ کی طرف جھکنے والا اور اس کی طرف رغبت کرنے والا نہ ہو یعنی ضرورت سے زائد نہ کھائے [اور ''غَیْرَ'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ اس مجبوری کی حالت میں بندے کی گرفت نہیں فرمائے گا ﴿رَّحِیْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' اس نے معذور کے لیے ممنوع کو مباح قرار دیا ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ فرما دیں کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں' اور وہ شکاری جانور جنہیں تم نے سدھا لیا ہے درآں حالیکہ تم انہیں تعلیم دے کر شکار پر چھوڑتے ہو تم انہیں اس طرح تعلیم دیتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے' سو تم اس (شکار) میں سے کھاؤ جس کو شکاری جانور نے پکڑ کر تمہارے لیے روک لیا ہے اور اس پر اللہ کا نام لو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے O

## حلال ومباح اشیاء کا بیان

٤۔ ﴿یَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ اے محبوب! وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں اور یہاں سوال قول کے معنی میں ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ''مَاذَا'' واقع ہوا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں [اور باقی رہی یہ بات کہ ''مَاذَا اُحِلَّ لَنَا'' کیوں نہیں کہا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ''یَسْــَٔلُوْنَكَ'' کی حکایت ہے جو غائب کا صیغہ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''اَقْسَمَ زَیْدٌ لَیَفْعَلَنَّ'' زید نے قسم کھائی کہ وہ یہ کام ضرور کرے گا اور اگر ''لَاَفْعَلَنَّ'' اور ''اُحِلَّ لَنَا'' کہا جاتا تو بھی درست ہوتا اور ''مَاذَا'' مبتدا ہے اور ''اُحِلَّ لَهُمْ'' اس کی خبر ہے] جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''اَیُّ شَیْءٍ اُحِلَّ لَهُمْ'' کون سی چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے خبیث و ناپاک چوپایوں کے کھانے کی حرمت ان پر بیان فرمائی اور انہوں نے سوال کیا کہ چوپایوں میں سے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں یعنی ان میں سے جو ناپاک نہیں ہیں (وہ تمہارے لیے حلال ہیں) یا

جن کی حرمت کتاب اللہ (قرآن مجید) یا سنت نبوی میں یا اجماع میں یا قیاس میں نہیں آئی (وہ حلال ہیں) ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ﴾ [''اَلطَّیِّبَاتُ'' پراس کا عطف کیا گیا ہے] یعنی پاک چیزیں اور تمہارے وہ شکار حلال کر دیئے گئے ہیں (جن کے پکڑنے والے شکاری جانوروں کو) تم نے شکار کرنے کی تعلیم دے کر سدھا لیا ہے [اور مضاف محذوف ہے' اصل میں ''صَیْدُ مَا عَلَّمْتُمْ'' ہے یا لفظ ''مَا'' کو شرطیہ اور ''فَکُلُوْا'' کو اس کا جواب قرار دیا گیا] ﴿مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ یعنی درندوں اور پرندوں میں سے شکار کرنے والے شکاری جانور جیسے کتا' چیتا' عقاب' شکرہ' باز اور شاہین [اور ایک قول یہ ہے کہ ''جوارح'' ''جَرَاحَۃٌ'' (زخم) سے مشتق ہے] لہٰذا شکار کیے گئے جانور کا زخمی ہونا حلال ہونے کے لیے شرط ہے ﴿مُکَلِّبِیْنَ﴾ [''عَلَّمْتُمْ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور اگرچہ ''عَلَّمْتُمْ'' کے ذکر نے اس کے لانے سے مستغنی کر دیا ہے لیکن اس حال کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ شکار کرنے والے جانوروں کا تعلیم کے ساتھ موصوف ہونا شرط ہے اور شکار کرنے والے جانوروں کو شکار کرنے کا ادب اور سلیقہ سکھانے اور ان کو شکار کی تعلیم دینے والے کو ''مُکَلِّبٌ'' کہا جاتا ہے اور یہ ''کلب'' سے مشتق ہے کیونکہ کتا بہت جلد ادب سیکھ لیتا ہے اس لیے اسی کے لفظ (کَلْب) سے ''مُکَلِّب'' کو مشتق کیا (بنایا) گیا ہے] کیونکہ اس کی جنس میں ادب و تعلیم کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے یا اس لیے کہ درندوں کو بھی کلب کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر حدیث نبوی ﷺ میں ہے: ''اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ''[1] اے اللہ! اس (کافر) پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے' چنانچہ اس شخص کو ایک شیر حملہ کر کے کھا گیا ﴿تُعَلِّمُوْنَھُنَّ﴾ تم انہیں سکھاتے ہو اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ علم حاصل کرنے والے پر لازم ہے کہ علم صرف ایسے ماہرِ فن سے حاصل کرے جس نے اپنی پوری اہلیت و صلاحیت علم کی مہارت میں خرچ کر دی ہو اور اپنی عقل و ذہانت اور فکر و تدبر کو قربان کر کے کامل ماہر ہو چکا ہو کیونکہ اناڑی اور غیر ماہر سے علم حاصل کرنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے قیمتی اوقات ضائع کر دیئے اور پھر ماہرینِ فن سے ملاقات کے وقت (حسرت و افسوس کی وجہ سے) اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں [اور یہ جملہ یا حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ جملہ مستأنفہ ہے (یعنی یہ ایک الگ نیا جملہ ہے) اور اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے] ﴿مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ﴾ اس تعلیم سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہے ﴿فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ﴾ سو تم اس میں سے کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لیے روک لیا ہے یعنی شکاری جانوروں نے جو شکار پکڑ کر اپنے مالک کے لیے روک لیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا وہ تم کھا لو اور اگر شکاری جانور نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہے تو پھر وہ شکار کھانے کے قابل نہیں رہا جب کہ شکاری کتا وغیرہ ہو لیکن اگر شکاری جانور باز وغیرہ ہو تو اس کے کھانے سے شکار حرام نہیں ہوگا (یعنی اگر شکاری پرندہ ہو تو اس کا بچا ہوا کھانا جائز ہے اور اگر شکاری درندہ ہو تو اس کا بچا ہوا کھانا جائز نہیں ہے) اور اس کی تعریف اس کی اپنی جگہ میں کر دی گئی ہے ﴿وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ﴾ [اگر (عَلَیْہِ میں) ضمیر ''مَا اَمْسَکْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے] تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب شکاری درندہ یا پرندہ شکار کو پکڑ کر تمہارے لیے روک لے تو تم اس پر ''بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' پڑھ کر اس کو ذبح کر لو [اور اگر یہ ضمیر ''مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ'' کی طرف لوٹتی ہے] تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم شکاری جانور کو شکار پکڑنے کے لیے چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو (یعنی ''بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' پڑھ کر چھوڑو) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان تمام امور میں اس کے حکم کی مخالفت سے بچتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے'

[1] رواہ الحاکم ج ۲ ص ۵۳۹

بے شک وہی تمہارے تمام افعال واعمال پر بہت جلد محاسبہ کرنے والا ہے کیونکہ حساب لینے اور محاسبہ کرنے میں اس کو دیر نہیں لگے گی۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۠ ⑤

ع ٥

آج پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں' اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے' اور مسلمان پاک دامن آزاد عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی پاک دامن آزاد عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں) جب کہ تم ان کو ان کے مہر ادا کر دو (اور) تم ان کو نکاح کے بندھن میں لانے والے بنو اعلانیہ بدکاری کرنے والے نہ بنو اور نہ ان سے چھپ چھپا کر دوستی کرنے والے بنو' اور جو شخص اسلام کا انکار کر دے تو بے شک اس کے تمام عمل برباد ہو گئے' اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا O

---

۵۔﴿ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ﴾ آج یعنی اب میں نے تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے اظہار کی خاطر تاکید کے لیے اس کا دوبارہ ذکر کر دیا ہے ﴿ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے یعنی ان کے ہاتھوں سے ذبح کیے ہوئے جانور تمہارے لیے حلال ہیں (بشرطیکہ صرف ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر ذبح کریں) کیونکہ باقی تمام کھانوں کی حلت کسی ملت و مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ اور تمہارے کھانے ان کے لیے حلال ہیں' لہٰذا تم ان کو کھانا کھلاؤ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر مسلمانوں کے کھانے ان پر حرام ہوتے تو ان کو کھانا کھلانا جائز نہ ہوتا ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور پاک دامن آزاد مسلمان عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) اس سے آزاد خواتین مراد ہیں یا پارسا خواتین مراد ہیں اور یہ قید نکاح کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ مستحب (یعنی پسندیدہ عمل) ہے کیونکہ مسلمان کنیزوں اور غیر پارسا عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور یہ قید صرف مسلمانوں کو رغبت دینے کے لیے مخصوص کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے نطفے اور اپنی نسل کی حفاظت کے پیش نظر پارسا آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں [اور اس کو ''اَلطَّیِّبَاتُ'' پر معطوف کیا گیا ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] یعنی اصل میں ''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ حِلٌّ لَّكُمْ'' ہے کہ پاک دامن آزاد مسلمان عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی پاک دامن آزاد عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) اور اس سے اہل کتاب کی آزاد عورتیں مراد ہیں یا اہل کتاب کی پارسا عورتیں مراد ہیں ﴿ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ جب تم ان کے حق مہر ان کو ادا کر دو ﴿ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ﴾ بشرطیکہ تم صرف پارسائی حاصل کرنے کے لیے ان سے نکاح کرو بدکاری اور عیاشی کرنے کے لیے نہیں ﴿ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ﴾ اور نہ ان سے چوری

چھپے عشق و دوستی کرو [اور ''خِدْنٌ'' کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے ] ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ﴾ اور جو شخص ایمان کا یعنی شرائع اسلام کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حلال اور حرام کیا ہے اس کے ساتھ کفر کرتا ہے ﴿فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ تو بے شک اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ
اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

اے ایمان والو! جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو تم اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو' اور اگر تم جُنبی (ناپاک) ہو جاؤ تو نہا کر خوب پاک ہو جاؤ' اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس پاک مٹی سے مسح کر لو' اللہ تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا اور لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم خوب پاک ہو جاؤ اور تا کہ وہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تا کہ تم شکر ادا کرو۝

## وضو کا حکم' عدل کا حکم اور انعامات کی یاد دہانی

٦- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو (پہلے) اپنے چہروں کو دھولیا کرو یعنی جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرنے لگو (تو پہلے وضو کر لو) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ'' (النحل:٩٨) یعنی جب تم قرآن پاک کی قراءت کا ارادہ کرنے لگو (تو پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پوری پڑھا کرو)' بہرحال یہاں ارادۂ فعل کو خود فعل کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا ہے کیونکہ ارادہ کرنا سبب ہے اور فعل اس کا مسبب ہے تو اختصار کے پیش نظر ادنیٰ تعلق کی بنا پر مسبب کو سبب کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور اسی طرح ''كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ'' ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے' اس جملے میں پہلے فعل کو جو جزا کا سبب ہے لفظ جزا کے ساتھ جو اصل میں اس کا مسبب ہے تعبیر کیا گیا ہے اور تقدیر عبارت ''وَاَنْتُمْ مُّحْدِثُوْنَ'' ہے (یعنی جب نماز ادا کرنا چاہو) اور تم بے وضو ہو (تو پہلے وضو کر لو) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے یا ''مِنَ النَّوْمِ'' ہے (یعنی جب تم نماز ادا کرنا چاہو اور تم) نیند

سے (اٹھو تو پہلے وضو کرلو) کیونکہ یہ بے وضو ہونے کی دلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے[1] اور ایک قول یہ ہے کہ ابتدائی دور میں جب وضو فرض ہوا تو ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب تھا' پھر بعد میں یہ حکم منسوخ (ختم) ہوگیا ﴿وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ﴾ اور تم اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھولو) ''اِلٰی'' مطلق غایت (انتہا) کے معنی کا فائدہ دیتا ہے[ (علم نحو کے فن میں ''اِلٰی'' کے بعد والا کلام غایت اور ''اِلٰی'' سے پہلے والا کلام ''مُغَیَّۃ'' کہلاتا ہے) لیکن غایت کا (مغیّۃ کے) حکم میں داخل ہونا اور اس سے خارج ہونا تو یہ معاملہ دلیل پر موقوف ہے ] چنانچہ جس میں خارج ہونے پر دلیل ہے (وہ درج ذیل دو آیات ہیں:) ''فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ'' (البقرہ:٢٨٠) '' (یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو) تو اس کے خوش حال ہونے تک مہلت دو'' کیونکہ مفلس و تنگ دست ہونا مہلت دینے کی علت ہے اور خوشحالی آجانے پر علت زائل ہوجائے گی' لہٰذا اگر ''میسرہ'' کو اس میں داخل کیا جائے تو تنگ دستی اور خوشحالی کی دونوں حالتوں میں مہلت دینا لازم آئے گا اور اسی طرح یہ آیت مبارکہ ہے: ''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ'' (البقرہ:١٨٧) '' کہ رات کے آنے تک روزہ پورا کرو' اگر رات کو (دن کی طرح) روزے کے حکم میں شامل کرلیا جائے تو صوم وصال (یعنی دن رات مسلسل روزہ رکھنا) واجب ہوجائے گا (لہٰذا رات کے آنے اور دن کے ختم ہونے پر روزہ پورا ہوجاتا ہے) اور جس جگہ داخل ہونے کی دلیل موجود ہے وہ تمہارا ایک یہ قول ہے کہ ''حَفِظۡتُ الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ اَوَّلِهٖ اِلٰی اٰخِرِهٖ'' کہ میں نے شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید یاد کرلیا ہے کیونکہ یہ کلام مکمل قرآن مجید حفظ کرلینے کے لیے بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا'' (الاسراء:١) کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو بیت المقدس میں داخل ہوئے بغیر (شبِ معراج) سیر نہیں کرائی گئی (بلکہ آپ نے بیت المقدس کے اندر داخل ہوکر تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی تھی) اور البتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَی الۡمَرَافِقِ'' میں دونوں امروں میں سے (یعنی کہنیوں کا دھونے کے حکم میں داخل ہونے یا اس سے خارج ہونے کے بارے میں) کسی ایک پر دلیل موجود نہیں اس لیے جمہور نے احتیاط کولیا اور ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کو دھونے کے حکم میں داخل فرمالیا جب کہ امام زفر اور امام داؤد نے یقین کے ساتھ کہنیوں کو دھونے کے حکم سے خارج کرلیا اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ اپنی دونوں کہنیوں پر بار بار پانی کو انڈیل کر بہاتے تھے[2] ﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ﴾ اور تم اپنے سروں کا مسح کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سر کے ساتھ مسح کو ملا دیا جائے (یعنی دونوں ہاتھوں کو تر کرکے سر پر پھیر لیا جائے) اور اپنے سر کے بعض حصے کا مسح کرنے والا اور اپنے کل سر کا مسح کرنے والا یہ دونوں سر کے ساتھ مسح کو ملانے والے ہیں' چنانچہ امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کے مسح کو فرض قرار دیا اور امام شافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یقین پر عمل کرتے ہوئے کم از کم اتنے سر کا مسح واجب قرار دیا جس پر مسح کا اطلاق کیا جاسکے (خواہ وہ تین انگلیوں کے برابر ہو) اور ہم نے حضور نبی کریم ﷺ کے بیان پر عمل کیا ہے (اور چوتھائی سر کا مسح فرض قرار دیا ہے) اور وہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے پیشانی کے برابر سر کا مسح فرمایا[3] اور اس کو سر کے چوتھائی کے برابر قرار دیا گیا ہے ﴿وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ﴾ اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو [ قاری ابن عامر شامی' نافع مدنی' علی کسائی اور امام حفص نے ''وَاَرۡجُلَكُمۡ'' کو

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ٩ ص ١١٢

[2] رواہ الدار قطنی ج ١ ص ٨٣

[3] رواہ مسلم رقم الحدیث: ١٨ـ ٨٣ـ ٢٧٤

("وُجُوْهَكُمْ" اور "اَيْدِيَكُمْ" پر عطف کر کے) منصوب پڑھا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو' عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے [اور مذکورہ بالا قراء کے علاوہ دیگر قراء نے اس کو "رُؤُوْس" پر عطف کر کے مجرور (یعنی وَاَرْجُلِكُمْ) پڑھا ہے' بہرحال پاؤں بھی تینوں دھوئے جانے والے اعضاء میں سے ہیں اور ممسوح پر عطف پاؤں پر مسح کرنے کے لیے نہیں کیا گیا بلکہ ممسوح پر اس لیے عطف کیا گیا ہے کہ پاؤں پر پانی بہا کر دھونے میں اسراف (فضول پانی خرچ کرنے) کا گمان پیدا ہو جاتا ہے جو کہ ممنوع ہے' بہرحال اس طرح اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ پاؤں پر پانی بہا کر دھونے میں میانہ روی اختیار کرنا واجب ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "اِلَى الْكَعْبَيْنِ" میں غایت کو بیان کر کے پاؤں پر مسح کرنے کے خیال کو باطل قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ شریعت میں مسح کرنے کے لیے غایت بیان نہیں کی جاتی [اور "جامع العلوم" میں فرمایا کہ یہ صرف قرب و جوار کی وجہ سے اس کو مجرور پڑھا گیا ہے] کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم رسول اعظم ﷺ نے ایک قوم کو اپنے پاؤں پر مسح کرتے دیکھا تو فرمایا: "وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ"[1] یعنی پاؤں کے ٹخنوں کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے اور حضرت عطاء سے مروی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ میرے علم میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی وضو میں پاؤں پر مسح نہیں کیا اور پھر ان اعضاء کو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ ان کو اس میل کچیل سے پاک صاف کیا جائے جو ان پر چڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر یہی اعضاء ظاہر ہوتے ہیں اور جب کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خدمت و بندگی ہے اور اس کے سامنے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر کھڑا ہونا تعظیم و تکریم کے زیادہ قریب ہے اور خدمت کے اعتبار سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ گواہ کے بارے میں ہے جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا چاہے اور اس لیے بعض اہل علم نے فرمایا کہ کہ بہتر یہی ہے کہ آدمی بہترین اور صاف ستھرے لباس میں نماز ادا کرے اور بے شک پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا ننگے سر نماز پڑھنے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ تعظیم و تکریم کے لیے اس عمل میں زیادہ مبالغہ ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ اور اگر تم جنابت کی وجہ سے ناپاک ہو جاؤ تو نہا کر خوب پاک صاف ہو جاؤ یعنی تم اپنے جسموں کو غسل کر کے خوب پاک صاف کر لو ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ امام رازی نے کہا: "اَوْ جَآءَ" کا معنی "وَجَآءَ" ہے یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو اور تم قضائے حاجت کر کے آئے ہو (اور پانی نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لو) تاکہ بیمار اور مسافر پر بغیر حدث (بے وضو ہونے کے) تیمم لازم نہ آئے ﴿مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ اطمینان و سکون کی جگہ اور یہ قضائے حاجت سے کنایہ ہے ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو' سو تم اس پاک مٹی سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو' اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے یعنی طہارت و پاکیزگی کے بارے میں ورنہ وہ تمہیں تیمم کی رخصت نہ دیتا ﴿وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے یعنی جب تم پانی سے پاکیزگی حاصل کرنے سے عاجز آ جاؤ تو مٹی سے پاکیزگی حاصل کر لو ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ عزیمت کی جگہ رخصت دے کر تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو اور وہ تمہیں اس پر ثواب عنایت فرما دے۔

---

1 رواہ البخاری فی کتاب العلم باب ٣-٣٠ 'مسلم فی کتاب الطہارۃ رقم الحدیث: ٢٥-٢٨ 'ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ باب ٤٦ 'الترمذی فی کتاب الطہارۃ باب ٣١ 'النسائی فی کتاب الطہارۃ باب ٨٨ 'ابن ماجہ فی کتاب الطہارۃ باب ٥٥ ' الدارمی فی کتاب الوضوء باب ٥٥ 'الموطأ فی کتاب الطہارۃ رقم الحدیث: ٥ 'احمد فی مسندہ ج ٢ ص ١٩٣-٢٠١ 'ج ٣ ص ٣١٦-٣٩٠

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧

اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے مستحکم عہد کو جو اس نے مضبوطی کے ساتھ تم سے لیا تھا' جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ' اور کسی قوم کی عداوت تمہیں ناانصافی کرنے پر نہ ابھارے' تم انصاف کرتے رہو' یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O

۷- ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے اسلام کی صورت میں تم پر عنایت فرمائی ﴿ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے پختہ عہد لیا تھا جب کہ تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک مضبوط و مستحکم عہد لیا اور یہ وہ عہد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں (یعنی صحابۂ کرام) سے بیعت کرتے وقت لیا تھا کہ وہ خوشحالی و تنگ دستی اور دکھ سکھ ہر حال میں اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے اور ہر حکم سن کر اس پر عمل کریں گے' چنانچہ صحابہ کرام نے عہد قبول کر لیا اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایک قول کے مطابق شب عقبہ اور بیعت رضوان کا عہد مراد ہے ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم اس عہد کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے اندر پوشیدہ اسرار و رموز کو خوب جاننے والا ہے خواہ ان کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو اور یہ (نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے بچنے پر اخروی انعامات کا) وعدہ بھی ہے اور (بُرے اعمال کرنے اور نیک اعمال نہ کرنے پر) وعید (عذاب کی دھمکی) بھی ہے۔

۸- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ﴾ اے ایمان والو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ' "بِالْقِسْطِ" کا معنیٰ "انصاف کے ساتھ" ہے ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو ["يَجْرِمَنَّكُمْ" کو حرف استعلاء (یعنی عَلٰی) کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ایسے فعل کے معنیٰ کو متضمن ہے جو متعدی ہوتا ہے] گویا کہا گیا ہے: "وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ بُغْضُ قَوْمٍ عَلٰى تَرْكِ الْعَدْلِ فِيْهِمْ" یعنی تمہیں کسی قوم کا بغض و کینہ ان میں عدل و انصاف کے ترک کرنے پر نہ ابھارے ﴿ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ تم انصاف کرو کہ یہ تقویٰ و پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے یعنی عدل و انصاف کو قائم رکھنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے بغض و عناد کے برانگیختہ کرنے پر ان کے

ساتھ عدل و انصاف نہ کرنے سے منع فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل نیا جملہ استعمال فرما کر ان کے لیے عدل و انصاف کے حکم کی شدید تاکید کے ساتھ صراحت فرما دی' پھر اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کے لیے امر کے طریقے پر ان کے لیے نیا جملہ ذکر فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی'' اور جب اتنے زبردست طریقے پر کفار کے ساتھ عدل و انصاف کرنا واجب و لازم ہے تو مومنوں کے ساتھ عدل و انصاف قائم رکھنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ کس قدر واجب و لازم ہوگا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے' یہ وعدہ بھی ہے اور وعید بھی ہے' اس لیے اس کے بعد وعدہ کی آیت مبارکہ ذکر کی گئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ ع ۲ ۶ ۳

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ فرما لیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہی دوزخی ہیں ○ ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم پر ایک قوم نے دست درازی کرنا چاہی تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو' اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا رکھیں ○

---

٩- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے وعدہ فرما چکا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [اور یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے' پہلا مفعول ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' ہے اور دوسرا مفعول محذوف ہے] کیونکہ اس کے ذکر سے (درج ذیل) جملے نے بے نیاز کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور رہی وعید کی آیت تو وہ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے:

١٠- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں یعنی وہ اس سے جدا نہیں ہوں گے۔

١١- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب ایک (دشمن) قوم نے (تمہیں قتل کرنے کا) ارادہ کر لیا تھا۔

**شانِ نزول:** ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو قریظہ کے ہاں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ ''شیخین'' یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور ''ختنین'' یعنی حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ

حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے اور آپ ان سے دو مسلمانوں کے خون بہا کا قرض لینے تشریف لے گئے تھے جن کو عمرو بن اُمیہ ضمری نے مشرک خیال کرتے ہوئے غلطی سے قتل کر دیا تھا اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابو القاسم! آپ ہمارے ہاں تشریف رکھیں تا کہ ہم آپ کی مہمان نوازی کریں اور قرض بھی ادا کر دیں' چنانچہ انہوں نے آپ کو بمع ساتھیوں کے ایک چبوترے میں بٹھایا اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا منصوبہ تیار کیا اور عمرو بن جحاش نے ایک بہت بڑی چکی اٹھا کر آپ پر پھینکنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کے ہاتھوں کو روک دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر آپ کو خبر دے دی' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی[اور ''اِذْ'' ''نعمة'' کا ظرف ہے] ﴿ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ ﴾ کہ وہ قتل کرنے کے لیے تم پر دست درازی کریں' جب کوئی شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''بَسَطَ لِسَانَهٗ اِلَیْهِ'' کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی پر زبان درازی کی اور جب کوئی شخص کسی کو مارنے کے لیے پکڑتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''بَسَطَ اِلَیْهِ یَدَهٗ'' کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی پر دست درازی کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَیَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ'' (الممتحنہ:۲) ''وروہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے'' اور ''بَسَطِ یَد'' کا معنی ہے: کسی کو پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ دراز کرنا ﴿ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کر دیا کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کریں ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اہل ایمان صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کرتے ہیں کیونکہ وہی سب کی کفایت فرمانے والا ہے اور وہی دافع بلا اور مصائب و آلام کا روکنے والا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا' اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں' البتہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور تم نے میرے تمام رسولوں پر ایمان رکھا اور تم نے تعظیم کے ساتھ ان کی مدد کی اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہے تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہ مٹا دوں گا اور میں تمہیں ضرور ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا○

## بنی اسرائیل کے معاہدے کا بیان

۱۲-﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ﴾ اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر فرمائے' نقیب کسی قوم کے سردار اور ضامن کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کے حالات و واقعات کی تحقیق و تفتیش اور ان کی نگرانی کرتا ہے اور جب فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر میں سکونت پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام میں اریحا کے شہر کی طرف انہیں ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور وہاں کنعانی جبارین مقیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے وہاں کی سکونت و رہائش لکھ دی ہے' تم وہاں چلے جاؤ اور وہاں کے رہنے والے جبارین سے جہاد کرو' ان کی جسمانی قوت سے نہ گھبرانا' بے شک میں تمہارا مددگار ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ ان کی قوم میں بارہ سردار مقرر فرمائیں جو ہر قبیلے کا الگ نگران و نمائندہ ہوگا اور ان سب کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہوگی اور جو احکام ان پر نافذ کیے جائیں اور ان احکام پر بنی اسرائیل سے عمل کرانا ان سرداروں کی ذمہ داری ہوگی' چنانچہ آپ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان پر بارہ سردار مقرر فرمائے اور ان سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کی کفالت کا ذمہ لیا اور وہاں سے چل پڑے' جب سرزمین کنعان کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے بھیج دیا' چنانچہ انہوں نے جا کر دیکھا کہ جبارین بڑے بڑے دراز قامت جسیم و لحیم لوگ ہیں اور بہت طاقتور ہیں' اور یہ سردار کنعانیوں کے یہ حالات دیکھ کر گھبرا گئے اور واپس آتے ہی اپنی قوم کو وہ تمام حالات بیان کر دیئے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کہا تھا کہ ان کے حالات اپنی قوم کو نہ بتانا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی' صرف دو افراد کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون اس معاہدے پر قائم رہے اور یہ دونوں بنی اسرائیل کے سرداروں میں سے تھے ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میں تمہارا حامی و ناصر اور معاون و مددگار ہوں [اور تم یہاں پر وقف کر کے ٹھہر جاؤ کیونکہ آگے ایسی شرط کے ساتھ آغاز کرو گے جس کے شروع میں لامِ قسم داخل ہے اور وہ یہ ہے] ﴿ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ ﴾ البتہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے' دراصل بنی اسرائیل پر نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض تھیں ﴿ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ اور تم میرے تمام رسولوں پر ان میں سے کسی میں تفریق کیے بغیر ایمان لے آئے ﴿ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ اور تم نے ان کی تعظیم و توقیر کی یا ان کی مدد کی' وہ اس طرح کہ تم نے ان سے ان کے دشمنوں کو دور بھگایا' دراصل لغت میں ''عــزر'' کا معنی دور کرنا ہے اور رد کرنا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''عَــزَّرْتُ فُــلَانًا'' کہ میں نے فلاں کو ادب سکھایا یعنی میں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو اس کو قباحت سے دور کر دے گا اور اس کو قباحت سے روک دے گا' اسی طرح زجاج نے کہا ہے ﴿ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا اور قرضِ حسن یہ ہے کہ (اپنا مال رضائے الٰہی کی خاطر کسی ضرورت مند کو شہرت و ریاکاری اور) احسان جتائے بغیر دیا جائے اور ایک قول کے مطابق ہر نیکی قرضِ حسن ہے ﴿ لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ میں ضرور بہ ضرور تم سے تمہاری برائیوں کو مٹا دوں گا [اور یہ لامِ قسم کا جواب ہے اور یہ جواب قسم اور شرط دونوں کا قائم مقام ہے] ﴿ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ ﴾ اور میں ضرور بہ ضرور تمہیں ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' سو اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر اختیار کیا یعنی عظیم ترین وعدے کے ساتھ متعلق تاکیدی شرط کے بعد جس نے کفر اختیار کر لیا ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ تو یقیناً وہ راہِ حق سے بھٹک گیا' ہاں! جس نے اس سے پہلے کفر اختیار کر لیا وہ بھی یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا لیکن اس کے بعد بھٹک جانا زیادہ

واضح ہے اور بہت بڑی گمراہی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

توان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دل سخت کر دیئے' وہ کلام الٰہی کو اس کی اصل جگہ سے بدل دیتے' اور انہیں جس کی نصیحت کی گئی تھی وہ اس کے بڑے حصے کو بھلا بیٹھے' اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے چند لوگوں کے' سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر کیجئے' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے○

۱۳-﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ [معاملے کی عظمت واہمیت کے پیش نظر ''مَا'' کا لفظ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے] (ترجمہ) توان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ﴿لَعَنّٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو دھتکار دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے نکال دیا یا (یہ مطلب ہے کہ) ہم نے ان کو مسخ کر کے بندر وخنزیر بنا دیا یا (یہ مطلب ہے کہ) ہم نے ان پر جزیہ مسلط کر دیا ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور ایسا خشک کر دیا کہ ان میں نہ رحم رہا اور نہ نرمی رہی' [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''قَسِيَّةً'' ہے یعنی ردی اور کھوٹا جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے: ''دِرْهَمٌ قَسِيٌّ'' یعنی کھوٹا درہم] ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کی اصل جگہ سے بدل دیتے اور نازل کیے گئے مفہوم ومعنی کے برخلاف اپنی من مانی تفسیر بیان کرتے تھے اور یہ ان کی سخت دلی کا بیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے اور اس کی وحی کو تبدیل کر دینے سے زیادہ قسوتِ قلبی نہیں ہو سکتی ﴿وَنَسُوْا حَظًّا﴾ اور انہوں نے اپنا بہت بڑا حصہ بھلا کر ترک کر دیا اور اپنا وافر حصہ ضائع کر دیا ﴿مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ جس کی ان کو نصیحت کی گئی' اس سے تورات مراد ہے یعنی بے شک بنی اسرائیل کا تورات شریف کو ترک کر دینا اور اس سے روگردانی کرنا بہت بڑے حصے سے غافل ہو جانا ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) ان کے دل سخت ہو گئے اور فاسد وخراب ہو گئے جس کی وجہ سے انہوں نے تورات میں تحریف کر دی اور تورات کی بہت سی چیزیں ان کے حافظہ سے زائل ہو گئیں' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ انسان گناہ کی نحوست سے بعض علوم بھول جاتا ہے' پھر آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی یا (یہ مطلب ہے کہ) انہوں نے اپنا وہ حصہ چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ یہ کہ (حضور سرورِ کائنات' فخر موجودات حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی شان بیان کرنا ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! آپ ہمیشہ ان کی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے یعنی یہ ان کی پرانی عادت ہے اور صرف انہیں کی نہیں بلکہ ان کے اکابر بھی اسی عادتِ بد پر گامزن رہے' چنانچہ وہ لوگ رسولوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے اور یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور آپ کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کے منصوبے تیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''عَلٰى خَآئِنَةٍ''

سے مراد یا تو خیانت و دھوکہ دینا ہے یا دھوکہ دہی کا عمل مراد ہے یا دھوکہ دینے والا گروہ مراد ہے یا دھوکہ دینے والے نفوس مراد ہیں' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''رَجُلٌ خَائِنَۃٌ'' دھوکہ دینے والا آدمی جیسا کہ بطور مبالغہ اہل عرب کا یہ قول ہے: ''رَجُلٌ رَاوِیَۃٌ لِلشِّعْرِ'' بہت زیادہ اشعار بیان کرنے والا آدمی ﴿ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ ﴾ مگر ان میں سے کم لوگ ایسے بھی ہیں جو خیانت و دھوکہ دہی نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لا کر مسلمان ہو گئے تھے ﴿ فَاعْفُ عَنْھُمْ ﴾ سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور ان کی مخالفت پر صبر کیجئے یا یہ کہ ان میں سے مسلمانوں کو معاف فرما دیں اور ان کی گزشتہ کوتاہیوں پر ان سے مؤاخذہ نہ کیجئے ﴿ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ اور آپ ان سے درگزر فرمائیں بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُکِّرُوْا بِہٖ ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؕ
وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ
قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ
مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ
وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿١٥﴾

اور جن لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے پختہ عہد لیا' پھر وہ اس کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی' تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت و بغض ڈال دیا' اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے ○ اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے جو تم پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو تم کتاب میں چھپاتے تھے اور وہ بہت سی معاف کر دیتے ہیں' بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور ایک روشن کتاب ○

## نصرانیوں کے معاہدے اور ہمارے رسول کی آمد کا بیان

١٤- ﴿ وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ ﴾ اور جن لوگوں نے دعویٰ کیا کہ بے شک ہم نصرانی ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا اور وہ عہد اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور نیک اعمال کرنے کا تھا [ اور اس آیت مبارکہ میں حرف ''مِنْ''، ''اَخَذْنَا'' کے متعلق ہے ] یعنی ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں' چنانچہ [ یہاں فعل پر جار و مجرور کو مقدم ذکر کیا گیا ہے اور فعل اور واؤ کے درمیان جار و مجرور کا فاصلہ رکھا گیا ہے ] اور باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّا نَصٰرٰی'' کی بجائے ''مِنَ النَّصَارٰی'' کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خود عیسائیوں نے اپنا یہ نام رکھا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی تھی اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد طلب کرنے پر کہا تھا: ''نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ'' کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں' پھر نسطوریہ' یعقوبیہ

اور ملکانیہ تین فرقوں میں تقسیم ہونے کے بعد انہوں نے آپس میں اختلاف شروع کر دیا اور شیطان کے مددگار بن گئے ﴿ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا ﴾ تو انہوں نے اس کے بڑے حصے کو بھلا دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی' سو ہم نے (ان کے درمیان دشمنی) لازم کر دی اور ''اَغْرَیْنَا'' کا معنی ہے کہ ہم نے چمٹا دی اور لازم کر دی اور یہ ''غَرِیَ بِالشَّیْءِ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی چیز کسی کو لازم ہو اور اس کو چمٹ جائے اور اسی سے ''الغراء'' ماخوذ ہے یعنی وہ چیز جس کے ساتھ ورق یا کھال کو جوڑا جائے ﴿ بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ مختلف خواہشات کے سبب نصرانیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ کو (لازم کر دیا گیا) ﴿ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ اور عنقریب یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ جزاء اور سزا کے ذریعے ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔

١٥- ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ﴾ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کے لیے ہے اور ''اَلْکِتَاب'' سے جنس کتاب مراد ہے (ترجمہ) اے کتاب والو! ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا ﴾ بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لا چکے ہیں ﴿ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ جو تم پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو تم کتاب میں چھپاتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ کی شان اور اسی طرح سنگسار کرنے کے احکام (چھپاتے تھے اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے) ﴿ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ اور وہ بہت سی معاف فرما دیتے ہیں جن کو چھپاتے ہو اور وہ ان کو بیان نہیں فرماتے یا وہ تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان پر تمہاری گرفت نہیں فرماتے (تاکہ تم شرمسار نہ ہو) ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ یہ شک اور شرک کے اندھیروں کو کھولتا اور ظاہر کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ قرآن پاک لوگوں پر حق کی مخفی باتوں کو ظاہر کرتا ہے یا اس لیے کہ اس کا معجزہ ہونا ظاہر اور واضح ہے یا یہ مطلب ہے کہ نور سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں کیونکہ آپ کے ساتھ ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آپ کو ''سِرَاجًا مُّنِيْرًا'' (الاحزاب:٤٦) یعنی چمکتا ہوا آفتاب کہا گیا ہے۔[1]

---

[1] اہل حق کے نزدیک یہی تفسیر راجح اور اولیٰ ہے کیونکہ جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ نور سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' رَسُوْلٌ يَعْنِيْ مُحَمَّدًا۔ (تفسیر ابن عباس ص ٧٢ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ' ملتان)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور یعنی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' عَظِيْمٌ وَهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَارُ ﷺ وَاِلَيْهِ ذَهَبَ قَتَادَةُ وَاخْتَارَهُ الزَّجَّاجُ۔

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا یعنی عظیم نور جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مذہب ہے۔

نیز چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَا يَبْعُدُ عِنْدِيْ اَنْ يُّرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ النَّبِيُّ ﷺ۔ (تفسیر روح المعانی الجزء السادس ص ٩٧' مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ' لاہور)

اور میرے نزدیک یہ بھی بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ ہوں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اللہ اس کے ذریعے اس کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی مرضی پر چلتا ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور ان کو سیدھی راہ دکھاتا ہےO

۱۶-﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یعنی قرآن مجید کے ساتھ ہدایت دیتا ہے ﴿مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ﴾ اس شخص کو جس نے اس کی مرضی کی پیروی کی یعنی جو ان (اہل کتاب) میں سے ایمان لے آیا ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے اور سلامتی کے طریقوں کی یا اللہ تعالیٰ کی راہوں کی سو ''اَلسَّلَام'' سے سلامتی مراد ہے یا اللہ تعالیٰ مراد ہے ﴿وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اپنے ارادے اور اپنی توفیق سے ﴿وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور وہ ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

البتہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے' آپ فرما دیجئے کہ اللہ کو کون روک سکتا ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے اور آسمان اور زمین اور ان کے درمیان سب اللہ ہی کی بادشاہی میں ہیں' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےO

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر جلالین میں ہے: ''هُوَ نُوْرُ النَّبِيِّ ﷺ'' اس سے نبی کریم ﷺ کا نور مراد ہے۔

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''تفسیر جلالین'' کے حاشیہ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَسُمِّيَ نُوْرًا لِاَنَّهٗ يُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَيَهْدِيْهَا لِلرَّشَادِ وَلِاَنَّهٗ اَصْلُ كُلِّ نُوْرٍ حِسِّيٍّ وَمَعْنَوِيٍّ. (تفسیر صاوی الجزء الاول مطبوعہ مصر)

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ لوگوں کے قلوب اور عقول کو روشن کرتے ہیں اور راہِ راست کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔

مختصر یہ کہ مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ درج ذیل کتب میں بھی آپ کو نور قرار دیا گیا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نصرانیوں کے شرکیہ عقیدہ کی تردید

١٧۔﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسائیوں میں صرف ایک جماعت یہ بات کہتی تھی یا اس لیے کہ ان کا مذہب اسی کی طرف جاتا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا کرتے ہیں اور زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کو کون روک سکتا ہے ﴿اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام جن کے معبود ہونے کا نصرانی دعویٰ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی ماں کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے کیونکہ حضرت مسیح دوسرے بندوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے محترم بندے اور اس کی مخلوق ہیں [اور ''مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' کا ''الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ'' پر عطف کیا گیا] یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ دونوں حضرات انہی کی جنس سے ہیں اور ان دونوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ جو رحم مادر سے پیدا ہوتا ہے اس سے بشریت بھلا کب جدا ہوتی ہے اور جس شخصیت کی پیدائش پر دلائل ظاہر ہو چکے ہوں وہ رب ہونے کے کب لائق ہوتا ہے اور اگر تمام موجودات کی بقا یقینی تصور کی جائے تو بھی ذات صمدیت (ذات خدا) کی طرف کسی قسم کے نقص کو شمار نہیں کیا جا سکتا ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے یعنی وہی مرد و عورت سے اولاد پیدا کرتا ہے اور وہی بغیر مرد کے صرف عورت سے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے فقط ماں سے پیدا ہوئے اور وہی بغیر عورت کے صرف مرد سے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت حوا' حضرت آدم علیہما السلام سے پیدا ہوئیں اور وہی بغیر مرد و عورت کے پیدا کرتا ہے جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا یا (یہ مطلب ہے کہ) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھانے کے لیے ان کے ہاتھ پر پرندے پیدا کرتا رہا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

| |
|---|
| وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ |
| يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ |

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٨٤ مطبوعہ دارالفکر' بیروت ١٩٧٨ء' تفسیر خازن ج ١ ص ٤٧٧ مطبوعہ مصر' تفسیر مظہری ج ٣ ص ٦٨ مطبوعہ دہلی' تفسیر ابوسعود حاشیہ بر تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٨٢' تفسیر عثمانی ص ١٤٢ مطبوعہ دارالتصنیف' کراچی' تفسیر المتقین ص ١٤٢ مطبوعہ حمایت اہل بیت وقف ١٠ ریلوے روڈ' لاہور' شرح اسماء الحسنیٰ ص ١٥٤ مطبوعہ ادارہ اسلامیات ١٩٠۔ انارکلی لاہور' تفسیر روح البیان پارہ ٦ ص ٤٧ اردو مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور' الشفاء الجزء الاول ص ١٠۔١١ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ' ملتان۔
غوثوی مہاروی

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع ٨

اور یہودیوں اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں' (اے محبوب!) آپ فرمادیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے انسان ہو' وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان میں' اور اس کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے○ اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لا چکے ہیں جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں اس کے بعد کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ ڈر سنانے والا آیا' سو بے شک تمہارے پاس خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والا تشریف لے آیا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

١٨- ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں یعنی ہم اس کے پیارے ہیں جس طرح بیٹا باپ کو پیارا ہوتا ہے یا (یہ مطلب ہے کہ ہم) اللہ تعالیٰ کے دو بیٹوں حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کی جماعت ہیں جیسا کہ ابوخبیب کی جماعت کو اور وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر ہیں خبیبون کہا گیا ہے اور جیسا کہ مسیلمہ کذاب کی جماعت کہتی تھی: ''نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ'' ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے (یعنی پیارے) ہیں یا (یہ مطلب ہے کہ) ''نَحْنُ اَبْنَآءُ رُسُلِ اللّٰهِ'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے بیٹے ہیں ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ یعنی (اے محبوب!) یہود و نصاریٰ سے فرمائیے کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہو تو پھر اس نے ہفتے کے دن شکار کرنے کی پاداش میں تمہیں مسخ کر کے ذلیل بندر کیوں بنا دیا تھا اور تمہارے گمان کے مطابق آخرت میں تمہیں گنتی کے چند دن آگ کا عذاب دے گا کیا کوئی باپ بھلا اپنے بیٹے کو مسخ (شکل بگاڑنا) کرتا ہے؟ اور کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو آگ میں ڈالتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں صرف انسان ہو یعنی تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو اس کے بیٹے نہیں ہو ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہتا بخش دیتا ہے یعنی کفر سے توبہ کرنے والے کو اپنے فضل و کرم سے بخش دیتا ہے ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے یعنی جو شخص کفر کی حالت میں مر جاتا ہے اس کو انصاف کے ساتھ عذاب دیتا ہے ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عبدیت پر تنبیہ ہے کیونکہ ملکیت اور بنوت (بیٹا ہونا) ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

١٩- ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول (سیّد عالم فخر

آدم و بنی آدم حضرت) محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں ﴿ یُبَیِّنُ لَکُمۡ ﴾ ''اَیْ اَلشَّرَائِعَ'' یعنی یہ رسول کریم تمہارے لیے اسلامی احکام وقوانین بیان فرماتے ہیں' اس کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ یہ ظاہر ہے ''اَوْمَا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ'' یا جن احکام و مسائل کو تم چھپاتے تھے ہمارے یہ رسول ان کو بیان فرماتے ہیں' اس عبارت کو اس لیے حذف کیا گیا کہ اس سے پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے یا بیان کی کوئی چیز مقدر و مخفی نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ سرکار اپنا بیان تمہارے لیے خرچ کرتے ہیں [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی دراں حالیکہ آپ اپنا بیان تمہارے سامنے پیش فرمانے والے ہیں ﴿ عَلٰی فَتۡرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ [یہ ''جَآءَکُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی ہمارے یہ رسول تمہارے پاس اس وقت تشریف لائے جب عرصہ دراز سے رسولوں کا آنا بند ہو چکا تھا اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد کریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان پانچ سو سال یا پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے ﴿ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا ﴾ ناپسند کرتے ہوئے تم کہیں یہ کہہ دو کہ ﴿ مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِیۡرٍ وَّلَا نَذِیۡرٍ ﴾ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ ڈر سنانے والا آیا ﴿ فَقَدۡ جَآءَکُمۡ ﴾ [یہ محذوف کے متعلق ہے] ''اَیْ لَا تَعْتَذِرُوْا فَقَدْ جَآءَکُمْ'' یعنی تم بہانہ نہ بناؤ' سو بے شک تمہارے پاس تشریف لائے ﴿ بَشِیۡرٌ ﴾ مسلمانوں کو خوشخبری سنانے والے ﴿ وَّنَذِیۡرٌ ﴾ اور کافروں کو ڈر سنانے والے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ان کی طرف اس وقت اس رسول مکرم کو بھیجا جس وقت وحی کے آثار مٹ چکے تھے اور ان کو آپ کی اشد ضرورت تھی تاکہ وہ لوگ خوش ہو کر آپ کی طرف راغب ہوں اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین احسان شمار کریں اور اب ان پر حجت لازم ہو گئی ہے اور وہ کل قیامت کے دن یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا گیا جو انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتا ﴿ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' سو وہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو بہ وقتِ ضرورت بھیجنے پر قادر ہے۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا ٭ۖ وَّاٰتٰىکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَۃَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡہَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ ٭ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡہَا ۚ فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡہَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اپنے اوپر کی گئی اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا' اور اس نے تمہیں وہ نعمتیں دیں جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں O اے میری قوم! تم اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور تم اپنے پیچھے نہ پلٹو کہ تم نقصان میں پلٹو گے O انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک اس میں ایک زبردست طاقتور قوم رہتی ہے' اور بے شک ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے

یہاں تک کہ وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں‘ سو اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو بے شک ہم وہاں چلے جائیں گے O

## بنی اسرائیل کو ان پر کیے گئے انعاماتِ الٰہیہ کی یاد دہانی کا حکم اور ان کی سرکشی پر سزا کا ذکر

۲۰-﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام فرمائی کہ اس نے تمہاری قوم میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے کیونکہ جتنے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں بھیجے گئے اس قدر کسی امت میں نہیں بھیجے گئے ﴿ وَّجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ اور اس نے تمہیں بادشاہ بنا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کے بعد اس کے ملک کا بنی اسرائیل کو مالک بنا دیا اور جبابرہ قوم کی ہلاکت کے بعد ان کے ملک کا انہی کو مالک بنا دیا اور اس لیے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ بہت پیدا ہوئے اسی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بادشاہ وہ اشخاص ہوتے ہیں جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں اور وسیع وعریض بڑے بڑے محلات ہوں جن میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ بادشاہ وہ لوگ ہوتے جن کے خدام اور نوکر چاکر ہوں اور اس لیے کہ بنی اسرائیل قبطیوں کے غلام تھے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے ان کو آزادی عطا فرمائی‘ سو ان کی اس آزادی کو بادشاہت کہا گیا ہے ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ نعمتیں دیں جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں جیسے دریا کا پھٹ کر راستہ دینا‘ دشمنوں کا ڈوب کر مر جانا‘ من وسلویٰ کا اترنا‘ بادل کا سایہ کرنا اور اسی طرح دیگر بڑے بڑے وہ امور جو تمہیں عنایت کیے گئے یا عالمین سے ان کے زمانے میں جہان والے مراد ہیں۔

۲۱-﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ﴾ اے میری قوم! تم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ یعنی پاک یا مبارک سرزمین اور اس سے بیت المقدس کی یا شام کی سرزمین مراد ہے ﴿ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے یا اس کو تمہارے لیے مقرر فرمایا ہے یا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ (اگر تم ایمان دار و اطاعت گزار رہے تو) بے شک یہ پاک و مبارک سرزمین تمہارا مسکن ہوگی ﴿ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ ﴾ اور تم جبابرہ قوم کے خوف سے شکست کھا کر اپنے پیچھے نہ ہٹنا یا (یہ مطلب ہے کہ) تم اپنے دین سے پیچھے نہ پھر جانا ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ ورنہ تم نقصان اٹھا کر پلٹو گے یعنی دنیا اور آخرت کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے۔

۲۲-﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ﴾ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بے شک اس میں بہت بڑی طاقتور وسرکش قوم رہتی ہے [(یہ ''جَبَّار'' کی جمع ہے اور) ''جَبَّار''، ''فَعَّالٌ'' کے وزن پر ہے اور ''جَبَرَهٗ عَلَى الْاَمْرِ'' سے ماخوذ ہے] جس کا معنی ہے: کسی کو کام پر مجبور کرنا اور یہ ایسا سرکش شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو مجبور کر کے من مانی کرتا ہے ﴿ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا ﴾ اور بے شک ہم ان سے لڑنے کے لیے اس بستی میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے ﴿ حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ یہاں تک وہ بغیر لڑائی کے وہاں سے نکل جائیں ﴿ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ پھر اگر وہ لوگ وہاں سے بغیر لڑائی کے نکل گئے ﴿ فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴾ تو بے شک اس وقت ہم ان کے شہروں میں داخل ہو جائیں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ
الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

خوفِ خدا رکھنے والوں میں سے جن دو مردوں پر اللہ نے انعام فرمایا انہوں نے کہا: تم ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ' سو اگر تم ان پر داخل ہو گئے تو یقیناً تم ان پر غلبہ پالو گے' اور اللہ ہی پر بھروسا رکھو اگر تم ایمان دار ہو O انہوں نے کہا: ہم وہاں کبھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں رہیں گے' سو آپ جائیے اور آپ کا رب' تو تم دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں O آپ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا' سو تو ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے O

۲۳- ﴿ قَالَ رَجُلٰنِ ﴾ دو آدمیوں نے کہا' یعنی کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والوں اور اس سے ڈرنے والوں میں سے گویا کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا [اور یہ محلاً مرفوع ہے اور ''رَجُلَان'' کی صفت ہے] اور اسی طرح ﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا خوف انہیں عطا فرما کر ان دونوں پر انعام فرمایا ﴿ ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ﴾ یعنی تم ان پر شہر کے دروازے سے داخل ہو جاؤ ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ﴾ تو جب تم ان پر داخل ہو گئے تو تم یقیناً غالب رہو گے یعنی وہ شکست کھا جائیں گے اور تمہیں غلبہ حاصل ہو گا' دراصل انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتانے سے معلوم کر لیا تھا ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھو اگر تم مؤمن ہو کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور توکل و بھروسا یہ ہے کہ تمام اسباب سے تعلق ختم کر لیا جائے اور مخلوقات سے وابستہ امیدیں ترک کر دی جائیں۔

۲٤- ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ ﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے [یہ بطور تاکید مستقبل میں داخل ہونے کی نفی ہے] ﴿ اَبَدًا ﴾ [اس کا تعلق نفی مؤکد کے ساتھ ہے] اور طویل زمانہ کے معنی میں ہے ﴿ مَّا دَامُوْا فِيْهَا ﴾ جب تک وہ اس میں رہیں گے [یہ ''اَبَدًا'' کا بیان ہے] ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ﴾ سو آپ اور آپ کا رب جائیں۔ کچھ علماء نے اس کو ظاہر پر محمول کیا اور کہا کہ یہ ان سے کفر یہ کلمہ صادر ہوا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر انہوں نے یہ جملہ اعتقاداً کہا ہوتا اور اس کی وجہ سے کافر ہو گئے ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ضرور جنگ کرتے اور جبارین سے جنگ کرنا ان کے ساتھ جنگ کرنے سے بہتر نہ ہوتا لیکن اس میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کا معنی ہے: (اے موسیٰ!) آپ جائیں اور آپ کا رب لڑائی میں آپ کی مدد کرے گا یا یہ کہ ''رَبُّكَ''، ''سَيِّدُكَ'' کے معنی میں ہے یعنی آپ اپنے بزرگ و محترم بڑے بھائی حضرت ہارون کو اپنے ساتھ لے جائیے اور یہ کہ اس میں ''ذهاب'' کا حقیقی معنی آنا جانا نہیں ہے' یہ ایسے ہے جیسے تم کہو: ''كَلَّمْتُهٗ فَذَهَبَ يُجِيْبُنِيْ'' میں نے اس سے گفتگو کی تو وہ مجھے جواب دینے کا ارادہ کرنے لگا یعنی اس کا معنی ارادہ کرنا ہے گویا انہوں نے کہا: (اے موسیٰ علیہ السلام!) آپ اور آپ کا رب دونوں ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لو ﴿ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ سو تم دونوں ان سے جنگ کرو بے شک ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے

یعنی ہم یہیں ٹھہریں گے اور تمہارے دین کی مدد کے لیے ہم ان سے نہیں لڑیں گے' پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور مخالفت کی تو

۲۵-﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ﴾ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! میں تیرے دین کی مدد کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا ﴿اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ﴾ [''اَخِیْ'' ''نَفْسِیْ'' پر یا ''اِنَّ'' کے اسم پر معطوف ہونے کی بنا پر منصوب ہے] یعنی مگر میں صرف اپنا اختیار رکھتا ہوں اور بے شک میرا بھائی بھی صرف اپنا اختیار رکھتا ہے [یا یہ ''اِنَّ'' اور اس کے اسم پر یا پھر ''لَا اَمْلِكُ'' میں ضمیر پر معطوف ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فصل جائز ہے یعنی میرا بھائی صرف اپنی ذات پر اختیار رکھتا ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] یعنی ''وَاَخِیْ كَذٰلِكَ'' اور میرا بھائی اسی طرح (صرف اپنی ذات پر اختیار رکھتا) ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے انتہائی حزن وغم اور رنج و شکایت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رقت قلبی کا اظہار ہے. جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جلد سے جلد فتح و نصرت کا نزول ہوتا ہے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ بالا دو جوانوں پر مکمل اعتماد نہیں کیا اس لیے تو آپ نے صرف معصوم نبی کا اپنے ساتھ ذکر فرمایا یا آپ نے یہ ارادہ کیا کہ دین کے معاملے میں میری کون مدد کرے گا اور کون میرے ساتھ بھائی بندی کرے گا ﴿فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ پس تو ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے اور یہ اس طرح کہ ہمارے لیے وہ فیصلہ فرمادے جس کے ہم مستحق ہیں اور ان کے لیے وہ فیصلہ فرمادے جس کے وہ مستحق ہیں اور یہ جملہ ان پر دعائے ضرر کے معنی میں ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) تو ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے اور ہمیں ان سے نجات عطا فرما جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ''وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' (التحریم:١١) ''اور مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما''۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا
تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا (ع ۷ وقف لازم)
قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ
اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا (النصف)
بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ نے فرمایا: بے شک یہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام رہے گی' وہ اس میں حیران پھریں گے' سو آپ نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں○ اور آپ ان پر آدم کے بیٹوں کی سچی خبر پڑھ کر سنایئے' جب ان دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی' اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا' اس نے کہا: بے شک اللہ صرف ڈرنے والوں کی قربانی قبول کرتا ہے○ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا کہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ میں تجھے قتل کر دوں' بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے○

٢٦ ۔﴿ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک یہ مقدس و پاک سرزمین ان پر حرام کر دی گئی ہے' وہ اس میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور یہ حرمت منع کے معنی میں ہے یعنی ان کا داخلہ اس پاک سرزمین میں ممنوع ہے' بہرحال عبادت کی حرمت مراد نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ'' (القصص:١٢)'' اور ہم نے ان پر دودھ حرام کر دیا'' اور اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی ''کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدس سرزمین اس شرط پر تمہارے لیے لکھ دی ہے کہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ تم جہاد کرو گے لیکن جب انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو کہا گیا کہ بے شک یہ سرزمین ان پر حرام کر دی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی ہے ﴿ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ چالیس سال لیکن جب چالیس سال گزر گئے تو جو ان کی قسمت میں لکھا تھا جائز ہو گیا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے وہ بقایا افراد جو اس وقت زندہ تھے ان کو لے کر (بیت المقدس) روانہ ہو گئے اور حضرت یوشع بن نون آپ کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جاتے ہی جبابرہ سے جنگ کی اور فتح یاب ہوئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا باقی ماندہ زندگی وہیں گزاری' پھر انتقال فرما گئے [اور ''اَرْبَعِيْنَ''، ''مُحَرَّمَةٌ'' کا ظرف (یعنی مفعول فیہ) ہے اور وقف ''سَنَةً'' پر ہوگا یا پھر یہ ﴿ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ کا ظرف ہے] یعنی یہ لوگ اس جنگل میں حیران و پریشان ہو کر چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے' [اس صورت میں ''عَلَيْهِمْ'' پر وقف ہوگا] اور ان کو مقام تیہ میں اس لیے روک کر رکھا گیا تھا کہ انہوں نے اس جگہ ٹھہرنا خود اختیار کیا تھا' چنانچہ باوجود بہت چلتے رہنے کے صبح کو وہیں ہوتے جہاں سے شام کو روانہ ہوتے تھے اور شام کو وہیں ہوتے جہاں سے صبح روانہ ہوتے تھے اور یہ علاقہ چھ فرسخ (اٹھارہ شرعی میل اور انگریزی ستائیس میل) پر مشتمل تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر دعائے ضرر کرنے کی وجہ سے نادم و پشیمان ہوئے تو ان سے کہا گیا: ﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ سو آپ ان پر غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ فاسق و فاجر اور نافرمان قوم ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ مقام تیہ میں ان کے ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نہیں تھے کیونکہ یہ سزا تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان دونوں بھائیوں اور ان لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بھی ان کے ساتھ تھے لیکن ان کے لیے یہ راحت و فرحت اور سلامتی تھی سزا نہ تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام مقام تیہ میں فوت ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ایک سال بعد اسی مقام میں فوت ہوئے تھے اور بارہ سرداروں میں سے دس سردار یہیں مقام تیہ میں فوت ہوئے تھے سوائے کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون کے۔

## حضرت آدم کے بیٹوں کا سچا قصہ

پھر اللہ تعالیٰ نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے حاسدوں کے سامنے وہ قصہ بیان کریں جو حسد کی وجہ سے پیش آیا تا کہ لوگ حسد کرنا چھوڑ دیں اور مسلمان ہو جائیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

٢٧ ۔﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ﴾ اور آپ ان اہل کتاب کو حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی (حقیقی) بیٹوں کا سچا واقعہ پڑھ کر سنایئے اور وہ حضرت ہابیل اور قابیل تھے اور یہ دو آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے' یہ واقعہ سچ پر مبنی ہے جو گزشتہ اور پہلی کتابوں میں بیان کیے گئے کے موافق ہے یا اس کا بیان سچ اور صحت پر مبنی ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) آپ ان کو یہ واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے دراں حالیکہ آپ حق سچ بیان کرنے والے ہیں ﴿ اِذْ قَرَّبَا ﴾ [یہ ''نَبَاَ'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ہابیل و قابیل کا یہ قصہ اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے قربانی پیش کی [یا یہ ''نَبَاَ'' سے بدل ہے] یعنی آپ ان کو یہ خبر پڑھ کر سنا دیجئے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے قربانی پیش کی' [اس تقدیر پر مضاف محذوف ہوگا]

﴿قُرْبَانًا﴾ قربان اس قربانی یا صدقہ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے صدقہ پیش کیا اور اس کے ذریعے رب کا قرب حاصل کیا کیونکہ مالی قربانی سے بھی قرب خدا حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے: جب ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور اس کی دلیل (درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) ﴿فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا﴾ تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور وہ حضرت ھابیل تھے جن کی قربانی قبول ہوئی تھی ﴿وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ﴾ اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی اور وہ قابیل تھے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ آپ ان میں سے ہر ایک کا نکاح دوسرے کی جڑواں بہن سے کر دیں اور قابیل کی جڑواں بہن زیادہ حسین و خوبصورت تھی اور اس کا نام اقلیما تھا' چنانچہ ان کے بھائی قابیل کو حضرت ھابیل سے حسد ہو گیا اور ان پر ناراض ہو گئے (اور بہن کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا) تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی طرف سے ایک ایک قربانی پیش کرو' چنانچہ تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو جائے گی وہ اقلیما سے شادی کرے گا تو ھابیل کی قربانی قبول ہو گئی کیونکہ آسمانی آگ اتری اور قربانی کو کھا گئی (اسلام سے پہلے قربانی قبول ہونے کی یہی علامت تھی) اور قابیل کا حسد اور غصہ اور زیادہ ہو گیا اور اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دی ﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ﴾ یعنی قابیل نے ھابیل سے کہا کہ میں تمہیں ضرور قتل کر دوں گا ﴿قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) جناب ھابیل نے قابیل سے فرمایا کہ تو مجھے کیوں قتل کرے گا؟ قابیل نے جواب دیا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی قبول فرمالی اور میری قربانی قبول نہیں فرمائی تو حضرت ہابیل نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوفِ خدا رکھنے والوں کی قربانی قبول فرماتا ہے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا اور تجھے یہ سزا تیرے نفس کی وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ تیرا نفس تقویٰ کے لباس سے خالی ہے میری وجہ سے تجھے سزا نہیں دی گئی اور حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ھابیل وفات کے وقت رو پڑے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ کو کس چیز نے رلا دیا حالانکہ آپ تو بہت بڑے عبادت گزار ہیں' آپ نے فرمایا کہ بے شک میں اب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن رہا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔

۲۸- ﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ﴾ (حضرت ھابیل نے فرمایا کہ) اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کی ﴿مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ﴾ تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی نہیں کروں گا [یاد رہے کہ قاری نافع مدنی' قاری ابوعمرو اور قاری امام حفص نے "یَدِیَ" (یا کو مفتوح) پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے "یا" کو ساکن "یَدِیْ" پڑھا ہے)] ﴿اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ منقول ہے کہ ھابیل اپنے قاتل قابیل سے قوت و طاقت اور گرفت و پکڑ میں کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے بھائی کو قتل کرنے سے پرہیز کیا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کہ کہیں جوابی کارروائی سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے کیونکہ ان کے زمانے میں اپنا دفاع جائز نہیں تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ ان کے زمانے میں بھی اپنا دفاع کرنا واجب و ضروری تھا کیونکہ اپنا دفاع نہ کرنے میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قاتل کے گناہ میں شریک ہونے کے مترادف ہے البتہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ دست درازی اور لڑنے میں پہل نہیں کروں گا جیسا کہ میرے بارے میں تمہارا ارادہ ہے اور جب قابیل نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو آپ نے بھی اپنے دفاع کا پکا ارادہ کر لیا تھا مگر قابیل نے آپ کو اچانک بے خبری میں قتل کر دیا تھا [اور اہل

حجاز اور ابوعمرو نے ''اِنِّیَ اَخَافُ'' (یا کو مفتوح) پڑھا ہے]۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۚ﴿۳۱﴾

بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ کا بوجھ خود ہی اٹھائے تو تو دوزخیوں میں سے ہو جائے' اور ظالموں کی یہی سزا ہے O تو اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر اُبھارا تو اس کو قتل کر دیا' پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا O سو اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے' اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا' سو وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا O

---

۲۹- ﴿ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں کہ جب تو مجھے قتل کر دے تو میرے قتل کے گناہ کا بوجھ اور اپنے اس گناہ کا بوجھ جس کی وجہ سے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی اور وہ باپ کی نافرمانی اور حسد و بغض ہے تو خود اکیلا اٹھائے (یا یہ مطلب ہے کہ میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ) تو ہی لوٹ کر جائے اور ھابیل نے یہ اس لیے چاہا تھا کہ قابیل نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر کے کفر کا ارتکاب کیا تھا یا اس لیے کہ وہ ظالم تھا اور ظالم کے لیے سزا کا چاہنا جائز ہے ﴿ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴾ سو تو دوزخیوں میں سے ہو جائے گا اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

۳۰- ﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ ﴾ تو قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا' سو نفس نے اس کو وسعت و سہولت دی یہ ''طَاعَ لَهُ الْمَرْتَعُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی معاملے میں وسعت و سہولت اور آسانی حاصل ہو ﴿ فَقَتَلَهٗ ﴾ تو قابیل نے اپنے بھائی ھابیل کو کوہِ حرا کے پیچھے یا بصرہ میں قتل کر دیا اور اس وقت مقتول یعنی حضرت ھابیل کی عمر بیس سال تھی جب آپ شہید ہوئے ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ سو قابیل خسارہ پانے اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

۳۱- ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو اس کے سامنے زمین کریدنے لگا تا کہ اللہ تعالیٰ قابیل کو دکھائے (کہ وہ زمین میں گڑھا کھود کر بھائی کی لاش دفن کر دے) یا یہ کہ کوّا زمین کھود کر قابیل کو دکھائے ﴿ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ﴾ کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے (کیونکہ مردہ بھائی کی لاش کو چھپانا سترِ عورت کی طرح واجب ہے) اور اپنے بھائی کے جسم کے اس حصے کو کیسے چھپائے جس کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔ مروی ہے کہ بنی آدم میں حضرت ھابیل پہلے مقتول ہیں جنہیں روئے زمین پر شہید کیا گیا اور جب قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا تو

ان کی لاش کو میدان میں چھوڑ دیا کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس میت کو کس طرح دفن کرے اور جب اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کو درندے نہ کھا جائیں تو اس نے میت کو چرمی تھیلے میں بند کر کے اپنی پشت پر اٹھا کر ایک سال پھرتا رہا یہاں تک کہ اس میں بو پھیل گئی اور قابیل کے پاس درندے منڈلانے لگے (کہ کہیں لاش رکھے تو اسے کھا جائیں) تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس دو کوے بھیجے جو آپس میں لڑ پڑے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا' پھر اس نے اپنے پنجوں اور چونچ سے گڑھا کھودا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں ڈال دیا تو اس وقت ﴿قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ﴾ قابیل نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا [''فَاُوَارِیَ'' کا ''اَكُوْنَ'' پر عطف ہے (اس لیے دونوں کا آخر ''اَنْ'' ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہے)] ﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ﴾ پھر وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے نادم و پشیمان ہو گیا کیونکہ کافی عرصہ تک اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گیا اور اس کو ٹھکانے لگانے کے معاملے میں حیران و پریشان پھرتا رہا اس لیے اس کی یہ ندامت و پشیمانی توبہ کرنے والوں کی طرح نہیں تھی یا پھر ندامت و پشیمانی صرف ہم امت محمدیہ کے لیے توبہ ہے اور یہ صرف ہمارے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کہ قابیل صرف ھابیل کی لاش اٹھانے پر نادم ہوا تھا ان کے قتل کرنے پر نادم نہیں ہوا تھا۔ مروی ہے کہ جب قابیل نے حضرت ھابیل کو قتل کیا تو اس کا سارا جسم سیاہ ہو گیا جب کہ اس سے پہلے وہ سفید رنگ تھا' پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے اس کے بھائی ھابیل کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے کیا معلوم میں کوئی ان پر نگران تو نہیں تھا' آپ نے فرمایا: بلکہ (اے گستاخ!) تو نے اس کو قتل کر دیا ہے اور اسی (گستاخی) کی وجہ سے تیرا سارا جسم سیاہ ہو گیا ہے' چنانچہ سوڈان کے باشندے انہی کی اولاد میں سے ہیں اور ایک روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے ھابیل کی شہادت پر مرثیہ اشعار کہے تھے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شعر کہنے سے معصوم ہوتے ہیں۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

معانقۃ ۃ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے بغیر کسی آدمی کو قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا' اور جس نے کسی شخص کو ہلاکت سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا' اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے' پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زیادتیاں کرنے والے ہیں O

۳۲- ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ اس سبب سے اور اس وجہ سے اور ''ذٰلِكَ'' سے مذکورہ بالا قتل کی طرف اشارہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا تعلق پہلی آیت کے ساتھ ہے [اور ''ذٰلِكَ'' پر وقف ہے] یعنی قابیل' ھابیل کو قتل کرنے اور اس کی لاش کو اٹھا کر پھرتے رہنے کی وجہ سے پچھتانے والوں میں سے ہو گیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ایک الگ اور نیا

کلام ہے [اور ''نٰدِمِیْنَ'' پر وقف ہے اور اس کا تعلق ''نٰدِمِیْنَ'' سے نہیں بلکہ یہ ''كَتَبْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا اگرچہ تمام بنی آدم اس حکم میں شریک ہیں لیکن بنی اسرائیل کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ تورات شریف پہلی کتاب تھی جس میں احکام بیان کیے گئے ﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ﴾ بے شک جس شخص نے کسی جان کو قتل کر ڈالا بغیر قتل کرنے کسی جان کے [اور اس میں ضمیر شان کی ہے اور ''مَنْ'' شرطیہ ہے] ﴿اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ﴾ [اس کا ''نَفْسٍ'' پر عطف ہے] یعنی زمین میں فساد پھیلائے بغیر اور اس سے مراد شرک ہے یا ڈاکہ زنی کرنا مراد ہے یا ہر وہ فساد مراد ہے جو قتل کو واجب کر دے ﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا یعنی گناہ کے اعتبار سے کیونکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ بے شک کسی جان کو قتل کرنے والے کی سزا دوزخ ہے (دوسرا یہ کہ) اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ولعنت ہے (تیسرا یہ کہ) اس کو بہت بڑا عذاب ہوگا' لہٰذا اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کر بھی دیتا تو اس سے زیادہ عذاب نہ ہوتا ﴿وَمَنْ اَحْیَاهَا﴾ اور جس شخص نے اس کو زندہ رکھا یعنی اس کو ہلاکت کے بعض اسباب جیسے قتل کرنا' ڈبونا' جلانا اور دیوار کے نیچے سے اور ان کے علاوہ دیگر اسباب ہلاکت سے بچا لیا ﴿فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخش دی اور ایک جان کے قتل کو ڈرانے دھمکانے' خوف خدا دلانے (اور قتل جیسے گناہوں نے گناہ سے بچانے) کے لیے تمام لوگوں کا قتل قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح ہلاکت وموت سے ایک جان کے بچانے کو رغبت دلانے کے لیے تمام لوگوں کو زندگی بخشنا قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب کسی جان کے قتل کے درپے ہونے والا یہ تصور کرے گا کہ اس ایک جان کا قتل تمام لوگوں کا قتل ہے تو اس پر اس کا قتل دشوار ہو جائے گا اور وہ اس کو بہت بڑا گناہ خیال کرے گا اور اس کے قتل سے باز آ جائے گا اور اسی طرح کسی کی زندگی بچانے کا ارادہ کرنے والا جب یہ تصور کرے گا کہ اس کو بچانا تمام لوگوں کو زندگی بخشنا ہے تو وہ اس کے بچانے میں پوری رغبت کے ساتھ دلچسپی لے گا ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ اور بے شک ان کے پاس یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول تشریف لائے [قاری ابوعمرو نے ''رُسْلُنَا'' (سین کو ساکن کر کے) پڑھا ہے] ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح اور روشن ترین دلائل کے ساتھ ﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ پھر بے شک ان میں سے اکثر لوگ اس کے بعد کہ ہم نے ایک جان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک جان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کی زندگی بچانا ان پر لکھ دیا ہے یا واضح اور روشن ترین دلائل کے ساتھ رسولوں کی تشریف آوری کے بعد ﴿فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ وہ قتل کے معاملے میں زمین پر حد سے بڑھنے والے ہیں' انہیں قتل کے بہت بڑے گناہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ
فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ
اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ہر ایک کو چن چن کر قتل کر دیا جائے یا ان کو سولی دیا جائے یا ان کی ایک جانب کے ہاتھ اور دوسری جانب کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا اس سرزمین سے نکال دیا جائے' یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہےO مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پالو' سو جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤO

۳۳- ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک سے جنگ کرتے ہیں یعنی جو لوگ اولیاء اللہ سے جنگ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے کسی ولی کی توہین کی تو بلا شبہ اس نے مجھے جنگ کے لیے للکارا[1] ﴿ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ﴾ اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں [اور ''فَسَادًا''، ''مُفْسِدِیْنَ'' کے معنی میں (''یَسْعَوْنَ'' کا حال واقع ہو رہا) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''یَسْعَوْنَ'' کا مفعول لہ ہو] یعنی وہ لوگ زمین میں فساد کے لیے کوشاں رہتے ہیں [اور ''جَزٰٓءُ'' الخ کی خبر ﴿ اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا ﴾ ہے اور اس کے دیگر معطوفات ہیں] اور اس کی تشدید سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا (اور کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حقِ شرع ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے صرف قتل کیا ہے تو انہیں بھی صرف قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دیا جائے گا ﴿ اَوْ یُصَلَّبُوْٓا ﴾ یا انہیں سولی دیا جائے گا یعنی اگر انہوں نے قتل بھی کیے ہوں اور مال و دولت بھی لوٹی ہو دونوں کام کیے ہوں تو ان کو سولی بھی دیا جائے گا اور اس کے ساتھ قتل بھی کیا جائے گا ﴿ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ ﴾ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹ دیا جائے گا اگر انہوں نے صرف مال و دولت لوٹی ہو (اور کسی کو قتل نہ کیا ہو) ﴿ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا [اور یہ ''اَیْدِیْهِمْ'' اور ''اَرْجُلُهُمْ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ان کے ہاتھ پاؤں مختلف اطراف سے کاٹے جائیں ﴿ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ یا ان کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر کے وہاں قید کر دیا جائے گا' یہ اس وقت ہوگا جب انہوں نے صرف ڈرایا دھمکایا ہو اس سے زیادہ کچھ نہ کیا ہو (نہ مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو) ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ مذکورہ بالا مختلف سزائیں ﴿ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا ﴾ ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے ﴿ وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾ اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔

۳٤- ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ﴾ مگر جنہوں نے سچی توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاتے تو ان سے یہ حدود (سزائیں) ختم ہو جائیں گی البتہ حقوق العباد (بندوں کے حقوق) معاف نہیں ہوں گے ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ سو تم یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

## وسیلہ کا ثبوت' کفر کا وبال اور چوری کا حکم

۳۵- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تکلیف نہ دو ﴿ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو (یاد رہے کہ) وسیلہ ہر اس

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الفتن' باب ١٦

چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے یعنی اطاعت وعبادت یا احسان ونیکی یا اس کے علاوہ جس چیز کے ذریعے قرب حاصل کیا جائے' پھر یہ ان اعمال کے لیے مستعار لیا گیا ہے جن کے سبب اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کی جائے جیسے نیک اعمال اختیار کرنا اور بُرے اعمال ترک کرنا[1] ﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اور تم اس کی راہ میں جہاد کروتا کہ تم فلاح ونجات پالو۔

---

[1] یادرہے کہ ایمان' اعمال صالحہ' فرائض کی ادائیگی' اتباع سنت اور محرّمات ومکروہات سے بچنا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں لیکن انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین بھی وسیلہ میں شامل وداخل ہیں' چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی نے ''القول الجمیل'' میں اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد لی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ ہم نے اپنے جد امجد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کے ایک مرید سے سنا کہ ہمارے جد امجد نے واسطے مشروعیت بیعت کے اس آیت (مذکورہ بالا) سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلے سے ایمان مراد لیجئے اس واسطے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہے' پس متعین ہوگیا کہ وسیلے سے مراد ارادت اور بیعت مرشد ہے۔
(ماخوذ از شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ٣٢۔٣٣)

شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک اس کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں' پس حقیقی نجات کے لیے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرح جاری ہے اس واسطے کہ راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کم یاب ہیں۔

چند سطور بعد لکھتے ہیں:

اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ دنیا سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔

(صراط مستقیم ص ١٠١۔١٠٢' مطبوعہ اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ صحیح ترین تفسیر یہ ہے کہ تقویٰ سے فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے پرہیز مراد ہے اور طلب وسیلہ سے عموم کے طور پر ہر وہ چیز مراد ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاسکے' چنانچہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے محبت کرنا' صدقات وخیرات کرنا' اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی زیارت کرنا' کثرت سے دعا کرنا' صلہ رحمی کرنا اور کثرت سے ذکر الٰہی وغیرہ کرنا یہ سب چیزیں وسیلہ میں داخل ہیں' اب معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردے اسے لازمی طور پر اپنا لو اور جو چیز تمہیں اللہ تعالیٰ سے دور کردے اسے چھوڑ دو' جب تم نے یہ جان لیا'' فَمِنَ الضَّلَالِ الْبَيِّنِ وَالْخُسْرَانِ الظَّاهِرِ تَكْفِيْرُ الْمُسْلِمِيْنَ بِزِيَارَةِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ زَاعِمِيْنَ اَنَّ زِيَارَتَهُمْ مِنْ عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ كَلَّا بَلْ هِيَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَحَبَّةِ فِي اللّٰهِ الَّتِيْ قَالَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا مَحَبَّةَ لَهٗ وَالْوَسِيْلَةِ لَهُ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهَا وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. تو اولیاء اللہ کی زیارت کرنے والے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانا کھلم کھلا گمراہی اور واضح طور پر ہلاکت وبربادی ہے محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی زیارت غیر اللہ کی عبادت ہے' ایسا ہرگز نہیں بلکہ ان کی زیارت اللہ تعالیٰ کی محبت میں سے ہے جس کے بارے میں رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں وہ ایمان دار نہیں''' نیز ان کی زیارت اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کی بارگاہِ اقدس میں رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو''۔ (تفسیر صاوی حاشیہ علی تفسیر الجلالین الجزء الاول ص ٢٦٥ مطبوعہ مصر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا
بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ
أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾
وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ
يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾

بے شک جنھوں نے کفر کیا اگر ان کی ملکیت میں تمام روئے زمین کی چیزیں آ جائیں اور اس کے برابر اور بھی ہوتا کہ وہ لوگ قیامت کے دن عذاب سے نجات پانے کے لیے ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں تو ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O وہ دوزخ کی آگ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے' اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے O اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو' یہ ان کے کیے کا بدلا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے' اور اللہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O پھر جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے O

٣٦- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کا سامان ہو یعنی تمام اقسام کا مال ہو ﴿ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ﴾ اور اس کے برابر ان کو اور مال بھی مل جائے اور وہ لوگ ان تمام اموال کو خرچ کر دیں ﴿ لِيَفْتَدُوا بِهِ ﴾ تا کہ وہ لوگ ان تمام اموال کو اپنی جانیں چھڑانے کے فدیہ (معاوضہ) میں ادا کر دیں [اور حرف ''لَوْ''' ''مَا'' کے ساتھ مل کر ''اَنَّ'' کی خبر ہے اور ''لِيَفْتَدُوا بِهِ'' میں واحد ضمیر لوٹائی گئی ہے حالانکہ مرجع میں دو چیزوں کا ذکر ہے کیونکہ اس ضمیر کو اسم اشارہ کے قائم مقام کیا گیا ہے] گویا کہا گیا ہے: ''لِيَفْتَدُوا بِذٰلِكَ'' تا کہ وہ ان کے ساتھ فدیہ ادا کریں ﴿ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ روزِ قیامت کے عذاب سے (نجات پانے کے لیے زمین بھر تمام اقسام کے اموال فدیہ میں دے دیں تو) وہ تمام ان کی نجات پانے کی راہ نہیں۔

٣٧- ﴿ يُرِيدُونَ ﴾ وہ کفار چاہیں گے یا آرزو کریں گے ﴿ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴾ یہ کہ وہ دوزخ کی آگ سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

٣٨ - ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ ﴾ [یہ دونوں کلمے مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہیں اور ان کی خبر محذوف ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَفِيمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ'' اور تم پر جو احکام تلاوت کیے جاتے ہیں ان میں ایک حکم یہ ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت (کے ہاتھ کاٹ دو) [یا پھر ﴿ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا ﴾ خبر ہے] یعنی تم ان کے ہاتھ کاٹ دو اور دونوں کے دائیں ہاتھ مراد ہیں' اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت

ہے [اور خبر پر "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مبتدا شرط کے معنی پر مشتمل ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے تم ان دونوں کے (دائیں) ہاتھ کاٹ دو [اور اسم موصول شرط کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے] اور یہاں چوری کے ذکر میں مرد سے آغاز کیا گیا ہے کیونکہ چوری بڑی جرأت و بہادری سے ہوتی ہے اور جرأت و بہادری مرد میں زیادہ ہوتی ہے اور زنا کے ذکر میں زانیہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے زانی کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کیونکہ زنا شہوت سے پیدا ہوتا ہے اور شہوت عورت میں زیادہ ہوتی ہے اور چوری میں ہاتھ اس لیے کاٹا جاتا ہے کہ یہ چوری کا آلہ ہے اور زنا میں زنا کے آلہ کو نسل کی بقا کی خاطر نہیں کاٹا جاتا ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ ہاتھ کاٹنا) اس جرم کی سزا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا [اور "جزآء" مفعول لہ ہے] ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے (اور لوگوں کے لیے عبرت ہے) ["نکالا" "جزآء" سے بدل ہے] ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے' اس کے حکم میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ﴿حَكِیْمٌ﴾ بڑی حکمت والا ہے' اس نے چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم حکمت و مصلحت کے مطابق دیا ہے۔

۳۹۔ ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ﴾ سو چوری کرنے والوں میں سے جس نے ظلم کرنے یعنی چوری کرنے کے بعد سچی توبہ کر لی ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور چوری کیا ہوا سامان واپس کر کے اپنی اصلاح کر لی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اس لیے وہ اس کے گناہ بخش دے گا اور بہت رحم فرمانے والا ہے' اس لیے وہ اس پر رحم فرمائے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾

کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○

۴۰۔ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ کو معلوم نہیں یا یہ کہ اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے یعنی جو کفر پر مرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا ﴿وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کی بخشش فرما دیتا ہے یعنی جو شخص کفر سے توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر اور مغفرت و بخشش کرنے پر نیز ان کے علاوہ بھی ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں اس آیت میں عذاب کو مغفرت سے پہلے ذکر فرمایا ہے کیونکہ توبہ سے پہلے چوری کا ذکر کیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ

مع

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں جو کفر میں جلد بازی کرتے ہیں' ان میں سے بعض نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ ان کے دل مؤمن نہیں ہیں' اور کچھ یہودی ہیں' جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں دوسرے لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں پہنچے' وہ اللہ کے کلام کو اس کی اصل جگہوں سے بدل دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو لے لو اور اگر نہ دیا جائے تو اس سے بچو' اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کے مقابلہ میں اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا' اور دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے' اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

## منافقین اور یہود کی مذمت

٤١- ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ اے رسول! آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہو جائیں جو کفر کی طرف دوڑے جا رہے ہیں یعنی آپ رنجیدہ نہ ہوں اور منافقین کے کفر میں عجلت کرنے پر آپ ان کی پرواہ نہ کریں یعنی کفر کے اظہار کرنے میں کیونکہ اسلام کے خلاف سازشیں تیار کرنے اور مشرکوں سے دوستی کرنے کی وجہ سے ان سے کفر کا اظہار ہو جاتا تھا اس لیے کہ میں ان کے مقابلے میں آپ کی مدد کروں گا اور ان کی شرارتوں سے بچانے کے لیے میں آپ کے لیے کافی ہوں' کہا جاتا ہے: ''اَسْرَعَ فِيْهِ الشَّيْبُ'' یعنی فلاں شخص میں بڑھاپا جلدی سرایت کر گیا ہے' پس اسی طرح منافقین کا کفر میں جلد بازی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کفر بہت جلد سرایت کر گیا ہے کیونکہ وہ جب بھی کوئی موقع پاتے تو کفر سے نہ چوکتے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ [یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ'' کا بیان ہے] ﴿اٰمَنَّا﴾ [یہ ''قَالُوْا'' کا مفعول ہے] ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ [یہ ''قَالُوْا'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی جنہوں نے صرف زبان سے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ﴿وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل ایمان نہیں لائے [اور یہ حال کی بنا پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ [یہ ''مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا'' پر معطوف ہے] یعنی منافقین اور یہود میں سے کچھ لوگ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ جھوٹ بہت زیادہ سنتے ہیں [اور یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے دراصل ''هُمْ سَمَّاعُوْنَ'' ہے اور یہ ضمیر دونوں فریقوں (منافقین و یہود) کی طرف لوٹتی ہے یا پھر ''سَمَّاعُوْنَ لِلْكَذِبِ'' مبتدا ہے اور ''مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا'' خبر ہے اور اس صورت میں ''قُلُوْبُهُمْ'' پر وقف کیا جائے گا اور پہلی صورت میں ''هَادُوْا'' پر وقف ہوگا] ''سَمَّاعُوْنَ'' ''لِلْكَذِبِ'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی باتیں بہت غور سے سنتے ہیں تاکہ آپ پر اس طرح جھوٹے

الزام لگائیں کہ آپ سے سنے ہوئے کلام کو گھٹا بڑھا کر اور تغیر و تبدل کر کے اس کو مسخ کر دیں (پھر لوگوں سے کہتے پھریں: یہ سب کچھ آپ نے کہا ہے) ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ﴾ یعنی یہ لوگ یہود کی دوسری قوم کے لیے جو آپ کے پاس حاضر نہیں ہوئی آپ کی باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ آپ سے جو کچھ انہوں نے سنا وہ ان تک پہنچا دیں ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾ یہ لوگ کلمات الٰہیہ کو ان کی اپنی جگہوں سے تبدیل کر دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کلمات کو جن مقامات میں مقرر فرمایا ہے ان کو یہ لوگ تبدیل کر دیتے ہیں اور انہیں اصلی مقامات سے پھیر دیتے ہیں اور کبھی مقرر مقام میں سیٹ ہونے کے بعد ان کلمات کو بغیر کسی مناسب مقام میں سیٹ کیے مہمل چھوڑ دیتے ہیں' [اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لَمْ يَاْتُوْكَ'' کی طرح ''يُحَرِّفُوْنَ'' بھی قوم کی صفت ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی دراصل ''هُمْ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ'' تھا ''مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ'' کی ضمیر ''اَلْكَلِمَ'' کی طرف لوٹتی ہے (چونکہ ''اَلْكَلِمَ'' جمع نہیں اسم جنس ہے اس لیے ''مَوَاضِعِهٖ'' میں واحد کی ضمیر راجع کی گئی ہے)] ﴿ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ ﴾ وہ (اپنی قوم سے) کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ تحریف شدہ اور اپنی جگہ سے تبدیل کردہ بناوٹی کلام دیا جائے تو اسے لے لو اور یقین رکھو کہ یہی حق ہے اور اس پر عمل کرو' [اور ''يَقُوْلُوْنَ'' بھی ''يُحَرِّفُوْنَ'' کی طرح ''لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ'' کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''يُحَرِّفُوْنَ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہو] ﴿ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ ﴾ اور اگر تمہیں وہ کلام نہ دیا جائے اور (سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت) محمد (مصطفےٰ ﷺ) اس (تحریف شدہ کلام) کے خلاف تمہیں فتویٰ دے دیں ﴿ فَاحْذَرُوْا ﴾ تو اس سے بچو اور (سمجھو کہ) یہ باطل ہے۔ مروی ہے کہ ایک اونچے خاندان کے مرد نے اونچے خاندان کی عورت سے زنا کر لیا اور یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا اور یہ دونوں مرد و زن شادی شدہ تھے اور تورات شریف میں ان کی سزا سنگسار کرنا لکھی تھی مگر وہاں کے باشندوں نے ان کو سنگسار کرنا ناپسند کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے اپنی طرف سے ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ یہ وفد رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حکم دریافت کرے اور انہوں نے اپنے وفد سے کہا کہ اگر رسول اکرم تمہیں کوڑے مارنے اور منہ سیاہ کرنے کا حکم دیں تو تم قبول کر لینا اور اگر سنگسار کرنے کا حکم دیں تو اسے قبول نہ کرنا (پھر جب حضور سے حکم دریافت کیا گیا) تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کو لینے سے انکار کر دیا ﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کی گمراہی چاہتا ہے اور یہ آیت مبارکہ ان لوگوں پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کو چاہتا ہے اور کفر کو نہیں چاہتا ﴿ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ﴾ تو آپ کو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ اختیار نہیں (حضور سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ کو ان کے ایمان لانے کی جو امید تھی وہ اس آیت سے ختم کر دی گئی ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ﴾ یہی وہ بد بخت لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے پاک کرنا نہیں چاہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ انہوں نے کفر کو پسند کر لیا ہے اور آیت کا یہ حصہ بھی ان پر حجت ہے ﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ﴾ منافقوں کے لیے دنیا کی رسوائی اور یہودیوں کے لیے ذلت ہے ﴿ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے یعنی دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع

جھوٹی باتیں بہت زیادہ سننے والے ہیں بہت زیادہ حرام خور ہیں' پھر اگر یہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں یا ان سے روگردانی فرمالیں' اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں گے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایئے' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے' پھر وہ لوگ اس کے باوجود منہ پھیر لیتے ہیں' اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O

٤٢- ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ﴾ وہ جھوٹ کو بہت زیادہ سنتے ہیں [اس کو تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے' دراصل ''هُمْ سَمَّاعُوْنَ'' ہے] اور اسی طرح ﴿ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ ہے' وہ بہت بڑے حرام خور ہیں اور ہر وہ چیز جس کا کمانا حلال نہ ہو ''سحت'' ہے اور یہ ''سحته'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سمیت اکھیڑ دینا کیونکہ حرام بھی برکت سے خالی ہوتا ہے (گویا برکت کو حرام سے جڑ سمیت اکھیڑ دیا گیا ہے) اور حدیث میں اس سے مراد فیصلہ جات میں رشوت لینا ہے[1] اور یہود بھی مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت اور حرام کو حلال ثابت کرتے وقت رشوت لیتے تھے [اور قاری ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور علی کسائی نے سین کے ساتھ ''حا'' کو مضموم (اَلسُّحُتِ) پڑھا ہے] ﴿ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ پھر اگر یہود آپ کے پاس کوئی مقدمہ وغیرہ لے کر حاضر ہوں تو چاہیں آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے روگردانی فرمالیں (وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) بعض مفسرین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جب اہل کتاب آپ کے پاس کوئی مقدمہ وغیرہ لے کر آئیں آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ نہ فرمائیں اور بعض نے کہا کہ (مندرجہ ذیل) ارشاد سے یہ اختیار منسوخ ہو گیا ہے: ''وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' (المائدہ:٤٩) اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ﴿ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ﴾ اور اگر آپ ان سے روگردانی فرمالیں تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور نہ وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا ﴿ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

٤٣- ﴿ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ﴾ اور وہ آپ سے فیصلہ کیوں کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' ان پر تعجب کا اظہار ہے کہ وہ آپ سے فیصلہ کرانے کیوں آتے ہیں حالانکہ وہ نہ آپ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آپ کی کتاب پر اس کے باوجود کہ ان کی اپنی کتاب تورات میں واضح طور پر حکم موجود ہے جس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں [اور ''التوراة'' مبتدا ہے اور ''عِنْدَهُمْ'' اس کی خبر ہے اور ''فِيْهَا حُكْمُ

[1] ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ج ٣ ص ٨١

اللّٰہِ'' ''اَلتَّوْرٰاۃُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے ]﴿ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾[ یہ ''یُحَكِّمُوْنَكَ'' پر معطوف ہے ]یعنی پھر وہ آپ سے فیصلہ کرانے کے بعد آپ کے فیصلے سے پھر جاتے ہیں حالانکہ آپ کا فیصلہ ان کی اپنی کتاب تورات کے موافق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس پر راضی نہیں ہیں ﴿ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور وہ آپ پر ایمان لانے والے نہیں یا وہ اپنی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے جیسا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ
اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ
كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ
وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں سراسر ہدایت اور نور ہے' اللہ کے فرماں بردار پیغمبر اسی کے مطابق یہود کے فیصلے کرتے اور اللہ والے اور علماء' اس لیے کہ ان سے کتابِ الٰہی کی حفاظت کے لیے عہد لیا گیا اور وہ اس پر گواہ تھے' سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرتے رہو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو' اور اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کے مطابق جو لوگ فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں O

## تورات کی اہمیت اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ

۴۴-﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى ﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی ہے جس میں سراسر ہدایت ہے' یہ کتاب حق کا راستہ دکھاتی ہے ﴿ وَّ نُوْرٌ ﴾ اور اس میں نور ہے جو ان پر احکام کے وہ امور ظاہر کرتا ہے جو ان سے پوشیدہ ہوتے ہیں ﴿ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ انبیائے کرام اس کے موافق فیصلہ کرتے رہے جو تورات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہے اور یہ صفت ہے جو انبیائے کرام کے لیے بطور مدح بیان کی گئی ہے اور اس کو بیان کرنے کا مقصد یہودیوں پر طعن کرنا ہے کیونکہ یہ لوگ ملت اسلام سے بہت دور ہیں حالانکہ یہی تمام انبیائے کرام کا دین ہے ﴿ لِلَّذِیْنَ هَادُوْا ﴾ یہودیوں کے لیے جنہوں نے کفر سے توبہ کر لی تھی [اور لام ''یَحْكُمُ'' کے ساتھ متعلق ہے ] ﴿ وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ ﴾ [دونوں ''اَلنَّبِیُّوْنَ'' پر معطوف ہیں ]یعنی مشائخ وعلماء ( بھی تورات کے مطابق فیصلہ کرتے رہے )﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اس سبب سے کہ ان سے کتاب الٰہی کی حفاظت طلب کی گئی اور کتاب الٰہی (یعنی تورات ) ان کے پاس بطور امانت رکھی گئی [ بعض مفسرین نے فرمایا: ''بِمَا اسْتُحْفِظُوْا'' بدل ہے ''یَحْكُمُ بِهَا'' میں ''بِهَا'' سے اور اس میں ''هُمْ'' ضمیر انبیاء' ربانیین اور احبار سب کی طرف لوٹتی ہے ] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی طلب یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب کی حفاظت کا مکلف بنا دیا [ یا اس کی ضمیر صرف ''ربانیون'' اور ''احبار'' کی طرف لوٹتی ہے ] اور انبیائے کرام نے ان سے کتاب کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا [ اور ''مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے ] ﴿ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ﴾

اور وہ اس پر گواہ تھے اور اس کی پوری طرح نگرانی کرتے تا کہ اس کو تبدیل نہ کیا جا سکے ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ سوتم لوگوں سے نہ ڈرو اور اس میں حکام کو فیصلہ جات میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگوں سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے سے منع کیا گیا ہے اور کسی ظالم بادشاہ کے خوف سے یا کسی کے اذیت دینے کے ڈر سے عدل وانصاف کے احکام کے برخلاف مقدمات کے فیصلے جاری کرنے سے منع کیا گیا ہے ﴿وَاخْشَوْنِ﴾ اور میرے حکم کی خلاف ورزی میں صرف مجھ ہی سے ڈرو [ اور وقف اور وصل دونوں حالتوں میں سہل کی قراءت میں ''یـا'' کے ساتھ ''وَاخْشَـوْنِـیْ'' ہے اور وصل کی حالت میں قاری ابوعمرو بصری نے قاری سہل کی موافقت کی ہے ] ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ﴾ اور تم میری آیتوں کو فروخت نہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے احکام کو تبدیل نہ کرو ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ تھوڑی سی قیمت وصول کر کے' اور اس سے لوگوں کی خوشنودی' مال و جاہ اور رشوت کے طمع میں احکام الٰہی کی تبدیلی کی ممانعت مراد ہے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو خفیف و ہلکا سمجھ کر (یا ان کا انکار کر کے ) ان کے مطابق فیصلے نہیں کرتے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سو وہی لوگ کافر ہیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص احکام الٰہی کا انکار کر کے ان کے موافق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر انکار تو نہیں کرتا مگر قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ شخص فاسق و فاجر اور ظالم ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ برائی یہود وغیرہ میں عام ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٤٥

اور ہم نے تورات میں ان پر فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان' اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت' اور زخموں میں بدلا ہے' پھر جو شخص خوشی سے معاف کر دے تو وہ اس (کے گزشتہ گناہوں ) کا کفارہ ہے' اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہیں O

٤٥- ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ﴾ اور ہم نے یہود پر تورات میں فرض کر دیا کہ ﴿اَنَّ النَّفْسَ﴾ بے شک (قاتل) جان ماخوذ و گرفتار ہوگی ﴿بِالنَّفْسِ﴾ مقتول جان کے بدلے میں جب کہ اس نے اسے ناحق قتل کر دیا ہو ﴿وَالْعَيْنَ﴾ اور آنکھ پھوڑ دی جائے گی ﴿بِالْعَيْنِ﴾ آنکھ کے بدلے میں ﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ اور ناک کے بدلے ناک کاٹ دی جائے گی ﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ اور کان کے بدلے میں کان کاٹ دیا جائے گا ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ اور دانت کے بدلے میں دانت نکالا جائے گا ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ اور زخموں میں بدلا ہے یعنی زخم بھی صاحب قصاص ہیں (جن میں مساوات لازم ہے ) اور اس کا معنی ہے: جن زخموں میں قصاص ممکن ہے (ان میں مساوی بدلا لازمی ہے ) ورنہ عادل و منصف حاکم کا فیصلہ کافی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ عورت کے بدلے میں مرد کو قتل نہیں کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ'' اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی (غیر مسلم شہری)

کے بدلے میں مسلمان کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا [قاری نافع مدنی' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں تمام معطوفات منصوب ہیں کیونکہ ان کو ''اَنَّ'' کے معمول (یعنی ''اَنَّ'' کے اسم) پر معطوف کیا گیا ہے جب کہ قاری علی کسائی کی قراءت میں ان کو ''اَنَّ'' کے محل پر معطوف کر کے مرفوع پڑھا گیا ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان ہے اور اس میں ''کَتَبْنَا'' کو ''قُلْنَا'' کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور باقی تمام قراء نے سب معطوفات کو منصوب پڑھا ہے اور انہوں نے ''اَلْجُرُوْح'' کو مرفوع پڑھا ہے اور ''اَلْاُذْن'' میں ذال کو ساکن پڑھا گیا ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں اسی طرح ہے اور باقی قراء نے ذال کو بھی مضموم پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جس طرح ''اَلسُّحْت'' (''حا'' ساکن کے ساتھ) اور ''اَلسُّحُت'' (''حا'' مرفوع کے ساتھ) ہے] ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ﴾ سو اصحابِ حق میں سے جو صاحبِ حق قصاص کا صدقہ کر دے کہ قصاص نہ لے اور مجرم کو معاف کر دے ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ تو یہ صدقہ معاف کرنے والے کے لیے اس کے احسان کرنے کی وجہ سے کفارہ ہو جائے گا' حضور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے خون وغیرہ معاف کر دیا تو یہ معاف کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا کہ گویا اس کی ماں نے اسے آج جنم دیا ہے۔[1] ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ اس سے رک کر ظالم ہو گئے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ ؕ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے ان نبیوں کے بعد ان کے نشانِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو اس سے پہلے تھی' اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے' اور وہ تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھی اور پرہیزگاروں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی O اور انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے' اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ لوگ نافرمان ہیں O

٤٦- ﴿وَقَفَّيْنَا﴾ اور ہم نے پیچھے بھیجا ''قَفَّيْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ'' کا معنی ہے کہ میں نے فلاں چیز کو فلاں چیز کے نشانِ قدم پر لگا دیا گویا اس کے پیچھے بھیج دیا گیا کیونکہ ''قَفَاهُ يَقْفُوْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو کسی کے پیچھے بھیج دیا جائے ﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار نبیوں کے قدم ہائے مبارکہ کے نشانات پر ﴿بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ عیسیٰ بن مریم کو جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

[1] ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ج ٣ ص ٩٢

(یعنی ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر بھیجا جو تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو اس سے پہلے تھی)[ ''مُصَدِّقًا'' ''عِیْسٰی'' سے حال واقع ہو رہا ہے ]﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تورات کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھی[ یعنی دراصل '' وَاٰتَیْنٰاهُ الْاِنْجِیْلَ ثَابِتًا فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا'' ہے اور ''مُصَدِّقًا'' کو ''ثَابِتًا'' پر معطوف کر کے منصوب کیا گیا ہے اور ''فِیْهِ'' ''ثَابِتًا'' کے متعلق ہے اور اس کو حذف کر کے ''فِیْهِ'' کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے اور '' هُدًى وَّنُوْرٌ '' اس ''ثَابِتًا'' کے ساتھ مرفوع ہیں جس کا قائم مقام ''فِیْهِ'' ہے ]﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً﴾ اور (وہ پرہیز گاروں کے لیے ) ہدایت ہے اور نصیحت ہے [ اور یہ دونوں کلمے حال کی بنا پر منصوب ہیں یعنی '' هَادِیًا وَّوَاعِظًا'' کے معنی میں ہے ]﴿لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیز گاروں کے لیے کیونکہ وہی لوگ ہدایت ونصیحت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

٤٧-﴿وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ﴾ اور انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ ان احکام کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل کیے ہیں اور ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس کتاب کے اوامر کے موافق فیصلہ کیا کرو[ سو ''وَلْیَحْكُمْ'' میں لام امر کا ہے اور اصل میں یہ مکسور ہوتا ہے اور اس لام کو ساکن اس لیے کیا گیا ہے کہ فتحہ اور کسرہ اس کے مقابلے میں ثقیل اور بھاری ہوتے ہیں اور فتحہ اگرچہ اخف الحرکات ہے لیکن سکوت کے مقابلے میں ثقیل ہوتا ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَلِیَحْكُمَ'' لام مکسور اور میم مفتوح کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے نزدیک لام امر کا نہیں بلکہ ''لامِ کَیْ'' ہے ] یعنی اور ہم نے بھیجا ہے تا کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کو دی گئی تعلیمات کے موافق فیصلے کریں ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور جو لوگ ان احکام کے موافق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے تو وہ لوگ فاسق و نافرمان ہیں اور اطاعت وفرماں برداری سے خارج ہیں۔ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ تینوں آیات کو کفر پر محمول کیا جائے' سو اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والا کافر وظالم اور فاسق ہوتا ہے کیونکہ مطلق فاسق اور مطلق ظالم ہی کافر ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ کفر کرتا ہے اور وہ اپنے فیصلے میں ظلم کرتا ہے اور وہ اپنے فعل میں فسق ونافرمانی کرتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اے محبوب! ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے سو آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے

اس سے روگردانی کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل مقرر فرما دی ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اللہ نے جو کچھ عنایت کیا ہے اس میں تمہیں آزماتا ہے تو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو' تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم جھگڑتے تھے O

## حضور کو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کی تاکید

٤٨- ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا ہے [سو ''الْكِتَابَ'' میں لام تعریف عہدِ خارجی کے لیے ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے سبب اور اس کو ثابت کرنے کے سبب اور غلطی سے پاک سیدھی راہ واضح کرنے کی وجہ سے ﴿مُصَدِّقًا﴾ یہ تصدیق کرنے والی ہے [اور یہ ''الْكِتَابَ'' سے حال ہے] ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور بے شک کسی چیز کے ماقبل اور آگے کو ''بَيْنَ يَدَيْهِ'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کے بعد اور پیچھے کو ''ورآء'' اور ''خلف'' کہا جاتا ہے' لہٰذا جو کسی چیز سے مقدم اور پہلے ہوگی اسے ''قُدَامُهٗ'' اور ''بَيْنَ يَدَيْهِ'' کہا جائے گا ﴿مِنَ الْكِتٰبِ﴾ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف نازل کردہ کتب کی جنس مراد ہے کیونکہ قرآن مجید یقیناً تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہے' لہٰذا اس میں حرف تعریف جنس کے لیے ہے اور دیگر آسمانی کتب کی تصدیق کا معنی یہ ہے کہ توحید اور عبادت وغیرہ کے متعلق قرآن مجید کی تعلیمات اس سے پہلی آسمانی کتب کی تعلیمات کے موافق ہیں (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ'' (الانبیاء:٢٥) ''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم صرف میری عبادت کرو'' ﴿وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ اور یہ قرآن مجید ان کتابوں کا گواہ ہے کیونکہ یہ ان کی صحت وصدق اور اثبات کی گواہی دیتا ہے ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ سو آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیجئے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اور جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اس آیت مبارکہ میں آپ کو محض اہل کتاب کی باتوں پر اعتماد کر کے ان کے تحریف کردہ اور تبدیل کردہ احکام کے ساتھ فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے [اور ''وَلَا تَتَّبِعْ'' انحراف واعراض کے معنی پر مشتمل ہے اس لیے اس کو ''عَنْ'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] تو گویا کہا گیا کہ آپ اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی میں حق سے کسی صورت میں انحراف وروگردانی نہ کیجئے یا تقدیر عبارت ''عَادِلًا عَمَّا جَآءَكَ'' ہے یعنی آپ کے پاس جو حق آ چکا ہے اس سے کبھی انحراف وروگردانی نہ کیجئے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ یعنی اے لوگو! ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک واضح راستہ مقرر کر دیا ہے اور جن لوگوں نے کہا: ہم سے پہلے کی شریعت ہم پر لازم نہیں' انہوں نے اسی آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا' پھر حضور سیّد عالم محمد کریم ﷺ پر قرآن مجید کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ صرف سن لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق فیصلہ کرنا بھی ضروری ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت مبارکہ میں فرمایا: ''يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ'' کہ پیغمبرانِ خدا اس (تورات) کے مطابق فیصلہ کرتے رہے اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: ''وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ'' کہ انجیل والے (عیسائی)

انجیل کے مطابق فیصلہ کیا کریں اور تیسری آیت مبارکہ میں فرمایا: ''فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کہ اے محبوب! آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کے مطابق فیصلہ کیا کریں ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو البتہ تمہیں ایک امت بنا دیتا یعنی تمہیں ایک ایسی جماعت بنا دیتا کہ تم سب ایک ہی شریعت پر متفق ہوتے ﴿وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں آزمائے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو امتحان لینے والا ممتحن امتحان دینے والے کے ساتھ کرتا ہے ﴿فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مختلف شریعتیں عنایت فرمائی ہیں ان میں تمہیں آزمائے تاکہ ہر امت اپنی اس شریعت کے مطابق عبادت ادا کرے جس کی حکمت الٰہی تقاضا کرتی ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ سو تم نیکیوں میں سبقت کرو اور ان کو ادا کرنے کے لیے جلدی کرو اور ان کے فوت ہونے سے پہلے ان کو پوری طرح ادا کرنے کے لیے ان کی طرف آگے بڑھتے جاؤ اور خیرات سے وہ تمام نیکیاں مراد ہیں جن کو ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ تم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے' دراصل یہ ایک مستقل الگ نیا جملہ ہے جس کو نیکیوں میں سبقت کرنے اور ان کو جلد ادا کرنے کے لیے علت و سبب بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے [اور ''جَمِيْعًا'' مجرور ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل مصدر محذوف ہے کیونکہ یہ ''اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ'' کے معنی میں ہے] (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'') ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ پس وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور وہ ایسی جزا کے بارے میں تمہیں خبر دے گا جس میں تمہیں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہے گا اور وہ ایسی جزا ہوگی جو حق و باطل میں امتیاز کر دے گی اور عمل میں محنت کرنے والے اور سستی کرنے والے میں فرق واضح کر دے گا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝٤٩ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٥٠ ع

اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو بعض احکام سے پھیر نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے' پھر اگر وہ لوگ پھر جائیں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے' اور بے شک بہت سے لوگ ضرور نافرمان ہیں O کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں' اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے O

٤٩- ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [اور ''اَنِ احْكُمْ''، ''بِالْحَقِّ'' پر معطوف ہے] یعنی ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَبِاَنِ احْكُمْ'' اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن کریم) حق کے اثبات کے لیے نازل کی ہے اور اس لیے کہ آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام کے موافق فیصلہ کریں ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ﴾ اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو کسی آزمائش میں نہ

ڈال دیں یعنی کہیں وہ آپ کو (حق کی راہ سے) پھیر دیں [اور ''اَنْ یَّفْتِنُوْكَ'' مفعول لہ ہے] یعنی اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو کسی آزمائش میں ڈال دیں گے اور چونکہ آپ ہر قسم کی برائی اور راہِ حق ترک کرنے سے مامون ومحفوظ اور معصوم عن الخطا رسول ہیں اس لیے آپ کو ان سے ہوشیار رہنے کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ کو اس قوم کے ایمان لانے کی جو طمع تھی وہ ختم ہو جائے ﴿عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ ان بعض احکام سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ لوگ ان احکام سے منہ پھیر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں اور وہ ان کے علاوہ کچھ اور چاہیں ﴿فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ﴾ تو آپ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں عذاب دینا چاہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ پھیرنے اور اس کے خلاف ارادہ رکھنے کے گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور ''بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ'' اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے اس کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کو بعض سے تعبیر کر کے مبہم بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حکم الٰہی سے منہ پھیرنا بہت بڑا جرم اور زبردست گناہ ہے' پھر جب یہ ایک گناہ ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بن گیا ہے تو ان کے تمام گناہوں کا کیا حال ہوگا ﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

۵۰- ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ﴾ تو کیا یہ لوگ جہالت کے فیصلے چاہتے ہیں [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تَبْغُوْنَ'' پڑھا گیا ہے] اور اس کے مخاطب قبیلہ بنو نضیر کے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو قبیلہ بنو قریظہ سے افضل واعلیٰ سمجھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ قتل میں مساوات وبرابری واجب ہے' سو بنو نضیر نے کہا کہ ہم اس پر راضی نہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت طاؤس سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بعض اولاد کو بعض سے افضل وبہتر قرار دیتا ہے تو آپ نے جواب میں یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی [اور ''اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ'' میں فعلِ ناصب (نصب وزبر دینے والا فعل) ''یَبْغُوْنَ'' ہے] ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ اور یقین رکھنے والی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے [اور ''وَمَنْ اَحْسَنُ'' سوالیہ مبتدا ہے اور یہ نفی کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں' ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے اور ''حُكْمًا''، ''اَحْسَنُ'' کی تمیز ہے اور ''لِقَوْمٍ'' میں لام بیانیہ ہے جیسے ''هَیْتَ لَكَ'' (یوسف:۲۳) میں لام بیانیہ ہے] کیونکہ یہی قوم بیان کرتی ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی انصاف کرنے والا ہے اور نہ اس کے حکم سے بہتر کسی کا حکم ہے [اور ابو علی نے کہا کہ ''لِقَوْمٍ'' کا معنی ''عِنْدَ قَوْمٍ'' ہے کیونکہ لام اور ''عِنْدَ'' قریب المعنی ہیں]۔

وقف لازم
وقف منزل
وقف غفران

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ؕ﴿۵۲﴾

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا' بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا○ سو آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ ان کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں: ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے' تو عنقریب اللہ کوئی فتح یا اپنی طرف سے کوئی حکم لے آئے گا' پھر انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہوا ہے اس پر پچھتائیں گے○

## یہود و نصاریٰ کی دوستی سے ممانعت' اہلِ ایمان کی پہچان اور مسلمانوں کی دوستی کے حق داروں کا ذکر

اور دشمنانِ دین کی دوستی سے منع کرنے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی ہے:

٥١- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ﴾ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ یعنی ان کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی مدد کرو اور وہ تمہاری مدد کریں اور ان سے برادرانہ تعلقات قائم کر لو اور ان سے ایسے معاملہ کرو جیسے مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں اس نہی و ممانعت کی علت اور وجہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن وہ سب کے سب مسلمانوں کے دشمن ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ سارا کفر ایک ملت ہے ﴿ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو اس کا شمار ان کی جماعت میں ہوگا اور اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ان کا حکم ہے (یعنی جہنمی ہونے کا حکم) اور دین کے مخالف سے اجتناب و پرہیز کے وجوب میں یہ سخت ترین وعید ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جنہوں نے کفار سے دوستی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کو اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت نہیں دیتا۔

٥٢- ﴿ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے یعنی جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ ﴾ وہ ان (یہود و نصاریٰ و دیگر کفار) کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں یعنی یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ان سے تعاون کرنے اور ان سے دوستی کرنے کے لیے ان کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں اور یہ جملہ حال ہے یا دوسرا مفعول ہے اس احتمال کی بنا پر کہ "فَتَرٰی" سے آنکھ سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا مراد ہو ﴿ یَقُوْلُوْنَ ﴾ یعنی وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا" ہے ﴿ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ﴾ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے یعنی گردشِ زمانہ کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش آ جائے اس حالت (نفاق) کی وجہ سے جس پر وہ قائم ہیں ﴿ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب فرمائے گا ﴿ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾ یا اپنی طرف سے کوئی حکم دے گا یعنی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو منافقوں کے بھید ظاہر کر دینے کا حکم ارشاد فرمائے گا ﴿ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ﴾ سو منافقین جنہوں نے اپنے دلوں میں نفاق چھپایا ہوا تھا اس پر نادم و پشیمان ہوں گے [اور "نَادِمِیْنَ"، "فَیُصْبِحُوْا" کی خبر ہے]۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿٥٣﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں: کیا یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ بلاشبہ وہ تمہارے ساتھ ہیں' ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے' پس وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے O اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے' وہ مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے' وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا' خوب جاننے والا ہے O

٥٣- ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ یعنی اہل ایمان اس وقت ایک دوسرے سے کہتے ہیں [ابو عمرو بصری کی قراءت میں "وَيَقُوْلَ" کو "اَنْ يَّاْتِيَ" پر عطف کر کے مفتوح (لام پر زبر یعنی "وَيَقُوْلَ") پڑھا گیا ہے' قاری ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں بغیر واؤ کے صرف "يَقُوْلُ" محض اس بنا پر ہے کہ کسی کہنے والے نے کہا: "فَمَا ذَا يَقُوْلُ الْمُؤْمِنُوْنَ حِيْنَئِذٍ" تو مسلمان اس وقت کیا کہتے ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا: "يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"] ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی انہوں نے تمہارے لیے پکی قسمیں کھائیں کہ بے شک وہ تمہارے دوست ہیں اور کفار کے مقابلے میں تمہاری مدد کریں گے [اور "جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ" میں "جَهْد" مصدر ہے اور تقدیراً حال ہے] یعنی وہ اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے لیے خوب کوشش کرتے ہیں ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے وہ تمام اعمال ضائع ہو گئے ہیں جو انہوں نے ریاء اور دکھاوے کے لیے سرانجام دیئے تھے' نہ ان کا ایمان معتبر ہے اور نہ ان کا عقیدہ درست ہے اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ان کے بارے میں گواہی ہے کہ ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں اور ان کے بدانجام پر اظہار تعجب ہے ﴿فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ سو وہ لوگ امداد الٰہی سے محروم ہو جانے کی وجہ سے دنیا میں اور دائمی عذاب کی وجہ سے آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

٥٤- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا یعنی تم میں سے جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جائے گا جس پر وہ پہلے تھا [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "يَرْتَدَّ" کی بجائے "يَرْتَدِدْ" ہے] ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اعمال کو پسند کرے گا اور ان اعمال پر ان کی تعریف کرے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیں گے اور اس آیت مبارکہ میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ایسی قوم کی خبر دی جو اس وقت موجود ہی نہ تھی' پھر بعد میں ہوئی تھی اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا اثبات ہے کیونکہ انہوں نے مرتدین سے جہاد کیا تھا اور تیسرا یہ کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کی صحت کی دلیل ہے اور حضور نبی کریم ﷺ سے اس آنے والی قوم کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو

آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر ہاتھ مبارک رکھا اور اس کے اور اس کے اصحاب کے بارے میں فرمایا: ''لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَا لَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَآءِ الْفَارِسِ'' کہ اگر ایمان ثریا (نامی ستاروں) سے معلق ہوتا تو البتہ فارس کے رہنے والے مرد اسے ضرور حاصل کر لیتے [اور جزا سے شرط کے معنی پر مشتمل اسم (مَنْ) کی طرف لوٹنے والی ضمیر رابطہ محذوف ہے] دراصل'' فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ مَکَانَهُمْ'' ہے جس کا معنی ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان (مرتدوں) کی جگہ ایسی قوم لائے گا ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ جو مؤمنوں پر بہت نرم اور مہربان ہوگی [اور ''اَذِلَّة''، ''ذَلِیْلٌ'' کی جمع ہے لیکن ''ذَلُوْلٌ'' کی جمع ''ذُلُلٌ'' ہے اور جس نے یہ خیال کیا کہ ''ذُلٌّ'' سے بنا ہے جو صعوبت کی ضد ہے تو اس نے غلط کہا ہے کیونکہ ''ذَلُوْل'' کی جمع ''اَذِلَّـةٌ'' نہیں آتی۔ علامہ جوہری نے کہا کہ ''ذُلٌّ''، ''عِزٌّ'' کی ضد ہے اور رسوا کن شخص کو ''رَجُلٌ ذَلِیْلٌ'' کہا جاتا ہے اور ذلیل قوم کو ''اَذِلَّآءُ'' اور ''اَذِلَّةٌ'' کہا جاتا ہے لیکن ''ذِلٌّ'' ذال کے نیچے زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی نرم و مہربان ہوتا ہے اور یہی صعوبت (سخت) کی ضد ہے اور فرماں بردار اور رام ہو جانے والے جانوروں کے لیے کہا جاتا ہے: ''دَابَّةٌ ذَلُوْلٌ و دَوَابٌّ ذُلُلٌ'' اور یہاں ''عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' کی بجائے ''لِلْمُؤْمِنِيْنَ'' نہیں کہا گیا کیونکہ ''اَذِلَّـةٌ'' نرمی اور مہربانی کے معنی پر مشتمل ہے گویا عاجزی اور مہربانی کے معنی کی وجہ سے کہا گیا کہ یہ قوم مسلمانوں پر بڑی مہربان ہو گی اور ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر بڑے سخت ہوں گے اور ''عزاز'' سخت زمین کو کہتے ہیں تو ان کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے فرماں بردار بیٹے کا باپ کے ساتھ اور غلام کا اپنے آقا کے ساتھ ہوتا ہے اور کافروں کے ساتھ ان کا رویہ ایسے ہوگا جیسے شکاری درندوں کا اپنے شکار کے ساتھ ہوتا ہے ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کفار سے جنگ کریں گے [اور یہ جملہ ''لِقَوْمٍ'' کی صفت ہے جس طرح ''يُحِبُّهُمْ''، ''اَعِزَّةٍ'' اور ''اَذِلَّةٍ''، ''لِقَوْمٍ'' کی صفات ہیں] ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ اور نہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے [اور ایک احتمال یہ ہے کہ واؤ حال کے لیے ہو] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے دراں حالیکہ جہادِ الٰہی میں ان کا حال منافقوں کے حال کے برعکس ہوگا کیونکہ منافقین یہودیوں سے دوستی رکھتے ہیں اس لیے جب یہ مسلمانوں کے لشکر میں نکلتے ہیں تو انہیں اپنے دوستوں یہودیوں کا خوف دامن گیر ہوتا ہے' چنانچہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس کے متعلق جانتے ہوں کہ اس کی وجہ سے انہیں یہودیوں کی لعن طعن اور ملامت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن چونکہ مسلمانوں کا جہاد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے یہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے [اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ واؤ عطف کے لیے ہو] یعنی ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ اپنے دین میں اتنے مضبوط و مستحکم ہوں گے کہ جب وہ امورِ دین میں سے کسی امر میں شروع ہو جائیں گے تو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں خوف زدہ نہیں کرے گی اور ''اَللَّوْمَةُ'' کا معنی ہے: ایک مرتبہ ملامت کرنا [اور اس میں نکرہ لانے میں دو مبالغے ہیں] گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ملامت کرنے والوں میں سے کسی شخص کی ملامت سے کبھی نہیں ڈریں گے ﴿ذٰلِكَ﴾ محبت الٰہی' مسلمانوں سے نرمی' کافروں پر سختی' جہاد فی سبیل اللہ اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے خوف ہونے کی جو صفات مذکورہ بالا قوم کے لیے بیان کی گئی ہیں ''ذٰلِكَ'' سے انہیں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام صفات ﴿فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہیں' وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے جو اس کے فضل و کرم کے اہل اور حق دار ہیں۔

جن (یہود و نصاریٰ) سے عداوت و دشمنی رکھنا واجب ہے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے اپنے درج ذیل ارشاد میں ان کا ذکر فرمایا ہے جن سے محبت و دوستی کرنا واجب ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿٥٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

ع ١٢

بے شک تمہارے دوست اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں O اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے O اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب اور کافروں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو O

---

٥٥- ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا﴾ بے شک تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہیں [اور لفظ ''اِنَّمَا'' صرف مذکورہ بالا حضرات کی دوستی کے اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے] (یعنی دوستی صرف اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں سے کی جائے) اگر چہ آیتِ مبارکہ میں ایک جماعت کا ذکر ہے [لیکن ''ولی'' کی جمع ''اَوْلِيَاء'' اس لیے ذکر نہیں کی گئی تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اصل ہے اور اس کے علاوہ باقیوں کی دوستی اللہ تعالیٰ کی دوستی کے تابع ہے اور اگر ''اِنَّمَا اَوْلِيَآءُ كُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا'' کہا جاتا تو اس کلام میں اصل اور تابع اور کوئی محل نہ رہتا] ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ وہ نماز قائم کرتے ہیں [اور یہ جملہ ''الَّذِينَ اٰمَنُوا'' سے بدل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا ضمیر مرفوع مبتدا ''هُمْ'' محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے (اصل میں ''هُمُ الَّذِينَ'' الخ ہے) یا پھر مدح کی بنا پر منصوب ہے] ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں [اور ﴿وَهُمْ رٰكِعُونَ﴾ میں واؤ حال کے لیے ہے] حالانکہ اس وقت وہ نماز میں حالت رکوع میں ہوتے ہیں۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا: یہ آیت مبارکہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی' آپ اس وقت نماز میں حالت رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف پھینک دی کیونکہ انگوٹھی آپ کی سب سے چھوٹی انگلی میں ڈھیلی پہنی ہوئی تھی جس کے اتارنے میں عمل کثیر کا تکلف نہیں کرنا پڑا جو مفسدِ نماز ہے اور اگر چہ اس کا سبب واحد ہے لیکن اس قسم کے عمل (صدقات و خیرات) کی لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے جمع کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں تا کہ تمام لوگ اس قسم کا ثواب کمانے کی کوشش کریں اور یہ آیت مبارکہ ایک تو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں صدقہ کرنا جائز ہے' دوسرا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عملِ قلیل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

٥٦- ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم اور ایمان داروں کو دوست بنالیتا ہے یا ان کا دوست ہو جاتا ہے ﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے

[اور یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے] یعنی اصل میں "فَاِنَّھُمْ ھُمُ الغَالِبُوْنَ" ہے یا "حِزْبُ اللّٰہِ" سے رسول اکرم اور مسلمان مراد ہیں یعنی جو شخص ان کو دوست بنالیتا ہے اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی جماعت کو دوست بنالیا اور وہ ایسی جماعت کے ساتھ مضبوط و مستحکم ہوگیا جو ہمیشہ غالب رہے گی اور کبھی مغلوب نہیں ہوگی اور اصل میں حزب اس قوم کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسے امر پر مجتمع ہو جائے جو انہیں تکلیف پہنچائے۔

## دین کا مذاق اڑانے والے اہلِ کتاب اور دیگر کفار سے دوستی کی ممانعت

شانِ نزول: رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث دونوں اسلام قبول کر لینے کے بعد منافق ہو گئے اور کچھ مسلمان ان سے دوستی رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کر کے ان کی دوستی سے منع فرما دیا:

۵۷- ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو (دوست) نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے یعنی جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنالیا ہے اس کے مقابلے میں تمہارا ان کو دوست بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس چیز کا مقابلہ ان کے ساتھ بغض و کینہ اور عداوت و دشمنی کر کے کیا جائے ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ["مِنَ الَّذِیْنَ" میں "مِنْ" بیان کے لیے ہے] ﴿وَالْکُفَّارَ﴾ یعنی مشرکین [اور یہ "اَلَّذِیْنَ" منصوب پر معطوف ہے اور قاری ابوعمرو اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "وَالْکُفَّارِ" (را کے نیچے زیر) ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ "اَلَّذِیْنَ" مجرور پر معطوف ہے "اَیْ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ"] یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کافروں میں سے (جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق و کھیل بنالیا ہے ان کو) ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ دوست (نہ بناؤ) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور تم کافروں سے دوستی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر تم سچے ایمان دار ہو کیونکہ سچا ایمان دشمنانِ دین کی دوستی سے روکتا ہے۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ مَثُوْبَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ؕ مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ وَجَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۶۰﴾

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں' یہ اس لیے کہ بے شک وہ بے عقل قوم ہے O آپ فرما دیجئے کہ تم سوائے اس کے ہم پر اور کیا عیب لگا سکتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو پہلے نازل کیا گیا' اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں O آپ فرما دیجئے کہ کیا میں

تمہیں بتا دوں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بدتر کس کی سزا ہے' اسی کی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر اور شیطان کا پجاری بنا دیا' انہیں لوگوں کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہی لوگ راہِ راست سے بہت بھٹکے ہوئے ہیںO

٥٨-﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو ﴿اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ تو وہ لوگ اس کو یعنی نماز کو یا اذان کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ لوگ بے عقل ہیں کیونکہ دینِ حق کا مذاق اڑانا اور اس کو کھیل تماشا بنانا جہالت اور حماقت کے کام ہیں تو گویا ان میں عقل ہی نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اذان کا ثبوت قرآنی نص سے بھی ثابت ہے صرف خواب والی حدیث سے نہیں۔

٥٩-﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ تم سوائے اس کے ہم پر اور کیا عیب لگا سکتے ہو اور کیا انکار کر سکتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تمام کتابوں پر ایمان لائے ﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں [اور یہ مجرور پر معطوف ہے] یعنی "مَا تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ وَبِاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فَاسِقُوْنَ" اور آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے اس لیے دشمن بن گئے ہو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیائے کرام کی صداقت کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے اور اس کے بارے میں تمہارا ہماری مخالفت کرنا تمہارا فسق ہے [اور یہ جائز ہے کہ واؤ بہ معنیٰ "مَعَ" کے ہو] یعنی "وَمَا تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ مَعَ اَنَّكُمْ فَاسِقُوْنَ" اور تمہیں ہماری طرف سے کچھ برا نہیں لگا سوائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ بے شک تم نافرمان ہی ہو۔

٦٠-﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ (اے یہودیو!) کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بدتر سزا بتا دوں "مَثُوْبَةً"، "ثَوَابًا" کے معنی میں ہے [اور یہ تمیز کی بنا پر منصوب ہے] اور "مَثُوْبَةً" اگر چہ نیکی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہاں "عَقُوْبَةً" کی جگہ سزا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (آل عمران:٢١) "سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں" اور یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ مسلمان سزا کے مستحق ہیں تو ان کے لیے کہا گیا: ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے' یہ تمہارے گمان کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے حقیقت میں بدترین سزا ہے [اور "ذٰلِكَ" سے ماقبل یعنی ایمان کی طرف اشارہ ہے] یعنی ہمارے ایمان پر تمہارے ناراض ہونے کی بدترین سزا ہے [اور اس سے پہلے یا "مَنْ" سے پہلے مضاف ضرور محذوف ہے] تقدیر عبارت یوں ہے: "بِشَرٍّ مِّنْ اَهْلِ ذٰلِكَ" یا "دِيْنُ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ" ﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو بندر بنا دیا ﴿وَالْخَنَازِيْرَ﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اہل مائدہ کے کافروں کو خنزیر بنا دیا یا دونوں طرح مسخ ہونے والے اصحاب سبت ہیں (ہفتہ کے دن شکار کرنے والے) سو ان کے جوانوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تھا اور ان کے بوڑھوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا گیا تھا ﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ یعنی بچھڑے کی پوجا کی یا شیطان کی پوجا کی کیونکہ ان کا بچھڑے کو پوجنا شیطان کے ابھارنے سے ہوا [اور یہ "مَنْ" کے صلہ پر معطوف ہے] گویا کہا گیا

کہ ''وَمَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ'' اور جس نے شیطان کی عبادت کی [اور قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَعَبُدَ الطَّاغُوْتِ'' (با پر پیش اور تا کے نیچے زیر) ہے انہوں نے ''عَبُدَ'' کو اسم قرار دیا ہے جو مبالغہ کے لیے وضع کیا گیا ہے جیسے عرب کا مقولہ ہے: ''رَجُلٌ حَذُرٌ وَ فَطُنٌ'' یہ آدمی بڑا ہوشیار اور بڑا سمجھ دار ہے' یہ دونوں اسم ہوشیار رہنے اور سمجھ دار ہونے میں مبالغہ کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں اور یہ ''اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ'' پر معطوف ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (یہود) میں سے بعض کو شیطان کا پجاری بنا دیا ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ انہیں مسخ شدہ اور لعنت شدہ لوگوں کا ﴿شَرٌّ مَّكَانًا﴾ بدترین ٹھکانا ہے' یہاں شرارت کو مبالغہ کرنے کے لیے مکان کے لیے قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ مکان میں رہنے والوں کے لیے ہے ﴿وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾ اور وہ سیدھے راستے سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور وہ کفر ہی کے ساتھ چلے گئے' اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے تھے O اور ان میں سے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ گناہ اور ظلم و زیادتی اور حرام خوری کی طرف دوڑتے ہیں' البتہ وہ بہت بُرے کام کرتے تھے O راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے' البتہ وہ بہت بُرے کام کرتے تھے O

## اہل کتاب کے توہین آمیز سیاہ کارناموں کا بیان

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور منافقت سے کام لیتے ہوئے آپ کے سامنے زبان سے ایمان و اخلاص کا اظہار کیا مگر دل میں کفر و نفاق کو چھپائے رکھا۔

٦١- ﴿وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ﴾ [''با'' حال کے لیے ہے] یعنی جب وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پاس داخل ہوتے وقت بھی کافر تھے اور آپ سے روانہ ہوتے وقت بھی کافر تھے (کیونکہ انہوں نے آپ کی تبلیغی تقریر سے اثر قبول نہیں کیا) اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''مُلْتَبِسِیْنَ بِالْكُفْرِ'' کہ وہ کفر سے چمٹے ہوئے ہیں' اور اسی طرح داخل ہوتے وقت بھی وہ کافر تھے اور نکلتے وقت بھی کافر تھے [اور یہی وجہ ہے کہ ''قد'' داخل کیا گیا ہے جو ماضی کو حال کے قریب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ ''قَالُوْٓا اٰمَنَّا'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی انہوں نے یہ (ایمان لانے کی) بات جس وقت کہی تھی اس وقت بھی کفر کے ساتھ

ملے ہوئے تھے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے۔

٦٢- ﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور اے محبوب! آپ ان یہود میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور زیادتی کے کاموں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں اور ''اِثم'' سے مراد جھوٹ بولنا ہے اور ''عُدْوَان'' سے مراد ظلم وزیادتی کرنا ہے یا یہ کہ ''اثم'' (جھوٹ بولنا) وہ گناہ ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے اور ظلم وہ زیادتی ہے جو ان سے تجاوز کرکے دوسروں کو بھی پہنچتی ہے اور ''مُسَارَعَة'' کا مطلب ہے کہ کسی کام میں جلد از جلد شروع ہو جانا ﴿وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ اور وہ حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ البتہ وہ بہت ہی برے کام ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں۔

٦٣- ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے انہیں ان کے راہب اور پادری منع کیوں نہیں کرتے [اور ''لَوْ لَا'' کا لفظ کسی کام کے لیے ترغیب دینے اور ابھارنے کے لیے آتا ہے] ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ بہت ہی برے کام کرتے تھے' یہ آیت مبارکہ علمائے یہود کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے (جو لوگوں کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے) اور اس سے پہلی آیت مبارکہ میں عوام کی مذمت بیان کی گئی ہے (جو برے کاموں سے باز نہیں آتے تھے) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی خوف دلانے والی آیات میں یہ سخت ترین آیت مبارکہ ہے کیونکہ اس میں برائی سے نہ روکنے والوں کو خود برائی کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ (وقف لازم)

اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے' ان کے اپنے ہاتھ باندھے جائیں اور اس کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہو' بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے' اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کلام نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر کے کفر وسرکشی میں اضافہ کرتا ہے' اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت وبغض ڈال دیا' وہ جب بھی جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے' اور وہ زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں' اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

٦٤- ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے' ان کے اپنے ہاتھ باندھے جائیں اور اس کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بے شک جب یہودیوں نے (ان پر خدا کی لعنت ہو) سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مالی وسعت دے رکھی تھی روک لی اور یہ لوگ سب سے زیادہ مال دار تھے تو اس موقع پر فنحاص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ باندھا ہوا ہے اور چونکہ باقی سب لوگ بھی اس کی اس بات پر راضی تھے اس لیے تمام یہودیوں کو اس میں شریک کیا گیا اور ہاتھ کا بند ہونا اور کھلا ہونا بخل اور سخاوت سے کنایہ ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ'' (الاسراء:٢٩)''اور آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھیں اور نہ اس کو پوری طرح بالکل کھول دیں'' اور متکلم اس کے ساتھ ہاتھ کے ثبوت کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس سے ہاتھ بند ھنے اور کھلنے کا ارادہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس بادشاہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو ہاتھ کو استعمال کیے بغیر صرف اشارے سے عطا کرتا ہے اور روکتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ زمین کا کوئی حصہ کسی محافظ کو بڑی بخشش کے طور پر عطا کر دے تو لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے بخشش میں کس قدر سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے اور کبھی ''یَدٌ'' (ہاتھ) کو ایسی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے جہاں ہاتھ کا ذکر صحیح نہیں ہوتا جیسے کہا جاتا ہے کہ درد و تکلیف نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے میں گاڑھ دیئے ہیں' چنانچہ اس فقرے میں درد و تکلیف کے لیے دو ہاتھ ثابت کیے گئے ہیں حالانکہ اس کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ معانی سے ہے اور جس شخص نے علم البیان میں غور و فکر نہیں کیا وہ اس قسم کی آیات کے معانی میں حیران ہو جاتا ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ'' (ان کے ہاتھ باندھے جائیں) ان پر بخل کی بددعا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہود تمام مخلوق خدا میں سب سے زیادہ بخیل ہیں یا جہنم میں ان کو طوق پہنائے جائیں گویا ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے گئے [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) میں ''یَدٌ'' کا تثنیہ ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہود کے قول ''يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ'' میں مفرد ذکر کیا گیا ہے] تا کہ یہود کے قول کی تردید کرنے اور اس کے انکار کرنے میں خوب مبالغہ کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کے لیے سخاوت کے ثبوت اور اس سے بخل کی نفی کو بہت زیادہ واضح کیا جا سکے کیونکہ سخی جب زیادہ سخاوت کرتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے عطا کرتا ہے ﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے' آیت مبارکہ کا یہ جملہ سخاوت کے وصف کی تاکید ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے مقتضیٰ کے مطابق خرچ کرتا ہے ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کا جو کلام آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ یہود میں سے اکثر لوگوں کے کفر و سرکشی میں اضافہ کرتا ہے یعنی نزول قرآن کے وقت حسد کی وجہ سے انکار کرنے کے لیے ان کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ فعل کی سبب کی طرف نسبت کے قبیل سے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:١٢٥) ''سو ان کی نجاست پر مزید نجاست بڑھا دی'' ﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ اور ہم نے قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دیا ہے' چنانچہ ان کی باہمی گفتگو میں ہمیشہ اختلاف رہے گا اور ان کے دل ایک دوسرے سے جدا جدا رہیں گے اور ان میں کبھی اتفاق و اتحاد نہیں رہے گا اور نہ ان میں باہمی تعاون رہے گا ﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ جب وہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا یعنی جب یہود کسی کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں مغلوب و مقہور کر دیا جاتا اور کسی کے خلاف ان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہوتی اور جب اسلام ان کے پاس پہنچا اس وقت یہ لوگ مجوسی بادشاہ کی حکمرانی میں تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم کو ان کے خلاف مدد پہنچا کر فتح و نصرت عطا فرمائی اور ان یہود کو مغلوب و مقہور کر دیا اور

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شہر اور جس ملک میں تم کسی یہودی سے ملو گے تو تم اسے تمام لوگوں میں ذلیل ترین انسان پاؤ گے ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اپنی کتابوں سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کو مٹانے اور لوگوں کو دینِ اسلام سے دور کرنے کے لیے بہت زیادہ کوشش و محنت میں لگے رہتے ہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ ع

ع ۱۴

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے گناہ ضرور مٹا دیتے اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغات میں داخل کرتے O اور اگر وہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا اس کو قائم رکھتے تو وہ ضرور اپنے اوپر (آسمان) سے اور اپنے پاؤں کے نیچے (زمین) سے رزق حاصل کر لیتے' ان میں سے ایک گروہ اعتدال پر ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ بہت بُرے کام کرتے ہیں O

٦٥- ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ اور اگر اہل کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی ان تعلیمات پر ایمان لائیں جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر تشریف لائے اور تقویٰ اختیار کر لیں یعنی وہ اپنے ایمان کو تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ملا کر آراستہ کر لیں ان کی ان برائیوں کے باوجود جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہیں تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں مٹا دیں گے ﴿وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ اور ہم ضرور ان کو مسلمانوں کے ساتھ چین کے باغات میں داخل کریں گے۔

٦٦- ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے یعنی اگر وہ ان دونوں کتابوں کے احکام و حدود کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جو ان دونوں کتابوں میں مذکور تھے ان کو صحیح و سلامت قائم رکھتے ﴿وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ اور جو دیگر کتب الٰہیہ کے احکام ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کیے گئے ان کو قائم رکھتے' کیونکہ یہ لوگ ان تمام کتب پر ایمان لانے کے مکلّف تھے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے ﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ وہ ضرور اپنے اوپر سے یعنی اپنے سروں کے اوپر سے پھل وغیرہ کھاتے ﴿وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے یعنی زراعت وغیرہ سے کھاتے اور اس عبارت سے وسعت رزق مراد ہے جیسا کہ اہلِ علم عرب کا قول ہے کہ فلاں آدمی سر سے لے کر پاؤں تک نعمت سے سرشار ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرنا وسعتِ رزق کا سبب ہے اور یہ درج ذیل ارشاداتِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ'' (الاعراف:٩٦) ''اور اگر

بستی والے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ضرور ان پر آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے'' ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' (الطلاق:٢-٣) ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرما دیتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا'' ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ'' (نوح:١٠ اور اس کے بعد والی) سو میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے مغفرت و بخشش مانگو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے'' ''وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا'' (الجن:١٦) ''اور اگر وہ لوگ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ضرور انہیں وافر پانی دیتے'' ﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ اعتدال کی راہ پر قائم تھا اور ان کی حالت میں میانہ روی تھی کہ اس نے رسولِ خدا ﷺ کی عداوت میں دوسرے یہودیوں کی طرح راہِ اعتدال سے تجاوز نہ کیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مؤمنوں کا گروہ مراد ہے جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور اس کے دیگر ساتھی اور نصاریٰ میں سے اڑتالیس افراد ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ بہت برے کام کرتے رہے اور اس میں تعجب کا معنی ہے گویا کہا گیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ کس قدر برے کام کرتے تھے اور ایک قول کے مطابق اس سے کعب بن اشرف اور اس کے دیگر ساتھی وغیرہ مراد ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو (لوگوں تک) پہنچا دیں' اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا' بے شک اللہ کافر قوم کو راہِ راست پر نہیں چلاتا○ آپ فرما دیجئے: اے اہل کتاب! تم کسی دین پر نہیں ہو یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کو قائم کرو' اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کے کفر و سرکشی میں اضافہ کرتا ہے' تو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کریں○

## تبلیغِ حق پر حفاظت کا ذمہ اور اہلِ کتاب کے کفر و نفاق کا بیان

٦٧۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ سب کا سب اور جو چیز بھی آپ کی طرف نازل کی گئی اس کی تبلیغ میں کسی کا لحاظ اور خیال کیے بغیر پورے کا پورا لوگوں تک پہنچا دیں اور اس بات سے آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں کہ کوئی شخص آپ کو نقصان وغیرہ پہنچائے گا ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام تعلیمات

لوگوں تک نہ پہنچائیں ﴿ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ تو آپ نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا' [ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں'' رِسَالَاتِهٖ '' ہے ] یعنی ایسی صورت میں پیغاماتِ خداوندی کی تبلیغ کا جو آپ کو مکلف ٹھہرایا گیا انہیں آپ نے لوگوں تک نہیں پہنچایا اور آپ نے ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور یہ اس لیے کہ ادائیگی کے اعتبار سے بعض آیات دوسری بعض سے زیادہ بہتر یا زیادہ اہم نہیں ہیں' لہٰذا جب ان میں سے بعض کو ادا نہیں کیا تو گویا آپ نے تمام آیات و پیغامات کی تبلیغ میں غفلت برتی جس طرح کوئی بعض آیات پر ایمان نہیں لایا تو وہ اس طرح ہے کہ وہ تمام آیات پر ایمان نہیں لایا کیونکہ ایک خطاب کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے وہ ایک چیز کے حکم میں ہیں اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز تبلیغ شدہ بھی ہو اور تبلیغ شدہ نہ بھی ہو اور ایک ہی چیز پر ایمان لایا بھی گیا اور ایمان نہ لایا گیا بھی ہو' ملحدوں پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے کہا کہ یہ کلام غیر مفید ہے' یہ ایسے ہے جیسے تم اپنے غلام سے کہو کہ یہ کھانا کھا لے لیکن تو نے یہ کھانا نہیں کھایا تو بے شک تو نے اسے بالکل نہیں کھایا' اس کا جواب یہ ہے کہ پیغامِ خداوندی کی تبلیغ کا یہ حکم مستقبل کے لیے ہے یعنی آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے مستقبل میں لوگوں تک پہنچا دیں' پھر اگر آپ نے ایسا نہ کیا یعنی اگر آپ نے پیغامِ خدا کی مستقبل میں تبلیغ نہیں کی تو گویا آپ نے بالکل تبلیغ نہیں کی یا یہ کہ اب تک آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور شوکت و غلبہ اور تعداد کی کثرت کا انتظار نہ کیجئے' پھر اگر آپ نے تبلیغ نہ کی تو آپ اس کی طرح ہو جائیں گے جس نے بالکل تبلیغ نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ آپ کسی سے خوف زدہ ہوئے بغیر احکاماتِ الٰہی کی تبلیغ جاری رکھیئے' پھر اگر آپ نے اس خوبی کے ساتھ تبلیغ نہ فرمائی تو گویا آپ نے بالکل تبلیغِ دین نہیں فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے تبلیغِ دین کے لیے آپ میں شجاعت و بہادری کا مزید جذبہ پیدا کرنے کے لیے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہوں گے اور اگر چہ کفارِ مکہ نے احد کے دن آپ کے رخِ انور کو زخمی کیا اور آپ کے سامنے کے اوپر نیچے دو دو دندانِ مبارک شہید کیے ( لیکن آپ کو شہید نہ کر سکے ) یا یہ کہ احد کے دن آپ کو جو جو مصیبت پہنچی تھی وہ اس وعدے سے پہلے پہنچی تھی کیونکہ اس آیت مبارکہ کا نزول اس کے بعد ہوا اور آیت میں'' اَلنَّاس '' سے کفار مراد ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دے گا اور کفار آپ کو ہلاک کرنے کا جو ارادہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا اور نہ ان کو اس کی قدرت و طاقت دے گا۔

٦٨-﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تم کسی معتبر و مستند دین پر نہیں ہو یہاں تک کہ اس کو کوئی چیز قرار دیا جائے کیونکہ ان کا طریقہ باطل ہے ﴿ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ جب تک تم تورات اور انجیل کو اور تمہارے رب کی طرف سے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید کو قائم نہیں رکھو گے ﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴾ اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ ان ( یہود و نصاریٰ ) میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں کفر و طغیان کے اضافہ کی نسبت قرآن مجید کی طرف سبب کے طریقہ پر ہے ( کیونکہ جیسے جیسے قرآن مجید کا نزول ہوتا جاتا تو یہود و نصاریٰ کا کفر و طغیان بھی بڑھتا جاتا ) ﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سو آپ کافر قوم کے کفر سے غمگین نہ ہوں کیونکہ ان کے کفر کا وبال انہیں پر پڑے گا' آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

بے شک جولوگ ایمان کے دعوے دار ہیں اور جولوگ یہودی ہیں اور جوفرشتوں کے پجاری ہیں اور نصرانی جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر سچے دل سے ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا اور ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے' جب کوئی رسول ان کے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی' تو انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا○ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو کوئی سزا نہیں ہوگی' سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' پھر ان میں سے بہت زیادہ لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے' اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے○

٦٩- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جولوگ زبان سے ایمان لانے کے دعوے دار ہیں اور وہ منافقین ہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ'' (المائدہ:۴۱) ''اور آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں' یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے مونہوں (یعنی اپنی زبانوں) سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے'' ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى﴾ اور جو یہودی ہیں اور فرشتوں کے پجاری ہیں اور نصرانی ہیں| اور سیبویہ نے کہا کہ تمام بصریوں کے نزدیک ''اَلصَّابِئُوْنَ'' مبتدا مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور ''اِنَّ'' کے اسم اور خبر کے محل سے نیت میں مؤخر ہے گویا کہا گیا ہے: ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى'' ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''وَالصَّابِئُوْنَ كَذٰلِكَ'' یعنی (ان میں سے) جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور ستارہ پرست بھی اسی طرح ہیں' اس کو مقدم کر کے خبر کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے:ـ

فَمَنْ يَّكُ اَمْسٰى بِالْمَدِيْنَةِ رَحْلُهٗ — فَاِنِّىْ وَقَيَّارٌ بِهَا لَغَرِيْبٌ

[یہ اصل میں ''فَاِنِّىْ لَغَرِيْبٌ وَقَيَّارٌ كَذٰلِكَ'' ہے اور اس کا لام دلیل ہے کہ یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''اِنَّ'' اور اس کے اسم کے محل پر عطف کے ذریعے مرفوع نہیں ہے کیونکہ خبر کی فراغت سے پہلے یہ صحیح نہیں ہے اور تم ''اِنَّ زَيْدًا وَعَمْرٌو مُنْطَلِقَانِ'' نہیں کہہ سکتے البتہ ''اِنَّ زَيْدًا مُنْطَلِقٌ وَعَمْرٌو'' کہنا جائز ہے اور ''اَلصَّابِئُوْنَ'' اپنی محذوف خبر کے ساتھ مل کر

جملہ معطوفہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" وغیرہ جملہ پر معطوف ہے اور اعراب کے اعتبار سے اس کا کوئی محل نہیں ہے جیسا کہ اس پر معطوفہ جملہ کا کوئی محل نہیں اور اس کو مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ "اَلصَّابِئُوْنَ" اس کے باوجود کہ مذکورہ بالا فرقوں سے یہ زیادہ گمراہ فرقہ ہے اور سب سے زیادہ سخت ترین بے عقل واحمق ہے لیکن اگر ان کا ایمان بھی صحیح ہو جائے تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی تو اس کے علاوہ دوسرے فرقوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور "مَنْ اٰمَنَ" مبتدا ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور "فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ" اس کی خبر ہے اور اس پر حرف فا اس لیے ہے کہ اس کا مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے' پھر یہ جملہ "اِنَّ" کی خبر ہے اور "اِنَّ" کے اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' اصل میں "مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ" ہے]۔

٧٠- ﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے توحید الٰہی کے متعلق پکا وعدہ لیا ﴿ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ﴾ اور ہم نے ان کے پاس بہت سے رسول بھیجے تاکہ یہ رسول ان کو ان باتوں سے آگاہ کریں جن کو انہوں نے اپنے دین کے مطابق ادا کرنا ہے اور جن کو ترک کرنا ہے ﴿ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ﴾ [یہ جملہ شرطیہ ہے اور "رُسُلاً" کی صفت ہے اور لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] دراصل "كُلَّمَا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ" ہے یعنی ان رسولوں میں سے جب کوئی رسول ان کے پاس تشریف لاتا ﴿ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ﴾ ایسے شرعی احکام اور مشقت طلب تعلیمات کے ساتھ جو ان کی خواہشات کے خلاف اور ان کی نفسانی شہوات کے مخالف ہوتے اور [جواب شرط محذوف ہے] جس پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے: ﴿ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴾ انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا' گویا کہا گیا کہ جب ان رسولوں میں سے کوئی رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی [اور "فَرِيْقًا كَذَّبُوْا" ایک نئے سوال کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ پھر انہوں نے رسولوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا (تو جواب دیا کہ انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا) اللہ تعالیٰ نے قتل سے خوف دلانے کے لیے ماضی کی حالت کو بیان کرتے ہوئے لفظ مضارع "يَقْتُلُوْنَ" ارشاد فرما دیا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فعل مضارع "يَقْتُلُوْنَ" کو اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ پیغمبروں کو قتل کرنا انہی لوگوں کا کام ہے اور پہلا "فَرِيْقًا كَذَّبُوْا" کا اور دوسرا "فَرِيْقًا يَقْتُلُوْنَ" کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] اور ایک قول کے مطابق انبیائے کرام کو جھٹلانا یہود و نصاریٰ کا مشترکہ عمل تھا اور قتل کرنا یہود کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا تھا۔

٧١- ﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ انہیں کوئی سزا نہیں ہوگی یعنی بنی اسرائیل کو یہ گمان تھا کہ انبیائے کرام کو قتل کرنے اور رسولوں کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی عذاب نہیں پہنچے گا اور ان کے اس گمان کو پختہ ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں علم کے قائم مقام کر دیا گیا (گویا انہیں یقین تھا) [اس لیے "حَسِبُوْا" فعل کو حرف "اَنَّ" پر داخل کیا گیا ہے جو تحقیق کے لیے آتا ہے' چنانچہ قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں "اَنْ لَّا تَكُوْنَ" کا "اَنْ" ثقیلہ (اَنَّ) سے مخفف ہے اصل میں "اَنَّهٗ لَا تَكُوْنُ" ہے پھر "اَنَّ" کو شد سے خالی کر کے خفیفہ بنا دیا گیا ہے اور (ہٗ) ضمیر شان حذف کر دی گئی ہے اس لیے ان قراء کے نزدیک "اَلَّا تَكُوْنُ" (نون پر پیش) ہے اور "اَنْ" اور اس کا صلہ جو مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہے ان کو "حَسِبُوْا" کے دو مفعولوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] ﴿ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ سو وہ اندھے ہو گئے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کے مطابق عمل نہیں کیا اور وہ بہرے ہو گئے کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس کو قبول نہیں کیا یا وہ رشد و ہدایت سے اندھے ہو گئے اور وعظ و نصیحت سے بہرے ہو گئے ﴿ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ

نے ان کی توبہ قبول فرمالی یعنی ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی ﴿ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ﴾ پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے [اور یہ ضمیر سے بدل ہے یعنی واؤ سے اور یہ کل سے بدل البعض ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''اُولٰٓئِكَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ'' ہے] ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان کو ان کے اعمال کی حیثیت کے موافق جزاء وسزا دے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾

وقف لازم

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے' اور مسیح نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! تم صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں O بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے' اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ماسوا ایک معبود کے' اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر ان سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو دردناک عذاب ضرور پہنچے گا O

---

٧٢- ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اور ان کے درمیان اس بات میں کوئی تفریق نہیں کی کہ بے شک وہ بھی انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ کے پروردہ بندے ہیں تاکہ یہ بات نصرانیوں پر حجت ہو جائے ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی غیر خدا کو شریک ٹھہراتا ہے ﴿ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے کیونکہ یہ توحید پرستوں کی رہائش گاہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کا داخلہ حرام قرار دے دیا ہے اور اس کو جنت سے ممنوع قرار دے دیا ہے ﴿ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾ اور اس کا ٹھکانا یعنی اس کے لوٹ کر جانے کی جگہ دوزخ کی آگ ہے ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ اور ظالموں یعنی کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔

٧٣- ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے تیسرا معبود ہے۔

اعتراض: اور یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اوپر پہلی آیت مبارکہ میں فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے اور اس دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے تیسرا خدا ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کچھ نصرانی کہا کرتے تھے کہ خود حضرت عیسیٰ مسیح بعینہ اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی وجود میں تجلّی فرماتا ہے‘ سو اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے وجود میں تجلّی فرماتا ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود مبارک سے ایسے افعال ظاہر ہوتے تھے جن پر ماسوا اللہ تعالیٰ کے ان پر کوئی قادر نہیں ہو سکتا تھا اور بعض نصرانیوں کا یہ مذہب تھا کہ تین معبود ہیں (۱) اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مریم (۳) حضرت عیسیٰ مسیح‘ اور ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور حضرت مریم والدہ ہیں [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ میں حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے] یعنی تمام موجودات میں ہرگز کوئی معبود نہیں مگر ایک معبود ہے جو وحدانیت کے ساتھ موصوف ہے‘ جس کا کوئی ثانی نہیں ہے اور وہ اکیلا اللہ تعالیٰ ہے‘ جس کا کوئی شریک نہیں ہے [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے (اور اگر وہ مشرکانہ باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا) جس طرح ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:۳۰) میں حرف مِنْ بیان کے لیے ہے (بتوں کی نجاست سے دور رہو)‘ اور اللہ تعالیٰ نے ''لَيَمَسَّنَّهُمْ'' نہیں فرمایا کیونکہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر قائم کرنے سے ان کے کفر پر گواہی کا تکرار ہو جاتا ہے یا تبعیض کے لیے ہے] یعنی ان میں سے (دردناک عذاب) ان کو پہنچے گا جو کفر پر قائم رہیں گے کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے نصرانیت سے توبہ کر لی تھی ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تکلیف دہ اور دردناک عذاب کی قسم ہے۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٤ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٧٥ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٧٦

سو وہ اللہ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے‘ اور اللہ بہت بخشنے والا‘ بے حد مہربان ہے O مسیح ابن مریم (معبود) نہیں مگر ایک رسول ہیں‘ ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں‘ اور ان کی ماں بہت سچی ہیں‘ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے‘ دیکھئے! ہم کیسے روشن ترین دلائل ان کے لیے بیان کرتے ہیں‘ پھر دیکھئے! وہ کیسے اوندھے جا رہے ہیں O آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا مالک ہے‘ اور اللہ خوب سننے والا‘ بہت جاننے والا ہے O

٧٤- ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ تو یہ لوگ اپنے کفر پر اس مکرر گواہی کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اور یہ ان کے کفر پر سخت ترین وعید (دھمکی) ہے اور اس میں ان کے

اصرار کفر پر تعجب کا اظہار ہے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' وہ ان کو اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بخش دے گا اگر وہ توبہ کر لیں۔

٧٥- ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ حضرت مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں (خدا نہیں ہیں) اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی کی گئی ہے ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں [یہ "رَسُوْلٌ" کی صفت ہے] یعنی حضرت عیسیٰ نہیں مگر ایک رسول ہیں جو ان رسولوں کی جنس میں سے ہیں جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں اور آپ کا نابینوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کرنا اور آپ کا مردوں کو زندہ کرنا حقیقت میں آپ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ مبارک پر نابینوں کو بینا اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے عصا مبارک کو زندگی دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر سانپ بنا دیا اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مرد کے پیدا فرمایا جس طرح حضرت آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا فرمایا ﴿ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ﴾ اور ان کی ماں سچی ہیں یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ بھی دیگر ان بعض خواتین کی طرح تھیں جو انبیائے کرام کی تصدیق کرنے والی اور ان پر ایمان لانے والی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کے پیش نظر حضرت مریم کو صدیقہ کا لقب عنایت کیا گیا ہے "وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ" (التحریم:١٢) "اور (حضرت مریم نے) اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی" پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد کے ذریعے ان سے وہ چیز دور فرما دی جو ان دونوں کی طرف منسوب کی جاتی تھی: ﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے اور چونکہ جو شخص کھانا کھانے کے لیے غذا اور دیگر لوازمات یعنی ہضم کرنے اور بھوک پیاس لگنے کا محتاج ہوگا وہ لازمًا گوشت' ہڈیوں' رگوں اور پٹھوں وغیرہ سے مرکب ہوگا جو دیگر اجسام کی طرح اس کے مخلوق و مصنوع اور مرکب ہونے کی دلیل ہے (لہٰذا وہ دونوں خدا نہیں عبدِ خدا ہیں) ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ﴾ دیکھئے! ہم ان کے قول کے بطلان پر کس طرح واضح اور روشن دلائل بیان کرتے ہیں ﴿ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ اس واضح بیان کے بعد حق سننے اور اس میں غور و فکر کرنے سے کدھر پھرتے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعجب کا اظہار ہے کہ یہ لوگ پروردگار اور اس کے پروردہ بندے کے درمیان فرق کرنے سے منہ پھیر کر کدھر بھاگے جا رہے ہیں۔

٧٦- ﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی کوئی چیز تمہیں اس طرح نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح اللہ تعالیٰ مال و جان میں تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ زرخیزی اور مالی وسعت دے کر اور بدنوں میں صحت دے کر تمہیں نفع پہنچا سکتا ہے کیونکہ ہر انسان جو نفع اور نقصان دے سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے تو گویا وہ ذاتی طور پر کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ یقینی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ کا معاملہ ربوبیت کے منافی ہے کیونکہ اللہ نے ان کو ذاتی طور پر نفع اور نقصان پہنچانے کا مالک نہیں بنایا اور رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ بالذات ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی مقدور اس کی قدرت و اختیار سے خارج نہیں ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [یہ "تَعْبُدُوْنَ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام باتوں کو خوب سن رہا ہے اور تمہارے تمام برے عقائد کو وہ خوب جانتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ
ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ ع ۱۱ ۱۴
كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا
كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾

آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسی قوم کی خواہش کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکی اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے ○ داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا' یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ سرکشی کرتے رہے ○ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ان بُرے کاموں سے نہیں روکتے تھے' جن کو وہ اختیار کر لیتے' بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے ○

٧٧- ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور ''غلو'' کا معنی ہے: حد سے بڑھنا اور حق سے تجاوز کرنا' چنانچہ نصاریٰ (عیسائیوں) نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی اپنی شان سے بڑھا کر الوہیت کا مستحق قرار دے دیا اور یہودیوں نے غلو کیا کہ ان کو نبوت کے استحقاق سے گرا دیا ﴿غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ناحق [یہ مصدر محذوف کی صفت ہے] یعنی ناحق غلو نہ کرو یعنی باطل و ناجائز غلو نہ کرو ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اور تم اس قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکی ہے یعنی تم اپنے بڑوں اور اپنے پیشواؤں کی پیروی نہ کرو جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے گمراہی پر تھے ﴿وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی اپنے پیروکاروں کو گمراہ کیا ﴿وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ اور وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گئے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اعلانِ نبوت فرمایا تو اس وقت انہوں نے آپ کو جھٹلا کر اور آپ سے حسد کر کے اور آپ سے بغاوت و سرکشی کر کے راہِ راست سے بھٹک گئے۔

## اہل کتاب میں سے ایلہ کے باشندوں اور منافقوں کا انجام اور نجاشی وغیرہ کے اسلام کا بیان

٧٨- ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ بعض کا قول ہے کہ ایلہ کے رہنے والوں نے جب ہفتے کے دن سرکشی کی اور حد سے تجاوز کیا تو حضرت داؤد نے کہا: اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور ان کو عبرت کا نشان بنا' چنانچہ ہفتہ کے شکار کرنے والے تمام سرکش بندر بنا دیئے گئے اور جب مائدہ (کھانے کا دسترخوان) کے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کفر اختیار کر لیا تو آپ نے کہا: اے اللہ! جنہوں نے دسترخوان سے کھانا کھانے کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے ان کو تو ایسا عذاب دے جو تمام جہان میں کسی کو نہ دیا ہو اور تو ان پر لعنت فرما جس طرح تو نے ہفتہ

کے دن شکار کرنے والوں پر لعنت فرمائی تھی' چنانچہ وہ سب کے سب خنزیر بنا دیئے گئے اور وہ لوگ پانچ ہزار تھے ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ ان پر یہ لعنت ان کی نافرمانی اور ان کی سرکشی کی وجہ سے کی گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں نافرمانی اور سرکشی کی وضاحت بیان فرمائی کہ:

٧٩- ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ جس برائی کو وہ اختیار کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے [اور ''مُنْكَرٍ'' کو ''فَعَلُوْهُ'' کے ساتھ موصوف کرنے کا معنی یہ ہے کہ فعل کے بعد نہی نہیں ہوتی] کیونکہ جس برائی کو کرتے اس کے اعادہ سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا جس برائی کا وہ ارتکاب کر لیتے اس جیسی برائی سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا جس برائی کا وہ ارادہ کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ جس برائی کا وہ ارتکاب کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر اصرار کرتے تھے' جب کوئی شخص کسی کام سے رک جائے اور اس کو ترک کر دے تو کہا جاتا ہے: ''تَنَاهٰى عَنِ الْاَمْرِ وَانْتَهٰى عَنْهُ'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے برے عمل پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے قسم کو مؤکد کر کے ارشاد فرمایا ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ البتہ وہ بہت برا کام ہے جس کو وہ کرتے تھے اور آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ برائی سے نہ روکنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہائے افسوس! ان مسلمانوں پر جو برائی کے روکنے سے اعراض کرتے ہیں۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں' البتہ بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے○ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور اس نبی پر اور اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں○ البتہ آپ مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے' اور بے شک آپ مسلمانوں کے لیے سب سے قریب دوست ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں' یہ اس لیے کہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے○

٨٠- ﴿تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آپ ان میں اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اور یہ اہل کتاب میں سے منافقین تھے جو مشرکین سے دوستی کرتے تھے اور ان سے میل جول رکھتے تھے ﴿لَبِئْسَ

﴿ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ﴾ البتہ بہت بُرا عمل ہے وہ جو انہوں نے خود اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہو گیا یعنی ان کا برا عمل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن گیا ﴿ وَفِي الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۱۔ ﴿ وَلَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ﴾ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر نفاق خالص ایمان لاتے ﴿ وَالنَّبِيِّ ﴾ یعنی اور نبی محمد کریم ﷺ پر ﴿ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ ﴾ اور اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید پر ﴿ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ ﴾ تو وہ لوگ مشرکین کو دوست نہ بناتے یعنی مشرکین سے دوستی کرنا ان کے منافق ہونے کی دلیل ہے ﴿ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنے کفر و نفاق پر قائم رہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ یہود اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی یعنی تورات پر ایمان لاتے تو مشرکین کو دوست نہ بناتے جس طرح مسلمانوں نے ان کو دوست نہیں بنایا لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں' اپنے دین سے خارج ہو چکے ہیں' سوا ان کا کوئی دین نہیں۔

۸۲۔ ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الۡيَهُوۡدَ ﴾ البتہ آپ مسلمانوں کا سب لوگوں سے بڑھ کر دشمن یہود کو پائیں گے [''اَلْيَهُوْدَ''، ''لَتَجِدَنَّ'' کا دوسرا مفعول ہے اور ''عَدَاوَةً'' اس کی تمیز ہے] ﴿ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ﴾ [اس کو ''اَلْيَهُوْدَ'' پر معطوف کیا گیا ہے] (یعنی مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر دشمن یہود) اور مشرکین ہیں ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰى ﴾ اور بے شک آپ مسلمانوں کا سب سے زیادہ قریب دوست ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں' [اور لام جارہ ''عَدَاوَةً'' اور ''مَوَدَّةً'' کے ساتھ متعلق ہے] اور اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کو سخت طبیعت اور عیسائیوں کو نرم طبیعت قرار دیا گیا ہے اور یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بدترین دشمنی کرنے میں مشرکین کا ساتھی قرار دیا گیا اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہودی مشرکین سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا ﴾ یہ اس لیے کہ ان میں سے بعض عالم اور بعض عابد ہیں ﴿ وَّاَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے لیے قریبی دوست ہونے اور ان کے ساتھ نرم گوشہ رکھنے کی علت بیان کی گئی ہے' ایک یہ کہ بے شک ان میں سے بعض عالم اور بعض راہب ہیں اور دوسرا یہ کہ بے شک ان میں تواضع و انکساری اور عاجزی ہے جب کہ یہودی اس کے برعکس ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰٓى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَـقِّ‌ۚ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝۸۳ وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَـقِّ ۙ وَنَطۡمَعُ اَنۡ يُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۸۴ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۸۵

اور جب وہ اس قرآن کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو آپ ان کی آنکھوں کو دیکھیں گے کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں اس وجہ کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے' سوتو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے O اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آ گیا ہے' اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے گا O سو اللہ نے ان کے کہنے کے بدلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہی نیکی کرنے والوں کا بدلا ہے O

۸۳- ﴿ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رقتِ قلوب (دلوں کی نرمی) کے ساتھ موصوف کیا اور یہ کہ بے شک یہ لوگ قرآن مجید کی تلاوت سنتے وقت روتے ہیں جیسا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے مہاجر مسلمان اور مشرکین مکہ اس کی مجلس میں جمع ہوئے اور مسلمانوں نے انہیں قرآن مجید کی تلاوت سنائی تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا تمہاری کتاب میں حضرت مریم کا ذکر ہے؟ حضرت جعفر نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ایک پوری سورت حضرت مریم کے نام سے منسوب ہے' پھر جعفر نے ان کے سامنے سورۃ مریم ارشاد باری تعالیٰ ''ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ'' (مریم: ۳۴) تک تلاوت فرمائی اور سورت طٰہٰ ارشاد باری تعالیٰ ''وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ'' (طٰہٰ: ۹) تک تلاوت فرمائی تو نجاشی رو پڑا' اور اسی طرح اس کی قوم نے کیا جو ایک وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور یہ ستر آدمی تھے' جب ان کے سامنے سورت یٰسین کی تلاوت کی گئی تو وہ سب رو پڑے'' تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ '' کا معنی ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں تو کثرت سے آنسو بہاتی ہیں کیونکہ'' فیض '' کا مطلب ہے کہ برتن وغیرہ کو بھر دینا یہاں تک کہ اس کے اندر کی چیز اس کے اطراف سے باہر نکلنے لگے' چنانچہ فیض کو جو بھرنے کا معنی دیتا ہے بھرنے کی جگہ رکھا گیا ہے یا پھر رونے والی آنکھوں کو رونے کے ساتھ متصف کر کے مبالغے کا ارادہ کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں کو بہنے والی قرار دیا گیا ہے یعنی گویا کہ خود آنکھیں رونے کی وجہ سے بہنیں لگیں اور [''مِمَّا عَرَفُوا'' میں حرف ''مِنْ'' (دراصل ''مِنْ مَّا عَرَفُوْا'' ہے) ابتدائے غایت کے لیے ہے اس بنا پر کہ آنسوؤں کا بہنا حق کی پہچان کی وجہ سے شروع ہوا اور ''مِنَ الْحَقِّ'' میں حرف ''مِنْ''، ''مَا عَرَفُوْا'' کے ''مَا'' موصول کے بیان کے لیے ہے یا وہ تبعیض (یعنی بعض اور کچھ) کے لیے ہے] اس بنا پر کہ انہوں نے حق کا بعض اور کچھ حصہ پہچان لیا تو اس بعض نے ان کو رلا دیا تو جب انہوں نے مکمل حق کو پہچان لیا اور قرآن مجید کو پڑھ لیا اور سنت نبوی کا احاطہ کر لیا اس وقت ان کی کیا کیفیت ہو گی؟ ﴿ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا ﴾ اس وقت وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم (سیّد عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں' اس سے ایمان کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا مراد ہے [اور ''يَقُولُوْنَ''، ''عَرَفُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴾ سو تو ہمیں گواہی دینے والوں یعنی امت محمد ﷺ کے ساتھ لکھ دے جو قیامت کے روز سابقہ امتوں پر گواہی دے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' (البقرہ: ۱۴۳) ''تا کہ تم دوسرے تمام لوگوں پر گواہی دینے والے ہو جاؤ'' اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہہ دی کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں اس امت کا ذکر اسی طرح لکھا ہوا پایا تھا۔

٨٤- ﴿ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں اور اس جملے میں ایمان کی دلیل قائم ہونے کے بعد ایمان نہ لانے پر تعجب اور انکار کا اظہار ہے اور وہ (دلیل) صالحین کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی امید ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حبشہ کا وفد مدینہ منورہ سے واپس ہوا تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کیا تو انہوں نے اپنی قوم کو یہ جواب دیا جو آیت میں مذکور ہے [اور ''وَمَا لَنَا'' مبتدا خبر ہیں اور ''لَا نُؤْمِنُ'' حال ہے] یعنی ہم کیوں نہ ایمان لائیں جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَالَكَ قَائِمًا'' ﴿ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید ﴿ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک قوم یعنی انبیائے کرام اور مومنین کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا [اور ''نَطْمَعُ''، ''نُؤْمِنُ'' کی ضمیر سے حال ہے]۔

٨٥- ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ یعنی سو ان کے اس کہنے پر کہ ''رَبَّنَا اٰمَنَّا'' اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے' اور حق کی تصدیق کرنے پر انہیں جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزائے خیر ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقرار ایمان میں داخل ہے جیسا کہ فقہاء کا مذہب ہے اور کرامیہ فرقے نے ''لِمَا قَالُوْا'' سے استدلال کیا ہے کہ ایمان صرف اقرار کا نام ہے لیکن آیت میں آنسو بہانے پر ان کی تعریف کرنا اور آیت میں نیکی اور بھلائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرنا اس فرقے کے قول کی تردید کر رہا ہے اور بھلا محض اقرار کرنا ایمان کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ'' اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان دار نہیں (البقرہ:٨) اس آیت مبارکہ میں منافقین کی زبان سے ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' کہنے کے باوجود ان سے ایمان کی نفی کی گئی کیونکہ ان کے دل میں تصدیق نہیں تھی اور اہل معرفت نے فرمایا کہ عارف کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں: (١) حالتِ اضطراب پر رونا (٢) عطاو بخشش پر دعا کرنا (٣) قضا (رب کے فیصلے) پر راضی رہنا' لہٰذا جو شخص معرفت کا دعوے دار ہے اور اس میں ان تین چیزوں میں سے کوئی نہیں تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں جھوٹا ہے۔

ع
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور جنہوں نے کفر اختیار کرلیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہ دوزخی ہیں O اے ایمان والو! تم پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور تم حد سے آگے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O اور اللہ نے تمہیں جو حلال و پاک رزق دیا ہے تم اس میں سے کھاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو O

٨٦- ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں اور دشمنانِ دین کے حق میں ان کا یہ انجام ہے اور پہلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے دینِ

حق کو قبول کرنے کا انجام بیان کیا گیا۔

## حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت اور قسم کا بیان

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ دنیا کو ترک کر دیں گے' ٹاٹ کے کپڑے پہنیں گے' پوری رات عبادت میں قیام کریں گے' دن کو روزہ رکھیں گے' زمین کی سیاحت کریں گے' اپنے آلاتِ تناسل کاٹ دیں گے' وہ نہ گوشت کھائیں گے' نہ چربی استعمال کریں گے' نہ وہ عورتوں کے پاس جائیں گے اور نہ خوشبو لگائیں گے۔

۸۷- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم حلال و پاک چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دے دیا ہے یعنی حلال رزق میں سے جو پاک اور لذیذ ہیں انہیں استعمال کرو اور'' لَا تُحَرِّمُوْا '' کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ان چیزوں کے استعمال سے نہ روکو جیسا کہ حرام سے رُکتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے محض اس بات میں مبالغہ کرنے کی بنا پر کہ تم نے ان کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور دنیا کے مال و متاع سے دست بردار ہو کر فقر کی زندگی اختیار کر لی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور سیّد عالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرغی کا گوشت اور حلوہ تناول فرمایا کرتے تھے اور آپ کو حلوہ اور شہد بہت پسند تھے اور آپ نے فرمایا کہ بے شک مؤمن میٹھا ہے اور میٹھی چیزیں پسند کرتا ہے[1] حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کو ایک دعوت میں بلایا گیا اور اس دعوت میں آپ کے ساتھ فرقد سبخی اور اس کے دیگر ساتھی بھی شریک تھے' چنانچہ سب دسترخوان پر بیٹھ گئے اور دسترخوان پر گھی سے پُر فربہ مرغیوں کا گوشت اور حلوہ وغیرہ رنگ برنگے کھانے چُن دیئے گئے تو فرقد اٹھ کر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا' حضرت حسن نے پوچھا: کیا یہ روزہ دار ہے؟ اس کے ساتھیوں نے کہا: نہیں لیکن وہ رنگ برنگے مرغن کھانے نہیں کھاتا تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے فرقد! کیا تو نے کوئی ایسا مسلمان دیکھا ہے جو خالص گندم کی روٹی اور خالص گھی اور خالص شہد میں عیب تلاش کرتا ہو؟ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی حلوہ نہیں کھاتا اور وہ کہتا ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا' آپ نے فرمایا کہ کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر وہ جاہل ہے کیونکہ ٹھنڈے پانی کی نعمت اس کے لیے حلوہ کی نعمت سے بڑھ کر ہے ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ اور تم اس حد سے آگے نہ بڑھو جو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کے بارے میں مقرر فرما دی ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز کر کے ان حدود کی طرف نہ بڑھو جو اس نے تم پر حرام فرما دی ہیں یا یہ معنی ہے کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال میں حد سے نہ بڑھو (یعنی فضول خرچی نہ کرو) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

۸۸- ﴿ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق عنایت فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ ﴿ حَلٰلًا طَیِّبًا ﴾ حلال پاکیزہ۔ [یہ'' مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ '' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ احکامِ خداوندی کی وصیت کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی مزید تاکید بیان فرما دی: ﴿ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ جس پر تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ اس کی ذات پر ایمان لانا اوامر و نواہی میں تقویٰ اختیار کرنے کو واجب و لازم کرتا ہے۔

---

[1] اس روایت کو دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (حاشیہ الکشاف ج ۱ ص ۶۷۱)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اللہ تمہاری غلط فہمیوں کی قسموں پر تمہیں نہیں پکڑتا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا‘ تو ایسی قسم کے توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کے کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے‘ پھر جو ان میں سے کسی کو نہ پائے تو تین دن روزے رکھے‘ یہ تمہاری قسموں کا بدلا ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)‘ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو‘ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو O

۸۹- ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا۔ یمینِ لغو اس بے مقصد قسم کو کہا جاتا ہے جس پر شرعی حکم جاری نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھائے جس کے بارے میں وہ خیال کرتا ہو کہ وہ اسی طرح ہے لیکن وہ چیز اس کے خیال وگمان کے مطابق نہ ہو اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے کی قسمیں محض اس گمان پر کھائی تھیں کہ یہ ایک عبادت ہے لیکن جب مذکورہ بالا وہ آیت (۸۷) نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہماری قسموں کا کیا بنے گا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یمینِ لغو وہ ہے جو زبان پر بغیر کسی ارادہ کے جاری ہو جائے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ اور لیکن جو قسمیں تم نے نیت اور ارادے کے ساتھ کھائی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت فرمائے گا یعنی جن قسموں کو تم نے دل کے ارادے کے ساتھ مضبوط و مستحکم اور پختہ کیا ہے [اور امام حفص کے علاوہ کوفہ کے باقی قراء کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے] اور ''عقد'' کا معنی ہے کہ کسی کام کو درست کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور یہ ماضی (گزشتہ زمانہ) میں نہیں ہو سکتا‘ سو یمینِ غموس میں کفارہ نہیں[1] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ارادہ دل سے ہوتا ہے اور چونکہ یمینِ غموس میں قصد وارادہ ہوتا ہے‘ لہٰذا یہ منعقد ہو جائے گی اس لیے اس میں کفارہ مشروع ہے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جن کو تم نے قصد وارادہ کے ساتھ مضبوط و مستحکم کر لیا ہے جس وقت تم ان کو توڑ دو گے‘ سو گرفت کا وقت آیت میں محذوف ہے کیونکہ یہ سب کے نزدیک معلوم و معین ہے (کہ کفارہ قسم کے توڑنے پر

[1] قسم کی تین اقسام ہیں: (۱) یمینِ لغو کہ آدمی کسی واقعہ کو اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھا لے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو‘ ایسی قسم پر کفارہ نہیں (۲) یمینِ غموس‘ کہ ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے‘ ایسی قسم کھانے والا سزا کا مستحق ہے‘ اس میں کفارہ نہیں توبہ لازم ہے (۳) یمینِ منعقدہ‘ کہ کسی آئندہ امر پر قصداً قسم کھائی جائے‘ ایسی قسم توڑنا گناہ بھی ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہے‘ قرآن مجید میں اسی قسم کا ذکر کر کے اس کا کفارہ بیان کیا گیا ہے۔

لازم آتا ہے ) یا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جن کو تم نے پختہ کر کے توڑ دیا [ سو اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ] ﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ ﴾ یعنی اس ( قسم ) کو توڑنے کا کفارہ ہے یا یہ کہ دل کے ارادہ سے پختہ کر کے قسم کھانے کا کفارہ ہے اور کفارہ وہ عمل ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے پر گناہ مٹا دیا جائے یعنی اس کی پردہ پوشی کر دی جائے ﴿ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ﴾ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور یہ کھانا ان کو صبح و شام کھلایا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ کھانا کھلانے کی بجائے ان کو بطور ملکیت کھانا وغیرہ دیا جائے اور وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک مسکین کو آدھا صاع ( دو کلو ) گندم یا ایک صاع ( چار کلو ) جو یا ایک صاع کھجور دینی ہوگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مد ( پیمانہ ) ہر مسکین کو دیا جائے گا ﴿ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ درمیانی قسم کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یعنی صبح و شام کا کھانا دیا جائے' جب مالی وسعت زیادہ ہو تو دن میں تین مرتبہ گندم کے کھانے کے ساتھ سالن بھی دیا جائے اور کم از کم دن میں ایک مرتبہ کھجور یا جو کے ساتھ دیا جائے ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ ﴾ یا ان کو کپڑے پہنائے جائیں [ یہ "اِطْعَام" پر معطوف ہے یا " مِنْ اَوْسَطِ " کے محل پر معطوف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ " مِنْ اَوْسَطِ " "اِطْعَامُ" سے بدل ہے اور کلام میں بدل مقصود ہوتا ہے ] اور " كِسْوَةٌ " سے اتنا کپڑا مراد ہے جو بدن کے قابل ستر حصے کو ڈھانپ لے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ تہبند یا قمیص یا بڑی چادر ہو ﴿ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ یا ایک غلام آزاد کیا جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آیت مبارکہ میں بغیر کسی قید کے مطلق غلام آزاد کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایمان کی شرط لگائی ہے اور انہوں نے قتل کے کفارہ میں مقید غلام پر مطلق غلام کو محمول کیا ہے اور "اَوْ" کا معنی تخییر ( اختیار دینا ) ہے اور تینوں کفاروں میں سے کسی ایک کو جواب قرار دیا گیا ہے ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ﴾ سو جو شخص تینوں کفاروں میں سے کوئی کفارہ ادا نہ کر سکے ﴿ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ﴾ " مُتَتَابِعَةٍ " تو مسلسل تین دن روزے رکھے [ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قراءت میں اسی طرح ہے ] ﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ﴾ یہ مذکورہ بالا چیزیں تمہاری قسموں کا کفارہ ( بدلا ) ہیں جب تم قسم کھاؤ اور توڑ دو' پھر قسم توڑنے کا ذکر ترک کر دیا گیا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ کفارہ صرف قسم کھانے پر واجب و لازم نہیں ہو جاتا' یہی وجہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ﴿ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ﴾ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو' سو تم اپنی قسموں کو پورا کرو اور ان کو نہ توڑو جب توڑنے میں بھلائی نہ ہو یا پھر تم بالکل قسم نہ کھایا کرو ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس مذکورہ بالا وضاحت کی طرح ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے اور اس نے تم پر ان سے عہدہ برا ہونا آسان کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور پتھر کے بت اور فال کے تیر ناپاک ہیں شیطان کے کام ہیں' سو تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤO بے شک شیطان تو صرف یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آ جاؤ گےO اور تم اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ہوشیار رہو' پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہےO

## شراب وغیرہ کی حرمت' اطاعت کی تاکید اور پہلے جرائم کی معافی کا اعلان

۹۰- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ﴾ اے ایمان والو! بے شک شراب اور ''میسر'' بہ معنی قمار یعنی جوا ﴿ وَالْاَنْصَابُ ﴾ اور بت کیونکہ بتوں کو پہلے زمین پر نصب کیا جاتا ہے' پھر ان کی عبادت کی جاتی ہے اس لیے ''انصاب'' فرمایا ﴿ وَالْاَزْلَامُ ﴾ اور فال کے تیر' یہ وہ تیر ہیں جن کی تفصیل (اسی سورت کی آیت ۳ میں) گزر چکی ہے ﴿ رِجْسٌ ﴾ ناپاک ہیں یا پلید اور قابلِ نفرت و کراہت گندگی ہیں ﴿ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ شیطانی کام ہیں' چونکہ ایسے کاموں پر شیطان ابھارتا ہے اس لیے گویا یہ شیطانی کام ہیں ﴿ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ تو اس سے بچو [اور اس میں ''ہٗ'' ضمیر ''رِجْسٌ'' کی طرف لوٹتی ہے یا ''عَمَلِ الشَّيْطَانِ'' کی طرف یا مذکور کی طرف یا مضاف محذوف کی طرف لوٹتی ہے] گویا کہا گیا ہے کہ شراب اور جوا (کی رقم سے لوگوں کی) خدمت کی جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''رِجْسٌ'' یہ چیزیں ناپاک ہیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تاکہ تم کامیابی حاصل کرلو' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کی حرمت کی چند طریقوں سے تاکید فرمائی ہے: (۱) ایک یہ کہ اس آیت کو ''اِنَّمَا'' سے شروع فرمایا (جو حصر کا معنی دیتا ہے) (۲) ان دونوں کا ذکر بتوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر کیا گیا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ''[1] شراب پینے والا بت پرستی کرنے والے کی طرح ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے دونوں کو شیطانی عمل قرار دیا اور شیطان کے عمل سے سوائے شر اور برائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا (۴) اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے بچنے کو فلاح و کامیابی قرار دیا ہے اور جب اس سے بچنا کامیابی ہے تو اس کا ارتکاب نقصان و ناکامی ہوئی۔

۹۱- ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ﴾ بے شک شیطان تمہارے درمیان شراب اور جوے کے ذریعے صرف عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے سے پیدا ہونے والے وبال کا یہاں ذکر فرمایا ہے اور وہ شراب پینے والوں اور جوا کھیلنے والوں کے درمیان آپس میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینے کا پیدا ہو جانا ہے اور شراب اور جوا انسان کے لیے نماز کے اوقات کی رعایت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رکنے کا سبب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ اس کا درجہ سب سے زیادہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شراب اور جوا اللہ تعالیٰ کے ذکر خصوصاً نماز سے رکنے کا سبب بن جاتے ہیں اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت مبارکہ میں شراب اور جوئے کو بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ جمع فرمادیا' پھر اس آیت مبارکہ میں ان دونوں کو دوبارہ الگ ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں کو ہے اور ان کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ شراب اور جوا کھیلنے اور اس کے کاروبار

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الاشربہ باب ۶ بلفظ مدمن الخمر بدل شارب

سے باز آ جائیں اور بتوں اور فال کے تیروں کا ذکر صرف شراب اور جوئے کی حرمت کی تاکید کے لیے کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ تمام مشرکین کے اعمال ہیں گویا بتوں کی پوجا کرنے والے اور شراب پینے والے اور جوا کھیلنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں' پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا علیحدہ ذکر کیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ذکر سے یہی دونوں مقصود ہیں ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ تو کیا تم باز آ جاؤ گے اور نہی کا یہی بہترین طریقہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بے شک شراب اور جوئے کے بارے میں بہت سے موانع اور ڈرانے کی اقسام بیان کی گئی ہیں تو کیا تم ان موانع کی وجہ سے باز آ جاؤ گے یا اسی پہلی حالت پر قائم رہو گے کہ گویا نہ تمہیں کوئی نصیحت کی گئی اور نہ تمہیں ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔

۹۲- ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو اور محتاط رہو اور تم پرہیز کرنے اور ڈرنے والے بن جاؤ کیونکہ جب انہیں ڈرایا گیا تو یہ خوف اور ڈر انہیں ہر برائی سے بچنے اور ہر نیک کام کرنے کی دعوت دے گا ﴿ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ پھر اگر تم اس سے پھر گئے تو جان لو کہ بے شک ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی تم جان لو بے شک تم اپنے پھر جانے سے رسول اکرم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے کیونکہ وہ تو صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ اللہ کے احکام و آیات لوگوں تک صاف صاف پہنچا دیں اور جب تم ان مذکورہ بالا احکام سے جن کے تم مکلّف ہو روگردانی کرو گے تو اس کا نقصان خود تمہیں کو ہوگا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ ع ۱۲

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں جو کھا پی چکے جب کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے' پھر ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے' پھر ڈرتے رہے اور نیک کام کرتے رہے' اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O اے ایمان والو! اللہ تمہیں بعض ایسے شکار سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ ان کی پہچان کرا دے جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں' سو جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو شراب اور جوئے کی حرمت سے پہلے ان کو استعمال کرتے رہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو شراب اور جوئے کی حرمت سے پہلے شراب پی اور جوا کھیل کر مال کمایا ﴿ اِذَا مَا اتَّقَوْا ﴾ جب کہ وہ شرک سے بچتے رہے ﴿ وَّاٰمَنُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان قائم رکھا ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور وہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرتے رہے ﴿ ثُمَّ اتَّقَوْا ﴾ پھر وہ حرمت کے حکم کے بعد شراب پینے اور جوا کھیلنے سے بچتے رہے ﴿ وَّاٰمَنُوْا ﴾

اور وہ شراب اور جوئے کی حرمت پر ایمان لائے ﴿ ثُمَّ اتَّقَوْا ﴾ پھر وہ باقی تمام محرمات سے بچتے رہے یا پہلے شرک سے بچتے رہے دوسرے محرمات سے بچتے رہے اور تیسرے شبہات سے بچتے رہے ﴿ وَّاَحْسَنُوْا ﴾ اور وہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے رہے ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ
اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا
اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے اس کو قصداً قتل کیا تو اس کا بدلا مویشیوں میں سے اسی طرح کا جانور ہے جس کو اس نے مارا ہے، تم میں سے دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں گے یہ قربانی حرم کعبہ میں پہنچائی جائے یا چند مسکینوں کو کھانا دے کر کفارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے جرم کا مزہ چکھے، جو گزر چکا اس کو اللہ نے معاف فرمایا، اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے بدلا لے گا، اور اللہ بہت غالب انتقام لینے والا ہے O تمہارے لیے بحری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے اور خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے، جب تک تم احرام میں رہو گے، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم نے اٹھ کر جانا ہے O

## حالت احرام میں شکار کی ممانعت، خانہ کعبہ وغیرہ کی فضیلت اور خبیث وطیب کا فرق

**شانِ نزول:** اور جب (حضور سید عالم ﷺ تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر) چھٹے ہجری کو حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار سے آزمایا اس لیے کہ اس وقت مسلمان احرام باندھے ہوئے تھے اور ان کے پاس شکاری جانور کثرت سے جمع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ان کے قریب آ کر کھڑے ہو جاتے اور ان کے کجاووں و دیگر سامان کو ڈھانپ لیتے تھے، مسلمان چاہتے تو شکاری جانوروں کو ہاتھوں اور نیزوں سے شکار کر سکتے تھے (لیکن وہ امتحان میں کامیاب ہوئے) تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۹۴- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں بعض ایسے شکار کے ذریعے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں اور ''يَبْلُوْ'' کا معنی ''يَخْتَبِرُ'' (وہ آزمائے گا) ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے بارے میں ازل سے جو جانتا ہے اس کو اپنے علم کے مطابق بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے بعد معلوم کر لیتا ہے پہلے معلوم نہیں ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم بھی دیگر صفات کی طرح قدیم ہے) [اور ''مِنْ'' تبعیض (بعض کے معنی) کے لیے ہے کیونکہ تمام

شکار حرام نہیں کیے گئے یا جنس کے بیان کے لیے ہے ] ﴿ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی پہچان کرا دے جو اس سے غائبانہ ڈرتا ہے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ غائبانہ خوف الٰہی رکھنے کے سبب شکار سے رکنے والے اپنے بندے کا خوف (لوگوں پر ظاہر کر کے ) موجود کر دے جیسا کہ اس کے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا تھا کہ بے شک وہ عنقریب موجود ہوگا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے مطابق اس کو ثواب عطا فرمائے صرف اپنے علم کی بنا پر نہیں ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ سو جس نے اس امتحان و آزمائش کے بعد حد سے تجاوز کر کے شکار کر لیا ﴿ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ'' میں قلت کو بیان فرمایا ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی بہت بڑا فتنہ نہیں ہے [ اور '' تَنَالُهٗ'' '' شَيْءٍ'' کی صفت ہے ]۔

۹۵- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم شکاری جانور کو نہ مارو کیونکہ شکار صرف شکاری جانور کا کیا جاتا ہے یا یہ کہ تم شکار گاہ میں شکار کو نہ مارو کیونکہ شکار اسی جگہ میں ہوتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ حالانکہ تم نے احرام باندھا ہوا ہو یعنی محرم ہو [ اور '' حُرُمٌ'' '' حرام '' کی جمع ہے جیسے '' رُدُحٌ'' '' رَدَاح '' کی جمع ہے' یہ جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ '' تَقْتُلُوْا'' کی ضمیرِ فاعل سے حال ہے ] ﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا ﴾ اور تم میں سے جو اس کو قصداً قتل کرے' [ یہ '' متعمدًا'' ضمیرِ فاعل سے حال ہے ] یعنی دریں حالیکہ اس کو احرام یاد ہو یا وہ جانتا ہو کہ بے شک جس شکاری جانور کو قتل کر رہا ہے محرم پر اس کا قتل کرنا حرام ہے' سو اگر اس نے اپنے احرام کو بھول کر شکاری جانور کو مار دیا' یا اس نے شکار پر تیر پھینکا اور اس کا خیال یہ تھا کہ شکار نہیں تو وہ غلطی سے شکار کرنے والا کہلائے گا کیونکہ آیت کریمہ میں جان بوجھ کر شکار کرنے کی شرط ہے لیکن اس کے باوجود احرام کے ممنوعات میں جان بوجھ کر شکار کرنا اور غلطی سے شکار کرنا دونوں جرم میں برابر ہیں اس لیے کہ آیت مبارکہ کا نزول تو صرف اس شخص کے بارے میں ہوا جو جان بوجھ کر شکار کرے لیکن یہ بھی مروی ہے کہ حدیبیہ کے عمرہ میں مسلمانوں کے سامنے جنگلی گدھا آ گیا تو ایک مسلمان ابوالیسر نے اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا' چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تم نے احرام کی حالت میں شکار مار ڈالا ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس لیے بھی کہ اصل حکم تو جان بوجھ کر شکار کرنے والے کے لیے ہے لیکن ڈرانے دھمکانے کے لیے غلطی سے شکار کرنے والے کو بھی اس حکم میں شامل کر لیا گیا ہے اور امام زہری سے مروی ہے کہ قرآن مجید کا حکم جان بوجھ کر شکار کرنے والے کے لیے نازل ہوا ہے اور غلطی سے شکار کرنے کے بارے میں سنت نبوی وارد ہوئی ہے ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ ﴾ [ یہ اہل کوفہ قراء کی قراءت ہے ] یعنی اس پر بدلا لازم ہے جو شکار کیے گئے جانور کے مساوی ہو اور وہ شکار کی قیمت ہے اور یہ قیمت وہاں مقرر کی جائے گی جہاں جانور کو شکار کیا گیا ہے' پھر اگر اس کی قیمت قربانی کی قیمت کو پہنچ جائے تو محرم کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو قربانی کا ایسا جانور خرید لے جس کی قیمت شکار کی قیمت کے برابر ہو اور چاہے تو اس کی قیمت کا کھانا خرید لے اور ہر مسکین کو گندم ہو تو نصف صاع (دو کلو) اور کوئی اور چیز جَو وغیرہ ہوں تو پورا ایک صاع دے دے اور اگر چاہے تو ہر مسکین کو کھانا دینے کی بجائے اس کی جگہ ایک ایک دن روزہ رکھ لے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شکار کے عوض (اس کی قیمت دینے کی بجائے) مویشیوں میں سے ایسا جانور قربان کرنا ضروری ہے جو اس کی مثل ہو' پھر اگر اس شکار کی مثل مویشیوں میں کوئی جانور نہ پایا جائے تو پھر جس طرح اوپر گزرا ہے (اس کی قیمت صدقہ کی جائے گی) [ اور کوفہ کے قراء کے علاوہ دیگر (ابوعمرو بصری' ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی اور نافع مدنی) قراء کے نزدیک '' فَجَزَآءُ مِثْلِ '' اضافت کے ساتھ قراءت کی جائے گی اور یہ اصل میں '' فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ '' ہے ] یعنی شکاری پر لازم ہے کہ وہ شکار کی مثل اس کا بدلا ادا کرے جس کو اس نے شکار کر کے مارا ہے' پھر اس کو مضاف

کیا گیا ہے جیسے کہو کہ مجھے زید کے مارنے سے تعجب ہوا ہے ﴿ مِنَ النَّعَمِ ﴾ مویشیوں میں سے [یہ ''قَتَلَ '' کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ مقتول بھی جانوروں میں سے ہے یا یہ ''جَزَآءٌ'' کی صفت ہے ] ﴿ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ جو شکاری جانور محرم نے مارا یہ اس کی مثل کا فیصلہ تم میں سے دو عادل مسلمان کریں گے اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ مثل سے مثل قیمتی مراد ہے (یعنی جو جانور شکار کے عوض میں ذبح کیا جائے گا وہ قیمت کے اعتبار سے شکاری جانور کی مثل ہو کہ دونوں کی قیمت برابر ہو) اور مثل سے مثلِ صوری مراد نہیں ہے (یعنی جو جانور شکار کے عوض میں ذبح کیا جائے گا وہ شکل وصورت اور جسمانی خلقت وساخت میں شکار کیے گئے جانور کی مثل مراد نہیں ہے کیونکہ ہر شکار کا مثل صوری ملنا ناممکن ہے ) اور اس لیے کہ قیمت مقرر کرنے میں غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ مشاہداتی اشیاء میں غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس لیے بھی کہ مثل مطلق قرآن وسنت اور اجماع میں مثل صوری اور مثل معنوی (یعنی مثل قیمتی) دونوں کے ساتھ مقید ہو گا یا بغیر مثل صوری کے فقط مثل معنوی کے ساتھ مقید ہو گا یا بغیر مثل معنوی کے فقط مثل صوری کے مقید ہو گا اور جن شکاری جانوروں کی مثل صوری نہ ملے ان میں بالاتفاق ان کی قیمت (یعنی مثل معنوی جسے مثل قیمتی بھی کہتے ہیں ) مراد ہو گی' لہٰذا آیت مبارکہ میں مثل معنوی کے علاوہ اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ مشترک میں عموم مراد نہیں ہوتا۔

اعتراض: پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنَ النَّعَمِ ''مثل قیمتی (یعنی مثل معنوی) کی تفسیر کے منافی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے مثل قیمتی کو واجب کیا ہے اس نے محرم کو اختیار دیا ہے چاہے اس سے قربانی کا جانور خرید کر ذبح کر دے چاہے تو کھانا خرید کر مسکینوں کو کھلا دے اور چاہے تو روزے رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں محرم کو اختیار دیا ہے' لہٰذا ''مِنَ النَّعَمِ ''تخییر کی وجوہ میں سے قیمت کے ذریعے خریدی گئی قربانی کا بیان ہے (چنانچہ ''مِنَ النَّعَمِ ''میں ''مِنْ'' بیانیہ ہوا) اس لیے کہ جس نے شکار کی قیمت لگوائی اور اس قیمت کا جانور خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کر دیا تو اس نے مویشیوں میں سے اس شکار کی مثل معاوضہ ادا کر دیا جس کو اس نے شکار کر کے مارا تھا' یہ اس لیے کہ آیت مبارکہ میں اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قربانی کے ساتھ معاوضہ ادا کرے خواہ وہ کھانے کے ساتھ کفارہ ادا کرے خواہ وہ روزوں کے ساتھ کفارہ ادا کرے اور یہ تب درست ہو گا جب وہ اس کی قیمت لگوائے اور قیمت لگوانے کے بعد سوچے کہ وہ تین کفاروں میں سے کون سا کفارہ ادا کرے لیکن جب کوئی شخص (محرم) مثلِ صوری کا ہی ارادہ کر لے اور کوئی دوسرا کفارہ ادا کرنے کی بجائے فقط اسی کو اختیار کر لے تو جب وہ ایسا شکاری جانور شکار کر لے جس کا مثلِ صوری نہ ہو تو اس وقت لازماً اس کو مثلِ معنوی (یعنی مثلِ قیمتی) اختیار کرنا پڑے گا' پھر اسے اختیار دیا گیا کہ کھانا کھلا دے خواہ روزے رکھے اور اس میں (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق) انہیں تین چیزوں کا مطالبہ ہے جن کا آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ هَدْيًا ﴾ [یہ ''يَحْكُمُ بِهٖ ''میں ''بِهٖ '' سے حال ہے ] یعنی تم میں سے اس کا دو منصف آدمی فیصلہ کریں دراں حالیکہ یہ قربانی ﴿ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ کعبہ میں پہنچے والی ہو [یہ ''هَدْيًا'' کی صفت ہے اس لیے اس کی اضافت حقیقی نہیں ہے ] اور کعبہ میں پہنچنے کا معنی یہ ہے کہ اس قربانی کو مکہ مکرمہ لے جا کر حرم شریف کے پاس ذبح کیا جائے پھر جیسے چاہو اس کو صدقہ کر دو اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حرم شریف میں ذبح کیا جائے' ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ یا چند مسکینوں کو کھانا دے کر کفارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے' اس میں تین چیزوں کے درمیان کیسے اختیار دیا گیا ہے اور یہ اختیار بغیر قیمت مقرر کیے نہیں ہو سکتا (تو ثابت ہو گیا کہ ''مِثْلُ مَا قَتَلَ'' سے مثلِ معنوی مراد ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے) ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ ﴾ [یہ ''جَزَآءٌ'' پر معطوف ہے ] ﴿ طَعَامُ ﴾

[یہ ''کَفَّارَۃٌ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''ھِیَ طَعَامٌ'' ہے ''اَوْ کَفَّارَۃُ طَعَامِ'' اضافت کے ساتھ ہے
چنانچہ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت بھی اسی طرح ہے اور یہ اضافت مضاف کے بیان کے لیے ہے گویا
کہا گیا: ''اَوْ کَفَّارَۃٌ مِّنْ طَعَامٍ''] ﴿ مَسٰکِیْنَ ﴾ یا چند مسکینوں کو کھانا دینے سے کفارہ ادا کرنا ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو: ''خَاتِمُ
فِضَّۃٍ '' یعنی ''خَاتِمٌ مِّنْ فِضَّۃٍ'' ﴿ اَوْ عَدْلُ ﴾ [اور اس کو مکسور العین (عین کے نیچے زیر دے کر) ''عِدْلُ'' بھی پڑھا گیا
ہے امام فراء نے کہا کہ ''عَدْلُ'' (عین پر زبر ہو) تو معنی ہوگا: جس شے کا مثل ہے اس کی جنس سے نہ ہو بلکہ دوسری جنس سے
ہو] جیسے شکار کیے گئے جانور کے کفارہ میں روزہ رکھنا اور کھانا کھلانا ہے [اور ''عِدْل'' (عین کے نیچے زیر) ہو تو معنی ہوگا: جو
ہم جنس کی مثل ہو] (جیسے ہرن کے کفارہ میں بکری وغیرہ جانور) اور اسی وجہ سے لکڑیوں کے گٹھے کو ''عِدل'' کہا جاتا ہے [اور
کہا جاتا ہے کہ ''عِنْدِیْ غُلَامٌ عِدْلُ غُلَامِكَ'' عین کے کسرہ کے ساتھ جب وہ اس کی جنس مراد لے] یعنی میرے پاس
ایک غلام ہے جو تیرے غلام کی طرح ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہو کہ میرے غلام کی قیمت تیرے غلام کی قیمت کے برابر ہے
[اور اس کی جنس مراد نہ ہو تو کہا جائے گا: ''ھُوَ عَدْلُ غُلَامِكَ'' عین پر فتح کے ساتھ] ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ طعام کی طرف اشارہ ہے
﴿ صِیَامًا ﴾ [یہ تمیز ہے جیسے ''لِیْ مِثْلُہٗ رَجُلًا'' ہے] اور اس میں قاتل (محرم) کو اختیار دیا گیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ کے نزدیک دو منصفوں کو اختیار دیا گیا ہے ﴿ لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ ﴾ یہ ''فَجَزَآءٌ'' کے متعلق ہے یعنی محرم شکاری پر لازم
ہے کہ وہ شکار کا بدلا ادا کرے یا اس کا کفارہ ادا کرے تاکہ وہ احرام کی حرمت کی ہتک وتوہین کی برائی کا مزہ چکھے اور ''وَبَالَ'' اس
مکروہ ضرر اور نقصان کو کہا جاتا ہے جو بندے کو شامت اعمال نفس کی وجہ سے پہنچے چونکہ یہ اس پر بوجھ ہوتا ہے اس لیے اس کو وبال
کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا. (المزمل:١٦) یعنی سو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا''
''اَیْ ثَقِیْلًا شَدِیْدًا'' اور طعام وبیل اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو معدہ پر بوجھ بن جائے اور ہضم نہ ہو ﴿ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ﴾
اور حرمت سے پہلے تم نے جو حالت احرام میں شکار کر لیے وہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معاف فرما دیئے ﴿ وَمَنْ عَادَ ﴾
اور جو شخص حرمت کے بعد دوبارہ شکار مارے گا یا اسی احرام میں دوبارہ شکار کرے گا ﴿ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس
سے ضرور بدلا لے گا [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ''فَھُوَ یَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ'' ہے] ﴿ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ﴾
اور اللہ تعالیٰ احکام لازم کرنے پر غالب وقادر ہے اور اسلام کی حدود سے تجاوز کرنے والے کی گرفت فرما کر سخت سزا دینے
والا ہے۔

٩٦- ﴿ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ ﴾ دریاؤں اور سمندروں کے شکار تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ کھانے کے
قابل ہوں خواہ وہ کھانے کے قابل نہ ہوں ﴿ وَطَعَامُہٗ ﴾ اور جس شکار کو کھایا جا سکتا ہے اور معنی یہ ہے کہ پانی کے جن
جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان سب سے نفع اٹھانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے اور کھانا صرف وہی تمہارے لیے حلال
ہے جو کھانے کے قابل ہو اور وہ صرف مچھلی ہے (یعنی اس کی تمام اقسام) ﴿ مَتَاعًا لَّکُمْ ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی یہ چیزیں
تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے حلال کی گئی ہیں ﴿ وَلِلسَّیَّارَۃِ ﴾ اور مسافروں کے لیے اور معنی یہ ہے کہ اس کا طعام تمہیں فائدہ
پہنچانے کے لیے تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے تاکہ تم میں سے مقیمین (گھروں میں رہائشی) اس کو تازہ بہ تازہ کھائیں اور تم
میں سے جو مسافر ہیں وہ اسے خشک کر کے زادِ راہ کے طور پر ساتھ لے جائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ
السلام کے پاس ملاقات کے لیے جاتے وقت سفر کے خرچ کے لیے مچھلی ساتھ لے گئے تھے ﴿ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ ﴾
اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جو جنگل وغیرہ میں شکار کیا جاتا ہے اور اس سے وہ وحشی جانور مراد ہیں جو خشکی میں پیدا

ہوتے ہیں اگر چہ بعض اوقات پانی میں رہتے ہیں جیسے بطخ اور مرغابی وغیرہ سو یہ خشکی کے جانور ہیں کیونکہ یہ خشکی میں پیدا ہوتے ہیں اور سمندر دریا' تالاب وغیرہ ان کی چراگاہیں ہیں جیسا کہ یہ انسانوں کے لیے تجارت گاہیں ہیں ﴿مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ جب تک تم حالت احرام میں محرم رہو گے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم حرم شریف میں یا حالت احرام میں شکار کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ جس کے حضور تم نے اٹھ کر جانا ہے سو وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ
وَالْقَلَآىِٕدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور حرم کی قربانی کو اور گلوں میں علامتِ قربانی کے آویزاں پٹوں والے جانوروں کو' یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O تم جان لو بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O رسول پر صرف حکم پہنچانا لازم ہے' اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو O

۹۷- ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرمت وعزت والے گھر کعبہ شریف کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کے دینی امور کی ترقی کا ذریعہ اور ان کے دنیوی معاش اور اخروی فلاح کے اغراض ومقاصد اور فوائد کے لیے قیام کا سبب بنا دیا ہے کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے ان کے حج' عمرے کے معاملات اور ہر قسم کے ثمرات ومنافع اور فوائد مکمل ہوتے ہیں' ایک قول کے مطابق اگر یہ لوگ اس گھر کو چھوڑ دیتے تو نہ ان پر نظرِ کرم کی جاتی' نہ ان کی مدد کی جاتی اور نہ ان کو زندگی کی مہلت دی جاتی [اور ''جَعَلَ'' بہ معنیٰ ''صَیَّرَ'' ہے اور ''الْبَیْتَ الْحَرَامَ'' بدل ہے یا عطف بیان ہے اور ''قِیٰمًا'' دوسرا مفعول ہے یا ''جَعَلَ'' بہ معنیٰ ''خَلَقَ'' ہے اور ''قِیٰمًا'' حال ہے ] ﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ اور حرمت والے مہینے کو اور اس سے وہ مہینہ مراد ہے جس میں حج ادا کیا جاتا ہے اور وہ ذوالحج شریف ہے اور دیگر مہینوں کے علاوہ صرف اس مہینہ میں ارکان حج ادا کرنے کی خصوصیت کی وجہ سے اس کی بڑی شان ہے جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یا اس سے محترم مہینہ کی جنس مراد ہے اور وہ یہ ہیں: رجب' ذوالقعدہ' ذوالحج اور محرم ﴿وَالْهَدْیَ﴾ اور ہدی وہ قربانی ہے جو مکہ مکرمہ بھیج کر حرم شریف کے پاس ذبح کی جاتی ہے (بہرحال اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کی طرف حرمت والے مہینے اور قربانی کے جانوروں) ﴿وَالْقَلَآىِٕدَ﴾ اور گلوں میں آویزاں پٹوں والے جانوروں کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا اور ان قلادہ والے جانوروں میں خصوصاً اونٹ زیادہ اہم ہیں کیونکہ ان میں زیادہ ثواب ہے اور حج کی قدر وقیمت انہی کے ساتھ نکھر جاتی ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کعبہ

معظّمہ کو باعث قیام بنانے کی طرف اشارہ ہے یا شکار کو ترک کر کے احرام کی حرمت کی حفاظت وغیرہ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ تاکہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے یعنی تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کے مصالح و منافع اور ان کے فوائد کو خوب جانتا ہے اور وہ کیسے نہیں جانے گا حالانکہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۹۸۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو سخت ترین سزا دے گا جو حرم اور احرام کی توہین کرے گا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا جو محارم کی تعظیم و حفاظت کرے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ اس مجرم پر بے حد مہربانی فرمائے گا جو جرم کے ارتکاب کے بعد تائب ہو کر حرمت والے شہر میں پناہ لے لے گا۔

۹۹۔ ﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ رسول کریم کے ذمے صرف صاف صاف احکام کا پہنچانا ہے۔ آپ کو جن احکام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے اس آیت مبارکہ میں ان کے قیام کے وجوب کی تاکید کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ بے شک رسول اکرم ﷺ اس فرض سے سبک دوش ہو چکے ہیں جس کی تبلیغ آپ پر فرض تھی اور تم پر حجت قائم ہو گئی ہے اور تم پر آپ کی اطاعت لازم ہو چکی ہے اور اب کسی قسم کی کوتاہی کے لیے تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو سو اس پر تمہارا انفاق اور اتفاق پوشیدہ نہیں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

آپ فرما دیں کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو تو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ○ اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت پوچھو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ ان کو معاف فرما چکا اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے○ تم سے پہلے ایک قوم نے ایسے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ ان کی وجہ سے کافر ہو گئے○

۱۰۰۔ ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے جب اللہ تعالیٰ نے خبر سنائی کہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو خوب جانتا ہے تو اب یہ ذکر فرمایا کہ ان میں سے ناپاک اور پاک برابر نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فرق کرے گا اور ناپاک یعنی کافر کو سزا دے گا اور پاک یعنی مسلمان کو ثواب عنایت فرمائے گا ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ﴾ اور اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت عجیب لگے اور تم

پاک کو اختیار کرو اگر چہ تھوڑا ہو اور خبیث کو پسند نہ کرو اگر چہ بہت زیادہ ہو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت مبارکہ کا حکم عام ہے حلال مال اور حرام مال اور نیک عمل اور برے عمل اور نیک لوگ اور بُرے لوگ سب کو شامل ہے (لہٰذا تم حلال مال' نیک عمل اور نیک لوگوں کو اختیار کرو) ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ سو تم اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی خالص اور سلامت عقول والے مراد ہیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

## بے جا سوالات کرنے اور حلال اشیاء کو حرام کہنے کی ممانعت

شانِ نزول: لوگ حضور نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان بہت زیادہ اور بے مقصد سوالات کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:[1]

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''صحیح مسلم شریف'' کے حوالے سے اس آیت مبارکہ کے دو شانِ نزول بیان کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: ''يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا'' اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے' سو تم حج کرو' تو ایک شخص اقرع بن حابس نے عرض کی کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس آدمی نے تین بار اپنا سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا: ''لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ'' اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے' جب تک میں خود بیان نہ کروں تم نہ پوچھا کرو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرتی تھیں اور ان سے بے جا سوالات کرتی تھیں' لہٰذا میں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے تم اس پر عمل کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اس کو چھوڑ دو۔ حضرت ابو ہریرہ نے ذکر کیا کہ اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

(۲) دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ بے مقصد سوالات کرنا شروع کر دیئے تو ایک روز آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ''لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ'' آج تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب تمہیں ضرور دوں گا' جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ڈر گئے کہ کہیں کوئی نیا معاملہ تو پیش نہیں آ گیا' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو ہر آدمی اپنا سر اپنے کپڑے میں جھکا کر رو رہا ہے' چنانچہ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا جس کے باپ کے متعلق لوگ تحفظات کا شکار تھے' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں' ہم تمام فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں' پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آج میں نے ہر خیر و شر کو دیکھ لیا ہے کیونکہ جنت و دوزخ کے نقشے اس دیوار کے سامنے کر دیئے گئے یہاں تک کہ میں نے ان میں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے' اور ابن شہاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر واپس لوٹ کر آئے تو ان کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے بڑھ کر نالائق بیٹا نہیں دیکھا' تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا کیا حال تھا' خدانخواستہ تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو آج کیسی ذلت و رسوائی ہوتی' اس پر حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے کہا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی حبشی کو میرا باپ بتا دیتے تو میں یقین کر لیتا اور بہت سے لوگوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ (تفسیر روح المعانی الجزء ۷ صفحہ ۳۹۔۴۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: ممکن ہے کہ دونوں واقعات قریب قریب پیش آئے ہوں' پھر دونوں کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم. غوثوی مہاروی

۱۰۱۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی [علامہ خلیل' سیبویہ اور جمہور بصریوں نے کہا کہ ''اَشْیَاء'' کی اصل ''شَیْئَاءُ'' تھی جس میں دو ہمزے تھے جن کے درمیان الف تھا اور یہ ''فَعْلَاءُ'' کے وزن پر تھا اور یہ لفظ ''شَیْئٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس میں دوسرا ہمزہ تانیث کا ہے اس لیے یہ ''حَمْرَآءُ'' کی طرح منصرف نہیں ہوتا اور یہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور جب دو ہمزے اکٹھے ثقیل ہو گئے تو پہلے ہمزے کو جو لام کلمہ ہے مقدم کیا گیا اور اس کو شین سے پہلے کر دیا گیا تو اس کا وزن ''لَفْعَاءُ'' ہو گیا] ﴿ وَاِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ﴾ [یہ جملہ اور اس سے پہلے جملہ شرطیہ جس پر یہ معطوف ہے یہ دونوں ''اَشْیَاءُ'' کی صفت ہیں] یعنی اگر تم ان مشکل تکالیف کے بارے میں وحی کے نزول کے زمانہ میں سوال کرتے اور وہ یہ کہ جب تک رسول کریم تمہارے سامنے موجود ہوں تو تمہارے لیے یہ تکالیف ظاہر کر دی جاتیں جو تمہیں بری لگتیں یعنی تمہیں غمگین کر دیتیں اور وہ تم پر دشوار ہوتیں اور تمہیں ان کے برداشت کرنے کا حکم دیا جاتا اور تم ان میں کوتاہی کرتے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب کے لیے پیش کرتے ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے گزشتہ سوالوں کی کوتاہی کو معاف فرما چکا' لہٰذا تم آئندہ اس قسم کی کوتاہی دوبارہ نہ کرنا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ تمہیں خبردار کرنے اور ڈرانے سے پہلے سزا نہیں دے گا۔

۱۰۲۔﴿ قَدْ سَاَلَهَا ﴾ [اس میں ضمیر ''اَشْیَاء'' کی طرف نہیں لوٹتی ورنہ ''عَنْ'' کے ساتھ متعدی ہوتی بلکہ یہ اس سوال کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''لَا تَسْــٴَـلُوْا'' دلالت کر رہا ہے] یعنی بے شک اس طرح کے سوال ﴿ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ﴾ تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک قوم نے کیے تھے ﴿ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ﴾ پھر وہ لوگ اس کے سبب کافر ہو گئے جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں مشہور ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اللہ نے کسی جانور کو بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی' لیکن کفار اللہ پر بہتان لگاتے ہیں' اور ان میں بہت زیادہ بے عقل ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں: ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا' یہ کیا حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ وہ صحیح راہ پر تھے O

۱۰۳۔﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کو بحیرہ کر دیتے یعنی اس کے کان چیر دیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس کو پانی سے روکتے اور

نہ اس کو چراگاہ سے منع کرتے اور انہوں نے اس کا نام بحیرہ رکھا اور ان میں سے کوئی آدمی منت مانتا تو کہا کرتا کہ جب میں اپنے سفر سے صحیح سلامت لوٹ آؤں گا یا میں اپنی اس بیماری سے شفایاب ہو جاؤں گا تو میری یہ اونٹنی سائبہ (بتوں کے لیے آزاد) ہوگی اور وہ اس کو بحیرہ کی طرح کر دیتا اور وہ اونٹنی آزاد پھرتی رہتی' اس سے کسی قسم کا نفع لینا حرام کر دیا جاتا تھا اور ایک قول کے مطابق جب کوئی آدمی اپنا غلام آزاد کر دیتا تو کہتا کہ یہ سائبہ (یعنی آزاد) ہے' اب ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ وراثت رہی اور جب بکری سات بچے جَن دیتی تو پھر اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اسی طرح اگر نر اور مادہ دو بچے ہو جاتے تو کہتے: وہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے' سو یہ وصیلہ ہے یعنی ملنے والی ہے اور جب نر اونٹ دس بارہ اونٹنیوں کو گابھن کر دیتا تو کہتے کہ اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے' نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس پر سامان لادتے اور نہ پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے روکتے اور اس کو حامی (اپنی پشت کو محفوظ کرنے والا) کہتے اور ''مَا جَعَلَ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کا حکم دیا ہے ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن کافر لوگ اپنی طرف سے حرام کر کے مذکورہ بالا جانوروں کو حرام قرار دیتے اور ﴿يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں کہ خود حرام قرار دے کر ان کی حرمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان میں اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا اور یہ ان کے عوام ہیں۔

۱۰۴- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (کتاب) اور رسول کی طرف آؤ یعنی تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف آؤ کہ بے شک یہ چیزیں حرام نہیں ہیں ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ کہتے: ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا یعنی ہمیں یہی کافی ہے [''حَسْبُنَا'' مبتدا ہے اور ''مَا وَجَدْنَا'' اس کی خبر ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِی'' ہے] ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس پر ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَ حَسْبُهُمْ ذٰلِكَ'' ''وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ''] ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ کیا ان کو یہی کافی ہے حالانکہ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ پر ہوں یعنی اقتدا تو ہدایت یافتہ عالم کی صحیح ہوتی ہے اور اس کا ہدایت یافتہ ہونا حجت و دلیل سے جانا جا سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ
اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ
الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا
نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اے ایمان والو! تم پر اپنی اصلاح لازم ہے' جب تم صحیح راہ پر ہوتو کوئی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہوO اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو وصیت کرتے وقت موت آ جائے تو تمہاری آپس کی گواہی یہ ہے کہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے (گواہ) ہوں' یا پھر غیروں میں سے دو آدمی (گواہ) ہوں جب کہ تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا حادثہ آ پہنچے' تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو اگر تمہیں شک ہو تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس کے عوض میں کوئی مال نہیں لیں گے اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں' اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے' بے شک ہم ایسا کریں تو سخت گنہگاروں میں ہوںO

## اصلاحِ نفس اور گواہی کی اہمیت کا بیان

۱۰۵- ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ ["اَنْفُسَكُمْ" "عَلَيْكُمْ" کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ اسمائے افعال میں سے ہے] یعنی اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی اصلاح کو اپنے اوپر لازم کر لو [اور "عَلَيْكُمْ" میں کاف اور میم (یعنی "كُمْ") جر کی جگہ پر ہے کیونکہ یہ اسمِ فعل جار مجرور ہے صرف اکیلا "عَلٰی" نہیں] ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا جب تک تم خود ہدایت پر قائم رہو گے [اور "لَا يَضُرُّكُمْ" مستقل نیا جملہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا پھر جوابِ امر کی بنا پر مجزوم ہے اور را پر ضمہ محض ضاد کی اتباع کی وجہ سے دیا گیا ہے]۔

شانِ نزول: مسلمانوں کو عناد پرست کافروں کے کفر و عناد اور ان کی ہٹ دھری پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے دل آزردہ رہتے تھے اور ان کی قلبی خواہش ہوتی تھی کہ کاش! یہ کافر عناد و ضد بازی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور پکے سچے مسلمان بن جائیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلّی کے لیے آیت مبارکہ نازل فرمائی اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تم پر اپنی اصلاح لازم و ضروری ہے اور تم ان کی اصلاح کے ہر حال میں مکلّف نہیں ہو اور کسی گمراہ کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ تمہیں دین اسلام سے پھیر سکتی ہے بشرطیکہ جب تک تم خود ہدایت پر قائم رہو گے اور یاد رکھو اس آیت مبارکہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا فریضہ ترک کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں تبلیغی کاموں کی طاقت رکھتے ہوئے ان کو ترک کرنا جائز نہیں ہے ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ تم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے' پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین میں سے بدیل جو حضرت عمرو بن العاص کے غلام تھے عدی بن بدآء اور تمیم بن اوس کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے یہ دونوں ساتھی عیسائی تھے اور بدیل ملک شام پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور انہوں نے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ان سفر کے ساتھیوں کو نہ بتلایا اور ان کو وصیت کی کہ مدینہ شریف پہنچ کر تمام سامان ان کے گھر والوں تک پہنچا دیں اور بدیل کی وفات ہو گئی تو انہوں نے ان کا سامان کھول کر دیکھا (جس میں تین سو مثقال چاندی کا ایک پیالہ ملا جس پر سونے کا کام کر کے منقش بنایا گیا تھا جس کو بدیل نے بادشاہِ شام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرنا تھا) چنانچہ ان عیسائیوں نے وہ پیالہ چوری کر لیا اور باقی سامان مدینہ منورہ پہنچ کر ان کے گھر پہنچا دیا اور ان کے گھر والوں نے سامان میں سے فہرست والا رقعہ برآمد کر لیا (جس کے مطابق چاندی کا پیالہ نہیں تھا) تو انہوں نے ان دونوں سے پیالے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے انکار کر دیا تو بدیل کے ورثاء نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں مقدمہ دائر کر دیا جس پر یہ (مندرجہ ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۰۶۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَیۡنِكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ حِیۡنَ الۡوَصِیَّةِ اثۡنٰنِ ﴾ اے ایمان والو! جب وصیت کے وقت تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو تمہارے درمیان دو آدمی گواہی دیں [اور ''اِثْنَانِ'' مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے اور وہ ''شَهَادَةُ'' ہے جو اصل میں ''شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ شَهَادَةُ اِثْنَیْنِ'' ہے یا پھر اس لیے کہ یہ ''شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ'' کا فاعل ہے ''اَیْ فِیْمَا فُرِضَ عَلَیْكُمْ اَنْ یَّشْهَدَ اِثْنَانِ'' یعنی اس میں تم پر فرض کیا گیا ہے کہ دو آدمی گواہی دیں اور ''بَیْنَ'' میں توسیع کر کے اس کی طرف مصدر کو مضاف کیا گیا ہے ''وَاِذَا حَضَرَ'' ''شَهَادَةُ'' کا ظرف ہے اور ''حِیْنَ الْوَصِیَّةِ'' اس سے بدل ہے اور اس کو بدل بنانے میں وصیت کے واجب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ موت کا حاضر ہونا لازمی امور میں سے ہے اور ''حِیْنَ الْوَصِیَّةِ'' اس سے بدل ہے ] اس لیے موت کا حاضر ہونا وصیت کے واجب و لازم ہونے کی دلیل ہے اور اگر وصیت میں اختیار نہ ہو تو امتحان و آزمائش کا مقصد ختم ہو جائے گا اس لیے اس کو وجوب کی طرف نقل کیا گیا اور موت کے حاضر ہونے کا یہ معنی ہے کہ موت کا وقت قریب آ جائے اور موت کے آنے کی علامات ظاہر ہو جائیں ﴿ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ﴾ وہ تمہارے دو گواہ عادل و منصف ہوں [اور یہ ''اِثْنَانِ'' کی صفت ہے ] اور ''مِنْكُمْ'' کا معنی ہے کہ وہ دو گواہ تمہارے رشتہ داروں میں سے ہوں کیونکہ وہ میت کے حالات کو زیادہ بہتر جانتے ہیں ﴿ اَوۡ اٰخَرٰنِ ﴾ [یہ ''اِثْنَانِ'' پر معطوف ہے ] یعنی یا دوسرے گواہ ہوں جو ﴿ مِنۡ غَیۡرِكُمۡ ﴾ تمہارے رشتہ داروں کے بجائے تمہارے غیروں اور اجنبیوں میں سے ہوں ﴿ اِنۡ اَنۡتُمۡ ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ اگر تم زمین پر سفر کرو [اور ''اَنْتُمْ'' پوشیدہ فعل کا فاعل ہے جس کی تفسیر یہ ظاہر فعل (ضَرَبْتُمْ) کر رہا ہے ] ﴿ فَاَصَابَتۡكُمۡ مُّصِیۡبَةُ الۡمَوۡتِ ﴾ اور تمہیں موت کا حادثہ آ پہنچے [یا ''مِنْكُمْ'' کا معنی ''مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' اور ''مِنْ غَیْرِكُمْ'' کا ''مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ'' ہے ] یعنی دو گواہ مسلمانوں میں سے ہوں یا ذمیوں (یعنی اسلامی ملک کی شہریت رکھنے والے غیر مسلموں) میں سے ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ ذمی کی گواہی مسلمان پر جائز نہیں ہے یہ صرف شروع اسلام میں جائز تھی کیونکہ شروع میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی (ہر جگہ مسلمان نہیں ملتے تھے ) ﴿ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا ﴾ تم انہیں روک لو اور قسم اٹھانے کے لیے تم انہیں ٹھہرا لو اور یہ ایک نیا مستقل علیحدہ کلام ہے [یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ''اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَیْرِكُمْ'' کی صفت ہے یعنی یا تمہارے غیروں میں سے دوسرے گواہ ہوں جن کو روک لیا جائے اور ''اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ'' موصوف اور صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے ] ﴿ مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ ﴾ نمازِ عصر کے بعد (ان کو روک لیا جائے ) کیونکہ یہ لوگوں کے اجتماع کا وقت ہوتا ہے اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ نماز عصر کے بعد یا ظہر کی نماز کے بعد اس لیے کہ اہل حجاز ان دو نمازوں کے بعد فیصلہ سننے کے لیے بیٹھتے ہیں اور بدیل کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی اور بعد میں عدی اور تمیم کو بلایا اور منبر کے پاس قسم کھانے کا ان سے مطالبہ کیا اور ان دونوں نے قسم کھالی پھر بعد ازاں وہ پیالہ مکہ مکرمہ میں پایا گیا اور مکہ والوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے[1] ﴿ فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِیۡ بِهٖ ثَمَنًا ﴾ اگر تمہیں ان دونوں گواہوں کی امانت داری میں شک ہو تو وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اللہ کے نام پر اور قسم کے عوض میں دنیا کا مال و دولت اور اس کی قیمت نہیں خریدیں گے [اور ''یُقْسِمَانِ'' اور اس کے جواب ''لَا نَشْتَرِیْ'' کے درمیان ''اِنِ ارْتَبْتُمْ'' جملہ معترضہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے ] جس سے یہ کلام بے نیاز کر دیتا ہے اور اصل میں یوں ہے کہ اگر تمہیں ان کے بارے میں

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث:۳۰۵۹ وقال حدیث غریب۔

شک ہے تو ان سے قسم لو ﴿ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ یعنی جس کے لیے قسم کھائی جا رہی ہے وہ اگر چہ رشتہ دار ہو یعنی ہم مال و دولت کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر چہ ہم جس کی خاطر قسم کھا رہے ہیں وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہو ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ﴾ اور ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی نہیں چھپائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس گواہی کی حفاظت و تعظیم کا حکم دیا ہے ہم اس کو ہرگز نہیں چھپائیں گے ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴾ اگر ہم نے گواہی کو چھپا لیا تو بے شک ہم اس وقت ضرور گنہگاروں میں ہو جائیں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگر ان دونوں سے محض گواہ مراد ہیں تو گواہوں سے حلف لینا منسوخ ہو چکا ہے اور اگر ان سے وصی (جس کو وصیت کی گئی ہو) مراد ہیں تو ان سے حلف لینا منسوخ نہیں ہوا۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۴

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو ان کی جگہ ان لوگوں کے دو اور قرابت دار کھڑے ہو جائیں جن کا انہوں نے حق ضائع کیا ہے اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا' بے شک ہم ایسا کریں تو ظالموں میں ہوں O یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ سچی گواہی دیں یا وہ اس بات سے ڈریں کہ دوسروں کی قسم کے بعد ان کی قسم رد کر دی جائے گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو' اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

۱۰۷۔ ﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ﴾ پھر اگر معلوم ہو جائے اور یہ اطلاع مل جائے کہ بے شک انہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور گواہی میں خیانت کا ایسا کام کیا ہے جس نے ان دونوں پر گناہ کو واجب کر دیا ہے اور وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان کے بارے کہا جائے کہ بے شک وہ دونوں ضرور گنہگاروں میں سے ہیں ﴿ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ﴾ تو گواہی دینے کے لیے ان کے قائم مقام دو اور گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کے سبب پہلوں پر گناہ کا ارتکاب لازم آیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ گواہ ان لوگوں میں سے لیے جائیں جن کا حق دبانے کی وجہ سے پہلے گواہ مجرم بنے ہیں اور وہ میت کے وارث اور اس کے خاندان کے افراد ہیں اور بدیل کے قصے میں ہے کہ جب عدی اور تمیم کی خیانت ظاہر ہو گئی تو بدیل کے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھا کر گواہی دی تھی کہ وہ پیالہ ان کے ساتھی بدیل کا ہے اور یہ کہ ان کی گواہی پہلوں کی گواہی سے زیادہ درست اور زیادہ صحیح ہے ﴿ الْاَوْلَيٰنِ ﴾ گواہی کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ دونوں مرنے والے کے قرابت دار ہیں یا اس لیے کہ یہ دونوں اسے خوب جانتے ہیں [ اور یہ مبتدا محذوف "ھُمَا" کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے' گویا کہا گیا ہے: "وَمَنْ ھُمَا" اور وہ دو کون ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا:

''هُمَا الْاَوْلَیَانِ'' یا پھر یہ ''یَقُوْمَانِ'' کی ضمیر سے بدل ہے یا ''فَاٰخَرَانِ'' سے بدل ہے اور امام حفص کی قراءت میں ''اِسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیَانِ'' ہے [یعنی جن کا حق جھوٹی گواہی نے چھین لیا ہے ان کے ورثاء میں سے گواہی دینے کے لیے قرابت دار زیادہ حق دار ہیں اور یہ جھوٹی گواہی دینے والوں کی جگہ سچی گواہی دیں اور یہ اپنی گواہیوں کے ذریعے جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ ظاہر کر دیں [اور قاری حمزہ اور ابوبکر کی قراءت میں ''الْاَوَّلِیْنَ'' ہے اور ''الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمْ'' مجرور کی صفت ہے یا مدح کی بنا پر منصوب ہے اور انہوں نے ان کا نام ''اَوَّلِیْنَ'' اس لیے رکھا ہے کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ''شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ'' کے مطابق ذکر میں اَوَّلِیْنَ ہیں] ﴿فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ سو یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ بہتر و برحق ہے یعنی ہماری گواہی ان خیانت کرنے والے وصیوں کی گواہی سے قبول کرنے میں زیادہ برحق ہے ﴿وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ﴾ اور ہم نے گواہی دینے میں حق سے تجاوز نہیں کیا ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی اگر ہم قسم کھانے اور گواہی دینے میں جھوٹ بولیں تو بے شک ہم اس وقت ضرور ظالموں میں سے ہو جائیں۔

۱۰۸- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حکم کا بیان ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے ﴿اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ﴾ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ گواہی دینے والے اس حادثے کے مطابق گواہی دیں جیسا کہ گواہی کا حق ہے اور جس طرح انہوں نے ذمہ داری قبول کی ہے اسی کے مطابق بغیر خیانت کے گواہی ادا کریں ﴿اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ یا وہ اس بات کی وجہ سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد کر دی جائیں یعنی ان کی قسموں کے بعد دوسرے گواہوں کی قسم دوبارہ لی جائے اور یہ اپنے جھوٹ کے ظاہر ہو جانے پر رسوا ہو جائیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم خیانت کرنے اور جھوٹی قسم کھانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور تم غور سے سنو اور سن کر قبول کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فاسق یعنی اطاعت وفرماں برداری سے نکلنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہاں ''اَوْ'' لانے کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ یہ لوگ مبنی برحق اور سچی گواہی دیں یا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر یا قسم کے رد ہونے پر ذلت و رسوائی اور شرم و عار کے خوف کی وجہ سے اور اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ بدیل کے ورثاء نے عیسائیوں پر دعویٰ کیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے جس پر انہوں نے قسم کھالی' پھر جب ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو انہوں نے جو چھپا لیا تھا اس کے بارے میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے بدیل سے خرید لیا تھا جس کا ورثاء نے انکار کر دیا لیکن قسم ورثاء پر رکھی گئی کہ انہوں نے خریداری کا انکار کر دیا تھا (جس سے واضح ہو گیا کہ قسم مدعی پر نہیں بلکہ منکر پر ہوگی)۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا' پھر فرمائے گا: تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا' وہ عرض کریں گے: ہمیں کچھ معلوم نہیں' بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے O

## روزِ قیامت رسولوں سے سوال' حضرت عیسیٰ پر انعامات کا تذکرہ اور انعامِ خدا کے نزول کے دن عید منانا

۱۰۹- ﴿ یَوْمَ ﴾ [یہ ''اذْكُرُوْا'' یا ''احْذَرُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو جس دن ﴿ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یعنی تم نے جب دنیا میں اپنی امتوں کو ایمان کی دعوت دی تھی تو انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا تھا؟ اور یہ سوال پیغمبروں کے منکرین کو ڈرانے کے لیے ہوگا [اور ''مَاذَا''، ''اُجِبْتُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور مصدر کے معنی پر نصب دی گئی ہے یعنی ''اَیَّ اِجَابَةٍ اُجِبْتُمْ'' تمہیں کیا جواب دیا گیا؟] ﴿ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ﴾ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں اپنی قوم کے اخلاص کا کوئی علم نہیں' اس کی دلیل (درج ذیل ارشاد ہے:) ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴾ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو خوب جاننے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہمارے وصال کر جانے کے بعد جو کچھ انہوں نے کیا اس کا ہمیں کچھ علم نہیں' اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ''كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ'' (المائدہ:۱۱۷) ''صرف تو ہی ان پر نگہبان تھا'' یا یہ معنی ہے کہ یہ تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کے ادب و احترام کے پیش نظر یہ بات عرض کریں گے یعنی یا اللہ! ہمارا علم تیرے علم کے مقابلے میں ساقط اور نہ ہونے کے برابر ہے تو گویا ہمارا علم کچھ نہیں [1]

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۱۰

جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر میری نعمت کو یاد کرو جب میں نے پاک روح کے ذریعے تمہاری مدد کی' تم جھولے میں اور پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرتے تھے' اور جب میں نے تمہیں کتاب اور

[1] واضح رہے کہ یہ جواب قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے شروع میں ہوگا ورنہ بعد میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ۝ (النساء:۴۱)

پھر اس وقت (کافروں کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے (اس کے نبی کو) گواہ لائیں گے (جو ان کے بارے میں گواہی دے گا) اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے ۝

حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی' اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی طرح مورت بناتے' پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو تندرست کرتے تھے' اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے' اور جب میں نے بنی اسرائیل کو روک کر تمہیں بچا لیا تھا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تھے تو ان میں سے کافروں نے کہا کہ یہ تو صرف کھلا جادو ہے O

۱۱۰- ﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ [یہ ''يَوْمَ يَجْمَعُ'' سے بدل ہے] یعنی جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾ اے عیسیٰ ابن مریم! اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسان کو یاد کرو کہ میں نے اس کی پاکیزگی بیان کی اور میں نے اس کو تمام جہانوں کی عورتوں پر بزرگی وفضیلت بخشی ﴿إِذْ أَيَّدْتُّكَ﴾ [اس میں ''نِعْمَتِيْ'' عامل ہے] یعنی جب میں نے تمہیں قوت بخشی ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ پاک روح یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے اس لیے قوت دی تا کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل پر حجت قائم کر دیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے ذریعے آپ کو قوت دی جس سے آپ دین کو زندہ فرماتے تھے اور ''القدس'' کی اس کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ پاک کلام گناہوں کے نقصانات سے پاکیزگی کا سبب ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ﴾ [یہ حال ہے] یعنی تم جھولے میں لوگوں سے کلام کرتے تھے حالانکہ اس وقت تم بچے تھے اور یہ ایک معجزہ تھا ﴿وَكَهْلًا﴾ اور تبلیغ دین کے لیے تم اپنی پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرتے تھے ﴿وَإِذْ عَلَّمْتُكَ﴾ [یہ ''إِذْ أَيَّدْتُّكَ'' پر معطوف ہے اور اسی طرح ''وَإِذْ تَخْلُقُ'' اور ''وَإِذْ تُخْرِجُ'' اور ''وَإِذْ كَفَفْتُ'' اور ''وَإِذْ أَوْحَيْتُ'' ہیں] یعنی جب میں نے تمہیں تعلیم دی ﴿الْكِتٰبَ﴾ لکھنے کی ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور صحیح اور مضبوط و مستحکم کلام کرنے کی ﴿وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ﴾ اور تورات کی اور انجیل کی ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ﴾ اور جب تم مٹی سے پرندے کی مورت کی طرح ایک مورت بناتے ﴿بِإِذْنِيْ﴾ میری توفیق سے ﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا﴾ پھر تم اس میں پھونک مار دیتے [''ھا'' ضمیر کاف کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ یہ اس ہیئت و مورت کی صفت ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بناتے تھے اور اس میں پھونک مار دیتے اور [یہ ضمیر اس ہیئت کی طرف نہیں لوٹتی جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے] کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کی بنائی ہوئی نہیں (بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے) ﴿فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ﴾ تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتی [اور اسی طرح اس کی ضمیر بھی کاف کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ﴾ اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے کو بینا اور برص کے مریض کو تندرست کرتے [یہ جملہ ''تَخْلُقُ'' پر معطوف ہے] ﴿وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ اور جب تم مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے ﴿بِإِذْنِيْ﴾ میرے حکم سے ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب سام بن نوح اور دو اور آدمیوں کو اور ایک عورت کو اور ایک لونڈی کو زندہ کر کے قبروں سے نکالا تھا ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ﴾ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا یعنی یہود کو جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا ﴿إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ جب تم ان کے پاس معجزات لے کر آئے [''إِذْ جِئْتَهُمْ'' ''كَفَفْتُ'' کا ظرف ہے] ﴿فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ تو ان میں سے کافروں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں مگر کھلا جادو ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''سَاحِرٌ'' ہے]۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيّٖنَ أَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾

اور جب میں نے حواریوں کی طرف الہام کیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں O جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل کر دے' آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو O انہوں نے کہا: ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں O

١١١- ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ﴾ اور جب میں نے حواریوں کی طرف الہام کیا یعنی حضرت عیسیٰ کے مخلص پاکیزہ ساتھیوں کی طرف الہام کیا گیا ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ﴾ کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور تو گواہ ہو جا بے شک ہم مسلمان ہیں یعنی تو اس بات پر گواہ ہو جا کہ ہم مخلص مسلمان ہیں جیسے ''اَسْلَمَ وَجْهَهٗ'' ہے کہ اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا یعنی فرماں بردار ہو گیا۔

١١٢- ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب حواریوں نے کہا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ [عیسیٰ منصوب ہے اس بنا پر کہ ''اِبْنَ'' کی حرکت اس کی حرکت کے تابع ہے جیسے ''يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو'' ہے] اے عیسیٰ ابن مریم! ﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ﴾ کیا تمہارا رب کرے گا یا یہ کہ کیا تمہارا کہنا مان لے گا اگر تم اس سے سوال کرو؟ کیونکہ ''اِسْتَطَاعَ'' اور ''اَطَاعَ'' کا ایک معنی ہے: اطاعت کرنا' مان لینا جیسے ''اِسْتَجَابَ'' اور ''اَجَابَ'' کا ایک معنی ہے: قبول کرنا اور جواب دینا۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں ''هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ'' (فعل مضارع حاضر کے ساتھ) ہے جو دراصل ''هَلْ تَسْتَطِيْعُ سُوَالَ رَبِّكَ'' یعنی کیا تم اپنے رب سے سوال کر سکتے ہو؟ پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے رب سے اس کا سوال کر سکتے ہو بغیر کسی ایسی رکاوٹ کے جو تمہیں اس سے سوال کرنے سے روک سکتی ہو؟ ﴿اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان اتار دے [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''يُنْزِلَ'' (بغیر شد کے باب تفعیل کی بجائے باب افعال سے) ہے] اور ''مآئدہ'' کا معنی ہے: ایسا دستر خوان جس پر کھانا رکھا جائے یہ ''مَادَةٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب عطا کرنا ہے گویا دستر خوان اپنے پاس آنے والے کو کھانا وغیرہ عطا کرتا ہے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد آیات الٰہیہ میں جرح وقدح کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ ایمان تقویٰ کو واجب کرتا ہے۔

١١٣- ﴿قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا﴾ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے تبرک کے طور پر کچھ کھائیں ﴿وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا﴾ اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمارا یقین مزید بڑھ جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا: ''وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ'' (البقرہ:٢٦٠) ''اور لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے'' ﴿ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ﴾ اور ہم جان لیں کہ آپ نے یقیناً سچ فرمایا ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آپ کے سچ کو جان لیں جیسا کہ ہم نے اسے دلائل سے جان لیا ہے ﴿ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ اور ہم اپنی آنکھوں سے معائنہ کر کے اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے اس معجزے پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

اور یہ سوال جب اعتراض کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنے علم میں اضافہ کرنے، تبرک حاصل کرنے اور اطمینان قلوب کے لیے کیا گیا تو:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾ ع ١٥

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! تو ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی، اور تو ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے O اللہ نے فرمایا: بے شک میں اس کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں، پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو بے شک میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا O

١١٤- ﴿ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے عرض کی: اے اللہ! [اور ''اَللّٰھُمَّ'' اصل میں ''یَا اَللّٰہُ'' تھا، پھر شروع سے یا کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض آخر میں میم لگا دیا گیا] ﴿ رَبَّنَاۤ ﴾ یہ دوسری ندا ہے یعنی اے ہمارے رب! ﴿ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ﴾ ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما دے تاکہ وہ ہمارے لیے عید ہو جائے یعنی اس کے نازل ہونے کا دن عید ہو جائے اور وہ اتوار کا دن تھا اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے اس دن کو عید بنا لیا ہے یا ''عید'' کا لغوی معنی مراد ہے کہ بار بار لوٹ کر آنے والی مسرت و خوشی کا دن اور اس لیے جشن و مسرت اور خوشی کے دن کو عید کا دن کہا جاتا ہے تو اب اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ دن ہمارے لیے سرور و فرحت اور خوشی کا باعث بن جائے [1] ﴿ لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ﴾ [یہ تکرار عامل کے ساتھ ''لَنَا'' سے بدل ہے] یعنی ہمارے زمانے کے ہم مذہب

[1] واضح رہے کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات محسنِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو ''عید میلاد النبی ﷺ'' اسی لغوی معنی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے فقہی معنی میں نہیں کہا جاتا، لہٰذا بارہ ربیع الاول کو یومِ عید میلاد النبی ﷺ قرار دینا جائز و صحیح ہے اور اس پر یہ اعتراض کرنا کہ (١) اسلامی عیدوں میں زائد تکبیرات کے ساتھ دو رکعت نماز عید باجماعت واجب ہوتی ہے (٢) نیز مالدار مسلمانوں پر عید الفطر میں صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ میں قربانی واجب ہو جاتی ہے جب کہ عید میلاد النبی ﷺ میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتیں، غلط ہے کیونکہ یہ عیدیں فقہی اور اصطلاحی ہیں اور عید میلاد النبی ﷺ لغوی معنی میں عید ہے، نیز شرعی ثبوت کے اعتبار سے عیدین واجب ہیں اور عید میلاد النبی ﷺ منانا مستحن عمل ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگوں کے لیے اور ہمارے بعد آنے والے لوگوں کے لیے (یہ نزولِ طعام کا دن عید ہو جائے) یا یہ معنی ہے کہ جس طرح پہلے لوگ اس سے کھائیں اسی طرح بعد میں آنے والے لوگ بھی اس سے کھائیں یا یہ کہ ہمارے متقدمین اور متاخرین کے لیے عید ہو جائے ﴿ وَاٰیَةً مِّنْكَ ﴾ اور تیری طرف سے میری نبوت کی صحت پر دلیل قائم ہو جائے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس بات کو پختہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) فرمان کے ساتھ مؤکد کیا ہے: ﴿ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾ اور تو ہمیں وہ رزق عطا فرما جس کا ہم نے تجھ سے سوال کیا ہے اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

۱۱۵- ﴿ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں اس کو تم پر نازل کروں گا [ قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور عاصم کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ہے ] اور اللہ تعالیٰ نے مائدہ اتارنے کا وعدہ فرمایا اور اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ ان پر ایک شرط مقرر فرما دی: ﴿ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا ﴾ سو اس کے نازل کرنے کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو بے شک میں اس کو سخت ترین عذاب دوں گا یعنی عذاب تعذیب کے معنی میں ہے جیسے سلام تسلیم کے معنی میں ہے ﴿ لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ایسا عذاب میں جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا [اور اس میں (ہٗ) ضمیر مصدر (عذاب) کی طرف لوٹتی ہے ] اور اگر عذاب سے مراد وہ چیز ہو جس کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے [ تو ضمیر پر حرف ''بـا'' لانا ضروری نہیں ہوگا ] حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ بے شک وہ خوان نازل نہیں ہوا تھا (کیونکہ عذاب کا سن کر انہوں نے توبہ کر لی تھی) اور اگر وہ نازل کیا جاتا تو قیامت تک اس دن عید منائی جاتی کیونکہ ارشاد ہے ''وَاٰخِرِنَا'' اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ کھانے کا خوان نازل ہوا تھا اور حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ وہ کھانے کا خوان ڈھکا ہوا نازل ہوا تھا جس کو فرشتے اپنے پروں پر اٹھا کر لائے تھے اور اس پر ماسوا گوشت کے ہر قسم کا کھانا موجود تھا اور بعض کا قول ہے کہ وہ لوگ جو چاہتے وہی کھانا اس پر مل جاتا اور بعض کا قول ہے کہ وہ کھانا صبح و شام ان پر اترتا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ
كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علاوہ ازیں اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ نبوت میں نعمتِ خدا کے ملنے پر عید منانا مستحسن و بہتر عمل ہے اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی نعمتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ (سب سے بڑی نعمت) ہیں اس لیے آپ کی ولادتِ مبارکہ پر عید منانا یعنی شرعی حدود میں رہ کر خوشی کا اظہار کرنا اور جلسے جلوس کرنا مستحسن و بہتر عمل ہے' چنانچہ حضرت صدر الافاضل علامہ السید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس (آیت مبارکہ) سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا اور عبادتیں کرنا' شکر الٰہی بجالانا طریقۂ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سیّد عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

(خزائن العرفان مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' کراچی' پاکستان' ص ۱۵۳)

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾

اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ عرض کریں گے: تو پاک ہے میرے لیے جائز نہیں کہ میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے حق نہیں؛ اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا' جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسے خوب جانتا ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے میں نہیں جانتا' بے شک تو ہی سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہےO میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' اور میں ان پر اس وقت تک نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا' اور تو ہر چیز پر گواہ ہےO

## اللہ تعالیٰ کے سوال پر حضرت عیسیٰ کا الوہیت سے براءت کا اظہار اور ان کے زندہ اٹھائے جانے پر اعتراض کا جواب اور سچ کا فائدہ

۱۱۶- ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو؟ اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور اس کی دلیل اس آیت مبارکہ کا انداز بیان ہے اور اس سے پہلی آیت مبارکہ (یعنی "یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ" (المائدہ:۱۰۹)) ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سوال کے لیے اس وقت خطاب فرمایا تھا جب آپ کو بہ حفاظت آسمان پر اٹھا لیا تھا اور اس کی دلیل اس آیت کریمہ کا لفظ "اِذْ" ہے ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: (اے میرے اللہ!) تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو ﴿مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ﴾ میرے لیے یہ لائق نہیں اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ میں ایسی بات کہہ دوں جس کا مجھے حق نہیں ہے ﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ﴾ اگر یہ صحیح ہو کہ میں نے گزشتہ بات کہی ہے تو تو اس کو ضرور جانتا اور مطلب یہ ہے کہ مجھے معذرت پیش کرنے کی ضرورت و حاجت نہیں ہے کیونکہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے یہ شرکیہ بات نہیں کہی اور اگر میں نے کہا ہوتا تو تجھے ضرور معلوم ہوتا اس لیے کہ تو ﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ﴾ جانتا ہے جو کچھ میری ذات میں ہے ﴿وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیری ذات میں ہے بہر حال نفس الشیٔ کا معنی ہے: ذات الشیٔ یعنی نفس' ذات کے معنی میں ہے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ تو میری معلومات کو جانتا ہے اور میں تیری معلومات کو نہیں جانتا ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ دونوں جملوں کی اکٹھی تقریر ہے اس لیے کہ جن پر نفوس مشتمل ہیں وہ جملہ غیوب میں سے ہے اور اس لیے کہ جن کو علام الغیوب جانتا ہو ان تک کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۱۱۷- ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ﴾ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی میں نے ان کو

کوئی اور حکم نہیں دیا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تفسیر بیان فرمائی جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا' چنانچہ فرمایا: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ﴾ ''اَنْ'' تفسیریہ ہے جس کا معنی ہے: یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے ﴿ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ﴾ اور میں ان پر نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا یعنی جتنی مدت میں ان میں رہا ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ﴾ پھر جب تو نے مجھے (زمین سے آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان رہا[1] ﴿ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴾ اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے میرے قول و فعل پر بھی اور ان کے قول و فعل پر بھی۔

---

1. واضح ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار جو اپنے آپ کو مرزائی اور احمدی کہتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ سے عام مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح موعود (قرب قیامت جس کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ) مرزا غلام احمد قادیانی ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پا چکے ہیں اور اس آیت مبارکہ کا معنی کرتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان رہا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں اس لیے تمام مفسرین نے اس آیت کا معنی کیا ہے کہ جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان رہا اور یہ لفظ ''تَوَفّٰی'' سے مشتق ہے اور ''تَوَفّٰی'' کا معنی موت ہرگز نہیں ہے اس لیے کہ لغت عرب کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی معلوم کرنا ہو تو اس لفظ کا مادہ اور مجرد مصدر دیکھا جاتا ہے کیونکہ تمام مشتقات اور ابوابِ متصرفہ میں مصدری معنی کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور ''توفی'' کا اصل مادہ اور مجرد مصدر ''وفا'' ہے جس کا معنی ہے: پورا کرنا' کامل کرنا اور درجہ کمال کو پہنچنا پھر ''مَاتَ یَمُوْتُ مَوْتًا'' اور ''وَفٰی یَفِیْ وَفَاءً'' دو الگ الگ ابواب میں سے علیحدہ علیحدہ معنی رکھتے ہیں' دونوں کا حقیقی معنی ایک نہیں ہے البتہ مجازی طور پر موت کو وفات بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے ورنہ وفات کا حقیقی معنی مرنا نہیں ہے' چنانچہ قرآن مجید میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں' ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ. (البقرہ:۴۰) | اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ |
| بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ. (آل عمران:۷۶) | ہاں! کیوں نہیں! جس نے اپنا عہد اور وعدہ پورا کیا۔ |
| وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (آل عمران:۱۸۵) | اور بے شک قیامت کے دن تمہارے بدلے تمہیں پورے پورے دیئے جائیں گے۔ |
| وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝ (آل عمران:۲۵) | اور ہر جان کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۝ |
| وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ. (آل عمران:۵۷) | اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا۔ |
| وَتُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝ (النحل:۱۱۱) | اور ہر جان کو اس کے عمل پر پورا پورا اجر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۝ |
| اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر:۱۰) | بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب پورا پورا دیا جائے گا بے شمار۝ |

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

اگر تو ان کو عذاب دے گا تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے گا تو بے شک تو ہی سب پر غالب' بڑی حکمت والا ہے O اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا' ان کے لیے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی سلطنت میں ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O

۱۱۸- ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اگر تو ان کو عذاب دے گا تو وہ تیرے بندے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وَإِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىO (النجم: ۳۷) اور ابراہیم وہ ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کر دیاO

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ. (الدھر: ۷) وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں۔

اب ان مذکورہ بالا آیات میں ''وفا'' کا معنی موت کر کے ترجمہ کیجئے تو آیات کا مفہوم و معنی بدل جائے گا' پھر جب تک حقیقی معنی متعذر و ناممکن نہ ہو اس وقت تک مجازی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا جب کہ حضرت عیسیٰ کے لیے حقیقی معنی مراد لینے کی تائید میں احادیث مبارکہ موجود ہیں کہ آپ قرب قیامت میں دنیا میں تشریف لائیں گے' نکاح کریں گے' اولاد ہو گی' چالیس سال بعد آپ کا انتقال ہو گا' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا. (آل عمران: ۴۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے جھولے میں اور بڑھاپے میں باتیں کریں گے۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہولت کی عمر تک پہنچنے سے پہلے آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اس لیے یہ آیت مبارکہ دراصل حضرت عیسیٰ کے دوبارہ تشریف لانے کی عمدہ ترین دلیل ہے' لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خواہ زندہ اٹھائے گئے ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے خواہ وفات پا کر اٹھائے گئے ہوں' پھر زندہ کر کے دنیا میں بھیجے جائیں گے' بہرحال مرزا غلام احمد قادیانی کسی صورت میں مسیح موعود نہیں ہو سکتا' پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ ''توفّی'' مجازی معنی وفات یعنی موت کے لیے استعمال ہوا ہے وہاں اس کے ساتھ موت کا ذکر ہوا ہے یا پھر موت کے فرشتوں کا ذکر ہوا ہے یا دونوں کا ذکر ہوا ہے لیکن ''توفّی'' کا لفظ مطلقاً موت کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ نیند طاری کر کے ارواح کو قبضے میں لینے یا ان کو اٹھا لینے یا پھر پورا پورا بدلا دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَO (الانعام: ۶۱) یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح نکالتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتےO

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب' بڑی حکمت والا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ ان لوگوں میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے ہیں اور ان میں سے بعض کفر پر قائم ہیں' چنانچہ ان سب کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ یعنی اگر ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو تو عذاب دے گا ﴿فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تو خوب جانتا ہے کہ انہوں نے تیری آیات کا انکار کیا اور تیرے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ. (الاعراف:ن)

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آتے ہیں (اور) ان کی روحیں نکالتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ. (السجدہ:۱۱)

اے محبوب تم فرمادو کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ۝ (محمد:۲۷)

تو اس وقت (کافروں کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے رخساروں اور ان کی پشتوں پر ماریں گے۝

ان آیات میں غور کیجئے کہ ''تـوفّی'' کے مجازی معنی وفات کے ساتھ موت اور موت کے فرشتوں کا ذکر ہوا ہے' مطلق ''تـوفّی'' کا ذکر نہیں ہوا۔

اب مزید صرف دو آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں ارواح کو قبضے میں لینے کا معنی مراد ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى. (الانعام:۶۰)

(اللہ) وہ ہے جو رات کو حالتِ نیند میں تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور تم نے جو کچھ دن میں کمایا ہے اس کو وہ جانتا ہے' پھر دن کو تمہیں اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ مدت حیات پوری کی جائے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى. (الزمر:۴۲)

اللہ تعالیٰ موت کے وقت ارواح کو قبض کر لیتا ہے اور جو نہ مریں ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے' پھر جس پر موت کا فیصلہ فرما چکا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری (روح کو جس کے متعلق موت کا فیصلہ نہیں ہوا) مقررہ مدت تک چھوڑ دیتا ہے۔

نوٹ: اب اگر ان آیتوں میں '' يَتَوَفّٰى '' کا معنی موت کیا جائے تو پہلی آیتِ مبارکہ کی رو سے روزانہ مرنا اور جینا لازم آئے گا جو قرآن وسنت اور مشاہدہ کے مطابق باطل ہے اور چونکہ ارواح کا قبض کرنا موت اور نوم (یعنی نیند) دونوں حالتوں میں ہوتا ہے تو لہٰذا اگر ''تَوَفّٰى'' کا معنی موت ہو تو دوسری آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو موت کے وقت مارتا ہے اور جو نہ مریں ان کو سوتے وقت مارتا ہے' اس طرح دوسری آیت مبارکہ میں ''وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا'' سے ثابت ہو جائے گا کہ حالتِ نیند میں موت اور عدم موت دونوں جمع ہو جائیں جو اجتماع ضدین کی وجہ سے محض باطل ہے' نیز سوتے وقت سونے والوں کا زندہ ہونا اور مردہ ہونا دونوں لازم آئیں گے جو کہ باطل ہے' لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ''تَـوَفّٰـى'' کا معنی موت نہیں بلکہ ارواح کو قبضے میں لینا ہے اس لیے اس آیتِ مبارکہ میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ (ترجمہ) ''پھر جس روح پر موت کا فیصلہ ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور دوسری روح کو ایک مقررہ مدت تک واپس جسم میں چھوڑ دیتا ہے''۔ غوثوی

پیغمبروں کو جھٹلایا اور تو ان کو عذاب دے کر انصاف کرنے والا ہے کیونکہ انہوں نے حجت واجب ہو جانے کے بعد کفر کیا تھا ﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یعنی ان میں سے جنہوں نے کفر کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا اور ایمان لے آئے اگر تو ان کو بخش دے تو یہ تیرا فضل و کرم ہوگا ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور تو ہر چیز پر غالب ہے تو جو چاہے اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا تو بڑی حکمت والا ہے اس لیے تیرے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے یا یہ کہ "عزیز" کا معنی ہے کہ قوت والا ہے ثواب عنایت کرنے پر قادر ہے وہ حکیم ہے کہ وہ کسی کو سزا نہیں دیتا مگر حکمت و دانائی اور حق و صواب پر مبنی سزا دیتا ہے۔

۱۱۹۔﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ ["يَوْمُ" اس بنا پر مرفوع اور مضاف ہے کہ یہ "هٰذَا" کی خبر ہے اور "قَالَ" بہ معنی "يَقُوْلُ" ہے] یعنی اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا ہمیشہ سچ بولنا ہی دنیا اور آخرت میں نفع دے گا [اور یہ مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر مفعولیت کی بنا پر محلاً منصوب ہے جیسے تم کہتے ہو کہ "قَالَ زَيْدٌ : عَمْرٌو مُنْطَلِقٌ" اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ظرف کی بنا پر منصوب ہے] یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کا سچ نفع دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ان کے لیے بہشت میں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس کی وافر جزائے خیر پر راضی ہو گئے ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ یہ باقی رہنے والی دائمی کامیابی ہے بہ خلاف دنیا کی کامیابی کے کیونکہ وہ فانی ہے باقی رہنے والی نہیں ہے۔

۱۲۰۔﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ﴾ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو اس سے بلند و عظیم تر قرار دیا جو عیسائیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خدا بھی ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ روک لینے اور عطا کرنے اور دینے نہ دینے نیز پیدا کرنے اور فنا کرنے سب پر قادر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی بہشتوں کے ساتھ کامیاب ہونے والوں میں سے بنا دے اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کی آل پر اور ان کے صحابہ پر رحمت کاملہ اور سلامتی نازل فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الانعام مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو پینسٹھ آیات بیس رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ط
وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي
الْاَرْضِ ط يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ

مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗــؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں کو اور روشنی کو پیدا فرمایا' پھر (بھی بتوں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیںO وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا' پھر اس نے موت کے وقت کا فیصلہ فرما دیا' اور قیامت کا معین وقت اسی کے پاس ہے' پھر تم شک کرتے ہوO اور وہی اللہ (معبودِ برحق) ہے آسمانوں میں اور زمین میں' وہ تمہارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو بھی وہ جانتا ہےO اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیںO جب حق ان کے پاس آ گیا تو بلاشبہ انہوں نے اسے جھٹلا دیا' تو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھےO

## تخلیق سے توحید پر استدلال اور کفار کا حق سے انکار

۱- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ لفظ اور معنی کے ساتھ لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے (کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا انہی الفاظ و معانی کے ساتھ کیا کریں) نیز اس کے ساتھ استغناء و بے نیازی کا اظہار بھی کیا گیا ہے یعنی تمام تعریفیں اور سب خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں اگرچہ تمام لوگ اس کی حمد وثنا نہ بھی کریں ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے' [یہاں آسمانوں کے لیے ''اَلسَّمٰوٰت'' کو جمع لایا گیا ہے] کیونکہ آسمان طشتری نما اوپر نیچے ایک دوسرے سے فاصلے پر الگ الگ قائم ہیں (اور حقیقت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں) اور جمہور کے نزدیک زمین کے طبقات بھی اگرچہ آسمانوں کی طرح سات ہیں لیکن (اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ) یہ اوپر نیچے ایک دوسرے سے فاصلے پر الگ الگ نہیں ہیں بلکہ (پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بہ تہ) ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (اور سب کے سب طبقات مٹی کے بنے ہوئے ہیں) [اور ''جَعَلَ'' جب ''اَحْدَثَ'' اور ''اَنْشَاَ'' کے معنی میں استعمال ہو تو پھر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ اور اس نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا فرمایا [اور جب وہ ''صَیَّرَ'' کے معنی میں ہو تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا'' (الزخرف:۱۹)'' اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا'' اور اس آیت میں ثنویہ فرقہ کے قول کی تردید ہو گئی ہے کیونکہ وہ لوگ نور اور ظلمت کو قدیم مانتے ہیں اور نور کو مفرد اس لیے لایا گیا ہے کہ نور کی جنس (ماہیت و حقیقت) مراد ہے اور اس لیے بھی کہ ہر چیز کی ظلمت اس چیز کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے' جس کی مثال یہ ہے کہ رات اور تاریکی اور سمندر کی تاریکی اور اندھیری جگہ کی تاریکی ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مخالف ہے اور نور ایک ہی قسم ہے وہ تاریکیوں کی طرح مختلف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا' پھر اس کے بعد اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے' سو وہ نور جس کو پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ گمراہ ہو گیا[1] ﴿ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اس واضح بیان کے بعد بھی اپنے رب

1- رواہ احمد ج ۲ ص ۱۷۶ والترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۲ وقال حدیث حسن

کے ساتھ بتوں کو برابر گردانتے ہیں جیسے تم کہو "عَدَلْتُ هٰذَا بِذَا" یعنی میں نے اس چیز کو اس کے برابر کر دیا ہے [اور "بِرَبِّهِمْ" میں حرف "با" جارہ "يَعْدِلُوْنَ" کا صلہ ہے کفر کا نہیں یا "ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ" کا معنی ہے کہ کفار اپنے رب سے اعراض کرتے ہیں یعنی وہ اپنے رب سے منہ موڑتے ہیں تو اب حرف "با" کفر اور "يَعْدِلُوْنَ" دونوں کا صلہ بن جائے گا یعنی "يَعْدِلُوْنَ" کے بعد "عَنْهُ" محذوف ہے اور "ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پر اس معنی کی بنا پر معطوف کیا گیا کہ تخلیقِ کائنات پر ہر قسم کی حمد وثنا اور تمام تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اس کا تخلیق کرنا بہت بڑا انعام ہے (جس پر وہ بجا طور پر تمام محامد کے لائق ہے) پھر بھی کافر لوگ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے انعام کا انکار کرتے ہیں یا یہ جملہ "خَلَقَ السَّمٰوٰتِ" پر اس معنی کی بنا پر معطوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ ایسا تخلیقی شاہکار ہے کہ اس کی تخلیق پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا' پھر بھی کفار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کی تخلیق پر ذرہ بھر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور "ثُمَّ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانیوں کے بعد اس کے ساتھ شرک کرنا عقل و خرد اور عدل وانصاف سے بہت بعید ہے]۔

۲۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا [اس میں حرف "مِنْ" ابتدائے غایت کے لیے ہے] یعنی تمہاری اصل پیدائش کا آغاز یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا آغاز مٹی سے ہوا ﴿ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کی مدت کا فیصلہ فرمایا ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ اور قیامت کی مقررہ میعاد اسی کے پاس ہے یا پہلے "اَجَل" کا تعلق تخلیق سے لے کر موت تک ہے اور دوسرے "اَجَل" کا تعلق موت سے لے کر روزِ حشر تک ہے اور وہ برزخ ہے یا پہلے سے مراد نوم یعنی نیند اور دوسرے سے مراد موت ہے یا دوسرے سے بھی پہلا اجل مراد ہے اور وہ اصل میں "وَهُوَ اَجَلٌ مُّسَمًّى" ہے یعنی اور وہ (پہلا اجل) اس کے پاس معلوم ومعین اجل ہے [اور "اَجَلٌ مُّسَمًّى" مبتدا ہے اور اس کی خبر "عِنْدَهٗ" ہے اور مبتدا کو مقدم کیا گیا ہے اگرچہ نکرہ ہے اور خبر ظرف ہے جس کا حق مؤخر ہونا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مبتدا صفت کے ساتھ نکرہ محض نہیں رہا بلکہ وہ مبتدا مخصصہ بن گیا ہے اور معرفہ کے قریب ہو گیا ہے] ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴾ پھر تم شک کرتے ہو [یہ "مِرْيَةٌ" سے مشتق ہے (جس کا معنی شک کرنا ہے) یا تم جھگڑتے ہو' اس صورت میں یہ "مِرَاءٌ" سے ماخوذ ہے اور "ثُمَّ" استبعاد کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان کو زندہ کرنے والا اور ان کو مارنے والا اور قیامت کے دن ان کو اٹھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے بعد پھر اس میں شک کرنا عقل مندی سے بہت دور ہے۔

۳۔ ﴿ وَهُوَ ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ اللّٰهُ ﴾ ہے ﴿ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ﴾ [اور یہ جار مجرور اسم اللہ کے معنی کے متعلق ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اور وہ اللہ ہے جو تمام آسمانوں میں اور زمین میں معبود ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ" (الزخرف:۸۴) "اور وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے" یا یہ معنی ہے کہ زمین و آسمان میں وہی اِلٰہ ہونے کے ساتھ معروف ومشہور ہے یا وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ ہے اور پہلا معنی اس بنا پر ثابت ہوگا کہ اسم اللہ مشتق ہو اور دوسرے معنی اس بنا پر ثابت ہوں گے کہ وہ مشتق نہیں ہیں ﴿ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ ﴾ [یہ پہلی کے بعد دوسری خبر ہے] یا پھر یہ الگ کلام کا آغاز ہے یعنی وہ تمہارے باطن کو اور تمہارے ظاہر کو خوب جانتا ہے ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴾ اور تم جو کچھ نیکی اور بدی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور وہ اسی پر تمہیں ثواب اور سزا دے گا۔

٤-اور ﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ﴾ [میں حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے اور] ﴿مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ﴾ [میں حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] یعنی اور ان کے لیے کوئی دلیل ہرگز ظاہر نہیں ہوتی ان دلائل میں سے جن میں غور وفکر کرنا لازم ہے ﴿إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ مگر وہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور غور وفکر کو ترک کر کے خوف وڈر کے نہ ہونے کی وجہ سے دلیلِ حق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور وہ اس کے انجام میں غور وفکر اور تدبّر نہیں کرتے۔

٥-﴿فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ اس کو محذوف کلام پر لوٹایا گیا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اگر کفار نے آیات بینات سے منہ موڑ لیا ہے تو بے شک انہوں نے حق کو بھی جھٹلا دیا ہے جب وہ ان کے پاس آیا یعنی انہوں نے اس کو بھی جھٹلا دیا جو سب سے عظیم ترین اور سب سے بڑی آیت ونشانی ہے اور وہ قرآن مجید ہے جس کے ساتھ انہیں چیلنج کیا گیا اور وہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز آ گئے ﴿فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ یعنی سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کے ساتھ وہ لوگ مذاق کیا کرتے تھے اور وہ قرآن پاک ہے یعنی اس کی خبریں اور اس کے احوال مراد ہیں یعنی کفار عنقریب جان لیں گے کہ وہ کتنی بڑی عظیم الشان چیز کا مذاق اڑاتے رہے اور یہ دنیا میں ان پر عذاب بھیجنے پر معلوم ہوگا یا قیامت کے دن یا غلبۂ اسلام کے وقت اور اس کا کلمہ بلند ہونے کے وقت۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ﴿٨﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے لوگوں کی زندگیاں ختم کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسی زبردست قوت عطا کی تھی جو ہم نے تمہیں عطا نہیں فرمائی' اور ہم نے آسمان سے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (باغات کے) نیچے نہریں بہا دیں' پھر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے بعد ایک دوسری قوم پیدا فرما دی○ اور اگر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل کرتے اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے' پھر بھی کفار یہی کہتے کہ یہ صرف کھلا جادو ہے○ اور انہوں نے کہا کہ ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا' اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو البتہ ان کا کام تمام ہو جاتا' پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی○

## پہلی قوموں کی ہلاکت کے اسباب اور رسولوں کے ساتھ مذاق اڑانے کی سزا کا بیان

٦-﴿أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ﴾ یعنی کیا ان جھٹلانے والوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں اور قرن کا مطلب ہے: ہر زمانے کے لوگوں کے ختم ہونے تک کی مدت اور وہ اسی یا ستر سال ہیں ﴿مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ہم نے ان کو زمین پر قدرت واختیار دے رکھا ہے [یہ جملہ ''قرن'' کی صفت ہونے کی وجہ سے خبر کی

جگہ واقع ہے اور اس کو معنی کے اعتبار سے جمع لایا گیا] ﴿ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ﴾ جو ہم نے تمہیں اتنا تصرف و اختیار نہیں دیا۔ ''تمکین'' کا مطلب ہے: ملک میں قوت واختیار عطا کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کو ویسے قدرت واختیار اور تصرف وطاقت نہیں دی جیسے ہم نے عاد اور ثمود وغیرہ وغیرہ کو عطا کی تھی یعنی جسموں میں کشادگی و درازی اور مال میں وسعت وفراخی اور اسباب دنیا کے ذریعے غلبہ وقوت ﴿ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ﴾ اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں یعنی بہت زیادہ بارشیں برسائیں [''مِدْرَارًا'' حال ہے ''السمآء'' سے] ﴿ وَجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ ﴾ اور ہم نے ان کے درختوں اور باغوں کے نیچے نہریں جاری کر دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ بروقت موسلا دھار بارشوں اور نہری نظام اور لہلہاتے کھیتوں اور پھلوں کی وجہ سے خوشحال زندگی گزار رہے تھے ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا اور دنیا کے مال واسباب نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا ﴿ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان کے بعد ان کے بدلے میں ایک دوسری قوم پیدا فرما دی۔

۷- ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ ﴾ اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتے ﴿ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ ﴾ اور وہ لوگ اس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے' یہ جملہ صرف تاکید کے لیے لایا گیا ہے تاکہ کفار یہ نہ کہیں: ''اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ'' (الحجر:۱۵)'' کہ بے شک ہماری نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے'' اور ان پر حجت ان کا اندھا پن ہے ﴿ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ البتہ حق کے ظاہر اور واضح ہو جانے کے بعد صرف حق سے عناد وکینہ رکھنے کی وجہ سے کافروں نے کہا کہ یہ محض کھلا جادو ہے۔

۸- ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا جاتا جو ہمارے سامنے آ کر ہمیں بتائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ اور اگر ہم فرشتہ نازل کر دیتے تو ضرور ان کا کام تمام ہو جاتا یعنی ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا ﴿ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴾ پھر فرشتے کے نازل ہو جانے کے بعد انہیں لحہ بھر کی مہلت نہ دی جاتی کیونکہ جب وہ لوگ فرشتے کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو خوف و دہشت کے مارے ان کی روحیں پرواز کر جاتیں اور مشاہداتی رعب کی وجہ سے اسی وقت مر جاتے اور ''ثُمَّ'' کا معنی ہے کہ ہلاکت کے فیصلے اور مہلت نہ ملنے کے بعد (ان کا خاتمہ ہو جاتا) اور اس آیت مبارکہ میں مہلت نہ ملنے کو ہلاکت کے فیصلے سے زیادہ سخت قرار دیا گیا کیونکہ محض مصیبت سے اچانک آنے والی مصیبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر ہم اسے فرشتہ بنا دیتے تو ہم اس کو یقیناً مرد کی صورت میں بناتے اور ہم ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں O اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو ان میں سے جنہوں نے مذاق اڑایا تھا ان کو اسی

چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا O

۹۔ ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا ﴾ اور اگر ہم رسول اکرم (ﷺ) کو فرشتہ بنا دیتے جیسا کہ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کیونکہ کبھی وہ کہتے کہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا (جو ہمارے سامنے آ کر نبوت کی گواہی دے اور ہم اسے دیکھیں) اور کبھی کہتے: یہ (حضرت محمد ﷺ) نہیں مگر تمہاری طرح ایک انسان ہیں اور اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا ﴿ لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور انسان کی صورت میں بھیجتے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام عام حالات میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھ کر زندہ نہیں رہیں گے ﴿ وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴾ اور ہم اس کو ان میں ملا دیتے اور ہم اس کا معاملہ ان لوگوں پر مشتبہ کر دیتے جب کہ اس کا طور و طریقہ بھی اے محمد! (ﷺ) آپ کے طور و طریقے کی مانند ہوتا تو جب یہ کفار فرشتے کو انسان کی صورت میں دیکھتے تو یہی کہتے کہ یہ انسان ہے اور فرشتہ نہیں جیسے کہا جاتا ہے: "لَبَسْتُ الْاَمْرَ عَلَى الْقَوْمِ وَاَلْبَسْتُهٗ" جب تم کسی کام کو قوم پر مشتبہ کر دو اور تم اس میں قوم کو اشکال میں ڈال دو۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی قوم کے استہزا اور مذاق اڑانے کی وجہ سے جو تکلیف اور دکھ پہنچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۰۔ ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو جنہوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے اور وہ حق ہے کیونکہ وہ لوگ اس حق کا مذاق اڑانے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے [اور "مِنْهُمْ" "سَخِرُوْا" کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ" (التوبہ:۷۹) "سو وہ لوگ ان سے مذاق کرتے ہیں" اور ضمیر "رُسُل" کی طرف لوٹتی ہے اور قاری ابوعمرو بصری اور امام عاصم کے نزدیک "وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ" میں دال التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قراء کے نزدیک "تا" مضموم کے اتباع کی وجہ سے دال مضموم ہے]۔

## عبرت کے لیے سیاحت کا حکم' الوہیّت کے دلائل اور اہل کتاب کا حضور کو پہچاننا

۱۱۔ ﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اے محبوب! تم فرما دو کہ اے لوگو! تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا [اور "فَانْظُرُوْا" اور "ثُمَّ انْظُرُوْا" کے درمیان فرق یہ ہے کہ "فَانْظُرُوْا" میں سیر سبب ہوتی ہے] جب کہ جھٹلانے والوں کے انجامِ بد میں نگاہِ عبرت سے دیکھنا مسبب ہوتا ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ تم عبرت کی نگاہ سے دیکھنے کے لیے سیر کرو اور غافلوں کی طرح سیر نہ کرو اور "سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا" کا معنی ہے کہ زمین میں تجارت وغیرہ کے لیے سیر و سیاحت اور سفر وغیرہ کرنا مباح اور جائز ہے اور ہلاک ہونے والوں کے آثار و نشانیوں میں نگاہِ عبرت سے دیکھنا واجب اور ضروری ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر "ثُمَّ" کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ مباح اور واجب کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

آپ فرما دیجئے کہ کس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' فرما دیں کہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اس نے اپنے ذاتی کرم پر رحمت کو لازم کر لیا ہے' وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں' وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O رات اور دن میں جو کچھ بستا ہے وہ سب اسی کی ملکیت میں ہے' اور وہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے O آپ فرما دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود و مددگار بنا لوں' وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کھانا کھانے کی حاجت نہیں' فرما دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا میں ہوں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا O

۱۲- ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کی ملکیت میں ہے [اس میں "مَنْ" استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور "مَا" بہ معنیٰ "اَلَّذِيْ" کے ہے اور مبتدا کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور "لِمَنْ" اس کی خبر ہے] ﴿قُلْ لِّلّٰهِ﴾ یہ کفار کے لیے تقریر ہے یعنی وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے جس کے بارے میں تمہارے اور میرے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس میں سے کسی چیز کو تم غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ "كَتَبَ" کا اصل معنی ہے کہ اس نے واجب (یعنی لازم) کیا لیکن اس کو ظاہر پر جاری کرنا جائز نہیں کیونکہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں ہے' لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا پختہ اور پکا وعدہ فرما لیا ہے اور وہ اس کو ضرور ہر حال میں پورا کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے نفس (ذات) کا اختصاص اور واسطوں کا کالعدم قرار دینے کے لیے ذکر فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے غفلت کے ساتھ دیکھنے اور اس کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرانے پر ڈرایا دھمکایا ہے جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں ضرور جمع فرمائے گا تاکہ شرک کرنے پر تمہیں سزا دے ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس دن میں یا تمہیں اس روز جمع کرنے میں کوئی شک نہیں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ [ذم کی بنا پر منصوب ہے] اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ازخود کفر اختیار کر کے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ سو وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے [اخفش نے کہا کہ "اَلَّذِيْنَ"، "لَيَجْمَعَنَّكُمْ" میں "كُمْ" ضمیر سے بدل ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہے ضرور جمع فرمائے گا اور پہلی وجہ سے ہی درست ہے [کیونکہ سیبویہ نے کہا ہے کہ "مَرَرْتُ بِيَ الْمِسْكِيْنِ وَلَا بِكَ الْمِسْكِيْنِ" جائز نہیں ہے کیونکہ "مسکین" کو "یا" سے یا پھر کاف سے بدل بنایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں بالکل واضح ہیں اور وہ بدل اور تفسیر کے محتاج نہیں ہیں]۔

۱۳- ﴿وَلَهٗ﴾ [یہ "لِلّٰهِ" پر معطوف ہے] اور اسی کے ملک میں ہے ﴿مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ جو کچھ رات اور

دن میں بستا ہے [یہ ''سَکَنَ''،''سُکْنٰی'' سے بنا ہے جس کا معنیٰ رہنا اور بسنا ہے تاکہ یہ کلام ساکن اور متحرک دونوں کو شامل ہو جائے یا یہ ''سکون'' سے بنا ہے اور اس کا معنیٰ ہے کہ رات اور دن میں جو ساکن اور متحرک چیزیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں لیکن دونوں ضدوں میں سے ایک (ساکن) پر اکتفا کیا گیا ہے اور دوسرے (متحرک) کو چھوڑ دیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تَقِیْكُمُ الْحَرَّ'' (النحل:۸۱) یعنی تمہارا لباس تمہیں گرمی اور سردی دونوں سے بچائے' اور سکون اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حرکت سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ مشرکین پر حجت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خالقِ کل اور مدبرِ کل ہونے کا انکار نہیں کرتے تے ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے' وہ ہر مسموع کو سنتا ہے اور ہر معلوم کو جانتا ہے اور دن اور رات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۱۴- ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا﴾ اے محبوب! ان سے فرما دیں کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا مددگار اور معبود بنا لوں؟ [اور یہ ''وَلِیًّا''،''اَتَّخِذُ'' کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول ''غَیْرَ'' ہے اور باقی رہا یہ کہ استفہام کے ہمزے کو ''اَتَّخِذُ'' کے مفعول پر داخل کیا گیا ہے خود اس پر داخل نہیں کیا گیا] تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو معبود بنانے سے انکار کیا گیا ہے محض معبود بنانے سے انکار نہیں کیا گیا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا واجب ہے) اس لیے اس کو شروع میں لانا زیادہ بہتر ہے ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا ہے' [یہ جر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے] یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ میں ''فاطِر'' کا معنیٰ نہیں جان سکا تھا یہاں تک کہ دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں اپنا جھگڑا لے کر آئے' ان میں سے ایک نے کہا: ''اَنَا فَطَرْتُهَا'' یعنی اس کنویں کو سب سے پہلے میں نے بنایا ہے ﴿وَهُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ﴾ اور وہی سب کو رزق عطا فرماتا ہے' اور اس کو رزق نہیں دیا جاتا (کیونکہ وہ رزق وغیرہ سے پاک ہے' اسے کھانے پینے کی ضرورت نہیں) یعنی تمام منافع و فوائد اسی ذاتِ واحد لاشریک سے ملتے ہیں اور اس پر نفع لینا جائز ہے ﴿قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ اے محبوب! اعلان فرما دیں کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا بنوں کیونکہ نبی اپنی امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' (الانعام:۱۶۳) ''اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں'' ﴿وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور مجھے کہا گیا ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور اگر اس کو ماقبل کے لفظ پر معطوف کیا جائے تو کہا جائے گا: اور یہ کہ میں شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤں اور مجھے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے' اس کا مطلب ہے کہ مجھے شرک سے منع کیا گیا ہے (کیونکہ نبی پیدائشی مسلمان ہوتا ہے)۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ(۱۵) مَنْ یُّصْرَفْ
عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ(۱۶) وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ(۱۷) وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ(۱۸)

فرما دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں یقیناً بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں Oاس دن جس شخص سے عذاب دور کیا جائے گا تو بلاشبہ اللہ نے اس پر بہت رحم فرمادیا' اور یہی واضح کامیابی ہےOاور اگر اللہ تجھے تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی کھولنے والا نہیں' اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہےOاور وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے'اور وہ بڑی حکمت والا' بہت باخبر ہےO

۱۵۔﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے یعنی بے شک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی' [سو شرط فاعل اور مفعول کے درمیان حائل ہے جس کا جواب محذوف ہے]۔

۱٦۔﴿ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ ﴾ اس دن جس شخص سے عذاب دور کر دیا جائے گا ﴿ فَقَدْ رَحِمَهٗ ﴾ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت بڑی رحمت فرمادی اور یہ یقینی نجات ہے [قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں ''مَنْ یَّصْرِفْ'' (''یا'' پر فتح اور ''را'' کے نیچے کسرہ فعل مضارع معروف) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص سے عذاب دور فرمادے گا (تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی رحمت فرمادی) ﴿ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴾ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۷۔﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف یعنی بیماری یا فقر و فاقہ یا دیگر مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت پہنچائے ﴿ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ﴾ تو اس کے علاوہ اسے کوئی کھولنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے علاوہ اسے کھولنے اور دور کرنے پر کوئی اور قادر ہے ﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ ﴾ اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی یعنی مال و دولت یا صحت وتندرستی پہنچائے ﴿ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' سو وہ اسے ہمیشہ قائم رکھنے اور اس کو زائل کرنے پر قادر ہے۔

۱۸۔﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ ﴾ [یہ مبتدا خبر ہیں] یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) غالب اور قدرت و اختیار رکھنے والا ہے ﴿ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ [یہ خبر کے بعد خبر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قدرت و اختیار کے ساتھ غالب ہے اور ''قھر'' کا معنی ہے کہ غیر کو مراد تک پہنچنے سے روک کر خود مراد تک پہنچ جانا ﴿ وَهُوَ الْحَكِیْمُ ﴾ اور وہ اپنی مراد کو نافذ و جاری کرنے میں بڑی حکمت والا ہے ﴿ الْخَبِیْرُ ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جبر کرنے والوں سے آگاہ ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا
الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

منزل ۲ وقف لازم

فرما دیجئے کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ فرمائیے! اللہ (کی اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے تمہیں ڈرسناؤں اور جن کو یہ پہنچے کیا تم یہ گواہی ضرور دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ فرما دیجئے کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا' فرما دیجئے کہ بے شک صرف وہی اکیلا معبودِ برحق ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان سب سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ○ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا' سو ایمان نہیں لائیں گے ○

۱۹- ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ [اور ''اَیُّ شَیْءٍ'' مبتدا ہے اور ''اَکْبَرُ'' اس کی خبر ہے ''شَهَادَةً'' تمیز ہے اور ''اَیُّ'' ایک ایسا کلمہ ہے جس سے اس کے مضاف الیہ کا بعض مراد ہوتا ہے (جیسے یہاں ''شَیْءٍ'' سے صرف وہی ہستی مراد ہے جس کی گواہی سب سے بڑی ہو) پھر جب یہ استفہام (سوال) کے لیے ہو تو اس کا جواب مضاف الیہ اسم کا مسمّٰی ہوگا] (جیسے یہاں جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام آئے گا کیونکہ تمام اشیاء میں صرف اسی کی گواہی سب سے بڑی ہے) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ اس کا جواب ہے یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے [اور اسم اللہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] (یعنی دراصل ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ شَهَادَةً'' ہے) سو یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر شیٔ کا اطلاق کرنا جائز ہے اور یہ اس لیے کہ ہر موجود چیز کا نام ''شَیْئی'' ہے اور معدوم کو ''شَیْئی'' نہیں کہتے اور اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ''شَیْئی'' ہے مگر عام اشیاء کی طرح نہیں (بلکہ تمام اشیاء سے ممتاز و بے مثل اور واحد لاشریک ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے الگ کلام کا آغاز فرمایا ﴿شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ﴾ یعنی ''هُوَ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ'' وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' اور جائز ہے کہ یہ جواب ہو ''اَللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ'' کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کفار کے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے تو سب سے بڑا گواہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ اور میری طرف یہ قرآن مجید وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں اور ان کو جن تک پہنچے یعنی میں اس قرآن مجید کے ذریعے ان لوگوں کو قیامت تک ڈرسناتا رہوں جن لوگوں تک یہ قرآن پاک پہنچتا رہے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے پاس یہ قرآن مجید پہنچ گیا تو گویا اس نے حضرت محمد کریم رؤف رحیم ﷺ کی زیارت کی[1] [اور ''مَنْ'' ضمیر ''كُمْ'' پر معطوف ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں اور ان کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں ''وَمَنْ بَلَغَهٗ'' ہے اور ''بَلَغَ'' کا فاعل قرآن مجید کی طرف لوٹنے والی ''هُوَ'' ضمیر ہے (جو ''بَلَغَ'' میں پوشیدہ ہے)] ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى﴾ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ یہ استفہامِ انکاری ہے اور دھمکی ہے ﴿قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ﴾ اے محبوب! تم فرما دو کہ جس کی تم گواہی دیتے ہو میں اس کی گواہی نہیں دیتا اور ''قُلْ'' کو دوبارہ محض تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک صرف وہی اکیلا معبود ہے [اور اس میں ''اِنَّ'' پر ''مَا'' کافہ ہے جس نے اس کو عمل کرنے سے روک دیا ہے اور ''هُوَ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور ''وَاحِدٌ'' صفت ہے یا پھر ''مَا'' موصولہ ہے ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور ''اِنَّ'' کے سبب محلاً منصوب ہے اور ''هُوَ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور یہ مبتدا خبر جملہ بن کر ''اَلَّذِیْ'' کا صلہ ہے اور ''وَاحِدٌ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے] اور یہ وجہ موقع کے زیادہ مطابق ہے ﴿وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ اور بے شک

[1] ذکرہ الزمخشری فی الکشاف ج ۲ ص ۱۱ موقوفاً علی سعید بن جبیر

میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

۲۰۔﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ یہودیوں کو تورات کی کتاب عنایت کی گئی اور نصرانیوں کو انجیل کی کتاب عطا فرمائی گئی ﴿ یَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانتے ہیں یعنی وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک اور آپ کی صفات جمیلہ کی وجہ سے آپ کو پہچانتے ہیں جو ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں ﴿ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ جس طرح وہ لوگ اپنے بیٹوں کو ان کے حلیے اور ان کے کردار سے پہچانتے ہیں (حضور کے بارے میں کفار مکہ کے سوال پر اہل کتاب نے صحیح جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما کر حقیقت واضح کر دی' لہٰذا) یہ آیت مبارکہ اہل مکہ کے لیے اس بات کی گواہ ہے کہ اہل کتاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس اور آپ کی نبوت کی صحت کو خوب پہچانتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ مشرکینِ مکہ میں سے اور آپ کی نبوت کے منکر اہل کتاب میں سے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ﴿ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ تو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

| |
|---|
| وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱ |
| وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ |
| تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝۲۳ |
| اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ |

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا' بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے O اور جس دن ہم ان سب کو جمع فرمائیں گے' پھر ہم مشرکوں سے فرمائیں گے: کہاں ہیں وہ تمہارے شرکاء جن کو تم خدا کا شریک خیال کرتے تھے O پھر ان کا کفر صرف یہی ہوگا کہ وہ کہہ دیں گے کہ ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے O دیکھو! انہوں نے اپنے آپ پر کیسا جھوٹ باندھا اور وہ تمام بہتان تراشیاں ان سے گم ہو گئیں جو بتوں کے بارے میں وہ گھڑا کرتے تھے O

## کفارِ مکہ کے جھوٹے الزامات

۲۱۔﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا [اور ''مَـنْ'' استفہام (یعنی سوال) کا ہے جو کہ نفی کے معنی پر مشتمل ہے] یعنی اس سے بڑھ کر اپنے آپ پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں ہے اور ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے اپنے محل پر رکھنے کی بجائے غیر محل میں رکھنا اور اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ کسی مخلوق کو معبود بنا لیا جائے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایسی صفات کے ساتھ موصوف کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ﴿ اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ﴾ یا اس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا یعنی قرآن مجید کو اور معجزات نبوی کو جھٹلایا ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک واقعہ اور شان یہ ہے کہ ﴿ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ظالم لوگ نجات و فلاح نہیں پائیں گے۔ انہوں نے دو باطل چیزوں کو جمع کر دیا: (۱) کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جس پر کوئی دلیل نہیں ہے (۲) اور انہوں نے اس کو

جھٹلایا جو حجت و دلیل سے ثابت ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کو اور معجزات نبوی کو جادو کا نام دیا۔

٢٢- ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ [ہُمْ ضمیر مفعول بہ ہے اور ''اُذْكُرْ'' مقدر ہے] یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس دن ہم ان سب کو جمع فرمائیں گے [''جَمِيْعًا'' مفعول کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ پھر ہم ان لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرا لیا تھا [اور قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں جگہ ''یا'' کے ساتھ (''يَحْشُرُ'' اور ''يَقُوْلُ'') ہے] ﴿اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ﴾ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا تھا۔ ﴿الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ''اَیْ تَزْعُمُوْنَهُمْ شُرَكَآءَ'' یعنی جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک خیال کرتے تھے [اس میں دونوں مفعول محذوف کر دیئے گئے ہیں]۔

٢٣- ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ﴾ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (ثُمَّ لَمْ يَكُنْ) ہے] (ترجمہ) پھر ان کا انکار نہیں ہوگا ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ مگر یہی کہ وہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے یعنی جس کفر کو انہوں نے زندگی بھر لازمی طور پر اپنائے رکھا اور اس کی وجہ سے لڑائیاں کرتے رہے اس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اس سے انکار کر دیں گے اور اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور قسم کھا کر کفریہ مذہب کی اطاعت سے انکار کر دیں گے یا یہ کہ پھر ان کا جواب نہیں مگر یہی کہ وہ کہیں گے: ہمیں اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم مشرک نہ تھے اور ان کے کفر کو فتنہ اس لیے قرار دیا گیا کہ یہ ان کا جھوٹ ہے [قاری ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''فِتْنَتُهُمْ'' مرفوع ہے' پھر جس نے ''تَكُنْ'' کو ''تا'' کے ساتھ پڑھا اور فتنہ کو مرفوع پڑھا ہے اس نے ''فتنة'' کو ''تَكُنْ'' کا اسم قرار دیا اور ''اَنْ قَالُوْا'' کو اس کی خبر قرار دیا یعنی ان کا کفر نہیں ہوگا مگر ان کا یہی کہنا اور جس نے ''یا'' کے ساتھ (يَكُنْ) پڑھا اور ''فتنة'' کو منصوب پڑھا اس نے ''اَنْ قَالُوْا'' کو ''يَكُنْ'' کا اسم قرار دیا یعنی ''لَمْ يَكُنْ فِتْنَتَهُمْ اِلَّا قَوْلُهُمْ'' ان کا یہ کہنا ان کا کفر ہوگا' اور جس نے ''تا'' کے ساتھ (تَكُنْ) پڑھا اور ''فتنة'' کو منصوب پڑھا اس نے قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت کے مطابق ''رَبَّنَا'' مقولہ پر محمول کیا ہے جو کہ ندا کی وجہ سے منصوب ہے ''يَا رَبَّنَا'' ہے اور ان دونوں کے علاوہ قراء کی قراءت میں مجرور (رَبِّنَا) ہے اور اسم اللہ کی صفت ہے]۔

٢٤- ﴿اُنْظُرْ﴾ اے محمد (ﷺ)! دیکھئے کہ ﴿كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم مشرک نہیں تھے اپنے آپ پر کیسا بڑا جھوٹ باندھا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع فرمائے گا اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بیکراں کی وسعت و فراخی دیکھیں گے اور مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ملاحظہ کریں گے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: ہم شرک و کفر چھپا لیتے ہیں شاید ہم بھی اہل توحید کے ساتھ نجات حاصل کر لیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ''اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ'' (الانعام:٢٢) ''کہاں ہیں وہ تمہارے شریک جن کے بارے میں تم معبود و شفیع ہونے کا گمان کرتے تھے'' تو وہ لوگ جواب میں کہیں گے: ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ'' (الانعام:٢٣) ''ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے'' پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور ان سے گم ہو گیا ﴿مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ وہ افتراء و بہتان جو وہ اپنے بتوں کی الوہیت و شفاعت کے بارے میں گھڑا کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾

اور ان میں سے بعض لوگ کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں' اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تا کہ وہ لوگ آپ کی باتیں نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے' اور اگر وہ ہر معجزہ دیکھ لیں پھر بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے' یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے (اور) کافر کہیں گے کہ یہ قرآن تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور وہ خود اس سے دور رہتے ہیں' اور وہ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کو نہیں سمجھتے O اور اگر تم دیکھو جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنوں میں سے ہو جائیں گے O

۲۵- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ اور ان میں سے بعض لوگ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔ مروی ہے کہ ابوسفیان' ابوجہل' ولید' نضر اور ان جیسے بڑے لیڈر جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کو غور سے سننے لگے اور ان لوگوں نے نضر سے کہا کہ محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ (حضرت سرورِ کائنات) محمد (ﷺ) کیا کہہ رہے ہیں ماسوا اس کے کہ وہ اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں تم سے گزشتہ قوموں کے قصے کہانیاں بیان کرتا ہوں تو اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ان کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ یقیناً سچے نبی ہیں اور ابوجہل نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہے تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں [یہ ''كِنَان'' کی جمع ہے' اس کا معنی پردہ ہے جیسے ''عنان'' کی جمع ''اَعِنَّةٌ'' ہے] ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ ''كَرَاهَةَ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ'' یعنی اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ وہ لوگ آپ کی بات کو سمجھ سکیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے جو سماعت کے لیے رکاوٹ بنتا ہے [اور ''وَقْر'' کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ مصدر ہے اور یہ ''اَكِنَّة'' پر معطوف ہے] اور یہ معتزلہ فرقہ پر مسئلہ اصلح میں ہماری طرف سے حجت ہے[1] ﴿وَاِنْ يَّرَوْا

[1] یعنی اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے' چاہے تو دلوں کو ہدایت کی طرف پھیر دے اور چاہے تو گمراہی کی طرف پھیر دے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہدایت وضلالت اور خیر وشر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور وہی ان سب کا فاعل اور خالق ہے جب کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہدایت وخیر کا فاعل ہے اور وہ اسی کو عدل قرار دیتے ہیں مگر یہ مذکورہ بالا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور اگر وہ لوگ ہر قسم کا معجزہ دیکھ بھی لیں پھر بھی وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو وہ آپ سے جھگڑا کریں گے (اور) کافر کہیں گے: یہ قرآن تو نہیں مگر اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں [اور ''حَتّٰی'' ایک حرف ہے جس کے بعد جملہ واقع ہوتا ہے اور یہاں جملہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اِذَا جَآءُ وْكَ'' سے لے کر ''یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' تک ہے اور ''یُجَادِلُوْنَكَ'' حال کی جگہ پر واقع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''حَتّٰی'' جارہ اور ''اِذَا جَآءُ وْكَ'' جر کی جگہ پر واقع ہو یعنی ''حَتّٰی وَقْتِ مَجِیْئِھِمْ'' کے معنی میں ہو اور ''یُجَادِلُوْنَكَ'' حال ہو اور ''یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' اس کی تفسیر ہے] اور معنی یہ ہے کہ کفار کا آیات الٰہیہ کو جھٹلانے کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ وہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں اور آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کرتے ہیں اور ان کے جھگڑنے کی وضاحت اس بات سے ہو جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ قرآن مجید تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں کے سوا کچھ نہیں تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھوٹا قرار دیتے تھے اور ''اَسَاطِیْر'' کا واحد ''اُسْطُوْرَۃٌ'' ہے۔

۲۶-﴿وَهُمْ﴾ اور وہ یعنی مشرکین ﴿يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ لوگوں کو قرآن مجید سے روکتے ہیں یا رسول سے روکتے ہیں اور ان کی اتباع اور ان پر ایمان لانے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں ﴿وَيَنْــــَٔوْنَ عَنْهُ﴾ اور وہ خود اپنے آپ کو اس سے دور رکھتے ہیں' سو وہ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہیں ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ اس حرکت سے کسی کو ہلاک نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں یعنی ان کا یہ ضرر ونقصان انہیں کو پہنچے گا کسی اور کو نہیں اگر چہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس حرکت سے رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد جناب ابوطالب ہیں کیونکہ وہ قریش کو رسول خدا ﷺ کی مخالفت سے منع کرتے تھے اور ان سے حضور کا دفاع کرتے تھے لیکن خود برملا آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے مگر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔

۲۷-﴿وَلَوْ تَرٰٓي﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھ لیتے تو ضرور آپ بہت بڑا معاملہ مشاہدہ فرماتے ﴿اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ﴾ جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا اور ان کو جہنم کی آگ دکھائی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ اس کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کر لیں گے یا ان کو دوزخ کی آگ پر پُل صراط کے اوپر روک لیا جائے گا ﴿فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ﴾ تو وہ لوگ کہیں گے: کاش! ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے اور وہ لوگ دنیا کی طرف واپس جانے کی تمنا اور آرزو اس لیے کریں گے کہ تا کہ وہ ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی تمنا پوری ہو چکی (کہ دنیا میں ان کی طرف پیغمبر خدا دینِ حق لے کر گئے تھے لیکن انہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا) پھر وہ (درج ذیل) کلام شروع کر دیں گے: ﴿وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم ایمان رکھنے والے مسلمانوں میں سے ہو جائیں گے یعنی وہ لوگ ایمان لانے کا وعدہ کریں گے گویا وہ کہیں گے: اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلائیں گے نہیں بلکہ ان پر ایمان لائیں گے [اور قاری حمزہ اور امام حفص کی قراءت میں واؤ اور ''اَنْ'' مقدر کے ساتھ تمنّی کے جواب کی بنا پر ''وَلَا نُکَذِّبَ وَنَکُوْنَ'' (منصوب) ہیں] اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مسلمان ہو جائیں گے [اور قاری ابن عامر شامی نے ''وَنَکُوْنَ'' میں ان دونوں (مذکورہ بالا قراء) کی موافقت کی ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آیت مبارکہ بھی ان کے خلاف ہے اور ہماری دلیل ہے۔ غوثوی مہاروی

بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾

ع ۱۰

بلکہ اب ان کے لیے وہ سب ظاہر ہو گیا جس کو وہ پہلے چھپایا کرتے تھے' اور اگر انہیں واپس لوٹا دیا جاتا تو پھر وہی کام کرتے جن سے انہیں روکا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور انہوں نے کہا کہ ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے O اور اگر تم دیکھو جب وہ اپنے رب کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ حق نہیں؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمیں اپنے رب کی قسم (یہ حق ہے)! اللہ فرمائے گا کہ تم جو کفر کیا کرتے تھے تو اب اس کے بدلے میں عذاب چکھو O بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات سے انکار کیا' یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آئے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس ہے ہمیں اس پر کہ ہم نے اس کے ماننے میں کوتاہی کی' اور اپنے بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے ہوں گے' خبردار! وہ بہت برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں O

۲۸- ﴿ بَلْ ﴾ کفار نے دنیا میں واپس جانے کی جو آرزو کی اس کو پورا کرنے سے اعراض کے لیے ''بَلْ'' کو استعمال کیا گیا ﴿ بَدَا لَهُمْ ﴾ ان کے لیے ظاہر ہو گیا ﴿ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ ﴾ جس کو لوگوں سے چھپایا کرتے تھے ﴿ مِن قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے دنیا میں اپنی قباحتیں اور اپنی فضیحتیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں ہے کہ وہ لوگ دنیا میں اپنے نفاق کو چھپاتے تھے مگر قیامت کے دن ان کا نفاق سب لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا یا پھر یہ آیت مبارکہ اہل کتاب کے بارے میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی صحت کو دنیا میں چھپایا کرتے تھے مگر قیامت کے روز ان کے سامنے ان کی خیانت و بددیانتی سب لوگوں پر عیاں ہو جائے گی ﴿ وَلَوْ رُدُّوا ﴾ اور اگر ان کو آگ پر کھڑا کیے جانے کے بعد دنیا میں واپس بھیج دیا جائے ﴿ لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ ﴾ تو وہ ضرور اسی کفر و شرک کی طرف لوٹ جائیں گے جس سے پہلے انہیں روکا گیا تھا ﴿ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ اور بے شک وہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں کہ اپنے بارے میں جو وعدے کرتے ہیں' انہیں پورا نہیں کرتے۔

۲۹- ﴿ وَقَالُوا ﴾ [یہ ''لَعَادُوا'' پر معطوف ہے] یعنی اور اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج دیا جاتا تو وہ ضرور کفر کرتے اور وہ یہ ضرور کہتے: ﴿ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ﴾ اور کوئی زندگی نہیں ہے ماسوا ہماری دنیا کی زندگی کے جیسا کہ وہ کافر لوگ قیامت کو دیکھنے سے پہلے کہا کرتے تھے [یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ'' پر معطوف ہے] یعنی بے شک یہ قوم ہر معاملے میں جھوٹی ہے اور یہ وہی قوم ہے جس نے کہا تھا کہ ہماری دنیا کی زندگی کے ماسوا اور کوئی زندگی نہیں [اور ''هِيَ'' سے حیاۃ

(زندگی) مراد ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے] ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ﴾ اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

۳۰۔ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے جب ان کو اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اس آیت مبارکہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے اور ان سے باز پرس کرنے اور جواب دہی کے لیے ان کو رب تعالیٰ کے سامنے روکا جائے گا جیسے مجرم غلام کو اپنے آقا کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے تا کہ وہ اسے سزا دے یا یہ کہ انہیں ان کے کرتوتوں پر بدلا دینے کے لیے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا ﴿قَالَ﴾ [یہ مقدر سوال کا جواب ہے] گویا کہا گیا کہ جب ان کو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو ان سے رب تعالیٰ کیا فرمائے گا؟ تو جواب میں کہا گیا: ''قَالَ'' یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ حشر ونشر اور دوبارہ اٹھایا جانا حق نہیں ہے اور تمہارے سامنے موجود نہیں ہے؟ اور یہ کہہ کر ان کو قیامت کے انکار کرنے پر عار اور شرم دلائی جائے گی اور ان کو اس بات پر شرم دلائی جائے گی کہ جب دنیا میں یہ لوگ قیامت کے روز دوبارہ اٹھنے کی بات سنتے تھے تو کہہ دیتے تھے کہ یہ حق نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا ﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا﴾ وہ کہیں گے: ہاں! کیوں نہیں! بخدا! یہ حق ہے' اس دن کفار اقرار کریں گے اور اپنے اقرار کو قسم کے ساتھ مؤکد و پختہ کریں گے ﴿قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب تم اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۱۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ لوگ ناکام ہو گئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلا دیا یعنی آخرت اور اس کے ساتھ مل کر پہنچنے والی چیزوں کے دن کو جھٹلا دیا یا یہ آیت مبارکہ اپنے ظاہر پر جاری ہے کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کے زندہ ہو کر دوبارہ اٹھنے کا منکر ہی دیدارِ خداوندی کا منکر ہے ﴿حَتّٰٓى﴾ [یہ ''كَذَّبُوْا'' کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے ''خَسِرَ'' کے لیے نہیں ہے] کیونکہ ان کے خسران (ناکامی) کی کوئی غایت وانتہا نہیں ہے (بلکہ ان کی ناکامی دائمی و باقی اور ابدی ہے) یہاں تک کہ ﴿اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی اور قیامت کو ''سَاعَةٌ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ قیامت کے بعد کی مدت کے مقابلے میں اس کے تاخیر کے ساتھ آنے کی مدت ساعت واحد (ایک گھڑی) کی طرح ہے اور ''بَغْتَةً'' کا معنی ہے: اچانک آ جانا [اور یہ حال کی بنا پر منصوب ہے دراصل ''بَاغِتَةً'' ہے یا یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے: ''بَغَتَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً'' اور اس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا اپنے صاحب پر اس کی بے خبری میں کسی وقت اچانک آ جانا ﴿قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا﴾ تو وہ لوگ کہیں گے: ہائے افسوس! دراصل یہ دکھ درد کے اظہار کے لیے ندا ہے' اس کا معنی ہے کہ اے حسرت و افسوس! تو حاضر ہو جا کیونکہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے ﴿عَلٰى مَا فَرَّطْنَا﴾ اس بات پر کہ ہم نے قصور کیا ہے ﴿فِيْهَا﴾ دنیا کی زندگی میں یا قیامت کے بارے میں یعنی ہم نے قیامت کے معاملے میں اور اس پر ایمان لانے میں قصور و گناہ کیا ہے (کہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کو ماننے سے انکار کر دیا) ﴿وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ﴾ اور وہ اپنے گناہوں کو اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے' خصوصیت کے ساتھ پشت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ پشت پر بوجھوں کا اٹھانا مشہور و معروف ہے جس طرح ہاتھوں کے ساتھ کمانا مشہور و معروف ہے اور یہ اس بات سے مجاز ہے کہ گناہوں کا بوجھ ان سے کبھی جدا نہیں ہوگا بلکہ لازم و قائم رہے گا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب کافر اپنی قبر سے نکلے گا تو شکل و صورت میں بدترین اور قبیح ترین چیز اس کا استقبال کرے گی' جس سے زبردست بدبو اُبل رہی ہوگی اور وہ چیز کہے گی: اے کافر! میں تیرا بُرا عمل ہوں اور دنیا میں تو مجھ پر سوار ہوتا تھا اور آج میں تجھ پر سوار ہوتا ہوں ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ﴾ آگاہ ہو جاؤ! بہت بُری چیز ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے

[اس حرف ''اَلَا'' اپنے بعد ذکر کی جانے والی چیز کے عظیم ترین ہونے کا فائدہ دیتا ہے]۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِي الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور دنیا کی زندگی ماسوا کھیل تماشا کے اور کچھ نہیں' اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے' کیا تمہیں عقل نہیں O بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو وہ بات ضرور غمگین کر دیتی ہے جو وہ کہتے ہیں' سو وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں O اور یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے جھٹلانے اور تکلیفیں پہنچانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی' اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے' اور بے شک رسولوں کی خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں O

۳۲- ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ اور دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے' یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ ''اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا'' (الانعام:۲۹) ''وہ تو نہیں مگر صرف یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے'' اور ''لَعِبٌ'' کا مطلب ہے: غیر مفید چیزوں میں مشغول ہو کر مفید چیزوں کو چھوڑ دینا اور ''لَهْوٌ'' کا مطلب ہے: جدوجہد اور محنت و کوشش کو چھوڑ کر کاہلی و سستی اور کمزوری اختیار کر لینا اور بعض مفسرین نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی زندگی اختیار کرنے والے دنیادار لوگ صرف کھیل کود میں مشغول ہیں اور بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی زندگی کے اعمال اور معاملات اختیار کر لینا (اور آخرت سے منہ موڑ لینا) کھیل کود کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ آخرت کے اعمال اختیار کرنے کے بے شمار فائدے ہوں گے ﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے سب سے بہتر ہے [اور ''وَلَلدَّارُ'' مبتدا ہے اور ''الْاٰخِرَةُ'' اس کی صفت ہے۔ قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ'' اضافت کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا گھر کیونکہ کوئی شے اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتی' بہرحال دونوں قراءتوں کے مطابق ''خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ'' مبتدا کی خبر ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ پرہیز گاروں کے اعمال کے ماسوا جو کچھ ہے وہ لہو و لعب یعنی کھیل تماشا ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم سمجھتے نہیں؟ [قاری نافع مدنی اور امام حفص کی قراءت میں تا کے ساتھ ہے (جب کہ باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ فعل مضارع معروف غائب یعنی ''اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ'' ہے)]۔

شانِ نزول: اور جب ایک دفعہ ابوجہل نے حضور سیّد عالم ﷺ سے کہا کہ اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بے شک آپ ہمارے نزدیک سچے انسان ہیں اور ہم تو صرف اس کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ ہمارے پاس لے کر تشریف لائے ہیں تو اس موقع پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۳-﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ ﴾ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو یقیناً وہ بات ضرور غمگین کردیتی ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں [اور اس میں ''ہٗ'' ضمیر شان ہے] ﴿ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ ﴾ سو بے شک وہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے یعنی وہ لوگ آپ کو جھوٹ کی طرف منسوب نہیں کرتے [قاری نافع مدنی اور قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے ''لَا یُكْذِبُوْنَكَ'') ہے یہ ''اَكْذَبَهٗ'' سے ماخوذ ہے جب اسے کوئی جھوٹا پائے] ﴿ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ اور لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں [اس میں (هُمْ) ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الظَّالِمِیْنَ) رکھا گیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کر کے ظلم کیا ہے اور اس میں ''با'' کا حرف ''یَجْحَدُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''الظَّالِمِیْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَظَلَمُوْا بِهَا'' (الاعراف:۱۰۳) ''تو انہوں نے اللہ کی آیتوں سے (انکار کر کے) ظلم کیا ہے'' اور معنی یہ ہے کہ بے شک آپ کی تکذیب (یعنی آپ کو جھٹلانا) ایک ایسا نازک معاملہ ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے کیونکہ آپ اس کے رسول ہیں اور معجزاتِ خداداد کے ذریعے آپ کی تصدیق و تائید کی گئی ہے اس لیے وہ لوگ حقیقت میں آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ رسول کی تکذیب دراصل مُرسِل (بھیجنے والے) کی تکذیب ہوتی ہے۔

۳٤-﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلّی و تشفّی دی گئی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ''فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ'' کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے' آپ سے تکذیب کی نفی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایسے ہے جیسے تم اپنے غلام سے کہو جب اس کی لوگ توہین کردیں کہ بے شک انہوں نے تیری توہین نہیں بلکہ میری توہین کی ہے ﴿ فَصَبَرُوْا ﴾ سو انہوں نے صبر سے کام لیا۔ صبر کا معنی ہے: مصیبت و تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اپنے مقصد پر ڈٹ جانا ﴿ عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا ﴾ جھٹلائے جانے اور تکلیفیں دیئے جانے پر ﴿ حَتّٰۤی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ﴾ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آن پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی فتح و نصرت اور غلبہ و کامیابی کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان جاری ہو چکا ہے کہ ''وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○'' (الصافات:۱۷۱۔۱۷۲) ''اور بے شک ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہماری یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ بے شک انہیں کی مدد کی جائے گی'' ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا'' (الغافر:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے'' ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکیں یعنی ان میں سے بعض کی خبریں اور ان کے قصے اور وہ واقعات جو انہوں نے مشرکین کی تکالیف پر صبر کر کے ان کو برداشت کیا [اور اخفش نے ''مِنْ'' کے زائد ہونے کو جائز قرار دیا اور ''نَبَاِ الْمُرْسَلِیْنَ'' کو فاعل قرار دیا اور سیبویہ نے واجب میں ''مِنْ'' کو زائد قرار دینے کی اجازت نہیں دی]۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

النصف، وقف لازم، وقف غفران

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور اگر ان کا روگردانی کرنا آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ یا آسمان میں سیڑھی تلاش کر لیں' پھر ان کے پاس معجزہ لے کر آئیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کر دیتا' سو آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ ہوناO بے شک (آپ کی دعوت) صرف وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں' اور اللہ مردہ دلوں کو اٹھائے گا' پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گےO اور انہوں نے کہا کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے مطلوبہ معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ آپ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےO

شانِ نزول: حضور نبی اکرم رسول معظم فخر دو عالم ﷺ کی قوم کا کفر کرنا اور ان کا اسلام سے روگردانی کرنا آپ پر گراں گزرتا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ روشن ترین نشانیاں دی جائیں تاکہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۵- ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ اور اگر ان کا اسلام سے منہ پھیرنا آپ پر دشوار و شاق گزرتا ہے ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ﴾ تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ تلاش کر لیں اور اس میں اتر کر زمین کے نیچے تک چلے جائیں یہاں تک کہ آپ ان کے لیے کوئی نشانی (یا معجزہ) لے کر آئیں تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں [اور اس میں "فِي الْاَرْضِ" "نَفَقًا" کی صفت ہے] ﴿اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ یا آسمان میں سیڑھی تلاش کر کے اوپر چڑھ جائیں' پھر اس سے ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آئیں تو ایسا کر گزریئے [اور یہ "فَاِنِ اسْتَطَعْتَ" کا جواب ہے اور "اِنِ اسْتَطَعْتَ" اپنے جواب کے ساتھ مل کر "وَاِنْ كَبُرَ" کا جواب ہے] اور معنی یہ ہے کہ بلاشبہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے اور مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی قوم کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے اور اگر آپ زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے کوئی نشانی (یا معجزہ) لا سکتے تو آپ ان کے ایمان لانے کی امید میں اس کو ضرور لے کر آتے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کو ہدایت پر جمع فرما دیتا اور ان کو ایسا بنا دیتا کہ وہ ہدایت کو اپنے آپ اختیار کر لیتے لیکن جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بے شک وہ لوگ کفر کو پسند کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت پر جمع فرمانا نہیں چاہا' چنانچہ امام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے ناواقف ہیں۔

۳۶- پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کا ان کی ہدایت کے لیے حریص ہونا ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ لوگ مُردوں کی طرح آپ کی بات سنتے ہی نہیں ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ﴾ یعنی بے شک آپ کی دعوتِ اسلام وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو آپ کی دعوت کو دل کی گہرائیوں سے سنتے ہیں ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ [اور "اَلْمَوْتٰى" مبتدا ہے (اور "يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ" اس کی خبر ہے) اور "موتٰی" سے کفار مراد ہیں] (کہ وہ دل کے مردہ ہیں) یعنی ان مردہ دل کفار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے گا' پھر (وہ سزا پانے کے لیے) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے تو اس وقت وہ سنیں گے لیکن اس سے پہلے وہ نہیں سنتے تھے۔

۳۷۔﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ اور قریش مکہ کے سرداروں نے کہا کہ ان پر ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی جاتی جس طرح ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے اور مکہ مکرمہ کی سرزمین کو وسیع و کشادہ کر دیا جائے اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دی جائیں ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے کہ انہوں نے جس طرح مطالبہ کیا ہے اس کے مطابق اپنی قدرت کی نشانی نازل کر دے ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ویسی نشانی نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہے یا یہ کہ وہ لوگ نہیں جانتے کہ اگر ان کے مطالبہ پر کوئی نشانی نازل کر دی جائے تو (اس کو نہ ماننے کی صورت میں) ان پر کتنا بڑا عذاب آن پہنچے گا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور زمین میں کوئی جان دار چلنے والا نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں' ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی' پھر وہ اپنے رب کے حضور میں اکٹھے کیے جائیں گے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں' اللہ جسے چاہتا ہے اسے گمراہی پہ چھوڑ دیتا ہے' اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھے راستے پر چلاتا ہے O فرما دیجئے کہ کیا تم بتلاؤ گے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے' اگر تم سچے ہو O

۳۸۔﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جان دار نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں تخلیق و پیدائش میں اور موت و حیات میں اور حشر و نشر یعنی مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے میں اور ضروریات زندگی کے لیے مدبر و خالق کی طرف محتاج ہونے میں جو ان کے معاملات کی تدبیر فرماتا رہتا ہے اور زمین پر چلنے والے ہر جان دار کو ''دَآبَّۃ'' کہا جاتا ہے اور یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پرندوں کے لیے بازوؤں اور پروں کی قید محض مجازی نفی کرنے کے لیے لائی گئی ہے کیونکہ تیز رفتاری سے چلنے والے کو مجازاً کبھی اڑنے والا کہا جاتا ہے [اور ''فِى الْاَرْضِ''، ''دَآبَّۃٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے جر کی جگہ پر واقع ہے] ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ﴾ ہم نے اس کتاب یعنی لوح محفوظ میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا کہ ہم نے اسے نہ لکھا ہو اور جس کو ثابت رکھنا واجب ہو ہم نے اسے ثابت نہ رکھا ہو یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور ''مِنْ شَىْءٍ'' سے ضرورت کی تمام چیزیں مراد ہیں (یعنی ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا بلکہ تمام ضروری چیزوں کو بیان کر دیا ہے) سو

یہ قرآن ان تمام مسائل پر مشتمل ہے جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم کر دیا ہے ان کا ثبوت صراحت کے ساتھ ہو خواہ اشارہ کے ساتھ ہو اور نظم قرآن کی دلالت و رہنمائی کی وجہ سے ہو خواہ کلام اس کا تقاضا کر رہا ہو ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴾ یعنی پھر روئے زمین پر رینگنے والے جان داروں اور پرندوں میں سے تمام امتیں اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں جمع کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بعض سے بعض کو انصاف دلائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ بغیر سینگ والے جانور کے لیے سینگ والے جانور سے بدلا لیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو مٹی ہو جا [اور باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ''اُمَـمٌ'' (جمع) فرمایا جب کہ ''دآبّة'' اور ''طائر'' مفرد ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں استغراق (یعنی جمع) کا معنی پایا جاتا ہے]۔

۳۹- اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اور اپنی قدرت کے آثار میں سے ایسی چیزوں کا ذکر فرمایا جو اس کی ربوبیت کی گواہی دیتی ہیں اور اس کی عظمت کا اعلان کر رہی ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے وہ بہرے ہیں' انہیں جس کلام الٰہی سے تنبیہ کی گئی ہے اسے فہم و تدبر اور غور و فکر سے نہیں سنتے ﴿ وَّبُكْمٌ ﴾ اور گونگے ہیں' حق بات نہیں کہتے ﴿ فِی الظُّلُمٰتِ ﴾ وہ اندھیروں میں دیوانہ وار بھٹک گئے یعنی جہالت و حیرت اور کفر میں بھٹک گئے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے غافل ہو چکے ہیں [''صُمٌّ وَّبُكْمٌ'' یہ ''اَلَّذِیْنَ'' کی خبر ہے اور واؤ کا داخل ہونا اس سے منع نہیں کرتا اور ''فِی الظُّلُمَاتِ'' دوسری خبر ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے' ارشاد فرمایا: ﴿ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جس کی گمراہی چاہتا ہے اسے (اپنے ارادے سے) گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے ﴿ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ اور جس کو وہ چاہتا ہے اسے سیدھی راہ پر گامزن کر دیتا ہے اور یہ آیت مبارکہ بھی دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' نیز تمام معاصی اس کی مشیّت و ارادہ کے تحت داخل ہیں (یعنی کوئی نیک و بد عمل اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن اس کی مرضی صرف نیک عمل میں شامل ہوتی ہے) اور اس آیت کریمہ سے اس بات کی بھی نفی ہو گئی کہ صرف نیک عمل ہی اس کی تخلیق و مشیّت میں داخل ہیں۔

۴۰- ﴿ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ ﴾ [قاری نافع مدنی نے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ نرم پڑھا ہے اور جب کہ قاری علی کسائی نے تسہیل کو ترک کر دیا ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان سے فرمایئے کہ کیا تم جانتے ہو کہ معاملہ ایسا ہے جیسا تمہیں کہا جاتا ہے (کہ بت مستحق عبادت ہیں نعوذ باللہ من ذالک) تو تم مجھے خبر دو جو تمہارے پاس ہے [اور اس کی دوسری ضمیر ''كُمْ'' کے اعراب کا کوئی محل نہیں اور ''تـا'' فاعل کی ضمیر ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے اس تقدیر پر اس طرح ''اَرَئَیْتَكُمْ'' ہے] ﴿ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ﴾ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو تم کس کو پکارو گے' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ﴾ یعنی جب تمہیں کوئی مصیبت و تکلیف پہنچے گی تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف اپنے معبودوں کو پکارو گے جیسا کہ تمہاری عادت ہے یا تم سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تمہارے بت خدا ہیں تو ان کو پکارو تا کہ تمہیں نجات مل جائے۔

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝۴۱ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲ ع ۴ / ۱۱ / ۱۰

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلکہ تم صرف اسی کو پکارو گے' پھر اگر وہ چاہے گا تو جس بات کے لیے تم پکارتے ہو اسے کھول دے گا اور تم جن کو اس کا شریک بناتے تھے ان کو بھول جاؤ گے O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے انہیں سختی اور تکلیف میں گرفتار کر لیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں O جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے توبہ کے ساتھ عاجزی کیوں نہ کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے اعمال بھلے کر کے دکھائے O پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے' یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہو کر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تو وہ مایوس ہو کر رہ گئے O

٤١- ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ﴾ بلکہ تم سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ سو تم جس مصیبت کو دور کرنے اور کھولنے کی طرف اس کو پکارو گے وہ اس کو کھول دے گا ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ تم پر فضل و کرم کرنا چاہے گا ﴿وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ اور تم جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو انہیں بھول جاؤ گے اور تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو گے یا تم اس وقت اپنے معبودوں کو یاد ہی نہیں رکھو گے کیونکہ تمہارے ذہن اپنے واحد لاشریک رب تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ وہی مصیبت و تکلیف کو کھولنے پر قادر ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ جائز ہے کہ استخبار کا تعلق ''اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ'' کے ساتھ ہو' گویا کہا گیا ہے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو پکارو گے؟

## گزشتہ قوموں کی ہلاکت کی وجہ' قدرت الٰہی کے دلائل اور رسولوں کی آمد کا مقصد

٤٢- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی سابقہ امتوں کی طرف بہت سے رسولوں کو بھیجا لیکن انہوں نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلا دیا [اور یہاں ''اَرْسَلْنَا'' کا مفعول ''رُسُلًا'' محذوف ہے] ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ تو ہم نے انہیں سختی اور دکھ کے ساتھ پکڑ لیا یا پہلے سے قحط و خشک سالی اور بھوک و تنگ دستی مراد ہے اور دوسرے سے بیماری اور جانوں اور مالوں کا نقصان مراد ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ عاجزی کریں اور اپنے رب تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں کیونکہ نفوسِ انسانی مصائب و آلام اور شدائد کے نزول کے وقت بارگاہِ الٰہی میں جھک جاتے ہیں۔

٤٣- ﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا﴾ تو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے گڑگڑا کر توبہ کیوں نہیں کی اور اس کا معنی تضرع وزاری کی نفی کرنا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے تضرع وزاری اور توبہ و استغفار نہیں کی لیکن اس کو لفظ ''لَوْلَا'' کے ساتھ اس لیے لائے تا کہ یہ فائدہ حاصل ہو جائے کہ تضرع وزاری اور توبہ و استغفار نہ کرنے کا ان کے پاس کوئی عذر نہیں تھا بلکہ انہوں نے صرف عناد و بغض کی وجہ سے توبہ وزاری نہیں کی ﴿وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تو جس مصیبت میں انہیں مبتلا کیا گیا تھا اس کی وجہ سے وہ نرم نہ ہوئے ﴿وَزَيَّنَ

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ جو کام وہ لوگ کیا کرتے تھے شیطان نے ان کاموں کو ان کے لیے آراستہ کر کے دکھایا اور وہ لوگ اپنے ان اعمال پر خوش ہونے لگے جن کو شیطان نے ان کے سامنے خوبصورت و آراستہ کر کے دکھایا تھا۔

٤٤۔﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ پھر جب وہ لوگ اس سختی و تکلیف کو بھول گئے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی یعنی انہوں نے اس سے عبرت حاصل نہیں کی اور انہوں نے نصیحت حاصل کرنا ترک کر دیا اور اس سے خوف زدہ نہ ہوئے تو ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی صحت و تندرستی اور مال و دولت میں فراوانی اور بے شمار اقسام کی نعمتیں انہیں عطا کی گئیں [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَتَّحْنَا'' (''تا'' کو مُشَدَّدْ باب تفعیل سے پڑھا گیا) ہے] ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ جب وہ لوگ مال و دولت اور دنیوی عروج و نعمت پر جو انہیں عنایت کیا گیا تھا خوش ہو کر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ لوگ مایوس ہو کر رہ گئے اور حسرت و افسوس کرتے رہ گئے اور اس کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی مصیبت و تکلیف کے پہنچنے پر غمگین ہو کر نجات سے ناامید و مایوس ہو جانا یا نعمتوں کے زائل ہو جانے پر نادم و پشیمان ہو جانا [اور ''اِذَا'' مفاجات (اچانک) کے لیے ہے]۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾

سو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی' اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O فرمایئے کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دے' غور سے دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں' پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں O فرما دیجیے کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا عذاب آ جائے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے O

٤٥۔﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ تو اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی یعنی شروع سے لے کر آخر تک چھوٹے بڑے سب ہلاک کر دیئے گئے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا گیا ﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' اس آیت میں آگاہ کیا گیا ہے کہ ظالموں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا واجب ہو جاتی ہے اور بے شک یہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے اور یہ بہترین و بزرگ ترین عطیوں میں سے ہے یا یہ کہ تم ان لوگوں کی ہلاکت پر خدا کا شکر بجا لاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دلائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

٤٦۔﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیں کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے کہ وہ تمہیں بہرا اور اندھا کر دے ﴿ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے اور تم سے تمہاری عقلیں اور تمیز چھین لے ﴿ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو

تمہاری چھینی ہوئی سماعت و بصارت اور مہر شدہ دل وعقول اور تمیز تمہیں واپس لادے [اس آیت میں ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''اِلٰہٌ'' اس کی خبر ہے اور ''غَیْرُ''، ''اِلٰہٌ'' کی صفت ہے اور اسی طرح ''یَاْتِیْکُمْ بِہٖ'' دوسری صفت ہے اور پورا جملہ ''اَرَءَیْتُمْ'' کا محلاً مفعول ہے اور جوابِ شرط محذوف ہے ] ﴿ اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ﴾ غور سے دیکھیے کہ ہم اپنی آیات کو ان کے لیے کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں ﴿ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴾ پھر بھی وہ لوگ آیاتِ الٰہیہ کے واضح ہو جانے کے بعد ان سے روگردانی کرتے ہیں اور ''صدوف'' کا معنی ہے کہ کسی چیز سے روگردانی کرنا۔

٤٧- ﴿ قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ لوگو! تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر تم پر اچانک عذاب آ جائے کہ اس کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئی ہوں ﴿ اَوْ جَھْرَۃً ﴾ یا علانیہ عذاب آ جائے کہ پہلے اس کی علامات ظاہر ہو جائیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ وہ عذاب رات کو یا دن کو آ جائے ﴿ ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ تو سوائے ظالموں کے کون برباد ہوگا؟ یعنی خدا کے غضب اور اس کے عذاب کے ساتھ اور کوئی ہلاک نہیں ہوگا ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّھُمُ الْعَذَابُ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے کے لیے' سو جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کو اس وجہ سے عذاب پہنچے گا کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے O فرما دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (بغیر وحی کے) غیب جان لیتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' فرما دیجئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ تو تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے O

٤٨- ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر مسلمانوں کے لیے جنت کی خوشخبری دینے والے اور کفار کو دوزخ سے ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں اور ہم ان کو محض اس لیے ہرگز نہیں بھیجتے کہ براہِن قاطعہ اور روشن ترین دلائل کے ذریعے ان کا مشن واضح ہو جانے کے بعد لوگوں پر صرف آیات ظاہر کریں ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ ﴾ سو جو ایمان لایا یعنی وہ اپنے ایمان پر قائم و دائم رہا ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ اور اس نے نیک عمل کیے ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [یعقوب کی قراءت میں ''فَلَا خَوْفَ'' (فا پر فتح کے ساتھ)

۴۹۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب چھوئے گا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کو چھونے والا قرار دیا ہے گویا وہ زندہ اور ذی حیات ہے' وہ جو تکالیف و مصائب چاہے گا ان کو پہنچائے گا ﴿ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے یعنی ان کی نافرمانی کے سبب اور کفر کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کی وجہ سے (ان کو عذاب پہنچے گا)۔

۵۰۔ ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں مخلوقات میں رزق وغیرہ کے حصص کا مالک بن کر نہیں آیا (کہ تمہاری خواہشات کے مطابق دنیا کے خزانے تمہیں دیتا پھروں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول بن کر آیا ہوں' تم مجھ سے احکامات و نواہی کے بارے میں ہدایات حاصل کرو)[اور ''وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ'' محلاً منصوب ہے کہ یہ ''عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ'' کے محل پر معطوف ہے کیونکہ یہ بھی مقولہ کے جملہ میں سے ہے] ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ گویا آپ نے فرمایا کہ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میرے پاس ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ میں از خود اپنے آپ غیب جان لیتا ہوں[1] ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

---

[1] واضح ہو کہ شانِ رسالت مآب ﷺ کے منکرین اس آیت مبارکہ کو تلاوت کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خداداد اختیارات وعلوم غیبیہ کی نفی کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں کمالات قرآن وسنت سے ثابت ہیں' اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ کے تحت مفسرینِ کرام نے نفی کی جو حکمتیں بیان کی ہیں وہ اختصار کے ساتھ یہاں بیان کر دی جائیں تا کہ آیت کریمہ کا مطلب واضح ہو جائے' پھر چند آیات اور احادیث بیان کر دی جائیں گی جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات اور علومِ غیبیہ ثابت ہو جائیں گے:

(۱) ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تواضع اور انکساری کے اظہار کے لیے اپنے آپ سے اختیارات اور علومِ غیبیہ کی نفی فرمائی ہے ورنہ آپ حقیقت میں ان دونوں کمالات سے متصف ہیں' چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

اَلْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ يُّظْهِرَ الرَّسُوْلُ مِنْ نَفْسِهِ التَّوَاضُعَ لِلّٰهِ وَالْخُضُوْعَ لَهٗ وَالْاِعْتِرَافَ بِعُبُوْدِيَّتِهٖ حَتّٰى لَا يَعْتَقِدُ فِيْهِ مِثْلُ اِعْتِقَادِ النَّصَارٰى فِي الْمَسِيْحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی کا اظہار کریں اور اپنی عبدیت کا اقرار کریں تا کہ لوگ آپ کے بارے میں وہ عقیدہ اختیار نہ کر لیں جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختیار کر لیا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۸ مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۹۷۸ء' تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر عرائس البیان)

(۲) اس آیت مبارکہ سے تمام مقدوراتِ الٰہیہ اور تمام معلوماتِ الٰہیہ کی نفی مراد ہے ورنہ خداداد اختیارات اور عطا کردہ علوم غیبیہ کی نفی مراد نہیں اور نہ مطلق نفی مراد ہے' چنانچہ شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدوراتِ الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ وشہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷۲ حاشیہ نمبر ۵ مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام غیبوں کو (جو کہ معلوماتِ الٰہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی تم بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟)۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

حضرت قبلہ قاضی صاحب لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام مقدورات و اختیارات اور اس کے رزق کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿إِنِّي مَلَكٌ﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں یعنی میں ایسا دعویٰ نہیں کرتا جو انسانی عقول سے بعید ہو وہ یہ کہ انسان ہو کر اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں اور علم غیب کی ملکیت کا از خود دعوے دار ہو اور باوجود انسان ہونے کے اپنے لیے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو بلکہ میرا دعویٰ وہی ہے جو بہت سے برگزیدہ انسانوں کے لیے ثابت ہو چکا ہے اور وہ نبوت و رسالت ہے ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تمام خزانے میرے پاس نہیں ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں بغیر وحی الٰہی کے (ذاتی طور پر) غیب جان لیتا ہوں۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۳) اس آیت مبارکہ میں مطلق قدرت و اختیار اور علم غیب کی نفی مراد نہیں بلکہ قدرتِ خاصہ الٰہیہ اور خاص علمِ الٰہی کے ساتھ موصوف ہونے کی نفی مراد ہے اور ان دونوں کلاموں کا مقصد آپ سے الوہیت کے دعویٰ کی نفی مراد ہے اور یہی کچھ امام رازی نے فرمایا ہے' ملاحظہ ہو (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۸ (قول ثالث) مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء)

(۴) اس آیت مبارکہ میں مخصوص مستقل اختیارات و تصرفات اور افعال الٰہی سے متعلق مخصوص علم کی نفی مراد ہے' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سارے خزانے میرے تصرف میں ہیں اور میں خود مستقلاً جیسے چاہوں تصرف کر سکتا ہوں' چند سطور بعد لکھتے ہیں: معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق علم غیب جانتا ہوں تاکہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ یا اس طرح کے اور سوال' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے۔
(تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۱۵۵ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ لمیٹڈ لاہور)

## اختیاراتِ مصطفیٰ (ﷺ) قرآن اور احادیث کی روشنی میں

(۱) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ. (التوبہ:۵۹)
اور کاش! وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کے رسول ہمیں عطا فرمائیں گے۔

(۲) وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ. (التوبہ:۷۴)
اور ان کو برا نہیں لگا مگر یہی کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا۔

(۳) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. (الاحزاب:۳۶)
اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہو۔

(۴) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. (الاعراف:۱۵۷)
اور آپ مسلمانوں کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

(۵) وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ. (التوبہ:۲۹)
اور وہ لوگ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تمہیں صرف وہی خبریں سناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہیں ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ گمراہ اور ہدایت یافتہ کی مثال ہے یا یہ وحی الٰہی کی پیروی کرنے والے اور پیروی نہ کرنے والے کی مثال ہے یا درست وصحیح دعویٰ کرنے والے اور یہ نبوت کا دعویٰ ہے اور ناممکن ومحال کا دعویٰ کرنے والے اور یہ الوہیت کا دعویٰ ہے' کی مثال ہے ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے تا کہ تم اندھوں کی طرح گمراہ نہ ہو جاؤ یا یہ کہ تم جان لو کہ بے شک میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا جو انسان کے لائق نہ ہو یا یہ کہ تم جان لو کہ بے شک جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرنا میرے لیے انتہائی ضروری اور لازمی ہے۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

(اے محبوب!) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جن کو اپنے رب کے حضور میں جمع کیے جانے کا خوف ہے کہ اللہ کے سوا وہاں ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا تا کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں ○ اور ان لوگوں کو دور نہ کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی رضا چاہتے ہیں' ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر کچھ نہیں اور آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر کچھ نہیں آپ انہیں دور کر دیں' سو آپ (نے بالفرض اگر ان کو دور کر دیا تو)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(٦) إِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ.
(بخاری ج ۲ ص ۵۸۵۔۹۸۵ ،مسلم ج ۲ ص ۲۵۰)

بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

(۷) بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي. (بخاری ج ۱ ص ۴۱۸)

میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

(۸) إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَاللَّهُ يُعْطِي.
(بخاری ج ۱ ص ۴۳۹)

بے شک میں ہی (انعامات الٰہی کا) قاسم اور خازن ہوں اور اللہ تعالیٰ (تمام انعامات) عطا فرماتا ہے۔

(۹) لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ.
(مشکوۃ شریف ص ۵۲۱)

اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے۔

نوٹ: علم غیب کے دلائل سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸ کی تفسیر کے تحت حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ ہم میں سے جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے' کیا اللہ شکر گزاروں کو سب سے زیادہ جاننے والا نہیں O

## لوگوں کو ڈرانے کا حکم' عابد فقراء کی شان' اغنیاء کا امتحان اور مسلمانوں کا احترام

۵۱- ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ اے محبوب! آپ اس قرآن کے ذریعے جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے پروردگار کے حضور اٹھائے جانے سے ڈرتے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کا اقرار کرتے ہیں مگر وہ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ وحی کے ذریعے انہیں ڈرائیں یا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) مراد ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی حشر و نشر اور بعثت کا اقرار کرتے تھے ﴿لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہیں اور نہ کوئی سفارش کرنے والا [یہ جملہ ''يُحْشَرُوْا'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ لوگ ڈرتے ہیں کہ انہیں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ ان کا کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا[1] ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تا کہ وہ تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کریں اور اہل تقویٰ کی جماعت میں داخل ہو جائیں۔

۵۲- جب حضور نبی کریم ﷺ کو تقویٰ سے محروم نافرمانوں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ تقویٰ اختیار کر کے فرماں

---

[1] واضح رہے کہ اگر اس آیت مبارکہ سے کفار مراد ہوں تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (المؤمن:۱۸)　ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کا کہا مانا جائے (یعنی کفار شفاعت سے محروم رہیں گے)۔

اور اگر اس سے مراد مسلمان ہوں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت کریں گے اور اسی طرح دیگر انبیائے کرام اور فرشتے اور اولیائے عظام اور مؤمنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے جب کہ اس آیت میں ہے: ''لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:۲۵۵)　یعنی کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اذن اور اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

لہٰذا ان حضرات کی مدد و شفاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد اور شفاعت ہے تو اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کی اجازت دے دے اور چونکہ مذکورہ بالا جماعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملے گی اس لیے یہ حضرات مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔

(تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۹ ۴ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء' تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۳۹ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دھلی)۔ غوثوی مہاروی

بردار و پرہیز گار بن جائیں تو اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں متقین و پرہیز گاروں کو اپنے قریب کرنے اور ان کو اپنے سے دور کرنے سے منع کیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کی تعریف کی ہے کہ بے شک یہ لوگ مسلسل اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور صبح و شام ذکر کرنے سے دوام و ہمیشگی مراد ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ فجر اور عصر کی نمازیں ادا کرتے ہیں یا پانچوں نمازیں ادا کرتے ہیں [اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''بِالْغُدْوَةِ'' ہے ] اور اللہ تعالیٰ نے عبادت میں ان کے اخلاص کی ایک علامت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ وہ اپنی عبادت و ریاضت اور ذکر وفکر سے ذاتِ خدا کی رضا چاہتے ہیں اور ''وَجْهٌ'' کے ساتھ کسی ہستی کی ذات کو اور اس کی حقیقت کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

**شانِ نزول:** یہ آیت مبارکہ فقراء کے حق میں نازل ہوئی تھی جیسے حضرت صہیب' عمار' بلال اور انہی طرح کے دیگر فقراء (جیسے خباب' سلمان فارسی' ابن مسعودؓ سعد بن وقاص' مقداد وغیرہ) جب مشرکین مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ اگر آپ ان معمولی فقراء کو اپنی مجلس سے دور کر دیں تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھا کریں گے (کیونکہ ان کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نا مناسب ہے' نیز ان کے اونی کپڑوں سے ہمیں بدبو آتی ہے) حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور نہیں کروں گا تو انہوں نے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ ایک دن ہمارے لیے مقرر کر دیں اور ایک دن ان کے لیے مقرر کر دیں اور انہوں نے اس کے لیے تحریری دستاویز مانگی' آپ نے (اس امید پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ تحریر تیار کی جائے اور فقراء اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے' اتنے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی تو آپ نے دستاویز کو پھینک دیا اور فقراء کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو گلے سے لگا لیا[1] ﴿ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر کچھ نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ'' (الشعراء:۱۱۳) ''ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے'' ﴿ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ اور آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر کچھ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے فقراء مسلمانوں کے دین پر اور ان کے اخلاص پر اعتراض کیا تھا (کہ ان لوگوں نے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی خاطر اسلام قبول کر لیا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے جواب دیا کہ ان کے حساب کی ذمہ داری انہیں پر لازم ہے' ان کا نقصان آپ کو نہیں پہنچے گا جس طرح آپ کا حساب آپ پر لازم ہے ان پر لازم نہیں ﴿ فَتَطْرُدَهُمْ ﴾ [یہ نفی کا جواب ہے اور وہ ''مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ'' ہے ] (یعنی چونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر بالکل نہیں ہے اس لیے آپ انہیں دور نہ کریں) ﴿ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [یہ نہی کا جواب ہے اور وہ ''وَلَا تَطْرُدْ'' ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ سبب کی توجیہ بیان کرنے کے لیے اس کو ''فَتَطْرُدَهُمْ'' پر معطوف قرار دیا جائے ] کیونکہ ظالم ہونا ان کو دور کرنے کا سبب ہے۔

۵۳۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ آزمایا اور اتنی بڑی آزمائش کی طرح ہم نے دولت مندوں کو غریب مسلمانوں کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیا ﴿ لِّيَقُوْلُوْٓا ﴾ یعنی تاکہ دولت مند کفار یہ کہیں: ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ یعنی کیا یہی وہ غریب و مسکین مسلمان ہیں کہ ہم میں سے جن پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نعمت عطا فرما کر احسان کیا ہے' حالانکہ ہم ان سے مقدم اور سردار ہیں جب کہ وہ فقراء اور ہم سے پیچھے

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۴۶

ثانوی حیثیت رکھتے ہیں' دراصل یہ اس بات سے انکار ہے کہ ان کی طرح کوئی اور بھی حق پر گامزن ہوا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور پر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ'' (الاحقاف:۱۱) یعنی کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا کہ اگر اس دین اسلام میں کچھ بھلائی ہوتی تو مسلمان اس تک ہم سے پہلے نہ پہنچتے ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا یعنی ان لوگوں کو جو اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع ۵ ۱۲
قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات پر (محض اپنے کرم سے) رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ بے شک تم میں سے جس شخص نے بھی نادانی سے کوئی بُرا کام کر لیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی' تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے O فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا' کیونکہ اس صورت میں بلاشبہ میں راہِ راست سے دور ہو جاؤں گا اور میں ہدایت یافتہ نہیں رہوں گا O

۵۴- ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے فرمائیے کہ تم پر سلام ہو' یا تو آپ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ان کو پہنچا دیں یا پھر اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان فقراء مسلمانوں کی عزت افزائی کی خاطر آپ ان سے سلام کہنے میں پہل کیا کریں تاکہ ان کی تکریم کا اظہار ہو جائے اور ان کے دل خوش ہو جائیں اور اسی طرح یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ تمہارے پروردگار نے اپنی ذات اقدس پر (محض اپنے کرم سے) رحمت کو لازم کر لیا ہے' یہ جملہ بھی اللہ تعالیٰ انہیں فقراء مسلمانوں کے لیے فرما رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کی وسعت اور ان کی توبہ قبول کرنے کی انہیں خوشخبری سنائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پکا وعدہ فرما لیا ہے ﴿ اَنَّهٗ ﴾ [یہ ضمیر شان ہے (اس کا کوئی مرجع نہیں ہے)] یعنی بے شک ﴿ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ﴾ تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا کام کر لیا۔ [یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی جس نے یہ برا کام کیا دراں حالیکہ وہ اس کے سبب حاصل ہونے والے نقصان سے جاہل تھا یا اس کو اس لیے جاہل قرار دیا گیا کہ اس نے اطاعت و فرماں برداری پر جرم و گناہ کو ترجیح دی ﴿ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ﴾ پھر جس نے برائی یا عمل کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کرتے ہوئے خالص توبہ کر لی ﴿ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک

اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری عاصم کی قراءت میں ''اَنَّـهٗ'' (ہمزہ کے اوپر فتح کے ساتھ بغیر فا کے) ''فَاِنَّـهٗ'' (ہمزہ کے نیچے کسرہ اور شروع میں فا کے ساتھ) ہے' پہلی صورت میں ''اَلرَّحْمَةَ'' سے بدل ہے اور دوسری صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی اس کی شان یہ ہے کہ بے شک وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''اَنَّـهٗ'' (ہمزہ پر زبر کے ساتھ بغیر فا کے) فَاِنَّـهٗ (فا کے ساتھ ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) ہے پہلی صورت میں ''اَلرَّحْمَةَ'' سے بدل ہے اور دوسری صورت میں مبتدا ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں نیا اور الگ جملہ ہونے کی بنا پر ''اِنَّـهٗ ، فَاِنَّـهٗ'' (دونوں میں ہمزہ کے نیچے کسرہ) ہے' گویا ''الرحمة'' کی تفسیر ہے' سو کہا گیا: ''اِنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ'']۔

۵۵- ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ اور ہم اسی طرح آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے [قاری حمزہ' علی کسائی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَلِيَسْتَبِيْنَ'' ہے (واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف) قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''سَبِيْلَ'' منصوب (لام پر زبر) ہے اس کے علاوہ باقیوں نے مرفوع (یعنی لام پر پیش) پڑھا ہے پھر ''تا'' ( وَلِتَسْتَبِيْنَ ) کے ساتھ اور ''یا'' (وَلِيَسْتَبِيْنَ) کے ساتھ ''سَبِيْلُ'' کو مرفوع (لام پر پیش کے ساتھ) پڑھا گیا ہے (اس صورت میں ''سبیل'' فاعل ہو گا) کیونکہ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور ''تا'' کے ساتھ ''سَبِيْلَ'' کو منصوب پڑھنے پر خطاب رسول اکرم نور مجسم ﷺ کو ہے] (یعنی تاکہ آپ مجرموں کا راستہ واضح طور پر بیان فرما دیں) اور جب کوئی معاملہ واضح اور صاف ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ ''اِسْتَبَانَ الْاَمْرُ'' اور ''اِسْتَبَنْتُهٗ'' کا مطلب ہے کہ میں نے اس کو ظاہر کر دیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس واضح تفصیل کی طرح قرآن مجید کی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ہم مجرموں کے حالات بیان کرنے میں ان آیات کو چن لیتے ہیں کہ کس کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ہے اور کس شخص کے اسلام قبول کرنے کی امید کی جا سکتی ہے تاکہ ان کی راہ واضح ہو جائے اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے اس لیے ہم نے یہ تفصیل بیان کر دی ہے۔

## بتوں کی عبادت سے ممانعت کا فرمان' معبودِ برحق پر موقفِ نبوی کا اعلان اور صرف اللہ تعالیٰ غیب دان ہے

۵٦- ﴿ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' یعنی مجھے روک دیا گیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے آگاہ کر کے مجھے تمہارے ان بتوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ﴿ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا یعنی میں تمہارے اس طریقے پر نہیں چلوں گا جس کو تم نے دلیل کی اتباع کے بغیر محض نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنے مذہب میں جاری و ساری کر دیا ہے اور یہ اس سبب کا بیان ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں جا پڑے ﴿ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا ﴾ یعنی اگر میں نے تمہاری خواہشات کی پیروی کی تو میں راہِ راست سے دور ہو جاؤں گا ﴿ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴾ اور میں کسی چیز میں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں گا یعنی بے شک تم بھی اسی طرح ہو

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ
عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾
وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا
تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ
كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

فرمادیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے' جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے' حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے' وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○ فرمادیجئے کہ جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو وہ اگر میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان اس معاملے کا فیصلہ ہو جاتا' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ اور غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اس کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا' اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے' اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں نہیں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر وہ ایک روشن کتاب میں (لکھا ہوا) ہے ○

اور جب اللہ تعالیٰ نے خواہشات کے لائقِ اتباع ہونے کی نفی فرمادی تو اپنے (درج ذیل) فرمان سے اس چیز پر تنبیہ فرمادی جس کی اتباع و پیروی کرنا واجب و لازم ہے۔

۵۷- ﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یقیناً روشن اور واضح دلیل پر گامزن ہوں یعنی بے شک مجھے واضح دلیل کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ معرفت یقیناً حاصل ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے کیونکہ تم نے اس کے ساتھ اس کے غیروں کو شریک ٹھہرایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں اپنے رب تعالیٰ کی واضح دلیل کی وجہ سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور وہ قرآن مجید ہے اور تم نے اس واضح اور روشن دلیل کو جھٹلا دیا ہے [اور ''بہ'' میں ضمیر سے برھان یا بیان یا قرآن مراد لینے کی تاویل پر مذکر ذکر کی گئی ہے (ورنہ اس کا مرجع ''بیّنة'' مؤنث ہے)] پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا کلام ذکر فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار یقیناً اس بات کے حق دار ہیں کہ انہیں سخت ترین عذاب کے ساتھ سزا دی جائے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ یعنی وہ عذاب میرے پاس نہیں جس کو تم اپنے (درج ذیل) قول میں جلدی طلب کر رہے ہو کہ ''فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ'' (الانفال:۳۲) یعنی اے اللہ! تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش برسا دے یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ تمہارے عذاب میں تاخیر کا حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے (میرا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہے) ﴿یَقُصُّ الْحَقَّ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس میں جو فیصلہ کرتا ہے اور جو مقدر میں لکھتا ہے وہ حق اور حکمت کے تابع ہوتا ہے [اور یہ

''قَصَّ اَثَرَهٗ'' سے ماخوذ ہے اور یہ امام عاصم اور حجازی قراء کی قراءت کے مطابق ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''یَقْضِ الْحَقَّ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ جلدی یا بہ دیر جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ حق ہے سو ''اَلْحَقَّ''، ''یَقْضِیْ'' کے مصدر کی صفت ہے یعنی ''القضآء الحق'' ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾ کا مطلب ہے ''القاضین بالقضاء الحق'' یعنی وہ حق کا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ ''فصل'' کا معنی ''قضا'' یعنی فیصلہ کرنا ہے اور التقائے ساکنین کی وجہ سے لفظ کی اتباع کرتے ہوئے خط سے ''یا'' کو ساقط کر دیا گیا ہے]۔

۵۸- ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اگر میرے پاس یعنی میری قدرت و طاقت میں یہ طاقت ہوتی کہ ﴿مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ جس چیز یعنی جس عذاب کی تم جلدی کر رہے ﴿لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ﴾ تو البتہ میرے اور تمہارے درمیان اس کام کا جلد فیصلہ ہو جاتا کیونکہ میں اپنے رب تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے تمہیں فوراً ہلاک کر دیتا ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے' سو وہ تم پر اس وقت عذاب نازل کرے گا جو تمہیں ہلاک کرنے کا اس کے علم میں آ چکا ہے (نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد)۔

۵۹- ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ اور غیب کی کنجیاں اسی ہی کے پاس ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا اور کوئی نہیں جانتا [اور ''مَفَاتِحُ''، ''مِفْتَحٌ'' (میم مکسور کے ساتھ) کی جمع ہے اور یہ بہ معنیٰ ''مفتاح'' ہے] یعنی چابی یا یہ رزق اور عذاب کے خزانے ہیں یا بندوں سے جو ثواب و عقاب اور آجال و احوال غائب ہیں وہ مراد ہیں اور ان کو بطور تشبیہ غیب کی چابیاں قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان چابیوں ہی کے ذریعے اس مخفی اور پوشیدہ خزانے تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے جو تالوں اور قفلوں کے ساتھ مضبوطی سے محفوظ کر دیا جاتا ہے اور جو خزانے کی چابیوں اور ان سے کھولنے کی کیفیت کو جانتا ہے وہی خزانے تک رسائی حاصل کر سکتا ہے' سو اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ تمام مغیبات (پوشیدہ چیزوں) تک رسائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا ان تک کسی کی رسائی نہیں ہے اس شخص کی طرح جس کے پاس خزانوں کے تالوں کی چابیاں ہوں اور وہ ان کو کھولنا جانتا ہو تو وہی خزانوں تک رسائی حاصل کرے گا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیب کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہارے پاس عیب کی چابیاں ہیں' سو جو شخص اس کے غیب پر ایمان لائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب پر پردہ ڈال دے گا[1] ﴿وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اور جو کچھ خشکی میں نباتات و جان دار رہتے ہیں ان کو

[1] چونکہ نبی اکرم رسول اعظم سیّد عالم ﷺ کو تمام کائنات میں سب سے بڑھ کر اور بے شمار علوم غیبیہ اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمائے ہیں' لہٰذا اس آیت مبارکہ کو آپ کے علم غیب کی نفی میں پیش کرنا غلط ہے' چنانچہ مفسرین کرام نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر ان کو کوئی نہیں جانتا' چنانچہ ''تفسیر مظہری'' میں لکھا ہے کہ ان مغیبات میں سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ماسوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر واقف و مطلع کر دیا ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۴۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچنے کے ذریعے بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہیں' کوئی ان کا مالک نہیں' پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس کو محروم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے اور امور غیب پر آگاہی صرف رسولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۵۶۳)

فریق مخالف کے جید عالم شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے' کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلاتِ ادراک کے ذریعے سے علومِ غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جو کچھ تری میں حیوانات و جواہر وغیرہما موجود ہیں ان کو وہی خوب جانتا ہے ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا ﴾ اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے [اس میں حرف ''ما'' نفی کے لیے ہے اور حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام پتوں کی تعداد کو اور ان کے احوال کو گرنے سے پہلے اور گرنے کے بعد خوب جانتا ہے ﴿ وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ ﴾ [یہ ''مِنْ وَّرَقَةٍ'' پر معطوف ہے] اور اس کے حکم میں داخل ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ تر اور نہ خشک ﴿ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾ مگر ایک روشن کتاب میں (لکھا ہوا) ہے اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَّا یَعْلَمُهَا'' کے لیے تکرار کی مانند ہے کیونکہ ان دونوں کا ایک معنی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا علم یا لوح محفوظ۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى
اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ　ع ۵ ۱۴
فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ قف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہیے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لیے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷۴ حاشیہ نمبر ا مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

اور دیگر مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کی جو وضاحت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ''مَفَاتِح'' ''مِفْتَحٌ'' (میم مکسور) کی جمع ہے تو معنی یہ ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور اگر ''مَفَاتِح'' ''مَفْتَحٌ'' (میم مفتوح) کی جمع ہے تو معنی یہ ہے کہ غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں' پہلی صورت میں تمام معلوماتِ الٰہیہ مراد ہیں اور دوسری صورت میں تمام ممکنات پر قدرت کاملہ مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۱۷۰۔۱۷۱ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ لمیٹڈ لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۵ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء' تفسیر الخازن ج ۲ ص ۲۱۔۲۲ مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ بمصر)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرما دیتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ'' (الجن: ۲٦۔۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے' اور لیکن جس نے یہ کہا کہ ہمارے نبی یا کسی اور نے اپنے علم سے تمام غیبوں کا اس طرح احاطہ کر لیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم تمام غیبوں کو محیط ہے تو وہ یقیناً کافر ہو گیا۔

(تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر' ۱۳٦۰ھ/ ۱۹۴۱ء)

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم بے حد و بے شمار ہی سہی لیکن وہ ذاتی نہیں عطائی ہیں اور معلوماتِ الٰہیہ کا بعض ہیں' اسی طرح آپ کے خداداد اختیارات تمام کائنات سے بڑھ کر ہی سہی لیکن وہ ذاتی نہیں عطائی ہیں اور تمام ممکنات پر قدرتِ کاملہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' لہٰذا اس آیت مبارکہ میں اختصاص سے حضور کے علوم و اختیارات خداداد کی نفی لازم نہیں آتی' والحمد للہ علی ذالک. غوثوی

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور تم نے دن میں جو کچھ کمایا ہے اسے وہ جانتا ہے' پھر وہ تمہیں اسی میں اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ مدت پوری کی جائے' پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے O اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی تم پر محافظ بھیجتا ہے' یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے O پھر وہ اپنے سچے مالک اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں' خبردار ہو جاؤ کہ حکم اسی کا ہے' اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے O فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے جس کو تم عاجزی سے اور آہستہ پکارتے ہو کہ اگر اس نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے O

٦٠- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ اور وہی تو ہے جو تمہیں رات کو سلا دیتا ہے یعنی وہ نیند کی حالت میں کامل تصرف کرنے سے تمہاری روحیں قبضے میں لے لیتا ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ اور تم نے دن میں جو کچھ کمایا اور اس میں تم نے جتنے گناہ کیے وہ سب کو خوب جانتا ہے ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ پھر وہ دن میں تمہیں بیدار کر کے اٹھا دیتا ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے اور اس میں تم نے جو کچھ کمایا ہے اس کو وہ خوب جانتا ہے لیکن کسب کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے اور اس میں اس بات کی نفی نہیں کہ ہم نے رات کے اوقات میں جو کچھ کیا ہے اسے وہ نہیں جانتا اور نہ اس کی نفی ہے کہ وہ دن کے اوقات میں ہم پر نیند طاری کر کے ہماری روحیں قبض نہیں کرتا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی چیز کو ذکر کے ساتھ مخصوص کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کی جائے ﴿لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ تا کہ مکمل طور پر مقررہ مدتِ حیات پوری کی جائے ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم نے مرنے کے بعد اٹھ کر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم اپنی راتوں اور دنوں میں اعمال کرتے تھے' بعض اہلِ کلام نے کہا کہ ان حواس میں سے ہر ایک حاسہ کے لیے ایک روح ہوتی ہے' نیند کے وقت وہ قبض کر لی جاتی ہے' پھر جب نیند ختم ہو جاتی ہے تو وہ روح واپس لوٹا دی جاتی ہے لیکن وہ روح جس سے سانس (زندگی) قائم ہے وہ نیند کے وقت قبض نہیں کی جاتی بلکہ وہ موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور ارواح سے مراد وہ معانی اور قویٰ ہیں جو حواس کے ساتھ قائم ہیں اور انہیں کے ساتھ سننا' دیکھنا' پکڑنا' چلنا اور سونگھنا ہوتا ہے اور ''ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ'' کا معنی ہے کہ وہ تمہیں بیدار کر دیتا ہے اور تمہارے حواس کی ارواح تمہیں واپس لوٹا دی جاتی ہیں اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے بعث کے منکرین کے خلاف استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح نیند کے وقت ان حواس کی ارواح چلی جاتی ہیں' پھر نیند ختم ہونے پر واپس لوٹا دی جاتی ہیں اسی طرح موت کے بعد ارواح کو ابدان میں لوٹا کر زندہ کیا جائے گا۔

## قدرت وغلبۂ الٰہی کے دلائل' اسلام کا مذاق اڑانے والوں سے بائیکاٹ کا حکم اور ان کا انجام

٦١- ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی

تم پر محافظ ونگہبان بھیجتا ہے یعنی ایسے فرشتے جو تمہارے اعمال کو محفوظ کر لیتے ہیں اور وہ کراماً کاتبین (یعنی اعمال لکھنے والے معزز فرشتے) ہیں تا کہ یہ بندوں کے لیے فساد برپا کرنے سے اور گناہوں کے ارتکاب کرنے سے ڈرانے دھمکانے کا سبب بن جائے کیونکہ جب وہ غور وفکر کریں گے کہ بے شک ان کے اعمال نامے اور صحیفے برسر میدان تمام لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو فتنہ وفساد اور گناہوں کے ارتکاب سے باز آ جائیں گے) ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ اس میں ''حَتّٰی'' اعمال کی حفاظت کی غایت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے یعنی فرشتوں کا مکلفین کے ساتھ پوری مدت حیات میں یہی طریقہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے (آیت کا ترجمہ) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ جاتی ہے تو ﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ملک الموت (موت کا فرشتہ) اور اس کے دیگر معاونین فرشتے مراد ہیں ''توفیه'' اور ''استوفیه'' دونوں کا معنی پورا کرنا ہے (کیونکہ زندگی کی مقررہ مدت جب پوری ہو جاتی ہے تو فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اسی کو وفات کہتے ہیں) [قاری حمزہ کی قراءت میں الف امالہ کے ساتھ ''تَوَفّٰهُ'' ہے قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''رُسْلُنَا'' (سین ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے اور نہ وہ سستی کرتے ہیں اور نہ تقدیم وتاخیر کرتے ہیں۔

٦٢- ﴿ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی جزا کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی فرشتوں کے لوٹانے سے مرنے والوں کو (حساب کے لیے میدانِ حشر میں) لوٹایا جائے گا ﴿مَوْلٰىهُمُ﴾ اپنے مالک کی طرف جو ان پر ان کے امور کا متولی ہے ﴿الْحَقِّ﴾ عدل وانصاف جو کبھی حق کے بغیر فیصلہ نہیں کرتا اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں ﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾ خبردار! اس دن صرف اسی کا حکم ہوگا' اس کے سوا اس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾ اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے اور اس کو کسی کا حساب کسی اور کے حساب سے روکنے والا نہیں ہوگا اور وہ صرف ایک بکری کے دودھ دوہنے کی مقدار میں تمام مخلوق کا حساب لے لے گا اور کہا گیا ہے کہ اس ذات کی طرف لوٹ جانا جس نے تمہاری پرورش کی ہے اس ذات کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے جس نے تمہیں تکلیفیں اور دکھ دیئے ہیں۔

٦٣- ﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ اس سے خشکی اور تری کی خوفناکیاں اور تکالیف وشدائد مراد ہیں یا پھر خشکی کے اندھیروں سے بادلوں کی گرج وکڑک اور سمندروں سے رات کے وقت ان کی خطرناک موجیں مراد ہیں [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں (''یُنَجِّیْکُمْ'' کو مخفف یعنی نون ساکن جیم کو بغیر تشدید کے مکسور) ''یُنْجِیْکُمْ'' (پڑھا گیا) ہے] ﴿تَدْعُوْنَهٗ﴾ [یہ ''یُنَجِّیْکُمْ'' میں ضمیر مفعول سے حال ہے] یعنی جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ کبھی گڑگڑا کر دھاڑیں مارتے ہو اور کبھی اپنے دلوں میں آہستہ آہستہ یہ دونوں ''تَدْعُوْنَهٗ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہیں اور حضرت ابوبکر کی قراءت میں ''خِفْیَةً'' (''خا'' کے نیچے زیر) ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں] ﴿لَئِنْ اَنْجٰىنَا﴾ البتہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے [اور یہ امام عاصم کی قراءت ہے جب کہ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں امالہ کے ساتھ اور باقی قراء کی قراءت میں ''لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ البتہ اگر تو ہمیں نجات دے دے گا ﴿مِنْ هٰذِهٖ﴾ ان اندھیروں سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ تو ہم ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ کے لیے شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ

عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ
يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ
بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے' پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو O فرما دیجئے کہ وہی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا وہ تمہیں گروہ بندی میں لڑا دے اور وہ تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے' غور سے دیکھئے ہم کس طرح دلائل کو بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں O اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق ہے' فرما دیجئے کہ میں تم پر وکیل نہیں ہوں O ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تم جان لو گے O

٦٤-﴿ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان اندھیروں سے بھی اور ہر قسم کے رنج و غم سے نجات دیتا ہے [اور کوفیوں کی قراءت میں ''يُنَجِّيْكُمْ'' مشدد ہے] ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴾ پھر بھی تم شرک کرتے ہو اور تم شکر ادا نہیں کرتے۔

٦٥-﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ وہی قادر ہے جس کو تم بھی بطور قادر پہچانتے ہو یا وہی کامل قدرت والا ہے [سو لام عہد اور جنس کا ہے] ﴿ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ اس پر کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے جیسا کہ قوم لوط پر اور ہاتھی والوں (یعنی ابرہہ کے لشکر) پر پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی ﴿ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے جیسا کہ فرعون کو غرق کیا گیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا یا تمہارے بادشاہوں اور بدمعاشوں کی طرف سے (تم پر عذاب بھیج دیا جائے) یا اس عذاب سے بارش کا رکنا اور کھیتی باڑی کا ویران ہونا مراد ہے ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا ﴾ یا متفرق خواہشات کی بنا پر تمہیں مختلف گروہوں میں خلط ملط کر دے اور تم میں سے ہر گروہ اپنے اپنے لیڈر کے تابع ہو جائے اور انہیں خلط ملط کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ برپا کر دی جائے جس میں وہ باہم گتھم گتھا ہو جائیں اور قتل و غارت کے میدان میں ایک دوسرے میں گھس جائیں ﴿ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ اور تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کی سختی کا مزہ چکھائے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ اور ''بَاْس'' سے تلوار یعنی لڑائی مراد ہے' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت پر اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے عذاب نہ بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ بات قبول فرما لی اور میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرنے سے مجھے منع کر دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی کہ بے شک میری امت کی بربادی تلوار (باہمی لڑائی) سے ہو گی[1] ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الفتن باب ٢٠' ابن ماجہ فی کتاب الفتن باب ٩' الموطأ فی کتاب القرآن رقم الحدیث: ٣٥' احمد فی مسندہ ج ٥ ص ٢٤٠ - ٢٤٣ - ٢٤٧

تُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ﴾ دیکھئے ہم وعدہ اور وعید کی آیتوں کو کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں ﴿ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴾ تاکہ وہ سمجھ سکیں۔

٦٦- ﴿ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ ﴾ اور آپ کی قوم یعنی قریشِ مکہ نے اس کو یعنی قرآن مجید کو یا عذاب کو جھٹلا دیا ہے ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ اور وہ حق ہے یعنی سچ ہے یا ان پر عذاب نازل ہونا ضروری ہے ﴿ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں: میں تم پر محافظ و نگہبان نہیں ہوں اور نہ تمہارے امور میرے سپرد کیے گئے' بے شک میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔

٦٧- ﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ ﴾ اور ہر ایسی چیز جس کی خبر دی جا سکے یعنی ان کی یہ خبر ہے کہ ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان کو اس کے ساتھ ڈرایا جائے گا ﴿ مُّسْتَقَرٌّ ﴾ عذاب کے وقوع و حصول کی خبر کا وقت مقرر ہے جس کا وقوع لازمی ہے ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور عنقریب تم جان لو گے' یہ کفار کے لیے دھمکی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَ مَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو کہ ہماری آیتوں میں طنزاً بحث کر رہے ہیں تو تم ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں' اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھا کرو○ اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ ذمہ داری نہیں اور لیکن وہ ان کو نصیحت کرتے رہیں تاکہ وہ باز آ جائیں○

٦٨- ﴿ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ﴾ اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں یعنی قرآن مجید میں طنزیہ بحث کر رہے ہیں یعنی وہ قرآنی آیات کا مذاق اڑانے اور اس میں طعن و تشنیع کرنے میں مشغول ہیں اور دراصل قریشِ مکہ اپنی مجالس میں یہ فضول بحث کرتے تھے ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ سو آپ سے منہ پھیر لیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں اور ان کی مجلس سے اٹھ جائیے ﴿ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ﴾ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں تو اس وقت ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے ﴿ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ ﴾ اور اگر بالفرض تمہیں شیطان وہ بات بھلا دے جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے [ اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "یُنَسِّیَنَّكَ" ہے اور "نَسّٰی" اور "اَنْسٰی" ایک چیز ہے ﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی ﴾ تو آپ یاد آ جانے کے بعد نہ بیٹھیے ﴿ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ۔

٦٩- ﴿ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ ﴾ اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والوں پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں جو قرآن مجید کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے اس میں زبان درازی سے بحث کرتے ہیں ﴿ مِّنْ شَیْءٍ ﴾ یعنی قرآن مجید کا مذاق اڑانے والوں کی مجلس میں محض بیٹھنے والے پرہیزگاروں پر ان کے گناہوں میں سے ان پر کچھ نہیں ہو گا البتہ مذاق اڑانے والوں سے حساب لیا جائے گا ﴿ وَّلٰكِنْ ﴾ اور لیکن پرہیزگاروں پر لازم ہے کہ وہ مذاق اڑانے والوں کو نصیحت کریں اور انہیں سمجھائیں ﴿ ذِكْرٰی ﴾ جب پرہیزگار حضرات ان سے سنیں کہ وہ بحث کر رہے ہیں تو ان

کی مجلس سے کھڑے ہو جائیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں اور انہیں نصیحت کریں [اور ''ذِکْرٰی''، ''تَذْکِیْرًا'' کے معنی میں محلاً منصوب ہے] یعنی لیکن یہ حضرات ان لوگوں کو نصیحت کریں اور خوف دلائیں [یا یہ مرفوع ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَلٰکِنْ عَلَیْہِمْ ذِکْرٰی'' سو ''ذِکْرٰی'' مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ شرم و حیا اختیار کر کے بے جا بحث سے باز آ جائیں یا وہ اپنی برائی سے نفرت کر کے بے فائدہ بحث سے بچیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ
وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۱۰/۱۴

اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور ان کو اس کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہ کوئی جان ان کرتوتوں کے سبب ہلاکت میں نہ پڑ جائے جو اس نے کیے ہیں' اللہ کے ماسوا اس کا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا' اور اگر وہ ہر قسم کا معاوضہ دے دے تو اس سے وہ بھی نہیں لیا جائے گا' یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی وجہ سے ہلاکت میں گرفتار کر لیے گئے' اور ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ہو گا اور دردناک عذاب ہو گا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے ○

۷۰- ﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ﴾ اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو (کھیل تماشا) بنا لیا یعنی جس دین کے وہ مکلّف بنائے گئے اور جس کو قبول کرنے کی انہیں دعوت دی گئی تھی اور وہ دین اسلام ہے ﴿لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ دین کو کھیل تماشا بنانے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ تمسخر کیا اور اس کا مذاق اڑایا اور ان کو چھوڑ دینے کا یہ معنی ہے کہ آپ ان سے اعراض کریں اور منہ پھیر لیں اور ان کے جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی بالکل پروا نہ کریں اور لعب ولھو سے بیہودہ خواہش اور ہر وہ خوشی مراد ہے جو انسان کو مفید کاموں سے پھیر کر بے کار کاموں میں مصروف و مشغول کر دے ﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ﴾ اور آپ قرآن مجید کے ذریعے انہیں نصیحت کیجئے اس اندیشے کے سبب کہ کہیں کوئی جان ہلاکت و عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے اور انہیں ان کے برے عمل سے ڈرایئے اور ''ابسال'' کا اصل معنی منع کرنا اور روکنا ہے ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ﴾ اس کے لیے اللہ کو چھوڑ کر کوئی مددگار نہیں ہو گا جو قوت و طاقت کے بل بوتے پر اس کی مدد کر سکے ﴿وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہو گا جو سوال کر کے اس کا دفاع کر سکے اور صحیح یہ ہے کہ ''كَسَبَتْ'' پر وقف نہ کیا جائے کیونکہ ''لَيْسَ لَهَا'' ''نَفْسٌ'' کی صفت ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کیجئے اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ کوئی جان ہلاک ہو جائے نہ مددگار کو پانے والی ہو اور نہ شفاعت کرنے والے کو ﴿وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ﴾ [مصدر کی بنا پر منصوب ہے] یعنی اگر وہ جان ہر قسم کا فدیہ دے دے۔ ''عدل'' کا معنی فدیہ دینا ہے کیونکہ جس چیز کا معاوضہ دیا جاتا ہے' فدیہ دینے والا اس کے مساوی فدیہ ادا کرتا ہے ﴿لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ اس سے وہ فدیہ نہیں لیا جائے گا [اور اس کا فاعل

''عدل'' کی ضمیر نہیں ہوسکتی کیونکہ ''عدل'' یہاں مصدر ہے جس کی طرف ''اُخذ'' کا اسناد نہیں کیا جاسکتا لیکن اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں ''وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ'' (البقرہ:۴۸) تو وہ ''مُفْدٰی بِهٖ'' (جس چیز کے ساتھ فدیہ ادا کیا جائے) کے معنی میں ہے جس کی طرف اس کا اسناد صحیح ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یہ دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنانے والوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتدا ہے اور ﴿ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ﴾ اس کی خبر ہے یعنی یہی وہ بد بخت لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے ﴿ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴾ ان کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا [یہ ''اُولٰٓئِكَ'' کی دوسری خبر ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: یہی لوگ خدا کے عذاب میں گرفتار ہونے والے ہیں جن کو پینے کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا یا یہ جملہ مستانفہ ہے ﴿ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴾ اور ان کے کفر کے سبب ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۠ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ۙ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

فرمائیے کہ کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس کے بعد کہ اللہ ہمیں ہدایت عطا کر چکا ہم اپنی ایڑیوں پر پھیر دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے جنگل میں بھٹکا کر حیران کر دیا' اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہوں گے کہ ادھر ہمارے پاس آ جا' فرما دیجئے کہ بے شک اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی ہدایت ہے' اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے فرماں بردار رہیں O اور یہ کہ تم نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O

## غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری کا اظہار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصیرت و توحید کا بیان ------ نیز آپ کے والد کے نام کی تحقیق

۷۱- ﴿ قُلْ ﴾ اے محبوب! آپ اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمائیے کہ وہ اپنے بیٹے (حضرت) عبد الرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرما دیں کیونکہ وہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے) اپنے والد (حضرت ابوبکر) کو بتوں کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے ﴿ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ﴾ [اس میں ''نَدْعُوْا'' بہ معنیٰ ''نَعْبُدُ'' ہے] کیا ہم نفع و نقصان پہنچانے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں یعنی اگر ہم ان کی عبادت کرنا شروع کر دیں تو ہمیں نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر ہم ان کو بالکل چھوڑ دیں تو وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے ﴿ وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا ﴾ دراصل ''وَ اَنُرَدُّ'' ہے کہ کیا ہم اپنی ایڑیوں پر واپس شرک کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے ﴿ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کے لیے ہمیں ہدایت عطا فرما دی اور ہمیں بتوں کی عبادت سے بچا لیا ﴿ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ ﴾ اس شخص کی طرح جس کو سرکش جنوں اور (قدیم

عرب کے گمان کے مطابق انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف شکلوں کے ساتھ جنگلوں میں رہنے والے خطرناک) شیطانوں نے راہِ راست سے بھٹکا دیا ہو [اور اس میں کاف جارہ ''نُرَدُّ'' کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محلا منصوب ہے] یعنی کیا ہم پچھلے پاؤں واپس شرک کی طرف پھر جائیں دراں حالیکہ ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں گے جسے شیطانوں نے راہ سے گمراہ کر دیا ہو [اور ''اِسْتَهْوَتْ'' باب استفعال ہے ''هَوٰی فِی الْاَرْضِ'' سے ماخوذ ہے] جب کوئی شخص بیابان زمین میں دور نکل جائے گویا اس کا معنی یہ ہے کہ شیاطین وسرکش جنوں نے اس شخص کو جنگل کی سرزمین پر راہ راست سے دور لے جا کر مبہوت و پریشان کر دیا ﴿فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ﴾ [یہ ''اِسْتَهْوَتْهُ'' کی ضمیر مفعول سے حال ہے] یعنی راہِ راست سے بھٹکا ہوا حیران و پریشان اور متحیر و سرگرداں شخص جو نہیں جانتا کہ اب وہ کیا کرے اور کیسے کرے ﴿لَهٗ﴾ اس حیران و پریشان اور گم کردہ راہ کے لیے ﴿اَصْحٰبٌ﴾ دوست و احباب اور ساتھی ہیں جو ﴿یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى﴾ اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تا کہ وہ اس کو سیدھے راستے پر لگا دیں۔ یہاں طریقِ مستقیم (سیدھا راستہ) کو ''هُدًی'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے' وہ احباب اس شخص سے کہتے ہیں کہ ﴿ائْتِنَا﴾ ادھر ہمارے پاس آ جا جب کہ وہ شخص جنگل میں راستہ بھول چکا ہے اور جنوں اور شیطانوں کے پیچھے لگا ہوا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی پکار پر نہ ان کو جواب دیتا ہے اور نہ ان کے پاس آتا ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ کہا جائے کہ بے شک جنات انسانوں کو بہکاتے اور پریشان کرتے ہیں اور شیاطین اس پر غالب آ جاتے ہیں' سو یہاں اس شخص کے ساتھ اسلام کے راستے سے بھٹکے ہوئے گمراہ کو تشبیہ دی گئی جو شیطان کا پیروکار ہے اور جب کہ مسلمان اس کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں مگر وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتا ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت اسلام ہے ﴿هُوَ الْهُدٰی﴾ وہی تنہا ہدایت ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب گمراہی ہے ﴿وَاُمِرْنَا﴾ [یہ ''اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی'' کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ دونوں مقولے ہیں] گویا کہا گیا ہے کہ اے محبوب! آپ یہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی دین اسلام ہی فقط ہدایت ہے باقی سب گمراہی ہے اور آپ یہ بھی فرما دیں کہ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے ﴿لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہ ہم صرف تمام جہانوں کے پروردگار کی اطاعت کریں۔

۷۲-﴿وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سر تسلیم خم کر دیں اور یہ کہ تم نماز قائم کرو یعنی ہمیں نماز قائم کرنے اور اسلام کے احکام پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کی بارگاہ میں تم قیامت کے روز اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا' اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا' اس کا فرمان سچا ہے' اور اس کی حکمرانی ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا' وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے' اور وہ بڑا حکمت والا' بڑا باخبر ہےO اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (چچا) ابو آزر سے فرمایا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو' بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوںO اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں اور تاکہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیںO

٧٣- ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اور (اللہ) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بڑی حکمت کے ساتھ برحق پیدا فرمایا ﴿وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ اور جس وقت وہ فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے' یہ کلام پاک خبر ہے جواب نہیں ہے ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اس کا فرمانا حق ہے [یہ جملہ مبتدا ہے اور ''یَوْمَ یَقُوْلُ'' اس کی خبر ہے اور اس پر مقدم ہے جیسے تم کہو کہ ''یَوْمَ الْجُمُعَةِ قَوْلُكَ الصِّدْقُ'' یعنی تمہارا سچ فرمانا جمعہ کے دن ہوگا اور ''یَوْم'' ''حِیْن'' کے معنی میں ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو برحق حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور وہ جس وقت اشیاء میں سے کسی شے کو فرماتا ہے کہ تو ہو جا تو وہ شے ہو جاتی ہے' اس کا فرمانا سچ اور دانائی ہے یعنی آسمانوں اور زمین اور باقی تمام مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ مبنی برحق اور مبنی برحکمت اور مبنی برصواب موجود ہوئی ہے ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ [یہ مبتدا خبر ہیں] اور اسی کی بادشاہی ہے ﴿یَوْمَ یُنْفَخُ﴾ [یہ ''لَهُ الْمُلْكُ'' کا ظرف ہے] یعنی جس دن پھونکا جائے گا ﴿فِی الصُّوْرِ﴾ صور میں۔ یمن کی لغت میں ''صور'' سینگ کو کہتے ہیں یا یہ ''صورة'' کی جمع ہے ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ﴾ اصل میں ''هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ'' ہے ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ یعنی وہ نہاں اور عیاں اور باطن اور ظاہر اور پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ مارنے اور زندہ کرنے میں بہت بڑا صاحب حکمت و دانا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ وہ حساب لینے اور جزا و سزا دینے کے ساتھ بڑا باخبر ہے۔

٧٤- ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ﴾ آزر آپ کے باپ کا نام ہے یا اس کا لقب ہے کیونکہ نسب بیان کرنے والوں میں اختلاف ہے کہ بلاشبہ آپ کے باپ کا نام تارخ ہے[1] [اور ''اٰزَرَ'' ''لِاَبِیْهِ'' کا عطفِ بیان ہے اور اس کا وزن ''فَاعَل'' ہے] ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو' یہ سوال زجر و توبیخ کرنے اور ڈرانے دھمکانے کے لیے کیا گیا

[1] خیال میں رہے کہ آزر چونکہ بت پرست تھا اس لیے اس کے دوزخی ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک حضور سید عالم ﷺ کے تمام آباء و امہات طیب و طاہر اور مؤمن و موحد تھے' اس کے ثبوت میں بندۂ ناچیز نے ایک جامع اور مختصر کتاب ''دلائل النجات لاصول سیّد الکائنات'' کے نام سے لکھی ہے جس میں تفصیلی دلائل ذکر کر دیئے ہیں تاہم یہاں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں گفتگو پر اکتفا کیا گیا ہے' چنانچہ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (نویں صدی ہجری کے مجدد) لکھتے ہیں کہ بزرگان دین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر نہیں بلکہ وہ تو آپ کا چچا تھا۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا' یہ روایت درج ذیل آنے والی صحیح روایات کی تائید و تصدیق کی وجہ سے ضعیف سے نکل کر قوی ہو گئی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے یعنی کیا تم بتوں کو اپنا معبود قرار دیتے ہو حالانکہ یہ بت معبود ہونے کے مستحق نہیں ہیں ﴿اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۲) امام ابن ابی شیبہ' ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے بہت سی اسناد ذکر کی ہیں جن کی بعض اسناد بالکل صحیح ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا۔

(۳) امام ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج سے اسی آیت کریمہ کے تحت نقل کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں بلکہ ابراہیم بن تیرح یا تارخ بن شاروخ بن ناخور بن فالخ ہے۔

(۴) امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر تھا تو انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور انہوں نے لغت کے اعتبار سے یہ وجہ بیان فرمائی کہ عرب میں چچا کو باپ بھی کہا جاتا ہے اور ان کے نزدیک ''اَبٌ'' کا لفظ ''عَمٌّ'' کی جگہ بولنا مشہور و معروف ہے اگرچہ یہ مجاز ہے' چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ. (البقرہ:۱۳۳)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کو موت آئی تو اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ''اَبٌ'' (جس کی جمع ''ابــآء'' ہے) کا لفظ حضرت اسماعیل پر بولا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے چچا ہیں اور اسی طرح یہ لفظ حضرت ابراہیم پر بھی بولا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے دادا ہیں۔

(۵) امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دادا بھی باپ ہوتا ہے اور وہ یہی آیت کریمہ تلاوت کیا کرتے تھے' نیز انہوں نے ابو العالیہ سے اسی آیت کے تحت نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں چچا کو باپ کہا گیا ہے' پس بزرگان دین کے یہ وہ اقوال ہیں جو صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں۔

(٦) نیز وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جس کو امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ گلزار بن گئی جس پر آپ کے چچا آزر نے کہا کہ آپ میری وجہ سے آگ سے محفوظ رہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ اس پر پھینک دیا جس سے جل کر وہ مر گیا' چنانچہ اس روایت میں ایک تو حضرت ابراہیم کے چچا ہونے کی وضاحت کر دی گئی ہے' دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے کے دنوں میں آزر کے ہلاک ہو جانے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم پر آزر کا دشمنِ خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت و بخشش کرنا ترک کر دیا اور آثار و روایات میں وارد ہے کہ جب آزر شرک کی حالت میں مر گیا تو آپ نے اس کے بعد اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۷) امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اور جب وہ کفر کی حالت میں مر گیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۵۔﴿وَكَذٰلِكَ﴾ یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم کو شرک کی قباحت و برائی دکھادی ہے اسی طرح ﴿نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھادی یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے عجائبات و لطائف حضرت ابراہیم کو دل کی آنکھوں سے دکھا دیئے [''نُرِیْ''(فعل مضارع) ماضی کا حال بیان کرنے کے لیے ہے اور ''مَلَکُوت'' کا لفظ ''مُلْک'' سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں واؤ اور ''تا'' نے مبالغہ کرنے میں اضافہ کر دیا ہے] حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے سامنے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے تو آپ نے ان میں سب کچھ دیکھ لیا یہاں تک کہ آپ کی نگاہ مبارک عرش عظیم پر جا ٹھہری اور ساتوں زمینیں بھی آپ پر منکشف کر دی گئیں یہاں تک کہ آپ نے ان میں بھی تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھ لیا ﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ اور تا کہ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو آپ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے بعد آپ نے اس کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا نہیں کی اور یہی حضرت محمد بن کعب' حضرت قتادہ' حضرت مجاہد اور حضرت حسن بصری وغیرہم سے مروی ہے کہ آزر کے حالتِ شرک میں مرنے کے بعد آپ اس سے بے زار ہو گئے تھے' پھر حضرت ابراہیم آگ کے واقعہ کے بعد شام کی طرف ہجرت کر گئے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے' پھر عرصۂ دراز کے بعد مصر کی طرف ہجرت کر گئے' وہاں ایک جابر بادشاہ سے ملاقات ہوئی اور حضرت سارہ کی کرامت کے سبب اس نے حضرت ہاجرہ آپ کی خدمت میں پیش کیں (اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا' انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے) پھر وہاں سے ہجرت کر کے دوبارہ شام میں تشریف لے آئے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو یہاں سے مکہ مکرمہ میں منتقل کر دیں' چنانچہ آپ حکم الٰہی کے مطابق دونوں ماں بیٹے کو مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے پاس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر روانہ ہوتے وقت خانہ کعبہ کے پاس دعا کی جس کے آخر میں عرض کی:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ○ (ابراہیم:۴۱)
اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مسلمانوں کو قیامت کے دن بخش دینا○

حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آزر کے ہلاک ہونے کے بہت بڑی مدت کے بعد اپنے والدین کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کی جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے (پھر اگر صرف والدہ کے لیے دعا ہوتی تو ''وَوَالِدَتِیْ'' ہوتا) لہٰذا اس سے یہ مسئلہ واضح ہو کر نکل آیا کہ قرآن مجید میں آزر کے کفر کی وجہ سے حضرت ابراہیم کا اس کے لیے دعائے مغفرت ترک کر کے اس سے بے زار ہو جانا دلیل ہے کہ آزر آپ کا چچا تھا' حقیقی باپ نہیں تھا (اس لیے تو پورے قرآن مجید میں آزر کے لیے ''اَبٌ'' کا لفظ آیا ہے والد کا نہیں اور اس کے مرنے کے بہت بڑے عرصے کے بعد آپ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے) تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس تقریر پر جو اس نے مجھ پر الہام فرمائی۔

(۸) علامہ ابن سعد نے امام کلبی سے نقل کیا ہے کہ بابل سے شام کی طرف ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سینتیس سال تھی' پھر وہاں سے حران میں آ کر آپ نے کچھ عرصہ قیام فرمایا' پھر اردن میں آ کر قیام فرمایا' پھر مصر میں تشریف لا کر کچھ عرصہ قیام فرمایا' پھر دوبارہ شام میں آ کر فلسطین اور ایلیا کے درمیان سبع میں قیام فرمایا' پھر اس شہر کے کچھ لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ نے وہاں سے چل کر رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک منزل پر قیام فرما لیا اور علامہ ابن سعد نے علامہ واقدی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کے ہاں حضرت اسماعیل کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر نوے سال تھی تو ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ واقعہ آگ کے بعد بابل سے ہجرت کرنے اور مکہ مکرمہ میں آ کر خانہ کعبہ کے پاس دعا کرنے کے درمیان پچاس سال سے زائد (تقریباً ۵۳ سال) کا فاصلہ ہے۔ غوثوی (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

عین الیقین والوں میں سے ہو جائیں' یعنی ہم نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ اس سے استدلال کر کے آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین حاصل کرنے والے ہو جائیں' جس طرح آپ نے کانوں سے بیان سن کر یقین کر لیا تھا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾

پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا' فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا O پھر جب انہوں نے چمکتا ہوا چاند دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت پر قائم نہ رکھتا تو البتہ میں ضرور گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا O پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو O بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کیا ہوا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا' میں دینِ حق پر قائم ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

۷٦- ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ﴾ یعنی پھر جب رات کی تاریکی حضرت ابراہیم پر چھا گئی [اور یہ "قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ" پر معطوف ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ "وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ" معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿رَاٰ كَوْكَبًا﴾ تو انہوں نے ایک روشن ستارہ دیکھا یعنی زہرہ یا مشتری دیکھا اور حضرت ابراہیم کے باپ اور اس کی قوم بتوں' سورج' چاند اور ستاروں کی پرستش وعبادت کرتے تھے اس لیے حضرت ابراہیم نے چاہا کہ ان کو اپنے دین میں غلط رویہ اختیار کرنے پر تنبیہ کریں اور استدلال کرنے اور نظر وفکر کے طریقے پر ان کی رہنمائی کریں اور انہیں پہچان کرائیں اور بتائیں کہ صحیح نظر وفکر تو اس بات کی طرف لے جاتی ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز معبود برحق نہیں کیونکہ ان میں حدوث کی دلیل قائم ہے اور اس لیے بھی کہ ان کا ایک محدث وموجد اور خالق ہے جس نے ان کو پیدا کر کے عدم سے وجود بخشا اور ان کا ایک مدبر ہے جو ان کے طلوع وغروب اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور چلانے اور دیگر احوال کی تدبیر وتنظیم فرماتا رہتا ہے' سو جب آپ نے اس ستارے کو دیکھا جس کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے تو ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے گمان وخیال میں یہ میرا رب ہے یا اس سے مراد "اَهٰذَا" ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ دراصل آپ نے ان دشمنانِ دین کا مذاق اڑاتے ہوئے اور ان پر انکار کرتے ہوتے یہ ارشاد فرمایا اور عرب کے لوگ صرف آواز کے لب ولہجے پر اکتفا کر کے حرفِ استفہام (سوالیہ حرف) ترک کر دیتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ بات وہ شخص کہتا ہے جو اپنے دشمن کے ساتھ

بجائے دشمنی کے انصاف کرنا چاہتا ہو اس کے باوجود کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا دشمن باطل پرست ہے' چنانچہ وہ اپنی بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے مذہب میں متعصب نہیں ہے کیونکہ وہ حق کی دعوت دینے والا ہوتا ہے اور وہ فتنہ وفساد اور جھگڑنے سے نجات پانے والا ہوتا ہے' پھر وہ اپنی بات بیان کرنے کے بعد دوبارہ اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے تو پختہ اور مضبوط حجت ودلیل کے ساتھ اس کا مذہب باطل قرار دے دیتا ہے' چنانچہ ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ﴾ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ﴿قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ آپ نے فرمایا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی میں ایسے خداؤں کی عبادت کرنا پسند نہیں کرتا جو ایک حال سے دوسرے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ یہ بات جسموں کی صفات میں سے ہے۔

۷۷۔ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا﴾ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا یعنی چاند کو طلوع ہوتے دیکھا تو ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں ضرور گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آیت مبارکہ میں اپنی قوم کو آگاہ کیا کہ جس شخص نے چاند کو معبود بنالیا ہے وہ گمراہ ہو گیا ہے اور بے شک آپ نے چاند کے طلوع ہونے کی بجائے اس کے غروب اور ڈوب جانے کے ساتھ اپنی قوم پر حجت قائم فرمائی حالانکہ یہ دونوں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال وتبدیلی ہے اس لیے کہ غروب قمر کے ساتھ حجت ودلیل قائم کرنا زیادہ واضح ہے کیونکہ یہ ڈوبنے اور چھپ جانے کے ساتھ انتقال ہے۔

۷۸۔ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ﴾ پھر جب انہوں نے جگمگاتے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ [اور بے شک اس (اسم اشارہ "هٰذَا") کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا کہ اس سے مراد "طَالِعٌ" ہے یا پھر مبتدا کو خبر کے مساوی قرار دیا گیا اور اس کی وجہ رب تعالیٰ کو تانیث کے شبہ سے بچانا ہے کیونکہ ان دونوں (مبتدا اور خبر) کا معنی ایک ہے اور اس لیے مفسرین کرام اللہ تعالیٰ کی صفات میں "عَلَّام" ذکر کرتے ہیں لیکن "عَلَّامَةٌ" نہیں کہتے (کیونکہ تانیث کا شبہ ہوسکتا ہے) اور اگر چہ دوسرا لفظ زیادہ فصیح وبلیغ ہے مگر اس میں علامتِ تانیث ہے (اگر چہ مبالغہ ہی کے لیے سہی) جس سے بچنے کے لیے اس کی جگہ پہلا لفظ (عَلَّام) بولا جاتا ہے] ﴿هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ یہ سب سے بڑا ہے اور یہ بھی اپنے دشمن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے کے باب سے ہے (کہ سورج' چاند اور ستارہ سے جسم وروشنی میں بڑا ہے ورنہ سب سے بڑی ذات خدا کی ہے) ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا: اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بری اور بیزار ہوں جن کو تم (اللہ تعالیٰ کا) شریک ٹھہراتے ہو یعنی وہ اجسام جن کو تم ان کے خالق کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ استدلال اور غور وفکر کا یہ نظریہ ذاتی اعتبار سے تھا (نہ کہ دوسرے محتاج وحادث اور فانی اجسام کے اعتبار سے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ" کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ واضح ہے۔

۷۹۔ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ بے شک میں نے اپنا چہرہ صرف اس ذات کی طرف متوجہ کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا یعنی اس ذات کے لیے جس کے خالق ومالک ہونے پر یہ تمام محدثات ومخلوقات دلالت ورہنمائی کرتے ہیں ﴿حَنِیْفًا﴾ یعنی میں تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف دین اسلام کی طرف راغب ومائل ہو چکا ہوں [اور "حَنِیْفًا" "وَجَّهْتُ" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور میں

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وقف لازم اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۵ (۱۱)

اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا‘ تو فرمایا: کیا تم لوگ مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت پر قائم رکھا ہوا ہے‘ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ماسوا اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے‘ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے‘ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے O اور جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرا لیا ہے جن کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی‘ تو پھر دونوں فریقوں میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے‘ اگر تم جانتے ہو O وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں O

۸۰۔ ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ﴾ اور حضرت ابراہیم کی قوم نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور اس کی ذات بابرکات واحد لاشریک سے شریکوں کی نفی کرنے میں جھگڑا کیا تو ﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ﴾ آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ [قاری نافع مدنی اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''اَتُحَآجُوْنِیْ'' (نون مشدد کی بجائے نون تخفیف کے ساتھ) ہے] ﴿وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توحید کی ہدایت عطا فرمادی ہے [اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں حالتِ وصل (وقف کرنے کی بجائے ملا کر پڑھنے کی صورت میں) ''یـا'' کے ساتھ (وَقَدْ هَدٰنِیْ) ہے] پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کو ڈرایا اور دھمکایا کہ ان کے معبود (اپنی مخالفت کی وجہ سے) آپ کو کوئی دکھ و تکلیف اور کوئی مصیبت پہنچائیں گے تو آپ نے ان سے فرمایا: ﴿وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا﴾ اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ میرا رب تعالیٰ کچھ کرنا چاہے یعنی میں کسی وقت تمہارے معبودوں سے ہرگز نہیں ڈرتا کیونکہ وہ نہ نفع دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں مگر یہ کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ اس بات پر قدرت و اختیار رکھتا ہے چاہے تو نفع دے دے اور چاہے تو نقصان پہنچائے لیکن تمہارے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ میرے رب تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے‘ لہٰذا کسی بندے کو کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچتا مگر وہ اس کے علم میں ہوتا ہے ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا تم نہیں سمجھتے ہو کہ قادرِ مطلق اور عاجزِ محض میں فرق و امتیاز کرو۔

۸۱۔ ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ﴾ اور میں تمہارے ان معبودوں سے کیسے خوف زدہ ہو جاؤں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا ہے جب کہ وہ خود بے خوف ہیں ﴿وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا﴾ اور تم نہیں

ڈرتے کہ تم نے بلا شبہ اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرا لیا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی حجت اور سند نازل نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا ایسا غلط عمل ہے کہ اس پر کوئی حجت و دلیل لانا صحیح نہیں ہو سکتا اور معنی یہ ہے کہ تم میرے بارے میں امن کا انکار کرتے ہو اور خوف زدہ کرتے ہو حالانکہ میں (توحید کی وجہ سے) امن کی جگہ میں ہوں اور تم اپنے بارے میں امن کا انکار نہیں کرتے ہو حالانکہ تم خود (شرک وکفر کی وجہ سے) خوف کی جگہ میں ہو ﴿ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ﴾ سو موحدین اور مشرکین کے دو گروہوں میں سے کون سا گروہ عذابِ الٰہی سے امن وامان کا زیادہ حق دار ہے؟ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم جانتے ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''فَاَیُّنَا'' نہیں فرمایا تا کہ اپنی زبان سے اپنی تعریف وتزکیہ سے احتراز کیا جائے' پھر آپ نے نئے سرے سے الگ جملے کے ساتھ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۸۲-﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا' یعنی انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا' یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام مبارک مکمل ہو گیا ہے۔

| |
|---|
| وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ |
| رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا |
| مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ |
| هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى وَعِیْسٰى وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ |
| مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى |
| الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ |

اور یہ ہے ہماری وہ مضبوط ترین دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عنایت فرمائی تھی' ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا' سب کچھ جاننے والا ہے O اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے' ہم نے سب کو ہدایت دی' اور ہم نے ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی)' اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہم نے ہدایت دی)' یہ سب نیکی کرنے والوں میں سے ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (ہم نے ہدایت دی)' اور ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی O

## انبیائے کرام کو دیئے گئے فضائل کا تذکرہ اور حضور کو اصولِ دین میں ان کی روش پر چلنے کا حکم

۸۳-﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ ﴾ یہ ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر پیش فرمائے

تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ'' سے لے کر ''وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ'' تک ہیں یعنی یہ وہ ہماری قوی ترین دلیلیں ہیں جو ﴿اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ ہم نے حضرت ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی تھیں [یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے] ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ ہم جس کو چاہتے ہیں علم وحکمت کے ذریعے اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں۔ [اہل کوفہ نے تنوین کے ساتھ ''دَرَجَاتٍ'' پڑھا ہے] اس آیتِ مبارکہ سے معتزلہ فرقہ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں صرف امورِ خیر داخل ہیں (حالانکہ دنیا کا کوئی کام نیک ہو یا بد ہو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا) ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ﴾ بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا ہے درجوں کو بلند کرنے میں ﴿عَلِيْمٌ﴾ خوب جاننے والا ہے مستحق اور استعداد رکھنے والے کو۔

۸۴۔ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمائے ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ ہم نے سب کو ہدایت دی [اور دراصل ''كُلَّهُمْ'' ہے یعنی ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ہدایت عنایت فرمادی اور ''كُلًّا''، ''هَدَيْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا﴾ دراصل ''وَهَدَيْنَا نُوْحًا'' ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اور ہم نے ابراہیم سے پہلے نوح کو ہدایت عطا فرمادی تھی ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور (ہم نے) ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت عطا فرمائی تھی [اور ''مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ'' میں ضمیر نوح کی طرف لوٹتی ہے] تو معنی ہوگا کہ نوح کی اولاد میں سے یا یہ ضمیر ابراہیم کی طرف لوٹتی ہے تو معنی ہوگا کہ ابراہیم کی اولاد میں سے اور پہلا احتمال زیادہ واضح ہے کیونکہ یونس اور لوط جناب ابراہیم کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''وَهَدَيْنَا مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ هٰٓؤُلَآءِ'' (ترجمہ) اور ہم نے ان کی اولاد میں سے ان سب کو ہدایت عطا فرمادی تھی ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں [اور اس میں کاف محلاً منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے]۔

۸۵۔ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [كُلٌّ اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے] یعنی (ہم نے زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی اور) ان میں سے ہر ایک نیکی کرنے والوں میں سے ہے۔

۸۶۔ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا﴾ اور (ہم نے) اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (ہدایت عنایت فرمادی) [قاری حمزہ اور قاری علی کی قراءت میں جہاں بھی ''الیسع'' آتا ہے وہاں دو لام کے ساتھ ''اللیسع'' پڑھا جاتا ہے] ﴿وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے یعنی نبوت ورسالت کے سبب (ہم نے ان کو فضیلت دی ہے)۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

اور ان کے باپ دادا میں سے اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بعض کو فضیلت دی)' اور ہم نے ان کو چن لیا اور ہم نے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی رہ نمائی فرمادی O یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دے دیتا ہے' اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے تمام اعمال ان سے ضرور ضائع ہو جاتے O یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا فرمائی' پھر اگر وہ ان چیزوں کا انکار کرتے تو بے شک ہم نے ان پر ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو ان کا انکار کرنے والی نہیں ہے O یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عنایت فرمادی ہے' سو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلیں' اے محبوب! آپ فرمادیں کہ میں اس پر تم سے اجرت نہیں مانگتا' یہ تو نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے O

۸۷- ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ﴾ [یہ ''كُلًّا'' پر معطوف ہونے کی بنا پر محلًا منصوب ہے] یعنی اور ہم نے ان میں سے بعض کے باپوں کو فضیلت دی ہے ﴿وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ﴾ اور ان کی بعض اولاد اور بھائیوں کو (ہم نے فضیلت دی) ﴿وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور ہم نے ان (تمام نبیوں) کو چن لیا اور ہم نے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت بخش دی تھی۔

۸۸- ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی وہ توحید جس کے ساتھ تمام مذکورہ بالا حضرات لائقِ قربِ الٰہی ہوئے وہی ﴿هُدَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا دین ہے ﴿يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کو ہدایت دے دیتا ہے اور اس آیت مبارکہ سے معتزلہ کا قول باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ہدایت دینا چاہی لیکن انہوں نے ہدایت نہیں پائی ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا﴾ اور اگر بالفرض یہ حضرات اپنی فضیلت و بزرگی اور تقدم و اہمیت اور اپنے بلند و بالا درجے پالینے کے باوجود شرک کرتے تو ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ضرور ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہو جاتے جو انہوں نے سرانجام دیئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ'' (الزمر:۶۵) اے محبوب! اگر بالفرض آپ بھی شرک کرتے تو ضرور بالضرور آپ کے عمل ضائع ہو جاتے۔

۸۹- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب عنایت فرمائی' یہاں جنسِ کتاب مراد ہے ﴿وَالْحُكْمَ﴾ اور حکمت یا کتاب کی فہم و فراست ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت اور یہ انسان کے مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ ہے ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا﴾ پھر اگر اس کے ساتھ یعنی کتاب و حکمت اور نبوت یا قرآن مجید کی آیات کے ساتھ کفر کریں ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ وہ لوگ یعنی اہل مکہ ﴿فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا﴾ تو بے شک ہم ان کی ادائیگی کی ذمہ داری ایسی قوم کے سپرد کر دیں گے (جو ان کا انکار نہیں کرے گی) اور وہ مذکورہ بالا انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی جماعت ہے جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ'' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے' سو آپ بھی ان کی روش پر چلیں یا حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان مراد ہیں یا ہر وہ شخص مراد ہے جو اس پر ایمان لایا ہے یا اس سے عجم کے لوگ مراد ہیں اور ان کی ذمہ داری ان کے سپرد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان کو ان پر ایمان لانے اور ان کے حقوق قائم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا جیسے کسی شخص کو کوئی کام سپرد کیا جائے تاکہ وہ شخص اس کو قائم رکھے اور اس کا خیال رکھے اور اس کی حفاظت کرے ﴿لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ وہ اس کے ساتھ کفر نہیں کریں گے [اور ''بِهَا'' میں ''بَا'' ''کافرین'' کا صلہ ہے اور ''بِكَافِرِيْنَ'' میں ''بَا'' نفی کی تاکید کرنے کے لیے ہے]۔

۹۰۔﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ یعنی جن انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر مبارک ابھی گزر چکا ہے یہی وہ خوش نصیب حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخش دی ہے ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ سوائے محبوب! آپ ان کے طریقے پر چلیں' پھر صرف انبیائے کرام ہی کی روش پر چلنے کی تخصیص کر دی گئی ہے اور کسی کی اقتدا کا حکم نہیں دیا گیا ماسوا ان حضرات کی اقتدا کے [اور یہ معنی مفعول کی تقدیم سے حاصل ہوا ہے] اور اس آیت مبارکہ میں ''بِهُدَاهُمْ'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور اس کی توحید پر ایمان لانے میں اور اصول دین میں ان کے طریقے پر چلیے' شرعی احکام و مسائل میں اقتدا کرنا مراد نہیں کیونکہ شریعتیں سب کی مختلف تھیں[1] [اور ''اِقْتَدِهْ'' میں ''هَا'' وقف میں ثابت رہتی ہے اور حالتِ وصل میں ساقط ہو جاتی ہے اور قرآن مجید میں ''ھا'' کو ثابت رکھنے کے لیے وقف کو ترجیح دینا بہترین عمل ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی وصل کی حالت میں اس کو حذف کر دیتے ہیں اور قاری ابن عامر شامی نے ''ھا'' کے نیچے بغیر اشباع کے کسرہ پڑھا ہے جس کو قراء کے عرف میں اختلاس کہتے ہیں] ﴿قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے وحی پر یا نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور توحید کی دعوت پر اجرت نہیں مانگتا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور حدیث شریف کی روایت پر (براہِ راست) اجرت لینا جائز نہیں (البتہ اوقاتِ مقررہ کی پابندی پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے) ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ تو نہیں مگر تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے یعنی صرف قرآن مجید ہی تمام جنوں اور تمام انسانوں کے لیے سراسر نصیحت و موعظت ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات ثبوتیہ کاملہ پر ایمان لانے میں اور اس کی ذات و صفات اور اسماء و افعال میں صفات سلبیہ ناقصہ سے تنزیہ پر ایمان لانے میں اور اصول دین میں ان انبیائے کرام کی موافقت کیجئے اور ان کے طریقے پر چلئے کیونکہ تمام انبیائے کرام کے عقائد و نظریات اور اصول دین متفق علیہ اور برحق ہیں البتہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں' یہی معنی صاحب ''مدارک'' نے بیان فرمایا ہے۔

(۲) حضور سیّد عالم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام کے اخلاق حسنہ' فضائل عالیہ' صفات کاملہ اور افعال مرضیہ رفیعہ کو اپنانے میں ان کی پیروی کیجئے اور ان کے طریقے پر چلئے تاکہ آپ ذاتی اور انفرادی کمالات کے علاوہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام کمالات کے جامع ہو جائیں اور ان سب کے متفرق محاسن و خوبیوں کے ساتھ متصف ہو جائیں اس لیے تمام مخلوق میں افضل الخلق بھی آپ ہیں اور تمام انبیائے کرام میں افضل الانبیاء' خاتم الانبیاء اور سیّد الانبیاء بھی آپ ہیں۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۲۱۶ـ۲۱۷' مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیۃ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۸۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ' تفسیر الخازن ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ بمصر' تفسیر صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ مصطفیٰ البابی بمصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

حسنِ یوسف' دمِ عیسیٰ' یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہودیوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی' آپ فرما دیجئے کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لیے تھے اور تم اس (کی کچھ چیزوں) کو ظاہر کرتے ہو اور اس کی بہت سی چیزوں کو تم چھپاتے ہو' اور تمہیں وہ علم سکھایا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے' اے محبوب! خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ (نے ہی وہ کتاب نازل فرمائی تھی)' پھر انہیں ان کی بے ہودہ بحث میں چھوڑ دیں کہ وہ لوگ کھیل میں مشغول رہیں O اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے' ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ڈر سنائیں' اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

## یہود نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی' شانِ قرآن اور نبوت کے دعوے داروں کی مذمت

۹۱- ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی پہچان کا حق تھا کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے (اور ان کی راہ نمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو بھیجتا ہے) جب کہ ان یہودیوں نے رسولوں کی بعثت و آمد اور ان پر وحی کے نزول کا انکار کر دیا حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے کیونکہ اس نے رسول اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' (الانبیاء:۱۰۷) ''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر''۔

شانِ نزول: روایت بیان کی گئی ہے کہ یہود کا گروہ جس میں مالک بن صیف بھی شامل تھا (جو بہت زیادہ کھانے پینے کے سبب بہت زیادہ موٹا اور پیٹو عالم تھا) حضور سیّد عالم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ سے جھگڑنے لگے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالک بن صیف سے فرمایا کہ کیا تورات میں یہ نہیں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے (اور نفرت) کرتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ہاں! یہ لکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو بھی تو موٹا عالم ہے' اس بات پر مالک غضب

ناک ہو گیا اور غصے میں آ کر کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا[1] [اور ''حَقَّ قَدْرِهٖ'' مصدر کی بنا پر منصوب ہے] ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے جو سراسر روشنی دینے والی کتاب تھی [اس میں ''نُوْرًا''، ''بِهٖ'' کی ضمیر سے حال ہے یا ''اَلْكِتَابَ'' سے حال ہے] ﴿وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا﴾ اور وہ لوگوں کے لیے سراسر ہدایت تھی جس کو تم نے کاغذ کے الگ الگ ٹکڑوں میں (تقسیم) کر لیا اور تم اس (کے کچھ حصے) کو ظاہر کرتے ہو اور اس کے بہت بڑے (حصے) کو تم چھپاتے ہو جس میں رسول اللہ ﷺ کی شان و نعت اور فضائل و کمالات بیان کیے گئے تھے یعنی انہوں نے تورات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور انہوں نے اس کو الگ الگ کاغذوں میں تقسیم کر لیا تھا اور اس کے جدا جدا اوراق بنا لیے تھے تا کہ وہ اپنے مقصد کے مطابق اس کے کسی حصے کے ظاہر کرنے اور کسی حصے کے چھپانے پر قدرت و اختیار حاصل کر لیں [اور قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابو عمرو بصری کی قراءت میں تینوں فعلوں میں ''یا'' کے ساتھ (یعنی ''یَجْعَلُوْنَهٗ'' اور ''یُبْدُوْنَهَا وَیُخْفُوْنَ'') ہے] ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور اے اہلِ کتاب! تمہیں اس کتاب کی تعلیم دی گئی جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے یعنی تم اپنے دین و دنیا کے احکام و معاملات سے ناواقف تھے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ یہ جواب ہے یعنی اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا کیونکہ وہ لوگ آپ کی اس بات کا انکار نہیں کر سکتے ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ﴾ پھر انہیں باطل مذہب اور دیگر بے ہودہ کاموں میں چھوڑ دیں کیونکہ وہ انہیں میں مشغول رہتے ہیں ﴿یَلْعَبُوْنَ﴾ وہ کھیل کود میں لگے رہیں [یہ ''ذَرْهُمْ'' سے حال ہے یا پھر ''خَوْضِهِمْ'' سے حال ہے]۔

۹۲- ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کو ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل کیا ہے ﴿مُبٰرَكٌ﴾ بڑی بابرکت کتاب ہے جس کے منافع اور فوائد بہت زیادہ ہیں ﴿مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے ﴿وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور تا کہ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرائیں [اور حضرت قاری ابوبکر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (لِیُنْذِرَ) ہے] یعنی وہ کتاب اہل مکہ اور گرد و نواح کے باشندوں کو ڈرائے [اور یہ کتاب کی صفت ''مبارك'' کے مدلول پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یہ کتاب بے شمار برکتوں اور سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے اور لوگوں کے ڈرانے کے لیے نازل فرمائی ہے ''اُمَّ الْقُرٰی'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس کو ''اُمَّ الْقُرٰی'' اس لیے نام دیا گیا ہے کہ یہ تمام روئے زمین کا مرکز اور وسط ہے اور اہل مکہ اور تمام روئے زمین کی بستیوں میں رہنے والوں کا قبلہ ہے اور سب سے زیادہ عظیم الشان ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مکہ مکرمہ تمام لوگوں کے اجتماع کا مرکز ہے کیونکہ تمام حجاج کرام وہاں جا کر جمع ہوتے ہیں اور ''وَمَنْ حَوْلَهَا'' سے مشرق و مغرب کے باشندے مراد ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کا خوف رکھتے ہیں ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ دین کی اصل آخرت کا خوف ہے تو جو شخص آخرت سے ڈر گیا اس کے ساتھ ہمیشہ خوف دامن گیر رہے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے گا ﴿وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں' نماز کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کی علامت ہے اور دین کا ستون ہے' سو جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا ظاہر ہے کہ وہ دیگر ارکانِ اسلام کی بھی حفاظت ضرور کرے گا۔

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۴۷

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس نے کہا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں عنقریب ایسا کلام نازل کروں گا جیسا کہ اللہ نے نازل کیا' اور اگر آپ دیکھ لیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں مین مبتلا ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ تم اپنی جانیں نکالو' آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا' یہ اس کا بدلا ہے جو تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کہا کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے O

۹۳- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور وہ مالک بن صیف ہے ﴿اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ﴾ یا جس نے کہا کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں کی جاتی اور وہ مسیلمہ کذاب ہے ﴿وَّمَنْ قَالَ﴾ [یہ محلاً مجرور ہے اور ''مَنِ افْتَرٰی'' پر معطوف ہے اور اصل ''مِمَّنْ قَالَ'' ہے] یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے یہ کہا کہ ﴿سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ عنقریب میں بھی اسی طرح کلام نازل کروں گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی عنقریب میں کلامِ الٰہی کی طرح اپنا کلام بنا کر کہوں گا اور میں اسے لکھواؤں گا اور وہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ہے جو کاتب وحی تھا اور حضور نبی کریم ﷺ اس سے وحی لکھوایا کرتے تھے' جب حضور نے اس سے ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ'' آخر آیت تک لکھوایا تو خود بخود اس کی زبان پر یہ آیت کریمہ ''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ'' (المومنون:١٤) جاری ہوگئی' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی عبارت قرآن مجید میں لکھ لے کیونکہ مجھ پر بھی اسی طرح نازل ہوا ہے' چنانچہ اس سے عبد اللہ کو شک ہوا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سچے ہیں تو مجھ پر اسی طرح نازل ہوا ہے جس طرح ان پر نازل ہوا ہے اور اگر آپ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو میں نے ان کی طرح کہہ دیا تو کیا ہوا' پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا[1] یا اس سے نضر بن حارث مراد ہے جو کہا کرتا تھا کہ ''وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًاO فَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًاO فَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا'' یعنی قسم ہے چکی پر دانے پیسنے والیوں کی اور آٹا گوندھنے والیوں کی! اور کھانے پکانے والیوں کی' گویا وہ قرآن مجید کا معارضہ اور مقابلہ کرتا تھا ﴿وَلَوْ تَرٰۤی﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھ لیں تو آپ بہت زیادہ ہولناک معاملہ دیکھیں گے ﴿اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ جب ظالم لوگ موت کی سکرات اور اس کی تکالیف و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور اس سے یہود اور نبوت کے جھوٹے دعوے دار مراد ہیں [اس لیے اس صورت میں لام عہد کا ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ لام جنس کا ہو] اور دیگر ظالموں کے ساتھ یہ مذکورہ بالا لوگ بھی اس میں داخل ہوں کیونکہ اس صورت میں ''الظالمون'' سب کو شامل ہوگا ﴿وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ١٤٨

فرشتے اپنے ہاتھوں کو ان کی طرف پھیلا کر کہیں گے کہ تم اپنی روحیں ہمارے پاس لاؤ اور اپنے جسموں سے نکالو اور ہمارے سپرد کرو اور اس عبارت سے مہلت وتسلی کے بغیر یک دم سختی وتکلیف کے ساتھ روحیں نکالنا مراد ہے ﴿ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ آج تمہیں ذلت ناک عذاب کی صورت میں جزا دی جائے گی اور اس سے موت کا وقت مراد ہے' جب فرشتے موت کے وقت حالت نزع میں انتہائی تکلیف اور سختی کے ساتھ ظالموں کی روحیں نکالتے وقت انہیں عذاب دیں گے اور ''هَوْنٌ وَهَوَانٌ'' کا معنی انتہائی سخت تکلیف دینا ہے اور اس کی طرف عذاب کو مضاف کیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ فلاں آدمی بُرا ہے' اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی کمینہ آدمی ہے اور وہ کمینگی میں سخت ہو چکا ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ یہ سخت سزا اس لیے ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے اور وہ یہ کہ تم اس کے لیے شریک اور بیوی اور بیٹا ثابت کرتے اور مانتے تھے [اور ''غَيْرَ الْحَقِّ'' ''تَقُوْلُوْنَ'' کا مفعول ہے یا مصدر محذوف کی صفت ''اَیْ قَوْلًا غَيْرَ الْحَقِّ'' یعنی ناحق بات] ﴿ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور ان پر تم ایمان نہیں لاتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ ع ١١/١٧ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور ہم نے جو مال ودولت تمہیں دیا تھا وہ سب کچھ تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے' اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ وہ تمہاری بندگی میں ہمارے شریک ہیں' بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور تم جن کے بارے میں گمان کرتے تھے وہ تم سے گم ہو گئے O بے شک اللہ دانے اور گٹھلی میں شگاف کرنے والا ہے' وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور وہ زندہ سے مردہ کو نکالنے والا ہے' یہی اللہ ہے' پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو O وہ رات کی سیاہی چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے' اور اس نے رات کو سکون کے لیے اور سورج و چاند کو حساب کے لیے بنایا' یہ بہت غالب' بڑے علم والے کا اندازہ ہے O

٩٤- ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا ﴾ اور البتہ تحقیق تم حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے لیے میرے پاس آ گئے ہو ﴿ فُرَادٰى ﴾ اکیلے اور مال ودولت اور مددگاروں کے بغیر تنہا (تم آ گئے ہو) [اور یہ ''فَرِيْدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسَارٰی'' ''اَسِيْرٌ'' کی جمع ہے] ﴿ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا یعنی تم انہیں حالات وکیفیات پر آ گئے ہو جن پر تم انفرادی طور پر پیدا کیے گئے تھے [اور یہ ''جِئْتُمُوْنَا'' کے مصدر ''مَجِيْئًا'' کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا ﴿ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ﴾ اور وہ

مال و دولت جس کا ہم نے تمہیں مالک بنا دیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آ گئے ہو اور اس میں سے ذرہ بھر بھی اپنے ساتھ نہیں لائے ہو ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ﴾ اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم نے گمان کر رکھا تھا کہ وہ تمہاری عبادت و بندگی میں ہمارے ساتھ شریک ہیں ﴿ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ البتہ یقیناً تمہارے آپس کے تعلق ٹوٹ گئے ہیں اور ''بین'' کا معنی وصل اور ہجر دونوں آتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

فَوَ اللّٰهِ لَوْ لَا الْبَيْنُ لَمْ يَكُنْ    وَلَوْ لَا الْهَوٰى مَا حَنَّ لِلْبَيْنِ آلِفُ

''اللہ کی قسم! اگر وصال نہ ہوتا تو محبت نہ ہوتی اور اگر محبت نہ ہوتی تو ہجر و فراق پر عاشق نہ روتا''۔

[زجاج کے نزدیک ''بَيْنُكُمْ'' (نون پر پیش) ہے اور قاری نافع مدنی' قاری علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ''بَيْنَكُمْ'' (نون پر زبر) ہے] یعنی تمہاری آپس میں جدائی پڑ گئی ﴿ وَضَلَّ عَنْكُمْ ﴾ اور تم سے گم ہو گئے اور ضائع ہو گئے اور مٹ گئے ﴿ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ جن کے متعلق تم یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری سفارش کریں گے۔

## قدرتِ الٰہی کے دلائل اور شرک وغیرہ کی تردید

٩٥- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پودوں اور درختوں کے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے یعنی خوشوں سے دانے اور کھجوروں سے گٹھلی میں شگاف ڈالنے والا ہے اور ''فلق'' کا معنی کسی چیز کو چیرنا اور اس میں شگاف ڈالنا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں دو شگاف مراد ہیں جو گٹھلی اور دانے میں ہوتے ہیں ﴿ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ﴾ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے یعنی وہ خشک دانے سے تر و تازہ بڑھنے والا مضبوط پودا نکالتا ہے ﴿ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ﴾ وہ زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے یعنی بڑھنے والے تر و تازہ پودے سے خشک دانہ نکالتا ہے یا انسان کو نطفہ سے اور نطفہ کو انسان سے یا مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے نکالتا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اپنی مخلوق میں سے ایسی اشیاء کے ساتھ حجت و دلیل پیش فرمائی ہے جن کا وہ لوگ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرما دیا ہے کہ جس خدا نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا وہ ان کو مرنے کے بعد زندہ اٹھانے پر بھی قادر ہے [اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسم فاعل کے لفظ کے ساتھ ''وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ'' فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ''فَالِقُ الْحَبِّ'' (اسم فاعل) پر معطوف ہے نہ کہ فعل پر اور ''يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ'' کا جملہ ایسے جملے کی جگہ پر واقع ہے جو ارشاد باری تعالیٰ ''فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى'' کے لیے بیان کیا گیا ہے] کیونکہ بڑھنے والے پودے اور درخت سے دانے اور گٹھلی کا چیرنا مردے سے زندہ کو نکالنے کی جنس سے ہے کیونکہ بڑھنے والا الحیوان کے حکم میں ہوتا ہے' جس کی دلیل یہ ارشاد ''وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' اور اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرماتا ہے ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ﴾ وہی زندگی و موت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کے لیے ساری کائنات کی ربوبیت و پرورش ثابت ہو چکی ہے مگر بتوں کے لیے کچھ نہیں ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو اور اس امر کی وضاحت کے بعد جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تم اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر اس کے غیر کی طرف کیوں جا رہے ہو؟

٩٦- ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ [یہ مصدر ہے] اور صبح کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی سے صبح کی روشنی کے ستون چاک کر کے نکالتا ہے یا وہ دن کا نور پیدا کرنے والا ہے ﴿ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و چین اور آرام حاصل کرنے کے لیے بنایا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ'' (یونس: ٦٧) ''تا کہ تم رات میں سکون و آرام حاصل کرو'' یعنی مخلوق خدا رات کو غفلت و بے نیازی کی نیند سو کر دن بھر کی تھکاوٹ و مشقت سے سکون و

آرام حاصل کرے یا دن بھر کی وحشتِ مخلوق سے نجات پا کر رات کو حق تعالیٰ کے ساتھ انس ومحبت میں سکون وچین حاصل کرے [اور یہ اہل کوفہ کی قراءت میں ہے (جب کہ دوسری قراءت میں ''فَالِقُ الْاِصْبَاحِ'' کے موافق ''وَجَاعِلُ الَّیْلِ'' ہے) کیونکہ اس سے پہلے اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہیں تو جب ''فالق'' (اسم فاعل) ''فَلَقَ'' (فعل ماضی) کے معنی میں ہے تو ''جَعَلَ'' کو اس پر معطوف کر دیا گیا ہے تا کہ دونوں معنی میں ایک دوسرے کے موافق ومطابق ہو جائیں] ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ [یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ''اَلَّیْلَ'' کا فعل دلالت کر رہا ہے یعنی اصل میں ''وَجَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ'' ہے] ﴿حُسْبَانًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو حساب جاننے کے لیے بنایا ہے کیونکہ اوقات کا حساب چاند وسورج کے اپنے مدار میں گھومنے اور ان دونوں کے چلنے اور سیر و سیاحت کرنے سے معلوم ہوتا ہے [اور ''حُسْبَان'' حا مضموم کے ساتھ ''حَسَبَ'' (یَحْسُبُ باب نَصَرَ یَنْصُرُ) کا مصدر ہے جیسا کہ ''حِسْبَانٌ'' حا مکسور کے ساتھ ''حَسِبَ'' (یَحْسِبُ باب عَلِمَ یَعْلَمُ) کا مصدر ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ سورج اور چاند کو حسبان بنانے کی طرف ہے یعنی سورج اور چاند کا سیر کرانا حسابِ معلوم سے ہے ﴿تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ﴾ یہ اس ذات کا مقرر کردہ اندازہ ہے جو سورج اور چاند پر زبردست غالب ہے اور اس نے ان دونوں کو اپنے فرمان کے تابع اور مسخر کر رکھا ہے ﴿الْعَلِیْمِ﴾ وہ سورج اور چاند کی تدبیر وتنظیم اور ان دونوں کے گھومنے پھرنے کو خوب جاننے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان کی روشنی سے راستہ پالو بے شک ہم نے علم رکھنے والی قوم کے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے O اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھر ایک جگہ ٹھہرایا جائے گا اور ایک جگہ بطور امانت سپرد کیا جائے گا' بے شک ہم نے سمجھ دار قوم کے لیے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے O

۹۷-﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ﴾ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا یعنی ان کو پیدا فرمایا ﴿لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ تا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان کے ذریعے راہ پا سکو یعنی خشکی اور تری پر رات کے اندھیروں میں تم راہ حاصل کر سکو [اور ''ظُلُمَات'' کی اضافت بحر وبر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے] یا راستوں کے شبہات کو ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ بے شک ہم نے اہل علم قوم کے لیے آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو توحید پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

۹۸-﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ﴾ [''فَمُسْتَقِرٌّ'' کسرہ کے ساتھ قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت ہے' سو جس نے قاف پر فتح پڑھا ہے تو ''مُسْتَوْدَعٌ'' اس کی طرح اسم مکان ہے اور جس نے اس کو کسرہ دیا تو پھر وہ اسم فاعل اور ''مُسْتَوْدَعٌ'' اسم مفعول ہے۔] یعنی تمہیں رحمِ مادر میں ٹھہرنا ہے اور باپ کی پشت میں امانت رہنا ہے یا تمہیں زمین

کے اوپر ٹھہرنا ہے اور اس کے نیچے (قبر میں) امانت رہنا ہے یا یہ کہ تم میں سے (ہر ایک نے) ٹھہرنا ہے اور تم میں سے (ہر ایک نے) امانت رہنا ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ﴾ بے شک ہم نے سمجھ دار قوم کے لیے آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں اور بے شک وہاں (پچھلی آیت میں) ''یَعْلَمُوْنَ'' فرمایا گیا ہے اور یہاں اس آیت میں ''یَفْقَهُوْنَ'' فرمایا گیا ہے] کیونکہ وہاں دلالت و رہنمائی زیادہ ظاہر و واضح تھی اور یہاں دقیق و مشکل ہے اور اس لیے بھی کہ بے شک تمام انسانوں کا ایک جان سے پیدا ہونا اور پھر ان کا مختلف حالات میں پھرنا زیادہ دقیق و مشکل ہے اس لیے فقہ کا ذکر جو تدقیق نظر پر دلالت کرتا ہے زیادہ موافق ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲/۶ ۱۸

اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعے ہرا گنے والی چیز پیدا فرمائی تو ہم نے اس میں سے سبزہ اگایا جس سے ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے جھکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے' تم ذرا اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھل دار ہو جائے اور اس کا پکنا' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں O اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا لیا حالانکہ ان کو اللہ نے پیدا فرمایا اور انہوں نے جہالت سے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں' وہ تو ان صفات سے پاک اور بلند تر ہے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں O

۹۹- ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا یعنی بادلوں سے بارش برسائی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ﴾ پھر ہم نے اس کے ساتھ یعنی پانی کے ذریعے نکالا (اگایا) ﴿نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر قسم کی اگنے والی انگوری اور زمین سے پیدا ہو کر بڑھنے والی تمام اقسام میں سے ہر قسم کو ''نَبْتٌ'' کہا جاتا ہے (خواہ تنا آور ہوں جیسے درخت وغیرہ خواہ تنا آور نہ ہوں جیسے بیل بوٹیاں) یعنی سبب ایک ہے اور وہ ہے پانی اور مسبب کی اقسام مختلف ہیں ﴿فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾ پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا یعنی ہم نے اس انگوری سے سبز ترین سبزہ اگایا جیسے کہا جاتا ہے: ''اَخْضَرَ'' اور ''خَضِرَ'' یعنی بہت سبز رنگ کی سبزی اور یہ دانے سے اگنے والی انگوری سے پھوٹتی ہے ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ ہم اس سبزہ سے باہم جڑے اور ملے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور یہ وہ خوشہ ہوتا ہے جس کے دانے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں (جیسے گندم' مکئی' جوار' باجرہ وغیرہ کے خوشے) ﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ﴾ [یہ ''قِنْوَانٌ'' مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور ''مِنَ

النَّخْلِ ''اس کی خبر ہے اور''مِنْ طَلْعِهَا'' اس سے بدل ہے ]یعنی کھجور کے گابھے اور شگوفے سے گچھے اور خوشے حاصل ہوتے ہیں [اور یہ''قِنْوٌ'' کی جمع ہے اور اس کی نظیر''صِنْوٌ''اور''صِنْوَانٌ'' ہے ]﴿ دَانِيَةٌ ﴾ کھجور کے گچھے زیادہ پھل دار ہونے کی وجہ سے قریب آ جاتے اور پھل کے بوجھ کی وجہ سے جھکے ہوتے ہیں یا اس کے تنے چھوٹے ہونے کی وجہ سے پھل قریب ہوتے ہیں اور اس میں اسی (چھوٹی کھجوروں کے ذکر) پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی کچھ کھجوریں دراز اور لمبی ہوتی ہیں جن کے خوشے قریب نہیں دور ہوتے ہیں (جن پر چڑھ کر پھل اتارنا پڑتا ہے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ''(النحل:٨١)'' کچھ پہناوے ایسے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں''﴿ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ ﴾ [''نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ'' پر معطوف ہونے کی بنا پر''جَنّٰتٍ'' منصوب ہے ]یعنی ہم نے پانی کے سبب کھجوروں کے ساتھ ساتھ انگوروں کے باغات بھی پیدا کیے ہیں اور اسی طرح ہم نے ﴿ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ ﴾ زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے ہیں [اور اعشی نے''جَنّٰتٌ'' کو مرفوع پڑھا ہے ]یعنی اور وہاں کھجوروں کے ساتھ انگوروں کے باغات ہیں ﴿ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ جب دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے شکل وصورت میں ملتی جلتی ہوں [تو کہا جاتا ہے:''اِشْتَبَهَ الشَّيْئَانِ وَتَشَابَهَا'' جیسے''اِسْتَوَيَا''اور''تَسَاوَيَا'' ہیں اور باب افتعال اور تفاعل بہت سی جگہ مشترک ہوتے ہیں ]اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیتون کچھ آپس میں ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور انار بھی اسی طرح ہوتے ہیں یعنی اس کے بعض ملتے جلتے ہیں اور اس کے بعض مقدار' رنگ اور ذائقے میں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ تم ہر درخت کے پھل کو غور سے دیکھو جب وہ اپنا پھل نکالتا ہے تو کس طرح کچا اور کمزور پھل نکالتا ہے جس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا ﴿ وَيَنْعِهٖ ﴾ اور اس کے پھل پکنے کی طرف دیکھو یعنی پک جانے کی حالت میں اسے دیکھو کہ وہ کس طرح موٹا تازہ پک کر تیار ہو جاتا ہے اور کھانے کے قابل اور مفید و نفع بخش ہو جاتا ہے اور تم اسے عبرت کی نظر سے دیکھو اور اس کے قادر کی قدرت پر اور اس کے مدبر کی تدبیر پر اور اس کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے والے مربی وخدا کی ذات پر استدلال کرتے ہوئے غور سے دیکھو ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ بے شک اس میں (قادر وحکیم رب تعالیٰ کی ذات پر) بہت سی قدرت کی نشانیاں ہیں ایمان دار لوگوں کے لیے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں''ثُمُرِهٖ''(ثا اور میم پر پیش) ہے اور اسی طرح اس کے بعد (آنے والی آیت ١٤١ میں) یہ''ثمار'' کی جمع اور جمع الجمع ہے (یعنی جمع کی جمع ہے) جیسے کہا جاتا ہے:''ثَمَرَةٌ''اور''ثَمَرٌ''اور''ثِمَارٌ''اور''ثُمُرٌ'' ]۔

١٠٠- ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ﴾ اور انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا [اور اگر''لِلّٰهِ''،''شُرَكَآءَ'' ''جَعَلُوْا'' کے دو مفعول قرار دیئے جائیں تو''اَلْجِنَّ''،''شُرَكَآءَ'' سے بدل ہوگا ورنہ''شُرَكَآءَ''اور''اَلْجِنَّ'' دو مفعول ہوں گے' اس میں دوسرے مفعول کو پہلے مفعول پر مقدم کیا گیا ہے اور مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے ] کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ فرشتہ ہو خواہ جن ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو بہت بڑا جرم ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے جنوں کی اطاعت کی جنہوں نے ان کے لیے شرک کا عقیدہ گھڑ دیا تو انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ﴿ وَخَلَقَهُمْ ﴾ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا فرمایا تو مخلوق اپنے خالق کی شریک کیسے ہو سکتی ہے [اور یہ جملہ حال ہے ] یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو یہ لوگ اپنے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کیسے کرتے ہیں ﴿ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ ﴾ اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جیسے یہود نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض اہل عرب نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں

قرار دیا اور ''خَرَقُوْا'' کا معنی ہے: انہوں نے گھڑ لیں جیسے کہا جاتا ہے: ''خلق الافك وخرقه ' واختلقه ' واخترقه'' یعنی ان سب کا ایک معنی ہے: گھڑنا یا یہ ''خرق الثوب'' سے نکلا جس کا معنی پھٹنا اور چاک کرنا ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مان کر عقیدۂ توحید کو چاک کر دیا [اور ''بنین'' اور ''بنات'' کے معنی میں کثرت کے پیش نظر قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''وَخَرَّقُوْا'' تشدید کے ساتھ ہے] ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ انہوں نے غلط یا صحیح میں امتیاز کیے بغیر جو منہ میں آیا حقیقت کو جانے بغیر کہہ دیا لیکن انہوں نے یہ بات بھی جہالت سے کہہ دی تھی [اور یہ ''خَرَقُوْا'' کے فاعل سے حال ہے] یعنی انہوں نے جو کچھ کہا اس سے وہ جاہل و بے علم تھے ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ وہ اس سے پاک ہے اور وہ اس سے بلند تر ہے جو یہ لوگ اس کے لیے شریک اور بیٹے بیٹیاں بیان کرتے ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے' اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں' اور اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے' اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے O آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں' اور وہ سب آنکھوں کا احاطہ رکھتا ہے' اور وہ بہت باریک بین' پورا خبردار ہے O بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلوں کو روشن کرنے والی دلیلیں آ گئیں' سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا اپنا فائدہ ہے' اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا نقصان اسی پر ہے' اور میں تم پر نگہبان نہیں O

۱۰۱- ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [کہا جاتا ہے: ''بَدُعَ الشَّيْئُ فَهُوَ بَدِيْعٌ'' اور آیت مبارکہ میں صفت مشبہ کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہے] یعنی ''بَدِيْعٌ سَمٰوٰتِهٖ وَاَرْضِهٖ'' ہے کہ اس کے تمام آسمان اور زمین (تخلیق میں) بہترین و بے مثال ہیں یا یہ ''مُبْدِعٌ'' کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادہ کے عمدہ اور نرالی طرزِ تخلیق پر پیدا فرمایا ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ ہے یا یہ ''تَعَالٰى'' کا فاعل ہے] ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد بیوی سے ہوتی ہے اور اس کی بیوی نہیں یعنی اولاد کا ہونا اجسام کی صفات ہیں اور اجسام کو پیدا کرنے والا خود جسم نہیں ہوتا تاکہ اس کی اولاد ہو سکے ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا یعنی کائنات میں کوئی چیز نہیں مگر اس کا خالق اور اس کا عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور جو اس طرح ہو وہ ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے اور اولاد کا طالب محتاج ہوتا ہے۔

۱۰۲- ﴿ذٰلِكُمُ﴾ [گزشتہ صفات کے موصوف کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد آنے والی تمام مترادف خبریں ہیں اور وہ یہ ہیں] ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ یہ اللہ تمہارا پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ مضمون جملہ کا مسبب ہے یعنی جس ذات میں یہ تمام صفات جمع ہیں وہی عبادت کے لائق ہے' سوتم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے کسی کی عبادت نہ کرو ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے یعنی وہی ان صفات کا جامع ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے' رزق' موت وحیات اسی کے اختیار میں ہے' وہی تمام اعمال پر نگہبان ہے۔

۱۰۳- ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں یا ان لوگوں کی آنکھیں مراد ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر گزر چکا ہے اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے عدم رؤیتِ باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ ادراک کی نفی کی گئی ہے رؤیت (یعنی دیدار) کی نفی نہیں کی گئی اور ''ادراك'' کا معنی ہے کہ ''مَرْئِیٌّ'' (جس کو دیکھنا ہے اس) کے تمام اطراف اور حدود کا احاطہ کرنا' لہٰذا جس ذات کے لیے حدود اور جہات محال و ناممکن ہوں اس کا ادراک محال ہوتا ہے لیکن اس کا دیدار محال نہیں ہوتا' چنانچہ ادراک کو رؤیت (دیدار) کی بجائے علم کے ساتھ احاطہ کرنے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور اطراف و جوانب کو گھیرنے کا تقاضا کرنے والے احاطہ کی نفی اس کے علم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتی' سو یہاں بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ کا نزول اللہ تعالیٰ کی مدح وثناء کے لیے ہے جو رؤیت کے ثبوت کو واجب کرتا ہے کیونکہ جس کی رؤیت محال ہو اس کے ادراک کی نفی میں مدح نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ بات واضح ہے کہ ہر وہ چیز جس کو دیکھا نہیں جا سکتا اس کا ادراک بھی نہیں ہو سکتا البتہ جس کی رؤیت ثابت ہو اس کے ادراک کی نفی میں مدح ہوتی ہے کیونکہ رؤیت کے ثبوت کے ساتھ اس سے ادراک کی نفی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات اقدس حدود اور تناہی کے عیب سے بلند و بالا اور پاک ہے' لہٰذا یہ آیت مبارکہ ان کے خلاف ہماری دلیل ہے اور اگر وہ گہری نظر سے اس میں غور وفکر کرتے تو وہ اپنے غلط عقیدے سے نجات حاصل کر لیتے اور جو شخص کسی کی رؤیت (دیدار) کی نفی کرے گا اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے معلوم و موجود ہونے کی بھی نفی کرے ورنہ جس طرح وہ بلا کیفیت اور بلا جہت معلوم و موجود ہے بہ خلاف ہر موجود کے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ بلا کیفیت اور جہت اس کا دیدار بھی کیا جائے بہ خلاف ہر مرئی کے اور یہ اس لیے کہ رؤیت کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو آنکھ سے اس طرح دیکھا جائے جس طرح وہ چیز ہے' لہٰذا جس کو دیکھتا ہے اگر وہ جہت میں دیکھا جاتا ہے تو اس کو جہت میں دیکھا جائے گا اور اگر وہ جہت میں نہیں دیکھا جاتا تو اس کو بلا جہت دیکھا جائے گا ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ اپنے ادراک کی گہرائی اور باریکی کی وجہ سے ﴿یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ تمام آنکھوں وغیرہ کا احاطہ کر لیتا ہے ﴿وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ اور وہ بہت باریک بین ہے یعنی وہ تمام امور کے حقائق و دقائق اور ان کی مشکلات کو خوب جاننے والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ وہ بڑا باخبر ہے' تمام اشیاء کے ظواہر اور ان کے بواطن کو خوب جاننے والا ہے [اور یہ لف ونشر کے قبیل سے ہے]۔

۱۰٤ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلائل آ چکے' ''بصائر'' ''بصیرة'' کی جمع ہے' بصیرت کا مطلب ہے: دل کا نور جس کے ذریعے دل تمام چیزوں کو دیکھتا ہے جیسا کہ بصر آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھیں سامنے نظر آنے والی محسوس چیزوں کو دیکھتی ہیں یعنی تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس وحی آ چکی ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ وحی دلوں کے لیے اس طرح مفید ہے جس طرح دلوں کا نور ﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ﴾ سو جس نے حق کو دیکھا (اور پہچان لیا) اور اس پر ایمان لایا تو اس نے اپنی ذات کے لیے دیکھا اور

اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ﴿وَمَنْ عَمِیَ﴾ اور جو اس سے اندھا بنا رہا اور گمراہ ہو گیا ﴿فَعَلَيْهَا﴾ تو اس کا اندھا پن اسی پر پڑے گا اور اندھا بنے رہنے کا نقصان بھی اسی کو ہوگا ﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں اور نہ میں تمہارے اعمال کا محافظ ہوں اور نہ میں ان پر تمہیں جزا دوں گا اور بے شک میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی تم پر نگہبان و محافظ ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور ہم اسی طرح آیتیں بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ وہ یہ کہہ دیں کہ آپ نے پڑھ دیا ہے اور تا کہ ہم اس کو اہل علم قوم پر واضح کر دیں ○ آپ اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئے ○ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے' اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا' اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ○ اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر ورنہ وہ جہالت کی وجہ سے اللہ کو بُرا کہیں گے' اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کے عمل خوبصورت بنا دیئے ہیں' پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ انہیں سب کچھ بتا دے گا جو وہ کرتے تھے ○

۱۰۵- ﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ اور ہم اسی طرح آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں [اس میں کاف محلاً منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے] یعنی ہم اپنی آیتیں اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے آپ پر یہ آیتیں تلاوت فرمائیں ﴿وَلِيَقُوْلُوْا﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی آخر کار کفار کہہ دیں گے کہ ﴿دَرَسْتَ﴾ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اس لیے ہم اپنی آیتوں کو بار بار طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور ''دَرَسْتَ'' کا معنی ہے: ''قَرَاْتَ كُتُبَ اَهْلِ الْكِتَابِ'' کہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں سے پڑھ لیا ہے [اور قاری ابو عمرو بصری اور قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''دَارَسْتَ'' ہے یعنی آپ نے اہل کتاب سے پڑھ لیا ہے اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں '' دَرَسَتْ ''(واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف) ہے] یعنی یہ آیات پہلے بھی پڑھی جا چکی ہیں اور یہ گزر چکی ہیں جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (یہ قرآن مجید) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿وَلِنُبَيِّنَهٗ﴾ اور تا کہ ہم قرآن مجید کو پوری طرح واضح کر کے بیان کر دیں اور اگر چہ اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہوا لیکن یہ معلوم ہے [(اس لیے ''ہٗ'' ضمیر کا مرجع بن سکتا ہے) یا ''ہٗ'' ضمیر ''آیات'' کی طرف لوٹتی ہے لیکن وہ قرآن کے معنی میں ہیں اور واحد کے حکم میں ہیں اور کہا گیا ہے: دوسرا لام حقیقت کا ہے اور پہلا لام عاقبت کا ہے]

یعنی کفار کے انکار کا انجام یہاں تک پہنچے گا کہ وہ کہہ دیں گے کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے "فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا" (القصص:۸) "تو حضرت موسیٰ کو فرعون کی آل نے اٹھالیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور غم ہو جائے" اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمنی کے لیے نہیں اٹھایا تھا بلکہ انہوں نے اس لیے آپ کو اٹھایا تھا کہ آپ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں لیکن ان کے اس معاملہ کا انجام کار عداوت ہوا' سو اسی طرح آیات قرآنی وضاحت کے لیے بار بار بیان کی گئیں اور اس لیے وہ بار بار بیان نہیں کی گئیں کہ تا کہ کفار کہہ دیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ جس طرح "لِنُبَيِّنَهٗ" ہے اسی طرح "لِيَقُوْلُوْا" ہے لیکن ہمارے نزدیک اس طرح نہیں ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی قوم کے لیے جو حق کو باطل سے الگ کرنا جانتے ہیں۔

۱۰۶- ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اے محبوب! آپ صرف اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی بالکل نہ کیجئے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' [یہ جملہ معترضہ ہے جو وحی کی اتباع کے وجوب ولزوم کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے' اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے یا پھر "مِنْ رَّبِّكَ" سے حال مؤکدہ ہے] ﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور آپ مشرکین سے اس وقت اعراض واغماض برتئے اور ان سے منہ پھیر لیجئے یہاں تک کہ جہاد کا حکم وارد ہو جائے۔

۱۰۷- ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کا ایمان چاہتا [سو یہاں مفعول محذوف ہے] ﴿ مَآ اَشْرَكُوْا ﴾ تو وہ ہرگز شرک نہ کرتے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے خلاف شرک نہیں کرتے اور اگر ان کا ایمان کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان کی ہدایت ضرور دیتا لیکن ان کا شرک کو اختیار کرنا ازل سے علم الٰہی میں آچکا' سو ان کا شرک مشیّت سے ہوا گویا انہوں نے مشیّت الٰہی کے مطابق شرک کیا ﴿ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ اور ہم نے آپ کو ان کے اعمال پر محافظ و نگران نہیں بنایا اس لیے ہم ان کے جرائم پر آپ کو نہیں پکڑیں گے ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ اور نہ آپ ان کے وکیل و کارساز ہیں اور نہ ان کے ذمہ دار ہیں۔

شانِ نزول: مسلمان کفار کے بتوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کی برائیاں بیان کرتے تھے تو انہیں اس سے اس لیے منع کر دیا گیا ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ بتوں کی مذمت و برائی کے سبب اس کے جواب میں کفار اللہ تعالیٰ کی شان میں سبّ و شتم شروع کر دیں' ارشاد فرمایا:

۱۰۸- ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ ﴾ اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ وہ جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے [اور یہ جواب نہی کی بنا پر منصوب ہے] ﴿ عَدْوًۢا ﴾ ظلم و زیادتی کریں گے ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ اللہ تعالیٰ سے بے علمی اور جہالت کی وجہ سے اور ان اوصاف سے بے علم ہونے کی وجہ سے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا واجب و لازم ہے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ جس طرح کفار کے لیے بت پرستی آراستہ کر دی گئی ہے اسی طرح ﴿ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ﴾ ہم نے کفار کی امتوں میں سے ہر امت کے لیے ان کے عمل آراستہ کر دیئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" (الفاطر:۸) "تو کیا وہ شخص جس کا برا عمل اس کے لیے آراستہ کر دیا گیا ہے اور وہ اس کو نیک خیال کرتا ہے (ہدایت یافتہ کی طرح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں) سو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو

چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے' اور یہ اصلح کے مسئلہ میں ہماری دلیل ہے (کہ ہدایت وضلالت اور تمام اعمال خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام افعال اسی کے ارادہ ومشیت کے تحت داخل ہیں) ﴿ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ﴾ پھر انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ انہیں بتا دے گا جو انہوں نے عمل کیے تھے اور ان پر ان کو جزا دے گا۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ ع

ع ۱۳ ۱۹

اور انہوں نے پختہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے' فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں' اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں ان کے پاس آ جائیں تو وہ ایمان نہ لائیں O اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے O

۱۰۹- ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھائیں [''جَهْدَ'' مصدر ہے جو حال کے موقع پر واقع ہے] یعنی حالانکہ وہ اپنی قسموں کو مؤکد ومضبوط کرنے کے لیے ان کو پوری جدو جہد اور کوشش کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں ﴿لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ البتہ اگر ان کے مطالبے پر کوئی نشانی اور معجزہ ان کے پاس آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے ﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک تمام آیات ونشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور وہی ان پر قادر ہے' وہ میرے پاس نہیں ہیں تو میں ان کو تمہارے پاس کیسے لاؤں ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب ان کے مطالبے پر کوئی نشانی ان کے پاس آ جائے تو وہ اس پر ایمان نہ لائیں یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ جب کوئی نشانی آ جائے گی تو وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور تم اس بات کو نہیں جانتے اور دراصل مسلمان یہ امید رکھتے تھے کہ جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ اس کے آنے کے آرزومند رہتے تھے جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے' معنی یہ ہے کہ بے شک تم اس کو نہیں جانتے جو میرے علم میں آ چکا ہے کہ بے شک وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور ابو بکر کی قراءت ''إِنَّهَا'' میں ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے اس بنا پر کہ اس سے پہلا کلام مکمل ہو چکا ہے] یعنی تمہیں کیا معلوم کہ ان سے کیا ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنے علم کی خبر دی اور فرمایا کہ بے شک جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے گی تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے [اور ان میں سے بعض قراء نے فتح کی قراءت میں ''لا'' کو زائد قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ''] اور حرام ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ وہ واپس لوٹ آئیں (الانبیاء:۹۵) [قاری ابن عامر شامی اور قاری حمزہ

کی قراءت میں ''لَا تُؤْمِنُوْنَ'' ہے]۔

۱۱۰۔ ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ اور جس نشانی کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا اس کے نزول کے وقت ہم ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے اور ان کی آنکھوں کو حق دیکھنے سے پھیر دیں گے اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے [بعض نے فرمایا کہ یہ ''لَا یُؤْمِنُوْنَ'' پر معطوف ہے اور ''وَمَا یُشْعِرُكُمْ'' کے حکم میں داخل ہے] یعنی اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ میں ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو پھیر دوں گا تو وہ سمجھ نہیں سکیں گے اور نہ وہ حق کو دیکھ سکیں گے ﴿كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہماری آیات کے نزول کے وقت پہلی دفعہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اسی طرح وہ اب بھی ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس میں بھٹکتے پھریں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دوں گا جس میں وہ بھٹکتے رہیں اور حیران و پریشان پھرتے رہیں۔



وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور بے شک اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے پاس ان کے سامنے جمع کر دیتے تو وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اور لیکن ان میں اکثر لوگ بے علم ہیں O اور اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بناوٹی خوش نما باتیں خفیہ القاء کرتے ہیں' اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کی من گھڑت باتوں کو چھوڑ دیجئے O اور تا کہ ان لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ وہ اس کو پسند کریں اور تا کہ وہ ان برائیوں کو کمائیں جن کو وہ کمانے والے ہیں O

## کفار کی ضد اور دشمنی اور حلال و حرام کا ذکر

۱۱۱۔ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ﴾ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو نازل کرتے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے ﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى﴾ اور ان سے مردے باتیں کرتے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ تم ہمارے باپ دادوں کو اٹھا کر لاؤ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا﴾ اور ہم ان کے سامنے تمام چیزوں کو جمع کر دیتے جو ہماری طرف سے خوشخبری دینے والے اور ہماری طرف سے ڈر سنانے والے نبی کریم کی نبوت کی صداقت و

صحت کے کفیل ہو جائیں [اور ''قُبُلًا''، ''قَبِیْل'' کی جمع ہے اور اس کا معنی کفیل ہے' قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قِبَلًا'' (قاف کے نیچے زیر اور ''با'' پر زبر) ہے یعنی سامنے اور یہ دونوں (''کُلَّ شَیْءٍ'' اور ''قُبُلًا'') حال واقع ہونے پر منصوب ہیں ] (ان تمام چیزوں کے باوجود) ﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ایمان چاہے تو پھر وہ ایمان لے آئیں گے اور یہ مسلمانوں کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے آیت مبارکہ کے نزول کے وقت کہا تھا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ جاہل و بے علم ہیں کیونکہ یہی وہ بے وقوف لوگ ہیں کہ ان کے مطالبے پر جب کوئی نشانی ان کے پاس آ جاتی تو یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے (نہ آئندہ لائیں گے بلکہ جادو وغیرہ کہہ کر جھٹلا دیتے ہیں)۔

۱۱۲- ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں (سرکشوں) کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے اور جس طرح ہم نے مشرکین میں سے بہت سے لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے انبیائے کرام کے لیے بہت سے دشمن بنا دیئے کیونکہ اس صورت میں انبیائے کرام کا بہت بڑا امتحان ہوتا ہے جو ثابت قدمی اور صبر و استقامت کے ظہور کا اور اجر و ثواب کی کثرت کا سبب بن جاتا ہے [اور شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ ''عَدُوًّا'' سے بدل ہے یا یہ پہلا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''عَدُوًّا'' دوسرا مفعول ہے ] ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ وہ ایک دوسرے کی طرف خفیہ وسوسے ڈالتے ہیں یعنی جنوں کے شیطان انسانوں کے شیطانوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی طرح جن آپس مین ایک دوسرے کی طرف اور انسان آپس میں ایک دوسرے کی طرف وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ انسانوں میں سے شیطان مجھ پر جنوں کے شیطانوں سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ جب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں تو جنوں کے شیطان مجھ سے دور چلے جاتے ہیں اور انسانوں کے شیطان میرے پاس آ جاتے ہیں اور مجھے کھلم کھلا گناہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا کہ بُرے دوست جنوں کے شیطانوں سے بدتر ہوتے ہیں[1] ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ وسوسے اور جھوٹی باتیں جن کو وہ لوگ خوش نما اور مزین و آراستہ کر کے پیش کرتے اور لوگوں کو گناہوں پر ابھارتے ﴿غُرُوْرًا﴾ دھوکہ دینے کے لیے اور فریب کاری کے ذریعے لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ یعنی اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ خفیہ وسوسہ اندازی نہ کرتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیطانوں اور سرکشوں کو وسوسہ اندازی سے منع کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لیے امتحان لیا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا سبب ہے ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ سو آپ انہیں اور ان کی افترا بازیوں اور بہتان تراشیوں کو چھوڑ دیجیے جو انہوں نے آپ پر اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر تھوپ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار اور رسوا کرے گا اور آپ کی مدد فرمائے گا اور ان کو سخت سزا دے گا۔

۱۱۳- ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل جھک جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور کفار کے دل خوش نما بناوٹی اور جھوٹی بات کی طرف مائل ہو جائیں [اور یہ ''غُرُوْرًا'' پر معطوف ہے ] یعنی تا کہ وہ کافر لوگ اس سے دھوکہ کھائیں اور ان کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اس کو اپنے لیے پسند کریں ﴿وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ اور تا کہ وہ ان گناہوں کا ارتکاب کریں جن کا وہ ارتکاب کرنے

[1] انظر الحدیث بنحوہ فی تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۱ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ

والے ہیں۔

| |
|---|
| اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ |
| اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ |
| الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ |
| وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ |
| سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ |

تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو طلب کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ بے شک یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے سوائے سننے والے! تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا O اور آپ کے رب کی بات سچ اور انصاف میں پوری ہو گئی ہے اور اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا' بہت جاننے والا ہے O اور اگر تم زمین پر رہنے والے اکثر لوگوں کی بات مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے' وہ صرف گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف عقلی اندازے سے جھوٹ بولتے ہیں O

---

۱۱۴-﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور حاکم کو تلاش کروں جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور وضاحت کرے کہ ہم میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے ﴿ وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ اور وہی اللہ ہی تو ہے جس نے تمہاری طرف عاجز کرنے والی سراسر معجزہ اور مفصل کتاب نازل فرمائی [اور ''مُفَصَّلًا''، ''اَلْكِتَاب'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہے اور یہ کتاب میری صداقت کی گواہی دیتی ہے اور تمہارے خلاف جھوٹے ہونے کی گواہی دیتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات پر مضبوط دلیل پیش کرنے کے لیے کہ قرآن مجید اہل کتاب کے علم کے مطابق حق ہے اور اس لیے بھی حق ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے موافق ہے ارشاد فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دیگر ساتھی مراد ہیں ﴿ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ وہ جانتے ہیں کہ بے شک یہ قرآن مجید آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے جب کہ دیگر کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ باب افعال سے) ہے] ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ سوائے سننے والے! تم اس میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا یا اے سننے والے! تم اس بات میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا کہ بے شک اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہ قرآن مجید حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے لوگوں کا انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا تمہیں شک میں نہ ڈال دے۔

۱۱۵-﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کلام فرمایا ہے وہ سب مکمل ہے [اور اہل حجاز اور قاری ابن

عامر شامی اور قاری ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''کَلِمٰتُ رَبِّکَ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو کچھ خبریں دی
ہیں اور اوامر و نواہی بیان فرمائے ہیں اور وعدے اور وعیدیں بیان کی ہیں وہ سب مکمل ہیں ﴿صِدْقًا﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے
وعدے اور اس کی وعیدیں سنانے میں قرآن مجید سچا ہے ﴿وَّعَدْلًا﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اوامر و نواہی میں عدل و انصاف کرنے
والا ہے [اور یہ دونوں تمیز کی بنا پر یا حال واقع ہونے پر منصوب (زبر والے) ہیں] ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اس کے کلمات کو
کوئی بدلنے والا نہیں ہے یعنی کوئی شخص اس کے کلمات میں سے کچھ نہیں بدل سکتا ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ﴾ اور وہ اقرار و اعتراف
کرنے والے کے اقرار و اعتراف کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ اصرار کرنے والے کے اصرار کو بہت جاننے والا ہے یا
وہ لوگوں کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے دلوں میں پوشیدہ ارادوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۱۶- ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور اگر تم زمین پر رہنے والے اکثر لوگوں کی بات مان لیتے یعنی اگر
کفار کی بات مان لیتے کیونکہ وہی اکثریت میں تھے ﴿يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیر کر
گمراہ کر دیں گے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ ان کے باپ
دادے حق پر تھے اس لیے وہ ان کی تقلید کرتے ہیں ﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ اور وہ تو صرف جھوٹ بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
نے ان پر اس طرح حرام کیا ہے اور ان کے لیے اس طرح حلال کیا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا
تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا
اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

بے شک آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکتے ہیں' اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا
ہے O سو تم اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو O اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اس
میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے تمہارے لیے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کو اس نے تم پر
حرام کر دیا ہے ماسوا اس کے کہ تم اس کی طرف مجبور ہو جاؤ' اور بے شک بہت سے لوگ بے علمی سے خواہشات کے پیچھے لگ
کر گمراہ ہو جاتے ہیں' بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے O

۱۱۷- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ اسے
خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہ کافروں اور مسلمانوں کو
جانتا ہے [اور ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور یہ لفظ استفہام (سوال کرنے) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''يَضِلُّ''
خبر ہے اور یہ جملہ ''يَعْلَمُ'' مقدر کی وجہ سے نصب کی جگہ پر واقع ہے لیکن ''اَعْلَمُ'' کی وجہ سے نہیں کیونکہ ''اَفْعَلُ'' اسم ظاہر
کو نصب نہیں جر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''اَعْلَمُ بِمَنْ يَّضِلُّ'' اس کی دلیل اس کے بعد

"بِالْمُهْتَدِیْنَ" میں حرب "با" کا اظہار ہے]۔

۱۱۸-﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾ تو تم اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ ان گمراہ لوگوں کی پیروی کے انکار سے مسبب ہے جو حرام کو حلال قرار دیتے ہیں اور حلال کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ بے شک تم خیال کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو پھر جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے مار دیا وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اسے کھالو اس جانور کی بہ نسبت جس کو تم نے خود ذبح کیا ہے' چنانچہ مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر تم ایمان پر پختہ یقین رکھتے ہو تو تم فقط ان جانوروں کو کھاؤ جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور ان جانوروں کو نہ کھاؤ جن پر بہ وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ کر ان کے معبودوں میں سے کسی معبود کا نام لیا گیا ہو یا اپنی طبعی موت مر گیا ہو۔

۱۱۹-﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا [اس میں حرف "مَا" استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور مبتدا ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور "لَكُمْ" اس کی خبر ہے] یعنی تم کس غرض کی بنا پر اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے واضح طور پر وہ چیزیں جو اس نے تم پر حرام فرمادی ہیں بیان کر دی ہیں ان میں سے جو اس نے حرام نہیں فرمائیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" (المائدہ:۳) [امام حفص کے علاوہ کوفی قراء کی قراءت میں "فَصَّلَ" (فعل ماضی معروف) "وَحَرَّمَ" (فعل ماضی مجہول) ہیں اور قاری نافع مدنی اور قاری حفص کی قراءت میں دونوں مفتوح (یعنی دونوں فعل ماضی معروف) ہیں جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں دونوں مضموم (یعنی دونوں فعل ماضی مجہول) ہیں] ﴿إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ مگر جب تم اس چیز کے کھانے کے لیے مجبور ہو جاؤ جو تم پر حرام کر دی گئی ہے کیونکہ ضرورت کے وقت وہ تمہارے لیے حلال ہے یعنی انتہائی شدت کے ساتھ سخت بھوک لگی ہو (اور اس وقت کھانے کے لیے حلال چیز دستیاب نہ ہو تو) وہی کھالو ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشوں سے بغیر جانے بوجھے گمراہ کرتے ہیں یعنی بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور شریعت سے تعلق رکھے بغیر محض اپنی خواہشوں اور شہوتوں سے جس کو چاہتے ہیں حرام قرار دے دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں حلال قرار دے دیتے ہیں [اور کوفہ کے قراء کی قراءت میں ("یا" مضموم کے ساتھ "اِضْلَال" سے مشتق) "لَيُضِلُّونَ" ہے] ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ﴾ بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والوں کو۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ
بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ
لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ
ع ۱۴ ۱۱ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي
النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور تم علانیہ اور پوشیدہ (سب) گناہ چھوڑ دو' بے شک جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں عنقریب ان کو سزا دی جائے گی جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے ○ اور تم اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بلاشبہ وہ نافرمانی ہے' اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں' اور اگر تم ان کی بات مان لو گے تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے ○ اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لیے نور مہیا کر دیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن سے وہ نہیں نکل سکتا' اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا گیا ہے جو وہ کرتے تھے ○

---

۱۲۰- ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ اور تم علانیہ اور پوشیدہ سب گناہوں کو چھوڑ دو یا قحبہ خانوں میں زنا کرنا اور چھپ چھپا کر دوستی کرنا یا شرک جلی اور شرک خفی سب چھوڑ دو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے اس وجہ سے کہ وہ دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

۱۲۱- ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اور تم اس میں سے ہرگز نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو ﴿وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ اور بے شک اس کا کھانا نافرمانی اور گناہ ہے ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ﴾ اور بے شک شیاطین (یعنی ابلیس اور اس کے لشکر) اپنے دوستوں یعنی مشرکوں کے دلوں میں وسوسے اور بُرے خیالات ڈالتے رہتے ہیں ﴿لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ تا کہ وہ لوگ تم سے یہ کہہ کر جھگڑا کریں کہ (اے مسلمانو!) تم اس میں سے کیوں نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ نے مارا ہے (یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں) اور اس میں سے کیوں کھاتے ہو جس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہو اور یہ آیت مبارکہ ان جانوروں کو حرام قرار دے رہی ہے جن پر ذبح کے وقت ''بسم اللّٰہ'' پڑھنا ترک کر دیا گیا ہو اور بوقت ذبح بھول کر ''بسم اللّٰہ'' نہ پڑھنے پر جانور کا حلال ہونا حدیث نبوی کی وجہ سے مخصوص کر لیا گیا ہے یا بسم اللہ شریف بھولنے والے کو حکماً ذکر نہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے ﴿وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی کرو گے تو بے شک تم ضرور شرک کرنے والے ہو جاؤ گے کیونکہ جس نے اپنے دین میں غیر خدا کی اتباع کی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور دین دار مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس میں سے ہرگز نہ کھائے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ اس آیت مبارکہ میں بڑی سخت وعید کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور جس نے اس آیت مبارکہ کی تاویل کر کے اس سے مرا جانور اور وہ جانور مراد لیا ہے جس پر بہ وقت ذبح غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس بنا پر کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ'' (الانعام:۱۴۵) یعنی ''یا نافرمانی کا ایسا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو'' [اور اس نے کہا کہ '' وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ '' میں واؤ حال کے لیے ہے کیونکہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر درست نہیں ہوتا] پس تقدیر عبارت یہ ہو گی کہ اور تم اس میں سے (جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہے) نہ کھاؤ دراں حالیکہ وہ فسق و نافرمانی ہے اور اس آیت مبارکہ میں فسق مجمل ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام کی آیت ایک سو پینتالیس میں کر دی گئی ہے تو اب معنی یہ ہو گا: اور تم اس میں سے نہ کھاؤ اس حال میں کہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو' سو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عموماتِ محل کی وجہ سے اس کے ماسوا باقی سب حلال ہو جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

''قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ'' (الانعام:۱۴۵) ''اے محبوب! فرمادیجئے کہ میری طرف جو کچھ وحی کی گئی ہے اس میں مَیں کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام نہیں پاتا ماسوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ سراپا نجاست ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو'' (بہر حال جس نے یہ تاویل کی ہے) اس نے یقیناً لفظ کے ظاہر سے انحراف کیا ہے۔

## مسلم وکافر کی مثال' سرکش مجرم کی سزا' ہدایت وضلالت کا مدار اور مسلم وکافر کا ٹھکانا

۱۲۲۔﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ﴾ اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کر دیا یعنی وہ کافر تھا تو ہم نے اسے ہدایت عطا فرمادی کیونکہ ایمان دلوں کی زندگی ہے (جس کے بغیر کافر مردہ دل رہتا ہے) [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مَيِّتًا'' (یا مشدد) ہے] ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ اور ہم نے اس کو نور عطا کر دیا ہے جس کی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور اس نے اس کے ذریعے اپنے دل کو روشن کر لیا ہے اور اس سے یقین مراد ہے ﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ ﴿ فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ اندھیروں میں ہے یعنی وہ اندھیروں میں پاگلوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے ﴿ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ اس سے نہ نکلنے والا ہے نہ اس سے جدا ہونے والا اور نہ اس سے نجات پانے والا ہے اور یہ حال ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان دو اشخاص سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جہل لعین مراد ہیں لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عنایت فرمادی اور ہر اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرمادیا کہ ہدایت حاصل کرنے والے کی مثال اس مردہ کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اور اسلام کی ہدایت عطا فرما کر اس کو منور کر دیا کہ اب وہ نورِ ایمان اور نورِ حکمت کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور کافر کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کفر وشرک اور گناہوں کے اندھیروں میں مبتلا ہو کر بھٹکتا پھرتا ہے جس سے چھٹکارا نہیں پا رہا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ یعنی جس طرح مؤمن کے لیے اس کا ایمان آراستہ وخوب صورت کر دیا گیا ہے اسی طرح ﴿ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے آراستہ کرنے سے کافروں کے لیے ان کے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے جو وہ کرتے تھے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ'' (النمل:۴) ''ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال آراستہ کر دیئے''۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ
اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى
نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ
الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو مقرر کر دیا تا کہ وہ مکر وفریب کی کارروائیاں کریں' اور وہ مکر وفریب نہیں کرتے مگر اپنی جانوں پر اور وہ نہیں سمجھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آجاتی تو وہ کہتے: ہم ہرگز ایمان

نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو عنایت کیا گیا' اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے' عنقریب اللہ کے ہاں مجرموں کو ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب اس سبب سے کہ وہ مکروفریب کیا کرتے تھے O

۱۲۳- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے مکہ مکرمہ میں ان کے لیڈر بنائے تا کہ وہ اس میں مکروفریب کریں اسی طرح ﴿جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو مقرر کر دیا تا کہ وہ اس میں مکروفریب کی چالیں چلیں اور لوگوں کو بُرے کاموں پر مجبور کریں اور خود بھی گناہوں کے کام کریں [اور اہل سنت کے نزدیک لام اپنے ظاہر پر ہے اور عاقبت کا لام نہیں ہے] اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اکابر کو مخصوص فرما لیا ہے کیونکہ ان میں چودھراہٹ اور اختیارات ہوتے ہیں جس کے سبب وہ دوسروں سے بڑھ کر لوگوں کو مکروفریب اور کفر و معاصی کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ'' (الشوریٰ: ۲۷)'' اور اگر اللہ تعالیٰ سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ ضرور زمین پر فساد پھیلاتے'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو تسلّی دی اور اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے آپ سے مدد کا وعدہ فرمایا: ﴿وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ مکروفریب نہیں کرتے مگر اپنی ہی جانوں پر کیونکہ ان کا مکروفریب ان ہی کو گھیر لے گا ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ نہیں سمجھتے کہ ان کا مکر انہیں کو گھیر لے گا [اور ''اَكٰبِرَ'' پہلا مفعول ہے اور ''فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ'' دوسرا مفعول ہے اور ''مُجْرِمِيْهَا'' بدل ہے ''اَكٰبِرَ'' سے یا ''مُجْرِمِيْهَا'' پہلا مفعول ہے اور ''اَكٰبِرَ'' دوسرا مفعول ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''مُجْرِمِيْهَا اَكٰبِرَ'']۔

**شانِ نزول:** اور جب ابوجہل نے کہا کہ ہم شرف و بزرگی میں اولاد عبد مناف کے مدمقابل بنے رہے یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہو گئے تو عبد مناف کی اولاد نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے اندر ایک نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے' اللہ کی قسم! ہم اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ ہمارے پاس وحی آئے جیسا کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۲۴- ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ﴾ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آ جاتی یعنی جب ان کے سرداروں کے پاس کوئی معجزہ انہیں دکھایا جاتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی جس میں انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جاتا تو ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ وہ کہتے کہ ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو عنایت کیا گیا ہے یعنی ہمیں ویسی ہی آیات دی جائیں جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی گئیں' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہ وہ نبوت و رسالت کی صلاحیت رکھنے والے کو خوب جانتا ہے' ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے [یہ قاری ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''رِسٰلٰتِهٖ'' ہے اور ''حَيْثُ'' مفعول بہ ہے اور اس کا عامل محذوف ہے] اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''يَعْلَمُ مَوْضِعَ رِسَالَتِهٖ'' وہی اپنی رسالت کی جگہ جانتا ہے ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ان کے سرداروں میں سے جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ان کو عنقریب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت و رسوائی پہنچے گی ﴿وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور انہیں دنیا و آخرت میں بڑا سخت عذاب ملے گا' چنانچہ دنیا میں قتل و غارت اور قید و بند کا عذاب ملے گا اور آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب انہیں ملے گا ﴿بِمَا

كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں مکروفریب کی کارروائیاں کرتے رہے تھے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے' اور جس کو گمراہی پر ڈالنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ (اور) سخت رُکا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے' اس طرح اللہ عذاب ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے O اور یہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے' بے شک ہم نے آیتیں تفصیل سے بیان فرما دیں اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے O ان کے رب کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے ان اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے O

۱۲۵- ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے' عرض کی گئی: اس کی علامت ونشانی کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ رہنے والے (آخرت کے) گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکے کے گھر (دنیا) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا[1] ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پہ ڈالنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ اور سخت رکا ہوا کر دیتا ہے ["حَرَجًا" "ضَيِّقًا" کی صفت ہے اور "ضَيِّق" کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے] یعنی اس کا سینہ سخت تنگ اور گھٹا ہوا کر دیا جاتا ہے [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ضَيْقًا" (یا ساکن کے ساتھ) ہے اور قاری نافع مدنی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں "حَرِجًا" (را کے نیچے زیر کے ساتھ) ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں "حَرَجًا" (را پر زبر کے ساتھ) ہے اور مصدر ہونے پر وصف ہے] ﴿ كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ جب کافر کو اسلام کی دعوت دی جائے تو گویا اس کو آسمان پر چڑھنے کا مکلّف کیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا سینہ اسلام سے تنگ ہو جائے اور جب کسی کے لیے زمین پر رہنا مشکل ہو جائے تو اس سے آسمان پر چڑھ جانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے یا کمزور رائے رکھنے والے ہوا میں اڑنے والے دل کی طرح [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں "يَصْعَدُ" (صاد ساکن کے ساتھ) ہے اور حضرت ابوبکر کی قراءت میں "يَصَّاعَدُ" (صاد مشدد بمع الف زائد کے) ہے اور اس کی اصل "يَتَصَاعَدُ" ہے اور باقی قراء کی قراءت میں "يَصَّعَّدُ" (صاد وعین مشدد مفتوح) ہے اور اس کی اصل "يَتَصَعَّدُ" ہے] ﴿ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۲۷' تنبیہ الغافلین سمرقندی ص ۷۳

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے دنیا میں لعنت مسلط کر دیتا ہے اور آخرت میں ان پر عذاب مسلط کر دے گا اور یہ آیت مبارکہ ہمارے لیے معتزلہ فرقہ کے خلاف مضبوط حجت و دلیل ہے کہ ضلالت و معاصی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت میں داخل ہیں۔

۱۲۶- ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ﴾ اور یہ آپ کے رب تعالیٰ کا راستہ ہے یعنی یہ اس کا وہی طریقہ ہے جس کا حکمت تقاضا کرتی ہے اور یہ اس کی سنت ہے کہ جس شخص کے لیے ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کے لیے گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ معتدل اور سیدھا اور بہت زیادہ درست [اور یہ تاکیدی حال ہے] ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ بے شک ہم نے آیتیں وضاحت کے ساتھ ایک ایسی قوم کے لیے بیان کر دی ہیں جو نصیحت قبول کرتی ہے۔

۱۲۷- ﴿لَهُمْ﴾ یعنی نصیحت قبول کرنے والی قوم کے لیے ﴿دَارُ السَّلٰمِ﴾ اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی جنت ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے جنت کی عظمت کا اظہار کر دیا ہے یا اس کا معنی سلامتی کا گھر ہے جو ہر قسم کی آفت' دکھ درد اور تکلیف سے سلامت و محفوظ ہے یا سلام سے مراد تحیت ہے اور دار السلام کو تحیت اس ارشاد باری تعالیٰ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ ''وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ'' (یونس:۱۰) ''اور بہشت میں ان کی ملاقاتی دعا سلام ہوگی'' ''لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝'' (الواقعہ:۲۵-۲۶) ''وہ جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات مگر سلام سلام کہنا ہوگا'' ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے پاس اس کی ضمانت میں رہیں گے ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ اور وہ (اللہ تعالیٰ) ان کا دوست ہے یا وہ ان کے دشمنوں پر ان کی مدد کرنے والا ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کے اعمال کے عوض میں جو وہ لوگ کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ ان کا متولی ہے انہیں ان کے اعمال پر جزائے خیر دے گا یا یہ کہ وہ دنیا میں نیک اعمال کی توفیق عطا فرما کر ہماری مدد فرمانے والا ہے اور آخرت میں انجام بہ خیر ثابت کر کے ہماری مدد فرمائے گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۗ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵/۸

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا' (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! بے شک تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر لیا' اور انسانوں میں سے ان کے دوست عرض کریں گے: ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہم اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی' اللہ فرمائے گا کہ آگ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں ہمیشہ رہو گے مگر اللہ جو چاہے' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا' خوب جاننے والا ہے ۝ اور اس طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں ان گناہوں کے سبب جو وہ کرتے رہتے تھے ۝

۱۲۸- ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ [امام حفص کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يَحْشُرُهُمْ" (فعل مضارع غائب) ہے] یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا ["یا" "وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ" ہے (جیسا کہ نافع مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، حمزہ اور کسائی کی قراءت میں ہے۔[1]] ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور تم نے ان کو اپنا پیروکار و تابع دار بنالیا، جیسا کہ تم کہتے ہو: "اِسْتَكْثَرَ الْاَمِيْرُ مِنَ الْجُنُوْدِ" کہ بادشاہ نے بہت بڑا لشکر جمع کرلیا ہے ﴿وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ اور انسانوں میں سے ان کے وہ دوست جنہوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری کی تھی اور ان کے وسوسوں کی طرف کان لگا کر سنتے رہے تھے وہ کہیں گے: ﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے بہت فائدے حاصل کیے یعنی انسانوں نے جنوں سے فائدے حاصل کیے کیونکہ انہیں جنوں نے شہوتوں پر ابھارا اور ان تک پہنچنے کے اسباب مہیا کیے اور جنوں نے انسانوں سے فائدے حاصل کیے کیونکہ ان کو انسانوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی تھی اور ان کے اغوا میں آ کر ان کے مقاصد پورے کرنے کے لیے ان کی مدد کرتے رہے ﴿وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ اور ہم اپنی اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی محشر کا دن اور یہ گفتگو ان کی طرف سے شیطانوں کی پیروی کرنے اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگنے اور قیامت کے دن کو جھٹلانے کا اعتراف و اقرار ہوگا اور اپنی حالت پر افسوس کا اظہار ہوگا ﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تمہاری منزل اور ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ اس میں ہمیشہ رہو گے [اور یہ حال ہے، اس کا عامل اضافت کا معنی ہے] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ" (الحجر:۶۶) "صبح ہوتے ان کافروں کی جڑ کٹ جائے گی"۔ [اس میں "مُصْبِحِيْنَ" حال واقع ہو رہا ہے "هٰٓؤُلَآءِ" سے اور حال میں عامل اضافت کا معنی ہے اور "مَثْوٰی" عامل نہیں کیونکہ اسم مکان کسی چیز میں عمل نہیں کرتا] ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ یعنی وہ لوگ آگ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ماسوا ان اوقات کے جن میں اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے زمہریر (برف جیسا ٹھنڈا مقام) کے عذاب میں منتقل کرنا چاہے گا ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اے محبوب! آپ کا رب بڑی حکمت والا ہے اس میں جو کچھ وہ اپنے دوستوں اور اپنے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

۱۲۹- ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا﴾ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں یعنی ہم دوزخ کے عذاب میں ان میں سے بعض کو بعض کا تابع دار بنا دیتے ہیں یا ہم ان کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں یا ہم ان کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے ہیں ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ وہ کفر و شرک اور گناہ کمایا کرتے تھے، پھر قیامت کے روز ڈرانے اور دھمکانے کے طور پر انہیں کہا جائے گا:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ
يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ

[1] معجم القراءات القرآنیہ ج ۲ ص ۳۱۸

أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھ کر سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے' وہ عرض کریں گے کہ ہم اپنی جانوں کے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے O یہ (رسولوں کا مبعوث کرنا) اس لیے ہوا کہ آپ کا رب کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں اس حال میں کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں O اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں جو انہوں نے کیے' اور آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں جو عمل وہ کرتے ہیں O

## کفار جن وانس سے غضب ناک خطاب اور کفار کے اعمالِ بد کا بیان

۱۳۰- ﴿ يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جنوں کی طرف جنوں میں سے رسول بھیجے گئے تھے اور انسانوں کی طرف انسانوں میں سے رسول بھیجے گئے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنے ہم جنس سے مانوس ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رسول صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور باقی رہا یہ سوال کہ اس آیت مبارکہ میں ''رُسُلٌ مِّنكُمْ'' فرمایا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی دونوں جماعتوں سے خطاب فرمایا تو اس کے مطابق یہی صحیح ہے اگر چہ ان دونوں میں سے صرف ایک (انسان) مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ'' (الرحمٰن: ۲۲) ''ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' یا ان کے رسولوں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول مراد ہیں اس ارشاد کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ O'' (الاحقاف: ۲۹) ''پھر جب قرآن کی تلاوت پوری ہو چکی تو جن اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کے لیے واپس پلٹ گئے O'' ﴿ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ﴾ جو تمہیں میری کتابیں پڑھ کر سناتے ﴿ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ﴾ اور وہ تمہیں تمہارے اس دن یعنی قیامت کے دن کی ملاقات سے ڈراتے ﴿ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا ﴾ وہ عرض کریں گے کہ ہم خود اپنی ہی جانوں کے خلاف اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم پر حجت لازم ہو چکی اور رسولوں کی تبلیغ ہم تک پہنچ چکی ﴿ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴾ اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا اور وہ خود ہی اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ رسولوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔

۱۳۱- ﴿ ذَٰلِكَ ﴾ ان کی طرف رسولوں کو بھیجنے کا جو تذکرہ گزر چکا ہے یہ اشارہ اس کی طرف ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں ''اَلْاَمْرُ ذَٰلِكَ'' ہے] ﴿ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴾ [یہ تعلیل ہے] یعنی ہم نے آپ پر رسولوں کے بھیجنے کا معاملہ جو بیان کیا ہے اس کی علت اور سبب یہ ہے کہ آپ کا رب تعالیٰ کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا [اس بنا پر ''اَنْ'' مصدریہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''اَنْ'' مُثَقَّلَہ سے مُخَفَّفَہ ہو] اور معنی یوں ہوگا کہ بے شک اصل میں بات یہ ہے کہ آپ کا رب کسی بستی کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں یا یہ معنی ہے کہ آپ کا رب ظالم نہیں کہ اگر وہ کتاب اور رسول کے ذریعے تنبیہ کیے بغیر ان کو غفلت و

بے خبری میں ہلاک کر دے تو وہ ظالم ہوگا حالانکہ وہ اس سے بہت بلند ہے۔

۱۳۲۔﴿وَلِكُلٍّ﴾ اور مکلفین میں سے ہر ایک کے لیے ﴿دَرَجٰتٌ﴾ درجے اور منزلیں ہیں ﴿مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے جو انہوں نے کیے تھے اور حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ جنوں کو اطاعات وفرماں برداریوں پر اجر وثواب ملے گا کیونکہ جن وانس کی دونوں جماعتوں کے ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور نہ ان کے اعمال کو بھولنے والا ہے [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "یا" کی بجائے "تا" کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) ہے]۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ۭ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۵

اور آپ کا رب بڑا بے نیاز ہے، بہت رحم فرمانے والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جس کو وہ چاہے جانشین بنا دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا○ بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو○ آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں، سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے، بے شک ظلم کرنے والے نجات نہیں پائیں گے○

۱۳۳۔﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ﴾ اور آپ کا رب اپنے بندوں سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز و بے پروا ہے ﴿ذُو الرَّحْمَةِ﴾ انہیں احکام کا مکلّف بنا کر ان پر بے حد رحم فرمانے والا ہے تا کہ ان پر دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والے منافع وفوائد پیش فرمائے ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ﴾ اے ظالمو! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے ﴿وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ﴾ اور وہ تمہارے بعد فرماں بردار مخلوق میں سے جس کو چاہے جانشین بنا دے ﴿كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی اولاد میں سے پیدا فرمایا جو تمہارے طور طریقوں پر نہیں تھے اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والے ہیں۔

۱۳٤۔﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آ کر رہے گی [اس میں "مَا" بہ معنیٰ "اَلَّذِیْ" ہے] یعنی قیامت کے دن لوگوں کے اٹھنے اور حساب وکتاب دینے اور نیکیوں پر ثواب اور برائیوں پر سزا ملنے کا جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ ضرور پورا ہوگا [اور "لَاٰتٍ"، "اِنَّ" کی خبر ہے] یعنی یہ ضرور ہوگا ﴿وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ اس سے بچ سکتے ہو اس میں ان کے اس قول کی تردید ہے کہ جو شخص (قیامت سے پہلے) مر گیا وہ بچ گیا۔

۱۳۵-﴿قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو [''مَكَانَةٌ'' مصدر ہوتا ہے ]چنانچہ جب کوئی اپنی جگہ پر متمکن اور قائم و ثابت ہو جائے اور اپنی جگہ خوب جم کر ٹھہر جائے تو کہا جاتا ہے: ''مَكُنَ مَكَانَةً'' اور مکان کے معنی میں بھی آتا ہے ] کہا جاتا ہے: ''مکان'' اور ''مکانة'' اور ''مقام'' اور ''مقامة'' اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ایک احتمال یہ ہے کہ تم اپنے معاملے (یعنی اسلام کی مخالفت) میں اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ اور پوری استطاعت اور امکان بھر جدو جہد کے ساتھ اپنا کام کرتے رہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ تم جس حال پر اور جس روش پر چل رہے ہو اس کے مطابق تم عمل کرتے رہو' چنانچہ کسی شخص کو اپنے حال پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''عَلٰی مَكَانَتِكَ یَا فُلَانُ'' یعنی اے فلاں شخص! تم جس حال پر ہو اس پر قائم رہو اور ثابت قدم ہو کر ڈٹے رہو ﴿اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں اپنی جگہ پر عمل کرنے والا ہوں جس پر میں قائم ہوں یعنی تم اپنے کفر پر اور میری دشمنی پر قائم رہو اور میں اسلام پر اور تمہاری صبر آزما تکلیفوں پر صبر کر کے قائم رہوں گا اور یہ ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے سب سے اچھا اور سب سے بہترین گھر کس کو ملتا ہے اور کفار کو ڈرانے کا یہ لطیف اور پیارا طریقہ ہے ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک ظالم یعنی کافر فلاح نہیں پائیں گے [ قاری ابوبکر کی قراءت میں ''مَكَانَاتِكُمْ'' ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''تَكُوْنُ'' کی بجائے ''یَكُوْنُ'' ہے اور لفظ ''مَنْ'' اگر ''اَیٌّ'' کے معنی میں ہو تو پھر یہ محلاً مرفوع ہے اور اس سے علم کا فعل معلق ہے اور اگر یہ ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہو تو پھر یہ منصوب ہے ]۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَیَّنَ لِكَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِیُرْدُوْهُمْ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور کھیتی اور مویشیوں میں سے جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا اس میں سے کچھ حصہ انہوں نے اللہ کے لیے مقرر کر دیا اور انہوں نے اپنے خیال میں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے' پھر جو حصہ ان کے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا' اور جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے' وہ لوگ بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں○ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے ان کی اپنی اولاد کے قتل کو آراستہ کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کریں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں' اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کے جھوٹے الزامات کو چھوڑ دیئے جن کو وہ

گھڑتے ہیںO

۱۳۶- ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا فرمائے ان میں سے کچھ حصہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کر دیا اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کر دیا اور اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کے حصے کے ذکر پر اکتفا کیا گیا (اور بتوں کے حصے کا ذکر نہیں کیا گیا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے: ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے [اس آیت میں اور اس کے بعد قاری علی کسائی کی قراءت میں ''بِزُعْمِهِمْ'' (زا پر پیش) ہے] یعنی یہ ان کا اپنا گمان تھا کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور یہ بتوں کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم نہیں دیا اور نہ شریعت نے ان کے لیے یہ تقسیم کی تھی ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا یعنی بتوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کی ان مدات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا جن میں وہ اللہ تعالیٰ کا حصہ خرچ کرتے تھے جیسے مہمانوں کی مہمان نوازی پر خرچ کرنا اور مسکینوں' ناداروں اور ضرورت مندوں پر بطور صدقہ خرچ کرنا ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ تو ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کا حصہ بتوں کے نام پر خرچ کر دیتے تھے اور ان کے بت خانوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ مروی ہے کہ عرب کے کفار کھیتوں اور جانوروں میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کر دیتے تھے اور کچھ حصہ اپنے معبودوں کے لیے مقرر کر دیتے تھے' پھر جب وہ دیکھتے کہ انہوں نے جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہے وہ صاف ستھرا اور عمدہ ہے تو اس سے رجوع کر لیتے اور اس حصے کو بتوں کے لیے کر دیتے اور جو حصہ وہ بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے وہ اگر ستھرا اور عمدہ ہوتا تو اسے بتوں ہی کے لیے چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور وہ لوگ یہ کام صرف اپنے بتوں سے محبت کی وجہ سے کرتے تھے اور اپنے بتوں کو ترجیح دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِمَّا ذَرَاَ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ عمدہ اور بہترین مال وغیرہ اس کے لیے مقرر کیا جائے کیونکہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنے بتوں کو ترجیح دے کر اور جن اعمال کی شریعت نے اجازت نہیں دی ان کو اپنا کر بہت برا فیصلہ کرتے ہیں [اور حرف ''ما'' محلاً مرفوع ہے (اور ''سَآءَ'' کا فاعل ہے) یعنی وہ فیصلہ بہت بُرا ہے جو انہوں نے کر رکھا ہے یا یہ منصوب ہے (اور ''سَآءَ'' کا مفعول ہے) یعنی انہوں نے بہت بُرا فیصلہ کیا ہے]۔

۱۳۷- ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کا قتل آراستہ کر دیا جس طرح ان کے لیے مال و مویشی کی تقسیم اور بچیوں کو زندہ در گور کرنا آراستہ کر دیا گیا [اور ''قَتْلَ''، ''زَيَّنَ'' کا مفعول ہے اور ''شُرَكَآئُهُمْ'' کا فاعل ہے] یعنی ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کے قتل کو ان کی نگاہوں میں بھلا کر دیا ہے [اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''زُيِّنَ'' (فعل ماضی مجہول' یا کے نیچے زیر اور زا پر) پیش کے ساتھ ہے اور ''قَتْلُ'' مرفوع ہے (یعنی لام پر پیش ہے کہ یہ ''زُيِّنَ'' کا نائب فاعل ہے) اور ''اَوْلَادَهُمْ'' منصوب ہے ''شُرَكَآئِهِمْ'' اس بنا پر مجرور ہے کہ ''قَتْلُ''، ''شُرَكَآءُ'' کا مضاف ہے یعنی ''شرکاء'' سے شیاطین مراد ہیں اور فاعل اور مفعول کے درمیان بغیر ظرف کے فاصلہ صحیح ہوتا ہے] اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''زُيِّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلُ شُرَكَآئِهِمْ اَوْلَادَهُمْ'' یعنی بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں کا ان کی اولاد کو قتل کرنا بھلا کر دیا

گیا ہے ﴿لِیُرْدُوْهُمْ﴾ تاکہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں ﴿وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ﴾ اور تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو مشکوک کر دیں اور وہ ان پر ان کے دین کو خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیں اور وہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور ان کے دین میں ملاوٹ کر دیں' چنانچہ یہ لوگ پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دینِ حق پر قائم تھے' پھر شیطانوں کے اغوا سے ان کے دین سے پھر گئے اور شرک کی طرف مائل ہو گئے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' آیت مبارکہ کا یہ جملہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہو رہا ہے (البتہ اس کی مرضی اور خوشی صرف نیک کاموں میں شامل ہوتی ہے) ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ سو آپ ان کو اور وہ جو جھوٹ گھڑتے ہیں یا ان کے الزامات کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ان کے جھوٹ اور الزام کا نقصان انہیں کو ہو گا' اس کا نقصان نہ آپ کو ہو گا اور نہ ہمیں ہو گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ
اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ
بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ
يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۗ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾

اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے' انہیں کوئی نہیں کھائے گا مگر جس کو ہم اپنے خیال میں چاہیں گے اور کچھ مویشی وہ تھے جن کی پشت پر سوار ہونا حرام کر دیا گیا اور کچھ مویشی وہ تھے جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے سب اللہ پر جھوٹے الزام تھے' عنقریب اللہ ان کو سزا دے گا اس پر جو وہ الزامات گھڑتے تھے ○ اور انہوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے' اور اگر وہ مردہ ہوا تو پھر وہ سب اس میں شریک ہوں گے' عنقریب اللہ ان کو ان کے بیان پر سزا دے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا' خوب جاننے والا ہے ○

١٣٨- ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ﴾ اور انہوں نے کہا کہ یہ جانور اور کھیتیاں بتوں کے لیے ہیں ﴿حِجْرٌ﴾ حرام ہیں [''فِعْلٌ'' کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے جیسے ''ذبح'' اور ''طحن''، ''مذبوح'' اور ''مطحون'' کے معنی میں ہیں اور یہ مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب کے ساتھ مساوی موصوف ہوتا رہتا ہے کیونکہ اس کا حکم اسماء کے حکم جیسا ہوتا ہے نہ کہ صفات کی طرح] اور جب وہ لوگ جانوروں اور کھیتیوں سے جو چیزیں اپنے بتوں کے لیے مقرر و معین کر دیتے تو کہتے: ﴿لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ ان کو کوئی نہیں کھائے گا مگر جسے ہم چاہیں گے اپنے گمان کے موافق اور وہ لوگ اس سے بتوں کے خادموں اور مردوں کو مراد لیتے ہیں عورتوں کو نہیں اور زعم کہتے ہیں: گمان سے ایسی بات کہہ دینا جس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہو ﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا﴾ اور کچھ جانوروں کی پشت پر سوار ہونا حرام قرار دے دیا گیا تھا اور وہ جانور بحائر اور سوائب اور حوامی ہیں (جن کی وضاحت سورت المائدہ کی آیت ١٠٣ میں گزر چکی ہے)

﴿وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْکُرُوْنَ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا﴾ اور کچھ جانوروں کے ذبح کے وقت وہ لوگ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ وہ ان پر بتوں کے نام ذکر کرتے تھے ﴿افْتِرَآءً عَلَیْہِ﴾ یعنی انہوں نے اپنے جانوروں کو تقسیم کر رکھا تھا ایک قسم حجر کی تھی اور دوسری قسم غیر مرکوب (سوار نہ ہونے کی) اور تیسری قسم وہ تھی جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اور انہوں نے اس تقسیم کو جھوٹ باندھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تھا ﴿سَیَجْزِیْھِمْ بِمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا اس وجہ سے کہ وہ لوگ جھوٹ گھڑتے تھے اور یہ سخت وعید ہے۔

۱۳۹۔ ﴿وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری عورتوں پر حرام ہے دراصل عرب کے کفار کہا کرتے تھے کہ بحائر اور سوائب نامی جانوروں کے جو بچے پیدا ہوں گے اگر وہ زندہ پیدا ہوئے تو وہ صرف مردوں کے لیے ہوں گے عورتیں اس میں سے نہیں کھا سکیں گی اور اگر مردہ بچے پیدا ہوئے تو اس میں مرد و زن سب شریک ہوں گے [اور ''مَا'' کی خبر ہونے کے باوجود ''خَالِصَۃٌ'' کا مؤنث ہونا صرف ''مَا'' کے معنی کی وجہ سے ہوا کیونکہ ''مَا'' سے ''اَجِنَّۃٌ'' (جنین کی جمع بچے) مراد ہے اور ''مُحَرَّمٌ'' کا مذکر ہونا ''مَا'' کے لفظ کے اعتبار سے ہے یا پھر ''خَالِصَۃٌ'' میں حرف ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے جیسے ''نَسَّابَۃٌ'' میں ہے۔] ﴿وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً﴾ یعنی ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ اگر مردہ ہوا [ابوبکر کی قراءت میں ''یا'' کی بجائے ''تا'' کے ساتھ ''وَاِنْ تَکُنْ مَیْتَۃً'' ہے یعنی اگر ان کے بچے مردہ ہوئے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَاِنْ تَکُنْ مَیْتَۃٌ'' (''مَیْتَۃٌ'' مرفوع) ہے کیونکہ ان کے نزدیک ''کَانَ'' ناقصہ کی بجائے تامہ ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یَکُنْ مَیْتَۃٌ'' (''مَیْتَۃٌ'' مرفوع) ہے کیونکہ فعل مقدم ہے (اس لیے ''مَیْتَۃٌ'' اس کا فاعل ہے) اور ﴿فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَآءُ﴾ میں ضمیر کا مذکر ہونا اس لیے ہے کہ ''مَیْتَۃٌ'' ہر مردے کا نام ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو] پس گویا کہا گیا کہ اگر وہ مردہ ہوں تو اس میں وہ سب شریک ہوں گے ﴿سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ﴾ حلال و حرام کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بیان پر ان کو سزا دے گا ﴿اِنَّہٗ حَکِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے میں بڑی حکمت والا ہے ﴿عَلِیْمٌ﴾ ان کی بدعقیدگی خوب جاننے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَھُمْ سَفَھًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَھُمُ
اللّٰہُ افْتِرَآءً عَلَی اللّٰہِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع وَھُوَ الَّذِیْٓ ع ۱۶ / ۲
اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُہٗ
وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِھًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ ؕ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

بے شک وہ لوگ تباہ ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت میں آ کر بے علمی سے قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا کیا تھا اس کو انہوں نے حرام قرار دے دیا اللہ پر جھوٹا الزام لگا کر' بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں

تھے○ اور وہی ہے جس نے باغات پیدا فرمائے کچھ چھتوں پر چڑھائی گئیں بیلیں اور کچھ بغیر چڑھائے زمین پر بچھائی گئی بیلیں اور کھجور اور کھیتی جس کے کھانے مختلف ہیں اور زیتوں اور انار آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا' جب وہ پھل دار ہو جائیں تو اس کے پھلوں میں سے تم کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو' اور تم فضول خرچ نہ کرو' بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا○

۱۴۰- ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ﴾ بے شک جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا' وہ تباہ و برباد ہو گئے' دراصل کفارِ عرب جنگ میں قید ہو جانے اور فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قَتَّلُوْا'' (''تا'' مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے کہ وہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ بے شک ان کی اولاد کو رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ نہیں ہیں ﴿وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بحائر اور سوائب وغیرہ کی صورت میں جو انہیں رزق عطا کیا تھا اس کو انہوں نے حرام قرار دے دیا ﴿افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگا کر کہ اس نے ان کو حرام قرار دیا ہے [اور یہ مفعول لہٗ ہے] ﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ بے شک وہ گمراہ ہو چکے اور وہ راہِ حق کی ہدایت پانے والے نہیں تھے۔

## قدرتِ الٰہی کے دلائل کی صورت میں پھلوں اور حلال چوپایوں کا بیان

۱۴۱- ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے انگوروں کے باغات پیدا فرمائے [''اَنْشَاَ'' ''خَلَقَ'' کے معنی میں ہے' ''جَنّٰتٍ'' سے انگوروں کے باغات مراد ہیں] ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ بلند و بالا چھتوں پر چڑھائی گئی بیلیں ﴿وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ اور زمین کی سطح پر چھوڑ دی گئی بیلیں جو چھت پر نہ چڑھائی گئی ہوں' جب انگوروں کی بیلوں کے لیے ستون اور چھت بنائے جائیں تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''عَرَشْتِ الْكَرْمَ'' یعنی انگوروں کی بیلیں چھت پر چڑھ گئیں اور انگور کی شاخیں اس پر جھک گئیں ﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا﴾ اور کھجوریں اور کھیتیاں رنگ' ذائقے اور جسمانی ساخت اور خوشبو میں مختلف ہیں [اور یہ حال مقدرہ ہے] کیونکہ کھجوریں نکلتے وقت نہیں کھائی جاتیں حتیٰ کہ رنگ اور ذائقہ وغیرہ مختلف ہوں اور یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ'' (الزمر:۷۳) ''سو تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ'' ﴿اُكُلُهٗ﴾ اس سے اس کا پھل مراد ہے جو کھایا جاتا ہے [اور اس کی ضمیر ''نخل'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''زرع'' اس کے حکم میں داخل ہے کیونکہ وہ اس پر معطوف ہے یا یہ ضمیر ''نخل'' اور ''زرع'' میں سے ہر ایک کی طرف لوٹتی ہے اور اہل حجاز کی قراءت میں ''اُكْلُهٗ'' (کاف ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا﴾ اور زیتون اور انار رنگ میں باہم ملتے جلتے ﴿وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور ذائقے میں مختلف ہیں ایک دوسرے سے نہیں ملتے ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ﴾ ہر ایک کے پھلوں میں سے کھاؤ ﴿اِذَآ اَثْمَرَ﴾ جب وہ پھل دینے لگے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ کھانے کی اجازت کا پہلا وقت اس وقت ہوگا جب درخت سے پھل نمودار ہو جائے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس کا کھانا تب مباح ہوگا جب پھل پک کر تیار ہو جائے ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ﴾ اور اس کا حق یعنی اس کا دسواں حصہ ادا کرو اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عشر کے عموم کے لیے حجت و دلیل ہے ﴿يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اس کی کٹائی کے دن [قاری ابوعمرو بصری' ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت اسی طرح ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں ''حا'' کے نیچے زیر کے ساتھ ''حِصَادِهٖ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں مباح ہیں] ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور تم اپنے اہل و عیال کو بھوکا رکھ کر تمام مال صدقہ کر کے فضول خرچی نہ کرو [اور ارشاد باری تعالیٰ ''كُلُوْا'' سے لے کر آیت کے آخر

"مُسْرِفِيْنَ" تک جملہ معترضہ ہے]۔ ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾

اور اسی نے مویشیوں میں سے بعض دراز قامت بوجھ اٹھانے والے اور بعض کوتاہ قامت زمین سے لگے ہوئے جانور پیدا کیے' اللہ نے تمہیں جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے تم کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے O اسی نے آٹھ جوڑے پیدا کیے' بھیڑ کی قسم سے دو (نر مادہ) اور بکری کی قسم سے دو' آپ فرمائیے کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جنہیں دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' تم مجھے علم کے ذریعے خبر دو اگر تم سچے ہو O

۱٤۲- ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا﴾ [یہ "جَنّٰتٍ" پر معطوف ہے] یعنی اور اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں سے بعض ایسے جانور پیدا کیے ہیں جو بوجھ اور بھاری سامان اٹھاتے ہیں اور بعض ایسے جانور پیدا کیے ہیں جو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹائے جاتے ہیں اور "فَرْشًا" سے چھوٹے جانور مراد ہیں جیسے اونٹوں کے چھوٹے بچے اور بچھڑے اور بھیڑ بکریاں کیونکہ یہ جانور زمین کے نزدیک ہوتے ہیں جس طرح زمین پر فرش بچھایا جاتا ہے ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ اس میں سے تم کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس رزق کو تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی طرح تم اسے حرام قرار نہ دو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یعنی تم حلال و حرام کرنے میں شیطان کے طریقوں پر نہ چلو جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگ کرتے تھے ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے' سو تم اس کے پیچھے چل کر اپنا دین خراب نہ کرو۔

۱٤۳- ﴿ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے [یہ "حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا" سے بدل ہے] ﴿مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۙ﴾ بھیڑ کی قسم سے دو جوڑے اور بکری کی قسم سے دو جوڑے' بہر حال دو جوڑے سے ایک نر اور ایک مادہ مراد ہیں اور واحد جب اکیلا ہو تو فرد کہلاتا ہے اور جب اس کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک اور مل جائے تو ان میں سے ہر ایک کو زوج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور وہ دونوں زوجان (یعنی دو جوڑے) کہلاتے ہیں جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى" (النجم:۴۵) "اللہ تعالیٰ نے دو جوڑے ایک نر اور ایک مادہ پیدا فرمائے" اور اس کی دوسری دلیل یہ ارشاد ہے: "ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ" پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ بھیڑ کی قسم سے دو جوڑے اور بکری کی قسم سے دو جوڑے اور اونٹ کی قسم سے دو جوڑے اور گائے کی قسم سے دو جوڑے [اور "ضَأْن" "ضَائِن"

کی اور ''مَعْز''، ''ماعز'' کی جمع ہے جیسے ''تَجْر''، ''تاجر'' کی جمع ہے اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''مَعَز'' میں عین پر زبر یعنی ''مَعَز'' ہے اور یہ دو لغتیں ہیں اور ﴿ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ میں ہمزہ انکار کا ہے ] (آیت کا ترجمہ) اے محبوب! آپ فرمایئے: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جن کو دو مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' اور ''ذَكَرَيْنِ'' ایک بھیڑ کا نر (مینڈھا) اور ایک بکری کا نر (بکرا) مراد ہیں اور ''اُنْثَيَيْنِ'' سے ایک بھیڑ کا مادہ اور ایک بکری کا مادہ مراد ہیں اور ہمزہ سوالیہ سے جو انکار کا معنی بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھیڑ اور بکری کی دونوں قسموں میں سے نہ تو ان کے دونوں نر حرام کیے ہیں اور نہ ان کے دونوں مادہ حرام کیے ہیں اور نہ انہیں حرام کیا ہے جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں اٹھائے ہوئے ہیں۔

دراصل عرب کے کفار کبھی صرف نر جانوروں کو حرام قرار دے دیتے تھے اور کبھی صرف مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیتے تھے اور کبھی نر و مادہ سے پیدا ہونے والے بچوں کو حرام قرار دے دیتے تھے خواہ نر ہوتے یا مادہ ہوتے یا نر و مادہ دونوں کو ملا کر حرام قرار دے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان کی اس بہتان تراشی کا انکار کر دیا ہے [ اور ''اَلذَّكَرَيْنِ''، ''حَرَّمَ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح ''اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ'' ہے یعنی اصل میں ''اَمْ حَرَّمَ الْاُنْثَيَيْنِ'' اور اسی طرح ''اَمَّا اشْتَمَلَتْ'' میں ہے ] ﴿ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ ﴾ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علمی دلیل کے ساتھ بتاؤ کہ جو کچھ تم نے حرام قرار دیا ہے وہ اس کی حرمت پر دلالت کرے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ان تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

| |
|---|
| وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ |
| الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ |
| اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ |
| النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ۱۴ ع ۴ |

اور اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو' آپ فرمایئے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا' سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

۱٤٤- ﴿ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ﴾ اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو (نر و مادہ) پیدا کیے اور گائے کی قسم سے دو (نر و مادہ) پیدا کیے ﴿ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ اے محبوب! فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دونوں نر حرام کیے یا ان میں سے دونوں مادہ حرام کیے یا انہیں حرام کیا جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں اٹھائے ہوئے ہیں ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ ﴾ [ اس میں ''اَمْ'' منقطعہ ہے ] یعنی بلکہ کیا تم اس وقت حاضر تھے؟ ﴿ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا یعنی کیا تم اس وقت اپنے رب کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمہیں ان جانوروں کو حرام قرار دینے کا حکم دیا تھا اور جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں

لاتے تھے اور وہ خود ہی کہہ دیتے تھے کہ ہم جنہیں حرام قرار دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا مذاق اڑایا اور فرمایا کہ ''اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ'' اس کا معنی یہ ہے: کیا تم نے براہِ راست (نبی کے توسّل کے بغیر) خود مشاہدہ و معائنہ کر کے اس حکم کو جان لیا ہے؟ کیونکہ تم تو رسولوں پر ایمان نہیں رکھتے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور جو جانور حرام نہیں ان کو حرام قرار دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ﴿لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ تا کہ وہ لوگوں کو اپنی بے علمی اور جہالت سے گمراہ کر دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے علم میں آ چکے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہی ہوگا [اور معدود اور اس کے بعض کے درمیان جملہ معترضہ فاصل ہو گیا ہے لیکن وہ معدود سے اجنبی نہیں] اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا کہ ان کے منافع و فوائد کی خاطر جانوروں کو پیدا فرما کر ان کو اپنے بندوں کے لیے مباح و جائز قرار دے دیا [پس جملہ معترضہ کو ان جانوروں کو حرام قرار دینے والوں پر حجت و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تا کہ یہ جملہ حلال قرار دینے کی تاکید ہو جائے اور کلام میں ہمیشہ جتنے معترضہ جملے ہوتے ہیں وہ سب تاکید کے لیے بیان کیے جاتے ہیں]۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾

اے محبوب! فرما دیجئے کہ میری طرف جو کچھ وحی کی جاتی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر کھانا حرام نہیں پاتا ماسوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو یہ تو بلاشبہ نجاست ہے یا نافرمانی کا جانور ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ آپ خواہش کرے اور نہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا' اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی ماسوا اس چربی کے جو ان دونوں کی پیٹھوں پر لگی ہو یا ان کی آنتوں پر یا جو ان کی ہڈی پر لگی ہو' یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی ہے' اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O

## محرمات وممنوعات کا بیان

١٤٥- ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ اے محبوب! آپ فرمائیے کہ میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں میں نہیں پاتا یعنی اس وقت میں یا قرآن مجید کی وحی میں کیونکہ سنت کی وحی نے اس آیت مبارکہ میں مذکورہ محرمات کے علاوہ بھی

کئی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے یا یہ کہ مویشیوں میں سے کیونکہ یہ آیت مبارکہ بحیرہ' سائبہ وغیرہ قسم کے جانوروں کو حرام قرار دینے کی تردید کے لیے نازل کی گئی ہے لیکن پتھر اور ڈنڈے سے اور بلندی سے نیچے گر کر اور دوسرے جانور کے سینگ وغیرہ لگنے سے مارے جانے والے جانور ''مَيْتَةً'' یعنی مردار میں شامل ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی چیز کو حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی شریعت سے ثابت کیا جا سکتا ہے خواہش نفس سے نہیں (جیسا کہ بے ادب لوگ بغیر کسی تفریق کے امور مستحبہ وغیر مستحبہ تمام کو حرام قرار دے دیتے ہیں) ﴿مُحَرَّمًا﴾ ایسا جانور جس کا کھانا حرام قرار دے دیا گیا ہو ﴿عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ﴾ کھانے والے پر کہ وہ اس کو کھائے ﴿اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ مگر یہ کہ حرام کردہ شے مردار ہو [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں ''اَنْ تَكُوْنَ'' ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مَيْتَةٌ'' ہے (آخر میں دو زبر کی بجائے دو پیش ہیں)] ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ یا بہتا خون یعنی جب اسے گرایا جائے تو بہنے لگ جائے' لہٰذا وہ خون حرام نہیں جو گوشت اور جگر اور تلی میں ہوتا ہے ﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجاست ہے ﴿اَوْ فِسْقًا﴾ نافرمانی کا جانور [اور یہ پہلے منصوب پر معطوف ہے اور یہ ارشاد ''فَاِنَّهٗ رِجْسٌ'' معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ یعنی ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ فسق و نافرمانی کا جانور ہے اور اس کو فسق کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ فسق کے باب میں یہ عمل انتہائی غلو اور زیادتی ہے [اور یہ جملہ ''فِسْقًا'' کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ سو جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے کے لیے انتہائی مجبور ہو جائے (کسی اور چیز کے نہ ملنے کی بنا پر جان بچانے کے لیے) اس کا کھانا ضروری ہو جائے ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ مجبوری کی مقدار سے زائد کی خواہش نہ کرے اور نہ لذت حاصل کرنے کے لیے کھائے ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور وہ کھانے کی حاجت و ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو ﴿فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' وہ اس پر گرفت نہیں کرے گا۔

١٤٦- ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ اور ہم نے یہودیوں پر ناخن والا جانور حرام کر دیا یعنی وہ تمام جانور یا پرندے جن کی انگلیاں ہوں (خواہ وہ انگلیاں درمیان سے پھٹی اور کشادہ ہوں جیسے کتے' بلے اور دیگر درندے یا پھٹی ہوئی نہ ہوں بلکہ کھر کی صورت میں ہوں جیسے) اونٹ اور بطخ اور شتر مرغ جو اس میں داخل ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ﴾ اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی یعنی ہم نے ہر ناخن والے جانور کا گوشت اور اس کی چربی اور اس کی ہر چیز ان پر حرام کر دی لیکن گائے اور بکری کی قسم کے جانور کی صرف چربی حرام قرار دے دی ہے ماسوا اس چربی کے جو اوجھڑی اور آنتوں اور گردے پر لگی ہو ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ﴾ مگر جو چربی کھال کے اندرونی حصے میں سے پیٹھوں اور کروٹوں کے ساتھ لگی ہو ﴿اَوِ الْحَوَايَاۤ﴾ یا جو چربی آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو [اور اس کا واحد ''حَاوِيًا'' یا ''حَوِيَّةٌ'' ہے] ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا جو چربی ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو اور وہ دنبہ کی چکی یا ہڈی کا گودا اور بھیجا وغیرہ مراد ہے ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ [اس میں ''ذَالِكَ''، ''جَزَيْنَاهُمْ'' کا دوسرا مفعول ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''جَزَيْنَاهُمْ ذَالِكَ بِبَغْيِهِمْ'' ہم نے ان کو یہ سزا ان کے ظلم کی وجہ سے دی ہے ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کی ہر بات کی خبر دینے میں ضرور سچے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کا کما حقہٗ شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں جس نے حلال کو حرام قرار دینے کی بنا پر یہودیوں کو سزا دی اور ہمارے بزرگوں کو حرام کو حلال قرار دینے کے جرم پر معاف فرما دیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ'' (البقرہ:١٨٧)'' اور اللہ تعالیٰ نے (ماہِ رمضان کی راتوں میں حرمت کے باوجود

اپنی بیویوں سے صحبت و مباشرت کرنے کے جرم پر) تمہیں معاف فرما دیا' سو اب تم ان سے مباشرت کرتے رہو"۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا
وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا
بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب جرم کرنے والی قوم سے نہیں ٹالا جا سکتا○ عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے عذاب چکھا' آپ فرمائیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے) تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو' تم صرف گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف تخمینوں سے باتیں کرتے ہو○ آپ فرما دیجئے کہ مضبوط و مکمل دلیل صرف اللہ کے پاس ہے' سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دیتا○

---

١٤٧- ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ پھر اگر وہ لوگ آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو جھٹلا دیں تو آپ ان سے فرما دیں کہ تمہارا رب مہربان' بڑی وسعت والا ہے' اسی وجہ سے وہ جھٹلانے والوں کو مہلت دے دیتا ہے اور ان کو جلد از جلد سزا نہیں دیتا ﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کی رحمت کی وسعت کے باوجود مجرم قوم پر آ جائے گا تو اس کو ٹالا نہیں جا سکے گا' لہٰذا کوئی شخص اس کی رحمت کی وسعت کی وجہ سے اس کے عذاب کے خوف سے دھوکے میں نہ رہے۔

١٤٨- ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ انہوں نے مستقبل قریب میں جو کچھ کہنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے آیت مبارکہ میں آگاہ کر دیا کہ مشرکین عنقریب کہیں گے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا' سو یہ ہمارا عذر ہے' ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کا شرک کرنا اور ان کے باپ دادوں کا شرک کرنا اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے لیے حلال فرمایا تھا اس کو ان لوگوں کا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادہ سے ہوا اور اگر اس کی مشیّت نہ ہوتی تو ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یعنی مکہ کے مشرکوں نے جس طرح آپ کو جھٹلایا ہے اسی طرح ان سے پہلے متقدمین نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا اور انہوں نے بھی اسی طرح رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان کو اس عذر نے کوئی نفع نہ دیا کیونکہ انہوں نے اپنے اعتقاد کی بنا پر یہ نہیں کہا تھا بلکہ انہوں نے یہ بات محض مذاق اڑانے کی خاطر کہی تھی اور اس لیے انہوں نے

نے اللہ تعالیٰ کی مشیّت کو اپنے لیے حجت بنا لیا کہ وہ اس کی وجہ سے معذور ہیں حالانکہ یہ مردود ہے مشیّت کا اقرار نہیں یا مشیت کا معنی یہاں رضا ہے جیسا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے باپ دادوں کے شرک سے راضی ہے اور شرک مقصود و مراد ہے لیکن یہ تو ناپسندیدہ ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ''پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ ان کی ہدایت چاہتا تو وہ سب ایمان لے آتے لیکن اس نے سب کا ایمان نہیں چاہا بلکہ بعض سے ایمان چاہا اور بعض سے کفر' لہٰذا تعارض کو دور کرنے کے لیے یہاں مشیّت کو اس معنی پر محمول کرنا واجب ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے ﴿حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کر دیا ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی علمی دلیل ہے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس پر اس دلیل کو بطور حجت پیش کرنا صحیح ہو (اگر ہے) تو تم اس کو ہمارے سامنے پیش کر کے ظاہر کر دو ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ تم پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو۔

۱٤۹- ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مضبوط و مستحکم حجت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اس نے اپنے اوامر و نواہی کے ذریعے تم پر قائم کی ہے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر اس کی مشیت کے متعلق کوئی حجت نہیں ہے ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا اور اس آیت مبارکہ سے معتزلہ کا نظریہ باطل ہو گیا۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۸

آپ فرما دیجئے کہ تم اپنے گواہ پیش کرو جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے اس کو حرام کیا ہے' پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دو' اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ (بتوں کو) برابر قرار دیتے ہیں○

۱۵۰- ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ اور ان کو میرے سامنے پیش کرو [اور اہل حجاز کے نزدیک اس کلمہ (هَلُمَّ) میں واحد' تثنیہ' جمع اور مذکر و مؤنث برابر استعمال ہوتے ہیں اور بنو تمیم اس کو مؤنث اور جمع لاتے ہیں] ﴿الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ یعنی جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دے دیا ہے جس کو انہوں نے اپنے گمان میں حرام سمجھا ہوا ہے ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ پھر اگر وہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور انہوں نے جو گواہی دی ہے آپ اس کو نہ قبول کریں اور نہ اس کی تصدیق کریں کیونکہ جب آپ ان کی بات قبول کر لیں گے تو گویا آپ نے ان کے ساتھ مل کر ان کی گواہی کی طرح گواہی دے دی' سو آپ بھی انہیں میں سے ایک گواہی دینے والے ہو جائیں گے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا [اور اس آیت مبارکہ میں اسم ضمیر کی بجائے

اسم ظاہر بیان کیا گیا ہے] تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ خواہشات کا پیروکار ہے کیونکہ اگر وہ دلیل کی پیروی کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ضرور تصدیق کرتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے موحد بن جاتا ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور نہ ان لوگوں کی پیروی کیجئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ مشرکین ہیں ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ بتوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱

اے محبوب! فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور تم اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو، تمہیں اور ان کو رزق ہم ہی دیتے ہیں، اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے تم اس کو ناحق قتل نہ کرو، اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تا کہ تم سمجھو O

۱۵۱- ﴿قُلْ﴾ اے محبوب! آپ ان لوگوں کے لیے فرما دیں جنہوں نے کھیتیوں اور مویشیوں کو حرام قرار دے دیا ہے ﴿تَعَالَوْا﴾ تم ادھر (میرے پاس) آؤ۔ [یہ کلمہ خاص سے عام ہو گیا ہے] اور اصل میں یہ لفظ اونچے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کے لیے کہا جاتا ہے، پھر اس کا استعمال کثرت سے ہونے لگا یہاں تک کہ ہر طرح بلانے کے لیے عام ہو گیا ﴿اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ میں تمہیں وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام قرار دیا ہے [''عَلَيْكُمْ'' ''حَرَّمَ'' کا صلہ ہے] ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ [(''اَلَّا'' اصل میں ''اَنْ لَا'' ہے) اس میں حرف ''اَنْ'' تلاوت کے فعل کی تفسیر کرنے کے لیے ہے اور حرف ''لَا'' نہی کا ہے] ﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور جب والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا واجب و لازم ہے تو نیک سلوک کو ترک کرنا اور نیک سلوک نہ کرنا حرام ہوا اس لیے اس کو محرّمات میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح اس کے بعد آنے والے اوامر و احکام کا حکم ہے ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ اور تم اپنی اولاد کو فقر و فاقہ اور غربت کی وجہ سے اور غربت کے خوف سے قتل نہ کرو جیسا کہ ارشاد ہے: ''خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ'' (الاسراء:۳۱) ''یعنی غربت کے خوف سے'' ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور ان کو بھی کیونکہ غلام کا رزق آقا کے ذمہ ہوتا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ اور تم بے حیائی کے کاموں کے نزدیک نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں جو تمہارے اور مخلوق کے درمیان ہوں ﴿وَمَا بَطَنَ﴾ اور خواہ وہ پوشیدہ ہوں جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوں [اور ''مَا ظَهَرَ'' ''اَلْفَوَاحِشَ'' سے بدل ہے] ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور تم کسی شخص کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے مگر حق کے ساتھ جیسے قصاص کے طور پر قتل کرنا اور مرتد ہو جانے پر قتل کرنا اور سنگسار کر کے قتل کر دینا ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ یعنی

مذکورہ بالا جن مسائل کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان کی حفاظت کا تمہارے رب نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مسائل کی عظمت کو سمجھ سکو۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے' اور تم انصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کیا کرو' اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتے' اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو' اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو' اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تا کہ نصیحت قبول کرو○ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی کی پیروی کرو' اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے' اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ○

۱۵۲- ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور تم یتیم بچوں کے مال کے نزدیک نہ جاؤ' مگر ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو اور وہ یہ ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کی جائے اور اس کو مزید بڑھانے کی منصوبہ بندی کی جائے ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے' ''اَشُدَّہٗ'' کا مطلب ہے کہ یتیم بچہ اپنی جوانی کی حد کو پہنچ جائے (یعنی بالغ و جوان ہو جائے) تو اس کا مال اسے واپس دے دو [اور اس کا واحد ''شَدٌّ'' ہے جیسے ''فَلْسٌ'' کی جمع ''اَفْلُسٌ'' ہے] ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ اور تم ناپ تول کو عدل و انصاف کے ساتھ پورا اور برابر کیا کرو ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ہم کسی شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتے مگر جس قدر وہ اس کی طاقت رکھتا ہے اور وہ اس کے ادا کرنے سے عاجز نہیں ہوتا اور بے شک ناپ تول کو پورا کرنے کے حکم کے بعد اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ حدود و احکام کی انصاف کے ساتھ رعایت کرنا یہ ہے کہ ان میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی ہو جس سے ان میں حرج واقع ہو' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی وسعت و ہمت اور قدرت و طاقت کی حد تک احکام کی ادائیگی کی ذمہ داری واجب کی ہے اور اس کے ماسوا جو کچھ ہو جائے گا اس سے درگزر کرتے ہوئے معاف کیا جائے گا ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اور سچ بولو ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اور اگر چہ جس کے حق میں یا جس کے خلاف گواہی وغیرہ میں بات کہی جائے وہ کہنے والے کا رشتہ دار ہی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ'' (النساء:۱۳۵) ''اور وہ گواہی اگر چہ خود تمہارے یا والدین کے اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو'' ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو یعنی میثاق کے دن اقرارِ ربوبیّت کا عہد اور امر و نہی اور وعدہ و وعید کا عہد اور نذر و منت اور قسموں کا عہد پورا کرو ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ یعنی جو کچھ اوپر گزر چکا ہے اس پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا تمہیں اس لیے حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو[حمزہ اور علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ایک "تا" اور ذال کی تخفیف کے ساتھ "تَذَكَّرُوْنَ" ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں تشدید کے ساتھ "تَذَّكَّرُوْنَ" ہے اور اس کی اصل "تَتَذَكَّرُوْنَ" ہے' پھر دوسری "تا" کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے]۔

۱۵۳- ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ اور اس لیے کہ بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے [لہٰذا یہ لام مقدر کے ساتھ (اصل میں "لِاَنَّ" ہے) پیروی کرنے والوں کے لیے علت وسبب ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (وَاَنْ) ہے اور اس کی اصل (وَاَنَّهٗ) ہے اس بنا پر کہ اس میں "ھا" ضمیر شان وحدیث کی ہے' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ابتدا کی بنا پر (وَاِنَّ) ہے اور "مُسْتَقِیْمًا" حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ سوتم صرف اسی کی پیروی کرو اور دین کے معاملے میں تم یہودیت' نصرانیت' مجوسیت اور دیگر بدعت و گمراہی کے مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے سے جدا کر دیں گے اور تمہیں ہلاکت کی قید میں ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ دینِ اسلام ہے اور حدیث شریف بیان کی گئی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی' پھر فرمایا: یہ رشد وہدایت کا راستہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے' پھر آپ نے اس کے ہر دو جانب چھ ٹیڑھی لکیریں کھینچیں' پھر فرمایا: یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان اپنی طرف بلا رہا ہے' سوتم ان سے بچو اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی' [1] پھر ان بارہ لکیروں میں سے ہر ایک کی چھ لکیریں ہو گئیں تو اس طرح کل ۷۲ بہتر لکیریں ہو گئیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ تمام محکمات ہیں' تمام کتابوں میں سے کسی نے ان کو منسوخ نہیں کیا اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک یہ آیات تورات شریف میں سب سے پہلے تھیں ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کرنے کا تمہیں تاکیدی حکم فرمایا ہے تا کہ تم تقویٰ حاصل کرنے کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پہلے "تَعْقِلُوْنَ" ذکر فرمایا' پھر "تَذَكَّرُوْنَ" پھر "تَتَّقُوْنَ" ذکر فرمایا کیونکہ پہلے وہ سمجھیں گے تو غور وفکر کریں گے' پھر نصیحت حاصل کریں گے' پھر محارم (حرام چیزوں) سے بچیں گے۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ع ۱۹
فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى
طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو اس بندے کی فضیلت وکرامت کی تکمیل کے لیے کتاب عطا فرمائی جو نیکی کرنے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تا کہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں O اور یہ برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے' سوتم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O یہ کہ تم کہہ دو کہ بے شک ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی' اور ہم اس کے پڑھنے سے بے خبر تھے O

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۴۳۵-۴۶۵' والدارمی ج ۱ ص ۶۷-۶۸' والحاکم ج ۲ ص ۳۱۸' وابن حبان ص ۷' ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۲

۱۵۴-﴿ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ یعنی پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی [یا یہ ''قُلْ'' پر معطوف ہے] یعنی پھر فرما دیجئے کہ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی [یا یہ کہ ''ثُمَّ'' جملہ کے ساتھ واؤ کے معنی میں آتا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ'' (یونس:۴۶) ''اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں پر گواہ ہے'' ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ ﴾ اس پر انعام مکمل کرنے کے لیے جو نیکوکار ہے' اس سے تمام نیکی کرنے والے حضرات مراد ہیں جس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے (عَلَى الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا) ان لوگوں پر انعام مکمل کرنے کے لیے جنہوں نے نیکیاں کیں یا اس سے مراد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی اس خاص بندے پر انعام واکرام مکمل کرنے کے لیے جس نے تمام احکام کی تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وحکم برداری کا بہترین مظاہرہ کیا ﴿ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ﴾ اور لوگوں کو اپنے دین کے معاملے میں جن مسائل واحکام کی ضرورت ہوتی ہے ان تمام کا مفصل بیان اس کتاب میں کر دیا گیا ہے ﴿ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ﴾ اور (یہ کتاب) سراسر ہدایت ورحمت تھی ﴿ لَّعَلَّهُمْ ﴾ شاید وہ یعنی بنی اسرائیل ﴿ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

## نزولِ قرآن کی حکمت' فرقہ بندی کا تذکرہ' نیکی کا دس گنا ثواب

۱۵۵-﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ اور یہ یعنی قرآن مجید بڑی بابرکت کتاب ہے جس میں بے شمار خوبیاں ہیں اس کو ہم نے نازل کیا ہے ﴿ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا ﴾ سو تم اس کی پیروی کرو اور اس کی مخالفت سے بچو ﴿ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۱۵۶-﴿ اَنْ تَقُوْلُوْۤا ﴾ یہ کہ تم نفرت سے کہو یا یہ معنی ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ﴿ اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ﴾ بے شک ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی یعنی اہل تورات (بنی اسرائیل) اور اہل انجیل (عیسائی) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجوس (آتش پرست) اہل کتاب نہیں تھے ﴿ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴾ اور بے شک ہم ان کی کتابوں کی تلاوت سے بے خبر تھے اور ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا [اور ''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن کے ساتھ) ہے اور اس کے درمیان اور ''اِنْ'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے خبر پر لام داخل کی گئی ہے اور اصل میں ''اِنَّهٗ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ غَافِلِيْنَ'' ہے اس بنا پر کہ ''ھا'' ضمیر شان ہے] اور خطاب اہل مکہ کو ہے اور مقصد یہ ہے کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید نازل کر کے اہل مکہ پر حجت ودلیل ثابت کی جائے تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ بے شک تورات اور انجیل ہم سے پہلے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھیں اور ہم ان کتابوں کی تعلیمات سے بے خبر تھے۔

| |
|---|
| اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ |
| بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ |
| وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ |
| بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ |

یا تم یہ کہہ دو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت حاصل کر لیتے' سو تمہارے پاس تمہارے

رب کی طرف سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آ چکی' تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیر لیا' عنقریب ہم ان لوگوں کو بدترین عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روگردانی کرتے تھے○

۱۵۷- ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا﴾ یا یہ کہ تم ناگواری سے کہو کہ ﴿لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ اگر بے شک ہم پر بھی کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے کیونکہ ہمارے ذہن ان سے تیز ہیں' ہماری فہم و فراست زیادہ روشن ترین ہے اور ایام عرب کے لیے ہمارے حافظے زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ تو بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن ترین دلیل (قرآن) اور ہدایت اور رحمت آ چکی ہے اگر تم اس (ذہنی برتری) میں سچے ہو جس کو تم اپنے متعلق شمار کرتے ہو تو بے شک تمہارے پاس ایسی کتاب آ چکی ہے جس میں واضح اور روشن بیان ہے اور مضبوط و مستحکم براہین و دلائل موجود ہیں [سو یہاں شرط محذوف ہے اور یہ بہترین محذوفات میں سے ہے] ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی صحت و صداقت کو جاننے اور پہچاننے کے بعد ان کو جھٹلا دیا اور ان سے منہ موڑ لیا اور ''صَـدَفَ'' ''اَعْـرَضَ'' کے معنی میں ہے یعنی اس نے منہ پھیر لیا ﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ ہم عنقریب ان لوگوں کو بدترین عذاب دیں گے جو ہماری آیتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ عذاب انتہائی تکلیف دہ اور بہت سخت دکھ پہنچانے والا ہوگا ﴿بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آیات الٰہی سے منہ پھیر لیتے تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں مگر یہی کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا عذاب آ جائے یا آپ کے رب کی کچھ نشانیاں آئیں' جس دن آپ کے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو کسی جان کو ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لائی تھی یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں کمائی تھی' آپ فرما دیں کہ تم انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں○ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں' بے شک ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے' پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے○

۱۵۸- ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ یعنی جب ہم نے توحید اور رسالت کے ثبوت پر واضح دلائل قائم کر دیئے ہیں اور ہم نے ان کے گمراہ اعتقادات کو باطل کر دیا ہے تو اس کے بعد گمراہی کو چھوڑنے میں کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یعنی ان کی ارواح کو قبض کرنے کے لیے موت کے فرشتے آ جائیں [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یَاْتِیَهُمْ'' ہے] ﴿ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ﴾ یا آپ کا رب آئے یعنی آپ کے رب کا حکم آ جائے اور وہ عذاب ہے یا پھر قیامت مراد ہے اور یہ اس لیے کہ رب تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے اور اس کے حکم کا آنا شریعت سے ثابت ہے اور محکم ہے' للہٰذا اس کی طرف لوٹایا جائے گا ﴿ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ﴾ یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں یعنی قیامت کی نشانیاں جیسے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور اس کے علاوہ (جیسے یاجوج و ماجوج کا نکلنا' دھوئیں کا ظاہر ہونا' دجال کا آنا' دابۃ الارض کا نکلنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرمانا وغیرہ) ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی جان کو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا کیونکہ وہ ایمان اختیاری نہیں اضطراری ہوگا بلکہ وہ عذاب کو دفع کرنے اور اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ایمان لانا ہوگا ﴿ لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ﴾ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لائی [یہ جملہ ''نَفْسًا'' کی صفت ہے] ﴿ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہیں کمائی یعنی اخلاص۔ جس طرح مغرب سے سورج نکلنے کے بعد کافر کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح اس وقت منافق کا اخلاص اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی' مطلب یہ ہے کہ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا اب اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور جس نے اس سے پہلے توبہ نہیں کی اب اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی ﴿ قُلِ انْتَظِرُوْٓا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم مذکورہ بالا تینوں نشانیوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرو ﴿ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴾ بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ اس ایک نشانی کا انتظار کرنے والے ہیں۔

۱۵۹- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ ﴾ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے تھے جو سب کے سب دوزخ میں ہوں گے' سوائے ایک فرقہ کے اور وہی نجات پائے گا اور نصرانیوں کے بہتر فرقے ہو گئے تھے وہ سب کے سب دوزخی ہو گئے ماسوا ایک فرقہ کے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے وہ بھی سب کے سب دوزخی ہوں گے ماسوا ایک فرقہ کے اور وہ سب سے بڑی جماعت ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جماعت اس راہ پر گامزن رہے گی جس راہ پر میں اور میرے صحابہ چلتے رہے[1] اور بعض مفسرین نے فرمایا: انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) اپنے دین کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے کہ وہ اپنی کتاب کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا [اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''فَارَقُوْا دِيْنَهُمْ'' ہے] یعنی انہوں نے اپنا اصل دین چھوڑ دیا ﴿ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ نے اپنا ایک الگ امام بنا لیا ﴿ لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ﴾ آپ کا ان میں سے کسی کے ساتھ کچھ تعلق نہیں یعنی نہ تو ان سے متعلق آپ سے سوال کیا جائے گا اور نہ ان کے فرقوں کے بارے میں آپ سے پوچھا جائے گا اور نہ ہی ان کے انجام کے بارے میں آپ سے باز پرس ہوگی ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ بے شک ان کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ لوگ کرتے رہے تھے اور وہ ان کو اس پر سزا دے گا۔

---

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب السنۃ باب ا' الترمذی فی کتاب الایمان باب ۱۸' ابن ماجہ فی کتاب الفتن باب ۱۷' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۳۱' ج ۳ ص ۱۴۵

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس ہوں گی' اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گاO آپ فرما دیں کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی ہے' مستحکم دین' ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے الگ ہے' اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھےO آپ فرما دیں: بے شک میری نماز اور میری دیگر تمام عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہےO اس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوںO

۱٦٠۔﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی کیونکہ اصل عبارت یہ ہے: ''عَشْرُ حَسَنَاتٍ اَمْثَالِهَا'' [مگر جنسِ ممیّزہ کی صفت کو موصوف کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور جو شخص ایک برائی لائے گا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی مگر اس برائی کے برابر اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ثواب میں کمی کر کے اور سزا میں اضافہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

## قریش مکہ کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات اور خلافت کا تذکرہ

۱٦۱۔﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی ہے [قاری ابوعمرو اور نافع مدنی کی قراءت میں ''رَبِّیَ'' (''یَا'' پر سکون کی بجائے زبر) ہے] ﴿دِیْنًا﴾ [''صراط مستقیم'' کے محل سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ اصل میں ''هَدٰىنِیْ رَبِّیْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' ہے] جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' (الفتح: ۲۰) ''اور وہ تمہیں سیدھی راہ دکھا دے'' ﴿قِیَمًا﴾ [فَیعل کے وزن پر ہے اور ''قَامَ'' سے ماخوذ ہے جس طرح ''سَیِّد''، ''سَادَ'' سے ماخوذ ہے اور یہ قائم سے زیادہ بلیغ ہے اور کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قِیَمًا'' (یعنی قاف کے نیچے زیر اور ''یا'' کے اوپر بغیر شد کے زبر) ہے اور یہ مصدر ہے قیام کے معنی میں ہے اور ''دِیْنًا'' کی صفت ہے] ﴿مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ﴾ [''دِیْنًا'' کا عطف بیان ہے] ﴿حَنِیْفًا﴾ [ابراہیم سے حال ہے] ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور اے قریش کی جماعت! حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں تھے (بلکہ وہ توحید پرست تھے)۔

۱٦۲۔﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ﴾ اے محبوب فرما دیں کہ بے شک میری نماز اور میری عبادت [یعنی ''نُسُكِیْ'' کا

معنی ''عَابِدِیْ'' ہے اور ''ناسك'' کا معنی عابد ہے یا میری قربانی یا میرا حج (مراد ہے)] ﴿ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ ﴾ اور میری زندگی اور میری موت اور جو کچھ مجھے میری زندگی میں عنایت کیا گیا اور جس پر میری موت واقع ہوگی یعنی ایمان اور اطاعات و اعمالِ نیک ﴿ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے خالص اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت ''مَحْيَايْ'' میں ''یا'' ساکن ہے اور ''مَمَاتِيَ'' میں ''یا'' پر فتح یعنی زبر ہے اور اس کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک اس کا برعکس ہے]۔

١٦٣- ﴿ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ﴾ اس میں سے کسی چیز میں اس کا کوئی شریک نہیں ﴿ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ ﴾ اور مجھے اسی اخلاص کا حکم دیا گیا ہے ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں کیونکہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم اور پہلے ہوتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ
اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۡۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾ ع

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے' اور کوئی شخص نہیں کماتا مگر اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی' پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند فرمایا تا کہ اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے' بے شک آپ کا رب بہت جلد حساب لینے والا ہے' اور بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

١٦٤- ﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور رب چاہوں گا (ہرگز نہیں) یہ کفار کی دعوت کا جواب ہے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے معبودوں کی عبادت کرنے کی دی تھی [اور اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے] یعنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو رب بنانے کا منکر ہوں [اور مفعول کو مقدم لانے میں یہ آگاہ کرنا ہے کہ بے شک یہی سب سے زیادہ اہم ہے] ﴿ وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز اس کی پروردہ ہے اور موجودات میں اس کے علاوہ کسی کے لیے ربوبیّت ثابت نہیں ہے ﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ﴾ اور کوئی جان نہیں کمائے گی مگر اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے کہ ''اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ'' (العنکبوت:١٢) ''کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور تمہارے گناہ ہم اٹھا لیں گے'' ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے گناہ کے سبب گناہ میں گرفتار نہیں کی جائے گی ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ پھر تم

نے اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے تو وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے یعنی ان ادیان کے بارے میں جن کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

١٦٥- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ اور وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین بنایا کیونکہ حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں میں آخری امت ہے یا اس لیے کہ لوگ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور جانے والوں کے بعد آنے والے ان کے جانشین بن جاتے ہیں یا یہ کہ بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں کہ اس کی بخشش سے اس کی زمین کے مالک بن جاتے ہیں اور اس میں اپنے اختیارات وتصرفات استعمال کرتے ہیں ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اور اسی نے تم میں سے بعض کو عزت وشرافت' مال ودولت اور رزق وغیرہ میں دوسرے بعض پر بلندی وترقی نصیب فرمائی ﴿دَرَجٰتٍ﴾ درجوں میں [یہ ''رَفَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے یا اصل میں ''اِلٰی دَرَجَاتٍ'' ہے یا یہ مصدر کی جگہ پر واقع ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ترقی پر ترقی نصیب فرمائی ﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال ودولت اور شان وشوکت کی جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں تمہیں آزمائے کہ تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کرتے ہو اور تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ معزز کمتر کے ساتھ اور مال دار غریب کے ساتھ اور مالک اپنے ماتحت کے ساتھ کس طرح برتاؤ اور رویہ اختیار کرتا ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ بے شک آپ کا رب ہر اس شخص کو جلد سزا دینے والا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر ناشکری کا مظاہرہ کیا ﴿وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک وہ ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا' بے انتہا رحم فرمانے والا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں سزا کو جلدی کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ وہ بہت جلد آنے والی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ'' (النحل:٧٧) ''اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر پلک جھپکنے کی طرح بلکہ اس سے بھی قریب'' حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص روزانہ صبح کے وقت سورۃ الانعام کی شروع کی تین آیات تلاوت کیا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو اس کی حفاظت کریں گے اور قیامت تک اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب لکھا جاتا رہے گا[1]

| | | |
|---|---|---|
| سورة الاعراف مكية | بسم الله الرحمن الرحيم ○ | آياتها ٢٠٦ ركوعاتها ٢٤ |

سورۃ الاعراف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی ایک دو سو چھ آیات' چوبیس رکوع ہیں

اَلٰمّٓصٓ ﴿١﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿٤﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ

[1] رواہ ابن الضریس فی فضائل القرآن رقم الحدیث:٢٠٠' وانظر الدر المنثور ج٣ ص٢٤٦ وفتح القدیر ج٢ ص١١٩

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

المص ○ یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی' سو آپ کے سینہ میں اس سے کوئی تنگی نہ ہوتا کہ آپ اس کے ذریعے (لوگوں کو) ڈرائیں اور مؤمنوں کو نصیحت کریں ○ (اے لوگو!) تم صرف اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ○ اور بہت سی بستیاں ہم نے برباد کر دیں' سو ہمارا عذاب ان پر رات کو آیا یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے ○ جب ان پر ہمارا عذاب آ گیا تو ان کی پکار اور کچھ نہیں تھی مگر صرف یہ کہ بے شک ہم ظالم تھے ○ تو بے شک ہم ان سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور بے شک ہم رسولوں سے ضرور پوچھیں گے ○ پھر ہم اپنے علم سے ان پر بیان کر دیں گے اور ہم غائب نہیں تھے ○

## نزولِ قرآن کی حکمت' قوموں کی ہلاکت کا سبب اور میزان کا قائم ہونا

۱- ﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ علامہ زجاج نے فرمایا کہ ان حروف کی تفسیر میں بہترین و پسندیدہ قول وہی ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاُفَصِّلُ'' میں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوں اور میں تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

۲- ﴿ كِتٰبٌ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ كِتَابٌ'' ہے] یعنی یہ کتاب ﴿ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ آپ پر نازل کی گئی ہے اور کتاب سے مراد سورت ہے ﴿ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ تو اس کے بارے میں آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو اور نہ اس کے حق ہونے میں شک ہو اور شک کو حرج کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ شک کرنے والے کا سینہ اس کے شک کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے جیسا کہ یقین رکھنے والے کا سینہ اس کے یقین کی وجہ سے کھل جاتا ہے یعنی اس کتاب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں آپ کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے یا یہ کہ اس کتاب کی تبلیغ کرنے میں آپ کو کسی قسم کا رنج و ملال نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کو اپنی قوم کے بارے میں یہ اندیشہ رہتا تھا کہ وہ لوگ اس کتاب کو جھٹلا دیں گے اور اس سے منہ پھیر لیں گے اور آپ کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں گے تو آپ کا سینۂ اقدس ان تکلیفوں کے خوف سے تنگ ہو جاتا تھا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور آپ کو اطمینان دلایا اور آپ کو کافروں کی پرواہ کرنے سے بے نیاز کر دیا اور ان کی تکلیفوں سے بے نیاز ہو کر انہیں ڈرانے کا حکم دیا [اور اس میں نہی حرج کی طرف متوجہ ہے اور اس میں بہت بڑی بلاغت ہے اور حرف ''فا'' عطف کے لیے ہے] یعنی یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کو میں نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اس کتاب کے نازل ہو جانے کے بعد آپ کے سینۂ مبارک میں رنج و ملال اور تنگی نہیں ہونی چاہیے ﴿ لِتُنْذِرَ بِهٖ ﴾ اس میں لام ''اُنْزِلَ'' کے متعلق ہے] یعنی یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں [یا یہ لام نہی کے متعلق ہے] کیونکہ جب آپ ان سے نہیں ڈریں گے تو ان کو ڈرائیں گے اور اسی طرح جب آپ کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو لوگوں کو ڈرانے کے لیے یہ یقین آپ کو شجاع و بہادر بنا دے گا کیونکہ صاحب یقین بہادر و نڈر اور بے باک ہوتا ہے اور اسے صرف اپنے رب تعالیٰ پر مکمل بھروسا اور کامل اعتماد ہوتا ہے ﴿ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [''ذِكْرٰى'' اپنے پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے' اصل میں ''لِتُنْذِرَ بِهٖ وَتُذَكِّرَ تَذْكِيْرًا'' ہے کیونکہ ''ذِكْرٰى''

"تَذْكِيْر" کے معنی میں اسم ہے]اور اس کا معنی یہ ہے کہ تا کہ آپ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں اور مؤمنوں کو خوب نصیحت کریں[یا یہ کتاب پر معطوف ہونے کی بنا پر مرفوع (یعنی اس پر پیش) ہے]یعنی یہ کتاب ہے اور مؤمنوں کے لیے نصیحت ہے[یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا "لِتُنْذِرَ بِهٖ" کے محل پر معطوف ہونے کی بنا پر مجرور ہے اصل میں "لِلْاِنْذَارِ وَلِلذِّكْرٰى" ہے]یعنی لوگوں کو ڈرانے اور نصیحت کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی ہے۔

۳۔﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو یعنی قرآن وسنت کی پیروی کرو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوستوں کی پیروی نہ کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جنوں اور انسانوں کے شیطانوں میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں بتوں کی عبادت اور خواہشاتِ نفسانی اور بدعت پر آمادہ کریں گے ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ دیتے ہو اور غیروں کی پیروی کرتے ہو[اور "قَلِيْلًا"، "تَذَكَّرُوْنَ" کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں "تَذَكَّرُوْنَ تَذَكُّرًا قَلِيْلًا" ہے اور لفظ "مَا" قلت کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تَتَذَكَّرُوْنَ" ہے]۔

٤۔﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ اور ہم نے بہت سی بستیاں برباد کر دیں یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ" (المائدہ:٦) "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو"[اور "كَمْ" مبتدا ہے اور "مِنْ" بیانیہ ہے اور "اَهْلَكْنَاهَا" اس کی خبر ہے]﴿فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا﴾ تو ان بستیوں کے باشندوں پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا[اس میں "بَيَاتًا" مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے "بَائِتِيْنَ" کے معنی میں ہے]یعنی ان پر ہمارا عذاب اس وقت آیا جب وہ سو رہے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "بَاتَ بَيَاتًا حَسَنًا" فلاں آدمی نے رات پُرسکون حالت میں گزاری ﴿اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾ یا وہ قیلولہ کر رہے تھے (دوپہر کے سونے کو قیلولہ کہتے ہیں)[یہ "بَيَاتًا" پر معطوف ہو کر حال ہے]گویا فرمایا گیا ہے کہ ان پر ہمارا عذاب اس وقت آیا جب وہ رات کو سو رہے تھے یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے[اور بے شک "هُمْ قَآئِلُوْنَ" کو واؤ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے اور اس پر یہ نہ کہا جائے کہ "جَآءَنِيْ زَيْدٌ هُوَ فَارِسٌ" میں حال بغیر واؤ کے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جب کسی کا ماقبل حال پر عطف کیا جائے تو دو حرفِ عطف جمع ہو جانے کی بنا پر ثقل پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا جاتا ہے بہر حال یہاں بغیر واؤ کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حال کی واؤ بھی عطف ہی کی واؤ ہوتی ہے جس کو ملانے کے معنی میں لیا جاتا ہے]اور اس آیت مبارکہ میں ان دو وقتوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ دونوں وقت غفلت و بے خبری کے ہوتے ہیں تو ان دو وقتوں میں عذاب کا نزول زیادہ سخت ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر خوف زدہ اور پریشان کر دیتا ہے چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو رات میں سحری کے وقت ہلاک کیا گیا تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو قیلولہ کے وقت (یعنی دوپہر کے وقت سوتے میں) ہلاک کیا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بَيَاتًا" کا معنی رات ہے یعنی انہیں رات کے وقت ہلاک کیا گیا تھا جب کہ وہ غفلت کی نیند سو رہے تھے یا دن کے وقت انہیں ہلاک کیا گیا تھا جب کہ قیلولہ کر رہے تھے۔

۵۔﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ﴾ جب ان پر ہمارا عذاب شروع ہونے لگا تو ان کی چیخ و پکار اور آہ وزاری نہیں تھی ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: بے شک ہم لوگ بہت بڑے ظالم تھے یعنی انہوں نے اس وقت اپنے آپ پر ظلم وشرک کا اعتراف و اقرار کر لیا تھا لیکن اس وقت کے اعترافِ جرم نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تھا

[اور ''دَعْوٰاهُمْ''، ''كَانَ'' کا اسم ہے اور ''اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا'' اس کی خبر ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے]۔

٦- ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ﴾ پھر بے شک ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیئے تھے اور ان لوگوں سے کہ جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے انبیائے کرام کی امتیں مراد ہیں [اور ''اُرْسِلَ'' کو ''اِلَيْهِمْ'' کی طرف مسند کیا گیا ہے] جس کا مطلب یہ ہے کہ جن امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے تھے ہم ان سے ضرور باضرور بازپرس کریں گے ﴿وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک ہم رسولانِ گرامی قدر سے ضرور سوال کریں گے کہ انہیں امتوں کی طرف سے کیا جواب دیئے گئے تھے۔

٧- ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ﴾ تو بے شک ہم ان پر یعنی رسولوں پر اور ان کے امتیوں پر جن کی طرف یہ رسول بھیجے گئے تھے ضرور بیان کر دیں گے جو کچھ ان سے ہوا تھا ﴿بِعِلْمٍ﴾ علم کے ساتھ کیونکہ ہم ان کے ظاہر اور باطن کے احوال کو نیز ان کے تمام اقوال و افعال کو خوب جانتے ہیں ﴿وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ اور ہم ان سے اور ان کے احوال و اقوال اور افعال سے بے خبر نہیں تھے اور ان سے سوال کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب وہ لوگ اپنی زبانوں سے جھوٹ بولیں گے اور انبیائے کرام علیہم السلام ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دھمکائے گا اور ان کو ڈانٹے گا۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٍۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ ع ۱
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾

اور اس دن کا وزن برحق ہے، سو جس کے پلّے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ فلاح پائیں گے ○ اور جس کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا یہ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ○ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر ٹھہرنے کی قدرت دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی گزارنے کے لیے روزیاں مقرر کر دیں، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ○ اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری شکل وصورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا ○

٨- ﴿وَالْوَزْنُ﴾ یعنی اعمال کا وزن کیا جائے گا تاکہ بھاری اور ہلکے، زیادہ اور تھوڑے اعمال میں فرق واضح کیا جائے [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ ہے جو اصل میں ''يَوْمَ يَسْـَٔلُ اللّٰهُ الْاُمَمَ وَرُسُلَهُمْ'' ہے] یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں اور ان کے پیغمبروں سے پوچھے گا [پھر جملہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے] ﴿ٍۨالْحَقُّ﴾ برحق ہے یعنی قیامت کے دن اعمال کا وزن برحق اور عین انصاف ہے، پھر کہا گیا ہے کہ اس کی صفت یہ ہو گی کہ اعمال کے صحیفوں کو ایک ایسے ترازو میں تولا جائے گا جس کی ایک زبان ہو گی اور دو پلڑے ہوں گے تاکہ انصاف

کو واضح کیا جائے اور معذرت کو ختم کیا جائے اور بعض نے فرمایا کہ حق سے بغیر کمی بیشی کے مساوی اور برابر فیصلہ کرنا مراد ہے اور عین انصاف پر مبنی فیصلہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کیفیت کو خوب جانتا ہے ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ سو جس کے تولے گئے اعمال کا وزن اور قدر بھاری ہوگا اور وہ نیکیاں ہوں گی یا جس کے ساتھ نیکیوں کا وزن کیا جائے گا[1] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ تو یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہوں گے۔

۹-﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ اور جن کے اعمال کے وزن ہلکے ہوں گے' یہ کفار ہوں گے' چونکہ ان کا ایمان نہیں اس لیے ان کے اعمال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' سو ان کے میزان میں کوئی نیکی نہیں ہوگی اس لیے ان کے وزن ہلکے ہوں گے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾ تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے یعنی ان کا انکار کرتے تھے اور آیات سے دلائل مراد ہیں اور ان کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ مناسب جگہ رکھنے کی بجائے ان کو غیر مناسب جگہ پر رکھنا یعنی ان کا انکار کرنا اور ان کی اطاعت و فرماں برداری نہ کرنا۔

۱۰-﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ ﴾ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت دی کہ ہم نے تمہارے لیے اس میں مکان اور رہائش گاہیں بنائیں یا ہم نے تم کو اس میں جماؤ اور کنٹرول دیا اور ہم نے اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیا ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴾ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے سامان زندگی پیدا کر دیا [ ''مَعَايِشَ'' ''مَعِيْشَة'' کی جمع ہے اور اس سے کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی کے تمام اسباب مراد ہیں اور اس میں ''یا'' کو ثابت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصلی ''یا'' ہے' بہ خلاف صحائف کے کہ اس میں ''یا'' زائدہ ہے اور نافع مدنی سے منقول ہے کہ وہ ہمزہ ہے صحائف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ] ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو' یہ ''قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ'' (الاعراف:۳) کی طرح ہے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

۱۱-﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ یعنی بے شک ہم نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر کسی صورت کے مٹی سے پیدا کیا' پھر اس کے بعد ہم نے ان کے نقش و نگار اور ان کی شکل و صورت بنائی جس کی دلیل یہ ہے ﴿ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا یعنی ان میں سے نہ ہوا جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

[1] ''موازین'' میزان کی جمع ہے یا موزون کی جمع ہے۔

لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْؕ-وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا' اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہےO اللہ نے فرمایا: تو یہاں سے اتر جا' سو تیرے لیے جائز نہیں کہ تو اس میں تکبر کرے' پس تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہےO اس نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گےO اللہ نے فرمایا: بے شک تجھے مہلت دے دی گئیO اس نے کہا: مجھے قسم ہے اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں ضرور بیٹھوں گاO پھر میں ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے' اور تو ان میں اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گاO

۱۲-﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ [''مَا'' مرفوع ہے' اصل میں ''اَیُّ شَیْءٍ مَنَعَكَ مِنَ السُّجُوْدِ'' یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا ہے اور اس میں ''لَا'' زائدہ ہے] جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (ص:۷۵) ''تجھے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا'' اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ''لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ'' (الحدید:۲۹) [اصل میں ''لِیَعْلَمَ'' ہے] ''یعنی تا کہ اہل کتاب جان لیں'' ﴿اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا' [یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ کا سب کچھ جاننے کے باوجود شیطان سے سجدہ نہ کرنے پر سوال کرنا صرف اسے ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے تھا' نیز اس کے کفر وعناد' تکبر کرنے' اپنی اصل پر فخر کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اصل کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا اظہار کرنے کے لیے تھا ﴿قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُۚ-خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ﴾ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور یہ نار ایک نورانی اور لطیف جوہر ہے ﴿وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور یہ طین ایک ظلمانی اور کثیف جسم ہے اور دراصل شیطان خبیث نے غلط کہا بلکہ مٹی آگ سے افضل ہے کیونکہ مٹی میں سنجیدگی اور وقار ہے اور اس سے حلم و بردباری اور شرم وحیاء اور صبر پیدا ہوتا ہے اور یہ انسان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دیتی ہے اور جب کہ آگ میں طیش وحرارت ہے اور بلندی ہے اور یہ چیزیں تکبر کی دعوت دیتی ہیں اور مٹی مما لک کا سامان ہے جب کہ آگ مہالک کا سامان ہے اور آگ خیانت و بربادی کا خزانہ ہے اور مٹی امانت وترقی کا خزانہ ہے اور مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے اور اسے ختم کر دیتی ہے لیکن آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی اور یہ وہ فضائل ہیں جن سے شیطان لعین غافل و بے خبر تھا یہاں تک کہ فاسد قیاس کر کے پھسل گیا اور قیاس کے انکار کرنے والے کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا قیاس ہے اس بنا پر کہ قیاس کو ثابت کرنے والے کے نزدیک شرعی نص کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا مردود ہوتا ہے اور ابلیس کا قیاس شرعی حکم سے عناد کی وجہ سے تھا اور ''مَا مَنَعَكَ'' کا جواب یہ تھا کہ ابلیس کہتا کہ مجھے میری فضیلت و برتری نے منع کیا ہے لیکن اس نے یہ کہنے کی بجائے ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ'' کہا کیونکہ اس نے ایک نیا قصہ شروع کر دیا اور اس میں اپنی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی خبر سنا دی اور ان پر اپنی فضیلت کی علت بیان کر دی جس سے اس کا جواب معلوم ہو گیا گویا شیطان نے جواب دیا: ''مَنَعَنِیْ مِنَ السُّجُوْدِ فَضْلِیْ عَلَیْهِ'' یعنی مجھے سجدہ کرنے سے میری ان پر فضیلت اور ان پر میری برتری نے منع کیا ہے اور یہ حکم خداوندی کا

انکار ہے اوراس بات کو بہت بعید قرار دینا ہے کہ اس جیسے کواس جیسے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔

۱۳-﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اس سے اتر جا یعنی جنت سے یا آسمان سے (نیچے زمین پر) اتر جا کیونکہ وہ اس میں رہتا تھا جب کہ وہ فرماں برداروں اور عاجزی اختیار کرنے والوں کی آرام گاہ ہے (اس لیے نافرمانی کرنے پر شیطان جنت سے نکال دیا گیا ہے) [اور ''فَاهْبِطْ'' میں ''فا'' ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' کے جواب کے لیے ہے] یعنی اگر تو تکبر و غرور کرتا ہے تو یہاں سے نیچے اتر جا ﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ﴾ سو تیرے لیے یہ صحیح نہیں ہے ﴿اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾ کہ تو اس میں تکبر کرے اور نافرمانی کرے ﴿فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ پس تو یہاں سے نکل جا بے شک تو ذلت و رسوائی اٹھانے والوں میں سے ہے' چنانچہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیائے کرام کے نزدیک ذلیل ہے' ہر انسان تیری مذمت بیان کرے گا اور ہر آدمی تجھ پر لعنت کرے گا' یہ سب کچھ تیرے تکبر کی وجہ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر وغرور کو ذلت و رسوائی لازم ہے۔

۱٤-﴿قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ شیطان نے کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے یعنی مجھے حشر کے دن تک مہلت دے دے اور اس سے صور کے نفخۂ ثانی تک کا وقت مراد ہے۔

۱۵-﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تجھے مہلت دے دی گئی ہے یعنی نفخۂ اولیٰ تک اور بے شک اتنے لمبے عرصے تک اس کی دعا اس لیے قبول کر لی گئی تھی کہ اس میں عام بندوں کی آزمائش ہے اور احباب کے قلوب کو قریب لانا ہے یعنی یہ بھلائی اس کے ساتھ ہے جو مجھے گالیاں دیتا ہے تو اس کے ساتھ میں کیسا برتاؤ کروں گا جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور باقی رہی یہ بات کہ شیطان کو باوجود اس کے کہ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مقام سے گر چکا تھا یہ سوال کرنے کی ہمت و جرأت کیسے ہوئی؟ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ بزرگ و برتر خدا کے حلم و بردباری کو جانتا تھا۔

۱٦-﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ شیطان نے کہا: سو مجھے قسم ہے اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی مجھ کو تیرے گمراہ کرنے کے سبب [اور ''بـا'' قسم کے محذوف فعل کے متعلق ہے] مطلب یہ ہے: سو میں تیرے گمراہ کرنے کے سبب قسم اٹھاتا ہوں [یا پھر یہ ''بـا'' قسم کے لیے ہے] یعنی تیرے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں قسم کھاتا ہوں کہ ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ البتہ میں ضرور ان کی تاک میں تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا یعنی میں اسلام کے راستے پر ان کا مقابلہ کروں گا اور انہیں مرتد کرنے کے لیے میں ان کی تاک میں رہوں گا اور میں انہیں حق سے روکنے کے لیے ان کا تعاقب کروں گا جیسا کہ دشمن راستے پر گھات لگاتا ہے تاکہ مسافر کو لوٹ کر سرِ عام سڑک پر مار ڈالے [اور ''صراط'' کا منصوب ہونا ظرف کی بنا پر ہے] جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''ضَرَبَ زَيْدٌ الظَّهْرَ يَعْنِيْ عَلَى الظَّهْرِ''۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ آپ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ایک قدری عقیدہ کا آدمی آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو خود کھڑا ہوتا ہے یا تجھے کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور حضرت طاؤس سے عرض کی گئی کہ کیا آپ یہ بات فقیہ آدمی سے فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ شیطان اس سے زیادہ فقیہ ہے کیونکہ اس نے کہا تھا: ''رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ'' اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کر دیا' حالانکہ یہ (قدری) آدمی تو کہتا ہے کہ میں خود اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہوں [1]

[1] قدری عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق و مختار ہے اللہ تعالیٰ کا انسان کے افعال سے کوئی تعلق نہیں' اس کے برعکس جبری عقیدہ یہ ہے کہ انسان محض مجبور ہے' سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے جب کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان نہ بالکل خود مختار ہے اور نہ بالکل مجبور ہے بلکہ کسی بھی فعل کا کسب اور ارادہ تو انسان خود کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس ارادے کے مطابق اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے' لہٰذا تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان کا کاسب و مختار انسان ہے۔ غوثوی

۱۷۔﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ ﴾ پھر میں ضرور ان کے پاس ان کے سامنے سے آؤں گا اور ان کے دلوں میں آخرت کے بارے میں شک ڈال دوں گا ﴿ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ ﴾ اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کو دنیا کی رغبت دلا کر دنیا میں مشغول کر دوں گا ﴿ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ ﴾ اور ان کی دائیں طرف سے آؤں گا یعنی ان کی نیکیوں کی طرف سے آؤں گا (اور انہیں تکبر وریا میں مبتلا کر دوں گا) ﴿ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ﴾ اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا یعنی ان کی برائیوں کی طرف سے آؤں گا (اور انہیں گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا کر دوں گا) اور یہ شمال کی جمع ہے یعنی پھر میں چاروں سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوں گا جن سے عموماً دشمن حملہ آور ہوتے ہیں۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ روزانہ صبح کے وقت شیطان چاروں مورچوں میں میری تاک میں بیٹھا ہوتا ہے' پھر میرے آگے کی سمت سے میرے پاس آتا ہے اور کہتا کہ تو خوف زدہ نہ ہو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے تو میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتا ہوں: ''وَاِنِّيۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى'' (طٰہٰ:۸۲) ''اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں ہر اس شخص کو جس نے توبہ کر لی اور مسلمان ہو گیا اور نیک کام کیے' پھر وہ ہدایت پر قائم رہا'' پھر وہ میرے پیچھے سے آتا ہے اور مجھے میری اولاد کے ضائع ہونے اور ان کے غریب وفقیر ہونے کا خوف دلاتا ہے تو میں یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا'' (ھود:۶) ''اور زمین پر کوئی جان دار نہیں رہتا مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے'' پھر وہ میری دائیں طرف سے آتا ہے اور میری تعریف شروع کر دیتا ہے (تا کہ میں تکبر وغرور میں مبتلا ہو کر اپنی نیکیاں برباد کر لوں) تو میں یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ'' (الاعراف:۱۲۸) ''اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے'' پھر وہ میری بائیں طرف سے آتا ہے اور مجھے خواہشات وشہوات کی طرف راغب کرتا ہے (تا کہ گناہوں میں مشغول ہو کر دوزخی ہو جاؤں) تو یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَحِيۡلَ بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ مَا يَشۡتَهُوۡنَ'' (سبا:۵۴) ''اور رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ان کے درمیان اور اس کے درمیان جس کو وہ چاہتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ''مِنۡ فَوۡقِهِمۡ'' اور ''مِنۡ تَحۡتِهِمۡ'' یعنی اوپر اور نیچے کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اوپر کی جہت نزول رحمت کی جگہ ہے اور نیچے کی سمت سجدہ عبادت کی جگہ ہے [پھر اللہ تعالیٰ نے پہلی دو سمتوں میں حرف ''مِنۡ'' ذکر فرمایا ہے جو ابتدائے غایت کے لیے آتا ہے اور آخری دو سمتوں میں حرف ''عَنۡ'' ذکر فرمایا ہے کیونکہ حرف ''عَنۡ'' انحراف پر دلالت کرتا ہے] ﴿ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴾ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا یعنی بہتوں کو ایمان دار نہیں پائے گا اور شیطان نے ظن اور گمان کے طور پر کہا تھا لیکن یہ گمان درست نکلا' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ'' (السباء:۲۰) ''اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا'' یا شیطان نے فرشتوں سے سن لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دے دی تھی۔

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۞۱۸ وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞۱۹ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَا وٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰٮكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ

هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾

اللہ نے فرمایا: تو یہاں سے ذلیل راندہ ہوا نکل جا' البتہ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا O اور اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے O پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں خطرہ ڈالا تاکہ ان کے سامنے شرم کی چیزیں ظاہر کر دے جو ان سے پوشیدہ تھیں اور اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لیے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے یا تم ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے O اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں O

۱۸- ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا یعنی جنت سے یا آسمان سے نکل جا ﴿مَذْءُوْمًا﴾ سخت عیب دار [یہ ''ذَاَمَهٗ'' سے ماخوذ ہے جب اس کی مذمت کی جائے اور ''ذَاْمٌ'' اور ''ذَمٌّ'' کا معنی عیب ہے] ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ مردود اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے راندہ ہوا ﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ خدا کی قسم! ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا [اس میں لام قسم کے لیے ہے (اور ''مَنْ'' شرطیہ ہے) اور اس کا جواب ﴿لَاَمْلَـٴَنَّ جَهَنَّمَ﴾ ہے اور یہ جوابِ شرط کے قائم مقام ہے] یعنی میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا ﴿مِنْكُمْ﴾ تجھ سے اور ان سے [پھر غلبہ کے طور پر جمع مخاطب کی ضمیر لائی گئی ہے] ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب۔

۱۹- ﴿وَیٰۤاٰدَمُ﴾ اصل میں ''وَقُلْنَا یَا اٰدَمُ'' ہے یعنی ابلیس مردود کو جنت سے نکالنے کے بعد ہم نے آدم سے فرمایا: اے آدم! ﴿اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس کو اپنا مسکن بنا لو ﴿فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ سو تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۲۰- ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ سو شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں خطرہ ڈالا ''وَسْوَسَ'' کا معنی ہے کہ کسی سے آہستہ اور پوشیدہ طور پر بار بار بات کرنا [اور ''رَجُلٌ مُوَسْوِسٌ'' دوسری واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ کہا جاتا ہے اور ''مُوَسْوَسٌ'' دوسری واؤ پر زبر کے ساتھ نہیں بولا جاتا لیکن ''مُوَسْوِسٌ لَهٗ'' اور ''مُوَسْوَسٌ اِلَیْهِ'' دونوں استعمال ہوتے ہیں] اور اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جس کی طرف وسوسہ ڈالا جائے اور ''وَسْوَسَ لَهٗ'' کا معنی ہے: اس کی خاطر وسوسہ ڈالنے کا کام کرنا اور ''وَسْوَسَ اِلَیْهِ'' کا معنی ہے: اس کی طرف وسوسہ ڈالا ﴿لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ تاکہ وہ ان دونوں کے لیے ظاہر کر دے جس کو ان دونوں سے چھپایا گیا ہے ان کے ستر سے اور اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ شرمگاہوں کا ظاہر کرنا بہت بڑا جرم ہے اور دوسرا یہ کہ شرمگاہوں کا ظاہر کرنا ہمیشہ طبیعتوں اور عقلوں میں برا رہا ہے [پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''وُوْرِیَ'' میں واؤ کو ہمزہ سے کیوں نہیں بدلا گیا جیسا کہ ''واصل'' کی تصغیر ''اُوَیْصِل'' میں بدلا گیا ہے کیونکہ اس کی اصل ''وُوَیْصِل'' تھی پھر دو واؤں کے اجتماع کی کراہت سے بچنے کے لیے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''وُوْرِیَ'' میں دوسری واؤ مدّہ ہے جس طرح ''وَارِی'' میں الف مدّہ ہے اور جس طرح ''وَاعَدَ''

میں واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کرنا واجب نہیں اسی طرح ''وُوْرِیَ'' میں واجب نہیں اور یہ اس لیے کہ دو واؤ جب متحرک ہوں تو ان دونوں میں ثقل (بوجھ) ہوتا ہے جب کہ ان دو واؤں میں ثقل نہیں ہوتا جب دوسری واؤ ساکن ہو جائے اور یہ بات بداہت سے معلوم ہے' سو نحویوں نے ثقل کی جگہ تبدیلی لازم قرار دی ہے باقی جگہ نہیں اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے ''اُوْرِیَ'' پڑھا ہے] ﴿وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ اور شیطان نے کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لیے منع کیا ہے کہ تم اس درخت سے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یعنی مگر اس کراہت کی وجہ سے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے' خیر و شر کو جان لو گے اور تم غذا وغیرہ سے بے نیاز ہو جاؤ گے اور ''مَلِكَيْنِ'' بھی پڑھا گیا ہے (یعنی تم دونوں بادشاہ بن جاؤ گے) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى'' (طٰہٰ:۱۲۰) ''اور ایسی بادشاہی جو کبھی پرانی نہ ہو گی'' ﴿اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعنی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو کبھی نہیں مریں گے اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۱- ﴿وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ اور شیطان نے ان دونوں کے لیے قسم کھائی کہ بے شک میں تم دونوں کا ضرور خیر خواہ ہوں اور ابلیس کی قسم کو مفاعلہ کے وزن پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جب قسم شیطان کی طرف سے کھائی گئی اور تصدیق ان دونوں کی طرف سے کی گئی تو گویا قسم دونوں طرف سے ہوئی۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ
وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا
تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲/۱۵/۹

تو وہ دھوکے سے ان کو اتار لایا' پھر جب انہوں نے درخت (کا پھل) چکھا تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتے چپٹانے لگے' اور ان کے رب نے ان دونوں کو آواز دی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور میں نے تم سے فرمایا نہیں تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے O ان دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O اللہ نے فرمایا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے' اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک زمین پر ٹھہرنا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے O اللہ نے فرمایا کہ تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے O

۲۲۔﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾ سو شیطان نے دھوکے سے ان دونوں کو درخت کے کھانے کی طرف اتار لیا اور شیطان ان دونوں کو اس وجہ سے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا کہ اس نے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا لی اور بے شک مؤمن اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ کھا لیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰهِ انْخَدَعْنَا لَهٗ ''[1] جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیتا ہے ہم اس سے دھوکہ کھا لیتے ہیں ﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ﴾ پھر جب انہوں نے درخت کو چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں یعنی جب وہ درخت سے کھانے لگے تو انہوں نے اس کا ذائقہ محسوس کیا اور وہ گندم کا خوشہ تھا یا انگور کی بیل تھی اور ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں کیونکہ ان کا لباس ان سے اتر گیا تھا اور ان دونوں نے نہ کبھی اپنی شرمگاہیں دیکھی تھیں اور نہ ایک دوسرے کی شرمگاہیں دیکھی تھیں' بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا' جب انہوں نے ممنوعہ درخت کو چکھا تو تمام لباس اتر گیا صرف ناخنوں کی حد تک رہ گیا تاکہ چھینی ہوئی یہ نعمت یاد رہے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت ندامت و شرمندگی تازہ ہوتی رہے ﴿ وَطَفِقَا ﴾ اور ان دونوں نے شروع کیا' کہا جاتا ہے کہ ''طَفِقَ يَفْعَلُ كَذَا ''یعنی وہ شخص اس طرح کرنے لگا ﴿ يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ وہ دونوں اپنی اپنی شرمگاہوں پر کیلے یا انجیر کے پتے چمٹانے لگے اور اپنے جسموں پر پتے پر پتے چسپاں کرنے لگے تاکہ اپنے آپ کو چھپا سکیں جیسے جوتا سینا ﴿ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ ﴾ اور ان کے رب نے ان کو آواز دے کر فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار ناراضگی تھا اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: کیا تمہارے لیے اس ممنوعہ درخت کے علاوہ اور کوئی درخت بہتر نہیں تھا؟ حضرت آدم نے عرض کیا: ہاں! کیوں نہیں! اور بھی بہتر درخت تھے لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ کوئی آپ کے نام کی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و حرمت کی قسم! میں تمہیں زمین پر اتار دوں گا' پھر تم اپنے ہاتھ اور پسینے کی کمائی کے بغیر عیش نہیں کر سکو گے' پھر آپ کو زمین پر اتارا گیا اور آپ کو لوہے کی صنعت اور کھیتی باڑی کا کام سکھایا گیا' چنانچہ آپ نے کھیتی باڑی کی اور اس کو پانی دیا اور تیار ہونے پر اس کو کاٹا اور اس کو گاہا اور اس کو صاف کیا اور پیسا اور آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں ﴿ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ اور کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا اعلم کھلا دشمن ہے۔

۲۳۔﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ حضرت آدم و حوا نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے' اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے (کہ چھوٹے بڑے جرم پر گرفت ہو گی) کیونکہ ان کے نزدیک چھوٹے گناہ بخش دیئے گئے اور ان پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

۲۴۔﴿ قَالَ اهْبِطُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نیچے اتر جاؤ' حضرت آدم اور حضرت حوا کو جمع کے لفظ سے خطاب کیا گیا کیونکہ ابلیس کو اس سے پہلے اتار دیا گیا تھا اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس کو پہلے آسمان پر اتارا گیا' پھر سب کو زمین پر اتارا گیا ہو ﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ [یہ جملہ ''اِهْبِطُوْا'' کے فاعل سے محلاً حال ہے] یعنی درآں حالیکہ تم ایک دوسرے سے عداوت و دشمنی کرنے والے ہو گئے کیونکہ ابلیس ان دونوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے اور یہ دونوں اس سے دشمنی رکھتے ہیں ﴿ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ اور تمہیں زمین پر ٹھہرنا ہے یا زمین تمہارے لیے قرار گاہ اور آرام گاہ ہے ﴿ وَّمَتَاعٌ ﴾ زندگی کے

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۹۵

لیے اس زمین سے نفع اور فائدہ حاصل کرنا ہے ﴿اِلٰی حِیْنٍ﴾ تمہاری عمروں کے اختتام کے وقت تک اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر اتارے گئے' پھر ان پر وفات کا وقت آ گیا اور فرشتوں نے انہیں گھیر لیا تو حضرت حوا ان کے ارد گرد گھومنے لگیں' حضرت آدم نے ان سے فرمایا کہ تو میرے رب تعالیٰ کے فرشتوں کا راستہ چھوڑ دے کیونکہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے وہ صرف تیری وجہ سے پہنچی ہے' پھر ان کی وفات ہوگئی تو فرشتوں نے آپ کو پانی اور بیری کے طاق پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں خوشبو لگائی اور طاق کپڑوں میں کفن دیا اور انہوں نے آپ کی خاطر ایک گڑھا کھودا اور اس میں لحد بنائی اور سرزمین ہند میں سراندیب کے علاقہ میں آپ کو دفن کر دیا' پھر فرشتوں نے حضرت آدم کے بیٹوں سے فرمایا کہ ان کی موت کے بعد اب آئندہ کے لیے تمہارے لیے یہی سنت ہے۔

۲۵-﴿قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تمہیں اسی زمین پر زندگی گزارنی ہے ﴿وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ اور تم نے اسی زمین پر مرنا ہے اور اسی سے تمہیں جزاء وسزا کے لیے نکالا جائے گا [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''تَخْرُجُوْنَ'' ہے]۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ
ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ
اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہیں چھپاتا ہے' اور تمہارے لیے زینت ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںO اے آدم کی اولاد! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا' اس نے ان کا لباس اتروا دیا تھا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے' بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم نہیں دیکھ سکتے' بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان دار نہیں ہیںO

## اولادِ آدم کو تلقین

۲۶-﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا﴾ اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو زمین کی پیداوار سے تیار کیا گیا ہے اور آسمان سے نازل کیا گیا ہے کیونکہ اس کی اصل پانی سے ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے ﴿یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ وہ تمہاری شرمگاہوں کو چھپا دیتا ہے ﴿وَرِیْشًا﴾ اور تمہارے لیے زینت کا لباس ہے یہ ''رِیْشُ الطَّیْرِ'' سے لیا گیا ہے کیونکہ پرندے کے پر اس کا لباس بھی ہوتے ہیں اور اس کے لیے زیب و زینت بھی ہوتے ہیں ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰی﴾ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس وہی ہے جو آدمی کو عذاب سے بچائے [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ ہے اور وہ ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾

ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تقویٰ کا لباس ہی سب سے بہتر لباس ہے[ کیونکہ اسمائے اشارہ ضمیروں سے زیادہ اپنے مرجع کے قریب ہوتے ہیں یا ''ذٰلِكَ'' مبتدا کی صفت ہے اور ''خَیْرٌ'' مبتدا کی خبر ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ پرہیزگاری کا لباس جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سب سے بہتر ہے یا پھر ''لِبَاسُ التَّقْوٰی'' مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ''هُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰی'' ہے یعنی شرم کی چیزوں کو چھپائے رکھنا پرہیزگاروں کا لباس ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''ذٰلِكَ خَیْرٌ'' یہ سب سے بہتر لباس ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اہلِ تقویٰ کا لباس اونی کپڑے اور دیگر موٹے کھردرے کپڑے پہننا ہے [اور نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''وَلِبَاسَ التَّقْوٰی'' (سین پر زبر کے ساتھ) ہے اس کو ''لِبَاسًا'' اور ''رِیْشًا'' پر معطوف کیا گیا ہے] یعنی اور ہم نے تم پر تقویٰ کے لباس کو نازل کیا ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جو اپنے بندوں پر اس کے فضل وکرم اور رحمت کرنے پر دلالت کرتی ہے' یعنی لباس کا نازل کرنا ﴿لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور نعمت کی عظمت کو پہچانیں اور یہ آیت مبارکہ شرمگاہوں کے کھلنے اور ان کو چھپانے کے لیے بدن پر پتے چپکانے کے ذکر کے بعد بطور انعام وارد ہوئی ہے' ایک تو لباس پیدا کرنے پر احسان کا اظہار کرنا' دوسرا شرم کی چیزوں کے ظاہر کرنے میں ذلت ورسوائی کا اظہار کرنا مقصود ہے اور تیسرا یہ بتانا مقصود ہے کہ شرم کی چیزوں کو چھپانا پرہیزگاری کی علامت ہے۔

۲۷- ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور وہ تمہیں گمراہ نہ کر دے کہ تم جنت میں نہ جا سکو جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو دھوکہ دیا کہ انہیں جنت سے نکلوا دیا ﴿یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی شیطان نے ان دونوں کو جنت سے نکلوا دیا درآں حالیکہ اس نے ان کا لباس بھی اتروا دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم وحوا کا لباس اتروانے کا سبب شیطان بنا تھا اس لیے اس کی طرف نسبت کر دی گئی ہے اور بہ ظاہر نہی شیطان کے لیے ہے اور حقیقت میں اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے ہے یعنی تم شیطان کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دے گا ﴿لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ تاکہ ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر کر دے ﴿اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ﴾ بے شک وہ تمہیں دیکھتا ہے' یہ نہی کی علت ہے اور شیطان کے فتنے سے ڈرانا اور اس کے مکر وفریب سے بچانا مقصود ہے کیونکہ یہ شیطان بغض وکینہ کو چھپا کر دشمنی کرنے والے دشمن کی طرح ہے کہ یہ بھی تمہارے ساتھ اس طرح مکر وفریب کرتا ہے کہ تمہیں شعور بھی نہیں ہوتا ﴿وَقَبِیْلُهٗ﴾ اور اس کی اولاد یا شیطانوں میں سے اس کا لشکر [اور یہ ''یَرٰىكُمْ'' کی ضمیر پر معطوف ہے جو ''هُوَ'' ضمیر سے مؤکد ہے اور اس کو ''هُوَ'' پر معطوف نہیں کیا گیا کیونکہ فعل کا معمول (یعنی فاعل) پوشیدہ ضمیر ہے جب کہ یہ ''هُوَ'' ضمیر بارز یعنی ظاہر ہے اور اس کا عطف صرف فعل کے معمول پر کیا جاتا ہے] ﴿مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک شیطان تمہیں دیکھتا ہے جب کہ تم اسے نہیں دیکھتے تو تم اس ذاتِ اقدس سے مدد مانگو جو شیطان کو دیکھ رہا ہے مگر شیطان اسے نہیں دیکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو کریم' ستار' رحیم اور غفار ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ

بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب وہ لوگ کسی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا تھا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم خود نہیں جانتے O آپ فرما دیجئے: بے شک میرے رب نے انصاف کا حکم دیا' اور تم اپنے چہروں کو ہر نماز کے وقت سیدھا رکھو اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو' جس طرح اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوٹو گے O اس نے ایک گروہ کو ہدایت عنایت کی اور ایک گروہ پر گمراہی واجب ہوگئی' بے شک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں O

۲۸- ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ اور جب وہ کسی بے حیائی کے کام کو کرتے جو گناہوں میں انتہائی بدترین ہوتا اور اس سے مراد خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانا ہے ﴿قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ تو کہتے کہ ہم نے اس پر اپنے باپ دادوں کو پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے یعنی جب کفار مکہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے تو عذر یہ پیش کرتے کہ ان کے آباء واجداد بھی یہی کام کرتے تھے اس لیے انہوں نے اس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس نے ہمیں اس پر برقرار رکھا ہوا ہے اس لیے کہ اگر اسے یہ کام ناپسند ہوتا تو اس سے ہمیں الگ کر دیتا لیکن ان کے یہ دونوں عذر باطل و ناجائز تھے کیونکہ ان میں سے ایک جاہل باپ دادا کی پیروی تھی (جس کی کوئی اہمیت نہیں) اور دوسرا عذر اللہ بزرگ و برتر پر بہتان تھا ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مامور کے لیے ضروری ہے کہ حسن اور اچھا ہو اگر چہ محاسنِ افعال کے کئی مراتب ہیں جیسا کہ اصولِ فقہ میں ہر ایک فعل کی تعریف کر دی گئی ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کو تم نہیں جانتے' یہ انکار یہ سوال ہے اور یہ دھمکی آمیز ہے۔

۲۹- ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور ہر ایسے عمل کا حکم دیا ہے جو تمام دانشوروں اور عقل مندوں کے نزدیک حسن اور اچھا ہے تو وہ بے حیائی کا حکم کیسے دے گا ﴿وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ اور اصل میں ''وَقُلْ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ'' ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد وارادہ کرو اور ہر سجدہ کے وقت یا ہر سجدہ کی جگہ میں تم اپنے چہروں کو بیت اللہ شریف کی طرف سیدھا رکھو اور اس سے ہٹ کر دوسری کسی سمت کی طرف نہ موڑو ﴿وَّادْعُوْهُ﴾ ''وَاعْبُدُوْهُ'' یعنی اور تم اسی کی عبادت کرو ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ یعنی تم اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو اور اس اطاعت کے ذریعے خالص اس کی رضا چاہو ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس طرح پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ لوٹائے گا' کفار مکہ کی طرف سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پہلی تخلیق کے ذریعے ان پر حجت و دلیل قائم فرمائی اور معنی یہ ہے: جس نے

تمہیں پہلے پیدا کیا ہے وہ یقیناً تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا اور سزا دے گا' لہٰذا تم خالص اس کی عبادت کرو۔

۳۰۔﴿فَرِيْقًا هَدٰى﴾ ایک گروہ کو ہدایت عنایت فرمائی اور وہ مسلمانوں کا گروہ ہے ﴿وَفَرِيْقًا﴾ "اَیْ اَضَلَّ فَرِيْقًا" یعنی ایک گروہ کو گمراہ کیا ﴿حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی اور وہ کافروں کا گروہ ہے ﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ گروہ جس پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو مددگار بنا لیا ﴿وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ہدایت یافتہ ہیں اور یہ آیت مبارکہ بھی معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (اور بندہ جس کو پسند کرتا ہے وہی اس کے لیے پیدا کر دی جاتی ہے)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا
ع ۳ ۱۰ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ
مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اے آدم کی اولاد! تم مسجد میں نماز کے لیے جاتے وقت خوبصورت لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو' بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا O اے محبوب! فرمایئے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کو' فرما دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن انہیں کے لیے مخصوص ہیں' ہم اہل علم قوموں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں O اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرے رب نے صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں سب کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہہ دو جو تم نہیں جانتے O

۳۱۔﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ﴾ اے اولادِ آدم! تم خوبصورت لباس پہنا کرو ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ جس وقت تم نماز پڑھنے لگو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ زینت سے مراد کنگھی کرنا اور خوشبو لگانا ہے اور سنت یہ ہے کہ آدمی نماز کے لیے اچھا اور صاف ستھرا لباس پہنے کیونکہ نماز رب تعالیٰ سے مناجات ہے' لہٰذا خوبصورت لباس پہننا اور خوشبو لگانا مستحب ہے جیسا کہ پاک صاف ہونا اور جسم کے ضروری اور قابل شرم وحیا حصوں کا چھپانا واجب ولازم ہے ﴿وَّكُلُوْا﴾ گوشت اور چربی وغیرہ کھاؤ ﴿وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو یعنی حرام میں شروع نہ ہو جاؤ یا پیٹ بھرنے کے بعد نہ

کھاؤ ﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پیو اور جو چاہو پہنو لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو' فضول خرچی سے اور تکبرو غرور سے اور ہارون الرشید کا ایک ماہر عیسائی حکیم تھا' ایک دن اس نے حضرت علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں علم طب کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان' تو حضرت علی بن حسین بن واقد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا طب اپنی کتاب کی نصف آیت مبارکہ میں بیان فرما دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' تو عیسائی حکیم نے کہا کہ تمہارے رسول کی طرف سے طب کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک ہمارے رسول نے طب کو مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّآءِ وَالْحِمْيَةُ رَاْسُ كُلِّ دَوَآءٍ وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهٗ'' یعنی معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز کرنا ہر دوا کی بنیاد ہے اور ہر بدن کو اتنی غذا دو جتنے کا وہ عادی ہے' چنانچہ نصرانی حکیم نے کہا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا۔

## اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام کا بیان' رسول کی اتباع میں نجات ہے اور کافروں کی کفر پر سزا

۳۲- پھر اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام قرار دینے والوں پر سوالیہ انکار فرمایا کہ ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام قرار دیا ہے یعنی کپڑے اور وہ تمام چیزیں جن سے زیب و زینت اور سنگار حاصل کیا جاتا ہے ﴿ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے یعنی اس کی اصل جیسے زمین سے کپاس کو اور ریشم کے کیڑے سے ریشم کو پیدا فرمایا ﴿ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾ اور کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو اور بعض نے فرمایا کہ عرب کے کفار جب احرام باندھ لیتے تو بکری کا گوشت اور اس کے گوشت سے نکلنے والی تمام چیزیں خصوصاً بکری کی چربی اور اس کے دودھ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے ﴿ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں لیکن دنیا میں یہ نعمتیں مسلمان کے لیے خالص نہیں ہیں کیونکہ مشرکین بھی ان نعمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں ﴿ خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ نعمتیں دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہیں' تا کہ یہ بات واضح کی جائے کہ یہ نعمتیں حقیقت میں مسلمانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور کفار ان نعمتوں کو مسلمانوں کی وجہ سے ان کے تابع ہو کر استعمال کرتے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''خَالِصَةٌ'' مرفوع (آخری حرف پر پیش) ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' ہے اور ''فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا'' خبر کے لیے ظرف ہے یا ''خَالِصَةٌ'' دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل ''هِیَ خَالِصَةٌ'' ہے اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ ظرف کی ضمیر سے حال ہے اس لیے منصوب ہے اور وہ ضمیر خبر ہے] یعنی یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں دراں حالیکہ وہ چیزیں قیامت کے دن صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہوں گی ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ﴾ اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ہم حلال کو حرام سے ممتاز اور واضح کر دیتے ہیں ﴿ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی قوم کے لیے جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

۳۳- ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ بے شک میرے رب نے صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور ''الفواحش'' ان برے کاموں کو کہتے ہیں جن کی قباحت و بے حیائی بہت زیادہ ہو [قاری

حمزہ کی قراءت میں ''رَبِّیْ'' (''یا'' ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ان میں سے علانیہ اور پوشیدہ ﴿وَالْاِثْمَ﴾ یعنی شراب نوشی کو یا تمام گناہوں کو (اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے) ﴿وَالْبَغْیَ﴾ اور ظلم و تکبر کو ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق [یہ ''الْبَغْیَ'' کے متعلق ہے] ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراؤ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل اور حجت نازل نہیں فرمائی [''سُلْطَانًا'' کا معنی حجت یعنی دلیل ہے اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو اور شرک کو حرام فرما دیا ہے [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یُنْزِلْ'' تخفیف کے ساتھ ہے] اور اس آیت مبارکہ کے اس جملے میں کفار کا استہزاء اور مذاق اڑایا گیا ہے کیونکہ یہ تو جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی برھان اور دلیل نازل کرتا کہ اس کے غیروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہو جس کو تم نہیں جانتے ہو اور تم بناوٹی باتیں اس پر تھوپ دو اور خود چیزوں کو حرام وغیرہ کہہ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے پھرو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے' پھر جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے ○ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں بیان کریں' سو جو شخص شرک سے بچ گیا اور نیک ہو گیا تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہی دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

۳۴- ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ اور ہر جماعت کے لیے وقت معین ہو چکا ہے' لہٰذا اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس مقرر و معین وقت پر ہلاکت کا عذاب ان پر آئے گا اور یہ اہل مکہ کے لیے سخت وعید و دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر وقت پر ان پر عذاب نازل ہوگا جیسا کہ وہ دیگر امتوں پر عذاب نازل کرتا رہا ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ سو جب ان کا مقررہ وقت آ جائے گا تو وہ لوگ نہ ایک لمحہ پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے'' سَاعَةً'' کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ یہ کم از کم وقت ہے جو مہلت دینے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۵- ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول تشریف لے آئیں [اس میں ''اِمَّا'' شرطیہ ہے (کیونکہ ''اِمَّا'' اصل میں ''اِنْ مَا'' ہے) شرط کے معنی کو مؤکد و مستحکم کرنے کے لیے حرف ''مَا'' اس کے ساتھ ملا دیا گیا اس لیے کہ ''مَا'' شرط کے لیے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے فعل پر نون ثقیلہ یا نون خفیفہ لازم ہوتا ہے] ﴿يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ جو تم پر ہماری آیتیں یعنی ہماری کتابیں تلاوت کریں [اور یہ جملہ ''رُسُلٌ'' کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع کے محل میں واقع ہے اور یہ شرط کا جواب ہے] ﴿فَمَنِ اتَّقٰى﴾ تو جو شرک سے بچ گیا ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور تم میں

سے اس نے نیک عمل کیے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے [ قاری یعقوب کی قراءت میں ''فَلَا خَوْفَ'' ہے (یعنی فا پر دو پیش کی بجائے فقط ایک زبر ہے)]۔

۳۶۔﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ اور تم میں سے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا اور اپنی عظمت و بڑائی کا خیال کر کے ایمان لانے سے منہ پھیر لیا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۳۷

سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور اس کی آیتوں کو جھٹلایا' ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا رہے گا' یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آئیں گے' تو وہ کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ یقیناً کافر تھے O

۳۷۔﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پھر اس سے بڑھ کر کون ظام ہوگا جس نے بدترین ظلم کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو اس نے نہیں فرمائیں یا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس نے اس سب کو جھٹلا دیا ﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کا لکھا نصیب ملے گا یعنی جو کچھ رزق اور زندگی ان کے لیے لکھی جا چکی ہے وہ انہیں ضرور ملے گی ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں گے یعنی ملک الموت اور اس کے معاونین [اور حرف ''حَتّٰی'' کافروں کا اپنے دنیاوی نصیب کو پالینے اور اپنی عمریں پوری کر لینے کی انتہاء بیان کرنے کے لیے ہے اور یہ وہ حرف ''حَتّٰی'' ہے جس کے بعد نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں وہ کلام جملہ شرطیہ ہے اور وہ یہ ہے'' اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا''] ﴿يَتَوَفَّوْنَهُمْ﴾ وہ فرشتے ان کی روحیں قبض کر لیتے ہیں [ اور یہ'' رُسُل'' سے حال ہے ] یعنی ہمارے فرشتے اس وقت ان کی روحیں قبض کرنے آتے ہیں ] ﴿قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ﴾ [مصحفِ عثمانی کی تحریر کے مطابق اس میں لفظ'' مَا''،'' اَيْنَ'' کے ساتھ موصولہ ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو'' اَيْنَ'' سے جدا لکھا جائے کیونکہ یہ'' مَا'' موصولہ ہے ] اور اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے جان کنی کے وقت کافروں سے سوال کرتے ہوئے کہیں گے کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کی تم پرستش کرتے تھے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تا کہ وہ بت تمہارا دفاع کریں ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ تو کافر جواب میں کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں اب ہم انہیں نہیں دیکھ رہے ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے کہ

بے شک وہ کافر تھے اور وہ لوگ لفظ شہادت کے ساتھ اپنے کفر کا اعتراف کریں گے کیونکہ شہادت کا لفظ خبر کی تحقیق کے لیے آتا ہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ
كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ
اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬
قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ
ع ۸ ۱۱ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ کی آگ میں پہنچ چکی ہیں تم بھی انہیں میں داخل ہو جاؤ' جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی' یہاں تک کہ جب وہ سب کے سب اس میں داخل ہو جائیں گے' تو ان کی پچھلی جماعتیں ان کی پہلی جماعتوں کے بارے میں کہیں گی: اے ہمارے پروردگار! انہیں لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' سو تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے' اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے ○ اور ان کے پہلے ان کے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے' سو تم بھی عذاب کا مزہ چکھو' یہ ان اعمال کا بدلا ہے جو تم کماتے رہے ہو ○

۳۸- ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کافروں سے فرمائے گا کہ تم گزشتہ امتوں میں داخل ہو جاؤ یعنی ان امتوں میں شامل ہو کر تم ان کے ساتھی بن جاؤ [''فِیْ اُمَمٍ'' حال کی جگہ پر واقع ہے] ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ﴾ بے شک جنوں اور انسانوں میں سے کفر کرنے والی یہ امتیں تم سے پہلے دوزخ کی آگ میں پہنچ چکی ہیں [''فِی النَّار'' ''اُدْخُلُوْا'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ جب ایک جماعت جہنم کی آگ میں داخل ہوگی تو دین میں ہم خیال جماعت پر لعنت کرے گی یعنی جو ان کی پیروی کر کے گمراہ ہو گئی تھی ﴿حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا﴾ یہاں تک کہ جب وہ سب کے سب جہنم کی آگ میں جمع ہو جائیں گے [اور ''اِدَّارَكُوْا'' کی اصل ''تَدَارَكُوْا'' ہے' پھر ''تا'' کو دال سے تبدیل کیا گیا اور اس کو ادغام کے لیے ساکن کر دیا گیا' پھر شروع میں ہمزہ وصل کا داخل کیا گیا ہے اور ''جَمِیْعًا'' حال ہے] ﴿قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ﴾ ان کی درجے کے اعتبار سے پچھلی جماعت کہے گی اور یہ پیروکاروں اور کمزوروں کی جماعت ہوگی ﴿لِاُوْلٰىهُمْ﴾ درجے میں اپنی پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی اور یہ پہلی جماعت لیڈروں اور سرداروں کی جماعت ہوگی اور ''لِاُوْلٰىهُمْ'' کا معنی ہے کہ پہلی جماعت کی وجہ سے کیونکہ ان کا خطاب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا پہلی جماعت کے ساتھ نہیں ہوگا ﴿رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا﴾ اصل میں ''یَا رَبَّنَا'' ہے' اے ہمارے رب! انہوں نے (یعنی سرداروں نے) ہمیں گمراہ کیا تھا ﴿فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ سو تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے ﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیڈروں کو گمراہی اختیار کرنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی بنا پر اور پیروکاروں کو کفر اختیار کرنے اور کافر سرداروں کی پیروی کرنے پر دگنا عذاب ہوگا ﴿وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾

لیکن تم نہیں جانتے جو تم میں سے ہر فریق کو عذاب ملے گا [اور جناب قاری ابوبکر کی قراءت میں "وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ" ہے] یعنی ہر ایک فریق دوسرے فریق کے عذاب کی مقدار کو نہیں جان سکے گا۔

۳۹۔﴿ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ اور پہلی جماعت کے لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور انہوں نے اپنا کلام ارشاد باری تعالیٰ "لِکُلٍّ ضِعْفٌ" کے ساتھ جوڑ دیا ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ہم سب دگنے عذاب کے مستحق ہونے میں برابر ہیں ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو' یہ بدلا ہے ان اعمال کا جو تم لوگ کماتے رہے تھے یعنی یہ عذاب تمہاری اپنی کمائی اور کفر کا بدلا ہے اور یہ بات کافروں کے سردار اپنے پیروکاروں سے کہیں گے [اور اس صورت میں "مِنْ فَضْلٍ" پر وقف نہیں ہوگا یا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کافروں سے خود یہ بات ارشاد فرمائے گا اور اس صورت میں "مِنْ فَضْلٍ" پر وقف ہوگا]۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے' اور ہم مجرموں کو ایسے ہی سزا دیں گے ○ ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہوگا' اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص پر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت کے مطابق' یہی لوگ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

## کافر و مسلم کے انجام اور باہمی مکالمہ کا بیان' نیز اصحابِ اعراف کا بیان

۴۰۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے یعنی انہیں آسمان پر چڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تاکہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں کیونکہ جنت آسمانوں کے اوپر ہے یا ان کے نیک عمل آسمان پر نہیں جا سکیں گے اور نہ ان پر برکت نازل ہوگی یا جب وہ مر جائیں گے تو ان کی ارواح آسمانوں پر نہیں جا سکیں گی جیسا کہ مؤمنین کی ارواح آسمانوں پر جاتی ہیں [قاری ابوعمرو کی قراءت میں تخفیف "تا" کے ساتھ "لَا تُفْتَحُ" ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "یا" تخفیف کے ساتھ ہے (لَا یُفْتَحُ)] ﴿ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾

اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے یعنی کفار جنت میں کبھی داخل نہیں ہوسکیں گے کیونکہ اس کو ناممکن ومحال پر معلق کیا گیا ہے اور ''خیاط'' اور ''مخیط'' اس آلہ کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کپڑوں کی سلائی کی جاتی ہے اور وہ سوئی ہوتی ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اس رسوا کن سزا کی طرح جو ہم نے بیان کی ہے ﴿نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم مجرموں یعنی کافروں کو سزا دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کرنا ان کے کفر کی دلیل ہے۔

۴۱- ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہوگا [''غَوَاشٍ''، ''غَاشِيَةٌ'' کی جمع ہے بہ معنی پردے] ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ہم اس طرح ظالموں کو سزا دیں گے جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔

۴۲- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور تکلیف کا معنی ہے کہ کسی عمل کو لازم کر لینا جس میں محنت و مشقت ہو ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں [''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا ہے اور ''اَصْحَابُ الْجَنَّةِ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا خبر مل کر یہ جملہ ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کی خبر ہے] ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے مطابق [اور یہ مبتدا اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

الثلثة

اور ہم ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیں گے ان کے نیچے نہریں بہیں گی اور وہ کہیں گے: سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی' اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا' بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے' اور انہیں آواز دی جائے گی کہ یہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے تمہارے اعمال کا صلہ ہے O اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے: بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو سچا وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پالیا ہے تو تمہارے رب نے تم سے جو سچا وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے اسے پالیا ہے' وہ جواب میں کہیں گے: ہاں! پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O

۴۳- ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ہم ان کے سینوں سے وہ بغض اور کینے نکال دیں گے جو دنیا میں

ان کے درمیان پیدا ہو گئے تھے' سو اب بہشت میں ان کے درمیان باہمی محبت و پیار کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہے گا اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک مجھے قوی امید ہے کہ میں حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) انہیں میں سے ہیں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہری بہتی ہوں گی [یہ جملہ "فِیْ صُدُوْرِهِمْ" کی "هِمْ" ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل اضافت کا معنی ہے] ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ اور وہ جنتی لوگ کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت عنایت کی کیونکہ وہی اس بڑی کامیابی کا وسیلہ بنا ہے اور وہ ایمان ہے (اور نیک اعمال ہیں) ﴿وَمَا كُنَّا﴾ [قاری ابن عامر شامی کی قراءت واؤ کے بغیر ہے اس بنا پر کہ یہ جملہ ماقبل جملے کی وضاحت کر رہا ہے] ﴿لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ [اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی یہ صحیح نہیں تھا کہ ہم خود ہدایت حاصل کر لیتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عنایت نہ فرماتا [اور "لَوْلَا" کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے] ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے' سو یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر لطف و کرم اور اس کا احسان تھا اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف سے تنبیہ تھی' چنانچہ ہم نے ہدایت حاصل کی' جب جنتی جنت میں رسولوں کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق اس کی نعمتیں پائیں گے تو مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور اپنے اعتقاد کا اظہار کریں گے ﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ﴾ اور انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ یہ بہشت ہے ["اَنْ" ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے اس کی اصل "وَنُوْدُوْا بِاَنَّهٗ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ" ہے اور "ہٗ" ضمیر شان ہے یا "اَیْ" کے معنی میں ہے] گویا ان سے کہا جائے گا کہ بے شک یہ جنت ہے ﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ تمہیں اس کا وارث بنایا گیا اور تمہیں یہ جنت عطا کی گئی ہے [اور یہ جنت سے حال ہے اور اس کا عامل وہ ہے جو "تِلْكَ" میں اشارے کا معنی دے رہا ہے] ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم دنیا میں جو عمل کرتے تھے ان کا یہ صلہ ہے' اس کو میراث اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جنت اعمال صالحہ کے استحقاق میں نہیں ملے گی بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملے گی کہ اس نے عبادات پر وعدہ فرما لیا ہے جیسے میّت کی طرف سے میراث ملتی ہے' بہر حال یہ جنت کسی معاوضہ میں نہیں ملے گی بلکہ یہ خالص صلہ اور انعام ہے اور حضرت شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ معتزلہ (جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہدایت دیتا ہے) نے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت نوح علیہ السلام کی' اہل جنت کی اور دوزخیوں کی اور ابلیس کی مخالفت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" (المدثر:۳۱) "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہدایت دیتا ہے" اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: "وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ" (ھود:۳۴) "اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی اگر میں تمہاری بھلائی چاہوں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہے" اور اہل جنت نے کہا کہ "وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ" (الاعراف:۴۳) "اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدات نہ دیتا" دوزخ والوں نے کہا: "لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ" (ابراہیم:۲۱) "اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ضرور ہدایت کرتے" اور ابلیس نے کہا: "فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ" (الاعراف:۱۶) "کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے"۔

۴۴۔ ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ثواب کا جو سچا وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پا لیا ہے [اور اس میں "اَنْ" ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے یا یہ "اَنْ" مفسرہ ہے اور اسی طرح "اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" میں ہے اور "حَقًّا"

حال ہے] ﴿ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ﴾ تو کیا تمہارے رب نے تم سے عذاب کا جو سچا وعدہ فرمایا تھا تم نے اسے پالیا [اور اصل میں ''وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ'' ہے پھر ''وَعَدَكُمْ'' سے ''كُمْ'' ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ''وَعَدَنَا رَبُّنَا'' اس پر دلالت کر رہا ہے] اور جنتی لوگ یہ بات دوزخیوں سے ان کی حالت پر خوش ہو کر کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے کے لیے یہ بات کہیں گے ﴿ قَالُوْا نَعَمْ ﴾ دوزخی جواب میں کہیں گے: جی ہاں! [قاری علی کسائی کی قراءت میں عین کے نیچے زیر ہے] ﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ ﴾ پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا اور وہ ایک فرشتہ ہوگا جس کی آواز اہل جنت بھی سنیں گے اور اہل جہنم بھی سنیں گے ﴿ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے [ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَنْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ'' (پیش کی بجائے ''لَعْنَةَ'' پر زبر) ہے]۔

| |
|---|
| الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ |
| وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ |
| الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ |
| تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَنَادٰى |
| اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا |
| كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ |

جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے' اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں O اور جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ ہے' اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے' اور جنت والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلام ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ آرزو رکھتے ہیں O اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر O اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کی علامت سے پہچان لیں گے کہیں گے: کیا تمہاری جماعت تمہارے کام آئی اور وہ جو تم تکبر و غرور کرتے تھے O

٤٥- ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی اس کے دین سے روکتے ہیں ''يَصُدُّوْنَ'' کا معنیٰ ''يَمْنَعُوْنَ'' ہے کہ وہ روکتے ہیں اور ''سبیل'' سے مراد دین ہے ﴿ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ اور وہ اس کے لیے ٹیڑھا اور مخالف راستہ تلاش کرتے ہیں [اور ''عِوَجًا''، ''يَبْغُوْنَ'' کا دوسرا مفعول ہے] ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴾ اور وہ آخرت کے گھر کا انکار کرتے ہیں۔

٤٦- ﴿ وَبَيْنَهُمَا ﴾ اور ان دونوں کے درمیان یعنی جنت اور جہنم کے درمیان یا دونوں فریق جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ﴿ حِجَابٌ ﴾ پردہ ہے اور یہ وہ پردہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے: ''فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ'' (الحدید:١٣) ''سو ان کے درمیان ایک پردہ کھڑا کر دیا

جائے گا اس کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا'' ﴿ وَعَلَى الْأَعْرَافِ ﴾ اور پردے کی بلندیوں پر اور وہ پردہ ایک قلعہ نما مضبوط دیوار ہوگا جو جنت اور دوزخ کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے اور اعراف سے اس کی بلند و بالا چوٹیاں مراد ہیں اور وہ عرف کی جمع ہے (جس کا معنی بلندی ہے) اور یہ ''عُرْفُ الْفَرَسِ'' (گھوڑے کی ایال) اور ''عُرْفُ الدِّيْكِ'' (مرغ کی کلغی) سے مستعار لیا گیا ہے ﴿ رِجَالٌ ﴾ مسلمانوں میں سے بہترین کچھ مرد ہوں گے یا جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی یا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے والدین میں سے کوئی ایک ناراض ہوگا یا پھر مشرکین کے بچے ہوں گے ﴿ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا ﴾ وہ نیک بختوں اور بدبختوں کی جماعت میں سے ہر ایک کو پہچان لیں گے ﴿ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ ان کی علامت سے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہوگی کہ ان کے چہرے روشن اور چمکتے دمکتے ہوں گے اور ترو تازہ ہوں گے اور کافروں کی علامت یہ ہوگی کہ ان کے چہرے سیاہ اور بدنما ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی ﴿ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی اعراف والے جنتیوں کو آواز دے کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو اور یہ سلام اہل جنت کے لیے ان کی طرف سے ہدیۂ تبریک ہوگا ﴿ لَمْ يَدْخُلُوْهَا ﴾ یعنی اعراف والے جنت میں داخل نہیں ہوئے [اور اعراب کے اعتبار سے اس کا کوئی محل نہیں کیونکہ یہ ایک الگ جملہ (مستأنفہ) ہے یا اس کا محلِ اعراب ہے اور وہ یہ کہ یہ جملہ ''رِجَالٌ'' کی صفت ہے] گویا کسی سائل نے اصحابِ اعراف کے متعلق سوال کیا تو کہا گیا کہ ابھی تک جنت میں داخل نہیں ہوئے البتہ ﴿ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں جانے کی تمنا رکھتے ہیں۔

۴۷- ﴿ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور جب اعراف والوں کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی اور وہ اس میں لوگوں پر عذاب ہوتا دیکھیں گے تو عرض کریں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر' سو وہ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں گے اور وہ گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سہارا لیں گے کہ انہیں ان ظالموں کے ساتھ نہ کیا جائے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بے شک آنکھیں پھیرنے والا اپنی آنکھیں محض اس لیے پھیرلے کہ وہ غور و فکر اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے اور پناہ مانگے [''تِلْقَآءَ'' ظرف ہے' اس کا معنی ''طرف'' ہے]۔

۴۸- ﴿ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ﴾ اور اعراف والے کافروں کے سرداروں میں سے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کی علامت سے پہچان لیں گے' کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا یعنی تمہارے مال نے یا تمہاری کثرت اور تمہاری بڑی جماعت نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا [اور اس میں حرف ''مَا'' نفی کا ہے] ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ اور تم دینِ حق سے اور خلق خدا سے جو کچھ تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا' پھر اصحابِ اعراف حضرات ان کافروں سے فرمائیں گے:

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾

کیا یہ (جنتی لوگ) وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت ہرگز نہیں پہنچے گی' (جنتیوں سے کہا جائے گا:) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے ○ دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی انڈیل دو یا اس کھانے میں سے کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے' جنتی کہیں گے: بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے ○ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا' سو آج ہم انہیں (عذاب میں) چھوڑ دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا' اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

۴۹۔ ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ ﴾ کیا یہ (جنتی) لوگ وہی ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے' یہ اشارہ غریب و نادار مسلمانوں کی طرف ہے جیسے حضرت صہیب' حضرت سلمان اور ان دونوں جیسے (حضرت بلال' حضرت خباب) [''هٰؤُلَاءِ'' مبتدا ہے' ''اَلَّذِيْنَ'' مبتدا مضمر کی خبر ہے' اصل میں ''اَهٰؤُلَآءِ هُمُ الَّذِيْنَ'' ہے] ﴿ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ﴾ [یہ ''اَقْسَمْتُمْ'' کا جواب ہے اور یہ ''اَلَّذِيْنَ'' کے صلہ میں داخل ہے] اس کی مقدر عبارت اس طرح ہے:] (ترجمہ) تم ان کے متعلق قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی یعنی اللہ تعالیٰ ان غریب و نادار مسلمانوں کو جنت میں داخل نہیں کرے گا' کفار مکہ ان فقراء مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے' پھر جب اعراف میں رہنے والے دونوں فریقوں جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھ لیں گے اور ان کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے اور انہوں نے ان سے جو کچھ کہنا تھا وہ سب کچھ کہہ چکیں گے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائے گا: ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾ کہ اب تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

۵۰۔ ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ ﴾ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی انڈیل دو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت دوزخ سے اوپر ہے [اور اس میں حرف ''اَنْ'' مُفَسِّرَہ ہے] ﴿ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ یا پانی کے علاوہ دیگر مشروبات میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے وہ ہم پر بہا دو کیونکہ یہ بھی افاضہ (انڈیلنے اور بہانے) کے حکم میں داخل ہے یا پھر مراد یہ ہے کہ کھانوں اور پھلوں میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عنایت فرمایا ہے اس میں سے کچھ ہم پر ڈال دو جیسے کسی شاعر کے شعر کا مصرعہ ہے: ''عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَآءً بَارِدًا'' تم نے اس کو گھاس اور ٹھنڈا پانی کھلایا اور پلایا ہے اور پھر دوزخی جواب سے مایوس ہونے کے باوجود یہ سوال محض اس لیے کریں گے کہ حیران و پریشان آدمی اپنی پریشانی کی وجہ سے مفید و غیر مفید دونوں باتیں بولتا ہے ﴿ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ جنتی جواب میں کہیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام فرما دیا ہے اور یہ حرمت ممنوع کے معنی میں ہے جیسا کہ ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ'' (القصص: ۱۲) میں ہے [اگر اس کے بعد والے جملے کو مرفوع یا بطور ذم منصوب قرار دیا جائے تو پھر یہاں وقف کیا جائے گا اور اگر اس کو ''كٰفِرِيْنَ'' کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا جائے تو پھر یہاں پر وقف نہیں کیا جائے گا]۔

۵۱- ﴿ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا ﴾ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا کہ جس کو چاہا حرام قرار دے دیا اور جس کو چاہا حلال قرار دے دیا ہے یا انہوں نے اپنے دین کو عید بنالیا ﴿ وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ اور دنیا کی زندگی اور درازیٔ عمر کی آرزو نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا ﴿ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ ﴾ سو آج ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے ﴿ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ﴾ جس طرح انہوں نے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا ﴿ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے یعنی قیامت کے دن کو بھولنے اور آیات قرآنی کے انکار کرنے کی وجہ سے (ہم انہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ
قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ
نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۱۴

اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جس کو ہم نے اپنے علم کی بناء پر تفصیل سے بیان کیا' وہ ایمان لانے والی قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر اس کی وعید کا' جس دن اس کی وعید آئے گی تو وہ لوگ جو پہلے اس کتاب کو بھول چکے تھے کہیں گے: بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے' تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہے جو ہماری سفارش کر دے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تو اب ہم ان کاموں کے برعکس کام کریں گے جو پہلے کیا کرتے تھے' بے شک انہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کو وہ تراشتے تھے ○

۵۲- ﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ ﴾ اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جس کو ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور ہم نے اس کے حلال و حرام کے احکام کو اور اس کی نصیحتوں اور اس کے قصوں کو واضح اور ممتاز کر دیا ﴿ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ اس کے احکام کی کیفیت کو جان بوجھ کر ﴿ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ یہ کتاب سراسر ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے [اور یہ "هُدًى وَّرَحْمَةً" حال ہیں "فَصَّلْنٰهُ" کی ضمیر منصوب سے جیسا کہ "عَلٰى عِلْمٍ" اس کی مرفوع ضمیر سے حال ہے]۔

۵۳- ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ﴾ "يَنْظُرُوْنَ" "يَنْتَظِرُوْنَ" کے معنی میں ہے یعنی کفار کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں مگر اس کتاب کے دھمکی آمیز حکم کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں اور یہ کہ عنقریب اس کتاب کی صداقت واضح ہو جائے گی اور جو کچھ وعدے اور وعید کے بارے میں اس کتاب نے کہا ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ﴾ جس دن اس کا کہا ہوا انجام آ جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو بھلا کر چھوڑ دیا تھا اور اس سے منہ پھیر لیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہمارے رب تعالیٰ کے تمام رسول حق لے کر آئے تھے یعنی اس دن واضح ہو جائے گا اور صحیح ثابت ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے تمام رسول دنیا میں حق لے کر آئے تھے سو اس دن

کفار اقرار و اعتراف کریں گے مگر اس وقت ان کا اقرار انہیں فائدہ نہیں دے گا ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ﴾ تو کیا ہمارے لیے سفارشی ہیں ﴿فَيَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ سو وہ ہماری سفارش کر دیں [یہ استفہام و سوال کا جواب ہے] ﴿اَوْ نُرَدُّ﴾ یا ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے [یہ جملہ اپنے مقابل جملے پر معطوف ہے اور اس کے ساتھ استفہام کے حکم میں داخل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ کیا ہمارے لیے سفارشی ہیں یا کیا ہمیں واپس بھیج دیا جائے گا؟ [اور یہ مرفوع اس لیے ہے کہ ایسی جگہ پر واقع ہے جو اسم کی صلاحیت رکھتی ہے جیسے شروع میں تمہارا یہ کہنا "هَلْ يَضْرِبُ زَيْدٌ" یا "هَلْ" کی تقدیر پر معطوف ہے] یعنی "هَلْ يَشْفَعُ لَنَا شَافِعٌ اَوْ هَلْ نُرَدُّ" کیا کوئی سفارشی ہماری سفارش کرے گا یا کیا ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے گا؟ ﴿فَنَعْمَلَ﴾ [استفہام ثانی کا جواب ہے] سو اب ہم (دنیا میں جا کر توحید اور نیک) عمل اختیار کریں گے ﴿غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ ان (برے اعمال شرک و نافرمانی) کے علاوہ جو ہم پہلے کرتے تھے ﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ بے شک انہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا اور ان سے گم ہو گئے وہ بت جن کو خدا کا شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ ج وَلَا تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ
مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر متصرف و غالب ہوا' وہ رات سے دن کو چھپاتا ہے کہ رات دن کو تیزی سے تلاش کرتی ہے' اور سورج اور چاند اور ستاروں کو (اسی نے پیدا فرمایا جو) اس کے حکم کے تابع ہیں' سنو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے لیے ہے' اللہ بڑا بابرکت ہے جو تمام جہان والوں کا پروردگار ہے○ تم اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ اور آہستہ دعا کرو' بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا○ اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور تم اس سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے○

## قدرتِ خدا کا بیان خصوصاً تخلیق تدریجی کے فوائد اور دعا کی اہمیت

۵۴- ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا فرمایا' اس سے تمام آسمان اور تمام زمینیں اور ان دونوں کے درمیان موجود تمام کائنات مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل سورت حٰم السجدہ میں بیان فرما دی ہے یعنی ہفتہ سے لے کر جمعۃ المبارک تک تاکہ فرشتے تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ کام کرنے سے سبق حاصل کرتے رہیں اور تاکہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے

کہ معاملات اور دیگر تمام امور میں دیر میں خیر ہوتی ہے (اور جلد بازی میں نقصان ہوتا ہے) اور یہ بتانا کہ بے شک ہر کام کے لیے ایک دن ہوتا ہے اور یہ فائدہ بھی ہے کہ کسی کام میں جلد بازی کی بجائے تاخیر کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے کرنے میں خالق و مالک' عالم و مدبر اور مرید و متصرف پر زیادہ دلالت ہے کہ وہ اپنے اختیار کے ساتھ تصرف فرماتا ہے اور وہ اپنی مشیّت و ارادے کے ساتھ آرام سے تمام امور کو سرانجام دیتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے معاملات کو چلاتا ہے ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی ﴾ پھر وہ غالب ہوا ﴿ عَلَی الْعَرْشِ ﴾ عرش پر' اللہ تعالیٰ نے استیلآء (غلبہ و اقتدار اور تصرف و کنٹرول) کی نسبت صرف عرش کی طرف کر دی ہے حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام مخلوقات پر غالب و قادر اور متصرف ہے کیونکہ عرش تمام مخلوقات میں سے سب سے بڑا اور سب سے بلند و بالا ہے' اس پر کنٹرول و غلبہ اور قدرت و اختیار حاصل کرنا تمام مخلوقات پر غالب ہونے کی دلیل ہے اور ''عرش'' کا معنی تخت یا کرسی کرنا اور ''استوآء'' کا معنی ''اس پر ٹھہرنا اور بیٹھنا'' کرنا باطل و حرام اور ناجائز ہے جیسا کہ ''مُشَبِّهه'' نے کہا ہے[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ عرش سے پہلے بھی موجود تھا اور اس وقت کوئی مکان نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ جیسے پہلے موجود تھا ویسے آج بھی موجود ہے اور اس لیے کہ تبدیلی مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور حضرت امام جعفر صادق' حضرت خواجہ حسن بصری' حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ استوآء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول (نامعلوم) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت و گمراہی ہے ﴿ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ﴾ اللہ تعالیٰ رات سے دن کو چھپاتا ہے یعنی رات دن کے پیچھے آتی ہے اور اپنی تاریکی سے دن کو چھپا دیتی ہے اور دن رات کے پیچھے آتا ہے اور اپنی روشنی سے رات کو غائب کر دیتا ہے [ قاری حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں ''یُغَشِّی'' (شین ساکن کی بجائے مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے ] ﴿ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ﴾ رات دن کو تیزی سے تلاش کرتی ہے [ اور یہ جملہ ''اَلَّیْلَ'' سے حال ہے ] اور ''حَثِیْثًا'' کا معنی تیز اور جلدی کے ہیں اور طالب رات ہے جو دن کا پیچھا کرتی ہے گویا رات جلدی گزر جانے کی وجہ سے دن کی طلب میں اس کا تعاقب کرتی ہے (جیسے موسم گرما میں) ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ ﴾ اصل میں ''وَخَلَقَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ'' ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا ﴿ مُسَخَّرٰتٍ ﴾ عاجزی کرنے والے' تابع داری کرنے والے' اطاعت گزار و فرماں بردار ہیں [ قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ'' (چاروں کے آخری پیش) ہیں' اس صورت میں ''وَالشَّمْسُ'' مبتدا ہوگا اور باقی دو اس پر معطوف ہوں گے اور ''مُسَخَّرَاتٌ'' اس کی خبر ہوگی جب کہ پہلی صورت میں ''مُسَخَّرَاتٌ'' حال ہے ] ﴿ بِاَمْرِهٖ ﴾ سب اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے تابع ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ اس نے مذکورہ بالا تمام چیزوں کو اپنے حکم کے تابع پیدا فرمایا ہے تو اب ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ یعنی سنو اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے اور سب پر اسی کا حکم نافذ و جاری ہے ﴿ تَبٰرَكَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے اور اس کی خیر خواہی اور بھلائی سب سے زیادہ ہے اور سب پر ہے یا یہ کہ اس کی کرم نوازی اور مہربانی ہمیشہ مسلسل جاری رہتی ہے اور ''تَبَارَكَ''، ''بَرَكَةٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی بڑھنا اور بلند و بالا ہونا ہے یا یہ ''بُرُوْك'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ثابت و قائم رہنا ہے اور اسی سے برکت ہے ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

[1] ''مُشَبِّهه'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجسم ذات ہے' انسان کی طرح وہ جسمانی اعضاء رکھتا ہے جیسے شیخ ابن تیمیہ تھا۔ (تبیان القرآن جلد چہارم ص ۱۵۹)

۵۵۔ ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾ تم اپنے رب تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور چپکے سے دعا کیا کرو [ ''تَضَرُّعًا'' اور ''خُفْيَةً'' حال کی بنا پر منصوب ہیں ] یعنی اس حال میں تم اپنے رب سے دعا کرو کہ تم انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ گڑگڑا کر آہستہ سے بولو [ اور ''تَضَرُّع'' باب تَفَعُّل کے وزن پر ''ضراعة'' سے ماخوذ ہے ] انتہائی عاجزی ظاہر کرنا یعنی گڑگڑانا اور خوشامد کرنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم نہ کسی بہرے سے دعا کرتے ہو اور نہ کسی دور والے سے بلکہ تم جس سے دعا کرتے ہو وہ سب کچھ سن لیتا ہے اور وہ تمارے نزدیک ہوتا ہے' وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں رہو[1] حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ علانیہ دعا پر پوشیدہ اور مخفی دعا کو ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے ﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دعا وغیرہ میں سے ہر کام میں دیئے گئے احکامِ الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں۔ حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے بلند آواز سے دعا کرنے والے مراد ہیں اور انہی سے منقول ہے کہ چیخ چیخ کر دعا کرنا مکروہ اور بدعت ہے اور بعض نے فرمایا کہ ریا اور نام و نمود کی خاطر لمبی دعا کرنا مراد ہے اور حضور سرورِ کونین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے بڑھ جائے گی اور انسان کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ دعا کرتے ہوئے کہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس قول اور عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور اے اللہ! میں دوزخ کی آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور ہر اس قول و عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو مجھے دوزخ کے قریب کر دے' پھر آپ نے ''اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' کی تلاوت فرمائی[2]

۵۶۔ ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی اطاعت وعبادت کے بعد گناہوں کے ذریعے یا توحید کے بعد شرک کے ذریعے یا عدل و انصاف کے بعد ظلم و زیادتی کے ذریعے تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ [ ''خَوْفًا وَّ طَمَعًا'' دونوں حال ہیں ] یعنی تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو رد ہو جانے سے ڈرتے ہوئے اور قبول ہونے کی امید رکھتے ہوئے' جہنم کی آگ سے ڈرتے ہوئے اور جنت میں جانے کی امید کرتے ہوئے یا فراق سے ڈرتے ہوئے اور ملاقات کی امید رکھتے ہوئے یا انجام کے غائب ہونے سے ڈرتے ہوئے اور ظاہری ہدایت میں رغبت رکھتے ہوئے یا اس کے عدل سے ڈرتے ہوئے اور اس کے فضل و کرم کی امید رکھتے ہوئے ﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے نزدیک ہے [ یہاں پر ''رَحْمَتَ اللّٰهِ'' کی خبر ''قَرِیْبٌ'' اس تاویل کی بنا پر مذکر ذکر کی گئی کہ ''رَحْمَة'' رحم یا ترحم کے معنی میں ہے یا پھر یہ محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی ''شَیْءٌ قَرِیْبٌ'' ہے یا اسے فعیل مصدر کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو مفعول کے معنی میں آتا ہے یا اس لیے کہ ''رَحْمَة'' میں تانیث غیر حقیقی ہے یا اس لیے کہ یہ مذکر کی طرف مضاف ہے ]۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

[1] رواہ البخاری فی کتاب المغازی باب ۳۸' کتاب الجہاد باب ۱۳۱' کتاب الدعوات باب ۵۰۔ ۶۸' ومسلم فی کتاب الذکر رقم الحدیث ۴۴' ابوداؤد فی کتاب الوتر باب ۲۶' الترمذی فی کتاب الدعوات باب ۵۷' احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۳۹۴۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۷
[2] رواہ ابوداؤد فی کتاب الوتر باب ۲۳' کتاب الطہارۃ باب ۴۵' ابن ماجہ فی کتاب الدعاء باب ۱۲' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۱۷۲۔ ۱۸۳

كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ
بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ
لِقَوۡمٍ يَّشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ ع لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا ع ۵ ۱۴
لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۵۹﴾

اور وہی ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اس کو مردہ شہر کی طرف چلا دیتے ہیں' پھر ہم اس سے بارش کا پانی نازل کرتے ہیں' پھر ہم اس پانی کے ذریعے ہر قسم کا پھل نکالتے ہیں' اسی طرح ہم مردوں (کو زندہ کر کے قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے خوب نکلتا ہے' اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر بہت تھوڑا' اسی طرح ہم آیتوں کو شکر ادا کرنے والی قوموں کے لیے بار بار بیان کرتے ہیں O بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O

۵۷- ﴿وَهُوَ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اور وہی تو ہے جو (بارش کی خوشخبری دینے کے لیے پہلے) ہوائیں بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "الرِّیۡحَ" ہے (یعنی جمع کی بجائے واحد ہے)] ﴿بُشۡرًا﴾ خوشخبری دینے کے لیے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "نَشَرَ" کا مصدر "نَشۡرًا" (یعنی "بُشۡرًا" کی بجائے "نَشۡرًا" نون مفتوح اور شین ساکن کے ساتھ) ہے اور اس کا نصب (آخر میں دو زبر) یا اس لیے ہے کہ "اَرۡسَلَ" اور "نَشَرَ" دونوں قریب المعنی ہیں تو گویا فرمایا گیا ہے: "نَشَرَ نَشۡرًا" یا حال کی بنا پر ہے یعنی منشورات کے معنی میں ہے اور امام عاصم کی قراءت میں "بُشۡرًا" ("با" مضموم اور شین ساکن کے ساتھ) ہے اور یہ "بُشُرًا" (باوشین مضموم کے ساتھ) کی تخفیف ہے جو "بَشِيۡرٌ" کی جمع ہے کیونکہ ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "نُشُرًا" (نون وشین دونوں مضموم ہیں) اور "نُشۡرًا" (شین ساکن کے ساتھ) کی تخفیف ہے جیسے "رُسُلٌ وَ رُسۡلٌ" اور باقی قراء کی قراءت میں بھی یہی ہے اور یہ "نُشُوۡرٌ" کی جمع ہے یعنی بارش کو نشر کرنے والی] ﴿بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ﴾ اپنی نعمت سے پہلے اور وہ نعمت بارش ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی اور اہم ترین نعمتوں میں سے ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی سے بھرے بادلوں کو اٹھاتی ہیں (تو ہم انہیں مردہ اور بنجر شہروں کو سیراب کرنے کے لیے ان کی طرف روانہ کر دیتے ہیں) ["اَقَلَّتۡ" کا معنی اٹھانا اور بلند کرنا ہے اور یہ "اِقۡلَال" سے مشتق ہے جو "قِلَّةٌ" مجرد مصدر کا مزید فیہ مصدر ہے] کیونکہ طاقتور اٹھانے والا جس چیز کو اٹھاتا ہے اس کو قلیل خیال کرتا ہے' اسی طرح ہوائیں پانی سے پُر بھاری بادلوں کو سہولت کے ساتھ ہلکی چیز کی طرح اٹھا کر لے جاتی ہیں ["سَحَابًا"' "سَحَابَة" کی جمع ہے] ﴿سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ہم ان بادلوں کو مردہ اور بنجر شہروں کو سیراب کرنے کی خاطر ان کی طرف چلا دیتے ہیں جن میں بارش نہیں ہوئی ہوتی [اور "ہٗ" ضمیر "سحاب" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ لفظ کے اعتبار سے وہ واحد ہے اور اگر اس کو "ثِقَال" کی طرح معنی پر محمول کیا جاتا تو ضمیر مؤنث لائی جاتی جیسا کہ اس

کی صفت کو اگر لفظ پر محمول کیا جاتا تو پھر ''ثِـقَـالًا'' کی بجائے ''ثَـقِيْلًا'' کہا جاتا' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''مَيِّتٍ'' (''یا'' ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ تو ہم بادلوں سے یا بادلوں کو چلانے کے سبب بارش نازل کرتے ہیں اور اسی طرح ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ہم اسی طرح یعنی پھلوں کے اگانے اور نکالنے کی طرح مُردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھائیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ نصیحت اور یاددہانی مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانے کے لیے تمہیں راغب و آمادہ کر لے۔

۵۸۔﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ﴾ اور اچھی زمین وہ ہوتی ہے جس کی مٹی اچھی اور زرخیز ہو ﴿يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اس کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے خوب نکلتا ہے [اور یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس کا سبزہ خوب وافر مقدار میں نکلتا ہے کیونکہ یہ ''نَـكِدًا'' کے مقابلے میں واقع ہے ﴿وَالَّذِيْ خَبُثَ﴾ [یہ ''بَـلَدٌ'' کی صفت ہے] یعنی اور وہ زمین جو خراب وخبیث اور شور والی ہو ﴿لَا يَخْرُجُ﴾ ''اَیْ نَبَـاتُـهٗ'' یعنی اس کا سبزہ نہیں اگتا [یہاں ''نَبَـاتُـهٗ'' کو پہلے ''نَـبَاتُهٗ'' پر اکتفا کر کے محذوف کر دیا گیا ہے] ﴿اِلَّا نَكِدًا﴾ مگر تھوڑا اور یہ ایسا سبزہ ہوتا ہے جس میں کوئی بھلائی اور نفع نہیں ہوتا بے کار رہتا ہے اور یہ ایک مثال ہے کہ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن میں تبلیغ اور وعظ اثر کرتا ہے اور وہ مسلمان ہیں' دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن میں وعظ ونصیحت اثر نہیں کرتا اور یہ کافر ہیں اور بالتبع یہی مثال بارش کی مثال ذکر کر کے اس کے اثر کرنے اور بنجر وویران زمین پر اس کے برسنے اور اس کے ساتھ سبزہ اگانے پر فٹ ہوتی ہے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اس عجیب و غریب مثال کی طرح ﴿نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ ہم آیتوں کو دھرا دھرا کر بار بار بیان کرتے ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾ شکر ادا کرنے والی قوم کے لیے یعنی جو قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کی قوم ہے تاکہ وہ اس مثال میں غور وفکر کریں اور اس سے عبرت وسبق حاصل کریں۔

## حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کا ردِّ عمل

۵۹۔﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ [یہ محذوف قسم کا جواب ہے' اصل میں ہے: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا''] ﴿نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم نے (حضرت نوح) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور آپ کو اپنی قوم کی طرف پچاس سال کی عمر میں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ نجار (بڑھئی) تھے اور آپ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ ہیں اور اخنوخ' حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے ﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ سو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں [اور علی کسائی کی قراءت میں ''غَيْرِهٖ'' مجرور (را کے نیچے زیر) ہے (کہ یہ ''اِلٰهٍ'' کی صفت ہے) اور اس کا رفع محل کے اعتبار سے ہے (کیونکہ ''اِلٰهٍ'' مبتدا کی بنا پر محلًا مرفوع ہے) اور ''غیر'' کے آخر میں جر (زیر) لفظ کے اعتبار سے ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' سو تم اس کے ساتھ اس کے غیروں کی عبادت نہ کرو ﴿اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں یعنی قیامت کا دن یا ان پر نزولِ عذاب کا دن اور اس سے طوفان کا دن مراد ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ
ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

ع ۱۵

آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو یقیناً کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں O آپ نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں O میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے بھلائی چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے O اور کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے پاس رب کی نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم ڈرو اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے O سو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو نجات دے دی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا' وہ اندھی قوم تھی O

---

۶۰- ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ آپ کی قوم کے سرداروں اور لیڈروں نے کہا کہ بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں یعنی واضح گمراہی جو صحیح راستے سے دور لے جانے والی ہو اور یہاں دیکھنے سے مراد دل سے دیکھنا ہے۔

۶۱- ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے اور آپ نے ''ضَلٰلَةٌ'' کی بجائے ''ضَلَال'' نہیں فرمایا جیسا کہ انہوں نے آپ سے کہا تھا کیونکہ ''ضلالة'' ''ضلال'' سے زیادہ خاص ہے' لہٰذا آپ نے اپنی ذات سے گمراہی کی نفی کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ فرمایا گویا آپ نے واضح طور پر بتا دیا کہ میرے اندر کسی قسم کی کوئی گمراہی نہیں ہے' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے گمراہی کی نفی کی تاکید کرنے کے لیے حرف ''لٰـكِـنَّ'' استعمال کر کے ہر قسم کے شک وشبہ کی نفی فرما دی' چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور لیکن میں تو یقیناً تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں' اور چونکہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور اس کے احکامات و پیغامات کے مبلغ بن کر تشریف لائے تھے اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے پر گامزن ہیں' سو آپ تو نہایت ہدایت یافتہ ہیں۔

۶۲- ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ﴾ میں تو تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں جو بسا اوقات مختلف معانی میں مجھ پر بذریعہ وحی بھیجے جاتے ہیں جیسے اوامر' نواہی' مواعظ' بشارتیں اور مثالیں [قاری ابوعمرو کی قراءت میں ''اُبْـلِـغُـكُـمْ'' (باب افعال ''ابـلاغ'' سے) ہے' یہ جملہ مستأنفہ (نیا الگ جملہ) ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ پروردگار عالم کے رسول ہیں] ﴿وَاَنْصَحُ لَكُمْ﴾ اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور میں اخلاص کے ساتھ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں [اور ''نَـصَـحْـتُـهٗ'' ''وَنَـصَـحْـتُ لَـهٗ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے اور لام کے زیادہ کرنے سے مبالغہ ہو جاتا ہے اور خالص نصیحت پر دلالت ہوتی ہے] اور نصیحت کی حقیقت یہ ہے کہ جو خیر اور بھلائی تم اپنے لیے چاہتے ہو وہ تم اپنے غیر کے لیے بھی چاہو یا کسی پر انتہائی سچی

عنایت کرنا ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی اس کی صفات میں سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی اس کی زبردست قدرت اور اپنے دشمنوں پر اس کی گرفت و پکڑ اور یہ کہ بے شک اس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں ٹالا جا سکتا۔

٦٣- ﴿اَوَعَجِبْتُمْ﴾ [ہمزہ انکار کے لیے ہے اور واؤ عطف کے لیے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ''اَكَذَّبْتُمْ وَعَجِبْتُمْ'' کیا تم نے جھٹلا دیا اور تعجب کیا ﴿اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اصل ''مِنْ اَنْ جَآءَكُمْ'' اس سے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ﴿عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ تم میں سے ایک مرد کی زبانی یعنی وہ مرد تمہاری نسل سے ہے جس کی معرفت تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت آئی اور دراصل بات یہ تھی کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت پر تعجب کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: ''مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ'' (المومنون:۲۴) ''ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ نہیں سنا'' وہ اس سے بشر کا رسول بنا کر بھیجا جانا مراد لیتے تھے کیونکہ ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً'' (المومنون: ۲۴) ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو (بشر کو رسول بنانے کی بجائے) فرشتوں کو اتار دیتا'' ﴿لِيُنْذِرَكُمْ﴾ تا کہ حضرت نوح علیہ السلام تمہیں کفر و شرک کے بُرے انجام سے ڈرائیں ﴿وَلِتَتَّقُوْا﴾ اور تا کہ تم پرہیز گاری اختیار کر لو اور پیغمبر کے ڈرانے کی وجہ سے تمہارے اندر خوفِ خدا پیدا ہو جائے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور تا کہ تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے اگر تم میں تقویٰ پایا گیا۔

٦٤- ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ سو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ پر جھوٹا ہونے کا الزام لگا دیا ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ تو ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نجات دے دی اور وہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں اور بعض نے کہا: نو آدمی تھے آپ کے تین بیٹے سام' حام اور یافث اور چھ آدمی وہ تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے ﴿فِي الْفُلْكِ﴾ [یہ ''مَعَهٗ'' کے ساتھ متعلق ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور وہ لوگ جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے ﴿وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' بے شک وہ لوگ حق سے اندھے تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آنکھوں سے اندھا ہے اور فلاں دل کا اندھا ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ہود کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں ○ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی بے وقوفی نہیں ہے اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں ○ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے ایک

امانت دار خیر خواہ ہوں O

## حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم عاد کا رد عمل

٦٥- ﴿ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ھود کو بھیجا [دراصل ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ'' ہے اور یہ ''نُوْحًا'' پر معطوف ہے اور ''اَخَاهُمْ'' کا مطلب ہے: ان میں سے ایک جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''یَا اَخَا الْعَرَبِ'' اے عرب کے بھائی!] یعنی ان میں سے ایک اور بلاشبہ ان میں سے ایک عاد کو اس لیے مقرر کیا گیا کہ یہ شخص ان کے تمام مردوں میں سے زیادہ ذہین وعقل مند تھا اور ان سب کا سردار تھا تو اس پر حجت پیش کرنا سب پر پیش کرنا ہے [اور ''هُوْدًا'' ''اَخَاهُمْ'' کا عطف بیان ہے] اور حضرت ھود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح ہیں[1] ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ''قَالَ'' کی بجائے ''فَقَالَ'' نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت نوح کے قصے میں ''فَقَالَ'' فرمایا اس لیے کہ یہ سوال کرنے والے کے سوال کی تقدیر پر فرمایا' سوال یہ تھا: ''فَمَا قَالَ لَهُمْ هُوْدٌ'' تو حضرت ھود نے ان سے کیا فرمایا: تو جواب میں کہا گیا: ''قَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ''۔

٦٦- ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ ﴾ آپ کی قوم میں سے کافر سرداروں نے کہا: اور بے شک صرف یہاں ''اَلْمَلَاُ'' کو ''اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا'' کے ساتھ موصوف کیا گیا جب کہ قوم نوح کے قصے میں ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے سرداروں میں کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے جن میں ایک حضرت مرثد بن سعد ہیں تو وصف کے ذریعے ان کو کافروں سے الگ کرنے کا ارادہ کیا گیا جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں میں کوئی شخص ایمان دار نہیں تھا ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ ﴾ بے شک ہم تمہیں بے وقوف خیال کرتے ہیں یعنی کم حوصلہ اور کم عقل خیال کرتے ہیں کیونکہ تم نے اپنی قوم کے مذاہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے [اور ''سَفَاهَة'' کو مجاز کے طور پر ظرف قرار دیا گیا ہے] یعنی حضرت ھود اس سے مستحکم و پکے ہو چکے ہیں کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ﴿ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴾ اور بے شک ہم آپ کو نبوت و رسالت کے دعویٰ میں جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

٦٧- ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میرے اندر کوئی بے وقوفی نہیں ہے اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں۔

٦٨- ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ ﴾ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور جس دین کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اس میں مَیں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں ﴿ اَمِیْنٌ ﴾ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں اس پر میں امانت دار ہوں' اور حضرت ھود علیہ السلام نے کافروں کے قول ''وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِیْنَ'' کے جواب میں ''وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ'' اس لیے فرمایا تا کہ اس اسم کے مطابق ہو جائے اور کافروں کی طرف سے گمراہ اور بے وقوف ہونے کے الزامات انبیائے کرام کی طرف منسوب کرنے کے باوجود ان کے جوابات میں انبیائے کرام کا مبنی بر حقیقت جوابات عنایت فرمانا ان کے حلم و صبر اور برداشت و درگزر کرنے اور مقابلہ بازی سے کنارہ کشی کرنے کی دلیلیں ہیں اور اس کے باوجود کہ انبیائے کرام جانتے تھے کہ ان کے دشمن لوگوں میں بدترین گمراہ اور ذلیل ترین احمق و بے وقوف ہیں لیکن انہوں نے ان سے

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم لکھتے ہیں: ''وَكَانَ نُوْرُ النَّبِیِّ ﷺ سَاطِعًا فِیْ جَبِیْنِ هُوْدٍ'' کہ حضور نبی کریم ﷺ کا نور مبارک حضرت ھود علیہ السلام کی پیشانی مبارک میں چمکتا تھا۔ (تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۳۶۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

جو کچھ فرمایا اس میں حسنِ ادب کا لحاظ رکھا اور خلقِ عظیم کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان کی تعلیم وتبلیغ کے طریقے سے آگاہ فرمایا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ بے وقوفوں اور کم عقلوں سے کیسے خطاب کیا جاتا ہے اور ان سے کیسے چشم پوشی کی جاتی ہے اور ان کی طرف سے تکلیفوں کے پہنچنے پر ان سے اپنا دامن کیسے بچایا جا سکتا ہے۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾

اور کیا تمہیں اس پر تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آ گئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائیں‘ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور اس نے تمہیں اپنی مخلوق میں جسمانی وسعت اور قد وقامت میں زیادہ کیا‘ سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤO انہوں نے کہا: کیا ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے‘ سو تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہوO

۶۹- ﴿أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ﴾ اور کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آ گئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے ﴿وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا یعنی زمین پر تمہیں ان کا جانشین بنا دیا گیا یا ان کے محلات ومکانات میں تمہیں ان کا جانشین بنایا گیا [اور ''اِذْ'' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] یعنی تم اپنے جانشین بننے کا وقت یاد کرو ﴿وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں قد وقامت کی درازی اور لمبائی میں زیادہ کیا‘ چنانچہ ان میں چھوٹے آدمی کا قد ساٹھ ہاتھ ہوتا تھا اور ان میں لمبے آدمی کا قد سو ہاتھ ہوتا تھا [اور اہلِ حجاز‘ عاصم اور علی کسائی کی قراءت میں ''بَصْطَةً'' ہے] ﴿فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں جانشین بنایا اور تمہارے جسموں کو دراز ووسیع فرمایا اور ان کے علاوہ اس کے عطیات وعنایات کو یاد کرو [اور ''الآء'' کا واحد ''اِلْیٌ'' ہے جیسے ''اناء'' کا واحد ''اِنْیٌ'' ہے] ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ تاکہ تم فلاح ونجات حاصل کر لو۔

۷۰- ﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا﴾ اس آیت مبارکہ میں آنے کا معنی یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے دور ایک الگ مکان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ حضور سیّد عالم فخر آدم وبنی آدم ﷺ غارِ حراء میں جا کر عبادت کرتے تھے اور آپ کا یہ سلسلہ اعلانِ نبوت تک جاری رہا‘ اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے یہ سلسلۂ عبادت الگ مکان میں جا کر جاری رکھا‘ پھر جب آپ پر وحی نازل کی گئی تو آپ اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اور انہیں دینِ حق کی دعوت دینے لگے تو آپ کی قوم نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے تشریف لائے ہیں ﴿لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا﴾ کہ ہم

صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادے کرتے تھے' چنانچہ انہوں نے آپ کے دین کا انکار کر دیا اور انہوں نے اکیلے اللہ تعالیٰ کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرنے کو عقل سے بعید سمجھا اور انہوں نے بت پرستانہ اور مشرکانہ اپنے آبائی دین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا کیونکہ ان کی نشو ونما اور پرورش و تربیت اسی باطل و مشرکانہ دین پر ہوئی تھی اس لیے ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ بس چکی تھی ﴿ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ سو آپ ہم پر وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اگر آپ اس بات میں سچے ہیں کہ ہم پر عذاب ضرور آنے والا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع ۸ ۱۶

اس نے فرمایا: بے شک تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آ گیا' کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نامزد کیا ہے؟ اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری' سو تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ○ سو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ○

---

۷۱- ﴿ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو چکا' یہاں متوقع عذاب کو جس کا نازل ہونا ضروری تھا واقع ہو چکا کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جیسے تمہارا اس شخص سے جس نے تم سے کچھ مطلب طلب کیا ہو یہ کہنا کہ تمہارا کام ہو چکا اور ''رِجْسٌ'' کا معنی عذاب اور غضب کا معنی ناراضگی ہے ﴿ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ ﴾ کیا تم مجھ سے ایسی اشیاء کے ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جن کے نام تم نے ازخود رکھ لیے ہیں جب کہ وہ خالی نام ہی نام ہیں ان کے ماتحت نام والی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ تم نے بتوں کے نام معبود اور الٰہ رکھ لیے ہیں حالانکہ یہ بت معبودیّت اور الوہیّت کے معنی سے خالی ہیں ﴿ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ یہ نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نامزد کر دیے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند اور حجت و دلیل نازل نہیں فرمائی ﴿ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ سو تم عذاب کے نازل ہونے کا انتظار کرو بے شک میں بھی اس کا انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۷۲- ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ تو ہم نے اپنی مہربانی سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو یعنی آپ پر ایمان لانے والوں کو نجات دی ﴿ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' ''دابر'' کا معنی اصل اور جڑ ہے یا ہر چیز کا پچھلا حصہ اور ان کی جڑ کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کا قصہ یوں ہے کہ عاد کی قوم عمان اور حضر موت کے درمیان کئی شہروں میں پھیلی

ہوئی تھی اور ان کے کئی بت تھے صدآء' صمود اور ھبآء اور یہ لوگ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے حضرت ھود علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا مگر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش روک دی اور ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو خانہ کعبہ میں جا کر اللہ تعالیٰ سے نجات طلب کرتے' چنانچہ اس دفعہ انہوں نے ایک وفد تیار کیا جس میں قیل بن عنز' لقیم بن ہزال اور مرثد بن سعد شامل تھے اور مرثد بن سعد حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے مگر اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ چھپاتے تھے اور اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں عمالیق آباد تھے جو عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا' چنانچہ یہ وفد معاویہ بن بکر کے پاس مکہ جا کر ٹھہرا اور مرثد نے ان سے فرمایا کہ جب تک تم حضرت ھود پر ایمان نہیں لاؤ گے بارش نہیں برسے گی تو انہوں نے جناب مرثد کی مخالفت کی اور ان کو پیچھے چھوڑ کر خود خانہ کعبہ روانہ ہو گئے' وہاں جا کر قیل نے دعا کی کہ اے اللہ! عاد پر بارش برسا جیسا کہ پہلے تو ان کو بارش کے پانی سے سیراب کرتا رہا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے بادل بھیج دیئے' ایک سفید بادل' دوسرا سرخ بادل اور تیسرا سیاہ بادل' پھر آسمان سے آواز دینے والے نے آواز دی کہ اے قیل! تو اپنے اور اپنی قوم کے لیے ایک بادل پسند کر لے تو اس نے اس خیال سے کہ سیاہ بادل میں پانی زیادہ ہوگا اسی کو اختیار کر لیا' پھر یہ بادل عاد کی وادی میں پہنچ گئے تو وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے: یہ بادل ہم پر خوب برسے گا تو ان پر اس بادل سے ایک سیاہ تند و تیز آندھی چلی جس نے سب کو ہلاک کر ڈالا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام اور آپ کے ساتھی مسلمانوں کو نجات دے دی اور یہ سب حضرات وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آ گئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ سب باری باری انتقال کر گئے[1]

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾

وقف لازم

اور ہم نے ثمود کی طرف انہیں کی برادری سے صالح کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی' یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے' سو تم اسے چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین پر کھائے اور تم اسے بُرائی کے ساتھ نہ چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا○ اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور اس نے تمہیں ملک میں جگہ دی تم نرم زمین میں محل بناتے

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۹۔ ۲۲۰' تفسیر کشاف ج ۲ ص ۸۸

ہو اور تم پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے ہو' سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ O

## حضرت صالح کی تبلیغ پر قوم ثمود اور حضرت لوط کی تبلیغ پر ان کی قوم کا ردّ عمل

۷۳۔﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اصل میں ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا'' ہے (یعنی) اور ہم نے ثمود کی طرف اس کی برادری سے صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا [اور ''وَاِلٰى ثَمُوْدٍ'' (ایک زبر کی بجائے دو زیر کے ساتھ اسم منصرف) بھی پڑھا گیا ہے اس تاویل کی بنا پر کہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے یا اس کے اصل کا اعتبار کر کے کیونکہ یہ ان کے بڑے سردار اور مورث اعلیٰ کا نام ہے جس کی طرف یہ تمام خاندان منسوب تھے اور یہ قبیلہ کا اسم علم قرار دینے پر غیر منصرف ہے ] اور بعض نے کہا کہ اس قبیلہ کا نام ثمود اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں پانی کی قلت تھی کیونکہ ''ثمود''، ''ثمد'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: تھوڑا سا پانی اور ان کے مکانات حجاز اور شام کے درمیان حجر کے مقام پر تھے ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک روشن اور واضح اور ظاہر نشانی آ گئی ہے جو میری نبوت کی صداقت اور صحت پر دلیل ہے' پھر گویا کہا گیا کہ وہ کون سی نشانی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے [اور یہ اضافت تخصیص و تعظیم کے لیے ہے ] کیونکہ یہ عظیم الشان اونٹنی ماں کے شکم اور باپ کی پشت سے منتقل ہو کر پیدا ہونے کی بجائے بلاواسطہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و تکوین سے پیدا ہوئی تھی ﴿لَكُمْ اٰيَةً﴾ تمہارے لیے نشانی ہے [یہ ''نَاقَةٌ'' سے حال ہے' اس کا عامل اسم اشارہ ''هٰذِهٖ'' ہے ] گویا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اور ''لَكُمْ'' میں ان کا بیان ہے جن کے لیے یہ اونٹنی نشانی ہے اور وہ ثمود ہے کیونکہ انہوں نے اونٹنی کو دیکھا تھا ﴿فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ سو تم اسے چھوڑ دو کہ زمین میں کھائے یعنی زمین سے مراد اللہ تعالیٰ کی زمین ہے اور ''نَاقَة'' سے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی مراد ہے کہ تم اس کو چھوڑ دو یہ اپنے مالک کی زمین میں اپنے مالک کا سبزہ چرے اور کھائے پیئے اور تمہیں اس کی محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور تم اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ اور اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی تعظیم و تکریم کی خاطر تم اس کو نہ مارو اور نہ اس کی کونچیں کاٹو اور نہ اس کو پانی اور چارہ وغیرہ سے بھگاؤ ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا اور تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا [یہ نہی کا جواب ہے ]۔

۷۴۔﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں جگہ دی [''بَوَّاَكُمْ'' کا معنی ہے: ''نَزَّلَكُمْ'' اس نے تمہیں اتارا اور ''مباءة'' کا معنی منزل ہے ] ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ حجاز اور شام کے درمیان علاقہ حجر میں ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا﴾ موسم گرما میں تم نرم زمین میں بلند و بالا محلات بناتے ہو ﴿وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ اور تم موسم سرما میں پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو [اور ''بیوتًا'' حال مقدرہ ہے ] جیسے ''خِطْ هٰذَا الثَّوْبَ قَمِيْصًا'' اس کپڑے کی قمیص سی دیجئے کیونکہ پہاڑ تراشنے کے وقت مکان نہیں اور نہ سلائی کی حالت میں کپڑا قمیص ہوتا ہے ﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ مروی ہے کہ جب قوم عاد ہلاک ہو گئی تو ان کے بعد قوم ثمود نے ان کے شہروں کو آباد کیا اور اس علاقہ میں ان کے جانشین بنائے گئے اور انہوں نے بلند و بالا بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں اور انہوں نے مرنے سے پہلے مکانوں کے گرنے کے خوف سے پہاڑوں کو تراش کر ان میں عالی شان مکانات بنائے اور وہ

مالی اعتبار سے بڑے خوشحال تھے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت و سرکشی کر لی اور زمین میں فساد پھیلانا شروع کر دیا اور انہوں نے بت پرستی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا اور قوم ثمود او نچے نسب سے تعلق رکھتی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام متوسط گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے' چنانچہ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی تو ان میں سے صرف چند غریب اور کمزور لوگوں نے آپ کی پیروی کی اور آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بہت ڈرایا (مگر وہ ایمان نہ لائے) پھر انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ فلاں معین پتھر سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکال دیں تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پتھر بچہ جننے والی عورت کی طرح اینٹھنے لگا' پھر اس سے اونٹنی برآمد ہوئی جیسا انہوں نے چاہا تھا' چنانچہ اس معجزہ کو دیکھ کر ان کی قوم میں سے جندع اور ایک دوسرا گروہ آپ پر ایمان لے آیا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝٧٥ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝٧٦

اس کی قوم میں سے متکبر سرداروں نے کمزور مسلمانوں سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ بے شک صالح اپنے رب کی طرف سے رسول مقرر کیے گئے ہیں' انہوں نے کہا کہ بے شک وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں O تکبر کرنے والوں نے کہا کہ جس پر تم ایمان لائے ہو ہم انکار کرتے ہیں O

٧٥- ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا [ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ کے ساتھ ''وَقَالَ'' ہے] ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ کمزوروں کے لیے یعنی کفار کے سردار جن کو کمزور سمجھتے تھے ﴿لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے مسلمانوں کے لیے [اور یہ ''اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا'' سے حرف جار کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدل جہاں بھی آتا ہے مقدر عامل کے اعادہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ''مِنْهُمْ'' میں ضمیر ''مِنْ قَوْمِهٖ'' کی طرف لوٹتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف مسلمانوں کو کمزور سمجھا گیا یا پھر ''اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا'' کی طرف لوٹتی ہے] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور مسلمان اور کافر دونوں تھے ﴿اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیا تم جانتے ہو کہ بے شک (حضرت) صالح اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بات بطور مذاق کہی تھی ﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ مسلمانوں نے کہا کہ جو کچھ دے کر انہیں بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں نے ان کو یہ جواب اس لیے دیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت جاننے کے بارے میں سوال کیا تھا' چنانچہ مسلمانوں نے آپ کی رسالت کو امر معلوم اور مسلم ویقینی قرار دیا گویا مسلمانوں نے کہا کہ آپ کی رسالت اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اس کے بارے میں ایسا یقینی علم ہے کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں البتہ کلام تو ان پر ایمان لانے کے وجوب میں ہے' سو ہم تمہیں خبردار کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں اور اس پر قائم ہیں۔

٧٦- ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ تکبر کرنے والوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے

ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے جس کو امر معلوم اور مسلم قرار دیا تھا اس کی تردید کرنے کے لیے انہوں نے "اُرْسِلَ بِهٖ" کی جگہ "اٰمَنْتُمْ بِهٖ" کو رکھ دیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے کہا کہ اے صالح! جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ اگر تم رسولوں میں سے ہو○ تو ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے○ پس صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور میں نے تمہیں نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے○ اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کی○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے جاتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھ کر زیادتی کرنے والے لوگ ہو○

۷۷-﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ کونچیں کاٹنے کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا صرف قدار بن سالف تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے ان سب کی رضامندی اور ان کی اجازت اور مشورے سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں اور قدار کا رنگ سرخ تھا اور آنکھیں نیلی تھیں اور قد چھوٹا تھا جیسا کہ فرعون کہ یہ بھی اسی طرح تھا اور حضور سرورِ کونین رسول الثقلین ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! پہلے لوگوں میں بدترین و بدبخت وہ شخص ہوا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کیا تھا اور پچھلے لوگوں میں بدترین بدبخت وہ شخص ہے جو تجھے قتل کرے گا[1] ﴿وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ اور انہوں نے اپنے رب کے حکم سے بغاوت و سرکشی کی اور اس سے منہ پھیر لیا اور تکبر و غرور کیا اور ان کے رب کے حکم سے مراد وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی انہیں سنایا تھا اور وہ حکم یہ تھا کہ "فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ" (الاعراف:۷۳) "سو تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھائے اور پیے اور تم اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا" یا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد شانِ خدا ہے اور وہ اس کا دین ہے (یعنی انہوں نے اپنے رب کے دین سے بغاوت و سرکشی کی) ﴿وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے صالح! تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے

[1] رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ ج ۴ ص ۳۰۷' وفی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴-۲۹۹

وعدہ کرتے ہو اگر واقعی تم رسولوں میں سے ہو۔

۷۸۔ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس ان کو سخت جھٹکے کے ساتھ زلزلے نے پکڑ لیا' وہ ایک سخت ڈراونی کڑک تھی جس سے زمین لرز گئی اور زلزلہ پیدا ہو گیا جس کے خوف سے ان کی جان لبوں پر آ گئی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ سو وہ لوگ اپنے شہروں اور اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے' کہا جاتا ہے: "اَلنَّاسُ جُثَمٌ" یعنی لوگ ایسے بیٹھ گئے کہ نہ ان میں حرکت رہی اور نہ وہ بات چیت کر سکتے ہیں۔

۷۹۔ ﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ﴾ جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو حضرت صالح علیہ السلام ان سے منہ پھیر کر ہجرت کر گئے ﴿وَقَالَ یٰقَوْمِ﴾ اور آپ نے ان سے جدا ہوتے فرمایا: اے میری قوم! ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بھلائی چاہی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے جو خواہشِ نفسانی کے برعکس راہِ راست پر چلنے کا حکم دیتے ہیں اور نصیحت ایسی خیر خواہی ہے جو ذلت و رسوائی کو دور کر دیتی ہے لیکن یہ سخت چیز ہے جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کر دیتی ہے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی کہ انہوں نے بدھ کے روز اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اب اس کے بعد صرف تین دن زندہ رہو گے اور پہلے روز تمہارے چہرے زرد اور پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے روز سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے روز سیاہ ہو جائیں گے اور چوتھے روز تمہیں عذاب پہنچے گا جس سے تم سب اسی روز ہلاک ہو جاؤ گے' چنانچہ آپ نے جیسا فرمایا ویسے ہی ہوا اور ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ ایک سو دس مسلمانوں کے ساتھ روتے ہوئے وہاں سے ہجرت کر کے نکل گئے' پھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے ہیں تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہو گئے۔

## قومِ لوط کا قصہ

۸۰۔ ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ﴾ [اصل میں "وَاذْكُرُوْا لُوْطًا" ہے اور "اِذْ" اس سے بدل ہے] یعنی اور تم حضرت لوط علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم ایسے بے حیائی اور برائی کے کام کرتے ہو جو قباحت و ذلت میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تم سے پہلے بے حیائی کا یہ کام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے پہلے "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" فرما کر ان پر انکار کیا اور ان سے نفرت و غصہ کا اظہار فرمایا' پھر آخر میں دوبارہ ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ تم پہلے بد بخت ہو جنہوں نے اس بے حیائی کے کام کو شروع کیا ہے [اور "بِهَا" میں "بَا" تعدیہ ہے] اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ" یعنی اس میں عکاشہ تم سے سبقت کر گیا ہے[1] ["مِنْ اَحَدٍ" میں "مِنْ" زائدہ ہے جو صرف نفی کی تاکید کے لیے اور استغراق کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے لایا گیا ہے اور "مِنَ الْعَالَمِیْنَ" میں "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (نیا الگ) ہے]۔

۸۱۔ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو ["لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ" اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" کا بیان ہے اصل میں "اَاِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ" ہے اور اس کا ہمزہ استفہام "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" کے ہمزہ کی طرح انکار کے لیے ہے' نافع مدنی اور حفص

[1] رواہ احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۴۰۳۔ ۴۵۴

کی قراءت میں خبر کی بنا پر "إِنَّكُمْ" (زیر والے ایک ہمزہ کے ساتھ) ہے] "أَتَى الْمَرْأَةَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب مرد عورت کو ڈھانپ لے [اور "شَهْوَةً" مفعول لہ ہے] یعنی تم صرف بری خواہش پوری کرنے کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو اور اس سے بڑھ کر بُرا کام کوئی نہیں ہے کیونکہ ان کی یہ صفت و عادت حیوانیت ہے اور "مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ" کا مطلب ہے کہ تم عورتوں کے پاس نہیں جاتے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم حد سے بڑھ کر زیادتی کرنے والی قوم ہو انکار مذکور سے اعراض کر کے ان کے اصل حال سے خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایسے بدترین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی عادت حد سے بڑھنا ہے اور یہ ہر کام میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے شہوت رانی کی تکمیل کے لیے بھی زیادتی کی یہاں تک کہ انہوں نے فطری عمل کو چھوڑ کر غیر فطری عمل کی طرف تجاوز کیا۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ ان کو تم اپنی بستی سے نکال دو' بے شک یہ لوگ پاک بنتے ہیں O سو ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی ماسوا ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہوگئی O اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی' تو تم غور کرو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا O

۸۲۔ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر صرف یہ کہ انہوں نے کہا کہ ان کو تم اپنی بستی سے نکال دو یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نکال دو' بہر حال حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے جو گفتگو کرتے ہوئے بے حیائی کے کام پر نفرت وانکار اور حد سے بڑھنے کی بری عادت جو برائی کی اصل ہے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تو انہوں نے ان باتوں کا جواب نہیں دیا بلکہ انہوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکالنے کا جو حکم دیا اس کا آپ کی گفتگو اور آپ کی نصیحت سے کوئی تعلق نہیں ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ بے شک وہ پاک باز بنتے ہیں کہ پاکیزگی کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارے گندے کام سے بچتے ہیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے مدح کے الفاظ کے ساتھ ان پر الزام لگایا۔

۸۳۔ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ﴾ سو ہم نے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو نجات دی یعنی ہم نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مخصوص ساتھی اولاد امجاد اور مسلمانوں کو نجات دی ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ مگر ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی اور وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہوگئی [اور مردوں کو عورتوں پر غلبہ دے کر "مِنَ الْغَابِرَاتِ" کی بجائے "مِنَ الْغَابِرِيْنَ" جمع مذکر ذکر کیا گیا ہے] حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور اپنے علاقہ سدوم کے رہنے والے کافروں کی حمایت کرتی تھی اور روایت بیان کی گئی کہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس پر ایک بڑا سا پتھر آن گرا جس سے زخمی ہو کر مر گئی۔

۸۴۔ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر ایک عجیب و غریب قسم کی بارش برسا دی' چنانچہ مفسرین کرام نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گندھک اور آگ کی بارش برسادی تھی اور بعض نے فرمایا کہ ان میں سے گھروں میں رہنے والوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اور مسافروں پر پتھر برسا کر ہلاک کیا گیا تھا [اور حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''اَمْطَرَ'' عذاب کے لیے آتا ہے اور ''مَطَرَ'' رحمت کے لیے آتا ہے] ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ سو تم غور کرو کہ مجرموں یعنی کافروں کا انجام کیسا برا ہوا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی ہے' سو تم ناپ اور تول پورا کرو اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور تم زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان دار ہو O اور تم ہر راستے پر نہ بیٹھو کہ تم ایمان والوں کو ڈراؤ اور اللہ کے راستے سے روکو اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہو' اور اس وقت کو یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے تھے تو اللہ نے تم کو بڑھا دیا' اور غور سے دیکھو کہ فسادیوں کا کیسا بُرا انجام ہوا O

## حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ پر ان کی قوم کا ردّ عمل

۸۵- ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ [اصل میں ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰى مَدْيَنَ'' ہے] یعنی ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور مدین قبیلہ کا نام ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے کیونکہ آپ حسن ادب کے ساتھ اپنی قوم کی طرف رجوع فرماتے تھے اور آپ کی قوم کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ گئی یعنی معجزہ اگرچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ سو تم ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناپ اور تول کے وزن کو پورا کرو [یا پھر ''میزان'' ''مِيْعَاد'' کی طرح مصدر کے معنی میں ہے] ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور نہ تم ناپ اور تول میں کمی کر کے ان کے حقوق کم کرو' دراصل مدین کے لوگ خرید و فروخت کرتے وقت ہر چیز لوگوں کو کم کر کے دیتے تھے (اور خود پوری لیتے تھے) [اور ''بَخْسٌ'' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے' اس جگہ ان دو میں سے ایک

مفعول ''اَلنَّاس'' ہے اور دوسرا مفعول ''اَشْیَاءَ'' ہے جیسے تم کہتے ہو: ''بَخَسْتُ زَیْدًا حَقَّہٗ'' یعنی میں نے زید کو اس کا حق کم کر کے دیا | ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی انبیاء کرام اور اولیائے عظام و دیگر صالحین نے زمین پر شریعت کے احکام نافذ و جاری کر کے اس کی اصلاح کی اور اس کو درست کر کے سنوار دیا اب تم اس کے بعد کفر و شرک اور ظلم و فتنہ کے ذریعے اس میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس کی اضافت ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سبا: ۳۳) کی اضافت کی طرح ہے یعنی بلکہ تمہارا مکر و فریب رات اور دن میں جاری رہتا ہے ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ ناپ اور تول پورا کرنے اور اس میں کمی نہ کرنے اور فساد نہ پھیلانے کا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ہدایات ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ تمہارے لیے انسانیت اور حسن معاشرت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم میری باتوں کی تصدیق کرتے ہو (کہ میں سچ بولتا ہوں)۔

۸۶- ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ اور تم ہر راستے پر اس لیے نہ بیٹھو کہ تم حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو سزا سے ڈراؤ ﴿ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکو ﴿ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ ان کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ وہ لوگ ڈاکو تھے وہ راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور بعض نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے مال کا دسواں حصہ زبردستی وصول کرتے تھے ﴿ وَتَبْغُوْنَهَا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے (اس کے دین کے لیے) طلب کرتے ہو ﴿ عِوَجًا ﴾ ٹیڑھا پن یعنی تم لوگوں کو بتاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ٹیڑھا ہے اور وہ سیدھا نہیں ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اس کی راہ پر چلنے سے روکتے ہو | اور ''تُوْعِدُوْنَ'' اور اس پر معطوفات محلاً حال کی بنا پر منصوب ہیں | یعنی تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے اور ٹیڑھا راستہ تلاش کرنے کے لیے نہ بیٹھو ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا ﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے تھے | ''اِذْ'' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے | یعنی تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی ﴿ فَكَثَّرَكُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور تمہاری تعداد بڑھ گئی اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ مدین بن ابراہیم نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی جس سے اولاد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں برکت رکھی اور اس میں اضافہ فرمایا تو ان کی اولاد در اولاد کثرت سے بڑھ گئی ﴿ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ اور غور سے دیکھو فساد پھیلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا یعنی تم سے پہلے جن امتوں نے فساد پھیلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا جیسے حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قومیں۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس پر ایمان لے آئی ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے' اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

۸۷- ﴿ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا ﴾ اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس پر ایمان لے آئی ہے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو تم صبر کرو اور انتظار کرو

﴿ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے یعنی اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا کہ حق کا ساتھ دینے والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل پرستوں کو شکست دے گا اور حق والوں کو ان پر غالب کر دے گا اور یہ کافروں کے لیے وعید اور دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا اور یہ مسلمانوں کے لیے صبر کرنے پر ترغیب ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچیں گی' پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کافروں سے مسلمانوں کا بدلا لے گا یا یہ دونوں فریقوں کو خطاب ہے یعنی تاکہ مسلمان کافروں کی تکلیفوں پر صبر کریں اور کافروں میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کو تکلیفیں دینے سے کفار باز آ جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور ناپاک کو پاک سے جدا کر دے ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہوتا ہے اور اس میں ظلم و زیادتی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ
اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

ان کی قوم میں سے تکبر کرنے والے سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ' انہوں نے فرمایا: اور کیا اگر چہ ہم ناپسند کرتے ہوں O بے شک ہم نے اللہ پر بہتان باندھا اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے' اور ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں مگر یہ کہ ہمارا مالک چاہے' اور ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے اللہ ہی کی ذات پر ہم نے بھروسا کیا ہے' اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O اور ان کی قوم میں سے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بلاشبہ تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہو گئے O

۸۸- ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴾ ان کی قوم میں سے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہو گا یا تمہیں نکالنا پڑے گا یا پھر مسلمانوں کو کفر میں لوٹنا پڑے گا ﴿ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اور کیا اگر چہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہوں [ہمزہ استفہام (سوال) کا ہے اور واؤ حال کے لیے ہے] یعنی کیا تم ہمیں اپنے دین میں واپس لے جاؤ گے

حالانکہ ہم ناپسند کرتے ہوں اور اس کے باوجود کہ ہم نفرت کرتے ہوں' انہوں نے کہا: ''جی ہاں''۔

۸۹۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ ﴾ اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ [یہ لام محذوف کی تقدیر پر قسم ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم نے ضرور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں ﴿ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے اور ہمیں اس سے نکال لیا ہے' پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کیسے فرمایا کہ اگر ہم تمہارے دین پر لوٹ جائیں حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام پر کفر محال و ناممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کا لوٹ جانا مراد لیا ہے مگر آپ نے غلبہ و اکثریت کے حکم پر اپنا کلام جاری کر کے اپنے آپ کو ان کی جماعت میں شامل کر لیا حالانکہ آپ اس سے بری تھے ﴿ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ ﴾ اور ہمارے لیے نامناسب ہے اور نہ ہمارے لیے جائز ہے ﴿ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ﴾ کہ ہم اس میں لوٹ جائیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو ہمارا پروردگار ہے یعنی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں پہلے لکھا جا چکا ہو کہ ہم نے لوٹ جانا ہے کیونکہ تمام کائنات کی بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے ﴿ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے [''عِلْمًا'' تمیز ہے] یعنی وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے سو وہ اپنے بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیسے تبدیل ہوتے ہیں اور ان کے دل کیسے پلٹتے ہیں ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کیا ہوا ہے' وہی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور یقین میں اضافہ کی وہی ہمیں توفیق عنایت فرمائے گا ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کھول دے یعنی فیصلہ فرما دے اور ''فتاحۃ'' کا معنی حکم دینا' حکومت کرنا اور کسی مشکل کام کو حل کرنے کے لیے حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے اس لیے قضا کو فتح کہتے ہیں اور اہل عمان قاضی کو ''فتّاح'' کہتے ہیں ﴿ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴾ اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ'' (الاعراف:۸۷) ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' کی طرح ہے۔

۹۰۔ ﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو پھر تم نقصان اٹھانے والے ہو گے کیونکہ جب تم (حضرت) شعیب کی پیروی کرو گے تو ناپ و تول میں کمی کرنے کے فوائد سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام تمہیں ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع کریں گے اور وہ تمہیں پورا اور برابر ناپ اور تول کی ترغیب دیں گے [اور اس قسم کا جواب جس کی وجہ سے ''لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ'' کے شروع میں لام داخل ہوا ہے اور نیز شرط کا جواب ''اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ'' ہے] سو یہ دونوں جوابات کے قائم مقام ہے۔

مع فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ
لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ
قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ
ع كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾

پھر ان کو ہولناک زلزلے نے پکڑ لیا' سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے O انہیں لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی نہیں رہے' انہیں لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے O پھر شعیب نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' تو اب میں کافروں کی قوم پر کیوں افسوس کروں O اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں O

۹۱- ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ سو ان کو سخت ترین زلزلہ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے۔

۹۲- ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر] ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ ہے یعنی جن لوگوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا تھا وہ (ایسے تباہ ہوئے کہ) گویا اپنے گھروں میں کبھی رہے ہی نہیں "غَنِيَ بِالْمَكَانِ" کا معنی ہے کہ وہ اپنے گھر میں قیام پذیر رہا ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر] ﴿ كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ہے یعنی جنہوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور ایمان والے نقصان اٹھانے والے نہیں جن کے بارے میں کافروں نے کہا تھا کہ اگر تم نے حضرت شعیب کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھاؤ گے [اور ابتدا میں اختصاص کا معنی ہے] گویا کہا گیا ہے کہ جنہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلایا وہی اس بات کے ساتھ مخصوص تھے کہ انہیں ہلاک کیا گیا' گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی نہیں رہے کیونکہ جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کی ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور جنہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلایا وہی بہت بڑے خسارے میں مخصوص کر دیئے گئے نہ کہ اتباع کرنے والے کیونکہ وہ تو نفع پانے والے ہیں اور اس کے تکرار میں مبالغہ ہے اور ان کے جھٹلانے کو بہت بڑا جرم ظاہر کرنا مقصود ہے اور ان پر بہت بڑی سزا اس لیے جاری کی گئی ہے۔

۹۳- ﴿ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ ﴾ تو ان پر عذاب کے نزول کے بعد حضرت شعیب نے ان سے منہ پھیر لیا ﴿ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' پس ان میں کافر قوم پر افسوس وغم کیوں کر کروں۔ دراصل حضرت شعیب کو اپنی قوم پر بہت سخت غم ہوا' پھر بھی آپ نے غم کا انکار کیا اور فرمایا کہ میرا غم ایسی بد بخت قوم پر کیوں کر ہو گا جو اپنے کفر اور عذابِ خدا کے مستحق ہونے کی وجہ سے اہل نہیں کہ اس پر غم کیا جائے یا آپ نے بطور معذرت فرمایا کہ میں نے تبلیغ کرنے میں اور تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرانے میں پوری کوشش کی لیکن تم نے میری تصدیق نہیں کی تو میں تم پر کیسے افسوس کروں۔

## انبیائے کرام کی تکذیب کی وجہ سے کفار پر آفات کا نزول

۹۴- ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ ﴾ اور ہم نے کسی بستی اور شہر میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو سختی و پریشانی اور فقر و فاقہ کے ساتھ پکڑ لیا۔ ہر شہر کو "قَرْيَة" کہا جاتا ہے [اور اس میں کچھ عبارت محذوف ہے' اصل میں "فَكَذَّبُوْهُ" ہے] یعنی نبی کے جھٹلانے کے بعد ان پر عذاب و گرفت ہوئی اور

''بَاْسَاء''،''بُؤْسٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: سخت مفلس ومحتاج اور مصیبت وآفت ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور ضرر ونقصان اور بیماری کے ساتھ (ہم نے انہیں پکڑ لیا) کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی پیروی سے تکبر کیا تھا یا پھر دونوں (بَاْسَاءِ وَضَرَّآءِ) کا معنی ہے: جان اور مال کا نقصان ﴿لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ گڑگڑائیں اور عاجزی اور انکساری اختیار کریں اور تکبر وغرور کی چادریں اتار دیں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

پھر ہم نے بُرائی کی جگہ کو بھلائی سے تبدیل کر دیا یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہمارے باپ دادا کو بھی دکھ اور سکھ پہنچا تھا' پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ سمجھ نہ سکے O اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈر جاتے تو البتہ ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے (دروازے) کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے بداعمال پر پکڑ لیا جن کا وہ ارتکاب کرتے رہے O تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آ جائے جب کہ وہ سو رہے ہوں O

۹۵- ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ پھر ہم نے برائی کی جگہ کو بھلائی سے تبدیل کر دیا یعنی وہ لوگ جن مصیبتوں اور بلاؤں اور بیماریوں میں مبتلا تھے ہم نے ان کے بدلے میں ان کو خوشحالی اور مال و دولت میں فراخی اور صحت و تندرستی عطا فرما دی ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ ہو گئے اور وہ مال و جان میں بہت بڑھ گئے اور جب سبزہ زیادہ ہو جائے تو اہل عرب کہا کرتے ہیں: ''عَفَا النَّبَاتُ'' سبزہ بہت ہو گیا ہے اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے ''وَاعْفُوا اللُّحٰى''[1] یعنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ ﴿وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ اور انہوں نے کہا: بے شک ہمارے باپ دادا کو بھی تنگدستی اور خوشحالی پہنچی تھی یعنی انہوں نے کہا کہ یہ زمانے کی عادت ہے کہ وہ لوگوں میں کبھی تنگدستی اور رنج کے ساتھ اور کبھی خوشحالی اور راحت وآرام کے ساتھ آگے پیچھے آتا رہتا ہے اور (ہماری طرح) ہمارے باپ دادا کو اسی قسم کی صورت حال پیش آئی تھی اور یہ حالات گناہوں کی وجہ سے نہیں آتے (بلکہ گردشِ زمانہ سے آتے ہیں) لہٰذا تم اپنے نظریہ پر ڈٹے رہو ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ سو ہم نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ عذاب کے نازل ہونے سے بے خبر رہے۔

۹۶- ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى﴾ [''الْقُرٰى'' میں لام عہد کا ہے] اور یہ اشارہ ہے کہ اس بستی سے وہ لوگ مراد ہیں جس پر ''وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ'' دلالت کر رہا ہے گویا فرمایا کہ اگر ان بستیوں کے رہنے والے جنہوں نے اپنے

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۳' والنسائی ج ۱ ص ۱۶' ج ۸ ص ۱۲۹ ـ ۱۸۲

پیغمبروں کو جھٹلایا اور تباہ و برباد کر دیئے گئے ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ کفر کی بجائے ایمان لے آتے ﴿ وَاتَّقَوْا ﴾ اور کفر و شرک کو چھوڑ دیتے اور اس کے مرتکب نہ ہوتے ﴿ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ ﴾ تو ہم ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "لَفَتَّحْنَا" (باب تفعیل سے "تا" مشدد کے ساتھ) پڑھا گیا ہے] ﴿ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمان اور زمین سے مقصد یہ ہے کہ آسمان سے بارش برسا کر اور زمین سے کھیتیاں اگا کر یا یہ کہ ہم انہیں ہر قسم کی اور ہر طریقے سے خیر و بھلائی اور خوشحالی عطا فرما دیتے ﴿ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا ﴾ اور لیکن انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ سو ہم نے ان کو ان کے کفر و شرک اور ان کے برے کاموں کی وجہ سے پکڑ لیا جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے [اور یہ بھی جائز ہے کہ "اَلْقُرٰی" میں لام جنس کا ہو]۔

۹۷- ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى ﴾ تو کیا ان بستیوں والے یعنی ان میں سے کفار اس بات سے بے خوف ہو گئے ﴿ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا ﴾ کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے "بَيَاتًا" بہ معنی "لَيْلًا" ہے یعنی رات کے وقت جیسے کہا جاتا ہے: "بَاتَ بَيَاتًا" اس نے رات گزاری ﴿ وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴾ اور وہ اس وقت سو رہے ہوں۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا
مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ ۱۲ ع ۲
يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ
نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور کیا بستیوں والے اس بات سے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ جائے اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں ○ تو کیا وہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے' سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر تباہ و برباد ہونے والے لوگ ○ اور کیا ان لوگوں کو ہدایت نہیں ملی جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ڈال دیتے' اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سنتے ○ یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں' اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے' سو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے اس لیے تیار نہ ہوئے کہ اس سے پہلے وہ ان کو جھٹلا چکے تھے' اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○

۹۸- ﴿ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى ﴾ اور کیا ان بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے یعنی دن کے وقت [کیونکہ "ضُحًى"، "نَهَارًا" کے معنی میں ہے' دراصل "ضُحًى" سورج کی اس روشنی کا نام ہے کہ جب سورج خوب چمکنے لگ جائے اور "اَفَاَمِنَ" میں "فا" اور "اَوَاَمِنَ" میں واؤ

دونوں حروف عطف ہیں اور ان پر ہمزہ انکار کا داخل ہے اور ان کا معطوف علیہ "فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً" ہے اور "وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى" سے لے کر "یَكْسِبُوْنَ" تک معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور پہلی آیت کریمہ میں "فا" کے ساتھ اس لیے عطف کیا گیا ہے] کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کیا اور دوسرے برے کام کیے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تو کیا اس کے بعد ان بستیوں میں رہنے والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے اور وہ اس بات سے بھی بے خوف ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن کے وقت آ جائے [اہل حجاز اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "اَوْ" کے ساتھ عطف کر کے "اَوْ اَمِنَ" پڑھا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ رات یا دن کے وقت عذاب آنے کے متعلق دو وجہوں میں کسی ایک سے بے خوف ہونے کا انکار ہے [پھر اگر یہ کہا جائے کہ حرف عطف پر استفہام کا ہمزہ کیسے داخل ہو گیا ہے حالانکہ وہ استفہام کے منافی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تنافی (خلاف) مفرد میں ہے جملے کے جملے پر عطف میں نہیں ہے کیونکہ جملے کے بعد جملہ مستقل اور الگ جملہ ہوتا ہے] ﴿وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں جس کا انہیں فائدہ نہیں۔

۹۹- ﴿اَفَاَمِنُوْا﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ "اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى" کے لیے تکرار ہے ﴿مَكْرَ اللّٰهِ﴾ تو کیا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں "مَكْرَ اللّٰهِ" کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اس طرح گرفت میں لینا کہ بندے کو پتا نہ چلے حضرت ابوبکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ مکر (خفیہ منصوبہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور حضرت ربیع بن خثیم کی بیٹی نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں لوگوں کو رات کے وقت سوتا دیکھتی ہوں لیکن میں آپ کو رات کے وقت سوتا نہیں دیکھتی تو اس نے فرمایا کہ میری بیٹی تیرا باپ رات کے وقت خدا کے عذاب کے آنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ ان کی مراد یہی آیت مبارکہ "اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا" تھی ﴿فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر کافر لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ دوزخ کی آگ کے حق دار ہو گئے۔

۱۰۰- ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ واضح نہیں ہوا جو زمین کے مالکوں کے بعد ان کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں ڈال دیں ["يَهْدِ"، "يُبَيِّنْ" کے معنی میں ہے اور "اَنْ لَّوْ نَشَآءُ" مرفوع ہے کیونکہ یہ "يَهْدِ" کا فاعل ہے اور "اَنْ" ثقیلہ (مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے] یعنی اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ واضح نہیں ہوا جو ان لوگوں کے بعد آئے جو ان سے پہلے اپنے گھروں میں ہلاک ہو کر گزر چکے اور یہ ان کی سرزمین کے اسی شان کے ساتھ (یعنی کفر وشرک اور معصیت کے ساتھ) وارث ہوئے لہٰذا اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں ڈال دیں جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا اور ہم ان وارثوں کو بھی ہلاک کر دیں جیسا کہ ہم نے ان کے مورثوں کو ہلاک کر دیا تھا [اور یاد رہے کہ ہدایت کا فعل لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے یہ تبیین کے معنی میں ہے] ﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم ان کے دلوں پر چھاپ لگا دیتے ہیں [اور یہ جملہ مستأنفہ (نیا اور الگ جملہ) ہے] یعنی اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ سو وہ وعظ ونصیحت کو نہیں سنتے۔

۱۰۱- ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا﴾ ہم ان بستیوں میں رہنے والوں کی کچھ خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں [یہ ارشاد باری تعالیٰ "وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا" کی طرح مبتدا خبر ہیں (یعنی "تِلْكَ" مبتدا ہے اور "الْقُرٰى" اس

کی خبر ہے) اور "نَقُصُّ" حال ہے یا پھر "الْقُرٰی" "تِلْكَ" کی صفت ہے اور یہ موصوف صفت مبتدا ہے اور "نَقُصُّ" اس کی خبر ہے] اور معنی یہ ہے کہ مذکورہ بستیوں کے باشندوں کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر اقوام کی خبریں ابھی ہم نے آپ سے بیان نہیں کیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر تشریف لائے ﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ سو معجزات لے کر رسولوں کے آنے کے وقت وہ ایمان نہیں لائے تھے ﴿بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ رسولوں کے تشریف لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلا چکے تھے یا وہ آخر عمر تک اس لیے ایمان نہیں لائے تھے کہ جب ان کے پاس رسول تشریف لائے تھے تو انہوں نے پہلی دفعہ ان کو جھٹلا دیا تھا یعنی وہ لوگ رسولوں کی آمد کے وقت سے لے کر آخر دم تک تکذیب (یعنی جھٹلانے) کی روش پر قائم رہے یہاں تک کہ وہ لوگ مسلسل معجزات دیکھنے کے باوجود کفر پر اصرار کرتے ہوئے مر گئے [اور اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی مہر کی سخت ترین چھاپ کی طرح ﴿يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر چھاپ لگا دیتا ہے کیونکہ وہ ان کے بارے میں جانتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر کفر پر ڈٹے رہنے کو اختیار کر لیا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ
بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ
فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہ پایا' اور بے شک ہم نے ان میں اکثر کو نافرمان پایا O پھر ہم نے موسیٰ کو روشن معجزات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ساتھ ناانصافی کی' تو غور سے دیکھو فسادیوں کا انجام کیسا ہوا O اور موسیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں O مجھ پر لازم ہے کہ میں اللہ کے متعلق سوائے حق کے کچھ نہ کہوں' بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں' سو تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو O اس نے کہا: اگر تم کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو O

۱۰۲- ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ اور ہم نے ان میں اکثر کو عہد کا پابند نہیں پایا [اس میں "هِمْ" ضمیر "النَّاس" کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اکثر لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدوں کو توڑ دیا اور روز میثاق ایمان کے عہد کو دنیا میں آ کر توڑ دیا [اور یہ آیت مبارکہ جملہ معترضہ ہے یا "هِمْ" ضمیر مذکورہ امتوں کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ ان کی عادت

تھی کہ وہ لوگ مصیبت و تکلیف اور خوف وڈر میں جب اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے تو کہتے: "لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا لَنُؤْمِنَنَّ" کہ اگر تو نے ہمیں نجات دے دی تو ہم ضرور ایمان لائیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتا تو وہ اپنے وعدے کو توڑ دیتے اور ایمان نہیں لاتے تھے ﴿وَاِنْ﴾ [اصل میں "وَاِنَّ" ہے] یعنی اور بے شک شان یہ ہے اور بات یہ ہے کہ ﴿وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ ہم نے ان میں اکثر کو نافرمان اور اطاعت وفرماں برداری سے خارج پایا ہے [اور "وَجَدْنَا" بہ معنی "عَلِمْنَا" ہے کیونکہ اس کے شروع میں "اِنْ" مخففہ (ساکن) ہے اور "فَاسِقِيْنَ" پر لام فارقہ داخل ہے اور یہ صرف مبتدا اور خبر میں جائز ہوتا ہے اور ان افعال میں جائز ہوتا ہے جو ان دونوں پر داخل ہوتے ہیں]۔

## حضرت موسیٰ اور فرعون اور ان کے متعلقین کے واقعات

۱۰۳۔﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد (حضرت) موسیٰ کو روشن معجزات دے کر فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا ["مِنْ بَعْدِهِمْ" میں ضمیر "رسل" کی طرف لوٹتی ہے] جن کا ذکر ارشادِ باری تعالیٰ "وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ" میں ہو چکا ہے یعنی ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو بھیجا یا پھر مذکورہ بالا امتوں کی طرف لوٹتی ہے (جیسے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود اور قوم مدین وغیرہ) آیات سے معجزات مراد ہیں ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ سو انہوں نے ناانصافی اور زیادتی کی کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کر دیا' یہاں ظلم کو کفر کے مقام پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں راہیں ایک ہی وادی (شرک) سے نکلتی ہیں' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (لقمان: ۱۳) "بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے" یا پھر یہ کہ انہوں نے لوگوں پر اسی شرک کے سبب ظلم و ستم کیا کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو انہوں نے ان کو دکھ درد اور تکلیفیں پہنچائیں کیونکہ جب آیتوں پر ایمان لانا ان پر واجب تھا تو انہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کیا' لہٰذا ان کا کفر کرنا آیتوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے کیونکہ انہوں نے کفر کو غیر کی جگہ پر رکھا اور وہ ایمان کی جگہ ہے ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ سو غور سے دیکھو فساد برپا کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا کہ سب کے سب غرق ہو گئے اور ڈوب کر مر گئے۔

۱۰۴۔﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ﴾ مصر کے بادشاہوں کو فراعنہ (فرعون کی جمع) کہا جاتا ہے جیسا کہ فارس کے بادشاہوں کو اکاسرہ (کسریٰ کی جمع) کہا جاتا ہے تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے مصر کے بادشاہ! اور اس کا نام قابوس تھا یا پھر ولید بن مصعب بن ریّان تھا ﴿اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک میں پروردگارِ عالم کی طرف سے رسول بن کر تیرے پاس آیا ہوں' فرعون نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

۱۰۵۔﴿حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ میرا فرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوائے حق کے اور کچھ نہ کہوں یعنی سچ بولنے کا میں مستحق ہوں یعنی میرے لیے حق بات کہنا اور حق پر قائم رہنا واجب و لازم ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں "حَقِيْقٌ عَلَيَّ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ماسوا حق اور سچ بولنے کے باقی سب باتوں کو ترک کرنا میرے اوپر واجب ہے اور اس قراءت کی بنا پر "الْعَالَمِيْنَ" پر وقف کیا جائے گا اور پہلی قراءت کی بنا پر "حَقِيْقٌ" "رَسُوْل" کا وصف قرار دے کر وصل کرنا یعنی ملا کر پڑھنا جائز ہے اور حرف "عَلٰى" "با" کے معنی میں ہے] جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے یعنی میں ایسا لائق و فائق رسول ہوں کہ میں سچ کے علاوہ کچھ نہیں بولوں گا [یا پھر حرف "عَلٰى" "رَسُوْل" کے معنی فعل کے ساتھ متعلق ہے] یعنی بے شک میں رسالت کا مستحق اور اس کے لائق ہوں' میں اس بنا پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہوں ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح اور روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کو ثابت اور واضح کرتی ہیں ﴿فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے اور تو ان کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ میرے ساتھ پاک سرزمین (ملک شام) کی طرف واپس لوٹ جائیں جو ان کا اپنا وطن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام وفات پا گئے تو فرعون نے ان کی اولاد کی نسل پر غلبہ پالیا اور ان کو اپنا غلام بنا لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے نکال لیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے اس کے درمیان اور جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے اس کے درمیان کا عرصہ چار سو سال کا ہے [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' (یا ساکن) ہے]۔

۱۰۶۔﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ جس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس کی طرف سے اگر آپ کوئی معجزہ پیش کر سکتے ہیں تو اسے میرے سامنے پیش کریں اگر آپ واقعی سچوں میں سے ہیں تاکہ آپ کا دعویٰ صحیح ہو جائے اور اس بارے میں آپ کا سچ ثابت ہو جائے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

ع ۱۳

سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ اچانک واضح طور پر ایک اژدھا بن گیا ○ اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکدم دیکھنے والوں کے لیے جگمگانے لگا ○ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ ایک ماہر جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے' تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو ○ انہوں نے کہا کہ انہیں اور ان کے بھائی کو روک لو اور شہروں میں لوگ جمع کرنے والے بھیج دو ○ وہ تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں گے ○ اور جادوگر فرعون کے پاس آ گئے' انہوں نے کہا: بے شک ہمیں انعام ضرور دینا ہوگا اگر ہم غالب آ گئے ○ فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ڈالیں اور یا ہم ڈال دیتے ہیں ○

۱۰۷۔﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیا ﴿فَاِذَا﴾ پس اچانک [''اِذَا'' مفاجات (اچانک) کے معنی کے لیے ہے اور یہ ظروف مکان میں سے ہے جو ''ثَمَّةَ'' اور ''هُنَاكَ'' کے قائم مقام ہے] ﴿هِیَ ثُعْبَانٌ﴾ وہ بہت بڑا سانپ بن گیا ﴿مُّبِیْنٌ﴾ اس کا معاملہ ظاہر ہو گیا (یعنی بالکل صاف اور واضح طور پر سانپ نظر آنے لگا تاکہ سب کو یقین ہو جائے) مروی ہے کہ وہ سانپ نر تھا اور اس نے اپنا منہ کھولا ہوا تھا جس

کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ہاتھ کی مسافت تھی' اس نے اپنا نچلا جبڑا زمین پر رکھا اور اوپر والا محل کی دیواروں پر رکھا' پھر فرعون کی طرف دیکھا تو فرعون خوف کے مارے بھاگا اور اس کا بول و براز کپڑوں میں نکل گیا جب کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور سانپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جس کے خوف کی وجہ سے ان لوگوں میں سے پچیس افراد مر گئے' انہوں نے رش کی وجہ سے ایک دوسرے کو پاؤں کے نیچے روند کر قتل کر دیا' سو فرعون چیخا اور چیخ کر کہنے لگا: اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور میں آپ پر ایمان لے آؤں گا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ دوبارہ عصا (لاٹھی بن گیا)۔

۱۰۸- ﴿ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان سے باہر نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے جگمگانے لگا اور وہ حقیقت میں سفید نہیں تھا بلکہ جب وہ خلافِ عادت بطور معجزہ سفید نورانی ہوتا تو عجیب طرح چمکنے لگتا اور لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے فرعون کو اپنا ہاتھ مبارک دکھایا اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا کہ یہ آپ کا ہاتھ مبارک ہے تو پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان میں داخل کیا اور باہر نکالا تو وہ ایسا جگمگانے لگا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گہرا گندمی رنگ تھا۔

۱۰۹- ﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ شخص بڑے علم والا اور بہت ماہر جادوگر ہے' چنانچہ انہوں نے لوگوں کے خیالوں اور نگاہوں میں عصا کو سانپ بنا کر دکھا دیا اور گندمی ہاتھ کو سفید نورانی دکھا دیا اور سورۃ الشعراء میں یہ گفتگو فرعون کی طرف منسوب کی گئی کہ فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے یہ کہا تھا اور یہاں یہ گفتگو سرداروں کی طرف منسوب کی گئی ہے' سو ممکن ہے کہ یہ گفتگو فرعون نے بھی کی ہو اور انہوں نے بھی کی ہو تو یہاں فرعون کی گفتگو بیان کی گئی ہے اور وہاں سرداروں کی گفتگو بیان کی گئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے فرعون نے یہ گفتگو کی ہو اور اس سے سن کر سرداروں نے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہی گفتگو خود دھرا کر ان کی سنائی ہو۔

۱۱۰- ﴿ يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ﴾ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین یعنی مصر سے نکال دے ﴿ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو [اور ''آمَرْتُهٗ فَاَمَرَنِيْ بِكَذَا'' سے ماخوذ ہے] یعنی میں نے اس سے مشورہ طلب کیا تو اس نے مجھے اس طرح کا مشورہ دیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی سے مشورہ طلب کرو اور وہ تمہیں اپنی رائے پیش کرے اور یہ فرعون کا کلام ہے جو اس نے سرداروں کے جواب میں کہا تھا جب کہ سرداروں نے معجزۂ موسوی دیکھ کر کہا تھا: ''اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ'' بے شک یہ شخص بڑے علم والا' بہت بڑا جادوگر ہے۔

۱۱۱- ﴿ قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ ﴾ انہوں نے کہا کہ ان کو اور ان کے بھائی کو روک لو یعنی انہیں مہلت دے اور روک لے یعنی ان کے معاملے کو مؤخر کر دے اور جلدی نہ کر یا پھر یہ کہ فرعون نے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو درباریوں نے کہا کہ ان کے قتل کے منصوبے کو مؤخر کر دے اور ان کو روک لے اور قتل نہ کرتا کہ ان کا جادو سب مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے [قاری عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''اَرْجِهْ'' ھائے ساکنہ کے ساتھ ہے] ﴿ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴾ اور شہروں میں لوگوں کو جمع کرنے والوں کو بھیج دے [یہاں ''حَاشِرِيْنَ''، ''جَامِعِيْنَ'' کے معنی میں ہے]۔

۱۱۲- ﴿ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴾ وہ ہر ماہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں گے یعنی وہ لوگ تیرے پاس ہر ایسے ماہر اور بہت علم رکھنے والے جادوگروں کو لے کر آئیں گے جو حضرت موسیٰ کے برابر یا اس سے بھی بہتر ہوں [قاری

حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "سَحَّارٍ" ہے]۔

۱۱۳- ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے یعنی مقصد یہ ہے کہ فرعون نے ان کو بلانے کے لیے آدمی بھیجے تو وہ حاضر ہو گئے اور ﴿قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ انہوں نے کہا کہ بے شک ہمارے لیے انعام ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ("فا" کے ساتھ) "فَقَالُوْا" نہیں فرمایا کیونکہ سوال کرنے والے کے سوال کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ "مَا قَالُوْا اِذَا جَآؤُوْہُ" یعنی جب جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے کیا کہا؟ تو جواب میں یہ سنایا گیا کہ "قَالُوْا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا" یعنی انہوں نے کہا: غلبہ کی صورت میں ہمارے لیے انعام ضرور مقرر کیا جائے "اَجْرًا" کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے گویا اجر عظیم کے اثبات اور خبر کی بنا پر "اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا" کو ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے (جب کہ باقی نے "اَاِنَّ لَنَا" پڑھا ہے)] ﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ اگر ہم غالب آ گئے۔

۱۱۴- ﴿قَالَ نَعَمْ﴾ فرعون نے کہا: جی ہاں! بے شک تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا ﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اور بے شک تم میرے نزدیک مقربین میں سے ہو گے، سو تم ہی سب سے پہلے میرے پاس آیا کرو گے اور سب سے آخر میں جایا کرو گے اور وہ جادوگر ستّر ہزار سے لے کر اسّی ہزار تک تھے یا پھر تیس ہزار سے کچھ زیادہ تھے۔

۱۱۵- ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو پہلے آپ اپنا عصا ڈال دیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴾ اور یا پھر ہم اپنی چیزیں جو ساتھ لائے ہیں ڈال دیتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جادوگروں کی یہ خواہش تھی کہ وہ حضرت موسیٰ سے پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں [اس لیے انہوں نے "نَكُوْنَ" کی ضمیر متصل کو "نَحْنُ" ضمیر منفصل کے ساتھ مؤکد کیا اور خبر کو معرفہ لائے]۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ لا رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

آپ نے فرمایا: تم ڈال دو، سو جب انہوں نے ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرا دیا اور وہ بڑا جادو لائے ○ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا ڈال دیں، تو وہ عصا اچانک ان کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا ○ سو حق ثابت ہو گیا اور انہوں نے جو کرتب کیے تھے وہ سب مٹ گئے ○ پس وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر پلٹ گئے ○ اور تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے ○ انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

۱۱۶- ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿اَلْقُوْا﴾ تم ڈالو۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دے کر حسن ادب کا لحاظ کیا اور انہوں نے آپ کے ساتھ ادب کی رعایت کی

جیسا کہ مناظرین بحث و مباحثہ میں غور و خوض کرنے سے پہلے کرتے ہیں اور آپ نے ان کو پہلے جادو دکھانے کی اجازت دے کر ان کی خواہش اور رغبت کو پورا فرمایا اور آپ نے لوگوں کے ذہنوں سے ان کی شان و شوکت کے رعب کا ازالہ کر دیا اور ان کی اہمیت کو ختم کر دیا اور ان کی پرواہ نہ کرنے کا اظہار کر دیا اور آپ نے اس بات کا اعتماد ظاہر کر دیا کہ معجزہ پر جادوگر کبھی غالب نہیں آ سکتے ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ سو جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہوں نے اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی سے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا' انہوں نے لوگوں کے خیالوں میں بے حقیقت چیزوں کو ان کے برعکس ظاہر کر دیا' چنانچہ مروی ہے کہ جب جادوگروں نے مضبوط و مستحکم رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں تو اچانک وہ سانپوں کی طرح نظر آنے لگیں اور پورا میدان بھر گیا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھنے لگے ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ اور انہوں نے لوگوں کو ڈرا دیا اور ان کو سخت خوف زدہ کر دیا گویا انہوں نے اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی سے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور خوف زدہ کرنا چاہا ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ اور وہ جادو کے میدان میں یا دیکھنے والوں کی نگاہوں میں بہت بڑا جادو لائے تھے۔

۱۱۷-﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا مبارک زمین پر پھینک دیں تو وہ اچانک ان کی تمام بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا [''مَا يَاْفِكُوْنَ'' میں ''مَا'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے] یعنی جن چیزوں کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بدل دیا یعنی انہوں نے ان چیزوں کو حق سے باطل میں تبدیل کر دیا تھا اور انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بدل دیا یعنی انہوں نے اپنی چیزوں کو حق سے باطل میں تبدیل کر دیا تھا اور انہوں نے ان کو اپنی اصلی حیثیت سے بدل دیا تھا یا ان کی بناوٹی چیزوں کو نگل گیا [اسم مفعول کا نام مصدر کو دے دیا] مروی ہے کہ جب جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں سے بھری ہوئی وادی کی تمام رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو حضرت موسیٰ کا عصا مبارک کھا گیا اور آپ نے جب اس کو پکڑ کر اٹھایا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا اور پہلی حالت پر آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان تمام بڑے اجسام کو معدوم کر دیا' یا پھر ان کے اجزائے لطیفہ کو متفرق کر دیا' جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ اگر یہ عصا جادو ہوتا تو اس کے ختم ہونے کے بعد ہماری رسیاں اور لاٹھیاں باقی بچ جاتیں۔

۱۱۸-﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ سو حق ثابت اور واضح ہو گیا اور انہوں نے جادو کے زور سے جو کچھ تیار کیا تھا وہ سب کا سب مٹ گیا اور ختم ہو گیا۔

۱۱۹-﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ﴾ پس وہ وہیں میدان میں مغلوب ہو گئے یعنی فرعون اور اس کا تمام لشکر اور تمام جادوگر مغلوب ہو گئے ﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ اور وہ تمام لوگ ذلیل و خوار اور مبہوت و پریشان ہو کر واپس پلٹ گئے۔

۱۲۰-﴿وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ﴾ اور تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے یعنی وہ جادوگر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ میں گر گئے اور زور سے گرنے کی وجہ سے گویا ان کو کسی گرانے والے نے گرا دیا یا پھر انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کی وجہ سے وہ اپنے اجسام پر کنٹرول نہ رکھ سکے' پس وہ گویا گرا دیئے گئے' پھر یہ لوگ دن کے شروع میں کافر و جادوگر تھے اور اس کے آخر میں شہید و نیک بن چکے تھے۔

۱۲۱-﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے جو

۱۲۲-﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا رب ہے [یہ ماقبل سے بدل ہے]۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴/۱۸

فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے ہو؟ یقیناً یہ کوئی سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس میں رہنے والوں کو تم نکال دو' سو عنقریب تم جان جاؤ گے O میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں ضرور کاٹوں گا' پھر میں تم کو ضرور سولی دے دوں گا O انہوں نے کہا: بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں O اور تو ہم سے انتقام نہیں لے مگر صرف اس بات کا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آ چکیں' اے ہمارے رب! تو ہم پر صبر انڈیل دے اور تو ہمیں مسلمان ہی اٹھا لے O

۱۲۳- ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ﴾ فرعون نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ فرعون نے اپنی اس گفتگو کے ذریعے جادوگروں کو ڈرایا اور دھمکایا [اور حضرت حفص کی قراءت میں ''اٰمَنْتُمْ'' خبر کی بنا پر ایک ہمزہ کے ساتھ ہے اور حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاٰمَنْتُمْ'' ہے' بہرحال اس صورت میں پہلا ہمزہ استفہام (سوال) کے لیے ہے اور اس کا معنی انکار کرنا ہے اور ان کے ایمان کو بعید از قیاس قرار دینا ہے] ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ﴾ بے شک یہ ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں تیار کی ہے تا کہ تم اس شہر سے اس کے باشندوں کو نکال دو یعنی تمہاری یہ کارکردگی کسی حیلہ اور سازش کی وجہ سے کی گئی ہے جس کو تم نے اور (حضرت) موسیٰ نے تیار کیا ہے' گاؤں میں جانے سے پہلے اس میں تمہارا کوئی مفاد ضرور ہوگا اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم مصر کے شہر سے قبطیوں (فرعون کی قوم) کو نکال دو اور ان کی جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دو ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے' یہ مختصر اور مجمل وعید اور دھمکی ہے' جس کی تفصیل درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

۱۲۴- ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ البتہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ' دوسری طرف کا پاؤں ضرور کاٹ دوں گا یعنی ہر جانب سے ایک عضو کاٹا جائے گا' ایک دائیں طرف سے اور ایک بائیں طرف سے ﴿ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ پھر میں تم سب کو سولی پر ضرور چڑھا دوں گا۔ سب سے پہلے مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کا طریقہ فرعون نے ایجاد کیا تھا۔

۱۲۵- ﴿ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اپنے رب کی طرف واپس پلٹنے والے ہیں یعنی ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہم اپنے رب کی ملاقات اور اس کی رحمت کی طرف پلٹنے والے ہیں یا پھر یہ کہ ہم سب یعنی ہم خود بھی اور فرعون بھی اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں' سو وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

۱۲۶- ﴿ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ﴾ اور تو ہم سے انتقام نہیں لے گا مگر اس بات کا کہ

جب ہمارے پاس ہمارے رب کی آیات آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے یعنی تو ہمارا کوئی عیب نہیں نکال سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے کے' ان کی مراد یہ ہے کہ ہمارے اندر کوئی عیب نہیں ماسوا اس چیز کے جو مناقب اور مفاخر کی اصل ہے اور وہ ایمان ہے جیسا کہ کسی شاعر کا مقولہ ہے:

وَلَا عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوْفَهُمْ     بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَآئِبِ

''اور اس قوم میں اور کوئی عیب نہیں ماسوا اس کے کہ ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ سے''۔

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾ یعنی اے ہمارے رب! تو ہم پر بہت بڑا صبر انڈیل دے اور معنی یہ ہے کہ وسیع وکثیر صبر ہم پر بہا دے یہاں تک کہ وہ ہمیں ڈھانپ لے جیسا کہ پانی تیزی سے بہتا ہے ﴿ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾ اور تو ہمیں مسلمان ہی مارنا یعنی ہم موت کے وقت تک اسلام پر ثابت وقائم رہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۳ ۵

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تا کہ وہ زمین میں فساد برپا کر دیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں' فرعون نے کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں ○ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو' بے شک زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے' اور بہترین انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے ○ انہوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی' آپ نے فرمایا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس زمین کا تمہیں وارث بنائے گا' پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ○

۱۲۷۔ ﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو (حضرت) موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں' زمین سے مصر کی سرزمین مراد ہے یعنی بنی اسرائیل مصر پر غلبہ حاصل کر کے اپنا دین رائج کر دیں گے اور وہاں کے باشندوں کا دین و مذہب بدل دیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے چھ ہزار جادوگروں کی موافقت میں حضرت موسیٰ پر لے آئے تھے ﴿ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ﴾ اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں گے [اور یہ ''لِيُفْسِدُوْا'' پر معطوف ہے] اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون نے

اپنی قوم کے لیے اپنے مجسمے تیار کرائے اور اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ لوگ فرعون کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان مجسموں کی پرستش کیا کریں جیسا کہ بت پرست بتوں کی پرستش و عبادت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: ''لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى'' (الزمر:۳) یعنی'' تا کہ وہ بت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں'' اور اس لیے تو فرعون نے کہا تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' (النازعات:۲۴) یعنی'' میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں'' ﴿قَالَ﴾ فرعون نے قوم کے سرداروں کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں [ حجازی نے ''سَنَقْتُلُ'' (بغیر شد کے مجرد باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے ) پڑھا ہے ] یعنی اب ہم بیٹوں کو قتل کرنے کا عمل ان پر دھرائیں گے تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہمیں ان پر غلبہ اور کنٹرول یقیناً حاصل ہے اور وہ ہمارے ہاتھوں میں مقہور و مجبور ہیں جیسا کہ وہ پہلے تھے اور تا کہ عوام کو یہ وہم نہ ہو کہ (حضرت) موسیٰ وہی مولود ہے جس کے متعلق نجومیوں نے بتایا تھا کہ اس کے ہاتھوں ہمارا ملک ہم سے چھن جائے گا ورنہ یہ بات ان کو ہماری اطاعت سے خارج کر دے گی اور (حضرت) موسیٰ ان کو اپنی پیروی کی دعوت دیں گے۔

۱۲۸- ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور صبر کرو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دیتے ہوئے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب بنی اسرائیل فرعون کی قتل کی دھمکی سے گھبرا گئے اور آپ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ بے شک ساری زمین اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہے' [اس میں لام عہد خارجی کا ہے ] یعنی مصر کی سرزمین مراد ہے [ یا پھر لام جنس کا ہے ] جو مصر کی زمین کو سب سے پہلے شامل ہے ﴿يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس میں اپنی قوم بنی اسرائیل کے لیے مصر کی زمین کی آرزو کا اظہار کیا ہے ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے' یہ بشارت ہے کہ حسن خاتمہ پرہیز گاروں کے لیے ہوگا خواہ اس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہو یا قبطیوں سے ہو [ اور اس آیت کو حرف عطف واؤ سے خالی لایا گیا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے بہ خلاف اس ارشاد کے ''وَقَالَ الْمَلَاُ'' کیونکہ یہ اپنے ماقبل ارشاد ''قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ'' پر معطوف ہے ]۔

۱۲۹- ﴿قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ انہوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں ستایا گیا ہے' ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی پیدائش سے پہلے ان کے بیٹوں کو قتل کیا جاتا رہا آپ کے اعلان نبوت تک اور اب اس کے بعد اس کا پھر اعادہ ہونے لگا ہے اور یہ فرعون کے ظلم کی اور نصرت الٰہی کے وعدہ کی تاخیر کی شکایت تھی ﴿قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں جانشین بنائے گا اور اس سے پہلے اشارہ میں جو بشارت سنائی گئی تھی اس آیت مبارکہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ہے فرعون کا ہلاک ہونا اور اس کے بعد سرزمین مصر پر بنی اسرائیل کا جانشین بننا ﴿فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو یعنی وہ تمہارے نیک و بد اعمال دیکھے گا اور یہ کہ تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو تا کہ قیامت کے روز وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزائے خیر یا سزا دے اور عمرو بن عبید سے منقول ہے کہ وہ ایک دفعہ خلافت ملنے سے پہلے منصور کے پاس گئے تو اس کے پاس دستر خوان پر صرف ایک یا دو روٹیاں تھیں اور

منصور نے عمرو بن عبید کی خاطر گھر سے مزید روٹیاں طلب کیں تو نہ ملیں اور عمرو بن عبید نے یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے تسلی دی' پھر عمرو بن عبید خلافت ملنے کے بعد خلیفہ منصور کے پاس گیا اور اس کے سامنے ماضی کا ذکر کر کے موجودہ خلافت وحکمرانی کا ذکر کیا اور خلیفہ منصور نے کہا کہ ابھی ایک کام باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ "فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ"۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط کے سالوں اور پھلوں کی کمی کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں O پھر جب ان کو خوشحالی ملتی تو کہتے: یہ ہماری وجہ سے ہے' اور اگر ان کو بدحالی پہنچتی تو وہ اسے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے' خبردار! اللہ کے نزدیک نحوست انہیں کی ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے O اور انہوں نے کہا کہ آپ جب بھی کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس آئیں گے تا کہ آپ اس سے ہم پر جادو کر دیں' پھر بھی ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O پھر جب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا حالانکہ یہ واضح اور الگ الگ نشانیاں تھیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی O

۱۳۰ - ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط کے سالوں کے ساتھ پکڑ لیا' [" سِنِيْنَ " سے قحط کے سال مراد ہیں اور وہ سات سال ہیں اور " السنة " اسمآئے غالبہ میں سے ہے (یعنی اسم علم ہے) جیسے " الدابة " اور " النجم " ہیں] ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور پھلوں کی کمی کے ساتھ' بعض نے فرمایا کہ دیہاتیوں کے لیے قحط سالی کی سزا تھی اور شہریوں کے لیے پھلوں کی کمی کی سزا تھی ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ ان کو یہ سزا کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے ملی ہے اور اس لیے کہ لوگ سختی و مصیبت کی حالت میں زیادہ عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہیں اور ان کے دل زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون چار سو سال تک زندہ رہا اور تین سو بیس سال تک اسے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں پہنچی اور اگر اس کو اس مدت میں کبھی درد یا بھوک یا بخار ہو جاتا تو وہ کبھی رب ہونے کا دعویٰ نہ کرتا۔

۱۳۱ - ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ﴾ پھر جب ان کو صحت و خوشحالی پہنچتی تو کہتے: یہ ہمارے لیے ہے یعنی ہم اس کے مستحق ہیں ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ اور اگر ان کو قحط یا بیماری پہنچتی تو وہ اس کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے اور وہ ان سے بدشگونی لیتے اور کہتے: یہ قحط سالی اور بیماری وغیرہ ان کی

نحوست کی وجہ سے ہے اور اگر یہ لوگ یہاں نہ ہوتے تو ہمیں یہ تکلیفیں نہ پہنچتیں [پھر اس آیت مبارکہ میں ''الحسنة'' کو معرفہ لایا گیا ہے اور اس کے جملہ میں ''اِذَا'' داخل کیا گیا ہے جب کہ ''سَيِّئَةٌ'' کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے اور اس کے جملہ میں ''اِنْ'' داخل کیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حسنة'' کثرت سے بہت زیادہ وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے لیکن ''سَيِّئَةٌ'' بہت کم واقع ہوتی ہے بلکہ کبھی بالکل واقع نہیں ہوتی اور ''يَطَّيَّرُوْا'' اصل میں ''يَتَطَيَّرُوْا'' تھا پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ یہ طرف زبان اور ثنایا علیا (یعنی اوپر کے سامنے کے دو دانت) کی جڑ سے ادا ہوتے ہیں ] ﴿ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ ﴾ خبردار! بے شک ان کی بھلائی اور ان کی برائی کا سبب صرف انہیں کی نحوست ہے ﴿ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اور اس کی مشیّت میں اور اللہ تعالیٰ ہی یہ قدرت و اختیار رکھتا ہے کہ انہیں اچھائی پہنچائے یا برائی پہنچائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' (النساء:۷۸) ''اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۱۳۲- ﴿ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ آپ جب بھی کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس آئیں گے تاکہ آپ اس سے ہمارے اوپر جادو کر دیں تو بھی ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں [''مَهْمَا'' کی اصل ''مَامَا'' ہے اس میں پہلا ''مَا'' جزا کے لیے ہے اور اس کے ساتھ جزا کی تاکید کے لیے ایک زائد ''مَا'' ملا دیا گیا ] جیسے تمہارے قول میں ہے: ''مَتٰى مَا تَخْرُجْ اَخْرُجْ'' جب تو نکلے گا تو میں نکلوں گا: ''اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ'' (النساء:۷۸) ''تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پکڑ لے گی'' ''اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا'' (البقرہ:۱۴۸) ''تم جہاں کہیں رہو اللہ تم سب کو لے آئے گا'' ''فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ'' (الزخرف:۴۱) ''سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے'' [ مگر اس کے الف کو ''هَا'' سے تبدیل کر دیا گیا' دو ہم جنس حروف مکرر آنے سے ثقل کو دور کرنے کے لیے اور سدید بصری کا یہی مذہب ہے اور یہ ''تَاْتِنَا'' سے محلاً منصوب ہے اور ''مِنْ اٰيَةٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے جو ''مَهْمَا'' کی وضاحت کرنے کے لیے ہے اور ''بِهٖ'' اور ''بِهَا'' میں ضمیر ''مَهْمَا'' کی طرف لوٹتی ہے مگر پہلی ضمیر لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر لائی گئی ہے اور دوسری ضمیر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مؤنث ذکر کی گئی ہے کیونکہ وہ آیت کے معنی میں ہے ] اور انہوں نے حضرت موسیٰ کے نام کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا نام ''اية'' رکھا' یا پھر انہوں نے اس سے مذاق اڑانے کا ارادہ کیا۔

۱۳۳- ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ ﴾ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا جس نے بارش یا سیلاب کے پانی کے ساتھ ان کو گھیر لیا اور ان پر غالب آ گیا۔ بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ ان کی کھیتیوں کے اوپر چڑھ گیا اور یہ اس لیے ہوا کہ آٹھ روز تک سخت ترین اندھیرے میں زوردار بارش ہوتی رہی' انہوں نے اتنا عرصہ نہ سورج کو دیکھا اور نہ چاند کو اور نہ کوئی شخص اپنے گھر سے نکل سکا اور بعض مفسرین نے فرمایا: پانی قبطیوں کے گھروں میں داخل ہو گیا اور ان کے گلوں تک پہنچ گیا یہاں تک کہ وہ لوگ پانی میں کھڑے رہ گئے کیونکہ اگر کوئی بیٹھتا تو ڈوب جاتا تھا مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ داخل نہیں ہوا تھا یا پھر چیچک یا طاعون کی بیماری مراد ہے ﴿ وَالْجَرَادَ ﴾ اور ہم نے ٹڈی کو بھیجا جو ان کے کھیتوں اور ان کے پھلوں اور ان کے گھروں کی چھتوں اور ان کے کپڑوں کو کھا گئی اور بنی اسرائیل کے گھروں میں ان میں سے کوئی چیز داخل نہ ہوئی ﴿ وَالْقُمَّلَ ﴾ اور ٹڈیوں کے بچے جو پر اگنے سے پہلے چھوٹے چھوٹے ہوتے جنہیں عربی میں ''دبي'' کہا جاتا ہے یا پسو یا جوئیں یا پھر گندم سے پیدا ہونے والے کیڑے گھن وغیرہ کی طرح مراد ہیں ﴿ وَالضَّفَادِعَ ﴾ اور مینڈک جو

ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں داخل ہو جاتے یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی شخص بات کرنے کے لیے منہ کھولتا تو مینڈک اس کے منہ میں داخل ہو جاتے ﴿وَالدَّمَ﴾ یعنی نکسیر کا خون اور بعض نے کہا کہ ان کے پانی کے چشمے' کنویں سب خون کے بن گئے تھے یہاں تک کہ جب بنی اسرائیلی اور قبطی ایک برتن سے اکٹھے پانی پینے لگتے تو برتن کا جو حصہ بنی اسرائیل کی طرف ہوتا اس طرف پانی ہوتا اور برتن کا جو حصہ قبطی کی طرف ہوتا وہ خون کا ہو جاتا اور بعض نے فرمایا کہ دریائے نیل ان کے لیے خون بن گیا تھا ﴿اٰيٰتٍ﴾ نشانیاں' یہ مذکورہ بالا اشیاء سے حال ہے ﴿مُّفَصَّلٰتٍ﴾ واضح اور ظاہر جو عقل مند کے لیے مشکل نہ ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یا جدا جدا اور الگ الگ' ہر دو نشانیوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ہوتا تھا ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ سو انہوں نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور وہ مجرم قوم تھی۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴿۱۳۴﴾
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے کہ اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے اس عہد کی بناء پر جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے' اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے اور ہم آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے O پھر جب ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک دور کر دیتے جس تک انہیں پہنچنا ہوتا تھا تو وہ فوراً عہد کو توڑ دیتے O سو ہم نے ان سے بدلا لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل رہے O

۱۳۴- ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اور جب ان پر عذاب واقع ہو جاتا یعنی آخری عذاب جب ان پر واقع ہوا اور وہ خون کا عذاب تھا یا مذکورہ بالا ہر عذاب جب ایک کے بعد ایک ان پر واقع ہو جاتا ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ تو وہ لوگ کہتے: اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے اس عہد کی وجہ سے ہمارے لیے دعا کیجئے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے [اس میں "مَا" مصدریہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے سبب جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ عہد نبوت ہے اور "بَا" "اُدْعُ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اس عہد نبوت کے توسل سے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ البتہ اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کرا دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔

۱۳۵- ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ﴾ سو جب ہم نے ایک مدت تک ان سے عذاب کو دور کر دیا جس کو وہ پہنچنے والے تھے یعنی ہم نے زمانے کی ایک مقرر و محدود مدت تک عذاب کو دور کر دیا جس کو وہ لامحالہ پہنچنے

والے تھے' پھر انہیں اس وقت عذاب دیا جائے گا' لہٰذا ماضی کی مہلتیں ان کو فائدہ نہیں دیں گی اور نہ ماضی کا محدود وقت کے لیے عذاب کا دور ہونا فائدہ دے گا ﴿ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴾ [ ''لَمَّا'' کا جواب ہے ] یعنی جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو اسی وقت فوراً عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اس میں ذرہ بھی تاخیر نہیں کی ۔

۱۳۶ - ﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ سو ہم نے ان سے انتقام لیا' یہ انعام کی ضد ہے جیسا کہ عذاب ثواب کی ضد ہے ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ﴾ پس ہم نے ان کو دریا میں ڈبو دیا' بحر اس گہرے دریا کو کہتے ہیں جس کی گہرائی معلوم نہ ہو سکے یا اس سے دریا کی بڑی بڑی موجیں مراد ہیں جو پانی سے بہت اوپر تک جوش مارتی ہیں اور یہ ''تیمم'' سے مشتق ہے کیونکہ دریا سے فائدہ اٹھانے والے اس کا قصد و ارادہ کرتے ہیں ﴿ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے بے خبر رہتے تھے یعنی ان کے غرق کا سبب ان کا آیات الٰہی کو جھٹلانا تھا اور ان سے غفلت برتنا تھا اور ان میں غور و فکر نہ کرنا تھا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ
وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝۱۳۷ وَجٰوَزْنَا
بِبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا
يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸ اِنَّ
هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹

اور ہم نے اس قوم کو جس کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں' اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہو گیا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا' اور ہم نے تباہ و برباد کر دیں جو فرعون اور اس کی قوم عمارتیں بناتی تھی اور بلند و بالا محلات تعمیر کرتی تھی ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار گزار دیا اور وہ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے' انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیں جیسے ان کے کئی معبود ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک تم جاہل قوم ہو ○ بے شک یہ لوگ جس میں ہیں وہ تباہ و برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں محض باطل ہے ○

---

۱۳۷ - ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ﴾ اور ہم نے اس قوم کو وارث بنا دیا جس کو کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ بنی اسرائیل ہیں جن کو فرعون اور اس کی قوم قتل اور خدمت لینے کی وجہ سے کمزور سمجھتی تھی ﴿ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ﴾ یعنی سرزمینِ مصر اور شام کے مشرقی اور مغربی تمام علاقوں کا ان کو وارث بنا دیا گیا تھا ﴿ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ﴾ جس میں ہم نے بہت برکتیں رکھیں یعنی درختوں اور نہروں کی کثرت اور رزق کی وسعت و کشادگی اور زمین کی زرخیزی کے ذریعے ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴾ اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہو گیا اور وہ یہ

ارشاد ہے: ''قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ '' (الاعراف: ۱۲۹) ''عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور زمین میں تمہیں جانشین بنائے گا'' یا یہ ارشاد مراد ہے ''وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ (تا) مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ'' (القصص: ۵-۶) تک'' اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کمزور خیال کیا جاتا'' [''اَلْحُسْنٰى''، ''اَحْسَنُ'' کا مؤنث ہے اور ''كَلِمَةُ'' صفت ہے اور حرف ''عَلٰى''، ''تَمَّتْ'' کا صلہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ان پر پورا ہو چکا اور گزر چکا جیسے تمہارا یہ قول ''تَمَّ عَلَى الْاَمْرِ'' اس وقت بولتے ہیں جب کام پورا ہو چکا ہو ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا یعنی ان کے صبر کرنے کے سبب اور تمہیں صبر پر قائم رہنا کفایت کرے گا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص مصیبت کا مقابلہ جزع وفزع کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے سپرد کرے گا اور جو شخص اس کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دور کرنے کا خود ضامن بن جائے گا ﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ﴾ اور ہم نے وہ تمام عمارتیں اور محلات تباہ و برباد کر دیئے جن کو فرعون اور اس کی قوم تعمیر کرتی رہی ﴿وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ اور وہ جن کو وہ لوگ بلند کرتے تھے' باغات یا آسمان کو چھوتی ہوئی دراز و مضبوط عمارتیں جن کو فرعونی بلند سے بلند تر اونچا بناتے تھے جیسے ہامان وغیرہ کے بلند و بالا محلات [ابن عامر شامی اور ابوبکر نے ''را'' کو پیش کے ساتھ ''یَعْرُشُوْنَ'' (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے) پڑھا ہے] اور یہ فرعون اور قبطیوں کے قصے کا آخر ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلانے کا آخر ہے' پھر اس کے بعد بنی اسرائیل کا قصہ شروع ہو جاتا ہے اور انہوں نے فرعون سے نجات حاصل کرنے اور بڑے بڑے معجزات ونشانات کو دیکھنے اور دریا عبور کرنے کے بعد گائے کی پوجا وغیرہ جیسے کام ایجاد کیے تھے ان کا ذکر آئے گا تاکہ مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل کی طرف سے جو رکاوٹیں پیش کی گئیں ان پر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جائے۔

## بنی اسرائیل کی سرکشی

۱۳۸- ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پاس گزار دیا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم الحرام کو فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کو لے کر دریا عبور فرمایا جس کی خوشی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے دس محرم کو روزہ رکھا ﴿فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ اور وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کی عبادت کر رہی تھی اور وہ قوم ہمیشہ اپنے بتوں کی عبادت میں مصروف رہتی تھی اور اس کے بت گائے کی مورتیاں تھیں [اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں کاف کے نیچے زیر (یعنی یَعْكِفُوْنَ) ہے] ﴿قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود یعنی بت بنا دیجئے تاکہ ہم اس کی عبادت و پرستش کریں ﴿كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ جیسا کہ ان کے بت ہیں جن کی وہ ہمیشہ عبادت کرتے ہیں [اور اس میں حرف ''مَا'' کافہ ہے جو کاف کے عمل کو روکتا ہے' اس کے بعد جملہ واقع ہوا ہے] ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم نے اپنے نبی کے انتقال کے فوراً بعد اختلاف کیا حالانکہ ابھی ان کے جسم کا پانی بھی خشک نہیں ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے دریا عبور کر کے فوراً بعد حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمارے لیے ایک بت کا معبود بنا دیجئے حالانکہ ابھی تمہارے پاؤں بھی خشک نہیں ہوئے تھے' یہودی سن کر لاجواب ہو گیا ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ بے شک تم جاہل قوم ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی اس بات پر تعجب کیا کہ انہوں نے دریا عبور کرنے کا عظیم الشان معجزہ دیکھا' پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کو نہیں سمجھا اس لیے آپ نے ان کو مطلق اور محض جہالت کے ساتھ موصوف کیا اور حرف ''اِنَّ'' تحقیق کا اپنے کلام میں داخل کر کے ان کی جہالت کو پکا ثابت کر دیا۔

۱۳۹- ﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ یعنی ان مورتیوں کی عبادت کرنے والے لوگ ﴿مُتَبَّرٌ﴾ تباہ و برباد اور ہلاک کیے جانے والے ہیں [ یہ "تبر" سے مشتق ہے ] ﴿مَّا هُمْ فِيْهِ﴾ جو اس مشرکانہ عمل میں مشغول ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے گا اور جس باطل دین پر وہ قائم ہیں اس کو میرے ہاتھوں مٹا دے گا [ اور "هٰۤؤُلَآءِ" کو "اِنَّ" کا اسم قرار دینے اور مبتدا کی خبر کو اس جملہ سے مقدم کرنے میں جو اس کی خبر واقع ہو رہا ہے ] اس بات کی علامت ہے کہ بت پرستی کرنے والے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور وہ اس سے یقیناً نہیں بچ سکیں گے ﴿وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں سب مٹنے والا ہے یعنی انہوں نے بتوں کی عبادت کے جو عمل کیے ہیں وہ سب مٹ جانے والے اور بے کار ہیں۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

فرمایا: کیا میں تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی ہے O اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی' وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے' وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے' اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش تھی O اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور ہم نے ان کو دس کے ساتھ مکمل کیا تو اس کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس راتوں میں پورا ہو گیا' اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے پر نہ چلنا O

۱۴۰- ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ یعنی کیا میں عبادت کے مستحق خدا کو چھوڑ کر تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں ﴿وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ حالانکہ اسی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہان بھر کے لوگوں پر فضیلت دی ہے' [ یہ حال ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے زمانے کے تمام لوگوں پر تمہیں فضیلت دی ہے۔

۱۴۱- ﴿وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ اور جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی [ ابن عامر شامی کی قراءت میں "اَنْجَاكُمْ" ہے ] ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ وہ تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے [ یہ "سَامَ السِّلْعَةَ" سے ماخوذ ہے ] جب اس کو طلب کیا جائے [ اور یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے یا یہ مخاطبین سے حال ہے یا پھر "مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" سے حال ہے ] ﴿يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے ہیں اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے ہیں [ قاری نافع مدنی کی قراءت میں "يَقْتُلُوْنَ" (باب "نَصَرَ يَنْصُرُ" سے) ہے ]

﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ اور اس میں یعنی تمہیں نجات دینے میں یا عذاب دینے میں ﴿ بَلَآءٌ ﴾ احسان ہے یا امتحان ہے ﴿ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑا۔

## حضرت موسیٰ کا رب سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ

۱۴۲۔﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ﴾ اور ہم نے تورات عطا کرنے کے لیے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا ﴿ وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ اور ہم نے ان کو مزید دس راتوں کے ساتھ مکمل کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک کتاب ان کو عنایت فرمائے گا' پھر جب فرعون اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کتاب کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم دیا اور یہ ذی القعدہ کا مہینہ تھا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس روزے پورے کر لیے اور منہ کی ہوا محسوس کی اور مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی ہوا میرے نزدیک مشک کی خوشبوؤں سے بہتر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذی الحج کے دس دن کے مزید روزے رکھنے کا حکم دیا ﴿ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ ﴾ سو اس کے رب کا مقرر کردہ وقت مکمل ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے جو وقت مقرر کیا تھا اور اس سے جو بیان کیا تھا ﴿ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ﴾ [یہ حال کی بنا پر منصوب ہے ] یعنی چالیس راتوں کا وعدہ مکمل ہو گیا اور یہ عدد اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں چالیس کو مجمل و مبہم ذکر فرمایا اور یہاں اس کی تفصیل بیان فرما دی ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ اور نائب رہو اور ان کی اصلاح کرتے رہو یعنی بنی اسرائیل کے معاملات میں ان کی اصلاح کرنا تم پر واجب ہے [اور "هٰرُوْنَ" "اَخِيْهِ" کا عطف بیان ہے ] ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ اور تم فساد کرنے والوں کے راستے پر نہ چلنا اور ان میں سے جو شخص تمہیں فساد پھیلانے کی طرف بلائے تو تم اس کی پیروی نہ کرنا اور نہ اس کا کہنا ماننا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۫ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا' تو موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھ لوں' فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ' سو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا' پھر جب اس کے رب نے اپنے نور کا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا تو اس کو ریزہ ریزہ

کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے' پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا: (اے اللہ!) تو پاک ہے میں نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں○ فرمایا: بے شک میں نے لوگوں میں سے تجھے اپنی رسالت اور ہم کلامی کے ساتھ منتخب کر لیا ہے' سو میں نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس کو لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے رہو○

۱۴۳-﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا ﴾ اور جب موسیٰ ہمارے اس وقت پر حاضر ہوئے جو ہم نے ان کے لیے مقرر اور معین کیا تھا [اور اس میں لام اختصاص کے معنی میں ہے] یعنی حضرت موسیٰ کا آنا ہمارے مقرر کردہ وقت کے ساتھ مخصوص تھا ﴿ وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ اور اس کے رب نے براہِ راست بغیر کسی واسطے اور بغیر کیفیت کے اس سے کلام فرمایا اور روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کلامِ ربانی ہر جہت اور ہر طرف سے سن رہے تھے اور حضرت الشیخ نے ''کتاب التاویلات'' میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتی تھی اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی آواز سنائی جس کو اس نے براہِ راست خود پیدا فرمایا اور وہ آواز نہ تو دنیا میں مخلوق میں سے کسی اور کے لیے تیار کی جائے گی اور نہ وہ آواز اس کے بندوں میں سے کسی اور کو سنائی جائے گی اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آواز سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھتے رہے' پھر جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کا کلام براہ راست سنا تو غلبہ شوق میں اس کے دیدار کی آرزو پیدا ہوئی تو آپ نے دیدار کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ﴾ [''اَرِنِیْ'' کا دوسرا مفعول محذوف ہے اصل میں ''اَرِنِیْ ذَاتَكَ اَنْظُرْ اِلَيْكَ'' ہے] (ترجمہ) حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنی ذاتِ اقدس کا دیدار کرا دے کہ میں تجھے دیکھ لوں یعنی مجھے اپنا دیدار کرنے کی قوت و ہمت اور قدرت عطا فرما یہاں تک کہ جب تو میرے لیے جلوہ فرما ہو تو میں تجھے دیکھ لوں اور یہ آیت مبارکہ اہل سنت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے (اور جنت میں مؤمنوں کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا) کیونکہ حضرت موسیٰ کا یہ عقیدہ تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جا سکتا ہے اس لیے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کیا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پر جو چیز جائز نہ ہو اس کے جائز ہونے کا عقیدہ کفر ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''اَرْنِیْ'' (سکونِ را کے ساتھ) ہے اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَرِنِیْ'' میں رَا مکسور باریک پڑھی جاتی ہے اور ان دونوں کے علاوہ ''اَرِنِیْ'' میں رَا مکسور پُر پڑھی جائے گی] ﴿ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ مجھے سوال کے ذریعے اس فانی آنکھ کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے بلکہ آپ مجھے بخشش و عطا کے ذریعے باقی رہنے والی آنکھ کے ساتھ دیکھیں گے اور یہ بھی ہمارے لیے دلیل ہے (کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے ہرگز نہیں دیکھا جائے گا تاکہ جواز کی نفی ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح جواب دیتا کہ مجھے کبھی نہ دیکھا جائے گا کیونکہ سوال کے جواب میں وضاحت و بیان کی حاجت و ضرورت ہوتی ہے ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ اور لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھو' پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا اور وہ اپنی حالت پر قائم رہا تو عنقریب تم مجھے دیکھ لو گے اور یہ بھی ہمارے لیے دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو پہاڑ کے اپنی جگہ ٹھہرنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کے ساتھ معلق کیا اور یہ ممکن ہے اور جو چیز ممکن کے ساتھ معلق ہو وہ بھی ممکن ہوتی ہے' لہٰذا دیدار الٰہی ممکن ہو گیا جیسا کہ ہر وہ چیز جو ممتنع اور محال کے ساتھ معلق ہو وہ بھی ممتنع اور محال ہوتی ہے اور اس پر دلیل کہ پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرنا ممکن ہے یہ ارشاد ہے کہ ''جَعَلَهٗ دَكًّا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا (اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے فعل کی نسبت اپنی طرف کی ہے) اور ''اِنْدَكَّ'' نہیں فرمایا (کہ پہاڑ خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ نے جس کو ایجاد کیا ہے اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ موجود نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ اس کو ایجاد نہ کرتا کیونکہ اللہ

تعالیٰ اپنے فعل میں مختار ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال سے مایوس نہیں فرمایا اور نہ دیدار کے سوال کرنے پر عتاب و ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اگر دیدار محال و ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر عتاب فرماتا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام پر عتاب کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ'' (ھود:۴۶) ''بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ'' یہ اس وقت فرمایا جب حضرت نوح نے اپنے بیٹے کے لیے غرق ہونے سے نجات کی درخواست کی تھی ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ پھر اس کے رب نے جب تجلی فرمائی یعنی اس کا جلوہ ظاہر ہوا اور اس کا نور بے کیف چمکا۔ حضرت الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہاڑ پر تجلی ڈالنے کا معنی جو اشعری نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیات' علم اور نظر پیدا فرما دی یہاں تک کہ اس نے اپنے رب کا دیدار کیا (اور پاش پاش ہو گیا) اور یہ کلام بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہے' لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر دیدار الٰہی کے منکرین کی جہالت واضح اور ثابت ہو گئی اور ان کا یہ کہہ دینا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی قوم نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ انہیں رب کا دیدار کرائیں جیسا کہ اس کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً'' (البقرہ:۵۵) ''ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں'' چنانچہ حضرت موسیٰ نے دیدار کا سوال کیا تاکہ اللہ تعالیٰ بیان کر دے کہ اس کا دیدار نہیں کیا جا سکتا' یہ بالکل باطل بات ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا جیسا منکرین نے گمان کیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ''اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' (مجھے اپنا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھ لوں) کی بجائے ''اَرِهِمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ'' فرماتے کہ انہیں اپنا دیدار کرا کہ وہ تجھے دیکھ لیں' پھر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے جواب میں ''لَنْ تَرٰىنِیْ'' (کہ آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے) کی بجائے ''لَنْ یَّرَوْنِیْ'' فرماتا (کہ وہ لوگ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے) اور اس لیے کہ اگر دیدار الٰہی جائز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سوال کی تردید کرنے میں تاخیر نہ کرتے بلکہ جیسے ہی ان کا کلام سنتے فوراً ان کی تردید فرما دیتے ورنہ اس میں کفر پر تائید ہو گی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کفر کو حق سے بدلنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے نہ کہ اس کی تائید کرنے کے لیے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب بنی اسرائیل نے آپ سے مطالبہ کیا اور کہا: ''اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' آپ ہمارے لیے ایک معبود (بت) بنا دیجئے جیسا کہ ان کے کئی معبود ہیں' چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان کا یہ کلام سن کر انہیں مہلت نہیں دی بلکہ فوراً ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ'' بے شک تم احمق اور جاہل قوم ہو ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ [''مدكوك'' کے معنی میں ہے' مصدر بہ معنی مفعول ہے] جیسے ''ضَرْبُ الْاَمِیْرِ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیا [اور ''دَقٌّ'' اور ''دَكٌّ'' ہم معنی ہیں' قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''دَكَّآءَ'' ہے] یعنی اس کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیا' اس میں اونچ نیچ نہیں رہی جیسے ''نَاقَةٌ دَكَّاءُ'' کہا جاتا ہے برابر پشت والی اونٹنی جس کی کوہان نہ ہو ﴿وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ [''صَعِقًا'' حال ہے] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ نے بے ہوشی سے افاقہ پایا اور ہوش میں آ گئے ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ تو عرض کیا: (اے اللہ!) تو ہر عیب سے پاک ہے' میں نے دنیا میں دیدار کے سوال کرنے سے توبہ کر لی ہے ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور میں تیری عظمت و بزرگی پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں اور بے شک میرا ایمان ہے کہ تیرا دیدار جائز اور ممکن ہونے کے باوجود دنیا میں کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا اور کعبی اور اصم نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ''اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' کا معنی یہ ہے کہ مجھ کو ایسی نشانی دکھا جس سے میں تجھے لازمی طور پر جان لوں گویا میں تجھے دیکھ رہا ہوں' ''لَنْ تَرٰىنِیْ'' کا معنی ہے کہ تو مجھے ایسی صفت کے ساتھ

ہرگز نہیں جان سکتا اور نہ تو میری ایسی معرفت کی طاقت رکھتا ہے" وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ " اور لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو کیونکہ میں نشانی سے زیادہ اس پر ظہور فرماؤں گا' پھر اگر پہاڑ اس تجلّی سے اپنی جگہ قائم رہا اور اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تم بھی اس کے لیے قائم رہو گے اور اس کی ہمت وقوت رکھو گے اور یہ بیان کرنا فاسد وغلط ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے " اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ " کہ تو مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھ لوں' فرمایا اور آپ نے " اِلَیْهَا " نہیں فرمایا کہ میں اس نشانی کو دیکھ لوں اور اللہ تعالیٰ نے " لَنْ تَرَانِیْ " فرمایا ہے کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا" لن تری ایتی " نہیں فرمایا کہ تو میری نشانی ہرگز نہیں دیکھ سکتا اور اس کا معنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم میری نشانی ہرگز نہیں دیکھ سکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بڑی بڑی نشانیاں دکھا دیں' چنانچہ پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔

۱۴۴۔﴿ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے تجھے تیرے زمانے کے تمام لوگوں میں سے منتخب کر لیا ہے ﴿ بِرِسٰلٰتِیْ ﴾ اپنے پیغامات کے ساتھ اور اس سے تورات کے اجزاء مراد ہیں [اور حجازی کی قراءت میں " بِرِسَالَتِیْ " ہے ] ﴿ وَبِكَلَامِیْ ﴾ اور بلاواسطہ براہ راست تجھ سے کلام کرنے کے ساتھ ﴿ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ ﴾ سو میں نے تمہیں حکمت ونبوت کا جو شرف وکمال عطا کیا ہے اسے لے لو ﴿ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴾ اور اس نعمت پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ عرفہ کے روز بے ہوش ہو کر گر پڑے اور قربانی کے دن انہیں تورات عطا کی گئی اور چونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے تابع اور ان کے وزیر تھے اس لیے انتخاب وبرگزیدگی کے لیے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص کیا گیا۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے' سو اس کو مضبوطی سے لے لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں' عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا O میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں' اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے' اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو وہ اس کو اپنا راستہ نہیں بنائیں گے' اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اپنا راستہ بنا لیں گے' یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے اور ان سے غافل ہو گئے O

۱۴۵۔﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً ﴾ اور ہم نے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی۔

''الواح'' ''لوح'' کی جمع ہے' اس سے تورات کی تختیاں مراد ہیں اور وہ دس تختیاں تھیں اور بعض نے کہا کہ وہ سات تھیں اور زمرد کی تھیں اور بعض نے کہا کہ وہ لکڑی کی تھیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھیں جن میں تورات تحریر تھی [اور ''مِنْ كُلِّ شَيْءٍ''، ''كَتَبْنَا'' کا مفعول ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] ﴿ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [یہ ''مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنے دین کے متعلق جن نصیحتوں اور تفصیلی احکام کی ضرورت تھی وہ سب ہم نے تورات میں لکھ دیئے اور بعض نے کہا: جب تورات کی تختیاں نازل ہوئی تھیں تو ان کا وزن ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھا اور اس کتاب کو سوائے چار افراد کے کسی نے نہیں پڑھا اور وہ چار افراد یہ تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یوشع علیہ السلام' حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﴿ فَخُذْهَا ﴾ سو ہم نے اس سے فرمایا: اسے لے لو [یہ ''كَتَبْنَا'' پر معطوف ہے اور اس کی ضمیر ''الواح'' کی طرف لوٹتی ہے یا ''لِكُلِّ شَيْءٍ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ اشیاء کے معنی میں ہے] ﴿ بِقُوَّةٍ ﴾ جدو جہد اور پختہ ارادہ کے ساتھ اور یہ اولوالعزم رسولوں کا کام ہے ﴿ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ﴾ اور آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس کی اچھی چیزیں لے لیں یعنی اس میں جو کچھ ہے اچھا ہے اور بہت اچھا ہے جیسے قصاص' عفو و درگزر' بدلا لینے اور صبر کرنے کے احکام وغیرہ' سو آپ انہیں حکم دیں کہ جو حسن و نیکی میں زیادہ اچھی ہیں اور ثواب میں زیادہ بہتر ہیں انہیں لے لو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' (الزمر:۵۵) ''اور تم سب بہترین کلام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے'' ﴿ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴾ عنقریب میں تمہیں فاسقوں اور نافرمانوں کے گھر دکھا دوں گا یعنی مصر میں فرعون اور اس کی قوم کے گھر دکھا دوں گا (یعنی ان کا وارث بنا دوں گا) اور عاد و ثمود اور دیگر ہلاک شدہ قوموں کے مکانات کے کھنڈرات دکھا دوں گا کہ کس طرح ان سے خالی کرا دیئے گئے تاکہ تم ان سے عبرت حاصل کرو اور نافرمانیاں نہ کرو جیسا کہ انہوں نے نافرمانیاں کیں ورنہ تمہیں بھی اسی طرح سزا دی جائے گی جس طرح ان کو سزا دی گئی یا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۱۴۶- ﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ ﴾ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں تکبر کرتے ہیں یعنی لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں دین حق قبول کرنے سے روکتے ہیں اور عار دلاتے ہیں اور تکبر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تکلف کے ساتھ کبریائی کی صفت کو اپنا لے جو کہ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جس کی قدرت سب پر غالب ہے۔ حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک فرمائے) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کے دلوں کو قرآن مجید کی حکمت اور اس کی فہم و فراست سے محروم کر دیتا ہے اور انہیں قرآن مجید کے معانی مخفیہ اور اسرار و رموز کے ساتھ کبھی معزز نہیں فرمائے گا (یہاں تک کہ تکبر سے توبہ کر کے نیک بن جائیں) ﴿ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ یہ حال ہے یعنی وہ ناحق تکبر کرتے ہیں کیونکہ تکبر صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے ﴿ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ﴾ اور اگر وہ ان تمام نشانیوں کو دیکھ لیں جو ان پر نازل کی گئیں تو وہ پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ﴾ اور اگر وہ رشد و ہدایت اور اصلاح کا راستہ دیکھ لیں تو وہ اس کو اپنا راستہ نہیں بنائیں گے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''الرَّشَدِ'' ہے' یہ دو لفظ ''سُقْم'' اور ''سَقَم'' کی طرح ہیں (یعنی پہلے لفظ میں پہلا حرف مضموم دوسرا ساکن ہے جب کہ دوسرے لفظ میں پہلے دونوں حرف مفتوح ہیں)] ﴿ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ﴾ اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اپنا راستہ بنا لیں گے ﴿ ذَٰلِكَ ﴾ [یہ رفع کے محل میں واقع ہے] یعنی یہ آیتوں سے پھیرنا ﴿ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ﴾ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ﴿ وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴾ اور

وہ بغض وعناد اور روگردانی کر کے ان سے غافل و بے خبر بن گئے اور وہ بھول کر اور جہالت و نادانی سے غافل نہیں ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

وقف لازم ۷ ع

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے ملنے کو جھٹلا دیا ان کے اعمال برباد ہو گئے' انہیں کیا بدلا دیا جائے گا مگر وہی جو وہ عمل کرتے تھے O اور موسیٰ کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے بے جان جسم کا بچھڑا بنا لیا جو گائے کی آواز نکالتا' کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ وہ ان کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے' انہوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ لوگ ظالم تھے O اور جب وہ اپنے ہاتھوں پریشان ہوئے اور سمجھ گئے کہ وہ یقیناً گمراہ ہو گئے' تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہماری بخشش نہ فرمائی تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

۱۴۷- ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کے ملنے سے انکار کیا [اس میں مصدر کی اضافت مفعول بہٖ کی طرف ہے] یعنی انہوں نے آخرت کے ملنے اور اس کے حالات دیکھنے کو جھٹلا دیا ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہو گئے [یہ ''وَالَّذِيْنَ'' کی خبر ہے] ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کو کیا بدلا دیا جائے گا مگر وہی جو کرتے تھے اور وہ احوال آخرت اور آیات الٰہی اور رسولوں کی تکذیب ہے۔

## بنی اسرائیل کی سرکشیاں

۱۴۸- ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا﴾ اور حضرت موسیٰ کے کوہِ طور کی طرف جانے کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے بے جان قسم کا بچھڑا بنا لیا اور بے شک زیورات کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ زیورات ان کے اپنے نہیں تھے بلکہ انہوں نے فرعونیوں سے مانگ کر لیے ہوئے تھے کیونکہ یہ نسبت ادنیٰ تعلق کی بنا پر کی گئی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہو گا' پھر اس کے مانگے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی) بہرحال زیورات کی بنی اسرائیل کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ان کے مالک بن گئے جیسا کہ ان کے علاوہ ان کی دوسری املاک کے یہ مالک بن گئے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے اموال پر قبضہ کرنا لازمی طور پر ان کی ملکیت ان سے زائل کر دے گا ہاں! البتہ زیورات سے بچھڑا بنانے والا اکیلا سامری تھا لیکن تمام بنی اسرائیل اس پر راضی تھے اس لیے بنانے کے فعل کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی [اور ''حُلِيٌّ'' (حا پر پیش لام کے نیچے زیر یا مشدد) ''حَلْيٌ'' (حا پر زبر لام پر سکون یا غیر مشدد) کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جس کو سونے اور چاندی کے ساتھ آراستہ کیا جاتا ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی

قراءت میں ''عِجْلًا'' کی اتباع میں ''حِلِیِّهِمْ'' (حا کے نیچے زیر) ہے اور ''عِجْلًا'' ''اِتَّخَذَ'' کا مفعول ہے اور ''جَسَدًا'' اس سے بدل ہے یعنی باقی اجسام کی طرح گوشت پوست والے بدن کو جسد کہتے ہیں ]﴿ لَّهٗ خُوَارٌ ﴾ اس کے لیے آواز تھی [''خُوَارٌ'' گائے کی آواز کو کہتے ہیں اور دوسرا مفعول محذوف ہے ] یعنی بنی اسرائیل نے اپنے زیورات سے بچھڑے کا بے جان جسم تیار کر کے اس کو معبود بنا لیا [یعنی ''اِلٰـهًا'' محذوف ہے ] پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزور عقل پر تعجب کیا اور فرمایا کہ ﴿ اَلَمْ يَرَوْا ﴾ کیا انہوں نے اس وقت دیکھا نہیں جب انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا کہ

﴿ اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ﴾ بے شک وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ وہ ان کی راہ نمائی کرتا ہے یعنی نہ وہ بات کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور نہ وہ رہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر انہوں نے اس بچھڑے کو اس ذات اقدس کے مقابلے میں اختیار کر لیا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمام سمندر اس کے کلمات کو لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں تو تمام سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اور یہ وہی خدا ہے جس نے تمام مخلوق کو عقلی دلائل اور الہامی کتابوں کے دلائل عنایت کر کے راہِ حق کی طرف راہ نمائی فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے آغاز کیا اور فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوْهُ ﴾ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور انہوں نے اتنے بڑے عمل پر اقدام کیا ﴿ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴾ اور وہ ظالم تھے۔

۱۴۹- ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اور جب وہ لوگ بچھڑے کی پوجا کرنے پر بہت پشیمان اور نادم و شرمندہ ہوئے اور اس کی اصل یہ ہے کہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کی حالت ایسی ہو کہ وہ بہت نادم و شرمندہ ہو اور وہ غم و رنج کے مارے اپنے ہاتھ چبانے لگے تو گویا اس کا ہاتھ اس کے منہ میں گر گیا [ کیونکہ منہ اس پر واقع ہو گیا اور ''سُقِطَ'' کی نسبت ''فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ'' کی طرف کی گئی اور یہ کنایہ ہے ] اور زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ندامت و پشیمانی ان کے ہاتھوں میں گر گئی یعنی ان کے دلوں اور روحوں میں داخل ہو گئی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ میں برائی لگ گئی اور اگرچہ ہاتھ میں ہونے والی چیز کو دل میں حاصل ہونے والی چیز کے ساتھ تشبیہ دینا اور دل میں ہونے والی چیز کو ہاتھ میں حاصل ہونے والی اور آنکھ سے دیکھی جانے والی چیز کے ساتھ تشبیہ دینا محال ہو ﴿ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ﴾ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بے شک وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور ان کی گمراہی بالکل واضح اور ظاہر ہو گئی گویا انہوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا ﴾ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا [ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''لَئِنْ لَّمْ تَرْحَمْنَا رَبَّنَا وَ تَغْفِرْ لَنَا'' ہے اور ''رَبَّنَا'' ندا کی بنا پر منصوب ہے ] یعنی اے ہمارے رب! اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا ﴿ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ تو ہم دنیا میں اور آخرت میں ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ
بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ
اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ
بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ

وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ ع ۱۴ ۸
سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾

اور جب موسیٰ غضب ناک (اور) غم ناک ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس پلٹے' تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد میری بہت بُری جانشینی کی' کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی' اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا' اس نے کہا: اے میرے ماں جائے! بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیتے' سو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں کی قوم کے ساتھ نہ ملائیں O اس نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما' اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو دنیا کی زندگی میں ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت پہنچے گی' اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلا دیتے ہیں O

---

۱۵۰- ﴿ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ ﴾ اور جب (حضرت) موسیٰ کوہِ طور سے واپس اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف لوٹ کر آئے ﴿ غَضْبَانَ ﴾ غضب ناک ہو کر [یہ ''مُوْسٰی'' سے حال ہے] ﴿ اَسِفًا ﴾ غمگین ہو کر [یہ بھی حال ہے] ﴿ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ﴾ فرمایا: تم نے میرے بعد بہت بری جانشینی کی یعنی تم میرے بہت بُرے قائم مقام اور تم میرے بعد بُرے جانشین ثابت ہوئے اور یہ خطاب بچھڑے کی عبادت کرنے والے سامری اور اس کے دیگر ساتھیوں کو ہے یا پھر حضرت ہارون اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو ہے جس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ'' (الاعراف: ۱۴۲) ''اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے نائب بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فسادیوں کی پیروی نہ کرنا'' اور ''بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ'' کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی تو تم نے میری بُری جانشینی کی یا یہ کہ جب تم غیر اللہ کی عبادت سے نہیں رکے تو تم نے میری بری جانشینی کی [اور ''بِئْسَ'' کا فاعل ''هُوَ'' ضمیر ہے جو اس کے اندر پوشیدہ ہے جس کی تفسیر ''مَا خَلَفْتُمُوْنِیْ'' کر رہا ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے] اور اصل عبارت اس طرح ہے: ''بِئْسَ خِلَافَةً خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْ بَعْدِیْ خِلَافَتُکُمْ'' یعنی بہت بری نیابت ہے جو تم نے میرے بعد نائب بن کر ادا کی ہے اور ''خَلَفْتُمُوْنِیْ'' کے بعد ''مِنْ بَعْدِیْ'' کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اقدس سے شریکوں کی نفی کرنے میں دن رات محنت کرتے دیکھا ہے یا اس کے بعد کہ میں بنی اسرائیل کو توحید کی رغبت دلا تا رہا ہوں اور میں انہیں اس وقت بھی گائے کی عبادت سے روکتا رہا ہوں جب انہوں نے کہا تھا: ''اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' (الاعراف: ۱۳۸) ''آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیجئے جیسا کہ ان کے کئی معبود ہیں'' اور خلفاء کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ بنانے والے کی سیرت پر چلیں ﴿ اَعَجِلْتُمْ ﴾ کیا تم نے جلدی کی یعنی کیا تم نے بچھڑے کی عبادت میں سبقت کر لی ﴿ اَمْرَ رَبِّكُمْ ﴾ اپنے رب کے حکم سے اور وہ یہ ہے کہ میں چالیس راتوں کے بعد تمہاری خاطر تورات لے کر آیا ہوں اور ''عجلة'' کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کا وقت سے پہلے طلب کرنا اور بعض نے فرمایا کہ ''عَجِلْتُمْ'' بہ معنی ''تَرَکْتُمْ'' ہے یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم چھوڑ دیا ہے ﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے غم کی وجہ سے تختیاں نیچے ڈال دیں جب

انہوں نے بچھڑے کو معبود بنانے کی خبر سنی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بنی اسرائیل پر غضب ناک ہو گئے اور آپ اپنے طبعی جلال کی وجہ سے غصہ بہت کرتے تھے اور حضرت ہارون ان سے بہت زیادہ نرم دل اور حلیم الطبع تھے اور اس لیے حضرت ہارون بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ سے زیادہ محبوب تھے' بہر حال وہ تختیاں ٹوٹ گئیں اور اس کی سات تختیوں میں سے چھے اٹھالی گئیں باقی ایک رہ گئی اور جو اٹھالی گئیں ان میں ہر چیز کی تفصیل درج تھی اور جو باقی رہ گئی تھی اس میں ہدایت و رحمت تھی ﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون پر ناراض ہو کر اس کے سر کے بال پکڑ لیے کہ اس نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے کیوں نہیں منع کیا ﴿ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ﴾ حضرت موسیٰ نے ان پر ناراض ہو کر اپنی طرف کھینچا ان کی توہین کرنے کے لیے نہیں [اور یہ ''مُوْسٰی'' سے حال ہے ] ﴿ قَالَ ابْنَ اُمَّ ﴾ [ ''اُمَّ'' کے ساتھ مل کر ''اِبْنَ'' مبنی بر فتح آتا ہے جیسے ''خَمْسَةَ عَشَرَ'' ہے اور قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اُمِّ'' کے میم کے نیچے زیر ( اُمِّ ) ہے اس لیے اس کی اصل ''اُمِّیَ'' تھی پھر تخفیف کے لیے ''یا'' کو حذف کر دیا گیا کیونکہ میم کا کسرہ (زیر) ''یَ'' کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے ] اور حضرت موسیٰ حضرت ہارون کے ماں باپ جائے بھائی تھے لیکن حضرت ہارون نے صرف ماں کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ مؤمنہ تھیں دوسرا اس لیے کہ حضرت موسیٰ ماں کا ذکر سن کر بھائی پر نرم اور مہربان ہو جائیں ﴿ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ﴾ بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے یعنی میں نے انہیں بچھڑے کی عبادت سے روکنے میں وعظ و نصیحت اور خوف دلانے اور ڈرانے کے ذریعے کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن انہوں نے مجھے کمزور سمجھا اور انہوں نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ﴾ سو آپ میرے دشمنوں کو خوش نہ کیجئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے یعنی ایسا عمل میرے ساتھ نہ کیجئے جس سے ان کی آرزو پوری ہو جائے کیونکہ وہ میری توہین اور بُرائی چاہتے ہیں ﴿ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور آپ مجھے ظالم قوم کے ساتھ نہ ملایئے یعنی آپ مجھ پر غضب ناک ہو کر ان کے ساتھی قرار نہ دیں' چنانچہ جب حضرت موسیٰ پر بھائی کا عذر واضح ہو گیا تو فرمایا:

۱۵۱- ﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ ﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں حضرت ہارون کو اس لیے شریک کیا تاکہ وہ راضی اور خوش ہو جائیں اور دشمنوں کی خوشی کو ختم کر دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! بھائی کے حق میں مجھ سے جو کوتاہی ہو گئی اسے بخش دے اور میری خلافت و نیابت کو اچھی طرح ادا کرنے میں میرے بھائی سے جو کوتاہی ہو گئی ہے اسے بخش دے ﴿ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ﴾ اور تو ہمیں دنیا میں اپنی رحمت و حفاظت اور عصمت میں اور آخرت میں جنت میں داخل کر دینا ﴿ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

۱۵۲- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا عنقریب ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب پہنچے گا اور وہ یہ کہ ان کو توبہ کرنے کے لیے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیں ﴿ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی پہنچے گی اور وہ یہ کہ ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا' سو جلاوطنی گردنوں میں ذلت و رسوائی کا طوق بن جاتی ہے یا یہ کہ ان پر جزیہ (ٹیکس) مسلط کر دیا گیا ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴾ اور ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور سامری کے اس قول سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ اس نے کہا ''هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی'' (طٰہٰ:۸۸) ''یہ بچھڑا تمہارا معبود ہے اور حضرت موسیٰ کا معبود ہے''۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جن لوگوں نے بُرے عمل کیے' پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے' تو بے شک آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے تختیاں اٹھالیں' اور اس کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت ورحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے تھے O

۱۵۳- ﴿وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ﴾ اور جن لوگوں نے برے کام کیے یعنی کفر وشرک اور نافرمانیاں کیں ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ پھر انہوں نے ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے پکی توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنُوْۤا﴾ اور وہ خالص ایمان لے آئے ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک اس کے بعد یعنی برے کاموں یا توبہ کے بعد آپ کا رب ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ ان کی بہت پردہ پوشی فرمانے والا اور ان کے گزشتہ گناہ بہت مٹانے والا ہے ﴿رَّحِیْمٌ﴾ بہت مہربان ہے کہ ان پر جنت کا انعام فرمانے والا ہے [اور "اِنَّ" اپنے اسم اور اپنی خبر کے ساتھ مل کر "اَلَّذِیْنَ" کی خبر ہے] اور یہ حکم عام ہے' اس میں بچھڑے کی پوجا کرنے والے بھی داخل ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے گنہگار توبہ کرنے والے بھی داخل ہیں' اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے گناہوں کی بڑائی کو بیان کیا' پھر اس کے ساتھ اپنی رحمت کی عظمت و بڑائی کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ بے شک گناہ اگر چہ بڑے بڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت وکرم ونوازی اور عفوودرگزر اس سے بڑھ کر ہے۔

۱۵۴- اور جب غصہ بہت بڑھ گیا تو گویا وہی حضرت موسیٰ کو حکم دینے والا تھا جو کچھ انہوں نے کیا اور کہا ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ﴾ اور جب حضرت موسیٰ کا غصہ تھم گیا اور زجاج نے کہا کہ سکوت بہ معنی سکون ہے [اور "سَكَنَ" کے ساتھ بھی قراءت کی گئی] ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ اور آپ نے وہ تختیاں اٹھالیں جو غصہ سے نیچے پھینک دی تھیں ﴿وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ اور اس کی تحریر میں اور جو کچھ لوح محفوظ سے نقل کر کے ان تختیوں میں لکھا گیا وہ ہدایت ورحمت تھی ["فُعْلَةٌ" بہ معنی مفعول ہے جیسے خطبہ ہے] ﴿لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں [اور "لِرَبِّهِمْ" پر لام اس لیے داخل کیا گیا کہ مفعول مقدم ہے اور اس میں تقدیم کے اعتبار سے فعل کا عمل کمزور ہو گیا ہے]۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ کے لیے چن لیے' پھر جب زلزلہ نے انہیں پکڑ لیا تو موسیٰ نے عرض

کیا: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا' کیا تو ہمیں اس عمل کے بدلے میں ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے صرف بیوقوفوں نے کیا ہے؟ یہ تو تیری آزمائش ہی ہے' سو اس سے جس کو تو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو تو چاہے ہدایت دے دے' تو ہمارا مالک ہے' سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے O

۱۵۵۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنی قوم میں ستر آدمی منتخب فرمائے [یعنی ''قَوْمَهٗ'' اصل میں ''مِنْ قَوْمِهٖ'' تھا' پھر حرفِ جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو ملا دیا گیا] بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ سے چھے افراد چن لیے تو اس طرح کل بہتر آدمی ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے دو آدمی پیچھے رک جائیں' چنانچہ کالب اور یوشع رک گئے باقی ستر آدمی چلے گئے ﴿لِّمِيْقَاتِنَا﴾ ہمارے مقرر کردہ وقت پر بچھڑے کی عبادت کرنے پر معذرت کرنے کے لیے آ گئے ﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پھر جب انہیں سخت ترین زلزلہ نے پکڑ لیا ﴿قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرنے کی نافرمانی پر اور مجھے قبطی کو قتل کرنے پر ہلاک کر دیتا ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ کیا تو ہمیں اس عمل کی وجہ سے سزا دے کر ہلاک کر دے گا جو ہمارے بے وقوف لوگوں نے کیا اور وہ لوگ بچھڑے کے پجاری ہیں ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ وہ تو نہیں مگر تیری آزمائش اور یہ درج ذیل ارشاد باری کی طرف اشارہ ہے: ''فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ'' (طٰہٰ: ۸۵) ''سو بے شک ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈالا'' چنانچہ حضرت موسیٰ نے کہا: یہ وہی آزمائش ہے جس کی تو نے مجھے خبر دی تھی یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس کے ذریعے اس نے اپنے بندوں کو آزمانا چاہا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء: ۳۵) ''اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کے ذریعے آزمائش میں ڈالتے ہیں امتحان کی غرض سے'' ﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ﴾ تو جس کو چاہتا ہے اس آزمائش کے ذریعے گمراہ کر دیتا ہے یعنی ان میں سے جس کا گمراہی کو اختیار کرنا تیرے علم میں ہوتا ہے ﴿وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور تو اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ان میں سے جس کا ہدایت کو اختیار کرنا تیرے علم میں ہوتا ہے ﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا﴾ تو ہمارا مالک ہے جو ہمارے دینی اور دنیاوی امور کا قائم رکھنے والا اور ان کا کفیل ہے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ بہتر بخشنے والا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ

اور تو اس دنیا میں اور آخرت میں ہمارے لیے بھلائی لکھ دے بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے' اللہ نے فرمایا: میرا غضب صرف اس کو پہنچے گا جس کو میں چاہوں گا' اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے' سو میں عنقریب اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O

۱۵۶۔ ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اور تو ہمیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھ اور ہمارے لیے خیر و عافیت اور اچھی معاش اور اطاعت کی توفیق لکھ دے ﴿وَّفِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں جنت لکھ دے ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ بے شک

ہم نے تیری طرف رجوع کرلیا [اور یہ ''ھَادَ یَھُوْدُ'' سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی رجوع کرے اور توبہ کرے اور ''ھُوْد''، ''ھَائِد'' کی جمع ہے اور اس کا معنی توبہ کرنے والا ہے ﴿قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ میں جس کو چاہتا ہوں اس کو اپنا عذاب پہنچاتا ہوں یعنی میں جس کو معاف نہیں کرتا اس کو عذاب پہنچاتا ہوں ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے یعنی میری رحمت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ یقیناً ہر چیز کو پہنچے گی اور دنیا میں مسلمان ہو خواہ کافر ہو ہر ایک پر میری رحمت کا اثر نمایاں پہنچے گا ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ سو میں اس کو یعنی اپنی اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں سے شرک و کفر سے بچیں گے ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ اپنے اوپر فرض کی گئی زکوٰۃ کو ادا کرتے رہیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ہماری آیتوں یعنی ہماری تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں گے اور ان میں سے کسی کا انکار نہیں کریں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹

وہ لوگ جو بغیر پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول کی پیروی کریں گے جس (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ ان کو نیک کاموں کا حکم دے گا اور بُرے کاموں سے روکے گا اور وہ ان کے لیے پاک چیزیں حلال قرار دے گا اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام قرار دے گا اور وہ ان کے بوجھ اور گلے کے طوقوں کو جو ان پر تھے ان سے اتار دے گا' سو جو لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا' تو یہی لوگ کامیاب و کامران ہونے والے ہیں O

## اوصافِ مصطفیٰ ﷺ کا بیان اور پیروکاروں کا انعام

۱۵۷- ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ﴾ وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کی طرف ہم ایسی کتاب کی وحی بھیجتے ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ قرآن مجید ہے ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ بے پڑھے صاحب معجزات پیغمبر ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ یعنی بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں اس کی نعت کو لکھا ہوا پاتے ہیں ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ وہ خدا کے شریکوں کی تردید کر کے اور بندوں کی اطاعت و فرماں برداری کی تلقین کر کے انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور وہ انہیں برائی یعنی بتوں کی پرستش سے اور رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق سے منع کرتے ہیں ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور آپ ان کے لیے وہ تمام چیزیں حلال قرار دیتے ہیں جو اس سے پہلے ان پر حرام کر دی گئی تھیں جیسے چربی وغیرہ یا وہ چیزیں جو شریعت میں پاک نہیں

جیسے وہ حلال جانور جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور جو حرام کے علاوہ کمائی ہے ﴿ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ اور آپ ان پر ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جیسے خون اور مردار اور خنزیر کا گوشت اور جن پر غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یا جو شریعت کے حکم میں ناپاک ہوں جیسے سود اور رشوت اور ان کے علاوہ دوسری ناپاک کمائیاں ﴿ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ﴾ اور آپ ان سے ان کا بوجھ اتارتے ہیں "اِصْرٌ" اس کو کہتے ہیں جو اٹھانے والے کو روک دیتا ہے یعنی بھاری ہونے کی وجہ سے بوجھ اٹھانے والے کو چلنے پھرنے اور حرکت سے روک دیتا ہے اور اس سے مشکل ترین امور جیسے توبہ کرنے میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا اور جسم کے اعضاء میں سے گناہ کے عضو کو کاٹ دینا [ابن عامر شامی کی قراءت میں جمع کے ساتھ "اٰصَارَهُمْ" ہے] ﴿ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ﴾ اور آپ ان طوقوں کو اتارتے ہیں جو ان پر تھے اس سے مشکل ترین احکام مراد ہیں جیسے قصاص کا لازم ہونا' قتل قصداً کیا گیا ہو یا غلطی سے دیت یعنی خون بہا کی اجازت نہ دینا اور جسم اور کپڑے پر جہاں نجاست و گندگی لگ جاتی اس کا کاٹنا لازم تھا اور غنیمت کے اموال کو استعمال کرنے کی بجائے آگ میں جلانا ضروری تھا اور گھروں کے دروازوں پر گناہوں کو ظاہر کر دیا جاتا تھا اور ان احکام کو طوق کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ یہ احکام بھی طوق کی طرح ان پر لازم تھے ﴿ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ ﴾ پس جو لوگ اس پر یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئے ﴿ وَعَزَّرُوْهُ ﴾ اور انہوں نے اس کی تعظیم کی یا انہوں نے اس کو دشمن سے بچایا یہاں تک کہ دشمن اس پر غالب نہ آ سکا اور "عزر" کا اصل معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اسی سے تعزیر ہے کیونکہ یہ گناہوں کی عادت سے منع کرتی ہے جیسے حد ہے کہ یہ بھی منع کرتی ہے ﴿ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ﴾ اور انہوں نے اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید اور "مَعَ"، "اِتَّبَعُوْا" کے ساتھ متعلق ہے یعنی جنہوں نے نبی کریم کی اتباع کے ساتھ ان پر نازل کردہ قرآن مجید کی بھی اتباع کی اور آپ کی سنتوں پر عمل کیا ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ یہی لوگ ہر بھلائی کے ساتھ کامیاب و کامران ہونے والے اور ہر برائی سے نجات پانے والے ہیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ِۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور وہ مارتا ہے' سو تم اللہ پر اور اس کے بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول پر ایمان لاؤ جو خود اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ O اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرتا اور اسی کے ساتھ انصاف کرتا O

۱۵۸- ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ہر پیغمبر اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن حضرت سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد

مصطفٰی ﷺ تمام انسانوں اور تمام جنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں [اور ''جَمِیْعًا'' یہاں ''اِلَیْکُمْ'' سے حال ہے ]
﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے [یہ جملہ ''اَعْنِیْ'' پوشیدہ فعل کی وجہ سے نصب کے محل میں واقع ہے اور یہ بطور مدح منصوب ہے ] ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾
اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے [اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' صلہ سے بدل ہے اور وہ ''لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' ہے اور اسی طرح ''یُحْیٖ وَیُمِیْتُ'' ہے اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' ماقبل جملہ کا بیان ہے کیونکہ جو سارے جہاں کا بادشاہ ہے وہی حقیقت میں معبودِ برحق ہے اور ''یُحْیٖ وَیُمِیْتُ'' الوہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اختصاص کو بیان کرنے کے لیے ہے ] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندگی دینے اور موت دینے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بغیر پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول پر ایمان لاؤ جو خود اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلمات یعنی تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتا ہے ﴿ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ اور تم اس کی پیروی کرو تا کہ ہدایت حاصل کر لو اور حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ نے ''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ'' کے بعد یہ نہیں فرمایا: ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَبِیْ'' کہ اللہ تعالیٰ پر اور مجھ پر ایمان لاؤ تا کہ آپ پر وہ صفات جاری کی جائیں جو آپ پر جاری کی گئیں اور اس لیے کہ التفات و خطاب میں زیادہ بلاغت و فضیلت ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ معلوم ہو جائے کہ جس ذات پر ایمان لانا واجب وضروری ہے وہ یہ شخص ہے جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے یعنی رسول' نبی اور امّی جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے وہ کوئی بھی ہو' میں ہوں یا میرے علاوہ کوئی اور ہو آپ نے انصاف کے اظہار اور اپنی ذات اقدس سے تعصب کو دور کرنے کے لیے یہ بیان فرمایا۔

### بنی اسرائیل کی احسانات کے باوجود سرکشیاں ماسوا ایک گروہ کے

۱۵۹۔﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی رہنمائی کرتا یعنی وہ لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتا جب کہ وہ خود حق والا تھا یا وہ لوگوں کی اس حق کی وجہ سے رہنمائی کرتا جس پر وہ خود گامزن تھا ﴿ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴾ اور وہ مقدمہ میں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق انصاف کرتے ہیں وہ ظلم نہیں کرتے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس سے بنی اسرائیل کی وہ قوم مراد ہے جو چین کے آگے رہتی تھی' وہ شبِ معراج حضرت محمد مصطفٰی ﷺ پر ایمان لے آئی تھی یا پھر ان سے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ہم نے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ گروہ بنا دیئے' اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب اس سے اس کی قوم نے پانی طلب کیا کہ آپ اپنا عصا اس پتھر پر ماریئے' سو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بے شک ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا' اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا' ہم نے رزق کی جو پاک چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ' اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

---

١٦٠- ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ ﴾ اور ہم نے انہیں بانٹ دیا یعنی ہم نے انہیں گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک گروہ کو دوسرے سے الگ کر دیا ﴿ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا ﴾ بارہ گروہ' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اِثْنَتَي عَشْرَةَ قَبِيْلَةً'' یعنی بارہ قبیلے اور ''اسباط'' بیٹے کی اولاد (یعنی پوتوں) کو کہا جاتا ہے' یہ ''سبط'' کی جمع ہے اور یہ بارہ قبیلے تھے اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادوں کی اولاد تھے [ہاں! البتہ ''عَشَرَ'' کے علاوہ (گیارہ سے انیس تک) تمیز مفرد ہوتی ہے' پس یہاں یہی مناسب تھا کہ ''اِثْنٰی عَشَرَ سَبْطًا'' کہا جاتا] لیکن چونکہ اس سے مراد بارہ قبیلے ہیں اور ہر قبیلہ اپنی جگہ اسباط تھا سبط نہیں تھا اس لیے ''اَسْبَاط'' کو قبیلہ کی جگہ رکھا گیا ﴿ اُمَمًا ﴾ [یہ ''اِثْنَتَي عَشَرَ'' سے بدل ہے] یعنی ہم نے انہیں جماعتوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ ہر ''اَسْبَاط'' ایک بڑی امت تھی اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے مفاد کے خلاف چلتا تھا ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریئے' چنانچہ آپ نے حکم ربی کے مطابق پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا ﴿ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾ بے شک ہر گروہ نے اپنے پینے کی جگہ کو جان لیا [اور ''اُنَاس'' اسم جمع غیر مکسر ہے] ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ﴾ اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا یعنی ہم نے ان پر میدان تیہ میں بادل کا سایہ کیا تھا ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ اور ہم نے ان پر ترنجبین (ایک قسم کا حلوہ) اور بٹیر نازل کیے اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ہمارے پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا ﴾ اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا یعنی نعمتوں پر ناشکری کی وجہ سے ان کے ظلم کا نقصان ہمیں نہیں پہنچے گا ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ لوگ ظلم کر کے اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچاتے تھے اور ان کے ظلم کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ
لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع ٢٠ ٥ ١٠

اور اس وقت کو یاد کرو جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں آباد ہو جاؤ اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور ''حِطَّةٌ'' (گناہ معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے' عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے O پھر ان میں سے ظلم کرنے والوں نے بات کو اس کے برعکس بدل دیا جو ان کو کہا گیا

تھا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے O

۱۶۱- ﴿ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ﴾ اور یاد کیجئے جب ان سے کہا گیا کہ تم اس بستی یعنی بیت المقدس میں آباد ہو جاؤ ﴿ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ﴾ اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور ''حِطَّةٌ'' (معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تُغْفَرْ لَكُمْ'' ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''خَطِيْئَاتُكُمْ'' (ہمزہ کے بعد الف کے ساتھ) ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''خَطِيْئَتُكُمْ'' (ہمزہ کے بعد الف کے بغیر) ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''خَطَايَاكُمْ'' ہے] ﴿ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔

۱۶۲- ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾ سو ان میں سے ظالموں نے بات کو اس کے خلاف تبدیل کر دیا جو انہیں کہا گیا تھا تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیج دیا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے' پھر اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اُسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا'' کے درمیان اور سورت بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ''اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا'' (البقرہ:۵۸) کے درمیان کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں بستی میں داخل ہونے اور رہائش اختیار کرنے کا حکم ہے خواہ انہوں نے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے ''حِطَّةٌ'' کہا یا داخل ہونے کے بعد کہا' بہر حال وہ لوگ دونوں کے جامع تھے اور ''رَغَدًا'' کا ذکر ترک کرنا اس کے اثبات کے مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ'' میں دو چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے' ایک بخشش کا اور دوسرا زیادہ انعام دینے کا [اور واؤ کا ترک اس میں خلل پیدا نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک الگ مستأنفہ جملہ ہے جو کسی کہنے والے کے کہنے پر مرتب کیا گیا کہ بخشش کے بعد کیا ہوگا؟ تو جواب میں کہا گیا: ہم زیادہ عطا کریں گے اور اسی طرح ''مِنْهُمْ'' کا بڑھانا بیان کے اضافہ کے لیے اور ''اَرْسَلْنَا'' اور ''اَنْزَلْنَا'' اور ''يَظْلِمُوْنَ'' اور ''يَفْسُقُوْنَ'' ایک چیز ہیں]۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

وقف لازم

معانقة الصفت

اور اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھئے جو دریا کے کنارے پر موجود تھی' جب وہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے جب کہ ہفتہ کے روز ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئیں ان کے پاس آ جاتیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس نہ آتیں' اسی طرح ہم انہیں آزماتے' کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے O اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم اس قوم کو

کیوں نصیحت کرتے ہو جس کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے انہوں نے کہا: تمہارے رب کے حضور معذرت کرنے کے لیے اور تاکہ وہ ڈر جائیں O

---

۱۶۳- ﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ اور آپ یہودیوں سے ایلہ نامی بستی یا مدین کی بستی کے بارے میں پوچھئے اور یہ سوال ان کے قدیمی کفر پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے ﴿الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ جو دریا کے قریب موجود تھی ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾ جب وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرتے تھے کیونکہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتے تھے اور وہ ہفتہ کے دن ان کا شکار کھیلتے تھے حالانکہ ان کو اس دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا [اور "اِذْ يَعْدُوْنَ"، "اَلْقَرْيَةِ" سے بدل ہونے کی بنا پر محلاً مجرور ہے اور "قریة" سے اس کے باشندے مراد ہیں] گویا فرمایا گیا کہ اے محبوب! آپ یہودیوں سے اس بستی میں رہنے والوں کے بارے میں پوچھئے جب وہ ہفتہ میں زیادتی وسرکشی کرتے تھے [اور یہ بدل الاشتمال ہے] ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ﴾ [یہ "یَعْدُوْنَ" کے ساتھ منصوب ہے یا پھر بدل کے بعد دوسرا بدل ہے] یعنی جب ان کے پاس آ جائیں ﴿حِيْتَانُهُمْ﴾ ان کی مچھلیاں ["حِیْتَانٌ"، "حُوْتٌ" کی جمع ہے اس میں واؤ ساکن اور ما قبل مکسور ہونے کی وجہ سے واؤ کو "یا" سے بدل دیا گیا] ﴿يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ہفتہ کے دن مچھلیاں تیرتے ہوئے پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتیں ["شُرَّعًا"، "شَارِع" کی جمع ہے اور "سَبْتٌ" مصدر ہے] "سَبَتَتِ الْيَهُوْدُ" اس وقت بولا جاتا جب یہودی شکار کو چھوڑ کر ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اس دن عبادت میں مشغول رہتے اور "اِذْ يَعْدُوْنَ" کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ لوگ اس دن کی تعظیم میں شکار کر کے زیادتی کا ارتکاب کرتے اور "يَوْمَ سَبْتِهِمْ" کا معنی یہ ہے کہ ان کے تعظیم کے دن ہفتہ کا معاملہ (شکار) آ جاتا تھا اور اس پر دلیل درج ذیل کلام ہے: ﴿وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ﴾ اور جس روز ہفتہ نہ ہوتا مچھلیاں ان کے پاس نہ آتیں [اور "يَوْمَ"، "لَا تَاْتِيْهِمْ" کا ظرف ہے] ﴿كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اسی طرح ہم ان کو آزماتے اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے یعنی اس سخت آزمائش کی طرح ہم ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آزماتے تھے۔

۱۶۴- ﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ﴾ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: یہ اس بستی کے نیک لوگوں میں سے ایک جماعت تھی جس نے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو وعظ ونصیحت کی اور انہیں شکار سے منع کیا اور نافرمانی سے روکا مگر انہوں نے ان نیک بختوں کو ذلیل وخوار کیا اور انہوں نے ان کی راہ میں مشکلات پیدا کیں جس کے بعد یہ حضرات ان سے مایوس ہو گئے اس لیے انہوں نے بدبختوں کو وعظ ونصیحت کرنے سے باز نہ آنے والے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ تم اس قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ان کو علم تھا کہ ان بدبختوں میں وعظ ونصیحت اثر نہیں کرے گی اور نہ اس سے ان کو کوئی فائدہ ہوگا ﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ ان دوسرے مبلغین نے کہا کہ تمہارے رب کی بارگاہ میں معذرت پیش کرنے کے لیے (ہم تبلیغ کرتے ہیں تاکہ ہم بری الذمہ ہو جائیں) یعنی ہمارا وعظ ونصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر دتو بہ کا امتحان ہے تاکہ ہم نہی عن المنکر (برائی سے روکنے) کے معاملے میں کسی قسم کی تقصیر وکوتاہی کے مرتکب نہ ہو جائیں اور ہمیں قصور وار نہ ٹھہرایا جائے [امام حفص کی قراءت میں "مَعْذِرَةً" مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے معذرت کرنے کے لیے وعظ ونصیحت کی ہے ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ اور ہمیں طمع ہے کہ شاید وہ (گناہوں سے) بچ جائیں اور پرہیزگار بن جائیں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ
قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

پھر جب وہ اس بات کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو بُرائی سے منع کرتے تھے اور ہم نے ظلم کرنے والوں کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○ سو جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ ○ اور جب آپ کے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ یہود پر ایسے لوگوں کو قیامت تک ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بُرا عذاب چکھائیں گے' بے شک آپ کا رب جلد عذاب دینے والا' اور بے شک وہ ضرور بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

۱٦۵- ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ﴾ پھر جب وہ لوگ بھول گئے جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی یعنی اس بستی کے سرکش باشندوں نے جب اس کو چھوڑ دیا جو نیک لوگوں نے ان کو نصیحت کی تھی۔ جب بھولنے والا کسی چیز کو بھول جائے تو اسے ترک کرنے اور چھوڑنے والا کہا جاتا ہے ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو سخت عذاب سے نجات دے دی اور انہیں بچا لیا ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور ہم نے ظلم کرنے والوں یعنی برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو پکڑ لیا اور جنہوں نے کہا تھا کہ تم کیوں نصحت کرتے ہو وہ نجات پانے والوں میں سے ہیں' چنانچہ حضرت حسن نے فرمایا کہ دو فریقوں نے نجات حاصل کی اور ایک فرقہ ہلاک ہو گیا اور یہ مچھلیوں کا شکار کرنے والے نافرمان لوگ تھے ﴿بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ﴾ سخت عذاب کے ساتھ ''بَئُوْسٌ'' ''يَبْئُوْسُ'' ''بَاْسًا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب عذاب سخت ہو' چنانچہ ''بَئِيْسٌ'' کا معنیٰ ''سخت'' ہوا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''بِئْسَ'' ہے جب کہ نافع مدنی کی قراءت میں ''بِيْسَ'' ہے اور حماد کے علاوہ ابوبکر کی قراءت میں ''فَيْعَل'' کے وزن پر ''بَيْئَس'' ہے] ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے۔

۱٦٦- ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾ سو جب انہوں نے اس عمل کو ترک کرنے سے سرکشی کی جس سے انہیں منع کیا گیا تھا ﴿قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ تو ہم نے انہیں فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ یعنی ہم نے ان کو ذلیل بندر بنا دیا اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''فَلَمَّا عَتَوْا'' ارشاد باری تعالیٰ ''فَلَمَّا نَسُوْا'' کا تکرار ہے] اور ''عَذَابٍ بَئِيْسٍ'' سے مراد ان کو مسخ کرنا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کے نوجوانوں کو بندر اور ان کے بزرگوں اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور وہ لوگ اپنے عزیز و اقارب کو پہچانتے تھے اور روتے تھے اور بات چیت نہ کر سکتے تھے اور جمہور کے نزدیک تین دن کے بعد وہ تمام لوگ مر گئے تھے اور جب کہ بعض نے کہا: باقی رہے اور ان کی نسل چلی۔

۱٦۷- ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ﴾ اور جب آپ کے رب نے اعلان فرمایا یعنی آگاہ کیا' اور اس کو قسم کے فعل کے قائم

مقام کیا گیا ہے اس لیے اس کا جواب ایسے فعل کے ساتھ دیا گیا جس کے ساتھ قسم کا جواب دیا جاتا ہے اور وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ یہودیوں پر قیامت تک ضرور مسلط کرتا رہے گا ﴿ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ﴾ ایسے لوگ جو ان کو بدترین عذاب پہنچائیں گے' چنانچہ پہلے یہ لوگ مجوسیوں کو جزیہ (مالی تاوان یا ٹیکس) ادا کرتے رہے یہاں تک کہ آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے' سو آپ نے بھی ان پر جزیہ جاری فرما دیا اور یہ جزیہ ان شاء اللہ ان پر آخر دم جاری و ساری رہے گا ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ﴾ بے شک آپ کا رب کفار کو ضرور جلد سزا دے گا ﴿ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ اور بے شک وہ مؤمنوں کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

اور ہم نے ان کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا' ان میں سے کچھ نیک ہیں اور ان میں سے کچھ مختلف ہیں' اور ہم نے ان کو نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ رجوع کر لیں O پھر ان کے بعد ان کی جگہ بُرے لوگ جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بن گئے کہ وہ اس فانی دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا' اور اگر ان کے پاس اس طرح کا اور مال آ جائے تو وہ اسے بھی لے لیں گے' کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کے بارے میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے تورات میں سب کچھ پڑھ لیا ہے' اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے سب سے بہتر ہے' کیا تم سمجھتے نہیں O

۱۶۸- ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ﴾ اور ہم نے ان کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا' چنانچہ زمین میں کوئی علاقہ یا ملک ان کے فرقے سے خالی نہیں رہا ﴿ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ ان میں کچھ نیک لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گئے تھے یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو چین کے پار رہتے تھے ﴿ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس وصف سے عاری ہیں اور ان سے کمتر ہیں اور یہ لوگ فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں [اور ''دُوْنَ ذَالِكَ'' محلا مرفوع ہے اور یہ محذوف موصوف کی صفت ہے ] اصل میں ''مِنْهُمْ نَاسٌ مُّنْحَطُّوْنَ عَنِ الصَّلَاحِ'' ہے یعنی ان میں سے کچھ نیکی کے مرتبہ و درجہ سے گرے ہوئے لوگ ہیں ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ﴾ اور ہم نے ان کو نعمتوں اور تکلیفوں اور خوش حالیوں اور قحط سالیوں کے ساتھ آزمایا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ تاکہ وہ برائیوں سے نیکیوں کی طرف لوٹ آئیں اور اجر و ثواب پائیں۔

۱۶۹- ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ پھر مذکورہ بالا لوگوں کے بعد نالائق اور بُرے لوگ جانشین بن گئے اور یہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو رسول اکرم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں موجود تھے اور ''خَلْفٌ'' (لام ساکن کے ساتھ) بُرے

قائم مقام کو کہتے ہیں جب کہ ''خَلَف'' (لام متحرک کے ساتھ) اس کے برعکس نیک جانشین کو کہتے ہیں ﴿وَرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ وہ کتاب یعنی تورات کے وارث بن گئے اور وہ اس کے اوامر ونواہی اور اس کے حلال کردہ اور حرام کردہ مسائل سے آگاہ ہو گئے لیکن انہوں نے ان پر عمل نہیں کیا ﴿یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ [یہ ''وَرِثُوْا'' سے حال ہے] اور ''عرض'' کا معنی سامان ہے یعنی وہ لوگ یہ حقیر وخسیس سامان لیتے ہیں' مراد دنیا کا سامان ہے اور دنیا میں جن سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ ''دنو'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: قریب اس لیے کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں جلد اور پہلے ملنے والی ہے اور قریب حاصل ہونے والی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ احکام میں اور کلام کے بدلنے پر لوگوں سے رشوت لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''هٰذَا الْاَدْنٰى'' میں ''اَدْنٰى'' کا معنی خسیس وحقیر ہے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا یعنی ہم نے جو کچھ لیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہماری گرفت نہیں فرمائے گا [اور فعل کا اسناد ''اَخْذ'' کی طرف ہے یا جار مجرور کی طرف یعنی ''لَنَا'' کی طرف ہے] ﴿وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ﴾ اور اگر ان کو اسی طرح کا اور مال و متاع اور سامان مل جائے تو اس کو بھی لے لیں گے' [واؤ حال کے لیے ہے] یعنی وہ مغفرت وبخشش کی امید بھی رکھتے ہیں اور گناہوں پر اصرار بھی کرتے ہیں اور اس قسم کے عمل کی طرف رجوع بھی کرتے ہیں مگر توبہ نہیں کرتے ﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ یعنی کیا ان سے وہ عہد نہیں لیا گیا جس کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے یعنی ان کی کتاب میں ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سوائے سچ کے اور کچھ نہیں کہیں گے [اور ''اَلَّا يَقُوْلُوْا'' آخر تک ''مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ'' کا عطف بیان ہے] ﴿وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ﴾ اور جو کچھ کتاب (تورات) میں ہے انہوں نے وہ پڑھ لیا ہے [اور یہ ''اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ'' پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس کی تقریر وتاکید ہے] تو گویا کہا گیا کہ ان سے کتاب میں پختہ عہد لیا گیا ہے اور انہوں نے اس کو کتابِ تورات میں پڑھ لیا ہے ﴿وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ اور اس دنیا کے حقیر وخسیس سامان اور مال و دولت سے آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو رشوت اور دیگر حرام چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم سمجھتے نہیں کہ بات اسی طرح ہے [اور نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ ''يَعْقِلُوْنَ'' ہے]۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
ع ۲۱ ۹ ۱۱ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں' تو بے شک ہم نیکوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتے ○ اور جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھا لیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ بے شک یہ ان پر گر پڑے گا' (تو ہم نے فرمایا:) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے لے لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد رکھو تا کہ پرہیزگار بن جاؤ ○

۱۷۰- ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور ''اِمْسَاك'' اور ''تَمْسِيْك'' اور ''تَمَسُّك'' کا معنی ہے: مضبوطی سے پکڑنا اور کسی چیز کے ساتھ جڑ جانا ہے[1] ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے

[1] ابوبکر کی قراءت میں ''يُمْسِكُوْنَ'' (باب افعال سے) پہلے ہے۔

ہیں' نماز کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین کا ستون ہے ورنہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا ہر عبادت پر مشتمل ہے [اور ''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴾ ہے ] یعنی بے شک ہم نیکی کرنے والوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجرور ہو اور ''اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ'' پر معطوف ہو اور ''اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ'' جملہ معترضہ ہو]۔

۱۷۱۔ ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ﴾ اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے پہاڑ کو زمین سے اکھاڑا اور ان پر بلند کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ'' (النساء:۱۵۴) ''اور ہم نے ان کے اوپر کوہ طور کو بلند کر دیا'' ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ گویا وہ سائبان ہے اور چھت اور بادل وغیرہ میں سے ہر وہ چیز جو تم پر سایہ کرے اسے ''ظُلَّةٌ'' کہا جائے گا ﴿ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا یعنی اور انہوں نے جان لیا کہ وہ ان پر گر پڑے گا اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے تورات کے احکام کو مشکل اور سخت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں کے اوپر بلند کر دیا' یہ ان کے لشکر کے برابر تھا اور پہاڑ ۳×۳ میل تک لمبا چوڑا تھا اور انہیں کہا گیا کہ اس میں جو کچھ ہے قبول کر لو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا. جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر آدمی اپنے منہ کی بائیں جانب سجدہ میں گر گیا اور اپنی دائیں آنکھ سے پہاڑ کی طرف دیکھتے رہے کہ کہیں گر نہ جائے. یہی وجہ ہے کہ یہودی اب تک اپنے چہرے کی بائیں جانب سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم سے پہاڑ کا عذاب اٹھا لیا گیا تھا اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے تم اس کی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے پوری قوت و ہمت اور پختہ عزم کے ساتھ اس کو لے لو ﴿ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ﴾ اور اس میں جتنے اوامر ونواہی ہیں ان کو خوب یاد رکھو اور ان کو بھول نہ جاؤ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ تم جس حال پر ہو اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور پرہیزگار بن جاؤ۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

معانقۃ

اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ہونے والی نسل کو نکالا اور ان کو خود اپنی اپنی ذات پر گواہ بنایا' (اور فرمایا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں' (یہ گواہی اس لیے لی گئی) کہ تم قیامت کے دن کہیں یہ کہو کہ بے شک ہم تو اس سے بے خبر تھے O یا یہ کہو کہ بے شک شرک تو ہمارے باپ دادا نے ہی پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے' کیا تو ہمیں اس عمل کی وجہ سے ہلاک کر دے گا جو باطل پرستوں نے کیا O اور ہم اسی طرح آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ شرک سے باز آ جائیں O

## اقرارِ ربوبیت کا وعدہ اور یہود وغیرہ کے لیے بلعم بن باعورا کا قصہ اور مکذبین کی مذمت

۱۷۲- ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ [یعنی اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ اَخَذَ'' ہے اور ''مِنْ ظُهُوْرِهِمْ''، ''بَنِیْ اٰدَمَ'' سے بدل ہے] اور تقدیر اس طرح ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ظُهُوْرِ بَنِیْ اٰدَمَ ذُرِّیَّتَهُمْ'' یعنی اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیا اور ان کی پشتوں سے ان کی اولاد لینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء واجداد کی پشتوں سے ان کی ہونے والی اولاد کو نکالا ﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خود اپنی اپنی ذات پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں (کہ تو ہی ہمارا رب ہے) یہ تمثیل کے باب سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیّت اور اپنی وحدانیت پر ان کے سامنے دلائل پیش فرمائے اور ان کی عقلوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت وتوحید کی گواہی دی جن کو اللہ تعالیٰ نے ان میں مقرر فرمایا تھا اور ان کو ہدایت وضلالت کے درمیان فرق کرنے والا بنایا تو گویا اللہ تعالیٰ نے خود انہیں کو اپنی اپنی ذات پر گواہ بنا دیا اور ان سے اقرار کرایا اور ان سے فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو گویا ان سب نے اقرار کرتے ہوئے کہا: کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے ہم خود گواہی دیتے ہیں اور تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے توحید و ربوبیّت کی صحت پر دلائل قائم کر کے ان کی عقول کو اس لیے گواہ بنایا کہ ہم یہ بات ناپسند کرتے ہیں کہ کہیں تم قیامت کے دن کہو کہ ﴿اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾ بے شک ہم اس سے غافل و بے خبر تھے' ہمیں اس پر تنبیہ نہیں کی گئی تھی اور نہ ہمیں اس سے آگاہ کیا گیا تھا۔

۱۷۳- ﴿اَوْ تَقُوْلُوْۤا﴾ یا اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ کہیں تم یہ کہو کہ ﴿اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ بے شک ہمارے آباء واجداد نے ہی پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے اس لیے ہم نے بھی ان کی پیروی کی تھی کیونکہ توحید کے دلائل قائم کر کے ان کو آگاہ کر دیا گیا' لہٰذا اب توحید کے عقیدہ سے منہ پھیرنے اور اپنے باپ دادا کی پیروی کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہا جیسا کہ شرک کرنے کے لیے ان کے باپ دادا کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ ان کے سامنے توحید پر دلائل قائم کر دیئے گئے تھے ﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کر دے گا یعنی وہی لوگ ہمارے شرک کا سبب بنے تھے کیونکہ انہی لوگوں نے شرک کی بنیاد رکھی تھی اور وہ ہمارے لیے اپنی سنت چھوڑ گئے۔

۱۷۴- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اس زبردست بلیغ وفصیح مثال کی طرح ﴿نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ ہم ان کے لیے آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ﴿وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور تا کہ وہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کر لیں۔ اب ہم اس عہد کی تفصیل بیان کرتے ہیں' چنانچہ اہل تفسیر میں سے محققین کی یہی رائے ہے کہ بنی آدم اور اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ہونے والی نسل کو نکالا گیا تھا (نہ کہ حضرت آدم کی پشت سے) انہیں میں سے شیخ ابو منصور' زجاج اور زمخشری ہیں جب کہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست حضرت آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی اولاد کو ذروں کی طرح نکالا اور ان سے عہد لیا کہ بے شک وہی ان کا رب ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے ''بَلٰى'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کو جواب دیا۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہی توحید ہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پیدا فرمایا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو

نکالا اور آپ کو وہ تمام اولاد ذروں کی طرح دکھائی اور ان کو عقل وشعور عطا فرمایا اور حضرت آدم سے فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہے' پھر ان سے عہد لیا کہ تم صرف میری ہی عبادت کرو گے' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عہد اور اقرار جنت میں داخل ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان لیا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ جنت سے زمین پر اترنے کے بعد یہ عہد لیا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ یہ عہد جنت میں لیا گیا تھا اور پہلے گروہ یعنی محققین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' (اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا) فرمایا ہے اور ''مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ'' (آدم کی پشت سے) نہیں فرمایا اور چونکہ ہمیں یہ واقعہ یاد ہی نہیں تو حجت و دلیل کیسی [اور نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ذُرِّيّٰتِهِمْ'' ہے اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَنْ تَقُوْلُوْا'' کی بجائے ''اَوْ يَقُوْلُوْا'' ہے]۔

| |
|---|
| وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ |
| مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ |
| هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ |
| مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ |

اور آپ انہیں اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تھا' پھر وہ ان سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا' سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیاO اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے ذریعے اس کو ضرور بلندی عطا فرما دیتے لیکن وہ زمین کی طرف پستی میں جھک گیا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی' تو اس کی مثال کتے کی طرح ہے' اگر تم اس پر حملہ کرو تو ہانپ کر زبان نکالتا ہے یا تم اس کو چھوڑ دو تو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالتا ہے' یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' سو آپ (ان سے) یہ قصے بیان کیجئے تاکہ وہ غور سے سوچیںO

---

١٧٥- ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ اے محبوب! آپ ان یہود کو اس شخص کی خبر پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم عطا فرمایا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک عالم تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ شخص بلعم بن باعوراء تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کچھ علم عطا کیا گیا تھا ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے نکل گیا کہ اس بدبخت نے ان کا انکار کر دیا اور ان کو پس پشت ڈال دیا ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور اس کو گھیر لیا اور اس کو اپنا ساتھی بنا لیا ﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ تو وہ گمراہوں اور کافروں میں سے ہو گیا۔ مروی ہے کہ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بددعا کرے' اس نے پہلے انکار کیا مگر انہوں نے اپنا مطالبہ جاری رکھا اور اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے بددعا کی اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔

١٧٦- ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے اس کو نیک علماء کے مراتب تک بلند کر دیتے ﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ اور لیکن وہ زمین یعنی دنیا کی طرف جھک گیا اور اس میں راغب ہو گیا ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور وہ آخرت اور اس کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا اور اس کی لذتوں کے اختیار کرنے میں اپنی خواہش کا پیروکار بن گیا

﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ ﴾ سو اس کی مثال کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو یعنی اسے ڈانٹ دو اور اس کو دھتکار دو تو وہ ہانپ کر زبان نکال لیتا ہے ﴿ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ یا اس کو دھتکارے بغیر اس کے حال پر چھوڑ دو تو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکال لیتا ہے اور مطلب و معنی یہ ہے کہ ذلت وخساست اور کمینگی میں اس شخص کی حالت وکیفیت کتے کی طرح ہے کیونکہ کتے کے احوال سب سے زیادہ خسیس ورذیل اور گھٹیا ہوتے ہیں' وہ ہمیشہ زبان نکال کر ہانپتا رہتا ہے اور لمبے لمبے سانس کھینچتا رہتا ہے خواہ اس پر حملہ کیا جائے یعنی اس پر سختی کی جائے' اسے جھڑکیاں دی جائیں اور اس کو دھتکار دیا جائے خواہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے' اسے نہ جھڑکا اور نہ دھتکارا جائے اور یہ اس لیے کہ باقی جانور زبان نکال کر لمبے لمبے سانس نہیں کھینچتے ماسوا تیز چلنے کے' جب وہ تیز تیز چلتے ہیں یا دوڑتے ہیں تو اس وقت وہ لمبے سانس کھینچتے ہیں ورنہ نہیں جب کہ کتا ہر حال میں زبان نکال کر سانس کھینچتا رہتا ہے' سو اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ کہا جائے: لیکن وہ شخص زمین کی طرف جھک گیا تو ہم نے اس کو پستی میں گرا دیا اور ہم نے اس کا مرتبہ و مقام ختم کر دیا' پس یہ مثال اس لیے بیان کی گئی کہ یہ بتایا جائے کہ ہم نے اس کا مرتبہ انتہائی ذلت میں گرا دیا ہے [اور یہ جملہ شرطیہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ یہ شخص ذلیل کتے کی طرح ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گیا ہے جو ہر حال میں زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے' چنانچہ بعض نے کہا ہے: جب بلعم بن باعورا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کی تو اس کی زبان باہر نکل آئی اور اس کے سینے پر لٹک گئی اور وہ کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپنے لگا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے: وہ گمراہ ہو گیا خواہ اس کو وعظ کیا جائے یا نہ کیا جائے اور حضرت شیخ عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جس شخص نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہ کتے کی طرح ہے وہ بھونکتا ہے' خواہ اس کو جھڑکا جائے یا نہ جھڑکا جائے ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ یہ اس قوم کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اس سے یہود مراد ہیں جنہوں نے تورات میں رسول اللہ ﷺ کی نعت اور شان کو پڑھا اور اس میں قرآن مجید کے بارے میں مذکور تھا کہ وہ بھی آپ کے معجزوں میں ایک معجزہ ہوگا اور اس میں حضور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری دی گئی تھی' چنانچہ یہ یہودی لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت وآمد کی خوشخبریاں سنایا کرتے تھے (لیکن جب آپ بنو اسحاق کی بجائے بنو اسماعیل میں تشریف لائے تو وہ آپ کے مخالف ہو گئے) ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ ﴾ یعنی آپ انہیں بلعم بن باعورا کا قصہ بیان کیجئے کہ یہ انہیں کے قصوں کی طرح ہے کیونکہ جو حال اس شخص کا ہے وہی حالات دیگر یہودیوں کے ہیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ غور وفکر کریں اور اس کے انجام کی طرح سے بچیں کیونکہ یہ بھی اسی کی سیرت کی طرح چل رہے ہیں۔

سَآءَ مَثَلَاِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ
ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ
اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ
اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اس کی قوم کی بُری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے O جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے پس وہی ہدایت پاتا ہے' اور وہ جس کو گمراہی پر رہنے دے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O اور بے شک ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں' ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے' اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے' اور ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے' یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں' یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں O

۱۷۷- ﴿سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اس قوم کی کتنی بری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا [اصل میں ''مَثَلُ الْقَوْمِ'' تھا' پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور ''سَآءَ'' کا فاعل اس کے اندر پوشیدہ ضمیر ہے جو ''مثل'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی ''سَآءَ الْمَثَلُ مَثَلًا'' ہے اور ''مَثَلًا'' تمیز کی بنا پر منصوب ہے] ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے [اور یہ جملہ ''كَذَّبُوْا'' پر معطوف ہے اس لیے یہ صلہ کے تحت داخل ہے] یعنی وہ لوگ جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے کی دونوں خرابیوں کو جمع کر لیا [یا یہ صلہ سے الگ ہے] یعنی انہوں نے کسی اور پر ظلم نہیں کیا مگر آیتوں کو جھٹلا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے [اور مفعول (اَنْفُسَهُمْ) کو اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے] یعنی انہوں نے ظلم کو اپنی ہی جانوں کے ساتھ مخصوص کر لیا کسی اور کی طرف نہیں بڑھایا۔

۱۷۸- ﴿مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دیتا ہے تو وہی ہدایت حاصل کرنے والا ہوتا ہے [فعل (یَهْدِیْ کو واحد) ''مَنْ'' کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے (کیونکہ ''مَنْ'' لفظاً واحد اور معنًی جمع ہے)] ﴿وَمَنْ یُّضْلِلْ﴾ [اصل میں ''وَمَنْ یُّضْلِلْهُ'' ہے] یعنی جن کو وہ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ تو وہی نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں [اور یہاں ''مَنْ'' کے معنی پر محمول کر کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں] اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا مطلب بیان ہوتا جیسا کہ معتزلہ نے کہا ہے تو کافر اور مؤمن برابر ہوتے کیونکہ بیان تو دونوں فریقوں کے حق میں ثابت ہے' سو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا معنی توفیق دینا' عصمت' اور معاونت ہے' چنانچہ اگر یہ چیزیں کافر کو مل جائیں تو وہ بھی ہدایت پا لے جس طرح ایک مؤمن ہدایت پا لیتا ہے۔

۱۷۹- ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ اور بے شک ہم نے جنوں اور انسانوں میں بہت سے لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے' اور اس سے دونوں فریقوں کے کفار مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے منہ موڑتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انہوں نے کفر کو اختیار کرنا ہے اس لیے اس کی مشیّت میں ان کا کفر آ گیا اور اس نے ان میں یہی کچھ پیدا فرما دیا اور اسی بنا پر ان کا ٹھکانا دوزخ بنا دیا' لہٰذا اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشاد مبارک میں کوئی تضاد نہیں یعنی ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' (الذاریات:۵۶) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' کیونکہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا تھا جو اس کی عبادت کریں گے اس لیے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرما دیا اور جن کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے ساتھ کفر کریں گے تو ان کو اسی کام کے لیے پیدا فرما دیا جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ان سے یہی کام ہوگا اور بسا اوقات عام سے خصوص مراد ہوتا ہے اور معتزلہ کا یہ کہنا کہ لام عاقبت کے معنی میں ہے یعنی جب ان کا انجام دوزخ ہے تو گویا ان کو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے یہ ارادہ معاصی سے فرار ہے اور آیت مبارکہ کے ظاہر سے روگردانی ہے ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ ان کے دل ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ حق کو نہیں سمجھتے اور نہ وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں ﴿وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا

﴿يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾ اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان کے ساتھ راہِ حق کو نہیں دیکھتے ﴿وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ اور ان کے لیے کان ہیں مگر وہ ان کے ساتھ وعظ ونصیحت اور حق کی باتیں نہیں سنتے ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ﴾ یہی لوگ غور وفکر کے ساتھ حق کی باتیں نہ سننے میں اور نگاہِ عبرت کے ساتھ نہ دیکھنے میں اور حق کو نہ سمجھنے میں جانوروں کی طرح ہیں ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ بلکہ جانوروں سے بدترین اور گمراہ ترین ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی عقلوں کی مخالفت کی (اور اپنی عقول سے کام لے کر حق کو نہیں سمجھا) اور رسولِ خدا سے بغض وعناد رکھا اور انہوں نے فضول و بے کار کاموں کا ارتکاب کیا' سو چوپائے تو اپنا نفع اور فائدہ چاہتے اور نفع کی چیزوں کو طلب کرتے ہیں اور اپنے لیے نقصان دینے والی چیزوں سے دور بھاگتے ہیں مگر یہ کفار وفجار اپنا نقصان نہیں پہچانتے کیونکہ انہوں نے دوزخ کی آگ کو اختیار کر لیا ہے اور بھلا احکام شریعت کا مکلّف وذمہ دار انسان (کافر) اور خالی معذور (چوپایا) برابر کیسے ہو سکتے ہیں' پھر آدمی روحانی' شہوانی اور سماوی' ارضی ہے' سو اگر اس کی روحانیت اس کی خواہشات نفسانی پر غالب آ جائے تو آدمی فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس کی خواہشات اس کی روحانیت پر غالب آ جائیں تو ایسے آدمی سے زمین کے چوپائے بھی بہتر ہوتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ یہی لوگ پورے غافل ہیں اور مکمل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

ع ۲۲ / ۱۰ / ۱۲

اور اللہ ہی کے سب نام اچھے ہیں' سو تم انہی ناموں سے اس کو پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں باطل کی طرف جھکتے ہیں' عنقریب انہیں ان اعمال پر سزا دی جائے گی جو وہ کرتے رہے ○ اور ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کا راستہ دکھاتا ہے اور اس کے مطابق انصاف کرتا ہے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم عنقریب ان کو آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے وہ جان نہ سکیں گے ○ اور میں انہیں مہلت دوں گا' اور بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ○

۱۸۰- ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام بہت اچھے ہیں جو سب ناموں سے بہترین ہیں کیونکہ وہ اچھے معنوں پر دلالت کرتے ہیں' پھر ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اپنے حقائق کے اعتبار سے اچھے کہلانے کے مستحق ہیں جیسے قدیم ہے جو ہر چیز سے پہلے اور باقی ہے جو ہر چیز کے بعد ہے اور قادر ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور عالم ہے جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور واحد ہے جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اپنے آثار ونتائج کے اعتبار سے اچھے کہلانے کے حق دار ہیں اور ان کو ہر شخص اچھا سمجھتا ہے جیسے غفور ہے بہت بخشنے والا اور رحیم ہے بے حد مہربان اور شکور ہے شکر ادا کرنے پر جزائے خیر عطا فرمانے والا اور حلیم ہے بردبار حلم والا اور بعض نام وہ ہیں جو اپنے ساتھ متصف ہونے کو واجب کرتے ہیں جیسے فضل ہے احسان کرنا اور کسی کے ساتھ نیکی کرنا اور عفو ہے معاف کر دینا' درگزر کرنا اور ان میں

سے بعض وہ ہیں جو احوال کی نگرانی کو واجب کرتے ہیں جیسے سمیع ہے سننے والا اور بصیر ہے دیکھنے والا اور مقتدر ہے غلبہ پانے والا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بڑائی کو واجب کرتے ہیں جیسے عظیم ہے بڑی شان والا اور جبار ہے زبردست اور کنٹرول رکھنے والا اور متکبر بلند مرتبہ اور بڑا ہے[1] ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ سو تم اسے انہیں ناموں کے ساتھ پکارو اور تم انہیں ناموں کے ساتھ اس کا نام لو ﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ﴾ اور تم ان لوگوں کا نام لینا چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں حق وصواب سے روگردانی کرتے ہیں اور وہ اس کے اچھے ناموں کے علاوہ اس کے اور نام رکھتے ہیں اور یہ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے نام جائز رکھتے ہیں جو اس کے لیے جائز نہیں جیسے وہ کہتے ہیں کہ اے سخی! اے رفیق! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ نام نہیں رکھے اور الحادیہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام جسم' جوہر' عقل اور علت رکھے جائیں [قاری حمزہ کی قراءت میں ''یَلْحَدُوْنَ'' (یا اور حا پر زبر) ہے اور ''لَحَدَ'' اور ''اَلْحَدَ'' کا معنی ہے: وہ مائل ہوا] ﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ جو اعمال کرتے ہیں ان پر ان کو عنقریب سزا دی جائے گی۔

۱۸۱- ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ حق کی راہ نمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق اپنے مسائل میں انصاف کرتا ہے یعنی جن کو ہم نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ ''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ'' کے مقابلے میں ہے۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس گروہ سے علمائے کرام مراد ہیں جو لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ کا اجماع حجت ہے۔

## مکذبین کی مذمت' قیامت کا علم اور حضور کا اظہارِ عبودیت

۱۸۲- ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم عنقریب ان کو آہستہ آہستہ ان چیزوں کے نزدیک کر دیں گے جو ان کو ہلاک کر دیں گی ﴿مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اس طرح سے کہ ان کو علم تک نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا ارادہ کیا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر مسلسل نعمتیں بھیجنا شروع کر دے گا باوجودیکہ وہ سرکشی میں مستغرق ہوں گے' پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نئی نعمت عطا کرے گا تو ان کا تکبر وغرور بڑھ جائے گا اور وہ ایک اور نیا گناہ شروع کر دیں گے' چنانچہ مسلسل نعمتوں کے ملنے کے سبب وہ لوگ آہستہ آہستہ گناہوں میں داخل ہوتے جائیں گے اور وہ گمان کریں گے کہ مسلسل نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز وتکریم اور تقریب ہے حالانکہ یہ اس کی طرف سے ان کے لیے ذلت ہے اور اپنی بارگاہ سے دور کرنا ہے [اور یہ باب استفعال ''دَرَجَةٌ'' سے مشتق ہے] جس کا معنی ہے: درجہ بہ درجہ اوپر چڑھنا یا ایک درجہ کے بعد دوسرے درجے سے نیچے اترنا ہے اس طرح کہ انہیں معلوم نہ ہو سکے جو ان کے ساتھ ارادہ کیا جا رہا ہے۔

۱۸۳- ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ﴾ [یہ ''سَنَسْتَدْرِجُهُمْ'' پر معطوف ہے لیکن یہ سین کے حکم میں داخل نہیں ہے] یعنی اور میں انہیں مہلت دوں گا ﴿اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ بے شک میری خفیہ تدبیر یعنی میری گرفت بہت مضبوط اور سخت ہے اور اس کو ''كَيْدٌ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ''كَيْدٌ'' کے مشابہ ہے کیونکہ بہ ظاہر احسان ہے اور حقیقت میں خذلان ورسوائی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ

[1] اسمائے حسنیٰ کی تشریح اور تاثیرات فقیر کی تالیف ''شرح الاسمآء الحسنیٰ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ
وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾

اور کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کسی قسم کا جنون نہیں' وہ تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا O اور کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں غور سے نہیں دیکھا' اور ممکن ہے کہ ان کا وعدہ قریب آ گیا ہو' تو اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے O اللہ جس کو گمراہی پر ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں' اور اللہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں O

۱۸۴- جب کفارِ مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ (کو دن رات مسلسل پوری جدو جہد اور تندہی کے ساتھ دیوانہ وار توحید ورسالت اور دین اسلام کی پرزور تبلیغ کرتے دیکھا تو آپ) کی طرف جنون کی نسبت کر کے الزام لگا دیا کہ آپ مجنون ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ﴾ اور کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے صاحب مجنون نہیں ہیں [اور "مَا" وقف کے بعد نافیہ ہے] یعنی اور کیا انہوں نے اپنی بات میں غور نہیں کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے جنون کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے صاحب مجنون نہیں ہیں ﴿ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾ وہ تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والے ہیں اور اس کی طرف سے ڈرانے کی وضاحت کرنے والے ہیں۔

۱۸۵- ﴿ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ اور کیا انہوں نے استدلال کی نظر سے آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی بادشاہت میں نہیں دیکھا؟ "ملکوت" سے ملک عظیم مراد ہے ﴿ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ﴾ اور انہوں نے اس میں غور نہیں کیا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' تمام اجناس میں سے جس جس جنس پر شے کا اطلاق ہوتا ہے' جس کا گنتی احاطہ نہیں کر سکتی ﴿ وَأَنْ عَسَىٰ ﴾ [اس میں "أَنْ" ثقیلہ (نون مشدد) سے مخففہ (نون ساکن) ہے اور اس کی اصل "وَاَنَّهٗ عَسٰی" ہے اور اس کی ضمیر شان کی ضمیر ہے اور یہ "ملکوت" پر معطوف ہونے کی بنا پر محلاً مجرور ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: اور کیا انہوں نے اس میں غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک بات یہ ہے کہ شاید ﴿ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ﴾ ان کی اجل قریب آ چکی ہو اور شاید وہ لوگ عنقریب مر جائیں' لہٰذا وہ لوگ نظر وفکر اور طلب حق اور جو چیزیں انہیں نجات دیں گی ان کی طرف جلدی کریں دیر نہ لگائیں اس سے پہلے کہ ان پر اچانک موت آ جائے اور عذاب نازل ہو جائے ﴿ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴾ تو قرآن مجید کے بعد وہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے جب کہ اس پر ابھی تک وہ ایمان نہیں لائے اور یہ "عَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ" کے ساتھ متعلق ہے گویا کہا گیا ہے کہ شاید ان کی موت قریب آ چکی ہو' سو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ فوت ہونے سے پہلے قرآن کریم پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور حق واضح ہونے کے بعد اب وہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں اور قرآن پاک سے زیادہ کون سی بات حق رکھتی ہے جس پر وہ ایمان لانا چاہتے ہیں۔

۱۸۶- ﴿ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ ﴾ [اصل میں "مَنْ يُّضْلِلْهُ اللّٰهُ" ہے اور عراقی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یَذَرُھُمْ" ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "فَلَا هَادِيَ لَهٗ" کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے جزم کے ساتھ "وَیَذَرْھُمْ" ہے] گویا کہا گیا ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا [اور

''وَيَذَرُهُمْ'' کو استیناف کی بنا پر مرفوع پڑھا گیا ہے یعنی اور وہ اِسے چھوڑ دیتا ہے اور باقی قراء نے ''یا'' کی بجائے نون کے ساتھ (فعل جمع متکلم) ''نَذَرُهُمْ'' پڑھا ہے ] ﴿فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ﴾ وہ اپنی سرکشی میں یعنی وہ اپنے کفر میں حیران وسرگردان بھٹکتے پھریں۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

وقف لازم ۔ وقف منزل ۔ معانقة ۔ ع ۲۳

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ فرمادیں کہ بے شک اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے' صرف وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر فرمائے گا' وہ آسمانوں اور زمین پر بہت بھاری ہے' وہ تم پر نہیں آئے گی مگر اچانک' وہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کے راز دان ہیں' آپ فرمادیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نفع کا خود مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا مگر جو اللہ چاہے' اور اگر (ذاتی طور پر) خود غیب جان لیا کرتا تو ضرور میں بہت زیادہ بھلائی جمع کر لیتا' اور مجھے کوئی تکلیف نہ چھوتی' میں تو نہیں مگر ڈر سنانے والا اور ایمان دار قوم کو خوشخبری دینے والا O

۱۸۷-اور جب یہود نے یا قریش نے قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ کب ہوگی؟ تو درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور (واضح ہو کہ) یہ ''الساعة'' اسمائے غالبہ میں سے ہے جیسے نجم ثریا کے لیے (کہ نجم کا لغوی معنی ستارہ مگر عرف عرب میں یہ نام ثریا یعنی کہکشاں کے لیے غالب ہوگیا ہے' اسی طرح ''سَاعَةٌ'' کا لغوی معنی تھوڑا وقت ہے یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ مگر شریعت میں یہ نام قیامت کے لیے غالب ہوگیا ہے) اور قیامت کا نام ساعت اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اچانک واقع ہو

[1] حضور سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقوع قیامت کے وقت کا علم عطا فرمایا گیا ہے یا نہیں؟ بعض علمائے کرام ظاہر آیات کے مطابق فرماتے ہیں کہ وقوع قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں البتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرب قیامت کا اجمالی علم حاصل تھا اور آپ نے اس کی خبر بھی دی ہے جب کہ جمہور علمائے کرام اور مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقوع قیامت اور اس کے احوال کا علم تفصیلی طور پر عطا فرما دیا تھا لیکن آپ کو قیامت کی آمد کے معین وقت کو چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا کیونکہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے مطابق اس کو خود اللہ تعالیٰ ہی معین وقت پر ظاہر فرمائے گا تاکہ لوگ نیکیاں کرتے رہیں اور گناہوں سے بچتے رہیں' یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی علامات کا تفصیلی ذکر فرمادیا' نیز دن اور ماہ اور تاریخ بتادی کہ دس محرم الحرام جمعۃ المبارک کے دن قیامت برپا ہوگی مگر آپ نے سن اور صدی نہیں بتلائی' بہرحال یہاں اختصار کے پیش نظر چند علامات قیامت' نیز دن اور ماہ اور تاریخ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گی یا اس میں حساب جلد لیا جائے گا یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یقیناً طویل اور دراز ہو گی لیکن مخلوق کے نزدیک اوقات میں سے تھوڑا سا وقت ہوگا ﴿ اَیَّانَ ﴾ [ ''مَتٰی'' کے معنی میں ہے اور یہ ''فَعْلَانَ'' کے وزن پر ہے اور ''اَیٌّ'' سے ماخوذ و مشتق ہے ] کیونکہ اس کا معنی ہے: کب اور کس وقت ﴿ مُرْسٰهَا ﴾ [ یہ مصدر میمی ہے اور ''اِرْسَاءٌ'' کے معنی میں ہے جیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کیے جائیں گے۔ اس کی مکمل تفصیل وتشریح ''تبیان القرآن'' جلد چہارم اسی آیت مبارکہ کے تحت مطالعہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو' ان میں بہت بڑی جنگ ہوگی اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا اور حتیٰ کہ تیس جھوٹے دجالوں کا ظہور ہوگا' ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور حتیٰ کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور زلزلے کثرت سے ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور اور قتل کثرت سے ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۹' صحیح مسلم کتاب الفتن باب ۱۷ (۲۸۸۰) ۱۲۳۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۹۲۰)

(۲) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' آپ نے فرمایا: تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دھوئیں کا' دجال کا' دابۃ الارض کا' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا' حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا' یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مرتبہ مشرق میں' ایک مرتبہ مغرب میں' ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔
(صحیح مسلم کتاب الفتن ۳۹ (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۱)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی اور زنا عام ہوگا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح مسلم کتاب العلم ۷ (۲۶۷۱) ۲۶۶۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵)

(۴) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا' وہ زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۷)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' وہ حاکم عادل ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم کتاب الایمان ۲۴۲ (۱۵۵) ۳۸۲' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۵)
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"مدخل" مصدر میمی "اِدْخَال" کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے اثبات اور اس کے لانے کا وقت ] کیونکہ "اِرْسَاءْ" کا معنی اثبات ہے یعنی ثابت کرنا اور لانا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کب برپا کرے گا اور اس کو کب لائے گا ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے یعنی اس کے وقوع کے وقت کا علم اسی کے پاس ہے' بے شک اس نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص فرمالیا ہے' اس کی کسی کو خبر نہیں دی نہ مقرب فرشتے کو اور نہ نبی مرسل کو تاکہ یہ اخفاء اطاعت وفرماں برداری کرنے کا زیادہ سے زیادہ داعی بن جائے اور گناہ اور نافرمانی سے زیادہ سے زیادہ روکنے والا بن جائے جیسا کہ اس نے اجلِ خاص کو مخفی و پوشیدہ کر رکھا ہے اور وہ موت کا وقت ہے اس لیے کہ ﴿لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ اسے وقت پر ظاہر نہیں فرمائے گا مگر فقط وہی یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ اس کے معاملے کو نہ کوئی ظاہر کرے گا اور نہ اس کے مخفی علم کو کوئی کھولے گا ﴿ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ قیامت آسمانوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی روایت کیا ہے جس کے آخر میں آپ نے فرمایا: قیامت کا دن محرم الحرام کے مہینہ کی دس تاریخ کو قائم ہوگا۔

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۳۷' ص ۴۴۱' مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح المسلم الجمعۃ ۱۸۔ ۸۵۴۔ ۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

(انتخاب از "تبیان القرآن" جلد چہارم سورۃ الاعراف' آیت ۱۸۷)

(۸) علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۃ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

(۹) علامہ زرقانی "المواہب" کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کے علم اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۶۵)

(۱۰) علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امورِ خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور قیامت کے وقت کا علم اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

(۱۱) علامہ عارف باللہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم عطا فرما دیئے لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵)

(۱۲) علامہ سید محمد آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم عطا فرما دیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور زمین پر بھاری ہے یعنی ان کے اندر رہنے والے تمام فرشتوں اور جنوں اور انسانوں پر بھاری ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے قیامت کا معاملہ بہت اہم ہے اور ہر ایک تمنا کرتا ہے کہ قیامت کا علم اس پر منکشف ہو جائے اور اس کا مخفی رہنا ہر ایک پر دشوار ہے اور اس پر بہت بھاری ہے کیونکہ ان کے باشندے قیامت کی سختیوں اور اس کی ہولناکیوں سے ڈرتے رہتے ہیں ﴿لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً﴾ قیامت تم پر نہیں آئے گی مگر اچانک کہ تم غفلت میں ہو گے ﴿یَسْــٴَـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا﴾ وہ لوگ آپ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کے اور اس کی حقیقت کے عالم ہیں گویا آپ نے اس کے بارے میں خوب پوچھ رکھا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے متعلق بار بار خوب سوال کرتا رہتا ہے اور اس کی خوب تحقیق کرتا ہے تو اس کا علم اس کے بارے میں پختہ ہو جاتا ہے [اور اس کی ترکیب کی اصل مبالغہ ہے اور اسی سے ''اِحْفَاءُ الشَّارِبِ'' ہے یعنی مونچھوں کو خوب پست کرنا یا ''عَنْهَا'' ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا آپ نے اس کی خوب تحقیق کر رکھی ہے یعنی آپ اس کو جانتے ہیں ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اے میرے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم (ذاتی طور پر) صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے [اور اللہ تعالیٰ نے ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' اور ''اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' کو تاکید کرنے کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے اور ''كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا'' کے اضافے کی وجہ سے ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اور اسی بنا پر علمائے دین کی کتابوں میں کئی مسائل کا تکرار ہوتا ہے اور وہ تکرار فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور انہیں علماء میں سے حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ قیامت کے وقتِ وقوع کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے (اور اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا)۔

۱۸۸۔﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں ہوں مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے' دراصل یہ عبودیت و بندگی اور تواضع و انکساری اور عاجزی کا اظہار ہے اور یہ ایسے علمِ غیب سے براءت ہے جو ربوبیّت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی میں تو ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں' میں تو غلاموں کی طرح اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے اور ضرر و نقصان کو دور کرنے کا خود مالک نہیں ہوں مگر میرا مالک و خالق جس قدر مجھے نفع پہنچائے اور مجھ سے نقصان کو دور کرنا چاہے[1] ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ﴾ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عطا فرما دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴) نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو قیامت کے وقت سے کامل طور پر آگاہ کر دیا ہو لیکن ایسے طریقہ پر نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم محیط و مکمل سے مساوی ہو سکتا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے کسی حکمتِ بالغہ کی وجہ سے اپنے رسول مکرم پر اس کا مخفی رکھنا واجب کر دیا ہو اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواص میں سے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

(۱۳) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت پر کسی کو اطلاع نہیں دیتا البتہ ان کو آگاہ فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

(۱۴) علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۱۹)

نوٹ: علم غیب کی مکمل اور تفصیلی بحث ''تفسیر تبیان القرآن'' ج ۴ ص ۴۵۰ تا ۴۸۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

[1] قرآن و احادیث کی روشنی میں اختیارات مصطفےٰ ﷺ کے مختصر دلائل سورۃ الانعام آیت ۵۰ پارہ سات میں ملاحظہ فرمائیں: غوثوی

اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت بڑی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی یعنی میرا حال ضرور اس کے برعکس ہوتا جس پر میں اب ہوں کہ میں خیر کثیر جمع کر لیتا اور میں برائی و نقصان سے بچ جاتا یہاں تک کہ مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا اور میں جنگوں میں کبھی غالب اور کبھی مغلوب نہ ہوتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ غیب سے موت اور خیر سے عمل اور ''سوء'' سے خوف و ڈر مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''لَاسْتَكْثَرْتُ'' کا مطلب ہے کہ میں خوشحالی میں قحط سالی کے لیے تیاری کر لیتا اور ''سُوْٓءُ'' سے فقر و غربت مراد ہے اور بے شک (درج ذیل قرآنی جملے نے اس کی) تردید کر دی: ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ میں تو نہیں ہوں مگر ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا یعنی میں تو نہیں ہوں مگر ایک بندہ (نافرمانوں کو) ڈرانے کے لیے اور (فرماں برداروں کو) خوشخبری دینے کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری یہ شان نہیں کہ میں اپنے آپ غیب جان لیا کروں[ا] [اور ''لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ'' میں لام ''نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ'' کے متعلق ہے کیونکہ ڈرانا اور خوشخبری دینا صرف مؤمنوں کو فائدہ اور نفع دیتا ہے یا پھر صرف ''بَشِيْرٌ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''نَذِيْرٌ'' کا متعلق محذوف ہے] یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کو ڈرانے والے اور مؤمنوں کو خوش خبری دینے والے ہیں۔

---

ا واضح رہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ذاتی و دائمی اور محیط و مستقل علم غیب: یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' چنانچہ جن آیات مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے یہی علم غیب مراد ہوتا ہے۔

(۲) علم غیب عطائی غیر محیط غیر مستقل: جو محض اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے' یہ تمام انبیائے کرام خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا ہے اور جن آیات سے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے ان سے یہی عطائی علم غیب مراد ہے' اس طرح آیات میں تعارض ختم ہو جاتا ہے اور حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے بہر حال یہاں پر پہلے علم غیب عطائی کی چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں' پھر اس آیت مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی وجوہات بیان کی جائیں گی:

(۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (آل عمران:۱۷۹)

اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ تمہیں غیب کا علم عطا فرما دے لیکن اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو (علم غیب عطا فرمانے کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

(۲) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا○ (النساء:۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل ہے○

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ○ (النحل:۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور جو مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے○

سورۃ النحل کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ترمذی شریف کی حدیث میں ہے: سیّد عالم ﷺ نے پیش آنے والے فتنوں کی خبر دی' صحابہ کرام نے ان سے نجات کا طریقہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کتاب اللہ میں تم سے پہلے کے واقعات کی بھی خبریں ہیں اور تم سے بعد کے واقعات کی بھی اور تمہارے درمیان کا علم بھی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: جو شخص علم چاہے وہ قرآن کریم کی تعلیم کو اپنے اوپر لازم کر لے کیونکہ اس میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امت کے تمام علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث قرآن مجید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس نے اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے' پھر جب وہ اس پر چھا گیا تو اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا' سو وہ اپنے حمل کو لے کر چلتی پھرتی رہی' پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے پروردگار اللہ سے دعا کی کہ اگر تو ہمیں صحیح سلامت بیٹا عطا فرمائے گا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے O پھر اللہ نے ان کو صحیح سلامت بیٹا عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک بنا لیے' سو اللہ ان کے شرک سے بہت بلند ہے O کیا وہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں O

## تخلیق انسانی کے مبداء کا بیان' شرک کی تردید اور درگزر کرنے کا بیان

۱۸۹- ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی شرح ہے اور یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے جو بھی کوئی حکم جاری فرمایا وہ وہی تھا جو آپ نے قرآن پاک سے سمجھا۔ حضرت ابوبکر بن مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک روز فرمایا کہ جہاں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ یعنی قرآن شریف میں مذکورہ نہ ہو۔ حضرت ابن ابوالفضل مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ اولین و آخرین کے تمام علوم قرآن پاک میں ہیں' غرضیکہ یہ کتاب تمام علوم کی جامع کتاب ہے' جس کو اس کا جتنا علم ملا ہے وہ اتنا ہی جانتا ہے۔

(ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ اوّلین و آخرین کے تمام علوم قرآن مجید میں ہیں اور قرآن مجید کے تمام علوم حضور ﷺ کو عطا کیے گئے ہیں' لہٰذا اولین و آخرین کے تمام علوم حضور کو عطا فرما دیئے گئے ہیں۔

(۴) مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ O (یوسف: ۱۱۱)

یہ قرآن من گھڑت کلام نہیں لیکن پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے O

(۵) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن: ۲۶-۲۷)

اللہ تعالیٰ ہی غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا O سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۶) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ O (التکویر: ۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں O

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس جان سے حضرت آدم علیہ السلام کی جان مراد ہے ﴿وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس ایک جان سے اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے بتلانے میں بخل نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۷ ص ۷۶۴ مطبوعہ دار التصنیف صدر' کراچی)

(۷) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا' جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۲۴۰' مسند امام احمد ج۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج۱۱ رقم الحدیث:۸۷۷۲)

(۸) ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرمائے ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں ہمیں "مَا كَانَ وَمَا يَكُوۡنُ" (جو ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے) کی خبریں سنا دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔
(صحیح مسلم الجنۃ ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج۱۱ رقم الحدیث:۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴ رقم الحدیث:۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص ۳۱۳)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتدا سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱۹۲' مسند احمد ج ۴ ارقم الحدیث:۱۸۱۴۰ عن مغیرہ بن شعبہ' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

(۱۰) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے' سو میں نے اس کے مشارق اور اس کے مغارب کو دیکھ لیا اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ (صحیح مسلم الفتن ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۱۲۵' ۷۱۲۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۵۲)

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیب کے بہت سے واقعات کی خبر دی ہے اور یہ صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور یہ آپ کے عظیم ترین معجزات میں سے ہے تو ان میں اور اس آیت "وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ" میں موافقت کس طرح ہو گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور تواضع اور ادب کے یہ فرما دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے آپ غیب نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے غیب پر مطلع اور قادر فرما دے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب پر مطلع ہونے سے پہلے آپ نے یہ فرمایا ہو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا تو آپ نے غیب کی خبریں بیان فرما دیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ" (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جوڑا (بیوی کو) بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت حوآء کو حضرت آدم کے جسم مبارک سے پیدا فرمایا اور اسے ان کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے نکالا ﴿ لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ﴾ تا کہ حضرت آدم حضرت حوا کی طرف سے سکون و اطمینان حاصل کریں اور آپ اس کی طرف مائل اور راغب ہو جائیں کیونکہ ہر جنس اپنی ہم جنس کی طرف زیادہ رغبت رکھتی ہے خصوصاً جب وہ اس کا حصہ ہو جیسے انسان اپنی اولاد سے سکون حاصل کرتا ہے اور اس سے اس طرح محبت کرتا ہے جس طرح اپنی ذات سے محبت کرتا ہے کیونکہ اولاد اس کا حصہ ہوتی ہے [اور ''وَاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' میں مؤنث ذکر کرنے کے بعد ''نَفْس'' کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ''لِيَسْكُنَ'' کو مذکر ذکر کیا گیا ہے (کیونکہ ''نفس'' لفظ کے اعتبار سے مؤنث اور معنی کے اعتبار سے مذکر ہے) تا کہ یہ واضح کیا جائے کہ اس نفس سے مذکر یعنی حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں ﴿ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا ﴾ پھر جب وہ اس پر چھا گیا یعنی اس سے جماع کیا ﴿ حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا ﴾ وہ ہلکے سے حمل کے ساتھ حاملہ ہو گئی اور اس کا ابتدائی حمل اس کے لیے ہلکا ثابت ہوا اور اس نے اپنے حمل کے سبب ایسی کوئی چیز نہیں پائی تھی جو بعض حاملہ عورتیں اپنے حمل کی وجہ سے کرب و الم اور دکھ درد محسوس کرتی ہیں اور اس کا حمل اس پر بوجھ نہ بنا جیسا کہ حاملہ عورتوں پر بوجھ بنتا ہے ﴿ فَمَرَّتْ بِهٖ ﴾ پھر وہ اس کو اس کی ولادت کے وقت تک لے کر چلتی پھرتی رہی نہ کوئی نقص واقع ہوا اور نہ اکتاہٹ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہلکے سے حمل یعنی نطفہ سے حاملہ ہو گئی اور اس کے ساتھ چلتی پھرتی یعنی وہ اس کے ساتھ اٹھتی اور بیٹھتی رہی ﴿ فَلَمَّآ أَثْقَلَتْ ﴾ سو جب اس کے حمل کے بوجھل ہونے کا وقت آ گیا ﴿ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا ﴾ تو انہوں نے اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے دعا کی یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا نے اپنے پروردگار اور اپنے مالک سے دعا کی جو اس لائق ہے کہ اسی سے دعا کی جائے اور اسی کی بارگاہ میں التجاء کی جائے چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿ لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا ﴾ البتہ اگر تو نے ہمیں صحیح سلامت مکمل تندرست بچہ عطا فرمایا یا نر بچہ یعنی لڑکا عطا فرمایا کیونکہ نر ہونا سلامتی ہے ﴿ لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ تو ہم تیرے ضرور شکر گزار ہوں گے [اور ''اٰتَيْتَنَا'' اور ''لَنَكُوْنَنَّ'' میں ضمیر حضرت آدم و حوا اور ان کی اولاد میں پیدا ہونے والی تمام نسل کی طرف لوٹتی ہے]۔

۱۹۰۔ ﴿ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا ﴾ پھر جب (بھی ان کی مشرک اولاد کو) اللہ تعالیٰ تندرست بیٹا عطا فرما دیتا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں وہی عطا فرما دیتا جو انہوں نے صحیح سلامت مکمل اعضاء کا حامل بیٹا طلب کیا تھا ﴿ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ ﴾ تو وہ دونوں میاں بیوی رب تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے یعنی حضرت حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی مشرک اولاد (میں سے جن کے ہاں بیٹا ہوتا تو وہ دونوں میاں بیوی) اس کا شریک ٹھہراتے [مضاف محذوف ہے اور اس کے مقام پر مضاف الیہ کو قائم کیا گیا ہے اور اسی طرح ﴿ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ﴾ میں (مضاف محذوف) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی مشرک اولاد کو جو کچھ عطا فرمایا اس میں انہوں نے اس کے شریک ٹھہرا لیے جس کی دلیل درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (الجن: ۲۶۔ ۲۷) ''سو اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔
(تفسیر خازن ص ۱۶۷ الجزء الثانی مطبوعہ مصطفےٰ البابی' مصر' نیز روح المعانی الجزء التاسع ص ۱۳۷ مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ' لاہور)
نیز علامہ آلوسی نے بعض مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے استمرار و دوام کی نفی ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ''الْغَيْبَ'' میں لام استغراق کے معنی میں ہے یعنی علم محیط کی نفی مراد ہے۔
(تفسیر روح المعانی الجزء التاسع ص ۱۳۷)
امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: اس آیت مبارکہ میں قدرت کاملہ اور علم محیط کی نفی مراد ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۳۱ مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

﴿يُشْرِكُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہاں جمع کی ضمیر ذکر کی گئی جب کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں شرک سے بری ہیں (تو ثابت ہو گیا کہ ان کی اولاد مراد ہے) اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں ان کے شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کے نام عبد العزیٰ' عبد المناف اور عبد الشمس وغیرہ رکھ لیے حالانکہ وہ اپنی اولاد کے نام عبد اللہ' عبد الرحمان اور عبد الرحیم رکھتے یا یہ خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھے اور وہ قُصی کی اولاد تھے یعنی اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان قُصی سے پیدا فرمایا اور اس کی جنس سے عربیہ قرشیہ عورت کو اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون واطمینان پائے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سلامت بے عیب بیٹا عطا فرمایا جو انہوں نے طلب کیا تھا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک ٹھہرا لیے' کیونکہ قُصی اور اس کی بیوی نے اپنے چاروں بیٹوں کے نام عبد مناف' عبد العزیٰ' عبد قصی اور عبد الدار رکھ دیئے تھے [اور ''اَیُشْرِكُوْنَ'' میں جمع کی ضمیر ان دونوں اور ان کے بعد آنے والے مشرکوں کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے شرک کرنے میں ان کی پیروی کی تھی اور قاری نافع مدنی اور ابو بکر نے ''شُرَكَآءَ'' کی بجائے ''شِرْكًا'' پڑھا ہے جو اصل میں ''ذَوِیْ شِرْكٍ'' ہے یعنی شرک والے اور وہ شرکاء ہیں]۔

۱۹۱- ﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا﴾ کیا وہ لوگ ان چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے یعنی بت ﴿وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں (یعنی وہ مخلوق ہیں خالق نہیں) ان کے بارے میں مشرکین کے اعتقاد کے مطابق بتوں کو اہل علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ ان کو معبود قرار دیتے تھے اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے [اور ''وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ'' میں ضمیر عابدین کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کیا یہ عبادت کرنے والے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کریں [یا یہ ضمیر عابدین یا معبودین دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور ان کو اہل علم کی طرح جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے عابدین کے غلبہ کی وجہ سے]۔

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ
لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَ
كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

اور وہ نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں O اور اگر تم انہیں راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے' تمہارے لیے برابر ہے کہ آیا تم انہیں بلاؤ یا تم خاموش رہو O بے شک تم اللہ کے سوا جن کی

عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں' سوتم ان کو پکارو' پھر چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو○ کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہوں' کیا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہوں' کیا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہوں' کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اپنے شریکوں کو بلاؤ' پھر تم میرے خلاف سازش کرو اور مجھے مہلت نہ دو○

---

۱۹۲- ﴿وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا﴾ اور وہ اپنے عبادت کرنے والے پجاریوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے ﴿وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ کم از کم وہ اپنا دفاع کر سکیں اور اپنے اوپر طاری ہونے والے حوادث کو دور کر سکیں جیسے توڑنا اور گندگی وغیرہ ڈالنا بلکہ ان کی پوجا کرنے والے پجاری ان سے دفاع کرتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

۱۹۳- ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اگر تم ان کو یعنی ان بتوں کو رشد و ہدایت کی طرف بلاؤ یا ان کو اس لیے بلاؤ کہ وہ تمہیں ہدایت دیں یعنی جس طرح تم اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت اور رشد و ہدایت طلب کرتے ہو اسی طرح اگر تم ان بتوں سے یہ چیزیں طلب کرو ﴿لَا يَتَّبِعُوْكُمْ﴾ تو وہ تمہاری مراد اور طلب پوری کرنے کے لیے تمہاری پیروی نہیں کریں گے اور نہ وہ تمہیں جواب دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جواب عنایت فرماتا ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''لَا يَتْبَعُوْكُمْ'' (تا ساکن اور با مفتوح) ہے] ﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴾ تم پر برابر ہے کہ آیا تم ان کو بلاؤ یا تم ان کو بلانے سے خاموش رہو اس لیے کہ ان کی سنگت سے نجات نہیں اور نہ وہ تمہیں جواب دیں گے [اور آیات کے اواخر کی رعایت کے لیے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے]۔

۱۹۴- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو ''اَیْ تَعْبُدُوْنَهُمْ'' یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو' یہاں ''تَدْعُوْنَ''، ''تَعْبُدُوْنَ'' کے معنی میں ہے اور تم ان کو معبود قرار دیتے ہو ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ وہ تمہاری طرح بندے ہیں یعنی وہ تمہارے طرح مخلوق اور مملوک ہیں ﴿فَادْعُوْهُمْ﴾ سو تم ان کو حصول نفع اور دفع ضرر کے لیے پکارو ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ پس چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو باطل قرار دیا کہ ان کے بت بالکل انہیں کی طرح بندے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۹۵- ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ تمہاری طرح چلتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں' کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں یعنی تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تم سے ادنیٰ' احقر اور کمتر ہیں؟ ﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مشرکو! تم اپنے شریکوں کو بلا لو اور میری دشمنی میں ان سے مدد مانگو ﴿ثُمَّ كِيْدُوْنِ﴾ پھر تم اور تمہارے شریک سب مل کر میرے خلاف سازش کرو [اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''كِيْدُوْنِيْ'' ہے۔ ابوعمرو بصری نے حالت وصل میں یعقوب کی موافقت کی ہے] ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ سو تم مجھے مہلت نہ دو کیونکہ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور دراصل مشرکین مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ساتھ یہی خطاب کرنے کا حکم دیا [اور یعقوب کی قراءت میں یہاں بھی ''یا'' کے ساتھ ''فَلَا تُنْظِرُوْنِيْ'' ہے]۔

إِنَّ وَلِيِّـۧ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾

بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہی نیکوں کی مدد کرتا ہے O اور تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں O اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے O آپ معاف کرنا اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں O

۱۹۶- ﴿ إِنَّ وَلِيِّـۧ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ ﴾ بے شک تمہارے مقابلے میں میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر وحی بھیج کر کتاب نازل فرمائی اور اس نے اپنی رسالت کے ساتھ مجھے منتخب فرما کر میری عزت افزائی فرمائی [اور یہاں ''وَلِيِّيَ'' کا معنیٰ ''نَاصِرِيْ عَلَيْكُمْ'' ہے] یعنی تمہارے خلاف میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے ﴿ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ﴾ اور وہ نیکوں کی مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت مبارکہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے نیکوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو رسوا نہیں کرتا۔

۱۹۷- ﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

۱۹۸- ﴿ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ ﴾ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں یعنی وہ بت دیکھنے والوں کے مشابہ ہیں کیونکہ مشرکین نے اپنے بتوں کی تصویریں (انسانی شکل کی بنائی تھیں) اور ان کی آنکھیں ایسی صورت پر بنائی گئی تھیں کہ گویا وہ اپنی آنکھیں گھما کر کسی چیز کی طرف تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں ﴿ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ اور وہ کسی دیکھی جانے والی چیز کو نہیں دیکھتے۔

۱۹۹- ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ درگزر کرنا اور معاف کر دینا اختیار کیجئے۔ عفو جہد کی ضد ہے یعنی آپ لوگوں کے عادات و افعال پر سختی کی بجائے نرمی کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے اور ان سے محبت و مشقت طلب نہ کیجئے ورنہ وہ متنفر ہو جائیں گے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا'' تم آسانی اور سہولت و نرمی پیدا کرو اور سختی نہ کرو[1] ﴿ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ نیکی اور عمدہ اور اچھے افعال و اخلاق کا لوگوں کو حکم دیجئے یا یہ مطلب ہے کہ ہر ایسی خصلت و عادت کا حکم دیجئے جس کو عقل پسند کرے اور شریعت اس کو قبول کر لے ﴿ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ﴾ اور آپ جاہلوں سے منہ پھیر لیجئے اور آپ بے وقوفوں سے ان کی بے وقوفی پر انتقام اور بدلا نہ لیجئے اور نہ ان سے جھگڑا کیجئے بلکہ ان پر نرمی کیجئے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد سے اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے کہ اے محبوب پاک! آپ سے جو تعلق کو توڑ دے آپ اس سے تعلق جوڑیئے

[1] رواہ البخاری (۶۹) و مسلم (۱۷۳۴)

اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا کیجئے اور جو آپ پر ظلم و زیادتی کرے اسے معاف کر دیجئے[1] حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی ﷺ کو مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اور قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے اس آیت مذکورہ بالا سے بڑھ کر جامع ہو۔

وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ
الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰۤـئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۚ ﴿۲۰۱﴾
وَاِخۡوَانُهُمۡ يَمُدُّوۡنَهُمۡ فِى الۡغَىِّ ثُمَّ لَا يُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا
اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ
وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

اور (اے انسان!) اگر شیطان کی طرف سے تم پر کوئی وسوسہ حملہ آور ہو تو اللہ کی پناہ طلب کر' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے O بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی بُرا خیال چھوتا ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O اور ان کے بھائی بند انہیں گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں' پھر وہ کوئی کمی نہیں کرتے O اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو خود کیوں نہیں گھڑ لیا' (میرے محبوب!) آپ فرما دیں کہ بے شک میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے' یہ تمہارے رب کی طرف سے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں بصیرت افروز دلائل ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے O

۲۰۰- ﴿وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ﴾ اور اگر تمہیں کوئی شیطانی وسوسہ کسی برائی پر اکسائے اور وہ تمہیں برائی پر ابھارے بایں طور کہ جس کام کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کے خلاف شیطان تم پر اپنے وسوسہ کے ذریعے حملہ آور ہو جائے ﴿فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اور شیطان کا حکم نہ مانو اور ''نَزۡغٌ'' کا معنی اکسانا اور ابھارنا ہے گویا شیطان جب لوگوں کو گناہوں پر راغب کرتا ہے تو انہیں اکساتا ہے اور ان کو گناہوں کی طرف برانگیختہ کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''جَدَّ جِدُّهٗ'' اس نے پوری کوشش کی یا پھر شیطان کے اکسانے اور وسوسہ ڈالنے سے مراد غصہ اور غضب پیدا کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے فرمایا: بے شک میرا شیطان مجھ پر غصہ طاری کر دیتا ہے ﴿اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ﴾ بے شک وہی شیطانی وسوسہ اندازی کو بہت سننے والا ہے ﴿عَلِيۡمٌ﴾ اس کا دفاع وہی خوب جاننے والا ہے۔

۲۰۱- ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰۤـئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھوتا ہے [ قاری ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں ''طَيۡفٌ'' ہے یعنی شیطان کا گناہ پر اکسانا' یہ مصدر ہے ان کے قول سے کہ ''طَافَ بِهِ الۡخَيَالُ يَطِيۡفُ طَيۡفًا'' اور ابو عمرو نے کہا: ''طَآئِفٌ''

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ ج ۹ ص ۱۵۵

اور ''طَیْفٌ'' دونوں ایک ہی چیز ہیں ] اور وہ وسوسہ ڈالنا ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کے وجوب کی جو اوپر والی آیت میں گزر چکا ہے اس کی یہ آیت مبارکہ تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور پرہیزگاروں کی یہ عادت ہے کہ انہیں جب ادنیٰ سا شیطانی وسوسہ لاحق ہونے لگتا ہے ﴿ تَذَكَّرُوْا ﴾ تو خبردار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ان کو یاد آ جاتے ہیں ﴿ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ تو یک دم ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ صحیح سلامت راستے دیکھ لیتے ہیں اور وہ شیطانی وسوسہ کو اپنے آپ سے دور کر دیتے ہیں اور درحقیقت وہ لوگ برائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں بصیرت الٰہی زیادہ ہو جاتی ہے۔

۲۰۲- ﴿ وَاِخْوَانُهُمْ ﴾ اور ان کے بھائی یعنی سرکش انسانوں میں سے شیطانوں کے بھائی کیونکہ شیاطین ﴿ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ﴾ انہیں گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں یعنی شیاطین گمراہی میں ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کو گمراہی میں پکا کر دیتے ہیں [ اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''یُمِدُّوْنَهُمْ'' (یعنی یا پر زبر کی بجائے پیش اور میم پر پیش کی بجائے اس کے نیچے زیر ہے' یہ باب اِفعال سے ہے) ''اِمْدَادٌ'' سے مشتق ہے ] ﴿ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴾ پھر وہ کمی نہیں کرتے یعنی پھر وہ ان کو گمراہ کرنے سے رکتے نہیں یہاں تک کہ وہ گمراہی پر پختہ ہو کر اصرار کرتے ہیں اور واپس رجوع نہیں کرتے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اخوان'' سے شیاطین مراد ہوں [ اور اس کی متعلقہ ضمیر ''جاھلین'' کی طرف لوٹتی ہو اور پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ ''اِخْوَانُهُمْ''، ''اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا'' کے مقابلے میں ہے اور ''اِخْوَانُهُمْ'' میں ضمیر جمع کی لائی گئی ہے جب کہ ''شیطان'' واحد ہے اس لیے کہ ''شیطان'' سے اس کی جنس مراد ہے ]۔

۲۰۳- ﴿ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ ﴾ اور جب آپ ان کے پاس قرآن کریم کی روشن آیت مبارکہ یا واضح معجزہ نہیں لاتے ﴿ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ﴾ تو مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ آپ نے خود کیوں نہیں اسے منتخب کر لیا یعنی آپ نے اسے خود کیوں نہیں گھڑ لیا جیسا کہ اس سے پہلے آپ خود گھڑ گھڑ کر پیش کرتے رہے ہیں ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ بے شک میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے' اور میں اپنی طرف سے من گھڑت کلام پیش نہیں کرتا ﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ یہ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بصیرت افروز آیات ہیں۔ یعنی قرآن مجید کی یہ آیات ایسے مضبوط دلائل ہیں جو حق کی راہیں تمہارے سامنے کھول کر دکھا دیتے ہیں ﴿ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو اس پر ایمان رکھتی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ
وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾ السجدة ع ۲۴ / ۱۸

اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو پوری توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O اور تم اپنے دل میں اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بلند آواز کے بغیر صبح و شام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ O

بے شک جو آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ صرف اسی کو سجدے کرتے ہیں O

## تلاوت کے وقت خاموش ہو کر اس کو سننے اور ذکرِ خفی کا بیان

۲۰۴- ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے کان لگا کر غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں اور نماز کے علاوہ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اس وقت اس کو غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب وضروری ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قرآن کے نزول کے وقت رسول کریم ﷺ اس کی تلاوت کرنے لگیں تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ مقتدی کے لیے قرآن کی تلاوت کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ خطبہ سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ دونوں کے بارے میں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

۲۰۵- ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اور آپ اپنے رب کو دل میں یاد کیجئے' یہ حکم تمام اذکار میں عام ہے جیسے قرآن مجید کی تلاوت' دعا' تسبیح اور تہلیل وغیرہا ﴿تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے ﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور بلند آواز سے کچھ کم یعنی بلند آواز سے کم کلام کرے کیونکہ آہستہ ذکر کرنا اخلاص میں زیادہ دخیل ہوتا ہے اور حسن تفکر کے زیادہ قریب ہوتا ہے[1] ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ صبح و شام (ذکرِ الٰہی کرتے رہو) ان دو وقتوں کی فضیلت کی بنا پر اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد فکر کو قائم رکھ کر ہمیشہ ذکر کرنا ہے اور "بِالْغُدُوِّ" کا معنی یہ ہے کہ صبح کے اوقات میں ذکر کیا جائے [ اور "اصال"، "اُصُل" کی جمع ہے اور "اُصُل"، "اَصِیْل" کی جمع ہے اور وہ شام ہے ] ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے کھیل تماشا میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۰۶- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بے شک جو آپ کے رب کے پاس ہیں یعنی جو شرف وقرب سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں نہ کہ مکانیت اور مسافت کے اعتبار سے یعنی فرشتے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ وہ اس کی عبادت سے تکبر وغرور نہیں کرتے اور نہ وہ اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی سے بلند و بالا خیال کرتے ہیں ﴿وَيُسَبِّحُوْنَهٗ﴾ اور وہ اس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں سے منزہ و پاک تصور کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں ﴿وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾ اور وہ اسی کو سجدے کرتے ہیں اور وہ اسی اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

---

[1] علامہ نووی قدس سرہٗ نے ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی کی متضاد احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں ریاء کا خطرہ ہو یا ذکر جہر سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا نیند والوں کو تکلیف پہنچتی ہو (جیسے جہرِ مفرط کے ذکر میں) تو وہاں ذکرِ خفی افضل و بہتر ہے اور اگر یہ عوارض نہ ہوں تو ذکرِ جہر افضل و بہتر ہے اس لیے کہ ذکرِ جہر میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور ذکر جہر سے حسنِ سماعت دوسری طرف توجہ نہیں کرتی اور اس سے نیند بھی دور جاتی ہے اور اس سے روحانی کیف و سرور بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر روح البیان الجزء التاسع الاعراف:۲۰۵)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سورۃ الانفال مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی پچھتر آیات' دس رکوع ہیں

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ؕ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ ﴿۴﴾

اے محبوب! یہ لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرمادو کہ غنیمت کے تمام مال اللہ اور رسول کے لیے ہیں' سوتم اللہ سے ڈرتے رہو اور تم آپس میں صلح رکھو' اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو○ بے شک مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسا رکھتے ہیں○ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے وہ خرچ کرتے ہیں○ یہی سچے مؤمن ہیں' ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے○

## غزوۂ بدر سے متعلقہ احکام و مسائل کا بیان

۱- ﴿يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ﴾ وہ لوگ اموالِ غنیمت کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں' ''انفال'' ''نفل'' کی جمع ہے اور ''نفل'' سے مراد غنیمت کا مال ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی عطا سے حاصل ہوتا ہے اور ''انفال'' کا مطلب ہے: غنیموں کے مال۔

شانِ نزول: غزوۂ بدر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم کس طرح مال غنیمت تقسیم کریں اور اس کی تقسیم کا فیصلہ کس کے لیے ہوگا' مہاجرین کے لیے یا انصار کے لیے یا ان سب کے لیے؟ تو حضور سے کہا گیا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے ہے اور صرف وہی اس کا فیصلہ کریں گے اور وہ اس میں جو چاہیں گے فیصلہ کریں گے' ان کے علاوہ کسی کو اس کے فیصلے کا حق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو آیت مبارکہ میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ مخصوص ہے' اللہ تعالیٰ ہی اس کی تقسیم کا حکم صادر فرمائے گا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا اور رسول کریم ﷺ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور اس مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ کسی

اور شخص کی رائے کے سپرد نہیں کیا جائے گا ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ سو تم آپس کے اختلاف اور باہمی جھگڑوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ ﴿ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ﴾ اور تم آپس میں صلح رکھو اور اپنے احوال کی اصلاح کرو یعنی تمہارے ایک دوسرے کے ساتھ جو باہمی تعلقات ہیں انہیں درست کرو یہاں تک کہ تمہارے تعلقات کی بنیاد محبت و الفت اور اتفاق و اتحاد اور اخوت و بھائی چارے پر قائم ہو جائے اور علامہ زجاج نے کہا کہ "ذَاتَ بَیْنِكُمْ" کا مطلب ہے کہ تمہارا حقیقی اتحاد قائم ہو جائے اور "بین" کا معنی ملنا' جوڑنا اور متحد ہونا ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم نے تمہیں جو حکم سنایا ہے اس پر متفق و متحد ہو جاؤ۔

شانِ نزول: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب ہم اصحاب بدر مال غنیمت میں جھگڑے اور ایک دوسرے کو سخت سست کہا اور اس موقع پر ہمارے اخلاق بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل و کرم فرمایا کہ ہمارا اختلاف ہمارے دلوں سے سلب کر لیا اور مال غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قرار دے دیا اور آپ نے تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم فرما دیا ﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اموال غنائم وغیرہ میں تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس میں تم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی اطاعت کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ اگر تم ایمان دار ہو یعنی اگر تم کامل مؤمن ہو۔

## مؤمنوں کی صفات

۲- ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ بے شک مؤمن یعنی کامل ایمان دار ﴿ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اس کی عظمت و کبریائی اور جلال و ہیبت اور اس کی سلطنت و شہنشاہی کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے کامل مؤمنوں کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں ﴿ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ ﴾ اور جب ان پر اس کی یعنی قرآن کریم کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں ﴿ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا ﴾ ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور اس میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس میں ان کا یقین اور اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ دلائل کی پختگی قوتِ یقین اور اطمینانِ قلبی میں اضافہ کرتی ہے یا یہ کہ ان آیات کے نزول پر ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس لیے کہ وہ لوگ ان کے نزول سے پہلے ان کے احکام پر ایمان نہیں لائے تھے ﴿ وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد رکھتے ہیں اور وہ اپنے معاملات اپنے پروردگار کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

۳- ﴿ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے وہ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی صفات میں دل کے اعمال' خوف' اخلاص' توکل اور اعضاء کے اعمال' نماز اور صدقہ وغیرہ کو جمع کر دیا ہے۔

٤- ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں [ "حَقًّا" مصدر محذوف کی صفت ہے' دراصل "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ اِیْمَانًا حَقًّا" ہے یعنی یہی مؤمنین ہی ایمان کے سچے ہیں یا یہ خود مصدر ہے اور سابق جملہ "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ" کی تاکید ہے ] اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ کیا آپ مؤمن ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور جنت و دوزخ پر اور حشر و نشر پر اور حساب پر ایمان لانے کے بارے میں سوال

کرتا ہے تو یقیناً مؤمن ہوں اور اگر اس آیت مبارکہ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ '' میں صفات کے حامل مؤمن کے بارے میں تو مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ آیا میں ان میں سے ہوں یا نہیں ہوں؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ وہ سچا اور مخلص مؤمن ہے پھر اس نے اپنے بارے میں یہ گواہی نہیں دی کہ وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ صرف نصف آیت پر ایمان لایا ہے یعنی جس طرح یہ بات قطعی اور یقینی نہیں کہ وہ ثواب حاصل کرنے والے سچے اور مخلص مؤمنین میں سے ہے اسی طرح یہ بات بھی قطعی اور یقینی نہیں کہ واقعی وہ سچا اور مخلص مؤمن ہے' اور اسی سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مسلمان کو یوں کہنا چاہیے کہ میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو) مؤمن ہوں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہیں کہنا چاہیے (کہ اس سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے) چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت قتادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا کہ آپ اپنے ایمان میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی پیروی کرتا ہوں کہ ''وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ '' (الشعراء: ۸۲)'' اور (میرا رب) وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری بھول چوک پر مجھے بخش دے گا'' تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ کے اس قول کی پیروی کیوں نہیں کی کہ ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی '' (البقرہ: ۲۶۰)'' (جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے سوال فرمایا کہ) اور کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا: کیوں نہیں! میں تو مؤمن ہوں'' اور حضرت ابراہیم تیمی سے منقول ہے کہ تم یہ کہا کرو: ''اَنَـا مُؤْمِنٌ حَقًّـا '' میں سچا مؤمن ہوں' پھر اگر تم نے سچ کہا ہے تو اس پر ثابت قدم رہو اور اگر جھوٹ بولا ہے تو پھر تمہارا کفر تمہارے جھوٹ سے زیادہ سخت گناہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص منافق نہیں وہ سچا مومن ہے اور حضرت عبد اللہ نے حضرت احمد پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ حضرت احمد نے جواب دیا: میرا نام احمد ہے' تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا: کیا تم یہ کہتے ہو کہ میں سچ مچ احمد ہوں یا یہ کہ میں احمد ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا؟ انہوں نے فرمایا: میں سچ مچ احمد ہوں تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا: جب تمہارے والدین نے تمہارا نام رکھا تو تم اس میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمہارا نام مؤمن رکھا ہے تو اس میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کہتے ہو؟ ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ﴾ اعمال کی مقدار کے مطابق ان کے درجات و مراتب ایک دوسرے سے بڑھ کر اور بہتر سے بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین ہوں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ﴾ ان کے رب کے پاس اور مغفرت و بخشش ہوگی اور ان کی برائیوں سے درگزر کیا جائے گا ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور عزت کی روزی عنایت کی جائے گی جس میں کمانے کی محنت و مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا تھا' اور بے شک مؤمنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا O وہ حق واضح ہونے کے بعد آپ سے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے گویا وہ موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں O اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں غیر مسلح گروہ مل جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے O

## مدینہ منورہ سے بدر کی طرف روانگی

۵۔﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ ﴾ [اس میں حرف تشبیہ کاف اس بنا پر محلاً منصوب ہے کہ یہ فعلِ مقدر کا مصدر ہے] جس کی تقدیر عبارت (کا ترجمہ) اس طرح ہے کہ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ان مسلمانوں کے ناخوش ہونے کے باوجود مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے لیے مقرر و ثابت ہو چکا جس طرح کہ ان کے ناخوش ہونے کے باوجود آپ کا رب تعالیٰ آپ کو گھر سے (بدر کی طرف) نکال کر لے گیا تھا ﴿ مِنْۢ بَيْتِكَ ﴾ آپ کے گھر سے۔ اس گھر سے مدینہ منورہ میں آپ کی رہائش گاہ مراد ہے یا پھر مدینہ منورہ مراد ہے کیونکہ یہی آپ کی ہجرت گاہ اور مسکن بنا تھا اور یہ شہر آپ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو گیا ہے جس طرح گھر اپنے رہائش پذیر مالک کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ آپ کو حکمت و دانائی اور مبنی برحق فیصلے کے ساتھ متصف کر کے (گھر سے بدر کی طرف) برآمد کیا گیا تھا ﴿ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴾ اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا [یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حال میں آپ کو برآمد کیا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ دراصل اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ مال تجارت سے بہت بڑا منافع کما کر ملک شام سے (براستہ مدینہ منورہ) واپس آ رہا تھا اور اس قافلے میں چالیس سوار تھے جن میں ایک سردارِ قافلہ ابوسفیان تھا' حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سیّد عالم ﷺ کو قافلہ کی خبر دی اور آپ نے مسلمانوں کو یہ خبر سنائی' انہیں اس قافلے کو پکڑنے کی خوشی ہوئی کیونکہ مال بہت زیادہ تھا اور اس کے نگران بہت کم تھے' چنانچہ جب مسلمان اس کے تعاقب میں نکلے تو قریش مکہ کو اس کا علم ہو گیا اور ابوجہل اہل مکہ کی جنگجو جوانوں کی ایک بڑی جماعت کو لے کر روانہ ہوا اور یہ لشکر تمام لوگوں میں مشہور جنگجو افراد پر مشتمل تھا' نہ ان جیسے جنگجو قافلے میں تھے اور نہ کسی اور لشکر میں تھے' پھر جب ان کو بتایا گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ راستہ تبدیل کر کے ساحل سمندر سے ہوتا ہوا مسلمانوں سے صحیح و سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھ تمام لشکر کو لے کر بدر کی طرف چل پڑا اور یہ ایک پانی کا کنواں تھا جس کے پاس اہل عرب سال میں ایک دن خرید و فروخت کے لیے بازار لگا کر میلہ مناتے تھے اور (دوسری طرف) حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا: یا محمد (ﷺ)! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو گروہوں میں ایک پر فتح و نصرت کا وعدہ دیا ہے ابوسفیان کا قافلہ یا قریش کا لشکر' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ تمہیں قافلہ کو لوٹنا زیادہ پسند ہے یا لشکر کا مقابلہ کرنا؟ سب نے عرض کیا کہ بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے قافلے کو لوٹنا ہمیں زیادہ پسند ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا' پھر آپ نے ان کو جواب دیا اور فرمایا کہ قافلہ تو ساحل سمندر سے ہوتا ہوا گزر چکا ہے اور ابوجہل لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ چکا ہے' پھر صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قافلے کا

تعاقب کیجئے اور دشمن کے لشکر کو چھوڑ دیجئے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کو غضب ناک دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے ہوگئے اور ان دونوں حضرات نے بہترین تقریر کی اور آپ کو ہر طرح کا یقین دلایا' پھر حضرت سعد بن عبادہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے عزم اور ارادے کے مطابق عمل کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں' خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں اَبین (عدن کا بانی) کے عدن (شہر) تک لے جانا چاہیں تو انصار مدینہ میں سے کوئی شخص آپ سے پیچھے نہیں رہے گا' پھر حضرت مقداد بن عمرو نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اس پر عمل کیجئے اور آپ جس طرح چاہیں گے ہم آپ کا ساتھ دیں گے' ہم آپ سے ویسا نہیں کہیں گے جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' (المائدہ:۲۴) ''سو تم جاؤ اور تمہارا رب جا کر دشمنوں سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں'' لیکن ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر دشمنوں سے ضرور لڑیں اور ہم یقیناً ہر حال میں جب تک ہماری آنکھیں حرکت کرتی رہیں گی اور ہمارے جسموں میں جان رہے گی آپ کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ دشمنوں سے ضرور لڑیں گے' اس بات پر رسول اللہ ﷺ خوش ہو کر مسکرائے اور حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جو چاہتے ہیں کر گزریئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر آپ ہم سے سمندر میں کود جانے کا مطالبہ کریں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے اور ہمارا کوئی آدمی پیچھے نہیں ہٹے گا' آپ اللہ کی برکت پر ہمیں اپنے ساتھ لے کر چلئے' اس پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور حضرت سعد کی اس جاں نثارانہ گفتگو نے آپ کو بے حد مسرور کر دیا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی برکت پر بھروسا کر کے چلے چلو اور تمہیں یہ بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دو گروہوں میں سے ایک پر فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ابھی یہاں سے دشمن قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں[1] البتہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ'' (الانفال:۵) ''اور بے شک مسلمانوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا''۔ حضرت الشیخ ابومنصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ وہ منافق ہوں جو اپنے اعتقاد سے اس سے ناخوش ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مخلص مسلمان ہوں اور ان کی یہ ناخوشی طبعی اور غیر ارادی ہو کیونکہ وہ لوگ جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں نکلے تھے۔

٦۔ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ وہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں' حق سے مراد لشکر کفار سے جہاد کرنا ہے جس کے متعلق وہ آپ سے جھگڑتے تھے اور اس کے مقابلے میں قافلے کے پکڑنے کو ترجیح دیتے تھے ﴿بَعْدَمَا تَبَيَّنَ﴾ اس کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر انہیں خوشخبری سنا دی تھی کہ اس مقابلے میں ان کو ضرور فتح و نصرت عطا کی جائے گی اور ان کا جھگڑنا صرف یہی تھا کہ انہوں نے کہا تھا: ہم صرف قافلے کو لوٹنے کے لیے جا سکتے ہیں لیکن ہم لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں جا سکتے اور آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا کہ ہم تیار ہو کر نکلتے اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ وہ کفار سے لڑنا نہیں چاہتے تھے ﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے حال کو انتہائی گھبراہٹ کی وجہ سے اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو قتل گاہ کی طرف کھینچا جا رہا ہو اور اس کو بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اس کے اسباب مشاہدہ کر رہا ہو' اس کی طرف دیکھ رہا ہو جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ رہا ہو

1. سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۱۔ ۳۳

حالانکہ مسلمانوں کو فتح وکامرانی اور مال غنیمت کے حصول کی طرف لے جایا جارہا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنے لشکر کی کمی کی وجہ سے خوف وڈر لاحق ہوگیا تھا اور اس لیے بھی کہ سواریاں ان کے پاس نہیں تھیں' وہ سب لوگ پیدل جا رہے تھے' صرف دو سوار تھے اور بس۔

۷۔﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے [اس آیت مبارکہ میں ''اِذْ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ'' مفعولِ ثانی اور ''اَنَّهَا لَكُمْ'' اس سے بدل ہے] اور دو گروہوں سے مراد ایک ابوسفیان کا قافلہ' دوسرا ابوجہل کا جنگجو لشکر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اَنَّ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ لَكُمْ'' اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ بے شک ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لیے ہے ﴿ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ﴾ اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہیں مل جائے اور ''ذات الشوکۃ'' کا مطلب ''ذات السلاح'' ہے یعنی ہتھیار والا گروہ اور ہتھیار تو ابوجہل کے لشکر کے پاس تھے' تعداد بھی ان کی زیادہ تھی اور ان کی تیاری بھی مکمل تھی یعنی تمہاری آرزو یہ تھی کہ تمہیں قافلہ مل جائے کیونکہ اس گروہ کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور تم دوسرا گروہ نہیں چاہتے تھے ﴿ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ حق کو سچا کردے یعنی وہ حق کو ثابت کردے اور اس کو بلند وغالب کردے ﴿ بِكَلِمٰتِهٖ ﴾ اپنی ان آیات کے ساتھ جو مسلح جنگ کے بارے میں نازل ہوئیں اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مسلمانوں کی فتح ونصرت کے لیے نازل کیا تھا اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقتولوں کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کا فیصلہ کیا تھا ﴿ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور کافروں کی مکمل جڑ کاٹ دے اور ''دابر'' کا معنی آخر ہے' یہ ''دبر'' سے اسم فاعل ہے' جب کوئی پیٹھ دے کر چل پڑے اور قطع دابر سے مراد ان کا مکمل خاتمہ ہے یعنی تم نقد فائدہ چاہتے ہو اور ہلکے پھلکے کام چاہتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کارنامے اور حق کی مدد اور دین اسلام کی سربلندی چاہتا ہے اور ان دو مرادوں میں کتنا فرق ہے اس لیے اس نے تمہارے لیے مسلح گروہ کو اختیار فرمایا اور ان کی طاقت تمہاری کمزوری سے توڑ دی اور تمہیں عزت بخشی اور ان کو ذلیل کیا۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ
فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ
اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ع ۲ ۱۵
لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ
بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١

تاکہ وہ حق کو سچا ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ مجرم ناخوش ہوں ۝ (اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے

رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں یقیناً ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گاO اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر بشارت تا کہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں' اور مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہےO وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تم پر نیند طاری کر دی جو اس کی طرف سے تسکین تھی اور تم پر آسمان سے بارش نازل کی تا کہ تمہیں اس کے ساتھ پاک کر دے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دےO

۸-﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ﴾ [لام "یقطع" کے متعلق ہے یا محذوف کے متعلق] تقدیر یوں ہے: "لِيُحِقَّ الْحَقَّ" یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کر دے ﴿وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور باطل کو مٹا دے اور مقدر مؤخر ہے تا کہ اختصاص کا فائدہ دے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دو مقاصد کے لیے یہ کام کیا ہے اور وہ اسلام کا اثبات اور اس کا غلبہ ہے اور کفر کا ابطال اور اس کا مکمل خاتمہ ہے اور لہٰذا یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلا دو ارادوں کے درمیان فرق واضح کرنا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مراد کا بیان ہے کہ اس نے غیر مسلح گروہ پر مسلح گروہ کو مسلمانوں کے لیے کیوں منتخب فرمایا اور کافروں پر ان کو مدد و نصرت کا وعدہ کیوں فرمایا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور اگر چہ مشرکین ان کو ناپسند کریں (یعنی مجرمین سے مشرکین مراد ہیں)۔

## مسلمانوں کی فریاد پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ

۹-﴿إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾ یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے [یہ "اِذْ يَعِدُكُمْ" سے بدل ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ" کے متعلق ہے] اور مسلمانوں کی فریاد یہ تھی کہ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ جنگ لازمی ہو گئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے اور عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے دشمن پر فتح و نصرت عطا فرما' اے فریادیوں کے فریاد رس! تو ہماری مدد فرما اور یہ مدد طلب کرنا ہے اور یہ ناگوار عمل سے خلاصی حاصل کرنے کی طلب ہے ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ سو اس نے تمہاری فریاد قبول فرمائی ﴿أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ﴾ [اور یہ اصل میں "بِاَنِّيْ مُمِدُّكُمْ" ہے' حرف جار حذف کر کے اس پر "فَاسْتَجَابَ" کو مسلط کر دیا گیا ہے' لہٰذا یہ محلاً منصوب ہے] یعنی بے شک میں تمہاری مدد کروں گا ﴿بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ لگاتار آنے والے ایک ہزار فرشتے سے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں "مُرْدَفِيْنَ" (دال پر زبر کے ساتھ) ہے] بہر حال کسرہ (زیر) کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ فرشتوں نے اپنے غیر کو آگے کر دیا اور خود پیچھے رہے اور فتح (زبر) کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہر فرشتے کو لگاتار اور مسلسل ایک دوسرے فرشتے کے پیچھے بھیجا جاتا رہا اور جب کوئی شخص کسی کے پیچھے چلے تو "رَدِفَهٗ" کہا جاتا ہے اور جب تم کسی کو کسی شخص کے پیچھے لگا دو گے تو کہا جائے گا "اَرْدَفْتَهٗ اِيَّاهُ" کہ تم نے فلان کو اس کے پیچھے لگا دیا۔

۱۰-﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ﴾ یعنی اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو جس پر "مُمِدُّكُمْ" دلالت کرتا ہے نہیں بنایا ﴿إِلَّا بُشْرٰى﴾ مگر تمہارے لیے بشارت و خوشخبری بنا دیا ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور تا کہ تمہارے دل اس کے ذریعے مطمئن ہو جائیں یعنی بے شک تم نے اپنی قلت کی وجہ سے فریاد کرتے ہوئے مدد طلب کی اور گڑگڑا کر عاجزی کے ساتھ دعا مانگی تو فرشتوں کی امداد کو تمہارے لیے بشارت بنا دیا اور اس کو تم میں سے ہر ایک کے لیے باعثِ سکون و اطمینان بنا دیا اور اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط و مستحکم بنا دیا ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور حقیقی امداد فرشتوں وغیرہم سے نہیں یہ تو امداد کے ظاہری اسباب ہیں مگر حقیقی امداد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور منصور و کامیاب وہی ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ امداد فرماتا ہے۔

تنبیہ: غزوۂ بدر کے دن فرشتوں کے لڑنے میں اختلاف ہے' چنانچہ بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو

فرشتوں کے ساتھ لشکرِ اسلام کے دائیں حصے میں شامل ہوئے تھے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکرِ اسلام کے بائیں حصے میں شامل ہو گئے تھے جس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ سب فرشتے مردوں کی شکل میں سفید لباس اور سفید عمامے پہنے ہوئے نازل ہوئے تھے جن کے شملے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے اور انہوں نے لشکرِ اسلام کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی تھی یہاں تک کہ ابوجہل نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا کہ یہ کوڑے مارنے کی آواز کہاں سے آتی ہے؟ ہم آواز تو سنتے ہیں مگر ہمیں کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ یہ آواز فرشتوں کی طرف سے آتی تھی' اس پر ابوجہل نے کہا: پھر تو فرشتوں نے ہمیں شکست دی ہے تم نے نہیں دی اور بعض اہل علم نے کہا کہ فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا' وہ تو صرف لشکرِ اسلام کی تعداد بڑھانے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے شریک ہوئے تھے ورنہ ایک فرشتہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور وہی اپنے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ وہ بڑا دانا ہے' اپنے دشمنوں کو مقہور و مغلوب کر دیتا ہے۔

## مسلمانوں کے لیے انعامات اور کفار کو قتل کرنے کے سبب کا بیان

۱۱- ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ﴾ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نیند سے تمہیں گھیر دیا [یہ ظرف ''اِذْ يَعِدُكُمْ'' سے دوسرا بدل ہے یا ''نصر'' سے (مفعول ہونے کی بنا پر) منصوب ہے یا ''اُذْكُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''يُغْشِيكُمْ'' (غین ساکن اور شین بغیر شد کے) ہے اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''يَغْشَاكُمْ'' ہے اور دونوں قراءت میں اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے (کیونکہ وہی مسلمانوں پر نیند طاری کرنے والا تھا)] اور ''نعاس'' کا معنی ہلکی نیند یعنی اونگھ ہے لیکن یہاں نیند مراد ہے ﴿اَمَنَةً﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی جب تم امن کی وجہ سے سو گئے تھے' یہ بہ معنی امن کے ہے یعنی تم پر امن طاری کر دیا [یا پھر یہ مصدر ہے] یعنی تم امن کے ساتھ امن کی نیند سو گئے تھے کیونکہ نیند رعب و خوف کو زائل کر دیتی ہے اور دل و جان کو راحت و سکون پہنچاتی ہے ﴿مِّنْهُ﴾ یہ اس کی صفت ہے یعنی ایسا امن و سکون جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا ﴿وَيُنَزِّلُ﴾ [قاری ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری نے اس کو تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) پڑھا اور ان کے علاوہ نے مشدد (باب تفعیل سے) پڑھا ہے] اور اسی نے نازل کیا تھا ﴿عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ تم پر آسمان سے پانی یعنی بارش ﴿لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ وہ تمہیں حدث (بے وضو ہو جانے کی ناپاکی) اور جنابت (احتلام و جماع کی ناپاکی) کو دور کر دے ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ اور وہ تم سے شیطان کی نجاست یعنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کے وسوسوں اور ان کو پیاس کا خوف دلانے اور احتلام کی نجاست کو دور کر دے کیونکہ یہ سب شیطانی خطرات تھے جو اس نے وسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیئے تھے اور شیطان نے یہ وسوسہ بھی ڈالا کہ احتلام کی ناپاکی کے ساتھ ان کو فتح و نصرت نہیں ملے گی ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تاکہ تمہارے دل صبر کے ساتھ مضبوط کر دے ﴿وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ اور اس کے ساتھ یعنی پانی کے ساتھ تمہارے قدم جما دے کیونکہ بارش سے پہلے مسلمانوں کے قدم ریت میں گھس جاتے تھے یا یہ معنی ہے کہ ربط کے ساتھ قدم جما دے کیونکہ جب دل میں صبر پختہ ہو جاتا ہے تو میدان جنگ میں قدم مضبوط ہو جاتے ہیں۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو' میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا' سوتم کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان میں سے ہر ایک کی پور پور پر کاری ضرب لگاؤO یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہےO سو تم اب یہ (عذاب) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہےO اے ایمان والو! جب تم کافروں کے لشکر سے لڑو تو ان کو پیٹھ دکھا کر مت بھاگناO

۱۲- ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ بے شک میں مدد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہوں' سو تم مسلمانوں کو خوشخبری سنا کر ثابت قدم رکھو چنانچہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اسلامی فوج میں صف کے آگے آگے چلتا اور کہتا کہ مسلمانو! تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارا مددگار ہے [''اِذْ يُوحِي'' تیسرا بدل ہے ''اِذْ يَعِدُكُمْ'' سے یا پھر'' يُثَبِّتَ'' سے منصوب ہے] ﴿سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا یعنی ان کے دلوں کو خوف سے بھر دوں گا جس سے وہ مرعوب ہو جائیں گے [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلرُّعُبَ'' (عین پر پیش) ہے] ﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ﴾ کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو' یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ کافروں کی گردنیں اڑا دو یا پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ کافروں کی گردنوں پر مارو اور اس صورت میں یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتوں نے غزوۂ بدر میں قتال و جنگ کی تھی' اور گردنوں کے اوپر مارنے کا مقصد یہ ہے کہ ذبح ہونے کی جگہوں پر مارنا تاکہ ان کے سر ان کے جسموں سے کٹ کر الگ ہو جائیں یا پھر خود سر مراد ہیں کیونکہ وہ گردنوں کے اوپر ہوتے ہیں یعنی ان کے سروں اور ان کی کھوپڑیوں پر مارو ﴿وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ اور ان کی ہر ایک پور پر کاری ضرب لگاؤ'' بنان'' کا معنی انگلیاں ہے مراد اعضاء و اطراف ہے اور معنی یہ ہے کہ تم ان کی قتل کرنے کی جگہوں پر بھی مارو اور جسم کے باقی اعضاء پر بھی مارو کیونکہ ضرب اور مار یا تو قتل کرنے کی جگہ پر پڑے گی یا پھر اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر پڑے گی تو اس لیے مسلمانوں کو یا فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں قسموں کو جمع کر کے ان کو مارو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

۱۳- ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی' ''ذَٰلِكَ'' سے اس مار اور قتل و غارت اور سزا کی طرف اشارہ ہے جو بدر میں ان پر پڑی تھی [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' ہے] یعنی یہ سزا ان پر اس لیے پڑی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

یعنی ان کی مشاقت ومخالفت کے سبب یہ سزا انہیں ملی تھی [اور ''شَاقُّوْا''، ''مُشَاقَّةٌ'' سے مشتق ہے اور ''مُشَاقَّةٌ''، ''شِقٌّ'' سے مشتق ہے] کیونکہ دو دشمنوں میں سے ہر ایک اپنے مدمقابل کی مخالف جانب میں ہوتا ہے اور اسی طرح مخالفت ومخاصمت میں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی عداوت ودشمنی میں یعنی مخالفت کی جانب میں ہوتا ہے اور وہ بھی عداوت ودشمنی میں ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور ''ذٰلِكَ'' میں خطاب رسول اکرم ﷺ کے لیے ہے یا پھر ہر ایک کے لیے ہے۔

۱۴۔﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ یہ تمہاری سزا ہے' سو تم اسے چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے [ اور ''ذٰلِكُمْ'' میں بطور التفات کفار کی طرف اشارہ ہے اور اس کا اعرابی محل رفع ہے اس بنا پر کہ ''ذٰلِكُمُ الْعِقَابُ'' ہے یا ''اَلْعِقَابُ ذٰلِكُمْ'' ہے (یعنی پہلی صورت میں مبتدا دوسری میں خبر ہے) اور ''وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ'' میں واؤ بہ معنی ''مَعَ'' ہے یعنی یہ دنیا کا عذاب چکھو' اس کے ساتھ دوزخ کا عذاب تمہیں آخرت میں ملے گا' پس اسم ظاہر (لِلْكٰفِرِيْنَ) کو اسم ضمیر (لَهُمْ) کی جگہ رکھا گیا ہے ]۔

## مسلمانوں کے لیے چند لازمی آداب کا بیان

۱۵۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ اے ایمان والو! جب تم کافروں کے کسی بڑے لشکر سے لڑو [''زَحْفًا''، ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے حال ہے ] اور ''زحف'' اس بڑے لشکر کو کہا جاتا ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے دور سے دیکھا جائے گویا وہ دشمن کی طرف بڑھ رہا ہے یعنی آہستہ آہستہ چل رہا ہے یہ ''زَحَفَ الصَّبِيُّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بچہ آہستہ آہستہ سرین کے بل پر چل پڑے [اور اس کو مصدر قرار دیا گیا ہے ] ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ سو تم ان کو پیٹھ دے کر نہ مڑو یعنی ان سے شکست کھا کر نہ بھاگو یعنی جب تم لڑائی کے لیے دشمن سے ملو اور وہ بہت زیادہ ہوں اور تم بہت تھوڑے ہو تو ان سے نہ بھاگو چہ جائے کہ تم تعداد میں ان کے برابر ہو یا ان کی تعداد کے قریب ہو [ یا ''اَلْمُؤْمِنِيْنَ'' سے حال ہے یا فریقین سے حال ہے ] یعنی جب تم دشمن سے لڑو دراں حالیکہ وہ اور تم آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو چکے (تو اس وقت ان کو پیٹھ دے کر نہ بھاگو)۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور اس دن جو پیٹھ دے کر واپس مڑے گا سوائے اس کے کہ وہ حملہ کرنے کے لیے پہلو بدلتا ہو یا اپنی جماعت میں ملنا چاہتا ہو تو یقیناً وہ اللہ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے ○ سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا' اور (اے محبوب!) جب آپ نے مٹی پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی لیکن وہ اللہ نے پھینکی تھی' اور تاکہ اللہ اس سے مسلمانوں کو بہترین انعام عطا فرمائے' بے شک اللہ سب کچھ سننے والا' بہت جاننے والا ہے ○ یہ ہے (تمہارا

ایک انعام) اور بے شک اللہ کافروں کے فریب کو کمزور کرنے والا ہے O

۱٦- ﴿ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ ﴾ اور اس دن جو شخص ان کو پیٹھ دے گا ماسوا اس کے کہ وہ لڑنے کے لیے لوٹنے والا ہو اور وہ یہ کہ فرار کے بعد وہ دوبارہ حملہ کرنا چاہتا ہوتا کہ اس کا دشمن یہ خیال کر لے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اب واپس نہیں آئے گا اور وہ مطمئن و غافل ہو جائے پھر یہ اس پر حملہ کر دے اور یہ جنگ کی ایک چال ہوتی ہے جسے ''خدع الحرب'' کہا جاتا ہے ﴿ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ ﴾ یا وہ مسلمانوں کی جماعت سے ملنا چاہتا ہے جو اس گروہ کے علاوہ ہے جس میں وہ موجود تھا [اور یہ دونوں ''یُوَلِّهِمْ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہیں] ﴿ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ تو بے شک وہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب میں لوٹ آیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے [اور ''مُتَحَيِّزٌ'' کا وزن ''مُتَفَيْعِلٌ'' ہے ''مُتَفَعِّلٌ'' نہیں ہے کیونکہ وہ ''حازَ يَحُوْزُ'' سے مشتق ہے' لہٰذا ''مُتَفَعِّلٌ'' کا صیغہ اس سے ''مُتَحَوِّزٌ'' آئے گا]۔

۱۷- اور جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اہل مکہ کی قوت توڑ دی اور بہت سے کافروں کو قتل کیا اور بہت سے کافروں کو قید کیا اور ان میں سے کسی کہنے والے نے فخر سے کہا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا تو ان سے کہا گیا کہ ﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ﴾ سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا ہے [اس میں فا شرطِ محذوف کا جواب ہے] جس کی تقدیرِ عبارت (کا ترجمہ) اس طرح ہے: اگر تم نے ان کو قتل کر کے فخر کیا ہے تو سن لو! ان کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے' اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے مبارک ہاتھ میں مٹھی بھر مٹی لیں اور اس کو کفار کی طرف پھینک دیں تو آپ نے مٹی اٹھائی اور کفار کے چہروں کی طرف پھینک دی اور فرمایا: ''شَاهَتِ الْوُجُوْهُ'' چہرے سیاہ ہو جائیں' چنانچہ تمام مشرکین کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور وہ شکست کھا گئے تو آپ سے کہا گیا: ﴿ وَمَا رَمَيْتَ ﴾ ''يَا مُحَمَّدُ''[1] اور اے محمد (ﷺ)! آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی ﴿ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ جب آپ نے پھینکی تھی لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی یعنی بے شک وہ کنکریاں جو آپ نے پھینکی تھیں وہ حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکی تھیں کیونکہ بنی نوع انسان کی طرح اگر آپ نے وہ کنکریاں پھینکیں ہوتیں تو اس کا اثر وہاں تک نہ پہنچتا جہاں تک اس کا اثر پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں پھینکی تھیں اس لیے اتنا بڑا اثر ہوا اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا بیان ہے کہ بندے کا عمل اس کی طرف کسب اور محنت کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے اور وہ عمل تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا جبریہ اور معتزلہ فرقوں نے کہا ہے کیونکہ یہ لوگ ''اِذْ رَمَيْتَ'' سے فعل بندے کے لیے ثابت کرتے ہیں پھر ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' اور ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ'' سے بندے سے عمل اور فعل کی نفی کرتے ہیں اور یہی فعل و عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کر دیتے ہیں [اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لٰكِنْ'' تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے اور اس کے بعد مرفوع (پیش کے ساتھ) یعنی ''وَلٰكِنِ اللّٰهُ قَتَلَهُمْ'' ''وَلٰكِنِ اللّٰهُ رَمٰى'' ہے (دونوں جگہ لفظ اللہ کے آخر پر پیش ہے)] ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنے فضل و کرم سے بہترین انعام عطا فرمائے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کرنے کے لیے جو کچھ کیا ہے (جیسے نیند طاری کرنا' بارش برسانا' ثابت قدمی عطا فرمانا اور فرشتوں کا بھیجنا) یہ محض ان پر انعام فرمانے کے

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ ج۹ ص ۲۰۵

لیے کیا ہے [اور یہاں "لِيُبْلِيَ" بہ معنیٰ "لِيُعْطِيَ" ہے اور "بَلَآءً حَسَنًا" بہ معنیٰ "عَطَآءً جَمِيْلًا" ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۸- ﴿ذٰلِكُمْ﴾ [یہ "بَلَآءً حَسَنًا" کی طرف اشارہ ہے اور اس کا اعرابی محل رفع ہے] یعنی مقصود و مراد یہی تھا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر وفریب کو کمزور کرنے والا ہے [یہ جملہ "ذَالِكُمْ" پر معطوف ہے] یعنی مقصود و مراد یہی تھا کہ مسلمانوں کو انعام سے نوازا جائے اور کافروں کی سازش کمزور و ختم کی جائے [ابن عامر شامی اور امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں "مُوَهِّنُ" (یعنی واؤ مفتوح اور "ھا" مشدد مفتوح کے ساتھ) ہے اور امام حفص کی قراءت میں "مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِيْنَ" (واؤ ساکن "ھا" مکسور مضاف اور "کید" مجرور) ہے باقی قراء کی قراءت میں "مُوَهِّنٌ كَيْدَ" (یعنی واؤ مفتوح "ھا" مشدد مفتوح اور نون پر تنوین "کَیْدَ" منصوب) ہے]۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا
نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ
تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ ۚ ۖ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ
شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ
اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

اگر تم غلبہ چاہتے تھے تو بے شک تم پر غلبہ ہو چکا' اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم دوبارہ جنگ کرو گے تو ہم دوبارہ شکست دے دیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی اگرچہ بہت بڑی ہو' اور بے شک اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے O اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو حالانکہ تم سنتے ہو O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے O بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے O اور اگر اللہ کے علم کے مطابق ان میں کچھ بھلائی ہوتی تو وہ ضرور ان کو سنا دیتا' اور اگر وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور منہ پھیر کر پلٹ جاتے O

۱۹- ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ اگر تم فتح ونصرت چاہتے تھے تو بلاشبہ تمہارے پاس فتح ونصرت آ چکی اور یہ اہل مکہ کو خطاب ہے کیونکہ انہوں نے جب مکہ مکرمہ سے کوچ کرنا چاہا تو کعبہ معظّمہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گئے اور انہوں نے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں تو تو ان کی مدد فرما اور اگر ہم حق پر ہیں تو تو ہماری مدد فرما [اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا" سے مؤمنوں کو خطاب ہے اور "اِنْ تَنْتَهُوْا" کافروں کے لیے خطاب ہے] ﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اور اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت و دشمنی سے باز آ گئے تو یہ باز آ جانا تمہارے لیے بہتر ہے اور سلامتی و عافیت ہے ﴿وَاِنْ تَعُوْدُوْا﴾ اور اگر تم رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم سے دوبارہ جنگ کرو ﴿نَعُدْ﴾

تو ہم تمہارے خلاف ان کی دوبارہ مدد فرمائیں گے ﴿ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ﴾ اور تمہاری جماعت تمہیں ہرگز کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اگر چہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہو ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کے لیے مؤمنوں کے ساتھ ہے [قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''اَنَّ'' کا ہمزہ مفتوح ہے ] یعنی اور اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہے [اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''اِنَّ'' کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کی تائید حضرت عبداللہ کی قراءت سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے: ''وَاللّٰهُ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ''].

## مسلمانوں کے لیے تنبیہات

۲۰۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم رسول اللہ ﷺ سے روگردانی نہ کرو کیونکہ اصل معنی یہ ہے کہ تم رسول اللہ کی اطاعت کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ'' (التوبہ:۶۲) ''اور اللہ اور اس کے رسول کا زیادہ حق ہے کہ وہ اسے راضی کرتے'' اور اس لیے بھی کہ رسول اکرم کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایک چیز ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' [پس ضمیر کا ان میں سے ایک کی طرف لوٹانا اس طرح ہے جس طرح ان دونوں کی طرف لوٹانا ہے جیسے تمہارا یہ قول ''اَلْاِحْسَانُ وَالْاِجْمَالُ لَا يَنْفَعُ فِيْ فُلَانٍ'' یا ''عَنْهُ'' کی ضمیر اطاعت کے امر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس حکم سے اور اس کی مانند دیگر احکام سے روگردانی نہ کرو اور ''وَلَا تَوَلَّوْا'' کی اصل ''وَلَا تَتَوَلَّوْا'' ہے' پھر تخفیف کے لیے دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے ] ﴿ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ [اصل میں ''وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَهٗ'' ہے ] یعنی حالانکہ تم اس کو سنتے بھی ہو یا پھر یہ معنی ہے کہ اور تم رسول اللہ ﷺ سے روگردانی نہ کرو اور نہ ان کی مخالفت کرو حالانکہ تم سنتے ہو یعنی تم تصدیق کرتے ہو کیونکہ تم مؤمن ہو' تم کافروں میں سے تکذیب کرنے والے بہرے گونگے لوگوں کی طرح نہیں ہو۔

۲۱۔﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا یعنی انہوں نے سماعت کا دعویٰ کیا اور وہ منافقین اور اہل کتاب ہیں ﴿ وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ نہیں سنتے کیونکہ وہ لوگ دل سے تصدیق نہیں کرتے تو گویا وہ نہیں سنتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم قرآن مجید اور نبوت کی تصدیق کرتے ہو لیکن جب تم بعض معاملات میں اموالِ غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے متعلق رسول اکرم کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہو تو تمہارا سننا اس شخص کے سننے کی طرح ہو جاتا ہے جو ایمان نہیں لاتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۲۲۔﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں' جو عقل سے کام نہیں لیتے یعنی روئے زمین پر چلنے والے جان داروں میں سے بدترین چوپائے ہیں اور بے شک چوپایوں سے بھی بدترین وہ لوگ ہیں جو حق سے بہرے ہیں' جو حق کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے انہیں چوپایوں کی جنس میں سے قرار دیا ہے' پھر ان کو چار پایوں میں بدترین قرار دے دیا کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر عناد سے کام لیا اور فہم و فراست اور عقل و دانش رکھنے کے باوجود تکبر کیا۔

۲۳۔﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان بہرے گونگے لوگوں میں ﴿ خَيْرًا ﴾ سچائی اور دینی رغبت ہوتی ﴿ لَّاَسْمَعَهُمْ ﴾ تو وہ ضرور انہیں سنا دیتا اور اور انہیں سننے والا بنا دیتا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی تصدیق کرنے والوں کی طرح سنتے ﴿ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا تو وہ اس سے ضرور پھر جاتے یعنی اور

اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا اور وہ لوگ تصدیق بھی کر دیتے لیکن وہ اس کے بعد دین حق سے مرتد ہو جاتے اور حق پر قائم نہ رہتے ﴿وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ اور وہ روگردانی کرنے والے لوگ تھے۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ ۚ |
| وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوۡا |
| فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ |
| الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾ |

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے' اور جان لو بے شک اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بے شک تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور تم اس عذاب سے ڈرتے رہو جو مخصوص انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے' اور جان لو! بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

---

۲۴-﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا حکم بجالاؤ جب تمہیں رسول کریم بلائیں [اور یہاں ''اِذَا دَعَا'' میں بھی واحد کی ضمیر استعمال کی گئی ہے جیسا کہ اس سے پہلے (''وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ'' میں) واحد کی ضمیر لائی گئی تھی] کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کی طرح ہے اور استجابت سے اطاعت وفرماں برداری مراد ہے اور دعوت سے ترغیب وتحریک دینا مراد ہے ﴿لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ﴾ اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشے جیسے دین و مذہب کے عقائد حقہ اور اعمال صالحہ اور دیگر شرعی احکام کے علوم کیونکہ علم زندگی ہے جیسا کہ جہالت موت ہے۔ شاعر نے کہا:

لَا تُعۡجِبَنَّ الۡجَهُوۡلَ حُلَّتُهٗ فَذَاكَ مَيِّتٌ وَثَوۡبُهٗ كَفَنٌ

''اس کا لباس جہالت کو خوشنما نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ مردہ ہے اور اس کا لباس کفن ہے''۔

یا یہ معنی ہے کہ جب رسول کریم تمہیں کفار سے جہاد کرنے کے لیے بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ کیونکہ اگر کفار کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے لیے بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ'' (آل عمران:۱۶۹) ''بلکہ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں'' ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ﴾ اور جان لو! بے شک اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یعنی اس کے دل کو موت دے دیتا ہے' جس کی وجہ سے اس کی وہ فرصت جو اسے حاصل تھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دل کو خالص کرنے پر قدرت واختیار کے لمحات ہیں' لہٰذا تم اس فرصت کو غنیمت جانو اور تم اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے خالص کر لو یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا اور دراز زندگی گزارنے کے لیے اس کے دل کی آرزوؤں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام عزائم اور منصوبے دھرے رہ جاتے ہیں ﴿وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ﴾ اور یقین رکھو کہ بے شک تم سب اس کے حضور جمع کیے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے دلوں کی

سلامتی اور اطاعت کے اخلاص کے مطابق تمہیں ثواب عنایت فرمائے گا۔

۲۵۔﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ﴾ اور تم ڈرو اس عذاب سے جو تم میں صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا' یہاں فتنہ سے مراد عذاب ہے اور یہ جواب امر ہے یعنی اگر عذاب تمہیں پہنچے تو تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا بلکہ وہ تم سب کو پہنچے گا [اور ممکن ہے کہ نون مؤکدہ جوابِ امر میں داخل ہو کیونکہ اس میں نہی کا معنی پایا جاتا ہے جیسے تم کہو: ''اِنْزِلْ عَنِ الدَّآبَّةِ لَا تَطْرَحْكَ'' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''لَا تَطْرَحَنَّكَ'' یعنی چوپائے (سواری) سے نیچے اتر آ' وہ تجھے نہیں گرائے گی اور ''مِنْكُمْ'' میں حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] ﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور جان لو! بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے جب وہ کسی کو عذاب دیتا ہے۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع ۳ ۱۷

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے' زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے' تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچانک اٹھا لے جائیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت دی اور تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا تاکہ تم شکر ادا کرو○ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو○ اور جان لو! بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں' اور بے شک اللہ کے نزدیک بہت بڑا اجر و ثواب ہے○

۲۶۔﴿ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ﴾ اور یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے سے تھے [ ''اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ'' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] ''اَیْ وَاذْكُرُوْا وَقْتَ كَوْنِكُمْ اَقِلَّةً اَذِلَّةً'' یعنی وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں بالکل تھوڑے سے تھے ﴿ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ تم ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ مکرمہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ قریش مکہ اپنے غلبہ اور کثرت کی وجہ سے تمہیں کمزور و ماتحت سمجھتے تھے ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے کیونکہ وہ لوگ (قریش مکہ) تمہارے دشمن اور مخالف تھے ﴿ فَاٰوٰىكُمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدینہ منورہ میں پناہ دی ﴿ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد یعنی انصار مدینہ کی امداد اور فرشتوں کی امداد سے بدر کے دن تمہاری قوت و طاقت بڑھا دی اور تمہیں فتح و نصرت عطا فرما دی ﴿ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور اس نے تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق عنایت فرمایا کہ تمہیں اموال غنیمت عطا فرمائے جو صرف تمہارے لیے حلال کیے گئے ورنہ تم سے پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرو۔

۲۷۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے خیانت نہ کرو۔ وہ اس طرح کہ تم اس کے فرائض کو معطل کر دو اور ان پر عمل کرنا ترک کر دو ﴿ وَالرَّسُوْلَ ﴾ اور نہ رسول کریم سے خیانت کرو کہ تم ان کی سنتوں

پر عمل کرنا چھوڑ دو اور خلاف سنت کام کرنے لگ جاؤ ﴿ وَتَخُوْنُوْٓا ﴾ [یہ مجزوم ہے اور'' لَا تَخُوْنُوْا '' پر معطوف ہے یعنی ''وَلَا تَخُوْنُوْا''] ﴿ اَمٰنٰتِكُمْ ﴾ اور تم اپنی امانتوں میں یعنی آپس میں ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور وہ اس طرح کہ تم ان کی حفاظت نہ کرو ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم اس کے تاوان اور وبال کو جانتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم جانتے ہو کہ یقیناً تم خیانت کرتے ہو یعنی خیانت قصداً اور جان بوجھ کر ہوتی ہے بھول کر خیانت نہیں ہوتی یا یہ معنی ہے کہ تم علم والے ہو' ہر اچھی چیز کی اچھائی کو اور ہر بُری چیز کی برائی کو خوب جانتے ہو اور ''خَوْنٌ'' کا معنی کسی چیز کو کم کرنا ہے جیسا کہ ''وفا'' کا معنی پورا کرنا ہے' اسی سے ''تَخُوْنَہٗ'' ہے جب تم اس کو کم کر دو' پھر اس کو امانت اور وفا کی ضد میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جب تم کسی آدمی کے مال میں خیانت کرو گے تو یقیناً تم اس کے مال کا نقصان کرو گے اور اس میں کمی کے مرتکب ہوں گے۔

۲۸- ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ اور جان لو کہ بے شک تمارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں یعنی یہ چیزیں آزمائش میں مبتلا ہونے کا سبب ہیں اور وہ گناہ اور عذاب ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں کہ وہ تمہیں آزماتا ہے کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حدود و احکام کی کس طرح حفاظت کرتے ہو ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر و ثواب ہے' پس تم پر لازم ہے کہ اس کی طلب میں حرص کرو اور دنیا کی حرص چھوڑ دو اور مال کے جمع کرنے میں اور اولاد کی محبت میں حرص نہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے کے لیے فتح و نصرت مقرر کر دے گا اور وہ تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بڑا فضل والا ہے O اور اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں' اور وہ تو سازش کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر فرما رہا تھا' اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے O اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتیں تو کہتے: بے شک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہتے تو اس طرح ہم بھی کہہ لیتے' یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O

## تقویٰ کی اہمیت اور کفار کی سازشیں

۲۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے (اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو گے) تو وہ تمہارے لیے فتح و نصرت کو مقرر فرما دے گا کیونکہ یہی نصرتِ الٰہی اہل اسلام کو معزز و کامیاب کر کے اور اہل کفر کو ذلیل و مغلوب کر کے حق اور کفر کے درمیان فرق واضح کر دیتی ہے یا یہ معنی ہے کہ اگر تم اللہ سے

ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے واضح اور کھلم کھلا غلبہ مقرر کر دے گا جس سے تمہارا مشن مشہور ہو جائے گا اور تمہاری آواز اور تمہارے کارنامے تمام روئے زمین میں پھیل جائیں گے' اہل عرب کا قول ہے: ''سطع الفرقان'' یعنی فجر طلوع ہوگئی یا یہ معنی ہے کہ اگر تم تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے تمام شبہات سے نکلنے کے لیے راستہ مقرر فرما دے گا اور تمہارے سینوں کو کھول دے گا یا یہ معنی ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے درمیان اور تمہارے علاوہ غیر مذاہب کے درمیان تمہیں ممتاز فرما دے گا اور تمہیں دنیا و آخرت میں فضیلت وعظمت عطا فرمائے گا ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اور وہ تم سے تمہارے صغیرہ (چھوٹے) گناہ مٹا دے گا ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور وہ تمہارے کبیرہ (بڑے) گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل وکرم فرمانے والا ہے۔

۳۰- ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار مکہ آپ کے خلاف مکر وفریب کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

**شانِ نزول:** جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غزوۂ بدر میں فتح ونصرت عطا فرمائی تو آپ کو یاد دلایا کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے تو قریش مکہ نے آپ کے خلاف مکر وفریب کا منصوبہ بنایا تھا تا کہ آپ ان کے مکر وفریب سے نجات حاصل کرنے اور ان پر فتح ونصرت اور غلبہ حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کریں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے اور وہ یہ کہ جب انصار نے سلام قبول کر لیا تو قریش مکہ کو خوف لاحق ہوا کہ حضور سرورِ کائنات مفخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات کا مشن غالب وکامیاب ہو جائے گا' چنانچہ وہ لوگ دار الندوہ میں باہم مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے اور شیطان مردود ایک بزرگ کی شکل میں ان کے پاس آیا اور کہا: ''اَنَا شَيْخٌ مِّنْ نَجْدٍ'' یعنی میں نجد کا رہنے والا بزرگ ہوں (نجد کا موجودہ نام ریاض ہے جو سعودی عرب کا دار الخلافہ ہے) میں تمہارے اجتماع کی خبر سن کر مکہ آیا ہوں اور میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو کر تمہیں اچھی رائے اور بہتر نصیحت سے نوازوں' چنانچہ ابو البختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط زنجیروں سے باندھ دو اور دروازہ بند کر دو صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور انتظار کرو کہ وہ وہیں اپنی موت آپ مر جائیں' اس پر ابلیس لعین نے کہا کہ یہ ناقص اور بُری رائے ہے کیونکہ ان کے ساتھی تمہارے پاس آئیں گے اور تم سے لڑیں گے اور ان کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے' پھر ہشام بن عمرو نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ان (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے علاقہ سے نکال دو' پھر وہ جو کچھ بھی کریں تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا اور تمہیں ان سے سکون اور نجات مل جائے گی مگر ابلیس لعین (یعنی شیطان مردود) نے کہا کہ یہ رائے بھی غلط ہے کیونکہ اس طرح وہ کسی دوسرے علاقہ میں جا کر تمہارے علاوہ کسی اور قوم کے عقائد ونظریات بگاڑیں گے اور ان کو اپنا ہمنوا بنا لیں گے' پھر وہ تم پر حملہ کر دیں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے' پھر ابو جہل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو' میری رائے یہ ہے کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک جوان لیا جائے اور ان کو تلواریں دی جائیں اور وہ سب مل کر یک دم آپ پر حملہ کر کے مار ڈالیں' پھر ان کا خون بہا تمام قبائل میں تقسیم کر کے بنو ہاشم کو ادا کیا جائے کیونکہ بنو ہاشم کے لوگ تمام قریش کے ساتھ جنگ نہیں کر سکیں گے' آخر کار وہ خون بہا کا مطالبہ کریں گے تو ہم ان کو خون بہا ادا کر دیں گے اور اس طرح ہم سب کو ان سے نجات مل جائے گی' اس پر شیطان لعین نے کہا کہ اس شخص نے ٹھیک رائے دی ہے اور اس کی رائے تم سب کی رائے سے بہتر ہے' چنانچہ ابو جہل کی رائے پر سب متفق ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو کر اجلاس برخواست کر کے

اپنے اپنے گھروں کو منتشر ہو گئے لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو ساری خبر سنا دی اور آپ کو حکم سنایا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر آرام نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ آج رات آپ کے بستر پر سوئیں گے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میری چادر شریف اوڑھ کر سو جانا تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئے گی (اور حضور نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اس پر سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت کر کے محاصرہ کرنے والوں پر پھینک دی جس سے سب اندھے ہو گئے اور آپ کو گھر سے باہر تشریف لے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے) اور وہ ساری رات پہرہ دیتے رہے' پھر جب صبح ہو گئی تو وہ لوگ آپ پر حملہ کرنے کے لیے آپ کے بستر کی طرف دوڑ کر گئے اور وہاں حضرت علی کو دیکھ کر مبہوت و پریشان ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوشش کو ناکام بنا دیا' پھر انہوں نے حضور کے قدم ہائے مبارکہ کے نشانوں کا پیچھا کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو باطل کر دیا ﴿لِيُثْبِتُوكَ﴾ تاکہ وہ لوگ آپ کو قید کر دیں اور آپ کو باندھ دیں ﴿اَوْ يَقْتُلُوكَ﴾ یا وہ اپنی تلواروں سے آپ کو قتل کر دیں ﴿اَوْ يُخْرِجُوكَ﴾ یا وہ آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیں ﴿وَيَمْكُرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ حضور کے بارے میں خفیہ سازش کر رہے تھے ﴿وَيَمْكُرُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو تدبیر تیار کی تھی اس کو مخفی رکھا یہاں تک کہ وہ ان کے اوپر اچانک آن پہنچی ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر دوسروں کی تدابیر سے جلد نافذ ہونے والی اور سب سے زیادہ اثر کرنے والی ہوتی ہے۔

۳۱- شانِ نزول: حضور سرورِ کونین رسول الثقلین ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور آپ کی تلاوت میں گزشتہ قوموں کی خبریں مذکور ہوتی تھیں' جب نضر بن حارث نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو اس طرح کا کلام بنا کر کہہ دوں اور یہ فارس کے علاقوں سے رستم وغیرہ اور عجمیوں کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ﴿قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ تو کہتے کہ بے شک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کلام ہم بھی کہہ دیں یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں' اور دراصل ان کا یہ دعویٰ محض معاندانہ بڑ مارنا اور ڈھیٹ پن کا مظاہرہ تھا کیونکہ جب انہیں دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس قرآن مجید کی مثل صرف ایک سورت بنا کر لا دیں تو وہ عاجز آ گئے تھے اور قرآن مجید کی طرح ایک سورت بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا
حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا
يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ
اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آO اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک آپ ان میں تشریف فرما ہیں اور اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا جب تک وہ مغفرت طلب کرتے رہیں گےO اور اللہ انہیں عذاب کیوں نہیں دے گا جب کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے متولی نہیں ہیں اور اس کے متولی نہیں ہو سکتے مگر صرف پرہیزگار مسلمان اور لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتےO

۳۲۔﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ اور جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ یعنی قرآن مجید تیری طرف سے حق ہے [اس میں ''هٰذَا''، ''كَانَ'' کا اسم ہے اور ''هُوَ'' ضمیر فاصلہ کے لیے ہے اور ''الْحَقَّ''، ''كَانَ'' کی خبر ہے] مروی ہے کہ جب نضر بن حارث نے یہ کہا کہ ''اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ'' یہ قرآن کریم تو محض پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے' تو حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''وَيْلَكَ هٰذَا كَلَامُ اللّٰهِ'' افسوس ہے تیرے اوپر یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' یہ سن کر نضر بن حارث نے اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ'' اے اللہ! اگر یہ قرآن کریم تیری طرف سے حق ہے ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ تو تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یعنی اگر یہ قرآن مجید حق ہے تو اس کے انکار کرنے پر کنکریاں برسا کر ہمیں عذاب دے جیسا کہ تو نے اصحاب فیل (ہاتھی والوں) کو سزا دی تھی ﴿اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ یا تو ہمیں دردناک عذاب دے دے یعنی دردناک عذاب کی جنس میں سے کسی دوسری قسم کے ساتھ' چنانچہ نضر بن حارث کو بدر کے دن گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سبا کے ایک آدمی سے کہا کہ تمہاری قوم کتنی جاہل ہے کہ انہوں نے ایک عورت (ملکہ بلقیس) کو اپنے اوپر حاکم بنا لیا' اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری قوم سے تمہاری قوم زیادہ جاہل ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ'' اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے تو پتھروں کی بارش برسا دے اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ''اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ فَاهْدِنَا لَهٗ'' اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو اس کے لیے تو ہمیں ہدایت عطا فرما۔

۳۳۔﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب میں مبتلا کر دے جب کہ اے محبوب! آپ ان میں تشریف رکھتے ہیں۔ [اس آیت مبارکہ میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اے محبوب! جب تک آپ ان میں موجود ہیں اس وقت تک ان پر عذاب کا آنا درست اور جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا پیکر رحمت نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی قوم پر اس کا مکمل خاتمہ کرنے والا عذاب اس وقت تک نہیں بھیجتا جب تک اس قوم کا نبی اس میں موجود رہتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب یہ پیکر رحمت نبی ان کے علاقہ سے ہجرت کر جائیں گے تو انہیں عذاب الٰہی کا انتظار کرنا ہوگا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک وہ مغفرت و بخشش طلب کرتے رہیں گے [اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے] اور اس کا معنی ان سے استغفار کی نفی کرنا ہے یعنی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہوتے جو ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کر لیں گے تو البتہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک ان میں مغفرت و بخشش مانگنے والے موجود رہیں گے اور یہ وہ کمزور

مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے سے پیچھے کافروں میں رہ گئے تھے۔

۳٤۔ ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور ان کے لیے کون سی رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک تو انہیں عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں تشریف فرما ہیں لیکن جب آپ ان سے جدا ہو کر تشریف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور عذاب دے گا کیونکہ اب ان کے لیے کون سی رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا ﴿وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور وہ مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور انہیں عذاب کیوں نہیں دیا جائے گا جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو نکال دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کے متولی ہیں اور ہم جس کو چاہیں روک دیں اور جس کو چاہیں داخل ہونے دیں تو ان سے کہا گیا کہ ﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ﴾ اور وہ اس کے متولی نہیں ہیں اور وہ شرک کرنے اور دین حق سے عداوت رکھنے کی وجہ سے اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ مسجد حرام کے معاملات کے متولی ہوں ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ اس کے متولی صرف پرہیزگار مسلمان ہو سکتے ہیں [بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اَوْلِيَآؤُهٗ'' کی ضمیر دونوں جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] (یعنی اولیاء اللہ صرف پرہیزگار مسلمان ہیں) ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے گویا اس میں ان کا استثنا کیا گیا ہے جو جانتے تھے کہ وہ اس کے متولی نہیں ہو سکتے مگر بغض و عناد کی وجہ سے بہ ضد تھے یا اکثر سے تمام لوگ مراد ہیں جیسا کہ قلت سے معدوم مراد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ
ع ۴ ۹ ۱۸ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوا کرتی تھی، سو تم عذاب چکھو یہ بدلا ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ○ بے شک جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، اور وہ عنقریب اور خرچ کریں گے، پھر وہی ان پر پشیمانی کا باعث بن جائے گا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ دے اور اس کا ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس ڈھیر کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

۳۵- ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً﴾ اور بیت اللہ شریف کے پاس ان کی نماز نہیں ہوتی تھی مگر سیٹیاں بجانا جیسے ''مُكَاء'' کی آواز ہوتی ہے اور یہ ایک پرندہ ہے جس کی آواز سیٹی کی طرح نکلتی ہے [اور یہ فُعَال کے وزن پر ہے ''مَكَا يَمْكُو'' سے ماخوذ ہے جب کوئی سیٹی بجاتا ہے] ﴿وَتَصْدِيَةً﴾ اور تالی بجانا [یہ ''تَفْعِلَة'' کے وزن پر ''صدی'' سے ماخوذ ہے] اور یہ اس لیے کہ مشرکینِ عرب مرد اور عورت سب ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ ملا کر طواف کے دوران سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں قراءت شروع کرتے تو یہ لوگ اسی طرح آپ کے اردگرد سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے اور یہ لوگ آپ کی نماز میں خلل انداز ہوتے تھے ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ سو تم بدر کے دن قید ہونے اور قتل ہونے کا عذاب چکھو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے یعنی تم اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۶- شانِ نزول: اور یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے دن لشکرِ کفار کو کھانا کھلایا تھا اور یہ دس آدمی تھے اور سب کے سب قریش میں سے تھے اور ان میں سے ہر شخص روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے کھانا کھلاتا تھا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اپنے مال خرچ کریں گے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکیں یعنی مال خرچ کرنے سے ان کی غرض و غایت صرف (سرکارِ دو عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کی اتباع سے لوگوں کو روکنا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی راہ ہے ﴿فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾ سو اب عنقریب وہ اپنا مال خرچ کریں گے' پھر یہ خرچ کرنا ان پر پچھتاوا بن جائے گا' یعنی پھر اس خرچ کرنے کا انجام ندامت و افسوس ہو گا تو گویا وہ مال بذاتِ خود ندامت کا باعث بن جائے گا اور حسرت و غم میں بدل جائے گا ﴿ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾ پھر آخر کار وہ مغلوب ہو جائیں گے اور یہ نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے وقوع سے پہلے خبر دے دی تھی' پھر آپ نے جیسے خبر دی ویسے ہوا ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ان میں سے جو کافر ہیں ﴿إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ ان کو جمع کر کے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا اس لیے کہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کا اسلام خوب رہا۔

۳۷- ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے' یعنی کفار کے ناپاک گروہ کو مسلمانوں کے پاک گروہ سے الگ کر دے ['' لِيَمِيزَ '' میں لام '' يُحْشَرُونَ '' کے ساتھ متعلق ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں '' لِيُمَيِّزَ '' (پہلی یا مفتوح کی بجائے مضموم اور دوسری یا ساکن کی بجائے مشدد ہے اور باب تفعیل سے) ہے] ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کفار کے ناپاک گروہ کو ایک دوسرے کے اوپر تلے کر دے گا ﴿فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا﴾ اور ان سب کو جمع کر کے ڈھیر بنا دے گا ﴿فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ﴾ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے گا ﴿أُولَئِكَ﴾ خبیث فریق کی طرف اشارہ ہے یعنی کفار کا یہی ناپاک گروہ ﴿هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ہی اپنے آپ کو اور اپنے مال کو نقصان میں ڈالنے والا ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ج وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

اے محبوب! کافروں سے فرمادیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو معاف کر دیا جائے گا' اور اگر پھر وہی کریں گے تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے O اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے O اور اگر پھر جائیں تو خوب جان لو بے شک اللہ تمہارا کارساز ہے' وہ بہت اچھا کارساز ہے اور وہ بہت اچھا مددگار ہے O

## کفارِ مکہ کو تنبیہ' مالِ غنیمت کی تقسیم اور غزوۂ بدر میں فوجوں کا محل وقوع

٣٨- ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اے محبوب! کافروں سے فرمادیجئے یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے فرمادیں کہ ﴿اِنْ يَّنْتَهُوْا﴾ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے اور ان سے جنگ کرنے سے باز آ جائیں جس پر اب تک قائم تھے اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو ﴿يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ جو عداوت و دشمنی گزر چکی اس کو بخش دیا جائے گا ﴿وَاِنْ يَّعُوْدُوْا﴾ اور اگر وہ دوبارہ جنگ کی طرف لوٹیں گے ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے کہ ان کے کفار کو دنیا میں ہلاک کیا گیا اور آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار اپنے کفر سے باز آ جائیں اور اسلام کو قبول کر لیں تو ان کا گزشتہ کفر و شرک اور ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ مرتد جب دوبارہ اسلام قبول کرے گا تو اس پر ترک شدہ عبادات کی قضا لازم نہیں آئے گی۔

٣٩- ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اور تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ ان میں شرک کا فتنہ وفساد بالکل باقی نہ رہے ﴿وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور سارا دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے اور باقی تمام باطل دین مٹ جائیں اور ان میں صرف اکیلا دینِ اسلام باقی رہ جائے ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے' اسلام قبول کرنے پر ان کو اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

٤٠- ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر انہوں نے ایمان قبول کرنے سے منہ پھیر لیا اور (کفر و شرک اور اسلام دشمنی سے) باز نہ آئے ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ تو خوب جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے اور وہی تمہارا ناصر ومددگار ہے' سو تم اس کی ولایت ونصرت پر بھروسا رکھو ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ وہ بہترین کارساز ومددگار ہے' وہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور وہ بہترین مددگار ہے وہ جس کی مدد کرتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا [اور اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے]۔

الجزء ١٠

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَ
لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ

بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور تم جان لو کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) رشتہ داروں کے لیے ہے اور یتیموں کے لیے ہے اور ناداروں کے لیے ہے اور مسافروں کے لیے ہے' اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن اپنے خاص بندے پر نازل کیا ہے جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں' اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے O

۴۱۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ اور خوب جان لو کہ بے شک تم جو مال غنیمت حاصل کرو [اور اس میں ''مَا'' کا لفظ ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور اس کو ملا کر لکھنا جائز نہیں ہے بلکہ الگ لکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر اس کو ملا کر لکھا جائے گا تو پھر یہ ''مَا'' کافہ بن جائے گا اور ''غَنِمْتُمْ'' اس کا صلہ ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر رابطہ محذوف ہے اصل میں ''اَلَّذِيْ غَنِمْتُمُوْهُ'' ہے] ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ [یہ موصول کا بیان ہے] بعض کا قول ہے کہ جو کچھ لڑائی میں حاصل ہو یہاں تک کہ تاگا' سوئی جیسی اشیاء بھی حاصل ہوں تو وہ بھی مال غنیمت میں شامل ہوں گی ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ پس اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے [اور یہاں اس لفظ ''مَا'' کے جواب میں ''فَا'' داخل کیا گیا ہے جو ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ''مَا'' جزا کے معنی پر مشتمل ہے اور ''اَنَّ'' اور جس میں اس نے عمل کیا ہے وہ محلاً اس بنا پر مرفوع ہیں کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہیں] جس کی تقدیر ''فَالْحُكْمُ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ'' ہے' سو حکم یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے ﴿وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں مال غنیمت میں سے (چار حصے مجاہدین کے لیے اور) پانچویں حصے کو مزید پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا' ایک حصہ رسول اکرم ﷺ کے لیے اور ایک حصہ آپ کے رشتہ داروں میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لیے ہوتا تھا بنو عبدالشمس اور بنو نوفل کے لیے نہیں اور حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم کے قصے کی بنا پر یہ حضرات نصرت و امداد کرنے اور حضور کے ساتھ دکھ سکھ میں شریک رہنے کی وجہ سے مال غنیمت کے مستحق قرار پائے اور باقی تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا حصہ اور اسی طرح آپ کے رشتہ داروں کا حصہ ختم ہو گیا' صرف ان کے فقراء کو فقر و غربت کی وجہ سے دیا جائے گا اور ان کے دولت مندوں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ پانچویں حصے کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا' دو حصے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے لیے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے (اور تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے) یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا' پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام خمس (پانچویں حصے) کو تینوں (یتیموں' مسکینوں اور مسافروں) کے لیے جاری فرما دیا اور اسی طرح حضرت عمر فاروق نے اور ان کے بعد دیگر خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا اور ''اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول کے لیے'' کا مطلب صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ'' (التوبہ:۶۲) اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ

مستحق ہے کہ وہ لوگ آپ کو راضی کریں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کرو اور اس تقسیم پر راضی رہو کیونکہ ایمان حکم پر راضی رہنے اور علم کے مطابق عمل کو واجب و لازم کرتا ہے [﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا ﴾ "بِاللّٰهِ" پر معطوف ہے] یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے ﴿ عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ ﴾ اپنے خاص بندے پر فیصلے کے دن یعنی بدر کے دن نازل کیا ہے ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ جس دن دو جماعتیں ٹکرائیں ایک جماعت مسلمانوں کی تھی اور ایک جماعت کافروں کی تھی اور آپ پر نازل کیے گئے کلام سے آیات بینات اور فرشتوں کا نزول اور اس دن فتح و کامرانی کا حصول مراد ہے [اور یہ "يَوْمَ الْفُرْقَانَ" سے بدل ہے] ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر مدد پہنچا کر غالب کر دے جیسا کہ اس نے بدر کے دن تمہارے ساتھ کیا ہے۔

**اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾**

جب تم (میدانِ بدر میں وادی کے) نزدیکی کنارے پر تھے اور وہ (کافروں کی فوج) دور کے کنارے پر تھی اور (ابوسفیان کا) قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کر لیتے تو تم میعاد میں ضرور اختلاف کرتے، لیکن (بغیر وعدہ کے تم کو ایک دوسرے کے مقابل جمع کر دیا) تاکہ جو کام ہونا تھا اللہ اس کو پورا کر دے، تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے O

۴۲-﴿ اِذْ اَنْتُمْ ﴾ [یہ "يَوْمَ الْفُرْقَانِ" سے بدل ہے] یا تقدیر عبارت یہ ہے: "اُذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ" وہ وقت یاد کرو جب تم ﴿ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ﴾ نزدیکی وادی کے کنارے پر تھے یعنی مدینہ منورہ کی سمت میں قریبی وادی کے کنارے پر تھے "عُدْوَة" کا معنی وادی کا کنارہ ہے [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں عین کے نیچے زیر ہے یعنی "بِالْعِدْوَةِ"] ﴿ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾ اور وہ (کافر) مدینہ منورہ سے دور (مکہ معظمہ کی جانب) وادی کے کنارے پر تھے ["قُصْوٰى"، "اَقْصٰى" کی تانیث ہے اور یہ فعل واؤ کی جنس سے ہے اور قانون و قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی واؤ کو "یا" سے تبدیل کیا جاتا جیسے "عُلْيَا"، "اَعْلٰى" کی تانیث ہے لیکن "قُصْوٰى" کو "قود" کی طرح اصل پر چھوڑ دیا گیا ہے] ﴿ وَالرَّكْبُ ﴾ اور اونٹوں کے سوار یعنی ابوسفیان کا قافلہ ["رَكْبٌ"، "رَاكِبٌ" کی جمع ہے (جیسے "صَاحِبٌ" کی جمع مکسر "صَحْبٌ" آتی ہے)] ﴿ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ [ظرف کی بنا پر منصوب ہے] یعنی وہ قافلہ تمہاری جگہ سے نیچے کی جگہ پر تھا یعنی یہ قافلہ صرف تین میل کے فاصلے پر وادی کے نشیب میں سے گزرا [اور یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے] ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ ﴾ اور اگر تم اور اہل مکہ آپس میں وعدہ کر لیتے اور ایک مقررہ وقت پر اور مقررہ جگہ پر لڑنے کے لیے تم ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ﴿ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ﴾ تو وعدہ میں تم ضرور مختلف ہو جاتے کہ تم ایک دوسرے کے

مخالف ہو جاتے اور تمہاری قلت اوران کی کثرت تمہیں وعدہ پورا کرنے سے روک دیتی اور رسول اللہ ﷺ کا اور مسلمانوں کا رعب اور خوف جو ان کے دلوں میں ڈال دیا گیا تھا وہ انہیں جنگ کرنے اور وعدہ پورا کرنے سے روک دیتا تو اس طرح تم کبھی لڑائی کے لیے اکٹھے نہ ہوتے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عنایت کی تھی اور آپ کے لیے سبب بنا دیا تھا ﴿ وَلٰكِنْ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ کے بغیر ایک جگہ جمع کر دیا اور تمہیں آپس میں لڑا دیا ﴿ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ تا کہ جو کام ہونا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دے یعنی اپنے دین کو عزت و سر بلندی اور غلبہ عطا فرما دے اور اپنے کلمۂ حق کو بلند و بالا کر دے [یا اس کا لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّفْعَلَ''] یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کا کرنا مناسب ہے اور وہ اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور اپنے دشمنوں کو جڑ سمیت مقہور و ہلاک کرنا ہے۔ حضرت شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قضا فیصلے کے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے یعنی تا کہ جس کام کا ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے وہ اس کا فیصلہ فرما دے یا یہ کہ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کے کرنے کا وہ ارادہ فرما چکا ہے اور وہ جس کے ہونے کا ارادہ فرما چکا تو وہ ضرور ہر حال میں ہو کر رہے گا اور وہ ہے اسلام اور اہل اسلام کو عزت و غلبہ عطا کرنا اور کفر اور اہل کفر کو ذلیل و رسوا اور مغلوب کرنا [اور یہ ''يَقْضِيَ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ﴾ تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے یعنی تا کہ جس نے کفر اختیار کیا ہے اس کا کفر واضح دلیل کے ذریعے ظاہر ہو جائے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور تا کہ جس نے اسلام قبول کر لیا ہے اس کا اسلام بھی یقینِ محکم اور علمِ کامل کے ساتھ ظاہر ہو جائے کہ بے شک یہی اسلام ہی برحق دین ہے جس میں داخل ہونا اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا واجب و لازم ہے اور یہ اس لیے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ حقانیت اسلام کے روشن دلائل میں سے ایک واضح اور روشن دلیل ہے کہ جس کے بعد جو شخص کفر پر اڑا رہا وہ تکبر و سرکشی کرنے والا اور اپنے آپ کو مغالطے میں ڈالنے والا ہے اور اس لیے کہ اس واقعہ میں فریقین کے مراکز کا ذکر کر دیا گیا ہے اور یہ کہ قافلہ ان سے نشیب کی جانب تھا اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ بے شک انہوں نے ان تمام چیزوں کو مشاہدہ کر کے جان لیا تھا تا کہ تمام مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ بے شک نصرت و مدد اور غلبہ و فتح فوجی تعداد کی کثرت اور دنیاوی اسباب پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر موقوف ہے اور یہ کہ ''عدوۃ قصوی'' وہ جگہ تھی جہاں مشرکین نے اپنے اونٹوں کو بٹھایا تھا اور وہیں خیمے لگائے تھے اس وادی میں پانی بہ کثرت موجود تھا اور اس حصے کی زمین پکی اور مضبوط تھی اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں تھی اور جب کہ ''عدوۃ دنیا'' (وہ وادی ہے جہاں مسلمانوں نے خیمے نصب کیے تھے) جس میں پانی کا نام و نشان نہیں تھا اور یہ وادی ریتلی زمین پر مشتمل تھی جس میں پاؤں دھنس جاتے تھے اور اس میں چلا نہیں جاتا تھا مگر نہایت محنت و مشقت اور دشواری کے ساتھ اور قافلہ دشمن کے پسِ پشت موجود تھا اور ان کی تعداد اور تیاری زیادہ تھی اور مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی نیز مسلمان بہت کمزور تھے پھر بھی جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ وہ کافر کے کفر کو اور اس کے عذاب کو نیز ایمان لانے والے کے ایمان اور اس کے اجر و ثواب کو خوب جاننے والا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ ج

جب اللہ نے آپ کو آپ کے خواب میں انہیں کم کر کے دکھایا' اور اگر وہ انہیں زیادہ کر کے آپ کو دکھا دیتا تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور تم اس معاملے میں آپس میں ضرور جھگڑتے لیکن اللہ نے بچا لیا' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ اور جب اس نے تمہاری نظروں میں ان کو کم کر کے دکھایا جب کہ تم جنگ کرنے لگے تھے اور تمہیں ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تا کہ جو کام ہونا تھا اللہ اس کو پورا کر دے' اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے ○ اے ایمان والو! جب تم کفار کی فوج سے جنگ کرو تو ثابت قدم رہو اور تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

---

۴۳- ﴿ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ [یہ ''اُذْکُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تمام مصلحتوں کو خوب جانتا ہے' اس لیے اس نے کافروں کو آپ کی نگاہ میں کم کر کے دکھایا ﴿ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ﴾ یعنی آپ کے خواب میں تھوڑا کر دیا اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے خواب میں کافروں کی فوجی تعداد کو کم کر کے دکھایا تھا' چنانچہ آپ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام کو بتایا جس سے ان کے دلوں میں دشمن کے خلاف شجاعت و بہادری کا جذبہ موجزن ہو گیا ﴿ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ کر کے آپ کو دکھاتا تو اے مسلمانو! تم (حضور کے خواب سنانے پر) ہمت ہار جاتے اور بزدل ہو جاتے اور تمہارے قدم ڈگمگا جاتے ﴿ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ ﴾ اور تم جنگ کے معاملے میں جھگڑ پڑتے اور تم تردّد اور شک و شبہ میں پڑ جاتے کہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھائی جائے یا راہِ فرار اختیار کی جائے ﴿ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور بزدلی دکھانے اور باہم جھگڑنے اور اختلاف کرنے سے سلامتی عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے تم پر بہت بڑا انعام و احسان فرمایا ﴿ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' وہ جانتا ہے عنقریب کون جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرے گا اور کون بزدلی دکھائے گا اور کون صبر کرے گا اور کون جزع و فزع کرے گا۔

۴۴- ﴿ وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا ﴾ اور جب تم ایک دوسرے سے لڑائی کے لیے باہم ملے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور کافروں کو مسلمانوں کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے اس لیے دکھایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خواب کی تصدیق ہو جائے اور تا کہ مسلمان اس چیز کا خود مشاہدہ کر لیں جس کی حضور نے انہیں خبر سنائی تھی اور ان کا یقین زیادہ ہو جائے اور وہ لڑائی کے لیے خوب کوشش کریں اور کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک کفار ہماری نگاہوں میں بہت تھوڑے کر کے دکھائے گئے حتیٰ کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ کفار کے ستر آدمی ہوں گے؟ اس نے جواب میں

کہا کہ میرا خیال ہے وہ ایک سو آدمی ہوں گے حالانکہ وہ ایک ہزار آدمی ہے [اور ''یُرِیْکُمُوْهُمْ'' میں دونوں ضمیریں (''کُمْ'' اور ''هُمْ'') مفعول واقع ہو رہے ہیں اور ''فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا'' حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ﴾ اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھایا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کہنے والے (ابو جہل) نے کہا کہ بے شک مسلمان اتنے تھوڑے ہیں کہ وہ ایک اونٹ کا گوشت کھا کر سیر ہو جائیں گے (یعنی گنتی کے چند افراد ہیں)' بعض نے کہا کہ لڑائی سے پہلے مسلمانوں کو کافروں کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا گیا' پھر اس کے بعد مسلمانوں کو زیادہ کر کے دکھایا گیا تھا تا کہ کفار ان کو تھوڑا سمجھ کر ان پر حملہ کرنے کی جرأت کریں' پھر لڑائی کے دوران اچانک مسلمانوں کو زیادہ کر کے دکھایا تا کہ کفار مبہوت و پریشان ہو جائیں اور خوف زدہ ہو جائیں اور ممکن ہے کہ وہ زیادہ کو تھوڑا دیکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو پردہ حائل کر کے ان کی نگاہوں سے مستور کر دیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں کوئی ایسی چیز پیدا کر دی ہو جس سے وہ کثیر کو قلیل دیکھتے ہوں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کانے آدمی کی آنکھوں میں کوئی چیز پیدا کر دی ہے جس سے وہ ایک کو دو دیکھتا ہے اور ان کے بعض کے لیے کہا جاتا ہے کہ کانا آدمی ایک کو دو دیکھتا ہے اور اس کے سامنے ایک مرغ ہوتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ان دو مرغوں کو چار نہیں دیکھ رہا ﴿لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ تا کہ جو کام ہونا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پورا کر دے اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے' سو اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ان میں فیصلہ فرمادے گا [قاری ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تَـرْجِعُ'' (تا پر پیش کی بجائے زبر اور جیم کے نیچے زیر) ہے]۔

## جہاد کی فضیلت اور اس کے احکام اور کفار کا انجام

٤٥- ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً﴾ اے ایمان والو! جب تم کفار کی جماعت سے جنگ کرو [اور یہاں ''فِئَةً'' کی صفت (کَفَرَةً) کو ترک کر دیا گیا ہے] کیونکہ مسلمان صرف کافروں ہی سے جنگ کیا کرتے تھے [اور ''لِقَاء'' پر (''لَقِیْتُمْ'' کا مصدر ہے جس کا معنی ملنا ہے لیکن یہ اکثر و بیشتر جنگ کے لیے استعمال ہونے کی وجہ سے) قتال کا اسم غالب ہو گیا ہے] ﴿فَاثْبُتُوْا﴾ تو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ثابت قدم رہو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو اور راہِ فرار اختیار نہ کرو ﴿وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو جنگ کے مقامات میں کثرت سے یاد کیا کرو اور اس کے ذکر کی بدولت غلبہ حاصل کرو اور اس سے مدد چاہو اور اپنے دشمن کے خلاف اس سے دعا کرو کہ ''اَللّٰهُمَّ اخْذُلْهُمْ' اَللّٰهُمَّ اقْطَعْ دَابِرَهُمْ'' اے اللہ! ان کو شکست دے کر رسوا کر' اے اللہ! ان کو جڑ سمیت کاٹ کر ختم کر دے ﴿لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ تم فتح و نصرت اور اجر و ثواب کی مراد میں کامیاب و کامران ہو جاؤ اور اس میں آگاہ کیا گیا ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوتاہی نہ کرے اور نہ اس سے غافل ہو بلکہ آدمی کا دل سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور سب سے زیادہ مقصود ذکرِ الٰہی ہونا چاہیے اور اس کی ذات اور اس کی روح اسی کی خاطر مجتمع و متفق رہے اور اگر چہ اس کے غیر سے مختلف و متفرق ہو۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾

اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور تم صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاوا کرتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے' اور اللہ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے O

٤٦۔﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور تم جہاد کے معاملے میں اور دشمن کے مقابلے میں اور ثابت قدم رہنے میں اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کے حکم پر چلو ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا﴾ اور تم آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے [اور یہ "اَنْ" مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے] اور اس کی دلیل (درج ذیل جملہ یعنی) ﴿وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ ہے "اَیْ دَوْلَتُكُمْ" یعنی تمہاری شان و شوکت اور حکمرانی چلی جائے گی اور "هَبَّتْ رِيَاحُ فُلَانٍ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کے حق میں سلطنت پلٹ جائے اور اس کا حکم نافذ و جاری ہو جائے اور سلطنت کو اس کے حکم کے نافذ ہونے اور اس کے جاری ہونے کو ہوا کے چلنے اور اس کے جاری ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی' مگر ایسی ہوا کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے (جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر ایسی تیز آندھی چلی کہ کافروں کے خیمے اکھڑ کر گر پڑے' ان کی ہانڈیاں الٹ پلٹ ہو کر اوندھی گر پڑیں' کافر بھاگنے پر مجبور ہو گئے) اور حدیث شریف میں ہے کہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:) "نُصِرْتُ بِالصَّبَا" میری بادِ صبا (مشرق سے چلنے والی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) سے ہلاک کیا گیا[1] ﴿وَاصْبِرُوْا﴾ دشمن وغیرہ کے ساتھ جنگ میں صبر سے کام لو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے "اَیْ مُعِيْنُهُمْ وَحَافِظُهُمْ" یعنی ان کی مدد کرنے والا ہے اور ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

٤٧۔﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نکلے تھے۔ یہ لوگ اہل مکہ تھے جو ابوسفیان کے قافلے کی حمایت میں نکلے' پھر جب ابوسفیان کا قاصد ان کے پاس آن پہنچا اور کہا کہ تم واپس لوٹ چلو کیونکہ تمہارا قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا ہے تو ابوجہل نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم بدر کے مقام تک جائیں گے اور وہاں ہم شرابیں پئیں گے اور ہم اونٹ ذبح کر کے دعوت کریں گے اور بہترین گانے والیوں کے گانے سنیں گے اور ہم اہل عرب کو کھانا کھلائیں گے' سو یہی ان کا اترانا اور تکبر و غرور تھا اور لوگوں کو کھانا کھلانا دکھلاوے کے لیے تھا' بہر حال انہوں نے اس کو پورا کیا' بدر میں پہنچے مگر شراب کی جگہ انہیں موت کے پیالے پلائے گئے اور گانے والیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے ان کی موت پر نوحہ کیا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی طرح ہونے اور اترانے اور بے جا خوش ہونے اور اپنے اعمال کا دکھلاوا کرنے سے منع کیا اور انہیں پرہیزگاروں سے ہونے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے غمگین و رنجیدہ رہنے اور محض اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال خالص کرنے کی تلقین فرمائی اور اس آیت مبارکہ میں لفظ "بَطَر" کا معنی ہے کہ انسان کو نعمتوں کی کثرت ان پر شکر ادا کرنے سے

[1] رواہ احمد ج ا ص ٣٢٤' البخاری: ١٠٣٥' مسلم: ٩٠٠

غافل کر دیتی ہے ﴿وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے (لوگوں کو) روکتے تھے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ﴾ اور وہ لوگ جو عمل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوب جاننے والا ہے اور یہ وعید اور سخت دھمکی ہے۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ
النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ
اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ
الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ ع ۴
دِیْنُهُمْ ۗ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا اور اس نے کہا کہ لوگوں میں سے کوئی آج کے دن تم پر غالب نہیں آئے گا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں' پھر جب دونوں لشکر آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو شیطان اپنے الٹے پاؤں بھاگا اور کہا کہ میں یقیناً تم سے بَری ہوں' بے شک میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے' بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اور اللہ بہت سخت عذاب دینے والا ہے○ جب منافقین نے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا کہا کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے' اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھتا ہے تو بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے○

٤٨- ﴿وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور یاد کیجئے جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج لوگوں میں سے کوئی شخص تم پر غالب نہیں آئے گا' اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ زَیَّنَ لَهُمْ'' ہے اور ان کے اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں کیے تھے اور شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے [اور ''غَالِبَ'' مبنی ہے جیسے ''لَا رَجُلَ'' (مبنی بر فتح) ہے اور ''لَكُمْ'' محلاً مرفوع ہے کہ یہ ''لَا'' کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''لَا غَالِبَ كَائِنٌ لَّكُمْ''] ﴿وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ﴾ اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں ''اَیْ مُجِیْرٌ لَّكُمْ'' یعنی میں تمہیں بچانے والا اور حفاظت کرنے والا ہوں یا یہ کہ شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہ وہم پیدا کر دیا کہ شیطان کی اطاعت و فرماں برداری ان چیزوں میں سے ہے جو انہیں شکست سے بچا لیں گی ﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ﴾ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں ﴿نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ﴾ تو شیطان الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا یعنی قہقری دوڑ لگا دی (کہ چہرہ اور چھاتی دشمن کی طرف رہی اور الٹے پاؤں بھاگا) ﴿وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ﴾ اور کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں یعنی میں نے تمہیں جو امان کی ضمانت دی تھی اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے۔ مروی ہے کہ ابلیس لعین سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں متشکل ہو کر لشکرِ کفار میں شریک ہوا' شیطان کے پاس جھنڈا بھی تھا لیکن جب اس نے فرشتوں کو اترتے دیکھا تو بھاگنے لگا اور حارث بن ہشام نے اس سے کہا کہ کیا تو ہمیں اس حالت میں رسوا کر کے چھوڑ دے گا تو شیطان نے کہا: ﴿اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ﴾ بے شک جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یعنی فرشتوں کو اترتا ہوا وہ تم نہیں دیکھ رہے' چنانچہ جب کفار

شکست کھا کر واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے کہا کہ سراقہ بن مالک کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شکست ہوئی ہے' پھر جب یہ خبر سراقہ تک پہنچی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو تمہارے سفر تک کا علم نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ جنگ کے بعد تمہاری شکست کی خبر مجھ تک آن پہنچی' پھر جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس روز سراقہ نہیں شیطان تھا ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں "اَیْ عَقُوْبَتَهٗ" یعنی میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۴۹-(اے مسلمانو!) یاد کرو ﴿اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب مدینہ منورہ میں منافقین کہنے لگے: ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ (کہنے لگے:) جن کے دلوں میں مرض تھا۔ یہ منافقین کی صفت ہے یا پھر اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کنارے پر تھے اسلام میں ثابت قدم نہیں تھے ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ﴾ ان کے دین نے انہیں مغرور کر دیا ہے۔ کہنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ وہ تین سو تیرہ ہو کر ایک ہزار کے لشکر کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ ﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسا کرتے ہیں (جیسا کہ ان تین سو تیرہ مجاہدین نے کیا) اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیتے ہیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے وہ کمزور اور قلیل جماعت کو طاقت ور اور کثیر جماعت پر مسلط و غالب کر دیتا ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ وہ بڑی حکمت والا اور زبردست دانا ہے' وہ اپنے دوستوں اور اپنے دشمنوں کے درمیان برابر سلوک نہیں کرتا (بلکہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کر کے انہیں کامیاب کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ناکام کر دیتا ہے)۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ

لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾

اور اگر آپ دیکھ لیتے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں کہ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہیں' اور (کہتے ہیں کہ) جلانے والا عذاب چکھو○ یہ تمہارے ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے○ ان کا طریقہ کار بھی ویسا ہی ہے جیسا فرعونیوں' اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا' کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا' بے شک اللہ بڑا طاقت ور' سخت عذاب دینے والا ہے○ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو بدلنے والا نہیں جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتے' اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے○

۵۰- ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے اور مشاہدہ کر لیتے جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں[ ''تَرٰى'' فعل ماضی کے معنی میں ہے کیونکہ حرف ''لَوْ'' فعل مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسا کہ حرف شرط ''اِنْ'' فعل ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور ''اِذْ'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے اور ''اَلْمَلَآئِكَةُ'' ''يَتَوَفّٰى'' کا فاعل ہے ] ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ جب یہ کفار سامنے آتے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مارتے تھے اور جب یہ لوگ پشت کر کے چلتے تو فرشتے ان کی پشتوں اور ان کی پیٹھوں پر گرز مارتے تھے' یا یہ معنی ہے کہ کفار کی پیش قدمی کے وقت فرشتے ان کے چہروں پر مارتے اور ان کی ہزیمت و شکست کے وقت فرشتے ان کی پیٹھوں پر مارتے تھے اور یہ کلام اپنے سابق کلام کا حال واقع ہوا ہے[ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''يَتَوَفّٰى'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور ''اَلْمَلَآئِكَةُ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''يَضْرِبُوْنَ'' اس کی خبر ہے ] (اور اب ترجمہ یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کفار کی روحیں قبض فرماتا اس وقت فرشتے اُن کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے تھے ) لیکن پہلی وجہ درست ہے کیونکہ کفار اس بات کے مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ خود براہِ راست ان کی ارواح قبض فرمائے[ اس کی دلیل ابن عامر شامی کی ''تَا'' کے ساتھ ''تَتَوَفّٰى'' قراءت ہے ] ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ اور فرشتے کفار سے کہتے ہیں: جلانے والا عذاب چکھو یعنی دوزخ کی آگ کے عذاب سے پہلے یہ (مار مارنے کا عذاب) چکھو یا یہ کہ آخرت کا عذاب چکھو' یہ ان کو بشارت ہے یا قیامت کے روز ان سے کہا جائے گا کہ اب جلانے والا عذاب چکھو[ اور حرفِ ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے ] ''اَیْ لَرَاَيْتَ اَمْرًا فَظِيْعًا'' یعنی (اگر آپ کفار کی ارواح قبض ہوتے دیکھ لیتے تو) ضرور انتہائی ڈراؤنا منظر دیکھتے۔

۵۱- ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ یہ عذاب ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں ''قَدَّمَتْ'' کا معنی ''كَسَبَتْ'' ہے یعنی تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور اس آیتِ مبارکہ سے جبریہ فرقے کی تردید ہو گئی (جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے خود کچھ نہیں کر سکتا) اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہے (کہ اس نے خود براہِ راست کافروں سے کلام کیا) یا پھر یہ فرشتوں کے کلام میں سے ہے (کہ انہوں نے کفار کی ارواح قبض کرتے وقت یہ کلام کیا یا یہ قیامت کے روز خود اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے یہ کلام کریں گے )[ اور ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ'' اس کی خبر ہے اور ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ﴾ اس پر معطوف ہے ] یعنی انہیں بتایا گیا ہے کہ اس عذاب کے دو سبب ہیں (ایک یہ کہ) تمہارا کفر و شرک کرنا (اور دوسرا یہ کہ) تمہارا نافرمانی و گناہ کرنا اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ کفار کو عذاب دینا عدل ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''ظَلَّام'' ''عَبِيْد'' کی وجہ سے کثرت کے معنی میں ہے (کیونکہ ''عبید'' کثرت کا معنی دیتا ہے) یا پھر ظلم کی تمام اقسام کی نفی کے لیے ہے۔

۵۲- ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾[ اس میں کاف محلاً مرفوع ہے ] ''اَیْ دَاْبُ هٰٓؤُلَآءِ مِثْلُ دَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ'' یعنی ان کفار کی عادت و طریقہ آلِ فرعون کی عادت و طریقہ کی طرح ہے اور ''دَاْبُهُمْ'' کا معنی ہے: ان کی عادت اور ان کا وہ عمل اور رویہ جس پر وہ قائم رہے یعنی جس روش پر وہ ہمیشہ چلتے رہے ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو قریش سے پہلے ہوئے یا وہ لوگ مراد ہیں جو فرعونیوں سے پہلے ہوئے ﴿كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا' یہ آلِ فرعون کے طریقہ کی تفسیر ہے ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا' بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ لوگ جھٹلانے میں انہیں کی عادت پر چلے تو ان پر اسی طرح کی سزا جاری کی گئی جس طرح ان پر سزا جاری کی گئی تھی۔

۵۳-﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ عذاب یا انتقام ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ اس وجہ سے ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت دے کر اس کو بدلنے والا نہیں' یہاں تک کہ وہ اپنی حالت کو خود تبدیل کر دیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لیے یہ صحیح اور مناسب نہیں کہ وہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرما کر تبدیل کر دے جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو تبدیل نہیں کر دیتی' ہاں! البتہ آل فرعون اور مشرکینِ مکہ کا حال ناپسندیدہ تھا' پھر انہوں نے اس کو غضب ناک حال میں تبدیل کر دیا لیکن جس طرح پسندیدہ حال کو ناپسندیدہ حال میں تبدیل کیا گیا' اسی طرح انہوں نے غضب ناک حال کو اغضب ناک (یعنی بہت زیادہ غضب ناک) حال میں تبدیل کر دیا اور یہ لوگ رسول اکرم کی بعثت و تشریف آوری سے پہلے کافر و بت پرست تھے' پھر جب آپ کو آیاتِ الٰہی دے کر ان کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے' اس طرح انہوں نے اپنے حال کو پہلے سے زیادہ بُرے حال میں تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت کی جو نعمت دی تھی اس کو تبدیل کر دیا اور ان کو جلدی عذاب میں گرفتار کر لیا ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے والوں کی باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کو خوب جاننے والا ہے۔

| |
|---|
| كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ |
| بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ |
| عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ |
| يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ |
| فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۵۷ |

جیسے فرعونیوں' اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا اور ہم نے فرعونیوں کو غرق کر دیا' اور وہ تمام لوگ ظالم تھے○ بے شک اللہ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے○ جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے○ تو اگر آپ ان کو لڑائی پر پائیں تو ان کے ساتھ ان کے پچھلے کافروں کو بھی بھگا دیں تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کریں○

۵۴-﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ جیسے آل فرعون کا حال ہوا' [یہ تاکید کے لیے تکرار ہے] یا اس لیے کہ پہلے میں ہلاکت کے بیان کے بغیر صرف گناہوں پر پکڑ کا ذکر تھا اور یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں پر پکڑ ہی ہلاکت اور ان کا خاتمہ کرنا تھا ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا اور ارشادِ باری تعالیٰ ''بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ'' میں حق کے انکار اور کفرانِ نعمت پر زیادہ دلالت ہے ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ﴾ سو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعونیوں کو سمندر کے پانی میں ڈبو دیا ﴿ وَكُلٌّ ﴾ اور وہ سب غرق ہونے والے فرعونی بھی اور قتل ہونے والے قریشِ مکہ بھی ﴿ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴾ کفر و شرک اور نافرمانیوں اور

گناہوں کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

۵۵- ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی جنہوں نے کفر پر اصرار کیا تو ان سے ایمان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

۵٦- ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ﴾ [یہ ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے بدل ہے] یعنی کافروں میں سے جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین جاندار قرار دیا کیونکہ انسانوں میں بدترین کفار ہیں اور کفار میں بدترین کفر پر اصرار کرنے والے ہیں اور اصرار کرنے والے کافروں میں بدترین عہد کو توڑنے والے ہیں ﴿ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ﴾ پھر وہ ہر بار اپنے ہر عہد کو توڑ دیتے ہیں ﴿وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ عہد شکنی کے انجام سے نہیں ڈرتے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس صورت میں انہیں شرم و عار اور دوزخ کی آگ کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۵۷- ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ پس اگر آپ ان کو جنگ میں اپنے مقابلے میں پائیں اور ان پر فتح حاصل کر لیں ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ تو آپ ان کو بُری طرح قتل کر کے ان کافروں کو جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے سے دور بھگا دیں جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں تاکہ وہ ان کی سزا سے عبرت حاصل کریں اور ان کے بعد آپ پر حملہ کرنے کی جسارت و جرأت نہ کر سکیں اور ان کے حال سے نصیحت حاصل کریں اور زجاج نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جس کی وجہ سے ان کی جماعت متفرق و منتشر ہو جائے اور اس عمل کے ذریعے ان کے علاوہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والوں کو دور پھینک دیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ممکن ہے ان کافروں کے پیچھے گھروں میں رہنے والے بھگائے جانے کی وجہ سے نصیحت حاصل کریں (اور حملہ کی جسارت نہ کریں)۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹

اور اگر آپ کو کسی قوم سے دھوکہ دینے کا خطرہ ہو تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ معاملہ برابر ہو جائے' بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۝ اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں' بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے ۝

۵۸- ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ اور اگر معاہدہ کرنے والی قوم کے اطوار اور ارادوں سے عہد شکنی کرنے کا اندیشہ ظاہر ہو جائے ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ﴾ تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے ﴿عَلٰى سَوَآءٍ﴾ کہ عہد شکنی کا علم آپ کی طرف سے اور ان کی طرف سے برابر ہو جائے [اور یہ عہد پھینکنے والے اور جن کی طرف عہد پھینکا گیا ان سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی دراں حالیکہ عہد شکنی کا علم برابر حاصل ہو جائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور عہد توڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۵۹- ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ اور جنہوں نے کفر کیا ہے' وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے اب قابو میں نہیں آئیں گے کہ مسلمان ان کو پکڑنے سے چوک گئے اور وہ لوگ چھوٹ گئے اور ان کو گرفتار کرنے میں فتح و کامیابی

حاصل نہیں کی جا سکی [ابن عامر شامی حمزہ یزید اور امام حفص کی قراءت میں ''یَا'' اور سین مفتوح کے ساتھ ''وَلَا یَحْسَبَنَّ'' ہے جب کہ ابوبکر کی قراءت میں ''تَا'' اور سین کے مفتوح کے ساتھ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''تَا'' اور سین مکسور کے ساتھ ''وَلَا تَحْسِبَنَّ'' ہے] ﴿ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴾ بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بچ نہیں سکیں گے اور نہ وہ اپنے تعاقب کرنے والوں کو گرفتار کرنے سے عاجز پائیں گے [ابن عامر شامی کی قراءت میں (الف مفتوح کے ساتھ) ''اَنَّهُمْ'' ہے اصل میں ''لِاَنَّهُمْ'' ہے اور مکسور اور مفتوح میں سے ہر ایک تعلیل کے لیے ہوتا ہے مگر ''اِنَّ'' مفتوحہ استئناف (نئے اور الگ جملے) کے لیے آتا ہے اور مفتوح میں تعلیل واضح ہوتی ہے پھر جس نے ''تَا'' کے ساتھ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' قراءت کی اس کے مطابق ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پہلا مفعول ہے اور ''سَبَقُوْا'' دوسرا مفعول ہے اور جس کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ہے تو اس صورت میں ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' فاعل ہے اور ''سَبَقُوْا'' مفعول ہے اور اس کی تقدیر ''اَنْ سَبَقُوْا'' ہے پھر ''اَنْ'' کو حذف کر دیا گیا اور یہ ''اَنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اصل میں ''اَنَّهُمْ سَبَقُوْا'' تھا پھر اس کو دو مفعولوں کے قائم مقام کیا گیا یا پھر فاعل پوشیدہ (مضمر) ہے]''اَیْ وَلَا يَحْسَبَنَّ مُحَمَّدٌ الْكَافِرِيْنَ سَابِقِيْنَ'' یعنی اور (حضرت) محمد (ﷺ) کافروں کے متعلق یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں [اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ''یَا'' کے ساتھ قراءت میں حمزہ منفرد ہے تو یہ درست نہیں ہے جیسا کہ ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ اس قراءت میں حمزہ منفرد نہیں ہے] اور امام زہری سے روایت ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو مشرکین کے شکست خوردہ لشکر میں سے بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ﴿۶۲﴾

اور تم سے جس قدر ممکن ہو تم کافروں کے لیے مکمل سامانِ جنگ اور بندھے ہوئے جنگی گھوڑے تیار رکھو کہ تم اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے' اللہ انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا○ اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور آپ اللہ پر بھروسا رکھیں' بے شک وہی سب کچھ سننے والا' خوب جاننے والا ہے○ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے' وہی اللہ جس نے آپ کو اور

مسلمانوں کو اپنی مدد سے تقویت دیO

## جہاد کی اہمیت وفضیلت اور دیگر متعلقہ احکام کا بیان

۶۰۔ ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ اے مسلمانو! تم سے جس قدر ہو سکے تم عہد توڑنے والوں کے لیے خصوصاً اور دیگر تمام کفار کے لیے عموماً سامانِ جنگ تیار رکھو"مِنْ قُوَّةٍ" سے مراد وہ جنگی سامان ہے جس کے ذریعے جنگ میں طاقت وقوت حاصل کی جائے اور حدیث شریف میں ہے: "اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ" سن لو! جنگی طاقت تیراندازی ہے[1] حضور نے اس کو تین بار فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "مِنْ قُوَّةٍ" سے جنگی ہتھیار مراد ہیں ﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے۔ یہ ان گھوڑوں کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگی تیاری کے لیے باندھے جاتے ہیں [یا یہ "رَبِيْط" کی جمع ہے جیسے "فَصِيْل" اور "فِصَال" ہے] پھر جن ہتھیاروں سے قوت وطاقت حاصل کی جاتی ہے ان میں سے "رِبَاطِ خَيْلٍ" کا خصوصی ذکر ایسے ہے جیسے "وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ". (البقرہ:۹۸) کو "وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" کے بعد خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ تم سے جس قدر ممکن ہو تم جنگی اسلحہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں یعنی اہل مکہ کو ڈراتے رہو ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو ڈراتے رہو اور وہ یہودی ہیں یا منافقین ہیں یا اہلِ فارس ہیں یا کفارِ جن مراد ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک شیطان گھوڑے والے آدمی کے پاس نہیں جاتا اور نہ اس گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں اصیل گھوڑا ہوتا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ گھوڑے کے ہنہنانے سے جن ڈر جاتا ہے ﴿لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ تم ان اشخاص کو معین طور پر نہیں جانتے' اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو تمہیں اس کی پوری جزاء دی جائے گی ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور جزا دینے کے معاملے میں تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں مکمل اور پوری جزاء عطا کی جائے گی۔

۶۱۔ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا﴾ ["جَنَحَ لَهٗ" کا معنی ہے: وہ اس کے لیے جھکا اور "جَنَحَ اِلَيْهِ" کا معنی ہے: وہ اس کی طرف جھکا] (تو اب معنی یہ ہوگا) اور اگر کفار جھک جائیں ﴿لِلسَّلْمِ﴾ صلح کرنے کے لیے [ابوبکر کی قراءت میں سین مکسور ہے اور اس کی طرف مؤنث کی ضمیر اس لیے لوٹائی گئی ہے کہ اس کی ضد اور نقیض مؤنث ہے اور وہ حرب (جنگ) ہے] ﴿فَاجْنَحْ لَهَا﴾ تو آپ بھی صلح کے لیے مائل ہو جائیں ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں اور آپ ان کے بہ ظاہر صلح کی طرف مائل ہونے پر ان کے دلوں میں چھپے ہوئے مکروفریب سے بالکل نہ ڈریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور وہ آپ کو ان کے مکروفریب سے ضرور بچائے گا ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ﴾ بے شک وہ آپ کی تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ آپ کے تمام حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۶۲۔ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ اور اگر وہ کفار چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ مکروفریب کریں اور آپ کو دھوکہ دیں تو آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہی اللہ تعالیٰ جس نے اپنی مدد سے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو یا صرف انصارِ مدینہ کو تقویت پہنچائی۔

---

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۱۵۶۔۱۵۷' مسلم: ۱۹۱۷' ابوداؤد: ۲۵۱۴' ابن ماجہ: ۲۸۱۳

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

اور اسی نے ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی' اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو خرچ کر دیتے تو آپ ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی' بے شک وہی بہت غالب' زبردست حکمت والا ہے ○ اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار مسلمانوں کو اللہ کافی ہے ○ اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے' اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو (کافروں) پر غالب آ جائیں گے' اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ کافروں میں سے ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہے ○

٦٣- ﴿ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں محبت و الفت پیدا فرما دی کہ ایک سو بیس سال باہمی عداوت و دشمنی کے بعد قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت و الفت پیدا فرما دی ﴿ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو پھر بھی آپ ان کے دلوں میں محبت و الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے یعنی ان کی عداوت و دشمنی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اگر کوئی خرچ کرنے والا تمام روئے زمین کی دولت بھی ان کے درمیان باہمی صلح کرانے میں خرچ کر دیتا تو پھر بھی وہ ان میں صلح کرانے پر قادر نہ ہوتا ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ان کے درمیان محبت و الفت پیدا فرما دی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو کلمۂ توحید پر جمع فرما دیا' چنانچہ ان کے درمیان محبت و مودت پیدا فرما دی اور ان کے دلوں سے بغض و عناد اور باہمی عداوت و ناراضگی دور فرما دی ﴿ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ ﴾ بے شک وہ سب پر غالب ہے' جو آپ سے دھوکہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو مقہور و مغلوب فرما دے گا ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' آپ کی جو بھی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا۔

٦٤- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کافی ہے [اس آیت مبارکہ میں واؤ ''مَعَ'' کے معنی میں ہے اور اس کا مابعد منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے کافی ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محلاً مرفوع ہو (اور لفظ ''اللّٰہ'' پر معطوف ہو)] ''اَیْ كَفَاكَ اللّٰهُ وَكَفَاكَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کو مسلمان کافی ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تینتیس مرد اور چھ عورتیں اسلام قبول کر چکے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا' جن کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

٦٥- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾ اے غیب کی خبریں دینے والے پیغمبر! مؤمنوں کو جہاد کی

خوب ترغیب دیجئے۔ ''تحریض'' کا مطلب ہے: کسی کام کے لیے ترغیب دینے میں مبالغہ کرنا' یہ ''حِرْضٌ'' سے بنا ہے اور ''حِرْضٌ'' یہ ہے کہ کسی کو بیماری اس قدر کمزور کر دے کہ وہ موت کے قریب پہنچ جائے ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ بھی ہے' خوشخبری بھی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اگر صبر کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید سے وہ اپنے سے دس گنا کفار پر غالب آ جائیں گے ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ کفار جاہل و نادان قوم ہے' یہ جانوروں کی طرح طلبِ ثواب اور حصولِ رضائے الٰہی کے بغیر محض نفسانی خواہشات کے پیشِ نظر لڑتے ہیں اور یہ لوگ بہت کم ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہتے ہیں' اس کے برعکس جو شخص بصیرت کے ساتھ جہاد کرتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی امید ہوتی ہے' بعض نے فرمایا کہ مسلمانوں پر واجب تھا کہ وہ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور ایک مسلمان مجاہد دس کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہے گا' پھر جب یہ حکم ان پر دشوار ہو گیا تو اسے منسوخ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے ایک مجاہد کو دو کافروں کے مقابلے میں کر کے ان سے تخفیف فرما دی۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ
يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم میں یقیناً کمزوری ہے' سو اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے' اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے○ نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں (اور وہ ان کو چھوڑ دیں) یہاں تک کہ ان کا زمین پر خون بہائیں' تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو' اللہ (تمہارے لیے) آخرت کو چاہتا ہے' اور اللہ بہت غالب' زبردست حکمت والا ہے○ اگر اللہ کا لکھا ہوا پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو تم نے جو کچھ فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا○

٦٦- ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا﴾ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم میں کمزوری ہے [قاری عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ضاد مفتوح ہے] ﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ﴾ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''تَكُنْ'' ہے اور پہلے ''يَكُنْ'' میں ابو عمرو بصری نے اس کی موافقت کی ہے] اور ضعف سے بدن کی کمزوری مراد ہے (ترجمہ) اب اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے ﴿يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ

یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان آیات میں مسلمانوں کی جماعت کا اپنے سے زیادہ لشکر کے ساتھ دو مرتبہ تخفیف سے پہلے اور دو مرتبہ تخفیف کے بعد مقابلے کے ذکر کا تکرار اس لیے کیا گیا کہ اس بات پر دلیل قائم ہو جائے کہ فوج کی قلت و کثرت کی وجہ سے جنگ کی جیت یا ہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ دوسو کے مقابلے میں بیس اور ایک ہزار کے مقابلے میں ایک سو کے لڑنے سے اور اسی طرح دوسو کے مقابلے میں ایک سو اور دو ہزار کے مقابلے میں ایک ہزار کے لڑنے سے بھی جنگ کی کیفیت میں فرق تو رہے گا۔

٦٧۔﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ ﴾ پیغمبر خدا کے لیے درست نہیں اور نہ اس کے لیے مناسب ہے ﴿ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی ﴾ کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔[ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَنْ تَکُوْنَ'' ہے ] ﴿ حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ یہاں تک کہ وہ زمین میں خون بہائیں۔''اِثخان'' کا مطلب ہے کہ زیادہ سے زیادہ قتل کرنا اور اس میں مبالغہ کرنا' یہ ''ثخانة'' سے بنا ہے جس کا معنی کسی چیز کا سخت گاڑھا اور کثیف ہونا ہے' یعنی یہاں تک کہ کافروں کے زیادہ سے زیادہ قتل ہو جانے سے کفر ذلیل و کمزور ہو جائے اور اسلام غلبہ و کنٹرول حاصل کرنے کی وجہ سے بلند و بالا ہو جائے' پھر اس قتل و مار کے بعد باقی ماندہ کفار کو قیدی بنایا جائے۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بدر کے ستر قیدی پیش کیے گئے' جن میں حضور کے چچا حضرت عباس اور حضرت عقیل بن ابی طالب بھی موجود تھے' چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ یہ لوگ آپ کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں آپ کے رشتہ دار بھی ہیں' لہٰذا آپ انہیں چھوڑ دیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کفر سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے (اور وہ مسلمان ہو جائیں) اور البتہ ان سے فدیہ (آزاد کرنے کا معاوضہ) لے لیجئے' جس سے آپ کے اصحاب کو تقویت ملے گی جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو آپ کے آبائی شہر مکہ مکرمہ سے نکالا' سو آپ آگے بڑھیے اور ان کی گردنیں مار دیجئے کیونکہ یہ کفر کے سرغنہ اور سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یقیناً فدیہ لینے سے غنی و بے نیاز کر دیا ہے اور آپ حضرت علی مرتضیٰ کو حکم دیجئے کہ وہ عقیل کا سر قلم کر دیں اور حضرت حمزہ کو حکم دیجئے کہ وہ عباس کو قتل کر دیں اور مجھے فلاں رشتہ دار کو قتل کرنے کا حکم دیجئے' تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی طرح ہے کہ انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی امت کے لیے) عرض کی: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ '' (ابراہیم:٣٦) ''سو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ '' اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت نوح کی طرح ہے کہ انہوں نے عرض کی: '' رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا '' (نوح:٢٦) ''اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ (سب کو تباہ و برباد کر دے)''۔پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر تم چاہو تو ان سے فدیہ لے لو اور یاد رکھو تم فدیہ لے کر جتنے آدمی چھوڑو گے اتنے تمہارے مسلمان شہید ہوں گے' چنانچہ مسلمانوں نے کہا کہ بلکہ ہم فدیہ وصول کریں گے' پھر غزوۂ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہو گئے اور جب صحابہ کرام نے فدیہ لے لیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[۱] ﴿ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ﴾ مسلمانو! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو یعنی تم فدیہ

[۱] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۴۲

چاہتے ہو؛ اس کو سامان اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی بقا کم ہے اور یہ جلد فنا ہو جانے والا ہے ﴿وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کو چاہتا ہے یعنی جو جنت کا سبب ہے اور کفار کو زیادہ سے زیادہ قتل کرنے میں اسلام کے لیے اعزاز ہے ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ دشمنانِ دین کو مقہور و مغلوب کرنے پر بہت غالب ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ اپنے دوستوں سے اظہارِ ناراضگی کرنے میں بڑی حکمت و مصلحت والا ہے۔

٦٨- ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے یہ حکم نافذ نہ ہو چکا ہوتا کہ اجتہاد کے عمل پر کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور یہ صحابہ کرام کی طرف سے اجتہاد تھا کیونکہ انہوں نے غور و فکر کیا کہ ان کو چھوڑ دینے میں ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن جائے گا اور ان سے فدیہ وصول کر کے جہاد کے لیے (اسلحہ وغیرہ خرید کر) تقویت حاصل کی جائے گی' مگر ان پر یہ بات مخفی رہی کہ کفار کو قتل کرنے سے اسلام کو غلبہ حاصل ہو گا اور پیچھے رہ جانے والے باقی ماندہ کافروں کو مرعوب کرنے کا سبب بنیں گے یا یہ کہ لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ اہلِ بدر کو عذاب نہیں دیا جائے گا یا یہ کہ حکم بیان کرنے اور عذر سے پہلے کسی پر گرفت نہیں کی جائے گی اور مشورہ کرنے کے ذکر میں اجتہاد کے جواز کی دلیل موجود ہے' سو یہ قیاس کے منکروں پر حجت ہے [پھر اس میں ''کِتَابٌ'' مبتدا ہے اور ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی صفت ہے] یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھا ہوا ثابت نہ ہو چکا ہوتا [اور ''سَبَقَ'' اس کی دوسری صفت ہے اور مبتدا کی خبر محذوف ہے] یعنی اگر اس صفت کے ساتھ لکھا موجود نہ ہوتا [اور یہ جائز نہیں کہ ''سَبَقَ'' خبر ہو کیونکہ ''لَوْلَا'' کی خبر کبھی ظاہر نہیں ہوتی] ﴿لَمَسَّكُمْ﴾ ضرور تمہیں پالیتا اور تمہیں ضرور پہنچتا ﴿فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے بہت بڑا عذاب۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' رسولِ خدا حبیبِ کبریاء سرورِ ہر دوسرا خاتم الانبیاء ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ اور ابوبکر صدیق دونوں رو رہے ہیں' عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اگر میں اپنے دل میں رونے کی کیفیت پاؤں تو رونے لگ جاؤں اور اگر میں رونے کی کیفیت نہ پاؤں تو میں بہ تکلف رونے لگ جاؤں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اپنے ساتھیوں پر رو لو جنہوں نے فدیہ وصول کر لیا کیونکہ بے شک اس درخت سے زیادہ نزدیک ان پر آنے والا عذاب میرے سامنے پیش کیا گیا ہے' آپ نے اپنے نزدیک ترین درخت کی طرف اشارہ کر کے یہ ارشاد فرمایا[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آسمان سے عذاب نازل ہو جاتا تو البتہ حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کے علاوہ اس عذاب سے کوئی نجات نہ پا سکتا کیونکہ حضرت عمر نے کہا تھا کہ قیدی کافروں کو قتل کرنا مجھے زیادہ پسند ہے[2]

ع ٥
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٩﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٧٠﴾

1. رواہ احمد ج ا ص ٣١' مسلم: ٥٨۔ ١٧٦٣
2. رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ١٠ ص ٣٣

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾

سوتم نے جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرلیا ہے اسے کھاؤ وہ تمہارے لیے حلال اور پاک ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے غیب کی خبریں بتانے والے پیغمبر! جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے فرمادیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی (خلوص ایمان) پائے گا تو تمہیں اس سے زیادہ بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے O اور اگر وہ آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بے شک وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں' سو اس نے آپ کو ان پر غلبہ وقدرت عنایت فرمادیا' اور اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

۶۹- ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ ﴾ سوتم نے جو مالِ غنیمت حاصل کرلیا ہے اسے کھاؤ۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرام غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت کو استعمال کرنے سے رُک گئے اور انہوں نے اس کی طرف اپنے ہاتھوں کو نہ بڑھایا تو اس موقع پر انہیں مالِ غنیمت کھانے کی اجازت دینے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور بعض نے فرمایا کہ فدیہ کو مباح قرار دینے کے لیے یہ آیت نازل کی گئی کیونکہ یہ بھی اموالِ غنائم میں سے ہے [اور اس میں حرفِ ''فا'' سبب کی ہے اور سبب محذوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمہارے لیے تمام اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں' سو تم انہیں کھاؤ ﴿ حَلٰلًا ﴾ بغیر کسی عتاب اور سزا کے مطلقاً مالِ غنیمت حلال اور فدیہ کا مال حلال ہے [یہ ''حَلَّ الْعِقَالُ'' سے بنا ہے اور یہ مالِ مغنوم سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا پھر مصدر کی صفت ہے] ''اَیْ اَكْلًا حَلَالًا'' یعنی حلال کھانا ﴿ طَیِّبًا ﴾ مرغوب ومزے دار اور لذیذ و پاکیزہ یا جو شریعت میں حلال ہو اور طبیعت اس کو خوب پسند کرے اور کسی قسم کی کراہت نہ کرے ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم کسی ایسی چیز کی طرف پیش قدمی نہ کرو جو تمہارے لیے مقرر نہیں کی گئی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ تم نے اس سے پہلے جو کچھ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یقیناً بخش دیا ہے ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ تم نے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس کو تمہارے لیے حلال کر کے اللہ تعالیٰ نے تم پر بے حد مہربانی فرمائی ہے۔

۷۰- ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی ﴾ اے نبی کریم! آپ ان سے فرمادیں جو قیدی آپ کے ہاتھوں میں یعنی آپ کے ملک میں ہیں گویا آپ کے ہاتھ مبارک ان پر قابض ہو چکے ہیں [اور ''اَسْرٰی''، ''اَسِیْر'' کی جمع ہے' ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''مِنَ الْاُسَارٰی'' ہے اور یہ ''اَسْرٰی'' کی جمع الجمع ہے] ﴿ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا ﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں خلوصِ ایمان اور نیت کو صحیح پائے گا تو ﴿ یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ ﴾ تمہیں اس فدیہ کے مال سے زیادہ اور بہتر مال عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے یا تو اس کے بعد اسی دنیا میں تمہیں کئی گنا زیادہ عطا فرمادے گا یا تمہیں آخرت میں ثواب عنایت فرمائے گا ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین کا جو مال آیا تھا' وہ اسّی ہزار تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ ظہر کے لیے وضو فرما چکے تھے' لیکن آپ نے جب تک وہ مال پہلے تقسیم نہ کر لیا' اس وقت تک نماز ادا نہ فرمائی اور آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس مال میں سے جس قدر چاہیں لے لیں' چنانچہ وہ

جس قدر اٹھا سکے اتنا لے لیا اور حضرت عباس کہا کرتے تھے کہ یہ مال اس سے زیادہ اور بہتر ہے جو بدر کے دن بطور فدیہ مجھ سے لیا گیا تھا اور میں مغفرت و بخشش کی بھی امید رکھتا ہوں اور حضرت عباس کے پاس بیس غلام تھے اور ان میں ادنیٰ درجہ کا غلام بیس ہزار کی تجارت کرتا تھا اور آپ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو وعدوں (مال و دولت اور مغفرت و بخشش) میں سے ایک وعدہ (دنیا میں مال و دولت دینے کا) پورا کر دیا ہے اور مجھے دوسرے وعدے کے پورا ہونے کا بھی مکمل یقین ہے[1]

۷۱۔ ﴿وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ﴾ اور اگر یہ قیدی آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جنہوں نے آپ سے اسلام کی بیعت کر لی ہے وہ (رہائی کے بعد) پھر گئے یا فدیہ دینے کی جو ضمانت دی ہے اس کا انکار کر دیا ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ تو یہ لوگ تو اس سے پہلے بھی اسلام کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے خیانت کر چکے ہیں اور وہ وعدہ توڑ چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میثاق کے دن (عالمِ ارواح میں) ہر عاقل سے لیا تھا ﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرما دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر کامیاب و کامران کیا اور فتح و نصرت عطا فرمائی' جیسا کہ تم مسلمانوں نے بدر کے دن دیکھ لیا' لہٰذا اگر انہوں نے پھر دوبارہ خیانت کی تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر پھر غلبہ عطا فرما دے گا ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ انجامِ کار اور مستقبل کو خوب جانتا ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ فی الحال اس نے جو فدیہ لینے کا حکم دیا ہے اس میں وہ بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں' اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو تمہیں ان کی سرپرستی و وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کر لیں' اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے ماسوا اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو اللہ خوب دیکھنے والا ہے○

۷۲۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی محبت میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہ مہاجرین کہلاتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ کہ جنہوں

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۴۹

نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یعنی انہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور انہوں نے مہاجرین کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی اور یہ انصار کہلاتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ یہی لوگ ایک دوسرے کے سرپرست ہیں یعنی وہ میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور دراصل مہاجرین وانصار ہجرت ونصرت کی بناء پر ایک دوسرے کے وراثت میں حصہ دار بنتے تھے' قرابت ورشتہ داری کی بناء پر نہیں یہاں تک کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ وزائل ہوگیا کہ ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'' (الاحزاب:٦) ''اور رشتہ دار ہی (میراث میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں'' اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ مہاجرین وانصار صرف نصرت ومعاونت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کی ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ تو ان کی میراث میں تمہارا کوئی حق وراثت نہیں [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وِلَايَتِهِمْ'' (واؤ مکسور کے ساتھ) ہے اور بعض نے فرمایا: دونوں لغتیں ایک ہیں] ﴿ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کرلیں' سو جس مسلمان نے ہجرت نہیں کی وہ اس کے ترکہ کا وارث نہیں بن سکے گا جس نے ایمان بھی قبول کیا اور ہجرت بھی کی اور جب ہجرت نہ کرنے والے کو مسلمان کہا گیا ہے جب کہ اس وقت ہجرت فرض تھی' لہٰذا یہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوگئے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ ﴾ یعنی جو لوگ مسلمان ہیں اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اگر تم سے دین کے معاملے میں مدد طلب کریں ﴿ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ولازم ہے یعنی اگر ان میں اور کفار میں جنگ شروع ہو جائے اور وہ تم سے مدد طلب کریں تو تم پر لازم ہے کہ تم کافروں کے خلاف ان کی مدد کرو ﴿ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ ماسوا اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا باہمی ایک دوسرے کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو' سو اس صورت میں تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اس قوم کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرو' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ جنگ شروع نہیں کی اس لیے معاہدہ اس اقدام سے مانع ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے اور اس جملے میں شریعت کی حد سے تجاوز کرنے پر دھمکی دی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ
فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾ ع

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ہے وہ ایک دوسرے کے حامی وسرپرست ہیں' اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں

بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا○ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب سچے اور پکے مؤمن ہیں' ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے○ اور وہ لوگ جو ان کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' سو یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں' اور اللہ کی کتاب کے حکم کے مطابق رشتہ دار وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

۷۳-﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ایک دوسرے کے وارث و دوست ہیں۔ بہ ظاہر ان کے درمیان باہمی دوستی کو ثابت کیا گیا ہے لیکن اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ان کی وراثت سے منع کیا گیا ہے اور ان سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کو واجب کیا گیا ہے اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ ایک دوسرے کے باہمی وارث بننے کو ترک کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ ﴾ یعنی میں نے تمہیں جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کے ساتھ باہمی محبت و دوستی کرنے یہاں تک کہ وراثت میں ایک دوسرے کا وارث ہونے کا جو حکم دیا ہے اگر تم نے اس کو نہ اپنایا (تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا) اس آیت مبارکہ میں کفار کی قرابت و رشتہ داری کی نسبت پر دین اسلام کی قرابت کو فضیلت دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر تم نے کفار کی قرابت و دوستی کو کالعدم قرار نہ دیا ﴿ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پھیل جائے گا کیونکہ جب تک مسلمان شرک کے خلاف متحد نہیں ہوں گے شرک غالب ہوتا رہے گا اور فساد بڑھ جائے گا۔

۷۴-﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے پکے مؤمن ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو سچا ثابت کر دیا اور انہوں نے وطن' اہل و عیال اور مکانات چھوڑ کر اور دین و آخرت کی خاطر مال و دولت اور دنیا کو ترک کر کے اپنے ایمان کے تقاضوں کی تحصیل میں خوب تحقیق کی ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ انہیں کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہوگی جس میں نہ کسی قسم کا احسان جتلایا جائے گا اور نہ محنت و مشقت اٹھانا پڑے گی اور یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ یہ آیت مبارکہ کریم وعدہ کے ساتھ ان کی تعریف میں نازل ہوئی ہے جب کہ پہلی آیت مبارکہ میں باہمی تعلق اور دوستی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

۷۵-﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ ﴾ اور وہ لوگ جو (پہلی ہجرت کے) بعد میں ایمان لائے۔ اس آیت مبارکہ میں وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت کی طرف سبقت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے ﴿ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ﴾ اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر (کفار کے خلاف) جہاد کیا' سو یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا کرنے اور ترغیب دینے کے لیے سابقین مہاجرین میں شامل فرمالیا ﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴾ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں یعنی قریبی رشتہ دار وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اور اس آیت مبارکہ نے ہجرت و نصرت کی بناء پر ایک دوسرے کے ترکے میں وراثت کو منسوخ کر دیا ہے ﴿ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یعنی کتاب الٰہی کے حکم اور اس کی تقسیم میں یا لوحِ محفوظ میں یا قرآن مجید میں اور یہ آیت میراث ہے اور یہ ہماری دلیل ہے کہ قرابت دار ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے' اس لیے وہ اپنے بندوں کے درمیان جس طرح چاہتا ہے اپنے احکام نافذ و جاری کر دیتا ہے۔ انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے' ایک گروہ ایمان بھی لایا اور اس نے ہجرت بھی کی اور دوسرا گروہ ایمان بھی لایا اور اس نے مہاجرین کی مدد بھی کی اور تیسرا گروہ ایمان تو لایا مگر اس نے ہجرت نہ کی اور چوتھا گروہ کفر پر اڑا رہا اور ایمان قبول نہ کیا۔

| آیاتہا ١٢٩ | ⑨ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٣ | رکوعاتہا ١٦ |
|---|---|---|
| اس کی ایک سو انتیس آیات ہیں | سورۃ التوبہ مدنی ہے | اس کے سولہ رکوع ہیں |

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ③

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے مشرکین میں سے ان لوگوں کی طرف بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے ○ (لیکن وہ اپنا معاہدہ توڑ چکے ہیں) سو (اے مشرکو!) تم زمین پر چار مہینے چل پھر لو اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اور اللہ کافروں کو یقیناً رسوا کرنے والا ہے ○ اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کے دن تمام لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول مشرکوں سے بیزار ہیں' پھر اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے' اور (اے محبوب!) کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں ○

## سورت توبہ کے اسماء کی وجہ تسمیہ اور ''بسم اللّٰہ'' کو ترک کرنے کی حکمت

(۱) اس سورت کے چند نام یہ ہیں: (۱) ''براءۃ'' (مشرکین سے بیزاری کا اعلان) (۲) ''توبہ'' (مسلمانوں کی توبہ کا اعلان) (۳) ''مُقَشْقِشَه'' (نفاق سے بیزار کرنے والی) (۴) ''مُبَعْثِرَہ'' (تہ و بالا کرنے والی) (۵) ''مُشَرِّدَہ'' (ڈرانے دھمکانے اور دھتکارنے والی) (۶) ''مُخْزِيَه'' (۷) ''فَاضِحَه'' (دونوں کا معنی ہے: ذلیل و رسوا کرنے والی) (۸) ''مُثِيْرَه'' (۹) ''حَافِرَہ'' (دونوں کا معنی ہے: تحقیق و تفتیش کر کے کسی چیز کی مخفی اصلیت کو ظاہر کرنے والی) (۱۰) ''مُنَكِّلَه'' (عبرت ناک سزا بیان کرنے والی) (۱۱) ''مُدَمْدِمَه'' (ہلاکت و تباہی والی) کیونکہ اس سورت میں (مشرکین سے بیزاری اور) مؤمنین کی توبہ کا بیان ہے اور اس سورت نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اس کو عیاں کر دیا یعنی

اس سے براءت و بیزاری کا اظہار کر دیا اور منافقین کے مخفی رازوں کی تفتیش کر کے ان کو ظاہر کر دیا اور ان کی منافقانہ چال کی پردہ دری کر دی اور ان کی دورخی پالیسی کو تہ و بالا اور نیست و نابود کر دیا اور ان کو شرمندہ کر دیا اور ان کا عبرت ناک انجام بیان کر دیا اور انہیں دھتکار دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر دیا اور ان کے لیے ہلاکت و تباہی کو مقدر کر دیا۔

(ب) اور اس سورتِ توبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف کے ترک کرنے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضٰی اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ بسم اللہ شریف امان ہے جب کہ سورتِ براءت امان کو اٹھانے اور اس کو ختم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت یا کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ارشاد فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ رکھ دو' پھر آپ اس جگہ کا ذکر کرتے ہوئے نشان دہی فرماتے کہ فلاں سورت کے بعد اور فلاں سورت سے پہلے اور اس آیت کو فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت سے پہلے رکھ دو' بہرحال رسولِ خدا ﷺ وفات پا گئے لیکن آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ اس سورت کو کہاں رکھنا ہے جب کہ اس سورت کا مضمون سورۂ انفال کے مضمون کے مشابہ ہے اور اس سے ملتا جلتا ہے کیونکہ سورتِ انفال میں معاہدوں کا ذکر ہے اور سورتِ براءت میں معاہدوں کے توڑنے کا ذکر ہے' اس لیے ان دونوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے اور یہ دونوں اتصال و اجتماع کا تقاضا کرتی ہیں اور ان کو طوال مفصل سورتوں میں ساتویں سورت شمار کیا جاتا ہے اور وہ سات ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی آراء مختلف ہیں کیونکہ بعض صحابہ نے فرمایا کہ سورتِ انفال اور سورتِ براءت ایک سورت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ یہ دو سورتیں ہیں' چنانچہ جنہوں نے فرمایا کہ یہ الگ الگ دو سورتیں ہیں ان کے قول کی بناء پر ان کو الگ الگ نام دے کر فاصلہ رکھا گیا اور جنہوں نے فرمایا: یہ دونوں ایک سورت ہے ان کے قول کی بناء پر بسم اللہ شریف کو درمیان میں چھوڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھا گیا۔

## اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کا مشرکین سے بیزاری کا اعلان

۱- ﴿ بَرَآءَةٌ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں ''هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ'' ہے] یہ بیزاری ﴿ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا [''مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور صلہ نہیں ہے] جیسے تمہارا یہ کہنا ہے کہ ''بَرِئْتُ مِنَ الدَّيْنِ'' میں قرض سے بری ہو چکا ہوں یعنی ''هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ وَاصِلَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ'' یہ بیزاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو ملنے والی ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا جیسے تم کہو: ''كِتَابٌ مِّنْ فُلَانٍ اِلٰى فُلَانٍ'' کہ فلاں کی جانب سے فلاں کی طرف خط (یا حکم نامہ) ہے [یا پھر ''بَرَآءَةٌ'' مبتدا ہے کیونکہ یہ اپنی صفت کے ساتھ مل کر نکرہ مُخَصَّصہ بن چکا ہے (اور نکرہ مُخَصَّصہ مبتدا بن سکتا ہے) اور ''اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ'' اس کی خبر ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ فِي الدَّارِ''] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس معاہدہ سے بری ہیں جو تم نے مشرکین سے کیا تھا اور یہ معاہدہ ان کی طرف پھینک دیا جائے۔

۲- ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ سو تم زمین پر چار مہینے تک جیسے چاہو سیر و تفریح کر لو اور ''سَيْح'' کا معنی ہے: اطمینان سے سیر کرنا۔ مروی ہے کہ مسلمانوں نے اہل مکہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل عرب کے مشرکین سے امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن ان میں سے ماسوا چند لوگوں کے باقی سب لوگ معاہدہ پر قائم نہ رہے اور قائم رہنے والے صرف بنو ضمرہ اور

بنو کنانہ تھے' اس لیے عہد شکنوں کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ چار ماہ تک امن و امان کے ساتھ جہاں چاہیں زمین میں چل پھر لیں' ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور ان سے حرمت والے مہینے مراد ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' (التوبہ:۵) ''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو' اور یہ حکم حرمت والے مہینوں کو قتل و غارت سے اور ان میں جنگ کرنے سے محفوظ رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: یہ سورت ۹ ھ میں (فتح مکہ کے بعد) نازل ہوئی' جب کہ ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا اور اس میں امیرِ حج حضرت عتاب بن اسید تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ ھ میں موسمِ حج کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق کو امیرِ حج مقرر فرمایا' پھر ان کی روانگی کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے حضرت علی مرتضیٰ کو ان کے پیچھے بھیجا' تا کہ وہ حج کے اجتماع میں (جس میں شامل تمام مشرکین اور مسلمانوں کو) یہ سورت پڑھ کر سنا دیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ اگر آپ یہ سورت سنانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیج دیتے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ کام ہمارا قریبی رشتہ دار ادا کرے گا' پھر حضرت علی مرتضیٰ جب قافلۂ حج کے قریب پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق نے اونٹنی کی آواز سن لی اور رک گئے اور فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی آواز ہے' پھر جب حضرت علی ان سے آ کر ملے تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ تمہیں امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور (یعنی ماتحت) تو حضرت علی نے فرمایا: مجھے ماتحت بنایا گیا ہے' چنانچہ آٹھ ذوالحج سے ایک دن پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے ارکانِ حج کے مسائل بیان فرمائے اور قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں' مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' لوگوں نے کہا: کیوں بھیجا گیا ہے؟ تو آپ نے انہیں اس سورت کی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سنائیں' پھر فرمایا: مجھے چار احکام سنانے کا حکم دیا گیا ہے: (۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ شریف کے پاس نہیں جائے گا (۲) اور آئندہ کوئی شخص بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر نہیں کرے گا (۳) مسلمان کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا (۴) اور ہر عہد کرنے والے کا عہد پورا کیا جائے گا۔ مشرکین نے یہ اعلان سن کر کہا: اے علی! تم اپنے چچا زاد سے کہہ دینا کہ ہم نے عہد کو اپنے پسِ پشت پھینک دیا اور اب ہمارے اور ان کے درمیان عہد نہیں رہا' ماسوا نیزہ بازی اور تیغ زنی کے اور چار مہینوں سے شوال' ذوالقعدہ' ذوالحج اور محرم مراد ہیں یا ذوالحج کے بیس دن اور محرم اور صفر اور ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے دس دن مراد ہیں اور یہ حرمت والے مہینے ہیں کیونکہ ان میں لوگوں کو امن دیا گیا تھا اور ان مہینوں میں لوگوں کو مارنا اور ان سے جنگ کرنا حرام قرار دیا گیا تھا یا بطور تغلیب کہا گیا کیونکہ ذوالحج اور محرم انہیں میں سے ہیں اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز ہے اور یہ اس لیے کہ حرمت کے مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے ﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ﴾ اور جان لو کہ تم یقیناً اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو' نہ اس سے بچ سکتے ہو اگر چہ اس نے تمہیں (چار ماہ کی) مہلت دے دی ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و رسوا کرنے والا ہے کیونکہ دنیا میں قتل و غارت کے ذریعے اور آخرت میں عذاب کے سبب انہیں ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔

۳- ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو اعلان کیا جاتا ہے [پھر ''اَذَانٌ'' دونوں وجہوں کے ساتھ اسی طرح مرفوع ہے جس طرح ''بَرَآءَةٌ'' مرفوع ہے' پھر یہ جملہ اپنے جیسے

(سابق) جملے پر معطوف ہے اور "اَذَانٌ" بہ معنی "اِیْذَانٌ" ہے اور یہ اطلاع دینے اور اعلان کرنے کے معنی میں ہے جیسے "اَمَانٌ"، "اِیْمَانٌ" اور "عَطَآءٌ"، "اِعْطَآءٌ" کے معنی میں ہیں ]اور پہلے اور دوسرے جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے میں بیزاری کے ثبوت کی خبر سنائی گئی ہے اور دوسرے جملے میں ثابت شدہ اعلان و اطلاع کے واجب و لازم ہونے کی خبر سنائی گئی ہے' پھر بیزاری مشرکین میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ مشروط کی گئی ہے' جن سے معاہدہ کیا گیا تھا (اور انہوں نے اسے توڑ دیا تھا) جب کہ اذان و اعلان کا تعلق تمام لوگوں کے ساتھ ہے کیونکہ بیزاری مشرکین میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑ دیا تھا جب کہ اعلان تمام لوگوں کے لیے عام ہے' معاہدہ کرنے والوں اور معاہدہ نہ کرنے والوں اور معاہدہ کر کے توڑنے والوں اور معاہدہ کو نہ توڑنے والوں سب کے لیے اعلانِ عام ہے ﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ بڑے حج کے دن یعنی عرفہ کے دن کیونکہ نو ذوالحج کو عرفات میں وقوف کرنا حج کے تمام افعال میں سے سب سے بڑا عمل ہے یا قربانی کا دن (دس ذوالحج) مراد ہے کیونکہ حج کی تکمیل کے افعال طواف' قربانی' حلق (بال تراشنا) اور رمی (تینوں نشاناتِ شیطان پر کنکریاں مارنا) اسی دن میں ادا کیے جاتے ہیں اور اس کو حج اکبر کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ صرف عمرہ کرنے کو حج اصغر کہا جاتا ہے ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے [یہ دراصل "بِـأَنَّ اللّٰـهَ" تھا اور "اَذَانٌ" کا صلہ تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے] ﴿وَرَسُولُهُ﴾ [یہ "بَرِیْءٌ" میں ضمیر مستتر پر معطوف ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا پھر مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں "وَرَسُوْلُهٗ بَرِیْءٌ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول بھی (مشرکین سے) بیزار ہے اور "اَنَّ" کے اسم پر عطف کر کے اس کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے یا جار کے سبب مجرور ہے یا واؤ قسم کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ "لَعَمْرِكَ" تیری زندگی کی قسم]۔

حکایت: بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک آدمی کو "وَرَسُوْلِهٖ" (مجرور) پڑھتے ہوئے سن لیا تو کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی اس سے بیزار ہوں' چنانچہ وہ آدمی یہ بات سن کر اعرابی کو پکڑ کر حضرت عمر فاروق کی خدمت میں لے گیا تو اعرابی نے حضرت عمر فاروق کے سامنے اس آدمی کی قراءت کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت عربی کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دے دیا ﴿فَإِن تُبْتُمْ﴾ پھر اگر تم کفر و شرک اور عہد شکنی و دھوکہ بازی سے توبہ کر لو ﴿فَهُوَ﴾ تو وہ یعنی توبہ کر لینا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ کفر پر اصرار کرنے سے بہت بہتر ہے ﴿وَإِن تَوَلَّيْتُمْ﴾ اور اگر تم نے توبہ کرنے سے روگردانی کی یا تم اسلام سے اعراض کرنے اور روگردانی کی روش پر پلٹ گئے ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ﴾ تو جان لو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکنے والے نہیں ہو' نہ تم اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنے والے ہو اور نہ تم اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچ سکتے ہو ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ اور اے محبوب! مؤمنوں کی دائمی نعمت (جنت) کی بشارت کے برعکس اس کی جگہ کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

| |
|---|
| إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا |
| عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ |
| فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَ |

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا' پھر انہوں نے تمہارے معاہدے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو تم بھی ان کا معاہدہ ان کی مقررہ مدت تک ان کو پورا کر دو' بے شک اللہ پرہیز گاروں سے محبت رکھتا ہے ○ پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو' اور انہیں گرفتار کرلو اور انہیں قید کرلو اور ہر گزرگاہ پر ان کی تاک میں بیٹھو' پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

٤- ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ'' سے استثناء ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا (جس کو انہوں نے توڑ دیا ہے) سو تم ان سے کہہ دو کہ تم چار ماہ تک زمین پر چل پھر لو' ماسوا ان لوگوں کے کہ تم نے ان میں سے جن سے معاہدہ کر رکھا ہے ﴿ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ پھر انہوں نے تم سے معاہدہ کی شرائط میں سے کچھ کم نہیں کیا یا یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اسے نہیں توڑا [اور ایک قراءت میں ''لَمْ يَنْقُضُوْكُمْ'' (صاد کی بجائے ضاد) پڑھا گیا ہے یعنی انہوں نے تمہارا عہد نہیں توڑا اور یہی قراءت مناسب ہے لیکن مشہور قراءت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ تمام کے مقابلہ میں ہے] ﴿ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا ﴾ اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف کسی دشمن کی مدد کی ہے ﴿ فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ ﴾ سو تم ان کا عہد ان کی طرف پورا کرو اور اسے ان کی طرف مکمل طور پر ادا کرو ﴿ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ ان کی مقررہ مدت پوری ہونے تک [اور استثناء بہ معنی استدراک ہے] گویا عہد توڑنے والوں کے بارے میں حکم دینے کے بعد کہا گیا لیکن جنہوں نے عہد کو نہیں توڑا تو ان کا عہد تم ان کی طرف پورا کرو اور تم ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور تم عہد شکنوں کی طرح عہد پورا کرنے والوں کو نشانہ نہ بناؤ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے یعنی تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے ساتھ یکساں سلوک نہ کیا جائے سو تم اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

٥- ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ ﴾ پھر جب گزر جائیں یا نکل جائیں ﴿ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ حرمت والے مہینے جن میں عہد شکنوں کو چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی تھی ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ تو تم مشرکوں کو قتل کرو جنہوں نے تمہارے ساتھ معاہدہ کر کے توڑ دیا ہے اور جنہوں نے تمہارے خلاف (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی تھی ﴿ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ تم انہیں جہاں پاؤ خواہ حرم میں پاؤ یا حرم شریف سے باہر پاؤ ﴿ وَخُذُوْهُمْ ﴾ اور تم ان کو گرفتار کرلو اور انہیں قیدی بنالو [اور ''اَخْذ'' کا معنی قید کرنا ہے] ﴿ وَاحْصُرُوْهُمْ ﴾ اور تم ان کو بند رکھو اور شہروں میں چلنے پھرنے سے انہیں روک دو ﴿ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾ اور تم ان (کو مارنے) کے لیے ہر گزرگاہ میں بیٹھ جاؤ اور ہر آنے جانے والے راستے پر تم ان کا انتظار کرو [اور ''كُلَّ مَرْصَدٍ'' ظرف (مفعول فیہ) ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ﴿ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو اور انہیں قید کرنے اور بند رکھنے کے

بعد ان کو چھوڑ دو یا یہ کہ تم ان سے باز آ جاؤ اور اب ان کا پیچھا نہ کرو ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ دھوکہ دہی اور کفر کی پردہ پوشی فرما کر بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِیْمٌ﴾ وہ بے حد مہربان ہے کہ اس نے ان کے قتل کرنے کا حکم دے کر اس پر لازمی طور پر عمل کرنے سے پہلے (توبہ کرنے کی شرط پر) قتل کا حکم اٹھالیا۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨ ع

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دے دیں تا کہ وہ کلام الٰہی سنے' پھر آپ اس کو امن کی جگہ پر پہنچا دیں' یہ اس لیے کہ یقیناً وہ بے علم قوم ہے ○ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مشرکین کا معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے ماسوا ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا' سو جب تک وہ تمہارے معاہدہ پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے لیے معاہدے پر قائم رہو' بے شک اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے ○ وہ معاہدہ پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ نہ تمہاری قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا' وہ صرف زبانی باتوں سے تمہیں خوش رکھتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں' اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ○

٦- ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دے دیں [''اَحَدٌ'' بشرط مضمر فعل (پوشیدہ فعل) کی وجہ سے مرفوع ہے اور فعل مضمر کی تفسیر فعلِ ظاہر کر رہا ہے یعنی (اصل میں) ''وَاِنِ اسْتَجَارَكَ اَحَدٌ اِسْتَجَارَكَ'' تھا] اور معنی یہ ہے کہ حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد جب کہ آپ کے اور ان کے درمیان عہد ختم ہو چکا ہوا گر مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائے اور وہ آپ سے امان طلب کرے تا کہ آپ جس توحید اور قرآن کی طرف اس کو دعوت دیتے ہیں وہ اس کو سنے تو آپ اس کو ضرور امان دے دیں ﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن وسنت) سنے اور اس میں غور وفکر کرے اور حقیقت امر کو جان لے ﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ پھر آپ اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں یعنی اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو آپ اس کو اس کے گھر میں پہنچا دیں جس میں وہ امن وسکون کے ساتھ رہے' پھر بعد ازاں اگر آپ چاہیں تو اس سے قتال کیجئے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ امان طلب کرنے والے کو تکلیف نہیں دی جائے گی اور نہ اس کو ہمارے اپنے ملک میں مستقل قیام کی اجازت ہو گی اور اس کو واپس جانے کا اختیار دیا جائے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے ارشاد ''فَاَجِرْهُ'' کے ساتھ پناہ دینے کا حکم دینا ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ اس سبب سے ہوا کہ وہ یقیناً جاہل قوم ہے' وہ کچھ

نہیں جانتے کہ اسلام کیا چیز ہے اور جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے' سو اس لیے ان کو امان عطا کرنا ضروری ہے تا کہ وہ کلام الٰہی کو سنیں یا وہ حق کو سمجھیں۔

۷۔﴿ کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پاس مشرکین کے لیے معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے [''کَیْفَ'' کا لفظ سوالیہ ہے جو انکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے ] یعنی ان مشرکوں کے لیے عہد کا قائم رکھنا ناممکن ہے' لہٰذا (اے مسلمانو!) تم اس کی امید نہ رکھو اور نہ اب تم ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنا اور نہ تم ان کے ساتھ جنگ کرنے میں سوچ و بچار سے کام لینا (بلکہ ہر وقت تیار رہنا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ ﴾ یعنی لیکن ان میں سے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے اور ان سے کسی قسم کی عہد شکنی ظاہر نہیں ہوئی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ' سو تم ان کے معاملے کا انتظار کرو اور ان کے ساتھ جنگ نہ کرو ﴿ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ مسجد حرام کے پاس ﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ ﴾ سو جب تک وہ تمہارے عہد پر قائم رہیں اور ان سے عہد شکنی ظاہر نہ ہو یعنی جب تک مشرکین ایفائے عہد پر قائم رہیں ﴿ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ﴾ تو تم بھی ان کے لیے ایفائے عہد پر قائم رہو [اور یہاں حرفِ ''مَا'' شرطیہ ہے ''اَیْ فَاِنِ اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ'' یعنی اگر وہ تمہارے معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے معاہدے پر قائم رہو ] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے یعنی مشرکین کے ساتھ معاہدہ پر مقررہ مدت تک قائم رہنا اور اس کا انتظار کرنا پرہیز گاروں کے اعمال میں سے ایک عمدہ عمل ہے۔

۸۔﴿ کَیْفَ وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْکُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ وہ معاہدے پر کس طرح قائم رہ سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ حلف وقسم اور قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا لحاظ رکھیں گے۔[یہاں مشرکین کی طرف سے معاہدے پر ثابت قدم رہنے کو مستبعد (بعید از قیاس) قرار دینے کے لیے سوالیہ انکار کے لفظ ''کَیْفَ'' کو مکرر ذکر کیا گیا ہے اور فعل کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا' اصل میں ''کَیْفَ یَکُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ'' ہے ] یعنی ان کا معاہدے پر قائم رہنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں یعنی سابقہ قسموں اور معاہدوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے بعد بھی اگر وہ تم پر کامیاب ہو جائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ حلف و قرابت داری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد و پیمان کا لحاظ کریں گے ﴿ یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ وہ تو صرف زبانی ایمان لانے اور ایفائے عہد کرنے کے وعدے کر کے تمہیں راضی اور خوش رکھنا چاہتے ہیں (ورنہ دل سے جلتے رہتے ہیں) اور یہ کلام ان کے اس وصف کو بیان کرنے کے لیے شروع کیا گیا ہے کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہے اور یہی وصف ان کی طرف سے عہد پر ثابت رہنے کے استبعاد (بعید از قیاس) کو ثابت و مستحکم کرتا ہے ﴿ وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ ﴾ اور ان کے دل ایمان قبول کرنے اور وعدہ وفا کرنے سے انکار کرتے ہیں ﴿ وَاَکْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں اکثر لوگ نافرمان ہیں کہ عہد کو توڑنے والے ہیں یا یہ کہ وہ کفر میں بہت سرکشی کرنے والے' ان میں کوئی انسانی مروّت نہیں' جو انہیں جھوٹ بولنے سے باز رکھے اور نہ کوئی اچھی عادتیں ہیں جو انہیں عہد شکنی کرنے پر خوف زدہ کریں جیسا کہ ان دونوں (جھوٹ بولنے اور عہد شکنی کرنے) کے عوض یہ چیزیں بعض کافروں میں موجود ہوتی ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ⑫

انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت خریدی' سوانہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا' بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے O وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا' اور یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں O پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں' اور ہم اہل علم قوم کے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں O اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم کفر کے سرداروں سے جنگ کرو' بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تا کہ وہ باز آ جائیں O

۹- ﴿ اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی قرآن مجید کو تھوڑی سی قیمت میں فروخت کر دیا کہ انہوں نے قرآن مجید کے عوض میں دنیا کا حقیر سامان تبدیل کر لیا اور اس سے خواہشات اور شہواتِ نفسانیہ مراد ہیں ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ﴾ اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' سوانہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے منہ پھیر لیا اور لوگوں کو بھی روکا ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے یعنی ان کے اعمال بہت بُرے اعمال ہیں۔

۱۰- ﴿ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا [یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا خصوص پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''فِیْكُمْ'' صرف تمہارے بارے میں وہ قرابت وعہد کا لحاظ نہیں کرتے اور یہ دوسرا کلام عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فِیْ مُؤْمِنٍ'' کہ مشرکین کسی مسلمان کے بارے میں قرابت داری اور عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے] ﴿ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں یعنی یہ لوگ ظلم و شرارت میں انتہائی تجاوز کرنے والے ہیں۔

۱۱- ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ ﴾ پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے بھائی ہیں [اصل میں ''فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ'' ہے' مبتدا محذوف کر دیا گیا ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے)] ﴿ فِی الدِّیْنِ ﴾ دین و مذہب میں (وہ تمہارے بھائی ہیں) نسب و خاندان میں نہیں ﴿ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ اور ہم اپنی آیتوں کو اہل علم قوم کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں اور ان آیتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور یہ جملہ معترضہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بے شک جو شخص ان کی تفصیل میں غور و فکر کرے گا تو وہ عالم اور جاننے والا ہو جائے گا' یہ محض ترغیب دینے کے لیے ہے کہ معاہدہ کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے مشرکین کے تفصیلی احکام میں غور و فکر کیا جائے۔

۱۲- ﴿ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ﴾ اور اگر وہ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں یعنی اگر وہ

لوگ قسموں کے ساتھ پختہ کیے گئے معاہدوں کو توڑ ڈالیں ﴿وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ﴾ اور وہ تمہارے دینِ حق کے بارے میں طعنہ زنی کریں اور اس میں عیب نکالنے کی کوشش کریں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ تو تم کافروں کے سرداروں سے جنگ کرو [''فَقَاتِلُوْهُمْ'' کی بجائے اسم ظاہر ''اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' کو ''هُمْ'' ضمیر کی جگہ ذکر کیا گیا ہے] (تاکہ قتل کی وجہ معلوم ہو جائے کہ کفر میں لیڈری کرنے والے ہی قتل کے زیادہ مستحق ہیں) اور اس سے شرک کے سردار مراد ہیں یا پھر قریش کے وہ لیڈر مراد ہیں جنہوں نے رسول اکرم کو مکہ مکرمہ سے نکال دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب کوئی ذمی دین اسلام کے بارے میں کھلم کھلا طعنہ زنی اور زبان درازی کرے تو اس کا قتل کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ اس شرط پر قائم کیا گیا تھا کہ وہ دین اسلام پر طعنہ زنی اور عیب جوئی نہیں کرے گا' پس جب اس نے طعنہ زنی کی تو اس نے اپنا عہد توڑ ڈالا اور معاہدہ سے خارج ہو گیا [کوفیوں اور شامیوں کی قراءت میں ''اَئِـمَّةَ'' دو ہمزوں کے ساتھ ہے اور باقیوں کی قراءت میں بغیر مد کے صرف ایک ہمزہ کے ساتھ ہے جس کے بعد ''یـا'' مکسور ہے (اَیِـمَّةَ) اس کی اصل ''اَاْمِـمَةٌ'' ہے کیونکہ یہ ''اِمَام'' کی جمع ہے جیسے ''اَعْمِدَةٌ''، ''عِـمَاد'' کی جمع ہے' پھر پہلے میم کی حرکت ہمزہ ساکنہ کو دے دی گئی اور اس کو دوسری میم میں مدغم کر دیا گیا' لہٰذا جس نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے اس نے اصل کا اعتبار کیا ہے اور جس نے دوسرے ہمزے کو ''یـا'' سے تبدیل کیا اس نے اس کے کسرہ کی وجہ سے کیا] ﴿اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾ بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے ارشاد: ''وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ'' میں ان کی قسموں کو ثابت کیا کیونکہ ان سے وہ (جھوٹی) قسمیں مراد ہیں' جو انہوں نے ظاہر کی تھیں' پھر اس دوسرے ارشاد میں حقیقت کے اعتبار سے ان قسموں کی نفی فرما دی اور یہ آیت مبارکہ ہماری (احناف) کی دلیل ہے کہ کافر کی قسم معتبر نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ کافر اس کو پورا نہیں کرتے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک ان کی قسم قسم ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ''نـکـث'' (توڑنے) کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''لَا اِیْـمَانَ لَهُمْ'' ہے یعنی ان کا کوئی دین و ایمان نہیں] ﴿لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾ تاکہ وہ (کفر سے) باز آ جائیں۔ [یہ ''فَـقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] یعنی کفار سے بڑے بڑے جرائم سرزد ہونے کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنے سے تمہاری غرض صرف ان کو کفر و شرک سے باز رکھنا اور روکنا ہے جس پر وہ اَڑے ہوئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بُرے کام کرنے والے پر انتہائی کرم ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَ
يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور انہوں نے رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور

انہی لوگوں نے تمہارے ساتھ پہلی بار ابتدا کی ہے' کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو○ تم ان سے جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے گا اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مؤمنوں کے سینوں کو شفا دے گا○ اور ان کے دلوں کا غصہ دور کر دے گا' اور اللہ جس کو چاہے گا اس کو توبہ کی توفیق دے گا' اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے○

۱۳- پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا: ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ﴾ کیا تم اس قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا ہے جو قسمیں انہوں نے معاہدہ کرتے وقت کھائی تھیں ﴿ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ﴾ اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا ﴿ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ اور انہوں نے ہی پہلی دفعہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں پہل کی ہے اور پہل کرنے والا ہی ظالم ہوتا ہے تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ جہاد ترک کرنے سے مسلمانوں کو روکا اور ان کو جہاد کی ترغیب دی' پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایسے اوصاف بیان کیے' جو مسلمانوں میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کو واجب و لازم کرتے ہیں اور وہ اوصاف یہ ہیں کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اکرم کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور بغیر کسی سبب کے جنگ کرنے میں پہل کی ﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو' یہ ان سے ڈرنے پر ڈانٹ ہے ﴿ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرو [اصل میں "بِاَنْ تَخْشَوْهُ" ہے] ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم ایمان دار ہو تو صرف اسی سے ڈرو یعنی کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن اپنے رب کے بغیر کسی سے نہ ڈرے اور اس کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرے۔

۱٤- اور جب اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتِ مبارکہ میں جہاد ترک کرنے پر مسلمانوں کو ڈانٹا تو اس آیتِ مبارکہ میں انہیں جہاد کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ ﴾ (اے مسلمانو!) تم ان سے جنگ کرو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے مدد کا وعدہ فرمایا تا کہ ان کے دل ثابت و مطمئن رہیں اور ان کی نیتیں درست رہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں قتل کرا کر انہیں سزا دے گا اور قید کرا کر انہیں ذلیل و رسوا کرے گا ﴿ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور تمہیں ان پر غلبہ و کامیابی عطا فرمائے گا ﴿ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مسلمان قوم کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا یعنی ان کی ایک جماعت کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور اس سے قبیلہ خزاعہ مراد ہے' جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔

۱۵- ﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کا غصہ اور حزن و ملال دور کر دے گا جو کفار (قریشِ مکہ وقبیلہ بنو بکر) کی طرف سے انہیں تکلیفیں پہنچنے پر لاحق ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ تمام وعدے پورے فرما دیئے' پس یہ چیزیں حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کی صحت کی دلیل بن گئیں ﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے۔ یہ ایک الگ کلام کا آغاز ہوا ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ بعض کفار اپنے کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں گے اور ہوا بھی اسی طرح' چنانچہ ان میں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے جیسے حضرت ابوسفیان' حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور حضرت سہیل بن عمرو اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ فرقہ کے اس قول کی تردید کر رہی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام کفار کی توبہ چاہی لیکن کفار اپنے اختیار سے توبہ نہیں کریں گے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ماضی میں گزرے ہوئے

واقعات کو جانتا ہے ﴿ حَکِیْمٌ ﴾ وہ توبہ قبول کرنے میں بڑا دانا اور زبردست حکمت والا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ
يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ
ع ٨ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ
عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾
اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک ان لوگوں کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو راز دار نہیں بنایا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پورا باخبر ہے ○ مشرکین کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جب کہ وہ اپنے بارے میں کفر کی گواہی دیتے ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہو گئے' اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے ○ اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو' سو انہی کے بارے میں امید ہے کہ وہ ہدایت والوں میں سے ہو جائیں گے ○

١٦- ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ﴾ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے جہاد کیا ہے۔ [اس آیت میں "اَمْ" منقطعہ ہے اور ہمزہ اس میں گمان کے وجود پر زجر و توبیخ کے لیے ہے] یعنی تم کو اس حال پر نہیں چھوڑا جائے گا جس حال پر تم اب ہو بلکہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو ظاہر کر کے رہے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جہاد کیا ﴿ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم اور مؤمنوں کے ماسوا کسی کو راز دار نہیں بنایا یعنی ان لوگوں میں سے کسی کو راز دار نہیں بنایا' جو رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے مخالف ہیں [اور "لَمَّا" کا معنی توقع ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا بیان عنقریب متوقع ہے] اور یہ کہ جنہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہیں کیا ان کے درمیان اور مخلصین کے درمیان اللہ تعالیٰ امتیاز واضح کر دے گا [اور "وَلَمْ يَتَّخِذُوْا"، "جَاهَدُوْا" پر معطوف ہے اور صلہ کے تحت داخل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین اور مخلصین کو ان لوگوں سے ممتاز نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو راز دان' دوست بنانے والے ہیں اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ سب کچھ ظاہر نہیں فرمایا جو میرے متعلق لکھا گیا ہے' جب کہ اس کہنے سے تمہاری مراد یہ ہو کہ ابھی تک یہ سب کچھ مجھ سے معرضِ وجود میں نہیں آیا اور معنی یہ ہے کہ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تمہیں مجاہدہ کرائے بغیر اور مشرکین سے بَری و الگ کیے

بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے گا ﴿وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے یا بُرے تمام اعمال سے باخبر ہے' وہ تمہیں ان پر ضرور جزاء دے گا۔

## تعمیر مساجد کے حق دار مسلم ہیں غیر مسلم نہیں' نیز ہجرت وایمان اور اللہ اور رسول سے محبت اور جہاد کی فضیلت

۱۷۔ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ﴾ مشرکوں کے لیے نہ صحیح ہے اور نہ ہی جائز ہے ﴿اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو تعمیر وآباد کریں [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت ''مَسْجِدَ اللّٰهِ'' ہے اور اس سے مسجد حرام مراد ہے اور جمع (مَسَاجِدَ اللّٰهِ) کی قراءت میں جمع کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ مسجد حرام تمام مسجدوں کا مرکز وقبلہ ہے اور ان کی امام ہے] سو اس کی تعمیر کرنے والا گویا تمام مسجدوں کی تعمیر کرنے والے کی طرح ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے چاروں اطراف کا ہر حصہ اور ٹکڑا مستقل مسجد ہے یا جنس مساجد مراد ہے اور جب مشرکین یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ جنس مسجد (یعنی کوئی اسلامی عبادت گاہ) آباد کر سکیں تو اس عام حکم کے تحت یہ بھی داخل ہو گیا کہ وہ مسجد حرام کو آباد نہیں کر سکتے جو تمام مساجد کی صدر یعنی سب سے افضل ہے اور یہ زیادہ مؤکد و پختہ نفی ہے کیونکہ یہ طریقہ کنایہ کا طریقہ ہے جیسے تم کہو: فلاں آدمی اللہ تعالیٰ کی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تو یہ طریقہ قرآن مجید کی قراءت سے صراحت کے ساتھ منع کرنے سے بڑھ کر نفی کرنے والا ہے ﴿شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہوں اور بتوں کی عبادت کا اعتراف کرتے ہوں [اور یہ جملہ ''یَعْمُرُوْا'' کی ''هُمْ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو متضاد چیزوں کو جمع کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کو تعمیر وآباد بھی کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کا انکار بھی کریں ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

۱۸۔ ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو صرف وہ تعمیر وآباد کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو (تعمیر مساجد کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی عمارتیں بنانا اور جو حصے بوسیدہ ہو چکے ہوں' ان کو مرمت کر کے درست کرنا اور ان میں جھاڑو وغیرہ سے صفائی کر کے ان کو صاف ستھرا اور پاک رکھنا اور ان کو چراغوں اور لائٹوں سے روشن رکھنا اور ان کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھنا جن چیزوں کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئیں' جیسے ان میں دنیاوی باتیں کرنا (شور وغل کرنا' ان کو مسافر خانہ بنا لینا اور ان میں بدبودار چیزیں کھا کر ان کو متعفن کرنا) اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا رسول کریم پر ایمان لانے کا قرینہ ہے کیونکہ اذان میں' اقامت میں اور کلمۂ شہادت وغیرہ میں دونوں پر ایمان لانے کی گواہی مقترن ومتصل ہے' یا اس پر اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو ﴿وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرتا ہو' اور اس ارشاد میں اخلاص پر تنبیہ ہے اور خشیت سے مراد یہ ہے کہ دین کے تمام معاملات میں مؤمن کسی متوقع خوف کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا پر کسی اور کی رضا کو اختیار نہ کرے کیونکہ مؤمن خطرناک چیزوں (جیسے سانپ' شیر' چیتے وغیرہ) سے بعض اوقات طبعی طور پر خوف زدہ ہو جاتا ہے اور وہ اتنی ہمت وجراءت اور قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ان سے بالکل نہ ڈرے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ لوگ بتوں سے ڈرتے تھے اور ان سے امیدیں وابستہ رکھتے تھے' اس لیے اُن سے ڈرنے کی یہاں نفی کی گئی ہے

(یعنی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے' بتوں وغیرہ سے نہیں ڈرتا) ﴿فَعَسٰۤى اُولٰۤىٕكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ﴾ سو قوی امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت والوں میں سے ہو جائیں گے جب کہ مشرکین ہدایت کے راستوں سے دور رہیں گے اور اس آیت مبارکہ میں مشرکین کی اپنے اعمال سے نفع اٹھانے کی امیدیں ختم کردی گئی ہیں [کیونکہ "عَسٰی" کا کلمہ طمع وامید دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے تعمیرات مساجد کے اعمال جائز وصحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف انہیں کے اعمال معتبر ہیں' ان کے علاوہ کسی کے نہیں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام آباد کرنے والے کو اس شخص کے برابر قرار دے دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں سب سے بڑھ کر ہیں' اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O

۱۹- ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام تعمیر کرنے والے کو اس کے برابر قرار دے دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ["سقایة" اور "عمارة" دونوں مصدر ہیں "سَقْی" اور "عَمَر" سے ماخوذ ہیں جیسے "صیانة" اور "وقایة" ہیں اور مضاف کا محذوف ہونا ضروری ہے' جس کی تقدیر یہ ہے: "اَجَعَلْتُمْ اَهْلَ سِقَایَةِ الْحَآجِّ وَعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ" اور بعض نے کہا کہ مصدر بہ معنی فاعل ہے اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت اس کی تصدیق کرتی ہے: "سُقَاةَ الْحَآجِّ وَعَمَرَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"] اور معنی یہ ہے کہ مشرکوں کو مسلمانوں کے ساتھ اور ان کے ضائع ہونے والے اعمال کو مسلمانوں کے محفوظ وثابت اعمال کے ساتھ تشبیہ دینے کا اور ان میں برابری کرنے کا انکار ہے اور یہ کہ کفر کرنے کے ظلم کے بعد مشرکوں کو مسلمانوں کے برابر قرار دینا دوسرا بڑا ظلم ہے کیونکہ انہوں نے مدح وتعریف اور فخر کو ان کے غیر محل میں رکھا۔

شانِ نزول: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب (غزوۂ بدر میں) گرفتار کیا گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے اور قرابت داری کے تعلق کو توڑنے پر ڈانٹنے لگے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے ہماری برائیاں بیان کی ہیں اور ہماری خوبیاں چھوڑ دی ہیں' جب ان سے کہا گیا کہ کیا تمہاری خوبیاں بھی ہیں؟

تو حضرت عباس نے فرمایا: (اس وقت تک آپ نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا) کہ ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور ہم قیدیوں کو رہا کرتے ہیں تو ان کے اس قول کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت عباس نے پانی پلانے پر اور شیبہ نے مسجد حرام کو آباد کرنے پر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے اور جہاد کرنے پر فخر کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی (اور یہ آیت مبارکہ نازل کی)۔

٢٠-﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''مِنْ اَهْلِ السِّقَايَةِ وَالْعِمَارَةِ''. جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا' یہی لوگ پانی پلانے والوں اور مسجد حرام کو آباد رکھنے والوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے درجے پر فائز ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ اور یہی مسلمان کامیاب و کامران ہیں (اور اے مشرکو!) تم نہیں اور یہی لوگ کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں مشرکین نہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

ان کا پروردگار ان کو اپنی جناب سے رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی خوشخبری سناتا ہے' جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی ○ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بے شک اللہ کے نزدیک بہت بڑا اجر و ثواب ہے ○ اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں' اور تم میں سے جو کوئی بھی ان کو دوست رکھیں گے تو وہ بڑے ظالم ہوں گے ○

---

٢١-﴿ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ ﴾ انہیں ان کا پروردگار اپنی رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی خوشخبری سناتا ہے۔[ قاری حمزہ کی قراءت میں ''يُبْشِرُهُمْ'' (باب انفعال سے) ہے۔ مُبَشَّرٌ بہ (جن چیزوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے) کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ چیزیں کسی تعریف کرنے والے کی تعریف اور کسی وصف بیان کرنے والے کے وصف سے بہت بلند و بالا واقع ہوئی ہیں]﴿ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ان (بہشتوں) میں دائمی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔

٢٢-﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا تو ہر آدمی اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کہنے لگا کہ بے شک ہمیں ہجرت کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے' چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ تو ہجرت کرنے

کے لیے تیاری کرنے لگے اور وہ اس پر خوش ہونے لگے اور ان میں سے کچھ لوگوں کے بیوی بچے ان سے لپٹ گئے اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں بے سروسامان چھوڑ کر چلے گئے تو ہم لوگ ضائع ہو جائیں گے تو وہ لوگ ان کے پاس بیٹھ جاتے اور ہجرت کرنا چھوڑ دیتے' ان کے بارے میں (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

٢٣- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ' اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں یعنی وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں اور ایمان کے بدلے میں کفر کو اختیار کر لیں ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ ﴾ اور تم میں جو شخص ان سے دوستی کرے گا یعنی جو لوگ کافروں کو دوست رکھیں گے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ تو یہ لوگ ظالم ہوں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ
وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ
اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى
يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ ع لَقَدْ نَصَرَكُمُ  ٣ ع ٩
اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ
عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں (یہ سب چیزیں) اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O بے شک اللہ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرما چکا ہے' اور حنین کے دن بھی' جب تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کر دیا' سو وہ تمہیں کچھ کام نہ دے سکی اور زمین فراخ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ گئے O

٢٤- ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے اقارب [حضرت ابوبکر کی قراءت میں ''وَعَشِيْرَاتُكُمْ'' ہے] ﴿ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور وہ مال جن کو تم نے محنت سے کمایا اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خوف لگا رہتا ہے اور اس کے بھاؤ کے وقت نرخ کے گرنے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ محلات و مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو' یہ سب چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور وہ جلد آنے والا یا تاخیر سے آنے والا عذاب ہے یا

فتح مکہ مراد ہے ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور یہ آیت مبارکہ لوگوں کے لیے دھمکی ہے کہ وہ دین کے معاملات میں نرم رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور مداہنت سے کام لیتے ہیں اور یقین کی رسی میں مذبذب ہو جاتے ہیں جب کہ تم پرہیزگاروں کو ایسا ہرگز نہیں پاؤ گے کہ وہ دین کے مقابلے میں باپ دادا اور بیٹوں اور مال و دولت اور دنیا کی لذات کو پسند کرتے ہوں۔

## غزوۂ حنین، حج و عمرہ سے مشرکین کی ممانعت اور یہود و نصاریٰ سے جہاد کرنے کا بیان

۲۵۔ ﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی جیسے جنگ بدر، قریظہ، نضیر، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ مقامات جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اور مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی وہ اسّی مقام ہیں اور مواطنِ حرب سے مراد جنگ کے مقامات اور جنگ کے لیے قیام گاہیں ﴿ وَیَوْمَ ﴾ ''اَیْ وَاذْكُرُوْا یَوْمَ'' ﴿ حُنَیْنٍ ﴾ یعنی اور تم حنین کے دن کو یاد کرو اور حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے، جس میں مسلمانوں اور ھوازن و ثقیف کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ھوازن و ثقیف کی تعداد چار ہزار تھی، پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو مسلمانوں میں کسی آدمی نے کہہ دیا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے تو ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے (کیونکہ ہماری فوج تین گنا زیادہ ہے) یہ بڑا بول رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا ﴿ اِذْ ﴾ [یہ ''یَوْم'' سے بدل ہے] جب ﴿ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ﴾ تمہارے لشکر کی کثرت نے تمہیں تعجب و غرور میں ڈال دیا تو کثرتِ تعداد پر تکبر و غرور کے بڑے بول نے مسلمانوں کو اپنی گرفت میں گھیر لیا اور ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی کہ مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لشکر کی کثرت نہیں، چنانچہ شروع میں مسلمان شکست کھا گئے اور مغلوب ہو کر بھاگ پڑے، یہاں تک کہ ان کا شکست خوردہ لشکر مکہ مکرمہ میں جا پہنچا اور رسول اللہ ﷺ اکیلے باقی رہ گئے اور آپ اپنے مرکز میں قائم رہے اور آپ کے ساتھ صرف آپ کے ایک چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گئے، جنہوں نے آپ کی سواری کے جانور کی لگام تھام رکھی تھی اور دوسرے آپ کے چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث تھے، جنہوں نے سواری کی رکاب تھام رکھی تھی اور حضور سرورِ عالم ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ تم بلند آواز سے لوگوں کو پکارو اور حضرت عباس کی آواز بلند تھی تو انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ اے (حدیبیہ کے مقام پر ببول کے درخت کے نیچے جہاد کی بیعت کرنے والے) اصحابِ شجرہ! ادھر آؤ، چنانچہ پورا لشکر ''لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ'' کہتا ہوا جمع ہو گیا (اور کفار پر ٹوٹ پڑا) اور مسلمانوں کی مدد کے لیے سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر فرشتے اترے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لی اور کفار کی طرف پھینک دی، پھر فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! کفار شکست کھا گئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار شکست کھا گئے اور مسلمان لشکر فتح یاب ہو گیا اور اس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یہ تھی: ''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَیْكَ الْمُشْتَكٰی وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ'' اور دریا پھاڑ کر راستے بنانے والے دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی دعا کی تھی ﴿ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ﴾ تو لشکر کی کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی [''مَا'' مصدریہ ہے اور ''بَا'' ''مَعَ'' کے معنی میں ہے یعنی کشادہ ہونے کے ساتھ اور اس کی حقیقت ''رحب'' کے ساتھ ملتبس ہے اس بناء پر کہ جار مجرور محلاً حال ہے جیسے تم کہو کہ میں فلاں کے پاس سفر کے کپڑوں میں داخل ہوا یعنی میں سفر کے لباس کے ساتھ ملتبس تھا] اور معنی یہ ہے کہ تم نے اپنے دشمنوں سے بھاگنے کے لیے کوئی راہِ فرار کی جگہ نہ پائی تو گویا زمین تم پر تنگ ہو گئی ﴿ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴾ پھر تم شکست کھا گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا
لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ
يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی تسکین اتاری اور ایسا لشکر اتارا جس کو تم نے (کبھی) نہیں دیکھا تھا اور کافروں کو عذاب دیا' اور کافروں کی یہی سزا ہے O پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق عنایت فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! بے شک مشرکین ہی ناپاک ہیں' سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ جائیں' اور اگر تمہیں غربت کا ڈر ہو تو عنقریب اللہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا اگر وہ چاہے گا' بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O

---

٢٦- ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی جس کی برکت سے مسلمان پُرسکون وپُرامن ہو گئے ﴿ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا لشکر اتارا جس کو تم نے نہیں دیکھا یعنی فرشتوں کا لشکر اور وہ آٹھ ہزار (٨٠٠٠) تھے یا پانچ ہزار (٥٠٠٠) یا سولہ ہزار (١٦٠٠٠) تھے ﴿ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل و غارت اور قید و بند اور بیوی بچوں کی گرفتاری کے عذاب میں مبتلا کیا ﴿ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

٢٧- ﴿ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا توبہ کی توفیق عنایت فرمادی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں سے اسلام قبول کر لیا تھا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے کی برکت سے دشمنوں کے کفر پر بہت پردہ پوشی فرمانے والا ہے ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ شکست کے بعد اپنے دوستوں کی نصرت و مدد کر کے ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

٢٨- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ اے ایمان والو! بے شک مشرکین محض ناپاک ہیں' "اَیْ ذُوْ نَجَسٍ" یعنی نجاست و گندگی والے ہیں [اور یہ مصدر ہے جیسے "نَجِسَ نَجَسًا وَقَذِرَ قَذَرًا" کہا جاتا ہے] کیونکہ ان میں شرک ہے جو نجاست و گندگی کے قائم مقام ہے اور وہ اس لیے بھی نجس ہیں کہ وہ پاک صاف نہیں رہتے اور نہ غسلِ جنابت کرتے ہیں اور نہ وہ گندگیوں سے بچتے ہیں بلکہ وہ لوگ گندگیوں کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں یا ان کے وصف میں مبالغہ کرنے کے لیے انہیں خود نجس و پلید قرار دیا گیا ہے گویا وہ لوگ بذاتِ خود نجس و ناپاک اور پلید ہیں ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ لہٰذا وہ مسجد حرام کے پاس نہ جائیں اور نہ وہ حج کریں اور نہ وہ عمرہ کریں جیسا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے

تھے ﴿بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ اپنے اس سال کے بعد اور وہ ۹ھ ہے' جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موسم حج کے موقع پر امیر حج مقرر کیا گیا تھا یا مسجد حرام کے قریب جانے کی نہی سے حج اور عمرہ کی نہی مراد ہے اور یہی ہمارا (یعنی احناف کا) مذہب ہے' چنانچہ ہمارے نزدیک حرم میں اور مسجد حرام میں اور دیگر تمام مساجد میں انہیں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مسجد حرام میں داخل ہونے سے انہیں روکا جائے گا' باقی سے نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام سے بھی اور اس کے علاوہ مساجد میں داخل ہونے سے بھی ان کو روکا جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد حرام کے قریب جانے سے مشرکین کو نہی کرنا دراصل مسلمانوں کو نہی کرنا ہے (کیونکہ کفار براہِ راست شرعی احکام کے مکلف نہیں) کہ مسلمان مساجد کا اقتدار و اختیار مشرکین کو نہ دیں ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ یعنی اگر مشرکین کو حج سے منع کرنے کی وجہ سے تمہیں فقر و فاقہ اور اس نفع اور کمائی کا خطرہ ہے جو مشرکین کے تمہارے پاس آنے سے تمہیں حاصل ہوتی ہے ﴿فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ﴾ تو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہیں غنی کر دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اموالِ غنیمت یا بارش اور زمین کی پیداوار یا حجاجِ اسلام کے تاجروں کی وجہ سے تمہیں غنی کر دے گا ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ یہ تعلیم دینے کے لیے فرمایا گیا ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ حسبِ وعدہ ضرور غنی کر دے گا) کہ تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے ساتھ مشروط مانا جائے تاکہ تمام امیدیں (سب سے) منقطع کر کے صرف اسی کی طرف رجوع کیا جائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ تمہاری امیدوں اور آرزوؤں کی تحقیق میں بہت حکمت والا ہے یا یہ کہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے' وہ اپنے احکام اور اپنے ارادوں میں بڑی حکمت والا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۚ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ ع ۵ ۱۰
عُزَيْرُ ۣ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ وہ اسے حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ وہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی تھی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور وہ ذلیل ہو جائیں○ اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں' اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں' یہ ان لوگوں کی بات کے مشابہ باتیں بناتے ہیں جو ان سے پہلے کافر گزر چکے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے' یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں○

۲۹۔یہ آیتِ مبارکہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (اے مسلمانو!) تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ یہودی دو خدا مانتے ہیں اور نصرانی تین خدا مانتے ہیں ﴿وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور نہ وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ آخرت کو جس طرح ماننا واجب اور لازم ہے وہ اس طرح نہیں مانتے بلکہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ جنت میں کھانے اور پینے کی نعمتیں نہیں ہوں گی ﴿وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور وہ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ قرآن وسنت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اہل کتاب ان کو حرام نہیں سمجھتے یا یہ کہ وہ تورات اور انجیل کے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتے (بعض نسخوں کے مطابق ترجمہ یہ ہے کہ) وہ لوگ تورات وانجیل کے احکام کو نہیں جانتے ﴿وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ اور وہ دینِ حق کو قبول نہیں کرتے اور نہ وہ دینِ اسلام کو مانتے ہیں جو کہ سچا دین ہے کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ يَدِيْنُ بِكَذَا'' جب کوئی شخص اپنا دین اپنا لیتا ہے اور اس کو قبول کر کے بطور عقیدہ اختیار کر لیتا ہے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ [یہ جملہ اپنے سے پہلے ''اَلَّذِيْنَ'' کا بیان ہے] اور لیکن مجوس جزیہ قبول کرنے میں اہل کتاب کے ساتھ لاحق ہیں اور اسی طرح ترک اور ہند کے بت پرست وغیرہ بہ خلاف مشرکینِ عرب کے اس لیے کہ امام زہری نے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنے پر صلح کر لی تھی ماسوا ان کے جو عرب سے تھے[1] ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ یہاں تک کہ وہ لوگ جزیہ قبول کر کے ادا کریں اور اس کو جزیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلم ملک میں شہریت حاصل کرنے والے غیر مسلم پر اس کو ادا کرنا واجب اور لازم ہوتا ہے یعنی اس پر لازم ہے کہ وہ اس جزیہ کو لازمی طور پر ہر حال میں ادا کرے یا یہ کہ کافر (امان حاصل کر کے) ذلت ورسوائی سے بچنے کی مہلت کا معاوضہ ادا کرتا ہے ﴿عَنْ يَّدٍ﴾ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے ہاتھ سے خود بخود ادا کرے اس لیے کہ جس نے انکار کیا اور رکاوٹ ڈالی اس نے اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا نہیں کیا بہ خلاف مطیع وفرماں بردار کے اور اس لیے کہ جب کوئی مطیع وفرماں بردار ہو کر جزیہ ادا کرے تو کہتے ہیں: ''اَعْطٰى بِيَدِهٖ'' کہ اس نے اپنے ہاتھ سے عطا کیا اور کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے اپنا ہاتھ اطاعت سے کھینچ لیا (یعنی نافرمان ہو گیا) یا یہ معنی ہے: یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے لینے والے کے ہاتھ میں نقد ادا کریں نہ اُدھار ہو اور نہ کسی اور کے ہاتھ سے بھیجا جائے بلکہ براہِ راست دینے والے کے ہاتھ سے لینے والے کے ہاتھ میں ادا کیا جائے ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور وہ ذلیل وخوار ہوں یعنی ان سے جزیہ اس طرح وصول کیا جائے کہ وہ ذلیل وپست ہو کر ادا کریں اور اس طرح کہ وہ لوگ بذاتِ خود پیدل چل کر جزیہ ادا کریں سوار ہو کر نہیں اور جب وہ جزیہ ادا کرنے لگیں تو وہ کھڑے ہو کر سپرد کریں اور لینے والا بیٹھ کر وصول کرے اور وہ عاجزی وانکساری اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنا جزیہ ادا کرے اور غلاموں کی طرح اس سے جزیہ وصول کیا جائے اور اس سے کہا جائے گا: اے ذمی! جزیہ ادا کر اور جب وہ جزیہ ادا کر چکے تو بغیر پشت کیے پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور اسلام قبول کر لینے پر جزیہ ساقط وختم ہو جاتا ہے۔

## اہلِ کتاب کی بدعقیدگی وبدعملی کا بیان اور مقصدِ بعثتِ نبوی

۳۰۔﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ﴾ اور تمام یہودیوں نے یا ان میں سے بعض نے کہا کہ ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ حضرت عزیر (پیغمبرِ خدا) علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں [یہ جملہ مبتدا خبر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''اَلْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ'' اور عزیر عجمی نام ہے اور یہ عجمی اور معرفہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور جس نے اس پر تنوین پڑھی ہے وہ عاصم اور علی

[1] قال ابن حجر: اخرجہ عبد الرزاق فی تفسیرہ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۲۶۳)

کسائی ہیں جنہوں نے اس کو عربی نام قرار دیا ہے] ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اور نصرانیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں' یہ صرف ان کی اپنے مونہوں کی باتیں ہیں یعنی یہ بناوٹی بات ہے' نہ اس کو کسی برہان و حجت سے مضبوط و مستحکم کیا گیا ہے اور نہ کوئی مستند بیان اس کی تصدیق و تائید کرتا ہے' یہ صرف منہ سے ایسے ہی کہہ دیا گیا ہے جو مہمل و بے معنی الفاظ کی طرح معنی اور مفہوم سے خالی ہے ﴿يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) پہلے کافروں کی بات جیسی باتیں بناتے ہیں۔ [یہاں اس عبارت میں مضاف کا محذوف ماننا ضروری ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''يُضَاهِئُ قَوْلُهُمْ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پھر مضاف کو حذف کر کے ضمیر مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے' پھر اس کو (فاعل قرار دے کر) مرفوع کر دیا گیا] یعنی بے شک یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کے عہد مبارک میں تھے' ان کا قول اپنے متقدمین کے قول کے مشابہ ہو گیا ہے یعنی کفر کا عقیدہ ان میں قدیم ہے' کوئی جدید عقیدہ نہیں یا یہ ضمیر نصاریٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی عیسائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' یہ یہود کے اس قول کے مشابہ ہو گیا ہے کہ حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کیونکہ یہودی عیسائیوں سے پہلے ہیں [امام عاصم کی قراءت میں ''يُضَاهِئُوْنَ'' (ہمزہ کے ساتھ) ہے اور ''مضاهات'' کا اصل معنی مشابہت ہے اور اکثر قراء نے ہمزہ کو ترک کر دیا ہے (چنانچہ ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' حمزہ' ابوعمرو بصری' نافع مدنی' علی کسائی' ابوجعفر' خلف اور یعقوب کی قراءت میں ''يُضَاهُوْنَ'' ہے) اور یہ عرب کے قول ''اِمْرَاَةٌ ضَهْيَاءُ'' سے مشتق ہے' یہ وہ عورت ہوتی ہے جو مردوں کے مشابہ ہو گئی ہو کہ اس کو حیض (ماہواری) نہ آتی ہو۔ علامہ زجاج نے اسی طرح کہا ہے] ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو برباد و ہلاک کرے یعنی وہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان کے بارے میں یہی کہا جائے ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ برہان و حجت اور مضبوط دلیل قائم ہونے کے بعد یہ لوگ حق سے کیوں پھرے جا رہے ہیں؟

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ
ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ
يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ النصف

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے پادریوں اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو رب بنا لیا ہے' حالانکہ انہیں کوئی اور حکم نہیں دیا گیا مگر صرف یہی کہ وہ اکیلے معبود کی عبادت کریں' جس کے سوا کوئی اور مستحق عبادت نہیں ہے' وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ○ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی (پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ نہیں مانے گا ماسوا اس کے کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں ○ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے' اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں ○

۳۱۔﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی دونوں اہل کتاب نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالیا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو حلال کرنے میں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام کرنے میں یہ لوگ انہی کی اطاعت کرتے تھے جیسا کہ اوامر اور نواہی میں آقاؤں کی اطاعت کی جاتی ہے ﴿ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ [یہ ''اَحْبَارَهُمْ'' پر معطوف ہے] یعنی عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو رب اور معبود بنالیا ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا ہے ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر صرف یہی کہ وہ اکیلے معبود کی عبادت کریں [اس پر وقف کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا مابعد مبتدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ''وَاحِدًا'' کی صفت بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے] ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اس سے پاک ہے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شرک وغیرہ سے تنزیہ اور پاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔

۳۲۔﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ بالکل نہیں مانے گا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم رسولِ معظم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت کو انکار و تکذیب کے ذریعے مٹانے کے لیے کفار کی طلب و خواہش کی' اس شخص کے حال کے ساتھ مثال دی ہے جو چاہتا ہو کہ آفاق میں پھیلے ہوئے عظیم الشان نور کو پھونک مار کر بجھا دے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھانا چاہتا ہے اور اس نور کی کرنوں کو انتہائی کمال تک پہنچانا چاہتا ہے تا کہ وہ اس نور کے بابرکت دم سے کفر و شرک کو بجھا دے اور ''وَيَاْبَى اللّٰهُ'' کو اللہ تعالیٰ نے ''وَلَا يُرِيْدُ اللّٰهُ'' کے قائم مقام کیا ہے کیونکہ یہ ''يُرِيْدُوْنَ'' کے مقابلے میں واقع ہوا ہے' ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ میں زید کے سوا کسی کو ناپسند نہیں کرتا اور نہ میں زید کے سوا کسی سے ناراض ہوں۔

۳۳۔﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو ﴿ بِالْهُدٰى ﴾ ہدایت یعنی قرآن مجید ﴿ وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ اور سچے دین یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ﴿ لِيُظْهِرَهٗ ﴾ تا کہ وہ اپنے رسول کو بلند و بالا اور غالب کر دے ﴿ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ تمام اہلِ ادیان پر یا یہ معنی ہے: تا کہ وہ اس دینِ حق کو ہر دین پر غالب و فائق کر دے ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ اور اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ
جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا

كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! بے شک بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں' اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں○ جس دن اس کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی' (اور ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنی اپنی ذات کے لیے جمع کر رکھا تھا تو تم اب اس کا مزہ چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے○

٣٤- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ ﴾ اے ایمان والو! بے شک بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کا مال کھاتے ہیں' کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال لیتے ہیں ﴿ بِالْبَاطِلِ ﴾ احکام میں رشوت لے کر ﴿ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اپنی بے وقوف عوام کو اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی اس کے دین سے روکتے ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بہت سے پادریوں اور جوگیوں کی طرف اشارہ ہو کیونکہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں بُری خصلتیں انہیں میں جمع ہیں (١) رشوت لینا (٢) اور مال جوڑ جوڑ کر جمع کرنا اور خیر کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہوں جو مال جمع کر کے رکھتے ہیں لیکن خرچ نہیں کرتے اور بخیل مسلمانوں پر سختی کرنے کے لیے ان کا ذکر اہل کتاب کے رشوت خور پادریوں اور جوگیوں کے ذکر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ خزانہ نہیں ہے اگرچہ وہ چھپا کر رکھا جائے اور جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال خزانہ ہے اگرچہ وہ ظاہر ہو[1] اور بے شک اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت طلحہ وغیرہما مال جمع کرتے تھے اور اس میں تصرف کر کے خرچ بھی کرتے تھے اور جو لوگ مال جمع کرنے سے روگردانی کرتے تھے' ان میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ مال جمع کرنے سے اعراض کرنا افضل و بہتر طریقہ کا اختیار کرنا ہے جب کہ مال جمع کرنا مباح ہے' اس مال کے مالک کو بُرا نہیں کہا جائے گا (بشرطیکہ زکوٰۃ وغیرہ ادا کی جاتی رہے) ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ لوگ اُس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اس میں ضمیر معنی کی طرف لوٹتی ہے' کیونکہ سونے اور چاندی میں سے ہر ایک سے مراد دنانیر اور دراہم ہیں اور یہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا" (الحجرات:٩) "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں میں صلح کرا دو"۔ یا اس سے خزانہ اور اموال مراد ہیں یا اس کا معنی ہے: "وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا وَالذَّهَبَ" اور وہ لوگ چاندی اور سونے کو خرچ نہیں کرتے جیسا کہ کسی شاعر کے قول کا معنی ہے: "فَاِنِّيْ وَقَيَّارٌ بِهَا لَغَرِيْبٌ"۔ سو بے شک میں اور قیّار اس میں مسافر ہیں" "اَيْ وَقَيَّارٌ كَذٰلِكَ" یعنی میں اور قیّار اسی طرح ہیں اور باقی اموال میں سے صرف سونے اور چاندی کے ذکر کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں مال و دولت کی اصل ہیں اور تمام اشیاء کی قیمتیں انہیں سے وابستہ ہیں' لہٰذا ان دونوں کا ذکر کر دینا باقی تمام اموال کی دلیل ہے ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ سوائے محبوب! آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

[1] رواہ البخاری فی کتاب الزکوٰۃ باب: ٤' ابن ماجہ فی کتاب الزکوٰۃ باب: ٣' ورواہ الطبرانی فی الاوسط' کمافی مجمع الزوائد ج ٣ ص ٦٤

۳۵-﴿ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔اس ارشاد باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ جس روز آگ کو اس پر تپایا جائے گا یعنی اس پر آگ جلائی جائے گی [اور یہاں فعل کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جار و مجرور کی طرف مسند ہے اس کی اصل ''یَوۡمَ تُحۡمَی النَّارُ عَلَیۡهَا'' ہے جس دن اس سونے چاندی پر آگ کو تپایا جائے گا' پھر جب ''اَلنَّارُ'' کو حذف کیا گیا تو ''یُحۡمٰی'' کہا گیا کیونکہ اسناد ''اَلنَّارُ'' سے ''عَلَیۡهَا'' کی طرف منتقل ہو گیا ہے جیسے تم کہتے ہو: ''رُفِعَتِ الۡقِصَّةُ اِلَی الۡاَمِیۡرِ'' (فعل مؤنث کے ساتھ) اور اگر تم ''اَلۡقِصَّةُ'' کا ذکر نہ کرو تو تم یوں کہو گے: ''رُفِعَ اِلَی الۡاَمِیۡرِ'' (فعل مذکر کے ساتھ)] ﴿ فَتُكۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ﴾ پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی' پھر ان اعضاء کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب دولت مند کسی فقیر کو دیکھتے ہیں تو پیشانیوں پر تیوری چڑھا لیتے ہیں اور جب فقیر و محتاج آدمی زکوٰۃ وغیرہ مانگنے کے لیے ان سے ملتا ہے تو یہ لوگ مجلس سے اٹھ جاتے ہیں اور اس کی طرف پیٹھ کر دیتے ہیں اور اس سے اپنی کروٹیں پھیر لیتے ہیں اور اس کی طرف پشتیں موڑ لیتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ دولت مندوں کو ہر چہار اطراف پر داغا جائے گا' آگے' پیچھے اور دونوں پہلو ﴿ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ﴾ ان سے کہا جائے گا: یہ ہے وہ مال جس کو تم نے جمع کیا تھا تا کہ تمہارے نفوس اس سے نفع حاصل کریں اور اس وقت تمہیں معلوم نہیں تھا کہ جس کو تم نے جمع کیا ہے اس کی وجہ سے تمہارے نفوس کو اذیت و دکھ اور نقصان پہنچایا جائے گا اور یہ انہیں ڈانٹنے کے لیے کہا جائے گا ﴿ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴾ یعنی تم اس مال کا وبال چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے یا یہ کہ تم مال جمع کرنے کا وبال چکھو۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب الٰہی میں بارہ ہے جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں' یہی دین سیدھا ہے' سو تم ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو اور تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو جس طرح وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے O

## قمری مہینوں کی اہمیت اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم

۳۶-﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا ﴾ بے شک مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے بغیر کسی زیادتی کے اور اس سے مراد یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شریعت کے احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جن کا حساب چاند دیکھنے پر کیا جاتا ہے شمسی مہینوں پر نہیں ﴿ فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ یہ گنتی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں درج ہے جس کو اس نے اپنی حکمت سے ثبت کیا ہے اور اس کو واجب کیا ہے یا اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں' ان میں تین مہینے متصل

اور لگا تار آتے ہیں: (۱) ذوالقعدہ کہ اس میں جنگ سے دست بردار ہو کر اہل عرب گھروں میں بیٹھ جاتے (۲) اور ذوالحجہ حج کرنے کے لیے (۳) محرم الحرام اس لیے کہ اس میں جنگ کرنا حرام قرار دیا گیا تھا اور ایک مہینہ الگ ہے اور وہ رجب شریف ہے جس کا عرب احترام کرتے تھے یعنی اس کی تعظیم کرتے تھے ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یعنی یہی دین مستقیم ہے وہ نہیں جس کو اہل جاہلیت نے اختیار کر لیا ہے یعنی چار مہینوں کو حرمت والا قرار دینا ہی دین مستقیم ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا دین بھی یہی ہے اور عرب اسی کے ساتھ وابستہ رہے اور وہ ان مہینوں کی تعظیم کرتے تھے اور وہ لوگ ان مہینوں میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے یہاں تک کہ مہینوں کی تقدیم و تاخیر اور ردّ و بدل کا طریقہ ایجاد ہو گیا' پس انہوں نے تبدل و تغیر شروع کر دیا ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ سو تم ان حرمت والے مہینوں میں یا بارہ مہینوں میں گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ اور تم سب تمام کافروں سے جنگ کرو ["كَآفَّةً" فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے یا پھر مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ جس طرح وہ تم سب سے لڑتے اور جنگ کرتے ہیں ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے' اللہ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ کے لیے فتح و نصرت کی ضمانت کا وعدہ کر کے لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

بے شک مہینوں میں ردّ و بدل کرنا کفر میں ایک اور اضافہ ہے اس کی وجہ سے کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ وہ حرمت والے مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال اُسے حرام قرار دیتے ہیں تا کہ وہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام قرار دیا ہے' پھر یہ لوگ اُسے حلال قرار دے دیتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے' ان کے لیے ان کے بُرے اعمال خوش نما بنا دیئے گئے' اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ تم (جہاد کے لیے) اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہو جاتے ہو' کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے مگر تھوڑا ○

۳۷۔ ﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ﴾ [یہ ہمزہ کے ساتھ "نَسَاَهٗ" کا مصدر ہے] جب کسی چیز کو پیچھے کر دیا جائے اور یہاں حرمت والے مہینے کو کسی دوسرے مہینے کی طرف مؤخر کرنا مراد ہے اور وہ یہ کہ عرب کے جنگ و جدال اور قتل و غارت گری کرنے

والے لوگ جب جنگ کر رہے ہوتے اور اس دوران حرمت والا مہینہ آ جاتا تو جنگ چھوڑنا ان پر دشوار ہو جاتا اور وہ لوگ اس حرمت والے مہینے کو حلال قرار دے کر جنگ جاری رکھتے اور اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دے دیتے' یہاں تک کہ انہوں نے حرمت والے مہینوں کی تحریم کی تخصیص ختم کر دی اور وہ سال بھر کے مہینوں میں سے کوئی سے چار ماہ حرمت والے قرار دے دیتے تھے ﴿ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ﴾ یعنی ان کی طرف سے تقدیم و تاخیر کا یہ عمل ان کے کفر میں مزید اضافے کا باعث بنا ﴿ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ حرمت والے مہینوں میں تقدیم و تاخیر کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا [ قاری ابوبکر کی قراءت کے سوا اہل کوفہ کی قراءت میں ''يُضَلُّ'' (فعل مضارع مجہول) ہے ] ﴿ يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا ﴾ وہ حرمت والے مہینہ کو مؤخر کر کے اس کو ایک سال حلال قرار دے دیتے اور ایک سال اس کو حرام قرار دے دیتے یعنی جب وہ لوگ حرمت والے مہینوں میں سے کسی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دے دیتے تو پھر اس سے رجوع کر کے آئندہ سال اس کو حرام قرار دیتے تھے ﴿ لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللهُ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ گنتی کے برابر ہو جائیں یعنی تا کہ چار مہینوں کی گنتی کے موافق ہو جائیں اور اس کے مخالف نہ رہیں حالانکہ انہوں نے اس تخصیص (معین مہینوں کی حرمت) کی مخالفت کی جب کہ وہ دو واجب میں سے ایک تھا ( کیونکہ چار ماہ کی گنتی پوری رکھنا بھی ضروری تھا جس پر انہوں نے عمل کیا اور معین مہینوں کی حرمت کو قائم رکھنا بھی ضروری تھا مگر انہوں نے ردّ و بدل کر کے اس کی مخالفت کی ) [ اور ''لِيُوَاطِئُوا'' کا لام ''يُحِلُّونَهُ وَيُحَرِّمُونَهُ'' کے ساتھ متعلق ہے یا فقط ''يُحَرِّمُونَهُ'' کے ساتھ متعلق ہے اور یہی ظاہر ہے ] ﴿ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللهُ ﴾ اور وہ اس ماہ کو حلال قرار دے دیتے جس کو اللہ تعالیٰ حرام کر چکا یعنی وہ لوگ گنتی کی موافقت میں حلال کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن مہینوں میں لڑائی حرام قرار دی ان کی تخصیص کا وہ لحاظ نہ کرتے تھے یا یہ کہ انہوں نے معین مہینوں کی حرمت کی تخصیص کو ترک کر دیا تھا ﴿ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ﴾ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے آراستہ کر دیئے گئے یعنی شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا' چنانچہ انہوں نے اپنے بُرے اعمال کو نیک خیال کر لیا ﴿ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ باطل پر قائم رہنے کو اختیار کیے رہتی ہے۔

## مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے انتباہ

۳۸- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ اِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ ﴾ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو [ ''اِنْفِرُوا'' بہ معنیٰ ''اُخْرُجُوا'' ہے یعنی نکلو ] ﴿ اثَّاقَلْتُمْ ﴾ تم بوجھل ہو جاتے ہو [ یہ اصل میں ''تَثَاقَلْتُمْ'' ہے مگر ''تَا'' کو ''ثَا'' میں مدغم کر دیا تو ''ثَا'' ساکن ہو گئی' اس لیے اس کے شروع میں الف وصل کا داخل کر دیا گیا ہے تا کہ ساکن کے ساتھ ابتدا لازم نہ آئے ] اس کا معنی یہ ہے کہ تم دیر کر دیتے ہو ﴿ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ [ یہ ''میل'' اور ''اخلاد'' کے معنیٰ کو متضمن ہے اس لیے ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی ہے ] یعنی تم دنیا اور اس کی شہوات کی طرف مائل ہو جاتے ہو اور تم سفر کی مشقت و تھکاوٹ کو ناپسند کرتے ہو یا یہ کہ تم اپنے گھروں میں اور اپنی سرزمین پر ٹھہرنے کو پسند کرتے ہو اور یہ حالت صرف غزوۂ تبوک میں پیش آئی تھی کیونکہ انہیں سخت تنگی کے وقت اور قحط سالی اور سخت گرمی کے موسم میں جہاد میں چلنے کو کہا گیا تھا اور سفر سخت دشوار تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ سفر دشوار ہو گیا اور بعض نے کہا کہ آپ جب بھی کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اس کا صراحۃً ذکر نہ فرماتے بلکہ اس کا کنایۃً ذکر فرماتے' ماسوا غزوۂ تبوک کے کہ اس کا صراحۃً ذکر فرمایا تا کہ لوگ پوری طرح تیار ہو جائیں ﴿ اَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ ﴿ فَمَا مَتَاعُ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ سو دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے بدلے میں نہیں ہے مگر بہت تھوڑا۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا' اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے تو بے شک اللہ ان کی پہلے مدد فرما چکا ہے جب انہوں نے کفار کے سبب مکہ سے ہجرت کی تھی جب کہ دو میں سے ایک آپ تھے جب وہ دونوں غار میں تھے جب آپ اپنے یار سے فرمانے لگے کہ غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے' سو اللہ نے آپ پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کی ایسے لشکر سے مدد فرمائی جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا' اور اللہ ہی کا بول بالا ہے' اور اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے O

۳۹- ﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا ﴾ اگر تم جنگ کی طرف نہ نکلے ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ سستی کر کے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلق دردناک عذاب کی دھمکی سنا دی ہے' جو دونوں جہانوں کو شامل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کی جگہ ان سے بہتر دوسری قوم لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت گزار ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت میں ان سے بے نیاز ہے اور ان کے جنگ سے پیچھے بیٹھے رہنے سے دین اسلام میں کسی قسم کا نقص نہیں ہوگا اور ''وَلَا تَضُرُّوْهُ'' میں ضمیر رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کی مدد فرماتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر حال میں ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' تبدیل کرنے پر بھی اور عذاب دینے پر بھی اور ان کے علاوہ بھی ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۰- ﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ ﴾ اگر تم رسول کریم ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا جس نے پہلے بھی اس وقت مدد فرمائی تھی جب آپ کے ساتھ ماسوا ایک آدمی (حضرت ابوبکر) کے اور کوئی نہیں تھا' جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی آپ کی مدد فرمائے گا جس طرح اس نے آپ کی اس وقت مدد فرمائی تھی ﴿ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ جب آپ کو کافروں نے مکہ سے ہجرت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس آیت مبارکہ میں نکالنے کی نسبت کفار کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ جب انہوں نے آپ کو نکالنے کا ارادہ کیا تو اللہ

تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی تو گویا کفار نے آپ کو نکالا (کیونکہ وہی نکالنے کا سبب بنے تھے) ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ دو میں سے ایک جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (المائدہ: ٧٣) "تین میں سے ایک"۔[1] اور ان دو سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں [اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿إِذْ هُمَا﴾ [یہ "اِذْ اَخْرَجَهُ" سے بدل ہے] یعنی جب وہ دونوں حضرات ﴿فِي الْغَارِ﴾ غار میں تھے اور یہ غارِ ثور کے بالائی حصہ میں گڑھا نما سرنگ ہے اور یہ پہاڑ مکہ مکرمہ کی دائیں جانب پیدل ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے جس میں یہ دونوں مقدس حضرات تین دن تک ٹھہرے رہے ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ [یہ دوسرا بدل ہے] جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یارِ غار سے فرمانے لگے: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کھا بے شک ہماری نصرت و مدد اور حفاظت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ غار کے اوپر مشرکین نے کھڑے ہو کر دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا اور کہا کہ اگر آج آپ شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ کا دین رخصت ہو جائے گا' جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو[2] اور بعض نے فرمایا کہ جب حضور غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دو کبوتریاں بھیج دیں' جنھوں نے غار کے نیچے انڈے دے دیئے اور مکڑی نے اس پر تانا بُن دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: "اَللّٰهُمَّ اَعْمِ اَبْصَارَهُمْ" اے اللہ! ان کی آنکھیں اندھی کر دے' چنانچہ مشرکینِ مکہ غار کے اردگرد گھومتے رہے مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غار میں دیکھنے سے ان کی آنکھیں اپنی گرفت میں لے لیں اور تمام علمائے اہل سنت نے کہا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کیا اور یہ بات باقی صحابہ کرام کے لیے نہیں ہے۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی اور آپ کے قلب مبارک میں امن ڈال دیا جس سے آپ کو سکون حاصل ہو گیا اور آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ کفار آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے ﴿عَلَيْهِ﴾ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر (اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی تھی) کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حضور کے بارے میں خوف زدہ تھے (کہ کہیں کفار حضور کو شہید نہ کر دیں) اور جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مبارک پُرسکون و پُرامن تھا ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے لشکر کے ساتھ مدد فرمائی جس کو تم نے نہیں دیکھا اور وہ فرشتوں کا لشکر تھا' جنھوں نے کفار کے چہروں اور ان کی آنکھوں کو آپ کو دیکھنے سے پھیر دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے یا اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب اور غزوۂ حنین کے دن فرشتوں کے ذریعے حضور کی مدد فرمائی ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کلمہ یعنی کفر کی طرف دعوت دینے کے کلمہ کو پست

---

[1] یہ عرب کا ایک خاص محاورہ ہے جسے تجرید سے تعبیر کرتے ہیں' گویا "ثَانِيَ' اِثْنَيْنِ" میں اور "ثَالِث' ثَلَاثَة" میں اور "رَابِع' اَرْبَع" میں داخل ہی نہیں ہے۔ غوثوی مہاروی

[2] بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں کے اوپر دیکھا اور اس وقت ہم دونوں غار میں تھے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی جگہ کی طرف دیکھ لیا تو یہ لوگ ہمیں دیکھ لیں گے' حضور نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ (حاشیۃ الکشاف ج ٢ ص ٢٧٢) غوثوی مہاروی

کر دیا﴿ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ یعنی اس کا اسلام کی طرف دعوت دینے کا کلمہ ہی بلند وبالا ہے [اور ''كَلِمَةُ اللّٰهِ'' قاری یعقوب کی قراءت میں عطف کی وجہ سے منصوب ہے اور ''هِيَ'' ضمیر فاصل ہے اور ''كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'' کو الگ مستقل جملہ قرار دے کر مرفوع پڑھنا سب سے بہتر ہے کیونکہ یہی وہ کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند وبالا رہتا ہے اور رہے گا] ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے وہ اہل توحید کو اپنی مدد سے غالب فرماتا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ بڑا دانا ہے وہ اپنی حکمت ودانائی کے مطابق اہل شرک کو ذلیل وپست کر دیتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا
لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ
اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ ع ۵ ۱۲
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

ہلکے اور بھاری ہتھیار لے کر جنگ پر نکلو اور تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ اگر مال ودولت فوراً ملنے والا ہوتا اور سفر درمیان ہوتا تو وہ (منافق) آپ کی پیروی میں ضرور چلتے لیکن مشقت بھری مسافرت انہیں دور محسوس ہوئی' اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے' وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں○ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے انہیں اجازت کیوں دے دی یہاں تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے○

۴۱- ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا ﴾ (اے مسلمانو!) تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خوشی سے تیار ہو کر جنگ کے لیے سفر پر ہلکے پھلکے روانہ ہوا کرو ﴿ وَّثِقَالًا ﴾ اور سفر کی مشقت اپنے اوپر ڈال کر اس سے بوجھل ہو کر (جنگ کے لیے چلو) یا اہل وعیال کی قلت کی وجہ سے ہلکے پھلکے ہو کر اور اہل وعیال کی کثرت کی وجہ سے بوجھل ہو کر یا جنگی ہتھیاروں سے ہلکے ہو کر یا جنگی ساز وسامان سے بوجھل ہو کر یا سوار ہو کر اور پیدل یا جوان اور بوڑھے یا کمزور اور توانا یا تندرست اور بیمار (ہر حال میں کفر وشرک کا فتنہ وفساد مٹانے کے لیے میدانِ جہاد کی طرف نکلو) ﴿ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ اور تم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کرو' اگر مال وجان دونوں ممکن ہوں تو دونوں کے ساتھ جہاد کرنا واجب وضروری ہو جاتا ہے' ورنہ حسبِ ضرورت اور حسبِ حال کسی ایک کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے ﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کا قیام ہی مقصدِ جہاد ہونا چاہیے) ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ یہ (جہاد کرنا) اس کو ترک کرنے سے بہتر ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم اس خیر وبھلائی کو جانتے ہو تو اس کی طرف

جلدی کرو۔

٤٢۔ یہ آیتِ مبارکہ منافقین میں سے غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا﴾ اگر مال سہولت سے اور جلد حاصل ہونے والا ہوتا (''عَـرَضٌ'' بہ معنی اسباب یعنی) دنیا کے وہ منافع جو تمہیں حاصل ہوتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''اَلدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ'' دنیا نقد سامان ہے جس کو نیک بھی کھاتا ہے اور بُرا بھی یعنی اگر انہیں سہولت و آسانی سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی طرف بلایا جاتا ﴿وَّسَفَرًا قَاصِدًا﴾ اور سفر درمیانہ قریب کا ہوتا [''قَـاصِد'' اور ''قَـصد'' کا معنی معتدل ہے] ﴿لَّاتَّبَعُوْكَ﴾ تو وہ آپ کے ساتھ ضرور چلتے اور وہ جانے کے لیے آپ کے ساتھ ضرور اتفاق کرتے ﴿وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ اور لیکن پُر مشقت سفر ان کو دراز اور دور محسوس ہوا (جس کی وجہ سے انہوں نے جانے سے تخلّف کیا) ﴿وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ اور وہ لوگ عنقریب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے اندر جانے کی ہمت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور جاتے' یہ معجزاتِ نبوی میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دلائل نبوت میں سے ایک قوی دلیل ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہنا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی جانے سے پہلے خبر دے دی' چنانچہ جیسے آپ نے خبر دی تھی ویسے ہی منافقوں نے کہا تھا [اور ''بِاللّٰهِ''، ''سَيَحْلِفُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا یہ بھی انہیں منافقین کے کلام میں سے ہے' بہرحال دونوں صورتوں میں ان کا قول مراد ہے] یعنی غزوۂ تبوک سے آپ کی واپسی کے بعد پیچھے رہ جانے والے منافقین آپ کے پاس آ کر معذرت کرنے کے لیے قسم کھا کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر ہم میں مالی جانی طاقت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے [اور ارشادِ باری تعالیٰ ''لَخَرَجْنَا'' حرفِ شرط ''لَوْ'' اور قسم دونوں کے جواب کے قائم مقام ہے] اور استطاعت کا معنی جنگی تیاری اور جسمانی طاقت ہے گویا وہ بیمار بن گئے تھے ﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ [یہ ''سَيَحْلِفُوْنَ'' سے بدل ہے یا اس سے حال ہے] یعنی وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کرتے ہیں [یا یہ ''لَخَرَجْنَا'' سے حال ہے] یعنی ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے اگرچہ ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیتے اور اتنے پر مشقت سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہم اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال لیتے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹ بولتے ہیں۔

## شانِ نبوی اور منافقین کی بُری عادات کا بیان

٤٣۔ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' یہ ایک نامناسب اور خلافِ اولیٰ عمل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عفو و درگزر اس کے بعد ہوتا ہے اور یہ ایک لطیف اور محبت بھرا عتاب ہے' کیونکہ خطاب کا آغاز ہی عفو و درگزر سے کیا گیا اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام باقی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل و اعلیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا پُر لطف اور محبت و پیار سے لبریز خطاب دیگر انبیائے کرام میں سے کسی کے لیے ذکر نہیں فرمایا[1] ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ اے محبوب! آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی؟ عفو کے ساتھ جو کنایہ کیا گیا ہے

[1] شانِ نزول: بعض منافقین نے مصنوعی معذرتیں پیش کر کے حضور رحمت للعالمین علیہ التحیۃ والتسلیم سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے طبعی حلم و رحم کی بناء پر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ محض بہانے بنا رہے ہیں ان کی پردہ پوشی فرمائی اور ان کو رخصت عطا فرما دی تھی کیونکہ اس سے پہلے آپ کو اجازت دینے سے منع نہیں کیا گیا تھا بلکہ آپ کو اجازت مانگنے والوں کے لیے اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار دیا گیا تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا یہ بیان ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! جب منافقوں نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی اور آپ کے سامنے مختلف بہانے پیش کیے تو آپ نے ان کو جہاد میں جانے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی اور آپ نے اجازت دینے میں تاخیر کیوں نہیں فرمائی؟ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ یہاں تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹے لوگوں کو جان لیتے' کیونکہ عذرات پیش کرنے اور بہانے بنانے کی وجہ سے سچے اور جھوٹے آپ کے سامنے واضح ہو جاتے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کیے جن کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا تھا' ایک منافقین کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دینا اور دوسرا بدر کے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتباہ فرمایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دونوں کام اجتہاد سے کیے تھے اور اگرچہ آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا لیکن آپ کو عتاب و انتباہ اس لیے کیا گیا کہ آپ نے جواز پر عمل کر کے افضل و اعلیٰ کو ترک فرمایا اور انبیائے کرام کو ترکِ اولیٰ پر عتاب و انتباہ کیا جاتا ہے۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ. (النور:۶۲)

سو جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں۔

چنانچہ رخصت دینے کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اجازت نہ دیتے اور پھر وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو ان کا جھوٹا دعویٰ ایمان بھی بے نقاب ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و رسوا بھی ہو جاتے اور کھرے اور کھوٹے کی وضاحت بھی نہ ہوتی ہو' لہٰذا حضور کے لیے اجازت دینا اگرچہ جائز تھا لیکن بہتر اور زیادہ مناسب اور اولیٰ رخصت نہ دینا تھا' اس لیے اس کے خلاف اولیٰ عمل پر ''لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' کی تنبیہ سے پہلے عرب محاورے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تعظیم و تکریم کے کلام کے ساتھ محبت سے لبریز لطیف عتاب سے آغاز فرما کر معافی کا اعلان فرمایا کیونکہ جب کوئی شخص متکلم کے نزدیک بہت معظم و مکرم ہو تو وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے اور اللہ آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے اور اللہ آپ کو خیر و عافیت میں رکھے' کیا آپ نے میرا حق پہچانا وغیرہ وغیرہ' چنانچہ اکثر مفسرین کرام نے اس آیتِ مبارکہ کے تحت یہی توجیہ صحیح قرار دی ہے۔

ملاحظہ ہو (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۴۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۰۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر الخازن جز ۲ ص ۲۴۶' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی جز ۲ ص ۱۴۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' تفسیر خزائن العرفان' تفسیر ضیاء القرآن ج ۲' تفسیر تبیان القرآن ج ۵' تفسیر عثمانی)

يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں آپ سے رخصت کی اجازت نہیں مانگیں گے' اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے O بے شک آپ سے صرف وہی لوگ جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں وہ اپنے شک میں متردد ہیں O اور اگر وہ جہاد میں جانے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کوئی سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا بھیجنا ہی پسند نہ کیا' سو ان کو پست ہمت کر دیا اور ان کو کہہ دیا گیا کہ تم گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

٤٤- ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نہ جانے کی رخصت نہیں مانگیں گے کیونکہ مؤمنوں کی یہ عادت نہیں کہ وہ جہاد میں نہ جانے کی آپ سے رخصت مانگیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے جن کے ساتھ اس نے بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

٤٥- ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ بے شک آپ سے صرف وہ لوگ رخصت مانگتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر یعنی منافقین اور وہ انتیس آدمی تھے ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل شک میں ہیں یعنی وہ لوگ اپنے دین کے متعلق شک میں مبتلا ہیں اور اپنے عقیدہ میں مضطرب و متزلزل ہیں ﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ سو وہ اپنے شک میں حیران رہتے ہیں کیونکہ تردّد و حیرانگی متحیر و مضطرب کی عادت ہوتی ہے جیسا کہ ثبات و اطمینان دانش مند کی عادت ہوتی ہے۔

٤٦- ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ اور اگر انہوں نے نکلنے کے لیے یا جہاد کرنے کے لیے ارادہ کیا ہوتا تو وہ زادِ راہ اور سامانِ جنگ تیار کرتے کیونکہ وہ سفر پر جا رہے تھے اور جب "وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ" سے یہ معنی واضح ہو گیا کہ انہوں نے نہ نکلنے کا ارادہ کیا تھا اور نہ انہوں نے جہاد کے لیے تیاری کی تھی تو ان کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جانے کے لیے ان کا اٹھنا اور ان کو بھیجنا پسند نہیں فرمایا' گویا کہا گیا: وہ جہاد میں جانے کے لیے نہیں نکلے اور انہوں نے سستی کی کیونکہ ان کا جانا پسند نہیں کیا گیا ﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سستی میں مبتلا کر دیا اور ان میں جانے کی رغبت کمزور ہو گئی اور "تثبیط" کا معنی ہے: کسی کام سے اس میں رغبت کے بعد رک جانا ﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا﴾ یعنی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہیں گھر میں بیٹھے رہو یا رسول اکرم ﷺ نے ان سے غضب ناک ہو کر فرمایا: تم یہیں بیٹھے رہو (اور ہمارے ساتھ نہ چلو) یا شیطان مردود نے وسوسہ کے ذریعے ان سے کہا: بیٹھے رہو ﴿مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ یہ ان کی مذمت کرنے کے لیے ہے کہ ان کو معذوروں اور بچوں اور عورتوں کے ساتھ شامل کیا گیا جن کا کام گھروں میں بیٹھنا ہوتا ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ
الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا
الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

اگر وہ تمہاری جماعت میں شامل ہو کر نکلتے تو وہ تمہارے نقصان میں صرف اضافہ ہی کرتے اور تمہارے اندر فتنہ پھیلانے کے لیے بہت تیزی سے دوڑتے پھرتے' اور تمہارے اندر ان کے جاسوس موجود ہیں' اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O بے شک انہوں نے پہلے بھی فتنہ پھیلانا چاہا تھا اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کی تھیں یہاں تک کہ حق آن پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا حالانکہ وہ اسے ناپسند کرنے والے تھے O اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ سے عرض کرتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے' سن لو وہ فتنہ ہی میں پڑ چکے' اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے O

٤٧- ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو شر و فساد کے سوا تم میں اور کوئی اضافہ نہ کرتے [اور یہ استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین تمہارے ساتھ چلے جاتے تو وہ تم میں فتنہ وفساد کے ماسوا کسی چیز میں اضافہ نہ کرتے [اور یہ استثناء منقطع بھی ہوسکتا ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "مَا زَادُوْكُمْ خَيْرًا اِلَّا خَبَالًا" اور مستثنیٰ منہ اس کلام میں مذکور نہیں ہے اور جب یہ مذکور نہیں تو استثناء "اَلشَّيْءِ" سے ہوگا تو اس طرح استثناء متصل ہو جائے گا کیونکہ "خبال" "شیء" کا بعض ہے] ﴿وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ اور وہ تمہارے درمیان فتنہ وفساد پھیلانے اور چغل خوری کرنے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے دوڑتے پھریں گے' مثلاً کہا جاتا ہے: "وَضَعَ الْبَعِيْرُ وَضْعًا" یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ تیز دوڑے اور "اَوْضَعْتُهٗ اَنَا" کا معنی ہے: میں نے اس کو تیز دوڑنے کے لیے برانگیختہ کیا اور اب اس ارشاد کا معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ ضرور تمہارے درمیان سواریوں کے دوڑانے میں جلدی کرتے اور مراد چغل خوری کرنے کے لیے جلدی کرنا ہے کیونکہ سوار پیدل چلنے والے سے تیز چلتا ہے [اور مصحف عثمانی میں الف کے اضافہ کے ساتھ "وَلَاۡاَوْضَعُوْا" ہے کیونکہ عربی رسم الخط سے پہلے فتحہ (زبر) الف کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور عربی رسم الخط تو قرآن مجید کے نزول کے قریب شروع ہوا تھا اور اس الف کا اثر طبیعتوں میں باقی رہا اور انہوں نے ہمزہ کو الف کی صورت میں لکھا اور دوسرے الف کے ساتھ اس پر زبر دی اور اسی کے مانند "اَوْلَاۡاَذْبَحَنَّهٗ" (النمل:۲۱) ہے] ﴿يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ وہ تمہارے لیے فتنہ طلب کرتے ہیں [یہ "اَوْضَعُوْا" کی ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں اور وہ اس طرح کہ تمہارے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہو جائے اور جہاد کے لیے تمہارے ارادے بدل جائیں ﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ اور تم میں ان کے لیے سننے والے موجود ہیں یعنی ایسے چغل خور موجود ہیں جو تمہاری باتیں سن کر انہیں پہنچا دیتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ منافقوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۴۸- ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ بے شک انہوں نے غزوۂ تبوک سے پہلے بھی لوگوں کو روک کر فتنہ برپا کرنا چاہا تھا یا انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے پہلے شب عقبہ میں دھوکے سے قتل کرنا چاہا تھا یا جنگِ اُحد کے دن انہوں نے (یعنی رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں سمیت) واپس لوٹ کر فتنہ برپا کرنا چاہا تھا ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ اور وہ آپ کے لیے طرح طرح کی کارروائیاں کرتے رہے اور وہ آپ کے خلاف مختلف مکر وفریب اور مختلف سازشیں کرنے کے لیے بہت غور وفکر اور کوششیں کرتے رہے اور وہ آپ کے دین کو مٹانے کے لیے بہت سی آراء زنیاں کرتے رہے ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ حق آ گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور تائید الٰہی ہے جو آپ کو حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس کا دین غالب آ گیا اور اس کی شریعت سر بلند ہو گئی ﴿وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ اور وہ ناپسند کرتے تھے یعنی ان کی طرف سے نفرت و کراہت اور ناپسندیدگی کے باوجود (اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کی مدد فرما کر اپنا دین غالب فرما دیا)۔

۴۹- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ (اے رسول!) مجھے اجازت دے دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے اور یہ فتنہ گناہ کے معنی میں ہے کہ اگر آپ نے مجھے اجازت نہ دی' پھر میں آپ کی اجازت کے بغیر پیچھے گھر میں بیٹھا رہا تو میں گنہگار ہو جاؤں گا یا (فتنہ ہلاکت کے معنی میں ہے یعنی) آپ مجھے ہلاکت میں نہ ڈالئے کیونکہ اگر میں آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلا تو میرے پیچھے میرے اہل وعیال اور مال و دولت ہلاک ہو جائے گا۔

بعض مفسرینِ کرام نے فرمایا کہ جد بن قیس منافق (جس کے بارے میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی' کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ تبوک کی تیاری فرمائی اور لوگوں کو جہاد میں جانے کی ترغیب دی تو حضور سے اسی منافق) نے کہا تھا کہ تمام انصار حضرات جانتے ہیں کہ میں عورتوں کا شیدائی ہوں' لہٰذا آپ مجھے بنی اصفر کی عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالئے یعنی روم کی گولڈن عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالئے' میں اپنے مال سے آپ کی مدد کر دوں گا' آپ مجھے یہیں چھوڑ دیجئے ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ سن لو! وہ فتنہ میں پڑ چکے یعنی بے شک جس فتنہ میں وہ گر چکے ہیں وہ جہاد سے پیچھے گھر میں بیٹھے رہنے کا فتنہ ہے ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم کافروں کو اب بھی گھیرے ہوئے ہے کیونکہ گھیرنے والے اسباب (کفر و معصیت کے بداعمال) ان کے ساتھ ہیں یا خود جہنم قیامت کے دن انہیں گھیر لے گی۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ
اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ
اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ
تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ
اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ انہیں بُری لگتی ہے' اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم

نے تو اپنا کام پہلے ہی سنبھال لیا ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہوئے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے' وہی ہمارا حامی و ناصر ہے' اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ ہی پر بھروسا کریں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں انتظار نہیں کرتے مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کا' اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں عذاب پہنچائے' سو تم انتظار کرتے رہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں O

۵۰- ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ اے محبوب! اگر آپ کو بعض غزوات (یعنی آپ کی زیر قیادت جنگوں) میں فتح و کامیابی اور مال غنیمت کی بھلائی حاصل ہو جاتی ہے تو انہیں بُری لگتی ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ﴾ اور اگر آپ کو کوئی مصیبت یعنی کسی جنگ میں زخم یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے جیسے جنگ اُحد کے دن حادثات پیش آئے تھے ﴿يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا﴾ تو منافقین کہتے ہیں: بے شک ہم نے تو اپنے معاملات میں احتیاط سے کام لیا اور ہم ہمیشہ سے ہوشیاری اور بیداری اور احتیاط سے کام کرتے ہیں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس مصیبت کے آنے سے پہلے ﴿وَيَتَوَلَّوْا﴾ اور وہ جہاد کی تیاری کے لیے گفتگو کے مقام سے مُنہ پھیر کر اپنے بیوی بچوں کے پاس چلے جاتے ہیں ﴿وَّهُمْ فَرِحُوْنَ﴾ اور وہ اپنی اس کارگزاری پر خوش ہوتے ہیں۔

۵۱- ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر یا شر میں سے جس کا فیصلہ کر لیا ہے (وہی ہمیں پہنچے گا) ﴿هُوَ مَوْلٰىنَا﴾ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے یعنی وہی ہماری مدد کرتا ہے' ہم اسی سے مدد لیتے ہیں اور وہی ہمارا کارساز ہے' ہم اسی کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے اور مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسا نہ کریں۔

۵۲- ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم ہمارے لیے انتظار نہیں کرتے مگر دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کا اور وہ دو بھلائیاں یہ ہیں: (۱) فتح و نصرت (۲) شہادت ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ﴾ اور ہم تمہارے لیے دو مصیبتوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہیں یا ﴿اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں عذاب پہنچائے اور وہ دلوں کو دہلانے والی ہیبت ناک سخت کڑک ہے جیسا کہ عاد و ثمود پر نازل کی گئی تھی ﴿اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ یا وہ عذاب تمہیں ہمارے ہاتھوں پہنچے گا اور وہ عذاب قتل کے ذریعے کفر پر موت ہے ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا﴾ سو تم ہمارے لیے اس کا انتظار کرو جو ہم نے ذکر کر دیا ہے ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ بے شک ہم تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں کہ تمہارا کیا اور کیسا انجام ہوتا ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' بے شک تم نافرمان قوم ہوO اور ان سے ان کے خرچ قبول کیے جانے سے کس چیز نے روکا ہے ماسوا اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ نماز ادا نہیں کرتے مگر سستی کے ساتھ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر وہ ناخوش ہوتے ہیںO اور آپ کو ان کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں' بے شک اللہ تو چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوںO اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں' حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ڈرپوک قوم ہےO

۵۳- ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ اے محبوب! (منافقوں سے) فرما دیجئے کہ تم نیکی کے کاموں میں خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے مجبور ہو کر۔ [یہ حال کی بناء پر منصوب ہیں' قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''کُرْهًا'' (کاف پر ضمہ) ہے اور ''اَنْفِقُوْا'' فعل امر خبر کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: ﴿لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ تم سے ہرگز کسی صورت میں قبول نہیں کیا جائے گا خواہ تم نے خوشی سے خرچ کیا ہو یا ناخوشی سے اور درج ذیل ارشاد بھی اسی طرح ہے ''اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ'' (التوبہ:۸۰) ''آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا آپ ان کے لیے مغفرت طلب نہ کریں''۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان (منافقوں) کو ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں اور اسی طرح یہ شعر ہے:

اَسِيْئِيْ بِنَا اَوْ اَحْسِنِيْ لَا مَلُوْمَةً لَدَيْنَا وَلَا مَقْلِيَّةً اِنْ تَقَلَّتِ

''تم ہم سے نیکی کرو یا برائی کرو ہمارے ہاں اس پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہمارے دل میں بغض ہے اگرچہ تم بغض رکھتے رہو''۔

یعنی ہم تمہیں ملامت نہیں کریں گے خواہ تم ہمارے ساتھ برائی کرو یا نیکی کرو اور تمہارے قول ''رَحِمَ اللّٰهُ زَيْدًا'' کہ اللہ تعالیٰ زید پر رحم و کرم فرمائے' میں عکس بھی جائز ہے اور منافقین کے صدقات و خیرات قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے صدقات و خیرات کو ان کے منہ پر مار کر رد کر دیا جائے گا اور انہیں قبول نہیں کیا جائے گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کے صدقات و خیرات کرنے پر ان کو اجر و ثواب عطا نہیں فرمائے گا اور ''طَوْعًا'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے لازم و فرض نہ ہو اور ''كَرْهًا'' کا مطلب ہے: ان پر واجب و لازم ہو' لازمی صدقات کو ''اکراہ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ لوگ منافق تھے اور فرض صدقات ادا کرنا ان پر دشوار گزرتا تھا جیسے مجبور ہوں ﴿اِنَّكُمْ﴾ یہ ان کے صدقات و خیرات کے مردود کیے جانے کی علّت و سبب بیان ہو رہا ہے کہ بے شک تم لوگ ﴿كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ فاسق و فاجر ہو اور سرکش و نافرمان ہو۔

۵۴- ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ اور ان کی طرف سے ان

کے نفقات وصدقات قبول کیے جانے کو کسی نے نہیں روکا مگر صرف یہی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔[ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''اَن یُّقْبَلَ'' (''تــا'' کی بجائے ''یــا'' کے ساتھ ) ہے اور ''اَنَّھُمْ کَفَرُوْا '' جملہ بن کر ''مَنَعَ'' کا فاعل ہے اور ''مَنَعَھُمْ'' میں ''ھُمْ'' اور ''اَنْ تُقْبَلَ'' ''مَنَعَ'' کے دو مفعول ہیں یعنی منافقین کے نفقات (فلاحی اخراجات) وصدقات کی قبولیت کو صرف ان کے کفر نے منع کیا ہوا ہے ] ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی﴾ اور وہ نماز باجماعت ادا کرنے نہیں آتے مگر اس حال میں کہ وہ سستی کے ساتھ آتے ہیں [ ''کُسَالٰی '' ''کسلان '' کی جمع ہے (جیسے ''سکران '' کی جمع ''سُکٰرٰی '' آتی ہے ) ] ﴿وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ﴾ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور کراہت کے ساتھ خرچ کرتے ہیں کیونکہ منافقین نماز اور صدقہ کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ارادہ نہیں رکھتے اور باقی رہا یہ سوال کہ گزشتہ آیت مبارکہ میں ''طَوْعًا'' فرما کر خوشی کے ساتھ خرچ کرنے کی صفت کے ساتھ ان کو موصوف کیا گیا ہے اور یہاں اس صفت کی نفی کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ''طَوْعًا'' کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یا ان کے اپنے سرداروں کی طرف سے ان پر خرچ کرنا لازم وفرض نہیں کیا گیا بلکہ وہ اپنی طرف سے ازخود (دکھاوے کے لیے) خرچ کرتے تھے اور ان کا یہ خرچ کرنا بھی کراہت وناپسندیدگی اور اضطرار ومجبوری سے ہوتا تھا' رغبت وشوق اور اپنی خوشی سے نہیں ہوتا تھا۔

۵۵- ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ اے محبوب! آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں' بے شک اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔ کسی پر تعجب کرنا یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کر کے اس پر خوش ہو جانا اور اس کے حسن و جمال سے تعجب کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ منافقین کو دنیا کی جو زیب وزینت دی گئی' آپ اس کو ان کے لیے اچھا نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے وہ صرف اس لیے عطا کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مختلف مصائب میں مبتلا کر کے انہیں عذاب دے یا ناپسند کرنے کے باوجود اُمورِ خیر میں ان کا مال خرچ کرانے یا ان کے لوٹے جانے اور ان کی اولاد کے قیدی ہو جانے یا اس کو جمع کرتے رہنے اور اس کی حفاظت کرتے رہنے اور اس کی محبت میں گرفتار رہنے اور اس میں بخل کرنے اور اس کے ختم ہو جانے کے خوف میں مبتلا رہنے کے عذاب میں اُنہیں مبتلا رکھے کیونکہ یہ سب عذاب ہیں ﴿وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ اور ان کی روحیں کفر کی حالت میں نکلیں اور ''زھوق'' کا اصل معنی دشواری کے ساتھ نکلنا ہے اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیّت کو صرف اُمورِ خیر کے ساتھ متعلق ماننا باطل ہے کیونکہ اس آیتِ مبارکہ میں خبر دی گئی ہے کہ منافقوں کو مال واولاد عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینا اور کفر کی موت مارنا چاہتا ہے' نیز یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندوں کے معاصی کے ساتھ بھی متعلق ہوتا ہے کیونکہ جس گنہگار بندے کو عذاب دینا ہے اس کے عملی ارادۂ معصیت کے ساتھ ہی عذابِ الٰہی کا ارادہ متعلق ہو جاتا ہے اور اسی طرح کفر پر موت دینے کا ارادہ ہے۔

۵۶- ﴿وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں یعنی وہ بھی مسلمانوں کی جماعت میں سے ہیں ﴿وَمَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ﴾ حالانکہ وہ (قلبی کفر کی وجہ سے) تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ڈرپوک قوم ہے' وہ قتل ہونے سے اور مشرکین کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ تقیہ کر کے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا
مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا
حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۲

اگر وہ لوگ کوئی پناہ گاہ یا غار یا گھسنے کی جگہ پالیں تو وہ اس کی طرف منہ پھیر لیں اور وہ دوڑ لگا دیں O اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں' پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے انہیں کچھ نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں O اور کاش! وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا' اور کہتے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں عطا فرمائے گا اور اس کے رسول عنایت کریں گے' بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں O

۵۷۔ ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً﴾ اگر وہ کوئی پناہ گاہ پالیں یعنی قلعہ یا جزیرہ یا پہاڑ کی چوٹی میں ایسا مکان پالیں جس میں پناہ لے کر محفوظ ہو جائیں ﴿اَوْ مَغٰرٰتٍ﴾ یا غاریں مل جائیں ﴿اَوْ مُدَّخَلًا﴾ یا سرنگیں اور زمین کے اندر بنائے گئے تہ خانے پالیں جن میں چھپ سکیں [اور یہ ''مُفْتَعَل'' کے وزن پر ''دخول'' سے ماخوذ ہے] ﴿لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ﴾ تو وہ (مذکورہ بالا تینوں مقامات سے) کسی ایک مقام کی طرف مُنہ پھیر لیں گے اور اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے ﴿وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾ اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھاگ پڑیں گے' انہیں کوئی چیز نہیں روک سکے گی' یہ ''الفرس الجموح'' (تیز رفتار گھوڑا) سے لیا گیا ہے۔

۵۸۔ ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے (یعنی) منافقین میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں ﴿مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ جو صدقات کے بارے میں آپ پر الزام لگاتے ہیں (یعنی) صدقات کی تقسیم کے متعلق بعض منافق آپ پر ناانصافی کا عیب لگاتے ہیں اور آپ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں[1]

[1] شانِ نزول: یہ آیتِ مبارکہ ذوالخویصرہ تمیمی کی مذمت میں نازل ہوئی' اس شخص کا نام حرقوص بن زہیر ہے اور یہی فرقہ خوارج کا بانی مبانی ہے۔ ''بخاری و مسلم'' کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! عدل وانصاف کیجئے' حضور نے فرمایا: تیرے لیے ہلاکت ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون عدل کرے گا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو ورنہ لوگ کہیں گے: میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں اور اس کے ہم خیال وہم جماعت اور بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے' یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا اور یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔
(تفسیر روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۱۹' تفسیر مظہری جز ۴ ص ۲۲۹' لباب التاویل المعروف تفسیر الخازن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿فَإِنۡ أُعۡطُواْ مِنۡهَا رَضُواْ وَإِن لَّمۡ يُعۡطَوۡاْ مِنۡهَآ إِذَا هُمۡ يَسۡخَطُونَ﴾ پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ عطا کر دیا جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر ان میں سے انہیں کچھ عطا نہ کیا جاتا تو وہ یکدم ناراض ہو جاتے [اس میں "اِذَا" مفاجات (اچانک' یکدم) کے معنی میں ہے] یعنی اگر انہیں کچھ نہ دیا جاتا تو فوراً آپے سے باہر ہو جاتے اور زبانِ طعن کھول دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان کر کے واضح کر دیا کہ منافقین کی خوشی اور ناراضگی صرف اپنی ذوات کے لیے ہوتی تھی' دین کے لیے نہیں اور نہ اہل اسلام کی خیر خواہی کے لیے ہوتی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اہل مکہ کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے مالِ غنیمت میں سے انہیں عنایت فرماتے تھے جب کہ اس وقت اموالِ غنیمت وافر مقدار میں جمع ہو جاتا تھا مگر منافق اس سے ناراض ہو جاتے تھے۔

۵۹۔ ﴿وَلَوۡ أَنَّهُمۡ رَضُواْ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَقَالُواْ حَسۡبُنَا ٱللَّهُ سَيُؤۡتِينَا ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦ وَرَسُولُهُۥٓ إِنَّآ إِلَى ٱللَّهِ رَٰغِبُونَ﴾ اور اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں عنایت فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اور دیں گے' بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ [اس آیت مبارکہ میں حرف "لَوۡ" کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "وَلَوۡ رَضُوۡا مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ"] اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انہیں جو کچھ عنایت فرما دیا تھا' اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے مالِ غنیمت میں سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا تھا اگر چہ وہ تھوڑا تھا' لیکن اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے اور ان کے دل اس کو خوشی کے ساتھ قبول کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا احسان کافی ہے اور ہمیں جو کچھ حصہ ملا ہے وہ ہمیں کافی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں اور مالِ غنیمت عطا کرے گا' پھر رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ ہمیں عنایت فرمائیں گے' جو آج ہمیں عنایت فرمایا ہے' بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے مالِ غنیمت عنایت فرمائے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے (مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں) وہ مصارف بیان کر دیئے ہیں جہاں صدقات و خیرات خرچ کرنے ہیں۔

| |
|---|
| إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا وَٱلۡمُؤَلَّفَةِ |
| قُلُوبُهُمۡ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَٱلۡغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِۖ |
| فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنۡهُمُ ٱلَّذِينَ يُؤۡذُونَ ٱلنَّبِيَّ وَ |

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ج ۲ ص ۲۵۰' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۵۵' تفسیر خزائن العرفان ص ۳۳۵' تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۵۹۔۱۶۰)

خیال میں رہے کہ منافقین یہ اعتراض تب کرتے' جب انہیں حسبِ خواہش حصہ نہ ملتا' لیکن جب ان کی خواہش کے مطابق وافر مقدار میں حصہ مل جاتا تو خوش رہتے کیونکہ ان کا نصب العین صرف مال و دولت اور دنیا کی آسائش حاصل کرنا تھا' انہیں دین سے کوئی رغبت نہیں تھی صرف تقیہ کر کے انہوں نے اسلام قبول کیا ہوا تھا۔

اس آیتِ مبارکہ کی تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کو تنقید کا نشانہ بنانا منافقوں کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں' نیز یہ کہ دین سے قلبی تعلق توڑ کر صرف مال و دولت کمانا اور دنیا کی آسائش کو نصب العین سمجھنا منافقوں کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں۔ غوثوی

يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

بے شک تمام صدقاتِ واجبہ فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو اور غلاموں کو آزاد کرنے اور مقروض لوگوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہیں' اللہ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O اور منافقوں میں سے بعض لوگ نبی کریم کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں' اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

## مصارفِ صدقات اور منافقین کی گستاخیوں کا بیان

٦٠- ﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ﴾ بے شک صدقات وزکوٰۃ فقراء اور مساکین کے لیے ہیں۔ یہاں تمام صدقات کو اس آیتِ مبارکہ میں بیان کردہ اقسام ہی کا حق قرار دیا گیا ہے یعنی صرف انہیں اقسام کے ساتھ صدقات کو مختص کر دیا گیا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیئے جا سکتے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تمام صدقات صرف انہیں حضرات کے لیے مخصوص ہیں' ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں' جیسے تم کہو: ''اِنَّمَا الْخِلَافَةُ لِقُرَيْشٍ'' بے شک خلافت صرف قریش کے لیے مخصوص ہے' جس سے مقصود یہ ہے کہ خلافت قریش سے تجاوز کر کے کسی کے پاس نہیں جائے گی اور ان کے علاوہ اس پر کسی کا حق نہیں' بہرحال اس آیت مبارکہ میں ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صدقات وخیرات اور زکوٰۃ کے جتنے مصارف واقسام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان تمام مصارف کو فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ ان سب کو لازماً دینے کی بجائے ان میں سے کسی ایک کو یا کچھ کو بھی دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی جیسا کہ ہمارے (احناف) کا مذہب ہے اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر صحابہ اور تابعین سے یہی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مصارف کو زکوٰۃ دینا واجب وضروری ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے' پھر فقیر وہ ہوتا ہے جو کسی سے سوال نہ کرے کیونکہ اس کے پاس ایک وقت کا کھانا وغیرہ موجود ہوتا ہے اور مسکین وہ ہوتا ہے جو لوگوں سے سوال کرے کیونکہ وہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا' لہٰذا یہ مسکین فقیر سے زیادہ کمزور اور زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے' جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا برعکس ہے ﴿ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ﴾ (یہ زکوٰۃ وصدقات) ان لوگوں کے لیے ہیں جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیے گئے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کوشش کر کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں (خواہ وہ حکومت کے خزانہ میں جمع کراتے ہوں' خواہ کسی دینی یا رفاہی ادارے میں جمع کراتے ہیں) ﴿ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ ﴾ اور یہ زکوٰۃ وغیرہ عرب کے سرداروں میں سے ان لوگوں کو دی جائے گی' جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود ان کو اسلام قبول کرنے کی طرف راغب کرنے کے لیے زکوٰۃ دے کر ان کے دلوں کی

اسلام کے خلاف عداوت وسختی کو نرم کرتے تھے' چنانچہ ایک قوم نے (اس فراخ دلانہ رواداری سے متاثر ہو کر) اسلام قبول کر لیا تھا' پھر آپ نومسلموں کو اسلام پر قائم و دائم رکھنے کے لیے ان کو زکوٰۃ عنایت فرمایا کرتے تھے ﴿ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ اور یہ زکوٰۃ گردن کو چھڑانے (یعنی غلام آزاد کرانے) کے لیے ادا کی جائے گی۔ اس سے وہ غلام مراد ہیں جن کو مکاتب بنا دیا گیا ہو (یعنی جن کے مالکوں نے مقررہ رقم ادا کرنے پر ان کو آزادی نامہ لکھ دیا ہو' چنانچہ آزادی دلانے کی حیثیت سے) زکوٰۃ سے ان کی مدد کی جائے گی ﴿ وَالْغٰرِمِيْنَ ﴾ اور یہ زکوٰۃ مقروض حضرات کے لیے ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر مال داروں کے قرض کا بوجھ سوار ہو (ان کو قرض کی ادائیگی کی حیثیت سے زکوٰۃ دی جائے گی) ﴿ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور (یہ زکوٰۃ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی جائے۔ اس سے بے سروسامان فقراء مجاہدین مراد ہیں (کہ ان کو اسلحہ' سواری اور کھانے پینے کا سامان خرید کر دیا جائے تا کہ جہاد کر سکیں) یا اس سے نادار حجاج مراد ہیں (کہ اخراجاتِ حج میں ان کی مدد کی جائے تا کہ زکوٰۃ کی رقم سے حج کر سکیں) ﴿ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور وہ مسافر جس کے پاس دورانِ سفر مال و دولت ختم ہو جائے' وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے (مصارفِ زکوٰۃ کل آٹھ بیان کیے گئے ہیں: (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین (۴) تالیف قلوب (۵) رقاب (۶) غارمین (۷) فی سبیل اللہ (۸) ابن السبیل) ان میں سے آخری چار کے شروع میں ''لام'' کے بجائے ''فِيْ'' اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ یہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف کی بہ نسبت زکوٰۃ لینے کے زیادہ پختہ حق دار ہیں' [کیونکہ ''فِيْ'' کا لفظ ظرف کے لیے آتا ہے] سو اس کے ذریعے تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ آخری چار مصارف زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر صدقات و زکوٰۃ خرچ کیے جائیں اور انہیں کو زکوٰۃ کا زیادہ مستحق خیال کیا جائے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' میں ''فِيْ'' کا تکرار اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ رقاب اور غارمین پر ترجیح اور فضیلت رکھتے ہیں اور اس آیت مبارکہ کو منافقین کے ذکر کے دوران اس لیے بیان کیا گیا ہے تا کہ یہ دلیل واضح ہو جائے کہ یہی آٹھ اقسام کے لوگ ہی مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے' نیز یہ واضح کیا گیا کہ منافقین ان میں سے نہیں ہیں تا کہ ان کی امید اور لالچ ختم کی جائے اور انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ بے شک وہ لوگ زکوٰۃ اور اس کے مصارف سے بہت دور ہیں' لہٰذا وہ ان کے لیے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ اس کے مستحق ہیں اور انہیں صدقات و خیرات اور زکوٰۃ کی تقسیم میں تنقیدی گفتگو کرنے اور صدقات کے تقسیم کرنے والے کی ذاتِ اقدس پر زبان درازی کرنے پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اور یاد رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز میں تمام صحابہ کرام کے اجماع اور متفقہ فیصلہ سے تالیف قلوب والوں کا حصہ ختم کر دیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور کفار سے بے نیاز کر دیا اور جب کوئی حکم کسی خاص مقصد کے تحت جاری کیا جائے تو مقصد پورا ہو جانے پر حکم کا اجرا اُٹھ جاتا ہے اور اس مقصد کے مکمل ہو جانے پر حکم ختم ہو جاتا ہے ﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے۔ [یہ مصدر مؤکد کے معنی میں ہے] کیونکہ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ'' کا معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو ان کے لیے فرض کر دیا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرضیتِ زکوٰۃ کی مصلحت کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ تقسیم میں بہت بڑا صاحبِ حکمت ہے۔

۶۱۔ ﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾ اور ان (منافقین) میں سے بعض لوگ نبی کریم ﷺ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کانوں کے کچے ہیں۔ ''اُذُنٌ'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر ایک کی بات سن کر تصدیق کر دیتا ہے اور ہر ایک کی بات قبول کر لیتا ہے اور آلۂ سماعت کو بھی ''اُذُنٌ'' کہا جاتا ہے (کہ اس سے ہر بات سنی جاتی ہے)' گویا آپ سراپا سننے والے ہیں اور منافقین کا آپ کو ایذاء دینا یہی تھا کہ انہوں نے آپ کے بارے میں

کہا: ''هُوَ اُذُنٌ'' آپ کانوں کے کچے (یعنی بھولے بھالے ہیں' ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) اس کلمے سے ان کی مراد آپ کی مذمت کرنا ہوتی تھی حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو روشن دل اور سلامت دل کے مالک تھے (ہر قسم کے کھوٹ سے پاک) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور کی مدح سرائی کی اور آپ کی تعریف بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے کان ہیں' جیسے تم کہتے ہو: فلاں آدمی سچ ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کھرا اور درست وصحیح آدمی ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ہاں! آپ کان ہیں (کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں' کسی کی دل شکنی نہیں کرتے) لیکن آپ بہترین اور مفید کان ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ کلمۂ خیر اور حق بات کے سننے میں اور جن باتوں کا سننا اور قبول کرنا ضروری ہوتا ہے' ان میں آپ بہترین کان ہیں اور ان کے علاوہ میں نہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بہترین کان ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ حضور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں یعنی آپ اپنے پاس قوی دلائل رکھنے کی بناء پر دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی توحید کا اقرار کرتے ہیں ﴿وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ مؤمنوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ مہاجرین وانصار میں سے مخلص مؤمنوں کی باتیں قبول فرما لیتے ہیں اور یہاں ایمان کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف ''بَا'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا ہے' جو کفر کی ضد ہے اور مؤمنین کی طرف لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مقصود مؤمنوں کی باتیں سننا ہے اور ان کی کہی ہوئی باتوں کو تسلیم کرنا ہے اور اس بات کی تصدیق کرنا ہے کہ یہ حضرات آپ کے نزدیک سچے ہیں' کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا'' (یوسف:١٧) ''اور آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے''۔ اس طرح ''بَا'' کی بجائے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ اصطلاحی ایمان ''بَا'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور لغوی ایمان لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے) ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ [''اُذُنٌ'' پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں ''خیر'' پر عطف کرنے کی وجہ سے ''وَرَحْمَةٍ'' (یعنی مکسور) ہے] یعنی حضور خیر کے کان ہیں اور رحمت کے کان ہیں' نہ اس کے علاوہ سنتے ہیں اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ یعنی حضور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں' یعنی اے منافقو! تم نے ایمان کا اظہار کیا تو حضور نے تمہارے ظاہری اور زبانی ایمان کو قبول کر لیا اور تمہارے اندرونی ارادوں کو ظاہر نہیں فرمایا (بلکہ پردہ پوشی سے کام لیا) اور تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو سلوک مشرکین کے ساتھ کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ حضور مؤمنوں کے لیے رحمت ہیں کہ انہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لے آئے اور دنیا میں ان کے ایمان لانے کی وجہ سے آخرت میں ان کی شفاعت فرمائیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دونوں جہانوں میں دردناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ

تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کر لیں' حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ یہ لوگ انہیں راضی رکھیں اگر یہ واقعی مسلمان ہیںO کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے یقیناً اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' یہ بہت بڑی رسوائی ہےO منافقین ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان پر ایسی سورت نازل ہو جائے جو انہیں بتا دے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' (اے محبوب!) فرما دو کہ تم مذاق اڑاتے رہو' بے شک اللہ اس کو ضرور ظاہر کر دے گا جس سے تم ڈرتے ہوO اور اگر آپ ان سے پوچھ لیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے' آپ ان سے فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھےO

٦٢- ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ وہ تمہیں راضی رکھیں۔ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے اور منافقوں کی عادت تھی کہ وہ طعن و تشنیع اور زبان درازی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے' نیز جہاد میں جانے کی بجائے پیچھے گھروں میں بیٹھے رہتے' پھر مسلمانوں کے پاس آتے اور ان سے معذرتیں کرتے' جھوٹے بہانے بناتے تھے اور اپنی معذرتوں کو مؤکد و مضبوط بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے تھے' تا کہ مسلمان ان کی معذرتیں قبول کر لیں اور ان سے راضی رہیں' چنانچہ ان سے فرمایا گیا: ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے کریم و رحیم رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں راضی کرتے اگر وہ ایمان دار ہوتے یعنی اگر تم ایمان دار ہوتے جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو سب سے بڑھ کر حق یہ تھا کہ تم اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی اصلاح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو راضی کرتے۔

سوال: ''اَنْ يُّرْضُوْهُ'' میں ضمیر واحد ہے جب کہ اس کے مرجع اللہ تعالیٰ اور رسول کریم دو ہیں۔

جواب: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی رضا میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ایک چیز کے حکم میں ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ زید کے احسان اور اس کے حسن کردار نے مجھے اس کے آنے پر اٹھا دیا یا ''وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ وَرَسُوْلُهٗ كَذٰلِكَ'' ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ وہ اسے راضی کرتے اور اسی طرح اس کے رسول ہیں۔

٦٣- ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک حقیقت اور شان یہ ہے کہ ﴿مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے مخالفت کے سبب تجاوز کرتا ہے [اور یہ باب مفاعلہ سے ''حد'' سے مشتق ہے جیسا کہ ''مشاقّۃ''، ''شقّ'' سے بنا ہے] ﴿فَاَنَّ لَهٗ﴾ [خبر محذوف ہے] یعنی پس حق یہ ہے کہ اس شخص کے لیے ﴿نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ﴾ دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

٦٤- ﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی منافقوں کو چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں ﴿اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ﴾ کہ ان کے خلاف کوئی سورت نازل کر دی جائے۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں

''تنزل'' تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے] ﴿تُنَبِّئُهُم بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں چھپے کفر و نفاق کو ظاہر کر دے [اس میں تمام ضمیریں منافقین کے لیے ہیں] کیونکہ جب کوئی سورت ان کی مذمت میں نازل ہوئی تو گویا انہیں پر نازل ہوئی' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''قُلِ اسْتَهْزِءُوا'' [یا یہ کہ پہلی دو ضمیریں (عَلَيْهِمْ اور ''تُنَبِّئُهُمْ'' کی ضمیریں) مسلمانوں کے لیے ہیں اور تیسری (قُلُوبِهِمْ کی) ضمیر منافقوں کے لیے ہے] اور اب معنی یہ ہوگا کہ جب کوئی سورت مسلمانوں پر نازل کی جائے جو انہیں بتا دے جو کچھ منافقوں کے دلوں میں کفر و نفاق چھپا ہوا ہے اور یہی صحیح ہے (اور انتشارِ ضمائر بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ تمام ضمیریں واضح اور غیر مبہم ہیں) کیونکہ معنی اسی کی طرف سبقت کرتا ہے ﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوا﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم مذاق اڑاتے رہو۔ [یہ امر کا صیغہ صرف منافقوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے (عمل کرانے کے لیے نہیں)] ﴿إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو یعنی تم اپنے نفاق کے اظہار سے ڈرتے ہو (مگر اللہ تعالیٰ اسی کو ظاہر کر کے رہے گا) اور دراصل منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی مذمت میں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ان کی مذاق اڑانے والی باتوں کی مذمت میں وحی نازل کر کے انہیں رسوا نہ کر دے حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے کہا تھا کہ میں یہ تو پسند کرتا ہوں کہ میں کوئی اقدام کر لوں جس پر مجھے سو کوڑے مارے جائیں لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ میری مذمت میں کوئی سورت نازل ہو جائے جس سے میں ہمیشہ ذلیل و رسوا ہو جاؤں۔

٦٥-﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ بے شک ہم تو صرف دل لگی کرتے تھے اور ہم ہنسی مذاق کرتے تھے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے رواں دواں تھے اور آپ کے آگے منافقین کا ایک دستہ سفر کر رہا تھا کہ دورانِ سفر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اس آدمی کو دیکھو جس کا ارادہ ہے کہ وہ شام کے محلات اور اس کے قلعوں کو فتح کر لے گا' توبہ توبہ یہ بہت بعید ہے یہ بہت بعید ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم نبی کو اس سے آگاہ کر دیا' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس دستہ کو میرے آنے تک روک لو' پھر آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے' لیکن انہوں نے جواب دیا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! خدا کی قسم! ہم نے آپ کی شان میں کوئی نازیبا بات نہیں کہی اور نہ آپ کے صحابہ کرام کی شان میں کوئی بات کہی ہے بلکہ ہم تو صرف خوش طبعی کرتے ہوئے دل لگی کی باتیں کرتے رہے جیسے سفر کے سوار آپس میں سفر کاٹنے کے لیے ایک دوسرے سے خوش طبعی کرتے ہیں' یعنی اے محبوب! اگر آپ ان سے پوچھیں اور ان سے کہیں کہ تم نے یہ باتیں کیوں کہی ہیں؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف ہنسی مذاق کر رہے تھے اور خوش طبعی کرتے تھے[1] ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ﴾ اے محمد (ﷺ)! آپ فرما دیں کہ (اے منافقو!) کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کی معذرت پر اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس میں جھوٹے تھے' نیز انہیں ایسا قرار دیا گیا کہ گویا انہوں نے مذاق اڑانے کا اعتراف کر لیا تھا اور یہ کہ آپ ان میں موجود تھے' حتیٰ کہ انہیں مذاق اڑانے کی غلطی کرنے پر ڈانٹا گیا کیونکہ جن کا مذاق اڑایا گیا تھا' ان کے ذکر سے پہلے حرفِ تقریر (سوالیہ) کے ساتھ آغاز کیا گیا ہے اور یہ مذاق اڑانے کے ثبوت کے بعد ہی صحیح ہو سکتا ہے۔

---

[1] ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ ج ۲ ص ۴۵۵

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

ع ۷ وقف لازم

اب تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے' اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (توبہ کر لینے پر) معاف بھی کر دیں گے تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے' کیونکہ وہ یقیناً مجرم لوگ ہیں○ منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں یک جان ہیں' وہ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں' انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے ان پر رحم کرنا ترک کر دیا' بے شک منافق لوگ ہی نافرمان ہیں○ اور اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' وہی ان کو کافی ہے' اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے' اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○

٦٦- ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ تم بہانے نہ بناؤ اور نہ تم جھوٹی معذرتیں پیش کرنے میں مشغول رہو کیونکہ یہ معذرتیں تمہارا راز فاش ہو جانے کے بعد تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ بے شک تم نے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے بعد مذاق اڑا کر اپنے کفر کا اظہار کر دیا ہے ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو توبہ کر لینے پر اور نفاق کے بعد اخلاص کے ساتھ ایمان لانے پر معاف کر دیں گے ﴿نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ تو ہم نفاق پر اصرار کرنے والے اور نفاق سے توبہ نہ کرنے والے گروہ کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ [امام عاصم کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''اِنْ يُّعْفَ وَتُعَذَّبْ طَائِفَةٌ'' (فعل مضارع مجہول غیر متکلم) ہے]

## منافقوں کے اعمال اور ان کا انجام بد

٦٧- ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ منافق مرد تین سو (٣٠٠) تھے اور منافقہ عورتیں ایک سو ستّر (١٧٠) تھیں ﴿بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ وہ ایک دوسرے سے ہیں یعنی گویا ایک جان ہیں اور اس آیت میں ان کے مسلمانوں میں سے ہونے کی نفی کی گئی ہے اور ان کے اس قول کی تکذیب کی گئی ہے کہ ''وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ'' اور منافقین اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ تم (مسلمانوں) میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ'' کی تقریر و تائید ہے کہ وہ (منافقین) تم میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے حال کے ساتھ متصف بیان کیا ہے' جو مسلمانوں کے حال کے برعکس ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ﴾ وہ بُرائی کا یعنی کفر و نافرمانی کا حکم دیتے ہیں ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ اور وہ نیکی یعنی اطاعت و فرماں برداری اور ایمان سے روکتے ہیں ﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ اور وہ اپنے

ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں کہ وہ نیکیوں میں اور صدقات و خیرات میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت بخیل ہیں ﴿نَسُوا اللّٰہَ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا یا اس کے ذکر سے غافل ہو گئے ﴿فَنَسِیَھُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور اپنی رحمت کرنا چھوڑ دی ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ بے شک منافق ہی فاسق ہیں کہ وہ مکمل فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں اور کفر میں بہت سرکش ہیں اور ہر خیر سے محروم ہیں اور مسلمان کے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جب وہ کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرلے جس کی وجہ سے اس پر یہ بدترین نام (فاسق) چسپاں ہو جائے' جو منافقوں کا اس وقت وصف بیان کیا گیا' جب ان کی مذمت میں مبالغہ کیا گیا۔

۶۸- ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا﴾ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا کافروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے ﴿ھِیَ﴾ وہی یعنی دوزخ کی آگ ﴿حَسْبُھُمْ﴾ ان کو کافی ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو بہت بڑا عذاب دیا جائے گا اور وہ اتنا بڑا عذاب ہوگا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا ﴿وَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور انہیں عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل کیا جائے گا اور انہیں مذموم و بدترین مجرم قرار دیا جائے گا اور انہیں ملعون شیطانوں کے ساتھ شامل کیا جائے گا ﴿وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دائمی عذاب ہے' جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور وہ یہی ہے کہ یہ منافق لوگ نفاق کی محنت کی سختی برداشت کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے ذلت و رسوائی سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان پر عذاب کا نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے بھیدوں اور رازوں اور خطرناک مخفی منصوبوں سے بروقت مسلمانوں کو آگاہ کر دیتا ہے' جن سے ان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

جیسے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقت ور تھے اور وہ تم سے مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے' سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم ناحق کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ ناحق کاموں میں مشغول ہو گئے تھے' انہی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت

میں برباد ہو گئے' اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O کیا ان کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی نوح اور عاد اور ثمود کی قوم' اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں اور جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا' ان کے پاس ان کے رسول روشن ترین دلائلِ حق لے کر آئے تھے' سو اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۶۹۔﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے گزر چکے' وہ تم سے سخت طاقت ور تھے اور وہ مال اور اولاد میں بھی تم سے زیادہ تھے' سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا۔ [اس آیت مبارکہ میں کاف تشبیہ کا محلًا مرفوع ہے] یعنی ''اَنْتُمْ مِثْلُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'' کہ تم بھی انہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں [یا یہ محلًا منصوب ہے جو ''فَعَلْتُمْ مِثْلَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'' کے معنی میں ہے] تم نے ویسے ہی کیا جیسا تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا اور وہ یہ کہ تم نے اپنے حصہ اور نصیب سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ انہوں نے اپنے حصہ کا فائدہ حاصل کیا تھا یعنی تم دنیا کی چیزوں سے لطف اندوز ہوئے اور ''خلاق'' کا معنی نصیب اور حصہ ہے اور یہ ''خلق'' سے مشتق ہے' بہ معنی مقدر ہے یعنی ''ما خلق للانسان'' کا معنی ہے: جو انسان کے لیے بھلائی مقدر کی گئی ﴿ وَخُضْتُمْ ﴾ اور تم باطل و بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گئے ﴿ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ﴾ اس فوج کی طرح جو باطل میں مشغول ہو گئی یا اس گروہ کی طرح جو باطل اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گیا ہو اور ''خوض'' کا معنی ہے: باطل اور کھیل تماشا میں گھس جانا [اور ''فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ'' کو مقدم کیا گیا جب کہ ''كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ'' اس چیز سے بے نیاز ہے] تا کہ پہلے لوگوں کو فائدہ اٹھانے پر مذمت کی جائے کیونکہ دنیا کی نعمتیں پہلے انہیں کو دی گئی تھیں اور پہلے وہی لوگ آخرت کی فلاح طلب کرنے اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کرنے سے غافل ہو کر فانی شہوات میں مشغول ہو گئے تھے' پھر اس کے بعد مخاطبین کے حال کو ان کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ انہیں لوگوں کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں تباہ و برباد ہو گئے اور سب کے سب ضائع ہو گئے' اس کے مقابلے میں (نیک آدمی کو دنیا و آخرت میں انعامات سے نوازا جاتا ہے جیسا کہ) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (العنکبوت: ۲۷) ''اور ہم نے ان کو دنیا میں ان کا ثواب عطا فرمایا اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیکو کاروں میں سے ہوں گے''۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین سے پہلے گزری ہوئیں سابقہ امتوں کی خبر ذکر کی' چنانچہ فرمایا:

۷۰۔﴿ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ کیا ان کے پاس ان سے پہلے نوح کی قوم کی خبر نہیں پہنچی؟ [یہ ''اَلَّذِيْنَ'' سے بدل ہے] ﴿ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ ﴾ اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی قوم' اس سے حضرت شعیب کی قوم مراد ہے ﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ﴾ اور حضرت لوط کی قوم کے شہر مراد ہیں اور ان کے ''ائتفاک'' سے مراد ان کے احوال کا نیکی سے بدی کی طرف تبدیل کرنا ہے ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ ﴾ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل و معجزات لے کر تشریف لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم کیا ہے کیونکہ وہ بہت بڑا صاحبِ حکمت ہے' سو اس نے ان کو بغیر جرم کے سزا نہیں دی ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ خود رسولوں کو

جھٹلا کر اور کفر اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

وقف لازم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٧١ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٧٢ ع

ع ۱۵

اور مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں ایک دوسرے کے لیے معاون و مہربان ہیں' وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بڑی حکمت والا ہےO اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور عدن کی بہشتوں میں نفیس و پاکیزہ محلات (کا وعدہ فرمالیا ہے)' اور اللہ کی رضا سب سے بڑی (نعمت) ہے' یہی بہت بڑی کامیابی ہےO

## مسلمانوں کے اعمال اور ان کے انجام خیر کا بیان

۷۱- ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نصرت و مدد کرنے میں اور ہمدردی و مہربانی کرنے میں آپس میں ایک دوسرے کے کارساز ہیں ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وہ نیکی کرنے یعنی اطاعت و فرماں برداری کرنے اور ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور وہ بُرائی یعنی کفر و شرک اور نافرمانی و سرکشی سے روکتے ہیں ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی اطاعت کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا۔ اس میں سین رحمت کے یقینی ہونے کا فائدہ دے رہی ہے' اس لیے وعدۂ الٰہی کو مستحکم کرتی ہے جیسا کہ ''سَاَنْتَقِمُ مِنْكَ يَوْمًا'' ہے کہ میں آج تم سے ضرور انتقام لوں گا' اس میں حرف سین وعید (دھمکی) کو پختہ کر رہا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ جزاء اور سزا دینے پر بھی قادر ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ بے حد حکمت والا ہے' وہ ہر چیز کو اس کے مناسب و موزوں مقام پر رکھنے والا ہے۔

۷۲- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ محلات کا (وعدہ فرمالیا ہے) جن میں پاکیزہ زندگی ہوگی اور موتیوں اور سرخ یاقوت زبرجد کے عالی

شان محلات ہوں گے ﴿فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ عدن نامی بہشتوں میں۔ یہ نام ہے جس کی دلیل درج ذیل ارشاد ہے: ''جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ'' رحمان نے اپنے بندوں سے عدن کی جنتوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (مریم:٦١) [اور تم یقیناً جانتے ہو کہ ''اَلَّذِیْ'' اور ''اَلَّتِیْ'' معرفہ جملوں کے وصف کے لیے وضع کیے گئے ہیں] اور ''عدن'' جنت میں ایک شہر ہے ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑی سی رضا بھی ﴿اَكْبَرُ﴾ ان تمام جنتوں سے بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کی رضا ہی ہر قسم کی فوز و سعادت اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے یا پھر ''رضوان'' کی طرف اشارہ ہے ﴿هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی تنہا بہت بڑی کامیابی ہے نہ کہ وہ کامیابی جس کا لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ
بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا
بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ
مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا
اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے O وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کہا' حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کا کلمہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کر لیا تھا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے' اور انہیں بُرا نہیں لگا مگر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا' پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوگا' اور اگر وہ روگردانی کر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا' اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا O

## کفار و منافقین سے جہاد کی تاکید اور منافقوں کی مذمت

۷۳- ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ﴾ اے نبی کریم! کافروں سے تلوار سے جہاد کیجئے ﴿وَ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اور منافقوں سے حجت و دلیل کے ساتھ جہاد کیجئے ﴿وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ﴾ اور دونوں جہادوں میں ان سب پر سختی کیجئے اور ان سے مت ڈریئے اور اس شخص سے جہاد کیجئے جس کے عقیدہ میں فساد آنے پر آگاہی حاصل ہو جائے' پس یہ حکم اس شخص میں ثابت ہے' اس کے ساتھ حجت و دلیل سے جہاد کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا' اس کے ساتھ سختی استعمال کی جائے گی ﴿وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں دو ماہ قیام فرمایا' اس دوران قرآن مجید کا نزول بھی آپ پر ہوتا رہا' جس میں جنگ سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی مذمت کی گئی تھی اور آپ یہ حاضرین کو پڑھ کر سناتے رہے' چنانچہ جو منافقین آپ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے' انہوں نے بھی یہ کلامِ الٰہی سنا اور ان میں سے جلاس بن سوید نے کہا کہ

ہمارے پیچھے رہ جانے والے بھائیوں کے بارے میں جو کچھ (حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ سچ ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جنگ میں حاضر نہ ہونے والے ہمارے سردار ہیں۔ حضرت عامر بن قیس انصاری نے جلاس سے فرمایا کہ ہاں! واقعی تم گدھوں سے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے سچ فرمایا ہے اور جلاس کی یہ گفتگو نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچائی گئی تو آپ نے جلاس کو حاضری کے لیے بلا لیا تو اس نے حاضرِ خدمت ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھالی کہ اس نے کچھ نہیں کہا' اس پر حضرت عامر بن قیس انصاری نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا: اے اللہ! تو اپنے عبد مقدس اور اپنے نبی معظم پر سچے کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب میں وحی نازل فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۷۴- ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا' حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر یہ کلمہ کہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر (حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو پھر ہم گدھوں سے بدتر ہیں یا ان کا مذاق اڑانا مراد ہے' چنانچہ اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے پر جلاس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے یہ گفتگو کی تھی اور حضرت عامر نے سچ کہا ہے' پھر جلاس نے توبہ کی اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی ﴿ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾ اور انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا ہے اور انہوں نے زبانی اسلام ظاہر کرنے کے بعد قلب میں پوشیدہ کفر کو ظاہر کر دیا اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا ﴿ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ﴾ اور انہوں نے ایسے (خطرناک) کام کا ارادہ کر لیا تھا جس کو پورا نہ کر سکے اور وہ سرورِ کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو (غزوۂ تبوک سے واپسی پر) شہید کرنے کا منصوبہ مراد ہے یا حضرت عامر کو شہید کرنے کا منصوبہ مراد ہے' کیونکہ انہوں نے ان کے آدمی جلاس کی تردید کی تھی اور بعض نے کہا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ راضی نہ بھی ہوئے تو پھر بھی وہ (رئیس المنافقین) عبد اللہ ابن اُبَیّ کو اپنا سردار بنالیں گے (لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے) ﴿ وَمَا نَقَمُوْٓا ﴾ اور انہوں نے انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے بُرا منایا ﴿ اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی کر دیا اور یہ اس لیے کہ جب رسول اکرم نبی اعظم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے' اس وقت یہ لوگ نہایت تنگ دست تھے' یہ لوگ نہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور نہ مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے' پھر آپ کی آمد کے بعد اموالِ غنیمت حاصل کرنے کی وجہ سے دولت مند ہو گئے اور اسی دوران جلاس کا غلام قتل کر دیا گیا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون بہا کے بارہ ہزار درہم قاتل سے جلاس کو دلوا دیئے جس سے وہ غنی ہو گیا[1] ﴿ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا ﴾ پھر اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں اور مخلص مسلمان بن جائیں ﴿ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ تو اس پر ملنے والا ثواب ان کے لیے بہتر ہوگا اور یہی وہ آیت کریمہ ہے جس کے نازل ہونے پر جلاس بن سوید نے نفاق سے توبہ کر لی تھی ﴿ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا ﴾ اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا اور نفاق پر اصرار کرتے رہے ﴿ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور وہ عذاب دنیا میں قتل اور آخرت میں دوزخ کی آگ ہوگا ﴿ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور زمین میں نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا' جو انہیں عذاب سے نجات دلا سکے۔

---

[1] ذکرہ الزمخشری فی تفسیرہ ج ۲ ص ۲۹۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

اوران میں سے کوئی وہ ہے جس نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں (مال ودولت) دے گا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا کر دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے منہ پھیر لیا اور وہ روگردانی کرنے والے ہی تھے ○ سو اللہ نے اس کے بعد ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق پیدا کر دیا جس دن وہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ○ کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ ان کے قلبی رازوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تمام پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○

۷۵- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال ودولت عطا فرمائے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا شکر ادا کیا جائے اس زیادہ مال سے بہتر ہوتا ہے' جس کا شکر ادا نہ کیا جائے لیکن اس نے آپ سے بار بار دعا کے لیے رجوع کیا اور عرض کیا کہ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال ودولت عطا کرے گا تو میں ضرور بہ ضرور ہر صاحبِ حق کا حق ادا کروں گا' چنانچہ حضور نے اس کے لیے دعا فرمادی اور اس نے بکریاں پال لیں' وہ اتنی تیزی سے بڑھنے لگیں جس طرح موسم برسات میں کیڑے مکوڑے بڑھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مدینہ میں گنجائش نہ رہی اور وہ بکریوں کو لے کر جنگل میں جا کر ایک وادی میں رہنے لگا اور وہ پنجگانہ نماز باجماعت اور نمازِ جمعہ سے غیر حاضر رہنے لگا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی کہ اس کا مال اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب تو وادی میں بھی گنجائش نہیں رہی تو آپ نے سن کر فرمایا کہ آہ! ثعلبہ پر افسوس! پھر رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تو سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور اپنے اپنے صدقات ادا کیے' پھر وہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے صدقہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ تو صرف جزیہ (ٹیکس) ہے اور کہا: تم واپس جاؤ یہاں تک کہ میں کچھ سوچ لوں' جب وہ لوٹ کر واپس آئے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی گفتگو کرنے سے پہلے ان سے فرمایا: آہ! ثعلبہ پر افسوس! آپ نے دومرتبہ فرمایا تو یہ آیاتِ مبارکہ اس کی مذمت میں نازل ہوئیں[1]

[1] حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق اتفاق ہے کہ آپ بدری صحابی ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص غزوۂ بدر یا حدیبیہ میں شریک ہوا' وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا' نیز آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر ثعلبہ صدقہ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے (تیرے نفاق کی وجہ سے) مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے' پس اس نے اپنے سر پر مٹی ڈالی (اور روتا ہوا واپس چلا گیا) پھر جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو یہ اپنا صدقہ لے کر حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپ نے بھی اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا' پھر وہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کے دورِ حکومت میں صدقہ لے کر حاضر ہوا مگر آپ نے بھی اسے قبول نہ فرمایا اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں فوت ہو گیا۔[1]

﴿لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ البتہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فضل یعنی مال و دولت عطا فرمائے گا ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ نکالیں گے [اور اصل میں یہ ''لَنَتَصَدَّقَنَّ'' تھا لیکن ''تا'' کو صاد میں قرب کی وجہ سے مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور ہم صدقہ نکال کر ضرور نیکوں میں سے ہو جائیں گے۔

۷۶- ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مال عطا فرما دیا اور انہوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ﴿بَخِلُوْا بِهٖ﴾ تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل سے کام لیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق روک لیا اور اپنا عہد پورا نہ کیا ﴿وَتَوَلَّوْا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے سے پھر گئے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ اعراض کرنے پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں۔

۷۷- ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے نفاق کو ان کے دلوں میں ان کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بخل اور نفاق کو جما دیا کیونکہ یہی نفاق بخل کا سبب بنا ﴿اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ﴾ اس دن تک جس سے وہ ملیں گے یعنی ان کے عمل کی جزا کا دن اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صدقہ دینے اور نیک بننے کا جو وعدہ کیا تھا اس کا خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی جھوٹے تھے اور اسی وجہ سے وعدہ خلافی کو منافقت کا تہائی قرار دیا گیا ہے۔

۷۸- ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ کیا انہیں یعنی منافقین کو معلوم نہیں کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انہوں نے منافقت سے وعدہ کر کے اب اس کے خلاف کرنے کا پختہ ارادہ اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے ﴿وَنَجْوٰىهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی ان تمام سرگوشیوں کو بھی خوب جانتا ہے جو وہ آپس میں دین کے متعلق طعنہ زنی کرتے ہیں اور صدقہ کو جزیہ قرار دینے اور اسے نہ دینے کی تدبیر کرتے ہیں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) متعلق فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو' میں نے تم کو بخش دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷' صحیح مسلم: ۲۴۹۴) پس جس بدری صحابی کی یہ شان ہو وہ ان آیات کا کیسے مصداق ہو سکتا ہے جن میں مذکور ہے کہ قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا' پس ظاہر ہے کہ اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا۔ اس کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۰۲ تا ۲۰۹۔

[1] رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۹۰' وفی اسنادہٖ ضعفآء لا یحتج بحدیثھم۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع

ع ۸ / ۱۶

جولوگ بہ خوشی صدقہ دینے والوں کوطعنہ دیتے ہیں اوران کوبھی جن کے پاس ماسوااپنی محنت مزدوری کے کچھ نہیں' سووہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' (لیکن) عنقریب اللہ ان کوان کے مذاق اڑانے کی سزاضرور دے گا' اوران کے لیے دردناک عذاب ہےO آپ ان کے لیے مغفرت چاہیں یا آپ ان کے لیے مغفرت نہ چاہیں' اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ مغفرت طلب کریں تو بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا' یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے' اور اللہ نافرمان قوم کوہدایت نہیں دیتاO

۷۹- ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ جولوگ خوشی سے صدقات و خیرات کرنے والے مسلمانوں کو طعنے دیتے ہیں۔[ ''اَلَّذِيْنَ'' مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا مرفوع ہے یا پھر ''سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ'' کی ضمیر سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ'' ''يَلْمِزُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہیں] مروی ہے کہ ایک مرتبہ (غزوۂ تبوک کے لیے) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کوصدقہ دینے کی ترغیب دی تو (حضرت ابوبکر صدیق نے کل مال' حضرت عمر نے نصف مال' حضرت عثمان نے کثیر مال دیا' اسی طرح دیگر صحابہ کے علاوہ) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم صدقہ دیا اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے جن میں سے چار ہزار درہم میں نے اپنے رب تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا ہے اور چار ہزار درہم میں نے اپنے بیوی بچوں کے لیے رکھ لیے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ دیا ہے اس میں بھی اور جو کچھ تم نے اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے' [1] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں برکت عطا فرمائی اوران کا مال اتنا بڑھا کہ ان کی وفات پر ان کی (چار بیویوں میں سے ہر) ایک بیوی کو آٹھویں حصے میں سے ایک چوتھائی حصہ ملا جو اسّی ہزار درہم تھا اور حضرت عاصم نے اس موقع پر ایک سو وسق کھجوریں صدقہ میں دی تھیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾ اور (منافقین) ان لوگوں کو بھی طعنہ دیتے ہیں جو اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے سوا کچھ نہیں پاتے۔[وَالَّذِيْنَ'' ''اَلْمُطَّوِّعِيْنَ'' پر معطوف ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''جَهْدَهُمْ'' (جیم مفتوح) ہے اور دونوں ایک چیز ہیں اور ''جَهْدٌ'' (جیم مفتوح کے ساتھ) مشقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے] روایت میں ہے کہ ابو عقیل انصاری ایک صاع کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج رات میں نے محنت و مزدوری کر کے دو صاع کھجوریں کمائی ہیں اور ایک صاع اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور ایک صاع آپ کے پاس لایا ہوں' اس پر

[1] رواہ البزار کما فی کشف الاستار: ۲۲۱۶' وانظر: مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲

منافقین نے طعن و تشنیع کی اور الزام لگایا اور کہا کہ حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت عاصم نے اتنا ڈھیر سارا مال صدقہ کر کے ریاکاری کی ہے تاکہ شہرت حاصل کر لیں اور رہا ابو عقیل انصاری کا ایک صاع (تین سیر) کھجوریں تو اتنے حقیر صدقہ کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے' وہ اس سے بے پرواہ ہے (تو ان طنز کرنے والے منافقوں کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی) ﴿ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۚ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ﴾ سو منافقین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور دے گا اور یہ دعائے ضرر نہیں ہے' بلکہ منافقین کو سزا دینے کی خبر سنائی گئی ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شانِ نزول: اور جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بیمار ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ (صحابی) نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کے باپ کے لیے دعائے مغفرت کریں تو درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

٨٠- ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ اور بے شک یہ گزر چکا ہے کہ یہ فعلِ امر یقیناً خبر کے معنی میں ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کو ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ نے ان کے لیے استغفار کی ہے خواہ آپ نے ان کے لیے استغفار نہیں کی ﴿ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ واضح رہے کہ "سبعون" (ستر) کا عدد عرب کے کلام میں تکثیر (بے حد زیادہ اور بے شمار) کے معنی میں بطورِ مثال بیان کیا جاتا ہے اور یہ عدد کی حد بندی اور انتہاء بیان کرنے کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقین کے لیے (عموماً اور عبد اللہ بن اُبی کے لیے خصوصاً) تمام زندگی استغفار کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشتا اور نہ ہی بخشے گا' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! اگر آپ ان کے لیے استغفار میں مبالغہ کریں اور ستر سے زیادہ بار استغفار کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور بلاشبہ "سَبْعِيْنَ" کے ذکر میں احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں اور وہ تمام کثرت کے معنی پر دلالت کرتی ہیں' عدد کی حد بندی اور اس کی انتہاء پر دلالت نہیں کرتیں اور باقی تمام اعداد میں سے "سبعین" کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عدد کی دو قسمیں ہیں: ایک قلیل اور دوسرا کثیر' سو قلیل وہ ہے جو تین سے کم ہے اور کثیر وہ ہے جو تین یا تین سے زیادہ ہو' لہٰذا ادنیٰ ترین کثیر عدد تین ہے اور اس کی انتہاء کی کوئی حد نہیں ہے اور نیز عدد کی دو قسمیں اور ہیں یعنی جفت اور طاق اور پہلا جفت عدد دو ہے اور پہلا طاق عدد تین ہے' کیونکہ واحد عدد نہیں ہے' لہٰذا "سَبْعَةٌ" (سات کا عدد) دونوں قسموں میں سے جمع کثیر کا پہلا عدد ہے کیونکہ اس میں طاق کے عدد بھی تین ہیں (تین' پانچ' سات) اور جفت کے عدد بھی تین ہیں (دو' چار' چھ) اور "عَشَرَةٌ" (دس کا عدد) حساب کا کامل عدد ہے کیونکہ جو "عَشَرَةٌ" (دس) سے زائد ہے وہ "عَشَرَةٌ" (دس) کے ساتھ احاد (اکائیوں) کا اضافہ ہے' مثلاً "اِثْنَا عَشَرَ" (میں دس کے ساتھ دو کا اضافہ ہے) اور "ثَلَاثَةَ عَشَرَ" (میں دس کے ساتھ تین کا اضافہ ہے) یونہی "عِشْرِيْنَ" تک اور "عِشْرُوْنَ" (بیس) میں "عَشَرَةٌ" (دس) کا دو دفعہ تکرار ہے اور "ثَلَاثُوْنَ" (تیس) میں تین دفعہ دہائیوں کا تکرار ہے' یونہی ایک سو تک' پس "سَبْعُوْنَ" (ستر کا عدد) کثرت اور جفت و طاق کی انواع کا جامع ہے اور کثرت اس میں ہے اور حساب کا کامل عدد اور کثرت اس میں سے ہیں' چنانچہ "سَبْعُوْنَ" ہر لحاظ سے عددِ کثیر کے زیادہ قریب ہے اور اس کی انتہاء کی کوئی حد نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اسی معنی کی بناء پر "سَبْعِيْنَ" کی تخصیص کی گئی ہو۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مغفرت و بخشش کے نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ بے شک ان کی مغفرت و بخشش نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ ﴿ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کافروں کے لیے مغفرت و بخشش نہیں ہے ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾
اور اللہ تعالیٰ ایمان سے خارج قوم کو ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر و سرکشی کو اختیار کرتے رہتے ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾

جنگ کے لیے رسول اللہ کے چلے جانے کے بعد پیچھے بیٹھے رہنے والے خوش ہو گئے اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور انہوں نے (دوسروں سے) کہا کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ سخت ترین گرم ہے' کاش! وہ سمجھتے ہوتےO سو انہیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں' یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے رہے تھےO پھر جب اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لائے گا تو وہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگیں گے تو آپ فرما دینا کہ تم ہرگز میرے ساتھ کبھی بھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے' بے شک تم پہلی دفعہ گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے تھے' پس تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہوO

۸۱- ﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ﴾ جنگ سے پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے' اس سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ میں نہ جانے کی رخصت مانگی تھی اور حضور نے ان کو اجازت دے دی تھی اور آپ ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے تھے یا وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی سستی اور اپنے نفاق اور شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے ﴿ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾ غزوۂ تبوک سے پیچھے بیٹھے رہنے پر ﴿ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ رسولِ خدا ﷺ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ [یہ مفعول لہٗ ہے یا پھر حال ہے] یعنی وہ لوگ حضور کی مخالفت کرنے کے لیے جنگ میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے درآں حالیکہ وہ آپ کی مخالفت کرنے والے تھے ﴿ وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا یعنی مسلمانوں نے اپنے اموال اور اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ کارنامہ منافقین نے نہیں کیا اور وہ جہاد کو کیسے ناپسند نہ کرتے حالانکہ ان میں ایمان کا جذبۂ صادقہ اور یقین کامل کا وہ داعی ہی نہیں تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھا ﴿ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ﴾ اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ چلو یا انہوں نے مسلمانوں کا جذبۂ جہاد کمزور کرنے اور ان میں

بزدلی و کاہلی پیدا کرنے کے لیے ان سے کہا کہ تم بھی گرمی میں جہاد کرنے کے لیے نہ نکلو ﴿قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھ دار ہوتے۔ ان کو جاہل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو تھوڑی اور عارضی محنت و مشقت سے جی چرا کر بچ جائے' پھر اس عارضی آرام کے سبب دائمی اور ہمیشہ کی مشقت میں پڑ جائے' وہ تمام جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہے۔

۸۲۔ ﴿فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا﴾ سو وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں یعنی منافقین دنیا میں جنگ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اپنی خوشی پر تھوڑا ہنسیں گے اور آخرت میں اس کی سزا پر بہت زیادہ روئیں گے' یہ کلام پاک خبر کے معنی میں ہے' مگر امر کے لفظ سے اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ دلالت کرے کہ اس کا ہونا یقینی اور واجب ولازم ہے اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین دوزخ کی آگ میں تمام زندگی روتے رہیں گے' نہ ان کے آنسو خشک ہوں گے اور نہ وہ کبھی سو سکیں گے ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ یہ ان کے نفاق کی سزا ہے جو ساری زندگی وہ کماتے رہے۔

۸۳۔ ﴿فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو غزوۂ تبوک سے ان میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا۔ ان میں سے ایک گروہ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور ان میں سے کچھ ہلاک ہو چکے تھے ﴿فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ﴾ تو وہ آپ سے غزوۂ تبوک کے بعد کسی اور غزوہ میں جانے کی اجازت مانگیں گے ﴿فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا﴾ تو اے محبوب! آپ ان سے فرما دیجئے کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چلو گے۔ [حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں "مَعِیْ" یا کے سکون کے ساتھ ہے] ﴿وَلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا﴾ اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے۔ [امام حفص کی قراءت میں "مَعِیَ" ("یا" مفتوح کے ساتھ) ہے] ﴿اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ بے شک پہلی دفعہ جب تمہیں غزوۂ تبوک کی طرف بلایا گیا تو تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے تھے ﴿فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ﴾ سو اب تم بہانہ بنا کر پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۷﴾

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ فسق کی حالت میں مر گئے ○ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو

تعجب میں نہ ڈال دیں، بے شک اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے ان کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کر دے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں O اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیں ہم جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ جائیں گے O وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں گے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، پس وہ نہیں سمجھیں گے O

شانِ نزول: عبد اللہ بن اُبی کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مخلص مسلمان تھے، انہوں نے درخواست کی کہ حضور نبی کریم ﷺ اس کے باپ کو کفن پہنانے کے لیے اپنی قمیص مبارک عطا فرمادیں اور آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں، چنانچہ حضور نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا یہ حسنِ سلوک اس کو نفع تو نہیں دے گا لیکن میں قوی امید رکھتا ہوں کہ اس کی قوم میں سے ایک ہزار آدمی ایمان لے آئے گا[1] تو اس پر درج ذیل آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تھی:

۸۴- ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ یعنی اے محبوب! آپ منافقین میں سے کسی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن اُبی نے حضور نبی کریم ﷺ کی قمیص مبارک سے تبرک حاصل کرنا چاہا ہے تو اس کی قوم قبیلۂ خزرج کے ایک ہزار آدمی نے اسلام قبول کرلیا[2] ﴿مَّاتَ اَبَدًا﴾ مر جائے کبھی۔ [''مَاتَ'' ''اَحَدٍ'' کی صفت ہے اور ''اَبَدًا''، ''تُصَلِّ'' کا ظرف ہے] جب میت کو دفن کر دیا جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی قبر پر ٹھہر جاتے اور اس کے حق میں دعائے مغفرت فرماتے، اس لیے آپ کو منع کرتے ہوئے فرمادیا گیا کہ ﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں کیونکہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالتِ فسق میں مر گئے [یہ نہی کی علّت بیان کرنے کے لیے ہے] یعنی بے شک منافقین اس کے اہل نہیں کہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

۸۵- ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور آپ ان کے مال اور ان کی اولاد سے متعجب نہ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کے ذریعے عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ اموال واولاد سے نفرت میں مبالغہ کرنے اور اس کی تاکید کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ مخاطب اس کو کبھی نہ بھولے اور وہ یقین رکھے کہ یہ اہم ترین و ضروری ہے اور یہ کہ ہر آیت مبارکہ ایک گروہ کے بارے میں ہوتی ہے لیکن وہ دوسرے گروہ کے بارے میں نہیں ہوتی۔

۸۶- ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے پوری سورت مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سورت کا بعض حصہ مراد ہو جیسا کہ قرآن اور کتاب مکمل قرآن و کتاب پر بھی بولا جاتا ہے اور بعض پر بھی (ترجمہ) اور جب کوئی سورت نازل کی

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۲۰۶

[2] واضح رہے کہ یہ دونوں روایات اسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں درج ذیل کتب میں بھی بیان کی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں: تفسیر کبیر ج ۴ ص ۸۲-۴ تا ۸۳-۴، تفسیر روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۵۴، روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ مطبوعہ قدیم، تفسیر لباب التاویل المعروف تفسیر الخازن ج ۲ ص ۲۶۹، تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۷۷، تفسیر صاوی جز ۲ ص ۱۵۱، تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۱۱ بہ حوالہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۵۴۔

جاتی ہے ﴿ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لاؤ [اصل میں "بِاَنْ اٰمِنُوْا" ہے یا پھر یہ "اَنْ" مُفَسِّرَہ ہے] ﴿ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ ﴾ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مال دار اور دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں ﴿ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں' ہم ان لوگوں کے ساتھ رہیں گے جو معذوری کی وجہ سے پیچھے رہ کر گھروں میں بیٹھنے والے ہیں جیسے بیمار اور لنگڑے لوگ ہیں۔

۸۷- ﴿ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ﴾ وہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے یعنی عورتوں کے ساتھ [کیونکہ "خوالف" جمع ہے "خَالِفَةٌ" کی] ﴿ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ اور ان کے دلوں پر اس لیے مہر لگا دی گئی کہ انہوں نے کفر و نفاق کو اختیار کر لیا تھا ﴿ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ جہاد میں حاصل ہونے والی فوز و فلاح اور سعادت و نیک بختی کو اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں حاصل ہونے والی ہلاکت و بدبختی کو نہیں سمجھتے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹ ع ۱۷

لیکن یہ رسول اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا' اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے تمام بھلائیاں ہیں' اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں ۝ اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۝

---

۸۸- ﴿ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ﴾ لیکن یہ رسول اکرم اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا یعنی اگر یہ منافقین جہاد سے پیچھے رہ گئے تو کیا ہوا' ان سے بہترین لوگوں یعنی مسلمانوں نے اپنے اموال اور جانیں قربان کر کے جہاد کے مشن کو قائم رکھا ﴿ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ﴾ اور انہیں لوگوں کے لیے تمام بھلائیاں ہیں۔ "الخیرات" کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں جہانوں کے منافع و فوائد کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے حوریں مراد ہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ" (الرحمٰن: ۷۰) "ان میں نیک خصلت حوریں ہیں"۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ ہر مطلوب میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

۸۹- ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہشتیں تیار کر رکھی ہیں' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَعَدَّ" اس بات کی دلیل ہے کہ بہشتیں بن چکی ہیں۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ عَلَى

الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾

اور بہانا بنانے والے کچھ دیہاتی آئے تا کہ انہیں جنگ پہ نہ جانے کی رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ (گھروں میں) بیٹھے رہے' ان میں سے جنھوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب دردناک عذاب ہوگا ○ نہ کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہیں' نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

## جھوٹے عذر پیش کرنے والوں کی مذمت اور سچے معذوروں کی فضیلت' نیز صدقہ دینے والوں میں ریاکاروں کی مذمت اور رضا کاروں کی فضیلت

۹۰- ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ اور بعض دیہاتی بہانا بنانے والے آئے تا کہ انہیں اجازت دی جائے۔ [یہ "عَذَّرَ فِی الْاَمْرِ" سے بنا ہے] یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کام میں کوتاہی اور سستی کرے اور عذر کی حقیقت اس قدر ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ اس نے جو کام کیا ہے اس میں اس نے کوتاہی کی ہے اگرچہ اسے بہ ظاہر معذرت و کوتاہی محسوس نہ ہو [یا یہ "اَلْمُعْتَذِرُوْنَ" ہے' پھر تاء کو ذال میں مدغم کیا گیا ہے اور اس کی حرکت عین کی طرف منتقل کر دی گئی ہے] اور اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو جھوٹی معذرتیں پیش کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت مبارکہ سے بنو اسد اور بنو غطفان مراد ہیں کیونکہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ ہم بہت عیال دار ہیں اور ہم بہت تنگ دست ہیں' ہم جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' لہٰذا آپ ہمیں جنگ پہ نہ جانے اور پیچھے رہ جانے کی رخصت عنایت کر دیں ﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ لوگ جنگ میں جانے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اس سے دیہاتیوں میں سے وہ منافقین مراد ہیں جو نہ تو جنگ میں جانے کے لیے حاضر ہوئے اور نہ انہوں نے معذرت کی اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے اپنے ایمان کے دعوے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان دیہاتیوں میں سے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' ان کو عنقریب دنیا میں قتل کے ذریعے اور آخرت میں دوزخ کی آگ کے ذریعے دردناک عذاب ہوگا۔

۹۱- ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ﴾ نہ کمزوروں پر' جیسے بوڑھے لوگ اور ہاتھوں سے لنجے اور پاؤں سے لنگڑے لوگ ﴿وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو غربت کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جس کو خرچ کر سکیں' اس سے قبیلہ مزینہ' قبیلہ جہینہ اور بنی عذرہ کے غریب لوگ مراد ہیں ﴿حَرَجٌ﴾ (ان سب پر) کوئی گناہ نہیں ہے اور پیچھے رہ جانے پر کوئی الزام (نہیں) ہے ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں' وہ اس طرح کہ یہ لوگ پوشیدہ اور علانیہ ایمان پر قائم رہیں اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں جیسا کہ ایک خیر خواہ اپنے ساتھی کے ساتھ کرتا ہے ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے معذوروں پر کوئی راہ نہیں یعنی ان پر کوئی گناہ نہیں اور ان پر عتاب و ناراضگی

کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سچے عذر کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کو بخش دے گا اور ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ ان پر رحم و کرم فرمائے گا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

اور ان پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس جب حاضر ہوئے تا کہ آپ ان کو سواریاں عطا فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی ایسی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں' تو وہ اس حال میں واپس لوٹے کہ ان کی آنکھیں اس غم کی وجہ سے آنسو بہا رہی تھیں کہ وہ (جنگ میں) خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس کچھ نہیں پاتے O بے شک مواخذہ صرف ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہوتے ہوئے آپ سے (جنگ میں نہ جانے کی) رخصت مانگتے ہیں' وہ اس پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں بیٹھے) رہیں گے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' پس وہ کچھ نہیں جانتے O

۹۲- ﴿ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ﴾ اور ان لوگوں پر (بھی کوئی گناہ نہیں) جو آپ کے پاس جب آئے تا کہ آپ ان کو سواری عطا فرما دیں ﴿ قُلْتَ ﴾ [یہ ''اَتَوْكَ'' میں کاف ضمیر سے حال ہے اور اس کے شروع میں ''قَدْ'' پوشیدہ ہے' اصل میں ''قَدْ قُلْتَ'' ہے] یعنی جب وہ لوگ آپ کے پاس یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سواری عطا فرما دیں' درآں حالیکہ آپ نے فرمایا: ﴿ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ﴾ میں ایسی سواری کوئی نہیں رکھتا جس پر میں تمہیں سوار کر دوں ﴿ تَوَلَّوْا ﴾ تو وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ [یہ ''اِذَا'' شرط کا جواب ہے] ﴿ وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾ حالانکہ اُن کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''تَفِيْضُ دَمْعًا'' وہ آنکھ آنسو بہا رہی تھی اور یہ کلام الٰہی ''يَفِيْضُ دَمْعُهَا'' سے زیادہ بلیغ ہے' یہ اس لیے کہ آنکھوں کو قرار دیا گیا کہ گویا وہ خود تمام تر آنسو بن کر بہہ رہی ہیں [اور ''مِنَ الدَّمْعِ'' میں ''مِنْ'' بیانیہ ہے اور یہ جار مجرور تمیز کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ'' قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ''مستقل نیا (مستأنفہ) جملہ ہو] گویا فرمایا گیا: جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو سواری عطا فرما دیں تو وہ واپس لوٹ گئے' پس کہا گیا کہ ان کو کیا ہوا کہ وہ روتے ہوئے واپس لوٹ گئے تو جواب میں کہا گیا کہ ''قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ'' آپ نے فرمایا: میں کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کر دوں [مگر جملہ معترضہ کی طرح اس کو شرط اور جزا کے درمیان بیان کیا گیا] ﴿ حَزَنًا ﴾ غم کے سبب۔ [یہ مفعول لہٗ ہے] ﴿ اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اتنا مال و دولت نہیں رکھتے تھے جس کو وہ خرچ کرتے (اور جنگ کے لیے سواریاں اور اسلحہ وغیرہ خرید لیتے) [اور یہ بھی مفعول لہٗ کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کا ناصب ''حَزَنًا'' ہے] اور سواریاں مانگنے والے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان

کے دیگر ساتھی تھے یا رونے والے مراد ہیں اور وہ انصار میں سے چھ افراد تھے۔

٩٣- ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ﴾ بے شک پیچھے رہ جانے کی وجہ سے صرف ان لوگوں پر عتاب و ناراضگی اور گناہ ہے جو آپ سے جنگ میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں' حالانکہ وہ دولت مند ہیں [اور ارشادِ باری تعالیٰ ''رَضُوْا'' بمع اپنے متعلق کے جملہ مستأنفہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ انہیں کیا ہوا کہ انہوں نے جنگ میں نہ جانے کی اجازت طلب کی حالانکہ وہ تو دولت مند لوگ ہیں تو جواب میں فرمایا گیا کہ ﴿ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ﴾ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ گھر کے انتظام میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں گے ﴿ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی' سو وہ کچھ نہیں جانتے۔

الجزء ١١

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾

جب تم ان کی طرف واپس لوٹ کر آؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبریں بتا دی ہیں' اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے' پھر تمہیں ہر پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے O عنقریب وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس واپس لوٹ کر آؤ گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو' سو تم ان سے درگزر کرو' بے شک وہ محض پلید ہیں' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' یہ ان اعمال کا بدلا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے O

٩٤- ﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ ﴾ منافقین تمہارے سامنے اپنے آپ کے لیے باطل عذر اور جھوٹے بہانے پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوں گے ﴿ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ﴾ جب تم اس سفرِ تبوک سے واپس ان کی طرف لوٹ کر آؤ گے ﴿ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما دیں کہ تم اب باطل عذر اور جھوٹے بہانے نہ بناؤ ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ﴾ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے اور نہ ہم تمہاری بات کی کبھی تصدیق کریں گے اور یہ کلام معذرت سے نہی کی علت ہے کیونکہ عذر پیش کرنے والے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس نے جو کچھ معذرت میں بیان کیا ہے' اس کی تصدیق کی جائے ﴿ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام باتیں ہمیں بتا دی ہیں۔ یہ کلام پاک ان کی تصدیق نہ کرنے کی علت اور وضاحت ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو ان کی باتوں کی اور ان کے دلوں میں پوشیدہ منصوبوں اور رازوں کی بذریعہ وحی اطلاع دے دی تو اب اس کے ساتھ ان کی معذرتیں قبول کرنا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہ رہا ﴿ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے' آیا تم توبہ

کرتے ہو یا تم اپنے کفر پر قائم رہتے ہو ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ پھر تمہیں غیب وعیاں سب کچھ جاننے والے کی بارگاہ میں لوٹایا جائے گا یعنی تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی طرف لے جایا جائے گا کہ وہ ہر پوشیدہ اور علانیہ چیزوں کا بہت جاننے والا ہے ﴿فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو کچھ تم اعمال سرانجام دیتے تھے اور وہ اسی کے مطابق تمہیں سزا دے گا۔

۹۵- ﴿سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ عنقریب وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف واپس لوٹ کر آؤ گے تاکہ تم ان کو چھوڑ دو اور نہ ان کو ڈانٹو اور نہ ان پر ناراض ہو ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ سوتم ان سے اعراض کرلو اور ان کی طلب ان کو عطا کرو ﴿اِنَّهُمْ رِجْسٌ﴾ بے شک وہ محض پلید و ناپاک ہیں۔ یہ ان کو عتاب نہ کرنے کی علت اور وضاحت ہے یعنی بے شک عتاب وڈانٹ ان کو نفع نہیں دے گی اور نہ ان کی اصلاح کرے گی کیونکہ وہ لوگ محض پلید و ناپاک ہیں ان کو پاک کرنے کی کوئی سبیل نہیں ﴿وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور انہوں نے (آخرکار) دوزخ کی آگ کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی عتاب و توبیخ کرنے اور ڈانٹنے کے لیے ان کو دوزخ کی آگ کافی ہے لہٰذا تم ان کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لیے تکلّف نہ کرو ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ یہ بدلا ہے اس کا جو وہ کماتے تھے یعنی انہیں ان کی کمائی کی سزا ضرور دی جائے گی۔

یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآىِٕرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ' پھر اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ یقیناً نافرمان قوم سے راضی نہیں ہوگا○ بدّو لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کی حدود کو نہ جانیں' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے○ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور وہ تم پر زمانہ کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں' بُری گردش تو انہیں پر آتی رہتی ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' بہت جاننے والا ہے○

۹۶- ﴿یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھانے سے ان کی غرض صرف تمہاری رضامندی حاصل کرنا ہے تاکہ یہ چیز انہیں ان کی دنیا میں نفع دے ﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ پھر اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً نافرمان قوم سے کبھی راضی نہیں ہوگا' یعنی بلاشبہ تمہاری تمہارا رضا ان کو فائدہ نہیں دے گی جب کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا کا دنیا اور آخرت دونوں میں نشانہ بنیں گے (یا یہ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا کا جلد یا بہ دیر ضرور نشانہ بنیں

گے) اور یہ اس لیے کہا گیا ہے تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مسلمانوں کی رضا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کا تقاضا کرتی ہے۔

۹۷- ﴿ اَلْاَعْرَابُ ﴾ گاؤں کے رہنے والے ﴿ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ﴾ شہر کے رہنے والوں سے کفر و منافقت میں زیادہ سخت ہوتے ہیں' اس لیے کہ وہ ظالم و سخت دل ہوتے ہیں اور وہ علم و علماء سے دور ہوتے ہیں ﴿ وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا ﴾ اور وہ اسی کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ نہ جانیں ﴿ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ان حدود کو جو اس نے اپنے رسول پر نازل کیں یعنی دین کی حدود کو اور جو مسائل و احکام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "اِنَّ الْجَفَآءَ وَالْقَسْوَةَ فِی الْفَدَّادِيْنَ" بے شک ظلم و ستم اور سخت دل ہونا چیخنے چلّانے والوں میں ہوتا ہے[1] یعنی کاشت کاروں میں کیونکہ وہ چیختے چلاتے ہیں یعنی وہ اپنے کھیتوں میں چیختے چلاتے ہیں اور "فدید" کا معنی چیخنا چلانا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو خوب جانتا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ان کو مہلت دینے میں بہت بڑا صاحب حکمت ہے۔

۹۸- ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا ﴾ اور دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ لوگ جو کچھ صدقہ وخیرات کرتے ہیں' اسے تاوان اور نقصان قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کے ڈر سے اور ریا کاری کے لیے صدقہ وغیرہ دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے ﴿ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ وہ تمہارے لیے گردشوں کا انتظار کرتے ہیں یعنی یہ منافقین زمانہ کی گردشوں اور دنوں کی گردش سے حالات کے تبدیل ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں تا کہ تمہارا غلبہ ان پر ختم ہو جائے اور وہ صدقہ خیرات دینے سے نجات حاصل کر لیں ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾ بُری گردش انہیں پر پڑے گی یعنی مصائب و آلام اور جنگوں کی گردش انہیں پر پڑے گی' جن کی وہ مسلمانوں کے بارے میں توقع کرتے ہیں [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "اَلسُّوْءِ" (سین مضموم کے ساتھ) ہے اور اس کا معنی عذاب ہے اور "اَلسَّوْءِ" (سین مفتوح کے ساتھ) کا معنی گردش کی بُرائی اور مذمت ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "رَجُلٌ سَوْءٌ" فلاں آدمی بہت بُرا ہے' تمہارے اس قول کے مقابلے میں کہ "رَجُلٌ صِدْقٌ" فلاں آدمی سراپا سچ ہے] ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے جو وہ اس وقت کہتے ہیں جب انہیں صدقہ میں مال و دولت خرچ کرنی پڑتی ہے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کی وہ تمام باتیں اور ارادے خوب جاننے والا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ
قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ ع ۱۲
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

[1] رواه البخاری: ۳۳۰۲، مسلم: ۵۱

الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور رسول کریم سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں' سن لو! بے شک وہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے' عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور مہاجرین وانصار (صحابہ) میں سے سب سے پہلے (ایمان لانے میں) سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی' اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے بہشتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

٩٩- ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جہاد اور صدقات میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو قربت کے اسباب سمجھتے ہیں ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک [یہ ''یَتَّخِذُ'' کا دوسرا مفعول ہے] ﴿وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدقات و خیرات دینے والوں کے حق میں خیر و برکت کی دعا کیا کرتے تھے اور ان کے لیے آپ مغفرت و بخشش طلب کرتے تھے' جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی ''[1] اے اللہ! ابی اوفیٰ کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما ﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ سن لو! بے شک یہ یعنی صدقات وغیرہ خرچ کرنا یا رسول کریم کا دعائیں کرنا ان کے لیے قربِ الٰہی کا سبب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ دینے والوں کے حق میں ان کے اس اعتقاد کی صحت کی گواہی ہے کہ ان کا صدقات وغیرہ کی صورت میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور رسول کریم کی دعاؤں کا ذریعہ ہے اور یہ کلام الٰہی مستقل الگ جملے کی صورت میں ان کی امید کی تصدیق کر رہا ہے کیونکہ اس کے شروع میں تنبیہ اور تحقیق کے دو حرف (اَلَآ اور اِنَّ) ذکر کیے گئے ہیں جو ان کے کارِ خیر کے ثابت و متحقق ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور درج ذیل کلام بھی اسی طرح ہے: ﴿سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں یعنی اپنی جنت میں داخل کرے گا [اور اس جملہ میں جو سین ہے' وہ وعدہ کی تحقیق کے لیے ہے] اور صدقات و خیرات کرنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے پر اس کلام کی جو دلالت ہے' وہ یہ ہے کہ صدقہ اس بلند ترین مقام پر اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب صدقہ دینے والوں کی نیّت خالص ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ دوست کے عیب کی پردہ پوشی فرماتا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ تھوڑی سی محنت کو قبول کر کے بڑی مہربانی فرماتا ہے۔

## صحابۂ کرام کی فضیلت اور منافقین کی مذمت' نیز پانی کے ساتھ طہارت کی فضیلت

١٠٠- ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ اور سبقت کرنے والے [یہ مبتدا ہے] ﴿الْاَوَّلُوْنَ﴾ پہل کرنے والے [یہ ان کی صفت ہے] ﴿مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ یہ ان کا بیان ہے اور اس سے وہ صحابۂ کرام مراد ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں یا وہ صحابۂ کرام مراد ہیں' جو غزوۂ بدر میں یا پھر بیعت الرضوان میں شریک

[1] رواہ البخاری فی کتاب الدعوات باب:٣٢' ابوداؤد فی کتاب الزکوۃ باب:٧' النسائی فی کتاب الزکوۃ باب:٨' احمد فی مسندہ ج ٤ ص ٣٥٣۔٣٥٥

ہوئے تھے ﴿وَالْاَنْصَارِ﴾ [یہ مہاجرین پر معطوف ہے] یعنی بعض انصار میں سے اور اس سے بیعتِ عُقبہ اولیٰ کے صحابہ کرام مراد ہیں اور یہ سات افراد تھے اور نیز اس سے عُقبہ ثانی کے صحابۂ کرام بھی مراد ہیں اور یہ ستر (٧٠) افراد تھے ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ اور مہاجرین وانصار میں سے جنہوں نے ان سابقین کی بھلائی کے ساتھ اتباع کی پس تمام صحابہ کرام مراد ہوئے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے قیامت تک ایمان واطاعت میں مہاجرین وانصار کی بھلائی کے ساتھ پیروی کرنے والے اہل اسلام مراد ہیں ﴿رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کے سبب ان سے راضی ہو گیا۔ [یہ مبتدا کی خبر ہے] ﴿وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اور وہ (صحابہ کرام) اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دینی اور دنیوی تمام نعمتیں ان کو عطا فرمادیں ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ﴾ [یہ "رَضِیَ" پر معطوف ہے] اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ایسی بہشتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں "مِنْ تَحْتِهَا" (مِنْ کے اضافہ کے ساتھ) ہے] ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿١٠٣﴾

اور تمہارے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں' اور اہل مدینہ میں سے' کچھ لوگ نفاق پر اُڑے ہوئے ہیں' آپ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں خوب جانتے ہیں' عنقریب ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے' پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور انہوں نے نیک عمل اور بُرے عمل کو ملا دیا' عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ (اے محبوب!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعے انہیں پاک صاف کیجئے اور ان کا تزکیہ فرمائیے اور ان کے لیے دعائے خیر کیجئے' بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے' اور اللہ سب کچھ سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○

١٠١- ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ﴾ اور تمہارے شہر مدینہ منورہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں میں سے بعض لوگ منافق ہیں اور ان سے جُہینہ' اسلم' اشجع اور غفار کے قبائل مراد ہیں اور یہی لوگ مدینہ شریف کے اردگرد رہائش پذیر تھے ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ﴾ [یہ مبتدا کی خبر پر معطوف ہے اور وہ "مِمَّنْ حَوْلَكُمْ" ہے اور "مُنَافِقُوْنَ" مبتدا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا اور خبر پر جملہ معطوفہ ہو جب کہ تم "وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ قَوْمٌ" مقدر مانو] اور مدینہ منورہ

میں رہنے والوں میں سے ایک قوم ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ منافقت پر ڈٹ چکی ہے یعنی وہ اس میں ماہر اور پختہ ہو چکے ہیں [اس بناء پر کہ ''مَرَدُوْا'' محذوف موصوف (قَوْمٌ) کی صفت ہے اور پہلی وجہ پر یہ کلام مبتدا ہونے سے خالی نہیں ہے یا پھر یہ ''مُنَافِقُوْنَ'' کی صفت ہے' اس کے درمیان اور اس کے موصوف کے درمیان خبر پر معطوف (مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ) کے ساتھ فاصلہ کر دیا گیا ہے] اور منافقت میں ان کی مہارت پر یہ ارشاد دلیل ہے کہ ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ اے محبوب! آپ انہیں نہیں جانتے یعنی آپ کی ذہانت اور سچی فہم وفراست کے باوجود ان کا حال آپ پر مخفی ہے کیونکہ وہ لوگ منافقت میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ہر اس کام سے بہت بچتے رہتے ہیں جو آپ کو ان کے معاملے میں شک میں ڈال دے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ ہم ان کو خوب جانتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہیں کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ ان کے بھید پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا کیونکہ وہ لوگ اپنے دلوں کی گہرائی میں کفر کو چھپاتے ہیں اور آپ کے سامنے مخلص مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں[1] ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ عنقریب ہم ان کو دو دفعہ عذاب میں مبتلا کریں گے اور وہ یہ ہے کہ قتل ہونا اور قبر میں عذاب کا ہونا یا ذلت ورسوائی اور قبر کا عذاب یا ان کے مال سے صدقات کا وصول کرنا اور ان کے ابدان کو سخت سزا دینا ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ پھر انہیں بڑے عذاب یعنی دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

۱۰۲- ﴿وَاٰخَرُوْنَ﴾ یعنی مذکورہ بالا قوموں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ ﴿اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح انہوں نے جھوٹے بہانے نہیں بنائے' بلکہ انہوں نے اپنے بارے میں اعتراف کیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت بُرا ہوا ہے' اس پر وہ نادم ہیں اور یہ دس آدمی تھے' ان میں سے سات صحابہ وہ تھے کہ جن کو جب یہ خبر پہنچی کہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت میں قرآن نازل ہو چکا ہے تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفرِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی کیونکہ آپ کی یہ

---

[1] واضح رہے کہ عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں منافقین کے حال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی نفی کیسے کی گئی ہے' جب کہ دوسری آیت مبارکہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ:

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ. (محمد: ۳۰) اور آپ ان کو ضرور بات کے لہجے سے پہچان لیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت پہلے کی ہے اور اثبات کی آیت بعد میں نازل ہوئی تھی (اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کے بارے میں قطعی علم عطا فرما دیا گیا تو آپ نے ان کو پہچان لیا تھا) چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ جمعۃ المبارک کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے' اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر بہت سے منافقوں کو مسجد سے نکال دیا اور حضرت ابن مسعود انصاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے چھتیس (۳۶) منافقین کو نام لے کر مسجد سے نکال دیا تھا اور اس آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں: تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۱ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۹۳ ۴ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۸۹ مطبوعہ دہلی' تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' خزائن العرفان ص ۲۴۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ' ۲۱ حوالہ جات کے ساتھ' تفسیر عثمانی ص ۲۶۲ مطبوعہ دار التصنیف' کراچی۔

(نوٹ) اس کی مزید تفصیل سورۂ محمد: ۳۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عادتِ شریفہ تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے' چنانچہ آپ نے ان حضرات کو ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا تو آپ نے صحابہ کرام سے ان کے بارے میں پوچھا' انہوں نے عرض کیا کہ ان حضرات نے قسم کھالی ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کو کھول کر آزاد فرمائیں' آپ نے سن کر فرمایا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان حضرات کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک ان کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں دیا جائے گا' اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ نے ان کو کھول کر آزاد کر دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہی مال تھے جنہوں نے ہمیں آپ کے ساتھ جنگ پر جانے سے محروم رکھا' لہٰذا ہم اپنے مال آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے ہیں' آپ ان کو صدقہ میں خرچ کر دیں اور ہمیں اس گناہ سے پاک کر دیں' اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں دیا گیا تو ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ'' نازل ہوئی کہ اے محبوب! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اور ان کو پاک کیجئے[1] ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا﴾ انہوں نے اپنے نیک عمل (یعنی) جہاد میں جانے کے عمل کو ملا دیا ﴿وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ دوسرے بُرے عمل کے ساتھ (یعنی) جہاد میں نہ جانے کے عمل کے ساتھ یا توبہ اور گناہ مراد ہیں اور یہ عرب کے اس مقولہ سے ماخوذ ہے کہ ''بِعْتُ الشَّاةَ وَدِرْهَمًا'' یعنی میں نے بکری کو ایک درہم کے عوض میں فروخت کر دیا [پس واؤ بہ معنی ''با'' کے ہے کیونکہ واؤ جمع کرنے کے معنی کے لیے آتی ہے اور ''با'' الصاق (ملانے) کے معنی کے لیے آتی ہے' لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں یا یہ معنی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مل گیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک مخلوط اور مخلوط بہ ہوا جیسے ''خَلَطْتُ الْمَآءُ وَاللَّبَنُ'' کہ پانی اور دودھ آپس میں ایک دوسرے سے خلط ملط یعنی مل جُل گئے' جب اس سے مقصد یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مکس ہو گیا بہ خلاف اس مقولہ کے کہ ''خَلَطْتُ الْمَآءُ بَاللَّبَنِ'' کہ پانی دودھ میں مل گیا' گویا پانی کو مخلوط اور دودھ کو مخلوط بہ قرار دیا گیا اور جب واؤ کے ساتھ ہو تو ''مـآء'' یعنی پانی اور ''لبـن'' یعنی دودھ دونوں مخلوط ہوں گے اور دونوں مخلوط بہ بھی ہوں گے اور معنی یہ ہوگا کہ پانی دودھ میں اور دودھ پانی میں دونوں آپس میں ایک دوسرے میں مکس ہو گئے ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کرنے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کے اعتراف کرنے کا ذکر کر دیا ہے اور وہی ان کی توبہ کی دلیل ہے۔

۱۰۳۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اے محبوب! ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کیجئے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اس سے زکوٰۃ مراد ہے ﴿تُطَهِّرُهُمْ﴾ آپ ان کو گناہوں سے پاک کیجئے [اور یہ ''صَدَقَةً'' کی صفت ہے اور ''تا'' کے ساتھ خطاب کے لیے ہے اور یا یہ ''تا'' مؤنث غائب کے لیے ہے (کہ صدقہ ان کو پاک کر دے گا)] اور ﴿وَتُزَكِّيْهِمْ﴾ [میں ''تـا'' بہرحال یقیناً خطاب کے لیے ہے] اور آپ ان کا تزکیہ کیجئے ﴿بِهَا﴾ صدقہ کے ذریعہ اور تزکیہ طہارت و پاکیزگی میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یا اس کا معنی مال میں خیر و برکت اور اس میں نشو ونما کی ترقی کرنا ہے ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ ان کے لیے دعا فرما کر ان پر لطف وکرم کیجئے اور ان پر مہربانی فرمائیے اور صدقہ وصول کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ جب وہ صاحب صدقہ سے صدقہ کا مال وصول کر لے تو اس کے لیے دعائے خیر کرے ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ بے شک آپ کی دعائے خیر و برکت ان کے لیے باعث

[1] قال الحافظ: اخرجه البیہقی فی الدلائل وابن مردویہ۔ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۳۰۷)

تسکین و اطمینان ہے کیونکہ وہ لوگ اس سے راحت و سکون محسوس کرتے ہیں اور ان کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔[ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''صَلٰوٰتِكَ'' ہے' بعض نے فرمایا کہ ''صَلٰوة'' کا استعمال ''صَلَوَات'' سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جنس کے لیے ہے] ﴿وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو خوب سننے والا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ گناہوں پر ان کے اعتراف کرنے کو اور ان کی دعا کو خوب سننے والا ہے ﴿عَلِیْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ندامت و شرمندگی اور غم و رنج کو خوب جاننے والا ہے جو ان کی کوتاہی کی وجہ سے ان کو لاحق ہوئی تھی۔

| |
|---|
| اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ |
| وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ |
| رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ |
| بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا |
| یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿١٠٦﴾ |

کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور صدقات لے لیتا ہے اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' نہایت مہربان ہے O اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم عمل کرتے رہو' سوعنقریب اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان تمہارے عمل دیکھیں گے' اور عنقریب تمہیں اس کی طرف لوٹایا جائے گا جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' پھر جو کچھ تم کرتے رہے اس سے وہ تم کو آگاہ کر دے گا O اور دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کے حکم آنے تک مہلت دی گئی یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمالے گا' اور اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O

١٠٤-﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا﴾ کیا انہیں معلوم نہیں۔اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی یعنی کیا ان کی توبہ قبول ہونے اور ان کے صدقات و خیرات قبول ہونے سے پہلے انہیں معلوم نہیں تھا کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح طریقے پر کی جائے ﴿وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ اور جب صدقات و خیرات خلوصِ نیت سے نکالے جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں لے لیتا ہے اور قبول فرمالیتا ہے اور یہ تخصیص کرنے کے لیے ہے یعنی بے شک یہ کام رسول اللہ ﷺ کے سپرد نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو توبہ کو قبول کرتا بھی ہے اور اس کو رد بھی کرتا ہے' پس تم توبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کا قصد کرو اور تم توبہ کرتے وقت اسی کی طرف متوجہ رہو ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ وہ بے حد مہربان ہے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

١٠٥-﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اے محبوب! آپ ان توبہ کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ تم عمل کرتے رہو' سوعنقریب تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور تمام مسلمان دیکھ لیں گے یعنی بے شک تمہارے اعمال نیک ہوں یا بد ہوں وہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے بندوں سے پوشیدہ نہیں ہیں' جیسا کہ تم نے خود دیکھ

لیا اور تم پر تمہارا عمل ظاہر ہو گیا یا یہ معنی ہے کہ اے محبوب! توبہ کی ترغیب دینے کے لیے آپ توبہ نہ کرنے والوں سے فرمادیں کہ تم عمل کرتے رہو عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمان تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ مروی ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول کر لی گئی تو جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی' انہوں نے کہا کہ یہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہے کل تک تو ہمارے ساتھ تھے' ان سے نہ گفتگو کی جاتی تھی اور نہ ان کو اپنے قریب بٹھایا جاتا تھا اور اب ان کو کیا ہو گیا (کہ انہوں نے توبہ کر لی) تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا' تقید کرنے والوں کے لیے وعید اور دھمکی ہے اور توبہ کرنے سے غافل رہنے اور غلط روش پر اصرار کرنے کے انجام سے انہیں ڈرانا مقصود ہے ﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ اور عنقریب تم کو (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے) غیب کے جاننے والے (خدا) کے پاس لوٹایا جائے گا یعنی جو چیزیں لوگوں سے غیب اور پوشیدہ ہیں' ان کو بھی اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور ظاہر کا جاننے والا ہے یعنی جن چیزوں کا لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو تم جو کچھ اعمال کرتے رہے ہو ان کو قیامت کے دن تمہیں یاد دلانے اور ان پر تمہیں جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ تمہیں سب کچھ بتادے گا۔

۱۰۶- ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ اور دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک موقوف رکھا گیا ہے [اور ''اَرْجَيْتَهٗ وَاَرْجَاْتَهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو مؤخر کر دو اور اسی سے ''مرجئہ'' ماخوذ ہے] یعنی جنگ میں جانے کی بجائے پیچھے رہ جانے والوں میں دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا ہے یہاں تک کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو جائے۔ [قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''مُرْجَوْنَ'' بغیر ہمزہ کے ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت ''مُرْجَؤُوْنَ'' (ہمزہ کے ساتھ) ہے] ﴿اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ﴾ یا تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا اگر انہوں نے اصرار جاری رکھا اور توبہ نہ کی ﴿وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ اور یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا' اگر انہوں نے توبہ کر لی اور وہ تین حضرات ہیں: حضرت کعب بن مالک اور حضرت ہلال بن اُمیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا ارشادِ باری تعالیٰ ''وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا'' میں ذکر کیا گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی امید کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ ان کو مہلت دینے میں بڑی حکمت والا ہے [اور ''اِمَّا'' شک کے لیے آتا ہے] اور یہ (اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ) بندوں کے لیے ہے یعنی بندے اپنے آپ عذابِ الٰہی کا خوف بھی رکھیں اور اپنے لیے اس سے رحمت و کرم کی امید بھی رکھیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے نہ کوئی سلام دعا کرے اور نہ کوئی ان سے بات چیت کرے اور ان حضرات نے اس دوسرے فریق کی طرح نہیں کیا تھا کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا اور انہوں نے جزع فزع اور اپنے رنج و غم کا اظہار کیا تھا (بلکہ یہ حضرات خاموش رہے) اور جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص ان کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تو انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اپنی نیتوں اور ارادوں کو خالص کر دیا اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی کہ اللہ تعالیٰ کو خود ان پر رحم آ گیا۔

وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفۡرًا وَّ تَفۡرِیۡقًۢا بَیۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ اِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ لَیَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰی ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمۡ فِیۡہِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡہِ ؕ فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَہَّرُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّہِّرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے ایک مسجد بنائی اور اس شخص کی تیاری کے لیے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا رہا' اور وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں کیا' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O آپ اس مسجد میں کبھی بھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں' البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں' اس میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں' اور اللہ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے O

۱۰۷۔﴿وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا﴾ اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے ''وَمِنۡھُمُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا'' اور ان میں سے بعض لوگوں نے ایک مسجد بنائی۔ [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ کے بغیر ''اَلَّذِیۡنَ'' ہے اور یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے ''اَیۡ جَازَیۡنَاھُمۡ'' یعنی ہم نے ان کو سزا دی]۔

شانِ نزول: ایک اور روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے جب مسجد قبا بنائی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ آپ ان کے ہاں تشریف لائیں' سو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے' اور آپ نے مسجد قبا میں نماز ادا فرمائی جس کی وجہ سے ان کی برادری بنو غنم بن عوف نے حسد کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسجد بنائیں گے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک آدمی بلانے کے لیے بھیجیں گے کہ آپ اس مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھیں اور (دشمنِ اسلام) ابو عامر راہب بھی اس میں نماز پڑھے گا جب وہ ملک شام سے واپس آئے گا اور یہ وہ شخص ہے جس نے رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غزوۂ اُحد کے دن کہا تھا کہ ہر وہ قوم جو آپ سے جنگ کرے گی' میں اس کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف جنگ لڑوں گا' چنانچہ وہ اس وقت سے لے کر غزوۂ حنین تک ہمیشہ آپ کے خلاف جنگ کرتا رہا' پھر جب ان لوگوں نے مسجد قبا کے پاس ایک اور مسجد ضرار بنائی اور انہوں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے کہا کہ ہم نے اپنی ضرورت کے لیے ایک مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری خاطر اس میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب تو ہم سفر پر جا رہے ہیں جب ہم غزوۂ تبوک سے واپس آئیں گے تو ان شاء اللہ اس میں نماز پڑھیں گے' پھر جب آپ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے اس مسجد میں تشریف لانے کی درخواست کی تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ نے حضرت امیر حمزہ کے قاتل حضرت وحشی اور حضرت معن بن عدی وغیرہما سے فرمایا کہ تم ان ظالموں کی اس مسجد میں جاؤ اور اس کو توڑ کر زمین کے برابر کر دو اور اس کو جلا دو' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا

اور حکم دیا گیا کہ اس کی جگہ بیت الخلاء بنا دیئے جائیں جن میں لوگ مردار اور گندگی ڈالا کریں اور ابو عامر راہب ملک شام میں ہی مرگیا ﴿ضِرَارًا﴾ [یہ اور اسی طرح اس کے بعد والے مفعول لہٗ ہیں] یعنی ان لوگوں نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے اپنی برادری کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسجد ضرار بنائی ﴿وَّكُفْرًا﴾ اور اپنے نفاق کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے ﴿وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف برپا کرنے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کیونکہ تمام مسلمان مسجد قبا میں جمع ہو کر باجماعت نماز پڑھتے تھے' اس لیے منافقین نے چاہا کہ وہ ان میں پھوٹ ڈال دیں اور ان کے اتفاق و اتحاد کو ختم کر کے ان میں اختلاف برپا کر دیں ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور یہ مسجد اس شخص کی وجہ سے پناہ گاہ کے طور پر تیار کی گئی' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا رہا اور وہ ابو عامر راہب تھا جس کے لیے منافقوں نے یہ مسجد تیار کی تھی تا کہ وہ اس مسجد میں نماز پڑھایا کرے اور وہ رسول اللہ ﷺ پر غلبہ حاصل کر لے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر وہ مسجد جو فخر و مباہات کے لیے یا ریاء اور دکھاوے کے لیے یا شہرت و عزت حاصل کرنے کے لیے یا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ کسی دوسری غرض کے لیے یا ناپاک مال سے تعمیر کی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں شامل ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ [یہ ''حَارَبَ'' کے متعلق ہے] یعنی اس مسجد کی تعمیر سے پہلے یعنی غزوۂ خندق کے دن ﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ اور یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے اس مسجد کی تعمیر سے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور وہ یہ کہ یہ مسجد صرف نماز اور ذکر الٰہی کرنے اور نمازیوں کی سہولت کی خاطر بنائی گئی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ منافقین اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں۔

١٠٨- ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ اے محبوب! آپ منافقین کی اس مسجد میں ہمیشہ کے لیے کبھی بھی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے نہ ہوں ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ البتہ مسجد قبا جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ و پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں۔ [''لَمَسْجِدٌ'' میں لام ابتداء کے معنی کے لیے ہے اور ''اُسِّسَ'' اس کی صفت ہے اور اس سے مسجد قبا مراد ہے] جس کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی اور قبا بستی میں اپنے قیام کے دوران آپ اسی مسجد میں نماز پڑھتے رہے یا پھر اس سے مسجد نبوی مراد ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔ ''مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ'' کا مطلب ہے کہ اس کی بنیاد و تعمیر پہلے ابتدائی دنوں سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی [اور بعض علماء نے کہا کہ اس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں ''مُذْ'' ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ زمانے کی ابتداء کے لیے آتا ہے جب کہ حرف ''مِنْ'' مکان کی ابتداء کے لیے آتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حرف ''مِنْ'' عام ہے' یہ ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کی ابتداء بیان کرنے کے لیے آتا ہے] ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ قبا میں رہنے والے بہت سے مسلمان مرد ہر قسم کی نجاست و غلاظت سے خوب پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے' اور بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر قبا تشریف لے گئے' یہاں تک کہ آپ مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر گئے اور دیکھا کہ انصارِ قبا مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم مؤمن ہو؟ وہ لوگ خاموش رہے' پھر آپ نے دوبارہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک یہ لوگ یقیناً مؤمن ہیں اور میں بھی انہیں میں سے ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: کیا تم تقدیر پر راضی رہتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم خوشحالی میں شکر کرتے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں! اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! تم واقعی مؤمن ہو اور ان کے پاس بیٹھ گئے' پھر فرمایا: اے انصار کی جماعت! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے' تم وضو کے وقت اور قضائے حاجت کے وقت کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد صفائی کے لیے تین پتھروں کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں' پھر پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد ہم پانی سے استنجاء کر لیتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی شان میں نازل شدہ اسی آیتِ مبارکہ کی تلاوت کر کے سنائی اور بعض نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ تمام نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے عام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے ہے اور طہارت و پاکیزگی سے ان کی محبت کا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو بہت چاہتے ہیں جیسے ایک محبّ اپنی محبوب چیز کو بہت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان سے راضی رہتا ہے اور ان کی تحسین کرتا ہے' جیسے محبّ محبوب کی تحسین و تعریف کرتا ہے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

ع ۱۳ ۲

تو کیا جس شخص نے اپنی مسجد کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی' پھر وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر دوزخ کی آگ میں جا گرا' اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا O ان کی وہ عمارت جس کو انہوں نے بنایا تھا وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' اور اللہ خوب جاننے والا' بے حد حکمت والا ہے O

۱۰۹- ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ﴾ تو کیا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھی وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی۔ یہ تقریری سوال ہے اور اس کے جواب کے واضح ہونے کی بناء پر اس سے خاموشی اختیار کر لی گئی ہے اور معنی یہ ہے کہ تو کیا جس نے اپنے دین (اور مسجد) کی عمارت کو مضبوط و مستحکم بنیاد پر تعمیر کیا اور وہ بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی رضا مندی ہے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنے (دین اور مسجد) کی تمام بنیادوں میں سے کمزور ترین بنیاد پر عمارت کھڑی کی اور وہ کفر و نفاق اور باطل ہے' جس کی ناپائیداری اور غیر مضبوطی کی مثال گرنے والے گڑھے کے کنارے سے دی گئی ہے اور گرنے والے کے کنارے کو تقویٰ کے مقابلے میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کو مجازی طور پر تقویٰ کے منافی و مقابل قرار دیا گیا ہے اور ''شَفَا'' کا معنی کنارہ ہے اور ''جُرُف'' وادی کی اس جانب کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کو پانی کے بہاؤ نے کھود کر گہرا کر دیا ہے اور سیلابوں نے اس کی مٹی کو بہاؤ کے سبب دور کر دیا ہو' اب وہ کمزور ہو چکی ہو اور ''هَارٍ'' اور ''هائر'' کا معنی ہے: گرنے والا اور وہ منہدم ہونے اور گرنے کے قریب پہنچ چکا ہو [اور اس کا وزن فَعِل قصر

کے ساتھ فاعل سے ماخوذ ہے جیسے ''خلف'' ''خالف'' سے ماخوذ ہے اور اس کا الف فاعل کا نہیں ہے اور اس کا عین کلمہ واوٗ ہے کیونکہ اس کی اصل ''هَوَرٌ'' ہے' پھر واوٗ کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ واوٗ متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے اور باطل کی حقیقت اور اس کی کنہ پر اس کلام سے زیادہ بلیغ اور زیادہ دلالت کرنے والا کلام تم کہیں نہیں دیکھو گے۔ ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں ''اَفَمَنْ اُسِّسَ بُنْيَانُهٗ'' (''اُسِّسَ'' فعل مجہول اور ''بُنْيَانُهٗ'' کو مفعول کی بجائے نائب فاعل مضموم پڑھا گیا) ہے' نیز ابن عامر شامی' حمزہ اور یحییٰ کی قراءت میں ''جُرْفٍ'' (''را'' کو مضموم کی بجائے ساکن پڑھا گیا) ہے اور ابوعمرو بصری اور یحییٰ اور ایک روایت کے مطابق حمزہ کی قراءت میں ''هَارٍ'' کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے]

﴿فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ سو وہ عمارت اپنے بنانے والے کے ساتھ دوزخ کی آگ میں جا گری' پس باطل اس کے ساتھ دوزخ کی آگ میں گر کر ختم ہو گیا [اور جب ''جُرُفٍ هَارٍ'' کو مجازاً باطل قرار دیا گیا اور مجاز کو بطور استعارہ لیا گیا تو لفظ ''اِنْهَارَ'' کو لایا گیا جو ''جُرُفٍ'' کے مناسب ہے] تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ باطل پرست نے اپنی عمارت کی بنیاد دوزخ کی وادیوں میں سے کمزور گرنے والی وادی کے کنارے پر تعمیر کی تو وہ کمزور وادی اسے لے کر دوزخ کے گڑھے میں جا گری۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسجدِ ضرار کے گرنے کے وقت اس سے دھواں نکلتے ہوئے دیکھا تھا ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ایمان کی بجائے منافقت اختیار کرنے پر سزا ہوتی ہے۔

۱۱۰- ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کی وہ عمارت جسے انہوں نے تعمیر کیا تھا ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی اور اس کا منہدم ہو جانا ہمیشہ ان کے شک اور نفاق پر مزید شک و نفاق کے اضافہ کا سبب بنا رہے گا کیونکہ اس کے گرانے کی وجہ سے ان کا غیظ و غصہ بڑھ گیا ہے اور اس کا منہدم ہونا ان پر دشوار اور گراں گزرا ہے ﴿اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں [اصل میں ''اَنْ تَتَقَطَّعَ'' ہے اور یہ ابن عامر شامی' حمزہ اور یحییٰ کی قراءت ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت ''اَنْ تُقَطَّعَ'' (فعل مجہول کے ساتھ) ہے] یعنی مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور ان کے اجزاء اور حصے مختلف سمتوں میں بکھیر دیئے جائیں گے' پھر ان سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا لیکن جب تک ان کے دل صحیح سلامت اور مجتمع رہیں گے اس وقت تک شک و نفاق ان کے دلوں میں باقی اور قائم رہے گا' پھر یہ بھی جائز ہے کہ ان دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا ذکر محض ان کے دلوں سے شک زائل ہونے کے حال کو بیان کرنا مقصود ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقت میں ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جانا مراد ہو اور وہ اس طرح ہے کہ جنگوں میں قتل و غارت کے ذریعے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے یا پھر قبروں میں یا دوزخ کی آگ میں ان کے دلوں کے ٹکڑے کیے جائیں گے یا اس کا معنی یہ ہے: مگر یہ کہ وہ لوگ ایسی سچی توبہ کر لیں جس کے سبب ان کے دل ندامت و شرمندگی اور اپنی کوتاہی پر افسوس کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جائیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ انہیں ان کے جرائم پر سزا دینے میں بہت بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ
الْحٰمِدُوْنَ السَّآىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں عوض میں ان کے لیے یقیناً بہشت ہے' وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' پھر کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل کیے جاتے ہیں' اس کے ذمۂ کرم پر سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں' اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے' سو تم اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے' اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' حمد کرنے والے' روزہ رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیں O

## صحابہ کرام کے فضائل اور مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت

۱۱۱- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے' جن کے عوض میں ان کے لیے جنت ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اپنے اموال اور اپنی جانیں اس کی راہ میں خرچ کرنے پر انہیں جنت عطا کرنے کی خرید و فروخت کے ساتھ مثال بیان کی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے مالوں اور ان کی جانوں کی تجارت میں اعلیٰ ترین اور مہنگی ترین قیمت عطا کی ہے۔

اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور مال بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے (پھر کرم دیکھئے کہ یہ چیزیں خرید کر عوض میں جنت بھی عطا فرمادی)' ایک دفعہ ایک اعرابی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس سے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے گزرا اور کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ سودا بہت نفع بخش ہے' ہم اس کو نہ چھوڑیں گے اور نہ ہم اس سے پیچھے ہٹیں گے' پھر وہ ایک غزوہ میں شریک ہوا اور وہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا ﴿ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ یہ مقام تسلیم و رضا کا بیان ہے ﴿ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ﴾ سو وہ قتل کرتے ہیں اور وہ قتل کیے جاتے ہیں یعنی کبھی وہ دشمنانِ دین کو قتل کر دیتے ہیں اور کبھی دشمنانِ دین ان کو قتل کر دیتے ہیں (گویا وہ غازی بھی ہیں اور شہید بھی)۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں اس کے برعکس "فَیُقْتَلُوْنَ وَیَقْتُلُوْنَ" (پہلا فعل مضارع مجہول' دوسرا فعل مضارع معروف کے ساتھ) ہے] ﴿ وَعْدًا عَلَیْهِ ﴾ [یہ مصدر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے جہاد فی سبیل اللہ پر جنت کا وعدہ فرما لیا ہے اور یہ وعدہ ﴿ حَقًّا ﴾ سچا ہے۔ [یہ "وَعْدًا" کی صفت ہے] اس میں خبر دی گئی ہے کہ بے شک یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے' یہ وعدہ ثابت و قائم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ثابت رکھا ہے ﴿ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ﴾ تورات اور انجیل اور قرآن میں اور یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ تمام اہل ملت کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے جہاد کرنے پر بہشت کا وعدہ کیا گیا تھا ﴿ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ وعدہ خلافی کرنا قبیح اور بُرا ہے' ہم انسانوں میں سے کوئی کریم و رحیم شخص ایسا کام نہیں کرتا تو جو سب سے زیادہ کریم و رحیم ہے وہ خلاف وعدہ کیونکر کرے گا اور تم جہاد کے لیے اس سے زیادہ حسین و بلیغ ترغیب نہیں دیکھو گے ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ﴾ سو تم اپنے سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے' پس تم اس پر بہت زیادہ جشن و خوشی مناؤ کیونکہ تم نے بلاشبہ فانی کو باقی کے عوض میں فروخت کیا ہے ﴿ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بدنوں کی قیمت صرف جنت ہے' پس تم اپنی جانوں کو اس کے سوا کسی اور چیز کے عوض میں فروخت نہ کرنا۔

۱۱۲- ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ ﴾ [یہ مدح کی بناء پر مرفوع ہے] یعنی وہ مؤمنین جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ توبہ کرنے والے ہیں [یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ الْعٰبِدُوْنَ ﴾ ہے] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرنے والے ہیں اور انہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا ہے [اور اس کے بعد آنے والی صفات خبر کے بعد خبر ہیں] یعنی وہ حقیقت میں کفر و شرک سے توبہ کرنے والے ان تمام خوبیوں کے جامع ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر و شرک سے توبہ کر لی اور وہ نفاق سے بَری و بے زار ہو چکے ﴿ الْحٰمِدُوْنَ ﴾ وہ لوگ نعمتِ اسلام عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے والے ہیں ﴿ السَّآئِحُوْنَ ﴾ وہ روزے رکھنے والے ہیں کیونکہ حضور سیّد عالم نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: ''سَیَاحَةُ اُمَّتِیَ الصِّیَامُ''[1] میری امت کی سیر و تفریح روزے رکھنا ہے یا علم دین حاصل کرنا ہے کیونکہ طلباء زمین میں سیر و سیاحت کرتے ہیں اور علم کو اس کے مراکز میں جا کر حاصل کرتے ہیں یا عبرت حاصل کرنے کے لیے زمین میں سیر و سیاحت کرنے والے مراد ہیں ﴿ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ﴾ وہ رکوع و سجود ادا کرنے والے یعنی تمام نمازوں کی پابندی سے حفاظت کرنے والے ہیں ﴿ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ وہ (ہر قسم کی) نیکی کا حکم دینے والے ہیں (خصوصاً) ایمان اور معرفت اور اطاعت و فرماں برداری کا حکم دینے والے ہیں ﴿ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ کفر و شرک اور گناہوں سے روکنے والے ہیں [اور یہاں واؤ یہ بتانے کے لیے داخل کی گئی ہے کہ سات عقد تام ہے یا امر اور نہی کے درمیان تضاد کی وجہ سے داخل کی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا'' (التحریم:۵)'' شادی شدہ اور کنواریاں''۔] ﴿ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی تمام حدود یعنی اس کے اوامر و نواہی اور شریعت کے تمام شعائر کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور ان صفات کے ساتھ متصف ہونے والے مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا
اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ
اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ

[1] رواہ ابن جریر موقوفاً عن عائشۃ (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۹۷)' ورواہ مرفوعاً من حدیث ابی ہریرۃ بلفظ ''اَلسَّآئِحُوْنَ هُمُ الصَّآئِمُوْنَ''۔

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

نبی کریم اور مسلمانوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کی بخشش مانگیں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں اس کے بعد کہ ان پر ظاہر ہو گیا کہ بلاشبہ وہ جہنمی ہیں O اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو آپ نے اس سے کر لیا تھا' پھر جب ان پر واضح ہو گیا کہ بے شک وہ تو اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے' بے حد بردبار تھے O اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم پر گمراہی کا حکم لگا دے اس کو ہدایت دینے کے بعد جب تک ان کے لیے وہ چیزیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیے' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

---

شانِ نزول: جب حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مشفق چچا ابوطالب کے لیے (ان کے مرنے کے بعد) دعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس پر (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

١١٣- ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰى﴾ حضور نبی کریم اور مسلمانوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت وبخشش کا مطالبہ کریں' اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں یعنی آپ کے لیے مشرکین کے حق میں استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم میں اور اس کی حکمت میں صحیح نہیں ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ اس کے بعد کہ ان (مسلمانوں) کے لیے ظاہر ہو گیا کہ بے شک وہ جہنمی ہیں یعنی اس کے بعد کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا ہے کہ بے شک وہ شرک پر مر گئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عذر کا ذکر کیا اور فرمایا:

١١٤- ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ (یعنی اپنے چچا آزر) کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی بناء پر تھا' جو آپ نے اس سے کیا تھا یعنی ان کے باپ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے گا یا خود حضرت ابراہیم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ استغفار کریں گے اور وہ آپ کا یہ قول ہے: ''لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ'' (الممتحنہ:۴) ''کہ میں تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا''۔ اور اس کی دلیل حضرت حسن کی یہ قراءت ہے: ''وَعَدَهَا اَبَاهُ'' کہ حضرت ابراہیم کے استغفار کرنے کا معنی یہ ہے کہ آزر کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے مغفرت کی درخواست کریں گے یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے آزر کو اسلام عطا کرنے کی درخواست کریں گے جس سے اس کو بخش دیا جائے گا ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ پھر جب حضرت ابراہیم پر وحی کے ذریعے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ (چچا آزر) اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور وہ کفر کی موت مرے گا اور آپ کی اس سے اسلام قبول کرنے کی امید ختم ہو گئی تو ﴿تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ﴾ بے شک حضرت ابراہیم بہت آہیں بھرنے والے' نہایت شفقت کرنے والے' بے حد مہربان تھے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم بہت زیادہ رحم دل اور بہت زیادہ نرم دل تھے' اس لیے آپ اپنے

کافر باپ پر بھی بہت شفقت فرمایا کرتے تھے ﴿حَلِيْمٌ﴾ آپ بہت حلم والے بردبار تھے' مصیبتوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور اذیت و دکھ دینے پر بہت درگزر کرنے والے' یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے باپ کے لیے استغفار کرتے رہتے تھے حالانکہ وہ کہتا تھا کہ میں تمہیں ضرور سنگسار کردوں گا۔

۱۱۵- ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ ہونے دے' جب تک اس کے لیے اس چیز کو بیان نہ کردے جس سے انہوں نے بچنا ہے یعنی جس چیز سے بچے اور اس سے پرہیز کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جیسے مشرکین وغیرہ کے لیے استغفار کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کردیا ہے اور بیان کردیا ہے کہ یہ ممنوع و حرام ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کا مواخذہ نہیں کرے گا جن کو اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے اور نہ ان کو رسوا کرے گا مگر جب وہ اس کی حرمت واضح ہونے کے بعد اس کا ارتکاب کریں گے اور ان کے معلوم کرلینے کے بعد کہ اس نہی پر عمل کرنا واجب و لازم ہے لیکن معلوم کرنے اور بیان ہو جانے سے پہلے ارتکاب کرنے پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور یہ ان لوگوں کے عذر کا بیان ہے جو مشرکین کے لیے استغفار کرنے پر مؤاخذہ سے ڈر گئے تھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے O بے شک اللہ نے نبی کریم اور مہاجرین اور انصار پر نظر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت آپ کی پیروی کی اس کے بعد کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہونے کے قریب تھے' پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی' بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O

۱۱۶- ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

۱۱۷- ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی یعنی منافقین کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دینے (کے خلاف اولیٰ عمل) کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ''. (التوبہ: ۴۳) ''اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرما چکا ہے''۔ ﴿وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ اور مہاجرین و انصار پر نظر کرم فرمائی۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو توبہ

کی ترغیب دی گئی اور یہ کہ ہر ایک مسلمان توبہ اور استغفار کا محتاج ہے حتیٰ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرین و انصار کو بھی توبہ واستغفار کی ضرورت ہے (کیونکہ یہ دونوں چیزیں رضائے الٰہی اور اجر وثواب کا باعث ہیں) ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ جنہوں نے تنگی کے وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی اور اس کا معنی یہ ہے کہ مہاجرین و انصار نے غزوۂ تبوک میں شریک ہو کر مشکل وقت میں آپ کی پیروی کی تھی [اور ''سَاعَة'' کا لفظ مطلق زمانہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے] اور یہ حضرات ایک تو سواریوں کی وجہ سے تنگی میں مبتلا تھے یہاں تک کہ دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے اور دوسری سامانِ سفر کی کمی کی وجہ سے تنگی تھی' چنانچہ صحابہ کرام اپنے سامانِ سفر میں کھانے پینے کے لیے ردی کھجوریں اور گھن زدہ جَو اور ادنیٰ قسم کا تیل لے کر چلے تھے اور ان کی تنگ دستی اس قدر شدت کی حد تک پہنچ چکی تھی کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور تقسیم کر کے استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات تو صرف ایک کھجور کو پوری جماعت گیلا کر کے باری باری صرف چوستی تھی تا کہ اس کے بعد پانی پی سکیں اور خود پانی کی تنگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھڑی اور گوبر نچوڑ کر پانی نکالا اور اسے صاف کر کے پیا اور وہ زمانہ شدید گرمی' سخت خشک سالی اور انتہائی قحط سالی کا تھا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل اس غزوہ میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ایمان پر ثابت رہنے سے یا رسول اکرم کی اتباع سے کج ہونے کے قریب ہو گئے تھے [اور ''كَادَ'' میں ضمیر شان کی ہے اور اس کے بعد کا جملہ محلاً منصوب ہے اور یہ اہل عرب کے اس مقولہ کی طرح ہے: ''لَيْسَ خَلَقَ اللّٰهُ مِثْلَهٗ'' یعنی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسا پیدا نہیں فرمایا۔ امام حفص اور حمزہ کی قراءت میں ''يَزِيْغُ'' ہے (''يَا'' کے ساتھ اور جب کہ باقی قراء کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ہے)] ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل وکرم کے ساتھ رجوع فرمایا۔ [توبہ کی تاکید کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے] ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ ان پر بہت شفقت فرمانے والا' بے حد مہربان ہے۔

| |
|---|
| وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا |
| رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ |
| تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ |
| اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ |

اور ان تینوں پر (بھی نظر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی) جن کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ ان پر زمین وسیع وعریض ہونے کے باوجود تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ کے سوا انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی' پھر اللہ نے انہیں توبہ کی توفیق دی تا کہ وہ توبہ کر لیں' بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا' بے حد مہربان ہے O

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ O

۱۱۸- ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ﴾ ''اَىْ وَتَابَ عَلَى الثَّلَاثَةِ'' یعنی اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں (حضرات کعب بن مالک' مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ) پر فضل وکرم کے ساتھ توجہ فرمائی [اور یہ ''اَلنَّبِىّ'' پر معطوف ہے] ﴿الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾

جن کو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا ﴿حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہوگئی اس کے باوجود کہ وہ کشادہ تھی یعنی باوجود اس کے کہ زمین فراخ اور کشادہ تھی اور یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملے میں بے انتہاء حیران تھے' گویا (مسلمانوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے) وہ اپنی سرزمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں پاتے تھے جس میں پریشانی اور گھبراہٹ کی وجہ سے سکون وقرار حاصل کرتے ﴿وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہوگئیں یعنی ان کے دل ایسے تنگ ہو گئے کہ ان میں انس ومحبت اور سرور کی گنجائش باقی نہ رہی کیونکہ غم ورنج اور وحشت کی کثرت کی وجہ سے انس وسرور ان کے دلوں سے نکل گیا ﴿وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ﴾ اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کے لیے اس سے مغفرت وبخشش طلب کیے بغیر کہیں جائے پناہ نہیں ہے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے نظر کرم فرماتے ہوئے انہیں توبہ کی توفیق عنایت فرمادی ﴿لِیَتُوْبُوْا﴾ تا کہ وہ توبہ کرلیں اور تا کہ وہ توبہ کرنے والوں کی جماعت میں سے ہو جائیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان ہے۔ حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ توبہ نصوح (سچی توبہ) یہ ہے کہ توبہ کرنے والے پر زمین فراخ ہونے کے باوجود اس پر تنگ ہو جائے اور اس پر اس کی اپنی جان تنگ ہو جائے جیسے ان تین حضرات کی توبہ تھی۔

## جہاد کی اہمیت اور علم دین کی فضیلت

۱۱۹- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم ایمان واخلاص میں سچوں کے ساتھ (مخلص مسلمان) ہو جاؤ' منافقوں کے ساتھ نہیں یا تم ان کے ساتھ ہو جاؤ جو غزوۂ تبوک سے پیچھے نہیں رہے (بلکہ جنگ میں شریک ہو کر اپنے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت فراہم کیا) یا یہ کہ تم ان کے ساتھ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نیّت وعقیدے اور قول وعمل کے اعتبار سے سچے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے' لہٰذا ان کا قول قبول کرنا لازم ہو گیا ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھتے' یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں پیاس کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ان کو کوئی تھکاوٹ ہوگی اور نہ ان کو بھوک لگے گی اور نہ وہ کسی ایسی جگہ پر جائیں گے جس سے

کافروں کو غضب ناک کریں اور نہ وہ دشمن سے کچھ حاصل کریں گے مگر ان کے لیے اس کے عوض میں نیک عمل لکھا جائے گا' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا O

۱۲۰۔﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ اہل مدینہ اور ان کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جاتے (بلکہ وہ ہر حال میں جنگ میں شریک ہوتے) اس نفی سے نہی مراد ہے اور اگر چہ تمام لوگ اس میں برابر ہیں کہ کوئی مسلمان حضور کے ساتھ جنگ میں جانے سے پیچھے نہ رہے' لیکن ان لوگوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ حضور کے قریب رہنے والے تھے اور حضور کا جنگ کے لیے تشریف لے جانا ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں تھا ﴿ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ اور وہ لوگ حضور کو پہنچنے والی مصیبتوں میں اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھتے یعنی وہ لوگ مصائب و شدائد میں حضور کی جان پر اپنی جانوں کی بقاء کو اختیار نہ کرتے بلکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر قسم کی تکلیف و مصیبت اور جنگ وغیرہ میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر مصیبت میں حضور کی ذات پر اپنے آپ کو قربان کر دیں گے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ حضور کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے پیچھے رہ جانے سے یہ روکنا ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے ہوا کہ بے شک انہیں ﴿ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ ﴾ کوئی پیاس نہیں پہنچے گی ﴿ وَّلَا نَصَبٌ ﴾ اور نہ کوئی تھکاوٹ پہنچے گی ﴿ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی جہاد میں انہیں کوئی بھوک لگے گی ﴿ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا ﴾ اور وہ کفار کے علاقوں میں سے کسی علاقہ کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں اور اپنے اونٹوں اور اپنے پاؤں سے طے نہیں کریں گے ﴿ يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ ﴾ جس سے کافروں کو غضب ناک کریں گے اور ان کے دل تنگ ہوں گے ﴿ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ﴾ اور وہ دشمن سے کوئی مصیبت نہیں پائیں گے جیسے قتل و غارت یا قید و بند یا زخمی وغیرہ ہونا یا پھر شکست اٹھانا ﴿ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ﴾ مگر اس کے عوض میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی گئی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں پہنچنے والی ہر مصیبت پر ستر ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ''نَالَ مِنْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی دشمن سے نقصان پالیتا ہے اور یہ ہر اس مصیبت و تکلیف کے لیے عام ہے جو بندوں کو پہنچتی ہے اور اس آیت مبارکہ میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ جو شخص کسی نیکی کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اس کی محنت رائگاں نہیں جاتی بلکہ وہ ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے (اگر چہ وہ اس نیکی کو عملی طور پر نہ پا سکے) خواہ اس کا تعلق کھڑا ہونے سے ہو خواہ بیٹھنے سے ہو اور چلنے پھرنے سے ہو یا گفتگو سے ہو وغیرہ وغیرہ اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد میں کمک پہنچانے والے کو بھی جنگ ختم ہونے کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم میں مجاہدین کے لشکر کے ساتھ شریک کیا جائے گا کیونکہ اس نے بھی کفار کے علاقوں کا سفر طے کر کے ان کو غضب ناک کیا ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عامر کے دونوں بیٹوں کو حصہ عطا فرمایا تھا حالانکہ وہ دونوں جنگ ختم ہو جانے کے بعد پہنچے تھے [اور ''مَوْطِئًا'' یا تو مصدر ہے جیسے ''مَوْرِدًا'' ہے یا پھر ظرف مکان ہے' پھر اگر ظرف مکان ہے تو ''يَغِيْظُ الْكُفَّارَ'' کا معنی ہے کہ مجاہدین کا کفار کی سرزمین کو روندنا انہیں غضب ناک کرتا ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا یعنی مجاہدینِ اسلام نیکی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ

لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ع

اور نہ وہ کوئی چھوٹا خرچ کریں گے اور نہ کوئی بڑا خرچ اور نہ وہ کوئی مسافت طے کریں گے مگر ان کے لیے وہ عمل لکھا جائے گا تا کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلا عطا فرمائے O اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ سب کے سب (علم دین کی طلب میں) روانہ ہو جائیں' تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹی جماعت روانہ ہو جاتی تا کہ وہ دین کا علم حاصل کرتے اور تا کہ وہ اپنی قوم کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراتے جب وہ واپس لوٹ کر ان کے پاس آتے تا کہ وہ (برائیوں سے) بچتے O

۱۲۱- ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی خرچ نہیں کرتے ﴿صَغِيْرَةً﴾ چھوٹا سا ہو اگر چہ ایک ہی کھجور کا دانہ ہو ﴿وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ اور نہ وہ کوئی بڑا خرچ کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیشِ عُسرہ (غزوۂ تبوک) میں بہت سا مال خرچ کیا تھا ﴿وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا﴾ اور وہ کوئی وادی اور سرزمین آتے جاتے طے نہیں کرتے اور وادی ہر اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں کے درمیان سیلاب کی گزرگاہ بن جاتا ہے [اور یہ اصل میں ''وَدٰی يَدِیْ'' سے اسم فاعل ہے جس کا معنی بہنا ہے اور اسی سے ''وادی'' ماخوذ ہے اور پھر یہ مطلق زمین کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے] ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ مگر راہِ خدا میں خرچ کرنے اور وادی کو طے کرنے کا یہ نیک عمل ان کے لیے لکھا جاتا ہے ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء عنایت فرمائے [یہ ''کُتِبَ'' کے متعلق ہے] یعنی ان کے صحیفوں اور اعمال ناموں میں یہ نیکیاں اس لیے لکھی جاتی ہیں اور ثابت و قائم رکھی جاتی ہیں تا کہ انہیں ان نیکیوں پر جزائے خیر دی جائے ﴿اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ جو اعمال کرتے رہے ان پر انہیں اللہ تعالیٰ بہترین جزاء عطا فرمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہر عمل پر ان کے بہترین عمل کی جزاء عطا فرمائے گا اور ان کے ادنیٰ اعمال کو احسن و بہترین عمل کے ساتھ لاحق کر کے ان کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمایا جائے گا۔

۱۲۲- ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ اور مسلمانوں کے لیے یہ تو جائز نہیں کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں یعنی تمام مسلمانوں کا علم کے حصول کے لیے اپنے اپنے وطن سے نکلنا درست نہیں کیونکہ ایسا طریقہ معاش کے فساد کا سبب ہے ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ پھر جب تمام لوگوں کا نکلنا درست و جائز نہیں تو ان کے ہر گروہ میں سے ایک گروہ کیوں نہ روانہ ہوا یعنی ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی سی جماعت علم دین کے حصول کے لیے روانہ ہو جاتی تو ان کا جانا سب کے لیے کفایت کرتا ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ تا کہ وہ دین میں فہم و فراست اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے علم دین کی طلب میں خوب محنت و مشقت سے کام لیں اور علم دین کی تحصیل میں مشقت و تکلیف کو برداشت کریں ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کے پاس لوٹ کر آئیں اور تا کہ علمِ دین کے حصول سے ان کا مقصد و مشن صرف اپنی قوم کو ڈرانا اور ان کی بروقت راہ نمائی کرنا ہو' خسیس و رذیل اور گھٹیا اغراض و مقاصد پیشِ نظر نہ ہوں جیسے لیڈری چمکانے اور چودھراہٹ حاصل کرنے اور عالی شان گاڑیوں اور قیمتی ملبوسات میں

ظالموں کی مشابہت اختیار کرنے کے لیے علم حاصل کرنا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ اس امید پر کہ قوم کے لوگ ان چیزوں سے بچیں جن سے پرہیز کرنا ان پر واجب ولازم ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے بعد اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت میں شدید آیات کے نزول کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کوئی لشکر جنگ کے لیے بھیجتے تو تمام مسلمان جہاد کے لیے روانہ ہو جاتے اور سب کے سب علم دین سیکھنے سے محروم رہ جاتے تو ان کو حکم دیا گیا کہ ان کے ہر بڑے گروہ میں سے ایک گروہ بقدرِ ضرورت جہاد کے لیے روانہ ہوا کرے اور باقی تمام مسلمان علم دین حاصل کریں تا کہ علم دین سے محروم نہ رہ جائیں کہ یہی جہادِ اکبر ہے کیونکہ دلائل کے ساتھ جہاد کرنا' نیزوں کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے [اور اس تفسیر کی بناء پر ''لِيَتَفَقَّهُوْا'' میں ضمیر مسلمانوں میں سے جہاد کے لیے جانے والے گروہوں کے بعد علم دین حاصل کرنے کے لیے باقی گروہوں کی طرف لوٹتی ہے] اور ''وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے لیے باقی رہنے والے گروہ جہاد میں جانے والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس لوٹ آئیں گے ان علوم کے ذریعے ڈرائیں گے جو انہوں نے ان کی غیر موجودگی میں حاصل کیے تھے [اور پہلی تفسیر کی بناء پر دونوں کی ضمیریں اس گروہ کی طرف لوٹتی ہیں جو علم حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہے]۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ
الربع غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ
اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا
اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اے ایمان والو! تم ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں' اور تم یقین کرو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے O اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے' پس لیکن جو ایمان دار ہیں' اس سورت نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوش ہو جاتے ہیں O اور لیکن جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اس سورت نے ان کی نجاست پر نجاست بڑھا دی اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے O

## جہاد کا حکم' منافقین کی مذمت اور شانِ مصطفٰے ﷺ

۱۲۳۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ اے ایمان والو! تم ایسے کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ جنگ کرنا اگر چہ دور و نزدیک رہنے والے تمام کافروں سے واجب ولازم ہے لیکن جو کافر نزدیک رہتے ہیں ان سے جنگ کرنا زیادہ واجب ولازم ہے' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اپنی قوم کے کفار سے جنگ کی' پھر حجازِ مقدس کے دوسرے عرب کفار سے جنگ کی' پھر ملک شام کے کافروں سے جنگ کی اور ملک شام' عراق

وغیرہ سے زیادہ مدینہ شریف قریب ہے اور اسی طرح ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ پہلے اپنے قریب رہنے والے کافروں سے جنگ کریں ﴿ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے اندر جنگ سے پہلے بات چیت اور گفتگو میں شدت وسختی پائیں ﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے اور غلبہ عطا کرنے کے لیے پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

۱۲۴-﴿ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ ﴾ [اس میں ''مَـــا'' موصولہ اپنے صلہ کی تاکید کرنے کے لیے ہے] (ترجمہ) اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ﴿ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ﴾ تو منافقین میں سے کچھ لوگ مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور وحی کا انکار کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ترغیب دینے اور تنبیہ کے لیے یہ بات مسلمان کہا کرتے تھے [اور ''أَيُّكُمْ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور مابعد اس کی خبر ہے] ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ سو لیکن جو ایمان لا چکے ہیں تو یہ سورت ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہے اور ان کے یقین وثبات کو یا خشیتِ الٰہی کو یا اس سورت پر ایمان لانے کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ وہ لوگ اس سورت کے نزول سے پہلے اس پر تفصیلی ایمان نہیں لائے تھے ﴿ وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾ اور وہ نزولِ سورت پر خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ زیادہ احکام کے مکلف ہونے کو بزرگی کے لیے بشارت شمار کرتے ہیں۔

۱۲۵-﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ﴾ اور جن لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ اور نفاق کی بیماری ہے اور یہ ایسا روحانی فساد ہے جو علاج کا اشد محتاج ہے جیسا کہ بدن میں فساد ہوتا ہے ﴿ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ ﴾ تو اس سورت نے ان کی نجاست میں نجاست کا اضافہ کر دیا کیونکہ اس سورت کے انکار کے کفر نے ان کے کفر میں مل کر ان کی کفریات میں اضافہ کر دیا ﴿ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴾ اور وہ مر گئے حالانکہ وہ کافر ہی تھے اور یہ ان کے موت تک کفر پر اڑے رہنے کی خبر دینا مقصود ہے۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ
وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم
مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ
جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾ ع

ع ۱۶ ۵

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ انہیں آزمایا جاتا ہے' پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ○ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) کیا تمہیں (مسلمان) دیکھ تو نہیں رہا' پھر وہ وہاں سے پھر جاتے ہیں' اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس لیے کہ وہ ایسی بدنصیب قوم

ہے جو کچھ نہیں سمجھتے○ بے شک تمہیں میں سے بڑی شان والے ایک رسول تمہارے پاس تشریف لائے ہیں جن پر تمہارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں گزرتا ہے وہ تمہارے بہت بڑے خیر خواہ ہیں مؤمنوں پر بے حد شفقت فرمانے والے بہت بڑے مہربان ہیں○ سو اگر وہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ فرما دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے صرف اسی پر میں نے بھروسا کیا ہوا ہے اور وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے○

۱۲۶- ﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ ﴾ کیا وہ لوگ یعنی منافقین دیکھتے نہیں؟[ قاری حمزہ کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "اَوَلَا تَرَوْنَ" ہے ]اور یہ مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ﴿ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ﴾ بے شک ان (منافقین) کو سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ قحط و تنگ دستی اور بیماری وغیرہ میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے ﴿ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ ﴾ پھر بھی وہ لوگ اپنے نفاق سے توبہ نہیں کرتے ﴿ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ اور نہ وہ نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ لوگ جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شوکت اسلام کو دیکھنے کے باوجود اپنے نفاق سے توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ ان مصیبتوں اور تکلیفوں سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں جو ان پر واقع ہوتی ہیں۔

۱۲۷- ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی تو وہ لوگ وحی کا انکار کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کے طور پر آنکھوں سے اشارے کر کے ایک دوسرے کو دیکھنے لگ جاتے اور کہتے کہ ﴿ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ﴾ کیا تمہیں مسلمانوں میں سے کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ تاکہ ہم یہاں سے اٹھ کر نکل جائیں کیونکہ ہم اس کی سماعت پر صبر نہیں کر سکتے اور ہم پر ہنسی مذاق غالب ہو رہا ہے سو ہمیں ان کے درمیان ہنسنے پر رسوائی کا خوف ہے یا یہ معنی ہے کہ جب کوئی سورت منافقین کے عیب بیان کرنے کے لیے نازل ہوتی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے کہتے کہ کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھ تو نہیں لے گا اگر تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے اٹھ جاؤ ﴿ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ﴾ پھر وہ لوگ رسوائی کے خوف کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل پاک سے اٹھ کر اِدھر اُدھر پھر جاتے ﴿ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قرآن سمجھنے سے پھیر دیا ہے ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے کہ بے شک وہ ﴿ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ ناسمجھ قوم ہے وہ غور و فکر اور تدبر نہیں کرتے تاکہ قرآن پاک کو سمجھ لیتے۔

۱۲۸- ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ﴾ بے شک تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لا چکے ہیں[ "رَسُوْلٌ" میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی عظیم الشان رسول ] ﴿ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ تمہاری جنس (بنی نوع انسان میں) سے ہیں (جنات و ملائکہ میں سے نہیں) اور آپ تمہارے خاندانِ عرب سے تعلق رکھتے ہیں تمہاری طرح وہ بھی عربی قرشی ہیں[1] ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ان پر شاق و دشوار اور گراں گزرتا ہے تمہارا کسی مشقت میں پڑنا اور کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہونا کیونکہ وہ تم میں سے ہیں اور وہ تمہارے عذاب میں پڑنے پر فکر مند رہتے ہیں اور اس وجہ سے انہیں خوف لگا رہتا ہے ﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ وہ تمہارے ایمان پر بڑے حریص ہیں وہ بہت چاہتے ہیں کہ تم تمام لوگ مسلمان ہو جاؤ ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ تم میں سے جو مسلمان ہیں اور تمہارے علاوہ دیگر اقوام میں سے جو مسلمان ہیں ان سب پر آپ ﴿ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ بہت شفقت فرمانے والے بے حد مہربان ہیں اور بعض علماء نے فرمایا (جیسے حضرت العلامہ حسن بن فضل کا قول ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے گرامی میں سے دو نام رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی میں جمع نہیں فرمائے۔

[1] واضح رہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنوں یا فرشتوں کی جنس سے تشریف لاتے تو آپ سے استفادہ کرنا ہمارے لیے مشکل و دشوار ہو جاتا کیونکہ جنوں اور فرشتوں کے تقاضے اور اعمال و افعال وغیرہ بنی نوع انسان سے مختلف ہوتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲۹۔ ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے روگردانی کرتے ہیں اور آپ سے بغض و کینہ اور عداوت و دشمنی کرتے ہیں ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ تو آپ فرما دیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' سو آپ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیں' پس وہی ان کی تکلیف دہ شرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کافی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے استفادہ ناممکن ہو جاتا' اس لیے اس پیکرِ نور کو سراپا خیر البشر بنا کر بھیجا گیا تاکہ ہمارے لیے آپ سے استفادہ کرنا اور آپ کی اتباع کرنا اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا آسان ترین ہو جائے' نیز اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام رازی نے بیان کیا ہے کہ خود رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں اور علامہ پانی پتی اور علامہ آلوسی اور علامہ خازن نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور امام زہری اور ابن محیصن رحمہما اللہ کی قراءت میں "مِنْ اَنْفَسِكُمْ" "فا" پر فتح (زبر) ہے یعنی تم سب سے نفیس ترین اور افضل و اعلیٰ اور عظیم الشان رسول تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اس سے آپ کا افضل الخلق ہونا واضح ہو گیا اور اس عظیم الشان موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف چند آیاتِ قرآنیہ اور چند احادیثِ نبویہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر O

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رب العالمین اور حضور کے لیے رحمۃ للعالمین فرمایا' جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کا رب ہے' حضور اس کے لیے رحمت ہیں' پھر "عالمین" جمع ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب ہے' اسی طرح حضور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں' نیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی طرح حضور کی رحمت مطلق ہے' تام ہے' کامل ہے' سب کو شامل ہے اور تمام مخلوقات کے لیے عام ہے اور یہ فضیلت صرف حضور کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ O (الکوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرما دیں O

اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضائلِ کثیرہ عنایت کر کے تمام مخلوق پر افضل کیا' حسنِ ظاہر بھی دیا' حسنِ باطن بھی' نسبِ عالی' نبوت و رسالت بھی' کتاب بھی' حکمت بھی' علم بھی' شفاعت بھی' حوضِ کوثر بھی' مقامِ محمود بھی' کثرتِ امت بھی' اعلائے دین پر غلبہ بھی' کثرتِ فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔ (خزائن العرفان' زیر بحث آیت)

(۳) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف:۱۵۸) اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبأ:۲۸) اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر ایسی رسالت عامہ کے ساتھ جو تمام لوگوں کو محیط ہے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔

ان دونوں آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سابق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح کسی خاص قوم یا کسی علاقہ کے نبی و رسول بن کر تشریف نہیں لائے بلکہ آپ تمام بنی نوع انسان کے نبی و رسول بن کر تشریف لائے ہیں اور آپ تمام اقوامِ عالم اور پوری کائنات اور قیامت تک کے لیے آخری رسول بن کر تشریف لائے ہیں' چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور وہی ان کے خلاف آپ کی نصرت و مدد کرنے والا ہے ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' میں نے اسی پر بھروسا کیا ہوا ہے اور میں نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے ﴿وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ﴾ اور وہ عرش کا مالک ہے اور یہ عرش مخلوقِ خدا میں سب سے بڑا ہے اور اس کو آسمانوں میں رہنے والوں کے لیے طواف گاہ بنایا گیا ہے اور یہی دعاؤں کا قبلہ ہے ﴿الْعَظِیْمِ﴾ بڑا۔ [یہ عرش کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے] یعنی اللہ تعالیٰ بڑے عرش کا مالک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًاO (الفرقان:۱)

بہت بابرکت ہے وہ جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والے قرآن کو اپنے محبوب بندے پر نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائےO

اس آیت مبارکہ میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی نبوت و رسالت کا عام ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ ''عالمین'' جمع ہے جس کا واحد ''عالم'' ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام کائنات عالم میں داخل ہے' لہٰذا آپ تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ انسان ہوں خواہ وہ فرشتے ہوں' جنات ہوں یا حیوانات ہوں' نباتات ہوں یا جمادات ہوں' چنانچہ ''صحیح مسلم شریف'' میں حدیث نبوی ہے کہ ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ'' میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبیوں کا سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف' باب: فضائل سید المرسلین' فصل اوّل) اور رسالتِ عامہ کی یہ فضیلت بھی آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO (الضحیٰ:۵)

اور بے شک عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گےO

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کیونکہ آپ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے بلکہ آپ کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمایا اور مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک دین اسلام کو پھیلایا اور آپ کو اوّلین و آخرین کے علوم عطا فرمائے اور تمام غزوات میں شاندار فتوحات عنایت فرمائیں' آپ کے ذکر کو بلند فرمایا اور ختمِ نبوت کا تاج آپ کے سرِ انور پر سجایا اور آپ کی مرضی پر قبلہ تبدیل فرمایا اور اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اور اس کے فرشتے آپ پر درود شریف پڑھتے ہیں اور آپ کی قبر مبارک پر قیامت تک جن و انس اور فرشتے درود و سلام پڑھتے رہیں گے اور عالمِ برزخ میں آپ کی معرفت و گواہی کو کامیابی کے لیے لازمی قرار دیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعتِ عامہ و خاصہ' مقامِ محمود' حوضِ کوثر اور قیادت و سیادت اور لوائے حمد عطا فرمائے گا۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم میں یکے بعد دیگرے بہترین گروہ میں بھیجا جاتا رہا ہوں' یہاں تک کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا ہوں جس میں میں پہلے سے تھا (اس کو امام بخاری نے بیان کیا)۔

(۶) واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا' آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش سے بنوہاشم کو منتخب فرمایا اور بنوہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔ (صحیح مسلم و سنن ترمذی)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر مبارک کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے [اور یہ ''رب'' کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے ] حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت مبارکہ یہی ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ'' الخ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم شریف)

(۸) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام نبیوں سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ (مسلم شریف)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ خوبیاں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے رعب و ہیبت کے ساتھ میری مدد کی گئی (۲) اور تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی' سو میرے امتی کے لیے جس جگہ نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے (۴) اور مجھے شفاعت کرنے کا منصب عطا کیا گیا ہے (۵) اور نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (متفق علیہ)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جامع کلام دے کر بھیجا گیا ہے اور میری رعب و ہیبت کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور جب میں سو رہا تھا تو اِس دوران میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ (متفق علیہ)

(۱۱) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا اور بے شک میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی اور مجھے دو خزانے سرخ و سفید عطا کیے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر ان کی مسلم جماعت کے سوا کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو ان کی جڑ اکھیڑ دے (بالکل تباہ کر دے) اور بے شک میرے رب نے فرمایا: اے محمد ﷺ! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اس کو رد نہیں کیا جا سکتا' بے شک میں نے آپ کو آپ کی امت کے لیے یہ وعدہ عطا فرما دیا ہے کہ میں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ میں ان پر ان کی جماعت کے سوا کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو ان کی جڑ اکھیڑ دے' اگرچہ وہ دنیا کے تمام اطراف سے جمع ہو کر حملہ کر دے یہاں تک کہ میرے امتی خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ (مسلم شریف)

(نوٹ:) یہ تمام احادیث ''مشکوٰۃ شریف' باب فضائل سیّد المرسلین' فصل اوّل'' سے ماخوذ ہیں۔ والحمد لله علی ذالك

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بروز جمعۃ المبارک ۹ بجے' ۲ ذیقعد ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۲۰۰۳ء کو تفسیر مدارک التنزیل مطبوعہ لاہور جلد اوّل کا شروع سے لے کر سورۂ توبہ کے اختتام تک ترجمہ و حاشیہ مکمل ہو گیا ہے۔ فالحمد لله علی ذالك

الفقیر المذنب: محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
وہ عظیم کتاب جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے
(البقرہ ۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمّٰی بہ

## برکات القرآن

تصنیف


علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، متوفی ۷۱۰ھ


مترجم


علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی
(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)



ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، (یہ) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ:۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

عبیدہ

# وحقائق التاویل

مع ترجمۂ قرآن المسمّٰی بہ

# برکات القرآن

## جلد دوئم

(یونس تا العنکبوت)

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، شاہد محمود
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الاوّل : شعبان 1430ھ / جولائی 2009ء

**Farid Book Stall**
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

**فرید بُک سٹال** ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر مدارک التنزیل (جلد دوئم)

المنزل ۳

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۱۰۹ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورۂ یونس مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ایک سونو آیات' گیارہ رکوع ہیں

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ
مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؔط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط
مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الرٰ' یہ حکمت والی مستحکم کتاب کی آیتیں ہیں○ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک ممتاز مرد پر وحی نازل کی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند مقام ہے' کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے○ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر غالب ہوا' وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد' یہی اللہ تمہارا رب ہے' سوتم اسی کی عبادت کرو' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے○

## نزولِ قرآن کی حکمت' قدرتِ الٰہی کے دلائل اور نیک و بد کا انجام

سورت یونس علیہ السلام کی آیات ایک سونو (۱۰۹) ہیں۔ یہ سورت اور اسی طرح اس کے بعد والی سورتیں سورت نور تک مکی ہیں[1]

۱- ﴿ الٓرٰ ﴾ [یہ اور اسی طرح کے دیگر حروف میں حمزہ' علی کسائی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں امالہ کیا جاتا ہے] اور یہ حروف مقطعات (کفارِ عرب کو لاجواب کرنے کے لیے) بطور چیلنج بیان کیے جاتے ہیں ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ﴾ یہ اس کتاب کی آیات ہیں۔ "تِلْكَ" سے ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن پر یہ سورت مشتمل ہے اور "اَلْكِتَابِ" سے یہی سورت مراد ہے ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ حکمت والی کتاب' کیونکہ یہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے یا یہ معنی ہے کہ جھوٹ اور عیب سے منزہ محکم و

[1] واضح رہے کہ میرے پاس "تفسیر مدارک التنزیل" کے تین نسخے موجود ہیں: (۱) دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر کا مطبوعہ "تفسیر خازن" کے حاشیہ پر چار جلدوں میں (۲) قدیمی کتب خانہ' کراچی کا مطبوعہ الگ دو جلدوں میں (۳) مکتبۂ رحمانیہ' لاہور کا مطبوعہ الگ تین جلدوں میں' یہ مذکورہ بالا ترجمہ پہلے دونسخوں کی عبارت کا ہے جب کہ تیسرے نسخے میں یہ عبارت نہیں ہے کیونکہ اس نسخے کے کئی مقامات پر طباعتی خامی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ خامی رہ جاتی ہے یا عبارت چھوٹ جاتی ہے' اس لیے ایسے مقامات پر آگاہی کے بعد پہلے دونسخوں کی عبارت کے مطابق ترجمہ کر دیتا ہوں تا کہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

مضبوط کتاب ہے۔

۲۔ ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ [اس میں ہمزہ کفار کے تعجب کا انکار کرنے کے لیے ہے] اور ان کے تعجب کے غلط ہونے پر تعجب دلانا مقصود ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا ﴿ اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ کہ ہم نے انہیں میں سے ایک (محترم و مکرم) مرد پر وحی نازل کی ہے' [پھر یہ ''كَانَ'' کا اسم ہے اور ''عَجَبًا''، ''كَانَ'' کی خبر ہے اور ''لِلنَّاسِ'' میں لازم محذوف کے ساتھ متعلق ہے' جو ''عَجَبًا'' کی صفت ہے' پھر جب یہ مقدم ہو گیا تو حال بن گیا] ﴿ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ [یہ اصل میں ''بِاَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ'' ہے یا یہ ''اَنْ'' مفسرہ ہے] کیونکہ اس کا وحی کرنا قول (کہنے) کے معنی میں ہے یعنی ہم نے انہیں میں سے ایک مرد کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ ﴾ اور آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو ایمان لائے ہیں کہ بے شک ان کے لیے (بلند مقام ہے)۔ [اصل میں ''بِاَنَّ لَهُمْ'' ہے] اور ''لِلنَّاسِ'' میں لام کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی نبوت کو اپنے لیے عجوبہ قرار دے دیا اور اس سے تعجب کرنے لگے اور جس پر انہیں تعجب تھا (۱) وہ یہ کہ ایک بشر کی طرف وحی کی جاتی ہے (۲) اور یہ کہ انہیں کی جماعت میں سے (مالی اعتبار سے ایک عام) آدمی نبی بنایا گیا ہے' ان کے مال دار سرداروں میں سے کسی دولت مند بڑے سردار کو کیوں نہیں بنایا گیا' چنانچہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ تعجب ہے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ابوطالب کے یتیم بھتیجے کے سوا کوئی نہیں ملا (۳) اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا ذکر کیا کرتے تھے اور دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی خوشخبری دیتے تھے حالانکہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز تعجب خیز نہیں کیونکہ سابقہ امتوں کی طرف جس قدر نبی و رسول بھیجے گئے تھے' وہ سب کے سب انہیں کی طرح انسان تھے اور کسی یتیم یا غریب کو رسول بنانا بھی تعجب خیز نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو نبوت کے لیے منتخب کرتا ہے تو اس میں نبوت کے تمام اسباب جمع فرما دیتا ہے اور دولت مند ہونا اور دنیا میں مقدم ہونا نبوت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ بے شک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا صرف نیکی اور بدی پر جزاء اور سزا دینے کے لیے ہے' اور یہ بہت بڑی حکمت ہے تو تعجب کیسا؟ بے شک انسانی عقلوں میں تو روزِ جزاء کا انکار کرنا ہی انوکھی اور تعجب کی بات ہے ﴿ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کے رب کے پاس (ان کے لیے) سچائی کا مقام ہے یعنی سبقت و فضیلت اور عظمت و شان کا مقام اور چونکہ چلنا اور سبقت کرنا قدم کے ذریعے ہوتا ہے' اس لیے نیک کوشش اور نیکی میں سبقت کرنے کو ''قدم'' کہا گیا ہے جیسا کہ نعمت کو عربی میں ''یَد'' یعنی ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ نعمت ہاتھ سے عطا کی جاتی ہے اور اسی طرح نعمت کو ''بَاع'' یعنی بازو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ صاحبِ نعمت اپنے بازو پھیلا کر نعمت و بخشش عطا کرتا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''لِفُلَانٍ قَدَمٌ فِي الْخَيْرِ'' کہ فلاں آدمی نیکی میں سبقت کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہے [اور ''قَدَمٌ'' کی ''صِدْقٍ'' کی طرف اضافت صرف فضیلت کے اضافہ پر مبالغہ کرنے کے لیے ہے (کیونکہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف مبالغہ کے لیے ہوتی ہے)] اور اس لیے کہ یہ بہت بڑی سبقت (و جیت اور بڑی کامیابی) ہے یا اس سے سچائی کا مقام (جنت) مراد ہے یا سعادت و نیک بختی میں سبقت کرنا مراد ہے ﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے۔ [نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''لَسِحْرٌ'' ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کھلم کھلا جادو ہے اور جن کی قراءت میں ''لَسَاحِرٌ'' ہے تو اس سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے] گویا کافروں نے کہا: بے شک یہ رسول جادوگر ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ ان کے عاجز ہو جانے کی اور اس کے اعتراف کی دلیل ہے' اگرچہ وہ آپ کو جادوگر کہنے میں جھوٹے تھے۔

۳۔﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرشِ معظم پر مستوی ہوا یعنی وہ عرشِ اعظم پر غالب وقادر اور اس پر قابض ہو گیا کیونکہ دیّان (یعنی اللہ تعالیٰ) مکان کی قیود سے پاک ہے اور معبود برحق حدود سے منزہ ہے ﴿ یُدَبِّرُ ﴾ وہی فیصلہ کرتا ہے اور وہی حکمت کے تقاضے کے مطابق تقدیر مقرر کرتا ہے ﴿ الْاَمْرَ ﴾ یعنی تمام مخلوق کے ہر معاملہ کی اور آسمانوں اور زمین اور عرشِ اعظم کے نظام کے تمام اُمور کی (وہی تدبیر کرتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور عرشِ اعظم پر اپنی قدرت وغلبہ کا ذکر کیا جو کہ اس کی عظمت و کبریائی اور بادشاہی پر دلالت کرتے ہیں تو ان کے بعد اس جملہ کا ذکر کیا تا کہ اس کی عظمت پر مزید دلیل قائم ہو جائے اور تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمام اُمور میں سے کوئی امر اور تمام معاملات میں سے کوئی معاملہ اس کی تقدیر اور اس کی قضاء سے باہر نہیں ہے اور اسی طرح یہ ارشاد ہے: ﴿ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ اس کی اجازت سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا (بلکہ اس کی اجازت ملنے کے بعد اس کے محبوب بندے شفاعت کریں گے) یہ ارشاد بھی اس کی عزت وعظمت اور اس کی کبریائی کی دلیل ہے ﴿ ذٰلِكُمُ ﴾ وہ عظیم الشان موصوف جس کی مذکورہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں وہ ﴿ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے ﴿ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ سو تم اسی کو واحد و یکتا مانو اور اس کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ وہ انسان ہو یا فرشتہ ہو چہ جائے کہ ایک بے جان جماد ہو جو نہ نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو تم غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے اور تم تدبر سے کام کیوں نہیں لیتے تا کہ تم مصالح ومنافع کے وجود سے مصلح ونافع کے وجود پر استدلال کرو۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ
لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ
الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ
وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اللہ کا وعدہ سچا ہے' بے شک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزاء دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتا ہوا گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے○ وہی ہے جس نے سورج کو چمکانے والا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان سکو' اللہ ہی نے ان سب چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ اہلِ علم قوم کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے○

۴۔﴿ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ﴾ تم سب نے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے یعنی تم آخرت میں صرف اسی اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے' پس تم اس کی ملاقات کے لیے تیاری کرتے رہو [اور "مرجع" کا معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہے یا رجوع

کی جگہ (میدانِ محشر) مراد ہے اور ''جَمِیْعًا'' ضمیر ''کُمْ'' مجرور سے حال ہے] ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق اور سچا ہے [اور ''وَعْد'' مصدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ'' کی تاکید ہے اور ''حَقًّا'' بھی مصدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَعْدَ اللّٰهِ'' کی تاکید ہے] ﴿اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ بے شک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی دوبارہ اس کو زندہ کرے گا۔ یہ ایک الگ نیا جملہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کے وجوب کی علت و دلیل ہے ﴿لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی مخلوق کو پیدا کرنے' پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی حکمت یہی ہے کہ مکلفین کو ان کے اعمال پر جزادی جائے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ [اور یہ ''یَجْزِیْ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عدل و انصاف کے ساتھ جزاء عطا کرے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے دے یا یہ معنی ہے کہ ان کو ان کے عدل و انصاف پر جزاء عطا کرے یعنی اس لیے کہ انہوں نے انصاف کیا اور انہوں نے عدل سے کام لیا اور چونکہ وہ ایمان لائے ہیں' اس لیے انہوں نے ظلم نہیں کیا کیونکہ شرک ظلم ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ'' (لقمان:۱۳) ''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ اور درج ذیل ارشاد کے مقابلہ میں یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا گرم پانی اور دردناک عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

۵- ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ وہی تو ہے جس نے سورج کو چمکانے والا اور چاند کو روشن بنایا۔ [''ضِیَآءً'' اصل میں ''ضِوَآءً'' تھا' واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے ''یَا'' سے تبدیل کردیا گیا ہے اور قاری قنبل نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کرکے ''ضِئَآءً'' پڑھا ہے کیونکہ حرکت ہمزہ کے لیے زیادہ بہتر ہے اور ''ضِیَآءً'' نور سے زیادہ قوی ہے اس لیے اس کو سورج کے لیے قرار دیا] ﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے چاند کی یعنی اس کی سیر کی منزلیں مقرر کردی ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو منزلوں والا بنایا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ'' (یٰسین:۳۹) ''اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کردی ہیں''۔ ﴿لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ﴾ تاکہ تم سالوں کی گنتی پوری کرو یعنی سالوں کی اور مہینوں کی گنتی پوری کرو لیکن مہینوں کی بجائے صرف سالوں کی گنتی پر اس لیے اکتفاء کیا کہ سال مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے (تو گویا سالوں کے ضمن میں مہینوں کا ذکر آ گیا ہے) ﴿وَالْحِسَابَ﴾ اور تاکہ تم (نمازِ پنجگانہ' عیدین' جمعۃ المبارک' اشراق' چاشت' اوابین اور تہجد کی نمازوں کے) اوقات مقررہ اور (روزوں' حج' قربانی' فطرانہ اور تشریق کے) ایام و مدتیں معلوم کرو ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ بالا چیزوں کو برحق پیدا فرمایا ہے جو بہت بڑی حکمت پر مبنی ہیں اور ان کو بے کار و بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا ﴿یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ وہ آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی یہی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں نون کے ساتھ ''نُفَصِّلُ'' ہے] ﴿لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسے لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں اور وہ علم کے ذریعے ان آیات میں غور و فکر کرکے استفادہ کرتے ہیں۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹

بے شک رات اور دن کے تبدیل ہونے میں اور ان چیزوں میں جن کو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے خوفِ خدا رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں O بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہو چکے ہیں ان سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ان بداعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے نعمتوں سے پُر باغات کی طرف ان کی رہ نمائی فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں O

٦-﴿ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں (یعنی) ان میں سے ہر ایک کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں یا ان دونوں کے (نور وظلمت کے اعتبار سے) رنگ بدلنے میں ﴿ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو مخلوقات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے (ان مذکورہ بالا تمام چیزوں میں) ﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴾ البتہ قدرتِ الٰہی کی زبردست نشانیاں ہیں' خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں کے لیے۔ ڈرنے والوں کا ذکر خاص کر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے ہیں اور انہیں یہی خوف و ڈر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

٧-﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ﴾ بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے اور حقائق کو سمجھنے سے غافل ہو جانے کی بناء پر ان کے دلوں میں اس کا خیال تک نہیں آتا یا یہ کہ جو ہم سے اچھی ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے جیسا کہ سعادت مند اور نیک بخت لوگ اس کی امید رکھتے ہیں یا یہ کہ جو لوگ ہم سے بُری ملاقات کا خوف نہیں رکھتے جس سے ڈرنا واجب وضروری ہے ﴿ وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور وہ آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور انہوں نے دائمی وباقی رہنے والی بہت بڑی آخرت کے مقابلے میں فانی اور تھوڑی سی دنیا اختیار کر لی ﴿ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا ﴾ اور وہ لوگ اس پر مطمئن ہو گئے اور انہوں نے اس میں مشغول ہو کر اس طرح سکون حاصل کر لیا گویا وہ دنیا سے کبھی نہیں جائیں گے' چنانچہ انہوں نے مضبوط و مستحکم عمارتیں بنالیں اور انہوں نے طویل اور لمبی آرزوئیں قائم کر لیں ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل و بے خبر ہو گئے اور ان میں غور وفکر نہیں کرتے [اس پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ''اِنَّ'' کی خبر اگلی آیت ہے]۔

٨-﴿ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ انہیں لوگوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے [چنانچہ ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا ہے اور ''مَاْوٰىهُمْ'' دوسرا مبتدا ہے اور ''النَّارُ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہوا اور یہ جملہ ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر ہوا اور ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ میں ''با'' محذوف کے متعلق ہے جس پر کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ ''جُوْزُوْا'' ہے] (ترجمہ) ان کو دوزخ کی سزا ان اعمال کے سبب دی جائے گی جو وہ کماتے رہے۔

٩-﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کا رب ان کے ایمان کے سبب ان کی رہ نمائی فرمائے گا اور ان کے ایمان کے سبب صحیح راستے پر

چلنے کے لیے ان کو استقامت کی توفیق عطا فرمائے گا اور ان کو صحیح راہ پر قائم رکھے گا جو انہیں اجر و ثواب تک پہنچا دے گا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ''تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ'' کو اس کا بیان اور اس کی تفسیر قرار دیا کیونکہ سعادت کے سبب کو اپنانا گویا سعادت کو پانا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے نور ایمان کی برکت سے آخرت میں جنت کی راہ کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائے گا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ بے شک مؤمن جب اپنی قبر سے باہر نکلے گا تو اس کے عمل کو حسین ترین صورت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ اس سے کہے گا: میں تیرا عمل ہوں' پھر وہ قائد اور نور بن کر اس کو جنت میں لے جائے گا اور کافر جب اپنی قبر سے باہر نکلے گا تو اس کے عمل کو بدترین صورت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ اس سے کہے گا: میں تیرا عمل ہوں' پھر وہ اس کو لے کر روانہ ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا[1] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف ایمان نجات کے لیے کافی ہے کیونکہ صرف ''بِاِیْمَانِهِمْ'' ارشاد فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ عمل صالح کو شامل نہیں کیا گیا ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو نعمتوں سے بھرپور باغات میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔[''فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ''، ''تجری'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''الْاَنْهٰرُ'' سے حال ہے]۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾

اس میں ان کی یہ دعا ہوگی کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے اور اس میں ان کی باہمی ملاقات ''السلام علیکم'' سے شروع ہوگی' اور ان کی آخری دعا یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O اور اگر اللہ لوگوں پر برائی کو جلدی بھیج دیتا جس طرح وہ بھلائی کو جلدی چاہتے ہیں تو البتہ ان کا وعدہ ان پر پورا ہو چکا ہوتا' سو ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں O

١٠-﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ یعنی بہشتوں میں ان کی دعا یہی ہوگی کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ یہاں ''دَعْوٰهُمْ'' سے ان کا دعا کرنا مراد ہے کیونکہ ''اَللّٰهُمَّ'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے ندا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں یعنی وہ لوگ اپنے اس قول ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور یہ دعا روحانی لذت حاصل کرنے کے لیے ہوگی عبادت کے لیے نہیں ﴿وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ اور بہشتوں میں ''السلام علیکم'' کہہ کر ان کی تعظیم کی جائے گی یعنی وہ ایک دوسرے کا استقبال و احترام سلام کرنے کے ساتھ کریں گے یا یہ کہ فرشتے ان کو سلام کہہ کر ان کا احترام و استقبال کریں گے [اور اس صورت میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی] یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اعزازاً ان کو سلام کرے گا ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ﴾ اور ان کی دعا جو تسبیح کی صورت میں ہوگی اس کا اختتام اس پر ہوگا

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ١١ ص ٨٨

﴿ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے یعنی وہ کہیں گے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَO'' [''اَنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور اس کی اصل ''اَنَّهٗ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' ہے اور اس میں ضمیر شان کی ہے ] اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح سے ہوگا اور اس کا اختتام حمد و ثناء پر ہو گا' پس وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی تنزیہ سے ابتداء کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے شکر پر اختتام کریں گے اور ان کے درمیان جو وہ چاہیں گے' گفتگو کریں گے۔

## کفار کے بد روّیوں کے باوجود دنیا میں انہیں ڈھیل دینے اور تنبیہ کرنے کا تذکرہ

۱۱۔ ﴿ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر بُرائی کو جلدی بھیج دیتا جیسا کہ وہ لوگ بھلائی کو جلدی چاہتے ہیں [اصل میں ''تَعْجِیْلَهٗ لَهُمْ بِالْخَیْرِ'' تھا' پھر اس کی جگہ ''اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ'' کو اس لیے رکھا گیا تا کہ یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھلائی طلب کرنے پر ان کو جلدی عطا فرما دیتا ہے ] اور یہاں لوگوں سے اہل مکہ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍO'' (الانفال:۳۲) ''اے اللہ! اگر یہ (نبی' قرآن' اسلام) تیری طرف سے برحق ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دے''۔ یعنی اگر ہم ان پر بُرائی جلدی بھیج دیتے جس کی انہوں نے دعا مانگی تھی جیسا کہ ہم ان کے لیے بھلائی میں جلدی کرتے ہیں اور ہم ان کی بھلائی کی دعا قبول کر لیتے ہیں ﴿ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾ تو ان کا وعدہ ان پر ضرور پورا ہو چکا ہوتا' وہ ضرور مار دیئے جاتے اور انہیں ہلاک کر دیا جاتا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''لَقَضٰی اِلَیْهِمْ اَجَلَهُمْ'' مبنی بر فاعل (فعل ماضی معروف) ہے' اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے ] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان پر ان کی موت کا فیصلہ ضرور کر دیتا ﴿ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ ﴾ پھر ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی یعنی اپنے کفر و شرک اور اپنی گمراہی میں ﴿ یَعْمَهُوْنَ ﴾ متردّد و متحیر رہیں اور بھٹکتے رہیں [اور اس کے اپنے ماقبل کے ساتھ اتصال اور تعلق کی وجہ یہ ہے کہ ''وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ'' تعجیل (جلدی کرنے کی) کی نفی کے معنی پر مشتمل ہے ] گویا کہا گیا ہے کہ ہم ان پر بُرائی جلدی نہیں بھیجتے اور نہ ان کے لیے ان کی موت کا فیصلہ کرتے ہیں بلکہ ہم انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے دیتے ہیں اور ان کی سرکشی کے باوجود ہم ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ان پر اپنی نعمتیں بہا دیتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنی کروٹ پر لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے ہو کر (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے' پھر

جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو یوں چل پڑتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا' اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے جو اعمال وہ کرتے تھے آراستہ کر دیئے گئے O اور بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیے' حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے اور وہ ایمان نہیں لاتے تھے' ہم مجرموں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں O

۱۲- ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور انسان سے یہاں کافر مراد ہے [اور ''مَسَّ'' بہ معنیٰ ''اَصَابَ'' ہے یعنی پہنچنا] ﴿دَعَانَا﴾ تو وہ ہمیں پکارتا ہے یعنی وہ کافر تکلیف ملنے پر اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے ﴿لِجَنْۢبِهٖۤ﴾ لیٹے ہوئے [یہ محلاً حال ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد آنے والے دونوں حال اس پر معطوف ہیں] ﴿اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىٕمًا﴾ یعنی وہ لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے ہمیں پکارتا رہتا ہے اور ان احوال کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ ہمیشہ دعا میں مشغول رہتا ہے اور دعا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا' یہاں تک کہ تکلیف و مصیبت اس سے دور ہو جائے' پس وہ اپنے تمام حالات میں ہم سے دعا مانگتا رہتا ہے' خواہ وہ بیٹھنے سے عاجز آ کر لیٹا ہوا ہو یا کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہونے کی بناء پر بیٹھا ہوا ہو یا چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے صرف کھڑا ہوا ہو ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ﴾ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں اور اس کو زائل کر دیتے ہیں ﴿مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ تو وہ گزر جاتا ہے گویا اس نے تکلیف پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہیں تھا یعنی تکلیف پہنچنے سے پہلے کی اپنی حالت پر رواں دواں ہو جاتا ہے اور مشقت کی حالت کو بھول جاتا ہے یا یہ کہ وہ عاجزی و انکساری اور آہ وزاری کے مقام سے پھر جاتا ہے' اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتا گویا اس کے لیے اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں [اور اصل میں ''كَاَنَّهٗ لَمْ يَدْعُنَا'' تھا' پھر اس میں تخفیف کی گئی اور شان کی ضمیر حذف کر دی گئی] ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی زیب و زینت کی طرح ﴿زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے بڑھنے والوں کے لیے آراستہ کر دیئے گئے یعنی کفر میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے شیطان نے اپنے وسوسے سے آراستہ کر دیئے ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ اعمال جو وہ لوگ کرتے تھے کہ ذکر سے روگردانی کرنا اور کفر کی پیروی کرنا۔

۱۳- ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور اے اہلِ مکہ! بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب انہوں نے ظلم یعنی شرک کیا [اور یہ ''اَهْلَكْنَا'' کا ظرف ہے] اور ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ [اس میں واؤ حال کے لیے ہے] یعنی انہوں نے حق کو جھٹلا کر ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح معجزات لے کر آئے تھے ﴿وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ اور وہ لوگ بالکل ایمان لانے والے نہیں تھے' اگرچہ انہیں زندہ رکھا جاتا اور انہیں ہلاک نہ کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہیں گے [اور یہ ''ظَلَمُوْا'' پر معطوف ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے اور اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی بے شک ان کی ہلاکت کا سبب ان کا رسولوں کی تکذیب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ رسولوں کی بعثت کے ذریعے ان پر حجت لازم کرنے کے بعد ان کو مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ﴿كَذٰلِكَ﴾ اس سزا کی طرح یعنی ہلاک کرنے کی طرح ﴿نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم مجرموں کو سزا دیں گے اور یہ اہل مکہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے کے سبب ان کے جرائم پر وعید اور دھمکی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِـعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو○ اور جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں' تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو تبدیل کر دیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے لیے جائز نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے تبدیل کر دوں' میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس کو تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا' اور یقیناً میں اس سے پہلے تم میں دراز عمر گزار چکا ہوں' تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے○

۱۴- ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد زمین پر تمہیں جانشین بنایا۔ یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی طرف سیّد عالم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا ہے یعنی جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ان کے بعد ہم نے زمین پر تمہیں جانشین بنایا ﴿لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو یعنی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم نیک عمل کرتے ہو یا بُرے عمل' پھر ہم تمہارے ساتھ تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے [اور "كَیْفَ"، "تَعْمَلُوْنَ" کی وجہ سے نصب کی جگہ پر واقع ہے" نَنْظُرَ" کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس میں استفہام کا معنی یہ ہے کہ اس پر اس کے عامل کا مقدم ہونا ممنوع ہے] اور اب اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری نظر میں ہو' سو تم دیکھو اور سوچو کہ تم کیسے عمل کرتے ہو' آیا تم پہلے لوگوں سے عبرت حاصل کرتے ہو یا تم اپنی موجودہ حالت پر اتراتے ہو؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سرسبز وشاداب اور بڑی شیریں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا جانشین بنانے والا ہے' پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔[1]

۱۵- ﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ [اس میں "بَیِّنَاتٍ" حال ہے] ﴿قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ جب قرآن مجید میں سرکشوں کے لیے وعید اور بتوں کی عبادت کی مذمت بیان کی گئی تو کافر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ﴾ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیے جس میں ایسی باتیں نہ ہوں جو ہمیں غصہ دلا دیں تو

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۹' مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۲' الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰

ہم آپ کی پیروی کریں گے ﴿ اَوْ بَدِّلْهُ ﴾ یا اس کو بدل دیں اور وہ اس طرح کہ عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کو رکھ دیں اور معبودوں کا ذکر اور ان کی عبادت کی مذمت کا ذکر ختم کر دیں کیونکہ یہ انسان کی قدرت کے تحت داخل ہے کہ وہ عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کو رکھ دے اور معبودوں کا ذکر ختم کر دے تو اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ تبدیل کرنے کے بارے میں ان کو یہ جواب دیں ﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ میرے لیے یہ جائز نہیں ﴿ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ﴾ کہ میں اس کو اپنی طرف سے تبدیل کر دوں ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ﴾ میں پیروی نہیں کرتا مگر صرف اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے اور بغیر کسی ردّ و بدل کے صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرتا ہوں کیونکہ مجھے جو احکامات دیئے جاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں' میری اپنی طرف سے نہیں ہوتے کہ میں ان میں تبدیلی کر دوں ﴿ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنی طرف سے تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں ﴿ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ بڑے دن یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے اور لیکن دوسرا قرآن لانے پر تو انسان قدرت و طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اس سے عاجز ہونا کفار پر واضح طور پر ظاہر ہو چکا تھا' مگر وہ عجز کا اعتراف نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے: ''لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ'' (الانفال:۳۱) ''اگر ہم چاہتے تو اس جیسا قرآن ہم کہہ دیتے''۔ اور یہ احتمال بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''آپ اس کے علاوہ اور قرآن لے آئیں یا اس کو تبدیل کر دیں'' سے وہ لوگ وحی کے ذریعے تبدیلی چاہتے ہوں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق انہیں بتا چکے کہ ''بے شک میں ڈرتا ہوں' اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے'' سو اس سوال سے ان کی غرض صرف مکر و فریب تھا اور وہ اس طرح کہ (۱) اس موجودہ قرآن کے بجائے دوسرا قرآن لانے کے سوال سے ان کی غرض یہ تھی کہ آپ اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں' اس لیے آپ اس قرآن جیسا دوسرا قرآن بنا کر لانے پر قادر ہیں' لہٰذا اس کی جگہ دوسرا قرآن لائیے (۲) اس قرآن مجید میں تبدیلی کرنے کے سوال سے ان کی غرض آپ کا امتحان تھا کہ اگر آپ نے ان کے مطالبے پر اس قرآن مجید میں تبدیلی کر دی تو پھر یا تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک کر دے گا جس سے ان کو آپ سے نجات مل جائے گی یا اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک نہیں کرے گا تو پھر وہ آپ کا مذاق اڑائیں گے اور اس تبدیلی کو آپ کے خلاف بطورِ حجت پیش کریں گے اور کہیں گے: ہماری یہ بات صحیح نکلی کہ آپ تو اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں۔

۱۶- ﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس کو تم پر نہ پڑھتا یعنی میں اس قرآن مجید کی تلاوت و تبلیغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے سے کرتا ہوں اور قرآن مجید کا اظہار عادات سے بالاتر عجیب ترین امر ہے اور وہ یہ کہ ایک بے پڑھا آدمی نمودار ہوا' جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ وہ اہل علم کی محفلوں میں شریک ہوا' اس کے باوجود وہ تمہارے سامنے ایک زبردست فصیح و بلیغ کتاب (قرآن مجید) پڑھ کر سنانے لگا' جو ہر فصیح کلام پر غالب ہے اور ہر منظوم و منثور کلام پر فوقیت و برتری رکھتی ہے اور وہ کتاب اصول و فروع کے تمام علوم پر مشتمل ہے اور ایسی غیبی خبروں سے آراستہ و بھرپور ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں میری زبان سے قرآن کی خبر دیتا ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ بے شک میں قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا دراز حصہ تمہارے درمیان گزار چکا ہوں یعنی میں تمہارے درمیان چالیس سال تک یقیناً قیام کر چکا ہوں اور تم میرے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اس قرآن مجید جیسا کسی قسم کا کوئی کلام پیش نہیں کیا' سو تم مجھ پر اس کو اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرنے کا الزام لگا کر مجھ پر بہتان تراشتے ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں

لیتے ہوتا کہ تم جان لیتے کہ یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' میرے جیسے انسان کی طرف سے نہیں اور کفار نے آپ سے فریب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں تو یہ اس کا جواب ہے کہ یہ تمہارا مجھ پر بہتان وافتراء ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' بے شک مجرم فلاح نہیں پائیں گے ○ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں نفع دے سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں' وہ تو ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ○

---

۱۷- ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے' جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ اس آیت مبارکہ میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مشرکین کا اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان لگانا مراد ہو کہ وہ شریک اور اولاد رکھتا ہے اور (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) کفار نے حضور پر قرآن گھڑنے کا جو بہتان لگایا تھا' اس سے براءت مراد ہو ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس کی آیات (یعنی) قرآن مجید کو جھٹلایا۔ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا اور اس کی آیات کو جھٹلانے والا کفر میں برابر ہیں ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ بے شک مجرم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

۱۸- ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گی' اگر یہ لوگ ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں ﴿وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ اور نہ وہ ان کو نفع دیں گی اگر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے رہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں: یہ معبود یعنی بت ﴿شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں یعنی دنیا میں اور دنیا کی زندگی میں کیونکہ وہ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے قائل نہیں تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ'' (النحل:۳۸) ''اور انہوں نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اس کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا'' یا یہ کہ قیامت کے دن وہ ہماری سفارش کریں گے' اگر دوبارہ اٹھنا ہوگا تو ﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دیتے ہو کہ بت اس کے پاس تمہاری سفارش کریں گے اور یہ وہ خبر ہے جو اللہ کے لیے معلوم نہیں ہے حالانکہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے معلوم نہیں تو وہ کچھ نہیں ہے ﴿فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نفی کی تاکید کے لیے ہے' اس لیے کہ جو چیز

آسمانوں میں اور زمین میں نہیں ہے تو وہ معدوم ہے اور وہ کچھ نہیں ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ وہ ان سے پاک ہے اور بلند ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) اس کی ذات اقدس اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی شریک ہو [اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت کے ساتھ "تُشْرِكُوْنَ" ہے اور اس میں "مَا" موصولہ ہے یا پھر مصدریہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک کرنے سے پاک ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا
لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں اس میں ان کے درمیان ضرور فیصلہ ہو چکا ہوتا O اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا تو (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ بے شک غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے سو تم انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں میں فریب کرنے لگتے ہیں (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تدبیر کرنے میں بہت جلدی کرنے والا ہے بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں تم جو فریب کاریاں کرتے ہو O

۱۹- ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور پہلے تمام لوگ صرف ایک امت تھے کہ سب کے سب مؤحد تھے اور ایک دین پر متفق تھے ان میں باہمی کوئی اختلاف نہیں تھا اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا یہاں تک کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا یا طوفان کے بعد جب کافروں میں سے کوئی کافر زندہ نہ رہا سب تباہ و برباد ہو گئے (تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی والے مسلمان ساتھی باقی رہ گئے جو سب کے سب ایک دین پر متفق تھے) ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ پھر انہوں نے اختلاف کیا تو کئی مذاہب میں بٹ گئے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ کہ ان کے درمیان باہمی اختلافات کا فیصلہ قیامت تک مؤخر رہے گا ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ تو البتہ بہت جلد ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں (یعنی) جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا اور اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کر دیا جاتا اور اس کی بات کسی حکمت کی بناء پر پہلے سے طے ہو چکی تھی اور وہ یہی کہ یہ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت کا گھر ثواب اور سزا کا گھر ہے۔

۲۰- ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے

ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی جاتی جس کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے ﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ﴾ سو اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی مخصوص ہے (اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا) پس مطالبہ کی نشانیوں کے نازل کرنے کی رکاوٹ وممانعت وہی جانتا ہے کوئی اور نہیں ﴿فَانْتَظِرُوْا﴾ سو تم نے جس نشانی کے نزول کا مطالبہ کیا ہے اس کے نزول کا تم انتظار کرو ﴿اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ بے شک میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عناد اور آیات کے انکار کرنے پر تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

۲۱- ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ اور جب ہم نے لوگوں کو (یعنی) اہل مکہ کو رحمت کا مزہ چکھایا کہ خوشحالی اور مالی وسعت سے نوازا ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ﴾ ان کو تکلیف پہنچنے کے بعد یعنی قحط وبھوک پہنچنے کے بعد ﴿اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا﴾ اسی وقت وہ ہماری آیتوں میں مکروفریب کرنے لگ جاتے ہیں یعنی انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر کے اور ان کو رد کر کے ان کے ساتھ مکروفریب کیا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط وخشک سالی کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ وہ لوگ مرنے کے قریب پہنچ گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کر کے ان پر رحم فرمایا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں زبانِ طعن دراز کرنے لگے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے لگے اور آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنے لگے [اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''اِذَا'' شرط کے لیے ہے اور دوسرا اس کا جواب ہے اور وہ مفاجات کے لیے (یعنی اچانک کے معنی میں ہے)] اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: ''وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ'' (الروم:۳۶) ''اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس سبب کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے تو اچانک وہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں''۔ یعنی اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ مایوس ہو جاتے اور جب ہم ان لوگوں کو رحمت وخوشحالی کا مزہ چکھاتے تو مکروفریب کرتے اور ''مَكْرٌ'' کا معنی ہے: خفیہ سازش کرنا اور اس کو چھپائے رکھنا یعنی مخلوق سے چھپا کر سازش تیار کرنا اور ''مَسَّتْهُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ تکلیف ان میں رل مل گئی یہاں تک کہ انہوں نے تکلیف کا اثر اپنے اندر محسوس کیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا کہ ﴿قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو جلد مکروفریب کرنے کے ساتھ متصف نہیں فرمایا کیونکہ کلمہ مفاجات (اِذَا جس کا معنی اچانک ہے وہ) اس پر دلالت کرتا ہے' گویا فرمایا کہ جب ہم نے تکلیف پہنچنے کے بعد ان پر رحم فرمایا تو فوراً انہوں نے مکروفریب شروع کر دیا اور انہوں نے تکلیف پہنچنے کی وجہ سے اپنے سروں کو دھونے سے پہلے ہی مکروفریب کی طرف فوراً دوڑ لگا دی ﴿اِنَّ رُسُلَنَا﴾ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے محافظ فرشتے ﴿یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم مکروفریب کرتے ہو۔ اس میں تنبیہ ہے' اے اہل مکہ! تم جو مکروفریب کو پوشیدہ خیال کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے اور وہ تم سے ضرور انتقام لے گا [اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (''یَمْكُرُوْنَ'') ہے]۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ

لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

وہی تو ہے جو تمہیں دریاؤں اور جنگلوں میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ ان کو نرم ہوا کی مدد سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں تو ان پر سخت تیز آندھی آن پہنچی اور ان کو ہر طرف سے لہروں نے گھیر لیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بے شک انہیں گھیر لیا گیا ہے' تو وہ اسی وقت اللہ سے دعا کرنے لگے دین میں اس کے مخلص بن کر کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے O

۲۲- ﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ وہی تو ہے جو تمہیں جنگلوں اور دریاؤں میں چلاتا ہے' وہی تمہیں پیدل اور سواریوں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں کے ذریعے مسافتیں طے کرانے کے لیے چلاتا ہے یا وہی تمہارے اندر سیر کرنے کی قدرت وطاقت پیدا کرتا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "یَنْشُرُكُمْ" ہے] ﴿حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں ان کو لے کر چلتی ہیں جو ان میں سوار ہوتے ہیں [اور یہاں "وَجَرَیْنَ بِهِمْ" میں خطاب کی بجائے غیب کی طرف صرف مبالغہ کرنے کے لیے رجوع کیا گیا ہے] ﴿بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ﴾ پاکیزہ ہوا یعنی نرم ومعتدل ہوا کے ساتھ' نہ تیز آندھی کے ساتھ اور نہ بالکل ہلکی وکمزور ہوا کے ساتھ ﴿وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ﴾ اور وہ لوگ اس ہوا پر اس کے نرم وموافق چلنے کی وجہ سے خوش ہو گئے تو ان کشتیوں پر یا اس پاکیزہ ونرم ہوا پر بہت تیز یعنی سخت آندھی آن پہنچی ﴿وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور ان لوگوں کو دریا کی تمام اطراف سے یا پانی کی تمام جگہوں سے موجوں اور لہروں نے گھیر لیا اور "موج" کا معنی ہے: پانی کی اوپر کی سطح پر اٹھنے والی لہریں ﴿وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ﴾ اور انہوں نے یقین کر لیا کہ بلاشبہ انہیں گھیر لیا گیا ہے اور انہیں ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ دشمن ہلاک کرنے کے لیے گھیر لیتے ہیں ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دین کو خالص کر لیا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا کیونکہ وہ لوگ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے' وہ کہتے ہیں: ﴿لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ﴾ کہ اگر تو نے ہمیں اس ہولناک طغیانی یا اس تیز ترین سخت آندھی سے نجات دے دی ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ تو البتہ ہم تیری نعمت پر شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے' تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور دریا میں سیر کرنے کے لیے کشتی میں ہونے کو غایت قرار نہیں دیا گیا [لیکن جملہ شرطیہ کا مضمون جو "حَتّٰی" کے بعد واقع ہو' وہ غایت کے قائم مقام ہے] گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کراتا ہے یہاں تک کہ جب یہ حادثہ پیش آتا ہے اور اسی طرح سخت آندھی آ جاتی ہے اور دریا کی موجیں گھیر لیتی ہیں اور ہلاکت کا یقین ہونے لگتا ہے اور نجات کی دعا کی جاتی ہے [اور "اِذَا" کا جواب "جَآءَتْهَا" ہے اور "دَعَوْا"، "ظَنُّوْا" سے بدل ہے کیونکہ ان کا دعا کرنا ہلاکت کے لیے غالب گمان کے لوازمات میں سے ہے' اس لیے وہ اس کے ساتھ ملتبس ہے]۔

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر جب اللہ ان کو نجات دے دیتا تو وہ اسی وقت زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگ جاتے' اے لوگو! بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری اپنی جانوں پر ہے' دنیا کی زندگی کا فائدہ (حاصل کرلو)' پھر تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں بتادیں جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو O

۲۳۔﴿فَلَمَّآ اَنۡجٰىهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتا ہے تو فوراً وہ لوگ زمین میں ناحق بغاوت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور باطل و ناجائز فساد پھیلاتے ہیں یعنی مہمل فساد پھیلاتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ﴾ اے لوگو! بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری جانوں پر ہوگا یعنی تمہارا ظلم تمہاری ہی طرف لوٹے گا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا'' (فصلت:۴۶) ''جس نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنی ہی جان کے لیے کیا اور جس نے بُرا عمل کیا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا''۔﴿مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ [یہ امام حفص کی قراءت ہے' اصل میں ''تَتَمَتَّعُوْنَ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' ہے یعنی تم دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو اور ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ''، ''بَغْيُكُمْ'' کی خبر ہے اور دیگر قراء نے مرفوع (عین پر پیش مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) پڑھا ہے' اس لیے کہ یہ ''بَغْيُكُمْ'' کی خبر ہے اور ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ'' اس کا صلہ ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَبَغٰى عَلَيْهِمْ'' (القصص:۷۶) ''پس قارون نے ان پر سرکشی کی''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمہاری بغاوت و سرکشی کا وبال تمہارے جیسے سرکشوں پر ہی پڑے گا (نہ کہ مسلمانوں پر) یا یہ کہ ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ''، ''بَغْيُكُمْ'' کی پہلی خبر ہے اور ''مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' اس کی خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا پھر ''مَتَاعُ'' مبتدا مضمر کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' ہے] اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نیکی پر سب سے زیادہ جلدی ثواب ملتا ہے وہ ہے رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا اور جس بُرائی پر سب سے زیادہ جلد عذاب ہوتا ہے' وہ ہے بغاوت و سرکشی کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا[1]

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ دو بُرائیاں ایسی ہیں جن کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتا ہے (۱) بغاوت و سرکشی (۲) والدین کی نافرمانی[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ اگر ایک پہاڑ دوسرے پر بغاوت کرے گا تو اُسے توڑ دیا جائے گا اور حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جس شخص میں تین بُرائیاں ہوں گی ان کا وبال اس شخص پر ضرور پڑے گا: (۱) بغاوت (۲) عہد شکنی (۳) دھوکہ دینا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ'' (یونس:۲۳) ''بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری جانوں پر پڑے گا''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ'' (الفاطر:۴۳) ''اور بُری تدبیر کا وبال اسی کے کرنے والے پر نازل ہوگا''۔ ''فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ'' (الفتح:۱۰) ''سو جو شخص عہد شکنی کرتا ہے تو بلاشبہ عہد شکنی کا نقصان اسی کی ذات پر پڑتا ہے''۔ ﴿ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ پھر تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں بتادیں گے جو کچھ تم اعمال کرتے رہے ہو اور تمہیں ان پر سزا دیں گے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

[1] قال الحافظ: اخرجہ اسحاق فی مسندہ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۳۳۹)

[2] قال الحافظ: اخرجہ اسحاق فی مسندہ والطبرانی (حاشیہ ج ۲ ص ۳۴۰)

الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۵﴾

بے شک دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کے ساتھ زمین سے اُگنے والی تمام چیزیں گھنی ہو کر نکل آئیں جن کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں' یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار حاصل کر لیا اور خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالکوں نے خیال کر لیا کہ وہ یقیناً اس (سے نفع اٹھانے) پر قادر ہو گئے ہیں' تو اس پر رات یا دن کو ہمارا حکم آن پہنچا اور ہم نے اس کو ایسی کاٹی ہوئی بنا دیا کہ گویا کل کچھ بھی نہ تھی' اسی طرح ہم اپنی آیات کو ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے' اور جس کو وہ چاہتا ہے اس کی سیدھی راہ کی طرف رہ نمائی کرتا ہے O

۲۴- ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ بے شک دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان یعنی بادل میں سے اتارا ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ پس زمین کی انگوری اس پانی کے ذریعے اُگ کر گھنی ہو گئی یعنی پانی کے سبب زمین کی انگوریاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مل گئیں جیسے ایک دوسرے سے پنجہ ملا کر کھڑی ہیں ﴿مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ﴾ جس میں سے کچھ لوگ کھاتے ہیں یعنی دانے' پھل اور سبزیاں ﴿وَ الْاَنْعَامُ﴾ اور کچھ چوپائے کھاتے ہیں یعنی گھاس وغیرہ ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا﴾ یہاں تک کہ جب اُگنے والی سبزہ زار انگوریوں سے زمین اپنی زیب و زینت لینے لگی اور اس کے رنگ و نقوش گونا گوں ہو گئے ﴿وَ ازَّیَّنَتْ﴾ اور وہ خوب آراستہ ہو گئی [اور یہ اصل میں ''تَزَیَّنَتْ'' تھا پھر ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کیا گیا اور یہ فصیح کلام ہے] اُگنے والی سبزہ زار انگوری کی وجہ سے خوب آراستہ ہونے پر زمین کی دلہن کے ساتھ تمثیل قرار دی گئی ہے جب وہ مختلف رنگ برنگے عمدہ اور بہترین لباس زیب تن کر لیتی ہے اور اس کے علاوہ گونا گوں زیورات سے آراستہ ہو جاتی ہے ﴿وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ﴾ اور زمین کے مالکوں نے پختہ خیال کر لیا کہ بے شک وہ اس سے نفع اٹھانے پر قادر ہیں وہ اس کے پھل حاصل کرنے والے اور اس کا غلہ اٹھانے والے ہیں ﴿اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا﴾ تو اس پر رات کے وقت یا دن کو ہمارا حکم یعنی عذاب آن پہنچا اور وہ یہ کہ بعض بیماریوں کی وجہ سے زمین کا کھیت خراب کر دیا جاتا ہے' اس کے بعد کہ اس کے مالک مطمئن تھے اور انہیں یقین تھا کہ ان کی کھیتی صحیح سلامت ہے ﴿فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا﴾ پس ہم نے اس زمین کی کھیتی کو جڑ سے اکھیڑ کر کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا' جس کو کھیتی سے کاٹ کر کھلیان میں لے جا کر چورا چورا کر دیا جاتا ہے ﴿كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ﴾ گویا وہ کھیتی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی یعنی جیسے وہاں اُگی ہی نہیں تھی [ان مقامات پر مضاف محذوف ہے جس کے بغیر چارہ نہیں تاکہ معنی صحیح رہے] ﴿بِالْاَمْسِ﴾ کل۔ یہ قریب وقت کی مثل ہے گویا کہا گیا کہ وہ کھیتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئی ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

اسی طرح ہم آیتوں کو ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو مثالوں کے بیان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرتے ہیں [اور یہ مرکب تشبیہ سے ہے] کیونکہ دنیا کے جلد ختم ہونے اور گوناگوں نعمتوں کے بعد فنا ہو جانے کی اجتماعی حالت کو زمین سے اُگنے والی انگوریوں کی اجتماعی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی خوب اُگنے اور گھنی ہونے کے بعد بہت جلد خشک ہو جاتی ہے اور جلد از جلد مٹ جاتی ہے حالانکہ وہ پہلے اپنے سبزے اور اس کی رونق کی وجہ سے بہت آراستہ ہو کر بھلی معلوم ہوتی ہے اور تشبیہ کا حکم یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا حسن عارضی ہے' ایک دن بوڑھی اور پرانی ہو کر ختم ہو جائے گی' جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ اپنی عمدگی و رونق اور زیبائش کے باوجود آخر کار بوڑھا اور پرانا ہو جاتا ہے' جیسا کہ پانی کی عمدگی اچھے برتن میں قائم رہتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْعُمَرَ کَاْسٌ سَلَافَۃٌ    فَاَوَّلُـہٗ صَفْوٌ وَّ اٰخِرُہٗ کَدَرٌ

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ زندگی پرانے پیالے کی طرح ہے جس کا شروع عمدہ اور اچھا تھا' اس کا آخر گدلا اور خراب نکلا''۔

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مٹی کا ڈھانچہ (یعنی انسان) دین و دنیا کی بھلائیوں سے آراستہ کیا گیا ہے جیسا کہ زمین کی انگوریاں مختلف رنگوں سے آراستہ کی گئی ہیں' پھر پاکیزہ اور عمدہ مٹی (یعنی مسلمان) اُنس و محبت کے باغات' اور روحانیت کے خوشبودار پھول' اور زہد و تقویٰ کی کلیاں' اور جود و کرم کی سخاوتیں' اور محبت و شفقت کے عمدہ دانے اور حقیقت و طریقت کے باغات اُگاتی ہے اور ناپاک و خراب مٹی (یعنی کافر و مشرک) بدترین گھاس (نالائق جانشین) اور گناہوں کی کمزور گھاس' اور کفر و شرک کے کانٹے' اور بخل و کنجوسی کی فنا ہونے والی گھاس' اور ہلاکت کا ایندھن اور کھیل کی کاس پیدا کرتی ہے' پھر جس طرح وقت آنے پر کھیت کو کاٹا جاتا ہے' اسی طرح اس (انسان) کو وعدہ کے دن اللہ تعالیٰ واپس بلا لے گا اور اس کی زندگی اس کو دھوکہ دے کر زائل ہو جائے گی' پھر جس طرح ایک خوب صورت لہلہاتی کھیتی وقت آنے پر زرد اور پیلی ہو جاتی ہے' اسی طرح انسان کا جسم بھی آخر کار قبر میں دفن ہو کر مٹی میں برابر ہو جاتا ہے گویا وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا' یہاں تک کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے (یعنی حشر ونشر) کا موسم اور جزاء و سزا اور حساب و کتاب کے وعدہ کا دن آ جائے گا اور اسی طرح دنیا کا مال پانی کی مانند ہے جس کا فائدہ تھوڑا ہوتا ہے اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اور ضرورت سے زیادہ کو ترک کر دینا بہت لازمی اور ضروری ہے' جس طرح پانی میں داخل ہونے والا اس کی تری سے نہیں بچ سکتا اور مال کو روک کر رکھنا اور اس کو جمع کرتے رہنا مالک کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے' پس نصاب سے کم مال تھوڑے سے پانی کی طرح ہے جس کو بلا روک ٹوک عبور کیا جا سکتا ہے اور نصاب کا مال اس دریا کی طرح ہے جو عبور کرنے والے مسافر اور اس کی منزل مقصود کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے' جس کو بغیر پُل کے عبور نہیں کیا جا سکتا اور وہ پُل زکوٰۃ ہے اور اس کی عمارت عطیات و صدقات کا خرچ کرنا ہے' پھر جب پُل (یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی) میں خلل آ جائے گا تو مال و دولت کے ڈھیر کی موجیں اس کو غرق کر دیں گی اور اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اَلزَّکٰوۃُ قَنْطَرَۃُ الْاِسْلَامِ'' ''زکوٰۃ دین اسلام کا پل ہے' اور اسی طرح مال کمینوں کا مددگار ہوتا ہے لیکن بزرگوں کا نہیں' جس طرح پانی پست جگہ میں جمع ہوتا ہے بلند جگہ میں نہیں اور اسی طرح مال بخیلوں کے پاس جمع ہوتا ہے' سخیوں کے پاس نہیں جیسا کہ پانی بغیر بند باندھے جمع نہیں رہ سکتا بلکہ ختم ہو جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے اور ہتھیلی کے پانی کی طرح باقی نہیں رہتا۔

۲۵- ﴿وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کے

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

کے صفاتی نام ''سلام'' کی طرف ''دار'' کی اضافت اس کی تعظیم کی خاطر ہے (یعنی اللہ کا گھر جیسے بیت اللہ میں تشریفی اضافت ہے) یا ''سلام'' سے سلامتی مراد ہے کیونکہ جنت میں رہنے والے ہر قسم کے دکھ درد اور تکلیف سے سلامت و محفوظ رہیں گے اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جنت میں چونکہ جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا ان کو فرشتے سلام کریں گے اس لیے اس کو دارالسلام کہا گیا ہے ارشاد ہے کہ ''اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا'' (الواقعہ:۲۶) ''مگر (انہیں جنت میں) سلام سلام کہا جائے گا''۔ ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی توفیق عنایت فرمادیتا ہے یعنی اسلام کی طرف یا سنت کی راہ کی طرف پس دعوت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر رہنمائی کے ذریعے عام تھی اور ہدایت خدا کے لطف سے توفیق اور عنایت کے ساتھ خاص ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوتِ عام دیتا ہے مگر اس میں صرف ہدایت یافتہ بندے داخل ہوں گے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید بھی ہے اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چڑھے گی اور نہ ذلت یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور جن لوگوں نے بُرے عمل کیے ان کی سزا بُرائی کے برابر ہوگی اور ان پر ذلت چھا جائے گی اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کا ٹکڑا چڑھا دیا گیا ہے یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

۲۶- ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ﴿الْحُسْنٰى﴾ بہترین ثواب ہے اور وہ جنت ہے ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ اور اس سے بڑھ کر رب تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت حذیفہ حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیان کیا ہے اور بعض تفاسیر میں ہے کہ تمام مفسرینِ کرام کا اس بات پر اتفاق اور سب کا اجماع ہے کہ ''زِيَادَةٌ'' سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے اہل جنت! کیا تم کچھ اور چاہتے ہو تا کہ میں تمہیں اور زیادہ عنایت کردوں؟ تو جنتی حضرات کہیں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ حضور نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب کو اٹھا دے گا تو جنتی حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے پس جنت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر زیادہ محبوب کوئی چیز عنایت نہیں کی جائے گی[1] پھر حضور علیہ

[1] رواہ مسلم فی کتاب الایمان رقم الحدیث: ۲۹۷ الترمذی فی کتاب الجنۃ باب: ۱۶ ابن ماجہ فی کتاب المقدمۃ باب: ۱۳

الصلوٰۃ والسلام نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ" اور صاحب "کشاف" پر تعجب ہے کہ اس نے یہ حدیث مبارکہ ان الفاظ کے ساتھ ذکر نہیں کی اور کہہ دیا کہ یہ حدیث مدفوع (غیر مقبول) ہے حالانکہ یہ حدیث مبارکہ مرفوع (خود حضور کا فرمان) ہے اور بے شک اس حدیث مبارکہ کو صاحب "مصابیح" نے "صحاح" میں بیان کیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ "زِیَادَةٌ" سے بندوں کے دلوں میں محبت مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ "زِیَادَةٌ" سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت بخشش اور اس کی رضا مراد ہے ﴿وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ اور نہ ان کے چہروں پر سیاہ غبار چڑھے گا اور نہ ذلت وخواری کا اثر اور معنی یہ ہے کہ جنتیوں کو کوئی ایسی پریشانی اور مصیبت وتکلیف لاحق نہیں ہوگی جو دوزخیوں کو لاحق ہوگی ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۷۔ ﴿وَالَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ﴾ [یہ "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا" پر معطوف ہے] "اَیْ وَلِلَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ" یعنی اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے بُرائیوں کا ارتکاب کیا اور شرک کی تمام اقسام کا ارتکاب کیا ﴿جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا﴾ بُرائی کا بدلا اسی کے برابر ملے گا [اور اس میں "بَا" زائد ہے (یعنی تحسین کلام کے لیے ہے فضول نہیں)] جیسا کہ ارشاد ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ:۴۰) "اور بُرائی کا بدلا اسی کی مثل بُرائی ہے"۔ یا تقدیر عبارت یوں ہوگی: "جَزَآءُ سَیِّئَةٍ مُقَدَّرٌ بِمِثْلِهَا" یعنی بُرائی کا بدلا اسی کے مثل مقرر کیا گیا ہے ﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ اور ان پر ذلت وخواری چھا جائے گی ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا﴾ گویا ان کے چہروں کو سیاہ رات کے ٹکڑوں نے ڈھانپ لیا ہے یعنی ان کے چہروں پر سیاہ رات کے پردے چڑھا دیئے گئے ہیں یعنی ان کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے [" قِطَعًا" جمع ہے اس کا واحد "قِطْعَةٌ" ہے اور یہ "اُغْشِیَتْ" کا دوسرا مفعول ہے اور ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں "قِطْعًا" ("طا" ساکن کے ساتھ) ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ہے کہ "فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ" (ھود:۸۱) "پس آپ اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جائیں"۔ اور اس قراءت میں "مُظْلِمًا"، "قِطْعًا" کی صفت ہوگی (کیونکہ دونوں مفرد ہیں) اور پہلی قراءت پر "الیل" سے حال ہوگا اور اس میں "اُغْشِیَتْ" عامل ہوگا اس لیے کہ "من الیل"، "قِطَعًا" کی صفت ہوگی، پس گویا اس کو موصوف کی طرف لے جانا اس کی صفت کی طرف لے جانے کی طرح ہے یا "مِنَ الَّیْلِ" میں فعل کا معنی عامل ہے] ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۳ ۸

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے○ سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے○ وہاں ہر جان جانچ لے گی جو کچھ اس نے پہلے کیا تھا اور انہیں اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائیں گے جو وہ افترا گھڑتے تھے○

۲۸- ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے یعنی ہم کفار وغیرہم سب کو قیامت کے دن جمع کریں گے [اس میں "جَمِيْعًا" حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ﴾ پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم یہیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو یعنی تم لوگ لازمی طور پر اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور یہ جگہ چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ یہاں تک کہ تم دیکھ لو کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جاتا ہے ﴿اَنْتُمْ﴾ تم خود ["مَكَانَكُمْ" کی ضمیر کی تاکید کے لیے یہ ضمیر لائی گئی ہے تاکہ یہ "مَكَانَكُمْ" کے عامل فعل محذوف "اِلْزَمُوْا" کے قائم مقام ہو جائے] ﴿وَشُرَكَآؤُكُمْ﴾ اور تمہارے شریک [یہ "اَنْتُمْ" پر معطوف ہے] ﴿فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ سو ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ہم ان کی وہ دوستیاں اور وہ تعلقات توڑ دیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان قائم تھے ﴿وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ اور ان کے اہل عقل شریک جن کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی تھی وہ کہیں گے یا ان کے بت جن کو اللہ تعالیٰ گویائی کی توفیق عطا فرمائے گا وہ کہیں گے: ﴿مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ تم شیطانوں کی عبادت کرتے تھے جنہوں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شریک بناؤ پس تم نے ان کی اطاعت کر لی اور وہ یہ ارشاد ہے: "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ○" (سبا: ۴۰-۴۱) "اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے○ وہ عرض کریں گے: تو ہر عیب سے پاک ہے تو ہمارا دوست ہے وہ نہیں بلکہ وہ لوگ جنّوں کی عبادت کرتے تھے ان میں اکثر لوگ انہیں پر یقین رکھتے ہیں○"۔

۲۹- ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے [اور "شَهِيْدًا" تمیز ہے] ﴿اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾ بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے [یہ "اِنْ" "اِنَّ" ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور لام اس کے درمیان اور "اِنْ" نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے]۔

۳۰- ﴿هُنَالِكَ﴾ اُس جگہ (میدانِ محشر) میں یا اس وقت (یعنی بروزِ قیامت) [اس بناء پر کہ اسم مکان کو اسم زمان کے لیے استعارہ کیا گیا ہے (یعنی مانگ لیا گیا ہے)] ﴿تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ﴾ ہر جان آزمالے گی یعنی ہر جان جانچ لے گی اور مزہ چکھے گی ﴿مَّآ اَسْلَفَتْ﴾ اس نے جو اعمال آگے بھیجے تھے سو وہ پہچان لے گی اُس کے عمل کیسے ہیں آیا بُرے ہیں یا اچھے آیا مفید ہیں یا نقصان دہ آیا مقبول ہیں یا مردود ہیں؟ علامہ زجاج نے کہا کہ ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تَبْلُوْا" کی بجائے "تَتْلُوْا" ہے] یعنی ہر جان انہیں اعمال کے تابع ہو گی جو اس نے آگے بھیجے ہیں اس لیے کہ اس کا عمل وہی ہے جو اس کو جنت کی راہ یا دوزخ کی راہ پر لے جائے گا یا یہ معنی ہے کہ ہر جان اپنے اعمال نامہ میں پڑھ لے گی جو عمل اس نے آگے بھیجا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بُرا ہو [علم نحو کے امام اخفش سے اسی طرح منقول ہے] ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ اور انہیں ان کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے

گا' جو اپنی ربوبیّت میں ان کا سچا مالک ہے کیونکہ جس کو وہ لوگ اپنا مالک و مولیٰ مانتے ہیں' اس کی ربوبیّت کی کوئی حقیت نہیں ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ سچا مالک ہے جو ان کے حساب و کتاب اور ان کے اجر و ثواب کا متولی ہے یا وہ ایسا سچا عادل ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور ان سے گم ہو جائیں گے جو کچھ وہ افتراء باندھتے تھے' اور ان سے وہ ضائع ہو جائیں گے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک پکارا کرتے تھے' یا یہ کہ ان کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں سفارش کے من گھڑت اور جھوٹے عقیدے باطل ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ
الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے؟ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور زندہ کو مردہ سے کون نکالتا ہے؟ اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور تمام امور کا انتظام کون کرتا ہے؟ پس وہ کہیں گے کہ اللہ' تو (اے محبوب!) فرما دیجئے تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو○ سو وہی تمہارا اللہ ہے جو تمہارا سچا پروردگار ہے' پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھر جاتے ہو○ اسی طرح آپ کے رب کی بات ان لوگوں پر سچی ثابت ہوگئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وتخلیق کے دلائل

۳۱- ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے کفارِ مکہ! بتاؤ) تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے کھیتوں اور دیگر نباتات کے ذریعے تمہیں رزق کون پہنچاتا ہے؟ ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور وہ کون ہے جو ان دونوں کی تخلیق پر اور ان کو عجیب و غریب فطرت سے ایک انداز پر برابر و یکساں پیدا کرنے پر قدرت و طاقت رکھتا ہے یا وہ کون ہے جو کثرت سے واقع ہونے والی آفات و بلیّات سے عرصہ دراز تک ان کی حفاظت کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں اتنی لطیف و نرم ہیں کہ حقیری سی تکلیف سے دُکھنے لگ جاتی ہیں ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ یعنی حیوان کو اور چوزے کو اور کھیت کو اور مسلمان کو اور عالم کو نطفہ سے اور انڈے سے اور دانے سے کون پیدا کرتا ہے اور اس کے برعکس نطفہ کو حیوان و انسان سے اور انڈے سے چوزے کو اور دانے سے کھیت کو' مؤمن سے کافر کو اور عالم سے جاہل کو کون پیدا کرتا ہے ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ اور تمام جہان کے اُمور کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے؟ اس سے پہلے مخصوص چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد اس جملے میں عمومی ذکر فرمایا گیا ہے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾

تو وہ فوراً کہیں گے: (مذکورہ بالا تمام اُمور کا خالق و فاعل صرف) اللہ تعالیٰ ہے (یعنی) آپ کے سوال کے وقت وہ لوگ آپ کو یہی جواب دیں گے کہ بے شک ان تمام اُمور پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ تو آپ فرما دیجئے کہ (اے لوگو!) تو کیا تم عبودیت میں شرک کرتے ہوئے ڈرتے نہیں ہو؟

۳۲۔ ﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ ﴾ پس یہی تمہارا اللہ تعالیٰ ہے یعنی جس کی یہ قدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾ تمہارا سچا رب ہے جس کی ربوبیت اتنی زبردست ثابت ہے کہ جس میں اس شخص کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہتا جس نے تحقیق سے غور وفکر کیا ﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ﴾ تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں‘ پس جو حق سے بھٹک گیا وہ گمراہی میں پڑ گیا ﴿ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ تو تم حق سے گمراہی کی طرف اور توحید سے شرک کی طرف کیوں پھرے جا رہے ہو۔

۳۳۔ ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس حق کی طرح ﴿ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ [ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں ”كَلِمَاتُ“ ہے] یعنی جس طرح یہ ثابت اور واضح ہو چکا ہے کہ بے شک حق کے بعد گمراہی ہے یا جس طرح یہ واضح ہو چکا ہے کہ بے شک وہ لوگ حق سے پھر چکے ہیں‘ اسی طرح آپ کے رب تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی ہے ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا ﴾ ان لوگوں پر جنہوں نے نافرمانی کی اور اپنے کفر میں سرکشی کی اور وہ اس میں انتہائی حد تک نکل گئے ﴿ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ [یہ ”كَلِمَةٌ“ سے بدل ہے] یعنی ان کا ایمان نہ لانا ثابت ہو چکا ہے یا یہ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہو چکا ہے کہ ان کا ایمان یقیناً نہیں ہونے والا یا کلمہ سے مراد عذاب کا وعدہ ہے اور ”اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ“ اس کی علت ہے یعنی اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کر دے‘ پھر فنا کے بعد اس کو دوبارہ پیدا کر دے؟ فرما دیجئے اللہ ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے‘ پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا تو تم کہاں پھرے جا رہے ہو○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف رہ نمائی کرے‘ فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کی طرف رہ نمائی کرتا ہے‘ تو کیا جو حق کی طرف رہ نمائی کرتا ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اُسے ہدایت دی جائے‘ سو تمہیں کیا ہوا ہے‘ تم کیسے فیصلے کرتے ہو○ اور ان میں اکثر لوگ پیروی نہیں

کرتے مگر محض گمان کی' بے شک گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا' بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیںO

۳۴۔﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کر دے' پھر اس کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے۔ کفار مکہ کے حشر ونشر کے منکر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے "ثُمَّ يُعِيْدُهٗ" کا ذکر اس لیے فرمادیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے زندہ ہونے کے دلائل اس قدر واضح ہو چکے ہیں کہ اس کو امر مسلّم (متفقہ تسلیم شدہ مسئلہ) قرار دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کفارِ مکہ میں کچھ لوگ دوبارہ پیدا ہو کر زندہ ہونے کا اقرار کرتے تھے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ انسان کے علاوہ باقی مخلوق کا اعادہ دن رات اور نزولِ بارش اور نباتات کے اعادہ کی طرح ہو ﴿قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر اس کو وہی دوبارہ پیدا کر کے زندہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کو حکم دیا کہ آپ خود ان کی طرف سے جواب دیں یعنی ان کا تکبر و غرور ان کو کلمۂ حق کہنے کی دعوت نہیں دے گا' پس آپ خود ہی ان کی طرف سے کلمۂ حق بیان کر دیجئے ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ تو اب تم سیدھی راہ سے منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟

۳۵۔﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں ایسا کوئی ہے جو حق کی طرف رہ نمائی کرے ﴿قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حق کی طرف راہ نمائی فرماتا ہے تو کیا جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو بالکل ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ہدایت عطا کی جائے۔["هَدَاهُ لِلْحَقِ وَاِلَى الْحَقِّ" دونوں طرح کہا جاتا ہے تو اس آیت مبارکہ میں دونوں لغتیں جمع کر دی گئی ہیں اور "هَدٰى بِنَفْسِهٖ" کہا جاتا ہے کہ فلاں نے خود ہدایت حاصل کی' یہاں "هَدٰى" بہ معنی "اِهْتَدٰى" ہے' جیسا کہ "شَرٰى" بہ معنی "اِشْتَرٰى" ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "يَهْدِيْ" (یا مفتوح' ھا ساکن اور دال مخفف) ہے اور "اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ" میں "يَهِدِّيْ" بہ معنی "يَهْتَدِيْ" ہے اور ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ورش کی قراءت میں "لَا يَهَدِّيْ" یا اور ھا مفتوح اور دال مشدّد کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت بھی یہی ہے مگر یہ ھا کی فتح کو اشمام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یحیٰی کے علاوہ امام عاصم کی قراءت میں یا مفتوح اور ھا مکسور کے ساتھ ہے اور اس کی اصل "يَهْتَدِيْ" ہے اور حضرت عبد اللہ کی قراءت بھی یہی ہے' پھر "تَا" کو دال میں مدغم کیا گیا اور "تَا" کی حرکت کے ساتھ "يَا" کو مفتوح پڑھا گیا ہے اور یحیٰی کی قراءت میں "يَا" اور "هَا" مکسور اور دال مشدّد کے ساتھ "لَا يِهِدِّيْ" ہے اور یہ حرکت مابعد (دال مکسور) کی وجہ سے ہے اور ورش کے علاوہ نافع مدنی کی قراءت میں "هَا" ساکن اور دال مشدّد کے ساتھ ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے' وہی حق کی ہدایت دیتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی نے مکلفین میں عقل و دانش اور فہم و فراست ودیعت فرمائی ہے اور اسی نے ان دلائل میں نظر و فکر کرنے کی قدرت و طاقت ان کو عطا کی ہے' جو دلائل اس نے اپنی توحید کے لیے مقرر کیے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق بخشی ہے اور رسولوں کو بھیجنے کے ساتھ شریعتوں پر ان کو توفیق عطا کی اور انہیں الہام فرمایا تو کیا تم جن شریکوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی طرح حق کی طرف راہ نمائی کرے اور لوگوں کو حق کی ہدایت عنایت کرے؟ پھر فرمایا: تو کیا جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے وہ زیادہ حق

دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا جو ہدایت نہیں پاتا یعنی جو خود ہدایت پر نہیں ہے یا یہ کہ وہ کسی اور سے بھی ہدایت حاصل نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرما دے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بتوں میں سے کوئی نہیں ہے جو کسی مکان کی طرف راہ نمائی حاصل کر سکے تا کہ وہ اس کی طرف منتقل ہو سکے مگر یہ کہ اس کی راہ نمائی کی جائے اور اس کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ نہ خود ہدایت پر ہیں اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کرنا صحیح ہے' مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو موجودہ حالت سے ایسی حالت کی طرف منتقل فرما دے کہ اُسے جان دار بولنے والا ہدایت یافتہ بنا دے ﴿فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ تو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم باطل کے ساتھ فیصلے کیوں کر کرتے ہو' کیونکہ تم بتوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

۳۶- ﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ﴾ اور ان میں اکثر لوگ پیروی نہیں کرتے' اپنے ان اقوال میں کہ ان کے بت معبود ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور یہاں اکثر سے تمام لوگ مراد ہیں [کیونکہ قاعدہ ہے کہ "لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ"] ﴿اِلَّا ظَنًّا﴾ مگر بغیر کسی دلیل کے محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مشرکین عرب اپنے بڑوں کی محض اس گمان پر پیروی کرتے تھے کہ ان کے نظریات صحیح ہیں ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ﴾ بے شک محض گمان وتخمین حق سے یعنی یقینی علم سے بے نیاز نہیں کرتا اور نہ گمان یقین کا مقابلہ کر سکتا ہے ﴿شَيْئًا﴾ [مصدر کی جگہ میں ہے] "اَیْ اِغْنَاءً" یعنی محض گمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں یعنی وہ محض گمان وخیال کی پیروی کرتے ہیں اور حق کو ترک کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور یہ قرآن کی شان نہیں کہ اُسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ کے پیش کیا جائے لیکن یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور تفصیل بیان کرنے والا ہے اس کتاب کی (جو لوحِ محفوظ میں ہے) جس میں کوئی شک وشبہ نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ○ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو نبی کریم نے خود بنا لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے: تو تم اس جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو اور تم اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو ○ بلکہ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی تک ان پر اسے جھٹلانے کا انجام نہیں آیا' اسی طرح ان سے پہلے کافروں نے بھی جھٹلایا تھا' پس دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا ○

## قرآن کی شان اور منکرین کی مذمت

۳۷- ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ کر پیش کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے گھڑا جائے اور معنی یہ ہے کہ یہ صحیح اور سلامت نہیں کہ قرآن مجید جیسی عظیم الشان اور سراسر معجزہ کتاب کی طرح کوئی اور کتاب گھڑ کر پیش کی جا سکے ﴿ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ اور لیکن یہ قرآن مجید پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس سے وہ کتابیں مراد ہیں جو اس قرآن مجید سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں ﴿ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ ﴾ اور یہ قرآن مجید ان احکام وفرائض اور مشروعات کو بیان کرتا ہے جو لکھے جا چکے اور فرض کیے گئے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ" (النساء: ۲۴) "اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مذکورہ احکام) تمہارے اوپر لکھ دیئے گئے ہیں"۔ ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اس قرآن مجید میں کوئی شک و شبہ نہیں' یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے [یہ کلام حرف استدراک (لٰكِنْ) کے تحت داخل ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لیکن یہ قرآن مجید تصدیق کرنے والا اور تفصیل بیان کرنے والا' شک وشبہ سے بری اور پاک ہے' تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل ہونے والا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو: اور لیکن یہ قرآن مجید پروردگارِ عالم کی طرف سے تصدیق کرنے والا اور اسی کی طرف سے بیان کرنے والا ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے [تو اب "مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ" "تصديق" اور "تفصيل" کے ساتھ متعلق ہوگا اور "لَا رَيْبَ فِيْهِ" جملہ معترضہ ہوگا' جیسے تم کہتے ہو: "زَيْدٌ لَا شَكَّ فِيْهِ كَرِيْمٌ" "زید کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مہربان ہے]۔

۳۸- ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن مجید کو رسولِ عربی نے خود گھڑ لیا ہے ﴿ قُلْ ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ (اے کافرو!) اگر اس طرح کا معاملہ ہے جس طرح تم لوگ خیال کرتے ہو ﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ﴾ تو تم بھی اسی طریقے پر کوئی ایک سورت گھڑ کر لاؤ جو فصاحت و بلاغت میں اور حسنِ نظم میں اس قرآن مجید کے مشابہ اور مساوی ہو کیونکہ تم بھی ممتاز عربی دان ہو ﴿ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو یعنی تم قرآن مجید کی مثال پیش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے جس سے مدد لے سکتے ہو لے لو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اس قرآن مجید کو رسول نے خود گھڑ لیا ہے۔

۳۹- ﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ بلکہ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی تک ان کے پاس اس کا انجام نہیں آیا' بلکہ وہ لوگ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنے اور اس کی حقیقت معلوم کرنے سے پہلے اور اس میں غور وفکر کرنے اور اس کے مطالب و معانی سے واقفیت حاصل کرنے سے پہلے محض اس کو سنتے ہی فوراً اس کی تکذیب کرنے اور اس کو جھٹلانے کے لیے جلدی کرتے اور یہ اس لیے کرتے تھے کہ ان میں سے دین اسلام کے خلاف بہت زیادہ نفرت تھی اور وہ اپنے آبائی دین کو چھوڑنے سے بہت بھاگتے تھے' اس لیے قرآن مجید کی شان معلوم کرنے سے پہلے اس کی تکذیب کرنے میں جلدی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت بیان فرمائی اور کلمہ توقع لائے تا کہ یہ بتایا جائے کہ انہوں نے قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی رفعتِ شان اور بُعدِ رتبی کو جان لیا تھا' جب انہیں بار بار چیلنج کیا گیا اور انہوں نے قرآن مجید کے معارضہ ومقابلہ کے لیے اپنی تمام قوتوں کو آزمالیا اور انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے سے اپنے عجز و بے بسی کو پہچان لیا تو انہوں نے بغاوت و سرکشی اور حسد و کینے کی بناء پر اس کو جھٹلا دیا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ جس طرح کفارِ مکہ نے قرآن پاک اور رسولِ خدا کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اسی طرح ﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ان سے

پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کو جھٹلایا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُهٗ" کا معنی یہ ہو کہ قرآن کریم میں دی گئی غیبی خبروں کی تاویل ابھی تک ان کے پاس نہیں آئی یعنی اس کا انجام یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جاتا کہ آیا یہ سچا ہے یا جھوٹا ہے؟ یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) دو جہتوں سے معجزہ ہے' ایک فصاحت و بلاغت کی جہت سے معجزہ ہے اور دوسرا اس میں بیان کی گئی غیبی خبروں کی جہت سے معجزہ ہے' سو کافروں نے اس کے عاجز کر دینے کی حد تک پہنچے ہوئے حسن نظم میں غور کرنے سے پہلے اور اس کی مغیبات کی خبروں کو آزمانے سے پہلے اس کی تکذیب میں جلدی کی ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

ع ۱
وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب فساد پھیلانے والوں کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے' میں جو عمل کرتا ہوں تم اس سے بری ہو اور تم جو عمل کرتے ہو اس سے میں بیزار ہوں O اور ان میں کچھ لوگ آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں' تو کیا آپ بہرے کو سنائیں گے؟ اور اگرچہ وہ نہ سمجھتے ہوں O اور ان میں سے بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں' تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور اگرچہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں O

۴۰- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں یعنی نبی کریم ﷺ پر یا قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں' یعنی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے لیکن بغض و عناد کی وجہ سے اس کو جھٹلاتے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس میں شک کرتے ہیں یا یہ آیت مبارکہ مستقبل کے لیے ہے یعنی ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں سے کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ فسادیوں کو یعنی عناد رکھنے والوں کو یا کفر پر اصرار کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۴۱- ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ اور اگر کفار آپ کی تکذیب پر اور آپ کے جھٹلانے پر اڑ جائیں اور آپ ان کی طرف سے دعوتِ حق قبول کرنے سے مایوس ہو جائیں ﴿فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ﴾ تو آپ ان سے فرما دیں کہ میرے عمل کی جزاء میرے لیے ہو گی ﴿وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ اور تمہارے اعمال کی جزاء تمہارے لیے ہو گی ﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری ہوں' پس ہر کوئی اپنے عمل پر پکڑا جائے گا اور ہر ایک بندہ اپنے اپنے عمل کا جواب دِہ ہو گا۔

۴۲۔﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں بہ ظاہر غور سے سنتے ہیں جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں اور احکامِ دین کی تعلیم دیتے ہیں لیکن وہ انہیں اپنے ذہنوں میں محفوظ نہیں کرتے ( بلکہ ایک کان سے سنتے ہیں تو دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں ) اور نہ وہ ان کو قبول کرتے ہیں' پس وہ لوگ کانوں سے بہرے لوگوں کی طرح ہیں ﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اگر چہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں (یعنی) کیا آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگر چہ وہ لوگ اپنے بہرے پن کے ساتھ ساتھ عقل و دانش بھی نہ رکھتے ہوں کیونکہ عقل مند بہرا شخص بسا اوقات سمجھ جاتا ہے اور جب اس کے کان میں آواز کی بھنبھناہٹ پہنچتی ہے تو وہ راہ نمائی حاصل کر لیتا ہے' پھر جب عقل و سماعت دونوں کا نہ ہونا جمع ہو جائے ( کہ نہ عقل رہے اور نہ سماعت رہے ) تو کام تمام ہو جاتا ہے۔

۴۳۔﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ آپ کی صداقت کے دلائل کا معائنہ کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کی علامات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن وہ تصدیق نہیں کرتے ﴿ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اگر چہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکتے ہوں (یعنی) کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگر چہ بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی ختم ہو جائے کیونکہ ایسا اندھا جس کے دل میں بصیرت ہو وہ کبھی آگاہی حاصل کر لیتا ہے لیکن جو شخص اندھا بھی ہو اور نورِ بصیرت سے بھی محروم ہو اس کا راہِ راست سے واقفیت حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے' بلکہ ناممکن ہوتا ہے یعنی ایسے لوگوں کے بارے میں حق و صداقت کی تصدیق کرنے اور اسے قبول کرنے کے متعلق مایوسی اس طرح ہوتی ہے جس طرح اندھوں اور بہروں کے بارے میں ہوتی ہے' جن میں نہ عقل ہو اور نہ بصیرت ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ
يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں○ اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا تو (وہ خیال کریں گے ) گویا وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے' بے شک جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا وہ نقصان میں رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے○ اور اگر ہم آپ کو عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں تو پھر بھی انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر جو

کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے O اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے' پھر جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا O

٤٤-﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں[ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لٰكِنْ'' بغیر تشدید کے مخفف ہے اور ''النَّاسُ'' مرفوع ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ نے استدلال کا آلہ سلب کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود ہی استدلال کو ترک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ انہوں نے بے جان مورتیوں کی عبادت شروع کر دی حالانکہ وہ خود زندہ تھے۔

٤٥-﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ [امام حفص کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے[1]] اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ﴾ گویا وہ لوگ (خیال کریں گے کہ وہ) دن کی صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں (یعنی) وہ لوگ دنیا میں اپنے ٹھہرنے اور زندگی بھر رہنے کی مدت کو بہت کم تصور کریں گے یا وہ قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر اپنی قبر میں رہنے کی برزخی زندگی کو بہت کم تصور کریں گے ﴿ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے گویا وہ تھوڑی سی دیر ٹھہرے اور یہ باہمی تعارف اس وقت ہوگا جب وہ قبروں سے نکلیں گے' پھر جب ان پر میدانِ محشر میں حساب و کتاب اور جواب دہی کی شدت طاری ہوگی تو ان کا باہمی تعارف ختم ہو جائے گا [اور ''كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا'' ''يَحْشُرُهُمْ'' میں ''هُمْ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ ان لوگوں کے مشابہ ہوں گے جو صرف دن کی ایک گھڑی دنیا میں ٹھہرے تھے [اور ''كَاَنْ'' ثقیلہ (كَاَنَّ) سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے' اصل میں ''كَاَنَّهُمْ'' ہے اور ''يَتَعَارَفُوْنَ'' ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے یا یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے' اس سے پہلے ''هُمْ'' ضمیر مقدر ہے (یعنی) ''هُمْ يَتَعَارَفُوْنَ'' ہے] ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جھٹلایا وہ نقصان میں رہے۔ قول مراد ہے: ''اَیْ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَائِلِيْنَ ذٰلِكَ'' یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے پہچان لیں گے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اس کے پاس حاضر ہونے کو جھٹلایا ہے وہ گھاٹے میں رہے یا پھر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی ہے کہ یہ لوگ گھاٹے میں ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے اپنی تجارت اور اپنے کاروبار میں ایمان کو کفر کے عوض میں فروخت کر دیا ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ اور وہ تجارت کے لیے صحیح راہ پانے والے نہیں تھے حالانکہ وہ اس کو پہچاننے والے تھے اور یہ ایک الگ جملہ ہے اور اس میں تعجب کا معنی ہے' گویا کہا گیا ہے کہ انہوں نے کتنا بڑا گھاٹے کا سودا کیا۔

٤٦-﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ اور اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (یعنی) عذاب میں سے کچھ حصہ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہم آپ کو اپنے پاس اٹھا لیں ﴿ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ تو انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا پڑے گا۔[یہ ''نَتَوَفَّيَنَّكَ'' کا جواب ہے اور ''نُرِيَنَّكَ'' کا جواب محذوف ہے] ''اَیْ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ فِي الدُّنْيَا فَذَاكَ'' یعنی اور اگر ہم دنیا میں ان پر اس عذاب کا بعض حصہ نازل کر کے آپ کو دکھا دیں جس کا ہم انہیں وعدہ دے رہے ہیں تو یہی مقصود ہے (اور ہم اس پر قادر ہیں) یا وہ

[1] جب کہ ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری' ابن کثیر مکی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابوجعفر' یعقوب اور خلف کی قراءت میں نون کے ساتھ ''نَحْشُرُهُمْ'' ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۷۷)

عذاب آپ کو دکھانے سے پہلے ہم آپ کو اپنے پاس اٹھالیں تو ہم انہیں آخرت میں عذاب دے دیں گے ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر گواہ ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ یہاں ذکر گواہی کا کیا گیا ہے لیکن مراد اس کا مقتضا ہے اور وہ عذابِ الٰہی ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال پر ضرور سزا دے گا جو وہ کرتے رہے [اور بعض اہل علم نے کہا کہ حرف ''ثُمَّ'' یہاں واؤ کے معنی میں ہے]۔

۴۷۔ ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ﴾ اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہوا ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ رسول ان لوگوں کو عقیدۂ توحید سے آگاہ کرے اور ان کو دینِ حق کی دعوت دے ﴿ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ ﴾ پھر جب وہ رسول معجزات و دلائل لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا اور انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی ﴿ قُضِیَ بَیْنَهُمْ ﴾ تو اس نبی اور اس کے جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کے ساتھ‘ چنانچہ رسول کو نجات دے دی گئی اور تکذیب کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا یا یہ کہ قیامت کے روز تمام امتوں میں سے ہر امت کے لیے رسول ہوگا جس کی طرف وہ امت منسوب ہوگی اور اسی کے نام پر اسے بلایا جائے گا اور موقف کے میدان میں ان کا رسول تشریف لائے گا تاکہ وہ ان کے ایمان اور کفر کی گواہی دے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو اس کے گناہ کے بغیر عذاب دیا جائے گا۔

| |
|---|
| وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ |
| ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ |
| سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا |
| مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ |
| كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ |

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میں ذاتی طور پر اپنی جان کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے‘ ہر امت کے لیے ایک وقت (مقرر) ہے‘ جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم بتلا سکتے ہو اگر تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو آجائے تو وہ کون سی چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی چاہتے ہیں O کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تو پھر تم اس پر ایمان لاؤ گے‘ تم اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم ہی اس کو جلدی طلب کر رہے تھے O

شانِ نزول: اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: ''وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ'' اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم انہیں وعدہ دے رہے ہیں تو کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فوراً مطالبہ شروع کر دیا کہ جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ لے آئیں تو یہ (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

۴۸۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ اور وہ کہنے لگے کہ یہ وعدہ یعنی عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم سچے ہو کہ عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے اور انہوں نے یہ بات حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور

مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہی تھی۔

۴۹- ﴿قُلْ﴾ اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ ﴿لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا﴾ میں ذاتی طور پر اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا مالک نہیں ہوں (یعنی) بیماری یا فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی میں سے ﴿وَّلَا نَفْعًا﴾ اور نہ میں ذاتی طور پر اپنی ذات کے لیے کسی فائدہ کا مالک ہوں (یعنی) صحت و تندرستی یا مال داری و دولت مندی میں سے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ان چیزوں میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہو گی تو میں (اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے آپ) تمہیں عذاب دینے اور ضرر و نقصان پہنچانے کا کیسے اختیار رکھتا ہوں[1] ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر امت کے لیے وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ ایک لمحہ بھی نہ پیچھے ہو سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (یعنی) ہر امت کے لیے عذاب کا وقت مقرر و معین ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے' پھر جب ان کے عذاب کا وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک لمحہ آگے جا سکیں گے اور نہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے' سو تم جلدی نہ چاہو۔

۵۰- ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر آ جائے ﴿بَيَاتًا﴾ سو جانے کے وقت اور وہ رات کا وقت ہے حالانکہ تم اس وقت غافل و بے خبر سو رہے ہو گے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا ﴿اَوْ نَهَارًا﴾ یا دن کے وقت جب کہ تم طلبِ معاش اور کاروبار میں مشغول ہو گے ﴿مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ تو کس بناء پر مجرم لوگ اس کو جلدی چاہتے ہیں' یعنی عذاب کو اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہر قسم کا عذاب ناپسند کیا جاتا ہے اور وہ موجب نفرت ہوتا ہے تو پھر کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے تم اسے جلدی چاہتے ہو حالانکہ اس (عذاب) کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اسے جلدی چاہنے کا سبب ہو [اور ''مَاذَا'' میں استفہام ''اَرَءَيْتُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ تم مجھے خبر دو کہ کون سی وجہ ہے جس کے سبب مجرم لوگ عذاب کو جلدی چاہتے ہیں اور شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ ہے: ''تَنْدَمُوْا عَلَى الْاِسْتِعْجَالِ'' کہ تم جلدی چاہنے پر پچھتاؤ گے یا ''تَعْرِفُوا الْخَطَاَ فِيْهِ'' کہ تم اس کے بارے میں اپنی غلطی کو جان جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے ''مَاذَا يَسْتَعْجِلُوْنَ مِنْهُ'' نہیں فرمایا کیونکہ اس سے جلدی نہ کرنے کے موجب پر دلالت مراد ہے اور وہ ہے جرم کا ارتکاب کرنا یا ''مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ'' شرط کا جواب ہے' جیسے: ''اِنْ اَتَيْتُكَ مَاذَا تُطْعِمُنِيْ'' اگر میں تیرے پاس آ جاؤں تو آپ مجھے کیا کھلائیں گے؟ پھر یہ جملہ ''اَرَءَيْتُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر (درج ذیل آیت مبارکہ کا پہلا حصہ یعنی)]

۵۱- ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ [شرط کا جواب ہے] تو کیا جب عذاب آ جائے گا' پھر تم اس پر ایمان لاؤ گے

---

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت یہ استدلال کیا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نفع و نقصان کی مؤثر قدرت و طاقت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بات درست نہیں کہ بندے کو بالکل کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ جبریہ فرقے نے کہا اور نہ یہ بات درست ہے کہ بندے کو اختیار تو ہوتا ہے لیکن وہ مؤثر نہیں ہوتا جیسا کہ اشاعرہ نے کہا اور نہ یہ بات درست ہے کہ بندے کو ہر حال میں مؤثر قدرت و اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے جیسا کہ معتزلہ نے کہا تھا بلکہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے آپ نفع و نقصان میں سے کسی چیز پر ذاتی اختیار نہیں رکھتا مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسی قدر میں نفع و نقصان پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں' سو میرا اختیار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۳۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[اور "مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ" جملہ معترضہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر آ جائے تو تم اس کے آ جانے کے بعد اس پر ایمان لاؤ گے حالانکہ اس وقت ایمان لانا تمہیں فائدہ نہیں دے گا [اور "ثُمَّ" پر حرف استفہام کا دخول اس طرح ہے جس طرح: "اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى". (الاعراف:۹۷) اور "اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى". (الاعراف:۹۸) میں "فا" پر اور واؤ پر اس کا دخول ہے] ﴿ آٰلْـٰٔنَ ﴾ [اس سے پہلے "قِيْلَ" مراد ہے] یعنی جب وہ عذاب کے آ جانے کے بعد ایمان لائیں گے تو ان سے کہا جائے گا: کیا تم اب اس پر ایمان لاتے ہو ﴿ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ حالانکہ اس سے پہلے تم جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی خاطر اسی عذاب کے مطالبے کی جلدی کرتے تھے۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں "آلْـٰٔنَ" میں لام کے بعد ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت لام کو دے کر "آلَانَ" ہے]۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ
اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾
اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ع ۱۰

پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو' تمہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر جس قدر تم کمایا کرتے تھے O اور وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں: کیا وہ حق ہے؟ آپ فرما دیں: ہاں! میرے رب کی قسم! بے شک وہ حق ہے' اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو O اور اگر زمین کے تمام خزانے ظلم کمانے والی جان کے لیے ہو جائیں تو وہ ان کو اپنے بدلے میں دے دے' اور وہ اپنی ندامت کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے' اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O سن لو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے' سن لو! بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۵۲- ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ["آلْـٰٔنَ" سے پہلے پوشیدہ "قِيْلَ" پر معطوف ہے] پھر ظالموں سے کہا جائے گا: ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ﴾ کہ تم دائمی عذاب چکھو ﴿ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ تمہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر اس کفر و شرک اور تکذیب کے سبب جن کا تم ارتکاب کرتے تھے۔

۵۳- ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ ﴾ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں اور آپ سے (عذاب کی) خبر معلوم کرنے کے لیے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ﴿ اَحَقٌّ هُوَ ﴾ کیا وہ حق ہے؟ اور یہ سوال مذاق اڑانے اور انکار کرنے کی بناء پر کیا گیا ہے [اور "هُوَ" ضمیر عذاب موعود کی طرف لوٹتی ہے (یعنی) جس عذاب کا وعدہ دیا جا رہا ہے کیا وہ حق ہے؟] ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!

ان سے فرما دیجیے کہ ﴿ اِیْ وَرَبِّیْٓ ﴾ جی ہاں! مجھے اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم ہے! ﴿ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ﴾ بے شک یہ عذاب برحق ہے ضرور ہو کر رہے گا ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴾ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے کہ عذاب کو ختم کر کے اپنے اوپر سے ٹال دو اور وہ تمہیں ہر حال میں ضرور پہنچے گا۔

۵۴- ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ ﴾ اور اگر ہر جان کے لیے جس نے ظلم کیا کہ اس نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا [اور یہ "ظَلَمَتْ"، "نفس" کی صفت ہے] یعنی اگر ہر ظلم و ستم اور کفر و شرک کرنے والی جان کو حاصل ہو جائے ﴿ مَا فِی الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ زمین میں ہے (یعنی) آج دنیا میں جو کچھ خزانے اور اموال ہیں وہ سب کے سب کافر و مشرک کو حاصل ہو جائیں ﴿ لَافْتَدَتْ بِهٖ ﴾ تو وہ سب کچھ اپنی جان چھڑانے کے لیے معاوضے میں دے دے گا۔ [اور "فَدَاهُ فَافْتَدٰى" کہا جاتا ہے اور "اِفْتَدَاهُ" بھی کہا جاتا ہے' سب کا معنی یہ ہے کہ اس نے فدیہ دیا اور معاوضہ ادا کیا] ﴿ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ندامت و پشیمانی کو ظاہر کریں گے جیسا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو ظاہر کرے تو اس وقت کہا جاتا ہے: "اَسَرَّ الشَّیْئَ" یا یہ معنی ہے کہ جب وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ندامت و شرمندگی کو چھپائیں گے اور سخت حیرت کی وجہ سے بولنے سے عاجز آ جائیں گے [چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "اسرّ" لغتِ اضداد میں سے ہے (یعنی جس لفظ کے دو متضاد معنی ہوں جیسے اسرار کا معنی اظہار و اخفا اور بیع کا معنی خرید و فروخت ہے)] ﴿ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ اور ان کے درمیان یعنی ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا' اس کی دلیل ظلم کا ذکر ہے اور وہ ﴿ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۵۵- پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنے (درج ذیل) ارشاد میں اعلان فرما دیا کہ تمام بادشاہی اسی کے لیے ہے ﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' سو فدیہ کیسے قبول کیا جائے گا اور بے شک وہی ثواب عنایت فرمانے والا ہے اور وہی سزا دینے والا ہے اور اس نے جو کچھ جزا اور سزا کا وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ ﴾ خبردار! بے شک ثواب اور سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿ حَقٌّ ﴾ برحق اور سچا ہے جو ہر حال میں پورا ہوگا ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۵۶- ﴿ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے کیونکہ وہ زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر و غالب ہے اور اس کے سوا ان دونوں پر کوئی قادر نہیں ہے ﴿ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (یعنی) اور تم اسی کے پاس حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے لوٹ کر جاؤ گے' سو اسی سے ڈرنا چاہیے اور اسی سے امید رکھنی چاہیے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ
خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ

حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور مؤمنوں کے لیے ہدایت و رحمت آ چکی ہے ۝ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر پس اسی پر انہیں خوش ہونا چاہیے' یہ اس سب سے بہتر ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں ۝ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اللہ نے تمہیں جو کچھ رزق دیا ہے' پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرا لیا ہے' (اے محبوب!) فرمائیے کہ کیا تمہیں اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان لگاتے ہو ۝ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا گمان ہے' بے شک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۝

## قرآنِ مجید کی فضیلت و شانِ اولیائے کرام اور کفار کی مذمت

۵۷- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک نصیحت آ چکی ہے یعنی بے شک تمہارے پاس ایسی کتاب (قرآن مجید) آ چکی ہے جو تمام فوائد کی جامع ہے' اس میں وعظ و نصیحت ہے اور توحید پر تنبیہ ہے اور نصیحت وہ ہوتی ہے جو ہر مرغوب و پسندیدہ عمل کی طرف دعوت دے اور ہر قابل نفرت اور ناپسندیدہ عمل سے روکے کیونکہ امر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مامور بہ (جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا) حسن وعمدہ ہو' پس وہ مرغوب و پسندیدہ ہی ہو سکتا ہے اور نیز وہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضد سے روکا جائے اور وہ قبیح و بُرا عمل ہے اور نہی میں اسی بنیاد پر روکا جاتا ہے (کہ منہی عنہ یعنی جس سے روکا جاتا ہے وہ قبیح و بُرا عمل ہوتا ہے) ﴿ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ اور قلبی بیماریوں کے لیے شفاء ہے یعنی تمہارے دلوں کو فاسد و بدعقائد سے بچانے کے لیے شفاء ہے ﴿ وَهُدًى ﴾ اور گمراہی سے بچانے کے لیے ہدایت ہے ﴿ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اہل ایمان کے لیے رحمت ہے (یعنی) تم میں سے جو ایمان لایا اس کے لیے رحمت ہے۔

۵۸- ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیجئے کہ ﴿ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر' سو اسی پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔ [اصل کلام: "بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَلْيَفْرَحُوْا بِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" ہے] اور تکرار فعل محض تاکید و تقریر کے لیے اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کے وجوب کے لیے ہے' ان کے علاوہ دنیاوی فوائد و منافع کے ملنے پر فرحت و خوشی کا اظہار کرنا اور اس کا جشن منانا واجب نہیں [اور دو فعلوں میں سے ایک فعل کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور فعل اس پر دلالت کر رہا ہے اور حرف "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ شرط کے معنی پر مشتمل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اگر لوگ کسی چیز پر خوش ہونا چاہتے ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوش ہوا کریں[1]

[1] یاد رکھئے کہ حضور سرورِ کائنات' فخر موجودات' باعثِ تخلیقات علیہ الصلوٰۃ والتحیات اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوب اہتمام کریں اور اس پر خوشی کا اظہار کریں اور ان دونوں سے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) اور دینِ اسلام مراد ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اسلام کی ہدایت عطا فرمادی اور اس کو قرآن مجید کا علم سکھا دیا' پھر اس نے فقر و فاقہ اور غربت کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان قیامت تک فقر و فاقہ اور غربت لکھ دے گا۔[1]

اور پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ یہ اس سب سے بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کر رہے ہیں [اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "يَجْمَعُوْنَ" کی بجائے "تا" کے ساتھ "تَجْمَعُوْنَ" ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "فَلْتَفْرَحُوْا" ہے]۔

۵۹- ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے خبر دو گے کہ ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا ہے [حرفِ "مَا" منصوب ہے "اَنْزَلَ" کی وجہ سے یا "اَرَءَيْتُمْ" کی وجہ سے منصوب ہے یعنی تم مجھے اس کی خبر دو] ﴿فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا﴾ پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال قرار دے دیا کہ تم نے اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا اور تم نے کہا: یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ" (الانعام:۱۳۹) "ان مویشیوں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (مردہ) پیدا ہوگا تو اس میں سب شریک ہوں گے"۔ بے شک تمام رزق زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب ان کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں مثلاً بارش ہوتی ہے تو اس کے سبب زمین سے کھیتی اُگتی ہے اور سورج کی روشنی سے پھل اور اناج وغیرہ پک کر تیار ہوتے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ (الجمعہ:۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے اپنا فضل عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے○

اور آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے○

لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کرنا اور شرعی حدود کے اندر رہ کر جشن عید میلاد النبی ﷺ منانا' صدقات و خیرات کرنا اور روزہ رکھنا اور ولادت و سیرت پر تقریریں کرنا' نعتیں پڑھنا عین اسلام کے مطابق ہے اور اس آیت مبارکہ میں فضل و رحمت سے قرآن مجید اور اسلام مراد لینا بھی صحیح ہے کہ اس سے پہلے قرآن مجید کے چند فضائل کا تذکرہ کیا گیا ہے' لیکن عموم الفاظ کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد لینا بھی صحیح ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی ہیں' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا گیا ہے کہ فضل اور رحمت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو رحمت کے ساتھ موصوف کیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" "اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے پیکرِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(تفسیر روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۴۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[1] رواہ ابو القاسم بن بشران فی امالیہ: (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۸)

ہیں تو اس لیے رزق کے نزول کی نسبت آسمان کی طرف کی گئی ﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ﴾ [یہ ''اَرَءَ یْتُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''قُلْ'' صرف تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال وحرام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو تم اس لیے یہ کام اس کی اجازت سے کرتے ہو ﴿اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو کہ حلت وحرمت کی نسبت اس کی طرف کر دیتے ہو [یا پھر ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے: بلکہ کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو؟ یہ افتراء وبہتان کی تاکید کے لیے ہے] اور اس آیت مبارکہ میں احکام کے متعلق سوال کرنے کی بجائے اپنی طرف سے انہیں جائز قرار دینے کے بارے میں سخت ڈانٹ ڈپٹ اور شدید دھمکی دی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ مسائل واحکام میں احتیاط کو واجب قرار دینے کا باعث ہے اور یہ کہ کوئی شخص اپنی طرف سے یوں نہ کہا کرے کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے جب تک اسے کامل یقین اور مستند علم سے حاصل نہ ہو جائے ورنہ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء وبہتان تراشنے والا ہوگا۔

۶۰۔ ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا خیال ہے [اور ''يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' مفعول فیہ ہونے کی بناء پر ''ظَنٌّ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ ظن وگمان اسی کے بارے میں واقع ہے] یعنی کون سی ایسی چیز ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگانے والوں کو قیامت کے دن کے متعلق گمان میں ڈال دیا ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا حالانکہ وہ بدلے کا دن ہے جس میں نیکی کرنے والوں کو ثواب عنایت کیا جائے گا اور بُرائی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی اور یہ بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس دن کے معاملے کو مبہم رکھا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل وکرم فرمانے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پیغمبروں کے ذریعے پیغام رسانی اور حلال وحرام کی تعلیم دے کر ان پر بے حد مہربانی فرمائی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس نعمت پر شکر ادا نہیں کرتے اور شریعت کی جن تعلیمات کی طرف ان کی رہ نمائی کی گئی ہے ان کی پیروی نہیں کرتے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ
اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ
مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

اور آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو!) نہ تم

کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ رہتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب میں موجود ہے○ خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے○ انہیں کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے' اللہ کے فرمودات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' یہ بہت بڑی کامیابی ہے○

۶۱- ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ﴾ اور آپ کسی عمل میں مشغول نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں (مگر ہم آپ پر نگہبان و گواہ ہوتے ہیں) [اس میں حرف ''مَا'' نافیہ ہے اور یہ خطاب حضور نبی ﷺ کو ہے اور ''شان'' بہ معنی امر (یعنی کوئی کام یا عمل) ہے اور ''مِنْهُ'' میں ضمیر ''تنزیل'' کی طرف راجع ہے' گویا فرمایا گیا ہے: ''وَمَا تَتْلُوْ مِنَ التَّنْزِيْلِ مِنْ قُرْاٰن'' کیونکہ کتاب اللہ کا ہر جز قرآن ہے اور اضمار قبل الذکر کتاب اللہ کی تفخیم و تعظیم کے لیے ہے یا پھر ''مِنْهُ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے] (یعنی اے محبوب!) اور آپ کسی عمل میں مشغول نہیں ہوتے اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں (مگر ہم آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہم آپ پر گواہ ہوتے ہیں) ﴿وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ﴾ اور تم سب کے سب جن و انس کوئی عمل نہیں کرتے ﴿إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا﴾ مگر ہم تم پر گواہ اور نگہبان ہوتے ہیں' ہم تمہاری ہر طرح نگرانی کرتے ہیں ﴿إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ جب تم اس (عمل) میں مصروف ہوتے ہو [یہ ''اَفَاضَ فِي الْاَمْرِ'' سے ہے' جب کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے] ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز ذرّہ برابر بھی پوشیدہ اور دور نہیں ہے' یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چیونٹی کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں زا کے نیچے کسرہ (زیر) کے ساتھ (وَمَا يَعْزِبُ) ہے] ﴿فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر وہ ایک روشن کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں موجود و مکتوب ہے۔ [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذَالِكَ وَلَا اَكْبَرُ'' (را پر پیش کے ساتھ) مبتدا اور خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں جب کہ اس کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں لام نفی جنس کی وجہ سے دونوں منصوب (را پر زبر) ہیں اور یہاں آسمان سے پہلے زمین کو مقدم کیا گیا ہے اور سورۂ سبأ میں زمین سے پہلے آسمان کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ واؤ عطف کے لیے ہے اور اس کا حکم تثنیہ کے حکم کی طرح ہے]

۶۲- ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ کے ولی (۱) وہ حضرات ہوتے ہیں جو عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا روحانی قرب حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں عزت و کرامت عطا فرما کر ان کو اپنا دوست و محبوب بنا لیتا ہے (۲) یا وہ حضرات ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برہانِ حق عطا فرما دی ہے' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کا خود متولی و منتظم ہو جاتا ہے (اس لیے تو شیطان نے اعتراف کر لیا تھا کہ ''اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ'' الحجر: ۴۰) اور وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض کو قائم رکھنے اور اس کی مخلوق پر رحمت و شفقت کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں (اور وہ خالق و مخلوق کے حقوق کی خوب نگرانی کرتے ہیں) (۳) یا وہ حضرات ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ باہمی محبت و دوستی کرتے ہیں' نہ ان میں ایک دوسرے سے رشتہ داریاں ہوتی ہیں اور نہ مالی اور دنیاوی فوائد ان کے پیشِ نظر ہوتے ہیں (۴) یا وہ مؤمن

حضرات ہوتے ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کر لیتے ہیں جس کی دلیل (ذیل میں آنے والی) دوسری آیت مبارکہ ہے ﴿لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ نہ ان پر کوئی خوف و ڈر ہوگا جبکہ دوسرے لوگ خوف زدہ ہوں گے ﴿وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے' جبکہ دوسرے لوگ غم زدہ اور پریشان ہوں گے۔

٦٣-﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان دار ہیں۔[ یہ ''اَعْنِيْ'' فعل پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے یا اس لیے کہ یہ ''اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ'' کی صفت ہے یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی ''هُمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا''] ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (اولیائے کرام) وہی لوگ ہیں جو ایمان دار ہوں اور وہ پرہیزگار ہوں کہ وہ کفر و شرک اور دیگر گناہوں سے بچتے رہتے ہوں۔

٦٤-﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ انہیں کے لیے خوشخبری ہے' دنیا کی زندگی میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں کئی مقامات پر پرہیزگار مؤمنین کو خوشخبری سنائی ہے[1]

حضور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ دنیا میں بشارت سے مراد وہ نیک خواب ہیں جن کو نیک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کو دکھائے جاتے ہیں[2]

اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا اور بشارتیں باقی ہیں اور نیک خواب نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں حصہ ہے[3]

اور یہ اس لیے کہ وحی کے نزول کی مدت تیئیس (۲۳) سال ہے جس میں سے چھ ماہ آپ کو خواب میں لوگوں کو ڈرانے کا حکم دیا جاتا رہا اور تیئیس سال میں سے چھ ماہ اس کا چھیالیسواں حصہ بنتا ہے یا دنیا میں اولیائے کرام کے لیے بشارت و

---

[1] چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا○ (الاحزاب:۴۷)

اور اے محبوب! مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بہت بڑا فضل ہے○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ○ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (الشوریٰ:۲۲-۲۳)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے' انہیں ان کے پاس جو وہ چاہیں گے ملے گا' یہی بہت بڑا فضل ہے○ یہ وہ انعام ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان دار ہیں اور نیکوکار ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (البقرہ:۲۵)

اور اے محبوب! آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ بے شک انہیں کے لیے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

[2] رواہ البخاری فی کتاب بدء الوحی باب:۳' کتاب تفسیر سورت:۹۶ باب:۱' مسلم فی کتاب الصلوٰۃ رقم الحدیث:۲۰۷-۲۰۸' ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ باب:۱۴۸' الترمذی فی کتاب الرؤیا باب:۲-۳' النسائی فی کتاب التطبیق باب:۸' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب:۷۷

[3] رواہ البخاری فی کتاب التعبیر باب:۳-۴-۱۰-۲۶' مسلم فی کتاب الرؤیا حدیث:۶-۷-۸-۹' ابوداؤد فی کتاب الادب باب:۸۸' الترمذی فی کتاب الرؤیا باب:۱-۲-۶' ابن ماجہ فی کتاب الرؤیا باب:۱-۳-۶-۹' الدارمی فی کتاب الرؤیا باب:۲' المؤطا فی کتاب الرؤیا حدیث:۱-۳' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۱۸-۵۰-۲۱۹' ج ۴ ص ۱۰-۱۱۔

خوشخبری یہ ہے کہ لوگ ان سے محبت و پیار کریں گے اور حسنِ عقیدت رکھیں گے اور ان کا ذکر خیر و حسنِ تعریف اور ذکر جمیل کریں گے یا یہ کہ انہیں جاں کنی (موت) کے وقت بشارت و خوشخبری دی جائے گی کہ انہیں جنت میں ان کا ٹھکانا دکھایا جائے گا۔[1] ﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ان کو جنت کی خوشخبری سنائی جائے گی[2] ﴿لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے اور اس کے ارشادات و فرمودات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور اس کے وعدوں کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا ﴿ذٰلِکَ﴾ انہیں دنیا و آخرت کی جو خوشخبریاں دی گئی ہیں [''ذَالِکَ'' سے اسی کی طرف اشارہ ہے] ﴿هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ وہی بہت بڑی کامیابی ہے [اور یہ دونوں جملے معترضہ ہیں اور جملہ معترضہ کے بعد کلام کا واقع ہونا لازم نہیں ہوتا (جیسا کہ) تم کہتے ہو: فلاں آدمی حق و سچ بولتا ہے اور حق زیادہ واضح اور روشن ہوتا ہے اور (یہ کہہ کر) تم خاموش ہو جاتے ہو]۔

وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور ان کی باتیں آپ کو غم میں نہ ڈالیں' بے شک تمام عزت اللہ کے لیے ہے' وہ سب کچھ سننے والا' خوب جاننے والا

---

[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدة: ٣٠)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر قائم رہے تو (موت کے وقت) ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم (موت سے) نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○

[2] چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰکُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (الحدید: ١٢)

جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان (کے ایمان و اطاعت) کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب (جنت کی طرف رہ نمائی کرتا ہوا) دوڑتا ہوا جا رہا ہے (اور ان سے فرمایا جائے گا کہ) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے○

ہےO خبردار! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ حقیقت میں شریکوں کی پیروی نہیں کرتے' وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی' وہ لوگ صرف خیالی اندازے لگاتے ہیںO وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن کرنے والا بنایا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو خیر خواہی سے سنتے ہیںO انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے' وہ بے نیاز ہے' اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اس پر تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے' کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتےO

---

٦٥- ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں (یعنی) آپ ان کے جھٹلانے اور ڈرانے دھمکانے پر پریشان نہ ہوں اور کفار آپ کو شہید کرنے کے متعلق اور آپ کے دینِ حق کو مٹانے کے بارے میں جو باہمی مشورے سے منصوبے بناتے ہیں آپ ان پر غم نہ کریں ﴿اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ بے شک عزت و غلبہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے' علت و سبب بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے] گویا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے) عرض کیا گیا کہ میں غم کیوں نہ کروں تو جواب میں فرمایا گیا ہے کہ ''اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا'' بے شک غلبہ وقہر سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں' ان دونوں میں سے کسی کا کوئی مالک نہیں' نہ یہ کفار مالک ہیں اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور مالک ہے بلکہ ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے اور وہی ان کے خلاف آپ کی مدد کرے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌO'' (المجادلہ:۲۱) ''اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ بے شک میں ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول' بے شک اللہ بڑی قوت والا' بہت غالب ہے''۔ نیز فرمایا: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُO'' (المؤمن:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو ایمان پر قائم رہیں گے' دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے''۔ یا یہ معنی ہے کہ ہر عزت والا اسی (اللہ تعالیٰ) کی وجہ سے عزت حاصل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے معزز و غالب ہوتا ہے' سو وہی آپ کو اور آپ کے دین کو اور آپ کے ماننے والوں کو عزت و غلبہ نصیب فرمائے گا [اور ''وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ'' پر وقف کرنا واجب ولازم ہے تا کہ ''اِنَّ الْعِزَّةَ'' کفار کا مقولہ نہ ہو جائے اور ''جَمِيْعًا'' حال واقع ہورہا ہے] ﴿هُوَ السَّمِيْعُ﴾ وہ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے جو کچھ وہ لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے رہتے ہیں ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ آپ کے متعلق ان کی تدبیروں اور ان کے تمام عزائم کو خوب جاننے والا ہے اور وہی ان کی کارروائیوں پر ان سے بدلا لے گا۔

٦٦- ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی اہل عقول حضرات اور وہ فرشتے اور جن وانس مراد ہیں اور ان کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ جب یہ عقل مند ہستیاں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں اور اس کی سلطنت میں رعایا ہیں اور ان میں سے کوئی بھی رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ان میں سے اس کا کوئی شریک ہوسکتا ہے تو ان کے علاوہ دوسری بے عقل اشیاء بہ طریق اولیٰ اس کی شریک نہیں ہوسکتیں ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ اور جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' وہ اپنے شریکوں کی اتباع نہیں کرتے [اس میں ''مَا'' نافیہ ہے] یعنی وہ لوگ حقیقت میں شریکوں کی پیروی نہیں کرتے' اگرچہ وہ لوگ انہیں معبود سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے اور ان کا نام شرکاء رکھا ہوا تھا کیونکہ ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ناممکن اور محال ہے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ان

کے گمان میں یہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ اور وہ تو صرف اپنی عقل سے تکے لگاتے ہیں اور باطل اندازوں سے ان کو خدا کا شریک خیال کرتے ہیں [یا پھر حرف ''ما'' نافیہ کی بجائے استفہامیہ (سوالیہ) ہے یعنی وہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں؟ اور اس بناء پر ''شُرَكَآءَ''، ''يَدْعُوْنَ'' کی وجہ سے منصوب ہوگا اور پہلی صورت میں ''يَتَّبِعُ'' کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اس کا حق ''وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ شُرَكَآءَ'' ہے لیکن ان میں سے ایک ''شُرَكَآءَ'' پر اس لیے اکتفاء کیا گیا ہے کہ مذکور اس پر دلالت کرتا ہے اور ''شُرَكَآءَ''، ''يَدْعُوْنَ'' کا مفعول ہے یا لفظ ''مَا'' موصول ہے اور ''مَنْ'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں' جن کی کفار پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت و پرستش میں لگے رہتے ہیں اور ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتِ عامہ اور اپنی عظیم ترین قدرت وطاقت پر اپنے بندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۶۷- ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں راحت وسکون حاصل کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے لیے تاریک بنایا تاکہ تم دن بھر کے کاروبار اور چلنے پھرنے کی تھکاوٹ و مشقت کی وجہ سے اس میں آرام وسکون حاصل کرو ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور اس نے دن کو روشن کرنے والا اور دکھانے والا بنایا تاکہ تم اپنے رزق و معاش کے مقاصد و مکاسب حاصل کرنے کے لیے اس میں دیکھ بھال کرسکو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے (قدرتِ الٰہی کی زبردست) نشانیاں موجود ہیں' جو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے جذبے سے غور وفکر کے ساتھ سنتی ہے۔

۶۸- ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ﴾ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹا بنالیا ہے' وہ تو اس سے پاک ہے۔[''سُبْحَانَهٗ'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا بنانے کے عیب سے براءت بیان کی گئی ہے کہ وہ اس عیب سے پاک ہے] اور کفار کے اس احمقانہ کلمہ کہنے پر تعجب وحیرت کا اظہار کیا گیا ہے ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ وہ (سب سے) بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ اس سے بیٹے کی علّت بیان کی گئی ہے کیونکہ اولاد یا کمزور طلب کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے تقویت حاصل کرے یا فقیر و محتاج طلب کرتا ہے تاکہ اس سے مدد حاصل کرے یا ادنیٰ و کم ترین طلب کرتا ہے تاکہ اس کے سبب عزت و شرف اور وقار حاصل کرے اور یہ تمام حاجت وضرورت کی علامت ہیں' سو جو سب سے بے نیاز و بے پرواہ ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے اس سے اولاد کی نفی واجب و لازم اور ضروری ہے' اس لیے کہ اولاد والد کا حصہ ہوتی ہے تو اس سے اس کا مرکب ہونا لازم آتا ہے اور ہر مرکب ممکن ہوتا ہے اور ہر ممکن اپنے وجود میں غیر کا (یعنی مُوجد کا) محتاج ہوتا ہے اور وہ حادث ہوتا ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور واجب ہے) سو قدیم کے لیے اولاد کا ہونا ناممکن و محال ہے ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے ملک میں ہے اور بنوّت (بیٹا ہونا) اس کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی ﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا﴾ تمہارے اس قول پر تمہارے پاس کوئی حجت و دلیل نہیں ہے [اور حرف ''بـا'' کا حق یہ ہے کہ وہ ''اِنْ عِنْدَكُمْ'' کے متعلق ہو' اس بناء پر کہ قول ''سلطان'' کے لیے مکان ہو اور جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَا عِنْدَكُمْ بِاَرْضِكُمْ مَوْزٌ'' کہ تمہاری سرزمین پر کیلے بالکل نہیں ہوتے] تو گویا فرمایا گیا ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور جب ان سے دلیل و برہان کی نفی کر دی گئی تو انہیں بے علم و جاہل قرار دے دیا گیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

وقف لازم — الربع

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے ○ دنیا میں (عارضی) فائدہ ہے' پھر انہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر وہ جو کفر کرتے تھے اس کے عوض ہم انہیں سخت ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ اور آپ انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سنایئے' جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر میرا قیام کرنا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہوا ہے' سو تم سب اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف اپنا منصوبہ پختہ کرلو' پھر تمہارا منصوبہ تم پر پوشیدہ نہ رہے' پھر تم میرے خلاف جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ○

۶۹- ﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر کے اس پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور اس پر بہتان تراشی کرتے ہیں ﴿ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴾ وہ جہنم کی آگ سے کبھی نجات حاصل نہیں کر سکیں گے اور نہ وہ جنت حاصل کرنے میں کبھی کامیاب ہوں گے۔

۷۰- ﴿ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ﴾ دنیا میں عارضی فائدہ ہے یعنی ان کے اس افتراء و بہتان تراشی کا فائدہ دنیا میں بہت تھوڑا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کفر میں ان کی ریاست و قیادت اور اس کی مدد سے حضور نبی کریم ﷺ کی عداوت و دشمنی کچھ عرصہ قائم رہے گی (پھر سب کچھ ختم) ﴿ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ ﴾ پھر انہیں ہماری طرف لوٹ کر ضرور آنا ہے پھر ہم ان کو سخت ترین دائمی عذاب چکھائیں گے ﴿ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴾ اس لیے کہ وہ کفر و شرک کرتے تھے' یعنی ان کے کفر کے سبب (دائمی عذاب ملے گا)۔

## حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی تبلیغ پر ان کی قوموں کی سرکشی اور ان کا انجام

۷۱- ﴿ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ﴾ اور اے محبوب! آپ انہیں (یعنی کفارِ مکہ کو) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کی قوم سمیت قصہ پڑھ کر سنایئے [اور اس پر وقف کرنا لازم ہے کیونکہ اگر ملا کر پڑھا جائے گا تو ''اِذْ'' ''وَاتْلُ'' کا ظرف بن جائے گا حالانکہ تقدیر عبارت یہ ہے: ''وَاذْكُرْ''] ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ ﴾ اور اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم پر دشوار اور سخت بھاری ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ'' (البقرہ:۴۵) ''اور بے شک یہ نماز بہت گراں اور سخت بھاری ہے' مگر عاجزی اختیار کرنے والوں پر نہیں''۔ ﴿ مَّقَامِیْ ﴾ میرا ٹھہرنا اور رہائش رکھنا یعنی میرا وجود اور میری ذات کیونکہ یہاں حضرت نوح کی

ذات مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ'' (الرحمٰن: ۴۶) ''اَیْ خَافَ رَبَّہٗ'' (الرحمٰن: ۴۶) یعنی'' اور اس شخص کے لیے دو جنتیں ہوں گی جو اپنے رب سے ڈر گیا''۔ یا یہ معنی ہے کہ تمہارے درمیان میرا ساڑھے نو سو سال ٹھہرنا اور قیام کرنا یا میرا کھڑا ہونا ﴿وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ تمہیں نصیحت کرنا' کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب مجمع عام کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ فرمانے لگتے تو کھڑے ہو کر ان کو وعظ سناتے تا کہ ان کا مقام و مرتبہ واضح ہو جائے اور ان کا کلام غور سے سنا جائے ﴿فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ﴾ سو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا ہوا ہے یعنی پس میں نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے ﴿فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ﴾ پس تم اپنا معاملہ پختہ کر لو [یہ ''اَجْمَعَ الْاَمْرَ'' سے ماخوذ ہے] یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کام کی پکی نیت کر لے اور اس کا پختہ عزم کر لے ﴿وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ [واؤ بہ معنی ''مع'' ہے] یعنی تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر اپنا معاملہ پختہ کر لو ﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً﴾ پھر تمہارا معاملہ (یعنی میرے قتل کرنے کا منصوبہ) تم پر باعثِ غم و رنج نہ بن جائے [اور ''غم'' اور ''غمۃ'' ''کرب'' اور ''کربۃ'' کی طرح ہے یا یہ کہ تمہارا منصوبہ تم پر پوشیدہ نہ رہ جائے اور ''غُمَّةٌ'' بہ معنی ''سُتْرَةٌ'' ہے یعنی پوشیدہ' یہ ''غَمٌّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص چھپ چھپا کر سازش کرتا ہے اور اسی محاورے سے یہ حدیث ہے کہ ''لَا غُمَّةَ فِيْ فَرَائِضِ اللّٰهِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوئی اخفا اور پردہ نہیں ہوتا بلکہ انہیں علانیہ ادا کیا جاتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ مجھے ہلاک کرنے کا تمہارا ارادہ تم سے پوشیدہ نہ ہو بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ تم میرے خلاف میرا مقابلہ کرو ﴿ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ﴾ پھر تم اپنا وہ منصوبہ میرے خلاف پورا کر لو جو تم میرے خلاف سازش کرنا چاہتے ہو' یعنی میری ہلاکت کے بارے میں تمہارے پاس جو منصوبہ ہے تم اسے ادا کر لو جیسا کہ ایک آدمی اپنے دشمن کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے یا یہ کہ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے تم وہ کر گزرو ﴿وَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ اور تم مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اگر تم منہ پھیر لو گے تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا' میری اجرت صرف اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں (اللہ ہی کے) فرماں برداروں میں سے رہوں ○ پھر کافروں نے انہیں جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیوں کو نجات دے دی اور ہم نے انہیں ان کا جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا' پس آپ دیکھیں کہ جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا (بُرا) ہوا ○ پھر ہم نے نوح کے بعد کئی رسولوں کو

ان کی اپنی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے' اسی طرح ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں O

۷۲- ﴿ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ پھر اگر تم نے میرے وعظ و نصیحت اور میری یاد دہانی سے منہ پھیر لیا ﴿ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ ﴾ تو میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی کہ جس کی وجہ سے تم پر منہ پھیرنا واجب و لازم ہو گیا ہو یا یہ معنی ہے کہ میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی کہ تمہارے منہ پھیر لینے سے میری وہ اجرت ختم ہو جاتی کیونکہ ﴿ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ﴾ میری اجرت صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہے اور اجرت سے وہ ثواب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے عطا فرمائے گا یعنی میں نے تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نصیحت کی ہے' دنیا کے اغراض میں سے کسی غرض کے لیے نہیں کی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ دینی علم اور قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا منع ہے ﴿ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے والوں میں سے رہوں [اور ''إِنْ أَجْرِيَ'' میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو اور حفص کی قراءت میں ہے]۔

۷۳- ﴿ فَكَذَّبُوهُ ﴾ سو انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا اور انہوں نے آپ کے جھٹلانے پر اصرار کیا اور آپ کی تکذیب پر اڑے رہے ﴿ فَنَجَّيْنَاهُ ﴾ تو ہم نے حضرت نوح کو غرق ہونے سے نجات دی ﴿ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ ﴾ اور ان کو (بھی ہم نے نجات دی) جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک ہونے والوں کا جانشین بنا دیا ﴿ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا' سو اے محبوب! آپ غور سے دیکھیں کہ جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا' ان کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا۔ قوم نوح کے کافروں کو غرق ہونے کی جو سزا دی گئی تھی' آیتِ مبارکہ کے اس حصہ میں اس کے بڑے خطرناک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور ان لوگوں (یعنی کفارِ مکہ) کو ڈرانا مقصود ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس سے آپ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے۔

۷٤- ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ ﴾ پھر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کئی رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا یعنی حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام ﴿ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ پس یہ سارے انبیائے کرام ان کے پاس ایسے واضح اور مضبوط و مستحکم دلائل لے کر تشریف لائے تھے جو ان حضرات کے دعوائے نبوت کو ثابت کرنے والے تھے ﴿ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ سو وہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تھے جس کو انہوں نے انبیاء کی آمد سے پہلے جھٹلا دیا تھا بلکہ وہ لوگ واضح دلائل آ جانے کے بعد بھی کفر پر ڈٹے رہے' مراد یہ ہے کہ وہ لوگ رسول کی آمد سے جاہل تھے' کچھ نہیں جانتے تھے اور حق کو جھٹلانے والے تھے لیکن رسولوں کی آمد کے بعد اور اس سے پہلے ان کی دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں پڑا' گویا ان کے پاس کسی رسول کو نہیں بھیجا گیا ﴿ كَذَٰلِكَ ﴾ اس چھاپ اور اس مہر کی طرح ﴿ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴾ ہم تکذیب میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝٧٥ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ

مُّبِينٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿۷۷﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿۷۸﴾

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیج دیا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے O کیونکہ جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا: بے شک یہ تو ضرور کھلا جادو ہے O موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا ہے، تو کیا تم اس کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے O انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم دونوں کی حکومت قائم ہو جائے، اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و آمد پر فرعونیوں کی سرکشی اور ان کا انجام

۷۵- ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا ﴾ پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی آیات کے ساتھ بھیجا یعنی نو معجزات کے ساتھ بھیجا ﴿ فَاسْتَكْبَرُوا ﴾ سو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے تکبر کیا اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ بندے اپنے رب کے رسولوں کی رسالت و نبوت کو اس کے واضح ہو جانے کے بعد غیر اہم اور حقیر سی چیز تصور کریں اور اس کو قبول کرنے سے تکبر و غرور کریں ﴿ وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴾ اور وہ مجرم لوگ تھے (یعنی) کفار جو بہت بڑے گنہگار تھے اور اس لیے انہوں نے آیاتِ الٰہی سے تکبر کیا اور ان کو مسترد کرنے کی جرأت کی۔

۷۶- ﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ سو جب ان کے پاس حق آن پہنچا اور انہوں نے پہچان لیا کہ یہ یقیناً حق ہے اور یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے ﴿ قَالُوا ﴾ تو انہوں نے خواہشاتِ نفسانی کی محبت کی وجہ سے کہہ دیا کہ ﴿ إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ ﴾ بے شک یہ ضرور کھلم کھلا جادو ہے۔

۷۷- ﴿ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں کہتے ہو (کہ یہ جادو ہے) جب یہ تمہارے پاس آ گیا [یہ استفہام انکاری ہے اور ان کا مقولہ محذوف ہے: ''أَيْ هَٰذَا سِحْرٌ'' یعنی یہ جادو ہے، پھر حضرت موسیٰ نے دوسرے استفہام انکاری کے لیے جملہ مستأنفہ بیان کیا] اور فرمایا کہ ﴿ أَسِحْرٌ هَٰذَا ﴾ کیا یہ جادو ہے؟ [یہ مبتدا و خبر ہیں] ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴾ اور جادوگر کبھی فلاں نہیں پاتے یعنی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

۷۸- ﴿ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ﴾ انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں اس (دین) سے پھیر دیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے (یعنی) بتوں کی عبادت سے یا فرعون کی عبادت سے (آپ ہمیں روکنا چاہتے ہیں) ﴿ وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ ﴾ اور بڑھائی و سرداری تمہارے لیے ہو جائے یعنی بادشاہی کیونکہ بادشاہ ہی عظمت و کبریائی اور سربلندی و بڑھائی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں ﴿ فِي الْأَرْضِ ﴾ سرزمینِ مصر میں ﴿ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴾ اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور نہ ہی ہم اس کی تصدیق کرنے والے ہیں جس کو تم دونوں لے کر آئے ہو [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''وَيَكُونَ'' ہے]۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰٓى
اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ
ع ١٢/١٣ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ
مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ
لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

اور فرعون نے کہا کہ تم تمام علم والے ماہر جادوگروں کو میرے پاس لاؤO پھر جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا: تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہوO سو جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو وہ جادو ہے' بے شک عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دے گا' بے شک اللہ فساد پھیلانے والوں کے عمل کو درست نہیں ہونے دیتاO اور اللہ اپنے فرامین کے ذریعے حق کو حق ثابت کر دیتا ہے اگرچہ جرم کرنے والے لوگ بُرا منائیںO سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے فرعون اور اس کے درباریوں کے اس ڈر کی وجہ سے کہ وہ لوگ ان کو تکلیف پہنچائیں گے' اور بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو چکا تھا' اور بے شک وہ زیادتی کرنے والوں میں سے تھاO

---

٧٩- ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ﴾ اور فرعون نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ تم ہر قسم کے بڑے علم والے جادوگر کو میرے پاس لے کر آؤ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سَحَّارٍ'' ہے]۔

٨٠- ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ پھر جب جادوگر آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔

٨١- ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ﴾ سو جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو وہ جادو ہے۔ [اس میں ''مَا'' موصولہ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور ''جِئْتُمْ بِهٖ'' اس کا صلہ ہے اور ''اَلسِّحْرُ'' خبر ہے یعنی جو کچھ تم لے کر آئے ہو وہ جادو ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات میں سے وہ معجزہ جادو ہے جس کو فرعون اور اس کی قوم نے جادو قرار دے دیا ہے۔ قاری ابو عمرو کی قراءت میں وقف کے بعد استفہام کے ساتھ ''آلسِّحْرُ'' ہے' پس اس قراءت کی بناء پر حرف ''مَا'' استفہامیہ ہے یعنی تم کس چیز کو لائے ہو؟ کیا وہ جادو ہے؟] ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب مٹا دے گا اور اس کا بطلان ظاہر فرما دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کے عمل کو درست نہیں ہونے دیتا (یعنی) اس کو ثابت و قائم نہیں رکھتا بلکہ اس کو تباہ و برباد کر دیتا اور اس کو ختم کر دیتا ہے۔

٨٢- ﴿وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کو حق ثابت کر دے گا' اپنے اوامر و فیصلہ جات سے یا اسلام کو نصرت و مدد کے ذریعے غالب فرما دے گا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور اگرچہ مجرم لوگ بُرا منائیں اور اس کو ناپسند کریں۔

۸۳- ﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ ﴾ پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے تھے (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کے آغاز میں بنی اسرائیل کے نوجوانوں میں سے صرف ایک گروہ ایمان لایا تھا' گویا فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم کی اولاد میں سے کچھ اولاد ایمان لے آئی تھی اور وہ اس لیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بڑے لوگوں کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے فرعون کے خوف سے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور فرعون کے خوف کے باوجود ان بڑوں کی اولاد میں سے نوجوانوں کے ایک گروہ نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور ایمان لے آئے [یا پھر ''مِنْ قَوْمِهٖ'' میں ضمیر ''فرعون'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''ذُرِّيَّةٌ'' سے آلِ فرعون کا مؤمن اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور فرعون کے خازن اور اس کی بیوی اور فرعون کو کنگھی کرنے والی عورت مراد ہیں اور ''وَمَلَا۟ىِٕهِمْ'' میں ضمیر ''فرعون'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ فرعون بہ معنی آلِ فرعون ہے' جیسے ربیعہ اور مضر کہا جاتا ہے (حالانکہ اس سے ربیعہ اور مضر کی آل و اولاد مراد ہوتی ہے) یا اس لیے کہ فرعون اپنے ان ساتھیوں سمیت ضمیر کا مرجع ہے جو اس کو اہم معاملات میں مشورہ دیا کرتے تھے یا یہ ضمیر ''ذُرِّيَّةٌ'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی فرعون اور بنی اسرائیل کے اکابر کے خوف کے باوجود چند نوجوان حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے اکابران نوجوانوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے' انہیں ان کے بارے میں اور اپنے بارے میں فرعون کا خوف طاری رہتا تھا' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ﴿ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ﴾ کہ فرعون ان کو کسی فتنہ میں ڈال دے گا' اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون ان لوگوں کو بہت سخت سزا دے گا ﴿ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور بے شک فرعون سرزمینِ مصر پر بہت غالب و جابر اور زبردست سرکش ہو چکا تھا ﴿ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ ظلم و فساد میں اور تکبر و غرور اور سرکشی میں اور ربوبیّت کے دعویٰ کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

| |
|---|
| وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا |
| عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ |
| الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا |
| بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ |

اور موسیٰ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر تم بھروسا کرو اگر تم فرماں بردار ہو ○ پس انہوں نے کہا: ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا' اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈال ○ اور آپ اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا فرما ○ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں مکانات تیار کراؤ اور تم اپنے (عبادت کے) گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے ○

۸۴- ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (یعنی اگر) تم اس کی اور اس کی آیتوں کی تصدیق کرتے ہو ﴿ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا ﴾ تو تم اسی پر بھروسا کرو اور فرعون سے نجات پانے کے لیے تم اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دو اور اسی کی ذات پر اعتماد رکھو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ اگر تم مسلمان ہو' اللہ

تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسا کرنے کے لیے اسلام کا ہونا شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں یعنی وہ اپنے آپ کو خالص اور سالم اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیں جس میں شیطان کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہ ہو کیونکہ توکل کسی غیر شرعی چیز کے ساتھ مخلوط نہیں ہو سکتا۔

۸۵۔ ﴿فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ سو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسا کیا اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ یہ لوگ مخلص مسلمان تھے، خصوصاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا توکل قبول فرمالیا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو نجات عطا فرما دی اور یہ لوگ جس سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا اور اس کی سرزمین پر ان کو جانشین مقرر فرما دیا، پس جو شخص اپنے رب تعالیٰ پر صحیح اور خالص توکل کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ غیر کی آمیزش کو چھوڑ کر اخلاص کو اپنانے کی کوشش کرے ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالموں کی قوم کے لیے آزمائش نہ بنا۔ دراصل "القوم الظالمین"، "فِتْنَةً لَّهُمْ" کی جگہ پر آیا ہے یعنی ان کو ہم پر مسلط نہ کردے کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں یا وہ ہمیں ہمارے دین کے بارے میں کسی فتنہ میں ڈال دیں یعنی ہمیں گمراہ کر دیں اور راہِ حق سے گمراہ کرنے والے کو فاتن کہتے ہیں۔

۸٦۔ ﴿وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات عطا فرما یعنی تو اپنی رحمت سے ہمیں ان کے غلام رہنے سے اور ان کے زیر حکم پابند رہنے سے نجات عطا فرما۔

۸۷۔ ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾ اور ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات تعمیر کرو، جب کوئی شخص اپنے رہنے کے لیے مکان بنا لیتا ہے تو "تَبَوَّاَ الْمَكَانَ" کہتے ہیں جیسے جب کوئی آدمی کسی جگہ کو اپنا وطن بنا لے تو "تَوَطَّنَهٗ" کہا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ تم دونوں اپنی قوم کے رہائشی مکانات میں سے کچھ گھر ایسے تعمیر کرو کہ وہ عبادت کرنے اور نماز ادا کرنے کے لیے ان گھروں کی طرف لوٹ کر آیا جایا کریں ﴿وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ اور تم اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ یعنی تم اپنی مساجد کو قبلہ رُو بناؤ اور قبلہ سے خانہ کعبہ مراد ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھی کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور دراصل شروع میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ کافروں سے چھپ کر اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کریں تاکہ کافروں پر ان کی عبادت ظاہر نہ ہو جائے ورنہ وہ لوگ ان کو تکلیف پہنچائیں گے اور وہ فتنہ برپا کر کے ان کو ان کے دین سے پھیر دیں گے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان بھی چھپ کر عبادات ادا کیا کرتے تھے ﴿وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو تاکہ تم امن و امان سے رہو ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اے موسیٰ! آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیں [پہلے تثنیہ سے مخاطب کیا گیا، پھر جمع سے، پھر آخر میں واحد سے مخاطب کیا گیا] اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے لیے جگہوں کا انتخاب و اختیار انبیائے کرام علیہم السلام کے سپرد کیا گیا تھا، پھر جمع اس لیے لایا گیا کہ مساجد بنانا اور ان میں نمازیں ادا کرنا جمہور پر واجب و لازم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت دینے کے لیے اس لیے مخصوص کیا گیا ہے، تاکہ بشارت کی عظمت ظاہر ہو جائے اور جس کے ساتھ خوشخبری دی گئی اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے دنیا کی زندگی میں فرعون اور اس کے درباریوں کو زیب و زینت اور مال دے رکھا ہے' اے ہمارے رب! تا کہ وہ (لوگوں کو) تیرے راستے سے بہکا دیں' اے ہمارے رب! تو ان کے مال و دولت کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے' پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں O اللہ نے فرمایا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے' سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے O

۸۸- ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً﴾ اور حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو زیب و زینت دے دی ہے۔ ''زِیْنَةً'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے زیبائش و آرائش حاصل کی جائے خواہ وہ لباس ہو خواہ زیور ہو یا بستر ہوں یا گھر کی خوبصورتی کا سامان ہو یا اس کے علاوہ ڈیکوریشن کا سامان ہو ﴿وَّاَمْوَالًا﴾ یعنی نقدی اور دیگر نعمتیں اور جائیدار وغیرہ ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ﴾ دنیا کی زندگی میں اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ تیرے راستے سے گمراہ کر دیں۔ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''لِیَضِلُّوْا'' (یا پر پیش کی بجائے زبر) ہے یعنی تا کہ لوگ تیری اطاعت و فرماں برداری سے بہک جائیں اور ''الدنیا'' پر وقف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ''لِیُضِلُّوْا'' ''اٰتَیْتَ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''رَبَّنَا'' کا تکرار ہے اور پہلا ''رَبَّنَا'' آہ و زاری میں عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے ہے] شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں گے تو اس نے ان کو جو کچھ دینا تھا دے دیا تا کہ یہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکا سکیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا'' (آل عمران:۱۷۸) ''بے شک ہم انہیں صرف اس لیے مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کریں'' پس یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے (کہ ہدایت و ضلالت دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں) ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے یعنی ان کو ہلاک کر دے اور ان کے نشانات مٹا دے کیونکہ وہ لوگ تیری نافرمانی کرنے پر تیری ہی نعمتوں سے مدد لیتے ہیں اور ''الطمس'' کا معنی مٹانا اور ہلاک کرنا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کے دراہم و دنانیر سب کے سب پتھر بن گئے تھے اگرچہ ان کی شکل و صورت اور نقش و نگار وہی پہلے والے تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ان کے باقی اموال بھی اسی طرح ہو گئے تھے ﴿وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ان کے دلوں پر سختی کر (یعنی) ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کو سخت بنا دے ﴿فَلَا یُؤْمِنُوْا﴾ پس وہ ایمان نہ لائیں۔ [یہ اس دعا کا جواب ہے جو ''اُشْدُدْ'' ہے] ﴿حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں (یعنی) دردناک عذاب دیکھ لینے تک ایمان نہ لائیں اور اسی طرح ہوا کیونکہ وہ ڈوب جانے تک ایمان نہیں لائے تھے اور یہ مایوسی و ناامیدی کا ایمان تھا اس لیے وہ قبول نہیں کیا گیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو پھر ان کے خلاف دعائے ضرر کی' اس لیے کہ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ لوگ اب ایمان نہیں لائیں گے ورنہ ان کے ایمان نہ لانے کے علم سے پہلے آپ کے لیے ایسی ہلاکت کی دعا کرنا جائز نہیں تھا کیونکہ آپ کو ان کی طرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ آپ ان کو ایمان لانے کی دعوت دیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل

ہے کہ کسی غیر کے خلاف کفر پر موت کی دعا کرنا کفر نہیں ہے۔

۸۹- ﴿قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے تھے' سو اس سے ثابت ہوا کہ آمین کہنا بھی دعا ہے' اس لیے اس کو آہستہ کہنا ہی بہتر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری دعا مستجاب ہو چکی ہے' لٰہذا تم دونوں نے جو کچھ طلب کیا ہے وہی ہو گا لیکن اس کے مقررہ وقت پر ہو گا ﴿فَاسْتَقِيمَا﴾ پس تم دونوں استقامت اختیار کر لو اور دعوت و تبلیغ کے جس مشن کو تم نے شروع کر رکھا ہے اس پر ثابت قدم رہو ﴿وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور تم دونوں ان لوگوں کے راستے پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے (یعنی) تم جہلاء کے راستے پر نہ چلو جو مہلت دینے کی حکمت و مصلحت کو اور اجابت و قبولیتِ دعا کی صداقت کو نہیں جانتے کیونکہ ان کی دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان چالیس سال گزر گئے تھے۔[ قاری ابن عامر شامی کی قراءت کے مطابق ''وَلَا تَتَّبِعَانِ'' میں التقائے ساکنین کی وجہ سے نون مخفف مکسور ہے اس لیے کہ یہ نون تثنیہ کے مشابہ ہے اور بعض اہل علم نے اس کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ نون خفیفہ کے لیے ساکن ہونا واجب و ضروری ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ نہی نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے اور اس میں ان کی اس حالت کی خبر دی گئی ہے جس پر وہ دونوں قائم تھے یا پھر یہ حال واقع ہو رہا ہے ] اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''فَاسْتَقِيمَا غَيْرَ مُتَّبِعَيْنَ'' سو تم دونوں ثابت قدم رہو در آں حالیکہ تم جاہلوں کے راستے پر نہیں چلتے ہو۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُۥ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ ءَامَنتُ أَنَّهُۥ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ ءَامَنَتْ بِهِۦ بَنُوٓا۟ إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا۠ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ ءَآلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ ءَايَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ ءَايٰتِنَا لَغٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾ ع

ع ۱۰ / ۱۴

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا' سو فرعون اور اس کے لشکر نے بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان کا تعاقب کیا' یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: میں ایمان لایا ہوں کہ اس (خدا) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں O (اسے کہا گیا کہ) کیا تو اب ایمان لایا ہے؟ اور اس سے پہلے تو نافرمان رہا اور تو فساد پھیلانے والوں میں سے رہا O سو آج ہم تیری لاش کو (ڈوبنے سے) بچا لیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے تو نشانی رہے' اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں O

۹۰- ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔ یہ ہمارے احناف کی دلیل ہے کہ افعال مخلوق ہیں ﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُۥ﴾ تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا اور وہ ان تک پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے: ''تَبِعْتُهُ حَتّٰى أَتْبَعْتُهُ'' میں نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ میں نے اس کو پا لیا ﴿بَغْيًا﴾ فرعون اور اس کا لشکر بغاوت و سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا اور تکبر و غرور اور بہت زیادتی کرنے والا تھا ﴿وَعَدْوًا﴾ اور ظلم و ستم کرنے والا

تھا[اور یہ دونوں حال واقع ہونے کی بناء پر یا مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں] ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ﴾ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا۔[اس پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ "قَالَ اٰمَنْتُ" حرفِ شرط "اِذَا" کا جواب ہے اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "اٰمَنْتُ" کا بدل ہونے کی وجہ سے استئناف کی بناء پر "اِنَّهٗ" (ہمزہ مکسور) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں حرفِ "بَا" کے محذوف ہونے کی بناء پر جو ایمان پر صلہ تھا مفتوح (اَنَّهٗ) ہے] ﴿قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں کہ بے شک اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہوں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہیں کیونکہ فرعون نے پہلے "اٰمَنْتُ" کہا' پھر اس نے "وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہا اور فرعون نے ایمان قبول ہونے کی حرص پر ایک معنیٰ کو تین مرتبہ تین عبارتوں میں دہرایا (اوّل: اٰمَنْتُ. دوم: اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ. سوم: وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ) پھر بھی اس کا ایمان قبول نہیں کیا گیا کیونکہ اس نے قبولیتِ ایمان کا وقت ضائع کر لیا تھا اور وہ حالتِ اضطراری سے پہلے حالتِ اختیاری میں ایک مرتبہ بھی ایمان لے آتا تو کافی ہو جاتا۔

۹۱- ﴿آٰلْـٰٔنَ﴾ کیا تو اب اضطرار کے وقت میں ایمان لاتا ہے جب کہ دریا کی بے رحم موجوں نے تجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور تو اپنے آپ سے مایوس و ناامید ہو گیا ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون سے یہ اس وقت فرمایا تھا جب دریا کی موجوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور وہ ڈوبنے لگا تھا (کیونکہ اس وقت زندگی کی امید منقطع ہو گئی تھی) [اور "آٰلْـٰٔنَ" کا عامل "اَتُؤْمِنُ" ہے] ﴿وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور بے شک تو اس سے پہلے نافرمان بنا رہا اور نافرمانیاں کرتا رہا اور تو فسادیوں میں سے ایک فسادی بنا رہا (یعنی) تو ایمان سے گمراہ کرنے والے گمراہوں میں سے تھا۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام فرعون کے پاس ایک فتویٰ لے کر آئے اور اس سے دریافت کیا کہ اے بادشاہ! اس غلام کے بارے میں تمہارا کیا حکم ہے جس نے اپنے آقا اور مالک کے مال میں پرورش پائی اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا' پھر اس نے اپنے مالک کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اپنے مالک کے حق کا انکار کر دیا اور اس کو چھوڑ کر خود مالک بن گیا' فرعون نے اس کے جواب میں لکھا کہ ابو العباس الولید بن مصعب (فرعون کا نام ہے) کہتا ہے کہ ایسے غلام کی سزا جو اپنے مالک پر سرکشی کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے' یہی ہے کہ اسے دریا میں غرق کر دیا جائے' پھر جب فرعون دریا میں ڈوبنے لگا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کا لکھا ہوا فتویٰ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جس کو دیکھ کر فرعون نے پہچان لیا۔

۹۲- ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ﴾ سو آج ہم تیری لاش کو ڈوبنے سے بچا لیں گے اور ہم تجھے زمین کی بلند اور اونچی جگہ پر پھینک دیں گے' چنانچہ پانی کی موجوں نے اس کو دریا کے ساحل پر پھینک دیا' گویا وہ ایک بیل ہے [اور "بِبَدَنِكَ" محلاً حال ہے] یعنی میں تجھے اس حال میں دریا سے باہر پھینک دوں گا کہ تجھ میں روح نہیں ہو گی یا یہ کہ میں تجھے ننگا باہر پھینک دوں گا کہ تیرے بدن پر لباس نہیں ہو گا یا یہ کہ میں تیرا شاہانہ جُبّہ اتار لوں گا' فرعون کی عادت تھی کہ وہ اپنے لباس کے اوپر ایک سنہری جُبّہ پہنتا تھا اور وہ اسی جبہ کے ساتھ پہچانا جاتا تھا [اور حضرت سراج الامہ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں "بِاَبْدَانِكَ" ہے اور یہ اہل عرب کے اس قول کی طرح ہے کہ "هُوَ بِاَجْرَامِهٖ"] یعنی میں تیرے تمام بدن کو جس کے تمام اجزاء مکمل ہوں گے دریا سے باہر پھینک دوں گا یا یہ کہ میں تجھے تیرے پورے شاہانہ لباس کے ساتھ دریا سے

باہر پھینک دوں گا کیونکہ وہ اسی لباس کے درمیان برآمد ہوتا تھا ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ تا کہ تو اپنے بعد باقی بچ جانے والے لوگوں کے لیے نشان (عبرت) بن جائے اور وہ بنی اسرائیل تھے (جو ڈوبنے سے بچ گئے تھے) اور وہ اپنے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرعون کی شان دریا میں غرق ہونے سے بہت بلند ہے (یعنی وہ غرق نہیں ہو سکتا) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر سنائی تو انہوں نے آپ کی تصدیق نہ کی اور ان کو یقین نہ آیا' سو اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو دریا کے کنارے بلند جگہ پر پھینک دیا یہاں تک کہ تمام بنی اسرائیلیوں نے اس کو دیکھا (اور یقین کر لیا) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ'' کا معنی ہے کہ تا کہ تو اپنے بعد آنے والی قوموں کے لیے (عبرت کی) نشانی بن جائے اور نشانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ فرعون خدا نہیں ہے' اس کا ایک بندہ ہے اور اس نے ربوبیت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ ناممکن و محال ہے اور اتنا بڑا بادشاہ اور مال دار ہونے کے باوجود اپنے رب کی نافرمانی کرنے پر فرعون کا آخر کار جو انجام ہوا تم نے دیکھ لیا اب دوسروں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ اور بے شک اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غافل و بے خبر ہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو بہترین اور خوشگوار مقام پر جگہ دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا' پھر انہوں نے اختلاف نہ کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا' بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے O پھر اگر (بہ فرضِ محال) آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں' بے شک آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آیا ہے' سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

## بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق پر قائم رہنے کی تلقین

۹۳- ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو بہترین جگہ عنایت کر دی (یعنی) بہترین و عمدہ ترین اور خوشگوار و دل پسند جگہ دی اور وہ سرزمینِ مصر اور مملکتِ شام مراد ہے ﴿وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا﴾ اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق عطا فرمایا' پھر انہوں نے اپنے دین میں اختلاف نہیں کیا ﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس علم آن پہنچا تھا یعنی تورات اور انہوں نے اس میں بے جا تاویلیں کر کے اختلاف برپا کر دیا جیسا کہ امتِ محمد مصطفیٰ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات میں بے جا تاویلیں کر کے اختلاف برپا کر دیا (اور بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر دیا) یا اس سے حضور سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت و آمد کا علم مراد ہے اور بنی اسرائیل کے اختلاف سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ دونوں) مراد ہیں اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی نبوت و رسالت کا یقینی علم آ جانے کے بعد آپ کی شان میں اختلاف کیا کہ آپ واقعی وہی ہیں یا آپ وہ نہیں ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے اور حق والوں کو اہل باطل سے ممتاز فرمادے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا کہ اہل حق کو اجر و ثواب عنایت فرمائے گا اور اہل باطل کو عذاب کی سزا دے گا۔

٩٤۔﴿فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ پھر اگر آپ کو اس کے متعلق شک ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب پہلے بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا اور وہ لوگ اپنی اپنی کتاب (تورات و انجیل) کو خوب پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ ان کے پاس علم آ چکا ہے' اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں لکھا ہوا تھا اور وہ لوگ حضور کو اس طرح جانتے اور پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے اور پہچانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے علم کو قرآن مجید کی صحت اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت و رسالت کی صحت کے ساتھ مستحکم کیا جائے اور اس میں مبالغہ کیا جائے' چنانچہ فرمایا کہ اگر بہ فرضِ محال اور بر تقدیر محال آپ کو شک و شبہ ہونے لگے اس لیے کہ جس کو شک و شبہ واقع ہو جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حل کے لیے دین کے قوانین اور اس کے دلائل کی طرف رجوع کیا جائے یا علماء سے بحث و مباحثہ کے ذریعے حل کیا جائے' سو آپ اپنے شک کو دور کرنے کے لیے اہل کتاب کے علماء سے دریافت کیجئے' پس جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' اس کی صحت کو چونکہ یہ علماء یقیناً خوب جانتے ہیں اس لیے آپ جیسی ہستی کی مراجعت کے لیے وہ صلاحیت رکھتے ہیں چہ جائے کہ آپ کے علاوہ کوئی اور ہو' چنانچہ اہل کتاب کے علماء کو علمی مہارت کے ساتھ موصوف کرنے کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل کیے گئے کلام کی صحت ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شک کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں' اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ بے شک آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آ گیا یعنی آپ کے پاس واضح آیات اور روشن دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ آ چکا ہے وہ حق ہے' جس میں شک کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور اس پر عطف کی وجہ سے وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ
يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ
اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

اور نہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلا دیا ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے

ہو جائیں گے O بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے O اور اگر چہ تمام نشانیاں ان کے پاس آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں O سو ایسی کوئی بستی نہیں ہوئی جو (عذاب کے آثار دیکھ کر) ایمان لائی ہو تو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ دیا ہو سوائے یونس کی قوم کے' جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ذلت ناک عذاب کو دنیا کی زندگی میں ان سے ہٹا لیا اور ہم نے ایک مدت تک ان کو سامانِ زندگی دے دیا O

۹۵- ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے' یعنی جس طرح اب تک آپ نے نہ شک کیا ہے اور نہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے' پس آپ اپنے اسی حال پر ثابت قدم رہیں اور اسی روش پر قائم و دائم رہیں یا یہ خطاب صرف فعل پر برانگیختہ کرنے اور ہوشیار و محتاط رہنے کے طریقے پر کیا گیا ہے' جیسا کہ یہ دو (درج ذیل) ارشاد ہیں: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ'' (القصص:۸۶) ''سو آپ کافروں کے مددگار ہرگز نہ بنیں''۔ ''وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ'' (القصص:۸۷) ''اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہرگز نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی جا چکیں''۔ اور اس لیے کہ آپ حق پر بہت زیادہ قائم و دائم اور ثابت قدم رہیں اور شک و تکذیب وغیرہ سے بچتے رہیں اور اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت مبارکہ کے نزول کے وقت فرمایا کہ میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ میں کسی سے دریافت کرتا ہوں بلکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ حق ہے[1] یا پھر خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے یعنی مسلمانو! اگر تمہیں اس میں شک ہے جو کچھ ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے (تو تم اہل کتاب سے پوچھ کر تصدیق کر لو) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا'' (النساء:۱۷۴) ''اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے''۔ یا یہ خطاب ہر سننے والے کے لیے عام ہے جس پر شک کا طاری ہونا ممکن ہو سکتا ہے' جیسے عرب کا مقولہ ہے کہ جب تمہارا کوئی بھائی درشت و سخت ہو جائے تو تم نرم ہو جاؤ [یا حرف ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے یعنی سو آپ کو بالکل شک نہیں ہے] پس آپ اہل کتاب سے دریافت کر لیجئے یعنی ہم آپ کو اہل کتاب سے سوال کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیتے کہ آپ کسی قسم کا شک کرتے ہیں بلکہ صرف اس لیے حکم دیتے ہیں تاکہ آپ کا یقین زیادہ ہو جائے جیسا کہ پرندوں کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یقین زیادہ ہو گیا تھا [پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حرف ''اِنْ'' نفی کے لیے اس وقت ہوتا ہے جب اس کے بعد حرفِ ''اِلَّا'' ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ'' (الملک:۲۰) ''کافر لوگ نہیں ہیں مگر محض دھوکے اور فریب میں''۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازمی اور ضروری نہیں ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے: ''اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ'' (فاطر:۴۱) ''اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا انہیں کوئی نہیں روک سکتا''۔ پس اس آیت مبارکہ میں حرفِ ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے حالانکہ اس کے بعد حرفِ ''اِلَّا'' نہیں ہے]۔

۹۶- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے (یعنی) جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی وہ بات ثابت ہو چکی ہے جو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے اور فرشتوں کو اس کی خبر دے دی ہے کہ یہ لوگ کفر کی موت مریں گے' وہ ایمان نہیں لائیں گے یا اللہ تعالیٰ کی بات سے یہ ارشاد مراد ہے: ''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (الاعراف:۱۸) ''البتہ میں تم سب سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گا''۔ [اور ''لَا

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۱ ص ۱۶۸

یُؤْمِنُوْنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ''وَلَوْ جَآءَ تْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ'' کا اپنے ماقبل کے ساتھ تعلق اور ربط ہے]۔

۹۷۔﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ اور اگر چہ ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں یعنی مایوسی وناامیدی کے وقت وہ ایمان لائیں گے اور وہ ان کو نفع نہیں دے گا یا قیامت کے وقت ایمان لائیں گے اور وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

## حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی نجات کا بیان

۹۸۔﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ﴾ تو ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ان میں سے کسی ایک بستی والوں نے کفر سے توبہ کر کے عذاب کا معائنہ کرنے سے پہلے خالص ایمان کیوں نہیں لائے اور انہوں نے تاخیر کیوں کر دی جیسا کہ فرعون نے تاخیر کر دی تھی یہاں تک کہ اس کی روح حلق تک آن پہنچی ﴿فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ﴾ کہ اس کا ایمان اُسے فائدہ دیتا کہ حالتِ اختیار میں ایمان قبول کرنے کی وجہ سے اس کا ایمان اس کی طرف سے قبول کر لیا جاتا ﴿اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ﴾ ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے [یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم (کو ان کے ایمان نے فائدہ دیا تھا) یا یہ استثناء متصل ہے اور جملہ نفی کے معنی میں ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہلاک ہونے والی بستیوں میں سے کوئی بستی ایمان نہیں لائی تھی ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے [اور اس کا منصوب ہونا اصل استثناء کی وجہ سے ہے] ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ﴾ جب یہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت ناک عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک نفع دیا (یعنی) موت کے وقت تک۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل کے علاقہ نینویٰ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ نے عرصۂ دراز تک ان کو تبلیغ فرمائی لیکن انہوں نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا اور آپ کو جھٹلا دیا تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے' پھر جب ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے گاؤں میں نہ پایا تو انہیں عذابِ الٰہی کے نزول کا خوف دامن گیر ہوا اور وہ ڈر گئے اور انہوں نے موٹے ٹاٹ کے لباس پہن لیے اور وہ چالیس راتوں تک مسلسل چیختے چلاتے اور روتے رہے اور وہ تمام لوگ خود بھی اور اپنے اپنے بیوی بچوں اور اپنے اپنے جانوروں کو لے کر بستی سے باہر کھلے میدان میں پہنچ گئے اور انہوں نے عورتوں کو ان کے بچوں سے جدا کر دیا اور جانوروں کو اپنی اولاد سے دور کر دیا اور ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے اور انہوں نے اسلام میں داخل ہو کر اپنے خالص ایمان کا اظہار کیا اور آئندہ کے لیے کفر و شرک اور نافرمانی سے مستقل سچی توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان پر مہربان ہو کر انہیں معاف فرمایا اور آنے والا عذاب موقوف کر کے ان سے دور کر دیا اور وہ دس محرم الحرام جمعۃ المبارک کا روز تھا اور ان کی توبہ یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے تمام مظالم واپس کر دیئے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے اپنے دوسرے شخص کا پتھر لے کر اپنی تعمیر کی دیوار میں لگا دیا تھا تو اس نے وہ بھی واپس کر دیا اور بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ جب ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر اپنے اہل علم سرداروں میں سے ایک بوڑھے سردار کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو اس نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ یہ دعا کرو: ''یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیُّ'' اے ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے والے خدا! جب کوئی زندہ نہیں رہے گا'' وَیَا حَیُّ مُحْیِ الْمَوْتٰی'' اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور مُردوں کو زندہ کرنے والے'' وَیَا حَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ'' اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان سے دور فرما دیا اور حضرت الشیخ خواجہ فضیل قدس اللہ رُوحَہٗ سے منقول ہے کہ ان لوگوں نے دعا کرتے ہوئے یہ کہا تھا:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا قَدْ عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَاَنْتَ اَعْظَمُ مِنْھَا وَاَجَلُّ اِفْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُہٗ'' اے اللہ! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں' لیکن تو ان سے بہت بڑا ہے اور تو سب سے بڑا بزرگ ترین ہے' تو ہمارے ساتھ وہی کر جو تیری شان کے لائق ہے اور تو ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں O اور کسی شخص کے لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لائے' اور اللہ انہیں لوگوں پر عذاب مسلط کرے گا جو عقل سے کام نہیں لیتے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم لوگ غور سے دیکھو کہ آسمانوں میں اور زمین میں کیا (کیا دلائلِ قدرت) ہیں' اور آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو کوئی فائدہ نہیں دیتے جو ایمان دار نہیں O

۹۹- ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے' کوئی بھی ایمان سے باہر نہ رہتا بلکہ تمام لوگ شامل ہو جاتے [﴿جَمِيْعًا﴾ حال ہے] (یعنی) سب کے سب ایمان پر جمع ہو جاتے اور اس پر متفق ہو جاتے اور اس کے بارے میں بالکل اختلاف نہ کرتے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنی مشیّت و ارادے کے نافذ و جاری ہونے کی خبر دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یقیناً روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لے آئیں گے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایمان لے آئیں اور جن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے کفر کو پسند کریں گے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے متعلق ان کے کفر کو چاہا (ہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور ارادے سے ہوتا ہے لیکن اس کی مرضی اور پسند صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے) اور معتزلہ کا قول ہے کہ یہاں مشیّت سے مراد جبر و اکراہ کی مشیّت ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں میں جبر کے ساتھ زبردستی ایمان پیدا کر دیتا تو وہ مجبور ہو کر ضرور ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لے آئیں سو وہ ایمان نہیں لائے' جس کی دلیل اس کا یہ ارشاد ہے: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ سب کے سب مسلمان ہو جائیں یعنی ایمان کے لیے جبر و اکراہ کی مشیّت آپ کو حاصل نہیں بلکہ یہ تو میرے لیے ہے۔ معتزلہ کا یہ قول فاسد و غلط ہے کیونکہ ایمان بندے کا فعل ہے اور اس کا فعل اس کی قدرت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ قدرت اختیار کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور ہمارے (احناف کے) نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا کریم و لطیف ہے' اگر ان کو قدرت عطا فرما دیتا تو وہ سب کے سب لوگ اپنے اختیار سے ایمان قبول کر لیتے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے متعلق جانتا تھا کہ وہ

ایمان نہیں لائیں گے' اس لیے ان کو قدرت عطا نہیں فرمائی اور قدرت سے مراد توفیق ہے [اور ''اَفَاَنْتَ'' میں حرف استفہام (سوالیہ حرف) نفی کے معنی میں ہے] یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ بذاتِ خود اختیار نہیں رکھتے کہ آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں کیونکہ ایمان تو تصدیق واقرار سے ثابت ہوتا ہے اور تصدیق پر جبر واکراہ ممکن نہیں۔

۱۰۰۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور کسی شخص کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ایمان لائے (یعنی) اس کی مشیت یا اس کے فیصلے یا اس کی توفیق و ہدایت یا اس کے علم کے بغیر ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عذاب کو یا ناراضگی کو یا شیطان کو مقرر کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے ﴿عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے کہ وہ اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''وَنَجْعَلُ'' ہے]

### کفارِ مکہ کو دعوتِ فکر

۱۰۱۔ ﴿قُلِ انْظُرُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دلیل و عبرت حاصل کرنے کی نگاہ سے غور کے ساتھ دیکھو ﴿مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کھیتوں اور پھلوں کے اُگنے اور رات دن کے بدلنے کے سبب آسمانوں اور زمین میں کتنی عبرتیں اور نشانیاں موجود ہیں ﴿وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ﴾ اور (قدرت کی) نشانیاں اور ڈرانے والے رسول یا ڈرانے والی چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ [حرفِ ''مَا'' نافیہ ہے] ﴿عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتی (یعنی) جن کے ایمان کی امید نہیں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا
اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ ع ۱۱ ۱۵
اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا
تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

تو کیا یہ لوگ صرف انہیں لوگوں کے دنوں کی طرح کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' اے محبوب! فرما دیجئے کہ سو تم انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ○ پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں' اسی طرح ہمارے ذمۂ کرم پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہم مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں سے رہوں ○ اور یہ کہ آپ اپنا چہرۂ انور دینِ توحید کی طرف سیدھا رکھیں' اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو

جائیں O

۱۰۲۔ ﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ تو کیا یہ لوگ انہیں لوگوں کے دنوں کی طرح کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی ( کفارِ مکہ ) اللہ تعالیٰ کے ان واقعات وحوادث کا انتظار کر رہے ہیں جو گزشتہ نافرمان قوموں پر گزر چکے جیسا کہ عرب کے گزشتہ واقعات وحوادث کو ایّام العرب کہا جاتا ہے ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۱۰۳۔ ﴿ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا ﴾ [یہ محذوف کلام پر معطوف ہے جس پر ''اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ'' دلالت کرتا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نافرمان امتوں کو ہلاک کر دیتے ہیں' پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں' یہ گزشتہ احوال کی حکایت بیان کی گئی ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ﴾ اور ہم ان کو بھی نجات دے دیتے ہیں جو ان رسولوں پر ایمان لا چکے ہوتے ہیں ﴿ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اسی طرح ہمارے ذمۂ کرم پر لازم ہے کہ ہم مسلمانوں کو نجات دے دیں یعنی جس طرح گزشتہ اہل ایمان کو نجات دی اسی طرح ہم تم میں سے اہل ایمان کو نجات دیں گے اور مشرکین کو ہلاک کر دیں گے [اور ''حَقًّا عَلَيْنَا'' جملہ معترضہ ہے یعنی ہم پر یہ واجب ولازم ہو چکا ہے۔قاری علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ''نُنْجِيْ'' تخفیف کے ساتھ (یعنی جیم پر شد کے بغیر) ہے]۔

## اہل مکہ کو نصیحت آموز انتباہ

۱۰۴۔ ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! (یعنی) اے اہلِ مکہ! ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ ﴾ اگر تمہیں میرے دین کی صحت اور اس کے درست و برحق ہونے میں شک ہے تو یہ میرا دین ہے تم اس کا وصف سن لو' پھر حضور نے اس کا وصف بیان کیا اور فرمایا: ﴿ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ سو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یعنی بتوں کی پرستش ﴿ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ﴾ اور لیکن میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا اور تم پر موت طاری کرے گا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو موت دینے کے وصف کے ساتھ اس لیے موصوف کر کے بیان کیا ہے کہ آپ کفارِ مکہ کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ اس کا خوف رکھا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے نہ کہ ان بتوں کی جو کسی چیز پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں [اصل میں ''بِاَنْ اَكُوْنَ'' ہے] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی (ایمان) پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے (ایک تو) اس لیے کہ اس نے مجھے عقلِ سلیم عطا کی ہے اور (دوسرا) اس لیے کہ اس نے اپنی کتاب میں مجھے اس کی وحی بھیجی ہے۔

۱۰۵۔ ﴿ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ ﴾ [اصل میں ''وَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَقِمْ'' الخ ہے یعنی اور میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ آپ اپنا منہ دین کی طرف سیدھا رکھیں تاکہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اُمِرْتُ'' کے مشابہ ہو جائے] یعنی آپ اپنے چہرۂ انور کے ساتھ اس دین پر متوجہ ہو کر قائم رہیں جس پر قائم رہنے کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا یہ کہ آپ پوری طرح اسی دین کی طرف متوجہ رہیں' دائیں اور بائیں بالکل توجہ نہ فرمائیں ﴿ حَنِيْفًا ﴾ تمام باطل ادیان سے منہ موڑ کر صرف دینِ حق کی طرف یکسو ہو کر متوجہ رہیں۔[یہ دین سے یا پھر ''وَجْهَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور شرک

کرنے والوں سے نہ ہو جائیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا
النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ
وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱ ۱۶

اور تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو جو تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں' پھر اگر تم نے ایسا کیا تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے O اور اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں' اور اگر وہ تمہیں بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر اپنا فضل پہنچا دیتا ہے' اور وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اس نے اپنے فائدے کے لیے ہدایت اختیار کی' اور جو گمراہ ہو گیا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی کی جان پر ہو گا' اور میں تمہاری حفاظت پر نگران مقرر نہیں ہوں O اور آپ صرف اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر سے کام لیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے' اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

۱۰۶۔ ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت نہ کرو جو تمہیں فائدہ نہیں دے سکتا' اگر چہ تم اس کی عبادت کرتے رہو ﴿ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾ اور نہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اگر تم اس کی عبادت ترک کر دو اور اسے ذلیل ورسوا کر دو ﴿ فَاِنْ فَعَلْتَ ﴾ [اصل میں عبارت اس طرح ہے: "فَاِنْ دَعَوْتَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ" پھر اختصار کی خاطر "فَاِنْ فَعَلْتَ" کے ساتھ کنایہ کیا گیا ہے] پھر اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں ﴿ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ["اِذًا" شرط کے لیے جزاء ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے] گویا سوال کرنے والے نے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے سوال کیا اور ان کو ظالموں میں سے قرار دیا کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہے۔

۱۰۷۔ ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے بیماری وغیرہ ﴿ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ﴾ تو اس تکلیف اور بیماری کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ﴿ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ ﴾ اور اگر وہ تمہیں خیر و عافیت عطا کرنا چاہے ﴿ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ تو اس کے فضل و کرم اور اس کی مراد کو کوئی ردّ کرنے والا اور روکنے والا نہیں ہے ﴿ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے خیر و عافیت عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے اپنے بندوں پر اپنی ذاتِ اقدس کے علاوہ باقی ہر ایک کی رغبت اور ہر ایک سے خوف اور ہر ایک پر اعتماد رکھنے کو ختم فرما دیا ہے ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ ﴾ اور وہی بلاؤں کو مٹانے والا ہے ﴿ الرَّحِیْمُ ﴾ وہ عنایت کے ساتھ معاف فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت سے منع کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی بتوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' البتہ اللہ تعالیٰ ہی یقیناً نفع اور نقصان دینے والا ہے' لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچائے تو اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ماسوا اس واحد لاشریک خدا کے۔ ہر کوئی یہ کام نہیں کر سکتا تو بے جان خدا یہ کام کیونکر کر سکتے ہیں؟ جن کو کوئی شعور نہیں ہے اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی بھلائی عطا کرنا چاہے تو اس کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے' جو فضل و کرم اور احسان کرنے کا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ارادہ فرما چکا ہے تو بے بس بت کیونکر اس کو رد کر سکتے ہیں؟ بلکہ وہی (اللہ تعالیٰ ہی) اس کا حق دار ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے کسی اور کی نہیں' اور یہ درج ذیل ارشاد سے زیادہ بلیغ ہے: ''اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ'' (الزمر: ۳۸) ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ بت اس تکلیف کو کھول (یعنی دور کر) دیں گے یا اگر اللہ تعالیٰ مجھے رحمت عطا کرنا چاہے تو کیا وہ بت اس کی رحمت کو روک دیں گے؟'' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ایک میں صرف مَس (چھونے) کا ذکر فرمایا ہے اور دوسرے میں صرف ارادہ کا ذکر فرمایا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے خیر و شر میں سے ہر ایک میں دو چیزوں کا ذکر کرنا چاہا ہے' ارادہ و اصابۃ اور بے شک وہ ان میں سے جس کا ارادہ کر لیتا ہے اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور ان میں سے جس کو وہ اپنے بندے پر پہنچاتا ہے اس کو کوئی زائل کرنے والا نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام مختصر کر کے صرف مَس (چھونے) کا ذکر فرمایا اور یہ ان میں سے کسی ایک میں پہنچانا مراد ہے اور دوسرے میں ارادہ کرنا مراد ہے تاکہ جس کا ذکر کیا گیا ہے' وہ اس پر دلیل بن جائے' جس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد ''یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ'' میں خیر کے ساتھ اصابۃ (پہنچانے) کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۰۸- ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! (یعنی) اے مکہ مکرمہ کے باشندو! ﴿ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ بے شک تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے (اور وہ حق) قرآن مجید ہے یا پھر رسول اکرم ﷺ ہیں ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰى ﴾ سو جس نے ہدایت کو اختیار کر لیا اور حق کی پیروی کی ﴿ فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ﴾ تو اس نے اپنے فائدے کے لیے ہدایت اختیار کی کیونکہ اس کے اختیار کرنے کا نفع اور فائدہ صرف اسی کی ذات کو ہوگا ﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ﴾ اور جو گمراہ ہو گیا تو گمراہی کا وبال اسی کی ذات پر پڑے گا اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا اور اس کو (ہدایت پر) ترجیح دی تو اس کا نقصان وہ خود اٹھائے گا اور اس کی سزا اسی کی ذات کو ملے گی [اور ''لِنَفْسِهٖ'' کا لام نفع کے معنی پر دلالت کر رہا ہے اور ''عَلَیْهَا'' میں ''عَلٰی'' ضرر اور نقصان کے معنی پر دلالت کر رہا ہے] ﴿ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴾ اور میں تم پر کوئی نگران' محافظ مقرر نہیں ہوں کہ تمہارا معاملہ میرے سپرد کر دیا گیا ہو بلکہ میں تو یقیناً صرف خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہوں۔

۱۰۹- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَاصْبِرْ ﴾ اور (اے محبوب!) اس کی اتباع اور پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور کفارِ مکہ کے تکذیب کرنے اور جھٹلانے پر اور ان کے ایذاء اور دکھ دینے پر صبر کیجئے ﴿ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے اور آپ کو ان پر غلبہ عطا کرنے کا فیصلہ فرما دے ﴿ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴾ اور

وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہی تمام چھپے اسرار و رموز سے آگاہ ہے' سو وہ فیصلہ کرنے میں کسی دلیل اور کسی گواہ کا محتاج نہیں ہے۔

| سورۃ ہود (۱۱) مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۱۲۳ رکوعاتہا ۱۰ |
|---|---|---|

سورۂ ہود مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ایک سو تیئیس آیات' دس رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا
اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ
فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

الرٰ' یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت سے لبریز ہیں' پھر بڑی حکمت والے بہت خبر رکھنے والے خدا کی طرف سے تفصیل بیان کی گئی ہے○ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں○ اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو' پھر تم اسی کی طرف رجوع رکھو وہ تمہیں مقررہ وقت تک بہترین خوشحال زندگی عطا فرمائے گا اور فضیلت رکھنے والے ہر آدمی کو اپنا فضل عنایت فرمائے گا' اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں○ تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے○

۱-﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ ﴾ ''اَیْ هٰذَا كِتَابٌ'' یعنی یہ کتاب ہے [پس ''كِتَابٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے] ﴿ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ﴾ یہ کتاب کی صفت ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں مضبوط عمارت کی طرح منظم و مربوط اور مضبوط و مستحکم ہیں' ان میں کوئی نقص اور خلل واقع نہیں ہے ﴿ ثُمَّ فُصِّلَتْ ﴾ پھر وہ آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں' جس طرح نفیس موتیوں کے ساتھ ہاروں کو مزین و آراستہ کیا جاتا ہے' اسی طرح قرآن مجید کی آیات کو توحید کے دلائل اور احکام اور مواعظ حسنہ اور سبق آموز قصوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یا قرآن مجید کو الگ الگ سورتوں اور آیتوں میں مفصل بیان کیا گیا ہے یا نزول میں تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت بیان کیا گیا ہے اور ایک دم سارا قرآن نازل نہیں کیا گیا یا یہ کہ اس میں ان چیزوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کی بندوں کو ضرورت ہوتی ہے یعنی ان کو واضح طور پر بھی بیان کیا گیا ہے اور مختصر طور پر بھی بیان کیا گیا ہے [اور ''ثُمَّ'' کا معنی یہاں وقت میں تراخی (یعنی تاخیر) کے لیے نہیں بلکہ حال کے لیے ہے] ﴿ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾ [یہ کتاب کی دوسری صفت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے یا پھر ''اُحْكِمَتْ'' اور ''فُصِّلَتْ'' کا صلہ ہے] یعنی اس کتاب کے تمام احکام اور ان کی تفصیل بہت بڑے حکمت والے تمام حالات کی خبر رکھنے والے خدا کی طرف سے ہیں۔

۲-﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا یہ ''اَنْ'' مفسرہ ہے کیونکہ آیات کی تفصیل میں قول کا معنی پایا جاتا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو'

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا پھر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو ﴿ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ﴾ یعنی بے شک میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

۳۔﴿ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ﴾ اور یہ کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم عقیدۂ توحید اختیار کرو اور (کفر و شرک پر) مغفرت و بخشش مانگو ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ﴾ پھر تم اس کی طرف رجوع کرو یعنی تم کفر و شرک کرنے کی وجہ سے اس سے بخشش طلب کرو' پھر اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرو ﴿ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا ﴾ وہ تمہیں بہترین خوشحال زندگی عطا فرمائے گا اور وہ تمہیں دنیا میں بہترین حسب خواہش منافع و فوائد عنایت فرمائے گا' فراخ روزی والی زندگی مہیا کرے گا اور تم پر مسلسل نعمتیں برساتا رہے گا ﴿ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ مقرر و معین مدت تک یعنی تمہاری وفات تک ﴿ وَّ یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ آخرت میں ہر اس شخص کو جو اعمال میں فضیلت رکھتا تھا' اس کے اعمال سے بڑھ کر محض اپنے فضل و کرم سے بہت زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے گا اور اس میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا ﴿ وَ اِنْ تَوَلَّوْا ﴾ [اصل میں ''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا'' ہے ] (یعنی) اور اگر تم منہ پھیر لوگے ﴿ فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ﴾ تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے۔

٤۔﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں (حساب و کتاب کے لیے) حاضر کرنے پر قادر ہے۔

| |
|---|
| اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ |
| یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵ |

خبردار! یقیناً وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے چھپ جائیں' خبردار! جب وہ اپنے کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے ہیں' اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' بے شک وہ سینوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے○

۵۔﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ﴾ خبردار! بے شک وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں یعنی وہ حق سے پھر جاتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی چیز پر متوجہ ہوتا ہے تو اپنے سینہ کے ساتھ اس کی طرف رخ موڑ لیتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے روگردانی کرتا ہے تو اس سے پھر جاتا ہے اور اس سے اپنا سینہ موڑ لیتا ہے اور اس سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے ﴿ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ﴾ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو چھپائے رکھنے کی طلب کر لے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ان کے گناہوں پر آگاہ نہ ہو جائیں ﴿ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ﴾ خبردار ہو جاؤ! جب کہ وہ اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں ڈھانپ لیتے ہیں' اس وقت وہ اپنے آپ کو چھپانا چاہتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ الخ'' (نوح:۷) ''اور بے شک میں نے جتنی بار انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں داخل کر لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے اوڑھ لیے''۔ ﴿ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کے اپنے دلی ارادوں کو چھپانے سے اور انہیں ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کچھ فرق نہیں پڑتا'

لہٰذا چھپ جانے کے ارادے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا اپنے سینوں کو دوہرا کرنے اور حق سے روگردانی کرنے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں ڈھانپ لینے سے پوری طرح آگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا نفاق انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی ﴿ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک وہ سینوں کے اندر جو کچھ ہے اسے خوب جاننے والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷

اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد ہونے کی جگہ کو جانتا ہے' ہر چیز روشن کتاب میں ہے ○ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور اس کا عرش پانی کے اوپر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے عمل نیک ہیں' اور اگر آپ فرمادیں کہ تم مرنے کے بعد یقیناً اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہیں گے: یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ہے ○

٦- ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ اور زمین پر کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق فضل وکرم کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے لیکن بطور وجوب نہیں ﴿ وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے ٹھکانے کو جانتا ہے یعنی زمین پر اس کے مکان کو اور اس کے مسکن کو جانتا ہے ﴿ وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ اور اس کی امانت گاہ کو کہ وہ باپ کی پشت یا ماں کے شکم یا انڈے کے اندر قرار پکڑنے سے پہلے جہاں بطور امانت رکھا گیا تھا (یعنی عالمِ ارواح میں) ﴿ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾ ہر چیز روشن کتاب میں تحریر ہے (یعنی) جانداروں میں سے ہر ایک جاندار اور اس کا رزق اور اس کا ٹھکانا اور اس کے سپرد ہونے کی جگہ لوحِ محفوظ میں ہے یعنی اس کا ذکر اس میں لکھ دیا گیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

٧- ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں اور جو کچھ ان دونوں میں ہے' سب کو پیدا فرمایا ﴿ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ﴾ چھے دنوں میں اتوار سے لے کر جمعۃ المبارک تک تاکہ انسانوں کو تعلیم دی جائے کہ تمام کاموں کو جلد بازی کی بجائے تدریج وتاخیر کے ساتھ (آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر) کیا جائے ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ اور اس کا عرش پانی پر تھا' یعنی پانی کے اوپر تھا۔ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے عرش کے نیچے پانی کے سوا کوئی مخلوق نہیں تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے عرش اور پانی مخلوق (یعنی پیدا) ہو چکے تھے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ پانی کا آغاز سبز یاقوت کی تخلیق کے ساتھ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت پیدا فرما کر اس کی طرف ہیبت ورعب کی نظر سے دیکھا جس کی وجہ سے وہ پانی بن گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہوا کو پیدا فرمایا اور پانی کو اس کی پشت پر رکھا' پھر عرش کو پانی کے اوپر رکھا اور عرش کو پانی کے اوپر ٹھہرانے میں مفکرین کے لیے بہت بڑی

عبرت ہے ﴿لِیَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو ان میں امتحان لینے والے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور ان چیزوں کو خود اپنے آپ کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ﴿اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کس کے عمل نیک ہیں اور کون لوگ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ نیک عمل والا وہ ہے جو عقل سلیم کے اعتبار سے بہتر ہو' اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بہت بچنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں بہت جلدی کرنے والا ہو اور جب یہ طریقہ ممتحن کے امتحان کے مشابہ ہوا تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ''لِیَبْلُوَكُمْ'' فرمایا یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو تمہارے حالات کا امتحان لینے والا تمہارے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور اگر آپ فرمادیں کہ بے شک تمہیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا تو کافر کہیں گے کہ یہ صرف کھلا جادو ہے۔ کافروں نے یہ اشارہ قرآن مجید کی طرف کیا تھا کیونکہ قرآن مجید نے ہی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کا اعلان فرمایا' سو جب انہوں نے قرآن مجید کو جادو قرار دے دیا تو حشر و نشر اور حساب و کتاب وغیرہ جو اس کے اندر مندرج ہیں سب کا انکار ہو گیا۔ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''سِحْرٌ'' کی بجائے ''سَاحِرٌ'' ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ مراد ہیں اور ''ساحر'' کا مطلب ہے: جھوٹا اور باطل]

وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا
ع ٩ یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ ۸
وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَیَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۹ وَلَىِٕنْ
اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ
فَخُوْرٌ ۙ ۱۰

اور اگر ہم مقررہ مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ اس عذاب کو کس نے روکا ہے؟ خبردار! جس دن ان پر عذاب آئے گا تو ان سے ہرگز نہیں پھیرا جائے گا اور وہی عذاب انہیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں' پھر ہم اس کو اس سے چھین لیتے ہیں' تو بے شک وہ بہت مایوس و ناشکرا ہو جاتا ہے ○ اور اگر ہم اس کو فقر و فاقہ کی تکلیف پہنچنے کے بعد نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ ضرور کہتا ہے کہ مجھ سے تکلیفیں دور ہو گئیں' تو یقیناً وہ بدترین اترانے والا (اور) فخر جتانے والا بن جاتا ہے ○

---

۸- ﴿وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ﴾ اور اگر ہم ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں (یعنی) آخرت کے عذاب کو یا بدر کے دن کے عذاب کو ﴿اِلٰۤى اُمَّةٍ﴾ اوقات میں سے ایک مجموعۂ وقت تک ﴿مَّعْدُوْدَةٍ﴾ مقرر و معین یا تھوڑے دنوں تک اور معنی یہ ہے کہ ایک معین وقت تک ﴿لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ﴾ البتہ وہ لوگ ضرور کہیں گے کہ عذاب کے نزول کو کون روک دیتا ہے؟ یہ محض دین کا مذاق اڑانے اور عذاب کے آنے کو جھٹلانے کے لیے فوراً کہہ دیں گے ﴿اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ﴾ سن لو! جس دن ان پر عذاب آئے گا ﴿لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ تو وہ عذاب ان سے ہرگز دور نہیں کیا جائے گا [اور ''مَصْرُوْفًا''

کے سبب "یَوْمَ" منصوب ہے] (اصل میں عبارت اس طرح ہے) "اَیْ لَیْسَ الْعَذَابُ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ" یعنی عذاب ان سے دور نہیں کیا جائے گا جس دن ان پر آئے گا ﴿وَحَاقَ بِھِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ﴾ اور ان کو وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کو وہ جلدی کرتے تھے [اور "یَسْتَعْجِلُوْنَ" کی جگہ "یَسْتَھْزِءُوْنَ" کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ لوگ محض مذاق اڑانے کے لیے عذاب جلد از جلد طلب کرتے تھے]۔

۹۔ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں' کوئی نعمت دے کر' صحت وتندرستی اور امن وسکون اور وسعت وخوشحالی۔ ["اَلْاِنْسَان" میں لام جنس کا ہے' اس سے مطلق انسان مراد ہے (مسلم ہو یا کافر ہو) اور "لَئِنْ" میں "لام" قسمیہ ہے] ﴿ثُمَّ نَزَعْنٰھَا مِنْهُ﴾ پھر ہم اس سے اُسے چھین لیتے ہیں (یعنی) پھر ہم اس سے وہ نعمت ختم کر دیتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَیَئُوْسٌ﴾ [یہ قسم کا جواب ہے] بے شک وہ چھینی ہوئی نعمت کی مانند دوبارہ ملنے سے بہت مایوس وناامید ہو جاتا ہے' اس کی اُمید اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وسعت سے منقطع ہو جاتی ہے اور وہ بے صبرا ہو جاتا ہے اور وہ اس کی قضاء کو تسلیم نہیں کرتا ﴿كَفُوْرٌ﴾ بہت ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر بھی شکر ادا نہیں کرتا جو اس کو اس سے پہلے ملتی رہیں' وہ ان سب کو بہت جلد بھلا دیتا ہے۔

۱۰۔ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ﴾ اور ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد کوئی نعمت عنایت کر دیں (اور) جو فقر وغربت اس کو پہنچی تھی اس کے بعد ہم اس پر مال ودولت کی خوشحالی وسیع وکشادہ کر دیں ﴿لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ﴾ تو وہ ضرور کہے گا کہ مجھ سے تمام برائیاں اور مصیبتیں دور ہو گئی ہیں یعنی وہ مصائب وآلام جنہوں نے مجھے بدحال کر دیا تھا ﴿اِنَّهٗ لَفَرِحٌ﴾ بے شک وہ بہت مغرور ومتکبر ہو جاتا ہے ﴿فَخُوْرٌ﴾ وہ لوگوں پر ان نعمتوں کی وجہ سے فخر جتانے والا اور تکبر کرنے والا بن جاتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے اس کو عطا فرما دی ہیں' بے شک اس کو فخر وغرور شکر ادا کرنے سے دور کر دیتا ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰٓى اِلَیْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے' یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے ○ تو کیا آپ کی طرف جو وحی نازل کی جاتی ہے اس میں سے آپ کچھ چھوڑ دیں گے؟ اور آپ کا سینہ اس کے ساتھ (اس خوف سے) تنگ ہو جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن پر خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اُن کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں' اور اللہ ہر چیز کا کارساز ہے ○ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اس کی مثل دس سورتیں بنا کر لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے

ہو O

۱۱- ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ ماسوا ان کے جنہوں نے محنت و مشقت اور مصیبت میں صبر کیا ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے نعمت کے ملنے اور خوشحالی پر شکر ادا کیا ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ان کے گناہوں پر مغفرت و بخشش ہے ﴿ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾ اور بہت بڑا ثواب ہے یعنی جنت ہے۔

۱۲ - شانِ نزول: مشرکینِ مکہ بلاسوچے سمجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے ہوئے بطور عناد و بغض آپ سے معجزات کا مطالبہ کرتے لیکن رشد و ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ رشد و ہدایت حاصل کرنے والے ہوتے تو آپ جو معجزات لے کر تشریف لائے تھے ان میں سے صرف ایک معجزہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جاتا اور ان کے اعتراضات میں سے ایک یہ تھا کہ ''لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ''. ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ اور وہ لوگ قرآن مجید کو معجزہ شمار نہیں کرتے تھے اور اس کو (حضور کی طرف سے من گھڑت اور) معمولی سمجھتے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک اس بناء پر تنگ ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے جو بھی کلامِ الٰہی پیش کیا جائے گا وہ اس کو قبول نہیں کریں گے اور وہ اس پر ہنسیں گے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) آپ کو ادائے رسالت کی ترغیب دی اور ان کے اعتراض کرنے' اپنی باتوں کے ذریعے مذاق اڑانے اور انکار کرنے کی پرواہ نہ کرنے کی ترغیب دی ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ﴾ تو کیا آپ کی طرف جو وحی نازل کی جاتی ہے' اس میں سے آپ کچھ چھوڑ دیں گے؟ یعنی کیا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کو ان کے سامنے پیش کرنے اور انہیں اس کی تبلیغ کرنے کے مشن کو محض اس خوف سے ترک کر دیں گے کہ وہ لوگ اس کو رد کر دیں گے اور وہ اس کو معمولی قرار دے کر اس کے ساتھ سستی کا برتاؤ کریں گے[1] ﴿ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ ﴾ اور ان کے سامنے تلاوت کرنے پر آپ کا سینۂ مبارک اس وحی کے ساتھ تنگ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''ضَآئِقٌ'' کی بجائے ''ضَيِّقٌ'' نہیں فرمایا تا کہ یہ اس بات کی دلیل بن جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینۂ اقدس کا تنگ ہونا عارضی تھا مستقل نہیں تھا' اس لیے کہ آپ کا سینۂ اقدس تمام لوگوں کے سینوں سے بہت زیادہ فراخ و کشادہ تھا اور اس لیے کہ آپ کا وحی کو ترک کرنا بہت ہی مشکل و ناممکن تھا ﴿ اَنْ يَّقُوْلُوْا ﴾ ''مَخَافَةَ اَنْ يَّقُوْلُوْا'' (یعنی) اس خوف کی وجہ سے کہ وہ لوگ کہیں گے: ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ﴾ ان پر خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (یعنی) اس رسول پر وہ خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' جس کا ہم نے سوال کیا تھا تا کہ ہم اسے خرچ کرتے اور ان کے ساتھ گواہی دینے کے لیے فرشتے کیوں نہیں آئے تا کہ ہم ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے اور ان پر وہ کیوں نازل کیا جاتا ہے جو ہم نہیں چاہتے اور نہ ہم اس کا سوال

[1] خبردار! اس آیتِ مبارکہ سے یہ تصور نہ کیا جائے کہ نعوذ باللہ حضور نبی اکرم ﷺ سے فرائضِ تبلیغ میں بعض احکام کو ترک کرنے کی توقع تھی کیونکہ آپ معصوم ہیں اور آپ سے کسی گناہ کا صدور ناممکن ہے جب کہ تبلیغی احکام کا چھپانا یا نہ بتانا بہت بڑا گناہ ہے' نیز ''لَعَلَّ'' کا لفظ صرف ترجی (متوقع کام) کے معنی میں نہیں آتا بلکہ کبھی تبعید کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی بعض نازل کردہ احکام کی تبلیغ کو ترک کرنا آپ سے بہت ناممکن ہے اور کبھی استفہامِ انکاری کے معنی میں بھی آتا ہے (ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے) جیسے حدیث شریف میں آتا ہے: ''لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ'' کیا ہم نے تمہیں جلدی میں ڈال دیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کی خاطر احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کچھ بھی ترک نہیں فرمائیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) بلکہ اس آیت مبارکہ کا مفہوم وہی ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کے شانِ نزول میں بیان کیا ہے۔

کرتے ہیں ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ﴾ بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں یعنی آپ پر کچھ لازم نہیں سوائے اس کے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کے ساتھ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کی لوگوں کو تبلیغ کریں اور آپ پر کچھ لازم نہیں آئے گا' اگر انہوں نے اس کو رد کر دیا یا اس کو معمولی قرار دے دیا ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا محافظ ہے' جو کچھ وہ لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ کر لیتا ہے اور وہ ان کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو ان کے ساتھ کرنا ضروری ولازمی ہے' پس آپ اس پر بھروسا رکھیں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیں اور آپ پر شرحِ صدر اور وسعتِ قلب کے ساتھ وحی الٰہی کی تبلیغ کرنا واجب ہے' سو آپ ان کے تکبر کی طرف توجہ کیے بغیر اور ان کی حماقت و بے وقوفی اور ان کے استہزاء و مذاق اڑانے کی پروا کیے بغیر اپنا فریضہ تبلیغ جاری رکھئے۔

١٣-﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''اَمْ'' منقطعہ ہے (یعنی) کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ﴿ افْتَرٰىهُ ﴾ انہوں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے [اس میں ''ہٗ'' ضمیر ''مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ'' کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دس سورتیں بنا کر لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار کو دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج دیا' پھر (جب وہ نہ لا سکے تو) ایک سورت لانے کا چیلنج دیا جیسا کہ آزمانے والا شخص اپنے دوست کو تحریر میں کہتا ہے کہ تم دس سطریں ایسی لکھو جیسی میں لکھتا ہوں' پھر جب اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا دوست اس سے عاجز ہے تو اس سے کہتا ہے کہ میں تجھ سے صرف ایک سطر کے لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں ﴿ مِّثْلِهٖ ﴾ حسن و خوبی' فصاحت و بلاغت' عظمت و بزرگی اور معنوی جامعیت میں قرآن مجید کی سورتوں کی مثل ہوں [اور ''مِثْلِهٖ'' کا معنی ''اَمْثَالِهٖ'' ہے کہ کفار کی بنائی ہوئی سورتوں میں سے ہر ایک قرآن مجید کی سورتوں کی طرح ہو] ﴿ مُفْتَرَيٰتٍ ﴾ [یہ ''عَشْرِ سُوَرٍ'' کی دوسری صفت ہے] جب کافروں نے حضور سے کہا کہ قرآن کو آپ نے خود بنایا ہے اور آپ نے اپنی طرف سے گھڑ کر اس کو پیش کر دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو آپ نے ان کے ساتھ لگام ڈھیلی کر دی اور فرمایا کہ چلو فرض کرو کہ اس کو میں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم بھی اس جیسا کلام اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرو کیونکہ تم بھی میری طرح عرب کے فصحاء سے تعلق رکھتے ہو ﴿ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور تم معارضہ و مقابلہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو معاونت کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ یہ قرآن مجید (نعوذ باللہ من ذالک) من گھڑت ہے۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

پھر اگر وہ تمہارے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتے تو تم جان لو کہ وہ اللہ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' تو کیا تم اسلام پر قائم رہو گے O جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتے ہیں تو ہم اس دنیا میں انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلا دے دیں گے اور اس میں انہیں کم کر کے نہیں دیا جائے گا O یہی وہ لوگ

ہیں جن کے لیے آخرت میں ماسوا دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہیں ہوگا' اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب ضائع ہو گیا اور وہ جو کچھ عمل کرتے تھے وہ سب برباد ہو گئے O

۱۴۔﴿ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ پھر اگر کفارِ مکہ تمہارا چیلنج قبول نہ کریں تو یقین رکھو کہ بے شک یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے یعنی یہ قرآن مجید مخلوق کو عاجز کرنے والی ایسی عظیم الشان نظم کے ساتھ ملتبس ہو کر نازل کیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور غیبوں کی ایسی خبروں کے ساتھ ملا کر نازل کیا گیا ہے کہ جن تک رسائی کی سبیل ان کفار کے بس میں نہیں ہے اور تم اس وقت یہ جان لو کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کیونکہ اس کی توحید واجب و لازم ہے اور اس کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے [اور ''قُلْ'' کے ساتھ مفرد خطاب کے بعد اس آیت مبارکہ میں ''فَاعْلَمُوْا'' اور ''لَكُمْ'' میں جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے یا پھر یہ خطاب رسول اکرم اور مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ یہ ان سے گفتگو کرتے تھے یا یہ خطاب مشرکین کے لیے ہے اور ''لَمْ يَسْتَجِيبُوْا'' کی ضمیر ''مَنِ اسْتَطَعْتُمْ'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اگر تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو معارضہ کرنے کی خاطر تمہاری مدد کرنے کی بات قبول نہ کریں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے معبود اس سے عاجز ہیں تو تم جان لو کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے علم ہی سے نازل کیا گیا ہے یعنی اس کی اجازت سے یا اس کے حکم سے ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ تو کیا تم اس مضبوط و محکم حجت و دلیل کے بعد اسلام کی پیروی کرو گے اور جس نے اس خطاب کو مسلمانوں کے لیے قرار دیا ہے تو (ان کے نزدیک) اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس علم پر ثابت قدم رہو جس پر تم قائم ہو اور وہ یقین میں مزید پختہ ہو گئے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تم عقیدۂ توحید پر قائم رہو اور ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' کا معنی ہے کہ کیا تم مخلص ہو؟

۱۵۔﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴾ جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش چاہتا ہے تو ہم اس میں انہیں ان کے اعمال پورے پورے دے دیں گے اور وہ اس کو کم نہیں دیئے جائیں گے (یعنی) ہم دنیا میں انہیں ان کے اعمال اجرتیں بغیر کسی کمی کے کامل اور پوری پوری دے دیں گے اور وہ صحت و تندرستی اور مال و دولت اور رزق دنیا میں انہیں عطا کر دیا گیا اور وہ لوگ کفار ہیں یا منافقین مراد ہیں۔

۱۶۔﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا (یعنی) انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ آخرت میں ضائع ہو جائے گا یعنی آخرت میں انہیں ثواب نہیں ملے گا کیونکہ انہوں نے اپنے اعمال سے آخرت کو نہیں چاہا اور بے شک انہوں نے اپنے اعمال سے تو صرف دنیا کو چاہا اور انہوں نے جو چاہا تھا اس کا بدلا انہیں (دنیا میں) پورا پورا دے دیا گیا ﴿ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور باطل ہو گیا جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے تھے یعنی ان کا عمل فی نفسہٖ باطل تھا کیونکہ وہ لوگ کسی صحیح غرض کے لیے عمل نہیں کرتے تھے اور باطل عمل پر ثواب نہیں ملتا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل رکھتا ہو اور اللہ کی طرف سے اس کے پیچھے گواہ آتا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی' یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور تمام گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرتا ہے اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' سو تم اس کے بارے میں شک میں نہ رہو' بے شک وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے O

۱۷-﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہے (یعنی) کیا وہ شخص جو دنیا کی زندگی چاہتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح اور روشن دلیل پر قائم ہے یعنی مرتبہ و شان میں دنیا دار دین دار تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ وہ ان کے برابر ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں فریقوں کے درمیان واضح تضاد اور فرق ہے اور ''اپنے رب کی دلیل پر قائم'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہودیوں میں سے ایمان لائے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اس کے دیگر ساتھی وغیرہ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان و دلیل اور اس بیان پر قائم ہیں کہ دین اسلام سچا دین ہے اور برحق ہے اور وہ عقل کی دلیل ہے ﴿وَيَتْلُوْهُ﴾ اور اس برہان کے پیچھے آتا ہے ﴿شَاهِدٌ﴾ ایک گواہ جو اس کے صحیح و برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے ﴿مِّنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا قرآن مجید کی طرف سے' سو بلاشبہ اس کا ابھی ذکر گزرا ہے ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ﴾ اور قرآن کریم سے پہلے ﴿كِتٰبُ مُوْسٰٓى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور وہ تورات ہے یعنی قرآن مجید سے پہلے بھی اس برہان کے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات شریف آئی تھی ﴿اِمَامًا﴾ وہ ایسی کتاب تھی جس کی دینی احکام میں پیروی کی جاتی تھی وہ دین میں سب کی مقتدا تھی ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور جن کے لیے وہ نازل کی گئی تھی ان کے لیے بہت بڑی نعمت ورحمت تھی [اور یہ دونوں کلمے حال واقع ہو رہے ہیں] ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ یعنی جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل رکھتے ہیں ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ﴾ اور جو اس قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں ﴿مِنَ الْاَحْزَابِ﴾ تمام گروہوں میں سے یعنی اہل مکہ کے گروہ اور وہ گروہ جو ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ﴿فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ تو دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا اور ان کے ٹھہرنے کی جگہ ہے ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ سو تم اس قرآن کے متعلق یا اس ٹھکانے کے وعدے کے متعلق شک میں نہ رہو ﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے' یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رب پر جھوٹ بولا تھا' سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں' اور وہی لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں O یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں تھے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے' ان کو دُگنا عذاب دیا جائے گا' وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ وہ دیکھتے تھے O

۱۸- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور یہی لوگ اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جائیں گے (یعنی) ان کو موقف میں روک لیا جائے گا اور ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ اور گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور نبیوں اور فرشتوں میں سے گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہت جھوٹ بولتے تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد اور شریک بنا لیے تھے ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ خبردار! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اپنے پروردگار پر جھوٹ بولتے ہیں [اور "اَشْهَادٌ" "شَاهِدٌ" کی جمع ہے جیسے "اَصْحَابٌ" "صَاحِبٌ" کی جمع ہے یا "اَشْهَاد" "شَهِيْدٌ" کی جمع ہے جیسے "شَرِيْفٌ" کی جمع "اَشْرَاف" ہے]۔

۱۹- ﴿اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے منع کرتے ہیں ﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور وہ لوگ اس میں کجی کو تلاش کرتے ہیں کہ وہ لوگ اس کو ٹیڑھا میڑھا بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ مستقیم وسیدھا راستہ ہے یا اس دین کے ماننے والوں کو دین سے پھیر کر ٹیڑھے اور غلط راستے پر لگا دیتے ہیں ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہی لوگ ہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں [اور دوسری ضمیر "هُمْ" آخرت سے ان کے انکار کرنے کی تاکید اور آخرت کے ساتھ کفر کرنے کے اختصاص کی تاکید کے لیے ہے]۔

۲۰- ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ یہ لوگ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں تھے (یعنی) یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ ان کو سزا دیتا' اگر اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہتا ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی حمایت کرنے والا نہیں تھا جو ان کی حمایت کرتا اور اللہ تعالیٰ سے چھڑانے کے لیے ان کی مدد کرتا اور وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دینے اور اس (قیامت کے) دن تک ان سے عذاب کو مؤخر کرنے کا ارادہ فرما لیا اور یہ گواہوں کے کلام میں سے ہے ﴿يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ﴾ ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے بہکا دیا تھا۔ [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "يُضَعَّفُ" (عین مشدّد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے یعنی حق کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ﴿وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ حق کو نہیں دیکھتے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ
أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا
إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ
كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ ع ۲
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا اور وہ جو کچھ افترا کرتے تھے وہ سب ان سے ضائع ہو گئے O بلاشبہ یقیناً وہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی، یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O دونوں گروہوں کی مثال ایک اندھے اور بہرے اور دوسرے دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے، کیا وہ دونوں مثال میں برابر ہو سکتے ہیں، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے O اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، (انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:) بے شک میں تمہیں واضح اور صاف ڈر سنانے والا ہوں O

---

۲۱- ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے عوض میں بتوں کو خرید لیا تھا ﴿وَضَلَّ عَنْهُم﴾ اور انہوں نے جو کچھ خریدا تھا وہ ان سے ضائع ہو گیا اور ان سے تباہ و برباد ہو گیا اور یہ ﴿مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ وہی ہے جو وہ افتراء کرتے تھے، بتوں کے معبود ہونے اور ان کی شفاعت کے مفید ہونے کی۔

۲۲- ﴿لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ﴾ بلاشبہ وہ لوگ آخرت میں یقیناً بہت نقصان اٹھانے والے ہیں، لوگوں کو روکنے اور منع کرنے کے سبب۔ [اور ''لَا جَرَمَ'' میں کئی اقوال ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''لَا'' سابق کلام کی نفی کے لیے آتا ہے یعنی اس طرح معاملہ نہیں ہوگا جس طرح انہوں نے گمان کیا ہوا ہے اور ''جَرَمَ'' کا معنی ''کَسَبَ'' ہے اور اس کا فاعل مضمر ہے اور (أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ) محلاً منصوب ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''کَسَبَ قَوْلُهُمْ خُسْرَ انَهُمْ فِی الْآخِرَةِ'' انہوں نے اپنی ہی بات سے آخرت کے لیے نقصان کمایا، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ''لَا جَرَمَ'' دو مرکب کلمے ہیں اور ان کا معنی ''حَقًّا'' ہو گیا ہے اور ''أَنَّ'' مرفوع کے محل میں واقع ہے، اس بناء پر کہ یہ حق کا فاعل ہے یعنی ان کا نقصان ثابت ہو گیا ہے اور اس کا تیسرا معنی ''لَا مَحَالَةَ'' ہے یعنی ضرور اور یقیناً]

۲۳- ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف جھک گئے اور انہوں نے اسی کے ذکر میں اطمینان و سکون پایا اور وہ نہایت عاجزی و انکساری اور تواضع کے ساتھ اس کی عبادت میں منہمک ہو کر سب سے الگ تھلگ ہو گئے [اور ''أَخْبَتُوا''، ''خَبْتٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی فراخ زمین (یا) نشیب کی زمین ہے] ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۴- ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ﴾ دونوں فریقوں (کافر ومؤمن) کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے گروہ کو اندھے اور بہرے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور مؤمنوں کے گروہ کو دیکھنے اور سننے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے ﴿هَلْ يَسْتَوِيٰنِ﴾ یعنی کیا وہ دونوں فریق برابر و یکساں ہو سکتے ہیں ﴿مَثَلًا﴾ مثال وتشبیہ میں [اور یہ تمیز کی بناء پر منصوب ہے] ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور مثال کے بیان سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کے تبلیغی کارنامے اور کافروں کی اپنی کارستانیوں پر طوفان میں غرق ہونے کا بیان

۲۵- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (اور حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا:) بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں یعنی ''بِاَنِّیْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے (حضرت) نوح کو اس کلام کے ساتھ ملا کر بھیجا ہے اور وہ کلام یہ ارشاد ہے: ''اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ'' [اس میں الف مکسور ہے' پھر جب اس کے شروع میں حرفِ جار مل جاتا ہے تو مفتوح پڑھا جاتا ہے (جیسے ''بِاَنِّیْ'') جیسا کہ ''كَاَنَّ'' میں ہے اور معنی کسر (یعنی زیر) کی بناء پر کیا جاتا ہے اور ابن عامر شامی' نافع مدنی' عاصم' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں قول مراد لینے کی وجہ سے الف کو مکسور پڑھا جاتا ہے]۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں O تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے صرف اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو بہ ظاہر نظر میں ہم میں سے خسیس ترین ہیں' اور ہم اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں O (حضرت نوح نے) فرمایا: اے میری قوم! کیا تم بتاؤ گے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عنایت کر رکھی ہے' سو وہ تم پر مخفی کر دی گئی ہے' کیا ہم اسے تم پر لازم کر دیں گے حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو O

۲۶- ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو [''اَنْ'' مفسرہ ہے اور ''اَرْسَلْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''نَذِيْرٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾ بے شک مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے [''يَوْمٍ'' کو ''اَلِيْمٍ'' کے ساتھ موصوف کرنا مجازی اسناد ہے کیونکہ عذاب کا درد دن میں واقع ہوا تھا]۔

۲۷۔﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا۔ ''مَلَاُ''
سے سردار مراد ہیں کیونکہ انہوں نے لوگوں کے دلوں کو اپنے رعب و دبدبہ سے بھر دیا تھا اور یہی لوگ مجالس ومحافل کے لیڈر
ہوا کرتے تھے یا اس لیے کہ اس قوم کے یہ سردار معاملات میں اپنی آراء بہترین اور صائب و درست انداز میں پیش کرنے اور
دور اندیشیوں اور اپنی عقل مندیوں کے اعتبار سے بھرپور صلاحیت رکھتے تھے ﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ہم تمہیں نہیں دیکھتے
مگر اپنے جیسا بشر۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی رئیس اور سردار یا کوئی فرشتہ پیغمبر ہونا چاہیے تھا ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ
هُمْ اَرَاذِلُنَا ﴾ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو ہم میں سے خسیس ترین اور کم ترین لوگ ہیں
[ ''اَرَاذِلُ''، ''اَرْذَل'' کی جمع ہے ] ﴿ بَادِیَ ﴾ [ ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ (بَادِئَ) ہے ] ﴿ الرَّاْیِ ﴾ [ ابوعمرو
کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر (رَایِ) ہے یعنی تمہاری اتباع صرف ظاہری رائے رکھنے یا پہلی رائے دینے والوں نے کی ہے'
''بَدَا یَبْدُوْ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے یا ''بَدَاَ یَبْدَاُ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص کسی چیز کو پہلی دفعہ کرتا
ہے اور اس کا نصب ظرف کی بناء پر ہے' اس کی اصل ''وَقْتَ حُدُوْثِ ظَاهِرِ رَاْیِهِمْ اَوْ اَوَّلِ رَاْیِهِمْ'' (یعنی) ان کی ظاہری
رائے کے نمودار ہونے کے وقت یا ان کی پہلی رائے کے نمودار ہونے کے وقت اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کیا گیا
ہے ] ان کی مراد یہ تھی کہ ان لوگوں کا تمہاری اتباع کرنا ایک ایسا عمل ہے جو بغیر غور وفکر اور بغیر سوچے سمجھے اچانک ان کے
ساتھ پیش آیا ہے اور اگر وہ لوگ غور وفکر کرتے تو تمہاری پیروی نہ کرتے اور انہوں نے ایمان لانے والوں کو خسیس وکم ترین
صرف ان کی غربت اور دنیاوی اسباب میں ترقی کی بجائے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سمجھا تھا' کیونکہ وہ جاہل و نادان لوگ
تھے' وہ دنیا کے ظاہری ٹھاٹ باٹھ کی زندگی کے ماسوا اور کچھ نہیں جانتے تھے' پس ان کے نزدیک معزز ومحترم وہی ہوتا تھا جو
دنیاوی شان وشوکت اور مال و دولت کا مالک ہوتا جیسا کہ تم اسلام کے نام لیوا اکثر دنیاداروں کو دیکھو گے کہ وہ غریب و نادار
مسلمانوں کے بارے میں یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ احترام واہانت کی بنیاد اسی دولت وغربت پر رکھتے ہیں اور ان کے
ذہنوں سے یہ بات نکل گئی کہ صرف دنیا کی ترقی کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا مقرب ومعزز نہیں بنا دیتی' وہ تو صرف اس کو اللہ تعالیٰ
سے دور کر دیتی ہے اور اس کو بلند شان نہیں کرتی بلکہ وہ اس کو پست وذلیل کر دیتی ہے ﴿ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ اور
ہم مال و دولت اور رائے وغیرہ میں اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے' انہوں نے اس سے حضرت نوح علیہ
السلام اور ان کی اتباع کرنے والے مراد لیے ﴿ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴾ بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں یعنی حضرت نوح کو
دعوتِ دین دینے میں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو دعوتِ دین قبول کرنے اور اس کی تصدیق کرنے میں یعنی تم نے
چودھراہٹ ولیڈری حاصل کرنے کی غرض سے دعوتِ دین اور اسے قبول کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔

۲۸۔﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ ﴾ حضرت نوح نے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے خبر دو کہ ﴿ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ ﴾
اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل اور مضبوط برہان پر قائم ہوں اور اس کی طرف سے ایک گواہ ہو جو میرے
دعویٰ کے صحیح ہونے کی گواہی دے ﴿ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾ اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت یعنی نبوت عطا فرما
دی ہے ﴿ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ﴾ اور وہ تم پر مخفی کر دی گئی ہے [ ایک قراءت میں عین مفتوح اور میم مکسور مخفف کے ساتھ مجرد باب
سے ''فَعَمِیَتْ'' ہے یعنی تم سے پوشیدہ ہے اور قاری حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''فَعُمِّیَتْ'' (عین مضموم اور میم
مکسور مشدّد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے یعنی تم پر مخفی کر دی گئی ہے ] یعنی تم اس روشن دلیل سے اندھے کر دیئے گئے ہو اس
لیے تم ہدایت حاصل نہیں کر سکتے جیسا کہ کسی قوم کا رہبر جنگل میں اندھا ہو جائے تو وہ قوم ھادی کے بغیر باقی رہ جائے گی اور

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس حجت کو رہبر و راہنما بنایا گیا ہے' اسی طرح اس کو اندھا اور مخفی بھی بنایا گیا ہے اس لیے (حجت سے) اندھا نہ خود ہدایت حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ہدایت دیتا ہے ﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا ﴾ کیا ہم اسے یعنی رحمت و نبوت کو قبول کرنا تمہارے اوپر لازم کر دیں گے ﴿ وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾ حالانکہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو اور نہ اس کو چاہتے ہو [اور ''نُـلْزِمْكُمُوْهَا'' میں واؤ میم کی تکمیل کے لیے داخل کی گئی ہے اور ابوعمرو سے منقول ہے کہ اس کی پہلی میم ساکن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرکت ہلکا سا جھٹکا ہوتی ہے' اس لیے راوی نے اس کو سکون گمان کر لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اعرابی حرکت کو ترک کرنا ماسوا شعری ضرورت کے جائز نہیں ہے]۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے مال نہیں مانگتا' میرا اجر و ثواب نہیں ہے مگر اللہ کے ذمۂ کرم پر اور میں (اپنے پاس سے) ایمان والوں کو دور نہیں کروں گا' بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہوO اے میری قوم! اگر میں ان کو دور کر دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا' تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتےO اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ یقیناً میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے لیے کہتا ہوں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ اللہ ان کو ہرگز کوئی بھلائی عطا نہیں فرمائے گا' اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے' بے شک میں (بفرضِ محال ایسا کہوں تو) اس وقت ضرور میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤں گاO

۲۹- ﴿ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ﴾ اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر یعنی رسالت کی تبلیغ پر سوال نہیں کرتا کیونکہ ''اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ'' سے یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے ﴿ مَالًا ﴾ اجرت کا کہ اگر تم ادا کرنا چاہو تو تم پر بوجھ بن جائے یا اگر تم مجھے اجرت دینے سے انکار کر دو تو مجھ پر بوجھ بن جائے ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ میرا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ [نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں ''اِنْ اَجْرِيَ'' میں ''یا'' مفتوح ہے (جب کہ باقی قراء کی قراءت میں ''یَا'' ساکن ہے)] ﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور میں ان لوگوں کو (اپنے پاس سے ہرگز) دور نہیں کروں گا جو ایمان لائے ہیں۔ جب حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے آپ سے درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے پاس سے دور کر دیں تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ ان کو غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو یہی جواب دیا (جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے) ﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ یقیناً وہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کریں گے' پس اگر میں نے ان کو دھتکار دیا اور اپنے پاس سے دور کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں

میری شکایت کریں گے ﴿ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾ اور لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل و نادان ہو کیونکہ تم مسلمانوں پر احمقانہ الزام لگاتے ہو اور تم ان کو رذیل و خسیس اور کم ترین کہہ کر بلاتے ہو یا تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کرنے اور اس کے حضور پیش ہونے سے ناواقف و جاہل ہو یا تم اس بات سے ناواقف و جاہل ہو کہ یہ مسلمان تم سے یقیناً بہت بہترین ہیں۔

۳۰۔﴿ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ﴾ اور اے میری قوم! اگر میں نے ان مسلمانوں کو اپنے پاس سے دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں میری بھلا کون مدد کرے گا (اور) مجھے اس کے انتقام سے کون بچائے گا ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۳۱۔﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تم پر مال و دولت کے بل بوتے پر فضیلت و برتری کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم میری فضیلت کا انکار کر دو اور تم یہ کہو: ''وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ '' (ھود:۲۷) ''اور ہم اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے''۔ ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ اور نہ میں از خود غیب جان لیتا ہوں تاکہ میں اپنے پیروکاروں کی جانوں اور ان کے دلوں کی پوشیدہ کیفیات سے آگاہ ہو جاؤں [اور یہ ''عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ'' پر معطوف ہے] یعنی نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ غیب جان لیتا ہوں ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ کہو: ''مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا '' (الشعراء:۱۵۴) ''تم صرف ہمارے جیسے بشر ہو''۔[1]

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ ﴾ اور میں ان لوگوں کے لیے جن کو تمہاری نگاہیں کم ترین سمجھتی ہیں یہ نہیں کہتا (یعنی) جن مسلمانوں کو تم ان کی غربت کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو ان کے متعلق میں یہ فیصلہ نہیں کروں گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں انہیں ہرگز کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا' اس بناء پر کہ (تمہارے گمان میں) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

[1] واضح رہے کہ آیت مبارکہ:۲۷ میں گزر چکا ہے کہ کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں جب کہ بشر انسان کی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری بناوٹ کو کہتے ہیں تو گویا کفار کی نظر انبیائے کرام کی ظاہری بشریت پر تھی لیکن ان کی حقیقت سے محروم تھے اس لیے کفار نے انبیائے کرام کو حقارت سے بشر کہا اور نہ وہ صرف بشر کہتے ''مِثْلَنَا'' نہ کہتے' لیکن انہوں نے انبیائے کرام کو صرف بشر نہیں کہا بلکہ اپنے جیسا بشر کہا' جس سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے انبیائے کرام کو افضل الخلق بنو نوع انسان سے ہونے کی بناء پر بشر نہیں کہا بلکہ محض عام انسانوں کی طرح بشر کہا' جس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ پیغمبروں کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا گستاخانہ طریقہ ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح بشر نہیں ہوتے بلکہ یہ حضرات عالی شان' تمام گناہوں سے پاک اور معصوم' خدا کے برگزیدہ نمائندے اور بے شمار فضیلتوں اور کرامتوں کے حامل ہونے کے ساتھ منصب نبوت پر فائز ہوتے ہیں' جس کی وجہ سے تمام مخلوق سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ صاحب وحی بشر ہوتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم سے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ. (الکہف:۱۱۰) اے محبوب! فرما دیں کہ میں بہ ظاہر تمہاری طرح بشر ہوں (لیکن) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

یعنی میں صاحبِ وحی بشر ہوں' اس آیت مبارکہ سے واضح کر دیا گیا کہ نبی و رسول صرف بشر یا صرف مثلِ بشر نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحبِ وحی اور صاحبِ نبوت عظیم الشان بے مثل بشر ہوتا ہے۔ والحمد للّٰہ علٰی ذالك

بچ وکم تر ہیں وہ صرف تمہاری مدد کرے گا اور تمہاری خواہش کے مطابق حکم نازل فرمائے گا ﴿لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا﴾
﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اعتقاد کی سچائی کے بارے میں اور بے شک
میرے ذمے صرف ان کے ظاہری اقرار کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ میں ان کے پوشیدہ اسرار پر مطلع نہیں ہوں ﴿اِنِّيْٓ اِذًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک میں اگر یہ بات کہوں تو اس وقت میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا [اور
"ازدرآء" "باب افتعال سے ہے" "زَرٰی عَلَيْهِ" سے ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر عیب لگاتا ہے اور یہ
اصل میں "تَزْتَرِیْ" تھا پھر "تا" کو دال سے تبدیل کر دیا گیا (اور "تَزْدَرِیْ" بن گیا)]۔

| |
|---|
| قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ |
| الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا |
| يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ |
| هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ |
| اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع |

انہوں نے کہا: اے نوح! بے شک تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے اور تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے تو تم لے آؤ وہ
عذاب جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو O (حضرت نوح نے) فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو بلاشبہ اس کو وہی
تم پر لائے گا اور تم (اس کو) عاجز نہیں کر سکتے O اور میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں ارادہ کر لوں کہ میں
تمہیں نصیحت کروں اگر اللہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہو' وہی تمہارا مالک ہے' اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا O کیا وہ لوگ
کہتے ہیں کہ اس نے اس کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے اور
میں تمہارے ان جرائم سے بَری ہوں جو تم کرتے ہو O

۳۲- ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: اے
نوح! تم نے ہم سے یقیناً جھگڑا کیا ہے اور بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے' سو تم جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ
اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو۔

۳۳- ﴿قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ﴾ حضرت نوح نے فرمایا کہ بے شک اس عذاب کو صرف اللہ تعالیٰ لائے گا'
اگر وہ چاہے گا یعنی عذاب کا لانا میرے سپرد نہیں اور وہ صرف اس (اللہ تعالیٰ) کے سپرد ہے جس کے ساتھ تم کفر کرتے ہو
﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے یعنی تم اس سے بھاگنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۳۴- ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ﴾ اور میری نصیحت تمہیں نفع نہیں دے گی اور یہ (ایک تو) گمراہی کے مقام کی نشاندہی کر
رہی ہے تاکہ اس سے بچا جائے (ورنہ نصیحت مفید نہیں ہوگی) اور (دوسرا) رشد و ہدایت کی نشاندہی کر رہی ہے تاکہ اس کی
پیروی کی جائے (اور نصیحت سے فائدہ اٹھایا جائے) [قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "وَلٰكِنِّيْٓ اِنِّيْٓ" اور
"نُصْحِيَ" (تینوں کے آخر میں "یا" پر فتح یعنی زبر ہے)] ﴿اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾

اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں (لیکن) اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بہکانا چاہے یعنی وہ تمہیں گمراہ کردے [اور یہ شرط پر شرط داخل ہے اور دوسری شرط حکم میں مقدم ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے (کہ شرط جزا سے مقدم ہوتی ہے)] اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنْ کَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ لَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ''. اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہو تو میری نصیحت تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور یہ ہمارے (حنفیوں کے) لیے واضح اور روشن ترین دلیل ہے کہ معصیت اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے تحت داخل ہے ﴿هُوَ رَبُّكُمْ﴾ وہ تمہارا مالک ہے سو وہ اپنے ارادہ سے فیصلہ کر کے تمہارے بارے میں تصرف و اختیار استعمال کرتا ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم اسی کے حضور میں لوٹائے جاؤ گے' پس وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزاء عطا فرمائے گا۔

۳۵- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ [''اَمْ'' بہ معنیٰ ''بَلْ'' ہے] بلکہ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت نوح نے) اس کو خود گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ (اے نوح!) فرمادو کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے' یعنی اگر (بفرضِ محال) یہ صحیح ہے کہ میں نے اس کو خود گھڑ کر پیش کیا ہے تو میرے اس جرم و افتراء اور گھڑنے کا وبال مجھ پر پڑے گا۔ [''اجرام'' کا معنیٰ ''افتریٰ'' ہے' چنانچہ ''اَجْرَمَ الرَّجُلُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ آدمی کوئی جرم کر لیتا ہے] ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ﴾ اور میں بے قصور ہوں یعنی افتریٰ کا جرم ثابت نہیں ہے اور میں اس سے بَری ہوں اور ﴿مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میری طرف افتراء کی نسبت کر کے جو جرم کر رہے ہو میں تمہارے اس جرم سے بیزار اور بَری ہوں اور تمہاری روگردانی کرنے اور مخالفت و عداوت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا ماسوا اس کے جو ایمان لا چکا' سو آپ اس پر غمگین نہ ہوں جو کچھ وہ کرتے رہے ○ اور آپ ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنایئے اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجئے' بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○ اور نوح کشتی بنانے لگے' اور جب آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے' آپ نے فرمایا: اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو بلاشبہ عنقریب ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو ○ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ○

۳٦- ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی

کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا ماسوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں ان کے ایمان سے ناامیدی اور مایوسی کا اظہار کیا گیا ہے اور یقیناً ان کے ایمان کی توقع نہیں رہی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کے لیے تجدد و حدوث کا حکم ہے' گویا فرمایا: بے شک جو شخص ایمان لا چکا ہے وہی آنے والے وقت میں ایمان لائے گا اور اسی بناء پر وہ زیادتی خارج ہو جاتی ہے جو قرآن مجید پر ایمان لانے میں ذکر کی گئی ہے ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ سو آپ اس پر غمگین نہ ہوں جو کچھ وہ کرتے رہے' پس آپ عاجز و مسکین غم کھانے والے کی طرح غم نہ کھایئے [اور "اِبْتِئَاسٌ" باب افتعال سے ہے اور "بُـؤْسٌ" سے مشتق ہے اور وہ حزن و غم اور فقر و غربت ہے] اور معنی یہ ہے کہ پس آپ ان کے ان کرتوتوں پر غمگین نہ ہوں جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کو جھٹلایا اور آپ کو ایذائیں اور تکلیفیں دیں' پس اب آپ کے دشمنوں سے انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔

۳۷۔﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ اور (اے نوح!) آپ ہمارے سامنے کشتی تیار کیجئے۔ ["بِـاَعْيُنِنَا" حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی اے نوح علیہ السلام! آپ بے خوف و خطر کشتی تیار کیجئے کیونکہ آپ دشمنوں سے محفوظ ہیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ہماری نگرانی میں ملبوس و محفوظ ہیں' گویا حضرت نوح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نگران فرشتے مقرر ہیں جو ان کو اس سے بچائیں گے کہ آپ کشتی بنانے میں صحیح طریقے سے پھر جائیں (یا ٹیڑھا بنا دیں) ﴿وَوَحْيِنَا﴾ اور ہماری وحی کے مطابق (کشتی تیار کیجئے) سو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور ہم آپ کو الہام کرتے ہیں کہ آپ نے کشتی کیونکر اور کیسے تیار کرنی ہے' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانا نہیں جانتے تھے کہ کس طرح بنائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ کشتی پرندے کے سینے اور اس کی بغلوں کی طرح بنائی ہے ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا اور آپ اپنی قوم کے بارے میں مجھ سے دعا نہ کرنا اور نہ ان سے عذاب کے دفاع کی مجھ سے سفارش کرنا ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک ان کو ہر حال میں غرق کیا جائے گا کیونکہ غرق کرنے کا حکم ان پر جاری کیا جا چکا ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور قضاء و قدر کا قلم خشک ہو چکا ہے' اب ان سے عذاب روکنے کی کوئی سبیل نہیں رہی۔

۳۸۔﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے۔ یہ ماضی کے واقعہ کا بیان ہے (یعنی حضرت نوح نے کشتی بنائی) ﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ اور جب بھی آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کے کشتی بنانے کے عمل پر ہنستے اور یہ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام پانی سے بہت دور گھنے جنگل میں کشتی بناتے تھے (جہاں کشتی نہیں چل سکتی تھی) تو اس لیے وہ لوگ آپ پر ہنستے تھے اور وہ آپ سے کہتے: اے نوح! پہلے آپ صرف نبی تھے اور اب آپ اس کے بعد بڑھئی اور مستری بھی بن گئے ﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ﴾ حضرت نوح نے جواب میں فرمایا کہ اگر آج تم ہمارا مذاق اڑانے لگے ہو تو ہم جب تمہیں ہلاک ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ﴿كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ جس طرح تم کشتی کو دیکھ کر ہمارا مذاق اڑاتے ہو۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ السلام نے ساکھو کے درخت کی لکڑی سے دو سال میں ایک کشتی بنائی تھی اور اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی یا بارہ سو ہاتھ تھی اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی یا پھر اس کی لمبائی چھ سو ہاتھ تھی اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی (ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کاندھے تک ایک ہاتھ کہلاتا ہے) اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی کی تین منزلیں بنائی تھیں' پھر آپ نے سب سے نچلی منزل میں جنگلی جانور اور درندے اور کیڑے مکوڑے

اور درمیانی منزل میں چوپائے اور مویشی سوار کیے اور سب سے بالائی منزل میں خود حضرت نوح اور آپ کے ساتھی کھانے پینے کے ضروری سامان وغیرہ کے ساتھ سوار ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد مبارک بھی سوار کیا گیا تھا اور حضرت نوح نے اس کو مردوں اور عورتوں کے درمیان حائل کر کے پردہ بنا دیا تھا۔

۳۹۔﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ سوعنقریب تم جان جاؤ گے کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے جو اس کو ذلیل ورسوا کردے گا [مَنْ یَّاْتِیْهِ ''تَعْلَمُوْنَ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اصل میں ''فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ الَّذِیْ یَاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ'' ہے اور اس سے مذاق اڑانے والے لوگ مراد ہیں اور عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور وہ ہے طوفان میں غرق کیا جانا] ﴿وَیَحِلُّ عَلَیْهِ﴾ اور اس قوم پر نازل ہوگا ﴿عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ قائم و دائم رہنے والا عذاب (یعنی ہمیشہ کا عذاب) اور اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ى ابْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾

قرأ حفص بفتح المیم وامالۃ الراء

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آن پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا' تو ہم نے (نوح سے) فرمایا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو (ایک مادہ اور ایک نر) سوار کر لیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی ماسوا ان کے جن پر پہلے حکم لگ چکا اور ان کو بھی سوار کر لیجئے جو ایمان لا چکے ہیں' اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے O اور نوح نے فرمایا کہ تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی لہروں میں لے کر چلنے لگی' اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اپنے باپ کے دین سے دور تھا کہ تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ O

۴۰۔﴿حَتّٰۤى﴾ [یہ وہ حرف ہے جس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے اور اس کو شرط و جزاء والے جملے پر داخل کیا جاتا ہے اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ'' کی غایت و غرض بیان کرنے کے لیے ہے] یعنی اور حضرت نوح کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ عذاب کے وعدے کا وقت آ گیا [اور ان دونوں کے درمیان کا کلام ''یَصْنَعُ'' سے حال ہے] یعنی (جب) آپ کشتی بنانے لگے تھے تو اس وقت یہ حال تھا کہ جب آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے [اور ''كُلَّمَا'' کا جواب ''سَخِرُوْا مِنْهُ'' ہے اور ''قَالَ'' سائل کے سوال کی تقدیر پر ایک الگ نیا کلام ہے یا ''قَالَ'' ''كُلَّمَا'' کا جواب ہے اور ''سَخِرُوْا'' ''مَرَّ'' سے بدل ہے یا پھر ''مَلَاٌ'' کی صفت ہے] ﴿اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ جب ہمارا عذاب آ گیا ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور تنور جوش مارنے لگا اور یہ عذاب کی شدت اور اس کے انتہائی سخت ترین ہونے سے کنایہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پانی نے روٹیوں کے تنور میں سے جوش مارا اور اُبلنے لگ گیا اور یہ پتھر

سے بنا ہوا تھا اور یہ حضرت حوا مرحومہ کا تھا اور ترکہ میں منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچا تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ تنور سے روئے زمین مراد ہے ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا﴾ ہم نے فرمایا کہ آپ اس کشتی میں سوار کر لیجئے ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ہر جنس سے دو دو جوڑے (ایک نر اور ایک مادہ) اس کی تفسیر سورۃ المؤمنون میں بیان کی جائے گی ﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ اور آپ اپنے بیوی بچوں کو (کشتی میں سوار کر لیجئے) ماسوا ان کے جن پر پہلے سے بات ثابت ہو چکی ہے۔[اس کا ''اِثْنَيْنِ'' پر عطف ہے] ﴿وَمَنْ اٰمَنَ﴾ [اس کا عطف ''اَهْلَ'' پر ہے] یعنی اور آپ اپنے اہل وعیال کو اور ان کے علاوہ مسلمانوں کو سوار کر لیجئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے اہل وعیال میں سے ان کو مستثنیٰ قرار دیا جن پر اللہ تعالیٰ کا فرمان پہلے جاری ہو چکا کہ وہ دوخیوں میں سے ہیں (جیسے حضرت نوح کی بیوی واعلہ اور آپ کا بیٹا کنعان جو ایمان نہیں لائے تھے) اور ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا فرمانِ الٰہی اس علم کی بناء پر جاری ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے یہ معلوم تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کفر اختیار کریں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے ارادے میں ان کے دوزخی ہونے کا فرمان سبقت کر چکا اور بندوں کا خالق و مالک (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ کائنات میں اس کے ارادے کے خلاف واقع ہو جائے ﴿وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ کل آٹھ آدمی تھے' خود حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ایک بیوی اور ان کے تین بیٹے اور بیٹوں کی بیویاں اور بعض نے فرمایا کہ کل دس افراد تھے' پانچ مرد اور پانچ عورتیں اور بعض نے فرمایا کہ ایمان لانے والے مرد اور عورتیں بہتر (۷۲) افراد تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام' حام اور یافث اور ان کی بیویاں بھی ایمان لانے والوں میں شامل تھے' اس طرح کل اٹھہتر (۷۸) افراد ہو گئے' جن میں آدھے مرد تھے اور آدھی عورتیں تھیں۔

۴۱۔ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام نے (اہل ایمان سے) فرمایا کہ تم اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔[''بِسْمِ اللّٰهِ''، ''اِرْكَبُوْا'' کے ساتھ متصل ہے' واؤ سے حال ہے] یعنی تم اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے سوار ہو جاؤ یا اس کے چلنے کے وقت اور ٹھہرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ یا تو اس لیے کہ کشتی کا چلنا اور لنگر انداز ہونا مقرر وقت پر ہوتا تھا [یا اس لیے کہ یہ دونوں ''اِجْرَاء'' اور ''اِرْسَاء'' کی طرح مصدر ہیں' ان سے ان کا مضاف وقت حذف کر دیا گیا ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''خُفُوْقُ النَّجْمِ'' ستارے کے ڈوبنے کا وقت' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا'' مستقل جملہ ہو اور یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متعلق نہ ہو اور یہ مبتدا خبر ہو] یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا' پھر ان کو بتایا کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرنے پر ہو گا یعنی اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے ہو گا' چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام چاہتے کہ کشتی چل پڑے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھتے تو کشتی چل پڑتی اور جب آپ چاہتے کہ کشتی ٹھہر جائے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کہتے تو کشتی رک جاتی۔[''مَجْرٖهَا'' میں میم مفتوح اور ''راء'' مکسور ہے' ''جَرْیٌ'' سے مشتق ہے یا تو یہ مصدر ہے یا ظرف زمان ہے' یہ حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ہے] ﴿إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ﴾ بے شک میرا رب ان میں سے ایمان لانے والوں کو ضرور بخش دے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ وہ بہت مہربان ہے کہ اس نے اپنے مؤمنوں کو نجات دی۔

۴۲۔ ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ﴾ اور وہ ان کو لے کر چلنے لگی۔[یہ جملہ محذوف کے ساتھ متصل ہے' جس پر ''اِرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ'' دلالت کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوار ہو گئے اور وہ ان کو لے کر چلنے

لگی یعنی کشتی چلنے لگی اور وہ اس میں سوار تھے ﴿فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ پہاڑ جیسی بلند و بالا موجوں میں۔[ ''موج'' سے مراد طوفان کی موجیں ہیں اور یہ ''مَوْجَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''تَمْرٌ'' جمع ہے اور ''تَمْرَةٌ'' واحد ہے ]اور یہ وہ پانی ہے جو جوش کے وقت لہروں کی صورت میں زمین سے اوپر کی طرف زور سے اچھلتا اور چڑھتا ہے جس میں سخت ترین آندھی شامل ہوتی ہے طوفان کی ہر موج کو اوپر نیچے تہ بہ تہ ہونے اور بلندی کی طرف چڑھنے میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَنَادٰى نُوْحُ اِۨبْنَهٗ﴾ اور حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو پکارا اور بعض نے کہا کہ اس کا نام یام تھا اور جمہور علمائے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضرت نوح کا حقیقی بیٹا تھا اور بعض نے فرمایا کہ وہ آپ کی بیوی کا بیٹا تھا ﴿وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ﴾ اور وہ اپنے باپ حضرت نوح سے اور ان کی کشتی سے بہت دور مکان میں تھا۔[ ''مَعْزِلٍ'' ''مَفْعِلٍ'' کے وزن پر (ظرف مکان) ہے جیسے ''عَزَلَ عَنْهُ'' کہا جاتا ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو دور کر دے ]یا وہ اپنے باپ حضرت نوح کے دین سے بہت دور تھا ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے بیٹے ![امام عاصم کی قراءت میں ''یَا'' مفتوح ہے یائے اضافت سے تبدیل کردہ الف پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''یَا بُنَيَّا''. اس کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' مکسور ہے یائے اضافت پر اکتفاء کرنے کی بناء پر ] ﴿ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ تو ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا یعنی پہلے اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جا اور پھر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا ﴿وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو جا۔

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى
الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ الربع
مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اس نے کہا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' آپ نے فرمایا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے ماسوا اس کے جس پر وہ خود رحم فرمالے' اور ان دونوں (باپ' بیٹے) کے درمیان موج حائل ہو گئی' پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا○ اور فرمایا گیا کہ اے زمین! تو اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور فیصلہ پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے○ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے○

۴۳-﴿قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾ اس نے کہا کہ میں عنقریب پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا اور مجھے غرق ہونے سے روک لے گا ﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ حضرت نوح نے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر جس پر وہ مہربان ہو جائے اور وہ رحم فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے یا یہ کہ آج طوفان سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرما دے یعنی کوئی مکان بچانے والا اور پناہ گاہ نہیں ہے

ماسوا ان مسلمانوں کے مکان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور یہ اس لیے کہ جب کنعان نے پہاڑ کو پانی سے بچانے والی پناہ گاہ قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمادیا کہ آج پہاڑ وغیرہ میں سے کوئی مکان بطور پناہ گاہ تجھے نہیں بچا سکے گا ماسوا ایک پناہ گاہ کے اور یہ مکان ان کی پناہ گاہ ہے' جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کو نجات دی' یعنی وہ کشتی ہے [یا یہ استثناء منقطع ہے] گویا فرمایا گیا ہے: لیکن جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے تو وہی محفوظ رہے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ'' (النساء:۱۵۷) ''ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے مگر وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں''۔ ﴿وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ اور حضرت نوح اور ان کے بیٹے کے درمیان یا ان کے بیٹے اور پہاڑ کے درمیان طوفان کی موجیں حائل ہو گئیں ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا (یعنی ان کے ساتھ ڈوب گیا) یا پھر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو چکا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ کنعان کفر اختیار کر کے کافروں کے ساتھ ڈوب جائے گا)۔

٤٤۔﴿وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ﴾ اور فرمایا گیا کہ اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور پی لے [اور ''بَلْعٌ'' کا معنی پینا اور جذب کر لینا ہے] ﴿وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ﴾ اور اے آسمان! تو (اپنا پانی) روک لے ﴿وَغِیْضَ الْمَآءُ﴾ اور پانی کم ہو گیا۔[''غِیْضَ'' کا معنی ''نَقَصَ'' (یعنی کم ہو گیا) ہے' یہ ''غَاضَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کم ہو جائے اور یہ فعل لازم اور فعل متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے] ﴿وَقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ اور فیصلہ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی کافر قوم کو ہلاک کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا ﴿وَاسْتَوَتْ﴾ اور وہ کشتی پورے چھ ماہ تمام روئے زمین کا چکر لگا کر ٹھہر گئی اور رُک گئی ﴿عَلَى الْجُوْدِیِّ﴾ جودی پہاڑ پر اور یہ پہاڑ عراق کے مشہور شہر موصل کے پاس ہے ﴿وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور فرمایا گیا کہ ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے یعنی حضرت نوح کی قوم کے لیے ہلاکت ہے جنہیں غرق کیا گیا۔[جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''بَعُدَ بُعْدًا'' (گویا ''بُعْدًا'' مصدر ہے اور فعل مقدر کی تاکید کے لیے ہے) اس کلام سے اہل عرب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بہت دور جا پڑا یعنی موت کے منہ میں چلا گیا اور ہلاک و برباد ہو گیا اور اس لیے یہ جملہ بددعا کرنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے] یہ آیت مبارکہ اپنی لفظی اور معنوی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کی حامل ہونے کی وجہ سے چار جہات سے قابل غور ہے' ایک علم البیان کے اعتبار سے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مجاز' استعارہ' کنایہ اور دیگر وہ اُمور جو ان کے ساتھ متعلق ہیں ان میں غور کیا جائے' چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے معنی و مفہوم بیان کرنا چاہا تو (فرمایا کہ) ہم نے چاہا کہ زمین سے جتنا (پانی طوفان کے لیے) پھوٹ کر نکلا تھا ہم اس کو اس کی تہ کی طرف لوٹا دیں' سو وہ واپس لوٹ گیا اور یہ کہ ہم آسمان کے طوفان کو ختم کر دیں' سو وہ بھی ختم ہو گیا اور یہ کہ ہم آسمان سے نازل ہونے والے پانی کو روک دیں' چنانچہ وہ رک گیا (اور زمین خشک ہو گئی) اور یہ کہ ہم حضرت نوح کا معاملہ پورا کر دیں اور وہ اس وعدہ کو پورا کرنا ہے جو ہم نے ان سے فرمایا تھا کہ ان کی نافرمان قوم کو پانی میں غرق کر دیا جائے گا' سو وہ بھی پورا کر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم ان کی کشتی کو جودی پہاڑ پر برابر ٹھہرا دیں گے' سو وہ بھی ٹھہر چکی اور یہ کلام تشبیہ پر مبنی ہے اور مامور سے وہ عمل مراد ہے جس سے آمر کی کمال ہیبت کے سبب نافرمانی نہیں ہو سکتی اور مقصود کے حصول کے لیے جس تکوینی امر کا نفاذ لازمی اور ضروری ہے اس نے آمر کے اقتدار و اختیار کے اظہار کے لیے تشبیہ مراد ہے کیونکہ تمام آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے تکوینی امر کے لیے مسخر و مطیع اور فرماں بردار ہیں' اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہے حکم نافذ کر دے کیونکہ ان میں تبدیلی و تغیر کر کے اس کے ارادے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' گویا یہ (زمین و آسمان) اہلِ تمیز اور اہل عقل ہیں کیونکہ انہوں

نے اپنے رب کو یقیناً پہچان لیا ہے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے اور انہوں نے اپنے رب کے حکم پر اطاعت وفرماں برداری کے وجوب کو خوب اچھی طرح جان لیا ہے اور اس کے حکم پر مکمل یقین حاصل کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد حاصل کرنے کے لیے ان پر اپنی جدوجہد خرچ کرنے کو واجب ولازم کر دیا گیا ہے [پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے نظم کو تشبیہ پر مبنی قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا: ''وَقِیْلَ'' یہ ایسے ارادے سے بطور مجاز فرمایا گیا ہے کہ جس کے سبب ''قائل'' کا قول واقع ہوا ہے اور مجاز کا قرینہ جماد (یعنی بے جان چیز) کو خطاب کرنا قرار دیا گیا ہے اور وہ ''یَا اَرْضُ وَ یَا سَمَآءُ'' (اے زمین! اور اے آسمان!) ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تشبیہ کے لیے بطور استعارہ ان دونوں کو مخاطب کر کے ''یَا اَرْضُ وَیَا سَمَآءُ'' فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کی گہرائی میں پانی کے چلے جانے کے لیے ''اِبْلَعِیْ'' (نگل لیجئے) کو بطور استعارہ استعمال فرمایا' جو کھانے کی چیزوں میں جذب کرنے اور نگلنے کے عمل کے لیے آتا ہے کیونکہ ان دونوں میں مشابہت ہے اور وہ ہے مخفی قرار گاہ کی طرف جانا (جیسے کھانا پیٹ میں چلا جاتا ہے' اسی طرح پانی زمین کی تہ میں چلا جاتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کو غذا کے مشابہ قرار دے کر اس کو بطور استعارہ غذا کے لیے استعمال کیا کیونکہ زمین نباتات کی پیداوار دینے میں پانی سے تقویت حاصل کرتی ہے جیسا کہ کھانا کھانے والا کھانے سے تقویت حاصل کرتا ہے (تو گویا پانی زمین کی غذا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَآءَ كِ''، جس میں بطور مجاز پانی کی اضافت ونسبت زمین کی طرف کی گئی ہے کیونکہ پانی کا تعلق زمین کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے' جس طرح ملکیت کا تعلق مالک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بارش کو روکنے کے لیے ''اَقْلِعِیْ'' فرمایا' جو فاعل کا اپنے فعل کو ترک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں عدم تاخیر میں مشابہت ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''وَ غِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ'' ان جملوں میں جس نے پانی کو ختم کیا اس کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ فیصلہ کرنے والے اور کشتی کو برابر ٹھہرانے والے کی تصریح وتوضیح فرمائی' نیز اللہ تعالیٰ نے ''وَقِیْلَ بُعْدًا'' فرمایا' مگر قائل کی وضاحت نہیں فرمائی جیسا کہ ''یَا اَرْضُ وَ یَاسَمَآءُ'' کے شروع میں ''قِیْلَ'' فرمایا' مگر قائل کی وضاحت نہیں فرمائی کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں کنایہ کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ بڑے اہم ترین اُمور قدر وطاقت رکھنے والے فاعل کے بغیر اور زبردست مُکَوِّن وبنانے والے کے بغیر معرضِ وجود میں نہیں آسکتے اور یقیناً ان سب کا صرف ایک خدا ہے' جس کے فعل میں اس کا کوئی شریک نہیں' لہٰذا کسی کا وہم وخیال اس طرف نہیں جا سکتا کہ خدائے واحد لاشریک کے سوا کسی اور نے ''یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَ كِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ'' کہا ہو اور نہ اس کے سوا کوئی اور پانی کو ختم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا اور کشتی کو ٹھہرانے والا ہو سکتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے کی راہ پر چلنے والوں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو تنبیہ کرنے اور ان پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے کلام کو تعریض کے ساتھ ختم فرمایا اور یہ سخت ترین عذاب صرف ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے انہیں دیا گیا۔

اور دوسرا علم المعانی کے اعتبار سے غور کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ اس کے ہر کلمہ کے فائدے میں اور اس کے تمام جملوں کے درمیان ہر ایک تقدیم وتاخیر کی حکمت ومصلحت میں غور وفکر کیا جائے اور وہ یہ کہ حروفِ ندا میں سے حرف ''یَا'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے اور وہ منادیٰ کے دور ہونے پر دلالت کرتا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ کی عظمت وسلطنت کے اظہار کا مقام تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت وغلبہ کا اظہار ہوتا ہے (کہ قریب وبعید سب پر اللہ تعالیٰ کی حکومت وسلطنت نافذ ہے) اور جس منادیٰ کو دور سے ندا کی گئی ہے اس کا دُور ہونا اس کی اپنی حقارت وکمتری کے سبب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''یَا اَرْضِیْ'' (اے میری زمین!) نہیں فرمایا تا کہ اس کی حقارت وکمتری میں اضافے کا اظہار

ہو کیونکہ اضافت قرب کا تقاضا کرتی ہے نیز اختصار کے پیش نظر ''یَا اَیَّتُھَا الْاَرْضُ ''نہیں فرمایا گیا اور لفظ ''اَرْض ''اور ''سَمَآء'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ خفیف وآسان ہیں' نیز زیادہ استعمال ہونے والے ہیں اور ''اِبْتَلِعِیْ '' کی بجائے ''اِبْلَعِیْ'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ مختصر ہے' نیز اس کے درمیان اور ''اَقْلِعِیْ '' کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مشابہت ہے اور اسی اختصار کی وجہ سے ''اَقْلِعِیْ عَنِ الْمَطَرِ ''نہیں فرمایا اور اسی طرح اختصار کی وجہ سے ''یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَ کِ فَبَلَعَتْ '' اور ''یَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ فَاَقْلَعَتْ'' نہیں فرمایا اور اسی بناء پر ''غُیِّضَ '' (غین مضمون و یا مشدد باب تفعیل سے ہے) کی بجائے ''غِیْضَ '' (غین مکسور و ''یَا'' ساکن باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ '') کو اختیار کیا گیا ہے اور ''الْمَآءُ'' فرمایا گیا ہے مگر ''مَآءُ الطُّوْفَانِ'' نہیں فرمایا گیا اور ''الْاَمْرُ'' فرمایا گیا ہے لیکن ''اَمْرُ نُوْحٍ وَّقَوْمِہٖ'' نہیں فرمایا گیا تو اس کی ایک حکمت اختصار کرنا مقصود ہے اور دوسرا یہ کہ ان دونوں کلموں میں لام عہد اس طویل عبارت سے بے نیاز کر دیتا ہے اور ''سُوِّیَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ'' (فعل ماضی مجہول مبنی للمفعول) نہیں فرمایا گیا جیسا کہ ''قِیْلَ وَغِیْضَ'' میں فرمایا گیا ہے تو اس کی وجہ سفینہ کے ساتھ فعل مبنی للفاعل کا اعتبار کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ''وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ'' میں مطابقت کا ارادہ کیا گیا ہے (تاکہ دو جملوں میں فعل معروف اور ان کا فاعل سفینہ بن جائے) پھر اختصار کے ساتھ ساتھ تاکید کے حصول کی خاطر ''بُعْدًا لِّلْقَوْمِ '' فرمایا گیا ہے اور ''لِیَبْعُدَ الْقَوْمُ'' نہیں فرمایا گیا۔ واضح ہو کہ یہ بحث کلموں کی ترکیب و ترتیب میں غور و فکر کرنے کی حیثیت سے تھی' لیکن جملوں کی ترتیب میں نظر و فکر یہ ہے کہ ندا کو امر پر مقدم کیا گیا ہے اور ''یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ'' اور ''یَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ'' فرمایا گیا ہے لیکن ''اِبْلَعِیْ یَا اَرْضُ'' اور ''اَقْلِعِیْ یَا سَمَآءُ'' نہیں فرمایا گیا تاکہ حرف تنبیہ کو مقدم کر کے جہاں مامور حقیقی ہو (یعنی ذوالعقول ہو) وہاں کلام کا مقتضیٰ جاری و ساری رکھا جائے کیونکہ جو امر حرفِ تنبیہ (ندا وغیرہ) کے بعد وارد ہوگا وہ منادیٰ کی ذات میں راسخ و مستحکم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ استعارہ ترشیحہ کے معنی کا ارادہ کیا جائے گا' پھر زمین کے حکم کو آسمان کے حکم پر مقدم کیا گیا اور حکم کرنے کی ابتداء زمین سے کی گئی ہے کیونکہ طوفان کا آغاز زمین سے ہوا تھا' پھر اس کے بعد ''وَغِیْضَ الْمَآءُ'' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ پانی کے قصے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس کو اختتامیہ کے طور پر لیا گیا ہے' پھر جو قصے کا اصل مقصود ہے وہ ذکر کیا گیا ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَقُضِیَ الْاَمْرُ'' ہے یعنی کافروں کو ہلاک کرنے اور حضرت نوح کو اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیوں کو نجات دینے کا وعدہ پورا کر دیا گیا ہے اور تم اس پر عبرت حاصل کرو۔

اور فصاحتِ معنویہ کے اعتبار سے نظر و فکر یہ ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ معانی کی تفہیم کے لیے نظم کا انتخاب بہت لطیف اور عمدہ کیا گیا ہے اور ان کی ادائیگی کے لیے مختصر مگر واضح الفاظ بیان کیے گئے ہیں' جن میں ایسی کوئی پیچیدگی نہیں ہے جو مراد حاصل کرنے میں فکر و سوچ کو منتشر و پراگندہ کر دے اور نہ ایسے مغلق و مشکل الفاظ ہیں جو مقصود تک رسائی کی رکاوٹ بنتے ہوں اور فصاحتِ لفظیہ کے اعتبار سے نظر و فکر یہ ہے کہ اس کے الفاظ جیسا کہ دیکھتے ہو عربی ہیں اور عربی لغت کے مطابق استعمال کیے گئے ہیں اور قابل نفرت ترکیب سے صحیح و سلامت اور محفوظ ہیں اور مشکل و دشوار ترتیب سے بہت بعید ہیں اور خوشگوار و عمدہ اور مٹھاس آمیختہ ہیں اور سلیس و رواں اور ہر قسم کی عبارتی الجھن سے پاک صاف ہیں اور اس کا ہر ایک لفظ پانی کی طرح رواں اور شہد کی طرح میٹھا اور ہوا کی طرح نرم ہے اور اسی وجہ سے تمام معاندین اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی قدرت و طاقت قرآنی آیت کی طرح کوئی آیت بنا کر لانے سے قاصر ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوبی ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی عالم اس کی آیات میں سے کسی آیت میں غور و فکر کرے گا تو بہترین

اور عمدہ لطائف و نکات اور خوبیاں حاصل کرے گا' جن کی گنتی کی گنجائش نہیں اور ہم ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ آیت مبارکہ صرف انہیں خوبیوں پر موقوف ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہیں بلکہ ممکن ہے کہ جو کچھ ترک کر دیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ ہو' جو لکھا گیا ہے]۔

٤٥- ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ﴾ اور حضرت نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! حضرت نوح کا اپنے رب کو پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب سے دعا کی اور وہ دعا یہ ہے: "رَبِّ" حضرت نوح نے اس دعا کے ساتھ اس کے بعد کا جملہ ملا کر اپنے گھر والوں کو نجات دلانے کے لیے اپنے رب سے وعدہ پورا کرنے کا تقاضا کیا ﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ﴾ بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے یعنی میرے گھر کے افراد میں سے ایک فرد ہے کیونکہ کنعان آپ کا حقیقی بیٹا تھا یا آپ کا پروردہ تھا' اس لیے وہ آپ کے گھر کا ایک فرد تھا ﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ اور بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے اور ہر وہ وعدہ جو تو کسی سے کرتا ہے وہ حق و سچ اور ثابت ہوتا ہے' جس کے پورا کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا' بلکہ وہ ضرور پورا ہوتا ہے اور بے شک تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو میرے گھر والوں کو نجات عطا فرمائے گا تو میرے بیٹے کا کیا حال ہوگا ﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ اور تو سب سے بڑا حاکم ہے یعنی تو تمام حکام سے زیادہ جاننے والا ہے اور ان سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے کیونکہ کسی حاکم کو کسی دوسرے پر صرف علم اور عدل و انصاف کی بناء پر فضیلت و برتری حاصل ہوتی ہے اور تمہارے زمانے میں حکومت کے پیروکاروں میں سے بہت سے لوگ جہالت و ظلم میں مستغرق ملیں گے' لیکن ان کا لقب "اقضی القضاۃ" (سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا) ہوگا جس کا معنی "اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ" بنتا ہے' سو تم عبرت پکڑو اور عبرت حاصل کرو۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے' کیونکہ وہ عمل کا نیک نہیں ہے' سو جس بات کا تجھے علم نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کیجئے' بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تم نادانوں میں سے نہ ہو جاؤO نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں' اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گاO فرمایا گیا کہ اے نوح! تم ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان میں سے کچھ جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں' اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم عنقریب کچھ فوائد دیں گے' پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گاO

٤٦- ﴿قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! بے شک وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں

ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے گھر والوں میں سے کنعان کے نہ ہونے کی علّت وسبب بیان کیا اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ بے شک وہ نیک عمل نہیں ہے اور اس میں خبردار کر دیا گیا ہے کہ دین کا رشتہ نسب کے رشتہ پر یقیناً غالب ہے اور بے شک تمہارا نسب تمہارے دین سے وابستہ ہے اور اگر دینی رشتہ دار حبشی ہو اور تم قرشی ہو تو بھی تمہارے ساتھ اس کا رشتہ قائم رہے گا اور جو شخص تمہارے دین پر نہیں ہے وہ اگر چہ تمہارے اقارب کے ساتھ رشتہ میں جُڑا ہوا ہو لیکن وہ تم سے بہت دور ہے اور کنعان کی مذمت میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کی ذات کو عمل غیر صالح قرار دیا گیا ہے جیسا کہ خنساء کا قول ہے: ''فَاِنَّمَا هِيَ اِقْبَالٌ وَاِدْبَارٌ'' پس بے شک وہ (زمانہ) آنے جانے والا ہے (یہاں بھی ''عَمَلٌ'' کی طرح مصدر کو بطور مبالغہ مبتدا پر محمول کر کے خبر قرار دیا گیا ہے) یا پھر تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنَّهٗ ذُوْ عَمَلٍ غَيْرُ صَالِحٍ'' بے شک وہ نیک عمل کرنے والا نہیں ہے' اور اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت نوح کے گھر والوں میں سے جس نے نجات حاصل کی ہے اس نے اپنے نیک عمل کی وجہ سے نجات حاصل کی ہے نہ کہ اس لیے کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے تھا اور اس کو یاد رکھو کہ جب اس سے نیک سیرتی اور دین داری ختم ہو گئی تو اس کو اس کے باپ کے رشتے نے کوئی فائدہ نہیں دیا [قاری علی کسائی (اور قاری یعقوب) کی قراءت میں ''عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ'' (عَمِلَ فعل ماضی مکسور العین ''غَيْرَ'' بناء بر مفعولیت منصوب) ہے] حضرت علامۃ الشیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا آپ کے دین پر تھا لیکن وہ منافقت سے کام لیتا تھا' ورنہ ممکن نہیں کہ آپ یہ کہتے کہ بے شک میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی درخواست کرتے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس طرح سوال کرنے سے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ ''وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ'' (ھود:۳۷) ''اور تم مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا' بے شک وہ یقیناً غرق کیے جائیں گے''۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کی درخواست اس لیے کرتے رہے کہ وہ آپ کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتا تھا جیسا کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے منافقین آپ کی موافقت کا اظہار کرتے تھے اور اپنے دلوں میں آپ کی مخالفت وعداوت کو چھپاتے تھے اور آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع اور آگاہ فرما دیا اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ'' کا مطلب یہ ہے کہ بے شک وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے یعنی ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی نجات کا میں نے وعدہ فرمایا ہے اور یہ وہ حقیقی مسلمان ہیں جو ظاہر وباطن میں ایمان پر قائم ہیں ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ﴾ سو آپ مجھ سے سوال نہ کریں۔ [اہل کوفہ کے نزدیک نون کے نیچے کسرہ یائے محذوفہ کے عوض میں ہے جب کہ ابوعمرو بصری (اور ابوجعفر اور ورش اور یعقوب) کی قراءت میں یائے ثابتہ کے ساتھ ''فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ'' (نون مکسور اور ''یا'' مفتوح کے ساتھ) ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّيَ'' (لام مفتوح' نون مشدّد مکسور اور یائے متکلم مفتوح) ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّ'' (لام مفتوح اور نون مشدّد مکسور بغیر یائے متکلم کے) ہے کیونکہ ''یَا'' کو حذف کر کے اس کے عوض میں نون مشدّد کے نیچے کسرہ دے دیا گیا ہے اور یہ نون تاکید کا نون ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنَّ'' (لام ونون دونوں مفتوح اور نون مشدّد) ہے] ﴿مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے کہ اس کے متعلق سوال کرنا جائز ہے یا نہیں ﴿اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تم نادانوں میں سے ہو جاؤ۔ یہ اس طرح ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول اکرم ﷺ کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ'' (الانعام:۳۵) ''سو اے محبوب! آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے''۔

۴۷-﴿قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِكَ أَنۡ أَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِي بِهِۦ عِلۡمٌ﴾ حضرت نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے یعنی میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں مستقبل میں تجھ سے ایسا سوال کروں جس کے صحیح ہونے کا مجھے علم نہیں ہے' یہ صرف تیرا ادب واحترام کرنے اور تیری نصیحت قبول کر کے اس پر عمل کرنے کے لیے ہے ﴿وَإِلَّا تَغۡفِرۡ لِي﴾ اور اگر تو میری کوتاہی کو نہیں بخشے گا ﴿وَتَرۡحَمۡنِيٓ﴾ اور (اگر) تو مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا اور اس طرح کی کوتاہی کی طرف لوٹنے سے نہیں بچائے گا ﴿أَكُن مِّنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ﴾ تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

۴۸-﴿قِيلَ يَٰنُوحُ ٱهۡبِطۡ بِسَلَٰمٖ مِّنَّا﴾ فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلام کے ساتھ یا غرق ہونے سے سلامتی وحفاظت کے ساتھ اتر جائیے ﴿وَبَرَكَٰتٍ عَلَيۡكَ﴾ اور تم پر برکتیں ہی برکتیں ہوں اور یہ زیادہ سے زیادہ بڑھنے والی بھلائیاں مراد ہیں اور یہ بھلائیاں آپ کے حق میں ہیں اور آپ کی اولاد کی کثرت کے بارے میں ہیں اور آپ کے پیروکاروں کے بارے میں ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے اور آپ کی نسل میں سے باقی امتوں میں دین کے پیشوا پیدا فرمائے ﴿وَعَلَىٰٓ أُمَمٖ مِّمَّن مَّعَكَ﴾ اور (یہ برکتیں) ان لوگوں پر ہوں جو آپ کے ساتھ (اسلام قبول کر کے کشتی میں سوار ہوئے) ہیں۔ [اس میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے اور ''اُمَم'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے کیونکہ وہ بہت سے گروہ تھے یا انہیں ''اُمَم'' اس لیے کہا گیا ہے کہ ان سے بہت سی امتیں اور جماعتیں پیدا ہوئی تھیں یا پھر حرف ''مِنْ'' ابتدائیہ ہے یعنی آپ کے ساتھ سوار ہونے والوں میں سے پیدا ہونے والی امتوں پر (بھی برکتیں ہوں) اور وہ آخر زمانہ تک پیدا ہونے والی امتیں مراد ہیں اور ''اُمَم'' کو جمع لانے کی یہی وجہ ہے] ﴿وَأُمَمٞ سَنُمَتِّعُهُمۡ﴾ اور کچھ گروہ ایسے ہوں گے جن کو ہم دنیا میں مال و دولت اور رزق میں خوشحالی اور زندگی میں آسودگی کے فوائد دیں گے۔ [''اُمَمٌ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے' ''سَنُمَتِّعُهُمْ'' اس کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَمِمَّن مَّعَكَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ'' ہے اور اس کی خبر مقدم کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ پہلا ''مِمَّن مَّعَكَ'' اس پر دلالت کر رہا ہے] ﴿ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٞ﴾ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا یعنی آخرت میں اور معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے سلام اور برکتیں آپ پر ہوں گی اور جو آپ کے ساتھ ہیں' ان میں سے پیدا ہونے والے مسلمانوں پر ہوں گی اور جو لوگ آپ کے ساتھ سوار ہیں ان میں سے کچھ گروہ پیدا ہوں گے جو دنیا میں خوب فائدہ اٹھائیں گے' پھر دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بعد تمام انبیائے کرام کے باپ ہیں اور طوفان کے بعد پیدا ہونے والی تمام مخلوق آپ سے اور کشتی میں سوار آپ کے ساتھیوں میں سے پیدا ہوئی تھی۔

اور حضرت محمد بن کعب سے منقول ہے کہ اس سلام میں قیامت تک آنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں داخل ہیں اور اس کے بعد دنیا کا فائدہ حاصل کرنے والوں اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے والوں میں تمام کافر داخل ہیں۔

تِلۡكَ مِنۡ أَنۢبَآءِ ٱلۡغَيۡبِ نُوحِيهَآ إِلَيۡكَۖ مَا كُنتَ تَعۡلَمُهَآ أَنتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِن قَبۡلِ هَٰذَاۖ فَٱصۡبِرۡۖ إِنَّ ٱلۡعَٰقِبَةَ لِلۡمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمۡ هُودٗاۚ قَالَ يَٰقَوۡمِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥٓۖ إِنۡ أَنتُمۡ إِلَّا مُفۡتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَٰقَوۡمِ لَآ أَسۡـَٔلُكُمۡ

ع ۴ — معانقۃ ۱۲ توقف غفران النبی ﷺ — احسن والوقف

عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم' سو آپ صبر کیجئے' بے شک نیک انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے O اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ہود کو (بھیجا)' انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم تو نہیں مگر بہتان باندھنے والے O اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت صرف اس ذات کے ذمۂ کرم پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O

۴۹- ﴿تِلْكَ﴾ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور اس کے بعد آنے والے جملے اس کی خبریں ہیں اور وہ یہ ہیں] ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ﴾ یہ غیب کی خبریں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی یعنی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ایک غیبی خبر ہے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' جو آپ کو اور آپ کی قوم کو معلوم نہیں تھا ﴿مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ اس وقت سے پہلے یا آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے اور آپ کو اس کی خبریں بیان کرنے سے پہلے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور اپنی قوم کے اذیت و تکلیف پہنچانے پر صبر کیجئے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے صبر کا مظاہرہ کیا تھا اور آپ اپنے لیے اور اپنے جھٹلانے والوں کے لیے اسی طرح کے انجام کی توقع رکھیں جس طرح حضرت نوح اور ان کی قوم کے لیے ہوا تھا (کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران کرے گا اور ان کی قوم کی طرح آپ کی قوم کفارِ مکہ کو ناکام و نامراد اور ہلاک کردے گا) ﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ﴾ بے شک کامیابی و کامرانی پانے میں اور مدد و نصرتِ الٰہی اور فتح و غلبہ حاصل کرنے میں بہترین انجام ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ شرک و کفر سے بچنے والے پرہیزگاروں کے لیے ہوتا ہے۔

## حضرت ھود کی تبلیغ اور سرکشوں کا انجام

۵۰- ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ﴾ اور عاد کی طرف ان کے قومی بھائی (یعنی) ان میں سے ایک فرد کو (ہم نے بھیجا) [''اَخَاهُمْ'' منصوب ہے کیونکہ یہ ''اَرْسَلْنَا نُوْحًا'' پر معطوف ہے ''اَیْ وَاَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ''] ﴿هُوْدًا﴾ یعنی اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا۔ [''هُوْدًا'' عطف بیان ہے] ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ حضرت ھود نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر اس کی عبادت کرو ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ کہ اس کے علاوہ تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''غَيْرُهٗ'' جار مجرور ''مِنْ اِلٰهٍ'' کے محل کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''اِلٰهٍ'' کے لفظ سے صفت ہونے کی بناء پر ''غَيْرِهٖ'' مجرور (یعنی ''را'' کے نیچے زیر) ہے] ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ﴾ تم نہیں ہو مگر بہتان باندھنے والے کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو کہ اس کے لیے بتوں کو تم شریک قرار دیتے ہو۔

۵۱- ﴿يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت صرف اس ذاتِ اقدس کے ذمۂ کرم پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی اپنی قوم کو یہی بات کہہ کر مخاطب کیا ہے کیونکہ ان کی شان ہی یہی ہے کہ وہ نصیحت و خیرخواہی کریں اور یہ تب خالص ہوگی کہ جب

اس سے طمع و لالچ اور خواہش ختم ہو چکی ہو اور جب تک ان میں سے کسی چیز کا وہم رہے گا تو اس وقت تک نصیحت مفید و نفع بخش نہیں ہو سکے گی ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کیونکہ تم اس شخصیت کی نصیحت کو رد کر رہے ہو جو اجرت کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہے اور وہ آخرت کا اجر و ثواب ہے اور اس سے بڑھ کر تہمت کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر تم اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور وہ تمہاری قوت پر اور قوت کا اضافہ فرما دے گا اور تم مجرم بن کر منہ نہ پھیر لو O انہوں نے کہا: اے ھود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں O ہم تو نہیں کہتے مگر صرف یہی کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں جنون زدہ کر دیا ہے' ھود نے فرمایا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو O اس کے سوا' سو تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو' پھر تم مجھے مہلت نہ دو O

۵۲- ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو (یعنی) اس پر ایمان لاؤ ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ پھر تم غیر اللہ کی عبادت سے منہ موڑ کر صرف اسی کی طرف رجوع کرو ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ﴾ وہ تم پر بادل بھیجے گا یعنی وہ تم پر بارش برسائے گا ﴿مِّدْرَارًا﴾ [یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی پے در پے مسلسل اور موسلا دھار کثرت سے بارش برسائے گا ﴿وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ﴾ اور وہ تمہاری قوت میں اور قوت کا اضافہ فرما دے گا اور قوت میں اضافہ کرنے اور کثرت سے بارش برسانے سے صرف ان کو ایمان کی طرف مائل کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی کرنے والے اور اس میں باغات لگانے والے تھے اور انہیں پانی کی اشد ضرورت ہوتی تھی اور وہ قوت و طاقت اور محنت و ریاضت کی شدت پر مکمل بھروسا رکھتے تھے اور بعض نے کہا کہ قوت سے مال و دولت میں اضافہ کرنا مراد ہے یا نکاح کرنے کی طاقت مراد ہے اور بعض نے کہا کہ تین سال تک مسلسل ان پر بارش بند رہی' جس سے قحط سالی و خشک سالی پھیل گئی اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' چنانچہ حضرت ھود علیہ السلام نے ان سے ایمان لانے اور استغفار کرنے پر بارش اور اولاد کا وعدہ فرمالیا۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے' پھر جب آپ فارغ ہو کر وہاں سے جانے لگے تو حضرت امیر معاویہ کے ایک دربان نے آپ سے عرض کیا کہ میں ایک مال دار اور دولت مند آدمی ہوں لیکن میں بے اولاد ہوں' آپ برائے کرم مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں

جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر استغفار پڑھنا لازم کرلو (یعنی زیادہ سے زیادہ استغفار کیا کرو)' چنانچہ وہ دربان کثرت استغفار کرنے لگا حتیٰ کہ وہ ایک دن میں سات سو مرتبہ استغفار کرنے لگا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دس بیٹے عطا فرمائے' پھر جب یہ خبر حضرت معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اپنے دربان سے کہا کہ تم نے حضرت حسن سے یہ کیوں نہیں پوچھ لیا کہ انہوں نے یہ وظیفہ کہاں سے حاصل کیا' پھر جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ حضرت امیر معاویہ کے پاس تشریف لائے تو اس شخص نے آپ سے اس وظیفہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کر کے فرمایا: کیا تم نے حضرت ہود کا یہ قول نہیں سنا کہ ''وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ'' کہ اللہ تعالیٰ تمہاری افرادی قوت میں مزید اضافہ فرما دے گا' اور فرمایا کہ کیا تم نے حضرت نوح علیہ السلام کا قول نہیں سنا کہ انہوں نے اپنی قوم کو استغفار کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ'' (نوح:۱۲)'' اور اللہ تعالیٰ مال و دولت اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔ ﴿وَلَا تَتَوَلَّوْا﴾ اور تم مجھ سے اور میری اس تبلیغ سے منہ نہ پھیرلو جس کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں ﴿مُجْرِمِينَ﴾ تم اپنے گناہوں اور جرائم پر اصرار کرنے والے مجرم نہ بنو۔

۵۳- ﴿قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ کافروں نے کہا: اے ہود! تم تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے (جس پر ہمیں یقین ہو) یہ ان کی طرف سے سراسر جھوٹ ہے اور یہ ان کے انتہائی بغض و عناد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے' جیسا کہ قریشِ مکہ نے ہٹ دھرمی سے رسولِ خدا ﷺ کے متعلق کہا تھا: ''لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ'' (الرعد:۷)'' ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' حالانکہ آپ کے معجزات بے حد و بے شمار تھے ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ﴾ اور ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ [''تَارِكِي آلِهَتِنَا'' میں پوشیدہ ضمیر سے ''عَن قَوْلِكَ'' حال واقع ہو رہا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اور ہم اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے حالانکہ ہم تو تمہارے قول سے منہ پھیرنے والے ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں' اور ہمارے جیسے لوگوں کے لیے تمہارے جیسے آدمی کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا صحیح نہیں ہے' انہوں نے دعوت قبول کرنے سے آپ کو مایوس کرنے کے لیے یہ بات کہی تھی۔

۵۴- ﴿إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ ہم نہیں کہتے مگر صرف یہی کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں بُری تکلیف پہنچائی ہے۔ [اس میں ''إِنْ'' حرفِ نفی ہے جس کی وجہ سے تمام باتوں کی نفی کر دی گئی ماسوا ایک بات کے اور وہ ان کی یہ بات ہے کہ ہمارے بعض معبودوں نے دیوانگی اور پاگل پن کی بُری تکلیف تمہیں پہنچا دی ہے] تقدیر عبارت یہ ہے کہ ہم صرف یہی بات کہتے ہیں' یعنی ہمارے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بعض معبودوں کی بددعا کی یہ سزا ہے کہ تمہیں دیوانگی اور پاگل پن کی بیماری لگ چکی ہے ﴿قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو۔

۵۵- ﴿مِن دُونِهِ﴾ اس کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کو تم معبود قرار دے کر اس کا شریک ٹھہراتے ہو ان سے میں بیزار ہوں اور معنی یہ ہے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ان سے یقیناً بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں ان سے بیزار ہوں اور شہادت کے لیے فعل امر لایا گیا ہے جیسا کہ کوئی آدمی اس شخص سے کہتا ہے جس کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہو چکے ہوں کہ میں تم سے ہرگز دوستی اور محبت نہیں کروں گا

محض اس کا مذاق اڑانے اور اس کی توہین کرنے کے لیے ﴿فَكِيدُونِي جَمِيعًا﴾ پس تم سب میرے خلاف سازش کرلو تم بھی اور تمہارے معبود بھی ﴿ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ﴾ پھر تم مجھے مہلت نہ دو کیونکہ مجھے تمہاری اور تمہارے فریب کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور میں تمہاری اذیتوں اور تکلیفوں سے نہیں ڈرتا' اگر چہ تم میرے خلاف ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ' بھلا تمہارے معبود مجھے کیسے نقصان پہنچائیں گے کیونکہ وہ صرف بے جان مورتیاں ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور وہ مجھ سے کیسے انتقام لے سکیں گے جب کہ میں ان سے بدلا لے چکا ہوں اور میں ان کی عبادت سے روک چکا ہوں' بایں طور کہ وہ مجھے دیوانہ بنا دیتے اور میری عقل چھین لیتے۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾

بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے' زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جاندار نہیں مگر اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے' بے شک میرا رب ہی سیدھے راستے پر (چلنے کی راہ نمائی کرتا) ہے O سو اگر تم منہ پھیر لو گے تو بے شک میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا' اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا' اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے' بے شک میرا رب ہر چیز کا محافظ ہے O اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ھود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی' اور ہم نے انہیں (یعنی کافروں کو) سخت عذاب دیا O

۵۶- ﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ بے شک میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا ہے جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' کوئی جاندار نہیں مگر اس نے اس کو پیشانی سے پکڑ رکھا ہے اور جب حضرت ھود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور اس کی حفاظت پر اعتماد کرنے اور کافروں کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے اس کی کارسازی کا ذکر کیا تو اس کا ایسا وصف بیان فرمایا جو اس پر توکل کرنے کو واجب ولازم کر دیتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان کا اور ان کی قوم کا رب ہونا اور ہر جاندار کا اس کے قبضہ اور اس کے ملک میں ہونا ہے اور اس کی سلطنت و غلبہ کے تحت ہونا ہے اور پیشانی سے پکڑنا بھی اس کی تمثیل ہے ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے (یعنی) بے شک میرا رب حق پر قائم ہے' اس سے اعراض نہیں فرماتا یا یہ کہ بے شک میرا رب سیدھے راستے کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے۔

۵۷- ﴿فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ﴾ پھر اگر تم روگردانی کرو گے تو بے شک میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' لہٰذا تم پر حجت ثابت ولازم ہو گئی ہے (اور اب انکار کی

گنجائش نہیں رہی) ﴿ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ اور میرا رب تعالیٰ تمہاری جگہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو جانشین بنا دے گا۔ [یہ ایک مستقل الگ کلام ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا اور ایک اور قوم لے آئے گا جو تمہارے مکانوں اور تمہارے مالوں میں تمہارے جانشین بنیں گے ﴿ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ﴾ اور تم روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا کوئی ضرر و نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اس کو نقصان پہنچانا اور اس کی مخالفت کرنا ناممکن و ناجائز اور محال ہے اور البتہ تم صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے ﴿ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ ہر چیز پر محافظ ہے' وہ ہر چیز پر نگہبان و نگران ہے' لہٰذا تمہارے تمام اعمال اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ وہ تمہارے مؤاخذے سے غافل و بے خبر ہے یا جو ذاتِ اقدس تمام چیزوں پر نگہبان و نگران ہو اور سب کی محافظ ہو اور تمام چیزیں نقصانات سے بچنے کے لیے اسی کی حفاظت کی محتاج ہوں اس جیسی (قادر و غالب) ذاتِ اقدس کو تمہارے جیسے (کمزور و محتاج) نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۵۸- ﴿ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ﴾ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے حضرت ہود کو اور ان لوگوں جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دے دی اور وہ لوگ چار ہزار تھے ﴿ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ اپنی رحمت سے یعنی اپنے فضل و کرم سے (ہم نے انہیں نجات دی) ان کے عمل کی وجہ سے نہیں یا یہ کہ ایمان کی برکت سے ہم نے ان پر انعام فرمایا ﴿ وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴾ اور ہم نے ان کو سخت ترین عذاب سے نجات بخشی [اور "نَجَّيْنَا" کا تکرار صرف تاکید کے لیے ہے یا پھر دوسرے عذابِ آخرت سے نجات دینے کے لیے ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر زیادہ سخت عذاب اور کوئی نہیں ہے]۔

| |
|---|
| وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ |
| وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا |
| لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ |
| إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ |
| تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ |

ع ۵ ۱۱ منزل ۳

اور یہ عاد ہیں' جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی ○ اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت میں بھی' خبردار! بے شک عاد نے اپنے رب کا انکار کیا' جان لو قوم عاد کے لیے ہلاکت ہے ○ اور ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح کو (ہم نے بھیجا) انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو کہ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور اسی نے تمہیں اس میں آباد فرمایا' سو تم اسی سے بخشش طلب کرو' پھر اسی کی طرف رجوع کرو' بے شک میرا رب بہت نزدیک (دعائیں) قبول فرمانے والا ہے ○

۵۹- ﴿ وَتِلْكَ عَادٌ ﴾ اور یہ عاد ہیں۔ کافروں کی قبروں اور ان کے آثار و نشانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اے میرے محبوب کے امتیو!) تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور ان لوگوں کے تباہ شدہ آثار و بقیہ

نشانات کو غور سے دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ﴿ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک رسول حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کی نافرمانی کی کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ:۲۸۵) ''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے''۔ ﴿ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴾ اور انہوں نے ہر سرکش و منکر کے حکم کی پیروی کی۔ اس سے ان کے سردار اور رسولوں کو جھٹلانے کی طرف دعوت دینے والے لیڈر مراد ہیں کیونکہ قوم کے یہی سردار لوگوں کو ناحق کاموں پر مجبور کرتے تھے اور یہی لوگ اپنے رب تعالیٰ سے بغض و عناد رکھتے تھے اور نافرمانی و سرکشی کرتے تھے اور ان کے حکم کی اتباع کا معنی ہے: ان کی اطاعت و فرماں برداری کرنا۔

۶۰- ﴿ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی ہے اور قیامت کے دن بھی اور جب انہوں نے رسولوں کو چھوڑ کر اپنے سرداروں کی پیروی کی تو دنیا و آخرت میں ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی ﴿ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ ﴾ خبردار! بے شک عاد (اور اس کے پیروکاروں نے) اپنے رب کریم کا انکار کیا' خبردار! عاد کے لیے ہلاکت ہے۔ [حرف ''اَلَا'' کا تکرار ان کے کفر کے اعلان اور ان پر بددعا کے ساتھ ساتھ ان کے معاملے سے ڈرانے اور ان سے عبرت حاصل کرنے اور ان کی سی حالت سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے اور ''بُعْدًا'' کے ساتھ ان کی ہلاکت کے بعد دعائے ضرر کی گئی ہے اور وہ ہلاکت کی دعا ہے تاکہ اس بات کی دلیل بن جائے کہ وہ لوگ ہلاکت ہی کے مستحق تھے] ﴿ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾ [یہ عاد کے لیے عطف بیان ہے] اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ عاد کی دو قومیں ہوئی ہیں' ایک عاد قدیم اور عاد اولیٰ اور یہی قومِ ہود ہے اور یہ قصہ انہیں لوگوں کا بیان کیا گیا ہے اور دوسری قوم عادِ ارم ہے۔

## حضرت صالح علیہ السلام کے تبلیغی کارنامے اور منکرین کا بُرا انجام

۶۱- ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ اور قومِ ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو (بھیجا گیا)' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا ہے' اس کے سوا تمہیں کسی نے پیدا نہیں کیا اور ان کا زمین سے پیدا ہونے کا یہ معنی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا' پھر حضرت آدم سے ان کو پیدا کیا گیا ہے ﴿ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور اس نے تمہیں اس کو آباد کرنے والا معمار بنایا اور اس نے تم سے اس کی تعمیر و ترقی کو چاہا [یا یہ ''عَمْرٌ'' سے ماخوذ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہاری عمریں بڑھا دیں اور قومِ ثمود کی عمریں تین سو سال سے لے کر ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں اور فارس کے بادشاہوں نے لوگوں پر ظلم و ستم کرنے کے باوجود اپنی اس سرزمین پر بہت بڑی نہریں کھدوائیں اور اس میں بہت سے باغات و درخت لگوائے اور اس میں بڑی اونچی اونچی عمارتیں اور بلڈنگیں تعمیر کرائیں' چنانچہ ان کے زمانہ کے انبیائے کرام میں سے ایک محترم نبی نے اپنے رب سے ان کی تعمیرات کا سبب دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہوں نے میرے شہروں کو تعمیر و آباد کیا تو میرے بندوں نے ان میں اپنی زندگیاں گزاریں ﴿ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ﴾ سو تم ایمان لاکر اس سے اس کی مغفرت و بخشش کا سوال کرو اور اس سے معافی مانگو ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ پھر تم اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ بہت ہی نزدیک ہے (یعنی) میرے رب تعالیٰ کی رحمت بہت نزدیک ہے ﴿ مُّجِیْبٌ ﴾ وہ ہر اس شخص کی

دعا قبول کرنے والا ہے' جو اس سے سچے دل سے خلوص کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا
وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ
غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ﴿۶۴﴾

کافروں نے کہا کہ اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہماری امیدوں کا سہارا تھے کیا تم ہمیں روکتے ہو کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں اور بے شک جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کے بارے میں ہم مضطرب کر دینے والے شک میں مبتلا ہیں O فرمایا: اے میری قوم! کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور مجھے میرے رب نے اپنی رحمت سے نوازا ہے تو اللہ کے عذاب سے مجھے کون بچائے گا اگر میں نے اس کی نافرمانی کی' سو تم تو سوائے گھاٹے کے میرا کچھ نہیں بڑھاؤ گے O اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے' پس تم اسے چھوڑ دو وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور تم اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم کو بہت جلد عذاب پکڑ لے گا O

---

۶۲- ﴿قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ﴾ انہوں نے کہا کہ اے صالح! اس سے پہلے تم ہمارے درمیان میں ہماری قیادت کرنے کے لیے اور تمام اہم معاملات میں مشورے دینے کے لیے ہمارا مرکز و سہارا بن چکے تھے یا ہم امید رکھتے تھے کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ گے اور جس راستے پر ہم گامزن ہیں اس میں تم ہماری موافقت کرو گے ﴿اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے رہے۔[یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] ﴿وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ﴾ اور جس توحید کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں ہم اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿مُرِیْبٍ﴾ شبہ میں ڈالنے والا شک۔["اَرَابَهٗ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو شک میں ڈال دے] اور اس کا معنی ہے: دل کا مضطرب اور پریشان ہو جانا اور اطمینان و سکون کا چھن جانا۔

۶۳- ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہوں اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت یعنی نبوت عنایت فرما دی ہے۔[حضرت صالح علیہ السلام نے یہاں حرف شک (یعنی حرف "اِنْ") استعمال کیا ہے] حالانکہ آپ کو کامل یقین تھا کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے واضح اور روشن ترین دلیل پر قائم ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مخاطب منکرین تھے (جن کو آپ کی نبوت میں شک تھا) پس گویا آپ نے فرمایا کہ اے کافرو! تم فرض کرو کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن ترین دلیل پر ہوں اور میں حقیقت میں نبی ہوں اور تم غور کرو اگر ایسی

حالت میں مَیں تمہاری پیروی اختیار کرلوں اور میں اپنے رب تعالیٰ کی اس کے احکام میں نافرمانی کرلوں ﴿فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ﴾ تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے کے لیے اس کے مقابلے میں بھلا کون میری مدد کر سکے گا؟ ﴿اِنْ عَصَيْتُهٗ﴾ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی تبلیغ کرنے میں اور تمہیں بتوں کی عبادت سے منع کرنے میں اس کی نافرمانی کرلی ﴿فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ﴾ سو تمہارا ''اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا'' کہنا ما سوا گھاٹے کے میرا اور کچھ نہیں بڑھائے گا کیونکہ یا تمہیں میرے ساتھ خسارے اور نقصان کی طرف منسوب کیا جائے گا یا مجھے تمہارے ساتھ خسارے اور گھاٹے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

٦٤- ﴿وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔[''اٰيَةً''، ''نَاقَةُ اللّٰهِ'' سے حال ہے اس لیے منصوب ہے اور اس کا عامل وہ معنیٰ فعل ہے جس پر اسم اشارہ ''هٰذا'' دلالت کر رہا ہے (یعنی اُشِیْرُ) ''لَكُمْ'' کا ''اٰيَةً'' سے حال ہونے کا تعلق ہے اور یہ مقدم حال اس لیے ہے کہ اگر اس کو مؤخر کیا جاتا تو یہ ''اٰيَـةً'' سے حال کی بجائے صفت ہو جاتا لیکن جب اس کو مقدم کر دیا گیا تو حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ پس تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر کھائے پئے اور چرے پھرے یعنی اس کو خوراک کھلانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس کے باوجود کہ اس کا نفع تمہارے لیے ہے[1] ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور تم اس کو تکلیف نہ پہنچانا (یعنی) اس کی کونچیں کاٹ کر یا اس کو ذبح کر کے نقصان نہ پہنچانا ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ﴾ ورنہ تمہیں بہت جلد عذاب پکڑ لے گا۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ لا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع ۸/۶

سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھالو

[1] جب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید و رسالت کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو کوئی معجزہ دکھایئے' پھر انہوں نے وہاں ایک معین پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ اس پہاڑ سے ایک موٹے پیٹ والی گابھن اونٹنی نکالئے جو پتھر سے نکلتے ہی بچہ جن دے' آپ نے فرمایا: اگر ایسی اونٹنی اس پہاڑ سے نکل آئے تو پھر تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی' آپ کی دعا قبول ہوگئی' چنانچہ اس پتھر سے بچہ جننے والی اونٹنی کی طرح آواز آنے لگی اور جیسے قوم نے چاہا ویسے ہی اس پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی' جو دس ماہ کا گابھن تھی' آتے ہی بچہ جنا' جو ہو بہو ماں کے مشابہ تھا اور یہ اونٹنی اتنا زیادہ دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم اس کے دودھ سے سیراب ہوتی تھی جو کہ ڈیڑھ ہزار گھرانے پر مشتمل تھی۔ (ماخوذ از ''تفسیر روح البیان'' اسی آیت مبارکہ: ۶۴' سورۂ ھود کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں' نیز علامہ خازن اور علامہ رازی نے اسی آیت کے تحت اجمال کے ساتھ یہی معجزہ بیان کیا ہے)

یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا○ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا' بے شک آپ کا رب ہی بڑا طاقت ور' بہت غالب ہے○ اور ظالموں کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے دبوچ لیا' پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں مردہ حالت میں اوندھے پڑے رہ گئے○ گویا وہ اس میں بسے ہی نہیں تھے' خبردار! بے شک ثمود (کی قوم) نے اپنے رب کا انکار کیا' خبردار! ثمود (کی قوم) کے لیے ہلاکت ہے○

۶۵- ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پھر انہوں نے بدھ کے روز اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ﴾ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اب تم اپنے گھروں میں (صرف تین دن تک) زندگی گزار لو یعنی تم اپنے شہر میں اور شہر کو گھروں سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انسان گھوم پھر کر اپنے گھر میں واپس آ جاتا ہے یعنی دن بھر کے کاروبار کر کے یا یہ کہ دنیا کے گھر میں زندگی کا کچھ فائدہ اٹھالو ﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ تین دن' پھر تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا' چنانچہ ہفتہ کے دن انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا یعنی اس میں جھوٹ نہیں بولا گیا بلکہ یہ ایک سچا پکا وعدہ ہے [اصل میں ''مَكْذُوْبٌ فِيْهِ'' تھا (اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) پھر ظرف کو وسعت دے کر حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے (ضمیر مجرور ''ہٖ'' کو ''مکذوب'' کے ساتھ متصل و مستتر کر دیا گیا) اور اس کو مفعول بہ کے قائم مقام کیا گیا ہے یا ''وَعْدٌ غَيْرُ كَذِبٍ'' ہے' اس بناء پر کہ ''مکذوب'' مصدر ہے اور ''معقول'' کی طرح ہے]۔

۶۶- ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پھر جب ہمارا حکم (یعنی) عذاب یا ہمارا عذاب آ گیا ﴿نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ تو ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی۔ حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو بھی نجات دی گئی تھی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات دی گئی تھی' اس کے اپنے عمل کی وجہ سے نہیں جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لَا يَدْخُلُ اَحَدُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں کوئی نہیں جا سکے گا ﴿وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ﴾ اور اس دن کی ذلت و رسوائی سے (ہم نے انہیں بچا لیا) [''خِزْیِ'' کو ''یوم'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور ''یوم'' کے آخر میں جر اضافت کی وجہ سے ہے جب کہ نافع اور علی کسائی کی قراءت میں ''یَوْمَ'' مفتوح ہے کیونکہ وہ ''اِذْ'' کی طرف مضاف ہے اور وہ مبنی ہے اور ظروفِ زمان جب اسمائے مبہمہ اور افعالِ ماضیہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں تو مبنی ہوتے ہیں اور ان کا مبنی ہونا مضاف الیہ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ (نابغہ ذبیانی کا) قول ہے: ''عَلٰى حِيْنَ عَاتَبْتُ الْمُشِيْبَ عَلَى الصِّبَا'' اس بنا پر کہ جب میں نے ایک بوڑھے شخص کو عشق کرنے پر ڈانٹا' اور اس کے شروع میں واوِ عاطفہ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''وَنَجَّيْنَاهُ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ'' یعنی اور ہم نے ان کو ذلت و رسوائی کے دن سے بچا لیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے انتقام کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے اس کی ذلت سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''یَوْمَئِذٍ'' سے قیامت کا دن مراد ہو جیسا کہ سخت عذاب کی تفسیر آخرت کے عذاب سے کی گئی ہے] ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بڑا ہی قوت و طاقت والا ہے' وہ اپنے دوستوں کو نجات دینے پر پوری طرح خوب قادر ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ وہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے پر زبردست غالب ہے۔

۶۷- ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ اور ظالموں کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ تھی ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں مردہ اوندھے پڑے رہ گئے۔

۶۸- ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ گویا وہ لوگ اپنے گھروں میں کبھی قیام پذیر نہیں رہے ﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ خبردار! بے شک ثمود (کی قوم) نے اپنے رب تعالیٰ کا انکار کیا۔ [قاری حمزہ اور امام حفص کی قراءت میں ''ثَمُوْدَ'' (دال بغیر الف کے مفتوح) ہے] ﴿اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ خبردار! ثمود کی قوم کے لیے ہلاکت ہے۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں ''لِثَمُوْدٍ'' (دال مکسور تنوین کے ساتھ) ہے اور یہ منصرف اس لیے ہے کہ یہ ایک قبیلہ کا اسم جنس ہے یا بڑے باپ کا نام ہے اور غیر منصرف اس لیے ہے کہ ایک تو معرفہ ہے دوسرا قبیلہ کے معنی میں مؤنث ہے]

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے سلام کیا' آپ نے بھی سلام کہا' پھر کچھ دیر نہ ٹھہرے کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے کر آ گئے O پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انہیں اجنبی سمجھا اور ان کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا' انہوں نے کہا: آپ بالکل نہ ڈریں کیونکہ ہم یقیناً قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں O اور اس کی عورت کھڑی ہوئی تھی' سو وہ ہنس پڑی (جب) ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری سنائی' اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری سنا دی O

## حضرت ابراہیم کی شان اور حضرت لوط کی نافرمان قوم کا بُرا انجام

۶۹- ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ﴾ اور بے شک ہمارے فرشتے حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل یا حضرت جبریل دیگر گیارہ فرشتوں کے ساتھ آئے ﴿اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ حضرت ابراہیم کو بشارت دینے کے لیے اور وہ بیٹے کی ولادت کی بشارت تھی یا حضرت لوط کی قوم کی ہلاکت کی بشارت تھی اور پہلی بشارت زیادہ ظاہر ہے ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ انہوں نے کہا: ہماری طرف سے آپ پر خوب خوب سلام ہو ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تم پر سلام ہو (یعنی) تمہارا کام سلامت ہو۔ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''سِلْمٌ'' (سین مکسور لام ساکن بلا الف) بہ معنی سلام ہے] ﴿فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ﴾ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑے کا گوشت لانے میں دیر نہ لگائی بلکہ آپ نے اس کے لانے میں جلدی کی یا پس اس کے لانے والے نے دیر نہ لگائی اور ''عِجْل'' گائے کے بچھڑے کو کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے مال میں گائیں تھیں ﴿حَنِيْذٍ﴾ گرم ترین پتھر پر بھنا ہوا گوشت۔

۷۰- ﴿فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ﴾ پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو ان کو اجنبی سمجھ لیا اور دراصل وہاں کے لوگوں کی عادت تھی کہ جب ان کے پاس آنے والا مہمان ان کے ہاں کھانا کھا لیتا تو وہ لوگ اس سے مطمئن ہو جاتے ورنہ اس سے ڈر جاتے (کہ اس کا آنا ہلاکت و تباہی کا باعث ہوگا) اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا تھا کہ یہ فرشتے ہیں مگر کھانا نہ کھانے پر ان کو اجنبی سمجھا' اس لیے آپ کو اندیشہ ہوا کہ

کہیں ان کا نزول کسی ایسے عمل کی وجہ سے تو نہیں جس کے باعث اللہ تعالیٰ آپ پر ناراض ہو گیا ہو یا ان کا نزول آپ کی قوم کو عذاب دینے کے لیے ہو جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ﴿ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ اور حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا یعنی آپ نے ان سے اپنے دل میں خوف محسوس کیا اور اسے ظاہر نہ فرمایا ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ فرشتوں نے کہا: آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (یعنی) عذاب دینے کے لیے اور یہ بات صرف اس شخص سے کی جاتی ہے جو بات کہنے والوں کو جانتا اور پہچانتا ہو (اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم فرشتوں کو جانتے تھے البتہ) انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ فرشتوں کو کس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے اور فرشتوں نے آپ سے ''لَا تَخَفْ'' صرف اس لیے کہا تھا کہ انہوں نے آپ کے چہرۂ مبارک میں تغیر اور خوف کے اثر کو دیکھ لیا تھا۔

۷۱۔ ﴿ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ ﴾ اور حضرت ابراہیم کی بیوی پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں جو ان کی بات چیت سن رہی تھیں یا (عمر رسیدہ ہونے اور پردے کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے) ان کی خدمت کرنے کے لیے ان کے پاس کھڑی ہوئی تھیں ﴿ فَضَحِكَتْ ﴾ سو وہ خوف کے زائل ہونے یا بدکرداروں اور خبیثوں کی ہلاکت سے یا عذاب کے قریب ہونے کے باوجود قوم لوط کے غافل ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں یا یہ کہ انہیں حیض آ گیا ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ﴾ تو ہم نے ان کو اسحاق کی خوشخبری سنا دی اور خوشخبری دینے کے لیے عورت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عورتیں مردوں کی بہ نسبت بچے کی ولادت پر زیادہ خوش ہوتی ہیں اور اس لیے کہ حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہیں تھی جب کہ (حضرت ھاجرہ کے شکم سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا موجود تھا اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ﴿ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب کی خوشخبری سنا دی۔ [ابن عامر شامی، حمزہ اور حفص کی قراءت میں فعلِ مضمر کی وجہ سے ''يَعْقُوْبَ'' منصوب ہے، جس پر ''فَبَشَّرْنَاهَا'' دلالت کر رہا ہے یعنی سو ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری سنائی اور ہم نے اسحاق کے بعد اس کو یعقوب عطا فرما دیا اور باقی قراء نے مبتدا ہونے کی بناء پر اس کو مرفوع پڑھا ہے اور اس سے پہلے ظرف کو اس کی خبر قرار دیا ہے جیسے تم ''فِي الدَّارِ زَيْدٌ'' کہتے ہو]

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

اس نے کہا: واہ! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرا خاوند (بھی) بوڑھا ہو چکا ہے بے شک یہ تو ایک عجیب چیز ہے O فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، بے شک وہی تمام محامد کا مستحق ہے (اور) تمام بزرگیوں والا ہے O پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑا کرنے لگا O بے شک ابراہیم نہایت بردبار بہت آہ و بکا کرنے والا

تھے O (ہم نے کہا:) اے ابراہیم! اس سے اعراض کیجئے' بے شک تیرے رب کا حکم آ چکا ہے' اور بے شک ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آ کر رہے گا O

۷۲-﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ﴾ [الف کو یائے اضافت سے تبدیل کیا گیا ہے اور حضرت حسن نے ''یَـاوَيْلَتِـيْ'' اصل کے مطابق ''یـا'' کے ساتھ پڑھا ہے] (ترجمہ) حضرت سارہ نے کہا کہ واہ ﴿ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ ﴾ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں' کیونکہ ان کی عمر نوے سال تھی ﴿ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ﴾ اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی۔ [''هٰذَا'' مبتدا ہے اور ''بَـعْلِيْ'' اس کی خبر ہے اور ''شَيْـخًا'' حال ہے اور اس کا عامل اشارہ ہے جس پر ''ذَا'' دلالت کر رہا ہے یا تنبیہ کا معنی عامل ہے جس پر ''هٰـذَا'' دلالت کر رہا ہے] ﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ بے شک یہ بات عجیب چیز ہے کہ دو بوڑھے میاں بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو' حالانکہ یہ عادت سے بہت دور ہے۔

۷۳-﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ فرشتوں نے کہا کہ (اے سارہ!) کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر تعجب کرتی ہے اور فرشتوں نے ان کے تعجب پر اس لیے حیرت کا اظہار کیا کہ حضرت سارہ نزولِ آیات اور ورودِ معجزات اور خارقِ عادات اُمور پیش آنے والے گھر میں رہتی تھیں' سو ان پر لازم تھا کہ وہ سنجیدہ و باوقار رہتیں اور اس طرح جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتیں' جس طرح نبوت کے گھرانے کی بجائے دیگر گھروں میں تربیت حاصل کرنے والی عورتیں جلد بازی کرتی ہیں' بلکہ وہ تعجب کی بجائے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتیں اور اس کی بزرگی بیان کرتیں اور فرشتوں نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ اس سے فرشتوں کی مراد یہ ہے کہ اے اہل بیتِ نبوت! یہ اور اس طرح کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ رب العزت نے تمہیں محترم و مکرم بنایا ہے اور تمہیں اپنے انعامات کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے' لہٰذا اس بشارت پر حیرت کے ساتھ تعجب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے (بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور شکر ادا کرنا چاہیے) اور یہ ایک الگ مستقل کلام ہے جس کے ذریعے تعجب کے انکار کی وجہ بیان کی گئی ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اے سارہ! تم تعجب کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اس طرح کی رحمت اور برکتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر بہت زیادہ کی گئی ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''رحمت'' سے نبوت مراد ہے اور ''برکات'' سے بنی اسرائیل کی نسل مراد ہے کیونکہ (حضور سیّد عالم ﷺ کے سوا باقی تمام) انبیائے کرام انہیں میں سے تشریف لاتے رہے اور یہ تمام بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں [اور ''اَهْـلَ الْبَيْـتِ'' کا نصب ندا کی وجہ سے ہے (کیونکہ نحوی قاعدہ کے مطابق منادیٰ جب مضاف ہو تو منصوب پڑھا جاتا ہے) یا اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بروقت انعامات عطا فرمانے کی وجہ سے ہر طرح سے تعریف کیا گیا ہے اور وہ ﴿ مَّجِيْدٌ ﴾ بڑا بزرگ ہے کہ انتقامات میں مہلت دینے کی وجہ سے اس کا رحم و کرم سب پر عیاں ہے۔

۷۴-﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ ﴾ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ دور ہو گئی اور یہ وہ خوف تھا جو آپ کے مہمانوں (فرشتوں) کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے آپ نے اپنے دل میں محسوس کیا تھا ﴿ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى ﴾ اور ان کے پاس بیٹے کی ولادت کی بشارت آ گئی ﴿ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ تو وہ ہم سے قومِ لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے یعنی جب ان کا دل خوف کے بعد مطمئن ہو گیا اور بشارت کے سبب خوشی سے بھرپور ہو گیا تو آپ مباحثہ کے لیے فارغ ہو گئے [اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے' تقدیر عبارت یہ ہے: ''اَقْبَلَ يُجَادِلُنَا'' یعنی انہوں نے ہم سے جھگڑنا شروع کر دیا

یا صرف ''یُجَادِلُنَا'' جوابِ ''لَمَّا'' ہے اور اس کا جواب فعل مضارع صرف حال کی حکایت کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے فرشتوں سے جھگڑا کرنے لگے اور حضرت ابراہیم کا ان سے جھگڑا یہ تھا کہ فرشتوں نے کہا کہ ''اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ'' (العنکبوت:۳۱) ''بے شک ہم اس بستی میں رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں'' ] تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرشتو! تم بھلا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اس بستی میں پچاس مسلمان موجود ہوں تو کیا تم پھر بھی اسے ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اگر چالیس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' آپ نے فرمایا: اگر اس میں تیس مسلمان ہوں؟ تو انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' یہاں تک کہ آپ دس تک پہنچ گئے' انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' حضرت ابراہیم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر اس بستی میں صرف ایک آدمی مسلمان ہو تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے؟ فرشتوں نے کہا: پھر بھی نہیں' تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ'' (العنکبوت:۳۲) ''کہ بے شک اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام موجود ہیں' فرشتوں نے کہا: اس بستی میں جو لوگ رہتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں' البتہ ہم حضرت لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے''۔

۷۵- ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ ﴾ بے شک حضرت ابراہیم بہت بردبار اور بڑے حوصلہ مند تھے' برائی کرنے والے کسی شخص سے جلدی سے انتقام لینے والے نہیں تھے یا آپ اذیت و تکلیف پہنچانے والے کی اذیت کو بہت برداشت کرنے والے تھے اور نافرمانی کرنے والے سے بہت درگزر کرنے والے تھے ﴿ اَوَّاهٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت آہ و بکا کرنے والے تھے ﴿ مُّنِيْبٌ ﴾ توبہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور یہ تمام صفات ان کے نرم دل ہونے اور ان کی شفقت و رحمت پر دلیل ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان صفات کے باوجود قومِ لوط کے بارے میں جھگڑنے پر جس چیز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابھارا تھا وہ یہ امید تھی کہ قومِ لوط سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور انہیں مہلت دے دی جائے گی' کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لوگ عنقریب توبہ کر لیں جیسا کہ آپ نے اسی توبہ کی امید پر اپنے چچا ابو آزر کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی' بہر حال فرشتوں نے کہا:

۷۶- ﴿ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ﴾ اے ابراہیم! اس جھگڑے سے آپ اعراض کر لیجئے' اگرچہ آپ کی عادت مبارکہ رحم و کرم اور شفقت و نرمی کرنا ہے ﴿ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ﴾ کیونکہ بلاشبہ آپ کے رب تعالیٰ کا امر آ چکا ہے (یعنی) اس کا فیصلہ اور اس کا حکم جاری کر دیا گیا ہے ﴿ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴾ اور بے شک ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آ کر رہے گا' لہٰذا جھگڑا وغیرہ کرنے سے یہ عذاب نہیں ٹالا جا سکتا [''عَذَابٌ'' اسمِ فاعل کی وجہ سے مرفوع ہے اور وہ ''اٰتِيْهِمْ'' ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''وَاِنَّهُمْ يَاْتِيْهِمْ'' ]۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

نُرِيْدُ ۞

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہو گئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہو گئے اور فرمایا: یہ دن بہت سخت ہے O اور اس کی قوم اس کے پاس دوڑتی ہوئی آ گئی' اور وہ پہلے سے ہی بدکاریاں کرتے تھے' آپ نے فرمایا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں' سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو' کیا تم میں کوئی نیک چلن آدمی نہیں ہے O انہوں نے کہا کہ تم یقیناً جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں ہے' اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں تم اسے ضرور جانتے ہو O

۷۷- پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف متوجہ ہو کر روانہ ہو گئے اور حضرت ابراہیم کی بستی اور قوم لوط کی بستی کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل) کا فاصلہ تھا۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ﴾ اور جب ہمارے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کی شکل وصورت اور ان کے حسن و جمال کو دیکھا تو ﴿ سِيْٓءَ بِهِمْ ﴾ ان کی وجہ سے مغموم و پریشان ہو گئے کیونکہ آپ نے سمجھا کہ یہ بھی انسان ہیں' جس کی وجہ سے آپ کو ان کے متعلق اپنی قوم کی خباثت و بدکرداری کا خوف لاحق ہو گیا اور آپ اپنی قوم سے مقابلہ کرنے اور ان کے دفاع سے عاجز تھے ﴿ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ﴾ اور آپ کا دل اور سینہ ان کے سبب تنگ ہو گیا [''ذَرْعًا'' تمییز ہے یعنی ان کے ہونے کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ ہو گیا] ﴿ وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ دن بہت سخت ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم ان کو ہلاک و تباہ نہ کرنا یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی خباثت و بدکرداری پر چار مرتبہ گواہی دے دیں' چنانچہ آپ ان کو لے کر اپنے گھر کی طرف جب روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی خبر نہیں ملی؟ انہوں نے کہا کہ ان کی کیا خبر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر قسمیہ کہتا ہوں کہ پوری روئے زمین میں سب سے بدترین عمل (یعنی اغلام بازی) اس بستی میں ہوتا ہے' آپ نے یہ بات چار مرتبہ فرمائی اور جب فرشتے آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ کی بیوی کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا اور آپ کی بیوی نے گھر سے نکل کر اپنی قوم کو جا کر ان حسین و جمیل اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آنے والے مہمان فرشتوں کے بارے میں بتا دیا۔

۷۸- ﴿ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آپ کے پاس دوڑتی ہوئی آئی' گویا وہ بھاگے جا رہے تھے ﴿ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ اور وہ لوگ اس وقت سے پہلے بھی بُرے کام کرتے تھے یہاں تک کہ وہ اس گندے اور خبیث کام کے عادی ہو گئے تھے اور ان کے نزدیک اس بدفعلی کی قباحت و رذالت ختم ہو گئی تھی' اس لیے وہ لوگ علانیہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑتے بھاگتے چل پڑے' ان کو شرم و حیاء بھی نہ روک سکی ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں' سو تم ان سے نکاح کر لو۔ دراصل حضرت لوط علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی بیٹیوں کے ذریعے اپنے مہمانوں کی عزت بچا لیں اور یہ ان کا انتہائی کرم تھا اور اس زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کا نکاح کفار سے جائز تھا' جیسا کہ ابتدائے اسلام میں اس امت میں یہ جائز تھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابوالعاص سے کیا تھا حالانکہ وہ دونوں کافر تھے اور بعض حضرات

نے فرمایا کہ قومِ لوط کے دو سردار تھے جن کی پوری قوم اطاعت و فرماں برداری کرتی تھی' اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے چاہا کہ ان دو سرداروں سے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح کر دیں (تاکہ مہمانوں کی عزت بچ جائے) ﴿هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ وہ تمہارے لیے سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں کیونکہ عورتوں کو مردوں کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔[''هٰٓؤُلَآءِ'' مبتدا ہے'' بَنَاتِيْ'' عطف بیان ہے اور'' هُنَّ'' ضمیر فاعل ہے اور'' اَطْهَرُ'' مبتدا کی خبر ہے یا پھر'' بَنَاتِيْ'' خبر ہے اور'' هُنَّ اَطْهَرُ'' مبتدا خبر ہیں] ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوبصورت مہمان لڑکوں کو چھوڑ دو اور ان کے بدلے میں لڑکیوں کو اختیار کرو ﴿وَلَا تُخْزُوْنِ﴾ اور تم میری توہین نہ کرو اور نہ تم مجھے ذلیل و رسوا کرو۔[اس صورت میں یہ'' خِزْيٌ'' سے ماخوذ ہوگا یا یہ کہ تم مجھے نادم و شرمندہ نہ کرو۔ اس صورت میں'' خَزَايَةٌ'' سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی ہے: حیاء کرنا اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں وصل کی صورت میں'' يَا'' کے ساتھ'' وَلَا تُخْزُوْنِيْ'' ہے] ﴿فِيْ ضَيْفِيْ﴾ میرے مہمانوں کے حق میں' اور یہ اس لیے کہ جب کسی آدمی کے مہمان یا اس کے ہمسایہ کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے تو درحقیقت خود اسی آدمی کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا انتہائی کرم اور حقیقی مروت میں سے ہے ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص نیک چلن نہیں ہے' یعنی کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو راہِ حق اور اچھے عمل کی رہ نمائی کرے اور بُرے عمل سے روکے؟

۷۹- ﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ﴾ انہوں نے کہا کہ آپ یقیناً جانتے ہیں کہ ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ لڑکیوں سے نکاح کرنا ہمارے مذہب سے خارج عمل ہے' سو ہمارا مذہب لڑکوں سے حاجت پوری کرنا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ﴾ اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں آپ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان لوگوں کا مقصد لڑکوں کے پاس جانا اور انہیں سے اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا
امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ
مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۱۵

آپ نے فرمایا: کاش! مجھے تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ کی پناہ لے لیتا ○ فرشتوں نے کہا: بے شک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے' پس آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں چلے جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے ماسوا آپ کی بیوی کے' بے شک اس کو وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو ان کو پہنچے گا' بے شک ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے' کیا صبح قریب نہیں ○ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ پُلٹ کر دیا اور ہم نے اس پر مسلسل کنکر کے پتھر برسائے ○ جو تمہارے رب کی طرف سے نشان لگائے ہوئے تھے' اور وہ ظالموں سے کچھ دور نہیں ○

۸۰-﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش! میرے پاس تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا۔[''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے]یعنی اگر ایسا ہوتا تو میں تمہارا ضرور مقابلہ کرتا اور یہ کام ضرور کر کے رہتا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کاش! میں تمہارے مقابلے میں ذاتی قوت وطاقت رکھتا یا میں کسی طاقت ور کی پناہ لے لیتا جس کا مضبوط سہارا لیا جاتا اور میں اس کے ذریعے روک سکتا تو وہ مجھے تم سے بچا لیتا' بہر حال آپ نے قوی وعزیز کو سختی ومضبوطی اور حفاظت میں پہاڑ کے قلعہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

۸۱-ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر آ پہنچے تو آپ نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور گھر کے اندر سے انہیں واپس چلے جانے کی تلقین کرتے رہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں بیان فرمایا ہے اور آپ ان سے جھگڑتے رہے' یہاں تک کہ ان لوگوں نے دیوار پھلانک لی اور جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھا تو ﴿قَالُوْا یٰلُوْطُ﴾ انہوں نے کہا: اے لوط! بے شک آپ کا سہارا اور آپ کی پناہ گاہ بہت مضبوط ومستحکم ہے ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ﴾ بے شک ہم آپ کے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں' سو آپ دروازہ کھول دیجئے اور ہمیں اور ان کو چھوڑ دیجئے' چنانچہ حضرت لوط نے دروازہ کھول دیا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو عذاب دینے کے لیے اپنے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی' چنانچہ حضرت جبریل نے اپنا ایک پَر ان کے چہروں پر مارا اور ان کی بینائی ختم کر دی اور ان کو اندھا کر دیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَہُمْ'' (القمر:۳۷) ''سو ہم نے ان کی آنکھوں کی بینائی زائل کر دی''۔ چنانچہ وہ لوگ راستہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ باہر نکلتے ہوئے کہتے جاتے تھے کہ بچو! بچو! کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جادوگر ہیں ﴿لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ﴾ وہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔[یہ جملہ موضحہ ہے جو اپنے ماقبل کی وضاحت کرتا ہے]اور چونکہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے' اس لیے یہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور نہ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے تھے ﴿فَاَسْرِ بِاَہْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ﴾ سو آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں یہاں سے چلے جائیے (یعنی) رات کا کچھ حصہ گزر جانے پر یا اس کا نصف حصہ گزر جانے پر۔[حجازی قراءت میں الف وصل کے ساتھ (ہمزہ کے بغیر) ''فَاسْرِ'' ہے اور ''سَرٰی'' (فعل مجرد) سے ماخوذ ہے] ﴿وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے اور نہ اس مال ودولت کا دل میں خیال لائے جو پیچھے چھوڑ دیا ہے یا کوئی اپنے پیچھے نہ دیکھے یا تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہ جائے ﴿اِلَّا امْرَاَتَکَ﴾ ماسوا تمہاری بیوی کے۔[یہ ''فَاَسْرِ بِاَہْلِکَ'' سے مستثنیٰ ہے اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''اَحَدٌ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے]اور اس کو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں میں سے نکالنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اس کو اس کی قوم کے ساتھ پیچھے رہنے دیں کیونکہ یہ انہی کو چاہتی ہے' اس لیے حضرت لوط علیہ السلام اس کو لے کر نہیں چلے تھے اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت لوط اس کو اپنے گھر والوں کے ساتھ لے کر نکلے تھے اور حکم دیا تھا کہ کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا ماسوا ان کی بیوی کے' پھر جب اس نے عذاب کی ہولناک آواز سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا: ہائے میری قوم! تو ایک پتھر آ کر اس کو لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی اور قراءتوں کا اختلاف روایتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے ﴿اِنَّہٗ مُصِیْبُہَا مَآ اَصَابَہُمْ﴾ یعنی بے شک حکم یہ ہے کہ جو عذاب ان لوگوں کو پہنچے گا وہی عذاب اس عورت کو بھی پہنچے گا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا

وعدہ کس وقت پر ہے؟ فرشتوں نے جواب میں عرض کیا: ﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ﴾ بے شک ان کی ہلاکت کا وقت صبح کا ٹائم ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے جلدی چاہتا ہوں تو فرشتوں نے عرض کرتے ہوئے کہا: ﴿اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ﴾ کیا صبح کا وقت نزدیک نہیں ہے؟

۸۲- ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس کی بستی کو تہ و بالا کر دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس بستی کے نیچے اپنا ایک پَر داخل کیا یعنی زمین کی تہ میں پانی کے حصے سے ان کی بستیوں کو اٹھایا' پھر جبریل ان کو آسمان کی بلندی تک اوپر لے گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور مرغ کے چیخنے کی آواز کو سن لیا تھا' پھر حضرت جبریل نے ان کو الٹا کر نیچے پھینک دیا اور اس کے بعد ان کے اوپر پتھر برسائے گئے' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ﴾ اور ہم نے اس پر کنکر یلے پتھروں کی بارش برسا دی۔ اصل میں کلمہ ''سنگ گِل'' (مٹی میں سے تیار کردہ سخت پتھر) تھا' اس کی عربی ''سِجِّیْل'' بنائی گئی ہے' اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ'' (الذاریات: ۳۳) ''مٹی میں سے تیار کردہ پتھر''۔ ﴿مَّنْضُوْدٍ﴾ [یہ ''سِجِّیْل'' کی صفت ہے] یعنی یہ پتھر مسلسل اور لگاتار برستے رہے یا یہ کہ ان کو ایک دوسرے پر ڈھیر لگا کر عذاب دینے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

۸۳- ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ [یہ ''حِجَارَةً'' کی صفت ہے] یعنی ایسے پتھر جن پر عذاب دینے کے لیے نشان لگائے گئے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھ دیا گیا تھا جس پر وہ پتھر پھینکا جانا تھا ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے پاس (یعنی) اس کے خزانوں میں یا اس کے حکم سے ﴿وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ﴾ اور وہ ظالموں سے کوئی بعید چیز نہیں تھی اور آیتِ مبارکہ کے اس حصہ میں اہلِ مکہ کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ''ظالمین'' سے آپ کی امت کے ظالم مراد ہیں اور ان میں سے کوئی ظالم ایسا نہیں مگر وہ عذاب کے پتھر کا نشانہ ضرور بنے گا اور وہ پھر لحہ بہ لحہ گرتا رہتا ہے [یا ''هِیَ'' کی ضمیر ''قُرٰی'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی وہ بستی مکہ مکرمہ کے ظالموں کے قریب ہے' یہ لوگ سیر و سیاحت اور سفر کے دوران اس کے پاس سے گزرتے رہتے ہیں۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب کو (ہم نے بھیجا)' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے' اور تم ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو' بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں اور میں تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○ اور اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کیا کرو اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور نہ تم زمین میں فساد پھیلایا کرو ○ اللہ کا بچا ہوا (حلال مال) تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان دار

ہو اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں O

## حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ اور نافرمان قوم کا بُرا انجام

۸۴- ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور مدین کی طرف ان کی برادری کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو (نبی بنا کر
بھیجا)' مدین ان کے شہر کا نام ہے یا پھر ان کے بڑے بزرگ جناب مدین بن ابراہیم علیہ السلام کا نام ہے یعنی ہم نے حضرت
شعیب علیہ السلام کو مدین کے باشندوں کی طرف بھیجا یا بنو مدین کی طرف بھیجا ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
عبادت کے لائق نہیں ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ﴾ اور تم ناپ اور تول میں کمی نہ کرو یعنی جن چیزوں کو ناپ کر
بھر کر دیا جاتا ہے' ان کو کم کر کے نہ دو اور جن چیزوں کو تول کر دیا جاتا ہے ان کو تو لتے وقت کم کر کے نہ دو ﴿اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ﴾
بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں کیونکہ تمہارے پاس مال و دولت کی اتنی وسعت و فراوانی ہے کہ تمہیں کم تولنے اور
ناپنے کی ضرورت ہی نہیں یا یہ کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں دیکھ رہا ہوں' جن کا حق یہ ہے کہ تم ناپ
تول میں کمی کر رہے ہو' اس کے برعکس تم لوگوں کے ساتھ انصاف کرتے اور ناپ اور تول پورا اور مکمل کرتے ﴿وَاِنِّيْ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾ اور بے شک میں تم پر گھیرنے والے یعنی ہلاک کرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں
جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ'' (الکہف:۴۲) ''اور اس کے باغ کا پھل ہلاک و تباہ کر دیا گیا''۔ [اس کی
اصل ''احاطۃ العدوّ'' سے ہے] یعنی دشمن کو گھیر کر ہلاک کر دینا اور اس سے یا تو دنیا میں جڑ سے اکھیڑنے والا عذاب مراد ہے
یا پھر آخرت کا عذاب مراد ہے۔

۸۵- ﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ اور اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا
اور مکمل کیا کرو' اللہ تعالیٰ نے پہلے ناپ اور تول میں کمی کرنے کے بدترین عمل سے منع کیا جس پر وہ لوگ عمل کر رہے تھے پھر
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ناپ اور تول کو پورا کرنے کا حکم دیا' جو تمام عقول میں بہترین عمل ہے تاکہ لوگوں کو اس میں زیادہ
سے زیادہ رغبت ہو اور اس کے حکم کو عدل و انصاف کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا گیا تاکہ ناپ اور تول کا پورا کرنا کمی و
بیشی کے بغیر عدل و انصاف اور برابری کی سطح پر ہو جائے ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں
کم کر کے نہ دو۔ ''بخس'' کا معنی کم کرنا ہے' چونکہ وہ لوگوں کی جو چیزیں خرید لیتے ان کی مقررہ قیمت سے کم کر کے دیتے تھے
اس لیے ان کو اس سے منع کیا گیا تھا ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ ''عثی''
اور ''عیث'' کا معنی ہے: بدترین اور سخت ترین فساد پھیلانا جیسے چوری کرنا' لوٹ مار کرنا اور ڈاکہ زنی کرنا اور شاہراہوں پر مسافروں
پر حملہ کر کے لوٹ مار کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمتوں میں کمی کرنا اور ناپ تول میں کمی کرنا' ان کی طرف سے زمین میں فساد برپا
کرنا مراد ہو۔

۸۶- ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ﴾ جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں ان سے بچنے کے بعد جو حلال چیزیں تمہاری بچ گئی ہیں وہ
﴿خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ تمہارے لیے بہتر ہیں اگر تم ایمان دار ہو (یعنی) شرط یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ' ہاں!
اللہ تعالیٰ کی بچی ہوئی چیزیں کافروں کے لیے بھی بہتر ہیں اس لیے کہ وہ مقررہ قیمتوں میں اور ناپ تول میں کمی کرنے سے
سلامت رہیں گے مگر ان کا فائدہ عذاب سے نجات اور حصولِ ثواب میں ایمان کے ساتھ ظاہر ہو گا اور ایمان نہ ہونے کی
صورت میں یہ فائدے حاصل نہیں ہوں گے کیونکہ ایمان نہ لانے والا (یعنی کافر) کفر کی تاریکیوں میں ڈوبا رہتا ہے اور اس

میں ایمان کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور اس کی کبریائی و بزرگی پر تنبیہ ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم میری تصدیق و تائید کرتے ہو جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں جس کے ساتھ تمہیں نصیحت کر رہا ہوں ﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کے لیے میں تم پر محافظ نہیں ہوں بلکہ ناپ تول وغیرہ کمی کرنے کے عملِ بد کو ترک کر کے تم خود ان کی حفاظت کر سکتے ہو۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾

انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں تمہیں حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے یا ہم اپنے مالوں میں جو کرنا چاہتے ہیں وہ چھوڑ دیں‘ بے شک آپ بہت بردبار‘ نہایت نیک آدمی ہیںO انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور مجھے اس نے اپنی طرف سے بہترین رزق عطا فرمایا ہے‘ اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں‘ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے میں اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا‘ اور میری توفیق نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ‘ اور میں نے صرف اسی پر بھروسا کیا ہے اور میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوںO

۸۷- ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ﴾ [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں جمع کے ساتھ ’’صَلَوَاتُكَ‘‘ ہے] (ترجمہ) کافروں نے کہا: اے شعیب! کیا آپ کی نمازیں اور توحید ﴿تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ آپ کو حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کثرت کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی قوم کہا کرتی تھی کہ تمہیں یہ نمازیں کیا فائدہ دیتی ہیں؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نمازیں خوبیوں اور نیکیوں کا حکم دیتی ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتی ہیں‘ چنانچہ آپ کا مذاق اڑانے کے لیے کہا کہ کیا آپ کی نمازیں آپ کو حکم دیتی ہیں کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اضافہ کرنا چھوڑ دیں‘ جو ہم ناپ تول اور لین دین میں کمی و بیشی کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ نمازیں مجازاً حکم دینے والی ہوں‘ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے مجازاً ان کا نام منع کرنے والی رکھا ہے[1] ﴿اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ بے شک آپ بڑے

[1] چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے منع کرتی ہے۔

(العنکبوت: ۴۵)

بردبار اور بہت نیک چلن آدمی ہیں یعنی بے وقوف و احمق اور گمراہ ہیں۔ دراصل انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنے اور آپ کا مذاق اڑانے کے لیے اچھے القاب کہہ کر ان ناموں سے برعکس معنی مراد لیے ہیں یا یہ معنی ہے کہ بے شک آپ ہمارے نزدیک عقل مند اور نیک چلن آدمی ضرور ہیں لیکن آپ کو ہمارے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس کا آپ کی سیرت و طبیعت تقاضا کرتی ہے۔

۸۸۔ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ﴾ حضرت شعیب نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رزق عطا فرما دیا ہو ﴿رِزْقًا حَسَنًا﴾ بہترین رزق یعنی نبوت و رسالت یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (نبوت و رسالت عطا کرنے کے ساتھ) لوگوں کے مال میں اور ناپ تول میں کمی کیے بغیر حلال مال عطا فرمایا [اور ''اَرَءَ يْتُمْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی مجھے تم بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح حجت اور روشن دلیل پر ہوں اور میں حقیقت میں واقعی نبی ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز اور صحیح ہے کہ میں تمہیں بتوں کی عبادت چھوڑنے اور گناہوں سے رکنے کا حکم نہ دوں حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے سے اور گناہوں سے منع کریں اور ''خَالَفَنِيْ فُلَانٌ اِلٰى كَذَا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ فلاں آدمی اس کام کو خود کرنا چاہتا ہو اور تم اس سے روگرداں ہو اور ''خَالَفَنِيْ عَنْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم خود وہ کام کرنا چاہتے ہو لیکن وہ اس سے روگرداں ہو اور جیسے تم سے کوئی آدمی ملے جو پانی سے آ رہا ہو اور تم اس سے پانی کے مالک کے بارے میں دریافت کرو تو وہ کہے کہ ''خَالَفَنِيْ اِلَى الْمَآءِ'' اس سے اس کا مقصد ہوگا کہ وہ پانی کی طرف جا چکا ہے اور میں وہاں سے واپس آ چکا ہوں اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ﴾ اور میں نہیں چاہتا کہ میں تمہاری مخالفت کر کے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں یعنی جن بُری خواہشات سے میں نے تمہیں منع کیا ہے ان کو بڑھ کر میں حاصل کر لوں تاکہ میں ان چیزوں کے ذریعے تمہاری جگہ خود فوائد حاصل کر لوں (ایسا نہیں ہے) ﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ﴾ میں صرف اصلاح کرنا چاہتا ہوں (یعنی) میرا تمہیں بُرائی سے منع کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور تمہیں وعظ و نصیحت کرنے کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ میں تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں ﴿مَا اسْتَطَعْتُ﴾ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا [''مَا'' مصدریہ ظرف کے قائم مقام ہے] یعنی استطاعت کی مدت تک میں تمہاری اصلاح کرتا رہوں گا اور جہاں تک ممکن ہوا میں تمہاری اصلاح کی خاطر جدوجہد جاری رکھوں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور مجھے توفیق نہیں ملتی مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے (یعنی) میں حق کو پہنچانے کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اور جو کچھ چھوڑتا ہوں اس میں مجھے توفیق عنایت نہیں کی جاتی مگر اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی تائید سے ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ میں نے صرف اسی پر بھروسا کیا ہے اور میں خوشی اور تنگی میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾

اور اے میری قوم! تمہیں میری مخالفت ایسا مجرم نہ بنادے کہ تمہیں وہی عذاب پہنچے جیسا نوح کی قوم کو یا ہود کی قوم کو یا صالح کی قوم کو پہنچ چکا ہے' اور لوط کی قوم بھی تم سے کچھ دور نہیں O اور تم اپنے رب سے معافی مانگو' پھر اس کی طرف رجوع کرو' بے شک میرا رب بے حد مہربان' بہت محبت کرنے والا ہے O کافروں نے کہا: اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے اور بے شک ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں' اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے' اور تم ہم پر غالب نہیں آ سکتے O

٨٩-[''جَرَمَ''، ''كَسَبَ'' کی طرح ایک مفعول کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے اور دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے] اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ماخوذ ہے: ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ﴾ اے میری قوم! میری مخالفت وعداوت تمہیں ایسا مجرم نہ بنادے کہ تمہیں (اسی طرح عذاب) پہنچے یعنی تم میری مخالفت وعداوت اور دشمنی کی وجہ سے ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کر بیٹھو کہ تمہیں اسی طرح عذاب پہنچے ﴿مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ﴾ جس طرح قوم نوح کو غرقابی کا عذاب یا قوم ہود کو ہولناک تیز وسخت آندھی کا عذاب یا قوم صالح کو دہشت ناک چیخ کا عذاب پہنچا تھا ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ اور قوم لوط زمانے کے اعتبار سے تم سے زیادہ دور نہیں ہے کیونکہ وہ تم سے تھوڑا عرصہ پہلے زمانہ قریب میں ہلاک کیے گئے ہیں اور مکان کے اعتبار سے بھی وہ تم سے زیادہ دور نہیں کیونکہ ان کے مکانات و رہائش گاہیں تم سے قریب ہیں یا جس سبب کی وجہ سے گزشتہ قومیں ہلاکت وتباہی کی مستحق ہوئی تھیں' اس میں تم سب برابر کے شریک ہو اور وہ کفر وشرک ہے جس میں تم سب یکساں مبتلا ہو' لہٰذا اس میں دور ونزدیک' تھوڑے وزیادہ اور مرد وعورت سب برابر ہیں کیونکہ یہ ہلاکت وتباہی' ہولناک آواز کے مراکز پر وارد ہوتی ہے اور وہ گھوڑوں کے ہنہنانے اور گدھوں کے رینکنے اور انہیں کی طرح دیگر جانوروں کی آوازیں ہیں۔

٩٠-﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ﴾ اور تم اپنے رب تعالیٰ سے مغفرت وبخشش طلب کرو' پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ مسلمانوں میں سے توبہ کرنے والے ظالموں پر بھی بے حد مہربانی فرمائے گا کہ ان کو بخش دے گا ﴿وَّدُوْدٌ﴾ وہ نیک بندوں میں سے اہل وفا کے ساتھ بہت محبت و پیار کرتا ہے۔

٩١-﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ کافروں نے کہا: اے شعیب! آپ جو کچھ کہتے ہیں اس میں سے بہت سی باتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے یعنی آپ جو کچھ کہتے ہیں ہم ان کو صحیح نہیں سمجھتے ورنہ آپ کا کلام نہ سمجھا جاتا حالانکہ آپ تو خطیب الانبیاء ہوئے ہیں ﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا﴾ اور بے شک ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور خیال کرتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ مقابلہ کی قوت وطاقت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے درمیان تمہاری کوئی عزت ہے' لہٰذا اگر ہم تمہیں تکلیف پہنچانا چاہیں تو تم ہم سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ﴾ اور اگر تمہارا قبیلہ اور خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر کے مار دیتے اور یہ بدترین قتل ہوتا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ بھی ان کا ہم مذہب تھا' پس اس لیے انہوں نے ان کی خاطر آپ سے نرمی کا اظہار کیا اور ان کی عزت واحترام کی وجہ سے آپ سے رعایت برتی تھی ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ﴾ اور تم ہمارے ہاں کوئی معزز ومحترم انسان نہیں ہو یعنی ہمارے ہاں تمہاری کوئی عزت نہیں اور نہ تم ہمارے

محترم ومکرم بزرگ ہوتا کہ ہم احترام کی خاطر تمہارے قتل سے باز آ جاتے اور ہم تمہیں سنگسار کرنے سے اپنے ہاتھ اٹھا لیتے بلکہ ہمارے ہاں صرف تمہارا قبیلہ معزز ومحترم ہے کیونکہ وہ ہمارے اہل دین میں سے ہے [اور ''اَنْتَ'' ضمیر پر حرف نفی (مَا) کا داخل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلام فاعل کے بارے میں واقع ہوا ہے فعل کے بارے میں نہیں] گویا کہا گیا ہے کہ تم ہمارے ہاں معزز نہیں ہو بلکہ تمہارا قبیلہ ہمارے ہاں بہت معزز ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ
رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ
رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ

فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے اور تم نے اس کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے' بے شک میرے رب نے تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے O اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں اپنا کام کر رہا ہوں' عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے' اور تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں O اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ظالموں کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا' پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے O

۹۲-﴿قَالَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ومکرم ہے اور اگر ''وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ'' کی بجائے ''وَمَا عُـزِزْتَ عَلَيْنَا'' کہا جاتا تو پھر یہ جواب صحیح نہ ہوتا اور باقی رہا یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے صرف ''اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ'' فرمایا ہے حالانکہ کلام تو آپ کے بارے میں اور آپ کے قبیلے کے بارے میں ہو رہا ہے' نہ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کافروں کے ہاں صرف آپ کا قبیلہ معزز ومحترم تھا' نہ کہ آپ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر ہیں' اس لیے اُن لوگوں کا آپ کی توہین کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا ہے اور جب آپ کی بجائے آپ کا قبیلہ ان کے ہاں معزز ومحترم ہے تو گویا آپ کا قبیلہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ومکرم ہوا' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''جو رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرتا ہے تو یقیناً اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی''۔ ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کو تم نے بھلا دیا ہے اور اس کو تم نے پسِ پشت پھینکی گئی چیز کی طرح کر دیا جو کسی صورت میں معتبر وقابلِ قبول نہیں ہوتی [اور ''ظِهْرِيٌّ''، ''ظَهْر'' کی طرف منسوب ہے اور اس کے شروع میں کسرہ (زیر) ''نَسَب'' کے تغیرات کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے' جیسے اہل عرب ''اَمْس'' کی طرف نسبت کر کے ''اِمْسِي'' کہتے ہیں] ﴿اِنَّ

رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو محیط ہے کہ اس نے تمہارے تمام اعمال کا اپنے علم کے ذریعے یقینًا احاطہ کر رکھا ہے' سوان اعمال میں سے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۹۳۔﴿ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو۔[یہ "مکانۃ" "مکان" کے معنی میں ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "مَكَانٌ وَمَكَانَةٌ" اور "مَقَامٌ وَمَقَامَةٌ" (چونکہ سب کا ایک معنی ہے کہ کسی جگہ ٹھہرنا' اس لیے ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں) یا "مَكُنَ فَهُوَ مَكِيْنٌ" کا مصدر ہے جب کوئی شخص کسی چیز پر قدرت و غلبہ حاصل کر لیتا ہے] یعنی تم جس طریقہ پر کفر و شرک اور میری عداوت و دشمنی کر رہے ہو تم اپنے اسی طریقے پر قائم ہو کر عمل کرتے رہو یا یہ کہ تم سے میری عداوت و دشمنی جہاں تک ہو سکتی ہے تم پوری طاقت کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہو ﴿ اِنِّيْ عَامِلٌ ﴾ بے شک میں اسی ہمت کے مطابق کام کرتا رہوں گا' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور تائید سے مجھے عنایت فرمائی ہے اور اس نے جس قدر مجھے قدرت و طاقت بخشی ہے ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ﴾ عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے' جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے[ "مَنْ" استفہامیہ ہے جو "تَعْلَمُوْنَ" کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ وہی اس کا عامل ہے ] گویا فرمایا گیا ہے کہ عنقریب تم جان لو گے کہ ہم میں سے کس پر وہ عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا یعنی اس کو ذلیل و خوار کر دے گا اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے [یا پھر "مَنْ" موصولہ ہے جس میں عمل کیا گیا ہے ] گویا فرمایا گیا ہے کہ عنقریب تم اس بدبخت کو جان لو گے جس پر ایسا عذاب نازل ہوگا جو اس کو ذلیل و رسوا کرے گا اور تم اس کو بھی جان لو گے جو تمہارے گمان میں اور تمہارے دعویٰ میں جھوٹا ہے [اور "سوف" کے شروع میں حرف "فـا" کا داخل کرنا ایسے حرف کے ساتھ وصل ظاہر ہے جو وصل کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے (اور وہ حرف "فـا" ہے جو تعقیب مع الوصل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ حرف "فا" سورۃ الانعام: ۱۳۵ میں استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہاں) وصلِ تقدیری کو جملہ مستأنفہ کے ساتھ بیان کرنے کے لیے حرف "فـا" کو "سوف" سے زائل کر دیا گیا ہے' یہ جملہ سوالِ مقدر کا جواب ہے ] گویا کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم اپنی جگہ پر عمل کریں گے اور آپ اپنی جگہ پر عمل کریں گے تو پھر کیا ہوگا؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے' جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے؟[اور دونوں وجہوں کے ساتھ کلام کو لانا بلاغت میں تفنن (یعنی کلام کے مختلف انداز) کے اظہار کے لیے ہے اور ان دونوں میں (حرف "فـا" کے بغیر) جملہ مستأنفہ لانا زیادہ بلیغ ہے ﴿ وَارْتَقِبُوْا ﴾ اور تم اپنے انجام کا انتظار کرو اور میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں' اس (کی صداقت) کا انتظار کرو ﴿ اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴾ بے شک میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور "رَقِيْب" بہ معنی "رَاقِب" ہے جیسے "ضَرِيْب" بہ معنی "ضَارِب" یا "رَقِيْب" بہ معنی "مُرَاقِب" ہے جیسے "عَشِيْر" بہ معنی "مُعَاشِر" ہے یا "رَقِيْب" بہ معنی "مُرْتَقِب" ہے جیسے "رَفِيْع" بہ معنی "مُرْتَفِع" ہے]۔

۹۴۔﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ﴾ اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے (حضرت) شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ظالموں کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان پر سخت ہولناک آواز نکالی' جس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے تمام کافر ہلاک ہو گئے [اور باقی رہا یہ سوال کہ عاد اور مدین کے قصے کے آخر میں "وَلَمَّا جَآءَ" (واوِ عاطفہ کے ساتھ) ذکر کیا گیا ہے جب کہ ثمود اور لوط علیہ السلام کی قوم کے قصے کے آخر میں "فَلَمَّا جَآءَ" (فا کے ساتھ) ذکر کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات وعدہ کے بعد ذکر کیے گئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ'' (ھود:۸۱) ''ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ'' (ھود:۶۵) سو حرف ''فا'' کو اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ سبب بیان کرنے کے لیے ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے' پس جب وعدہ آ جائے گا تو ایسا ایسا ہو گا لیکن دوسرے دونوں واقعات پہلے واقع ہوئے ہیں' لہٰذا ان دونوں کا حق یہ ہے کہ ان کا اپنے ماقبل پر حرف جمع کے ساتھ عطف کیا جائے جیسا کہ قصہ کا قصہ پر عطف کیا جاتا ہے] ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مردہ پڑے رہ گئے۔ ''جاثم'' کا معنی ہے: اپنی جگہ میں ایسے چمٹ جانا کہ وہاں سے اٹھنا محال ہو یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ان پر زوردار ہیبت ناک آواز نکالی تو ان میں سے ہر ایک کی روح اچانک جسم سے نکل گئی۔

ع ۱۲ | كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۹۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۹۶ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۹۷ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۹۸ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۹۹

گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے' خبردار! مدین کے لیے ہلاکت ہے جیسا کہ ثمود ہلاک ہوئے تھے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا O فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی' اور فرعون کا حکم صحیح نہیں تھا O قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے آئے گا اور ان کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا' اور وہ بہت بُرا گھاٹ ہے جس پر (ان کو) لایا جائے گا O اور اس دنیا میں اور قیامت کے دن میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے' بہت بُرا انعام ہے جو (انہیں) دیا جائے گا O

۹۵- ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی زندہ نہیں رہے' نہ کاروبار کرتے رہے' نہ اپنے گھروں میں آتے جاتے رہے ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ﴾ خبردار! مدین والوں کے لیے ہلاکت ہے [''بُعْدًا'' بہ معنی ''بَعَدَ'' ہے اور وہ ہلاکت ہے جیسے ''رُشْدٌ'' بہ معنی ''رَشَدَ'' ہے کیا تم اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے] ﴿كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴾ جیسا کہ ثمود والے ہلاک ہو گئے۔ [اور اس کو ''كَمَا بَعُدَتْ'' بھی پڑھا گیا اور دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہے اور وہ قریب کی ضد ہے مگر اہل عرب نے ہلاکت کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا ہے جیسا کہ انہوں نے خیر اور شر کے زمانوں کے درمیان فرق کیا ہے' چنانچہ انہوں نے کہا: ''وَعَدَ'' (وعدہ کیا) اور ''اَوْعَدَ'' (دھمکی دی)]۔

## حضرت موسیٰ کی بعثت پر فرعونیوں کی سرکشی اور ان کا عبرت ناک انجام

۹۶- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا [''سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ'' سے عصا مبارک مراد ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ روشن تھا]۔

۹۷- ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (حضرت موسیٰ کو

مبعوث کیا گیا) لیکن انہوں نے یعنی درباریوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی ﴿وَمَآ أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ﴾ اور فرعون کا حکم صحیح نہیں تھا اور اس سے فرعون کے پیروکاروں کو جاہل و نادان قرار دیا گیا ہے کہ وہ فرعون کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس کے حکم پر عمل پیرا ہو گئے حالانکہ وہ کھلم کھلا اور علانیہ گمراہ تھا اور یہ اس لیے کہ اس نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا حالانکہ یہ بھی ان کی طرح ایک انسان تھا اور اس نے علانیہ ظلم و بدی کا ارتکاب کیا جو شیطان ہی سے حاصل ہوتے ہیں اور اس طرح کا انسان تو ویسے ہی خدائی سے کوسوں دور ہوتا ہے اور اس سے واضح ہوا کہ فرعونیوں نے مختلف نشانیوں اور روشن ترین معجزات کا معائنہ بھی کیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضرت موسیٰ کے کمالات بھی دیکھے اور معلوم کر لیا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام رشد و ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں' پھر بھی انہوں نے آپ کی پیروی سے انحراف کر کے ایسے گمراہ شخص فرعون کی پیروی اختیار کر لی جس کا کوئی حکم صحیح نہیں تھا یا اس سے یہ مراد ہے کہ فرعون کا کوئی عمل صالح اور اچھا نہیں تھا' جس کا انجام قابل ستائش ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد

۹۸- ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اسی کی تفسیر اور اس کی وضاحت ہے' یعنی ایسے شخص کا حکم اور عمل کیسے صحیح ہو سکتا ہے جس کا انجام یہ ہو گا یعنی فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہو گا اور قوم اس کے پیچھے ہو گی (اور وہ ان کو دوزخ میں ڈال دے گا) [اور لفظ ''رُشْد'' ہر پسندیدہ اور قابل تعریف عمل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس طرح ''غَیّ'' کا لفظ ہر ناپسندیدہ اور قابل مذمت عمل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''قَدَمَهُ'' بہ معنی ''تَقَدَّمَهُ'' کہ وہ اس کے آگے ہو گا] ﴿فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ اور ان کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا یعنی داخل کر دے گا [اور یہاں ماضی کا لفظ ''اَوْرَدَ'' اس لیے لایا گیا ہے کہ ماضی موجود یقینی کام پر دلالت کرتی ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ فرعون اپنی قوم کے آگے ہو گا اور ان کو یقیناً دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا یعنی جس طرح فرعون دنیا میں گمراہی کے کاموں میں اپنی قوم کا رہبر و رہنما اور قائد بنا ہوا تھا' اسی طرح وہ آخرت میں ان کا قائد بن کر ان کے آگے آگے ہو گا اور وہ لوگ اس کے پیچھے ہوں گے ﴿وَبِئْسَ الْوِرْدُ﴾ اور دوزخ کتنا بُرا گھاٹ ہے اور کس قدر اترنے اور داخل ہونے کی بدترین جگہ ہے اور ﴿الْمَوْرُودُ﴾ جو (فرعون اور اس کی قوم) اس میں اتارے جائیں گے۔ فرعون کو اس قائد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پانی کے گھاٹ کی طرف جانے والے پیاسوں کے آگے ہوتا ہے اور اس کے پیروکاروں کو پانی کی طرف جانے والے پیاسوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ'' یعنی اور فرعون اور اس کی قوم جس گھاٹ پر وارد ہوں گے وہ بدترین جگہ ہے اور وہ دوزخ کی آگ ہے کیونکہ گھاٹ پر اترنے کا مقصد پیاس بجھا کر تسکین حاصل کرنا ہوتا ہے جب کہ دوزخ کی آگ اس کی ضد ہے۔

۹۹- ﴿وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً﴾ اور اس میں یعنی دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لازم کر دی گئی ہے ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور قیامت کے دن یعنی فرعون اور اس کی قوم کو دنیا میں بھی لعنتی قرار دیا گیا ہے (کہ تمام امتیں ان پر لعنت کرتی ہیں) اور قیامت کے دن بھی انہیں لعنتی قرار دیا جائے گا (کہ تمام اہل محشر ان پر لعنت بھیجیں گے) ﴿بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ﴾ اور کتنی بُری مہمانی ہے' جو مہمانوں کو دی گئی ہے یعنی کتنی بُری مدد ہے جو ان کی اعانت میں کی گئی ہے یا کتنا بُرا انعام ہے جو انہیں عطا کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ
رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰی وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ ان بستیوں کی خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض باقی ہیں اور بعض مٹ گئی ہیں O اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا' پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے وہ ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں بڑھایا O اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح کی ہوتی ہے جب وہ بستی والوں کی ان کے ظلم پر گرفت کرتا ہے' بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہوتی ہے O

۱۰۰- ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ﴾ یہ تباہ شدہ بستیوں کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جس کو ہم آپ پر بیان کررہے ہیں۔ [''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے' ''مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی'' خبر ہے اور ''نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ'' خبر کے بعد خبر ہے] ﴿مِنْهَا﴾ ان تباہ شدہ بستیوں میں سے ﴿قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ﴾ کچھ قائم ہیں یعنی بعض کے آثار و نشانات باقی ہیں' جیسے کھیتی اپنے تنے پر کھڑی ہوتی ہے اور کچھ مٹ چکی ہیں اور ان کے آثار و نشانات ختم ہو گئے ہیں' جیسے کھیتی کھیت سے کاٹ لی گئی ہو [اور یہ جملہ مستأنفہ ہے جس کا محل اعراب کوئی نہیں ہے]۔

۱۰۱- ﴿وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو ہلاک کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ﴿وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور لیکن انہوں نے اپنی ہلاکت کے اسباب کفر و شرک اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا ﴿فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ سو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے' انہوں نے ان کو کچھ فائدہ نہیں دیا اور نہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ [یہاں ''یَدْعُوْنَ'' بہ معنی ''یَعْبُدُوْنَ'' ہے اور یہ ماضی کے حال کا بیان ہے] ﴿لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ جب آپ کے رب تعالیٰ کا حکم یعنی اس کا عذاب آ پہنچا [اور ''لَمَّا''. ''اَغْنَتْ'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴾ اور ان کے بتوں نے ان کی ہلاکت کے سوا ان میں کوئی اور اضافہ نہیں کیا۔ [''تَتْبِیْب'' کا معنی ''تخسیر'' یعنی ہلاکت ہے' ''تَبَّ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی ہلاک و تباہ ہو جائے اور ''تَبَّبَهٗ غَیْرُهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو ہلاک و تباہ کر دے اور اس کو خسارے اور نقصان میں ڈال دے] یعنی کافروں کو غیر اللہ کی عبادت نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ ان کو ہلاک و برباد کر دیا اور فائدے کی بجائے نقصان پہنچایا۔

۱۰۲- ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ [کاف محلاً مرفوع (خبر مقدم) ہے] اور مذکورہ گرفت کی طرح ﴿اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰی﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی گرفت و پکڑ ہوتی ہے' جب وہ بستیوں کو یعنی بستیوں کے باشندوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے ﴿وَ هِیَ ظَالِمَةٌ﴾ حالانکہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں [یہ ''قُرٰی'' سے حال ہے (یعنی ان میں رہنے والے لوگ ظالم ہوتے ہیں)] ﴿اِنَّ

﴿اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو اپنی پکڑ اور گرفت میں لے لیتا ہے اس پر اس کی گرفت اور پکڑ بہت سخت دردناک ہوتی ہے اور یہ مکہ وغیرہ کی تمام بستیوں کے کفار ظالموں کے لیے وعید و دھمکی ہے کہ ہر ظالم پر واجب ولازم ہے کہ وہ توبہ کرنے میں جلدی کرے اور مہلت سے مغرور نہ ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

بے شک اس میں اس شخص کے لیے ضرور نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے' یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا' اور اس دن سب حاضر کیے جائیں گے O اور ہم اس کو مؤخر نہیں کر رہے مگر ایک مقررہ مدت تک کے لیے O جب وہ دن آئے گا تو اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں بول سکے گا' تو ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت ہوں گے O پھر جو لوگ بد بخت ہوں گے وہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اس میں ان کی چیخ و پکار ہوگی O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے گا' بے شک آپ کا رب جو چاہتا ہے اس کو خوب کرگزرتا ہے O

۱۰۳- ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہلاک شدہ امتوں کے جو واقعات و قصے بیان کیے ہیں ان میں ﴿لَاٰیَةً﴾ سبق آموز عبرت ہے ﴿لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈر گیا اور وہ اس کی صحت اور اس کے وجود پر یقینی اعتقاد رکھتا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ قیامت کے دن کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آخرت کا عذاب اس پر دلالت کرتا ہے ﴿یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ اس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔[''اَلنَّاسُ'' ''مَجْمُوْعٌ'' کی وجہ سے مرفوع ہے جیسا کہ اس کا فعل بھی رفع ہی دیتا' جب تم یوں کہتے ہو: ''یُجْمَعُ لَهُ النَّاسُ'' اور باقی رہا یہ کہ اسم مفعول کو اس کے اپنے فعل پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مفعول قیامت کے دن لوگوں کے جمع ہونے کے معنی کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے] اور نیز وہ لوگوں کی طرف جمع کیے جانے کی نسبت کو ثابت کرتا ہے اور یہ کہ لوگ اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکیں گے بلکہ انہیں ہر حال میں حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے جمع کیا جائے گا ﴿وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ اور وہ حاضری کا دن ہے یعنی اس میں تمام لوگوں کو حاضر کیا جائے گا [پھر ظرف میں وسعت دے کر اس کو مفعول بہ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] یعنی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو میدانِ محشر میں حاضر کیا جائے گا' اس سے کوئی شخص چھپ نہیں سکے گا۔

۱۰۴- ﴿وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ اور ہم اس کو یعنی مذکورہ بالا دن (قیامت کے دن) کو مؤخر نہیں کریں گے' مگر ایک مقررہ مدت کے لیے۔[''اَجَل'' کا لفظ تاخیر کی پوری مدت پر اور اس کی انتہاء پر بولا جاتا ہے اور ''عَدّ'' صرف مدت کے معنی میں بولا جاتا ہے' نہ اس کی ابتداء کے لیے اور نہ اس کی انتہاء کے لیے' پس ارشادِ باری تعالیٰ ''اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ''

کا یہ معنی ہوگا: مگر مقررہ مدت کی انتہا تک کے لیے' مضاف محذوف کے ساتھ یا یہ معنی ہے کہ ہم اس دن کو مؤخر نہیں کریں گے مگر اس مدت کی انتہاء تک کے لیے جو ہم نے دنیا کی بقاء کے لیے مقرر کر رکھی ہے]۔

۱۰۵- ﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ﴾ جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص نہیں بول سکے گا۔[ابن کثیر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (یَاْتِیْ) ہے اور ابو عمرو بصری' نافع مدنی اور علی کسائی نے وصل کی حالت میں اس کی موافقت کی ہے اور یا کو ثابت رکھنا اصل ہے کیونکہ کوئی ایسی علت نہیں ہے جو یا کے حذف کو واجب کرتی ہو اور یا کو حذف کر کے اس کے عوض میں کسرہ پر اکتفاء کرنا بنو ہذیل کی لغت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور اس کی مثال یہ (درج ذیل آیت) ہے: ''مَا كُنَّا نَبْغِ'' (الکہف:٦٤) اور ''یَاْتِ'' کا فاعل ضمیر ہے' جو ارشادِ باری تعالیٰ ''يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ'' (ہود:١٠٣) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ''یَوْمَ'' کی طرف جو ''یَاْتِ'' کا مضاف ہے اور ''یَوْمَ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یا ارشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَكَلَّمُ'' کی وجہ سے منصوب ہے جو اصل میں ''لَا تَتَكَلَّمُ'' ہے] ﴿إِلَّا بِإِذْنِهٖ﴾ مگر اس کی اجازت سے یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کی شفاعت وسفارش نہیں کرے گا مگر اس کی اجازت کے بعد کوئی کسی کی شفاعت کر سکے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ إِلَّا بِإِذْنِهٖ'' (البقرہ:٢٥٥) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کر سکے مگر اس کی اجازت ملنے کے بعد''۔[1] ﴿فَمِنْهُمْ﴾ [''هُمْ'' ضمیر اہل محشر کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ'' اس پر دلالت کر رہا ہے اور ''اَلنَّاس'' کا ذکر ''مَجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ'' (ہود:١٠٣) میں گزر چکا ہے۔] پس ان لوگوں میں سے بعض ﴿شَقِيٌّ﴾ بدبخت ہوں گے جن کو عذاب دیا جائے گا ﴿وَّسَعِيْدٌ﴾ یعنی ان لوگوں میں سے بعض نیک بخت ہوں گے یعنی ان پر انعام کیا جائے گا۔

۱۰٦- ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ﴾ پھر لیکن جو لوگ بدبخت ہوں گے وہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے' جس میں چیخ و پکار ہوگی۔ گدھے کی وہ پہلی آواز جو وہ زور سے ہینگتے وقت نکالتا ہے' اُسے ''زفیر'' کہا جاتا ہے ﴿وَّشَهِيْقٌ﴾ اور اس کے آخر میں دھیمی دھیمی آواز سے خاموش ہو جاتا ہے تو اُسے ''شَهِيْقٌ'' کہا جاتا ہے یا لمبے لمبے زور سے سانس باہر نکالنے اور اسے واپس لوٹانے کو ''زفیر'' اور ''شھیق'' کہا جاتا ہے[اور یہ جملہ حال کے محل میں واقع ہے اور اس کا عامل مستقر ہے جو ''اَلنَّار'' میں ہے]۔

۱۰۷- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[یہ حالِ مقدرہ ہے] ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ﴾ جب تک تمام آسمان اور زمینیں رہیں گے۔[یہ محلاً منصوب ہے] یعنی آسمانوں اور زمین کے دوام کی مدت تک اور اس سے آخرت کے زمین و آسمان مراد ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے دائمی پیدا کیے گئے ہیں اور اس بات پر دلیل کہ آخرت کے لیے زمین و آسمان ہوں گے' یہ ارشاد ہے: ''يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ'' (ابراہیم:٤٨) ''اس روز یہ زمین دوسری زمین سے اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے تبدیل کر دیئے جائیں گے''۔ اور بعض نے کہا کہ جب تک فوق و تحت قائم رہیں گے اور یہ اس لیے کہ اہلِ آخرت کے لیے سایا ضروری ہے اور جو ان پر سایا دار رہے گا وہ یا آسمان ہوگا یا عرش ہوگا اور ہر وہ

---

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد قرآن واحادیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل حضرات کرام مسلمانوں کی سفارش کریں گے: (۱) حضور سیّد عالم ﷺ (۲) دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (۳) فرشتے (۴) صالحین (یعنی اولیائے کرام) (۵) علمائے دین (٦) شہدائے اسلام (۷) حفاظِ قرآن (۸) خود قرآنِ مجید (۹) ماہِ رمضان کے روزے (۱۰) مسلمانوں کے فوت ہو جانے والے نابالغ بچے۔ غوثوی

چیز جو تم پر سایا کرے گی تو وہ آسمان کہلائے گا یا اس سے مطلق تابید و دوام اور انقطاع کی نفی مراد ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''مَا لَاحَ کَوْکَبٌ'' اور دیگر تابید و دوام کے کلمات ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر آپ کا رب جتنا چاہے۔ یہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے سے استثناء ہے اور یہ اس لیے کہ دوزخی ہمیشہ صرف دوزخ کی آگ میں نہیں رہیں گے بلکہ انہیں طبقۂ زمہریر کا عذاب بھی دیا جائے گا (اور یہ ناقابل برداشت ٹھنڈا ہو گا) نیز دوزخ کی آگ کے عذاب کے علاوہ انہیں مختلف اقسام کے عذاب دیئے جائیں گے یا ''مَاشَآءَ به'' بہ معنی ''مَنْ شَآءَ'' ہے (ترجمہ یہ ہو گا) کہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا ان کو دائمی عذابِ دوزخ سے نکال لے گا اور یہ وہ لوگ ہوں گے (جو بغیر توبہ مر گئے' انہیں گناہوں کی سزا دے کر پھر) دوزخ کی آگ سے نکال لیا جائے گا اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان کو جہنمی کہا جائے گا اور ان کو جنتیوں سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ لوگ ان سے جدا ہو کر ایک لمبا عرصہ دوزخ کی آگ میں رہے' پس یہ لوگ نہ پورے کے پورے بد بخت ہوں گے کہ ان کو ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں رکھا جائے اور نہ وہ پورے سعادت مند و نیک بخت ہوں گے کہ دوزخ کی آگ انہیں بالکل نہ چھوئے گی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ضحاک اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی منقول ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بد بخت اور نیک بخت کے ساتھ جو چاہے گا وہی کرے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹ ع ۹ ۱۴ ۹
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰

اور لیکن جو لوگ نیک بخت ہوں گے تو وہ جنت میں رہیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہوں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے گا' یہ نہ ختم ہونے والی بخشش ہے O سو اس کے بارے میں ہرگز شک نہ کیجئے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں' یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور بے شک ہم ان (کے عذاب) کا حصہ بغیر کسی کمی کے ان کو ضرور پورا پورا دیں گے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' پھر اس میں اختلاف کیا گیا' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک وہ لوگ تردّد پیدا کرنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں O

۱۰۸- ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا﴾ [امام حفص' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سُعِدُوْا'' (سین پر پیش فعل ماضی مجہول) ہے اور ''سَعِدَ يَسْعَدُ'' لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے] (ترجمہ:) اور لیکن جن کو سعادت مند و نیک بخت رکھا گیا ﴿فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ وہ جنت میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک تمام آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر آپ کا رب جو چاہے گا (اس سے بڑی نعمتیں عطا فرمائے گا)' یہ جنت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہنے سے استثناء ہے اور یہ اس لیے کہ جنتیوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ ان سے بڑھ کر

بڑی نعمت عطا کی جائے گی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا اور خوشنودی یا اس کا معنی یہ ہے کہ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے اس کے گناہوں کے برابر عذاب دے گا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں اہل جنت کے لیے استثناء کیا گیا ہے اور اس کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ جو گنہگار مسلمان دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائے گا' وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اس کو وہاں سے نکالا جائے گا اور وہ جنت میں بھی ہمیشہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ابتداء میں جنت میں داخل نہیں ہوا اور جب معتزلہ نافرمان و گنہگار کو دوزخ سے نکالے جانے کے قائل نہیں تو اس عنوان پر بیان کی گئی احادیثِ مبارکہ سے ان کی تردید ہو جاتی ہے اور ان کے کھلم کھلا اس گناہ کے لیے یہی کافی ہے ﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ ایسی بخشش جو کبھی ختم ہونے والی نہیں بلکہ دائمی انعام جس کی کوئی انتہاء نہیں ہوگی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ'' (حٰم السجدہ:۸) ''ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہوگا''۔ [اور یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے یعنی ''اُعْطُوْا عَطَآءً'' انہیں جنتی انعامات خوب عطا کیے جائیں گے] بعض حضرات نے فرمایا کہ فرقہ جہمیہ نے چار آیات کا انکار کیا: (۱) ''عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ'' (ھود: ۱۰۸) دائمی انعام (۲) ''اُكُلُهَا دَآئِمٌ'' (الرعد:۳۵) ''اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے''۔ (۳) ''وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ'' (النحل: ۹۶) ''اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا''۔ (۴) ''لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ'' (الواقعہ:۳۳) ''نہ (وہ میوے) ختم ہوں گے اور نہ (ان سے) روکا جائے گا''۔

۱۰۹- جب اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے واقعات و قصص بیان فرمائے اور ان پر نازل ہونے والے اپنے غضب کا ذکر فرمایا اور ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا اس کا ذکر فرمایا تو اب ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ سو اے مسلمانو! اس کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہیے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں' یعنی ان واقعات و قصص کے نازل ہونے کے بعد تم بت پرستوں کے بُرے انجام کے متعلق شک میں نہ رہو کیونکہ جس طرح مشرکینِ مکہ سے پہلے لوگوں کو بت پرستی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا' ان کو بھی اسی طرح عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' اس آیتِ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور مشرکین سے انتقام لینے کا وعدہ کیا گیا ہے اور ان کو دھمکی دی گئی ہے' پھر ارشاد فرمایا: ﴿مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد کرتے رہے۔ مراد یہ ہے کہ شرک و بت پرستی میں ان کا وہی حال ہے جو ان کے باپ دادا کا حال تھا اور ان کے آباء و اجداد پر جو عذاب کیا گیا تھا اس کی خبر آپ تک پہنچ چکی ہے' سو عنقریب ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل ہونے والا ہے [اور یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کا مقصد شک و شبہ سے نہی (روکنے) کی علت بیان کرنا ہے اور ''مِمَّا'' اور ''كَمَا'' میں لفظ ''مَا'' مصدر یہ ہے یا پھر موصولہ ہے] یعنی ان کی عبادت و پرستش ان کے آباء و اجدا کی عبادت و پرستش کی طرح ہے یا یہ کہ جس طرح وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اسی طرح یہ بھی بتوں کی عبادت کرتے ہیں ﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ﴾ اور بے شک ہم ان کے حصہ کا عذاب ان کو پورا پورا دیں گے' جیسا کہ ہم نے ان کے باپ دادا کو ان کے عذاب کا حصہ پورا پورا دیا تھا ﴿غَیْرَ مَنْقُوْصٍ﴾ کسی قسم کی کمی کے بغیر۔ [یہ ''نَصِیْبَهُمْ'' سے حال ہے یعنی بغیر کسی کمی کے ان کو پورا اور مکمل عذاب کا حصہ ملے گا]۔

۱۱۰- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کی تھی ﴿فَاخْتُلِفَ فِیْهِ﴾ پھر اس میں اختلاف کیا گیا' چنانچہ ایک قوم تو اس پر ایمان لے آئی اور ایک قوم نے اس کے ساتھ

کفر و انکار کیا جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے درمیان یا آپ کی قوم کے درمیان ہلاک کرنے والے عذاب کا فیصلہ کر دیا جاتا ﴿وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ﴾ اور بے شک یہ لوگ قرآن مجید کے بارے میں یا عذاب کے نزول کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں ﴿مُرِيبٍ﴾ شک وشبہ اور الجھن میں ڈالنے والا اور دل کو مضطرب و متردّد کر دینے والا۔ [یہ ''اَرَابَ الرَّجُلَ'' کہ آدمی کو شک میں ڈال دیا' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص شک وشبہ میں مضطرب ہو جائے' یہ اسنادِ مجازی ہے]

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١٤﴾

اور بے شک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا بدلا پورا پورا دے گا' بے شک وہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے ○ پس آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی پر قائم رہیے اور وہ بھی جو توبہ کر کے آپ کے ساتھ ایمان لائے اور تم لوگ زیادتی نہ کرنا' بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے ○ اور تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آگ کا عذاب پہنچے گا' اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی بھی حمایتی نہیں ہوگا' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ○ اور تم دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کی کچھ ساعتوں میں نماز قائم رکھو' بے شک نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں' یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○

۱۱۱- ﴿وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [''كُلًّا'' کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے' یعنی اصل میں ''وَاِنَّ كُلَّهُمْ'' ہے یعنی اس میں شک کرنے والے تمام لوگ اور ''اِنَّ'' مشدّد ہے جب کہ ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں ''لَمَّا'' مخفف (یعنی بغیر شد کے ''لَمَا'') ہے اور لفظ ''مَا'' زائدہ (یعنی معنی سے خالی صرف تحسینِ کلام کے لیے) ہے' اس کو اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس کے حرف ''اِنَّ'' کے لام اور ''لَيُوَفِّيَنَّهُمْ'' کے لام کے درمیان فاصلہ کیا جائے اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور ''لَمَّا'' میں حرفِ لام قسم کی تاکید کے لیے ہے اور معنی یہ ہے کہ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ آپ کا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کا بدلا ضرور دے گا (یعنی) ایمان و کفر اور نیک و بد تمام اعمال کا بدلا انہیں ضرور ملے گا اور قاری ابوبکر کی قراءت میں پہلے کے برعکس ہے کہ (''اِنَّ'' مخفف ''اِنْ'' اور ''لَمَّا'' مشدد ہے) اور ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں اس بناء پر دونوں کو مخفف پڑھا گیا ہے کہ ان میں ثقیلہ کا عمل خفیفہ کو دے دیا گیا ہے' اس کے اصل کا اعتبار کر کے اور وہ اس کا ثقیلہ ہونا ہے اور اس لیے بھی کہ ''اِنَّ'' فعل کے مشابہ ہے اور فعل حذف سے پہلے بھی اور حذف کے بعد بھی اپنا عمل جاری رکھتا ہے' جیسے ''لَمْ يَكُنْ'' اور ''لَمْ يَكُ'' ہے' لہٰذا مشبہ بہ بھی ایسا ہی ہوگا اور مذکورہ بالا قاریوں کے علاوہ

باقیوں کے نزدیک دونوں مشدد ہیں اور یہ مشکل ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ ''لَمَمْتُ الشَّیْءَ'' سے ماخوذ ہے کہ میں نے چیز کو جمع کیا' پھر جب ''لَمًّا'' پر وقف کیا گیا تو ''لَمًّا'' ہو گیا' پھر وصل کو وقف کے قائم مقام کر دیا گیا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''دَعْوٰی'' اور ''تَتْرٰی'' کی طرح ہو اور اس میں الف تانیث کے مصادر میں سے ہو اور امام زہری نے ''وَاِنْ كُلًّا لَمًّا'' تنوین کے ساتھ پڑھا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَكْلًا لَمًّا'' (الفجر:۱۹) اور یہ اسی کی تائید کرتا ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک دونوں مجموعوں میں ہر ایک' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''وَاِنَّ كُلًّا جَمِيْعًا'' اور بے شک سب کے سب' جیسے ارشاد ہے: ''فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ'' (الحجر:۳۰) پس تمام وسب فرشتوں نے سجدہ کیا''۔ اور صاحب ایجاز نے کہا کہ ''لَمًّا'' میں ظرف کا معنی ہے اور یہ کلام میں اختصار کے لیے داخل کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا کہ بے شک جب سب کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا تو اس وقت آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کا بدلا ضرور دے گا [اور کسائی نے کہا کہ ''لَمًّا'' کا مشدد ہونا میرے علم میں نہیں ہے] ﴿ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ بے شک وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

## استقامت کا حکم' ظلم کی ممانعت' نمازوں کا فائدہ' نہی عن المنکر کی اہمیت

۱۱۲- ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ﴾ سو آپ خوب استقامت اختیار کیجئے جس طرح استقامت اختیار کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ اس سے کبھی انحراف نہ کیجئے ﴿ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ﴾ [یہ ''اِسْتَقِمْ'' میں پوشیدہ ضمیر پر معطوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر فاصل پر معطوف ہو] یعنی ''فَاسْتَقِمْ اَنْتَ وَلْيَسْتَقِمْ مَنْ تَابَ عَنِ الْكُفْرِ وَرَجَعَ اِلَى اللّٰهِ مُخْلِصًا'' یعنی آپ بھی استقامت اختیار کیجئے اور وہ بھی استقامت اختیار کر لیں جنہوں نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خالص رجوع کر لیا ہے ﴿ وَلَا تَطْغَوْا ﴾ اور (اے مسلمانو!) تم سرکشی نہ کرو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرو ﴿ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے' وہی تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا' پس تم صرف اسی سے ڈرو۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس آیتِ مبارکہ سے بڑھ کر کوئی آیتِ کریمہ زیادہ باعثِ مشقت و دشوار نازل نہیں ہوئی اور اس لیے آپ نے فرمایا کہ سورتِ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے[1]۔

۱۱۳- ﴿ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ اور تم ظلم و ستم ڈھانے والوں کی طرف نہ جھکو۔ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خطاب کفار کے پیروکاروں کے لیے ہے یعنی تم اپنے ظالم قائدین اور اپنے بڑوں کے ظلم میں ان کی طرف رغبت و محبت اور قلبی میلان نہ رکھو اور تم نہ اس میں رغبت رکھو جس کی طرف وہ تمہیں بلاتے ہیں ﴿ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾ ورنہ تمہیں آگ کا عذاب پہنچے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اور) ظالموں کی طرف جھکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کفر و شرک پر راضی رہنا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم مشرکوں کے ساتھ نہ مل جاؤ اور موفق سے بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ایک امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھی' جب امام صاحب نے یہی آیتِ مبارکہ تلاوت کی تو بے ہوش ہو گئے' پھر

---

[1] اس آیت مبارکہ کے تحت علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت ابوعلی سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے سورت ھود نے بوڑھا کر دیا ہے' کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ صحیح ہے' میں نے عرض کیا: کیا یہ انبیائے کرام کے قصص کی وجہ سے ہوا یا کفار کی ہلاکت کی وجہ سے ہوا؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں' بلکہ مجھے استقامت کے حکم نے بوڑھا کر دیا۔ (روح البیان' پارہ:۱۲' ص ۲۵۷' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

جب انہیں افاقہ ہوا تو ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس آیت مبارکہ کی وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو ظالم کی طرف راغب ہوا اور ظالم کے ظلم کے باوجود اس کی طرف مائل ہوا کہ اس کو آگ چھوئے گی تو ظالم کا کیسا انجام ہوگا؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو نہی کے دو ''لَا'' کے درمیان کر دیا ہے' ایک ''وَلَا تَطْغَوْا''. اور تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو' دوسرا ''وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا''. اور تم ظالموں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ۔

اور حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک وادی ہے' جس میں صرف وہ قراء اور علماء رہیں گے جو دنیاوی جاہ وجلال اور مال و دولت کے لالچ میں بادشاہوں کی چاپلوسی کرنے کے لیے ان سے ملاقاتیں کرتے تھے اور حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت وہ عالم ہے جو خوشامد کرنے کے لیے حاکمِ وقت کے پاس آتا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی بقاء اور درازیٔ عمر کی دعا کی تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اس کی سرزمین پر پسند کیا اور حضرت امام سفیان سے جنگل میں پیاس کی شدت سے ہلاکت کے قریب پہنچے ہوئے ظالم کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا اس کو پانی پلایا جائے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس ظالم کو ہرگز پانی نہ پلایا جائے' پھر آپ سے اس کی موت کے بارے میں پوچھا گیا' آپ نے فرمایا: اس کو پیاس کی حالت میں مرنے دو ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ [یہ ''فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی پس تمہیں آگ چھوئے گی اور اس وقت تم ایسی حالت میں ہو گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور اس کا معنی یہ کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں اس کے عذاب سے بچانے کی طاقت رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے عذاب سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں فرمائے گا کیونکہ وہ تمہیں عذاب دینے کا حکم دے چکا [اور ''ثُمَّ'' کا معنی استبعاد یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کرنا بہت دور ہے]۔

۱۱۴- ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ اور تم دن کے دونوں حصوں میں یعنی صبح و شام نماز قائم کرو ﴿وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کی کچھ ساعتوں میں [''زُلَفٌ'' جمع ہے جس کا واحد ''زُلْفَةٌ'' ہے اور اس سے دن کی آخری ساعات و اوقات مراد ہیں (جو سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتی ہیں) اور یہ ''اَزْلَفَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو قریب کرتا ہے اور صبح کی نماز سے مراد فجر کی نماز ہے اور ''عشیہ'' کی نماز سے ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہیں' اس لیے کہ سورج کے زوال کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے اوقات کو بھی ''عَشِيَّةٌ'' کہا جاتا ہے اور ''زُلَفِ لَيْل'' سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد ہیں اور ''طَرَفَيِ النَّهَارِ'' کا منصوب ہونا ظرف کی بناء پر ہے کیونکہ یہ وقت کی طرف مضاف ہے' جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَقَمْتُ عِنْدَهٗ جَمِيْعَ النَّهَارِ''. میں اس کے پاس تمام دن ٹھہرا رہا' ''وَاَتَيْتُهٗ نِصْفَ النَّهَارِ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ'' اور میں اس کے پاس صبح' دوپہر اور شام آیا ہوں' ان تمام کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہاں مضاف کو مضاف الیہ کا حکم دیا گیا ہے] ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ بے شک نیکیاں بُرائیوں کو دور کر دیتی ہیں یعنی بے شک پانچوں نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک پانچوں نمازیں ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں[1] یا نیکیاں۔ حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بُرائی ہونے کے بعد تم نیکی کر لیا کرو کہ نیکی بُرائی کو مٹا دیتی ہے[2] یا

[1] رواہ مسلم فی کتاب الطہارۃ حدیث:۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۴۰۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۹۵۷

[2] رواہ الترمذی فی کتاب البر' باب:۵۵' الدارمی فی کتاب الرقاق' باب:۷۳' احمد فی مسندہ ج ۵ ص ۱۵۳۔۱۵۸۔۱۶۹

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' (پڑھنا مراد ہے کہ ان کلمات کو پڑھنے سے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے) ﴿ذٰلِكَ﴾ [یہ ''فَاسْتَقِمْ'' اوراس کے بعد کی طرف اشارہ ہے یا پھر] قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے کہ یہ استقامت اختیار کرنا اور یہ قرآن مجید ﴿ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور صبر کیجئے بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا O سو تم سے پہلی قوموں میں ایسے اچھے لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے روکتے مگر وہ بہت تھوڑے تھے' یہ وہی تھے جن کو ہم نے ان میں سے نجات عطا کی تھی' اور ظالموں نے اسی عیش وعشرت کی پیروی کی جس سے وہ نوازے گئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے O اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو بلاوجہ ظلم سے ہلاک کر دے حالانکہ اس کے باشندے نیک ہوں O اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور وہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہے O

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ حضرت عمرو بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جو کھجوریں فروخت کرتے تھے۔ ایک دن ایک عورت ان کے پاس کھجوریں لینے آئی تو انہوں نے اس عورت سے کہا کہ عمدہ اور بہترین کھجوریں گھر کے اندر رکھی ہیں' اندر آ جاؤ' چنانچہ وہ عورت گھر کے اندر داخل ہوگئی تو انہوں نے اس کا بوسہ لے لیا' پھر آپ نادم وشرمندہ ہو گئے اور روتے ہوئے حضور سیّد عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ ذکر کیا تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ حاضر ہو کر نمازِ عصر ادا کی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! حضور نے فرمایا: یہی نماز تمہارے گناہ کا کفارہ ہے' چنانچہ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ اسی ایک شخص کے لیے خاص ہے؟ حضور نے فرمایا: بلکہ یہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے[1]

۱۱۵- ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ کو جس کا حکم دیا گیا ہے اس کے بجا لانے پر اور جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے اس سے رکنے پر صبر کیجئے کیونکہ صبر اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا۔ [اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ''فَاسْتَقِمْ'' سے لے کر ''وَاصْبِرْ'' تک ایسا کلام لایا ہے جو تمام اوامر و نواہی پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ نیکیوں کا فائدہ بھی بیان فرما دیا ہے]۔

۱۱۶- ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [''لَوْلَا'' بہ معنیٰ ''هَلَّا'' ہے اور یہ ترغیب دینے اور کسی کام کے کرنے پر اکسانے اور راغب کرنے کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ فعل کے ساتھ مخصوص ہے] (ترجمہ:) سو تم سے

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۳

پہلے ہلاک شدہ قوموں میں کیوں موجود نہیں رہے ﴿ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ ﴾ فضیلت وشرافت رکھنے والے نیک لوگ' اور فضیلت و بزرگی رکھنے والے نیک لوگوں کو "بقیہ" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی پیداوار اور اپنی کمائی میں سے اس چیز کو بچا کر باقی رکھتا ہے جو اس میں سے افضل و اعلیٰ اور بہترین و عمدہ ہو' پس اس لیے یہ کلمہ فضیلت و بزرگی کے معنی کے لیے ضرب المثل بن گیا ہے [چنانچہ "فُلَانٌ مِنْ بَقِیَّۃِ الْقَوْمِ" بولا جاتا ہے یعنی تمام قوم میں سے بہترین و معزز شخص' اور اسی سے عرب کا یہ قول ہے: "اَلزَّوَایَا خَبَایَا وَفِی الرِّجَالِ بَقَایَا". خیموں میں عورتیں پردہ نشین ہوتی ہیں اور مردوں میں عمدہ و بہترین سردار ہوتے ہیں] ﴿ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ ﴾ کہ وہ (لوگوں کو) فساد کرنے سے روکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کی امت کو تعجب دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں جن امتوں کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے' ان تمام امتوں میں کوئی دین دار اور عقل مند جماعت نہیں تھی' جو اپنی اپنی نافرمان قوموں کو کفر و شرک اور گناہوں سے منع کرتی ﴿ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ﴾ [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی وہ بہت کم لوگ تھے جنہیں ہم نے گزشتہ ہلاک شدہ قوموں میں سے نجات بخشی تھی' جو نافرمان و کافروں کو فساد پھیلانے سے روکتے تھے اور ان کے علاوہ باقی تمام لوگ نہی عن الفساد (فساد روکنے کے) تارک تھے [اور "مِمَّنْ اَنْجَیْنَا" میں حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں کیونکہ نجات صرف فساد سے روکنے والوں نے حاصل کی تھی' جس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: "اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا". (الاعراف:۱۶۵) "ہم نے ان لوگوں کو نجات عطا فرمادی جو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے ظلم وستم ڈھایا تھا"۔] ﴿ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ﴾ یعنی برائی سے روکنے کے عمل کو ترک کرنے والوں نے ظالموں کا اتباع کیا۔ [اور یہ پوشیدہ ضمیر پر معطوف ہے] یعنی بہت کم لوگ تھے جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی کیونکہ انہوں نے لوگوں کو فساد سے روکا اور ظالموں نے اپنی شہوات کی پیروی کی [پس یہ "نَھَوْا" پر معطوف ہے (جو "مِمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ" کے بعد پوشیدہ ہے)] ﴿ مَآ اُتْرِفُوْا فِیْهِ ﴾ یعنی انہوں نے ان نعمتوں اور خواہشوں کی پیروی کی جن سے انہیں نوازا گیا کیونکہ وہ لوگ لیڈر اور وڈیرے بننے کی خواہش میں اور عیش وعشرت کے اسباب اپنانے کی طلب میں املاک و اموال کے حصول کے پیچھے لگ گئے اور خواہشاتِ نفسانی کے پجاری بن گئے اور انہوں نے نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے عمل کو چھوڑ دیا اور انہوں نے اس تبلیغی مشن کو پسِ پشت ڈال دیا ﴿ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴾ اور وہ مجرم لوگ تھے۔ [یہ جملہ معترضہ ہے (اس میں ان کو ہلاک کرنے کا سبب بیان کیا گیا ہے)] اور ان پر یہ حکم لگایا ہے کہ بے شک یہ جرائم کا ارتکاب کرنے والی مجرم قوم تھی۔

۱۱۸- ﴿ وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی ﴾ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ہلاک کردے۔ [اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] ﴿ بِظُلْمٍ ﴾ ظلم کے ساتھ۔ [یہ فاعل سے حال ہے] یعنی یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ بستیوں پر ظلم کرکے انہیں ہلاک کردے ﴿ وَّاَھْلُھَا ﴾ اور ان میں رہنے والی قومیں ﴿ مُصْلِحُوْنَ ﴾ نیک و پارسا ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا ظلم وستم کے عیب سے مبراء و منزہ ہونا اور پاک ہونا بیان کیا گیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ بستیوں کو ان میں رہنے والوں کے محض شرک کے سبب ہلاک نہیں کرتا جب کہ وہ آپس کے باہمی معاملات میں نیک ہوں اور اپنے شرک میں دوسرے فسادات کو نہ ملاتے ہوں۔

۱۱۸- ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ﴾ اور اگر آپ کا رب تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا یعنی تمام انسان اپنے اختیار سے ایمان پر اور عبادات و اطاعت پر متفق و متحد ہو جاتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اور

معتزلہ نے کہا ہے کہ یہ جبر کی مشیت ہے اور یہ امتحان و آزمائش کو اٹھا دیتی ہے' اس لیے یہ جائز نہیں ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾ اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے کفر و ایمان میں یعنی لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ لوگ اپنے اختیار سے اختلاف کریں گے۔

إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾

ماسوا ان کے جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا' اور ان کو اس لیے پیدا فرمایا' اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا O اور ہم رسولوں کی تمام خبریں اس لیے آپ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہم آپ کے قلب مبارک کو مضبوط کر دیں' اور اس میں آپ کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے O اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ انہیں فرما دیں کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو' بے شک ہم بھی اپنی جگہ پر عمل کر رہے ہیں O اور تم بھی انتظار کرو' بے شک ہم بھی انتظار کر رہے ہیں O

۱۱۹- ﴿إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ مگر جس پر آپ کے رب تعالیٰ نے رحم فرما دیا (یعنی) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے بچا لیا' سو وہی لوگ دینِ حق پر متفق و متحد رہیں گے' اس میں کبھی اختلاف نہیں کریں گے ﴿وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کے لیے پیدا فرمایا یعنی ان لوگوں نے اختلاف وغیرہ میں سے جس پر چلنا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کے لیے پیدا فرما دیا' پس ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ انسانوں میں سے کون سے لوگ اتفاق و اتحاد کو اختیار کریں گے اور کون سے لوگ اختلاف و افتراق کو اختیار کریں گے' چنانچہ جنہوں نے اتفاق کو اختیار کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اتفاق کے لیے پیدا فرما دیا اور جنہوں نے اختلاف کو اختیار کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اختلاف کے لیے پیدا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا کہ جنہوں نے اتفاق و اتحاد اختیار کرنا تھا ان کو اختلاف کے لیے پیدا کر دیا ہو اور جنہوں نے اختلاف و افتراق کو اختیار کرنا تھا ان کو اتفاق و اتحاد کے لیے پیدا کر دیا ہو۔ ''شرح التأویلات'' میں اسی طرح مذکور ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کا فرمان پورا ہوا اور یہ وہی فرمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ میں تمام نافرمان جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اکثر جن و انس باطل کو اختیار کریں گے۔

۱۲۰- ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ اور ہم رسولوں کی تمام خبریں آپ پر بیان کر دیتے ہیں جن کے ساتھ ہم آپ کے قلب مبارک کو مضبوط و مستحکم کر دیتے ہیں۔ [''کُلًّا'' کے لام پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے' گویا فرمایا گیا ہے: ''وَكُلَّ نَبَإٍ'' اور یہ ''نَقُصُّ عَلَيْكَ'' کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''مِنْ''

اَنۡبَآءِ الرُّسُلِ'' میں حرف ''مِنۡ'' بیانیہ ہے کیونکہ یہ ''کُلًّا'' کا بیان ہے اور ''مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ'' یہ جملہ ''کُلًّا'' سے بدل ہے ]﴿ وَجَآءَكَ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَقُّ ﴾ اور اس سورت میں یا ان قصوں میں جو آپ پر بیان کیے گئے ہیں آپ کے پاس حق آ گیا ہے ﴿ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ اور مومنوں کے لیے بہت بڑی نصیحت اور عبرت و یاددہانی ہے اور حضور کے قلب اطہر کے مضبوط کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے یقین میں اضافہ کیا جائے کیونکہ دلائل کی کثرت دل کو زیادہ مضبوط و مستحکم بنا دیتی ہے۔

۱۲۱-﴿ وَقُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ اور اے محبوب! اہل مکہ وغیرہم میں سے جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ ان سے فرما دیجئے کہ ﴿ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ ﴾ تم اپنے حال پر اور اپنے طریقے پر عمل کرو جس پر تم قائم ہو (یعنی اگر تم ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ) ﴿ اِنَّا عٰمِلُوۡنَ ﴾ بے شک ہم اپنے حال اور طریقے پر عمل کرنے والے ہیں۔

۱۲۲-﴿ وَانۡتَظِرُوۡا ﴾ اور تم ہم پر مصائب و آلام اور گردشِ زمانہ کا انتظار کرو ﴿ اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے نافرمانوں اور کافروں پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا ہے بلاشبہ ہم تم پر اسی طرح کے عذاب کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَیۡهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۱۲۳ ع ۱۰

اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی طرف تمام اُمور لوٹائے جاتے ہیں' سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسا رکھئے' اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○

۱۲۳-﴿ وَلِلّٰهِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کا غیب کیونکہ ان دونوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے' سو اس لیے تمہارے اعمال بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں ﴿ وَاِلَیۡهِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ ﴾ اور تمام اُمور و معاملات اسی ذاتِ اقدس کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو لازمی طور پر آپ کے معاملات اور ان کے معاملات بھی اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے' پھر وہ آپ کے لیے ان سے انتقام لے گا۔[ ''یُرۡجَعُ'' (یا مضموم' را ساکن' جیم مفتوح کے ساتھ ) امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت ہے ]﴿ فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَیۡهِ ﴾ سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی کی ذاتِ اقدس پر بھروسا رکھئے کیونکہ یقیناً وہی آپ کو کافی ہے اور وہی آپ کا کفیل وضامن ہے ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے' یعنی آپ اور یہ لوگ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ تم سب پر غالب ہے ( لہٰذا کسی کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں )[ نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ( ''تَعۡمَلُوۡنَ'' ہے ''یَعۡمَلُوۡنَ'' نہیں ) ہے ] بعض مفسرین نے فرمایا کہ تورات شریف کا اختتام اس سورت ھود کے اختتام کی طرح اسی آیت مبارکہ پر ہوا اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنۡ اَحَبَّ اَنۡ یَّكُوۡنَ اَقۡوَى النَّاسِ فَلۡیَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى'' جو شخص چاہتا ہے کہ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر و طاقت ور ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ پر ضرور بھروسا کر لے۔[1]

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۲۷۰' الدیلمی فی الفردوس رقم الحدیث: ۵۸۶۸

آیاتہا ۱۱۱ سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ رکوعاتہا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۂ یوسف مکی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○   اس کی ایک سو گیارہ آیات' بارہ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ② نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ③ اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ④ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ⑤

الٓرٰ' یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ○ ہم آپ سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس لیے کہ ہم نے آپ کی طرف اس قرآن کو وحی کے ذریعے نازل کیا ہے' اور بے شک آپ اس سے پہلے ناواقف لوگوں میں سے تھے ○ جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے باپ! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور ایک سورج اور ایک چاند کو دیکھا ہے میں نے ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں ○ اس نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے ساتھ کوئی زبردست فریب کریں گے' بے شک شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے ○

## قرآن مجید کے عربی میں نازل ہونے کی حکمت اور حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر کا بیان

ابن عامر شامی کے نزدیک سورت یوسف کی آیات ایک سو گیارہ ہیں جب کہ ابن کثیر مکی کے نزدیک ایک سو بارہ ہیں۔

۱- ﴿ الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ [''تِلۡکَ'' سے اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ''کتاب مبین'' سے اس سورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ آیات وہ ہیں جو اس سورت میں آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں' اس سورت کی آیتیں ایسی واضح ہیں کہ عرب میں معجزہ ہونے میں ان کا معاملہ بالکل ظاہر ہے یا یہ وہ آیات ہیں کہ جو شخص ان میں غور و فکر کرے گا اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں کسی انسان کی طرف سے نہیں بنائی گئیں یا یہ کہ یہ آیات ایسی واضح ہیں کہ عرب پر اس کے معانی مشتبہ اور مخفی نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ قرآن مجید ان کی اپنی زبان عربی میں نازل ہوا ہے یا کہ یہودیوں نے حضور سید عالم ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق جو سوال کیا تھا' اس کے جواب میں اس قصہ کو اس سورت میں کھول کر واضح کر دیا گیا ہے]

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے علماء نے مشرکینِ مکہ سے کہا تھا کہ تم (حضرت سرورِ کونین رسول الثقلین جناب) محمد (مصطفےٰ ﷺ) سے سوال کرو کہ آلِ یعقوب ملک شام سے ملک مصر کی طرف کیوں منتقل ہوئے تھے؟ اور تم ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں دریافت کرو جس پر سورۂ یوسف نازل ہوئی۔

۲- ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا ﴾ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو جس میں

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے' نازل کیا ہے درآں حالیکہ یہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور قرآن مجید کے بعض حصہ (سورۂ یوسف) کو قرآن مجید کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ اسم جنس ہے جو کل قرآن مجید پر بھی اور اس کے بعض حصہ پر بھی بولا جاتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم اس کو سمجھو (اور) تاکہ تم اس کے معانی و مطالب کو سمجھ سکو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ" (حٰمٓ السجدۃ:۴۴) "اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بنادیتے تو کفار ضرور کہتے کہ اس کی آیات کو کھول کر وضاحت سے کیوں نہیں بیان کیا گیا' کیا یہ کتاب عجمی قرآن ہے اور نبی عربی ہے"۔

۳۔﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ہم آپ پر سب سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں (یعنی) ہم سب سے اچھا بیان آپ کے لیے بیان کرتے ہیں [اور "قَاصٌّ" اس کو کہا جاتا ہے جو قصہ کو اس کی اصل حقیقت کے مطابق بیان کرے' یہی علامہ زجاج سے منقول ہے اور بعض نے کہا کہ "اَلْقَصَص" مصدر ہے اور "اقتصاص" کے معنی میں ہے (یعنی روایت کرنا) جیسے کہتے ہو: "قَصَّ الْحَدِيْثَ" کہ فلاں آدمی نے حدیث کو روایت کیا" "يَقُصُّهٗ قَصَصًا" وہ اس کو اچھی طرح روایت کرے گا اور یہ "فِعَلًا" بہ معنی مفعول ہے' جیسے "نَفَض" بہ معنی "منفوض" ہے اور "حَسَب" بہ معنی "محسوب" ہے پس پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم آپ سے بہترین واقعہ اور سب سے اچھی روایت بیان کرتے ہیں ]﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس لیے کہ ہم نے یہ قرآن مجید آپ کی طرف بذریعہ وحی نازل کیا ہے یعنی یہ سورت (یوسف) ہمارے وحی کرنے کے سبب نازل ہوئی ہے [اور اس بناء پر (کہ "مَا" مصدر یہ ہے اور "اَوْحَيْنَا" مصدری معنی "بِاِيْحَائِنَا" کے ہے) "اَحْسَنَ" منصوب ہے جیسے مصدر فعل کے بعد منصوب ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مصدر (اَلْقَصَص) کی طرف مضاف ہے اور "مقصوص" (یعنی جو قصہ بیان کیا گیا ہے) محذوف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ "بِمَا اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ" اس سے بے نیاز کر دیتا ہے ] اور بہترین قصہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو انوکھے اور نرالے انداز میں اور عجیب و غریب طریقے پر بیان کیا ہے' چنانچہ تم پہلی کتابوں میں اس قصہ کا بیان اس طرح نہیں دیکھو گے' جس طرح اس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور اگر "القصص" سے "مقصوص" مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو باتیں اور قصے بیان کیے جاتے ہیں' ان میں سے سب سے اچھا قصہ ہم آپ پر بیان کرتے ہیں اور یہ قصہ سب سے اچھا اس لیے ہے کہ بہت سی عبرتوں اور حکمتوں اور ایسے عجیب و غریب نادر نکات و مسائل پر مشتمل ہے' جو اس طرح قرآن مجید کے علاوہ پہلی کتابوں میں بھی موجود نہیں ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ صرف اس باب میں سب سے بہترین قصہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ اَعْلَمُ النَّاسِ" کہ فلاں آدمی تمام لوگوں میں بڑا عالم ہے یعنی اپنے فن میں بڑا عالم ہے [اور "القصص". "قَصَّ اَثَرَهٗ" سے مشتق ہے ] جب کوئی شخص کسی آدمی کے پیچھے چلتا ہو تو اس وقت یہی بولا جاتا ہے اس لیے کہ جو شخص کوئی بات یا واقعہ بیان کرتا ہے اس کو جو کچھ یاد ہوتا ہے اس کو ترتیب دیتے ہوئے تھوڑا تھوڑا کر کے ایک دوسرے کے پیچھے الفاظ دہراتا ہوا زبان سے دل کی بات بیان کرتا رہتا ہے ﴿وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور بے شک آپ اس (وحی) سے پہلے البتہ اس قصہ کے متعلق ناواقف لوگوں میں سے تھے۔["مِنْ قَبْلِهٖ" کی ضمیر "مَا اَوْحَيْنَا" کی طرف لوٹتی ہے اور "اِنْ" کو ثقیلہ (اِنَّ) سے خفیفہ (نون مشدد کی بجائے نون ساکن) کر دیا گیا ہے اور لام "اِنْ" خفیفہ اور "اِنْ" نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے ] یعنی بے شک شان یہ ہے اور بات یہ ہے کہ آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے آپ اس واقعہ کے بارے میں ناواقف لوگوں میں سے تھے۔

٤- ﴿اِذْ قَالَ﴾ [یہ ''اَحْسَنَ الْقَصَصِ'' سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ وقت قصص پر مشتمل ہے یا تقدیر عبارت یوں ہے: ''اُذْكُرْ اِذْ قَالَ''] ﴿يُوْسُفُ﴾ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب (حضرت) یوسف نے عرض کیا [یوسف عبرانی زبان کا لفظ ہے' عربی زبان کا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا' اس لیے کہ اس صورت میں یہ معرفہ ہونے کے علاوہ دوسرے سبب سے خالی ہے] [1] ﴿لِاَبِيْهِ﴾ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ﴿يٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے ابوجان! [ابن عامر شامی کی قراءت ''يَا اَبَتَ'' ہے (تا مفتوح ہے) اور یہ تا تانیث کی ہے' جو یائے اضافت کے عوض میں لائی گئی ہے کیونکہ ان دونوں میں باہمی مناسبت ہے' اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسم کے آخر میں زائد ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ تائے تانیث وقف کی حالت میں ''هَا'' سے تبدیل ہو جاتی ہے اور مذکر کے آخر میں بھی تائے تانیث ملانا جائز ہے' جیسے ''رَجُلٌ رَبْعَةٌ'' (نیز طلحة) اور تا کے نیچے کسرہ تو اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ یائے محذوفہ پر دلیل بن جائے اور (ابن عامر شامی کی قراءت میں) تا پر فتحہ اس لیے دیا گیا ہے کہ ''يَا اَبَتَا'' سے الف حذف کیا گیا ہے اور الف سے پہلے ''تا'' پر فتح باقی رکھا گیا ہے (تاکہ الف کے محذوف ہونے پر دلیل بن جائے) جیسا کہ ''يَـا غُـلَامِ'' میں آخری یا کو حذف کر دیا گیا ہے (کیونکہ یہ اصل میں ''يَا غُلَامِيْ'' تھا)] ﴿اِنِّيْ رَاَيْتُ﴾ بے شک میں نے خواب میں دیکھا۔ [یہ ''رُؤْيَا'' (خواب میں دیکھنا) سے ماخوذ ہے' ''رُؤْيَةٌ'' (آنکھ سے دیکھنا) سے ماخوذ نہیں ہے] ﴿اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا﴾ گیارہ ستاروں کو۔ نبی کریم ﷺ کے بیان کے مطابق ان کے نام یہ ہیں: (۱) جریان (۲) ذیال (۳) طارق (۴) قابس (۵) عمودان (٦) فلیق (۷) مصبح (۸) ضروح (۹) فرغ (۱۰) وثاب (۱۱) ذوالکتفین ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور سورج کو اور چاند کو۔ ان دونوں سے حضرت یوسف کے ماں' باپ مراد ہیں اور ستاروں سے آپ کے بھائی مراد ہیں [اور بعض حضرات نے کہا کہ واؤ بہ معنیٰ ''مَعَ'' ہے یعنی میں نے خواب میں ستاروں کو سورج اور چاند کے ساتھ دیکھا ہے] ﴿رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ میں نے خواب میں ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں [اور اس ارشاد میں سورج' چاند اور ستاروں کو عقلاء کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے' جو عقلاء کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ سجدہ کرنا ہے اور نیز خواب کو دوبارہ دُہرایا گیا ہے' اس لیے کہ پہلے فعل کا تعلق ان کی ذات کے ساتھ ہے اور دوسرے فعل کا تعلق ان کے حال کے ساتھ ہے یا پھر دوسرا فعل الگ مستقل کلام ہے' جو مقدر سوال کا جواب ہے] گویا حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا کہ تم نے سورج' چاند اور ستاروں کو خواب میں کس حالت میں دیکھا؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں یعنی عاجزی کے ساتھ میرے سامنے جھکے ہوئے ہیں [اور یہ ''سَاجِدِيْنَ'' حال واقع ہو رہا ہے] اور خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ سال تھی اور حضرت یوسف کے خواب کے درمیان اور مصر میں آپ کے پاس آپ کے بھائیوں کی آمد کے درمیان چالیس (۴۰) سال یا اسّی (۸۰) سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔

٥- ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ﴾ [امام حفص کی قراءت میں ''بُنَيَّ'' (یا مفتوح کے ساتھ) ہے] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ﴾ آپ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز بیان نہ کرنا۔ [یہ ''رُؤْيَـا'' بہ معنیٰ ''رُؤْيَـةٌ'' کے ہے' مگر یہ حالتِ بیداری میں دیکھنے کے بجائے خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے اور ان دونوں کے درمیان تانیث کے حرفوں (الف مقصورہ اور تائے تانیث) کے ساتھ فرق کیا گیا ہے' جیسا کہ ''قُرْبَةٌ''

[1] جب کہ عبرانی ہونے کی صورت میں ''يُوْسُفُ'' غیر منصرف ہے کیونکہ ایک سبب اس کا عجمی ہونا ہے اور دوسرا سبب اس کا معرفہ ہونا ہے۔

اور ''قُرْبِیْ'' میں ہے] ﴿فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا﴾ پس وہ تمہارے خلاف زبردست سازش کریں گے' یہ نہی کا جواب ہے یعنی اگر تم نے اپنے خواب کا واقعہ ان کے سامنے بیان کر دیا تو وہ تمہارے ساتھ کوئی گہری سازش کریں گے۔ دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کے لیے منتخب کرے گا اور انہیں دین و دنیا کی شرافتیں اور عزتیں عطا فرمائے گا' اس لیے حضرت یعقوب کو ان کے بارے میں بھائیوں کے حسد کا اندیشہ اور خوف لاحق ہوا [اور باقی رہا یہ کہ حضرت یعقوب نے ''فَیَکِیْدُوْكَ'' نہیں فرمایا' جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''فَکِیْدُوْنِیْ''. (ہود: ۵۵) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تاکہ یہ کید و مکر کے معنی کے افادہ کے ساتھ جس فعل کو متضمن ہے اس فعل کے معنی کا بھی افادہ کر لے کیونکہ اس طرح یہ خوف ولانے میں زیادہ مؤکد و بلیغ ہو جائے گا اور یہ ''فَیَحْتَالُوْا لَكَ'' کی طرح ہو جائے گا' جس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے خلاف گہری سازش کریں گے' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس فعل کو مصدر کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے اور وہ مصدر ''کَیْدًا'' ہے] ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے' جس کی عداوت بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ شیطان لوگوں کو حسد و بغض اور مکر و فریب کرنے پر ابھارتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ
عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ
ع ۱۱ حَكِيْمٌ ۝٦ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝٧ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ
وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝٨

اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور وہ تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور وہ تم پر اور یعقوب کی آل پر اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے تمہارے پردادا ابراہیم اور دادا اسحاق پر اپنی نعمت کو پورا کیا تھا' بے شک آپ کا رب خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں O جب بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں' بے شک ہمارے باپ ان کی محبت میں کھلم کھلا گم ہو چکے ہیں O

٦- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اس اعزاز و برگزیدگی کی طرح جس پر تمہارا خواب دلالت کرتا ہے ﴿يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ﴾ تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لیے) چن لے گا اور تمہیں اپنا برگزیدہ بنا لے گا [اور ''اجتباء'' کا معنی ''اصطفاء'' یعنی چن لینا' منتخب کرنا اور برگزیدہ بنا لینا ہے' یہ باب افتعال ہے۔ یہ ''جَبَيْتُ الشَّيْئَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو اپنے لیے حاصل کر لو اور ''جَبَيْتُ الْمَآءَ فِي الْحَوْضِ'' کا معنی ہے کہ میں نے (اونٹوں کے لیے) پانی کو حوض میں جمع کر لیا ہے] ﴿وَيُعَلِّمُكَ﴾ [یہ جملہ مستأنفہ ہے (یعنی یہ الگ مستقل جملہ ہے) اور یہ تشبیہ کے حکم میں داخل نہیں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ''وَهُوَ يُعَلِّمُكَ'' اور وہ تمہیں تعلیم دے گا ﴿مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ باتوں کے انجام کی یعنی وہ تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور ''تاویل'' کا معنی ہے: تعبیر بیان کرنا اور تفسیر و تشریح کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں

میں سب سے زیادہ خوابوں کی تعبیروں کو جانتے تھے یا یہ کہ حضرت یوسف انبیائے کرام کے ارشادات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب کی تشریح وتعبیر اور ان کی تفسیر خوب جانتے تھے [اور ''اَحَادِیْث'' کا لفظ ''حدیث'' کا اسم جمع ہے اور ''اُحْدُوْثَۃ'' کی جمع نہیں ہے ] ﴿ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم پر اور اولادِ یعقوب پر اپنی نعمت مکمل اور پوری کرے گا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی نعمت کے ساتھ دنیا کی نعمت بھی عطا فرمائے گا یعنی دنیا میں ان کو نبی اور بادشاہ بنائے گا اور انہیں دنیا سے منتقل کر کے جنت میں بلند درجوں پر فائز فرمائے گا اور ''ال'' سے ''اھل'' یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور نسل وغیرہ مراد ہے [اور ''ال'' کی اصل بھی ''اَھْل'' ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''اُھَیْل'' ہے یہ ''ال'' کا لفظ صرف انہیں حضرات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو دینی یا دنیاوی عزت و بزرگی کے حامل ہوتے ہیں جیسے ''اٰلُ النَّبِی'' (پیغمبر کی اولاد ونسل) اور ''اٰلُ الْمَلِكِ'' (بادشاہ کی اولاد ونسل) اور ''اٰلُ الْحَجَامِ'' نہیں کہا جاتا (یعنی نائی کی اولاد ونسل) لیکن ''اَھْلُ الْحَجَامِ'' کہا جاتا ہے ] اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ستاروں کی روشنی سے استدلال کر کے یہ جان لیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہوں گے اور ان کے بھائی بھی نبی بنیں گے اس لیے تو آپ نے ''وَعَلٰی اٰلِ یَعْقُوْبَ'' فرمایا ﴿ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تمہارے اجداد پر اپنی نعمت مکمل کی تھی اور اس سے دادا (حضرت اسحاق علیہ السلام) اور دادے کا باپ (یعنی پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام) مراد ہیں ﴿ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ﴾ حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق علیہما السلام۔ [یہ ''لِاَبَوَیْكَ'' کے لیے عطف بیان ہے ] ﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ ﴾ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ اس کے انتخاب کا حق دار کون ہے ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ وہ بڑا دانا اور صاحبِ حکمت ہے تمام اشیاء کو ان کے اصل اور مناسب وموزوں مقامات پر رکھتا ہے۔

## قصۂ یوسف میں دلائلِ قدرت' برادرانِ یوسف کا آپ کو اپنے باپ سے منصوبہ کے تحت لے جا کر کنویں میں پھینکنے اور قافلے کا کنویں سے نکال کر مصر لے جانے کا بیان

٧- ﴿ لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ ﴾ بے شک حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں کے بارے میں یعنی ان کے قصے میں اور ان کے واقعہ میں ﴿ اٰیٰتٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت سی دلیلیں اور نشانیاں پائی جاتی ہیں اور ہر چیز میں اس کی حکمت ودانائی عیاں ہے۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''اٰیَۃٌ'' ہے ] ﴿ لِّلسَّآىٕلِیْنَ ﴾ سوال کرنے والوں کے لیے (یعنی) ہر اس شخص کے لیے جو ان کے قصے کے بارے میں سوال کرنا اور اس کو معلوم کرنا چاہتا ہو یا (سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم رحمت دو عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں اور دلیلیں موجود ہیں یہودیوں میں سے جنہوں نے اس قصے کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا حضور نے بغیر کسی کتاب میں پڑھے اور بغیر کسی شخص سے سنے ہوئے پورا قصہ ٹھیک ٹھیک بیان فرما دیا اور آپ سے سوال کرنے والوں کے نام یہ ہیں: یہودا' روبین' شمعون' لاؤی' زبولون' یشجر اور ان کی ماں کا نام لیا بنت لیان ہے' دان' نفتالی اور جاد' آشر گھر کی دو لونڈیوں زلفہ اور بلہ سے پیدا ہوئے تھے' پھر جب لیا فوت ہو گئیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی چھوٹی بہن راحیل سے شادی کر لی' جن سے دو صاحبزادے بنیامین اور حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

٨- ﴿ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا ﴾ جب بھائیوں نے کہا کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں [''لَیُوْسُفُ'' میں لام ابتداء کا ہے اور اس میں تاکید کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ مضمونِ جملہ کی تحقیق وتاکید کرنے کے لیے آتا ہے ] اور برادرانِ یوسف کا مقصد یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے دونوں

صاحبزادوں حضرت یوسف اور بنیامین سے سب سے زیادہ محبت و پیار کرنا یقینی امر ہے' یہ ایک ایسی تحقیقی بات ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور باقی رہا یہ کہ بھائیوں نے "وَاَخُوْهُ" کہا' حالانکہ وہ خود بھی حضرت یوسف کے بھائی تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف اور بنیامین دونوں کی ماں ایک تھی [اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ "اَحَبُّ" واحد ہے جب کہ محبوب ترین حضرت یوسف اور ان کے بھائی بنیامین تثنیہ یعنی دو ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل "اَفْعَلُ" جب حرف "مِنْ" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس میں واحد وتثنیہ اور مذکر ومؤنث کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا' البتہ جب یہ لام تعریف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو پھر فرق کرنا واجب ولازم ہو جاتا ہے اور جب یہ مضاف استعمال کیا جاتا ہے تو دونوں امر جائز ہوتے ہیں] ﴿وَنَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام محبت و پیار میں ان دونوں کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں اور ان دونوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چھوٹے بچے ہیں اور کاروبارِ زندگی میں ہاتھ بٹانے کے قابل نہیں ہیں' جب کہ ہم دس جوان مرد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی رفاقت میں ان کے دکھ درد دور کرنے اور کاروبار زندگی چلانے کے لیے اور معاملات کے لیے ہم کافی ہیں' لہٰذا ہم دس بھائی ان دونوں سے زیادہ محبت و پیار اور شفقت ومہربانی کے حق دار ہیں کیونکہ ہم کثرتِ تعداد اور فوائد ومنافع کے اعتبار سے ان دونوں پر فضیلت وترجیح رکھتے ہیں ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک ہمارے باپ ان کی محبت میں اتنے زیادہ اور واضح گم ہو چکے ہیں کہ ہمیں کم توجہ دے کر دنیا کے معاملات کی تدبیر ومنصوبہ بندی میں کوتاہی کر گئے اور اگر یہ لوگ اپنے باپ کو دین کے معاملات میں ضلالت وکوتاہی کا مرتکب قرار دیتے تو کافر ہو جاتے اور "عُصْبَةٌ" دس یا دس سے زیادہ افراد کو کہا جاتا ہے۔

اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ⑨ قَالَ قَآىٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ⑩ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬

یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں دور زمین میں پھینک دو تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک قوم بن جانا○ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل نہ کرو اور اُس کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دو کہ اس کو کوئی مسافر قافلہ لے جائے گا اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو○ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے اور بے شک ہم اس کے خیر خواہ ہیں○ آپ اسے کل صبح ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ پھل وغیرہ کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے○ فرمایا: تمہارا اس کو لے جانا یقیناً مجھے غم میں ڈال دے گا اور مجھے اس بات کا بھی خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو جاؤ○

۹- ﴿اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ برادرانِ یوسف نے اپنے قول "اِذْ قَالُوْا" کے بعد جو کچھ بیان کیا' اس میں سے ایک یہ

بات بھی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو' گویا انہوں نے آپ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا مگر ان میں سے ایک بھائی نے کہا: ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ حضرت یوسف کو قتل نہ کرو اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دینے والا شمعون تھا اور باقی بھائی اس پر راضی تھے اس لیے سب کو قتل کا حکم دینے والا قرار دیا گیا ﴿ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا ﴾ یا ان کو کسی ایسی اجنبی اور نامعلوم جگہ پر پھینک دو جو آبادی سے بہت دور ہو [اور ''اَرْضًا'' کو نکرہ اور مبہم لانے کا یہ معنی ہے کہ وہ سرزمین ہر قسم کے وصف سے خالی ہو اور غیر معروف اور اوپری جگہ ہو' اسی ابہام کی وجہ سے اس کو ظروفِ مبہمہ کی طرح نصب دی گئی] ﴿ يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ ﴾ تمہارے باپ کا چہرہ تمہاری طرف متوجہ رہے گا (یعنی) وہ بالکل خالص تمہاری طرف متوجہ رہیں گے اور تمہارے علاوہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور مراد یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت صرف برادرانِ یوسف کے ساتھ مخصوص ہو جائے گی جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا [اور ''وَجْهُ'' (چہرہ) کے ذکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پوری طرح ان کی طرف متوجہ رہیں گے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی چیز پر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف توجہ کر لیتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''وَجْهُ'' سے ذات مراد ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ'' (الرحمٰن:۲۷) ''اور صرف آپ کے رب تعالیٰ کی ذات بابرکات باقی رہ جائے گی''۔] ﴿ وَتَكُوْنُوْا ﴾ [مجزوم ہے کیونکہ یہ ''يَخْلُ لَكُمْ'' پر معطوف ہے] اور تم ہو جاؤ ﴿ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اس کے بعد یعنی قتل کے ذریعے اس کا بدلا لینے یا جلاوطن کرنے کے بعد یا اس کو قتل کرنے یا بہت دور علاقۂ غیر میں پھینکنے کے بعد (تم نیک قوم بن جانا) [بہرحال ضمیر ''اُقْتُلُوْا'' کے یا ''اِطْرَحُوْا'' کے مصدر کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴾ نیک قوم بن جانا کہ (حضرت) یوسف پر ظلم و ستم ڈھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں توبہ کر لینا تا کہ تمہارے باپ کے نزدیک تمہارا حال نیک اور صحیح ہو جائے۔

۱۰- ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا اور وہ یہودا تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اسی شخص کی رائے ان سب سے بہتر تھی ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ تم یوسف کو قتل نہ کرو کیونکہ قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ﴿ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ اور تم اس کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دو اور وہ اس جگہ میں دیکھنے والے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ اور اوجھل رہیں گے۔[ قاری نافع مدنی کی قراءت میں اس آیت مبارکہ میں اور اسی طرح اس کے بعد آیت مبارکہ (۱۵) میں ''غَيَابَات'' ہے] ﴿ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ﴾ بعض راہ چلتے مسافر اقوام کے لوگ انہیں اٹھا لے جائیں گے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ اگر تم نے اس کے ساتھ کچھ کرنا ہے۔

۱۱- ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ آپ (حضرت) یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں یعنی آپ حضرت یوسف کے بارے میں ہم سے خوف زدہ کیوں ہیں حالانکہ ہم اس سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں اور ہم اس پر شفقت کریں گے اور انہوں نے یہ ارادہ اس وقت ظاہر کیا' جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور وہ خیر خواہی کا ارادہ ظاہر کر کے اپنے باپ حضرت یعقوب کو ان کی اپنی رائے سے ہٹانا چاہتے تھے اور انہیں اپنے بیٹے حضرت یوسف کو ان لوگوں سے محفوظ رکھنے کی جو عادت بن چکی تھی' اس عادت سے انہیں ہٹانا چاہتے تھے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف سے کوئی ایسا خطرہ محسوس کر لیا تھا جس کی وجہ سے ان پر واجب و لازم ہو گیا کہ وہ حضرت یوسف کے متعلق ان کے بھائیوں پر اعتماد اور بھروسا بالکل نہ کریں۔

۱۲۔﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ ﴾ آپ اس کو کل صبح ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ کھائے پیئے (یعنی) ہم پھل فروٹ وغیرہ کھانے میں تفریح منائیں گے [''رَتْعٌ'' کا معنی خوشحالی اور آسودگی ہے] ﴿ وَیَلْعَبْ ﴾ اور کھیلے کودے (یعنی) ہم مباح کھیلوں کے ذریعے غم غلط کریں گے' جیسے شکار کرنا اور تیراندازی کرنا اور دوڑ لگانا [قاری نافع مدنی اور اہل کوفہ قراء کی قراءت میں دونوں فعلوں کے شروع میں ''یا'' ہے یعنی ''یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ'' ہیں جب کہ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دونوں فعلوں کے شروع میں ''یَا'' کی بجائے نون (نَرْتَعْ وَنَلْعَبْ) ہے اور اہل حجاز کے نزدیک ''یَرْتَعِ'' عین ساکن کی بجائے مکسور (عین کے نیچے زیر) ہے کہ یہ ''اِرْتَعٰی یَرْتَعِیْ'' باب افتعال سے ہے اور ''رَعْیٌ'' سے مشتق ہے] ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور بے شک ہر قسم کے دکھ درد اور تکلیف پہنچنے پر ہم ان کی حفاظت کریں گے۔

۱۳۔﴿ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک مجھے غم و رنج میں ڈال دے گا یہ کہ تم اُسے لے جاؤ یعنی تمہارا انہیں لے جانا مجھے غمگین کر دے گا [اور ''لَیَحْزُنُنِیْ'' میں لام ابتداء کا ہے] ﴿ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴾ اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اُسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو جاؤ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی طرف اپنی معذرت پیش کی کہ ان لوگوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو لے جانا آپ کو غمگین کر دے گا کیونکہ آپ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی صبر نہیں کر سکتے اور یہ کہ آپ کو اپنے اس بیٹے کے بارے میں بھیڑیا کی دشمنی کا خطرہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کھانے پینے اور کھیل کود میں مصروف ہو کر حضرت یوسف سے غافل و بے خبر ہو جائیں گے۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا
اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ
لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا
صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

انہوں نے کہا کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں تب تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے○ پھر جب وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں' اور ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ آپ انہیں ان کی اس کارروائی کے بارے میں ضرور بتائیں گے اور وہ (آپ کو) نہیں پہچانیں گے○ اور وہ شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے○ کہنے لگے: اے ہمارے باپ! بے شک ہم آپس میں دوڑ لگاتے ہوئے بہت آگے نکل گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا' اور آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچ بولتے ہیں○

۱٤۔﴿ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ ﴾ انہوں نے کہا: اگر (حضرت) یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ [''لَئِنْ'' میں لام کو قسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور قسم محذوف ہے جس کی تقدیر ''وَاللّٰهِ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ'' ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا ﴿ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں یعنی ہم مضبوط و متحد جماعت ہیں اور ہم دفاع کی مکمل

قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔[اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے]﴿ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ تب تو بے شک ہم ضرور خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔[یہ جواب قسم ہے اور شرط کی جزاء کے قائم مقام ہے] یعنی اگر ہم اپنے ایک آدمی کی بھی حفاظت نہ کر سکے تب تو ہماری شجاعت و بہادری اور قوت و ہوشیاری ختم ہوگئی اور ہم نے یقیناً بہت بڑا نقصان اٹھایا اور برادرانِ یوسف نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے عذر (یوسف کو بھیڑیا کے کھا جانے) کا جواب دیا' لیکن پہلے عذر (یوسف کو لے جانے پر باپ کے غمگین ہونے) کا جواب نہیں دیا کیونکہ یہ دوسرا عذر ہی تھا جس نے ان کے غیظ و غضب کو بھڑکایا تھا۔

۱۵۔﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے گئے اور انہوں نے باہم اتفاق کر لیا کہ وہ حضرت یوسف کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں گے یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ کنواں حضرت یعقوب علیہ السلام کی رہائش گاہ سے تین فرسخ (تقریباً نو میل) کے فاصلے پر تھا[اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے] یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو جو تکلیف دینی تھی وہ دی' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف کے بھائیوں کے اصرار کرنے پر حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو جانے کی اجازت دے دی تو وہ خوش ہو گئے اور حضرت یعقوب کے سامنے حضرت یوسف کو بڑے محبت و پیار کے ساتھ لے کر روانہ ہوئے' لیکن جب جنگل میں پہنچے تو انہوں نے حضرت یوسف کے سامنے اپنی عداوت و دشمنی کو ظاہر کر دیا اور وہ حضرت یوسف کو مارنے لگ گئے اور قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو مار مار کر قتل کر دیتے' لیکن ان کے ایک بھائی یہودا نے انہیں منع کیا اور کہا کہ تم سب نے میرے ساتھ یہ طے کیا ہے کہ (حضرت) یوسف کو قتل نہیں کریں گے بلکہ اس کو کسی گہرے کنویں میں ڈال دیں گے' چنانچہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا چاہا تو حضرت یوسف ان کے کپڑوں سے لپٹ گئے مگر انہوں نے حضرت یوسف کے ہاتھ اپنے کپڑوں سے چھڑا لیے اور حضرت یوسف کو کنویں کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا گیا اور انہوں نے اس سے پہلے حضرت یوسف کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے اور انہوں نے ان کا کرتا اتار لیا تا کہ اس کو خون سے آلودہ کر کے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھوکہ دے سکیں (کہ اسے بھیڑیا کھا گیا) اور انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں گرا دیا' جس کی گہرائی میں پانی موجود تھا اور حضرت یوسف جب اس میں گر گئے تو انہوں نے کنویں میں پڑے ہوئے بھاری پتھر پر پناہ لی اور اس پر کھڑے ہو کر رونے لگ گئے اور یہودا آپ کو کھانا وغیرہ لا کر دیتے رہے اور ایک یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تھا تو اس وقت آپ کا کرتا بھی اتار لیا گیا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے ریشمی کرتا لے کر آپ کے پاس پہنچے تھے اور انہوں نے وہ کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا تھا' پھر بعد ازاں حضرت ابراہیم نے یہ کرتا اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو بطور تبرک عنایت فرما دیا تھا اور حضرت اسحاق نے یہ کرتا اپنے بیٹے حضرت یعقوب کو عنایت فرما دیا تھا اور حضرت یعقوب نے رخصت کرتے وقت اس کرتے کا تعویذ بنا کر حضرت یوسف کے گلے میں لٹکا دیا تھا' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ کرتا حضرت یوسف کے گلے سے نکال کر کھولا اور آپ کو پہنا دیا ﴿ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ ﴾ اور ہم نے یوسف کی طرف وحی کی (یعنی پیغام بھیجا) بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں وحی بھیجی گئی تھی جس طرح کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرف بچپن میں وحی بھیجی گئی تھی اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بلوغت کو پہنچنے والے تھے ﴿ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا ﴾ البتہ تم انہیں ان کے اس واقعہ کی خبر ضرور سناؤ گے یعنی تم اپنے بھائیوں کو ایک دن ضرور

بتاؤ گے جو کچھ انہوں نے تمہارے ساتھ ظلم وستم روا رکھے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ اس وقت آپ کو نہیں جانتے ہوں گے کہ آپ ہی یوسف ہیں کیونکہ آپ اس وقت بہت بڑی شان کے مالک ہوں گے اور آپ بہت بڑی سلطنت کے بادشاہ ہوں گے اور یہ اس طرح ہوا کہ یہ لوگ جب غلہ خریدنے کے لیے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک پیالہ منگایا اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا' پھر اس کو ٹھونکا اور اس سے آواز نکلی تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ بے شک یہ پیالہ مجھے بتا رہا ہے کہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا ایک بھائی ہے جس کو یوسف کہا جاتا ہے اور تم نے اس کو ایک گہرے کنویں میں ڈال دیا اور تم نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے اور تم نے اس کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کر دیا ہے یا ''وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ''، ''اَوْحَيْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی ہم نے حضرت یوسف کو وحی کے ساتھ مانوس کیا اور ہم نے ان کے دل مبارک سے وحشت وگھبراہٹ کو دور کر دیا اور وہ اس سے بے خبر رہے۔

۱۶- ﴿وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ اور وہ لوگوں کی نظروں سے چھپنے اور معذرت پیش کرنے کے لیے اپنے باپ کے پاس شام کے وقت روتے ہوئے آئے۔ [''يَبْكُوْنَ'' حال ہے] حضرت اعمش سے روایت ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے جھوٹا رونے کے بعد اب کسی رونے والے کی تصدیق نہ کی جائے اور نہ اس پر اعتبار کیا جائے۔

۱۷- پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے رونے کی آواز سنی تو گھبرا گئے اور فرمایا: اے میرے بیٹو! تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیا تمہاری بکریوں میں کوئی آفت پہنچ چکی ہے' تمہارا کوئی نقصان ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں سے کچھ نہیں ہوا' آپ نے فرمایا: پھر تمہیں کیا ہوا ہے اور یوسف کہاں ہے؟ ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے ابو جان! بے شک ہم دوڑتے ہوئے بہت آگے نکل گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو انہیں بھیڑیا کھا گیا یعنی ہم دوڑ کے مقابلے میں یا تیر اندازی کے مقابلے میں بہت آگے دور جنگل میں نکل گئے [اور بابِ افتعال اور بابِ تفاعل دونوں اشتراک کے معنی میں یکساں استعمال ہوتے ہیں جس طرح ''اِرْتَمٰى'' اور ''تَرَامٰى'' وغیرہ ہیں] ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ﴾ اور آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم آپ کے نزدیک سچ بولنے والوں اور بااعتماد لوگوں میں سے ہی ہوں کیونکہ آپ کو حضرت یوسف سے بہت شدید محبت ہے' پس یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آپ ہمارے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے اور نہ آپ ہماری بات پر اعتماد رکھتے ہیں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ
فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا
ع ۲ ۱۴ ۱۲ يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون بھی لگا کر لے آئے' آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک

بات گھڑلی ہے' پس صبر کرنا ہی اچھا ہے' اور اللہ میری مدد فرمائے گا اس پر جو کچھ تم بیان کر رہے ہو O اور ایک قافلہ سفر کرتا ہوا آیا اور انہوں نے پانی لانے والے کو بھیجا تو اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو کہنے لگا: ارے خوشخبری ہو کہ یہ ایک لڑکا ملا ہے' اور انہوں نے یوسف کو سامانِ تجارت کے طور پر چھپا لیا' اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے O اور یوسف کے بھائیوں نے آپ کو گنتی کے چند ناقص درہموں کے عوض میں فروخت کر ڈالا' اور وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ رغبت نہیں رکھتے تھے O

۱۸- ﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ اور وہ حضرت یوسف کے کُرتے پر جھوٹا خون لگا کر آ گئے۔ [''کَـذِب'' ''ذی کَـذِب'' کے معنی میں ہے' یا ''دَم'' کو بطور مبالغہ مصدر کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے] گویا وہ خون سراسر بعینہٖ جھوٹ تھا کہ جیسا کہ کذّاب کو کہا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ اور بذاتِ خود سراپا جھوٹ ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا اور انہوں نے اس کا خون حضرت یوسف کے کرتے پر لگا دیا اور ان سے غلطی یہ ہوگئی کہ وہ اسے پھاڑنا بھول گئے اور صحیح سلامت خون آلود کر کے لے آئے۔

اور روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر سنی تو بلند آواز سے چیخ ماری اور فرمایا کہ کُرتا کہاں ہے؟ اور آپ نے وہ کُرتا لیا اور اپنے چہرے مبارک پر ڈال لیا اور رونے لگے گئے' یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک کرتے کے خون سے سرخ ہو گیا اور آپ نے کرتا دیکھ کر فرمایا کہ آج تک میں نے اس طرح کا بھیڑیا نہیں دیکھا' یہ کتنا بردبار اور عقل مند بھیڑیا ہے کہ اس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا اور ان کے جسم پر پہنے ہوئے کُرتے کو ذرہ بھر نہیں پھاڑا' اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے مبارک میں تین علامات تھیں: ایک یہی کہ اس کُرتے مبارک کا صحیح سلامت ہونا حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن گیا اور دوسرا یہ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو گئے اور آپ کے چہرۂ انور پر حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتا مبارک ڈالا گیا تو آپ بینا ہو گئے اور تیسرا یہ کہ حضرت یوسف کا اپنا کُرتا مبارک حضرت یوسف کی پاک دامنی کی دلیل بن گیا' جب حضرت یوسف کے پیچھے سے یہ کُرتا مبارک پھٹ گیا۔[1] [اور ''عَـلٰى قَمِيْصِهٖ'' اعرابی محل ظرف کی بناء پر منصوب ہے] گویا فرمایا کہ وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے کے اوپر خون لگا کر آ گئے ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارے

[1] ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جنگل میں جا کر ایک بھیڑیا شکار کر کے پکڑ لیا اور اسے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا اور کہنے لگے: یہ وہی بھیڑیا ہے جو حضرت یوسف کو کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوب نے فرمایا: اے بھیڑیا! کیا تو نے میرے بیٹے اور میرے دل کے ٹکڑے کو کھا لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیے کو قوتِ گویائی عطا فرمائی اور وہ بول پڑا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں کھایا اور نہ میں نے اسے کبھی دیکھا ہے: ''وَلَا يَحِلُّ لَنَا اَنْ نَّاْكُلَ لُحُوْمَ الْاَنْبِيَآءِ'' اور ہمارے لیے پیغمبروں کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تو یہاں سرزمین کنعان میں کیسے آیا تھا؟ تو اس نے جواب میں کہا: میں صلہ رحمی کی بناء پر یہاں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آیا ہوں مگر آپ کے بیٹے مجھے پکڑ کر آپ کے پاس لے آئے' چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بھیڑیے کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر خازن ج ۳ ص ۹' تفسیر صاوی جز ۲ ص ۲۲۱' تبیان القرآن ج ۵ ص ۷۱۹ بہ حوالہ الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴' تفسیر خزائن العرفان ص ۲۸۵)۔

ولوں نے تمہارے لیے ایک بہت بڑی بات آراستہ یا آسان کر دی ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات کا ارتکاب کر لیا ہے ﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ﴾ سواب صبر کرنا اچھا ہے۔[ یہ خبر ہے یا پھر مبتدا ہے' اس لیے کہ یہ موصوف ہے "اَیْ فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ" سو میرا کام صبر جمیل ہے یا "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ اَجْمَلُ" "سواب صبر جمیل ہی اچھا ہے اور صبر جمیل وہ ہوتا ہے' جس میں مخلوق کی طرف کسی قسم کا شکوہ نہ کیا جائے ]﴿وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے' اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حضرت یوسف کی ہلاکت کی جو خبر تم بیان کرتے ہو' اسے برداشت کرنے پر اور ان کے بارے میں جھوٹ بول کر جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر صبر کر کے میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں۔

۱۹-﴿وَجَآءَتْ سَیَّارَۃٌ﴾ اور ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف سفر کرتے ہوئے آیا اور یہ قافلہ حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے کے تین دن بعد آیا تھا اور وہ راستہ بھول گئے اور اس کنویں کے نزدیک آ کر اُترے اور یہ کنواں آبادیوں سے دور ایک جنگل میں تھا اور اس کنویں کا پانی پہلے نمکین تھا' پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس میں ڈالنے کے بعد اس کا پانی میٹھا ہو گیا﴿فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ﴾ اور انہوں نے پانی لانے والے کو بھیجا جو اپنی قوم کو سیراب کرنے کے لیے پانی پر جاتا اور پانی لے کر آتا تھا' اس شخص کا نام مالک بن ذعر خزاعی تھا﴿فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ﴾ تو اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا (یعنی) اس نے اپنا ڈول کنویں کی گہرائی تک پہنچایا تا کہ وہ پانی سے بھر جائے' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام ڈول سے لپٹ گئے اور اس نے ڈول اوپر کھینچا تو حضرت یوسف کو دیکھ کر پکارا﴿قَالَ یٰبُشْرٰی﴾ کہنے لگا: اے خوشخبری۔[ کوفیوں کی قراءت میں "بُشْرٰی" (بروزن "فُعْلٰی") ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری خوشی کا وقت ہے (کہ ایسی عظیم الشان نعمت مل گئی ہے) ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "بُشْرَایَ" ہے کہ "بُشْرَا" یائے متکلم کی طرف مضاف ہے یا یہ اس کے غلام کا نام ہے اور اپنی طرف نسبت کر کے اس کو پکارا کہ اے میرے بشریٰ!﴿ھٰذَا غُلٰمٌ﴾ یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ وہ حضرت یوسف کو لے کر چلا گیا اور جب اپنے ساتھیوں کے نزدیک پہنچا تو وہ بہ آواز بلند پکارا اور ان کو حضرت یوسف کی خوشخبری سنائی﴿وَاَسَرُّوْہُ﴾ اور انہوں نے حضرت یوسف کو چھپا لیا۔[ "اَسَرُّوْا" کی ضمیر پانی لانے والے اور اس کے ساتھیوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو قافلہ سے چھپا لیا تا کہ وہ شرکت کا دعویٰ نہ کر سکیں یا یہ ضمیر برادرانِ یوسف کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ انہی لوگوں نے قافلہ والوں سے کہا تھا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے تم اس کو ہم سے خرید لو اور حضرت یوسف علیہ السلام اس خوف سے کہ کہیں بھائی انہیں قتل نہ کر دیں خاموش رہے﴿بِضَاعَۃً﴾[ یہ حال ہے ] یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو تجارت کے سامان کے طور پر چھپا لیا تھا اور "بِضَاعَۃ" اس مال کو کہا جاتا ہے جو تجارت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے یعنی الگ کر لیا جاتا ہے﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے کردار کو خوب جانتا ہے (یعنی) برادرانِ یوسف کے وہ تمام بُرے اعمال جو انہوں نے اپنے باپ اور اپنے بھائی کے ساتھ روا رکھے تھے' ان کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

۲۰-﴿وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ﴾ اور انہوں نے حضرت یوسف کو ناقص اور کم قیمت پر فروخت کر دیا۔[ "بخس" کا معنی ہے: قیمت سے کم جس کا نقصان ظاہر ہو یا کھوٹی قیمت اور "شَرَوْا" بہ معنی "بَاعُوْا" ہے ]﴿دَرَاھِمَ﴾ یہ "ثمن" سے بدل ہے﴿مَعْدُوْدَۃٍ﴾ گنتی کے درہم' تھوڑے سے درہم' بہرحال درہموں کو گنا جاتا تھا اور ان کا وزن نہیں کیا جاتا تھا اس لیے کہ وہ لوگ چالیس سے کم درہموں کو گنا کرتے تھے اور چالیس یا چالیس سے زیادہ درہموں کو تول کر لین دین کرتے تھے اور حضرت یوسف کی قیمت بیس درہم لگائی تھی﴿وَکَانُوْا فِیْہِ مِنَ الزّٰھِدِیْنَ﴾ اور وہ لوگ اس میں کم رغبت رکھتے تھے اور

یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اپنے ہاتھ میں مقبوضہ مال کی قدر و قیمت بہت کم لگتی' اس لیے وہ اس مال کو کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں یا ''وَشَرَوْهُ'' کا معنیٰ ''اِشْتَرَوْهُ'' ہے یعنی قافلہ والوں نے حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں سے خرید لیا اور وہ اس میں کسی قسم کی کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور ایک یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے قافلہ والوں کا تعاقب کیا کہ وہ حضرت یوسف سے پختہ عہد لیں کہ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا [اور ''فِيْهِ''، ''اَلزَّاهِدِيْنَ'' کا صلہ نہیں ہے یعنی وہ رغبت رکھنے والے نہیں تھے کیونکہ صلہ موصول سے مقدم نہیں ہوتا بلکہ یہ بیان ہے ] گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی چیز میں رغبت نہیں رکھتے تھے تو فرمایا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ٚ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف کو خریدا اس نے اپنی عورت کو کہا کہ اُسے عزت و احترام کے ساتھ رکھ' ممکن ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ پہنچے یا ہم اُسے بیٹا بنا لیں' اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین پر جگہ دے دی' اور تا کہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر سکھا دیں' اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گئے تو ہم نے اس کو حکم اور علم عطا فرمایا' اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں ○

## حضرت یوسف کا عزیز مصر کے پاس پہنچنے اور آپ پر لگائے گئے الزام سے براءت کا بیان

۲۱- ﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ ﴾ اور مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس نے (اپنی عورت سے) کہا۔ اس کا نام قطفیر ہے اور لقب عزیز ہے اور یہ وہی شخص ہے جو مصر کے تمام خزانوں کا نگران تھا اور اس وقت بادشاہ ریان بن ولید تھا اور یہ بادشاہ حضرت یوسف پر ایمان لے آیا تھا اور آپ کی زندگی میں وہ فوت ہو گیا تھا اور عزیز مصر نے حضرت یوسف کے وزن کے برابر سونا' چاندی اور آپ کے وزن کے برابر ریشم اور آپ کے وزن کے برابر مُشک آپ کے عوض میں دے کر آپ کو خریدا تھا اور اس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ سال تھی اور حضرت یوسف اس کے گھر میں تیرہ سال قیام پذیر رہے اور جب وقت کے بادشاہ ریان بن ولید نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر اعظم مقرر کیا' اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو علم و حکمت عطا فرمایا اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی اور جب حضرت یوسف کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی ﴿ لِامْرَاَتِهٖۤ ﴾ اپنی عورت کے لیے' جس کا نام راعیل یا زلیخا تھا [اور اس کا لام ''قَالَ'' کے ساتھ متعلق ہے لیکن ''اشتراہ'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے ] ﴿ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ ﴾ حضرت یوسف کی رہائش گاہ اور ان کی قیام گاہ کو کریم' حسین و پسندیدہ بنایا' جس کی دلیل حضرت یوسف کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ'' (یوسف:۲۳) ''بے شک وہ میرا مُربی ہے' اس نے مجھے بہترین رہائش گاہ مہیا کر رکھی ہے''۔

اور حضرت ضحاک سے منقول ہے کہ اس سے عمدہ اور پاکیزہ کھانا پینا اور نرم وگداز لباسِ فاخرہ اور نرم و نازک اور بہترین بستر مراد ہے ﴿ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ ﴾ ممکن ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور نفع بخش ثابت ہو (یعنی) ممکن ہے کہ جب وہ ماہر کاری گر بن جائے اور کاروبار کرنے کو پسند کر لے اور کاروباری لین دین کو سمجھنے لگے تو ہم اپنی بعض ضروریات میں اس سے امداد حاصل کریں اور اس سے رہ نمائی لیں ﴿ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے (یعنی) ہم اس کو متبنّٰی (منہ بولا یا لے پالک) بیٹا بنالیں گے یا ہم اس کو بیٹے کا قائم مقام بنالیں گے اور دراصل قطفیر بانجھ تھا اور اولاد کے قابل نہیں تھا اور اس نے اپنی فراست سے حضرت یوسف میں ذہانت و معاملہ فہمی کو محسوس کر لیا تھا' اس لیے اس نے یہ بات کہی تھی ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اس سے پہلے حضرت یوسف کا اپنے بھائیوں کے قتل سے اور کنویں سے نجات حاصل کرنے اور عزیزِ مصر کے دل کا آپ کے لیے مہربان ہونے کی طرف اشارہ ہے [اور کاف منصوب ہے] یعنی جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو اس سے پہلے نجات دی اور عزیزِ مصر کو ان پر مہربان کیا اسی طرح ﴿ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ ﴾ ہم نے یوسف کو جگہ دی یعنی جس طرح ہم نے انہیں نجات دی اور ہم نے ان پر عزیزِ مصر کو مہربان کیا اسی طرح ہم نے ان کو جگہ دی ﴿ فِی الْاَرْضِ ﴾ یعنی سرزمینِ مصر میں اور ہم نے ان کو بادشاہ بنا دیا تاکہ وہ اس میں اپنے اوامر ونواہی کے ذریعے اپنا اختیار استعمال کریں ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ اور تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر سکھا دیں۔ یہ نجات دینے اور سرزمینِ مصر میں جگہ دینے اور اقتدار عطا کرنے کی حکمت ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر امر پر غالب ہے' وہ جو چاہتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے معاملے پر غالب ہے' اس نے حضرت یوسف کے لیے جو چاہا اس کو پورا کیا لیکن حضرت یوسف کے بھائیوں نے جو چاہا وہ پورا نہ ہونے دیا ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۲۲- ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ ﴾ اور جب حضرت یوسف اپنی جوانی کو پہنچ گئے (یعنی) وہ اپنی قوت کی استعداد و صلاحیت کی انتہاء کو پہنچ گئے اور وہ اٹھارہ سال ہے یا اکیس سال ہے ﴿ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ یہاں حکم سے حکمت مراد ہے اور حکمت یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل کرنا اور ان چیزوں سے اجتناب و پرہیز کرنا جن کے بارے میں علم نہ ہو یا لوگوں کے درمیان حق و صداقت کے مطابق فیصلے کرنا یا احکامِ شرعیہ کو دلائلِ تفصیلیہ کے ساتھ جاننا ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزائے خیر عطا کیا کرتے ہیں اور یہ جملہ اس بات پر تنبیہ کر رہا ہے کہ حضرت یوسف اپنے عمل میں بے شک نیک تھے اور اپنی جوانی کے آغاز ہی میں یقیناً متقی و پرہیزگار تھے۔

| |
|---|
| وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ |
| قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ |
| بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ |
| اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ |

اور جس عورت کے گھر میں یوسف تھے اس نے خود اس سے اس کی مرضی کے خلاف خواہش کی اور تمام دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: لو جلدی آؤ' یوسف نے فرمایا: اللہ کی پناہ! بے شک وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح

رکھا ہوا ہے' بے شک ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے O اور بے شک اس عورت نے اس کے ساتھ پختہ ارادہ کر ہی لیا تھا' اور یوسف اگر اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لیتے تو اس عورت کا ارادہ کر لیتے' اسی طرح ہوا تا کہ ہم یوسف سے اس بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں' بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھاO

۲۳- ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ حضرت یوسف جس عورت کے گھر میں تھے' اس نے حضرت یوسف کو خود ان کی مرضی کے خلاف ورغلایا یعنی اس عورت نے حضرت یوسف سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ جماع کریں[اور ''مراودۃ'' باب مفاعلہ ہے اور یہ ''رَادَ یَرُوْدُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص آئے اور جائے] گویا معنی یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کو دھوکہ دیا یعنی اس عورت نے ایسا کام کیا جیسا کہ دھوکے باز کسی مطلوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھی کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے جب کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا ساتھی بھی اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے' چنانچہ وہ سازش تیار کرتا ہے تا کہ وہ اپنے ساتھی پر غالب آ جائے اور اس سے اپنا مطلب حاصل کر لے اور زلیخا نے بھی یہی سازش تیار کی کہ حضرت یوسف اس کا مطلب بھی پورا کریں اور اس سے جدا بھی نہ ہوں ﴿وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ اور اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور وہ کل سات دروازے تھے ﴿وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ اور وہ کہنے لگی: ادھر میرے پاس آ جاؤ۔[یہ ''تَعَالِ'' اور ''اَقْبِلْ'' کا اسم ہے (دونوں کا معنی ہے: ادھر آ ؤ) اور یہ مبنی بر فتح ہے۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''هَيْتُ'' ہے اور یہ مبنی بر ضمہ (تا پر پیش) ہے جب کہ نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''هِيْتَ'' (ھا کے نیچے زیر اور تا پر زبر) ہے اور ''لَكَ'' میں لام بیان کے لیے ہے' گویا کہا گیا ہے کہ میں تم سے یہ کہتی ہوں (کہ جلدی ادھر آ ؤ) جیسا کہ تم کہو: ''هَلُمَّ لَكَ''] ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ حضرت یوسف نے (زلیخا کے جواب میں) فرمایا کہ اللہ کی پناہ (یعنی) میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک معاملہ یہ ہے اور بات یہ ہے کہ وہ ﴿رَبِّيْٓ﴾ میرا مربی' میرا سردار ہے اور میرا مالک و بادشاہ ہے' اس سے حضرت یوسف کی مراد قطفیر یعنی عزیزِ مصر تھا ﴿اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾ اس نے مجھے اچھی طرح رکھا' جب اس نے (اے زلیخا!) تجھ سے کہا تھا: ''اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ'' تو اس کو اچھی طرح عزت سے رکھ تو کیا اس کا صلہ یہی ہے کہ میں اس کی اہلیہ کے بارے میں اس سے خیانت کروں؟ (مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ کیونکہ ظالم لوگ (یعنی) خیانت کرنے والے لوگ کبھی فلاں نہیں پاتے یا زانی لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے یا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قول ''اِنَّهٗ رَبِّيْ'' سے اللہ تعالیٰ مراد لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ''مُسَبِّبُ الْاَسْبَابِ'' (یعنی تمام سبب پیدا کرنے والا) ہے۔

۲۴- ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ اور بے شک زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اپنی طبعی خواہش کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طبع مبارک بشری تقاضے کے تحت اس کی طرف مائل ہونے لگی تو آپ اپنے نفس پر قابو پا کر رک گئے۔ حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے۔ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''هَمَّ بِهَا'' کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے بشری تقاضے کی بناء پر اس کے ساتھ صرف فطری خصلت کا خیال فرمایا لیکن انسان کے دل میں خیال کا پیدا ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ اس پر پکڑ ہوتی ہے اور اگر حضرت یوسف کا ھمّ اور ارادہ زلیخا کے ھمّ اور ارادہ کی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر حضرت یوسف کی تعریف نہ فرماتا کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں[1]

﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ اگر حضرت یوسف اپنے رب تعالیٰ کی حجت و دلیل نہ دیکھ لیتے [اس کا جواب محذوف

[1] حقیقت تو یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی طبعی خواہش پوری کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے ''اَیْ لَکَانَ مَا کَانَ'' یعنی اگر حضرت یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو البتہ وہی کچھ ہو جاتا جو کچھ ہونا تھا اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ ''وَهَـمَّ بِهَـا'' اس کا جواب ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ''لَـوْ لَا'' کا جواب اس سے پہلے نہیں آ سکتا' اس لیے کہ ''لَوْ لَا'' شرط کے حکم میں ہے' جس کا کلام کے شروع میں آنا ضروری ہے[1] اور ''برھان'' کا معنی حجت ودلیل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''وَهَمَّ بِهَا'' ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ'' کے قسم کے حکم میں داخل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ''وَهَمَّ بِهَـا'' اس سے خارج اور الگ ہو' لہٰذا قراءت کرنے والے قاری کا حق بنتا ہے کہ جب وہ ''وَهَـمَّ بِهَـا'' کو قسم کے حکم سے خارج سمجھے اور اس کو مستقل الگ کلام قرار دے تو وہ ''وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ'' میں ''بِهٖ'' پر وقف کرے اور ''وَهَمَّ بِهَا'' سے قراءت کا آغاز کرے ]اور اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زلیخا کے ھم میں اور حضرت یوسف کے ھم میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ھم کی ایک تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے پائجامہ کا ازار بند کھول دیا اور عزیزِ مصر کی بیوی کے دو قدموں کے درمیان اپنے دونوں قدموں کو ملا کر بیٹھ گئے اور وہ عورت اپنی پشت کے بل سیدھی لیٹی ہوئی تھی (نعوذ باللہ من ذالک) اور ''بـرھان'' کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ حضرت یوسف نے اس حالت میں دو دفعہ یہ آواز

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لیکن آپ اس کی طرف ذرہ بھر راغب نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ نے برہانِ الٰہی دیکھ کر زلیخا سے جان چھڑانے کا پختہ عزم کر لیا تھا' جس پر درج ذیل قرآنی ارشادات واضح دلائل ہیں: (۱) جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: ''هَيْـتَ لَكَ'' کہ جلدی کرو میرے پاس آؤ تو حضرت یوسف نے فرمایا: ''مَعَاذَ اللّٰهِ'' کہ میں اس بُرے عمل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں (۲) حضرت یوسف نے فرمایا: ''اِنَّـهٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ''۔ بے شک عزیزِ مصر میرا مُربی ومحسن ہے جس نے مجھے بڑے احترام سے اپنے پاس خوب اچھی طرح رکھا ہوا ہے' اس لیے میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کروں گا (۳) نیز حضرت یوسف نے فرمایا:

اِنَّـهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف:۲۳) بے شک ظالم لوگ یعنی زانی کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ. اسی طرح ہوا تا کہ ہم یوسف سے اس بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔

(۵) نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ بے شک (حضرت) یوسف ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں ○

والحمد للّٰہ علٰی ذالك

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ''لَوْ لَا'' کا جواب اس سے مقدم ہے اگرچہ ''لَوْ لَا'' کے جواب کا اس سے مقدم آنے کی ممانعت پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی بلکہ حروفِ شرط کے جوابات کی تقدیم کے جواز میں اختلاف ہے' چنانچہ کوفیوں نے اور بصریوں میں سے علامہ ابوزید انصاری اور علامہ ابو العباس مبرد نے کہا ہے کہ حروفِ شرط کے جوابات کا ان حروف سے پہلے آنا بھی جائز ہے (تو ''لَـوْ لَا'' کے جواب کا اس سے پہلے آنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوا) بلکہ ہم یہ کہتے ہیں (علامہ مظہری نے بھی یہی جواب لکھا ہے) کہ ''لَوْ لَا'' کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلیل ہے' اصل میں ''لَوْ لَا اَنْ رَّاٰی بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا'' ہے یعنی اگر حضرت یوسف اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو البتہ اس کا ارادہ کر لیتے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۱۲ ص ۲۱۴' مکتبہ رشیدیہ لاہور)

سنی کہ اے یوسف! اس عورت سے بچ جا' پھر تیسری مرتبہ یہ آواز سنی کہ اے یوسف! اس عورت سے اعراض کیجئے اور
دور ہو جائیے' لیکن اتنی آواز نے بھی کچھ اثر نہ کیا (یہ سب بکواس ہے) یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ
سامنے کر دی گئی' اس وقت حضرت یعقوب اپنی انگلیاں اپنے دانتوں میں دبا کر حیرت و افسوس کا اظہار کر رہے تھے
بالکل باطل ہے[1] اور اس کے باطل و غلط ہونے پر (درج ذیل آیات مبارکہ) دلالت کرتی ہیں: (۱) ارشاد باری تعالیٰ
ہے: هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي. اس عورت نے مجھے میری اپنی مرضی کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی اور اگر حضرت یوسف
سے ایسی شرمناک حرکات صادر ہوتیں تو آپ کبھی بھی اپنی ذات کی براءت وصفائی بیان نہ فرماتے (۲) ارشاد باری تعالیٰ
ہے: كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ. اسی طرح ہوا تاکہ ہم اس سے اس برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں اور اگر
اسی طرح ہوا ہوتا تو پھر برائی کو آپ سے نہیں پھیرا گیا (۳) ارشاد ہے: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ. (حضرت
یوسف نے فرمایا:) یہ اس لیے کہ عزیزِ مصر کو معلوم ہو جائے کہ بے شک میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں
کی' اور اگر اسی طرح ہوتا جس طرح مذکورہ واقعہ بیان کیا گیا ہے تو پھر اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت کرنا لازم آتا (۴)
اور ارشاد ہے: مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ. ہم نے یوسف علیہ السلام میں کوئی برائی نہیں پائی' نیز ارشاد ہے: اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ
الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ. (زلیخا نے کہا کہ) اب حق واضح ہو گیا ہے' میں نے ہی یوسف کو ورغلایا
تھا اور بے شک وہ ضرور سچے لوگوں میں سے ہیں' اور اس لیے بھی کہ اگر حضرت یوسف سے کوئی ایسی حرکت صادر ہوتی تو
ان کی توبہ اور استغفار کا ضرور ذکر کیا جاتا جیسا کہ حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ذوالنون اور حضرت داؤد علیہم السلام کی
توبہ و استغفار کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو اپنا مخلص بندہ ذکر فرمایا ہے' پس قطعی طور پر اور یقینی طور پر
معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام میں یقیناً ثابت قدم رہے اور آپ نے بڑے عزم والے حضرات کی طرح
اپنے نفس سے ڈٹ کر جہاد کیا اور حرمت کے دلائل میں گہری نظر رکھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف و ثناء

---

[1] کیونکہ یہ واقعہ عصمت انبیاء کے خلاف ہے' نیز حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح میں بیان کی گئیں قرآنی آیات کے خلاف ہے' جن
سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے ایسی قبیح حرکات ناممکن ہیں' البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نظر آنا اور
عصمتِ نبوی کی یاددہانی کرانا اور اس شرمناک عمل پر بروقت تنبیہ کرنا تفاسیر سے صحیح ثابت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن
بصری' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ اور حضرت ضحاک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فرمان ہے کہ حضرت یوسف
کے سامنے گھر کی چھت میں شگاف ہو گیا اور آپ نے دیکھا کہ حضرت یعقوب حیرت زدہ ہو کر اپنی انگلیاں دانتوں میں دبائے ہوئے
ہیں' نیز حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ جب حضرت یوسف نے حضرت یعقوب کو
دیکھا تو حضرت یعقوب نے فرمایا: اے یوسف! کیا تم احمقوں جیسا عمل کرو گے؟ حالانکہ تمہارا نام تو انبیائے کرام علیہم السلام کی
جماعت میں لکھا جا چکا ہے' چنانچہ حضرت سعید بن جبیر' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت
یعقوب نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت یوسف کے سینۂ اقدس پر پھیرا تو حضرت یوسف کی تمام خواہشاتِ نفسانی انگلیوں کے پوروں سے
خارج ہو گئیں۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۴' مطبوعہ
دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر روح المعانی ج ۱۲ ص ۲۱۴۔۲۱۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۲۰' مطبوعہ
دار الفکر' بیروت' تفسیر جلالین مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۲۴' مطبوعہ مصطفٰی البابی الحلبی' مصر' تفسیر الحسنات ج ۳ ص ۲۸۵'
مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

کے مستحق قرار پائے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ [یہ کاف تشبیہ محلاً منصوب ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو ثابت قدم رکھا یا یہ کاف محلاً مرفوع ہے یعنی معاملہ اسی طرح ہوا] ﴿ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ﴾ تا کہ ہم یوسف سے عزیزِ مصر کے ساتھ خیانت کی بُرائی کو پھیر دیں ﴿ وَالْفَحْشَآءَ ﴾ اور ہم یوسف سے زنا کی بُرائی کو دور کر دیں ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ بے شک حضرت یوسف ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں [ قاری نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں ''اَلْمُخْلَصِیْنَ'' لام مفتوح کے ساتھ ہے یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لیے مخلص بندے بنا دیا جب کہ ان کے علاوہ دیگر قاریوں کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ہے یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور ''مِنْ عِبَادِنَا'' کا معنی ہے کہ ہمارے بعض بندے یعنی یہ (حضرت یوسف) ہمارے مخلص بندوں کی جماعت میں سے ایک مخلص بندے ہیں ]۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے یوسف کا کُرتا پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا' زلیخا نے کہا کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اور کیا ہو سکتی ہے مگر یہی کہ اس کو قید کیا جائے یا دردناک سزا دی جائے O یوسف نے فرمایا: اسی عورت نے مجھے میری مرضی کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی اور اس کے اپنے رشتہ داروں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہیں O اور اگر یوسف کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہیں O

۲۵-﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ﴾ اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور ان دونوں نے دروازے کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ زلیخا حضرت یوسف کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی اور حضرت یوسف اپنی عزت و ناموس بچانے اور اس سے جان چھڑانے کے لیے آگے دوڑے۔ [ حرف جار محذوف ہے (اصل میں ''اِلَی الْبَابِ'' ہے) اور فعل کو براہِ راست متعدی کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ''۔ (الاعراف:۱۵۵) یا ''اِسْتَبَقَا'' ''اِبْتَدَرَ'' کے معنی کو متضمن ہے (''اِبْتَدَرَ'' کا معنی ہے: جلدی کرنا) ] چنانچہ حضرت یوسف اس عورت سے بھاگے اور آپ نے چاہا کہ جلد از جلد دروازہ تک پہنچ جائیں تا کہ باہر نکل جائیں اور زلیخا نے آپ کے پیچھے جلدی کی تا کہ وہ آپ کو دروازہ سے باہر نکلنے سے روک سکے [ اور یہاں باب واحد لایا گیا ہے اور اگر چہ اس سے پہلے ''وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ'' میں جمع لایا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ یہاں صرف بیرونی دروازہ مراد ہے جہاں سے گھر سے نکلنے کے لیے باہر جاتے ہیں ] اور جب حضرت

یوسف علیہ السلام باہر بھاگنے لگے تو تالوں کی کنڈیاں خود بخود ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگیں یہاں تک کہ آپ باہر نکل گئے ﴿ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ ﴾ اور زلیخا نے حضرت یوسف کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی کہ اس نے حضرت یوسف کو پکڑنے کے لیے پیچھے سے ان کی قمیص کو کھینچا تو وہ پھٹ گئی یعنی کرتا اس وقت پھٹا جب حضرت یوسف اس سے دروازہ کی طرف دوڑے اور اس نے آپ کو روکنے کے لیے آپ کا تعاقب کیا ﴿ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا اور وہ دونوں زلیخا کے شوہر قطفیر کے سامنے آ گئے جب کہ وہ اندر داخل ہونا چاہتا تھا‘ سو جب زلیخا نے اپنے خاوند کو دیکھا تو اس نے اپنے شوہر کے سامنے اپنی حرام کاری کے ارادے کو تہمت سے بچانے کے لیے اور حضرت یوسف کو اس امید پر ڈرانے کے لیے سازش کی کہ حضرت یوسف اس سے ڈر کر اور اس کے مجبور کرنے پر اس کے ساتھ بُرے عمل کا ارتکاب کر لیں جیسا کہ اس نے ﴿ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ کہا کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا نہیں ہوگی مگر یہی کہ اُسے قید کیا جائے یا اُسے دردناک عذاب دیا جائے۔ [”مَا“ نافیہ ہے ”أَيْ لَيْسَ جَزَآؤُهُ إِلَّا السِّجْنُ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“] یعنی اس کی سزا نہیں ہوگی مگر قید کرنا یا دردناک عذاب دینا اور یہ کوڑوں کے ساتھ مارنا ہے اور زلیخا نے حضرت یوسف کے نام کا ذکر کر کے وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے اس کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا ہے کیونکہ زلیخا نے اس عبارت سے عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی ہر وہ شخص جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے قید کیا جائے یا اُسے دردناک سزا دی جائے‘ اس لیے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈرانے کے لیے جو ارادہ کیا‘ اس کے لیے یہ کلام زیادہ بلیغ ہے۔

۲۶-اور جب زلیخا نے حضرت یوسف کو قید کرنے یا دردناک سزا دینے کی تجویز پیش کی اور ان پر اپنا دفاع کرنا واجب ولازم ہو گیا تو ﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ اسی (زلیخا) نے میری مرضی کے خلاف مجھے پھسلانے اور اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی اور اگر یہ دفاع کرنا ضروری نہ ہوتا تو حضرت یوسف اس کی پردہ پوشی فرما لیتے اور اس کو رسوا نہ کرتے ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا ﴾ اور زلیخا کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اور یہ اس کا چچا زاد بھائی تھا اور اللہ تعالیٰ نے زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص کی زبانی اس لیے گواہی دلوائی تا کہ زلیخا پر حجت و دلیل واجب ہو جائے (اور وہ انکار نہ کر سکے) اور حضرت یوسف کی پاک دامنی مزید مستحکم و مضبوط ہو جائے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ وہ گواہ زلیخا کا ماموں زاد بھائی تھا اور وہ اس وقت بچہ تھا اور جھولے میں تھا اور اس کی بات کو گواہی اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ اس نے اس طرح بات کی جس طرح گواہی دینے والا گواہی دیتا ہے‘ جس سے حضرت یوسف کی بات سچ ثابت ہو گئی اور زلیخا کی بات جھوٹی ثابت ہو گئی ﴿ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴾ اگر حضرت یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہیں۔

۲۷-﴿ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ اور اگر حضرت یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور حضرت یوسف سچوں میں سے ہیں اور اصل میں بات یوں ہے کہ ایک گواہ نے گواہی دی اور کہا کہ اگر ان کی قمیص (آگے مذکورہ بالا ترجمہ دیکھئے) اور حضرت یوسف کے کرتے کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ زلیخا سچی ہے اس لیے کہ حضرت یوسف اس کے پیچھے جلدی دوڑے ہوں تا کہ اس کو پکڑ لیں اور اپنی قمیص کے اگلے حصے پر گر گئے ہوں گے اور قمیص قدموں کے نیچے آ کر پھٹ گئی ہو گی اور اس لیے بھی کہ حضرت یوسف اس کے سامنے آ گئے ہوں گے اور وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے دفاع کرتے ہوئے آپ کو پیچھے دھکیل رہی ہو گی‘ جس کی وجہ سے حضرت یوسف کا

کرتہ آگے سے پھٹ گیا ہوگا [لیکن ''قبل'' اور ''دبر'' کو اس لیے نکرہ لایا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایک جہت سے زلیخا کے لیے ''قبل'' کہا جاتا ہے اور ایک جہت سے اس کے لیے ''دبر'' کہا جاتا ہے اور ''اِنْ'' جو کہ مستقبل کے لیے آتا ہے اور ''کَانَ'' جو کہ ماضی کے لیے آتا ہے ان دونوں کو اس آیت مبارکہ میں اس لیے جمع کر دیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ بے شک حضرت یوسف کا کرتہ پھٹ چکا ہے]۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ﴿۲۹﴾ ع وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾

پھر جب عزیز مصر نے یوسف کا کرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے (اپنی بیوی سے) کہا کہ بے شک یہ تمہاری سازش ہے' بے شک تمہاری سازش بہت بڑی ہےO اے یوسف! آپ اس سے درگزر کیجئے' اور (اے زلیخا!) تو اپنی غلطی کی معافی مانگ' بے شک تو خطا کاروں میں سے ہےO اور شہر کی عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اسی کی اپنی مرضی کے خلاف پھسلاتی ہے' بے شک یوسف کی محبت اس کے دل میں داخل ہو چکی ہے' بے شک ہم اسے صریح غلطی میں دیکھتی ہیںO

۲۸۔﴿ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ ﴾ پھر جب زلیخا کے شوہر قطفیر نے حضرت یوسف کے کرتے کو دیکھا کہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے اور اس نے حضرت یوسف کی پاک دامنی کو اور ان کی صداقت کو اور زلیخا کے جھوٹ کو جان لیا تو ﴿ قَالَ اِنَّهٗ ﴾ قطفیر نے زلیخا سے کہا کہ بے شک تمہارا یہ کہنا کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید کر لیا جائے یا دردناک سزا دی جائے یا تمہارا یہ معاملہ حضرت یوسف کو حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے ﴿ مِنْ كَیْدِكُنَّ ﴾ یہ سب تمہارے مکر وفریب ہیں [اور ''كُنَّ'' کا خطاب زلیخا اور اس کی دیگر ہم جماعت خواتین کے لیے ہے (اس لیے جمع لایا گیا ہے)] ﴿ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴾ بے شک تمہارے مکر وفریب بہت بڑے ہوتے ہیں' کیونکہ ان عورتوں کے مکر وفریب بہت باریک ہوتے ہیں اور ان کے حیلے اور بہانے بہت بڑے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ مردوں پر غالب آ جاتی ہیں اور ان میں سے کم از کم مکر وفریب کرنے والیوں کے پاس بھی ایسے مکر وفریب ہوتے ہیں جوان کے علاوہ باقیوں کے پاس نہیں ہوتے اور بعض علمائے دین فرماتے ہیں کہ بے شک میں جتنا شیطان کے مکر وفریب سے ڈرتا ہوں اس سے زیادہ میں عورتوں کے مکر وفریب سے ڈرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا''۔ (النساء:۷۶) بے شک شیطان کا مکر وفریب کمزور ہے' اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ''۔ (یوسف:۲۸) بے شک تم عورتوں کے مکر وفریب بہت بڑے ہوتے ہیں۔

۲۹۔﴿ یُوْسُفُ ﴾ [اصل میں ''یَا یُوْسُفُ'' ہے' اس سے حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ منادیٰ قریب ہے بات کو خوب سمجھنے والا ہے اور اس میں منادیٰ کو قریب کرنے اور اس کو نرم کرنے کے لیے حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے] اے

یوسف! ﴿ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ﴾ اس معاملہ سے درگزر کیجئے اور اس کی پردہ پوشی فرمائیے اور اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیجئے' پھر عزیزِ مصر نے (اپنی بیوی) راعیل سے کہا (راعیل نام ہے' زلیخا اس کا لقب ہے) ﴿ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٔيْنَ ﴾ اور تو اپنے گناہ کی معافی مانگ' بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے کہ قصداً گناہ کرنے والی قوم میں سے ایک تو بھی ہے' "خَطِئَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے اور باقی "مِنَ الْخَاطِئِيْنَ" مذکر کا لفظ فرمایا گیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر غالب قرار دیا گیا ہے اور چونکہ عزیزِ مصر بردبار اور حوصلہ منداور کم غیرت مند تھا' اس لیے اس نے صرف اتنی سی بات پر اکتفاء کیا۔

## خواتینِ مصر کا زلیخا کو خطا کار قرار دینا اور حضرت یوسف کی پاک دامنی بیان کرنا

۳۰۔ ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ ﴾ اور عورتوں کی ایک جماعت نے کہا اور وہ کل پانچ عورتیں تھیں (۱) بادشاہ کو شراب پلانے والے کی بیوی (۲) نان بائی کی بیوی (۳) جانوروں کے اصطبل کے نگران کی بیوی (۴) جیلر کی بیوی (۵) دربان کی بیوی [اور "نِسْوَةٌ" اسمِ مفرد ہے جو "مَرْاَةٌ" کی جمع کے لیے آتا ہے اور یہ مؤنث غیر حقیقی ہے' اس لیے "قَالَتْ" نہیں فرمایا اور اس میں دو لغتیں ہیں: ایک نون کے نیچے زیر کے ساتھ اور دوسری نون پر پیش کے ساتھ] ﴿ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ مصر کے شہر میں ﴿ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ ﴾ عزیزِ مصر کی بیوی' اس سے قطفیر مراد ہے' عربی زبان میں "عزیز" کا معنی بادشاہ ہے ﴿ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا ﴾ وہ اپنے ایک نوجوان کو ورغلاتی ہے [یعنی اپنے غلام کو "فَتَایَ" اور "فَتَاتِیَ" کہا جاتا ہے یعنی میرا غلام اور میری لونڈی] ﴿ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ خود اس نوجوان کی مرضی کے خلاف تاکہ وہ اس نوجوان سے اپنی نفسانی شہوت پوری کرے ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ بے شک اس عورت کے دل میں اس نوجوان کی محبت گھر کر چکی ہے یعنی حضرت یوسف کی محبت زلیخا کے دل کے پردے کو چیر اس کے اندرونی حصے فؤاد تک جا پہنچی ہے اور شغاف دل کے پردے کو کہا جاتا ہے یا دل کے اوپر نرم جلد کو شغاف کہا جاتا ہے اور اسی کو دل کی زبان بھی کہا جاتا ہے ["حُبًّا" تمیز ہے] ﴿ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ بے شک ہم اس عورت کو راہِ حق سے دور صریح غلطی میں پاتی ہیں (کیونکہ نکاح کے بغیر کسی پاک دامن کو پھسلا کر نفسانی شہوت پوری کرنے کی کوشش کرنا بہت صریح غلطی ہے)۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ
مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ
وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ
الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ
مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

پھر جب زلیخا نے ان کی چال سنی تو ان کو دعوت کا پیغام بھیجا اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور اس نے (یوسف سے) کہا: ان کے سامنے آ جائیے' سو جب انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھا

تو ان کی بڑائی کا اقرار کیا اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور کہنے لگیں کہ اللہ ہی کے لیے پاکی ہے یہ انسان نہیں ہے' یہ تو صرف معزز فرشتہ ہےO پس یہ وہی ہے' جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو' اور بے شک میں نے اس کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا ہے لیکن اس نے اپنی عصمت کو بچا لیا' اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا میں اُسے حکم دیتی ہوں تو اس کو ضرور قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلت اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گاO

۳۱-﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ﴾ پھر جب راعیل (عرف زلیخا) نے ان عورتوں کی غیبت کی باتیں اور ان کا یہ کہنا سن لیا کہ عزیز کی بیوی اپنے کنعانی غلام پر عاشق ہو چکی ہے اور وہ غلام اس بات پر اس سے راضی نہیں اور غیبت کو مکر اس لیے کہا گیا ہے کہ غیبت بھی مکر وفریب کی طرح چھپ کر اس کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے جیسا کہ مکر وفریب کرنے والا اپنا فریب چھپاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ زلیخا اپنے عشق کے راز کو ان سے چھپاتی تھی' لیکن انہوں نے اسے اس پر ظاہر کر دیا ﴿ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ ﴾ زلیخا نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کو دعوت پر بلا لیا اور کہا گیا ہے کہ زلیخا نے چالیس عورتوں کو دعوت پر بلایا تھا جن میں سے پانچ مذکورہ بالا عورتیں تھیں ﴿ وَاَعْتَدَتْ ﴾ [''عتاد'' سے ماخوذ ہے] اور اس نے تیار کر دیئے ﴿ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ ان کے لیے ریشمی گاؤ تکیے جن پر وہ عورتیں ٹیک لگا کر بیٹھیں' زلیخا نے اس صورت کو اختیار کیا کہ وہ عورتیں تکیے لگا کر بیٹھیں اور چھریاں ان کے ہاتھوں میں ہوں تا کہ وہ حضرت یوسف کو دیکھتے ہی حیران و مدہوش ہو جائیں اور اپنے آپ کو بھول جائیں اور اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے پر ماریں گی تو ان کے ہاتھ کٹ جائیں گے کیونکہ تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا شخص جب کسی چیز کی وجہ سے حیران ومبہوت ہوتا ہے تو وہ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتا ہے ﴿ وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا ﴾ اور اس نے ان عورتوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور اس زمانے میں لوگ چھریوں کے ساتھ کھاتے تھے جیسا کہ عجمی لوگ کرتے ہیں ﴿ وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ [ابو عمرو بصری' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''تَا'' کو مکسور پڑھا گیا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک ''تَـا'' کو مضموم پڑھا گیا ہے] اور زلیخا نے حضرت یوسف سے کہا کہ آپ ان کے سامنے تشریف لائیں ﴿ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ ﴾ پھر جب ان عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو وہ آپ کی بڑائی بیان کرنے لگیں اور وہ آپ کے عمدہ ترین اور بہترین حسن و جمال میں مبہوت و مدہوش ہو گئیں کیونکہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کی فضیلت دیگر لوگوں پر ایسی تھی جیسے آسمان کے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور حضرت یوسف حسن و جمال میں حضرت آدم کے حسن و جمال کے مشابہ تھے' جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تھا (تو اس وقت حضرت آدم بہت حسین وجمیل تھے) اور حضرت یوسف جب مصر کے بازاروں میں چلتے تھے تو آپ کے چہرے مبارک کی چمک اور روشنی دیواروں پر دیکھی جاتی تھی اور بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال ان کی جد امجد حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وراثت میں ملا تھا [اور بعض کے نزدیک ''اَكْبَرْنَ'' بہ معنیٰ ''حِضْنَ'' ہے یعنی حضرت یوسف کو دیکھتے ہی ان عورتوں کے رحموں سے شہوت کے غلبہ کی وجہ سے خون جاری ہو گیا اور اس کے آخر میں ''ھا'' سکتہ کے لیے ہے کیونکہ ''اَلنِّسَآءُ قَدْ حِضْنَهٗ'' نہیں بولا جاتا' اس لیے کہ یہ فعل مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتا اور جب عورت کو حیض کا خون جاری ہو جاتا ہے تو ''اَكْبَرَتِ الْمَرْاَةُ'' کہا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ نشانی ہوتی ہے کہ لڑکی بالغہ ہو گئی ہے کیونکہ لڑکی حیض کے خون جاری ہو جانے پر بچپن کی حد سے نکل جاتی ہے اور گویا ابو طیّب نے اسی تفسیر سے اپنا یہ قول اخذ کیا ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صاحب حسن و جمال عورت کو برقع میں چھپاؤ کیونکہ اگر تم نے اس کو بے پردہ کر دیا تو پہلے پردہ میں رہنے والی نیک اور پارسا عورتوں کو بھی خون جاری ہو جائے گا] ﴿ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ﴾ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا (یعنی)

ان کو زخمی کر دیا جیسا کہ تم کہو کہ میں گوشت کاٹ رہا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا' اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ تم نے اپنا ہاتھ زخمی کر دیا یعنی وہ عورتیں اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے کھانے کو کاٹنا چاہتی تھیں' لیکن جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو مدہوش ہو گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے پاکی ہے۔[ ''حَاشَا'' استثناء کے باب میں تنزیہ وتقدیس اور پاکیزگی کے معنی کا فائدہ دیتا ہے جیسے تم کہو: ''اَسَاءَ الْقَوْمُ حَاشَا زَيْدٍ''. پوری قوم نے بُرائی کی ماسوا زید کے (یعنی زید اس بُرائی سے پاک ہے) اور یہ حروف جارہ میں سے ایک حرف جار ہے' پس یہ پاک اور بَری ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے' پس ''حَاشَا لِلّٰهِ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بَری اور پاک ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''حَاشَا لِلّٰهِ'' (آخر میں الف) ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''سَقْيًا لَكَ'' گویا فرمایا کہ براءت ہے' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یہ اس ذات کے بیان کے لیے ہوتا ہے جو بَری اور پاک ہو اور اس کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت میں ''حَاشَ لِلّٰهِ'' ہے جو آخر میں الف محذوف کے ساتھ ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عجز وکمزوری کی صفات سے پاک وبَری ہے اور حضرت یوسف کی طرح حسین وجمیل کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کا اظہار ہے ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ یہ بشر نہیں ہے' یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ۔ خواتینِ مصر نے حضرت یوسف سے بشریت کی نفی اس لیے کر دی کہ آپ کا حسن وجمال عجیب وغریب اور بے مثال تھا اور انہوں نے حضرت یوسف کو فرشتہ قرار دے دیا اور اس پر یقینی حکم ثابت کر دیا اور یہ اس لیے کیا کہ لوگوں کی طبیعت میں یہ بات راسخ اور پختہ ہو چکی ہے کہ فرشتہ سے زیادہ کوئی حسین وجمیل نہیں ہوتا جس طرح لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ شیطان سے زیادہ کوئی قبیح وبدصورت نہیں ہے۔

۳۲۔﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ﴾ زلیخا نے کہا: سو یہ وہی ہے جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی تھیں (یعنی) زلیخا ان عورتوں سے کہنے لگی: یہ وہی کنعانی غلام ہے جس کی شکل وصورت تم نے اپنے دلوں میں متعین کر رکھی ہے' پھر تم مجھے ملامت کرتی ہو یعنی تم نے اس کی شکل وصورت کا ایسا حسین وجمیل تصور قائم نہیں کیا جیسا کہ اس کے حسن وجمال کے تصور کا حق ہے ورنہ تم مجھے اس کے عشق ومحبت میں خود رفتہ پا کر مجھے ہرگز ملامت نہ کرتیں بلکہ تم مجھے اس کے عشق ومحبت میں معذور سمجھتیں ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾ اور بے شک میں نے اس کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف پھسلایا' سو وہ بچ گیا اور ''استعصام'' مبالغہ کا معنی دینے کے لیے بنایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بہت بڑی کوشش اور زبردست تحفظ کر کے اپنے آپ کو ان کی سازش سے بچا لیا' گویا وہ خود سراپا عصمت بن گئے تھے اور وہ اپنی اس عصمت کو بڑھانے کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں اور یہ بیان واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس معنی سے بَری ہیں جو اس گروہ نے ''ھم'' اور ''برھان'' کا بیان کیا' پھر ان خواتین نے حضرت یوسف سے درخواست کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنی مالکہ زلیخا کی بات مان لیں اور اس کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لیں تو یہ بات سن کر زلیخا نے کہا: ﴿وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ﴾ اور اگر اس نے (حضرت یوسف نے) وہ کام نہ کیا جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں۔[ضمیر ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''ما'' موصولہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ''مَا اٰمُرُ بِهٖ'' یعنی جس کام کا میں حکم دیتی ہوں' پھر حرف جارہ حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے: ''اَمَرْتُكَ بِالْخَيْرِ'' میں نے تجھے نیکی کا حکم دیا ہے' یا پھر ''ما'' مصدریہ ہے اور ضمیر ''یوسف'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اگر اس نے میرے حکم پر عمل نہ کیا یعنی میرے حکم کا موجب اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ﴿لَيُسْجَنَنَّ﴾ اسے ضرور قید کیا جائے گا ﴿وَلَيَكُوْنًا﴾ [الف نون تاکید خفیفہ سے تبدیل کیا ہوا ہے] اور

البتہ وہ ضرور ہو جائیں گے ﴿مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ ذلیل لوگوں میں سے (یعنی) وہ چوری کرنے والوں' خون بہانے والوں اور بھاگ جانے والوں میں سے ہو جائیں گے جیسا کہ اس نے (یعنی حضرت یوسف نے) میرا دل چرا لیا ہے اور مجھ سے بھاگ گیا ہے اور اس نے فراق و جدائی کے صدمے سے میرا خون بہایا ہے' سو اب یوسف کے لیے یہاں کھانے پینے اور سونے کا انتظام نہ کیا جائے' جس طرح اس نے مجھ سے ہر چیز روک لی ہے اور جو شخص میرے جیسی حسینہ جمیلہ کے ساتھ ریشمی لباس میں امیرانہ تخت نشین ہونے پر راضی نہیں تو اس کو قیدی بنا کر چٹائی پر حسرت و افسوس کے ساتھ زندگی گزارنا پڑے گی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع ۴

یوسف نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے اس کام سے قید زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں' اور اگر آپ نے ان کا مکر وفریب مجھ سے نہ پھیرا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گاO سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے ان عورتوں کا مکر وفریب پھیر دیا' بے شک وہ بہت کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہےO پھر عصمتِ یوسف کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کے لیے یہی ظاہر ہوا کہ یوسف کو ایک عرصہ تک ضرور قید میں رکھا جائےO

۳۳- جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی دھمکی آمیز گفتگو کو سنا تو ﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ﴾ آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جس قبیح فعل کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اس سے قید میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس جگہ دعوت کی نسبت ان عورتوں کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ اے یوسف! اگر تم اپنی مالکن کی بات قبول کر لیتے تو تمہیں کیا ہو جاتا یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک عورت نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا تھا کہ ہر عورت چوری چھپے آپ کو اپنی طرف راغب ہونے کی دعوت دیتی تھی تو آپ نے اپنے رب کی طرف پناہ لی اور عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے قید میں رہنا گناہ کے ارتکاب سے زیادہ پسند ہے ﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ﴾ اور اگر تو نے ان کے مکر وفریب کو مجھ سے دور نہ کیا۔ حضرت یوسف نے عصمت و پاک دامنی کی طلب میں اپنی گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار اللہ تعالیٰ سے کیا ﴿اَصْبُ اِلَيْهِنَّ﴾ تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا [اور ''صبوۃ'' کا معنی خواہشِ نفسانی کی طرف مائل ہونا ہے اور اسی سے ''صبا'' ماخوذ ہے] اس لیے کہ نفوسِ انسانی اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس کی ہوا نہایت خوش اور روح کو لبھانے والی ہوتی ہے ﴿وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا (یعنی) ان لوگوں میں سے جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتے کیونکہ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اور جو کچھ نہیں جانتا وہ دونوں برابر ہوتے ہیں یا یہ کہ میں بے وقوف لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔

٣٤- پھر جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَهُنَّ'' میں پھیرنے کی طلب کا معنی اور دعا کا معنی پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ﴾ تو اس کے رب نے اس کی بات کو قبول کر لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی دعا کو قبول فرمالیا ﴿فَصَرَفَ عَنۡهُ كَيۡدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا مکر وفریب پھیر دیا۔ بے شک وہی اپنی بارگاہ میں پناہ لینے والوں کی دعائیں خوب سننے والا ہے ﴿الۡعَلِيۡمُ﴾ حضرت یوسف کے حال کو اور ان عورتوں کے حال کو خوب جاننے والا ہے۔

٣٥- ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ﴾ پھر ان کے لیے ظاہر ہوا۔[اس کا فاعل پوشیدہ ہے کیونکہ اس پر وہ کلام دلالت کر رہا ہے جو اس کی تفسیر و تشریح کرتا ہے اور وہ ''لَیَسۡجُنُنَّهٗ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے عیاں ہوا یعنی ان کے لیے رائے ظاہر ہوئی اور ''لَهُمۡ'' میں ضمیر عزیز مصر اور اس کے دیگر ساتھیوں کے لیے ہے] ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰيٰتِ﴾ ان نشانیوں کے بعد جو انہوں نے دیکھی تھیں اور یہ وہ شواہد ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کُرتے کا پھٹ جانا اور خواتین کے ہاتھوں کا کٹ جانا اور بچے کا گواہی دینا وغیرہ وغیرہ ﴿لَيَسۡجُنُنَّهٗ﴾ وہ آپ کو ضرور قید کر دیں کیونکہ لوگوں کی قیل وقال پر پردہ ڈالنے اور حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے یہی منصوبہ ان کے لیے ظاہر ہوا اور یہ تب ہوتا ہے جب عورت اپنے شوہر کو اپنی بات پر قائل کر لے اور عزیز مصر بھی اپنی بیوی زلیخا کا تابع اور فرماں بردار و نوکر بنا ہوا تھا اور اس کی لگام اس کی بیوی کے ہاتھ میں تھی اور زلیخا کو امید تھی کہ قید حضرت یوسف کو خوار کر دے گی اور آپ زلیخا کے سامنے مجبور ہو کر فرماں بردار غلام بن کر رہیں گے یا اس پر لوگوں کی نگاہوں کا خوف طاری ہو جائے گا اور لوگ ان کے بارے میں مختلف گمان کریں گے تو لوگوں سے ندامت اور ناامیدی کا خوف اس کو زلیخا کی پناہ لینے پر مجبور کر دے گا یہاں تک کہ ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے زلیخا حضرت یوسف کو قید خانہ کے پردے میں رکھنے پر راضی ہوگئی تھی تاکہ وہ ان کے حالات سے آگاہ ہو کر تسلی حاصل کرتی رہے کیونکہ ان کے دیدار سے وہ محروم ہو جائے گی ﴿حَتّٰى حِيۡنٍ﴾ ایک مدت تک' گویا زلیخا نے چاہا کہ حضرت یوسف کچھ عرصہ تک قید خانہ میں قید رہیں یہاں تک کہ وہ دیکھیں کہ انہیں اب کیا کرنا ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجۡنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِىۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝٣٦ قَالَ لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىۡ رَبِّىۡ ؕ اِنِّىۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝٣٧

اور یوسف کے ساتھ قید خانہ میں بادشاہ کے دو غلام بھی داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے کہا: بے شک میں اپنے آپ کو خواب میں شراب نچوڑتے ہوئے دیکھتا ہوں' اور دوسرے نے کہا: بے شک میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں' آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے' بے شک ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں○ آپ نے فرمایا: جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس نہیں پہنچے گا مگر میں

اس کے آنے سے پہلے تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا' یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھا دیئے ہیں' بے شک میں نے اس قوم کا دین ترک کر رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں O

## حضرت یوسف کا اپنے دو قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا اور دینِ حق کی تبلیغ کرنا

۳۶۔﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ﴾ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں دو نوجوان داخل ہوئے۔ وہ دونوں بادشاہ کے غلام تھے' ایک اس کا خاص باورچی تھا جو کھانا تیار کر کے کھلاتا تھا' دوسرا شراب پلانے والا خاص ملازم تھا۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا' چنانچہ جس وقت حضرت یوسف کو جیل میں داخل کیا گیا تھا' اسی وقت ان دونوں کو بھی جیل میں داخل کیا گیا تھا [ کیونکہ لفظ ''مَعَ'' صحبت کے معنی پر دلالت کرتا ہے ( کہ یہ دونوں یوسف کے ساتھ اکٹھے داخل کیے گئے ) جیسے تم کہو: ''خَرَجْتُ مَعَ الْاَمِیْرِ'' کہ میں امیر کے ساتھ نکلا ہوں' اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ اس کی صحبت ومعیت میں نکلا ہوں' پس ثابت ہو گیا کہ جیل میں ان دونوں کا داخلہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اکٹھے ہوا تھا ] ﴿ قَالَ اَحَدُهُمَآ ﴾ ان دونوں میں سے ایک نے یعنی بادشاہ کو شراب پلانے والے نے کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ ﴾ بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا یعنی خواب میں دیکھا [ اور یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے ] ﴿ اَعْصِرُ خَمْرًا ﴾ میں شراب نچوڑ رہا ہوں یعنی انگور نچوڑ رہا ہوں۔ انگور کو شراب کا نام مستقبل کے اعتبار سے دیا گیا ہے ( کہ انگور سے شراب تیار کی جائے گی ) یا عمان کی زبان میں انگور کو خمر کہا جاتا ہے ﴿ وَقَالَ الْاٰخَرُ ﴾ اور دوسرے نے کہا: یعنی بادشاہ کے باورچی نے کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ بے شک میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس سے پرندے کھا رہے ہیں' آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیں جس کو ہم نے خواب میں دیکھا ہے ﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں (یعنی) ان لوگوں میں سے جو خواب کی تعبیر اچھی طرح بتاتے ہیں یا یہ کہ ہم آپ کو قیدیوں کے ساتھ نیکی کرنے والا دیکھتے ہیں کیونکہ آپ بیماروں کا علاج کرتے ہیں' ان کو دوائی دیتے ہیں اور آپ غمگین و پریشان حال انسانوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اور آپ محتاجوں کو کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں' پس ہم نے جو خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتا کر ہم پر احسان کیجئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں نے حضرت یوسف کا امتحان لینے کے لیے محض بہانا بنایا تھا' چنانچہ شراب پلانے والے نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں اور ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوں جس پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی ہے اور اس پر انگور کے تین گچھے لٹکے ہوئے ہیں' پس میں نے ان کو توڑا اور بادشاہ کے پیالے میں نچوڑ لیا اور میں نے نچوڑا ہوا انگور کا جوس بادشاہ کو پلا دیا ہے اور باورچی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے سر پر تین ٹوکریاں ہیں' جن میں مختلف اقسام کے کھانے ہیں' پھر اچانک شکاری پرندے آ جاتے ہیں' جو اس کھانے کو نوچنے لگ جاتے ہیں۔

۳۷۔﴿ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس نہیں پہنچے گا مگر میں تم دونوں کو اس خواب کی تعبیر (اس کے آنے سے پہلے) بتا دوں گا' یعنی اس کی حقیقت اور اس کی کیفیت بیان کر دوں گا کیونکہ یہ خواب مشکل کی تفسیر و تشریح کی طرح ہوتا ہے ﴿ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ﴾ اس سے پہلے کہ وہ کھانا تمہارے پاس پہنچے اور جب دونوں ساتھیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر دریافت کی اور آپ کو محسن قرار دے کر انہوں نے آپ کو صفتِ احسان کے ساتھ موصوف کیا تو حضرت یوسف نے اس میں غور و فکر کیا اور اس کے نتیجہ تک پہنچ گئے تو آپ نے اپنے آپ کو ایسے وصف کے ساتھ موصوف کیا جو علماء کے علم سے بڑھ کر ہے اور وہ ہے

غیب کی خبر دینا اور جو کھانا قید خانہ میں ان دونوں کے پاس لایا جاتا تھا' اس کے آنے سے پہلے حضرت یوسف نے ان کو بتا دیا اور دونوں کے لیے اس کھانے کی صفت بھی بیان فرما دی اور فرمایا کہ آج تمہارے پاس فلاں صفت کا کھانا اور فلاں فلاں کھانا پیش کیا جائے گا' چنانچہ جس طرح حضرت یوسف نے فرمایا اسی طرح کا کھانا پیش کیا گیا اور آپ نے خالصۃً ان کو شرک سے توحید کی طرف منتقل کرنے کے لیے یہ کام کیا' یہاں تک کہ آپ نے ان دونوں کے سامنے (تعبیر بتانے سے پہلے) توحید کا ذکر کیا اور ان پر ایمان پیش کیا اور ان کے سامنے توحید و ایمان کی اچھائی اور خوبی بیان فرمائی اور ان کے سامنے شرک کی قباحت و بُرائی بیان فرمائی اور اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی عالم کے علمی مقام و مرتبہ سے لوگ ناواقف ہوں تو وہ عالم اپنے آپ کو ایسے علمی وصف کے ساتھ موصوف کر کے بیان کر سکتا ہے جس کے سبب لوگوں میں اس کا علمی مرتبہ بلند ہو جائے اور حضرت یوسف کی غرض یہی تھی کہ لوگ ان کے علم سے فائدہ اٹھائیں ورنہ حضرت یوسف کا مقصد خودستائی یا اپنی پاک بازی بیان کرنا نہیں تھا ﴿ ذٰلِكُمَا ﴾ یہ دونوں ساتھیوں کے لیے تاویل (یعنی تعبیر) کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ خوابوں کی تعبیر اور غیبوں کی خبریں دینا ﴿ مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ﴾ ان علوم میں سے ہیں جو میرے رب نے مجھے سکھا دیئے ہیں (اور) ان کے ساتھ میری طرف وحی فرمائی ہے اور میں یہ باتیں تم سے نہ کہانت کی وجہ سے کہہ رہا ہوں اور نہ ستارہ شناسی کی بناء پر کہہ رہا ہوں ﴿ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ بے شک میں نے اس قوم کا دین ترک کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ [یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستقل الگ کلام شروع کیا گیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ پہلے کلام کی علت ہو] یعنی یہ باتیں مجھے میرے رب نے بتا دی ہیں اور اسی نے ان کو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا ہے' اس لیے کہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے اور وہ لوگ مصر کے باشندے ہیں اور وہ دونوں جوان بھی انہی لوگوں کے دین پر تھے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۳۸ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ۝۳۹

اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کے دین کا پیروکار ہوں' ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں' یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ○ اے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا بہت سے الگ الگ خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے ○

۳۸- ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے دین کی پیروی اختیار کر رکھی ہے اور وہ دینِ حنیف ہے (جو باطل سے پاک اور خالص توحید پر مبنی دین ہے) اور ملت کا تکرار محض تاکید کے لیے ہے اور حضرت یوسف نے اپنے خاندان کا اس لیے ذکر فرمایا تا کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں کو بتائیں کہ آپ یقیناً نبوت کے گھرانے سے ہیں اور ان دونوں کو پہچان کرا دیں کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر ہیں' آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے' اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبوں کی خبریں ذکر کیا کرتے ہیں تا کہ ان دونوں کی رغبت آپ کی بات کی پیروی کرنے میں مضبوط و مستحکم ہو جائے اور کافر قوم کے دین کو چھوڑنے کا مقصد یہ

ہے کہ شروع ہی سے اس کو چھوڑ رکھا ہے کبھی اس کو اختیار نہیں فرمایا اور یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے انہیں کے دین پر تھے پھر اس کو چھوڑ دیا ہے (ہرگز نہیں) ﴿مَاكَانَ لَنَآ﴾ ہم انبیائے کرام کی جماعت کے لیے یہ صحیح نہیں ہے ﴿اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں یعنی کوئی چیز ہو خواہ بت ہوں یا کوئی اور چیز ہو ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ توحید ﴿مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ہم پر اور دوسرے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ملنے پر شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

۳۹۔ ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ اے قید خانہ میں رہنے والو! جیسے ارشاد ہے: "اَصْحٰبُ النَّارِ" (البقرہ:۸۱) "دوزخ والے"۔ اور "اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ" (البقرہ:۸۲) "بہشت والے"۔ ﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ کیا جدا جدا خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ جو سب پر غالب ہے؟ مراد یہ ہے کہ تعداد میں اور کثرت میں مختلف اور الگ الگ خدا یعنی کیا مختلف خدا ہوں کبھی یہ خدا تم سے عبادت و بندگی چاہے اور کبھی یہ خدا تم سے عبادت و بندگی چاہے کیا یہ تمہارے لیے بہتر ہیں یا یہ کہ تمہارے لیے ایک خدا ہو جو سب پر غالب ہے؟ وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مثال ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے بیان فرمائی ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ﴿۴۱﴾

اس کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ محض نام ہیں جنہیں تم نے خود اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O اے قید خانہ کے دو ساتھیو! لیکن تم میں سے ایک پس وہ تو اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور لیکن دوسرا پس وہ پھانسی دیا جائے گا پھر اس کے سر سے پرندے کھائیں گے اس معاملے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے جس کے متعلق تم دونوں دریافت کرتے تھے O

۴۰۔ ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً﴾ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے وہ تو نہیں مگر چند نام ہیں۔ اس میں خطاب دونوں قیدیوں کے لیے ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو اہل مصر میں سے ان قیدیوں کے دین پر تھے ﴿سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ازخود ان کے نام گھڑ لیے ہیں یعنی تم نے ان چیزوں کے نام الٰہ اور معبود رکھ لیے ہیں جو الوہیت و عبادت کے مستحق ہی نہیں ہیں پھر تم نے ان کی عبادت شروع کر دی تو گویا تم صرف ناموں کی عبادت کرتے ہو نہ کہ مسمیات کی [اور "سَمَّيْتُمُوْهَا" کا معنی ہے: "سَمَّيْتُمْ بِهَا" کیونکہ "سَمَّيْتُهٗ زَيْدًا" اور

"سَمَّیْتُهٗ بِزَیْدٍ" دونوں طرح بولا جاتا ہے] ﴿ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کی کوئی سند اور دلیل نہیں اتاری ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ دین اور عبادت کے معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے کسی اور کا حکم نہیں چلتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جو اہم ترین حکم دیا ہے اُسے بیان کیا' چنانچہ فرمایا: ﴿ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہرگز نہیں کرو گے' یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے' یہی ثابت شدہ دین ہے جس پر براہین و دلائل دلالت کرتے ہیں ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو کفر و شرک کرنے پر سزا ضرور ملے گی اگرچہ وہ جاہل اور اَن پڑھ ہو بشرطیکہ اس کے لیے اس کا علم حاصل کرنا ممکن ہو۔

۴۱- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی اور فرمایا کہ ﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا ﴾ اے قید خانہ کے دو ساتھیو! لیکن تم دونوں میں ایک جس سے شراب پلانے والا مراد ہے ﴿ فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ﴾ سو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا یعنی وہ اپنے کام پر دوبارہ بحال ہو جائے گا (یہاں "رَبّ" بہ معنی "سَیِّد" کے ہے (یعنی آقا)) ﴿ وَاَمَّا الْاٰخَرُ ﴾ اور لیکن دوسرا یعنی نان بائی اور باورچی ﴿ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ﴾ تو اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر سے کھائیں گے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے شخص سے فرمایا تھا کہ تم نے جو انگور اور اس کا حسن و جمال دیکھا ہے' اس سے مراد بادشاہ ہے اور اس کے پاس تیری پوزیشن اور اعتماد بہت اچھا ثابت ہو گا لیکن تین شاخیں جو تم نے دیکھی تھیں تو اس سے مراد تین دن ہیں' پس اب تم صرف تین دن قید خانہ میں رہو گے' پھر تم رہا ہو کر باہر نکلو گے اور جس عہدے پر کام کرتے تھے' اسی پر دوبارہ بحال ہو جاؤ گے اور حضرت یوسف نے دوسرے آدمی سے فرمایا کہ تم نے جو روٹیوں کی تین ٹوکریاں دیکھی تھیں اس کا مقصد تین دن ہیں' پھر تم مجرم کی حیثیت سے قید خانہ سے نکال کر قتل کر دیئے جاؤ گے اور جب باورچی نے اپنے سولی پہ چڑھنے کی بات سنی تو کہنے لگا: میں نے تو کوئی خواب وغیرہ نہیں دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴾ وہ فیصلہ کر دیا گیا ہے جس کے متعلق تم مجھ سے دریافت کرتے تھے یعنی اب وہ یقینی طور پر ہو کر رہے گا اور وہ فیصلہ پورا ہو چکا جس کے متعلق تم دونوں اپنے معاملہ کے بارے میں اور اپنے مقدمہ کے بارے میں مجھ سے پوچھتے تھے یعنی اس معاملہ کا کیا انجام ہو گا اور وہ ان میں سے ایک کا ہلاک ہو جانا ہے اور دوسرے نے نجات حاصل کرنی ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ
رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ
سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ
اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا
نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

یوسف نے اس شخص سے فرمایا جس کے متعلق آپ کو گمان تھا کہ ان دونوں میں سے وہی رہائی پائے گا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا' سو شیطان نے اس کو اپنے بادشاہ کے پاس یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو یوسف کئی سال قید خانہ میں ٹھہرے رہے O اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سوکھے' اے سردارو! مجھے تم میرے خواب کی تعبیر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو O انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خوابیں ہیں' اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے O

۴۲۔﴿ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا ﴾ اور حضرت یوسف نے اس شخص سے فرمایا جس کے متعلق آپ کو گمان تھا کہ دونوں میں سے وہی رہائی حاصل کرے گا اور گمان کرنے والے حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آپ کی تعبیر محض اجتہاد کے طریقہ پر تھی اور اگر وحی کے طریقے پر ہوتی تو پھر گمان کرنے والا شراب پلانے والا ہوتا یا پھر ظن بہ معنی یقین ہے ﴿ اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا۔تم اپنے بادشاہ کے پاس میری صفت بیان کرنا اور اس کے سامنے میرا واقعہ بیان کرنا کہ ایک نوجوان ظلم کے طور پر قید خانہ میں محبوس ہے' ممکن ہے کہ اس کو میرے اوپر رحم آ جائے اور مجھے اس پریشانی سے رہائی دلا دے ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ﴾ سو شیطان نے اس کو بھلا دیا (یعنی) شراب پلانے والے کو بھلا دیا ﴿ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ اپنے بادشاہ سے ذکر کرنے کو یعنی یہ کہ وہ رہائی پانے والا حضرت یوسف کا اپنے بادشاہ سے تذکرہ کرنا بھول گیا یا یہ کہ حضرت یوسف کو اپنے اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا بھلا دیا کیونکہ آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ساقی کے سپرد کر دیا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے' اگر وہ ''اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ'' نہ کہتے تو قید خانہ میں سات سال محبوس نہ رہتے۔[1] ﴿ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴾ تو یوسف کئی سال قید خانہ میں رہے' یعنی جمہور اہل اسلام کے نزدیک سات سال رہے۔[اور ''بِضع'' تین سے لے کر نو تک کے لیے بولا جاتا ہے]

## مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف کا اس کی تعبیر بیان کرنا

۴۳۔﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ﴾ اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں خواب دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے ہیں اور دوسرے (سات) سوکھے ہیں۔ دراصل جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا وقت قریب آ گیا تو مصر کے بادشاہ ریان بن الولید نے ایک عجیب وغریب ہولناک خواب دیکھا' چنانچہ اس نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ایک خشک نہر سے نکلی ہیں اور ان کے پیچھے سات کمزور دُبلی پتلی گائیں نکلیں اور موٹی تازہ گائیوں کو نگل گئیں اور اس نے سات ہرے بھرے سبز خوشے دیکھے جن کے دانے تیار ہو چکے تھے اور دوسرے سات خوشے سوکھے ہیں جو کھیتی سے کاٹ دیئے گئے ہیں اور پرانے ہو چکے ہیں' چنانچہ یہ خشک خوشے سبز وتر وتازہ خوشوں سے لپٹ گئے یہاں تک کہ وہ ہرے خوشوں پر غالب آ گئے اور اب بادشاہ اس کی تعبیر چاہتا تھا اور اس کی اپنی قوم میں کوئی شخص نہ ملا جو اس خواب کی تعبیر اچھی طرح بیان کر سکے اور بعض مفسرین کرام نے بیان کیا کہ حضرت یوسف کی مصیبت کا آغاز بھی آپ کے اپنے ایک خواب سے ہوا اور آپ کی رہائی اور نجات پانے کا سبب بھی ایک خواب ہوا۔[اور ''سِمَانٌ''' ''سَمِیْنٌ'' اور ''سَمِیْنَةٌ'' کی جمع ہے اور ''عِجَاف'' کا معنی ہے: کمزور و دُبلی پتلی اور ''عجف'' اس کمزور چیز کو کہتے ہیں جس کے بعد کوئی موٹی تازی چیز نہ آئے اور ''افعل'' اور ''فعلاء'' کی جمع ''فِعَالٌ'' کے وزن پر نہیں آتی اور ''عجفاء'' (بروزن فعلاء) کی جمع ''عجاف''

[1] رواہ ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ (الدر المنثور ج ۴ ص ۵۴۱)

(بروزن "فِعَال") کا سبب یہ ہے کہ اس کو اپنی نقیض پر محمول کیا گیا ہے اور وہ "یِسمَانٌ" ہے اور اہل عرب کا طریقہ ہے کہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر اور ایک نقیض کو دوسری نقیض پر محمول کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خشک اور سوکھے خوشے بھی سبز خوشوں کی طرح سات ہی تھے کیونکہ کلام اس بات پر مبنی ہے کہ ان سوکھے خوشوں کی تعداد اتنی مقرر ہے جتنی تعداد موٹی گائیوں اور کمزور گائیوں اور سبز خوشوں کی ہے' پس "اُخَرَ" کا مطلب لازمی طور پر سات ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: "وَاُخَرَ یَابِسَاتٍ" بہ معنیٰ "وَسَبْعًا اُخَرَ" ہے] ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ﴾ اے سردارو! اس سے مراد علماء اور حکماء میں سے بڑے ماہر سردار ہیں ﴿اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ﴾ تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بیان کرو' اگر تم لوگ خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو["لِلرُّؤْیَا" میں لام بیان کا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزَّاهِدِیْنَ" اس میں "فِیْهِ" بیان کے لیے ہے یا اس لیے کہ جب مفعول بہ اپنے فعل سے مؤخر ہوتا ہے تو اس کے فعل کا عمل اس میں قوی ہوتا ہے لیکن جب مفعول بہ اپنے فعل سے مقدم ہو تو اس کے فعل کا عمل اس میں قوی نہیں رہتا تو اس صورت میں مفعول بہ پر لام جارہ داخل کر کے فعل کے عمل کو قوی کیا جاتا ہے جیسے تم کہو: "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" میں نے خواب کی تعبیر نکالی اور "لِلرُّؤْیَا عَبَرْتُ" میں نے خواب کے لیے تعبیر نکالی یا "لِلرُّؤْیَا" "كَانَ" (یعنی كُنْتُمْ) کی خبر ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: "كَانَ فُلَانٌ لِهٰذَا الْاَمْرِ" جب کہ وہ مستقل و متمکن ہو اور "تَعْبُرُوْنَ" دوسری خبر ہے یا پھر حال ہے اور "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس خواب کے انجام میں اور اس کے معاملہ کے نتیجے میں غور و فکر کیا جیسا کہ جب تم نہر کو عبور کر لو یہاں تک کہ اس کے آخری کنارے تک پہنچ جاؤ تو کہو "عَبَرْتُ النَّهْرَ" کہ میں نے نہر کو عبور کر لیا ہے اور اسی طرح "اَوَّلْتُ الرُّؤْیَا" کا معاملہ ہے جب تم اس کے انجام اور اس کے مرجع میں غور و فکر کرو اور (اہل لغت کے نزدیک) "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" تخفیف کے ساتھ (یعنی "بَا" کو شد کے بغیر) پڑھنا ہی معتبر و ثابت ہے اور تم ان (میں سے بعض) کو دیکھو گے کہ وہ "عَبَّرْتُ" (تشدید کے ساتھ) اور تعبیر اور "مُعَبِّر" کو نہیں جانتے]۔

٤٤-﴿قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ﴾ انہوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں' اصل میں "هِیَ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ" یعنی یہ خیالی باتوں کی ملاوٹ کے اور جھوٹے خواب ہیں اور جو ایسے خواب ہوتے ہیں وہ نفس کے کہے ہوئے خیالات اور شیطانی وسوسے ہوتے ہیں [اور اصل (لغت) میں "اَضْغَاثٌ" کا معنیٰ مختلف پودوں کو ملا کر ایک گٹھا تیار کرنا اور گھاس کے مختلف تنکوں خشک و تر کو جمع کر کے ایک مُٹھا تیار کرنا ہے اور اس کا واحد "ضِغْثٌ" ہے' پھر اس کو خیالی اور جھوٹی باتوں پر مشتمل خوابوں کے لیے استعمال کیا جانے لگا اور اس کی اضافت بہ معنیٰ "مِنْ" ہے "اَیْ اَضْغَاثٌ مِنْ اَحْلَامٍ" یعنی نیند میں آنے والی خیالی اور جھوٹی باتیں پریشان خوابوں میں سے ہیں اور "اَحْلَامٌ" جمع ہے' اس کا واحد "حُلْمٌ" ہے' یہ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ خواب کو باطل اور جھوٹا ثابت کرنے کے وصف میں اضافہ کیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ بادشاہ نے لوگوں کے سامنے اس خواب کے ساتھ کوئی اور خواب بھی بیان کیا ہو] ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ﴾ اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ "اَحلام" سے ان کی مراد باطل اور جھوٹے خواب ہیں' چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہے کیونکہ تعبیر تو صحیح اور سچے خوابوں کی ہوتی ہے یا پھر انہوں نے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کیا اور یہ کہ بے شک وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر نہیں ہیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝٤٥﴾

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ
سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ
تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اس شخص نے کہا جس نے ان دو قیدیوں میں سے رہائی حاصل کی تھی اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر کی خبر لا دوں گا' سو تم مجھے بھیج دو○ اے یوسف! اے صدیق! آپ ہمیں تعبیر بتا دیجئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بھری بالیاں ہیں اور دوسری (سات) سوکھی ہیں' تا کہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں تا کہ وہ جان لیں○ یوسف نے فرمایا کہ تم سات سال تک مسلسل کھیتی باڑی کرو گے' سو تم جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالیوں میں رہنے دینا مگر تھوڑا سا غلہ کہ جتنا تم اس میں سے کھا سکو○

۴۵-﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا﴾ اور قید خانہ کے دو ساتھیوں میں سے جس نے قتل سے نجات حاصل کی تھی اس نے کہا ﴿وَادَّكَرَ﴾ [دال کے ساتھ زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور اس کی اصل "اِذْتَكَرَ" ہے جس میں ذال کو دال سے تبدیل کیا گیا اور "تا" کو دال سے تبدیل کر دیا گیا' پھر پہلی دال کو دوسری دال میں ادغام کیا گیا کیونکہ یہ متقارب الحرفین ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "وَاذَّكَرَ" ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "تا" کو ذال سے تبدیل کیا تھا اور ذال کو ذال میں مدغم کر دیا گیا] یعنی اس نے حضرت یوسف اور آپ کی مشاہدہ کی گئیں کرامات کو یاد کیا ﴿بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ مدتِ دراز کے بعد اور وہ یہ کہ جب بادشاہ نے اپنے خواب کے بارے میں دریافت کیا اور بادشاہ پر اس کے خواب کی تعبیر مشکل ہو گئی تو قید خانہ سے نجات پانے والے نے حضرت یوسف کو یاد کیا اور اس کے خوابوں کی تعبیر بتانے کو اور اپنے خواب کو اور اپنے ساتھی کے خواب کو یاد کیا اور اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ حضرت یوسف نے اس سے مطالبہ کیا تھا کہ بادشاہ کے پاس جا کر میرا تذکرہ کرنا ﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ﴾ میں تمہیں اس کی تعبیر لا کر بتا دوں گا اور میں تمہیں اس شخص کے متعلق بتا دوں گا جس کے پاس خوابوں کی تعبیر کا علم ہے ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ سو تم مجھے بھیج دو۔ [قاری یعقوب کی قراءت میں "یا" کے ساتھ (فَاَرْسِلُوْنِیْ) ہے] یعنی تم مجھے اس کی طرف بھیج دو تا کہ میں اس کے پاس جا کر خواب کی تعبیر کے متعلق پوچھوں' چنانچہ ان لوگوں نے اس شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بھیج دیا اور وہ شخص حضرت یوسف کے پاس پہنچا اور کہا:

۴۶-﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ﴾ اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! صدیق کا کلمہ صدق و سچ بولنے میں مبالغہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس شخص نے آپ کو صدیق (بہت سچ بولنے والا) اس لیے کہا تھا کہ اس نے آپ کے حالات کو بغور دیکھا تھا اور آپ کے بہت سچ بولنے کو پہچان چکا تھا' چنانچہ حضرت یوسف نے اس آنے والے آدمی کے خواب کی تعبیر اور اس کے دوسرے ساتھی کے خواب کی تعبیر بالکل سچ بیان فرمائی تھی اور جیسے آپ نے تعبیر بتائی تھی' ویسے ہی ان کا انجام ہوا تھا ﴿اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ﴾ آپ ہمیں تعبیر بتائیں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات کمزور دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات

ہرے بھرے سبز خوشے ہیں اور (سات) دوسرے خشک اور سوکھے ہیں تاکہ میں لوگوں کی طرف واپس لوٹ جاؤں یعنی بادشاہ کی طرف اور اس کے پیروکاروں کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ تاکہ بادشاہ اور دیگر لوگ اور آپ کی فضیلت اور آپ کے علمی مقام کو جان لیں اور آپ کو اپنے پاس طلب کر لیں اور آپ کو اس قید کی محنت و مشقت سے رہائی دلا دیں۔

٤٧- ﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم سات سال خوب کھیتی باڑی کرو۔ [یہ خبر امر کے معنی میں ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (الصف:١١) ''تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان سکو''۔ اور اس کی دوسری دلیل یہ ارشاد ہے کہ ''فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ'' سو تم اس کھیتی کو اس کے خوشوں میں رہنے دو؛ اور امر کو خبر کی صورت میں صرف مامور بہ میں مبالغہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے تو گویا اس کو موجود قرار دیا گیا ہے' پھر اس کے متعلق خبر دی گئی ہے] ﴿دَاَبًا﴾ [ہمزہ کے سکون کے ساتھ بھی قراءت ہے[1] اور امام حفص نے ہمزہ کو فتح کی حرکت دے کر پڑھا ہے اور یہ دونوں صورتوں میں ''دَاَبَ فِي الْعَمَلِ'' کا مصدر ہے (اس نے کام میں مسلسل خوب محنت کی) اور یہ مامورین سے حال ہے] یعنی ''دَائِبِيْنَ'' تم ہمیشہ سات سال تک مسلسل محنت کرتے رہو ﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ﴾ سو تم جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالیوں میں چھوڑ دو تاکہ اس کو دیمک نہ کھائے ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ﴾ مگر ضرورت کے مطابق اس میں سے اتنا صاف کر لو جتنا تم ان سالوں میں کھاتے رہو۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ ع ٧ / ١٤
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿٥٠﴾

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے کہ تم نے جو کچھ ان (سات سالوں) کے لیے جمع کر رکھا ہوگا سب کھا جائیں گے مگر تھوڑا سا جس کو تم محفوظ رکھو گے ○ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لیے بارش خوب برسے گی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے ○ اور بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لاؤ' جب اس کے پاس قاصد پہنچا تو اس نے فرمایا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) کے پاس واپس چلا جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے؟ جنہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا تھا' بے شک میرا رب ان کے مکر و فریب کو خوب جاننے والا ہے ○

٤٨- ﴿ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے ﴿يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ﴾ تم ان سالوں کے لیے پہلے سے یعنی خوشحالی کے سالوں میں جو کچھ جمع کر رکھا ہوگا وہ سب کھا جائیں گے۔ [''يَاْكُلْنَ'' میں ''سَبْعٌ شِدَادٌ'' کی طرف اسناد مجازی ہے' ان سخت سالوں کے باشندوں کے کھانے کو ان سالوں کی طرف

[1] اور یہ قراءت ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابوعمرو بصری' ابوجعفر' خلف اور یعقوب کی ہے۔ (معجم القراءات القرآنیۃ ج ۳ ص ۱۷۴)

مسند کیا گیا ہے] ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ﴾ مگر اس میں سے تھوڑا سا بچ جائے گا جسے تم نے بیج وغیرہ کے لیے محفوظ کر کے رکھا ہوگا اور تم نے چھپا کر رکھا ہوگا۔

۴۹۔﴿ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ﴾ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا یعنی چودہ سال کے بعد ایک ایسا سال آئے گا ﴿فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ﴾ جس میں لوگوں کے لیے خوب بارشیں ہوں گی۔[''یُغَاثُ'' ''غَوْثٌ'' سے ماخوذ ہے یعنی ان کی فریادیں اور دعائیں قبول کر لی جائیں گی یا یہ ''غَیْثٌ'' سے بنا ہے یعنی بہت بارشیں برسیں گی ''غِیْثَتِ الْبِلَادُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب ملک میں بہت بارش ہو] ﴿وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ﴾ اور وہ اس میں انگور زیتون اور کشمش نچوڑیں گے اور اس سے مختلف مشروبات اور تیل تیار کریں گے۔[قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تَعْصِرُوْنَ'' ہے] بہرحال موٹی تازی گائیوں اور ہرے بھرے خوشوں کی تعبیر خوشحالی کے سال ہیں اور دُبلی پتلی گائیوں اور سوکھے خوشوں کی تعبیر قحط کے سال ہیں' پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کرنے سے فارغ ہونے کے بعد انہیں خوشخبری سنائی کہ آٹھواں سال بڑا مبارک آئے گا' جس میں خیر کثیر ہوگی اور بڑی بڑی نعمتیں ہاتھ آئیں گی اور حضرت یوسف نے یہ سب کچھ وحی کے ذریعے بیان فرمائی تھیں۔

## بادشاہِ مصر کا حضرت یوسف کو خواب کی تعبیر سننے کے لیے بلانا' پھر حکومت سپرد کر دینا

۵۰۔﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ' پھر جب قاصد ان کے پاس پہنچا تا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکال کر بادشاہ کے پاس لے جائے تو ﴿قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس واپس چلا جا ﴿فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ اور اس سے ان عورتوں کا حال پوچھ' جنھوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا تھا۔ بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور بادشاہ کے بلانے پر جلدی نہیں کی اور پہلے خواتین مصر کے بارے میں سوال کیا تا کہ آپ پر لگائے گئے الزام سے آپ کا بے قصور ہونا ظاہر ہو جائے اور آپ پر جو تہمت لگائی تھی اور جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں رکھا گیا تھا' اس سے آپ کی براءت ثابت ہو جائے تا کہ حاسدین آپ پر طعن و تشنیع کر کے آپ کی طرف قبیح عمل کی نسبت نہ کر سکیں اور عزیزِ مصر کے نزدیک حضرت یوسف کا جو مقام و مرتبہ ہے' اس کو ختم کرنے کے لیے حسد کرنے والے اس الزام کو بطور سیڑھی استعمال نہ کر سکیں اور تا کہ حاسدین یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت یوسف ایک بہت بڑے جرم اور بہت بڑے گناہ کی وجہ سے سات سال تک قید خانہ میں رہے اور اس میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ تہمت سے بچنے کے لیے جدوجہد کرنا واجب و لازم ہے جیسا کہ تہمت کے مواقع سے بچنا واجب و ضروری ہے اور حضور سرورِ کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے' جب ان سے دُبلی پتلی گائیوں اور موٹی تازی گائیوں کے خواب کی تعبیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کو حل فرما دیا اگر میں ان کی جگہ پر ہوتا تو پہلے قید خانہ سے نکلنے اور رہائی پانے کی شرط لگاتا' پھر میں ان کو خواب کی تعبیر بتاتا اور پھر مجھے ان پر تعجب ہے کہ جب ان کے پاس قاصد آیا اور بتایا کہ آپ کو بادشاہ نے بلایا ہے تو آپ نے قاصد سے فرمایا کہ تو واپس اپنے بادشاہ کے پاس چلا جا' اگر میں ان کی جگہ پر ہوتا اور جتنا عرصہ وہ قید میں گزار چکے تھے اتنا عرصہ میں قید کاٹ چکا ہوتا تو میں بادشاہ کے بلانے پر جلدی کرتا اور میں نکلنے کے لیے دروازے کی طرف جلدی پہنچ جاتا اور میں کسی قسم کا کوئی عذر نہ کرتا اور حضرت یوسف کا یہ کرم ہے اور ان کا یہ حسنِ ادب ہے کہ آپ نے قاصد کے

سامنے اپنی مالکن زلیخا کا نام نہیں لیا حالانکہ وہی آپ کی قید و بند اور سزا کا سبب بنی تھی اور آپ نے صرف اپنے ہاتھوں کو کاٹنے والیوں کا ذکر کیا ﴿إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ بے شک میرا رب ان کے مکر و فریب کو خوب جاننے والا ہے یعنی بے شک ان کا فریب بہت خطرناک ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہی ان کو اس فریب کاری پر سزا دے گا۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ جب کہ تم نے یوسف کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا' انہوں نے کہا کہ پاکی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' ہمیں یوسف کے بارے میں کوئی بُرائی معلوم نہیں ہوئی' عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ اب تو حق ظاہر ہو گیا ہے' میں نے اس کو اس کی مرضی کے خلاف ورغلایا تھا اور بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہیں O (یوسف نے فرمایا:) یہ میں نے اس لیے کیا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو نہیں چلنے دیتا O

۵۱- جب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کو پیغام پہنچا کر واپس بادشاہ کے پاس لوٹ آیا تو بادشاہ نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالنے والی عورتوں کو بلایا اور عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا) کو بھی بلایا' پھر ﴿قَالَ﴾ اس نے ان عورتوں سے کہا کہ ﴿مَا خَطْبُكُنَّ﴾ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ ﴿إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ جب تم نے یوسف کو اسی کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلانا چاہا تو کیا تم نے اس کی طرف سے اپنی طرف رغبت و میلان کو محسوس کیا؟ ﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ انہوں نے کہا: پاکی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ یہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کیسے پاک دامن انسان پیدا کیے ہیں ﴿مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ ہم حضرت یوسف کے بارے میں کوئی بُرائی یعنی کوئی گناہ نہیں جانتیں ﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ اب تو حق واضح طور پر ظاہر ہو گیا ہے اور ثابت ہو گیا ہے' میں نے ہی ان کو ان کی مرضی کے خلاف ورغلایا تھا ﴿وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اس قول: "هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي" کہ اس عورت نے مجھے میری اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا' میں ضرور سچے ہیں۔ ان خواتینِ مصر کا اپنے آپ یہ اعتراف کرنا کہ حضرت یوسف کسی ایسی چیز کے ساتھ ملوث نہیں ہیں جس کی وجہ سے آپ پر کسی قسم کی تہمت کا الزام لگایا جائے' اب آپ کی براءت و پاک دامنی کے ثبوت کے لیے کسی دوسری گواہی کی مزید ضرورت نہیں۔

۵۲- پھر جب قاصد دوبارہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور عورتوں کی گفتگو اور عزیزِ مصر کی بیوی کا اقرار اور اپنے خلاف گواہی دینے کی خبر سنائی تو اس وقت حضرت یوسف نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ سب کچھ یعنی میرا قید خانہ سے باہر نکلنے سے انکار کرنا اور اپنی براءت و پاک دامنی کے ظاہر ہونے تک جیل میں برقرار رہنا صرف اس لیے تھا ﴿لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ

﴿ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾ تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اور اس کی پسِ پشت اس کے حرم میں خیانت نہیں کی [ "بِالْغَيْبِ" فاعل سے یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے' اس معنی پر کہ میں اس سے غائب ہوں یا وہ مجھ سے غائب ہے یا یہ کہ بادشاہ جان لے کہ میں نے عزیز سے خیانت نہیں کی ] ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ ﴾ یعنی اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا اور نہ اس کو سیدھا کرتا ہے اور گویا یہ عزیزِ مصر کی بیوی پر تعریض و تشنیع اور طنز ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی امانت میں خیانت کی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۗ اِنَّ
رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ
قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ
حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۗ
نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور میں اپنے آپ کو ہر طرح سے بَری قرار نہیں دیتا' بے شک نفس تو بُرائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرے رب نے رحم کیا' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس کو صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص رکھوں گا' پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا: (اے یوسف!) بے شک آپ آج سے ہمارے نزدیک معزز و معتبر امانت دار ہیں O (حضرت یوسف نے) فرمایا کہ تم مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو' بے شک میں بہت حفاظت کرنے والا' بہت علم رکھنے والا ہوں O اور اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمینِ مصر کا اقتدار عطا فرمایا کہ وہ اس ملک میں جہاں جی چاہے وہاں ٹھہریں' ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے O

۵۳- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کریں اور اپنے نفس کو کم تر ثابت کریں تاکہ آپ اپنے نفس کے لیے تزکیہ کرنے والے نہ ہو جائیں اور تاکہ آپ لوگوں پر واضح طور پر بیان کر دیں کہ آپ کے اندر جو کچھ امانت و دیانت کا کمال موجود ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق دینے اور اس کی طرف سے آپ کو محفوظ و معصوم رکھنے کی وجہ سے ہے' اس لیے آپ نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ﴾ اور میں اپنے نفس کو لغزش سے بَری قرار نہیں دیتا اور نہ میں اس کے لیے کُلّی طور پر براءت و پاک دامن ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور نہ میں اس کو تمام افعال میں ہر حال میں مُزکّٰی و پاکیزہ قرار دیتا ہوں یا نہ میں اس حادثہ میں اپنے نفس کو خواہشِ نفسانی کے ارادہ سے کُلّی طور پر پاکیزہ قرار دیتا ہوں' جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کر دیا ہے کہ یہ بشری وسوسہ ہوتا ہے' اس میں پکا ارادہ اور پختہ عزم نہیں ہوتا ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ﴾ بے شک نفس تو بُرائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔ یہاں مخصوص نفس مراد نہیں بلکہ جنسِ نفس مراد ہے یعنی بے شک یہ تمام نفوس بہ حیثیت نفس ہونے کے بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور اس پر اُبھارتے ہیں کیونکہ ان میں شہوات رکھی گئی ہیں ﴿ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾ مگر جس پر میرا رب کریم رحم فرما دے (یعنی) مگر بعض مخصوص حضرات جن پر میرا رب کریم عصمت

عنایت فرما کر رحم فرما دے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَا رَحِمَ'' زمان کے معنی میں ہو یعنی مگر میرے رب کریم کی رحمت کے وقت یعنی بے شک نفس ہر وقت بُرائی کا حکم دیتا ہے مگر عصمت (خدائی حفاظت) کے وقت نہیں [یا یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن میرے رب کریم کی رحمت ہی ہے جو بُرائی کو پھیر سکتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ عزیز کی بیوی (زلیخا) کا کلام ہے یعنی یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ حضرت یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں خیانت کی بات نہیں کی' نہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس پر جھوٹ بولا ہے بلکہ جب مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا ہے تو میں نے حق و سچ بیان کر دیا ہے (کہ میں نے انہیں پھسلانا چاہا لیکن وہ سچے ہیں) اور میں اس کے باوجود اپنے نفس کو خیانت سے بَری اور پاک قرار نہیں دیتی کیونکہ میں تو حضرت یوسف سے اس وقت سے خیانت کر چکی ہوں جب میں نے ان پر تہمت لگائی تھی اور میں نے کہا تھا کہ اس شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کر چکا ہے مگر یہی کہ اسے قید کر دیا جائے اور زلیخا کا حضرت یوسف کو قید سے ڈرانے کا مقصد صرف اس سے معذرت کرنا تھا جو اس کی طرف سے حضرت یوسف کو ورغلانے کی زیادتی ہوئی تھی' بے شک ہر نفس بُرائی کا حکم دیتا ہے' مگر جس پر میرا رب کریم رحم فرما دے (یعنی) ماسوا اس نفس کے جس پر اللہ تعالیٰ عصمت و حفاظت کے ذریعے رحم کر دے' جیسے حضرت یوسف کا نفس معصوم و محفوظ رہا ﴿ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ زلیخا نے اپنے رب سے مغفرت و بخشش طلب کی اور اس سے رحمت کی درخواست کی' اس زیادتی کی وجہ سے جس کی وہ مرتکب ہوئی تھی اور بے شک اس کو حضرت یوسف کا کلام بھی قرار دیا گیا ہے حالانکہ بہ ظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں' اس لیے کہ معنی اس کی طرف لے جاتا ہے [اور بعض حضرات نے کہا: یہ قرآن مجید کی تقدیم و تاخیر میں سے ہے یعنی ارشادِ باری تعالیٰ: ''ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ'' دوسرے ارشاد: ''فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ'' کے ساتھ متصل ہے]۔

۵۴۔ ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ' میں اس کو اپنا خاص اور مقرب بنالوں گا اور میں اس کو خالص اپنے لیے منتخب کر لوں گا ﴿ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ ﴾ پھر جب اس نے حضرت یوسف سے گفتگو کی اور اس نے آپ میں (رشد و ہدایت اور عقل و ذہانت اور دور اندیشی جیسی خوبیوں کا مشاہدہ کیا) جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں تو ﴿ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴾ بادشاہ نے حضرت یوسف سے کہا کہ بے شک آج سے آپ ہمارے ہاں معزز و مکرم اور امانت دار و معتمد ہیں کہ آپ کو ہر چیز کا نگران و امانت دار قرار دیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے: جب قاصد آپ کے پاس آیا تو اس کے ساتھ ستر دربان اور ستر سواریاں تھیں اور حضرت یوسف کے لیے شاہی لباس بھیجا گیا تھا اور قاصد نے عرض کیا: اے یوسف! آپ بادشاہ کی درخواست قبول کیجئے' چنانچہ جب آپ قید خانہ سے باہر آنے لگے تو آپ نے قیدیوں کے لیے دعائے خیر فرمائی کہ اے اللہ! تو ان لوگوں پر نیک لوگوں کے دلوں کو نرم کر دے اور انہیں خبروں سے محروم نہ کرنا' بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام واقعات کی خبروں کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اور آپ نے نکلتے وقت قید خانہ کے دروازے پر لکھا: یہ مصیبتوں کا گھر ہے اور زندوں کے لیے قبرستان ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا گھر ہے اور دوستوں کی تجربہ گاہ ہے' پھر آپ نے غسل فرمایا اور قید کی میل کچیل سے پاک و صاف ہوئے اور نیا لباس پہنا' پھر جب بادشاہ کے دربار میں داخل ہوئے تو کہا: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِخَیْرِكَ مِنْ خَیْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ مِنْ شَرِّهٖ'' اے اللہ! بے شک میں تجھ سے تیری بھلائی کے وسیلے سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں تیری عزت و قدرت کے وسیلے سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں' پھر آپ نے بادشاہ پر سلام

پیش کیا اور آپ نے عبرانی زبان میں اس کے لیے دعا فرمائی تو بادشاہ نے کہا: یہ کون سی زبان ہے؟ حضرت یوسف نے فرمایا: یہ میرے خاندان کی زبان ہے اور بادشاہ نے ستر زبانوں میں گفتگو کی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس کے ساتھ ستر زبانوں میں گفتگو کر کے اس کی تمام باتوں کے جوابات دیئے' جس سے اس کو بہت تعجب ہوا اور کہا: اے صدیق! بے شک میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے خواب کی تعبیر براہِ راست آپ سے سنوں تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم نے خواب میں اس قسم کی گائیں دیکھی تھیں' پھر آپ نے ان کے رنگ ڈھنگ اور ان کے دیگر احوال اور ان کے نکلنے کی جگہ بیان فرمائی اور آپ نے خوشوں کی کیفیت بیان کی اور بادشاہ نے جس حالت و کیفیت پر ان خوشوں کو دیکھا تھا وہ بیان فرمائی اور بادشاہ سے فرمایا کہ اب تم پر لازم ہے کہ تم کھانے کے تمام غلہ جات کو صحت افزاء اور ٹھنڈے مقامات پر جمع کر کے محفوظ کر لو' پھر قحط سالی میں مخلوق خدا ہر طرف سے تمہارے پاس آئے گی اور وہ تم سے غلہ کی صورت میں خوراک خریدیں گے اور اسی طرح تمہارے پاس بہت بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا' جو تجھ سے پہلے کسی کے پاس جمع نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ نے کہا: اس کام کے لیے میرا ہاتھ کون بٹائے گا اور کون اتنا بڑا غلہ جات کا ذخیرہ جمع کرے گا؟ تو

۵۵۔ ﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو اور تم مجھے اپنی سرزمین یعنی ملک مصر کے خزانوں کا متولی و نگران مقرر کر دو ﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ﴾ تم جو کچھ میرے پاس محفوظ رکھنا چاہو گے میں یقیناً اس کی نہایت امانت داری کے ساتھ حفاظت کروں گا ﴿عَلِیْمٌ﴾ میں تصرف و استعمال کے تمام طریقوں کو خوب جاننے والا ہوں۔ حضرت یوسف نے اس آیت مبارکہ میں اپنی ذات کو امانت و حفاظت اور کفایت کے ساتھ متصف فرمایا اور مملوک کے یہ دونوں مطالبے اس مالک سے تھے جو آپ کو متولی و نگران مقرر کرنے لگا تھا اور حضرت یوسف نے یہ اس لیے فرمایا تھا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کر سکیں اور حق کو قائم کر سکیں اور عدل و انصاف کو جاری و ساری کر کے پورے ملک میں عدل پھیلا دیں اور اقتدار و اختیار کو حاصل کر لیں کیونکہ انبیائے کرام کو اسی مقصد کے لیے بندوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے سوا اور کوئی شخص اس کام کو سنبھالنے کے لیے آپ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا' سو آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ عہدہ طلب کیا تھا' نہ ملک کی محبت میں اور نہ دنیا کی چاہت میں اور حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے اگر ''اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ'' نہ کہتے تو اسی وقت حاکمِ مصر بنا دیئے جاتے' لیکن اس کہنے کی وجہ سے ایک سال تاخیر کر دی گئی۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے کسی عہدے کو قبول کر کے حاکم بننا جائز ہے اور سابق بزرگ ظالم بادشاہ کی طرف سے قضا کا عہدہ قبول فرما لیتے اور جب اللہ تعالیٰ کا نبی یا کوئی عالم یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور ظلم و ستم کو دفع کرنے کے لیے اور کوئی راہ نہیں ہے' سوائے کافر بادشاہ یا فاسق و نافرمان بادشاہ کے اقتدار و اختیار دینے کے تو اس نبی یا عالم کے لیے جائز ہے کہ اس بادشاہ سے احکامِ الٰہی کے نفاذ اور ظلم کے دفاع کے لیے مدد حاصل کرے اور اقتدار و عہدہ قبول کر لے اور بعض نے کہا کہ بادشاہ اپنی رائے کے مطابق حکم صادر کرتا تھا اور اس کی ہر رائے اٹل ہوتی تھی اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا اور وہی بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابع فرمان ہو کر رہ گیا تھا۔

۵۶۔ ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اس ظاہری قدرت و اختیار کی طرح ﴿مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ﴾ ہم نے حضرت یوسف کو سرزمین مصر پر با اختیار بنا دیا اور مصر کا ملک اس وقت تین سو بیس کلو میٹر لمبا اور تین سو بیس کلو میٹر چوڑا تھا اور ''التمکین'' کا معنی قدرت و اختیار عطا کرنا ہے اور قوت و شدت عطا کرنا ہے ﴿یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ﴾ آپ اس میں سے جہاں چاہیں'

ٹھہریں یعنی ہر جگہ جہاں چاہیں اپنی رہائش گاہ بنا لیں انہیں کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ آپ پورے ملک مصر پر غالب حکمران ہیں اور تمام ملک مصر آپ کی سلطنت میں داخل ہے۔[ابن کثیر مکی کی قراءت میں "یَشَآءُ" کی بجائے "نَشَآءُ" ہے]
﴿نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا﴾ ہم اپنی رحمت عطا کرتے ہیں کہ ہم اپنی عطا کے سبب دنیا میں ملک و دولت اور اس کے علاوہ دیگر نعمتیں پہنچاتے ہیں ﴿مَنْ نَّشَآءُ﴾ جس کو ہم چاہتے ہیں (یعنی) حکمت جس کا تقاضا کرتی ہو کہ ہم اس کو اپنی رحمت و نعمت پہنچانا چاہیں ﴿وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب دنیا میں ضائع نہیں کرتے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝۵۷ ع وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ
فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۸ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ
ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝۵۹
فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝۶۰ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝۶۱

اور آخرت کا اجر و ثواب ان لوگوں کے لیے ضرور بہت بہتر ہے جو ایمان لائے اور وہ تقویٰ اختیار کرتے رہے O اور حضرت یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں) آئے اور وہ یوسف کے دربار میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو پہچان لیا اور وہ آپ کو نہ پہچان سکے O اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لے آؤ' کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں O پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا O انہوں نے کہا کہ ہم عنقریب اس کے باپ سے اس کے لانے کی خواہش کریں گے اور بے شک ہم یہ کام ضرور کریں گے O

۵۷- ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اور ان لوگوں کے لیے آخرت کا اجر و ثواب ضرور بہتر ہے جو سچے دل سے ایمان لائے اور انہوں نے کفر و شرک اور برائی اور بے حیائی کے کاموں کو چھوڑے رکھا اور پرہیز گاری کرتے رہے۔ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے علاوہ قیامت تک آنے والے مؤمنین مراد ہیں۔

حضرت سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مؤمن کو اس کی نیکیوں پر دنیا میں اور آخرت میں دونوں میں اجر و ثواب دیا جاتا ہے اور نافرمان و گنہگار کو اس کے فلاحی اور خیر کے کاموں کا اجر و ثواب صرف دنیا میں جلد سے جلد دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا' پھر انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف کی تاج پوشی کی اور اپنی انگوٹھی حضرت یوسف کو پہنائی اور انہیں اپنی مہر پیش کی اور ان کے گلے میں تلوار لٹکائی اور اس نے آپ کے لیے سونے کا ایک تخت بچھوایا' جس پر موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا کہ تخت سے آپ کی شاہی مضبوط و مستحکم ہوئی اور لیکن مہر تو اس کے ذریعے سے آپ کے تمام معاملات حسن تدبیر سے انجام پذیر ہوئے اور لیکن تاج واپس کر لیجئے کیونکہ نہ یہ میرا لباس ہے اور نہ میرے آباء و اجداد کا لباس ہے' پھر آپ تخت پر جلوہ گر ہوئے اور بادشاہ آپ کے قریب آیا

اور اس نے تمام شاہی اختیارات آپ کے سپرد کر دیئے اور اپنے پورے ملک کا انتظام و انصرام آپ کے ہاتھ میں دے دیا اور قطفیر (زلیخا کے شوہر) کو معزول کر دیا' پھر وہ کچھ عرصہ بعد مر گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی (زلیخا) کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا' چنانچہ جب حضرت یوسف زلیخا کے پاس شبِ زفاف گزارنے تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا کہ کیا یہ طریقہ اس سے بہتر نہیں جس کا تو مجھ سے مطالبہ کرتی تھی؟ اور حضرت یوسف نے زلیخا کو باکرہ (کنواری) پایا (کیونکہ زلیخا کا شوہر قطفیر نامرد تھا) حضرت یوسف کے اس سے دو بیٹے ہوئے: (۱) افرائیم (۲) میشا[1]

اور حضرت یوسف نے پوری مملکتِ مصر میں عدل و انصاف کو قائم کیا اور تمام لوگ مرد بھی اور عورتیں بھی آپ سے محبت کرنے لگے اور حضرت یوسف کے ہاتھ پر بادشاہ نے اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور قحط کے سالوں میں سے پہلے سال میں حضرت یوسف نے اہلِ مصر سے دراہم و دنانیر لے کر غلہ فروخت کیا' یہاں تک کہ ان کے پاس نقدی میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا اور قحط کے دوسرے سال میں لوگوں نے اپنے تمام زیورات و جواہرات دے کر غلہ حاصل کیا' پھر تیسرے سال تمام جانور دے کر غلہ خریدا' پھر چوتھے سال میں اپنے غلام اور لونڈیاں دے کر لوگوں نے غلہ خریدا' پھر پانچویں سال اپنے تمام گھر اور زمینیں' جائیدادیں دے کر غلہ خریدا' پھر چھٹے سال اولاد فروخت کر کے غلہ حاصل کیا' پھر ساتویں سال اپنے آپ کو حضرت یوسف کی غلامی میں فروخت کر کے غلہ حاصل کیا' یہاں تک کہ تمام لوگ آپ کے غلام بن گئے' پھر حضرت یوسف نے تمام اہلِ مصر کو آزاد کر دیا اور ان کی تمام جائیدادیں واپس کر دیں اور حضرت یوسف غلہ خریدنے والوں میں سے کسی کو ایک اونٹ کے سامان سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔

## حضرت یوسف کے بھائیوں کا آپ کے پاس غلہ خریدنے کے لیے آنا

۵۸- اور جس طرح مصر میں قحط پڑا تھا' اسی طرح کنعان کی سرزمین پر بھی قحط پڑا تھا' چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کنعان سے مصر روانہ کیا تا کہ وہ وہاں سے غلہ خرید کر لائیں اور اسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ﴾ اور حضرت یوسف کے بھائی آ گئے تو وہ حضرت یوسف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت یوسف نے ان کو بغیر تعارف کے پہچان لیا ﴿وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ اور وہ حضرت یوسف کو نہیں پہچان سکے تھے کیونکہ حضرت یوسف عام لباس تبدیل کر کے شاہی لباس میں ملبوس تھے اور اس لیے بھی کہ حضرت یوسف پردے کے پیچھے تھے اور اس لیے کہ طویل مدت گزر چکی تھی اور وہ چالیس سال کا عرصہ ہے۔

۵۹- ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو اور تمہارا کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا: ہم شام کے رہنے والے لوگ ہیں اور ہم بکریوں کے پالنے والے لوگ ہیں' ہمارے ملک میں شدید قحط ہے' سو ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم آپ سے غلہ خریدیں گے تو حضرت یوسف نے فرمایا: شاید تم جاسوسی کرنے آئے ہو کہ تم ہمارے ملک کی عورتوں کو دیکھنے آئے ہو تو بھائیوں نے عرض کیا کہ اللہ کی پناہ! ہم تو بیٹے کے گم ہونے کی وجہ سے غمگین و پریشان نبی کے بیٹے ہیں' وہ بیٹا ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا تھا اور گم شدہ کا ایک ماں جایا بھائی ہے' جس کو ہمارے باپ اپنے پاس رکھتے

[1] نیز درج ذیل تفاسیر میں بھی یہ واقعہ موجود ہے: تفسیر جلالین و حاشیہ تفسیر صاوی جز ۲ ص ۲۴۲' مکتبہ مصطفیٰ البابی' مصر' تفسیر لباب التاویل عرف خازن جز ۳ ص ۲۸' مکتبہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۷۴' ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۲' مکتبہ دار الفکر' بیروت

ہیں جس سے ان کو انس حاصل ہو جاتا ہے تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم اگر واقعی سچے ہو تو اس بھائی کو لے کر آؤ ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ اور جب حضرت یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک اونٹ کا سامان غلہ دے دیا [اور ایک قراءت میں بطور شاذ جیم کو مکسور پڑھا گیا ہے] ﴿قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ﴾ فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے اپنے بھائی کو لے کر آؤ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ بے شک میں غلہ ماپنے کا پیمانہ مکمل اور پورا پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں تمام مہمان نوازوں میں سے بہترین مہمان نواز ہوں؟ چنانچہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اپنے پاس اچھی طرح ٹھہرایا اور ان کی بہترین مہمان نوازی کی اور یہ گفتگو فرما کر ان کو دوبارہ واپس آنے کی رغبت دی۔

٦٠- ﴿فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي﴾ پھر اگر تم اس کو لے کر میرے پاس نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہوگا اور میں تمہیں خوراک فروخت نہیں کروں گا ﴿وَلَا تَقْرَبُونِ﴾ اور تم میرے پاس نہ آنا یعنی اگر تم اس کو میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو تم (میرے انعامات سے) محروم کر دیئے جاؤ گے اور تم میرے مقرب نہیں بن سکو گے [پس یہ جملہ بھی جزاء کے حکم میں داخل ہے اور "فَلَا كَيْلَ لَكُمْ" کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر مجزوم ہے یا پھر یہ نہی کے معنی میں ہے (یعنی اور تم میرے قریب نہ آؤ)]۔

٦١- ﴿قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ﴾ انہوں نے کہا: ہم عنقریب اس کے باپ سے اس کی خواہش کریں گے (یعنی) عنقریب ہم اس کو لانے کے لیے اس کے باپ سے کوئی چال چلیں گے اور ہم کوئی حیلہ بہانہ کریں گے تاکہ ہم اس کو اس کے باپ سے چھین لیں ﴿وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾ اور بے شک ہم یہ کام ضرور اور ہر حال میں کریں گے ہم نہ اس میں کوئی کوتاہی کریں گے اور نہ سستی کریں گے۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم اپنے کسی بھائی کو یہاں گروی کر کے چھوڑ جاؤ' چنانچہ وہ اپنے بھائی شمعون کو حضرت یوسف کے پاس چھوڑ کر چلے گئے اور ان تمام بھائیوں میں سے حضرت یوسف کے بارے میں یہی شمعون سب سے زیادہ بہتر رائے رکھتے تھے۔

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾

اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایا: تم ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں تاکہ وہ دوبارہ لوٹ آئیں O پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے' سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیں کہ ہم غلہ لائیں گے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے O یعقوب نے فرمایا: کیا میں اس کے متعلق اسی طرح اعتبار کر لوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تمہارا اعتبار کیا تھا' پس اللہ سب سے بہترین حفاظت فرمانے والا ہے' اور وہ سب سے

زیادہ مہربان ہے O

٦٢- ﴿ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ ﴾ [ ''فِتْيَانٌ'' اہل کوفہ کی قراءت ہے ماسوا ابوبکر کوفی کے ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''فِتْيَةٌ'' ہے اور یہ دونوں صورتوں میں ''فَتٰی'' کی جمع ہے جیسے ''اِخْوَةٌ'' اور ''اِخْوَانٌ'' ''اَخٌ'' کی جمع ہیں اور ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر قلت کے لیے آتے ہیں اور ''فِعْلَانٌ'' کے وزن پر کثرت کے لیے آتے ہیں ] اور حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ ماپ کر دینے والے اپنے نوجوان غلاموں سے فرمایا کہ ﴿ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ ﴾ تم ان کی پونجی کو ان کی بوریوں میں رکھ دو' ان کے برتنوں میں رکھ دو اور وہ پونجی جوتے تھے یا رنگا ہوا چمڑا تھا یا پھر چاندی کے سکے تھے (جو انہوں نے غلہ کی قیمت میں ادا کیے تھے) اور یہی صحیح ہے کہ بوریوں میں چھپانے کے یہی زیادہ مناسب اور زیادہ لائق ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ ﴾ شاید وہ اس کو پہچانیں (یعنی) وہ قیمت واپس کرنے کا حق پہچان لیں یا وہ حضرت یوسف کے احسان و کرم کو پہچان لیں کہ آپ نے انہیں غلہ بھی دیا اور رقم بھی واپس کر دی ﴿ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ ﴾ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ کر پہنچیں گے اور اپنی بوریوں کو کھولیں گے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ امید ہے کہ وہ واپس لوٹ آئیں گے (یعنی) ممکن ہے کہ ان کا اپنی رقم کو پہچاننا ہمارے پاس دوبارہ لوٹ آنے کا سبب بن جائے یا جب کبھی وہ (غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لیے) رقم نہیں پائیں گے تو اس وجہ سے وہ دوبارہ واپس لوٹ آئیں گے یا ان کی اپنی دیانت داری امانت کی رقم واپس کرنے کے لیے انہیں ہمارے پاس دوبارہ لے آئے یا حضرت یوسف نے اپنے کرم کی وجہ سے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں سے غلہ کی قیمت لینا مناسب نہ سمجھا ہو۔

٦٣- ﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ ﴾ پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف خوراک لے کر لوٹ آئے اور انہوں نے اپنے باپ کو وہ سب کچھ بتایا جو حضرت یوسف نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا ﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے۔ ان کی مراد حضرت یوسف کا یہ فرمان تھا کہ ''فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ'' پھر اگر تم اسے میرے پاس نہیں لاؤ گے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہوگا کیونکہ جب ان کو غلہ روک دینے سے ڈرایا گیا تو گویا غلہ روک دیا گیا ﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ ﴾ سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ ہم غلہ لے کر آئیں (یعنی) ہم بھائی کے لے جانے سے غلہ کی رکاوٹ کو ختم کر دیں گے اور ہم اپنی ضرورت کے مطابق خوراک کے لیے اناج لے کر آئیں گے [ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَكْتَلْ'' ہے یعنی ہمارا بھائی بھی اناج لے کر آئے گا' پھر ہم اس کے اناج کو اپنے اناج کے ساتھ جمع کر لیں گے ] ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے کہ کہیں اس کو کسی قسم کی مصیبت نہ پہنچے۔

٦٤- ﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ حضرت یعقوب نے فرمایا: کیا میں تم پر اس کے متعلق اسی طرح اعتماد کر لوں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتماد کیا تھا' یعنی تم نے حضرت یوسف کے متعلق بھی کہا تھا: ''اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے' جیسا کہ تم وہی بات اس کے بھائی کے متعلق کہہ رہے ہو' پھر تم نے اپنی ضمانت میں خیانت کی تھی تو اب اسی طرح کے معاملے میں مجھے کون یقین دلائے گا؟ پھر آپ نے فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت فرمانے والا ہے' سو ہم بنیامین کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور آپ نے اپنا بیٹا بنیامین ان کے سپرد کر دیا۔ [ ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں

''حَافِظًا'' ہے اور یہ حال واقع ہو رہا ہے یا یہ تمیز ہے اور جنہوں نے اس کو'' حِفْظًا'' پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ صرف تمیز بن سکتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں بن سکتا ] ﴿ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے' سو مجھے قوی امید ہے کہ وہ بنیامین کی حفاظت فرما کر مجھ پر احسان فرمائے گا اور مجھ پر دو مصیبتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت یعقوب نے ''فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا'' فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی عزت و بزرگی کی قسم! میں دونوں بھائیوں کو آپ کے پاس ضرور لوٹا دوں گا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿٦٦﴾

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی پائی جو انہیں واپس کر دی گئی ہے' انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے کہ یہ ہے ہماری پونجی' جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے' اور ہم اپنے گھر والوں کے لیے خوراک لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ہم ایک اونٹ کا غلہ زیادہ لائیں گے' یہ غلہ تھوڑا ہے O یعقوب نے فرمایا کہ میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ کی طرف سے میرے ساتھ پختہ عہد کرو کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے' پھر جب انہوں نے آپ کو پکا وعدہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ نگران ہے O

٦٥- ﴿ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا جو انہیں واپس کر دی گئی ہے' انہوں نے کہا: اے ہمارے ابو جان! ہم اور کیا چاہتے ہیں۔ [ ''مَا'' نفی کے لیے ہے یعنی ہم گفتگو میں اور کچھ نہیں چاہتے اور نہ ہم حق سے تجاوز کرنا چاہتے ہیں یا ہمارے ساتھ جو احسان کیا گیا ہے' اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں چاہتے یا ہم آپ سے مزید اور رقم نہیں چاہتے یا پھر ''مَا'' استفہام کے لیے ہے یعنی ہم اس کے علاوہ اور کیا چاہتے ہیں کہ ﴿ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ﴾ یہ ہے ہماری رقم جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے [ یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ''مَا نَبْغِیْ'' کی وضاحت کر رہا ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس پر معطوف ہے ] یعنی بے شک ہماری پونجی ہمیں واپس کر دی گئی ہے' سو ہم اس سے اپنی ضروریات میں مدد لیں گے ﴿ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا ﴾ اور ہم (حسبِ وعدہ) دوبارہ بادشاہ کے پاس جا کر اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے یعنی ہم ان کے لیے وہاں سے خوراک لے کر آئیں گے۔ ''مِیْرَةٌ'' اس خوراک کو کہا جاتا ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کی جائے ﴿ وَنَحْفَظُ اَخَانَا ﴾ اور ہم آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے' لہٰذا اس کو کوئی ایسی مصیبت نہیں پہنچے گی جس کا آپ کو خوف ہے ﴿ وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ﴾ اور ہم اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زیادہ لے کر آئیں گے ﴿ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴾ یہ غلہ تھوڑا ہے اور بادشاہ کے لیے اتنا غلہ دینا بہت آسان اور تھوڑا ہے' وہ اس کو بہت بڑا بوجھ نہیں سمجھے گا۔

۶۶-﴿قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ عہد دو اور معنی یہ ہے کہ یہاں تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا عہد دو جس پر میں یقین کرسکوں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ آپ کے بیٹے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر یقین دلائیں' باقی رہا یہ کہ حضرت یعقوب نے اللہ تعالیٰ کی قسم کو اپنے لیے یقین و اعتماد کا باعث قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ وعدوں کو مضبوط و مستحکم اور پختہ کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دے رکھی ہے تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''حَتّٰی تُؤْتُوْنِ'' کی بجائے ''حَتّٰی یُؤْتُوْنِ'' ہے] ﴿لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ﴾ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے [یہ قسم کا جواب ہے اس لیے کہ معنی یہ ہے: یہاں تک کہ تم قسم کھاؤ کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے] ﴿اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ﴾ مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے (یعنی) مگر یہ کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور تم اس کو نہ لا سکو [اور یہ مفعول لہ اور کلام مثبت ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖ'' جو نفی کی تاویل میں ہے یعنی تم اس کو لانے سے ہرگز نہیں رُکو گے مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے یعنی تم رکاوٹ کی علتوں میں سے کسی علت کی وجہ سے نہیں رکو گے ماسوا ایک علت کے اور وہ یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے اور یہ مفعول لہ سے اعم العام میں سے استثناء ہے اور اعم العام استثناء نہیں ہوتا مگر صرف نفی میں ہوتا ہے' سو اس کی نفی کے ساتھ تاویل کرنا ضروری ہے] ﴿فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ پھر جب انہوں نے آپ سے پختہ عہد لیا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ انہوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جو (سید الانبیاء) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رب ہے! (وہ ضرور بنیامین کو واپس لے کر آئیں گے) ﴿قَالَ﴾ بعض حضرات نے اس پر سکتہ (یعنی بغیر سانس توڑے وقف) کیا ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ ﴿اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ﴾ ہم جو باہمی معاہدہ کر رہے ہیں کہ میں بنیامین کو تمہارے سپرد کر دوں گا اور تم اسے ہر حال میں واپس لے کر آؤ گے' اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان و محافظ ہے اور وہی اس کی حقیقتِ حال سے خبردار ہے مگر سکتہ کرنے سے قول اور مقول کے درمیان فاصلہ ہو جائے گا اور یہ ناجائز ہے' پس بہتر یہی ہے کہ ان کے درمیان آواز کے ذریعے فرق کیا جائے' سو تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو پوری قوت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ کر لے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ
اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ
فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ
یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ
ع ۱۱/۸/۲ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

اور یعقوب نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور تم الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا' اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ نہیں بچا سکتا' حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے' میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے' اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے ○ اور جب وہ داخل ہوئے جیسا کہ ان کو ان کے باپ نے حکم دیا تھا' اور کوئی چیز انہیں

اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتی مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جسے اس نے پورا کیا' اور بے شک وہ بہت بڑے علم والے ہیں اس لیے کہ ہم نے انہیں علم دیا تھا اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O

٦٧-﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور تم الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں پر نظر بد کا اندیشہ تھا کیونکہ یہ تمام بھائی بہت حسین وجمیل تھے اور ان کے حسن و جمال کی عظمت مصر میں مسلم تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلی دفعہ مصر کے شہر میں مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ پہلی دفعہ یہ لوگ غیر معروف تھے' مصری ان سے ناواقف تھے۔ بہر حال ہمارے (اہل سنت احناف) کے نزدیک نظر کا لگنا برحق اور سچ ہے اور اس کا وجود ثابت ہے کیونکہ کسی چیز کو دیکھنے اور اس پر تعجب کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ اس میں نقصان اور خلل پیدا کر دیتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے' چنانچہ آپ ارشاد فرماتے: ''اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ هَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ''[1] میں ہر زہریلے جانور کے شر سے اور ہر نظرِ بد لگانے والی آنکھ سے تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں' اور (ابوعلی محمد بن عبدالوہاب بن سلام معتزلی) الجبائی نے نظر بد لگنے کا انکار کیا ہے اور یہ قول اس حدیث نبوی سے مردود ہو جاتا ہے جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ میں یہ بات یقیناً پسند کرتا ہوں کہ (جن کو نظرِ بد لگائی جاتی ہے) ان کا ادراک ان کے دشمنوں (یعنی نظر بد لگانے والوں) کو نہ ہونے دیا جائے ورنہ وہ ان کو ہلاک کرنے کے لیے کوئی چال چلیں گے ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر کو تم سے کچھ بھی دور نہیں کر سکتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبت پہنچانے کا ارادہ کر چکا ہے تو میری تدبیر تمہیں نفع نہیں دے گی اور نہ وہ مصیبت تم سے دور ہو گی جس سے بچنے کے لیے میں نے تمہیں مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا مشورہ دیا ہے بلکہ وہ مصیبت تمہیں ہر حال میں یقیناً پہنچے گی ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہے' اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ''توکل'' کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دینا اور اسی پر کامل اعتماد کرنا۔

٦٨-﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا یعنی وہ مختلف دروازوں سے داخل ہوئے ﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ان کا مختلف دروازوں سے داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے انہیں کچھ نہ بچا سکا کیونکہ الگ الگ ہونے کے باوجود انہیں وہ مصیبت پہنچ کر رہی جس نے انہیں رسوا کر دیا اور وہ ہے: ان پر چوری کا الزام جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو گئے اور ان کے بھائی کا گرفتار ہو جانا' دوسری مصیبت ثابت ہوئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے سامان میں بادشاہ کا پیالہ پایا گیا تھا اور ان کے باپ پر دوہری مصیبت آن پڑی ﴿اِلَّا حَاجَةً﴾ [استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ایک خواہش تھی ﴿فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا﴾ حضرت

[1] رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء باب:۱۰' مسلم فی کتاب الذکر حدیث:۵۴-۵۵' ابوداؤد فی کتاب الطب باب:۱۹' الترمذی فی کتاب الطب باب:۱۸' ابن ماجہ فی کتاب الطب باب:۳۵-۳۶-۴۶' الدارمی فی کتاب الاستئذان باب:۴۸' الموطأ فی کتاب الشعر حدیث:۹-۱۱' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۱۸۱-۲۹۰' ج ۴ ص ۵۷

یعقوب علیہ السلام کے دل میں جو انہوں نے پوری کی اور وہ آپ کی اپنی اولاد پر شفقت ہے ﴿ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ ﴾ اور بے
شک حضرت یعقوب بڑے علم والے تھے یعنی آپ کا ارشاد ''وَمَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ'' علم کی علامت ہے اور آپ کا یہ علم بھی کہ
تقدیر سے تدبیر واحتیاط بے نیاز نہیں کر سکتی ﴿ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾ اس لیے کہ ہم نے ان کو تعلیم دی تھی ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ
بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ
اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾
قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا
تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی (اور) فرمایا: بے شک میں تمہارا بھائی
ہوں' سو تو اس کا غم نہ کھا جو کچھ وہ کرتے رہے○ پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی
(بنیامین) کے سامان میں رکھ دیا' پھر ایک منادی نے آواز دی: اے قافلے والو! بے شک تم چور ہو○ انہوں نے ان کی طرف
متوجہ ہو کر کہا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے○ انہوں نے بتایا کہ ہم بادشاہ کا پیالہ کھو بیٹھے ہیں اور جو اس کو لائے گا اس کے لیے
ایک اونٹ غلہ ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں○ یوسف کے بھائیوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ ہم سرزمین
مصر میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں○

## حضرت یوسف سے بنیامین کی ملاقات اور حضرت یوسف کا اس کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تدبیر کرنے کا بیان

۶۹- ﴿ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ ﴾ اور جب وہ حضرت یوسف کے پاس داخل ہوئے تو آپ نے
اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی اور بنیامین کو بغل میں لے کر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ
انہوں نے حضرت یوسف سے کہا: یہ ہمارا بھائی (بنیامین) ہے' جس کو ہم حسب وعدہ آپ کے پاس لے آئے ہیں' حضرت
یوسف نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے' پھر آپ نے ان کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور ان کو بڑی عزت واحترام کے ساتھ
رکھا' پھر آپ نے ان کے لیے خصوصی ضیافت کا انتظام کیا اور ان میں دو دو بھائیوں کو دسترخوان پر بٹھایا تو بنیامین اکیلے رہ گئے
اور رو پڑے اور کہا: اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتا' چنانچہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تمہارا بھائی اکیلا
رہ گیا ہے' پھر آپ نے بنیامین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیا اور دونوں اکٹھے مل کر کھانا کھانے لگے اور حضرت یوسف نے
بنیامین سے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ میں تمہارے ہلاک ہو جانے والے بھائی کی جگہ تمہارا بھائی بن جاؤں؟ بنیامین نے
کہا کہ آپ جیسا بھائی کس کو ملے گا؟ لیکن آپ کو میرے باپ حضرت یعقوب اور میری ماں راحیل نے تو جنم نہیں دیا' یہ بات
سن کر حضرت یوسف رو پڑے اور بنیامین کو گلے سے لگا لیا' پھر ﴿ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ ﴾ حضرت یوسف نے اس سے
فرمایا: بے شک میں تمہارا بھائی یوسف ہی ہوں ﴿ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ سو تم اس پر غم نہ کرو جو کچھ وہ ماضی میں

ہمارے ساتھ کرتے رہے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور ہمیں بھلائی پر جمع کر دیا ہے اور میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے تم انہیں نہ بتانا۔

مروی ہے کہ بنیامین نے حضرت یوسف سے کہا کہ اب میں آپ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تمہیں یقیناً یہ معلوم ہے کہ میرے والد صاحب میری وجہ سے کتنے غمگین ہیں' اگر میں نے تمہیں روک لیا تو ان کا غم و رنج اور زیادہ ہو جائے گا اور تمہیں روکنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں تمہاری طرف ایسی بات منسوب کر دوں جس پر تم تعریف کے قابل نہیں رہو گے۔ بنیامین نے کہا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں' آپ کو جو مناسب نظر آتا ہے آپ وہی کر گزریں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: پھر میں اپنا پیالہ تمہارے سامان میں چھپا دوں گا' پھر منادی تمہیں پکار کر کہے گا کہ تم نے چوری کی ہے تاکہ تمہیں ان کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد پھر تمہیں اپنے پاس واپس لانے کے لیے میرے لیے کوئی تدبیر مہیا ہو جائے تو بنیامین نے کہا کہ آپ یہ کام ضرور کیجئے۔

۷۰۔ ﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ﴾ پھر جب حضرت یوسف نے ان کا اسباب و سامان تیار کرا دیا اور ان کے لیے پورا پورا غلہ بھروا دیا ﴿ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ﴾ تو آپ نے اپنا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا اور ''سقایہ'' اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں پانی پیا جاتا ہے اور یہ ایک پیالہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس پیالہ میں بادشاہ کو پانی پلایا جاتا تھا' پھر طعام کی عزت (اور بھائیوں کے احترام کی خاطر) اس میں غلہ بھر کر دیا گیا اور یہ پیالہ چاندی یا سونے سے تیار کیا گیا تھا جس کی بناوٹ مور کی شکل سے ملتی جلتی تھی ﴿ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ ﴾ پھر ایک منادی نے ندا دی اور بلند آواز سے پکارا' یعنی اس نے اعلان کیا۔ [''اَذَّنَ'' کا معنی ہے: کثرت کے ساتھ بار بار اعلان کرنا اور اسی سے ''مُؤَذِّنٌ'' ماخوذ ہے کیونکہ وہ بار بار اعلان کرتا ہے]

مروی ہے کہ جب انہوں نے مصر سے کنعان کوچ کرنا شروع کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں روانہ کیا یہاں تک کہ وہ چل پڑے تو پھر حضرت یوسف نے اپنے نوکروں کو حکم دیا اور انہوں نے ان کو پکڑ لیا اور وہیں روک لیا' پھر ان سے کہا گیا: ﴿ أَيَّتُهَا الْعِيرُ ﴾ اے قافلے والو! ''عیر'' اس اونٹ کو کہا جاتا ہے' جس پر بھاری سامان لادا جاتا ہے کیونکہ یہ سامان اٹھا کر چلتا رہتا ہے یعنی وہ بھاری سامان لے کر جاتا بھی ہے اور آتا بھی ہے اور یہاں اس سے ''اصحاب العیر'' (یعنی قافلے والے لوگ) مراد ہے ﴿ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴾ بے شک تم ضرور چور ہو۔ یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف کو ان کے باپ سے چرا لیا تھا (کیونکہ وہ اپنے باپ کو دھوکہ دے کر حضرت یوسف کو لے گئے تھے)۔

۷۱۔ ﴿ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴾ اور انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا چیز گم کر بیٹھے ہو۔

۷۲۔ ﴿ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ گم پاتے ہیں اور یہ ایک پیمانہ تھا ﴿ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴾ اور جو شخص یہ پیالہ لے کر آئے گا' اس شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا اور اس کا میں ضامن ہوں' یہ بات منادی نے کہی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ایک اونٹ کے سامان کا میں کفیل ہوں اور میں اس کو ادا کروں گا جو بادشاہ کا پیالہ لے کر آئے گا اور اونٹ کے بوجھ سے وہ طعام اور غلہ مراد ہے جو اس شخص کے لیے مقرر کیا گیا تھا جو پیالہ لے کر آئے گا۔

۷۳۔ ﴿ قَالُوا تَاللَّهِ ﴾ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! (ہم چور نہیں)' اس قسم میں تعجب کا معنی ہے کیونکہ چوری جیسے بدترین عمل کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا ﴿ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ ﴾ بے شک تم جانتے ہو کہ ہم

سرزمین مصر میں فساد پھیلانے (یعنی چوری کرنے) نہیں آئے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے چوری کا الزام لگانے والوں کے علم کو بطور گواہ اس لیے پیش کیا کہ ان تمام بھائیوں کی دین داری اور امانت داری کے دلائل ان کے نزدیک ثابت ہو چکے تھے کیونکہ یہ حضرات جب مصر کے بازار میں داخل ہوئے تو ان کی بوریوں کے منہ باندھے ہوئے تھے' تا کہ اہل بازار میں سے کسی شخص کی خوراک یا گندم وغیرہ شامل نہ کر لی جائے اور اس لیے بھی کہ انہوں نے وہ پونجی بھی واپس کر دی تھی جس کو انہوں نے اپنے سامان میں پایا تھا ﴿ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴾ اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہمیں کبھی چوری کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

انہوں نے کہا: تو اس کی کیا سزا ہو گی اگر تم جھوٹے ہوئے○ بھائیوں نے کہا کہ جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے گا وہی اس کی سزا ہو گا' ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں○ تو یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی' پھر اس کو اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا' اسی طرح ہم نے یوسف کو تدبیر سکھائی' وہ اپنے بھائی کو بادشاہی قانون میں نہیں لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے' ہم جس کے چاہتے ہیں بہت سے درجے بلند کر دیتے ہیں' اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے○

۷۴- ﴿ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ ﴾ انہوں نے کہا: تو اس کی کیا سزا ہے؟ [اس میں ضمیر "صواع" (پیالے) کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس پیالے کے چوری کرنے کی کیا سزا ہے؟] ﴿ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے انکار میں اور چوری سے براءت کے دعویٰ میں جھوٹے ہوئے۔

۷۵- ﴿ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ﴾ انہوں نے کہا: اس کی سزا وہی شخص ہے جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے یعنی اس پیالے کی چوری کی سزا اسی شخص کو گرفتار کرنا ہے جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے گا اور حضرت یعقوب کی آل میں چور کا یہی حکم تھا کہ اس کو ایک سال تک غلام بنا لیا جائے' سو اس لیے انہوں نے اس کی سزا میں یہ فتویٰ دیا [اور ان کا یہ کہنا: "فَهُوَ جَزَآؤُهٗ" حکم کی تقدیر ہے یعنی خود چور کو گرفتار کر لینا ہی چوری کی سزا ہے اور کچھ نہیں یا "فَهُوَ جَزَآؤُهٗ" مبتدا ہے اور جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے] ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ہم اسی طرح ظالموں کو یعنی چوروں کو غلام بنا کر سزا دیتے ہیں۔

۷۶- ﴿ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ سو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی لینے سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی (یعنی) تہمت سے بچنے کے لیے حضرت یوسف نے بنیامین کے سامان کی تلاشی لینے سے

پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی یہاں تک کہ جب بنیامین کے سامان تک پہنچے تو فرمایا کہ میں اس کے متعلق گمان نہیں کرتا کہ اس نے کوئی چیز لی ہو تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ آپ ان کے سامان کو بھی دیکھیں کیونکہ یہ آپ کی شخصیت کے لیے اور ہماری ذات کے لیے پاکیزگی کا باعث ہوگا ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ پھر حضرت یوسف نے اس کو یعنی پیالے کو اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان میں سے نکال لیا۔[''صواع'' کی ضمیر کو کئی مرتبہ مذکر لایا گیا ہے' پھر یہاں اس کو مؤنث لایا گیا ہے کیونکہ ضمیر تانیث ''سِقَايَة'' کی طرف لوٹتی ہے یا پھر اس لیے کہ ''صواع'' مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ] ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ اسی طرح یعنی اس عظیم منصوبہ کی طرح ہم نے حضرت یوسف کو بہت بڑی تدبیر بتائی یعنی یہ تدبیر ہم نے حضرت یوسف کو سکھائی تھی۔[''كَذٰلِكَ'' میں کاف جارہ محلاً منصوب ہے ] ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ حضرت یوسف بادشاہِ مصر کے قانون میں اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ یہ ''کید'' کی تفسیر اور اس کا بیان ہے کیونکہ بادشاہ کے قانون میں یعنی اس کی سیرت میں چور کے لیے یہ حکم تھا کہ اس نے جس قدر مال چوری کیا ہے اس کا ڈبل اس سے وصول کیا جائے لیکن اس کے قانون میں چور کو پکڑ کر بطور غلام اپنے پاس رکھ لینا نہیں تھا ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے بغیر نہیں لے سکتے تھے ﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے علم میں درجے اور مرتبے میں بلند کر دیتے ہیں جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو علم و فہم میں بلند درجے اور مرتبے عنایت فرما دیئے ہیں۔[کوفیوں کی قراءت میں ''دَرَجَاتٍ'' تنوین کے ساتھ ہے ] ﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴾ اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہوتا ہے جو اپنے علم میں اس سے بڑھ کر درجے اور مرتبے میں بلند و بالا ہوتا ہے یا یہ کہ تمام علماء سے علم میں بڑھ کر ایک بہت بڑا صاحبِ علم موجود ہے جو ان کے علاوہ ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ
وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝٧٧ قَالُوْا
يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝٧٨ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ
اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝٧٩ ع ١١

بھائیوں نے کہا کہ اگر یہ چوری کرتا ہے تو اس سے پہلے یقیناً اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے' تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا' (دل میں) کہا: تم بدترین جگہ پر ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو○ انہوں نے کہا: اے عزیز! بے شک اس کا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے' پس آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو لے لیں' بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں○ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم (کسی اور کو) لے لیں سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے' بے شک ہم اس وقت ضرور ظالم ہوں گے○

۷۷- ﴿قَالُوٓا اِنۡ یَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ﴾ انہوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) بھی چوری کر چکے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک روز ایک کنیسہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے سونے کی بنی ہوئی تمام چھوٹی چھوٹی تصویریں اٹھالیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے اور ان کو زمین میں دفن کر دیا (تاکہ لوگ بت پرستی چھوڑ دیں) اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گھر میں ایک مرغی تھی جو آپ نے پکڑ کر ایک بھیک مانگنے والے سائل کو دے دی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ایک کمر بند تھا جو آپ کی اولاد میں سب سے بڑے کو وراثت میں ملتا تھا' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کو ملا (جب کہ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے' ان کے دست بردار ہونے کے بعد حضرت اسحاق کو ملا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب) پھر حضرت اسحاق کے بعد ان کی بیٹی کو ملا کیونکہ وہ اولاد میں سب سے بڑی بیٹی تھیں اور وہ چونکہ حضرت یوسف کی پھوپھی تھیں' اس لیے ان کی والدہ کے انتقال کے بعد انہوں نے حضرت یوسف کی پرورش و تربیت کی تھی اور وہ حضرت یوسف سے بہت محبت کرتی تھیں اور ایک لمحہ ان کے بغیر صبر نہیں کر سکتی تھیں' پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ اب ان کو اپنی بہن سے واپس لے لیں مگر وہ بی بی محبت کے مارے واپس نہیں کرنا چاہتی تھیں' چنانچہ اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات کے وقت سوتے میں حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے چپکے سے وہ کمر بند باندھ دیا اور صبح اعلان کیا کہ حضرت اسحاق کا کمر بند گم ہو گیا ہے' سو دیکھو اور تلاش کرو کس نے لے لیا؟ تو تلاش کرنے پر حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے بندھا ہوا مل گیا تو انہوں نے کہا: اب یوسف میرے قبضے میں رہے گا' چنانچہ حضرت یعقوب نے ان کو انہیں کے پاس چھوڑ دیا اور حضرت یوسف ان کی وفات تک انہیں کے پاس رہے۔

اور مروی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد کر لیا تو تمام بھائیوں کے سر ندامت و حیاء سے جھک گئے اور وہ بنیامین کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہنے لگے: اے راحیل کے بیٹے! تو نے ہمیں رسوا کر دیا اور ہمارے چہروں کو سیاہ کر دیا' اے بنی راحیل! تمہاری طرف سے ہمیشہ ہم پر بلائیں اور مصیبتیں اترتی رہیں' تم نے یہ پیالہ کب اٹھایا تھا؟ بنیامین نے جواب میں فرمایا کہ بنی راحیل ہی وہ لوگ ہیں جن پر تمہاری طرف سے ہمیشہ مصیبتیں نازل ہوتی رہیں' تم میرے بھائی کو لے گئے اور اسے تم نے ہلاک کر دیا اور یہ پیالہ میرے سامان میں اسی نے رکھا ہے جس نے تمہارے سامان میں رقم رکھ دی تھی ﴿فَاَسَرَّهَا یُوۡسُفُ فِیۡ نَفۡسِهٖ﴾ سو حضرت یوسف نے اس کو یعنی ان کی اس بات کو اپنے دل میں چھپا لیا کہ اس نے چوری کی تھی گویا آپ نے ان کی اس بات کو سنا ہی نہیں ﴿وَلَمۡ یُبۡدِهَا لَهُمۡ﴾ اور حضرت یوسف نے ان کی بات کو ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا ﴿قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ حضرت یوسف نے (دل میں) کہا کہ تم بدترین جگہ پر ہو یعنی تم چوری کرنے میں بدترین درجہ میں ہو کیونکہ تم نے اپنے بھائی یوسف کو اس کے باپ سے چرایا تھا [اور ''مَكَانًا'' تمیز ہے] ﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو (یعنی) جو کچھ تم کہتے ہو یا جو کچھ تم جھوٹ بولتے ہو۔

۷۸- ﴿قَالُوۡا یٰۤاَیُّهَا الۡعَزِیۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیۡخًا كَبِیۡرًا﴾ انہوں نے کہا: اے عزیز مصر! بے شک اس کا باپ عمر میں بوڑھا ہے اور قدر و منزلت میں بزرگ ترین ہے ﴿فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ﴾ پس آپ اس کی جگہ اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو بطور گروی رکھ لیں یا غلام بنا لیں کیونکہ اس کا باپ اس کے گم شدہ بھائی کی جگہ اب اسی سے تسلی حاصل کرتا ہے

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک ہم آپ کو اپنے اوپر احسان کرنے والا خیال کرتے ہیں' سو آپ اپنا احسان پورا کیجئے یا یہ کہ آپ کی عادتِ کریمہ احسان وکرم کرنا ہے' پس آپ اپنی عادتِ کریمہ کو جاری رکھئے اور اس کو تبدیل نہ کیجئے۔

۷۹- ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ﴾ حضرت یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم کسی اور کو پکڑ لیں' سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے: ''اَیْ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَعَاذًا مِنْ اَنْ نَّاْخُذَ'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس سے کہ ہم کسی اور کو گرفتار کر لیں [چنانچہ مصدر کو مفعول بہ کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اور حرف ''مِنْ'' حذف کر دیا گیا ہے] ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت ظالم ہو جائیں گے۔ [''اِذًا'' جواب اور جزا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس کی جگہ کسی اور کو ہم گرفتار کر لیں تو ہم ظالم ٹھہریں گے اور یہ اس لیے کہ تمہارے فتویٰ کے فیصلے کی روشنی میں صرف اسی کو گرفتار کر کے غلام بنایا جائے گا جس کے سامان میں سے پیالہ برآمد کیا گیا ہے' پس اگر ہم اس کے علاوہ کسی اور کو گرفتار کر لیں گے تو یہ تمہارے مذہب میں ظلم ہو گا' لہٰذا تم ایسی کارروائی کا مطالبہ نہ کرو جس کے بارے میں تم جانتے ہو کہ یہ ظلم وزیادتی ہے۔

فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾

پھر جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر سرگوشی کرنے لگے' ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا مضبوط عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں کوتاہی کر چکے ہو' سو اب میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ میرے باپ مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے' اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے O تم اپنے باپ کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ہمارے ابا جان! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی ہے اور ہم نے گواہی نہیں دی مگر جس بات کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کے نگہبان نہیں O

## بنیامین کے گرفتار ہو جانے پر بھائیوں کا ردِ عمل اور دوبارہ آنے پر حضرت یوسف سے تعارف

۸۰- ﴿فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا﴾ پھر جب وہ مایوس وناامید ہو گئے [اور اس میں سین اور تا کا اضافہ مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے جیسا کہ ''اِسْتَعْصَمَ'' میں گزر چکا ہے] ﴿مِنْهُ﴾ حضرت یوسف سے اور اس سے کہ حضرت یوسف ان کی بات قبول کر لیں ﴿خَلَصُوْا﴾ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے' خالص بھائیوں کی جماعت رہ گئی اور ان میں ان کے علاوہ کوئی شامل نہیں تھا ﴿نَجِیًّا﴾ اس حال میں کہ وہ اپنے مسئلہ پر باہمی سرگوشی کرنے لگے یا وہ راز ونیاز کی گفتگو کرنے والی جماعت تھی یعنی وہ ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں سرگوشی کرنے لگے اور باہمی مشورہ کرنے لگے یا وہ خالص راز ونیاز کے ساتھ آپس میں

ایک دوسرے سے مشورہ کرنے اور اس میں پوری جدوجہد کرنے اور پورے اہتمام کے ساتھ اپنی کوششیں صرف کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے' گویا وہ اپنے آپ میں سرگوشی کرنے کی صورت اور اس کی حقیقت کو اپنائے ہوئے تھے' اس لیے ''نجی'' بہ معنیٰ ''مناجی'' ہے جیسے ''سمیر'' بہ معنیٰ ''مسامر'' ہے اور یہ بہ معنیٰ مصدر ہے اور وہ ''تناجی'' ہے (ایک دوسرے کے ساتھ باہم سرگوشی کرنا) اور وہ اپنے معاملے میں غور وفکر کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی سرگوشی کرنے لگے کہ اب وہ کس طرح جائیں گے اور اپنے بھائی کے بارے میں اپنے باپ سے کیا کہیں گے ﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ﴾ ان میں سے عمر میں سب سے بڑے نے کہا: اور وہ روبیل ہے یا عقل و دانش اور رائے میں جو سب سے زیادہ بڑا تھا اس نے کہا اور وہ یہودا ہے یا ان کے سردار نے کہا اور وہ شمعون ہے ﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم حضرت یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو [''مَا'' صلہ کا ہے یعنی اس سے پہلے تم حضرت یوسف کی شان میں کوتاہی کر چکے ہو اور تم نے اپنے باپ سے کیے ہوئے عہد کی حفاظت نہیں کی یا ''مَا'' مصدریہ ہے اور مصدر کا محل مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر ظرف ہے اور وہ ''مِنْ قَبْلُ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کے بارے میں تم سے پہلے بھی کوتاہی واقع ہو چکی ہے] ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ﴾ سو میں مصر کی سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا اور نہ میں اس کو چھوڑوں گا ﴿حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ﴾ یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اپنے پاس واپس آنے کی اجازت دے دے ﴿اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ﴾ یا اللہ تعالیٰ میرے لیے اس جگہ سے نکلنے کا فیصلہ صادر فرما دے یا موت کا یا ان کے ساتھ جنگ کا ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ وہ صرف عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

۸۱- ﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ تم اپنے باپ کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے [اور ایک قراءت میں ''سُرِّقَ'' (فعل ماضی مجہول از باب تفعیل) ہے یعنی اس کو چوری کی طرف منسوب کر دیا گیا] ﴿وَمَا شَهِدْنَآ﴾ اور ہم نے اس کے خلاف چوری کی گواہی نہیں دی ﴿اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا﴾ مگر اس کی چوری کے بارے میں جسے ہم جانتے ہیں اور یقیناً پیالہ اسی کے سامان میں سے برآمد کیا گیا ہے ﴿وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ﴾ اور ہم غیب کے محافظ نہیں ہیں اور جب ہم نے آپ کو پختہ عہد دیا تھا تو اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ مستقبل میں چوری کرے گا۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور اس شہر کے باشندوں سے دریافت کر لیجئے جس میں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلے سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں'

اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O فرمایا: بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے' سو صبر کرنا اچھا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا' بے شک وہ بہت علم والا' بہت دانا ہے O اور آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ہائے افسوس! یوسف پر اور ان کی آنکھیں غم کے مارے سفید ہو گئیں اور وہ غم و غصہ پیتے رہے O انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ نڈھال ہو جائیں گے یا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے O

٨٢- ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا﴾ اُس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ "قَرْيَة" سے مصر مراد ہے یعنی آپ اہل مصر کے پاس قاصد بھیج دیجئے اور ان سے اس قصے کی حقیقت دریافت کر لیجئے ﴿وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا﴾ اور ان قافلے والوں سے (پوچھ لیجئے) جس میں ہم آئے ہیں اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑوس میں سے کنعان کی قوم تھی ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اپنی گفتگو میں ضرور سچے ہیں۔

٨٣- پس وہ لوگ اپنے باپ کے پاس واپس لوٹ گئے اور انہوں نے اپنے باپ سے وہی کچھ کہا جو انہیں ان کے بھائی نے کہا تھا ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک بات گھڑ لی ہے جس کا تم ارادہ کر چکے تھے ورنہ اس آدمی نے کیسے جان لیا کہ چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے اگر تم خود فتویٰ نہ دیتے اور تم اس کو نہ بتلاتے ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ سو صبر کرنا ہی اچھا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا۔ حضرت یوسف کو اور ان کے بھائی بنیامین کو اور برادرانِ یوسف کے بڑے بھائی کو (جو مصر میں از خود رک گئے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ میرے پاس لائے گا) ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے' وہ رنج و غم اور حسرت و افسوس میں مبتلا میرے حال سے خوب واقف ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' اس نے کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر مجھے اس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

٨٤- ﴿وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾ اور حضرت یعقوب نے (بنیامین پر چوری کے الزام کی اور ان کے بڑے بھائی کی خبر سن کر) ان سے منہ پھیر لیا اور وہ جو خبر لائے تھے اس سے نفرت و ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے حضرت یعقوب نے ان سے اعراض کر لیا ﴿وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا: ہائے افسوس! حضرت یوسف کی جدائی ہو۔ ["اَسَفْ" سخت ترین حزن و غم اور شدید حسرت کے معنی میں آتا ہے' حضرت یعقوب نے "اَسَفْ" کو اپنی ذات کی طرف مضاف کر کے "يَا اَسَفِىْ" پڑھا' پھر یائے متکلم مضاف الیہ کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور حضرت یوسف اور "اَسَفْ" کے درمیان باہم مشابہ ہونے کا تکلف نہیں کیا گیا اور اسی کی طرح (درج ذیل ارشادات ہیں:) "اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ" (التوبہ:٣٨) "تم زمین پر بوجھل ہو گئے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پسند کر لی؟" "وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" (الانعام:٢٦) "اور وہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہ خود اس سے دور بھاگتے ہیں"۔ "وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (الکہف:١٠٤) "اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یقیناً اچھے کام کر رہے ہیں"۔ "وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ" (النمل:٢٢) "اور میں سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں"۔] اور باقی رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر غم و افسوس کا اظہار کیا' لیکن بنیامین پر اور ان کے بڑے بھائی پر غم و رنج اور افسوس کا اظہار کیوں نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی جدائی کا رنج و غم اور افسوس اتنا گہرا اور دراز ہو گیا تھا کہ موجودہ خبر کے سنتے وقت دوسرے بیٹوں کی بجائے حضرت یوسف کی جدائی کا رنج و غم پھر سے تازہ اور تیز ہو گیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حفاظت کے معاہدہ کے باوجود حضرت یوسف

کے متعلق کوتاہی کرنے کے سبب حضرت یعقوب کے نزدیک موجودہ خبر کے باعث برادرانِ یوسف کا اعتماد دوبارہ ختم ہو گیا ﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ﴾ اور ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں کیونکہ حضرت یعقوب نے اپنے محبوب ترین بیٹے حضرت یوسف کی جدائی کے غم میں بہت زیادہ آنسو بہائے تھے اور کثرتِ آنسو آنکھ کی سیاہی کو مٹا دیتی ہے اور اس کو گدلی سفیدی میں تبدیل کر دیتی ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی اور بعض نے فرمایا کہ حضرت یعقوب کی بینائی بالکل ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ بہت کمزور ہو گئی تھی جس کے سبب آپ کو بہت کم دکھائی دیتا تھا ﴿مِنَ الۡحُزۡنِ﴾ غم و رنج کی وجہ سے کیونکہ رونے کا سبب غم و رنج تھا' جس کی وجہ سے آنکھیں سفید ہو گئی تھیں تو گویا یہ حادثہ غم کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ حضرت یوسف کی جدائی کے وقت سے لے کر ان کی ملاقات تک تقریباً اسّی سال حضرت یعقوب کی آنکھیں خشک رہیں اور اس وقت پوری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت یعقوب سے زیادہ معزز کوئی نہیں تھا اور یہ جائز ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو بھی اتنا غم و رنج پہنچا ہو کیونکہ انسان کو ایسی حالت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ غم کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رکھتا' اس لیے اس کے صبر کرنے پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر رو پڑے اور فرمایا کہ دل غمگین ہے اور آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور ہم ایسی بات نہیں کہتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور اے ابراہیم! بے شک ہم آپ کی موت پر بہت غمگین ہیں[1] بے شک مذموم و بُرا صرف چیخنا چلانا اور نوحہ کرنا اور سینوں اور چہروں پر طمانچے مارنا اور کپڑے پھاڑنا ہے ﴿فَهُوَ كَظِيۡمٌ﴾ سو وہ اپنی اولاد پر غصے سے بھرے ہوئے تھے' لیکن کسی ایسی بات کا اظہار نہیں کیا جو انہیں بُرا لگتا ["كَظِيۡمٌ" بروزن فعیل بہ معنی مفعول ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "اِذۡ نَادٰى وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ" (القلم:۴۸) "جب اس نے اس حال میں پکارا کہ اس کا دل غم و غصہ سے بھرا ہوا تھا"۔ یہ "كَظَمَ السِّقَاءَ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ڈول کا منہ پانی سے بھر جانے کے بعد باندھ دیا جاتا ہے]۔

۸۵- ﴿قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا﴾ [اصل میں "لَا تَفۡتَأُ" ہے' پھر حرف نفی حذف کر دیا گیا ہے اس لیے التباس نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ مثبت ہوتا تو لام اور نون کے بغیر نہ ہوتا اور "لَا تَفۡتَأُ" کا معنی "لَاتَزَالُ" ہے] برادرانِ یوسف نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو ہمیشہ ﴿تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا﴾ حضرت یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جائیں گے ﴿اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ﴾ یا آپ جان دے دیں گے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞۸۶ يٰبَنِىَّ
اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ يُّوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ وَلَا تَايۡـئَسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا
يَايۡـئَسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۞۸۷ فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا
الۡعَزِيۡزُ مَسَّنَا وَاَهۡلَنَا الضُّرُّ وَجِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ وَتَصَدَّقۡ
عَلَيۡنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجۡزِى الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ ۞۸۸

فرمایا: بے شک میں اپنے دکھ اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳' مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵

وہ تم نہیں جانتے O اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ O پھر جب وہ یوسف کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لے کر آئے ہیں' سو آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیجئے اور ہم پر احسان بھی کیجئے' بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ وخیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے O

---

۸۶- ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا کہ بے شک میں اپنی سخت ترین پریشانی اور اپنے رنج وغم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ ''بَثٌّ'' سخت ترین پریشانی کو کہا جاتا ہے جس پر صبر نہ ہو سکے تو وہ اس کو لوگوں پر ظاہر کر دے یعنی وہ اس کو لوگوں میں پھیلا دے یعنی میں تم میں اور تمہارے علاوہ کسی سے اپنی شکایت بیان نہیں کرتا' بے شک میں تو صرف اپنے رب تعالیٰ سے شکایت کرتے ہوئے اس سے دعا کرتا ہوں اور میں اسی سے التجا کرتا ہوں کہ وہ میری شکایت دور کر دے اور مجھے غم و رنج سے خلاصی عنایت فرمائے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے آپ کی بینائی صرف اس لیے زائل کی کہ ایک دفعہ آپ نے ایک بکری ذبح کی تھی اور اس کو تیار کر کے جب آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر کھانے لگے تو آپ کے دروازہ پر ایک مسکین آ کھڑا ہوا' مگر آپ نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا جب کہ تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم السلام محبوب ہیں' پھر مساکین محبوب ہیں' پس کھانا تیار کرو اور مساکین کو کھانا کھانے کی دعوت دو اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک دفعہ بچے سمیت ایک مرغی خریدی تھی' پھر بچے کو فروخت کر دیا اور مرغی اپنے بچے کے فراق میں رو رو کر اندھی ہو گئی تھی ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے یہ جانتا ہوں کہ وہ مجھے ایسی جگہ سے خلاصی اور نجات عطا فرمائے گا' جہاں سے مجھے گمان بھی نہیں ہوگا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی روح مبارک قبض کر لی ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ زندہ سلامت ہیں' پس آپ ان کو تلاش کریں اور حضرت جبریل نے آپ کو یہ دعا سکھائی: ''يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَنْقَطِعُ اَبَدًا وَلَا يُحْصِيْهِ غَيْرُكَ فَرِّجْ عَنِّيْ'' ''اے ہمیشہ بھلائی کرنے والے خدا! جس کی بھلائی کبھی ختم نہ ہوگی اور تیرے سوا اس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا' میری مصیبت کھول دے۔

۸۷- ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ اور تم حضرت یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور ان کی خبر کا پتا لگاؤ [اور یہ باب تفعّل ''احساس'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حواس سے معلوم کرنا] ﴿وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور اس کی طرف سے کشادگی عطا کرنے سے ناامید نہ بنو ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک حقیقتِ واقعی اور اصل صورتِ حال یہ ہے کہ ﴿لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ کیونکہ جو ایمان لایا ہے وہ جانتا ہے کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت میں زندگی گزار رہا ہے لیکن کافر تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو نہیں پہچانتا اور نہ اس کی نعمت میں ہوتا ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔

۸۸- چنانچہ حضرت یعقوب کے بیٹے اپنے باپ سے اجازت لے کر دوبارہ مصر جانے کے لیے اپنے گھر سے روانہ ہو

گئے ﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ ﴾ تو جب وہ حضرت یوسف کے پاس پہنچے ﴿ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ ﴾ تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو فقر و فاقہ کی تکلیف پہنچ چکی ہے' جس کی سختی کے باعث اور بھوک کی وجہ سے ہم سب لوگ کمزور و ناتواں ہو گئے ہیں ﴿ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ ﴾ اور ہم بالکل تھوڑی سی پونجی لائے ہیں' ہر تاجر اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اتنی حقیر و قلیل ہے کہ اس میں تاجر رغبت نہیں رکھتے۔ [یہ ''اَزْجَیْتَہٗ'' سے ماخوذ ہے جب تم اسے دفع کرو اور اسے دھتکار دو] بعض نے کہا کہ وہ چند کھوٹے درہم تھے جنہیں قبول نہیں کیا جاتا تھا مگر نقصان کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ وہ پونجی صرف تھوڑا سا پشم اور تھوڑا سا گھی تھا ﴿ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ ﴾ سو آپ ہمیں پورا پورا غلہ عنایت کیجئے جو ہمارا حق بنتا ہے ﴿ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ﴾ کھوٹی پونجی سے اغماض و چشم پوشی فرما کر ہم پر احسان کیجئے یا ہمارے حق سے ہمیں زیادہ عنایت فرمائیے یا آپ ہمیں ہمارا بھائی عطا فرما دیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا (سلوک) کیا تھا جب کہ تم نادان تھے O انہوں نے کہا: کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے' بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' بے شک جو تقویٰ اور صبر اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً نیکوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا O انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم ضرور خطا کار ہیں O یوسف نے فرمایا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں' اللہ تمہیں معاف فرما دے' اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O

۸۹- جب انہوں نے کہا کہ ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور انہوں نے حضرت یوسف سے آہ و زاری کی' گڑگڑائے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان پر صدقہ و خیرات کریں جس کے باعث حضرت یوسف کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ ان کو اپنا تعارف کرائے بغیر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے' چنانچہ ﴿ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا تھا؟ یعنی کیا اس کی قباحت و برائی کو جانتے ہو جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کو ایذائیں پہنچانے کے لیے کیا تھا؟ ﴿ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴾ جب تم نادان تھے' تم اس کی قباحت کو نہیں جانتے تھے یا جب تم نادانی اور کم عقلی کی حد میں تھے اور حضرت یوسف کے بھائی بنیامین کے ساتھ تکلیف دہ رویہ یہ تھا کہ انہوں نے بنیامین کو اپنے حقیقی بھائی جو باپ اور ماں دونوں طرف سے بھائی تھا کی جدائی کا صدمہ پہنچایا اور انہوں نے اس کو اور بہت سی مختلف اقسام کی تکلیفیں پہنچائیں۔

۹۰-﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾ انہوں نے کہا: کیا آپ ہی یوسف ہیں؟[اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاِنَّكَ'' ہے اور ''لَاَنْتَ'' میں لام ابتدا کا ہے اور ''اَنْتَ'' مبتدا ہے اور ''يُوْسُفُ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا خبر مل کر جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ﴾ آپ نے فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اور حضرت یوسف نے اپنے تعارف کے ساتھ اپنے بھائی کا بھی ذکر فرما دیا حالانکہ انہوں نے آپ سے ان کی اپنی ذات کے بارے میں دریافت کیا تھا تو یہ اس لیے کیا کہ بھائی کے ذکر میں ان کے سوال کا بیان ہے ﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے جدائی کے بعد الفت کے ساتھ ہم پر احسان فرمایا۔ حضرت یوسف نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر سلامت و کرامت کے ساتھ بیان فرمایا اور ملامت کے ساتھ آغاز نہیں فرمایا ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ﴾ بے شک جو شخص بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے پرہیز کرتا ہے ﴿وَيَصْبِرْ﴾ اور گناہوں سے بچنے پر اور اطاعت و فرماں برداری کرنے پر صبر کرتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا [اصل میں ''اَجْرَهُمْ'' ہے لیکن ''محسنين'' کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ وہ ''مُتَّقِيْنَ'' اور ''صَابِرِيْنَ'' دونوں پر مشتمل ہے] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مولا کی نافرمانی سے پرہیز کرتا ہے اور اس کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے تو وہ اس کا اجر و ثواب نہ دنیا میں برباد کرتا ہے اور نہ آخرت میں ضائع کرے گا۔

۹۱-﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے علم، حلم، تقویٰ اور حسنِ صبر کے ساتھ آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور آپ کو مذکورہ خوبیوں کے باعث ہم سے بہتر کیا ہے ﴿وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ﴾ اور بے شک ہم خطا کار تھے اور ہمارا معاملہ اور ہمارا حال یقیناً یہی ہے کہ ہم خطا کار اور جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنے والے تھے، ہم نے نہ تقویٰ اختیار کیا اور نہ صبر سے کام لیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بادشاہی کے ذریعے آپ کو عزت عطا فرمائی اور ہمیں آپ کے سامنے مسکین بنا کر ذلیل کیا۔

۹۲-﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں نہ تم پر کوئی عار ہے۔[''اَلْيَوْمَ'' ''تَثْرِيْبَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''يَغْفِرُ'' کے ساتھ متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے حالانکہ آج کا دن تمہیں تمہارے کرتوتوں پر ملامت کرنے کا دن ہے تو اس دن کے علاوہ باقی دنوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ پھر حضرت یوسف نے کلام کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے سو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے ان کی کوتاہیوں پر بخشش کی دعا دی ہے۔[''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ'' اور ''يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ'' لفظ ماضی اور مضارع دونوں دعا دینے کے لیے بولے جاتے ہیں] یا یہ معنی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا تو گویا حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کی جلد ملنے والی مغفرت و بخشش کی خوشخبری سنائی ہے۔

اور ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ معظمہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر قریش مکہ سے فرمایا کہ آج تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے ساتھ نیک گمان رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود کریم اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں اور آج آپ ہم پر پوری طرح قادر و غالب ہیں، جیسے چاہیں کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: آج میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

اور مروی ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام قبول کرنے کے لیے حضور کے پاس آنے لگے تو حضرت

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تو کہنا: ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' چنانچہ جب حضرت ابوسفیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو وہی الفاظ دوہرائے تو نبی محترم رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِمَنْ عَلَّمَكَ''. اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے اور اس کو بھی بخش دے جس نے تجھے یہ طریقہ سکھایا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے آپ کو پہچان لیا تو انہوں نے آپ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ آپ صبح و شام اپنے کھانے پر ہمیں بلاتے ہیں لیکن ہم آپ سے شرم و حیاء محسوس کرتے ہیں کیونکہ ہم سے آپ کے بارے میں کوتاہی ہو چکی ہے تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ اگرچہ میں مصر کا بادشاہ ہوں' لیکن اہل مصر مجھے پہلی ملاقات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (یعنی غلام تصور کرتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے بیس درہم میں بکنے والے غلام کو تختِ شاہی پر پہنچا دیا اور اب میں تمہاری وجہ سے یقیناً (ان کی نگاہوں میں) معزز ہو گیا ہوں کہ تمام لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے کی نسل میں سے ہوں ﴿وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے زیادہ رحم و کرم فرمانے والا ہے یعنی جب میں نے تم پر رحم کیا ہے حالانکہ میں محتاج و تنگ دل بندہ ہوں تو تمہارا بے نیاز بہت بخشنے والے خدا کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ
بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ
لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ
الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

ع ۱۰ / ۴

تم میری یہ قمیض لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے' اور تم اپنے تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ O اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے فرمایا: بے شک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو O انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک آپ اپنی پرانی محبت میں گرفتار ہیں O پھر جب خوشخبری دینے والا آ گیا تو اس نے وہ قمیض یعقوب کے چہرہ پر ڈال دی تو ان کی بینائی واپس لوٹ آئی' فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے O

## حضرت یوسف کی قمیض کی کرامت اور حضرت یعقوب کی ملاقات کا بیان

۹۳- پھر حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے اپنے باپ کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے بتایا کہ حضرت یعقوب بہت زیادہ رونے کی وجہ سے نابینا ہو گئے ہیں' حضرت یوسف نے فرمایا کہ ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا﴾ تم میری یہ قمیض لے جاؤ۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قمیض مبارک وہی تھی جو (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے) وراثت در وراثت ہوتی ہوئی بہ صورت تعویذ حضرت یوسف نے پہنی ہوئی تھی اور یہ کرتا مبارک جنت سے بھیجا گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ

السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا کہ یہ کُرتا مبارک اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیج دیں کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو بسی ہوئی تھی اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ قمیض مبارک جس مصیبت زدہ اور بیمار پر ڈالی جاتی وہ شفایاب اور تندرست ہو جاتا تھا[1]

﴿فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا﴾ پس تم یہ قمیض میرے باپ کے منہ مبارک پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے۔ [یہاں ''یَاْتِ'' بہ معنیٰ ''یَصِیْرُ'' کے ہے یعنی وہ بینا ہو جائے گا' جیسے تم کہو: ''جَآءَ الْبِنَآءُ مُحْكَمًا اَیْ صَارَ'' اس جملے میں ''جَآءَ'' بہ معنیٰ ''صَارَ'' ہے' یعنی یہ عمارت مضبوط و مستحکم ہو گئی ہے یا یہ بہ معنیٰ ''یَاْتِ اِلَیَّ وَهُوَ بَصِیْرٌ'' کے ہے یعنی حضرت یعقوب میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ وہ بینا ہو چکے ہوں گے ] یہودا نے کہا کہ یہ شفایاب کرنے والی قمیض مبارک بھی میں ہی اٹھا کر لے جاؤں گا جیسا کہ ظلم و جفاء کی خون آلود قمیض لے کر میں اپنے باپ کے پاس گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودا یہ قمیض مبارک اٹھا کر ننگے پاؤں اور ننگے سر تھکے ماندے مصر سے کنعان پہنچے تھے اور ان دونوں شہروں کے درمیان تقریباً دو سو چالیس میل کی مسافت تھی ﴿وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور تم اپنے تمام گھر والوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ تا کہ وہ میرے ملک کی یادگاروں اور اہم ترین اثاثوں کو دیکھ کر خوش ہو جائیں جیسا کہ میری ہلاکت کی خبریں سن کر وہ غمگین و پریشان ہوئے تھے۔

۹۴- ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ﴾ اور جب قافلہ روانہ ہوا اور مصر کی شہری حدود سے باہر نکلا۔ [''فَصَلَ مِنَ الْبَلَدِ فُصُوْلًا''۔ اس وقت بولا جاتا ہے جب قافلہ شہر سے باہر نکل جائے اور اس کی آبادی سے تجاوز کر جائے ] ﴿قَالَ اَبُوْهُمْ﴾ ان کے پاس حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کی اولاد (یعنی اپنے پوتوں سے ) اور اپنے پاس موجود اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: ﴿اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ﴾ بے شک میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں' کیونکہ جب یہودا کرتا لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کے کُرتے کی خوشبو کو حضرت یعقوب کے مشام تک پہنچا دیا جب کہ

---

[1] علامۃ الشیخ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''تفسیر روح البیان'' میں لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ'' سے وہی قمیض مبارک مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی کیونکہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو جنتی قمیض مبارک دے کر بھیجا اور ایک گہوارہ بھی' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم کو قمیض مبارک پہنا کر اس گہوارہ میں بٹھایا' پھر دونوں اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرتے رہے' پھر وہی قمیض مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت اسحاق نے حضرت یعقوب کو اور حضرت یعقوب نے اس کو سونے (یا چاندی) کی چھوٹی سی ڈبیا میں بند کر کے اس کا تعویذ بنا کر حضرت یوسف کے گلے میں ڈالا تا کہ ان پر بدنظر کا اثر نہ ہو۔ یہی راز ہے کہ اولیائے کرام و مشائخ عظام کے خرقۂ خلافت میں جو کہ وہ اپنے مریدین کو نوازتے ہیں تا کہ خرقہ کی برکت مریدین کے ارواح پر اثر انداز ہو اور وہ حبِ دنیا اور اس کے تصرف کے اندھے پن سے محفوظ رہیں۔ مزید لکھتے ہیں: ''یَقُوْلُ الْفَقِیْرُ هٰذَا مِنْ سُنَّةِ الْمَشَائِخِ قَدَّسَ اللّٰهُ اَسْرَارَهُمْ فَاِنَّهُمْ لَبِسُوا الْخِرْقَةَ وَاَلْبَسُوْهَا تَبَرُّكًا وَّتَیَمُّنًا وَّهُمْ قَدْ فَعَلُوْا بِالْاِلْهَامِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِشَارَةٍ فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّدَّعِیَ اَنَّهٗ مِنَ الزِّیَادَاتِ وَالْقَبِیْحَةِ''۔ فقیر کہتا ہے کہ مشائخ عظام کا طریقہ کار ہے کہ وہ خرقۂ خلافت پہنتے ہیں اور دوسروں کو پہناتے ہیں' وہ اس سے تبرک و فیض حاصل کرتے ہیں اور وہ حضرات یہ کام از خود نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اور اشارہ پا کر یہ کام کرتے ہیں' پس کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کو بدعت قبیحہ اور دین میں اضافہ قرار دے۔ غوثی

یہ آٹھ دن کا سفر تھا ﴿لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ اگر تم مجھے کم عقل نہ سمجھو۔[''تنفید'' ''فند'' کی طرف منسوب ہونے کو کہتے ہیں اور ''فند'' کا معنی ہے: بڑھاپے کی وجہ سے کمزور عقل ہونا اور عقل میں نقص کا پیدا ہو جانا' اس لیے بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو ''شَیْخٌ مُفَنَّدٌ'' کہا جاتا ہے]اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم مجھے ناقص العقل نہ سمجھو( کیونکہ انبیائے کرام تمام نقائص و عیوب سے پاک ہوتے ہیں)تو تم میری ضرور تصدیق و تائید کرو گے۔

۹۵-﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا' یعنی پوتوں اور نواسوں نے(حضرت یعقوب سے) کہا کہ ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ﴾ اللہ کی قسم! بے شک آپ اپنی پرانی محبت میں خودرفتہ ہو چکے ہیں کیونکہ آپ شروع ہی سے (دیگر بیٹوں کی محبت سے بڑھ کر) حضرت یوسف کی شدید محبت میں گم ہو کر بہ ظاہر راہِ اعتدال سے ہٹ کر گفتگو شروع کر دیتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ اب آپ حضرت یوسف کی پرانی محبت میں غیر ارادی تقصیر میں ہیں( کیونکہ )ان کے نزدیک حضرت یوسف اس دنیا سے انتقال کر کے موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔

۹۶-﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ﴾ پھر جب خوشخبری دینے والا یعنی جب یہودا کُرتا لے کر آیا تو ﴿اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ اس نے وہ کُرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر ڈال دیا یا حضرت یعقوب نے اس سے کُرتا لے کر اپنے چہرۂ انور پر ڈالا ﴿فَارْتَدَّ بَصِیْرًا﴾ تو وہ بینائی کے لوٹ آنے پر دوبارہ بینا ہو گئے۔[''رَدَّهٗ فَارْتَدَّ'' اور ''اِرْتَدَّهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز جانے کے بعد دوبارہ اپنے اصل پر واپس لوٹ آئے]﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا یعنی میرا یہ فرمانا: ''اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ'' کہ بے شک میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں یا آپ کا یہ ارشاد: ''وَلَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ'' اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' اور آپ کا یہ ارشاد ﴿اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔[یہ الگ کلام شروع کیا گیا ہے اس پر قول واقع نہیں ہوا(یعنی پچھلے قول کا مقولہ نہیں ہے)یا اس پر قول واقع ہوا ہے (یعنی پہلے قول کا مقولہ ہو سکتا ہے)اور اس سے مراد حضرت یعقوب کا یہ قول ہے: ''اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ''. بے شک میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔]

مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری دینے کے لیے آنے والے اپنے بیٹے یہودا سے پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کیسے ہیں؟ یہودا نے بتایا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں' تو آپ نے فرمایا: میں بادشاہت کو کیا کروں؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے انہیں کس دین پر کاربند پایا ہے؟ یہودا نے جواب میں کہا کہ حضرت یوسف دینِ اسلام پر قائم ہیں' تو حضرت یعقوب نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کی نعمت تمام ہوئی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ؕ

انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم ہی خطا کار ہیں ○

آپ نے فرمایا: عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی اور کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم مصر کے شہر میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو جاؤO

۹۷- ﴿قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے' بے شک ہم خطا کار ہیں یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے ایسے تمام گناہ بخش دے جو آپ کے حقوق اور آپ کے صاحبزادے کے حقوق کے منافی ہم سے صادر ہوئے تھے' بے شک ہم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔

۹۸- ﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں عنقریب تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کروں گا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔ حضرت یعقوب نے دعائے مغفرت کو سحری کے وقت تک یا جمعۃ المبارک کی رات تک مؤخر فرما دیا یا اس لیے کہ سچی توبہ کرنے میں ان کے حالات معلوم کر لیے جائیں یا اس لیے کہ حضرت یوسف سے پوچھ لیا جائے کہ انہوں نے اپنے ان بھائیوں کو معاف کر دیا ہے۔

۹۹- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے پاس اپنی قمیض مبارک بھیجنے کے ساتھ بہت سا سامان تیار کر کے اور دو سو سواریاں بھیج دیں تا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام اہل وعیال اور خدام کو لے کر کنعان سے مصر آ جائیں' پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے قافلے سمیت مصر کی حدود کے قریب پہنچ گئے تو حضرت یوسف اور بادشاہ چار ہزار فوج اور اعلیٰ حکام اور سردارانِ مصر بلکہ عوامِ مصر کے ساتھ اکٹھے ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے استقبال کرنے کے لیے اپنی اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلے اور انہوں نے حضرت یعقوب کا استقبال کیا اور آپ اس وقت سواری سے اتر کر اپنے صاحبزادے یہودا کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سہارا لے کر پیدل چل رہے تھے ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ﴾ سو جب حضرت یعقوب اپنے اہل وعیال سمیت حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے قریب جگہ دی اور اپنے ساتھ ملا لیا ﴿اَبَوَيْهِ﴾ اپنے ماں باپ کو اور ان دونوں کو اپنے گلے لگا لیا۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت یوسف کی والدہ اس وقت زندہ' صحیح سلامت باقی تھیں (حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ آپ کی والدہ (بنیامین کی ولادت کے بعد حالتِ نفاس میں تھیں کہ) انتقال کر گئی تھیں اور آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کی خالہ لیا سے شادی کر لی تھی اور خالہ کو ماں کہا جاتا ہے جس طرح چچا کو ''اَب'' یعنی باپ کہا جاتا ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ''. (البقرہ: ۱۳۳) ''حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم تمہارے باپ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کی معبود کی عبادت کریں گے''۔ حضرت یعقوب کا اپنے اہل وعیال سمیت مصر کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت یوسف کے پاس داخل ہونے اور پہنچنے کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے اپنے لشکر سمیت شہر کی حدود سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا تو اس نے انہیں اس خیمہ میں ٹھہرایا تھا جو استقبال کے لیے شہر کی سرحد کے قریب نصب کیا گیا تھا یا اس محل میں آپ حضرات کو ٹھہرایا گیا تھا جو وہیں پر تیار کیا گیا تھا' پھر جب یہ مہمانانِ گرامی حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان سے گلے لگ کر ملے ﴿وَقَالَ﴾ اور استقبال اور ملاقات کرنے کے بعد حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ اور ان کے ساتھ دیگر

مہمانوں کو کہا کہ ﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مصر کے شہر میں اس کے باشندوں سے مطمئن ہو کر امن وامان کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ اس لیے کہ کنعان کے لوگ حکومتِ مصر کی اجازت کے بغیر یا عام قحط کے بغیر مصر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

مروی ہے کہ جب حضرت یوسف حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملنے لگے تو حضرت یعقوب نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذْهِبَ الْاَحْزَانِ"۔ اے غموں کے دور کرنے والے! تم پر سلام ہو اور حضرت یوسف نے سلام کا جواب دینے کے بعد عرض کیا کہ اے میرے ابو جان! آپ میرے فراق میں اس قدر زیادہ روتے رہے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قیامت میں ہم ضرور اکٹھے ہوں گے؟ حضرت یعقوب نے فرمایا: کیوں نہیں! مجھے معلوم ہے' لیکن مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں آپ کا دین چھین نہ لیا جائے جو میرے اور تمہارے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد جب مصر میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد مرد وعورتیں ملا کر بہتر تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ پانچ سو ستر سے زائد تھی اور یہ تعداد بچوں اور بوڑھوں کے علاوہ تھی اور بچوں کی تعداد دو لاکھ کئی ہزار پر مشتمل تھی۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچی جگہ بٹھایا اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے' اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر' بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں گاؤں سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا' بے شک میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے ضرور عمدہ تدبیر فرماتا ہے' بے شک وہی سب کچھ جاننے والا خوب دانا ہے O

۱۰۰-﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ اور حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو شاہی تخت پر اونچی جگہ پر بٹھایا اور وہ سب کے سب حضرت یوسف کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ جب یہ مہمانانِ گرامی مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس خاص (شاہی محل) میں عمدہ ترین شاہی تختوں پر سب کو برابر بٹھایا اور جب سب حضرات شاہی محل میں جمع ہو گئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو خصوصی احترام واعزاز دیا اور ان دونوں کو اپنے بلند ترین مخصوص شاہی تخت پر بٹھایا (جس پر خود بہ نفس نفیس بیٹھا کرتے تھے) ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ﴾ اور وہ آپ کے سامنے گر گئے یعنی گیارہ بھائی اور دونوں ماں باپ حضرت یوسف کو (تعظیمی سجدہ کرنے کے لیے) آپ کے سامنے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ ریز ہو گئے' اور اس زمانہ میں سجدہ کرنا ان کے نزدیک

تعظیم وتکریم کے قائم مقام تھا جیسے آج کل کسی معزز ومحترم کے لیے کھڑا ہونا اور اس سے مصافحہ کرنا اور اس کے ہاتھ کو چوم لینا اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس وقت تعظیم کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ معزز ومحترم اور معظم ہستی کو سجدہ کیا جائے (اس لیے کہ یہ سجدہ تعظیمی ہوتا تھا اور سجدۂ عبادت کسی شریعت میں غیر خدا کے لیے جائز نہیں رہا) اور بعض نے کہا ہے کہ پیشانیاں زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہونا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف تعظیم کے لیے رکوع کی حد تک جھکنا مقصود تھا مگر قرآن مجید میں اس جگہ ان کا سجدہ کرنے کے لیے حضرت یوسف کے سامنے گرنے کا ذکر اس قول کی تردید کرتا ہے (اس لیے یہ غلط ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ گرے تو حضرت یوسف کے لیے تھے لیکن سجدۂ شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا اظہار بھی ہے البتہ ان کے بھائیوں کے نبی ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے ﴿ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ﴾ اور حضرت یوسف نے کہا: اے میرے ابو جان! یہ ہے میرے پہلے (بچپن کے) خواب کی تعبیر جس کو میرے رب تعالیٰ نے سچا کر دکھایا اور حضرت یوسف کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر کے پورا ہونے کے درمیان چالیس سال یا اسی سال یا چھتیس سال یا بائیس سال کی مدت کا فاصلہ تھا ﴿ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ ﴾ اور بے شک میرے رب نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے [اور ''اَحْسَنَ اِلَيْهِ'' اور ''اَحْسَنَ بِهٖ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی کے ساتھ احسان کیا اور اسی طرح ''اَسَآءَ اِلَيْهِ وَاَسَآءَ بِهٖ'' بولا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کے ساتھ بُرائی کی] ﴿ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ ﴾ جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکال کر نجات عطا فرمائی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے یہاں کنویں سے نجات پانے کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ آپ اپنے بھائیوں کو فرما چکے تھے کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ''. آج تم پر کوئی ملامت نہیں ﴿ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ اور وہ تمہیں دیہات سے لایا ہے۔ [''بَدْوٌ'' اور ''بَادِيَةٌ'' شہر کے برعکس چھوٹے قصبے یا گاؤں کو کہا جاتا ہے] کیونکہ اولادِ حضرت یعقوب کا ذریعۂ معاش جانور پالنا تھا اس لیے جانوروں کی چراگاہوں کی مناسبت پر کہیں ایک جگہ مستقل ٹھکانا نہ ہوتا تھا بلکہ جہاں پانی کا چشمہ اور سرسبز چراگاہ حاصل ہوتی وہیں خیمہ لے کر منتقل ہو جاتے تھے ﴿ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ﴾ اس کے بعد کہ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان شیطان نے فساد ڈال دیا تھا اور ان کے دلوں میں نفرت کا بیج بو کر میرے خلاف اکسایا تھا ﴿ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بہترین منصوبہ بندی فرماتا ہے اور اس کے لیے عمدہ ترین تدبیر سرانجام دیتا ہے ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ بے شک وہی خوب جاننے والا ہے' سب سے بڑی حکمتوں والا ہے۔ تمہاری تمناؤں اور امیدوں کو مقررہ مدت تک مؤخر کرنے یا اختلاف و جدائی کے بعد دوبارہ آپس میں اتفاق و ملاپ کرانے کی حکمتوں کو وہی خوب جانتا سمجھتا ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ع ۱۱

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر نکالنے کا علم سکھایا ہے' اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے' تو مجھے وفات تک مسلمان رکھنا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل رکھنا ○ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجتے ہیں' اور آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب انہوں نے مل کر اپنے منصوبے پر اتفاق کر لیا تھا اور وہ سازش کر رہے تھے ○ اور آپ خواہ کتنا چاہیں اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ○ اور آپ اس پر ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتے' یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○

۱۰۱- ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ اے میرے رب کریم! بے شک آپ نے مجھے مصر کے ملک کی حکومت عطا فرمائی اور آپ نے مجھے باتوں کے انجام تک رسائی حاصل کرنے کا علم عنایت فرمایا (یعنی) کتب الٰہیہ کی تفسیر و تشریح کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم سکھا دیا [اور اس میں دونوں جگہ حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام دنیا کی حکومت نہیں دی گئی تھی اور نہ تمام خوابوں کی تعبیر بتلائی گئی تھی بلکہ بعض خوابوں کی تعبیر کا علم دیا گیا تھا] ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ [یہ حرف ندا (محذوف و پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں' تو مجھے دونوں جہانوں کی نعمتوں سے نواز تا رہ اور فانی ملک کو باقی رہنے والے ملک کے ساتھ ملا دے ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا﴾ مجھے زندگی کے آخری دم تک مسلمان رکھنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لیے حالتِ اسلام میں موت کی درخواست کی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا: ''يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (البقرہ:۱۳۲) ''اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین پسند فرما لیا ہے سو تم حالتِ اسلام پر ہی مرنا''۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے مخلص مسلمان کی حالت میں موت دینا۔ علامہ تستری سے منقول ہے کہ مجھے حالت اسلام میں موت دینا کیونکہ میرے اسلام کا معاملہ تیرے سپرد ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت و پاک دامنی مسلمہ حقیقت ہے' جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور باقی حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ دعا کرنا محض اس لیے ہے کہ آپ کی قوم اور آپ کے بعد آنے والے تمام وہ لوگ جن کے حسن خاتمہ کی گارنٹی نہیں دی گئی' وہ سب کے سب آپ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اپنے حسن خاتمہ اور بزرگانِ دین کی دائمی سنگت کی دعا کیا کریں کیونکہ امتیں انبیائے کرام علیہم السلام کی ظاہری زندگی کو دیکھا کرتی ہیں ﴿وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل رکھنا۔ صالحین سے حضرت یوسف کے آباء و اجداد مراد ہیں (یعنی مجھے اپنے باپ دادا کے ساتھ جنت میں داخل کرنا) یا پھر عموم کے طور پر تمام نیک لوگ مراد ہیں (یعنی مجھے نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل کرنا)۔

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہاتھ مبارک تھام کر ان کو اپنی سلطنت کے تمام خزانے دکھانے کے لیے دورہ کرایا' چنانچہ آپ اپنے والد گرامی کو سونے اور چاندی کے خزانوں میں لے گئے اور کپڑوں کے خزانے دکھائے اور اسلحہ جات کے خزانوں میں لے گئے یہاں تک کہ آپ اپنے والد گرامی کو کاغذ کے کارخانوں میں لے

گئے' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنے بڑے بڑے خزانے دیکھ کر فرمایا کہ جب تمہارے پاس اتنے بڑے کاغذ کے خزانے ہیں تو تمہیں کس نے منع کیا تھا کہ تم نے مجھے آٹھ منازل کے فاصلے پر خط لکھ کر اپنی موجودگی سے آگاہ نہیں کیا؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے خط نہ لکھنے کا حکم دیا تھا' حضرت یعقوب نے پوچھا کہ تم نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تھی؟ حضرت یوسف نے عرض کی: حضور! آپ کا ان سے یارانہ اور تعلق مجھ سے زیادہ پرانا ہے تو آپ بلا کر خود ہی پوچھ لیجئے' چنانچہ حضرت یعقوب نے حضرت جبریل کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا' کیونکہ آپ نے کہا تھا: "وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ". اور مجھے یوسف کے بارے میں خوف ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں مجھ سے خوف کیوں نہیں ہوا؟

مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ان کی معیّت میں چوبیس سال قیام پذیر رہے' پھر آپ وصال فرما گئے اور وصال سے پہلے وصیت کر گئے کہ وصال کے بعد انہیں ان کے والد گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ان کے پہلو میں ملک شام میں دفن کیا جائے' چنانچہ جب آپ انتقال کر گئے تو آپ کو ملک شام میں باپ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا' پھر حضرت یوسف اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد واپس مصر لوٹ آئے اور اپنے والد ماجد کے بعد تیئیس سال تک حیاتِ ظاہری کے ساتھ زندہ وسلامت رہے' پھر جب آپ کا کام پورا ہو گیا تو دائمی بادشاہ نے آپ سے آپ کی روح کا مطالبہ کیا تو آپ نے حکمِ الٰہی کو ترجیح دے کر موت کی تمنا کی اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی اور نہ آپ کے بعد کسی نبی نے موت کی تمنا کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو خوش کر کے پاک صاف حالت میں وفات دی' چنانچہ آپ کے وصال کے بعد اہل مصر میں اختلاف برپا ہو گیا اور وہ لوگ آپ کے دفن میں جھگڑنے لگے کیونکہ ہر ایک چاہتا تھا کہ آپ کو اس کے محلّہ میں دفن کیا جائے' یہاں تک کہ انہوں نے آپس میں جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ آپ کے لیے سنگ مرمر کا ایک صندوق بنایا جائے اور انہوں نے آپ کو صندوق میں رکھا اور دریائے نیل میں ایسی جگہ میں دفن کیا جہاں دریا کا پانی حضرت یوسف کے مزار مبارک کے اوپر سے گزر جاتا تھا' پھر وہ پانی بہتا ہوا مصر میں داخل ہوتا تھا تاکہ سب لوگ اپنے اپنے محلے میں پانی لے جانے کے لیے راستے بنا سکیں یہاں تک کہ چار سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا تابوت مبارک یہاں سے بیت المقدس منتقل کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے ہوئے: حضرت افرائیم اور حضرت میشا' اور حضرت افرائیم کے ہاں حضرت نون پیدا ہوئے اور حضرت نون سے حضرت یوشع پیدا ہوئے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے اور اس کے بعد عمالقہ میں سے فرعونی مصر کے وارث بن گئے' پھر بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے آباء واجداد کے بقایا دین پر ان کی ماتحتی میں اپنی زندگیاں بسر کرتے رہے۔

۱۰۲- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے [اور یہ مبتدا ہے] ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجتے ہیں [یہ دونوں (مذکورہ بالا "ذٰلِكَ" مبتدا کی) خبریں ہیں] ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ﴾ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے یعنی آپ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے پاس نہیں تھے ﴿اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ﴾ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کے ارادے کا پختہ عزم کر چکے تھے ﴿وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ﴾ اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے میں لگے ہوئے تھے اور وہ آپ کو ہلاک کرنے کے خواہاں تھے اور اس کا معنی یہ ہے کہ

بے شک یہ غیب کی خبر ہے جو آپ کو صرف وحی سے حاصل ہوئی ہے' یہ وحی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ حضرت یعقوب کی اولاد کے پاس حاضر نہیں تھے جب وہ اپنے بھائی حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے پر متفق ہو چکے تھے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیک خواہش اور کفار کی ہٹ دھرمیوں کا بیان

۱۰۳- ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اگر چہ آپ ان کے ایمان پر کتنے ہی خواہش مند ہوں ان میں سے زیادہ تر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہاں ''النَّاس'' سے بطور عموم تمام لوگ مراد ہیں یا پھر صرف اہل مکہ مراد ہیں' یعنی اے محبوب! آپ اگر چہ ان کے ایمان لانے کے لیے مکمل اور پوری جدو جہد اور کوشش کر لیں تو بھی وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

۱۰۴- ﴿ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ﴾ اور آپ تو ان سے اس تبلیغ پر یا قرآن مجید پر کوئی اجرت اور صلہ نہیں مانگتے ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ ﴾ یہ قرآن مجید تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سراسر نصیحت ہے ﴿ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں کے لیے' اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے رسولوں میں سے ایک عظیم الشان رسول کی زبان پر لوگوں کو نجات حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

| |
|---|
| وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ |
| وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ |
| غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ |
| قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ |
| اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ |

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر وہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں ○ اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک ہیں ○ کیا وہ لوگ اس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب چھا جائے یا اچانک ان پر قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ جس پر میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں' میں اور میرے پیروکار روشن دلیل پر ہیں' اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

۱۰۵- ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ ﴾ اور کتنی علامتیں اور دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر اور اس کی دوسری صفات پر اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں ﴿ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جن پر وہ لوگ گزر جاتے ہیں (یعنی) ان علامات و نشانات پر اور اس سرزمین پر وہ لوگ آتے جاتے گزرتے ہیں اور ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں (لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے) ﴿ وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ ان آیات و علامات سے منہ پھیر لیتے ہیں اور ان سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل نہیں کرتے اور نہ ان لوگوں کے تباہ شدہ مکانات کے کھنڈرات کے پاس گزرتے وقت عبرت

حاصل کرتے ہیں۔

۱۰۶۔﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ اور ان میں سے زیادہ تر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک رہتے ہیں یعنی مشرکین عرب میں سے زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے ہیں کہ بے شک انہیں اسی نے پیدا کیا ہے' نیز تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کا وہی پیدا کرنے والا ہے لیکن وہ لوگ بتوں کی عبادت و پرستش کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں' چنانچہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ یقیناً مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے اور ان کا رازق ہے اور جب ان پر کوئی سخت مصیبت آن پڑتی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو اس کا شریک ٹھہراتے اور مجموعہ شرک میں سے ایک یہ شرک بھی ہے جس کا فرقہ قدریہ قائل ہے کہ بندہ کو تخلیق کی قدرت حاصل ہے اور خالص توحید یہی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

۱۰۷۔﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ تو کیا مشرکین اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ایسا عذاب آ جائے جو ان پر چھا جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عذاب شامل ہو ﴿اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یا ان پر اچانک قیامت آ جائے۔[''الساعة'' سے قیامت مراد ہے اور ''بَغْتَةً'' حال ہے یعنی اچانک]﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ قیامت کے آنے سے غافل و بے خبر ہوں۔

۱۰۸۔﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے (یعنی) یہ راستہ جو ایمان اور توحید کی طرف دعوت دیتا ہے میرا راستہ ہے۔[''اَلسَّبِيْلُ'' اور ''اَلطَّرِيْقُ'' دونوں مذکر بھی اور مؤنث بھی استعمال ہوتے ہیں] پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے راستے کی تفسیر (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرما دی ﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ﴾ میں روشن دلیل پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں یعنی میں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف واضح حجت اور روشن دلیل کے ساتھ دعوت دیتا ہوں' کمزور اور مبہم و غیر واضح دلیل کے ساتھ نہیں ﴿اَنَا﴾[''اَدْعُوْا'' میں پوشیدہ ضمیر کی تاکید ہے] میں ﴿وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ اور میری پیروی کرنے والے۔[یہ اس پر عطف ہے] یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ لوگ بھی اسی دین کی دعوت دیتے ہیں [یا پھر ''اَنَا'' مبتدا ہے اور ''عَلٰى بَصِيْرَةٍ'' خبر مقدم ہے اور ''وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ''، ''اَنَا'' پر معطوف ہے جو ابتداء کی خبر دیتا ہے] وہ یہ کہ بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے واضح ترین حجت اور برہان پر قائم ہیں' کسی قسم کی خواہش پر نہیں]﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جملے میں اللہ تعالیٰ کو مشرکین کے شریکوں سے پاک اور بلند و بالا قرار دیا ہے ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ

الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے شہروں میں رہنے والوں میں سے صرف مَردوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی کے ذریعے پیغامات بھیجتے رہے' تو کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی سو وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' اور بے شک آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہترین ہے' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O جب تمام رسول (اپنی اپنی قوم کے ایمان سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے گمان کیا کہ یقیناً ان سے جھوٹ بولا گیا ہے تو ہماری مدد انہیں آن پہنچی' پھر ہم نے جس کو چاہا نجات دے دی' اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے نہیں ہٹایا جاتا O

۱۰۹- ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہوا کرتے تھے' فرشتوں کو نبی و رسول بنا کر دنیا میں نہیں بھیجا گیا (تو اب پھر مطالبہ کیسا) کیونکہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارا رب رسول یا نبی بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیج دیتا یا یہ معنی ہے کہ سابق انبیائے کرام میں کوئی عورت نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجی گئی بلکہ سب کے سب مرد بھیجے گئے ﴿ نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ﴾ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے۔ [امام حفص کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''نُوْحِیْ'' ہے] ﴿ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ وہ (انبیائے کرام و رسل عظام) شہروں میں رہنے والے لوگوں میں سے (تشریف لاتے) تھے کیونکہ وہ زیادہ تر اہل علم اور بردبار ہوتے ہیں اور دیہاتی لوگوں میں جہالت واکھڑ پن اور ظلم و جفا ہوتی ہے ﴿ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی کہ وہ خود دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا بُرا انجام ہوا ﴿ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ﴾ اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ضرور بہتر ہے جنہوں نے کفر و شرک کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ) ہے]۔

۱۱۰- ﴿ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ ﴾ یہاں تک کہ جب پیغمبر اپنی اپنی قوم کے ایمان سے مایوس و ناامید ہو گئے ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک انہیں جھٹلا دیا گیا ہے (یعنی) بے شک رسولوں نے یہ یقین کر لیا کہ انہیں یقیناً ان کی قوموں نے جھٹلا دیا ہے [اور اہل کوفہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''كُذِبُوْا'' ہے[1]] یعنی جن لوگوں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا ان لوگوں نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا ہے یعنی وعدہ خلافی کی ہے یا یہ معنی ہے کہ جن لوگوں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا' انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں کی طرف سے ان سے جھوٹ بولا گیا ہے یعنی رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا کہ ان کی مخالفت کی صورت میں لوگوں کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی اور انہوں نے اس بارے میں ان سے سچ نہیں بولا ﴿ جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ﴾ تو اچانک انبیائے کرام اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے ہماری مدد آن پہنچی جس کا کسی کو گمان بھی نہیں تھا ﴿ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ﴾ پس ہم نے جس کو چاہا نجات دے دی یعنی پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی۔ [ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں ''فَنُجِّیَ'' نون اور جیم مشدد اور یائے مفتوحہ کے ساتھ ماضی مبنی للمفعول کے لفظ پر ہے اور فاعل کے قائم مقام (مَنْ) ہے اور باقی قاریوں کے نزدیک ''فَنُنْجِیْ'' دو نون کے ساتھ جن میں دوسرا ساکن ہے اور جیم مکسور یا ساکن (فعل مضارع معروف جمع متکلم) ہے] ﴿ وَلَا

[1] جب کہ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور دیگر قراء کی قراءت میں ذال مشدد کے ساتھ ''كُذِّبُوْا'' ہے۔

﴿يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے نہیں ہٹایا جا سکتا (یعنی) ہمارا عذاب کافروں سے ہرگز دور نہیں کیا جائے گا۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾ ع

بے شک ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے یہ کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ یہ (قرآن) اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے O

۱۱۱- ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ بے شک ان کے قصوں میں سبق آموز عبرت ہے عقل والوں کے لیے یعنی سابق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کے قصوں میں یا حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصوں میں عقل مندوں کے لیے سبق آموز عبرت ہے کہ انتہائی محبت کے باوجود کس بے نیازی سے گہرے کنویں میں منتقل کیا گیا اور پھر ایک چٹائی سے کس شان کے ساتھ تخت شاہی پر فائز کیا گیا' پس صبر کا انجام سلامتی و کامیابی اور عزت و کرامت ہے اور جب کہ مکر و فریب کا انجام ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی ہے ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ﴾ قرآن مجید کوئی من گھڑت بات نہیں ہے جیسا کہ کفار نے گمان کیا ﴿وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے جس کی دین میں ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ بنیادی قانون ہے جو سنت' اجماع اور قیاس کا واحد سہارا ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور یہ قرآن مجید گمراہی سے نکال کر راہِ حق کی طرف ہدایت دینے والا ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور عذاب الٰہی سے بچا کر رحمتِ خداوندی کا مستحق بنانے والا ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتی ہے [اور "لٰکِنْ" کا مابعد منصوب ہے کیونکہ یہ "کَانَ" کی خبر پر معطوف ہے] رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے غلاموں کو سورۂ یوسف سکھایا کرو' سو جو غلام اس کی تلاوت کرے گا اور اپنے اہل و عیال کو اس کی تعلیم دے گا اور اپنے غلاموں کو تعلیم دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی سکرات موت کو آسان کر دے گا اور اس کو ایسی قوت عطا فرمائے گا جس کی برکت سے وہ کسی مسلمان سے حسد نہیں کرے گا۔ حضرت الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے کے ذریعے قریشِ مکہ کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے' گویا فرمایا کہ حضرت یوسف کے بھائی دین میں ان کے موافق تھے اور بھائی بھی تھے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کیا' سازشیں تیار کیں اور آپ کو تکلیفیں پہنچائیں' لیکن اس کے باوجود حضرت یوسف نے صبر کیا تو اے محبوب! آپ کے دشمن کفارِ مکہ دین میں آپ کے مخالف ہیں' لہٰذا آپ کا زیادہ حق بنتا ہے کہ آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کریں۔

حضرت وہب بن منبّہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی' اس میں سورۂ یوسف کو مکمل نازل فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں نازل فرمایا۔

(آیاتہا ۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ (رکوعاتہا ۶)

سورۃ الرعد مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی تینتالیس آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

الٓمّٓرٰ' یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں' اور جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے (وہ سب) حق ہے لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے○ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے جنہیں تم دیکھتے ہو' پھر وہ سلطنت کے اقتدار کے ساتھ عرش پر غالب ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا' اور ہر ایک مقررمدت تک چل رہا ہے' وہی تمام معاملات کا انتظام کرتا ہے وہی آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات پر یقین کر لو○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور کفار کے احمقانہ روّیے کا بیان

سورت رعد مکی ہے اور اس کی تینتالیس آیات کوفی ہیں اور پینتالیس آیات شامی ہیں۔

۱- ﴿الٓمّٓرٰ﴾ الف سے ''اَنَا'' لام سے ''اَللّٰہُ'' میم سے ''اَعْلَمُ'' اور ''رَا'' سے ''اَرٰی'' مراد ہے' جس کا مجموعہ ''اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی'' ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں اور میں ہی سب کچھ دیکھتا ہوں اور یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں۔[''تِلْكَ'' سے سورت کی آیتوں کی طرف اشارہ ہے اور ''کتاب'' سے سورت مراد ہے یعنی یہ آیات اس کامل سورت کی ہیں جو اس باب میں عجیب ونرالی اور انوکھی سورت ہے]﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے یعنی پورا قرآن مجید ﴿الْحَقُّ﴾ وہ سب حق ہے[''اَلْحَقُّ'' خبر ہے ''وَالَّذِيْ'' مبتدا کی]﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے (بلکہ) وہ تو کہتے ہیں کہ (حضرت سیّد الانبیاء) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو خود گھڑ کر بیان کیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج آیات میں) ایسے دلائل بیان کیے ہیں جو ایمان لانے کو واجب ولازم کر دیتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۲- ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی بلند کیا ہے یہ نہیں کہ نیچے رکھا گیا ہو' پھر ان کو بلند کیا گیا ہو[اور ''اَللّٰہُ'' مبتدا ہے اور ''اَلَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ'' اس کی خبر ہے اور ''بِغَيْرِ عَمَدٍ'' حال ہے اور یہ ''عِمَادٌ'' کی یا پھر ''عَمُوْدٌ'' کی جمع ہے]﴿تَرَوْنَهَا﴾ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔[اس کی ضمیر ''اَلسَّمٰوٰتِ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی تم خود اپنی آنکھوں سے اسی طرح بغیر ستونوں کے آسمانوں کو دیکھ رہے ہو' پس مزید بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں یا اس کی ضمیر ''عَمَدٍ'' کی طرف لوٹتی ہے' سو یہ محلاً مجرور ہے' اس بناء

پر کہ یہ ''عَمَدٍ'' کی صفت ہے یعنی بغیر ستونوں کے کہ تم انہیں دیکھ رہے ہو] ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ اقتدار و اختیار اور شاہانہ اثر و نفوذ کے ساتھ عرش پر غالب ہوا ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اس نے اپنے بندوں کے منافع و فوائد کے لیے اور اپنے ممالک اور شہروں کی مصلحتوں اور بھلائیوں کے لیے سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا ﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور وہ مدت دنیا کا خاتمہ ہے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ اپنی ربوبیت کے اور اپنی سلطنت و بادشاہی کے اُمور کی تدبیر کرتا ہے ﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ وہ اپنی کتابوں میں نازل کی گئی آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ تا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات پر یقین کر لو کہ تمہیں اس مُدبّر و مُفصّل ذاتِ اقدس کی بارگاہ میں ضرور لوٹ کر جانا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ
وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى
بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے' اور اسی نے ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے وہی رات سے دن کو چھپاتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں○ اور زمین میں مختلف حصے ہیں ایک دوسرے کے آس پاس اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جو ایک ہی جڑ سے کئی کئی اُگے ہوئے اور الگ الگ جڑوں سے اُگے ہوئے (یہ سب) ایک پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں' اور ہم کھانے میں مزے دار ہونے کے اعتبار سے ان میں سے بعض پھلوں کو بعض پر فضیلت دے دیتے ہیں' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں○

۳- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ﴾ اور وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔ [''مَدَّ'' بہ معنیٰ ''بَسَطَ'' ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو شرقاً غرباً جنوباً شمالاً ہر طرف پھیلا کر خوب وسیع و عریض اور فراخ بنا دیا)] ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مضبوط پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں دریا اور نہریں جاری کر دیں ﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر قسم کے پھلوں کو دو دو طرح بنایا ہے' یعنی سیاہ سفید اور میٹھا کھٹا اور چھوٹا بڑا اور اسی طرح (بحری بری' بستانی پہاڑی' گرم سرد' خشک تر' سب طرح ذائقے دار بنایا) ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ وہ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی جگہ دن کو اس (کی تاریکی) کا لباس پہنا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ سیاہ تاریک ہو جاتا ہے جب کہ اس سے پہلے خوب سفید و روشن اور روشن کرنے والا ہوتا ہے [قاری حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں ''يُغَشِّي'' (شین مشدد کے ساتھ) ہے] ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں' ایسی قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے' سو وہ جانتے ہیں کہ بے شک اس کائنات کا ایک صانع (بنانے والا)'

علیم (خوب جاننے والا)' حکیم (سب سے بڑا دانا)' قادر (تمام قدرتوں کا مالک) ہے۔

٤۔ ﴿ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ اور زمین میں مختلف ٹکڑے اور حصے ہیں جو ایک دوسرے کے آس پاس آپس میں باہم ملے ہوئے ہیں جن میں سے بعض زرخیز اور عمدہ ہوتے ہیں جب کہ اس کے ساتھ ہی دوسرا حصہ شور والا ہوتا ہے اور بعض زیادہ سے زیادہ پیداوار دیتے ہیں جب کہ بعض کم اور بہت تھوڑی پیداوار دیتے ہیں اور بعض حصے بہت سخت ہوتے ہیں اور بعض نرم ہوتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ ان کا بنانے والا بہت بڑی قدرت کا مالک ہے' وہی ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے' وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے' وہی تمام افعال کو کسی نہ کسی حکمت و مصلحت پر مبنی سرانجام دیتا ہے ﴿ وَّجَنّٰتٌ ﴾ اور باغات ہیں۔[ یہ "قِطَعٌ" پر معطوف ہے ] ﴿ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں کئی کئی ایک ہی جڑ سے اُگے ہوئے ہیں اور کئی الگ الگ اُگے ہوئے ہیں۔[ ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں "قِطَعٌ" پر معطوف ہونے کی وجہ سے "زَرْعٌ" اور "نَخِيْلٌ" وغیرہ مرفوع ہیں جب کہ دوسروں کی قراءت میں "اَعْنَاب" پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہیں اور "صِنْوَانٌ" جمع ہے' اس کا واحد "صِنْوٌ" ہے اور یہ وہ کھجور ہوتی ہے جس کی جڑ ایک ہوتی ہے لیکن تنے دو ہوتے ہیں اور امام حفص سے صاد مضموم کے ساتھ "صُنْوَانٌ" منقول ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں ] ﴿ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ﴾ وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی ہیں۔[ امام عاصم اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "یَا" کے ساتھ ہے (ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور ابوعمرو کی قراءت میں "تَا" کے ساتھ "تُسْقٰى" ہے)] ﴿ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ ﴾ اور ہم ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دیتے ہیں [ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "یَا" کے ساتھ (يُفَضِّلُ) ہے ] ﴿ فِي الْاُكُلِ ﴾ پھلوں میں (کیونکہ بعض پھل مٹھاس میں' ذائقے میں' غذائیت میں' ہاضمے میں' شکل وصورت میں دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں)[ قاری نافع مدنی اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں کاف ساکن ہے ] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس طرح زمین کے ٹکڑے مختلف ہیں' بعض نہری ہیں تو بعض بارانی ہیں اور بعض حصے پھولوں اور پھلوں کے اعتبار سے دوسرے حصوں سے مختلف ہوتے ہیں' اسی طرح انسانی قلوب بھی اپنے آثار و اعمال اور اپنے انوار و برکات اور اپنے اسرار و رموز کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

| |
|---|
| وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ |
| الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ |
| هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ |
| قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ |
| لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ |

اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا زیادہ عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے' یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا' اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی

اور یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اور وہ لوگ آپ سے بھلائی سے پہلے بُرائی کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور ان سے پہلے سزائیں دینے کی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں' اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم پر بخشنے والا ہے' اور بے شک آپ کا رب بہت سخت عذاب دینے والا ہے O

۵۔﴿ وَاِنْ تَعْجَبْ ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ کفار کی طرف سے حشر ونشر اور قیامِ قیامت کے انکار کرنے کی باتوں پر تعجب کرتے ہیں ﴿ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ﴾ تو تعجب کے زیادہ لائق ان کا یہ قول ہے۔[یہ مبتدا و خبر ہیں] یعنی پس ان کا قول اس لائق ہے کہ اس سے تعجب کیا جائے اس لیے کہ جو ذاتِ اقدس ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے جن کا شمار کر کے ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے تو اس ذاتِ بابرکات کے لیے ان چیزوں کا دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے' سو ان کا انکار کرنا عجائبات میں سے عجیب ترین ہے ﴿ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم یقیناً دوبارہ نئی پیدائش میں اُٹھیں گے؟ [''قَوْلُهُمْ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور امام عاصم اور قاری حمزہ نے دونوں جملوں میں ہر ایک کو دو دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہی کافر لوگ اپنے کفر میں سرکش ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ﴾ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیریں پڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زنجیروں میں جکڑے جانے کے ساتھ متصف کیا ہے یا یہ وعیدات میں سے ایک وعید ہے (یعنی دھمکی دی گئی ہے) ﴿ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [''اُولٰٓئِكَ'' کا تکرار اس معاملے کی سنگینی پر دلالت کرتا ہے]۔

٦۔﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ اور وہ لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کی طلب میں آپ سے جلدی کرتے ہیں کہ خیر و عافیت سے پہلے وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کا غضب و عذاب طلب کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے لیے عذابِ الٰہی کا مطالبہ کر دیا اور درخواست کی کہ آپ ان پر عذاب لے آئیں ﴿ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ﴾ اور بے شک ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں یعنی جھٹلانے والوں کی سزاؤں کی مثالیں گزر چکی ہیں تو یہ کفارِ مکہ ان سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے تا کہ وہ مذاق نہ اڑائیں۔[''مَثُلَةٌ'' کا معنی سزا ہے کیونکہ مجرم کو اس کے جرم کے مساوی سزا دی جاتی ہے تو سزا اور جس جرم پر سزا دی گئی ہے ان میں مماثلت پائی جاتی ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا''. (الشوریٰ:۴۰) ''اور بُرائی کا بدلا اسی کے برابر بُرائی ہے''۔] ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ﴾ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر بخشنے والا ہے یعنی اس کے باوجود کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے [اور یہ حال کے محل میں واقع ہے یعنی در آں حالیکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں]۔ حضرت امام سدی نے فرمایا کہ اس سے مسلمان مراد ہیں اور یہ کتاب الٰہی کی سب سے زیادہ امید افزا آیت مبارکہ ہے کیونکہ ظلم کے باوجود مغفرت و بخشش کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ توبہ کے بغیر ہے کیونکہ توبہ ظلم کو زائل کر دیتی ہے اور اسے ختم کر دیتی ہے ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور بے شک آپ کا رب کافروں کو سخت ترین سزا دینے والا ہے یا یہ دونوں مسلمانوں کے بارے میں ہیں لیکن یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ
وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا
تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨
سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ
وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟' بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ھادی ہے O اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو بچے دانیاں گھٹتی ہیں اور بڑھتی ہیں' اور ہر چیز اس کے ہاں ایک خاص اندازے سے ہے O وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے' وہ بڑا بلند و بالا ہے O تم میں سے جو آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے کہے اور جو رات کو چھپ جائے اور دن کو سرِ عام چلنے والا ہو اس کے لیے سب برابر ہیں O

۷- ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں نازل کی گئی؟ اصل میں کفارِ مکہ نے عناد و بغض کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئیں آیات و نشانیوں کو معتبر قرار نہیں دیا' اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نشانیوں جیسی نشانیوں کا مطالبہ کیا مثلاً عصا کا سانپ بن جانا اور مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ' بہر حال رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ بے شک آپ صرف ڈر سنانے والے ہیں (یعنی) بے شک آپ تو کفار کو بُرے انجام سے ڈرانے اور خوف دلانے والے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ اپنے علاوہ دوسرے رسولوں کی طرح خیر خواہ بن کر انہیں نصیحتیں کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور آپ پر صرف یہی لازم ہے کہ آپ وہ دلائل و معجزات پیش کریں جو آپ کی نبوت و رسالت پر دلالت کریں کہ بے شک آپ ڈر سنانے والے رسول و نبی ہیں (اور آپ دلائل و معجزات پیش کر چکے ہیں' لہٰذا ان کا مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں) اور آپ کی نبوت و رسالت کی صحت کتنی نشانیوں سے حاصل ہو چکی ہے اور اس دعویٰ کی صحت کے حصول کے لیے تمام آیات و معجزات یکساں اور برابر ہیں ﴿وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی نہ کوئی نبی ہر قوم کے لیے ہادی و رہ نما اور رہبر بن کر آتا رہا ہے جو انہیں دینِ اسلام کی طرف رہ نمائی کرتا رہا اور انہیں مخصوص دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتا رہا لیکن وہ کافروں کی مشیت و مرضی پر نہیں چلتا تھا اور نہ ان کے فیصلوں کا پابند ہوتا تھا۔

۸- ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ﴾ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے' جسے ہر مادہ اٹھاتی ہے اور جو رحموں میں گھٹتا بڑھتا ہے اسے بھی جانتا ہے [اس آیت مبارکہ میں تینوں جگہ میں ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی مادہ جو بچہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں اور جس حال میں وہ بچہ ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو' مکمل ہو یا ناقص ہو اور خوبصورت ہو یا بدصورت ہو' لمبا ہو یا چھوٹا' اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور جس کو بچے دانیاں گھٹاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو کم و

بیش ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''غَاضَ الْمَآءُ''. پانی خشک ہو گیا اور ''غَضْتُهٗ اَنَا'' میں نے اس کو کم کر دیا (لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جسے بچہ دانیاں بڑھاتی ہیں اور اس سے مراد بچے کی تعداد ہے کہ وہ ایک ہے' دو ہیں' تین ہیں اور چار ہیں یا اس سے بچے کی جسامت مراد ہے کہ وہ مکمل ہے یا ناقص ہے یا اس سے ولادت کی مدت مراد ہے کہ وہ چھ ماہ سے کم ہے یا اس سے زیادہ ہے اور ہمارے (احناف) کے نزدیک حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال تک ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار سال تک ہے اور امام مالک کے نزدیک پانچ سال تک ہے۔ [یا اس آیتِ مبارکہ میں تینوں جگہ ''مَـا'' مصدریہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہر مادہ کے حمل کو جانتا ہے اور وہ رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو جانتا ہے ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ اور ہر ایک چیز اس کے ہاں ایک خاص اندازے کے مطابق ہے جس سے نہ تجاوز کر سکتی ہے اور نہ اس سے گھٹ سکتی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ O'' (القمر:۴۹) ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے O''۔

۹۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ﴾ اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو مخلوقات کے حواس سے پوشیدہ ہیں ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور تمام ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے جن کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں ﴿الْكَبِيْرُ﴾ وہ بڑی بلند شان والا ہے اس کے علاوہ ہر چیز اس سے شان ومرتبہ میں کم تر ہے ﴿الْمُتَعَالِ﴾ وہ اپنی قدرت واختیار کے ساتھ ہر چیز پر غالب اور بلند وبالا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفات سے بلند وبالا اور ان سے منزہ و پاک ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ (الْمُتَعَالِي) ہے]۔

۱۰۔ ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ تم میں سے جو شخص آہستہ بات کہتا ہے اور جو اس کو بلند آواز سے کہتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے برابر ہیں یعنی وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ﴾ اور جو شخص رات کو چھپ جانے والا ہے ﴿وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ اور وہ دن میں کھلے راستے پر چلنے والا ہے اور دن کے اجالے میں جانے والا ہے۔ [کہا جاتا ہے: ''سَرَبَ فِي الْاَرْضِ سُرُوْبًا''. فلاں شخص زمین کے کھلے راستے پر چلا اور ''سَارِبٌ'' کا عطف ''مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ'' پر ہے صرف ''مُسْتَخْفٍ'' پر نہیں یا پھر عطف تو ''مُسْتَخْفٍ'' پر ہے لیکن ''مَنْ'' تثنیہ کے معنی میں ہے]۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ؒ

انسان کے لیے اس کے آگے اور پیچھے بدل بدل کر آنے والی فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں' بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں' اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف دینے کا ارادہ کر لے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں' اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں O وہی ڈرانے اور امید دلانے

کے لیے تمہیں بجلی دکھاتا ہے اور وہی پانی سے بھرے بادلوں کو پیدا کرتا ہےO

۱۱۔ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ اس انسان کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے بدل بدل کر آنے والے فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔[''لَهٗ'' کی ضمیر ''مَنْ'' کی طرف لوٹتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس انسان کے لیے جو آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے بات کرے اور جو رات کی تاریکی میں چھپ جائے اور جو دن کے اجالے میں کھلے عام راستوں پر چلے' فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کے لیے آگے پیچھے اپنی ڈیوٹی پر آتی جاتی رہتی ہیں [اور ''مُعَقِّبَاتٌ'' اصل میں ''مُعْتَقِبَاتٌ'' تھا' پھر ''تَا'' کو قاف میں مدغم کر دیا گیا یا پھر ''عَقَّبَهٗ'' سے ماخوذ ہے اور ''مُفَعِّلَاتٌ'' (عین مشدد) کے وزن پر ہے جب کوئی کسی کے پیچھے آ جائے کیونکہ مقررہ فرشتے انسان کے پاس حفاظت کے لیے اپنی باری پر ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں یا اس لیے کہ جو کچھ کلام کیا جاتا ہے فرشتے اس کا فوراً تعاقب کرتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں اور ''يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ'' اکٹھی دو صفتیں ہیں اور ''مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ''، ''يَحْفَظُوْنَهٗ'' کا صلہ نہیں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے باری باری فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر ہیں یا یہ معنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس کی حفاظت کرتے ہیں یعنی محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے یا یہ معنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی ناراضگی سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی خیر و عافیت اور نعمت و خوشحالی کی حالت کو نہیں بدلتا ہے ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ جب تک وہ خود اپنی اچھی حالت کو گناہوں کی بہتات سے تبدیل نہیں کرتی ﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بُرائی یعنی عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا (یعنی) پھر اس کو کوئی چیز دفع نہیں کر سکتی ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں' جو ان کے کام میں حمایت کرے اور ان سے عذابِ الٰہی کو دور کر دے۔

۱۲۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ اللہ وہ ہے جو تمہیں خوف اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے۔ [''خَوْفًا'' اور ''طَمَعًا''، ''برق'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں] گویا بجلی کی ذات میں خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے یا یہ کہ وہ بجلی خوف والی اور امید والی ہوتی ہے۔

یا مخاطبین (''کُمْ'' ضمیر) سے حال ہیں یعنی تم بجلی کو دیکھ کر ڈرنے والے اور امید رکھنے والے ہوتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ بجلی کے چمکتے وقت کڑک کے گرنے کا خوف ہوتا ہے اور بارش کی امید کی جاتی ہے۔ ابوطیب شاعر نے کہا: جوان آدمی سیاہ بادل کی طرح ہوتا ہے جس سے خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی کی جاتی ہے (اسی طرح) سیاہ بادل سے بارش کی امید کی جاتی ہے اور کڑک سے ڈرا بھی جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ بارش سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جن کو اس سے نقصان ہوتا ہے جیسے مسافر' کھجور اور انگور کے باغات اور وہ لوگ جن کے مکان کچے ہوتے ہیں' بارش سے چھتیں ٹپکتی ہیں اور ان ممالک کے باشندے جن کو بارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسے اہل مصر اور وہ لوگ بارش کی امید رکھتے ہیں جنہیں اس سے فائدہ ہوتا ہے (جیسے مقیم حضرات اور دیگر کھیتی باڑی کرنے والے جن کی کھیتیوں کو بارش سے فائدہ ہوتا ہے) ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ﴾ اور وہی بادلوں کو تیار کر کے چلاتا ہے۔ [''اَلسَّحَابَ'' اسمِ جنس ہے اور اس کا واحد ''سَحَابَةٌ'' ہے] ﴿الثِّقَالَ﴾ پانی سے پُر ہونے کے سبب بوجھل اور بھاری بادل [''ثِقَال'' جمع ہے جس کا واحد ''ثَقِيْلَةٌ'' ہے جیسے کہو: ''سَحَابَةٌ ثَقِيْلَةٌ'' بھاری بادل

اور ''سَحَابٌ ثِقَالٌ'' پانی سے لدے ہوئے بادل]۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ
بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ
الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَىْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ
كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ
ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اور گرج (کا فرشتہ) اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور تمام فرشتے اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں)' اور وہ بجلی کے کڑکے بھیجتا ہے' پھر وہ جس پر چاہتا ہے اس پر گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں' اور وہ سخت ترین گرفت کرنے والا ہے ○ اسی سے دعا کرنا حق ہے' اور جو لوگ اس کو چھوڑ کر غیروں سے دُعا کرتے ہیں وہ ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتے مگر جیسے کوئی شخص اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ اس کو پہنچنے والا نہیں' اور کافروں کی دُعا ضائع ہو کر بے کار ہو جاتی ہے ○

۱۳۔ ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور رعد نامی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بارش کی اُمید رکھنے والے بندوں میں سے رعد (گرج) کی آواز سننے والے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی وہ لوگ بلند آواز سے چیخ کر ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پڑھتے ہیں۔

حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا گیا ہے' اس کے پاس آگ کے گرز ہوتے ہیں جن کے ساتھ وہ بادلوں کو چلاتا اور ہانکتا ہے۔[1]

اور وہ آواز جو بادلوں سے سنی جاتی ہے وہ رعد فرشتے کی بادلوں کو چلانے کے لیے سخت دھمکی آمیز آواز ہوتی ہے یہاں تک کہ بادل وہیں جا کر رکتے ہیں جہاں تک انہیں جانے کا حکم دیا جاتا ہے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ﴾ اور فرشتے اس کے خوف سے (یعنی) فرشتے اس کے رعب و دبدبہ اور اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور وہ کڑک کو بھیجتا ہے' پھر وہ جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے۔ ''صَاعِقَة'' اس چنگارے مارتی ہوئی آگ کو کہا جاتا ہے جو آسمان سے گرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں نافذ ہونے والے اپنے علم کا ذکر کیا اور بتایا کہ ظاہر اور پوشیدہ اس کے نزدیک برابر ہیں اور ان دلائل کا ذکر کیا جو اس کی زبردست قدرت پر اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ﴾ حالانکہ وہ لوگ اب بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جن کو حضور نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ متصف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے قیامت کے دن مرنے کے بعد سب کو اٹھائے گا اور تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے حساب و

[1] رواہ الترمذی فی کتاب تفسیر سورت: ۱۳' باب: ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱۷' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۷۴' نسائی فی الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۰۷۲

کتاب کرے گا مگر کافروں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ". (یٰسین:٧٨) " بھلا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بالکل گل سڑ جائیں گی؟" اور انہوں نے بتوں کو شریک ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر دیا اور انہوں نے یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے لیے بعض اجسام کو ثابت مانا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں [یا اس میں واوَ حال کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی جھگڑنے کی حالت میں جس پر چاہتا ہے بجلی کی کڑک گرا دیتا ہے]۔

شانِ نزول: اور اس کا واقعہ یوں ہوا کہ لبید بن ربیعہ عامری کا ماں کی طرف سے بھائی اربد بن قیس اور عامر بن طفیل رسولِ خدا ﷺ کو شہید کرنے کے لیے ایک وفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمارا رب تعالیٰ کیسا ہے؟ سونے چاندی کا ہے' پیتل کا ہے یا لوہے کا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخی پر یہ سزا دی کہ عامر بن طفیل پر اونٹ والی غدود کی بیماری ڈال دی (جس کی وجہ سے اس کے جسم پر دردناک غدود نکل آئیں) اور وہ اس کی تکلیف سے سلولیہ کے گھر میں چیختا چلاتا مر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اَربد بن قیس پر بجلی کی ایک خوف ناک کڑک گرا دی' جس نے آن کی آن میں وہیں اس کا خاتمہ کر دیا اور وہ ہلاک ہو گیا (اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی)۔[1]

﴿وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے یعنی سخت سے سخت پکڑنے والا۔ ["محال" کا معنی ہے: کسی کے خلاف سخت ترین حیلہ کرنا' منصوبہ بندی کرنا اور اسی سے "تَمَحَّلَ لِكَذَا" ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی نے اس طرح کے کام کے لیے بڑی جدوجہد اور مشقت و محنت کے ساتھ حیلہ کیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حیلہ اور مکروفریب استعمال کرنے کے لیے زبردست تکلف کرتا ہے اور اس میں اپنی پوری محنت و کوشش خرچ کر دیتا ہے اور "مَحَّلَ بِفُلَانٍ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کے خلاف سازش کرتا ہے اور بادشاہ کے پاس اس کی چغل خوری کرتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے لیے زبردست اور سخت ترین نقصان دِہ منصوبہ تیار کرتا ہے جہاں انہیں گمان بھی نہیں ہوتا]۔

١٤۔﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ سچی پکار اسی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ ["دعوة" کی "حق" کی طرف اضافت کی گئی ہے جو باطل کی ضد ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ دعوت و پکار حق کے ساتھ مخصوص ہے] اور بے شک یہ دعا اور پکار باطل سے بہت کوسوں دور ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی جائے تو وہ دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور دعا کرنے والے کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہے' سو دعا حق کے لیے مخصوص ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے کہ دعا کے وقت اسی کی طرف توجہ کی جائے اس لیے کہ اسی سے دعا کرنے میں فائدہ اور نفع ہے بہ خلاف اس کے جو نفع نہ دیتا ہو اور نہ اس سے دعا کرنا مفید ہو [اور اربد بن قیس کے قصے کی بناء پر "شَدِيْدُ الْمِحَالِ" اور "لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ" کا ماقبل کے ساتھ متصل ہونا بالکل ظاہر ہے] کیونکہ اس پر بجلی کی کڑک کا گرانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حیلہ اور خفیہ منصوبہ تھا' جس سے وہ بے خبر رہا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف اور اس کے ساتھی عامر بن طفیل کے خلاف دعائے ضرر فرمائی کہ "اَللّٰهُمَّ اخْسِفْهُمَا بِمَا شِئْتَ". اے اللہ! تو جیسے چاہے ان دونوں کو زمین میں دھنسا دے' چنانچہ آپ کی دعائے ضرر ان کے بارے میں قبول کر لی گئی' سو یہ دعا حق کی دعا تھی اور پہلی تفسیر کی بناء پر یہ کافروں کے لیے وعید (دھمکی) ہے' اس لیے کہ وہ لوگ رسولِ خدا ﷺ سے جھگڑتے رہے اور آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا اظہار

---

1. رواہ ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث:١٣٤١ـ ٣٣٣٢' الطبری فی تفسیرہ ج ١٣ ص ١٢٥' الواحدی فی اسباب النزول ص ١٨٣' ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ٧ ص ٤٢

ہے کہ بے شک آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہیں وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے کہ ان کی مطلوبہ حاجات کو پورا نہیں کر سکتے ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ﴾ مگر اس شخص کی طرح جو اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے مُنہ میں پہنچ جائے۔[یہ استثناء مصدر سے یعنی ''اِسْتِجَابَةٌ'' سے ہے، جس پر ''لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ'' دلالت کرتا ہے کیونکہ فعل اپنے حروف کے ساتھ مصدر پر دلالت کرتا ہے اور اپنے صیغے کے ساتھ زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور اپنی ضرورت کے تحت مکان اور حال پر دلالت کرتا ہے، پس جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک استثناء فعل سے ہو رہا ہو تو تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ اِسْتِجَابَةً اِلَّا اِسْتِجَابَةً كَاسْتِجَابَةِ بَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ'' کہ وہ بت کافروں کی کسی حاجت کو قبول نہیں کریں گے مگر جیسے پانی کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کی طرح ان کی حاجت رائیگاں جائے گی] یعنی جیسے پانی کی طلب میں اس کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کی طرح کہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ پانی بے جان ہے، ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کو نہیں سمجھتا اور نہ اس کی پیاس کو جانتا ہے اور نہ اس کی حاجت سے آگاہ ہے اور نہ وہ اس کی دعا قبول کرنے کی قدرت واختیار رکھتا ہے اور نہ اس کے منہ میں پہنچ سکتا ہے اور اسی طرح کفار جو بے جان بتوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو نہیں سمجھتے اور نہ ان کی دعا کو قبول کرتے ہیں اور نہ وہ ان کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں [اور ''لِيَبْلُغَ'' میں لام ''بَاسِطِ كَفَّيْهِ'' کے متعلق ہے] ﴿وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾ اور وہ پانی اس کے مُنہ میں پہنچنے والا نہیں ہے ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافروں کا بتوں کو پکارنا نہیں مگر گمراہی میں ہے ''ضلال'' کا معنی ہے: ضائع ہونا اور نفع وفائدہ نہ دینا کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے تو اللہ تعالیٰ ان کی پکار کا جواب نہ دیتا اور اگر وہ بتوں کو پکارتے تو وہ ان کے جواب کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ السجدة ۲

اور جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب خوشی سے اور ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح وشام O (اے محبوب!) فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟' خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہے' (اے محبوب!) فرمایئے کہ کیا تم نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو کارساز بنا لیا جو اپنے لیے نہ فائدہ کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا' آپ فرما دیجئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے اللہ کے لیے جن کو شریک ٹھہرا لیا ہے کیا

انہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ ان پر مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے؟ فرما دیجیے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے سب پر غالب ہے O

۱۵- ﴿ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور آسمانوں اور زمین میں رہنے والے تمام باشندے عبادت و اطاعت کا سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو کرتے ہیں ﴿ طَوْعًا ﴾ یعنی فرشتے اور مؤمنین اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں [ یہ حال ہے ] ﴿ وَّكَرْهًا ﴾ یعنی کفار و منافقین شدت و سختی اور تنگی و مصیبت کے وقت مجبوری کی وجہ سے ناخوش ہو کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں ﴿ وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ اور ان کے سائے بھی خوشی اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں [ اور ''ظِلٰلُهُمْ''، ''مَنْ'' پر معطوف ہے اور یہ ''ظِلٌّ'' کی جمع ہے اور ''ظِلٌّ'' کا معنی سایا ہے اور ''غُدُوٌّ''، ''غَدَاةٌ'' کی جمع ہے جس کا معنی صبح سویرے ہے اور ''اصال''، ''اَصِیْل'' کی جمع ہے جس کا معنی شام کا وقت ہے ] بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر چیز کا سایا صبح و شام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایا ناخوش اور مجبوراً سجدہ کرتا ہے جب کہ کافر ناخوش و مجبور ہوتا ہے اور مؤمن کا سایا خوشی سے سجدہ کرتا ہے جب کہ مؤمن خود خوش ہوتا ہے۔

۱٦- ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ﴾ اے محبوب! ( کفارِ مکہ سے ) پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق اور مربی کون ہے؟ آپ خود ہی اعلان فرما دیجیے کہ اللہ ہے۔ یہ کفار کے اعتراف و اقرار کا بیان ہے کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ بتاؤ کہ آسمانوں اور زمین کا مربی اور خالق و مالک کون ہے؟ تو ان کے لیے اس کے ماسوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ کہہ دیں کہ سب کا خالق و مالک اور پروردگار صرف اللہ ہے؛ اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ قراءت ہے: ''قَالُوا اللّٰهُ'' کہ کفار نے جواب میں کہا کہ زمین و آسمان کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے یا پھر یہ تلقین ہے یعنی اگر کفار اس کا کوئی جواب نہ دیں تو آپ انہیں تلقین کریں کہ ان کا رب اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اس کے علاوہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا ﴿ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجیے کہ کیا تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا حمایتی اور مددگار بنا لیا ہے ( یعنی ) کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کا رب جاننے کے بعد اس کے ماسوا ( بتوں ) کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو ﴿ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ﴾ اپنے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جو اپنی جانوں کے لیے اتنی قوت و اختیار نہیں رکھتے کہ انہیں فائدہ پہنچائیں یا ان سے ضرر و نقصان کو دور کر دیں تو بھلا وہ اپنے علاوہ دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکیں گے حالانکہ تم نے ان بتوں کو ساری کائنات کے خالق و مالک اور رازق' نیکیوں پر اجر و ثواب عنایت فرمانے والے اور گناہوں پر عذاب دینے والے اللہ تعالیٰ پر ترجیح دے دی ہے تو تمہاری گمراہی کتنی واضح ہے ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجیے کہ کیا نابینا اور بینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی کافر و مسلمان برابر نہیں ہو سکتے یا یہ معنی ہے: وہ جو کچھ نہیں دیکھ سکتا اور وہ ذاتِ اقدس جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے' برابر کیسے ہو سکتے ہیں ﴿ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ﴾ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ ( یعنی ) کفر کی ملتیں اور ایمان و توحید کی ملت کیسے برابر ہو سکتی ہیں [ امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''یَسْتَوِیْ'' ہے ] ﴿ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ﴾ کیا کافروں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کر رکھے ہیں بلکہ انہوں نے شریکِ خدا مقرر کر رکھے ہیں [ اور ہمزہ کا معنی انکار ہے ] ﴿ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے [ اور یہ ''شُرَكَآءَ'' کی صفت ہے ] یعنی بے شک کفار نے ایسوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا جنہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرح خود پیدا کیے گئے ہیں ﴿ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ﴾ تو ان پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق شریکوں کی مخلوق کے ساتھ مشتبہ ہوگئی ہے یہاں تک کہ وہ کہنے لگے

کہ یہ بت بھی مخلوق پر اس طرح قدرت و اختیار رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قدرت و اختیار رکھتا ہے سو وہ بھی عبادت کے مستحق ہیں اس لیے ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ہے اور ہم ان کی اس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے لیکن کافروں نے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عاجز و بے بس بتوں کو شریک بنا لیا جو مخلوق جتنی بھی قدرت و طاقت نہیں رکھتے چہ جائے کہ وہ ان پر قدرت و اختیار رکھتے جن پر اللہ تعالیٰ قدرت و اختیار رکھتا ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے یعنی اجسام اور اعراض سب کا اللہ تعالیٰ خالق ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں اور نہ یہ درست ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں اس کا کوئی شریک ہو اس لیے عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے افعال کو پیدا نہیں کرتا اور بندے اپنے افعال کو خود پیدا کرتے ہیں تو ان کے قول پر مخلوق مشتبہ ہو جائے گی ﴿وَّهُوَ الْوَاحِدُ﴾ اور وہ تمام مخلوق کی تربیت و پرورش کرنے میں یکتا ہے ﴿الْقَهَّارُ﴾ وہی سب پر زبردست غالب ہے اور اس کے ماسوا سب اس کے مربوب و مملوک ہیں اور سب اسی سے مقہور و مغلوب ہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

اسی نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالے اپنی گنجائش کے مطابق بہنے لگ گئے اور سیلاب نے اُبھرنے والے جھاگ کو اٹھا لیا اور زیور یا کوئی سامان بنانے کے لیے جب اسے آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں سے بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے پس رہا جھاگ تو وہ سوکھ کر رائیگاں چلا جاتا ہے اور لیکن جو لوگوں کو فائدہ دیتا ہے سو وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے O

۱۷- ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اسی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا یعنی اسی واحد و قہار اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو برسایا ﴿فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ﴾ سو تمام وادیاں اور ندیاں بہہ نکلیں۔ [''اَوْدِيَةٌ'' ''وَادٍ'' کی جمع ہے اور وادی اس نشیبی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں پانی بہ کثرت رواں دواں رہتا ہے۔ ''اَوْدِيَةٌ'' کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ بارش زمین کے مختلف علاقوں میں باری باری کے طریق پر آتی ہے پس بعض وادیاں بہتی ہیں اور بعض نہیں بہتیں] ﴿بِقَدَرِهَا﴾ اپنے اندازے کے مطابق یعنی وادیاں اس مقدار میں بہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس قدر بارش وہاں کے لوگوں کے لیے مفید ہے اور نقصان دہ نہیں ہے ﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا﴾ پس سیلاب کا ریلہ جھاگ کو اوپر اٹھاتا ہوا بہتا ہے'' زبد'' اس خس و خاشاک کو کہا جاتا ہے جو پانی کی بالائی سطح پر جمع ہو کر پانی پر تیرنے لگتا ہے جس کو اُردو میں جھاگ کہا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ جھاگ پانی کے اوپر بلند ہو جاتا ہے ﴿رَّابِيًا﴾ سیلابی پانی کے اوپر اٹھنے والا بلند و بالا پھولا ہوا جھاگ اور کوڑا وغیرہ ﴿وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ﴾ اور ان چیزوں میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جن کو لوگ آگ پر دہکاتے ہیں۔ [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے اور ''مِمَّا'' اصل میں ''مِنْ مَّا'' ہے اور ''مِنْ'' ابتدا کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے یعنی

ان میں سے بھی پانی کی جھاگ کی طرح میلا کچیلا جھاگ پیدا ہوتا ہے یا پھر ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے یعنی اس میں سے کچھ جھاگ بن جاتا ہے۔''فِی النَّارِ''،''عَلَیْهِ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی معدنی اجسام میں سے جنہیں لوگ آگ پر دہکانے کے لیے رکھتے ہیں وہ آگ سے پگھل کر بھی اپنی اصل حالت میں ثابت رہتے ہیں ﴿ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ﴾ سونے چاندی کے زیورات بنانے کے ارادے سے۔[یہ مصدر ہے اور ''یُوْقِدُوْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿اَوْ مَتَاعٍ﴾ لوہے' پیتل اور تانبے وغیرہ سے تیار کردہ دوسرا سامان کہ ان دھاتوں سے برتن وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں اور ان سے گھروں سے سفر میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے [اور یہ ''حِلْیَةٍ'' پر معطوف ہے یعنی سونے چاندی سے تیار کردہ زیب و زینت] ﴿زَبَدٌ مِّثْلُهٗ﴾ سیلانی پانی کے اوپر اٹھنے والی جھاگ کی طرح آگ پر ان دھاتوں کے دھکانے سے ان کا زنگ اور میل کچیل پگھل کر اوپر اٹھنے والا جھاگ بن جاتا ہے۔[''زَبَدٌ'' مبتدا ہے اور ''مِثْلُهٗ'' اس کی صفت ہے اور ''مِمَّا یُوْقِدُوْنَ'' اس کی مقدم خبر ہے] یعنی ان دھاتوں کو جب آگ پر پگھلایا جاتا ہے تو ان سے بھی ویسا جھاگ پیدا ہوتا ہے جیسا پانی کے اوپر جھاگ اُبھر آتا ہے ﴿كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو بیان کرتا ہے یعنی حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً﴾ لیکن جھاگ تو وہ بے کار پھینک دیا جاتا ہے۔[''جُفَآءً''،''یَذْهَبُ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی حقیر چیز اور یہ وہ جھاگ ہوتی ہے جس کو اُبال کے وقت ہنڈیا باہر پھینکتی ہے اور طغیانی کے وقت سمندر اور دریا باہر پھینکتا ہے اور ''جَفْءٌ'' کا معنی ہے: پھینکنا اور اسی سے ''جَفَاتُ الرَّجُلَ'' کہ میں نے فلاں آدمی کو پچھاڑ دیا (یعنی میں نے اسے نیچے گرا دیا)] ﴿وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ﴾ اور لیکن پانی اور زیورات اور برتنوں میں سے جو چیزیں لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں ﴿فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ﴾ تو وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہیں' چنانچہ پانی چشموں میں اور کنوؤں میں اور دانوں میں اور پھلوں میں جذب ہو کر قائم رہتا ہے اور اسی طرح جواہرات ایک عرصۂ دراز تک زمین میں باقی رہتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ حق باطل سے واضح ہو جائے۔

بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ مثال ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حق اور اہل حق کے لیے اور باطل اور باطل پرستوں کے لیے بیان کیا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے حق اور اہل حق کی مثال پانی کے ساتھ بیان کی' جو آسمان سے برستا ہے' جس سے لوگوں کی وادیاں رواں دواں ہو جاتی ہیں' جس سے وہ زندگی پاتے ہیں اور انہیں کئی قسم کے منافع اور فوائد حاصل ہو جاتے ہیں اور لوگ دھاتوں سے تیار کردہ زیورات اور برتن اور مختلف آلات تیار کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ زمین میں باقی رہتے ہیں اور پانی بھی لوگوں کے منافع میں ثابت رہتا ہے اور اسی طرح جواہرات کافی عرصہ تک باقی رہتے ہیں اور باطل کو جلد از جلد ختم ہو جانے میں اور جلد از جلد مٹ جانے میں سیلابی ریلے کی جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس کو باہر پھینک دیا جاتا ہے اور دھات کے اس جھاگ کے ساتھ باطل کو تشبیہ دی گئی ہے کہ جب اسے پگھلایا جاتا ہے تو جھاگ ابھر کر خود بخود بجھ جاتا ہے اور جمہور مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال قرآن مجید اور دلوں اور حق اور باطل کے لیے بیان کی ہے' چنانچہ پانی سے قرآن مجید مراد ہے' جس سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے' جس طرح پانی سے اجسام کو زندگی ملتی ہے اور وادیوں سے قلوب مراد ہیں اور ''بِقَدَرِهَا'' کا معنی یہ ہے کہ دل کی تنگی اور وسعت کی مقدار کے مطابق اور ''زَبَدٌ'' سے نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے مراد ہیں اور صاف ستھرا پانی جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں' اس کو حق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو جس طرح جھاگ جلد مٹ جاتی ہے اور صرف صاف پانی باقی رہ جاتا ہے' اسی طرح نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں اور حق جیسا تھا' ویسے ہی باقی رہ جاتا ہے اور رہے سونے چاندی کے زیورات تو ان کو

عمدہ احوال و کردار اور پاکیزہ اخلاق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' لیکن لوہے' پیتل اور تانبے کو ان اعمال کے لیے مثال قرار دیا گیا ہے' جو اخلاص کے ساتھ متصف ہیں اور نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو ادا کیا جاتا ہے کیونکہ اعمال کے ذریعے ہی ثواب حاصل کیا جاتا ہے اور عذاب سے بچا جاتا ہے جیسا کہ یہ جواہرات کہ ان میں سے بعض نفع حاصل کرنے کے آلات ہیں اور بعض جنگ میں دفاع کرنے کے آلات ہیں اور رہا جھاگ تو اس سے ریاء اور خلل اور اکتاہٹ اور کاہلی و سستی مراد ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰىؔ ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾

النصف

جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا ان ہی کے لیے بھلائی ہے' اور جنہوں نے حکم نہیں مانا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو تو وہ اس سب کو فدیہ دے دیں' یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بُرا حساب ہوگا' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O تو کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ یقیناً حق ہے' اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے' بے شک نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں O جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ کیا ہوا عہد نہیں توڑتے O

۱۸- ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی بات کو قبول کر لیا بھلائی ہے یعنی جنہوں نے رب کی بات کا جواب دیا۔ [یہ "یَضْرِبُ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مؤمنوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے رب کا حکم قبول کر لیا [ "حُسْنٰی" "استجابوا" کے مصدر کی صفت ہے یعنی اصل میں "اِسْتَجَابُوْا اِسْتَجَابَةَ الْحُسْنٰی" ہے ] ﴿ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ ﴾ اور جن لوگوں نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا یعنی ان کافروں کے لیے جنہوں نے رب تعالیٰ کی بات کو قبول نہیں کیا یعنی یہ دونوں جملے دو فریقوں کی مثال ہیں ﴿ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ﴾ اگر جو کچھ زمین میں مال و دولت ہے وہ سب ان کافروں کے ملک میں دیا جائے اور اس کے برابر اور مال و دولت انہیں دیا جائے تو وہ اپنی جانیں چھڑانے کے لیے اس کے معاوضے میں دے دیں گے۔ یہ ایک نیا الگ کلام شروع کیا گیا ہے جس میں حق بات قبول نہ کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اگر یہ لوگ دنیا کے تمام اموال کے مالک بن جائیں اور اس کے ساتھ اسی قدر مزید اموال کے مالک بن جائیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے یہ سارا مال دے دیں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام امثال پر پورا ہو چکا [اور اس کے بعد نیا مستقل کلام شروع ہوا ہے اور "اَلْحُسْنٰی" مبتدا ہے اور "لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا" اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے بہترین ثواب ہے اور وہ جنت ہے اور "وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا" مبتدا ہے اور "لَوْ اَنَّ لَهُمْ" مکمل کلام اس کی خبر ہے ] ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بہت بُرا حساب ہے کہ حساب لینے میں سختی کی جائے گی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جس سے سخت حساب لیا گیا وہ عذاب میں گرفتار کر لیا گیا [1] ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ حساب کے بعد ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے [مذموم محذوف ہے یعنی جہنم]۔

## ایفائے عہد کرنے والوں اور عہد شکنوں کا تعارف اور ان کے انجام کا بیان

۱۹۔ ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ﴾ تو کیا وہ شخص جو جانتا ہے۔[اس میں ''فا'' سے پہلے ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے جس کے ذریعے مماثلت بیان کرنے کے بعد اس شخص کے بارے میں شک وشبہ واقع ہونے کا انکار کیا گیا ہے جو یہ جانتا ہے کہ] ﴿اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کی جانب سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے حق ہے پس اس نے تسلیم کر لیا' وہ اس جاہل کے حال سے بہت دور ہے جو اندھے پن کی وجہ سے کچھ نہیں دیکھتا اور نہ وہ حق کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے یہی مراد ہے: ﴿كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى﴾ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھا ہے جس طرح پانی اور اس کی جھاگ میں اور خالص سونے اور اس کے میل کچیل میں فرق ہے ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ بے شک عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں یعنی جن لوگوں نے اپنی عقول کے فیصلوں پر عمل کیا اور انہوں نے غور وفکر کیا اور بصیرت حاصل کی۔

۲۰۔ ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔[یہ مبتدا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ'' اس کی خبر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ'' مبتدا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ'' (الرعد:۲۵) اس کی خبر ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ''اُولُو الْاَلْبَاب'' کی صفت ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے] اللہ تعالیٰ کے عہد سے وہ عہد مراد ہے جو میثاق کے دن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا اقرار کیا اور گواہی دی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا'' (الاعراف:۱۷۲) ''اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ذات پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب نے کہا: کیوں نہیں! تو ہی ہمارا رب ہے ہم گواہ ہیں''۔ ﴿وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ اور وہ لوگ عہد کو پختہ کر کے توڑتے نہیں (یعنی) جس عہد کو انہوں نے قول واقرار سے مضبوط و مستحکم کر کے اپنے ذمے لے لیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے علاوہ دوسرے معاہدے' ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اور ان کے درمیان اور دوسرے بندوں کے درمیان لازم کیے گئے ان سب کو قبول کر لیا [یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے]۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور جو رشتۂ قرابت کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:۶۵۳۶' الترمذی رقم الحدیث:۲۴۲۶

عذاب کا خوف رکھتے ہیں O اور جو اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس سے وہ پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور وہ بھلائی کے ذریعے بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور انہی کے لیے آخرت کا گھر ہے O ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے وہ باپ دادا اور بیویاں اور اولاد بھی جو نیک ہیں اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے O

۲۱- ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ اور وہ لوگ رشتہ داری کے تعلق کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس سے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے تعلقات قائم کرنا مراد ہے' جس میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت اور ایمان لانے کے ذریعے ثابت ہونے والی تمام مسلمانوں کی قرابت سے تعلق جوڑنا داخل ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (الحجرات: ۱۰) ''بے شک تمام مسلمان آپس میں باہم بھائی ہیں''۔ ان کے ساتھ اپنی ہمت کے مطابق نیکی کرنا اور ان کی مدد کرنا اور ان سے مصیبت کو دور کرنا اور ان پر شفقت کرنا اور انہیں سلام کہنا اور بیماروں کی عیادت کرنا ضروری اور لازم ہے اور اسی میں ساتھیوں کے حقوق کی رعایت کرنا اور خادموں' نوکروں اور سفر کے دوستوں سے محبت و شفقت سے پیش آنا' ان کے حقوق کا خیال کرنا بھی شامل ہے ﴿ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی اس کی ہر وعید (دھمکی) سے ڈرتے ہیں ﴿ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴾ اور وہ حساب کی سختی سے خصوصی طور پر ڈرتے ہیں' چنانچہ وہ اپنے آپ کا محاسبہ خود کرتے ہیں' اس سے پہلے کہ ان کا محاسبہ کیا جائے۔

۲۲- ﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ﴾ اور جو لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں میں آنے والی مصیبتوں اور سخت ترین تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں ﴿ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کی رضا طلب کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ کتنا صابر آدمی ہے اور نازل ہونے والی مصیبتوں کو کس قدر برداشت کرنے والا ہے اور پھسلنے والے مقامات پر کس قدر قائم رہنے والا ہے اور نہ ایسا ہو کہ جزع وفزع اور بے صبری کرنے پر اس کی مذمت کی جائے ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ ہمیشہ نماز قائم کرتے ہیں ﴿ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یعنی حلال رزق خرچ کرتے ہیں اگرچہ حرام مال بھی ہمارے ہاں رزق میں شامل ہے ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ پوشیدہ اور علانیہ۔ یہ تمام نفلی صدقات کو شامل ہے کیونکہ ان کو چھپ کر پوشیدہ صدقہ کرنا افضل و بہتر ہے اور یہ صدقاتِ واجبہ کو بھی شامل ہے کیونکہ ان کو تہمت سے بچنے کے لیے علانیہ صدقہ کرنا افضل و بہتر ہے ﴿ وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ اور وہ بھلائی کے ساتھ بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور وہ اپنے اوپر غیروں کی لگائی گئی بُرائی کا شیریں کلامی اور نرم گفتگو کے ذریعے دفاع کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب انہیں محروم رکھا جاتا ہے تو وہ عطا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور جب ان سے تعلق توڑ لیا جاتا ہے تو وہ اس تعلق کو ازسرنو جوڑتے ہیں اور جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور جب وہ (دنیاوی دھندوں میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ سے) دور ہو جاتے ہیں تو وہ بہت جلد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور جب وہ کسی بُرائی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً اس کو تبدیل کرنے کا حکم دے دیتے ہیں' سو یہ آٹھ اعمال ہیں جو جنت کے آٹھوں دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا کا انجام آخرت کا بہترین گھر ہے اور وہ جنت ہے کیونکہ یہ جنت ہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ دنیا کا انجام ہو اور اپنے رہنے والوں کے لیے مرکز رجوع ہو۔

۲۳- ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ہمیشہ رہنے والی بہشتیں ہیں [یہ ''عُقْبَى الدَّارِ'' سے بدل ہے یعنی آخرت کے گھر سے مراد

ہمیشہ کی بہشتیں ہیں] ﴿ يَّدْخُلُوْنَهَا ﴾ جن میں وہ خود بھی جائیں گے ﴿ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ﴾ اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے ایمان لائے اور نیکی اختیار کی وہ بھی ان جنتوں میں جائیں گے [اور لام پر پیش کے ساتھ ''صَلُحَ'' بھی پڑھا گیا ہے جب کہ لام پر زبر پڑھنا زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور ''مَنْ'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''يَدْخُلُوْنَهَا'' کی ضمیر پر معطوف ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ اس کی تاکید نہیں لائی گئی کیونکہ ضمیر مفعول فاصل ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ممکن ہے کہ مفعول معہ ہو اور ان کو صلاح کے ساتھ موصوف کیا] تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ نسب بذاتِ خود نفع نہیں دیتا (جب تک ایمان نہ ہو) اور ان میں سے ہر ایک کے باپ دادے مراد ہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ایمان دار آباء و امہات (جنتوں میں ان کے ساتھ جائیں گے) ﴿ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس دس رات کی مقدار میں تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خوشخبری سنانے اور دیگر تحائف و انعامات لے کر داخل ہوا کریں گے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ
اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَ
فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع ۸ ۳

(اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا سو آخرت کا گھر بہت اچھا ہے ○ اور جو لوگ پختہ اقرار کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس تعلق کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے توڑ دیتے ہیں اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بدترین گھر ہے ○ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے' اور وہ لوگ دنیا ہی کی زندگی سے خوش ہو گئے' اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں صرف عارضی اور محدود سامان ہے ○

۲۴- ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ [یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ فرشتے ان کے پاس داخل ہوتے وقت کہیں گے کہ تم پر سلام ہو یا یہ معنی ہے کہ فرشتے سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے ﴿ بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾ اس لیے کہ تم نے صبر کیا۔ [یہ محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''هٰذَا بِمَا صَبَرْتُمْ'' یعنی یہ اجر و ثواب خواہشاتِ نفسانی پر تمہارے صبر کرنے کے سبب ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنے کے سبب ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام پیش کرتے ہیں اور تمہارا احترام کرتے ہیں اور پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے] ﴿ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ سو آخرت کا گھر بہت اچھا ہے اور وہ بہشتیں ہیں۔

۲۵- ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کر لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں (یعنی) اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو اقرار و اعتراف اور قبول کر لینے کے ذریعے پختہ کر لیا تھا ﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور جس رشتہ کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے' اس کو وہ لوگ توڑ دیتے

ہیں اور کفر و شرک اور ظلم و ستم کے ذریعے وہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے (یعنی) رحمتِ الٰہی سے دور کر دیئے گئے ہیں ﴿ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہے۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے دنیا میں ان کا بُرا انجام مراد ہو کیونکہ یہ آخرت کے گھر کے مقابلے میں مذکور ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''الدار'' سے دوزخ مراد ہو اور اس کی بُرائی سے دوزخ کا عذاب مراد ہو۔

۲۶-﴿ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے اور وہی تنگ کر دیتا ہے یعنی وہ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا خود ہی جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں کرتا ﴿ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ اور وہ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے۔ انہیں دنیا میں جو رزق کی فراخی اور وسعت نصیب ہوئی وہ اس پر خوش ہو گئے' اترانے لگے اور تکبر و غرور کرنے لگ گئے اور وہ اس لیے خوش نہیں ہوئے تھے کہ انہیں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے انعامات ملنے پر خوشی حاصل ہوئی اور نہ انہوں نے اس کے مقابلے میں شکر ادا کیا تا کہ انہیں آخرت کی نعمتوں کی صورت میں اجر و ثواب عنایت کیا جاتا ﴿ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴾ اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ نہیں مگر عارضی سامان ہے۔ کفار پر یہ بات مخفی تھی کہ دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں مگر معمولی سی' جس سے تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے سوار معمولی سامان اپنے پاس رکھتا ہے اور وہ سامان تھوڑی سی کھجوریں اور تھوڑے سے ستو ہوتے ہیں۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

اور جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور اپنی طرف اس کی راہ نمائی کرتا ہے جو رجوع کرے ○ وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں' یاد رکھو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے خیر و پاکیزگی ہے اور بہترین ٹھکانا ہے ○

## کافروں کے اعتراضات اور مسلمانوں کی شان' حضور کی بعثت کا مقصد اور کفار پر وبال کا بیان

۲۷-﴿ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ یعنی ایسی نشانی جس کا مطالبہ کیا گیا ہے ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد دیگر آیات و معجزات کے مطالبے پر جس کو چاہتا ہے

گمراہ کر دیتا ہے ﴿ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کر لے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جو اپنے دل سے اس کی طرف رجوع کرے۔

۲۸۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے [یا یہ محلاً منصوب ہے ''مَنْ اَنَابَ'' میں سے ''مَنْ'' سے بدل ہے ] ﴿ وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ اور ان کے دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے سکون حاصل کرتے ہیں یا قرآن مجید سے سکون پاتے ہیں یا اس کے وعدہ سے مطمئن ہوتے ہیں ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ سن لو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو سکون وچین ملتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب مسلمانوں کے دلوں کو قرار اور چین نصیب ہوتا ہے۔

۲۹۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ [یہ مبتدا ہے ] ﴿ طُوْبٰى لَهُمْ ﴾ ان کے لیے بھلائی ہے۔ [یہ مبتدا کی خبر ہے اور ''طوبٰی'' مصدر ہے ''طَابَ'' سے ماخوذ ہے جیسے ''بُشْرٰی'' اور ''طُوْبٰی لَكَ'' کا معنی ہے: ''اَصَبْتَ خَيْرًا وَّطَيِّبًا'' تم نے بھلائی اور پاکیزگی کو پالیا اور یہ محلاً منصوب ہے یا پھر مرفوع ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''طَيِّبًا لَّكَ وَطِيْبٌ لَّكَ'' تمہارے لیے خوشی مبارک ہو: ''سَلَامًا لَّكَ وَسَلَامٌ لَّكَ'' تمہارے لیے سلامتی ہے اور ''لَهُمْ'' میں لام بیان کے لیے ہے' جس کی مثال ''سَقْيًا لَّكَ'' ہے تمہارے لیے سیرابی ہو اور ''طُوْبٰی'' میں واؤ ''یا'' سے تبدیل کی گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مضموم ہے جیسے ''مُوْقِنٌ'' ہے ] ﴿ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾ اور بہترین ٹھکانا ہے (یعنی) لوٹ کر جانے کی بہترین جگہ ہے اور اس میں نون پر رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور نصب اس کے محل پر دلالت کرتا ہے [ (یعنی لفظاً مرفوع ہے اور محلاً منصوب ہے ) ]۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے ساری امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ انہیں وہ کلام پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے حالانکہ وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں' آپ فرمایئے کہ وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اسی کی ذات پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے ○

۳۰۔ ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ جس طرح ہم پہلے سابقہ امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجتے رہے' اسی طرح ﴿ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ ہم نے آپ کو ایسی رسالتِ عامہ کے ساتھ بھیجا ہے جس کی بہت بڑی شان ہے اور باقی تمام بھیجی گئی رسالتوں سے افضل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت بیان فرمائی کہ اس نے اپنے رسول کو کیسے بھیجا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ ﴾ یعنی ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکیں تو یہ تمام امتوں سے آخری امت ہے اور آپ تمام نبیوں سے آخری نبی ہیں ﴿ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ تاکہ انہیں وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے (یعنی) تاکہ آپ انہیں وہ عظیم الشان کتاب (قرآن مجید) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴾ اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کفر کرتے ہیں ﴿ بِالرَّحْمٰنِ ﴾ رحمان کے ساتھ جو بہت مہربان ہے جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے ﴿ قُلْ هُوَ رَبِّيْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہی میرا رب ہے اور وہ

ہی ہر چیز کا رب ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے یعنی وہی اکیلا میرا رب ہے جو شریکوں سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے ﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ میں نے تمہارے خلاف مدد لینے میں صرف اسی ذات پر بھروسا کیا ہوا ہے ﴿ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴾ اور میرا رجوع صرف اسی کی طرف ہے' سو وہی تمہاری ایذاؤں اور تکلیفوں کے برداشت کرنے پر مجھے اجر و ثواب عنایت فرمائے گا [اور قاری یعقوب کی قراءت میں حالتِ وقف اور حالتِ وصل میں ''مَتَابِ'' کی بجائے ''مَتَابِیْ'' اور ''عِقَابِ'' کی بجائے ''عِقَابِیْ'' اور ''مَاٰبِ'' کی بجائے ''مَاٰبِیْ'' ہے]۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع ۴ / ۱۰

اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین ٹکڑوں میں تقسیم کی جاتی یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کی جاتیں (تو کافر پھر بھی ایمان نہ لاتے)' بلکہ ہر چیز کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے' تو کیا مسلمان اس بات سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہے تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دے' اور کافر جو کچھ کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے ان پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے' بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O

---

۳۱-﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ﴾ اور اگر یہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کی برکت سے پہاڑ اپنی اصل قرارگاہ سے چلائے جاتے ﴿ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ ﴾ یا اس کے ذریعے زمین کاٹی جاتی یہاں تک کہ وہ پھٹ جاتی اور مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ﴿ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ﴾ یا اس کی وجہ سے مُردوں سے باتیں کی جاتیں اور آپ سنتے اور ان کا جواب دیتے تو یہ قرآن مجید ان کاموں کے لیے باقی تمام کتابوں سے زیادہ موزوں اور مناسب تھا کیونکہ یہ قرآنِ مجید وعظ و نصیحت میں اور لوگوں کو خوف دلانے اور ڈرانے میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے [بہرحال ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس قرآن مجید کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین پھٹ کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی اور مُردے زندہ ہو کر باتیں کرتے اور آپ انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں بتا دیتے تو پھر بھی کفارِ مکہ ایمان نہ لاتے اور نہ وہ اس قرآن مجید سے آگاہی حاصل کرتے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' (الانعام:۱۱۱) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے جمع کر دیتے تو وہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے''۔
﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ﴾ بلکہ ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے (یعنی) ہر چیز پر پوری قدرت و طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ ان تمام معجزات کو دکھانے پر پوری طرح قادر ہے جن کا کفارِ مکہ نے مطالبہ کیا ہے ﴿ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ تو کیا مسلمان مایوس نہیں ہوئے؟ (یعنی) کیا اہل ایمان کو معلوم نہیں؟ [اور یہ معنی نخع کی قوم کی لغت میں ہے اور بعض

اہل علم حضرات نے کہا کہ ''یَایْئَسْ'' بہ معنی علم استعمال کیا جاتا ہے اس لیے کہ ''یَایْئَس'' ''علم کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ کسی چیز سے مایوس ہو جانا اس بات کو جان لینا ہے کہ یہ کام نہیں ہوگا جیسا کہ نسیان (بھولنا) ترک کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ نسیان ترک کے معنی کو متضمن ہے جس کی دلیل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے: ''اَفَلَمْ یَتَبَیَّنْ'' اور بعض نے کہا کہ یہ کاتب نے لکھ دیا ہے اور وہ ناعس ہے جس نے سین کے دندانے برابر کر دیئے اور یہ قول خدا کی قسم! جھوٹا الزام ہے جس میں کوئی شک نہیں] ﴿اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ﴾ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور کافروں پر ان کے کفر و شرک اور ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی جو انہیں خوف زدہ کرتی رہے گی اس وجہ سے کہ ہر وقت ان پر اللہ تعالیٰ مختلف مصائب و آلام اور بلائیں ان کی جانوں میں اور ان کے اموال میں اور ان کی اولاد میں بھیجتا رہے گا ﴿اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ﴾ یا وہ مصیبت ان کے گھروں کے قریب اترے گی یا وہ مصیبت خود ان کے قریب اترے گی جس سے وہ خوف زدہ ہو جائیں گے اور اس کے شرارے ان پر گریں گے اور اس کی بُرائیاں ان کو پہنچیں گی ﴿حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے یعنی ان کی موت یا قیامت یا یہ معنی ہے کہ چونکہ کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی کی اور آپ کو جھٹلایا تو اس لیے ان پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے مکہ مکرمہ کے اردگرد غارت گری کی اور ان سے ان کے مال چھین لیے یا اے محمد (ﷺ)! آپ حدیبیہ کے دن تشریف لا کر ان کے گھروں کے قریب اتر گئے ﴿حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آن پہنچا یعنی مکہ مکرمہ فتح ہو گیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا یعنی اس کے وعدہ میں خلف جائز نہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور بے شک آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے کافروں کو مہلت دے دی، پھر میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، سو میرا عذاب کیسا رہا ○ تو کیا وہ جو ہر شخص کے اعمال پر جو اس نے کمائے نگران ہے (اس جیسا ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں)، اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، فرمایئے کہ تم ان کے نام بتاؤ، یا تم اس کو ایسی خبر دیتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں یا یونہی سرسری بات کہہ دیتے ہیں، بلکہ کافروں کے لیے ان کی فریب کاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں اور انہیں راہ (حق) سے روک دیا گیا ہے، اور جس کو اللہ گمراہی پہ ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ○

## رسولوں کی تکذیب اور شرک پر عذاب، اہل تقویٰ کے لیے انعام

۳۲۔﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے تو میں نے کافروں کو مہلت دے دی۔ [''اَمْلَيْتُ''، ''اِمْلَاءٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''اِمْلَاءٌ'' کا معنی ہے: مہلت دینا] اور ایک لمبی مدت تک کسی کو عیش وعشرت اور امن وخوشحالی میں چھوڑ دینا ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، سو میرا عذاب کیسا سخت رہا، اور یہ کفارِ مکہ کے لیے بہت بڑی وعید اور دھمکی ہے اور انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے جن معجزات کا مطالبہ کیا تھا، ان کا یہ جواب ہے اور نیز یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی ہے۔

۳۳۔﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ ﴾ تو کیا وہ جو ہر شخص کے اعمال کا محافظ ہے؟ یہ مشرکینِ مکہ پر حجت قائم کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ جو ہر شخص کے اعمال پر نگران ہے خواہ وہ نیک یا بد ہو ﴿ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ جو اس نے کمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نیک اور بد تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ہر شخص کے لیے اس کا بدلا تیار رکھتا ہے اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس طرح نہیں ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے شریکوں کی نفی کرنا ہے ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنا رکھے ہیں یعنی بتوں کو شریکِ خدا بنا رکھا ہے ﴿ قُلْ سَمُّوْهُمْ ﴾ اے محبوب! ان سے فرمایئے کہ تم ان کے نام بتاؤ یعنی تم اس کے لیے ان بتوں کے نام لو وہ کون ہیں؟ اور ان کے نام بتاؤ، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ ﴾ کیا تم اس کو ایسی بات بتاتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں ہے۔ [''اَمْ'' منقطعہ بہ معنی ''بَلْ'' ہے] (یعنی) بلکہ تم اس کو اس کے شریکوں کی خبر دیتے ہو جو پوری روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں ہیں جب کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو خوب جاننے والا ہے تو جب وہ اس کے علم میں نہیں ہیں تو پھر حقیقت میں ان کا وجود ہی نہیں ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے شریکوں کی نفی کرنا ہے ﴿ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ﴾ یا یونہی سرسری بات کہتے ہو بلکہ کیا تم ان کے نام زبانی کلامی شرکاء (خدا کے شریک) رکھتے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں، جیسے ارشاد ہے: ''ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ'' (التوبہ: ۳۰) ''یہ ان کے منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا'' (یوسف: ۴۰) ''تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ محض چند نام ہیں جو تم نے خود تراش لیے ہیں''۔ ﴿ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ ﴾ بلکہ کافروں کے لیے ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اسلام کے خلاف ان کی فریب کاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں ﴿ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا گیا ہے۔ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''صُدُّوْا'' میں صاد مضموم ہے (کیونکہ فعل ماضی مجہول ہے) جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں صاد مفتوح ہے (اس بناء پر کہ یہ فعل ماضی معروف ہے)] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اور کافروں نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے سے منع کیا اور روکا ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی کی راہ پر ڈال دیتا ہے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہوتا جو اس کو ہدایت دینے کی قدرت وطاقت رکھتا ہو۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ
اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے' اور اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا O جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس کے پھل اور اس کا سایا ہمیشہ قائم رہیں گے' یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے' اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے O اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور بعض گروہ اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں' میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور مجھے اسی کی طرف جانا ہے O

۳۴۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں قتل ہونے اور قیدی بننے اور مختلف مصائب و آلام کو جھیلنے کا عذاب ہوگا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اور آخرت کا عذاب دائمی ہونے کی بناء پر ضرور زیادہ سخت ہوگا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اور ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا (یعنی) ان کی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہوگا۔

۳۵۔ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی) اس بہشت کی شان جو مثال میں انوکھی اور نرالی ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی "فِيْمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ"] اس میں جو کچھ تم پر تلاوت کیا جاتا ہے جنت کی مثال یا اس کی خبر ہے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں' جیسے تم کہتے ہو: "صِفَةُ زَيْدٍ اَسْمَرُ" کہ زید کی صفت یہ ہے کہ وہ گندم گوں ہے یا رات کا قصہ گو ہے ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ اس کے پھل ہمیشہ رہنے والے دائمی وجود والے ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے ﴿وَظِلُّهَا﴾ اور اس کا سایا دائمی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا جیسا کہ دنیا میں سورج سے ختم ہو جاتا ہے ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے یعنی پرہیزگاروں کے تقویٰ کا انجام یہ جنت ہے جس کی شان بیان کی گئی ہے یعنی یہ ان کے عمل کی انتہا ہے ﴿وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

## نزولِ قرآن پر اہلِ کتاب کا مختلف ردعمل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اتباع کی ممانعت کا بیان

۳۶۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی' وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے یہود میں سے اسلام قبول کر لیا تھا جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور اسی طرح ان کے ساتھی اور نصاریٰ میں سے سرزمین حبشہ کے رہنے والے ﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ﴾ اور بعض گروہ سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت و دشمنی میں مختلف گروہ تیار کر رکھے تھے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی اور سید اور عاقب اور ان کے گروہ کے دوسرے ساتھی ﴿مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ جو اس قرآن مجید کے کچھ حصے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ان واقعات اور بعض احکام و معانی کا انکار نہیں کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں

درج تھے' بلکہ وہ لوگ حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے اور اس کے علاوہ ان احکام کا انکار کرتے تھے جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی اور ان کو تبدیل کر دیا تھا ﴿ قُلْ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ أُشْرِكَ بِهٖ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور میں اس کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہراؤں' یہ اہلِ کتاب میں سے منکرین کے لیے جواب ہے یعنی اے محبوب! آپ منکرین سے فرما دیں کہ میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں' لہٰذا تمہارا اس کتاب سے انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا انکار کرنا ہے' پس اب تم غور و فکر کرو کہ تم کس کا انکار کر رہے ہو' اس کے باوجود کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا واجب و لازم ہے اور یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے ﴿ إِلَيْهِ أَدْعُوا ﴾ میں خاص اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں' اس کے علاوہ میں کسی کی طرف دعوت نہیں دیتا ﴿ وَإِلَيْهِ مَاٰبِ ﴾ اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس کے علاوہ کسی غیر کی طرف نہیں اور تم بھی اسی طرح کہتے ہو' سو تمہارے انکار کا کوئی معنی نہیں۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ ع ۱۱
وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَّأْتِيَ بِاٰيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ
اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکمت سے لبریز عربی زبان میں نازل کیا' اور اگر (بہ فرضِ محال) آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا' تو اللہ کے مقابلے میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد مقرر کر دی' اور کسی رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لائے' ہر وقت کے لیے تحریر ہے O اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے' اور کتاب کی اصل اس کے پاس ہے O

۳۷- ﴿ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ ﴾ اور جس طرح ہم نے تورات و انجیل کو نازل کیا تھا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کی توحید کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف دعوت دی گئی ہے اور دارالجزاء (قیامت کے دن) سے ڈرایا گیا ہے ﴿ حُكْمًا عَرَبِيًّا ﴾ عربیّت کی حکمت (فصاحت و بلاغت) سے یہ قرآن لبریز ہے' عربی زبان میں ترجمہ کر کے بھیجا گیا ہے [اور یہ حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔ رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کو مشترکہ اُمور کی طرف دعوت دیا کرتے تھے' اس لیے آپ سے فرمایا کہ ﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ اور اگر (بہ فرضِ محال) آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے' اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا یعنی مستحکم براہین اور مضبوط دلائل کے ساتھ علم حاصل کر لینے کے بعد ﴿ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا یعنی کوئی مددگار آپ کی مدد نہیں کرے گا

اور نہ کوئی بچانے والا آپ کو اس سے بچا سکے گا۔

تنبیہ: اور یہ خطاب ترہیب و تنبیہ کے باب سے ہے جس کے ذریعے سامعین کو دین اسلام پر قائم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس بات پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ دین اسلام کو دلائل کے ساتھ مضبوطی سے تھام لینے کے بعد کسی قسم کے شک وشبہ کے وقت پاؤں میں لغزش نہیں آنی چاہیے ورنہ رسول اللہ ﷺ تو اپنی جگہ پر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ قائم تھے۔

## کفار کے اعتراض کا جواب اور نسخ کے جواز کا ثبوت اور حضور ﷺ کے لیے تسلی

۳۸۔ شانِ نزول: کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ عیب لگایا کرتے تھے کہ آپ نکاح کر کے بیویاں اور بچے رکھتے ہیں اگر آپ نبی ہوتے تو بیویاں اور بچے نہ رکھتے اور من پسند معجزات کا آپ سے مطالبہ کرتے تھے اور نسخ کا انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیات نازل فرما کر ان کے اعتراض کا جواب دیا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور بچے مقرر کیے (یعنی) ان کے ہاں بھی عورتیں اور اولادیں تھیں ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور کسی رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لا کر دکھا دے یعنی قوم کے مطالبے پر معجزات کو پیش کرنا کسی نبی اور رسول کے ذاتی اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا گیا ہے ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ہر وقت کے لیے ایک حکم اور ایک فیصلہ بندوں کے ذمے لکھ دیا جاتا ہے یعنی بندوں پر وہی حکم فرض کیا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ تقاضا کرتی ہے۔

۳۹۔ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ جس کو منسوخ کرنا چاہتا ہے اسے منسوخ کر دیتا ہے (نسخ کا معنی ہے: کسی چیز کے حکم کی اختتامی مدت کو بیان کرنا) ﴿وَيُثْبِتُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے یعنی اس کو بغیر منسوخ کے ترک کر دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فرشتوں کے دفتر ناموں سے مٹا دیتا ہے اور اس کے علاوہ ثابت رکھتا ہے یا توبہ کرنے والوں کا کفر مٹا دیتا ہے اور ان کا ایمان ثابت رکھتا ہے یا جس کی موت کا وقت آ جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مار دیتا ہے اور اس کا برعکس بھی کر دیتا ہے [اور نافع مدنی، ابن عامر شامی، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں (''يُثْبِتُ'' بجائے تخفیف کے ''ثا'' مفتوح اور ''با'' مشدد مکسور باب تفعیل سے) ''يُثَبِّتُ'' ہے] ﴿وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اور کتاب کی اصل اس کے پاس ہے یعنی ہر کتاب کی اصل اسی کے پاس ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے، اس لیے کہ ہر ہونے والا کام اس میں لکھا ہوا ہے۔

| |
|---|
| وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا |
| الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا |
| مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ |
| الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ |

اور اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جو ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا ہم آپ کو اٹھا لیں تو بے شک آپ کے

ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے O اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آ رہے ہیں' اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے فیصلے کو کوئی پلٹنے والا نہیں' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے O اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے (بھی) مکر وفریب کیے' سو تمام خفیہ تدبیریں اللہ ہی کے لیے ہیں' ہر شخص جو کام بھی کرتا ہے وہ اسے خوب جانتا ہے' اور عنقریب کافر جان لیں گے کہ آخرت کے گھر کا نیک انجام کن لوگوں کے لیے ہے O

٤٠۔ ﴿وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ اور اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے یا ہم آپ کو اٹھا لیں اور اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم آپ کو (سرزمینِ بدر میں) ان کے مارے جانے کی جگہیں دکھا دیں گے اور ہم نے ان پر عذاب نازل کرنے کا ان سے جو وعدہ کیا ہے وہ آپ کو دکھا دیں گے یا ہم آپ کو اس سے پہلے اپنے پاس اٹھا لیں گے ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ سو آپ پر صرف پہنچا دینا لازم ہے (یعنی) پس آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا واجب ہے اور بس ﴿وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے (یعنی) ان سے حساب لینا اور ان کے اعمال پر ان کو سزا دینا ہمارے ذمے ہے' آپ پر کچھ لازم نہیں' لہٰذا ان کا آپ سے منہ پھیر لینا آپ کو غمگین نہ کر دے اور آپ ان کی روگردانی پر پریشان نہ ہوں اور نہ ان کے لیے عذاب میں جلدی کیجئے۔

٤١۔ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم کافروں کے علاقوں کی زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آ رہے ہیں وہ اس طرح کہ ہم ان علاقوں پر مسلمانوں کو فتح و کامیابی اور غلبہ نصیب کر رہے ہیں اور ہم دارالحرب (یعنی کافروں کے ملک) کو گھٹا رہے ہیں اور ہم دارالاسلام (مسلمانوں کے ملک) میں اضافہ کر رہے ہیں اور یہ فتح و نصرت اور غلبہ و کامیابی کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے ذمے صرف وہ پیغام پہنچانا لازم ہے جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے اور اس کے علاوہ کسی چیز پر آپ پریشان نہ ہوں' سو ہم ان کے مقابلے میں آپ کو کافی ہیں اور ہم نے آپ سے جو فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا وعدہ کیا ہے وہ ہم ضرور پورا کریں گے ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی پلٹنے والا نہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کوئی نہیں پھیر سکتا اور ''مُعَقِّب'' اس کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر بار بار حملہ کر کے اس کو مٹا دے جس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے پیچھے سے آ کر اسے مٹا دے' اسی وجہ سے صاحبِ حق کو معقب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لیے اپنے مقروض کا تعاقب کرتا ہے اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور سربلندی اور ترقی دینے کا اور کفر کو ذلیل و پست کرنے اور اس کو مغلوب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کو روکا نہیں جا سکتا [اور ''لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے' گویا فرمایا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کہ اس کا حکم نافذ ہو کر رہے گا' جیسے تم کہو: ''جَآءَ نِىْ زَيْدٌ لَا عَمَامَةَ عَلٰى رَاْسِهٖ وَلَا قَلَنْسُوَةَ لَهٗ'' . میرے پاس زید آیا' اس کے سر پر نہ پگڑی تھی اور نہ ٹوپی تھی' جس سے تمہارا مقصد یہ بتانا ہو کہ وہ ننگے سر ہے] ﴿وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے' سو اللہ تعالیٰ دنیا میں (قید' قتل اور جلاوطنی کے) عذاب کے بعد آخرت میں بہت کم وقت میں ان سے حساب لے لے گا۔

٤٢۔ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر وفریب کیا تھا یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مکر وفریب کیا تھا اور ''مکر'' کا معنی یہ ہے کہ کسی کو پوشیدہ طور پر نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خفیہ تدبیر کا ذکر کر کے ان کے مکر وفریب کو کالعدم قرار دے دیا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ﴾ پس تمام خفیہ تدبیریں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ وہ اسے جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہے اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کے گھر کا اچھا انجام کن کے لیے ہے یعنی نیک انجام' اس لیے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہر شخص کما رہا ہے اور اس نے ہر شخص کے لیے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا تیار کر رکھی ہے' سو یہی اس کی خفیہ تدبیر ہے اس لیے کہ وہ ان کو ایسی سزا دے گا کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا اور وہ اس منصوبہ سے غافل ہیں جو ان کے خلاف تیار کیا جا رہا ہے [اہل حجاز اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''اَلْكَافِرُ'' ہے جس سے جنسِ کافر مراد ہے]۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ
وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع۶ ۱۲

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں' آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے' اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے○

۴۳- ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ ان کافروں سے کعب بن اشرف اور یہود کے سردار مراد ہیں' انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ رسول نہیں ہیں اور اسی وجہ سے حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے ماسوا اس آیت مبارکہ کے ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ اے میرے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس نے میری نبوت و رسالت کے دلائل بیان فرما کر ان کو واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے [اور حرف ''بَا'' فاعل پر داخل کیا گیا ہے اور ''شَهِيْدًا'' تمییز ہے] ﴿ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴾ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ ہے اور ''الكتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے' جس کی دلیل وہ قراءت ہے جس میں ''وَمِنْ عِنْدِهٖ عِلْمُ الْكِتَابِ'' ہے یعنی کتاب کا علم اسی کی طرف سے ہے اس لیے کہ اس کو وہی جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے لطف سے سکھا دے اور بعض نے فرمایا: ''مَنْ'' سے اہل کتاب کے وہ علماء مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت اور شان کی گواہی دیتے تھے' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن سلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ میرے حق میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''مَنْ'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں [اور یہ ''مَنْ'' لفظِ ''اللّٰه'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یا جار و مجرور کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے: ''كَفَى اللّٰهُ وَعِلْمُ الْكِتَابِ''. اور یہ ظرف میں فعل مقدر کے ساتھ مرفوع ہے' پس یہ فاعل ہے اس لیے کہ ظرف ''مَنْ'' کا صلہ ہے اور ''مَنْ'' یہاں پر بہ معنی ''اَلَّذِيْ'' ہے اور مقدر عبارت یوں ہے: ''مَنْ ثَبَتَ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ'' اور یہ اس لیے کہ ظرف جب صلہ واقع ہوتا ہے تو فعل والا عمل کرتا ہے' جیسے ''مَرَرْتُ بِالَّذِيْ فِي الدَّارِ اَخُوْهُ'' سو اس میں ''اَخُوْهُ'' فاعل ہے' جیسا کہ تم کہتے ہو: ''بِالَّذِي اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ اَخُوْهُ''. ''مَنْ'' میں میم کو کسرہ کے ساتھ قراءت میں علم مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○

سورۂ ابراہیم مکی ہے اس کی باون آیات' سات رکوع ہیں

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾

الٓرٰ' یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں' تمام خوبیوں کے مالک غالب اللہ کے راستے کی طرف ○ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز جس کی ملکیت میں ہے' اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے بہت بڑی ہلاکت ہے ○ جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی سے پیار کرتے ہیں اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ اس میں کجی چاہتے ہیں' یہی لوگ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں ○

## رسولوں کی بعثت کا مقصد اور بنی اسرائیل پر انعامات کا تذکرہ

۱- ﴿الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ﴾ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے [''کِتٰبٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''ھٰذَا کِتٰبٌ'' ہے' یہ کتاب یعنی یہ سورت اور وہ جملہ جو اس کے بعد ہے (یعنی) ''اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ'' محلاً مرفوع ہے کہ ''کتاب'' نکرہ کی صفت ہے] ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں (یعنی) آپ ان کو دعوتِ اسلام دے کر گمراہی کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی اجازت سے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے اسبابِ ہدایت آسان و نرم کرنے کی وجہ سے اور یہ معنی ''اذن'' سے مستعار لیا گیا ہے جو پردے کو نرم کرنے کا معنی رکھتا ہے' یہ وہی توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عطا فرما دیتا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطِ﴾ راستے کی طرف [یہ تکرار عامل ''النور'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿الْعَزِیْزِ﴾ انتقام و بدلا لینے پر غالب ہے ﴿الْحَمِیْدِ﴾ انعام دینے پر لائق حمد و ثناء ہے۔

۲- ﴿اللّٰهِ﴾ [نافع مدنی' ابن عامر شامی کی قراءت میں اس بناء پر مرفوع ہے کہ (یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں) ھُوَ اللّٰهُ ہے ان دونوں کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں اس بناء پر مجرور ہے کہ یہ ''الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ'' پر معطوف ہے] ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تخلیق و پیدائش اور ملک کے اعتبار سے اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکلنے والوں کا ذکر کیا تو کافروں کو ''ویل'' (بربادی) سے ڈرایا دھمکایا [اور یہ ''وَاْلٌ'' کی نقیض ہے اور ''وَاْلٌ'' کا معنی نجات ہے (تو ''وَیْلٌ'' کا معنی ہلاکت و بربادی ہوا) اور یہ ہلاک کی طرح معنوی اسم ہے] چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے ہلاکت و بربادی ہے [اور یہ مبتدا خبر ہے اور (درج ذیل آیت ''اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ'') صفت ہے]۔

۳۔﴿ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ ﴾ جو لوگ پسند کرتے ہیں اور وہ ترجیح دیتے ہیں ﴿ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ ﴾ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ﴿ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) اس کے دین سے لوگوں کو روکتے ہیں ﴿ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ اور وہ اس میں کجی چاہتے ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے کجی اور ٹیڑھا پن طلب کرتے ہیں [اور اصل میں ''وَیَبْغُوْنَ لَهَا'' تھا' پھر حرف جار کو محذوف کر دیا گیا اور فعل کو ضمیر سے ملا دیا۔ ''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴾ ] یہی لوگ حق سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں [اور ''ضلال'' کو ''بُعْد'' کے ساتھ موصوف کرنا اسنادِ مجازی میں سے ہے اور حقیقت میں ''بُعْد'' '' ضَآلّ '' (گمراہ) کے لیے ہے کیونکہ وہی گمراہ شخص راہِ حق سے دور ہوتا ہے اس لیے اس کے فعل کو اس کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے جیسے تم کہتے ہو: ''جَدَّ جِدُّهٗ'' اس نے خوب کوشش کی یا مجرور ہے اور ''کٰفِرِیْنَ'' کی صفت ہے یا مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا مرفوع ہے' میری مراد ''اَلَّذِیْنَ'' پر ہے یا ''هُمُ الَّذِیْنَ'' ہے]۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے لیے (احکامِ دین) کھول کر بیان کرے پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دے دیتا ہے' اور وہ سب پر غالب ہے بڑی حکمت والا ہے ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں' اور ان کو اللہ کے مخصوص دنوں کی یاد دہانی کرائیں' بے شک ان دنوں میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں ○

---

۴۔﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں (یعنی) مگر وہ رسول ان کی زبان میں گفتگو کرتا تھا ﴿ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ﴾ تاکہ وہ جس تعلیم کے ساتھ اور جس چیز کے لیے بھیجا گیا ہے اس کو ان لوگوں کے سامنے انہیں کی زبان میں واضح طور پر بیان کر دے' پس ان کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکیں کہ جس کے ساتھ ہمیں خطاب کیا گیا ہے ہم اس کو نہیں سمجھ سکے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے رسولِ اکرم ﷺ تو یقیناً تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) ''اے محبوب! اعلان فرما دو کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تمام انسانوں اور تمام جنات کی طرف ''رَسُوْلُ الثَّقَلَیْنِ'' بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ان سب کی زبانیں اور بولیاں مختلف ہیں تو اگر اہلِ عرب کے پاس حجت نہیں رہے گی تو دوسروں کے لیے حجت ہو گی' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کا نزول دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کو تمام قوموں کی زبانوں میں نازل کیا جاتا جس سے بہت طویل

کتاب بن جاتی یا ان میں سے کسی ایک قوم کی زبان میں نازل کیا جاتا تو پھر اس کو تمام زبانوں میں نازل کرنے کی ضرورت نہ رہتی کیونکہ اس کا ترجمہ ان زبانوں کے قائم مقام ہو جاتا اور طوالت سے بھی کفالت کر جاتا' پس قرآن مجید کا ایک زبان میں نازل ہونا متعین ہو گیا اور آپ کی قوم کی زبان اس کے لیے بہ طریق اولیٰ متعین ہو گی کیونکہ وہ لوگ اپنی زبان کے زیادہ قریب ہیں اور اس لیے بھی کہ اس طرح قرآن تحریف وتبدیلی سے زیادہ دور رہے گا ﴿ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے) جو گمراہی کے سبب کو اختیار کرتا ہے ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے جو ہدایت کے سبب کو اختیار کر لیتا ہے ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے لیکن اس کی مشیّت اور ارادے پر کوئی غالب نہیں ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ بڑا صاحبِ حکمت اور زبردست دانا ہے' سو وہ صرف ذلت کے اہل لوگوں کو رسوا کرتا ہے۔

۵۔﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا (یعنی) نو معجزات دے کر بھیجا گیا ﴿ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ ﴾ [اصل میں ''بِاَنْ اَخْرِجْ'' ہے یا ''اَخْرِجْ'' ہے کیونکہ اس ''اِرْسَال'' یعنی بھیجنے میں قول کا معنی شامل ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا ہے اور ہم نے ان سے فرمایا ہے کہ آپ اپنی قوم کو نکال لیجئے ﴿ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلایئے اور ان کو ان مصائب و آلام اور ان حوادثات سے ڈرایئے جو ان سے پہلی امتوں پر پیش آ چکے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ اور انہیں میں سے عرب کے وہ دن ہیں جن میں قتل و غارت اور جنگیں اور لڑائیاں ہوتی رہیں یا پھر انعام واکرام کے دن مراد ہیں جیسے بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایا کرنا اور ان پر من وسلویٰ کا اترنا اور ان کے لیے دریا کو چیر کر راستے بنانا ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ بے شک ان میں ہر شخص کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں جو مصیبتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرنے والا اور عنایات پر بہت شکر گزار ہے' گویا فرمایا: ہر مؤمن کے لیے ان واقعات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تکلیفوں پر صبر کرنا اور دوسرا حصہ انعامات پر شکر ادا کرنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ۧ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

ع ۱۴

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات بخشی وہ تمہیں بہت برا عذاب چکھاتے تھے اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ۝ اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے ۝

۶۔﴿ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ اَنۡجٰىكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی' وہ تمہیں بُرا عذاب دیتے تھے [''اِذۡ'' ''نِعۡمَةَ'' کا ظرف ہے اور وہ انعام کے معنی میں ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا تھا یہ ''نِعۡمَةَ اللّٰهِ'' سے بدلِ اشتمال ہے یعنی تم اپنی نجات کے وقت کو یاد کرو] ﴿ وَيُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ ﴾ اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے۔ [سورۃ البقرہ میں (واؤ کے بغیر) ''يُذَبِّحُوۡنَ'' ہے (آیت:۴۹) اور سورۃ الاعراف میں ''يُقَتِّلُوۡنَ'' (آیت:۱۴۱) بغیر واؤ کے ہے اور یہاں واؤ کے ساتھ ہے۔ اصل کلام یہ ہے کہ جہاں واؤ کو چھوڑ دیا گیا ہے' وہاں ذبح کرنے کو ''عذاب'' کی تفسیر اور اس کا بیان قرار دیا گیا ہے اور جہاں واؤ کو ثابت رکھا گیا ہے' وہاں ذبح کرنے کو ''عذاب'' کی جنس سے زائد قرار دیا گیا ہے گویا وہ دوسری جنس ہے] ﴿ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴾ اور وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی اور ''ذٰلِكُمۡ'' سے عذاب' بلاء اور مشقت کی طرف اشارہ ہے یا پھر بلاء اور نجات و نعمت (دونوں) کی طرف اشارہ ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً'' (الانبیاء:۳۵) ''اور ہم امتحان لینے کی غرض سے تمہیں بُری اور اچھی چیزوں کے ساتھ آزماتے ہیں''۔

## بنی اسرائیل کو نعمتوں پر شکر کرنے کی تلقین اور کفار کے احمقانہ رویے کے باوجود انبیائے کرام کی ہمدردانہ تبلیغ

۷۔﴿ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ ﴾ اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمایا یعنی آگاہ کر دیا۔ [''تَاَذَّنَ'' اور ''آذَنَ'' کی نظیر ''تَوَعَّدَ'' اور ''اَوۡعَدَ'' ہے کہ فلاں شخص نے وعدہ کی خوب یقین دہانی کرائی اور ''تَفَعَّلَ'' میں ''اَفۡعَلَ'' سے معنی کا زیادہ ہونا ضروری ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور جب تمہارے پروردگار نے خوب زبردست اعلان فرمایا کہ اس کے پاس شک وشبہ ختم ہو گیا اور یہ اعلان بھی انہیں باتوں میں سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمائی تھیں [اور یہ جملہ ''نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] گویا فرمایا گیا: اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا اور فرمایا: ﴿ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ ﴾ اے بنی اسرائیل! میں نے تمہیں دشمن سے نجات دینے کی جو نعمت وغیرہ عطا کی ہے اگر تم اس پر شکر ادا کرو گے ﴿ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ ﴾ تو میں ضرور نعمت پر نعمت زیادہ کر دوں گا تو شکر کرنا موجودہ نعمت کی قید ہے اور گم شدہ اور غیر موجود نعمت کے لیے شکار ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: جب کسی نعمت پر شکر کا نغمہ سنو تو مزید نعمت تیار سمجھو۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اطاعت میں کوشش کے سبب میرا شکر ادا کرو گے تو میں ثواب میں زیادہ دینے کا اہتمام کروں گا ﴿ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ ﴾ اور میں نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں' اگر تم ان پر میری ناشکری کرو گے تو ﴿ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ ﴾ بے شک جس نے میری نعمتوں پر ناشکری کی اس کے لیے میرا عذاب بڑا سخت ہے' دنیا میں تو اس سے نعمت چھین لی جائے گی اور آخرت میں مسلسل بُرا عذاب جھیلنا ہوگا۔

وَقَالَ مُوۡسٰۤى اِنۡ تَكۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ
حَمِيۡدٌ ۸ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ؕ وَالَّذِيۡنَ　مع

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝٩

اور موسیٰ نے فرمایا: اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ کفر کرو گے' تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے تمام تعریفوں کے لائق ہے O کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے حضرت نوح اور عاد اور ثمود کی قوم میں سے تھے' اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے' انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھ لیا اور کہا: بے شک تم جو کچھ دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور تم جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو اس کے بارے میں ہم یقیناً سخت گھرے شک میں ہیں O

٨- ﴿ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! اگر تم کفر اختیار کر لو ﴿ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ﴾ اور روئے زمین کے تمام باشندے (یعنی) تمام انسان کفر اختیار کر لیں ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے شکر سے ضرور بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿ حَمِیْدٌ ﴾ وہ تمام تعریفوں کے لائق ہے' اگرچہ تعریف کرنے والے اس کی تعریف نہ بھی کریں اور تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے کیونکہ تم ناشکری کی وجہ سے اس بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔

٩- ﴿ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴾ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد کی اور ثمود کی قوم گزر چکی ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے کلام ہے یا پھر سرورِ کونین رسولِ ثقلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے کے لوگوں کے لیے خطاب کا آغاز ہو رہا ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[ یہ جملہ مبتدا خبر ہے جو معترضہ واقع ہوا ہے یا ''اَلَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ'' پر معطوف ہے اور ''لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ'' جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ]اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جناب عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک درمیان میں تیس پشتیں ہیں لیکن ان کی تفصیل کو صحیح طرح لوگ نہیں جانتے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے وقت ارشاد فرمایا کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے[1] ﴿ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر تشریف لائے ﴿ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ان کے مونہوں پر رکھ دیا۔[ ''اَیْدِیَهُمْ'' اور ''فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ'' کی دونوں ضمیریں کفار کی طرف لوٹتی ہیں ] یعنی انہوں نے تعجب کے طور پر اپنی انگلیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا یا انہوں نے غصے کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو اپنے دانتوں سے چبایا یا پھر دوسری ضمیر (یعنی ''فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ'' کی) انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی کافروں کی قوم اپنے ہاتھ رسولوں کو خاموش کرنے کے لیے ان کے مونہوں کی طرف لے گئی تاکہ جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے اس کو بیان نہ کر سکیں ﴿ وَقَالُوْۤا اِنَّا

[1] رواہ ابن سعد فی الطبقات الکبریٰ ج ١ ص ٥٦' رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ١٣ ص ١٨٧

كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کو واحد لاشریک مانو اس کے بارے میں تو ہم یقیناً ایسے شک میں مبتلا ہیں ﴿ مُرِیْبٍ ﴾ جو دلوں کو مضطرب و بے قرار کرنے والا سخت گہرا شک ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ
تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ⑩

ان کے رسولوں نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے' وہ تمہیں بلاتا ہے تا کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دے' کافروں نے کہا کہ تم تو صرف ہماری طرح انسان ہو' تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' سو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آؤO

۱۰-﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ ﴾ ان کے رسولوں نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے؟[ ہمزہ ظرف پر انکار کے لیے داخل کیا گیا ہے کیونکہ گفتگو شک میں نہیں ہو رہی بلکہ وہ تو مشکوک فیہ میں ہو رہی ہے اور وہ شک وشبہ کا بالکل احتمال نہیں رکھتا کیونکہ اس کی ذاتِ اقدس پر دلائل ظاہر وعیاں ہیں اور یہ ان کے قول ''وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ'' کا جواب ہے ] ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ ﴾ وہ تمام آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے' وہ تو تمہیں ایمان کی دعوت دیتا ہے ﴿ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ تا کہ جب تم ایمان لے آؤ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے [اور حرف ''مِنْ'' صرف کفار کے خطاب میں آتا ہے ] جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِO یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ''. (نوح:۳-۴)'' اور تم اس سے ڈرو اور میری اطاعت کروO وہ تمہارے گناہ بخش دے گا''۔ نیز ارشاد ہے: ''یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ''. (الاحقاف:۳۱)'' اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی جانب بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب میں ارشاد فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍO تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَO'' (الصف:۱۰-۱۲)'' اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دےO تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہوO'''' یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی اور ہمیشہ کے باغات میں نہایت عمدہ اور پاکیزہ محلات ہوں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہےO (الصف:۱۰-۱۲)[اس میں حرف ''مِنْ'' کے بغیر ''یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' ہے ''مِنْ ذُنُوْبِكُمْ'' نہیں ہے اور اس کے علاوہ بھی تلاش کرنے پر اور آیات سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ دونوں خطابوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے کیا گیا ہے ] اور تا کہ قیامت کے دن دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کافروں) کے درمیان برابری نہ ہو جائے ﴿ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایک مقررہ وقت تک تمہیں

مہلت دے دے' ایسے وقت تک جس کا اللہ تعالیٰ ذکر فرما چکا ہے اور اس کی مقدار بیان کر چکا ہے ﴿قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کافروں کی قوم نے کہا: تم نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر' ہمارے اور تمہارے درمیان فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے اور تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے' لہٰذا ہمیں چھوڑ کر تمہیں نبوت کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے؟ ﴿تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ تم ہمیں ان سے روکنا چاہتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے تھے یعنی تم بتوں کی پرستش سے روکنا چاہتے ہو ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ حالانکہ ان کے رسول واضح اور روشن دلیلیں اور معجزات ان کے سامنے پیش کر چکے تھے اور واضح دلیل سے ان کی مراد وہ معجزہ تھا جو انہوں نے صرف تعصب وعناد اور عداوت ودشمنی کے طور پر طلب کیا تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲

ان سے ان کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم تمہاری ہی طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے' اور ہماری یہ شان نہیں کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی معجزہ لے کر آئیں' اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے O اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں اور یقیناً اسی نے ہمیں ہماری ہدایت کی راہیں دکھلائی ہیں' اور تم ہمیں جو بھی دکھ دو گے ہم اس پر ضرور صبر کریں گے' اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے O

۱۱- ﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ان سے ان کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم تو تمہاری طرح انسان ہی ہیں (ہم فرشتوں اور جنوں کی انواع سے نہیں ہیں) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تسلیم کیا کہ وہ حضرات بھی انہی کی طرح ہیں تو انسان ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اسے ایمان اور نبوت عطا فرما کر اس پر احسان فرماتا ہے (جس کی وجہ سے وہ بندہ دوسروں سے ممتاز و افضل ہو جاتا ہے) جیسا کہ اس نے ہم پر احسان فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور ہماری یہ شان نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی معجزہ لا کر دکھائیں۔ یہ دراصل کافروں کے قول (فَاْتُوْا بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ) کا جواب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس معجزے کا تم نے مطالبہ کیا ہے وہ ہمارے سپرد نہیں ہے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے بلکہ وہ یقیناً ایک ایسا عمل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے ساتھ متعلق ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں سے تمام مسلمانوں کو توکل اختیار کرنے کا حکم دیا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے توکل کے لیے اپنی جانوں کا قصد فرمایا' گویا انہوں نے فرمایا کہ ہمارا فرض ہے کہ تمہارے عناد و بغض پر اور تمہاری عداوت و دشمنی پر صبر کرتے ہوئے ہم صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کریں' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے؟

١٢- ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا نہ کریں' اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکل نہ کریں حالانکہ اس نے ہم پر اتنا بڑا احسان فرمایا ہے جو ہم پر واجب کرتا ہے کہ ہم اس پر بھروسا کریں ﴿ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ﴾ اور بے شک اسی نے ہمیں ہمارے راستے کی رہ نمائی فرمائی اور اسی نے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے راستے کی ہدایت کی توفیق عنایت فرمائی' جس راستے پر دین میں چلنا واجب ہے۔ حضرت ابوتراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ بدن کو عبودیت میں لگا دینا اور دل کو ربوبیت میں مشغول رکھنا اور عطاء و بخشش پر شکر ادا کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا ﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ﴾ اور تم جو اذیتیں اور تکلیفیں ہمیں دو گے ہم ان پر ضرور صبر کریں گے۔ [یہ پوشیدہ قسم کا جواب ہے] یعنی انبیائے کرام علیہم السلام نے ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے کی قسم کھائی اور یہ کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دینے سے نہیں رُکیں گے ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ اور بھروسا کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں یعنی توکل کرنے والے اپنے توکل پر ثابت قدم رہتے ہیں تا کہ تکرار نہ ہو جائے۔

| |
|---|
| وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ |
| مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ |
| مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ |
| كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿١٥﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ |

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم ضرور تمہیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے یا تم لازمی طور پر ہمارے دین میں لوٹ آؤ' تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے O اور ہم ان کے بعد اس علاقہ میں ضرور تمہیں آباد کریں گے' یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو میری بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور میرے عذاب سے خوف زدہ رہا O اور انہوں نے فتح و نصرت کو طلب کیا اور ہر سرکش و عناد رکھنے والا نا کام ہوا O اس کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا O

## کافروں کے دھمکانے پر رسولوں کو تسلی بخش خوشخبری اور کفار کا عبرت ناک انجام

١٣- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ ﴾ [ابوعمرو کی قراءت میں ''وَقَدْ هَدٰنَا سُبْلَنَا'' میں ''با'' ساکن کر کے ''سُبْلَنَا'' اور ''لِرُسْلِهِمْ'' میں سین ساکن کر کے ''لِرُسْلِهِمْ'' پڑھا گیا ہے] اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ﴿ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ ﴾ ہم اپنی سرزمین یعنی اپنے شہروں اور علاقوں سے تمہیں ضرور نکال دیں گے ﴿ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴾ یا تم ضرور بہ ضرور ہمارے مذہب میں واپس لوٹ آؤ یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہوگا' تمہیں نکال دینا یا پھر واپس لوٹ آنا اور انہوں نے اس پر قسم کھائی تھی اور ''عود'' کا معنی ہے: واپس ہونا اور یہ عرب کے کلام میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے یا انہوں نے ہر رسول کو اور اس پر ایمان لانے والے کو اس کے ساتھ مخاطب کیا' پھر خطاب میں جماعت کو واحد پر غلبہ دے دیا گیا ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ تو ان رسولوں کی طرف ان کے رب تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا کہ میں ظالموں کو ضرور ہلاک کروں گا۔ یہاں قول پوشیدہ ہے یا وحی کرنے کو قول کا قائم مقام کر دیا گیا ہے

کیونکہ وحی بھی قول کی ایک قسم ہے۔

۱۴۔﴿ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور ان کے بعد اس سرزمین پر ہم تمہیں ضرور آباد کریں گے یعنی ظالموں کی سرزمین اور ان کے گھروں میں تمہیں آباد کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی پڑوسی کو اذیت و تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی پڑوسی کو اس کے گھر کا وارث بنا دے گا ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ظالموں کو ہلاک کرنا اور مظلوموں کو ان کی جگہ آباد کرنا یعنی یہ معاملہ برحق ہے ﴿ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ ﴾ اس کے لیے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا (یعنی) میرا موقف اور وہ موقفِ حساب ہے یا مقام زائد ہے (اصل میں ''لِمَنْ خَافَنِیْ'' ہے' جو مجھ سے ڈرتا رہا) یا وہ علم کے ساتھ میری نگرانی سے ڈر گیا جیسا کہ ارشاد ہے: ''اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ'' (الرعد: ۳۳) ''تو کیا جو ہر شخص پر نگران ہے جو کچھ اس نے کمایا''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ پرہیزگاروں اور خوفِ خدا رکھنے والوں کے لیے حق ہے ﴿ وَخَافَ وَعِیْدِ ﴾ اور وہ میرے عذاب سے ڈر گیا [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَعِیْدِیْ'' ہے]۔

۱۵۔﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا ﴾ اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس سے فتح و نصرت طلب کی [اور یہ ''اَوْحٰٓى اِلَیْهِمْ'' پر معطوف ہے] ﴿ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ ﴾ اور ہر سرکش ناکام ہوا اور ہر متکبر اکڑنے والا نامراد ہوا ﴿ عَنِیْدٍ ﴾ حق سے کنارہ کشی کرنے والا اور اس کا معنی یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی گئی اور وہ کامیاب و کامران ہو گئے اور ہر سرکش و ہٹ دھرم اور حق کا دشمن ناکام و نامراد ہو گیا اور وہ ان کی قوم کے لوگ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''وَاسْتَفْتَحُوْا'' کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنی طرف سے یہ گمان کر کے کہ وہ حق پر ہیں اور رسول باطل پر ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالك) اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی اور ان میں سے ہر بڑا سرکش و معاند ناکام و نامراد ہوا اور فتح طلب کرنے کے باوجود کامیاب و کامران نہ ہو سکا۔

۱۶۔﴿ مِّنْ وَّرَآئِهٖ ﴾ اس کے پیچھے' اس کے آگے ﴿ جَهَنَّمُ ﴾ دوزخ ہو گی اور یہ ہر سرکش' ضدی' ہٹ دھرم' متکبر کے حال کا وصف بیان ہوا ہے اور یہ اس کا دنیا میں حال ہے کیونکہ وہ اسی دنیا میں دوزخ کے لیے نامزد ہو گیا ہے تو گویا جہنم اس کے آگے ہے اور وہ اس کے کنارے پر پہنچ چکا ہے یا یہ آخرت میں اس کے حال کا وصف بیان ہوا ہے' جب وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب کے لیے موقف پر کھڑا کیا جائے گا ﴿ وَیُسْقٰى ﴾ [یہ محذوف پر معطوف ہے] جس کی تقدیرِ عبارت اس طرح ہے کہ اس کے پیچھے دوزخ ہو گی جس میں دوزخیوں کو ڈالا جائے گا اور انہیں دوزخ میں پلایا جائے گا ﴿ مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ﴾ پیپ کا پانی' جو دوزخیوں کے چمڑوں سے بہے گا [اور ''صَدِیْدٍ''، ''مَآءٍ'' کا عطف بیان ہے کیونکہ ''مَآءٍ'' (پانی) مبہم اور غیر واضح ہے تو ''صَدِیْدٍ'' سے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے]۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ
مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ
ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ

یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾

وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا اور وہ اس کو پی نہیں سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت آئے گی اور وہ مر نہیں سکے گا' اور اس کے پیچھے سخت ترین عذاب ہوگا O جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس کو آندھی کے دن تیز ہوا نے بکھیر دیا' انہوں نے جو کچھ کمایا اس میں سے کسی چیز کو وہ حاصل نہیں کر سکیں گے' یہ انتہائی دور کی گمراہی ہے O کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمام آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے O

۱۷- ﴿یَّتَجَرَّعُهٗ﴾ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا ﴿وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ﴾ اور وہ اس کو آسانی سے نہیں پی سکے گا اور نہ قریب ہے کہ وہ اس کو پی سکے تو آسانی سے کیسے پی سکے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ''لَمْ یَكَدْ یَرٰهَا'' (النور: ۴۰) ''وہ اسے کچھ نہیں دکھائی دیتا''۔ یعنی وہ دیکھنے کے قریب ہی نہیں تو وہ اسے کیسے دیکھ سکے گا ﴿وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور اس پر ہر جگہ سے موت آئے گی یعنی موت کے اسباب ہر طرف سے اس پر آن پہنچیں گے یا یہ معنی ہے: اس کے جسم کے ہر ایک جوڑ اور ہر جگہ سے اس پر موت طاری ہوگی اور یہ دراصل بندے کو ڈرانا اور قیامت کی ہولناکی بیان کرنا مقصود ہے کہ جب موت اس کے جسم کے ہر بال اور پور پور پر طاری ہوگی اور روح جسم کے ذرے ذرے سے نکلے گی تو اس کو کس قدر اذیت و تکلیف پہنچے گی یعنی اگر وہاں (قیامت میں) موت ہوتی تو کافروں میں سے ہر کوئی ہلاک ہو جاتا ﴿وَمَا هُوَ بِمَیِّتٍ﴾ اور وہ مرے گا نہیں کیونکہ کافر کو موت آ جائے تو عذاب سے نجات پا لے گا ﴿وَمِنْ وَّرَآىٕهٖ﴾ اور اس کے پیچھے اور اس کے آگے (ہر طرف سے) ﴿عَذَابٌ غَلِیْظٌ﴾ سخت ترین غلیظ عذاب ہوگا یعنی ہر وقت اس پر عذاب نازل ہوتا رہے گا اور ہر آنے والا عذاب پہلے سے زیادہ سخت ترین اور غلیظ ترین ہوگا اور حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ وہ عذاب یہ ہوگا کہ ان کی سانسیں توڑ دی جائیں گی اور ان سانسوں کو اجسام میں بند کر دیا جائے گا (جس کی وجہ سے کفار سانس نہیں لے سکیں گے)۔

۱۸- ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ [یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں ''فِیْمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ'' ہے] یعنی کافروں کی مثال تم پر تلاوت کی جاتی ہے اور مثال اس صفت کی بیان کی جاتی ہے جو انوکھی اور نرالی ہو اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ''. ایک الگ مستقل جملہ ہے جو مقدر سوال کا جواب ہے گویا کسی سائل نے کہا کہ ان کی مثال کیسی ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا: ﴿اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ﴾ ان کے اعمال ایسی راکھ کی طرح ہیں جس کو تیز ہوا نے اڑا کر بکھیر دیا ہو۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''الرِّیَاحُ'' ہے] ﴿فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ سخت آندھی کے دن میں۔ [''عصف'' کو ''یوم'' کی صفت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ''یوم'' اس کے لیے ظرف ہے اور ''عصف'' کا معنی آندھی ہے جیسے یہ قول ہے: ''یَوْمٌ مَاطِرٌ'' بارش کا دن' اور کفار کے اچھے اعمال جیسے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا اور غلاموں کو آزاد کرنا اور قیدیوں کو رہا کرانا اور مہمانوں کے لیے اونٹ ذبح کرنا وغیرہ یہ تمام اعمالِ خیر ضائع ہونے میں بغیر بنیاد کے تعمیر کردہ عمارت کے مشابہ ہیں' نیز وہ راکھ کی طرح ہیں جس کو تیز آندھی نے اڑا کر بکھیر دیا ہو اور وہ بنیاد و اساس اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے ﴿لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ﴾ انہوں نے جو اعمال کمائے ان میں سے وہ قیامت کے دن کچھ نہیں پا سکیں گے یعنی وہ ثواب میں سے کوئی حصہ وغیرہ نہیں

دیکھیں گے جیسے ہوا میں بکھیری گئی راکھ میں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ یہی بہت دور کی گمراہی ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ راہِ حق سے یا اجر وثواب سے بہت دور گمراہی میں جا پڑے ہیں۔

١٩- ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ [یہ بہ معنی "اَلَمْ تَعْلَمْ" ہے] یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں؟ یہ ہر انسان کو خطاب ہے ﴿اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں مضاف کے ساتھ "خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حکمتِ بالغہ اور امر عظیم کے ساتھ (پیدا فرمایا ہے) اور ان کو بے فائدہ اور بے کار پیدا نہیں فرمایا ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ موجودہ لوگوں کو فنا کر کے ختم کردے اور ان کی جگہ انہی کی شکل وصورت میں ایک دوسری مخلوق پیدا فرمادے یا پھر پہلی مخلوق سے مختلف شکل وصورت میں پیدا فرمادے' محض یہ بتانے کے لیے کہ وہ موجود کو معدوم اور نیست ونابود کرنے اور معدوم وغیر موجود کے ایجاد و پیدا کرنے پر قادر ہے۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع ٣ ١٥

اور یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں O اور وہ تمام لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے: بے شک ہم تمہاری پیروی کرتے تھے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے ہمیں بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے' اب ہمارے لیے برابر ہے کہ گھبرائیں یا ہم صبر کریں ہمارے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے O

٢٠- ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ اور یہ کام کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی متعذر و مشکل نہیں۔

٢١- ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اور سب لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس کو لفظ ماضی سے محض اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے یہ خبر دی ہے کہ یہ پروگرام سچا ہے' ایسا ضرور ہوگا' بلکہ گویا یہ ہو چکا ہے اور موجود ہے اور اسی طرح یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: "وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ" (الاعراف:٤٤) "اور جنتی حضرات پکاریں گے"۔ "وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ" (الاعراف:٥٠) "اور جہنمی لوگ پکاریں گے"۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی آیات میں مستقبل کے لیے لفظ ماضی استعمال کیا گیا ہے اور "بَرَزُوْا لِلّٰهِ" کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہے گی' یہاں تک کہ ہر چیز اس کے سامنے ظاہر اور حاضر ہو جائے گی' بے شک یہ لوگ بے حیائی کے کاموں کے ارتکاب کے وقت نگاہوں سے چھپتے پھرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ ہے لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ تمام لوگ اپنے جسموں کے ساتھ ظاہر ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور جان لیں گے کہ بے شک کوئی چھپنے والی چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے پوشیدہ نہیں یا پھر جب قبروں سے اُٹھ کر نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ کے حساب اور اس کے حکم کے لیے سب ظاہر ہو جائیں گے ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا﴾ پس کمزور لوگ یعنی رائے میں کمزور لوگ

کہیں گے اور وہ ادنیٰ درجے کے گھٹیا لوگ ہوں گے اور سرداروں کی پیروی کرنے والے لوگ ہوں گے [اور "الضُّعَفٰٓوءُ" میں ہمزہ سے پہلے واؤ کو اس لیے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ ہمزہ سے پہلے الف کو پُر کر کے واؤ کی طرف اس کو مائل کرتے ہیں] ﴿لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تکبر کیا تھا اور ان سے قوم کے چودھری اور سردار مراد ہیں' پس جنہوں نے قوم کے عوام اور کمزور لوگوں کو بہکایا اور ان کو انبیائے کرام علیہم السلام کی بات سننے اور ان کی پیروی کرنے سے منع کیا تھا ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمہارے تابع اور پیروکار تھے۔[ "تَابِعٌ" کی جمع "تَبَعٌ" ہے' جیسے "خَادِمٌ" کی "خَدَمٌ" ہے اور "غَائِبٌ" کی "غَیَبٌ" ہے یا پھر "ذُوْ تَبَعٍ" ہے (پیروی کرنے والے) اور "تَبَعٌ" اتباع کرنا ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ "تَبِعَهٗ تَبَعًا" فلاں آدمی نے اس کی پیروی کی] ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ تو کیا تم لوگ ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو' سو ہم جس عذاب میں مبتلا ہیں' اس میں سے کچھ دور کرنے پر تم قدرت و اختیار رکھتے ہو [اور اس میں پہلا حرفِ "مِنْ" بیان کے لیے ہے اور دوسرا حرفِ "مِنْ" بعض کے معنی کے لیے ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ کیا تم ہم سے کچھ حصہ جو کہ عذابِ الٰہی ہے دور کر سکتے ہو؟ یا پھر دونوں جگہ حرفِ "مِنْ" بعض کے معنی میں ہے] یعنی تو کیا تم چیز کا بعض حصہ جو کہ عذابِ الٰہی کا بعض ہے' ہم سے دور کر سکتے ہو؟ اور جب کمزور و ادنیٰ عوام کا قول سرداروں کو دھمکانے اور بہکانے پر انہیں ڈانٹنے کے لیے ہوگا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے سردار اور لیڈر قیامت کے دن انہیں خدا کے عذاب سے بچانے کی قدرت نہیں رکھتے تو ﴿قَالُوْا﴾ ان کے سردار معذرت پیش کرتے ہوئے ان کو جواب میں کہیں گے: ﴿لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان کی طرف ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کرتے یا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب سے نجات حاصل کرنے کا راستہ بتا دیتا تو ہم تمہیں ضرور بتا دیتے یعنی ہم عذاب کو تم سے دور کر دیتے اور ہم تمہیں نجات کے راستے پر چلا دیتے جیسا کہ ہم نے تمہیں (دنیا میں) ہلاکت و تباہی کے راستے پر چلایا تھا ﴿سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا﴾ اب ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں' شور مچائیں یا صبر کریں (یعنی) جزع فزع اور واویلا کرنا اور صبر کرنا دونوں ہمارے لیے یکساں غیر مفید ہیں [اور ہمزہ اور "اَمْ" دونوں برابری کے معنی کے لیے ہیں]۔ مروی ہے کہ کفار دوزخ کی آگ میں آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: آؤ ہم سب مل کر چیخ و پکار اور واویلا کریں' چنانچہ وہ پانچ سو سال تک چیخ و پکار کریں گے مگر ان کی چیخ و پکار انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی' پھر کہیں گے: آؤ ہم سب مل کر صبر کریں' چنانچہ پانچ سو سال تک صبر کریں گے لیکن ان کا صبر بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا' پھر کہیں گے کہ ہم واویلا کریں یا ہم صبر کریں ہمارے لیے دونوں برابر ہیں اور یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متصل ہے کیونکہ کمزور پیروکاروں کا اپنے سرداروں کو عتاب کرنا اس سے واویلا کرنا ہوگا جس میں وہ مبتلا ہوں گے تو ان کے سردار جواب میں کہیں گے کہ اب ہم واویلا کریں یا صبر کریں ہمارے لیے برابر ہے' وہ اس قول سے اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں کو مراد لیں گے کیونکہ وہ سب کے سب گمراہی کے عذاب میں اکٹھے مبتلا ہوں گے' وہ سب اس میں جمع ہو کر کہیں گے کہ اب چیخ و پکار کرنے اور ایک دوسرے کو ڈانٹنے کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ صبر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ﴾ اب ہم چیخ و پکار کریں یا صبر کریں ہمیں نہ کوئی بچانے والا ہے اور نہ کوئی یہاں سے نکال کر لے جانے والا ہے اور ممکن ہے کہ یہ کمزور پیروکار' عوام اور متکبر سرداروں کا اکٹھا کلام ہو۔

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲۲)

اور جب فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے (بھی) تم سے وعدہ کیا تھا' سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی' اور میری طرف سے تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا مگر میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی' سو اب تم مجھے ملامت نہ کرو اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں تمہارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو' بے شک میں اس سے بیزار ہوں جو تم نے اس سے پہلے مجھے شریک بنالیا تھا' بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O

## شیطان کے اعلانِ حق پر کفار کی رسوائی اور مسلمانوں کی کامیابی کا بیان

۲۲- ﴿وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ اور جب تمام معاملات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا (یعنی) جب جنتیوں کے لیے جنت کا اور جہنمیوں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا اور حساب و کتاب سے فراغت ہو جائے گی اور جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت شیطان دوزخ کی آگ کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہو جائے گا اور جہنمیوں سے کہے گا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور وہ ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا اور اعمال کے مطابق صلہ ملنا' سو اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ آج تمہارے ساتھ پورا کر دیا ﴿وَوَعَدْتُّكُمْ﴾ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ کوئی زندگی نہیں ہوگی اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ جزاء وسزا ہوگی ﴿فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی (یعنی) میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا ﴿وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور مجھے تم پر کوئی تسلط و غلبہ حاصل نہیں تھا ﴿اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ﴾ لیکن میں نے وسوسے اور سبز باغ دکھا کر تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تھا [اور یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ دعوت دینا سلطان کی جنس سے نہیں ہے] ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ پس تم نے میری بات کو مان لیا اور میری دعوت کو فوراً قبول کر لیا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ﴾ تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو اس لیے کہ جو شخص انسانوں کی عداوت و دشمنی کے لیے پیدا ہوا ہے وہ جب کسی انسان کو بُرے کام کی طرف بلائے گا تو اسے ملامت نہیں کی جائے گی' اس کے باوجود کہ خدائے رحمٰن تم سے یقیناً فرما چکا ہے کہ ''لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ'' (الاعراف:۲۷) ''شیطان تمہیں کسی فتنے میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا''۔ ﴿وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ تم نے بغیر برہان اور دلیل کے بلا سوچے سمجھے میری پیروی اختیار کر لی تھی اور معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ انسان شقاوت یا سعادت حاصل کرنے میں خود مختار ہے اور وہ اس میں کسی ایک کو اپنے لیے خود حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انسان میں عمل کی قدرت پیدا کرنا ہوتی ہے اور شیطان کی طرف سے صرف بُرے عمل کو خوشنما بنانا ہوتا ہے لیکن معتزلہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ ارشاد ہے: ''لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ'' (ابراہیم:۲۱) اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ضرور ہدایت دیتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ﴿مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ﴾ میں تمہارا فریاد رس نہیں ہوں اور تم میرے فریاد رس نہیں ہو' لہٰذا ہم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے اور نہ ایک دوسرے

کی مدد کر سکتے ہیں اور ''اِصْرَاخ'' کا معنی ہے: فریادرسی کرنا اور مدد کرنا۔[ قاری حمزہ کی قراءت میں ''خا'' کی اتباع میں ''یا'' مکسور ہے جب کہ دوسروں کی قراءت میں ''یَا'' مفتوح ہے تا کہ دو کسروں کے بعد ایک کسرہ اور دو ''یَا'' کا اجتماع لازم نہ آ جائے اور یہ ''مُصْرِخٌ'' کی جمع ہے پس پہلی ''یَا'' جمع کی ہے دوسری ''یَا'' ضمیر متکلم ہے ] ﴿ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ ﴾ بے شک میں اس سے بیزار ہوں جو تم نے مجھے شریک بنالیا تھا۔[ قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''اَشْرَكْتُمُوْنِی'' ہے اور ''مَا'' مصدر یہ ہے ] ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ [ یہ ''اَشْرَكْتُمُوْنِی'' کے ساتھ متعلق ہے ] یعنی آج کے دن سے پہلے دنیا میں جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنالیا تھا میں آج اس سے بیزار ہو چکا ہوں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ'' (الفاطر:۱۴) ''اور وہ (بت) قیامت کے دن تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے''۔ بت پرستوں کے شریک بنانے سے بتوں کے کفر کا معنی اس سے بیزاری کا اظہار کرنا اور شرک سے انکار کرنا مقصود ہے' جیسے ارشاد ہے: ''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ''۔ (الممتحنہ:۴) ''بے شک ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو بیزار ہیں' ہم تمہارے منکر ہیں''۔[ یا پھر ''مِنْ قَبْلُ''، ''كَفَرْتُ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے ] یعنی میں اس سے پہلے اس وقت سے بیزار ہوں جب میں نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا' اس لیے کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنالیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے' جیسے کہو: ''اَشْرَكَنِیْ فُلَانٌ'' یعنی فلاں آدمی نے مجھے اس کا شریک ٹھہرالیا ہے اور ان کا شیطان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے ان تمام اُمور میں شیطان کی اطاعت اختیار کر لی جو وہ ان کی نگاہوں میں بت پرستی کے بارے میں خوشنما و خوبصورت بنا دیتا تھا اور یہ شیطان کی آخری بات ہے اور درج ذیل اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے کہ ﴿ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ابلیس ملعون کے کلام کا تتمہ ہے اور اللہ عزوجل نے محض حکایت کے طور پر اس کو بیان فرمادیا جو شیطان کافروں سے اس وقت (قیامت کے دن) کہے گا تا کہ سننے والوں پر لطف و کرم ہو جائے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝۲۴ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا
كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ ایسی بہشتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے' اس میں ان کی باہمی ملاقاتی دعا سلام ہو گی ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک کلمہ کی کیسی مثال بیان کی جیسے پاک درخت جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں (پہنچی ہوئی) ہیں ○ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

۲۳-﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' انہیں ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [اس کا ''بَرَزُوْا'' پر عطف ہے] ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے۔ [یہ ''اُدْخِلَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی فرشتے انہیں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے جنت میں داخل کریں گے ﴿ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴾ اس میں ان کی ملاقات کی دعا سلام کرنا ہوگی (یعنی) جنت میں جنتی لوگ ایک دوسرے سے ملتے وقت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا جنت میں جنتی لوگوں کو فرشتے سلام کریں گے۔

## کلمۂ توحید کی شان اور قبر کے ثواب و عذاب کا ثبوت

۲۴-﴿ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی اور اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ﴿ كَلِمَةً طَیِّبَةً ﴾ پاکیزہ کلمہ کی۔ [یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے ''اَیْ جَعَلَ كَلِمَةً طَیِّبَةً'' یعنی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کو قرار دیا] ﴿ كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ ﴾ پاکیزہ درخت کی طرح اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا) کی تفسیر و تشریح ہے' جیسے کہا جاتا ہے: امیر نے زید کو معزز بنایا کہ اس کو شاہی پوشاک پہنائی اور اس کو گھوڑے پر سوار کیا [یا ''مَثَلًا'' اور ''كَلِمَةً''، ''ضَرَبَ'' کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''اَیْ ضَرَبَ كَلِمَةً طَیِّبَةً مَثَلًا''. یعنی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال بیان فرمائی ہے یعنی اس کو مثال قرار دیا' پھر ارشاد فرمایا: ''كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ'' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هِیَ كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ'' یعنی یہ پاکیزہ کلمہ کی طرح ہے] ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی زمین کی گہرائی میں کہ اس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں پھیلی ہوئی ہیں ﴿ وَّفَرْعُهَا ﴾ اور اس کی شاخیں (یعنی) اس کی بلندی اور اس کا سر ﴿ فِی السَّمَآءِ ﴾ آسمان میں پہنچا ہوا ہے اور پاکیزہ کلمہ سے توحید کا کلمہ مراد ہے' جس کی بنیاد دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے اور اس کی شاخ زبان سے اقرار کرنا ہے اور اس کا پھل دیگر ارکانِ اسلام (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ) پر عمل کرنا ہے اور جس طرح درخت درخت ہی رہتا ہے اگرچہ وہ پھل نہ دے' اسی طرح مسلمان اگرچہ عمل نہ بھی کرے (تو کافر نہیں ہو جائے گا بلکہ) مسلمان ہی رہے گا (لیکن گنہگار مسلمان ہوگا) اور درختوں کا مقصد پھل دینا ہوتا ہے اور آگ کا ایندھن صرف وہی درخت بنتے ہیں جو پھل دینے کے موسم میں پھل دینے سے بے وفائی کرتے رہتے ہیں (یعنی پھل نہیں دیتے) اور ہر عمدہ پھل دینے والے درخت کو پھل دار درخت کہا جاتا ہے جیسے کھجور اور انجیر وغیرہ کے درخت اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ عمدہ پھل دینے والا پاکیزہ درخت صرف کھجور ہے (کیونکہ اس کا پھل پورا سال استعمال کے قابل رہتا ہے) چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لیے ایک درخت کی مثال بیان کی ہے تم مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ چنانچہ صحابہ کرام جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگ گئے اور میں اس وقت چھوٹا سا لڑکا تھا اور میرے دل میں خیال آیا کہ وہ درخت کھجور کا درخت ہوگا اور میں نے چاہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کہہ دوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں چونکہ سب لوگوں میں چھوٹا تھا' اس لیے خاموش رہا یہاں تک کہ سید الانبیاء رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! سنو! وہ کھجور کا درخت ہے (جب میں نے اس کے بعد اپنے والد سے ذکر کیا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اگر تم یہ بات اس وقت بتا دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی اور زیادہ پیاری لگتی[1]

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۶۱' مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۱

۲۵-﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ﴾ وہ اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے (یعنی) وہ اپنا پھل ہر اس وقت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پھل دینے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ اپنے رب کے حکم سے (یعنی) اپنے خالق کی توفیق اور اس کی تخلیق و تکوین سے ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اس لیے کہ مثالوں کے بیان کرنے سے فہم و فراست اور سمجھ زیادہ ہو جاتی ہے اور یاد کرنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے اور معانی کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶
يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ
اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۣۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝۲۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ۴ ع ۲ ۱۶
كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوْا
لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰

اور ناپاک کلمہ کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو اس کے لیے کوئی استحکام نہیں O اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں حق پر قائم رکھتا ہے' اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے O کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر و ناشکری میں تبدیل کر دیا اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا O (یعنی) دوزخ میں' وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O اور انہوں نے اللہ کے مساوی شریک بنا لیے تا کہ اس کی راہ سے بہکا دیں' فرما دیں کہ تم عارضی فائدہ اٹھا لو' پھر تم نے دوزخ کی آگ میں جانا ہے O

۲۶-﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ ﴾ اور ناپاک و گندے کلمہ کی مثال' اس سے کفر کا کلمہ مراد ہے ﴿ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ ﴾ ناپاک اور گندے درخت کی طرح ہے۔ اس سے ہر وہ درخت مراد ہے جس کا پھل عمدہ اور پاکیزہ نہ ہو اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک وہ اندرائن (تُمّہ) کا درخت ہے[1] ﴿ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ ﴾ وہ زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا گیا ہے (یعنی) اس کو جڑ سمیت اکھیڑ دیا گیا اور "اجتثاث" کا مطلب ہے: کسی چیز کی جڑ سمیت بیخ کنی کرنا اور یہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" کے مقابلے میں ہے ﴿ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴾ اس کو زمین پر کسی قسم کا قرار نہیں یعنی استحکام نہیں' جیسے کہا جاتا ہے: "قَرَّ الشَّيْءُ قَرَارًا" کہ فلاں چیز خوب مضبوط ہو گئی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "ثَبَتَ ثُبُوْتًا" ثابت و قائم ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس قول کو بھی مشابہ قرار دیا جاتا ہے جو کسی دلیل کے ساتھ مضبوط نہ کیا گیا ہو' پس وہ مٹنے والا اور قائم نہ رہنے والا ہے۔

۲۷-﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت اور قائم رکھتا ہے یعنی انہیں ہمیشہ حق پر قائم و دائم رکھتا ہے ﴿ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ قولِ ثابت سے مراد "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنا ہے ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ دنیا کی زندگی میں' یہاں تک کہ جب انہیں ان کے دین کے بارے میں آزمائش میں ڈالا گیا تو وہ دین سے نہیں پھرے اور نہ

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۹

ان کے قدم ڈگمگائے بلکہ وہ اپنے دین پر اس طرح قائم رہے جس طرح وہ لوگ قائم رہے تھے جن کو "اصحابِ اُخدود" نے آزمائش میں ڈال دیا تھا ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اور آخرت میں' اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو قبر میں نکیرین کے سوالات کے جوابات کی تلقین کرنا اور انہیں حق بات اختیار کرنے کی توفیق دینا مراد ہے' چنانچہ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤمن کی روح قبض کرنے کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کی قبر میں بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں: "مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟ وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟" یعنی تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ تو مسلمان ترتیب وار جوابات دیتے ہوئے کہتا ہے: "رَبِّيَ اللّٰهُ". میرا رب اللہ ہے" "وَدِيْنِيَ الْاِسْلَامُ". اور میرا دین اسلام ہے" "وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ ﷺ" اور میرے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں' سو آسمان سے پکارنے والا پکارے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے' پس اس ارشاد کا یہی مقصد ہے کہ "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ". اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حق بات پر قائم رکھتا ہے' پھر دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تم نے نیک بخت بن کر زندگی گزاری ہے اور تم قابلِ تعریف موت مرے ہو' تم دلہن کی طرح سو جاؤ[1] ﴿ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے' سو آزمائش کے موقعوں پر انہیں حق بات پر قائم نہیں رکھتا' چنانچہ سب سے پہلے انہیں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور آخرت میں سب سے زیادہ گمراہ ہوں گے اور سب سے زیادہ پھسلنے والے ہوں گے ﴿ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے' لہٰذا مؤمنوں کو ثابت قدم رکھنے پر اور ظالموں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

## کفرانِ نعمت کا وبال اور نماز و سخاوت اور مظاہر قدرتِ الٰہی کا بیان

٢٨- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کو ﴿ كُفْرًا ﴾ ناشکری میں تبدیل کر دیا کیونکہ اس نعمت پر جو شکر ان پر واجب تھا انہوں نے اس کی جگہ ناشکری کو اختیار کر لیا تو گویا انہوں نے شکر کو ناشکری میں تبدیل کر دیا اور انہوں نے اس کو بدل دیا اور وہ اہل مکہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء سیّد الانام حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عزت بخشی' لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمتِ کبریٰ پر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کے ساتھ کفر کیا اور ناشکری کا رویہ اختیار کر لیا حالانکہ ان پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا لازم تھا ﴿ وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ اور انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر و ناشکری اختیار کرنے میں ان کی پیروی کی تھی ان کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا۔

٢٩- ﴿ جَهَنَّمَ ﴾ یعنی دوزخ میں پہنچا دیا۔ [یہ "دار البوار" کا عطف بیان ہے] ﴿ يَصْلَوْنَهَا ﴾ وہ سب اس میں داخل ہوں گے ﴿ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ اور دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

٣٠- ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ اور انہوں نے عبادت میں یا نام رکھنے میں اللہ تعالیٰ کے برابر شریک بنا لیے ﴿ لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دیں۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں "یا" مفتوح ہے] ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دنیا میں کچھ عرصہ کے لیے عیش و عشرت کی زندگی گزار لو اور اس سے مراد ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا اور ان کو تنہا کر دینا ہے اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمتع کا مطلب ہے کہ بندہ جہاں تک ہو سکے اپنی خواہشات کو پورا کرلے ﴿ فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴾ پس تم نے دوزخ کی آگ میں جانا ہے

[1] رواہ احمد ج ٤ ص ٢٨٧' ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٥٣' الترمذی فی کتاب الجنائز باب: ٧٠

(یعنی) تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

(اے محبوب!) میرے ان بندوں سے فرمایئے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گیO اللہ وہ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعے پھلوں میں سے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا' اور کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں' اور اس نے دریاؤں کو تمہارے بس میں کر دیاO اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے فرماں بردار بنا دیا وہ ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں' اور اس نے رات اور دن کو تمہارے لیے اطاعت گزار بنا دیاO

۳۱۔﴿قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے محبوب! آپ میرے ان بندوں سے فرمادیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت کے ذریعے بندوں کو مخصوص فرما کر ان کو بہت بڑا اعزاز وشرف عطا فرمایا ہے۔[ابن عامر شامی' حمزہ' علی کسائی اور اعشی کی قراءت میں ''یا'' ساکن ہے] ﴿یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔[اس کا مقولہ محذوف ہے کیونکہ ''قُلْ'' مقولے کا تقاضا کرتا ہے اور وہ ''اَقِیْمُوْا'' ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''قُلْ لَّهُمْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفِقُوْا''۔ اے محبوب! ان کے لیے فرمادیجئے کہ تم نماز قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ فعل امر ہیں اور یہی مقولہ ہیں اور اصل میں ''لِیُقِیْمُوْا وَلِیُنْفِقُوْا'' ہے تا کہ وہ نماز قائم کریں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں' پھر لام امر کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ ''قُلْ'' اس پر دلالت کرتا ہے اور اگر شروع میں لام حذف کر کے ''یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا'' کہا جاتا تو جائز نہ ہوتا] ﴿سِرًّا وَّعَلَانِیَةً﴾ پوشیدہ اور علانیہ۔[حال کی بناء پر منصوب ہیں ''اَیْ ذَوُ سِرٍّ وَعَلَانِیَةٍ'' یعنی درآں حالیکہ چھپا کر اور علانیہ خرچ کرنے والے ہوں یا ظرف کی بناء پر منصوب ہیں یعنی پوشیدہ وقت میں اور علانیہ وقت میں یا پھر مصدر کی بناء پر منصوب ہیں] یعنی چھپا کر خرچ کرنا اور کھلم کھلا خرچ کرنا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نفلی صدقہ چھپا کر دینا چاہیے اور فرض اور واجب صدقہ کھلم کھلا دینا چاہیے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی یعنی اس دن نہ خرید وفروخت نفع دے گی اور نہ دوستی فائدہ دے گی۔ ''خلال'' اور ''مخالّة'' کا معنی دوستی کرنا ہے اور اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا نفع دے گا۔[ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں دونوں فتح کے ساتھ (لَا

بَیۡعٌ وَّلَا خِلَالٌ) ہیں' باقی حضرات کی قراءت میں رفع اور تنوین کے ساتھ ہیں]۔

۳۲-﴿ اَللّٰهُ ﴾[یہ مبتدا ہے] ﴿ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾[یہ اس کی خبر ہے] اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمام آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ﴿ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا (یعنی) بادلوں سے بارش کو برسایا ﴿ فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ﴾ پھر اس نے اس کے سبب پھلوں میں سے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا۔ رزق کے لیے بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش کے ذریعے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا' وہ پھلوں کی مختلف اقسام ہیں [یا "مِنَ الثَّمَرَاتِ"، "اَخۡرَجَ" کا مفعول ہے اور "رِزۡقًا" مفعول سے حال ہے] ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡفُلۡكَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡاَنۡهٰرَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ وہ سمندر اور دریا میں اس کے حکم سے چلتی رہیں اور اس نے دریاؤں کو تمہارے کنٹرول میں کر دیا۔

۳۳-﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مطیع بنا دیا' درآں حالیکہ وہ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔[ "دَآئِبَیۡنِ" شمس و قمر سے حال ہے] یعنی وہ ہمیشہ اپنی اپنی سیر گاہوں میں رواں دواں رہتے ہیں اور وہ دونوں روشنی دیتے ہیں اور اندھیروں کو دور کرتے ہیں اور وہ زمین کے قابلِ اصلاح حصوں کو اپنی حرارت و شبنم سے سنوارتے ہیں اور اجسام و ابدان اور درختوں' پودوں وغیرہما کی نشو ونما کی تربیت کرتے ہیں ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے رات کو اور دن کو اطاعت گزار بنا دیا ہے جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں کہ تم دن کو معاش کے ذرائع حاصل کرو اور رات کو آرام و سکون حاصل کرو۔

وَاٰتٰىكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۶﴾ ع ۱۷

اور ہر چیز میں سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں دے دیا' اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو شمار نہ کر سکو گے' بے شک انسان بڑا ظالم' بہت ہی ناشکرا ہے O اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن و امان والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت کرنے سے بچائے رکھنا O اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' سو جس نے میری پیروی کی تو وہ یقیناً مجھ سے ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

۳۴-﴿ وَاٰتٰىكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ﴾ اور ہر چیز میں سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں عطا فرمایا [ "مِنۡ" تبعیض کے لیے ہے یعنی اس سے جو کچھ مانگا اس میں سے کچھ تمہیں دے دیا یا یہ معنی ہے کہ اور ہر چیز میں سے جو تم نے اس سے مانگا وہ بھی دے دیا اور جو تم نے نہیں مانگا وہ بھی تمہیں دے دیا' پس "مَا" موصوفہ ہے اور جملہ اس کی صفت ہے اور دوسرا جملہ محذوف ہے اس لیے کہ باقی محذوف پر دلالت کرتا ہے' جیسے ارشاد ہے: "سَرَابِیۡلَ تَقِیۡكُمُ الۡحَرَّ"۔ (النحل:۸۱)" ایسا

لباس جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے''۔ابوعمرو سے ''مِنْ كُلٍّ ''تنوین کے ساتھ منقول ہے اور'' مَا سَاَلْتُمُوْهُ'' میں مَا نفی کا ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یعنی اس نے یہ تمام چیزیں تمہیں بغیر مانگے عطا فرمادیں یا پھر'' مَا'' موصولہ ہے] یعنی اس نے تمہیں ان تمام چیزوں میں سے وہی کچھ عطا فرمایا جس کی تمہیں ضرورت تھی' پس گویا تم نے زبانِ حال سے اس سے جو کچھ مانگا یا جو تم نے اس سے طلب کیا ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو تم ان کو شمار نہیں کر سکو گے (یعنی) تم ان کی گنتی کی اور ان کی انتہاء تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ اجمالی طور پر ان کو شمار کرنا چاہیں اور لیکن رہی تفصیل تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ ﴾ بے شک انسان بہت بڑا ظالم ہے کیونکہ نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرنے سے غافل رہ کر اس نعمت پر ظلم کرتا ہے ﴿ كَفَّارٌ ﴾ بہت سخت نعمت کا ناشکرا ہے یا شدت وسختی اور مصیبت وتکلیف میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتا ہے اور چیخ وپکار اور واویلا کر کے بہت بڑا ظلم کرتا ہے اور نعمت کے ملنے پر بہت بڑا ناشکرا ہے کہ مال ودولت جمع کرتا ہے اور روک کر رکھتا ہے [اور'' الانسان'' میں لام جنس کے لیے ہے' پس ظلم وکفرانِ نعمت کی یہ خبر صرف انہیں لوگوں کو شامل ہے جن میں یہ دو خرابیاں موجود ہوں گی]۔

## حرم شریف کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا بیان

۳۵-﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔[اصل میں'' وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ'' ہے' اور اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی] ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ اور اے میرے پروردگار! اس شہر کو یعنی اس حرمت وعزت والے شہر مکہ مکرمہ کو امن والا بنادے۔'' اٰمِنًا'' بہ معنی'' ذَا اَمْنٍ'' ہے اور اس دعا میں اور جو سورۃ البقرہ میں دعا کی گئی ہے' ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس حرمت والے شہر کو ان شہروں میں سے بنادے جن کے باشندے امن و سکون سے رہے ہیں اور اس دوسری دعا میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حرمت والے شہر کو خوف وڈر کی حالت سے نکال کر امن و امان کی حالت میں کر دے گویا فرمایا کہ یہ شہر خوف وڈر سے پُر ہے' پس اے اللہ! تو اس کو امن والا بنادے ﴿ وَّاجْنُبْنِيْ ﴾ اور مجھے بچا کے رکھ اور مجھے دور رکھ یعنی مجھے ثابت قدم رکھنا اور بتوں کی عبادت سے اجتناب کرنے پر مجھے ہمیشہ قائم رکھنا جیسا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:'' وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ''.(البقرہ:۱۲۸)'' یعنی ہمیں اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور اس پر قائم ودائم رکھنا''۔﴿ وَبَنِيَّ ﴾ اور میرے بیٹوں کو۔یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلبی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں ﴿ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ [اصل میں'' مِنْ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' ہے] بتوں کی عبادت کرنے سے (ہمیں محفوظ رکھنا)۔

۳۶-﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔بتوں کو سبب کے طور پر گمراہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے کیونکہ لوگ انہیں کے سبب گمراہ ہو جاتے تھے تو گویا انہوں نے ان کو گمراہ کر دیا ﴿ فَمَنْ تَبِعَنِيْ ﴾ سو جس نے میری پیروی کی اور میری ملت پر قائم رہا اور میری طرح موحد مسلمان بن کر رہا ﴿ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ﴾ تو وہ مجھ سے ہے یعنی وہ میرے ساتھ بہت زیادہ مخصوص ہو جانے کی وجہ سے میرا جز واور میرا حصہ ہے ﴿ وَمَنْ عَصَانِيْ ﴾ اور جس نے کفر وشرک ترک کر کے صرف اعمال میں میری نافرمانی کی ﴿ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک تو بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ جس نے کفر وشرک اختیار کر کے میری نافرمانی کی' اگر تو وہ توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک اپنی بعض اولاد کو ایک ایسی وادی میں بسا دیا ہے جس میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی' اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں' سو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریںO اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں' اور اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے' نہ زمین میں اور نہ آسمان میںO

۳۷- ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے اپنی اولاد کو بسا دیا ہے (یعنی) میری بعض اولاد اور اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد در اولاد مراد ہے ﴿بِوَادٍ﴾ اس سے مکہ مکرمہ کی وادی مراد ہے ﴿غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ﴾ بے آب و گیاہ وادی جس میں کھیتی باڑی بالکل نہیں ہوتی ﴿عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ تیرے عزت و حرمت والے گھر کے پاس اور وہ بیت اللہ شریف ہے' اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نقصان پہنچانے اور اس کی توہین کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے اور اس کا احترام ہر شخص پر لازم کر دیا ہے اور اس مکان شریف کے اردگرد چاروں سمتوں کے علاقہ کو حرم قرار دے دیا ہے یا اس لیے کہ بیت اللہ شریف کو ہلاکت خیز توڑ پھوڑ اور ویران ہونے سے محفوظ رکھا گیا ہے اور جس سرکش نے اس کو ویران کرنے کا سوچا اس کو خوف زدہ کر کے ناکام و نامراد لوٹا دیا گیا یا اس لیے کہ یہ محترم گھر ہے' اس کی حرمت سب سے زیادہ بڑی ہے یا اس لیے کہ اس میں طوفان کا داخلہ حرام کر دیا گیا ہے یعنی بیت اللہ شریف کو طوفان سے محفوظ رکھا گیا جیسا کہ اس کا نام عتیق رکھا گیا کیونکہ اس بابرکت گھر کو طوفان کی تباہ کاری سے آزاد (یعنی محفوظ) رکھا گیا ﴿رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں [لام ''اَسْكَنْتُ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی میں نے اپنی اولاد کو اس ویران وادی میں صرف اس لیے آباد کیا ہے تاکہ تیرے حرمت و عزت والے اس گھر کے پاس وہ نماز قائم کریں اور تاکہ وہ اس گھر کو تیری عبادت اور تیرے ذکر سے آباد رکھیں ﴿فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ سو لوگوں کے دلوں کو (اس گھر کی طرف مائل) کر دے (یعنی) لوگوں کے دلوں میں سے کچھ دلوں کو اس کی طرف مائل کر دے [اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر تمام لوگوں کے دلوں کو اس گھر کی طرف مائل کر دیا جاتا تو فارس اور ترک اور ہندو پاک اور روم کے لوگ تمہیں (یعنی اہل مکہ کو) گھیر لیتے اور وہاں رش کی وجہ سے ٹھہرنے کے لیے جگہ نہ ملتی [یا پھر ''مِنْ'' ابتدا کے لیے ہے جیسے ''اَلْقَلْبُ مِنِّیْ سَقِیْمٌ'' میرا دل بیمار ہے' اس سے مراد ''قَلْبِیْ'' ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ ''اَفْىِٕدَةُ نَاسٍ'' اور اس مثال میں مضاف الیہ کو نکرہ کیا گیا ہے کیونکہ ''اَفْىِٕدَة'' نکرہ ہے اور یہ آیت مبارکہ میں بھی نکرہ ہی ہے تاکہ بعض دلوں کو شامل رہے] ﴿تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ ان کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی) لوگ مکہ مکرمہ میں میری اولاد کی طرف دوڑتے ہوئے دور دراز ممالک سے آئیں اور محبت و شوق کے سبب لوگ ان کی طرف

تیزی سے اڑتے ہوئے پہنچیں ﴿ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ اور پھلوں میں سے ان کو رزق عطا فرما یعنی اس وادی میں پھلوں میں سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں سے میری اولاد کو اور ان کے ساتھ آباد ہونے والوں کو عطا فرما وہ اس طرح کہ لوگ دور دراز ممالک سے ان کی طرف کھنچے چلے آئیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ تا کہ وہ نعمت کے ملنے پر شکر ادا کریں کہ انہیں مختلف اقسام کے پھل ایسی وادی میں عطا کیے گئے ہیں جس میں نہ درخت ہیں اور نہ پانی ہے۔

۳۸- ﴿ رَبَّنَآ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ندا کو بار بار لانا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ حاصل کرنے اور اس کے حضور میں عاجزی وانکساری اختیار کرنے کی دلیل ہے ﴿ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ﴾ بے شک تو وہ بھی جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور وہ بھی جو ہم ظاہر کرتے ہیں (یعنی) تو پوشیدہ اور چھپی ہوئی چیزوں کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح تو عیاں اور ظاہر چیزوں کو جانتا ہے ﴿ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں۔ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق وتائید میں بیان کیا گیا ہے یا پھر یہ کلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے [اور حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے] گویا فرمایا گیا کہ تمام کائنات میں کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے (بلکہ ہر چیز اس پر عیاں ہے)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾
رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا ع ۷ / ۱۸
يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ لا مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ج
وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ ط

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے' بے شک میرا پروردگار دعا کو خوب سننے والا ہے O اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنائے رکھنا' اے ہمارے پروردگار! اور تو میری دعا قبول فرما O اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مؤمنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو گا O اور تم اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو' بے شک وہ تو صرف اس دن تک کے لیے ان کو ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی O اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہوں گے' خود ان کی اپنی نگاہ ان کی طرف نہیں پھرے گی' ان کے دل جرأت سے خالی ہوں گے O

۳۹- ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود (بیٹے) عطا فرمائے۔ [''عَلَى الْكِبَرِ'' میں ''عَلٰی'' بہ معنیٰ ''مَعَ'' کے ہے اور یہ محلاً حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے (بیٹے) عطا فرمائے حالانکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں] ﴿ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ﴾ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی' اس وقت آپ کی عمر مبارک ننانوے سال تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بارہ سال تھی اور دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مبارک چونسٹھ سال تھی اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی اور بڑھاپے کی حالت کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ ایسی حالت میں بیٹے کی بخشش بہت بڑا احسان ہوتا ہے کیونکہ یہ بچے کی پیدائش سے مایوسی کا وقت ہوتا ہے اور مایوسی کے بعد حاجت کے پورا ہونے میں کامیاب ہونا عظیم ترین احسانات میں سے ہے اور اس لیے کہ اس بڑی عمر میں بچے کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانی تھی ﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ بے شک میرا رب دعا کو خوب سننے والا ہے (یعنی) دعا کا قبول فرمانے والا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ بادشاہ نے فلاں آدمی کی بات سن لی ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بادشاہ اس آدمی کی بات کو قبول کر لے اور اسی سے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن کر قبول فرمائی جس نے اس کی تعریف کی' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور اس سے بیٹے کی درخواست کی اور عرض کیا: ''رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ''. (الصافات:١٠٠) ''اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما''۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپ کی دعا قبول فرما کر بہت بڑا اعزاز بخشا [اور ''سمیع'' کی ''الدعآء'' کی طرف اضافت صفت کی اپنے مفعول کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے اور اس کی اصل ''لَسَمِیْعٌ الدُّعَآءَ'' ہے اور علامہ سیبویہ نے ''فَعِیْلٌ'' کو مبالغہ کے صیغوں میں ذکر کیا ہے جو فعل جیسا عمل کرتے ہیں جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''ھٰذَا رَحِیْمٌ اَبَاهُ'' کہ یہ شخص اپنے باپ پر بڑا مہربان ہے]۔

٤٠- ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ نماز قائم کرنے والا قرار دے دے (یعنی) اور میری بعض اولاد کو۔ [اور یہ ''اِجْعَلْنِیْ'' میں محلاً منصوب ضمیر متکلم پر معطوف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرف ''مِنْ'' کے ذریعے بعض اولاد کی تخصیص صرف اس لیے کی تھی کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یہ جان لیا تھا کہ ان کی اولاد میں بھی کفار ہوں گے] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ کے لیے قیامت تک ہر زمانے میں اصل فطرت یعنی دین اسلام پر قائم رہیں گے ﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ (دُعَاءِ یْ) ہے' قاری ابو عمرو اور حمزہ نے وصل کی حالت میں اس کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے ''یا'' کے بغیر پڑھا ہے یعنی میری دعا یا میری عبادت قبول فرما (وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ. (مریم:٤٨)) ''اور میں تم سے اور ان سب سے جن سے تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دعا کرتے ہو' الگ ہوتا ہوں اور میں صرف اپنے رب سے دعا کرتا ہوں'']۔

٤١- ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ﴾ اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے یعنی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کو بخش دے یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کے ایمان سے مایوس ہونے اور منع کرنے سے پہلے یہ کہا تھا[1] ﴿وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ اور مؤمنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا یعنی جس دن اہل حساب کھڑے ہوں گے' جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ'' (یوسف:٨٢) ''اور شہر والوں سے پوچھئے''

[1] واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین یعنی حقیقی ماں باپ مؤحد تھے اور کفر و شرک سے پاک تھے' کیونکہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حضرت آدم کی اولاد میں سے ہر زمانے میں بہترین خاندانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس خاندان میں سے بھیجا گیا ہوں جس میں (پیدا ہوا) ہوں' نیز امام طبرانی' امام بیہقی' امام ابو نعیم اور امام ترمذی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## ظالم کفار کی بداعمالیاں اوران کا انجام

۴۲- ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو۔ اس آیت مبارکہ میں مظلوموں کو تسلی دی گئی ہے اور ظالموں کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور یہ خطاب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسروں کو ہے اور اگر یہ خطاب رسول اکرم نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے تو اس سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے عقیدہ اور اپنے اسی طریق کار پر ثابت قدم رہنا ہے جس پر آپ پہلے ہی سے قائم ودائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی غافل و بے خبر نہیں ہوتا' جیسے ارشاد ہے: ''وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ''. (الانعام: ۱۴) ''اور شرک کرنے والوں میں سے کبھی نہ ہونا''۔ ''فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ''. (الشعراء: ۲۱۳) ''سو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کسی معبود کی کبھی عبادت نہ کرنا''۔ اور جیسا کہ حکم الٰہی آیا ہے کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''. (النساء: ۱۳۶) ''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے بیان کیا ہے کہ حضور سیّد عالم رسولِ اکرم نبی اعظم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا اور بنی آدم میں سے عرب کو اور عرب میں سے مضر کو اور مضر میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا' سو میں ہمیشہ بہترین خاندانوں میں سے بہترین خاندانوں کی طرف منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں اور قرآن مجید میں ہے کہ مسلمان خواہ غلام ہی کیوں نہ ہو' پھر بھی وہ آزاد مشرک سے بہتر ہے اسی طرح مسلمان عورت لونڈی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ آزاد مشرکہ سے بہتر ہے۔ (البقرہ: ۲۲۱) اب یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم سے لے کر حضرت عبد اللہ تک اور حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ تک ہمیشہ مسلمان خاندانوں میں تشریف لاتے رہے کیونکہ وہ اپنے اپنے زمانے میں بہترین تھے' لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کو مؤحد و مسلم ماننا واجب ہو گیا تا کہ وہ مذکورہ بالا قرآن مجید و حدیث مبارکہ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہترین خاندان میں شامل رہیں ورنہ حضور کے یہ ارشادات کہ میں بہترین خاندانوں میں آیا ہوں' غلط ہو جائیں گے' نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں اور قرآن مجید میں ہے: ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''. (التوبہ: ۲۸) ''بے شک مشرک لوگ سراپا ناپاک ہیں''۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء واجداد بہ شمول والدین ابراہیم علیہ السلام مؤحد تھے مشرک نہیں کیونکہ وہ حضرات پاک تھے اور مشرک ناپاک ہیں۔ باقی جہاں تک آزر کا تعلق ہے تو امام ابن ابی شیبہ' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم نے بعض صحیح سند کے ساتھ حضرت مجاہد سے بیان کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں تھے' نیز امام ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج سے آیت مبارکہ ''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ''. (الانعام: ۷۴) کے تحت بیان فرمایا ہے کہ آزر آپ کے باپ نہیں تھے' حضرت ابراہیم کے والد تیرخ یا تارخ بن شاروخ بن ناحور بن فالخ تھے اور امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی سے بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر تھا؟ تو فرمایا: نہیں! بلکہ ان کا نام تارخ تھا اور عرب میں ''عَمٌّ'' (چچا) کو ''اَبٌ'' (باپ) کہنا مشہور و معروف ہے جیسا کہ قرآن مجید (البقرہ: ۱۳۳) میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ چچا تھے (اُردو زبان میں دادا ابو' تایا ابو اور چچا ابو کہا جاتا ہے) پھر آزر نارِ نمرود کی ایک چنگاری سے جل کر ہلاک ہو گیا تھا جس پر حضرت ابراہیم نے اس کے لیے دعائے مغفرت ترک کر دی تھی اور اس سے بیزار ہو گئے تھے اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا اس کے مرنے اور ترک دعائے مغفرت کے پچاس سال سے زائد عرصہ کے بعد مکہ مکرمہ میں مانگی تھی جو حقیقی والدین کے لیے تھی۔ یہ مذکورہ بالا دلائل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مسالک الحنفاء'' کے مختلف مقامات سے ماخوذ ہیں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲) اس کی مکمل تفصیل اور دلائل ہماری کتاب ''دلائل النجات لاصول سیّد الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غفرلہٗ

کے رسول پر ایمان لاؤ''۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وعید و تہدید (یعنی ڈرانے دھمکانے) کے طور پر انتباہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہے' وہ ان کے ظالمانہ اعمال کو خوب جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور بے شک وہ ان کو تھوڑے اور بہت ہر قسم کے ظلم پر سزا دے گا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ''. (البقرہ: ۲۸۳) ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے''۔ ﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ﴾ بے شک وہ ان کو مہلت دے رہا ہے یعنی ان کو عذاب دینے میں اس دن تک کے لیے تاخیر کر رہا ہے ﴿تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ جس میں آنکھیں یعنی ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور قیامت کے ہولناک مناظر دیکھنے کی وجہ سے وہ اپنی اپنی جگہوں میں پرسکون ہو کر ٹھہر نہیں سکیں گے۔

۴۳-﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ وہ (قبروں سے نکلنے پر خوف زدہ ہو کر) بلانے والے کی طرف بہت تیز دوڑ پڑیں گے ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ اپنے سروں کو اٹھا کر ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ ان کی پلکیں ان کی طرف نہیں جھپکیں گی (یعنی) ان کی خود اپنی آنکھیں ان کی طرف نہیں لوٹیں گی کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکیں ﴿وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ اور ان کے دل خیر و بھلائی سے خالی ہوں گے' خوف و گھبراہٹ کی وجہ سے کسی چیز کو محفوظ نہیں رکھ سکیں اور ''ھوآء'' اس خلاء کو کہا جاتا ہے جس کو مادی اجسام نے پُر نہ کیا ہو' اس لیے خالی دلوں کو ''ھوآء'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' چنانچہ ''قَلْبُ فُلَانٍ هَوَآءٌ'' کہ فلاں آدمی کا قلب خالی ہے' اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ بزدل ہو جائے نہ اس کے دل میں قوت ہو اور نہ اس میں جرأت ہو اور بعض نے کہا کہ وہ ایسے خول ہوں گے جن میں عقل و فہم نہیں ہوگی۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت دے دے' تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر لیں' (جواب دیا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا○ اور تم نے ان لوگوں کے گھروں میں سکونت اختیار کی تھی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تمہارے لیے واضح ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کر دیں○ اور بے شک انہوں نے اپنی چال بہت چلی اور ان کی چال کی سزا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے' اور بے شک ان کی چال ایسی تھی کہ اس سے پہاڑ بھی ہل جاتے○

۴۴-﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ اور لوگوں کو اس دن سے یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے' جب ان پر عذاب آئے گا [''یَوْمَ''، ''اَنْذِرْ'' کا دوسرا مفعول ہے' ظرف نہیں ہے کیونکہ اس دن میں ''انذار'' نہیں ہوگا] ﴿فَيَقُوْلُ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ تو جنہوں نے ظلم کیا تھا وہ لوگ یعنی کفار کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ﴾
اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی مدت کے لیے مہلت دے دے تا کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر
لیں یعنی تو ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے اور زمانہ قریب کی ایک مقررہ مدت تک مہلت دے دے تا کہ ہم نے تیری دعوت
قبول کرنے میں اور تیرے رسولوں کی اتباع کرنے میں جو کوتاہیاں کی ہیں ان کا تدارک کر سکیں تو ان سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمْ
تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا یعنی
تم دنیا میں قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم جب مر جاؤ گے تو اسی حالت پر خوش وخرم رہو گے اور تمہیں کچھ نہیں ہو گا اور نہ تم دوسرے
گھر کی طرف کبھی منتقل ہو گے یعنی تم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لیے اٹھ کر جانے
کا انکار کر دیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ''. (النحل:٣٨)''اور
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کر کہا کہ جو شخص مر جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا''۔[اور''وَمَا لَكُمْ
مِّنْ زَوَالٍ''. قسم کا جواب ہے اور اس کو خطاب کے لفظ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد''اَقْسَمْتُمْ'' کی وجہ سے لایا گیا
ہے ورنہ اگر قسم کھانے والوں کے لفظ کی حکایت بیان کی جاتی تو''مَا لَنَا مِنْ زَوَالٍ'' کہا جاتا' یا پھر''یوم'' سے عنقریب
عذاب میں مبتلا کر کے انہیں ہلاک کرنے کا دن مراد ہے] یا ان کی موت کا دن مراد ہے' جس میں موت کی سکرات کی سختی کے
ذریعے انہیں تکلیف دِہ عذاب دیا جائے گا اور ان سے فرشتے بغیر کسی خوشخبری کے ملاقات کریں گے تو اس روز یہ کفار
درخواست کریں گے کہ ان کا پروردگار انہیں ایک قریب مدت تک مہلت دے دے۔

٤٥۔ ﴿وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور تم نے ان لوگوں کے مکانوں میں سکونت اختیار کی جنہوں نے
کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر بہت بڑا ظلم کیا[اور کہا جاتا ہے کہ''سَكَنَ الدَّارَ وَسَكَنَ فِيْهَا''. فلاں آدمی نے گھر میں
سکونت اختیار کر لی اور وہ اس میں ٹھہر گیا اور اسی سے''وَسَكَنْتُمْ'' ہے کیونکہ''سُكْنٰى''''سکون'' سے ماخوذ ہے اور''سکون''
کا معنی ہے: ٹھہر جانا اور اصل میں یہ حرف''فِيْ'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے''قَرَّ فِي الدَّارِ' وَاَقَامَ فِيْهَا''. فلاں آدمی گھر
میں ٹھہر گیا اور اس میں اقامت پذیر ہو گیا' لیکن جب آدمی خاص سکونت کی طرف منتقل ہو جائے جس میں اسے پوری طرح
تصرف واختیار حاصل ہو تو پھر''سَكَنَ الدَّارَ'' کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:''تبوّاھا'' فلاں آدمی نے اس گھر کو مستقل ٹھکانا
بنا لیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ''سکون'' سے مشتق ہو] یعنی یہ کفار دورانِ سفر ان میں(یعنی قومِ عاد' قومِ ثمود وغیرہ کے بوسیدہ'
ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں) سکون وقرار حاصل کرتے اور وہ ان میں خوش دلوں کے ساتھ مطمئن ہو جاتے اور وہ اپنے سے
پہلے گزشتہ قوموں کے ظالمانہ کرتوتوں سے اور ظلم وفساد کرنے والے اُن ظالموں کی سیرت سے بے پرواہ ہو جاتے اور جن
مظالم کی وجہ سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے مختلف عذابوں میں گرفتار ہوئے تھے ان کو بیان نہیں کرتے تھے اور ان کے ظلم وستم پر
کیسی سزا ملی' اس کو یاد نہ کرتے تا کہ انہیں عبرت حاصل ہوتی اور وہ بُرے انجام سے ڈر جاتے ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ اور تم پر واضح
اور ظاہر ہو چکا ہے خبروں کے ذریعے یا مشاہدہ کرنے کے سبب[اور''تبیّن'' کا فاعل پوشیدہ ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے
یعنی تم پر ان کا حال ظاہر ہو چکا ہے] ﴿كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ﴾ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا
اور ہم نے ان سے انتقام لیا[''کَیْفَ'' فاعل نہیں ہے کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور''کَیْفَ'' صرف
''فَعَلْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں یعنی ہم نے ان
کے حالات وکردار بیان کیے اور جو کچھ انہوں نے کیا اور ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ بیان کیا اور یہ عبرت حاصل کرنے کے

لیے ہر ظالم کے لیے بیان کردہ مثالوں کی طرح ہے۔

٤٦۔ ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ اور بے شک انہوں نے بہت بڑی چال چلی یعنی ان کی سازش بہت خطرناک تھی جس میں انہوں نے اپنی پوری جدوجہد اور محنت و مشقت اور سرتوڑ کوشش کی اور انہوں نے یہ سازش کفر کو قائم رکھنے اور اسلام کو مٹانے کے لیے کی تھی ﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ﴾ اور ان کے مکروفریب اور سازش کرنے کی سزا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے [اور ''مَکْر'' کو پہلے کی طرح ''ھُمْ'' ضمیر فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان کا مکروفریب اللہ تعالیٰ کے پاس تحریر ہو چکا ہے سو وہ انہیں اس پر ایسی تدبیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ سزا دے گا جو ان کی فریب کاری سے بڑھ کر خطرناک ہوگی [یا پھر ''مَکْر'' اپنی ''ھُمْ'' ضمیر مفعول کی طرف مضاف ہے] یعنی ان کا مکروفریب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان کو اس کی ضرور سزا دے گا اور سزا ان کو عذاب دینا ہے جو ان پر ایسی حالت میں آئے گا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ ہوگی ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ [پہلا لام مکسور ہے اور دوسرا لام منصوب ہے] اور اصل میں یہ ہے کہ اگرچہ کفارِ مکہ کا مکروفریب حضور نبی کریم ﷺ کے مشن کو نا کام و ختم کرنا تھا' پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہاڑ کے ساتھ تعبیر کیا گیا کیونکہ آپ کی شان پہاڑ کی طرح بہت بلند اور سب سے عظیم ترین ہے [اور ''کَانَ'' تامہ ہے اور ''اِنْ'' نافیہ ہے اور اس کا لام تاکید کے لیے ہے' جیسے ارشاد فرمایا: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ'' (الانفال: ۳۳) ''اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہوں''۔] اور معنی یہ ہے کہ ان کے مکروفریب کی وجہ سے پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہل جانا اس بناء پر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے قوانین کے لیے پہاڑ مثال ہیں کیونکہ یہ ثبات و استحکام اور مضبوطی میں بلند و بالا پہاڑوں کے قائم مقام ہیں [اس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے: (وَمَا كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ) اور ان کے مکروفریب ایسے نہیں تھے کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے اور قاری علی کسائی (اور ابن جریج) کی قراءت میں پہلا لام مفتوح اور دوسرا لام مرفوع (یعنی لَتَزُوْلُ) ہے یعنی بے شک ان کا مکروفریب اس قدر سخت ہے کہ اس سے پہاڑ بھی ضرور ہل جاتے اور اپنی جگہوں سے اُکھڑ جاتے' بہرحال اس صورت میں ''اِنْ'' مخففہ (ساکن) ''اِنَّ'' مثقلہ (مشدد) سے تبدیل شدہ ہے اور لام تاکید کے لیے ہے]۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱ ۱۹

پس تم اللہ کے بارے میں ایسا گمان ہرگز نہ کرو کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا' بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے O جس دن یہ زمین دوسری زمین سے تبدیل کر دی جائے گی اور آسمان (بھی) اور سب لوگ زبردست واحد لاشریک اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے نکل کھڑے ہوں گے O اور تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں

جکڑے ہوئے ہوں گے O ان کے کُرتے تارکول کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی O تا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلا دے دے بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O یہ بات لوگوں تک پہنچانا ہے اور تا کہ اس کے ذریعے انہیں ڈرایا جائے اور وہ جان لیں کہ بے شک وہ صرف اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں O

---

٤٧۔﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾ سوتم اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا مت خیال کرو یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا''. (غافر:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد فرمائیں گے''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ''. (المجادلہ:۲۱) ''اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ میں ضرور غالب رہوں گا اور میرے رسول غالب رہیں گے''۔[''مُخْلِفَ''، ''لَا تَحْسَبَنَّ'' کا دوسرا مفعول ہے اور ''مُخْلِفَ'' کو ''وَعْدَهٗ'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور یہ اس کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول ''رُسُلَهٗ'' ہے اور اصل میں ''مُخْلِفَ رُسُلَهٗ وَعْدَهٗ'' ہے اور دوسرے مفعول کو پہلے مفعول پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا] جیسے ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ''. (آل عمران:۹) ''بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا''۔ پھر فرمایا: ''رُسُلَهٗ'' تا کہ تمام لوگوں کو آگاہ کر دے کہ بے شک جب وہ کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتا تو بھلا وہ اپنے رسولوں سے کیسے وعدہ خلافی کرے گا؟ وہ حضرات تو اس کے پسندیدہ اور منتخب پیغمبر ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا ﴿ ذُو انْتِقَامٍ ﴾ وہ اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔

٤٨۔﴿ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ اس دن زمین کو دوسری زمین سے اور آسمانوں کو دوسرے آسمانوں سے تبدیل کر دیا جائے گا [''یَوْمَ'' انتقام کے لیے ظرف ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' پوشیدہ کا ظرف ہے اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کو جسے تم جانتے اور پہچانتے ہو دوسری اجنبی اور غیر معروف زمین سے تبدیل کر دیا جائے گا اور ان آسمانوں کو دوسرے آسمانوں سے بدل دیا جائے گا اور ''غَیْرَ السَّمٰوٰتِ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے اور تبدیل کا معنی بدلنا ہے اور یہ بدلنا کبھی ذوات میں ہوتا ہے جیسے ''بَدَّلْتُ الدَّرَاهِمَ دَنَانِیْرَ'' کہ میں نے درہموں کو دیناروں سے بدل لیا ہے اور کبھی اوصاف میں ہوتا ہے جیسے تمہارا یہ قول: ''بَدَّلْتُ الْحَلْقَةَ خَاتِمًا''. میں نے حلقہ کو انگوٹھی سے بدل لیا جب تم اس کو پگھلا کر برابر کر کے انگوٹھی بنا لو تو وہ ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہو جائے گا اور زمین و آسمان کے تبدیل ہونے میں مختلف اقوال ہیں] چنانچہ بعض نے فرمایا کہ زمین وہی رہے گی لیکن اس کی صفات تبدیل ہو جائیں گی اور وہ اس طرح کہ زمین کے تمام پہاڑ عمارتیں ٹیلے دریا اور درخت وغیرہ ختم کر کے زمین کو برابر چٹیل میدان بنا دیا جائے گا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زمین وہی رہے گی لیکن اس کی صفات تبدیل ہو جائیں گی اور آسمان کا تغیر و تبدل اس طرح ہوگا کہ اس کے ستارے جھڑ کر منتشر ہو جائیں گے اور سورج و چاند کو گہن لگ جائے گا اور وہ بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس میں شگاف اور دروازے ہو جائیں گے اور بعض نے فرمایا کہ یہ زمین ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ دوسری زمین سے تبدیل ہو جائے گی اور اسی طرح یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے تبدیل ہو جائیں گے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر سفید زمین پر کیا جائے گا جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس زمین کو چاندی کی زمین سے

تبدیل کر دیا جائے گا اور ان آسمانوں کو سونے کے آسمانوں سے تبدیل کر دیا جائے گا ﴿ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ اور تمام لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اس اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے جو اکیلا سب پر زبردست غالب ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' (غافر:١٦) ''آج کس کی بادشاہی ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب پر زبردست غالب ہے''۔ کیونکہ جب بادشاہی صرف ایک ایسی ذات کی ہوگی جو سب پر زبردست اور بہت غالب ہے جب کہ اس پر کوئی غالب نہیں اور اس کے علاوہ کوئی فریاد رس نہیں ہوگا تو معاملہ نہایت سخت سنگین اور بہت تکلیف دِہ ہوگا۔

٤٩- ﴿ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ اور تم مجرموں (یعنی) کافروں کو دیکھو گے ﴿ يَوْمَئِذٍ ﴾ اُس دن (یعنی) قیامت کے دن ﴿ مُقَرَّنِيْنَ ﴾ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے یا وہ شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کے پاؤں کے ساتھ ملا کر زنجیروں میں باندھ دیا جائے گا ﴿ فِي الْاَصْفَادِ ﴾ [یہ ''مُقَرَّنِيْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیا جائے گا (''اَصْفَاد''، ''صَفَد'' کی جمع ہے' زنجیر میں باندھنا) یا اس کے متعلق نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیئے جائیں گے اور ''اصفاد'' کا معنی ہے: قید کرنا اور گرفتار کرنا' باندھنا یا لوہے کی زنجیریں اور بیڑیاں۔

٥٠- ﴿ سَرَابِيْلُهُمْ ﴾ ان کی قمیصیں اور کُرتے ﴿ مِّنْ قَطِرَانٍ ﴾ رال کے ہوں گے۔ ''قطران'' اس سیال سیاہ مادہ کو کہا جاتا ہے جو ابھل نامی درخت سے نچوڑا جاتا ہے' پھر اسے پکا کر قدرے گاڑھا کیا جاتا ہے' پھر یہ (بدبودار سیاہ گاڑھا تیل) خارشی اونٹ پر لگایا جاتا ہے اور یہ اپنی حرارت کی وجہ سے اونٹ کی خارش کو جلا کر ختم کر دیتا ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ اس کو آگ جلد پکڑتی ہیں اور اس کو آگ لگانے سے بہت تیزی کے ساتھ بھڑک اُٹھتی ہیں اور یکدم آگ بھڑک کر مشتعل ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ سیاہ کالا ہوتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے اور یہ دوزخیوں کے چمڑوں پر لیپ کر کے لگایا جائے گا یہاں تک کہ وہ لیپ ان کے لیے قمیصوں اور کُرتوں کی طرح ہو جائے گا تا کہ ان بدنصیبوں پر اس سیاہ بدبودار تارکول کی تکلیف و دکھ اور اس کی جلن اکٹھی ہو جائیں اور آگ تیزی سے ان کے چمڑوں میں پہنچ کر جلانا شروع کر دے اور گندا رنگ اور بدبودار ہوا ان کا جینا دوبھر کر دے گا اور جس طرح دوزخ کی آگ میں تیز جلانے کے اعتبار سے مختلف درجات ہوں گے' اسی طرح اس سیاہ بدبودار تیل کی مختلف کوالٹیز ہوں گی اور ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے یا جس کے ساتھ آخرت کے بارے میں ڈرایا ہے اس کے درمیان اور اسی کی جنس سے جس کا ہم مشاہدہ کریں گے' اس کے درمیان اس قدر فرق ہوگا جس کی مقدار کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا' گویا ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تو محض نام ہیں اور مسمیات (وہ اصل چیزیں جن کے یہ نام ہیں وہ تو) وہاں (آخرت میں) ہوں گے' ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب سے۔ حضرت زید نے حضرت یعقوب سے نقل کیا ہے کہ ان کی قراءت میں (مِنْ قِطْرٍ اٰنٍ) ہے جس کا معنی ''پگھلا ہوا تانبا'' ہے جس کی حرارت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو] ﴿ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴾ اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی (یعنی) آگ اپنے بلند شعلوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر چڑھ کر گھیر لے گی اور چہرہ کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ ظاہری بدن کے تمام اعضاء میں سے بڑھ کر معزز و محترم اور سب سے زیادہ اہم ترین ہے جیسے باطن میں دل اہم ترین ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ'' (سورۃ الھمزہ:٧) ''کہ آگ دلوں تک پہنچ جائے گی''۔

٥١- ﴿ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کا بدلا دے جو اس نے کمایا یعنی اللہ تعالیٰ مجرموں

کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو وہ مجرموں کے ساتھ کرتا ہے تا کہ ہر مجرم و نافرمان شخص کو اس کے کیے کا بدلا دے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نافرمان و مجرم اور فرماں بردار کو اس کی کمائی پر جزا دے گا' اس لیے کہ جب وہ مجرموں کو ان جرائم پر سزا دے گا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ مؤمنوں کو ان کی اطاعت و فرماں برداری پر ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے' وہ اپنے تمام بندوں کا حساب آنکھ جھپکنے سے بھی جلد لے لے گا۔

۵۲- ﴿هٰذَا﴾ یعنی یہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (وَلَا تَحْسَبَنَّ) سے لے کر (سَرِیْعُ الْحِسَابِ) تک بیان کیا ہے ﴿بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے پیغام رسانی کی اطلاع ہے (اور) یاد دہانی کرانے اور نصیحت کرنے کے لیے کافی ہے ﴿وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ اور تا کہ اس پیغام رسانی کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے اور انہیں خوفِ خدا دلایا جائے [اور یہ محذوف فعل پر معطوف ہے یعنی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں] ﴿وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اور تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک صرف وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے کیونکہ جس سے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جب وہ اس سے ڈر جائیں گے تو یہ خوف انہیں غور و فکر کرنے کی دعوت دے گا یہاں تک کہ وہ عقیدۂ توحید تک پہنچ جائیں گے کیونکہ خوف و ڈر تمام بھلائیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے ﴿وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اور تا کہ عقل و فہم رکھنے والے حضرات نصیحت حاصل کر سکیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ الحجر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی ننانوے آیات' چھ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ①

الٓرٰ' یہ کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں ○

## کفارِ مکہ کے طرزِ عمل کا بیان اور قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان

۱- ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ یہ کتاب اور روشن اور واضح قرآن مجید کی آیتیں ہیں (تِلْكَ) سے ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن پر یہ سورت مبارکہ مشتمل ہے اور ''کتاب'' اور ''قرآن مبین'' سے یہی سورت مراد ہے اور ''قرآن'' کو نکرہ صرف تعظیم کے لیے لایا گیا ہے (یعنی عظیم الشان قرآن) اور معنی یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو کتاب ہونے میں کامل ترین ہے یعنی روشن ترین اور واضح ترین قرآن ہے' اس آیت مبارکہ میں واؤ تفسیر یہ ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب حسن و کمال اور علم بیان کی تمام خوبیوں کی جامع ہے۔

الجزء ١٤
رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ② ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا
وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ
مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ
نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ⑦

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨

ایک وقت آئے گا جب کافر بہت آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے O آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ کھائیں پئیں اور دنیا کا فائدہ اٹھالیں اور امید انہیں غافل رکھے گی' سوعنقریب وہ جان لیں گے O اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے انجام کی ایک تحریر معلوم تھی O کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہوسکتی ہے O اور انہوں نے کہا: اے وہ جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تم دیوانہ ہو O آپ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر آپ سچے ہیں O ہم فرشتے نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور انہیں (کافروں کو) اس وقت مہلت نہیں دی جاتی O

٢- ﴿رُبَمَا﴾ [نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی ''بَا'' بغیر شد کے) ہے' ان دونوں کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''بَا'' مشدد کے ساتھ (رُبَّمَا) ہے اور اس میں حرفِ ''مَا'' کافہ ہے (جس نے ''رُبَّ'' کا عمل روک دیا ہے) کیونکہ یہ حرف اپنے مابعد کو جر دیتا ہے اور یہ اسم نکرہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے لیکن جب حرفِ ''مَا'' وغیرہ کے ذریعے اس کے عمل کو روک دیا جائے تو اس کے بعد فعل ماضی اور اسم آجاتا ہے] اور ''رُبَمَا'' کا معنی ہے: بہت ﴿يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہو گئے۔ [یہاں ''رُبَمَا'' کے بعد فعل مضارع کا آنا صرف اس لیے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل کی خبر بھی اپنے ثبوت میں اور اپنے متحقق ہونے میں ماضی کی یقینی خبر کی طرح ہوتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے بہت آرزو کر لی کیونکہ ان کی آرزو کا ثبوت یقینی ہے' وہ ہر حال میں آرزو کریں گے اور ان کی یہ آرزو سکراتِ موت کے وقت ہوگی یا پھر قیامت کے دن ہوگی جب وہ اپنا حال اور مسلمانوں کا حال دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے یا جب وہ گنہگار مسلمانوں کو دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ کی آگ سے نکالا جا رہا ہے تو کافر آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے ﴿لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ [یہ ان کی آرزو کی حکایت ہے اور اس کو غیب کے جملے کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''حَلَفَ بِاللّٰهِ لَيَفْعَلَنَّ''. فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ وہ ضرور کرے گا اور اگر ''حَلَفَ بِاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ''. فلاں آدمی نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ میں ضرور کروں گا اور ''لَوْ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ''. کاش! ہم مسلمان ہوتے' کہا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا] اور ''رُبَّ'' کا معنی یہاں قلیل اس لیے مراد لیا گیا ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں ان کو آرزو کرنے سے غافل و بے خبر کر دیں گی' پھر جب وہ لوگ عذاب کی تکلیفوں سے افاقہ پائیں گے تو اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے اور جس نے کہا کہ ''رُبَّ'' یہاں کثرت کے معنی میں ہے' یہ اس کی بھول ہے کیونکہ یہ اس کے برعکس ہے جس کو اہل لغت جانتے اور پہچانتے ہیں' اس لیے کہ یہ قلیل اور تھوڑا کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

٣- ﴿ذَرْهُمْ﴾ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یہ حکم ان کی اہانت و تذلیل کے لیے دیا گیا ہے یعنی ان کے جہالت سے باز آنے اور ایمان قبول کرنے سے آپ اپنی امید ختم کر لیجئے اور آپ انہیں اس راہ سے جس پر وہ قائم ہیں منع کرنا اور وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں باز رہنے کی تلقین کرنا چھوڑ دیجئے اور آپ انہیں ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ ﴿يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ وہ کھائیں پئیں اور دنیا سے اپنا فائدہ حاصل کر لیں ﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ اور انہیں امید نے غافل کیا ہوا ہے

(یعنی) انہیں فانی امیدوں اور آرزؤوں نے ایمان لانے سے غافل کیا ہوا ہے ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو عنقریب وہ اپنے اعمال کی بُرائی کو جان لیں گے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ دنیاوی لذتوں اور عیش و عشرت اور فانی نعمتوں کو اختیار کرنا اور ایسی چیزوں کو اختیار کرنا جن سے امیدیں طویل ہو جائیں' مؤمنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے۔

٤۔﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے لکھا ہوا معلوم ہے [''وَلَهَا كِتَابٌ'' جملہ ''قَرْيَةٍ'' کی صفت واقع ہو رہا ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان واؤ کا واسطہ نہ ہوتا' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں ہے: ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ'' (الشعراء:۲۰۸) ''اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لیے ڈرانے والے بھیجے گئے''۔ اور یہاں واؤ کو صرف موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لیے درمیان میں لایا گیا ہے کیونکہ صفت بغیر واؤ کے موصوف کے ساتھ متصل ہوتی ہے تو اس لیے واؤ کو تاکید کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ''قَرْيَةٍ'' کا حال ہو جائے گا کیونکہ یہ موصوفہ کے حکم میں ہے' گویا فرمایا گیا: ''وَمَا اَهْلَكْنَا قَرْيَةً مِّنَ الْقُرٰى''. اور ہم نے بستیوں میں سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے لکھا ہوا معلوم ہے۔ یہ وصف کے حکم میں نہیں ہے اور یہ ارشاد: ''كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ اَىْ مَكْتُوْبٌ مَّعْلُوْمٌ'' یعنی لکھا ہوا جانا ہوا' اور یہ اس کا انجام ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے' کیا تم درج ذیل ارشاد نہیں دیکھتے]؟

٥۔﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا﴾ کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے نہ آگے بڑھ سکتی ہے ﴿وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اَىْ عَنْهُ. اور نہ وہ پیچھے ہو سکتی ہے یعنی اس مقررہ وقت سے [اور ''عَنْهُ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ معلوم ہے اور ''اُمَّةٍ'' کے لیے پہلے (''اَجَلَهَا'' میں) مؤنث ضمیر لائی گئی ہے' پھر (''يَسْتَاْخِرُوْنَ'' میں) اس کو مذکر ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے لفظ پر محمول کیا گیا ہے جب کہ دوسری دفعہ معنی پر محمول کیا گیا ہے]۔

٦۔﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے کہا: یعنی کفار نے کہا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن مجید نازل کیا گیا ہے! ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک تم دیوانہ ہو۔ انہوں نے سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو مراد لیا ہے اور ان کی طرف سے آپ کو یہ خطاب مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لیے تھا جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ''اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِىْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ''. (الشعراء:۲۷) ''بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' ضرور دیوانہ ہے''۔ اور کفارِ عرب آپ پر قرآن مجید کے نزول کا اقرار کیسے کرتے حالانکہ وہ تو آپ کو جنون و دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے اور انہوں نے اس کے برعکس جو آپ پر نزولِ ذکر کی نسبت کی ہے' وہ صرف آپ کا مذاق اڑانے اور ٹھٹھا مذاق کرنے کے لیے تھی اور حضور کا مذاق اڑانا ان کا مشہور مشغلہ تھا اور درج ذیل دونوں ارشاد اسی قبیل سے ہیں: ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ''. (آل عمران:۲۱) ''پس (اے محبوب!) انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں''۔ نیز ارشاد ہے: ''اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ''. (ھود:۸۷) ''بے شک تم تو بڑے عقل مند نیک چلن ہو''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم دیوانوں کا کلام بولتے ہو کیونکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا ہے۔

٧۔﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟ [حرفِ ''لَوْ'' کو ''لَا'' اور ''مَا'' کے ساتھ مرکب کر کے (جیسے ''لَوْ لَا'' اور ''لَوْ مَا'') کسی چیز کے ممتنع ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے' اس بناء پر کہ اس چیز کا غیر موجود ہے یا یہ حرفِ ''لَوْ'' تخصیص یعنی مخاطب کو کسی کام پر اکسانے اور اس کی ترغیب

دینے کے لیے ہے اور ''هَلْ''. ''لَا'' کے ساتھ مرکب ہو کر تخصیص کے لیے آتا ہے اور بس] اور معنی یہ ہے: ''هَلَّا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ يَشْهَدُوْنَ بِصِدْقِكَ''. آپ ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے جو آپ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کی گواہی دیں یا یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے پاس عذاب کے فرشتے کیوں نہیں لاتے جو آپ کے جھٹلانے پر ہمیں عذاب دیں؟

٨۔ ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (یعنی) ہم فرشتوں کو حکمت و مصلحت کے مطابق بہ وقتِ ضرورت نازل کرتے ہیں (لوگوں کے بے کار مطالبے پر نہیں) [یہ قراءت ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی ہے جب کہ ابوبکر کی قراءت میں ''تُنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (دونوں کی بجائے ایک ''تا'' اور نون فعل واحد مؤنث فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے) ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں ''تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (فعل واحد مؤنث مضارع معروف از باب تفعیل) ہے اصل میں ''تَتَنَزَّلُ'' ہے] ﴿وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ﴾ اور اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی [''اِذًا'' ان کے لیے جواب ہے اور مقدر شرط کی جزا ہے] اور مقدر عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم فرشتوں کو نازل کر دیتے تو پھر اس وقت انہیں مہلت نہ دی جاتی اور نہ ان سے عذاب مؤخر کیا جاتا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١١﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ
فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا
بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿١٥﴾ ع ١٥

بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی گزشتہ امتوں میں پیغمبر بھیجے تھے O اور ان کے پاس رسول نہیں آتے تھے مگر وہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے O اسی طرح ہم اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں O کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ یقیناً گزر چکا ہے O اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیتے اور وہ اس پر چڑھ جاتے O البتہ وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جس پر جادو کیا گیا ہے O

٩۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ بے شک ہم نے اس ذکر (یعنی) قرآن مجید کو نازل کیا ہے ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس سے کفار کے انکار کی تردید کی گئی ہے اور ان کے استہزاء کا جواب ہے جو انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے کہا تھا کہ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ. (الحجر:٦)) ''اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے!'' اور اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّا نَحْنُ''. سو اللہ تعالیٰ نے ان پر تاکید کے ساتھ بیان کیا کہ بے شک یہ قرآن مجید یقینی طور پر نازل کیا گیا ہے اور بے شک اسی نے اس قرآن مجید کو شیطانوں سے محفوظ نازل فرمایا اور وہی ہر وقت اس کی کمی و بیشی اور تحریف و تبدیلی سے حفاظت کرنے والا ہے' اس کے برعکس سابقہ کتب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے

خود نہیں لیا تھا بلکہ ان کی حفاظت پادریوں اور عالموں کی ذمہ داری تھی' چنانچہ انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے آپس میں اختلاف شروع کر دیا' جس کی وجہ سے ان میں تبدیلی اور تحریف واقع ہوگئی' لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے علاوہ کسی کے سپرد نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ دیگر قرآنی آیات کی طرح یہ آیت بھی اسی کی طرف سے نازل کی گئی ہے کیونکہ اگر یہ انسان کے کلام میں سے ہوتی یا آیت نہ ہوتی تو اس میں بھی زیادتی اور کمی داخل ہو جاتی جیسا کہ اس کے سوا ہر کلام میں داخل ہو جاتی ہے یا ''لَهٗ'' کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے یعنی بے شک ہم رسول کریم کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدہ:٦٧) ''اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا''۔

١٠- ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھیجے تھے یعنی بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو پہلی امتوں میں بھیجا تھا' اور ''شِيْعَة'' کا معنی گروہ ہے جب وہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر متفق ہوں۔

١١- ﴿ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ ﴾ [اس آیت مبارکہ میں ماضی کے حال کی کہانی بیان کی گئی ہے کیونکہ حرفِ ''مَا'' جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت فعل مضارع صرف حال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جب فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت فعل ماضی حال کے قریب معنی میں استعمال ہوتا ہے] اور ان کے پاس رسول نہ آتے ﴿ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس آیت مبارکہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کفارِ مکہ کی بے ہودہ باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ جُہال کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔

١٢- ﴿ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں یعنی جس طرح ہم نے کفر کو یا مذاق اڑانے کے رویہ کو پہلی امتوں اور گروہوں میں داخل کیا تھا' اسی طرح ہم اس کو یعنی کفر کو یا مذاق اڑانے کو آپ کی امت میں سے ایسے تمام مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں جنہوں نے کفر و استہزاء کو اختیار کیا ہوا ہے۔ [''سَلَكْتُ الْخَيْطَ فِي الْاِبْرَةِ وَاَسْلَكْتُهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے دھاگے کو سوئی میں داخل کیا ہو اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں' بندہ صرف افعال کا سبب ہے خالق نہیں]۔

١٣- ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ وہ لوگ اس پر (یعنی) اللہ تعالیٰ پر یا اس ذکر (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے [اور یہ جملہ حال ہے] ﴿ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور بے شک پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے (یعنی) کفار کو ہلاک کرنے کا طریقہ گزر چکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں جاری فرما دیا ہے کہ جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور یہ کفارِ مکہ کے لیے حضور کی نبوت و رسالت کے جھٹلانے پر دھمکی اور ڈراوا ہے۔

١٤- ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیتے (یعنی) اگر ہم ان کے لیے واضح ترین اور صاف صاف ترین معجزہ ظاہر کر دیتے اور وہ آسمان کا ایک دروازہ کھولنا ہے ﴿ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ اس میں اوپر چڑھ جاتے۔

١٥- ﴿ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا ﴾ تو البتہ وہ لوگ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں (یعنی) حیرت میں ڈال دی گئی ہیں یا دیکھنے سے روک دی گئیں اور باندھ دی گئی ہیں۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (بغیر تشدید کے)

"سُکِّرَتْ" ہے یعنی رک گئیں جیسے نہر بہنے سے رک گئی] اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ مشرکینِ مکہ عناد و دشمنی کی وجہ سے غلو میں اس قدر انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کہ اگر آسمان کے دروازوں میں سے کوئی ایک دروازہ ان کے لیے کھول دیا جاتا اور ان کے لیے سیڑھی مہیا کی جاتی جس کے ذریعے آسمان کی طرف اوپر چڑھ جاتے اور انہوں نے جو دیکھنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو پھر بھی وہ یہی کہتے کہ یہ سب کچھ وہم و خیال ہے حقیقت کچھ نہیں اور وہ ضرور یہی کہتے کہ ﴿بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ بلکہ ہماری تمام قوم پر جادو کر دیا گیا ہے' بے شک (سرورِ کونین حضرت) محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے یا ضمیر ملائکہ کے لیے ہے یعنی اگر ہم ان کو فرشتے دکھا دیتے جو ان کے سامنے آسمان میں چڑھتے تو پھر بھی وہ یہی کہتے اور "ظَلُّوْا" کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ ان کا آسمان کی طرف چڑھنا دن کے وقت ہو تا کہ وہ واضح طور پر دیکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے "اِنَّمَا" صرف اس لیے ارشاد فرمایا تا کہ یہ اس بات پر رہ نمائی کرے کہ وہ لوگ یہ بات یقین کے ساتھ کہتے کہ ہماری آنکھوں پر صرف جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ
رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا
مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ
وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾

اور بے شک ہم نے آسمان میں ستارے مقرر کیے ہیں اور ہم نے اس کو دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کر دیا ہے ○ اور ہم نے اس کو ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے ○ مگر جس نے چوری چھپے سن لیا تو شعلہ مارنے والا ایک روشن ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے ○ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ہر مناسب چیز اُگا دی ○ اور ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو ○ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر اس کے تمام خزانے ہمارے پاس ہیں' اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق ○

## اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے انعامات کا بیان

١٦- ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور بے شک ہم نے آسمان میں (ستارے) بنائے (یعنی) ہم نے آسمان میں (ستارے) پیدا کیے ["جَعَلْنَا" بہ معنی "خَلَقْنَا" ہے] ﴿بُرُوْجًا﴾ ستاروں کو یا محلات کو بنایا جن میں محافظ فرشتے رکھوالی کے لیے مقرر ہیں یا یہ کہ ستاروں کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ﴿وَّزَيَّنّٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو (یعنی) آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا اور خوب سجایا ﴿لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ دیکھنے والوں کے لیے۔

١٧- ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾ اور ہم نے اس کو یعنی آسمان کو شیطان ملعون یا ستاروں کے ذریعے بھگائے گئے شیطان سے محفوظ بنا دیا ہے۔

١٨- ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ مگر جس نے چوری چھپے سن لیا یعنی سنی گئی بات کو چرا لیا [اور "مَنْ" استثناء سے محلًّا

منصوب ہے ] ﴿ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ﴾ تو شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے (یعنی) ستارہ اس کے پیچھے تعاقب کر کے آگ کا شعلہ پھینکتا ہے تو شیطان ناکام واپس لوٹ آتا ہے ﴿ مُّبِیْنٌ ﴾ دیکھنے والوں کے لیے ظاہر ہے۔ بعض نے فرمایا: پہلے شیطانوں کو تمام آسمانوں میں جانے کی اجازت تھی اور انہیں آسمانوں پر جانے کی ممانعت نہیں تھی' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو شیطانوں کو تین آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' پھر جب سیّد الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو تمام شیطانوں کو تمام آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اب کوئی شیطان کسی آسمان پر نہیں جا سکتا۔

۱۹۔ ﴿ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا ﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلایا (یعنی) ہم نے زمین کو کعبہ معظمہ کی جگہ سے ہر چہار طرف مساوی بچھا دیا اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کی سطح پر پھیلایا ﴿ وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ ﴾ اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو ڈال دیا' مقصد یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا (تاکہ پہاڑوں کے جم جانے سے زمین ساکن و برقرار رہے) ﴿ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴾ اور ہم نے اس میں ہر چیز مناسب پیدا کی' اس کا حکمت کے میزان میں وزن کیا گیا اور اس کو ایسی مقدار میں مناسب اندازے پر پیدا کیا گیا جس کا حکمتِ الٰہی تقاضا کرتی تھی' نہ اس میں زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی گنجائش ہے یا یہ کہ زمین کی تمام پیداوار کو مفید و نفع بخش اور نعمت ہونے کے معاملات میں مناسب و موزوں پیدا کیا گیا یا اس کا زعفران' سونا چاندی' پیتل اور لوہا وغیرہ کی طرح وزن کیا جاتا ہے اور جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے ان کو ناپ اور وزن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

۲۰۔ ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے اس زمین میں روزی کا سامان پیدا کیا ہے' کھانے پینے' رہنے سہنے اور پہننے کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام مہیا کر دیں۔ [''مَعَایِش'' جمع ہے اور ''مَعِیْشَة'' اس کا واحد ہے جس میں ''یا'' اصلی ہے' اس لیے اس میں ''یا'' کی تصریح ضروری ہے اس کے برعکس ''خَبَائِث'' وغیرہ میں ہمزہ کی بجائے ''یا'' کی تصریح کرنا غلط ہے ] ﴿ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ﴾ اور جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو [لفظ ''مَنْ'' ''مَعَایِشَ'' پر معطوف ہونے کی بناء پر محلًّا منصوب ہے یا ''لَكُمْ'' کے محل پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامانِ زندگی پیدا کیا اور ہم نے تمہارے لیے ان کو پیدا کیا جن کو تم روزی نہیں دیتے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامانِ رزق پیدا کیا اور ان کے لیے بھی ہم نے رزق کا سامان پیدا کیا جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو اور اس سے بیوی' بچے' غلام' لونڈیاں اور نوکر چاکر مراد ہیں جن کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ انہیں روزی دے رہے ہیں حالانکہ وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے' وہی اُن کو بھی اور اِن کو بھی رزق دے رہا ہے اور روزی میں مویشی اور دیگر تمام جانور وغیرہ داخل ہیں [اور ''لَكُمْ'' میں ضمیر مجرور پر عطف کر کے ''مَنْ'' کو جر کا محل قرار دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حرفِ جار کے اعادہ کے بغیر مجرور ضمیر پر معطوف نہیں ہوتا]۔

۲۱۔ ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک معلوم و معین اندازے کے مطابق۔ یہاں خزانوں کا ذکر صرف تمثیل کے لیے ہے اور مطلب و معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے بندے فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر اس کے ایجاد کرنے پر اور اس کو پیدا کرنے پر صرف ہم قدرت رکھتے ہیں اور ہم اپنے بندوں کو جو نعمت عطا کرتے ہیں' وہ ایک معلوم مقدار کے مطابق عنایت کرتے ہیں' بہر حال خزانوں کی مثال صرف ہر مقدور و مملوک پر اس کے اقتدار کے اظہار کے لیے

بیان کی گئی ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

اور ہم نے بادلوں کو اٹھانے والی ہواؤں کو بھیجا اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور ہم نے تمہیں اس سے سیراب کیا' اور تم اس کو جمع کرنے والے نہیں ہو O اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں O اور بے شک ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک ہم پیچھے رہنے والوں کو بھی جانتے ہیں O اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ ہی ان کو جمع کرے گا' بے شک وہ بڑا حکمت والا خوب جاننے والا ہے O اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکھناتے گندھے ہوئے گارے سے پیدا کیا O اور ہم نے اس سے پہلے جنوں کو سخت گرم ترین شفاف آگ سے پیدا کیا O

٢٢- ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ "لَوَاقِحَ" "لَاقِحَةٌ" کی جمع ہے ("لَاقِحَةٌ" کا معنی ہے: بوجھ اٹھانے والی یا حاملہ) یعنی ہم نے پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اٹھانے والی ہواؤں کو بھیجا' چونکہ یہ ہوائیں بادلوں کو اپنے اندر اٹھالیتی ہیں تو گویا ہوائیں بادلوں سے حاملہ ہوتی ہیں [یہ "لَقِحَتِ النَّاقَةُ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ اونٹنی حاملہ ہوگئی اور اس کا متضاد "عقیم" (بانجھ) ہے۔ قاری حمزہ کی قراءت میں "الرِّيْحَ" ہے] ﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ پھر ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا (یعنی بارش کو برسایا) تو ہم نے اس سے تمہیں سیراب کیا اور ہم نے اس سے تمہیں پانی پلایا ﴿وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾ اور تم اس کو جمع کرنے والے نہیں ہو۔ اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے اس چیز کی نفی کر دی ہے جس کو درج ذیل ارشاد میں اپنی ذات کے لیے ثابت کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ". اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پانی کو ہم جمع کرنے والے ہیں' اس بناء پر کہ آسمان میں اس کے پیدا کرنے پر ہم قادر ہیں اور اس کو آسمان سے ہم برساتے ہیں اور تم اس پر قادر نہیں ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کی عظمت پر اور بندوں کے عاجز ہونے پر واضح دلیل ہے۔

٢٣- ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ اور بے شک البتہ ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مارتے ہیں' یعنی ہم ایجاد و تخلیق کے ذریعے زندگی عنایت کرتے ہیں اور ہم ہی فنا کے ذریعے موت دیتے ہیں یا یہ کہ ہم ہی مدتِ زندگی کے اختتام کے وقت موت دیتے ہیں اور ہم ہی اعمال پر جزاء دینے کے لیے زندہ کریں گے [اس میں تقدیم وتاخیر ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے ترتیب ضروری نہیں] ﴿وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ اور ہم وارث ہیں' مقصد یہ ہے کہ تمام مخلوق کی ہلاکت کے بعد صرف ہم باقی رہیں گے اور بعض نے فرمایا کہ میّت کے وارث سے بطور استعارہ وارث کے لفظ کو باقی کے معنی کے لیے لیا گیا ہے کیونکہ میّت کا وارث بھی میّت کے مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔

٢٤-﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴾ اور بے شک ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک ہم پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں' جو پیدائش و موت میں مقدم ہے اور جو پیدائش اور موت میں مؤخر ہے یا جو باپوں کی پشتوں سے خارج ہو چکے ہیں اور جو ابھی تک نہیں آئے یا جو اسلام قبول کرنے میں یا اطاعت و فرماں برداری میں یا باجماعت نماز کی صف میں یا جنگ کی صف میں سبقت و پہل کر چکے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں۔

٢٥-﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع فرمائے گا یعنی وہ اکیلا ان سب لوگوں کے جمع کرنے پر قادر ہے اور وہی ان کی تعداد کا احاطہ رکھتا ہے ﴿ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک وہی غالب حکمت والا' وسیع علم والا ہے۔

## انس اور جن کی تخلیق کا بیان

٢٦-﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ﴾ اور بے شک ہم نے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے ﴿ مِنْ صَلْصَالٍ ﴾ خشک مٹی سے جسے پکایا نہیں گیا ﴿ مِّنْ حَمَاٍ ﴾ سیاہ گارے سے' یہ ''صلصال'' کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خشک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ گارے سے تھی یعنی ایسی مٹی جو پانی میں کئی روز رہنے کی وجہ سے اصل رنگ بدل کر سیاہ بدبودار گارا بن چکی تھی ﴿ مَّسْنُوْنٍ ﴾ [یہ معنیٰ ''مُصَوَّرٌ'' (واو پر زبر) ہے] یعنی تصویر اور شکل و صورت بنائی گئی' دراصل پہلی مرتبہ وہ ''تُرَابٌ'' یعنی عام مٹی تھی' پھر اسے پانی میں گوندھا گیا تو ''طِیْنٌ'' یعنی گندھی ہوئی مٹی بن گئی' پھر اسے چند دن پانی میں چھوڑ دیا گیا تو ''حَمَاٍ'' یعنی سیاہ بدبودار مٹی بن گئی' پھر اسے چن لیا گیا اور پانی سے الگ کر لیا گیا تو وہ ''سُلَالَةٌ'' یعنی چنی ہوئی مٹی بن گئی' پھر اس کی تصویر یعنی خالی ڈھانچہ تیار کیا گیا اور اس کو خشک کیا گیا تو وہ ''صلصال'' یعنی بجنے والی مٹی بن گئی' لہٰذا انسان کے لیے ان تمام الفاظ کے استعمال کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

٢٧-﴿ وَالْجَآنَّ ﴾ اور جنوں کے باپ کو (ہم نے پیدا فرمایا) جیسے حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے لیے (باپ ہیں)' یا پھر اس سے ابلیس مراد ہے [اور یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر اور وضاحت آگے آنے والا فعل ''خَلَقْنٰهُ'' کر رہا ہے] ﴿ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ﴾ ہم نے اس کو آدم (علیہ السلام) سے پہلے پیدا کیا تھا ﴿ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴾ سخت گرم ترین تیز آگ سے' جو انسانی مسام میں داخل ہونے والی ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آگ اس آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ
كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ
مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ
مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں کھنکھناتے گندھے ہوئے گارے سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں ○ پھر جب میں اس کو مکمل بنا لوں اور میں اس میں اپنی برگزیدہ روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ

میں گر پڑنا O سوتمام فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا O سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا O اس نے کہا: میرے لائق نہیں کہ میں بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے بجنے والے گندھے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے O

۲۸-﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اس ارشاد کے وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ بے شک میں بجنے والی سیاہ چپی ہوئی مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں۔

۲۹-﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ﴾ پھر جب میں اسے برابر کرلوں (یعنی) جب میں اس کی تخلیق (بناوٹ) کو مکمل کرلوں اور میں روح پھونکنے کے لیے اس کو مکمل تیار کرلوں ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ اور میں اس میں اپنی برگزیدہ روح پھونک دوں (یعنی) میں اس میں روح داخل کردوں اور میں اس کو زندہ کردوں اور وہاں پھونکنا وغیرہ کچھ نہیں تھا [اور وہ صرف تمثیل وتشبیہ ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت ونسبت صرف تخصیص کے لیے ہے] ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا [یہ امر (حکم) ہے جو "وَقَعَ یَقَعُ" سے ہے' اصل میں اس کا معنی ہے کہ تم زمین پر گر پڑو یعنی تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اور اس کے شروع میں "فَا" کو اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ "اِذَا" کا جواب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فعل کے وقت سے پہلے امر کرنا جائز ہے]۔

۳۰-﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ پس تمام فرشتوں نے یکدم جمع ہو کر سجدہ کیا تھا [پھر "مَلٰٓئِكَةُ" کا لفظ جمع ہے اور عام ہے جس میں تخصیص کا احتمال تھا کہ سب فرشتوں میں سے مخصوص فرشتوں نے سجدہ کیا ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (كُلُّهُمْ) کے ذریعے تخصیص کے احتمال کو ختم فرمادیا اور واضح کر دیا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا' پھر کل کے ذکر کے بعد گروہ در گروہ اور جدا جدا ہو کر سجدہ کرنے کی تاویل کا احتمال تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (اَجْمَعُوْنَ) سے اس احتمال کو بھی ختم فرمادیا]۔

۳۱-﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ سوائے ابلیس کے۔ [استثناء کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ شیطان مردود فرشتوں میں سے تھا کیونکہ مستثنیٰ' مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے] اور شیطان مردود فرشتوں میں سے نہیں تھا[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مامور (جسے حکم نہ دیا گیا ہو) ترک امر (حکم نہ ماننے) پر ملعون نہیں ہوتا اور علامہ زمخشری نے "تفسیر کشاف" میں کہا کہ چونکہ شیطان فرشتوں میں رہتا تھا' اس لیے فرشتوں کے ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن

---

[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ". (الکہف:۵۰) "وہ جن قوم میں سے تھا' پھر اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی"۔ باقی مدارک کا یہ کہنا کہ جب وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا تو سجدہ کرنے کے حکم کا مامور بھی نہ ہوا اور غیر مامور ترکِ حکم سے ملعون نہیں ہوتا حالانکہ شیطان تو ملعون بھی ہے اور مردود بھی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان فرشتوں میں سے نہ ہونے کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کا مامور تھا کیونکہ وہ فرشتوں میں رہتا تھا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ". (الاعراف:۱۲) "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ شیطان نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے"۔

کثرت کی بناء پر تغلیباً صرف فرشتوں کا نام ذکر کیا گیا' پھر تغلیب کے بعد اس کا استثناء کیا گیا جیسے تمہارا یہ کہنا کہ "رَاَيْتُهُمْ اِلَّا هِنْدًا"۔ میں نے ان سب کو دیکھ لیا ہے ماسوا ہند کے ﴿ اَبٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا (یعنی) وہ فرشتوں کا ساتھ دینے سے رُک گیا[اور "اَبٰى" اس بناء پر مستقل الگ جملہ ہے کہ یہ ایک سائل کے سوال کا جواب ہے کہ کسی نے کہا کہ شیطان نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ اس نے اس سے انکار کر دیا اور اس سے تکبر کیا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے: لیکن ابلیس نے انکار کر دیا]۔

٣٢-﴿ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ [حرف جر بھی "اَنْ" کے ساتھ محذوف ہے' اس کی اصل اس طرح ہے: "مَا لَكَ فِيْ اَنْ لَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ" یعنی سجدہ کرنے سے انکار کرنے میں تیری کیا غرض ہے؟]۔

٣٣-﴿ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ ﴾ شیطان نے کہا: مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں ایک بشر کو سجدہ کروں["لِاَسْجُدَ" میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی میرے لیے یہ درست نہیں کہ میں ایک انسان کو سجدہ کروں ﴿ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ جس کو تو نے بجنے والے سیاہ بدبودار گارے سے پیدا کیا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ
الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾

فرمایا: تو اس سے نکل جا بے شک تو مردود ہے O اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی O اس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن سب کو اٹھایا جائے گا O فرمایا: بلاشبہ تجھے مہلت دے دی گئی ہے O اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے O اس نے کہا: اے میرے رب! جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں ضرور ان کے لیے زمین میں (بُرائی کو) خوشنما بنادوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا O ماسوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں O اللہ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے O بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ملے گا مگر گمراہوں میں سے جس نے تیری پیروی کر لی O

٣٤-﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا۔ آسمان سے یا جنت سے یا فرشتوں کی جماعت سے ﴿ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴾ سو تو بلاشبہ مردود ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے راندہ ہوا ہے اور اس کا معنی ہے: ملعون کیونکہ لعنت کا معنی رحمتِ الٰہی سے دور ہونا ہے اور اس سے دور کرنا ہے۔

٣٥-﴿ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی۔ قیامت کے دن تک لعنت کی حد بیان کی گئی ہے کیونکہ لوگ اپنے کلام اور بات چیت میں سب سے زیادہ انتہائی دور قیامت کے دن کو قرار

دیتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک تو مذموم و بدترین ہے' قیامت تک آسمانوں اور زمین میں تجھ پر لعنت کی بددعا کی جائے گی۔ علاوہ ازیں تجھے عذاب دیا جائے گا' چنانچہ جب وہ دن آئے گا تو تجھے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ جس کے سبب اس کے ساتھ لعنت کی ذلت کو بھول جائے گا۔

٣٦۔﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے مہلت دے دے اور میری عمر لمبی کر دے اور میری زندگی بڑھا دے ﴿اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔

٣٧۔﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تو مہلت والوں میں سے ہوگیا ہے۔

٣٨۔﴿اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے۔ ''یَوْمِ الدِّیْنِ'' اور ''یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ'' اور ''یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ'' کا ایک معنی ہے (قیامت کا دن)' لیکن بلاغت کے طریقہ پر کلام کو چلانے کے لیے مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے اور بعض نے کہا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے' اس دن تک شیطان کا مہلت مانگنا اس لیے تھا تاکہ اس پر موت نہ آئے کیونکہ حشر کے دن کسی کو موت نہیں آئے گی' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ بات قبول نہیں فرمائی اور اس کو مکلف ہونے کے آخری دنوں تک مہلت دے دی۔

٣٩۔﴿قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے قسم ہے کہ جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ [''بَا'' قسم کے لیے ہے اور ''مَا'' مصدریہ ہے اور قسم کا جواب (لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ) ہے اور معنی یہ ہے کہ مجھے تیرے گمراہ کرنے کی قسم ہے کہ] ﴿لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ﴾ میں ان کے لیے نافرمانی کو ضرور خوبصورت بنا کر پیش کرتا رہوں گا' اور ''بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ'' کی طرح درج ذیل ارشاد ہے: ''فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ''. (صٓ:٨٢) ''پس مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا''۔ [اس میں بھی ''بَا'' قسم کے لیے ہے' مگر ان میں سے ایک میں ذات کی قسم ہے اور دوسری میں فعل کی صفت کی قسم ہے اور فقہائے کرام نے ان دونوں کے درمیان فرق واضح کیا ہے' چنانچہ عراقیوں نے کہا کہ ذات کی صفت پر حلف اٹھانا جیسے قدرت' عظمت اور عزت تو یہ قسم کہلائے گی اور فعل کی صفت پر حلف اٹھانا جیسے رحمت اور غضب تو یہ قسم نہیں کہلائے گی' لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسم عرف پر مبنی ہوتی ہے' لہٰذا لوگوں کے عرف میں جس پر حلف اٹھانا قسم کہلائے گی وہ قسم ہوگی اور جس پر حلف اٹھانا عرف میں قسم نہیں کہلائے گی وہ قسم نہیں ہوگی اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان کی طرف سے اس کو سبب پر محمول کرنا واضح طور پر آیت مبارکہ کے ظاہر سے اعراض و پھر جانا ہے ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ دنیا میں جو دھوکے اور فریب کا گھر ہے یا یہ معنی مراد ہے کہ میں (حضرت) آدم کے لیے حیلہ اور بہانا بنانے پر اور میں ان کے لیے درخت سے کھانے کو خوبصورت عمل بنا کر پیش کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں اور یہ آسمان میں ہوگا اور زمین میں ان کی اولاد کے سامنے (برائیوں کو) خوبصورت بنا کر پیش کرنے پر قادر ہوں ﴿وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا۔

٤٠۔﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے سوا۔ [ابوعمرو بصری' ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مکسور (یعنی لام کے نیچے زیر) ہے] شیطان نے مخلص بندوں کو اس لیے مستثنیٰ قرار دیا کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا مکروفریب ان مخلص حضرات پر کارگر نہیں ہوگا اور نہ وہ اس کا مکروفریب اس سے قبول کریں گے۔

٤١'٤٢۔﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ○اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے○ بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا سوائے

اس کے جس نے گمراہوں میں سے تیری پیروی کر لی یعنی یہ سچا راستہ ہے جس کی رعایت کرنا مجھ پر لازم ہے اور وہ یہ کہ تجھے میرے بندوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا' مگر ان میں سے جس نے اپنی گمراہی کی وجہ سے تیری پیروی اختیار کر لی [بعض نے کہا: ''عَلَیَّ'' بہ معنی ''اِلَیَّ'' ہے۔ قاری یعقوب کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''عَلِیٌّ'' ہے (یعنی بلند و بالا) یہ شرف و فضل کے علو سے ماخوذ ہے یعنی یہ سیدھا راستہ فضیلت و بزرگی میں بہت بلند ہے]۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ
ع ۱/۳
جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾
وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا
نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾
وقف لازم
وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے O اس کے سات دروازے ہیں' ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے O بے شک پرہیز گار بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے O (ان کو کہا جائے گا:) تم ان میں سلامتی کے ساتھ امن والے بن کر داخل ہو جاؤ O اور ہم ان کے سینوں میں موجود کینے نکال لیں گے وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے O اس میں انہیں نہ تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے O آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں O اور بے شک میرا عذاب بھی بہت ہی دردناک عذاب ہے O اور آپ انہیں ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیجئے O

۴۳- ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور بے شک یہ دوزخ ان سب گمراہوں کی وعدہ گاہ ہے [اس میں ''هُمْ'' ضمیر ''غَاوِیْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے]۔

۴۴- ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ﴾ اس کے لیے سات دروازے ہیں' ان میں سے ہر دروازے کے لیے (یعنی) شیطان کے پیروکاروں میں سے ﴿جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾ الگ معلوم حصہ ہے' بعض نے کہا کہ اس سے دوزخ کے دروازے' اس کے طبقے اور اس کے درجے مراد ہیں' پس سب سے اوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لیے ہوگا' جس میں ان کو ان کے گناہوں کے مطابق عذاب دیا جائے گا' پھر انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور دوسرا طبقہ یہودیوں کے لیے ہو گا اور تیسرا طبقہ عیسائیوں کے لیے ہوگا اور چوتھا طبقہ فرشتوں اور ستاروں کے پجاریوں کے لیے ہوگا اور پانچواں طبقہ مجوسیوں (آگ کے پجاریوں) کے لیے ہوگا اور چھٹا طبقہ مشرکین کے لیے ہوگا اور ساتواں طبقہ منافقوں کے لیے ہوگا۔

## پرہیز گاروں کی شان اور حضرت ابراہیم کے مہمانوں کا بیان

۴۵- ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ﴾ بے شک پرہیز گار لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے [اور نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں عین مضموم (یعنی عین پر پیش) ہے] اور متقی وہ شخص ہے جو ان تمام چیزوں سے بچے جن سے بچنا اور پرہیز کرنا واجب و ضروری ہوا اس بناء پر کہ شریعت میں ان سے منع کیا گیا ہے اور ''کتاب الشرح''

میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ) میں اگر کبیرہ گناہوں والے داخل ہوں تو متقین سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو کبیرہ (بڑے) گناہوں سے بچتے رہے ورنہ اس سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو کفرو شرک سے بچتے رہے۔

۴۶- ﴿اُدْخُلُوْهَا﴾ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ تم ان (جنتوں) میں داخل ہو جاؤ ﴿بِسَلٰمٍ﴾ سلامتی کے ساتھ۔[یہ حال ہے] یعنی اس حال میں (بہشتوں میں جاؤ کہ) تم سلامتی والے ہو یا تم پر سلام کیا جائے گا کہ فرشتے تمہیں سلام کریں گے ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ اس حال میں (داخل ہو جاؤ کہ تم) جنتوں سے نکلنے کے اندیشہ سے اور اس میں آفات وبلیات سے امن والے ہو اور یہ دوسرا حال ہے۔

۴۷- ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ان کے سینوں میں جو کچھ کینہ اور کھوٹ ہوگا وہ ہم نکال لیں گے اور ''غِلٌّ'' کا معنی ہے: دل میں چھپا ہوا بغض و کینہ یعنی اگر ان میں سے کسی کے دل کے اندر دنیا میں آخر تک بغض و کینہ رہا ہو گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں وہ کینہ ان کے دلوں سے نکال دے گا اور ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے بارے میں پاک صاف کر دے گا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے قوی امید ہے کہ میں حضرت عثمان غنی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) انہیں میں سے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جنت میں ادنیٰ اور اعلیٰ مختلف درجات ملنے پر ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پاک صاف کر دے گا اور ان کے دلوں سے ہر قسم کا کھوٹ نکال دے گا اور ان کے دلوں میں باہمی محبت و پیار اور اخوت و بھائی چارہ ڈال دے گا ﴿اِخْوَانًا﴾ وہ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے۔[یہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جنتی حضرات جدھر گھومیں گے ان کے تخت خود بخود آٹومیٹک گھومتے جائیں گے چنانچہ وہ تمام حالات میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

۴۸- ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ﴾ ان کو جنت میں کوئی دکھ اور رنج نہیں پہنچے گا ﴿وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ اور وہ اس سے نہیں نکالے جائیں گے کیونکہ کامل و تمام نعمت وہی ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے دی جائے۔

۴۹، ۵۰- اور جب اللہ تعالیٰ نے وعدے اور وعید کا ذکر مکمل کر لیا تو اس کے بعد اب فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں ۝ اور بے شک میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔ پہلے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس کی تاکید و تائید ہے اور اس کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانا اور بسانا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی عفو و درگزر کی وسعت و مقدار کو جان لے تو حرام سے کبھی پرہیز نہ کرے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وسعت و سختی کو جان لے تو اپنے آپ کو عبادت میں ہلاک کر دے اور کبھی کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے[1]

۵۱- ﴿وَنَبِّئْهُمْ﴾ اور آپ انہیں بتا دیں اور اپنی امت کو یہ خبر سنا دیں [یہ ''نَبِّئْ عِبَادِيْ'' پر معطوف ہے] تاکہ لوگ قوم لوط پر نازل کیے گئے عذاب کو عبرت بنالیں اور اس کے ذریعے مجرموں پر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے انتقام کا اندازہ لگا لیں اور یقین کر لیں کہ بے شک اس کے پاس اس کا عذاب بڑا ہی دردناک ہے ﴿عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان کے بارے میں یعنی اس کے مہمانوں کی خبر سنا دیں اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا گیارہ

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۴ ص ۳۹

فرشتوں کو لے کر آنا مراد ہے [اور ''ضیف'' واحد بھی آتا ہے اور جمع بھی آتا ہے کیونکہ یہ ''ضَافَةٌ'' کا مصدر ہے]۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾

جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا' آپ نے فرمایا: بے شک ہم تم سے خوف محسوس کرتے ہیں O انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو آپ کو ایک بڑے علم والے لڑکے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں O آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے خوشخبری سنانے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے تو تم کس بات کی خوشخبری سنانے آئے ہو؟ O انہوں نے کہا: ہم آپ کو سچی خوشخبری دینے آئے ہیں' سو آپ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں O فرمایا کہ گمراہوں کے علاوہ اپنے رب کی رحمت سے اور کون ناامید ہو سکتا ہے O فرمایا: تو تمہارا کیا کام ہے اے فرشتو! O انہوں نے کہا: بے شک ہمیں مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے O سوائے لوط کے ماننے والوں کے' بے شک ہم ان سب کو نجات دیں گے O

۵۲-﴿ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ﴾ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا' یعنی ہم آپ کو سلام کرتے ہیں یا ہم نے آپ کو سلام کہا ہے ﴿ قَالَ ﴾ ''اَیْ اِبْرَاهِيْمُ'' یعنی حضرت ابراہیم نے فرمایا: ﴿ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴾ بے شک ہم تم سے خائف ہیں کیونکہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا یا اس لیے کہ وہ بغیر اجازت کے بے وقت داخل ہوئے۔

۵۳-﴿ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ ﴾ انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں [''لَا تَوْجَلْ'' بہ معنی ''لَا تَخَفْ'' ہے (یعنی مت ڈریئے) ''اِنَّا نُبَشِّرُكَ'' ڈرنے سے نہی (روکنے) کی علّت و سبب بیان کرنے کے لیے مستقل الگ جملہ ہے یعنی بے شک آپ کو خوشخبری دی جاتی ہے' اس لیے آپ امن و امان سے رہیں اور بالکل خوف زدہ نہ ہوں۔ قاری حمزہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی شین بغیر شد کے) اور نون مفتوح (نون پر زبر) ہے یعنی ''اِنَّا نَبْشِرُكَ'' ہے] ﴿ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ بڑے علم والے لڑکے کی اور اس سے حضرت اسحاق مراد ہیں جیسا کہ سورۂ ھود (آیت: ۷۱) میں ارشاد ہے: ''فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ''۔ پس ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری سنائی۔

۵۴-﴿ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم مجھے خوشخبری سنانے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے یعنی کیا تم مجھے بڑھاپے میں پہنچنے کے باوجود یہ خوشخبری دینے آ گئے ہو کہ میرے لیے اولاد ہو گی یعنی بڑھاپے میں بیٹا ہونا بطور عادت نامعقول اور سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے ﴿ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴾ تو تم کیسی عجیب خوشخبری سنا رہے ہو [یہ اصل میں ''مَا'' استفہامیہ ہے' جو اس پر تعجب کے معنی دینے کے لیے داخل کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تم مجھے کیسی عجیب خوشخبری سنا رہے ہو۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں (تُبَشِّرُوْنِ) میں نون مکسور مشدد (یعنی نون کے نیچے زیر'

اور پر شد) ہے اور اصل میں "تُبَشِّرُوْنَنِیْ" تھا' پھر جمع کے نون کو دوسرے نون میں مدغم کر دیا گیا ہے' پھر "یَا" کو حذف کر کے کسرہ اس پر دلیل قرار دیا گیا۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ نون مکسور ہے (یعنی) "تُبَشِّرُوْنِ" ہے اور یہ اصل میں "تُبَشِّرُوْنَنِیْ" تھا پھر "یَا" کو حذف کر کے کسرہ (زیر) کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے اور اجتماعِ نُوْنَیْن کی وجہ سے جمع کا نون حذف کر دیا گیا اور باقی قراء کی قراءت میں نون مفتوح (زبر والا نون) ہے اور مفعول اور جمع کے نون کو حذف کر دیا گیا ہے]۔

٥٥- ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ انہوں نے کہا: ہم آپ کو سچی خوشخبری دینے آئے ہیں (یعنی) یقینی خبر جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ﴾ سو آپ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں (یعنی) آپ اس سے مایوس نہ ہوں۔

٥٦- ﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے بھلا کون ناامید ہوسکتا ہے [اور ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں نون کے زیر کے ساتھ "یَقْنِطُ" ہے] ﴿اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ سوائے گمراہوں کے (یعنی) ماسوا ان کے جو راہِ حق میں غلطی کرنے والے ہیں یا ماسوا کافروں کے' جیسے ارشاد ہے: "اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ". (یوسف:٨٧) "بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتی مگر صرف کافر قوم"۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس سے انکار نہیں کیا لیکن جو عادت جاری و ساری ہے' اس کے مطابق اس عمر میں بچے کے ہونے کو بعید از قیاس سمجھا اور اس کو عجیب خیال فرمایا۔

٥٧- ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے (بھیجے گئے) فرشتو! تمہارا کیا کام ہے؟ تم کس کام کے لیے آئے ہو؟

٥٨- ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

٥٩- ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ﴾ حضرت لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کے سوا۔ "ال" سے آپ پر ایمان لانے والے مؤمنین مراد ہیں [اور استثناء منقطع ہے کیونکہ قوم جرائم کے ساتھ متصف تھی اور مستثنیٰ اس طرح نہیں ہے یا استثناء متصل ہے اور یہ استثناء "مجرمین" میں "هُمْ" ضمیر سے ہوگا] گویا کہا گیا ہے کہ ہم ایسی مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں جس نے تمام جرائم کا ارتکاب کر لیا ہے ماسوا حضرت لوط کے ماننے والوں کے۔ ان کو استثناء کے ذریعے مجرم قوم سے الگ کر لیا گیا ہے اور اب دو مختلف استثناء کی وجہ سے معنی بھی مختلف ہو جائے گا کیونکہ استثناء منقطع کی صورت میں آلِ لوط کو ارسال کے حکم سے الگ کر دیا گیا یعنی فرشتے صرف مجرم لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور آلِ لوط کی طرف ہرگز نہیں بھیجے گئے اور مجرموں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور انہیں ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کو قومِ لوط کی طرف بھیجنا اس طرح تھا جس طرح تیر شکار کی طرف بھیجا جاتا ہے' گویا فرمایا کہ بے شک ہم مجرم قوم کو ہلاک کریں گے لیکن آلِ لوط کو ہم نجات دیں گے لیکن استثناء متصل کی صورت میں آلِ لوط ارسال کے حکم میں داخل ہوگی یعنی فرشتے ان سب کی طرف بھیجے گئے تھے تاکہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے مجرموں اور نافرموں کو ہلاک کر دیں اور ماننے والوں اور فرماں برداروں کو نجات دے دیں [اور جب استثناء منقطع ہوگا تو "اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" خبر کے قائم مقام ہوگا لیکن استثناء متصل کی صورت میں (اٰلَ لُوْطٍ) خبر ہوگی کیونکہ معنی یہ ہوگا: "لٰكِنَّ اٰلَ لُوْطٍ مُّنَجُّوْنَ". لیکن آلِ لوط کو نجات دی جائے گی اور جب استثناء متصل ہوگا تو کلام مستقل الگ ہوگا] گویا حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ آلِ لوط کا کیا بنے گا؟ تو فرشتوں نے جواب دیا: ﴿ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ بے شک ہم ان سب کو نجات دے دیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ٤
قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ
بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

ماسوا اس کی بیوی کے ہم نے تقدیر میں طے کر دیا ہے کہ بے شک وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے O پھر جب بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے O تو اس نے فرمایا: بے شک تم اجنبی لوگ ہو O انہوں نے کہا: بلکہ ہم وہ چیز (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں O اور ہم آپ کے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O سو آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیں اور آپ ان کے پیچھے چلیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہیں چلے جاؤ O اور ہم نے ان کی طرف وحی کر کے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا ہے کہ بے شک صبح سویرے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی O

---

٦٠- ﴿ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﴾ ماسوا ان کی بیوی کے۔ [یہ ''لَمُنَجُّوْهُمْ'' میں مجرور ضمیر سے مستثنیٰ ہے اور استثناء سے استثناء نہیں ہے کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب دونوں کا حکم متحد ہو مثلاً یوں ارشاد ہوتا کہ ہم مجرم قوم کو ہلاک کر دیں گے ماسوا آلِ لوط اور ماسوا ان کی بیوی کے حالانکہ یہاں دو مختلف حکم دیئے گئے ہیں اس لیے کہ ''اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ''. ''اَرْسَلْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''مُجْرِمِيْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''اِلَّا امْرَاَتَهٗ''. ''مُنَجُّوْهُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے تو بھلا استثناء سے استثناء کیسے ہوگا؟ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لَمُنْجُوْهُمْ'' (نون ساکن اور جیم بغیر شد کے) تخفیف کے ساتھ ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''قَدَرْنَا'' تخفیف (دال بغیر شد) کے ساتھ ہے] ﴿ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ ہم نے فیصلہ کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی (یعنی) وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں رہے گی [بعض نے کہا کہ اگر اس کی خبر میں لام نہ ہوتا تو پھر ''اِنَّ'' کے ہمزہ پر زبر ہوتی کیونکہ یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر ''قَدَّرْنَا'' کا مفعول ہے لیکن یہ درج ذیل ارشاد کی طرح ہے: ''وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ''. (الصافات: ١٥٨) ''اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے''۔] اور اس آیت مبارکہ میں فرشتوں نے تقدیر کے فعل کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور یوں نہیں کہا کہ ''قَدَّرَ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے قربِ خاص کی وجہ سے ایسا کیا ہے جیسا کہ بادشاہ کا خاص نمائندہ کہتا ہے کہ ہم نے اس طرح حکم دیا ہے حالانکہ حکم دینے والا بادشاہ ہوتا ہے۔

## قوم لوط کی سرکشی اور ہلاکت کا بیان

٦١، ٦٢- ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ۙ۝ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ﴾ پھر جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے ○ تو آپ نے فرمایا: بے شک تم اجنبی لوگ ہو' یعنی میں تمہیں نہیں پہچانتا یعنی نہ تو تمہارے اوپر سفر کے آثار نمایاں ہیں اور نہ تم اس شہر کے رہنے والے ہو' سو مجھے اندیشہ ہے کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ گے۔

٦٣- ﴿قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک وشبہ کرتے تھے' یعنی ہم آپ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں لائے جس کی وجہ سے آپ ہم سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں' جس میں آپ کی خوشی اور اپنے دشمنوں سے نجات ہے اور وہ عذابِ خداوندی ہے جس کے آنے سے آپ ان کو ڈرایا کرتے تھے لیکن وہ اس میں شک کرتے تھے یعنی وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔

٦٤- ﴿وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ﴾ اور ہم آپ کے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں' (یعنی) ہم ان کے عذاب کے متعلق یقین کامل کے ساتھ آئے ہیں ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ﴾ اور ہم ان پر عذاب کے نازل ہونے کی خبر دینے میں بالکل ضرور سچے ہیں۔

٦٥- ﴿فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ﴾ سو آپ اپنے ماننے والوں کو رات کے کسی حصہ میں لے کر یہاں سے تشریف لے جائیں' (یعنی) رات کے آخری حصہ میں یا رات کا کافی حصہ گزر جانے کے بعد انہیں یہاں سے لے جائیں ﴿وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ﴾ اور آپ ان کے پیچھے رہیے' اور ان کے پیچھے چلتے رہیے تا کہ آپ ان سب سے آگاہ رہیں اور ان کے حالات سے واقف رہیں ﴿وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' تا کہ ان کی قوم پر جو عذاب نازل ہوگا وہ اُسے نہ دیکھ سکیں ورنہ وہ ان کے لیے نرم و ہمدرد ہو جائیں گے یا پیچھے مڑ کر دیکھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے تا کہ سفر مسلسل جاری رکھا جائے اور سستی اور وقفے وقفے سے چلنا ترک کر دیا جائے کیونکہ جو شخص مڑ کر پیچھے دیکھے گا تو اس کی رفتار میں کچھ نہ کچھ وقفہ ضرور آئے گا ﴿وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ﴾ اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اُدھر ہی تم چلتے رہو' (یعنی) جس علاقے کی طرف تمہیں جانے کا حکم دیا گیا ہے' تم اُدھر ہی چلے جاؤ اور وہ شام کا ملک ہے یا پھر مصر کا۔

٦٦- ﴿وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ﴾ اور ہم نے ان کی طرف وحی بھیج کر اس حکم کا فیصلہ سنا دیا۔ [''قَضَیْنَا'' کو ''اِلٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''اَوْحَیْنَا'' کے معنی پر مشتمل ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قطعی اور یقینی فیصلہ کر کے (حضرت) لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیج دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد میں اس حکم کی تفسیر و وضاحت بیان فرما دی ﴿اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ﴾ بے شک ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے مبہم پھر مفسر بیان کرنے میں اس حکم کی عظمت واہمیت کو واضح کرنا ہے اور ''دَابِر'' کا معنی ''پچھلا اور آخری'' ہے یعنی ابتداء سے لے کر آخر تک ان سب کو ہلاک کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص صحیح سلامت اور زندہ باقی نہیں رہے گا ﴿مُّصۡبِحِيۡنَ﴾ صبح کے وقت (یعنی) جونہی وہ صبح کے وقت میں داخل ہوں گے (انہیں ہلاک کر دیا جائے گا) [اور یہ ''هٰۤؤُلَاۤءِ'' سے حال ہے]۔

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۙ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَـنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰۤؤُلَاۤءِ

بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾

اور شہر کے رہنے والے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (حضرت لوط کے پاس) آئے O آپ نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں' سوتم مجھے رسوانہ کرو O اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے عزت نہ کرو O انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے آپ کو جہان والوں کے معاملات میں دخل دینے سے منع نہیں کیا تھا O فرمایا: (نکاح کے لیے) میری (قوم کی) یہ بیٹیاں ہیں اگر تم کرنا چاہتے ہو O (اے محبوب!) مجھے آپ کی جان کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے تھے O پھر سورج نکلتے ہی ان کو ایک ہولناک چیخ نے اپنی گرفت میں لے لیا O تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ پلٹ کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے O

٦٧-﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ﴾ اور شہر کے رہنے والے آ گئے (یعنی) سدوم کے باشندے جس کے حاکم کی ظلم وستم میں مثال بیان کی جاتی تھی ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ وہ فرشتوں کی بے ریش لڑکوں کی شکل میں آمد پر خوشیاں منانے لگے' اس لالچ میں کہ وہ ان کے ساتھ بے حیائی کا کام کریں گے۔

٦٨-﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ میرے مہمان ہیں' پس تم مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو' کیونکہ جس نے میرے مہمانوں کو رسوا کیا اس نے یقیناً مجھے رسوا کیا۔

٦٩-﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے بے عزت نہ کرو یعنی تم میرے مہمانوں کو ذلیل کر کے مجھے ذلیل و بے عزت نہ کرو[''تُخْزُوْن''، ''خِزْیٌ'' سے مشتق ہے جس کا معنی توہین کرنا ہے۔ قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں ''یا'' کے ساتھ ''فَلَا يَفْضَحُوْن'' اور ''وَلَا يُخْزُوْنِ'' ہیں]۔

٧٠-﴿قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو جہان میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں منع نہیں کیا کہ آپ ان میں سے کسی کو پناہ نہیں دیں گے یا ان میں سے آپ کسی کا دفاع نہیں کریں گے' دراصل وہ لوگ اپنی بُری عادت کے موجب ہر ایک کا تعاقب کرتے تھے اور ہر ایک کو تنگ کرتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام انہیں بُرے کاموں سے روکتے تھے اور آپ ان کے درمیان اور ہر اس شخص کے درمیان جس کو یہ تنگ کرتے تھے' رکاوٹ بن جاتے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو ڈرایا اور دھمکایا اور انہوں نے کہا: ''لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ''. (الشعراء: ۱٦۷) ''اے لوط (علیہ السلام)! اگر آپ باز نہ آئے تو تمہیں یہاں سے ضرور نکال دیا جائے گا''۔ یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو غریبوں (اجنبیوں) کی مہمان نوازی سے منع نہیں کیا تھا؟

٧١-﴿قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہیں میری بیٹیاں' سوتم ان سے نکاح کرلو اور میرے مہمانوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ دراصل اس زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کا نکاح کافروں سے جائز ہوا کرتا تھا ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر تم اپنی خواہشات کو اُس جائز صورت میں پورا کرنا چاہتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے مگر اس صورت کو چھوڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا:

٧٢-﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ﴾ آپ کی زندگی کی قسم! بے شک وہ لوگ اپنے نشے میں مست ہیں' یعنی اپنی

گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کی عقلوں اور ان کی تمیز کو زائل کر دیا ہے' چنانچہ وہ اس غلط رویے کے درمیان جس پر وہ قائم ہیں اور اس صحیح روّیے کے درمیان جس کی طرف آپ ان کی رہنمائی کرتے ہوئے لڑکوں کو چھوڑ کر لڑکیوں سے نکاح کرنے کی تلقین کرتے ہیں' فرق نہیں کرتے ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ وہ متحیّر و مدہوش ہیں' تو بھلا وہ آپ کی بات کیسے قبول کریں گے اور آپ کی نصیحت کی طرف کان کیسے دھریں گے؟ یا یہ خطاب رسول اکرم نبی معظم فخر آدم و بنی آدم ﷺ کے لیے ہے اور اس میں آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی یہ صرف آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی قسم یاد فرمائی ہے [اور "عَمْر" اور "عُمْر" (یعنی عین پر زبر اور پیش) دونوں صورتوں میں ایک معنی ہے اور وہ زندگی ہے' مگر اہل عرب نے مفتوح العین (عین پر زبر والے) کو قسم کے لیے مخصوص کر لیا محض ہلکی حرکت کو اختیار کرنے کے لیے کیونکہ لوگوں کی زبانوں پر قسم بہت بولی جاتی ہے اور اس لیے انہوں نے خبر کو حذف کر دیا ہے] اور اس کی اصل یہ ہے: "لَعَمْرُكَ قَسَمِيْ". مجھے آپ کی جان کی قسم!

٧٣- ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پھر انہیں ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا' اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ تھی ﴿مُشْرِقِيْنَ﴾ جب کہ وہ طلوعِ آفتاب کے وقت میں داخل ہونے والے تھے ["مُشْرِقِيْنَ"' "شُرُوْق" سے ماخوذ ہے اور "شروق" کا معنی ہے: سورج کے طلوع ہونے اور روشن ہونے کا وقت]۔

٧٤- ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ سو ہم نے اس کو اوپر نیچے کر دیا' دراصل حضرت جبریل علیہ السلام اس کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے' پھر اس کو الٹا کر کے نیچے پھینک دیا [اور ضمیر قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف لوٹتی ہیں] ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ اور ہم نے ان پر کنکریلے پتھر برسائے تھے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع ٥ وقف لازم
وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾

بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور بے شک یہ بستی چلتی سڑک پر آباد تھی O بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے O اور بے شک اَیکہ کے رہنے والے لوگ بڑے ظالم تھے O سو ہم نے ان سے بدلا لے لیا' اور بے شک وہ دونوں بستیاں ایک کھلی سڑک پر آباد تھیں O اور بے شک حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا O اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا O اور وہ بے خوف و خطر پہاڑوں کو تراش کر گھر بنایا کرتے تھے O

٧٥- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ بے شک اس میں فہم و فراست رکھنے والے اور غور و فکر کرنے والے حضرات کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں گویا یہ حضرات ظاہری علامات کے سبب چیز کے باطن کو پہچان لیتے ہیں۔

۷۶- ﴿وَاِنَّهَا﴾ اور بے شک یہ بستیاں یعنی ان کے آثار ونشانات ﴿لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ کھلے اور وسیع راستے پر ثابت وقائم تھے' جن پر لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور ابھی تک ان کے نشانات نہیں مٹے تھے اور وہ آنے جانے والے لوگ ان آثار ونشانات کو دیکھتے رہتے تھے اور یہ قریش مکہ کے لیے انتباہ تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ○ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○" (الصافات: ۱۳۷-۱۳۸) "اور بے شک تم ان پر صبح کے وقت گزرتے ہو○ اور شام کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟○"۔

۷۷- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک اس میں مؤمنوں کے لیے نشانی ہے' کیونکہ وہی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

۷۸- ﴿وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ اور بے شک شان اور حال یہ ہے کہ اَیکہ والے یعنی گھنے درختوں کے جنگل والے ﴿لَظٰلِمِيْنَ﴾ بڑے ظالم تھے یعنی کافر تھے اور اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے ("اِنْ" اصل میں "اِنَّ" ہے)۔

۷۹- ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں ہلاک کر دیا کیونکہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا تھا ﴿وَاِنَّهُمَا﴾ اور بے شک وہ دونوں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اَیکہ میں رہنے والے ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلے راستے پر آباد تھے' اور "اِمَام" ہر اس چیز کا نام ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے۔ راستے کا نام امام رکھا جاتا ہے (کیونکہ مسافر بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں) اور وہ دھاگا جس کو راج مستری مکانات تعمیر کرتے وقت استعمال کرتے ہیں اس کو بھی امام کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں (امام یعنی مقتدا اور فیتا) کی پیروی کی جاتی ہے۔

## قومِ ثمود کا ذکر اور حضور ﷺ کو تلقینِ جمیل کرنا اور گستاخوں کا انجام

۸۰- ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہ قوم ثمود تھی جو حجر کے علاقہ میں آباد تھی' حجر ("حا" کے نیچے زیر) مدینہ منورہ اور ملک شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور "مُرْسَلِيْنَ" سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں' چونکہ ہر رسول لوگوں کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا' اس لیے ان میں سے کسی ایک کو جھٹلانا گویا تمام رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف تھا یا اس سے حضرت صالح اور آپ پر ایمان لانے والے تمام مسلمان مراد ہیں جیسا کہ ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کو خبیبون کہا جاتا ہے۔

۸۱- ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا یعنی انہوں نے ان سے اعراض کیا اور وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔

۸۲- ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ اور وہ لوگ پتھروں سے مکانات تراشتے تھے یعنی وہ پہاڑوں میں نقب لگا کر غار نما مکانات بناتے تھے یا وہ پتھروں کو تراش کر ان سے مکانات تعمیر کرتے تھے ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ بے خوف رہتے تھے کیونکہ ان کے مکانات مضبوط و مستحکم ہونے کی وجہ سے منہدم ہونے سے محفوظ ہوتے تھے' نیز چوروں کی نقب زنی اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ تھے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف تھے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ پہاڑ انہیں عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾

پھر ان کو صبح کے وقت ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیاO سو وہ جو کچھ کمایا کرتے تھے اس نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیاO اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب کو) حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے' اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' سو آپ بڑی خوبی کے ساتھ درگزر فرماتے رہیںO بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا' خوب جاننے والا ہےO اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیتیں اور بڑی عظمت والا قرآن عنایت کیا ہےO اور آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کو نہ دیکھیں جو ہم نے اُن (کافروں میں سے) کئی قسم کے لوگوں کو دنیا کی عارضی دولت دے رکھی ہے اور آپ ان (کے ایمان نہ لانے) پر رنجیدہ نہ ہوں اور آپ اپنے بازو مؤمنوں کے لیے جھکا دیجئےO

۸۳- ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ﴾ پھر انہیں ایک ہولناک چیخ (یعنی) عذاب نے پکڑ لیا تھا ﴿مُصْبِحِیْنَ﴾ بدھ کے دن صبح کے وقت۔

۸۴- ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ سو انہیں ان چیزوں نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تھا جو کچھ وہ کمایا کرتے تھے (یعنی) مضبوط و مستحکم پتھروں کے تعمیر کردہ مکانات اور عمدہ و بہترین کثیر اموال کچھ کام نہیں آئے تھے۔

۸۵- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ (یعنی) ہم نے ان کو حق پر مبنی پیدا کیا' باطل و بے فائدہ اور بے کار پیدا نہیں کیا یا یہ کہ ہم نے ان کو اعمال پر جزا کے دن عدل و انصاف کے سبب پیدا کیا ہے ﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ﴾ اور بے شک وہ گھڑی یعنی قیامت جس کی ہر گھڑی اور ہر لحہ توقع رہتی ہے ﴿لَاٰتِیَةٌ﴾ وہ ضرور آئے گی اور اے محبوب! بے شک اللہ تعالیٰ اس میں آپ کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور آپ کی نیکیوں پر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا اور ان کی بُرائیوں پر ان کو بدترین سزا دے گا کیونکہ اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو پیدا نہیں کیا مگر اسی دن انصاف کرنے کے لیے ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ﴾ سو آپ بڑی خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے اور آپ کفارِ مکہ سے صبر و تحمل کے ساتھ اچھے طریقے پر اعراض فرمایئے اور ان سے منہ مبارک پھیر لیجئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ جہاد کی آیتِ مبارکہ سے منسوخ ہو گئی ہے اور اگر ان کی مخالفت مراد ہے تو پھر منسوخ نہیں ہو گی۔

۸۶- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ﴾ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا ہے' اسی نے آپ کو پیدا کیا اور اسی نے ان کو پیدا کیا ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ آپ کے حال کو اور ان کے حال کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے تمہارے درمیان جو محاذ آرائیاں جاری ہیں وہ اُس سے پوشیدہ نہیں ہیں اور وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

۸۷- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا﴾ اور بے شک ہم نے آپ کو سات یعنی سات آیتیں دی ہیں اور اس سے سورتِ فاتحہ

مراد ہے یا سات سورتیں مراد ہیں اور وہ طویل ولمبی ہیں (جو بقرہ سے لے کر اعراف تک چھے سورتیں بالاتفاق مراد ہیں) اور ساتویں سورت میں اختلاف ہے' سو بعض نے کہا کہ سورۂ انفال اور سورۂ براءت ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک سورت کے حکم میں ہیں' جس کی دلیل ان کے درمیان بسم اللہ کا شریف نہ ہونا ہے اور بعض نے کہا کہ سورۂ یونس ہے یا قرآن مجید کے سات معانی مراد ہیں (اوامر یعنی احکام' نواہی یعنی ممنوعات' بشارتیں' وعیدیں' مثالیں' انعامات کا شمار کرنا اور سابقہ امتوں کے احوال کا بیان) ﴿مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ [یہ "تثنیہ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکرار اور دوہرانا ہے کیونکہ سورت فاتحہ ہر نماز میں بار بار دوہرائی جاتی ہے یا یہ "ثناء" سے ماخوذ ہے' بہ معنی تعریف کرنا کیونکہ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تعریف بیان کی جاتی ہے اور یہ جمع ہے اس کا واحد "مَثْنَاةٌ" ہے یا "مَثْنِيَةٌ" ہے اور یہ آیت کی صفت ہے' رہا سورتوں اور سات معانی کو مثانی کہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں انبیاء واُمم کے قصص و واقعات اور مواعظ ونصائح اور بشارتیں وڈراوے اور وعد اور وعیدیں وغیرہ کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ ان میں حمد وثناء ہے گویا اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف کو بار بار دوہرایا جاتا ہے اور جب "سبع" کو "مثانی" قرار دیا جائے گا تو (مِنْ) بیان کے لیے ہوگا اور جب قرآن مجید کو "مثانی" قرار دیا جائے گا تو (مِنْ) تبعیض کے لیے ہوگا] ﴿وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ میں چیز کا اپنی ذات پر عطف نہیں ہوگا کیونکہ جب "سَبْع" سے سورۂ فاتحہ یا سات لمبی سورتیں مراد ہوں گی تو جو کچھ ان کے علاوہ ہے اس پر بھی قرآن مجید کا نام بولا جائے گا کیونکہ قرآنِ مجید کا نام جس طرح کُل پر بولا جاتا ہے اسی طرح بعض پر بھی بولا جاتا ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ". (یوسف: ٣) "اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی طرف اس قرآن یعنی سورۂ یوسف کو بذریعہ وحی بھیجا ہے"۔ اور جب اس سے سات معانی مراد ہوں گے تو معنی یہ ہوگا: اور بے شک ہم نے آپ کو وہ چیزیں عنایت کی ہیں جن کو سات دوہرائی جانے والی چیزیں کہا جاتا ہے اور بڑی عظمت والا قرآن یعنی یہ اِن دونوں صفتوں کا جامع ہے اور وہ ہے: دوہرایا جانا یا حمد وثناء اور بڑی عظمت والا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم محبوب مکرم ﷺ سے فرمایا:

٨٨- ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ آپ اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں یعنی آپ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھا کر نہ دیکھیں جس طرح کسی چیز میں رغبت رکھنے والا اور اس کی آرزو کرنے والا اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے ﴿اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ اس عارضی سامانِ زندگی کی طرف جو ہم نے ان (کافروں) میں سے بہت سے لوگوں کو دیا ہوا ہے۔ "اَزْوَاج" بہ معنی اقسام ہے کہ کفار میں سے کئی قسم کے لوگوں کو برتنے کے لیے سامانِ زندگی دیا گیا ہے جیسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی وغیرہ یعنی بے شک آپ کو وہ عظیم الشان نعمت عنایت کی گئی ہے جو ہر نعمت سے بڑی ہے اور دوسری نعمتیں (جو کافروں کو دی گئی ہیں) وہ اگرچہ بہ ظاہر بڑی ہیں لیکن وہ اس نعمت کے مقابلے میں حقیر ہیں اور وہ نعمتِ عظمیٰ قرآن عظیم ہے' سو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے سبب بے نیاز ہو جائیں اور آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر دنیا کے مال ومتاع کی طرف ہرگز نہ دیکھیں اور حدیث شریف میں ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن مجید کے ذریعے (دوسری چیزوں سے) مستغنی نہیں ہوا[1]

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس آدمی کو قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہو' پھر وہ خیال کرلے کہ فلاں کو جو مال ومتاع دیا گیا ہے وہ اس تحفہ سے افضل واعلیٰ ہے جو خود اس کو عنایت کیا گیا ہے تو اس بے وقوف نے عظیم الشان دولت کو حقیر وصغیر قرار دے دیا اور حقیر وصغیر دولت کو عظیم ترین قرار دے دیا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب التوحید باب: ٤٤' ابوداؤد فی کتاب الوتر باب: ٢٠' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب: ١٧١' احمد فی مسندہ ج ا ص ١٧٢-١٧٥-١٧٩

ان پر غم نہ کریں یعنی ان کے مالوں کی آرزو مت کریں اور نہ ان کے اس رویے پر رنجیدہ ہوں کہ وہ ایمان نہیں لائے جس کے سبب اسلام اور مسلمانوں کو تقویت و استحکام حاصل ہوتا ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور آپ مسلمانوں کے لیے اپنے بازو جھکا دیجئے اور اپنے ساتھ رہنے والے غریب مسلمانوں کے لیے تواضع اختیار کیجئے اور دولت مندوں کے ایمان سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو خوش رکھئے۔

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا
الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ
بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ
يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ
صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ
رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

اور فرما دیجئے کہ بے شک میں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا O جنہوں نے قرآن مجید کو پارہ پارہ کر دیا O پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے O ان کے اعمال کے بارے میں جو وہ کرتے تھے O سو آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو صاف صاف بیان کر دیجئے اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئے O بے شک ہم آپ کو مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں O جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہیں پس وہ عنقریب جان لیں گے O اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان باتوں سے یقیناً تنگ ہوتا ہے جو کافر کہتے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے O اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ پر موت آ جائے O

۸۹- ﴿ وَقُلْ ﴾ "لَهُمْ"۔ اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ ﴿ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴾ بے شک میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں اس لیے کہ میں کھول کر مضبوط دلیل کے ساتھ تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر ضرور نازل ہونے والا ہے۔

۹۰- ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا ﴾ یہ ارشادِ باری تعالیٰ (وَلَقَدْ اٰتَيْنَاكَ) کے ساتھ متعلق ہے یعنی ہم نے آپ پر یہ کلام اس طرح نازل کیا ہے جس طرح ہم نے نازل کیا تھا ﴿ عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ تقسیم کرنے والوں پر اور وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں۔

۹۱- ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ جنہوں نے قرآنِ مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ [ "عِضِيْنَ" جمع ہے اس کا واحد "عِضَةٌ" ہے اس کی اصل "عِضْوَةٌ" ہے یہ "فِعْلَةٌ" کے وزن پر ہے "عَضِيَ الشَّاةُ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں] چنانچہ اہل کتاب اپنے بغض و عناد کی وجہ سے قرآن مجید کا جو

حصہ تورات وانجیل کے موافق ہوتا اسے کہتے: یہ حق ہے اور جو حصہ ان کی تحریف شدہ تورات وانجیل کے موافق نہ ہوتا تو اسے کہتے: یہ باطل ہے' سوانہوں نے قرآن مجید کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر دیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور بعض مفسرین کرام نے کہا کہ اہلِ کتاب قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے' کوئی کہتا: سورۂ بقرہ میرے لیے ہے اور دوسرا کہتا کہ سورۂ آل عمران میرے لیے ہے یا پھر قرآن سے مراد وہ کلامِ الٰہی ہے جس کو وہ اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے اور بے شک انہوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے' چنانچہ یہود نے تورات کے بعض حصہ کو تقسیم کیا اور اس کی صحت کا اقرار کیا اور اس کے بعض حصے کو جھٹلا دیا اور نصرانیوں نے انجیل کے بعض حصہ کا اقرار کیا اور بعض کو جھٹلا دیا [اور یہ بھی جائز ہے کہ (اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ) ''النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ'' کے سبب منصوب ہو] یعنی اے محبوب! آپ ٹکڑے کرنے والوں کو ڈرایئے جو قرآن مجید کو کبھی جادو اور کبھی شعر اور کبھی پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں کہہ کر ٹکڑوں میں تقسیم کرتے ہیں' جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا اور وہ بارہ افراد تھے' جنہوں نے موسمِ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ہر راستے پر تقسیم کر کے اپنے آدمی مقرر کر دیئے' چنانچہ وہ لوگ الگ الگ ہو کر داخل ہونے والے راستے پر آنے والوں کے انتظار میں بیٹھ گئے تا کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے روکیں اور ان کو دینِ اسلام سے متنفر کریں' کوئی کہتا کہ ہمارے دین سے نکلنے والے اس شخص کے دھوکے میں نہ آ جانا کیونکہ یہ جادوگر ہے اور دوسرا کہتا کہ یہ بہت جھوٹا ہے اور کوئی کہتا: یہ شاعر ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ و برباد کر دیا [اور (لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ) پہلی وجہ پر ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] کیونکہ جب یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کفار کے جھٹلانے اور ان کی دشمنی کرنے پر تسلی ہے تو اس کو ایسے کلام کے ساتھ پیش کیا گیا جو ان کے کفر پر افسوس کرنے اور ان کی دنیا کی طرف توجہ کرنے سے منع کرنے پر اور تمام تر توجہ مسلمانوں پر مرکوز کرنے کے حکم پر تسلی کے معنی کے لیے سبب ہے۔

٩٢'٩٣- ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور بازپرس کریں گے ۝ ان کے متعلق جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک اور اپنی ربوبیّت کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ان تقسیم کرنے والوں میں سے ہر ایک سے اس کے متعلق ضرور پوچھیں گے جو کچھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یا قرآن مجید کے بارے میں یا کسی بھی کتابِ الٰہی کے بارے میں کہا تھا۔

٩٤- ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ آپ کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے پس آپ اس کو بہ آوازِ بلند سنا دیجئے' اور اس کو واضح طور پر بیان کر دیجئے [اور ''صَدَعَ بِالْحُجَّةِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بلند آواز سے دلیل کے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور یہ ''صَدِیْع'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: صبح کی روشنی اور اجالا یا یہ معنی ہے کہ پس آپ حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کیجئے' یہ ''اَلصَّدْعُ فِی الزُّجَاجَةِ'' (شیشہ میں دراڑ ڈال کر دو حصوں میں جدا کرنا) سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جدا کرنا اور فرق کرنا' نیز جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے' اس کو واضح کر کے بیان کرنا اور اصل میں ''بِمَا تُؤْمَرُ بِهٖ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ کو جن احکام کی تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے ان کو وضاحت سے بیان کر دیں' پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا' جیسے شاعر کا قول ہے: ''اَمَرْتُكَ الْخَیْرَ فَافْعَلْ مَا اُمِرْتَ بِهٖ''. میں نے تجھے بھلائی اور نیکی کا حکم دیا ہے' پس تمہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کر گزرو] ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور آپ مشرکین سے منہ پھیر لیجئے۔ یہ حکم مشرکوں کی اہانت کے لیے ہے۔

٩٥- ﴿اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ﴾ بے شک ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کو کافی ہیں۔

شانِ نزول: جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو رسولِ خدا حبیبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دینے میں اور آپ کا مذاق اڑانے میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور آپ کو بہت ستاتے تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور ان میں ایک ولید بن مغیرہ تھا جو ایک دن ایک تیر بنانے والے کے پاس سے گزرا تو ایک تیر اس کے کپڑے میں پھنس گیا' جس کو اس نے ازراہِ تکبر الگ نہ کیا جو اس کی ایڑھی کی ایک رگ میں چبھ گیا اور اس نے اس کی رگ کو کاٹ دیا جس کے درد میں مبتلا ہو کر مر گیا اور دوسرا عاص بن وائل تھا جس کے پاؤں میں ایک بڑا سا کانٹا چبھ گیا' جس سے اس کا پاؤں سوجھ گیا اور اس کے درد کی شدت کی وجہ سے مر گیا اور تیسرا اسود بن عبدالمطلب تھا جو اندھا ہو گیا اور چوتھا اسود بن یغوث تھا جو درختوں کو ٹکریں مارتا تھا' یہاں تک کہ اس نے اپنا سر زخمی کر لیا تھا اور وہ اپنے چہرے کو کانٹوں پر مارتا تھا یہاں تک کہ سر اور چہرے کے پھٹ جانے کی وجہ سے وہ مر گیا اور پانچواں حارث بن قیس تھا جس کی ناک سے پیپ بہنا شروع ہو گئی اور وہ اسی مرض میں مر گیا۔

٩٦- ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہیں ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ قیامت کے دن اپنے بُرے انجام کو جان لیں گے۔

٩٧- ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل مبارک یقیناً ان باتوں سے تنگ ہو جاتا ہے جو کفار آپ کے بارے میں یا قرآن مجید کے بارے میں یا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں۔

٩٨- ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ سو آپ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کیجئے اور آپ سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور آپ کو جو مصیبت پہنچے اس میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی پناہ حاصل کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرنا اور کثرت سے سجدے کرنا (یعنی نماز پڑھنا) ہے' وہی آپ کو کافی ہے اور وہی آپ سے غم و رنج کو دور کر دے گا۔

٩٩- ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیے' اور اپنے پروردگار کی عبادت کرنے پر ہمیشہ قائم رہیے ﴿حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین یعنی موت آ جائے' معنی یہ ہے کہ آپ جب تک زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کبھی آپ کو کوئی پریشان کن معاملہ پیش آ جاتا تو آپ فوراً نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے[1]

| | | |
|---|---|---|
| آیاتہا ١٢٨ رکوعاتہا ١٦ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | سورۃ النحل مکیۃ ١٦ |

سورۃ النحل مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو اٹھائیس آیات' سولہ رکوع ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿٢﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣﴾ خَلَقَ

[1] رواہ احمد ج ا ص ٢٠٦ ـ ٢٦٨

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾

اللہ کا حکم آن پہنچا' سوتم اس کی جلدی نہ کرو' وہ اس سے پاک و بلند تر ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیںO وہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی کے ساتھ نازل کرتا ہے کہ (لوگوں کو) خبر دار کردو کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پس تم مجھ سے ڈروO اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ اس سے بہت بلند تر ہے وہ جو کچھ شریک ٹھہراتے ہیںO اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہو گیاO اور چوپائے اسی نے پیدا کیے' جن میں تمہارے لیے گرم لباس ملتا ہے اور دیگر بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انہیں میں سے تم کھاتے ہوO

## مختلف انعامات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

شانِ نزول: کفارِ مکہ سے قیامت کے قائم ہونے اور بدر کے دن عذاب کے نازل ہونے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کے لیے جلدی کرتے تھے اور وہ وعدے کو جھوٹا ثابت کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے کہتے تھے کہ عذاب کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی تو ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ

١- ﴿ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا یعنی قربِ وقوع کے اعتبار سے اس امر کے قائم مقام ہے جو بالکل قریب زمانہ میں آ کر واقع ہونے والا ہے اور اگرچہ ابھی اس کا انتظار کیا جا رہا ہے ﴿ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ پس تم اس کی جلدی نہ کرو' مشرکین جو شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اور اس سے بہت بلند ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شریک سے بَری اور پاک ہے اور اسی طرح ان کے شرک کرنے کے عمل سے بھی پاک ہے اور ان کے جلدی کے مطالبے کے ساتھ اس کے متصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جلد بازی صرف تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے اور وعدۂ الٰہی کو جھٹلانے کی حیثیت سے تھی اور یہ بھی شرک میں سے ہے۔

٢- ﴿ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ ﴾ وہی فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں (زا پر شد کے بغیر) تخفیف کے ساتھ "یُنْزِلُ" (باب افعال سے) ہے] ﴿ بِالرُّوْحِ ﴾ وحی کے ساتھ یا قرآن مجید کے ساتھ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دین میں وہی مقام رکھتا ہے جو جسم میں روح کا ہے یا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جہالت کی وجہ سے مردہ ہو جانے والے دلوں کو زندہ کرتا ہے ﴿ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا ﴾ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے یہ کہ تم (لوگوں کو) ڈراؤ۔ "اَنْ" تفسیر یہ ہے کیونکہ وحی کے ساتھ فرشتوں کے نازل کرنے میں قول کا معنی پایا جاتا ہے اور "اَنْذِرُوْا" کا معنی "اَعْلِمُوْا" ہے یعنی تم لوگوں کو آگاہ کردو کہ بات یہ ہے کہ ﴿ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ "نَذَرْتُ بِكَذَا" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی کو خبردار کرو اور اب معنی یہ ہے کہ تم لوگوں کو میری اس بات سے خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿ فَاتَّقُوْنِ ﴾ سوتم مجھ سے ڈرو' اور صرف مجھ سے خوف کھاؤ [قاری یعقوب کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "فَاتَّقُوْنِیْ" ہے]۔

٣- اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' ایک تو اس پر آسمانوں اور زمین کی تخلیق دلالت کرتی ہے جس کا اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ تخلیق ان کارناموں میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے

علاوہ کوئی قدرت نہیں رکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ شرک کرنے والوں کے شرک سے بہت بلند تر ہے۔[ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ (یعنی آیت نمبر ایک میں اور اس آیت نمبر تین میں) تا کے ساتھ ''تُشْرِكُوْنَ'' ہے اور (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مستحق عبادت ہونے پر دوسری دلیل) انسان کی تخلیق ہے اور وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:]

٤۔﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴾ اس نے انسان کو نطفہ (پانی کی گندی بوند) سے پیدا کیا ہے' پھر اچانک وہ علانیہ جھگڑالو بن گیا یعنی وہ اچانک بہت بولنے والا یا بات کرنے والا اپنے مطلب کے لیے بہت جھگڑنے والا ہے' اپنے مد مقابل مخالف کے سامنے اپنا زبردست دفاع کرنے والا' اپنی حجت و دلیل کو خوب وضاحت سے بیان کرنے والا ہے جبکہ اس سے پہلے محض ایک نطفہ تھا جس میں نہ حس تھی اور نہ حرکت تھی (محض بے جان پانی کا قطرہ تھا) یا یہ کہ وہ اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والا ہے' اس کے خالق و مالک کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ. (یٰسین:٧٨)) ''ہڈیوں کو بھلا کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟'' اور یہ انسان کے لیے بے حیائی اور نعمتوں پر ناشکری کرنے میں سرکشی کرنے کی صفت ہے (یعنی کافر بہت بڑا بے حیاء' ناشکرا اور سرکش ہے) اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے چوپائے پیدا فرمائے جو اس کی خوراک اور اس کی سواری اور اس کے سامان اور بوجھ اٹھانے اور اس کی باقی حاجات کے کام آتے ہیں۔

(یہ بھی اس کی توحید اور مستحق عبادت ہونے کے ساتھ قدرت کی بھی دلیل ہے) اور وہ یہ ارشاد ہے:

٥۔﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ﴾ اور اس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے۔ وہ آٹھ نر مادہ ہیں (اونٹ' گائے' بکری اور بھیڑ چاروں اجناس کے نر مادہ ملا کر کل آٹھ نر مادہ بنتے ہیں) لیکن ''اَنْعَامَ'' کا استعمال زیادہ تر اونٹ پر ہوتا ہے [اور اس کا نصب (زبر) پوشیدہ فعل کی وجہ سے ہے جس کی تفسیر اور وضاحت اس اسم کے بعد فعلِ ظاہر (خَلَقَهَا) کر رہا ہے' جیسے کہ ارشاد ہے: ''وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ''. (یٰسین:٣٩) ''اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں''۔ یا پھر ''الْاِنْسَانَ'' پر عطف ہے ''اَیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَالْاَنْعَامَ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور چوپائیوں کو پیدا کیا' پھر ارشاد فرمایا: ''خَلَقَهَا لَكُمْ''. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف تمہارے فائدے کے لیے] ﴿فِیْهَا دِفْءٌ﴾ ان میں گرم لباس ہے۔ ''دِفْءٌ'' اون' پشم اور بالوں سے تیار کیے گئے ہر اس لباس کا نام ہے جس سے گرمی حاصل کی جائے ﴿وَّمَنَافِعُ﴾ اور بھی فوائد اور منافع ہیں اور وہ ان کی نسل در نسل بڑھنا اور ان سے دودھ حاصل کرنا (ان پر سواری کرنا' کھیتی کے کام آنا' فروخت کر کے قیمت حاصل کرنا) ﴿وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو' [ظرف کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے] جب کہ ان کے علاوہ بھی جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھانا اصل ہے' کیونکہ روزمرہ زندگی میں انہیں پر لوگ اعتماد کرتے ہیں اور ان کے علاوہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے مرغی' بطخ اور بری اور بحری شکار کے جانور اور پرندے وغیرہ لیکن یہ بطور عادت کے نہیں کھائے جاتے (بلکہ علاج معالجے اور لذت دہن کے طور پر کھائے جاتے ہیں) اور یہ پھلوں کے قائم مقام جیسے ہیں۔

وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٧﴾ وَّالْخَیْلَ

وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ
ع السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

اوران میں تمہارے لیے خوبصورتی ہے جب تم شام کے وقت واپس لاتے ہو اور جب تم صبح کے وقت چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو O اور وہ تمہارے بوجھ ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر بڑی محنت و مشقت کے ساتھ' بے شک تمہارا پروردگار ضرور بہت مہربان' بے حد رحم کرنے والا ہے O اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت بھی ہوں' اور وہ کئی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے O اور درمیانہ راستہ سیدھا اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے راستے ہیں' اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا فرما دیتا O (اللہ) وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی کو نازل کیا اسی سے پینے کا پانی ہوتا ہے اور اسی سے درخت اُگتے ہیں جن میں تم جانوروں کو چراتے ہو O

٦- ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ﴾ اور تمہارے لیے ان میں حسن و زینت ہے' جب تم شام کے وقت ان کو چراگاہوں سے ان کی آرام گاہوں کی طرف واپس گھر لاتے ہو ﴿وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾ اور جب تم صبح کے وقت انہیں چراگاہوں میں لے جا کر چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن و جمال کے ساتھ اس طرح احسان کیا ہے جس طرح ان سے نفع حاصل کرنے کے ساتھ احسان کیا ہے کیونکہ مویشیوں کے مالکوں کی یہ اغراض میں سے ہیں' اس لیے کہ چرواہے جب ان کو چرا کر شام کے وقت واپس لاتے ہیں اور پھر صبح کے وقت چرانے کے لیے انہیں لے کر جاتے ہیں تو ان کے صبح و شام آنے جانے سے گھر کے صحنوں کو زیب و زینت ملتی ہے اور جانوروں کے ٹھہرانے سے جگہوں میں رونق رہتی ہے جس سے ان کے مالک مال دار ہونے پر خوش ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے نزدیک ان کی عزت و حرمت اور ان کا جاہ وجلال بڑھ جاتا ہے اور واپس لے کر آنے کو لے جانے پر مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ شام کے وقت واپس لے کر آتے وقت ان کا حسن و جمال زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ جانور اپنا پیٹ بھر کر آتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

٧- ﴿وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ﴾ اور وہ تمہارے بوجھ (یعنی) مال و اسباب اور سامان اٹھا کر ایسے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تک تم سخت اور بھاری مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ [ابوجعفر کی قراءت میں شین پر زبر کے ساتھ ''بِشَقِّ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں استعمال ہوتی رہتی ہیں' اس کا معنی مشقت اٹھانا ہے اور بعض نے کہا کہ زبر کے ساتھ ''شَقّ'' کا مصدر ہے اور اس کی حقیقت ''شَقٌّ'' کی طرف لوٹتی ہے جس کا معنی دردِ سر' پھٹن اور شگاف بھی آتا ہے' لیکن ''شِقٌّ'' کا معنی نصف اس لیے ہے کہ گویا محنت و مشقت اور جد و جہد کرنے والے شخص کی نصف قوت وطاقت زائل ہو جاتی ہے] اس آیت مبارکہ کا معنی ہے کہ اگر اونٹ پیدا نہ کیے جاتے تو تم محض خالی ہاتھ بھی دوسرے دور دراز کے شہروں میں بغیر محنت و مشقت نہیں پہنچ سکتے تھے تو بھلا تم اپنا سامان اپنی پشتوں پر اٹھا کر دور دراز کے شہروں میں کیسے پہنچ سکتے تھے اور بعض نے کہا کہ ''أَثْقَالَكُمْ'' بہ معنی ''أَبْدَانَكُمْ'' ہے (یعنی یہ اونٹ وغیرہ خود تمہیں اٹھا کر دور دراز کے شہروں میں

لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر محنت ومشقت کے پیدل نہیں پہنچ سکتے) اور جن اور انسان کے لیے ''ثقلانِ'' کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے اور درج ذیل آیت مبارکہ میں ''اثقال'' کا معنی اجسام اسی سے لیا گیا ہے ارشاد ہے: ''وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا'' (الزلزال:٢) ''اور قیامت کے روز زمین اپنے اندر سے ان کے یعنی بنی آدم کے جسموں کو نکال دے گی''۔ ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک تمہارا پروردگار بہت مہربان' نہایت رحم فرمانے والا ہے کیونکہ اس نے بوجھ اٹھانے والے جانوروں کو پیدا کر کے اور تجارت اور دیگر کاروبار کے فوائد ومنافع کے حصول کو آسان کر کے تم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے اور تم پر بے حد رحم کیا ہے۔

٨- ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے باعثِ زینت بنائے۔[یہ ''اَلْاَنْعَامَ'' پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ جانور تمہاری سواری اور تمہاری زیب وزینت کے لیے پیدا کیے ہیں اور امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے اور اس کو بطور حجت پیش فرمایا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کا مقصد سواری کرنا اور زیب وزینت قرار دیا ہے' جس سے واضح ہو گیا کہ اس کی پیدائش کا سبب اور اس کی وجہ صرف اس پر سواری کرنا اور اس کا باعثِ زینت ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں سواری کے جانوروں (خچر اور گدھے) میں کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا (جیسا کہ اس سے پہلے آیت:٥ میں کیا گیا ہے) حالانکہ کھانے کا نفع زیادہ قوی اور اہم ترین و اعلیٰ ترین ہے جب کہ یہ آیت مبارکہ نعمت کے بیان کرنے کے لیے ذکر کی گئی ہے اور ایک صاحبِ حکمت و دانا کے لائق نہیں ہے کہ وہ احسانات کے مقامات میں ادنیٰ نعمتوں کا ذکر تو کرے لیکن اہم ترین و اعلیٰ ترین نعمت کا ذکر چھوڑ دے [اور ''زِيْنَةً'' مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا ''لِتَرْكَبُوْهَا'' کے محل پر عطف ہے] اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی بے شمار اقسام پیدا کی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کا یہی مقصد ہے: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اس سے بہت بلند تر ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرایا جائے۔

٩- ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ اور درمیانی سیدھی راہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔[''السبیل'' سے جنس مراد ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمِنْهَا جَآئِرٌ'' اور بعض ٹیڑھے راستے ہیں'' ''قصد'' مصدر ہے اور بہ معنی فاعل ہے اور وہ ''قاصد'' ہے] چنانچہ ''سَبِيْلٌ قَصْدٌ وَّقَاصِدٌ'' کہا جاتا ہے یعنی سیدھا راستہ گویا وہ اسی سمت کا قصد کرتا ہے جس کا راستہ چلنے والا قصد کرتا ہے' وہ اس سے روگردانی نہیں کرتا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک حق تک پہنچانے والے راستے کی راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى''. (اللیل:١٢) ''بے شک ہدایت دینا ہمارے ذمے ہے''۔ اور ''عَلٰى'' وجوب کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ یہ کام اپنے فضل وکرم سے اپنے ذمے کر لیتا ہے اور ''عَلَى اللّٰهِ'' بہ معنی ''اِلَى اللّٰهِ'' ہے (یعنی سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے) اور علامہ زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ دلائل کے ساتھ سیدھے راستے کو واضح طور پر بیان کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہے ﴿وَمِنْهَا جَآئِرٌ﴾ اور کچھ ٹیڑھے راستوں ہیں یعنی راستوں میں سے کچھ راستے استقامت سے پھرے ہوئے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اس سے ہدایتِ عامہ کے بعد لطف وکرم اور انعام کی ہدایت کی توفیق دینا مراد ہے۔

١٠- ﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ ﴾ وہی تو (اللہ) ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی نازل کیا' اس سے پیا جاتا ہے [''لَكُمْ''، ''اَنْزَلَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''شَرَابٌ'' کی خبر ہے اور یہ وہ پانی ہے جسے پیا جاتا ہے] ﴿ وَّمِنْهُ شَجَرٌ ﴾ اور اس سے درخت اُگتے ہیں یعنی ایسے درخت (گھاس اور پودے وغیرہ) جن کو مویشی چرتے اور کھاتے ہیں ﴿ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ﴾ اس میں تم جانوروں کو چراتے ہو [یہ ''اِسَامَةٌ'' سے مشتق ہے اور ''سَامَتِ الْمَاشِيَةُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب جانور چرنے گئے ہوں' پس وہ جانور سائمہ کہلاتے ہیں یعنی باہر چرنے والے اور ان کا مالک انہیں چرنے کے لیے لے گیا اور یہ (مجرد مصدر) ''سَوْمَةٌ'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی علامت اور نشانی ہے کیونکہ جانور چرنے کے ساتھ زمین پر نشانات ظاہر کر جاتے ہیں]۔

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَۙ ﴿۱۲﴾ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

وہ اسی کے ذریعے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انار اور ہر قسم کے پھلوں کو اگاتا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ایک خاص نشانی ہے ○ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو' اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کر دیا ہے' بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور اس نے تمہارے لیے جو چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں' بے شک اس میں نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لیے نشانی ہے ○

١١- ﴿ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ وہ تمہارے لیے اس (پانی) کے ذریعے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انار اور ہر قسم کے پھلوں میں سے کچھ پھل اگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ''كُلَّ الثَّمَرَاتِ'' نہیں فرمایا اس لیے کہ تمام قسم کے پھل صرف جنت میں ہوں گے اور زمین میں ان تمام پھلوں میں سے کچھ پھل ان کی یاد دہانی کے لیے اگائے ہیں ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ بے شک اس میں ایسی قوم کے لیے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں' سو وہ لوگ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی قدرت پر اور اس کی حکمت پر استدلال کرتے ہیں اور ''اٰیة'' کا معنی ہے: واضح اور روشن دلیل۔

١٢- ﴿ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر کیے گئے ہیں۔ [علی کسائی کی قراءت میں سب (یعنی چاروں کلمات) منصوب ہیں اور اصل میں ''وَجَعَلَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ'' ہے اور اس نے ستاروں کو حکم کا پابند کر دیا اور امام حفص کی قراءت میں ''وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ'' فقط مرفوع ہے (پیش والے) اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (چاروں کلمات) ''وَالشَّمْسُ' وَالْقَمَرُ' وَالنُّجُوْمُ' مُسَخَّرَاتٌ'' مبتدا اور خبر کی بناء پر مرفوع (سب کے آخر میں پیش)

ہیں ] ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔ '' ایات ''، '' اٰیۃ '' کی جمع ہے اور اللہ تعالیٰ نے عقل کا ذکر اس لیے کیا کہ آثارِ علویہ (آسمانی نشانیاں) اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر زیادہ واضح رہنمائی کرتی ہیں اور اس کی کبریائی اور عظمت و رفعت کے لیے گواہی کو زیادہ اور خوب بیان کرتی ہیں۔

١٣- ﴿ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ اور اس نے جو کچھ زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ [ یہ '' اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ '' پر معطوف ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ جانور اور درخت اور پھل وغیرہ پیدا کیے ہیں ﴿ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ﴾ اس کے رنگ مختلف ہیں [ '' مُخْتَلِفًا '' حال واقع ہو رہا ہے ] ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴾ بے شک اس میں ایسے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو وعظ و نصیحت قبول کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور وہی تو ہے جس نے دریا کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو O اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ کہیں وہ تمہاری وجہ سے ڈول نہ جائے اور اس نے نہریں اور راستے بنا دیئے تا کہ تم راہ پالو O اور بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں O تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کرتا، تو تم کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے O اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکو گے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

١٤- ﴿ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ﴾ اور وہی ہے جس نے دریا کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھا سکو اور وہ مچھلی ہے اور اس کو طراوت کے ساتھ موصوف کر کے تازہ کھانے کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ باسی ہونے پر جلد خراب ہو جاتی ہے، اس لیے اس کو خراب ہو جانے کے خوف سے جلدی تازہ بہ تازہ کھایا جاتا ہے تا کہ زیادہ دیر ہو جانے سے خراب نہ ہو جائے اور جو شخص قسم اٹھالے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا وہ اگر مچھلی کھالے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم کا انحصار عرف عام پر ہوتا ہے اور جس نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ رقم لو اور اس کے عوض میں گوشت خرید کر لاؤ اور وہ مچھلی لے کر آ گیا تو مالک انکار کا حق رکھتا ہے ﴿ وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً ﴾ اور تم اس میں سے زیورات نکالتے ہو اور وہ موتی اور مرجان (مونگے) ہیں ﴿ تَلْبَسُونَهَا ﴾ جن کو تم پہنتے ہو۔ ان کے پہننے سے مراد ان کی عورتوں کا پہننا ہے لیکن عورتیں چونکہ یہ زیورات مردوں کی خاطر پہنتی ہیں اور مردوں ہی کے لیے آراستہ ہوتی ہیں تو گویا یہ زیورات مردوں ہی کی زینت ہیں اور انہیں کا لباس ہیں ﴿ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ ﴾ اور تم کشتیوں کو دیکھو گے کہ وہ پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں یعنی کشتیاں

جب دریا میں چلتی ہیں تو وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی اپنا راستہ بناتی چلی جاتی ہیں اور ''مَخر'' کا معنی ہے: کشتی کا اپنے سینے سے پانی کو چیرنا ﴿فِیْهِ﴾ دریا میں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تا کہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو [یہ محذوف فعل پر معطوف ہے ] ''اَیْ لِتَعْتَبِرُوْا'' یعنی تا کہ تم عبرت حاصل کرو اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور فضل کی تلاش یا طلب سے تجارت کرنا مراد ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو اس نے بحری تجارت کے ذریعے تم پر انعام کی ہیں۔

١٥- ﴿وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا اور ان کو ثابت وقائم کر دیا ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ محض اس اندیشہ کی بناء پر کہ زمین تمہاری وجہ سے اِدھر اُدھر جھک نہ جائے اور کہیں تھرتھرا کر کانپنے نہ لگ جائے یا یہ معنی ہے: تا کہ وہ تمہاری وجہ سے متحرک و مضطرب نہ ہو جائے [لیکن اکثر مضاف محذوف ہوتا ہے ]۔ بعض حضرات نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ تھرتھرانے لگ گئی' جس پر فرشتوں نے کہا کہ یہ اپنی پشت پر کسی کو نہیں ٹھہرا سکے گی' جب صبح ہوئی تو اس پر پہاڑ نصب کیے جا چکے تھے اور فرشتوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیسے پیدا کیے گئے ﴿وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا﴾ اور اس نے زمین میں ندیاں اور وادیاں اور راستے بنا دیئے [اور ان کا فعل ''جَعَلَ'' ہے کیونکہ ''اَلْقٰی'' بہ معنی ''جَعَلَ'' ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ نصب کر دیئے اور ندیاں اور راستے بنا دیئے)] ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ تم اپنے مقاصد یا اپنے رب تعالیٰ کی توحید کی طرف راہ پالو۔

١٦- ﴿وَعَلٰمٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے علامتیں اور نشانیاں مقرر فرمادیں اور اس سے راستوں کی نشانیاں اور علامتیں مراد ہیں اور وہ چیز مراد ہے جس کے ذریعے راہ چلتا ہوا مسافر رہنمائی حاصل کر سکے خواہ وہ پہاڑ ہوں (یا دریا ہوں یا اشجار ہوں وغیرہ) ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ستاروں سے راستے معلوم کرتے ہیں۔ ''نجم'' سے جنس یا ثریا (کہکشاں) اور فرقدان اور بنات نعش اور جدی نامی ستارے مراد ہیں (جو قطب شمالی کے قریب اردگرد واقع ہیں جن سے قبلہ کا رخ اور راستوں کی سمت کا تعین کیا جاتا ہے) پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت مبارکہ میں خطاب کے اسلوب اور طریقے کی بجائے غائب کا اسلوب اور طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اس میں ''بِالنَّجْمِ'' کو مقدم کیا گیا ہے اس کے اور فعل کے درمیان ''هُمْ'' ضمیر غائب فاصل کو داخل کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ مخصوص ستاروں سے وہی مخصوص لوگ ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو وہ کون لوگ مراد لیے گئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے قریشِ مکہ مراد ہیں' پس یہی لوگ دورانِ سفر ان مخصوص ستاروں کے ذریعے راستوں کے تعین میں رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہیں اس کا علم تھا اور اس طرح کا علم ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا' جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب تھا اور عبرت و سبق حاصل کرنا ان پر لازم تھا' اس لیے انہیں کو مخصوص کیا گیا۔

١٧- ﴿اَفَمَنْ یَّخْلُقُ﴾ تو کیا جو پیدا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کو پیدا کرنے والا سب کا خالق ہے ﴿كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ﴾ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتا یعنی بت (جو خالق نہیں بلکہ مخلوق و مصنوع ہیں) اور یہاں لفظ ''مَنْ'' لایا گیا ہے جو کہ اہل علم (اور ذوی العقول) کے لیے آتا ہے' اس لیے کہ کفارِ مکہ کا زعم اور خیال تھا کہ انہوں نے جن خداؤں (یعنی بتوں) کا نام اِلٰہ رکھا ہوا ہے اور جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے ہیں وہ بھی اہل علم کے قائم مقام ہیں یا اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جو اہل علم میں سے پیدا نہیں کرتا تو بھلا وہ اس جیسا کیسے ہو سکتا ہے جو علم بھی نہیں رکھتا محض جاہل اور بے جان بت ہے اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''اَفَمَنْ لَّا یَخْلُقُ كَمَنْ

یَخْلُقُ ‘‘ کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کفار کو الزام دیا گیا ہے جنہوں نے بتوں کی پرستش کی تھی اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ قرار دے کر ان کو اِلٰہ قرار دے دیا تھا کیونکہ جب انہوں نے غیر اللہ (یعنی بتوں) کو نام رکھنے میں اور عبادت کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار دے دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یقیناً مخلوقات کی جنس سے اور اس کے مشابہ قرار دے دیا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بدعقیدگی کا انکار کر کے ارشاد فرمایا: ’’اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ‘‘. تو کیا جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے' بھلا اس جیسا ہو سکتا ہے جو بالکل کسی چیز کا خالق نہیں' مخلوق ہے اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے تا کہ تم اپنے اس نظریہ کی خرابی کو پہچان لو' جس پر تم بہ ضد ہو کر قائم ہو۔

١٨- ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو تم ان کو شمار نہیں کر سکو گے نہ ان کی تعداد کو تم ضبط کر سکتے ہو اور نہ تمہاری طاقت اس کو پہنچ سکتی ہے تو بھلا ان پر شکر ادا کرنے کے لیے تم ان کے حقوق کو کس طرح ادا کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کچھ نعمتیں شمار کرنے کے بعد اس کا ذکر اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ ان کے علاوہ اتنی بے شمار نعمتیں ہیں کہ نہ ان کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی گنتی کی جا سکتی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر تمہاری کوتاہیوں پر درگزر فرمائے گا اور وہ تمہاری کوتاہی کی وجہ سے اپنی نعمتیں تم سے نہیں روکے گا۔

| |
|---|
| وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ |
| لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ |
| اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ |
| قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا |
| یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿٢٣﴾ |

ع ٢ ١٤ ٨

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ○ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں ○ وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں' اور وہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے ○ تمہارا معبود ایک معبود ہے' سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہوتے ہیں اور وہ متکبر ہوتے ہیں ○ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

١٩- ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال اور افعال کو خوب جانتا ہے اور یہ (کفار کے لیے) وعید اور دھمکی ہے۔

٢٠- ﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جو لوگ غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں (یعنی) وہ معبود جن کی کفار عبادت کرتے ہیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ’’تَا‘‘ کے ساتھ (تَدْعُوْنَ) ہے] ﴿لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا

﴿وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

۲۱۔﴿اَمْوَاتٌ﴾ (مبتدا محذوف ہے) "اَیْ ھُمْ اَمْوَاتٌ". یعنی وہ مردے ہیں ﴿غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بتوں سے اُلوہیت (معبود ہونے) کی خصوصیات کی نفی فرما دی ہے کہ نہ تو وہ خالق ہیں اور نہ وہ زندہ ہیں کہ کبھی نہیں مریں گے اور نہ وہ حشر ونشر کے عالم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مخلوق کی صفات کو ثابت فرما دیا ہے کہ وہ بلاشبہ مخلوق ہیں' مردے ہیں اور قیامت کے دن سے جاہل ہیں اور (اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ) کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ بت حقیقت میں واقعی معبود اور اِلٰہ ہوتے (جیسا کہ کفارِ مکہ کا خیال تھا) تو وہ زندہ ہوتے' مردے نہ ہوتے یعنی ان پر کبھی موت جائز نہ ہوتی حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے (کہ وہ بے جان مردہ مورتیاں ہیں) [اور "یُبْعَثُوْنَ" میں ضمیر بتوں کی پرستش کرنے والوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بت نہیں جانتے کہ ان کے عبادت گزار کب اٹھائے جائیں گے اور اس آیت مبارکہ میں مشرکین کا تمسخر اور مذاق اڑایا گیا ہے کہ ان کے معبود یقیناً نہیں جانتے کہ ان کے پجاریوں کو قبروں سے کب اٹھایا جائے گا تو بھلا ان کو اس وقت کیسے علم ہوگا جب ان کے پجاریوں کو ان کے اعمالِ بد پر سزا دی جائے گی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد لازمی طور پر اٹھایا جائے گا۔

## توحید کے منکر متکبروں کی سازشوں کا بُرا انجام اور پرہیزگاروں کا نیک انجام

۲۲۔﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ تمہارا معبود ایک معبود ہے یعنی گزشتہ آیات میں جو کچھ گزر چکا ہے اس سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک تمہارا صرف ایک معبود ہے ﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ﴾ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل توحید کے منکر ہیں ﴿وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ اس سے اور اس کے اقرار سے تکبر کرنے والے ہیں۔

۲۳۔﴿لَا جَرَمَ﴾ یقینی اور تحقیقی بات یہ ہے کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ اور علانیہ تمام اعمال کو جانتا ہے' پس وہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا اور یہ ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی) توحید سے تکبر کرنے والے اور وہ مشرکین ہیں۔

| |
|---|
| وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا |
| اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ |
| اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ |
| الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا |
| يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ |

ع ۳

اور جب ان سے کہا جاتا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے کہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں O تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں' اور ان کے بوجھ بھی جن کو بے علمی میں گمراہ کرتے رہے' خبردار ہو جاؤ کہ وہ بہت بُرا بوجھ اٹھا رہے ہیں O بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر وفریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سمیت آ لیا اور ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر عذاب (وہاں) سے آیا جہاں کا انہیں شعور بھی نہیں تھا O

٢٤۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا (یعنی) جب ان کفارِ مکہ سے کہا جاتا کہ ﴿ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو کہتے کہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں [''مَاذَا''، ''اَنْزَلَ'' کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''اَیْ اَیَّ شَیْءٍ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ'' تمہارے رب نے کس چیز کو نازل کیا ہے یا پھر یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے'' اَیْ اَیُّ شَیْءٍ اَنْزَلَہٗ رَبُّکُمْ'' یعنی کیا چیز ہے جس کو تمہارے رب تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور (اَسَاطِیْر) مبتدا محذوف کی خبر ہے] بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قریشِ مکہ کے ان بارہ سرداروں کا قول ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ہر راستے پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے کہ جو لوگ مکہ معظمہ میں داخل ہوں' انہیں یہ مقرر کردہ آدمی رسول اللہ ﷺ سے متنفر کریں گے' چنانچہ جب مکہ مکرمہ میں ان راستوں سے داخل ہوتے وقت حج کے لیے آنے والے حاجیوں کے وفود ان آدمیوں سے پوچھتے کہ رسول اللہ ﷺ پر کیا نازل کیا گیا ہے تو وہ جواب میں کہتے کہ پہلے لوگوں کی من گھڑت باتیں اور ان کے باطل وجھوٹے قصے کہانیاں اور اس کا واحد ''اسطورة'' ہے اور جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کو دیکھتے تو یہ حضرات ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے ہونے کی اور برحق نبی ورسول ہونے کی خبر سناتے رہتے تو یہی حضرات خوش نصیب ہیں' جو کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر خیر وبرکت سے بھرپور سچا کلام نازل کیا ہے۔

٢٥۔ ﴿ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ ﴾ تاکہ وہ قیامت کے دن اپنا پورا بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں جن کو یہ گمراہ کرتے رہے یعنی انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہی کہا تھا تو اس لیے انہوں نے اپنی گمراہی کا بوجھ بھی پورا پورا اٹھا لیا اور ان کا بعض بوجھ بھی اٹھا لیا' جو ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو گئے اور یہ گمراہ کرنے کا بوجھ ہے کیونکہ گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا دونوں گمراہی میں مشترک ہیں [اور لام علت بیان کرنے کے لیے ہے] ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ یعنی وہ جن لوگوں کو گمراہ کرتے تھے' وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ انہیں گمراہ کیا جا رہا ہے [یہ مفعول سے حال ہے] ﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴾ خبردار ہو جاؤ بہت بُرا بوجھ ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں [''مَا'' محلاً مرفوع ہے]۔

٢٦۔ ﴿ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ ﴾ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے مکر وفریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سمیت الٹ دیا یعنی بنیادوں کی طرف سے اٹھا کر الٹ دیا اور بنیاد سے ستون مراد ہیں اور یہ تمثیل ہے یعنی بے شک گزشتہ امتوں کے کافروں نے مختلف منصوبے اور حیلے تیار کیے تھے تاکہ وہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے خلاف فریب کاریاں اور سازشیں کر سکیں' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو انہیں منصوبوں اور حیلوں میں ہلاک کر دیا جیسے کسی قوم نے ایک عمارت تیار کی اور اس کے لیے مضبوط ستون تعمیر کیے' پھر اس کو ستونوں سمیت اکھیڑ دیا گیا جس کی وجہ سے کمزور ہو کر اپنے باشندوں پر گر پڑی اور وہ سب مر گئے اور ہلاک ہو گئے اور جمہور مفسرین اس بات

پر متفق ہیں کہ اس سے نمرود بن کنعان مراد ہے' جب اس نے بابل کے شہر میں ایک بہت بڑا محل تیار کرایا تھا جس کی لمبائی پانچ ہزار ہاتھ تھی اور بعض نے کہا کہ دو فرسخ تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے بہت سخت تیز آندھی چلائی اور وہ عمارت نمرود پر اور اس کی قوم پر گر پڑی جس سے سب ہلاک ہو گئے اور ''فَاَتَی اللّٰہُ'' کا معنی ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا ﴿فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ پس ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا' جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا' نہ انہیں خیال تھا اور نہ انہیں توقع تھی۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے؟ جنہیں علم دیا گیا تھا' وہ کہیں گے: بے شک آج کے دن ذلت اور رسوائی کافروں پر ہے O انہیں لوگوں کی فرشتے ایسے حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے تو یہ لوگ صلح پیش کریں گے کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے' ہاں! کیوں نہیں! تم جو کچھ اعمال کرتے رہے ہو ان کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے O سو اب تم جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو' پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے O

۲۷- ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں رسوا کرے گا کہ انہیں ذلت ناک اور رسوا کن عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل وخوار کرے گا اور یہ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا جو دنیا میں انہیں دیا گیا ﴿وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ﴾ اور فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت کر کے ان کی اضافت کی حکایت بیان کی ہے کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے تا کہ ان کے ساتھ استہزاء و تمسخر اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو بہت سختی کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ پلائے ﴿الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ﴾ جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ عداوت و مخالفت کرتے تھے اور تم ان کے بارے میں مسلمانوں سے جھگڑتے تھے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''تُشَآقُّوْنِ'' (ن کے نیچے زیر 'یا'' محذوف کے ساتھ) ہے] یعنی تم ان (بتوں) کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنا ہے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ وہ حضرات فرمائیں گے جن کو علم دین عطا فرمایا گیا یعنی ان امتوں کے انبیائے کرام علیہم السلام اور علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ جو ان کو ایمان کی دعوت دیتے تھے اور انہیں وعظ ونصیحت کرتے تھے لیکن وہ ان حضرات کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور وہ ان حضرات سے جھگڑتے تھے اور انہیں بُرا بھلا کہتے تھے یا اہل علم سے فرشتے مراد ہیں ﴿اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک آج ذلت ورسوائی اور بدترین عذاب کافروں پر ہو گا۔

٢٨- ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان لوگوں کی فرشتے اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہوں گے [قاری حمزہ کی قراءت میں یہ اور اسی طرح اس کے بعد (آیت نمبر:٣٢ میں "تَتَوَفّٰی" کی بجائے "یَتَوَفّٰی") "یا" کے ساتھ ہے] ﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ﴾ تو وہ لوگ صلح پیش کریں گے یعنی صلح وسلامتی اور اطاعت گزار و فرماں بردار بننے کی پیش کش کریں گے یعنی عاجزی اختیار کرلیں گے اور وہ دنیا میں جس باطل نظریہ پر قائم ہو کر مخالفت و جھگڑے کرتے تھے اب اس کے خلاف اظہار کریں گے اور کہیں گے: ﴿مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ ہم کوئی بُرا عمل نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے کفر و شرک اور عداوت و دشمنی سے انکار کر دیں گے' لیکن اہل علم حضرات ان کی تردید کر دیں گے اور کہیں گے: ﴿بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ہاں! بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے' پس وہ تمہیں ان پر ضرور سزا دے گا اور یہ کہنا بھی ان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار ہو گا اور اسی طرح (درج ذیل قول بھی):

٢٩- ﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (اے کافرو!) تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اس میں ہمیشہ رہو' سو تکبر کرنے والوں کے لیے دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝٣٠ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝٣١ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٣٢

اور پرہیز گاروں سے (جب) کہا جاتا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے' تو وہ کہتے کہ خیر و برکت نازل کی ہے' جنہوں نے نیکی کی ان کے لیے دنیا میں بھلائی ہے' اور آخرت کا گھر ان کے لیے بہت بہتر ہے' اور البتہ پرہیز گاروں کا گھر بہت اچھا ہے ○ ہمیشہ رہنے کے لیے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس میں انہیں وہی ملے گا جو وہ چاہیں گے' اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو اسی طرح صلہ دیتا ہے ○ فرشتے ان کی اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ پاک ہوں گے' فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم جو کچھ عمل کرتے تھے اس کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ ○

٣٠- ﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا﴾ اور (جب) ان لوگوں سے کہا گیا کہ جنہوں نے کفر و شرک چھوڑ کر تقویٰ اختیار کر لیا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ خیر و برکت نازل کی ہے [اور یہ (خَیْرًا) منصوب (جس کے آخر میں زبر ہو) ہے اور "اَسَاطِیْرُ" مرفوع (پیش والا) ہے کیونکہ یہاں اصل میں "اَنْزَلَ خَیْرًا" ہے' سو اس لیے پرہیز گاروں نے سوال کے مطابق جواب دیا ہے اور وہاں اصل میں "ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ" ہے لہٰذا انہوں نے جواب دینے میں سوال سے انحراف کیا ہے] ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا﴾ ان لوگوں کے لیے

جنہوں نے اس دنیا میں نیکیاں کیں یعنی وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے یا انہوں نے سچے دل سے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھا ﴿حَسَنَةٌ﴾ بھلائی یعنی اجر وثواب اور امن وعافیت اور فتح وغنیمت ہے' یہ مرفوع (یعنی پیش والا) ہے [اور یہ ''خَيْرًا'' سے بدل ہے اور اہل تقویٰ کے قول کی حکایت ہے' یعنی اہل تقویٰ نے یہ بات کہی لیکن اس کے نام ''خَيْرًا'' کو اس پر مقدم کیا' پھر اس کی حکایت بیان کی یا یہ ایک مستقل الگ کلام ہے جو ''خَيْرًا'' کہنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے] اور ان کے قول کو ان کی نیکیوں کے مجموعہ میں سے قرار دیا گیا ہے ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور آخرت کا گھر ضرور بہترین ہے' یعنی آخرت میں ان کے لیے اس سے بہترین اجر وثواب ملے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ''. (آل عمران: ۱۴۸) ''پس اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی صلہ عطا فرمائے گا اور آخرت کا اجر وثواب بہترین اور اعلیٰ ترین ہوگا''۔ ﴿وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور پرہیز گاروں کا ٹھکانا بہت عمدہ ہوگا (یعنی) آخرت میں بہترین ٹھکانا ہوگا [پھر مخصوص بالمدح کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلے ذکر گزر چکا ہے]۔

۳۱- ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ عدن کے باغات ہیں وہ ان میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں ان کے لیے ان میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا [''جَنّٰتُ عَدْنٍ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مخصوص بالمدح ہے اور ''يَدْخُلُوْنَهَا'' حال ہے]۔

۳۲- ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی فرشتے اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ پاک ہوں گے (یعنی) وہ کفر کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے پاک ہوں گے کیونکہ یہ (ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ. (النحل: ۲۸)) کے مقابلے میں ہے۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ﴾ فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب مسلمان بندے پر موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ''. اے اللہ تعالیٰ کے ولی اور دوست! تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ تم پر سلام کہتا ہے اور وہ اس کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا: ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم جنت میں داخل ہو جاؤ یہ اس کا بدلا ہے جو تم نیک عمل کرتے تھے (یعنی) یہ جنت تمہارے اعمال کا معاوضہ ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ
ع ۴ ۹ ۱۰ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

وہ کفار انتظار نہیں کر رہے مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے کیا' اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O سو ان کے اعمال کی برائیاں ان کو پہنچ گئیں اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O

۳۳- ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ یہ کفار انتظار نہیں کر رہے ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ مگر یہ کہ فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آجائیں [قاری علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''يَا'' کے ساتھ (اَنْ يَّاْتِيَهُمْ) ہے] ﴿اَوْ

﴿یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ یا آپ کے رب تعالیٰ کا حکم آ جائے یعنی ہلاک کرنے والا عذاب آ جانے یا قیامت آ جائے ﴿كَذٰلِكَ﴾ جس طرح کفارِ مکہ نے کفر و شرک اور آخر الزمان پیغمبر کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا ہے' اسی طرح ﴿فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر کے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی' لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ایسے بُرے اعمال کا ارتکاب کیا جن کی وجہ سے وہ از خود تباہی و بربادی کے مستحق ٹھہرے۔

۳۴۔ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ پس انہوں نے جو کچھ بداعمالیاں کی تھیں وہ ان کو پہنچ گئیں کہ انہیں ان کے بُرے اعمال کی سزا مل گئی ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کی سزا نے گھیر لیا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾

اور مشرکین نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے' ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا' سو پیغمبروں کی ذمہ داری صرف پیغام کو واضح طور پر پہنچانا ہے O اور بے شک ہم نے ہر امت کے لیے ایک رسول بھیجا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو' پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی' سو تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا (بُرا) ہوا O

## کفارِ مکہ کی بے ہودہ گفتگو اور انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد

۳۵۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا﴾ اور مشرکین نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے۔ مشرکین نے یہ گفتگو صرف مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے کی تھی اور اگر وہ بات بطورِ عقیدہ کے کہتے تو درست ہوتی ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں یعنی بحیرہ اور سائبہ وغیرہ (جو جانور مخصوص شرائط کے ساتھ بتوں کے نام پر نامزد کر کے حرام قرار دیئے جاتے تھے) ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا یعنی انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حلال کو حرام ٹھہرا لیا تھا اور انہوں نے بھی

بطور تمسخر کے کفارِ مکہ کی طرح کہا تھا ﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ پس رسولوں کی ذمہ داری صرف پیغامِ الٰہی کو صاف صاف پہنچا دینا ہے (یعنی) ان کا کام لوگوں تک حق کو پہنچانا اور شرک کا بطلان اور اس کی قباحت سے لوگوں کو آ گاہ کرنا ہے۔

۳۶- ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس طرح کہ تم اس کو پہلے واحد لاشریک مانو اور اس کی توحید پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرو ﴿ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ اور تم شیطان سے بچو یعنی اس کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے سے بچو اور اس سے دور رہو ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ ﴾ پھر ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمادی اس بناء پر کہ انہوں نے ہدایت کو پسند کر کے اختیار کر لیا ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ﴾ اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی یعنی ان پر گمراہی اس لیے لازم ہو گئی تھی کہ انہوں نے از خود گمراہی کو اختیار کر لیا تھا ﴿ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ سو تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور ان کے گھروں کو ان سے خالی کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) قریش مکہ کے عناد و ہٹ دھرمی کا ذکر کیا اور ان کے ایمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حرص و خواہش کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آ گاہ کیا کہ کفارِ مکہ اس قسم میں سے ہیں جن پر گمراہی لازم و ثابت ہو چکی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ
اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

اگر آپ ان کی ہدایت کے بہت خواہش مند ہیں تو (یاد رکھئے) اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے اور ان کے لیے مددگار نہیں ہوں گے ○ اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو نہیں اٹھائے گا' بلکہ سچا وعدہ اس کے ذمۂ کرم پر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ تاکہ وہ ان پر واضح کر دے جس میں وہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں ○ بے شک ہم جس چیز کو چاہتے ہیں اسے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ○

۳۷- ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ اگر آپ ان کی ہدایت کے بہت خواہش مند ہیں تو (یاد رکھئے) بے شک اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دیتا ہے اسے ہدایت نہیں دیتا۔ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' پر فتح (زبر) اور دال کے نیچے زیر ہے اور باقیوں کے نزدیک ''یا'' پر پیش اور دال پر زبر ہے (فعل مضارع مجہول ''یُهْدٰی'' ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''مَنْ يُّضِلُّ'' مبتدا ہے اور ''لا يُهْدٰی'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ اور ان کے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کو روک سکیں اور ان سے وہ عذاب دور کر سکیں جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے تیار کر چکا ہے۔

۳۸- ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت پختہ قسمیں کھائیں۔ [یہ (وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) پر معطوف ہے] ﴿لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى﴾ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا' کیوں نہیں [''بَلٰى'' نفی کے بعد اثبات کے لیے آتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مرنے کے بعد ضرور اٹھائے گا ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا﴾ یہ سچا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ضرور پورا ہوگا۔ [''وعدًا'' مصدر مؤکد ہے جس پر ''بَلٰى'' دلالت کر رہا ہے] کیونکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہ واضح بات ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا واجب وضروری ہے ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اس کا وعدہ برحق ہے' ضرور پورا ہوگا یا اکثر لوگ نہیں جانتے کہ ان کو یقیناً اٹھایا جائے گا۔

۳۹- ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر (قیامت کے دن) واضح کر دے جس میں وہ لوگ (آج) جھگڑا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جانا برحق ہے۔ [''لِيُبَيِّنَ لَهُمْ'' اس فعل کے ساتھ متعلق ہے جس پر (بَلٰى) دلالت کر رہا ہے یعنی ''يَبْعَثُهُمْ'' کے ساتھ اور ''لَهُمْ'' کی ضمیر ''مَنْ يَّمُوْتُ'' کی طرف لوٹتی ہے اور یہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے (یعنی مرنے کے بعد اٹھنے پر مسلم وغیر مسلم سب پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جو آج پورا ہو کر رہا)] ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ﴾ اور تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے اس قول میں یقیناً جھوٹے تھے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔

۴۰- ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ بے شک جب ہم کسی چیز کو چاہتے ہیں تو ہم اس سے صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے ''اَيْ فَهُوَ يَكُوْنُ''. یعنی پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے' [اور ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں (فَيَكُوْنَ) کے نون پر (كُنْ) کا جواب ہونے کی وجہ سے زبر ہے اور (قَوْلُنَا) مبتدا ہے اور ''اَنْ'' (نَّقُوْلَ لَهٗ) اس کی خبر ہے اور (كُنْ فَيَكُوْنُ) ''كَانَ'' تامہ کی قسم سے ہیں بہ معنی حدوث اور وجود] یعنی جب ہم کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے صرف اتنا کہتے ہیں کہ پیدا ہو جا تو وہ بغیر کسی توقف کے فوراً ہو جاتی ہے اور اس عبارت کا مقصد بھی یہی ہے کہ بہت جلد وہ چیز موجود ہو جاتی ہے' جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی مراد میں کوئی رکاوٹ نہیں اور بے شک اس کے ارادہ کرتے ہی چیز بغیر کسی وقفہ کے فوراً ہو جاتی ہے جیسے مطاع (جس کی ہر بات کی اطاعت کی جاتی ہے) حکم دینے والے آقا کا حکم ملتے ہی مامور بہ (جس چیز کے کرنے پر حکم دیا گیا ہے) موجود ہو جاتی ہے' جب بھی حکم بجالانے والے اطاعت گزار مامور پر حکم جاری کیا جاتا ہے اور وہاں پھر کہنے کی حاجت نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ تمام مقدورات اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر اسی سہولت اور آسانی کے ساتھ موجود ہو جاتے ہیں تو بھلا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس کے لیے کیسے ناممکن ہو سکتا ہے' وہ تو اس کے بعض مقدورات میں سے ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ وقف لازم
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾

اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بہترین ٹھکانا دیں گے' اور آخرت کا اجر البتہ بہت بڑا ہے' کاش! وہ جان لیتے O جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں O اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر مردوں کو ہم ان کی طرف وحی نازل کرتے رہے' سو تم اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے O روشن دلیلیں اور کتابوں کے ساتھ' اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ تمام تعلیمات بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں اور تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں O

## ہجرت کا فائدہ' حضور کا منصب' کفار کی مکاری اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

٤١- ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی' یعنی اس کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اور اس کی راہ میں اور اس کے حق میں ہجرت کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ ظلم وستم اور زیادتیاں سہنے کے بعد اور مظالم برداشت کرنے کے بعد مظلوم ہو کر (ہجرت کی) اور وہ خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں' جن پر اہل مکہ نے ظلم وستم کیا تو انہوں نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا (اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا حکم دیا) چنانچہ ان میں سے بعض نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی' پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے دونوں ہجرتوں کا ثواب جمع کر لیا اور ان میں سے بعض نے براہِ راست مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ ہم انہیں دنیا میں ضرور بہترین ٹھکانا عنایت کریں گے۔ [''حَسَنَةً'' مصدر کی صفت ہے' اصل میں (''تَبْوِئَةً حَسَنَةً'' ہے) بہترین ٹھکانا یا پھر ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مُبَاءَةً حَسَنَةً'' ہے] (یعنی) ہم ان کو یقیناً بہترین ٹھکانا دیں گے اور وہ بہترین ٹھکانا مدینہ شریف ہے جہاں انہیں وہاں کے باشندوں نے پناہ دی اور انہوں نے ان کی ہر طرح مدد کی ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا اجر وثواب ضرور بہت بڑا ہے اور اس پر وقف کرنا واجب ولازم ہے' اس لیے کہ ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کا جواب محذوف ہے اور اس کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر کفار اس حقیقت کو جان لیتے تو وہ بھی دین اسلام کی طرف ضرور رغبت کرتے یا اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر مہاجرین صحابہ کرام کو (بہت بڑی نعمتوں کے حصول کا) علم ہوتا تو وہ بھی مظالم پر صبر کرنے اور ان نعمتوں کے حصول کی خاطر اور زیادہ محنت وکوشش کرتے۔

٤٢- ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ جنہوں نے صبر کیا۔ یہ اصل میں ''هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا'' ہے یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں کفار کے مظالم پر صبر کیا یا اصل میں ''اَعْنِى الَّذِيْنَ صَبَرُوْا''. میری مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر مصیبت میں صبر سے کام لیا اور یہ دونوں تعریف کے لیے ہیں یعنی انہوں نے اپنے وطن کی جدائی پر صبر کیا' جو اللہ تعالیٰ کا پاک حرم شریف اور ہر دل کا محبوب ہے تو بھلا اس قوم کے دلوں کی کیا کیفیت ہو گی جو اس حرم شریف میں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریزیاں کرتے ہوئے اپنے سروں کو پاک سرزمین پر گرا دیتے تھے اور انہوں نے ہر قسم کے مجاہدہ پر اور اپنی روحوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر صبر کیا ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ پر ہی بھروسا کرتے ہیں یعنی وہ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جو مصائب وآلام انہیں پہنچتے ہیں وہ ان پر صبر کرتے ہیں۔

٤٣- شانِ نزول: اور جب قریشِ مکہ نے یہ اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی

انسان اور بشر کو اپنا رسول اور پیغمبر بنادے تو ان کے جواب میں یہ درج ذیل آیتِ کریمہ نازل ہوئی:
﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں کو ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے (یعنی) فرشتوں کی زبانوں پر وحی نازل کر کے بھیجتے [امام حفص کی قراءت میں ''نُوْحِیْ'' (نون متکلم کے ساتھ ہے جب کہ باقی ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابوعمرو' خلف' ابن عامر شامی' ابوجعفر اور یعقوب کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''یُوْحٰی'') ہے] ﴿ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ ﴾ سو تم اہلِ ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھو تا کہ وہ تمہیں بتائیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کی طرف بھی جتنے نبی و رسول بھیجے وہ انسان اور مرد تھے اور کتاب کو ذکر اس لیے کہا گیا کہ یہ غافلوں کے لیے تنبیہ اور نصیحت ہوتی ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔

٤٤۔ ﴿ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ روشن دلیلوں یعنی معجزات اور کتابوں کے ساتھ [اور ''بَا''، ''رِجَالًا'' کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ہم نے جن مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے ان کو معجزات اور کتابوں کے ساتھ متصف کر کے بھیجا ہے یا یہ ''بَا''، ''اَرْسَلْنَا'' پوشیدہ کے متعلق ہے' گویا کہا گیا ہے کہ رسولوں کو کس کے ساتھ بھیجا گیا؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو معجزات اور کتابوں کے ساتھ بھیجا یا یہ کہ ''بَا''، ''نُوْحِیْ'' کے متعلق ہے یعنی ہم ان کی طرف معجزات و کتب کی وحی نازل کرتے ہیں یا پھر ''لَا تَعْلَمُوْنَ'' کے متعلق ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''فَاسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ'' گزشتہ وجوہ کی بناء پر جملہ معترضہ ہے] ﴿ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ ﴾ اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآنِ مجید نازل کیا ہے ﴿ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ تا کہ آپ لوگوں سے وہ تمام تعلیمات کھول کر بیان کر دیں جو ان سے تعمیل کرانے کے لیے ان کی طرف نازل کی گئی ہیں' ان میں سے کچھ وہ ہیں جن میں کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں اور کچھ وہ جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کچھ وہ جن کے ساتھ وعدے کیے گئے ہیں اور کچھ وہ جن سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے ﴿ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اور تا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ یا قرآنِ مجید کی تنبیہات میں غور و فکر کریں' پھر ان کے مطابق زندگی گزاریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ
یَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآىِٕلِ
سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

تو کیا جو لوگ بُری سازشیں تیار کرتے ہیں وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ایسے وقت میں ان پر عذاب آ جائے کہ انہیں خیال بھی نہ ہو ۝ یا ان کو چلتے پھرتے گرفت میں لے لے' سو وہ (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں ۝ یا انہیں خوف کی حالت میں پکڑ لے' پس تمہارا رب ضرور بہت مہربان' نہایت رحم فرمانے والا ہے ۝ کیا انہوں نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو نہیں دیکھا جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ اس کا سایا دائیں اور بائیں جھکتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں ۝

۴۵- ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ﴾ تو کیا وہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں جو بُری تدبیریں کرتے ہیں۔
اصل میں ''اَلْمَكَرَاتِ السَّیِّاٰتِ'' (موصوف صفت) ہے یعنی بدترین سازشیں اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جو سازشیں تیار کی تھیں ان کا تقاضا تو یہ تھا ﴿اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا تھا ﴿اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ یا ان پر ایسی حالت میں عذاب آ جاتا کہ انہیں خبر بھی نہ رہتی یعنی اچانک عذاب آ جاتا۔

۴٦- ﴿اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ﴾ یا ان کو اللہ تعالیٰ چلتے پھرتے پکڑ لے جب کہ وہ سیر و سیاحت اور تجارتی کاروبار میں چلتے پھرتے ہیں ﴿فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ پس وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو سکتے۔

۴۷- ﴿اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ﴾ یا ان کو حالتِ خوف میں پکڑ لے جب کہ وہ خوف زدہ ہوں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان سے پہلے کسی قوم کو ہلاک کر دے' پھر ان کو اس حال میں اپنی گرفت میں لے لے کہ وہ ڈر رہے ہوں اور عذاب کا انتظار کر رہے ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ'' کے خلاف ہے (اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''تَخَوُّف'' کا معنی ڈر نہیں بلکہ نقصان میں مبتلا کرنا ہے) ﴿فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ سو بے شک تمہارا رب تعالیٰ بہت مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے اس لیے تو وہ تمہارے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہے اور تم سے درگزر کر لیتا ہے اور تمہارے عذاب میں جلدی نہیں کرتا باوجودیکہ تم اس کے مستحق ہو اور معنی یہ ہے کہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری گرفت اس لیے نہیں فرمائی کہ اس کی رأفت و شفقت تمہیں بچا لیتی ہے اور اس کی رحمت تمہاری حمایت کرتی ہے۔

۴۸- ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور کیا کفارِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ [قاری حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (لَمْ تَرَوْا) ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے ''خَلَقَ اللّٰهُ'' کے ساتھ اور یہ مبہم ہے ''مِنْ شَیْءٍ'' اس کا بیان ہے] ﴿یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ﴾ اس کا سایا دائیں بائیں جھکتا ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف لوٹ جاتا ہے [اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (تَتَفَیَّؤُا) ہے] ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ﴾ دائیں طرف سے۔ ''یمین'' اپنی جمع ''اَیْمَان'' کے معنی میں ہے یعنی دائیں طرفیں ﴿وَالشَّمَآئِلِ﴾ بائیں طرفیں' یہ ''شمال'' کی جمع ہے ﴿سُجَّدًا لِّلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ [یہ ''ظلال'' سے حال ہے] حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے ﴿وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ اور وہ بارگاہِ الٰہی میں عاجزی و انکساری کرنے والے ہیں [اور یہ ''ظِلٰلُهٗ'' کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ وہ جمع کے معنی میں ہے اور وہ یہ کہ ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے' اس کا سایا ہوتا ہے اور ''دَاخِرُوْنَ'' کو واؤ اور نون کے ساتھ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ ''دُخُوْر'' عقلاء کے اوصاف میں سے ہے یا اس لیے کہ اہل عقل حضرات بھی اس کے مجموعہ میں شامل ہیں' سو تغلیباً جمع مذکر ذوی العقل کو ذکر کیا گیا] اور معنی یہ ہے کہ کیا کفارِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ان اجسام و ابدان کو نہیں دیکھا جس کے سائے دائیں بائیں اطراف میں جھکتے ہیں؟ یعنی ایک جانب سے دوسری جانب پھر جاتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں' ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جھکنے کو اپنا مسخر بنا دیا ہے بلکہ اجسام بذاتِ خود بھی اس کے حضور میں جھکنے والے' عاجزی اختیار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں جو افعال پیدا کر دیئے ہیں' وہ ان کے پابند اور اطاعت گزار ہیں' جن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ السجدة ع وَ
قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾
وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا
بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں چلنے والے ہیں اور فرشتے (بھی) اور وہ تکبر نہیں کرتے ○ وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے ○ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دو معبود نہ بناؤ' بے شک صرف وہی ایک معبود ہے' سو تم صرف مجھ ہی سے ڈرو ○ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور صرف اسی کی اطاعت ضروری ہے' تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے غیر سے ڈرتے ہو ○ اور تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم فوراً اسی کی طرف پناہ حاصل کرتے ہو ○

٤٩- ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں چلنے والے ہیں' وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ''مِنْ دَآبَّةٍ'' ان تمام چیزوں کا بیان ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں چلنے والی ہیں' اس بناء پر کہ جس طرح زمین میں انسان وغیرہ چلتے ہیں' اسی طرح آسمانوں میں بھی مخلوق ہے جو ان میں چلتی پھرتی ہے یا یہ ان چیزوں کا بیان ہے جو صرف زمین میں چلتی پھرتی ہیں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اس سے فرشتے مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَّالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو انسانوں کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مُکلّفین کے سجدہ سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنا اور غیر مکلّفین کے سجدہ سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر چلنا اور اطاعت کرنا ہے اور انقیاد (اطاعت) کا معنی دونوں کا جامع ہے' سو اس لیے وہ دونوں مختلف نہیں اور اس لیے ان دونوں کو ایک لفظ کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے [اور (مَا) کا کلمہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ عقلاء اور غیر عقلاء دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر (مَنْ) کا کلمہ لایا جاتا تو وہ صرف عقلاء کو شامل ہوتا] ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

٥٠- ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں [اور یہ ''لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ'' میں ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ تکبر نہیں کرتے درآں حالیکہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ اگر اس کو ''يَخَافُوْنَ'' کے ساتھ جوڑا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے اوپر سے ان پر عذاب نہ بھیج دے اور اگر اس کو ''رَبَّهُمْ'' کے ساتھ متعلق کیا جائے تو یہ اس سے حال ہوگا اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ ان پر زبردست غالب ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ''. (الانعام:١٨) ''اور وہ اپنے بندوں پر زبردست غالب ہے''۔ ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اور وہ وہی کرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل

ہے کہ فرشتے بھی مکلّف ہیں اور وہ اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور وہ بھی خوف وامید رکھتے ہیں۔

معبودِ برحق' مالک ومنعم' اولاد سے پاک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بچی کی پیدائش پر سوگوار ہونا کفار کا طریقہ ہے

۵۱۔ ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دو معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک صرف وہی ایک معبود ہے [اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "وَاحِدٌ" اور "اِثْنَيْنِ" (ایک اور دو) کے علاوہ دیگر عدد اور معدود کے درمیان جمع کا لحاظ کیا جاتا ہے' چنانچہ کہتے ہیں: "عِنْدِيْ رِجَالٌ ثَلَاثَةٌ" میرے پاس تین مرد ہیں کیونکہ معدود عدد خاص پر دلالت کرنے سے خالی ہوتا ہے لیکن "رَجُلٌ" اور "رَجُلَانِ" تو یہ دونوں خاص عدد پر (کہ "رَجُلٌ" ایک مرد ہے اور "رَجُلَانِ" دو مردوں پر) دلالت کرتے ہیں' اس لیے "رَجُلٌ وَّاحِدٌ" اور "رَجُلَانِ اِثْنَانِ" کہنے کی ضرورت وحاجت نہیں رہتی (اسی طرح "اِلٰهَيْنِ" کے ساتھ "اِثْنَيْنِ" کہنے کی ضرورت نہیں تھی صرف "اِلٰهَيْنِ" کافی تھا) اس کا جواب یہ ہے کہ جو اسم واحد اور تثنیہ کا حامل ہوتا ہے وہ دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے (۱) جنسیّت پر (۲) اور مخصوص عدد پر' پھر جب ان دونوں میں سے عدد کا معنی مقصود ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا کلمہ جوڑا جاتا ہے جو اس کے معنی کی تاکید کرتا ہے تاکہ وہ معنی مقصود پر دلالت کرے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب صرف "اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ" کہا جائے اور اس کے ساتھ "وَاحِدٌ" کی تاکید نہ ہو تو کلام حسین وجمیل نہیں ہوگا اور تمہیں خیال آئے گا کہ اس کلام میں صرف اُلوہیّت یعنی معبود کا اثبات کیا گیا ہے لیکن وَحدانیّت کو ثابت نہیں کیا گیا (لیکن جب "اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" کہا جائے گا تو معبود کے ساتھ وحدانیت کا اثبات بھی ہو جائے گا اور کلام بھی فصیح وبلیغ ہوگا)] ﴿فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ پس تم صرف مجھ ہی سے ڈرو [غیب سے تکلم کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے اور یہ التفات وتوجہ کرنے کے طریقہ میں سے ہے اور یہ "فَاِيَّاهُ فَارْهَبُوْا" کہنے سے ترغیب کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے] پس تم اس سے ڈرو [قاری یعقوب کی قراءت میں "فَارْهَبُوْنِيْ" ہے]۔

۵۲۔ ﴿وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا﴾ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت کرنا واجب وثابت ہے۔ "وَاصِبًا" بہ معنی واجب اور ثابت کے ہے کیونکہ ہر نعمت اسی کی طرف سے عنایت ہوتی ہے' اس لیے اس کی اطاعت ہر اس شخص پر واجب ولازم ہے جس پر انعام کیا گیا ہے [اور یہ حال ہے جس میں ظرف عمل کر رہا ہے] یا یہ معنی ہے کہ اعمال پر جزا دینا ہمیشہ اسی کے لیے ثابت ہے یعنی نیک اعمال پر اجر وثواب دینا اور بُرے اعمال پر سزا دینا ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے غیروں (بتوں) سے ڈرتے ہو؟

۵۳۔ ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ﴾ اور تمہارے پاس جو کوئی نعمت ہے اور تمہیں جو بھی نعمت ملی ہے' صحت وعافیت ہو خواہ مال و دولت خواہ خوش حالی ہو ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ "فَهُوَ مِنَ اللّٰهِ" پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے (جیسے) بیماری اور غربت اور قحط سالی ﴿فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ﴾ تو تم اسی کی طرف پناہ لیتے ہو اور تم صرف اسی سے گڑگڑا کر نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہو ["تَجْئَرُوْنَ" "الجوار" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: دعا کرنے اور فریاد کرنے کے لیے بلند آواز سے پکارنا]۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا

مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾

پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہےO تا کہ وہ لوگ ان نعمتوں کی ناشکری کریں' جو ہم نے انہیں دیں' سو تم چند روز عیش کر لو' پس تم عنقریب جان لو گےO اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ ایک حصہ ان کے لیے مقرر کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے' اللہ کی قسم! تم سے ان کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا جو تم بہتان تراشیاں کرتے تھےO اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں وہ تو پاک ہے' اور اپنے لیے وہ جو خود پسند کرتے ہیںO اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہےO

٥٤- ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے [اگر "وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ" میں خطاب (مسلم و کافر سب کو) عام ہے تو "فریق" سے کفار مراد ہیں' اگر خطاب صرف مشرکین کے لیے ہے تو "مِنْكُمْ" بیان کے لیے ہوگا تبعیض کے لیے نہیں] گویا فرمایا: سو ایک گروہ کافروں کا ہے اور وہ تم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں ایسے لوگ ہوں جنہوں نے عبرت حاصل کر لی ہو جیسے ارشاد ہے: "فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ". (لقمان:٣٢) "پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو خشکی طرف نجات دی تو ان میں سے ایک گروہ اعتدال کی راہ پر آ جاتا ہے"۔

٥٥- ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ تا کہ وہ لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی تھی (یعنی) ان سے تکلیف و مصیبت دور کرنے کی نعمت گویا شرک کرنے سے ان کی غرض و غایت کفرانِ نعمت یعنی ناشکری تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرایا دھمکایا اور فرمایا: ﴿فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ سو تم چند روز فائدہ اٹھا لو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا [یہ غائب سے خطاب کی طرف عدول ہے اور اس میں دھمکی ہے]۔

٥٦- ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے وہ اس میں سے ان کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں جن کو نہیں جانتے یعنی اپنے معبودوں کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں اور "لَا يَعْلَمُوْنَ" کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار اپنے بتوں کو معبود قرار دیتے ہیں اور ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نفع دے سکتے ہیں اور قیامت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے حالانکہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بت بے جان مورتیاں ہیں' نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں [یا پھر "لَا يَعْلَمُوْنَ" کی ضمیر ان کے معبودوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی وہ بت ایسی اشیاء ہیں جو علم کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے اور وہ نہیں جانتے کہ ان کے پجاریوں نے اپنے جانوروں میں اور اپنی کھیتیوں میں سے ان کے لیے کوئی حصہ مقرر کیا ہے یا نہیں اور مشرکین یہ کام اپنے بتوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ﴾ خدا کی قسم! تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ یہ وعید اور دھمکی ہے ﴿عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ اس کے بارے میں جو کچھ تم بہتان تراشتے تھے (یعنی) تم سے ان بہتان تراشیوں کے متعلق پوچھا جائے گا کہ

بت خدا ہیں اور یہ کہ وہ تقرب حاصل کرنے اور عبادت کے اہل ہیں۔
۵۷- ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں۔ قبیلۂ خزاعہ اور قبیلہ کنانہ کے لوگ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ وہ پاک ہے' دراصل یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کی تنزیہ کے لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد کی نسبت سے پاک ہے یا کفار کے قول پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے ہے ﴿ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ اور وہ اپنے لیے اپنی پسند کی چیز ثابت کرتے ہیں یعنی اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں [اور ممکن ہے کہ "مَا" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہو اور "لَهُمْ" خبر ہو اور "بَنَات" پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہو اور "سُبْحَانَهٗ" معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان معترضہ ہو یعنی وہ لوگ اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں]۔
۵۸- ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بچی کے ہونے کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ کالا سیاہ یعنی سیاہی میں تبدیل ہو جاتا کیونکہ "ظَلَّ" اور "اَمْسٰى" اور "اَصْبَحَ" اور "بَاتَ" "ہونے" کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں کیونکہ اکثر پیدائش کا اتفاق رات کو ہو جاتا ہے' پھر جب دن ہوتا تو وہ غم سے بھرا ہوتا' لوگوں سے شرم و حیاء اور دکھ کی وجہ سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ﴿ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ اور وہ عورت پر غصہ سے بھرا ہوتا۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ ۵۹ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ ۶۰ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۞ ۶۱

ع ۱۴

وہ قوم سے اس بُرائی کی وجہ سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اس کو خوشخبری دی گئی' کیا وہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ لے یا اس کو زمین میں دفن کر دے' خبردار! بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں O جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کا حال بُرا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند و بالا ہے' اور وہ سب پر غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے O اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر چلنے والے کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دے دیتا ہے' پھر جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ لمحہ بھر پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں O

۵۹- ﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ﴾ وہ قوم سے اس بُرائی کی وجہ سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے خوشخبری دی گئی ہے (یعنی) وہ لوگوں سے بُری بشارت کے سبب چھپتا پھرتا ہے اور لوگوں کے عار دلانے کے سبب چھپ جاتا ہے اور وہ اپنے دل میں کہتا ہے اور سوچتا ہے کہ ﴿ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ ﴾ آیا وہ ذلت و رسوائی کے باوجود اسے روک لے جس کی بشارت دی گئی ہے ﴿ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ﴾ یا اس کو مٹی میں دبا دے یا اسے زندہ درگور کر دے ﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ خبردار! بہت بُرا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ثابت کرتے ہیں حالانکہ خود انہیں پسند نہیں کرتے اور اپنے لیے اس وصف کے برعکس لڑکے ثابت کرتے ہیں' جو انہیں پسند ہیں۔

٦٠- ﴿ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے بُری مثال ہے اور ان کی بُری صفت یہ ہے کہ وہ اولاد میں سے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں اور لڑکیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور بھوک کے ڈر سے انہیں زندہ قبر میں دفن کر دیتے ہیں ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عالی شان اور اعلیٰ مثال ہے اور وہ یہ کہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہ مخلوقات کی صفات سے پاک ہے ﴿ وَهُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ اور وہ اپنے ارادوں کو نافذ کرنے میں سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' اس لیے بندوں کو مہلت دینے میں بھی بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

## ظلم کے باوجود مہلت' کفار کی سرکشیاں اور نزولِ وحی کی حکمت

٦١- ﴿ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑ لیتا یعنی ان کے کفر و شرک اور ان کے گناہوں و نافرمانیوں کے سبب اگر ان کو گرفت میں لے لیتا تو ﴿ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ روئے زمین پر کسی چلنے والے جاندار کو ہرگز نہ چھوڑتا اور سب کو ظالموں کے ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک کر دیتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ظالم کے ظلم کے سبب سرخاب و دیگر جانور اپنے اپنے گھونسلوں میں ہلاک ہو جاتے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ممکن ہے کہ انسان کے گناہ کے سبب سیاہ اور بھورے کیڑے اپنے بلوں اور سوراخوں میں ہلاک ہو جائیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (مِنْ دَآبَّةٍ) سے زمین پر چلنے والے مشرک مراد ہیں ﴿ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مقررہ مدت تک مہلت دے دیتا ہے یعنی ہر ایک کی مقرر و معین مدت تک یا اس وقت تک جس کا اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے یا قیامت تک ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ پھر جب ان کی مقرر مدت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک لمحہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ وہ آگے ہو سکتے ہیں۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ
وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ
الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ع

اور وہ لوگ اللہ کے لیے ان کو ثابت کرتے ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ بے شک انہیں کے لیے بھلائی ہے' یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہے اور بے شک انہیں بہت جلد دوزخ میں داخل کیا جائے گا○ اللہ کی قسم! بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوشنما کر کے دکھائے' پس آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل نہیں کی مگر اس لیے کہ آپ ان کے سامنے وہ مسئلہ کھول کر بیان کر دیں جس میں انہوں نے اختلاف برپا کر رکھا

ہے اور ایمان دار قوم کے لیے یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے O اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا' بے شک اس میں اس قوم کے لیے نشانی ہے جو کان لگا کر غور سے سنتی ہے O

٦٢- ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں ثابت کرتے ہیں جو خود ناپسند کرتے ہیں یعنی وہ لوگ اپنے لیے بیٹیاں اور اپنی حکومت میں شریکوں کو ناپسند کرتے ہیں (مگر یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے جائز مانتے ہیں) اور (وہ لوگ اپنی توہین ناپسند کرتے ہیں لیکن) اپنے رسولوں کی توہین کرتے ہیں اور وہ لوگ اپنے مالوں میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے ردی اور گھٹیا مال نکالتے ہیں اور اپنے بتوں کے لیے اپنا سب سے اچھا مال نکالتے ہیں ﴿ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ ﴾ اور ان (مذکورہ بالا چیزوں) کے ساتھ ساتھ ان کی زبانیں جھوٹ بھی بولتی ہیں' یعنی وہ لوگ یہ جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ ﴿ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ﴾ بے شک ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بھلائی ہی ہے اور وہ جنت ہے' اگر مرنے کے بعد اٹھایا جانا حق پر مبنی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى'' . (فصلت: ٥٠) ''اور اگر میں مرنے کے بعد اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹایا گیا تو اس کے پاس میرے لیے یقیناً بھلائی ہی ہوگی''۔[اور ''اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى'' ''اَلْكَذِبَ'' سے بدل ہے] ﴿ لَاجَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور یقیناً ان کو دوزخ میں سب سے پہلے جلد از جلد داخل کیا جائے گا۔[قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مُفْرِطُوْنَ'' (رَا کے نیچے زیر اسم فاعل) ہے اور ابوجعفر کی قراءت میں ''مُفَرَّطُوْنَ'' (''را'' پر زبر اور شد کے ساتھ اسم مفعول باب تفعیل سے) ہے تو مفتوح (زبر) کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ انہیں دوزخ میں سب سے پہلے داخل کیا جائے گا اور بہت جلد انہیں دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا'' اَفْرَطْتُ فُلَانًا وَفَرَّطْتُهٗ فِىْ طَلَبِ الْمَآءِ''. میں نے فلاں آدمی کو پانی کی تلاش میں پہلے بھیج دیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو پانی کی تلاش میں آگے بھیج دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ ان کو دوزخ میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا اور اس میں چھوڑ دیا جائے گا' یہ ''اَفْرَطْتُ فُلَانًا خَلْفِىْ'' سے ماخوذ ہے' میں فلاں آدمی کو اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہوں' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو پیچھے چھوڑ کر بھلا دیا جائے اور مکسور مخفف (رَا کے نیچے بغیر شد زیر ہو) کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ وہ گناہوں میں بہت زیادتی کرنے والے تھے یعنی بہت زیادہ گنہگار تھے اور مشدد کی صورت میں معنی ہوگا کہ وہ اطاعات میں بہت کوتاہی کرنے والے تھے' یعنی قصوروار تھے]۔

٦٣- ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ قسم خدا کی! بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف (رسولوں کو) بھیجا یعنی ہم نے آپ سے پہلے تمام امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا [اصل میں ''اَرْسَلْنَا رُسُلًا'' ہے] ﴿ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ سو شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال کو آراستہ اور خوبصورت بنا کر پیش کیا (یعنی) ان کے کفر و شرک اور پیغمبروں کی تکذیب کو ان کے لیے آراستہ کر دیا ﴿ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ ﴾ پس آج وہ ان کا دوست ہے یعنی دنیا میں وہ ان کا ساتھی بنا ہوا ہے' جو دھوکے سے ان کو گمراہ کرنے کے لیے دوست بن گیا ہے یا یہ ضمیر قریش کے مشرکین کی طرف لوٹتی ہے یعنی شیطان نے کفارِ مکہ کے لیے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے' پس شیطان ان کا دوست بنا ہوا ہے کیونکہ یہ لوگ بھی انہیں گزشتہ کفار میں سے ہیں یا مضاف محذوف ہے یعنی شیطان آج بھی انہیں جیسے لوگوں کا دوست بنا ہوا ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور قیامت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

٦٤- ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل نہیں کیا مگر اس لیے تاکہ آپ ان لوگوں کے لیے واضح بیان فرما دیں ﴿ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ جس میں انہوں نے اختلاف برپا کر رکھا ہے' اور وہ

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے کیونکہ ان میں کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ اور (قرآن مجید) گمراہی کی بجائے ہدایت دینے اور عذاب کے بجائے رحمت دینے کے لیے نازل کیا گیا ہے [اور یہ دونوں "لِتُبَيِّنَ" کے محل پر معطوف ہیں مگر یہ دونوں مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب (آخر میں زبریں) ہیں کیونکہ یہ دونوں "اَنْزَلَ الْكِتَابَ" کے فعل ہیں اور "لِتُبَيِّنَ" پر لام اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ فعل مخاطب ہے" "مُنَزِّل" کا فعل نہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان دار قوم کے لیے۔

٦٥- ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو اس کے ذریعے مردہ زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیا' بے شک اس میں ایسی قوم کے لیے ضرور عبرت حاصل کرنے کی نشانی ہے جو عدل و انصاف اور غور و فکر اور تدبر کے ساتھ سنتی ہے کیونکہ جو قوم سچے دل سے نہیں سنتی تو گویا وہ سنتی ہی نہیں ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے' ان کے پیٹوں کے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوتا ہےO اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں سے رَس نکال کر تم نبیذ اور عمدہ رزق بناتے ہو' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانی ہےO اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں الہام فرمایا کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھتوں میں اپنے گھروں کو بناO

## جانوروں کے فوائد سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

٦٦- ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ﴾ اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور عبرت ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں سے (خالص دودھ) پلاتے ہیں۔ [نافع مدنی اور ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں نون پر زبر کے ساتھ "نَسْقِيْكُمْ" ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ "سَقَيْتُهٗ" اور "اَسْقَيْتُهٗ" کا ایک ہی معنی ہے کہ میں نے اسے پانی پلایا۔ علامہ سیبویہ نے "اَلْاَنْعَام" کو اسمائے مفردہ میں ذکر کیا ہے' جو افعال پر وارد ہوتے ہیں اور اس لیے اس کی طرف ضمیر مفرد لوٹائی گئی ہے (کہ اسم جمع ہے' لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے) لیکن (فِيْ بُطُوْنِهَا) سورۂ مؤمنین: ٢١ تو یہ اس لیے ضمیر مؤنث لائی گئی ہے کہ اس کا معنی جمع کا ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ عبرت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ تو فرمایا کہ ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے (خالص دودھ) پلاتے ہیں ﴿مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا﴾ گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ یعنی اللہ تعالیٰ دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان وسط میں پیدا کرتا ہے کہ یہ دونوں اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دودھ کے درمیان اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور آڑ ہے جس کی وجہ

سے گوبر اور خون دودھ کے ساتھ نہ رنگ میں مکس ہوتا ہے اور نہ ذائقے میں اور نہ ہوا میں مکس' بلکہ یہ دودھ ان سب چیزوں سے پاک' صاف اور خالص ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب جانور چارا اور گھاس وغیرہ کھاتا ہے تو یہ چارا اس کے اوجھ میں ٹھہرا رہتا ہے' جس کو اوجھ خوب پکا دیتا ہے' پھر اس کے نچلے حصہ میں گوبر جمع ہو جاتا ہے اور اس کے درمیان میں دودھ جمع ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر والے حصے میں خون جمع ہوتا ہے اور جگر ان تینوں اقسام پر مسلط ہوتا ہے اور ان کو تقسیم کرتا ہے' پس خون رگوں میں رواں دواں ہو جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں اتر آتا ہے اور گوبر اوجھ میں باقی رہ جاتا ہے' پھر نیچے اترتا ہے اور اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے اور حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی سے اخلاص کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کو تمام عیبوں سے ممتاز و خالص اور علیحدہ رکھا جائے جیسے دودھ کو گوبر اور خون سے خالص' پاک اور دور رکھا جاتا ہے ﴿سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ﴾ پینے والوں کے لیے خوشگوار اور حلق میں سہولت کے ساتھ اترنے والا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص دودھ پینے سے نہ کبھی تنگ ہوتا ہے اور نہ اس سے کبھی اکتاتا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''مِنْ'' (''مِمَّا'' میں) تبعیض کے لیے ہے کیونکہ دودھ بعض جانوروں کے پیٹوں سے نکلتا ہے (یعنی صرف مادہ جانور جیسے گائے' بھینس' بکری اور بھیڑ) اور دوسرا ''مِنْ'' (مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ میں) ابتداء کے لیے ہے]۔

٦٧۔ ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ﴾ [اور اس کا متعلَّق محذوف ہے' جس کی اصل ''وَنُسْقِیْکُمْ مِّنْ ثَمَرَاتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ'' ہے] اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں سے یعنی اس کے نچوڑ اور جوس میں سے پلاتے ہیں اور اس کو حذف اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے ''نُسْقِیْکُمْ'' اس پر رہنمائی کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا﴾ تم اس سے نبیذ اور مشروب تیار کرتے ہو' پلانے کے معنی کا بیان اور اس کا اظہار ہے [یا ''تَتَّخِذُوْنَ'' اور ''مِنْهُ'' ظرف کے تکرار کے ساتھ تاکید کے لیے ہیں اور ''مِنْهُ'' میں ضمیر محذوف مضاف کی طرف لوٹتی ہے اور وہ عصیر یعنی پھلوں کا نچوڑ اور جوس ہے اور ''سکر'' سے شراب مراد ہے' اس کو مصدر کا نام دیا گیا ہے اور یہ ''سَكِرَ سُكْرًا وَسَكَرًا'' جیسے ''رُشْدًا وَرَشَدًا'' سے ماخوذ ہے] پھر اس میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ آیت مبارکہ شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے یہ اب منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ اس کو عتاب اور احسان کے درمیان جمع کر دیا گیا ہے (حرمت سے پہلے احسان اور حرمت کے بعد عتاب ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''سکر'' سے نبیذ مراد ہے اور یہ تازہ انگور اور کشمش اور کھجوروں کا نچوڑ نکال کر پکایا جاتا ہے' جب خوب پک جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا دو تہائی جل جاتا ہے' ایک تہائی رہ جاتا ہے تو اسے آگ سے اتار کر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ خوب گاڑھا ہو جاتا ہے اور یہ نبیذ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نشہ آور ہونے سے پہلے تک حلال ہے لیکن جب اس میں نشہ آ جائے گا تو پھر حرام ہو جائے گی اور ان دونوں حضرات نے اسی آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے' دوسرا استدلال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عالی شان فرمان ہے کہ شراب بعینہٖ (ہر حال میں) حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''سَكَرًا'' اپنی نعمتوں میں بطور احسان بیان کیا ہے ﴿وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ اور بہترین رزق اور وہ ہے سرکہ اور شیرہ اور خشک کھجوریں اور چھوہارے اور کشمش وغیرہ وغیرہ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے سبق آموز نشانی ہے۔

٦٨۔ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی (یعنی اس کی طرف الہام فرمایا) ﴿اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا﴾ کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا۔ [یہ ''اَنْ'' مفسرہ ہے کیونکہ وحی کرنا قول پر مشتمل ہوتا

ہے۔ زجاج نے کہا: "نَحْلٌ" کا واحد "نَحْلَةٌ" ہے جیسے "نَخْلٌ" کا واحد "نَخْلَةٌ" ہے اور اسی اعتبار سے فعل مؤنث لایا گیا ہے ]﴿ وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴾ اور درختوں اور چھتوں پر اور جو گھر کی چھتوں سے بھی بلند یا شہر کی مکھی کے لیے لوگ پہاڑوں اور درختوں میں اور گھروں میں ایسے مقامات تیار کرتے ہیں جن میں شہد کی مکھیاں شہد تیار کرتی ہیں [اور "مِنَ الْجِبَالِ" اور "مِنَ الشَّجَرِ" اور "مِمَّا يَعْرِشُوْنَ" میں حرفِ "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے کیونکہ شہد کی مکھیاں اپنے گھر ہر پہاڑ اور ہر درخت اور ہر بلند مقام چھت وغیرہ میں نہیں بناتیں اور "يَعْرِشُوْنَ" میں ضمیر "النَّاسَ" کی طرف لوٹتی ہے۔ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "رَا" پر پیش (يَعْرُشُوْنَ) ہے]۔

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ ع ٥ ١٥

پھر تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھایا کر' اور تو اپنے پروردگار کے راستوں پر نرمی سے چلا کر' ان کے پیٹوں سے مشروب تیار ہو کر نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا' پھر وہی وقت آنے پر تمہیں اٹھا لے گا' اور تم میں سے بعضوں کو کمزور ترین عمر تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کسی چیز کو نہ جانیں' بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے O

٦٩-﴿ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ پھر تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا' یعنی پہلے تو اپنے گھر بنا لے' پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے جو جی چاہے کھا اور جب تو پھل کھا لے ﴿ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ﴾ تو اپنے رب تعالیٰ کے نرم و آسان راستوں میں داخل ہو جا اور تو ان راستوں میں داخل ہو جا جو اللہ تعالیٰ نے تجھے الہام فرما دیئے ہیں اور شہد بنانے کے عمل میں نے تجھے اچھی طرح سمجھا دیئے یا یہ کہ جب تو اپنے گھروں سے دور دراز جگہوں میں جا کر پھلوں میں سے کھا لے تو پھر تو اپنے گھروں کی طرف اپنے رب تعالیٰ کے نرم و آسان راستوں پر لوٹ کر روانہ ہو جا کہ ان راستوں میں تو بھٹک نہیں سکے گی ﴿ ذُلُلًا ﴾ ["ذلول" کی جمع ہے اور "سُبُل" سے حال ہے ] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو نرم کر دیا ہے اور ان کو آسان بنا دیا ہے [یا یہ "فَاسْلُكِىْ" کی ضمیر سے حال ہے ] یعنی تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق بغیر رکاوٹ کے عاجز و فرماں بردار بن کر اپنے گھروں کو روانہ ہو جا ﴿ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ ﴾ ان کے پیٹوں سے میٹھا مشروب تیار ہو کر نکلتا ہے' اس سے شہد مراد ہے کیونکہ یہ بھی انہیں چیزوں میں سے ہے جنہیں پیا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کو اپنے مونہوں سے اپنے گھروں میں (مسدس چھتوں میں) ڈال دیتی ہیں ﴿ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾ اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' ان میں سے بعض سفید ہوتے ہیں اور بعض زرد ہوتے ہیں اور بعض سرخ ہوتے ہیں' سفید شہد نوجوان مکھیوں سے تیار ہوتا ہے اور زرد رنگ کا شہد انتہائی بوڑھی مکھیوں سے تیار ہوتا ہے اور سرخ درمیانہ عمر کی مکھیوں سے تیار ہوتا ہے یا پھر غذاؤں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے اس کے رنگ مختلف ہوتے

ہیں ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے کیونکہ یہ بھی تمام مفید و نفع بخش دواؤں میں ایک اہم دوائی ہے اور معجونوں میں سے بہت ہی کم معجون ہیں جن کے مرکبات میں طبیبوں نے شہد کا ذکر نہ کیا ہو اور یہ مقصد بھی نہیں کہ شہد ہر بیمار کے لیے شفا ہے جیسا کہ ہر دوا اس طرح نہیں ہوتی اور اس کو نکرہ لانے میں اس شہد کی عظمت کا اظہار ہے جس میں شہد شامل ہو یا اس لیے کہ اس میں تمام بیماریوں کی شفاء نہ سہی لیکن اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفاء ہے' کیونکہ [ نکرہ اثبات میں مخصوص ہوتا ہے عام نہیں ہوتا ] اور ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کا پیٹ خراب ہو گیا ہے' اسے اسہال کی بیماری لگ گئی ہے' آپ نے فرمایا: جا! اسے شہد پلا دے' وہ گیا اپنے بھائی کو شہد پلایا لیکن مرض اور بڑھ گیا اور اس نے واپس آ کر عرض کی: حضور! میرے بھائی کی بیماری شہد پلانے سے مزید ہو گئی' آپ نے فرمایا: جا! اسے اور شہد پلا دے' وہ گیا اور اسے مزید شہد پلا دیا لیکن آرام کی بجائے بیماری اور بڑھ گئی تو وہ شخص تیسری بار واپس آیا اور حضور سے عرض کی: بیماری تو بڑھتی جا رہی ہے' حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے' جاؤ! اسے شہد پلاؤ' وہ واپس چلا گیا اور جا کر اپنے بھائی کو شہد پلایا تو اب وہ بالکل تندرست اور صحیح ہو گیا[1] اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شہد ہر جسمانی بیماری کا علاج ہے اور قرآن مجید تمام قلبی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے' لہٰذا تم دو شفا یاب کرنے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لو ایک قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرا شہد کا استعمال' اور رافضیوں کی بدعات میں سے ایک بدعت (یعنی شیعوں کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک من گھڑت کہانی) یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ''نحل'' (شہد کی مکھیاں) سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی قوم مراد ہے اور خلیفہ مہدی کے پاس ایک رافضی نے کہا کہ ''نحل'' سے صرف بنو ہاشم مراد ہیں جن کے پیٹوں میں سے علم نکلتا ہے تو اس سے وہاں موجود سنی آدمی نے کہا: پھر تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا کھانا اور پینا اس میں سے بنایا ہے جو ان کے پیٹوں میں سے نکلتا ہے' یہ بات سن کر خلیفہ مہدی خوب زور سے ہنسا اور اپنے باپ منصور کو بیان کیا تو اس طرح لوگوں نے اس من گھڑت کہانی کو مسخرے لطیفوں میں سے ایک مسخرہ ہنسا دینے والا لطیفہ قرار دے دیا ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

۷۰- ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا' پھر وہی تمہیں وفات دے گا کہ تمہارے بدنوں سے تمہاری روحیں قبض کرے گا ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ اور تم میں سے بعض کو عمر کے ضعیف ترین حصے تک پہنچایا جاتا ہے' (یعنی) عمر کے خسیس ترین اور اس کے حقیر ترین حصے تک پہنچایا جاتا ہے اور وہ عمر پچھتر سال یا اسّی سال یا نوے سال ہے ﴿ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ﴾ تا کہ وہ علم رکھنے کے بعد بھی کچھ نہ جان سکے' (یعنی) تا کہ جو کچھ جانتا ہے اسے بھول جائے گا یا تا کہ اپنے علم سے زیادہ کچھ نہ جان سکے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے کہ وہ کامل زندگی میں ارذل و خبیس ترین زندگی کی طرف پھیرنے کے فیصلے کو یا زندگی سے فنا کی طرف پھیرنے کے فیصلے کو خوب جانتا ہے ﴿ قَدِيْرٌ ﴾ جس طرح وہ چیزوں کو چاہتا ہے بناتا ہے' اسی طرح وہ جو چاہتا ہے اس کو تبدیل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ

1 رواہ البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۴ فی الطب' مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۷ فی السلام

عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً
وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے رزق کے معاملے میں تم میں سے بعض کو بعض پر برتری عطا کی ہے' تو جنہیں مالی برتری عطا کی گئی ہے وہ اپنا رزق ان لوگوں کو لوٹانے والے نہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں' تو پھر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس ہی سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا' تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں O

## مختلف انعامات وامثال بیان کرنے کے ذریعے شرک سے ممانعت

٧١- ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملے میں فضیلت بخشی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کے معاملے میں ایک دوسرے سے متفرق بنایا ہے' سو تمہارا رزق اس رزق میں سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے جو تمہارے خادموں' نوکروں' غلاموں اور لونڈیوں کو دیا گیا ہے' حالانکہ وہ تمہاری طرح انسان ہیں ﴿فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ تو جنہیں رزق میں فضیلت دی گئی ہے وہ یعنی مالک و آقا حضرات اپنا رزق اپنی ملکیت میں رکھنے والے غلاموں اور لونڈیوں کو (اسی طرح آجر و صنعت کار' دولت مند حضرات اپنے مزدوروں اور نوکروں کو اپنا رزق) دینے والے نہیں ہیں' پس مناسب یہی تھا کہ جو رزق تمہیں زائد دیا گیا ہے وہ تم ان کو لوٹا دیتے تاکہ لباس میں اور خوراک (نیز رہائش) میں مساوات قائم ہو جاتی ﴿فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ تو رزق کے معاملے میں وہ بھی تمہارے مساوی ہو جاتے' اس طرح سب کے سب برابر و یکساں ہو جاتے۔ [یہ جملہ اسمیہ ہے جو جملہ فعلیہ کی جگہ پر واقع ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''فَا'' کے ساتھ نفی کا جواب ہے] اس کی مقدر عبارت اس طرح ہے: (''فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ.) ''فَيَسْتَوُوْا مَعَ عَبِيْدِهِمْ فِي الرِّزْقِ''. پس جن لوگوں کو مال و دولت میں فضیلت و برتری دی گئی ہے وہ اپنے رزق اور مال اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں کو دینے والے نہیں کہ کہیں وہ رزق کے معاملے میں اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں کے برابر ہو جائیں' اور یہ مثال اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے بیان کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے کئی شریک ٹھہرا رکھے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اور اپنے غلاموں کے درمیان اس نعمتِ رزق میں مساوات و برابری کو نہیں چاہتے ہو جو یہ نعمت میں نے تمہیں عطا کی ہے اور نہ تم ان کو اس میں شریک اور حصہ دار قرار دیتے ہو اور نہ تم اسے اپنے لیے پسند کرتے ہو تو پھر تم میرے بندوں کو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر کیوں اور کیسے راضی ہو گئے ہو؟ ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ پس اس کو بھی نعمت کے انکار میں سے قرار دیا گیا ہے [قاری ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ (تَجْحَدُوْنَ) ہے]۔

٧٢- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے یعنی تمہاری جنس میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ اور اس نے تمہاری بیویوں میں سے تمہارے لیے بیٹے' پوتے

اور نواسے وغیرہم بنائے۔ ''حَفَدَة''، ''حَافِد'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اطاعت گزار اور خدمت گزار یعنی جو اطاعت وفرماں برداری اور خدمت کے کاموں کو جلد انجام دے اور قنوت میں دعا کرنے والے کا قول اسی معنی کے لیے ماخوذ ہے: ''وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ''۔ اور ہم تیری طرف ہی کوشاں رہتے ہیں اور صرف تیری خدمت بجالاتے ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہے؟ پھر بعض نے کہا کہ اس سے بیٹیوں کے سسرالی رشتہ دار مراد ہیں (جیسے داماد' نواسے نواسیاں' بیٹی کی ساس' سسر وغیرہم) اور بعض نے کہا کہ اس سے اولاد کی اولاد مراد ہیں (یعنی پوتے اور پوتیاں) اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری نسل کو خادم بنا دیا ہے جو تمہاری حاجات وضروریات اور تمہارے فوائد و مصالح کے کاموں میں تمہاری خدمت کرتے ہیں اور تمہاری مدد کرتے ہیں ﴿وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور اس نے تمہیں پاک اور عمدہ رزق عنایت فرمایا ہے یعنی پاکیزہ اور عمدہ رزقوں میں سے بعض عنایت کیا ہے کیونکہ تمام عمدہ اور پاکیزہ رزق جنت میں ملیں گے اور دنیا میں عمدہ اور پاکیزہ رزق اس کا نمونہ ہے ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں؟ اور وہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت ان کو نفع دیتے ہیں اور وہی قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے ﴿وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت یعنی دینِ اسلام کا وہ انکار کرتے ہیں یا پھر باطل سے شیطان اور نعمتِ الٰہی سے حضور سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ مراد ہیں یا باطل سے بحیرہ اور سائبہ اور حام اور وصیلہ وغیرہم جیسے جانوروں کو حرام قرار دینا مراد ہے' جن کی حرمت شیطان مردود نے ان کے دلوں میں راسخ اور آراستہ کر دی تھی اور نعمتِ الٰہی سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال قرار دی ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ان کے لیے رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں○ سو تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو' بے شک اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے○ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو اپنے مالک کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور (دوسرا) وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرمایا ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے' کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)؟ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے○

٧٣- ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو

چھوڑ کر ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ان کے لیے رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتے یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور وہ بے جان مورتیاں ہیں جو رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتیں [اور ''رِزْقًا'' مصدر کے معنی میں ہے یا مفعول کے معنی میں ہے' اگر مصدر کے معنی میں ہے تو پھر ''شَیْئًا'' اس سے بدل ہے' بہر حال مطلب یہ ہے کہ ان کے باطل معبود بت رزق کا مطلق کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور معنی مصدر کی صورت میں ''مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' رزق کا صلہ ہوگا یعنی ان کے معبودانِ باطلہ نہ آسمانوں سے بارش برسا سکتے ہیں اور نہ زمین سے سبزہ اور کھیتیاں وغیرہ اُگا سکتے ہیں اور اگر ''رِزْقًا'' بہ معنی ''مَرْزُوْق'' ہو تو یہ اس کی صفت ہوں گے اور ''لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ'' میں ''هُمْ'' ضمیر کلمہ ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَا'' معنی کے اعتبار سے جمع ہے کہ اس سے ''اٰلِهَة'' مراد ہیں اور ''لَا یَمْلِكُ'' میں واحد ضمیر ''مَا'' کی طرف لفظ کے اعتبار سے لوٹتی ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان کے معبودانِ باطلہ نہ تو رزق کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ ان کے لیے رزق کا اختیار ممکن ہے اور نہ ان سے یہ حاصل ہو سکتا ہے ﴿ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴾ اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔

۷۴- ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں نہ گھڑو' اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق کی مثال بیان نہ کرو کیونکہ اس کی مثال نہیں' وہ بے مثل و بے مثال ہے' لہٰذا تم اس کے لیے شریک نہ ٹھہراؤ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مخلوق میں سے اس جیسا کوئی نہیں ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم اس حقیقت کو نہیں جانتے یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس طرح مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور تم اس کو نہیں جانتے مگر پہلی وجہ بہتر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا:

۷۵- ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو کسی آقا کی ملکیت میں ہو خود کچھ نہیں کر سکتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے بہترین رزق عنایت کیا ہے تو وہ شخص اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا رہتا ہے۔ [اس میں ''عَبْدًا'' ''مَثَلًا'' سے بدل ہے اور ''سِرًّا وَّجَهْرًا'' دونوں مصدر ہیں اور محلاً حال واقع ہو رہے ہیں] یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے میں تمہاری یہ مثال بیان کی گئی ہے جیسے کوئی شخص ایک مملوک و عاجز اور بے اختیار غلام کو ایک آزاد مالک و مختار جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے دن رات تصرف و اختیار استعمال کر کے جس قدر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے کے برابر و شریک قرار دے دے اور عبد کو مملوک کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے تا کہ وہ آزاد سے ممتاز ہو جائے کیونکہ عبد کا نام دونوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ''لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ'' کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے تا کہ مکاتب اور ماذون غلاموں سے ممتاز ہو جائے کیونکہ وہ دونوں روزمرہ کے کاموں میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں [اور (مَنْ) موصوفہ ہے یعنی ایسا آزاد شخص جس کو ہم نے رزق عنایت کیا ہے یا پھر موصولہ ہے] ﴿ هَلْ یَسْتَوٗنَ ﴾ کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جمع کے ارادے سے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے یعنی وہ دونوں قبیل برابر نہیں ہو سکتے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے' کہ تمام محامد اور تمام قسم کی عبادات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ

ع ٢ / ١٢

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾

اور اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ہے کہ ان دو میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے' وہ اس کو جس طرف بھیجتا ہے وہ کبھی صحیح کام کر کے نہیں لاتا' تو کیا یہ شخص اور وہ شخص برابر ہو جائے گا' جو انصاف کا حکم دیتا ہے' اور وہ خود سیدھے راستے پر قائم ہے O اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب' اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے کی مانند ہوگا یا اس سے زیادہ قریب ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے O

٧٦- ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ ''اَبْكَمُ'' پیدائشی گونگے کو کہا جاتا ہے' اس لیے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتا (کیونکہ گونگا شخص بہرا بھی ہوتا ہے) اور نہ اس کی بات سمجھی جا سکتی ہے ﴿ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ﴾ اور وہ اپنے مالک اور آقا پر بوجھ ہوتا ہے یعنی وہ ایک بھار ہوتا ہے اور وہ اپنے مربی پر وزن ہوتا ہے جو اس کے کام کا متولی و ذمہ دار ہوتا ہے اور جو اس کی معاشی کفالت کرتا ہے ﴿ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ﴾ اس کو جہاں کوئی بھیج دے اور اس کو کسی حاجت و ضرورت کی طلب میں روانہ کر دے یا کسی مہم کی کفالت میں بھیج دیا جائے تو وہ کوئی نفع اور بھلائی نہیں لائے گا اور نہ وہ کامیاب ہو کر لوٹے گا ﴿ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ کیا ایسا شخص اور وہ شخص جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے' صحیح و سلامت حواس کا مالک ہے' نفع بخش ہے' کفالت کرنے والا ہے' رشد و ہدایت اور دیانت داری کا حامل ہے' پھر وہ عدل و انصاف کے ساتھ خیر و بھلائی کا حکم دیتا ہے' برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور وہ بذاتِ خود سیدھے راستے پر قائم ہے اور نیک کردار ہے' پکا دین دار ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری مثال اپنی ذات کے لیے کفار کے بتوں کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی رحمتوں اور اپنی نعمتوں کے آثار برساتا رہتا ہے اور جب کہ کفار کے بتوں کی یہ حالت ہے کہ وہ محض بے جان مردہ جماد ہیں' نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں۔

## شانِ الٰہی اور انعاماتِ الٰہی کا بیان

٧٧- ﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کا غیب ہے' یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو علوم بندوں سے غائب اور پوشیدہ ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے علوم بندوں سے پوشیدہ ہیں یا آسمانوں اور زمینوں کے غیب سے قیامت کا دن مراد ہے کیونکہ قیامت کا علم تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں سے پوشیدہ ہے' ان میں سے کوئی بھی اس سے آگاہ نہیں ہے[1]

[1] واضح رہے کہ عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم قیامت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مخفی اور پوشیدہ امور میں سے ہے جس کے وقوع کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور اس پر کسی کو مطلع (آگاہ) نہیں فرمایا' ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے: ''وَالَّذِيْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ'' اور جس چیز پر ایمان لانا واجب و فرض ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات (یعنی پوشیدہ چیزوں) کا علم عطا فرما دیا جو دنیا و آخرت میں حاصل ہونے والے تھے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مغیبات کو یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں موجود ہے' آپ نے فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ ﴾ اور قیامت کا معاملہ قریب ہونے میں اور قیام و وقوع ہونے میں نہیں ہوگا مگر آنکھ جھپکنے کی مانند جیسے آنکھ کی پلک اوپر اٹھا کر واپس اپنی جگہ پر رکھنے کی دیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال صرف اس لیے بیان کی ہے کہ قیامت کے زمانہ کو اس سے کم وقت میں نہیں پہچانا جاتا ﴿ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ﴾ یا وہ یعنی قیامت کا معاملہ زیادہ قریب ہے اور یہ مخاطب کے شک کے لیے نہیں ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ قیامت کا قیام آنکھ جھپکنے کی دیر میں یا اس سے بھی کم وقت میں ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ ''اَوْ'' بہ معنی ''بَلْ'' ہے (اور معنی یہ ہے کہ) بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ قریب وقت میں وقوع پذیر ہو جائے گی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' اس لیے وہ قیامت کے قائم کرنے پر اور تمام مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر پوری قدرت رکھتا ہے' کیونکہ یہ اس کے بعض مقدورات میں سے ہے' پھر اس کے بعد آنے والی آیات میں دلائل اللہ تعالیٰ کی قدرت پر مزید دلالت کرتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے' اور اس نے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل بنائے' تاکہ تم شکر ادا کرو O کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں حکم کے تابع رہتے ہیں' انہیں صرف اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں O

۷۸۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں الف کے نیچے زیر اور میم پر زبر (اِمَّهَاتِكُمْ) ہے' نون کے زیر کی پیروی میں الف کے نیچے زیر دیا گیا ہے' اس لیے قاری حمزہ کی قراءت میں الف اور میم دونوں کے نیچے زیر پڑھا گیا ہے اور ''اُمَّهَاتِ'' میں حرفِ ''هَا''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا: ''رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰی كَفِّیْ هٰذِهٖ''. تمام دنیا اٹھا کر میرے سامنے کر دی گئی اور میں نے اس میں سب کچھ اس طرح دیکھ لیا جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں' اور احادیثِ مبارکہ میں یہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس میں جو کچھ ہے اور دوزخ اور اس میں جو کچھ ہے سب سے حضور کو آگاہ فرما دیا ہے اور یہ تواتر کی حد تک پہنچنے والی احادیثِ مبارکہ میں سے ہے ہیں لیکن آپ کو بعض علوم مخفی اور پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(تفسیر صاوی جزء ۲ ص ۱۰۴' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے جس کے متعلق لکھا کہ یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے' پھر کہا کہ میں نے امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ''هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ''. یہ صحیح حدیث ہے' چنانچہ اس حدیث مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا' یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے سینے میں پائی (فَتَجَلّٰی لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ) سو مجھ پر ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔ (زجاجۃ المصابیح ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹-۹۸۰)

زائد ہے جیسا کہ ''اَرَاق'' میں ''ھَا'' کو زیادہ کیا گیا اور ''اَھْرَاق'' کہا جاتا ہے اور ''اُمَّھَات'' کے واحد میں (یعنی ''اُمٌّ'' میں ) ''ھَا'' کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا﴾ اس وقت تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ [یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی تم اس وقت اپنے منعم اور محسن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے جس نے تمہیں شکمِ مادر میں پیدا کیا ﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کانوں' آنکھوں اور دلوں کو پیدا کیا تا کہ تم شکر ادا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں تمہارے اندر نہیں جوڑیں مگر بطورِ آلات' اس جہالت کو دور کرنے کے لیے جس پر تم پیدا کیے گئے ہو اور علم وعمل حاصل کرنے کے لیے اور منعم کا شکر ادا کرنے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے اور اس کے دیگر تمام حقوق ادا کرنے کے لیے [اور ''اَفْئِدَةٌ''، ''فُؤَاد'' کی جمع ہے جیسے ''اَغْرِبَةٌ''، ''غُرَاب'' کی جمع ہے اور یہ قلت جموع میں سے ہے جو جمع کثرت کے قائم مقام استعمال ہوتی ہیں کیونکہ اس کے غیر میں سماع ثابت نہیں]۔

٧٩۔ ﴿اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ﴾ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ اڑنے کے لیے حکم خدا کے پابند رہتے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پروں کو اور ان کے موافق دوسرے اسباب کو پیدا کر دیا ہے۔ [ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (''اَلَمْ تَرَوْا فَھَلْ'' مخاطب) ہے] ﴿فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی فضا میں' (یعنی) زمین سے بلندی کی طرف اڑنے والا پرندہ ہوا میں بہت دور تک چلا جاتا ہے (کیونکہ ''جَوّ'' کا معنی ہوا ہے) ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ﴾ انہیں گرنے سے کوئی نہیں روکتا ماسوا اللہ تعالیٰ کے' وہی انہیں روک کر رکھتا ہے جب کہ وہ اپنے پروں کو سمیٹتے ہیں' کبھی انہیں کھول دیتے ہیں اور کبھی اپنے آپ فضا میں ٹھہر جاتے ہیں اور اس میں اس وہم کی نفی کی گئی ہے جو کسی کے تصور میں آ سکتا ہے کہ یہ پرندے شاید اپنے طبعی قویٰ کی خصوصیت کی وجہ سے اڑتے پھرتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں کہ بے شک تمام مخلوق اپنے خالق سے کسی صورت میں بھی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ
اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت گاہ بنا دیا اور اس نے جانوروں کی کھالوں میں سے تمہارے لیے گھر بنا دیئے جنہیں تم اپنے سفر و حضر کے دنوں میں ہلکا محسوس کرتے ہو' اور ان کی اون' ان کی پشم اور ان کے بالوں میں سے گھر کا سامان اور دوسری فائدے کی چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں ○ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق میں سے تمہارے لیے سائے بنائے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں اور اس نے کچھ ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کچھ ایسے لباس بنائے جو جنگوں میں تمہارا بچاؤ کرتے ہیں' اس طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے

تاکہ تم فرماں بردار مسلمان بن جاؤ○

۸۰- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھر بنائے (جنہیں تم اس کی توفیق سے اور اس کی زمین میں سے پتھروں اور مٹی کی کچی پکی اینٹوں سے اس کی سرزمین پر تیار کرتے ہو) ﴿سَكَنًا﴾ آرام گاہ [یہ ''فَعَلٌ'' بہ معنی مفعول ہے] یعنی ایسی جگہ جہاں آدمی سکون حاصل کرتا ہے اور کاروبار سے فراغت پا کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے [یہ ''بیت'' (رات بسر کرنے کا گھر) یا ''الف'' (راحت و تسکین کرنا) سے ماخوذ ہے] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے اور وہ چمڑے کے قبے، خیمے اور شامیانے وغیرہ ہیں (جنہیں خانہ بدوش اور مسافر اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور بہ وقتِ ضرورت استعمال کرتے ہیں) ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا﴾ جن کو تم زمین میں لگانے میں اور اکھیڑتے میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے اٹھانے میں کم وزن اور ہلکا پاتے ہو ﴿يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾ تم اپنے کوچ کرتے اور سفر کرتے وقت۔ [ابن عامر شامی اور کوفیوں کی قراءت میں عین ساکن ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں عین پر زبر ہے' بہر حال دونوں صورتوں میں ''ظعن'' کا معنی ہے: کوچ کرنا] ﴿وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ اور تم منزلوں میں ٹھہرنے کے وقت' اور معنی یہ ہے کہ چوپایوں کے چمڑوں سے تیار کردہ خیموں کے گھر سفر و حضر میں تمہارے لیے خفیف و کم وزن اور ہلکے ہوتے ہیں' لے جانے میں' لگانے اور اکھاڑنے میں آسانی رہتی ہے' اس لیے یہاں ''یوم'' وقت کے معنی میں ہے ﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ اور ان کی اون میں سے یعنی بھیڑ' دنبہ وغیرہ کی اُون ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ اور ان کے پشم یعنی اونٹ کے جسم کے بال ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ اور ان کے بال' اور بکریوں کے بال ﴿اَثَاثًا﴾ گھر کا سامان ﴿وَّمَتَاعًا﴾ اور دیگر مفید چیزیں ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ زمانے کی ایک مدت تک۔

۸۱- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان میں سے بعض کو تمہارے لیے سایا بنا دیا جیسے درختوں اور چھتوں کو سایا دار بنا دیا ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں غاریں بنا دیں۔ [''اَکْنَانًا''، ''کِنٌّ'' کی جمع ہے اور یہ ہر وہ جگہ ہے جہاں چھپا جا سکے جیسے کوہ' غار' گڑھا اور کمین گاہ] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے لباس بنائے اور وہ قمیصیں' کُرتے اور اُون کے تیار کردہ کپڑے اور السی سے تیار کردہ اور روئی سے تیار کردہ کپڑے ہیں ﴿تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ وہ تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں' اور وہ سردی میں بھی بچاتے ہیں مگر دو متضاد موسموں میں سے ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اہل عرب کے لیے گرمی سے بچنا زیادہ اہم تھا کیونکہ عرب میں سردی کا احتمال بہت کم ہوتا ہے ﴿وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسا لباس بھی بنایا ہے جو تمہیں جنگوں میں بچاتا ہے اور لوہے کی زرہیں جو تمہیں تمہارے دشمنوں کے ہتھیاروں سے بچاتی ہیں اور ''بَاْس'' کا معنی ہے: سخت لڑائی اور زبردست جنگ اور ''سربال'' عام ہے خواہ لوہے کا لباس ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو ﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ اس طرح تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار مسلمان ہو جاؤ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کی پہنچنے والی نعمتوں میں غور کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور تم اس کے اطاعت گزار و فرماں بردار بن جاؤ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا

ع ۱۱/۱۷

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا
الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٨٦﴾

پھر اگر یہ لوگ مُنہ پھیرلیں تو آپ کے ذمہ صرف بات کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے○ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں' پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ کافر ہیں○ اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے' پھر کافروں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان کی رضا طلب کی جائے گی○ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی○ اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شریک تجھے چھوڑ کر جن کی ہم عبادت کرتے تھے' تو وہ بت ان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو○

٨٢-﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ لوگ دین اسلام سے روگردانی کریں اور منہ پھیر لیں ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ تو آپ پر صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی اس کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ آپ کے ذمے پیغامِ الٰہی کو واضح طور پر پہنچانا ہے اور وہ آپ نے ادا کر دیا ہے۔

٨٣-﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ اپنی باتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو پہچانتے ہیں جو ابھی ہم نے مذکورہ بالا آیات میں گن گن کر بیان کی ہیں کیونکہ وہ بذاتِ خود اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بے شک یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ ہیں ﴿ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ پھر وہ اپنے افعال و اعمال اور اپنے کرتوتوں سے ان کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اپنے منعم و محسن کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں یا وہ سختی و مصیبت میں اقرار کرتے ہیں اور خوشحالی و صحت میں انکار کر دیتے ہیں ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ان میں سے بہت سے لوگ کافر ہیں' یعنی اکثر لوگ انعاماتِ الٰہیہ کے منکر ہیں' ناشکرے ہیں' اعتراف و اقرار نہیں کرتے یا ''نِعْمَةَ اللّٰهِ'' سے حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم شفیع امم رسول معظم ﷺ کی نبوت و رسالت مراد ہے جس کو وہ خوب پہچانتے تھے' پھر بغض و عناد کے سبب اس کا انکار کر دیتے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ منکر ہیں' اپنے دلوں سے انکار کرنے والے ہیں اور حرفِ (ثُمَّ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حصولِ معرفت کے بعد ان کا انکار کرنا بہت بعید از عقل ہے کیونکہ نعمت کی معرفت کا حق یہ ہے کہ اس کا اعتراف و اقرار کیا جائے نہ کہ انکار کیا جائے۔

## بروزِ قیامت انبیائے کرام کی گواہی اور کفار کی رسوائی

٨٤-﴿وَيَوْمَ﴾ [یہ ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] (یعنی اے محبوب!) اس دن کو یاد کیجئے جب ﴿نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کے پیغمبر کو اٹھائیں گے جو اپنی امت میں سے مسلمانوں کے حق میں ان کے ایمان لانے اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے کی گواہی دے گا اور اپنی امت میں سے کافروں کے خلاف ان کے کفر اختیار کرنے اور اپنے نبی کی تکذیب کرنے کی گواہی دے گا ﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر کافروں کو معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے پاس کوئی حجت اور دلیل پیش کرنے کے لیے نہیں ہوگی' پس یہی بات ترکِ اجازت کی دلیل ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی حجت نہیں ہو

گی اور نہ معذرت ہو گی ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ اور ان سے رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی یعنی انہیں یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر لو کیونکہ آخرت دار العمل (عمل کا گھر) نہیں ہے اور ''ثُمَّ'' کا معنی یہ ہے کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائے گا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی گواہیوں کے بعد انہیں سخت ابتلاء و امتحان میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ ان پر غضب نازل کیا جائے گا اور انہیں مقہور و مغلوب کیا جائے گا اور وہ یہ کہ انہیں بات چیت کرنے سے روک دیا جائے گا اور ان کو معذرت پیش کرنے اور حجت بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

٨٥- ﴿ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا ﴾ اور جب ظالم لوگ یعنی کافر لوگ دیکھیں گے ﴿ الْعَذَابَ ﴾ عذاب کو ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ﴾ تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا یعنی عذاب میں داخل کرنے کے بعد کافروں کا عذاب کم اور ہلکا نہیں کیا جائے گا ﴿ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ اور عذاب سے پہلے انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔

٨٦- ﴿ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ ﴾ اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے یعنی اپنے ان بتوں کو دیکھیں گے جن کی انہوں نے دنیا میں عبادت کی تھی ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا ﴾ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے شریک ہیں یعنی ہمارے معبود جن کو ہم تیرا شریک ٹھہراتے تھے ﴿ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ﴾ جن کو ہم پکارا کرتے تجھے چھوڑ کر یعنی جن کی ہم عبادت و پرستش کرتے تھے۔ [''نَدْعُوْا'' بہ معنی ''نَعْبُدُ'' ہے] ﴿ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ سو ان کے بت ان سے کہیں گے: بے شک تم ضرور جھوٹے ہو یعنی بت ان کو جواب دے کر جھوٹا قرار دے دیں گے کیونکہ وہ بے جان پتھر تھے' وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی کن لوگوں نے عبادت کی تھی اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ بت اللہ تعالیٰ کی شرک سے پاکی بیان کرتے ہوئے کفار کو جھٹلائیں گے کہ انہوں نے بتوں کے نام شریک اور معبود رکھ دیئے تھے۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع ١٢ ع ١٨

اور اس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور گردنیں جھکا دیں گے اور جو من گھڑت باتیں وہ کرتے تھے ان سے کھو جائیں گی ○ جنہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا تو ان کی نافرمانیوں کے سبب ہم ان پر عذاب پر عذاب بڑھا کر دگنی سزا دیں گے ○ اور اس روز ہم ہر امت میں انہیں میں سے ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا مکمل بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ○

٨٧۔﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۣالسَّلَمَ ﴾ اور جنہوں نے ظلم کیا تھا یعنی ظالم لوگ قیامت کے دن صلح ڈالیں گے یعنی صلح پیش کریں گے اور دنیا میں تکبر وغرور اور توحید ورسالت اور دینِ حق کے انکار کرنے کے بعد اب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے کا وعدہ کریں گے ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور ان سے ان کے وہ معبودانِ باطلہ گم ہو جائیں گے اور باطل وضائع ہو جائیں گے جن کے متعلق یہ ظالم کافر جھوٹ گھڑ کر کہتے تھے کہ بے شک یہ بت اللہ تعالیٰ کے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) شریک ہیں اور یہ ان کی مدد کریں گے اور ان کے لیے سفارش کریں گے جب کہ ان کے یہ بت (قیامت کے دن) ان کو جھٹلائیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

٨٨۔﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ وہ لوگ جو کفر وشرک اختیار کر کے خود بھی کافر ہوئے ﴿ وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور ان کو کفر اختیار کرنے پر ابھارا اور انہیں کفر کی رغبت دی ﴿ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾ ہم عذاب پر عذاب بڑھا کر ان کو زیادہ (ڈبل) سزا دیں گے یعنی انہیں ایک عذاب وسزا ان کے کفر اختیار کرنے پر دی جائے گی اور دوسرا عذاب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے پر انہیں دیا جائے گا ﴿ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو راہِ حق سے روکنے کے سبب (کفر وشرک کا) فساد پھیلاتے تھے۔

٨٩۔﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ انہیں میں سے ان پر اٹھائیں گے یعنی ہم ان کے نبی اور پیغمبر کو گواہی کے لیے بلائیں گے کیونکہ تمام امتوں کے پاس انہیں میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کو دینِ حق کی تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا رہا ﴿ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ اے (میرے محبوب!) محمد (ﷺ) ہم آپ کو آپ کی اس امت پر گواہ بنا کر لائیں گے (نیز ہم گزشتہ تمام امتوں پر اور ان کے گواہوں (پیغمبروں) پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے) ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور ہم نے دین اسلام کے تمام معاملات میں سے ہر ایک چیز کو مکمل اور واضح طور پر بیان کرنے کے لیے آپ پر کتاب نازل کی ہے لیکن منصوص احکام (صراحت کردہ احکام) تو وہ ظاہر ہیں اور اسی طرح جو احکام ومسائل سنت نبوی سے یا اجماع یا قولِ صحابہ یا قیاس سے ثابت ہیں کیونکہ تمام کا مرجع ومرکز اور منبع کتابِ الٰہی یعنی قرآن مجید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے رسول کی اتباع واطاعت کا ہمیں حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ''. (التغابن:١٢) ''اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسولِ کریم کی اطاعت کرو''۔ اور قرآن مجید میں اجماع کی پیروی کرنے کی ہمیں ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ''. (النساء:١١٥) ''اور جو لوگ نیک مسلمانوں کے اجماعی راستے کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کریں گے (وہ دوزخ میں جائیں گے)''۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی اتباع کو اپنی امت کے لیے پسند کیا اور فرمایا: ''اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ''[1] ''میرے صحابہ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ بن جاؤ گے اور بے شک صحابۂ کرام نے اجتہاد کیا اور قیاس کیا اور انہوں نے اجتہاد اور قیاس کے طریقے بیان کیے نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں قیاس کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ''. (الحشر:٢) ''اے حقیقت بین نگاہ رکھنے والو! عبرت حاصل کرو''۔ پس سنت اور اجماع اور صحابی کا قول اور قیاس سب کتاب اللہ کے بیان کے مظہر ہیں اور اسی کی طرف منسوب ہیں، جس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید ہر چیز کا مکمل اور واضح بیان ہے ﴿ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے یعنی حق کی راہنمائی کرتا ہے اور اہل حق کے لیے رحمت ہے اور ان

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٥٦٨٤، مسلم رقم الحدیث: ٢٢١٧

کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو (مالی مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بُرائی اور سرکشی سے روکتا ہے' وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرلو○ اور تم اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کیا کرو جب بھی تم کوئی عہد کرلو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو اور بے شک تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو○

## عدل واحسان اور عہد وحلف پورا کرنے کا حکم

٩٠-﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے' کہ تم اپنے درمیان حقوق میں برابری کے ساتھ انصاف کرو اور ظلم کو ترک کرو اور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو ﴿وَالْإِحْسَانِ﴾ اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے تم اس کے ساتھ نیکی کرو (یہی احسان ہے) یا ان دونوں میں عدل فرض ہے اور احسان مستحب ہے کیونکہ یہ لازمی بات ہے کہ فرض میں کہیں کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس کو مستحب عمل سے پورا کیا جائے گا ﴿وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہی صلہ رحمی ہے ﴿وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ اور وہ بے حیائی کے کاموں سے روکتا ہے یعنی ایسے گناہوں سے منع کرتا ہے جو قباحت وبُرائی میں بدترین ہوں ﴿وَالْمُنكَرِ﴾ اور بُرائی سے روکتا ہے' منکر ہر اس بُرائی کو کہا جاتا ہے جس کو عقل سلیم بُرا جانے ﴿وَالْبَغْيِ﴾ اور سرکشی سے روکتا ہے۔ ''بَغْی'' کا معنی یہ ہے کہ ظلم وستم اور تکبر وغرور کے ذریعے بڑھائی اور بغاوت طلب کرنا ﴿يَعِظُكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [یہ جملہ حال ہے یا جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے] ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ تا کہ تم نصیحت قبول کرلو اور تم اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرو اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب یہی آیت مبارکہ بنی تھی' چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیاء کی وجہ سے کیونکہ آپ بار بار مجھ پر اسلام پیش کرتے رہے' لیکن ایمان میرے دل میں راسخ اور مستحکم نہ ہوسکا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور میں اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا جس کی برکت سے ایمان میرے دل میں راسخ ہوگیا' پھر میں نے یہی آیت مبارکہ ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس کلام میں بلاشبہ بڑی مٹھاس ہے' یہ زبردست شیریں کلام ہے اور اس کلام میں بڑی کشش ہے اور یہ نہایت خوبصورت کلام ہے اور اس کا اوپر کا حصہ پھل دار ہے اور اس کا نیچے کا حصہ شاداب ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور ابوجہل نے کہا کہ بے شک ان کا معبود اچھے اخلاق کا حکم دیتا ہے اور یہ آیت مبارکہ پورے قرآن مجید میں خیر وشر (نیکی وبدی) کے لیے سب

سے زیادہ جامع آیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر خطیب منبر پر اپنے خطبہ کے آخر میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتا ہے تا کہ اس کا وعظ تمام احکام وممنوعات پر مشتمل ہو جائے۔

۹۱- ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کیا کرو جب تم عہد کرلو۔ اس سے بیعت اسلام مراد ہے جو اسلام قبول کرتے وقت اسلام قبول کرنے والا شخص رسول اکرم نبی معظم ﷺ سے بیعت کرتے ہوئے عہد کرتا کہ آئندہ تمام زندگی اسلام کے مطابق گزارے گا اور کبھی کفر وشرک اختیار نہیں کرے گا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ'' (الفتح:١٠) '' بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں''۔ ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾ اور تم بیعت کی قسموں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو [اور ''اَكَّدَ'' اور ''وَكَّدَ'' دونوں فصیح لغتیں ہیں اور واؤ اصل ہے اور ہمزہ اس کا بدل ہے] ﴿ وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن بنالیا ہے' گواہ اور نگران بنالیا کیونکہ کفیل اپنے مکفول بہٖ (جس شخص کی ذمہ داری لی گئی ہو وہ مکفول بہٖ ہوتا ہے) کے حال کی رعایت کرتا ہے' اس پر نگاہ رکھتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے' جو تم کرتے ہو' تم اپنے وعدے اور قسمیں پوری کرتے ہو یا انہیں توڑتے ہو' بہر حال وہ تمہیں اس کا بدلا دے گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت خوب پختہ کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' تم اپنی قسموں کو آپس میں خیانت وفساد کا ذریعہ نہ بناؤ کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (تعداد و مال میں) زیادہ ہو جائے' بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارا صرف امتحان لیتا ہے' اور وہ قیامت کے دن تمہارے سامنے ان باتوں کو ضرور واضح بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو○ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تم تمہیں ضرور ایک جماعت بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے' اور تم جو کچھ اعمال کرتے رہتے ہو سب کے بارے میں وہ تم سے ضرور پوچھے گا○

۹۲- ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ﴾ اور تم قسموں کے توڑنے میں اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت پختہ کاتنے کے بعد توڑ دیا یعنی اس عورت کی طرح جو پہلے بڑی محنت سے مضبوطی کے ساتھ کاتتی رہتی ہے پھر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور سب کاتا ہوا توڑ دیتی ہے اور اسے ﴿ اَنْكَاثًا ﴾ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ یہ ''نِكْثٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پختہ کاتنے کے بعد دھاگے کو کچا کر کے توڑ دینا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ریطہ بنت

عمرو تھی اور یہ بہت زیادہ بے وقوف اور وہمی عورت تھی' یہ صبح سے ظہر تک اپنی ساتھی ہمسائیوں کے ساتھ مل کر چرخہ کاتتی رہتی تھی' پھر دن بھر کا تمام کاتا ہوا سوت خود بھی توڑ دیتی اور اپنی سہیلیوں کو حکم دیتی کہ وہ بھی توڑ دیں ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا﴾ تم اپنی قسموں کو بہانہ بنا لیتے ہو [''اَيْمَانَكُمْ'' حال ہے جیسے ''اَنْكَاثًا'' حال ہے اور ''دَخَلًا'' ''تَتَّخِذُوْنَ'' کا مفعول ہے یعنی تم اپنی قسموں کو بہانہ بنانے کی خاطر نہ توڑو] ﴿بَيْنَكُمْ﴾ اپنے درمیان یعنی فساد و خیانت برپا کرنے کے لیے ﴿اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ﴾ اس سبب سے کہ ایک جماعت یعنی قریش مکہ کی جماعت یہ گنتی میں بھی زیادہ ہو جائے اور مال و دولت میں بھی اہل ایمان کی جماعت سے بڑھ جائے [''هِيَ اَرْبٰى'' مبتدا اور خبر ہو کر رفع کے محل میں ہیں اور ''اُمَّةٌ'' کی صفت ہیں اور خود ''اُمَّةٌ''، ''تَكُوْنُ'' کا فاعل ہے اور یہ فعل تامہ ہے اور ''هِيَ'' دو نکروں کے درمیان فاصلے کے لیے واقع نہیں ہے] ﴿اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہیں صرف آزماتا ہے [اور ضمیر مصدر کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تعداد و مال میں زیادہ قوم دکھا کر تمہیں آزماتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی وفا کی رسی کو اور رسول کریم ﷺ کے ساتھ بیعت کرتے وقت پختہ قسمیں اٹھانے کے عہد کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہتے ہو یا قریش مکہ کی کثرت اور ان کی مالی و عددی شان و شوکت اور مسلمانوں کی قلت اور ان کی غربت کو دیکھ کر دھوکہ کھاتے ہو ﴿وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے لیے واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو جب وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ثواب اور سزا کی صورت میں بدلا دے گا اور اس آیت مبارکہ میں ملّتِ اسلام کی مخالفت سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے۔

٩٣- ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ایک امت مؤحدہ مسلمہ بنا دیتا ﴿وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے' جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ یہ شخص گمراہی کو اختیار کرلے گا ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ یہ شخص ہدایت کو پسند کرے گا ﴿وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا جو عمل تم کرتے رہے ہو' پھر تمہارے اعمال کے موافق تمہیں بدلا دیا جائے گا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا
السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾
مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں خیانت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کوئی قدم جمنے کے بعد لڑکھڑا جائے' اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے سبب بُرائی کا مزہ چکھو گے' اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے○ اور تم تھوڑی سی قیمت پر اللہ تعالیٰ کے عہد کا سودا نہ کرو' بے شک جو اللہ کے پاس ہے صرف وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو

جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا' اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر وثواب ضرور عنایت کریں گے O

۹۴- ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ ﴾ اور تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان بہانہ اور آڑ نہ بنالو۔ یہاں قسموں کو آپس میں بہانہ بنانے سے صرف ان کو تاکید اور حلف وعہد کی عظمت واہمیت ظاہر کرنے کے لیے دوبارہ منع کیا گیا ہے ﴿ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا ﴾ کہ جمنے کے بعد قدم لڑکھڑا جائے' سو تمہارے قدم حجتِ اسلام سے اس پر قائم ہو جانے اور ثابت وجمنے کے بعد کہیں پھسل جائیں اور "قَدَمٌ" کو واحد نکرہ محض اس لیے لایا گیا ہے کہ جب راہِ حق سے ایک قدم کا حق پر ثابت رہنے اور جم جانے کے بعد پھسل جانا بہت بڑا خطرناک ہے تو زیادہ قدموں کا پھسل جانا کتنا بڑا جرم ہوگا ﴿ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ ﴾ اور تم دنیا میں بھی بدترین سزا کا مزہ چکھو گے ﴿ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اس کا سبب تمہارا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے (یعنی) بدترین عذاب کا سبب خود تمہارا دین اسلام سے نکلنا ہے یا تمہارا دوسرے لوگوں کو دین اسلام سے روکنا ہے کیونکہ جو لوگ جب بیعت اسلام کی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی عہد شکنی اور قسم شکنی کو اپنے غیروں کے لیے سنت اور نمونہ بنا دیتے ہیں جس پر چل کر دوسرے لوگ بھی عہد شکن ہو جاتے ہیں ﴿ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

۹۵- ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے عہد کا تھوڑی سی قیمت کے عوض سودا نہ کرو (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کے عہد اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کو دنیا کی حقیر دولت سے تبدیل نہ کرو' گویا مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک گروہ سے جب مکہ مکرمہ کے کافروں نے اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے کی صورت میں بڑے بڑے وعدے کیے اور انہوں نے قریش مکہ کا غلبہ دیکھا اور مسلمانوں کی کمزوری دیکھی اور گھبرا گئے' جس پر شیطان نے رسول اللہ ﷺ سے بیعتِ اسلام توڑ دینے کو ان کے لیے خوشنما بنا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے انہیں ثابت قدم رکھا (اور فرمایا:) ﴿ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت کا جو ثواب ہے وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے' اگر تم جانتے ہو۔

۹۶- ﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ﴾ تمہارے پاس دنیا کے سامان میں سے جس قدر مال ودولت ہے وہ سب کا سب ختم ہو جائے گا ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی رحمت کے خزانوں میں سے جو کچھ ہے وہ باقی رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور ہم ضرور صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب ان کے بہترین اعمال کے مطابق عنایت کریں گے' (یعنی) جن مسلمانوں نے مشرکین کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کیا اور اسلام کی خاطر مشقتیں اور مصیبتیں برداشت کیں' ان کو اچھے اعمال پر ان کے سب سے اچھے اعمال کے موافق اجر وثواب عنایت کیا جائے گا [ابن کثیر مکی اور عاصم کوفی کی قراءت میں نون کے ساتھ (وَلَنَجْزِيَنَّ) ہے ][1]

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

[1] جب کہ قنبل' ابن عامر شامی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابو عمرو' ابن ذکوان اور ہشام کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "وَلَيَجْزِيَنَّ" ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۲۹۵)

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع ١٣ ١١ ١٩

جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت ہو شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی عنایت فرمائیں گے اور ہم انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ثواب عطا فرمائیں گے O پھر جب تم قرآن مجید پڑھنا چاہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگو O بے شک مسلمانوں پر شیطان کو غلبہ حاصل نہیں رہتا اور وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں O بے شک اس کو ان لوگوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے جو اس کو دوست بنالیتے ہیں اور وہ اس کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک قرار دیتے ہیں O

## پاکیزہ زندگی اور تلاوت کے وقت تعوذ پڑھنے کا بیان

٩٧- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ جو آدمی نیک عمل کرے مرد ہو خواہ عورت ہو [''مَنْ'' کا کلمہ مبہم (غیر معین) ہے جو (مذکر و مؤنث کی) دونوں قسموں کو شامل ہے مگر بہ ظاہر مذکر کے لیے آتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى) کے ذریعے وضاحت بیان فرمادی تاکہ اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا وعدہ دونوں صنفوں کے لیے عام ہو جائے] ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ مؤمن ہو۔ ایمان شرط ہے کیونکہ کفار کے اعمال غیر معتبر ہیں' وہ کسی گنتی میں نہیں ہیں اور یہ ایمان کی شرط اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ پس ہم اسے پاکیزہ اور عمدہ زندگی عنایت کریں گے یعنی دنیا میں پاکیزہ اور عمدہ زندگی عطا کی جائے گی کیونکہ آخرت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم ضرور انہیں ان کا اجر و ثواب ان کے سب سے زیادہ نیک اعمال کے مطابق دیں گے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے اجر و ثواب کا وعدہ فرمالیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ''. (آل عمران: ١٤٨) ''پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی ثواب عطا فرمایا اور آخرت میں بھی بہترین ثواب عطا فرمائے گا'' اور یہ اس لیے کہ مؤمن نیک عمل کے ساتھ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو' پاکیزہ اور عمدہ زندگی گزارتا ہے' اگر خوشحال ہے تو ظاہر ہے لیکن اگر وہ تنگ دست و غریب ہے تو اس کے باوجود اس کی زندگی پاک اور سب سے اچھی ہوتی ہے اور وہ قناعت کی اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضا کی زندگی ہے لیکن فاسق و فاجر تو اس کا معاملہ برعکس ہوتا ہے' اگر وہ تنگ دست ہے تو ظاہر ہے اور اگر خوشحال ہے تو حرص و لالچ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا' وہ مسلسل اپنی زندگی کی فکر میں پریشان رہتا ہے اور بعض نے کہا کہ پاکیزہ زندگی سے قناعت مراد ہے یا اطاعت و عبادت کی لذت مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی معرفت مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا اور خالص مقام اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سچی آگاہی اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض و روگردانی مراد ہے۔

٩٨- ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ پھر جب آپ قرآنِ مجید پڑھنے لگیں (یعنی) جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ کرنے لگیں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگئے۔ [پھر ارادۂ فعل کو لفظ فعل کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اس کا سبب ہے اور ''فـا'' تعقیب (تاخیر) کے لیے ہے کیونکہ استعاذہ کے ساتھ شروع کی گئی قراءتِ مذکورہ نیک عمل میں سے ہے] ﴿مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان یعنی ابلیس لعین سے ﴿الرَّجِيْمِ﴾ مردود اور راندۂ درگاہِ الٰہی یا ملعون و پھٹکارا ہوا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب پڑھنے لگا تو میں نے کہا: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" (میں سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا کہ کہو: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" (میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں) مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ تعوذ اسی طرح پڑھائی تھی۔

۹۹- ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ﴾ بے شک اس کے لیے یعنی ابلیس کے لیے حاصل نہیں ہے ﴿سُلْطٰنٌ﴾ تسلط اور اختیار ﴿عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ ان لوگوں پر جو ایمان دار ہیں اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں، پس توکل کرنے والا مومن شیطان کے وسوسے اور اس کے شکوک وشبہات قبول نہیں کرتا۔

۱۰۰- ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ﴾ بے شک اس کا تسلط واختیار صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں اور اس کو اپنا حمایتی بنا لیتے ہیں اور اس کے وسوسے اور شکوک وشبہات قبول کر لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں ["بِهٖ" کی ضمیر رب کی طرف لوٹتی ہے یا شیطان کی طرف لوٹتی ہے یعنی شیطان کی وجہ سے شرک کرتے ہیں]۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ
اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ
عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور جب ہم نے ایک آیت کی جگہ کوئی اور آیت تبدیل کی، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا ہے اسے وہی بہتر جانتا ہے تو کافروں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اس کو پاک روح (حضرت جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہو O اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ بے شک وہ لوگ کہتے ہیں کہ یقیناً انہیں انسان سکھاتا ہے، وہ لوگ جس انسان کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے O

## قرآن مجید کے نسخ پر اعتراض کا جواب اور ہٹ دھرم کافروں کا انجام اور صابر و مہاجر مسلم کا انعام

۱۰۱- ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ﴾ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو تبدیل کرتے ہیں۔ ایک آیت کی جگہ اور آیت کو تبدیل کرنے سے نسخ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ احکام کے عوض دوسرے احکام نازل فرما کر پہلے احکام منسوخ کر دیتا ہے اور یہ کسی ایسی حکمت و مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے جسے خود اللہ تعالیٰ مناسب سمجھتا ہے اور یہی معنی ہے اس ارشاد کا کہ ﴿وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اُسے سب سے بہتر جانتا ہے جسے وہ نازل کرتا ہے [اور ابن کثیر کی اور

ابوعمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے "یُنْزِلُ" باب افعال سے) ہے] ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ کافروں نے کہا کہ یہ آپ خود اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرتے ہیں [اور یہ جملہ "اِذَا" کا جواب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ". جملہ معترضہ ہے] کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ بے شک (حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات حضرت) محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں' آج آپ انہیں ایک عمل کا حکم دیتے ہیں تو کل آنے والے دن میں آپ انہیں اس سے روک دیتے ہیں اور ان کے پاس اس سے نرم حکم لے کر آتے ہیں حالانکہ کفار جھوٹ بولتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح نرم کے عوض میں سخت حکم منسوخ کر دیتا تھا اسی طرح سخت حکم کے عوض نرم حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں بہت سے لوگ اس کے بارے میں حکمت ومصلحت کو نہیں جانتے۔

۱۰۲-﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اس کتاب کو پاک روح یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل کیا۔ "القدس" کی طرف اضافت کی گئی ہے جس کا معنی ہے: پاک' جیسا کہ کہا جاتا ہے: "حَاتِمُ الْجُوْدِ" سخی حاتم اور مراد "اَلرُّوْحُ الْمُقَدَّسُ" ہے تمام بشری کثافتوں سے سراپا پاک روح اور "حَاتِمُ الْجَوَّادِ" حاتم بہت زیادہ سخی ہے۔ مقدس کا مطلب ہے گناہوں سے پاک ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے' (یعنی) اس کے پاس سے اور اس کے حکم سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ [یہ حال ہے] یعنی حضرت جبریل نے اس کو نازل کیا درآں حالیکہ وہ حق و سچ ہے' حکمت کے موافق ہے ﴿لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے' اور تاکہ ان کو نسخ کے ذریعے آزمائے یہاں تک کہ جب وہ اس کے بارے میں یہی کہیں کہ یہ قرآن مجید اور اس میں نسخ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور سچ ہے اور حکمت کے موافق ہے کیونکہ حکیم ودانا صرف وہی کام کرتا ہے جو حکمت ودانائی اور صواب وسچائی پر مبنی ہوتا ہے تاکہ اہل ایمان کے قدموں کا ثبات اور یقین کی صحت اور دلوں کا اطمینان مستحکم ومضبوط ہو جائے ﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى﴾ [یہ دونوں مفعول لہ ہیں اور "لِیُثَبِّتَ" کے محل پر معطوف ہیں] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "تَثْبِیْتًا لَّهُمْ وَاِرْشَادًا وَّبِشَارَةً" قرآن مجید اہل ایمان کو ثابت رکھنے والا' رُشد و ہدایت دینے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے ﴿لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ مسلمانوں کے لیے ہے' اس میں اشارہ ہے کہ کفار کے لیے ان خصلتوں کی اضداد حاصل ہوتی ہیں۔

۱۰۳-﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ یقیناً کفار یہی کہتے ہیں کہ بے شک ان کو ایک انسان سکھاتا ہے۔ اس انسان سے کفارِ مکہ کی مراد حویطب کا غلام تھا جو اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا تھا اور اس کا اسلام بہت اچھا تھا' اس کا نام عائش یا یعیش تھا اور یہ صاحب کتاب تھا یا اس سے عامر بن حضرمی کا رومی غلام جبر مراد ہے یا دو غلام مراد ہیں: جبر اور یسار' یہ دونوں تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان سے تورات و انجیل سنا کرتے' جب وہ ان کی تلاوت کرتے یا حضرت سلمان فارسی مراد ہیں ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ﴾ کفارِ مکہ جس شخص کی طرف تعلیم کو منسوب کرتے ہیں' اس کی زبان عجمی ہے ﴿وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ اور یہ قرآن مجید خالص اور واضح عربی زبان ہے' یعنی کفار اپنی بات کو استقامت سے ہٹا کر جس شخص کی طرف تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں' اس کی زبان تو عجمی ہے' واضح اور صاف نہیں ہے اور یہ قرآن کریم صاف عربی زبان ہے جو واضح اور فصیح و بلیغ ہے' جس سے ان کا قول رد ہو گیا اور ان کا طعنہ دینا باطل ہو گیا [اور یہ جملہ میری مراد (لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ) ہے جس کے لیے اعرابی کوئی محل نہیں کیونکہ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جو کفارِ مکہ کی زبان درازی کا جواب ہے اور "لِسَانٌ" کا معنی زبان ہے اور "اَلْحِدَ الْقَبْرُ وَلَحَدَهٗ" اس وقت کہا جاتا ہے جب قبر سیدھی بنانے کی بجائے بغلی بنائی

جائے' اسی طرح ملحد اور ملحود اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دینِ مستقیم سے ہٹ کر بے دین ہو جائے اور لوگ کہتے ہیں: ''اَلْحَدَ فُلَانٌ فِیْ قَوْلِہٖ'' کہ فلاں آدمی اپنی بات میں راہِ راست سے پھر گیا اور ''اَلْحَدَ فِیْ دِیْنِہٖ'' وہ اپنے دین سے پھر کر بے دین ہو گیا اور اسی سے ''مُلْحِدْ'' ہے جب کوئی شخص تمام دینوں سے منہ پھیر کر باطل مذہب اپنا لے]۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰہُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ بے شک صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹ بولنے والے ہیں ○ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا ماسوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا لیکن جس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا (اور خوشی سے کفر قبول کر لیا) تو ان پر اللہ کا غضب ہے' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○

١٠٤- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر یعنی قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے ﴿لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰہُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو پسند کرتے رہتے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور کفر پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

١٠٥- ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پر صرف وہ لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' یعنی جھوٹ بولنا انہیں کے لائق ہے جو ایمان دار نہیں کیونکہ وہ آخرت کے عذاب کا خیال نہیں کرتے اور یہ ان کے اس قول کی تردید ہے جو انہوں نے حضور سے کہا تھا کہ: ''اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ''. بے شک آپ اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾ یہ (اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) کی طرف اشارہ ہے یعنی یہی لوگ ﴿هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ حقیقت میں مکمل جھوٹ بولنے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا سب سے بڑا جھوٹ ہے یا یہ لوگ حضور کو ''اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ'' کہنے میں جھوٹے ہیں۔

١٠٦- ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ﴾ جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بطور شرط مبتدا ہو اور اس کا جواب محذوف ہو کیونکہ ''مَنْ شَرَحَ'' جواب پر دلالت کرتا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا تو اس پر غضب ہوگا ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ ماسوا اس شخص کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو اور اس پر قائم ہو ﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ اور لیکن جس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا اور بہ خوشی قبول کر لیا اور اس پر یقین کر لیا ﴿فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾

تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہوگا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا [اور "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ" کے متعلق دوسری یہ وجہ بھی جائز ہے کہ یہ "اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ" سے بدل ہو اس بناء پر کہ "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ" کو بدل اور مبدل منہ کے درمیان جملہ معترضہ قرار دیا جائے] اور معنی یہ ہوگا کہ بے شک جھوٹ وہ لوگ گھڑتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مجبور کو استثناء کر کے نکال لیا کیونکہ اس پر زبردستی کر کے کلمۂ کفر کہلوایا جاتا ہے' اس لیے وہ جھوٹ باندھنے کے حکم میں داخل نہیں ہے' پھر فرمایا: بلکہ جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا (اور بہ خوشی کفر اختیار کر لیا) تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے [اور یہ ممکن ہے کہ یہ مبتدا سے بدل ہو وہ "اُولٰٓئِكَ" ہے یعنی جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا وہ جھوٹے ہیں یا خبر سے بدل ہے اور وہ "الْكٰذِبُوْنَ" ہے یعنی اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہو]۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع ١٤

یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا' اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' اور یہی لوگ غفلت میں ہیں ○ یہ پکی بات ہے کہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں خسارے میں رہیں گے ○ پھر بے شک آپ کا رب تعالیٰ انہیں لوگوں کے لیے (مدد فرمائے گا) جنہوں نے ستائے جانے کے بعد ہجرت کی' پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا' بے شک آپ کا رب اس کے بعد (ان کو) بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

١٠٧- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ وعید و دھمکی کی طرف اشارہ ہے اور وہ غضبِ الٰہی اور بڑے عذاب کا ملنا ہے ﴿بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ اس لیے کہ بے شک انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر پسند کیا اور انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اور اسی کو اہم سمجھا اور آخرت کو بھلا دیا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو اختیار کیے رکھتے ہیں۔

١٠٨- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر لگا دی ہے' اس لیے وہ غور و فکر نہیں کرتے اور نہ نصیحتوں کی طرف کان لگاتے اور نہ ہدایت کے راستے کو دیکھتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ اور یہی لوگ غفلت میں ہیں' یعنی یہ لوگ مکمل طور پر غفلت میں مبتلا ہیں کیونکہ آخرت کے اُمور میں تدبر اور غور و فکر سے غفلت برتنا انتہائی بدترین غفلت ہے اور یہی غفلت کا

منتہا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی غفلت نہیں۔

۱۰۹- ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ یہ پکی بات ہے کہ یہ لوگ آخرت میں یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور یہی لوگ خسارے میں رہیں گے۔

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ نے کچھ مسلمانوں کو بہت ستایا' ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے اور کفر پر انہیں مجبور کیا گیا تو وہ مرتد ہو گئے اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر زبردستی کر کے ان کی زبان پر کلمۂ کفر جاری کرایا گیا حالانکہ وہ ایمان اور اسلام پر یقین رکھتے تھے' انہیں میں سے حضرت عمار بن یاسر بھی تھے لیکن ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سُمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کلمۂ کفر نہ کہنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا اور یہ دونوں حضرات اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں' بہر حال رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی کہ حضرت عمار بن یاسر کافر ہو گئے ہیں' آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' سنو! حضرت عمار سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک سراپا پیکرِ ایمان ہیں[1]

اور ان کا ایمان ان کے گوشت میں' رگوں میں اور ان کے خون میں رچ بس اور مکس ہو گیا ہے[2]

پھر حضرت عمار روتے ہوئے رسولِ خدا ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ اگر کفار تجھ سے کفر کا کلمہ بار بار کہلوائیں تو پہلے کی طرح دوبارہ کہہ دینا[3]

اور حضرت ابو عمار یاسر یعنی حضرت عمار کے باپ حضرت یاسر نے کتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا (کہ دونوں میاں بیوی نے جانیں تو قربان کر دیں لیکن کفر اختیار نہ کیا اور نہ زبان سے اقرار کیا) کیونکہ قتل ہو جانے پر صبر کرنا (اور کلمۂ کفر نہ بولنا) اسلام کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

۱۱۰- ﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ پھر بے شک آپ کا پروردگار (مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے) حرفِ ''ثُمَّ'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان (مسلمانوں) کا حال ان (کافروں) کے حال سے مختلف ہے ﴿ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ہے' ان پر نہیں یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی و مددگار ہے ان کے دشمنوں کا نہیں' ان کو تو رسوا کرے گا جیسے کوئی بادشاہ کسی آدمی کے لیے ہو جائے: ''لَا عَلَیْهِ'' اس پر نہیں' تو وہ آدمی حمایت یافتہ' نفع یافتہ ہو گا' اسے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکے گا ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ﴾ کافروں کی اذیتیں اور کفر پر مجبور کیے جانے کے تمام فتنوں میں مبتلا کیے جانے کے بعد۔ [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَتَنُوْا'' (فعل ماضی معروف) ہے] یعنی اس کے بعد کہ مسلمانوں کو سخت سزائیں دی گئیں' پھر وہ اسلام لے آئے ﴿ ثُمَّ جٰهَدُوْا ﴾ پھر انہوں نے ہجرت کے بعد مشرکین سے جہاد کیا ﴿ وَصَبَرُوْٓا ﴾ اور انہوں نے جہاد کرنے پر صبر کیا ﴿ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ اس کے بعد (یعنی) ان افعال کے بعد اور وہ ہجرت کرنا اور جہاد کرنا اور ہجرت و جہاد کی مصیبتوں پر صبر کرنا ہیں ﴿ لَغَفُوْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بہت بخشش فرمانے والا ہے جنہوں نے تقیہ کر کے بہ ظاہر زبانوں سے کفر کا کلمہ بول دیا تھا ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ بہت مہربان ہے' انہیں ان باتوں پر عذاب نہیں دے گا جو انہوں نے مجبور کیے جانے کی حالت

---

1 رواہ الثعلبی' والواحدی فی الوسیط' عن الثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۶۳۴)

2 رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ ج ۱ ص ۱۳۹

3 رواہ ابن عساکر (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۲۰)

میں کہی تھیں۔

يَوْمَ تَأْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اس روز ہر شخص اپنی طرف سے جھگڑا کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلا دیا جائے گا جو کچھ اس نے عمل کیا ہو گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O اور اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بستی تھی جو بڑے امن و امان اور چین و آرام میں تھی' اس کا رزق ہر جگہ سے کثرت سے اس کے پاس آ جاتا تھا' پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا' اس کا سبب وہ اعمال تھے جو وہ لوگ کرتے رہتے تھے O اور بے شک انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول ان کے پاس تشریف لایا اور انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ بڑے ظالم تھے O

## کفار کے لیے تنبیہات

۱۱۱- ﴿يَوْمَ تَأْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ﴾ [''یَوْمَ'' ''رحیم'' کی وجہ سے یا ''اُذْكُرْ'' کی وجہ سے منصوب (آخر پر زبر) ہے] یعنی اے محبوب! یاد کیجئے جب ہر شخص قیامت کے روز میدانِ محشر میں آئے گا تو وہ ﴿تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ اپنی طرف سے جھگڑا کرے گا [اور یہاں ''نفس'' کی ''نفس'' کی طرف اضافت کی گئی ہے' اس لیے کہ شے کے عین کو اور اس کی ذات (اور روح) کو نفس کہا جاتا ہے اور اس کی نقیض (دوسری شے) کو اس کا غیر کہا جاتا ہے اور نفس بدن اور روح کے جملہ (مجموعہ) کا نام ہے جیسا کہ عام حالت میں ہوتا ہے' لہٰذا پہلے ''نفس'' سے جملہ مراد ہے اور دوسرے ''نفس'' سے اس کی ذات اور روح مراد ہے] تو گویا فرمایا گیا کہ ہر شخص اپنی ذات کی رہائی کے لیے جھگڑے گا اور وہ اپنی پریشانی کی وجہ سے دوسروں کا خیال نہیں کرے گا بلکہ ہر شخص ''نفسی نفسی'' پکارے گا اور ہر شخص کا اپنی ذات کے بارے میں جھگڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی طرف سے معذرت پیش کرے گا جیسا کہ پیروی کرنے والے کفار اپنے سرداروں کے بارے میں کہیں گے: ''رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ''. (الاعراف:۳۸) ''اے ہمارے پروردگار! انہیں لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' سو تو ان کو دوزخ کا دُگنا عذاب دے''۔ نیز کہیں گے: ''رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ''(الاحزاب:٦٧) ''اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی تو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بہکا دیا تھا''۔ ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ''. (الانعام:۲۳) ''ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے''۔ ﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ اور ہر شخص کو اس نے جو کچھ عمل کیا ہو گا اس پر پوری پوری جزا دی جائے گی اور اس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلا عطا کیا جائے گا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر اس معاملے

میں ظلم وزیادتی نہیں کی جائے گی۔

۱۱۲-﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حالت کی بستی کو ہر اس قوم کے لیے مثال قرار دے دیا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کہ ان کو ہر قسم کی خوشحالی عنایت فرمائی تو وہ لوگ اس نعمت کی وجہ سے تکبر وغرور میں آ گئے تو بجائے شکر ادا کرنے کے انہوں نے ناقدری اور ناشکری کی اور اپنے محسن و منعم سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب اور غضب نازل کر دیا' لہٰذا یہ بھی جائز ہے کہ اس صفت کی حامل کوئی مقدر (غیر موجود فرضی) بستی مراد ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ گزشتہ قوموں کی بستیوں میں سے کوئی بستی مراد ہو' جس کا یہی حال ہوا ہو' بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانے کے لیے اس بستی کی مثال بیان فرمائی ہے ﴿ كَانَتْ اٰمِنَةً ﴾ وہ قتل و غارت اور قید و بند کی مصیبتوں سے امن و امان میں تھی ﴿ مُّطْمَىِٕنَّةً ﴾ وہ بستی بڑے اطمینان وسکون میں تھی' اسے کسی قسم کا خوف وڈر پریشان اور خوف زدہ نہیں کرتا تھا اور ''انزعاج'' کا معنی ہے: خوف کے ساتھ ساتھ قلق و پریشانی کا لاحق ہونا ﴿ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ﴾ اس کا رزق اس کے پاس کشادہ اور کثرت سے آتا تھا۔ ''رَغَدًا'' کا معنی وسیع رزق ہے ﴿ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ہر شہر سے ﴿ فَكَفَرَتْ ﴾ تو اس بستی کے رہنے والوں نے کفر کیا اور ناشکری کی ﴿ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ [''نعمة'' کی جمع ہے' ''تا'' کا اعتبار ترک کر دیا گیا ہے جیسے ''دِرْعٌ'' کی جمع ''اَدْرُعٌ'' ہے اور ''دِرْعٌ'' میں ''تا'' کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اصل ''دِرْعَةٌ'' تھا یا ''نُعْمٌ'' کی جمع ہے جیسے ''بُؤْسٌ'' کی جمع ''اَبْؤُسٌ'' ہے] ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا' [اور ''اذاقه'' اور ''لباس'' دونوں استعارے ہیں اور ''اذاقه'' (چکھانا) کو لباس پر اتارنے کے لیے مستعار لیا گیا ہے' ''لباس'' خود بھی مستعار ہے اور استعارہ کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ''اِذَاقَه'' (چکھانا) اہل عرب کے نزدیک مصائب و آلام اور شدائد میں استعمال ہونے کی شہرت کے سبب حقیقت کے مقام پر جاری ہے] اور جب ان میں سے جو مصیبتیں اور تکلیفیں انسان کو پہنچتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے بھوک اور تکلیف کو چکھا ہے اور اس کو عذاب نے مزہ چکھایا ہے اور ''اذاقه'' کو اس کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جو ضرر اور تکلیف کے اثر سے حاصل ہوتی ہے اور یہ تلخ' کڑوی اور بدمزہ چیز کے ذائقہ سے حاصل ہونے والی حالت ہے اور لیکن ''لباس'' کو بھوک اور خوف سے حاصل ہونے والے احساس کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ لباس جس طرح پہننے والے انسان پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کو گھیر لیتا ہے' اسی طرح بعض حوادث کی وجہ سے بھوک وخوف کا احساس انسان کو گھیر لیتا ہے اور لیکن ''اذاقه'' کو بھوک اور خوف پر وقوع اس لیے ہے کہ جب لباس سے وہ احساس مراد ہے جو انسان کو بھوک اور خوف کی وجہ سے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کو گھیر لیتا ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بستی والوں کو ایسی بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔

۱۱۳-﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ ﴾ اور بے شک ان کے پاس انہیں میں سے ایک بڑی عظمت والے رسول تشریف لائے یعنی حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ سو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا تو انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ لوگ بہت بڑے ظالم تھے یعنی وہ لوگ ظلم وستم کے ساتھ شک وشبہ کی حالت میں تھے کہ انہوں نے کہا کہ حضور کو جنگِ بدر میں قتل کر دیا جائے گا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ

سوتم اس میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال و پاکیزہ رزق عنایت کیا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور تمہاری زبانیں جو جھوٹ بیان کرتی ہیں اس کے مطابق کبھی یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو' بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تراشتے ہیں وہ کبھی نجات نہیں پائیں گے O

---

۱۱۴- ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قحط سالی کے دور میں اہل مکہ کے پاس بہت سا کھانے کا سامان بھیجا اور اسے مکہ مکرمہ کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھانے کے بعد حضور کے بھیجے ہوئے سامان کے بارے میں ان سے فرمایا کہ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ تم حبیبِ کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے عطا کیے گئے رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عنایت کیا ہے ﴿حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ حلال پاکیزہ' یہ اس حرام و خبیث مال کے بدلے تمہیں دیا گیا ہے جو تم ناجائز کمائی اور لوٹ مار اور ڈاکے کے ذریعے حاصل کر کے کھاتے تھے ﴿وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کرو' اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو یعنی اگر تم اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہو یا یہ کہ اگر تمہارے گمان میں یہ صحیح ہے کہ تم دوسرے معبودوں کی عبادت کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو' اس بناء پر کہ وہ معبود اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری سفارش کریں گے۔

۱۱۵- پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی محرّمات کو گن کر بیان فرمایا اور انہیں اپنی خواہش سے حرام اور حلال قرار دینے سے منع کیا اور فرمایا: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اس نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیے ہیں جن پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے' پھر جو مجبور ہو جائے' نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔ [''اِنَّمَا'' حصر کے لیے آتا ہے] یعنی صرف یہ چیزیں حرام ہیں اور تمہارے حرام کردہ جانور بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ حرام نہیں ہیں اور باقی آیت مبارکہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

۱۱۶- ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ﴾ تمہاری زبانیں جو کچھ جھوٹ گھڑتی ہیں ان کے موافق یہ نہ کہو (کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے) [یہ ''لَا تَقُوْلُوْا'' کے ساتھ منصوب ہے] یعنی ''لَا تَقُوْلُوا الْكَذِبَ''. تم جھوٹ نہ بولو جس کو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ جانوروں میں سے یہ حلال ہے اور یہ حرام' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهٖ

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا''. (الانعام:١٣٩) ''جو ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے''۔ اس وصف کی وحی کی طرف یا وحی سے حاصل کردہ قیاس کی طرف سند اور دلیل بیان کیے بغیر [اور ''لِمَا تَصِفُ'' میں لام صلہ کا ہے' اس کی مثال تمہارے اس قول میں موجود ہے کہ ''لَا تَقُوْلُوْا لِمَا اَحَلَّ اللّٰهُ هُوَ حَرَامٌ''. جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تم اسے حرام نہ کہو] ﴿هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ﴾ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ [یہ ارشاد ''اَلْكَذِبَ'' سے بدل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَلْكَذِبَ'' کو ''تَصِفُ'' کا مفعول قرار دے کر منصوب پڑھا جائے اور حرف ''مَا'' کو مصدریہ قرار دیا جائے اور (هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ) کو ''لَا تَقُوْلُوْا'' کے ساتھ متعلق کیا جائے یعنی تم یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ یہ تمہاری زبانوں کا بیان کردہ جھوٹ ہے] یعنی تم بغیر کسی دلیل و حجت کے صرف اپنی زبانوں کے کہنے اور مونہوں کے بولنے کی وجہ سے نہ کسی چیز کو حرام قرار دو اور نہ کسی چیز کو حلال قرار دو کیونکہ یہ تمہارا دعویٰ بلا دلیل ہے اور محض زبانی بات ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ'' فصیح کلام میں سے ہے گویا ان کے قول کو بعینہٖ جھوٹ قرار دیا گیا ہے' سو جب ان کی زبانیں اس کے ساتھ بولیں گی تو ان کا جھوٹ اپنے حلیے اور شکل و صورت سے یقیناً ظاہر ہو جائے گا جیسے یہ قول ہے کہ اس کا چہرہ حسن و جمال بیان کرتا اور اس کی آنکھیں جادو بیان کرتی ہیں ﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو [اس میں لام تعلیل کا ہے جو غرض کے معنی پر مشتمل نہیں ہے] ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ ۙ

ع ١٥ ٩ ٢١

فائدہ بہت کم ہے' اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے ○ اور ہم نے یہودیوں پر صرف وہ چیزیں حرام کیں جو ہم نے آپ پر پہلے بیان کر دیں' اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ○ پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے بُرا عمل کیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی' تو اس کے بعد آپ کا رب تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ بے شک حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار باطل سے جدا مُوحِد امام تھے' اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے ○

١١٧- ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور فائدہ بہت تھوڑا ہے اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے۔ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی کفارِ جاہلیت کے جن افعالِ باطلہ پر گامزن ہیں ان کا نفع اور فائدہ بہت کم اور بہت تھوڑا ہے' اور عذاب بہت بڑا ہے۔

١١٨- ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور ہم نے یہودیوں پر صرف وہ چیزیں حرام فرمائیں جو ہم نے آپ کو پہلے سورت الانعام میں بیان کر دیں یعنی "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ" (الانعام: ١٤٦) "اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا"۔ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے مذکورہ بالا جانوروں کو ان کے لیے حرام کر کے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے کیونکہ ہم نے ان کے گناہوں پر سزا دینے کے لیے ان پر یہ چیزیں حرام کر دیں۔

١١٩- ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی میں بُرے عمل کر لیے۔ ["بِجَهَالَةٍ" محلاً حال ہے] یعنی انہوں نے نادانی کی حالت میں بُرے کام کیے انجام میں غور و فکر نہیں کیا' شہوت سے مغلوب ہو کر ان کا مقصد خواہشات کی لذت تھی' خدا کی نافرمانی مقصود نہیں تھی ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی' بے شک آپ کا رب کریم توبہ کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ ضرور بہت بخشنے والا ہے' وہ ان کی توبہ سے پہلے تمام جرائم کو مٹا دے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' انہوں نے پختہ ارادوں کے بعد جو توبہ کا عہد و پیمان باندھا ہے اس کو خدائے رحیم استحکام عطا فرمائے گا۔

## حضرت ابراہیم کی شان' یہود کا اختلاف اور حضور ﷺ کو تلقین

١٢٠- ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے (یعنی) بے شک حضرت ابراہیم امتوں میں سے اکیلے ایک پوری امت تھے کیونکہ آپ تمام صفاتِ خیر میں کامل تھے' جیسے کسی شاعر کا قول ہے:

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ　اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

"اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ وہ جملہ عالم کی تمام خوبیاں ایک شخص میں جمع فرما دے"۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے مؤمن تھے اور تمام لوگ کافر تھے یا "اُمَّة" کا معنی "مَاْمُوْم" ہے یعنی ایسا امام اور پیشوا جس کی لوگ اقتدا اور پیروی کریں تا کہ اس سے خیر و بھلائی حاصل کریں ﴿قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار' یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر پر قائم و پابند رہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ". بے شک حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت کے امام و پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے' چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ وہ تو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں فرمایا کہ "اُمَّة" وہ شخص ہوتا ہے جو خیر و بھلائی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور "قانت" وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار اور فرماں بردار ہوتا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر حضرت معاذ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرما رہے تھے: "اَبُوْ عُبَيْدَةَ اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَمَعَاذٌ اُمَّةٌ لِّلّٰهِ قَانِتٌ لِّلّٰهِ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا الْمُرْسَلُوْنَ" حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے امین (امانت دار) ہیں اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے لیے نیکی کی تعلیم دینے والے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہیں' قیامت کے دن ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ماسوا رسولوں کے اور کوئی نہیں ہوگا [1] ﴿حَنِيْفًا﴾ تمام باطل ادیان

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاحاد باب: ۱' کتاب فضائل الصحابۃ باب: ۵۳-۵۵' الترمذی فی کتاب المناقب باب: ۳۲' ابن ماجہ فی کتاب المقدمۃ باب: ۱۱' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۱۸- ج ۳ ص ۱۲۵

سے منہ پھیر کر صرف ملتِ اسلام کی طرف راغب و مائل ہونے والے ﴿ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور حضرت ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے شرک کی نفی کر کے قریش کے کفار کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں [اور ''لَمْ يَكُ'' میں نون کو حروف ''لِيْن'' کے ساتھ تشبیہ کے لیے حذف کر دیا گیا ہے]۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ؕ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلایا O اور ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی' اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے O پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ہر باطل سے جدا رہنے والے حضرت ابراہیم کے دین کی پیروی کریں' اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے O بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا' اور بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O

۱۲۱۔﴿ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ﴾ اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے' ایک دن کوئی مہمان نہ آیا تو آپ نے کھانا مؤخر کر دیا اور کچھ نہ کھایا' پھر اچانک فرشتوں کا ایک گروہ انسانوں کی شکل وصورت (لباسِ بشری) میں آپ کے پاس حاضر ہوا' چنانچہ آپ نے انہیں کھانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کی اور بتایا کہ وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہیں (تاکہ آپ ان کے ساتھ کھانا نہ کھائیں)' آپ نے فرمایا کہ اب تو تمہیں کھانا کھلانا لازم ہو گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے مجھے صحت و عافیت عطا فرمائی اور تمہیں بیماری کی آزمائش میں مبتلا کر دیا ﴿ اِجْتَبٰىهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں نبوت کے لیے منتخب کر لیا ﴿ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور ان کی سیدھی راہ یعنی دینِ اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی۔

۱۲۲۔﴿ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ﴾ اور ہم نے انہیں دنیا میں خیر و بھلائی عطا فرمائی۔ انہیں نبوت' مال و دولت کی فراوانی اور کثرتِ اولاد عطا فرمائی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے ذکرِ جمیل کو بلند کرنا مراد ہے' چنانچہ تمام اہلِ دین آپ سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں یا ہم مسلمانوں میں سے ہر نمازی کا یہ قول مراد ہے: ''كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''. ﴿ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے ہوں گے (یعنی) آپ جنت والوں میں سے ہوں گے۔

۱۲۳۔﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پھر ہم نے آپ کی طرف

وحی نازل کی کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کیجئے جو خود تمام باطل دینوں سے منہ پھیر کر دین اسلام پر قائم تھے۔ حرفِ "ثُمَّ" میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت وشان کی عظمت کا اظہار ہے اور آپ کے مقام ومرتبہ کی بزرگی کا بیان ہے اور اس میں اعلان ہے کہ بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو سب سے افضل واعلیٰ کرامت وفضیلت عطا کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے حضور رسولِ اکرم نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی (اصولِ دین میں) اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

١٢٤۔﴿ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا' یعنی ان لوگوں پر اس دن کی تعظیم وتکریم کرنا اور اس میں شکار نہ کرنا فرض ولازم کر دیا گیا تھا ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس کے متعلق فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ہفتہ بھر دنوں میں سے کوئی ایک دن عبادت کے لیے مقرر کر لیں اور یہ کہ وہ جمعۃ المبارک ہونا چاہیے لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عبادت کے لیے وہ دن مقرر کرنا چاہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے فارغ ہوا تھا اور وہ ہفتہ کا دن ہے مگر ان میں سے بہت کم لوگ تھے جو جمعۃ المبارک کے دن عبادت کرنے کے لیے راضی ہو چکے تھے' سو ہفتہ کے بارے میں ان کا یہی اختلاف تھا کیونکہ ان میں سے بعض نے ہفتہ کا دن مقرر کر لیا اور اسی کو عبادت کے لیے پسند کر لیا اور جب کہ دوسرے بعض حضرات نے جمعۃ المبارک کا دن اختیار کر لیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن کی اجازت دے دی اور ہفتہ کے دن ان پر شکار کرنا حرام قرار دے کر انہیں آزمائش میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کی پابندی صرف انہیں لوگوں نے کی جو جمعہ کے دن عبادت کے لیے راضی تھی اور باقی سب لوگ شکار سے صبر نہ کر سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مچھلی کے شکار میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر تمام نافرمانوں کو بندر بنا دیا اور وہی قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' چنانچہ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر وہی بدلا دے گا جس کا وہ اہل ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ١٢٥
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ١٢٦
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ١٢٧ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ١٢٨ ع ١٦

آپ اپنے پروردگار کے راستے (دین) کی طرف حکمت ودانائی اور عمدہ وعظ ونصیحت کے ذریعے (لوگوں کو) بلایئے اور ان سے سب سے بہترین انداز کے ساتھ بحث کیجئے' بے شک آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں ○ اور اگر تم سزا دو تو ویسے سزا دو جیسے تمہیں تکلیف پہنچائی گئی

ہے اور اگر تم صبر کرلو تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے O اور (اے محبوب!) صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور آپ ان کی فریب کاریوں کی وجہ سے تنگ دل نہ ہوں O بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور وہ نیکو کار ہیں O

۱۲۵۔ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾ اے محبوب! آپ اپنے پروردگار کی راہ یعنی اسلام کی طرف (لوگوں کو) دعوت دیجئے ﴿بِالْحِكْمَةِ﴾ حکمت و دانائی کے ساتھ اور صحیح مضبوط بات کے ساتھ اور وہ یہ کہ ایسی ٹھوس دلیل کے ساتھ گفتگو ہو جو حق کو واضح کر دے اور شک و شبہ کو زائل کر دے ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور اچھی نصیحت یہ ہے کہ لوگوں پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آپ اس کے ذریعے ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اور آپ کا مقصد اس میں ان کو نفع اور فائدہ پہنچانا ہے یا قرآن کے ساتھ نصیحت کیجئے یعنی آپ ان کو اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے دعوت دیجئے جو بذاتِ خود حکمت اور عمدہ ترین نصیحت ہے یا حکمت سے افعال کے مراتب کی معرفت مراد ہے اور حسین وعظ و نصیحت یہ ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب (نیکی کی رغبت دلانے اور بُرائی سے خوف زدہ کرنے والی نصیحت) اور انذار و بشارت (دوزخ سے ڈرانے اور جنت کی خوشخبری دینے والی نصیحت) سے بھرپور گفتگو ہو ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور آپ ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو بحث و مباحثہ کے طریقوں میں سے بہترین طریقہ ہے جیسے بغیر سختی کے نہایت شفقت و نرمی اور درگزر و چشم پوشی اور معاف کرنے کے ساتھ یا ایسی مؤثر و مدلّل گفتگو ہو جو دلوں کو بیدار کر دے اور نفوس کو متاثر کر دے اور عقول کو روشنی اور تازگی بخشے اور یہ ان لوگوں پر رد ہے جو دین میں مناظرہ سے انکار کرتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت یافتوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہی سب کو سب سے بہتر جانتا ہے پس جس شخص میں خیر و بھلائی قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو تھوڑا سا وعظ کافی ہو جاتا ہے اور جس میں خیر و بھلائی قبول کرنے کی استعداد نہیں ہوتی اس کے لیے ہزاروں دلائل ناکافی ہوتے ہیں۔

۱۲۶۔ ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ اور اگر تم سزا دو تو اتنی سزا دو جتنی تمہیں سزا دی گئی ہے۔ یہاں پہلے فعل کو سزا کہا گیا ہے حالانکہ سزا تو دوسرا فعل ہے یہ صرف مشابہت کی وجہ سے ہوا ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا''. (الشوریٰ: ۴۰) ''برائی کی سزا اس کے برابر برائی ہے''۔ سو دوسری سزا تو بُرائی نہیں ہے (بلکہ بدلا ہے) اور معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بُرائی کی جائے جیسے قتل و غارت اور قید و بند تو تم بھی اس کا اسی طرح مقابلہ کرو لیکن اس پر زیادتی نہ کرو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے غزوۂ احد کے دن مسلمانوں کا مثلہ کیا یعنی ان کی شکلیں بگاڑ دیں چنانچہ انہوں نے بعض کے پیٹ چاک کر دیئے اور بعض کے کان ناک کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال دیں اور بعض کے آلاتِ تناسل (شرم گاہیں) کاٹ دیئے جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کریم و مشفق چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں تیری جگہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور اپنے ارادے سے رُک گئے اور مثلہ کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نہی (منع) کی احادیث وارد ہو چکی ہیں یہاں تک کہ پاگل کتے کا مثلہ کرنا بھی حرام ہے ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ اور اگر تم صبر کرلو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے سب سے بہتر ہے [اور ''لَهُوَ'' کی ضمیر ''صَبَرْتُمْ'' کے مصدر کی

طرف لوٹتی ہے اور "صَابِرِیْنَ" سے مخاطبین مراد ہیں یعنی اگر تم صبر کرلو تو البتہ تمہارا صبر کرنا تمہارے لیے سب سے بہتر ہے] چنانچہ "صَابِرِیْنَ" کو ضمیر کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صابرین کی تعریف و توصیف صراحت کے ساتھ کی جائے کیونکہ انہوں نے سخت ترین شدائد و مشکلات پر صبر کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا:

۱۲۷- ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے اور کفار و مشرکین کی اذیتوں' تکلیفوں اور مشقتوں پر پختہ ارادہ کے ساتھ صبر کیجئے ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور آپ کا صبر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق دینے اور اس کی طرف سے آپ کو صبر پر ثابت قدم اور قائم رکھنے کی وجہ سے ہے ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ ان پر غمگین نہ ہوں (یعنی) اگر کفار ایمان نہیں لائے تو آپ ان پر غمگین نہ ہوں اور کفارِ مکہ نے اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچائی ہیں ان کی وجہ سے آپ مسلمانوں پر رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ اپنے مطلوب تک پہنچ چکے ہیں ﴿وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اور کفار مکہ جو سازشیں کرتے رہتے ہیں آپ ان سے تنگ دل نہ ہو جائیں۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ضِيْقٍ" (ضاد کے نیچے زیر) ہے اور "ضَيْقٍ"' "ضَيِّقٍ" کا مخفف ہے یعنی مغموم معاملہ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں مصدر ہوں جیسے "قِيْلٌ" اور "قَوْلٌ"] اور معنی یہ ہے کہ آپ کا سینۂ اقدس اور آپ کا دل مبارک کفار کی سازشی چالوں سے اور ان کے مکر و فریب سے تنگ نہ ہو کیونکہ وہ آپ کو نہیں مٹا سکتے اور نہ ان کا مکر و فریب آپ پر چل سکتا ہے۔

۱۲۸- ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور وہ نیکیاں کرنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کا دوست و حامی ہے جو بُرائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں اور فرماں برداروں کا ناصر و حامی ہے۔ بعض نے کہا: وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے افعال میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے اعمال میں حسنِ اخلاص اور حسنِ نیت کو اپنا لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ مامورات کے بجالانے میں وہ اپنے ان بندوں کی مدد کرتا ہے اور ممنوعات و محرمات میں ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

المنزل ۴

(۱۷) سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ (۵۰) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو گیارہ آیات' بارہ رکوع ہیں

الجزء ۱۵

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؕ ② ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے اپنے مخصوص بندے کو رات کے قلیل ترین حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ

تک سیر کرائی جس کے اردگرد کو ہم نے برکتوں والا بنایا تا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں' بے شک وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے○ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو مربی نہ بناؤ○ اے ان کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا! بے شک وہ بڑا اشکر گزار بندہ تھا○

## معراج شریف کا ذکر' تورات شریف ملنے کے باوجود بنی اسرائیل کی نافرمانیاں اور قرآن مجید کا مشن

۱۔ ﴿سُبۡحٰنَ﴾ ''سبحان'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بُرائی سے بَری اور پاک ہے اور یہ تسبیح کا اسم علم ہے جیسے عثان ایک آدمی کا نام ہوتا ہے [اور یہ مضمر (پوشیدہ) فعل کی وجہ سے منصوب (آخر میں زبر) ہے] جس کی اصل ''اُسَبِّحُ اللّٰهَ سُبْحَانًا'' ہے' میں اللہ تعالیٰ کے لیے خوب سے خوب تر پاکی بیان کرتا ہوں [اس فعل کا اظہار ترک کر دیا گیا ہے (اور صرف ''سُبْحَانَ'' یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' استعمال ہوتا ہے) پھر ''سُبْحَانَ'' کو فعل کی جگہ پر اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے] اور اب یہ نہایت پاک اور بے عیب ذات پر دلالت ہے ﴿الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ﴾ جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی [''سَرٰی'' اور ''اَسْرٰی'' دونوں لغتیں ہیں] ﴿لَیۡلًا﴾ رات کے تھوڑے سے حصے میں [ظرف کی بناء پر منصوب ہے اور ''اِسْرآء'' کا معنی رات کو سیر کرانا ہے تو پھر ''لَیْلًا'' کے ساتھ ''اَسْرٰی'' کو محض تاکید کے لیے مقید کیا گیا ہے یا پھر اس لیے تا کہ یہ لفظ نکرہ مدتِ سیر کی قلت پر دلالت کرے] اور بے شک مکہ مکرمہ سے ملک شام (یعنی بیت المقدس) تک چالیس راتوں کا سفر صرف ایک رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کی صورت میں طے کرایا گیا ﴿مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے' بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت اُمِ ھانی بنت ابی طالب کے گھر سے معراج و سیر کرائی گئی تھی اور مسجد حرام سے حرم شریف مراد ہے کیونکہ اس نے مسجدِ حرام کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اسے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے (اور حضرت ام ھانی کا مکان بھی اس وقت حرم شریف کے احاطہ میں تھا) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پورا حرم شریف مسجد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس سے بعینہٖ مسجد حرام مراد ہے اور آیت مبارکہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے' نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس مقامِ حجر میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں مسجد حرام میں تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر آ گئے اور مجھے اسی رات آسمان کی طرف اوپر لے گئے اور یہ عروج (اوپر جانا) بیت المقدس سے شروع ہوا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریشِ مکہ کے سامنے ان کے قافلے کے بارے میں اور ان کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے احوال بیان فرمائے' نیز آپ نے آسمانوں میں عجائبات میں سے جو کچھ دیکھا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے جانا اور وہاں کے مشاہدات سب کچھ ان کے سامنے بیان فرمایا اور یہ سفرِ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا تھا اور یہ سفر بیداری کی حالت میں روح و جسم کے ساتھ ہوا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بستر سے جدا نہیں ہوئے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کو معراج کرائی گئی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جمہور اہل اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کیونکہ خواب دیکھنے والے کے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی سونے والے کے لیے کوئی فضیلت و بزرگی ہے[1] ﴿اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾ مسجد اقصیٰ کی طرف'

[1] واضح رہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی تصریح کے مطابق اہلِ اسلام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو حالتِ بیداری میں جسم و روح کے ساتھ معراج کرائی گئی ہے' آپ کا سفر معراج شریف نہ صرف روحانی تھا اور نہ صرف خواب میں ہوا تھا' باقی رہا سوال کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ بیت المقدس ہے کیونکہ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں تھی ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ جس کے اردگرد کو ہم نے برکتوں والا بنا دیا۔ اس سے دین و دنیا کی برکتیں مراد ہیں کیونکہ یہ مسجد انبیائے کرام علیہم السلام کی عبادت گاہ رہی اور وحی کے نزول کا مہبط و مرکز رہی اور اس مسجد اقصیٰ کے چاروں اطراف کا علاقہ رواں دواں نہروں اور پھل دار درختوں سے گھرا ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے روحانی اور منامی معراج کی تائید ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ سفر معراج شریف کے وقت چھوٹی بچی تھیں اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں نہیں تھیں تو انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ حضور اپنے بستر مبارک سے جدا نہیں ہوئے تھے اور گھر میں رہے صرف روح مبارک سیر کر کے آ گئی؟ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اس وقت کافر تھے بہت بعد میں مسلمان ہوئے لہٰذا یہ روایات قابل اعتماد نہیں چنانچہ علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی نے "روح المعانی" میں فرمایا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اسی طرح عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے فرمایا کہ یہ روایت مردود ہے کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ چھوٹی بچی تھیں اور حضور کی عصمت میں نہیں آئی تھیں۔ (تفسیر صاوی جزء ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) نیز علامہ آلوسی نے لکھا کہ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ" اور ہم نے جو مشاہدہ آپ کو دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنا دیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) سے استدلال درست نہیں کیونکہ لغت کے اعتبار سے اگرچہ خواب میں دیکھنے کو "رُؤْیَا" کہا جاتا ہے لیکن جمہور علماء نے کہا کہ یہاں اس کا معنی حالتِ بیداری میں روح مع جسم مبارک سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے علامہ قاضی ابوبکر اور علامہ بغوی نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعلانِ نبوت سے پہلے ایک معراج خواب کی حالت میں روحانی کرایا گیا تھا مذکورہ بالا روایات اور آیت مبارکہ کا اشارہ اسی روحانی معراج کی طرف ہے اور ایک معراج اعلانِ نبوت کے بعد کرایا گیا تھا جو حالتِ بیداری میں جسمانی معراج تھا اور انہوں نے کہا: یہی حق اور صحیح ہے کہ اس طرح تمام روایات ایک دوسرے کے موافق ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) علاوہ ازیں علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوت" جلد اوّل واقعہ معراج میں علامہ شیخ اسماعیل حقی نے "تفسیر روح البیان" میں آیت اسراء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "قَالَ الشَّیْخُ الْاَکْبَرُ قُدِّسَ سِرُّہٗ اِنَّ مِعْرَاجَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَرَّۃً وَاحِدَۃٌ بِجَسَدِہٖ وَالْبَاقِیْ بِرُوْحِہٖ" شیخ اکبر (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونتیس مرتبہ معراج ہوئی تھی ایک مرتبہ جسمانی اور باقی روحانی۔ (حاشیہ جلالین کلاں مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱) اگر یہ معراج شریف صرف خواب میں روحانی ہوتا تو "بِرُوْحِ عَبْدِہٖ" فرمایا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے "بِعَبْدِہٖ" فرما کر واضح کر دیا کہ یہ معراج جسمانی حالتِ بیداری میں ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہر جگہ "عبد" جسم و روح دونوں پر بولا گیا ہے۔ (۲) ارشاد ہے: "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (النجم: ۱۷) "نہ آنکھ کسی طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی"۔ اس آیت مبارکہ میں "بصر" کا لفظ بولا گیا ہے جو جسمانی آنکھ کے لیے آتا ہے جب کہ خواب کے لیے عموماً "رؤیا" آتا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ یہ معراج جسمانی تھی۔ (۳) آپ کو سوار کرنے کے لیے براق پیش کیا گیا اور سواری جسم کے لیے ہوتی ہے روح کے لیے نہیں ہوتی تو ماننا پڑے گا کہ جسمانی معراج تھی۔ (۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی جو قیام قراءت رکوع سجود تشہد قومہ جلسہ اور تسبیحات وغیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جسم اور روح کے مجموعے کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی جس سے ثابت ہوا کہ صرف حضور ہی نہیں تمام انبیائے کرام نے بذاتِ خود اجسامِ مبارکہ کے ساتھ حالتِ حیات میں نماز پڑھی تھی۔ (۵) معراج شریف عظیم الشان اہم ترین معجزہ ہے اگر خواب میں مان لیا جائے تو معجزہ نہیں رہے گا کہ اس میں کوئی بڑی فضیلت نہیں (۶) اگر یہ خواب میں روحانی معراج ہوتا تو کفارِ مکہ اس کا انکار نہ کرتے۔ غوثی مہاروی

تھا ﴿ لِنُرِيَهُ ﴾ تا کہ ہم انہیں دکھا دیں' یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ حبیب کبریاء ﷺ کو دکھائیں ﴿ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ اپنی (قدرت کی) نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت پر دلالت کرتی ہیں' تمام آسمانوں اور ان میں موجود تمام نشانیوں کے دیکھنے کے سبب ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ ﴾ بے شک وہ تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿ الْبَصِيْرُ ﴾ تمام افعال واعمال کو خوب دیکھنے والا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں بلاشبہ کلام کو غائب کے لفظ سے متکلم کی طرف اور پھر متکلم سے غائب کی طرف بدل بدل کر بیان کیا گیا ہے' چنانچہ پہلے لفظ غائب ''اَسْرٰی'' فرمایا گیا' پھر متکلم کے ساتھ ''بٰرَكْنَا'' فرمایا گیا' پھر غائب کے ساتھ ''اِنَّهٗ هُوَ'' فرمایا گیا ہے اور یہ التفات کا طریقہ بلاغت کے طریقوں میں سے ہے]۔

۲۔ ﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اس کو یعنی اس کتاب کو (ہدایت) بنا دیا۔ اس کتاب سے تورات شریف مراد ہے ﴿ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا ﴾ بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کہ نہ بناؤ' یعنی نہ اپناؤ [قاری ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے ''اَیْ لِئَلَّا یَتَّخِذُوْا'' یعنی تا کہ وہ نہ بنائیں] ﴿ مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴾ میرے سوا کسی کو کارساز' یعنی میرے علاوہ تم کسی اور کو رب نہ بناؤ کہ تم اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کر دو۔

۳۔ ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کیا تھا! [''ذُرِّيَّةَ'' اختصاص کی بناء پر منصوب ہے یا پھر نداء کی بناء پر منصوب ہے' اس قراءت کے مطابق جس میں ''تا'' کے ساتھ نہی پر محمول کر کے پڑھا گیا ہے] یعنی ہم نے انہیں کہا کہ تم میرے علاوہ کسی کو کارساز و رب نہ بنانا' اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کرایا تھا! ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک وہ (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام ﴿ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اور دکھ اور سکھ میں ہر حال میں بہت بڑے شکر گزار بندے تھے اور شکر کا معنی ہے کہ منعم (انعام دینے والا) کی نعمت کے عوض اس کی حمد وثناء اور تعریف کرنا۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ جب بھی کھانا کھاتے اور جب بھی پانی پیتے اور جب بھی لباس پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی تعریف میں کہتے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' اور تم (اے بنی اسرائیل!) انہیں لوگوں کی اولاد ہو جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے' پس تم ان کی سیرت کو اپنے لیے مشعلِ راہ اور نمونہ بنالو جیسا کہ تمہارے باپ دادا نے ان کی سیرت کو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنالیا تھا اور سعادت مند اولاد کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے نیک آباء واجداد کی سیرت وسنت کی صحیح اقتداء اور پیروی کرلے اور تم نے یہاں اپنے آباء واجداد کے حالات و کردار کو پہچان لیا ہے' لہٰذا اے اولاد! تم اپنے باپ دادا کی طرح (نیک سیرت) بن جاؤ۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ

جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں طے شدہ فیصلہ سنا دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد پھیلاؤ گے اور تم ضرور بڑی سرکشی کرو گے ۝ پھر جب ان دو میں سے پہلا وعدہ آ گیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندوں کو مسلط کر دیا اور وہ شہروں کے اندر گھس گئے' اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا ۝ پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دیا اور ہم نے اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہاری جماعت کو بڑھا دیا ۝

٤۔﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ ﴾ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کر دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد برپا کرو گے' اور ہم نے فیصلہ کر کے ان کی طرف حضرت موسیٰ کی وساطت سے وحی بھیجی یعنی قطعی اور یقینی فیصلہ کر کے کہ یہ لوگ زمین میں ضرور ہر حال میں فساد پھیلائیں گے اور کتاب سے تورات مراد ہے [اور ''لَتُفْسِدُنَّ'' محذوف قسم کا جواب ہے یا پھر یقینی فیصلہ کو قسم کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ''لَتُفْسِدُنَّ'' اس کا جواب ہے ] گویا فرمایا کہ اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد پھیلاؤ گے' ان میں سے پہلا فساد یہ تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر کے شہید کر دیا اور حضرت ارمیاء علیہ السلام کو قید خانہ میں بند کر دیا' جب انہوں نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرایا اور بنی اسرائیل کا دوسرا فساد یہ تھا کہ انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو قتل کر کے شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور منصوبہ تیار کیا (لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی طرف اٹھا کر ان کو ناکام کر دیا) ﴿ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بہت بڑی سرکشی کرو گے اور بڑا غرور و تکبر کرو گے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ'' (القصص: ۴) ''بے شک فرعون نے زمین پر تکبر کیا اور بڑا بن بیٹھا''۔ اور اس سے زمین میں بغاوت و سرکشی کرنا اور ظلم و ستم کا بازار گرم کرنا اور نیکوں پر فسادیوں کا غلبہ پانا مراد ہے۔

٥۔﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾ پھر جب ان میں سے پہلا وعدہ آ گیا' یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ گیا اور وہ یہ کہ ان پر ان کے پہلے فساد پر عذاب کا وعدۂ خداوندی کا وقت آ گیا ﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ ﴾ تو ہم نے تم پر بھیج دیئے (یعنی) ہم نے تم پر مسلط کر دیئے ﴿ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﴾ اپنے سخت جنگجو بندے' جو قتل و غارت کرنے میں سخت گیر تھے یعنی سنجاریب نامی بادشاہ اور اس کا لشکر یا بخت نصر یا جالوت جنہوں نے بنی اسرائیل کے علماء یعنی ان کے پوپ پادریوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے تورات شریف کو جلا ڈالا اور مسجد اقصیٰ کو برباد اور ویران کر دیا اور ان میں سے ستر ہزار افراد کو قیدی بنا لیا تھا ﴿ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ﴾ سو وہ لوگ شہروں اور گھروں میں ان کی تلاش میں گھس گئے اور ان میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے کے لیے دندنانے لگے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''جوس'' کا معنی ہے کہ کسی چیز کی تلاش میں اور لوٹ مار کرنے کے لیے گھر میں گھس جانا ﴿ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ عذاب کا وعدہ تھا جو لازمی طور پر پورا کیا جانا تھا۔

٦۔﴿ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ ﴾ پھر ہم نے دوبارہ تمہیں ان پر حملہ آور بنا دیا' یعنی سلطنت و غلبہ عطا کر دیا ﴿ عَلَيْهِمْ ﴾ ان لوگوں پر جو پہلے تم پر مسلط کیے گئے تھے جب تم نے توبہ کر لی اور تم نے غرور و سرکشی اور فتنہ و فساد پھیلانے سے رجوع کر لیا بعض نے کہا کہ بخت نصر کا قتل ہو جانا اور بنی اسرائیل کا اپنے قیدیوں اور اپنے مالوں کو چھڑانا اور بادشاہت کا ان کی طرف

لوٹ آنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ ہم نے طالوت کو بادشاہ بنا کر تمہیں حکومت و سلطنت لوٹا دی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا ﴿ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴾ اور ہم نے مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کی کہ مال بھی بہت دیا اور اولاد بھی بڑھا دی اور ہم نے تمہاری تعداد کو بڑھا دیا کہ تمہارا لشکر زیادہ کر دیا [ ''نَفِيْرًا'' تمیز ہے اور ''نفر'' کی جمع ہے اور یہ ''يَنْفِرُ الرَّجُلُ مَعَ قَوْمِهٖ'' سے ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی اپنی قوم کے ساتھ جاتا ہے ]۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹

اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے آپ کے لیے نیکی کرو گے' اور اگر تم بُرائی کرو گے تو اپنے لیے ہی کرو گے' پھر جب دوسرا وعدہ آئے گا تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور تا کہ وہ جس پر غالب آ جائیں اسے وہ تباہ و برباد کر دیں ۝ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے گا' اور اگر تم شرارت کی طرف رجوع کرو گے تو ہم تمہیں سزا دینے کے لیے رجوع کریں گے' اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے ۝ بے شک یہ قرآن سب سے سیدھا اور مضبوط راستہ دکھاتا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے ۝

۷- ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ اگر تم نیکی کرو گے تو تم اپنے آپ کے لیے نیکی کرو گے اور اگر بُرائی کرو گے تو اپنے نقصان کے لیے کرو گے [ بعض نے کہا کہ لام بہ معنی ''عَلٰی'' ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرہ:۲۸۶) ''اور جو کچھ کسی جان نے کمایا اس کا وبال اسی جان پر ہوگا''۔ اور صحیح یہ ہے کہ لام اپنے اصل پر ہے کیونکہ یہ لام اختصاص کے لیے ہے ] اور عمل کرنے والا اپنے عمل کی جزاء کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے وہ نیک ہو خواہ بد ہو' یعنی نیکی اور بدی دونوں تمہاری اپنی ذوات کے ساتھ مخصوص ہیں اور نیکی کا نفع اور بدی کا نقصان تمہارے غیر کو نہیں پہنچے گا اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ تم نے کسی کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ( کیونکہ جب تم کسی کے ساتھ نیکی کرتے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہوتا ہے تو گویا تم نے کسی کے ساتھ نیکی نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ کی ہے ) اور نہ تم نے کسی کے ساتھ کوئی بُرائی کی ( کیونکہ اس کا نقصان تمہیں کو ہوتا ہے تو گویا تم نے جو کسی کے ساتھ بُرائی کی وہ اس کے ساتھ نہیں کی بلکہ تم نے اپنے ساتھ بُرائی کی ) پھر حضرت علی نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ پھر جب دوسری مرتبہ کا وعدہ آن پہنچا تو ہم نے ان پر مخالفین کو مسلط کر دیا ﴿ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ تا کہ وہ لوگ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ بنی اسرائیل پر مسلط کیے گئے مخالفین کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کا پہلا ذکر اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی تا کہ وہ لوگ تمہارے چہروں پر حزن و ملال اور غم و رنج اور پریشانی کے آثار ظاہر کر دیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ

کَفَرُوْا'' (الملک:۲۷) ''کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے''۔[ابن عامر شامی' حمزہ اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''لِیَسُوْءَ'' (واحد مذکر غائب) ہے اور اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا وعدہ کی طرف یا دشمن مسلط کرنے کی طرف لوٹتی ہے معنی یہ ہوگا: تاکہ اللہ تعالیٰ یا عذاب کا وعدہ یا دشمن کا تسلط تمہارے چہروں کو بگاڑ دے' اور علی کسائی کی قراءت میں ''لِنَسُوْءَ'' ہے (جمع متکلم' تاکہ ہم بگاڑ دیں)] ﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور تاکہ وہ لوگ مسجد میں یعنی بیت المقدس میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے ﴿وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا﴾ اور تاکہ وہ جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد اور ویران کر دیں۔[''مَا عَلَوْا'' ''لِيُتَبِّرُوْا'' کا مفعول بہ ہے] یعنی تاکہ مخالفین ہر اس چیز کو تباہ و برباد اور ہلاک کر دیں جس پر وہ غلبہ پالیں اور جس پر وہ قابض ہو جائیں یا بہ معنیٰ ''مُدَّةَ عُلُوِّهِمْ'' ہے یعنی ان کے غلبہ پانے کے وقت۔

۸۔﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ عنقریب تمہارا پروردگار دوسری مرتبہ کے بعد بھی تم پر رحم فرمائے گا اگر تم نے دوسری مرتبہ توبہ کرلی اور گناہوں سے باز آ گئے ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ﴾ اور اگر تم نے تیسری مرتبہ پھر دوبارہ شرارت کی ﴿عُدْنَا﴾ تو ہم تمہیں دوبارہ تیسری مرتبہ بھی سزا دیں گے' چنانچہ پھر تیسری مرتبہ انہوں نے شرارت کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر اپنا غضب لوٹاتے ہوئے فارس (ایران) کے ظالم بادشاہوں اور لوٹ مار کرنے والے فوجیوں کو مسلط کر دیا اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان پر قیامت تک مسلمانوں کو مسلط کر دیا گیا ہے (جو انہیں چین سے حکومت نہیں کرنے دیں گے) ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔قید خانہ کو ''محصر'' اور ''حصیر'' کہا جاتا ہے۔

۹۔﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے یعنی ایسی حالت کی راہ دکھاتا ہے جو تمام حالات سے زیادہ مضبوط اور سب سے زیادہ سیدھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت پر عمل کرنا ہے یا یہ کہ قرآن مجید ایسی ملت کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے یا وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی اور مضبوط ہے ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ اور مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے جو نیک اعمال کرتے رہتے ہیں ﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی ان کے لیے جنت ہے[''اَنَّ'' اصل میں ''بِاَنَّ'' ہے۔قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''يَبْشُرُ'' (تخفیف کے ساتھ باب افعال سے) ہے]۔

ع
وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝۱۲ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور انسان برائی کے

لیے بھی ویسے دعا مانگتا ہے جیسے وہ بھلائی کے لیے دعا مانگتا ہے اور انسان بہت بڑا جلد باز ہےO اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا ہے' پس ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنا دیا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو' اور ہم نے ہر چیز کو خوب وضاحت سے بیان کر دیا ہےO اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور ہم قیامت کے دن ایک کتاب (نامۂ اعمال) نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گاO

۱۰- ﴿وَّاَنَّ الَّذِیْنَ﴾ اور بے شک جو لوگ [یہ بھی ''بِاَنَّ الَّذِیْنَ'' ہے] ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' یعنی دوزخ کا عذاب [''اَعْتَدْنَا'' اصل میں ''اَعْدَدْنَا'' تھا' پھر دال کو ''تَا'' سے بدل دیا گیا ہے] اور یہ آیت مبارکہ جنت اور جہنم کے درمیان منزل کی تردید کرتی ہے کیونکہ پہلے نیک پارسا مسلمانوں کا ذکر کر کے ان کے اجر وثواب کا ذکر کیا گیا ہے' پھر کافروں کا ذکر کر کے ان کی سزا اور عذاب کا ذکر کیا گیا لیکن فاسقوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

## انسان اپنے آئینہ میں

۱۱- ﴿وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ﴾ اور انسان بُرائی کی دعا اس طرح مانگتا ہے جس طرح وہ بھلائی کی دعا مانگتا ہے' یعنی انسان غصہ کے وقت اپنے اور اپنی بیوی اور اپنے مال اور اپنی اولاد کے لیے ایسی بددعا کرتا ہے جیسے وہ خوشی کے وقت ان کے لیے دعائے خیر کرتا ہے یا انسان دنیا کی طلب میں جلدی کرتا ہے اور جلد از جلد ملنے والے نفع کا طلب گار رہتا ہے' اگر چہ وہ قلیل وحقیر ہو اور آخرت کے نقصان کو برداشت کر لیتا اور دنیا کے فائدے کی خاطر آخرت کے نقصان کا طلب گار بن جاتا ہے' اگر چہ وہ نقصان بہت بڑا ہو ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ اور انسان بہت بڑا جلد باز ہے اور وہ ہر اس چیز کی طلب میں جلدی کرتا ہے جو اس کے دل میں آ جائے اور جو چیز اس کے دل میں کھٹک جائے اور وہ اس میں تاخیر نہیں کرتا جیسا کہ ایک مفکر دانش ور مبصر آدمی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ و بچار کرنے کے لیے کچھ تاخیر کرتا ہے یا یہاں ''انسان'' سے مراد صرف کافر ہے کیونکہ وہ دل لگی کرنے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اپنے عذاب کی دعا مانگتا ہے اور اس میں جلدی کرتا ہے جس طرح وہ دعائے خیر میں جلدی کرتا ہے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور یہ انسان بہت جلد باز ہے یعنی عذاب تو اسے یقیناً ملنا ہی ملنا ہے' پھر اس میں جلد بازی کیسی؟ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس ''انسان'' سے نضر بن حارث مراد ہے جس نے اپنے خلاف خود بددعا کرتے ہوئے کہا تھا: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ'' (الانفال:۳۲) ''اے میرے اللہ! اگر یہ (نبی' قرآن' اسلام) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے'' سو اس آیت مبارکہ میں اسی انسان کو جواب دیا گیا ہے' چنانچہ اس کے بدلے میں اس شخص کی گردن اڑا دی گئی تھی [اور ''یَدْعُ'' کے آخر سے حرفِ واؤ کو خطِ عثمانی میں صرف لفظ کی موافقت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے]۔

۱۲- ﴿وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنایا' پھر ہم نے رات کی نشانی کو تاریک (مدہم) بنایا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن (دکھانے والا) بنایا' یعنی رات اور دن بذاتِ خود قدرتِ الٰہی کی دو نشانیاں ہیں [لہٰذا ''اٰیَةَ الَّیْلِ'' اور ''اٰیَةَ النَّهَارِ'' میں اضافت بیانیہ ہے جیسے عدد کی اضافت معدود کی طرف ہوتی ہے] یعنی سو ہم نے اس نشانی کو تاریک بنایا جو وہی رات ہے اور ہم نے اس نشانی کو جو دن ہے

روشن بنایا یا یہ معنی ہے کہ اور ہم نے رات اور دن کو روشن کرنے والے دونوں ستاروں کو نشانیاں بنایا اور اس سے چاند اور سورج مراد ہیں' پھر ہم نے رات کی نشانی کو مدھم بنایا' یہ وہی چاند ہے کیونکہ اس کی شعاؤں کو ایسا تیز روشنی دینے والا پیدا نہیں کیا گیا جیسا کہ سورج کی شعاؤں کو تیز ترین روشنی دینے والا بنایا گیا ہے' چنانچہ تم بہت سی چیزوں کو دن کی روشنی میں واضح طور پر دیکھ لیتے ہو اور ہم نے سورج کو تیز شعاؤں والا بنایا کہ اس کی روشنی میں ہر چیز دیکھی جاتی ہے ﴿ لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو' اور تا کہ تم دن کے اجالے میں روزگار کے حصول میں تصرف کر سکو ﴿ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ﴾ اور تا کہ تم رات اور دن کے مختلف ہونے کے سبب برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو یعنی زمانے اور اوقات کے حساب اور اعمال کے موسم معلوم کر سکو اور اگر رات دن ایک جیسے ہوتے تو رات کی دن سے اور دن کی رات سے پہچان نہ ہو سکتی اور تجارت کرنے والے تاجر اور دوسرے کام کرنے والے کاروباری حریص لوگ آرام نہ کرتے ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ ﴾ اور ہر وہ چیز جس کی تمہیں اپنے دین یا دنیا میں احتیاج ہوتی ہے ﴿ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴾ اس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ وضاحت سے بیان کر دیا ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی' پس ہم نے تمہارے تمام اعتراضات دور کر دیئے ہیں اور ہم نے تمہارے لیے اپنے خلاف کوئی حجت نہیں چھوڑی۔

۱۳- ﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ﴾ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے [''طَـآئِرَهٗ'' بہ معنی ''عَـمَلَهٗ'' ہے یعنی اس کا عمل] یعنی بے شک اس کا عمل اس کے لیے اس طرح لازم اور ضروری ہے جس طرح گلے کا ہار گردن کے لیے لازمی ہوتا ہے یا جیسے گردن کا طوق جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴾ اور ہم قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب (نامۂ اعمال) نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا یعنی لپٹا ہوا نہیں ہوگا تا کہ اس کو آسانی سے پڑھا جا سکے [''کتاب''، ''یَـلْقَاهُ'' کی صفت ہے اور ''مَنْشُوْرًا''، ''یَـلْقَاهُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ دونوں ''کتاب'' کی صفتیں ہیں] اور ہم اس سے کہیں گے کہ

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۟﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۟﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۟﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۟﴿۱۷﴾

(اسے کہا جائے گا:) تو اپنی کتاب خود پڑھ' آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے O جو ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے' اور جو گمراہ ہو جاتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہوتا ہے' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی' اور جب تک ہم (پہلے) رسول نہیں بھیجتے اس وقت تک ہم کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتے O اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مال دار لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تو اس پر ہماری حجت قائم ہو جاتی ہے' پھر ہم اسے تباہ کر دیتے ہیں O اور ہم نے نوح کے بعد

بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا' اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا' دیکھنے والا کافی ہے O

۱۴- ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ تو اپنی کتاب پڑھ' یعنی تو اپنے اعمال کی کتاب پڑھ اور (قیامت کے دن) ہر شخص کو پڑھا ہوا اٹھایا جائے گا ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ﴾ آج تو خود ہی اپنے (حساب کے لیے) کافی ہے [''بَا'' زائدہ ہے] ''اَیْ کَفٰی نَفْسُكَ '' یعنی تیری اپنی ذات کافی ہے ﴿حَسِيْبًا﴾ حساب کرنے کے لیے' [اور یہ بہ معنٰی ''حَاسِب'' ہے'' حَسِيْبًا''، ''نفس'' کی تمیز ہے اور '' عَلٰی '' اس کے متعلق' جیسے تمہارا یہ قول ہے:'' حَسِبَ عَلَيْهِ كَذَا '' یا بہ معنٰی کافی ہے اور ''شَهِيْد'' کے قائم مقام ہے اس لیے '' عَلٰی '' کے ساتھ متعدی ہے کیونکہ ''شَاهِد'' (یعنی گواہ) مدعی کے مقصد میں اس کی کفایت کرتا ہے اور '' حَسِيْبًا '' کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''شَهِيْد'' اور قاضی اور امیر کے قائم مقام ہے کیونکہ اکثر ان اُمور کے منتظم مرد حضرات ہوا کرتے ہیں تو گویا فرمایا: '' كَفٰى نَفْسُكَ رَجُلًا حَسِيْبًا '' آج تیرا اپنا نفس حساب کرنے والے مرد کے طور پر کافی ہے یا پھر نفس سے بطور تاویل شخص مراد لیا گیا ہے]۔

۱۵- ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ جو شخص ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا' یعنی ہدایت حاصل کرنے کا اجر و ثواب اسی کی ذات کو ملے گا (کسی اور کو نہیں) اور گمراہی اختیار کرنے کا وبال اور عذاب اسی کی ذات پر پڑے گا ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان (نفس) صرف اپنا بوجھ اٹھائے گی کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیں گے جب تک ہم رسول نہیں بھیجیں گے[1] اور ہماری طرف سے یہ صحیح اور جائز نہیں کہ ہم دنیا میں مکمل ہلاک کرنے والا عذاب کسی قوم پر بھیج کر اسے تباہ و برباد کر دیں مگر ان کی طرف رسول بھیجنے کے بعد جو

---

۱۔ یاد رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اپنے پیغمبر نہیں بھیجے گا اس کو عذاب نہیں دے گا تا کہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکے کہ جب ہمارے پاس دینِ حق کی تعلیم دینے والا کوئی نبی نہیں آیا تو عذاب کیوں؟ اس لیے مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ نیز دیگر کئی آیاتِ مبارکہ میں یہی ضابطہ بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے: '' وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى '' (طٰہٰ: ۱۳۴) '' اور اگر ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے' ذلیل و خوار ہونے سے پہلے'' '' وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ '' (القصص: ۵۹) '' اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کی مرکزی بستی میں اپنے رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس وقت جب وہ ظالم بن جاتے ہیں'' '' ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ O '' (الانعام: ۱۳۱) '' یہ اس لیے کہ آپ کا رب تعالیٰ بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جب کہ اس میں رہنے والے بے خبر لوگ ہوں'' '' رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ '' (النساء: ۱۶۵) '' ہم نے خوشخبری دینے والے اور عذاب کا ڈر سنانے والے رسولوں کو اس لیے بھیجا تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے''۔ واضح ہو کہ یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں' جن سے روزِ روشن کی طرح یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا' جن کے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں پہنچا بشرطیکہ یقینی دلائل کے ساتھ ان سے شرک ثابت نہ ہو' چنانچہ زمانہ فترت (جس زمانہ میں کوئی رسول و نبی نہ آیا ہوا سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دلائلِ حق کے ذریعے ان پر حجت لازم کردیں گے (پھر بھی وہ لوگ کفر اختیار کریں گے تو ان پر عذاب آئے گا ورنہ نہیں)۔

۱۶- ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً﴾ اور جب ہم کسی بستی کو یعنی بستی میں رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ﴿اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾ ہم اس کے خوشحال دولت مند لوگوں اور وہاں کے سرکش سرداروں کو (نبی کے ذریعے) اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں' ابوعمرو اور زجاج سے یہی منقول ہے ﴿فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ پھر وہ لوگ اس میں اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کی بجائے فسق و فجور پھیلانا شروع کردیتے ہیں' سرکشی و نافرمانی کرنا شروع کردیتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکل جاتے ہیں [جیسے تمہارا یہ کہنا: ''اَمَرْتُهٗ فَعَصٰی'' میں نے اسے حکم دیا تو اس نے نافرمانی کی یا پھر ''اَمَرْنَا'' بہ معنی ''كَثَّرْنَا'' ہے یعنی ہم مال و دولت کے ساتھ ان کی نسل میں اضافہ کردیتے ہیں' اس کی دلیل قاری یعقوب کی قراءت ''آمَرْنَا'' ہے اور اسی سے یہ حدیث شریف ہے: بہترین مال خالص دینار ہیں یا زیادہ بچے جننے والی عورت کا حق مہر ہے۔ یہاں ''مَاْمُوْرَةٌ'' بہ معنی کثیر النسل ہے] ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ تو ان پر عذاب واجب اور لازم ہوگیا ﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ سو ہم نے اس بستی کے باشندوں کو تباہ کردیا اور ہم نے انہیں بالکل ہلاک کردیا۔

۱۷- ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ اور ہم نے بہت سی امتوں اور قوموں کو ہلاک کردیا [''كَمْ'' مفعول ہے اور ''مِنَ الْقُرُوْنِ'' لفظِ ''كَمْ'' کا بیان ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ﴾ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد' یعنی قومِ عاد اور قومِ ثمود اور قومِ لوط علیہ السلام وغیرہم ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ اور (اے محبوب!) آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو دیکھنے والا کافی ہے' اور اگرچہ وہ لوگ ان کو اپنے سینوں اور اپنے دلوں میں چھپالیں ﴿بَصِيْرًا﴾ وہ خوب دیکھنے والا ہے' اور اگرچہ بندے ان پر پردے لٹکا دیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۗ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۗ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

جو جلد ملنے والی (دنیا کو) چاہتا ہے تو ہم اس میں جو چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں اسے جلدی دیتے ہیں' پھر ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نو مانہ فترت کہتے ہیں) کے لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے تک کے موحد حضرات جن میں حضور علیہ السلام کے وہ آباء واجداد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے شامل ہیں' خصوصاً والدین کریمین کیونکہ یہ سب شرک سے پاک دینِ ابراہیمی پر قائم تھے۔

نوٹ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء واجداد کے ایمان کی تفصیلی بحث وتحقیق ہماری کتاب: ''دلائل النجات لاصول سید الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں' جس میں وہ ذلیل و رسوا (اور) دھتکارا ہو کر داخل ہو گاO اور جو آخرت چاہتا اور اس کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے اور وہ ایمان دار ہو تو ان کی کوشش قبول کی جائے گیO ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان کی بھی اور اُن کی بھی اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہےO دیکھیے! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت بخشی ہے' اور آخرت درجات میں سب سے بڑی اور فضیلت میں سب سے اعلیٰ ہےO

۱۸- ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ﴾ جو شخص جلد ملنے والی (دنیا) چاہتا ہے ہم اس (دنیا) میں اس کو جلد دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں اتنا نہیں جتنا وہ چاہتا ہے ﴿لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ جس شخص کے لیے ہم چاہتے ہیں' یعنی جس کا ارادہ صرف دنیا ہوتا ہے اور وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا جیسے کفار ہیں تو ہم جتنا چاہتے ہیں اور جس کے لیے چاہتے ہیں اس پر احسان کرتے ہوئے اس کے منافع میں اضافہ کر دیتے ہیں' بہر حال اللہ تعالیٰ نے معجّل (دنیا کی دولت) کو اور معجّل لہ (جس کو دولت دی جاتی ہے) کو اپنے ارادے اور مشیّت پر موقوف رکھا اور اسی طرح ہوتا ہے' تم ان لوگوں میں سے اکثر لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی آرزوئیں کریں گے جو بھی آرزوئیں ہوتی ہیں لیکن ان کی تمام آرزوئیں پوری نہیں کی جاتیں اور نہ ان کو منہ مانگا دیا جاتا ہے بلکہ ان میں سے کچھ آرزوئیں پوری کر کے کچھ دے دیا جاتا ہے اور ان میں سے تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جو بعض آرزوئیں کرتے ہیں لیکن انہیں ان سے بھی محروم رکھا جاتا ہے' اس طرح ان پر دنیا کا فقر و فاقہ اور آخرت کا فقر و فاقہ جمع ہو جاتا ہے لیکن پرہیز گار مسلمان صرف آخرت کی دولت چاہتا ہے' پھر اگر اسے دنیا سے بھی حصہ مل جائے تو بہتر ورنہ بسا اوقات دنیا کا فقر اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے [''لِمَنْ نُّرِيْدُ'' حرفِ جار کے اعادہ کے ساتھ (لَهٗ) سے بدل ہے اور یہ بدل الکل سے بدل البعض ہے کیونکہ ''لَهٗ'' کی ضمیر اپنے ماقبل (مَنْ) کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ پھر ہم نے اس کے لیے آخرت میں دوزخ مقرر کر دی ہے ﴿يَصْلٰىهَا﴾ وہ اس میں داخل ہو گا ﴿مَذْمُوْمًا﴾ مذمت و ملامت کیا ہوا (یعنی) ذلیل و خوار کر کے (دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

۱۹- ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ اور جو شخص آخرت چاہتا ہے اور وہ اس کے لیے پوری کوشش کرتا ہے' [''سَعْيَهَا'' مفعول بہ ہے (اور مصدر ہونے کی بناء پر بھی منصوب ہو سکتا ہے)] یعنی جیسے آخرت کے لیے کوشش و محنت کرنے کا حق ہے' ویسے کرے اور جیسے اس کی کفایت کے لیے نیک اعمال کا ہونا ضروری ہے ویسے نیک اعمال کرے اور بُرے اعمال سے پرہیز کرے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ ایمان دار ہو' اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس کے وعدوں اور وعیدوں (دھمکیوں) کے بارے میں تصدیق کرنے والا ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ پس انہیں لوگوں کی جدوجہد اور محنت و کوشش اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں قبول کر لی جائے گی اور اس پر انہیں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ بعض بزرگ سے منقول ہے کہ جس شخص میں تین خوبیاں جمع نہیں ہوں گی' اس کا عمل اسے فائدہ نہیں دے گا: (۱) ایمان پر ثابت قدم رہنا یعنی ایمانِ محکم (۲) نیت کا سچا اور خالص ہونا یعنی سچی نیت (۳) اور عمل کا نیک اور صحیح ہونا اور اس بزرگ نے یہی تلاوت فرمائی کیونکہ اس میں تین شرطیں محنت و کوشش کے مقبول و منظور ہونے کے لیے لازمی قرار دی گئی ہیں: (۱) ہر عمل میں آخرت کا ارادہ اور نیت ہو (یعنی ہر نیک عمل سے مقصود آخرت کی کامیابی ہو' دنیا کی نہیں) (۲) اور جن اعمال کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے ان کے لیے کماحقہٗ پوری کوشش و محنت کرنا (۳) ایمان پر ثابت قدم رہنا (یعنی ایمان محکم ہو)۔

۲۰- ﴿كُلًّا نُّمِدُّ﴾ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں [''كُلًّا'' اصل میں ''كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ'' ہے' اس میں تنوین

(یعنی و وزیر) مضاف الیہ کے عوض میں ہیں اور یہ ''نُمِدُّ'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی دونوں فریقوں میں سے ہم ہر ایک فریق کی مدد کرتے ہیں ﴿ھٰٓؤُلَآءِ﴾ [یہ ''کُلًّا'' سے بدل ہے] یعنی ان کی ہم مدد کرتے ہیں ﴿وَھٰٓؤُلَآءِ﴾ اور اُن کی بھی یعنی جو شخص جلدی ملنے والی (یعنی دنیا) کو چاہتا ہے اور جو شخص آخرت کو چاہتا ہے (ہم ان دونوں میں سے ہر ایک فریق کی مدد کرتے ہیں) ﴿مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی بخشش سے یعنی اس کے رزق میں سے [اور حرف ''مِنْ''، ''نُمِدُّ'' کے ساتھ متعلق ہے] ''عطاء'' اس بخشش کا نام ہے جو عنایت کی جاتی ہے یعنی ہم اپنی بخشش سے انہیں مزید دیتے رہتے ہیں اور ہم نئے اور پرانے سب کی مدد کرتے ہیں اور ہم کسی کی مدد نہیں روکتے بلکہ ہم نیک و بد سب کو اپنے فضل و کرم کی وجہ سے برابر رزق عطا فرماتے رہتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کی عطاء و بخشش اس کے بندوں سے کبھی نہیں روکی جاتی' اگرچہ وہ نافرمانیاں کرتے ہوں۔

۲۱- ﴿اُنْظُرْ﴾ عبرت کی نگاہ سے دیکھئے کہ ﴿كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض کو بعض پر مال و دولت میں' درجات و مراتب اور شان و شوکت میں اور وسعت و فراخی اور کمال و عروج میں ہم نے کیسی فضیلت و برتری بخشی ہے ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ اور بے شک آخرت درجات و مراتب میں سب سے بڑی اور فضیلت و شان میں سب سے اعلیٰ ہے۔ مروی ہے کہ کچھ سردار اور کچھ دوسرے لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر جمع ہوئے اور حضرت عمر نے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اندر آنے کی اجازت دے دی تو حضرت ابوسفیان پر یہ بات سخت ناگوار گزری' جس پر حضرت سہیل بن عمرو نے کہا کہ انہیں ہم سے پہلے اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ جب انہیں اور ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی تو انہوں نے جلدی کر کے فوراً اسلام قبول کر لیا تھا جب کہ ہم نے دیر کر دی' پہلے مخالفت کرتے رہے' پھر ہم نے تاخیر کر کے اسلام قبول کیا تھا' پھر یہ تو حضرت عمر فاروق کا دروازہ ہے' بھلا آخرت میں مراتب کے لحاظ سے کتنا تفاوت و فرق ہوگا؟ اور تم تو حضرت عمر فاروق کے دروازے پر ان پر رشک کر رہے ہو جب کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

ع ۲

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ بدحال بے یار و مددگار بیٹھے رہ جاؤ گے ○ اور آپ کے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو' اگر ان میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ تم انہیں ڈانٹو اور ان سے احترام کے ساتھ بات کرو ○ اور تم ان کے لیے شفقت و رحمت سے نرمی کے بازو جھکا دو اور کہو: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم و کرم فرما جس طرح

ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی O جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اگر تم نیکی کرنے والے ہو گے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے O

۲۲- ﴿لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب تو حضور نبی کریم ﷺ کو ہے مگر اس سے آپ کی امت مراد ہے ﴿فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا﴾ ورنہ تم ذلیل و خوار ہو کر بیٹھو گے کہ تم اپنے آپ پر مذمت و رسوائی جمع کرنے والے ہو جاؤ گے اور بعض نے کہا کہ توہین کے ساتھ برا بھلا کہا جائے گا اور اعانت سے محروم کر دیا جائے گا کیونکہ خذلان نصرت و اعانت کی ضد ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ'' (آل عمران:۱۶۰) ''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے گا تو اس کے بعد پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خذلان کو نصرت کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

۲۳- ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا ہے (یعنی) اس نے قطعی اور یقینی حکم دیا ہے کہ ﴿اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ [''اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا'' میں ''اَنۡ'' مُفَسِّرَہ ہے (یعنی اپنے سے پہلے جملے کی تفسیر و تشریح اور وضاحت کرنے والا حرف ''اَنۡ'') اور ''لَا تَعۡبُدُوۡۤا'' فعلِ نہی ہے یا اصل میں ''بِاَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا'' ہے] ﴿وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (اصل میں) ''وَاَحۡسِنُوۡا بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا'' ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو یا ''بِاَنۡ تُحۡسِنُوۡا بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا'' ہے یہ کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو گے ﴿اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ﴾ اگر تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں [''اِمَّا'' اصل میں ''اِنۡ مَا'' ہے اور یہ ''اِنۡ'' شرطیہ ہے اس کی تاکید کے لیے اس پر حرف ''مَا'' زیادہ کیا گیا ہے اس لیے فعل کے آخر میں نون تاکید کا لایا گیا ہے اگر ''اِنۡ'' اکیلا ہوتا تو اس کے فعل پر نون تاکید کا آنا صحیح نہ ہوتا جیسے ''اِنۡ تُکۡرِمَنَّ زَیۡدًا یُکۡرِمۡكَ'' کہنا صحیح نہیں ہے اگر تو زید کی عزت کرے گا تو وہ تیری عزت کرے گا لیکن ''اِمَّا تُکۡرِمَنَّ زَیۡدًا'' کہنا صحیح ہے] ﴿اَحَدُهُمَاۤ﴾ ان دونوں میں سے ایک [اور یہ ''یَبۡلُغَنَّ'' کا فاعل ہے اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یَبۡلُغَانِّ'' ہے اس صورت میں ''اَحَدُهُمَا'' الف تثنیہ کی ضمیر سے بدل ہوگا جو والدین کی طرف لوٹتی ہے] ﴿اَوۡ کِلٰهُمَا﴾ یا وہ دونوں [یہ ''اَحَدُهُمَا'' پر معطوف ہے اور یہ (فعل واحد کی صورت میں) فاعل ہے اور (فعل تثنیہ کی صورت میں) بدل ہے] ﴿فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ﴾ سو تم انہیں اُف تک نہ کہو [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''اُفٍّ'' آخر میں تنوین کے ساتھ کسرہ ہے (یعنی آخر میں دو زیر ہیں) اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اُفَّ'' آخر میں بغیر تنوین فتحہ (یعنی زبر) ہے باقیوں کی قراءت میں بغیر تنوین کسرہ ''اُفِّ'' ہے بہر حال کسرہ تو التقائے ساکنین کی وجہ سے جو اصل ہے اور فتح تخفیف کے لیے اور تنوین نکرہ کرنے کے ارادے سے پڑھی گئی] یعنی ناگوار لفظ منہ سے نہ نکالنا جس سے والدین کی دل شکنی ہو اور معروف ہونے کی بناء پر اس کو ترک کر دیا گیا یعنی معلوم و معین اور مشہور و معروف تکلیف دِہ اور توہین آمیز الفاظ نہ کہو ﴿وَلَا تَنۡهَرۡهُمَا﴾ اور تم انہیں مت جھڑکو اور ان سے جو ایسے کام سرزد ہو جائیں جو تمہیں پسند نہیں ہیں تو تم ان کاموں پر انہیں بالکل نہ جھڑکنا اور نہ برا بھلا کہنا (صرف نرمی سے سمجھا دینا کافی ہے) اور ''نہی'' اور ''نہر'' ہم معنی ہیں کہ کسی کام سے روکنا ﴿وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا﴾ اور تم انہیں اُف وغیرہ کہنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے کی بجائے نرم لہجے میں اچھے الفاظ کے ساتھ بات کیا کرو جیسے حسنِ ادب کا

تقاضا ہو یا یہ کہ بیٹا اپنے ماں باپ کو پکارتے وقت یوں کہا کرے: اے میرے ابا جان! اے میری امی جان! اور ان کو نام لے کر نہ پکارے کیونکہ اس میں بے ادبی اور گستاخی ہے' البتہ ان کی غیر موجودگی میں بہ وقتِ ضرورت ان کے نام لے سکتا ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ (حضرت) ابوبکر نے مجھے اتنا سارا مال عطا فرمایا ہے اور ''عِنْدَكَ'' کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ جب والدین اپنی اولاد پر بوجھ بن جائیں اور اولاد کے علاوہ ان کی کفالت کرنے والا اور کوئی نہ ہو اور وہ اپنی اولاد کے پاس ان کے گھر میں اور ان کی حفاظت میں ہوں اور یہ بات اس پر سخت شاق اور ناگوار ہو تو اس وقت اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے اور حسن ادب کا خیال رکھے یہاں تک کہ جب ماں باپ میں سے کوئی اسے کسی ایسی بات پر ڈانٹ دیں جو اسے ان کی طرف سے ناپسند ہو تو پھر بھی انہیں اُف تک نہ کہے اور اس سے زیادہ سخت لفظ کہنا تو بہ طریق اولیٰ منع ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے والدین کے متعلق نیک سلوک کی تلقین کرنے میں خوب مبالغہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ ان سے نیک سلوک کرنے کی تلقین کو ملا کر شروع فرمایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کی رعایت کرنے اور ان کا خیال رکھنے کے لیے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے' یہاں تک کہ ایسے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف دہ لفظ بولنے کی اجازت نہیں دی جو کسی حالت میں زجر و توبیخ کے موجبات کے سبب کسی سخت مزاج اولاد کے منہ سے نکل سکتا ہو اگرچہ ایسے حالات میں انسان اس پر صبر نہ کر سکتا ہو۔

۲۴۔﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ ﴾ اور ان کے لیے نرمی و عاجزی کے بازو جھکا دیجئے' یعنی تم اپنے بازو ان کے لیے جھکا دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (الحجر:۸۸) ''اور اے محبوب! آپ اپنے بازو مسلمانوں کے لیے جھکا دیجئے''۔ [''جَنَاحَ'' کی اضافت ''الذُّلِّ'' کی طرف اس طرح ہے جس طرح ''حاتم'' کی اضافت ''الْجُوْد'' کی طرف ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم اپنے بازو نرمی اور عاجزی کے ساتھ والدین پر جھکا دو ﴿ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ ان کے لیے اپنی بہت بڑی رحمت و مہربانی کی وجہ سے اور تم ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان پر نرمی و شفقت کرو کیونکہ آج وہ اس (اولاد) کے محتاج ہیں جو گزشتہ کل تک مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ انہیں کی محتاج تھی۔ علامہ زجاج نے کہا کہ تم رحمت و شفقت میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے بازو کو عاجزی کے ساتھ نرم کر دو ﴿ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ اور تم کہو: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا اور تو ان پر اپنی اس رحمت و شفقت پر اکتفاء نہ کر جس کو بقاء نہیں بلکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ اپنی دائمی رحمت کے ساتھ ان پر رحمت فرمائے اور اس کو ان کی اس رحمت کا بدلا قرار دے دے جو انہوں نے تیرے بچپن میں تجھ پر فرمائی تھی اور انہوں نے تیری تربیت کی تھی اور یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو ہے اور دعا مسلمان والدین کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر والدین کافر ہوں تو پھر ان کے لیے بہ شرط ایمان رحم کی دعا کی جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔

## والدین کا احترام احادیث مبارکہ کی روشنی میں

(۱) حضور نبی اکرم رسولِ اعظم شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''رَضَا اللّٰهِ فِيْ رَضَا الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُهٗ فِيْ سَخَطِهِمَا''[1] اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ماں باپ کی رضا مندی پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی پر موقوف ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث:۱۸۹۹

(۲) مروی ہے کہ ماں باپ کی فرماں بردار اولاد خواہ (غلطی سے) کچھ کرے وہ دوزخ کی آگ میں نہیں جائے گی اور ماں باپ کی نافرمان اولاد جنتی چاہے نیکیاں کرے جنت میں نہیں جائے گی[1]

(۳) حضور سرورِ عالم ﷺ سے منقول ہے کہ لوگو! تم اپنے والدین کی نافرمانی سے بچو کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت تک پہنچے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان اس کی خوشبو نہیں پائے گا اور نہ صلہ رحمی کو قطع کرنے والا اور نہ بوڑھا زانی اور نہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف اور اذیت پہنچانے والا متکبر' بے شک کبریائی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے[2]

۲۵۔ ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ﴾ تمہارے نفسوں میں جو کچھ ہے انہیں تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے' (یعنی) والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی خدمت کر کے انہیں خوش رکھنے اور عزت و احترام کرنے کے بارے میں تمہارے دلوں میں جو ارادے ہیں' تمہارا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے ﴿ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ ﴾ اگر تم نیک ہو گئے' کہ تم تو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہو لیکن پھر بھی غصہ کی حالت میں اور پریشانی و تنگ دلی کی حالت میں انہیں تمہاری طرف سے کوئی تکلیف پہنچ گئی' پھر بعد ازاں تم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی اور اس سے اپنی کوتاہی پر بخشش طلب کی ﴿ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے۔ ''اَوَّاب'' اس شخص کو کہتے ہیں جو جب بھی گناہ کر بیٹھے تو فوراً جلد از جلد توبہ کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت مبارکہ عام ہو اور ہر اس شخص کو شامل ہو جس سے کسی غلطی کے سبب کوتاہی ہو جائے' پھر وہ توبہ کر لے اور اس میں ماں باپ کی غلطی سے نافرمانی کر کے اپنی کوتاہی پر توبہ کرنے والا بھی شامل ہو کیونکہ انہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ
الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ
عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا
تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾
اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ ع ۳

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو اور نادار اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو○ بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے○ اور اگر اپنے پروردگار کی طرف سے جس رحمت کی تم امید رکھتے ہو اس کے انتظار میں ان سے روگردانی کرو تو ان سے نرم بات کہہ دو○ اور نہ اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ کر رکھیں اور نہ پورے کھول دیں ورنہ ملامت زدہ ہو کر خالی ہاتھ بیٹھیں رہیں گے○ بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (رزق کو) تنگ بھی کر دیتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں سے بہت خبردار خوب دیکھنے والا ہے○

[1] رواہ الثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۶۵۹)
[2] رواہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵

## قرابت داروں وغیرہ کے حقوق ادا کرنے کا حکم' اسراف کی ممانعت' اعتدال سے خرچ کرنے کا حکم

۲۶-﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ اور اپنے رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو' یعنی جب محارم رشتہ دار' محتاج وغریب ہوں تو ان پر اپنا مال خرچ کرو ﴿ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ اور نادار اور مسافر کو' یعنی ان کو بھی زکوٰۃ کے مال میں سے ان کا حق دے دو ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾ اور فضول خرچی نہ کرو اور بے جا مال و دولت ضائع نہ کرو۔ اہل علم نے فرمایا کہ فضول خرچی یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقے سے خرچ کیا جائے اور ناجائز جگہوں پر خرچ کیا جائے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص بالکل تھوڑا سا مال بھی ناجائز خرچ کرے گا تو وہ فضول خرچی ہوگی اور ایک صاحب نے نیکی اور بھلائی کے کام میں اپنا مال خرچ کیا' پھر اس نے دوبارہ بہت زیادہ مال بھلائی کے کام میں خرچ کیا تو اس سے اس کے ایک دوست نے کہا کہ فضول خرچی میں بھلائی نہیں ہے تو اس صاحب نے جواب میں کہا کہ بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنا فضول خرچی نہیں ہے۔

۲۷-﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ بے شک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں' اس لیے کہ شرارت و بُرائی کے کاموں میں فضول خرچ لوگ شیطانوں کی طرح ہوتے ہیں اور یہ مذمت بیان کرنے کی انتہاء ہے کیونکہ شیطان سے بڑھ کر کوئی بُرا نہیں اور شیطانی کاموں سے بڑھ کر کوئی بُرائی نہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ شیطانوں کے بھائی اور ان کے دوست ہیں کیونکہ یہ لوگ فضول خرچی کے کاموں میں ان کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں ﴿ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴾ اور شیطان اپنے رب تعالیٰ کا بہت ناشکرا ہے' سو اس کی اطاعت بالکل نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے کام جیسے کاموں کی طرف بلاتا ہے۔

۲۸-﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا ﴾ اور اگر آپ اپنے رب تعالیٰ کی جس رحمت کی امید رکھتے ہیں اس کے انتظار میں ان سے منہ پھیر لیں یعنی اگر آپ رشتہ داروں' مسکینوں اور مسافروں سے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرم وحیاء کے سبب ان سے روگردانی کر لیں ﴿ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴾ تو ان سے نرم اور آسان بات ارشاد فرما دیں' ( کہ جب مال آئے گا تو تمہیں دے دیا جائے گا) یعنی اگر آپ اپنے رب تعالیٰ کے رزق کے نہ ہونے کی بناء پر جس کی امید ہے کہ عنقریب آپ کو مہیا کر دیا جائے گا' ان سے روگردانی کر لیں تو ان سے نرم بات کہہ کر ان کو بڑے خوب صورت طریقے سے واپس لوٹا دیں [ پھر یہاں رزق کو '' رحمۃ '' قرار دیا گیا ہے اور '' ابتغاء '' رزق کے نہ ہونے کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ رزق نہ پانے والا شخص اس کی طلب اور تلاش میں ہوتا ہے تو گویا رزق کا نہ ہونا طلبِ رزق کا سبب اور '' ابتغاء '' ( طلب رزق ) اس کا مسبب ہے' پس مسبب کو سبب کی جگہ رکھا گیا ہے ( '' مَيْسُوْرًا '' ' '' يُسْر '' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: آسان و نرم ہونا' چنانچہ کہا جاتا ہے: '' يُسِرَ الْاَمْرُ '' کام آسان ہو گیا ' '' وَعُسِرَ '' اور مشکل ہو گیا جیسے '' سُعِدَ الرَّجُلُ '' آدمی نیک بخت ہو گیا ' '' وَنُحِسَ '' اور بد بخت ہو گیا ) اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! جب آپ کے پاس ضرورت مندوں کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو آپ ان سے دعا دیتے ہوئے فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور تمہیں رزق عطا فرمائے گا' اس بناء پر کہ یہ ان کے حق میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فقر و غربت کو ان پر آسان کر دے گا گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ آسان اور نرم بات کہنا اور یہی '' يُسْر '' ہے یعنی دعا ہے' جس میں آسانی ہے [ اور '' اِبْتِغَآءَ '' مفعول لہ ہے یا یہ مصدر ہے اور محلًا حال ہے اور '' تَرْجُوْهَا '' حال ہے ]۔

۲۹-﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ اور آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف

باندھ کرنہ رکھیں اور نہ بالکل پورا کھول دیں[ ''کُلَّ'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر کی طرف مضاف ہے ]اور یہ آیت مبارکہ بخل سے روکنے اور فضول خرچی سے منع کرنے کے لیے ایک تمثیل ہے اور بخل اور فضول خرچی کے درمیان کی راہ میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے ﴿ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا ﴾ ورنہ آپ ملامت زدہ ہو کر بیٹھے رہیں گے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملامت زدہ ہو جائیں گے کیونکہ فضول خرچ آدمی نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے نزدیک اور فقیر و غریب آدمی (فضول خرچی کے وقت) کہے گا کہ انہوں نے مجھے بہت کچھ دے دیا اور (بخل کے وقت کہے گا:) انہوں نے مجھے محروم کر دیا ہے اور غنی و مال دار آدمی کہے گا: وہ معیشت کے معاملے میں اچھی تدبیر نہیں کرتے اور جب آپ محتاج و ضرورت مند ہو جائیں گے تو آپ اپنے نزدیک اپنے کیے پر نادم ہوں گے ﴿ مَّحْسُوْرًا ﴾ الگ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں گے' آپ کے پاس کوئی نہیں ہوگا[ یہ ''حَسَرَةُ السَّفَرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب سفر مسافر میں اس قدر زبردست اثر کرے کہ اس کے پاس کچھ نہ رہے یا اس کا معنی ہے ننگے بدن ہونا' یہ ''حَسَرَ رَاْسُهٗ'' سے ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی کا سر ننگا ہو گیا ہے ]۔

شانِ نزول: ایک دفعہ ایک مسلمان عورت نے ایک یہودیہ عورت سے بحث کی اور کہا کہ حضور نبی الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ سخی ہیں' چنانچہ اس یہودیہ عورت نے اس بات کا امتحان لینے کی غرض سے اپنی بیٹی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بھیجا' اس لڑکی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اپنی یہ قمیص عنایت فرما دیں جو آپ نے اپنے جسمِ اقدس پر پہن رکھی ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قمیص مبارک اتار کر اسے عنایت فرما دی اور خود ننگے بدن گھر میں بیٹھ گئے' اُدھر مسجد نبوی میں نماز کے لیے اقامت پڑھی گئی' مگر آپ نماز پڑھانے مسجد میں تشریف نہیں لے گئے' اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۳۰- پھر اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس غم و رنج پر تسلی دی گئی ہے جو کچھ نہ رکھنے کی بناء پر سائلوں کو خالی ہاتھ لوٹانے اور کچھ نہ دینے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہو جاتا تھا کیونکہ یہ معاملہ (یعنی کچھ نہ دینا) نہ تو آپ کی طرف سے اس پر کسی سستی کے سبب ہوا اور نہ یہ معاملہ کسی بخل کی وجہ سے آپ سے صادر ہوا' اس لیے کہ رزق کو کشادہ و فراخ کرنا اور اس کو تنگ و کم کرنا اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے' پس رزق کی کشادگی آپ کی ذمہ داری نہیں ہے ﴿ وَيَقْدِرُ ﴾ اور وہ تنگ کر دیتا ہے' یعنی وہی جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے' لہٰذا آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے' سو وہ انہیں کو جاری و ساری کرتا ہے ﴿ بَصِيْرًا ﴾ وہ ان کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو خوب دیکھ رہا ہے' پس وہ انہیں کی حاجات کا فیصلہ انہیں کے حق میں فرما دیتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

اَلَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کرو، انہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے O اور تم زنا کے نزدیک بھی نہ جاؤ بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت بُرا راستہ ہے O اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو تم ناحق قتل نہ کرو، اور جس کو ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو طلبِ قصاص کا اختیار دے دیا ہے، سو تم قتل میں زیادتی نہ کرو، بے شک اس کی مدد کی گئی ہے O اور تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور تم عہد پورا کیا کرو، بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا O

## قتلِ اولاد، زنا کاری، قتلِ انسانیت، مالِ یتیم کھانے کی ممانعت اور ناپ تول پورا کرنے کا حکم

۳۱- ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کا اپنی اولاد کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے ﴿خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ﴾ بھوک اور فقر و غربت کے خوف کی وجہ سے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ﴾ ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور خود آپ ان کے رزق کا ضامن بن گیا ہے ﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا﴾ بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے [''خِطْأً كَبِیْرًا'' کا معنی ''اِثْمًا عَظِیْمًا'' ہے یعنی بہت بڑا گناہ۔ ''اَثِمَ اِثْمًا'' (اس نے بہت بڑا گناہ کیا) کی طرح ''خَطِئَ خِطْأً'' کہا جاتا ہے (اس نے بہت بڑی غلطی کی)۔ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''خَطَأً'' (خا اور طا دونوں پر زبر ہے) اور یہ صواب کی ضد ہے (کیونکہ ''خَطَأً'' کا معنی ہے: غلط اور ''صَوَاب'' کا معنی ہے: درست) اور ''اَخْطَأَ'' سے اسم ہے اور بعض علماء نے کہا کہ ''خَطَأٌ'' اور ''خِطْءٌ'' اس طرح ہیں جس طرح ''حَذَرٌ'' اور ''حِذْرٌ'' ہیں (یعنی دونوں طرح مصدر استعمال ہوتا ہے)۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''خِطَاءٍ'' مد اور زیر کے ساتھ ہے]۔

۳۲- ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی﴾ اور تم زنا (بدکاری) کے نزدیک بھی نہ جاؤ [زیادہ تر ''زِنٰی'' کو مد کے بغیر قصر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ایک لغت میں مد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے] اور یہ زنا کاری کے دواعی اور اسباب سے نہی (منع کرنا) ہے، جیسے چھونا اور بوس و کنار کرنا اور اسی طرح بُرے اشارے کنائے کر کے بدکاری کی طرف راغب کرنا (یہ سب کام زنا کاری کی طرح بدترین جرم ہیں) اور اگر بعینہٖ زنا کاری سے روکنا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا: ''وَلَا تَزْنُوْا'' زنا کاری نہ کرو ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے، (یعنی) گناہ کا کام ہے، شریعت اور عقل سلیم کی حد سے تجاوز ہے ﴿وَسَآءَ سَبِیْلًا﴾ اور یہ راستہ بہت بُرا ہے۔

۳۳- ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور تم کسی ایسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل نہ کرو یعنی کسی ایسے عمل کا ارتکاب نہ کرو جو کسی محترم جان کے خون بہانے کا سبب بن جائے ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا﴾ اور جس شخص کو ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے کہ اس نے کسی محترم جان کے خون بہانے کا ارتکاب نہ کیا ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا﴾

تو بے شک ہم نے اس کے وارث کے لیے مطالبہ کا اختیار مقرر کر دیا ہے (یعنی) قاتل پر اس کو غلبہ دیا ہے کہ وہ اس سے قصاص (قتل کے بدلے قتل) کا مطالبہ کرے ﴿فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ﴾ قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے [ضمیر "ولی" (وارث) کی طرف لوٹتی ہے] یعنی مقتول کا وارث قاتل کے علاوہ اور کسی کو قتل نہ کرے اور ایک قاتل کی بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کی عادت تھی یا اسراف و زیادتی یہ ہے کہ قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کا مثلہ کر دیا جائے (مثلہ یہ ہے کہ میت کے ہاتھ پاؤں' کان' ناک اور زبان کاٹ دی جائے اور اس کی آنکھیں نکال دی جائیں' پیٹ چاک کر دیا جائے' غرضیکہ شکل بگاڑ دی جائے) [یا پھر ضمیر پہلے قاتل کی طرف لوٹتی ہے۔ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "فَلَا تُسْرِفْ" (فعل مخاطب) ہے اس بناء پر کہ مقتول کے ولی کو یا مظلوم کے قاتل کو خطاب ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ بے شک اس کی مدد کر دی گئی ہے [ضمیر غائب ولی کی طرف لوٹتی ہے] یعنی مقتول کے ولی کے لیے یہی کافی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کر دی ہے کہ اس کے لیے قصاص کو واجب و لازمی قرار دے دیا ہے' سو وہ اس پر مزید کا مطالبہ نہ کرے اور اس پر زیادتی نہ چاہے یا [ضمیر مظلوم کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے قتل کرنے پر قصاص کو واجب و لازم کر دیا اور آخرت میں ثواب عطا فرما کر اس کی مدد کرے گا [یا اس کی ضمیر اس شخص کی طرف لوٹتی ہے] جس شخص کو مقتول کا ولی ناحق قتل کر دے اور اس کے قتل میں زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے پر قصاص واجب و لازم کر کے اس کی مدد کی گئی ہے اور بہ ظاہر یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص آزاد اور غلام کے درمیان اور مسلمان اور ذمی (اسلامی ملک میں شہریت رکھنے والا غیر مسلم) کے درمیان نافذ و ثابت ہے کیونکہ ذمی اور غلام کی جانیں اس آیت مبارکہ کے تحت داخل ہیں' اس لیے کہ ان کا قتل بھی حرام ہے۔

۳۴- ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ اور تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسی خصلت اور ایسے طریقے کے ساتھ جو تمام خصلتوں اور تمام طریقوں سے بہترین ہو اور وہ یہ کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس سے کاروبار کر کے بڑھایا جائے اور پھل آور کیا جائے ﴿حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے یعنی اٹھارہ سال کا ہو جائے ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے اوامر (جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور اس کی نواہی (جن سے منع کیا گیا ہے) بجا لانے کا عہد پورا کرو ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی) مطالبہ کیا جائے گا اور وہ مطالبہ یہ کیا جائے گا کہ "مُعَاهَد" (جس سے عہد لیا گیا ہے) سے پوچھا جائے گا کہ کہیں اس نے عہد کو ضائع تو نہیں کر دیا تھا یا اسے پورا کیا تھا یا یہ معنی ہے کہ صاحبِ عہد (عہد کرنے والے) سے پوچھا جائے گا۔

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

اور جب تم ناپو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے برابر تولو یہی سب سے بہتر ہے اور اسی کا انجام سب سے اچھا ہے O اور جس

کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی پیروی نہ کرو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا O اور تکبر سے زمین پر نہ چلو بے شک تم زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتے اور تم پہاڑوں کی بلندی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے O ان سب کاموں کی برائی تمہارے رب تعالیٰ کو ناپسند ہے O

۳۵۔﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ ﴾ اور جب تم ماپو تو پورا ماپو اور ترازو کے ساتھ (صحیح اور برابر) تولو [اور امام حفص' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں قاف کے نیچے زیر ہے] اور ''قسطاس'' ہر اس ترازو کو کہا جاتا ہے جس میں درہموں (چاندی کے سکوں) وغیرہ کو تولا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ ''قرسطون'' ہے یعنی قبان (ترازو) ﴿ الْمُسْتَقِيْمِ ﴾ معتدل ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ یہ دنیا میں سب سے بہتر ہے ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے [''تاویل'' ''تفعیل'' کے وزن پر باب تفعیل کا مصدر ہے'' آلَ '' سے ماخوذ ہے جب لوٹ آئے اور یہ ہر وہ چیز ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے]۔

## بغیر علم کے کسی چیز پر عمل کرنے اور تکبر کی چال چلنے اور شرک کرنے کی ممانعت کا بیان

۳۶۔﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ اور تم اس کی کُرید نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور نہ تم اس چیز کی پیروی کرو جس کو تم نہیں جانتے یعنی یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے اور تم نے نہیں دیکھا اور میں نے سنا ہے اور تم نے نہیں سنا اور حضرت ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جھوٹی گواہی نہ دو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تم کسی شخص پر ایسی تہمت نہ لگاؤ جسے تم نہیں جانتے اور اجتہاد کو باطل قرار دینے والے کے لیے اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتہاد بھی علم کی ایک قسم ہے۔ ارشاد ہے: ''فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ'' (الممتحنہ: ۱۰) ''پس اگر وہ تمہیں مؤمنہ معلوم ہوں تو تم انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو''۔ اور شارع نے غالب ظن کو علم کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ گواہیوں میں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ عمل کرنا جائز ہے (حالانکہ اس سے بھی غالب ظن حاصل ہوتا ہے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ بے شک کان' آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا [''اُولٰٓئِكَ'' سے ''سمع' بصر اور فؤاد'' کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ''اُولٰٓئِكَ'' سے جس طرح عقلاء کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسی طرح غیر عقلاء کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے] جیسا کہ جریر کا قول ہے:

ذُمَّ الْمَنَازِلَ بَعْدَ مَنْزِلَةِ اللِّوٰى ۔۔۔ وَالْعَيْشَ بَعْدَ اُولٰٓئِكَ الْاَيَّامِ

''اس نے لویٰ کی منزل کے بعد تمام منزلوں کی مذمت بیان کی اور ان دنوں کے بعد اس نے زندگی کی بھی مذمت کی''۔

یعنی کان' آنکھ اور دل میں سے ہر ایک کے متعلق انسان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ان کو جائز استعمال کیا تھا یا ناجائز استعمال کیا تھا' چنانچہ انسان سے کہا جائے گا کہ تم نے وہ باتیں (نیز گانے وغیرہ) کیوں سنی تھیں جن کا سننا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ اور تم نے وہ چیزیں کیوں دیکھی تھیں جن کا دیکھنا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ اور تم نے ان کاموں کا دل میں پختہ ارادہ کیوں کیا تھا جن کاموں کو کرنے کے لیے دل سے پختہ ارادہ کرنا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ [اور ''عَنْهُ'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''مَسْئُوْل'' کا اسناد جار مجرور (عَنْهُ) کی طرف کیا گیا ہے جیسے ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' میں ''مَغْضُوْبٌ بِه'' کا اسناد جار مجرور (عَلَيْهِمْ) کی طرف کیا گیا ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک یہ درست نہیں ہے کیونکہ جار مجرور فاعل کے قائم مقام اس وقت ہوتا ہے جب وہ فعل سے متاخر ہوں لیکن جب وہ مقدم ہوں تو پھر نہیں]۔

۳۷۔﴿ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ ''اَیْ ذَا مَرَحٍ'' یعنی (اے انسان!) اترانے والا اور غرور کرنے والا بن کر زمین پر نہ چل (عاجزی سے چل) [''مَرَحًا'' ضمیرِ مخاطب سے حال ہے] ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ ﴾ بے شک تو (اکڑ کر چلنے سے) زمین کو چیر نہیں سکتا اور نہ تو اپنے پاؤں زمین پر زور سے مار کر چلنے سے اس میں شگاف ڈال سکتا ہے اور نہ تو سختی کے ساتھ زمین کو روند کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے ﴿ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴾ اور تو پہاڑوں کی بلندی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا یعنی تکبر کے ذریعے اپنے آپ کو دراز (لمبا) کر کے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ تکبر کرنے والے پر طعن ہے یا یہ معنی ہے کہ تو قوت و سختی میں پہاڑوں کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا [''طُوْلًا'' فاعل سے یا مفعول سے حال ہے]۔

۳۸۔﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ ان (منہیات میں سے) ہر ایک کی بُرائی آپ کے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے [کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''سَيِّئُهٗ'' ہے یعنی ''کل'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر کی طرف مضاف ہے' ان کے علاوہ دوسرے قاریوں کے نزدیک ''سَيِّئَةً'' (خبرِ ''كَانَ'' کی بناء پر منصوب) ہے اور ''مَكْرُوْهًا'' مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ''سَيِّئَةٌ''، ''ذَنْبٌ'' اور ''اِثْمٌ'' کے منزلہ میں آنے کی وجہ سے اسماء کے حکم میں ہے' اس سے صفات کا حکم زائل ہو چکا ہے اس لیے اس کی تانیث کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عرب کہتے ہیں: ''اَلزِّنٰی سَيِّئَةٌ'' (زنا بُرائی ہے) جیسا کہ وہ کہتے ہیں: ''اَلسَّرِقَةُ سَيِّئَةٌ'' (چوری بُرائی ہے)] پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے پہلے جن خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں بعض بُری ہیں (اور وہ منہیات ہیں جن کا کرنا بُرائی ہے) اور بعض حسن یعنی اچھی ہیں (اور وہ اوامر ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) [اس لیے جس نے پڑھا اس نے اس کو اضافت ''سَيِّئُهٗ'' پڑھا یعنی مذکورہ خصلتوں میں سے جو بُری ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں سو جس نے ''سَيِّئَةً'' پڑھا اس کی قراءت کی وجہ کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''كُلُّ ذٰلِكَ'' کے احاطہ میں صرف منہیات ہیں جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے' وہ تمام خصلتیں شامل نہیں ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا]۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ
جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ
وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى
ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

یہ ساری باتیں ان حکمت بھری تعلیمات میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں' اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ ورنہ تمہیں رسوا کر کے دھکے دے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا O کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیئے اور خود اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا' بے شک تم البتہ بہت بڑی بات کہتے ہو O اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید میں بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں' اور ان میں تو صرف نفرت ہی بڑھتی ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ کفار کہتے ہیں تب تو وہ عرش

والے کی طرف کوئی راستہ تلاش کرتے O

۳۹-﴿ذٰلِکَ﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ: ''لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ'' کی طرف اشارہ ہے' جو پہلے گزر چکا ہے وہاں (یعنی آیت:۲۲) سے یہاں (آیت:۳۸) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ﴿مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ﴾ اُن حکمت بھری تعلیمات میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجی ہیں' یہ انہیں تعلیمات میں سے ہیں جن کی صحت و درستگی کا عقلِ سلیم بھی حکم دیتی ہے اور ہر انسان اس کے اسوہ پر عمل پیرا ہو کر نیک و پارسا بن جاتا ہے ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَھَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ اور (اے انسان!) تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ تجھے ملامت زدہ کر کے رحمتِ الٰہی سے دھتکار کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' آپ نے فرمایا کہ یہ اٹھارہ آیات تورات شریف کی ان تختیوں میں تحریری شکل میں موجود تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھیں' جن کا آغاز ''لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ'' (آیت:۲۲) سے ہوتا ہے اور ان کا اختتام (آیت:۳۹ کے آخر) ''مَدْحُوْرًا'' پر ہوتا ہے اور ان کا آغاز بھی شرک سے نہی (منع کرنے) کے ساتھ کیا گیا ہے اور ان کا اختتام بھی شرک سے نہی پر کیا گیا ہے کیونکہ توحید ہر حکمت و بھلائی کی اصل ہے اور اس کی بنیاد ہے اور جس شخص میں توحید کا عقیدہ نہیں ہوگا' اس کو علم و حکمت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور اگرچہ حکماء علم و حکمت میں کتنی فوقیت و برتری حاصل کر لیں اور اگرچہ وہ اس پر تکبر کر کے آسمان تک پہنچ جائیں اور ملحد فلاسفر علوم و حکم سے کماحقہٗ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانوروں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دین سے گمراہ ہیں۔

۴۰-پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ﴾ کیا تمہارے پروردگار نے بیٹوں کے لیے تمہیں منتخب فرما لیا ہے۔[ہمزہ انکار کے لیے ہے] یعنی تمہارے پروردگار نے خالص تمہیں بہترین و اعلیٰ ترین اولاد کے لیے مخصوص فرما لیا ہے اور وہ صرف بیٹے ہیں ﴿وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا﴾ اور اس نے فرشتوں کو لڑکیاں بنا لیا ہے اور اس نے ادنیٰ اور کم تر اولاد کو اپنے لیے بنا لیا اور وہ بیٹیاں ہیں اور یہ حکمت کے خلاف ہے اور اس پر خود تمہاری عقلیں گواہی نہیں دیتیں کیونکہ غلام اپنے لیے بہترین اور برگزیدہ چیزوں کو اور اپنے آقاؤں کے لیے ادنیٰ و کمترین چیزوں کو اختیار نہیں کرتے ﴿اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا﴾ بے شک تم نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی حالانکہ اولاد اجسام کے خواص میں سے ہے' پھر تم نے اس میں بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بابرکات ذات پر فضیلت دی کہ تم اس کے لیے وہ چیز مقرر کرتے ہو جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

## اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور کافروں کی ہٹ دھرمی کا بیان

۴۱-﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں یعنی اللہ تعالیٰ کے اولاد سے منزہ و مبرّا ہونے کے دلائل کو نازل کر کے بار بار بیان کیا ہے اور اس سے مراد ''وَلَقَدْ صَرَّفْنَاہُ'' (ضمیر مذکر کے ساتھ) ہے یعنی بے شک ہم نے اس (تنزیہ الٰہی کے) معنی کو متعدد مقامات میں نازل کر کے قرآن میں بار بار بیان کیا ہے [پھر ضمیر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ معلوم و معیّن ہے] ﴿لِیَذَّکَّرُوْا﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں' یعنی ہم نے اولاد سے پاک ہونے اور توحید کے دلائل اس لیے بار بار بیان کیے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کر لیں اور کفر و شرک سے باز آ جائیں [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں تشدید کے بغیر تخفیف کے ساتھ (''لِیَذْکُرُوْا'' باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے) ہے] ﴿وَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ اور

دلائلِ توحید نے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ماسوا حق سے نفرت کرنے کے۔ حضرت امام ثوری جب اس آیت مبارکہ کو پڑھتے تو فرماتے کہ اے میرے اللہ! جس نے تیرے دشمنوں میں نفرت کو بڑھایا ہے' اس نے میرے من میں تیرے لیے عاجزی وفرماں برداری کو بڑھایا ہے۔

۴۲-﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجیے کہ اگر اس اللہ کے ساتھ ﴿اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کفار کہتے ہیں' [ابن کثیر اور امام حفص کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَقُوْلُوْنَ'' ہے[1]] ﴿اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾ تب تو وہ عرش والے (خدا) کی طرف راستہ تلاش کرتے یعنی وہ اس ذاتِ پاک کی طرف راستہ تلاش کرتے جس کے لیے ساری کائنات کی بادشاہی اور ربوبیّت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ بادشاہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں یا یہ معنی ہے: تاکہ وہ اس ذاتِ اقدس کی طرف قرب حاصل کرتے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ'' (الاسراء:۵۷) ''جن کی یہ کفار عبادت کرتے ہیں' وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں''۔ [اور ''اِذًا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد جو کہ ''لَا بْتَغَوْا'' ہے مشرکین کے قول کا جواب ہے اور ''لَوْ'' کے لیے جزا ہے]۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ
وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ ۙ

وہ (ہر عیب سے) پاک اور بہت بلند ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہےO ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں' اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے مگر وہ اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو' بے شک وہ بڑا بردبار' بہت بخشنے والا ہےO اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک خفیہ پردہ قائم کر دیتے ہیںO

۴۳-﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ وہ (ہر عیب سے) پاک اور بہت بلند ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں' اس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔

۴۴-﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو کچھ ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل عراق کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تُسَبِّحُ'' ہے[2]] ﴿وَاِنْ مِّنْ

[1] جب کہ حمزہ' علی کسائی' خلف' رویس اور اعمش کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تَقُوْلُوْنَ'' ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۳۲۴)

[2] نافع مدنی' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' شعبہ' ابوجعفر' رویس اور ابن محیصن کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یُسَبِّحُ'' ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۳۲۵)

86

﴿شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' یعنی ہر چیز ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' کہتی ہے۔ امام سدی سے منقول ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دریا میں مچھلیوں کا شکار اور اڑنے والے پرندوں کا شکار صرف اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے غافل ہو جاتے ہیں[1] ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی بولیاں مختلف ہیں یا ان کا ادراک کرنا اور جاننا بہت مشکل ہے یا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کے درمیان کی ہر چیز میں غور و فکر کی نظر رکھنے والے کے لیے یہ چیزیں تسبیح پڑھنے کا سبب ہیں اور نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور پہلی وجہ بہتر ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب حلم والا' بہت بردبار ہے' بندوں کی جہالت و نادانی کے باوجود ان پر حلم فرماتا ہے' جلد انتقام نہیں لیتا ﴿غَفُوْرًا﴾ وہ مسلمانوں کے گناہوں کو بہت جلد بخشنے والا ہے۔

۴۵۔ ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ اور جب آپ قرآن مجید پڑھنے لگتے ہیں تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم ان کے درمیان اور آپ کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ''مَسْتُوْر'' بہ معنی ''ذَا سَتْرٍ'' یعنی چھپانے والا پردہ ہے یا ایسا حجاب اور پردہ جو دکھائی نہیں دیتا تو وہ بذاتِ خود مستور و پوشیدہ ہے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ
فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ
اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ لازم
وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور جب آپ قرآن میں اپنے پروردگار کی توحید کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کی وجہ سے اپنی پیٹھیں پھیر کر پلٹ جاتے ہیں ○ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ اس کو کس غرض سے سنتے ہیں جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور وہ اس وقت سرگوشیاں کرتے ہیں تب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○ آپ دیکھئے کہ انہوں نے آپ کے بارے میں کیسی مثالیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے' پس وہ راہِ راست حاصل نہیں کر سکتے ○ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھائے جائیں گے ○

۴۶۔ ﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے قائم کر دیئے ہیں' [''اَكِنَّةٌ'' ''كِنَان'' کی جمع ہے] اور اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو کسی چیز کو چھپا دے ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ ان کے قرآن سمجھنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے جو قرآن سننے سے رکاوٹ بن جاتی ہے ﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ

[1] رواہ ابو نعیم کمافی کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۱۹' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۱

فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴾ اور جب آپ قرآن مجید میں اپنے رب تعالیٰ کی توحید کا ذکر کرتے ہیں۔[''وَحَدَ يَحِدُ وَحْدًا وَحِدَةً'' 86
کہا جاتا ہے جیسے ''وَعَدَ يَعِدُ وَعْدًا وَعِدَةً'' ہے' پس یہ مصدر ہے اور حال کے قائم مقام ہے' جس کی اصل ''يَحِدُ وَحْدَهٗ'' ہے اور
''واحد'' کے معنی میں ہے]﴿ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾ وہ نفرت کی وجہ سے پیٹھیں پھیر کر الٹے پاؤں لوٹ جاتے ہیں۔[''نُفُوْرًا''
مصدر ہے' بہ معنی پھر جانا یا ''نَافِرٌ'' کی جمع بھاگنے والے جیسے ''قَاعِدٌ'' اور ''قُعُوْدٌ'' ہیں] یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے
ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر بھی کریں کیونکہ وہ مشرکین ہیں' سو جب وہ توحید کا ذکر سنتے ہیں تو بھاگ جاتے ہیں۔

۴۷۔﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جس طریقے سے وہ لوگ قرآن مجید کو سنتے ہیں' یعنی
ہم اس حال کو یا اس طریقے کو خوب جانتے ہیں' جس حال میں یا جس طریقے سے وہ قرآن مجید کو سنتے ہیں' پس قرآن ہی کو سنا
جاتا ہے [اور اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور ''بِهٖ'' حال ہے اور ''مَا'' کا بیان ہے]''اَیْ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ هَازِئِيْنَ لَا
جَادِّيْنَ'' یعنی کفارِ مکہ قرآن مجید کو اس حال میں سنتے تھے کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے' سنجیدہ ہو کر نہیں سنتے تھے حالانکہ ان پر واجب
ولازم تھا کہ وہ اس کو سنجیدہ ہو کر سنتے ﴿ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے تھے [یہ ''اَعْلَمُ'' کی وجہ سے
محلًا منصوب ہے] یعنی میں ان کے سننے کے وقت کو خوب جانتا ہوں جس حالت میں وہ اس کو سنتے ہیں ﴿ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى ﴾ اور
جب وہ اس کے ساتھ مناجات کرتے ہیں (مضاف محذوف ہے' اصل میں)''اِذْهُمْ ذَوُوْ نَجْوٰى''(ہے) جب وہ باہم سرگوشی
کے انداز میں مشورہ کرنے والے تھے ﴿ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ جب یہ ظالم لوگ کہتے' [یہ ''اِذْهُمْ'' سے بدل ہے]
﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ تم پیروی نہیں کرتے ہو مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے' سو وہ مجنون ہے۔

۴۸۔﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ ﴾ اے محبوب! دیکھئے کہ ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کیسی کیسی
مثالیں بیان کی ہیں' انہوں نے آپ کے لیے شاعر' جادوگر اور مجنون کی مثالیں بیان کیں ﴿ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴾
پس وہ گمراہ ہو گئے' سو وہ راہِ ہدایت نہیں پا سکتے' یعنی وہ پورے کے پورے گمراہی میں گھر چکے ہیں' جیسے بنی اسرائیل مقام تیہ
میں راستے سے بھٹک گئے تھے' وہ راستہ تلاش کرتے تھے مگر منزلِ مقصود کی راہ نہیں پا سکتے تھے' سو یہ کفارِ مکہ بھی اپنے معاملے
میں سرگرداں ہیں اور پریشان ہیں' نہیں جانتے کہ اب وہ کیا کریں۔

### حشر ونشر کے انکار کرنے پر کفار کو مدلل جواب

۴۹۔﴿ وَقَالُوْۤا ﴾ اور انہوں نے کہا یعنی حشر ونشر کے برپا ہونے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے
منکروں نے کہا: ﴿ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴾ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں
گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے یعنی نئی مخلوق [اور ''خَلْقًا'' حال ہے] یعنی مخلوقات۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ
مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ
بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ ع ۵ ۱۲ ۵

# اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ O یا ایسی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے دلوں میں بہت بڑی ہو پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ ہمیں کون زندہ کرے گا؟ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ وہی (تمہیں زندہ کرے گا) جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے سواب وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ (اے محبوب!) فرمادیں کہ یقیناً وہ عنقریب ہوگا O جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے جواب دو گے اور تم گمان کرو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو O اور (اے میرے محبوب!) میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ وہ ایسی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے O

۵۰'۵۱- ﴿قُلۡ کُوۡنُوۡا حِجَارَۃً اَوۡ حَدِیۡدًا ۙ﴿۵۰﴾ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا یَکۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ تم خواہ پتھر ہو جاؤ یا لوہا ہو جاؤ O یا اس سے بڑی مخلوق جو تمہارے خیال میں سب سے بڑی ہو یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں کیونکہ تمہارے نزدیک یہ چیزیں زندگی قبول کرنے سے بلند و بالا ہیں ﴿فَسَیَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ یُّعِیۡدُنَا﴾ سو وہ لوگ عنقریب کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کون اٹھائے گا؟ ﴿قُلِ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے وہی اٹھائے گا ﴿الَّذِیۡ فَطَرَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ﴾ جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا' اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم اس بات کو بعید از عقل قرار دیتے ہو اور تم اس کو ناممکن خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نئے سرے سے دوبارہ پیدا کرے گا اور تمہیں دوبارہ زندگی کی حالت کی طرف لوٹا دے گا' اس کے بعد کہ تم بوسیدہ اور خشک ہڈیاں ہو چکے ہو گے حالانکہ ہڈیاں زندہ کے بعض اجزاء ہیں بلکہ اس کی زندگی کا ستون ہیں جس پر پوری تخلیقِ انسانی قائم ہوتی ہے' لہٰذا یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دے لیکن اگر تم زندگی سے بہت دور کوئی چیز ہوتے مثلاً تم پتھر ہوتے یا لوہا ہوتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح قادر ہے کہ تمہیں زندگی کی حالت کی طرف لوٹا دے ﴿فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡکَ رُءُوۡسَہُمۡ﴾ سو وہ لوگ آپ کے سامنے تعجب کا اظہار کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے اپنے سروں کو ہلائیں گے ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہُوَ﴾ اور کہیں گے: یہ کب ہوگا؟ یعنی لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا؟ یہ محض حشر و نشر کو عقل سے بہت دور خیال کرتے ہوئے انکار کی صورت میں کہیں گے: ﴿قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَرِیۡبًا﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ یہ یقینی بات ہے کہ عنقریب ہوگا' یعنی یہ بالکل قریب ہے [اور ''عَسٰی'' وجوب و یقین کے معنی کے لیے آتا ہے]۔

۵۲- ﴿یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں حساب و کتاب کی طرف بلائے گا اور یہ قیامت کے روز ہوگا ﴿فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِہٖ﴾ تو تم اس کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس حال میں جواب دو گے کہ تم اس کی حمد و تعریف کرتے ہو گے' چنانچہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ قیامت کے دن کفار سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہیں گے: ''سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ'' اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں ﴿وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا﴾ اور تم خیال کرو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑی دیر یعنی تھوڑا سا ٹھہرے ہو یا یہ کہ تم دنیا میں تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو یا پھر قبر میں بہت تھوڑا زمانہ ٹھہرے ہو۔

## مسلمانوں کو اچھی بات کہنے کی تلقین اور بت پرستی کی مذمت کا بیان

۵۳- ﴿وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ﴾ اے محبوب! آپ میرے بندوں سے فرمادیں (یعنی) آپ مؤمنوں سے فرمادیں کہ

﴿ یَقُوْلُوا ﴾ وہ مشرکوں سے ایسی بات کہا کریں ﴿ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ جو سب سے اچھی ہو اور سب سے نرم گفتگو ہو اور ان سے سخت گفتگو نہ کیا کریں اور نہ ان سے جھگڑا کریں بلکہ مسلمان ان سے یوں کہا کریں: ''یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ'' اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ﴾ بے شک شیطان ان کے درمیان شر کو اُبھارتا ہے اور ان میں فساد ڈالتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتا ہے تاکہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا برپا کردے اور ''نَزْغٌ'' کا معنی ہے: شرارت برپا کرنا اور کھلم کھلا باہمی فساد ڈالنا [اور جناب طلحہ کی قراءت میں میں ''زا'' کے نیچے زیر کے ساتھ ''یَنْزِغُ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں درست ہیں] ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے علانیہ دشمن، جس کی عداوت ودشمنی سب پر ظاہر وعیاں ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ
وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ
عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا
یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے گا یا اگر وہ چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا O اور آپ کا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور بے شک ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی تھی O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم جن کو اس کے سوا معبود گمان کرتے ہو ان کو (تکلیف کے وقت) پکارو سو وہ نہ تو تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدلنے کا O

---

۵۴- یا اللہ تعالیٰ نے ''اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' کی تفسیر وتشریح اپنے (درج ذیل) ارشاد سے بیان کی ہے: ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ ﴾ تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے گا تو ہدایت وتوفیق عطا فرما کر تم پر رحم کرے گا ﴿ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ﴾ یا اگر وہ چاہے گا تو تمہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ عذاب دے گا یعنی مسلمان مشرکوں سے یہ الفاظ اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کہا کریں اور ان سے یوں نہ کہیں کہ تم دوزخی ہو اور تمہیں عذاب دیا جائے گا اور جو اس قسم کے تکلیف دہ الفاظ ہوتے ہیں کیونکہ اس قسم کی گفتگو ان کو غصہ دلائے گی اور ان کو لڑائی جھگڑے پر اکسائے گی [اور ''اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ'' جملہ معترضہ ہے] ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴾ اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا' نہ آپ ان کے اعمال کے محافظ ہیں اور نہ ان کے معاملات آپ کے سپرد کیے گئے ہیں اور بے شک ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے' سو آپ بھی ان سے نرم سلوک کیجئے اور اپنے صحابہ کو بھی نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیجئے۔

۵۵- ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور ان کے احوال کو جانتا ہے اور ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کا ان میں سے ہر ایک اہل ہے ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ ﴾ اور بے شک ہم نے بعض پیغمبروں کو دوسرے بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس آیت مبارکہ

میں رسولِ خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی فضیلت و برتری کی طرف اشارہ ہے ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف عطا فرمائی' جو حضور سیّد عالم ﷺ کی تمام انبیائے کرام پر فضیلت و برتری رکھنے کے سبب پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء ہیں (سب پیغمبروں کے آخر میں تشریف لانے والے کیونکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ حضور پر اختتام پذیر ہو چکا ہے) اور بے شک آپ کی امت ''خَيْرُ الْاُمَمِ'' ہے (یعنی سب امتوں سے بہترین امت ہے) اس لیے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور شریف میں لکھا ہوا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ'' (الانبیاء: ۱۰۵) ''اور بے شک البتہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ سرزمینِ بہشت کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''۔ اور وہ نیک بندے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی امت ہیں [یہاں زبور کو نکرہ لایا گیا ہے معرفہ نہیں لایا گیا اور ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ'' میں اس کو معرفہ لایا گیا ہے (دونوں درست ہیں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا) کیونکہ یہ العباس اور عباس اور الفضل اور فضل کی طرح ہے]۔

۵۶- ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے مشرکینِ مکہ! تم جن کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہو کہ وہ تمہارے معبود ہیں تو (تکلیف و مصیبت کے وقت) انہیں بلاؤ ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارو اور وہ فرشتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں یا پھر جنوں میں سے ایک مخصوص گروہ مراد ہے جس کی عرب میں سے کچھ لوگ پرستش کرتے تھے' پھر بعد ازاں وہ جنات تو اسلام میں داخل ہو گئے اور ان پجاریوں کو علم نہ ہو سکا ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ سو وہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں' یعنی تم ان کو پکارو لیکن وہ تم سے بیماری یا غربت یا عذاب میں سے کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے اور نہ وہ اس کو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف تبدیل کر سکتے ہیں[1]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے

---

[1] خیال رہے کہ فرشتے اور دیگر نیک بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے بندوں کی مدد کرتے ہیں جیسا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی تھی مگر ان کی مدد صرف مسلمانوں کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مشروط ہوتی ہے لیکن کفار و مشرکین کے لیے نہیں ہوتی' اس لیے فرمایا کہ اے کفار مکہ! تم ان حضرات کو پکارو تو تمہاری مدد نہیں کریں گے اور نہ یہ کافروں کی نصرت و مدد اور شفاعت کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی اجازت نہیں۔ اللہ والوں کی امداد کے دلائل سورۂ فاتحہ آیت: ۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں' بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہےO اور کوئی ایسی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت سے پہلے فنا کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے' یہ کتاب میں تحریر ہو چکا ہےO اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا تھا' اور ہم نے ثمود (کی قوم) کو آنکھیں کھولنے والا اونٹنی کا معجزہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس پر ظلم کیا' اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیںO

۵۷- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں یعنی کفار و مشرکین جن کو معبود سمجھ کر پکارتے ہیں یا یہ کہ یہ لوگ جن کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں یعنی بے شک ان لوگوں کے یہ معبود خود وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا قرب ہے ["اُولٰٓـئِكَ" مبتدا ہے اور "اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ" اس کی صفت ہے اور "يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ" خبر ہے] ﴿اَيُّهُمْ﴾ [یہ "يَبْتَغُوْنَ" کی واوَ سے بدل ہے اور "اَيٌّ" موصولہ ہے] "اَىْ يَبْتَغِىْ مَنْ هُوَ" ﴿اَقْرَبُ﴾ "مِنْهُمُ الْوَسِيْلَةَ اِلَى اللّٰهِ فَكَيْفَ بِغَيْرِ الْاَقْرَبِ" یعنی ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین نہیں ہیں' وہ اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ کیوں نہ طلب کریں[1] یا "يَبْتَغُوْنَ" "يَحْرِصُوْنَ" کے معنی پر مشتمل ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ کفار جن مقدس بزرگانِ دین یعنی انبیاء و ملائکہ کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں' وہ تو خود اس بات کے زیادہ حریص ہیں کہ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ قرب اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت اور بھلائی کے کاموں کو زیادہ سے زیادہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' جیسا کہ ان کے علاوہ

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ کفار جن مقدس ہستیوں کی عبادت کرتے تھے' وہ خود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور "تفسیر مدارک" کی تشریح کے مطابق وہ ہستیاں تین قسم کی تھیں: (۱) فرشتے (۲) حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام (۳) مؤمن جنات' جن سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا انبیائے کرام اور فرشتوں اور مؤمنوں کی سنت ہے' شرک نہیں ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَO" (المائدہ: ۳۵) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ تم نجات پا لوO"۔

اس آیت مبارکہ کے تحت شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک (صوفیاء کرام) اس کو سلوک (تصوّف) کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں' پس حقیقی نجات کے لیے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا اشد ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت بھی اسی طرز پر جاری ہے کیونکہ راہبر کے سوا راستہ پا لینا نہایت نادر اور کم یاب ہے' پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہیے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو۔

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ کر دے اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے' اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ تمام دنیا سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔

(صراطِ مستقیم باب: ۲' چوتھا فائدہ' ص ۱۰۱ تا ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے دوسرے لوگ ہیں' پھر یہ کفار کیونکر گمان رکھتے ہیں کہ وہ معبود ہیں ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ بے شک آپ کے رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک اس کے عذاب سے ڈرتا رہے' مقرب فرشتہ ہو خواہ نبی مرسل ہو' ان کے علاوہ لوگوں کو تو بہ طریق اولیٰ ڈرنا چاہیے۔

## قیامت سے پہلے ہر چیز کے فنا ہونے اور ڈرانے اور آزمانے کے لیے معجزات دکھانے کا بیان

۵۸- ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ اور ایسی کوئی بستی نہیں مگر ہم قیامت سے پہلے اسے ہلاک کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بستی کے نیکوں کے لیے ہلاکت وفنا ہوگی اور بستی کے بدکار لوگوں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب میں یعنی لوحِ محفوظ میں ﴿مَسْطُوْرًا﴾ لکھا ہوا ہے اور حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ میں نے ضحاک کی کتب میں اس کی تفسیر یہ دیکھی ہے کہ مکہ معظمہ کو اہل حبشہ برباد کریں گے اور مدینہ منورہ کے لوگ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے اور بصرہ غرقابی کے سبب اور کوفہ ترک کے سبب اور جبال بجلی کی کڑک اور زلزلہ کے سبب ہلاک ہوگا لیکن خراسان تو کئی قسم کے عذابوں سے برباد ہوگا البتہ بلخ کے باشندے دھماکوں سے ہلاک ہوں گے اور بدخشان کو کئی قومیں تباہ کریں گی اور ترمذ کے لوگ طاعون کی بیماری سے مر جائیں گے' اور صفانیان سے لے کر واشجرد تک کے لوگ حد سے بڑھ کر بُری طرح قتل کیے جائیں گے' سمرقند پر بنوقنطوراغلبہ پا کر انہیں ہلاک کر دیں گے اور انہیں بہت بُری مار مار کر قتل کر دیں گے اور اسی طرح فرغانہ' شاش' اسبیجاب اور خوارزم کو بُری طرح قتل کر دیا جائے گا نیز بخارا کی سرزمین کے باشندے بڑے جابر لوگ ہیں' سو وہ قحط اور بھوک کی وجہ سے مر جائیں گے' لیکن مرو کے باشندوں پر اہل رمل غلبہ پالیں گے جس کے سبب علماء اور عابد و زاہد حضرات مارے جائیں گے البتہ ھرات میں سانپوں کی بارش ہوگی جو ان سب کو کھا جائیں گے لیکن نیشا پور تو وہاں کے رہنے والے لوگوں پر گرج اور بجلی اور تاریکی گرے گی اور ان میں سے اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور رائے کے علاقے پر طبریہ اور دیلم غلبہ حاصل کر لیں گے' پھر وہ ان کو قتل کر دیں گے البتہ آرمینیہ اور آذربیجان کو گھوڑوں کے کھر اور لشکر اور کڑک اور زلزلے ہلاک کر دیں گے اور ھمد ان پر دیلم کے لوگ چڑھائی کریں گے اور اس کو تباہ و برباد کر دیں گے لیکن حلوان تو اس پر پُرسکون ہوا چلے گی اور وہ سو رہے ہوں گے' پھر صبح کے وقت اس کے باشندے بندر اور خنزیر بن جائیں گے' پھر جہینہ سے ایک آدمی خروج کرے گا اور مصر میں داخل ہو جائے گا تو وہ اہل مصر اور اہل دمشق اور اہل افریقہ اور اہل رملہ کے لیے ہلاکت کا سبب بن جائے گا اور وہ بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا رہا سجستان تو وہاں کے لوگوں پر چند دن مسلسل تیز آندھی چلتی رہے گی' پھر وہاں دھماکے ہوں گے اور اس میں اہل علم مر جائیں گے لیکن کرمان اور اصبھان اور فارس تو ان پر ان کے دشمن حملہ کریں گے اور وہ ایسی چیخ و پکار کریں گے کہ ان کے دل پھٹ جائیں گے اور ان کے اجسام موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۵۹- ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ اور ہمیں معجزات بھیجنے سے کسی نے منع نہیں کیا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا' [معجزات نہ بھیجنے کے لیے منع کو بطور استعارہ لیا گیا اور پہلا ''اَنْ'' اپنے صلہ کے ساتھ مل کر محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''مَنَعَنَا'' کا فاعل ہے] تقدیر یوں ہے: ''وَمَا مَنَعَنَا اِرْسَالَ الْاٰيَاتِ اِلَّا تَكْذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ'' اور ہمیں آیات و معجزات بھیجنے سے منع نہیں کیا مگر پہلے لوگوں کی تکذیب نے اور آیات سے وہ معجزات مراد ہیں جن کا قریش مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے اور مُردوں کو زندہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ اور گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ رہی ہے کہ ان میں سے جس نے کوئی معجزہ طلب کیا اور اس کا مطالبہ پورا کر کے معجزہ دکھا دیا گیا' پھر وہ اس پر

ایمان نہیں لائی تو دنیا میں فوراً اسے عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا گیا اور معنی یہ ہے کہ جن معجزات کا قریشِ مکہ مطالبہ کرتے ہیں' ان کے بھیجنے سے کسی چیز نے منع نہیں کیا مگر یہ کہ ان کو ان کے پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا جن کے دلوں پر قریشِ مکہ کی طرح مہر لگا دی گئی تھی جیسے عاد اور ثمود وغیرہ اور اگر وہ معجزات بھیج دیئے جاتے تو ان سابقین کی طرح قریشِ مکہ بھی ان کو جھٹلا دیتے اور ہلاکت خیز عذاب سے ختم کر دیئے جاتے اور اے محبوب! ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جن لوگوں کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے' ہم ان کو قیامت تک مہلت دیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان معجزات میں سے کچھ معجزات کا ذکر کیا ہے' جن کے پہلے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا' پھر جب وہ معجزات ان کی طرف بھیج دیئے گئے تو انہوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا' چنانچہ وہ اسی وقت یکدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے کیونکہ ان کی ہلاکت کے آثار و نشانات قریشِ مکہ کی حدود کے قریب ہیں' وہ دورانِ سفر آتے جاتے انہیں دیکھتے رہتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ ﴾ اور ہم نے قومِ ثمود کے مطالبے پر انہیں اونٹنی عطا فرمائی ﴿ مُبْصِرَةً ﴾ واضح اور روشن معجزہ بنا کر ﴿ فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا' (کہ اس کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا) اور اس کے معجزہ ہونے کا انکار کر کے اس کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ ﴾ اور ہم معجزات نہیں بھیجتے۔ اگر ان سے وہ معجزات مراد ہیں جو قریشِ مکہ کی طرف سے طلب کیے گئے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ ہم یہ معجزات نہیں بھیجتے ﴿ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴾ مگر بہت جلد نازل ہونے والے عذاب سے ڈرانے کے لیے جیسے ہراول دستہ جو لشکر سے پہلے بھیجا جاتا تھا کہ اگر دشمن پہلے خوف زدہ نہیں تھا تو اب مقدمۃ الجیش سے اس پر خوف طاری ہو جائے گا اور اگر قریشِ مکہ کے مطلوبہ معجزات مراد نہیں ہیں تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم آیات نہیں بھیجتے جیسے قرآن مجید کی آیات وغیرہا مگر عذابِ آخرت سے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے [''تَخْوِيْفًا'' مفعول لہ ہے]۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً
ع ۷ لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ
طِيْنًا ﴿۶۱﴾ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب نے تمام لوگوں کو اپنے قبضہ میں لیا ہوا ہے' اور جو نظارہ ہم نے آپ کو دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' اور ہم ان کو ڈراتے ہیں' سو وہ ڈرانے میں نہیں بڑھاتا مگر بہت بڑی سرکشی کو O اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم سناتے ہوئے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے O اس نے کہا: بھلا دیکھئے! کیا یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر برتری عطا کی ہے' اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دے دی تو میں اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر کے جڑ سے اکھیڑ کر ملیا میٹ کر دوں گا ماسوا چند لوگوں کے O

۶۰۔ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر محیط ہے اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا' اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف امتحان وآزمائش بنایا ہے اور (یعنی) اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ بے شک آپ کے رب تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت سے قریش مکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے' پس وہ تمام لوگ اس کے قبضے میں ہیں' سو آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور آپ اپنا مشن جاری وساری رکھیے اور جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے' اس کی تبلیغ جاری رکھیے یا یہ معنی ہے کہ غزوۂ بدر واقع ہونے اور اس میں دشمنوں کے خلاف اہل اسلام کی مدد کرنے کی خوشخبری ہم نے آپ کو سنا دی ہے اور وہ خوشخبری یہ ارشادات ہیں: ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ'' (القمر:۴۵) ''عنقریب کفارِ مکہ کی پوری جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگ جائے گی''۔ ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ'' (آل عمران:۱۲) ''اے محبوب! کافروں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے''۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنا کر پیش کیا کہ گویا ہو چکا اور واقع میں موجود پایا جا چکا ہے' چنانچہ فرمایا: ''اَحَاطَ بِالنَّاسِ'' کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق تمام لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور اس کی خبریں بھی بیان کر دی ہیں' اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں ان کی قتل گاہیں دکھا دی ہوں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بدر کے پانی کے چشمے کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں یقیناً قریش کی قوم کی قتل گاہوں اور ان کے گرنے کی جگہوں کی طرف دیکھ رہا ہوں اور آپ زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے' پھر جب قریش نے وہ تمام باتیں سن لیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف بدر کے معاملے میں وحی کے ذریعے بھیجی گئی تھیں اور جو آپ کو خواب میں ان کی قتل گاہیں دکھائی گئی تھیں تو وہ اس پر قہقہے لگانے اور ٹھٹھا مسخری کرنے لگے اور مذاق اڑاتے ہوئے اس کی جلدی کرنے لگے ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ اور ایسا درخت جس پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی ہے' یعنی ہم نے اس درخت کو جسے قرآن مجید میں ملعون قرار دیا گیا ہے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لیے آزمائش کیونکہ جب ان لوگوں نے قرآن مجید میں یہ ارشاد سنا کہ ''اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ'' (الدخان:۴۳-۴۴) ''بے شک زقوم (تھوہر) کا درخت ۝ گنہگاروں کی خوراک ہوگا''۔ تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) گمان یہ رکھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ پتھروں کو جلا دے گی' پھر اب یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں ایک درخت اُگے گا (اور گنہگاروں کی خوراک بنے گا) اور حقیقت یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ بات کہہ دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر وشان نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی پہچان کا حق ہے کیونکہ یہ ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسی جنس سے درخت پیدا کر دے جس کو دوزخ کی آگ نہ جلائے' چنانچہ ترک کے ملک میں سمندل نامی ایک کیڑا ہے جو ریشم پیدا کرتا ہے' جس سے رومال تیار کیے جاتے ہیں' جب وہ میلے ہو جاتے ہیں تو انہیں آگ میں ڈال دیا جاتا ہے جو ان کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے جب کہ وہ رومال صحیح سلامت باقی رہتے ہیں' ان میں آگ کوئی اثر نہیں کرتی اور تم دیکھو گے کہ شتر مرغ انگاروں کو نگل جاتا ہے لیکن وہ انگارے اسے کوئی نقصان نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ نے ہر درخت میں آگ پیدا کی ہے جو اسے نہیں جلاتی تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں ایسا درخت پیدا کر دے جو اسے نہ جلائے اور معنی یہ ہے کہ بے شک معجزات بندوں کو صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور قریش مکہ کو عذابِ دنیا سے بھی ڈرایا گیا ہے اور وہ بدر کے دن قتل کیا جانا ہے اور انہیں آخرت کے عذاب اور زقوم (تھوہر) کے درخت سے بھی ڈرایا گیا ہے لیکن ان میں کسی چیز نے اثر نہیں

کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَنُخَوِّفُهُمْ﴾ اور ہم انہیں ڈراتے ہیں' یعنی ہم انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں ﴿فَمَا يَزِيدُهُمْ﴾ تو یہ ڈراوا ان میں نہیں بڑھاتا ﴿إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا﴾ مگر بہت بڑی سرکشی کو' تو جس قوم کی یہ حالت ہو اُسے ان معجزات سے کیسے ڈرایا جائے گا جن کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ ''رُؤیا'' سے مراد سفرِ معراج کے دوران مشاہدات ہیں اور فتنہ سے کمزور ایمان لوگوں کا اس سفر کو عقل وخرد سے بعید سمجھ کر دین اسلام سے مرتد ہو جانا مراد ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں سیر کرائی گئی تھی وہ اسی لفظ ''رُؤیا'' سے استدلال کرتے ہیں اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حالتِ بیداری میں سیر کی تھی وہ ''رؤیا'' سے ''رؤیت'' مراد لیتے ہیں یعنی ''رؤیا'' کا معنی ہے: حالتِ بیداری میں مشاہدہ کرنا اور یہاں اس سیر کا نام ''رؤیا'' محض جھٹلانے والوں کے قول کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ وہ حضور سے کہتے تھے کہ شاید وہ خواب ہے جو آپ نے دیکھا ہے' وہ اس کو بعید از خیال تصور کرتے تھے جیسا کہ کئی چیزوں کے نام قرآن مجید میں وہ رکھے گئے ہیں جو کافروں نے از خود تجویز کیے ہوئے تھے جیسے ارشاد ہے: ''فَرَاغَ إِلٰى اٰلِهَتِهِمْ'' (الصافات:۹۱) ''پھر وہ ان کے معبودوں کی طرف چلا''۔ ''وَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ'' (النحل:۲۷) ''اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟'' یا اس سے وہ خواب مراد ہے جو حضور نے دیکھا تھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں عنقریب داخل ہوں گے اور ''فتنہ'' سے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو روکنا مراد ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں زقوم کے درخت پر لعنت کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ زقوم ایک ایسا درخت ہے جس کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝'' (الواقعہ:۵۱-۵۳) ''پھر اے گمراہو! جھٹلانے والو ۝ تم زقوم (تھوہر) کے درخت سے کھایا کرو گے ۝ اور اسی سے اپنے پیٹوں کو بھرو گے ۝'' بہر حال لعنت کے ساتھ موصوف تو درخت کو کیا گیا ہے لیکن بطورِ مجاز اس سے درخت کو کھانے والے مراد ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ہر نقصان دِہ اور مکروہ کھانے کو ملعون کہتے ہیں اور اس لیے کہ لعنت کا معنی رحمت سے دور کرنا ہے اور یہ درخت دوزخ کی جڑ سے پیدا ہوا ہے' جو رحمت سے بہت دور ہے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اور شیطان کا انکار

۶۱- ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تم سب حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ کیا' کہنے لگا: کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ [''طِيْنًا'' تمیز ہے یا پھر لفظ ''مَنْ'' موصول سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس کا عامل ''ءَاَسْجُدُ'' ہے اس بناء پر کہ اس کی اصل ''ءَ اَسْجُدُ لَهٗ وَهُوَ طِيْنٌ'' ہے] کیا میں اس کو سجدہ کروں جب کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا یعنی اس کی اصل اور بنیاد خاک ہے؟

۶۲- ﴿قَالَ أَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ شیطان نے کہا: دیکھئے! کیا یہ وہی ہے جسے (تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے) [کاف کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے' یہ صرف تاکید کرنے کی بناء پر ذکر کیا گیا ہے اور ''هٰذَا'' مفعول بہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ مجھے اس خاکی شخص کے بارے میں بتایئے جسے تو نے مجھ سے برتر بنایا ہے کہ تو نے اس کو مجھ پر فضیلت وعزت کیوں کر عطا فرمائی ہے؟ حالانکہ ''أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ'' (صٓ:۷۶) ''میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں بلندی کی حرص ہے) اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں عاجزی وپستی

ہے )''۔[ سواس کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کرر ہا ہے ] پھر شیطان سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے کہنے لگا: ﴿لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ﴾ البتہ اگر تو نے مجھے مہلت دے دی' [اہل کوفہ اور اہل شام کے قراء کے نزدیک ''یَا'' کے بغیر ہے (جب کہ ابن کثیر مکی' یعقوب' ابن محیصن کی قراءت میں وصل ووقف دونوں حالتوں میں آخر میں ''یَا'' کے ساتھ ''اَخَّرْتَنِیْ'' ہے [1] اس کے شروع میں لام صرف محذوف شدہ قسم کی تاکید کے لیے ہے ] ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ﴾ قیامت کے دن تک' تو میں اس کی اولاد کو ضرور گمراہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دوں گا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ماسوا چند بندوں کے' اور وہ مخلص بندے مراد ہیں' بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر ہر ہزار میں سے ایک ایک مخلص بندہ مراد ہے اور شیطان ملعون نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم کرلیا تھا یا پھر اس نے دیکھا کہ بنی نوع انسان کو شہوانی پیدا کیا گیا ہے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا چلا جا' سو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی پوری سزا دوزخ ہے O ان میں سے جن پر تیرا زور چلتا ہے تو ان کو اپنی آواز سے بہکا دے اور تو ان پر حملہ کرنے کے لیے اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کو آواز دے کر بلا لے اور تو ان کے مال اور اولاد میں ان کے ساتھ شریک ہو جا اور تو ان سے وعدے کر' اور شیطان ان سے وعدے نہیں کرتا مگر دھوکہ دہی اور فریب کاری کے O بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کبھی غلبہ حاصل نہیں ہوگا' اور آپ کا پروردگار کافی کارساز ہے O تمہارا پروردگار صرف وہی ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' بے شک وہ تم پر بے حد مہربان ہے O

٦٣- ﴿قَالَ اذْهَبْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جو کر سکتا ہے کر لے [ یہ اس ''ذِهَاب'' سے نہیں جس کا معنی جانا ہے اور وہ ''مَجِيْئٌ'' (آنے) کی ضد اور نقیض ہے ] بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے اولادِ آدم کو ذلیل و رسواء کرنے اور مجھ سے جدا کرنے کا جو ارادہ کر لیا ہے اس کو کر سکتا ہے تو کر لے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اس سزا کا ذکر کیا جو اس کے بُرے اختیار کے سبب اس پر اور اس کے پیروکاروں پر جاری و ساری کی جائے گی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ﴾ سو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو دوزخ تمہاری سزا ہو گی۔ تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُهُمْ وَجَزَاؤُكَ'' تو ان کی اور تیری سزا دوزخ ہے' پھر مخاطب کو غائب پر غالب قرار دیا گیا اور ''جَزَاؤُكُمْ'' فرما دیا گیا ﴿جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ پورا پورا بدلا [ یہ ''جَزَآءً'' پوشیدہ فعل یعنی ''تُجَازَوْنَ'' کے سبب منصوب ہے ]۔

٦٤- ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ اور تو جلد از جلد بہکا دے یا بہت تیزی کے ساتھ پھسلا دے یعنی تو راہِ راست سے لوگوں کو

[1] معجم القراءات القرآنیہ ج ٣ ص ٣٢٩

بہکانے میں خوب تیزی کے ساتھ دوڑ دھوپ کر [اور یہ "فَزٌّ" سے بنا ہے] جس کا معنی ہے: جلدی کرنا ﴿مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ ان میں سے جن کو تو اپنی آواز یعنی وسوسوں یا گانوں یا مزامیر (آلاتِ موسیقی) کے ذریعے گمراہ کر سکتا ہے کر لے ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ﴾ اور تو ان پر چیخ و پکار کر کے انہیں اپنے پاس جمع کر لے اور انہیں اپنے پاس بلا لے [اور "جَلَبَةٌ" سے بنا ہے] اور اس کا معنی ہے: بلند آواز سے یا چیخ مار کر بلانا ﴿بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾ اپنے سواروں اور پیادہ معاونین کے ساتھ (یعنی) شریروں اور فسادیوں میں سے ہر قسم کے سواروں اور پیادوں کو بلا کر جمع کر لے پس "خیل" اور "خیّالہ" کا معنی ہے: گھڑسوار [ "رَجِلٌ"۔ "رَاجِل" کی اسم جمع ہے جیسے "رَكِبٌ"۔ "رَاكِب" کی اور "صَحِبٌ"۔ "صَاحِبٌ" کی جمع ہے] اور بعض نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ شیطان کے پاس گھڑسوار اور پیادہ لشکر ہوں ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ اور تو انہیں مالوں میں اور اولاد میں شریک کر لے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ہر وہ مال اور اولاد جس میں بُرائی شامل ہو گی اس میں شیطان ان کا شریک ہو گا جیسے سود کا مال اور حرام طریقوں سے کمایا گیا مال اور بتوں کے نام چھوڑے ہوئے بحیرہ اور سائبہ وصیلہ وغیرہ جانور اور ناجائز کاموں میں خرچ کیا گیا مال اور فضول خرچی کا مال اور زکوٰۃ دینے سے منع کرنا اور اولاد پر حرام سبب سے حاصل کردہ مال خرچ کرنا اور ان کے عبد العزّٰی اور عبد الشمس وغیرہ نام رکھنا ﴿وَعِدْهُمْ﴾ اور تو انہیں بتوں کی شفاعت کرنے کے جھوٹے وعدے دے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے آباء و اجداد کی بزرگی اور اعلیٰ خاندان اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے اور اسی طرح کی جھوٹی ترغیبیں دے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر دھوکے کا کہ وہ گناہ کے کام کو ایسا خوبصورت اور خوش نما بنا کر دکھاتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے یہ نیکی کا کام ہے۔

۶۵- ﴿اِنَّ عِبَادِيْ﴾ بے شک میرے بندے (یعنی) میرے نیک اور صالحین بندے ﴿لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ تجھے ان پر اس طرح تسلط و غلبہ حاصل نہیں ہو گا کہ تو ان کا ایمان تبدیل کر سکے لیکن تو گناہوں کو اور بُرائیوں کو ان کے سامنے خوشنما اور آراستہ کر کے بنا سنوار کر پیش کر سکے گا ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ کافی کارساز ہے ان لوگوں کے لیے جو اے شیطان! تجھ سے پناہ لینے میں اپنے رب پر توکل و بھروسا رکھتے ہیں یا تجھ سے انہیں محفوظ رکھنے کے لیے رب تعالیٰ اکیلا کافی کارساز ہے اور ہر وہ امر جو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے دیا جائے اس کے ارتکاب پر سزا دی جائے گی یا پھر شیطان کی اہانت کے لیے مذکورہ بالا اوامر دیئے گئے ہیں کہ تو میری بادشاہی میں خلل نہیں ڈال سکے گا۔

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان اور شرک کی مذمت اور فضیلتِ بنی آدم کا بیان

۶۶- ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ﴾ تمہارا مالک و پروردگار وہی ہے جو چلاتا ہے اور رواں رکھتا ہے ﴿لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ دریا میں کشتیوں کو صرف تمہاری خاطر تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو یعنی بحری تجارت کے ذریعے نفع حاصل کرو اور اپنے مالِ تجارت سے فائدہ اٹھاؤ ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ بے شک وہ تم پر بہت مہربان ہے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ
اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ
اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝۶۸ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً

أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾

اور جب تمہیں دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے O کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی علاقے میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی تیز آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لیے کوئی حمایتی نہیں پاؤ گے O کیا تم اس بات سے بے خوف ہو چکے ہو کہ وہ تمہیں ایک مرتبہ دوبارہ دریا میں لے جائے پھر وہ تم پر جہازوں اور کشتیوں کو توڑ دینے والی سخت تیز آندھی بھیج دے اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے پھر تم اپنی مدد کے لیے ہمارا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے O

٦٧- ﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ﴾ اور جب تمہیں سمندر و دریا میں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے یعنی پانی میں ڈوب جانے کا خوف طاری ہو جاتا ہے ﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ إِلَّا إِيَّاهُ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ سب تم سے گم ہو جاتے ہیں (یعنی) مصائب و آلام اور حوادثات کے وقت ماسوا اکیلے اللہ تعالیٰ کے تمہارے ذہنوں اور تمہارے خیالات سے تمہارے وہ معبود محو ہو جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں جن کی عبادت کے لیے تم انہیں پکارتے ہو سو تم یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی باطل معبود کو یاد نہیں کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم فریاد رسی اور حاجت روائی کے لیے جن باطل معبودوں کو اپنا الٰہ اور معبود مان کر پکارتے ہو وہ تم سے دور ہو جاتے ہیں اور تمہاری مشکلیں دور نہیں کرتے لیکن اللہ واحد لاشریک ہی ایک ایسی ذات ہے جس سے تم اپنی امیدیں وابستہ کر لیتے ہو اور اس سے دعائیں مانگتے ہو [اس معنی کی بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا] ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم خلاصی حاصل کرنے کے بعد اخلاص سے منہ پھیر لیتے ہو (اور شرک شروع کر دیتے ہو) ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ اور انسان یعنی کافر اپنے رب تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت ناشکرا ہے۔

٦٨- ﴿أَفَأَمِنْتُمْ﴾ کیا تم بے خوف ہو چکے ہو؟ [ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''فا'' کا حرف محذوف فعل پر عطف کے لیے ہے] جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''أَنَجَوْتُمْ فَأَمِنْتُمْ'' یعنی کیا (جب) تم نے نجات حاصل کر لی اور بے خوف ہو گئے تو اس نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے پر آمادہ کر لیا (اور تم اس بات سے مطمئن ہو گئے ہو) ﴿أَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارے میں دھنسا دے [''جَانِبَ''، ''يَخْسِفَ'' کی وجہ سے مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں ''الْأَرْضَ'' مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ'' (القصص:٨١) ''سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور ''بِكُمْ'' حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پانی میں غرق کرنے کی بجائے خشک زمین میں دھنسا دے یعنی جس سر زمین پر تم ہو اس کو الٹ دے (اور تم اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو جاؤ) اور مقصد یہ ہے کہ تمام اطراف یکساں اس کی قدرت کے تحت داخل ہیں اور اس کی ہر طرف میں خواہ وہ خشک ہو یا دریا کی سمت ہو ہلاکت کے اسباب میں کوئی نہ کوئی سبب موجود ہوتا ہے صرف دریا کی طرف اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر دریا اور سمندر کی جانب میں غرق ہونے کا اندیشہ ہے تو خشکی کی جانب میں دھنسنے کا اندیشہ بھی موجود ہے اور ''خسف'' (دھنسنا) کا مطلب ہے: زمین کے نیچے گہری تہ میں غائب کر دینا اور غرق کا مطلب ہے: پانی کی گہرائی میں

غائب کر دینا' پس عاقل و دانا پر لازم ہے کہ تمام اطراف میں اسے اللہ تعالیٰ کا خوف یکساں ہو اور وہ کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہے۔ ﴿ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ﴾ یا وہ تم پر پتھروں والی تیز آندھی بھیج دے۔ ''حَاصِبًا'' ایسی تیز آندھی کو کہا جاتا ہے جو کنکر اڑاتی ہوئی چلتی ہو یعنی سنگسار کرنے والی تیز آندھی یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے نیچے زمین کی گہرائی میں تمہیں دھنسانے کے ساتھ ہلاک نہ کرے لیکن تمہارے اوپر ایسی سخت سنگ آمیز آندھی چلا دے جس کے ذریعے تم پر پتھر اور کنکر برسا کر تمہیں ہلاک کر دے۔ ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴾ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز و حامی نہیں پاؤ گے جو تم سے اس ہلاکت کو دور کر دے۔

۶۹- ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ ﴾ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اس میں لے جائے اور تم پر (سخت خوفناک آندھی) بھیج دے یعنی کیا تم اس بات پر مطمئن ہو چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بحری اسباب کو مضبوط بنا دے اور تمہاری ضروریات کو بڑھا دے یہاں تک کہ تم دوبارہ واپس لوٹ آؤ اور تم سمندر اور دریا میں سوار ہو جاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی تھی اور اس کے بعد تم نے اس سے منہ پھیر لیا تھا' چنانچہ اب وہ تم سے اس طرح انتقام لے گا کہ وہ تم پر ﴿ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ ﴾ زوردار آندھی بھیج دے' یہ ایک ایسی آندھی ہوتی ہے جس میں بہت سخت زوردار آواز ہوتی ہے یا ایسی تیز آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو گی ﴿ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ اور وہ تمہیں غرق کر دے گی اس لیے کہ تم نے کفر اختیار کر لیا ہے یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ تم نے نعمتِ الٰہی پر ناشکری کی اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے (تمہارے کفر کے باوجود) تمہیں دریا سے نجات دے دی تو تم نے منہ پھیر لیا اور شکر ادا کرنے کی بجائے کفرانِ نعمت کا روّیہ اختیار کیا ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴾ پھر تم اپنے لیے ہمارے اوپر اس (غرق کرنے) کی وجہ سے کوئی پیچھا کرنے والا نہیں پاؤ گے جو تمہارے بدلا کا مطالبہ کر سکے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ'' (البقرہ:۱۷۸) یعنی ''مقتول کے وارث کو دستور کے مطابق قصاص کے مطالبے کا حق حاصل ہے''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم جو چاہیں گے ان کے ساتھ کریں گے' لیکن تم کسی ایسے شخص کو نہیں پاؤ گے جو ہم نے ان کے ساتھ کیا ہے' اس پر وہ ہم سے قصاص کا مطالبہ کر سکے اور ہماری طرف سے خون بہا حاصل کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا'' (الشمس: ۱۵) ''اور وہ ان کے انجام سے نہیں ڈرتا''۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''اَنْ نَّخْسِفَ. اَوْ نُرْسِلَ. اَنْ نُّعِیْدَكُمْ. فَنُرْسِلَ. فَنُغْرِقَكُمْ'' ہے]۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ
عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ ع
بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى
فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ
اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ﴿۷۳﴾

بے شک ہم نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی اولاد کو فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سوار بنایا ہے اور ہم نے انہیں بہترین چیزوں میں سے رزق عنایت کیا ہے اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بزرگی عطا

فرمادی ہےO جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے' تو جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگاO اور بے شک قریب تھا کہ جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اس کی نسبت یہ لوگ آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیتے تا کہ آپ اس کے خلاف ہم پر کچھ گھڑ لیں' اور اس وقت وہ آپ کو ضرور دوست بنا لیتےO

۷۰۔﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو عقل و دانش اور قوتِ گویائی اور کتابت و تحریر کی صلاحیت اور خوب صورت شکل و روپ اور معتدل قد و قامت اور دنیا و آخرت کی زندگی کی تدبیر و تنظیم اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی صلاحیت اور تمام اشیاء کو مسخر و کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور ہاتھوں سے کھانے کے سبب مکرم و معزز اور بزرگ و برتر بنا دیا۔ ہارون الرشید کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کھانا پیش کرنے کا حکم دیا اور چمچے منگائے' اس محفل میں ان کے پاس حضرت قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے' انہوں نے ہارون الرشید سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ" کی تفسیر میں آپ کے جدامجد حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کردہ روایت میں آیا ہے کہ ہم نے بنو آدم کو اس لیے ہاتھ عطا کیے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں گے اور اسی دوران چمچے بھی لا کر حاضر کر دیئے گئے لیکن ہارون الرشید نے انہیں واپس کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھانا کھایا ﴿ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ اور ہم نے ان کو خشکی میں چوپایوں پر اور دریا میں کشتیوں پر سوار کیا ﴿ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں اور لذیذ و مزے دار نعمتوں میں سے رزق دیا یا اس میں سے جو ان کے ہاتھوں نے محنت کر کے کمایا ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے یعنی انہیں تمام مخلوقات پر فضیلت و بزرگی دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ" (الشعراء: ۲۲۳) "اور ان میں سے اکثر لوگ جھوٹے ہیں یعنی وہ تمام کے تمام جھوٹے ہیں"۔ حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا" (یونس: ۳۶) "اور ان میں سے اکثر لوگ گمان کی پیروی کرتے ہیں"۔ "تفسیر کشاف" میں مذکور ہے کہ یہاں "اَكْثَرُ" سے تمام لوگ مراد ہیں اور حضور سیّد عالم ﷺ سے منقول ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ"[1] مومن (متقی مسلمان) فرشتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہے اور یہ اس لیے کہ فرشتوں کو فطری طور پر اطاعت کے لیے پیدا کیا گیا ہے سو ان میں عقل و دانش ہے مگر شہوت نہیں ہے اور چوپایوں میں شہوت ہے مگر عقل نہیں ہے اور آدمی میں عقل و شہوت دونوں چیزیں ہیں' پس جس شخص کی عقل اس کی شہوت پر غالب آ جاتی ہے تو وہ فرشتوں سے زیادہ مکرم و معظم ہو جاتا ہے اور جس شخص کی شہوت اس کی عقل پر غالب آ جاتی ہے وہ جانوروں سے بدترین ہو جاتا ہے اور اس لیے کہ ہر چیز بنو آدم کے لیے پیدا کی گئی اور بنی آدم کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے پیدا فرمایا ہے۔

## قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا' نیز قریش مکہ کی سازش سے حضور کی حفاظت کا بیان

۷۱۔﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا ﴾ اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جب ہم بلائیں گے ["يَوْمَ" محذوف "اُذْكُرْ" کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ﴾ تمام لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ' ["بَا" حال کے لیے ہے] تقدیر عبارت یہ ہے: "مُخْتَلِطِيْنَ بِاِمَامِهِمْ" ہم تمام لوگوں کو قیامت کے دن اس حال میں بلائیں گے کہ وہ اپنے اماموں کے ساتھ وابستہ

[1] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۷

ہوں گے یعنی لوگوں نے دنیا میں جس کی اقتداء اور پیروی کی ہوگی اس کے ساتھ انہیں بلایا جائے گا' خواہ نبی ہو یا دینی مقتدا ہو یا امام سے کتاب یا دین مراد ہے' چنانچہ اس روز کہا جائے گا: اے فلاں نبی کے پیروکارو! اے فلاں دینی مقتدا اور امام کے پیروکارو! یا اے فلاں دین کے ماننے والو! یا اے فلاں کتاب پر عمل پیرا ہونے والو! اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ اس سے نامۂ اعمال کی کتاب مراد ہے' چنانچہ کہا جائے گا کہ اے نیک اعمال کی کتاب والو! اور اے بُرے اعمال کی کتاب والو! ﴿فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ﴾ پھر جن لوگوں کو بلایا جائے گا' ان میں سے جس کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ﴾ تو وہ لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے [اور یہاں ''اُولٰٓئِكَ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ لفظ ''مَنْ'' جمع کے معنی میں ہے] ﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾ اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے گا اور اسی ارشاد پر اکتفاء کر کے کفار کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۷۲۔ ﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی﴾ اور جو شخص اس میں یعنی دنیا میں اندھا ہوگا ﴿فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی﴾ تو وہ آخرت میں بھی اسی طرح اندھا ہوگا ﴿وَاَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ اور وہ اندھے سے زیادہ گمراہ ہوگا یعنی وہ راہِ راست پانے کے لیے اندھے سے زیادہ بڑھ کر گمراہ ہوگا' جو لوگ قوتِ مدرکہ اور حاسہ کے فاسد و خراب ہونے کی بناء پر مبصرات کا ادراک نہیں کر سکتے ان سے ''اَعْمٰی'' کو مستعار لے کر ان لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو نجات کے راستے کی طرف ہدایت نہیں پاتے لیکن دنیا میں تو اس لیے کہ اس کی نظر مفقود تھی اور آخرت میں اس لیے کہ وہاں ہدایت پانا فائدہ نہیں دے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا ''اَعْمٰی'' اسم تفضیل ہو جس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر ''وَاَضَلُّ'' کا عطف کیا گیا جو کہ اسم تفضیل ہے اور اسی وجہ سے ابوعمرو نے پہلے ''اَعْمٰی'' کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے ''اَعْمٰی'' کو تفخیم یعنی پُر کر کے پڑھا ہے کیونکہ '' افعل التفضیل '' ''مِنْ'' کے ساتھ مکمل ہوتا ہے' اس لیے اس کا الف کلمہ کے وسط کے حکم میں واقع ہے اور امالہ کو قبول نہیں کرتا لیکن رہا پہلا ''اَعْمٰی'' تو اس کے ساتھ کوئی متعلق نہیں ہے' اس لیے اس کا الف طرف میں واقع ہے اور امالہ کو قبول کرتا ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں دونوں کو تفخیم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۷۳۔ شانِ نزول: جب قریشِ مکہ نے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ آپ آیتِ رحمت کی بجائے آیتِ عذاب کر دیں اور آیتِ عذاب کی بجائے آیتِ رحمت کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ﴾ اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو آزمائش میں ڈال دیتے [اس میں حرف ''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد یعنی ''اِنَّ'') سے مخففہ (یعنی نون ساکن) بنا دیا گیا ہے اور لام تاکید کے لیے ہے جو ''اِنْ'' نافیہ میں اور اس کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیتے یعنی آپ کو فتنہ میں ڈال کر وہ آپ سے دھوکہ کرتے ﴿عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ ہمارے اوامر و نواہی اور ہمارے وعدوں اور وعیدوں سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجے تھے ﴿لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ﴾ تاکہ آپ اس وحی کے علاوہ کسی اور چیز کو گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں' نیز تاکہ آپ وہ باتیں ہمارے نام لگا دیں جو ہم نے نہیں کہیں یعنی یہ کہ جو انہوں نے وعدے کو تبدیل کر کے وعید اور وعید کو تبدیل کر کے وعدے میں بدل دیا تھا ﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا﴾ یعنی اگر آپ ان کی مراد کی پیروی کر لیتے تو وہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور آپ ان کے دوست و مددگار

بن جاتے اور میری ولایت وحمایت سے آپ نکل جاتے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو یقیناً آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے O اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں اور موت کے بعد دگنا عذاب چکھاتے' پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے O اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس سرزمین سے دل برداشتہ کر دیتے تا کہ وہ آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اس صورت میں وہ بھی آپ کے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر بہت کم مدت O یہ طریقہ ان رسولوں کا ہے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے اور آپ ہمارے طریقے میں تبدیلی نہیں پائیں گے O سورج کے زوال سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے اور فجر کی نماز قائم کیجئے' بے شک نمازِ فجر میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں O

۷۴-﴿ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ ﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے اور ہم آپ کو مضبوط و محفوظ اور معصوم نہ بناتے ﴿ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ ﴾ تو البتہ آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے اور آپ ان کے مکر و فریب کی طرف جھک جاتے ﴿ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴾ تھوڑا سا' یعنی آپ بہت تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے مکر و فریب سے بچنے کی ترغیب ہے اور آپ کے ثابت قدم رہنے اور ان کی طرف نہ جھکنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

۷۵-﴿ اِذًا ﴾ اس وقت اگر آپ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے ﴿ لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ﴾ تو البتہ ہم آپ کو ضرور زندگی میں اور موت کے بعد دگنا مزہ چکھاتے (یعنی) ہم آپ کو ضرور عذابِ آخرت اور عذابِ قبر کا مزہ دگنا کر کے چکھاتے کیونکہ آپ کے منصبِ نبوت اور آپ کے مقام و مرتبہ کی فضیلت و عظمت کی بناء پر یہ آپ کا بہت بڑا جرم ہوتا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ''يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ'' (الاحزاب:۳۰) ''اے پیغمبر کی عورتو! تم میں سے جو عورت کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کرے گی تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا''۔ اور اصل کلام یوں ہے: ''لَاَذَقْنٰكَ عَذَابَ الْحَيٰوةِ وَعَذَابَ الْمَمَاتِ'' ہم ضرور آپ کو زندگی میں اور مرنے کے بعد عذاب کا مزہ چکھاتے کیونکہ عذاب دو ہیں: ایک مرنے کے بعد اور وہ قبر کا عذاب ہے اور دوسرا آخرت کی زندگی میں اور وہ دوزخ کی آگ کا عذاب ہے اور یہاں عذاب کو دگنا کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ'' (الاعراف:۳۸) ''اے اللہ! ان گمراہ گر کافروں کو دوزخ کا دگنا عذاب دے''۔ تو گویا اصل کلام یوں تھا: ''لَاَذَقْنٰكَ عَذَابًا ضِعْفًا فِي الْحَيٰوةِ وَعَذَابًا ضِعْفًا فِي الْمَمَاتِ'' [پھر موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صفت کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے' پھر صفت کی اضافت کر دی گئی جیسا کہ موصوف کی اضافت کی جاتی ہے] چنانچہ فرمایا گیا:

"ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ" اور یہ بھی جائز ہے کہ "ضِعْفَ الْحَیٰوةِ" سے دنیا کی زندگی کا عذاب مراد لیا جائے اور "ضِعْفَ الْمَمَاتِ" سے مرنے کے بعد عذابِ قبر اور عذابِ دوزخ مراد لیا جائے اور کفار کی طرف تھوڑا سا مائل ہونے پر دو جہانوں میں دگنا عذاب کی سخت ترین وعید سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ فاعل کی عظیم شان کے مطابق بُرے کام کی بُرائی بڑھ جاتی ہے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ" اے میرے اللہ! تو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾ پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے جو آپ سے ہمارے عذاب کو روک سکے۔

۷۶- ﴿وَاِنْ كَادُوْا﴾ اور بے شک قریب تھا کہ وہ لوگ یعنی اہل مکہ ﴿لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ﴾ اپنے ظلم وستم اور اپنے مکروفریب کے ذریعے آپ کو سرزمینِ مکہ سے ڈگمگا دیتے ﴿لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ تاکہ وہ لوگ آپ کو سرزمین مکہ سے نکال دیں ﴿وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ﴾ اور پھر وہ آپ کے پیچھے نہیں ٹھہریں گے یعنی آپ کو نکالنے کے بعد کفارِ مکہ بھی باقی نہیں رہیں گے [ابوبکر اور شامی کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں "خِلَافَكَ" ہے۔ "خَلْفَكَ" اور "خِلَافَكَ" دونوں کا ایک معنی ہے] ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر تھوڑا سا عرصہ باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ہجرت کے بعد ان کو عنقریب ہلاک کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا ویسے ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجرت کر جانے کے تھوڑے عرصے کے بعد غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ ہلاک کیے گئے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ لوگ آپ کو نکال دیتے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے لیکن وہ آپ کو نہیں نکال سکے بلکہ آپ نے تو اپنے پروردگار کے حکم سے ہجرت کی تھی اور بعض نے کہا کہ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرزمین عرب سے نکالنا چاہتے تھے یا پھر سرزمین مدینہ سے نکالنا چاہتے تھے۔

۷۷- ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ بے شک ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں ان میں یہی طریقہ جاری رہا یعنی ہر قوم اپنے اپنے رسول کو اپنے علاقہ سے نکال دیا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی سنت ان میں یہی جاری رہی کہ نکالنے والوں کو ہلاک کر دیا جاتا تھا [اور "سُنَّةَ" مصدر مؤکد ہونے کی بناء پر منصوب ہے] "اَیْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ سُنَّةً" یعنی اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ جاری فرمادیا ہے ﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا﴾ اور آپ ہمارے طریقے میں تبدیلی نہیں پائیں گے۔

## پنجگانہ نماز‘ تہجد کی نماز اور مقام محمود وصدق کی اہمیت

۷۸- ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ﴾ سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک (ظہر‘ عصر‘ مغرب‘ عشاء کی) نماز قائم کیجئے۔ "دُلُوْك" کا معنی زوال ہے اور اس معنی پر یہ آیت مبارکہ پنجگانہ نمازوں کو شامل و جامع ہے یا "دُلُوْك" کا معنی غروب ہے یعنی غروبِ آفتاب سے عشاء تک نماز قائم کیجئے اور اس معنی پر ظہر اور عصر خارج ہو جائیں گی اور "غَسَق" کا معنی ظلمت و تاریکی ہے اور اس سے نمازِ عشاء مراد ہے ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ اور نمازِ فجر اور قرآن کا معنی قراءت (پڑھنا) ہے‘ نماز فجر کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قراءت نماز کا ایک اہم رکن ہے جیسے نماز کا نام رکوع اور سجود بھی رکھا گیا ہے اور یہ اصم (اور ابن علیہ) کے خلاف حجت ہے جنہوں نے یہ گمان کیا کہ قراءت نماز کا رکن نہیں ہے یا نمازِ فجر کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں قراءت طویل و لمبی کی جاتی ہے [اور یہ "الصلوٰة" پر معطوف ہے] ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ بے شک نمازِ فجر میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں‘ اس وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں کہ دن کے فرشتے اس وقت آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنی ڈیوٹی ادا کر کے زمین سے آسمان کی طرف چڑھتے

ہیں اس وقت رات کے ڈائری نویس فرشتوں کی آخری گھڑی ہوتی ہے اور دن کے ڈائری نویس فرشتوں کی پہلی گھڑی ہوتی ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت عام طور پر عادت کے مطابق نمازی حضرات کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور رات کے کچھ حصے میں نمازِ تہجد پڑھا کریں یہ صرف آپ کے لیے زائد عبادت ہے' عنقریب آپ کا رب آپ کو قابلِ تعریف مقام پر قائم کرے گاO اور آپ عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے سچی جگہ میں داخل فرما اور مجھے سچی جگہ سے نکال اور اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار مقرر فرماO اور فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' بے شک باطل مٹنے والا ہےO اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے' اور ظالموں کے لیے صرف نقصان کو بڑھاتا ہےO

---

۷۹- ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں (یعنی) اور آپ پر لازم ہے کہ رات کے بعض حصہ میں اٹھئے ﴿فَتَهَجَّدْ﴾ اور نمازِ تہجد ادا کیجئے۔ ''تہجد'' کا معنی ہے: نماز کے لیے نیند کو چھوڑنا اور نیند کے معنی میں بھی ''تہجد'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ﴿بِهٖ﴾ قرآن مجید کے ساتھ ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ یہ ایک زائد عبادت آپ کے لیے مخصوص ہے [''تَهَجُّدًا'' کی بجائے ''نَافِلَةً'' اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ ایک زائد عبادت ہے (اور ''نفل'' کا معنی زائد ہے) تو گویا ''تہجد'' اور ''نافلة'' کے لیے ایک معنی جامع ہے] اور اب معنی یہ ہے کہ بے شک نمازِ تہجد فرض نمازوں پر ایک زائد عبادت بطورِ غنیمت آپ کے لیے بڑھا دی گئی ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ نماز صرف آپ پر فرض کر دی گئی ہے' آپ کے علاوہ کسی اور پر فرض نہیں کی گئی کیونکہ یہ نمازِ تہجد دوسروں کے لیے نفل عبادت ہے ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا [''مَقَامًا'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے] یعنی عنقریب قیامت کے دن آپ کا رب آپ کو اٹھائے گا اور آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا یا پھر ''يَبْعَثُ'' خود ''يُقِيْمُكَ'' کے معنی کو متضمن ہے اور وہ جمہور کے نزدیک مقامِ شفاعت ہے اور اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں یا وہ مقام مراد ہے جس میں لوائے حمد (حمد و ثناء کا جھنڈا) عطا کیا جائے گا۔

۸۰- ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ اور اے محبوب! مجھ سے عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے سچی جگہ میں داخل کیجئے [''مُدْخَل'' مصدر ہے] یعنی اے اللہ! مجھے تمام گناہوں اور لغزشوں سے پاک کر کے پسندیدہ طریقہ پر راضی ہو کر قبر میں داخل کیجئے ﴿وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ اور مجھے سچی جگہ سے نکال' یعنی اے اللہ! اٹھنے کے دن مجھے قبر سے پسندیدہ طریقہ پر نکالئے' ملامت سے محفوظ و سلامت اور عزت و کرامت کے ساتھ ملاقات عطا کیجئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

مقامِ محمود پر کھڑا کرنے کے لیے اٹھائے جانے کے ذکر کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا' لہٰذا اس سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے یا یہ دعا عام ہے جس مکان میں داخل ہوں یا جس کام کو شروع کریں اور جس مکان سے خارج ہوں یا جس کام سے فارغ ہوں' ہر صورت میں صداقت کا اظہار ہوتا رہے ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ اور (اے اللہ!) تو اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار و حامی مقرر فرما دے (یعنی) ایسی حجت و برہان میرے لیے بنا دے جو میرے مخالفوں اور دشمنوں پر میری مدد کرے یا ایسا ملک و سلطنت اور ایسا قوی غلبہ عطا فرما جو کفر پر اسلام کے لیے مددگار ہو اور کفر پر اسلام کو غالب و حاوی کر دے۔

## حق و باطل کا تقابل' قرآن کی شان اور انسان کی خود غرضی

۸۱- ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾ اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ حق یعنی دین اسلام آ گیا ﴿وَزَهَقَ﴾ اور بھاگ گیا اور مٹ گیا ﴿الْبَاطِلُ﴾ باطل' یعنی کفر و شرک یا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید آ گیا اور شیطان ہلاک ہو گیا ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ بے شک باطل مٹنے والا ہے اور ہر وقت و ہر حال میں ہلاک ہونے والا شکست خوردہ و مغلوب ہونے والا ہے۔

۸۲- ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ اور ہم قرآن میں سے جو کچھ نازل کرتے ہیں وہ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے [ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''نُنْزِلُ'' (باب افعال سے) ہے اور ''مِنَ الْقُرْاٰنِ'' میں ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے] ﴿وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مؤمنوں کے لیے رحمت ہے اور مصائب و آلام اور تکلیفوں کو کھولنے والا ہے اور عیبوں سے پاک کرنے والا ہے اور گناہوں کو مٹانے والا ہے اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ لَّمْ یَسْتَشْفِ بِالْقُرْاٰنِ فَلَا شَفَاهُ اللّٰهُ'' جو شخص قرآن مجید سے شفاء حاصل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا نہ فرمائے گا[1] ﴿وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور یہ قرآن مجید ظالموں یعنی کافروں میں نہیں بڑھاتا اور ان میں اضافہ نہیں کرتا ﴿اِلَّا خَسَارًا﴾ مگر خسارے اور نقصان کو اور ان کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے اور اس کا سبب کافروں کا قرآن مجید کو جھٹلانا ہے اور اس کا کفر و انکار کرنا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

ع ۹

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا کر دور ہٹ جاتا ہے' اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ○ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے' سو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون زیادہ چل رہا ہے ○ اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیں کہ

[1] حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۶۸۹' رواہ الدارقطنی فی الافراد کمافی کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۶

روح میرے پروردگار کے امر سے ہے اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا ساO اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اسے ہم لے جاتے' پھر اس کے لے جانے پر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی کارساز نہ پاتےO مگر آپ کے پروردگار کی رحمت' بے شک آپ پر اس کا فضل بہت بڑا ہےO

۸۳- ﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ ﴾ اور جب ہم انسان کو صحت وخوش حالی کی نعمت سے نوازتے ہیں ﴿ اَعْرَضَ ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منہ پھیر لیتا ہے یا جب ہم قرآن مجید کی نعمت سے اسے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ﴾ اور وہ اپنا پہلو بچا کر دور ہٹ جاتا ہے۔ یہ اعراض و روگردانی کرنے کی تاکید ہے کیونکہ کسی چیز سے اعراض یہ ہے کہ انسان اس سے اپنا منہ پھیر لے اور ایک طرف دور ہٹ جانا یہ ہے کہ انسان اس چیز سے اپنا لطف و کرم کا رویہ ترک کردے اور اس سے اپنی پیٹھ پھیر لے یا اس سے تکبر وغرور کرنا مراد ہے کیونکہ یہ متکبروں کی عادت سے ہے [ قاری حمزہ کی قراءت میں ''نَـائِیَ'' امالہ کے ساتھ ہے (امالہ کا معنی ہے کہ فتح کو کسرہ کی طرف اور الف کو یا کی طرف مائل کر کے پڑھنا) جب کہ علی کسائی کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ ہے ] ﴿ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ ﴾ اور جب اس کو کوئی بُرائی یعنی فقر و فاقہ اور کوئی بیماری پہنچتی ہے یا کوئی آسمانی آفت پہنچتی ہے ﴿ كَانَ يَـئُوْسًا ﴾ تو وہ مایوس و ناامید ہو جاتا ہے (یعنی) ایسی صورتِ حال میں انسان فوراً اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت سخت ناامید ہو جاتا ہے۔

۸۴- ﴿ قُلْ كُلٌّ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہر شخص یعنی ہر ایک آدمی ﴿ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ﴾ اپنے مذہب اور اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو حال ہدایت اور گمراہی میں اس کے لائق و مناسب ہوتا ہے ﴿ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴾ پس تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح مذہب اور صحیح راستے پر ہے۔

## روح کے متعلق سوال کا جواب اور قرآن مجید کی فضیلت کا بیان

۸۵- ﴿ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ اور وہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے' یعنی یہ ایک ایسا امر ہے جس کو میرا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک روح وہ چیز ہے جس کے سبب ہر جاندار زندہ رہتا ہے (یعنی روح حیات کا نام ہے) قریشِ مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تھا اور آپ نے انہیں بتایا کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے یعنی یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے روح کے بارے میں نہیں بتلایا[1] اور متقدمین روح کے بارے میں غور وفکر کرتے ہوئے اپنی طویل عمریں خرچ کرنے کے باوجود اس کی حقیقت جاننے سے عاجز آ گئے اور اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ عقلِ انسانی کا اپنے قریب ترین مخلوق کی معرفت کے ادراک سے عاجز آ جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ادراک سے بہ طریق اولیٰ

[1] حاملِ شریعت وطریقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے اصحاب بصیرت سے روح کے علم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علم کے حصول کا طریقہ عام اہل علم حضرات کے حصولِ علم کے طریقے سے ماوراء اور اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ دوسرے علماء کے حصولِ علم کا طریقہ حواس اور اکتساب کے واسطے سے ہوتا ہے جب کہ ان پر حواس واکتساب کے واسطے کے بغیر خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام چیزوں کے حقائق کا الہام کیا جاتا ہے' سو ان کے دلوں میں ایسی قوتِ سماعت ہوتی ہے جس کے ذریعے یہ وہ باتیں سن لیتے ہیں جو عام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عاجز ہے اور اس لیے اس شخص کا رد کر دیا گیا جس نے روح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ روح ایک باریک اور لطیف جسم ہے جو جاندار کے ہر جزو میں موجود ہوتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ روح ایک روحانی عظیم مخلوق ہے جو فرشتوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لوگوں کے کان نہیں سن سکتے اور ان کے دلوں میں ایسی قوتِ بصارت ہوتی ہے جس کے ذریعے یہ وہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو عام آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یعنی حدیثِ قدسی ہے) کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۵۸' مطبوعہ دہلی)

علامہ شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو روح کی حقیقت و ماہیت کا علم نہ دیا ہو بلکہ آیت میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمادیا ہو اور یہ حکم دیا ہو کہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں' اور بعض علماء نے قیامت کے علم کے بارے میں بھی یہی معانی بیان کیے ہیں' واللہ اعلم' اور ان معانی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے: "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" اس آیت میں اس قوم سے خطاب ہے جنہوں نے روح کے بارے میں سوال کیا تھا یعنی تم اس قابل نہیں ہو کہ روح کی حقیقت کو سمجھ سکو' پھر علامت نبوت بھی ان کو نہ بتانا اور ان کو خبر نہ دینا ہے نہ کہ نہ جاننا اور نہ آگاہ ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود نے بھی کہا تھا کہ اگر اس کا جواب دیں گے تو نبی مُرسَل نہ ہوں گے۔ فافہم

اور یہ بندۂ مسکین (شیخ محمد عبد الحق دہلوی' اللہ تعالیٰ علم و یقین کے نور سے اسے مخصوص فرمائے) کہتا ہے کہ مؤمن عارف یہ جرأت و ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حقیقتِ روح کے متعلق سیّد المرسلین اور امام العارفین ﷺ کے علم کی نفی کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات و صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اوّلین و آخرین کے علوم کو آپ کی ذاتِ اقدس پر واضح طور پر کھول دیا ہے تو آپ کے علم کے مقابلے میں روحِ انسانی کی کیا حقیقت ہے' وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ ہے اور اس جنگل کا ایک ذرہ ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸۔۵۹)

اور امام فخر الدین رازی اس آیت مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

بے شک اصاغر فلاسفہ اور عام متکلمین بھی مسئلہ روح کو جانتے اور پہچانتے ہیں' سو اگر رسول اکرم ﷺ یہ فرمادیں کہ میں روح کو نہیں پہچانتا تو یہ بات آپ کے لیے حقارت و نفرت کا باعث بن جائے گی کیونکہ اس قسم کے مسئلہ سے لاعلمی تو ہر انسان کے لیے حقارت کا باعث ہے' پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم ہیں اور تمام فضلاء سے بڑھ کر فاضل ہیں' انہیں روح کی حقیقت کا علم نہ ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" (الرحمٰن: ۱۔۲) "رحمٰن نے (آپ کو) قرآن کا علم عنایت فرمایا"۔ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا" (النساء: ۱۱۳) "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب علوم عطا فرمادیئے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل ہے"۔ اور فرمایا: "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا" (طٰہٰ: ۱۱۴) "اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! تو میرے علم میں اضافہ فرما"۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شان میں فرمایا: "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" (الانعام: ۵۹) "اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر اس روشن کتاب میں اس کا ذکر موجود ہے"۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے: "اَرِنَا الْاَشْيَآءَ كَمَا هِيَ" "اے اللہ! تو ہمیں تمام چیزیں ویسے دکھا جیسے وہ حقیقت میں ہیں' سو جس ہستی کی یہ شان ہو ان کے متعلق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہت بڑی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روح سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ" (الشعراء:۱۹۳) "روح الامین (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) نے اس قرآن کو آپ کے دل مبارک پر نازل کیا"۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ روح سے قرآن مجید مراد ہے، جس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: "وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا" (الشوریٰ:۵۲) "اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (یعنی قرآن) کو وحی کے ذریعے نازل کیا ہے"۔ اور اس لیے بھی روح سے قرآن مجید مراد ہے کہ اس کے ساتھ قلوبِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے اور "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" کہ روح میرے رب کے امر سے ہے یعنی یہ میرے رب کی وحی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام انسان کے کلام کی جنس سے نہیں ہے اور مروی ہے کہ یہود نے قریشِ مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اصحابِ کہف اور سکندر ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کریں، پھر اگر آپ تمام کے بارے میں جواب دے دیں یا تمام کے بارے میں خاموش ہو جائیں اور کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو آپ نبی نہیں ہیں اور اگر بعض کے بارے میں جواب دے دیں اور بعض سے خاموش ہو جائیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصے کو کھول کر بیان فرما دیا اور روح کے معاملے کو مبہم رکھا اور وہ تورات میں بھی مبہم بیان کیا گیا تھا، بہرحال وہ اپنے سوالوں پر بڑے نادم و شرمندہ ہوئے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان کا سوال روح کی تخلیق کے متعلق تھا، یعنی آیا وہ مخلوق ہے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ کا "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" فرمانا روح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ کیسے مناسب و لائق ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں کہ میں روح کی حقیقت کو نہیں جانتا جب کہ یہ ان مسائلِ مشہورہ میں سے ہے جس کا جمہور خلق کے درمیان عام ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انہوں نے روح کے متعلق آپ سے سوال کیا اور آپ نے اس کے متعلق ان کو بہترین طریقے سے جواب دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۸ء)

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی حنفی اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ پر اس حدیث سے اشکال وارد ہوتا ہے جسے امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے انتقال فرما گئے اور آپ روح کی حقیقت کو نہ جان سکے اور (اس کا جواب یہ ہے کہ) شاید حضرت عبداللہ کا یہ خیال ہو کہ روح کی حقیقت کو جاننا ممتنع و ناممکن ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت تک دنیا سے پردہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو خوب جان لیا جس کا جاننا ممکن تھا جیسا کہ اس پر وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کو امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے اور امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ روایت عمدہ اور صحیح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رات کو اٹھا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی وہ میں نے پڑھی، پھر مجھے نماز میں اونگھ آنے لگی یہاں تک کہ نماز پڑھنا دشوار ہو گیا تو اسی وقت میں نے اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اور اس نے فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی مبارک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی، یہاں تک کہ میں نے اپنے سینۂ مبارکہ کے درمیان اس کے پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی اور میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۵۴، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے' پس یہی ان کے سوال کا جواب ہے ﴿وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے۔اس میں عام خطاب ہے کیونکہ ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد پڑھ کر سنایا تو یہود نے کہا کہ اس خطاب کے ساتھ صرف ہم مخصوص ہیں یا آپ حضرات بھی ہمارے ساتھ اس میں شامل ہیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بلکہ ہم اور تم سب اس بات میں شامل ہیں کہ ہمیں جتنا علم دیا گیا ہے وہ (اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ) بہت تھوڑا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ خطاب صرف یہود کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ ہمیں تورات عطا کی گئی ہے جس میں حکمت و دانائی ہے اور آپ جو کلامِ الٰہی تلاوت کرتے ہیں اس میں ہے:''وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا''(البقرہ:۲۶۹)''اور جس کو حکمت و دانائی عطا کی جائے تو بے شک اسے خیر کثیر یعنی بہت بڑی بھلائی عطا کر دی گئی''۔تو ان کو جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بے شک تورات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل یعنی بہت تھوڑا ہے' پس قلت و کثرت امورِ اضافیہ میں سے ہے' لہٰذا جس آدمی کو حکمت عطا کی گئی وہ بذاتہٖ خیر کثیر یعنی بہت بڑی بھلائی ہے لیکن جب اس کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف کی جائے گی تو وہ قلیل یعنی تھوڑی سی ہوگی۔

۸۶- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی عظیم الشان نعمت پر تنبیہ فرمائی اور سوال میں جھگڑنے کی ایذاء اور تکلیف پر آپ کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی (چنانچہ ارشاد فرمایا): ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ضرور ہم اس کو لے جاتے جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے۔[''لَنَذْهَبَنَّ'' محذوف قسم کا جواب ہے' نیز شرط کی جزاء کا قائم مقام ہے اور پہلا لام جو''اِنْ'' پر داخل ہے وہ قسم کی تاکید ہے]اور معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم یہ قرآن مجید لے جاتے اور ہم اسے لوگوں کے سینوں اور صحیفوں سے مٹا دیتے اور ہم اس کا کوئی نشان نہ چھوڑتے ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا﴾ پھر آپ اپنے لیے اس کے ساتھ ہمارے مقابلے پر کوئی کارساز و حامی نہ پاتے یعنی اس قرآن مجید کے چلے جانے اور محو ہو جانے کے بعد آپ اپنے لیے کوئی ایسا مددگار نہ پاتے جو ہم پر دباؤ ڈال کر زبردستی اس کو واپس کر لیتا اور اس کو دوبارہ محفوظ و مسطور کر دیتا۔

۸۷- ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا﴾ مگر آپ کے رب کی رحمت' بے شک آپ پر اس کا فضل و کرم بہت بڑا ہے یعنی مگر یہ کہ آپ کا رب آپ پر رحم و کرم فرمائے اور اس قرآن مجید کو آپ کو واپس لوٹا دے گویا اس کی رحمت ایک ایسی چیز ہے جس پر قرآن مجید کی واپسی کے لیے بھروسا کر سکتے ہیں یا [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی یہ آپ کے رب کی رحمت ہے کہ اس نے قرآن مجید کو محفوظ و باقی رکھا ہوا ہے اور اس کو لوگوں کے سینوں اور صحیفوں سے نہیں مٹایا اور نہ اس کو محو فرمایا اور اس قرآن مجید کو نازل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کے بہت بڑے احسان کے بعد اللہ کی طرف سے یہ بھی بہت بڑا احسان ہے کہ اس کو محفوظ کر کے قائم و دائم اور باقی رکھا ہوا ہے۔

| |
|---|
| قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ |
| بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ |

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿٩١﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل (کوئی کتاب بنا کر) لے آئیں تو وہ سب کے سب اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اور اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں O اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں' تو اکثر لوگوں نے نہیں مانا مگر ناشکری کی O اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے اس سرزمین میں سے ایک دائمی چشمہ جاری کر دیں O یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور آپ اس کے درمیان نہریں جاری فرما دیں O

٨٨- شانِ نزول: مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نضر بن حارث کے قول کے جواب میں نازل ہوئی جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سن کر کہا تھا کہ "لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ" (الانفال:٣١) "اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس جیسی کتاب کہہ لیتے"۔ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن اس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ [''ظَهِیْرًا'' بہ معنی ''مُعِیْنًا'' (مددگار) ہے اور ''لَا یَاْتُوْنَ'' محذوف قسم کا جواب ہے اور اگر ''اِنْ'' شرطیہ پر لامِ تاکید نہ ہوتا تو البتہ یہ جائز ہوتا کہ ''لَا یَاْتُوْنَ'' شرط کا جواب ہو جیسا کہ زہیر شاعر کا قول ہے: ''یَقُوْلُ لَا غَائِبٌ مَالِیْ وَلَا حَرِمٌ'' وہ کہتا ہے کہ میرا مال نہ غائب ہے اور نہ محروم ہے' کیونکہ شرط ماضی واقع ہوئی ہے] ''اَیْ لَوْ تَظَاهَرُوْا عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فِیْ بَلَاغَتِهٖ وَحُسْنِ نَظْمِهٖ وَتَاْلِیْفِهٖ لَعَجَزُوْا عَنِ الْاِتْیَانِ بِمِثْلِهٖ'' یعنی اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے کہ وہ اس قرآن مجید کی مثل فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل نظم و ترکیب پر مشتمل کتاب بنا کر لائیں تو وہ اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز آ جاتے۔

٨٩- ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اور بے شک ہم اس قرآن مجید میں لوگوں کے لیے ہر قسم کے معنی بیان کرنے کی خاطر بار بار مثالیں دہراتے ہیں وہ اس طرح کہ اس کی عجیب و غریب اور پرکشش حسین ترین مثال بیان کی جاتی ہے: ''صَرَّفْنَا'' بہ معنی ''رَدَّدْنَا وَكَرَّرْنَا'' ہے (یعنی ہم دہراتے ہیں اور بار بار بیان کرتے ہیں) ﴿فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ سو اکثر لوگوں نے نہیں مانا مگر کفر کیا اور انکار کیا [اور باقی رہی یہ بات کہ ''فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا'' جائز ہے اور ''ضَرَبْتُ اِلَّا زَیْدًا'' جائز نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''اَبٰى'' کی نفی کے معنی میں تاویل کی گئی ہے] گویا یوں کہا گیا ہے: ''فَلَمْ یَرْضَوْا اِلَّا كُفُوْرًا'' پس وہ لوگ راضی نہیں ہوئے مگر انکار سے۔

## کفار کا قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو کر بے جا مطالبات کرنا

٩٠- اور جب قرآن مجید کا معجزہ ہونا ظاہر ہو گیا اور اس سے دوسرے معجزات بھی مل گئے تو انہوں نے مبہوت و مغلوب اور حیران و پریشان شخص کی طرح آپ سے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے جا اور غیر متعلقہ معجزات کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں

گے یہاں تک کہ آپ اس زمین یعنی مکہ مکرمہ کی زمین میں سے ایک دائمی چشمہ جاری کر دیں۔ ''یَنْبُوْعًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ پانی بہانے والا چشمہ جس کی شان یہ ہو کہ اس کا پانی کبھی ختم نہ ہو (یعنی جاری چشمہ) [یہ ''نَبَعَ الْمَآءُ'' سے مشتق ہے اور ''تَفْجُرَ'' اہل کوفہ کی قراءت میں مخفف (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' مجرد سے) ہے]۔

۹۱- ﴿ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴾ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور آپ اس کے درمیان نہریں جاری فرما دیں [''فَتُفَجِّرَ'' میں جیم مشدد ہے (اور یہ باب تفعیل سے ہے) اس پر سب کا اتفاق ہے اور ''خلال'' بہ معنی ''وسط'' ہے]۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

ع ۱۰

یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے لے کر آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں' آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا رب تعالیٰ پاک ہے میں تو نہیں ہوں مگر رسول بنا کر بھیجا ہوا انسان ہوں ○ اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو انہیں ایمان لانے سے کسی نے منع نہیں کیا ماسوا اس کے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے سکونت پذیر ہو کر چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے ○

۹۲- ﴿ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا ﴾ یا آپ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ ''كِسَفًا'' بہ معنی ''قِطَعًا'' ہے یعنی ٹکڑے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اَعْطِنِیْ كِسَفَةً مِّنْ هٰذَا الثَّوْبِ'' مجھے اس کپڑے کا ایک ٹکڑا عطا کر دیجئے۔ [نافع مدنی اور عاصم کی قراءت میں ''كِسَفًا'' کی سین پر فتح (یعنی زبر) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں سین ساکن ہے اور ''كِسْفَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''سِدْرَةٌ'' اور ''سِدَرٌ'' ہے] کفارِ مکہ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بناء پر کہی: ''اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ'' (سبا:۹) ''اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں''۔ ﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾ یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو اپنا ضامن بنا کر لائیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں' اس کے صحیح ہونے کی وہ گواہی دیں' اور اس کا معنی یہ ہے: ''اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ قَبِيْلًا وَبِالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا'' یا آپ اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر لائیں اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لائیں' جیسے شاعر کا قول ہے: ''كُنْتُ مِنْهُ وَوَالِدِيْ بَرِيًّا'' میں اس سے ملوث ہوں اور میرا والد بری ہے' یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے کر آئیں (جو ہمارے سامنے آ کر آپ کی نبوت کی گواہی دیں)' جیسے ''عَشِيْرٌ'' بہ معنی ''مُعَاشِرٌ'' آتا

ہے ایسے ہی ''قَبِیۡلًا'' بہ معنٰی ''مُقَابِلٌ'' ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡ لَآ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا'' (الفرقان:۲۱) ''اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے؟ یا ہم رب کو دیکھتے''۔[یا ''جماعۃ'' (قبیلا) ''ملآئکۃ'' سے حال ہے]۔

۹۳-﴿ اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ ﴾ یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو۔ ''زُخۡرُف'' بہ معنٰی ''ذَھَبٌ'' (سونا) ہے ﴿ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ﴾ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں (اور) اس کی طرف اوپر چلے جائیں ﴿ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ ﴾ اور ہم آپ کے آسمان کی طرف چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ﴿ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا ﴾ یہاں تک کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں جس میں آپ کی تصدیق و تائید ہو [ابوعمرو کی قراءت میں (بغیر تشدید کے) تخفیف کے ساتھ ''تُنۡزِلَ'' ہے] ﴿ نَّقۡرَؤُہٗ ﴾ جس کو ہم پڑھیں [یہ کتاب کی صفت ہے] ﴿ قُلۡ ﴾ اے محبوب فرما دیجئے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قَالَ'' ہے] ''اَیۡ قَالَ الرَّسُوۡلُ'' یعنی رسول اکرم نبی محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ﴾ میرا رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے' اور آپ نے کفارِ مکہ کے بے ہودہ بار بار سوالات کرنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: ﴿ ھَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴾ میں نہیں ہوں مگر رسول بنا کر بھیجا ہوا انسان ہوں' یعنی میں دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہوں' انہیں کی طرح ممتاز انسان ہوں اور انبیاء و رسل اپنی قوم کے پاس معجزات میں سے وہی معجزے لے کر آتے جن کو ان کے سامنے ظاہر کرنے کا اللہ تعالیٰ انہیں اختیار دیتا' پس مطالبات پورے کرنے کا ذاتی اختیار میرے لیے نہیں' وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' سو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم یہ مطالبات پورے کرنے کا ذاتی اختیار مجھے دیتے ہو؟

## کفارِ مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ اور ان کا انجام' نیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۹۴-﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا ﴾ اور لوگوں کو یعنی اہل مکہ کو ایمان لانے سے نہیں روکا [''اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے] ﴿ اِذۡ جَآءَھُمُ الۡھُدٰۤی ﴾ جب ان کے پاس ہدایت (یعنی) آخر الزمان نبی اور قرآن مجید آ چکے ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا [یہ ''مَنَعَ'' کا فاعل ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَمَا مَنَعَھُمُ الۡاِیۡمَانَ بِالۡقُرۡاٰنِ وَبِنُبُوَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّا قَوۡلُھُمۡ'' اور قرآن مجید اور حضرت محمد عربی ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے سے ان کو کسی نے نہیں روکا' ماسوا ان کی اس بات کے کہ ﴿ اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟ [1] یعنی ماسوا ایک ایسے شک و شبہ کے جو ان کے دلوں میں راسخ و پختہ ہو چکا تھا اور وہ شبہ یہی تھا کہ وہ لوگ اس بات کے منکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر اور انسان کو رسول بنا کر بھیجتا ہے [اور ''اَبَعَثَ اللّٰہُ'' میں ہمزہ انکار کے لیے ہے] اور اس جملے میں ان کے انکار کی حکمت بیان کی گئی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ میں ان کی تردید فرمائی:

---

[1] واضح ہو کہ افادہ اور استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ فائدہ دینے والے اور فائدہ حاصل کرنے والے ہم جنس ہوں کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل اور راغب ہوتی ہے اور اس سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور ہم جنس ہستی کی سیرت و اخلاق اپنانے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور چونکہ روئے زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں' اس لیے ان کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی طرف برگزیدہ اور بے داغ سیرت کے حامل انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے تاکہ سلیم الفطرت انسان ان حضرات سے خوب استفادہ کرتے رہیں لیکن کفار ان پاکیزہ سیرت پیغمبروں کو محض بشر جانتے رہے اور ان برگزیدہ رسولوں کو اپنے جیسا عام بشر خیال کر کے نظر حقارت کے ساتھ ٹھکراتے رہے اور ان کے نبی اور رسول ہونے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۹۵- ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے اور انسانوں کی طرح وہ بھی اپنے قدموں پر چلتے پھرتے ہوتے اور اپنے پروں کے ساتھ آسمان کی طرف اڑ کر نہ جا سکتے کہ وہ اہل آسمان کی باتیں سنیں اور جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ اہل زمین کو بتا دیں ﴿مُطْمَئِنِّيْنَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی جب کہ فرشتے زمین پر رہائش پذیر ہوتے' یہیں ٹھہرے ہوئے ہوتے ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ تو ہم ان پر ضرور آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر اتارتے جو انہیں بھلائی کی تعلیم دیتا اور وہ ان کو سیدھے راستے دکھاتا' لیکن رہے انسان تو اللہ تعالیٰ ان میں سے نبوت کے لیے منتخب کردہ برگزیدہ انسان کی طرف فرشتہ کو وحی کے ساتھ بھیجتا ہے اور وہ برگزیدہ نبی ان کو دعوتِ دین اور رشد و ہدایت دینے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے [''بَشَرًا'' اور ''مَلَكًا'' دونوں ''رَسُوْلًا'' سے حال ہیں]۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

الثمن

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کو بہت جاننے والا' خوب دیکھنے والا ہے ○ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے' اور جن کو وہ گمراہی میں ڈال دیتا ہے تو تم ان کے لیے اس کے سوا کسی کو حامی و مددگار نہیں پاؤ گے' اور قیامت کے دن ہم ان کو مونہوں کے بل اندھا' گونگا اور بہرا کر کے اٹھائیں گے' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لیے اور زیادہ بھڑکا دیں گے ○ یہ ان کی سزا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورہ چورہ ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے ○

۹۶- ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اس بات پر گواہی دینے والا اللہ تعالیٰ کافی ہے کہ مجھے جن تعلیمات کے ساتھ بھیجا گیا تھا وہ میں نے کماحقہ' تمہاری طرف پہنچا دی ہیں مگر تم نے مجھے اور میری تعلیمات کو جھٹلا دیا اور تم میرے اور دین کے دشمن بن گئے [''شَهِيْدًا'' تمیز ہے یا پھر حال ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے خواہ وہ ڈرانے والے (انبیائے کرام) ہوں یا جنہیں ڈر سنایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سوالیہ انکار کرتے رہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بشر کو رسول بنا کر بھیجتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبروں کو بشر کہنا اور خود پیغمبروں کا اپنے آپ کو بشر کہنا مبنی برحق ٹھہرا' لیکن کفار کا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا عام بشر کہنا کفر کا سبب ٹھہرا کیونکہ انبیائے کرام کی بشریت دیگر بنی نوع انسان کی بشریت سے افضل و اعلیٰ اور بے مثال ہوتی ہے' جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ کہف کی آخری آیت مبارکہ ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔

گیا (کفار) ہوں سب سے خبردار ہے' ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے ﴿بَصِيْرًا﴾ ان کے افعال واعمال کو خوب دیکھنے والا ہے' سو وہ انہیں ان کے مطابق بدلا دے گا اور یہ حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے لیے تسلی وتشفی ہے اور کفار کے لیے وعید ودھمکی ہے۔

۹۷- ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے [یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''اَلْمُهْتَدِيْ'' ہے اور ابوعمرو اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں ان کی موافقت کی ہے] یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت قبول کرنے کی توفیق عنایت فرمادیتا ہے' دراصل وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ اور جس کو وہ گمراہی پر ڈال دیتا ہے یعنی وہ جس شخص کو ذلیل ورسوا کرتا ہے اور اس کی حفاظت نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ شخص شیطان کے وسوسوں کو قبول کر لیتا ہے (اور گمراہ ہو جاتا ہے) ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ تو آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہرگز دوست نہیں پائیں گے یعنی مددگار ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ اور قیامت کے دن ہم ان کو چہروں کے بل الٹا کر کے اٹھائیں گے یعنی انہیں مونہوں کے بل گھسیٹا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ'' (القمر: ۴۸) ''قیامت کے دن وہ دوزخ میں مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے''۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کفار قیامت کے دن اپنے چہروں کے بل کس طرح چلیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک جو خدا ان کو قدموں پر چلاتا ہے وہ اس بات پر خوب قدرت رکھتا ہے کہ وہ انہیں مونہوں کے بل چلائے[1] ﴿عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ وہ اندھے' بہرے اور گونگے ہوں گے' جس طرح وہ دنیا میں تھے' نہ وہ دیکھتے اور نہ وہ حق بات کہتے تھے اور وہ حق بات سننے سے بہرے بن جاتے تھے' سو وہ آخرت میں بھی اسی طرح ہوں گے کہ وہ ایسی چیز نہیں دیکھ سکیں گے جو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکے اور نہ وہ ایسی بات سن سکیں گے جو ان کے کانوں کو خوش وخرم کر دے اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہہ سکیں گے جو ان کی طرف سے قبول کی جا سکے ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' جب وہ بجھ جائے گی (یعنی) جب شعلے اور اس کی لپٹیں بجھیں گی تو ہم اس کو ان پر بھڑکا دیں گے (یعنی) آگ کو مزید جلا دیں گے اور پہلے سے زیادہ روشن کر دیں گے۔

۹۸- ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے؟ یعنی یہ عذاب انہیں اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے عقیدے کو جھٹلا دیا تھا' پس اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ سزا مقرر فرما دی ہے کہ دوزخ کی آگ کو ان کے تمام اعضاء پر مسلط کر دیا جائے گا جو ان کو کھا جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ ان کے اجسام کو دوبارہ پہلے کی طرح کر دے گا' پھر آگ کھا جائے گی' پھر بار بار ان کے اجسام بنتے رہیں گے اور آگ ان کو کھاتی رہے گی اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا تاکہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے عقیدے کو جھٹلانے پر ان کی حسرت وافسوس بڑھتا رہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۵۴ - ۳۶۳ 'الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۲

خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے اور پیدا کر دے' اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر فرما دیا جس میں ذرا بھی شک نہیں' سو ظالموں نے سوائے کفر کے سب کا انکار کر دیا○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ میرے رب تعالیٰ کی رحمت کے تمام خزانوں کے تو تم اس وقت اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے بخل کرنے لگو' اور انسان بہت بڑا بخیل ہے○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں عطا فرمائیں' سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب وہ ان کے پاس تشریف لائے تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ یقیناً تم پر جادو کر دیا گیا ہے○

۹۹- ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں (یعنی) کیا انہیں معلوم نہیں ﴿ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے اور انسان پیدا فرما دے ﴿ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے میں ذرہ بھی شک نہیں' اور وہ موت ہے یا پھر قیامت ہے ﴿ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴾ پس ظالموں نے دلائلِ حق واضح ہونے کے باوجود سوائے کفر کے سب چیزوں کا انکار کر دیا۔

۱۰۰- ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ [اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "لَوْ تَمْلِكُوْنَ اَنْتُمْ" کیونکہ حرف "لَوْ" افعال پر داخل ہوتا ہے' اسماء پر داخل نہیں ہوتا' لہٰذا اس کے بعد فعل کا ہونا واجب و لازم ہے' پس "تَمْلِكُ" کو تفسیر کی شرط پر مضمر مانا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ضمیر متصل کو لایا گیا ہے اور وہ واؤ ہے ("تَمْلِكُوْنَ" میں) اور ضمیر منفصل کو لایا گیا ہے اور وہ "اَنْتُمْ" ہے کیونکہ اس کے متصل لفظ ساقط ہو گیا ہے' پس "اَنْتُمْ" فعل مضمر کا فاعل ہے اور "تَمْلِكُوْنَ" اس کی تفسیر ہے اور یہ وجہ وہ ہے جس کا علم الاعراب تقاضا کرتا ہے لیکن جس کا علم البیان تقاضا کرتا ہے تو وہ "اَنَّ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ" ہے جس میں اختصاص پر دلالت ہے اور بے شک یہی لوگ (یعنی کفارِ مکہ) ہی زبردست بخل کے ساتھ مخصوص ہیں] ﴿ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ ﴾ (اگر تم) میرے رب تعالیٰ کی رحمت کے تمام خزانوں کے (مالک بن جاؤ) یعنی اس کے رزق کے اور اس کی باقی ان تمام نعمتوں کے تم مالک بن جاؤ جو اس کی مخلوق کو ملتی ہیں ﴿ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ تو تم اس وقت اس کے خرچ ہو جانے اور اس کے ختم ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے بخل کرنے لگو یعنی تم اس خوف سے بخیل بن جاؤ گے کہ کہیں خرچ کرنا اس کو ختم کر دے ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴾ اور انسان بہت بڑا بخیل ہے۔

## حضرت موسیٰ کا نو معجزات لے کر آنے اور فرعونیوں کے سرکش ہونے کی وجہ سے غرق ہونا

۱۰۱- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ کو روشن اور واضح نو معجزات عطا فرمائے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا گیا ہے کہ وہ نو معجزات یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) ٹڈی (۴) جوئیں (۵) مینڈک (۶) خون (۷) وہ پتھر جس پر عصا مارنے سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو جاتے

تھے (۸) دریا پھٹنا اور اس میں راستے بننا (۹) کوہِ طور جس کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر کھڑا کر دیا تھا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پتھر اور دریا اور کوہِ طور کی بجائے طوفان اور قحط سالی اور پھلوں کا نقصان منقول ہے ﴿ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ ''فَقُلْنَا لَهٗ اِسْأَلْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ'' پس ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے پوچھئے یعنی ان سے فرعون کے بارے میں پوچھیے اور اس سے فرمائیے کہ ''فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ'' (الاعراف: ۱۰۵) ''پس تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے''۔ ﴿ اِذْ جَآءَهُمْ ﴾ جب وہ ان کے پاس تشریف لا چکے [یہ فعل محذوف کے متعلق ہے] ''اَیْ فَقُلْنَا لَهٗ: سَلْهُمْ حِیْنَ جَآءَهُمْ'' یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت فرمایا کہ بنی اسرائیل سے فرعون کے بارے میں پوچھئے جب آپ ان کے پاس تشریف لا چکے ﴿ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴾ تو فرعون نے اس سے کہا کہ بے شک اے موسیٰ! میں گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اس لیے تیری عقل میں خبط آ گیا ہے کہ غیر معقول باتیں کرتے ہو۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ
مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ
جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وقف لازم
وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾

موسیٰ نے فرمایا: بے شک تو جان چکا ہے کہ انہیں کسی اور نے نہیں اتارا مگر آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے جو روشن اور واضح ہیں اور اے فرعون! بے شک میں تیرے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تو تباہ و برباد اور ہلاک کیا جانے والا ہے ○ پھر اس نے ارادہ کیا کہ اس کو سرزمینِ مصر سے جلاوطن کر دے تو ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا ○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اس زمین میں سکونت اختیار کرو پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لائیں گے ○ اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا رسول بنا کر ○ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے وقفے وقفے سے پڑھا کریں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے ○

۱۰۲- ﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! بے شک تجھے معلوم ہے کہ ﴿ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ان معجزات کو صرف اور صرف زمین و آسمان کے مالک و خالق نے اتارا ہے ﴿ بَصَآئِرَ ﴾ درآں حالیکہ وہ معجزات بصیرت افروز ہیں یعنی واضح اور روشن ہیں مگر تو یقیناً عناد رکھتا ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا'' (النمل: ۱۴) ''اور انہوں نے ان (معجزات) کا انکار کر دیا تھا اور جب کہ ان کے دل ان کی سچائی کا یقین کر چکے تھے (یہ انکار) ظلم و سرکشی کی وجہ سے ہوا''۔ [''بَصَآئِرَ'' حال ہے اور علی کسائی کی قراءت میں ''عَلِمْتُ'' کی ''تا'' پر پیش ہے] یعنی بے شک مجھ پر جادو نہیں کیا گیا جیسا کہ تو نے میرے

بارے میں بیان کیا ہے بلکہ میں اس معاملہ کی صحت کو خوب جانتا ہوں اور بے شک یہ وہ معجزات ہیں جن کو زمین وآسمان کے مالک وخالق نے نازل فرمایا ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گمان کو اپنے گمان (یقین) کے ذریعے رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ اور اے فرعون! بے شک میں تیرے بارے میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جائے گا' گویا آپ نے فرمایا کہ اگر تو میرے بارے میں گمان کرتا ہے کہ مجھ پر جادو کر دیا گیا ہے تو بے شک میں تیرے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جائے گا اور میرا گمان تیرے گمان سے یقیناً زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی علامت ظاہر ہے اور وہ یہ کہ تو جس کی صحت کو جان چکا ہے اس کا انکاری ہے اور اللہ تعالیٰ کے واضح اور روشن ترین معجزات کے ساتھ تو نے تکبر کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے اور تیرا گمان بہر حال محض جھوٹ ہے اس لیے کہ میرے مشن کی صحت وحقانیت کو جان لینے کے باوجود تیرا میرے بارے میں یہ کہنا کہ میں تجھے جادو سے متاثر خیال کرتا ہوں' سراسر جھوٹ ہے' اور فراء نے کہا کہ ''مَثْبُوْرًا'' کا معنی ہے: ہر خیر سے دور اور ہر برائی کا عادی۔ اہل عرب کا قول ہے کہ ''مَا ثَبَرَكَ عَنْ هٰذَا'' یعنی تمہیں اس سے کس نے روکا ہے اور تمہیں اس سے کس نے دور کر دیا ہے۔

۱۰۳- ﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ پھر فرعون نے ارادہ کر لیا کہ وہ انہیں یعنی حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو سرزمین مصر سے نکال دے گا یا قتل وغارت کر کے اور سب کی جڑ کاٹ کر سرزمین مصر سے ان کا خاتمہ کر دے گا ﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ تو ہم نے اس (فرعون) کو اس کے تمام ساتھیوں سمیت غرق کر دیا' چنانچہ اس کو غرقابی کے عذاب نے گھیر لیا جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم قبطیوں کے ساتھ دریا میں غرق کر کے سرزمین مصر سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔

۱۰۴- ﴿وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ اور ہم نے اس کے بعد (یعنی) فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اسی سرزمین پر سکونت اختیار کر لو جہاں سے فرعون نے تمہیں نکالنا چاہا تھا ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ﴾ پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا یعنی قیامت ﴿جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا﴾ تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے کہ تمہیں بھی اور ان کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر جمع کریں گے' پھر ہم تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے اور تم میں نیک بختوں کو بد بختوں سے الگ کر کے ممتاز کر دیں گے اور ''لفیف'' کا معنی ہے: مختلف قبائل کو جمع کرنا۔

## نزولِ قرآن و بعثت نبوی کی حکمت اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی اچھائی و ذاتِ اقدس کی حمد وثناء۔۔۔۔۔ اور اس کی تنزیہ و کبریائی کا بیان

۱۰۵- ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے (یعنی) ہم نے قرآن مجید کو نازل نہیں کیا مگر حکمت کے ساتھ اور یہ قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر حق اور حکمت کے ساتھ ملا ہوا ہے کیونکہ یہ ہر قسم کی خیر و بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے پر مشتمل ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اس قرآن مجید کو نازل نہیں کیا مگر حق کے ساتھ فرشتوں کی نگرانی میں محفوظ نازل کیا ہے اور یہ رسول اکرم ﷺ پر نازل نہیں کیا گیا مگر شیطان مردود کی دخل اندازی سے محفوظ ہے۔ حضرت محمد بن سماک رحمہ اللہ کے متوسلین میں سے ایک راوی نے بیان کیا کہ جب حضرت محمد بن سماک رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو ہم نے ان کا قارورہ لیا اور ایک نصرانی طبیب کی طرف روانہ ہو گئے اور راستے میں ایک نہایت خوبصورت بزرگ ملے جن سے خوشبو مہکتی تھی اور انہوں نے بہترین صاف ستھری پوشاک پہنی ہوئی تھی' اس بزرگ نے ہمیں فرمایا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: فلاں نصرانی طبیب کے پاس جا رہے ہیں' اس کو ابن سماک کا قارورہ دکھائیں گے تا کہ وہ صحیح علاج کر سکے تو اس بزرگ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم عجیب لوگ ہو کہ ولی اللہ کا علاج اللہ

تعالیٰ کے دشمن سے کرانے جا رہے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کے لیے اللہ تعالیٰ کے ایک دشمن سے مدد مانگو گے تم ایسا کرو کہ اس قارورہ کو زمین پر پھینک دو اور تم حضرت محمد ابن سماک کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور ان سے کہو کہ درد کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پڑھو: ''وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ'' پھر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور ہمیں دکھائی نہ دیئے' چنانچہ ہم لوگ حضرت ابن سماک کے پاس واپس لوٹ آئے اور صورت حال بتائی تو آپ نے اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھا اور بزرگ کے فرمان کے مطابق مذکورہ آیتِ مبارکہ پڑھی تو فوراً اسی وقت درد ختم ہو گیا اور آپ کو مکمل آرام آ گیا اور حضرت محمد بن سماک نے اپنے متوسلین سے فرمایا کہ وہ خوبصورت بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر جنت کی خوشخبری سنانے والا اور دوزخ کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر۔

۱۰۶- ﴿وَقُرْاٰنًا﴾ [یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اور وضاحت آنے والا الفعل ''فَرَقْنٰا'' کر رہا ہے ]﴿فَرَقْنٰهُ﴾ ہم نے اس کو جدا جدا نازل کیا ہے یعنی ہم نے قرآن مجید کو تفصیل کے ساتھ حسب ضرورت اور حسب موقع الگ الگ سورتوں اور آیتوں کی صورت میں نازل کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں حق کو باطل سے جدا کر دیا ہے ﴿لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر وقفے سے پڑھا کریں ﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾ اور ہم نے اس قرآن مجید کو حوادث کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿١٠٩﴾ السجدۃ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١١٠﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیںO اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہاO اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں' وہ روتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی کو بڑھا دیتا ہےO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم ''یا اللہ'' کہہ کر پکارو یا پھر ''یا رحمٰن'' کہہ کر پکارو' تم جس نام سے پکارو' اس کے تمام نام اچھے ہیں' اور آپ اپنی نماز نہ تو بہت اونچی آواز سے پڑھیے اور نہ اس کو بالکل آہستہ پڑھیے اور اس کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کیجئےO

۱۰۷- ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے (اے کفار مکہ!) تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ یعنی تم ایمان لا کر اپنے لیے دائمی قائم رہنے والی نعمتوں کو اختیار کر لو یا تم کفر پر قائم رہ کے دردناک عذاب اپنے لیے اختیار کر لو' پھر اللہ تعالیٰ نے علت و سبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے یعنی جنہیں قرآن مجید سے پہلے تورات شریف کا علم عنایت کیا گیا ہے ﴿اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ جب ان کے سامنے

قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو ﴿ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ وہ لوگ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں [''سُجَّدًا'' حال ہے ]۔

۱۰۸۔ ﴿ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا کر دیا گیا ہے۔اس کلام میں ارشادِ باری تعالیٰ ''اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا'' کی علّت بیان کی گئی ہے یعنی اے محبوب! آپ ان منکرین سے اعراض کر لیجئے اور ان کی ذرہ بھی پروانہ کیجئے کیونکہ اگر یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کرتے تو ان سے بہتر موجود ہیں اور یہ وہ علمائے کرام ہیں جنہوں نے سابقہ کتب کو پڑھا اور وہ اس قرآن مجید پر بھی ایمان لائے اور انہوں نے اس کی تصدیق کی' چنانچہ جب ان کے سامنے قرآن مجید کو پڑھا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور اس کے اس وعدے کی تکمیل کی خاطر سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی بیان کی جو آسمان سے نازل کی گئی' سابقہ کتب میں وعدہ کیا گیا تھا اور اس کے ذریعے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد اور آپ پر نزولِ قرآن کی خوشخبری دی گئی تھی اور اس آیت مبارکہ میں مذکورہ وعدہ سے یہی مراد ہے [اور ''اِنْ'' بہ معنی ''اِنَّـهٗ'' ہے اور یہ فعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ ''اَنَّ'' اور ''اِنَّ'' اسم کی تاکید کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور جس طرح ''فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ'' (الصافات:۱۲۷) میں ''اِنَّ'' کو لام تاکید کے ساتھ مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے' اسی طرح یہاں ''اِنْ'' کو ''لَمَفْعُوْلًا'' میں لام تاکید کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے ]۔

۱۰۹۔ ﴿ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ ﴾ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) وہ روتے ہیں۔ٹھوڑی کے بل گرنے کا معنی منہ کے بل گر پڑنا ہے اور ٹھوڑی کو صرف اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ سجدے کے وقت ٹھوڑی منہ کی باقی تمام چیزوں سے زمین کے زیادہ قریب ہوتی ہے' چنانچہ ''خَرَّ عَلٰی وَجْهِهٖ وَعَلٰی ذَقَنِهٖ وَخَرَّ لِوَجْهِهٖ وَلِذَقَنِهٖ'' کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی اپنے منہ کے بل اور اپنی ٹھوڑی کے بل گر پڑا اور فلاں آدمی اپنے منہ اور اپنی ٹھوڑی ہی کے لیے گر پڑا' [بہر حال ''عَلٰی'' کا معنی ظاہر ہے' رہا لام کا معنی تو گویا ٹھوڑی اور منہ کو ''خرور'' (یعنی گرنے) کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے کیونکہ لام تخصیص کے لیے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں کے مختلف ہونے کے سبب ''یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ'' کو مکرر لایا ہے اور وہ دو حال یہ ہیں: ایک سجدے کی حالت میں ان کا گر پڑنا اور دوسرا رونے کی حالت میں گر پڑنا ] ﴿ وَیَزِیْدُهُمْ ﴾ اور قرآن مجید ان میں زیادہ کر دیتا ہے ﴿ خُشُوْعًا ﴾ دل کی نرمی اور آنکھوں کی رطوبت کو۔

۱۱۰۔ ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ نام رکھو یا رحمٰن نام رکھو (اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں نام درست ہیں )۔

شانِ نزول: جب ابوجہل نے حضور سیّد عالم ﷺ سے سنا کہ آپ ''یَا اَللّٰهُ'' اور ''یَا رَحْمٰنُ'' کہہ رہے ہیں تو اس نے لوگوں سے کہا کہ آپ ہمیں تو دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کو یاد کرتے ہیں تو اس کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے: اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ رحمٰن کا ذکر بہت کم کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس نام کا بہت زیادہ ذکر فرمایا ہے تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور دعا بہ معنی نام رکھنا ہے' پکارنے کے معنی میں نہیں ہے [اور اس آیت مبارکہ میں ''اَوْ'' اختیار کے لیے ہے ] یعنی تم یہ نام (اللہ) رکھو یا یہ نام (رحمٰن) رکھو یا یہ معنی ہے کہ تم اس نام (اللہ) کا ذکر کرو یا اس نام (رحمٰن) کا ذکر کرو (اس کے سب نام اچھے ہیں) ﴿ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا ﴾ تم اسے جس نام سے یاد کرو [''اَیًّـا'' میں تنوین

مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے اور ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور ''اَیًّا''، ''تَدْعُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تَدْعُوْا'' خود ''اَیٌّ'' کی وجہ سے مجزوم ہے] یعنی ان دونوں میں سے جس نام کو یاد کرو اور اس کا جو نام رکھو ﴿فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾[1] سو اس کے تمام نام اچھے ہیں [''فَلَـهٗ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف لوٹتی ہے اور ''فَا'' اس لیے آیا ہے کہ یہ شرط کا جواب ہے: ''اَیٌّ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَهُوَ حَسَنٌ'' یعنی تم جس نام سے اس کو یاد کرو تو وہی اچھا ہے' پھر ضمیر کی جگہ ''فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' کو رکھا گیا ہے] اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں تو یہ دونوں نام بھی اچھے ہیں کیونکہ یہ دونوں نام بھی انہی میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے اچھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ تمام نام فضیلت و بزرگی اور پاکیزگی اور تعظیم و تکریم کے معانی کے لیے مستقل جامع ہیں ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ اور آپ اپنی نماز کو زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھیے' اصل میں ''بِقِرَاءَةِ صَلَاتِكَ'' ہے یعنی آپ اپنی نماز کی قراءت کو زیادہ بلند نہ کیجئے [یہاں مضاف محذوف ہے اس لیے کہ التباس نہیں ہوتا] کیونکہ ''جَهْر'' (اونچا پڑھنا) اور ''مُخَافَت'' (پست پڑھنا) ایسی دو صفات ہیں جو آواز کے بعد پیدا ہوتی ہیں اور جب کہ نماز مخصوص افعال اور اذکار پر مشتمل ہے اور دراصل رسول اللہ ﷺ قراءت میں اپنی آواز کو اونچا کر کے پڑھتے تھے' جب مشرکینِ مکہ آپ کی قراءت سنتے تو شور و غوغا کرتے اور گالیاں بکتے' اس لیے حضور کو حکم دیا گیا کہ اپنی آواز کو قدرے پست کریں اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ نہ اتنا بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین سن لیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ آپ کے پیچھے مقتدی بھی نہ سن سکیں ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ اور جہر اور مخافت کے درمیان کا طریقہ طلب کیجئے ﴿سَبِيْلًا﴾ بہ معنی ''وَسَطًا'' ہے یعنی درمیانہ طریقہ یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ تمام نمازیں بلند آواز سے نہ پڑھیں اور نہ تمام نمازیں پست آواز سے پڑھیں بلکہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کریں کہ رات کی نمازوں (مغرب' عشاء' فجر) میں بلند آواز سے پڑھیں اور دن کی (ظہر' عصر کی) نمازوں میں آہستہ پڑھیں یا پھر ''صلاۃ'' بہ معنی ''دعا'' ہے (یعنی نہ زیادہ بلند آواز سے دعا مانگیں اور نہ بالکل آہستہ دعا مانگیں بلکہ اس کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کریں)۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲/۱۱ ۱۲

اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے لیے بیٹا نہیں بنایا اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں اور اس کی عظمت و کبریائی خوب بیان کیجئے ○

۱۱۱- ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ اور اے محبوب! فرمائیے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے (اپنے لیے) اولاد نہیں بنائی جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور بنو ملیح کا گمان ہے ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ مشرکوں نے گمان کیا ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ اور کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں یعنی وہ کبھی کمزور نہیں ہوتا کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہو یا وہ ذلت و کمزوری کی وجہ سے کسی کو دوست نہیں بناتا تاکہ بہ وقتِ ضرورت دوست اپنی مدد کے ذریعے اس کا دفاع کر سکے ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ اور اس کی بڑائی خوب بیان کیجئے اور اس کی عظمت و رفعت بیان کیجئے اور یہ بیان کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کے لیے

[1] اسمائے حسنیٰ کی تشریح اور خصوصیات و برکات کے لیے ہماری کتاب ''خصائص الاسماء الحسنیٰ'' کا مطالعہ کیجئے۔ غوثوی

اولاد ہو یا کوئی اس کا شریک ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کا نام ''ایۃ العزۃ'' رکھا اور آپ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب بنو عبد المطلب کا کوئی بچہ اچھی طرح فصاحت و بلاغت سے عربی بولنے کے قابل ہو جاتا تو آپ اس کو یہی آیت مبارکہ سکھایا کرتے۔

| (۱۸) سورۃ الکھف مکیۃ (۶۹) | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ | آیاتہا ۱۱۰ رکوعاتہا ۱۲ |
|---|---|---|

سورۃ الکھف مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو دس آیات' بارہ رکوع ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے لیے کوئی کجی نہیں رکھی○ وہ عدل کو قائم کرنے والی ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان ایمان والوں کو خوشخبری سنائے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے بہترین ثواب ہے○ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہریں گے○ اور ان کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے○ اس کے بارے میں نہ انہیں علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو علم ہے' کتنی سخت بات ان کے مونہوں سے نکلتی ہے' وہ نہیں بولتے مگر جھوٹ○ پس آپ شاید ان کے پیچھے غم کے سبب اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے○

## حضور پر نزولِ قرآن کے مقاصد اور توحید الٰہی کا بیان

۱- ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب بندے (یعنی) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمائی ﴿ الۡکِتٰبَ ﴾ کتاب (یعنی) قرآن مجید۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تلقین فرمائی اور انہیں سمجھایا کہ ان پر کی گئی عظیم ترین نعمتوں میں سے اہم ترین نعمت پر اللہ تعالیٰ کی کس طرح ثناء بیان کریں اور اس کی کس طرح تعریف کریں اور وہ سب سے اہم ترین نعمت اسلام کی نعمت ہے اور دوسری اہم ترین وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر کتاب (یعنی قرآن مجید) کی صورت میں نازل فرمائی' یہی ان کی نجات کا سبب ہے ﴿ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید میں کجی اور ٹیڑھا پن نہیں رکھا یعنی اس میں کسی قسم کی ادنیٰ سی کجی بھی نہیں رکھی اور معانی میں بھی اسی طرح کجی ہوتی ہے جس طرح مادی چیزوں میں ہوتی ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کی رائے میں کجی ہے اور فلاں کے عصا (ڈنڈے) میں کجی ہے اور یہاں قرآن مجید کے معانی میں اختلاف و تضاد کی نفی مراد ہے اور اس کے معانی سے کسی قسم کی حکمت کے خارج ہونے کی نفی مراد ہے۔

۲-﴿ قَيِّمًا ﴾ عدل کو قائم رکھنے والا۔ یہ بہ معنیٰ ''مُسْتَقِيمًا'' ہے یعنی افراط وتفریط سے پاک سیدھے راستے پر چلانے والی کتاب [اوراس کا نصب فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''جَعَلَهٗ قَيِّمًا'' ] اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن مجید) کو ہر طرح کی کجی سے صحیح سلامت رکھا ہے کیونکہ جب اس سے کجی اور ٹیڑھے پن کی نفی کر دی گئی تو اس کے لیے استقامت وسلامتی ثابت ہوگئی اور کجی کی نفی اور استقامت کے اثبات کے درمیان اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے سے مستغنی ہونے کے باوجود دونوں کو جمع کرنے کا فائدہ صرف تاکید کرنا مقصود ہے اس لیے کہ بعض اوقات ایک چیز مستقیم ہوتی ہے اور اس کی استقامت پر شہادت بھی موجود ہوتی ہے لیکن تحقیق وتنقید کے وقت وہ ادنیٰ سی کجی سے خالی نہیں ہوتی یا یہ معنی ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید دیگر تمام الہامی کتب کی نگران ومحافظ ہے کہ یہ ان کی تصدیق وتائید کرتی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دیتی ہے ﴿ لِيُنْذِرَ ﴾ [اس کا فعل ماضی ''اَنْذَرَ'' ہے اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا'' (النبأ:۴۰) ''بے شک ہم تمہیں نزدیک تر عذاب سے ڈراتے ہیں''۔ بہرحال یہاں ایک مفعول پر اکتفاء کیا گیا ہے اور اس کی اصل یہ ہے: ''لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' ] ﴿ بَأْسًا ﴾ ''عَذَابًا'' ﴿ شَدِيْدًا ﴾ تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کو سخت ترین عذاب سے ڈرائیں [یہاں ''بَاْسًا'' بہ معنی عذاب ہے اور یہاں صرف ایک مفعول پر اس لیے اکتفاء کیا گیا ہے کہ جس سے ڈرایا گیا ہے اس کا ذکر کر دیا گیا ہے' پھر اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے ] ﴿ مِّنْ لَّدُنْهُ ﴾ اس کی طرف سے (یعنی) اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والا ہے ﴿ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ ﴾ اور آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں جو نیک عمل کرتے رہے بے شک ان کے لیے ''اَیْ بِاَنَّ لَهُمْ'' [یعنی ''بَا'' حرف جارہ محذوف ہے] بے شک ان کے لیے ﴿ اَجْرًا حَسَنًا ﴾ بہترین اجر وثواب ہے یعنی جنت [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَبْشُرُ'' (باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) ہے]۔

۳-﴿ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہریں گے یعنی وہ بہترین اجر وثواب میں ہمیشہ ٹھہریں گے اور ''اَجْرًا حَسَنًا'' سے مراد جنت ہے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ نیک مسلمان جنت میں ہمیشہ ٹھہریں گے [''مَاكِثِيْنَ'' (لَهُم) میں ''هُمْ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے]۔

٤-﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ اور آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یہاں پہلی آیت کے برعکس ان کا ذکر کر دیا گیا ہے جن کو ڈرایا گیا ہے لیکن جس (عذاب) سے ڈرایا گیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت مبارکہ میں اس کے ذکر نے دوبارہ ذکر کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۵-﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ انہیں اس کا کچھ علم نہیں' یعنی بیٹے کا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بیٹا بنانے کا انہیں کچھ علم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات علم کی بناء پر نہیں کہی بلکہ محض جہالت ونادانی سے کہی' پھر اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے لیے بیٹا بنانا تو بذاتِ خود محال وممتنع اور ناممکن ہے تو یہ کیسے کہا گیا کہ انہیں اس کا کچھ علم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب ہے کہ انہیں اس کا اس لیے کچھ علم نہیں ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن کو جانا جائے کیونکہ یہ محال وناممکن ہے اور کسی چیز سے علم کی نفی یا تو اس لیے ہوتی ہے کہ جو طریقہ اس کے علم تک پہنچاتا ہے وہ طریقہ معلوم نہیں ہوتا یا پھر اس چیز سے علم کی نفی محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ چیز بذاتِ خود محال وناممکن ہوتی ہے ﴿ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ اور نہ ان کے باپ دادا کو کچھ علم تھا جن کی تقلید کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً ﴾ کتنی بڑی سخت بات ہے [''كَلِمَةً'' تمیز کی بناء پر منصوب ہے] اور یہ تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا گیا

ہے کہ یہ کتنی بڑی سخت بات ہے [اور ''کَبُرَتْ'' میں ضمیران کے قول ''اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا'' کی طرف لوٹتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا اور اس کا نام ''کلمۃ'' اس طرح رکھا گیا ہے جس طرح ہجو یہ کلام (جس میں کسی کی برائی بیان کی گئی ہو) کا نام قصیدہ رکھا جاتا ہے] ﴿تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ یہ [کلمہ کی صفت ہے] جو بڑھائی کا فائدہ دیتی ہے کہ انہوں نے کتنی بڑی سخت بات کہنے کی جرأت کر لی اور انہوں نے کتنا بڑا کلمہ اپنے مونہوں سے نکال دیا' پھر حقیقت یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسوں کے ذریعے ڈال دیتا ہے اور لوگ ان کو باہر پھینکنے کی ہمت نہیں کرتے بلکہ ان کو نگل جاتے ہیں تو پھر اس قسم کی برائی کا انجام کیسا ہوگا؟ ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ وہ یہ بات نہیں کہتے مگر محض جھوٹ بولتے ہیں [''كَذِبًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے] اصل میں ''قَوْلًا كَذِبًا'' ہے یعنی کفار سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔

## حضور کو تسلی دینے اور ماسوا نیک عمل کے دنیا کی ہر چیز کے عارضی ہونے کا بیان

٦- ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ﴾ پس آپ شاید ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ جب حضور رحمت عالمیاں ﷺ کے دعوتِ حق دینے پر کفارِ مکہ نے منہ پھیر لیا اور آپ پر ایمان نہ لائے اور ان کے ایمان لانے کی بجائے منہ پھیر لینے پر جو غم و رنج آپ کے قلبِ اطہر پر طاری ہوا' اس ساری کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے دوست اس سے جدا ہو گئے ہوں اور وہ آدمی ان کے پیچھے غم و رنج کے سبب بیمار پڑ جائے اور ان کے غم و رنج' نیز ان کی جدائی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے لگے ﴿اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم کے سبب' یعنی غم کی شدت کی وجہ سے اور ''اَسَفٌ'' غم و رنج اور غضب کے مبالغہ کے لیے آتا ہے [''اَسَفًا'' مفعول لہٗ ہے]۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧ وَاِنَّا
لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝٨ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ
كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ
رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ
عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝١٢ ع ١٢/١٣

بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کے لیے آرائش بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے O بے شک زمین پر جو کچھ بھی ہے ہم اسے صاف چٹیل میدان بنا دیں گے O (اے انسان!) کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے O جب نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملے میں ہمارے لیے ہدایت کے اسباب مہیا فرما O سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند کا پردہ ڈال دیا O پھر ہم نے انہیں بیدار کیا تا کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ دو گروہوں میں سے کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو محفوظ رکھا ہے O

۷-﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا ﴾ بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کے لیے زیب و زینت اور ہار سنگار بنا دیا ہے یعنی جو چیزیں زمین اور اہلِ زمین کے لیے زیب و زینت اور آرائش کی صلاحیت رکھتی ہیں جیسے دنیا کے خوبصورت ہرے بھرے باغات اور حسین و جمیل لہلاتی ہوئی سرسبز و شاداب کھیتیاں' نیز دیگر حیوانات و نباتات اور معدنیات وغیرہم ہیں ﴿ لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے' اور اچھا عمل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دنیا میں رہ کر اس کی خواہشات کو ترک کر دے اور اس کے عارضی انعامات پر اترانا اور فخر و غرور کرنا ترک کر دے اور اس کی ظاہری خوبصورتی سے دھوکہ نہ کھائے' پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف رغبت ختم کرنے کے لیے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۸-﴿ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴾ اور زمین پر جس قدر زیب و زینت اور سنگار کی چیزیں ہیں بلاشبہ ہم ان سب کو ختم کر کے صاف و ہموار اور خشک میدان بنا دیں گے۔ ''صَعِيْدًا'' کا معنی ہے: ہموار زمین اور ''جُرُزًا'' کا معنی ہے: خوب سرسبز و شاداب ہونے کے بعد ایسا خشک ہو جانا کہ اس میں سبزہ وغیرہ نہ اُگتا ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس زمین کو آباد کرنے کے بعد ایک دن جانداروں پر موت طاری کر کے اور درختوں' کھیتیوں اور سبزوں کو خشک کر کے اس کو ہم دوبارہ ویران میدان بنا دیں گے۔

## اصحابِ کہف کا غار میں پناہ لینے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بیان

۹-اور جب اللہ تعالیٰ نے آفاقی نشانیوں میں سے زمین اور اس کی زیب و زینت' نیز اس کے اوپر پیدا ہونے والی بے شمار اجناس کا ذکر کیا اور ایک دن ان سب کے فنا ہونے اور نیست و نابود ہونے کا ذکر کیا (جو کہ قدرتِ الٰہی کی عظیم ترین نشانیاں ہیں) تو ان کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ﴾ کیا تم نے گمان کیا ہے کہ غار والے اور رقیم والے' (ہماری عجیب ترین نشانی ہیں) مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نشانیاں اصحابِ کہف کے قصہ سے اور مدتِ دراز تک ان کے زندہ رہنے سے زیادہ عجیب ترین ہیں اور ''کہف'' پہاڑ میں کشادہ اور فراخ غار کو کہا جاتا ہے اور ''رقیم'' ان نوجوانوں کے کتے کا نام ہے یا ان کی بستی کا نام ہے یا پھر اس کتبہ کا نام ہے جس پر ان کے حالات تحریر تھے یا اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار تھا ﴿ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴾ وہ ہماری عجیب نشانیوں سے تھے۔ ''اَیْ كَانُوْا اٰيَةً عَجَبًا مِّنْ اٰيٰتِنَا'' یعنی وہ ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے [بطور مبالغہ مصدر کو وصف قرار دیا گیا ہے یا مضاف محذوف ہے' اصل میں ''ذَاتَ عَجَبٍ'' ہے]۔

۱۰-﴿ اِذْ ﴾ ''اَیْ اُذْكُرْ'' یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ نوجوانوں نے غار میں پناہ حاصل کی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تو اپنی طرف سے رحمت عطا فرما' یعنی تو اپنے رحمت کے خزانوں میں سے ہمیں رحمت عطا فرما اور اس سے مغفرت و بخشش اور رزق اور دشمنوں سے امن کی طلب مراد ہے ﴿ وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ اور تو ہمارے اس معاملے میں یعنی جس میں ہم کفار سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں خیر کی رہنمائی مہیا فرما تا کہ ہم اس کے سبب راہِ راست پر گامزن ہو کر ہدایت یافتہ ہو جائیں یا یہ معنی ہے کہ اے اللہ! تو ہمارے تمام معاملات کو درست و صحیح بنا دے یا یہ کہ اے اللہ! تو اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ ہمارے لیے آسان کر دے۔

۱۱-﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ ﴾ پس ہم نے غار میں ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی یعنی ہم نے ان کے

کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر اتنی بھاری اور سخت نیند مسلط کر کے انہیں سلا دیا جس میں باہر کی آوازیں انہیں بیدار نہیں کرتی تھیں [پھر مفعول کو حذف کر دیا گیا اور وہ حجاب تھا (کیونکہ اصل میں "فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ حِجَابًا" تھا)] ﴿سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ گنتی کے سال [اصل میں "ذَوَاتَ عَدَدٍ" ہے اور یہ "سِنِيْنَ" کی صفت ہے] علامہ زجاج نے کہا کہ زیادہ تعداد ہونے کی وجہ سے ان کی گنتی کی جاتی ہے کیونکہ تھوڑی چیز کی مقدار بغیر گنتی کے معلوم کی جاتی ہے' پھر جب تعداد بہت بڑھ جاتی ہے تو ان کی گنتی کی جاتی ہے لیکن "دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ" (یوسف: ۲۰) میں قلت پر محمول ہے کیونکہ اہلِ کنعان تھوڑی مقدار کی گنتی کرتے تھے اور زیادہ مقدار کا وزن کرتے تھے۔

۱۲- ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ پھر ہم نے ان کو اٹھایا' یعنی پھر ہم نے ان کو نیند سے بیدار کیا اور جگایا ﴿لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا﴾ تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ اپنی ٹھہرنے کی مدت میں ان میں سے اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں سے کس نے ٹھہرنے کی پوری مدت کو یاد رکھا ہے کیونکہ جب وہ نوجوان حضرات نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ" (الکہف: ۱۹) "ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو' بعض نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے' دوسروں نے کہا: تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو"۔ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جان لیا تھا کہ وہ بڑی لمبی مدت ٹھہر چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ان غار والوں کے علاوہ جن دو گروہوں نے اختلاف کیا ہے ان میں سے کس گروہ نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو یاد رکھا [ "اَمَدًا" کا معنی غایت و انتہاء ہے اور "اَحْصٰی" فعل ماضی ہے اور "اَمَدًا" اس کا ظرف ہے یا پھر مفعول لہ ہے اور یہ فعل ماضی مبتدا کی خبر ہے اور وہ "اَیُّ" ہے اور مبتدا اپنی خبر کے ساتھ مل کر "نَعْلَمُ" کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے (اور "لِمَا لَبِثُوْا" میں "مَا" مصدریہ ہے) اور معنی یہ ہے کہ کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک محفوظ رکھا ہے اور کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے اور جس نے یہ کہا کہ "اَحْصٰی" "اَفْعَلُ" کے وزن پر اسم تفضیل ہے اور یہ "اِحْصَاءٌ" سے مشتق ہے اور اس کا معنی گنتی کرنا ہے' اس نے غلط کہا ہے کیونکہ اس کا صیغہ غیر ثلاثی مجرد (یعنی مزید فیہ سے) قیاس کے مطابق نہیں آتا] اور باقی رہا یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں "لِنَعْلَمَ" (تاکہ ہم جان لیں) فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے بارے میں ازل سے یعنی ہمیشہ سے جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم بہ معنی ظہور کے ہے یعنی تاکہ ہم لوگوں پر ظاہر کر دیں کہ ان کا (قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے جانے پر) ایمان پختہ ہو جائے اور ان کی عبرت میں اضافہ ہو جائے اور وہ اپنے زمانہ کے مؤمنوں پر لطف و کرم اور نرمی کریں اور اس زمانہ کے کفار پر واضح حجت و دلیل قائم ہو جائے یا "لِنَعْلَمَ" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اس کے وجود سے پہلے جانتے تھے' اسی طرح ان کے موجودہ اختلاف کو بالفعل جان لیں۔

| |
|---|
| نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾ ۖ |
| وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ |

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

ہم آپ سے ان کا سچا قصہ بیان کرتے ہیں' بے شک وہ نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں مزید ہدایت عطا فرمائی O اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ (بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار (وہی ہے جو) آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے' ہم اس کے سوا کسی معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہم نے بہت بڑی ناانصافی کی بات کہہ دی O یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا رکھے ہیں' وہ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے' پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھا O

## اصحابِ کہف کے سچے قصہ میں جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور علیحدگی اختیار کر کے ------- غار میں پناہ لینے کا بیان

۱۳- ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ہم آپ کو حق کے ساتھ (یعنی) سچا قصہ سناتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ﴾ بے شک وہ چند نوجوان تھے۔ ''فِتْيَةٌ'' ''فتی'' کی جمع ہے اور فتوت و مردانگی یہ ہے کہ بھلائی کے کاموں میں مال و جان خرچ کرنا اور لوگوں کو ایذاء اور تکلیف دینے سے باز رہنا اور شکایت و بے صبری کو ترک کرنا اور حرام چیزوں سے بچنا اور اچھی عادتوں اور اچھے کاموں پر عمل کرنا اور ایک قول یہ ہے کہ جوان اور مرد وہ ہے جو کام کرنے سے پہلے دعویٰ نہ کرے (کہ میں یہ کر دوں گا' میں وہ کر دوں گا) اور کام کرنے کے بعد اپنی پاک دامنی اور اپنی صفائی بیان نہ کرے (کہ میں بڑا نیک اور میں بڑا عامل ہوں) ﴿اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ وہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت (یعنی) یقین کو مزید بڑھا دیا' اور یہ نوجوان اس وقت کے بادشاہ دقیانوس کے خواص اور مقرب لوگوں میں سے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا اور وہ اپنے دلوں میں ایمان پا کر ایک دوسرے سے ڈرنے لگے اور انہوں نے آپس میں کہا کہ دو دو آدمی ہم سے الگ ہو جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اپنے دل کی بات ظاہر کر دے' چنانچہ ان سب نے ایسا ہی کیا اور سب کے سب ایمان پر متفق نکلے۔

۱۴- ﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور صبر کر کے اپنے عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑنے اور دینِ حق کو بچانے کی خاطر علاقۂ غیر کی طرف بھاگ جانے کے لیے ہم نے ان کے دلوں کو مستحکم و طاقت ور بنا دیا اور ہم نے ان کو جابر و ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کلمۂ حق کہنے اور اسلام کی مدد کرنے کی جرأت و بہادری عطا فرما دی ﴿اِذْ قَامُوْا﴾ جب وہ جابر بادشاہ دقیانوس کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس نے بتوں کی عبادت چھوڑ دینے پر ان کو ڈرایا' دھمکایا اور ڈانٹا تو ان بہادر نوجوانوں نے اس کی ذرا پرواہ نہ کی ﴿فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور انہوں نے برملا فخر یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ﴿لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا﴾ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے اور اگر ان کے بتوں کو معبود قرار دے دیں ﴿لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا﴾ تو پھر البتہ اس وقت ہم نے یقیناً حق سے دور ظلم و زیادتی کی بات کہہ دی۔ ''شَطَطًا'' کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنے میں زیادتی کرنا (یعنی حد سے بڑھ کر ظلم کرنا) اور اس میں حق سے بہت دور ہو جانا [اور یہ ''شَطَّ يَشُطُّ'' اور ''شَطَّ يَشِطُّ'' سے ماخوذ ہے] جب

کوئی کسی سے بہت دور ہو جائے۔

۱۵- ﴿هٰۤؤُلَآءِ﴾ [یہ مبتدا ہے] ﴿قَوْمُنَا﴾ [عطف بیان ہے] ﴿اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً﴾ [یہ خبر ہے] یعنی یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے ہیں اور یہ خبر انکار کے معنی میں ہے (یعنی انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا) ﴿لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ﴾ وہ لوگ اپنے بتوں کی عبادت کے جواز پر کوئی واضح اور ظاہر دلیل کیوں نہیں پیش کرتے اور یہ ان کو لاجواب و خاموش کرنے کے لیے کہا گیا ہے کیونکہ بتوں کی عبادت پر دلیل پیش کرنا محال ہے ["لَوْ لَا" بہ معنی "هَلَّا" ہے اور "عَلَیْهِمْ" سے مراد "عَلٰی عِبَادَتِهِمْ" ہے پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ لیا کہ اس یکتا خدا کی طرف شریک کی نسبت کر دی۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ⑰ ع

ع ۵/۱۴

اور (انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:) جب تم ان سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے معبودوں سے الگ ہو چکے ہو تو غار میں پناہ لے لو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور وہ تمہارے لیے تمہارے معاملہ میں آسانی پیدا کر دے گا ○ اور (اے محبوب!) آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف جھک جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف مڑ جاتا ہے اور وہ غار کے کھلے میدان میں ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے' اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے' پس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور وہ جس کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار رہبر نہیں پائیں گے ○

---

۱۶- ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ﴾ اور جب تم ان سے الگ اور جدا ہو چکے ہو۔ جب ان نوجوانوں نے اپنے دین کو بچانے کی خاطر بھاگنے کا پختہ اور پکا ارادہ کر لیا تو ایک دوسرے کو یہ خطاب کیا کہ جب تم مذہب میں ان سے الگ ہو چکے ہو ﴿وَمَا یَعْبُدُوْنَ﴾ ["ھُمْ" ضمیر پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہے] یعنی جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور تم ان کے معبودوں سے بھی کنارہ کش ہو چکے ہو ﴿اِلَّا اللّٰهَ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے [یہ استثناء متصل ہے] اس لیے کہ یہ لوگ بھی اہل مکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے [یا یہ استثناء منقطع ہے] یعنی جب تم کفار سے اور ان کے بتوں سے الگ ہو چکے ہو جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اپنا کلام درمیان میں پیش کر دیا کہ ان نوجوانوں نے غیر اللہ کی عبادت نہیں کی [یہ کلام معترضہ ہوا] ﴿فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ﴾ پس تم غار میں پناہ لے لو اور اس کی طرف چل پڑو یا تم غار کو اپنی پناہ گاہ بنا لو ﴿یَنْشُرْ لَكُمْ

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت یعنی اپنا رزق وسیع اور کشادہ کر دے گا ﴿ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴾ اور وہ تمہارے لیے تمہارے مشن میں آسانی اور نرمی پیدا فرما دے گا [ نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں میم مفتوح اور ''فا'' مکسور کے ساتھ ''مَرْفِقًا'' ہے ] اور اس کا معنی ہے: ہر وہ سبب جس کے ذریعے آسانی حاصل کی جائے یعنی نفع حاصل کیا جائے' اور ان نوجوانوں نے یہ بات صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھرپور اعتماد رکھنے اور اس سے اپنی امید مضبوط قائم کرنے اور اس کی ذاتِ اقدس پر کامل توکل اور پختہ یقین رکھنے کی بناء پر کہی تھی یا انہیں ان کے زمانہ کے پیغمبر نے یہ بات بتائی تھی۔

## اصحابِ کہف کی عزت و کرامت اور ان سے کتے کی محبت کا صلہ

۱۷- ﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ ﴾ اے محبوب! آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو (ان نوجوانوں کی غار سے دائیں طرف) پھر جاتا ہے [ اہل کوفہ کی قراءت میں ''زَا'' مخفف ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''زَا'' ساکن ہے اور ''رَا'' مشدد ''تَـزْوَرُّ'' ہے' دیگر قراء کی قراءت میں ''زَا'' مشدد ہے جس کے بعد الف ہے یعنی ''تَـزَّاوَرُ'' ہے اور اس کی اصل ''تَتَـزَاوَرُ'' ہے' پھر دوسری ''تَـا'' کو ''زَا'' میں مدغم کر دیا گیا ہے یا پھر اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ افعال ''زَوْرٌ'' سے مشتق ہیں اور ''زَوْرٌ'' کا معنی ہے: ایک طرف جھکنا اور ہٹنا اور اسی سے ''زَارَهٗ'' ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی اس کی طرف جھک گیا اور ''زُوْرٌ'' (جھوٹ) کا معنی ہے: سچ سے منہ پھیر لینا ] ﴿ عَنْ كَهْفِهِمْ ﴾ ان کی غار سے یعنی سورج ان کی غار سے دوسری طرف جھک جاتا ہے اور اس کی شعاعیں اور دھوپ کی گرمی ان نوجوانوں پر نہیں پڑتی ﴿ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ﴾ دائیں طرف اور اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ خود دائیں جانب کا نام طرف اور سمت ہے ﴿ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو ان کی بائیں طرف کترا جاتا ہے اور ان سے دور ہو کر گزر جاتا ہے یعنی ان کو چھوڑ جاتا ہے اور ان سے دور پھر جاتا ہے ﴿ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ﴾ اور وہ نوجوان غار کے کشادہ اور کھلے میدان میں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان تمام دن سایا میں آرام پذیر رہتے تھے' انہیں نہ طلوع کے وقت سورج کی دھوپ پہنچتی تھی اور نہ غروب کے وقت' اس کے باوجود کہ وہ حضرات کشادہ اور کھلے میدان میں سو رہے ہوتے تھے' اگر اللہ تعالیٰ سورج کو ان سے نہ چھپاتا تو پھر سورج کی کرنیں اور شعاعیں انہیں ضرور پہنچ جاتیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے غار میں سوراخ تھے جن سے گزر کر تازہ ہوا اور صبح کی ٹھنڈک ان میں پہنچتی تھی اور انہیں غار میں کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر جو کچھ کرم کیا ہے کہ سورج طلوع اور غروب کے وقت ان نوجوانوں سے دوسری طرف ہو کر پھر جاتا ہے اور ان سے کترا کر گزر جاتا ہے تا کہ انہیں دھوپ اور گرمی نہ پہنچے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی (اور ولیوں کی کرامت) ہے ﴿ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے' یعنی سورج ان کی سمت میں نہیں پہنچتا تھا اور سورج ان کی سمت میں ان کی خصوصی کرامت کی وجہ سے نہیں پہنچتا تھا اور بعض نے کہا کہ غار کا دروازہ شمال کی طرف بنات النعش کے بالمقابل تھا' اس لیے وہ نوجوان پردے میں رہتے تھے اور سورج کی کرنیں اور شعاعیں ان پر نہیں پڑتی تھیں اور ''ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ شان (کہ تین سو نو سال سے زائد عرصہ غار میں مختلف بیماریوں' سردیوں' گرمیوں' آندھیوں' موذی اور وحشی جانوروں اور موت وغیرہ سے محفوظ رہنا) اور ان کا (نئے سرے سے صحیح و سلامت بیدار ہو جانے کا) قصہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کی توفیق عنایت فرماتا ہے' پس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور اس کی تفسیر اور وضاحت ''سُبْحٰنَ الَّذِیْ'' (بنی اسرائیل:۹۷) میں گزر چکی ہے اور یہ ارشاد اصحابِ کہف کی تعریف و

توصیف بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد اور محنت کی اور انہوں نے اپنے چہروں کو اسی واحد لاشریک ذاتِ اقدس کے لیے جھکا دیا تو اس نے ان حضرات کو اس عالی شان کرامت کے حاصل کرنے کی رہبری فرمائی ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار رہبر نہیں پائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ
رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا
لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ
بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ
لْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

ــ نصف القرآن باعتبار عدد الحروف وبان التاء الیہ
من النصف الاول واللام من النصف الآخر ۱۲

اور آپ انہیں بیدار خیال کریں گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں' اور ہم ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں' اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے' اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھتے تو آپ ان سے بھاگ جاتے اور آپ ان کے رعب و دہشت سے بھر جاتے O اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں' ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنی دیر ٹھہرے ہو' بعض نے کہا: ہم ایک دن ٹھہرے ہیں یا دن کا کچھ حصہ' دوسروں نے کہا: تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو' پس تم اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو یہ چاندی دے کر شہر بھیجو' سو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ اچھا ہے' پھر اس میں سے تمہارے لیے کھانا لائے اور اسے نرمی سے بات کرنی چاہیے اور وہ تمہارے بارے میں کسی کو نہ بتائے O

۱۸- ﴿وَتَحْسَبُهُمْ﴾ [اعشیٰ کے علاوہ ابن عامر شامی' حمزہ اور عاصم کی قراءت میں سین پر فتح (زبر) ہے] اور یہ ہر ایک کو خطاب ہے یعنی اے انسان! تو انہیں خیال کرے گا کہ وہ ﴿اَيْقَاظًا﴾ بیدار ہیں [اور یہ ''یَقْظٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں کھلی تھیں حالانکہ وہ نیند کی حالت میں سو رہے تھے' اس لیے ان کو دیکھنے والا بیدار خیال کرے گا ﴿وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اور ہم ان کی دائیں طرف اور بائیں طرف کروٹیں بدل دیتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ سال میں ان کی دو مرتبہ کروٹیں بدلی جاتی ہیں اور بعض نے فرمایا کہ صرف ایک مرتبہ دس محرم الحرام کو ان کی کروٹ بدلی جاتی ہے ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے[1] [یہ ماضی کی حالت بیان کی گئی ہے کیونکہ اسم فاعل جب ماضی کے معنی میں ہو تو پھر یہ عمل

[1] مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جب اصحابِ کہف ہجرت کر کے غار کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ چل پڑا تھا جس کو انہوں نے بھگانے کی کئی بار کوشش کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کتے کو قوتِ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں کرتا] ''وَصِيْد'' کا معنی صحن' میدان یا چوکھٹ و دہلیز ہے ﴿لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ﴾ اگر آپ ان پر جھانکیں اور انہیں دیکھ لیں ﴿لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ﴾ تو آپ ضرور ان سے منہ پھیر لیں گے اور وہاں سے بھاگ جائیں گے ﴿فِرَارًا﴾ [یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے] کیونکہ ''وَلَّيْتَ مِنْهُمْ'' کا معنی ہے: آپ ان سے بھاگ جائیں گے ﴿وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ اور البتہ آپ ان کے رعب و خوف سے بھر جائیں گے [اہل حجاز کی قراءت میں مبالغہ کے لیے دوسرے لام کو مشدد پڑھا گیا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گویائی عطا فرمائی اور وہ بول پڑا کہ ''مَا تُرِيْدُوْنَ مِنِّيْ لَا تَخْشَوْا جَانِبِيْ اَنَا اُحِبُّ اَحِبَّآءَ اللّٰهِ تعالٰی فَنَامُوْا وَاَحْرِسُكُمْ'' یعنی تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم میری طرف سے نہ گھبراؤ' میں تو اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے محبت کرتا ہوں' سو تم غار میں سو جانا اور میں تمہارے اوپر پہرا دوں گا۔

(تفسیر مدارک نسخہ:۱' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' ہامش علی الخازن ج ۳ ص ۲۰۲' نسخہ:۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' اُردو بازار لاہور' ج ۲ ص ۲۹۳ نسخہ:۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی ج ۲ ص ۹' تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۲۵' مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر صاوی ج ۳ ص ۴۔۵' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفےٰ البابی' مصر' تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

بہر حال جب یہ کتا اللہ والوں کی محبت سے سرشار ہو کر ان کے ساتھ ہجرت کر کے غار کے دروازے پر اپنے بازو پھیلا کر ان کی حفاظت کے لیے بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی نسبت سے اس کا ذکرِ خیر ہمیشہ کے لیے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا اور ''کَلْبُهُمْ'' کی اضافت تشریفی سے اس کو خسیس سے عظیم اور حقیر سے عزیز بنا دیا' چنانچہ علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں: ''وَمِنْ ثَمَّ قَرَنَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ اَخَسَّ الْحَيَوَانَاتِ بِبَرَكَةِ صُحْبَتِهِمْ مَعَ زُمْرَةِ الْمُتَبَتِّلِيْنَ اِلَيْهِ الْمُعْتَكِفِيْنَ فِيْ جَوَارِهٖ سُبْحَانَهٗ'' اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب (قرآن مجید) میں حقیر ترین حیوان کو اصحابِ کہف کی صحبت کی برکت سے اپنی طرف متوجہ رہنے والے عبادت گزار نیک بندوں کی جماعت کے ساتھ ملا دیا۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۴۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ ابن کثیر نے لکھا:

سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے۔ دیکھیے نا اس کتے کی کتنی شان ہوگئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۸' پارہ:۱۵' مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب' کراچی)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا بُرا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ ''وَلِلّٰهِ دَرُّ السعدی الشیرازی'' پسر نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد' سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۸۲' حاشیہ:۵' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

نوٹ: ان تمام حوالہ جات کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک کتا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی محبت و صحبت سے اچھا ہو جاتا ہے اور اس کی شان بڑھ جاتی ہے تو اشرف المخلوقات انسانوں میں سے جو مسلمان صرف اس لیے اللہ والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں کہ یہ حضرات شریعتِ اسلامی کے پابند اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں' وہ بہ طریق اولیٰ اچھے اور معزز کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایسے مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانے کی بجائے انہیں شریعتِ اسلامی کی پابندی کی ترغیب دے کر اللہ والے بننے کی تلقین و تاکید کرنی چاہیے۔ باادب بامراد' بے ادب بے مراد۔ غوثی

''رُعْبًا'' تمیز ہے اور ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں عین پر بھی پیش ہے یعنی ''رُعُبًا'' ہے ] اور اس سے وہ خوف مراد ہے جو سینہ کو مرعوب کر دے یعنی سینہ کو خوف سے بھر دے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رعب و ہیبت عطا فرما دی؛ جس کی وجہ سے ان کو دیکھنے والا مرعوب وخوف زدہ ہو جاتا ہے یا پھر اس لیے کہ ان کے ناخن اور ان کے بال اور ان کے اجسام بڑھ چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ غزوۂ روم سے فارغ ہو کر واپسی میں اس غار کے پاس سے گزرے تو کہا کہ میں اس غار کے اندر جانا چاہتا ہوں؛ یہ بات سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک تم سے بہت بہترین ہستی سے فرمایا گیا ہے: ''لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا'' اے محبوب! آپ انہیں دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگ پڑیں گے' چنانچہ امیر معاویہ کے حکم سے ایک جماعت اس غار میں داخل ہوئی تو تیز آندھی نے اسے جلا دیا تھا۔

## اصحابِ کہف کو سینکڑوں سال بعد اٹھا کر قیامت آنے کا ثبوت اور ان کے قرب میں مسجد بنانے کے جواز

۱۹- ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے جس طرح ان پر نیند طاری کر کے انہیں (تین سو نو سال سے زائد عرصہ تک) سلا دیا تھا' اسی طرح ہم نے سلانے اور اٹھانے دونوں پر اپنی قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں بیدار کر دیا ﴿لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور ان کے احوال کو پہچانیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا' اس سے عبرت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت پر استدلال کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیے ان کا شکر ادا کریں ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا (یعنی) ان کے سردار نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ بعض نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یہ جواب غالب گمان پر مبنی ہے اور یہ اجتہاد کے جائز ہونے اور غالب گمان پر بات کرنے کی دلیل ہے ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ دوسرے ساتھیوں نے کہا: تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو۔ یہ بعض کی بات کا انکار ہے گویا انہوں نے دلائل سے یا الہام سے یہ جان لیا تھا کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت بہت طویل ہے اور یہ کہ اس مدت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ نوجوان ساتھی غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے اور زوال کے بعد بیدار ہوئے تھے' اس لیے انہوں نے گمان کیا کہ وہ اسی دن بیدار کیے گئے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنے ناخن اور اپنے بال بڑھے ہوئے دیکھے تو انہوں نے یہ کہا کہ تمہارا رب تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد سات تھی اس لیے کہ اس آیت مبارکہ میں پہلے ارشاد فرمایا: ''قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ'' ان میں سے ایک نے کہا: تم کتنی مدت ٹھہرے ہو' اور یہ ایک ہے اور اس کے جواب میں بعض نے کہا: ''لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ'' کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اس میں ''لَبِثْنَا'' جمع ہے اور اس کے کم از کم تین افراد ہوتے ہیں (ایک اور تین چار ہو گئے) پھر فرمایا: ''رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ'' یہ دوسروں کا قول ہے جس میں جمع بولا گیا ہے (یہ تین افراد اور ہو گئے) تو یہ کل سات افراد ہو گئے ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ﴾ گویا انہوں نے کہا کہ تمہارا رب تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا ہے اس کو جاننے کا تمہارے پاس کوئی طریقہ نہیں ہے' لہٰذا تم کسی اور کام کی بات کرو جو تمہارا مقصد ہو اور وہ یہ کہ تم اپنوں میں کسی کو یعنی یملیخا کو

بھیجو ﴿ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ ﴾ اپنی یہ چاندی دے کر۔ یہ چاندی درہموں میں ڈھلی ہوئی تھی یا اَن ڈھلی تھی [ابوعمرو' حمزہ اور ابوبکر کی قراءت میں ''رَا'' ساکن ہے] ﴿ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ﴾ شہر کی طرف اور یہ طرطوس تھا اور یہ نوجوان اپنے گھروں سے بھاگتے وقت یہ چاندی اٹھا کر لائے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر کے لیے نان نفقہ اور دیگر ضروریات کا سامانِ سفر لے کر چلنا جائز ہے' توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والوں کی یہی رائے ہے لیکن اتفاقات اور لوگوں کے سفرِ خرچ پر بھروسا کرنے والوں کی یہ رائے نہیں۔

بیت اللہ شریف کی زیارت کا بہت شوق رکھنے والے ایک عالمِ دین سے منقول ہے' وہ فرماتے ہیں کہ اس سفر کے لیے صرف دو چیزیں ضروری ہیں: ایک رقم کی تھیلی' دوسرا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ﴿ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا ﴾ پس وہ دیکھے کہ شہر کے کس آدمی کے پاس کھانا زیادہ حلال اور زیادہ پاک صاف اور ستھرا ملتا ہے یا کس کے پاس زیادہ سے زیادہ اور بہت سستا ملتا ہے [اصل میں ''اَيُّ اَهْلِهَا'' ہے' لفظ ''اَهْل'' مضاف محذوف ہے جیسے ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف:۸۲) یعنی ''بستی والوں سے پوچھئے''۔ اس میں ''اَهْل'' مضاف محذوف ہے' اصل میں ''اَهْلَ الْقَرْيَةِ'' ہے اور ''اَيُّ'' مبتدا ہے اور ''اَزْكٰى'' اس کی خبر ہے اور ''طَعَامًا'' تمیز ہے] ﴿ فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ سو وہ اس سے تمہارے لیے کھانا لے آئے اور نرمی سے بات کرے اور اس سے ملاقات کر کے خرید و فروخت کے معاملے میں اس سے بہ تکلف نرم طریقے سے بات کرے تاکہ وہ دھوکہ نہ دے یا اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نرمی سے بات کرے تاکہ وہ پہچان نہ سکے ﴿ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴾ اور وہ تمہارے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور وہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے غیر ارادی طور پر لوگوں کو ہمارے بارے میں آگاہی ہو جائے اور اس عمل کو ان کے بارے میں آگاہی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ اس کا سبب ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا
اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا
رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ
اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

بے شک اگر وہ تم پر مطلع ہو گئے تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں تمہارے مذہب سے مرتد کر دیں گے اور اگر ایسا ہوا تو تم کبھی بھی نجات نہیں پاؤ گے ○ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً حق ہے اور بے شک قیامت کے بارے میں کوئی شک نہیں' جب وہ لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا: ان کی غار پر کوئی عمارت بنا دو' ان کا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے' جو لوگ ان کے معاملہ میں غالب رہے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ان کے پاس مسجد بنائیں گے ○

۲۰- ﴿ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ [''اِنَّهُمْ'' کی ضمیر ''اَيُّهَا'' میں مقدر ''اَهْل'' کی طرف لوٹتی ہے] بے شک اگر وہ تمہارے متعلق آگاہ ہو گئے (یعنی) اگر تم پر مطلع ہو گئے ﴿ يَرْجُمُوْكُمْ ﴾ تو وہ تمہیں پتھر ماریں گے اور تمہیں بُری طرح قتل کر دیں گے ﴿ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ ﴾ یا وہ زبردستی کر کے تمہیں تمہارے مذہب سے پھیر دیں گے اور تمہیں مرتد بنا دیں گے اور ''عَوْد'' عرب کے کلام میں کثرت کے ساتھ ''صیرورت'' (بنانے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (اس لیے یہاں

لوٹانا معنی نہیں ہے بلکہ مرتد بنانا ہے کیونکہ یہ نوجوان شروع سے مؤحد تھے) ﴿وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم کبھی بھی ہرگز نجات نہیں پاؤ گے ["اِذًا" شرط پر دلالت کرتا ہے] یعنی "وَلَنْ تُفْلِحُوْا" "اِنْ دَخَلْتُمْ فِیْ دِیْنِہِمْ" "(اَبَدًا) اور اگر تم ان کے دین میں داخل ہوگئے تو تم کبھی بھی ہرگز نجات نہیں پاؤ گے۔

٢١۔﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور اسی طرح ہم نے ان کے متعلق لوگوں کو آگاہ کر دیا (یعنی) جس طرح ہم نے اپنی حکمتِ کاملہ کی بناء پر انہیں غار میں سلا دیا اور پھر ہم نے انہیں بیدار کر کے اٹھا دیا' اسی طرح اپنی حکمتِ بالغہ کی بناء پر ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع فرما دیا ﴿لِيَعْلَمُوْٓا﴾ تا کہ وہ جان لیں یعنی جن لوگوں کو ہم نے غار والوں پر مطلع کر دیا ہے وہ یہ جان لیں کہ ﴿اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے' جو ہر حال میں ہو کر رہے گا اور وہ ہے: مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا (یعنی قیامت کا قائم ہونا) کیونکہ غار والوں کا سونے اور اس کے بعد اٹھنے کا حال اس شخص کے مشابہ ہے جو مر جائے گا' پھر مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا ﴿وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ اور بے شک قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں' پس اس زمانے کے لوگوں نے غار والوں کے اس معاملے سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی صحت پر دلیل حاصل کر لی ﴿اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ﴾ جب وہ باہم جھگڑنے لگے ["یہ "اَعْثَرْنَا" کے متعلق ہے] یعنی جب اس زمانے کے لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تو ہم نے ان کو غار والوں پر مطلع فرما دیا ﴿بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ آپس میں ان کے دین کے بارے میں اور وہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی حقیقت کے متعلق اختلاف کرنے لگے' چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ صرف ارواح کو اٹھایا جائے گا' اجسام کو نہیں اٹھایا جائے گا اور بعض کہتے کہ اجسام کو ارواح کے ساتھ اٹھایا جائے گا' اس لیے ہم نے ان کو غار والوں پر مطلع فرما دیا تا کہ اختلاف ختم ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ اجسام کو ارواح سمیت اسی طرح حیات حسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس طرح مرنے سے پہلے زندہ ہوا کرتے تھے ﴿فَقَالُوا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو وفات دے دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ﴿ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾ ان پر ایک عمارت بنا دو' یعنی ان کے غار کے دروازے پر ایک عمارت بنا دو تا کہ لوگ ان کے پاس نہ پہنچ سکیں' یہ ان کی قبور کی حفاظت کرنے اور ان کو لوگوں سے بچانے کے لیے کہا گیا تھا' جس طرح رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو چار دیواری سے محفوظ کر دیا گیا ہے ﴿رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ﴾ جھگڑنے والوں کے کلام سے زیادہ انہیں ان کا پروردگار خوب جانتا ہے' گویا جھگڑنے والوں نے اصحابِ کہف کے معاملے میں بحث و مباحثہ کیا اور ان کے خاندانی پسِ منظر اور ان کے احوال اور ان کے ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور بحث و مباحثہ کیا' جھگڑا کیا لیکن جب وہ ان کی حقیقت معلوم نہ کر سکے تو کہا کہ ان کا پروردگار ہی انہیں خوب جانتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غار والوں کے متعلق غور و خوض اور بحث و مباحثہ کرنے والوں کی باتوں کی تردید کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ﴾ ان کے بادشاہ اور مسلمان جو غار والوں کے معاملے میں غالب رہے' انہوں نے کہا: اور حقیقت میں غار والوں کے اور ان پر عمارت بنانے کے یہی لوگ زیادہ حق دار تھے ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ہم ضرور ان پر (یعنی) غار کے دروازے پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے جس میں مسلمان نماز پڑھیں گے اور ان کے آستانے سے برکت حاصل کریں گے[1]

---

[1] خیال میں رہے کہ چند احادیثِ مبارکہ میں قبور کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ حق ہے کیونکہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر انتہاء پسند مسلک کے بعض بڑوں نے اولیائے کرام کے مزاراتِ مقدسہ کے قرب و جوار میں مساجد کی تعمیر کو ممنوع و شرک قرار دے دیا ہے حالانکہ ہمارے ملک میں مزارات کے قرب و جوار میں جتنی مساجد ہیں ان میں نماز وغیرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ انجیل (یعنی عیسائیوں) میں بُرائیاں اور گناہ بہت زیادہ پھیل گئے اور ان کے بادشاہ اور حکام بالا سرکش و نافرمان ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور انہوں نے اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کر دیا اور ان میں سے جس بادشاہ نے سب سے زیادہ سختی کی تھی وہ دقیانوس تھا' چنانچہ اس نے اپنی قوم کے رئیسوں کے چند نوجوانوں کو شرک پر آمادہ کرنا چاہا اور انہیں بلا کر قتل کی دھمکی دی مگر انہوں نے شرک سے صاف انکار کر دیا اور ایمان پر ثابت قدم رہنے اور اس میں مزید پختگی کو اختیار کر لیا' پھر وہ قتل کے خوف سے اور ایمان کی حفاظت کے لیے غار کی طرف بھاگ گئے اور وہ غار کی طرف جاتے ہوئے ایک کتے کے پاس سے گزرے تو وہ کتا ان کے پیچھے چل پڑا اور انہوں نے اسے دھتکارا اور بھگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بولنے کی قوت عطا فرما دی اور اس نے کہا: تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میں تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے محبت کرتا ہوں' سو تم غار میں سو جانا اور میں تمہاری حفاظت کے لیے پہرا دوں گا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نوجوان بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس سے گزرے' جس کے پاس ایک کتا تھا' اس نے ان کا دین قبول کر لیا اور ان کے ساتھ چل پڑا تو کتا بھی ان کے پیچھے چل پڑا اور یہ سب غار میں داخل ہو گئے اور کتا غار کے دروازے پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی اور وہ سو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کر کے اٹھانے سے پہلے ان کے شہر پر ایک نیک مؤمن شخص کو بادشاہ بنا دیا' جس کی مملکت کے باشندوں میں مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اختلاف ہو گیا' کچھ لوگ مانتے تھے اور کچھ لوگ انکار کرتے تھے جس کی وجہ سے بادشاہ پریشان ہو گیا اور اپنے گھر کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا اور اس کا دروازہ بند کر دیا اور شاہی لباس کی بجائے ٹاٹ کا لباس پہن لیا اور شاہی پلنگ اور قالین کی بجائے راکھ پر بیٹھ گیا اور دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر درخواست کی کہ لوگوں کے لیے حق کو ظاہر اور واضح فرما دے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ایک چرواہے کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ غار جس کے منہ پر دیوار تعمیر کر کے بند کر دیا گیا تھا وہ اس کو گرا دے تاکہ غار کی چار دیواری میں اپنی بکریوں کو بٹھایا کرے' چنانچہ چرواہے نے جونہی دیوار توڑ کر غار کا منہ کھولا تو اندر سے اصحابِ کہف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پڑھتے وقت قبروں کو سجدہ نہیں ہوتا کیونکہ ایسی تمام مساجد مزار کے حدود سے الگ تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کی تعمیر کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ مسلمان نماز کے اوقات میں نماز پڑھا کریں اور دیگر عبادات ادا کریں اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ مزار کے مشن کی یاددہانی ہوتی رہے کہ ان بزرگانِ دین کا مشن اللہ تعالیٰ کی خود بھی عبادت کرنا اور دوسروں کو بھی عبادت الٰہی کی طرف راغب کرنا اور شریعت اسلامی کی تبلیغ تھا' لہٰذا مزارات کے نزدیک مساجد کی تعمیر کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے' بہرحال یہاں اختصار کے پیش نظر مزارات کے قرب و جوار میں مساجد کی تعمیر کے جائز ہونے کے ثبوت میں چند حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی لکھتے ہیں:

مسلمان اور ان کا بادشاہ جو اصحاب کہف کے معاملے میں غالب رہے' انہوں نے کہا: ہم غار کے دروازے پر ضرور مسجد بنائیں گے جس میں مسلمان نماز پڑھیں گے اور ان کے آستانے سے برکت حاصل کریں گے اور حقیقت میں اصحابِ کہف اور ان کی غار کے پاس مسجد بنانے کے یہی لوگ زیادہ حق دار تھے۔ (تفسیر مدارک التنزیل نسخہ:۱' ج ۳ ص ۲۰۶' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' نسخہ:۲ ج ۲ ص ۲۹۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' نسخہ:۳ ج ۲ ص ۹' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''مدارک'' کی تفسیر کی طرح تفسیر لکھنے کے بعد مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کھانا خریدنے کے لیے جس شخص کو بھیجا جب وہ شہر میں داخل ہوا اور دقیانوس کے زمانے کا بنا ہوا چاندی کا سکہ دکاندار کو دیا تو لوگوں نے پرانا سکہ دیکھ کر اس پر الزام لگایا کہ اس نے کہیں سے خزانہ حاصل کر لیا ہے' چنانچہ انہوں نے اس کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کر دیا اور اس نے بادشاہ کو ساری صورتِ حال بتا دی تو بادشاہ اور اس کے ساتھ شہر کے تمام لوگ وہاں سے غار کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اصحابِ کہف کو دیکھا اور ان سے گفتگو کر کے ساری تفصیل سنی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثناء بیان کی کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر رہنمائی کرنے والی بہترین دلیل عطا فرما دی' پھر غار میں رہنے والے نوجوانوں نے بادشاہ کو دعا دی اور کہا کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں انسانوں اور جنوں کے شر سے محفوظ رکھے' پھر وہ حسبِ سابق اپنی آرام گاہوں میں جا کر سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض فرما لیا تو بادشاہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''هٰذِهِ الْاٰيَـةُ تَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ لِيُصَلّٰى فِيْهِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّكِ بِهِمْ'' یہ آیت مبارکہ اولیاء اللہ کے مقابر کے پاس ان سے تبرک حاصل کرنے کے ارادے سے مسجد بنانے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
(تفسیر مظہری ج ۶ ص ۲۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

قاضی صاحب اس سے اگلے صفحہ: ۲۴ پر لکھتے ہیں:

''وَمَعْنٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ اَنَّهُمْ يَسْجُدُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ كَمَا هُوَ صَرِيْحٌ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا'' اہل کتاب نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا' کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ قبروں کی طرف سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ ابومرثد غنوی کی حدیث مبارکہ میں وضاحت موجود ہے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (مسلم)

علامہ سید محمود آلوسی مزاروں اور قبروں کے اوپر مساجد تعمیر کرنے کی مخالفت کے بعد لکھتے ہیں:

قبروں کے اوپر مساجد بنانے سے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے' لیکن اصحابِ کہف کے غار پر مسجد کا بنانا اس طرز پر نہیں تھا بلکہ ان کی غار کے نزدیک اور ان کے پاس مسجد بنائی گئی تھی اور امام سدی کی جو روایت اس قصہ میں (یہ روایت اسی جلد کے ص ۲۳۷ پہلی سطر پر) بیان کی گئی ہے' اس میں ان صالحین نوجوانوں کی آرام گاہ کے (اوپر کی بجائے) نزدیک اور ان کے پاس مسجد بنانے کی صراحت موجود ہے اور اس طرز پر مسجد بنانا ممنوع نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ جس غار میں وہ مدفون ہیں اس کی طرف نسبت کر کے مسجدِ کہف کہا جائے گا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ اقدس کے قرب کی وجہ سے مدینہ منورہ کی مسجد کو مسجدِ نبوی کہا جاتا ہے' پھر چند سطور بعد لکھتے ہیں کہ حق کو پہچاننے کے لیے تمہیں صحابہ کرام کے عمل کی پیروی کرنا کافی ہے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے بارے میں کیا اور یہ روئے زمین کی سب سے افضل قبر مبارک ہے' بلکہ عرش سے افضل ہے اور صحابہ کرام آپ کی قبر مبارک کی زیارت بھی کرتے تھے اور آپ پر سلام بھی پڑھتے تھے' پس تم ان کے افعال کی پیروی کرو۔
(تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

فائدہ: علامہ آلوسی نے دو وجہ سے صحابہ کرام کی پیروی کرنے کی تلقین کی ہے' ایک تو اس لیے کہ قبر مبارک حجرہ مبارک میں تھی جو ایک مسقف عمارت تھی' جس سے مزار پر عمارت بنانے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اس حجرہ مبارکہ کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ برقرار رکھا' دوسرا اس لیے کہ حضور کی قبر مبارک کے نزدیک مسجد نبوی موجود ہے جس میں صحابہ کرام نماز پڑھتے رہے' اسے شہید کر کے دور نہیں بنایا' جس سے مزار کے نزدیک مسجد بنانے کا ثبوت ملتا ہے۔ غوثوی

ان پر بڑا کپڑا ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے سونے کا تابوت تیار کیا جائے لیکن اس نے خواب میں ان حضرات کو دیکھا کہ وہ سونے کے تابوت کو ناپسند کرتے ہیں تو اس نے ساکھو کی لکڑی کے تابوت ان کے لیے تیار کرائے اور ان میں رکھ دیا اور غار کے دروازے پر مسجد بنا دی۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللّٰهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

ع ۵ ۱۵

عنقریب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے بغیر دیکھے گمان سے کہتے ہیں' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے انہیں نہیں جانتے مگر صرف چند لوگ' سو آپ ان کے بارے میں بحث نہ کریں مگر جس قدر ظاہر ہو چکی ہے' اور آپ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھیے O اور آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ فرمایئے کہ میں کل یہ کام ضرور کروں گا O مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے اور (اے محبوب!) فرمایئے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے قریب تر سیدھا راستہ دکھائے گا O

## اصحابِ کہف کی تعداد میں اختلاف کا بیان

۲۲- ﴿ سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ عنقریب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے' بن دیکھے گمان سے بات کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ "سَيَقُولُونَ" میں ضمیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسلمانوں اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے اصحابِ کہف کے قصے میں غور و فکر اور سوچ و بچار کیا تھا ان کی طرف لوٹتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غار والوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کے بارے میں وحی کے آنے تک جواب کو ملتوی رکھا' پھر یہ آیت مبارک نازل ہوئی جس میں ان کے درمیان اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں ان کے جاری ہونے والے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اصحابِ کہف سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل نجران میں سے سیّد اور عاقب اور ان کے ساتھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ اصحابِ کہف کا تذکرہ شروع ہو گیا تو سیّد نے کہا کہ وہ تین تھے' چوتھا ان کا کتا تھا اور یہ شخص عیسائیوں کے یعقوبیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور عاقب نے کہا کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ شخص عیسائیوں کے نسطوریہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور مسلمانوں نے کہا کہ وہ سات افراد تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قول

کو صحیح قرار دیا اور مسلمانوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے معلوم کر لی تھی۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ سات افراد تھے' جن کے نام یہ ہیں: یملیخا اور مکشلینا اور مشلینیا' یہ تینوں بادشاہ کی دائیں طرف بیٹھتے تھے اور اس کی بائیں طرف مرنوش' دبرنوش اور شاذنوش بیٹھتے تھے اور بادشاہ ان چھے افراد سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتا تھا اور ساتواں چرواہا تھا' جب یہ نوجوان اپنے بادشاہ دقیانوس سے بھاگے تو یہ ان کے ساتھ چل پڑا تھا اور ان کے شہر کا نام افسوس تھا (یہ ان کے زمانے کا نام تھا' اسلامی دور میں اس کا نام طرطوس رکھا گیا تھا) اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا [اور اگر چہ صرف پہلے فعل میں سین داخل کی گئی اور آخری دو میں داخل نہیں کی گئی لیکن وہ سین (جو کہ فعل کو مستقبل قریب کے لیے خاص کر دیتی ہے) کے حکم میں داخل ہیں' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''قَدْ اَکْرَمَ وَاَنْعَمَ'' بے شک اس نے احترام کیا اور انعام دیا' جب کہ تمہارا ارادہ یہ ہو کہ دونوں فعل اکٹھے وقوع پذیر ہوئے یا پھر ''یَفْعَلُ'' سے مستقبل کا معنی مراد ہو جو اس کے مناسب ہے۔ ''ثَلٰثَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' یعنی اصل میں ''هُمْ ثَلٰثَةٌ'' ہے اور اسی طرح ''خَمْسَةٌ'' اور ''سَبْعَةٌ'' ہیں اور ''رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ'' مبتدا خبر مل کر جملہ ہو کر ''ثَلٰثَةٌ'' کی صفت واقع ہو رہے ہیں اور اسی طرح ''سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ'' اور ''ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' ہیں] ''رَجْمًا بِالْغَيْبِ'' کا معنی ہے: پوشیدہ اور اَن دیکھی بات بنا کر بیان کرنا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ'' (سبا: ۵۳) ''اور وہ بے دیکھے باتیں بناتے ہیں' یعنی ان کو از خود گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔ یا ''رَجْمٌ'' کو ''ظَنٌّ'' کی جگہ استعمال کیا گیا ہے' گویا کہا گیا: ''ظَنًّا بِالْغَيْبِ'' بن دیکھے گمان سے بات کرتے ہیں کیونکہ اہل عرب اکثر ''ظن'' کی جگہ ''رجم بالظن'' کہا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے نزدیک دونوں عبارتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا [اور جو واؤ تیسرے جملے پر داخل ہے وہ واؤ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے جیسا کہ وہ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو معرفہ سے حال واقع ہوتا ہے جیسے تمہارے اس قول میں ہے: ''جَآءَنِيْ رَجُلٌ وَمَعَهٗ اٰخَرُ'' میرے پاس ایک آدمی آیا اس حال میں کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا بھی تھا' ''وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَفِيْ يَدِهٖ سَيْفٌ'' اور میں زید کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی' اور اس کا فائدہ موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کرنا ہے اور اس بات پر رہنمائی کرنا ہے کہ موصوف کے ساتھ صفت کا اتصاف محقق و ثابت امر ہے] اور اس واؤ نے اعلان کیا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہا: ''سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ انہوں نے علم کے ثبوت کی بناء پر کہا اور انہوں نے بن دیکھے گمان سے بات نہیں بنائی' جیسا کہ ان کے غیروں نے گمان سے بات بنائی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قولوں کے بعد ارشاد فرمایا: ''رَجْمًا بِالْغَيْبِ'' کہ انہوں نے بن دیکھے گمان سے بات کہہ دی اور تیسرے قول کے بعد ارشاد فرمایا: ''قُلْ رَّبِّيْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ'' یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور اسی نے تمہیں ان کے بارے میں اپنے اس ارشاد کے ذریعے خبر سنائی: ''سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' ''مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ'' وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' انہیں نہیں جانتے مگر چند لوگ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں بھی ان چند لوگوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب میں مخصوص چند لوگ مراد ہیں یعنی عنقریب اہل کتاب ان کے بارے میں اس طرح کی باتیں کریں گے لیکن ان میں سے چند لوگوں کے علاوہ کسی کے پاس یقینی علم نہیں ہے اور ان میں سے اکثر لوگ گمان اور اندازے اور اٹکل سے باتیں بناتے ہیں ﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے ﴿مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ انہیں نہیں جانتے مگر صرف چند لوگ ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ﴾ پس آپ ان کے بارے میں جھگڑا نہ کیجئے (یعنی) آپ اصحاب کہف کے معاملے میں اہل کتاب

سے جھگڑا نہ کیجئے ﴿اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ مگر سرسری اور ظاہری بحث جس میں زیادہ گہرائی نہ ہو اور وہ یہی کہ آپ ان سے اسی قدر بیان کیجئے جس قدر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے آپ سے بیان فرمایا ہے اور بس اور ان کی بے علمی ظاہر کیے بغیر مزید بحث نہ کیجئے یا پھر لوگوں کی موجودگی میں ان سے بات کیجئے تا کہ آپ کی سچائی ظاہر ہو جائے ﴿وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا﴾ اور آپ اصحابِ کہف کے بارے میں ان میں سے کسی سے سوال نہ کیجئے (یعنی) آپ اصحابِ کہف کے قصے کے متعلق ان میں سے کسی سے ایسا سوال نہ کیجئے جس سے ان کی لغزش کا اظہار مقصود ہو تا کہ وہ کچھ کہے اور آپ اس کی بات کی تردید کر دیں اور اس کی تحقیر کریں اور نہ آپ ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے سوال کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان کے قصے کی وحی بھیج کر آپ کی رہنمائی فرما دی ہے۔

## ''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' کہنے نیز اصحابِ کہف کے ٹھہرنے کی مدت اور قرآن کی اہمیت کا بیان

۲۳- ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ﴾ اور آپ کسی ایسی چیز کے بارے میں جس کے کرنے کا آپ پختہ ارادہ رکھتے ہوں یہ نہ فرمائیں کہ میں اس چیز پر ضرور عمل کروں گا ﴿غَدًا﴾ کل' یعنی آئندہ زمانے میں کیونکہ ''غَدًا'' سے صرف صبح کا وقت مراد نہیں ہے۔

۲٤- ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ جس چیز پر عمل کرنے کا آپ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت عطا فرمائے گا یا یہ معنی ہے کہ آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ فرمائیں کہ یہ کام میں کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے ہوگا [اور یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مگر یہ کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کے ارادے پر موقوف ہے (اس لیے) آپ ہر حال میں ''اِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' کہا کریں اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے: اور آپ یہ نہ فرمائیں کہ میں یہ کام کروں گا مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے چاہنے سے کیونکہ جب کوئی کہتا ہے کہ ''اَنَا اَفْعَلُ ذٰلِكَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے کروں گا اور یہ نہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادب سکھانے کے لیے ہے کہ آپ آئندہ ہر کام کرنے سے پہلے ''اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' کہا کریں کیونکہ جب یہودیوں نے قریش سے کہا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روح اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق پوچھو اور قریش کے لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم کل میرے پاس آ جانا اور میں تمہیں بتا دوں گا اور آپ نے ''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' نہیں کہا تھا' جس کی وجہ سے آپ پر وحی کا نزول موقوف ہو گیا یہاں تک کہ آپ پر وحی کا رکنا دشوار و مشکل ہو گیا ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ اور جب آپ اپنے پروردگار کی مشیّت کو بھول جائیں تو اپنے پروردگار کو یاد کر لیجئے اور جب آپ مشیّت ایزدی کو زیادہ بھولنے لگ جائیں تو ''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' کہا کریں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ''ان شاء اللّٰه'' کہنا بھول جائیں' پھر بعد ازاں اس سے آگاہ ہو جائیں تو فوراً ''ان شآء اللّٰه'' کہہ کر اس کی تلافی کر لیجئے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی مجلس میں رہے گا' یاد آنے پر ''ان شآء اللّٰه'' کہنا معتبر ہوگا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آدمی اگر ایک سال بعد بھی ''ان شآء اللّٰه'' کہہ لے تو معتبر ہو گا اور یہ دراصل ''ان شآء اللّٰه'' کہہ کر تبرک حاصل کرنے پر محمول ہے لیکن حکم کو بدلنے والا صرف وہی ''ان شآء اللّٰه'' صحیح ہوگا جو کلام کے ساتھ متصل کہا جائے گا۔

حکایت: ایک مرتبہ خلیفہ منصور کو یہ بات پہنچی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استثناء منفصل میں حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مخالفت کی ہے چنانچہ اس نے امام ابوحنیفہ کو بلا کر باز پرس کی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کا موقف تو الٹا آپ کے لیے نقصان دہ ہے' اس لیے کہ جب آپ لوگوں سے پختہ عہد اور قسم لے کر اپنے حق میں خلافت کی بیعت لے لیں تو کیا آپ اس بات پر راضی ہوں گے کہ وہ لوگ آپ کی مجلس سے باہر جا کر ''اِنْ شَآءَ اللّٰہ'' کہہ لیں اور آپ کی بیعت ٹوٹ جائے۔ منصور نے یہ گفتگو سن کر حضرت امام ابوحنیفہ کے کلام کی تحسین کی اور آپ کی ذہانت کی داد دی اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا' یا پھر اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ''اِنْ شَآءَ اللّٰہ'' کہنا بھول جائیں تو اس کے اہتمام میں سخت احتیاط کرنے کے لیے آپ اپنے رب کو تسبیح اور استغفار کے ساتھ یاد کر لیجئے یا یہ کہ جب آپ نماز پڑھنا بھول جائیں تو جب آپ کو نماز یاد آ جائے اس وقت آپ نماز پڑھ لیں یا یہ کہ جب آپ کوئی چیز بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے تا کہ آپ کو وہ بھولی ہوئی چیز یاد آ جائے ﴿وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ عنقریب میرا رب اس سے زیادہ قریب سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا یعنی جب آپ کسی چیز کو بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے اور اپنے رب کو یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے بھول جانے کے وقت یہ کہیں کہ ''عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِیْ رَبِّیْ'' عنقریب میرا رب اس بھول جانے والی چیز کے بدلے کسی دوسری چیز کی رہنمائی فرمائے گا جو اس بھولی ہوئی چیز سے ہدایت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوگی اور بھلائی اور منفعت کے اعتبار سے زیادہ مفید ہو گی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''اَنْ یَّهْدِیَنِیْ. اِنْ تَرَنِیْ. اَنْ یُّؤْتِیَنِیْ. اَنْ تُعَلِّمَنِیْ'' ہے اور صرف وصل کی صورت میں ابوعمرو اور نافع مدنی نے ابن کثیر مکی کی موافقت کی ہے]۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور اصحابِ کہف اپنے غار میں تین سو نو سال سے زیادہ دیر ٹھہرے رہے ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جس قدر وہ ٹھہرے رہے' آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے پاس ہے' وہ کس قدر زیادہ دیکھنے اور سننے والا ہے' اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں' وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی وہی کتاب پڑھ کر سنایئے جو وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے' اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے' اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے ○

---

۲۵- ﴿وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ﴾ اور وہ نوجوان اپنی غار میں تین سو سال تک (زندہ صحیح سلامت سوئے رہے اور) ٹھہرے رہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ نوجوان اپنی غار میں زندہ ٹھہرے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس طویل مدت تک ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی تھی اور دراصل یہ کلام اس مجمل ارشاد کا مفصل بیان ہے کہ ''فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا'' سو ہم نے ان کے کانوں پر غار میں چند سالوں تک نیند مسلط کر دی [''سِنِیْنَ'' ''ثَلٰثِ مِائَةٍ'' کا

عطف بیان ہے جب کہ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں اضافت کے ساتھ ''ثَلٰثَ مِائَةِ سِنِیْنَ'' ہے (''مِائَةِ'' سے تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے) اور تمیز میں واحد کی جگہ جمع رکھ دیا گیا ہے (تمیز کی صورت میں ''ثَلٰثَ مِائَةِ سَنَةٍ'' ہونا چاہیے تھا لیکن ''سِنِیْنَ'' جمع لایا گیا ہے) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ''بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا'' (الکہف:۱۰۳)] ﴿وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ اور نو سال مزید ٹھہرے رہے [اصل میں ''تِسْعَ سِنِیْنَ'' ہے کیونکہ ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے اور ''تِسْعًا'' مفعول بہ ہے اس لیے کہ ''زَادَ'' دو مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے اور ''اِزْدَادَ'' ایک مفعول کا تقاضا کرتا ہے]۔

۲۶- ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے کہ وہ کس قدر ٹھہرے تھے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے زیادہ بہتر جانتا ہے جنہوں نے ان کے ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا ہے اور حق وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی ہے یا وہ اہل کتاب کے کلام کی حکایت ہے اور ''قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا'' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان کی تردید کے لیے بیان کیا گیا ہے' اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ وہ نوجوان اپنی غار میں تین سو نو سال سے زیادہ عرصہ تک ٹھہرے رہے ﴿لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کا غیب' چونکہ آسمانوں اور زمینوں میں تمام غیب (پوشیدہ) چیزوں کو جاننا اور ان میں رہنے والوں کے تمام پوشیدہ حالات کو جاننا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' اس لیے خصوصیت سے اسی کا ذکر کیا گیا ہے ﴿اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ﴾ یعنی اصل میں ''اَسْمِعْ بِهٖ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود کو کتنا زیادہ دیکھنے والا ہے اور ہر ''مسموع'' (سنی جانے والی چیز) کو کتنا زیادہ سننے والا ہے ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ﴾ زمین و آسمان میں رہنے والوں کے تمام معاملات کا اس کے سوا کوئی حامی و کارساز نہیں ہے ﴿وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو اپنے فیصلے میں شریک نہیں کرتا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''لَا تُشْرِكْ'' فعل نہی ہے]۔

۲۷- کفارِ مکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ ''ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ'' (یونس:۱۵) ''آپ اس قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا پھر اس کو تبدیل کر دیں''۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا: ﴿وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ اور آپ صرف وہی تلاوت کر کے سنایئے جو آپ کے رب تعالیٰ کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید میں سے جو وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' صرف وہی پڑھ کر ان کو سناتے رہیے اور کفارِ مکہ قرآن مجید تبدیل کرنے کا مطالبہ کر کے جو بکواس کرتے ہیں آپ اس کی طرف کان نہ لگایئے کیونکہ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے' یعنی اس کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا' بے شک اس پر صرف وہی اکیلا قدرت رکھتا ہے ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے' یعنی ایسی پناہ گاہ کہ اگر آپ اس میں پناہ لینا چاہیں تو اس میں جا کر پناہ لے لیں۔

| |
|---|
| وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا |
| تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ |
| هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ |

الثلاثة

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾

اور آپ اپنے آپ کو انہیں لوگوں کے ساتھ روک کر رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے ہیں وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر نہ پڑھیں' (اے انسان!) تم دنیاوی زندگی کی زینت چاہتے ہو اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کر لی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے O اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے' سو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے' بے شک ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے' جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی' اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی ایسے پانی کے ساتھ فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلی دھات کی طرح ہو گا وہ ان کے چہروں کو جلا دے گا' وہ بہت بدترین مشروب ہو گا' اور دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

## فقراء مسلمانوں کی فضیلت کا بیان

شانِ نزول: جب کفار کے سرداروں نے حضور سیّد عالم رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ اپنے ان غلاموں اور غریبوں یعنی حضرت صہیب رومی' حضرت عمار بن یاسر' حضرت خباب بن ارت اور حضرت سلمان فارسی' نیز دیگر فقراء مسلمانوں کو اپنی مجلس سے برطرف کر دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ ان کے اونی کپڑوں سے ہمیں بدبو آتی ہے' یہ غریب و ادنیٰ لوگ ہیں جب کہ ہم امیر و معزز لوگ ہیں' ان کے ساتھ مل کر آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے تو یہ (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

۲۸۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اپنے آپ کو انہیں فقراء مسلمانوں کے ساتھ روک کر رکھیں جو صرف اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اسی سے دعائیں مانگتے ہیں اور آپ ثابت قدم ہو کر ان کے ساتھ رہیے ﴿بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ صبح و شام یعنی وہ لوگ ہر وقت اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے اعمالِ صالحہ بجا لانے کے لیے توفیق اور آسانی طلب کرتے ہیں اور شام کے وقت کوتاہی کی معافی طلب کرتے ہیں یا پھر صبح سے نمازِ فجر اور شام سے نمازِ عصر مراد ہیں [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''بِالْغُدْوَةِ'' (غین پر پیش' دال ساکن' واؤ مفتوح) ہے] ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں اور ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر نہ پڑھیں۔ ''عَـدَا'' اُس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی حد سے بڑھ جائے [اور ''لَا تَعْدُ'' کو عن کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ ''عَدَا'' ''نَبَا'' کے معنی کو متضمن ہے] جیسے ''نَبَتْ عَنْهُ عَيْنُهٗ'' اس آدمی کی آنکھ اس سے تجاوز کر گئی اور تضمین کا فائدہ یہ ہے کہ دو معانی اکٹھے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ ایک معنی کے حاصل ہونے سے زیادہ قوی ہے ﴿تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تم دنیا کی زندگی کی زیب و زینت چاہتے ہو [یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اور تم اس کا کہا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور یہ ہمارے لیے دلیل ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

## کافروں اور نیک مسلمانوں کے انجام کا بیان

۲۹- ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق یعنی اسلام یا قرآن مجید تمہارے رب کریم کی طرف سے ہے [''اَلْحَقُّ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے جو کہ ''هُوَ'' ہے ] ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ پس جو چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے وہ کفر اختیار کر لے یعنی حق آ گیا ہے اور تمام شکوک و شبہات زائل ہو چکے ہیں پس اب کچھ باقی نہیں رہا ماسوا تمہارے اپنے اختیار کے' چاہو تو نجات کا راستہ اختیار کرلو یا چاہو تو ہلاکت کا راستہ اختیار کرلو اور اس آیت مبارکہ میں امر اور اختیار کے فعل لائے گئے ہیں' اس لیے کہ جب انہیں دونوں راستوں میں جو چاہیں راستہ منتخب کرنے کی قوت و قدرت بخش دی گئی تو گویا انہیں مکمل اختیار دے دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ دونوں راستوں میں جو چاہیں اپنی مرضی سے اختیار کرلیں' پھر اللہ تعالیٰ نے کفر اختیار کرنے والوں کی سزا کا ذکر فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ﴾ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے یعنی کافروں کے لیے دوزخ کا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' سو ہم نے اس کلام کے اسلوب اور اندازِ بیان سے ظالموں کو کافروں کے ساتھ مخصوص و مقید کیا ہے جیسا کہ کلام کے سیاق و سباق اور اندازِ بیان کی وجہ سے آیت کریمہ میں امر اور تخییر کے افعال سے حقیقی معانی ترک کر دیئے گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے: ''إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا'' ﴿ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کی ایسی سخت آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی۔ کافروں کو گھیرنے والی آگ کو چار دیواری کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح چار دیواری مکان کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اسی طرح کافروں کو ہر طرف سے دوزخ کی آگ گھیر لے گی اور ''سُرَادِقُ'' سے خیمے کے اردگرد کے کنارے مراد ہیں یا وہ دھواں مراد ہے جو کافروں کو دوزخ کی آگ میں داخل ہونے سے پہلے گھیر لے گا یا پھر آگ کی وہ دیوار مراد ہے جو انہیں گھیر لے گی ﴿ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ﴾ اور اگر وہ پیاس کی وجہ سے پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ﴿ يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ﴾ ان کی ایسے پانی کے ساتھ فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلی دھات کی طرح ہوگا اور وہ تیل کا تلچھٹ ہوگا یا زمین سے پیدا ہونے والی دھاتوں کا پگھلا ہوا تلچھٹ ہوگا' دراصل اس پانی کے ذریعے بطور عتاب و غضب ان کا تمسخر اڑایا جائے گا ﴿ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ﴾ وہ پانی چہروں کو جلا دے گا کیونکہ جب وہ کافر لوگ پانی پینے کے لیے آگے بڑھیں گے تو اس کی حرارت و تپش سے ان کے چہرے جل جائیں گے ﴿ بِئْسَ الشَّرَابُ ﴾ وہ بہت برا پینا ہوگا ﴿ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾ اور وہ دوزخ کی آگ بہت برا ٹھکانا ہے۔ [''مُرْتَفَقًا'' ''رِفْقٌ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا'' (الکہف:۳۱) کے ساتھ مشابہت کے سبب بیان کیا گیا ہے ]۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ ع ۴
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو بے شک ہم ان کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتے جن کے عمل نیک ہوتے ہیں○ انہیں لوگوں کے لیے بہترین دائمی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز باریک اور موٹے نفیس کپڑے پہنیں گے وہ ان میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' یہ بہت اچھا ثواب ہے' اور بہترین ٹھکانا ہے○ اور آپ ان کے سامنے دو مردوں کی مثال بیان فرمایئے کہ ان دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے اور ہم نے ان دونوں باغوں کو کھجوروں سے ڈھانپ دیا اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا فرمادی○

۳۰'۳۱-اور ان دو آیتوں میں ایمان اختیار کرنے اور نیک عمل کرنے والوں کی جزائے خیر کو بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' بے شک ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کریں گے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ان کے لیے باغات ہیں جن میں ٹھہریں گے۔[ یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے' جو مبہم ثواب کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ نیک عمل کریں گے ان کے لیے یہ باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ ٹھہریں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ تم ''اِنَّا لَا نُضِیْعُ الخ'' اور ''اُولٰٓئِكَ'' کو اکٹھے دو خبریں قرار دے دو یا اس لیے کہ ''مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا'' اور ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' دونوں ایک معنی پر مشتمل ہیں' پس ''مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا'' کو ضمیر کے قائم مقام کر دیا گیا ہے ] ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ ﴾ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں' جن میں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے [ اور ''مِنْ اَسَاوِرَ'' میں ''مِنْ'' ابتداء کے لیے ہے اور ''اَسَاوِرَ''، ''اَسْوِرَةٌ'' کی جمع ہے اور ''اَسْوِرَةٌ''، ''سَوَارٌ'' کی جمع ہے اور ''اَسَاوِرَ'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ حسن وخوبصورتی میں اس کا معاملہ مبہم رکھا گیا ہے اور ''مِنْ ذَهَبٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے ] ﴿ وَیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا ﴾ اور وہ سبز کپڑے پہنیں گے ﴿ مِّنْ سُنْدُسٍ ﴾ جو باریک ریشم سے تیار کیے گئے ہوں گے ﴿ وَّاِسْتَبْرَقٍ ﴾ اور جو موٹے ریشم سے تیار کیے گئے ہوں گے یعنی ریشم سے دونوں اقسام کے اکٹھے سبز لباس تیار ہوں گے (جب چاہیں جو چاہیں پہن لیں) ﴿ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ وہ ان میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تکیوں کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عموماً خوشحال مال دار اور بادشاہ اپنے تختوں پر تکیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں ﴿ نِعْمَ الثَّوَابُ ﴾ بہت اچھا صلہ ہے' (یعنی) جنت بہترین اجر وثواب ہے ﴿ وَحَسُنَتْ ﴾ اور وہ بہت اچھی ہے (یعنی) جنت اور تخت بہترین ہیں ﴿ مُرْتَفَقًا ﴾ عیش وعشرت کے ساتھ ٹھہرنے کی جگہ۔

## کافر مال دار اور غریب مسلمان کا قصہ

۳۲-﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ ﴾ اور آپ ان کے سامنے دو مردوں کی مثال بیان فرمایئے' اور ان آیات مبارکہ میں کافروں اور مسلمانوں کے حال کی دو آدمیوں کے حال کے ساتھ تشبیہ بیان کی گئی ہے اور وہ دو آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ ان میں سے ایک کافر تھا' جس کا نام قطروس تھا اور دوسرا مسلمان تھا' جس کا نام یہوذا تھا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ انہیں دونوں کا سورۂ صافات میں ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ'' (الصافات:۵۱) ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ بے شک میرا ایک ہم نشین تھا''۔ وہ دونوں اپنے باپ کی میراث میں آٹھ ہزار دینار (سونے کے روپے) کے وارث بنے اور انہوں نے اس رقم کو آپس میں برابر تقسیم کر لیا' پھر کافر نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی اور مسلمان نے کہا کہ اے میرے اللہ! میرے بھائی نے

ایک ہزار دینار کے عوض دنیا میں زمین خرید لی ہے اور میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار دینار کے عوض زمین خرید کرتا ہوں اور اس نے یہ کہہ کر ایک ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں پر صدقہ کر دیئے' پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار کے بدلے میں اپنے لیے بہت بڑا گھر بنایا جب کہ مسلمان بھائی نے کہا: اے میرے اللہ! بے شک میں ایک ہزار کے بدلے میں تجھ سے جنت میں ایک بہت بڑا گھر خرید کرتا ہوں' چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیئے پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار مین ایک عورت سے شادی کر لی اور مسلمان نے کہا کہ اے میرے اللہ! میں ایک ہزار دینار جنت کی حور کے حق مہر میں دیتا ہوں' پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار کے بدلے نوکر چاکر اور کچھ سامان خریدا اور مسلمان نے کہا: اے میرے اللہ! میں ایک ہزار کے عوض میں تجھ سے جنت میں ہمیشہ رہنے والے غلمان خریدتا ہوں اور اس نے وہ مال صدقہ میں دے دیا' پھر اسے مال کی شدید حاجت پیش آئی تو اپنے بھائی کے انتظار میں اس کی راہ گزر میں بیٹھ گیا' جب اس کا بھائی بڑی شان وشوکت کے ساتھ وہاں سے گزرا تو اس غریب مسلمان نے اس کے سامنے آ کر اپنی حاجت پیش کی اور مدد طلب کی تو اس نے اسے دھتکار دیا اور راہِ خدا میں مال صدقہ کرنے پر جھڑکا اور ڈانٹ دیا ﴿جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ﴾ ہم نے ان دونوں میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے ﴿وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو کھجوروں سے ڈھانپ دیا اور ہم نے کھجوروں کو دونوں باغوں کے چاروں طرف گھیرنے والا بنا دیا اور یہ طریقہ وہی ہے جس کو زمیندار چودھری اپنے انگوروں کے باغات کے لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے انگوروں کے باغات کے اردگرد پھل آور درخت لگا کر انگوروں کے باغوں کو چاروں طرف پھل دار درختوں سے گھیر دیتے ہیں' چنانچہ ''حَفُّوْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کو گھیر لیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ''حَفَفْتُهٗ بِهِمْ'' میں نے اس کو ان لوگوں کے ذریعے گھیر لیا یعنی میں نے ان لوگوں کو اس کے اردگرد گھیرنے والا بنا دیا [اور یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب اس کو دوسرے مفعول کی طرف متعدی کیا جاتا ہے تو اس پر حرف ''بَا'' بڑھا دیا جاتا ہے ] ﴿وَّجَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا﴾ اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا کر دی (یعنی) ہم نے باغات کی زمین کو میوہ جات و پھلوں اور غلہ جات و اناج کا جامع بنایا ہے اور وہ ایسی زرخیز اور آباد زمین ہے کہ اس کی پیداوار ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور باہم ملی ہوئی ہے اور اس کے درمیان گزرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی' اس کے باوجود اس کا منظر نہایت حسین و جمیل اور ترتیب بڑی دل کش اور بہت خوبصورت ہے۔

كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

وہ دونوں باغات پھل لائے اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ ہوئی' اور ہم نے ان کے درمیان نہر جاری کر دی ○ اور اس کے لیے اور مال بھی کافی تھا' سو اس کے مالک نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ غرور سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: میں تجھ سے بہت زیادہ مال دار ہوں اور میں افرادی قوت میں بہت زیادہ قوی ہوں ○ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے

آپ پر ظلم ڈھانے والا تھا' اس نے کہا: میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی فنا بھی ہوگا○ اور نہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگی' اور البتہ اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گا○

٣٣- ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ﴾ وہ دونوں باغ اپنا پھل لائے [''اٰتَتْ'' کو ''كِلْتَا'' کے لفظ پر محمول کر کے واحد لایا گیا ہے کیونکہ ''كِلْتَا'' کا لفظ مفرد ہے اور اگر اس کو ''كِلْتَا'' کے معنی پر محمول کر کے ''اٰتَتَا'' پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے] ''اُكُلَهَا'' بہ معنی ''ثَمَرَهَا'' ہے (یعنی ''اُكُل'' کا معنی پھل ہے)] ﴿ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ﴾ اور اس کے پھل میں کچھ بھی کم نہیں ہوا ﴿ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴾ اور ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر جاری کر دی۔ پہلے دو باغوں کی پوری طرح پھل دینے اور بغیر کسی کمی کے مکمل پھل دینے کی صفت بیان کی گئی' پھر اب تمام بھلائی کی اصل اور اس کی بنیاد یعنی پانی کا ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ اس کو اس سے افضل قرار دیا گیا ہے' جس کے ساتھ زمین کو سیراب کیا جاتا ہے اور وہ ہے: باغ میں نہر کا جاری ہونا۔

٣٤- ﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ اور دونوں باغوں کے مالک کے پاس مختلف اقسام کا بہت سا مال تھا۔ اور یہ ''ثَمَّرَ مَالُهٗ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کا مال بہت زیادہ ہو جاتا ہے یعنی مذکورہ بالا دونوں باغوں کے علاوہ بھی اس کافر کے پاس بہت مال تھا جیسے سونا اور چاندی وغیرہما [''لَهٗ ثَمَرٌ'' اور ''وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ'' میں امام عاصم کی قراءت میں ''ثا'' اور میم پر زبر ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ''ثا'' پر پیش ہے اور میم ساکن (''ثُمْر'') ہے اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی قراءت میں ''ثا'' اور میم دونوں پر پیش (''ثُمُر'') ہے] ﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ ﴾ تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا' (یعنی) وہ اپنے ساتھی سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ یہ ''حَارَ يَحُوْرُ'' سے ماخوذ ہے اور ''حَارَ'' کا معنی ہے: لوٹا اور واپس آیا یعنی قُطرُوس نے مسلمان کا ہاتھ پکڑا اور اس کو دونوں باغوں میں گھمایا پھرایا اور ان باغوں میں جو کچھ تھا وہ دکھایا اور اس نے اپنے مال دار ہونے اور مسلمان کے مال دار نہ ہونے کی وجہ سے بڑے فخر و غرور سے کہنے لگا: ﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور میں معاونین و مددگاروں اور نوکروں اور خادموں کے اعتبار سے یا اولادِ نرینہ کے لحاظ سے تجھ سے زیادہ طاقت ور ہوں کیونکہ اولادِ نرینہ اپنے ماں باپ کے کاروبار اور دیگر اُمور میں جس قدر کام آتی ہے' اتنی لڑکیاں کام نہیں آتیں۔

٣٥- ﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ ﴾ اور وہ اپنے دو باغوں میں سے کسی ایک باغ میں داخل ہوا یا اس نے دونوں باغوں کو ایک باغ قرار دے دیا کیونکہ اردگرد کی چار دیواری متحد تھی اور دو باغ اس لیے کہلاتے تھے کہ ان کے درمیان میں نہر بہتی تھی ﴿ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ اور وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا شخص تھا' کیونکہ وہ کفر کے سبب اپنی ہی جان کو نقصان پہنچا رہا تھا ﴿ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴾ اس نے کہا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی فنا بھی ہوگا' یعنی یہ کہ یہ باغ کبھی ہلاک ہوگا اور اس نے اپنے باغ کے فنا ہونے میں اس لیے شک کیا تھا کہ اس کی اُمید اور آرزو بڑی طویل ہو چکی تھی اور اس کی غفلت میں سرکشی داخل ہو چکی تھی اور وہ مہلت کی وجہ سے غرور میں آ گیا تھا اور تم اکثر مسلمان مال داروں کو دیکھو گے کہ ان کے حالات بھی زبانِ حال سے یہی کچھ بیان کرتے ہیں۔

٣٦- ﴿ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾ اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور البتہ اگر میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹایا گیا تو میں ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گا۔ اس نے اس نے اس بات پر قسم اٹھائی کہ اگر بفرضِ محال وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹایا گیا جیسا کہ اس کے ساتھی مسلمان کا خیال ہے تو وہ ضرور آخرت میں دنیا کے باغات سے بہتر پائے گا' یہ اس کا محض دعویٰ تھا کہ وہ بڑا معزز ہے اور اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اس کا بڑا مقام ہے ["مُنْقَلَبًا" تمیز ہے یعنی لوٹ کر جانے کی جگہ اور آخری آرام گاہ]۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۞ لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ۞ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۞ فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۞

اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: تو نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر اس نے تجھے مکمل مرد بنایا O لیکن میں مسلمان ہوں وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا O اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے "ما شاء اللّٰہ" کیوں نہیں کہا (کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور) اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی قوت نہیں' اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال میں اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں O سو عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہت بہتر عطا فرمائے گا اور وہ اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے گا' پھر وہ صاف میدان ہو کر رہ جائے گا O

٣٧- ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ اس سے اس کے مسلمان ساتھی نے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: کیا تو نے اس ذات کا انکار کر دیا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا یعنی تیری اصل (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا کیونکہ اس کی اصل کی تخلیق اس کی تخلیق کا سبب بنی اس لیے اس کی پیدائش بھی اسی کی پیدائش ہے ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفہ سے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے نطفہ سے پیدا فرمایا ہے ﴿ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ پھر اس نے تجھے صحیح سلامت آدمی بنایا' (یعنی) اس نے تجھے ٹھیک برابر بنایا اور تجھے مکمل نر بالغ انسان بنایا' پھر اس نے تجھے قیامت کے بارے میں شک کرنے کی وجہ سے کافر بنایا۔

٣٨- ﴿لٰكِنَّا﴾ لیکن میں توحید پرست مسلمان ہوں' [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں وصل کی صورت میں الف کے ساتھ ہے جب کہ باقی قراء کے نزدیک وصل کی حالت میں الف کے بغیر پڑھا جائے گا' البتہ وقف کی حالت میں سب کے نزدیک الف کے ساتھ ہے اور اس کی اصل "لٰکِنْ اَنَا" ہے پھر ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کی حرکت "لٰکِنْ" کے نون پر ڈال دی گئی' پھر دونوں جمع ہو گئے تو پہلے نون کو ساکن کر کے دوسرے نون میں مدغم کر دیا گیا] ﴿هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے' ["هُوَ" ضمیر شان ہے۔ "اَللّٰهُ رَبِّیْ" جملہ "اَنَا" کی خبر ہے' اس میں لوٹنے والی ضمیر "رَبِّیْ" کی "یا" ہے اور یہ "اَکَفَرْتَ" سے استدراک ہے' گویا مسلمان نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے لیکن میں توحید کو ماننے والا مسلمان ہوں' جیسے تم کہو: "زَیْدٌ غَـائِبٌ لٰکِنَّ عَمْرًوا حَاضِرٌ" زید موجود نہیں ہے لیکن عمرو موجود ہے' اصل میں "اَقُوْلُ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ" ہے یعنی میں کہتا ہوں: وہی اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے جس کی دلیل درج ذیل جملے کا اس پر عطف ہے] یعنی ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا﴾ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۹۔﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو نے ''مَا شَآءَ اللّٰهُ''
(وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) کیوں نہیں کہا؟ [اس میں لفظ ''مَا'' موصولہ ہے اور یہ محلاً مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ
مبتدا محذوف کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَلْاَمْرُ مَا شَاءَ اللّٰهُ'' وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یا پھر
لفظ ''مَا'' شرطیہ ہے' محلاً منصوب ہے اور اس کی جزا محذوف ہے' اصل میں: ''اَیَّ شَیْءٍ شَآءَ اللّٰهُ کَانَ'' جو کچھ اللہ تعالیٰ
چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے] اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا اور جب تو نے اپنے اس باغ میں
وہ سب کچھ دیکھا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس میں تجھے عطا فرمایا ہے تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا: کام وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ
چاہتا ہے' یہ اعتراف کرنے کے لیے کہ بے شک یہ باغ اور ہر وہ چیز جو اس میں ہے' وہ یقیناً محض اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے
ہوا اور بے شک اس کا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' اگر وہ چاہے' اس کو آباد رکھے اور اگر چاہے تو ویران کر دے
﴿ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی قوت نہیں۔ یہ اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ اس باغ کو آباد کرنا اور اس
کے سارے معاملے کی تدبیر کرنا اسی کی مدد اور اسی کی تائید سے ہوا ہے ﴿ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴾ اگر تو مجھے
دیکھتا ہے کہ میں مال و دولت میں اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں اور ''وَلَدًا'' میں اس مُفَسِّر کی تائید ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے
ارشاد: ''وَاَعَزُّ نَفَرًا'' (الکہف:۳۴) میں ''نَفَرًا'' کی تفسیر اولاد سے کی ہے [جن قراء نے ''اَقَلَّ'' کو منصوب پڑھا ہے'
انہوں نے ''اَنَا'' کو الگ قرار دیا ہے اور جس نے اس کو مرفوع (یعنی ''اَقَلُّ'' لام پر پیش کے ساتھ) پڑھا ہے اور وہ قاری
علی کسائی ہے' اس نے ''اَنَا'' کو مبتدا اور ''اَقَلُّ'' کو اس کی خبر قرار دیا ہے اور یہ جملہ ''تَرَنِ'' کا دوسرا مفعول ہے]۔
۴۰۔﴿ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ ﴾ پس عنقریب میرا پروردگار مجھے دنیا میں یا آخرت میں تیرے
باغ سے بہتر عطا فرمائے گا ﴿ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴾ اور وہ اس (تیرے باغ) پر آسمان
سے کوئی عذاب بھیجے گا' سو وہ ایک صاف چٹیل میدان بن جائے گا اور اتنا ملائم میدان بن جائے گا کہ اس پر چلنے والے کے
پاؤں ڈگمگائیں گے۔

| |
|---|
| اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ |
| عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ |
| بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ |
| هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع ۵ / ۱۶ / ۱۷ |

یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں دھنس جائے گا' پھر تو اس کو ہرگز تلاش نہیں کر سکے گا○ اور اس کا باغ پھلوں سمیت
برباد کر دیا گیا اور اس نے باغ پر جو خرچ کیا تھا اس پر وہ صبح اپنے ہاتھوں کو ملتا رہ گیا اور وہ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے
لگا: کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا○ اور اس کے پاس کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں
اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلا لینے والا ہو سکا○ یہاں سے سب اختیار سچے اللہ کے لیے ظاہر ہو گیا' وہی بہتر ثواب دینے والا
اور اچھا انجام کرنے والا ہے○

۴۱-﴿ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا ﴾ یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے' یعنی زمین کی گہرائی میں نیچے چلا جائے ﴿ فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴾ سوتو اسے ہرگز تلاش نہیں کر سکے گا' پانی موجود ہونا تو بڑی بات ہے' تجھ سے اس کی تلاش بھی نہیں ہو سکے گی اور معنی یہ ہے کہ اگر آج تو مجھے اپنے آپ سے زیادہ محتاج اور زیادہ فقیر وغریب خیال کرتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ میری حالتِ فقر کو اور تیری حالتِ غنا کو تبدیل کر دے گا' پس وہ میرے ایمان کی برکت سے مجھے ایسا باغ (بہشت) عطا فرمائے گا جو تیرے اس باغ سے بہت بہتر ہوگا اور تیرے کفر کے سبب وہ اپنی نعمت کو تجھ سے چھین لے گا اور تیرے دونوں باغوں کو ویران کر دے گا۔

۴۲-﴿ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ ﴾ اور اس کے باغات کے پھلوں کو گھیر لیا گیا۔ اس سے باغات کا ہلاک و برباد کیا جانا مراد ہے اور اس کی اصل ''اَحَاطَ بِهِ الْعَدُوُّ'' ہے' اس کو دشمن نے گھیر لیا کیونکہ جب دشمن گھیر لیتا ہے تو وہ مالک بن جاتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے' پھر اس کو ہلاکت کے لیے استعمال کیا جانے لگا ﴿ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ ﴾ پھر وہ کافر اپنے دونوں ہاتھوں کو ملنے لگا' (یعنی) وہ ندامت وشرمندگی اور حسرت وافسوس سے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنے لگا اور البتہ ہاتھوں کا آپس میں ملنا ندامت وحسرت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کیونکہ نادم آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر نیچے اور باہر اندر سے ملتا ہے جیسا کہ اس سے ہاتھوں کا بعض (صرف ہتھیلیاں) اور ہاتھ میں گرنا مراد لیا جاتا ہے [اور چونکہ یہ ندامت کے معنی میں ہے' اس لیے اس کو ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ وہ نادم ہونے لگا ﴿ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا ﴾ ان اخراجات پر جو اس میں یعنی اس باغ کی تعمیر وترقی اور اس کے آباد کرنے میں خرچ کیے تھے ﴿ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ اور وہ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا' یعنی باغوں کے انگوروں کے لیے جو چھتریاں تیار کی گئی تھیں اس کی وہ چھتریاں زمین پر گری پڑی تھیں اور انگوروں کی بیلیں ان کے اوپر گری ہوئی تھیں ﴿ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴾ اور وہ کہنے لگا: اے کاش! میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔ اس کافر نے اپنے مسلمان بھائی کی نصیحت کو یاد کیا اور جان لیا کہ ساری تباہی اس کے کفر اور اس کی سرکشی کے سبب ہوئی' سو اس نے اس کے بعد تمنا اور آرزو کی کہ کاش! وہ مشرک نہ ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے باغ کو ہلاک نہ کرتا مگر اس تمنا اور آرزو نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا اور یہ جائز ہے کہ اس کی یہ بات شرک سے توبہ ہو اور گزشتہ کفر پر ندامت ہو اور ایمان میں داخل ہونا ہو۔

۴۳-﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ ﴾ اور اس کے پاس کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا' اور اس کی مدد کرنے پر قدرت واختیار رکھتا ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے' یعنی وہی اکیلا خدا اس کی مدد کرنے پر قدرت واختیار رکھتا ہے' اس کے سوا کوئی قدرت واختیار نہیں رکھتا کہ اس کی مدد کر سکے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی بناء پر اس کی مدد نہیں فرمائی ﴿ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴾ اور نہ وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ سکتا تھا۔

۴۴-﴿ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ﴾ یہیں سے سچے اللہ تعالیٰ کے لیے مدد ثابت ہوگئی [ایک قراءت میں ''تَكُنْ'' کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''يَكُنْ'' بھی ہے (آیت: ۴۳ میں) اور ''اَلْوَلَايَةُ'' میں قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں واؤ کے نیچے کسرہ ہے اور جب یہ واؤ پر فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مدد کرنا اور حمایت کرنا ہوتا ہے اور جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی سلطنت وحکومت ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ یہاں یعنی اس مقام میں واضح ہو گیا کہ ذاتی امداد صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور نہ اس کے سوا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے اور یہ کلام ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کی تائید وتقویت کے لیے بیان کیا گیا ہے یا یہ کہ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ

سلطنت و بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوگا یا یہ کہ اس قسم کی سخت حالت میں صرف اللہ تعالیٰ مدد وحمایت کرتا ہے اور ایسی سخت حالت میں ہر بے بس و مجبور اس پر ایمان لے آتا ہے یعنی کافر کا یہ کہنا کہ اے کاش! میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا' یہ ایسا کلمہ ہے جس کی طرف مجبوراً رجوع کیا گیا ہے' چنانچہ کافر نے یہ کلمہ اس عذاب سے گھبرا کر کہا تھا' جو اس کے کفر کی نحوست کی وجہ سے اس کے باغ پر آن پڑا تھا اور اگر یہ عذاب نہ آتا تو وہ یہ کلمہ نہ کہتا یا یہ معنی ہے کہ یہاں سے مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو گیا کہ وہ کافروں کے مقابلے میں اپنے مسلمان دوستوں کی مدد کرتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کے لیے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے یعنی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مدد کی جو کافر کے ساتھ اس کے بھائی مسلمان نے بات چیت کی تھی اور اس کی یہ بات سچی ثابت ہوئی کہ عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تیرے اس باغ پر آسمان سے عذاب نازل فرمائے گا ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہوگا اور انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہوگا یا پھر ''هُنَالِكَ'' سے آخرت کی طرف اشارہ ہے' یعنی وہاں آخرت کے گھر میں سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' (غافر:١٦) ''آج بادشاہی کس کے لیے ہے''۔ [ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلْحَقُّ وَلَايَةٌ'' ہے یا ''هُوَ الْحَقُّ'' ہے اور ان دو کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک ''لِلّٰهِ'' کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے یعنی ''لِلّٰهِ الْحَقِّ'' ہے۔ امام عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''عُقْبًا'' میں قاف ساکن ہے' ان دو کے علاوہ کے نزدیک قاف پر پیش ''عُقُبًا'' ہے اور شاذ قراءت میں ''فُعْلٰى'' کے وزن پر ''عُقْبٰى'' ہے' اور قراءتوں کے مطابق اس کا معنی انجام ہے]۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ
رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ
نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾

اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے کہ وہ اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی پیداوار اُگ کر خوب گھنی ہو گئی' پھر وہ سوکھا گھاس بن گئی جس کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہیں' اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں ○ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلا ہوا میدان دیکھیں گے' اور ہم ان کو جمع کریں گے' سو ہم ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے ○

## دنیا کی زندگی کی بے ثباتی کا بیان

٤٥- ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اے محبوب! آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے' جیسے وہ پانی ہے جس کو ہم نے آسمان سے اتارا ''اَیْ هِیَ كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ'' یعنی یہ دنیا

اس پانی کی طرح عارضی و بے ثبات ہے جسے ہم نے آسمان سے زمین پر برسایا ﴿ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾ پس زمین کی انگوریاں اس کے ساتھ خوب اُگیں اور اس کے سبب اچھی طرح نشوونما پا کر خوب گھنی ہو گئیں اور ایک دوسرے سے لپٹ گئیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے جڑ گئیں یا پانی نے زمین کی انگوریوں میں اس قدر اثر دکھایا کہ وہ اس کے سبب خوب گھنی ہو گئیں یہاں تک کہ نشوونما پا کر اور خوب ہری بھری ہو کر سرسبزی و شادابی کے کمال کو پہنچ گئیں ﴿ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا ﴾ پھر وہ سوکھی گھاس بن کر ٹوٹ پھوٹ گئی [واحد ''هَشِیْمَةٌ'' ہے] ﴿ تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ﴾ جس کو ہوائیں جڑ سے اکھیڑ کر فضا میں اُڑائے پھرتی ہیں [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلرِّیْحُ'' ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک پیدا ہونے والی اور ہر ایک فنا ہونے والی چیز پر خوب قدرت و اختیار رکھنے والا ہے۔ دنیا کی زیب و زینت اور اس کی رونق و شادابی کی حالت کو اور اس کے بعد ہلاک و فنا ہونے کی حالت کو زمین کی پیداوار کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو پہلے بڑی سرسبز و شاداب ہوتی ہے' پھر خشک ہو کر سوکھی گھاس کی طرح ہو جاتی ہے اور اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے گویا کبھی نہیں ہوئی تھی۔

۴۶- ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت و زیبائش ہے۔ نہ قبر کا سامان اور نہ آخرت کی تیاری ہے ﴿ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں وہ اعمالِ خیر ہیں جن کے فوائد انسان کے لیے قائم رہتے ہیں یا پانچوں نمازیں مراد ہیں یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ''، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ''، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' مراد ہیں ﴿ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں' یعنی جزاء کے اعتبار سے ﴿ وَّخَیْرٌ اَمَلًا ﴾ اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں کیونکہ یہ سچا وعدہ ہے اور اکثر امیدیں جھوٹی ہوتی ہیں یعنی ان اعمالِ خیر کا مالک دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی اور آخرت میں اس کو پانے کی امید رکھتا ہے۔

## قیامت کا منظر

۴۷- ﴿ وَیَوْمَ ﴾ ''وَاذْكُرْ یَوْمَ'' اور اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جس دن ﴿ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ ﴾ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تُسَیَّرُ الْجِبَالُ'' ہے] یعنی ان کو فضاء میں چلایا جائے گا یا یہ کہ انہیں فضا میں لے جانے کا مطلب ہے کہ انہیں باریک ذروں میں ریزہ ریزہ کر کے فضا میں بکھیر دیا جائے گا ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ اور آپ زمین کو صاف میدان کی طرح عیاں دیکھیں گے' اس پر پہاڑوں اور درختوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہو گی جو اس کو چھپا دے ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ ﴾ اور ہم انہیں یعنی مُردوں کو جمع کریں گے ﴿ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ پس ہم ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے یعنی ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ''غَادَرَهٗ'' یعنی اس نے اسے چھوڑ دیا اور اسی سے ''غدر'' ماخوذ ہے' بے وفائی کرنا اور غدیر اس حوض کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی میں سیلاب اپنا پانی چھوڑ جائے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ
نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ
یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا
عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۶ ۱۸

اور وہ آپ کے رب تعالیٰ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے' بے شک تم ہمارے پاس اس طرح حاضر ہو گے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' بلکہ تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت ہرگز مقرر نہیں کریں گے O اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا اور آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرتے ہوں گے جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اور وہ کہیں گے: ہائے ہمارے بدبختی! اس اعمال نامہ کو کیا ہوگا کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا مگر اس کو محفوظ کر لیا' اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے وہ سب اس میں موجود پائیں گے' اور آپ کا رب تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا O

۴۸- ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ اور تمام لوگ آپ کے رب تعالیٰ کے سامنے قطار در قطار آگے پیچھے اکٹھے پیش کیے جائیں گے' آپ ان سب کو جماعت کی صورت میں اس طرح دیکھیں گے جس طرح آپ ہر ایک کو الگ الگ دیکھتے ہیں کوئی کسی کو نہیں چھپا سکے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوگوں کی حاضری کے حال کو بادشاہ کی بارگاہ میں پیش کیے جانے والے لشکر کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا﴾ ''اَیْ قُلْنَا لَھُمْ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا'' یعنی ہم ان لوگوں سے فرمائیں گے کہ بے شک تم ہمارے پاس حاضر ہو گئے ہو [ اور یہ جائز ہے کہ یہ مضمر کلام ''یَوْمَ نُسَیِّرُ'' میں نصب کا عامل ہو] ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' یعنی جس طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بالکل اسی طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا ہے یا یہ معنی ہے کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ برہنہ پیدا کیا تھا' اسی طرح تم ہمارے پاس برہنہ حاضر ہو گئے ہو' تمہارے ساتھ مال' اولاد اور لباس وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''نُسَیِّرُ'' اور ''تَرٰی'' کے بعد ''وَحَشَرْنٰھُمْ'' کو فعل ماضی کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ اس بات پر رہنمائی ہو کہ لوگوں کو زندہ کر کے جمع کرنا پہاڑوں کو چلانے اور زمین کو صاف میدان بنانے سے پہلے ہوگا تاکہ لوگ ان ہولناک مناظر کا خود معائنہ کریں' گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ان خوفناک واقعات کے رونما ہونے سے پہلے جمع کریں گے ﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴾ بلکہ تمہارا خیال تو یہ ہے کہ حشر و نشر کے بارے میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے ہم تمہارے لیے ہرگز کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے یا ہم تمہارا محاسبہ کرنے کے لیے وعدہ کی کوئی جگہ ہرگز مقرر نہیں کریں گے۔

۴۹- ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ اور کتاب رکھ دی جائے گی' یعنی اعمال کے صحیفے رکھ دیئے جائیں گے ﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ﴾ اور آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ ڈرتے ہوں گے ﴿مِمَّا فِيْهِ﴾ ان گناہوں سے جو صحیفوں میں درج ہوں گے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی! اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے اور نہ بڑا' یعنی اس کتاب نے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا ﴿اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ مگر اس کو گن رکھا ہے اور اس کو ضبط کر رکھا ہے ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ اور انہوں نے دنیا میں جو اعمال سرانجام دیئے تھے وہ ان کو سزا یا جزاء کے لیے اپنے سامنے موجود پائیں گے ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا کہ جو کسی نے عمل نہ کیا وہ اس کے ذمے لکھ دے یا جرم سے بڑھ کر عذاب میں اضافہ کر دے یا کسی کو بغیر جرم کے سزا دے دے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا)۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ جنوں میں سے تھا' سو وہ نافرمانی کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے نکل گیا' پس کیا تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلا ہے O میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت انہیں حاضر (یعنی شریک) نہیں کیا تھا اور نہ ان کی اپنی پیدائش کے وقت' اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا ہوں O اور اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے ان کو پکارو' سو کافر انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان دوزخ کی ایک مہلک وادی بنا دیں گے O

## حضرت آدم کی فضیلت اور شیطان اور اس کے پیروکاروں کی ذلت کا بیان

۵۰- ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم (حضرت) آدم کے لیے سجدہ کرو (یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا بلکہ) تعظیم و تکریم کا سجدہ تھا یا اطاعت و انقیاد کا سجدہ تھا ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ پس سب نے سجدہ کیا سوائے شیطان مردود کے' وہ جنوں میں سے تھا۔ [یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے] گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اس کو کیا ہوا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ منحوس جنوں میں سے تھا ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ سو اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے اس کے رب تعالیٰ نے جو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس سے خارج ہو گیا اور یہ کلامِ الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان مردود فرشتوں کے ساتھ سجدہ کرنے کا مأمور تھا (جیسا کہ ارشاد ہے: "مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ" (الاعراف:۱۲) "تجھے کس نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟") ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ﴾ کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان کو اور اس کے چیلوں کو دوست بناتے ہو؟ [ہمزہ انکاری ہے اور تعجب کے لیے ہے] گویا اس کی طرف سے نافرمانی پائے جانے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم اب بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناؤ گے اور تم میرے بدلے اس کو اختیار کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے' اور شیطان کی اولاد میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ایک لاقیس ہے' اس کا لقب "مُوَسْوِسُ الصَّلٰوةِ" نماز میں بُرے خیالات و وسوسے ڈالنے والا ہے (۲) دوسرا اعور ہے' اس کا لقب "صَاحِبُ الزِّنٰی" ہے (جو مردوں اور عورتوں کو بدکاری پر اکساتا ہے) (۳) تیسرا ابتر ہے' اس کا لقب "صَاحِبُ الْمَصَائِبِ" ہے (جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں لوگوں میں گریبان چاک کرنے' سینہ کوبی کرنے اور منہ پر طمانچے مارنے اور ناجائز طریقے اپنانے پر اکساتا ہے) (۴) چوتھا مطوس ہے' اس کا لقب "صاحب الاراجیف" ہے (جو لوگوں میں جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلاتا ہے اور آپس میں لڑنے' جنگ و جدال کرنے اور قتل و غارت کرنے پر اکساتا ہے) (۵) پانچواں داسم ہے' جو لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اور جو لوگ کھانا کھاتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ" شریف نہیں پڑھتے' ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا شروع کر دیتا ہے ﴿وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ﴾ اور وہ تمہارے دشمن ہیں ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابلیس

ان لوگوں کے لیے بہت بُرا بدل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بدلے ابلیس کی اطاعت اختیار کر لی۔

۵۱۔﴿ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ ﴾ میں نے ان کو یعنی شیطان اور اس کی اولاد کو حاضر نہیں کیا تھا ﴿ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت' یعنی بے شک تم لوگوں نے شیطان اور اس کی اولاد کو عبادت میں میرا شریک ٹھہرایا حالانکہ یہ عبادت میں میرے شریک تب ہوتے جب وہ الوہیّت اور معبودِ برحق ہونے میں میرے شریک ہوتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور معبودِ برحق ہونے میں ان کی مشارکت کی نفی کرتے ہوئے ارشادفرمایا: ''مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''میں نے ان کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اپنے پاس حاضر نہیں کیا کہ میں ان سے زمین و آسمان کی پیدائش میں مدد حاصل کروں یا ان کے بارے میں ان سے مشورہ لوں بلکہ تمام کائنات کو میں نے اکیلے پیدا کیا ہے' لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ صرف اکیلے میری عبادت کریں' میرے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ﴿ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور ان کی اپنی پیدائش کے وقت' یعنی میں نے ان میں سے ایک دوسرے کی پیدائش کے وقت اپنے پاس حاضر نہیں کیا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ'' (النساء:۲۹) ''اور تم اپنے آپ کو یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو''۔﴿ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴾ اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا۔ دراصل ''وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَهُمْ'' ہونا چاہیے تھا لیکن ''هُمْ'' کی جگہ پر ''اَلْمُضِلِّيْنَ'' کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے پر ان کی مذمت بیان کی جائے' بہرحال جب شیطان اور اس کی اولاد تمام چیزوں کی پیدائش میں میری شریکِ تعاون نہیں ہے تو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان کی عبادت میں میرا شریک ٹھہراتے ہو۔

۵۲۔﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ ﴾ اور اس دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا [قاری حمزہ کی قراءت میں نون کے ساتھ (نَقُوْلُ) ہے] ﴿ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ تم بلند آواز سے میرے ان شریکوں کو بلاؤ جن کے متعلق تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں میرے شریک ہیں' وہ تمہیں میرے عذاب سے بچا لیں گے۔ ان سے جنات مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق شریکوں کو اپنی طرف منسوب کر کے ان کو ڈانٹا اور ڈرایا دھمکایا ہے ﴿ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴾ سو کافر انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے اور ہم نے ان کے درمیان ایک مہلک وادی بنا دی ہے۔[''مَوْبِقًا''، ''وَبِقَ يَبِقُ وَبُوْقًا'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک ہو جائے یا مصدر ہے ''مَوْعِد'' کی طرح] یعنی ہم نے ان کے درمیان دوزخ کی وادیوں میں سے ایک وادی بنا دی ہے اور یہ سخت ترین عذاب اور ہلاکت و بربادی کی ایک ایسی جگہ ہے جس میں وہ سب مشترکہ ہلاک و برباد ہوں گے یا ان سے فرشتے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں اور ''مَوْبِق'' سے دور دراز کا فاصلہ مراد ہے یعنی ہم نے ان کے درمیان دور کا فاصلہ قائم کر دیا ہے کیونکہ پرستش کرنے والے کفار دوزخ کے گہرے گڑھے میں ہوں گے اور وہ حضرات جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں گے۔

ع ۱۹

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

اور مجرم لوگ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے تو وہ یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں ضرور گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بھاگنے کی جگہ نہیں پائیں گے O اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں' اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O اور لوگوں کو اس بات سے کس نے منع کیا کہ جب ان کے پاس ہدایت آ گئی تو وہ اس پر ایمان لاتے اور اپنے رب تعالیٰ سے بخشش مانگتے مگر یہ کہ ان پر پہلے لوگوں کا طریقہ آن پہنچے یا ان پر سامنے سے عذاب آ جائے O

۵۳- ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا﴾ اور مجرم لوگ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے تو وہ یقین کر لیں گے۔ ''فَظَنُّوْا'' بہ معنی ''فَاَيْقَنُوْا'' ہے یعنی وہ یقین کر لیں گے کہ ﴿اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ بے شک وہ لوگ دوزخ میں گرنے والے ہیں اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اور وہ اس میں ہر حال میں جانے والے ہیں ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ اور وہ لوگ اس سے یعنی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں سکیں گے یعنی اس سے پھر کر کہیں نہیں جا سکیں گے۔

## قرآن وانبیاء کی آمد کا مقصد اور کفار کی سرکشی کا بیان

۵۴- ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی نصیحت کے لیے ہر قسم کی ایسی مثالیں دے کر مضامین بیان کر دیئے ہیں جن کی انہیں حاجت وضرورت پیش آتی رہے گی ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے [''جَدَلًا'' تمیز ہے] یعنی وہ تمام چیزیں جن سے جھگڑے رونما ہوتے ہیں' ان سب سے زیادہ جھگڑالو صرف انسان ہے' بشرطیکہ اس کے ایک ایک جھگڑے کی تفصیل کی جائے اور جھگڑے سے باطل کا جھگڑا مراد ہے یعنی انسان کا جھگڑا ہر جھگڑے سے زیادہ ہے۔

۵۵- ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى﴾ اور لوگوں کو کس چیز نے منع کیا ہے کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو وہ اس پر ایمان لے آتے یعنی جب ان کے پاس ہدایت کا سبب آیا اور وہ کتابِ الٰہی قرآن مجید ہے اور رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگتے مگر وہ منتظر رہے کہ ان پر پہلے لوگوں کا دستور آ جائے یا ان پر عذاب نازل ہو جائے [پہلا ''اَنْ'' منصوب ہے (کہ ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے) اور دوسرا ''اَنْ'' مرفوع ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے] اصل میں ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ الْاِيْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارَ اِلَّا اِنْتِظَارُ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ'' اور لوگوں کو کس چیز نے ایمان لانے اور بخشش مانگنے سے منع کیا ہے سوائے اس انتظار کے کہ ان پر پہلے لوگوں کا طریقہ آ جائے اور وہ ہلاک کرنا ہے یا یہ انتظار کہ ان پر عذاب آ جائے یعنی آخرت کا عذاب ﴿قُبُلًا﴾ [اہل کوفہ کے نزدیک ''قبیل'' کی جمع ہے یعنی مختلف اقسام کے عذاب اور باقی قرآء کے نزدیک ''قِبَلًا'' ہے یعنی سامنے]۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ
مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ
وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے اور ڈر سنانے کے لیے' اور جو لوگ کافر ہیں وہ ناجائز طریقے سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جس چیز سے ڈرایا گیا اس کو مذاق بنا لیا○ اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور جو عمل اس نے پہلے کیے تھے ان کو بھول گیا' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسے سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں گے تو وہ ہرگز کبھی بھی ہدایت حاصل نہیں کریں گے○

---

۵۶۔﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر۔ [اس جگہ وقف کیا جائے اور وقف کرنے کے بعد آگے نئے سرے سے تلاوت شروع کی جائے] ﴿ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا وہ بے ہودہ اور باطل باتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور ان کا جھگڑنا یہی تھا کہ وہ لوگ رسولوں سے کہا کرتے تھے: "مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" (یٰس:۱۵) تم تو نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر" "وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً" (المؤمنون:۲۴) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا اور اسی طرح کی دوسری باتیں ﴿ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ ﴾ تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں اور تاکہ اسے زائل کر دیں اور وہ جھگڑے کے ذریعے نبوت کو ختم کر دیں ﴿ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴾ اور انہوں نے میری آیتوں یعنی قرآن مجید کو اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا اس کو ہنسی مذاق بنا لیا [" ما " موصولہ ہے اور صلہ میں موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں "وَمَا اُنْذِرُوْهُ مِنَ الْعِقَاب" ہے اور وہ عذاب جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا انہوں نے اس کو مذاق بنا لیا یا " ما " مصدریہ ہے "اَیْ وَاِنْذَارَهُمْ" یعنی انہوں نے قرآن کو اور اپنے ڈراوے کو ہنسی مذاق بنا لیا۔ قاری حمزہ کی قراءت میں " زَا " ساکن اور آخر میں واؤ کی بجائے ہمزہ (یعنی " هُزْءً ا ") ہے اور امام حفص کی قراءت میں " زَا " مضموم ہے اور ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کر کے (هُزُوًا) پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں " زَا " مضموم اور ہمزہ کے ساتھ (" هُزُءً ا ") ہے]۔

۵۷۔﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ﴾ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیات یعنی قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کی گئی لیکن اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جب اسے نصیحت کی گئی تو اس نے نصیحت کو قبول نہ کیا اور نہ اس میں غور و فکر کیا' [چونکہ آیات سے قرآن مجید مراد ہے' اس لیے " اَنْ يَّفْقَهُوْهُ " میں آیات کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر لائی گئی ہے] ﴿ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ﴾ اور اس نے جو کچھ گناہوں اور کفر کا پہلے ارتکاب کیا تھا وہ سب بھول گیا اور ان میں غور و فکر نہیں کیا اور نہ اس نے یہ سوچا کہ بدکار اور نیکوکار دونوں کے لیے جزاء ضروری ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن سے منہ پھیرنے اور اپنے کرتوتوں کو بھول جانے کی یہ علت بیان فرمائی کہ ان کے دلوں پر مہر لگ

چکی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے سے محروم رہیں۔ ''اَكِنَّةً'' بہ معنی ''اَغْطِيَةً'' ہے یعنی پردے اور وہ ''كِنَان'' کی جمع ہے جس کا معنی پردہ ہے (اور ''اَنْ يَّفْقَهُوْهُ'' اصل میں ''لِئَلَّا يَفْقَهُوْهُ'' ہے یعنی تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں) ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' جس کے سبب قرآن مجید اور حق بات کا سننا ان پر دشوار ہے [پہلے ''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے مفرد صیغے استعمال کیے گئے' پھر ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں] ﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا﴾ اور اے محمد (ﷺ)! اگر آپ ہدایت یعنی ایمان کی طرف ان کو بلائیں تو وہ لوگ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے' لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ ان کی طرف سے ہدایت ناممکن ہے ﴿اِذًا﴾ [یہ شرط کی جزا اور اس کا جواب ہے اور یہ دعوت رسول پر ہدایت قبول نہ کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے ہدایت کے وجود کے سبب کو ہدایت کی نفی کا سبب بنا دیا] اور نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رسول اکرم ﷺ کی بات کا جواب ہے' اس تقدیر پر کہ گویا حضور نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ ان کے اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود میں ان کو ہدایت کی طرف نہ بلاؤں؟ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ کے لیے تکلیف کی پوری مدت' یعنی زندگی بھر ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ
بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ
لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ ع ۹ ۲
حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا
حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱

اور آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا' نہایت رحمت والا ہے' انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر اگر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کر لے تو بہت جلد ان پر عذاب لے آئے' بلکہ ان کے لیے وعدہ کا وقت مقرر ہے وہ اس کے سوا کہیں بھی ہرگز پناہ گاہ نہیں پائیں گے O اور یہ وہ بستیاں ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وعدہ کا وقت مقرر کر رکھا تھا O اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں نہیں ٹھہروں گا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا میں عرصۂ دراز تک چلتا رہوں گا O پھر جب دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے' سو مچھلی نے دریا میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا O

۵۸- ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ﴾ اور آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے۔ [''غَفُوْرٌ'' مبالغہ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے: بہت زیادہ اور بے انتہاء بخشش فرمانے والا] ﴿ذُو الرَّحْمَةِ﴾ بہت مہربان ہے' کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ متصف ہے ﴿لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ انہوں نے جو کچھ فتنہ و فساد اور کفر و شرک اور گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' اگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کی گرفت فرماتا تو بہت جلد ان پر عذاب نازل کر دیتا یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی کہ اہل مکہ کو کافی عرصہ

تک مہلت دیتا رہا اور جلد از جلد ان کی گرفت نہیں فرمائی حالانکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ﴾ بلکہ ان کے لیے وعدہ کا وقت مقرر ہے اور وہ بدر کا دن ہے ﴿لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نجات دینے والا ہرگز نہیں پائیں گے اور نہ کوئی پناہ گاہ پائیں گے [''وَاَلَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی نجات پاتا ہے اور جب کوئی کسی کی پناہ لیتا ہے تو ''وَاَلَ اِلَيْهِ'' بولا جاتا ہے]۔

۵۹- ﴿وَتِلْكَ﴾ [مبتدا ہے] ﴿الْقُرٰى﴾ [صفت ہے کیونکہ اسماء اشارہ اسماء جنس کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں] ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ [خبر ہے یا ''تِلْكَ الْقُرٰى'' شریطۃ التفسیر کی بناء پر مضمر (پوشیدہ) فعل ''اَهْلَكْنَا'' سے منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے ان بستیوں میں رہنے والوں کو ہلاک کر دیا اور ان سے قوم نوح اور عاد اور ثمود کی قومیں مراد ہیں ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب انہوں نے ظلم کیا جیسا اہل مکہ نے ظلم کیا ﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا جس سے وہ پیچھے نہیں ہو سکتے تھے جیسا کہ ہم نے اہل مکہ کے لیے بدر کا دن مقرر کیا اور ''مَهْلِك'' کا معنی ہے: ہلاکت کا وقت [امام حفص کی قراءت میں میم مفتوح اور لام مکسور ''مَهْـــلِك'' ہے اور ابوبکر کی قراءت میں دونوں مفتوح (یعنی ''مَهْلَك'') ہیں یعنی ان کی ہلاکت کے وقت یا ان کی ہلاکت اور ''مؤعد'' کا معنی وقت ہے یا مصدر ہے]۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے سفر کرنا

٦٠- ﴿وَاِذْ﴾ ''وَاذْكُرْ اِذْ'' اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا اور وہ خادم حضرت یوشع بن نون ہیں اور ان کو ''فتٰی'' صرف اس لیے کہا گیا ہے کہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمیشہ بہت خدمت کرتے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے ﴿لَآ اَبْرَحُ﴾ میں ہمیشہ چلتا رہوں گا [اس کی خبر حذف کر دی گئی ہے کیونکہ اس پر حال اور کلام دلالت کرتا ہے لیکن پہلا تو اس لیے کہ سفر کا حال تھا اور دوسرا اس لیے کہ ارشاد ہے:] ﴿حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں [اس میں غایت کو بیان کیا گیا ہے' جو اپنے مغیّا کے وجود کا تقاضا کرتی ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ معنی یہ ہو:] ''لَا اَبْرَحُ (اَسِيْرُ) حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ'' یعنی میں ہمیشہ چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں اور یہ وہ مقام ہے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان ملاقات کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ پر واقع تھا اور آپ کا نام خضر اس لیے رکھا گیا تھا کہ آپ جہاں نماز ادا فرماتے اس جگہ کا اردگرد ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب ہو جاتا تھا ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ یا میں لمبی مدت تک چلتا رہوں گا۔ بعض نے کہا کہ ''حُقُبًا'' کا معنی ہے: اسّی سال۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مصر کے ملک پر قابض ہو گئے اور قبطیوں کی ہلاکت کے بعد وہاں قیام پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کہ تجھے تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مجھے یاد کرتا ہے اور مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کس کا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے علم میں اضافے کے لیے لوگوں سے علم حاصل کرتا رہے ممکن ہے کہ کوئی ایسا کلمہ حاصل کر لے جو ہدایت کی رہنمائی کر دے یا اسے ہلاکت سے بچا لے' سو حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا

ہے تو مجھے اس کا پتا بتایئے تاکہ میں اس سے علم حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ سے زیادہ علم رکھنے والا (حضرت) خضر (علیہ السلام) ہے' حضرت موسیٰ نے عرض کیا: میں اسے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دونوں دریاؤں کے سنگم کے قریب ساحل پر چٹان کے پاس انہیں تلاش کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی بھون کر اپنے سامان میں رکھ لو' جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے گی وہی جگہ ان کے ملنے کی ہوگی' چنانچہ آپ نے مچھلی اپنے سامان میں رکھ کر اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کو دی اور فرمایا: جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے مجھے بتا دینا' پھر دونوں سفر پر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مجمع البحرین کے ساحل پر پہنچ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور مچھلی قدرتِ الٰہی سے زندہ ہو کر اچھلی اور دریا میں کود گئی' پھر جب حضرت موسیٰ اپنے خادم کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر آگے چلے گئے اور کھانا کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی طلب کی تو خادم نے آپ کو بتایا کہ مچھلی تو دریا میں کود گئی ہے' چنانچہ دونوں واپس چٹان پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر لپیٹ کر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ہماری سرزمین پر سلام کرنے والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا تعارف کرایا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم (یعنی علمِ باطن) مجھے عطا فرمایا ہے جس کو آپ کماحقہٗ نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے ایک علم (یعنی علمِ شریعت) آپ کو عطا فرمایا ہے جس کو میں کماحقہٗ نہیں جانتا۔

۶۱۔ ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا﴾ پھر جب وہ دونوں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچے ﴿نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے یعنی ان میں سے ایک بھول گیا اور وہ حضرت یوشع بن نون تھے کیونکہ سامانِ سفر انہیں کے پاس تھا' نیز اس کی دلیل اس کا اپنا یہ قول ہے کہ ''فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ'' پس بے شک میں مچھلی کو بھول گیا ہوں اور یہ عرب کے قول کی طرح ہے کہ ''نَسُوْا زَادَهُمْ'' وہ اپنا سامانِ سفر بھول گئے اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ مچھلی بھونی ہوئی تھی اور وہ دونوں آبِ حیات کے چشمہ کے کنارے پر رات کو اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وہیں سو گئے' پھر جب مچھلی کو پانی کی بو اور اس کی ٹھنڈک پہنچی تو وہ زندہ ہو گئی اور پانی میں کود گئی ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ﴾ سو اس نے دریا میں اپنا راستہ بنایا' یعنی اس نے خشکی سے دریا کی طرف راستہ بنایا ﴿سَرَبًا﴾ سرنگ یعنی وہ مچھلی دریا میں سرنگ بناتے ہوئے پانی میں گھس گئی یعنی دریا میں داخل ہو گئی اور پانی میں چھپ گئی۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

پس جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا: ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک ہمیں اس سفر سے بہت تھکن ہو گئی ہے O اس نے کہا: کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول

گیا تھا' اور مجھے اس کو یاد رکھنا نہیں بھلایا تھا مگر صرف شیطان نے اور اس نے بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنالیا تھاO موسیٰ نے فرمایا: یہ وہی جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے' پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس پلٹ گئےO پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے (حضرت خضر) کو پالیا جس کو ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت کے ساتھ نواز دیا اور ہم نے اس کو براہِ راست اپنی طرف سے علم عطا فرمایاO

٦٢- ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا﴾ پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام سے روانہ ہو کر آگے بڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا اتنا انہوں نے سفر کرلیا تو پھر جب وہ دونوں آرام کرنے کے لیے ایک جگہ ٹھہرے تو ﴿قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ' بے شک اس سفر میں ہمیں بہت تھکن پہنچی ہے جب کہ اس سے پہلے نہ تھکن ہوئی اور نہ بھوک لگی۔

٦٣- ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ﴾ خادم نے عرض کیا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم پتھر کی چٹان کے پاس ٹھہرے تھے اور اسی مقام پر حضرت خضر سے ملاقات کا وعدہ دیا گیا تھا ﴿فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ﴾ سو میں یقیناً مچھلی کو بھول گیا ہوں' پھر اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ﴾ اور مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے کیونکہ شیطان نے حضرت یوشع کے دل میں مختلف وسوسے ڈالے جس کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے [اور امام حفص کی قراءت میں ''وَمَا اَنْسَانِيْهُ'' میں ''هُ'' ضمیر پر ضمہ (یعنی پیش) ہے] ﴿اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ کہ میں اس کو یاد رکھوں [یہ ''اَنْسَانِيْهُ'' کی ''هُ'' ضمیر سے بدل ہے] یعنی اس کو یاد رکھنا مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے ﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ اور اس نے بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنالیا تھا اور یہ اس لیے کہ مچھلی دریا میں جدھر جاتی تھی' ادھر جانے کا نشان باقی چھوڑ جاتی تھی۔

٦٤- ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش تھی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''یَبْغِیْ'' ہے۔ ابو عمرو' علی کسائی اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور ان کے علاوہ باقی قرآء نے دونوں حالتوں میں مصحفِ عثمانی کی اتباع کی خاطر ''یَا'' کے بغیر ''نَبْغِ'' پڑھا ہے] اور ''ذٰلِكَ'' سے مچھلی کے دریا میں راستہ بناتے ہوئے پانی میں چھپنے کی طرف اشارہ ہے یعنی یہی وہ مقام ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے کیونکہ مچھلی کا کود کر دریا میں گم ہو جانا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی علامت تھا ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا﴾ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس پلٹ گئے' چنانچہ وہ دونوں اسی راستے میں واپس لوٹ گئے جس میں وہ دونوں آئے تھے ﴿قَصَصًا﴾ قدموں کے نشانات کے پیچھے چلنا یعنی وہ اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''قَصَصْ'' کا معنی ہے: نشان کی پیروی کرنا۔

## حضرت خضر سے ملاقات اور علمِ باطن کی تحصیل کے لیے شرائط کا بیان

٦٥- ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ سو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندے کو پالیا یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو جو اپنے اوپر کپڑا ڈال کر اس کے نیچے سو رہے تھے یا دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ہم نے اس کو اپنے پاس سے خاص رحمت سے نوازا۔ اس رحمت سے وحیٔ الٰہی اور نبوت مراد ہے یا خاص علم یا لمبی زندگی مراد ہے ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اور ہم نے اس کو اپنی طرف سے علم لدنی سکھایا یعنی غیبوں کی خبریں بیان کرنا اور بعض حضرات نے فرمایا: علم لدنی مراد ہے جو بندۂ خدا کو الہام کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾
قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع ۱۱/ ۲۱

موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر سکتا ہوں کہ جو رہنما علم آپ کو سکھایا گیا ہے وہ آپ مجھے سکھا دیں O اس نے فرمایا: بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے O اور آپ اس پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے O موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا O اس نے فرمایا: سو اگر آپ میری پیروی کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کا ذکر آپ سے بیان کر دوں گا O

---

۶۶- ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر سکتا ہوں کہ جو رہنما علم آپ کو سکھایا گیا ہے وہ آپ مجھے سکھا دیں ''اَیْ عِلْمًا ذَا رُشْدٍ اُرْشِدُ بِهٖ فِیْ دِیْنِیْ'' یعنی ایسا رہنمائی کرنے والا علم جس سے میں اپنے دین کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتا رہوں [ابوعمرو کی قراءت میں ''رَشَدًا'' ہے (پہلے دونوں حروف مفتوح ہیں) اور یہ دو لغات ہیں جیسے: ''بَخَلٌ وَ بُخْلٌ'' ہیں] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ علم حاصل کرنا چھوڑ دے اگرچہ وہ علم و فضیلت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو چکا ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے سے بڑے علم والے کے سامنے تواضع اور عاجزی اختیار کرے۔

۶۷- ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ بے شک آپ میرے ساتھ سوال کرنے اور انکار کرنے سے ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' کی ''یا'' پر فتح (یعنی زبر) ہے اور اسی طرح اس کے بعد اس سورت میں ''مَعِیَ'' میں ''یا'' پر فتح ہے]۔

۶۸- ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ اور آپ اس پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے [''خُبْرًا'' تمییز ہے] حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر نہ کر سکنے کی تاکید بیان کی گئی ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ایسے اُمور کے حامل ہیں جو بہ ظاہر بُرے ہیں اور نیک آدمی جب کوئی بُرا کام دیکھتا ہے تو وہ اس پر جزع فزع کیے بغیر اور اس پر احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو بھلا ایک نبی اور پیغمبر کیسے صبر کر سکے گا؟

۶۹- ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صبر کرنے والا پائیں گے (یعنی آپ مجھے کسی کام پر) انکار اور اعتراض کرنے سے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ﴿وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا [یہ جملہ

''صَابِرًا'' پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] یعنی آپ مجھے صبر کرنے والا اور نافرمانی نہ کرنے والا پائیں گے [یا یہ ''سَتَجِدُنِی'' پر معطوف ہے اور اس کے لیے اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں ہے]۔

۷۰۔﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر میری پیروی کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی کام کے متعلق سوال نہ کرنا [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مفتوح اور نون مشدد (یعنی ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّیْ'') ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک لام ساکن اور نون مخفف (یعنی ''فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ'') ہے اور ''یا'' دونوں صورتوں میں متفقہ طور پر ثابت رہے گی] ﴿حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ یہاں تک کہ میں خود اس کا ذکر تجھ سے بیان کر دوں یعنی آپ کے لیے میری پیروی کرنے کی شرط یہ ہے کہ جب آپ مجھ سے کوئی ایسا کام دیکھیں جس کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ صحیح ہے مگر اس کے صحیح ہونے کی حکمت آپ سے پوشیدہ ہو تو آپ اپنے دل میں بُرا منائیں مگر مجھ سے اس کے بارے میں سوال اور اعتراض نہ کرنا اور نہ اس کے بارے میں مجھ سے رجوع کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کی حکمت آپ سے بیان کر دوں اور یہ عالم کے ساتھ متعلم اور متبوع کے ساتھ تابع کے ادب کا تقاضا ہے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے اس میں سوراخ کر دیا' موسیٰ نے فرمایا: کیا آپ نے اس میں اس لیے سوراخ کر دیا تا کہ اس میں سواروں کو غرق کر دیں' بے شک آپ نے بڑا عجیب و خطرناک کام کیا ہے○ خضر نے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ یقیناً ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے○ موسیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے جو بھول ہو گئی ہے اس پر آپ میری گرفت نہ فرمائیں اور آپ میرے کام میں مجھ پر سختی کر کے مجھے مشکل میں نہ ڈالیے○ پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب انہوں نے ایک لڑکے سے ملاقات کی تو خضر نے اس کو قتل کر ڈالا' موسیٰ نے فرمایا: کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا' بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے○

## کشتی میں سوار ہو کر اس میں سوراخ کرنے کا بیان

۷۱۔﴿فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا﴾ پھر جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دریا کے کنارے پر کشتی کی تلاش میں روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہونے لگے تو کشتی میں سوار لوگوں نے کہا: یہ دونوں چور معلوم ہوتے ہیں مگر کشتی کے مالک نے پہچان لیا اور کہنے لگا: میں پیغمبروں کے مبارک چہرے دیکھ رہا ہوں' چنانچہ انہوں نے انہیں بغیر کرایہ وصول کیے کشتی میں سوار کر لیا اور جب کشتی دریا کی عین موج میں پہنچ گئی تو حضرت خضر علیہ السلام

نے کشتی میں موجود کلہاڑا اٹھایا اور کشتی کو چیر دیا اور وہ اس طرح کہ پانی کے نزدیک تختوں میں سے دو تختے اکھیڑ دیئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اپنے کپڑوں سے وہ سوراخ بند کرنا شروع کر دیا پھر ﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپ نے کشتی میں اس لیے سوراخ کر دیا ہے کہ اس میں سوار ہونے والوں کو غرق کر دیں[ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تَا'' کی بجائے ''یَا'' کے ساتھ ''لِیَغْرَقَ اَهْلُهَا'' ہے بہرحال یہ ''غَرَقٌ'' سے ماخوذ ہے ] ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا﴾ بے شک آپ نے بڑا عجیب وغریب اور بڑا خطرناک کام کیا ہے[ یہ ''اَمِرَ الْاَمْرُ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا کام ہو جائے ]۔

۷۲-﴿قَالَ﴾ یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔

۷۳-اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ سوراخ سے کشتی میں پانی داخل نہیں ہوا اور نہ کوئی سوار کشتی سے اترا ہے ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ﴾ تو آپ نے حضرت خضر سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ میرے اس کام پر گرفت نہ فرمائیں جو میں بھول گیا ہوں یا جس چیز کو میں بھول گیا ہوں یا میرے بھولنے پر گرفت نہ فرمایئے' آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں حضرت خضر کی وصیت کو بھول گیا ہوں اور بھول جانے پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی یا بھولنے سے ترک کرنا اور چھوڑنا مراد ہے یعنی آپ اپنی وصیت کے ترک کرنے پر میری گرفت نہ فرمایئے جس کو میں نے پہلی مرتبہ ترک کر دیا ہے ﴿وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ اور آپ میرے کام میں مجھے مشکل میں نہ ڈالیے۔ ''رَهَقَهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے' جب کوئی کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے اور ''اَرْهَقَهٗ اِيَّاهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر نا قابلِ برداشت بوجھ ڈال دے یعنی آپ میرے کام کے بارے میں مجھے سخت ترین مشقت میں نہ ڈالیے اور وہ آپ کا ہر حال میں ان کی پیروی کرنا ہے یعنی آپ اپنی پیروی کی خاطر مجھ پر سختی نہ کیجئے بلکہ آپ روک ٹوک کو ترک کرتے ہوئے چشم پوشی سے کام لے کر مجھ پر اپنی پیروی کو آسان بنائیں۔

## بے گناہ لڑکے کو قتل کرنے کا بیان

۷٤-﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ﴾ پھر وہ دونوں (یعنی حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام) چل پڑے یہاں تک کہ وہ ایک لڑکے سے ملے اور حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت خضر نے اس لڑکے کا سر پکڑ کر دیوار سے دے مارا جس کی وجہ سے وہ مر گیا اور بعض نے فرمایا کہ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر لٹایا' پھر چھری کے ساتھ اس کو ذبح کر ڈالا[ اور ''فَقَتَلَهٗ'' میں ''فَا'' اور ''خَرَقَهَا'' میں بغیر ''فَا'' کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنے کو شرط کے لیے جزاء قرار دیا گیا جب کہ لڑکے کے قتل کو شرط کے اجزاء میں سے قرار دیا گیا ہے کیونکہ ''فَقَتَلَهٗ'' شرط یعنی ''لَقِيَا'' پر معطوف ہے اور اس کی جزاء ''قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا'' کو قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان اس لیے خلاف رکھا گیا ہے کہ کشتی میں سوراخ سوار ہونے کے بعد نہیں کیا گیا (بلکہ سوار ہو جانے کے دوران جب سب سواریاں کشتی میں موجود تھیں اس وقت سوراخ کیا گیا تھا بعد میں نہیں) جب کہ لڑکے کو ملاقات کے بعد قتل کیا گیا تھا] ﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو قتل کر ڈالا ہے؟ [اہل حجاز ابو عمرو کی قراءت میں ''زَاكِيَةً'' ہے] اور ''زَكِيَّةً'' گناہوں سے پاک جان کو کہا جاتا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک یہ لڑکا اس لیے گناہوں سے پاک تھا کہ آپ نے اسے گناہ کرتے نہیں دیکھا تھا یا اس لیے کہ وہ چھوٹا لڑکا تھا' ابھی

جوانی کی حد میں نہیں پہنچا تھا ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ بغیر کسی جان کے بدلے یعنی اس لڑکے نے کسی جان کو قتل نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں اسے قتل کیا جاتا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ نجدہ حروری کو سوال لکھ کر پوچھا گیا کہ لڑکے کا قتل کرنا کیونکر جائز ہوا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اگر تمہیں بچوں کے حالات کا علم حاصل ہو جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عالم (حضرت خضر) بچوں کے حالات جانتے تھے تو پھر تمہارے لیے قتل کرنا جائز ہو جائے گا ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے' [نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں کاف پر ضمہ "نُكُرًا" ہے] اور اس کا معنی ہے بُرا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کشتی میں سوراخ کرنا لڑکے کو قتل کرنے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ ایک جان کو قتل کرنا سواریوں سے بھری کشتی کو غرق کرنے سے تھوڑا بُرا اور کم گناہ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ لڑکے کو قتل کرنا کشتی میں سوراخ کرنے سے زیادہ بُرا اور بڑا گناہ ہے کیونکہ کشتی کے سوراخ کو بند کر کے اس کی تلافی ممکن ہے جب کہ قتل کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ
عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا
حَتّٰٓى إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا
فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ أَنْ يَّنْقَضَّ فَأَقَامَهٗ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝٧٧
قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝٧٨

خضر نے فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے ○ موسیٰ نے فرمایا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا' بے شک میری طرف سے آپ معذرت کی انتہاء کو پہنچ چکے ○ پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچے (اور) اس میں رہنے والے لوگوں سے کھانا مانگا تو انہوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا' سو ان دونوں نے اس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی تو اس (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا' موسیٰ نے فرمایا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے لیتے ○ خضر نے فرمایا: یہ وقت میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا ہے' اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے ○

٧٥- ﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ یقیناً ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے؟ حضرت خضر نے یہاں "لَكَ" کا لفظ زیادہ فرمایا ہے کیونکہ اس قتل میں بُرائی زیادہ ہے۔

٧٦- ﴿قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اس کے بعد یعنی اس مرتبہ یا اس مسئلہ کے بعد کسی چیز کے بارے میں آپ سے سوال کروں ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي عُذْرًا﴾ تو

آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے معذرت کی انتہاء کو پہنچ چکے' لہٰذا میں اپنے اور آپ کے درمیان جدائی کے بارے میں معذرت پیش کرتا ہوں [ نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''لدنی'' میں نون مخفف (یعنی غیر مشدد) ہے ]۔

## بخیلوں کی بستی میں بغیر اجرت گرتی دیوار تعمیر کر دینے کا بیان

۷۷۔﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﴾ پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ یہ انطاکیہ نامی بستی تھی یا پھر ایلہ تھی اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں آسمان سے سب سے زیادہ دور یہی بستی تھی ﴿ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا ﴾ اس بستی میں رہنے والے لوگوں سے انہوں نے کھانا مانگا یعنی مہمان نوازی کا مطالبہ کیا ﴿ فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا ﴾ تو انہوں نے ان کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا یعنی انہوں نے ان کو اپنے پاس ٹھہرانے اور ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ''ضَیَّفَهٗ'' کا معنی ہے کہ فلاں آدمی نے مہمان کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اس کی مہمان نوازی کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس بستی میں رہنے والے لوگ بڑے بخیل تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جن بستیوں میں بخل سے کام لیا جاتا ہے' ان میں سب سے زیادہ بدترین بخیل لوگ اسی بستی کے باشندے تھے ﴿ فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا ﴾ سو ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جس کی لمبائی ایک سو ہاتھ تک تھی ﴿ یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ ﴾ وہ گرنا چاہتی تھی' (یعنی) گرنے کے قریب تھی اور بطور استعارہ ارادہ سے قرب و نزدیک کا معنی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ ارادہ کے لیے ''ھم'' اور عزم مراد لیے جاتے ہیں ﴿ فَاَقَامَهٗ ﴾ تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا یا انہوں نے اپنے ہاتھ سے اسے چھوا تو وہ کھڑی ہو کر سیدھی ہو گئی یا پھر حضرت خضر نے پہلے اسے توڑا اور از سر نو دوبارہ تعمیر کر دیا اور اس وقت کھانا کھانے کے لیے ان دونوں کی اضطراری حالت ہو چکی تھی اور بھوک کی وجہ سے کھانے کی سخت احتیاج تھی اور اس احتیاج نے ان دونوں کو آدمی کی دوسری کمائی پر مجبور کر دیا تھا اور وہ ہے سوال کرنا اور انہوں نے اس بستی میں کسی کو ہمدرد و غم خوار نہ پایا' لہٰذا جب حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوک کی حاجت کے چھونے اور کھانے سے محروم رہنے کی حالت کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے یہاں تک کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ﴿ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴾ فرمایا: اگر آپ چاہتے تو البتہ آپ اس پر مزدوری لے لیتے یعنی آپ اپنے عمل پر اجرت کا مطالبہ کرتے تاکہ اس مزدوری کے ذریعے اپنی ضرورت کو پورا کر لیتے [ ''لَتَخِذْتَ'' میں ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''تا'' مخفف' ''خا'' مکسور اور ذال مدغم ہے جبکہ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ذال میں ادغام کی بجائے اظہار ہے اور امام حفص کی قراءت میں ''تا'' مشدد' ''خا'' مفتوح اور ذال میں اظہار ہے اور باقی قراء کے نزدیک ''تا'' مشدد اور ''خا'' مفتوح اور ذال دوسری تاء میں مدغم ہے اور ''تَخِذَ'' میں ''تا'' اصلی ہے جیسا کہ ''تَبِعَ'' میں تاء اصلی ہے اور ''اِتَّخَذَ'' اسی سے باب افتعال سے ہے جیسا کہ ''اِتَّبَعَ''، ''تَبِعَ'' سے ماخوذ ہے ''تَخِذَ یَتْخَذُ'' کا ''اَخْذٌ'' سے کچھ تعلق نہیں ہے ]۔

۷۸۔﴿ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ یہ تیسرے سوال کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ اعتراض جدائی کا سبب ہے [ اور اصل میں ''هٰذَا فِرَاقٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ'' ہے اور اس طرح بھی پڑھا گیا ہے' پھر مصدر کی ظرف کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسا کہ مفعول بہ کی طرف اضافت کی جاتی ہے ]﴿ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴾ اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

لیکن کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے' سو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھاO اور لیکن رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں ایمان دار تھے' پس ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گاO سو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب انہیں اس سے بہتر پاکیزہ اور رحم دلی کے زیادہ قریب لڑکا عطا فرمائےO

## کشتی میں سوراخ کرنے اور لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا کرنے کی حکمتوں کا بیان

۷۹- ﴿ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ ﴾ لیکن کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو (روزی حاصل کرنے کے لیے) دریا میں کشتی رانی کا کام کرتے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کشتی دس بھائیوں کی تھی جن میں سے پانچ لنگڑے تھے اور پانچ دریا میں کام کرتے تھے ﴿ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا ﴾ سو میں نے چاہا کہ میں اسے عیب دار کر دوں (اور) میں اس کو عیب والا بنا دوں ﴿ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ ﴾ اور ان کے آگے یا ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا اور ان کشتی والوں کا راستہ واپسی میں اس بادشاہ کے پاس سے گزرتا تھا اور ان کو اس کا علم نہیں تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حضرت خضر علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا تھا اور اس بادشاہ کا نام جلندی تھا ﴿ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴾ وہ ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا یعنی وہ ہر صحیح سلامت کشتی جس میں کوئی عیب نہیں ہوتا تھا اس کو زبردستی چھین لیتا تھا اور اگر اس میں کوئی عیب ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتا تھا [اور ''غَصْبًا'' مصدر ہے یا مفعول لہ ہے] اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا'' کشتی کے غصب ہو جانے کے خوف سے مسبب ہے' لہٰذا اس کا حق تو یہ تھا کہ اس کو سبب سے مؤخر ذکر کیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد تاخیر ہی ہے لیکن عنایت و مہربانی کے اظہار کے لیے اس کو مقدم ذکر کر دیا گیا ہے۔

۸۰- ﴿ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ ﴾ اور لیکن لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے اور اس لڑکے کا نام حسین تھا ﴿ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴾ پس ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ وہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی و کفر میں مبتلا کر دے گا (یعنی) ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ اپنے مسلمان والدین کو سرکشی و گمراہی اور کفر میں پھنسا دے گا کیونکہ محبتِ اولاد کی وجہ سے وہ دونوں اس کی نافرمانی و سرکشی اور اس کی بدعملی پر نرم پہلو اختیار کر لیں گے جس کے سبب وہ ان دونوں کو شر و بلا میں مبتلا کر دے گا اور وہ اپنے مکر و فریب سے ان کو سرکش و ظالم بنا دے گا اور اپنی گمراہی سے انہیں بھی گمراہ کر دے گا' چنانچہ وہ دونوں ماں باپ اپنے اس لڑکے کی وجہ سے اسلام سے مرتد ہو جائیں گے اور یہ حضرت خضر علیہ السلام کا کلام ہے اور حضرت خضر کو اس لڑکے کے متعلق یہ خوف اس لیے لاحق ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے حال سے آگاہ فرما دیا تھا' نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے باطنی اور پوشیدہ معاملے پر مطلع فرما دیا تھا اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو ''فَخَشِينَا'' کا معنی ''فَعَلِمْنَا''

ہے یعنی ہمیں معلوم تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو اپنے والدین کے کفر کا سبب بنے گا۔

٨١- ﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ﴾ سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب تعالیٰ ان کو اس کے بدلے میں بہتر اور اچھا لڑکا عطا فرمائے [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ ''یُبَدِّلَ'' (باب تفعیل سے) ہے] ﴿زَکٰوةً﴾ پاکیزہ اور گناہوں سے پاک ﴿وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ اور رحمت و مہربانی کے زیادہ قریب ہو [''زکٰوۃً'' اور ''رُحْمًا'' دونوں تمیز ہیں]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس لڑکے کے مرنے کے بعد اس کے والدین کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے ایک نبی نے شادی کی' جس سے ایک نبی پیدا ہوا' یا پھر اس سے ستر نبی پیدا ہوئے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکے کے بدلے اس کے والدین کو انہیں جیسا نیک ایمان دار بیٹا عطا فرمائے گا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''رَا'' اور ''حا'' دونوں پر پیش (یعنی ''رُحُمًا'') ہے]۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ ع ١٢

اور لیکن رہی دیوار تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان دونوں کا باپ بڑا نیک انسان تھا' سو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں' یہ آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھی' اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیا' یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے O اور یہ لوگ ذوالقرنین کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ اب میں تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناتا ہوں O بے شک ہم نے اس کو زمین میں قدرت بخشی اور ہم نے اس کو ہر چیز کا ساز و سامان عطا فرمایا O پس اس نے منزل مقصود تک پہنچانے والے راستے کی پیروی کی O

٨٢- ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ﴾ اور لیکن دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی' ایک کا نام اُصرم اور دوسرے کا نام صریم تھا ﴿فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ شہر میں۔ اس سے وہی مذکورہ بالا شہر مراد ہے (جس میں دیوار تعمیر کی گئی تھی) ﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ مدفون تھا یعنی سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا کہ مجھے اس پر تعجب ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے' اس کے باوجود غمگین کیسے ہوتا ہے اور مجھے اس پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے' پھر حصول رزق میں محنت و مشقت کیونکر اٹھاتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش کیسے رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے' پھر غافل کیسے رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیا داروں کی بھاگ دوڑ کو پہچانتا ہے اس کے باوجود اس سے کیسے مطمئن رہتا ہے اور اس کے آخر میں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تحریر

تھا یا سونے چاندی کا مدفون مال مراد ہے یا پھر چند صحیفے مراد ہیں جن میں علمی مسائل تحریر تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے پہلے لوگوں کے لیے سونا چاندی حلال تھے اور ہم پر حرام کر دیئے گئے اور مالِ غنیمت پہلے لوگوں پر حرام تھا اور ہمارے لیے حلال کر دیا ﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ اور ان کا باپ نیک انسان تھا' ان لوگوں میں سے تھا جو صرف مجھ سے دوستی کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں کا ساتویں پشت میں دادا تھا اور حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک خارجی (دشمنِ اہل بیت) سے دورانِ گفتگو فرمایا کہ ان دو لڑکوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمائی تھی؟ اس نے کہا: اس لیے کہ ان کا باپ بڑا نیک تھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا باپ اور میرا نانا اس سے بہت بہتر تھے ﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا﴾ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں' یعنی بالغ و سمجھ دار ہو جائیں ﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور وہ اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے پروردگار کی رحمت سے [''رَحْمَةً'' مفعول لہ ہے یا ''اَرَادَ رَبُّكَ'' سے مصدر منصوب ہے کیونکہ یہ ''رَحِمَهُمَا'' کے معنی میں ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر رحم فرمایا] ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے اور نہ میں نے خود سوچ کر اپنے اجتہاد سے کیے بلکہ میں نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیے ہیں [''ہٗ'' ضمیر ''کل'' کی طرف لوٹتی ہے یا صرف ''جدار'' یعنی دیوار کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ تینوں جوابات ﴿تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے [''تَسْطِعْ'' میں دوسری ''تَا'' کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے] اور یہاں ولی کو نبی پر فضیلت دینے کی گمراہی میں کئی قومیں کے قدم پھسل گئے اور یہ کفر جلی ہے جیسا کہ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا حالانکہ وہ تو ولی تھے اور جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور اگر وہ نبی نہیں تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں آزمائش تھی' اس کے علاوہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ بے شک یہ موسیٰ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے حضرت موسیٰ بن عمران نہیں تھے بلکہ موسیٰ بن ماثان تھے اور یہ ناممکن و محال ہے کہ کوئی ولی نبی پر ایمان لائے بغیر ولی بن جائے' پھر بھلا نبی ولی سے کم کیسے ہو سکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر سے علم حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ علم میں اضافہ اور ترقی مطلوب ہوتی ہے اور پہلے جواب میں ''فَأَرَدْتُّ'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا فساد ظاہر ہے اور وہ کشتی میں سوراخ کرنے کا عمل ہے اور تیسرے جواب میں ''فَأَرَادَ رَبُّكَ'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ محض انعام ہے اور انسان کے اختیار میں نہیں ہے اور دوسرے جواب میں ''فَأَرَدْنَا'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ عمل کے اعتبار سے فساد ہے اور اس مقتول لڑکے کے عوض میں اچھا پاکیزہ رحم دل بچہ عطا فرمانے کے اعتبار سے انعام ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ''فَأَرَدْنَا'' کا معنی ہے: ''فَأَرَادَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ'' سو اللہ عزوجل نے چاہا اور اس کی مثال قرآن مجید میں بہت زیادہ موجود ہے۔

## حضرت ذوالقرنین کا بیان

٨٣- ﴿وَيَسْئَلُونَكَ﴾ اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یعنی یہودی بطور امتحان آپ سے سوال کرتے ہیں یا ابوجہل اور اس کی جماعت کے دوسرے ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں ﴿عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ ذوالقرنین کے متعلق۔ اس کا نام سکندر ہے جس نے پوری دنیا پر بادشاہی کی۔ بعض اہل علم نے کہا کہ پوری دنیا پر چار آدمیوں نے بادشاہی کی ہے' دو مسلمان اور دو کافر' چنانچہ مسلمانوں میں سے جن دو آدمیوں نے ساری دنیا پر حکومت کی ہے' وہ یہ ہیں: (١) سلطان سکندر ذوالقرنین

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام' اور کافروں میں سے ایک نمرود' دوسرا بخت نصر ہوا ہے اور یہ نمرود کے بعد ہوا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جناب ذوالقرنین نیک انسان تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو ساری روئے زمین کا بادشاہ بنا دیا اور ان کو علم و حکمت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ نے روشنی اور تاریکی کو اس کے تابع کر دیا تھا اور جب وہ چلتے تو روشنی ان کے آگے رہنمائی کرتی اور تاریکی ان کے پیچھے ان کی حفاظت کرتی اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ تھے لیکن وہ ایک نیک بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت و اطاعت میں اس کی دائیں کنپٹی پر زوردار حملہ کر کے ایسی ضرب لگائی گئی کہ سر پھٹ گیا اور موت واقع ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ فرما دیا' چنانچہ پھر زوردار حملہ کر کے اس کی بائیں کنپٹی پر مارا گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ فرما دیا' اس لیے اس کا نام ذوالقرنین رکھا گیا اور تمہارے اندر اس کی مثال موجود ہے۔ اس سے حضرت علی نے اپنی ذات مراد لی ہے (کیونکہ آپ کے سر مبارک کے دونوں کناروں پر دو زخم آئے تھے جس کی وجہ سے آپ کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا تھا)۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حضرت ذوالقرنین لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف دعوت دیتے تھے جس کی وجہ سے کافروں نے آپ کو قتل کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرما دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سلطان سکندر کا نام ذوالقرنین اس لیے رکھا گیا تھا کہ انہوں نے دنیا کے دونوں کونوں یعنی اس کی دونوں جانبیں مشرق و مغرب کی سیر کی تھی اور بعض نے کہا: ان کے سر پر دو سینگ یعنی بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں' اس لیے ذوالقرنین نام پڑ گیا یا اس لیے کہ ان کی زندگی میں لوگوں کی دو صدیاں گزر گئی تھیں یا اس لیے کہ وہ دو ملک فارس اور روم کے بادشاہ ہوئے تھے یا ترک اور روم کے بادشاہ ہوئے تھے یا ان کے تاج کے نیچے دو سینگ تھے یا اس لیے کہ ان کے سر پر دو سینگوں کے مشابہ کوئی دو چیزیں اُبھری ہوئی تھیں یا وہ ماں باپ کی طرف سے کریم الطرفین تھے اور روم کے رہنے والے تھے ﴿قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْهُ ذِکْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں ابھی ذوالقرنین کا ذکر تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

٨٤- ﴿اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ﴾ بے شک ہم نے اس کو زمین پر قدرت بخشی اور ہم نے اس کے لیے زمین پر عزت و مرتبہ اور غلبہ و سربلندی کو مقرر کر دیا ﴿وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہم نے اس کو ہر چیز عطا فرمائی۔ اس سے اس کے ملک میں اس کے اغراض و مقاصد مراد ہیں ﴿سَبَبًا﴾ ایسا راستہ جو منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

٨٥- ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پس اس نے منزلِ مقصود تک پہنچانے والے راستے کی پیروی کی۔ ''سَبَبٌ'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے مقصود تک پہنچا جائے' خواہ وہ علم و حکمت ہو خواہ وہ قدرت و طاقت یا اقتدار و حکومت ہو' سو اس نے مغرب تک پہنچنے کا ارادہ کیا (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس نے ایسے راستے کی پیروی اختیار کی جو اسے اس کی طرف پہنچا دے یہاں تک کہ وہ پہنچ گیا اور اسی طرح جب مشرق تک پہنچنے کا ارادہ کیا۔ (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس نے اس کی طرف جانے والے راستے کی پیروی اختیار کی اور جب اس نے ''سَدَّیْنِ'' (دو پہاڑوں) تک پہنچنے کا ارادہ کیا (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس کی طرف جانے والے راستے پر روانہ ہو گیا [اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (تینوں جگہ میں) ''فَاَتْبَعَ. ثُمَّ اَتْبَعَ'' (ہمزہ قطعی اور ''تا'' ساکن باب افعال سے) ہے اور باقی (اہل حجاز اور اہل بصرہ) کی قراءت میں ''فَاتَّبَعَ. ثُمَّ اتَّبَعَ'' (ہمزہ وصل ''تا'' مشدد کے ساتھ باب افتعال سے) ہے۔ امام اصمعی سے منقول ہے کہ ''اَتْبَعَ'' کا معنی ''لَحِقَ'' (پیچھے آ کر مل گیا) ہے اور ''اِتَّبَعَ'' کا معنی ''اِقْتَفٰی'' ہے (یعنی پیچھے چلتا رہا) اور اگرچہ نہ مل سکا ہو]۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬
قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ
نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا
فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ۝۸۸ؕ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۹ حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝۹۰ۙ

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو اسے سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا اور اس کے پاس ایک قوم کو پایا' ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! یا تو انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ نیکی کرو (تمہیں اختیار ہے) O اس نے کہا: لیکن جس نے ظلم کیا ہے اسے ہم عنقریب سزا دیں گے' پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت عذاب دے گا O لیکن جو ایمان لایا اور نیک کام کیا تو اس کے لیے بہترین بدلا ہوگا اور ہم اسے اپنا آسان حکم بجالانے کا کہیں گے O پھر وہ ایک اور منزل کے راستہ پر روانہ ہوا O یہاں تک کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جس کے لیے ہم نے اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں کیا O

٨٦- ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا یعنی مغرب کی طرف آبادی کے انتہائی آخری مقام تک پہنچ گئے اور اسی طرح طلوعِ آفتاب (مشرق) کے انتہائی آخری مقام تک پہنچے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ذوالقرنین کی سیاحت کا آغاز یوں ہوا کہ اس نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں کوئی ایک شخص آبِ حیات کے چشمے سے پیئے گا' پھر ہمیشہ زندہ رہے گا' چنانچہ ذوالقرنین نے آبِ حیات کی تلاش میں سیر و سیاحت شروع کی اور اس کے وزیر اور خالہ زاد بھائی حضرت خضر علیہ السلام بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھے اور وہ آبِ حیات پینے میں کامیاب ہو گئے اور ذوالقرنین کامیاب نہیں ہو سکا تھا ﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ﴾ اس نے سورج کو ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا۔ ''حَمِئَةٍ'' کا معنی ہے: سیاہ مٹی۔ یہ ''حَمِئَتِ الْبِئْرُ'' سے ماخوذ ہے' جس کا مطلب ہے: کنویں کے پانی میں سیاہ گارا غالب آ گیا [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''حَامِیَةٍ'' ہے جس کا معنی ہے: گرم]۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اونٹ پر سوار تھا کہ آپ نے سورج کو غروب ہوتے وقت دیکھا اور فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں ڈوبتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رحیم و کریم رسول بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: ''تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ'' کہ وہ گرم چشمہ میں غروب ہوتا ہے[1]

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضرت امیر معاویہ کے پاس موجود تھے اور امیر معاویہ نے ''حَامِیَةٍ''

[1] رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲

[2] الدرالمنثور ج ۵ ص ۴۴۴-۴۴۸

پڑھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''حَمِئَةٍ'' ہے' چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: تم اس کو کیسے پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جیسے امیر المؤمنین (امیر معاویہ) پڑھتے ہیں' پھر وہ حضرت کعب احبار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سورج کو غروب ہوتے وقت کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: پانی اور مٹی میں (یعنی سیاہ گارا میں) ہم اسے تورات میں اسی طرح پاتے ہیں' سو یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے موافق ہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ وہ چشمہ دونوں صفات کا اکٹھے جامع ہو (یعنی وہ چشمہ سیاہ کیچڑ بھی ہو اور گرم بھی ہو) ﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ اور ذوالقرنین نے اس چشمہ کے پاس ایک ایسی قوم پائی جو کپڑوں سے عاری تھی اور وہ لوگ شکاری جانوروں کے چمڑوں کو بطورِ لباس پہنتے تھے اور ان کی خوراک دریا کی مچھلیاں تھی اور وہ لوگ کافر تھے ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! یا تو سزا دو اور یا ان میں بھلائی کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر حضرت ذوالقرنین نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی نازل فرمائی ورنہ ان کے نبی کی طرف وحی نازل فرمائی اور اس نے ان کو یہ بات بتائی اور حکم دیا کہ اس طرح کرو یا بذریعہ الہام آپ کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کو قتل کے ساتھ سزا دیں بشرطیکہ وہ لوگ کفر پر اصرار کریں اور چاہیں تو ان کو احترام کے ساتھ رکھیں اور ان کے ساتھ نیکی کریں اور انہیں دین کے احکام کی تعلیم دیں اگر وہ ایمان لائیں یا عذاب دینے سے مراد انہیں قتل کرنا اور نیکی اپنانے سے ان کو صرف قیدی بنانا ہے کیونکہ قیدی بنانا قتل کے اعتبار سے احسان و نیکی کرنا ہے۔

٨٧- ﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ اس نے کہا (یعنی) ذوالقرنین نے کہا کہ جس نے ظلم کیا (اور توبہ نہ کی) تو ہم عنقریب اسے سخت ترین سزا دیں گے (یعنی) ہم اسے قتل کر دیں گے ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾ پھر وہ قیامت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت ترین سزا دے گا' یعنی جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی اور اس نے انکار کر دیا اور ظلم عظیم پر قائم رہا اور وہ شرک ہے تو ایسے ہر شخص کو دنیا میں اور آخرت میں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

٨٨- ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے یعنی جن اعمال کا ایمان تقاضا کرتا ہے ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى﴾ تو اس کے لیے نیک عمل پر بھلائی ہوگی اور وہ کلمۂ شہادت ہے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''جَزَآءً ِالْحُسْنٰى'' ہے] یعنی نیک عمل پر اس کو بہترین بدلا ملے گا ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾ اور ہم اپنے ہر حکم میں اس کے لیے آسانی فرمائیں گے یعنی آسان حکم دیں گے یعنی ہم اس کو مشقت والا مشکل حکم نہیں دیں گے بلکہ ہم اسے آسان ترین حکم دیں گے جیسے زکوٰۃ' صدقات اور عُشر وغیرہ۔

٨٩'٩٠- ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ﴾ پھر وہ ایک اور منزل کے راستے پر روانہ ہوا۝ یہاں تک کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو اس نے سورج کو ایک قوم پر طلوع ہوتے پایا اور وہ قوم ننگی تھی ﴿لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ہم نے ان کے لیے سورج کے سامنے کوئی پردہ یعنی عمارتیں نہیں بنائیں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی زمین اس قدر نرم ہے کہ اس پر مکانات نہیں بنائے جاسکتے۔ انہوں نے زمین کی گہرائی میں تہ خانے اور غار بنائے ہوئے تھے' چنانچہ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ لوگ ان تہ خانوں اور غاروں میں داخل ہو جاتے' پھر جب سورج بلند ہو جاتا تو وہ اپنے سامانِ زندگی کی طرف نکل جاتے یا ''ستر'' سے لباس مراد ہے۔ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سوڈان کے جو لوگ سورج کے طلوع ہوتے وقت لباس نہیں پہنتے وہ تمام روئے زمین کے لوگوں سے زیادہ ہیں۔

كَذٰلِكَ ۗ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ
السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ
اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ
تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

اسی طرح تھا' اور اس کے پاس جو کچھ تھا ہم نے علم کی بناء پر اس کا یقیناً احاطہ کیا ہوا ہے O پھر اس نے ایک اور منزل کی جانب راستہ کی پیروی کی O یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے دروں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان دروں کے آگے ایک ایسی قوم کو پایا' جو کوئی بات نہیں سمجھتے تھے O انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج ماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے اس شرط پر خاطر خواہ اجرت مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط موٹی دیوار تعمیر کر دیں O اس نے کہا: میرے پروردگار نے جو اختیارات مجھے عطا فرمائے ہیں وہ بہتر ہیں' سو تم میری جسمانی قوت سے مدد کرو تا کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں O

٩١- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ ذوالقرنین کا معاملہ اسی طرح ہے یعنی جس طرح ہم نے اس کو بیان کیا ہے کہ اس کا مرتبہ بہت بلند ہے ﴿ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ ﴾ لشکر' آلات اور بادشاہی کے اسباب میں سے جو کچھ اس کے پاس تھا' اس سب کا ہم نے احاطہ کیا ہوا ہے ﴿ خُبْرًا ﴾ [مصدر کی بناء پر منصوب ہے] کیونکہ "اَحَطْنَا" بہ معنی "خَبَرْنَا" ہے کہ ہمیں سب کچھ معلوم ہے یا یہ معنی ہے کہ ذوالقرنین سورج طلوع ہونے کے مقام پر اسی طرح پہنچے جس طرح سورج غروب ہونے کے مقام تک پہنچے تھے یا یہ معنی ہے کہ سورج جس قوم پر طلوع ہوتا ہے وہ بھی اسی قوم کی طرح ہے جس پر سورج غروب ہوتا ہے' یعنی بے شک وہ بھی انہیں لوگوں کی طرح کافر تھے اور ان کا حکم بھی انہیں کے حکم کی مانند ہے کہ جو ان میں سے کفر پر اڑے رہیں گے ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا اور جو ان میں سے ایمان لے آئیں گے' ان کے ساتھ احسان کیا جائے گا اور ان کو نیک بدلا دیا جائے گا۔

٩٢'٩٣- ﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا O حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ﴾ پھر وہ ایک اور منزل کی جانب راستے کی پیروی کرتا ہوا چل پڑا O یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے دروں کے درمیان پہنچا' اور وہ بہت بڑے دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان میں جناب ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار ہے اور یہ دو پہاڑی مقام سرزمین ترک کے اختتام پر متصل مشرق کی جانب ہیں [ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور امام حفص کی قراءت میں "سَدَّيْنِ" اور "سَدًّا" (اگلی آیت میں) ہیں کہ دونوں میں سین مفتوح ہے جب کہ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "سُدَّيْنِ" اور "سُدًّا" ہیں کہ دونوں میں سین مضموم ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک یہ کہا گیا ہے کہ جو دیوار قدرتی طور پر "خِلْقَةً" تیار کی گئی ہو اس میں سین مضموم ہوگی اور جو دیوار انسانوں نے تعمیر کی ہو اس میں سین مفتوح ہوگی اور "بَيْنَ"، "بَلَغَ" کا مفعول بہ واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے' جیسا کہ "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ" میں اضافت کی بناء پر مجرور ہے اور جیسا کہ "لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ" (الانعام:٩٤) میں بعض قراءتوں میں مرفوع ہے کیونکہ یہ ان ظروف

میں سے ہے جو بطورِ اسم بھی استعمال ہوتے ہیں اور بطورِ ظرف بھی استعمال ہوتے ہیں] ﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا﴾ اس نے ان دو پہاڑوں کے آگے ایک قوم کو پایا اور وہ ترک قوم تھی ﴿لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ وہ لوگ کوئی بات نہیں سمجھتے تھے یعنی وہ لوگ بڑی محنت و مشقت کے بعد اشاروں وغیرہ سے بات کو بڑی مشکل سے سمجھتے تھے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یُفْقِهُوْنَ'' (باب افعال سے) ہے یعنی وہ لوگ اپنی بات سننے والے کو نہیں سمجھا سکتے تھے اور نہ اس کے سامنے اپنی بات کو واضح بیان کر سکتے تھے کیونکہ ان کی زبان عجیب وغریب اور مجہول و نا معلوم تھی]۔

٩٤۔ ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ﴾ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج (زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) [یہ دونوں عجمی نام ہیں جس کی دلیل ان کا غیر منصرف ہونا ہے اور ان دونوں پر ہمزہ فقط امام عاصم کی قراءت میں ہے] اور یہ دونوں قومیں یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یا پھر یاجوج ترک سے تعلق رکھتے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے تعلق رکھتے ہیں ﴿مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ زمین پر فساد پھیلاتے ہیں' بعض حضرات نے کہا کہ یہ لوگ بعض اوقات انسانوں کو بھی کھا جاتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ موسمِ بہار کے دنوں میں یہ لوگ اپنے علاقے سے نکل کر ان دو پہاڑوں کے درمیان سے گزر کر سبز کھیتوں کو کھا جاتے اور خشک کو اٹھا کر لے جاتے تھے اور اس قوم کی پشت سے پیدا ہونے والے مرد حضرات ایک ہزار سال زندگی گزار کر مرتے تھے اور یہ سب کے سب مسلح ہوتے تھے اور بعض نے کہا: یہ لوگ دو قسم کے تھے' کچھ لوگ تو انتہائی زیادہ لمبے ہوتے تھے اور کچھ لوگ بہت زیادہ چھوٹے ہوتے تھے ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا﴾ تو کیا ہم آپ کے لیے اجرت مقرر کر دیں یعنی ہم سب لوگ اپنے اپنے مالوں میں سے مال نکالیں گے اور اسے جمع کر کے تعمیرِ دیوار کی مزدوری میں آپ کو دیں گے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''خَرَاجًا'' اور ''نَوْلًا'' نیز ''خَرَاجًا'' اور ''نَوَالًا'' ایک چیز ہیں (عطیہ اور بخشش کا مال)] ﴿عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ اس بناء پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بڑی اور مضبوط دیوار تعمیر کر دیں۔

٩٥۔ ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ اس نے کہا کہ مجھے میرے پروردگار نے جو اختیارات عطا فرمائے ہیں وہ بہتر ہیں یعنی میرے پروردگار نے کثرتِ مال اور خوشحالی کی وجہ سے مجھے جو عزت و مرتبہ عطا فرما کر معزز و محترم بنایا ہے وہ تمہارے اس مال و متاع اور اس اجرت سے بہتر ہے جو تم مجھ پر خرچ کرو گے' پس مجھے تمہارے مال و متاع کی کوئی حاجت نہیں ہے [''مَكَّنِّيْ'' ادغام کے ساتھ ہے جب کہ ابن کثیر کی قراءت میں بغیر ادغام کے ''مَكَّنَنِيْ'' ہے] ﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ پس تم جسمانی قوت (یعنی) کام' عمل' آلات و اسباب' سامان اور ایسے کاریگروں کے ذریعے میری مدد کرو جو تعمیراتی کام بہترین کر سکتے ہوں ﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ تا کہ میں تمہارے اور ان (یاجوج و ماجوج قوموں) کے درمیان ایک مضبوط اور موٹی دیوار بنا دوں۔ ''رَدْمًا'' کا معنی اونچی اور مضبوط دیوار یا بہت بلند اور مضبوط قلعہ ہے جو زبردست رکاوٹ بن جائے اور ''رَدْمٌ'' ''سَدٌّ'' (یعنی پہاڑ یا ڈیم) سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

تم میرے پاس لوہے کی چادریں لے کرآ ؤ' یہاں تک کہ جب اس نے دیوار کو دونوں پہاڑوں کے درمیان (کے خلاء کو پُر کر کے) برابر کر دیا تو کہا کہ تم (ان چادروں میں آگ کو) پھونکو یہاں تک کہ جب اس (لوہے) کو آگ (کی طرح سرخ) بنا دیا' تو کہا کہ تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے کرآ ؤ کہ میں اس پر انڈیل دوں O پھر وہ اس پر نہ چڑھ سکے اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے O اس نے کہا کہ یہ میرے رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے' پھر جب میرے رب تعالیٰ کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا' اور میرے رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے O اور ہم اس دن انہیں ایک دوسرے پر موجیں مارتا ہوا چھوڑ دیں گے اور صور میں پھونکا جائے گا' پھر ہم ان سب کو جمع کریں گے O

٩٦- ﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ تم میرے پاس لوہے کی چادریں اور اس کے تختے لے کرآ ؤ۔ ''زُبَر'' کا معنی ہے: بڑے بڑے ٹکڑے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ذوالقرنین نے پہلے زمین میں گہری بنیاد کھدوائی' جب وہ پانی تک پہنچ گئی تو اس میں پتھر اور پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا اور مضبوط بنیاد پر لوہے کی چادریں اور تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر دیا گیا' یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کی بلندی کے برابر اونچی دیوار قائم ہوگئی' پھر آگ لگا کر دھونکیوں سے پھونکا گیا یہاں تک کہ جب وہ آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو گرم گرم لوہے پر پگھلا ہوا تانبا انڈیل دیا گیا' اس طرح سب چیزیں ایک دوسرے سے آپس میں جُڑ گئیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہوگئیں اور ایک بلند چٹان کی طرح مضبوط اور ہموار دیوار قائم ہوگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک سو فرسخ کا فاصلہ تھا ﴿حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ یہاں تک کہ جب وہ دیوار دونوں کناروں کے درمیان اونچائی میں پہاڑوں کے برابر ہوگئی [''صَدَفَيْنِ'' صاد اور دال مفتوح کے معنی ہیں: دونوں پہاڑوں کے کنارے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے سامنے یعنی ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''صُدُفَيْنِ'' صاد اور دال مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''صُدْفَيْنِ'' صاد مضموم اور دال ساکن کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿قَالَ انْفُخُوْا﴾ یعنی حضرت ذوالقرنین نے تمام کام کرنے والے عملہ سے فرمایا کہ تم اس لوہے کی چادروں کے درمیان پھونکو اور دھونکو ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ یہاں تک کہ جب حضرت ذوالقرنین نے لوہے سے دھونکی گئی چادروں کو آگ بنا دیا یعنی آگ کی طرح سرخ کر دیا ﴿قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ جناب ذوالقرنین نے کام کرنے والے عملہ سے فرمایا کہ تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ میں اس گرم ترین لوہے پر انڈیل دوں۔ ''قِطْرًا'' کا معنی ہے: پگھلا ہوا تانبا کیونکہ پگھلا ہوا تانبا قطروں کی صورت میں بہتا ہے' اس لیے پگھلے ہوئے تانبے کو''قِطْرًا'' کہا گیا ہے [اور یہ''اُفْرِغْ'' کی وجہ سے منصوب ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اٰتُوْنِيْ قِطْرًا اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا'' پھر پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا''قِطْرًا'' اس پر دلالت کرتا ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں الف وصل کے ساتھ ''اِئْتُوْنِيْ'' ہے اور جب اس سے ابتداء کی گئی تو الف کو کسرہ (زیر) دی گئی یعنی ''جِيْئُوْنِيْ'' میرے پاس لاؤ]۔

٩٧- ﴿فَمَا اسْطَاعُوْۤا﴾ [اس میں ''تَا'' کو تخفیف کے لیے گرا دیا گیا ہے کیونکہ ''تَا''، ''طَا'' کے قریب المخرج ہے] ان کے لیے ناممکن ہے ﴿اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ کہ وہ (یاجوج اور ماجوج) اس تعمیر کردہ دیوار پر چڑھ سکیں ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

جن کی آنکھیں ہماری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ کچھ بھی نہیں سن سکتے تھےO سو کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنالیں گے' بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہےO (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ ناقص ہیںO یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام کوشش دنیا ہی کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ یقیناً نیک کام کر رہے ہیںO

١٠١- ﴿ اِلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں میرے ذکر اور میری یاد سے محروم غلیظ و دبیز پردوں میں مستور تھیں یعنی ان کی آنکھیں میری اُن آیات کو دیکھنے سے پردے میں مستور تھیں جن کو غور سے دیکھا جانا چاہیے تھا یا قرآن سے' سو اس کے احکام کو بڑے ادب سے یاد کرنا چاہیے یا قرآن اور اس کے معانی میں غور وفکر کرنے سے ﴿ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴾ اور وہ سن نہیں سکتے تھے' یعنی وہ اس سے بہرے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر تھے کیونکہ بہرا آدمی تبھی سن سکتا ہے جب اس کے پاس چیخ کر آواز نکالی جائے اور ان کافروں کے کان ایسے سخت بہرے ہیں کہ حق کے بارے میں کچھ نہیں سن سکتے۔

## کفار کی غلط فہمی اور انجام بد کا بیان

١٠٢- ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ تو کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے' یعنی کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کا میرے بندوں یعنی فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کارساز و مددگار بنالینا ان کو نفع دے گا' انہوں نے بہت بُرا گمان کر رکھا ہے [اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''اَنْ'' اپنے صلہ کے ساتھ مل کر ''اَفَحَسِبَ'' کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ''عِبَادِيْ' اَوْلِيَآءَ'' ''اَنْ يَّتَّخِذُوْا'' کے مفعول ہیں اور یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے] یعنی بے شک یہ بندگانِ خدا ان کافروں کی کارسازی نہیں فرمائیں گے (کیونکہ اولیاء اللہ کی نفع رسانی صرف اہل اسلام کے لیے ہوگی اور وہ بھی باذن اللہ ہوگی) ﴿ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴾ بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔ ''نُزُل'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو آنے والے مہمان کی مہمانی کے لیے تیار کی جائے' یہ صرف کافروں کا مذاق اڑانے کے لیے کہا گیا ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (آل عمران:٢١) ''سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے''۔

١٠٣- ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے زیادہ کن کن لوگوں کے اعمال ناقص ہیں اور یہ اہل کتاب ہیں یا ان کے مشائخ مراد ہیں [''اَعْمَالًا'' تمیز ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمیز مفرد ہوتی' لیکن یہاں جمع اس لیے ہے کہ خواہشات مختلف ہوتی ہیں]۔

١٠٤- ﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور برباد ہوگئی [اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هُمُ الَّذِيْنَ''] ﴿ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ نیک کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کیا' سو ان کے اعمال برباد ہو گئے' پس ہم قیامت میں ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے O یہ ان کا بدلا دوزخ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ وہاں سے تبادلہ نہیں چاہیں گے O (اے محبوب!) فرما دیجئے: اگر تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائیں تو البتہ تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے اختتام سے پہلے ختم ہو جائیں گے O

۱۰۵- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کیا' پس ان کے اعمال برباد ہو گئے' سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے وزن قائم نہیں کریں گے' سو ان کے لیے ہمارے ہاں کوئی وزن اور مقدار نہیں ہو گی۔

۱۰۶- ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ یہ ان کا بدلا دوزخ ہے ["جَهَنَّمُ"، "جَزَآؤُهُمْ" کا عطف بیان ہے] ﴿بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا' یعنی دوزخ ان کا بدلا بننے کا سبب ان کا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانا ہے۔

## نیک مسلمانوں کی نجات' شانِ کلماتِ الٰہی اور بشریت نبوی کا بیان

۱۰۷'۱۰۸- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' وہ وہاں سے تبادلہ نہیں چاہیں گے' یعنی بہشت کو چھوڑ کر اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ منتقل ہونا پسند نہیں کریں گے بلکہ انہیں جو کچھ عطا کیا جائے گا' اس پر راضی رہیں گے جیسا کہ کہا جاتا ہے: "حَالَ مِنْ مَّكَانِهٖ حِوَلًا" کہ فلاں آدمی اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا ہے' یعنی جنتی کو مزید کسی چیز کی تمنا اور خواہش نہیں رہے گی تا کہ ان کے دل اپنی اغراض و مقاصد اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے ان سے جھگڑا کریں کیونکہ جنت میں جنتیوں کے تمام اغراض و مقاصد اور تمام آرزوئیں پوری کر دی جائیں گی اور یہ انتہائی وصف ہے کیونکہ دنیا میں انسان کتنی ہی نعمتوں میں عیش کر رہا ہو لیکن پھر بھی اس سے بہتر کی تمنا قائم رہتی ہے اور اس سے بہتر کی طرف مائل رہتا ہے یا پھر تحول (پھرنے) کی نفی سے مراد جنت میں ہمیشہ رہنے کی تاکید ہے۔

۱۰۹- ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام سمندر یعنی تمام سمندروں کا پانی

میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ "مـداد" اسے کہا جاتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے (سیاہی) "اَلْبَحْرُ" سے جنس بحر مراد ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے کلمات لکھے جائیں اور اس کے لیے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ البتہ میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے تمام سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی اور اگر چہ اس کی مثل یعنی تمام سمندروں کی سیاہی کی مثل اور سیاہی لے آئیں تو پھر بھی تمام سمندر اپنی سیاہیوں سمیت ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوں گے ["مَدَدًا" تمیز ہے جیسے "لِیْ مِثْلُهٗ رَجُلًا" ہے "مدد" بھی "مداد" کی مانند ہے یعنی سیاہی۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "یَنْفَدُ" ہے] اور بعض نے کہا کہ حیی بن اخطب نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں ہے: "وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا" (البقرہ:۲٦۹) "اور جس کو حکمت و دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی"۔ پھر تم پڑھتے ہو: "وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" (الاسراء:۸۵) "اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا"۔ چنانچہ اس کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی یعنی بے شک یہ حکمت و دانائی بہت بڑی بھلائی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا
لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲ ۲

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف صورتِ بشری میں تمہاری طرح انسان ہوں میری طرف تو وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے سو جو شخص اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو پس وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے O

۱۱۰۔ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف صورتِ بشری میں تمہاری طرح انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود ایک معبود ہے[1] ﴿فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ سو جو شخص اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے (یعنی) جو شخص اپنے پروردگار سے اچھی

---

[1] واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سید البشر ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صفتِ بشریت کے ساتھ متصف تھے لیکن ان کی بشریت دیگر انسانوں کے مقابلے میں بے مثل و بے مثال اور ممتاز و منفرد ہوتی تھی، اس لیے یہاں چند مسائل قابلِ غور ہیں جن کی وضاحت بہت ضروری ہے:

(ا) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ بہ شمول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا بے ادبی و گستاخی اور کفار کا طریقہ ہے۔

(ب) حضور سید عالم ﷺ کا اس آیت مبارکہ میں اپنے آپ کو مثلِ بشر فرمانے کی حکمتیں۔

(ج) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے "مِنْكُمْ" کی بجائے "مِثْلُكُمْ" فرمانے کی حکمتیں۔

(ا) دراصل کفار بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے تھے اس لیے کہ وہ انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر مقامِ نبوت سے کم تر عام انسانوں جیسا انہیں ثابت کرنا چاہتے تھے اور ان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ چونکہ نبوت اعلیٰ ترین منصب ہے لہٰذا نبی کو بشر کی بجائے فرشتہ بنا کر بھیجنا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ O" (الانعام:۹) "اور اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے تو البتہ ہم اسے مرد ہی بناتے اور ہم ضرور ان پر وہی شبہ رہنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے رضاء وخوشنودی اور مقبول ملاقات کرنا چاہتا ہے یا جو شخص اپنے رب تعالیٰ کی بُری ملاقات سے ڈرتا ہو (وہ نیک عمل کرے اور شرک سے بچے) اور ''لِقَآء'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لِقَآء'' سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے اور لفظ ''لِقَآء'' کا حقیقی معنی بھی زیارت و دیدار کرنا ہے اور ''رِجَآء'' اس اعتبار سے اپنی حقیقت پر مبنی ہوگا ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ پس وہ نیک اور خالص عمل کرے اور وہ اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کسی اور کی رضا کا ارادہ نہ کرے اور نہ اس میں کسی اور کو شامل کرے۔ حضرت یحییٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دیتے جس میں وہ اب مبتلا ہیں O'' یعنی اگر ہم نبی کو فرشتہ بنا کر بھیجنا چاہتے تو پھر اس کو بھی صفت بشریت کے ساتھ متصف کر کے انسانوں کا ہم جنس و ہم صورت بنا کر بھیجتے تا کہ بنی نوع انسان جو محض بشر ہیں وہ نبی کی تعلیمات وسیرت سے استفادہ کر سکیں اور اس کا کلام سن سکیں اور اس سے فیض حاصل کر سکیں اور یہ تب ہو سکتا ہے جب نبی صفت بشریت کے ساتھ متصف ہو کر دنیا میں تشریف لائے اور بشری تقاضے جیسے کھانا پینا' سونا جاگنا' شادی بیاہ' رشتے ناطے' کاروبار' خرید وفروخت' لین دین غرضیکہ تمام معاشی اور معاشرتی معاملات وغیرہ سرانجام دے تا کہ ان پر عمل کرنے کے لیے امت کے پاس نبی کی زندگی مشعلِ راہ اور مثالی نمونہ بن سکے' لہٰذا نبی کا افادہ اور امت کا استفادہ کرنا دونوں کے ہم جنس ہونے پر موقوف ہے خواہ نبی نورانی مخلوق ہی کیوں نہ ہو جیسے ہمارے رسولِ عربی اور اگر فرشتوں کو نبی بنایا جاتا تو وہ انسانوں کے ہم جنس مرد ہی ہوتے (نیز حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل مکمل انسان بن کر تشریف لائے تھے) یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں انسانوں کی طرف نبی ورسول صفتِ بشریت کے ساتھ متصف ہو کر بھیجے گئے لیکن انبیائے کرام کی بشریت امت کی بشریت سے افضل واعلیٰ ہوتی ہے کیونکہ ان کی بشریت نبوت وامامت اور خلافت ووحی اور دیگر اعلیٰ صفات کی وجہ سے عام انسانوں کی بشریت سے ممتاز ومنفرد ہوتی ہے' اس لیے انبیائے کرام خصوصاً نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو بعینہٖ اپنے جیسا بشر کہنا اور سمجھنا گستاخی و بے ادبی اور کفار کا طریقہ ہے' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا: ''مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا'' (ھود:٢٧) ''ہم تمہیں صرف اپنے جیسا بشر خیال کرتے ہیں''۔

شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہا: ''قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ O'' (الحجر:٣٣) ''اس نے کہا: مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سیاہ کیچڑ کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہےO''

ثمود کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا:

''اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ O'' (القمر:٢٤) ''کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک بشر کی پیروی کریں تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور جنون میں ہوں گےO''

حضرت ھود یا حضرت صالح علیہما السلام کے بارے میں ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ''مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ Oوَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ O'' (المؤمنون:٣٣-٣٤) ''یہ تو نہیں مگر تمہارے جیسا بشر ہے' یہ بھی اسی میں سے کھاتا ہے' جس سے تم کھاتے ہو اور اسی سے پیتا ہے جو تم پیتے ہوO اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت اختیار کر لی تب تو یقیناً تم ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گےO''

جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون اور اس کی قوم کو حق کی دعوت دی: ''فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ O'' (المؤمنون:٤٧) ''تو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلامی کرنے والی ہےO''

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خالص نیک عمل وہ ہوتا ہے جس کے کرنے پر شرمندہ نہ ہونا پڑے ﴿وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اس میں شرک کی نفی ہے یا ریا اور دکھاوے کی نفی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِتَّقُوْا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ'' تم چھوٹے شرک سے بچو۔ ''قَالُوْا وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ'' صحابہ کرام نے پوچھا کہ چھوٹا شرک کون سا ہے؟ ''قَالَ اَلرِّيَا'' حضور نے فرمایا: ریا اور دکھاوا۔ حضور سیّد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کفارِ مکہ نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان میں کہا: ''وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ''O'' (الانبیاء:٣) ''اور ظالموں نے سرگوشی کرتے ہوئے آہستہ سے کہا: یہ تو صرف تمہارے جیسے بشر ہیں تو کیا تم دیکھ بھال کر جادو کے پاس جاتے ہو O''

فائدہ: اس آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علانیہ اور کھلم کھلا اپنے جیسا بشر کہتے ہوئے شرماتے تھے اور حیاء کرتے تھے حالانکہ حضور نے انہیں سے فرمایا: ''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' لیکن صد افسوس ان اسلام کے دعویٰ داروں پر جو قرآن مجید میں آپ کے بہترین بیان کردہ القابات کو چھوڑ کر علانیہ بڑے بڑے اجتماعات میں بڑے فخر سے آپ کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى.

(٢) حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کی طرف سے ''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' فرمانے کے متعلق مفسرین کرام نے چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(ا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لیے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے فرمایا تا کہ خداداد کمالات پر تکبر پیدا نہ ہو سکے۔

(ب) شرک کا سدّ باب کرنے کے لیے آپ نے ایسا فرمایا کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات دیکھے کہ حضرت عیسیٰ پیدائشی اندھوں کو بینا اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کر دیتے تھے اور مٹی کی مورتیوں میں پھونک کر اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو بے شمار معجزات دکھائے' لٰہذا یہ امکان تھا کہ کوئی امتی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے دیتا' چنانچہ حضور نے اپنی امت پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی بے مثال بشریت (جس کی وضاحت نمبر ٣ میں آ رہی ہے) کا اعلان فرما کر ہمیشہ کے لیے شرک کا دروازہ بند کر دیا' نیز ''یُوْحٰۤى اِلَيَّ'' فرما کر خداداد اعزاز کا اعلان فرما دیا تا کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ حضور صاحب وحی بشر ہیں' عام انسانوں کی طرح محض بشر نہیں ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ٦ ص ٧٦' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر خازن جزء ٣ ص ٢٢٨' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' تفسیر مجمع البیان جزء ١٦ ص ٤٩٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' تفسیر معالم التنزیل المعروف بہ تفسیر بغوی ج ٣ ص ١٨٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر کبیر ج ٥ ص ٥١٦' مطبوعہ بیروت)

(ج) علامہ سید محمود آلوسی اس آیت مبارکہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''مِّثْلُكُمْ'' میں لوگوں کے ساتھ آپ کی جہت مشترک کی طرف اشارہ ہے اور ''یُوْحٰۤى اِلَيَّ'' میں آپ کی جہت ممتاز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر آپ عام انسانوں کی مثل صرف بشریت کی صفت کے ساتھ متصف ہوتے اور صاحب وحی (یعنی نبی و رسول) نہ ہوتے تو آپ لوگوں کو فیض نہ پہنچا سکتے اور اگر فرشتوں کی طرح محض نور صاحب وحی (پیغمبر) ہوتے تو لوگ آپ سے فیض حاصل نہ کر سکتے۔ (تفسیر روح المعانی جزء ١٦ ص ٥٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(د) ''تفسیر فتح المنان'' کے حاشیہ میں فائدہ کے تحت علامہ حقانی لکھتے ہیں:

''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ'' محض الوہیت و عبودیت کے امتیاز کے لیے ہے یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں الوہیت کا کوئی حصہ نہیں' اس سے کمالاتِ نبوت کی نفی نہیں' پھر اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو اور انسانوں جیسا معمولی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورۂ کہف پڑھے گا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر ان آٹھ دنوں میں دجّال کا خروج ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انسان خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ منہ

(تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی ج ۳' ناشر نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

(۵) غور طلب بات یہ ہے کہ مماثلت کس چیز میں ہے؟ مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی' کمالاتِ علمی ہوں یا عملی' عادات و خصائل' روحِ پُرنور بلکہ جسم عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں' پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے کون سی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے؟ یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ "اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ" وہ بھی ایک خدائے واحدہٗ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو' اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۶۰' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

(۳) حضور نبی اکرم ﷺ کے "مِنكُمْ" کی بجائے "مِّثْلُكُمْ" فرمانے کی حکمتیں:

(ا) اس آیت مبارکہ میں "مِنكُمْ" کی بجائے "مِّثْلُكُمْ" اس لیے فرمایا گیا کہ مثل کسی چیز کا عین نہیں ہوتا کیونکہ مثل کا لفظ عموماً تشبیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور "مُشَبَّه" (جس کی تشبیہ دی گئی ہے) اور "مُشَبَّه بِهٖ" (جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے) آپس میں صرف بعض صفات میں مشترک ہوتے ہیں' جیسے "زَيْدٌ كَالْاَسَدِ" کہ زید شیر کی طرح ہے یعنی شجاعت و بہادری اور قوت و زور میں زید شیر کی طرح ہے ورنہ شیر تو حیوان مفترس یعنی شکار کرنے والا درندہ جانور ہے جب کہ زید حیوان ناطق یعنی عقل و ادراک رکھنے والا زبان دان انسان ہے' اس لیے یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں' اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ بالکل ہمارے مساوی ہیں اور نہ ہم انسان بالکل بعینہٖ حضور کے مساوی ہیں بلکہ بعض عدمی صفات میں اشتراک ہے اور وہ یہ ہیں کہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خالق ہیں نہ ہم خالق ہیں اور نہ حضور الٰہ ہیں نہ ہم الٰہ ہیں اور نہ حضور مستحقِ عبادت ہیں نہ ہم مستحقِ عبادت ہیں اور نہ حضور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام و افعال میں شریک ہیں نہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام و افعال میں شریک ہیں کیونکہ ہم سب کا خالق والٰہ اور مستحقِ عبادت' نیز ہر قسم کے شرک سے منزہ و مبراء صرف اللہ تعالیٰ ہے' ہم سب اس کی مخلوق اور اس کے عابد ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الخلق اور خیر العباد' خیر البشر اور سیّد البشر ہیں۔ بعض مفسرین کرام نے بیان کیا کہ کفار آپ پر زبان طعن دراز کرتے اور کہتے تھے کہ آپ ہماری طرح کھاتے ہیں اور ہماری طرح پیتے ہیں اور ہماری طرح بازار میں چلتے پھرتے کاروبار کرتے ہیں' پھر نبوت کے دعویدار بھی ہیں اس لیے حضور کو حکم دیا گیا کہ اے محبوب! کفار سے فرما دیجئے کہ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح انسان ہوں تا کہ تمام بشری تقاضے ادا کر کے تمہارے لیے بہترین اور مثالی نمونہ چھوڑ جاؤں' نیز بعض مفسرین کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کلمات کی وسعت و کثرت کو غیر محدود بیان کیا گیا اور اس آیت مبارکہ میں حضور کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں کہ جس طرح تم اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے' اسی طرح میں بھی یہ دعویدار نہیں ہوں کہ میں تمام کلماتِ الٰہی کا احاطہ کر سکتا ہوں' میری طرف تو کلماتِ الٰہی کی وحی کی جاتی ہے جن میں سے ایک کلمہ یہ ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' بہر حال "مِّثْلُكُمْ" فرما کر بعض عدمی صفات میں تشبیہ دی گئی اور من کل الوجوہ یعنی مکمل مساوات کی نفی کی گئی ہے کیونکہ تمام ثبوتی صفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلیٰ و افضل اور بے مثل و بے مثال ہیں۔

"تفسیر المستقین" میں لکھا ہے کہ آیت میں "مِّثْلُكُمْ" ہے نہ کہ "مِنكُمْ" اور مثل کسی چیز کا عین نہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جو شخص سورۂ کہف کی آخری آیت: ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' آخر تک بستر پر لیٹتے وقت پڑھے گا تو اس کے بستر سے لے کر مکہ مکرمہ تک نور ہی نور چمکتا رہتا ہے' اس کے نور کے علاوہ فرشتے اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوا کرتا' قرآن مجید میں لفظ مثل اکثر مقامات پر استعمال ہوا ہے' مثلاً: (ا) ''قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ'' (المائدہ:٣١) ''قابیل نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی مثل ہونے سے بھی عاجز ہو گیا ہوں''۔ اس آیت میں کوے کی مثل کہا گیا ہے تو کیا قابیل بالکل کوا تھا' اسی طرح اس کی چونچ' کالے پر وغیرہ تھے۔ (٢) ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا'' (الجمعہ:٥) ''ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا' پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال جیسی ہے جو پشت پر کتابیں اُٹھائے''۔ اس (آیت) میں تورات کے علم کو نہ اٹھانے والوں کو گدھے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ نہ تو گدھے کی جنس میں سے بن گئے تھے نہ گدھوں کی طرح ان کے کان اور جسم' نہ وہ رینکا کرتے تھے۔ (٣) ''فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ'' (الاعراف:١٧٦) ''سو اس کی مثال کتے جیسی ہے''۔ اس (آیت) میں بلعم باعور کو کتے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ انسان تھا وغیرہ وغیرہ' پس جب انسان کو کوے' گدھے اور کتے وغیرہ کی مثل کہنے سے وہ کوا' گدھا اور کتا نہیں بن جاتا تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ فرمائیں کہ میں انسانوں کی مثل ہوں تو انہیں عام انسانوں جیسا کیوں سمجھ لیا جاتا ہے' یہاں بھی وہی قانون لاگو کیوں نہیں ہوتا کہ آپ تھے تو نور لیکن مثلِ بشر تھے۔ حیرت ہے کہ حضرت مریم کے پاس حضرت جبرئیل مثل بشر بن کر آئے: ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' (مریم:١٧) ''سو جبرئیل اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا''۔ تو لوگ کہتے ہیں: فرشتہ تھا بشر نہ تھا' صرف شکل بشری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے جو مثلِ بشر تھے تو قبول کر لیتے ہیں کہ ہاں! واقعی وہ تھے فرشتے لیکن شکل وصورت میں بشر تھے' لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجسم نور تھے اور اس پر آیات قرآنی بھی پڑھتے ہیں کہ ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' (المائدہ:١٥) ''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آ گیا ہے''۔ تو کہتے ہیں: ہم نہیں مانتے۔ جس طرح فرشتے اگر اپنی اصلی شکل میں آئیں تو یہ مادی لوگ انہیں دیکھ نہیں سکتے' اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجسم نور تھے اور نور غیر مرئی ہوتا ہے یعنی دکھلائی نہیں دیتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مثلِ بشر بنا کر بھیجا تا کہ مرئی ہوں' لوگ انہیں دیکھ سکیں' یہی وجہ ہے کہ آپ کے بدن مبارک کا سایا نہیں تھا کیونکہ نور کا سایا نہیں ہوتا۔ (حاشیہ قرآن الموسوم تفسیر المتقین ص ٣٩٤-٣٩٥' مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی' لاہور)

(ب) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بنی نوع انسان صرف بشر ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور بھی ہیں اور بشر بھی ہیں تو پھر مکمل مساوات کیسی بلکہ سب سے پہلے آپ کی تخلیق نور سے ہوئی تھی' اس وقت نہ بشر تھا نہ بشریت تھی' نہ آدم تھے نہ آدمیت تھی' پھر آپ کے نور کو لباسِ بشریت میں ملبوس کر کے مولود کیا گیا' اس سے بشریت آپ کی صفت ہے حقیقت نہیں' چنانچہ علامۃ الشیخ امام محمد مہدی فاسی ایک روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''يَا اَبَا بَكْرٍ وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَمْ يَعْلَمْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ'' یعنی اے ابوبکر! مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے! میرے رب کے سوا میری حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ١٢٩' مطبوعہ مکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی' لائلپور (فیصل آباد)

چنانچہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کیا: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ'' حضور! آپ کو خلعتِ نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' مجھے اس وقت شرفِ نبوت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں اپنے بستر پر لیٹتے وقت اس کو پڑھ لے گا تو اس کے بستر سے لے کر (ساتویں آسمان میں) بیت المعمور تک نور ہی نور ہو گا' اس کے علاوہ فرشتے اس کے لیے رحمت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مشرف کیا گیا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم۔(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ صَحَّحَہٗ وَقَالَ اِنَّہٗ حَسَنٌ غَرِیْبٌ) نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔اب خود ہی فیصلہ فرمایئے جو موصوف اپنی صفتِ نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا' اس کی حقیقت کیا تھی۔ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے: "کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ" اور "کُنْتُ نَبِیًّا وَّلَا اٰدَمَ وَلَا مَآءَ وَلَا طِیْنَ' لَا اَصْلَ لَھُمَا" کہ ان دونوں حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔
علامہ خفاجی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں' اس لیے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیقِ آدم سے پہلے علمِ الٰہی میں نبی تھا کیونکہ اس میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہ ہو گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اور اسی وقت خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا اور ملأ اعلیٰ (یعنی فرشتوں) کو اس حقیقت پر آگاہ کر دیا۔"بَلْ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ رُوْحَہٗ قَبْلَ سَائِرِ الْاَرْوَاحِ وَخَلَعَ عَلَیْھَا خِلْعَۃَ التَّشْرِیْفِ بِالنُّبُوَّۃِ اِعْلَامًا لِلْمَلَاِ الْاَعْلٰی" چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے: "یُسَبِّحُ ذٰلِکَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بِتَسْبِیْحِہٖ" کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔

ابن قطان نے اپنی کتاب "الاحکام" میں (علامہ یوسف نبہانی نے "انوار المحمدیہ" میں اور علامہ قسطلانی نے "المواہب اللدنیہ" میں) حضرت امام علی زین العابدین سے' انہوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین سے' انہوں نے ان کے جدِ امجد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وُجُوْھَھُمْ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے: "قَالَ کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ" یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا (چودہ ہزار سال کم از کم مدت ہے زیادہ کی نفی مراد نہیں)۔اس حدیث کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں۔ان کا علم وفہم اور تقویٰ کسی کی توثیق کا محتاج نہیں' البتہ ابن قطان کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں: "اَلْحَافِظُ النَّاقِدُ اَبُو الْحَسَنِ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الْمَلِکِ الْحِمْیَرِیُّ کَانَ مِنْ اَبْصَرِ النَّاسِ بِصَنَاعَۃِ الْحَدِیْثِ وَاَحْفَظِھِمْ لِاَسْمَآءِ رِجَالِہٖ وَاَشَدِّھِمْ عِنَایَۃً فِی الرِّوَایَۃِ مَعْرُوْفًا بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ"۔(زرقانی علی المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۴۸)

یہ حافظ اور نقادِ حدیث تھے' ان کا نام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک حمیری ہے۔فنِ حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی اور وہ اسمائے رجال کے حافظ تھے' روایت میں وہ انتہاء درجہ کی احتیاط برتا کرتے' وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے۔

حضرت جابر نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا: "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ" (رواہ عبدالرزاق بسندہٖ) یعنی حضرت جابر نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں' مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کون سی چیز پیدا کی؟ حضور نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ بستر سے اٹھ جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی نے ''نشر الطیب'' میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی ذات والا صفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم وابراہیم بلکہ عرش وکرسی سے بھی بہت پہلے حضور کی دیگر صفات کی طرح نبوت و بشریت حضور ﷺ کی صفتیں ہیں۔ اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقتِ محمدیہ ﷺ کہا جاتا ہے اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ حقیقۃ الحقائق ہے'' وَ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ سُمِّيَ الْمُصْطَفٰى بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَبَابِ الْاَرْوَاحِ ''۔ (زرقانی) یعنی اسی وجہ سے حضور کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باب کہا جاتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۷۔۵۹)

(ج) ''مَثُلَ يَمْثُلُ مَثَالَةً'' (باب ''كَرُمَ يَكْرُمُ'') اس کا ایک معنی فضیلت والا ہونا بھی ہے۔ (المنجد ص ۹۴۶ ' مطبوعہ دار الاشاعت ' کراچی) اب آیت مبارکہ میں '' مِثْل '' کا معنی فضیلت والا ہونا بھی ہوسکتا ہے یعنی اے محبوب! فرمادیجئے کہ بے شک میں تم سب سے زیادہ فضیلت والا انسان ہوں اور تم میں سب سے بہتر ہوں (کیونکہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں نبی ورسول ہوں اور تم میری امت ہو لہٰذا تم میری اطاعت کرو اور میرا کہا مانو کہ تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے۔

چنانچہ امام لغت علامہ ابن منظور لغت کی مشہور ومعروف کتاب ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں کہ ابومنصور نے کہا کہ اہل عرب کے قول ''اَلْمَرِيْضُ الْيَوْمَ اَمْثَلُ'' کا معنی ہے: آج مریض پہلے سے بہت بہتر ہے۔ یہاں ''اَمْثَلُ'' کا معنی بہت بہتر ہے' نیز عرب کا مقولہ ہے: ''هُوَ اَمْثَلُ مِنْ قَوْمِهٖ اَیْ اَفْضَلُ مِنْ قَوْمِهٖ'' یعنی وہ اپنی قوم میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا اور سب سے افضل و بہتر ہے' پھر اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''وَفِي الْحَدِيْثِ: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ اَیْ الْاَشْرَفُ فَالْاَشْرَفُ وَالْاَعْلٰى فَالْاَعْلٰى فِي الرُّتْبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ يُقَالُ هٰذَا اَمْثَلُ مِنْ هٰذَا اَیْ اَفْضَلُ وَاَدْنٰى اِلَى الْخَيْرِ وَاَمَاثِلُ النَّاسِ خِيَارُهُمْ. وَفِي حَدِيْثِ التَّرَاوِيْحِ قَالَ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ اَیْ اَوْلٰى وَاَصْوَبُ'' اور حدیث میں ہے کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم السلام کی ہوتی ہے' پھر اس کے بعد دیگر لوگوں میں سے جو مرتبہ ومنزلت اور درجہ میں زیادہ فضیلت والا بزرگ وبرتر اور افضل واعلیٰ ہوتا ہے اس کی زیادہ سخت آزمائش ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں آدمی سے ''اَمْثَل'' ہے یعنی یہ اس سے افضل واعلیٰ ہے اور یہ خیر وبرکت کے زیادہ قریب ہے اور ''اَمَاثِلُ النَّاسِ'' کا معنی ہے: ''خِيَارُهُمْ'' یعنی دیگر لوگوں سے بہتر وافضل افراد اور تراویح کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کی امامت میں جمع کردوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا یعنی سب سے بہتر واچھا اور سب سے زیادہ درست طریقہ ہوگا۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۳۔۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بہر حال اس معنی کی بناء پر ثابت ہوگیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف یہ کہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ سب سے افضل واعلیٰ اور بے مثل و بے مثال ہیں' یہی وجہ ہے کہ ''صحیح بخاری'' میں چھ روایات اور ''صحیح مسلم'' میں سات روایات بیان کی گئی ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مثلیت کی نفی فرمائی ہے' چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں حضور نے فرمایا: ''اِنِّيْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ'' بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں' نیز ''صحیح مسلم'' میں یہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ کی روایت میں مذکور ہیں' حضرت انس کی دوسری روایت ''صحیح بخاری'' میں ہے' اس میں ہے: ''لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ'' حضور نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر کی دوسری روایت میں اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے: ''اِنِّيْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ'' بے شک میں تمہاری مثل بشر نہیں ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(١٩) سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ٩٨ رکوعاتہا ٦

سورۂ مریم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O — اس کی اٹھانوے آیات' چھ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ
شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

کھیعص O یہ آپ کے پروردگار کا اپنے (مقبول) بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے O جب اس نے اپنے پروردگار کو پست آواز میں پکارا O عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور بڑھاپے کے باعث سر سفید ہو کر چمکنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا O اور بے شک میں اپنے بعد رشتہ داروں کے متعلق ڈرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے' پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک ایسا وارث عطا فرما O جو میرے علم کا وارث بنے اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے' اور اے میرے پروردگار! تو اس کو پسندیدہ بنا O اے زکریا! بے شک ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا O

## حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ

١۔ ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴾ امام سُدّی نے فرمایا: یہ حروف اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اس سورت کا نام ہے [علی کسائی اور یحییٰ کی قراءت میں ''ھا'' اور ''یا'' کے نیچے کسرہ (یعنی زیر) ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں فتح اور کسرہ کے بین بین (یعنی دونوں کی درمیانی حالت میں) اور فتح کے زیادہ قریب پڑھا جاتا ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں ''ھا'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر فتح پڑھنا منقول ہے جب کہ حمزہ کی قراءت میں اس کے برعکس ہے اور ان سب کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک دونوں پر فتح (یعنی زبر) پڑھا جاتا ہے]۔

٢۔ ﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴾ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے' جو اس نے اپنے مخصوص بندے حضرت زکریا پر نازل فرمائی [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے: ''اَیْ هٰذَا ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ'' یعنی یہ آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے اور ''عَبْدَهٗ''، ''رحمت'' کا مفعول ہے اور ''زکریا''، ''عَبْدَهٗ'' سے بدل ہے۔ حمزہ' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں زکریا الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے' اس میں ہے: ''اَیُّکُمْ مِثْلِیْ'' تم میں سے میری مثل کون ہے؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری ج١ ص ٢٦٣ تا ٢٦٤ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارتِ کتب' کراچی' نیز صحیح مسلم ج١ ص ٣٥١ تا ٣٥٢ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارتِ کتب' کراچی) غوثوی

٣۔﴿إِذْ﴾ یہ ''رَحْمَتِ'' کا ظرف ہے یعنی (حضرت زکریا پر اس رحمتِ الٰہی کا اس وقت نزول ہوا) جب ﴿نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾ حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے آہستہ اور ہلکی آواز سے دعا کی' یعنی انہوں نے خفیہ طریقے پر دعا مانگی جیسا کہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی دعا دکھاوے سے دور ہوتی ہے اور خلوص کے زیادہ قریب ہوتی ہے یا حضرت زکریا نے اپنے رب سے اس لیے مخفی اور آہستہ دعا کی تھی تا کہ اس بڑھاپے کے زمانے میں اولاد طلب کرنے پر آپ کو ملامت نہ کیا جائے کیونکہ جب آپ نے یہ دعا کی تھی' اس وقت آپ کی عمر مبارک پچھتر (٧٥) سال یا اسّی (٨٠) سال تھی۔

٤۔﴿قَالَ رَبِّ﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہاں سے دعا کی تفسیر و تفصیل بیان کی جارہی ہے [اور ''رَبِّ'' اصل میں ''یَا رَبِّیْ'' تھا' پھر حرفِ ندا اور مضاف الیہ دونوں کو اختصار کے پیشِ نظر حذف کر دیا گیا] ﴿إِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ ''وَهَنَ'' بہ معنیٰ ''ضَعُفَ'' ہے یعنی ضعیف و کمزور' اور ہڈیوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ پورے جسم کے لیے ستونوں کی طرح ہوتی ہیں اور یہ ہڈیاں بدن کا قوام اور اس کی اصل بنیاد ہوتی ہیں' جن پر بدن کا پورا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور جب اصل سبب کمزور ہوگیا تو پورے جسم کی قوت و طاقت جاتی رہی اور اس لیے کہ بدن میں ہڈی ایک ایسا عضو ہے جو سب سے زیادہ سخت اور مضبوط ہوتا ہے' جب وہی کمزور ہوگیا تو اس کے علاوہ باقی تمام اعضاء بہ طریق اولیٰ کمزور و نحیف ہوگئے اور ''عَظْمٌ'' کو واحد اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جنس کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے یہی جنس مراد ہے جو بدن کا ستون اور اس کا قوام ہے اور جسم جن اعضاء سے مرکب ہے ان میں یہی ہڈی مضبوط ترین عضو ہوتا ہے جو بڑھاپے کے باعث کمزور ہو چکا ہے ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا﴾ اور میرا سر بڑھاپے کے سبب چمکنے لگا ہے [''شَیْبًا'' تمیز ہے] یعنی میرے سر میں بڑھاپا ظاہر ہو چکا ہے اور جب آگ اپنی لپٹوں میں منتشر ہو جاتی ہے اور ایک بڑا شعلہ بن جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ''وَاشْتَعَلَ النَّارُ'' اور آگ نے شعلہ مارا۔ اس جملے میں بڑھاپے کی سفیدی اور بالوں میں اس کے پھیل جانے کو آگ کے شعلوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں اور تم اس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام نہیں دیکھو گے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اصل کلام ''یَا رَبِّ قَدْ شِخْتُ'' ہے؟ اے میرے پروردگار! بے شک میں بوڑھا ہو چکا ہوں کیونکہ بڑھاپا بدن کی کمزوری اور سر کی سفیدی دونوں پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ دونوں کو لاحق ہوتا ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''ضَعُفَ بَدَنِیْ وَشَابَ رَأْسِیْ'' ہے یعنی میرا بدن کمزور ہوگیا ہے اور میرا سر سفید ہو چکا ہے کیونکہ اس میں تفصیل کے لیے زائد تقریر ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے یعنی میرے بدن کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں کیونکہ اس میں تصریح سے کنایہ کی طرف عدول ہے' پس یہ کلام پہلے سے زیادہ بلیغ ہے اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''أَنَا وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام: ''إِنِّیْ وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''إِنِّیْ وَهَنَتْ الْعِظَامُ مِنْ بَدَنِیْ'' ہے کیونکہ اس میں اجمال اور تفصیل دونوں طریقوں کا بیان ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام: ''إِنِّیْ وَهَنَتِ الْعِظَامُ مِنِّیْ'' ہے کیونکہ اس میں بدن کا واسطہ ترک کر دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''إِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ'' ہے اس لیے کہ اس صورت میں ہڈیوں کا کمزور ہونا ہر فرد کو شامل ہے [اس اعتبار پر کہ افراد کی طرف ''عظم'' کی جمع کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ جمع کی صورت میں بعض افراد کے مجموعی طور پر کمزور ہونے پر جمع کا اطلاق صحیح ہو جاتا' ہر ہر فرد کا کمزور ہونا ثابت نہ ہوتا' اس لیے ''شَابَ رَأْسِیْ'' میں زیادہ بلیغ کی طرف حقیقت کو ترک کر دیا گیا ہے اور وہ استعارہ ہے' پس اس سے ''إِشْتَعَلَ شَیْبُ رَأْسِیْ'' کہ میرے سر کا بڑھاپا چمکنے لگا' حاصل ہوگیا اور اس سے زیادہ بلیغ کلام: ''إِشْتَعَلَ رَأْسِیْ شَیْبًا'' ہے' میرا سر بڑھانے کے باعث چمکنے لگا' کیونکہ اس

میں اشتعال کا اسناد بالوں کے مکان اور اُگنے کی جگہ کی طرف کیا گیا ہے اور وہ سر ہے اس لیے کہ اس میں سر کے بڑھاپے کے شمول کا افادہ ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ مِنِّیْ شَیْبًا'' ہے' جیسا ابھی گزرا ہے ( کہ اس میں بھی اشتعال کا اسناد بالوں کے مکان یعنی ''رأس'' کی طرف ہے ) اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا'' ہے کیونکہ اس میں مخاطب کے علم پر اکتفا ہے کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سر مبارک ہے اس لیے کہ اس کا ''وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ'' پر عطف قرینہ ہے ﴿ وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ﴾ اور اے پروردگار! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی محروم و بدبخت نہیں رہا [ ''بِدُعَآئِكَ'' میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے' اصل میں ''بِدُعَآئِیْ اِیَّاكَ'' ہے ] یعنی میں آج سے پہلے مستجاب الدعوت رہا ہوں' میں ہر دعا میں کامیاب رہا ہوں' کسی دعا میں محروم و بدبخت نہیں رہا۔ ''سَعِدَ فُلَانٌ بِحَاجَتِهٖ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی حاجت میں کامیاب و کامران ہو جاتا ہے اور ''شَقِیَ فُلَانٌ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص ناکام و نامراد ہو جاتا ہے اور اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ کسی ضرورت مند سائل نے اپنے ایک محسن سے اپنی ایک حاجت کے لیے سوال کیا اور کہا کہ میں وہی محتاج شخص ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت احسان فرمایا تھا' اس نے کہا: شاباش بہت خوب' تم نے خود مجھے وسیلہ بنالیا اور اس نے اس سائل کی حاجت پوری کر دی۔

٥۔ ﴿ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ ﴾ اور بے شک مجھے رشتہ داروں کا خطرہ ہے۔ ''مَوَالِیَ'' سے عصبہ مراد ہیں ( یعنی باپ کی جانب سے رشتہ دار مراد ہیں اور اس سے ) اس کے بھائی اور اس کے چچا کے بیٹے مراد ہیں جو بنی اسرائیل میں بدترین لوگ تھے' چنانچہ انہیں خوف لاحق ہوا کہ یہ لوگ دینِ حق کو بدل دیں گے اور ان کی امت پر نظامِ خلافت کو اچھی طرح کماحقہٗ نافذ نہیں کریں گے' اس لیے اپنے بعد دینِ حق کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اپنا حقیقی اور نیک بیٹا طلب کیا تا کہ دینِ حق کو زندہ اور قائم رکھنے میں اس بیٹے کی اقتداء و پیروی اختیار کی جائے ﴿ مِنْ وَّرَآءِیْ ﴾ میری وفات کے بعد [ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''هُدَایَ'' کی طرف الف مقصورہ اور ''یا'' مفتوحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ ظرف مکان ''خِفْتُ'' کے متعلق نہیں ہے کیونکہ حضرت زکریا کے خوف کا آپ کی موت کے بعد پایا جانا ناممکن ہے لیکن اس کا متعلق محذوف ہے ] یا ''موالی'' میں ولایت و اقتدار کا معنی مراد ہے یعنی مجھے رشتہ داروں کے فعل کا خطرہ ہے اور اس سے ان کا میرے بعد دینِ حق کو تبدیل کرنا اور ان کی بُری جانشینی مراد ہے یا مجھے ان لوگوں سے خطرہ ہے جو میرے بعد جانشین بن کر اس کا حق ادا نہیں کریں گے ﴿ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا ﴾ اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے' وہ اولاد کے قابل نہیں رہی ﴿ فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴾ پس تو بغیر کسی سبب کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے مجھے ایک وارث و جانشین عطا فرما کیونکہ میں اور میری بیوی اولاد کی صلاحیت نہیں رکھتے' اس لیے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک ایسا بیٹا عطا فرما جو میرے بعد تیرے مشن کو سنبھال سکے۔

٦۔ ﴿ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ﴾ وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے گا [ یہ دونوں فعل مرفوع ''وَلِیًّا'' کی صفت ہیں ] یعنی مجھے ایک ایسا لڑکا عطا فرما جو میرے علم کا اور آلِ یعقوب کی نبوت کا وارث بن جائے اور نبوت کی وراثت کا معنی یہ ہے کہ میرا ہونے والا بیٹا اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کی طرف وحی کی جائے اور حضرت یعقوب کا یہ مقصد نہیں تھا کہ محض نبوت وراثت میں عطا کی جاتی ہے [ ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں فعل مجزوم ہیں' اس بناء پر کہ یہ دعا کا جواب ہے' نیز ''وَرِثْتُهٗ'' اور ''وَرِثْتُ مِنْهُ'' دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں اور ''آل'' سے حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق علیہما السلام کی اولاد مراد ہے ] ﴿ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴾ اور اے میرے پروردگار! تو اس کو پسندیدہ بنا جسے تو پسند کرے اور

اس سے راضی رہے یا وہ تجھ سے اور تیرے ہر حکم سے راضی رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا:

٧- ﴿ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰی ﴾ اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام خود تجویز فرما کر ان کی عزت وکرامت او فضیلت کو بڑھا دیا[ قاری حمزہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "نَبْشُرُکَ" ہے ]﴿ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴾ ہم نے اس سے پہلے ان کا ہم نام نہیں بنایا یعنی اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "سَمِیًّا" حال کی جگہ پر واقع ہونا زیادہ مناسب ہے ]اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "سَمِیًّا" بہ معنیٰ "مَثَلًا" اور "شَبِیْهًا" ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت یحییٰ جیسا کوئی نہیں ہوا۔ ایک تو اس بات میں کہ انہوں نے کبھی نافرمانی نہیں کی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے کبھی کسی نافرمانی کا ارادہ تک نہیں کیا اور تیسرا یہ کہ آپ ایک بوڑھے مرد اور ایک بوڑھی عورت سے پیدا ہوئے تھے اور چوتھا یہ کہ آپ قوتِ مردانگی کے باوجود ہمیشہ عورتوں سے دور رہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴿٨﴾ قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿١١﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ﴿١٢﴾

عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ میری عورت بانجھ ہو چکی ہے اور بے شک میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں O فرمایا: اسی طرح ہوگا' آپ کے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور بے شک میں تجھے اس سے پہلے پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ نہیں تھے O عرض کی: اے میرے پروردگار! تو میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا: تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو صحیح سلامت ہو کر بھی لوگوں سے تین (دن) رات بات نہیں کر سکے گا O پھر وہ عبادت گاہ سے اپنی قوم کے پاس باہر نکلے تو انہیں اشارہ فرمایا کہ تم صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو O اے یحییٰ! تم کتاب کو مضبوطی سے لے لو' اور ہم نے حکمت وفہم انہیں بچپن میں ہی عطا فرما دیا تھا O

٨- جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری سنائی تو ﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ﴾ حضرت زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ "اَنّٰی" بہ معنیٰ "کَیْفَ" ہے' حضرت زکریا نے یہ سوال قدرتِ کاملہ الٰہیہ سے انکار کے لیے نہیں کیا' بلکہ یہ جاننے کے لیے سوال کیا تھا کہ لڑکا تو قدرتِ الٰہی سے ہو گا لیکن کس طریقہ پر ہوگا؟ آیا انہیں اسی حالت میں بیٹا عطا کیا جائے گا کہ وہ خود اور ان کی بیوی اسی بڑھاپے کی حالت پر رہیں گے یا انہیں بڑھاپے کی حالت سے تبدیل کر کے جوان بنا دیا جائے گا ﴿ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴾ اور میری عورت بانجھ ہو چکی ہے اور بے شک میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں' یعنی میں بہت بوڑھا ہو چکا

ہوں اور ''عِتِیٌّ'' کا معنی سوکھ جانا ہے جیسے خشک لکڑی اور بڑھاپے کی وجہ سے جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی کا پیدا ہو جانا اور انتہائی بڑھاپے میں داخل ہو جانا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''عِتِیًّا'' اور ''صِلِیًّا'' (مریم:٧٠) اور ''جِثِیًّا'' (مریم:٦٨) اور ''بُکِیًّا'' (مریم:٥٨) تمام کے شروع میں کسرہ (زیر) ہے اور قاری حفص کی قراءت میں ''بُکِیًّا'' کے علاوہ باقی کے شروع میں کسرہ ہے]۔

٩- ﴿قَالَ كَذٰلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح ہوگا [''كَذٰلِكَ'' میں کاف محلاً مرفوع ہے] یعنی لڑکے کی پیدائش کا معاملہ اسی طرح (بڑھاپے کی حالت میں) ہوگا' یہ کلام حضرت زکریا کی تصدیق کے لیے ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام کا آغاز کیا ﴿قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ﴾ تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے [یا پھر ''كَذٰلِكَ'' میں کاف اپنے سے پہلے ''قَالَ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''ذٰلِكَ'' سے مبہم کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر ''هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ'' کر رہا ہے] یعنی حضرت یحییٰ کا دونوں بوڑھے ماں باپ سے پیدا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا﴾ اور بے شک میں نے تجھے یحییٰ سے پہلے پیدا کیا تھا جب کہ تم کچھ نہیں تھے کیونکہ معدوم چیز کچھ نہیں ہوتی [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''خَلَقْنَاكَ'' ہے]۔

١٠- ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو میرے لیے کوئی ایسی علامت اور نشانی مقرر فرما دے جس کے ذریعے میں اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کو معلوم کرلوں ﴿قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لیے علامت یہ ہے کہ تم صحیح سلامت ہو کر تین (دن) رات گفتگو نہیں کرسکو گے [''سَوِیًّا''، ''تُكَلِّمَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اس حال میں کہ تمہارے تمام اعضاء اور زبان سلامت ہوں گے' مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے علامت یہ ہے کہ بات چیت کرنے سے رُک جاؤ گے اور تم گفتگو نہیں کرسکو گے حالانکہ تمہارے تمام اعضاء صحیح سلامت ہوں گے' نہ تم گونگے ہوگے اور نہ تم بہرے ہوگے اور یہاں راتوں کا ذکر اور سورت آل عمران میں دنوں کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ گفتگو اور کلام سے رُکے رہنا مسلسل تین دن اور تین راتوں تک رہے گا کیونکہ دنوں کا ذکر اپنے مقابل راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے اور اسی طرح راتوں کا ذکر اپنے مقابل کے دنوں کو بھی عرف عام میں شامل ہوتا ہے۔

١١- ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ پھر حضرت زکریا اپنی عبادت گاہ یعنی اپنی نماز کی جگہ سے اپنی قوم کی طرف باہر تشریف لائے اور تمام قوم آپ کا انتظار کر رہی تھی اور آپ ان سے کلام نہ کرسکے ﴿فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا﴾ تو آپ نے اپنی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم تسبیح بیان کرو یعنی تم صبح و شام فجر اور عصر کی نمازیں ادا کرو۔

## حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ

١٢- ﴿یٰیَحْیٰی﴾ یعنی ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے ان کی ولادت کے بعد اور خطاب کے وقت ان سے فرمایا: اے یحییٰ! ﴿خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ یہ کتاب یعنی تورات شریف مضبوطی کے ساتھ لے لیجئے [''بِقُوَّةٍ'' حال واقع ہو رہا ہے] یعنی بڑی جدوجہد اور توفیق ایزدی اور تائید خداوندی کے ساتھ اس کتاب کو لے لیں ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا﴾ اور ہم نے اس کو بچپن میں حکمت و دانائی عطا فرمادی اور اس سے تورات شریف کی فہم و فراست اور دین میں سمجھ بوجھ مراد ہے [''صَبِیًّا'' حال ہے] بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ایک دفعہ بچوں نے کھیلنے کودنے کے لیے بلایا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ہم کھیلنے کودنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾
وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ
مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫
فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ
إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

اور اپنی طرف سے شفقت و پاکیزگی (عطا فرمادی)' اور وہ بڑے پرہیز گار تھے O اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے اور وہ سرکش و نافرمان نہیں تھے O اور اس پر سلامتی ہو اس کی ولادت باسعادت کے دن اور جس دن وہ وفات پائیں گے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے O اور (اے محبوب!) اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے' جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی مکان میں چلی گئی O پھر اس نے ان کے سامنے سے پردہ بنالیا' تو ہم نے اس کی طرف اپنے روح (الامین جبریل) کو بھیجا' سو وہ اس کے پاس ایک تندرست آدمی کی شکل میں آیا O اس نے کہا: اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں O

١٣- ﴿وَّحَنَانًا﴾ حضرت یحیٰی علیہ السلام اپنے والدین اور ان کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں پر نہایت شفقت و مہربانی فرمانے والے تھے [یہ "اَلْحُكْمَ" پر معطوف ہے] ﴿مِّنْ لَّدُنَّا﴾ بہ معنی "مِنْ عِنْدِنَا" ہے یعنی اپنے پاس سے ﴿وَزَكٰوةً﴾ اور پاک دامن اور نیک سیرت انسان تھے' اس لیے انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ اور وہ بڑے پرہیز گار' فرماں بردار مسلمان تھے۔

١٤- ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ﴾ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے' ان کے فرماں بردار تھے' انہوں نے کبھی اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی تھی ﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ اور وہ تکبر و غرور کرنے والے نہیں تھے اور نہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے تھے۔

١٥- ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے امان ہو ﴿يَوْمَ وُلِدَ﴾ اس کی ولادت باسعادت کے دن شیطان کے چھونے اور ڈرانے سے (امن و سلامتی ہو) ﴿وَيَوْمَ يَمُوْتُ﴾ اور جس دن وہ وفات پائیں گے' قبر میں امتحان والوں کے امتحان سے (سلامت و محفوظ ہوں) ﴿وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے' بہت بڑی گھبراہٹ سے (یعنی قیامت کی ہولناکی سے سلامت و محفوظ رہیں)۔ امام ابن عیینہ نے فرمایا کہ یہی تین اوقات وحشت ناک مقامات ہیں۔

## حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

١٦- ﴿وَاذْكُرْ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یاد کیجئے ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ اس کتاب (یعنی) قرآن مجید میں ﴿مَرْيَمَ﴾ حضرت مریم کو یعنی آپ قرآن مجید میں ان لوگوں کو حضرت مریم کا قصہ پڑھ کر سنائیں تاکہ یہ لوگ اس کے حالات سے آگاہ ہوں اور تاکہ اس کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کو جان لیں ﴿إِذِ﴾ [یہ "مَرْيَمَ" سے بدل اشتمال ہے کیونکہ تمام اوقات اس پر

مشتمل ہیں]اس سے واضح ہوا کہ حضرت مریم کے ذکر سے اس وقت کا ذکر مقصود ہے جس میں یہ عجیب وغریب قصہ واقع ہوا ﴿انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ یعنی حضرت مریم اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی مکان میں چلی گئیں یعنی بیت المقدس کی شرقی جانب قریب ایک مکان میں عبادت کرنے کے لیے الگ گوشہ نشین ہو گئیں یا اپنے گھر سے مشرقی جانب لوگوں سے الگ ہو گئیں۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت مریم اپنے گھر سے مشرق کی جانب حیض سے غسل کرنے کے لیے پردہ کر کے الگ بیٹھ گئیں۔

١٧- ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ سو اس نے ان کے سامنے سے پردہ ڈال لیا (یعنی) اس نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا کہ پردہ اسے چھپا لے تاکہ وہ اس کے پیچھے غسل کرے ﴿فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا﴾ پھر ہم نے اس کی طرف اپنا روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا[اور یہ اضافت تعظیم وتکریم کے لیے ہے]اور حضرت جبریل علیہ السلام کا نام روح رکھا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دین زندہ ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہی وحی لایا کرتا تھا ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا﴾ پس وہ اس کے سامنے آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا' یعنی حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام ایک بے ریش نوجوان آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر ظاہر ہوئے' روشن چہرے اور سیاہ بالوں کے ساتھ ﴿سَوِيًّا﴾ مکمل انسان بن کر تشریف لائے اور حضرت جبریل علیہ السلام لباس بشری اور انسانی شکل میں اس لیے متشکل ہو کر حضرت مریم پاس تشریف لائے تھے تاکہ حضرت مریم ان سے مانوس ہو جائیں اور ان کا کلام سنیں اور ان سے نفرت نہ کریں اور اگر وہ ''مَلَکی'' صورت (یعنی اپنی اصلی صورت میں) آتے تو وہ ان سے نفرت کرتی اور اسے وحشت وگھبراہٹ لاحق ہو جاتیں اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام نہ سن سکتیں۔

١٨- ﴿قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (حضرت مریم نے) کہا: بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں' اگر تو پرہیز گار ہے یعنی اگر تجھ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا خوف وڈر رکھتا ہے تو میں یقیناً تجھ سے اس کی پناہ چاہتی ہوں۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

اس نے کہا: بے شک میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں' تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں ○ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکارہ ہوں ○ اس نے کہا: ایسا ہی ہے' تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے' اور تاکہ ہم لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے ○ پس مریم اس سے حاملہ ہو گئی اور اس کو (پیٹ میں لیے) دور ایک مکان میں چلی گئی ○ پھر درد

زہ اس کو کھجور کے خشک تنے کی طرف لے آیا' کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور میں بھولی بھلائی ہو جاتی O سو اس کے نیچے سے اس نے آواز دی کہ غم نہ کر بے شک تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چھوٹی سی نہر بنا دی ہے O

١٩- ﴿قَالَ﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ﴿إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں تو صرف تیرے پروردگار کا قاصد ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو اس بات سے اطمینان دلایا جس سے وہ ڈر گئی تھی اور اس نے حضرت مریم کو آگاہ کیا کہ وہ آدمی نہیں ہے بلکہ وہ اسی کا قاصد ہے جس کی وہ پناہ چاہتی ہے ﴿لِأَهَبَ لَكِ﴾ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تجھے ایک لڑکا عطا کروں یا میں تیرے گریبان میں پھونک مار کر لڑکا عطا کرنے کا سبب بن جاؤں [ابوعمرو اور نافع مدنی کی قراءت میں ''لِيَهَبَ لَكِ'' ہے] یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک پاک لڑکا عطا فرمائے ﴿غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ گناہوں سے پاک لڑکا یا نیکی اور برکت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا پاکیزہ لڑکا۔

٢٠- ﴿قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ اس نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا یعنی بیٹا کیسے ہوگا؟ [''أَنّٰى'' بہ معنیٰ ''كَيْفَ'' ہے اور ''غُلَامٌ'' بہ معنیٰ ''اِبْنٌ'' ہے] ﴿وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ اور حالانکہ مجھے کسی آدمی نے نکاح کے ذریعے خاوند بن کر نہیں چھوا ﴿وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہ میں بدکارہ ہوں' نہ فاجرہ ہوں جو مردوں کو تلاش کرتی ہے یعنی وہ شہوت کی طلب گار ہوتی ہے' خواہ کسی آدمی سے پوری ہو اور اولاد عام طور پر انہیں دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق سے ہوتی ہے [''بَغِيٌّ'' مبرد کے نزدیک ''فَعُوْلٌ'' کے وزن پر ہے' اصل میں ''بَغُوْيٌ'' تھا' پھر واؤ کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا اور پہلی ''یا'' کو دوسری ''یا'' میں مدغم کیا گیا اور عین کے نیچے ''یا'' کی اتباع میں کسرہ دے دیا گیا اور اس لیے اس کے آخر میں تائے تانیث لاحق نہیں ہوتی جیسا کہ ''اِمْرَاَةٌ صَبُوْرٌ'' اور ''اِمْرَاَةٌ شَكُوْرٌ'' میں لاحق نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ کے نزدیک ''فَعِيْلٌ'' کے وزن پر ہے اور اس کے آخر میں ''ھا'' اس لیے لاحق نہیں ہوتی کہ یہ ''مَفْعُوْلَةٌ'' کے معنی میں ہے اور اگر ''فَاعِلَةٌ'' کے معنی میں ہے تو پھر اس کو یقیناً ''اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ'' (الاعراف:٥٦) کے مشابہ قرار دیا گیا ہے]۔

٢١- ﴿قَالَ﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكِ﴾ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے کہا ہے کہ نہ کسی آدمی نے نکاح کے ساتھ تجھے چھوا ہے اور نہ تو بدکارہ ہے ﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے یعنی بغیر باپ کے لڑکا عطا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے ﴿وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں [یہ اپنے محذوف مُعَلَّل کی تعلیل ہے] یعنی تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنے فعل (بن باپ بیٹا عطا کرنے) کی نشانی اور دلیل و برہان بنا دیں [یہ مضمر کی تعلیل پر معطوف ہے] یعنی تاکہ ہم اس کے سبب اپنی قدرت کو بیان کریں اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی یعنی عبرت اور اپنی قدرت پر برہان بنا دیں ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ اور ہم اس کو اپنی طرف سے اس شخص کے لیے جو اس پر ایمان لائے رحمت بنا دیں ﴿وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کا معاملہ طے شدہ ہے اور اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

٢٢- پھر حضرت مریم حضرت جبریل علیہ السلام کی گفتگو سے مطمئن ہو گئیں تو حضرت جبریل اس کے قریب ہو گئے اور اس کے گریبان میں پھونکا اور پھونک اس کے پیٹ میں پہنچ گئی ﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ تو جناب مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہو گئی یعنی جو قدرتِ الٰہی سے عطا کیا گیا اور اس وقت حضرت مریم کی عمر تیرہ سال تھی یا دس سال یا پھر بیس سال تھی ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهٖ﴾ اور وہ اس کو اپنے پیٹ میں اٹھائے الگ ہو گئی [جار مجرور محلاً حال ہے]۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حمل کی مدت ایک ساعت (ایک گھنٹہ یا ایک لمحہ) تھی' جیسے حضرت مریم حاملہ ہوئی تو اس کے

بعد بہت جلد وضع حمل ہو گیا اور بعض نے فرمایا: حمل کی مدت چھ ماہ تھی اور بعض نے فرمایا: سات ماہ تھی اور بعض نے فرمایا: آٹھ ماہ تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا آٹھ ماہ میں پیدا ہونے والا کوئی بچہ زندہ نہیں رہا اور بعض نے فرمایا کہ ایک ساعت میں حمل ٹھہرا' جب کہ دوسری ساعت میں شکل وصورت تیار کی گئی اور تیسری ساعت میں ولادت باسعادت ہوگئی ﴿مَكَانًا قَصِيًّا﴾ اپنے گھر والوں سے دور پہاڑ کی پچھلی طرف چلی گئی اور یہ اس لیے کہ جب اس نے حمل محسوس کیا تو ملامت کے ڈر سے اپنی قوم سے دور چلی گئی (اس سے معلوم ہوا کہ حمل کے ساتھ ہی ولادت باسعادت نہیں ہوگئی تھی)۔

٢٣- ﴿فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ﴾ پس اس کو دردِ زہ لے آیا۔ یہ ''جَاءَ بِهَا'' کے معنی میں ہے کہ اُسے دردِ زہ (کھجور کے خشک تنے کی جڑ کے پاس) لے آیا اور بعض نے فرمایا کہ ''أَلْجَأَهَا'' ہے یعنی دردِ زہ نے اس کو پناہ لینے پر مجبور کر دیا اور یہ بھی ''جَاءَ'' سے منقول ہے' مگر نقل ہونے کے بعد اس کا استعمال مجبور ہو کر پناہ لینے کے معنی میں تبدیل ہو گیا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ ''جِئْتُ الْمَكَانَ وَأَجَاءَنِيهِ زَيْدٌ'' یعنی میں مکان میں آیا اور زید اس کو میرے پاس لے آیا' نہیں کہتے۔ ''مَخَاضُ'' بچے کی پیدائش کے وقت درد کو کہا جاتا ہے یعنی دردِ زہ ﴿إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ کھجور کے درخت کی جڑ کی طرف اور کھجور کا یہ تنا خشک ہو چکا تھا اور سردی کا موسم تھا [اور اس کا معرفہ ہونا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مشہور ومعروف درخت تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ لام تعریف جنس کے لیے ہو یعنی اس درخت کی جڑ] گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی اس درخت کی طرف رہنمائی فرمائی تھی تا کہ وہ حضرت مریم کو اس درخت کی تازہ پکی کھجوریں کھلائے کیونکہ یہ بچہ جننے والی عورتوں کی خوراک ہے' پھر ﴿قَالَتْ﴾ حضرت مریم نے بچے کی پیدائش کے سبب پہنچنے والی تکلیف سے گھبرا کر کہا: ﴿يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا﴾ کاش! میں اس دن سے پہلے فوت ہو جاتی [قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں کی قراءت میں میم مکسور کے ساتھ ''مِتُّ'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں میم مضموم کے ساتھ ''مُتُّ'' ہے' چنانچہ ''مَاتَ يَمُوتُ'' (مثل ''قَالَ يَقُولُ'') اور ''مَاتَ يَمَاتُ'' (مثل ''خَافَ يَخَافُ'') دونوں طرح پڑھا جاتا ہے] ﴿وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا﴾ اور میں بھولی بھلائی ہو جاتی یعنی متروک چیز ہو جاتی' نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا اور نہ میرا تذکرہ ہوتا [قاری حفص اور قاری حمزہ کی قراءت میں نون مفتوح کے ساتھ ''نَسْيًا'' ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں نون مکسور کے ساتھ ''نِسْيًا'' ہے] اور دونوں کا ایک معنی ہے' وہ یہ کہ ایسی چیز جس کا حق یہ ہے کہ اُسے پھینک دیا جائے اور اس کو حقارت کے ساتھ بھلا دیا جائے۔

٢٤- ﴿فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا﴾ سو اس کے نیچے سے اس کو آواز دی یعنی جو اس درخت کے نیچے تھا' اس نے حضرت مریم کو آواز دی اور پکارا' پس ''مَنْ'' فاعل ہے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے کیونکہ وہ درخت سے نشیب کی جگہ میں تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کہ انہوں نے اپنی والدہ حضرت مریم کو اس کے دامن کے نیچے سے خطاب کیا [قاری ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر کوفیوں اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مِنْ'' میں میم مکسور ہے اور یہ حرف جارہ ہے (جب کہ قاری عاصم' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' ابوعمرو' مجاہد' حسن' ابن عباس اور شعبہ کی قراءت میم مفتوح کے ساتھ ''مَنْ'' اسم موصول بہ معنی ''الَّذِیْ'' ہے) اور حرف جارہ کی صورت میں فاعل مضمر ہوگا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ''تَحْتِهَا'' میں ھا ضمیر ''نَخْلَة'' کی طرف لوٹتی ہے] حضرت مریم کو پہنچنے والی تکلیف اور سختی کے باعث اُسے تسلی دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿أَلَّا تَحْزَنِي﴾ تو غم نہ کر اور تو اپنی تنہائی اور خوراک وپانی کی نایابی اور لوگوں کی زبان درازی کے خوف سے پریشان نہ ہو [''أَنْ'' بہ معنی ''أَيْ'' ہے] ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ بے شک تیرے پروردگار نے تیرے نیچے (ایک چھوٹی نہر) بنادی ہے یعنی تیرے قریب نشیب میں یا تیرے حکم کے تحت کر دی ہے' اگر تو اُسے حکم دے کہ وہ رواں ہو جائے تو

وہ رواں ہو جائے گی اور اگر تو اس کو حکم دے کہ بہنے سے رُک جائے تو وہ رک جائے گی ﴿سَرِيًّا﴾ جمہور کے نزدیک چھوٹی نہر مراد ہے اور حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ سے ''سَرِیّ'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''هُوَ الْجَدْوَلُ''[1] وہ چھوٹی نہر ہے اور حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: مہربان سردار یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ خالد بن صفوان نے حضرت حسن سے کہا کہ اہل عرب ''جدول'' کو ''سَرِیًّا'' کہتے ہیں تو حضرت حسن نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے اور انہوں نے اسی قول کی طرف رجوع کر لیا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ښ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی جانب ہلایئے وہ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گرائے گی O پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھ' پھر اگر تو انسانوں میں سے کسی کو دیکھ لے' تو کہہ دے کہ بے شک میں نے خدائے رحمٰن کے لیے روزے کی منّت مانی ہے' سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O پھر وہ اس کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئی' انہوں نے کہا: اے مریم! بے شک تو ایک عجیب کام کر لائی ہے O اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی O تو اس نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا' انہوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ماں کی) گود میں بچہ ہے O

۲۵- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر اپنی ایڑی ماری تو نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ظاہر ہو گیا' جس سے خشک نہر جاری ہو گئی اور کھجور کا درخت سرسبز و شاداب ہو کر پھل آور ہو گیا اور اسی وقت وہ پھل تیار ہو کر پک گیا تو حضرت مریم سے فرمایا گیا: ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ اور تو اس درخت کو جڑ سے پکڑ کر دائیں بائیں حرکت دے کر اپنی طرف ہلا [ابو علی نے کہا کہ حرف ''بَـا'' زائدہ ہے] یعنی کھجور کے تنے کی جڑ کو پکڑ کر حرکت دے اور اپنی طرف ہلا ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ وہ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گرائے گی [ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابو عمرو' علی کسائی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں پہلی ''تَـا'' کو دوسری میں مدغم کیا گیا ہے اور اصل میں ''تَتَسَاقَطْ'' دونوں ''تَا'' کے اظہار کے ساتھ ہے اور حمزہ کی قراءت میں پہلی ''تَا'' اور قاف مفتوح ہیں اور دوسری ''تَا'' محذوف کر دی گئی ہے اور سین مخفف ہے جب کہ یعقوب' سہل' حماد اور نصیر کی قراءت میں ''یَا'' اور قاف مفتوح ہیں اور سین مشدد کے ساتھ ''یَسَّاقَطْ'' ہے اور امام حفص کی قراءت میں ''تَا'' مضموم اور قاف مکسور باب مفاعلہ سے ''تُسَاقِطْ'' ہے اور ''تُسْقِطْ'' اور ''یُسْقِطْ'' اور ''یَسْقُطْ'' سب قراءتوں میں ''یَا'' کی صورت میں اس کے اندر ضمیر مذکر ''جِذْعٌ'' کی طرف راجع ہو گی اور ''تَـا'' کی صورت میں اس کی ضمیر مؤنث ''نَـخْلَةٌ'' کی طرف راجع ہو گی' پس یہ نو قراءتیں ہوئیں اور

[1] رواہ الطبرانی فی الجامع الصغیر ج ۱ ص ۴۴ ۲

''رُطَبًا'' تمیز ہے یا حسبِ قراءت مفعول بہ ہے] اور ''جَنِيًّا'' کا معنی ہے: تازہ اور عمدہ' اور مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت نفاس والی عورتوں کے لیے کھجوریں کھانا عام عادت ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ نفاس والی عورتوں کے لیے تازہ پکی کھجوروں سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں ہے اور بیمار کے لیے شہد سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

٢٦- ﴿ فَكُلِيْ ﴾ پس تو تازہ وعمدہ اور پکی کھجوروں میں سے خوب کھا ﴿ وَاشْرَبِيْ ﴾ اور نہر سے پانی پی ﴿ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾ اور اپنے پیارے اور پسندیدہ بیٹے سے آنکھ ٹھنڈی کر [اور ''عَيْنًا'' تمیز ہے] یعنی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنا دل خوش رکھ اور بہ وقتِ ولادت جو غم ورنج تجھے لاحق ہوا' اس کو اپنے آپ سے دور کر ﴿ فَإِمَّا ﴾ [اس کی اصل ''إِنْ مَا'' ہے' پھر ''إِنْ'' شرطیہ کو ''مَا'' کی طرف ضم کیا گیا اور ''إِنْ'' کو ''مَا'' میں مدغم کر دیا گیا] (ترجمہ:) پس اگر ﴿ تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْٓ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ﴾ تو کسی آدمی کو دیکھ لے تو کہہ دینا کہ بے شک میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان لی ہے یعنی پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھ لے جو تجھ سے تیرے حال کے بارے میں سوال کرے تو تم کہہ دینا کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لیے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے اور گفتگو نہ کرنے کی منت مانی ہوئی ہے جیسے روزے دار کھانے پینے سے دن بھر رُکے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ حقیقی روزہ تھا اور ان کے نزدیک روزوں میں خاموشی لازمی تھی اور وہ لوگ روزے کی طرح خاموشی کو لازم قرار دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اور چپ کے روزے سے منع فرما دیا ہے' سو یہ ہمارے مذہب میں منسوخ ہو چکا ہے' باقی حضرت مریم کو خاموش رہنے کی منت کا اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی طرف سے کلام کرنے اور اس کی پاک دامنی و براءت بیان کرنے کے لیے کافی تھے تاکہ حضرت مریم کم عقل اور بے وقوف لوگوں سے نہ جھگڑتی پھریں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بے وقوف اور کم عقل لوگوں سے جھگڑنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے اور جاہل و بے وقوف کو صرف روگردانی جیسے عمل سے نہ روکا جائے اور نہ بالکل اس کی رسی کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت مریم نے لوگوں کو اشارہ سے بتایا کہ اس نے خاموش رہنے کی منت مان رکھی ہے اور اس اشارہ کو کلام اور قول کہا گیا ہے' کیا تم نے قبروں کی تعریف میں شاعر کے اس قول کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کہا: ''وَتَكَلَّمَتْ عَنْ أَوْجُهٍ تَبْلٰى'' ''اور میں نے بوسیدہ چہروں سے گفتگو کی ہے''۔

اور بعض نے کہا کہ اتنے کلام کے بعد حضرت مریم پر خاموش رہنا واجب کر دیا گیا تھا یا پھر اس قدر کلام کرنے کی اس کو اجازت دی گئی تھی ﴿ فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴾ پس آج میں کسی آدمی سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔

٢٧- ﴿ فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا ﴾ پھر وہ نفاس سے پاک ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئی ﴿ تَحْمِلُهٗ ﴾ وہ اس کو اٹھا کر لائی [یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی حضرت مریم اپنی قوم کے پاس اس حال میں آئی کہ وہ اپنی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے تھی' چنانچہ جب ان لوگوں نے اس کے ساتھ بچے کو دیکھا تو ﴿ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴾ انہوں نے کہا: اے مریم! بے شک تم نے عجیب وغریب اور انوکھا کام کیا ہے۔ ''فری'' کا معنی جدا ہونا' الگ کرنا اور کاٹنا ہے گویا یہ کام عادت کو قطع کرنے والا یا عادت کے خلاف ہے۔

٢٨- ﴿ يٰٓأُخْتَ هٰرُوْنَ ﴾ اے ہارون کی بہن! اور جناب ہارون حضرت مریم کے علاتی یعنی اس کے باپ کی طرف سے بھائی تھے اور یہ بنی اسرائیل میں سب سے افضل تھے یا پھر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور حضرت مریم ان کی نسل میں سے تھیں اور ان کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا اور یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''يَا أَخَا هَمْدَانَ'' اے ہمدان کے بھائی! یعنی اے ان میں سے ایک فرد یا ان میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ان کے زمانہ میں نیک آدمی ہوتا تو نیکی میں اس کے

ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کا بھائی کہہ کر بلاتے تھے یا اپنے زمانہ کا بدترین آدمی ہوتا تو بُرائی میں اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کا بھائی کہہ کر بلاتے تھے ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ﴾ تیرا باپ عمران تو بدکار وزانی نہیں تھا ﴿وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ اور نہ تیری ماں حنہ سرکش وزانیہ تھی۔

۲۹۔﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ تو حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ وہ لوگوں کو جواب دیں گے اور یہ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے فرمایا تھا کہ آپ غم نہ کیجئے اور جواب میری طرف پھیر دیجئے اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم کو اس کا حکم حضرت جبریل علیہ السلام نے دیا تھا اور جب حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو لوگ غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے تعجب کیا اور ﴿قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو گھوارے میں نو پید بچہ ہے ["صَبِيًّا" حال واقع ہو رہا ہے]۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۰ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۳۴ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۵

اس بچے نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے O اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں کہیں بھی ہوں' اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے جب تک میں زندہ ہوں O اور مجھے والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے' اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا O اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا ہوں اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ اٹھایا جائے گا O یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں' سچی بات یہی ہے جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں O اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنالے' وہ (اس سے) پاک ہے' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے O

۳۰۔﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (جواب میں) فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور جب حضرت مریم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بولنے والی زبان کو خاموش کر دیا اور چپ کا روزہ رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں (حضرت عیسیٰ کی) خاموش زبان کو گویائی عطا فرما دی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی عبودیت کا اعتراف و اعلان کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس دن تھی یا پھر صرف ایک دن تھی۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شہادت کی انگلی مبارک سے اشارہ کیا اور بلند آواز سے فرمایا: "اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ" بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں (میرے جیسا نبی صاحبِ کتاب بندہ صرف پاک دامن ماں کو نصیب ہوتا ہے) نیز اس اعتراف میں عیسائیوں کے قول کی تردید ہو گئی ہے ﴿اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ﴾ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی ہے ﴿وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ اور مجھے نبی بنایا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی گئی

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں نبی تھے اور ان کا بچپن میں کلام کرنا ان کا معجزہ تھا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و کتاب عطا فرمانے کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا یا یقینی طور پر ہر حال میں ملنے والے منصب کو ماضی کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا کہ گویا وہ منصب اب بھی موجود ہیں اور مل چکے ہیں۔

۳۱۔﴿ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں یعنی میں جہاں بھی ہوں نفع دینے اور فائدہ پہنچانے والا ہوں یا معلّم خیر ہوں کہ میں بھلائی کی تعلیم دینے والا ہوں ﴿ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اگر میں نصاب کا مالک بن جاؤں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے صدقۂ فطر مراد ہے یا پھر بدن کی طہارت و پاکیزگی مراد ہے اور یہ معنی بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دوں ﴿ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴾ جب تک میں زندہ ہوں یعنی اپنی پوری زندگی [''حَیًّا'' ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔

۳۲۔﴿ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ﴾ اور میں اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا اور اس کی تعظیم و تکریم اور عزت کرنے والا ہوں [یہ ''مُبَارَكًا'' پر معطوف ہے] ﴿ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سرکش و متکبر اور بد بخت و نافرمان نہیں بنایا۔

۳۳۔﴿ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ ﴾ اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا ہوں [''یَوْمَ'' ظرف ہے اور اس میں عامل خبر ہے اور وہ ''عَلَیَّ'' ہے] ﴿ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴾ اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا یعنی وہی سلامتی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین اوقات میں بھیجی جائے گی' وہی سلامتی انہیں تین اوقات میں مجھ پر بھیجی جائے گی [اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ اگر لام تعریف عہد خارجی کا ہو اور اگر لام تعریف جنس کا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ جنس سلام مجھ پر ہو] اور اس میں حضرت مریم اور اس کے بیٹے کے دشمنوں پر لعنت کا اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر سلام ہو تو ان کے دشمنوں پر یقیناً سلام کی ضد یعنی لعنت پیش کی گئی کیونکہ یہ مقام انکار و مخالفت کا مقام ہے' پس یہ کلام اس قسم کی تعریض و اشارہ کے لیے علامت و نشانی ہے۔

۳۴۔﴿ ذٰلِكَ ﴾ [مبتدا ہے] ﴿ عِیْسَى ﴾ [اس کی خبر ہے] ﴿ ابْنُ مَرْیَمَ ﴾ [اس کی صفت ہے یا پھر دوسری خبر ہے] یعنی جس نے فرمایا ہے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں صاحبِ کتاب نبی ہوں اور اسی طرح کا اور کلام فرمایا ہے وہ جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جیسے عیسائیوں نے کہا ویسے نہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں ﴿ قَوْلَ الْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں' سو ''قول'' سے ''کلمہ'' اور ''حق'' سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور انہیں کے بارے میں ''كَلِمَةُ اللّٰهِ'' فرمایا گیا ہے کیونکہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''كُنْ'' سے پیدا ہوئے تھے [اور اس پر رفع (پیش) اس بناء پر ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے (یعنی ''هُوَ قَوْلُ الْحَقِّ'') یا بدل ہے اور ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں بطور مدح منصوب ہے] ﴿ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴾ وہی جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں [یہ ''مِرْیَةٌ'' سے مشتق ہے بہ معنی شک کرنا] یا وہ لوگ تکبر کی وجہ سے اختلاف کرتے تھے' چنانچہ یہودیوں نے کہا کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور تین خداؤں میں سے تیسرے خدا ہیں۔

۳۵۔﴿ مَا كَانَ لِلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب اور لائق نہیں ہے ﴿ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ﴾ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنا

لے [یہ کلام نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے ] ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات اقدس اپنے لیے اولاد بنانے سے پاک ہے ﴿ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے لیے فرمایا: ''کُنْ'' ہو جا تو وہ بغیر باپ کے ہو گئے اور جو اس شان کے ساتھ متصف ہوتا ہے وہ کسی جان دار والد کے مشابہ ہونے سے پاک ہوتا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَیَكُوْنَ'' منصوب ہے]۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

ع ۲ ۵ رکوع ۲ ۔ وقف لازم

اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے O پھر انہیں کے درمیان میں سے کئی گروہوں نے اختلاف کیا' سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے ایک بہت بڑے دن کی حاضری سے O کیا خوب سنیں گے اور کیا خوب دیکھیں گے' جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج ظالم لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں O اور (اے محبوب!) آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیں جب ہر کام کا فیصلہ کیا جائے گا' اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے O بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے مالک ہم ہی ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے O

۳۶- ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' اور یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے یعنی جس طرح میں خود اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں' سو تم بھی اُسی کے بندے ہو اور مجھ پر اور تم پر لازم ہے کہ ہم سب اسی کی عبادت کریں [ابن عامر شامی اور کوفیوں کی قراءت میں مبتدا ہونے کی بناء پر الف مکسور کے ساتھ ''اِنَّ اللّٰهَ'' ہے اور جس نے الف مفتوح پڑھا ہے اس نے ''بِالصَّلٰوةِ'' پر عطف کیا ہے] ''اَیْ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَبِالزَّكٰوةِ وَبِاَنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ بے شک میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے یا یہ اپنے بعد والے فعل کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ وَلِاَنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ'' یعنی اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' پس تم اسی کی عبادت کرو ﴿ هٰذَا ﴾ یہ جو ذکر کیا گیا ہے ﴿ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ سیدھا راستہ ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳۷- ﴿ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ﴾ پس جماعتوں نے اختلاف کیا۔ [''احزاب''، ''حزب'' کی جمع ہے] اور ''حزب'' اُس گروہ کو کہتے ہیں جو دوسروں کے برخلاف اپنی الگ رائے رکھتا ہو اور وہ تین گروہ تھے: نسطوریہ' یعقوبیہ اور ملکانیہ ﴿ مِنْۢ

﴿بَیْنِهِمْ﴾ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کے درمیان یا اس کی قوم کے درمیان یا پھر لوگوں کے درمیان اور یہ اس لیے کہ نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا' جب انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا گیا' پھر سب کے سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ تین آدمیوں کی طرف رجوع کریں گے جوان کے زمانہ میں ان سب سے زیادہ بڑے عالم تھے اور وہ یعقوب اور نسطور اور ملکاء تھے' چنانچہ یعقوب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ تھے جو زمین پر اترے تھے' پھر آسمان کی طرف چڑھ گئے' اور نسطور نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے' اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا انہیں ظاہر فرمایا' پھر انہیں اپنی طرف اٹھالیا' اور ملکاء نے کہا کہ یہ سب جھوٹ بولتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق تھے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور سچے نبی تھے' پھر قوم ان میں سے ہر ایک کی پیروی اختیار کر کے تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی ﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ سو ان گروہوں میں سے کافروں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ حق پر ہے ﴿مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بہت بڑے دن کی حاضری سے' اور وہ قیامت کا دن ہے یعنی بروزِ قیامت حساب و کتاب اور سزا کی سختی کے لیے ان کی حاضری سے یا ان کے خلاف اس دن کی گواہی سے اور وہ یہ کہ فرشتے اور انبیائے کرام ان کے خلاف گواہی دیں گے اور خود ان کے اعضاء ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے یا حاضری کی جگہ سے یا حاضری کے وقت سے یا پھر قیامت یعنی ان کا باہمی مشورہ کے لیے جمع ہونے کا دن مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو بہت بڑا اس لیے قرار دیا کہ کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط گواہی دی تھی' جس کی وجہ سے اس دن ان کی رسوائی ہو گی۔

٣٨۔ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا﴾ وہ اس روز کیا خوب سنیں گے اور کیا خوب دیکھیں گے' جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے۔ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ الفاظ امر کے ہیں اور ان کا معنی تعجب کا ہے اور اللہ تعالیٰ تعجب کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا لیکن مراد یہ ہے کہ بروزِ قیامت ان کا خوب سننا اور خوب دیکھنا اسی لائق ہے کہ ان سے تعجب کیا جائے کیونکہ وہ دنیا میں بہرے اور اندھے بنے رہے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ کفار دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے بنے رہے لیکن قیامت کے روز ان کا ہدایت کی بات سننا اور اُسے دیکھنا بہت زیادہ تیز ہو جائے گا جو انہیں نفع نہیں دے گا [''بِهِمْ'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے جیسے ''اَكْرَمَ بِزَیْدٍ'' کیونکہ اس کا معنی ''كَرُمَ زَیْدٌ جِدًّا'' ہے یعنی زید بہت بزرگ و معزز ہو گیا ہے] ﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ﴾ [اسم ظاہر (الظّٰلِمُوْنَ) کو ضمیر کے قائم مقام کیا گیا ہے کیونکہ اصل میں ''لٰكِنَّهُمُ الْیَوْمَ'' ہے] یعنی لیکن آج وہ لوگ دنیا میں اپنے اوپر ظلم کرنے لگے ہیں کہ انہوں نے حق بات سننے اور اس میں غور کرنے کو ترک کر دیا جب کہ یہی چیز ان کے لیے مفید تھی اور انہوں نے عبادت کو اصل جگہ کی بجائے غیر مقام پر رکھا ہے ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ حق سے روگردانی کر کے واضح اور کھلم کھلا گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور گمراہی سے مراد ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ معبود اور اِلٰہ ہیں حالانکہ ان میں امکان و حدوث اور مخلوق ہونے کے آثار ظاہر ہیں' جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان لوگوں کے ظلم سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔

٣٩۔ ﴿وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ اور اے محبوب! آپ انہیں حسرت کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے کیونکہ اس میں انہیں اپنے فوت شدہ اعمال پر ندامت و شرمندگی ہو گی اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کفار جنت میں اپنے منازل و مقامات دیکھیں گے کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان میں رہتے تو انہیں حسرت و ندامت ہو گی ﴿اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ جب ہر معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور حساب و کتاب سے فراغت ہو جائے گی اور دونوں فریق یعنی جنتی لوگ جنت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے [''اِذْ''، ''یَوْمَ الْحَسْرَةِ'' سے بدل ہے یا ''حسرة'' کے لیے ظرف

ہے اور وہ مصدر ہے ] ﴿ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ ﴾ اور وہ آج یہاں اس مقام کے اہتمام سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ اور وہ ایمان نہیں لاتے اور نہ وہ حق کی تصدیق کرتے ہیں [ دونوں "هُمْ" حال واقع ہو رہے ہیں ] یعنی اے محبوب! آپ انہیں اس حالت پر ڈرائیں کہ وہ غافل ہو چکے ہیں (اور) وہ ایمان نہیں لاتے۔ 93

٤٠- ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ﴾ بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے ہم ہی مالک ہوں گے یعنی جب سب ہلاک وفنا ہو جائیں گے تو اس وقت ہم اکیلے بادشاہی اور بقاء کے ساتھ متصف ہوں گے [ اور "مَنْ" ذوی العقول کے غلبہ وکثرت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے ] ﴿ وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴾ اور وہ سب کے سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے [ "یا" مضموم اور جیم مفتوح کے ساتھ "یُرْجَعُوْنَ" ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں "یا" مفتوح اور جیم مکسور ہے ] یعنی وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ کر جائیں گے اور انہیں ان کے اعمال پر پورا پورا بدلا دیا جائے گا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝٤١ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝٤٢ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝٤٣ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝٤٤ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝٤٥

اور (اے محبوب!) کتاب میں ابراہیم کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت سچا نبی تھا○ جب اس نے اپنے باپ (چچا ابو) سے فرمایا: اے میرے ابا جان! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہے اور نہ وہ تجھ سے کسی (تکلیف دہ) چیز کو دور کر سکتا ہے○ اے میرے ابا جان! بے شک میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا' سو تو میری پیروی اختیار کر لے میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا○ اے میرے ابا جان! تو شیطان کی عبادت نہ کر' بے شک شیطان رحمٰن کا بہت نافرمان ہے○ اے میرے ابا جان! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا' سو تو شیطان ہی کا دوست رہے گا○

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

٤١- ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنی قوم سے اس کتاب یعنی قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا اپنے باپ کے ساتھ قصہ بیان کیجئے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ بے شک وہ بہت سچے نبی تھے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ صادق وہ شخص ہوتا ہے جو افعال میں صحیح ہو اور صدیق وہ شخص ہوتا ہے جو احوال میں صحیح ہو [ پس صدیق مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے اور اس کی مثال "اَلضِّحِّيْكُ" ہے ] اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ سچ بولتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مغیبات اور اس کی آیات اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی بہت زیادہ کثرت سے تصدیق کرنے والے تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام نبیوں اور تمام کتابوں کی تصدیق کرتے تھے اور وہ بذاتِ خود نبی تھے [ اور یہ ابراہیم اور اس سے بدل کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "نَبِيًّا" ہمزہ کے بغیر ہے جب کہ نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ کے

ساتھ ''نَبِیًّا'' ہے]۔

٤٢۔﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا[ اور یہ جائز ہے کہ ''اِذْ''، ''کَانَ'' کے ساتھ متعلق ہو یا ''صِدِّیْقًا نَّبِیًّا'' کے متعلق ہے ] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیقوں اور نبیوں کی تمام خصوصیات کے جامع تھے جب انہوں نے اپنے باپ کو ان مخاطبات کے ساتھ خطاب کیا اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابراہیم کو یاد کرنا اور ان کا قصہ قرآن مجید میں بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کے ذکر جمیل کی لوگوں کو تبلیغ کریں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ'' (الشعراء:٦٩)'' اور آپ ان کے سامنے حضرت ابراہیم کی خبر پڑھ کر سنائیں''۔ ورنہ اللہ عزوجل خود حضرت ابراہیم کا ذاکر ہے اور وہی خود اپنی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں ان کا ذکر وارد کرنے والا ہے ﴿ یٰۤاَبَتِ ﴾ اے میرے باپ![ ''تَـا'' مکسور ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تَا'' مفتوح ہے اور یہ ''تَا'' یائے اضافت محذوفہ کے عوض میں ہے ( اصل میں ''یَا اَبِیْ'' تھا ) یہی وجہ ہے کہ ''یَا اَبَتِیْ'' نہیں کہا جاتا تا کہ عوض اور معوض منہ دونوں ایک جگہ جمع نہ ہو جائیں ] ﴿ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ ﴾ تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہے[ ان دونوں میں مفعول ''مَنْسِیٌّ'' غیر منوی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کا مفعول مقدر ہو ] ''اَیْ لَا یَسْمَعُ شَیْئًا وَّلَا یُبْصِرُ شَیْئًا'' یعنی معبودانِ باطل نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں ﴿ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا ﴾ اور نہ وہ تجھ سے کسی چیز کو دور کر سکتے ہیں اور نہ وہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں[ ایک احتمال یہ ہے کہ ''شَیْئًا'' مصدر کی جگہ پر واقع ہے ''اَیْ شَیْئًا مِنَ الْغِنٰی'' یعنی معمولی سے معمولی اور کم سے کم فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مفعول بہ ہے تمہارے اس قول کے مطابق کہ ''اَغْنِ عَنِّیْ وَجْهَكَ'' تو اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لے یعنی مجھ سے دور کر لے ]۔

٤٣۔﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ اے میرے ابا جان! بے شک میرے پاس علم آ چکا ہے یعنی میرے پاس وحی آ چکی ہے یا مجھے رب تعالیٰ کی معرفت مل چکی ہے ﴿ مَا لَمْ یَاْتِكَ ﴾ جو تیرے پاس نہیں آیا[ ''مَا لَا یَسْمَعُ'' اور ''مَا لَمْ یَـاْتِكَ'' میں لفظ ''مَـا'' کے متعلق یہ بھی جائز ہے کہ یہ موصولہ ہو یا پھر موصوفہ ہو ] ﴿ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴾ سو تم میری پیروی اختیار کر لو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا اور تمہاری صحیح راہنمائی کروں گا۔

٤٤۔﴿ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ﴾ اے میرے باپ! تو شیطان کی عبادت نہ کر ( یعنی ) شیطان نے جو بتوں کی عبادت آراستہ کر کے بھلی کر دکھائی ہے' اس میں تم اس کی اطاعت نہ کرو ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ﴾ بے شک شیطان رحمان کا نافرمان اور گنہگار ہے۔

٤٥۔﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ ﴾ اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ ''اَخَافُ'' بہ معنی ''اَعْلَمُ'' ہے یعنی میں جانتا ہوں ﴿ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴾ کہ تجھے رحمان کی طرف سے عذاب پہنچے گا' پس تو دوزخ کی آگ میں شیطان کا ساتھی اور دوست بن جائے گا' تو اس کا ساتھی ہو گا وہ تیرا ساتھی ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے میں غور کرو کہ آپ نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ ادب کی رعایت فرمائی اور جیسا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کے مطابق نہایت نرمی اور حسنِ خلق کے ساتھ تبلیغ فرمائی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ بے شک تم میرے خلیل ہو' لہٰذا تم ہر ایک کے ساتھ حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو' خواہ تمہیں کفار کے ساتھ بات کرنی ہو' اس طرح تم نیکوکاروں کی منازل میں داخل ہو جاؤ گے' چنانچہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے سرکشی پر تنبیہ کرنے والے اور زیادتی پر آگاہ کرنے والے اور اس سے روکنے والے شخص کی طرح اپنے خطاب میں پہلے بتوں کی عبادت کرنے پر آزر سے اس کی وجہ اور علت دریافت کی اس لیے کہ جو مرتبہ وشان میں اشرف المخلوق ہیں اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جو شخص ان کی عبادت کرے گا اس پر کھلی گمراہی کا حکم لگایا جائے گا تو پھر وہ شخص کتنا بڑا گمراہ اور ظالم ہوگا' جو درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتا ہے جو کہ اپنے عبادت کرنے والے کا ذکر نہیں سن سکتے اور نہ اس کی عبادت کی کیفیات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں اور نہ اس سے مصیبتوں اور بلاؤں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کی حاجت پوری کر سکتے ہیں' پھر آپ نے دوبارہ بڑی نرمی اور لطف وکرم کے ساتھ اُسے حق کی طرف دعوت دی اور اپنے باپ (چچا) کا جہالت مفرطہ کے لقب کے ساتھ نام نہیں لیا اور نہ اپنا نام علمی فوقیت کے ساتھ لیا لیکن اس سے اتنا فرمایا کہ میرے پاس ایسا علم ہے جو تیرے پاس نہیں ہے اور یہ علم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے' پس تو تسلیم کرلے کہ بے شک میں اور تو ایک سفر پر ہیں اور مجھے راستے کی پہچان حاصل ہے جب کہ تجھے نہیں' سو تو میری اتباع کر۔ کیا میں پسند کروں گا کہ تو گمراہ ہو جائے اور غلط راہ پر جائے؟ پھر تیسری آپ نے اسے اس (بت پرستی) سے منع کیا' جس پر وہ تھا کہ شیطان ہی تو ہے جس نے اُس رحمان کی نافرمانی کی' جس ذاتِ بابرکات سے تمام نعمتیں حاصل ہوتی ہیں' اسی شیطان نے تجھے بتوں کی عبادت میں لگایا اور ان کی عبادت کو تیرے لیے خوش نما بنایا' پس حقیقت میں تو اسی کی عبادت کرنے والا ہے' پھر چوتھی مرتبہ آپ نے اُسے بُرے انجام سے اور اسی کی وجہ سے اس پر جاری ہونے والی تکلیفوں اور وبال سے ڈرایا لیکن اس کے باوجود ادب کی رعایت کی' کیونکہ تصریح کے ساتھ نہیں فرمایا کہ اُسے سزا ملے گی اور یقیناً اسے عذاب ملے گا بلکہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ اور خوف ہے کہ تجھے کوئی عذاب پہنچے گا [''عَذَابٌ'' کو نکرہ ذکر کر کے خبردار کیا کہ عذاب تھوڑا ہوگا] گویا آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان کا کچھ عذاب پہنچے گا اور آپ نے شیطان کی دوستی کو اور اس کے تمام گروہوں اور اس کے دوستوں میں شمولیت کو عذاب سے بڑھ کر قرار دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا دوسری نیکیوں سے بڑھ کر عظیم الشان ہے اور حضرت ابراہیم نے ہر نصیحت کو ''یَا اَبَتِ'' فرما کر شروع کیا اور اسے نصیحت کا وسیلہ قرار دیا اور نرمی کا اظہار کیا اور باپ کے احترام کے وجوب سے آگاہ کیا' خواہ وہ کافر ہی ہو۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُۚ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ
مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ
وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ﳲ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَؕ وَكُلًّا
جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع ۳

آزر نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور سنگسار کر کے تمہیں ختم کر دوں گا اور تم مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ دو○ ابراہیم نے فرمایا: تجھے سلام ہو' عنقریب میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے معافی مانگوں گا' بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے○ اور میں تمہیں اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو

سب کو چھوڑ دوں گا اور میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کی دعا سے محروم نہیں رہوں گا O
جب ان کو اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے
اور ہم نے ان سب کو پیغمبر بنایا O اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا فرمائی اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان (ذکر جمیل) کو
بلند و مشہور کر دیا O

۴۶- ﴿قَالَ﴾ سو پھر آزر نے ڈانٹتے ہوئے کہا: ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ اے ابراہیم (علیہ السلام)! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کرتے ہو؟ یعنی کیا تم ان کی عبادت سے روگردانی کرتے ہو؟ آزر نے حضرت ابراہیم کو نام سے پکارا اور ''یَا اَبَتِ'' کے مقابلہ میں ''یَا بُنَیَّ'' سے نہیں پکارا [اور اس نے خبر کو مبتدا پر مقدم کیا ہے کیونکہ یہی اس کے نزدیک اہم تھا] ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ البتہ اگر تم بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آئے تو ﴿لَاَرْجُمَنَّكَ﴾ میں تمہیں ضرور پتھروں کے ساتھ سنگسار کر دوں گا (اور) میں تمہیں ضرور پتھروں کے ساتھ قتل کر دوں گا یا میں تمہیں پتھروں کے ساتھ ضرور ماردوں گا یہاں تک کہ تم دور چلے جاؤ یا میں تمہیں ضرور بُرا کہوں گا ﴿وَاهْجُرْنِيْ﴾ [یہ محذوف فعل پر معطوف ہے جس پر ''لَاَرْجُمَنَّكَ'' دلالت کرتا ہے] جس کی مقدر عبارت یہ ہے: ''فَاحْذُرْنِيْ وَاهْجُرْنِيْ'' ﴿مَلِيًّا﴾ پس تم مجھ سے بچ جاؤ اور مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ دو [ظرف ہے اور ''ملاوة'' سے مشتق ہے ''اَیْ زَمَانًا طَوِيْلًا'' یعنی لمبے زمانے تک]۔

۴۷- ﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ﴾ تجھے سلام (یہ دعائیہ سلام نہیں بلکہ) الوداعی اور مفارقت و جدائی کا سلام ہے یا پھر قریب کرنے اور لطف و کرم کے لیے ہے اور اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے استغفار کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ عنقریب میں اپنے رب تعالیٰ سے تیرے لیے معافی چاہوں گا یعنی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ وہ تجھے اسلام کی ہدایت و توفیق عطا فرما کر تجھے مغفرت و بخشش حاصل کرنے والوں میں سے بنا دے ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ نعمتوں کے ساتھ لطف و کرم فرمانے والا ہے یا بہت رحم فرمانے والا ہے یا مکرم و معزز بنانے والا ہے۔ ''حفاة'' بہ معنی رأفت و کرامت ہے۔

۴۸- ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ﴾ اور میں تم سے الگ ہو جاؤں گا اور الگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کی سرزمین سے ملکِ شام کی طرف ہجرت کر جائیں گے ﴿وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اَیْ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ اَصْنَامِكُمْ'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو میں ان سے الگ ہو جاؤں گا (یعنی ''تَدْعُوْنَ'' بہ معنی ''تَعْبُدُوْنَ'' ہے) ﴿وَاَدْعُوْا﴾ ''وَاَعْبُدُ'' ﴿رَبِّيْ﴾ اور میں اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا (یعنی) اور میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا (یہاں بھی ''اَدْعُوْا'' بہ معنی ''اَعْبُدُ'' ہے) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تواضع و عاجزی اور کسرِ نفسی اختیار کرتے ہوئے اور کافروں کی اپنے معبودوں کی عبادت کی وجہ سے محرومی و بے نصیبی اور بدبختی سے روگردانی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ امید ہے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی دعا اور اس کی عبادت سے کبھی محروم و بے نصیب نہیں رہوں گا یعنی جس طرح تم لوگ بتوں کی عبادت و پرستش کر کے محروم و بدنصیب اور بدبخت ہو گئے ہو۔

۴۹- ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پھر جب وہ ان سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے (یعنی) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کفار اور ان کے معبودوں سے الگ ہو گئے (کہ وہاں

سے ہجرت کر کے ملکِ شام میں پہنچ گئے تو) ﴿وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ہم نے انہیں ایک لڑکا اسحاق اور اس کے بعد پوتا یعقوب عطا فرمائے تاکہ آپ ان دونوں سے مانوس رہیں ﴿وَكُلًّا﴾ اور سب کو یعنی ان میں سے ہر ایک کو ﴿جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ہم نے پیغمبر بنایا یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نافرمان کفار کو ہجرت فرما کر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں آپ کو مسلمان وانبیاء اولاد عطا فرمائی۔

٥٠- ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا فرمائی' اس سے مال و دولت اور اولاد مراد ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ﴾ اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان مقرر فرما دی (یعنی) حسین وجمیل حمد وثناء اور خوبصورت تعریف اور اس سے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر تمام نمازوں میں درود شریف پڑھنا مراد ہے اور اس کو زبان سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ ان اعمال میں سے ہے جو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں جیسا کہ ان اعمال کو ہاتھ سے تعبیر کیا جاتا ہے جن پر ہاتھ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے عطیات وتحائف مراد ہیں ﴿عَلِيًّا﴾ بلند وبالا اور مشہور ومعروف۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور (اے محبوب!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے' بے شک وہ برگزیدہ تھے اور رسول و نبی تھے ○ اور ہم نے ان کو طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے ان کو راز کی باتیں بتانے کا قرب بخشا ○ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا ○ اور (اے محبوب!) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے' بے شک وہ وعدے کے سچے تھے اور وہ رسول و نبی تھے ○ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے' اور وہ اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھے ○ اور (اے محبوب!) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچ بولنے والے نبی تھے ○

## حضرت موسیٰ' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ

٥١- ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ اور اے محبوب! آپ کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے' بے شک وہ برگزیدہ ومنتخب شدہ تھے [مفضل کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں کی قراءت میں لام مفتوح کے ساتھ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خالص اور برگزیدہ بنا لیا اور انہیں منتخب کر لیا اور چن لیا [کوفیوں کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ "مُخْلِصًا" (اسم فاعل) ہے] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام مخلص پیغمبر تھے کہ انہوں نے عبادت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا' پس وہ اصل فطرت میں ہر اس کام کے لیے مخلص تھے جو ان کے لیے باعثِ سعادت ہوتا' وہ خلوصِ نیت اور سچے جذبے کے ساتھ ہر اس عبادت میں مخلص ہوتے جو ان پر لازم ہوتی تھی ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ اور وہ رسول و نبی تھے'

پس انبیائے کرام میں سے رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس کتاب ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پہنچائے اگر چہ اس کے پاس کتاب نہ ہو جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

٥٢۔﴿ وَنَادَيْنٰهُ ﴾ اور ہم نے انہیں پکارا اور ہم نے انہیں بلند آواز سے بلایا اور ہم نے جمعۃ المبارک کی شب کو ان سے کلام فرمایا ﴿ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ ﴾ کوہ طور کی جانب سے ۔ یہ مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے ﴿ الْاَيْمَنِ ﴾ دائیں طرف سے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب مراد ہے کیونکہ پہاڑ کی دائیں جانب نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کا ارادہ کر کے روانہ ہوئے تو انہیں راستے میں ایک درخت میں سے آواز دے کر بلایا گیا اور وہ درخت پہاڑ کی ایک سمت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب واقع تھا ﴿ وَقَرَّبْنٰهُ ﴾ اور ہم نے انہیں قرب بخشا۔ قرب سے عظمت و شان اور مرتبہ و درجہ کا قرب مراد ہے۔ مکان و رہائش کا قرب مراد نہیں (مکانی قرب مراد نہیں بلکہ روحانی قرب مراد ہے) ﴿ نَجِيًّا ﴾ راز و نیاز کی باتوں کے لیے [یہ حال ہے] یعنی اسرار و رموز کی باتیں کرنے والے جیسے "ندیم" بہ معنی "منادم" ہے۔

٥٣۔﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ اور ہم نے اپنی رحمت کی وجہ سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا (یعنی) ہم نے اپنی رحمت کے سبب اور ان پر اپنی شفقت و مہربانی کے سبب [ "اَخَاهُ" مفعول ہے اور "هٰرُوْنَ" اس سے بدل ہے اور "نَبِيًّا" حال ہے] یعنی ہم نے انہیں کے لیے ان کے بھائی کو نبوت عطا فرما دی ورنہ جناب ہارون عمر میں ان سے بڑے تھے۔

٥٤۔﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ﴾ اور اے محبوب! کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ صحیح ترین قول کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ﴾ بے شک آپ وعدے کے سچے تھے (یعنی) وعدہ کو پورا کرنے والے تھے چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک آدمی سے وعدہ فرمایا کہ اس جگہ اس کے انتظار میں ٹھہریں رہیں گے جب تک وہ واپس نہیں آ جاتا پھر ایک سال تک اسی جگہ اس آدمی کے انتظار میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ آدمی واپس لوٹ آیا اور تمہیں اتنا کافی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ذبح ہونے کے وقت اپنے لیے صبر کرنے کا وعدہ کیا اور اسے پورا کر کے دکھا دیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے جو وعدہ بھی کیا اسے پورا کر کے دکھایا اور اگر چہ آپ کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی وعدے کے سچے ہونے کی خوبی موجود تھی لیکن آپ کو اس خوبی کے ساتھ صرف آپ کی تعظیم و تکریم اور آپ کی عزت افزائی کے لیے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ آپ کی عادات میں سے یہ عادت مبارکہ مشہور و معروف تھی ﴿ وَكَانَ رَسُوْلًا ﴾ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جرہم کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے ﴿ نَّبِيًّا ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والے اور بروقت ڈر سنانے والے۔

٥٥۔﴿ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ ﴾ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو یعنی اپنی امت کو (نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا) حکم دیا کرتے تھے کیونکہ نبی اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور ساری امت اہل و عیال کی طرح اس کے گھر والے ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کسی سے مداہنت کا رویہ نہیں اپناتے تھے (بلکہ حق کا اظہار برملا کر دیتے تھے) ﴿ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ﴾ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا (حکم دیتے تھے)، ممکن ہے کہ ان دو عبادات کو صرف اس

لیے مخصوص کیا گیا ہو کہ یہ دونوں عبادات تمام بدنی اور مالی عبادات کی اصل ہیں ﴿ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھے [''مَرْضِيًّا'' کو اصل کے مطابق ''مَرْضُوًّا'' بھی پڑھا گیا ہے]۔

٥٦- ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ﴾ اور اے محبوب! کتاب میں (حضرت) ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ ان کا نام اخنوخ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول یہی بھیجے گئے تھے اور سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنا انہوں نے شروع کیا اور سب سے پہلے کپڑا سی کر پہننا بھی انہوں نے شروع کیا اور علم نجوم اور علم حساب بھی آپ نے ایجاد کیا تھا اور ناپ تول کے آلات اور پیمانے اور اسلحہ وغیرہ انہوں نے بنانا شروع کیے تھے اور انہوں نے ہی بنی قابیل سے جنگ کی تھی اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ ان کا نام ادریس اس لیے رکھا گیا کہ آپ کتاب الٰہی کا کثرت سے درس دیا کرتے تھے' صحیح نہیں ہے [کیونکہ اگر اس کو ''درس'' سے مشتق مان کر ''افعیل'' کے وزن پر قرار دیا جائے تو اس میں ایک سبب رہ جائے گا اور وہ علمیت ہے اور یہ منصرف ہوگا' پس اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عجمہ ہونے کی دلیل ہے] ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ بے شک وہ بہت سچ بولنے والے نبی تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾

السجدۃ

اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا O یہ وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا جو سب پیغمبر ہیں کچھ اولادِ آدم سے ہیں' اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا' اور کچھ اولادِ ابراہیم میں سے اور کچھ اولادِ یعقوب میں سے' اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے (انہیں) چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O پھر ان بزرگوں کے بعد نالائق لوگ آگئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور انہوں نے خواہشات کی پیروی کی' سو عنقریب وہ دوزخ کی وادی میں پہنچیں گے O ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے' سو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O

٥٧- ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور اس سے شرفِ نبوت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربِ خاص مراد ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو فرشتے اٹھا کر چوتھے آسمان پر لے گئے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ نے بھی شبِ معراج چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات کی تھی اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ فرشتے آپ کو جنت میں لے گئے تھے کیونکہ جنت سے بلند کوئی چیز نہیں ہے اور یہ اس لیے ہوا کہ کثرتِ عبادات کے سبب حضرت ادریس علیہ السلام سے فرشتے محبت کرتے تھے' چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت

سے فرمایا: مجھے موت کا مزہ چکھا اور مجھے موت دے دے تو موت کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض کر کے ان پر موت طاری کر دی' پھر روح واپس لوٹا دی تو وہ زندہ ہو گئے اور فرمایا کہ اب مجھے دوزخ میں لے جاؤ تا کہ خوفِ خدا زیادہ ہو' سو یہ بھی کیا گیا' پھر دوزخ سے نکل کر فرمایا کہ اب مجھے جنت میں لے چلو تا کہ رغبت زیادہ ہو' چنانچہ یہ بھی کیا گیا' پھر تھوڑی دیر بعد عرض کیا کہ اب واپس اپنے مقام پر تشریف لے چلیں تو حضرت ادریس نے فرمایا: میں نے موت کا مزہ چکھ لیا ہے (اور فرمانِ الٰہی ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' (آل عمران:١٨٥) ''پورا ہو چکا ہے کہ ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے''۔) اور میں دوزخ سے بھی گزر چکا ہوں (اور فرمانِ الٰہی: ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا'' (مریم:٧١) ''پورا ہو چکا ہے کہ تم میں سے ہر ایک نے دوزخ سے گزرنا ہے''۔) اور اب میں جنت میں سے نہیں نکلوں گا ( کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ''وَمَا هُمْ عَنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ'' (الحجر:٤٨) ''اور جنتی جنت سے نہیں نکالے جائیں گے''۔) چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ چونکہ یہ سب کچھ میرے حکم سے کیا گیا اور میرے حکم سے یہ جنت میں داخل ہوئے ہیں' لہٰذا انہیں یہیں چھوڑ دو۔

## حضرت زکریا سے لے کر حضرت ادریس تک مذکور انبیاء کے نسب اور ان پر انعام الٰہی کا بیان

٥٨- ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ حضرت زکریا علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک جن انبیائے کرام کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ یہی ہیں ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا جو کہ تمام نبی ہیں [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ ہیں ﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ﴾ کچھ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' تبعیض کا ہے] حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ قرب رکھنے کی وجہ سے ان کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں ﴿وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ اور کچھ ان میں سے ہیں جن کو ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے کیونکہ حضرت ابراہیم سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ﴿وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (یعنی) حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ﴿وَاِسْرَآءِيْلَ﴾ یعنی اور کچھ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (نام یعقوب ہے خطاب اسرائیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے) اور وہ یہ ہیں: (حضرت یوسف)' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کیونکہ حضرت مریم بھی انہیں کی اولاد میں سے ہیں ﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا﴾ اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے دینِ اسلام کے محاسن وخوبیوں کے لیے ہدایت عطا فرمائی [''وَمِمَّنْ'' میں احتمال یہ ہے کہ یہ پہلے حرف ''مِنْ'' اور دوسرے حرف ''مِنْ'' پر معطوف ہے] ﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ اور ہم نے جن کو لوگوں میں سے منتخب کیا اور چن لیا یا یہ معنی ہے کہ جن کو ہم نے شریعت کی تشریح اور حقیقت کے اظہار کے لیے منتخب کر لیا اور چن لیا ہے ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ جب ان پر رحمان کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی تلاوت کی جاتی ہے [اور یہ الگ مستقل کلام ہے اگر ''اَلَّذِيْنَ'' کو ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر قرار دیا جائے اور اگر اس موصول کو اس کی صفت قرار دیا جائے تو پھر یہ کلام اس کی خبر ہوگی اور قتیبہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُتْلٰى'' ہے کیونکہ مبتداء اور خبر کے درمیان فاعل موجود ہے اس کے باوجود مؤنث غیر حقیقی ہے] ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ وہ رغبت وشوق سے سجدہ کرتے ہوئے اور خوفِ الٰہی کے سبب روتے ہوئے اپنے چہروں کے بل گر پڑتے ہیں [''بُكِيًّا''، ''بَاكٍ'' کی جمع

ہے جیسے "سجود" اور "قعود"، "ساجد" اور "قاعد" کی جمع ہیں] حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو تو آنسو بہاؤ اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنالو[1]

حضرت صالح مری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے خواب میں قرآن مجید کی تلاوت کی تو آپ نے مجھے فرمایا: اے صالح! یہ قرآن مجید کی تلاوت ہے تمہیں رونا کیوں نہیں آتا؟ آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے والا سجدۂ تلاوت میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پڑھے۔

## نالائق جانشینوں اور توبہ کرنے والے نیک ایمان داروں کے انجام کا بیان

۵۹۔﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ پھر ان کے بعد نالائق لوگ جانشین بن گئے (یعنی) پھر اُن فضیلت یافتہ نیک بزرگوں کے بعد نالائق اور بُری اولاد آ گئی (لام کے سکون کے ساتھ "خَلْفٌ" کا معنی ہے: بُری اولاد) اور لام پر فتح (زبر) کے ساتھ "خَلَفٌ" کا معنی ہے: نیک اولاد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں: اس سے یہودی (بنی اسرائیل) مراد ہیں ﴿ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ﴾ جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا (یعنی) انہوں نے فرض نمازوں کو چھوڑ دیا ﴿ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ﴾ اور انہوں نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی اور نفسانی لذتوں کے پیچھے لگ گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بہترین بلند و بالا پختہ بلڈنگیں بناتے ہیں اور اعلیٰ ترین سواریوں اور قیمتی گاڑیوں پر سوار ہوتے ہیں اور شہرت کے مہنگے لباس پہنتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ لوگ اس امت میں بھی ہیں ﴿ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ پس عنقریب وہ لوگ غی کو پالیں گے (یعنی) غی کی سزا پائیں گے اور اہل عرب کے نزدیک ہر بُرائی غی ہے اور ہر بھلائی رشاد ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ یہ دوزخ میں ایک وادی ہے جو زنا کاری پر اصرار کرنے والوں اور شراب پینے والوں اور سود کھانے والوں اور والدین کے نافرمانوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں (اور نمازوں کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والوں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۶۰۔﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ مگر جس نے کفر و معصیت سے توبہ کر لی ﴿ وَاٰمَنَ ﴾ اور توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ ایمان لایا ہو ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور اپنے ایمان لانے کے بعد اس نے نیک عمل کیا ہو ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ﴾ سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یا" پر ضمہ (پیش) اور "خا" پر فتح (زبر) کے ساتھ (فعل مضارع مجہول "يُدْخَلُوْنَ") ہے] ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴾ اور ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، یعنی ان کے اعمال کی جزاء میں بالکل کمی نہیں کی جائے گی اور نہ انہیں بہشت سے روکا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ ظلم کے ساتھ ان پر بالکل زیادتی نہیں کی جائے گی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ

[1] رواہ احمد ج ١ ص ١٧٥، ابوداؤد رقم الحدیث: ١٤٧٠، ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٣٣٧، دارمی ج ١ ص ٣٤٩

مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع ٤

ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کا وعدہ رحمان نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے کیا ہوا ہے' بے شک اس کا وعدہ ضرور آئے گا○ وہ لوگ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے سوائے سلام کے' اور ان کے لیے اس میں ان کا رزق صبح و شام ہوگا○ یہ وہ بہشت ہے جن کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بنائیں گے جو پرہیزگار رہوں گے○ اور ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اترتے' اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے' اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے○ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' سب کا مالک ہے' سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہیے' کیا آپ اس کا ہم نام جانتے ہیں○

٦١- ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ [یہ ''اَلْجَنَّةَ'' سے بدل ہے اس لیے کہ ''اَلْجَنَّةَ'' ''جَنّٰتِ عَدْنٍ'' کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہے یا مدح کے طور پر نصب ہے اور ''عَدْنٍ'' معرفہ ہے کیونکہ ''عدن'' کے معنی کے لیے عَلَم ہے اور وہ اقامت یعنی قیام گاہ ہے یا سرزمین بہشت کا علم ہے کیونکہ وہ قیام گاہ ہے] ﴿الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ﴾ جس کا رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے توبہ کرنے والے مؤمن بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے جو نیک اعمال کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ان کا ذکر گزر چکا ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت اپنی طرف کر کے اپنے بندے فرمایا ہے [اور یہ اضافت و نسبت اختصاص کے لیے ہے] اور یہ مخصوص لوگ ہیں ﴿بِالْغَيْبِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے اس جنت کا وعدہ فرمایا ہے جو ان سے غائب ہے' حاضر نہیں ہے یا یہ لوگ اس سے غائب ہیں اور یہ لوگ اس کا مشاہدہ نہیں کرتے ﴿اِنَّهٗ﴾ [ضمیر شان ہے یا ''رحمان'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر رحمان ہے] (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ وَعْدُهٗ﴾ اس کا وعدہ یعنی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ جنت ہے ﴿مَاْتِيًّا﴾ یعنی وہ لوگ اس میں آئیں گے۔

٦٢- ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ وہ لوگ اس میں (یعنی) جنت میں بے حیائی یا جھوٹ پر مبنی فضول اور بے ہودہ کلام نہیں سنیں گے یا وہ بے فائدہ اور بے معنی کلام نہیں سنیں گے اور اس سے وہ کلام مراد ہے جس کو گفتگو میں ترک کر دیا گیا اور اس میں تنبیہ ہے کہ لغو اور بے ہودہ کلام سے بچنا اور اس سے پرہیز کرنا واجب و لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو اس سے پاک رکھا ہے جس میں کوئی تکلیف نہیں ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ مگر سلام کہا جائے گا یعنی لیکن جنتی لوگ بہشت میں فرشتوں سے سلام سنیں گے یا وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا وہ اس میں ایسا کلام سنیں گے جس میں وہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے سلامت رہیں گے [اور جمہور کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے] اور بعض نے فرمایا کہ ''سلام'' کا معنی سلامتی کی دعا ہے اور جب جنتی لوگ سلامتی کی دعا سے بے نیاز ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب ہے: لغو اور فضول باتوں سے اجتناب کرنا کیونکہ ان میں احترام نہیں ہوتا ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ اور ان کے لیے اس میں صبح و شام رزق ہوگا' یعنی دنیا کے دن کے دونوں وقتوں کی مقدار کا رزق انہیں دیا جائے گا کیونکہ وہاں نہ رات ہوگی اور نہ دن ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ نور میں رہیں گے اور دن کی مقدار کو پردوں کے اٹھا دیئے جانے سے معلوم کیا جائے گا اور رات کی مقدار کو پردوں کے گرا دینے سے معلوم کیا جائے گا اور صبح و شام رزق کا ملنا اہل عرب کے نزدیک مرغوب ترین اور افضل و اعلیٰ طعام سمجھا جاتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کے طعام کو اسی وصف کے ساتھ بیان فرمایا اور بعض نے فرمایا کہ صبح و شام سے دائمی رزق مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ

میں فلاں آدمی کے پاس صبح وشام رہتا ہوں۔اس سے ہمیشہ مراد ہوتا ہے۔

٦٣- ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے (پرہیزگاروں کو) بنائیں گے یعنی ہم ان کے اعمال کی میراث بہشت کو قرار دے دیں گے' مطلب یہ کہ ان کے اعمال کا پھل اور انجام جنت کی صورت میں عطا کیا جائے گا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ایمان لانے کی صورت میں جو مکانات و محلات دوزخیوں کو ملنے تھے وہ پرہیزگاروں کو عطا کیے جائیں گے چونکہ کفر حکمی طور پر موت ہے اس لیے ان کے مکانات کو میراث قرار دیا گیا ہے ﴿مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ جو کفر وشرک سے پرہیز کرتے رہے۔

## فرشتوں کے لیے حکمِ خدا کے تابع ہونے اور قدرت وعبادتِ خدا کا بیان

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! جس قدر تم ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو اس سے زیادہ ہماری ملاقات کرنے کے لیے تمہیں کون سی چیز مانع ہے؟ تو درج ذیل آیتِ مبارکہ نازل ہوئی[1]

٦٤- ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ اور ہم آپ کے رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔''نزول' کے دو معنی ہیں: ایک تو دیر سے اور وقفہ سے اترنا اور دوسرا معنی ہے: مطلق اترنا اور یہاں پہلا نزول اور اترنا مراد لینا زیادہ مناسب ہے یعنی ہمارے نازل ہونے اور اترنے کے اوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں' وقفہ کا حکم ہوتا ہے تو ہم وقفہ کر لیتے ہیں اور نزول کا حکم ہوتا ہے تو ہم نازل ہو جاتے ہیں ﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے اور آپ کا رب تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے' یعنی جو جگہیں ہمارے سامنے ہیں اور جو ہمارے پیچھے ہیں اور جن میں ہم رہ رہے ہیں وہ سب اسی کی ہیں' سو ہم اس بادشاہ کے حکم کے بغیر اور اس کے ارادہ کے بغیر کہیں منتقل ہونے کا اختیار نہیں رکھتے اور وہی ہر حرکت وسکون اور جو حالات پیدا ہوتے ہیں سب کا جاننے والا اور سب کا محافظ ہے اور اس پر کبھی بھی غفلت ونسیان جائز نہیں ہے تو ہمارے لیے کیسے ممکن ہے کہ ہم اس کی بادشاہی میں اپنی مرضی سے جہاں چاہیں پھرتے رہیں' مگر جب وہ ہمیں چلنے پھرنے کی اجازت دے دے۔

٦٥- ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وہی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کا مالک ہے [یہ ''رَبُّكَ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیْ هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے' پھر اپنے رسول سے فرمایا کہ جب آپ نے پہچان لیا کہ بلاشبہ ان صفات کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ متصف ہے ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ تو اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہیے ﴿وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ اور اس کی عبادت پر صبر کیجئے یعنی معبودِ برحق کی عبادت کے لیے تکلیف دِہ مشکلات پر صبر کیجئے اور خلاقِ کائنات کی عبادت کی خاطر مشقتوں پر ثابت قدم رہیے تا کہ آپ اس کو پوری قدرت کے ساتھ ادا کر سکیں ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ کیا آپ کسی کو اس کا ہم شکل اور اس جیسا جانتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کیا اس کے علاوہ کسی کا اللہ نام رکھا گیا ہے؟ کیونکہ یہ نام معبودِ برحق کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جب یہ صحیح اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی ایسا معبود نہیں ہے جس کی طرف بندے عبادت کو متوجہ کر سکیں تو اسی کی عبادت ضروری ہو گئی اور اس کی عبادت کی خاطر مشقتوں پر صبر کرنا لازم ہو گیا۔

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:٤٧٣١۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا
خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ
حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾
ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ
عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو عنقریب میں زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گاO اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ بے شک ہم نے اس کو پہلے پیدا فرمایا اور وہ (اس وقت) کچھ بھی نہیں تھاO سو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور ان کو شیطانوں کے ساتھ جمع کریں گے' پھر ہم ضرور انہیں دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گےO پھر ہم ضرور ہر گروہ میں سے الگ کر لیں گے جو رحمان پر سب سے زیادہ سخت سرکش رہا ہوگاO پھر ہم ان کو سب سے بڑھ کر خوب جانتے ہیں جو اس (آگ) میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیںO اور تم میں سے ایسا کوئی نہیں مگر وہ اس (دوزخ کے اوپر) سے گزرے گا' یہ فیصلہ آپ کے رب کے نزدیک لازمی طور پر کیا جا چکا ہےO

## حشر ونشر اور مسلم وکافر کے انجام کا بیان

شانِ نزول: ایک دفعہ اُبی بن خلف نے ایک بوسیدہ ہڈی کو اپنے ہاتھوں میں مل کر اس کے ٹکڑوں کو ہوا میں اڑا دیا اور کہنے لگا کہ کیا ہم اس طرح ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو اس کے جواب میں درج ذیل آیت مبارکہ نازل کی گئی[1]

٦٦- ﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا﴾ اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو عنقریب میں زندہ کر کے ضرور اٹھایا جاؤں گا؟ [اور ''اِذَا'' میں عامل وہ کلام ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور وہ ''اُبْعَثُ'' ہے] ''اَیْ اِذَا مَا مِتُّ اُبْعَثُ'' یعنی جب میں مرجاؤں گا تو پھر سے اٹھایا جاؤں گا [اور اس کا ''اُخْرَجُ'' کی وجہ سے منصوب ہونا ممتنع ہے کیونکہ لامِ ابتدا کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا' لہٰذا تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''اَلْیَوْمَ لَزَیْدٌ قَآئِمٌ'' اور لامِ ابتداء جب فعل مضارع پر داخل ہو تو حال کا معنی دیتا ہے اور جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے' پھر جب اس کے ساتھ حرفِ استقبال جمع ہو جاتا ہے تو یہ صرف تاکید کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے اور حال کا معنی کمزور ہو جاتا ہے اور ''اِذَا مَا'' میں حرف ''مَا'' بھی تاکید کے لیے آتا ہے] تو گویا اس نے انکار کے طور پر اور بعید از قیاس خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ جب موت ہمارے اندر پوری طرح داخل ہو جائے گی اور ہم ہلاک ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے [اور ظرف کا مقدم ہونا اور اس سے پہلے حرفِ انکار کا داخل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ موت کے بعد زندہ ہونے کے وقت کا انکار کیا گیا ہے اور اسی سے ان کا انکار کرنا لازم آ گیا]۔

٦٧- ﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ﴾ اور کیا انسان یاد نہیں کرتا [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں تخفیف

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۰۴

کے ساتھ ''ذکر'' سے مشتق ہے۔ باقیوں کے نزدیک ذال اور کاف مشدد کے ساتھ ''لَا یَذَّکَّرُ'' ہے اور اس کی اصل ''یَتَذَکَّرُ'' ہے' جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت ہے' پھر ''تا'' کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے یعنی کیا انسان غور وفکر نہیں کرتا اور واؤ کے ذریعے ''لَا یَذْکُرُ'' کو ''یَقُوْلُ'' پر معطوف کیا گیا ہے اور حرف عطف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمزہ استفہامیہ انکار کا لایا گیا ہے [یعنی کیا انسان یہ تو کہتا ہے کہ مرجانے کے بعد کیونکر اٹھایا جاؤں گا اور اپنی پہلی حالت میں غور وفکر نہیں کرتا تا کہ دوسری حالت کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ خالق کی قدرت پر زیادہ رہنمائی کرتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جواہر واعراض کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے لیکن دوسری مرتبہ تو صرف موجودہ اجزاء کو جوڑا جاتا ہے اور متفرق ومنتشر ہو جانے کے بعد ان کو دوبارہ واپس اصلی اور پہلی حالت میں جمع کیا جاتا ہے ﴿ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ﴾ بے شک ہم نے اس کو پہلے پیدا فرمایا تھا (یعنی) اس موجودہ حالت سے پہلے جس میں اب ہے اور یہ اس کی حالت بقاء ہے ﴿ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾ اور وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ہمارے بیان کردہ مضمون کی دلیل ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ معدوم شے نہیں ہوتا (بلکہ مطلق لاشئی اور محض عدم ہوتا ہے) معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

٦٨- ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ ﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور انہیں جمع کریں گے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار کرنے والے کفار کو ہم ضرور محشر کے روز جمع کریں گے ﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ ﴾ شیطانوں کے ساتھ [واؤ عطف کے لیے آتی ہے اور ''مع'' کے معنی میں زیادہ استعمال ہوتی ہے] یعنی کفار کو شیطانوں میں سے ان کے ان دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ جمع کیا جائے گا جنہوں نے ان کو (دنیا میں) گمراہ کیا تھا۔ ہر کافر کو اس کے ساتھی شیطان کے ساتھ ایک بیڑی میں جکڑا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں جا بجا) اپنی قسموں میں اپنے نام مبارک کو رسول اکرم ﷺ کی طرف مضاف ومنسوب کر کے اپنے محبوب ومکرم رسول کی شان میں تعظیم وتکریم کا اظہار فرمایا ہے ﴿ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴾ پھر ہم ان کو ضرور دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے [''جِثِيًّا'' حال ہے اور ''جَاثٍ'' کی جمع ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور اس کا وزن ''فُعُوْلٌ'' ہے کیونکہ اس کی اصل ''جُثُوْوٌ'' ہے جیسے ''سُجُوْدٌ'' اور ''سَاجِد'' ہے] یعنی کفار کو میدانِ محشر سے دوزخ کی طرف قدموں پر چلانے کی بجائے گھٹنوں کے بل اسی حال پر کھینچ کر لایا جائے گا جس حال پر وہ میدان میں تھے۔

٦٩- ﴿ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ ﴾ پھر ہم ضرور ہر گروہ سے نکال لیں گے' ہر وہ گروہ جو دنیا میں پھیلا یعنی جس نے گمراہوں میں سے کسی گمراہ کی پیروی کی ﴿ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴾ جو ان میں رحمان پر جرأت ونافرمانی میں سب سے زیادہ سرکش ہوگا یعنی ہم سرکش وگمراہ گروہوں میں سے ہر گروہ سے سب سے زیادہ سرکش کو ضرور نکال لیں گے' پھر جو سب سے زیادہ سرکش ہوگا' سو جب تمام جمع ہو جائیں گے تو ہم ان کو ترتیب وار دوزخ کی آگ میں پھینک دیں گے' چنانچہ ہم سب سے پہلے نمبر پر آنے والوں پر پہلے عذاب دیں گے' پھر ان میں جو پہلے ہوگا' اس کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَشَدُّهُمْ عِتِيًّا'' سے کفار کے سردار مراد ہیں کیونکہ انہوں نے دگنے جرم کیے' ایک تو وہ خود گمراہ ہوئے' دوسرا یہ کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا [علامہ سیبویہ نے کہا کہ ''اَيُّهُمْ'' ضمہ (پیش) پر مبنی ہے کیونکہ صدر جملہ جو اس کا صلہ بنتا ہے' وہ ساقط ہو چکا ہے اور وہ ''هُوَ'' ہے جو ''اَشَدُّ'' سے پہلے ہے یہاں تک کہ اگر اس کو لایا جاتا تو یہ نصب (زبر) پر معرب ہوتا اور یوں کہا جاتا: ''اَيُّهُمْ هُوَ اَشَدُّ'' اور یہ اس لیے کہ صلہ اپنے موصول کی وضاحت کرتا ہے اور اس کو بیان کرتا ہے جیسا کہ مضاف اِلیہ مضاف کی وضاحت کرتا ہے اور اس کو مخصوص کرتا ہے اور جس طرح مضاف الیہ کا

محذوف ہونا ''مِنْ قَبْلُ'' میں مضاف کے مبنی ہونے کو واجب کرتا ہے اسی طرح صلہ کا یا اس میں سے کسی چیز کا محذوف ہونا بھی مبنی ہونے کو واجب کرتا ہے اور یہ ''نَنْزِعُ'' سے محلًا منصوب ہے جب کہ علامہ خلیل نے کہا کہ یہ معرب ہے اور یہ مبتدا ہے اور ''اَشَدُّ'' اس کی خبر ہے اور وہ حکایت کے طور پر مرفوع ہے] جس کی مقدر عبارت اس طرح ہے کہ (''لَنَنْزِعَنَّ'') ''الَّذِيْنَ يُقَالُ فِيْهِمْ'' (''اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا'') ہم ضرور ان کو نکال لیں گے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کون رحمٰن پر زیادہ سرکش ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ نکالنے کا عمل صرف ''مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ'' پر واقع ہو جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَّحْمَتِنَا'' (مریم:۵۰) ''اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں سے عطا فرمایا''۔ یعنی ہم ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکال لیں گے اور گویا کسی کہنے والے نے کہا: وہ لوگ کون ہیں؟ تو جواب میں فرمایا گیا: ''اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا'' یہ وہ لوگ ہیں جو رحمٰن پر سب سے زیادہ سرکش ہیں [اور ''عَلٰى'' ''اَفْعَلُ'' کے ساتھ متعلق ہے۔ ''اَىْ عُتُوُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ'' یعنی ان کی سرکشی و نافرمانی رحمٰن پر سب سے بڑھ کر سخت تر ہے]۔

۷۰- ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ پھر ہم ان لوگوں کو زیادہ بہتر جانتے ہیں جو دوزخ کی آگ میں سب سے پہلے داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں [''صِلِيًّا'' تمییز بہ معنیٰ ''دخول'' کے ہے اور ''بَا'' ''اَوْلٰى'' کے ساتھ متعلق ہے]۔

۷۱- ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ اور تم میں سے کوئی ایک ایسا نہیں مگر وہ اس میں داخل ہوگا اور دوزخ کی آگ میں داخل ہونا مراد ہے اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ''وُرُوْدٌ'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے اور جمہور اہل سنت اسی پر متفق ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ'' (ھود:۹۸) ''پھر وہ ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا''۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا'' (الانبیاء:۹۹) ''اگر یہ خدا ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے''۔ اور ارشاد ہے: ''ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا'' (مریم:۷۲) ''پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جنہوں نے شرک سے پرہیز کیا'' کیونکہ نجات دخول کے بعد ہوگی اور اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''وُرُوْدٌ'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے' کوئی نیک و بد باقی نہیں رہے گا مگر وہ دوزخ میں داخل ہوگا لیکن دوزخ کی آگ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی اور دوزخ کی آگ مؤمن سے کہے گی: اے مؤمن! جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے ہیں[1]

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''ورود'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے لیکن یہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ''وَاِنْ مِّنْهُمْ'' ہے اور قراءتِ مشہورہ کو التفات پر محمول کیا جائے گا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ''ورود'' کا معنیٰ ''حضور'' ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ'' (القصص:۲۳) ''اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی کے پاس حاضر ہوئے''۔ اور ارشاد ہے: ''اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ'' (الانبیاء:۱۰۱) ''یہ (نیک لوگ) دوزخ سے دور رکھے جائیں گے''۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد دوزخ کے عذاب سے دور رکھنا ہے اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ''وُرُوْدٌ'' سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے اس لیے کہ پل صراط کو دوزخ پر بچھایا جائے گا اور جنتی لوگوں کو صحیح و سلامت گزارا جائے گا اور دوزخیوں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ دوزخ میں ورود کا مطلب دنیا میں اس

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۳۲۹' رواہ الطبرانی کمانی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۶۰' الدیلمی فی الفردوس رقم الحدیث: ۲۳۶۵

کے جسم کو بخار میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بخار ہر مؤمن کے لیے دوزخ میں سے حصہ ہے اور صحابہ کرام میں سے ایک نے دوسرے سے فرمایا کہ تجھے دوزخ میں ورود کا یقین ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو اس پہلے نے کہا: اور تجھے اس سے نکلنے کا یقین ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں! پہلے نے کہا: پھر ہنسی کھیل کس کھاتے میں اور سامانِ دنیا کی ذخیرہ اندوزی کس کھاتے میں؟ ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ یہ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک یقینی فیصلہ ہو چکا ہے یعنی ان کا ورود واجب و لازم ہو چکا ہے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے یہ ہر حال میں ہو کر رہے گا [اور ''حَتْمٌ'' مصدر ہے] ''حَتَمَ الْاَمْرُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کام کسی پر واجب کرے اسی لیے موجب کو حتم کا نام دیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں: ''ضَرَبَ الْاَمِیْرُ'' امیر نے فلاں کام واجب کر دیا ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾

پھر ہم انہیں کو نجات دیں گے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے O اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس فریق کا مکان بہتر ہے اور محفل اچھی ہے O اور ہم نے ان سے پہلے سابقہ امتوں میں سے کتنے (زیادہ) لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے وہ لوگ تو ساز و سامان اور نام و نمود میں زیادہ شاندار تھے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو گمراہی میں ہوتا ہے تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دے دیتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب کو اور یا قیامت کو تو پھر وہ جان لیں گے کہ کس کا مکان برا تھا اور کس کا لشکر کمزور تھا O

٧٢- ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جنہوں نے شرک سے پرہیز کیا اور وہ مسلمان ہیں [قاری علی کسائی کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ (نُنْجِیْ) ہے] ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم انہیں دوزخ میں داخل کریں گے اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو اس کے گناہ کی مقدار کے مطابق سزا دی جائے گی پھر وہ یقیناً نجات پائے گا اور مرجئہ خبیثہ فرقہ نے کہا کہ گناہ پر سزا نہیں دی جائے گی اس لیے کہ اسلام کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا اور معتزلہ فرقہ نے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

## مال و دولت کے سبب کفار کا مسلمانوں پر تکبر کرنے کا بیان

٧٣- ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ جن کا اعجاز

ظاہر وعیاں ہے یا جن کا دلائل و براہین ہونا واضح ہے [یہ حالِ مؤکد ہے] جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا“ (البقرہ:٩١) ”اور وہ حق ہے درآں حالیکہ وہ تصدیق کرنے والا ہے“۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام آیات واضح اور مدلل ہوتی ہیں ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کافروں نے کہا: یعنی مشرکین قریش نے کہا اور وہ لوگ اپنے بالوں کو سنوارنے کے لیے کنگھیاں کرتے اور فخر ومباہات کے لیے لباس پہننے میں تکلفات کا اہتمام کرتے تھے ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اہل ایمان کے لیے (یعنی) غریب و فقیر اور محتاج و نادار مسلمانوں کے لیے جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے ہوتے تھے اور ان کے کپڑے ٹاٹ کے بنے، کھردرے اور موٹے ہوتے تھے ﴿أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ﴾ دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق، ہم یا تم ﴿خَيْرٌ مَقَامًا﴾ بہتر ہے، رہائش گاہ کے اعتبار سے [میم مفتوح کے ساتھ ] ”مَقَام“ قیام گاہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مکانات اور رہائش گاہیں مراد ہیں [اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں میم مضموم ہے] اقامت گاہ اور منزل کو ”مُقام“ کہا جاتا ہے ﴿وَأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ اور شاندار مجلس ومحفل جس میں باہم مشورہ کرنے کے لیے ساری قوم جمع ہوتی ہے اور اس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ہم آیات یا کوئی آیت نازل کرتے ہیں، جس میں خوب دلائل و براہین بیان کیے گئے ہوتے ہیں تو کفار ان میں غور وفکر اور تدبر کرنے کی بجائے مال ودولت اور خوبصورت مکانوں پر فخر وتکبر کے اظہار کی طرف روگردانی کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

٧٤- ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے پچھلی امتوں میں سے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا [اور ”كَمْ“ . ”أَهْلَكْنَا“ کا مفعول ہے اور حرفِ ”مِنْ“ اس کے ابہام کا بیان ہے] یعنی پچھلی امتوں میں سے بہت سے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہر زمانے کے لوگ اپنے بعد والوں کے لیے ”قرن“ (یعنی سابقہ جماعت) ہوتے ہیں ﴿هُمْ أَحْسَنُ﴾ وہ شاندار تھے [اور یہ حرفِ ”كَمْ“ کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر تم ”هُمْ“ کو ترک کر دو تو ”أَحْسَنَ“ وصفیت کی بناء پر منصوب رہ جائے گا] ﴿أَثَاثًا﴾ گھر کا سامان یا قیمتی اور خوبصورت بچھونے اور اعلیٰ کوالٹی کے موٹے غالیچے ﴿وَرِئْيًا﴾ اور نمود ودکھاوا اور ظاہری شکل وصورت [فعل بہ معنی مفعول ہے، یہ ”رَأَيْتُ“ سے ماخوذ ہے۔ قاری نافع مدنی، ابن عامر شامی کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے ”يَا“ مشدد کے ساتھ ہے، اس بناء پر کہ ہمزہ کو سکون کی وجہ سے ”يَا“ سے تبدیل کر کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا، پھر تبدیل شدہ ”يَا“ کو مدغم کر دیا گیا ہے یا ”رِيٌّ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی نعمت وخوشحالی ہے]۔

٧٥- ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ جو شخص گمراہی (یعنی) کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا﴾ تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل اور مہلت دے دیتا ہے [یہ ”مَنْ“ کا جواب ہے کیونکہ حرف ”مَنْ“ شرط کے معنی میں ہے اور یہ امر خبر کے معنی میں ہے] یعنی جو شخص کفر اختیار کر لیتا ہے تو رحمٰن اس کو ڈھیل دے دیتا ہے یعنی اسے مہلت دیتا ہے اور اس کی عمر دراز کر دیتا ہے تاکہ وہ سرکشی وگمراہی میں اور زیادہ بڑھ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا“ (آل عمران:١٧٨) ”بے شک ہم انہیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ اور زیادہ گناہ کر لیں“ [اور اس کو فعل امر کے صیغے سے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس کے وجوب کا اعلان واظہار ہو جائے اور یہ کہ یہ کام (مہلت دینا) ہر حال میں کیا جائے گا جیسے مامور متمثل ہوتا ہے تاکہ گمراہی کی معذرتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے کاٹ دیا جائے] ﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے [یہ کلامِ پاک اللہ تعالیٰ کے سابق ارشاد: ”خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا“ کے ساتھ متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جو کلام ہے وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے] یعنی

کفار فخر وغرور کی یہ بات کہتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے وعدۂ الٰہی کو دیکھ لیں گے ﴿ اِمَّا الْعَذَابَ ﴾ خواہ دنیا میں عذاب کو (دیکھ لیں گے) اور وہ یہ کہ ان کو مسلمانوں کا قتل و غارت اور قید و بند کے ساتھ عذاب پہنچانا مراد ہے ﴿ وَاِمَّا السَّاعَةَ ﴾ اور یا ساعت یعنی قیامت کی گھڑی کو (دیکھ لیں گے) اور انہیں جو کچھ ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا ملے گی وہ وعدۂ الٰہی کا بدلا ہوگی ﴿ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴾ سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ کس کا ٹھکانا بدترین ہے اور کس کا لشکر (یعنی) معاونین و مددگار کمزور ہیں یعنی یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ انہوں نے جو معیار مقرر کیا تھا یہاں اس کے برعکس معاملہ ہے اور بے شک انہیں کا ٹھکانا بُرا ہے اور انہیں کا لشکر کمزور ہے' نہ ان کا مقام و مرتبہ بہتر ہے اور نہ ان کے ساتھی اچھے ہیں اور بے شک مؤمنوں کی شان ان کی بیان کردہ صفت کے برعکس ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام اپنے ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہو] اور معنی یہ ہو کہ بے شک جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ان کو گمراہی میں ڈھیل دی جائے گی' وہ اپنی گمراہی سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یا پھر وہ قیامت کو دیکھ لیں گے [اور ''حَتّٰى'' وہ کلمہ ہے جس کے بعد والا جملہ کسی واقعہ کی حکایت بیان کرتا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کے بعد جملہ شرطیہ واقع ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ'' ''فَسَيَعْلَمُوْنَ'' ہے]۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝٧٦ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝٧٧ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝٧٨ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝٧٩ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝٨٠ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝٨١

اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے' اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انجام کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں O کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور اس نے کہا کہ مجھے مال اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی O کیا اس نے غیب پر اطلاع پالی ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے O ہرگز نہیں' جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے اب بھی لکھ رہے ہیں اور ہم اس کو بہت زیادہ عذاب بڑھا چڑھا کر دیں گے O اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا O اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے مددگار ہوں O

٧٦- ﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے [یہ ''فَلْيَمْدُدْ'' کے محل پر معطوف ہے کیونکہ وہ خبر کی جگہ پر واقع ہے] جس کی مقدر عبارت اس طرح ہے: جو گمراہی میں پڑا ہوا ہے اسے ڈھیل دی جاتی ہے یا اسے رحمٰن ڈھیل دیتا ہے اور اضافہ فرما دیتا ہے یعنی گمراہوں کی گمراہی میں ذلت و رسوائی کا اضافہ کر دیتا ہے اور ہدایت یافتہ یعنی مؤمنوں کی ہدایت میں اضافہ فرما دیتا ہے کہ انہیں ہدایت پر ثابت قدمی یا پھر اپنی توفیق و

مہربانی سے ان کے یقین و بصیرت میں اضافہ فرما دیتا ہے ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں (یعنی) آخرت کے تمام اعمال یا پنجگانہ نمازیں یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے ان سب سے بہت بہتر ہیں جن پر کفار فخر وغرور کرتے ہیں ﴿وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں اور مسلمانوں کی فضیلت بیان کرنے میں کفار کا مذاق اڑایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے کہا تھا کہ ''اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا'' دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مکان کے اعتبار سے بہتر ہے اور محفل کی رُو سے اچھا ہے۔

## کفار کے بُرے انجام کا بیان

٧٧- ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں کا انکار کر دیا ہے اور اس نے کہا: مجھے وہاں (آخرت میں بھی) مال و دولت اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں چار جگہ واؤ مضموم اور لام ساکن کے ساتھ ''وُلْدًا'' پڑھا گیا ہے۔ یہاں (اس سورت میں دو جگہ) اور زخرف اور نوح میں اور یہ ''وَلَدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسْدٌ'' (ہمزہ مضموم اور سین ساکن کے ساتھ) ''اَسَدٌ'' کی جمع ہے یا یہ ''وَلَدٌ'' کے معنی میں ہے جیسے ''عُرْبٌ'' بہ معنی ''عَرَبٌ'' استعمال ہوتا ہے] اور جب اشیاء کو دیکھنا ان کے جاننے کا ذریعہ ہے اور ان سے خبر دینے کی صحت کا ذریعہ ہے تو انہوں نے ''اَرَاَيْتَ'' کو ''اَخْبِرْ'' کے معنی میں استعمال کیا ہے [اور حرف ''فَا'' بعد کے معنی کا فائدہ دیتا ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! اس کافر کے قصے کی خبر بھی سنا دیجئے اور ان (مشرکینِ قریش) کی بات کے بعد اس کافر کی بات بھی یاد کیجئے اور اس کی بات یہ ہے کہ ''لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا'' مجھے مال و دولت اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی [اور یہ پوشیدہ قسم کا جواب ہے]۔

٧٨- ﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾ کیا وہ غیب پر اطلاع پا چکا ہے؟ یہ عرب کے قول ''اَطَّلَعَ الْجَبَلَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی پہاڑ کی بلندی پر چڑھ جاتا ہے [یہ ہمزہ استفہام کا ہے اور وصل کا ہمزہ محذوف ہے] یعنی کیا اس نے لوحِ محفوظ میں دیکھ لیا ہے کہ اس نے اپنے مقصد کو جان لیا ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ یا اس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے لیا ہے (یعنی) ایسا پختہ عہد کہ اللہ تعالیٰ اسے پورا کرے گا یا عہد سے کلمۂ شہادت مراد ہے۔

شانِ نزول: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور مشہور یہ ہے کہ یہ آیات عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں' چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خباب بن اُرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاص بن وائل کے لیے زیور تیار کیا اور اس سے اس کی اجرت طلب کی تو اس نے کہا: تم تو یہ گمان رکھتے ہو کہ تم یقیناً مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور جنت میں تمہیں سونے اور چاندی کے زیورات پہنائے جائیں گے' سو میں بھی تمہاری مزدوری وہیں پر ادا کر دوں گا کیونکہ مجھے وہاں بھی مال و دولت اور اولاد یقیناً عطا کی جائے گی۔

٧٩- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں۔ اس کلمہ سے غلطی پر زجر و توبیخ (ڈانٹنا) اور تنبیہ کی گئی ہے یعنی وہ اپنے بارے میں جو کچھ سوچتا ہے اس میں غلطی پر ہے' سو اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آ جائے ﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ عنقریب ہم لکھ لیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے' یعنی اس کی بات کو اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہم عنقریب اس کو ظاہر کر دیں گے اور ہم اسے بتلا دیں گے کہ بے شک ہم نے اس کی بات کو لکھ لیا ہے' اس لیے کہ جیسے ہی اس نے بات کہی اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے لکھ لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ'' (ق:١٨) ''وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار

رہتا ہے"۔ اور یہ اس (زائد بن صعصعہ) کے قول کی طرح ہے کہ جب ہم اپنا نسب نامہ بیان کرتے ہیں تو (سب پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ) مجھے کسی گھٹیا خاندان والی نے نہیں جنا یعنی نسب بیان کرنے سے معلوم وظاہر ہو جاتا ہے کہ میں کسی گھٹیا نسل کی عورت کا بیٹا نہیں ہوں ﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ﴾ اور ہم اس کو لمبا چوڑا عذاب دیں گے' (یعنی) ہم اس کے عذاب کو بڑھا دیں گے جیسا کہ وہ بہتان تراشی اور جرأت مندی میں بڑھ چڑھ کر بولتا تھا اور یہ "مـد د" سے ماخوذ ہے "مَـدَّهٗ" اور "اَمَـدَّهٗ" ہم معنی ہیں (یعنی دراز کرنا' بڑھانا اور زیادہ کرنا) ﴿مَدًّا﴾ بڑھانا اور زیادہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و ناراضگی کے اظہار کے لیے فعل کو اس مصدر کے ساتھ مؤکد و مضبوط کیا ہے۔

۸۰۔ ﴿وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ اور وہ جو کچھ کہتا ہے' اس کے ہم وارث بنیں گے' یعنی ہم اس سے وہ سب کچھ لے لیں گے جس کے متعلق وہ گمان رکھتا ہے کہ وہ اسے آخرت میں بھی پالے گا اور معنی یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا مسمّٰی ومقولہ مراد ہے اور وہ مال ودولت اور اولاد ہے ﴿وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴾ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا ["فَـرْدًا" حال ہے] یعنی وہ ہمارے پاس اس حال میں تنہا آئے گا کہ اس کے پاس نہ مال ہوگا اور نہ اولاد ہوگی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَـقَـدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی" (الانعام: ۹۴) "اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آ گئے ہو"۔ سو اس کو اس کی تمنا اور آرزو کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ اس کی قسم اس کو کوئی فائدہ دے گی۔

۸۱۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے' یعنی ان مشرکینِ قریش نے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے بتوں کی تعظیم وتوقیر کی وجہ سے قوت وعزت حاصل کر لیں اور وہ بت ان کے مددگار وسفارشی بن جائیں اور وہ انہیں (قیامت میں) عذاب سے چھڑا لیں۔

ع ۵/۷
كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا
الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ
عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ
وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا
اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾
وقف لازم

ہرگز نہیں' عنقریب وہ ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب اکساتے ہیں O سو آپ ان پر جلدی نہ کیجئے' بے شک ہم تو صرف ان کی گنتی (کے دن) پورے کر رہے ہیں O جس دن ہم پرہیزگاروں کو سوار کر کے مہمان بنا کر رحمٰن کے پاس جمع کریں گے O اور ہم مجرموں کو پیاسا دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے O وہ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے سوائے اس کے جس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے رکھا ہے O اور کافروں نے کہا کہ رحمٰن نے (اپنے لیے) اولاد بنا لی ہے O بے شک تم بہت سخت بُری بات گھڑ لائے ہو O

٨٢- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں۔ انہوں نے جو گمان کیا تھا اس پر انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور انہیں ڈانٹا گیا ہے ﴿سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ عنقریب وہ ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے [ضمیر فاعل ''اٰلِهَةً'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بت کفار کی عبادت سے منکر ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے ہماری عبادت نہیں کی اور تم جھوٹے ہو| یا یہ ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے| یعنی مشرکین بتوں کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ'' (الانعام: ٢٣) ''ہمیں اپنے رب اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں ہیں''۔ ﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے' یعنی معبودانِ باطلہ مشرکین کے مخالف ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور وہ کہیں گے: اے اللہ! تو ان مشرکین کو عذاب میں مبتلا فرما' جنہوں نے تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت شروع کر دی تھی [اور ''ضِدٌّ'' واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اور یہ ''لَهُمْ عِزًّا'' کے مقابلہ میں ہے ]اور ''ضِدٌّ'' سے عزت کی ضد مراد ہے اور وہ ذلت و رسوائی ہے یعنی مشرکوں نے بتوں کے بارے میں جو ارادہ کیا تھا یہ بت اس کے برعکس ثابت ہوں گے' مطلب یہ ہے کہ یہ معبودانِ باطلہ ان کے لیے ذلت و رسوائی کا باعث بنیں گے' عزت و وقار کا باعث نہیں بنیں گے [اور اگر ''سَيَكْفُرُوْنَ'' اور ''يَكُوْنُوْنَ'' میں ضمیر فاعل مشرکین کی طرف لوٹتی ہے تو پھر یہ معنی ہوگا کہ مشرکین اپنے معبودوں اور بتوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے خلاف ہو جائیں گے ] یعنی مشرکین جو پہلے (دنیا میں) بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن اس کے بعد اب (آخرت میں) ان کے ساتھ کفر کرنے والے اور انکار کرنے والے بن جائیں گے۔

## کفار پر شیاطین کے تسلط کا بیان

٨٣- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعجب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے؟ یعنی ہم نے ان کو بھی اور اُن کو بھی چھوڑ رکھا ہے اور یہ ''اُرْسِلَتِ الْبَعِيْرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے کافروں کو بہکانے کے لیے شیطانوں کو ان پر مسلط کر رکھا ہے ﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ وہ ان کو بہکا پھسلا کر گناہوں پر ابھارتے ہیں اور ''اَزٌّ'' اور ''هَزٌّ'' ہم معنی ہیں اور ان دونوں کا معنی کسی کام پر ابھارنا اور سخت برانگیختہ کرنا ہے۔

٨٤- ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ﴾ سو آپ ان پر عذاب بھیجنے کی جلدی نہ کریں ﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ بے شک ہم ان کے لیے صرف گنتی پوری کر رہے ہیں یعنی بے شک ہم انہیں سزا دینے کے لیے ان کے اعمال کو خوب گن رہے ہیں یا انہیں فنا کرنے کے لیے ان کی سانسیں گن رہے ہیں اور ابن سماک نے یہ آیت مبارکہ مامون کے پاس تلاوت کی تو اس نے کہا: جب زندگی کی سانسیں اور لمحات گنتی کے ہیں اور ان کو بڑھانے والا مددگار بھی کوئی نہیں تو وہ لمحات کس قدر جلد تر ختم ہو جائیں گے۔

## پرہیزگاروں کی فضیلت اور مجرموں کی فضیحت کا بیان

٨٥- ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾ جس دن ہم پرہیزگاروں کو مہمان بنا کر سواریوں پر سوار کر کے رحمٰن کے پاس جمع کریں گے (یعنی) متقین و پرہیزگار حضرات جنتی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بطور مہمان جنت میں اپنے مہربان رب تعالیٰ کے پاس جمع ہوں گے' ان کے کجاوے سونے کے ہوں گے اور ان کے پلانوں پر عمدہ اور خالص یاقوت جڑے ہوں

گے۔

۸٦۔﴿ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ اور ہم مجرموں (یعنی) کافروں کو اس طرح ہانک کر لے جائیں گے جس طرح جانوروں کو ہانک کر لے جایا جاتا ہے' یہ اس لیے کہ کفار جانوروں سے بھی بدتر ہیں ﴿ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴾ دوزخ کی طرف پیاسا لے جایا جائے گا۔ ''وِرْدًا'' کا معنی پیاسا ہے کیونکہ جو جاندار پانی پر وارد ہوتا ہے' وہ صرف پیاس بجھانے کے لیے پانی پر وارد ہوتا ہے اور حقیقت میں ''ورد'' پانی کی طرف جانا ہے' سو اس لیے پانی پر جانے والوں کو ''وَارِدُوْن'' کہا جاتا ہے [پس ''وَفْد'' ''وَافِد'' کی جمع ہے' جس طرح ''رَكْب'' ''رَاكِب'' کی جمع ہے اور ''وِرْد'' ''وَارِد'' کی جمع ہے اور ''يَوْمَ'' فعل مضمر (پوشیدہ فعل) کی وجہ سے منصوب ہے] ''اَیْ اُذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ وَنَسُوْقُ نَفْعَلُ بِالْفَرِيْقَيْنِ مَالَا يُوْصَفُ '' یعنی (اے محبوب!) یاد کیجئے جس دن ہم پرہیزگاروں کو جمع کریں گے اور مجرموں کو ہانک کر لے جائیں گے' ہم دونوں فریقوں کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے' جس کا وصف کماحقہٗ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ متقیوں اور پرہیزگاروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس جمع کیا جائے گا جو انہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا جیسا کہ مختلف وفود بادشاہوں کے پاس آتے ہیں' یہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے کیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا گویا وہ پیاسے جانور ہیں' جنہیں پانی کی طرف ہانکا جا رہا ہے' یہ ان کی توہین و تذلیل کرنے کے لیے کیا جائے گا۔

## شفاعت کا بیان

۸۷۔﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ ﴾ وہ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کی شفاعت (سفارش) نہیں کی جائے گی[1] [یہ حال ہے اور اگر واؤ ضمیر کی قرار دی جائے تو یہ بندوں کے لیے ہوگی اور اس پر متقین اور مجرمین کا ذکر دلیل ہے اس لیے کہ ان کی یہی تقسیم ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جمع کی علامت ہو جیسے ''اَكَلُوْنِيَ الْبَرَاغِيْثُ'' میں ہے اور یہ ''مَنِ اتَّخَذَ'' کا فاعل ہو کیونکہ ''مَنْ'' جمع کے معنی میں ہے اور ''مَنِ اتَّخَذَ''۔ ''يَمْلِكُوْنَ'' کے واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے یا پھر فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا مضاف کے محذوف ہونے کی تقدیر پر منصوب ہے ''اَیْ اِلَّا شَفَاعَةَ مَنِ اتَّخَذَ''] ﴿ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴾ مگر جس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے لیا ہو

[1] واضح رہے کہ کفار کی شفاعت نہیں ہوگی نہ ان کی شفاعت کسی کے حق میں قبول کی جائے گی اور نہ کسی کی شفاعت ان کے حق میں قبول کی جائے گی کیونکہ شفاعت کے لیے عہد الٰہی یعنی ایمان کا حامل ہونا ضروری ہے جو ان میں نہیں ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کے لیے شفاعت کی نفی فرمائی ہے' مثلاً

| | |
|---|---|
| (۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ. (البقرہ:۴۸) | اور کسی کافر جان کی طرف سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ |
| (۲) لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (الانعام:۵۱) | اللہ تعالیٰ کے سوا کافروں کے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔ |
| (۳) فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا. (الاعراف:۵۳) | سو کیا ہماری سفارش کرنے والے کوئی ہیں جو ہماری سفارش کریں۔ |
| (۴) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ○ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ○ (الشعراء:۱۰۰۔۱۰۱) | سو اب ہماری سفارش کرنے والے کوئی نہیں○ اور نہ کوئی غم خوار دوست ہے○ |

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(یعنی) اس طرح کہ وہ ایمان لا کر مسلمان ہو گیا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (پورا کلمہ طیبہ خلوصِ دل کے ساتھ) پڑھ لیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد لے لیا۔[1]

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس سے عاجز رہ سکتا ہے کہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ سے عہد لے لیا کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہر روز صبح و شام پڑھا کرے: ''اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَاَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اور شہادت (ظاہر) کے جاننے والے! بے شک میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور یقیناً حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تیرے خاص بندے اور تیرے رسول ہیں اور بے شک اگر تو مجھے میرے نفس کے سپرد کر دے گا تو وہ مجھے بُرائی کے نزدیک کر دے گا اور بھلائی سے دور کر دے گا اور بے شک میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسا نہیں رکھتا' سو تو میرے لیے اس عہد کو محفوظ کر لے (پھر) قیامت کے دن تو مجھے یہ پوری طرح عطا فرما دینا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' سو جب کوئی شخص اس عہد نامہ کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر حفاظت کی مہر لگا دے گا اور اس کو عرش کے نیچے رکھ دے گا' پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی کرنے والا فرشتہ منادی کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا عہد نامہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے؟ پھر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔[2]

یا یہ ''عَهِدَ الْاَمِيْرُ اِلٰى فُلَانٍ بِكَذَا'' سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب حاکم کسی کو کوئی کام کرنے کی اجازت دے کر اسے بجالانے کا حکم دیتا ہے یعنی شفاعت صرف وہی کر سکے گا جس کو شفاعت کرنے کے لیے مامور کیا جائے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۵) وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا. (الروم:۱۳) — اور ان کے شریکوں میں سے ان کی سفارش کرنے والے کوئی نہیں ہوں گے۔

(۶) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ. (الزمر:۴۳) — کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں (بتوں کو) شفاعت کرنے والے بنا رکھا ہے۔

(۷) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (المؤمن:۱۸) — ظالموں (یعنی کافروں) کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔

(۸) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ. (المدثر:۴۸) — پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔

1. رواہ الطبرانی فی الکبیر ج ۱۲ ص ۴۳۷
2. یہ عہد نامہ درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے: تفسیر روح المعانی جزء ۱۶ ص ۱۳۷ - ۱۳۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۶۲ - ۵۶۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۳۱۶ - ۳۱۷ بہ حوالہ الجامع لاحکام القرآن جزء ۱۱ ص ۷۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۹۱۷' المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۱۸' ضیاء القرآن ج ۳ ص ۹۸' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱ زیر بحث آیت۔

گا اور جس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔[1]

## اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کے ثبوت کی نفی کا بیان

٨٨-﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ اور انہوں نے یعنی نصرانیوں اور یہودیوں اور جن لوگوں کا گمان تھا کہ فرشتے

[1] یہاں پہلے وہ آیات پیش کی جائیں گی جن سے شفاعت کا ثبوت ملتا ہے' پھر ان حضرات کی شفاعت کا ثبوت بیان کیا جائے گا جو شفاعت کرنے کے لیے مامور اور اجازت یافتہ ہیں۔

اہل ایمان کے لیے شفاعت کا ثبوت

(١) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:٢٥٥) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

(٢) مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا. (النساء:٨٥) جو شخص نیکی کی شفاعت کرے گا اس کو شفاعت کرنے پر ثواب ملے گا۔

(٣) مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ. (یونس:٣) کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا مگر اس کی اجازت کے بعد۔

(٤) لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. (مریم:٨٧) شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے مگر وہی جس نے رحمٰن سے عہد لے لیا۔

(٥) وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. (الانبیاء:٢٨) اور فرشتے شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت پسند کرے گا۔

(٦) یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا. (طٰہٰ:١١٠) اس دن شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر اس کو فائدہ دے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی اور اس کی بات پسند فرمائی۔

(٧) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ. (سبا:٢٣) اور اس کے پاس شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت

(١) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا' پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ ''اِرْفَعْ رَاْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ'' اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح بخاری ج ٢ ص ١٧١' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ'' قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٠٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(٣) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ مَنْ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (ان سب نے) کہا کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے۔

٨٩۔﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا﴾ بے شک تم ایک بہت بُری اور سخت بھاری بات گھڑ لائے ہو۔اللہ تعالیٰ نے غائب کے بعد اس کلام میں فعل حاضر کے ساتھ کافروں کو مخاطب فرمایا ہے اور یہ التفات کہلاتا ہے (جو کلامِ عرب میں فصاحت و بلاغت کا ایک عمدہ اندازِ بیان ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ کفار سے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یَشْفَعُ فِی الْجَنَّۃ '' میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۲)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: '' شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ '' میں اپنی امت میں سے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱' سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶)

(۵) حضرت عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدھی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں '' فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِیَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا '' سو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہوگی جو شرک پر نہیں مرے گا۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۱' سنن ابن ماجہ ص ۲۱۹)

(۶) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ '' جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی' اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۷۸)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ '' قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر فخر نہیں۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۵)

### انبیاءِ کرام' علماءِ اسلام اور شہداء کی شفاعت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ اَلْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ '' قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: (۱) انبیاءِ کرام (۲) علماءِ دین (۳) شہداءِ اسلام۔

### حافظِ قرآن کی شفاعت

حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَهٗ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ '' جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اس کے خاندان کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکا ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹)

### قرآن مجید کی شفاعت

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: '' اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِّاَصْحَابِهٖ '' قرآن پڑھا کرو بے شک یہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۰)

### قرآن مجید اور ماہِ رمضان کے روزوں کی شفاعت

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ روزے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بات ارشاد فرمادیں کہ اے کافرو! تم بہت بُری اور عجیب و غریب سخت قبیح بات گھڑ کے لائے ہو۔ ''اِدًّا'' کا معنی عجب ہے یا بہت بڑی بُرائی اور ''اِدَّۃٌ'' کا معنی شدت و سختی ہے اور ''اَدَّنِیَ الْاَمْرُ'' بہ معنی ''اَثْقَلَنِیْ وَعَظُمَ عَلَیَّ اِدًّا'' ہے یعنی اس نے مجھے مشکل میں ڈال دیا اور مجھے بڑی سخت انوکھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور قرآن آدمی کی شفاعت کریں گے' روزے کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میں نے اس آدمی کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا' پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات ... ایک ... تک روکے رکھا' پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما' سو ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔
(مشکوٰۃ ص ۱۷۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی ہند)

## امتیوں کی شفاعت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک ... کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایک قبیلہ کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایک جماعت کی اور کچھ صرف ایک شخص کی' یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱)

## نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی شفاعت

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نمازِ جنازہ میں سو (۱۰۰) مسلمان شریک ہوں اور اس کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۸)

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ میں چالیس (۴۰) مسلمان شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمالیتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۸)

## نابالغ بچوں کی شفاعت

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (دو کم سن فوت شدہ بچے) ہوں' وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبۂ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائے گا۔ عرض کیا: جس کا کوئی نہیں ہوگا۔ فرمایا: جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی کی تکلیف نہیں پہنچی۔
(جامع ترمذی ص ۱۷۲)

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ نا تمام بچہ (مثلاً ۵ ماہ یا ۶ ماہ کا ساقط بچہ) جب اپنے ماں باپ کو جہنم بھجواتے ہوئے دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جھگڑالو! جا! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے' چنانچہ وہ اپنے ماں باپ کو ناف سے باندھ کر گھسیٹ کے جنت میں لے جائے گا۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۵)

نوٹ: اختصار کے پیشِ نظر بندۂ ناچیز نے اپنے مشفق و مکرم استاذِ محترم عمدۃ المحققین علامۃ العصر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی ''شرح مسلم'' جلد ثانی سے کچھ احادیث مبارکہ تحریر کی ہیں' مکمل تشریح و تفصیل ''شرح مسلم'' جلد ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ
دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾
وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ
لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں O کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا O اور رحمٰن کے لیے یہ لائق ہی نہیں کہ وہ (اپنے لیے) اولاد بنا لے O آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے وہ ہر ایک عاجز بندہ بن کر رحمٰن کے سامنے حاضر ہوگا O بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور ان سب کو گن رکھا ہے O اور وہ سب قیامت کے دن اس کے سامنے تنہا حاضر ہونے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گا O

۹۰- ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ قریب ہے کہ تمام آسمان اس بہت بڑی اور بُری بات سے پھٹ جائیں۔ ''تَكَادُ'' بہ معنی ''تَقْرُبُ'' ہے [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت ''یا'' کے ساتھ ''يَكَادُ'' ہے اور ابو عمرو بصری' ابن عامر شامی' حمزہ' خلف اور ابو بکر کی قراءت میں ''تا'' کی بجائے نون ساکنہ اور ''طا'' مخفف مکسور کے ساتھ ''يَنْفَطِرْنَ'' ہے اور ''انفطار''، ''فَطَرَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو پھاڑ دے اور ''تَفَطُّرٌ''، ''فَطَّرَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کو پھاڑ دے] ﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ﴾ اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دھنس جائے اور اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور پہاڑ ٹوٹ کر یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منہدم ہو کر گر پڑیں اور ''هَدَّةٌ'' کا معنی ہے: آسمانی بجلی سے کڑک کی آواز اور یہ مصدر ہے یعنی کفار کی بات کی سماعت سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں [یا حال ہے یا مفعول لہ یعنی ٹوٹ کر]۔

۹۱- ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا (یعنی) اس لیے کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد مقرر کی [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''مِنْهُ'' کی ضمیر ھا سے بدل ہے یا مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑنے کی علت بیان کی گئی ہے اور گرنے کی علت رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنا ہے یا پھر ''هَدًّا'' کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی ان کا رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنا پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دے]۔

۹۲- ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اپنے لیے اولاد بنا لے [''اِنْبَغٰی''، ''بَغٰی'' کا مطاوع ہے اور اس کا معنی ''طَلَبَ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں کہ وہ اپنے لیے اولاد مقرر کرے اور نہ اس کے لیے اولاد مقرر کرنا ممکن ہے بلکہ اگر اس کی طرف اولاد طلب کرنے کی نسبت کی جائے تو پھر بھی اس کے لیے اولاد کا ثابت کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ محال و ناممکن ہے اور اس کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے اور یہ اس لیے کہ اولاد کا ثبوت والد کے محتاج ہونے کی علامت ہے اور اولاد والد کی ہم جنس ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں سے منزہ اور پاک

ہے اور خصوصیت کے ساتھ رحمٰن کا ذکر کرنے اور اس کو بار بار مکرر لانے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بے شک رحمٰن ایک ہے اور اس کے سوا اس نام کا اور کوئی مستحق نہیں ہے کیونکہ تمام بنیادی نعمتیں اور ان کے ثمرات اسی رحمٰن کی رحمت کا مظہر ہیں' سو اب تمہاری آنکھوں سے تمام پردے دور ہو جانے چاہئیں اور یہ بات تم پر واضح ہو جانی چاہیے کہ تم اور تمہارے پاس جس قدر نعمتیں ہیں وہ سب کی سب اسی رحمٰن کی عطا اور اسی کی بخشش ہیں' لہٰذا جس نے اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا تو اس نے یقیناً اسے اس کی بعض مخلوق کی طرح قرار دے دیا اور اس کی طرف یہ نسبت کر کے اسے رحمٰن کے نام کے استحقاق سے خارج کر دیا۔

۹۳- ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ زمین اور آسمان کے تمام باشندے رحمٰن کے حضور عاجز و مطیع بندے بن کر حاضر ہوں گے' اور معنی یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں رہنے والے تمام فرشتے اور تمام انسان قیامت کے دن عاجز و فرماں بردار اور کم تر بن کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوں گے اور عبودیت و بنوّت یعنی بندگی اور خدا کا بیٹا ہونا ایک دوسرے کے منافی ہیں' حتیٰ کہ اگر باپ اپنے (غلام) بیٹے کا مالک بن جائے تو بیٹا فوراً آزاد ہو جائے گا اور تمام مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح ہے جس طرح غلام کی نسبت اپنے آقا و مالک کی طرف ہوتی ہے [حضرت ابن مسعود نے اضافت سے پہلے اصلی حالت کے مطابق ''اٰتٍ الرَّحْمٰنَ'' پڑھا ہے اور ''مَنْ'' نکرہ موصوفہ ہے' اس کی صفت ''فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' ہے اور ''كُلُّ'' کی خبر ''اِلَّا اٰتِى الرَّحْمٰنِ'' ہے اور ''اٰتِى'' اور ''اٰتِيْهِ'' (آیت:۹۵) کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ ان کو لفظ ''کل'' پر محمول کیا گیا ہے اور یہ دونوں ''اٰتِى يَاْتِىْ'' سے اسم فاعل ہیں اور یہ مستقبل کے معنی میں ہیں یعنی ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجز بندہ بن کر حاضر ہو گا اور ''عَبْدًا'' حال ہے]۔

۹۴- ﴿ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴾ بے شک البتہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے اور ان کی خوب گنتی کر رکھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل علم میں ان کو شمار کر رکھا ہے اور ان کا خوب احاطہ فرما لیا ہے۔

۹۵- ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ اور وہ سب کے سب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تنہا حاضر ہوں گے یعنی قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک بغیر مال و اولاد کے اور بغیر کسی معاون و مددگار کے تنہا اور اکیلا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا۔

### بندگانِ خدا کی شانِ محبوبیّت

۹۶- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گا (یعنی) بندوں کے دلوں میں۔ حضرت ربیع نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی نیک مسلمانوں سے محبت فرما کر اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔[1]

اور حدیث شریف میں ہے کہ نیک لوگوں کے سینوں میں مؤمنوں کی محبت عطا کی جاتی ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے دلوں میں مؤمنوں کی ہیبت پیدا کر دی جاتی ہے اور حضرت قتادہ اور حضرت ہرم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ خلوصِ دل سے اللہ تعالیٰ

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور حضرت کعب سے روایت ہے کہ کسی نیک بندے کی حسنِ ثناء اور توصیف وتعریف زمین میں قرار نہیں پکڑتی' یہاں تک کہ اس کی تعریف وتوصیف آسمانوں میں قرار پکڑ لیتی ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

پس بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور سخت جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعے ڈر سنائیں O اور ہم نے ان سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے' کیا آپ ان میں سے کسی کو پاتے ہیں یا آپ ان کی کوئی معمولی سی آہستہ آواز سنتے ہیں O

## قرآنِ مجید اور حاملِ قرآن کی منصب ذمہ داری

٩٧- ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ پس بے شک ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے (یعنی) ہم نے قرآن مجید کو آپ کی لغت میں نازل کر کے یقیناً آپ کے لیے آسان کر دیا ہے [''بِلِسَانِكَ'' حال ہے] ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ﴾ تاکہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں یعنی مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ اور آپ اس کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈر سنادیں جو باطل کے لیے سخت جھگڑالو اور حق کی بہت مخالفت کرنے والی قوم ہے یعنی جو ہر بات میں سخت جھگڑا شروع کر دیتے ہیں یعنی سخت مخالفت کرتے ہیں اور متکبر و جھگڑالو ہیں [یہ ''اَلَدُّ'' کی جمع ہے] اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں (یعنی کفارِ مکہ مراد ہیں جو دین اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخت مخالفت کرتے تھے)۔

٩٨- ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں۔ پہلی قوموں کی ہلاکت کا ذکر کفارِ مکہ کو خوف دلانے اور انہیں ڈرانے کے لیے کیا گیا ہے ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ کیا آپ ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہیں؟ یعنی کیا آپ ان میں سے کسی کو پاتے ہیں یا آپ کسی کو دیکھتے ہیں یا آپ کسی کو جانتے ہیں؟ اور احساس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محبت کر' چنانچہ حضرت جبریل اس آدمی سے محبت کرنے لگتے ہیں' پھر حضرت جبریل آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں آدمی سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں' لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمانوں میں رہنے والے اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں' پھر اس کی مقبولیت زمین میں رکھ دی جاتی ہے (جس کی برکت سے زمین پر رہنے والے سلیم الفطرت انسان بھی اس سے محبت کرتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بدکردار بندے سے ناراض ہو جاتا ہے تو حضرت جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بُرے آدمی سے ناراض ہوں تو بھی اس سے ناراض ہو جا' چنانچہ حضرت جبریل اس سے ناراض ہو جاتے ہیں' پھر حضرت جبریل آسمانوں کے رہنے والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بُرے آدمی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے' لہٰذا تم بھی اس سے ناراض ہو جاؤ' پھر اس کے بارے میں ناراضگی و بغض زمین میں رکھ دیا جاتا ہے۔

(تفسیر الخازن جزء ٣ ص ٢٤٨' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٥٣' تفسیر روح المعانی جزء ١٦ ص ١٤٣' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ٥ ص ٥٦٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ٦ ص ١٤٢' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر الحسنات ج ٤ ص ٨٢' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ١٠٠' تفسیر تبیان القرآن ج ٧ ص ٢١٨' تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ٤٠٤' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

قوتِ حاسہ سے معلوم کرنے کو کہتے ہیں ﴿ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ یا آپ ان کی ہلکی سی آواز سنتے ہیں' یعنی پوشیدہ اور آہستہ آواز اور "رکاز" اسی سے ماخوذ ہے یعنی جب ہمارا عذاب ان پر آیا تو ان میں سے کوئی شخص زندہ نہ بچا جسے دیکھا جا سکتا ہو اور نہ کسی کی چیخ و پکار سنی گئی یعنی سب کے سب ہلاک ہو گئے' سو یہ لوگ بھی اسی طرح ہوں گے اگر انہوں نے آپ پر نازل کردہ قرآن اور دیگر تعلیمات سے روگردانی کی تو ان کا انجام بھی تباہی و بربادی اور ہلاکت ہوگا' پس ان کا معاملہ آپ پر آسان ہو جائے گا۔

| آیاتہا ١٣٥ | بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ | رکوعاتہا ٨ |
|---|---|---|

سورۂ طٰہٰ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو پینتالیس آیات' آٹھ رکوع ہیں

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٣﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿٤﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿٥﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿٦﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿٧﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿٨﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾

وقف لازم

طٰہٰ ○ (اے محبوب!) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ○ بلکہ یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے ○ اس ذاتِ اقدس کی طرف نازل کیا گیا ہے' جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے ○ رحمٰن اپنی شان کے لائق عرش پر مستوی ہوا ○ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے ○ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں سو وہ تو پوشیدہ اور سب سے زیادہ پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے ○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' اور اس کے تمام نام اچھے ہیں ○ اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ○

## سورتِ طٰہٰ کی ابتدائی آٹھ آیات کی تفسیر

١- ﴿ طٰهٰ ﴾ حضرت مجاہد اور حضرت حسن اور حضرت ضحاک اور عطاء وغیرہم سے منقول ہے کہ "طٰہٰ" کا معنی ہے: "یَا رَجُلُ" "اے مردِ کامل! سو اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے ورنہ پھر حق وہ ہے' جو سورتِ بقرہ کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔[1] [ طاء کو (حروفِ مستعلیہ میں سے ہونے کے سبب) پُر پڑھا گیا ہے کیونکہ اس میں صفتِ استعلاء پائی جاتی ہے اور ابو عمرو نے ہا کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ حمزہ' علی کسائی' خلف اور ابو بکر نے دونوں کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر

[1] قبیلۂ عکل اور قبیلۂ عک میں "طٰہٰ" کا معنی "یَا رَجُلُ" یعنی اے شخص! ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبیلۂ عک میں "طٰہٰ" بہ معنی "یَا حَبِیْبِیْ" (اے میرے حبیب!) استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور رحمتِ عالمیان کا اسم مبارک ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ "ط" سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآء نے دونوں کو اصل پر عمل کرتے ہوئے یُر (یعنی مفتوح) پڑھا ہے]۔

٢۔﴿ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ﴾ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں تاکہ آپ ان کفار پر اور ان کے کفر پر بہت زیادہ افسوس کرنے کی وجہ سے اور ان کے ایمان لانے کی حسرت وخواہش کی وجہ سے یا رات کو زیادہ قیام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تھکا دیں اور آپ ہلاکت کے قریب پہنچ جائیں۔

شانِ نزول: کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو کثرت سے نماز نوافل پڑھتے رہتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے اور سوج جاتے تھے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! آپ اپنے نفس کو اس مشقت سے بچایئے اور اس پر نرمی کیجئے کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے۔(درمنثور ج ۵ ص ۵۴۹) یعنی ہم نے اس قرآن مجید کو اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ عبادت کے سبب اپنے آپ کو ہلاک کر دیں اور آپ کو صرف خالص حنفیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے [اگر"طٰه"کو اسمائے حروف کی گنتی کے لیے قرار دیا جائے تو یہ کلام مبتدا ہوگا اور اگر اس کو سورت کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ احتمال ہے کہ یہ اس کی خبر ہو اور وہ مبتدا کی جگہ پر ہو اور القرآن اسم ظاہر کو اسم مضمر کی جگہ رکھا گیا ہے' اس لیے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور یہ کہ یہ اس کا جواب ہے اور وہ قسم ہے]۔

٣۔﴿ اِلَّا تَذْكِرَةً ﴾ مگر نصیحت ہے [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ہم نے اس قرآن کو سراسر نصیحت بنا کر نازل کیا ہے [یا یہ حال ہے] ﴿ لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا جس کا معاملہ خشیتِ الٰہی کی طرف لوٹ جائے گا (یعنی مستقبل میں خوفِ خدا کا حامل بن جائے گا)۔

٤۔﴿ تَنْزِيْلًا ﴾ [یہ"تَذْكِرَةً"سے بدل ہے جب اس کو حال قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ"نَزَّلَ"پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہو یا بطورِ مدح یا پھر"يَخْشٰى"کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن اس شخص کو نصیحت کرنے کے لیے نازل کیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ﴿ مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ ﴾ اس ذات پاک کی طرف سے (یہ قرآن نازل کیا گیا ہے) جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا [یہ"تَنْزِيْلًا"کے متعلق ہے اور اس کا صلہ ہے] ﴿ الْعُلٰى ﴾ اونچے [یہ"علیا"کی جمع ہے اور"اَعْلٰى"کی تانیث ہے اور"سمٰوٰت"کو"العلی"کے ساتھ موصوف کرنا ان کے خالق کی عظیم قدرت پر واضح دلیل ہے]۔

٥۔﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے لائق استویٰ فرمایا۔ علامہ زجاج سے منقول ہے کہ"استویٰ"کا معنی ہے کہ رحمٰن عرش پر غالب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عرش کا ذکر کر کے جو کہ اعظم مخلوقات ہے اس کے غیر پر تنبیہ فرمائی ہے اور عرش تخت شاہی کا نام ہے جو بادشاہت کے مترادف ہے اور جب عرش پر استواء فرمانا بادشاہت سے کنایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) طہارت اور"ہ"سے ہدایت کے لیے بطور رمز ذکر ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے:"يَا طَاهِرًا مِّنَ الذُّنُوْبِ يَا هَادِيَ الْخَلْقِ اِلٰى عَلَّامِ الْغُيُوْبِ"اے گناہوں سے پاک اور خلقِ خدا کے رہنما۔(قرطبی) علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں ایک اور لطیف توجیہ نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ حسابِ جمل سے"ط"کا عدد نو اور"ہ"کا عدد پانچ ہے' جن کا مجموعہ چودہ ہے' جس کا معنی ہے: اے چودھویں کے چاند!"قيل الطاء تسعة فی الحساب والهاء خمسة ومعناه يا ايها البدر"۔ علامہ آلوسی نے"تفسیر روح المعانی"میں اس توجیہ کا ذکر کر کے لکھا ہے:"فكانّه قيل يا بدر سمآء عالم الامكان""اے عالم امکان کے آسمان کے ماہِ تمام! اے فلک وجود کے چودھویں کے چاند!(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۰۳)

ہے تو مفسرین نے فرمایا کہ ''اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تخت شاہی پر قابض ہو گیا یعنی بادشاہ ہو گیا ہے' اگر چہ وہ تخت پر بیٹھا نہیں ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ فلاں آدمی کا ہاتھ کشادہ ہے یعنی سخی ہے اگر چہ اس کا بالکل ہاتھ نہ ہو اور صحیح مذہب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ استواء غیر مجہول (یعنی معلوم) ہے اور اس کی کیفیت غیر معقول (عقل سے ماوراء) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب وضروری ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور مکان نہیں تھا' پس وہ مکان کی تخلیق سے پہلے بھی تھا اور جس شان پر تھا اور ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی [''اَلرَّحْمٰنُ'' مدح کی بناء پر مرفوع ہے ''اَیْ هُوَ الرَّحْمٰنُ'' یعنی وہ رحمٰن ہے تو گویا رحمٰن مبتدا محذوف کی خبر ہے]۔

٦۔ ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' [یہ خبر (مقدم) مبتدا (مؤخر) ہے اور (سابق کلام پھر بغیر عطف کے) معطوف ہے] ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی یہ تمام کا تمام سب کچھ اسی کی ملکیت میں ہے ﴿وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی﴾ اور جو کچھ زمین کی تہ میں ہے (یعنی) جو کچھ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے یا وہ پتھر مراد ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

٧۔ ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ﴾ اور اگر آپ اونچی آواز میں بات کریں (یعنی اگر) آپ اپنی آواز کو بلند کریں ﴿فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ﴾ تو بے شک وہ پوشیدہ (باتوں) کو بھی جانتا ہے جو آپ اپنے غیر سے آہستہ کرتے ہیں ﴿وَاَخْفٰی﴾ اور وہ اس سے زیادہ پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو آپ اپنے دل میں سوچتے اور محسوس کرتے ہیں یا جن باتوں کو آپ اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں (اور کسی پر ظاہر نہیں کرتے) اور جو باتیں عنقریب آپ اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں گے۔

٨۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کے تمام نام اچھے ہیں یعنی وہ اپنی ذات میں ایک ہے' اگر چہ اس کی صفات کی تعبیرات مختلف ہیں۔ اس میں کفارِ مکہ کے قول کی تردید کی گئی ہے کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کئی صفاتی نام سنے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ تو کئی معبودوں کو پکارتے ہیں [اور ''اَلْحُسْنٰی''۔ ''اَحْسَنُ'' کی تانیث ہے] (اسماء الحسنٰی کی خصوصیات و برکات کے لیے ہماری کتاب ''خصائص الاسمآء الحسنٰی'' کا مطالعہ کیجئے۔ غوثوی)۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا بیان

٩۔ ﴿وَهَلْ﴾ ''اَیْ وَقَدْ'' یعنی اور بے شک ﴿اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی﴾ آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کی ذمہ داریوں کے اٹھانے اور دورانِ تبلیغ آنے والی مشکلات پر صبر کرنے میں ان کے واقعات ومشکلات سے اپنے اندر جرأت وہمت پیدا کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیں تا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مشکلات برداشت کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے' اسی طرح آپ بھی دورانِ تبلیغ مشکلات برداشت کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو جائیں۔

| |
|---|
| اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ |
| عَلَی النَّارِ هُدًی ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ⑪ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ |

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾

جب اس نے آ گ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے فرمایا: ٹھہرو بے شک میں نے ایک آ گ دیکھی ہے امید ہے کہ میں اس میں سے تمہیں کوئی انگارہ لا دوں گا یا میں آ گ کے پاس کوئی رہنما پالوں گا O سو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا کہ اے موسیٰ O بے شک میں تمہارا رب ہوں' سوتم اپنے جوتے اتار دو' بے شک تم مقدس وادی طویٰ میں ہو O اور میں نے تمہیں (رسالت کے لیے) منتخب کرلیا ہے' پس تمہیں جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنئے O بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پس میری ہی عبادت کیجئے' اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے O بے شک قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کے مطابق جزاء دی جائے جتنی وہ کوشش کرتا رہا O

۱۰- ﴿إِذْ رَأَىٰ﴾ [یہ پوشیدہ فعل کے لیے ظرف ہے" اَیْ حِیْنَ رَاٰی" ] یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا ﴿نَارًا﴾ آ گ کو کہ وہ ایسی ایسی تھی [یا پھر"اِذْ" "اُذْکُرْ" کا مفعول لہ ہے] (یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ نے آ گ دیکھی)۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے ملاقات کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام سے مدین سے مصر جانے کی اجازت لی اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے' دورانِ سفر راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے شکم سے آپ کا بیٹا پیدا ہوا۔ موسمِ سرما کی وجہ سے رات سخت تاریک ہونے کے ساتھ برفانی تھی اور آپ راستہ بھول گئے اور اپنے پیدل ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور اس وقت آپ کے پاس نہ پانی تھا اور نہ کوئی پیالہ وغیرہ تھا' چنانچہ آپ نے چقماق کو جلایا تو آواز تو نکلی مگر آ گ نہ نکلی' پھر آپ نے اپنے خیال میں آ گ دیکھی حالانکہ وہ نور ہی نور تھا ﴿فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ سو حضرت موسیٰ نے بیوی سے فرمایا: تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو اور یہیں قیام کرو بے شک میں نے آ گ دیکھی ہے۔ "اِیْنَاسٌ" کا معنی ہے: کسی چیز کو واضح طور پر دیکھ لینا ﴿لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ﴾ امید ہے کہ میں اس میں سے کوئی انگارہ یا چنگاری تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ "قَبَسٌ" اس آ گ کو کہا جاتا ہے' جو لکڑی کے سرے پر روشن کیا جاتا ہے یا چراغ میں رکھی ہوئی کپاس سے بٹی ہوئی بتی کی آ گ کو "قَبَسٌ" کہا جاتا ہے" "لَعَلِّیْ" کے لفظ سے اس عمل کو امید پر مبنی قرار دیا گیا ہے تا کہ جس عمل یا بات کو پورا کرنے کا یقین نہ ہو اس کا وعدہ نہ کیا جائے ﴿أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ یا میں آ گ کے پاس کوئی رہنما پالوں گا۔ "هُدًی" بہ معنی "ذُوْ هُدًی" راہ دکھانے والا ہے یعنی میں آ گ کے پاس ایسی قوم کو پالوں گا جو مجھے راستہ دکھائے گی اور "عَلَى النَّار" میں استعلاء کا معنی یہ ہے کہ آ گ والے آ گ کے قریب بلند مکان میں رہتے ہیں۔

۱۱- ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس یعنی آ گ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سفید آ گ کو پایا جو سبز درخت کو نیچے سے لے کر اوپر تک گھیرے ہوئے ہے اور یہ انگور کا درخت تھا یا ببول کا درخت تھا اور حضرت موسیٰ نے اس کے پاس کسی کو نہ پایا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو طلب کرتے تو وہ دور ہو جاتی

اور جب آپ اس کو ترک کر دیتے تو وہ قریب آ جاتی' پھر اسی جگہ ﴿ نُوْدِیَ ﴾ حضرت موسیٰ کو پکارا گیا کہ ﴿ یٰمُوْسٰی ﴾ اے موسیٰ!

١٢-﴿ اِنِّیْٓ ﴾ [ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے] یعنی پکارا گیا اور فرمایا گیا کہ اے موسیٰ! بے شک میں (تیرا پروردگار ہوں) اور اس لیے کہ ندا قول کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے' جو اس کے ساتھ کیا جاتا ہے [(اور چونکہ قول کے تمام افعال کے بعد ہمزہ مکسور کے ساتھ ''اِنَّ'' آتا ہے اسی طرح ندا کے بعد بھی ہمزہ مکسور کے ساتھ ''اِنَّ'' آتا ہے) جب کہ ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ ''اَنَّ'' پڑھا گیا ہے] ''اَیْ نُوْدِیَ بِاَنِّیْ'' ﴿ اَنَا رَبُّكَ ﴾ یعنی انہیں پکارا گیا کہ بے شک میں تمہارا رب تعالیٰ ہوں [''اَنَا'' مبتدا ہے یا ضمیر متکلم ''یَا'' کی تاکید ہے یا پھر فاصلہ کے لیے لائی گئی اور ضمیر کا تکرار معرفہ کی تحقیق اور شک وشبہ کے ازالہ کے لیے کیا گیا ہے] اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''یَا مُوْسٰی'' کہہ کر پکارا گیا تو انہوں نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ متکلم یعنی درخت سے کلام کرنے والا کون ہے؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اَنَا رَبُّكَ'' میں تمہارا رب ہوں' جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے پہچان لیا کہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے یہ کلام اپنی تمام چھے جہات (آگے' پیچھے' دائیں' بائیں' اوپر' نیچے ہر طرف سے) سنا اور حضرت موسیٰ نے صرف اپنے کانوں سے ہی نہیں بلکہ اپنے تمام اعضاء سے سنا ﴿ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ﴾ تم اپنے جوتے اتار لو تاکہ تمہارے دونوں قدم مبارک ومقدس وادی طویٰ پر براہِ راست لگنے سے بابرکت ہو جائیں یا اس لیے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا کہ دونوں جوتے مردار گدھے کے بغیر رنگے چمڑے سے تیار کیے گئے تھے یا اس لیے کہ ننگے پاؤں چلنا اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی ہے اور اسی وجہ سے سابق بزرگانِ دین کعبہ معظمہ کا ننگے پاؤں طواف کرتے تھے اور قرآن مجید یہ رہنمائی کرتا ہے کہ یہ حکم مقدس جگہ کے احترام اور اس کی تعظیم وتکریم کے لیے تھا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دونوں جوتے اتار دیئے اور ان کو وادی کے پیچھے پھینک دیا ﴿ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ ﴾ بے شک تم ایک مقدس (یعنی) پاک یا مبارک وادی میں پہنچ چکے ہو ﴿ طُوًی ﴾ [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کے نزدیک تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ وادی کا اسم علم ہے اور یہ ''المقدس'' سے بدل ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے بغیر تنوین کے مکان کی تاویل میں پڑھا ہے اور ابوزید نے بغیر تنوین ''طا'' مکسور کے ساتھ پڑھا ہے]۔

١٣-﴿ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ ﴾ اور میں نے تمہیں چن لیا ہے (اور) میں نے تمہیں نبوت کے لیے منتخب کر لیا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَاِنَّا اخْتَرْنَاكَ'' ہے اور بے شک ہم نے تمہیں چن لیا ہے] ﴿ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴾ جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنئے [''مَا'' موصولہ ہے یعنی ''لِلَّذِیْ یُوْحٰی'' اس کو غور سے سنئے جو وحی کی جاتی ہے یا مصدریہ ہے یعنی ''لِلْوَحْیِ'' وحی کے لیے اور لام ''اِسْتَمِعْ'' کے متعلق ہے یا ''اَخْتَرْتُكَ'' کے متعلق ہے]۔

١٤-﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ﴾ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' سو تم میری عبادت کرو (یعنی) مجھے ایک مانو اور میری اطاعت کرو ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴾ اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے (یعنی) تاکہ تم نماز میں میرا ذکر کرو کیونکہ نماز اذکار پر مشتمل ہے یا اس لیے کہ میں نے تمام کتب میں نماز کا ذکر کیا ہے اور اس کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے یا یہ کہ میں مدح وثناء اور تعریف کے ساتھ تیرا ذکر کروں گا یا صرف میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے جس میں میرے ذکر کے علاوہ کسی کا ذکر شامل نہ ہو یا یہ کہ تم صرف میرے ذاکر بن جاؤ' لوگوں کے نہیں یا میری یاد کے اوقات میں نماز قائم کیجئے اور اس سے نماز کے اوقات مراد ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' (النساء:۱۰۳) ''بے شک نماز مسلمانوں پر مخصوص وقت میں فرض کی گئی ہے''۔اور بے شک اس کو بھول جانے کے بعد نماز کو یاد کرنے پر محمول کیا گیا ہے[اور یہ مضاف محذوف کی تقدیر پر صحیح ہے: ''اَیْ لِذِکْرِ صَلَاتِیْ'' یعنی میری نماز کو یاد رکھنے کے لیے] اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ توحید الٰہی کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی فرض نہیں ہے۔

۱۵-﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ﴾ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کا وقوع یقینی ہے ﴿اَكَادُ﴾ میں چاہتا ہوں۔ [اخفش کے نزدیک ''اَکَادُ'' بہ معنی ''اُرِیْدُ'' ہے اور بعض نے کہا کہ یہ صلہ ہے] ﴿اُخْفِيْهَا﴾ میں اس کو چھپاتا ہوں۔بعض نے فرمایا کہ یہ لغتِ اضداد میں سے ہے یعنی میں اسے ظاہر کرتا ہوں یا میں اسے بندوں سے چھپاتا ہوں' پس میں نہیں کہتا کہ وہ آنے والی ہے کیونکہ میں اسے چھپانا چاہتا ہوں اور اگر عمومِ وقت کے ساتھ اس کے آنے کی خبر دینے میں کوئی حکمت نہ ہوتی تو میں اس کے آنے کی خبر نہ دیتا اور وہ حکمت یہ ہے کہ جب لوگوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو وہ ہر وقت اس کے آنے سے ڈرتے رہیں گے ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ﴾ تا کہ ہر شخص کو جزاء دی جائے [یہ ''اٰتِیَۃٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿بِمَا تَسْعٰى﴾ وہ جو کچھ کوشش کرتا رہا نیکی میں سے یا بُرائی میں سے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ
يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ
اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا
تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ
مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

سو تمہیں اس (قیامت) کے ماننے سے وہ شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہوں اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو' پس تم ہلاک ہو جاؤ گےO اور اے موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہےO عرض کی کہ یہ میرا عصا ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور کام بھی ہیںO فرمایا: اے موسیٰ! اس کو پھینک دیںO سو اس نے اُسے پھینک دیا تو اچانک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگاO فرمایا: اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں' ہم ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گےO اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بازو (کے نیچے) سے ملا لیجئے وہ بغیر کسی بیماری کے خوب سفید چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہےO تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دکھا دیںO

۱۶-﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا﴾ سو تمہیں اس سے نہ روکے (یعنی) سو وہ تمہیں قیامت کے لیے عمل کرنے سے یا نماز قائم کرنے سے یا قیامت پر ایمان رکھنے سے نہ روکے' پس یہ خطاب بہ ظاہر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے لیکن اس سے ان کی امت مراد ہے ﴿مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور نہ اس کی تصدیق کرتا ہو ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ﴿فَتَرْدٰى﴾ پھر تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

## حضرت موسیٰ کے عصا کے فوائد اور آپ کے معجزات کا بیان

١٧- ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾ اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے [''مَا'' مبتدا ہے اور ''تِلْكَ'' اس کی خبر ہے اور یہ بہ معنی ''هٰذِهٖ'' ہے اور ''بِيَمِينِكَ'' حال ہے اس کے عامل لفظ ''تِلْكَ'' کا معنی اشارہ ہے یعنی یہ دائیں ہاتھ میں کیا پکڑا ہوا ہے یا ''بِيَمِينِكَ'' سے ماخوذ ہے یا پھر ''تِلْكَ'' موصولہ اور ''بِيَمِينِكَ'' اس کا صلہ ہے] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال صرف اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ عصا ہاتھ میں ثابت رہنے کے بعد بھی اس سے معجزہ رونما ہوگا یا یہ سوال اطمینان دلانے کے لیے کیا گیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کے سانپ بن جانے پر گھبرا نہ جائیں اور پریشان نہ ہو جائیں یا یہ سوال حضرت موسیٰ کو مانوس کرنے اور باہمی بات چیت اور گفتگو میں ہیبت و رعب کے ازالے کے لیے کیا گیا۔

١٨- ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ میرا عصا (ڈنڈا) ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں (یعنی) جب میں تھک جاتا ہوں تو میں اس پر ٹیک لگا کر سہارا لیتا ہوں اور میں چلتے پھرتے وقت اور بکریوں کے پاس کھڑے ہوتے وقت اس پر سہارا لیتا ہوں ﴿وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي﴾ اور میں اپنی بکریوں کے لیے اس کے ساتھ درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں تا کہ بکریاں انہیں کھائیں ﴿وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى﴾ اور اس میں میرے لیے دوسری حاجات وضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ''مَآرِبُ'' جمع ہے ''مَأْرُبَةٌ'' کی اور اس کا معنی حاجت ہے اور قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ''أُخَرُ'' ہوتا مگر صرف جماعت کے ارادہ پر ''أُخْرٰى'' فرمایا گیا ہے یا پھر آیات کی موافقت میں فرمایا گیا ہے اور ''اَلْكُبْرٰى'' بھی اسی طرح ہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے بعض فوائد کا ذکر کیا تو کلام کی طوالت سے شرم کرتے ہوئے باقی فوائد کو مجمل بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے لیے اس میں اور فوائد و حاجات بھی پوری ہوتی ہیں یا اس لیے اجمال سے کام لیا تا کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب بادشاہ اس کے بارے میں دریافت فرمائے اور آپ کے اکرام میں مزید اضافہ ہو جائے اور عصا کے دوسرے فوائد یہ تھے کہ یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور آپ سے باتیں کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتا تھا اور درندوں کے ساتھ لڑتا تھا اور رسّی بن جاتا تھا اور کنویں کی گہرائی اور لمبائی کے مطابق دراز ہو جاتا تھا اور اس کی دونوں شاخیں ڈول بن جاتی تھیں (کیونکہ یہ عصا دوشاخہ تھا) اور رات کے وقت دونوں شاخیں شمع بن کر روشن ہو جاتی تھیں اور یہ عصا مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامان اٹھایا کرتا تھا اور حضرت موسیٰ جب اس کو زمین میں گاڑ دیتے تو یہ پھل آور بن جاتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پھل کھانا چاہتے تھے وہی پھل اس پر نمودار ہو جاتا تھا اور جب حضرت موسیٰ اس کو پانی کے لیے زمین میں گاڑتے تو پانی کا چشمہ اُبلنے لگ جاتا تھا' پھر جب اس کو اٹھا لیتے تو پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتا تھا اور آپ کو بہ وقت آرام موذی کیڑے مکوڑوں سے بچاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے نعمتوں کی تعداد بیان کرنے کے لیے سوال کرنے پر اس سے زیادہ جواب بیان کر دیا اس لیے کہ یہ دوسرے سوال کا جواب تھا کیونکہ جب آپ نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس کے ساتھ کیا کام کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں اس کے منافع اور فوائد گننا اور بیان کرنا شروع کر دیئے۔

١٩- ﴿قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اس کو ڈال دو (یعنی) اس کو نیچے زمین پر پھینک دو تا کہ تم اس سے فراغت حاصل کر لو جس پر تم ٹیک لگاتے ہو اور صرف ہماری ذاتِ اقدس سے تسکین حاصل کرو اور اس کی حقیقت کو

ترک کر دو جس میں کئی فوائد و منافع ہیں اور تم تمام مقاصد میں صرف ہم پر بھروسا رکھو۔

٢٠-﴿ فَأَلْقٰهَا ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈال دیا اور اس کو زمین پر پھینک دیا ﴿ فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴾ پس وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا اور تیز تیز بھاگنے لگا۔ بعض نے کہا کہ عصا لکڑی سے بدل کر بہت بڑا اژدھا بن گیا تھا' جو پتھروں اور درختوں کو نگلنے لگ گیا' پھر جب حضرت موسیٰ نے اسے دیکھا کہ وہ ہر چیز کو نگلتا جا رہا ہے تو بہ تقاضائے طبعیت ڈر گئے اور یہاں اس کو ''حَيَّةٌ'' کے ساتھ موصوف بیان کیا گیا ہے جب کہ اس کے علاوہ ایک جگہ ''ثُعْبَانٌ'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور یہ سانپوں میں سے سب سے بڑا سانپ اژدھا کہلاتا ہے اور ایک جگہ ''بِالْجَانِّ'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ ایک باریک سانپ ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حَيَّةٌ'' اسم جنس ہے جو مذکر و مؤنث اور چھوٹے اور بڑے سب پر بولا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ عصا پہلے زرد باریک سانپ کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہو' پھر اس کا جسم بڑھتا گیا ہو یہاں تک کہ بہت بڑا اژدھا بن گیا ہو' سو ''جان'' سے اس کی پہلی حالت مراد ہو اور ''ثعبان'' سے اس کی آخری حالت مراد ہو یا اس لیے کہ جسمانی ساخت اور طول و عرض کے اعتبار سے بہت بڑا سانپ تھا' اس لیے ''ثُعْبَانٌ'' کہا گیا اور تیز رفتاری کے اعتبار سے اسے ''جَانٌّ'' کہا گیا اور بعض نے کہا کہ یہ اتنا بڑا سانپ تھا کہ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان مسافت چالیس ہاتھ تھی۔

٢١-﴿ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں تو ڈر کے دور ہو جانے کی وجہ سے آپ اس حد تک پہنچ گئے کہ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک سانپ کے منہ میں داخل کر دیا اور اس کو دونوں جبڑوں سے پکڑ لیا ﴿ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ﴾ میں ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دوں گا [''الْأُوْلٰى'' ''أَوَّلُ'' کی تانیث ہے] اور ''سیرة'' وہ حالت ہے جس پر انسان قائم رہتا ہے خواہ وہ حالت طبعی ہو یا اختیاری [اور یہ اصل میں ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر مخصوص قسم کی حالت ہوتی ہے جیسے ''رکبة''. ''رکوب'' سے ماخوذ ہے' پھر یہ عام حالت کے لیے مستعمل ہونے لگی اور ظرف کی بناء پر منصوب ہے] یعنی اب ہم اس کو اس کی پہلی حالت و طریقہ پر لوٹا دیں گے یعنی جس حال پر عصا تھا اور مطلب و معنی یہ ہے کہ ہم اس کو دوبارہ عصا بنا دیں گے جیسے پہلے تھا اور یہ حضرت موسیٰ کو خطاب کے وقت دکھایا تھا تاکہ آپ اس سے اس وقت نہ گھبرا جائیں جب وہ فرعون کے پاس لکڑی سے تبدیل ہو کر سانپ بن جائے گا۔

٢٢-پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا: ﴿ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ ﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا لیجئے (یعنی) بغل کے نیچے پہلو سے ملا لیجئے اور انسان کے ''جناح'' اس کے دو پہلو ہیں اور یہ ''جَنَاحَا الطَّيْرِ'' سے مستعار ہیں خصوصاً دونوں پَر کیونکہ پرندہ اڑتے وقت اپنے دونوں پروں کو جھکا لیتا ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے داخل کر لیں ﴿ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ ﴾ خوب سفید چمکتا ہوا نکلے گا' چنانچہ اس سے شعاعیں پھوٹتی ہیں' جس طرح سورج سے شعاعیں پھوٹتی ہیں' جس سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں ﴿ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ بغیر کسی بیماری کے۔ اس سے برص کی بیماری مراد ہے ﴿ اٰيَةً أُخْرٰى ﴾ یہ تمہاری نبوت کی دوسری نشانی ہے [''بَيْضَاءَ'' اور ''اٰيَةً'' دونوں حال ہیں اور ''مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ'' میں حرف ''مِنْ'' ''بَيْضَاءَ'' کا صلہ ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: فلاں آدمی بغیر کسی بیماری کے سفید ہو گیا ہے اور ممکن ہے کہ ''اٰيَةً'' فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس کے ساتھ امر متعلق ہے]۔

٢٣-﴿ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴾ تاکہ ہم آپ کو اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھا دیں یعنی عصا کے سانپ بن جانے کے بعد اس نشانی کو بھی لے لیں تاکہ ہم ان دونشانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں آپ کو دکھا دیں یا اس کا معنی

یہ ہے کہ ہم نے یہ کام اس لیے کیا ہے تا کہ ہم آپ کو اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھا دیں۔

| |
|---|
| اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۲۴ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝۲۵ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝۲۶ |
| وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝۲۷ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝۲۸ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝۲۹ |
| هٰرُوْنَ اَخِي ۝۳۰ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝۳۱ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝۳۲ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝۳۳ |
| وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝۳۴ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝۳۵ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝۳۶ |
| وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝۳۷ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝۳۸ |

تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے O عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے سینے کو میرے لیے کھول دےO اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرما دےO اور میری زبان کی گرہ کو کھول دےO وہ میری بات کو سمجھیںO اور میرے گھر والوں میں سے میرے لیے وزیر مقرر فرما دےO میرے بھائی ہارون کوO اور اس کے ذریعے میری قوت کو مضبوط فرما دےO اور اس کو میرے کام میں شریک فرماO تا کہ ہم تیری تسبیح بہت زیادہ بیان کیا کریںO اور ہم تجھے بہت زیادہ یاد کیا کریںO بے شک تو ہمیں خوب دیکھ رہا ہےO فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تجھے تیری منہ مانگی مراد عطا کر دی گئی ہےO اور بے شک ہم نے (اس سے پہلے بھی) تم پر ایک بار اور احسان فرمایا تھاO جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف الہام کیا تھا جو یہ الہام کیا گیا تھاO

۲٤- ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ فرعون کے پاس جایئے بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے اور وہ عبودیت کی حد سے بڑھ کر ربوبیّت کے دعویٰ تک پہنچ گیا ہے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں اور ان کی قبولیّت کا بیان

۲۵- اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سرکش وظالم فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا اور آپ نے جان لیا کہ آپ کو ایک بہت بڑے کام اور اہم ترین ذمہ داری کا مکلف بنایا گیا ہے تو آپ نے شرحِ صدر کی ضرورت محسوس کی اور ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ عرض کی: اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور اسے کشادہ فرما دے تا کہ میرا سینہ وحی کو برداشت کر لے اور فرعون اور اس کے لشکر کی بداخلاقی اور دیگر مشقتوں کو برداشت کر لے۔

۲٦- ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾ اور میرا کام میرے لیے آسان فرما دے' اور فرعون کے پاس منصبِ نبوت و رسالت کا پیغام پہنچانے کا آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے اسے مجھ پر آسان فرما دے [اور ''اِشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ'' ''اِشْرَحْ صَدْرِيْ'' سے زیادہ مؤکد ہے کیونکہ ایک معنی کا اجمال اور تفصیل کے طریقہ پر تکرار ہے' اس لیے کہ ''اِشْرَحْ لِيْ'' اور ''يَسِّرْ لِيْ'' کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہاں مشروح اور ''میسّر'' (دو مبہم) ہیں' پھر صدر اور امر کے ذکر سے ابہام کو دور کر دیا گیا ہے]۔

۲۷- ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے اور دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں اس انگارے کے سبب لکنت پڑ گئی تھی جو انہوں نے اپنے بچپن میں اپنی زبان پر رکھ لیا تھا اور یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچپن میں فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور اس کو زوردار طمانچہ رسید کر دیا تھا' جس پر فرعون نے آپ کو قتل کرنا

چاہا تھا لیکن فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا: اے بادشاہ! یہ نا سمجھ بچہ ہے! چنانچہ اس نے ایک طشت میں دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے اور دوسرے طشت میں موتی رکھ دیئے اور ان دونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا اور حضرت موسیٰ موتیوں کے اٹھانے کا ارادہ کرنے لگے لیکن فرشتے نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگ کے انگاروں پر رکھ دیا' آپ نے ایک انگارا اٹھا کر اپنی زبان پر رکھ لیا جس کی وجہ سے آپ کی زبان جل گئی اور اس کی وجہ سے لکنت پڑ گئی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جل گیا تھا اور فرعون نے اس کے علاج میں بڑی کوشش کی لیکن آپ کا ہاتھ درست نہ ہو سکا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید کی دعوت دی تو فرعون نے کہا کہ تم مجھے کس خدا کی طرف بلاتے ہو؟ آپ نے فرمایا: اسی رب کریم کی طرف جس نے میرا ہاتھ درست کر دیا اور تو اس کے علاج سے عاجز آ گیا تھا اور ''مِنْ لِّسَانِیْ''،''عُقْدَةً'' کی صفت ہے' گویا'' عُقْدَةً مِنْ عُقَدِ لِسَانِیْ'' کہ میری زبان کی گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دے' فرمایا گیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ مکمل گرہ زائل نہیں ہوئی اور اکثر مفسرین کے نزدیک مکمل اور تمام گرہ ختم ہو گئی تھی۔

۲۸-﴿ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴾ وہ لوگ تبلیغِ رسالت کے وقت میری بات کو سمجھ لیں۔

۲۹-﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا ﴾ اور آپ میرے لیے ایک وزیر (یعنی) ایک مددگار بنا دیں' جس پر میں اعتماد اور بھروسا کر سکوں۔ ''وَزِیْر''۔ ''وِزْر'' (واؤ مکسور کے ساتھ) سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: بوجھ کیونکہ وزیر بھی بادشاہ کے بوجھ اور اس کی مشقت کو برداشت کرتا ہے یا یہ ''وَزَر'' (واؤ اور زا مفتوح کے ساتھ) سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: پناہ گاہ چونکہ بادشاہ اس کی رائے میں پناہ لیتا ہے اور اپنے اُمورِ سلطنت اس کی پناہ میں دیتا ہے' اس لیے اس کو وزیر کہتے ہیں یا ''مـوازرة'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: معاونت و مدد کرنا اور ''وزیـر'' بہ معنی مددگار ہے [''وَزِیْـرًا''،''اِجْـعَلْ'' کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول ''مِنْ اَهْلِیْ'' ہے یا ''لِیْ'' اور ''وَزِیْرًا'' اس کے دو مفعول ہیں] ﴿ مِّنْ اَهْلِیْ ﴾ میرے گھر والوں میں سے۔

۳۰-﴿ هٰرُوْنَ اَخِی ﴾ میرے بھائی ہارون کو [''هَارُوْنَ'' وزیر کے لیے عطفِ بیان ہے اور ''اَخِیْ'' بدل ہے یا دوسرا عطفِ بیان ہے یا پھر ''وَزِیْـرًا'' اور ''هَـارُوْنَ'' دونوں اس کے مفعول ہیں اور ان میں سے دوسرے کو پہلے پر وزارت کے معاملے کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا گیا]۔

۳۱-﴿ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴾ اس کے ذریعے میری قوت کو مضبوط فرما دے' (یعنی) اس کے ذریعے میری پشت کو مضبوط فرما دے اور بعض نے کہا: ''اَزْر'' کا معنی ہے: قوت۔

۳۲-﴿ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴾ اور اس کو میرے کام میں شریک فرما (یعنی) اس کو نبوت و رسالت میں شریک بنا (کہ میری طرح اسے بھی نبی و رسول بنا) [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اَشْدُدْ'' اور ''اَشْرِكْهُ'' دونوں فعل مضارع متکلم مجزوم ہیں (شروع میں ہمزہ قطعی متکلم کا ہے) اور یہ فعل امر کا جواب ہیں جب کہ باقی قراء کی قراءت میں یہ فعل امر کے صیغے ہیں اور دعا اور سوال کے معنی میں ہیں (شروع میں ہمزہ وصل کا ہے)]۔

۳۳-﴿ كَیْ نُسَبِّحَكَ ﴾ تا کہ ہم تیری تسبیح بیان کریں (یعنی) تا کہ ہم تیرے لیے نمازیں پڑھیں اور ہم تسبیح پڑھ کر تمام عیبوں سے تیری پاکیزگی بیان کریں ﴿ كَثِیْرًا ﴾ بہت زیادہ پڑھیں۔

۳۴-﴿ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴾ اور ہم پانچوں نمازوں میں اور ان کے علاوہ باقی اوقات میں بھی کثرت سے تیرا ذکر کیا کریں۔

۳۵- ﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ بے شک آپ ہمیں خوب دیکھنے والے ہیں (اور آپ) ہمارے حالات کو خوب جاننے والے ہیں۔

۳۶- سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے جواب دیا: ﴿قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾ فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تیری منہ مانگی مراد تجھے عطا کر دی گئی' پس "سوال" کا معنی طلب کرنا ہے ["فعل" بہ معنی "مفعول" ہے جیسے "خُبز" بہ معنی "مخبوز" ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں بغیر ہمزہ "سُوْلَكَ" ہے]۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا تذکرہ

۳۷- ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى﴾ اور بے شک ہم نے تم پر ایک دفعہ اور احسان فرمایا (یعنی) ہم نے اس سے پہلے بھی تم پر انعام کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس انعام و احسان کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

۳۸- ﴿اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى﴾ جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وحی کی جو وحی کی جاتی ہے (یعنی) ہم نے تمہاری ماں کو الہام کیا یا تمہاری ولادت کے وقت خواب میں اس کے دل میں القاء فرمایا کہ فرعون تمہارے جیسے (لڑکوں کو) قتل کر دیتا ہے [اور "اِذْ مَنَنَّا" کے لیے ظرف ہے] پھر "مَا يُوْحٰى" کی درج ذیل ارشاد سے تفسیر فرمائی:

| |
|---|
| اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ |
| وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ |
| فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ |
| وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ |
| ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ |

کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ اور اسے دریا میں ڈال دے' پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے (تاکہ) اسے میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھالے' اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی' اور تاکہ میری نگرانی میں تمہاری پرورش کی جائے O جب تمہاری بہن چلی آ رہی تھی' سو وہ کہنے لگی: کیا میں تمہاری ایسی شخصیت کی طرف رہنمائی کروں جو اس کی پرورش کرے' پھر ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے' اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں کئی طرح آزمایا' سو تم نے کئی سال مدین والوں میں گزارے' پھر اے موسیٰ! تم ایک مقررہ وعدے پر آ گئے O اور میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا O

۳۹- ﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ﴾ کہ اس کو صندوق میں ڈال دے [اور "اَنْ" مفسرہ ہے کیونکہ وحی بہ معنی قول ہے] ﴿فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾ سو تم اسے دریائے نیل میں ڈال دو ﴿فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ﴾ پس دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا یعنی کنارے پر' اور اس کو ساحل اس لیے کہا جاتا ہے کہ دریا کا پانی اس حصہ کو علیحدہ کر دیتا ہے یعنی پانی اس کو دریا سے جدا کر دیتا ہے [اور فعل امر کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے تاکہ سابق کلام کے مناسب و موافق ہو جائے اور یہ معنی کے اعتبار سے خبر ہے' یعنی دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا] ﴿يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ میرا دشمن اور اس کا دشمن اسے اٹھالے گا' یعنی فرعون

[اور تمام ضمیریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہیں اور بعض ضمیروں کو ان کی طرف اور بعض کو تابوت کی طرف لوٹانا نظم میں تنافر پیدا کرتا ہے] اور اگر چہ دریا میں پھینکا جانے والا اور دریا کے کنارے پر ڈالا جانے والا صندوق تھا لیکن صندوق کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صدوق میں روئی ڈال کر بھر دیا اور حضرت موسیٰ کو اس کے اندر رکھ دیا اور صندوق کے اردگرد تارکول (کالا تیل) لگا دیا تاکہ پانی اندر نہ جائے' پھر اس کو دریا میں ڈال دیا اور دریا نے وہاں سے فرعون کے باغ کی طرف جانے والی بڑی نہر میں ڈال دیا اور اس وقت فرعون نہر کے کنارے پر اپنی بیوی آسیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' اس نے اچانک اپنے سامنے صندوق بہتا ہوا دیکھ لیا اور اس نے صندوق کو نکالنے کا حکم دے دیا اور صندوق نکال لیا گیا اور اس نے صندوق کو کھولا تو دیکھا کہ نہایت حسین و جمیل لڑکا اس میں موجود ہے' فرعون دیکھتے ہی ان کی محبت میں شدید گرفتار ہو گیا' چنانچہ (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی ہے ["مِنِّيْ" "اَلْقَيْتُ" کے متعلق ہے] یعنی بے شک میں نے تجھ سے محبت کی ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس سے تمام قلوب محبت کرتے ہیں' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو شخص بھی دیکھتا وہ آپ سے محبت کرنے لگ جاتا اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ملاحت تھی' جو شخص بھی آپ کی زیارت کرتا وہ آپ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا اور آپ کا شیدائی ہو جاتا ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ اور تاکہ میری نگرانی میں تیری تربیت و پرورش کی جائے [یہ محذوف پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے:] "وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً لِتُحَبَّ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ" اور میں نے تجھ پر محبت ڈال دی ہے تاکہ تجھ سے محبت و پیار کیا جائے اور تاکہ میری نگرانی میں تیرے ساتھ احسان و مروت کی جائے یعنی تاکہ میری نگاہوں میں تیری تربیت و پرورش کی جائے اور اس کی اصل "صُنِعَ الْفَرَسُ" ہے یعنی اس کی خوب حفاظت و نگرانی کی گئی ہے یعنی میں ہی تیری حفاظت کروں گا اور تیری نگرانی کروں گا جیسا کہ آدمی ایک معین چیز کی حفاظت کرتا ہے جب وہ اس کی حفاظت کرتا ہے ["وَلْتُصْنَعْ" لام ساکن اور عین مجزوم کے ساتھ (جیسے ابوجعفر کی قراءت میں ہے) ہونے کی صورت میں اس سے مراد فعل امر ہے]۔

٤٠- ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ﴾ جب تمہاری بہن چلی آ رہی تھی [یہ "اِذْ اَوْحَيْنَآ" سے بدل ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی بہن کا آنا جانا ان پر احسان تھا] ﴿فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ﴾ وہ کہنے لگی: کیا میں ایک ایسی عورت کے لیے تمہاری رہبری کروں جو اس بچے کی کفالت و پرورش کرے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم آپ کی خبر معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر آئی تو اس نے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک ایسی دودھ پلانے والی عورت کا متلاشی پایا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینا قبول کر لیں کیونکہ آپ کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کرتے تھے' چنانچہ حضرت مریم نے کہا کہ میں ایسی عورت کے لیے تمہاری رہبری کروں جو ان کو اپنے پاس رکھ لے اور ان کی تربیت و پرورش کرے' اس کا مقصد دودھ پلانے والی تھی [فعل مذکر صرف لفظ "مَنْ" کی رعایت کے لیے لایا گیا ہے] ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! لے کر آؤ' چنانچہ وہ اپنی ماں کو لے کر آ گئی اور حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کا دودھ قبول کر لیا' پس (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا یہی مقصد ہے: ﴿فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ﴾ سو ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ ہم نے اس سے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں وعدہ کیا تھا: "اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ" (القصص:٧) "بے شک ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے"۔ ﴿كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ تاکہ تمہاری ملاقات سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ اور وہ تمہاری جدائی

سے غمگین نہ ہوں ﴿ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا ﴾ اور تم نے ایک شخص (یعنی) کافر قبطی کو قتل کر دیا تھا ﴿ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ﴾ سو ہم نے تجھے غم (یعنی) قصاص سے نجات عطا کی۔ بعض نے کہا کہ قریش کی لغت میں ''غم'' کا معنی قتل ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے سبب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور فرعون کے قصاص لینے سے غمگین ہو گئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا' جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ'' (القصص:١٦) ''حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' سو آپ مجھے بخش دیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعون سے نجات عطا فرمائی کہ آپ کو مصر سے مدین لے گیا ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا' (یعنی) ہم نے تمہیں مشقت میں ڈال کر پھر اس سے نجات عطا فرما کر تمہیں خوب آزمایا [اور ''فُتُوْنٌ''، ''قُعُوْدٌ'' کی طرح مصدر ہے یا ''فِتْنَةٌ'' کی جمع ہے] یعنی ہم نے تمہیں کئی قسم کی مشقتوں سے آزمایا ہے اور ''فتنة'' کا معنی محنت و مشقت ہے اور ہر وہ مشقت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے وہ ''فتنة'' ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء:٣٥) ''اور ہم امتحان لینے کی خاطر برائی اور بھلائی کے ذریعے تمہاری آزمائش کرتے ہیں''۔ ﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴾ سو تم مدین والوں کے پاس کئی برس ٹھہرے ہو۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر ہے' جو مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضرت وہب نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کل اٹھائیس سال ٹھہرے رہے' ان میں سے دس سال حضرت صفوراء بنت شعیب کے مہر میں اور اٹھارہ سال اس کے بعد مزید قیام فرمایا' یہاں تک کہ آپ کی اولاد بھی ہوئی ﴿ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴾ پھر تم رسالت کی مقررہ مقدار اور معین وعدے پر آ گئے ہو اور وہ چالیس سال ہیں۔

٤١- ﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴾ اور میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا۔ تمہیں میں نے چن لیا اور اپنی نبوت و رسالت اور اپنی وحی کے لیے میں نے تمہیں پسند و منتخب کر لیا ہے تاکہ تم میری محبت و ارادہ کے مطابق تصرف کرو۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور میں نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان حجت و خطاب کے لیے تمہیں قائم مقام بنا دیا ہے' گویا میں نے ان پر حجت قائم کی ہے اور میں نے ان سے خطاب فرمایا ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾
فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا
رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور تم میرے ذکر میں سستی نہ کرو O تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے O سو تم اس سے نرم لہجے میں بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے O انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی کرے گا O فرمایا: تم مت ڈرو بے شک میں

تمہارے ساتھ ہوں' میں سنتا اور دیکھتا ہوں○ پس تم اس کے پاس جاؤ اور کہو: بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں' سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے' اور ان کو عذاب نہ دے' بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں' اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی○

## حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کا فرعون کے پاس جانے کا بیان

٤٢-﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ﴾ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں (یعنی) میرے معجزات لے کر جاؤ ﴿وَلَا تَنِيَا﴾ اور تم سستی نہ کرو اور نہ کمزوری دکھاؤ۔ یہ ''وَنِیٌّ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: سستی کرنا اور کوتاہی کرنا ﴿فِيْ ذِكْرِيْ﴾ میرے ذکر میں' یعنی تم دونوں میرے ذکر کو اپنے بازو اور پَر بنالو جس کے ذریعے تم پرواز کرتے رہو یا ذکر سے مراد تبلیغِ رسالت ہے' پس ذکر تمام عبادات پر بولا جاتا ہے اور تبلیغ رسالت سب سے بڑھ کر ہے۔

٤٣-﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ تم دونوں فرعون کے پاس چلے جاؤ۔ دوبارہ جانے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ پہلا حکم مطلق تھا اور یہ دوسرا حکم مقیّد ہے ﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے کیونکہ اس نے ربوبیّت کا دعویٰ کر کے حد سے تجاوز کیا ہے۔

٤٤-﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ سو تم اس سے نرمی سے بات کرو (یعنی) اس سے بات کرنے میں نرمی اختیار کرو' اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس کا حقِ تربیّت ہے یا اس کو کنیت کے ساتھ بلاؤ اور وہ تین کنیتوں والا تھا: (١) ابوالعباس (٢) ابوالولید (٣) ابومُرّہ' یا تم اس سے ایسی جوانی کا وعدہ کرو جس کے بعد کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا اور ایسی بادشاہت کا وعدہ کرو جو ماسوا موت کے اس سے نہیں چھینی جائے گا یا وہ یہ ارشاد ہے: ''هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى'' (النازعات:١٨-١٩) ''کیا تجھے اس طرف رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے○ اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہبری کروں' پس تو ڈر جائے''۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ استفہام اور مشورہ ہے ﴿لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ﴾ شاید وہ دھیان دے یعنی شاید وہ نصیحت حاصل کرلے اور وہ غور و فکر کرے تاکہ وہ حق کا یقین حاصل کرلے ﴿اَوْ يَخْشٰى﴾ یا وہ ڈر جائے' یعنی وہ اس بات سے ڈر جائے کہ معاملہ ایسا ہی ہو گا جیسا تم دونوں بیان کرتے ہو' پس اس کا انکار اسے ہلاکت کی طرف لے جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ''لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ'' فرمایا' حالانکہ اسے معلوم ہے کہ فرعون نصیحت حاصل نہیں کرے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امید اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ یہ امید حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لیے تھی یعنی تم دونوں اپنی امید اور اپنے طمع کے ساتھ جاؤ اور تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسے وہ شخص معاملہ کرتا ہے' جس کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا عمل اور اس کی کوشش پھل آور اور نتیجہ خیز ثابت ہو گی اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ہرگز ایمان نہیں لائے گا لیکن ان دونوں کو اس کی طرف بھیجنے میں فائدہ یہ ہوا کہ فرعون پر حجت لازم کر دی گئی اور اس کی معذرت کا خاتمہ کر دیا گیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ'' کا معنی یہ ہے کہ شاید کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرلے یا کوئی ڈرنے والا ڈر جائے اور بلاشبہ بہت سے لوگوں کو یہ فائدہ ہوا تھا اور بعض نے کہا کہ ''لَعَلَّهٗ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتا ہے اور فرعون نے یقیناً نصیحت حاصل کی تھی لیکن اس کی نصیحت نے اس کو کوئی نفع نہ دیا اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے نصیحت حاصل کرلی تھی اور وہ ڈر بھی گیا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن ھامان نے اس کو منع کر دیا تھا اور فرعون ھامان کے سامنے اس کا کوئی حکم رد نہیں کرتا تھا۔

اور جب حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو آپ رو پڑے اور کہنے لگے: اے

اللہ! یہ تیری نرمی اس شخص کے ساتھ ہے' جو کہتا ہے کہ میں خدا ہوں تو بھلا اس شخص کے ساتھ تو کس قدر مہربان ہوگا جو کہتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی میرا معبود ہے اور یہ تیری نرمی اس شخص کے ساتھ ہے جو کہتا ہے: "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہ میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں' بھلا اس شخص پر تو کس قدر مہربان ہوگا جو کہتا ہے: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہ میرا بلند و بالا خدا ہر عیب سے پاک ہے۔

٤٥- ﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ﴾ ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہمیں ڈر ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا اور ہم پر سزا لاگو کرنے میں جلد بازی سے کام لے گا اور اسی سے "فَارِط" ہے' کہا جاتا ہے: "فَرَطَ عَلَيْهِ" یعنی اس نے جلدی کی ﴿اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ یا یہ کہ وہ سرکشی کرے گا (یعنی) وہ ہمیں تکلیف دینے میں حد سے تجاوز کرے گا۔

٤٦- ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مت ڈرو بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میں تمہارا محافظ و مددگار ہوں ﴿اَسْمَعُ﴾ میں تمہاری باتوں کو سنتا ہوں ﴿وَاَرٰى﴾ اور میں تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری دعا سنتا ہوں اور اس کو قبول کرتا ہوں اور تمہیں نقصان پہنچانے کا جو ارادہ کیا جاتا ہے وہ میں دیکھتا ہوں اور اس کو میں روک دیتا ہوں' میں تم سے غافل نہیں ہوں' سو تم غم نہ کھاؤ۔

٤٧- ﴿فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بے شک ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول بن کر تیری طرف تشریف لائے ہیں ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے یعنی ان کو ذلت و رسوائی اور غلامی کی قید سے آزاد کر دے ﴿وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ اور تو ان کو دردناک تکلیف میں مبتلا نہ رکھ اور انہیں دکھ دینے والی سزا نہ دے ﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ بے شک ہم تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس اپنے دعویٰ کی سچائی پر حجت و دلیل (یعنی معجزات) لائے ہیں' یہ جملہ اپنے سابق جملے یعنی "اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ" کی تفسیر و بیان کے لیے جاری کیا گیا ہے کیونکہ رسالت کا دعویٰ دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے معجزہ پیش کرنا ہوتا ہے' چنانچہ جب فرعون نے معجزہ طلب کیا اور کہا کہ تمہاری نبوت و رسالت کے لیے تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی بغل میں لے کر باہر نکالا تو اس سے سورج کی شعاعوں کی طرح شعاعیں پھوٹنے لگیں اور وہ سورج کی طرح روشن ہو کر چمکنے لگا ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی' یعنی جس نے اسلام قبول کر لیا وہ عذاب الٰہی سے سلامت و محفوظ ہو گیا اور یہاں سلام تحیت و دعا کے معنی میں نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ ہدایت یافتہ حضرات پر اُن فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا جو جنت کے خازن ہیں۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾
قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ
الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا

بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک عذاب اسی پر ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی O اس نے کہا: اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟ O فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ وہ ہے' جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب خلقت عطا کی' پھر اس کی رہنمائی فرمائی O اس نے کہا: پہلی قوموں کا کیا حال ہے؟ O فرمایا کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں ہے' میرا پروردگار نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے O وہی تو ہے' جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس نے تمہارے لیے اس میں چلنے کے لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف سبزے کے جوڑے اگائے O

٤٨-﴿ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾ بے شک ہماری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ یقیناً دنیا میں اور آخرت میں عذاب اسی پر ہوگا' جس نے رسولوں کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے منہ پھیر لیا' اور یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ امید افزا ہے کیونکہ جنس سلام (یعنی مکمل سلامتی) مسلمانوں کے لیے ہے اور جنسِ عذاب (یعنی مکمل اور دائمی عذاب) جھٹلانے والوں (کافروں) کے لیے ہے اور جنس کے ماسوا کوئی چیز نہیں' سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور نبوت و رسالت کا فریضہ ادا کرو اور اس سے وہ سب کچھ کہہ دو' جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کا مکالمہ

٤٩-﴿ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰى ﴾ فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟ فرعون نے مخاطب دونوں کو کیا' پھر ان دونوں میں سے ایک کو پکارا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع تھے۔

٥٠-﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب تعالیٰ وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب خلقت عطا فرمائی [''خَلْقَهٗ''، ''اَعْطٰى'' کے دو مفعولوں میں سے پہلا مفعول ہے ''اَیْ اَعْطٰى خَلِیْقَتَهٗ كُلَّ شَیْءٍ''] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب شکل و صورت عطا کی' جس کے وہ محتاج و ضرورت مند ہیں اور جس سے وہ فائدے حاصل کرتے ہیں [یا پھر ''خلقه'' دوسرا مفعول ہے ''اَیْ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ صُوْرَتَهٗ وَشَكْلَهٗ''] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب شکل و صورت عطا فرمائی' جو اس کی متعلقہ منفعت کے مطابق ہے' جیسا کہ آنکھ کے لیے ایسی ہیئت و شکل عطا کی گئی جو آنکھوں کے مطابق و مناسب ہے اور کانوں کو ایسی شکل عطا کی گئی' جو سماعت کے موافق ہے اور اسی طرح ناک اور پاؤں اور ہاتھوں کو غرضیکہ جسم کے ہر ایک عضو کو اس کی متعلقہ منفعت کے مناسب شکل و صورت عطا کی گئی [نصیر کی قراءت میں ''خَلَقَهٗ'' ہے' مضاف کی یا مضاف الیہ کی صفت ہے] یعنی ہر چیز کو مناسب پیدائش عطا کی گئی ﴿ ثُمَّ هَدٰى ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا کہ زندگی گزارنے کے لیے جو چیزیں عنایت کی گئی ہیں' دنیا میں ان سے کیسے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور آخرت میں سعادت و کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

٥١-﴿ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴾ فرعون نے کہا: پہلی قوموں کا کیا حال ہے؟ (یعنی) گزشتہ امتوں کا اور بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو جانے والوں کا کیا حال ہے؟ فرعون نے ان قوموں کے حالات دریافت کیے جو پہلے گزر چکیں اور ان میں سے بدبخت ہونے والوں کی بدبختی اور نیک بخت ہونے والوں کی نیک بختی کے متعلق پوچھا۔

٥٢-﴿ قَالَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ﴾ اس کا علم میرے

پروردگار کے پاس ہے [یہ مبتدا اور خبر ہیں] ﴿فِیْ كِتٰبٍ﴾ ایک کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں [یہ دوسری خبر ہے] یعنی یہ غیب کے متعلق سوال ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیب کو اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے' اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور میں ایک بندہ ہوں' اس کے متعلق میں نہیں جانتا مگر جس قدر مجھے علّام الغیوب نے اس کے متعلق بتا دیا ہے اور گزشتہ قوموں کے حالات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے ﴿لَا یَضِلُّ رَبِّیْ﴾ میرا رب تعالیٰ کبھی نہیں بہکتا یعنی وہ کسی چیز میں غلطی نہیں کرتا' چنانچہ "ضَلَلْتَ الشَّیْءَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اس چیز کی جگہ سے الگ ہو جاؤ اور اس کی راہ نہ پاؤ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کی سعادت میں اور ان کی شقاوت میں غلطی نہیں کرتا ﴿وَلَا یَنْسَی﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی جزاء اور سزا کو نہیں بھولتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں بھولتا کہ اسے لوحِ محفوظ کی تحریر یاد کرا دے بلکہ لوحِ محفوظ میں تو اس لیے سب کچھ لکھ دیا کہ فرشتے جان لیں کہ مخلوق کے معمولات اللہ تعالیٰ کے معلومات کے موافق و مطابق ہیں۔

۵۳- ﴿الَّذِیْ﴾ [محلاً مرفوع ہے۔ "رَبِّیْ" کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا پھر بطورِ مدح منصوب ہے] جس نے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا [اہل کوفہ کی قراءت "مَهْدًا" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "مِهَادًا" ہے] اور یہ دو لغتیں ہیں' جن کا معنی ایک ہے یعنی فرش یا بچھونا ﴿وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا﴾ اور اس نے تمہارے لیے اس میں چلنے کے لیے راستے بنائے اور "سَلَكَ" بہ معنی "جَعَلَ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں چلنے کے لیے تمہارے لیے راستے بنائے ہیں ﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) بارش برسائی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی﴾ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے مختلف نباتات و سبزہ جات کے کئی اقسام کے جوڑے نکالے۔ [یہاں کلام کو غیبت سے لفظ متکلم کی طرف منقول کیا گیا ہے' جو تعجب کے مترادف ہے] اور بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف سے خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فَاَخْرَجْنَا بِهٖ" اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے یعنی ہم کھیتی باڑی کرنے' ہل چلانے اور انگوریاں لگانے کے ذریعے مختلف سبزہ جات میں سے کئی اقسام کے جوڑے نکالتے ہیں ["نَبَات" مصدر ہے۔ "نابت" اسی سے ماخوذ ہے' اس میں واحد اور جمع دونوں مساوی ہیں اور "شَتّٰی"، "اَزْوَاج" کی صفت ہے یا پھر "نبات" کی صفت ہے اور یہ "شتیت" کی جمع ہے جیسے "مریض" کی جمع "مرضٰی"] یعنی زمین سے اُگنے والے سبزہ جات' نفع اور ذائقے اور رنگ اور خوشبو اور شکل و صورت میں مختلف ہیں' ان میں سے بعض تو انسانوں کی خوراک بنتے ہیں اور بعض جانوروں کی خوراک بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ یہ ہمارے چوپایوں کے عمل سے حاصل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہماری حاجات و ضروریات سے فاضل اور زائد چیزوں کو ان کے لیے چارہ بنایا' جن کے کھانے پر ہم قدرت و طاقت نہیں رکھتے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا ربع ۱۱
نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾
قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں O ہم نے تمہیں اسی میں سے پیدا کیا ہے اور ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے O اور بے شک ہم نے اس کو تمام نشانیاں دکھا دیں' سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا O اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو O سو ہم بھی تمہارے مقابلے میں ضرور اسی طرح کا جادو لائیں گے' پس تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے اور نہ تم کرو گے' ایک کھلے میدان میں (مقابلہ) ہو گا O فرمایا کہ تمہارے ساتھ عید کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ دن چڑھے لوگ جمع کیے جائیں O

٥٤- ﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ [یہ "اَخْرَجْنَا" میں ضمیر سے حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے مختلف اقسام کے سبزے اگائے' ہم ان سے نفع اٹھانے کی اجازت دینے والے ہیں اور ہم مباح قرار دینے والے ہیں کہ تم بعض کو خود کھاؤ اور بعض کو اپنے چوپایوں کے لیے چارہ بنالو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ ضرور نشانیاں اور رہنمائیاں موجود ہیں ﴿لِّاُولِي النُّهٰى﴾ عقل مندوں کے لیے ["نُهٰى" کا واحد "نُهْيَةٌ" ہے] کیونکہ عقل خطرناک اور ممنوع سے روکتی ہے یا تمام اُمور کی انتہا اس کی طرف ہوتی ہے۔

٥٥- ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا' یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے پیدا کیا تھا اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہر شخص نے جس نطفہ سے پیدا ہونا ہوتا ہے' اس نطفہ کو اور زمین میں جس جگہ اس نے دفن ہونا ہوتا ہے اس جگہ سے تھوڑی سے مٹی کے ذرات کو لے کر آپس میں گوندھا جاتا ہے' پھر اس مٹی اور اس نطفہ دونوں سے اس شخص کو پیدا کیا جاتا ہے[1] یا اس لیے کہ نطفہ غذاؤں سے بنتا ہے اور غذائیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں ﴿وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾

[1] واضح رہے کہ یہ قول عطاء خراسانی کا ہے' جس کی دلیل حضور سیّد عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ کوئی پیدا شدہ بچہ ایسا نہیں ہوتا مگر اس کی ناف میں اس مٹی کے ذرات ضرور شامل ہوتے ہیں جس مٹی سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے' پھر جب آدمی اپنی عمر کے اختتام تک پہنچتا ہے تو (مرنے کے بعد) اس کو اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے' جس مٹی سے اس کو پیدا کیا گیا تھا: "وَاِنِّيْ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَفِيْهَا نُدْفَنُ" اور بے شک میں اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ہم (تینوں) ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی میں ہم دفن کیے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری ج ٦ ص ١٤٦' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا حبیبِ کبریاء ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس پر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔ حضرت ابوعاصم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے اس طرح کی فضیلت نہیں پاؤ گے کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ٢ ص ٣١٨' رقم الحدیث: ٢٣٨٩' مطبوعہ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ' ملتان)

(نوٹ:) مزید تحقیق و تفصیل کے لیے "تفسیر تبیان القرآن" ج ٧ ص ٣٨٨ تا ٣٩٠' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

اور اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے' (یعنی) جب تم مر جاؤ گے تو تمہیں اسی زمین میں دفن کیا جائے گا ﴿ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ﴾ اور اسی میں سے ہم تمہیں حشر کے دن دوبارہ نکالیں گے' اور نکالنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے مٹی میں ملے ہوئے متفرق و منتشر اجزاء کو جوڑا جائے گا اور جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھے' اسی طرح ان کو زمین سے نکال کر میدانِ محشر کی طرف دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وہ نعمتیں شمار کر کے بیان فرمائیں جو ان کے فوائد کے لیے زمین سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لوگوں کے لیے فرش اور بچھونا بنایا' جس پر وہ اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں اور اس میں ان کے لیے چلنے کے راستے ہموار کیے' جیسے چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے ہیں اور اس میں مختلف اقسام کے سبزے پیدا کیے' جن میں سے بعض ان کی روزی بنتے ہیں اور بعض ان کے جانوروں کے لیے چارا بنتے ہیں اور یہ زمین ان کی اصل ہے' جس سے پھلتے پھولتے ہیں اور یہ ان کی ماں ہے' جس سے انہیں پیدا کیا گیا اور جب یہ مر جائیں گے تو یہی ان کا مدفن کفایت گاہ بنے گی۔

## فرعون کا معجزات سے انکار اور جادوگری کا الزام لگا کر مقابلہ کا چیلنج

٥٦- ﴿ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ﴾ اور بے شک ہم نے اس کو یعنی فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھا دیں اور وہ کل نو معجزات ہیں: عصا کا سانپ بن جانا' یدِ بیضاء' دریا کا پھاڑنا' پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا' ٹڈی کا عذاب' گھن یا جوؤں کا عذاب' مینڈکوں کا عذاب' خون کا عذاب اور ان پر پہاڑ کا اٹھانا ﴿ فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴾ پس فرعون نے تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

٥٧- ﴿ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک مصر سے نکال دو۔ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سخت خوف زدہ ہو گیا تھا اور اس کا حضرت موسیٰ سے ''بِسِحْرِكَ'' کہنا اس کی علت وسبب ہے ورنہ کون سا جادوگر ہے' جو یہ قدرت و اختیار رکھتا ہو کہ وہ بادشاہ کو اس کی اپنی سرزمین سے نکال دے؟

٥٨- ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ پس ہم ضرور تمہارے پاس ویسا ہی جادو لائیں گے اور ہم تمہارا مقابلہ تمہارے جادو جیسے جادو کے ذریعے کریں گے ﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ﴾ سو تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو [''مَوْعِدًا'' مصدر ہے اور وعدہ کے معنی میں ہے اور مضاف مقدر ہے' اصل میں ''مَكَانَ مَوْعِدٍ'' ہے] ﴿ لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ ﴾ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم خلاف ورزی کرنا [''لَا نُخْلِفُهٗ'' کی ضمیر مفعول ''موعد'' کی طرف لوٹتی ہے اور قاری یزید کی قراءت میں امر کا جواب ہونے کی وجہ سے ''لَا نُخْلِفْهُ'' مجزوم ہے اور اس کے علاوہ کی قراءت میں ''مَوْعِدًا'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے] ﴿ مَكَانًا سُوًى ﴾ ہموار وسیع میدان [مکان محذوف سے بدل ہے اور جائز ہے کہ مضاف مقدر نہ ہو] اور معنی یہ ہوگا کہ آپ ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لیں جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں گے اور نہ آپ خلاف ورزی کریں گے [اور ''مَكَانًا'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے یا مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر مصدر دلالت کرتا ہے اور اہلِ حجاز' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں سین کے نیچے زیر ہے یعنی ''سِوًى'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں سین پر پیش کے ساتھ ''سُوًى'' ہے اور یہ ''مَكَانًا'' کی صفت ہے] یعنی یہ وعدہ کا مقام ہمارے اور تمہارے درمیان میں ہو' نہ تمہاری سمت میں زیادہ قریب ہو اور نہ ہماری سمت میں زیادہ قریب بلکہ دونوں سمتوں کے درمیان میں واقع ہو اور یہ اس لیے کہ ''سُوًى'' بہ معنی ''استواء'' (یعنی برابر) ہے کیونکہ وسط سے دونوں

ستوں کی مسافت برابر ہو گی۔

٥٩۔ ﴿ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا وعدہ جشن کے دن ہے اور یہ ان کی عید کا دن مراد ہے یا نیروز کا دن مراد ہے یا پھر عاشور کا دن مراد ہے اور اگر چہ سوال مکان کے بارے میں تھا لیکن یہ زمان کے ساتھ جواب پہلے معنی کی تاویل پر درست ہے کیونکہ زینت کے دن ان کا اجتماع لازمی طور پر کسی مکان (یعنی کسی کھلے میدان) پر ہوتا ہو گا' لہٰذا زمان کے ذکر سے مکان معلوم ہو گیا اور دوسرے معنی کی تاویل پر معنی یہ ہو گا کہ تمہارا وعدہ جشن نیروز کا وعدہ ہے [''مَوْعِدُكُمْ'' مبتدا ہے اور ''يَوْمُ الزِّيْنَةِ'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ﴾ اور یہ کہ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے' یعنی سب لوگوں کو اس مقررہ دن میں جمع کیا جائے [یہ محلاً مرفوع ہے یا ''یوم'' یا ''زینة'' پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے] ﴿ ضُحًى ﴾ یعنی چاشت کے وقت دن کے اجالے میں تاکہ شک و شبہ سے دور ہو اور حق کے اظہار کے لیے خوب واضح ہو اور تاکہ تمام دیہاتی اور شہری لوگوں میں مشہور و معروف ہو جائے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا
النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا
وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ
مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾

سو فرعون واپس چلا گیا اور اس نے اپنے تمام فریبوں کو جمع کیا' پھر آ گیا O موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لیے خرابی ہو تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ وہ تمہیں عذاب کے ذریعے ہلاک کر دے گا' اور وہ یقیناً نقصان میں رہا' جس نے (اللہ تعالیٰ پر) جھوٹ باندھا O پھر انہوں نے اپنے معاملے میں اختلاف کیا اور انہوں نے مشورہ کو پوشیدہ رکھا O انہوں نے کہا: بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارا عمدہ مذہب لے جائیں O سو تم اپنے داؤ پیچ جمع کر لو' پھر تم صفیں باندھ کر آ ؤ' اور بے شک آج وہی کامیاب ہو گا جو غالب رہے گا O انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تم پہلے ڈالو گے' یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں O

٦٠۔ ﴿ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ ﴾ پھر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منہ پھیر کر واپس چلا گیا ﴿ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ﴾ اور اس نے اپنے فریب کاروں اور جادوگروں کو جمع کیا اور وہ جادوگر بہتر افراد تھے یا چار سو افراد یا ستر ہزار افراد تھے ﴿ ثُمَّ اَتٰى ﴾ پھر وہ (جادوگروں کو لے کر) وعدہ مقررہ کی جگہ پر آ گیا۔

٦١۔ ﴿ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یعنی جادوگروں سے فرمایا: ﴿ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ تمہاری خرابی ہو تم اللہ تعالیٰ پر تو جھوٹ نہ باندھو اور اس کی آیات اور اس کے معجزات کو جادو نہ کہو ﴿ فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ﴾ ورنہ وہ تمہیں بہت بڑے عذاب کے ذریعے ہلاک کر دے گا [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہلِ کوفہ قراء کی قراءت میں ''یا'' پر پیش اور ''حا'' کے نیچے زیر ہے جب کہ ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں ''یا'' اور ''حا'' دونوں پر زبر ''فَيَسْحَتَكُمْ''

ہے اور ''سُحت'' اور ''اِسْحَات'' دونوں کا معنی مٹانا اور ختم کرنا ہے اور نہی کے جواب ہونے کی بناء پر آخر میں نصب ہے] ﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی﴾ اور بے شک وہ شخص نا کام ونامراد ہوا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔

٦٢-﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ سوانہوں نے آپس میں اپنے معاملے میں جھگڑا کیا' یعنی جادوگروں نے اپنے معاملہ میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا' چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا کہ موسیٰ ہماری طرح جادوگر ہے اور بعض نے کہا: یہ جادوگر کا کلام نہیں ہے' یعنی ان کو جادوگر کہہ کر تم اللہ تعالیٰ پر بہتان نہ باندھو ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی﴾ اور انہوں نے مشورہ پوشیدہ رکھا یعنی انہوں نے خفیہ مشورہ کیا (تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو سکے) اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آ جائیں گے اور اگر یہ آسمان والے کی طرف سے آیا ہے تو سارا معاملہ اسی کو حاصل ہوگا [اور ''نَجْوٰی'' مصدر ہے اور اسم ہے] پھر انہوں نے یہ کلام گھڑا یعنی:

٦٣-﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ﴾ انہوں نے کہا: بے شک یہ دونوں یعنی (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون جادوگر ہیں [اور ابوعمرو نے ''اِنَّ هٰذَيْنِ لَسَاحِرَانِ'' پڑھا اور یہی ظاہر ہے لیکن یہ امام صاحب' ابن کثیر' حفص اور خلیل کے مخالف ہے حالانکہ یہ علم نحو اور لغت کے ماہر ہیں۔ ''اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ'' میں ''اِنْ'' تخفیف کے ساتھ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''اِنْ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقٌ'' اور آیت میں لام ''اِنْ'' نافیہ اور ثقیلہ سے مخففہ ''اِنْ'' کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ''اِنْ'' بہ معنی ''مَا'' ہے اور لام بہ معنی ''اِلَّا'' ہے یعنی یہ دونوں نہیں ہیں مگر جادوگر۔ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ''اِنْ ذَانِ اِلَّا سَاحِرَانِ'' اس کی دلیل ہے اور ان مذکورہ بالا قراء کے علاوہ کی قراءت میں ''اِنَّ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ'' ہے (سب کا معنی ملتا جلتا ہے) بعض نے کہا کہ یہ حارث بن کعب' خثعم' مراد اور کنانہ کی لغت ہے کیونکہ ان کی لغت میں تثنیہ ہمیشہ الف کے ساتھ آتا ہے اور وہ نصبی اور جری حالت میں بھی ''یَا'' کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ عصا اور سعدٰی۔

ایک شاعر نے کہا:
اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَهَا

''بے شک اس کا باپ اور اس کے باپ کا باپ (دادا) بلاشبہ وہ دونوں بزرگی میں اس کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں''۔

زجاج نے کہا کہ ''اِنَّ'' بہ معنی ''نَعَمْ'' (جی ہاں) آتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وَيَقُلْنَ شَيْبٌ قَدْ عَلَاكَ وَقَدْ كَبُرْتَ فَقُلْتُ اِنَّهْ

''اور وہ کہنے لگیں: بے شک بڑھاپا تجھ پر غالب آ چکا ہے اور بے شک تو بوڑھا ہو گیا ہے' سو میں نے کہا: جی ہاں''۔

''اَیْ نَعَمْ'' یعنی جی ہاں! اور ''هَا'' وقف کے لیے ہے اور ''هٰذَانِ'' مبتدا ہے اور ''سَاحِرَانِ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے اور لام مبتدا محذوف پر داخل ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''هٰذَانِ لَهُمَا سَاحِرَانِ'' لہٰذا اس کا دخول اپنے محل میں ہوا ہے' جس کے لیے موضوع ہے اور وہ ابتداء ہے یا پھر لام خبر پر داخل ہے جیسا کہ مبتدا پر داخل ہوتا ہے' ایک شاعر نے کہا کہ ''خالی لانت ومن جرير خاله'' شاعر نے کہا: میں نے اس کو مبرد پر پیش کیا تو اس نے اسے پسند کیا اور ابوعلی نے اسے کمزور قرار دیا] ﴿يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے (یعنی) مصر سے نکال دیں ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی﴾ اور وہ دونوں تمہارا عمدہ مذہب لے جائیں (یعنی) تمہارا دین اور تمہاری شریعت مٹا دیں اور ''اَلْمُثْلٰی'' ''اَلْفُضْلٰی'' کے معنی میں ہے اور ''اَمْثَلُ'' کی تانیث ہے اور ''اَمْثَلُ'' بہ معنی ''اَفْضَلُ'' ہے۔

٦٤-﴿فَاَجْمِعُوْا﴾ سو تم مستحکم ومضبوط کرو یعنی تم اپنے معاملے میں اتفاق پیدا کرو یہاں تک کہ تمہارا اختلاف ختم ہو

جائے [ابوعمرو کی قراءت میں ''فَاجْمَعُوْا'' ہے اور ''فَجَمَعَ كَيْدَهٗ'' (طٰہٰ:٦٠) اس قراءت کو تقویت دیتا ہے] ''پس فرعون نے اپنا داؤ جمع کیا''۔ ﴿كَيْدَكُمْ﴾ تم اپنا فریب پختہ کرو جس کے ذریعے منصوبہ تیار کیا جائے ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ پھر تم صفیں بنا کر میدان میں آؤ [''صَفًّا'' حال ہے] یعنی لوگوں کو حکم دیا کہ وہ صفیں بنا کر میدان میں آئیں کیونکہ اس طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں رعب و دبدبہ بھر جائے گا اور وہ خوف زدہ ہو جائیں گے ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ اور بے شک آج وہی کامیاب و کامران ہوگا جو غالب آجائے گا [اور یہ جملہ معترضہ ہے]۔

## حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جادوگروں کی شکست کا بیان

٦٥- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی جادوگروں نے کہا کہ ﴿يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! یا پہلے تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ اور یا پہلے ہم وہ سب کچھ ڈال دیں جو ہمارے پاس ہے [''اَنْ'' اپنے بعد والے جملے سمیت دونوں جگہ میں پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلًّا منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے]۔

اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا اور کہا کہ آپ کاموں میں سے ایک کام اختیار کر لیں یا تو پہلے آپ اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیں یا پہلے ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور جادوگروں کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دینا آپ کے ساتھ حسنِ ادب کا رویہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت ان کے دلوں میں پہنچ چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تعلیم عنایت فرما دی تھی کہ آپ پہلے ان کو رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنے کا اختیار دے دیں یہاں تک کہ آپ نے ان سے

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾
فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ
مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ
اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾

فرمایا: بلکہ تم ڈالو تو اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے ذریعے موسیٰ کو دوڑتی ہوئیں محسوس ہوئیں○ پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا○ ہم نے فرمایا: مت ڈرو بے شک تم ہی غالب رہو گے○ اور جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو وہ ان کی تمام مصنوعی کاری گری کو ہڑپ کر جائے گا' بے شک انہوں نے جو کچھ تیار کیا ہے وہ صرف جادوگر کا فریب ہے' اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا○ سو تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں○

٦٦- ﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا﴾ فرمایا: بلکہ پہلے تم ڈالو تاکہ ان کے پاس جادو کی جتنی فریب کاریاں ہیں وہ سب ظاہر ہو جائیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کو ظاہر کر دے اور تاکہ حق کو باطل پر پھینک دے اور باطل کو مٹا دے

اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو ان کے جادو پر غالب کر دے اور جادو کو ختم کر دے' پس غور وفکر کی نظر سے دیکھنے والوں پر معجزہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت ظاہر ہو جائے' سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴾ پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں دوڑنے لگیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچانک یہ خیال ہوا کہ ان کے جادو کے اثر سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں پر کالا تیل لگا دیا تھا اور جب انہیں سورج کے سامنے دھوپ میں ڈالا گیا تو تیل پگھلنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی طرح حرکت کرتی ہوئیں دوڑ رہی ہیں [کہا جاتا ہے کہ یہ ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جب یہ ''اِذَا'' وقت کے معنی میں ہوتا ہے تو اس وقت اپنے لیے فعل ناصب کا طالب ہوتا ہے اور جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے اور بعض جگہ اس کے فعلِ ناصب کو مخصوص کر لیا جاتا ہے اور وہ مفاجات (اچانک) کا فعل ہوتا ہے اور جملہ ابتدائیہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں اور اب تقدیر عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچانک یہ خیال گزرا کہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ''تُخَيَّلُ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اَنَّهَا تَسْعٰى'' یہ ''يُخَيَّلُ'' میں ضمیر سے بدل الاشتمال ہے]۔

٦٧۔ ﴿ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف پایا (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ تقاضائے بشریت یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سانپ آپ کی طرف ارادہ کر کے آ رہے ہیں' دل میں خوف محسوس کیا' مگر اسے ظاہر نہیں ہونے دیا' یا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اس جادو کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ واقع ہو جائے گا جس کے سبب وہ آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔

٦٨۔ ﴿ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴾ ہم نے فرمایا کہ تم مت ڈرو بے شک تم ہی زبردست غالب رہو گے [اور ''اِنَّ'' اور ''اَنْتَ'' اور حرفِ تعریف اور لفظ علو جو واضح غلبہ کے لیے آتا ہے ان سب کے ذکر میں بالکل واضح مبالغہ پایا جاتا ہے]۔

٦٩۔ ﴿ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ﴾ اور جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دیجئے وہ ان تمام چیزوں کو نگل جائے گا جو جادوگروں نے جعل سازی سے بنائی ہیں اور جن چیزوں کو انہوں نے آراستہ اور خوبصورت کر کے پیش کیا ہے یعنی آپ اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیں' یہ ان کی لاٹھیوں اور ان کی رسیوں کو ہڑپ کر جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ''عَصَاكَ'' نہیں فرمایا یہ صرف اس کی تعظیم کے لیے فرمایا (کہ یہ عصا عام لکڑیوں جیسا نہیں بلکہ بڑی عظمت کا حامل ہے) یعنی جادوگروں نے جو کچھ بنایا ہے آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ آپ کے دائیں ہاتھ مبارک میں ان سے بڑھ کر ہے یا تحقیر کے لیے فرمایا یعنی آپ ان کی رسیوں اور ان کی لاٹھیوں کی کثرت و بہتات کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اکیلی اس لکڑی کو ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے کیونکہ یہ اکیلی لکڑی آپ کے رب تعالیٰ کی قدرت سے ان کی بہت سی لکڑیوں اور رسیوں کو ہڑپ کر جائے گی [امام حفص کی قراءت میں لام اور ''فَا'' ساکن' نیز ''فَا'' مخفف (غیر مشدد) کے ساتھ ''تَلْقَفْ'' ہے اور ابن ذکوان کی قراءت میں لام مفتوح' قاف مشدد اور ''فَا'' مرفوع ہے جب کہ باقیوں کے نزدیک قاف مشدد اور ''فَا'' مجزوم کے ساتھ ہے] ﴿ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ﴾ بے شک انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادوگر کا فریب ہے [عاصم کے علاوہ

باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''سِحْرٍ'' ہے اور ''ذِیْ سِحْرٍ'' کے معنی میں ہے (یعنی جادوگر) یا جادو میں ان کی شدید جدوجہد کے سبب انہیں ''سِحْرٍ'' کہا گیا گویا وہ خود سراپا جادو ہیں اور ''کَیْدُ'' دونوں قراءتوں میں مرفوع ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور بے شک ''سَاحِر'' کو صرف واحد لایا گیا ہے اور اس کو جمع اس لیے نہیں لایا گیا کہ اس کلام پاک میں جنس (مطلق معنی مقصود ہیں' عدد کا معنی مراد نہیں' چنانچہ اگر اس کو جمع لایا جاتا تو یہ گمان پیدا ہو جاتا کہ عدد ہی مقصود ہے] کیا یہ ارشاد نہیں دیکھا کہ ﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ﴾ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا' یعنی یہ جنس (یعنی مطلق جادوگر خواہ کوئی ہو) ﴿حَيْثُ اَتٰى﴾ جہاں کہیں جائے (یعنی) جہاں بھی رہے۔

## جادوگروں کے مسلمان ہو جانے اور فرعون کی دھمکی کا بیان

۷۰- پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا اور اس نے وہ تمام رسیاں اور لاٹھیاں جو جادوگروں کی جعل سازی سے سانپ نظر آ رہی تھیں' ہڑپ کر لیں تو جادوگر یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر فوراً سجدے میں گر پڑے' پس اس لیے ارشاد ہوا: ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا﴾ سو جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔ علامہ اخفش نے کہا کہ جادوگروں کے تیزی کے ساتھ سجدہ کرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ گویا جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے ہیں' سو ان کا معاملہ کتنا عجیب ترین ہے کہ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے کفر و انکار کے لیے اپنی رسیوں اور اپنی لاٹھیوں کو ڈال دیا' پھر تھوڑی دیر بعد شکر و سجدہ ادا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے سروں کو زمین پر رکھ دیا' پس ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سجدہ میں جنت کو اور جنت میں اپنی منازل و مقامات کو ملاحظہ فرمایا تو پھر انہوں نے اپنے سروں کو اٹھالیا' پھر ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں اور یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور سورت شعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کا ذکر کیا گیا تو [اس کی وجہ صرف آیات کے فواصل کی رعایت و حفاظت ہے اور اس لیے بھی کہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی]۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

الثلاثة

فرعون نے کہا: میری اجازت دینے سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے ہو' بے شک وہ تمہارا بڑا استاذ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے' پس میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دوں گا اور میں ضرور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا' اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے O انہوں نے کہا کہ جو معجزات ہمارے پاس آئے ہیں اور جس نے ہمیں پیدا کیا ان کے مقابلہ میں ہم تجھے ترجیح نہیں دیں گے' سو تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے' بے شک تو صرف اس دنیا کی زندگی میں فیصلہ کر سکتا ہے O بے شک ہم اپنے پروردگار پر

ایمان لے آئے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور جس جادو کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اس کو بخش دے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور سدا باقی رہنے والا ہے O

٧١- ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ﴾ فرعون نے کہا کہ تم ایمان لے آئے ہو[ امام حفص کی قراءت میں بغیر مد کے ہے جب کہ ابوعمرو بصری' ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہے اور دیگر قراء کے نزدیک دو ہمزوں کے ساتھ ہے ]﴿لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ اس پر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ ''اٰمَنَ لَهٗ'' اور ''اٰمَنَ بِهٖ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے (اور دونوں کا معنی ایک ہے کہ وہ اس پر ایمان لایا) ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ بے شک وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے یا تمہارا معلم و استاذ ہے' جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ اہل مکہ معلم و استاذ کے لیے کہا کرتے ہیں: ''اَمَرَنِیْ كَبِيْرِیْ'' میرے استاذ نے مجھے حکم دیا ہے ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ سو میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دوں گا۔ مخالف جانب سے کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے کیونکہ ان دونوں اعضاء میں سے ہر ایک عضو دوسرے عضو کا مخالف ہے اس لیے کہ یہ ہاتھ ہے اور وہ پاؤں ہے اور یہ دایاں ہے اور وہ بایاں ہے [اور حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے کیونکہ کاٹنے کی ابتداء ہر عضو کی مخالف سمت ہوگی اور جار مجرور حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے ] یعنی میں ان اعضاء کو مختلف سمتوں سے کاٹ دوں گا کیونکہ جب ایک دوسرے کا مخالف ہوا تو دونوں اختلاف کے ساتھ متصف ہو گئے اور کھجور کے تنے کے ساتھ مصلوب کے قیام کو ظرف میں مظروف کے قیام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پس اس لیے فرعون نے کہا: ﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ اور میں تمہیں ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اس میں کھجور کے درخت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ کھجور کے تنے دراز ہوتے ہیں ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا﴾ اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تمہارے ایمان لانے پر میرا عذاب زیادہ سخت ہے یا ایمان نہ لانے پر حضرت موسیٰ کے پروردگار کا عذاب زیادہ سخت ہے اور بعض نے کہا کہ فرعون پر خدا کی لعنت ہو' اس جگہ اس نے اپنی ذات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد لی ہے کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ اس کی دلیل اس کا یہ کہنا ہے کہ ''اٰمَنْتُمْ لَهٗ'' تم اس پر ایمان لائے ہو' کیونکہ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ لام غیر اللہ کے لیے آتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (التوبہ:٦١) ''آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں''۔ ﴿وَّاَبْقٰى﴾ اور (کس کا عذاب) زیادہ دیرپا ہے۔

٧٢- ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے' (اور) نہ ہم ہرگز تجھے پسند کریں گے ﴿عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی پر رہنمائی کرنے والے یقینی معجزات و دلائل پر جو ہمارے پاس آ گئے ہیں ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے [یہ ''مَا جَآءَنَا'' پر معطوف ہے ] یعنی ہم تجھے ان معجزات و دلائل کے مقابلے میں ہرگز اختیار نہیں کریں گے' جو ہمارے پاس آ گئے ہیں اور نہ اس ذاتِ اقدس کے مقابلے میں ہم تجھے اختیار کریں گے' جس نے ہمیں پیدا کیا ہے [یا یہ قسم ہے اور اس کا جواب ''لَنْ نُّؤْثِرَكَ'' ہے جو قسم پر مقدم ہے ] ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ سو تو جو فیصلہ کرنے والا ہے کر لے' (یعنی) سو تو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کے بارے میں جو کرنا چاہتا ہے وہ کر لے۔ اس (ابوذویب شاعر) نے کہا: ''وَعَلَيْهِمَا مَسْرُوْدَتَانِ قَضَاهُمَا'' اور ان دونوں پر دو زرہیں تھیں' جن کو اس نے تیار کیا تھا یعنی اس نے ان دونوں کو بنایا تھا یا یہ معنی ہے کہ تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے وہی کر لے ﴿اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ بے شک تو صرف اس دنیاوی زندگی میں فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہ اصل میں ''فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' تھا [اور یہ ظرف کی بناء

پر منصوب ہے ]یعنی تو ہمارے بارے میں صرف ہماری دنیاوی زندگی تک فیصلہ کر سکتا ہے۔

٧٣-﴿اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور جو جادو کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اس کو بخش دے [اس میں ''مَا'' موصولہ منصوبہ ہے کیونکہ یہ ''خَطٰیٰنَا'' پر معطوف ہے اور ''مِنَ السِّحْرِ'' ''ما'' موصولہ سے حال واقع ہو رہا ہے ]۔ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان مسلمان ہو جانے والے جادوگروں نے فرعون سے کہا: تو ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دے' چنانچہ فرعون نے ایسا کر دیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس حالت میں پایا کہ آپ سو رہے ہیں اور آپ کا عصا مبارک آپ کی حفاظت کی خاطر آپ پر پہرہ دے رہا ہے' چنانچہ انہوں نے یہ معجزہ دیکھ کر آپس میں کہا کہ یہ جادو نہیں ہے کیونکہ جب جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا جادو باطل ہو جاتا ہے' اس لیے انہوں نے ذلت کے ڈر سے آپ کے ساتھ مقابلہ کرنے کو پسند نہ کیا' لیکن فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا۔ اے انسان! تو غور کر کہ ان کو جادو کے علم نے کس قدر فائدہ دیا اور فرعون کو جادو کے علم سے جہالت نے کس قدر نقصان پہنچایا تو بھلا شریعت کا علم کس قدر مفید و نافع ہو گا ﴿وَاللّٰهُ خَیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو سب سے بہتر ثواب عطا فرمانے والا ہے ﴿وَّ اَبْقٰى﴾ اور وہ اپنے نافرمان (کافر) بندوں کو سب سے زیادہ دیر پا عذاب دینے والا ہے اور یہ دراصل فرعون کے اس قول کی تردید ہے کہ ''وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى'' (طٰہٰ:٧١) ''اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے''۔

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى ﴿٧٤﴾ وَ مَنْ یَّاْتِهٖ
مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى ع ٣ ٢٢ ١٢
مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا
وَّ لَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر حاضر ہو گا تو اس کے لیے دوزخ ہو گی' اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیئے گا○ اور جو شخص اس کے پاس مؤمن بن کر حاضر ہو گا جب کہ اس نے نیک اعمال یقیناً کیے ہوں تو ان کے لیے بڑے بلند درجے ہوں گے○ ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہ اس کا صلہ ہے جو پاکیزہ رہا○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم (اپنا عصا مار کر) ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لو' نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہو گا اور نہ تمہیں کوئی ڈر ہو گا○

## نیک اور بد کے انجام کا بیان

٧٤-﴿اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا﴾ بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم (یعنی) کافر ہو کر آئے گا [''اِنَّهٗ'' میں شان کی ضمیر ہے ] ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ تو اس مجرم و کافر کے لیے دوزخ ہو گی ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا﴾ وہ اس میں مرے گا نہیں کہ موت کے سبب دوزخ کے عذاب سے راحت و سکون حاصل ہو سکے ﴿وَ لَا یَحْیٰى﴾ اور نہ وہ ایسی زندگی پائے گا جس سے وہ

نفع حاصل کر سکے۔

٧٥-﴿وَمَنْ یَّاْتِہٖ مُؤْمِنًا﴾ اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر آئے گا کہ وہ شخص (دنیا میں) ایمان پر فوت ہوا ﴿قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک اس نے ایمان کے بعد نیک اعمال بھی کیے ہوں ﴿فَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی﴾ تو ان کے لیے بڑے بلند درجے ہوں گے [''عُلٰی''۔ ''عُلْیَا'' کی جمع ہے]۔

٧٦-﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے [یہ درجات سے بدل ہے] ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا﴾ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی﴾ اور یہ اس کا صلہ ہے جس نے تزکیہ کیا' (یعنی) ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھ کر شرک سے پاک رہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تینوں آیات مسلمان ہونے والے جادوگروں کے قول کی حکایت ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کسی کے قول کی حکایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے از خود خبر دی ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

## بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور ان کے تعاقب میں فرعونیوں کی غرقابی کا تذکرہ

٧٧-﴿وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ﴾ اور البتہ بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم راتوں رات میرے بندوں کو لے جاؤ۔ دراصل جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنا چاہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کر جائیں اور ان کو دریا کے راستے لے جائیں ﴿فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ﴾ سو تم ان کے لیے دریا میں (اپنا عصا مبارک مار کر) راستہ بنالو یعنی ان کے لیے راستہ بناؤ (''اِضْرِبْ لَھُمْ'' بہ معنیٰ ''اِجْعَلْ لَھُمْ'' ہے) یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ ''ضَرَبَ لَـہٗ فِیْ مَالِہٖ سَھْمًا'' اس نے فلاں آدمی کے لیے اپنے مال میں ایک حصہ مقرر کر دیا ﴿یَبَسًا﴾ ''اَیْ یَابِسًا'' یعنی خشک [اور یہ مصدر ہے اور ''طَرِیْقًا'' کی صفت ہے۔ ''یَبِسَ۔ یَبَسًا۔ وَیُبْسًا'' (تینوں طرح) بولا جاتا ہے] ﴿لَّا تَخٰفُ دَرَکًا﴾ نہ تم پکڑے جانے سے ڈرو گے۔ ''دَرَکًا''، ''اِدْرَاکٌ'' کا اسم ہے یعنی تمہیں فرعون اور اس کا لشکر نہیں پکڑ سکے گا اور نہ وہ تمہیں پا سکے گا [''لَا تَخَافُ'' حال ہے ''فَاضْرِبْ'' میں ضمیر مخاطب سے یعنی تم بغیر کسی خوف کے دریا میں اپنا عصا مبارک مار کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ بنالو۔ حمزہ کی قراءت میں جوابِ امر کی بناء پر ''لَا تَـخَفْ'' فعل نہی آخر میں مجزوم ہے] ﴿وَّلَا تَخْشٰی﴾ اور نہ تمہیں ڈوبنے کا خطرہ ہوگا [اور حمزہ کی قراءت میں ''وَلَا تَـخْشٰی'' جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے یعنی تم نہ ڈرو یا اس کے آخر میں الف اطلاق کے لیے ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا'' (الاحزاب:١٠) ''اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے''۔] چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات پہلے پہر میں مصر سے روانہ ہو گئے اور ان کی تعداد ستر ہزار (٧٠٠٠٠) تھی اور انہوں نے فرعونیوں سے ان کے زیورات ادھار لیے ہوئے تھے' پھر علم ہونے پر فرعون قبطی قوم سے چھ لاکھ کا لشکر لے کر سوار ہوا اور ان کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا تعاقب کرتا رہا' سو درج ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے:

فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِہٖ فَغَشِیَھُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَہٗ وَمَا ھَدٰی ﴿٧٩﴾ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ

الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

سوفرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو ان کو دریا نے ڈھانپ لیا جیسا ڈھانپ لیاO اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایاO اے اولادِ یعقوب! بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیاO تم اس پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے عطا فرمایا اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا' اور جس پر میرا غضب نازل ہوگا تو وہ یقیناً ہلاک ہو گیاO اور بے شک میں اس کو بہت بخشنے والا ہوں' جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا' پھر وہ ہدایت پر قائم رہاO

۷۸- ﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ ﴾ سوفرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا[''بِجُنُوْدِهٖ'' حال ہے] یعنی فرعون ان کے پیچھے نکلا' درآں حالیکہ اس کا لشکر اس کے ساتھ تھا ﴿ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ ﴾ سو ان کو دریا نے ڈھانپ لیا (یعنی) دریا کے پانی نے ان کو پوری طرح گھیر لیا ﴿ مَا غَشِیَهُمْ ﴾ جیسا ان کو ڈھانپ لیا' یہ جامع ترین کلمات میں سے ہے' جو اپنی قلت کے باوجود کثیر معانی دینے میں مستقل رہنمائی کرتا ہے یعنی دریا کے پانی نے فرعونیوں کو اس قدر ڈھانپ لیا کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۷۹- ﴿ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیا اور انہیں گمراہ کر دیا ﴿ وَمَا هَدٰى ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کی سیدھی راہ اور حق کی طرف رہنمائی نہیں کی اور یہ اس کے اس قول کی تردید ہے کہ ''وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ'' (غافر:۲۹) ''اور میں تو صرف سیدھی راہ کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں''۔

## بنی اسرائیل پر انعاماتِ الٰہیہ کا بیان

۸۰- پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دریا سے نجات دینے اور فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد ان پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے جاؤ اور ہم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! ﴿ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ ﴾ بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی یعنی ہم نے تمہیں فرعون سے نجات عطا فرمائی ﴿ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ ﴾ اور ہم نے کتاب دینے کے لیے تم سے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس جگہ آنے کا وعدہ فرمایا اور آپ نے ستر آدمیوں کو منتخب فرمایا کہ وہ تورات کے نزول کے وقت آپ کے ساتھ حاضر ہوں گے اور اس وعدہ کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف صرف اس لیے کی گئی ہے کہ یہ وعدہ ان کے نبی اور ان کے سرداروں سے کیا گیا تھا اور اس وعدہ کے منافع اور فوائد بھی انہیں لوگوں کی طرف لوٹیں گے جس کے ساتھ ان کی شریعت اور ان کا دین قائم ہے [اور ''اَلْاَیْمَنَ''، ''جانب'' کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس کو اپنے جوار (''الطُّوْرِ'') کے سبب مجرور بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ اور ہم نے میدانِ تیہ میں تم پر من اور سلویٰ نازل کیا اور ہم نے تم سے فرمایا:

٨١- ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ﴾ پاک ولذیذ چیزوں میں سے یعنی حلال چیزیں کھاؤ ﴿مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ جو رزق ہم نے تمہیں عطا فرمائیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں "اَنْجَیْتُکُمْ" اور "وَوَاعَدْتُّکُمْ" اور "رَزَقْتُکُمْ" ہے] ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ اور اس میں سرکشی نہ کرو' اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرو' وہ اس طرح کہ تم نعمتوں کی ناشکری کرنے لگ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو گناہوں کے کاموں میں خرچ کرنا شروع کر دو یا یہ معنی ہے کہ تم رزق کے معاملے میں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو ﴿فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾ کہ میرا غضب یعنی میرا عذاب تم پر نازل ہو جائے ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے گا تو بلاشبہ وہ ہلاک ہو گیا یا وہ ایسی تباہی میں گر گیا کہ اس کے بعد اٹھنا ممکن نہیں اور "هَوٰی" کا اصل معنی یہ ہے کہ آدمی پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گیا اور یہاں اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بلندی سے گر کر دوزخ کی آگ کی کھائی میں جا پڑا [قاری علی کسائی کی قراءت میں "فَیَحُلَّ" (حا پر پیش) ہے اور "یَحْلُلْ" (پہلے لام پر بھی پیش) ہے اور باقیوں کے نزدیک دونوں مکسور ہیں اور کسرہ کی صورت میں اس کا معنی وجوب ہے اور یہ "حَلَّ الدَّیْنُ" سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب قرض کا ادا کرنا واجب و لازم ہو جاتا ہے اور یہ مضمون نزول کے معنی میں ہے]۔

٨٢- ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ اور بے شک میں اس کو بہت بخشنے والا ہوں' جس نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی تصدیق کی ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اس نے نیک عمل کیے اور فرائض ادا کیے ﴿ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ پھر وہ ہدایت پر قائم رہا اور مذکورہ ہدایت پر ثابت قدم رہا اور وہ توبہ اور ایمان اور نیک عمل ہے۔

| |
|---|
| وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ |
| لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى |
| اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ |
| عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ |

اور اے موسیٰ! کیا چیز تمہیں قوم سے جلدی لے آئی ○ عرض کیا: وہ یہیں میرے پیچھے ہیں اور اے میرے پروردگار! میں تیری طرف جلدی آ گیا ہوں تاکہ تو (مجھ سے) راضی رہے ○ فرمایا: بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے ○ سو موسیٰ غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئے' فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا' کیا تم پر معاہدہ طویل ہو گیا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو جائے' پس تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا ○

## حضرت موسیٰ کے بعد آپ کی قوم کا بچھڑے کی پوجا کرنے کا بیان

٨٣- ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ﴾ اور کیا تمہیں جلدی لے آئی (یعنی) کون سی چیز تجھے جلدی لے آئی ﴿عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ! تیری قوم سے یعنی قوم کے ان ستر افراد سے جن کو آپ نے خود منتخب فرمایا تھا اور یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام مقررہ وعدہ پر ان ستر افراد کو اپنے ساتھ لے کر کوہِ طور کی طرف چل پڑے' پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے شوق میں ان سے آگے بڑھ گئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے آ جائیں' چنانچہ ان لوگوں سے پہلے جلدی پہنچنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا اَعْجَلَكَ'' اور تمہیں کون سی چیز جلدی لے آئی یعنی کس چیز نے تمہارے جلدی آنے کو واجب کر دیا ہے [ یہ استفہام انکاری ہے اور لفظ ''مَا'' مبتدا ہے اور ''اَعْجَلَكَ'' خبر ہے ]۔

٨٤- ﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: وہ یہ ہیں جو میرے پیچھے ہیں یعنی وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں' پس ابھی مجھ سے آن ملیں گے کیونکہ میرے اور ان کے درمیان صرف تھوڑی سی مسافت رہ گئی ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلدی آنے کی حکمت کو ذکر کیا اور عرض کیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ﴾ اور اے میرے پروردگار! میں تیری طرف یعنی تیرے اس وعدہ کی طرف' جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا اس لیے جلدی جلدی حاضر ہوا ہوں ﴿لِتَرْضٰى﴾ تاکہ آپ راضی ہو جائیں' (یعنی) تاکہ آپ کی رضا مندی میرے بارے میں مزید بڑھ جائے' نیز اور زیادہ ہو جائے اور یہ اجتہاد کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

٨٥- ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے (یعنی) ہم نے انہیں امتحان میں ڈال دیا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ ان کے درمیان سے تمہارے نکلنے اور روانہ ہو جانے کے بعد اور قوم سے وہ لوگ مراد ہیں' جو آپ کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ﴾ اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا' کہ اس نے ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف دعوت دی اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور یہ شخص بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے' جسے سامرہ کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ کرمان کے علاقہ کا کافر تھا (جو بہ ظاہر مسلمان ہو کر بنی اسرائیل میں شامل ہو گیا تھا) سو اس نے ایک بچھڑا بنایا اور اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور یہ منافق تھا۔

٨٦- ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کرنے کے بعد غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے (یعنی) سخت غضب ناک یا بہت غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں تورات شریف عطا فرمائے گا' جس میں ہدایت اور نور ہوگا اور وہ ایک ہزار سورتوں پر مشتمل ہو گی اور ہر سورت میں ایک ہزار آیتیں ہوں گی' اس کی کتابوں کو ستر اونٹ اٹھائیں گے اور اس سے زیادہ اچھا وعدہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ﴿اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ﴾ تو کیا یہ وعدہ تم پر طویل ہو گیا تھا؟ یعنی میری تم سے جدائی کی مدت اور عہد کا معنی زمانہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ''طَالَ عَهْدِیْ بِكَ'' یعنی تیری جدائی کے سبب میرا زمانہ دراز ہو گیا ہے ﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو جائے یعنی تم نے چاہا کہ تم ایسا کام کرو' جس کے سبب تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا غضب نازل ہو جائے ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ﴾ سو تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے حکم پر قائم رہیں گے اور وہ اس کی آیات کو نہیں چھوڑیں گے اور نہ ایمان ترک کریں گے' پھر انہوں نے بچھڑے کی عبادت اختیار کر کے اس کے وعدہ کے خلاف کیا تھا۔

قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا
فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ

مُوسٰى فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾

ع ١٢

انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن اس قوم کے زیورات کے بہت سے بوجھ ہم پر لادے گئے' سو ہم نے ان کو (آگ میں) پھینک دیا' پھر سامری نے اسی طرح ڈال دیا○ تو اس نے ان کے لیے (سونے کا) ایک بچھڑا بنا کر نکالا جو بے جان جسم تھا گائے کی طرح آواز نکالتا تھا' سو انہوں نے کہا: یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے' پس وہ بھول گیا○ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ بچھڑا انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا' اور نہ وہ ان کے کسی قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے○ اور بے شک ہارون نے اس سے پہلے ان کو فرما دیا تھا کہ اے میری قوم! بے شک تمہیں اس کے ذریعے صرف آزمایا گیا ہے' اور بے شک تمہارا پروردگار رحمٰن ہے' سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو○

٨٧- ﴿قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی [نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں میم پر فتح (زبر) ہے یعنی ''بِمَلْكِنَا'' ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں میم پر ضمہ (یعنی پیش) کے ساتھ ''بِمُلْكِنَا'' ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک میم کے نیچے کسرہ کے ساتھ ''بِمِلْكِنَا'' ہے] یعنی ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ اگر ہم اپنے معاملے میں بااختیار ہوتے اور ہم (سامری سے) الگ اور تنہا ہوتے اور ہم ہوش مندی سے غور وفکر کرتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے لیکن ہم سامری کی سازش اور اس کے مکر وفریب کے سبب مغلوب ہو گئے ﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ﴾ لیکن ہم پر ڈال دیا گیا [حجازی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''حا'' مضموم (حا پر پیش) میم مشدد مکسور کے ساتھ ''حُمِّلْنَا'' ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''حا'' مفتوح اور میم مخفف مفتوح کے ساتھ ''حَمَلْنَا'' ہے] ﴿اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ﴾ قوم کی زینت کا بوجھ (یعنی) قبطی قوم کے زیورات کا بوجھ یا ''اَوْزَار'' سے مراد یہ ہے کہ یہ زیورات گناہ اور تاوان ہیں کیونکہ انہوں نے یہ زیورات مصر سے نکلتے وقت ادھار مانگ کر لیے تھے۔ سبب یہ بیان کیا تھا کہ کل ہماری عید ہے' پھر (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد) سامری نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام زیورات کی حرمت کی شامت کے سبب قید کر لیے گئے ہیں' اس لیے کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ساتھ اس طرح رہتے تھے' جس طرح دار الحرب (کافروں کی سرزمین) میں مستامن (پناہ حاصل کرنے والے) رہتے ہیں اور مستامن لوگوں کے لیے حربی کا مال لینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں مالِ غنیمت لینا بھی جائز اور حلال نہیں تھا' لہٰذا تم یہ زیورات جلا دو' پھر جب زیورات پگھل کر آگ کے گڑھے میں آگ بجھنے پر ٹھنڈے ہو گئے تو اس سے بچھڑے کا قالب تیار ہو گیا جس میں رگوں کے مشابہ چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے اور وہ ایک مکمل بچھڑا بن گیا جو اندر سے خالی تھا اور گائے کی آواز جیسی آواز نکالتا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ سامری نے فرعون کے غرق ہونے کے دن حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی' اس نے وہ مٹی بے جان بچھڑے کے مجسمے میں ڈال دی تھی اور یہ گھوڑی فرس الحیاۃ کے نام سے موسوم تھی' چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اور گائے جیسی آواز نکالنے لگا اور بنی اسرائیل کی طبیعتیں اس سونے کے بچھڑے کی طرف جھک گئیں اور انہوں نے اس کی عبادت شروع کر دی ﴿فَقَذَفْنٰهَا﴾ سو ہم نے ان زیورات

کو سامری کی آگ میں ڈال دیا، جس کو اس نے ایک گڑھے میں جلا رکھا تھا اور اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ زیورات اس میں پھینک دیں ﴿فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾ تو سامری نے بھی اسی طرح وہ زیورات آگ میں ڈال دیئے جو اس کے پاس تھے یا اس نے وہ مٹی آگ میں ڈال دی جو اس کے پاس تھی، جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے کھر لگنے کے نشان سے لی تھی۔

٨٨۔﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا﴾ پھر سامری نے آگ کے گڑھے میں ان کی خاطر ایک بچھڑا نکالا، جس کو اللہ تعالیٰ نے ان زیورات میں سے پیدا فرمایا، جس کو امتحان کی خاطر آگ نے بچھڑے کے روپ میں ڈھال دیا تھا ﴿جَسَدًا﴾ بے جان مجسمہ ﴿لَّهٗ خُوَارٌ﴾ جس کے لیے ایک آواز تھی، اور وہ آواز نکالتا تھا، جس طرح بچھڑے آواز نکالا کرتے ہیں ﴿فَقَالُوْا﴾ پس انہوں نے یعنی سامری اور اس کے پیروکاروں نے کہا: ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ یہ تمہارا معبود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے، پس بارہ ہزار کے علاوہ ان کے باقی عام لوگوں نے یہی جواب دیا ﴿فَنَسِيَ﴾ پس وہ بھول گیا، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کو یہاں بھول گئے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کو وہاں کوہِ طور کے پاس ڈھونڈنے چلے گئے یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کا آغاز ہے یعنی سامری اپنے پروردگار کو بھول گیا اور وہ اس پر جو بہ ظاہر ایمان لایا تھا اس کو بھی ترک کر دیا یا سامری اس بات پر استدلال کرنا بھول گیا کہ بچھڑے کا معبود ہونا جائز نہیں۔ وہ دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے:

٨٩۔﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ تو کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی طرف بات نہیں لوٹاتا یعنی ان کو جواب نہیں دیتا [''اَنْ لَّا يَرْجِعُ'' اصل میں ''اَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ'' ہے، پھر نون ثقیلہ سے خفیفہ کر دیا گیا] ﴿وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ اور وہ نہ ان کے نقصان کا مالک ہے اور نہ وہ نفع کا مالک ہے یعنی یہ بچھڑا بات چیت کرنے اور جواب دینے سے بھی عاجز ہے اور یہ ان کو نفع و نقصان پہنچانے سے بھی عاجز ہے تو یہ لوگ اس کو معبود کیونکر بناتے ہیں؟ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بچھڑا صرف ایک دفعہ گائے جیسی آواز نکالتا تھا۔

٩٠۔﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس لوٹ کر آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ اے میری قوم! بے شک تمہیں اس بچھڑے کے ذریعے امتحان و آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، سو تم اس کی عبادت نہ کرو ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اور بے شک تمہارا رب صرف رحمٰن ہے، بچھڑا تمہارا رب نہیں ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ سو تم میری پیروی کرو (یعنی) تم میرے دین کی پیروی کرنے والے بن جاؤ ﴿وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ اور تم میرا حکم مانو اور بچھڑے کی عبادت ترک کر دو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ
اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا
بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾
قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ

الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝

انہوں نے کہا: ہم اس کی عبادت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف واپس لوٹ آئیں O فرمایا: اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا O کہ تم نے میری پیروی نہیں کی تو کیا تم نے میرا حکم نہیں مانا O کہا: اے میرے ماں جائے! میری ڈاڑھی نہ پکڑو اور نہ میرا سر پکڑو' بے شک مجھے اندیشہ ہوا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا خیال نہیں رکھا O فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ O اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھ لی' جس کو انہوں نے نہیں دیکھا' سو میں نے خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتے) کے نشانِ قدم سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھالی تھی اور میں نے اس کو (بچھڑے کے بے جان جسم میں) ڈال دیا اور اسی طرح میری طبیعت نے میرے لیے یہ بات گھڑ لی O

٩١- ﴿قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اس پر جمے رہیں گے' یعنی ہم بچھڑے اور اس کی عبادت پر ہمیشہ قائم رہیں گے ﴿حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس لوٹ آئیں' پس ہم انتظار کریں گے آیا وہ بھی اس بچھڑے کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اس کی عبادت کر رہے ہیں اور آیا سامری سچا ہے یا نہیں؟

٩٢- پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (کوہِ طور سے کتاب لے کر) واپس تشریف لائے تو ﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا﴾ فرمایا: اے ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کر کے گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں (میری تابع داری سے) کس نے روکا تھا۔

٩٣- ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ کہ تم نے میری پیروی نہیں کی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''اَلَّا تَتَّبِعَنِيْ'' ہے۔ ابوعمرو اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا'' کے بغیر ہے] یعنی تمہیں کس نے اکسایا کہ کسی چیز کے کرنے سے روکنے والے اور اس کے ترک کی طرف دعوت دینے والے کے درمیان تعلق پائے جانے کے باوجود تم نے میری پیروی نہیں کی اور بعض نے کہا کہ ''لا'' زائدہ ہے (اور تحسینِ کلام کے لیے ہے) اور معنی یہ ہے کہ تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا تھا جب کہ انہوں نے تیری بات قبول نہیں کی تھی اور تم مجھ سے آ کر ملتے اور مجھے آ کر اطلاع دیتے یا تمہیں کس نے منع کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے غضب ناک ہونے میں میری پیروی کرتے اور تم نے اس سے جنگ کیوں نہیں کی' جس نے اس کا کفر کیا جس پر پہلے ایمان لا چکا تھا اور تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم نے خود کام نہیں سنبھالا جیسا کہ میں خود سنبھال لیتا اگر میں اس وقت موجود ہوتا ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾ کیا تم نے میرا حکم نہیں مانا یعنی میں نے جو تمہیں حکم دیا تھا کہ تم ان کی مصلحتوں کی نگرانی کرنا۔

٩٤- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو اور اپنے بائیں ہاتھ سے ان کی ڈاڑھی کو پکڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں غیرت کا مظاہرہ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عادت تھی ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی نہ پکڑو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو پکڑو [1]

[1] ایک مشت ڈاڑھی کی اہمیت

واضح رہے کہ ڈاڑھی کا مونڈنا' منڈوانا حرام ہے اور مطلق ڈاڑھی بڑھانا واجب ولازم ہے اور ایک مشت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جمہور کے نزدیک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں حقیقی بھائی تھے' دونوں کی ماں بھی ایک تھی اور دونوں کا باپ بھی ایک تھا لیکن حضرت ہارون نے یہاں صرف ماں کا ذکر اس لیے کیا تا کہ حضرت موسیٰ کا دل نرم ہو جائے اور سختی کی بجائے مہربانی سے پیش آئیں [اور ابن عامر شامی اور امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں میم مجرور کے ساتھ "یَبْنَؤُمِّ" ہے] ﴿اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بے شک مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر بنی اسرائیل آپس میں ایک دوسرے سے لڑے تو آپ (مجھ سے) کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا یا مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے انہیں چھوڑ دیا اور میں نے آپ کی پیروی کی اور ان میں سے ایک گروہ میرے ساتھ مل گیا اور ایک گروہ نے سامری کی پیروی اختیار کر لی تو آپ (مجھ سے) کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی ﴿وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ﴾ اور تم نے میری بات کا خیال نہیں رکھا اور نہ تم نے میری بات کو یاد رکھا (جو بات میں نے کوہِ طور پر جاتے وقت تم سے کہی تھی کہ) "اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ O" (الاعراف:١٤٢) "تم میری قوم میں میرے نائب بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فساد پھیلانے والوں کی راہ پر نہ چلنا"۔ اور یہ آیتِ مبارکہ اجتہاد کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مشت ڈاڑھی رکھنا مسنون ہے' یعنی اس سے کم کرنا خلافِ سنت اور ناجائز ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے چند احادیث و آثار اور فقہاء کے حوالہ جات شرح مسلم سے منتخب کر کے پیش کیے جائیں گے۔ مکمل تفصیل و تحقیق کے لیے شرح مسلم ج ٦' مطبوعہ فرید بک سٹال' ٣٨ اُردو بازار لاہور نمبر ٢ میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(١) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انھکوا الشوارب واعفوا اللحی" "تم مونچھوں کو بہت کم کرو اور ڈاڑھیوں کو (اپنے حال پر) چھوڑ دو' یعنی بڑھاؤ۔

(صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٧٥' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(٢) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "احفوا الشوارب واعفوا اللحی" "مونچھوں کو بہت کم کرو اور ڈاڑھیوں کو چھوڑ دو (یعنی مت کاٹو)۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٢٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(٣) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے "انّه امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحية" "مونچھوں کو پست کرنے اور ڈاڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٢٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

(٤) عبید اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا درآں حالیکہ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: "مَا ھٰذَا؟" "یہ کیا ہے؟" "قَالَ ھٰذَا فِیْ دِیْنِنَا" "اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔" "قَالَ فِیْ دِیْنِنَا اَنْ نَّجُزَّ الشَّارِبَ وَاَنْ نُّعْفِیَ اللِّحْیَۃَ" "آپ نے فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔ (المصنف ج ٨ ص ٣٧٩' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

(٥) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب پینے اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا اور فرمایا: "وقصوا الشوارب واعفوا اللحی" "اور تم مونچھیں کم کراؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٥ ص ١٦٨-١٦٩' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٩٥۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی شرارت پر انکار فرمایا' چنانچہ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ آپ نے فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ اور تیرا کون سا مقصد ہے جس نے تجھے اس عمل پر اُبھارا ہے؟

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(٦) امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں تراشو اور ڈاڑھی کو دراز کرو' مجوس کی مخالفت کرو۔ (صحیح مسلم ج ا ص ١٢٩ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(٧) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں: مونچھیں کاٹنا' ڈاڑھی دراز کرنا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن کاٹنا' جوڑوں کو دھونا' بغلوں کے بال نوچنا' زیر ناف بال مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا۔ حضرت مصعب کہتے ہیں: دسویں چیز میں بھول گیا ہوں مگر یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔

(صحیح مسلم ج ا ص ١٢٩ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی' ١٣٧٥ھ)

(٨) امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سر اور ڈاڑھی بڑی تھی۔

(دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢١٦ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(٩) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک بھاری اور ڈاڑھی دراز تھی۔ (دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢١٦ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(١٠) رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی گھنی تھی۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

(١١) قاضی عیاض مالکی نے روایت بیان کی ہے کہ آپ کی ڈاڑھی گھنی تھی' جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔

(شفاء ج ا ص ٣٨ 'مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی' ملتان)

(نوٹ: مذکورہ بالا احادیث میں سے پہلی سات احادیث میں مونچھوں کو پست کرانے اور ڈاڑھیوں کو بڑھانے کا حکم بیان کیا گیا ہے جب کہ آخری چار احادیث یعنی آٹھ سے گیارہ تک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی مبارک کا بیان تھا مگر یہ تمام احادیث مجمل و مبہم ہیں کیونکہ ان میں ڈاڑھی کی شرعی مقدار کی تفصیل اور وضاحت بیان نہیں کی گئی' اس لیے ان کے بعد اب مزید چند احادیث اور اقوالِ فقہاء بیان کیے جائیں گے' جن میں سنت کے مطابق شرعی مقدار ایک مشت بیان کی جائے گی۔ غوثوی)

(١) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو' ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں باریک کرو اور جب حضرت ابن عمر حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مقدار مٹھی سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔

(صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٧٥ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

(٢) ابو زرعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد ڈاڑھی کو کاٹ دیتے۔

(المصنف ج ٨ ص ٣٧٤)

(٣) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ڈاڑھی کو (ایک مشت ہو جانے کے بعد زائد بالوں کو) طول اور عرض سے کچھ کم کر کے برابر کر دیتے تھے۔

(شعب الایمان ج ٥ ص ٢٢١ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی کو لمبا کرنے کے ارادہ سے تیل نہ لگایا جائے ''اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة'' جب کہ ڈاڑھی کی مقدار سنت کے مطابق ہو اور وہ ایک مشت ہے۔ (ہدایہ اوّلین ص ٢٠١ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ ''وهو اى القدر المسنون فى اللحية القبضة'' اور ڈاڑھی میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٩٦- ﴿قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی ہے جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ زجاج نے کہا کہ ''بَصُرَ'' بہ معنیٰ ''عَلِمَ'' ہے اور ''اَبْصَرَ'' بہ معنیٰ ''نَظَرَ'' ہے یعنی میں نے وہ چیز جان لی ہے جس کو بنی اسرائیل نے نہیں جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا چیز ہے؟ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبریل کو فرسِ حیات (زندگی والی گھوڑی) پرسوار ہوا دیکھا تو میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ میں اس کے نشانِ قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھا لوں پھر میں نے اس کو جس چیز پر ڈالا اس میں زندگی آ گئی اور اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو گیا (اور وہ چیز جان دار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔ (فتح القدیر ج ٢ ص ٢٧٠ ' مکتبہ نوریہ رضویہ ' سکھر)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔
(نہایہ ج ١ ص ١٣٤٤ ' مطبوعہ منشی نولکشور ' لکھنؤ)

علامہ زین الدین ابن النجیم لکھتے ہیں کہ ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (اور ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔
(البحر الرائق ج ٢ ص ٢٨٠ ' مطبوعہ علمیہ ' مصر)

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (اور ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔
(تبیین الحقائق ج ١ ص ٣٣١ ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ' ملتان)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ ''اقول ینبغی ان یدرج فی اخذها لتصیر مقدار قبضة علی ما هو السنة والاعتدال المتعارف'' میں کہتا ہوں کہ ڈاڑھی کو اس وقت کاٹنا چاہیے کہ اس کی مقدار ایک مشت ہو جائے جو کہ سنت اور میانہ روی کا متعارف (ومشہور) طریقہ ہے۔ (مرقات ج ٨ ص ٢٩١ ' مطبعہ عامرہ شرفیہ ' مصر)

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''(والسنة فیها القبضة) وهو ان یقبض الرجل لحیته فما زاد منها علی قبضة قطعه'' ڈاڑھی میں سنت ایک مشت ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دے۔
(ردالمحتار ج ٥ ص ٣٥٩)

## ایک اہم تنبیہ (از غوثوی)

حدیث کی مشہور کتاب ''تنویر'' میں ایک حدیث ہے' جس کو ''شرح شرعة الاسلام'' سے علامہ محمد ہاشم سندھی نے ''بیاض'' میں نقل کیا ہے' وہ یوں ہے:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب سے' وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ''انه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یاخذ من لحیته طولا وعرضا اذا زاد علی القبضة کذا فی التنویر'' کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کو طول اور عرض سے کچھ ترشوا دیا کرتے تھے جب کہ وہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ (بیاض ج ٣ ص ٢٠)

یہ حدیث ''ترمذی'' میں بھی آئی ہے مگر اس میں ''اذا زاد علی القبضة'' نہیں ہے اور اس طرح غیر واضح ہونے کی وجہ سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ایک مٹھی سے شاید کم ترشوانا بھی جائز ہو' حالانکہ ایک مشت سے کم ترشوانا خود حضور اور صحابہ کرام کے عمل اور چودہ سو سال کے اجماع و تعامل کے خلاف ہے' اس لیے علامہ علی قاری نے لکھا ہے: ''سیجیئ استحباب اخذ اللحیة طولا وعرضا ولکنه مقید بما زاد علی القبضة'' یعنی عنقریب آگے آئے گا کہ ڈاڑھی کا طول وعرض سے کچھ ترشوانا مستحب ہے لیکن یہ ترشوانا مطلق نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ جب ڈاڑھی ایک مشت سے زیادہ ہو جائے تب ترشوائی جائے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ٤ ص ٤٥٧) پھر آگے ص ٤٦٢ پر ''ترمذی'' کی حدیث پر تحریر فرمایا ہے کہ ''وقید الحدیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن گئی) [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ (فعل مخاطب) ''لَمْ تَبْصُرُوْا'' ہے] ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً﴾ سو میں نے ایک مٹھی بھر لی۔ ''قبضۃ'' کا معنی ہے: ایک بار مٹھی بھر لینا اور یہ ''مقبوض'' (جو مٹھی میں بھر لی جائے) پر بھی بولا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فی شرع الشرعۃ بقولہ اذا زاد علی القبضۃ و جعلہ فی التنویر من نفس الحدیث'' یعنی یہ حدیث مطلق نہیں بلکہ ''شرع شرعۃ الاسلام'' میں اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشت سے زیادہ حصے کو طول و عرض سے ترشوا دیا کرتے تھے اور ایک مشت سے زیادہ کی صراحت حدیث کی کتاب ''تنویر'' میں خود اصل حدیث میں موجود ہے۔
(ماخوذ از ''ڈاڑھی کی اسلامی حیثیت'' ص ۴۳-۴۴)

## ایک اہم ترین فائدہ

اگر چہ بعض فقہاء نے ایک مشت ڈاڑھی کو واجب قرار دیا ہے لیکن چونکہ احادیثِ مبارکہ میں صرف ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرانے کا حکم موجود ہے بخصوص ایک مشت تک ڈاڑھی بڑھانے کا حکم موجود نہیں ہے' اس لیے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب تو نہیں ہے البتہ مؤکدہ ترین سنت ضرور ہے کیونکہ یہ تمام انبیائے کرام خصوصاً حضور سیّد عالم ﷺ اور خلفاء راشدین' نیز دیگر صحابہ کرام کی عملی سنت متواترہ قدیمہ دائمہ ہے اور علامہ حصکفی ''درمختار'' میں لکھتے ہیں کہ ''والشرط فی المؤکدۃ المواظبۃ مع ترک ولو حکما'' (یعنی) سنت مؤکدہ میں حکمی ترک کے ساتھ دوام و ہیشگی شرط ہے' جب کہ ایک مشت ڈاڑھی میں بغیر ترک کے دوام و ہیشگی متواتر موجود ہے کیونکہ تمام انبیائے کرام اور خود حضور اور صحابہ کرام کے متعلق ایک مشت ڈاڑھی سے کم ترشوانے کا کسی حدیث میں نہیں ملتا' نیز علامہ شامی نے ''ولو حکما'' کی تشریح میں سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا: ''والذی ظہر للعبد الضعیف ان السنۃ ما واظب علیہ النبی ﷺ لکن ان کانت لا مع الترک فہی دلیل السنۃ المؤکدۃ وان کانت مع الترک احیانا فہی دلیل غیر المؤکدۃ'' (یعنی) اور اس کمزور بندے کے لیے سنت کی جو تعریف ظاہر ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ سنت وہ عمل ہے' جس کو حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ کیا لیکن اگر بغیر ترک کیے ہمیشہ کیا ہو تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو تو یہ سنت غیر مؤکدہ کی دلیل ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) نیز علامہ شامی اسی پہلی جلد کے ص ۴۳۰ پر لکھتے ہیں: ''السنۃ قسمان سنۃ ھدی وھی المؤکدۃ وسنۃ زوائد والمستحب غیرہ'' (یعنی) سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک سنت ھدی ہے اور یہی سنت مؤکدہ ہے اور دوسری سنت زوائد اور مستحب ہے اور یہ غیر مؤکدہ ہے' لہٰذا ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت ھدیٰ اور مؤکدہ ہے' سننِ زوائد میں سے نہیں' نیز اسی ص ۷۱ پر ہے: سنتِ مؤکدہ کا نام سنت ھدی رکھا گیا اور سنت غیر مؤکدہ کا نام سنت زوائد رکھا گیا ہے' اور ''بحر الرائق'' اور ''درغرر'' میں ہے: ''الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلہا فعل مجوس الاعاجم والیہود والھنود وبعض اجناس الزنج'' ڈاڑھی میں سے اس قدر بالوں کا لینا اور ترشوانا جب کہ وہ ایک مشت سے کم ہو جائیں جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور زنانے (ہیجڑے) کرتے ہیں یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اور ڈاڑھی کا بالکل منڈوانا مجوسیوں' یہودیوں' ہندوؤں اور بعض زنگیوں کا فعل ہے۔ (احکام الملۃ الحقۃ فی تفسیق قاطع اللحیۃ ص ۱۴) نیز علامہ حصکفی نے ''درمختار'' میں اور علامہ شامی نے ''ردالمحتار'' میں یہی کچھ لکھا ہے۔

(دیکھئے: ردالمحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۱۱۳' کتاب الصوم' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ان حوالہ جات سے بھی معلوم ہوا کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے' یہی معتدل قول ہے جب کہ وجوب میں تشدید ہے اور غیر مؤکدہ و مستحب قرار دینے میں بے جا تخفیف ہے۔ واللہ اعلم (غوثوی)

جاتا ہے [جیسے مصدر کو مفعول کا نام دیا جاتا ہے' مثلاً "ضرب الامیر"] اور اس کو (صاد کے ساتھ) "فَقَبَصْتُ قَبْصَةً" بھی پڑھا گیا ہے' چنانچہ جب ضاد کے ساتھ ہو تو پوری مٹھی بھرنا مراد ہوتا ہے اور جب صاد کے ساتھ ہو تو انگلیوں کے اطراف سے چٹکی بھرنا مراد ہوتا ہے ﴿مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ بھیجے ہوئے فرشتے کے نشان سے' یعنی بھیجے گئے فرشتے کی گھوڑی کے نشانِ قدم سے ﴿فَنَبَذْتُهَا﴾ پھر میں نے اس کو ڈال دیا (یعنی) میں نے وہ مٹی بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی ﴿وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ اور اس طرح میرے دل نے میرے لیے (یہ کام) آراستہ کر دیا کہ اس کو میں کر گزروں' سو میں نے اس کام کو اپنی خواہش کے تابع ہو کر کر دیا ہے اور یہ دراصل غلطی کا اعتراف ہے اور اس سے معذرت کا اظہار ہے۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ
تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ إِلٰٓى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي
الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذٰلِكَ
نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ أَعْرَضَ
عَنْهُ فَإِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

فرمایا: پس تو چلا جا' سو تیرے لیے زندگی میں یقیناً یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے کہ ہاتھ مت لگانا' اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ مقرر ہے' جس کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی جائے گی' اور تو اپنے معبود کی طرف دیکھ' جس کی عبادت پر تو جما رہا' ہم اسے ضرور جلا دیں گے' پھر ہم اس کو ضرور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے O بے شک تمہارا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے' جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا علم ہر چیز کو حاوی ہے O اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ خبریں بیان کرتے ہیں' اور بے شک ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر عطا فرمایا O جو شخص اس سے منہ پھیرے گا تو بے شک وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا O

---

۹۷- ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ ﴿فَاذْهَبْ﴾ پس تو ہمارے درمیان سے راندۂ درگاہ ہو کر چلا جا ﴿فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ﴾ پس جب تک تو زندہ رہے گا پوری زندگی میں تیرے لیے یہی سزا ہے ﴿أَنْ تَقُوْلَ﴾ کہ جو بھی تجھ سے ملنا چاہے گا اور تیرے حال سے ناواقف ہوگا تو اس سے کہتا رہے گا: ﴿لَا مِسَاسَ﴾ مت چھونا یعنی مجھے کوئی نہیں چھوئے گا اور نہ میں کسی کو چھوؤں گا' پس تمام لوگوں سے ملنا جلنا مکمل طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا اور لوگوں پر اس کا ملنا جلنا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس سے خرید و فروخت کرنا حرام کر دیا گیا تھا اور جب ایسا اتفاق ہو جاتا کہ وہ کسی کو چھو لیتا تو چھونے والے کو اور جس کو چھوا گیا اس کو یعنی دونوں کو بخار ہو جاتا اور وہ جنگل میں چیختا پھرتا رہتا تھا کہ "لَا مِسَاسَ" مت چھونا اور کہا جاتا ہے: آج تک اس کی اولاد میں یہ بات موجود ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کے قتل سے آپ کو منع کر دیا تھا ﴿وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ مقرر ہے جس کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی جائے گی (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کفر و شرک کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے پر تجھے عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت

میں ''لَنْ تُخْلِفَهٗ'' (فعل معروف) ہے] اور یہ ''اَخْلَفْتَ الْمَوْعِدَ'' تو نے وعدہ خلافی کی' سے ماخوذ ہے جب تم اسے وعدہ خلاف پاؤ ﴿ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ﴾ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ' جس پر تو جم کر قائم رہتا ہے[''ظَلْتَ'' اصل میں ''ظَلِلْتَ'' تھا' پھر تخفیف کے لیے پہلے لام کو حذف کر دیا گیا] ﴿ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ﴾ ہم اس کو ضرور آگ میں جلا دیں گے ﴿ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴾ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ کو ذرہ ذرہ کر کے دریا میں بہا دیا اور بعض بنی اسرائیل نے اس کی محبت میں اس دریا سے پانی پینا شروع کر دیا' جس کی وجہ سے ان کے ہونٹ سونے کی زردی کی طرح زرد ہو گئے۔

۹۸- ﴿ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ بے شک تمہارا برحق معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔[''عِلْمًا'' تمیز ہے] یعنی اس کا علم ہر چیز سے وسیع تر ہے (کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے)۔

## قرآنِ مجید سے روگردانی کا وبال اور قیامت کا منظر

۹۹- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ [اس میں کاف محلاً منصوب ہے] یعنی جس طرح ہم نے آپ سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا ہے اسی طرح ﴿ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ﴾ ہم آپ سے ان لوگوں کے حالات و اخبار بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں (یعنی) ہم آپ سے گزشتہ امتوں کے واقعات و حالات اور ان کی خبریں آپ کے روشن دلائل بڑھانے اور آپ کے معجزات میں اضافہ کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں ﴿ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ ﴾ اور بے شک ہم نے آپ کو دیا ہے یعنی بے شک ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے ﴿ مِنْ لَّدُنَّا ﴾ اپنے پاس سے ﴿ ذِكْرًا ﴾ ذکر (یعنی) قرآن کیونکہ یہ عظیم ترین ذکر (یعنی اعلیٰ ترین نصیحت) ہے اور بڑا مہربان قرآن ہے' اس میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت و نجات موجود ہے' جو اس پر پوری طرح متوجہ ہوگا اور اس پر عمل کرے گا اور یہ ایسے واقعات' قصوں اور خبروں پر مشتمل ہے' جو اس لائق ہیں کہ ان میں غور و فکر کیا جائے اور ان سے عبرت و سبق حاصل کیا جائے۔

۱۰۰- ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ ﴾ جس شخص نے اس ذکر سے منہ پھیر لیا' جس سے قرآن مجید مراد ہے اور اس پر ایمان نہیں لایا ﴿ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴾ تو بے شک وہ قیامت کے روز گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا' بڑا بھاری عذاب ہو گا اور اس کا نام ''وزر'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ بوجھ اٹھانے والے پر بوجھ اٹھانے کی مشقت و تکلیف کو ایسے بھاری بوجھ سے تشبیہ دی گئی ہے جو بوجھ اٹھانے والے کی کمر کو توڑ دے گا اور اس پر اپنی ساری تکلیف ڈال دے گا یا اس لیے کہ وہ ''وزر'' کی سزا ہوگا اور وہ گناہ ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ
یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ
اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا ع ۱۵ / ۱۴
رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ ؕ یَوْمَئِذٍ

يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ بوجھ کتنا بُرا ہوگا O جس روز صور میں پھونکا جائے گا اور ہم اس روز گنہگاروں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی O وہ آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ کہیں گے کہ تم دنیا میں صرف دس راتیں ٹھہرے تھے O ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان میں سے بڑا عقل مند کہے گا کہ تم صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے O اور یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا O پھر وہ اس (زمین) کو ہموار میدان بنا کر چھوڑے گا O آپ اس میں نہ کجی دیکھیں گے اور نہ اونچ نیچ O اس دن وہ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اس کے لیے کوئی کجی نہیں ہوگی' اور رحمٰن کے لیے سب آوازیں پست ہو جائیں گی' پس آپ نہیں سنیں گے مگر بہت آہستہ آواز O

١٠١- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ وہ لوگ اس "وزر" میں ہمیشہ رہیں گے یعنی "وزر" کی سزا میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ عذاب ہوگا [" خَالِدِيْنَ"، "يَحْمِلُ" سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ "مَنْ" معنوی لحاظ سے جمع ہے اور "فَاِنَّهٗ" میں ضمیر کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ "مَنْ" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے] ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ اور قیامت کے دن ان کے لیے بہت بُرا بوجھ ہوگا [" سَآءَ"، "بِئْسَ" کے حکم میں ہے اور اس میں مبہم ضمیر ہے' جس کی تفسیر "حِمْلًا" کر رہا ہے اور "حِمْلًا" تمیز ہے اور "لَهُمْ" میں لام بیانیہ ہے جیسا کہ "هَيْتَ لَكَ" (یوسف:٢٣) میں ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے' جس پر سابق "وِزْرًا" دلالت کرتا ہے] تقدیر عبارت یوں ہے: "سَآءَ الْحِمْلُ حِمْلًا وِزْرُهُمْ" بہت بُرا بوجھ ہے ان کے گناہ کا۔

١٠٢- ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ جس دن صور میں پھونکا جائے گا' (یعنی) سینگ نما بگل پھونکا جائے گا یا یہ "صورة" (شکل وصورت) کی جمع ہے یعنی اس روز تمام صورتوں میں روحوں کو پھونکا جائے گا' جس کی دلیل حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "فِي الصُّوَرِ" واؤ پر زبر کے ساتھ ہے جو "صُوْرَة" کی جمع ہے [یہ "يَوْمَ الْقِيَامَةِ" سے بدل ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں (نون کے ساتھ فعل جمع متکلم) "نَنْفَخُ" ہے] ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ اور ہم مجرموں کو اس روز اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی یعنی وہ اندھے ہو جائیں گے [" زُرْقًا" حال ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا" (بنی اسرائیل:٩٧) "اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے چہروں کے بل اندھا کر کے اٹھائیں گے اور یہ اس لیے کہ جس کی آنکھ کا نور چلا جاتا ہے' اس کی آنکھ کی سیاہی تبدیل ہو کر نیلی ہو جاتی ہے"۔

١٠٣- ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ وہ لوگ باہم سرگوشیاں کریں گے یعنی اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ لوگ ایک دوسرے کو آہستہ سے کہیں گے کہ ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ﴾ تم دنیا میں نہیں ٹھہرے ﴿اِلَّا عَشْرًا﴾ مگر دس یعنی دس راتیں کیونکہ وہ لوگ قبروں میں یا دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو تھوڑا خیال کریں گے' اس لیے کہ جب وہ ان مصائب وتکالیف کو دیکھیں گے' جو ان نعمتوں اور سرور وآرام کے دن یاد دلا دیں گے تو وہ ان پر افسوس کریں گے اور ان دنوں کو تھوڑا تصور کریں گے کیونکہ خوشی کے دن کم لگتے ہیں یا اس لیے کہ وہ آرام کے دن ان سے گزر چکے اور گزر جانے کی مدت اگرچہ دراز اور طویل ہو' ختم ہو جانے پر تھوڑی لگتی ہے یا وہ اپنی آخرت کی طویل مدت کی وجہ سے یہ کہیں گے کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہوگی' جس

کے مقابلے میں دنیا کی زندگی قلیل وقصیر اور تھوڑی سی محسوس ہو گی اور دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو آخرت میں ٹھہرنے کی مدت پر قیاس کر کے تھوڑا خیال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے قول کو ترجیح دی ہے' جس نے ان میں سے سب سے زیادہ کم مدت بیان کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۱۰۴۔﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً﴾ ہم خوب جانتے ہیں' جو کچھ وہ کہیں گے جب ان میں سے انصاف سے بھرپور بات کرنے والا کہے گا:﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا﴾ کہ تم نہیں ٹھہرے مگر صرف ایک دن' اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے:''قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ''(المؤمنون:۱۱۳)''وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے' سو تم گنتی والوں سے پوچھ لو''۔

۱۰۵۔﴿وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔لوگوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ کسی نے سوال نہیں کیا تھا بلکہ تقدیر عبارت یہ ہے کہ''اِنْ سَاَلُوْكَ''اگر وہ آپ سے سوال کریں﴿فَقُلْ﴾ تو آپ فرمادیجئے' اور اس لیے اس کا جواب حرف ''فا'' کے ساتھ مقرون وملا ہوا ہے بہ خلاف باقی سوالوں کے (کہ ان کے جواب میں حرف ''فا'' نہیں ہے) جیسا کہ ارشاد ہے''وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی''(البقرہ:۲۲۲)''اور وہ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرمادیجئے کہ وہ گندگی ہے''۔''وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ''(البقرہ:۲۲۰)''اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرمادیجئے کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا سب سے بہتر ہے''۔''یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ''(البقرہ:۲۱۹)''وہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرمادیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے''۔''یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ''(الاعراف:۱۸۷)''وہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہو گی' فرمادیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے''۔''وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ''(الاسراء:۸۵)''اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرمادیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے''۔''وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا''(الکہف:۸۳)''اور وہ آپ سے ذی القرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرمادیجئے: میں عنقریب تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناؤں گا''۔ان تمام آیات میں پہلے سوالات کیے گئے' پھر ان کے جوابات دیئے گئے [اور چونکہ ان میں شرط کا معنی نہیں ہے' اس لیے ان کے جوابات میں حرف''فا''نہیں ہے]﴿یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا﴾ میرا رب تعالیٰ ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور ان کو ریت کے ذروں کی طرح کر دے گا' پھر ان پر تیز آندھی چلائے گا اور ان کو جدا جدا کر کے گندم کے دانوں کی طرح بکھیر دے گا اور علامہ خلیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ کر غبار کی طرح بکھیر دے گا۔

۱۰۶۔﴿فَیَذَرُهَا﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو اصل مرکز اور ٹھکانے سے دور پھینک دے گا یا''هَا''ضمیر زمین کی طرف لوٹائی جائے کیونکہ زمین معلوم ومعروف ہے جیسا کہ ارشاد ہے:''مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ''(الفاطر:۴۵)''اللہ تعالیٰ زمین کی پشت پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں چھوڑے گا''۔﴿قَاعًا صَفْصَفًا﴾ ہموار برابر میدان۔

۱۰۷۔﴿لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا﴾ آپ اس میں کوئی کجی (یعنی) پستی نہیں دیکھیں گے﴿وَّلَآ اَمْتًا﴾ اور نہ بلندی۔''عوج'' مکسور العین (عین کے نیچے زیر) ہونے کی صورت میں اگرچہ معانی (غیر مادی اشیاء کے ادراک) میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مفتوح العین (عین پر زبر) ہونے کی صورت میں مادی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے اور زمین بھی مادی چیز ہے لیکن جب یہ

زمین (بروزِ قیامت) بالکل اس طرح برابر و ہموار ہو جائے گی کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور اونچ نیچ کا پایا جانا ناممکن ومحال ہوگا اگرچہ باریک بینی و گہرائی اور غور وفکر سے کیوں نہ دیکھا جائے تو پھر اس بناء پر اس کو معانی کے قائم مقام قرار دے کر اس کے لیے ''عِوَجًا'' (عین کے نیچے زیر) استعمال کیا گیا ہے۔

١٠٨- ﴿یَوْمَىِٕذٍ﴾ [''یَوْمَ'' کو وقت نسف الجبال کی طرف مضاف کیا گیا ہے] یعنی اس روز تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ (پہلے) بدل کے بعد ''یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' سے دوسرا بدل ہو] ﴿یَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ﴾ لوگ محشر میں جانے کے لیے پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے یعنی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چل پڑیں گے اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے' جب وہ بیت المقدس کے بڑے پتھر پر پکاریں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے چمڑوں کے ٹکڑو! اور گوشت کے متفرق و منتشر حصو! خدائے رحمٰن کے حضور میں پیش ہو جاؤ تو ہر طرف سے لوگ اُٹھ کر اس آواز کی طرف متوجہ ہو کر چل پڑیں گے' کسی اور طرف روگردانی نہیں کریں گے ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ اس کے لیے کجی نہیں ہوگی' یعنی کوئی بھی اس پکار سے ہٹ کر نہیں جائے گا' بلکہ تمام لوگ بغیر کسی انحراف کے سیدھے اس کی طرف جائیں گے اور پکارنے والے کی آواز کے پیچھے پیچھے جائیں گے ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ اور رحمٰن کے جلال و دبدبہ اور اس کے رعب وہیبت کے سامنے تمام آوازیں پست اور پرسکون ہو جائیں گی ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ پس تم نہیں سنو گے مگر بہت آہستہ آواز' صرف ہونٹوں کے ہلنے سے پست آواز نکلے گی اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ اونٹ کے چلنے کی آواز جیسی ہوگی اور وہ اونٹ جب چلتا ہے تو اس کے پاؤں کی آہٹ ہوتی ہے یعنی میدان محشر کی طرف جاتے وقت صرف اس قدر پست آواز نکلے گی' جس قدر تم اونٹ کے پاؤں کی آہٹ سنتے ہو۔

| |
|---|
| یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ |
| اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ؕ وَقَدْ |
| خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا |
| وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ |
| یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ |

اس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی ماسوا اس شخص کی سفارش کے جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس کی بات سے راضی ہوگا O وہ سب جانتا ہے' جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ لوگ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے O اور تمام چہرے زندہ و پائندہ کے حضور جھک جائیں گے' اور بے شک وہ ناکام ہوگیا' جس نے ظلم کا بوجھ اٹھالیا O اور جو نیک عمل کرتا ہے جب کہ وہ ایمان دار ہو تو اسے نہ زیادتی کا ڈر ہوگا اور نہ کمی کا O اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اور ہم نے اس میں بار بار وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ ڈر جائیں یا ان کے لیے نصیحت پیدا کرے O

١٠٩- ﴿یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ اس روز سفارش فائدہ نہیں دے گی مگر جس کی سفارش کی اجازت رحمٰن دے گا [مضاف محذوف ہونے کی تقدیر پر ''مَنْ''، ''شَفَاعَةُ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے]

''اَیْ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا شَفَاعَةُ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اَیْ اَذِنَ لِلشَّافِعِ فِی الشَّفَاعَةِ'' یعنی کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کی شفاعت کی رحمٰن اجازت عطا فرمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ شفاعت کے بارے میں شفاعت کرنے والے کے لیے اجازت عطا فرمائے گا ﴿ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کی بات کو پسند کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو اس بناء پر پسند کرے گا کہ جس کے لیے شفاعت کی جائے وہ مسلمان ہو [یا پھر منصوب ہے' اس بناء پر ''تَنْفَعُ'' کا مفعول ہے] (شفاعت کی بحث سورۂ مریم:٨٧ کے تحت دیکھیں)۔

١١٠- ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے گزشتہ اور آئندہ سب حالات کو جانتا ہے ﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ اور لوگ علم و دانش سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے یعنی یہ لوگ اپنے علم سے ان چیزوں کا احاطہ نہیں کر سکتے' جن کا اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے [پس اس صورت میں ''بِهٖ'' کی ضمیر ''ما'' موصولہ کی طرف لوٹے گی یا پھر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا' وہ غیر محاط ہے۔

١١١- ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ ﴾ اور تمام چہرے جھک جائیں گے اور پست و عاجز ہو جائیں گے اور اسی وجہ سے قیدی کے لیے کہا جاتا ہے: ''عَانٍ'' کہ وہ ذلیل و عاجز ہو گیا ہے۔ ''وجوہ'' سے اصحابِ وجوہ مراد ہیں یعنی چہروں والے خود تمام لوگ اس روز اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز و بے بس ہوں گے ﴿ لِلْحَیِّ ﴾ ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا کے سامنے' جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور ہر وہ زندگی جس کے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے وہ گویا زندگی نہیں ہے ﴿ الْقَیُّوْمِ ﴾ ہمیشہ ہر جان پر قائم رہنے والے' جو کچھ اس نے کمایا ہے یا مخلوقات کی تدبیر فرمانے والے ﴿ وَقَدْ خَابَ ﴾ اور بے شک وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و محروم ہو گیا ﴿ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴾ جس نے ظلم (کفر و شرک) کا بوجھ اٹھایا (یعنی) جو قیامت کے موقف میں شرک کا بوجھ اٹھا کر لے گیا کیونکہ ''ظلم'' کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے اپنے مناسب مقام میں رکھنے کی بجائے غیر مناسب جگہ پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر زیادہ سخت و بدترین اور ظلم کوئی نہیں کہ مخلوق کو اس کے اپنے خالق کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

١١٢- ﴿ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جو نیک عمل کرتا ہے اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتا ہے' نیکیاں کرتا ہے ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ اور وہ ایمان دار اور مسلمان ہو اور وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کی تصدیق و تائید کرتا ہو اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اسلامی تعلیمات کا دل سے اقرار کر کے اعمالِ صالحہ کے بغیر بھی ایمان کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان اعمالِ صالحہ کے قبول ہونے کے لیے شرط ہے ﴿ فَلَا یَخٰفُ ﴾ سو وہ نہیں ڈرے گا یعنی وہ خوف زدہ نہیں ہو گا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَلَا یَخَفْ'' فعلِ نہی ہے] ﴿ ظُلْمًا ﴾ ظلم سے مراد یہ ہے کہ اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے ﴿ وَّلَا هَضْمًا ﴾ اور نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور اصل میں ''هَضْمٌ'' کا معنی ہے: کم کرنا اور توڑنا۔

١١٣- ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ [یہ ''كَذٰلِكَ نَقُصُّ'' پر معطوف ہے] یعنی جس طرح سابق واقعات پر مشتمل آیات نازل کی گئی ہیں اسی طرح ﴿ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا ﴾ ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے ﴿ وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴾ اور ہم نے اس میں بار بار وعیدیں اور دھمکیاں بیان کی ہیں تا کہ وہ لوگ ڈر جائیں (اور) شرک سے بچتے رہیں ﴿ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴾ یہ وعید یا یہ قرآن ان کے لیے نئی نصیحت یا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے فضیلت و شرافت پیدا کر

دے گا [اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس جگہ ''اَوْ'' بہ معنی واؤ ہے]۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ
ع ۱۱/۱۵ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا
يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

سو سب سے بلند اللہ تعالیٰ ہے' جو سچا بادشاہ ہے اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اس سے پہلے کہ آپ پر اس کی وحی مکمل نازل کی جائے' اور عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما ○ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے ایک عہد لیا' سو وہ بھول گئے اور ہم نے (اس بھول میں) ان کا ارادہ نہیں پایا ○ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا' اس نے انکار کر دیا ○ پس ہم نے فرمادیا کہ اے آدم! بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے' سو وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ ○ بے شک اس میں نہ تمہیں بھوک لگے گی اور نہ تم ننگے رہو گے ○ اور بے شک اس میں نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی ○

۱۱٤- ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ سو اللہ تعالیٰ گمانوں کی اقسام سے' عقول و افہام کے خیالات و اوہام سے بہت بلند و بالا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ مماثلت اور جسموں کے ساتھ مشابہت سے منزہ اور پاک ہے ﴿الْمَلِكُ﴾ ایسا حقیقی بادشاہ ہے کہ دنیا کے تمام بادشاہ اس کے محتاج ہیں ﴿الْحَقُّ﴾ سچا معبود ہے' الوہیّت و معبودیّت کا وہی حق دار ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور اس کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی وحی لا کر آپ کو تلقین کریں تو آپ ٹھہر جایئے اور خاموشی کے ساتھ سنئے تا کہ وہ آپ کو میرا کلام سنا سکیں اور یہ کلام آپ کے فہم و ادراک میں پختہ ہو جائے اور آپ کو سمجھ آ جائے ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ اور آپ قرآن میں جلدی نہ کیجئے' (یعنی) قرآن مجید کے پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ اس سے پہلے کہ اس کی وحی آپ کی طرف پوری کی جائے (یعنی) حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے پہلے ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ اور عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما (یعنی) قرآن اور اس کے معانی کے ذریعے میرے علم میں اضافہ فرما اور بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ماسوا علم کے اور کسی چیز میں زیادہ سے زیادہ طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

## حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ

۱۱۵- ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے عہد لیا' یعنی ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں درخت سے نہ کھانا۔ بادشاہوں کے احکام اور ان کی وصیتوں میں کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں آدمی کو حکم دیا اور فلاں کو وصیت کی اور اس پر پختہ ارادہ کیا اور فلاں سے عہد لیا' [اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کا ''وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ'' پر عطف کیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ بے شک ہم نے ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو

تاکیدی حکم دیا اور ہم نے انہیں وصیت کی کہ اس درخت کے قریب نہ جائیں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے، سو انہوں نے اس کے خلاف کیا، جس سے انہیں منع کیا گیا تھا جیسا کہ یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں یعنی بنی آدم کے معاملے کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے اور ان کی اصل اس میں پختہ ہو چکی ہے ﴿فَنَسِيَ﴾ سو وہ عہد کو یعنی ممانعت کو بھول گئے اور انبیائے کرام علیہم السلام سے اس کام کے نسیان اور بھول پر مواخذہ ہوتا ہے، جس کے متعلق عہد لیا جائے کہ اگر انہیں اس کام کا مکلّف کیا گیا تو وہ اس کی ضرور حفاظت کریں گے ﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ اور ہم نے اپنے حکم کے خلاف ان کا ارادہ اور قصد نہیں پایا، یا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے نہیں تھے [اور ''وجود'' بہ معنیٰ ''علم'' ہے اور ''لَهٗ'' اور ''عَزْمًا'' دونوں اس کے مفعول ہیں یا بہ معنیٰ نقیضِ عدم ہے یعنی ''وَعَدِمْنَا لَهٗ عَزْمًا'' اور ہم نے ان کا ارادہ نہیں پایا اور ''لَهٗ''، ''نَجِدْ'' کے متعلق ہے]۔

١١٦- ﴿وَاِذْ قُلْنَا﴾ [''اِذْ'' ظرف زمان منصوب ہے ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے] یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے حکم فرمایا: ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ فرشتوں کو کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں سجدہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کا معنیٰ ہے: عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے جھک جانا یا حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے تھی لیکن سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف تھا کہ اس میں ان کی ایک قسم کی تعظیم تھی (جس طرح نمازوں میں عبادت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن سجدہ کعبۂ معظمہ کی طرف ہوتا ہے بہر حال یہ قول درست نہیں ورنہ ''لِاٰدَمَ'' کی بجائے ''اِلٰی اٰدَمَ'' ہوتا، دراصل یہ سجدہ عبادت کا نہیں صرف تعظیم کا تھا) ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ سو سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ تھا اور مستثنیٰ منہم کی جنس سے تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرشتے عالمِ ارواح کی خالص اور برگزیدہ مخلوق ہیں، ان میں افزائشِ نسل نہیں ہوتی اور ابلیس آگ کے شفاف شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں سے اس کا استثناء صرف اس لیے صحیح ہے کہ یہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (نیز قرآن مجید میں ہے: ''كَانَ مِنَ الْجِنِّ'' (الکہف: ٥٠)) ﴿اَبٰى﴾ اس نے انکار کر دیا۔ [یہ جملہ مستأنفہ ہے] گویا یہ اس کا جواب ہے، جس نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے مفعول مقدر نہیں ماننا پڑے گا اور وہ سجود ہے، جس پر ''فَسَجَدُوْا'' دلالت کر رہا ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اس نے کھلم کھلا انکار کر دیا اور اس پر وقف کیا گیا ہے۔

١١٧- ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ﴾ پھر ہم نے فرمایا کہ اے آدم! بے شک یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے اس لیے اس نے تمہیں سجدہ نہیں کیا اور نہ یہ تمہاری فضیلت کا قائل ہے ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ﴾ پس وہ تمہیں جنت سے نہ نکال دے، (یعنی) وہ جنت سے تمہارے نکلنے کا سبب نہ بن جائے ﴿فَتَشْقٰى﴾ سو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے کہ تم روزی کی تلاش میں محنت و مشقت اٹھاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے ''فَتَشْقَيَا'' (فعل تثنیہ) آیات کے آخر کی باہمی موافقت پر اکتفاء کرنے کے لیے نہیں فرمایا یا پھر حضرت حواء کو حضرت آدم کے تابع کر کے اس میں داخل کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد عورت کے نان ونفقہ کی کفالت کرتا ہے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ایک سرخ بیل اتارا گیا تھا، جس سے آپ کھیتی باڑی کرتے تھے اور اپنا پسینہ اس کی پیشانی سے پونچھ لیتے تھے۔

١١٨- ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا﴾ بے شک آپ کے لیے اس میں (یعنی) جنت میں بھوک نہیں ہوگی (کیونکہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہوں گی) ﴿وَلَا تَعْرٰى﴾ اور نہ آپ ملبوسات سے ننگے ہوں گے کیونکہ جنتی ملبوسات اس میں ہمیشہ تیار کردہ ملیں گے۔

١١٩- ﴿وَاَنَّكَ﴾ [نافع مدنی اور ابوبکر کی قراءت میں کسرہ (زیر) کے ساتھ ''وَاِنَّكَ'' ہے اور پہلے ''اِنَّ'' پر معطوف ہے اوران دونوں کے علاوہ میں فتح (زبر) کے ساتھ ''وَاَنَّكَ'' ہے اور یہ ''اَلَّا تَـجُوْعَ'' پر معطوف ہے اور محلاً منصوب ہے اور فاصلہ جائز ہے جیسا کہ تم یہ کہتے ہو کہ ''اِنَّ لِیْ عِلْمِیْ اَنَّكَ جَالِسٌ''] ﴿لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا﴾ آپ اس میں پیاسے نہیں ہوں گے آپ اس میں اس لیے پیاسے نہیں رہیں گے کہ اس میں تمام مشروبات موجود ہوں گے ﴿وَلَا تَضْحٰى﴾ اور آپ کو دھوپ نہیں لگے گی نہ آپ کو سورج کی تپش پہنچے گی کیونکہ اس میں سورج نہیں ہوگا' البتہ جنتی لوگ دراز سایا میں ہوں گے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾
فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى
اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا
يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا' کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ رہنے والے درخت اور دائمی بادشاہی بتا دوں جو کبھی پرانی نہیں ہوگی ○ سوان دونوں نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ ان پر جنت کے پتے چپکانے لگے' اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوگئی تو وہ اپنی مطلوبہ راہ نہ پا سکا ○ پھر ان کے پروردگار نے ان کو اپنا برگزیدہ بنالیا اور ان پر مائل بہ کرم ہوا اور راہِ مغفرت دکھادی ○ فرمایا: تم دونوں اکٹھے یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے' پھر اگر تمہارے پاس میری ہدایت آجائے' تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بد بخت ہوگا ○

١٢٠- ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ پس شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا یعنی وسوسہ پوشیدہ اور آہستہ آواز کی طرح ان تک پہنچ گیا ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ شیطان نے کہا: اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ کا درخت بتا دوں؟ [''شجرہ'' کی ''خلد'' کی طرف اضافت کی گئی ہے] اور وہ خلود کا سبب ہے کیونکہ شیطان کا گمان تھا کہ جو شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور وہ کبھی نہیں مرے گا ﴿وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ اور ایسی بادشاہی (بتا دوں) جو کبھی پرانی نہیں ہوگی اور نہ کبھی فنا ہوگی۔

١٢١- ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ سوان دونوں نے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اس درخت میں سے کچھ کھا لیا ﴿فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ پس ان کے سامنے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں ﴿وَطَفِقَا﴾ [''طَفِقَ يَفْعَلُ كَذَا'' کا مطلب ہے کہ وہ اس طرح شروع کرنے لگا ہے جیسے ''جَعَلَ يَفْعَلُ'' ہے کہ وہ شروع کرنے لگا ہے اور یہ ''كَادَ'' کی طرح ہے کہ ان کی خبر میں فعل مضارع آتا ہے' مگر یہ کام کے آغاز میں شروع کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ''كَادَ'' قریب کے معنی کے لیے آتا ہے] ﴿يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ وہ دونوں ان پر جنت کے پتے لگانے لگے یعنی وہ دونوں حضرات اپنی شرم گاہوں کو چھپانے کے لیے ان پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور وہ انجیر کے پتے تھے ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ اور حضرت

آدم علیہ السلام سے اپنے رب تعالیٰ کے حکم میں لغزش ہوگئی' سو وہ ناامید ہو گئے اور اپنی تجویز سے دور ہو گئے اور ابن عیسیٰ نے کہا کہ وہ ناکام ہو گئے اور حاصل کلام یہ ہے کہ امر اور نہی کے خلاف فعل کا واقع ہو جانا عصیان کہلاتا ہے اور جب یہ قصد و ارادہ کے ساتھ ہو تو یہ گناہ ہوگا اور جب یہ ارادہ کی بجائے بھول کر ہو جائے تو یہ لغزش ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو عصیان سے موصوف فرمایا تو ان کا یہ فعل رشد و ہدایت سے خارج ہو گیا' اس لیے اس کو "غوٰی" سے تعبیر کیا کہ آپ اپنے مقصد کے پانے میں ناکام ہو گئے' کیونکہ "غیٌّ"' "رشد" کے خلاف ہے اور "وَزَلَّ اٰدَمُ" کی بجائے "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی" کی تصریح کرنے میں مکلفین کے لیے بہت بڑا انتباہ اور مکمل نصیحت ہے گویا اولادِ آدم سے فرمایا گیا ہے کہ تم اس واقعہ میں غور و فکر کرو اور عبرت حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور معصوم نبی پر اس کی معمولی سی لغزش پر کس قدر سخت الفاظ میں گرفت کی گئی ہے' لہٰذا تم سستی نہ کرو کہ کہیں تم سے صغیرہ اور چھوٹے گناہ سرزد ہو جائیں چہ جائیکہ تم بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھو۔

۱۲۲- ﴿ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ﴾ پھر اس کو اس کے پروردگار نے منتخب کر لیا' اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور اس کو چن لیا اور اس کو اسی طرح پڑھا گیا ہے اور اس کلمہ کا اصل معنی جمع کرنا ہے' کہا جاتا ہے: "جُبِیَ اِلَیَّ کَذَا" میرے پاس اس طرح جمع کر دیا گیا ہے "فَاجْتَبَیْتُہٗ" تو میں نے اس کو چن لیا ﴿فَتَابَ عَلَیْہِ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما لیا اور اس کی توبہ قبول فرمالی ﴿وَھَدٰی﴾ اور اللہ تعالیٰ نے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ نے معذرت کرنے اور مغفرت و بخشش کی طلب کی طرف اس کی رہنمائی فرما دی۔

۱۲۳- ﴿قَالَ اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ' یعنی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام ﴿بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ اے اولادِ آدم! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو کیونکہ دنیا کے معاملات میں تم ایک دوسرے سے حسد کرو گے یا دین کے معاملات میں تم ایک دوسرے سے اختلاف کرو گے ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی﴾ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (یعنی) کتاب اور شریعت آ جائے ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی﴾ تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا' پس وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ وہ آخرت میں بدبخت ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کی پیروی اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن بن جاتا ہے کہ اب وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ وہ آخرت میں بدبخت ہوگا یعنی بے شک آخرت کی بدبختی عذاب ہے اور دنیا میں گمراہی دینِ حق کی راہ سے بھٹک جانا ہے' پس جس نے کتاب اللہ کی پیروی اختیار کر لی اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو گیا اور اس کے نواہی و ممنوعات سے بچتا رہا اس نے گمراہی سے نجات حاصل کر لی اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

ع ٣٤ ١٦

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

اور جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرے تو اس کے لیے زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے O عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا اور بے شک میں (دنیا میں) بینا تھا O فرمائے گا: اسی طرح ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں' سو تو نے انہیں بھلا دیا تھا' اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا O اور اسی طرح ہم اسے سزا دیا کرتے ہیں' جس نے زیادتی کی اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لایا' اور البتہ آخرت کا عذاب سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے O اور کیا اس نے ان کو یہ ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' جن کے رہائشی مکانوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں O

## قرآنِ مجید کی تعلیمات سے روگردانی کا وبال

١٢٤- ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ﴾ اور جو شخص میرے ذکر سے (یعنی) قرآن مجید سے منہ پھیر لے گا ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ ''ضَنْكًا'' بہ معنیٰ ''ضَیِّقًا'' ہے (یعنی تنگ) [اور یہ مصدر ہے اس لیے اس کے وصف میں مذکر و مؤنث مساوی ہیں] حضرت ابن جبیر سے مروی ہے کہ ہم ایسے شخص سے قناعت چھین لیں گے یہاں تک کہ وہ کبھی بھی سیر نہیں ہوگا' چنانچہ جس شخص میں دین کی سلامتی' قناعت اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسا یہ تینوں صفات موجود ہوں گی تو اس کی زندگی طیّب و طاہر اور پاک ہوگی اور قرآن مجید سے روگردانی' حرص و لالچ اور بخل یہ تینوں چیزیں جس شخص میں ہوں گی اس کی زندگی تنگ ہو گی اور اس کا حال تاریک ہو جائے گا جیسا کہ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کرے گا اس پر اس کا وقت تاریک ہو جائے گا اور اس کا رزق اس کے لیے تشویش ناک ہو جائے گا ﴿وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى﴾ اور ہم اس کو قیامت کے دن حجت و دلیل سے اندھا کر کے اٹھائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص آنکھوں سے اندھا کر کے اٹھایا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا'' (الاسراء:٩٧) ''اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اٹھائیں گے''۔ اور یہی وجہ درست ہے۔

١٢٥- ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا﴾ وہ بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں بینا تھا؟

١٢٦- ﴿قَالَ كَذٰلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اسی طرح ہے یعنی تو نے بھی اسی طرح کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کی اور فرمایا: ﴿اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى﴾ تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو تو نے ان کو بھلا دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا یعنی تیرے پاس ہماری واضح اور روشن آیتیں آئی تھیں تو اس وقت تو نے ان میں عبرت کی نگاہ سے غور و فکر نہیں کیا تھا اور ان کو چھوڑ دیا تھا اور تو ان سے اندھا بنا رہا تھا' سو اسی طرح آج تجھے تیرے اندھے پن پر ہم چھوڑ دیں گے اور ہم تیری آنکھوں سے اس کے پڑے ہوئے پردے نہیں اتاریں گے۔

١٢٧- ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ اور اسی طرح ہم اسے سزا دیتے ہیں' جس نے زیادتی کی اور اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے

زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر مبارک سے روگردانی کرنے والے کو دو سزاؤں سے ڈرایا' ایک دنیا میں زندگی کا تنگ ہو جانا اور دوسری یہ کہ آخرت میں اس کا اندھا ہو کر اُٹھنا تو اس نے وعید (ڈراوے) کی آیات کا اپنے اس قول پر اختتام فرمایا کہ ''وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی'' اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے یعنی قیامت کے دن اندھا اٹھنا دنیا میں تنگ زندگی سے زیادہ سخت اور دائمی ہوگا۔

١٢٨- ﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾ تو کیا اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (قریشِ مکہ) کی رہنمائی نہیں کی۔ [''یَھْدِ'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' اس کی دلیل قاری یعقوب سے حضرت زید کی نون کے ساتھ قراءت ہے یعنی ''اَفَلَمْ نَھْدِلَھُمْ''] تو کیا ہم نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ ہم نے بہت سی قومیں ان سے پہلے تباہ و برباد کر دیں حالانکہ قریشِ مکہ ان کے رہائشی مکانوں میں سے گزرتے ہیں۔ [''یَمْشُوْنَ'' (لَھُمْ) کی مجرور ضمیر سے حال ہے] اس سے مراد یہ ہے کہ قریشِ مکہ دورانِ سفر عاد' ثمود اور قوم لوط کے رہائشی مکانوں کے پاس سے آتے جاتے گزرتے ہیں اور ان کی ہلاکت کے آثار و نشانات دیکھتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں' اگر یہ لوگ غور و فکر کریں اور سوچیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ بے شک ان قوموں کی ہلاکت ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوئی' سو پھر یہ لوگ وہ کام نہ کریں جو انہوں نے کیے تھے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات کا فیصلہ اور ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر عذاب کا آنا لازم ہو جاتا ○ سو وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' اور پس آپ رات کے اوقات میں اور دن کے اطراف میں تسبیح بیان کیجئے تاکہ آپ راضی رہیں ○ اور ہم نے دنیا کی زندگی کی زینت کی جو چیزیں ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو برتنے کے لیے دے رکھی ہیں آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھیں' تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں' اور آپ کے رب تعالیٰ کا رزق سب سے بہتر اور سب سے دیرپا ہے ○ اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور آپ خود اس پر ثابت قدم رہیے' ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے' (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق عطا فرماتے ہیں' اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے ○

## کفارِ مکہ پر عذاب نہ آنے کا سبب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند آداب کی تلقین

١٢٩- ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی یعنی اگر امتِ محمد ﷺ (امتِ دعوت) سے عذاب کو مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ﴿لَكَانَ لِزَامًا﴾ البتہ ان پر

عذاب کا آنا لازم ہو جاتا [اور ''لِـزَامًا'' ''لازم'' کا مصدر ہے اس لیے اس کے ساتھ وصف لایا گیا ہے] ﴿وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا اور وہ قیامت ہے [اور یہ ''کَلِمَۃٌ'' پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر کفارِ مکہ سے عذاب کی تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کو عذاب دینے کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا اور وہ قیامت ہے تو دنیا میں ان کے لیے عذاب لازم ہو جاتا جیسا کہ گزشتہ کفار کی قوموں پر لازمی طور پر نازل ہوا تھا۔

۱۳۰- ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ سواے محبوب! یہ کفار آپ کے بارے میں جو نازیبا باتیں کرتے ہیں' آپ ان پر صبر کیجئے ﴿وَسَبِّحْ﴾ اور تمام عیبوں سے اپنے رب تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے رہیے اور اس کی نمازیں پڑھتے رہیے ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے پروردگار کی حمد وثناء کے ساتھ [یہ محلاً حال ہے] یعنی درآں حالیکہ آپ اپنے پروردگار کی حمد وثناء بیان کرنے کے ساتھ اس کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کو تسبیح بیان کرنے کی توفیق عطا کی ہے اور اس پر آپ کی مدد کی ہے ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے یعنی نمازِ فجر ادا کیجئے ﴿وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ اور اس کے ڈوبنے سے پہلے یعنی ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیجئے کیونکہ یہ دونوں نمازیں دن کے اخیر نصف میں سورج کے زوال کے بعد سے سورج کے غروب ہونے سے پہلے تک واقع ہیں ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ اور پس آپ رات کے اوقات میں اور دن کے دونوں کناروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے یعنی اور آپ رات کے اوقات میں عبادت کیجئے یعنی اس کی ساعتوں اور دن کے کناروں کو نمازوں اور دیگر نفلی عبادات کے لیے مختص کر لیجئے اور رات کے اوقات میں تسبیح کرنا نمازِ عشاء کو بھی شامل ہے اور دن کے اطراف نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کو شامل ہیں اور تکرار محض اختصاص کے لیے ہے جیسا کہ بعض کے نزدیک اس (درج ذیل) ارشاد میں اختصاص کیا گیا ہے: ''وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' (البقرہ:٢٣٨) ''درمیان والی نماز کی خصوصی طور پر حفاظت کرو''۔ اور ''اطراف النہار'' میں جمع اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہاں التباس واشتباہ سے امن حاصل ہے کیونکہ دن کی طرفیں تو دو ہی ہوتی ہیں [اور یہ ''قَبْلَ'' پر معطوف ہے] ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ تاکہ آپ خوش رہیں۔ لفظ ''لَعَلَّ'' مخاطب کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے یعنی اے محبوب! آپ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں اس امید پر کہ آپ اس ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے پاس قرب خاص کا وہ مقام ومرتبہ حاصل کر لیں گے جس سے آپ کا جی خوش ہو جائے گا اور آپ کا قلب مبارک مسرور وشاداں ہو جائے گا [علی کسائی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تُرْضٰى'' (فعل مضارع مخاطب مجہول) ہے] یعنی تاکہ آپ کا پروردگار آپ کو راضی کر دے۔

۱۳۱- ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ اور آپ اپنی آنکھوں کو دراز نہ کیجئے' یعنی آپ اپنی آنکھوں کی نظر دراز نہ کیجئے اور نظر دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منظور الیہ (جس کی طرف دیکھا جا رہا ہے) کے حسن و جمال میں منہمک ہو کر تعجب سے آنکھیں پھاڑ کر اس طرح ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنا کہ نظر واپس نہ لائی جائے اور نظر دراز کیے بغیر معمولی طور پر اچانک ایک نظر دیکھ لینا معاف ہے اور یہ اس لیے کہ کوئی چیز نظر کے سامنے آ جائے اور اس پر ایک مرتبہ نظر پڑ جائے تو پھر دوبارہ دیکھنے کی بجائے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے بڑی سختی کی گئی ہے' یہاں تک کہ ظالموں کی عمارتوں اور محلات کو دیکھنے سے اور فاسقوں کو بہترین لباسوں میں اور ان کی خوبصورت سواریوں کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لینا واجب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ تم فاسقوں' فاجروں کی خوبصورت سواریوں کی ٹاپوں کی آوازوں کی طرف بھی نہ دیکھو مگر اس نظر سے دیکھو کہ ان سواروں سے معصیت کی ذلت کیسے ظاہر ہو رہی ہے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے ان چیزوں کو صرف دکھاوے کے لیے بنایا ہے' پس ان کی سواریوں کی طرف دیکھنے والا ان کی غرض کو حاصل کرنے والا ہو

اور ان سواریوں کی تیاری پر انہیں جو دھوکہ ہوا ہے اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو ﴿اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ان چیزوں کی طرف جو ہم نے کفار میں سے کئی قسم کے کافروں کو برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے دی ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَزْوَاجًا'' حال ہو ''بِهٖ'' کی مجرور ضمیر سے اور ''مِنْهُمْ''، ''مَتَّعْنَا'' کا مفعول ہو اور یہ فعل اسی ''منهم'' پر واقع ہو رہا ہو] گویا فرمایا کہ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھئے جو ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو برتنے کے لیے دی ہیں جب کہ وہ چیزیں مختلف اقسام کی ہیں ﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی رونق [یہ مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا ''بِهٖ'' کے محل سے بدل ہے یا پھر یہ ''ذوی زهرة'' کی تقدیر پر ''اَزْوَاجًا'' سے بدل ہے] ﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ تا کہ ہم ان کو اس میں آزمائیں یہاں تک کہ وہ ناشکری کر کے عذاب کے مستحق ہو جائیں یا یہ معنی ہے کہ تا کہ ہم اس سبب سے ان کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کر دیں ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے پروردگار کا رزق (یعنی) اس کا اجر و ثواب اور وہ جنت ہے یا کفایت کرنے والا حلال مال مراد ہے ﴿خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ یہ اجر و ثواب ان کے رزق سے بہت بہتر اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے جو انہیں دنیا میں دیا گیا ہے۔

١٣٢- ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجئے (یعنی) اپنی امت کو یا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ اور آپ اس پر قائم رہیں (یعنی) آپ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہیں ﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا﴾ ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ آپ اپنے اور اپنے گھر والوں کو رزق دیں ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں' سو آپ رزق کے معاملے کے لیے اہتمام نہ کیجئے اور نہ ہی آپ رزق کے معاملے میں پریشان و غمگین ہوں اور آپ اپنا دل مبارک آخرت کے کاموں کے لیے فارغ رکھیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بادشاہوں کے پاس آرائش و زیبائش کی قیمتی چیزیں دیکھتے تو ''وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الخ'' آیت مبارکہ تلاوت فرماتے' پھر انہیں نماز کا حکم دیتے اور فرماتے: نماز پڑھو' نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ تم پر رحم و کرم فرمائے گا' اور حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی کے گھر جب کوئی ضرورت یا حاجت پیش آتی تو آپ گھر والوں کو فرماتے: اٹھو! سب نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اسی کا حکم دیا ہے' اور حضرت مالک بن دینار سے اسی طرح منقول ہے اور بعض مسانید میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر والوں کو جب کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہی آیت مبارکہ تلاوت فرماتے ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ اور انجام تقویٰ کے لیے ہے یعنی نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے [دونوں میں مضاف محذوف ہیں]۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ
اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ
٩ ع ٧ ١٧ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

اور انہوں نے کہا کہ یہ اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے' اور کیا ان کے پاس وہ

واضح نشانی نہیں آ چکی جو پہلے صحیفوں میں ہے○ اور اگر ہم انہیں رسول سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا' پس ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے○ فرما دیجئے کہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے' سوتم بھی انتظار کرو' پس عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور ہدایت پانے والا کون ہے○

۱۳۳- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے یعنی کافروں نے کہا: ﴿لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے (یعنی سرورِ کائنات مفخر موجودات حضرت) محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے (ہماری خواہش کے مطابق) کوئی معجزہ لے کر کیوں نہیں آتے جو ان کی نبوت کی صحت پر رہنمائی کرے ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ اور کیا ان کے پاس وہ روشن نشانی نہیں آ چکی جو پہلے صحیفوں یعنی پہلی کتابوں میں ہے یعنی بے شک کافروں نے اپنی پرانی عادت کے مطابق بطور سرکشی نبوت پر دلیل کا مطالبہ کیا ہے' سو اس لیے ان سے کہا گیا کہ کیا تمہارے پاس اس سے پہلے وہ نشانی نہیں آ چکی جو تمام نشانیوں میں مرکزی نشانی ہے اور معجزہ کے باب میں سب سے بڑا معجزہ ہے یعنی قرآن مجید۔ بے شک یہ قرآن مجید سابقہ نازل کردہ تمام کتابوں میں بیان کردہ عقائد واصول کی جامع برہان ودلیل ہے اور اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ کتاب معجزہ ہے اور سابقہ کتابیں معجزہ نہیں تھیں کیونکہ وہ اپنے مضامین کی صحت پر گواہی کی محتاج تھیں [قاری نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ''لَمْ تَاْتِهِمْ'' ہے (کیونکہ اس کا فاعل مؤنث ہے جبکہ باقیوں کے نزدیک ''یَا'' کے ساتھ ''لَمْ يَاْتِهِمْ'' ہے کیونکہ اس کا فاعل مؤنث حقیقی نہیں مؤنث غیر حقیقی ہے)]۔

۱۳۴- ﴿وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے عذاب میں ہلاک کر دیتے (یعنی) اگر ہم اس کریم ورحیم رسول کی آمد سے پہلے یا قرآن مجید کے نزول سے پہلے ان کو کسی عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیتے تو ﴿لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ وہ لوگ ضرور یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا' سو ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے [''لَوْ لَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے یعنی کیوں نہیں اور ''فَنَتَّبِعَ'' کے آخر میں نصب (زبر) اور شروع میں حرف ''فَا'' اس لیے ہے کہ یہ استفہام کا جواب ہے] ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ﴾ اس سے پہلے کہ ہم نزولِ عذاب کے سبب ذلیل وخوار ہو جائیں ﴿وَنَخْزٰى﴾ اور ہم آخرت میں رسوا ہو جائیں۔

۱۳۵- ﴿قُلْ كُلٌّ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک ﴿مُّتَرَبِّصٌ﴾ انجام کار کے لیے انتظار کرنے والا ہے اور جب کہ ہمارا معاملہ اور تمہارا معاملہ اسی کے حضور میں لوٹ کر پیش ہونا ہے ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ تو تم انتظار کرو ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ جب قیامت آئے گی تو تم جان لو گے ﴿مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ﴾ کہ سیدھی راہ والے کون ہیں [یہ مبتداء خبر ہیں' یہ دونوں محلًا منصوب ہیں] ﴿وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور کس نے ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی طرف راہ پائی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جنتی حضرات صرف دو سورتیں سورتِ طٰهٰ اور سورتِ یٰسین تلاوت کریں گے[1]

[1] قال الحافظ: رواه ابن مردويه من حديث أبي بن كعب (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۱۰۰)' ورواه ابن مردويه من حديث أبي امامة (الدر المنثور ج ۵ ص ۵۴۸)

(۲۱) سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آيَاتُهَا ۱۱۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۃ الانبیاء مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو بارہ آیات' سات رکوع ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا
يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ
السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ④

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آن پہنچا ہے اور وہ غفلت میں روگرداں ہیں○ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس کو سنتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں○ ان کے دل غافل ہیں' اور ظالموں نے آپس میں سرگوشی کی کہ یہ شخص تو محض تمہارے جیسا بشر ہے' تو کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو○ اس نے فرمایا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو جانتا ہے' اور وہ سب کچھ سننے والا' ہر چیز کو جاننے والا ہے○

## مشرکینِ مکہ کی سرکشیاں

۱- ﴿اِقْتَرَبَ﴾ یہ "دَنَا" کے معنی میں ہے یعنی قریب آ گیا ہے ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے [لام جارہ "اقترب" کے متعلق ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک "النـاس" (لوگوں) سے مشرکینِ مکہ مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد مشرکین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے ﴿حِسَابُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے محاسبے کا وقت اور ان کے اعمال پر انہیں سزا دینے کا وقت (قریب آ گیا ہے) یعنی قیامت کا دن اور قیامت کو قریب کے ساتھ موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو وقت ماضی میں گزر چکا ہے' اس کی بہ نسبت آئندہ کا وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور اس لیے بھی کہ ہر آنے والا وقت ماضی کی نسبت قریب آ رہا ہے ﴿وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ﴾ اور وہ اپنے حساب اور اس سے جو ان کے ساتھ وہاں کیا جائے گا غافل ہیں ﴿مُّعْرِضُوْنَ﴾ اس دن تیاری سے منہ پھیرنے والے ہیں' پس قرب عام ہے اور جب کہ غفلت اور اعراض مکلفین کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں' چنانچہ بہت سے لوگ اپنے حساب سے اس لیے غافل ہوتے ہیں کہ وہ اپنی دنیا میں مستغرق و منہمک ہوتے ہیں اور اپنے مولا اور مالک سے دور ہوتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنے حساب سے اس لیے غافل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مولا و مالک کی یاد میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ دنیا سے لاتعلق و دور ہوتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں' سو یہ لوگ اپنے مولا و آقا کے دیدار کے بغیر ہوش میں نہیں آتے اور پہلی قوم کے لوگ صرف موت کے لشکر کی گرفت میں ہوش میں آتے ہیں' پس اے مخاطب! تجھ پر واجب اور لازم ہے کہ تو اپنا محاسبہ کر اس سے پہلے کہ تیرا محاسبہ کیا جائے اور آخرت کی پیشی کے لیے ہوشیار ہو جا' اس سے پہلے کہ تجھ سے باز پرس کی جائے اور غافلوں سے منہ پھیر لے اور تمام مخلوق کے خالق کی یاد میں مشغول ہو جا تاکہ تو رب

العالمین کے دیدار سے فیض یاب ہو سکے۔

٢۔﴿ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ ﴾ ان کے پاس ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں سے کوئی نصیحت آموز نیا حصہ نہیں آتا (مگر مشرکین سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں) ''مُحْدَثٍ'' کا مطلب ہے کہ قرآن مجید میں نزول کے اعتبار سے اس کلام کا اثبات نیا ہے اور اس کی تلاوت نئی ہے اور مشرکین کی سماعت میں اس کلام کا زمانہ قریب ہے اور اس سے حروف منظومہ اور حروف و اصوات سے مرکب لفظی کلام مراد ہے' جس کے حادث ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے[1] ﴿ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴾ مگر وہ لوگ اس کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یا آپ کے علاوہ جو اس کی تلاوت کر رہا ہو اس سے سنتے ہیں اور وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں (اور) اس پر ہنستے ہیں۔

٣۔﴿ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ﴾ ان کے دل غافل ہیں' [''لَاهِيَةً'' حال ہے ''يَلْعَبُونَ'' کی ''هُمْ'' ضمیر فاعل سے یا ''وَهُمْ يَلْعَبُونَ'' اور ''لَاهِيَةً'' دونوں ''اِسْتَمَعُوْهُ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہیں اور جس نے ''لَاهِيَةٌ'' کے آخر میں پیش پڑھا ہے' اس کے نزدیک ''وَهُمْ'' کی پہلی خبر ''يَلْعَبُوْنَ'' کے بعد یہ دوسری خبر ہے اور ''قُلُوْبُهُمْ'' مرفوع ہے کیونکہ یہ ''لاهية'' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ ''لاهية''. ''لَهَا'' سے ماخوذ ہے' یہ ''لَهَا عنه'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے کام کو بھول جائے اور اس سے غافل ہو جائے] اور معنی یہ ہے کہ ان کے دل اصل مقصد اور مراد سے غافل ہیں۔ علامہ ابوبکر وراق نے کہا کہ غافل دل وہ ہوتے ہیں' جو دنیا کی زیب و زینت اور اس کی ظاہری رونق و خوبصورتی میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ آخرت اور آخرت کے خطرات سے غافل ہو جاتے ہیں ﴿ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ﴾ اور ظالموں نے آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ سرگوشی کی۔ ''وَاَسَرُّوْا'' میں اشارہ ہے کہ انہوں نے چھپ چھپا کر سرگوشی کرنے میں بہت مبالغہ کیا [''النجوی'' اسم ہے' جو ''تناجی'' سے ماخوذ ہے' پھر ''الذین ظلموا'' کو ''اَسَرُّوْا'' کی واؤ سے بدل قرار دیا گیا ہے] تاکہ یہ معلوم کرایا جائے کہ ان کا نام ظالم اس لیے رکھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی سازشی باتوں کو خوب چھپا کر ایک دوسرے سے سرگوشی کی [اور یہ اس کی لغت پر ہے' جس نے کہا کہ ''اَكَلُوْنِيْ الْبَرَاغِيْثُ'' مجھے پسوؤں نے کھایا' یا ''الذين ظلموا'' محلاً مجرور ہے کیونکہ ''الناس'' کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے یا پھر محلاً منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ مخصوص بالذم ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اَسَرُّوا النجوی'' ہے اور یہ اس پر مقدم ہے اور اصل میں ''والذین ظلموا اسرّوا النجوی'' ہے] یعنی ان لوگوں نے بڑا ظلم کیا ہے' جنہوں نے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف) خفیہ سرگوشی کی ہے اور کہا ہے کہ ﴿ هَلْ هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴾ یہ تو نہیں ہیں مگر تمہارے ہی جیسے بشر' کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو [یہ پورا کلام محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''النجوٰی'' سے بدل ہے] یعنی انہوں نے یہ بات چھپ کر پوشیدہ طور پر کہی [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ پورا کلام پوشیدہ ''قالوا'' سے بدل ہو] اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ نبی اور رسول صرف فرشتہ ہی ہوتا ہے' لہٰذا ہر وہ شخص جو انسانوں میں سے نبوت و رسالت کا

---

[1] یاد رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی اور قدیم ہے' اسی طرح اس کا کلام بھی اس کی ازلی و ابدی اور قدیم صفت ہے' جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے' باقی کتابی صورت میں جو حروف و نقوش لکھے ہوتے ہیں' جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں اور اس کو قرآن کہتے ہیں تو یہ حروف و نقوش صرف اس قدیم کلام نفسی الٰہی پر رہنمائی کرنے اور اس کا مفہوم و معنی واضح کرنے اور اس کا مظہر ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کہلاتے ہیں ورنہ یہ نسخے پرانے ہو جاتے ہیں اور دوبارہ مختلف انداز و ڈیزائن میں چھپتے ہیں اور یہ حادث ہوتے ہیں اور انہیں کلام لفظی کہا جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کو کلام نفسی کہا جاتا ہے۔ غوثوی

دعویٰ کرے اور معجزہ پیش کرے تو وہ جادوگر ہے اور اس کا معجزہ بھی جادو ہے اس لیے انہوں نے انکار کے طور پر کہا کہ کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم مشاہدہ کررہے ہو اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ جادو ہے۔

٤۔ ﴿قٰلَ رَبِّیْ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا۔[یہ حمزہ، علی کسائی اور امام حفص کی قراءت کے مطابق ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں ''قُلْ رَبِّیْ'' ہے] یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان لوگوں سے فرمادیجئے' جنہوں نے خوب چھپ چھپا کر ایک دوسرے سے آپس میں سرگوشی کی کہ میرا رب تعالیٰ ﴿یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمان اور زمین میں ہر بات کو جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں رہنے والے ہر کہنے والے کی ہر بات کو جانتا ہے خواہ وہ آہستہ بات کرے یا وہ بلند آواز سے بات کرے ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾ اور وہی ان کی سب باتیں سننے والا ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ ان کے دلوں میں پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ اَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ
جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ
نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ ع ١

بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہیں بلکہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہیں' سو چاہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی معجزہ لائے جیسا کہ پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا O ہم نے ان سے پہلے جس بستی کو ہلاک کیا تھا وہ (معجزہ دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لائی تھی' تو کیا یہ ایمان لائیں گے O اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا' جن کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے' سو تم علم والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے O اور ہم نے ان کو ایسا جسم دار نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' سو ہم نے انہیں نجات دی اور ان کو بھی جنہیں ہم چاہتے تھے اور ہم نے زیادتی کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالا O بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے' جس میں تمہارا تذکرہ ہے' تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو O

---

٥۔ ﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ بلکہ انہوں نے کہا: پریشان کن خیالی خواب ہیں بلکہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے اپنے قول کو جادو کہنے سے اس طرح رجوع کر لیا کہ یہ پریشان خیالی خواب ہیں' جن کو یہ (یعنی حضور) اپنی نیند میں دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی جانب وحی بھیجی گئی ہے' پھر اس سے پھر کر اس طرف رجوع کر لیا کہ یہ کلام خود ان کی اپنی طرف سے من گھڑت پیش کیا جاتا ہے' پھر بعد ازاں اس سے بھی اس طرف رجوع کر لیا کہ یہ شاعر کا کلام ہے اور اس طرح باطل مُتردد اور مبطل بار بار رجوع کرتا رہتا ہے' ایک بات پر ثابت قدم نہیں رہتا' پھر انہوں نے کہا: اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح یہ گمان کرتے ہیں (لیکن) ﴿فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ سو انہیں چاہیے

کہ وہ کوئی معجزہ لے کر آئیں جیسا کہ پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا (یعنی) جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کو ہاتھ کو روشن کرنے' عصا کو سانپ وغیرہ بنانے' مادرزاد نابینوں کو بینا کرنے اور مُردوں کو زندہ کرنے کے معجزات عطا کیے گئے تھے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''کما ازسل الاولون'' میں تشبیہ اس اعتبار سے صحیح ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح پہلے رسولوں کو معجزات عطا کیے گئے کیونکہ رسولوں کو بھیجنا معجزات لانے کو متضمن ہوتا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے اس قول میں کہ ''اُرْسِلَ مُحَمَّدٌ'' محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' اور تمہارے اس قول میں کہ ''اُتِیَ مُحَمَّدٌ بِالْمُعْجِزَۃِ'' حضرت محمد ﷺ کو معجزہ دے کر بھیجا گیا ہے' کوئی فرق نہیں ہے (کیونکہ دونوں جملوں میں رسالتِ محمدی ﷺ ثابت ہو جاتی ہے)۔

٦- ﴿مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ ان سے پہلے کوئی بستی یعنی بستی میں رہنے والے ایمان نہیں لائے' جس کے باشندوں کو ان کے مطالبے کی وجہ سے معجزات آ جانے پر ہم نے ہلاک کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے ان معجزات کا مطالبہ ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ تعصب وعناد اور انکار کرنے کے لیے کیا تھا [''اَهْلَكْنَاهَا''، ''مِنْ قَرْيَةٍ'' کی صفت ہے] ﴿اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا یہ لوگ (مشرکینِ مکہ) ایمان لے آئیں گے یعنی وہ لوگ معجزات پر ایمان نہیں لائے تھے جب معجزات ان کے پاس آ گئے تھے تو کیا یہ لوگ (کفارِ مکہ) ایمان لے آئیں گے اگر ہم ان کے مطالبے پر ان کے پاس معجزات لے آئیں اس کے باوجود کہ یہ لوگ ان سے زیادہ سرکش ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہلاک شدہ بستی کے لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور وعدہ کیا کہ وہ معجزات کے آنے پر ایمان لائیں گے لیکن جب ان کے پاس معجزات آن پہنچے تو انہوں نے انکار کر دیا اور مخالفت کرنا شروع کر دی' جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا' پس اگر ہم ان کو ان کے مطالبے پر معجزات عطا فرما دیں تو یہ بھی انکار کر دیں گے۔

## کفار کی احمقانہ بات کا جواب

۷- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو بھی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دراصل یہ ان کے قول ''هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' (الانبیاء:۳) کا جواب ہے یعنی یہ تو صرف تمہارے جیسا بشر ہی ہے۔ ﴿نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے ہیں [''نُوْحِیْ'' (نون کے ساتھ فعل معروف جمع متکلم) امام حفص کی قراءت میں ہے[۱]] ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ سو تم اہل علم سے پوچھ لو (یعنی) تم سابقہ کتب الٰہیہ کے علماء سے پوچھ لو کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ بے شک وہ تمام رسول جن کی طرف وحی بھیجی گئی وہ سب کے سب برگزیدہ انسان تھے اور وہ فرشتے نہیں تھے اور اہل مکہ ان کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے ﴿اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم اس کو نہیں جانتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہیں جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸- ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا﴾ اور ہم نے ان کو ایسے جسم والا نہیں بنایا [جنس سے مراد لینے کی بناء پر ''جَسَدًا'' کو واحد لایا گیا ہے] ﴿لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ کہ وہ کھانا نہ کھائیں یعنی ہم نے آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو ایسے جسم والا نہیں بنایا کہ وہ کھانے پینے کی خواہش نہ رکھتے ہوں ﴿وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں گویا کفارِ مکہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتہ بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا تاکہ آپ نہ کھانا کھاتے' نہ پانی پیتے اور ہمیشہ بھی رہتے کیونکہ کفار کا اعتقاد تھا کہ فرشتوں پر موت نہیں آتی یا پھر وہ فرشتوں کی طویل بقاء اور لمبی زندگی کو خلود و دوام کا نام دیتے تھے۔

[۱] جب کہ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابوعمرو' شعبہ' خلف اور ابوجعفر کی قراءت میں ''یُوْحٰی'' (فعل مضارع مجہول غائب) ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۱۳۰)

۹۔ ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ﴾ پھر ہم نے ان کو اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کہ انہیں نجات دی اور اصل میں ''فی الوعد'' (حرف جارہ مقدر ہے) جیسے ''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ اَیْ مِنْ قومه'' یعنی ''قومه'' (میں حرف جارہ مقدر ہے) اصل میں ''من قومه'' ہے۔ (الاعراف: ۱۵۵) ﴿فَاَنْجَيْنٰهُمْ﴾ سو ہم نے ان (انبیائے کرام) کو اس عذاب سے نجات عطا فرمائی جو ان کی (کفار) قوم پر نازل کیا گیا تھا ﴿وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ اور جن کو ہم چاہتے تھے اور وہ اہل ایمان ہیں (جو اپنے پیغمبروں پر ایمان لا چکے تھے) ﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ﴾ اور ہم نے زیادتی کرنے والوں اور کفر کر کے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا اور زیادتی کرنے والوں کو ہلاک کرنے کی خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ''وَمَنْ نَّشَآءُ'' میں ان کے علاوہ دوسرے لوگ (اہل ایمان) مراد ہیں (جن کو انبیائے کرام کے ساتھ نجات عطا کی گئی)۔

۱۰۔ ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا﴾ اے قریش کی جماعت! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ جس میں تمہاری فضیلت و عظمت کا ذکر کیا گیا ہے بشرطیکہ تم اس کتاب پر عمل کرو یا اس لیے کہ وہ کتاب تمہاری زبان میں نازل کی گئی ہے یا اس لیے کہ اس میں تمہارے دین اور تمہاری دنیا دونوں کا ذکر ہے [اور ''فِيْهِ ذِكْرُكُمْ'' جملہ ''کتابًا'' کی صفت ہے] ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا اس کو تم سمجھتے نہیں کہ میں نے تمہیں اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی ہے، پس تم اس پر ایمان لاؤ۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا
بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ
حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے بہت سے بستیاں ہلاک کر ڈالیں، جن کے باشندے بڑے ظالم تھے اور ہم نے ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیاO پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا تو وہ اچانک وہاں سے بھاگنے لگےO تم مت بھاگو اور جن نعمتوں میں تمہاری پرورش کی گئی ہے ان کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ تم سے باز پرس کی جائےO انہوں نے کہا: ہائے ہماری بدنصیبی بے شک ہم ظالم تھےO پس ان کی یہ پکار متواتر رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو جڑ سے کٹی، بجھی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیاO اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (ان کو) کھیل تماشا نہیں بنایاO اگر ہم کھیل تماشا بنانا چاہتے تو ہم اسے ضرور اپنے ہی پاس سے بنا لیتے، اگر ہم کرنے والے ہوتےO

## کفار کی ہلاکت کا بیان

۱۱۔ ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ اور ہم نے بہت سی بستیوں یعنی ان میں رہنے والوں کو تباہ و برباد یعنی ہلاک کر ڈالا جو کہ بڑے ظالم تھے۔ اصل میں ''مِنْ قَرْيَةٍ'' سے مراد ان میں رہنے والے لوگ ہیں یعنی ان بستیوں میں آباد رہنے والے لوگوں کو ہلاک کیا گیا، اس کی دلیل ''كَانَتْ ظَالِمَةً'' ہے کیونکہ بستیاں ظالم نہیں ہوتیں بلکہ ان میں رہنے

والے لوگ ظالم ہوتے ہیں اور یہاں ظالموں سے کفار مراد ہیں جو (اپنے کفر وشرک اور نافرمانیوں کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے سخت غیظ وغضب اور اس کی بہت بڑی ناراضگی کے مستحق و سزاوار قرار پائے کیونکہ "قصم" کا معنی ہے: بہت بُرے طریقے سے توڑنا' ریزہ ریزہ کر دینا اور یہ وہ توڑنا مراد ہے جو اجزاء کے جوڑ کی شکستگی کو ظاہر کر دے اور مرکب جسم کے تمام اجزاء کو جوڑوں سے توڑ کر الگ الگ کر دے جب کہ "فصم" کا معنی ہے کہ کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کیے بغیر توڑنا [اور حرف "کَمْ" خبر یہ تکثیر یہ محلاً منصوب ہے اور "قَصَمْنَا" کا مفعول ہے (اور "من قریة" اس کی تمیز ہے)] ﴿وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ﴾ اور ہم نے ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا' جو ان کی رہائش گاہوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ "اَنْشَاْنَا" بہ معنی "خَلَقْنَا" ہے یعنی ہم نے پیدا کیا۔

١٢-﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ﴾ پھر جب انہوں نے یعنی ہلاک ہونے والوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا یعنی جب انہوں نے حس اور مشاہدہ کے علم سے مکمل طور پر ہمارے عذاب کو معلوم کر لیا تو ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ﴾ اچانک وہ لوگ وہاں سے (یعنی) اس بستی سے جلدی جلدی بھاگ کھڑے ہوئے ["اِذَا" مفاجاتیہ ہے' جس کا معنی ہے: اچانک اور "هُمْ" مبتدا ہے اور "یَرْكُضُوْنَ" اس کی خبر ہے] اور "رکض" کا معنی ہے: چوپائے کا زمین پر پاؤں مارنا' سو ممکن ہے کہ جب انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے ہوں تو وہ اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے ہوں اور ان پر سوار ہو کر اپنی بستی سے جلدی سے بھاگ پڑے ہوں یا انہیں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ان کو تیز دوڑانے کے لیے پاؤں مارنے اور تیز بھگانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو اور اس صورت میں ان سے فرمایا گیا کہ:

١٣-﴿لَا تَرْكُضُوْا﴾ تم مت بھاگو' اور یہ کہنے والے بعض فرشتے تھے ﴿وَارْجِعُوْآ اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ﴾ اور اس دنیا میں تمہیں جو نعمتیں دی گئی ہیں تم ان کی طرف اور عیش وعشرت اور نازنین زندگی کی طرف لوٹ جاؤ۔ علامہ خلیل نے کہا کہ "مُتْرِفْ" وہ شخص ہوتا ہے' جس کی زندگی کشادہ اور خوشحال ہو اور اس میں غم وفکر بہت کم ہوں ﴿وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ﴾ یعنی ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی نعمتوں اور اپنی رہائش گاہوں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے کل ان چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے' جو تم پر جاری رہیں اور تمہارے مالوں کی صورت میں تم پر اترتی رہیں' پس تم پوچھنے والے کو اپنے علم اور مشاہدہ کی بناء پر جواب دو گے یا یہ معنی ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ اور جس طرح تم اپنی مجلسوں اور محفلوں میں بیٹھا کرتے تھے' اسی طرح بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ تمہارے غلام' نوکر چاکر اور وہ لوگ جن کے بارے میں تمہارے حکم اور نہی چلتے ہیں' تم سے درخواست کریں اور وہ تم سے عرض کریں کہ جناب آپ حضرات کیا حکم جاری فرماتے ہیں اور ہم کیسے کریں اور کیسے نہ کریں جیسا کہ دولت مند وخوشحال مخدوموں کی عادت ہوتی ہے یا یہ معنی ہے کہ لوگ تمہاری محفلوں میں آ کر تم سے اپنے مشکل اُمور کے بارے میں دست تعاون کے لیے سوال و درخواست کریں اور تمہاری محفلوں میں آ کر لوگ تم سے اترنے والی مصیبتوں کے حل کے لیے تعاون کا سوال کریں یا یہ کہ تمہارے پاس آنے والے وفد اور بڑے حریص ولالچی لوگ آ کر تم سے سوال کریں اور وہ تمہارے ہاتھوں کے بادلوں کی برسنے کی طلب و درخواست کریں یا یہ کہ فرشتوں کی بجائے انہوں نے خود ایک دوسرے سے کہا کہ تم اپنے مکانوں اور اپنے مالوں کے پاس واپس لوٹ چلو تا کہ تم ایک دوسرے سے مال و دولت اور ٹیکسوں کے بارے میں سوال کرو' سو تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا' اسی دوران آسمان سے پکارا گیا کہ اے انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفو! اور انہیں تلواروں نے گھیر لیا تو اس وقت انہوں نے

١٤-﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾ کہا کہ ہائے ہمارے بد نصیبی! بے شک ہم لوگ ظالم تھے۔ ان ظالم لوگوں نے

اس وقت اعتراف کیا' جس وقت اعتراف فائدہ نہیں دیتا۔

۱۵۔﴿فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس ان کی یہ پکار مسلسل جاری رہی [یہ ''یٰوَیْلَنَا'' کی طرف اشارہ ہے اور ''تِلْكَ'' اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ ''زَالَتْ'' کا اسم ہے اور ''دَعْوٰیهُمْ'' اس کی خبر ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے ] ﴿حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا﴾ یہاں تک ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی بنا دیا کہ وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گئے یعنی جیسے کھیتی کو کاٹ کر اس کا بھوسہ بنا دیا گیا ہو [اور اس کو جمع نہیں لایا گیا جیسا کہ مقدر کو جمع نہیں لایا گیا] ﴿خٰمِدِیْنَ﴾ بجھی ہوئی آگ کی طرح مردے [''حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ''۔ ''جَعَلَ'' کا دوسرا مفعول ہے ]یعنی ہم نے ان کو بجھی ہوئی آگ اور کٹی ہوئی کھیتی دونوں کی مماثلت کے لیے جامع بنا دیا' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''جَعَلْتُهٗ حُلُوًّا حَامِضًا'' میں نے اس کو میٹھا (اور) کھٹا بنا دیا یعنی میں نے اس کو دونوں ذائقوں کا جامع بنا دیا ہے۔

## زمین وآسمان کی تمام مخلوق بے کار نہیں' اطاعت کے لیے بنائی گئی ہے

۱۶۔﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو کھیل تماشا اور بے مقصد نہیں بنایا۔ ''لعب'' ہر وہ فعل ہے' جس کا شروع اچھا ہو اور اس کو ثبات نہ ہو (عارضی خوشی) [اور ''لٰعِبِیْنَ'' حال ہے ''خَلَقْنَا'' کے فاعل سے ] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے یہ بلند و بالا چھت اور یہ بچھائی گئی زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان تمام اقسام کی مخلوق ہے ان کو کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا بلکہ ہم نے ان کو صرف اس لیے بنایا کہ ان کے ذریعے اِن کے مدبر کی قدرت پر استدلال کیا جائے تا کہ ہم نیکو کار اور بدکار کو اس کے مطابق صلہ دیں' جس کا ہماری حکمت تقاضا کرتی ہے۔

۱۷۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو حدوث و ناپائیداری سے منزہ و مبرّا اور پاک قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا﴾ اگر ہم کھیل تماشا بنانا چاہتے یعنی بیٹا یا عورت بنانا چاہتے گویا یہ اس شخص کی تردید ہے' جس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام اس کی بیوی ہے ﴿لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ﴾ تو ہم ضرور اسے اپنے پاس سے بناتے (یعنی) اولاد میں سے یا حور میں سے ﴿اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ اگر ہم کرنے والے ہوتے یعنی اگر ہم ان میں سے ہوتے جو یہ کام کرتے ہیں لیکن ہم ان میں سے نہیں ہیں' جو یہ کام کرتے ہیں کیونکہ یہ کام ہمارے حق میں محال ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ'' (الانبیاء:۱۰۹) ''اور میں قیاس سے نہیں جانتا کہ نزدیک ہے یا دور ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے''۔ یعنی ہم کرنے والے نہیں ہیں۔

| |
|---|
| بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا |
| تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ |
| عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا |
| اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ |

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں' سوحق اس کا سر پھوڑ دیتا ہے' پس باطل مٹ کر ہی رہتا ہے' اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر تمہارے لیے بڑا ہی افسوس ہےO اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیںO وہ رات اور دن میں تسبیح بیان کرتے ہیں سستی نہیں کرتےO کیا انہوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو (مردوں کو) زندہ کریں گےO اگر ان دونوں (آسمان اور زمین) میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے' سو اللہ تعالیٰ (جو) عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیںO

۱۸- ﴿بَلْ﴾ بلکہ۔ یہ کھیل تماشا بنانے سے اعراض ہے اور لہو و لعب بنانے کی نفی ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے بے ہودہ کاموں سے اپنی ذاتِ اقدس کی پاکیزگی بیان کی ہے' گویا ارشاد فرمایا کہ ہم لہو و لعب اور کھیل تماشا بنانے سے پاک ہیں بلکہ ہماری سنت اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ﴿نَقْذِفُ﴾ ہم مارتے ہیں یعنی ہم پھینکتے ہیں اور ہم مسلط کرتے ہیں ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو (یعنی) قرآن مجید کو ﴿عَلَى الْبَاطِلِ﴾ باطل پر (یعنی) شیطان پر یا ہم اسلام کو شرک پر مسلط کر دیتے ہیں یا محنت و کوشش کو کھیل تماشے پر مسلط کر دیتے ہیں ﴿فَيَدْمَغُهٗ﴾ سوحق باطل کو تباہ کر دیتا اور اس کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور حق باطل کو مٹا دیتا ہے [اور یہ لطیف استعارہ ہے کیونکہ "قذف" (پھینکنا) "دمغ" (مٹانا) اجسام میں استعمال ہوتا ہے' پھر حق کو باطل پر مسلط کرنے کے لیے "قذف" کو بطور استعارہ لیا گیا ہے اور باطل کو مٹانے کے لیے "دمغ" کو بطور استعارہ لیا گیا ہے' پس مستعار منہ حسی ہے اور مستعار لہ عقلی ہے] تو گویا فرمایا گیا ہے کہ بلکہ ہم حق کو جو ایک مضبوط جسم کے مشابہ ہے باطل پر مسلط کر دیتے ہیں' جو ایک کمزور جسم کی مانند ہے' سوحق باطل کو اس طرح مٹا دیتا ہے' جس طرح قوی اور مضبوط جسم کمزور جسم کو مٹا دیتا ہے ﴿فَاِذَا هُوَ﴾ تو فوراً وہ یعنی باطل ﴿زَاهِقٌ﴾ ہلاک و ختم ہو جاتا ہے اور تباہ و برباد ہو جاتا ہے ﴿وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾ اور تمہارے لیے ہلاکت ہے اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد وغیرہ بیان کرتے ہو۔

۱۹- ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کے لیے ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے (یعنی) تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تو مخلوق و مملوک میں سے کوئی چیز اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ ان دونوں (خالق و مخلوق) کے درمیان تضاد ہے اور "الارض" پر وقف کیا جاتا ہے کیونکہ ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ﴾ اور جو محترم و معزز مخلوق اس کے پاس رہتی ہے' یہ مرتبہ و فضیلت کے اعتبار سے مراد ہے' رہائش گاہ اور جگہ کے اعتبار سے مراد نہیں ہے یعنی فرشتوں کی محترم و مکرم جماعت مراد ہے [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے] ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ کہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے تکبر و غرور نہیں کرتے ﴿وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾ اور وہ سستی نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔

۲۰- ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ وہ رات اور دن کو تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں وہ کبھی وقفہ نہیں کرتے ["لَا يَفْتُرُوْنَ"، "يُسَبِّحُوْنَ" سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ان کی تسبیح ہمیشہ مسلسل تمام اوقات میں جاری و ساری رہتی ہے اور فراغت کے ساتھ اس میں وقفہ کبھی نہیں آتا یا کسی دوسرے شغل میں مشغول نہیں ہوتے' پس ان کی تسبیح ہمارے سانسوں کی طرح جاری و ساری رہتی ہے۔

## شرکت کی نفی اور توحید الٰہی کا بیان

۲۱- پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے کرتوتوں پر انکار کرتے ہوئے اور انہیں ڈانٹتے ہوئے ان سے اعراض فرمایا اور حرف "اَمْ"، "بَلْ" اور ہمزہ کے معنی میں ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ﴾ کیا انہوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو مُردوں کو زندہ کر دیں گے ["مِنَ الْاَرْضِ"، "اٰلِهَةً" کی صفت ہے] کیونکہ ان کے معبود زمین کے جواہر میں سے بنائے جاتے تھے جیسے سونا' چاندی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے تھے' نیز زمین پر ان کی عبادت کی جاتی تھی' اس لیے ان کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "فُلَانٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ" یعنی فلاں آدمی مدنی ہے [یا پھر "اِتَّخَذُوْا" کے متعلق ہے اور اس میں معبودوں کے بنانے کی ابتدائے غایت کا بیان ہے] اور "هُمْ يُنْشِرُوْنَ" میں اضافی اور زائد دھمکی ہے اور اگر چہ ان کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ ان کے معبود مُردوں کو زندہ کریں گے اور وہ یہ دعویٰ کیسے کر سکتے تھے کیونکہ مُردوں کو زندہ کرنا ان کے بڑے منکرات میں سے ہے مگر بتوں کے لیے اُلوہیت کے دعویٰ سے ان کے لیے مُردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ لازم آتا ہے کیونکہ اس کام سے عاجز کے لیے معبود ہونا صحیح نہیں ہے جب کہ اس اسم کا صرف وہی مستحق ہو سکتا ہے' جو ہر مقدور پر قادر ہو اور تمام مقدورات کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکتا ہو [اور حضرت حسن کی قراءت میں "يَنْشُرُوْنَ" یا مفتوح کے ساتھ (فعل معروف) ہے اور یہ دو لغتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو پیدا کرے گا یعنی ان کو زندہ کرے گا]۔

۲۲- ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کئی اور معبود بھی ہوتے (تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے) ["اِلَّا" یہاں "غَيْر" کے معنی میں ہے اور "اٰلِهَةٌ" کو "اِلَّا" کے ساتھ موصوف کیا گیا جیسا کہ "غیر" کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے' اگر "اٰلِهَةٌ غَيْرُ اللّٰهِ" کہا جائے اور اس پر بطور بدل رفع جائز نہیں کیونکہ "لَوْ" کلام موجب میں "اِنَّ" کے معنی میں ہوتا ہے جب کہ بدل کلام غیر موجب میں جائز ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ" (ھود:۸۱) "اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے ماسوا تمہاری بیوی کے"۔ اور اس پر بطور استثناء نصب بھی جائز نہیں ہے' اس لیے کہ جمع جب نکرہ ہو (جیسے "اٰلِهَةٌ" ہے) تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء نہ ہو تو مستثنیٰ اس میں داخل ہو جائے] اور معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے معاملے کی تدبیر اگر کئی مختلف معبود کرتے تو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے تو ﴿لَفَسَدَتَا﴾ البتہ زمین و آسمان دونوں تباہ و برباد ہو جاتے' برہان تمانع کے پائے جانے کے سبب اور ہم نے اصولِ کلام میں اس کی تقریر بیان کر دی ہے[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پاکیزگی

[1] اللہ تعالیٰ کی توحید کی یہ نا قابلِ تردید دلیل ہے کہ انسان اس میں جتنا غور و تامّل کرے' اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر اس کا یقین محکم اور ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے باوجود اتنی سہل اور عام فہم ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور اپنے دل کو نور یقین سے منور کر سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک ملک کے دو فرمانروا ہوں' جن کے اختیارات مساوی ہوں تو اس ملک میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکیں گے اور اس کی ساری رونقیں خاک سیاہ بن کر رہ جائیں گی۔ اگر ایک ہی لشکر کے دو جرنل ہوں تو وہ کسی میدان میں جم کر نہیں لڑ سکے گا' یہ ایسی بات ہے جسے ہر لکھا پڑھا بھی جانتا ہے اور ایک اَن پڑھ چرواہا بھی جس کی عمر سیاسی ہنگاموں سے دور' جنگلوں میں بکریاں چراتے گزری ہو' آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ملک میں کسی قوم نے اپنے دو ایسے حکمران مقرر کیے ہوں جو قوت و طاقت اور اختیار میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں لیکن اگر آپ اس آیت مبارکہ میں مزید غور کریں تو آپ کو اس دلیل کی گہرائی اور گیرائی کا مزید اندازہ ہوگا۔ پہلے آپ یہ سمجھئے کہ اِلٰہ (خدا) کون ہو سکتا ہے' اِلٰہ وہ ہو سکتا ہے' جو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیان کی اور فرمایا: ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ جو عرش کا مالک ہے ان تمام عیبوں سے پاک ہے جو مشرکین اولاد اور شریکوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) واجب الوجود ہو اپنے موجود ہونے میں کسی خالق کا محتاج نہ ہو نیز جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہو اور جملہ نقائص وعیوب سے پاک ہو۔ جو خدا اپنے موجود ہونے میں کسی غیر کا دست نگر ہو اس کو الٰہ کہنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے وہ خدا جس میں کئی خوبیاں اور کمالات مفقود ہوں اور جس میں طرح طرح کے عیب پائے جاتے ہوں ایسی ہستی کو بھی خدا کہنا عقل ودانش کی سب سے بڑی توہین ہے۔ اب جب ہم نے عقلِ سلیم کی روشنی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا وہ ہے جو واجب الوجود ہو اور تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے پاک ہو تو اب ذرا سوچیے کہ (۱) اگر ایک سے زائد خدا مان لیے جائیں تو ان کی باہمی حیثیت کیا ہو گی؟ اگر سارے ناقص ہیں اور کائنات کے پیدا کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں تو ان میں سے ایک بھی اس قابل نہ ہوا کہ اسے خدا کہا جائے کیونکہ جو خود محتاج ہو وہ کسی کی حاجت روائی کیا کرے گا (۲) اور اگر ان میں سے ایک کامل قدرت کا مالک ہے اور دوسرے اس کی امداد کے محتاج ہیں تو جو کامل ہے اسے کیا پڑی ہے کہ اس بدیع اور حیران کن نظامِ عالم کی تخلیق میں دوسروں کو شریک کرتا پھرے جو وہ بلا شرکت غیرے انجام دے سکتا ہے (۳) اور اگر سب یکساں قوت واختیار اور ارادہ کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلاف کا پیدا ہونا لازمی ہے اور جب ایک خدا دوسرے خدا سے ٹکرائے گا تو کائنات کی دھجیاں اڑ جائیں گی (۴) اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سب نے آپس میں مصالحت کر لی ہے اور باہمی اتفاق سے سارا نظامِ کائنات چل رہا ہے تو کیا حوادثِ عالم کے رونپذیر ہونے میں سب کی قوت وطاقت صرف ہو رہی ہے یا فقط ایک کی۔ اگر فقط ایک خدا کی قوت صرف ہو رہی ہے تو دوسرے خدا بے کار ہوں گے اور یہ بھی اچھے خدا ہوئے کہ طاقت تو ہے لیکن بخیل کی دولت کی طرح بے کار و بے مصرف (۵) اور اگر سب کی قوت وارادہ سے ہر کام انجام پا رہا ہے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ سب علیحدہ علیحدہ اس کام کو کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے۔ اگر نہیں کر سکتے تو عاجز وناتواں ہوئے جو شانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اگر ہر ایک کر سکتا ہے اور پھر سب مل کر کرتے ہیں تو یہ بھی قوت وارادہ کی بے جا نمائش اور ضیاع ہے جو حماقت کی دلیل ہے۔ غرضیکہ اگر اِلٰہ کا مفہوم ذہن نشین ہو پھر اس آیت طیبہ میں غور کیا جائے تو عقل وفہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

علامہ اسماعیل حقی نے "روح البیان" میں کیا خوب لکھا ہے کہ اگر ایک بدن میں دو روح اور ایک نظامِ شمسی میں دوسرا آفتاب نہیں سما سکتا تو اس جہانِ بالا و پست میں بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۷ تا ۱۵۸) نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹۲ تا ۹۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۵۳۱ تا ۵۳۴)

يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں سے سوال کیا جائے گاO کیا انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں' فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو' یہ (قرآن) ان کے لیے نصیحت ہے جو میرے ساتھی ہیں اور ان کے لیے نصیحت ہے جو مجھ سے پہلے ہیں' بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں جانتے' سو وہ اعراض کرنے والے ہیںO اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تم میری ہی عبادت کروO اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا لیا وہ تو اس سے پاک ہے' بلکہ وہ (فرشتے) معزز بندے ہیںO وہ اس سے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیںO

٢٣- ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ وہ حقیقی مالک ہے اور اگر بادشاہ پر اس کے بعض غلاموں کے بارے میں اعتراض کیا جائے' اگرچہ بادشاہ اور غلام آپس میں ہم جنس ہیں اور بادشاہ سے غلطی ممکن ہے اور وہ حقیقی مالک بھی نہیں ہے' اس کے باوجود بادشاہ پر اس اعتراض کو بُرا سمجھا جائے گا اور اعتراض کرنے والے کو بے وقوف و احمق شمار کیا جائے گا تو بھلا اللہ تعالیٰ جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور تمام مربیوں کا مربی ہے اور تمام پرورش کرنے والوں کا رب ہے اور جس کا ہر فعل صحیح اور درست ہے' وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیا جائے ﴿وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ اور ان (لوگوں) سے پوچھا جائے گا' کیونکہ وہ مملوک و خطا کار ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ (قیامت کے دن) ان سے ہر اس عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا' جو انہوں نے (دنیا میں) کیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ'' میں ضمیر حضرت مسیح اور فرشتوں کی طرف لوٹتی ہے' یعنی ان سے پوچھا جائے گا کہ انہیں معبود کیسے قرار دیا گیا تھا اور جب کہ الوہیت و معبودیت ہم جنس ہونے اور باز پرس و سوال کیے جانے سے منافی ہے۔

٢٤- ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کئی معبود بنا لیے ہیں۔ مزید افادہ کے لیے اس کا ارادہ کیا گیا ہے' پس پہلی آیت مبارکہ میں عقل کے اعتبار سے شرک سے انکار کیا گیا اور اس دوسری آیت طیبہ میں نقل کے اعتبار سے شرک کی نفی کی گئی ہے یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کیا ہے کہ اس کے لیے شریک ہے' پھر حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ اے محبوب! ان سے فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اور اپنی اس بدعقیدگی پر کوئی حجت پیش کرو اور یہ عقلی دلیل ہے اور یہ دلیل بھی شرک کا انکار کرتی ہے' جیسا کہ ابھی گزرا ہے یا یہ دلیل نقلی ہو اور یہ وحی الٰہی ہے اور یہ دلیل بھی اس کا انکار کرتی ہے' سو تم آسمانی اور الہامی کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں پاؤ گے مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کا شریکوں سے پاک ہونا پاؤ گے ﴿هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ یہ میرے ساتھیوں کے لیے نصیحت ہے یعنی یہ قرآن مجید میری امت کے لیے نصیحت ہے ﴿وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ﴾ اور مجھ سے پہلے لوگوں کے لیے نصیحت ہے یعنی مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے لیے نصیحت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس سے شریکوں کی نفی کے بیان میں نازل ہوا ہے [''مَعِيَ'' میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ امام حفص کی قراءت میں ہے] پھر جب وہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ﴾ بلکہ ان میں اکثر لوگ حق کو یعنی قرآن مجید کو نہیں جانتے [''اَلْحَقَّ''، ''يَعْلَمُوْنَ'' کی وجہ سے منصوب ہے] اور ''اَلْحَقَّ'' (قاف پر

پیش کے ساتھ ) بھی پڑھا گیا ہے یعنی ''ھُوَ الْحَقُّ'' یہی حق ہے ﴿فَھُمْ﴾ پس وہ لوگ اپنی اس جہالت و بے علمی کے سبب ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ اس قرآن مجید میں ایسی نظر وفکر سے اعراض وروگردانی کرنے والے ہیں' جوان پر واجب ولازم تھی۔

٢٥-﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف (یہی) وحی بھیجتے رہے کہ ﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ بے شک میرے ماسوا کوئی معبود برحق نہیں ہے پس تم میری عبادت کرو اور مجھے واحد لاشریک مانو' سو یہ آیت مبارکہ سابقہ آیت توحید کو مستحکم ومضبوط کرنے والی ہے [''نُوْحِیْ'' (نون مضموم اور ''حا'' مکسور فعل جمع متکلم) ابوبکر اور حماد کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ہے (جب کہ باقیوں کے نزدیک ''یا'' مضموم اور ''حا'' مفتوح ''یُوْحٰی'' فعل مبنی للمفعول ہے)]۔

٢٦-﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ﴾ اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اولاد کو اپنا لیا ہے وہ تو اس سے پاک ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ قبیلہ خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جنہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان کے مقولہ کے بعد اولاد سے اپنی تنزیہ وبراءت اور پاکیزگی بیان کی' پھر فرشتوں کے بارے میں بتایا کہ یہ اس کے معزز بندے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ یعنی بلکہ وہ معزز ومکرم بندے ہیں' برگزیدہ اور مقرب ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہیں کیونکہ بندہ ہونا اولادِ الٰہی ہونے کے منافی ہے۔

٢٧-﴿لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ وہ کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے [یعنی (اصل میں) ''بِقَوْلِهِمْ'' ہے' پھر لام کو اضافت کے قائم مقام بنایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر ارشاد کی پیروی کرتے ہیں' سو وہ اپنی بات میں اس کی بات سے سبقت نہیں کرتے اور نہ وہ اپنی بات کی وجہ سے اس کی بات سے آگے بڑھتے ہیں ﴿وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں' یعنی جس طرح فرشتوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کی بات کے تابع ہیں' اسی طرح ان کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتا ہے اور ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہوتا ہے اور وہ کوئی عمل نہیں کرتے جب تک انہیں اس کا حکم نہیں دیا جاتا۔

| |
|---|
| یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ |
| خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ |
| جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿٢٩﴾ ع اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ |
| كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾ |

ع ٣

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں ○ اور ان میں سے جو یہ کہے گا کہ بے شک اس کے سوا میں معبود ہوں تو ہم اس کو دوزخ کی سزا دیں گے' اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں ○ اور کیا کافروں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک تمام آسمان اور زمین دونوں آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کیا' اور ہم نے ہر جان دار چیز کو

پانی سے پیدا کیا تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے O

۲۸۔﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے اگلے پچھلے تمام اعمال کو جانتا ہے ﴿ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ﴾ اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے' جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا یعنی فرشتوں کی سفارش اس شخص کے لیے ہوتی ہے' جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے یا جو خلوصِ دل کے ساتھ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھ کر مسلمان ہو چکا ہے ﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

۲۹۔﴿ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ اور جو ان فرشتوں میں سے یہ کہے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے علاوہ میں معبود ہوں [نافع مدنی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''اِنِّـیَ'' (''یا'' پر زبر) ہے] ﴿ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ﴾ پس یہ بات کہنے والے کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے [''فَذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور ''نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ'' اس کی خبر ہے اور یہ دونوں مبتدا و خبر مل کر مذکورہ بالا شرط کا جواب ہے] ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں (یعنی) کافروں کو' جنہوں نے الوہیت کو اس کی اپنی جگہ کی بجائے غیر کی جگہ پر رکھا اور یہ بر سبیل فرض اور بر سبیل تمثیل کہا گیا ہے کیونکہ فرشتے تو شرک و ظلم و دیگر گناہوں سے معصوم و پاک ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ وعید (دھمکی) ابلیس لعین کے بارے میں متحقق ہے کیونکہ اس نے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنی اطاعت و فرماں برداری اور اپنی عبادت کی طرف دعوت دی تھی۔

## کفار کو تخلیقِ کائنات میں غور و فکر کے ذریعے ایمان کی دعوت

۳۰۔﴿ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ اور کیا کافروں نے غور و فکر نہیں کیا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (واؤ کے بغیر) ''اَلَمْ یَرَ'' ہے] ﴿ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا ﴾ بے شک تمام آسمان اور زمین یہ دونوں یعنی ایک آسمانوں کی جماعت اور دوسری زمین کی جماعت' سو اس لیے ''كُنَّ'' جمع کا صیغہ نہیں فرمایا ﴿ رَتْقًا ﴾ ملے ہوئے تھے [یہ مصدر بہ معنی مفعول ہے] یعنی آسمان اور زمین دونوں آپس میں ملے ہوئے تھے اور یہ مصدر اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ ''مَرْتُوْقَتَیْنِ'' کی جگہ پر واقع ہو جائے ﴿ فَفَتَقْنٰهُمَا ﴾ سو ہم نے ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور ہم نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ''فَتْـق'' کا معنی ہے: دو چیزوں کے درمیان فاصلہ کرنا اور ''رتق''. ''فتق'' کی ضد ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفارِ مکہ نے زمین و آسمان کو آپس میں ملا ہوا کب دیکھا تھا کہ ان کے سامنے یہ تقریر کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بیان قرآن مجید میں وارد ہوا ہے جو سراسر از اوّل تا آخر معجزہ ہے' سو اس لیے اس کو اس چیز کے قائم مقام کیا گیا ہے' جس کو سر کی آنکھوں سے دیکھا گیا ہو اور اس کا مشاہدہ کیا گیا ہو اور اس لیے بھی کہ یہاں رُؤیت بہ معنی علم ہے اور زمین و آسمان کا آپس میں باہمی ملا ہونا اور پھر ان کے درمیان فاصلہ کرنا عقل کے اعتبار سے دونوں جائز ہیں' پس تلاصق (باہمی ملانے) کی بجائے تباین (جدا کرنے) کے اختصاص کے لیے کسی مخصص کا ہونا ضروری ہے اور وہ قدیم ذات اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی ہے' پھر ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان کا زمین کے ساتھ متصل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان خلا اور فضا نہیں تھی۔ (''فَفَتَقْنَاهُمَا'') پھر ہم نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا یعنی ہم نے ہوا کے ذریعے ان دونوں کے درمیان فاصلہ کر دیا اور بعض نے فرمایا کہ تمام آسمان ایک طبق کی طرح ملے ہوئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سات آسمان بنا دیئے اور اسی طرح زمین بھی ایک طبق کی طرح ملی ہوئی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے سات زمینیں بنا دیں

اور بعض کا قول ہے کہ زمین و آسمان دونوں الگ الگ پتھر کی مضبوط چٹان کی طرح بند تھے' نہ آسمان سے بارش برستی تھی اور نہ زمین سے سبزہ اُگتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بارش کے ساتھ اور زمین کو سبزہ جات کے ساتھ کھول دیا ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ اور ہم نے ہر جان دار کو پانی سے بنایا ہے یعنی ہم نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ'' (النور:٤٥) ''اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والے ہر جان دار کو پانی سے پیدا فرمایا ہے''۔ یا یہ کہ گویا ہم نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا فرمایا کیونکہ ہر جان دار پانی کا سخت محتاج ہوتا ہے اور وہ پانی کو بہت چاہتا ہے اور وہ اس سے بہت کم صبر کر سکتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ'' (الانبیاء:٣٧) ''انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے''۔ ﴿اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے اور جس کا وہ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ
بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٥﴾

اور ہم نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ بنا دیے تا کہ زمین ان کے سبب ہچکولے نہ کھائے' اور ہم نے ان میں کشادہ راستے بنا دیے تا کہ وہ لوگ راہ پا سکیں○ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا' اور وہ لوگ اس کی نشانیوں سے روگردانی کر رہے ہیں○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' سب اپنے مدار میں تیر رہے ہیں○ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا نہیں بنایا' تو کیا اگر آپ انتقال کر گئے تو وہ ہمیشہ رہ جائیں گے○ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' اور ہم تمہیں بُرائی اور بھلائی کے ذریعے خوب آزماتے ہیں' اور تمہیں ہماری طرف لوٹا دیا جائے گا○

٣١- ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ﴾ اور ہم نے بڑے بڑے پہاڑ زمین میں گاڑ دیے اور جما دیے ہیں۔ ''رواسی''، ''راسی'' کی جمع ہے اور ''رسا'' سے مشتق ہے' بہ معنی ثابت و قائم جب کوئی چیز زمین میں ثابت و جم جائے ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ﴾ تا کہ ہلنے نہ لگ جائے (یعنی) تا کہ ان کے سبب نہ کانپے اور نہ لرزنے لگ جائے بلکہ ان بھاری پہاڑوں کی وجہ سے زمین میں سکون و جماؤ آ جائے' [پھر حرف ''لا'' نافیہ اور ''لام'' کو حذف کر دیا گیا اور اس جگہ لا نافیہ کا گرانا جائز ہے کیونکہ یہاں التباس نہیں' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں ''لا'' زیادہ کیا گیا ہے: ''لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ'' (الحدید:٢٩) ''تا کہ اہل کتاب جان لیں''۔] ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا﴾ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیے ہیں یعنی وسیع و عریض راستے۔ یہ ''فَجٌّ'' کی جمع ہے' جس کا معنی کشادہ اور چوڑا راستہ ہے [اور ''فِجَاجًا''، ''سُبُلًا'' سے مقدم حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت مبارکہ کے درمیان اور درج ذیل آیت مبارکہ کے درمیان کیا فرق ہے: ''لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا'' (نوح:٢٠) ''تا کہ تم اس کے وسیع اور کشادہ راستوں میں چلو''۔ اس

کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت مبارکہ جو اس سورت میں ہے وہ یہ بتلانے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں وسیع اور کشادہ راستے بنا دیئے ہیں اور دوسری آیت مبارکہ جو سورت نوح میں ہے وہ یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کو پیدا کرنا چاہا تو اسی صفت پر پیدا کیا کہ اس میں راستے بنا دیئے پس یہ یہاں پیدا ہونے والے ابہام کا بیان ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ﴾ تاکہ وہ راہ پالیں یعنی تاکہ لوگ ان راہوں کے ذریعے منازل مقصودہ اور ممالک مقصودہ تک پہنچ سکیں۔

٣٢-﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا﴾ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا کہ ستونوں کے بغیر زمین پر گرنے سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' (الحج:٦٥) ''اور وہ آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے روکتا ہے مگر اسی کے حکم سے''۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آسمان کو چنگاریوں کے ذریعے شیطانوں سے محفوظ بنا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ'' (الحجر:١٧) ''اور ہم نے اس (آسمان) کو ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا''۔ ﴿وَهُمْ﴾ اور وہ لوگ یعنی کفار ﴿عَنْ اٰيٰتِهَا﴾ توحید و قدرت اور حکمت پر رہنمائی کرنے والی اس کی نشانیوں سے جو آسمان میں پیدا کی گئی ہیں جیسے سورج اور چاند اور ستارے ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ روگردانی کرنے والے ہیں ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے والے نہیں ہیں ورنہ وہ ایمان لاتے۔

٣٣-﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور سکون کی نیند سو سکو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں کاروبار کے لیے اپنے اختیارات استعمال کرو ﴿وَالشَّمْسَ﴾ اور سورج کو پیدا فرمایا تاکہ وہ دن کا چراغ قرار پائے ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو پیدا فرمایا تاکہ وہ رات کے لیے چراغ کا کام دے ﴿كُلٌّ﴾ [اس پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے اور ضمیر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے اور ان دونوں سے مراد جنس طوالع ہے اور عقلاء کی جمع کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ عقلاء کے فعل کے ساتھ متصف ہیں اور وہ تیرنا ہے] ﴿فِيْ فَلَكٍ﴾ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''فلك'' سے مراد آسمان ہے اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ ''فلك'' سے آسمان کے نیچے خلا میں ایک گول مدار مراد ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے چلتے رہتے ہیں ﴿يَّسْبَحُوْنَ﴾ وہ چلتے ہیں یا گھومتے ہیں [''كُلٌّ'' مبتدا ہے اور ''يَسْبَحُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا و خبر مل کر جملہ ہو کر ''شمس'' اور ''قمر'' سے حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے]۔

٣٤-﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا مقرر نہیں فرمایا (یعنی) دائمی بقاء کسی انسان کے لیے نہیں ہے ﴿اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ تو کیا اگر آپ دنیا سے انتقال کر جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ مشرکین مکہ منصوبے بنایا کرتے اور کہا کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عنقریب فوت ہو جائیں گے (جس سے ان کے مشن دینِ حق کا سلسلہ ختم ہو جائے گا) سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے ان کی اس بکواس کی نفی فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ہمیشہ نہیں رہے گا تو کیا اگر آپ انتقال کر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ باقی رہ جائیں گے[1]

[1] واضح رہے کہ مرزائی یہاں ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کوئی انسان زندہ نہیں رہا لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما چکے ہیں اور احادیثِ مبارکہ میں جس مسیح موعود کا ذکر ہے اس سے مرزا غلام احمد قادیانی مراد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی انسان دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٣٥۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ﴾ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں آزمائیں گے اور ہم تمہارا امتحان لیں گے' اور اگر چہ عالمین کے وہ اعمال جو وہ مستقبل میں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے ابھی سے جانتا ہے لیکن اس آزمائش کا نام امتحان اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ بہ ظاہر امتحان کی صورت میں ہے ﴿بِالشَّرِّ﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بلکہ سب نے موت کا مزہ چکھنا ہے اگر حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ نہیں رہیں گے تو کفار مکہ کون سے ہمیشہ رہیں گے۔ باقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے ہیں' قرآن مجید اس پر شاہد ہے لیکن احادیثِ مبارکہ کی تصریح کے مطابق آپ دنیا میں تشریف لائیں گے اور نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی' پھر آپ بھی مَوت کا مزہ چکھ کر فوت ہو جائیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقبرہ میں دفن ہوں گے' نیز ان تمام احادیث میں ابن مریم اور عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے جب کہ مرزا غلام احمد کا نہ اپنا نام عیسیٰ ہے اور نہ اس کی ماں کا نام مریم ہے' لہٰذا وہ کسی صورت میں مسیح موعود نہیں ہو سکتا ہے' چنانچہ

(١) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! حضرت ابن مریم تم میں حاکم اور عادل بن کر ضرور اتریں گے اور وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور آپ لوگوں کو مال عطا کریں گے یہاں تک کہ اس کو کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا' اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور دنیا کے مال و اسباب سے بہتر ہوگا' پھر حضرت ابو ہریرہ کہنے لگے: اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت مبارکہ پڑھ لو: ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ'' (النساء:١٥٩) ''اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا مگر وہ حضرت عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا''۔

(٢) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت ابن مریم حاکمِ عادل بن کر ضرور بہ ضرور اتریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ختم کر دیں گے' اونٹوں کو چھوڑ دیں گے اور ان سے کوئی کام نہیں لیں گے' عداوت و کینہ اور حسد کو ختم کر دیں گے اور آپ لوگوں کو مال وصول کرنے کی طرف بلائیں گے لیکن اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ ''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارے امام بھی تم میں سے ہوں گے۔

(٣) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم اتریں گے' ان کے امیر کہیں گے: تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں' اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نہیں! بلاشبہ تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں' یہ بات اس امت کی تعظیم و تکریم کے لیے فرمائیں گے' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے عطا کی گئی ہے۔

(٤) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین پر اتریں گے' پھر وہ شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی اور آپ پینتالیس سال ٹھہریں گے' پھر آپ فوت ہو جائیں گے اور میرے مقبرے میں دفن ہوں گے' پھر میں اور حضرت عیسیٰ ایک مقبرے سے اٹھیں گے۔ ہم دونوں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے درمیان میں ہوں گے۔

نوٹ: یہ تمام احادیث ''مشکوٰۃ شریف'' باب: نزول عیسیٰ علیہ السلام' ص ٤٧٩ تا ٤٨٠' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی (الہند) میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

بُرائی کے ساتھ (یعنی) فقر و فاقہ اور غربت کے ساتھ' نیز دکھ' تکلیف اور مصیبت کے ساتھ ﴿وَالْخَيْرِ﴾ اور بھلائی کے ساتھ (یعنی) مال و دولت اور خوشحالی کے ساتھ' نیز کاروباری منافع کے ساتھ ﴿فِتْنَةً﴾ ابتلاء و آزمائش کے ذریعے۔[یہ ''نَبْلُوْكُمْ'' کا بغیر ''لَفْظِهٖ'' تاکیدی مصدر (مفعول مطلق) ہے] ﴿وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں اس کے مطابق جزا دیں گے جتنا تم میں صبر و شکر پایا جائے گا[اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''تَرْجِعُوْنَ'' (تاء مفتوح اور جیم مکسور کے ساتھ) ہے]۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جب کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں' کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (بُرائی سے) ذکر کرتے ہیں' اور وہ رحمٰن ہی کے ذکر کا انکار کرتے ہیں O انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا ہے' میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا' سو تم مجھ سے جلدی نہ چاہو O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O کاش! کافروں کو وہ وقت معلوم ہوتا جب وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہیں کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O

## کفار کے گستاخانہ رویے پر دوزخ کی آگ کا عذاب

۳۶- ﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ اور جب آپ کو وہ لوگ دیکھتے ہیں' جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے تو وہ آپ کو نہیں بناتے مگر ہنسی مذاق [''اِلَّا هُزُوًا''' 'يَتَّخِذُوْنَكَ'' کا دوسرا مفعول ہے]۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ ایک دفعہ جب حضور نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو وہ ازراہِ تمسخر کھلکھلا کر ہنسا اور (اپنے ساتھیوں سے) کہا: یہ ہے بنی عبد مناف کا نبی ﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کیا یہی ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے اور ان کے عیب بیان کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ذکر بھلائی کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور اس کے برعکس برائی کے ساتھ بھی ہوتا ہے' چنانچہ اگر ذکر کرنے والا دوست ہو تو اس کا ذکر ثناء اور تعریف ہوگا اور اگر ذکر کرنے والا دشمن ہو تو اس کا ذکر مذمت اور بُرائی پر مشتمل ہوگا ﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ اور وہ کفار رحمٰن کے ذکر (کے منکر ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کریں ﴿هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ وہ انکار کرنے والے' وہ اس کی بالکل تصدیق نہیں کرتے' پس وہ لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جائے کیونکہ آپ حق پرست اور حق کے طرف دار ہیں اور وہ باطل پرست اور باطل کے طرف دار ہیں اور بعض نے فرمایا:

"بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ" سے قرآن مجید مراد ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا جا چکا ہے اور "هُمْ كٰفِرُوْنَ" کا معنی ہے کہ وہ قرآن مجید کا انکار کرنے والے ہیں [اور یہ جملہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی یہ کفار آپ کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ مذاق اڑانے اور ٹھٹھا مذاق کرنے کی اصل حالت پر وہ خود قائم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی حالت ہے ["هم" تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے یا اس لیے کہ صلہ اس کے اور خبر کے درمیان میں حائل ہو گیا ہے سو اس لیے مبتدا کا اعادہ کیا گیا ہے]۔

٣٧۔﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ جنسِ انسان کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب نضر بن حارث نے عذاب کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ کیا تھا [اور "عجل" اور "عجلة" دونوں مصدر ہیں] اور معنی یہ ہے کہ کسی چیز کا وقت سے پہلے مطالبہ کرنا اور بہ ظاہر جنس مراد ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں عجلت و جلد بازی کو شامل کیا گیا ہے گویا انسان عجلت و جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے اس لیے کہ جلد بازی انسان سے بہت زیادہ واقع ہوتی ہے اور جس شخص میں جود و کرم بہت زیادہ پایا جائے عرب کے لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ شخص جود و کرم سے پیدا کیا گیا ہے بہرحال بہت زیادہ جلد باز ہونے کی وجہ سے پہلے انسان کی مذمت کی گئی ہے اور یہ کہ انسان جلد بازی پر پیدا کیا گیا ہے پھر اسے جلد بازی سے منع کیا گیا اور اسے ڈانٹا گیا ہے گویا فرمایا کہ انسان کی طرف سے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا کوئی انوکھی اور نرالی بات نہیں ہے کیونکہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا اور جلد بازی اس کی طبیعت ثانیہ اور اس کی پختہ عادت بن چکی ہے اور بے شک جلد بازی انسان کی طبیعت میں شامل کر دی گئی اور بعض نے کہا کہ حمیر کی لغت میں "عجل" کا معنی ہے: مٹی۔ ان کے شاعر نے کہا:

وَالنَّبْعُ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَّآءِ مَنْبَتُهٗ وَالنَّخْلُ تُنْبِتُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالْعَجَلِ

"اور نبع نامی درخت (جس سے تیر کمان تیار کیے جاتے ہیں) کا اُگاؤ سخت پتھریلی زمین میں ہوتا ہے اور کھجور پانی اور مٹی کے درمیان سے اُگتی ہے"۔

اور بے شک انسان کو جلد بازی سے منع کیا گیا ہے حالانکہ یہ چیز اس کی طبیعت میں رچ بس چکی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو شہوت کا قلع قمع کرنے اور اس کو مٹانے کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ چیز اس کی طبیعت میں ملا دی گئی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قدرت و قوت عطا کی ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی شہوت کو مٹانے اور جلد بازی کو ترک کرنے کی استطاعت و طاقت رکھتا ہے [اور "مِنْ عَجَلٍ" حال یعنی اصل میں "عَجِلًا" ہے] ﴿سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں یعنی اپنے عذاب دکھا دوں گا ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ سو تم مجھ سے اس کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ نہ کرو [قاری یعقوب کی قراءت میں آخر میں یائے متکلم کے ساتھ "فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِيْ" ہے اور وصل کی صورت میں قاری سہیل اور قاری عیاش نے اس کی موافقت کی ہے]۔

٣٨۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہنے لگے: یہ وعدہ کب پورا ہوگا (یعنی) عذاب کے آنے کا وعدہ یا قیامت کا وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان کی جلد بازی کی ایک وجہ یہ ہے۔

٣٩۔﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ کاش! کافروں کو معلوم ہوتا جب وہ دوزخ کی آگ کو نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پیٹھوں سے دور کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ["لَوْ" کا جواب محذوف ہے اور "حِيْنَ"، "يَعْلَمُ" کا مفعول بہ ہے] یعنی کاش! انہیں وہ وقت معلوم ہوتا جس

کے لیے ''مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ'' کہہ کر جلد بازی کر رہے ہیں اور یہ وہ وقت ہے جس میں انہیں دوزخ کی آگ آگے پیچھے ہر طرف سے گھیر لے گی' سو وہ نہ اسے دفع کر سکیں گے اور نہ وہ اسے اپنے آپ سے روک سکیں گے اور نہ وہ کوئی ایسا حامی و مددگار پائیں گے' جو ان کی مدد کر سکے' اس لیے کہ وہ کفر و شرک' استہزاء و مذاق اڑانے اور عجلت و جلدی کرنے کی وجہ سے اس حالت کے مستحق ہوئے' لیکن وہ اس سے جاہل و ناواقف ہیں' جس کی وجہ سے وہ اس کو اپنے نزدیک ہلکا اور ہیچ خیال کرتے ہیں۔

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

بلکہ وہ ان پر اچانک آئے گی' پس وہ انہیں حواس باختہ کر دے گی اور وہ اسے واپس نہیں کر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی O اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا' سو جنہوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اسی نے گھیر لیا جو وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O فرما دیجئے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے کون تمہاری حفاظت کرتا ہے' بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگرداں ہیں O کیا ان کے معبود ایسے ہیں' جو انہیں ہم سے بچا لیں' وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جائے گا O

۴۰۔ ﴿بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً﴾ بلکہ وہ قیامت ان پر اچانک آئے گی ﴿فَتَبْهَتُهُمْ﴾ سو وہ ان کو حیران کر دے گی یعنی وہ کفار اس کو روک نہیں سکیں گے بلکہ وہ ان پر اچانک آ جائے گی اور وہ ان پر غالب آ جائے گی ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا﴾ پس وہ اس کو مسترد نہیں کر سکیں گے اور نہ اس کو دفع کرنے پر قدرت و طاقت رکھیں گے ﴿وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

۴۱۔ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے سابق رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا اور ان کا مذاق اڑایا گیا ﴿فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تو ان لوگوں پر جنہوں نے ان (انبیائے کرام) سے مذاق کیا تھا' وہ عذاب نازل ہوا' جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے مذاق اڑانے پر تسلی دی گئی ہے کہ آپ کے لیے گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں نمونہ موجود ہے اور بے شک کفارِ مکہ جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوگا جیسا کہ انبیائے کرام کے ساتھ مذاق اڑانے والوں پر عذاب نازل ہوا تھا۔

مذاق اڑانے والوں کو انتباہ

۴۲- ﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ رات اور دن میں رحمٰن سے یعنی اس کے عذاب سے کون تمہاری حفاظت کرتا ہے اگر وہ تم پر رات کو یا دن کو آ جائے ﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرنے والے ہیں یعنی بلکہ وہ کفار اس کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خیال تک نہیں آتا' بھلا وہ اس کے عذاب سے کیونکر ڈریں گے تاکہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی نعمت عطا کی جاتی تو اپنے محافظ کو پہچان لیتے اور وہ اس بات کی صلاحیت حاصل کر لیتے کہ ان سے محافظ کی حفاظت کے بارے میں پوچھا جاتا (لیکن ایسا کچھ بھی نہیں) اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محترم کو ان سے محافظ کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا ہے' پھر بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے محافظ و مربی خدا کے ذکر سے اعراض کرنے کی وجہ سے اس سوال کی صلاحیت نہیں رکھتے' اس لیے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد کے ساتھ اس سوال سے اعراض فرمایا اور ارشاد فرمایا:

۴۳- ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا﴾ کیا ان کے معبود اتنے طاقت ور ہیں' جو انہیں ہم سے بچالیں گے۔ جب یہاں حرف "اَمْ"، "بَلْ" کے معنی میں ہے تو ارشاد فرمایا کہ کیا ان کے معبود اتنے طاقت ور ہیں جو وہ انہیں عذاب سے بچالیں اور ہماری حفاظت و دفاع سے تجاوز کر جائیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے نئے جملہ (مستأنفہ جملہ) کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ﴾ وہ معبودانِ باطلہ تو اپنے آپ کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جائے گا نہ ہماری طرف سے ان سے دوستی کی جائے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو اپنی مدد کرنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور نہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و مدد اور اس کی تائید کے ساتھ ان کا ساتھ دیا جائے گا تو بھلا ایسے بے بس و تنہا اپنے غیر کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں اور وہ اپنے غیر کی مدد کیسے کر سکتے ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامانِ دنیا سے فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ ان کی زندگیاں دراز ہو گئیں' تو کیا وہ غور سے نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں' تو کیا وہ غلبہ پانے والے ہیں○ فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہیں وحی کے ذریعے صرف ڈراتا ہوں' اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب بھی انہیں ڈرایا جائے○ اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کے عذاب کی ذرا سی ہوا انہیں چھو جائے تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم ظالم ہیں○

۴۴- ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے ساز و سامان سے فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ ان کی عمریں طویل و دراز ہو گئیں یعنی ان میں حفاظت و دفاع کی قوت و طاقت نہیں

ہے' یہ حفاظت و بچاؤ بلاشبہ صرف ہماری طرف سے انہیں حاصل ہے کوئی ایسا مانع نہیں ہے' جو انہیں ہماری ہلاکت و تباہی سے بچا سکے اور ہم نے ان کی اور ان کے آباء و اجداد کی حفاظت صرف اس لیے کی تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں عارضی فائدہ پہنچائیں اور ہم انہیں مزید سوچنے سمجھنے کے لیے مہلت دیں جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کو ہم نے دنیا کی زندگی میں مال و دولت سے نوازا تھا اور ہم نے انہیں بھی مہلت دی تھی یہاں تک کہ ان پر زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے پختہ خیال کر لیا کہ وہ یقیناً ہمیشہ اسی حالت پر خوش و خرم رہیں گے اور یہ جھوٹی آرزو تھی ﴿ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ﴾ تو کیا وہ لوگ غور سے نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ہم کفار کی زمین کو گھٹا رہے ہیں اور اسے دن بہ دن کم کر رہے ہیں اور ہم مسلمانوں کو ان کے علاقوں پر مسلط کر کے اور ان کو ان کے علاقوں کے باشندوں پر غالب کر کے اور ان کی سرزمین کو دار الحرب سے دار الاسلام میں تبدیل کر کے ہر طرف سے کم کر رہے ہیں اور ''نَاْتِیْ'' کے ذکر میں اشارہ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے رہا ہے اور یہ اس لیے کہ مسلمانوں کے لشکر مشرکین کی زمین پر جا کر ان سے جہاد کرتے اور فتح یاب ہو کر اور ان کی زمینوں پر غلبہ پا کر انہیں اپنے قبضہ میں کر لیتے' اس طرح کفار کی زمینیں تمام اطراف سے کم ہوتی گئیں ﴿ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ تو کیا وہ غالب آ جائیں گے (یعنی) کیا اب بھی کفارِ مکہ غالب آ جائیں گے جب کہ ہم نے ان کی زمینوں کو تمام اطراف سے کم کر دیا ہے یعنی اس طرح کبھی نہیں ہو گا بلکہ ہماری مدد سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابۂ کرام ان پر غالب آ کر رہیں گے۔

٤٥- ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے: بے شک میں صرف تمہیں وحی کے ذریعے ڈرسناتا ہوں (مطلب یہ ہے کہ) میں تمہیں قرآن مجید کے ذریعے عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں ﴿ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ ﴾ اور بہرے پکار کو نہیں سنتے [''یا'' اور میم مفتوح کے ساتھ ''لَا یَسْمَعُ'' (فعل مضارع مذکر غائب) ہے اور ''اَلصُّمُّ'' (بناء بر فاعل ہونے کے) مرفوع ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یا'' کی بجائے ''تا'' مضموم اور میم مکسور فعل مخاطب کے ساتھ ''لَا تُسْمِعُ'' ہے (اور ''اَلصُّمَّ'' مفعول کی بناء پر منصوب ہے)] یہ اس بناء پر ہے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے ﴿ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴾ جب انہیں خوف و ڈرسنایا جائے [اور ''اَلصُّمُّ'' میں لام عہد خارجی ہے اور یہ ان کفار کی طرف اشارہ ہے' جنہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا ہے اور اصل میں ''وَلَا یَسْمَعُوْنَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ'' ہے' پھر ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھا گیا ہے] تا کہ یہ ان کے بہرے ہونے اور ان کی سماعت کے بند ہو جانے پر دلالت کرے' جب انہیں ڈرایا گیا۔

٤٦- ﴿ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ ﴾ اور اگر انہیں آپ کے پروردگار کے عذاب میں سے کوئی تھوڑا سا جھونکا پہنچ جائے [''نفحة'' موصوف ہے اور ''من عذاب ربك'' اس کی صفت ہے] ﴿ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴾ تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم ظالم ہو گئے تھے یعنی اگر انہیں اس عذاب میں سے تھوڑا عذاب پہنچ جاتا تو وہ ضرور ذلیل و خوار ہو جاتے اور اپنے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے اور اقرار و اعتراف کر لیتے کہ بے شک انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' جب بہرے بن گئے اور حق سے اعراض کر لیا [اور ''مس'' اور ''نفحة'' کے ذکر میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ ''نفحة'' قلت پر دلالت کرتا ہے' کہا جاتا ہے: ''نَفَحَهٗ بِعَطِیَّةٍ'' اس نے فلاں کو تھوڑا سا عطیہ دیا اور ''رَضَخَهٗ بِهَا'' اس نے اسے بہت کم مال دیا۔ اس کے باوجود اس کی بناء ایک مرتبہ اور ایک دفعہ کے معنی کے لیے کی گئی ہے]۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ
الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ
السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھ دیں گے' سو کسی جان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اگر (کوئی عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو گا تو ہم اسے لائیں گے' اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں O اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو پرہیزگاروں کے لیے فرقان' نور اور نصیحت عطا کی O جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے ڈرنے والے ہیں O اور یہ بابرکت ذکر ہے' جسے ہم نے نازل کیا ہے' تو کیا تم اس کے منکر ہو O اور بے شک ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے رشد و ہدایت عطا فرمائی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے O

٤٧- ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ اور ہم انصاف کے ساتھ ترازو رکھیں گے۔ ''الموازین'' ''میزان'' کی جمع ہے اور ترازو اس آلہ کو کہا جاتا ہے' جس کے ذریعے چیزوں کا وزن کیا جائے اور ان کو تولا جائے اور جس سے چیزوں کی مقدار معلوم کی جائے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ میزان ہے' جس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہو گی اور اس کو جمع صرف تعظیمِ شان کے لیے لایا گیا تا کہ اس کی عظمت و فضیلت ظاہر ہو جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا'' (المؤمنون:٥١) ''اے پیغمبرو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل کرتے رہو''۔ اور ایک قول کے مطابق اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا [اور ''الموازین'' کو ''القسط'' کے ساتھ موصوف صرف مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ ''القسط'' کا معنی ہے: عدل و انصاف گویا وہ تمام ترازو بذاتِ خود سراسر عدل و انصاف ہوں گے یا پھر مضاف محذوف ہے یعنی ''ذَوَاتُ الْقِسْطِ'' عدل و انصاف والے ترازو ہوں گے] ﴿لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن حاضر ہونے والے اہل محشر کے لیے یعنی ان اہل محشر کی وجہ سے ترازو کا نظام قائم کیا جائے گا ﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا﴾ سو اس دن کسی جان پر بالکل ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا﴾ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے لا کر حاضر کر دیں گے یعنی اگر اعمال میں سے کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گی تو ہم اسے بھی لا کر حاضر کر دیں گے [نافع مدنی اور اسی طرح لقمان کی قراءت میں ''مِثْقَالٌ'' مرفوع ہے' اس بناء پر کہ ''كَانَ'' تامہ ہے اور ''مِنْ خَرْدَلٍ''، ''حَبَّةٍ'' کی صفت ہے۔ ''اَتَيْنَا بِهَا'' کا معنی ہے کہ ہم اعمال میں سے ادنیٰ سی چیز کو بھی لا کر حاضر کر دیں گے اور ''مثقال'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی اضافت ''حبة'' مؤنث کی طرف ہے جیسا کہ عرب کا قول ہے: ''ذَهَبَتْ بَعْضُ اَصَابِعِهٖ'' اس کی کچھ انگلیاں ضائع ہو گئیں] ﴿وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں' ہم جاننے والے اور حفاظت کرنے والے ہیں' یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کا حساب رکھتا ہے اور اس کی گنتی رکھتا ہے وہ اسے

جانتا بھی ہے اور وہ اس کو محفوظ بھی رکھتا ہے۔

۴۸۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِكْرًا ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اور (حضرت) ہارون کو فرقان اور نور اور ذکر عطا فرمائے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان تینوں سے تورات شریف مراد ہے کیونکہ وہی حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے اور ایسا نور ہے' جس سے ہدایت کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعے نجات کے راستہ پر پہنچا جا سکتا ہے اور ذکر یعنی مرتبہ وفضیلت یا نصیحت و تنبیہ ہے یا ان چیزوں کا ذکر ہے' جن کی طرف لوگ اپنے دونوں جہانوں کی مصلحتوں میں محتاج ہوتے ہیں اور ان صفات کے درمیان واؤ اس طرح داخل ہے' جس طرح اس ارشاد میں ہے: ''وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا'' (آل عمران:۳۹) ''اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سردار اور پاک دامن اور پیغمبر ہوں گے''۔ اور جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَرَرْتُ بِزَیْدٍ الْكَرِیْمِ وَالْعَالِمِ وَالصَّالِحِ'' کہ میں زید کے پاس سے گزرا جو کریم' عالم اور نیک ہے اور جب اس سے فائدہ صرف پرہیزگاروں نے حاصل کیا تو خصوصی طور پر انہیں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ پرہیزگاروں کے لیے۔

۴۹۔﴿ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ ﴾ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں [''الذین'' اس بناء پر محلاً مجرور ہے کہ یہ ''متقین'' کی صفت ہے یا مخصوص بالمدح ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے'' بالغیب'' حال ہے] یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ سے اس حال میں ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے غائب ہیں' انہوں نے اسے دیکھا نہیں لیکن اس کے باوجود اس سے ڈرتے ہیں ﴿ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ قیامت اور اس کی ہولناکیوں سے خوف وڈر رکھنے والے ہیں۔

۵۰۔﴿ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ ﴾ اور یہ بابرکت نصیحت ہے (یعنی) یہ قرآن مجید بہت بابرکت نصیحت ہے کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اور اس کا نفع عظیم ترین ہے ﴿ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ ہم نے اس کو حضرت سرورِ کونین رسولِ ثقلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل فرمایا ہے ﴿ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾ تو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔ یہ استفہام وسوال انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے ہے یعنی یہ لوگ قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے جانے کا انکار کرنے والے ہیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں کا بیان

۵۱۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو ان کی شان کے لائق ہدایت عطا فرمائی ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے یا سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے ﴿ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴾ اور ہم اس کو (یعنی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یا ان کی ہدایت کو خوب جاننے والے تھے یعنی ہمیں معلوم تھا کہ ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس کے اہل ہیں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ

# اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

جب اس نے اپنے باپ (چچا ابوآزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ مورتیاں کیا ہیں' جن کے سامنے تم پرستش کرنے کے لیے جم کر بیٹھے ہو○ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرنے والا پایا ہے○ آپ نے فرمایا: بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو○ انہوں نے کہا کہ کیا تم حق لے کر آئے ہو یا تم مذاق کرنے والے ہو○ فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے' اسی نے ان کو پیدا کیا' اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں○ اور اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے بارے میں ضرور کوئی تدبیر کروں گا اس کے بعد کہ تم پیٹھ دے کر چلے جاؤ گے○

۵۲- ﴿اِذْ﴾ [یہ یا تو ''اٰتَیْنَا'' کے متعلق ہے یا پھر ''رُشْدَهٗ'' کے متعلق ہے] (یعنی) جب ﴿قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ[1] (اپنے چچا ابوآزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ مورتیاں کیا ہیں یعنی یہ بت جن کی صورتیں اور شکلیں درندوں اور پرندوں' انسانوں کی صورتوں اور شکلوں پر تیار کی گئی ہیں اور اس میں آپ نے تجاہلِ عارفانہ (جان بوجھ کر قصداً اپنے آپ کو اَن جان و بے خبر ظاہر کرنا) سے کام لیا ہے تا کہ ان کے معبودوں کی حقارت وخساست ظاہر ہو جائے باوجود اس کے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ مشرکین اپنے ان بتوں کی بہت تعظیم کرتے ہیں ﴿الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ﴾ وہ مورتیاں' جن کے سامنے تم ان کی عبادت کرنے کی خاطر مراقب ہو کر ٹھہرے ہوئے ہو۔

۵۳- پھر جب نمرودی مشرکین اس پر دلیل پیش کرنے سے عاجز آ گئے تو ﴿قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرنے والا پایا' سو اس لیے ہم نے ان کی تقلید و پیروی شروع کر دی۔

۵۴- ﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک تم اور تمہارے آباء واجداد تم سب کھلی گمراہی میں گرفتار ہو۔ مقصود یہ ہے کہ تقلید کرنے والے بت پرست اور جن بت پرست آباء واجداد کی تقلید کی گئی ہے یہ سب کے سب کھلی گمراہی کی ڈوری میں پروئے ہوئے ہیں' جو کسی عقل مند پر مخفی نہیں ہے[2] [''کنتم'' کی تاکید ''انتم'' کے ساتھ اس لیے کی گئی ہے تا کہ عطف صحیح ہو جائے کیونکہ متصل ضمیر جب فعل کے بعض کے حکم میں ہو تو اس

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا' جو مؤحد تھے' یہاں باپ سے آزر مراد ہے' جو آپ کا رشتے میں چچا تھا' تفصیل ملاحظہ فرمائیں اسی تفسیر کے حاشیہ میں سورتِ ابراہیم آیت: ۴۱ کے تحت۔

[2] واضح رہے کہ گمراہوں اور بے دینوں کی تقلید کرنا اور ان کی پیروی کرنا گمراہی و بے دینی ہے اور ایسی تقلید حرام وناجائز ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ○'' (المائدہ:۷۷) ''اور ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے○'' نیز ارشاد ہے: ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ○'' (الفاتحہ:۷) ''نہ ان کے راستے پر چلا' جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کے○'' جب کہ دینی علوم کے ماہر بزرگانِ دین کی تقلید کرنا اور ان کی پیروی کرنا ہدایت ہے اور عمدہ طریقہ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' (الفاتحہ:۶) ''ان لوگوں کے راستے پر چلا' جن پر آپ نے انعام فرمایا''۔ نیز فرمایا: ''فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○'' (الانبیاء:۷) ''اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو○'' ''وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○'' (التوبہ:۱۱۹) ''اور تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ○'' ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ○'' (النساء:۵۹) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی○''۔

پر براہِ راست اسم ظاہر کا عطف ممتنع ہوتا ہے]۔

۵۵۔﴿قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا آپ سنجیدہ ہو کر ہمارے پاس حق لے کر آئے ہیں یا آپ محض مذاق کرنے والے ہیں؟ یعنی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سنجیدہ ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں؟ کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ان کی بت پرستی پر انکار فرمانے کو بہت بڑا عجیب رویہ قرار دیا اور انہوں نے اس بات کو بعید سمجھا کہ جس راہ پر وہ قائم ہیں وہ گمراہی ہے‘ اسی وجہ سے آپ نے ان سے اعراض فرمالیا اور انہیں بتایا انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں سنجیدہ ہیں مذاق نہیں کر رہے اور اللہ ملک العلام کی ربوبیت کو اور بتوں کے حدوث کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۵۶۔﴿قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اسی نے ان کو یعنی مورتیوں کو پیدا فرمایا تو مخلوق کی عبادت کیسے کی جائے گی اور خالق و مالک کا انکار کیوں کر کیا جائے گا﴿وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ﴾ اور میں خود اس مذکورہ توحید پر گواہ ہوں ﴿مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ گواہوں میں سے۔

۵۷۔﴿وَتَاللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی اصل ’’وَاللّٰہِ‘‘ ہے اور ’’تَا‘‘ میں تعجب کا معنی ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے خلاف اپنے ہاتھوں منصوبہ سازی کی آسانی پر تعجب فرمایا کیونکہ نمرود کی مضبوط وقوی سلطنت کی وجہ سے آسانی سے منصوبہ تیار کرنا بہت دشوار اور مشکل تھا﴿لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ میں تمہارے بتوں کے بارے میں ضرور کوئی تدبیر کروں گا (یعنی) میں انہیں ضرور توڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا﴿بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ اس کے بعد کہ تم پیٹھ موڑ کر چلے جاؤ (یعنی) جب تم بت خانہ سے اپنی عید منانے کے لیے اپنے میلہ میں شرکت کرنے مقررہ کھلے میدان میں چلے جاؤ گے تو اس کے بعد میں بت خانہ میں جا کر تمہارے بتوں کو توڑ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم سے پوشیدہ فرمائی تھی‘ لیکن ایک آدمی نے یہ بات سن لی تھی‘ چنانچہ آپ نے اپنے آپ کو ان پر بیمار ظاہر کرنے کے لیے فرمایا: ’’اِنِّیْ سَقِیْمٌ‘‘ (الصّٰفّٰت:۸۹) یعنی ’’بے شک میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں‘‘ تا کہ ان کے ساتھ جانے کی بجائے ان کے پیچھے رہ جائیں‘ پھر بت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ دیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

پھر آپ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ماسوا ان کے بڑے بت کے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں○ انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے○ انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان

کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے‘ جس کو ابراہیم کہا جاتا ہےO انہوں نے کہا: سو تم اس (نوجوان) کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہی دیںO انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہےO فرمایا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے‘ ان کا بڑا یہ ہے تم ان سے پوچھو اگر وہ بول سکتے ہیںO سو انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا‘ پھر انہوں نے کہا کہ بے شک تم خود ہی ظالم ہوO

۵۸- ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے [''جُذَاذًا''۔ ''جذٌّ'' سے ماخوذ ہے‘ جس کا معنی ہے: ٹکڑے کرنا اور کاٹنا اور ''جُذَاذَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''زُجَاجَةٌ'' کی جمع ''زُجَاجٌ'' ہے اور قاری علی کسائی کی قراءت میں جیم مکسور کے ساتھ ''جِذَاذٌ'' ہے اور ''جَذِيذٌ'' کی جمع ہے یعنی ''مجذوذ'' ٹکڑے کیا ہوا جیسے ''خفيف'' کی جمع ''خِفَاف'' ہے] ﴿اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ﴾ ماسوا ان کے بڑے کے (یعنی) بتوں کے بڑے بت کے ماسوا یا کفار کے بڑے بت کے ماسوا یعنی پھر آپ نے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر تمام بتوں کے ٹکڑے کر دیئے ماسوا ان کے بڑے بت کے اور آپ نے کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا ﴿لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے بتوں کو توڑنے والے کے متعلق پوچھیں اور ان پر اس کا عجز و بے بسی ظاہر ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں تا کہ آپ ان پر حجت قائم کریں یا یہ کہ وہ لوگ جب اپنے بتوں کے عجز و بے بسی کو دیکھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

## بتوں کو توڑنے پر حضرت ابراہیم سے تفتیش اور آگ میں ڈالنے کی سزا

۵۹- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی جب کفار اپنی عید سے واپس لوٹے اور انہوں نے بتوں کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کہا: ﴿مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے یعنی بے شک جس نے یہ توڑ پھوڑ کی ہے وہ بڑا سخت ظالم ہے کہ اس نے ایسے معبودوں پر جرأت کی جو ان کے نزدیک تعظیم و توقیر کے لائق تھے۔

۶۰- ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان سے سنا ہے‘ جو ان (بتوں) کا بُرائی سے ذکر کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے [دونوں جملے ''فَتًى'' کی صفت ہیں مگر پہلا جملہ اور وہ ''يَذْكُرُهُمْ'' ہے یعنی وہ نوجوان ان بتوں کی بُرائی بیان کرتا ہے۔ اس جملے کے لیے سماعت ضروری ہے اس لیے کہ تم صرف یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''سَمِعْتُ زَيْدًا'' میں نے زید سے سنا ہے اور تم خاموش ہو جاؤ بلکہ تمہیں اس میں سے کچھ ذکر کرنا پڑے گا جو کچھ سنا جاتا ہے‘ بہ خلاف دوسرے جملے کے اور ''اِبْرَاهِيْمُ'' اس لیے مرفوع ہے کہ یہ ''يقال'' کا نائب فاعل ہے‘ سو اس سے اسم مراد ہے مسمّٰی مراد نہیں ہے یعنی اس شخص کے لیے یہ نام بولا جاتا ہے]۔

۶۱- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا: یعنی نمرود اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا: ﴿فَاْتُوْا بِهٖ﴾ سو تم اسے لے آؤ (یعنی) تم (حضرت) ابراہیم کو یہاں حاضر کرو ﴿عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ﴾ (محلًا حال ہے) اس کا معنی یہ ہے کہ اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ اور ان کا مشاہدہ کراؤ یعنی لوگوں کے سامنے مجمع عام میں ظاہر اور کھلم کھلا لاؤ تا کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ تا کہ لوگوں نے اس سے جو کچھ سنا ہے اس پر یا جو کچھ اس نے کیا ہے اس پر اس کے خلاف گواہی دیں گویا ان لوگوں نے بلا دلیل حضرت ابراہیم کی سزا کو ناپسند کیا یا یہ معنی ہے کہ تا کہ لوگ حاضر ہوں اور حضرت ابراہیم کے خلاف ہماری سزا کو دیکھیں (اور عبرت حاصل کریں)۔

۶۲۔ پھر جب (حکومتی کارندوں نے مجمع عام میں لوگوں کے سامنے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاضر کر دیا تو ﴿قَالُوْآ ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے؟

۶۳۔ ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔[ قاری علی کسائی سے منقول ہے کہ وہ اس پر وقف کرتے تھے یعنی یہ کام اسی نے کیا ہے' جس نے کیا اور اس میں فاعل محذوف ہے اور یہ جائز نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ اس (''فَعَلَهٗ'') فعل کی نسبت ''فَتًى'' کی طرف کی گئی ہو' جس کا ذکر ''سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ'' میں کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اسی نوجوان نے کیا ہے' جو بتوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے یا اس فعل کی نسبت ''يٰٓـا اِبْـرٰهِيْمُ'' میں مذکور حضرت ابراہیم کی طرف کی گئی ہے ]۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اسی ابراہیم نے کیا' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ ان کا بڑا یہ ہے [اور یہ مبتدا خبر ہے' اور اکثر مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس پر وقف کرنا جائز نہیں اور ''فَعَلَهٗ'' کا فاعل ''كَبِيْرُهُمْ'' ہے اور ''هٰذَا'' اس کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے اور فعل کی نسبت ''كَبِيْرُهُمْ'' کی طرف کی گئی ہے ] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس تقریر سے اپنی ذات مراد لی' لیکن ان کو ڈانٹنے اور ان کو سرزنش کرنے کے لیے اور ان پر حجت قائم کر کے ان کو الزام دینے کے لیے اس تقریر کو تعریض کے طور پر ''هٰـذَا'' سے اشارہ کر کے بہ ظاہر ان کے بڑے بت کے لیے ثابت کر دیا[1]

اس لیے کہ جب وہ لوگ صحیح نظر سے غور سے دیکھیں گے تو اپنے بڑے بت کی عاجزی و بے بسی کو جان لیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ (چھوٹے بتوں کے توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف اس طرح ہے) جیسے تم نے خوبصورت اور خوش خط عبارت لکھی ہو اور تم سے تمہارا ایک ساتھی کہے کہ کیا یہ خوبصورت عبارت تم نے لکھی ہے اور تمہارا یہ ساتھی اَن پڑھ ہو اور تم جواب میں اس سے کہو کہ بلکہ اس کو تم نے لکھا ہے' تو اس جواب سے تمہارا مقصود اس تحریر کا اپنے لیے اثبات ہوگا اور اَن پڑھ ساتھی کے ساتھ صرف استہزاء و مذاق ہی ہوگا اور تمہارے اس جواب سے خوش خط عبارت کی تم سے نفی اور تمہارے اس اَن پڑھ ساتھی کے لیے اثبات نہیں ہوگا ورنہ تم میں سے ایک عاجز و اَن پڑھ کے لیے اس کا اثبات لازم آئے گا اور چونکہ یہ گفتگو صرف تم دونوں کے درمیان میں دائر ہے' اس لیے اَن پڑھ ساتھی کے ساتھ استہزاء و مذاق ہی ہوگا اور کتابت پر قدرت و اختیار رکھنے والے کے لیے اثبات ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اس بڑے بت کو چھوٹے بتوں پر غصہ آ گیا ہو' جب اس نے ان کو اپنے برابر صف بہ صف کھڑے دیکھا ہو اور اس کا غیظ و غضب اس وقت اور زیادہ شدید ہو گیا ہو جب اس نے اپنے ساتھ ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے کفار کو دیکھا ہو' اگرچہ وہ لوگ اس کی زیادہ تعظیم کرتے تھے' سو اس لیے فعل کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی' کیونکہ جس طرح فعل کی نسبت اپنے مباشر (یعنی حقیقی فاعل) کی طرف کی جاتی ہے' اسی طرح مجازی فاعل کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے (اس اعتبار سے کہ یہ فاعل بھی فعل

[1] تعریض یہ ہے کہ کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو یا ایک لفظ کے دو معنی ہوں' ایک قریب اور ایک بعید۔ متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری ایمانی بہن ہے' خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے یا جیسے آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں۔ آپ نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے' اس کو صَنعتِ ایہام کہتے ہیں اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی نسبت صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۰۵)

کے سبب میں شامل ہے) اور یہ جائز ہے کہ یہ اس بات کی حکایت ہو جو ان کے مذہب میں اس فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف تجویز کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے' گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اس بات کا کیونکر انکار کرتے ہو کہ توڑ پھوڑ کا یہ عمل بڑے بت نے کیا ہے کیونکہ جس کی عبادت کی جاتی ہو اور اسے معبود قرار دیا جاتا ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ اس قسم کے کام کرنے پر قادر ہو اور ایک یہ حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان کے بڑے بت کو غصہ آ گیا کہ اس کے ساتھ چھوٹے بتوں کی عبادت کی جاتی ہے حالانکہ یہ ان سب سے بڑا ہے' سو اس نے غضب ناک ہو کر تمام بتوں کو توڑ دیا یا پھر یہ ایسی شرط کے ساتھ مقید ہے' جو پوری نہیں ہو سکتی اور وہ ہے: بتوں کا بولنا' پس اس میں مخبر بہ کی نفی ہے یعنی بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے اگر وہ بولتے ہیں اور ''فسئلوھم'' درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے ''کبیرھم'' فرما کر اپنی ذات کی اضافت (نسبت) ان کی طرف صرف اس لیے کی ہے کہ وہ لوگ قبیلہ میں شریک تھے ﴿فَسْـَٔلُوْهُمْ﴾ سو تم ان سے ان کا حال پوچھو ﴿اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ اگر وہ بولتے ہیں حالانکہ تم ان کا بولنے سے عاجز و بے بس ہونا خوب جانتے ہو۔

٦٤- ﴿فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا (یعنی) انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر کیا' جب انہیں گلوبند سے پکڑ لیا گیا (یعنی جب بت پرست لاجواب ہو گئے) ﴿فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو انہوں نے کہا: بے شک تم حقیقت میں ان بتوں کی عبادت کر کے خود ہی ظالم ہو جو بول بھی نہیں سکتے' وہ ظالم نہیں ہے' جس کو تم نے ظالم قرار دیا ہے' جب تم نے کہا کہ ''مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' (الانبیاء:۵۹)'' ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی' بے شک وہ ظالموں میں سے ہے''۔ کیونکہ جو معبود اپنے سر سے کلہاڑا نہیں ہٹا سکتا وہ اپنے عابد سے تکلیف و عذاب کو کیسے ہٹا سکے گا۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

پھر وہ اپنے سروں کے بل الٹا دیئے گئے' (اور وہ کہنے لگے:) بے شک تمہیں معلوم ہے کہ یہ بت نہیں بولتے ○ فرمایا: تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں ○ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے ○ انہوں نے کہا کہ اسے جلا ڈالو اور تم اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کر سکتے ہو ○ ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ○ اور انہوں نے اس کے ساتھ بُری چال چلنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ہم نے ان کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا بنا دیا ○ اور ہم نے اسے اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات عطا فرمائی' جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے خیر و برکت رکھی ہے ○

٦٥-﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ﴾ پھر وہ اپنے سروں پر الٹ گئے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قول میں ان کی زبانوں پر حق کو جاری فرما دیا' پھر ان پر بدبختی سوار ہوگئی یعنی وہ لوگ اپنے بارے میں ظلم کا اقرار کرنے کے بعد کفر کی طرف واپس لوٹ گئے مثلاً کہا جاتا ہے: ''نکستہٗ'' میں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس کے نیچے کو اس کے اوپر کر دیا یعنی جب انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا اور غور و فکر کیا اور صحیح فکر سے کام لیا تو استقامت کی راہ پر آ گئے' پھر اس حالت سے بدل گئے اور انہوں نے باطل اور ضد و ہٹ دھرمی کے ساتھ مجادلہ و جھگڑا شروع کر دیا اور کہنے لگے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ بے شک تمہیں معلوم ہے کہ یہ (بت) نہیں بول سکتے تو تم ہمیں ان سے سوال کرنے اور پوچھنے کا حکم کیوں دیتے ہو اور معنی یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بت بولنے سے عاجز ہیں' پھر ہم ان سے کیسے پوچھیں؟ [اور یہ جملہ ''عَلِمْتَ'' کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے]۔

٦٦-﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو' جو تمہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے [یہ مصدر کی جگہ پر واقع ہے] یعنی بالکل ذرہ برابر کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے ﴿وَّلَا يَضُرُّكُمْ﴾ اور وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر تم ان کی عبادت نہ کرو۔

٦٧-﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ ''اُفٍّ'' ایک آواز ہے جب اس کے ساتھ آواز نکالی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آواز دینے والا دکھی دل اور غم زدہ ہے' چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اور عذر ختم ہو جانے کے بعد بھی کفار اپنے بتوں کی عبادت پر قائم ہیں اور ان پر جمے ہوئے ہیں تو آپ کبیدۂ خاطر ہو گئے اور ان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اور تمہارے معبودانِ باطلہ پر تف ہے [اور لام متاَفف بہ کے بیان کے لیے ہے] یعنی یہ خرابی صرف تمہارے اور تمہارے معبودانِ باطلہ کے لیے ہے [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''فَا'' کے نیچے دو زیر ہیں یعنی ''اُفٍّ'' ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَا'' پر صرف ایک زبر ہے یعنی ''اُفَّ'' ہے اور باقیوں کے نزدیک ''فَا'' کے نیچے صرف ایک زیر ہے یعنی ''اُفِّ'' ہے] ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ جس کی یہ صفت ہو اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ معبود ہو سکے' پھر جب ان پر حجت لازم ہوگئی اور وہ جواب سے عاجز آ گئے تو

٦٨-﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ﴾ انہوں نے کہا کہ اس (حضرت ابراہیم) کو آگ میں جلا دو کیونکہ یہ سب سے بڑھ کر ہولناک اور بدترین سزا ہے' جس کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے ﴿وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ﴾ اور تم اس سے انتقام لے کر اپنے معبودوں کی مدد کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر تم کرنے والے ہو یعنی اگر تم اپنے معبودوں کی مضبوط ترین مدد کرنا چاہتے ہو تو تم اپنے معبودوں کی یہی مدد کرو کہ تم اس (حضرت ابراہیم) کے لیے تمام سزاؤں سے بڑھ کر ہولناک سزا اختیار کرو اور وہ جلا دینا ہے ورنہ تم ان کی مدد کرنے میں کوتاہی کرو گے اور جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا مشورہ دیا تھا وہ نمرود تھا یا فارس کے قبیلے کرد کا ایک کردی آدمی تھا اور بعض اہل علم نے فرمایا: جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو جلانے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہوں نے آپ کو قید کر لیا' پھر انہوں نے کوثی نامی پہاڑ کے دامن کی گہرائی میں لمبی چوڑی چار دیواری تعمیر کی اور تمام لوگ پورا ایک ماہ اس میں مختلف اقسام کی خشک لکڑیاں جمع کرتے رہے' پھر انہوں نے اس میں بہت بڑی آگ جلا دی' جس کے شعلے اتنے بلند ہوتے تھے کہ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے اس کے شعلوں سے جل جاتے تھے' پھر انہوں نے حضرت ابراہیم کو

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق میں بٹھایا اور آگ میں ڈال دیا اور اس وقت آپ اپنی زبان سے یہ ورد پڑھ رہے تھے: ''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے' اور حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: ''ھَلْ لَّكَ حَاجَةٌ'' کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا'' لیکن آپ کی طرف تو (مجھے کوئی حاجت) نہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا: ''فَسَلْ رَبَّكَ'' تو آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے' آپ نے فرمایا: ''حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ'' اس کا میرے اس حال کو جاننا میرے سوال کے لیے کافی ہے' چنانچہ اس آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزاد کرنے کے لیے صرف ان رسیوں کو جلایا تھا' جن کے ساتھ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ورد ''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' پڑھنے کے سبب نجات حاصل کی تھی۔

٦٩- ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ ہم نے حکم فرمایا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور سلامتی بن جا یعنی ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا' سو اس میں مبالغہ کیا گیا ہے گویا آگ کی ذات سراسر ٹھنڈک اور سلامتی ہے ﴿عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یعنی صرف اتنی ہو جا کہ حضرت ابراہیم تجھ سے صحیح سلامت نکل آئیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو ''سَلٰمًا'' نہ فرماتا تو آگ اتنی زیادہ ٹھنڈی ہو جاتی کہ اس کی ٹھنڈک آپ کو ہلاک کر دیتی اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے جلانے اور حرارت و گرمی پہنچانے کی وہ طبعیت سلب کر لی تھی' جس پر اس کو پیدا کیا تھا اور اس کی روشنی پہنچانے اور اجالا کرنے کی صلاحیت کو پہلے کی طرح باقی رکھا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٧٠- ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو جلانے کی سازش کا ارادہ کر لیا ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ سو ہم نے انہیں بہت زیادہ خسارہ پانے والے بنا دیا' چنانچہ نمرود اور اس کی قوم پر مچھروں کو بھیجا گیا' پس وہ ان کے گوشت نوچ کر کھا گئے اور ان کے خون چوس کر پی گئے اور ایک مچھر نمرود کے دماغ میں داخل ہو گیا اور اس نے نمرود کو ہلاک کر دیا۔

## حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کی شام کی طرف ہجرت وغیرہ کا بیان

٧١- ﴿وَنَجَّيْنٰهُ﴾ اور ہم نے اس کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نجات دی ﴿وَلُوْطًا﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام کو جو عراق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہارون کے بیٹے تھے ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ اس زمین کی طرف' جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں یعنی شام کی زمین' اور اس کی برکتیں یہ ہیں کہ اکثر انبیائے کرام علیہم السلام اسی ملک شام سے مبعوث ہوئے اور تمام جہانوں میں انہیں کے دینی آثار و برکات پھیل گئے اور یہ زمین بڑی زرخیز ہے' اس میں امیر و غریب سب آسودہ حال رہتے ہیں اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اس ملک میں کوئی میٹھا چشمہ نہیں مگر اس کی اصل بیت المقدس کے صخرہ پتھر سے پھوٹتی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں جا کر قیام فرمایا اور حضرت لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں سکونت اختیار کر لی اور ان دونوں علاقوں کے درمیان ایک دن رات کی مسافت کا فاصلہ ہے اور حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک ہجرت در ہجرت ہوتی رہے گی لیکن بہترین لوگ وہ ہوں گے' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ملک شام کی طرف ہجرت کریں گے[1]

---

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد' باب: ۳' رقم الحدیث: ۲۴۸۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۸۴۔ ۱۹۹۔ ۲۰۹

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ۙ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ؑ

اور ہم نے اس کو اسحاق' اور یعقوب (بھی) مزید عطا فرما دیئے' اور ہم نے سب کو نیک بنایا O اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے رہے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی' اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے O اور ہم نے لوط کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے باشندے بہت بُرے کام کرتے تھے' بے شک وہ بدترین نافرمان قوم تھی O اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لیا' بے شک وہ نیکوں میں سے تھے O

---

۷۲-﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب مزید عطا فرما دیے [اور بعض نے فرمایا کہ سابق فعل کے لفظ کے بغیر "عافیة" کے وزن پر "نافلة" مصدر ہے] یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو حضرت یعقوب بطور بخشش عطا فرمائے اور بعض علماء نے فرمایا کہ "نافلة" کا معنی ہے: بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کی درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بیٹا عطا فرما دیا اور مزید حضرت یعقوب بھی عطا فرما دیے یعنی بغیر سوال کے محض فضل وکرم سے زیادہ عطا فرما دیا [اور "نَافِلَةً" "یَعْقُوْبَ" سے حال ہے] ﴿ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴾ اور ہم نے سب کو یعنی حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کو دین میں اور نبوت میں نیک بنا دیا [اور یہ "كُلًّا"' "جَعَلْنَا" کا پہلا مفعول ہے اور "صَالِحِیْنَ" اس کا دوسرا مفعول ہے]۔

۷۳-﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً ﴾ اور ہم نے ان کو مقتدیٰ اور پیشوا بنا دیا' جن کی دین کے معاملات میں اقتداء اور پیروی کی جاتی تھی ﴿ یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ وہ لوگوں کو ہمارے حکم یعنی ہماری وحی کے ذریعے ہدایت دیتے تھے ﴿ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ ﴾ اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کی وحی بھیجی اور اس سے تمام نیک اعمال مراد ہیں اور اس کی اصل ہے: "اَنْ تُفْعَلَ الْخَیْرَاتُ" کہ تمام نیکیاں کی جائیں' پھر اس کی جگہ "فِعْلَ الْخَیْرَاتِ" لایا گیا اور اسی طرح درج ذیل ارشاد ہے: ﴿ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ﴾ اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور اصل میں "وَاِقَامَةَ الصَّلٰوةِ" ہے [مگر مضاف الیہ کو "ھا" کا بدل قرار دیا گیا ہے] ﴿ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴾ اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے' بتوں کی نہیں سوائے عرب کے لوگو! تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہو' پس تم اس معاملہ میں انہی کی پیروی کرو (اور تم صرف خدا کی عبادت کرو)۔

۷۴-﴿ وَلُوْطًا ﴾ [یہ فعلِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر وتوضیح اس کے بعد والا فعل کر رہا ہے] ﴿ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا ﴾ اور ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت ودانش عطا فرمائی۔ "حُكْمًا" سے حکمت مراد ہے اور یہ وہ عمل ہے' جس کا کرنا

واجب ولازم ہو یا اس سے وہ صحیح فیصلہ مراد ہے' جو جھگڑنے والے دوفریقوں کے درمیان بروقت کیا جاتا ہے یا پھر نبوت مراد ہے ﴿ وَّعِلْمًا ﴾ دین کا جاننا اور اس کو اچھی طرح ذہن میں سمجھ لینا ﴿ وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ اور ہم نے اس کو اس بستی سے نجات دی' جس کے باشندے بہت بُرے اور گندے کام کرتے تھے۔ ''قریۃ'' سے اس میں رہنے والے لوگ مراد ہیں اور اس بستی کا نام سدوم تھا۔ بُرے اور گندے کاموں سے مراد لواطت (اغلام بازی) اور گوز یعنی بلند آواز سے ہوا خارج کرنا اور آنے جانے والوں کو کنکریاں مارنا اور انہیں چھیڑنا اور تنگ کرنا ہے جو یہاں کے باشندوں کی بہت بُری عادات تھیں ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴾ بے شک وہ بدترین نافرمان لوگ تھے' جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل گئے۔

٧٥- ﴿ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ﴾ اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل فرمالیا (یعنی) اپنی رحمت کے اہل اور مستحق لوگوں میں داخل فرمالیا یا جنت میں داخل فرمالیا ﴿ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے ہیں یعنی اس کے لیے جزائے خیر اس کی نیکی کی بناء پر ہے' جس طرح ہم نے اس کی قوم کو ان کے فساد برپا کرنے کی بناء پر ہلاک کردیا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٧٧ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝٧٨ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝٧٩

اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی O اور ہم نے اس قوم کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا' بے شک وہ بہت بدکار قوم تھی' سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا O اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جب اس میں قوم کی بکریاں داخل ہو کر چر گئیں' اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت حاضر تھے O سو ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا فرمایا تھا' اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کردیا وہ اس کے ساتھ تسبیح بیان کرتے' اور (یہ سب کچھ) ہم ہی کرنے والے تھے O

## حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

٧٦- ﴿ وَنُوْحًا ﴾ ''اَیْ وَاذْکُرْ نُوْحًا'' یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ نَادٰى ﴾ جب اس نے پکارا یعنی جب اس نے اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا کی ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ مذکورہ بالا انبیائے کرام سے پہلے ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ﴾ یعنی پس ہم نے اس کی دعا قبول کرلی ﴿ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ ﴾ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو یعنی اس کی اولاد اور اس کی قوم میں سے مسلمانوں کو نجات دی ﴿ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ بہت بڑی تکلیف سے (یعنی) طوفان سے اور سرکشوں کی تکذیب سے۔

٧٧- ﴿ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ اور ہم نے اس قوم کے مقابلے میں ان کی مدد کی' جنہوں نے

ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا یعنی ہم نے ان کو اس کی اذیٰ اور تکلیف سے بچا لیا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ بے شک وہ بہت بُرے لوگ تھے' سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا (یعنی) ان کے بڑوں کو اور ان کے چھوٹوں کو' ان کے مردوں کو اور ان کی عورتوں کو سب کو دریا بُرد کر دیا۔

## حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ

۷۸۔ ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ﴾ ''اَیْ وَاذْكُرْهُمَا'' یعنی اے محبوب! آپ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ان دونوں کو یاد کیجئے ﴿اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ﴾ جب وہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے (یعنی) کسی کھیتی کے بارے میں یا مخصوص انگوروں کی کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے [حرف ''اِذْ'' اپنے ماقبل دونوں سے بدل ہے اور اپنے مابعد ''یَحْكُمَان'' کا ظرف ہے] ﴿اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ﴾ جب اس میں رات کے وقت قوم کی بکریاں داخل ہو گئیں اور اس کو چرتے ہوئے کھا گئیں اور تمام کھیتی اجاڑ دی۔ ''نَفَشَتْ'' کا یہاں معنیٰ ''دَخَلَتْ'' ہے اور ''نفش'' کا لغوی معنیٰ ہے: بغیر چرواہے کے رات کے وقت بکریوں کا منتشر ہو جانا ﴿وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ﴾ اور ہم ان کے فیصلے کے وقت حاضر و ناظر اور موجود تھے۔ ''هِمْ'' جمع کی ضمیر سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں اور ان دونوں کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آنے والے مدعی اور مدعیٰ علیہ مراد ہیں اور ''شاهدین'' کا مطلب ہے کہ یہ فیصلہ ہمارے علم کے مطابق اور ہمارے سامنے ہوا ہے۔

۷۹۔ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سو ہم نے وہ یعنی فیصلہ یا فتویٰ (حضرت) سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سلیمان صلوات اللہ علیہ کی رائے زیادہ درست تھی' اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں کسی کا کھیت چر گئیں اور چرواہا کے بغیر رات کے وقت سارا کھیت اجاڑ دیا' چنانچہ کھیتی کا مالک اور بکریوں کا چرواہا دونوں اپنا مقدمہ حضرت داؤد کے پاس لے گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ سناتے ہوئے بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دیں کیونکہ ان دونوں کی قیمت برابر تھی یعنی بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی' لیکن یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہ فیصلہ دونوں فریقوں کے حق میں زیادہ مفید نہیں اور آپ نے اس کے متعلق پختہ ارادہ کر لیا تاکہ زیادہ بہتر فیصلہ کریں' چنانچہ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ بکریاں کھیتی کے مالک کے سپرد کی جائیں کہ وہ ان بکریوں کے دودھ اور اس کے ہاں ہونے والی نسل اور ان کی اُون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور یہ منافع حاصل کرے جب کہ کھیتی بکریوں کے مالک چرواہا کے سپرد کی جائے' وہ محنت کر کے اس کو تیار کرے یہاں تک کہ جب وہ پوری طرح تیار ہو جائے اور اسی پہلی حالت پر واپس آ جائے جس حالت میں اسے اجاڑا گیا تھا' پھر دونوں اپنی اپنی چیز واپس لے لیں' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے پسند کیا اور فرمایا: یہی فیصلہ زیادہ بہتر ہے' جو تم نے کیا اور آپ نے یہی فیصلہ نافذ کر دیا اور یہ ان دونوں کے اجتہادی فیصلے تھے اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک دن ہو یا رات ہو چرواہا ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا' اگر بکریوں کا چرواہا یا مالک ساتھ ہو تو پھر تاوان لازم ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رات کے وقت کھیت وغیرہ اجاڑنے پر ہر حال میں تاوان واجب ہو جائے گا اور علامہ ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ مالک کی موجودگی میں بکریوں کے نقصان کرنے پر اس لیے تاوان لازم ہو جاتا ہے کہ مالک نے خود ان کو چھوڑ دیا اور یہ تاوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے منسوخ ہو گیا ہے' ارشاد یہ ہے کہ ''اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ'' [1]

[1] رواہ البخاری فی کتاب الدیات' باب: ۲۸۔۲۹' مسلم فی کتاب الحدود' رقم الحدیث: ۴۵۔۴۶' ابوداؤد فی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چوپایہ کے نقصان پر تاوان نہیں' اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث مصالحت کے بارے میں ہے اور حضرت داؤد نے جو کچھ کیا تھا وہ فیصلہ تھا اور مصالحت بہتر ہے ﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں سے ہر ایک کو نبوت اور فیصلہ کرنے کا علم و عرفان عطا فرمایا تھا ﴿ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ ﴾ اور ہم نے پہاڑوں کو حضرت داؤد کے تابع کر دیا' جو اس کے ساتھ تسبیح بیان کرتے [''يُسَبِّحْنَ''، ''الجبال'' سے حال ہے اور یہ معنی ''مُسَبِّحَاتٌ'' ہے یعنی تسبیح بیان کرنے والے یا یہ الگ جملہ ہے] گویا کہنے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کو حضرت داؤد کے کیسے تابع کر دیا تو فرمایا: ''يُسَبِّحْنَ'' وہ تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿ وَالطَّيْرَ ﴾ اور پرندے [یہ ''الجبال'' پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے] پہاڑوں کا ذکر پرندوں سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ پہاڑوں کا مسخر و تابع ہونا اور ان کا تسبیح بیان کرنا زیادہ عجیب اور زیادہ انوکھا ہے اور معجزہ میں زیادہ دخیل ہے کیونکہ یہ جمادات ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ پہاڑوں کے پاس تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو وہ پہاڑ بھی تسبیح پڑھ کر جواب دیتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جہاں جاتے' پہاڑ ان کے ساتھ چلتے تھے ﴿ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ اور ہم انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں اور اگرچہ تمہارے نزدیک یہ عجیب و غریب کام ہے۔

| |
|---|
| وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۞ وَلِسُلَيْمٰنَ |
| الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ |
| عٰلِمِيْنَ ۞ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا |
| لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۞ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۞ |

اور ہم نے اس کو تمہارے لیے لباسِ جنگ بنانے کی تعلیم دی تا کہ وہ تمہیں تمہاری جنگ سے محفوظ رکھے' پس کیا تم شکر گزار بنو گے O اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا' جو اس کے حکم پر اس زمین کی طرف چلتی' جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے O اور شیطانوں میں سے (ان کو ہم نے مسخر کر دیا) جو اس کے لیے سمندر میں غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام کرتے تھے' اور ہم ان کی نگرانی کرنے والے تھے O اور ایوب کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے O

۸۰۔ ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ﴾ اور ہم نے اس کو تمہارے لیے جنگی لباس بنانا سکھایا یعنی لوہے کے لباس اور زرہیں بنانا سکھایا اور ''لبوس'' مطلق لباس کو کہا جاتا ہے' یہاں زرہیں بنانا مراد ہے ﴿ لِتُحْصِنَكُمْ ﴾ تا کہ وہ صنعت تمہیں بچائے اور محفوظ رکھے [یہ ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ہے یعنی یہ صنعت تمہیں بچائے اور ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں نون جمع متکلم کے ساتھ ''لِنُحْصِنَكُمْ'' ہے تا کہ ہم تمہیں بچائیں یعنی اللہ عزوجل' اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کتاب الدیات' باب: ۲۷' الترمذی فی کتاب الزکوۃ' باب: ۱۶' النسائی فی کتاب الزکوۃ' باب: ۲۸' ابن ماجہ فی کتاب الدیات' باب: ۲۷' الدارمی فی کتاب الزکوۃ' باب: ۳۰' المؤطا فی کتاب العقول' رقم الحدیث: ۱۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۲۸۔۲۳۹۔۲۵۴

کے ساتھ "لِیُحْصِنَکُمْ" ہے یعنی تاکہ وہ لباس یا اللہ عزوجل تمہیں بچائے] ﴿مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ﴾ تمہارے دشمنوں کی جنگ سے ﴿فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ﴾ تو کیا تم شکر گزار بنو گے۔ یہ استفہام (سوالیہ جملہ) امر کے معنی میں ہے یعنی پس تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

۸۱۔﴿وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ﴾ یعنی اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مطیع و تابع فرمان بنا دیا ﴿عَاصِفَةً﴾ بہت سخت تیز رفتار ["یہ "الریح" سے حال ہے] اور دوسری جگہ اس کو "رخآء" کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے اختیار سے چلتی تھی' سو ان کے ارادے اور حکم کے مطابق کبھی آہستہ چلتی اور کبھی بہت تیز چلتی تھی ﴿تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِهٖۤ﴾ وہ حضرت سلیمان کے حکم کے مطابق چلتی ﴿اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا﴾ اس سرزمین کی طرف' جس میں ہم نے نہروں' درختوں اور پھلوں کی کثرت کے باعث برکتیں رکھی ہیں اور اس زمین سے ملک شام مراد ہے اور یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسکن تھا اور ہوا آپ کو زمین کے مختلف اطراف سے اٹھا کر یہیں لے آتی ﴿وَکُنَّا بِکُلِّ شَیۡءٍ عٰلِمِیۡنَ﴾ اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں اور بے شک ہمارے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے' سو تمام چیزیں اسی کے مطابق رواں دواں رہتی ہیں جس کا ہمارا علم تقاضا کرتا ہے۔

۸۲۔﴿وَمِنَ الشَّیٰطِیۡنِ﴾ اور شیطانوں میں سے یعنی ہم نے شیطانوں میں سے کچھ (کفار) شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر و تابع فرمان کر دیئے ﴿مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ﴾ جو حضرت سلیمان کے حکم دینے پر موتی نکالنے اور دیگر قیمتی اشیاء جو سمندر میں ہوتی ہیں' ان کو نکالنے کے لیے سمندر میں غوطہ لگاتے تھے ﴿وَیَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ﴾ اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے یعنی غوطہ زنی کے علاوہ دوسرے کام کرتے تھے اور وہ قلعہ جات' تصاویر' محلات' لنگر انداز دیگیں اور لگن (یعنی بہت بڑے پیالے) تعمیر کرتا تھا ﴿وَکُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِیۡنَ﴾ اور ہم ان کی نگرانی کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حضرت سلیمان کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے ٹیڑھی میڑھی چیزیں بنا دیں یا ان میں کوئی تبدیلی کر دیں یا ان کی طرف سے ان چیزوں میں کوئی فساد پایا جائے' جن کے لیے انہیں مسخر کیا گیا ہے۔

## حضرت ایوب واسماعیل اور حضرت ادریس وذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

۸۳۔﴿وَاَیُّوۡبَ﴾ "اَیْ وَاذْکُرْ اَیُّوْبَ" یعنی اے محبوب! جناب ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ﴾ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا یعنی حضرت ایوب نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی ﴿اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ﴾ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ "اَلضُّرّ" میں اگر ضاد پر فتح (زبر) ہو تو ہر قسم کی تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اگر ضمہ (پیش) ہو تو انسان کے وجود میں مخصوص تکلیف' بیماری یا کمزوری وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ﴾ اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سوال کرنے میں نہایت لطیف انداز اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کا ایسی تکلیف کے ساتھ ذکر کیا' جو رحمتِ الٰہی واجب کر دیتی ہے اور اپنے رب تعالیٰ کا ذکر نہایت رحمت کے ساتھ کیا اور اپنے مطلب کی وضاحت نہیں کی' گویا آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بے شک تو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تو رحم کرے اور مہربانی فرمائے اور ایوب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر رحم کیا جائے اور اس پر مہربانی کی جائے' پس تو اس پر رحم فرما اور اس سے اس تکلیف دہ مصیبت کو دور کر دے' جو اس کو پہنچ چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی کمزوری کو اس وقت بیان کیا جب وہ نماز کے لیے کھڑے نہ ہو سکے اور انہوں نے کوئی شکایت نہ کی اور بھلا وہ کیسے شکایت کرتے جب کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

"اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ" (ص:۴۴) "بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا وہ بہت اچھے بندے تھے"۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت ایوب نے سرگوشی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں سے شکایت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنا انتہائی قرب الٰہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں کے سامنے شکایت کرنا انتہائی دوری کی علامت ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

سو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور جو تکلیف اسے (پہنچی) تھی ہم نے اسے دور کر دیا اور ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور اسی قدر ان کے ساتھ اور عطا فرما دیئے محض اپنی طرف سے رحمت کرنے اور عبادت گزاروں کو نصیحت کرنے کے لیے ○ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے' وہ سب صبر کرنے والے تھے ○ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا' بے شک وہ نیکوں میں سے تھے ○ اور ذوالنون کو یاد کیجئے جب وہ غضب ناک ہو کر چلا گیا اور خیال کیا کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے' پھر اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پاک ہے' بے شک میں حد سے بڑھنے والوں سے ہو گیا ہوں ○

۸۴۔ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ سو ہم نے اس کی پکار کو قبول فرمالیا ﴿فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ اور ہم نے اس پر انعام فرما کر اس کی تکلیف کو دور فرما دیا ﴿وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت ایوب علیہ السلام روم کے رہنے والے حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے اور ان کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں اور تین ہزار اونٹ اور سات ہزار بکریاں اور کھیتی باڑی کرنے اور ہل چلانے کے لیے پانچ سو بیل تھے اور ان مالوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے پانچ سو غلام تھے۔ ہر غلام کے لیے بیوی بچے اور کھجوروں کے باغ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اولاد اور مال واپس لے کر انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اٹھارہ سال یا تیرہ سال یا پھر کم از کم تین سال تک ان کے بدن مبارک میں بیماری پیدا فرما دی اور ایک روز ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ کاش! تم اللہ عزوجل سے دعا کرتے' آپ نے فرمایا کہ تم بتاؤ خوشحالی وتندرستی کی مدت کتنی تھی؟ اس نے کہا: اسی سال تھی' تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں حالانکہ میری مصیبت کی مدت میری خوشحالی کی مدت کو نہیں پہنچی' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان سے مصیبت کو دور فرما دیا تو ان کی اولاد کو ان کے سامنے زندہ کر دیا اور آپ کو ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ اپنی طرف سے

رحمت ومہربانی کے لیے [یہ مفعول لہ ہے] ﴿وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت یعنی حضرت ایوب کے لیے رحمت اور ان کے علاوہ دیگر عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے تاکہ وہ لوگ حضرت ایوب کے صبر کی طرح صبر کریں اور ان کے ثواب کی طرح ثواب حاصل کریں۔

۸۵-﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ﴾ یعنی اے محبوب! حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور حضرت ادریس بن شیث بن آدم علیہم السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام ان سب کو یاد کیجئے اور ذوالکفل کا نام حضرت الیاس ہے یا حضرت زکریا یا پھر یوشع بن نون ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحبِ نصیب ہیں اور ''کفل'' کا معنی حصہ اور نصیب ہے ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یعنی یہ حضرات جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب صبر کے ساتھ موصوف تھے۔

۸۶-﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا (یعنی) ہماری نبوت یا آخرت کی نعمت مراد ہے ﴿اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیک بندوں میں سے تھے یعنی ان نیک لوگوں میں سے تھے' جن کا تقویٰ و نیکی فساد کے میل سے آلودہ نہیں ہوتا۔

## حضرت یونس اور حضرت زکریا علیہما السلام کا تذکرہ

۸۷-﴿وَذَا النُّوْنِ﴾ یعنی اے محبوب! مچھلی والے پیغمبر کو یاد کیجئے۔ ''نون'' کا معنی مچھلی ہے' چنانچہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کی نسبت واضافت اس کی طرف کردی گئی ہے ﴿اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ جب وہ غضب ناک ہو کر چل پڑے یعنی اپنی قوم سے ناراض ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور حضرت یونس کا اپنی قوم سے ناراض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی جدائی اور علیحدگی کے وقت ان سے سخت ناراض ہو کر اس خوف و ڈر کے سبب وہاں سے روانہ ہو گئے کہ عذابِ الٰہی ان پر نازل ہونے والا ہے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے تنگ دل اور مایوس ہو گئے تھے کیونکہ عرصہ دراز تک ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے' لیکن ان لوگوں نے آپ کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے اور کفر کی حالت پر قائم رہے' اس لیے آپ ان پر غضب ناک ہو گئے اور خیال فرمایا کہ یہ جائز ہے کیونکہ انہوں نے یہ کام ذاتی پسند یا ناپسند کی بناء پر نہیں کیا تھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ان پر غضب ناک ہوئے تھے اور کفر اور اہل کفر سے نفرت کی بناء پر ناراض ہوئے تھے جب کہ آپ پر لازم تھا کہ ہر حال میں صبر سے کام لیتے اور ان سے ہجرت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم کا انتظار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہجرت نہ کرتے لیکن آپ حکمِ الٰہی کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر چل پڑے تو انہیں مچھلی کے پیٹ میں ڈال کر آزمایا گیا۔[1]

---

[1] ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحرِ روم کی طرف چلے تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی' آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے' جونہی کشتی دریا کے درمیان میں پہنچی تو رک گئی' نہ آگے ہوتی تھی نہ پیچھے' قریب تھا کہ غرق ہو جاتی۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی نافرمان یا اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے' جب تک وہ یہاں ہے کشتی نہیں چلے گی اور ہماری عادت ہے کہ ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں' جس کے نام قرعہ نکلے ہم اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں کیونکہ کسی ایک کا غرق ہو جانا پوری کشتی کے غرق ہونے سے بہتر ہے' چنانچہ تین بار قرعہ اندازی کی گئی' ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے آقا سے بھاگا ہوا عاصی بندہ میں ہی ہوں' یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی اور مچھلی نے آپ کو لقمہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ میرے اس پیارے بندے کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچانا کیونکہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ﴾ پس آپ نے خیال فرمایا کہ ہم ان پر کسی قسم کی تنگی اور سختی ہرگز نہیں کریں گے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں داخل ہوئے تو حضرت معاویہ نے کہا کہ گزشتہ رات قرآن مجید کی موجوں نے مجھے گھیر لیا اور میں ان میں غرق ہو گیا اور میں آپ کے بغیر اپنی ذات کے لیے خلاصی نہیں پاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اے معاویہ! وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے یہی آیت مبارکہ پڑھی اور کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے نبی یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ ''قدر'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی تنگی ہے ''قدرت'' سے ماخوذ نہیں ہے ﴿فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ﴾ سو اس نے اندھیروں میں پکارا یعنی مچھلی کے پیٹ میں سخت کثافت والے اندھیرے میں پکارا جیسا کہ ارشاد ہے: ''ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتٍ'' (البقرہ:١٧) ''اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا''۔ یا رات کا اندھیرا اور دریا کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا ﴿اَنۡ﴾ [اصل میں ''بِاَنَّهٗ'' ہے (یعنی ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے) یا پھر ''اَیۡ'' کے معنی میں ہے (یعنی ''اَنۡ'' تفسیریہ ہے)] ﴿لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ہر عیب سے پاک ہے بے شک میں اپنے آپ پر زیادتی کرنے والوں میں سے ہو گیا ہوں کہ میں تیری اجازت سے پہلے اپنی قوم سے نکل گیا ہوں اور حدیث شریف میں ہے کہ کوئی ایسا مصیبت زدہ شخص نہیں جو اس دعا کے ساتھ دعا مانگے مگر اس کی دعا ضرور قبول ہوگی[1] اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت یونس علیہ السلام نے اس دعا کے توسل سے اپنے آپ پر زیادتی کے اقرار و اعتراف کرنے پر نجات حاصل کی ہے۔

**فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ‌ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝٨٨ وَزَكَرِيَّاۤ**

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے تیرے پیٹ کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے یہ تیری خوراک نہیں ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ١٧ ص ٨٣، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور تفسیر کبیر ج٦ ص ١٢٩، مطبوعہ دار الفکر بیروت تفسیر ابن کثیر مترجم پارہ:١٧، ص ٣٠، ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ١٨٢ تا ١٨٣، تفسیر روح البیان مترجم پارہ ١٧، ص ١٦٣، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

1 رواہ الترمذی رقم الحدیث:٣٥٠٠، والنسائی رقم الحدیث:٦٥٥ فی عمل الیوم واللیلۃ، والحاکم ج١ ص ٥٠٥

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما سے قضائے حاجات و حل مشکلات کے لیے چار رکعت نماز نفل اس طرح پڑھنا بیان فرمایا ہے: پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ سُبۡحَانَكَ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ وَنَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○'' کو سو بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ''رَبِّ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ○'' سو بار پڑھے۔ تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ''وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ○'' سو بار پڑھے۔ چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد ''قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ'' سو بار پڑھے۔ نماز کے آخر میں سلام پھیر کر پھر سو بار یہ پڑھے: ''رَبِّ اِنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ''۔ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں آیات اسم اعظم ہیں کہ ان کے وسیلے سے جو سوال کیا جائے اور جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ١٨٣۔ ١٨٤)

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩١﴾

سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اس کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیںO اور زکریا کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو تمام وارثوں سے بہتر ہےO سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اسے یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے اس کی خاطر اس کی بیوی کو سنوارا' بے شک وہ نیکیوں کے بجالانے میں جلدی کرتے تھے اور وہ ہمیں امید و خوف سے پکارا کرتے تھے' وہ ہمارے حضور میں عاجزی کرنے والے تھےO اور اس (بی بی مریم) کو یاد کیجئے جس نے اپنی عزت کی خوب حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیاO

۸۸۔﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اس کو غم و رنج سے نجات دے دی (یعنی) کوتاہی اور وحشت و گھبراہٹ اور تنہائی کے غم و رنج سے نجات دی ﴿وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں' جب وہ ہم سے دعا مانگتے ہیں اور ہم سے فریاد کرتے ہیں [ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''نُجِّي'' ہے کہ بعض کے نزدیک نون کو جیم میں مدغم کیا گیا ہے حالانکہ نون کو جیم میں مدغم نہیں کیا جاتا اور بعض نے کہا کہ اس کی اصل ''نُجِّيَ النَّجَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (اس صورت میں ''نُجِّيَ'' فعل ماضی مجہول ہے) پھر ''یا'' کو تخفیف کرنے کے لیے ساکن کر دیا گیا ہے اور فعل کا اسناد مصدر کی طرف کر دیا گیا ہے اور ''الْمُؤْمِنِيْنَ'' کو ''النجآء'' کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے لیکن اس حالت میں مفعول کی موجودگی میں مصدر کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں' نیز اس میں ''یا'' کو ساکن کیا گیا ہے اور اس باب کے تمام افعال میں ضرورت کے تحت ''یا'' کو ساکن کیا گیا ہے اور بعض نے کہا: اس کی اصل ''نُنَجِّي'' ہے اور یہ ''تَنْجِيَةٌ'' سے مشتق ہے' پھر دوسری نون کو اجتماع نونین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (القدر:۴) دو میں سے ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہے]۔

۸۹۔﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا﴾ اور اے محبوب! حضرت زکریا کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا اور اکیلا نہ چھوڑیئے۔ دراصل حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اسے ایسا بیٹا عطا فرما دے جو ان کا وارث بنے اور اللہ تعالیٰ اسے بغیر وارث کے اکیلا اور تنہا نہ چھوڑ دے' پھر حضرت زکریا نے ایک اطاعت گزار سر تسلیم خم کرنے والا ہو کر اپنا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور کہا: ﴿وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ﴾ اور تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی اگر تو مجھے جانشین عطا نہیں فرمائے گا تو مجھے کوئی فکر نہیں کیونکہ تو سب سے بہتر وارث ہے یعنی باقی رہنے والا۔

۹۰۔﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ﴾ سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اسے ایک بیٹا یحییٰ عطا فرمایا

﴿وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ﴾ اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی کو سنوار دیا (یعنی) ہم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کو بانجھ ہو جانے کے بعد بچہ جننے کی صلاحیت والا بنا دیا یا حسنِ خلق کا مالک بنا دیا جب کہ وہ پہلے بد خلق تھی ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ بے شک وہ یعنی جن انبیائے کرام کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے مطالبات اور دعائیں قبول کر لی جائیں کیونکہ وہ نیکیوں کے معاملات میں سبقت کرنے والے تھے اور ان کے حصول میں جلدی کرنے والے تھے ﴿وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ اور وہ ہم سے رغبت وڈر کے ساتھ دعا کرتے تھے یعنی امید وبیم کے ساتھ جیسا کہ ارشاد ہے: ''يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ'' (الزمر:۹) ''وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھتا ہے''۔ [اور ''رَغَبًا'' اور ''رَهَبًا'' یہ دونوں مصدر ہیں اور حال کے محل میں واقع ہیں یا مفعول لہ ہیں] یعنی ہمارے بارے میں رغبت وشوق رکھنے اور ہم سے خوف رکھنے کی وجہ سے ﴿وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ اور وہ ہمارے لیے عاجزی کرنے والے اور ہم سے ڈرنے والے تھے۔

## حضرت مریم کی شان اور تمام انسانوں کو نصیحت اور ان کے ردِ عمل کا بیان

۹۱- ﴿وَالَّتِيْٓ﴾ ''اَیْ وَاذْكُرِ الَّتِیْ'' یعنی اے محبوب کریم! اس عورت (بی بی مریم) کو یاد کیجئے' جس نے ﴿اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ اپنی شرمگاہ کو حلال وحرام سے خوب محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ پس ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی (یعنی) ہم نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی روح اس میں داخل کر دی یا ہم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تو اس نے حضرت مریم کے قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تو ہم نے اس پھونک اور دَم کے سبب اس کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمایا اور روح کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت وفضیلت کے اظہار کے لیے کی گئی ہے ﴿وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔ اور ''اٰیَتَیْنِ'' دو نشانیاں نہیں فرمایا جیسا کہ (درج ذیل ارشاد میں) فرمایا: ''وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ'' (الاسراء:۱۲) ''اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا''۔ اس لیے کہ ان دونوں ماں بیٹے کا حال اپنے مجموعہ کے اعتبار سے ایک نشانی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مریم کا بغیر مرد کے بچے کو جنم دینا ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''وَجَعَلْنَاهَا اٰيَةً وَابْنَهَا كَذَالِكَ'' اور ہم نے اس کو نشانی بنایا اور اس کے بیٹے کو بھی اسی طرح بنایا [اور اس آیت مبارکہ میں ''اٰیَةً'' معطوف علیہ کا مفعول ہے اور اس پر اس کی قراءت دلالت کرتی ہے' جس نے ''اٰیَتَیْنِ'' پڑھا ہے]۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ
كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ ع فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ
وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ
يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

بے شک یہ (اسلام) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے' اور میں تمہارا رب ہوں' سو تم صرف میری عبادت کرو○ اور انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' سب کے سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے والے ہیں○ سو جو نیک

اعمال کرے گا اور وہ مسلمان ہو تو اس کی محنت نامقبول نہیں ہوگی' اور بے شک ہم اسے لکھ رہے ہیں O اور جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان پر حرام ہے بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے O یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے O

۹۲- ﴿إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ﴾ بے شک یہی (مذہبِ اسلام) تمہارا دین ہے۔ ''أُمَّة'' بہ معنی ملت و دین ہے اور ''هٰذِهٖ'' سے دینِ اسلام کی طرف اشارہ ہے اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے ﴿أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ یعنی سب کا متحدہ دین ہے الگ الگ نہیں [یہ حال ہے اور اس کا عامل وہی ہے' جس پر اسم اشارہ دلالت کر رہا ہے] یعنی مذہبِ اسلام تمہارا دین اور مذہب ہے' یہی وہ دین ہے' جس پر چلنا اور اس کی پیروی کرنا تم پر واجب ولازم ہے' تم اس سے ہرگز انحراف نہ کرو' اسی کی طرف متحدہ دین کا اشارہ کیا جاتا ہے' جس میں کوئی اختلاف نہیں ﴿وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾ اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم صرف میری عبادت کرو یعنی میں اپنے اختیار سے تمہاری تربیت اور پرورش کرنے والا ہوں' سو تم بھی بڑے فخر کے ساتھ شکر ادا کرنے کے لیے صرف میری عبادت کیا کرو' اور اس آیت مبارکہ میں تمام بنی نوع انسان کو خطاب ہے۔

۹۳- ﴿وَتَقَطَّعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا [اصل کلام ''وَتَقَطَّعْتُمْ'' ہے' ''اور تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'' مگر کلام کو التفات کے طریقہ پر غائب کی طرف تبدیل کر دیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں اپنے دین کے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ لوگ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے والے یہ ﴿كُلٌّ إِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ تمام لوگ ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں' پھر ہم ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلا دیں گے۔

۹۴- ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ پس جو شخص نیک اعمال میں سے کچھ نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان دار ہو' جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ولازم ہے ان پر وہ ایمان رکھتا ہو ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ سو اس کی کوشش و محنت نامقبول نہیں ہوگی یعنی اس کی محنت اور کوشش کی قدر کی جائے گی اور اُسے قبول کیا جائے گا اور ثواب سے محروم رہنے اور نیک اعمال پر ثواب نہ ملنے کو کفران سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ اعمالِ صالحہ قبول ہونے اور ان پر ثواب ملنے کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے اور یہاں جنس کی نفی کی گئی ہے تاکہ کلام زیادہ بلیغ و فصیح ہو جائے ﴿وَإِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی محنت و کوشش کو یعنی ہمارے محافظ فرشتے ہمارے حکم سے اسے اس شخص کے اعمال نامہ میں لکھ رہے ہیں' سو ہم اس کو اس کی محنت پر ضرور جزائے خیر اور ثواب عطا فرمائیں گے۔

## کفار اور ان کے معبودانِ باطلہ کے انجام بد کا بیان

۹۵- ﴿وَحَرٰمٌ﴾ [اور یہ حفص اور خلف کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''حِرْمٌ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں جیسے وزن کے اعتبار سے ''حِلٌّ'' اور ''حَلَالٌ'' ہے] اور یہ معنی کے اعتبار سے حرام کی ضد ہیں اور حرام سے وہ چیز مراد ہے' جس کا وجود ممتنع ہو یعنی محال ہو ﴿عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ اس بستی کے لوگوں پر' جن کو ہم نے ہلاک کر دیا بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے اور معنی یہ ہے کہ جن کو ہلاک کر دیا گیا ہے ان کے لیے ممنوع و محال اور ناممکن ہے کہ وہ روزِ حشر قبروں سے اٹھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس لوٹیں یا جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ان پر حرام ہے یعنی جن کی ہلاکت ہم نے تقدیر میں مقرر کر رکھی ہے یا جن کی ہلاکت کا ہم نے فیصلہ کر رکھا ہے وہ یقیناً کفر

سے اسلام کی طرف نہیں لوٹیں گے اور یہی سابقہ آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ نیک عمل اور مقبول محنت و کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔

۹۶- ﴿حَتّٰۤى﴾ [یہ وہ حرف ہے جس کے بعد کلام کے آغاز کو بیان کیا جاتا ہے اور جو کلام بیان کیا جاتا ہے وہ شرط اور جزاء سے مرکب جملہ ہوتا ہے' میری مراد ''اِذَا'' ہے اور جو اس کے محل میں آتا ہے] ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے یعنی ان دونوں قوموں کے سامنے بطور آڑ بنائی گئی دیوار جب کھول دی جائے گی [اصل میں ''سَدُّ یاجوج و ماجوج'' ہے' پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''قَرْیَة'' کے مضاف ''اَھْل'' کو حذف کر دیا گیا ہے' نیز ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فُتِّحَتْ'' (''تا'' مشدد کے ساتھ) ہے] اور یاد رہے کہ یاجوج اور ماجوج انسانوں کی جنس سے دو قبیلے ہیں' کہا جاتا ہے کہ انسانوں کے دس حصے ہیں' ان میں سے نو حصے یاجوج اور ماجوج کے ہیں ﴿وَهُمْ﴾ یہ ضمیر ان انسانوں کی طرف راجع ہے' جن کو میدانِ محشر کی طرف لے جایا جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ وہ یاجوج اور ماجوج ہیں کہ جب دیوار کھول دی جائے گی تو یہ باہر نکل آئیں گے ﴿مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ﴾ زمین کے ہر ٹیلے سے یعنی ہر بلند جگہ سے ﴿یَّنْسِلُوْنَ﴾ بہت تیزی سے اتریں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا تو اچانک کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی' (اس وقت وہ کہیں گے:) ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم اس سے غفلت ہی میں رہے تھے بلکہ ہم ظالم تھے ○ بے شک تم اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو' تم اس میں داخل ہونے والے ہو ○ اگر یہ برحق معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے' اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اس میں ان کی چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے ○ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے' وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ○ وہ اس کی ہلکی سی آواز بھی نہیں سنیں گے' اور وہ انہیں نعمتوں میں ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے' جن کو ان کے دل پسند کریں گے ○

۹۷- ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا یعنی قیامت ﴿فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پس اچانک کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی [یہ جملہ سابق آیت میں حرف شرط ''اِذَا'' کا جواب ہے اور اس آیت میں ''اِذَا'' مفاجاتیہ ہے' جس کا معنی ہے: اچانک اور یہ جزاء میں آتا ہے اور ''فَا'' جزائیہ کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ'' (الروم:۳۶) ''جب وہ اچانک ناامید ہو جائیں گے''۔ پھر جب ''اِذَا'' مفاجاتیہ کے ساتھ ''فَا'' آ جائے تو وہ دونوں شرط کے ساتھ جزا کے اتصال پر تعاون کرتے ہیں' پس یہ اتصال مؤکد ہو جاتا ہے اور اگر ''اِذَا''

کے بغیر ''فَھِیَ شَاخِصَۃٌ'' کہا جاتا یا ''فَا'' کے بغیر ''اِذَا ھِیَ شَاخِصَۃٌ'' کہا جاتا تو پھر بھی کلام درست اور صحیح ہوتا اور ''ھِیَ'' مبہم ضمیر ہے' اس کی وضاحت ''اَلْاَبْصَارُ'' کر رہا ہے اور اس کی تفسیر درج ذیل قول کر رہا ہے: [﴿ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ﴾ یعنی قیامت کے برپا ہونے پر کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور ان کی پلکیں اوپر کی طرف اٹھ جائیں گی اور قیامت کی ہولناکی پر حیرانگی کی وجہ سے جھپکیں گی نہیں ﴿ یٰوَیْلَنَا ﴾ [ یہ فعلِ محذوف کے متعلق ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''یَقُوْلُوْنَ یَاوَیْلَنَا '' اور ''یَقُوْلُوْنَ'' حال واقع ہو رہا ہے ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' سے ] یعنی کفار اس وقت کہیں گے: ہائے ہماری بدنصیبی! ﴿ قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا ﴾ بے شک ہم اس قیامت کے دن سے غفلت و بے خبری میں رہے تھے ﴿ بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴾ بلکہ ہم خود ظالم تھے کہ ہم نے عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھا ( کہ عبادت کے مستحق اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر مستحق بتوں کی عبادت کرتے رہے )۔

۹۸- ﴿ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ ﴾ بے شک خود تم اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو' سب دوزخ کا ایندھن ہو یعنی تمہارے بت اور شیطان اور اس کے دیگر معاونین کیونکہ کفار انہیں کی اطاعت و فرماں برداری کرتے تھے اور کفار کا شیطانوں وغیرہ کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے ان کی پیروی کرنا' ان کی عبادت کرنے کے حکم میں ہے اور ''حصب'' بہ معنیٰ ''حطب'' ہے یعنی آگ میں جلانے کی لکڑیاں جسے ایندھن کہتے ہیں اور ( حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ) ''حَطَبُ جَھَنَّمَ'' پڑھا گیا ہے ﴿ اَنْتُمْ لَھَا وٰرِدُوْنَ ﴾ تم اس میں ضرور داخل ہونے والے ہو۔

۹۹- ﴿ لَوْ کَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَۃً ﴾ اگر یہ بت برحق معبود ہوتے جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو ﴿ مَّا وَرَدُوْھَا ﴾ وہ اس دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوتے ﴿ وَکُلٌّ ﴾ اور سب یعنی عبادت کرنے والے کفار اور وہ بت جن کی عبادت کی گئی سب کے سب ﴿ فِیْھَا ﴾ اس میں یعنی دوزخ کی آگ میں ﴿ خٰلِدُوْنَ ﴾ ہمیشہ رہیں گے۔

۱۰۰- ﴿ لَھُمْ ﴾ ان کے لیے ( یعنی ) کفار کے لیے ﴿ فِیْھَا زَفِیْرٌ ﴾ اس میں رونا' چلانا' دھاڑیں مارنا اور چیخ و پکار کرنا ہوگا ﴿ وَّھُمْ فِیْھَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بہرے ہو جائیں گے اور سماع میں ایک قسم کا انس ہوتا ہے' جو انہیں عطا نہیں کیا جائے گا۔

## نیک مسلمانوں کے نیک انجام کا بیان

۱۰۱- ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی ﴾ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیک وعدہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ ''حُسْنٰی'' کا معنی ہے: بہترین نیکی۔ یہ ''اَحْسَنُ'' کی تانیث ہے اور اس سے سعادت و نیک بختی یا اجر و ثواب کی بشارت یا اطاعت و فرماں برداری کی توفیق مراد ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارک ابن زبعری کے قول کے جواب میں نازل ہوئی تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کے سرداروں کے سامنے ''اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' (سے) خَالِدُوْنَ'' تک تلاوت فرمائی تو ابن زبعری نے کہا کہ کیا یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور قبیلہ بنو ملیح نے فرشتوں کی عبادت نہیں کی؟ حالانکہ یہ ارشاد ''وَمَا تَعْبُدُوْنَ'' ان حضرات کو شامل نہیں ہے کیونکہ اس میں ''مَا'' غیر عاقل کے لیے آتا ہے (جب کہ مذکورہ بالا حضرات عاقل ہیں) مگر چونکہ اہل مکہ بغض و عناد رکھنے والے تھے اس لیے جواب کے بیان میں ﴿ اُولٰٓئِکَ ﴾ زیادہ کیا گیا ہے یعنی یہ حضرت عزیر علیہ السلام' حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتوں کو ﴿ عَنْھَا ﴾ اس سے یعنی دوزخ سے ﴿ مُبْعَدُوْنَ ﴾ دور رکھا جائے گا کیونکہ یہ حضرات ان کی عبادت سے راضی نہیں تھے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ''اِنَّ

اَلَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ''میں تمام مسلمان مراد ہیں' اس لیے کہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی' پھر فرمایا: میں' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان بن عوف (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) انہیں میں سے ہیں' اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے جن لوگوں کے لیے ازل میں عنایت الٰہی سبقت کر چکی ہے' انہیں لوگوں کے لیے دنیا میں ولایت کا ظہور ہوگا۔

۱۰۲۔ ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا﴾ وہ لوگ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ ''حسیس'' ہر وہ آواز جو صرف محسوس ہو سکے اور ہر وہ حرکت جو آگ کو بھڑکا دے اور یہ دوزخ سے دور رکھنے کے لیے مبالغہ ہے یعنی یہ نیک حضرات دوزخ کے قریب بالکل نہیں جائیں گے بلکہ اس سے اتنا دور ہوں گے کہ وہ نہ اس کی آواز سن سکیں گے اور نہ دوزخ میں جلنے والوں کی چیخ و پکار سن سکیں گے ﴿وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے' جن کی ان کے دل خواہش کریں گے اور شہوت کا معنی ہے: نفس کا کسی لذیذ و مزہ دار چیز کی خواہش کرنا۔

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی اور ان سے فرشتے ملاقات کریں گے' (اور کہیں گے:) یہ تمہارا وہی دن ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا O اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے' جس طرح فرشتے اعمال نامہ کو لپیٹ لیتے ہیں' جس طرح ہم نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے' یہ ہمارا لازمی وعدہ ہے' بے شک ہم اسے ضرور پورا کریں گے O اور بے شک ہم نے نصیحت کرنے کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے O بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزار لوگوں کے لیے کفایت ہے O اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے O

۱۰۳۔ ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی۔ یہاں بڑی گھبراہٹ سے نفخۂ اخیرہ مراد ہے یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا' جس سے گھبرا کر تمام لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر کھڑے ہو جائیں گے ﴿وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ﴾ اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے یعنی فرشتے جنت کے دروازے پر خوش و خرم ہو کر خوش آمدید' مرحبا اور جی آیاں نوں کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے' نیز وہ کہیں گے: ﴿هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ تمہارا وہ دن ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی یہ تمہارے اجر و ثواب کا وقت ہے' جس کا تمہارے پروردگار نے تم سے دنیا میں وعدہ فرمایا تھا۔

۱۰۴-﴿ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ ﴾ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے' آسمانوں کو لپیٹنے کا مطلب ہے: اس کے ستاروں کو لپیٹنا اوران کے نشانات کو مٹا دینا اور یہ ''نشر'' کی ضد ہے یعنی ہم اس کو جمع کرلیں گے اور ہم اس کو لپیٹ لیں گے [اس کا عامل ''لَا یَحْزُنُهُمْ'' ہے یا پھر ''تَتَلَقّٰهُمْ'' اس کا عامل ہے اور یزید کی قراءت میں ''تُطْوَی السَّمَآءُ'' ہے] ﴿ کَطَیِّ السِّجِلِّ ﴾ یعنی جیسے صحیفہ کو لپیٹا جاتا ہے ﴿ لِلْكُتُبِ ﴾ یعنی مکتوبات یعنی ان معانی کثیرہ کے لیے جو صحیفوں میں لکھے گئے ہیں [یہ حمزہ' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''لِلْكِتَابِ'' ہے] یعنی جس طرح طومار تحریر کے لیے لپیٹا جاتا ہے یا اس کے لیے جو اس میں لکھا جاتا ہے اور بعض نے فرمایا' ''السجل'' فرشتہ ہے جو بنی آدم کے اعمال کے صحیفے لپیٹ لیتا ہے جب وہ ان کو اوپر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''سجل'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کاتب کا نام ہے اور ''کتاب'' سے یہی صحیفہ مراد ہے' جس میں لکھا جاتا ہے [اور ''طَیّ'' فاعل کی طرف مضاف ہے اور پہلے معنی پر مفعول کی طرف مضاف ہے] ﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ﴾ جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے [کافِ تشبیہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر بعد والا فعل ''نُعِیْدُهٗ'' کر رہا ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی جس طرح ہم نے انسان کو پہلے پیدا کیا ہے' اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے [اور ''اَوَّلَ خَلْقٍ''، ''بَدَاْنَا'' کے لیے ظرف ہے یعنی پہلی دفعہ ہم نے اس کو پیدا کیا ہے یا یہ موصول کی ضمیر سے حال ہے جو تلفظ میں ساقط ہے معنی میں ثابت ہے اور ''اَوَّلَ الْخَلْقِ'' سے مراد اس کی پہلی ایجاد ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی مرتبہ اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا' اسی طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ پہلی تخلیق پر قیاس کر کے دوبارہ تخلیق کو تشبیہ دی گئی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ قدرتِ الٰہی دونوں کو برابر شامل ہے اور ''خلق'' کے نکرہ ہونے کی مثال تمہارے اس قول میں ہے کہ ''هُوَ اَوَّلُ رَجُلٍ جَآءَنِیْ'' اس سے تمہاری مراد ''اَوَّلُ رِجَالٍ'' ہو لیکن اس کو نکرہ اور واحد لانے سے تمہاری مراد یہ ہو کہ تمام مردوں کو فرداً فرداً تفصیل کے ساتھ مراد لیا جا سکے' پس ''اَوَّلُ خَلْقٍ'' کا معنی بھی اسی طرح ہے اور یہ ''اَوَّلُ الْخَلَائِقِ'' کے معنی میں ہے کیونکہ ''الخلق'' مصدر ہے' اس کی جمع نہیں آتی] ﴿ وَعْدًا ﴾ [مصدر ہے' تاکید کے لیے ہے] کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''نُعِیْدُهٗ'' دوبارہ تخلیق کے لیے وعدہ ہے ﴿ عَلَیْنَا ﴾ یعنی یہ وعدہ پورا کرنا ہم پر لازم ہے' ہر حال میں لامحالہ پورا ہو کر رہے گا ﴿ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴾ بے شک ہم اسے ضرور پورا کریں گے یعنی ہم اس وعدہ کو ثابت کر کے رہیں گے' سو تم اس کے لیے تیاری کرو اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے نیک اعمال آگے بھیجو۔

۱۰۵-﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور شریف میں لکھ دیا ہے ﴿ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ ﴾ تورات شریف کے بعد ﴿ اَنَّ الْاَرْضَ ﴾ یعنی سرزمین شام ﴿ یَرِثُهَا عِبَادِیَ ﴾ اس کے وارث میرے بندے ہوں گے [حمزہ کی قراءت میں ''یَا'' ساکنہ ہے' اس کے علاوہ کی قراءت میں ''یَا'' مفتوح ہے] ﴿ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ نیک بندے یعنی امتِ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ''زبور'' بہ معنی ''مزبور'' ہے یعنی مکتوب اور لکھا ہوا یعنی جو کتابیں انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کی گئیں اور ''الذکر'' سے ''اُمُّ الكتاب'' یعنی لوحِ محفوظ مراد ہے' اس لیے کہ ہر کوئی اسی سے لیتا ہے [اس کی دلیل حمزہ اور خلف کی قراءت ہے' جس میں ''زَا'' پر ضمہ ہے۔ ''زُبُر'' کی جمع ہے بہ معنی ''مزبور'' اور ''الْاَرْضَ'' سے جنت کی زمین مراد ہے]۔

۱۰۶-﴿ اِنَّ فِیْ هٰذَا ﴾ بے شک اس میں یعنی قرآن مجید میں یا جو کچھ اس سورت میں مذکور ہوا جیسے ماضی کے

حالات وخبریں اور وعدہ وعید اور مواعظِ حسنہ ﴿ لَبَلٰغًا ﴾ کفایت ہے اصل میں جس چیز کے ذریعے مطلوب تک رسائی حاصل کی جائے ﴿ لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴾ عبادت گزار و توحید پرست قوم کے لیے اور وہ سرورِ کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی امت ہے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت' اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا بیان

۱۰۷- ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً ﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سراپا پیکرِ رحمت بنا کر[1] حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: بے شک صرف میں (تمام مخلوقات میں تمام جہانوں کے لیے) سراپا رحمت و ہدایت ہوں[2] ﴿ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ تمام جہانوں کے لیے' اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی تعلیمات لے کر آئے ہیں' جو لوگوں کو سعادتِ دارین عطا کرتی ہیں اگر وہ آپ کی اتباع کر لیں اور جس نے آپ کی اتباع نہیں کی تو اس نے اپنے آپ کو خود محروم رکھا کیونکہ اس نے آپ کی

---

۱ علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضور سیّد عالم فخرِ آدم و بنی آدم ﷺ کا تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات کے لیے ان کی صلاحیت کے مطابق فیضِ الٰہی کا واسطہ اور ذریعہ ہیں اور اس لیے آپ کا نور اول مخلوقات ہے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں' اور علامہ ابن القیم کی کتاب "مفتاح السعادۃ" میں لکھا ہے کہ اگر نبی اور پیغمبر نہ ہوتے تو جہان میں کوئی علم کسی کو بالکل نفع نہ دیتا اور نہ کوئی نیک عمل ہوتا اور نہ کوئی روزی حاصل کرنے کا جائز طریقہ ہوتا اور نہ کسی حکومت کا قیام ہوتا اور تمام لوگ جانوروں اور درندوں اور حملہ آور کتوں کی طرح ہوتے' جو ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور تمام عالم میں ہر نیکی اور بھلائی نبوت کی تعلیمات کی وجہ سے ہے اور ہر قسم کی بدی اور بُرائی نبوت کی تعلیمات سے دوری اور اس سے بے علمی کے سبب ہے' پس یہ جہاں جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اور جسم بغیر روح کے قائم نہیں رہتا اور اس لیے جب اس جہاں سے آفتابِ نبوت کا فیضان بند ہو جائے گا اور اس کی تعلیمات روئے زمین پر باقی نہیں رہیں گی تو آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور چاند بے نور ہو جائے گا اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا جائے گا اور زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور روئے زمین پر رہنے والے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں گے' نیز چند سطور بعد لکھتے ہیں کہ میرا مذہب یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں میں سے ہر ہر فرد کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کی یہ رحمت فرشتوں' انسانوں' جنوں اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہے اور اس کے چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں کہ عالمین کے عموم سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی رحمت کفار کو بھی شامل ہے جیسا کہ امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے خلاف دعاءِ ضرر فرمائیں' حضور نے فرمایا: "اِنِّیۡ لَمۡ اُبۡعَثۡ لَعَّانًا وَّاِنَّمَا بُعِثۡتُ رَحۡمَةً" بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو بلا شبہ صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۷ ص ۱۰۵-۱۰۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ مشائخ کرام نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کی رحمت مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہے بلکہ تمام موجودات کے ہر قطرہ کو محیط ہے' وہ عوالم غیبیہ ہوں یا شہادت علمیہ ہوں یا عینیہ وجودیہ ہوں یا شہودیہ' سابقہ ہوں یا لاحقہ ہوں' اسی طرح وہ عوالم ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول ہوں' وہ عوالم ارواح ہوں یا اجسام ہوں غرضیکہ خدا تعالیٰ کی خدائی کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کے لیے ہمارے حضور نبی کریم ﷺ رحمت نہ ہوں۔
(تفسیر روح البیان مترجم' پارہ:۱۷' ص۱۸۹)

۲ رواہ ابن سعد والحکیم الترمذی عن ابی صالح مرسلاً (کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۹۵)

رحمت سے اپنا حصہ وصول کرنے کی بجائے اسے ضائع کر دیا اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ مؤمنوں کے لیے تو دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور کافروں کے لیے صرف دنیا میں رحمت ہیں کیونکہ آپ کی رحمت کے سبب دنیا میں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والے ہلاکت خیز عذاب سے زمین میں دھنسا دینے والے عذاب اور شکلوں کو بگاڑنے والے عذاب سے بچالیا گیا ہے[1] [''رَحْمَةً'' مفعول لہ ہے یا حال ہے یعنی ''ذَا رَحْمَةٍ'' رحمت فرمانے والے]۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۹

فرما دیجئے کہ بے شک میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے تو کیا تم تسلیم کرتے ہو○ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں برابر اطلاع دے دی ہے اور میں اپنے قیاس سے نہیں جانتا' آیا نزدیک ہے یا دور ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے○ بے شک وہ بلند بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اس کو بھی جانتا ہے○ اور میں اپنے قیاس سے نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو○ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے' ہمارا پروردگار رحمٰن ہے' جس سے ان تمام باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے○

۱۰۸- ﴿قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک صرف میری طرف وحی کی جاتی ہے [''اِنَّمَا'' کبھی حکم کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے آتا ہے اور کبھی کسی چیز کو حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے آتا ہے جیسے ''اِنَّمَا زَيْدٌ قَآئِمٌ'' اور ''اِنَّمَا يَقُوْمُ زَيْدٌ'' اور ''يُوْحٰى اِلَيَّ'' کا فاعل ﴿اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ہے] (یعنی) بے شک تمہارا معبود برحق صرف ایک معبود ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''يُوْحٰى اِلَيَّ وَحْدَانِيَّةُ الْاِلٰهِ'' یعنی میری طرف میرے معبودِ برحق کی وحدانیت اور اس کی توحید کی وحی کی جاتی ہے اور یہ جائز ہے کہ یہ معنیٰ ہو: ''اِنَّ الَّذِيْ يُوْحٰى اِلَيَّ'' بے شک میری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے [سو اس صورت میں ''مَا'' موصولہ ہوگا] ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے [یہ جملہ استفہامیہ فعل امر کے معنیٰ میں ہے' یعنی پس تم اسلام قبول کرلو]۔

۱۰۹- ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ سو اگر وہ اسلام سے روگردانی کریں اور اس سے منہ پھیر لیں ﴿فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ﴾ تو اے محبوب! اعلان فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے اور جس کا مجھے حکم دیا گیا تھا میں نے اس کی واضح اطلاع تمہیں دے

1 جیسا کہ سیّد المفسرین حضرت ابن عباس سے مروی ہے' ملاحظہ ہو (تفسیر روح المعانی بہ حوالہ طبرانی و بیہقی جزء ۱۷ ص ۱۰۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۹۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر ابن کثیر مترجم بہ حوالہ ابن جریر ج ۳' پارہ: ۱۷' ص ۴۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

دی ہے ﴿عَلٰی سَوَآءٍ﴾ [ یہ حال ہے ] یعنی میں نے تم سب کو اس کی برابر اطلاع دے دی ہے اور یہ نہیں کیا کہ تم میں سے بعض کو میں نے مخصوص کر لیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو اور یہ فرقہ باطنیہ کے مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے ﴿وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور میں محض اپنے عقل و قیاس سے نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی میں یہ نہیں جانتا کہ قیامت کا دن کب (اور کس سنہ میں) ہوگا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مطلع نہیں فرمایا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ قیامت ضرور واقع ہوگی[1] یا میں یہ نہیں جانتا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر کب عذاب نازل ہو گا۔

۱۱۰- ﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ بے شک وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) بلند آواز والی بات کو بھی جانتا

---

1 یعنی قیامت کا وقوع اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے' جس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے' کسی اندازہ' تخمینہ' اٹکل' قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی' ہاں! اللہ تعالیٰ ہی کسی کو بتائے تو وہ قادر ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو قیامت کا علم بھی عطا فرما دیا ہے' اس لیے حضور انور نے قیامت کی ساری علامتیں بیان فرما دیں۔ قیامت کا دن' تاریخ' مہینہ بتا دیا کہ جمعہ کے دن محرم کے مہینے دسویں تاریخ کو قائم ہوگی۔ ہاں! سنہ نہ بتایا کہ صیغۂ راز میں رہے۔ (مرآت شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۳۴۳)

(۱) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طویل ارشاد روایت کیا ہے' جس کے آخر میں آپ نے فرمایا: ''یَوْمُ القیامۃ یوم عاشورآء'' ہے (یعنی قیامت کا دن محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو ہوگا)۔
(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۴۳' ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے' وہ جمعہ کا دن ہے' جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح مسلم الجمعۃ: ۱۸۔ ۸۵۴۔ ۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

(۳) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا' پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی ساعت میں عجلت سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔
(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرما دیں اور ان تین حدیثوں میں یہ بھی بتا دیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخرت ساعت میں قیامت واقع ہوگی۔ مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتا دیا' صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا اچانک آنا قائم نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا' کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے: ''لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً'' (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں مصدق تھے' اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔
(ماخوذ من تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۴۶۔ ۴۴۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' ۳۸ اُردو بازار' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو تم اسلام کے خلاف لوگوں کے سامنے بلند آواز سے زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور جو تم اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہو اور وہ اسے بھی خوب جانتا ہے جو تم اپنے دلوں میں حسد بغض کینہ اور نفرت کو چھپا کر رکھتے ہو اور وہ تمہیں اس پر ضرور سزا دے گا۔

۱۱۱- ﴿وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ﴾ اور میں محض عقل و قیاس سے نہیں جانتا (بلکہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ وحی کے ذریعے جانتا ہوں) ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش ہو (یعنی) میں محض قیاس و گمان کی بناء پر نہیں جانتا ممکن ہے دنیا میں تم سے عذاب کی تاخیر تمہارے لیے بہت بڑا امتحان ہو تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا مقصود ہو (یعنی) تمہیں تمہارے مرنے تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو تا کہ یہ مہلت تمہارے خلاف حجت و برہان بن جائے۔

۱۱۲- ﴿قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے (یعنی) اے میرے پروردگار! تو ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان انصاف کا فیصلہ فرما یا یہ معنی ہے کہ ایسا فیصلہ فرما جس سے ان پر عذاب واجب ہو جائے اور تو ان سے محبت و شفقت نہ فرما اور ان پر سختی فرما جیسا کہ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تھا کہ اے میرے رب! تو قبیلہ مضر کے لوگوں پر اپنی گرفت سخت فرما ﴿قٰلَ رَبِّ﴾ حضور نبی کریم ﷺ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار [یہ امام حفص کی قراءت ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے قول کی حکایت مقصود ہے جب کہ یزید کی قراءت میں ''رَبُّ احْكُمُ'' (''با'' مضموم ہے) زید اور یعقوب کی قراءت میں ''رَبِّیْ اَحْكَمُ'' ہے (یا ساکنہ اور ''اَحْكَمُ'' اسم تفضیل ہے) میرا رب زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے] ﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ﴾ اور ہمارا پروردگار رحمان ہے جو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے ﴿الْمُسْتَعَانُ﴾ (تمام چھوٹے بڑے اُمور میں حقیقی) مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز حضور نے اپنے بارے میں درایت کی نفی فرمائی ہے علم کی نفی نہیں فرمائی کیونکہ اسی سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد ہے: ''اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ'' لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت (یعنی قیامت کا وقوع) قریب آ گیا ہے نیز اسی سورت کی ستانویں آیت مبارکہ میں ارشاد ہے: ''وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ'' اور سچا وعدہ (یعنی قیامت کا وقوع) قریب آ گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا ہے کہ میں اور قیامت پہلی اور دوسری انگلی کی طرح ملے ہوئے ہیں۔ ان مذکورہ بالا آیات اور حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کا وقوع قریب ہے تو پھر بھلا حضور سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم حاصل تھا اس لیے تو حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بے خدا کے بتائے یعنی یہ بات عقل و قیاس سے جاننے کی نہیں ہے یہاں درایت کی نفی فرمائی گئی ہے۔ درایت کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو جیسا کہ ''مفرداتِ امام راغب'' اور ''ردالمختار'' میں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے واسطے لفظ درایت استعمال نہیں کیا جاتا اور قرآن کریم کے اطلاقات اس پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ''مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ'' لہٰذا یہاں بے تعلیم الٰہی محض اپنے عقل و قیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی اور مطلق علم کی نفی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اسی رکوع کے اوّل میں آ چکا ہے: ''وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ'' یعنی قریب آیا سچا وعدہ تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وعدے کا قرب و بعد کسی طرح معلوم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عقل و قیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ تعلیمِ الٰہی سے جاننے کی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۵۹۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

﴿عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾ اس پر جو تم بیان کرتے ہو‘ اور ابن ذکوان سے ”یا“ کے ساتھ ”عَلٰی مَا یَصِفُوْنَ“ ہے یعنی کفارِ مکہ خلافِ واقع حال بیان کرتے تھے اور وہ یہ تمنا اور آرزو رکھتے تھے کہ شان و شوکت‘ فتح و نصرت اور غلبہ انہیں کو حاصل ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے گمانوں کو جھوٹا کر دیا اور ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کو ناکام بنا دیا اور ان کی دلوں کی خواہشات کو ملیامیٹ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی اور مسلمانوں کی مدد فرما کر ان کو شان و شوکت‘ فتح و نصرت اور غلبہ نصیب فرمایا اور ان کو یعنی کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا اور اسی (خدا ہی) سے مدد طلب کی جاتی ہے‘ کفار کی ان ہرزہ سرائیوں پر جو وہ مسلمانوں کے خلاف بیان کرتے ہیں۔

| (۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتها ۱۰ |
|---|---|---|
| سورۃ الحج مدنی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی اٹھتر آیات‘ دس رکوع ہیں |

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِيْمٌ ۝١ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ
كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى
وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝٢ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی
اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو‘ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے○ جس دن تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پینے والے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو نشے میں بے ہوش دیکھو گے حالانکہ وہ بے ہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہوگا○ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں‘ جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے علمی سے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں○ جس کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ بے شک جو شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً اسے گمراہ کر دے گا اور وہ اسے دوزخ کے عذاب کی طرف راہ دکھلائے گا○

## خوفِ خدا‘ قیامت کی سختی اور بے علم جھگڑالو انسان کا بیان

۱- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تقویٰ کے وجوب کے لیے قیامت کے ذکر کو بطورِ علت بیان کیا اور اس کی ایک ہولناک صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے تاکہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے اس صفت کی طرف غور و فکر سے دیکھیں اور اس کا اپنی عقلوں میں تصور کریں اور سوچیں‘ یہاں تک کہ وہ اپنی جانوں کے لیے باقی رہ جائیں اور وہ اس دن کی سختیوں کی وجہ سے اپنی جانوں پر رحم کریں اور ہلاکت سے بچنے کے لیے ان کے رب تعالیٰ نے جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے‘ ان کو بجا لا کر

تقویٰ کا لباس پہن لیں' جو انہیں قیامت کی سختیوں اور گھبراہٹوں سے محفوظ و مامون رکھے اور زلزلہ کہتے ہیں: زوردار حرکت اور سخت ترین جھٹکے کو| اور زلزلے کی ''السـاعـة'' کی اضافت مصدر کی اپنے فاعل کی اضافت ہے گویا وہ زمین کو ہلادے گا اور یہ مجازی حکم ہے یا ظرف کی طرف اضافت ہے کیونکہ زلزلہ اسی میں ہوگا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سبا:۳۳)'' بلکہ رات اور دن کی فریب کاریاں ہیں''۔ |اور زلزلے کا وقت قیامت کے دن ہوگا یا مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہونے کے وقت ہوگا اور اس میں معتزلہ کے لیے معدوم شیٔ کا نام رکھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ نام اس کے پائے جانے کے وقت ہوگا۔

۲۔﴿ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ﴾ تم اس دن اسے یعنی زلزلہ کو یا قیامت کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی غافل ہوجائے گی اور ''تَـذْهَلُ'' بہ معنی ''تَـغْفُلُ'' (غافل ہوجائے گی) ہے کیونکہ ''ذهول'' کا معنی غفلت ہے ﴿ عَمَّآ أَرْضَعَتْ ﴾ اپنے دودھ پلانے سے یا جس کو دودھ پلاتی ہوگی' اس سے غافل ہوجائے گی اور وہ دودھ پیتا بچہ ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''مُرْضِعَةٌ'' دلالت کرتا ہے کہ یہ غفلت اس وقت پیدا ہوگی جب دودھ پینے والا بچہ اپنی ماں کے پستان کو منہ میں لیے ہوگا لیکن جب عورت کو دہشت لاحق ہوگی تو وہ بچے کے منہ سے پستان چھین لے گی کیونکہ دودھ پلانے والی وہ عورت ہوتی ہے' جو حالتِ رضاعت میں اپنا پستان بچے کے منہ میں دے دے اور دودھ پینے والے بچے کی شان یہ ہے کہ وہ دودھ پیتا بچہ ہو' اگرچہ مذکورہ وصف کی حالت میں دودھ نہ پی رہا ہو ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ﴾ اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی یعنی ہر حاملہ اور گابھن اپنا ناتمام اور ناقص بچہ گرادے گی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہر دودھ پلانے والی ماں دودھ چھڑائے بغیر اور مدت رضاعت پوری کیے بغیر اپنے بچے سے غافل و بے خبر ہوجائے گی اور حاملہ عورت مدت حمل پوری کیے بغیر اپنے پیٹ میں پلنے والے بچے کو گرادے گی ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى ﴾ اور اے دیکھنے والے! تو لوگوں کو نشے میں مست دیکھے گا۔ یہ بطور تشبیہ بیان ہوا ہے کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کی وسعت اور زبردست قدرت و طاقت کی شہنشاہیت اور کبریائی و بڑھائی کے شامیانے دیکھیں گے تو وہ دہشت زدہ اور حیران و مست ہوجائیں گے یہاں تک کہ ہر پیغمبر ''نفسی نفسی'' پکارے گا ﴿ وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴾ اور وہ حقیقت میں بے ہوش و مست نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہوگا' پس اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر ہی ان کی عقلوں کو لے جائے گا اور ان کو اس شخص کی حالت کی طرف لوٹا دے گا' جس کی عقل کو نشہ نے زائل کردیا ہو اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ خوفِ الٰہی کی وجہ سے تم لوگوں کو بے ہوش دیکھو گے' لیکن وہ شراب کی وجہ سے بے ہوش نہیں ہوں گے۔ شانِ نزول میں ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں غزوۂ بنی مصطلق میں رات کے وقت نازل ہوئی تھیں اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو پڑھ کر سنایا اور ہم نے آپ کو اس رات سے زیادہ رونے والا کبھی نہیں دیکھا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ امالہ کے ساتھ ''سَكْرَىٰ'' ہے اور یہ ''عطشان'' میں ''عطشی'' کی طرح ہے]۔

۳۔﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں بے علمی سے جھگڑا کرتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور وہ بہت جھگڑالو شخص تھا اور جھگڑتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہے اور جو اجسام اور ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی'

ان کے زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یا یہ ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو اپنی خواہش سے دینِ الٰہی کے بارے میں جھگڑتا رہتا ہے ﴿وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ اور وہ اس جھگڑے میں ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے اور ہمیشہ شرارت و برائی میں نافرمان رہتا ہے [''بغیر علم''، ''یجادل'' سے حال ہے نیز ''مَرِيْد'' پر وقف نہیں ہے کیونکہ اس کا مابعد اس کی صفت ہے]۔

٤- ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ اس پر لکھ دیا گیا ہے (یعنی) شیطان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جا چکا ہے ﴿اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو شخص اس سے دوستی کرے گا اور اس کی پیروی کرے گا یعنی جو شخص شیطان کی پیروی کرے گا [''اَنَّهٗ''، ''كُتِبَ'' کا فاعل ہے] ﴿فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ﴾ تو بے شک وہ شیطان اس کو سیدھے راستے سے بہکا دے گا ﴿وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اور شیطان دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا [علامہ زجاج نے کہا کہ ''فَاَنَّهٗ'' میں حرف ''فَا'' عطف کے لیے ہے اور ''اَنَّ'' کو تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور علامہ ابوعلی نے اس کی تردید کی اور کہا کہ لفظ ''مَنْ'' اگر شرط کے لیے ہو تو حرف ''فَا'' شرط کی جزاء کے لیے ہوگا اور اگر ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہو تو پھر حرف ''فَا'' مبتدا کی خبر پر داخل ہوگا اور کہا کہ عطف اور تاکید اوّل کے تمام ہونے کے بعد ہوتے ہیں] اور معنی یہ ہے کہ شیطان پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اس کی دوزخ کی آگ کی طرف رہنمائی کرے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٥

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد (قیامت میں) اٹھائے جانے کے بارے میں شک میں ہو تو (غور کرو) بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے پوری خلقت والا اور نامکمل خلقت والا تاکہ ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں تم پر ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں رحموں میں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں' پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر باہر نکالتے ہیں تاکہ تم پھر اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ' اور تم میں سے بعض کو وفات دے دی جاتی ہے اور تم میں سے بعض کو ناکارہ ترین (انتہائی بڑھاپے کی) عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے' اور تم زمین کو خشک و مردہ دیکھتے ہو' پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر حرکت کرنے لگتی ہے اور اُبھرتی ہے اور ہر قسم کے خوبصورت سبزے اُگاتی ہے○

## انسانی تخلیق کے مراحل اور مرنے کے بعد قیامت میں اٹھائے جانے کا بیان

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر کے منکروں پر حجت لازم وثابت کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ ﴾ اے لوگو! اگر مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے بارے میں تمہیں شک ہے یعنی اگر تمہیں حشر ونشر کے متعلق شک ہے تو تمہارے شک وشبہ کو زائل کرنے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ تم اپنی پیدائش کی ابتداء میں غور وفکر کرو کیونکہ تم پہلے شروع میں مٹی اور پانی تھے اور حشر ونشر سے تمہارے انکار کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور وہ یہ کہ تمہاری تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی ہے ﴿ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ سو ہم نے تمہیں یعنی ہم نے تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ پھر تمہیں نطفہ سے پیدا کیا گیا ﴿ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ﴾ پھر جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے ﴿ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ ﴾ پھر چھوٹے گوشت کا لوتھڑا' جس کی مقدار اس قدر ہو کہ چبایا جا سکے ﴿ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ ''مخلقة'' کا معنی ہے: مکمل تخلیق جو نقصان اور عیب سے سلامت ہو' گویا اللہ عزوجل ''مضغة'' کی مختلف تخلیق فرماتا ہے' ان میں سے بعض کی خلقت کامل ہوتی ہے' وہ تمام عیبوں سے سلامت ہوتی ہے اور ان میں سے بعض کی اس کے برعکس نا تمام تخلیق ہوتی ہے' سو اس تفاوت وفرق کے بعد لوگ اپنی خلقت میں' اپنی صورت میں' قد کے دراز ہونے اور چھوٹے ہونے میں اور اپنے کامل و ناقص ہونے میں مختلف ہوتے ہیں اور بے شک ہم نے تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک خلقت سے دوسری خلقت کی طرف صرف اس لیے منتقل کیا ہے کہ ﴿ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ﴾ تاکہ ہم اس مرحلہ وار تدریجی تخلیق سے تم پر اپنی قدرت وحکمت کا کمال ظاہر کر دیں اور بے شک جو پہلی دفعہ انسان کی تخلیق پر پھر دوبارہ نطفے سے پیدا کرنے پر قادر ہے حالانکہ مٹی اور پانی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اور جو نطفے کو جما ہوا خون بنانے پر اور جمے ہوئے خون کو لوتھڑا بنانے پر اور لوتھڑے میں ہڈیاں بنانے پر قادر ہے وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ﴿ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور ہم جن بچوں کو صحیح سلامت اور ثابت وتمام رکھنا چاہتے ہیں' انہیں ہم ماؤں کے پیٹوں میں مقررہ مدت یعنی ولادت کے وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں اور ہم جن بچوں کو ثابت وصحیح سلامت نہیں رکھنا چاہتے' انہیں ان کی ماؤں کے رحم سے وقت سے پہلے گرا دیتے ہیں[ ''نُقِرُّ'' مفضل کے علاوہ جمہور کے نزدیک نون مضموم کے ساتھ ہے جب کہ مفضل کے نزدیک نون مفتوح اور قاف مضموم کے ساتھ ہے اور یہ وقف کے بعد جملہ مستأنفہ ہے یعنی مستقل الگ جملہ ہے' جس کا معنی ہے کہ ہم ثابت و قائم رکھتے ہیں] ﴿ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ پھر ہم تم میں سے ہر ایک بچے کو نکال لیتے ہیں[ ''طِفْلًا'' حال ہے] اس سے جنسِ طفل مراد ہے (جس سے ایک بچہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے' متعدد بچے بھی مراد لیے جا سکتے ہیں) سو اس لیے اس کو جمع نہیں لایا گیا یا پھر اس سے ''ثُمَّ نُخْرِجُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ'' مراد ہے یعنی پھر ہم تم میں سے ہر ایک بچے کو نکال لیتے ہیں ﴿ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ﴾ پھر ہم تمہاری تربیت کرتے رہتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور اپنی قوت وطاقت اور عقل ودانش کے کمال تک پہنچ جاؤ[ ''اَشُدَّ'' ان جمع کے الفاظ میں سے ہے' جن کا واحد استعمال نہیں ہوتا] ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى ﴾ اور تم میں سے بعض جوانی کی عمر کو پہنچ کر فوت ہو جاتے ہیں اور بعض جوانی کی عمر سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور بعض جوانی کے بعد بڑھاپے کی عمر کے قریب فوت ہو جاتے ہیں ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ اور تم میں سے بعض کو انتہائی بڑھاپے کی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ ''ارذل العمر'' کا معنی ہے: زندگی کا خسیس ترین زمانہ یعنی بڑھاپے کی عمر کا انتہائی کمزور ترین زمانہ اور ایسا زمانہ' جس میں بڑھاپے کے سبب عقل وفہم کی قوتیں بے کار و فاسد ہو جاتی ہیں اور یادداشت کی قوت جواب دے جاتی ہے ﴿ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ﴾ تاکہ وہ جاننے کے

بعد کچھ بھی نہ جانے یعنی تاکہ وہ بڑھاپے کے بعد کچھ بھی نہ جانے' جو اس سے پہلے جانتا تھا یا یہ کہ وہ علم سے استفادہ نہ کر سکے اور وہ سب کچھ بھول جائے جو پہلے جانتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر دوسری دلیل کا ذکر کیا اور فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً ﴾ اور تم زمین کو مردہ اور خشک دیکھو گے ﴿ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ ﴾ پھر جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ سبزے کے ساتھ متحرک ہو جاتی ہے ﴿ وَرَبَتْ ﴾ اور پھول جاتی ہے [یزید کی قراءت میں جیسے اصل میں تھی' ویسے ''رَبَاَتْ'' ہے] یعنی سبزہ اُگ کر بلند ہو جاتا ہے ﴿ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ ﴾ اور زمین ہر قسم کے خوبصورت سبزہ جات اور ہری بھری انگوریاں اگاتی ہے' جو اس کی طرف دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہیں ''زوج'' بہ معنی صنف اور قسم ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٦﴾ وَّاَنَّ
السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۙ ﴿٨﴾ ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ
سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّنُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿٩﴾ ذٰلِكَ بِمَا
قَدَّمَتْ یَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ع ﴿١٠﴾ ع ۱۰ ۸

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہےO اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کر کے ضرور اٹھائے گا جو قبروں میں ہیںO اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیںO اپنی گردن کو موڑنے والا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے' اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلانے والا عذاب چکھائیں گےO یہ اس کا صلہ ہے' جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیںO

٦- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ یعنی یہ جو ہم نے اولادِ آدم کی تخلیق اور زمین کو آباد کرنے کا ذکر کیا' نیز اس کے ساتھ کئی گنا زیادہ مختلف اقسام کی حکمتیں بیان کی ہیں ان سب سے یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے یعنی اس کا موجود ہونا ثابت ہے ﴿ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى ﴾ اور بے شک وہ مُردوں کو زندہ فرمائے گا جیسا کہ اس نے مردہ اور بنجر زمین کو زندہ کر دیا اور ہریالی سے تر و تازہ بنا دیا ﴿ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٧- ﴿ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾ اور بے شک قیامت آنے والی ہے' جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں اٹھائے گا' جو قبروں میں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے' وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور یقیناً اس نے قیامت اور حشر و نشر کا وعدہ کیا ہوا ہے' پس وہ لازمی طور پر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

٨- ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ ﴾ اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے' جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جھگڑا کرتا

ہےاور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات بیان کرتا ہے جو اس کے لائق نہیں ہیں۔
شانِ نزول: یہ آیتِ مبارکہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر جھگڑا کرتا ہے یعنی اس کے پاس نہ ضروری اور بدیہی علم ہے نہ فطری علم ہے ﴿وَّلَا هُدًى﴾ اور نہ اسے رشد و ہدایت حاصل ہے جس سے استدلال کرتا یعنی اس کے پاس استدلالی علم بھی نہیں جس کے ذریعے معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی حاصل کرتا ﴿وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور نہ اس کے پاس روشن کتاب ہے یعنی اس کے پاس وحی الٰہی کی تعلیم بھی نہیں ہے اور ہر انسان کو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ ﴿ثَانِيَ عِطْفِهٖ﴾ [یہ ''یُجَادِلُ'' کے فاعل سے حال ہے] یعنی وہ ابوجہل تکبر وغرور کی وجہ سے اپنی گردن اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری سے موڑنے والا ہے ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے گمراہ کر دے۔ یہ مجادلہ اور جھگڑا کرنے کی علت ہے [ابن کثیر اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لِيَضِلَّ'' (''یَا'' مفتوح کے ساتھ) ہے] ﴿لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ اس کے لیے دنیا میں ذلت ورسوائی ہے یعنی غزوۂ بدر کے دن قتل ہونا ہے ﴿وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ اور ہم اسے قیامت کے دن جلانے والا عذاب چکھائیں گے یعنی اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب جمع کر دیئے جائیں گے۔

۱۰۔ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ﴾ یہ اس کا بدلا ہے جو تیرے ہاتھ نے آگے بھیجا ہے یعنی دونوں جہانوں کے عذاب کا سبب وہ اعمال ہیں جو اس نے خود کفر وشرک اور تعلیماتِ نبوی کو جھٹلانے کی صورت میں آگے بھیجے ہیں اور ان اعمال کے لیے بطور کنایہ ''ید'' (یعنی ہاتھ) استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ہاتھ کمائی کا ذریعہ ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے سو اس لیے وہ کسی کو بغیر گناہ کے گرفت میں نہیں لیتا اور نہ وہ کسی غیر کے گناہ پر گرفت کرتا ہے [اور یہ ''بِمَا'' پر معطوف ہے یعنی اصل میں ''وبِاَنَّ اللّٰهَ'' ہے اور ''ظَلَّام'' کو مبالغہ کے لفظ سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ مقترن ومتصل ہے اور وہ ''عبید'' ہے] اور اس لیے کہ ظلم کی قباحت کو جاننے اور اس سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑا سا ظلم بھی ہماری طرف سے بہت زیادہ ظلم کی طرح ہے۔

| |
|---|
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ |
| اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ |
| الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ |
| الْبَعِيْدُ ۚ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬ |

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت (دین کے) ایک کنارے پر کرتا ہے پھر اگر اسے بھلائی پہنچے تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو وہ اپنا منہ پھیر کر پلٹ جاتا ہے اس نے دنیا اور آخرت ضائع کر دی یہی کھلم کھلا نقصان ہے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو اسے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے یہی بہت دور کی انتہائی گمراہی ہے ○ وہ اس کی عبادت کرتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے یقیناً زیادہ قریب

ہے' بے شک وہ بہت بُرا کارساز ہے اور بے شک وہ بہت بُرا ساتھی ہے O

## دنیاوی مفادات کی خاطر مسلمان ہونے والوں کا بیان

۱۱- ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں' جو دین کے ایک کنارے پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' دین کے وسط میں اور اس کے درمیان مکمل داخل ہو کر عبادت نہیں کرتے اور یہ ان کی مثال ہے کہ وہ لوگ اپنے دین کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مضطرب و پریشان اور سرگرداں رہتے ہیں' اطمینان و سکون پر ثابت قدم نہیں رہتے [اور یہ حرف حال ہے ''اَیْ مُضْطَرِبًا'' یعنی بے قرار ہوتا ہے ] ﴿ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ﴾ پھر اگر اس کو بھلائی پہنچتی ہے (یعنی) جسمانی صحت اور روزی میں خوشحالی حاصل ہوتی ہے ﴿ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ﴾ تو وہ مطمئن و پرسکون ہو جاتا ہے اور اسے اس حاصل ہونے والی بھلائی یا دینِ اسلام پر قرار آ جاتا ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی شروع کر دیتا ہے ﴿ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ﴾ اور اگر اس کے جسم میں کوئی بُرائی اور مصیبت پہنچتی اور معیشت وروزی تنگ ہو جاتی ہے تو ﴿ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ وہ اپنے پہلو پر پلٹ جاتا ہے یعنی وہ مرتد ہو جاتا ہے اور دین اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے' اس شخص کی طرح جو لشکر سے ہٹ کر اس کے کنارے کنارے ہو کر چلتا ہے' پھر اگر وہ فتح وکامیابی اور مالِ غنیمت محسوس کرتا ہے تو لشکر کے ساتھ برقرار رہتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے' ورنہ بھاگ جاتا ہے اور جس طرف سے آیا تھا' اسی طرف اڑ کر چلا جاتا ہے۔

شانِ نزول: مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان اعرابیوں (دیہاتیوں) کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جو اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور جب ان میں سے کوئی تندرست ہو جاتا اور اس کی گھوڑی صحیح سلامت بچہ کو جنم دیتی اور اس کی عورت صحیح سلامت بچہ جن دیتی اور اس کا مال اور جانور زیادہ ہو جاتے تو کہتا کہ میں جب سے اس دین میں داخل ہوا ہوں تو میں نے ماسوا خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا اور وہ مطمئن ہو جاتا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا اور فائدہ کے بجائے اس کا نقصان ہو جاتا تو کہتا کہ میں نے ماسوا بُرائی اور مصیبت و تکلیف کے کچھ نہیں پایا اور وہ دین سے پھر جاتا ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ﴾ اس نے دنیا اور آخرت دونوں کو ضائع اور تباہ و برباد کر دیا اور دنیا میں نقصان اور بربادی اس کا دنیا میں قتل ہونا ہے اور آخرت کی بربادی ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنا ہے [یہ جملہ ''انقلب'' کے فاعل سے حال ہے اور اس کے شروع میں ''قَدْ'' مقدر ہے' اس کی دلیل روح اور زید کی ''خَاسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' قراءت ہے ] ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہی یعنی دنیا وآخرت دونوں کی بربادی ونقصان ﴿ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ وہی کھلم کھلا نقصان و بربادی ہے۔ یہ ایسا ظاہر وواضح نقصان ہے' جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔

۱۲- ﴿ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت پرستی کرتا ہے کیونکہ وہ مرتد ہو جانے کے بعد اسی طرح کرتا ہے ﴿ مَا لَا يَضُرُّهٗ ﴾ جو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر وہ اس کی عبادت و پرستش نہ کرے ﴿ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ﴾ اور جو نہ اس کو نفع دے سکتا ہے' اگر وہ اس کی عبادت کرتا رہے ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴾ یہ وہ گمراہی ہے' جو راہِ راست سے بہت دور ہے۔

۱۳- ﴿ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ﴾ البتہ وہ چیخ و پکار کر کے با آواز بلند کہے گا: اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب: یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ سے پہلے بتوں سے نفع اور نقصان کی نفی کی اور یہاں اس آیت مبارکہ میں ان دونوں کو بتوں کے لیے ثابت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس آیت مبارکہ کا معنی اور مفہوم جان لیا جائے اور اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو یہ وہم اور یہ اعتراض خود بخود زائل ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو بے وقوف قرار دیا کہ وہ بے جان بتوں کی عبادت و پرستش کرتا ہے' جو نہ نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے مالک ہیں اور جب کہ یہ کافر ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اس کی شفاعت کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کافر جب قیامت کے دن بتوں کی وجہ سے اپنا نقصان دیکھے گا اور ان کی شفاعت کا کوئی اثر نہیں پائے گا تو با آواز بلند چیخ و پکار کر کے کہے گا: "لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ" بے شک اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے ﴿لَبِئْسَ الْمَوْلٰى﴾ البتہ یہ بہت بُرا مددگار ہے ﴿وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ﴾ اور البتہ بہت بُرا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "یَدْعُوْا" کو دوبارہ ذکر فرمایا' گویا فرمایا کہ یہ مشرک چیخ کر پکارے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتا رہا وہ اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ وہ اس کو نفع دے سکتا ہے' پھر وہ کہے گا: "لَمَنْ ضَرُّهٗ" البتہ اس کا نقصان یعنی اس کا معبود ہونا "اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ" اس کے نفع سے یعنی اس کے سفارشی ہونے سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ اس کا نقصان دنیا میں ہے اور اس کا نفع آخرت میں ہوگا)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ہرگز مدد نہیں فرمائے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسی باندھ کر لٹکا دے' پھر (اس کا پھندا گلے میں ڈال کر لٹک جائے اور) اس کو کاٹ دے' پھر دیکھے کہ کیا اس کی تدبیر وہ چیز لے جاتی ہے جو اسے غصہ دلاتی ہے ○ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو روشن آیات کے ساتھ نازل کیا ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے ○

## نیک مسلمانوں کا انجام اور دشمنانِ دین کا بیان

۱۴- ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کو بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ یہ وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے' جو خلوصِ دل کے ساتھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں' جو دین کے کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

۱۵- ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں اپنے نبی کی ہرگز مدد نہیں فرمائے گا۔ اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول اکرم کی ضرور مدد فرمائے گا' سو آپ کے دشمنوں میں سے جو اس کے علاوہ کچھ اور گمان رکھتا ہے ﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ﴾

تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسی اپنے گھر کی بلند جگہ پر باندھ کر نیچے لٹکا دے (اور اس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لے) ''سبب'' کا معنی رسی ہے اور ''السمآء'' کا معنی اپنے گھر کی بلند یا اونچی جگہ ہے (یہاں آسمان مراد نہیں) ﴿ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ پھر اسے کاٹ ڈالے (یعنی) پھر اس رسی کے ساتھ اپنا گلا گھونٹ دے اور گلا گھونٹنے کو قطع (کاٹنا) اس لیے کہا گیا ہے کہ گلا گھونٹنے والا اپنے جاری سانسوں کو بند کر کے اپنے نفس کو کاٹ دیتا ہے [ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''ثُمَّ لِيَقْطَعْ'' ہے] ﴿فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ﴾ پھر وہ دیکھے کہ آیا اس کی تدبیر وہ لے جاتی ہے جو غصہ دلاتی ہے [''مَا'' موصولہ ہے ''اَیِ الَّذِیْ یُغِیْظُهٗ'' یعنی جو چیز اس کو غصہ دلاتی ہے یا مصدر یہ ہے یعنی ''غَیْظَهٗ''] اور معنی یہ ہے کہ وہ شخص اپنے دل میں تصور کرے اور سوچے کہ اگر وہ یہ کام کرے گا تو کیا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ختم ہو جائے گی جو اسے غصہ دلاتی ہے اور اس شخص کے اس فعل کو تدبیر کا نام محض استہزاء اور تمسخر کے طور پر دیا گیا ہے کیونکہ اس نے جس ذات کے ساتھ حسد کیا اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنے نفس کا نقصان کیا اور مراد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ہے کہ جو چیز اسے غصہ دلاتی ہے وہ اس کو دور کر سکے۔

۱۶- ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ اور (جس طرح ہم نے حشر و نشر اور قیامت اور ثبوتِ توحید اور صدق نبوت و رسالت' نیز فتح و نصرت کے وعدہ کی آیات نازل کی ہیں) اسی انزال کی طرح ہم نے پورے قرآن مجید کو روشن آیات کے ساتھ نازل کیا ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' اسے ہدایت دیتا ہے' یعنی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ انہیں لوگوں کو ہدایت دیتا ہے' جن کو جانتا ہے کہ وہ یقیناً ایمان لے آئیں گے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور ان کی ہدایت میں اضافہ فرما دیتا ہے' اسی نے اس قرآن کو اسی طرح واضح آیات کے ساتھ نازل کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۷ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۱۸ السجدۃ

بے شک جو ایمان لائے اور جو یہودی ہو گئے اور ستارہ پرست اور نصرانی اور مجوسی اور جنہوں نے شرک اختیار کر لیا' بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے O کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ' اور بہت سے ایسے بھی ہیں' جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے' اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے تو اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے O

۱۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہو گئے اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور جنہوں نے شرک کیا۔ بعض حضرات نے فرمایا

کہ کل پانچ ادیان ہیں' جن میں سے چار شیطان کے لیے ہیں اور ایک دین (یعنی دینِ اسلام) رحمان کے لیے ہے اور صابئین (ستارہ پرست) نصرانیوں کی ایک قسم ہے' پس چھے ادیان نہیں ہیں ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' ان کے حالات ومقامات کے مطابق' سو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک جزا نہیں دے گا اور نہ ان کو ایک جگہ میں اکٹھے رکھے گا (بلکہ ایمان والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جب کہ باقی سب کو دوزخ میں ڈال دے گا)[''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کی خبر''اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ'' ہے جیسا کہ تم کہتے ہو:''اِنَّ زَيْدًا اِنَّ اَبَاهُ قَائِمٌ'']﴿ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے' وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر چیز کی خوب حفاظت فرمانے والا ہے' پس ہر آدمی اپنے عقیدے میں' اپنے قول اور اپنے فعل میں غور وفکر کرے اور سوچے اور یہ زبردست وعید ہے۔

## زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے

١٨-﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ اے (میرے محبوب) محمد (ﷺ)! کیا آپ کو معلوم نہیں؟ یہاں علم کو مشاہدہ ومعائنہ کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے لیکن ہم اس سے واقف نہیں ہیں جیسا کہ ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں لیکن ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ''(الاسراء:٤٤)''اور کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو''۔اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں ہر غیر مکلف سے صادر ورونما ہونے والے افعال کو نیز خود اس کا قدرتِ الٰہی کے لیے مسخر و پابند ہونے کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریزی قرار دیا گیا ہے اور اس کی اطاعت کو مکلف کے اس سجدہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر قسم کی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے ﴿ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ﴾ یعنی انسانوں میں سے بہت سے لوگ اطاعت و عبادت کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں [یا یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور''ومن الناس''اس کی صفت ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ''مُثَابٌ'' ہے اور اس پر درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے:]﴿ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ﴾ اور بہت سے لوگوں پر عذاب لازم ہو چکا ہے یعنی ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں' جن پر عذاب واجب ولازم ہو چکا ہے' یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا ﴿ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت و بدبختی کے ساتھ ذلیل ورسوا کر دیتا ہے ﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ﴾ تو اس کو کوئی سعادت و نیک بختی کے ساتھ عزت واحترام دینے والا نہیں ہے ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اکرام واعزاز اور اہانت وتوہین وغیرہ میں سے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور اس آیت مبارکہ اور اس سے پہلے دیگر آیات کے ظاہر سے معتزلہ (بدمذہب فرقہ) کا قول باطل ومردود ہو جاتا ہے کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو چاہا مگر ان کو نہیں کیا جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ ط

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

ع ۱۲ ۹

یہ دو گروہ جھگڑنے والے ہیں' جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا' سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے (تیار کیے) جائیں گے' ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا گرم ترین پانی ڈالا جائے گاO جس کے سبب جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے وہ اور کھالوں کو پگھلا دیا جائے گاO اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گےO جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے انہیں اُسی میں لوٹا دیا جائے گا' اور (حکم ہوگا کہ) تم جلانے والے عذاب (کا مزہ) چکھوO

## کفار اور مسلمانوں کے انجام کا بیان

۱۹۔﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ﴾ ''اَیْ فَرِيْقَانِ مُخْتَصِمَانِ'' یعنی یہ دو گروہ جھگڑنے والے ہیں [سو ''خصمان'' صفت ہے اور ''فریقان'' اس کا موصوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اِخْتَصَمُوْا'' معنی کے اعتبار سے جمع لایا گیا ہے اور ''هٰذَانِ'' لفظ کے اعتبار سے تثنیہ لایا گیا ہے] ان دو گروہوں سے ایک مسلمانوں کی جماعت دوسری کفار کی جماعت مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ (''اِخْتَصَمُوْا'' کی ضمیر جمع) مذکورہ بالا تمام اہلِ ادیان کی طرف لوٹتی ہے' پس مسلمان بھی جھگڑنے والے تھے اور باقی پانچ گروہ بھی جھگڑنے والے تھے کہ ﴿اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے دین اور اس کی صفات کے بارے میں جھگڑا کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہر گروہ کی جزاء کو بیان کرنا شروع کیا اور ارشاد فرمایا: ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' اور یہ اس جھگڑے کی تفصیل ہے' جو ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (الحج:۱۷) میں مراد لیا گیا ہے یعنی ''بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس جھگڑے کا فیصلہ فرما دے گا''۔ ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے (یعنی تیار کیے) جائیں گے' گویا اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کی مقدار کے مطابق ان کے لیے آگ کا لباس تیار فرمائے گا' جو ان کے پورے جسموں پر مشتمل و محیط ہوگا اور ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا جیسا کہ کپڑے کو کاٹ کر لباس تیار کیا جاتا ہے اور اس کو ماضی کے لفظ سے اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا ضرور ہر حال میں ہوگا' سو یہ ثابت و موجود اور متحقق کی طرح ہے ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ﴾ ان کے سروں کے اوپر انڈیل دیا جائے گا [ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''هَا'' اور میم دونوں مکسور ہیں اور حمزہ' علی کسائی اور خلف کی قراءت میں دونوں مضموم ہیں اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''هَا'' مکسور اور میم مضموم ہے] ﴿الْحَمِيْمُ﴾ کھولتا ہوا گرم ترین پانی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس پانی کا ایک قطرہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر گرا دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل کر پانی کی طرح ہو جائیں۔

۲۰۔﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ﴾ اس گرم ترین پانی کے سبب ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ اور ان کی کھالوں کو پگھلا دیا جائے گا۔ ''يُصْهَرُ'' کا معنیٰ ''يُذَابُ'' ہے یعنی اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے ذریعے ان کی انتڑیاں اور ان کی اوجھڑیاں پگھل کے گل سڑ جائیں گی' جیسا کہ ان کے چمڑے اور کھالیں پگھل جائیں گی کیونکہ وہ گرم ترین پانی ان کے ظاہر و باطن دونوں میں اثر کرے گا۔

۲۱۔﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ﴾ اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے (یعنی) انہیں کے لیے مخصوص لوہے کے کوڑے تیار کیے جائیں گے' جن کے ساتھ انہیں مارا پیٹا جائے گا۔

۲۲۔ ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ جب وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے ﴿ مِنْ غَمٍّ ﴾ غم و رنج کی وجہ سے [ یہ ''مِنْهَا'' سے بدل الاشتمال ہے' حرف جار کے اعادہ سے یا پہلا حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور دوسرا ''مِنْ'' بہ معنیٰ ''مِنْ اَجْلِ'' ہے ] یعنی وہ لوگ جب بھی غم و رنج کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے نکلنا چاہیں جو رنج و غم انہیں پہنچے گا تو وہ جونہی نکلنے لگیں گے کہ ﴿ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ﴾ تو انہیں دوبارہ دوزخ کی آگ میں گرزوں کے ساتھ واپس دھکیل دیا جائے گا اور حضرت حسن بصری کے نزدیک ''خروج'' کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کے شعلے انہیں ماریں گے اور انہیں اوپر نیچے پھینک دیں گے یہاں تک کہ جب وہ لوگ دوزخ کے اوپر آ جائیں گے تو فرشتے انہیں گرزوں اور کوڑوں کے ساتھ ماریں گے تو ستر سال تک اس کی گہرائی میں گرتے چلے جائیں گے اور مقصد یہ ہے کہ انہیں آگ کی گہرائی میں لوٹا دیا جائے گا اور یہ معنی نہیں کہ وہ دوزخ سے بالکل باہر نکل آئیں گے' پھر انہیں واپس لوٹایا جائے گا ﴿ وَذُوْقُوْا ﴾ ''اَیْ وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا'' ﴿ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ یعنی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ بہت ہلاک کرنے والی' ہر طرف پھیلنے والی آگ کا سخت ترین عذاب ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری جماعت (مسلمانوں) کی جزائے خیر کا ذکر کیا اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ
ع ۳ ۱۰ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جس کے نیچے نہریں جاری ہیں' جن میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ان میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا ○ اور ان کو پاک کلمہ کی ہدایت کی گئی' اور تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف ان کی رہ نمائی کی گئی ○ بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اس حرمت والی مسجد سے (لوگوں کو) روکتے ہیں' جس کو ہم نے اس میں مقیم رہنے والے اور باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے یکساں مقرر کر رکھا ہے' اور جو شخص اس میں ظلم و زیادتی کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ○

۲۳۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جن میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے [ ''اَسَاوِرَ''. ''اَسْوِرَةٌ'' کی جمع ہے اور ''اسورۃ''، ''سوار'' کی جمع ہے اور ''لُؤْلُؤًا'' نافع مدنی' عاصم اور علی کسائی کی قراءت میں منصوب ہے (فعل مقدر ہے اور وہ) ''وَيُؤْتَوْنَ لُؤْلُؤًا'' ہے اور انہیں موتی عطا کیے جائیں گے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''مِنْ ذَهَبٍ'' پر

عطف کر کے مجرور ہے اور ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں پورے قرآن مجید میں پہلے ہمزہ کو ترک کر کے ''لُوْلُوًا'' پڑھا گیا ہے] ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

۲۴- ﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ اور ان کی پاکیزہ کلمہ کی طرف رہنمائی کی گئی اور ان کی قابل تعریف راستے کی طرف رہنمائی کی گئی یعنی دنیا میں ان کی کلمۂ توحید اور قابل تعریف و پسندیدہ راہ یعنی اسلام کی طرف رہنمائی کی گئی یا اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دے گا کہ وہ کہا کریں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ'' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچا کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی راہ بھی دکھائے گا اور ''الحمید'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زبان سے محمود و سراہا ہوا ہے۔

۲۵- ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں یعنی وہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں [''وَیَصُدُّوْنَ''، ''کَفَرُوْا'' کے فاعل سے حال ہے' اصل میں ''وَهُمْ یَصُدُّوْنَ'' ہے] یعنی ممانعت کا عمل ان کی طرف سے ہمیشہ جاری رہتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ یُحْسِنُ اِلَی الْفُقَرَاءِ'' کہ فلاں آدمی غریبوں اور محتاجوں پر ہمیشہ احسان کرتا رہتا ہے' سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کی طرف سے احسان کا سلسلہ حال اور مستقبل میں ہمیشہ جاری رہتا ہے ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ یعنی اور وہ لوگوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں ﴿الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ﴾ جس کو ہم نے مطلقاً بغیر کسی تفریق کے مقیم و مسافر اور حاضر و غائب تمام لوگوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے' پھر اگر اس مسجد حرام سے مکہ مکرمہ مراد ہے تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور اگر اس سے بیت اللہ شریف مراد ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس گھر کو تمام لوگوں کے لیے قبلہ بنا دیا ہے ﴿سَوَاءً﴾ [حضرت حفص کی قراءت میں منصوب ہے کیونکہ یہ ''جَعَلْنَاهُ'' کا دوسرا مفعول ہے] یعنی ہم نے اس کو یکساں مقرر کیا ہے ﴿الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ﴾ اس میں رہنے والے مقیم اور مسافر و غیر مقیم [ابن کثیر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَالْبَادِی'' ہے اور ابو عمرو نے حالت وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں مرفوع ہے اور اس بناء پر یہ خبر ہے اور مبتدا مؤخر ہے ''ای اَلْعَاکِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ سَوَآءٌ'' یعنی اس میں مقیم و مسافر برابر ہیں اور یہ جملہ دوسرا مفعول ہے اور ''لِلنَّاسِ'' حال ہے] ﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ﴾ اور جو شخص اس مسجد حرام میں ظلم و زیادتی کا ارادہ کرے گا [دونوں مترادف حال ہیں اور ''یُرِدْ'' کا مفعول ترک کر دیا گیا ہے تا کہ ہر شامل ہونے والے کو شامل ہو جائے] گویا فرمایا کہ جو شخص کسی مراد کا ارادہ کرے گا' جس میں اعتدال و میانہ روی اور حق سے روگردانی ہو اور ظلم و ستم کرنے والا ہو' پس ''الحاد'' کا مطلب حد اعتدال سے نکل جانا ہے ﴿نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ہم اس کو آخرت میں دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے [اور ''اِنَّ'' کی خبر محذوف ہے کیونکہ جوابِ شرط اس پر دلالت کرتا ہے] اس کی عبارت اس طرح ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نُذِیْقُهُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ'' بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں' ہم انہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ہر وہ شخص جو اس مسجد حرام میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا تو وہ اسی طرح دردناک عذاب کا مزہ چکھے گا۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ
الْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ

فَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾

اور (اے محبوب! یاد کیجئے) جب ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ کو مقرر فرمادیا (اور حکم دیا) کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھوO اور تم لوگوں میں حج کے لیے اعلانِ عام کردو تمہارے پاس لوگ پیدل اور ہر دبلے پتلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے' یہ سواریاں تمام دور دراز کے راستوں سے آئیں گیO تا کہ وہ اپنے (دینی و دنیاوی) فوائد کے لیے حاضر ہوں اور وہ معلوم و مقرر دنوں میں ان بے زبان جانوروں (کے ذبح کرنے) پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں' جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے' سو تم اس میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤO

## بیت اللہ شریف کی تعمیر وطہارت اور حج کا بیان

٢٦- ﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے حضرت ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ کو تعمیر کے لیے مقرر فرمادیا یعنی اسے مرجع بنا دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تعمیر کرنے اور عبادت کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں اور کیونکہ طوفان کے دنوں میں بیت اللہ شریف کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور یہ اس وقت سرخ یاقوتوں سے بنا ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج کر حضرت ابراہیم کو وہ جگہ بتادی کہ ہوا نے بیت اللہ شریف کی جگہ کو صاف کر کے ظاہر کر دیا اور حضرت ابراہیم نے اس کی پرانی بنیادوں پر اسے تعمیر کیا ﴿ اَنْ ﴾ یہ حرف مقدر و پوشیدہ قول کی تفسیر کرنے والا اَلْمُفَسِّرَہ ہے "اَیْ قَائِلِیْنَ لَهٗ" یعنی ہم نے انہیں فرمایا کہ ﴿ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ ﴾ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو بتوں اور دوسری تمام نجاستوں سے پاک صاف رکھو [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں "یا" مفتوح کے ساتھ "بَیْتِیَ" ہے] ﴿ لِلطَّآئِفِيْنَ ﴾ طواف کرنے والوں کے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں ﴿ وَالْقَآئِمِيْنَ ﴾ اور مکہ مکرمہ میں قیام رکھنے والے مقیم حضرات کے لیے ﴿ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ اور رکوع اور سجدے کرنے والوں (یعنی) نمازیوں کے لیے ["الرُّكَّعُ"، "الرَّاكِعُ" کی جمع ہے اور "اَلسُّجُوْدُ"، "السَّاجِدُ" کی جمع ہے]۔

٢٧- ﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ اور تم لوگوں میں حج کا اعلانِ عام کردو اور حج کا معنی ہے: عالی شان اور بلند ترین مقصد تک پہنچنے کا ارادہ کرنا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوقُبَیس پہاڑ پر چڑھ گئے اور فرمایا: "يَا اَيُّهَا النَّاسُ حُجُّوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ" اے لوگو! تم اپنے رب تعالیٰ کے گھر کا حج کرو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن کے مقدر میں حج کرنا لکھ دیا ہے انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں' کے ساتھ جواب دیا تھا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حجۃ الوداع میں اس کا اعلان کر دیں لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے اور امر کا جواب یہ ہے: ﴿ يَاْتُوْكَ رِجَالًا ﴾ وہ لوگ تمہارے پاس پیدل چل کر آئیں گے ["رِجَالٌ"،

''رَاجِل'' کی جمع ہے جیسے ''قِیَامٌ''،''قَائِمٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ﴾ اور ہر دبلے پتلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے [یہ حال ہے اور ''رِجَالًا'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا: ''رِجَالًا وَّرُكْبَانًا'' یعنی پیدل اور سوار آئیں گے اور ''ضامر'' کا معنی ہے: کمزور اونٹ' اور سواروں سے پہلے پیدل چلنے والوں کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ پیدل چل کر حج کرنے والوں کی فضیلت کا اظہار ہو جائے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ﴿يَّاْتِيْنَ﴾ وہ سواریاں آئیں گی [یہ ''كُلِّ ضَامِرٍ'' کی صفت ہے کیونکہ یہ جمع کے معنی میں ہے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''يَاْتُوْكَ'' ہے اور اس صورت میں ''رجال'' اور ''رکبان'' کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پیدل اور سوار تمہارے پاس آئیں گے] ﴿مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ ہر قسم کے دور دراز کے راستے سے۔ ''فَجّ'' کا معنی ہے: راستہ اور ''عمیق'' کا لفظی معنی ہے: گہرا' لیکن یہاں اس سے بعید کا معنی مراد ہے۔ حضرت محمد بن یاسین نے بیان کیا کہ مجھے طوافِ کعبہ میں ایک بزرگ نے کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ خراسان کا رہنے والا ہوں' انہوں نے فرمایا کہ تمہارے علاقے اور اس بیت اللہ شریف کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ میں نے کہا: دو تین مہینے کی مسافت ہے' انہوں نے فرمایا: پھر تو تم بیت اللہ شریف کے پڑوسی ہوئے' سو میں نے کہا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو پانچ سال کی مسافت سے آیا ہوں اور جب میں گھر سے نکلا تھا تو جوان تھا' سو اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ بہترین اطاعت ہے اور سچی محبت ہے' پس وہ بزرگ مسکرائے اور فرمایا:

''زُرْ مَنْ هَوَيْتَ وَاِنْ شَطَتْ بِكَ الدَّارُ. وَحَالَ مِنْ دُوْنِهٖ حُجُبٌ وَاَسْتَارٌ''

''جس کو تو چاہتا ہے اس کی زیارت کرنے چلا جا اور اگر چہ وہ گھر تجھ سے بہت دور ہو اور اس کے سامنے حجابات اور پردے حائل ہوں''۔

''لَا يُمْنِعُنَّكَ بُعْدٌ عَنْ زِيَارَتِهٖ. اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يَّهْوَاهُ زَوَّارٌ''

''تیرے لیے سفر کی دوری اس کی زیارت سے رکاوٹ نہ بنے' بے شک محبّ و عاشق جس سے محبت و پیار کرتا ہے اس کی خوب زیارت کرتا ہے''۔

۲۸۔ ﴿لِّيَشْهَدُوْا﴾ تا کہ وہ حاضر ہوں [یہ ''اَذِّنْ'' کے متعلق ہے یا پھر ''يَاْتُوْكَ'' کے متعلق ہے] ﴿مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ اپنے لیے منافع اور فوائد حاصل کرنے کے لیے [''مَنَافِع'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ] اس سے وہ دینی اور دنیوی فوائد مراد ہیں' جو اس (حج کی) عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں' اس کے علاوہ کسی اور عبادت میں نہیں پائے جاتے اور یہ اس لیے کہ عبادت یا تو نفس کی آزمائش کے لیے مقرر کی جاتی ہے جیسے نماز اور روزہ یا مال کی آزمائش کے لیے جیسے زکوٰۃ اور دیگر مالی حقوق کی ادائیگی اور حج ان دونوں پر مشتمل ہے' نیز اس میں سامان کا بوجھ اٹھانا اور خوفناک سفری مشقتوں اور تکلیفوں کا برداشت کرنا' اسباب کو ترک کرنا اور ساتھیوں سے جدا ہونا اور ملک و گھر اور اپنے وطن سے ہجرت کرنا اور بیوی بچوں اور دوستوں سے جدا ہونا اور دورانِ سفر حج اس پر اس بات کی تنبیہ ہوتی رہتی ہے کہ جب وہ اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف منتقل ہو گا تو اسے یہ تمام جدائیاں برداشت کرنی پڑیں گی۔ سو حج کرنے کے لیے جانے والا جب جنگل میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس میں بھروسا نہیں رکھتا مگر اپنی سواری پر اور نہیں کھاتا مگر اپنے سامانِ سفر میں سے' پس اسی طرح جب آدمی زندگی کے کنارے سے نکل جاتا ہے اور موت کے دریا میں سوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنی تنہائی میں فائدہ حاصل نہیں کرتا مگر انہی نیک اعمال سے' جو اس نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے کیے ہوتے ہیں اور وہ اس موت کی وحشت میں انس و سکون حاصل نہیں کرتا

مگر انہیں اَوراد کے ساتھ' جن کے ساتھ وہ دنیا میں انس وسکون حاصل کرتا تھا اور احرام باندھتے وقت غسل کرنا اور تیار ہونا اور اَن سلے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا' یہ عکس و آئینہ ہوتے ہیں ان اعمال کا جو موت آنے پر اس پر طاری ہوتے ہیں جیسے مرنے کے بعد اس کو تختہ پر لٹا کر غسل دینا اور تجہیز و تکفین کرنا اور حنوط کے ساتھ خوشبو لگانا اور ان سلے کفن میں لپیٹنا' پھر محرم حالتِ احرام میں پراگندہ بال حیران و پریشان ہوتا ہے' پس اسی طرح حشر کے دن آدمی قبر سے حیران و پریشان ہو کر نکلے گا اور حاجیوں کا عرفات کے میدان میں رغبت و ڈر کی کیفیت میں آمین کہنا اور خوف و امید کی کیفیت میں سوال کرنا اور ان کا دعا کے مقبول ومردود ہونے کی درمیانی کیفیت میں ہونا اسی طرح موقف کے میدان میں ہوگا کہ ''لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ'' (ھود:۹۷) ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا' پھر ان میں سے کوئی بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ہوگا''۔ اور شام کے وقت عرفات سے مزدلفہ چلے جانا اور یہ نمازِ مغرب کی قضاء کے امتیاز کے لیے جانا ہوتا ہے اور منیٰ گنہگاروں کے لیے امیدوں کا موقف ہے' شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کی طرف اور سر منڈوانا' ناخن کاٹنا اور صفائی کرنا اس طرح ہے جس طرح رحمت و تخفیف کے سبب گناہوں سے نکلنا اور بیت حرام جس کی شان یہ ہے کہ ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' جو اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ ایذاء رسانی اور قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ دار السلام کا نمونہ ہے کہ جو خوش نصیب اس میں داخل ہوگا وہ فنا اور زوال سے محفوظ ہو جائے گا مگر یہ بہشت نفس کے مکارہ ومشکلات میں گھری ہوئی ہے' جس طرح کعبہ معظمہ سفر کی مشکلات میں گھرا ہوا ہے' پس خوش نصیب ہے وہ شخص جو بیابانوں کے ہلاکت خیز مقامات کو قیامت کے دن ملاقات کے شوق میں عبور کر جاتا ہے ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ اور وہ (جانور ذبح کرتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللہ اکبر) ذکر کریں ﴿فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ معیّن ومعلوم دنوں میں' اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ماہِ ذوالحجہ کے دس دن مراد ہیں اور ان کا آخری دن اس ماہ کی دس تاریخ قربانی کا دن ہے اور یہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ اسی پر متفق ہیں اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک یہ قربانی کے دن (دس' گیارہ' بارہ) مراد ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ان بے زبان چوپائے مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے یعنی ان کے ذبح کے وقت اور یہ کلام صاحبین کے قول کی تائید کرتا ہے اور ''بَهِيْمَة'' سے ہر بے زبان چوپایہ مراد ہے' خشکی میں رہتا ہو یا دریا میں رہتا ہو' پھر اس کی وضاحت کے لیے ''انعام'' کو بیان کیا گیا ہے اور ''انعام'' سے اونٹ' گائے' بھیڑ اور بکری مراد ہیں ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ سو تم ان کے گوشت میں سے کچھ کھالو اور یہ حکم جواز کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں' لہٰذا نفلی قربانی' حج تمتع اور حج قران کے شکرانے میں کی گئی قربانی کے گوشت میں سے کچھ خود کھالینا جائز ہے کیونکہ یہ شکرانے کی قربانی کا خون بہا ہے' پس یہ قربانی کے مشابہ ہے' البتہ کفارہ اور نذر کی قربانیوں کے گوشت میں سے کھانا جائز نہیں ﴿وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ﴾ اور تم مصیبت زدہ کو کھلاؤ۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے' جس کو غربت وتنگ دستی کی شدت نے گھیر لیا ہو ﴿الْفَقِيْرَ﴾ محتاج کو جس کو تنگ دستی نے کمزور کر دیا ہو۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ
يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ

مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

پھر انہیں چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O حق بات یہی ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کے پروردگار کے نزدیک اس کے لیے بہت بہتر ہوگا' اور تمہارے لیے تمام جانور حلال کر دیئے گئے ماسوا ان کے جن کی حرمت کا ذکر تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا' سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو O ہر باطل سے منہ موڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کے ہو کر رہو' اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا' سو اس کو پرندے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے O

۲۹-﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ﴾ پھر انہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ سے اپنا میل کچیل دور کریں۔ اسی طرح یہ بات نفطویہ نے کہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ میل کچیل دور کرنے سے مراد مونچھوں اور ناخنوں کو کاٹنا اور بغل کے بال نوچنا اور زیر ناف بال صاف کرنا ہے اور "تفث" کا معنیٰ میل کچیل ہے اور "قضا" کا معنیٰ میل کو دور کرنا اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: قضائے تفث سے حج کے تمام ارکان کا ادا کرنا مراد ہے ﴿ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنی منتیں پوری کریں (یعنی) اپنے حج کے واجبات ادا کریں اور عرب والے ہر اس شخص کے لیے جو اپنے واجبات کو ادا کر کے فارغ ہو جائے' کہتے ہیں: "وَفّٰی بِنَذْرِہٖ" کہ اس نے اپنی نذر پوری کر لی اگرچہ اس نے نذر نہ مانی ہو یا وہ نیک اعمال مراد ہیں' جو لوگ اپنے اپنے حج میں منت مان کر اپنے اوپر واجب کر لیتے ہیں [ابوبکر کوفی کی قراءت میں لام ساکن اور "فا" مشدد کے ساتھ "وَلْيُوَفُّوْا" ہے] ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا ﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ طواف زیارت ادا کریں' جو حج کا رکن ہے اور اس طواف زیارت کے ادا کرنے کی وجہ سے مُحرم حالتِ احرام سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں [ابن عیاش' ابن عامر اور ابوعمرو کے علاوہ کے نزدیک تینوں لام ساکنہ ہیں] ﴿ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ قدیم گھر کا (طواف کریں) یہ اس لیے کہ "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ" (آل عمران:۹۶) "بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے"۔ اس کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا' پھر اس کو ازسرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا' یا "عتیق" بہ معنیٰ "کریم" ہے اور اسی سے "عتاق الخیل" ہے کیونکہ یہ عمدہ اور بہترین گھوڑوں میں سے ہے اور "عتاق الرقیق" آزاد کردہ غلام کیونکہ یہ غلامی کی ذلت سے آزادی کی عزت کی طرف نکل گیا یا اس گھر کو "عتیق" اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو غرق ہونے سے محفوظ رکھا کیونکہ طوفانِ نوح کے وقت اس کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا یا اس لیے کہ اس گھر کو سرکش وظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے' چنانچہ بہت سے سرکش وظالموں نے اس کی طرف سفر کیا تاکہ اسے مٹا دیں اور گرا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا' یا اس گھر کو بادشاہوں کی ملکیت سے محفوظ رکھا گیا' سو کبھی کسی نے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا اور یہ بیت اللہ شریف زمین والوں کے لیے طواف کا مقام ہے جیسا کہ عرش آسمان والوں کے لیے طواف کا مقام ہے' پس جب ایک طالب خوشی کے جذبہ سے سرشار ہو کر زیارت کی طلب میں نکلتا ہے تو زمین کے گوشوں کو مرحلہ وار طے کرتا ہوا آتا ہے اور وہ ہلاکت خیز مقامات کے راستوں کو منزل بہ منزل طے کرتا ہوا آتا ہے' پھر جب وہ بیت اللہ شریف کا مشاہدہ ومعائنہ کرتا ہے تو اس کی تسلی و

تشفّی میں اضافہ ہونے کی بجائے اشتیاق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حجرِ اسود کو چھونے سے تشفّی حاصل نہیں ہوتی بلکہ عشق کی آگ تیز ہو جاتی ہے اور جدائی کا غم و رنج اس کو متحرک کر دیتا ہے اور وہ دیوانہ وار جدائی کے غم میں مستغرق ہو کر بیت اللہ شریف اور دیگر مقدس مقامات کے چکر لگاتا ہے اور حج کے تینوں فرائض میں سے آخری فرض طوافِ زیارت ادا کرتا ہے اور حج کا پہلا فرض احرام باندھنا ہے اور یہ حج کے التزام کا پختہ ارادہ کرنا ہوتا ہے جو اسلام کی رسی کو مضبوط مستحکم تھام لینے کے مشابہ ہے یہاں تک کہ حج کے دوران ممنوع و محذور عمل کے ارتکاب سے احرام نہیں ٹوٹتا ہے (بلکہ ایسی صورت میں دَم وغیرہ لازم آ جاتا ہے) اور احرام کے ذریعے حج کا عقد منافی عمل کے باوجود باقی رہتا ہے جیسا کہ اسلام کا عقد گناہوں کے ارتکاب سے نہیں ٹوٹتا اور ہزاروں گناہ صرف ایک بار سچے دل سے توبہ کرنے پر معاف ہو جاتے ہیں اور حج کا دوسرا فرض عرفات میں وقوف کرنا (ٹھہرنا) ہے عجز و انکساری کے طریقہ پر التماس و درخواست کی صفت کے ساتھ موصوف ہو کر اعمال کے مراتب اور احوال کے مشاہدات کے مطابق دنیا کی اشیاء پر بھروسا کرنے کے عمل کو دفع کر کے سچی عزلت و جدائی اختیار کرنا۔

۳۰۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیِ الْاَمْرُ (ذَالِكَ)'' یعنی حق بات یہی ہے (جو مذکورہ بالا آیات میں اوامر و نواہی کی صورت میں بیان کر دی گئی ہے) یا اس کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''لِیَفْعَلُوْا'' (ذَالِكَ) تا کہ وہ لوگ یہی کام کریں ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے۔ حرمت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی ہتک اور بے عزتی کرنا جائز و حلال نہ ہو اور اس سے حج کے ارکان اور دیگر وہ تمام فرائض اور واجبات مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس صفتِ حرمت کے ساتھ متصف کر کے انسان کو مکلّف فرمایا پھر اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ تمام احکامِ تکلیفیہ کو عام ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صرف فرائض اور واجبات مراد ہوں جو حج کے ساتھ متعلق ہیں اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ''حُرُمَاتِ اللّٰهِ'' سے بیتِ حرام مشعرِ حرام شہرِ حرام بلدِ حرام اور مسجدِ حرام مراد ہیں ﴿فَهُوَ﴾ سو ان محترم چیزوں کی تعظیم و توقیر کرنا ﴿خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ اس کے لیے بہتر ہے اس کے پروردگار کے نزدیک اور تعظیم کا معنی یہ ہے کہ حرماتِ الٰہیہ کے بارے میں یہ علم ہو کہ ان کی رعایت اور ان کی حفاظت واجب ہے اور ان کی مراعات کی نگہبانی کرنا ضروری ہے ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ﴾ اور تمہارے لیے تمام جانور حلال کر دیئے گئے ہیں یعنی ان کا کھانا حلال ہے ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ ماسوا ان کے جو آیتِ تحریم میں تمہیں پڑھ کر سنائے جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'' (المائدہ:۳) ''تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا اور بے دھار آلہ سے چوٹ کھا کر مرا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور کسی جانور کے سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس جانور کو درندہ نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم فال کے تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرو''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام چوپائے حلال کر دیئے ہیں ماسوا ان کے جن کی حرمت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کر دی ہے سو تم اس کی حدود کی حفاظت کرو اور تم ان میں سے کسی کو حرام قرار نہ دو جن کو خود اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا ہے جیسے بعض لوگوں نے بحیرہ وغیرہ نامی جانوروں کو حرام قرار دے دیا اور تم اس کو حلال قرار نہ دو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا جیسا کہ ان کافروں نے لاٹھی وغیرہ سے مرا ہوا جانور اور مردار وغیرہما کو حلال قرار دے دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حرمت والی چیزوں کی تعظیم و توقیر کرنے کی ترغیب دی تو اس کے بعد بتوں اور جھوٹ بولنے

سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ ان سے بچنا سب سے پہلے اور سب سے عظیم ترین حرمات میں سے ہے اور ''مِنَ الْأَوْثَانِ'' ''الرجس'' کا بیان ہے کیونکہ ''رجس'' مبہم ہے دوسری غلاظتوں کو بھی شامل ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ تم نجاست و پلیدی سے بچو وہ جو بت ہیں اور بتوں کو تشبیہ کے طریقے پر نجاست و پلیدی قرار دیا گیا ہے یعنی بے شک تم اپنی طبیعتوں کے سبب نجاست و پلیدی سے نفرت کرتے ہو پس تم پر لازم ہے کہ تم اسی طرح بتوں سے بھی نفرت کرو اور شرک اور جھوٹ بولنے کو جمع کیا گیا ہے یعنی جھوٹ بہتان اور جھوٹی گواہی سے بچو اور یہ ''زَوْرٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی انحراف و اعراض کرنا ہے اس لیے کہ شرک کرنا بھی جھوٹ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ شرک کرنے والا گمان کرتا ہے کہ بت عبادت کا مستحق ہے۔

۳۱- ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ﴾ ہر باطل دین سے منہ پھیر کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے ماننے والے اطاعت گزار مسلمان ہو جاؤ ﴿غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو [ یہ بھی ''حُنَفَآءَ'' کی طرح ''فاجتنبوا'' سے حال ہے ] ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے زمین پر گر گیا ہے ﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ سو اسے پرندے اچک لیتے ہیں یعنی پرندے اس کو فوراً جھپٹ لیتے ہیں [ نافع مدنی کی قراءت میں ''خا'' مفتوح اور ''طا'' مشدد کے ساتھ ''فَتَخَطَّفُهُ'' یعنی ''تتخطّفه'' ہے ] ﴿اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ یا اس کو ہوا اڑا کر اوپر سے نیچے کسی جگہ پھینک دے یعنی ہوا اسے نیچے گرا دے اور ''هُوِيٌّ'' کا معنی ''سقوط'' یعنی گرانا ہے ﴿فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ دور دراز کے مکان میں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تشبیہ مرکب ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تشبیہ مفرد ہو پھر اگر یہ تشبیہ مرکب ہو تو گویا فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس نے اپنے آپ کو ایسا ہلاک کیا جس کے بعد کوئی ہلاکت نہیں ہو سکتی بایں طور کہ اس شخص کے حال کو اس آدمی کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو آسمان سے زمین پر گر پڑا اور پرندوں نے اسے اُچک لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے پوٹوں میں جمع کر لیا یا اسے تیز آندھی اڑا کر لے گئی یہاں تک کہ اسے بعض دور دراز ہلاکت گاہوں میں نیچے پھینک دیا اور اگر تشبیہ مفرد ہو تو پھر ایمان کو اپنی رفعت و بلندی میں آسمان کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اسے آسمان سے گرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور خواہشاتِ نفسانی کو مردار خور جھپٹا مارنے والے پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور شیطان کو جو گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اس تیز آندھی کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اڑا کر گہری ہلاکت گاہوں میں پھینک دیتی ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا
مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ ع ۸/۱۱
جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ
فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

حق بات یہی ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو بے شک یہ عمل دلوں کے پرہیزگاروں کی طرف سے ہوتا ہےO ان (قربانی کے جانوروں) میں تمہارے لیے ایک مقرر مدت تک فائدے ہیں' پھر ان کے ذبح کرنے کی جگہ قدیم گھر کے پاس پہنچانا ہےO اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر فرما دی ہے تاکہ جو بے زبان چوپائے اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کے طور پر عطا فرمائے ہیں ان پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللّٰہ اللہ اکبر) ذکر کریں' سو تمہارا معبود ایک معبود ہے' پس تم اس کے فرماں بردار بن جاؤ' اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئےO وہ لوگ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر وہ صبر کرنے والے ہیں اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں' اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا وہ اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیںO

۳۲- ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی حق یہی ہے ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے۔ نشانیوں کی تعظیم سے مراد حج کی قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرنا ہے کیونکہ یہ حج کی علامات ہیں' ان کی تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ قربانی کا جانور لحیم وجسیم اور حسین وجمیل' موٹا تازہ اور بہت قیمتی ہو ﴿فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ تو بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے یعنی پس بے شک اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں کی تعظیم کرنا پرہیزگار و اہل تقویٰ دلوں کے افعال میں سے ہے [پھر یہ مضافات حذف کر دیئے گئے کیونکہ مقدر عبارت یوں ہے: ''من افعال ذوی تقوی القلوب''] اور دلوں کا ذکر محض اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تقویٰ و پرہیزگاری کے مراکز ہیں۔

۳۳- ﴿لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ تمہارے لیے ان جانوروں میں کئی فائدے ہیں' بہ وقتِ حاجت ان پر سوار ہونا اور بہ وقتِ ضرورت ان کا دودھ دوہ کر پینا ﴿اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مقررہ مدت تک (یعنی) قربانی تک ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ﴾ پھر انہیں پہنچانا ہے یعنی ان کی قربانی کے وجوب کے وقت انہیں پہنچانا اور قربان گاہ تک لے جانا ہے ﴿اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ قدیم گھر تک اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان جانوروں کو اس حرم میں قربان کرنا' جو بیت اللہ کے حکم میں ہے کیونکہ حرم بیت اللہ کا حریم ہے اور اس جیسے میں وسعت و گنجائش ہوتی ہے جیسے یہ کہنا کہ میں فلاں شہر میں پہنچ گیا ہوں حالانکہ ابھی تم اس کی حدود کے پاس پہنچنے والے ہوتے ہو اور بعض حضرات نے فرمایا: ''شعائر'' سے تمام مناسکِ حج مراد ہیں اور ان کی تعظیم ان کو مکمل طور پر ادا کرنا ہے جب کہ ''محلها الی البیت العتیق'' اس قول کا انکار کرتا ہے۔

۳۴- ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ اور ہم نے تم سے پہلے بھی ہر مسلمان جماعت کے لیے قربانی مقرر کر دی تھی [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں سین مکسور کے ساتھ ''مَنْسِكًا'' بہ معنی ''موضع'' یعنی قربان گاہ ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک سین مفتوح کے ساتھ ''مَنْسَكًا'' مصدر ہے] یعنی خون بہانا اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنا ﴿لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیں (یعنی ''بسم اللّٰہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' پڑھ کر ذبح کریں) اس کے علاوہ کسی غیر کا نام نہ لیں ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کے طور پر بے زبان چوپائے عطا فرمائے یعنی ان جانوروں کے نحر کرتے وقت اور ان کو ذبح کرتے وقت ''بسم اللّٰہ اللہ اکبر'' پڑھ لیا کریں ﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ سو تمہارا معبود ایک معبود ہے یعنی تم جانور کے ذبح پر صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو کیونکہ تمہارا معبود ایک معبود ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا ذبح کے لیے شرط ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر امت

کے لیے مقرر کر دیا کہ وہ اس کے لیے قربانی کیا کریں یعنی تقرب حاصل کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کا جانور ذبح کیا کریں اور اس آیت مبارکہ میں قربانی کے جانوروں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کرنے کو علت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے تمام نام پاکیزہ اور مقدس ہیں ﴿فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا﴾ پس تم اسی کے فرماں بردار بن جاؤ یعنی تم خالص اسی کے لیے ذکر کو مخصوص کرلو اور ذکر کو اسی کے لیے خاص کرلو اور کسی کا نام شامل کر کے اس کے نام میں آمیزش نہ کرو ﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ﴾ اے محبوب! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرنے والوں کو یا تواضع اور عاجزی اختیار کرنے والوں اور خوف خدا رکھنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ یہ ''خبت'' سے ماخوذ ہے یعنی نشیبی زمین میں رہنے والا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں' جو کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے اور جب ان پر ظلم وستم کیا جاتا ہے تو یہ لوگ ظالموں سے انتقام نہیں لیتے بلکہ عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی تفسیر وتشریح اس کے بعد آنے والا کلام کر رہا ہے یعنی

۳۵- ﴿الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ﴾ اور جو مصائب وآلام اور مشقتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر وہ صبر کرنے والے ہیں ﴿وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ﴾ اور وہ نماز کو اس کے اوقات میں قائم رکھتے ہیں ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ اور ہم نے انہیں جو رزق عطا کیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ
كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور قربانی کے بڑے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں میں سے بنایا ہے' ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے' سو تم ہاتھ پاؤں باندھ کر ان پر اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر) ذکر کیا کرو' پھر جب وہ پہلوؤں کے بل گر پڑیں تو تم ان میں سے خود بھی کھاؤ اور مانگنے والے ضرورت مند کو اور نہ مانگنے والے ضرورت مند کو بھی کھلاؤ' اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو○ اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بناء پر کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے' اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے○

۳۶- ﴿وَالْبُدْنَ﴾ یہ ''بَدَنَةٌ'' کی جمع ہے (جس کا لغوی معنی اونٹ ہے' نر ہو کہ مادہ) ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کا بدن موٹا اور بڑا ہوتا ہے اور شریعت میں یہ اونٹ اور گائے خواہ نر ہو خواہ مادہ ہو' سب کو شامل ہے [اور اس کو مرفوع

بھی پڑھا گیا ہے جب کہ یہ منصوب ہونے کی صورت میں اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے" وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ" (یٰسین:۳۹)" اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں"۔] ﴿جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ہم نے ان کو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے مقرر کر دیا ہے یعنی شریعت کی علامات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے [اوران کی اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف اضافت ان کی عظمت بڑھانے کے لیے ہے (جیسے بیت اللہ ناقۃ اللہ یداللہ اورنور اللہ کی اضافت تعظیم کے لیے ہے) اور "من شعآئِر اللّٰه"، "جَعَلْنَا" کا دوسرا مفعول ہے] ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ تمہارے لیے ان میں خیر و بھلائی ہے یعنی ان قربانی کے جانوروں میں دنیا میں بھی تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں اور آخرت میں بھی اجر و ثواب ہے ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا﴾ پس تم ان پر ان کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو ﴿صَوَآفَّ﴾ [یہ "هَا" ضمیر سے حال ہے] یعنی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے کھڑے ہونے کی حالت میں (انہیں ذبح کیا جائے) ﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ پھر جب وہ پہلوؤں پر گر پڑیں۔ "وجوب الجنوب" کا معنی ہے: پہلوؤں کے بل زمین پر گرنا۔ [یہ "وَجَبَ الْحَآئِطُ" سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دیوار زمین پر گر جاتی ہے یعنی جب اونٹ کو نحر کے طریقے پر ذبح کیا جائے اور وہ اپنے پہلو کے بل زمین پر گر پڑے اور اس کی حرکت رک جائے اور وہ ٹھنڈا پڑ جائے ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ تو اگر تم چاہو تو تم اس میں سے خود بھی کھا سکتے ہو ﴿وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ﴾ اور تم قناعت پذیر سائل کو کھلاؤ۔ [یہ "قَنِعْتَ إِلَيْهِ" سے ماخوذ ہے] جب اس کے سامنے عاجزی کو ظاہر کرو اور اس سے سوال کرو ﴿وَالْمُعْتَرَّ﴾ اور محتاج کو کھلاؤ جو اپنے آپ کو تمہارے سامنے فقیر و محتاج ظاہر کرے اور پیچھے لگ جائے اور زبان سے نہ مانگے اور بعض نے فرمایا کہ "قانع" وہ فقیر ہوتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا ہے اس پر اور بغیر سوال کے اسے جتنا عطا کیا جائے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے زیادہ کا تقاضا نہیں کرتا [اور یہ "قناعة" مصدر سے ماخوذ ہے] اور "معترّ" وہ فقیر ہوتا ہے جو ہر وقت مانگنے کے درپے رہتا ہے ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ﴾ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے تابع کر دیا یعنی جس طرح ہم نے تمہیں ان کو نحر کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یا یہ (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ" (الحج:۳۰) پھر نئے سرے سے الگ فرمایا کہ ہم نے ان کو تمہارا مطیع و فرماں بردار بنا دیا حالانکہ وہ بڑے جسیم و کیم اور طاقت ور ہیں تاکہ تم قربان کرنے کے لیے ان پر کنٹرول حاصل کر سکو ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات تمہیں عطا فرمائے ہیں تم ان پر اس کا شکر ادا کرو۔

## قربانی کی قبولیّت کے لیے تقویٰ اور نیّت کا خالص ہونا شرط ہے

۳۷- ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ اسے تو تمہاری طرف سے تقویٰ اور پرہیز گاری پہنچتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ محض قربانی کے گوشت اور خون کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا لیکن وہ تو تقویٰ اور پرہیز گاری کو قبول فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ محض صدقہ کیے گئے گوشت اور ذبح کے وقت بہائے گئے خون سے اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کو ہرگز حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس سے قربانیاں دینے والے لوگ مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ قربانیاں دینے والے اور اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ہرگز راضی نہیں کر سکتے جب تک وہ تقویٰ کی شرائط کی رعایت اور نیّت کی درستگی اور اخلاص کا لحاظ نہیں کریں گے۔

شانِ نزول: اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ اونٹوں (اور دیگر جانوروں) کی قربانیاں دینے کے لیے انہیں ذبح کرتے تو وہ ان کے خون کا بیت اللہ شریف کے اردگرد دیواروں کے

پاس چھڑکاؤ کرتے تھے اور بقیہ خون لے کر کعبہ شریف کا لیپ کر کے اسے خون سے لت پت کر دیتے تھے (اور گوشت کے ٹکڑے بنا کر کعبہ معظمہ کے اردگرد رکھ دیتے' ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو جاتی ہے۔روح البیان) چنانچہ جب مسلمانوں نے حج کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح قربانیاں کرنی چاہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل کر کے انہیں روک دیا گیا ﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی قربانی کے جانوروں کو اس لیے تمہارے لیے مسخر و مطیع کر دیا ﴿ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو (یعنی) تاکہ تم ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ لیا کرو یا یہ معنی ہے کہ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرو ﴿ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ اس بناء پر کہ اس نے تمہیں ہدایت عنایت فرمائی اور اس نے تمہاری رہنمائی فرمائی ﴿ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ اور اے محبوب! نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے (یعنی) احکام الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں کو اجر و ثواب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

رکوع ۵ | ۱۲

| |
|---|
| اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ |
| اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ |
| الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ |
| وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ |
| وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ |
| يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ |

بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا دفاع کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر بڑے خیانت کار ناشکرے کو پسند نہیں کرتا O ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے' جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے O جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے ضرور گرا دیئے جاتے' اور اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بڑی قوت والا' بہت غلبے والا ہے O

۳۸۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت و مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکین کی شرارتوں اور تکلیفوں سے بچاتا اور ان کی مدد کرتا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' (غافر:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں اور مسلمانوں کی ضرور مدد کرتے ہیں''۔[ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''يَدْفَعُ'' ہے جب کہ ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ''يُدَافِعُ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی خوب حمایت و مدد کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب اپنے (درج ذیل) ارشاد میں یہ بیان فرمایا: ﴿ اِنَّ

اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ امانت الٰہی میں ہر خیانت کرنے والے اور انعامات الٰہی کے ہر ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مخالفین کو پسند نہیں کرتا اور وہ خیانت کار اور ناشکرے لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور وہ اپنی امانتوں میں بھی خیانت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

## جنگ کی اجازت اور اس کی حکمتوں کا بیان

۳۹۔﴿ اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ ﴾ ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے' جن سے جنگ کی جاتی ہے [نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور عاصم کوفی کی قراءت میں ہمزہ مضموم اور ذال مکسور کے ساتھ فعل ماضی مجہول ہے اور ''یُقَاتِلُوْنَ'' نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''تا'' مفتوح کے ساتھ فعل مضارع مجہول ہے] اور معنی یہ ہے کہ جنگ کرنے اور لڑنے کی اجازت صرف انہیں لوگوں کو دی گئی ہے' جن سے خود جنگ لڑی جاتی ہے اور ہر آئے دن انہیں مارا پیٹا جاتا ہے اور یہاں ''ماذون فیه'' (جس جنگ کی اجازت دی گئی ہے اس کا ذکر) ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''یُقَاتِلُوْنَ'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ﴾ اس سبب سے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا گیا ہے' لہٰذا وہ مظلوم لوگ ہیں اور ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام مراد ہیں' جن کو مشرکین مکہ بہت سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور ان میں بعض حضرات کفار کی مار پیٹ کی وجہ سے زخمی ہوتے اور بعض کو سخت چوٹیں لگی ہوتی تھیں' وہ آپ سے کفار مکہ کے ظلم و ستم کی شکایت کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرماتے: ''اِصۡبِرُوۡا فَاِنِّیۡ لَمۡ اُوۡمَرۡ بِالۡقِتَالِ'' صبر سے کام لو کیونکہ مجھے ابھی تک جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' یہاں تک کہ آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور جنگ کرنے کی ستر سے زائد آیات ہیں' جن میں سے سب سے پہلی یہی آیت مبارکہ ہے' جس میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس سے پہلے جنگ کرنے کی ممانعت کی گئی تھی ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی یعنی مؤمنوں کی مدد کرنے پر ضرور پوری طرح قادر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنوں کے لیے امداد کی بشارت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' (الحج:۳۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا خود دفاع کرتا ہے اور ان کی حمایت و مدد کرتا ہے''۔

۴۰۔﴿ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں' جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا' صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے یعنی بغیر کسی سبب کے صرف عقیدۂ توحید اختیار کرنے پر' جس کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ اس عقیدۂ حق کے حاملین کو عقیدۂ توحید کے سبب ٹھہرا لیا جاتا اور انہیں مستقل رکھا جاتا نہ کہ اس کو نکالنے کا سبب بنایا جاتا اور اس کی مثل یہ آیت مبارکہ ہے: ''هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' (المائدہ:۵۹) ''تم ہم سے انتقام نہیں لے رہے مگر اس بناء پر کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں''۔ [''لِلَّذِیۡنَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر ''اَلَّذِیۡنَ'' محلاً مجرور ہے یا پھر ''اعنی'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پوشیدہ ضمیر ''هُمۡ'' کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی اصل میں ''هُمُ الَّذِیۡنَ'' ہے اور ''حَقٍّ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے ''اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا'' محلاً مجرور ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہیں ان کے گھروں سے نہیں نکالا گیا مگر ان کے اس کہنے کے سبب کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے ﴿ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے

کے ذریعے سے نہ روکتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کنیسے اور مسجدیں ضرور گرا دی جاتیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کے ذریعے کافروں پر غالب و مسلط نہ کرتا تو کفار و مشرکین اپنے زمانہ کے تمام مختلف اہلِ مذاہب پر اور ان کی عبادت گاہوں پر غالب اور مسلط ہو جاتے اور ان کی عبادت گاہوں کو گرا دیتے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیتے اور وہ نہ عیسائیوں کے گرجے چھوڑتے اور نہ ان کے راہبوں کی خانقاہیں چھوڑتے اور نہ یہودیوں کے کلیسے یعنی کنیسے چھوڑتے اور یہودیوں کے کنائس (عبادت گاہوں) کو ''صَلَوَات'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہودی ان میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور نہ وہ مسلمانوں کی مسجدوں کو چھوڑتے یا یہ معنی ہے کہ اگر سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی امتِ دعوت کے مشرکین مسلمانوں پر اور اہلِ کتاب پر غالب آ جاتے تو وہ دونوں فریقوں کی عبادت گاہیں گرا دیتے' مساجد پر دوسری عبادت گاہوں کو پہلے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ وجودِ تعمیر میں مقدم ہیں یا اس لیے کہ وہ مسجدوں کی نسبت گرائے جانے کے قریب ہیں ﴿یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا﴾ ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ صرف مسجدوں میں یا ان تمام عبادت گاہوں میں' جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے ﴿وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کی یعنی اس کے دین کی اور اس کے دوستوں کی مدد کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد کرنے پر پوری قوت و طاقت رکھتا ہے (اور) اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر پوری طرح غالب ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ
یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ
اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ
لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا فرما دیں تو وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں' اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ○ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود ○ اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم ○ اور مدین والے بھی جھٹلا چکے ہیں' اور موسیٰ کو جھٹلا دیا گیا' سو میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا' پس میرا عذاب کیسا رہا ○

۴۱- ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے صحابہ کرام میں سے مہاجرین کی عنقریب ہونے والی سیرت کی خبر دی کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخش دیں اور انہیں دنیا میں وسعت و خوشحالی عطا فرما دیں تو وہ دینِ اسلام کے نظام کو کیسے قائم رکھیں گے اور اس میں خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے انہیں عدل و انصاف پر مبنی سیرت پاک کے ساتھ ساتھ اقتدار اور احکامِ الٰہی کے اجرا کے لیے قوتِ نافذہ بھی عطا کی اور حضرت

حسن بصری فرماتے ہیں: اس سے امتِ محمدی ﷺ مراد ہے [''مَنْ یَّنْصُرُہٗ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے ''اَلَّذِیْنَ'' محلاً منصوب ہے یا ''لِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا'' کے تابع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے] ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی تمام کاموں کا رجوع اس کے حکم کی طرف ہے اور اس کی تقدیر کی طرف ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تاکید ہے جو اس نے اپنے دوستوں کو غلبہ عطا کرنے کا فرمایا اور ان کے دین کو سربلندی عطا کرنے کا فرمایا ہے۔

## انبیائے کرام کی تکذیب کی وجہ سے کفار کے بُرے انجام کا بیان

۴۲- ﴿وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ﴾ اور اگر کفارِ مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم قریشِ مکہ سے پہلے قومِ نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور عاد نے (اپنی قوم سمیت) حضرت ھود علیہ السلام کو اور ثمود نے (اپنی قوم سمیت) حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے کہ اگر آپ کو اہلِ مکہ نے جھٹلایا ہے تو سابق انبیائے کرام کو بھی جھٹلایا گیا تھا یعنی جھٹلائے جانے میں آپ اکیلے اور تنہا نہیں ہیں۔

۴۳- ﴿وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور قومِ ابراہیم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور قومِ لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔

۴۴- ﴿وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى﴾ اور مدین کے رہنے والوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا تھا کہ انہیں فرعون اور قبطیوں نے جھٹلایا تھا اور یہاں ''وَقَوْمُ مُوْسٰى'' نہیں فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنو اسرائیل نے نہیں جھٹلایا تھا بلکہ انہیں ان کی غیر قوم نے جھٹلایا تھا گویا ہر قوم کے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کے ذکر کے بعد فرمایا گیا: ''وَكُذِّبَ مُوْسٰى'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی واضح نشانیوں اور ان کے کھلم کھلا معجزات کے باوجود جھٹلا دیا گیا تھا تو اے محبوب! ان کے علاوہ دوسروں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ﴿فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ سو میں نے کافروں کو مہلت دے دی اور ان کے عذاب کو مؤخر کر دیا گیا ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میں نے ان کو کفر کے اصرار کرنے پر بدترین عذاب میں ہلاک کر دیا ﴿فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ﴾ تو میرا انکار اور میری تبدیلی کیسی رہی کیونکہ میں نے نعمتوں کو انتقام میں اور زندگی کو ہلاکت میں اور آبادی کو ویرانی میں تبدیل کر دیا تھا [قاری یعقوب کی قراءت کے مطابق حالتِ وصل اور وقف دونوں میں ''یا'' کے ساتھ ''نَكِیْرِیْ'' ہے]۔

فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

پس کتنی بستیاں تھیں، جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا حالانکہ وہ بڑی ظالم تھیں، پس اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور

بہت سے کنویں بے کار کر دیئے گئے اور بہت سے مضبوط چونے سے گچ کیے ہوئے محل (ویران کر دیئے گئے) O تو کیا یہ لوگ اس سرزمین کی سیر و سیاحت نہیں کر چکے' سو ان کے ایسے دل ہوتے' جن سے وہ سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے' جن سے سن لیتے' پس بے شک (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہیں اور لیکن (ان کے) دل اندھے ہیں' جو سینوں میں ہیں O

۴۵- ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ سو کتنی بستیاں تھیں' جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا [ابو عمرو بصری کی قراءت ''اَهْلَكْتُهَا'' ہے] ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور وہ بڑی ظالم تھیں یعنی ان بستیوں میں رہنے والے مشرکین بڑے ظالم لوگ تھے [یہ جملہ حالیہ ہے] ﴿فَهِيَ خَاوِيَةٌ﴾ پس وہ گری پڑی ہیں یہ ''خوی النجم'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ستارہ گر پڑتا ہے ﴿عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ [یہ ''خَاوِيَةٌ'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ تمام بستیاں اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں یعنی ان کی چھتیں زمین پر گری پڑیں ہیں' پھر ان کی دیواریں منہدم ہوئیں اور چھتوں پر گر پڑیں [''فَهِيَ خَاوِيَةٌ'' کے لیے اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں کیونکہ یہ ''اَهْلَكْنَاهَا'' پر معطوف ہے اور اس فعل کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم ''كَاَيِّنْ'' کو اس تقدیر پر محلاً منصوب قرار دیں کہ یہ ''كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرٰى اَهْلَكْنَاهَا'' کے معنی میں ہے] ﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ﴾ اور بہت سے کنویں ناکارہ کر دیئے گئے یعنی ڈول اور رسی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا ہے اور پانی کھینچنے کے آلات نہ ہونے کی وجہ سے یہ کنویں ناکارہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ گئے یا یہ معنی ہے کہ یہ کنویں آباد تھے' ان میں سے پانی لینے کا کام کیا جاتا تھا اور ان کے پاس پانی پینے کے آلات موجود ہوتے تھے' مگر اب یہ بے کار و ناکارہ پڑے ہیں' یعنی ان کو چھوڑ دیا گیا' ان سے پانی نہیں لیا جاتا کیونکہ انہیں تعمیر و آباد کرنے والے ان کے مالک ہلاک ہو کر تباہ و برباد ہو گئے ﴿وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ اور بہت سے محل چونے سے گچ کیے ہوئے یا بلند و بالا محل۔ [یہ ''شاد البناء'' سے ماخوذ ہے۔ ''شَادَ'' بہ معنی ''رَفَعَهٗ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بہت سی بستیوں کو ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور بہت سے آباد کنویں تھے' جن کو ہم نے پانی سے معطل و بے کار بنا دیا اور بہت سے بلند و بالا اور مضبوط محلات تھے' جن کو ہم نے ان کے باشندوں سے خالی کر دیا یعنی ہم نے مسافروں اور مقیم باشندوں سب کو ہلاک کر دیا' پس محلات اپنے مالکوں سے اور کنویں اپنے پانی لانے والوں سے خالی ہو گئے اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ کنوؤں اور محلات سے عموم مراد ہے۔

۴۶- ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا۔ اس آیت مبارکہ میں سفر اور سیر و سیاحت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے تا کہ کفارِ مکہ ان لوگوں کی ہلاکت گاہیں دیکھیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کے سبب ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا تھا اور یہ ان لوگوں کے آثار و نشانات کا مشاہدہ کریں اور عبرت حاصل کریں ﴿فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ سو ان کے ایسے دل ہوتے' جن کے ساتھ سمجھتے اور ایسے کان ہوتے' جن کے ساتھ وہ سنتے یعنی توحید و رسالت اور دیگر عقائد حقہ جن کا جاننا اور سمجھنا واجب و لازم ہے وہ انہیں سمجھتے اور وحی الٰہی جس کا سننا واجب و لازم ہے وہ اس کو سنتے ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ﴾ پس بے شک بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہیں اور لیکن (ان کے) وہ دل اندھے ہیں' جو ان کے سینوں میں ہیں [''فَاِنَّهَا'' میں ضمیر قصہ کی ضمیر ہے یا پھر مبہم ضمیر ہے' جس کی ''اَلْاَبْصَارُ'' تفسیر کر رہا ہے] یعنی ان کی آنکھیں دیکھنے سے اندھی نہیں ہیں بلکہ ان کے دل عبرت حاصل کرنے سے اندھے ہیں اور ہر انسان کے لیے چار آنکھیں ہوتی ہیں' دو آنکھیں اس کے سر میں ہوتی ہیں اور دو آنکھیں اس کے دل میں ہوتی ہیں' پھر جب اس کے دل کی آنکھیں دیکھتی ہوں اور اس کے سر کی آنکھیں اندھی ہوں تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اگر اس کے سر کی آنکھیں دیکھتی ہوں اور اس کے

دل کی آنکھیں اندھی ہوں تو کوئی چیز نفع نہیں پہنچا سکتی اور ''صــدور'' کا ذکر یہ بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ علم کا محل اور مرکز دل ہے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ دل سے مراد اس (سینے کے اندر والے) عضو کے علاوہ ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دل ہر چیز کے لیے دماغ ہوتا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

ع ۱۴

اور وہ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک دن اس ہزار سال کے برابر ہے' جسے تم گنتے ہو O اور کتنی بستیاں ایسی تھیں' جنہیں میں نے مہلت دے دی حالانکہ وہ بڑی ظالم تھیں' پھر میں نے انہیں پکڑ لیا' اور (سب نے) میری طرف لوٹ کر واپس آنا ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تو صرف تمہارے لیے واضح طور پر ڈر سنانے والا ہوں O سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے (گناہوں کی) بخشش اور عزت کی روزی ہوگی O

۴۷- ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ اور وہ استہزاء کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے آپ سے مقررہ وقت سے پہلے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ گویا وہ لوگ وعدہ خلافی کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اس کے وعدہ پر جائز ہوتا ہے' جس پر ''خــلف'' (وعدہ خلافی کرنا) جائز ہو اور اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور اس نے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ انہیں ضرور پہنچے گا اور اگر چہ کچھ عرصہ بعد پہنچے گا ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے' جسے تم گنتی کرتے ہو یعنی وہ لوگ اس ذاتِ اقدس سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں' جس کے عذاب کے دنوں میں سے ایک دن درازی و لمبائی میں تمہارے سالوں میں سے ایک ہزار سال کے برابر ہے کیونکہ تکالیف کے دن طویل و لمبے ہوتے ہیں۔

۴۸- ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور کتنی بستیاں تھیں' جنہیں ہم نے مہلت دے دی اور وہ بڑی ظالم تھیں' یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں' جن میں رہنے والے لوگ تمہاری طرح ظالم و ستم گر تھے اور بے شک میں نے ان کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دی ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهَا﴾ پھر میں نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیا ﴿وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ اور میری طرف لوٹ کر آنا ہے یعنی سب کو لوٹ کر میرے پاس آنا ہے' پس کوئی شخص مجھ سے فرار نہیں ہو سکتا ہے [اور بے شک پہلا یعنی ''فَكَاَيِّنْ'' (الحج:۴۵) ''فا'' کے ساتھ معطوف ہے اور یہ یعنی ''وَكَاَيِّنْ'' واؤ کے ساتھ معطوف ہے اس لیے کہ

پہلا "فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ" (الحج: ۴۴) سے بدل ہے۔ لیکن اس کا حکم وہی ہے' جو اس سے پہلے دو جملے واؤ کے ساتھ معطوف ہیں اور وہ دونوں یہ ہیں "وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" "وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ" (الحج: ۴۷)]۔

## مشرکین کے لیے انتباہ اور مسلم و کافر کے اعمال پر نیک و بد انجام کا بیان

۴۹- ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تو صرف تمہارے لیے علانیہ ڈر سنانے والا ہوں۔ اور یہاں "بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ" نہیں فرمایا اس لیے کہ مسلم و غیر مسلم دونوں فریقوں کا ذکر اس کے بعد کیا گیا اور اس لیے کہ یہاں یہ بات صرف مشرکین کے لیے بیان کی گئی ہے اور "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ" میں انہیں مشرکین کو ندا دی گئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں' جن کے بارے میں "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا" فرمایا گیا ہے اور جن کو عذاب کی طلب میں عجلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مشقتوں بھرے اعمالِ صالحہ اور ان کے ثواب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ کفار و مشرکین غیظ و غضب میں جل جائیں یا اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ وَّبَشِيْرٌ" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے خوشخبری سنائی اور فرمایا:

۵۰- ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ان کے گناہوں کی مغفرت و بخشش ہے ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور عزت کی روزی یعنی بہترین و عمدہ ترین رزق عطا کیا جائے گا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برملا ڈر سنایا اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے ارادے سے ہماری آیات کے بارے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں وہی لوگ دوزخی ہیں○ اور ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے پڑھا تو شیطان نے (بعض لوگوں کے خیال میں) اپنی طرف سے اس کی تلاوت میں کچھ ڈال دیا' سو شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم و مضبوط کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے○ تا کہ شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے' جن کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہو چکے ہیں' اور بے شک ظالم لوگ (حق سے) بہت دور کی مخالفت میں ہیں○

۵۱- ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں یعنی قرآن مجید میں فساد و بگاڑ ثابت کرنے کے لیے کوششیں کیں' اور "سَعٰى فِيْ اَمْرِ فُلَانٍ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی کوشش سے کسی کے کام کو باطل و فاسد اور غلط ثابت کر دے ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ مقابلہ کرنے والے اور عاجز کرنے والے [یہ حال ہے اور ابن کثیر کی

اورابوعمرو کی قراءت میں اصل میں ''مُعَجِّزِیْنَ'' (باب تفعیل سے جیم مشدد کے ساتھ) ہے اور ''عَاجَزَهٗ'' بہ معنی ''سَابَقَهٗ'' ہے] یعنی فلاں آدمی اس سے آگے نکل گیا گویا دونوں مقابلہ کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے ساتھ ملنے سے عاجز و بے بس کرنے میں کوشاں ہوتا ہے' پھر جب وہ اپنے مقابل سے آگے سبقت کر جاتا اور جیت جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اعجز وعجزہ'' اور معنی یہ ہے کہ کفار مکہ نے قرآن مجید کے معنی میں فساد ڈالنے اور اس میں طعن وتشنیع کرنے کی کوشش کی جیسا کہ انہوں نے قرآن مجید کو جادو اور شعر اور کہانیاں قرار دیا اور وہ اپنے خیال میں اور اپنے اندازے میں اس میں سبقت کر گئے اور جیت گئے' ان کی تمنا یہ تھی کہ اسلام کے خلاف ان کی سازش ان کے لیے پوری ہو جائے گی ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں' سخت بھڑکائی ہوئی آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵۲۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی بھیجا۔ یہ آیت مبارکہ رسول اور نبی کے درمیان مغائرت کے ثبوت کی دلیل ہے۔ یہ خلاف ان بعض حضرات کے جنہوں نے کہا کہ بے شک رسول و نبی دونوں ایک چیز ہیں حالانکہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انبیائے کرام کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں' پھر عرض کیا گیا کہ ان میں سے رسول کتنے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ ہوئے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول وہ پیغمبر ہوتا ہے' جس پر کتاب نازل کی گئی ہو اور نبی وہ پیغمبر ہوتا ہے' جس پر کوئی کتاب نازل نہیں کی جاتی بلکہ وہ صرف اپنے سے پہلے رسول کی شریعت کی طرف دعوت دینے پر مامور کیا جاتا ہے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت پیش کرتا ہے اور نبی وہ ہوتا ہے جو اپنے علاوہ کسی رسول کی شریعت کی حفاظت وتبلیغ کرتا ہے [''مِنْ قَبْلِكَ'' میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''مِنْ رَّسُوْلٍ'' میں حرف ''مِنْ'' نفی کی تاکید کے لیے زائد ہے] ﴿اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ﴾ مگر جب پیغمبر نے پڑھا تو شیطان نے اس کی تلاوت (کے دوران حالت وقف) میں اپنی طرف سے کچھ ڈال دیا اور ''تَمَنّٰى'' بہ معنی ''قَرَاَ'' (اس نے پڑھا) ہے' چنانچہ حضرت حسان بن ثابت نے فرمایا:

تَمَنّٰى كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ تَمَنّٰى دَاوٗدُ الزَّبُوْرَ عَلٰى رِسْلٍ

''تم رات کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کو پڑھا کرو جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور شریف کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے''۔

## عصمتِ نبوی کے خلاف غلط روایت کی تردید وصحیح توجیہ

بعض مفسرین نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم قریشِ مکہ کی مجلس میں سورۃ النجم کو پڑھا اور جب آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى'' (النجم:۲۰) پر پہنچے تو آپ کی زبان مبارک پر ''تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى' وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى'' (ترجمہ: یہ بت عالی شان ہیں اور بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) جاری ہو گئے اور آپ کا ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہوا یہاں تک کہ عصمت وطہارت اور آپ کی پاک دامنی نے آپ کی دستگیری فرمائی اور آپ اس سے آگاہ ہو گئے اور بعض نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو آکر آگاہ کیا اور آپ نے آگاہ ہونے کے بعد لوگوں کو بتایا کہ یہ کلمات شیطان کی طرف سے القاء کیے گئے تھے' یہ قول (جس طرح بیان کیا گیا ہے) نہایت ناپسندیدہ غیر معتبر (بلکہ باطل وبے اصل) ہے' اس لیے کہ یہ قول چار حالتوں سے خالی نہیں ہے: (۱) یا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو قصداً یعنی جان بوجھ کر ادا فرمایا اور یہ یقیناً جائز نہیں کیونکہ یہ کفر ہے اور اس لیے بھی کہ آپ بتوں کی مذمت

ویُرائی بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں' ان کی تعریف وتوصیف بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے (۲) یا شیطان لعین نے یہ کفریہ کلمات حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر جبراً یعنی زبردستی جاری کردیئے' اس حیثیت سے کہ آپ اس کے مقابلے میں ان کلمات کو روکنے پر قادر نہ رہے اور یہ بھی ممنوع ومحال ہے کیونکہ شیطان مردود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جونیئر بندگانِ خدا کے حق میں بھی یہ قدرت واختیار نہیں رکھتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ'' (الاسراء:۶۵) ''بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ واختیار حاصل نہیں''۔ تو آپ کے حق میں بہ طریق اولیٰ جبر واختیار نہیں رکھتا (۳) یا یہ کلمات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر بھول وغفلت کی وجہ سے جاری ہو گئے اور یہ مردود وغلط ہے' اس لیے کہ اس قسم کی غفلت وسہو تبلیغِ وحی کی حالت میں آپ پر جائز نہیں ہے اور اگر یہ جائز ہو جائے تو آپ کی باتوں پر اعتماد ویقین باطل ہو جائے گا اور اس لیے بھی کہ آپ پر نازل کی گئی کتاب (قرآن مجید) کی توصیف وتعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ'' (حٰم السجدہ:۴۲) ''نہ اس پر اس کے آگے باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے آسکتا ہے''۔ اور ارشاد فرمایا: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (الحجر:۹) ''بے شک ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآنِ مجید) کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ پس جب یہ تمام وجوہات باطل ہو گئیں تو اب صرف ایک وجہ باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت کریمہ ''وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی'' (النجم:۲۰) پر وقف کر کے خاموش ہو گئے تو شیطان نے حضور نبی کریم ﷺ کی قراءت کے ساتھ متصل یہ کلمات پڑھ دیئے' جس سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو پڑھا ہے' پس یہ ہے وہ القاء جو شیطان کی طرف سے حضور نبی کریم ﷺ کی قراءت میں کیا گیا۔[1]

اور حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں شیطان کلام کیا کرتا تھا اور اس کا کلام لوگوں کو سنا جاتا تھا' چنانچہ ایک معتبر روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک شیطان نے غزوۂ اُحد کے دن با آوازِ بلند پکار کر کہا تھا: ''اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ'' ''لوگو! آگاہ ہو جاؤ بے شک (سرورِ انبیاء حبیب کبریا حضرت) محمد (مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) کو قتل کر دیا گیا ہے اور غزوۂ بدر کے دن شیطان نے جو کچھ کہا' قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ''لَا غَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ'' (الانفال:۴۸) ''آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں''۔ ﴿فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا

---

[1] ''تفسیر مدارک التنزیل'' کے مصنف علیہ الرحمۃ نے بعض مفسرین کی غیر معتبر روایت بیان کر کے اس کی تردید کر دی ہے اور اس کی باطل وجوہ بھی ذکر کر کے ان کی بھی تردید کر دی ہے اور شانِ نبوت کے مطابق صحیح وجہ بھی بیان کر دی ہے تاہم اس کی مزید تائید وتقویت کے لیے میں اپنے محسن ومشفق استاذی المکرّم کی تفسیر ''تبیان القرآن'' کے چند ضروری اہم اقتباسات پیش کر رہا ہوں تاکہ اس روایت کی اصل حقیقت مزید واضح ہو جائے۔ قاضی عیاض اس بحث میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا' نہ یہ کسی سند صحیح اور متصل سے مروی ہے۔ اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے' جو عجیب وغریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب ویابس اور غلط سلط باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے اس روایت کے راویوں کی فنی کمزوریاں ذکر کی ہیں' پھر بکثرت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک پر شیطان کا تسلط محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآن مجید کو پہنچاتے ہوئے آپ کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو' پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں: اگر ایسا ہوا ہوتا تو مشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے' منافقین نبی کریم ﷺ کی نبوت میں طعنہ زنی کرتے' العیاذ باللہ' کئی ضعیف القلب مسلمان مرتد ہو جاتے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ شیطان نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ﴾ پس اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے' جو شیطان القاء کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے لے جاتا ہے اور اسے ختم کر دیتا ہے اور لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ یہ کلام شیطان کی طرف سے ہے ﴿ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم و مضبوط کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ثابت و مستحکم کر دیتا ہے اور ان کو شیطان کے اضافے کے لاحق ہونے اور ملنے سے محفوظ کر دیتا ہے ﴿ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف جو کچھ وحی نازل فرمائی ہے اُسے اور شیطان کے ارادہ کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَکِیۡمٌ ﴾ وہ بڑا دانا اور صاحبِ حکمت ہے' وہ شیطانی سازش کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ وہ اسے لوگوں پر واضح کر دیتا ہے اور اُسے زائل کر دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ذکر فرمایا کہ یہ اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ایک قوم کو آزمائے۔

۵۳۔ ﴿ لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَۃً ﴾ تا کہ جو کچھ شیطان القاء کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو امتحان و آزمائش بنا دے ﴿ لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ ﴾ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں شک اور منافقت کی بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہو چکے ہیں' وہ جھٹلانے والے مشرکین ہیں' پس اس واقعہ کے ذریعے ان کے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) القاء ضرور کیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک پر نہیں بلکہ ان بعض غافل محدثین پر القاء کیا ہے جنہوں نے ضعیف مسلمانوں کے دین میں خلل ڈالنے کے لیے شیطان سے یہ روایت سنی اور (حضرت عبد اللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے) مختلف اسانید سے پھیلا دی۔ (الشفاء مع مصلہ ج ۲ ص ۱۰۶۔ ۱۱۰' طبع ملتان)

علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ ''تلك الغرانيق العلى'' والی روایت باطل ہے' نہ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً' کیونکہ مشرکین کے خداؤں کی تعریف کرنا کفر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں' نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا: العیاذ باللہ' آپ اس سے بَری ہیں۔ سورۂ نجم کی تفسیر میں بھی علامہ کرمانی نے اس کی تردید کی ہے۔ (شرح الکرمانی ج ۶ ص ۱۵۳۔ ج ۸ ص ۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے باطل خداؤں کی تعریف کی تھی' یہ باطل قول ہے اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۳۲' طبع ملتان)

شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ عقلاً اور نقلاً وجوہِ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۲' لکھنؤ)

قاضی ابوبکر ابن العربی نے (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۳' بیروت میں) دس وجوہ سے اس روایت کو باطل کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نبی کے پاس فرشتہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تو اس میں علم پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے ورنہ نبی کو کیسے یقین ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آ کر کچھ کلمات پڑھے اور آپ کو پتہ نہ چلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر و شرک سے معصوم رکھا ہے اور جو شخص ایک آن کے لیے بھی آپ پر کفر کو جائز رکھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ بتوں کی تعریف کرنا اور ان کو شفاعت کرنے والا کہنا کفر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم امتِ محمد یہ ﷺ کا تلچھٹ ہیں' ہم بھی ان کلمات کا کفریہ ہونا جانتے ہیں تو حضور ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معرفت کرائی ہے' کب ان کلمات کے کفر سے غافل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے اسی طرح باقی وجوہات بیان کیں ہیں اور آخر میں فرمایا: یہ تمام روایات باطل ہیں' ان کی کوئی اصل نہیں۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۷۸۰ تا ۷۸۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

اور دلوں کی تاریکی میں اضافہ کر دیا گیا ﴿ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴾ اور بے شک یہ ظالم لوگ حق سے بہت دور مخالفت میں پڑے ہیں یعنی منافقین اور مشرکین اور اس کی اصل ''وَاِنَّھُمْ'' ہے لیکن اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے ظلم و ستم کا فیصلہ ان کے خلاف کیا جائے۔

وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۵۷﴾ ع ۱۴

اور تا کہ جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے وہ جان لیں کہ بے شک یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے' پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں' اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف انہیں لوگوں کی رہنمائی فرماتا ہے جو ایمان لائےO اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ہمیشہ اس کے متعلق شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آ جائے گی یا ان پر سراپا نقصان دہ سخت ترین دن کا عذاب آ جائے گاO اس دن ساری بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی' وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا' پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ تو نعمتوں والی بہشتوں میں ہوں گےO اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہو گاO

---

٥٤۔ ﴿ وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ اور تا کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور آیات کا علم عطا کیا گیا ہے وہ جان لیں کہ ﴿ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ بے شک وہ یعنی قرآن مجید آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے ﴿ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ ﴾ پس وہ اس قرآن مجید پر ایمان لائیں ﴿ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ﴾ اور ان کے دل اس پر مطمئن ہو جائیں ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتا ہے' جو ایمان دار ہوتے ہیں' چنانچہ وہ دین کے متشابہات کی صحیح تاویل کرتے ہیں اور دین کے مشکل و پیچیدہ مسائل کے لیے ایسا محمل و معنی تلاش کرتے ہیں' جس کا مستند و مستحکم قواعد و اصول تقاضا کرتے ہیں' یہاں تک کہ انہیں کوئی حیرت و پریشانی لاحق نہیں ہوتی اور نہ ان پر شک و شبہ طاری ہوتا ہے۔

٥٥۔ ﴿ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ہمیشہ اس قرآن مجید کے متعلق یا سیدھے راستے کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا رہیں گے ﴿ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ ﴾ یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آ جائے گی یا ان پر سخت ترین دن کا عذاب آ جائے گا یعنی غزوہ بدر کا دن'

پس وہ کافروں کے لیے مانع ہوا کہ اس میں کسی قسم کی کشادگی اور نکلنے کی کوئی راہ یا راحت وسکون ہوتا جیسے تیز آندھی جو کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر نہیں آتی یا سخت ترین دن جس میں ذرہ برابر رحم وکرم اور مہربانی نہ ہو یا اس دن کے معاملے کی عظمت کی وجہ سے اس جیسا کوئی دن نہیں کیونکہ اس روز فرشتوں نے اتر کر جنگ میں حصہ لیا اور کافروں کو تہ تیغ کیا اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور ''سَاعَۃٌ'' سے اس کے مقدمات واسباب مراد ہیں۔

۵٦۔﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ اس روز یعنی قیامت کے دن ساری بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہو گی اس کے بارے میں کوئی اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنے والا یا اختلاف کرنے والا نہیں ہوگا [''یَوْمَئِذٍ'' میں آخر میں تنوین جملہ کے عوض میں ہے ''اَیْ یَوْمَ یُؤْمِنُوْنَ اَوْ تَزُوْلُ مِرْيَتُهُمْ''] یعنی قیامت کے دن وہ لوگ ایمان لے آئیں گے یا قیامت کے دن ان کا شک زائل ہو جائے گا ﴿يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' پھر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ تو نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔

۵۷۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' پس یہی وہ لوگ ہیں' جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے پہلی جماعت میں سے ایک قوم کی ایک خصوصی فضیلت کا ذکر کیا اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی' پھر قتل کیے گئے یا وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین رزق عطا فرمائے گا' اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً وہی ہے' جو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے O البتہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ میں داخل کرے گا' جس کو وہ پسند کریں گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا' بڑا بردبار ہے O بات یہی ہے' اور جس نے اتنی ہی سزا دی جتنی اسے تکلیف دی گئی' پھر اس پر زیادتی کی گئی تو البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً بہت معاف کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے O یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O

۵۸۔﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی (یعنی) وہ

لوگ جہاد کرنے کی نیت سے اپنے اپنے گھروں اور اپنے وطنوں سے نکل گئے ﴿ ثُمَّ قُتِلُوٓا ﴾ پھر وہ جہاد میں قتل کر دیئے گئے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قُتِّلُوْا'' (''تا'' مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿ اَوْ مَاتُوْا ﴾ یا وہ اپنی طبعی موت مر گئے ﴿ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین رزق عطا فرمائے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ رزقِ حسن سے ایسا رزق مراد ہے' جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ وہی ہے' جو سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے کیونکہ وہی تمام مخلوق کو بغیر مثال کے ایجاد کرنے والا ہے' وہی بغیر کسی رنج و ملال کے سب کے رزق کی کفالت کرنے والا ہے۔

۵۹۔ ﴿ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ایسی جگہ میں داخل کرے گا [نافع مدنی کی قراءت میں میم مفتوح ''مَدخلًا'' ہے] اور اس سے جنت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجر مجاہدین کو ایسی عالی شان نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا ﴿ يَّرْضَوْنَهٗ ﴾ جس کو وہ لوگ خوب پسند کریں گے کیونکہ اس میں وہ نعمتیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو بھی خوب جاننے والا ہے' جنہوں نے جہاد کرتے ہوئے اپنے وعدوں اور منتوں کو پورا کر لیا اور ان کے انجام کو بھی خوب جاننے والا ہے' جو اپنے وعدوں اور منتوں کا انتظار کرتے ہوئے طبعی موت مر گئے ﴿ حَلِيْمٌ ﴾ بڑا بردبار ہے' جو مسلمانوں سے بغض و عناد رکھ کر لڑنے والوں کو بھی مہلت دے دیتا ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے عرض کیا کہ ''یَا نَبِیَّ اللّٰہِ'' (اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر)! یہ ہمارے مسلمان ساتھی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں ہم ان کے متعلق یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خیر و بھلائی اور بہترین جزائے خیر عطا فرمائے گا لیکن ہم جو آپ کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ جہاد کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے جہاد کیا تو اگر ہم آپ کے ساتھ طبعی موت مر گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ پس انہیں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں۔

۶۰۔ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یعنی واقعی معاملہ یہی ہوگا (کہ تمام مجاہدین کو برابر اجر و ثواب ملے گا خواہ شہید ہو جائیں یا طبعی موت مر جائیں) [یہ اور اس کے بعد والا کلام جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے] ﴿ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ﴾ اور جس شخص نے اتنی سزا دی جتنی اسے سزا دی گئی۔ ابتدائی زیادتی کو سزا محض اس مناسبت کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ سبب ہے اور وہ جوابی سزا اس کا مسبب ہے ﴿ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ﴾ پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا یعنی جس نے اتنی سزا دی جتنی اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی' پھر اس کے بعد اس پر ظلم و ستم اور زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس مظلوم کی مدد کرے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا ہے جو تمام گناہوں کے آثار و علامات مٹا دے گا ﴿ غَفُوْرٌ ﴾ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تمام قسم کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس آیتِ مبارکہ کے سیاق و سباق کے مطابق ان دو صفتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ قریب لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی مرتبہ ظلم کا نشانہ بنانے والے سے عفو و درگزر کرنے اور انتقام کو ترک کرنے کا تقاضا کیا گیا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ'' (الشوریٰ:۴۰) ''سو جس نے اپنا معاملہ معاف کر دیا اور (دوسرے کے معاملے میں) صلح کرا دی تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے''۔ ''وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی'' (البقرہ:۲۳۷) ''اور یہ کہ تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔ پھر جب اس بات نے اثر نہ کیا اور مظلوم نے ظالم سے انتقام لے

لیا تو وہ صرف افضل و بہتر عمل کا تارک ہوگا اور وہ دوبارہ حملہ کا نشانہ بننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی امداد کا مستحق ہوگا کیونکہ جب اس نے عفوودرگزر کرنے کو ترک کر دیا اور ظلم و زیادتی کرنے والے سے انتقام لے لیا تو اس کے باوجود ان دوصفتوں کے ذکر کی وجہ سے اس نے یہ جان لیا کہ عفوودرگزر کرنا انتقام لینے سے بہتر ہے یا یہ آیت مبارکہ عفو و مغفرت کے ذکر سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ عفو کے ساتھ وہی موصوف ہوتا ہے' جو اس کی ضد (انتقام) پر قادر ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ''اَلْعَفْوُ عِنْدَ الْقُدْرَۃِ'' یعنی معاف کرنا قدرت کے وقت ہوتا ہے۔

٦١-﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے' یعنی مظلوم کی یہ امداد اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بے شک وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن میں سے رات میں اضافہ کرتا ہے اور رات میں سے دن میں اضافہ کرتا ہے یا اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ رات اور دن کا خالق و مالک ہے' وہی ان دونوں میں تصرف فرمانے والا ہے' پس رات اور دن میں اس کے بندوں کے ہاتھوں نیکی اور برائی اور بغاوت و سرکشی اور عدل و انصاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے اور بے شک وہ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے' جو کچھ اس کے بندے بولتے رہتے ہیں اور کسی ایک کی سماعت کسی دوسرے کی سماعت میں اسے غافل نہیں کرتی' اگرچہ مختلف زبانوں میں' مختلف آوازوں میں' ایک دن میں بے شمار مرتبہ بولی جاتی ہیں اور وہ سب کچھ دیکھنے والا جو کچھ لوگ کر رہے ہیں اور تاریک ترین راتوں کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے' اگرچہ پے در پے مسلسل تاریکیاں اور اندھیرے چھائے رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ
وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع ۱۵

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کے ماسوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی عالی شان بڑائی والا ہے ○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین سرسبز و شاداب ہوگئی' بے شک اللہ تعالیٰ بہت مہربان' بڑا خبردار ہے ○ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز ہے ہر قسم کی حمد کے لائق ہے ○

٦٢-﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک یہ لوگ اس کے علاوہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ سراسر باطل و ناحق ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی عالی شان بڑی قدرت والا ہے یعنی یہ وصف اللہ تعالیٰ کا اس لیے ہے کہ وہی رات

اور دن کو پیدا کرنے والا ہے اور ان دونوں میں جو کچھ ہو رہا ہے سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور وہ ان کی باتوں اور ان کے کاموں کا ادراک رکھتا ہے' اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اس کی الوہیت و معبودیّت ثابت ہے اور اس کے ماسوا ہر وہ چیز کہ جس کے الٰہ اور معبود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے' یہ دعویٰ باطل و ناحق ہے اور کوئی چیز مرتبہ اور شان میں اس سے بلند نہیں ہے اور نہ کسی کی سلطنت اس کی سلطنت وحکومت سے بڑی ہے [ابوبکر کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''یَدْعُوْنَ'' ہے]۔

## اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

٦٣- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) بارش برسائی تو زمین خشک اور سیاہ ہونے کے بعد بارش کے ذریعے اُگنے والے تمام قسم کے سبزہ جات سے ہری بھری اور سرسبز و شاداب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فعل ماضی ''فَاَصْبَحَتْ'' نہیں فرمایا اور صرف لفظ مضارع ''تُصْبِحُ'' کی طرف محض اس لیے رجوع کیا گیا ہے تاکہ ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی عرصۂ دراز تک بارش کے اثر کا باقی رہنے کا فائدہ حاصل ہو جائے جیسے تم کہتے ہو: ''اَنْعَمَ عَلَيَّ فُلَانٌ'' کہ فلاں آدمی نے مجھ پر احسان کیا ''فَاَرُوْحُ وَاَغْدُوْ شَاكِرًا لَهٗ'' پس میں شام کو بھی اور صبح کو بھی اس کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں' اور اگر تم یہ کہتے: ''فَرُحْتُ وَغَدَوْتُ'' تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا [''فَتُصْبِحُ'' مرفوع ہے' منصوب نہیں اور یہ استفہام کا جواب ہے کیونکہ اگر اس کو نصب دی جائے تو اس کی اصل غرض فوت ہو جائے گی' اس لیے کہ اس کا معنی ہریالی اور سبزہ جات کو ثابت کرنا ہے اور نصب کی صورت میں مطلب الٹ ہو کر ہریالی کی نفی ہو جائے گی جیسے تم اپنے ساتھی سے کہو: ''اَلَمْ تَرَ اَنِّيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَتَشْكُرُ'' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم شکر ادا کرو' اور اگر تم اس کو منصوب کر دو گے تو تم شکر کی نفی کر دو گے اور اس کی کمی کی شکایت کرو گے اور اگر تم اس کے آخر میں رفع دو گے تو تم شکر ثابت کرو گے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے کہ اس کا عمل یا اس کا فضل وکرم ہر چیز کو پہنچنے والا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ وہ مخلوق کے فوائد و منافع اور اس کی مصلحتوں سے خوب خبردار و آگاہ ہے یا ''لطیف'' باریک اور تھوڑی سی تدبیر کے ساتھ مخصوص ہے اور ''خبیر'' ہر قلیل و کثیر کو محیط ہے۔

٦٤- ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہے اور وہی سب کا بادشاہ ہے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی یقیناً بے نیاز ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد بھی اپنی قدرتِ کاملہ کی وجہ سے مستغنی اور بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہ زمین و آسمان میں رہنے والوں کی تعریف سے پہلے اپنی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کیا ہوا' ہر حمد کے لائق' محمود و سراہا ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي
الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا
بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ
اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے اس کو اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے' وہ

اسی کے حکم سے دریاؤں میں چلتی ہیں' اور اسی نے آسمان کو زمین پر اس کے حکم کے بغیر گرنے سے روک رکھا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے○ اور وہی ہے' جس نے تمہیں زندگی عطا کی' پھر وہی تم پر موت طاری کرے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا' بے شک انسان ضرور بہت ناشکرا ہے○

٦٥-﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا (یعنی) خشکی کے راستوں میں سفر کرنے کے لیے چوپایوں کو سواری کے لیے تمہارا مطیع و تابع فرمان بنا دیا ہے ﴿ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو تمہاری سواری کے لیے مسخر کر دیا' جو دریاؤں اور سمندروں میں اسی کے حکم سے چلتی ہیں یعنی دریاؤں میں چلنے والی سواریوں میں سے [اور ''الفلك'' لفظ ''ما'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تجری'' اس کا حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو دریاؤں میں چلنے کی حالت میں تمہارے لیے مسخر کر دیا ﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ ﴾ اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روک کر رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے ﴿ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ مگر اس کے حکم سے یا اس کے ارادہ سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت مہربان ہے اس لیے کہ اس نے زمین کی ہر چیز کو مسخر و تابع بنا دیا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ بے حد رحم فرمانے والا ہے' اسی رحمت و رأفت کے سبب آسمان کو روک رکھا ہے تا کہ وہ زمین پر گر نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اپنے ناموں کے ساتھ ملا کر شمار کیا ہے تا کہ لوگ اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ اس کو اس کے ناموں کے ساتھ یاد کیا کریں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم آٹھ آیاتِ مبارکہ میں مذکور ہے' جو ان آیات کو پڑھے گا اس کی دعا یقیناً قبول کی جائے گی۔

٦٦-﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے' جس نے تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہیں زندگی عطا کی ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ﴾ پھر وہی تمہاری زندگی کی میعادیں ختم ہونے کے وقت تم پر موت طاری کر دے گا ﴿ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾ پھر وہی تمہیں جزا دینے کے لیے زندہ کرے گا ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴾ بے شک انسان بہت ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو مختلف اقسام کی بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں اور جو مختلف اقسام کے بے شمار مصائب و آلام اور تکالیف اس سے دور کی ہیں ان سب کا انکار کرتا ہے اور ان پر ناشکری کرتا ہے یا یہ معنی ہے کہ انسان تمام کائنات کو از سر نو وجود عطا کرنے والے خالق و مالک کی تخلیق کردہ نعمتوں کو پہچانتا ہے اور نہ وہ قیامت کے قریب کر دینے والی فنا کو پہچانتا ہے اور نہ وہ مقصود تک پہنچانے والی زندگی کو پہچانتا ہے۔

| |
|---|
| لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي |
| الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ |
| جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ |
| فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ |

وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷۰

ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کر دیئے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' پس وہ آپ سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کیا کریں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہیے' بے شک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیںO اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کر رہے ہوO اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان تمام معاملات کے بارے میں فیصلہ کر دے گا' جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہوO کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے' بے شک یہ ایک کتاب میں ہے' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہےO

## کفار کے تنازعات میں حضور کو صحیح رویہ اپنانے پر قائم رہنے کا حکم اور کفار کو دھمکی

٦٧- ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر امت کے لیے (یعنی) ہر اہل دین کے لیے ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ ہم نے قربانی مقرر فرمادی ہے۔ ''مَنْسَكًا'' کے معنی کا بیان پہلے (اسی سورت کی آیت: ۳۴ میں) گزر چکا ہے اور یہ اس شخص کے قول کی تردید ہے جو کہتا ہے کہ قربانی دینا اور جانور ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں مشروع نہیں ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر امت کی شریعت میں مشروع فرمایا ہے ﴿هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ وہ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ﴿فَلَا يُنَازِعُنَّكَ﴾ پس وہ لوگ آپ سے جھگڑا نہ کیا کریں اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں اور آپ نہ انہیں یہ اختیار دیں کہ وہ آپ سے جھگڑیں ﴿فِي الْاَمْرِ﴾ قربانی دینے کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کے معاملے میں یا دین اسلام کے معاملے میں۔ شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جسے ذبح کر کے قتل کر دیتے ہو اسے تو کھا لیتے ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ ماردیتا ہے اسے تم نہیں کھاتے یعنی مردہ جانور ﴿وَادْعُ﴾ اور آپ لوگوں کو دعوت دیں اور ان کو بلائیں ﴿اِلٰى رَبِّكَ﴾ اپنے پروردگار کی عبادت کی طرف ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ ضرور سیدھے راستے پر (یعنی) آپ معتدل راستے پر گامزن ہیں [اور یہاں ''لِكُلِّ اُمَّةٍ'' میں واؤ ذکر نہیں کی گئی' اس کے برعکس پہلی آیت میں واؤ کے ساتھ ''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ'' ذکر کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہاں قربانی کے معاملے میں وارد ہونے والی آیات میں سے اس کے مناسب واقع ہوئی تھیں' اس لیے وہاں مناسبت کی بناء پر عطف کیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ اپنے معنی سے دور آیات کے ساتھ ذکر کی گئی ہے' اس لیے عطف نہیں کیا گیا]۔

٦٨- ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اگر وہ تکبر و تعصب کی بناء پر آپ سے جھگڑا کریں جیسا کہ بے وقوف لوگ کرتے ہیں' آپ کی اس کوشش کے بعد کہ آپ کے اور ان کے درمیان تنازع و جھگڑا نہ ہو تو آپ ان سے فرمادیں کہ تم جو کچھ عمل کرتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یعنی آپ ان سے جھگڑا نہ کریں بلکہ یہ بات کہہ کر ان کو دفع کریں اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اور نیز ان اعمال پر جس قسم کے بدلے کے تم مستحق ہو خوب جانتا ہے' پس وہ تمہیں اس پر بدلا دے گا اور یہ وعید (دھمکی) اور ڈراوا ہے لیکن شفقت و نرمی اور ایسے ادب کی تعلیم کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ہر متعصب و ضدی کو جواب دیا جاتا ہے۔

٦٩- ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمہارے درمیان ان تمام معاملات کے بارے میں فیصلہ فرمادے گا' جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خطاب مؤمنوں

اور کافروں دونوں کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اجر وثواب اور عذاب کا فیصلہ کر دے گا اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے' ان تمام معاملات کے بارے میں جو کفار کی طرف سے بہ صورتِ تکالیف آپ کو پہنچائے جاتے تھے۔

۷۰۔ ﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے' جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یعنی تم جو کچھ اعمال کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے مخفی و پوشیدہ رہ سکتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم رکھنے والے علماء کے نزدیک یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے' جو آسمانوں میں اور زمین میں پیدا ہوتی ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ جو زمین و آسمان میں موجود ہے ﴿فِیۡ کِتٰبٍ﴾ ایک کتاب (یعنی وہ) لوحِ محفوظ میں مرقوم ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے یعنی ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا جاننا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے' یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّمَا لَیۡسَ لَهُمۡ
بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ
تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡمُنۡکَرَ ؕ یَکَادُوۡنَ یَسۡطُوۡنَ
بِالَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا ؕ قُلۡ اَفَاُنَبِّئُکُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ
ذٰلِکُمۡ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۷۲﴾ ع ۸ ۱۶

اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں O اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو تم کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لو گے' قریب لگتا ہے کہ کفار ان لوگوں پر حملہ کر دیں' جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بدتر خبر سنا دوں' وہ آگ ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

## کفار کی جہالت و بت پرستی کی مذمت

۷۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں صرف اس بناء پر کفار کی جہالت کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ ایسے خداؤں (بتوں) کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' جو عبادت کے مستحق نہیں ہیں ﴿وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا﴾ اور وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کرتے ہیں' جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت و دلیل نہیں اتاری [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت ''یُنۡزِلۡ'' (باب تفعیل کی بجائے باب افعال سے نون ساکن اور غیر مشدد ''زا'' کے ساتھ) ہے] ﴿وَّمَا لَیۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز کا کوئی علم نہیں ہے یعنی انہوں نے بتوں کی عبادت کرنے میں وحی کے اعتبار سے کسی آسمانی دلیل کے ساتھ تمسک نہیں کیا اور نہ انہیں بتوں کی عبادت کرنے پر عقلی دلیل نے راغب کیا ہے ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ﴾ اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے اور جنہوں نے اتنے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے ان کے لیے کوئی ایسا مددگار نہیں ہے جو ان کی مدد کر سکے اور ان کے مذہب کو صحیح قرار دے

سکے۔

۷۲-﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ ﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو ﴿ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ﴾ آپ کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لیں گے (یعنی) آپ ان کی ترش روئی' چہروں پر شکن اور کراہت و ناگواری سے انکار کو پہچان لیں گے [اور ''منکر'' مصدر ہے] ﴿ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ ﴾ لگتا ہے وہ ابھی حملہ کردیں گے اور پکڑ لیں گے اور ''سَطْو'' کا معنی اچانک اچھلنا اور پکڑ کر اپنی گرفت میں لے لینا ہے ﴿ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ﴾ ان لوگوں پر جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب گرامی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں ﴿ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ﴾ اے محبوب! ان سے فرمادیں کہ کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر بُری خبر بتا دوں؟ یعنی تلاوت کرنے والوں پر تمہارے غیظ و غضب سے زیادہ بُری ہے اور ان پر تمہارے حملہ کرنے سے بھی زیادہ بُری ہے یا تم پر تلاوت کرنے کے سبب جو ناگواری اور بے چینی و بے قراری پہنچتی ہے' اس سے بھی زیادہ بُری خبر میں بتا دوں ﴿ اَلنَّارُ ﴾ وہ آگ ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] گویا کہنے والے نے کہا: وہ کیا ہے؟ تو جواب میں کہا گیا: ''اَلنَّارُ اَیْ هُوَ النَّارُ'' آگ ہے یعنی وہ آگ ہے ﴿ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے' یہ الگ مستقل کلام ہے ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴾ اور یہ آگ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

| |
|---|
| یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ |
| دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ |
| الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ |
| مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ |
| مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ |

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے سو تم اسے غور سے سنو' بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکیں گے' اور اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس سے اس کو نہیں چھڑا سکیں گے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں O انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت طاقت ور بڑا غالب ہے O اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے O

## بتوں کی عاجزی و بے بسی اور اللہ تعالیٰ کے قوت و غلبہ کا بیان

۷۳- اور جب کفار کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک شہرت اور عجیب و غریب ہونے میں مشہور و مستحسن مثالوں کے قائم مقام ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ﴾ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' سو تم اس مثال کے بیان کو غور سے سنو' ''ضُرِبَ'' بہ معنی ''بُیِّنَ'' ہے یعنی بیان کی گئی ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی عبادت و پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ [حرف ''لَنْ'' مستقبل کی نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے] اور یہاں اس کی تاکید اس بات پر دلالت کرنے کے لیے ہے کہ بتوں کے لیے مکھی پیدا کرنا محال و ناممکن ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بتوں کے لیے کسی چیز کو پیدا کرنا محال ہے اور مکھی کی تخصیص اس کے حقیر وضعیف ہونے اور گندا ہونے کی بناء پر کی گئی ہے اور اس کا نام ''ذباب'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب اس کو اس کے گندا ہونے کی بناء پر اڑایا جاتا ہے تو یہ تکبر کی بناء پر واپس لوٹ آتی ہے [سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''یَدْعُوْنَ'' ہے اور ''تَدْعُوْنَ'' کا مفعول ''اٰلِھَۃً'' محذوف ہے] ﴿ وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ﴾ اور اگر چہ وہ سب مکھی کو پیدا کرنے کے لیے جمع ہو جائیں [اور یہ حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ان بتوں کی طرف سے مکھی کو پیدا کرنا محال ہے حالانکہ ان پر یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس کو پیدا کرنے کے لیے جمع ہو جائیں اور اس پر ایک دوسرے سے تعاون و مدد بھی حاصل کریں اور یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے' جو قریشِ مکہ کی جہالت کے اظہار کے لیے نازل کیا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے لیے جو تمام مقدورات پر اقتدار رکھنے اور تمام معلومات کے احاطہ کا تقاضا کرتے ہیں مختلف صورتیں اور شکلیں تیار کی تھیں ان کے لیے محال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ مخلوقات میں سے قلیل ترین اور حقیر و ذلیل مخلوق جیسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہوں اگر چہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں ﴿ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ﴾ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے اس چیز کو نہیں چھڑا سکیں گے یعنی یہ مکھی مخلوق میں حقیر ترین چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اگر یہی حقیر مکھی ان بتوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے اور تمام بت جمع ہو کر اس مکھی سے وہ چیز چھڑانا چاہیں تو نہیں چھڑا سکیں گے نہ وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ مشرکینِ مکہ اپنے بتوں پر زعفران مل دیا کرتے تھے اور بتوں کے سروں پر شہد لگا دیا کرتے تھے' پھر جب مکھیاں بت خانہ میں گھس کر شہد وغیرہ چوس کر چٹ کر جاتیں تو بت ان کے پکڑنے سے عاجز رہتے ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ ﴾ طالب کمزور ہے یعنی بت کہ اس سے جو کچھ چھین لیا جاتا ہے وہ اس کا طلب گار ہوتا ہے ﴿ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾ اور مطلوب کمزور ہے (یعنی) مکھی کہ اس نے بتوں سے جو کچھ چھین لیا' اس سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ بتوں اور مکھی کے درمیان عجز و کمزوری میں مساوات ہے اور اگر تحقیق کی جائے تو طالب (یعنی بت) مطلوب سے زیادہ کمزور ہیں کیونکہ مکھی حیوان (یعنی جاندار) ہے جب کہ بت محض جماد ہیں اور مکھی غالب ہے (کہ بتوں سے شہد وغیرہ چٹ کر جاتی ہے) اور یہ بت مغلوب ہیں۔

٧٤۔ ﴿ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (یعنی) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے کیونکہ انہوں نے ان کمزور و عاجز بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تو بہت قوت والا طاقت ور ہے' بے حد غالب ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر و غالب ہے تو عاجز و مغلوب اس کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں بڑا قوی اور بہت طاقت ور ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام و بدلا لینے میں بے حد غالب ہے۔

٧٥۔ ﴿ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ ﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا (یعنی) چن لیتا ہے ﴿ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴾ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے جیسے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل وغیرہم علیہم السلام ﴿ وَّمِنَ النَّاسِ ﴾ اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے جیسے حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سرورِ انبیاء حضرت

محمد مصطفےٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم اور اس میں ان لوگوں کی تردید کر دی گئی' جنہوں نے انسانوں میں سے رسول ہونے کا انکار کیا اور اس آیتِ مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم فرشتوں کی اور دوسری قسم انسانوں کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل کی گئی جب مشرکین مکہ نے کہا کہ ''ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا'' (صٓ:٨) ''ہمیں چھوڑ کر صرف ان پر قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا ہے'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی سب باتیں خوب سننے والا ہے ﴿بَصِیْرٌ﴾ ان کو خوب دیکھ رہا ہے' جن کو اس نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی وہ تمام باتیں خوب سننے والا ہے' جنہیں لوگوں کی عقلیں قبول کرتی ہیں اور وہ تمام امتوں کے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے' جو رسولوں کے ارشادات کا انکار کرتے رہے اور جو ان کے ارشادات کو قبول کرتے رہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٧٦
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ
وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٧٧ ۩

عند الشافعی السجدۃ

اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے O اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو O

٧٦- ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہو چکا (یعنی) جو کچھ ان سے پہلے ماضی کے زمانہ میں ہو چکا ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو کچھ پیچھے ہوگا (یعنی) جو کچھ ابھی تک نہیں ہوا یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے جو کچھ اعمال کر لیے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو کچھ عنقریب اعمال کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ ابھی سے جانتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں کے معاملات کو جانتا ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو ذاتِ اقدس ان صفات کے ساتھ متصف ہو' ''لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ'' (الانبیاء:٢٣) ''اس سے اس کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا''۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اور اس کی تدبیروں میں اور اس کے رسولوں کے انتخاب میں اعتراض کرے [ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تَرْجِعُ'' ہے]۔

### عبادت وریاضت اور جہاد وغیرہ کا حکم

٧٧- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ اے ایمان والو! تم اپنی نماز میں رکوع اور سجدہ کیا کرو۔ دراصل ابتدائے اسلام میں جب لوگ مسلمان ہوتے تو وہ بغیر رکوع و سجود کے نماز پڑھا کرتے تھے' پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نماز رکوع و سجود کے ساتھ ادا کیا کریں اور یہ آیت مبارکہ ایک تو اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال ایمان میں سے نہیں ہیں (کیونکہ ایمان لانے کے بعد رکوع و سجود کا حکم دیا گیا ہے) دوسرا یہ کہ یہ سجدہ نماز کے لیے ہے سجدۂ تلاوت نہیں ہے ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو (یعنی) تم اپنے رکوع اور سجدہ ادا کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ارادہ کیا کرو' بتوں کا ارادہ نہ کرو ﴿وَافْعَلُوا الْخَیْرَ﴾ اور تم نیک کام کرو۔ بعض

اہل علم نے فرمایا کہ جب ذکر الٰہی کو دیگر عبادات پر خاص فضیلت حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کا خالص ذکر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ'' (طٰہٰ:۱۴) ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے''۔ پھر نماز کے علاوہ دوسری عبادات کا حکم دیا جیسے روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہم' پھر باقی تمام نیکیوں کو ادا کرنے کے لیے عام ترغیب دی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''خیر'' سے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑنا اور اچھے اخلاق کو اپنانا مراد ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ یا یہ معنی ہے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ یا یہ معنی ہے کہ تم یہ مذکورہ بالا تمام احکام کو بجالاؤ اور تم یہ امید رکھو کہ تم فلاح حاصل کرلو یقین نہ رکھو اور نہ تم اپنے اعمال پر بھروسا رکھو۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

ع ۱۰/۱۷

اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے' اسی نے تمہیں منتخب کرلیا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو' اسی نے اس سے پہلے اور اس کتاب میں تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' تاکہ یہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ' سو تم نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکمل وابستہ ہو جاؤ' وہی تمہارا مالک ہے' پس وہ بہترین مالک ہے اور وہ بہت اچھا مددگار ہے O

۷۸۔ ﴿وَجَاهِدُوْا﴾ اور تم جہاد کرو۔ اس آیت مبارکہ میں دشمنانِ دین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا پھر نفس اور خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ مجاہدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی جہادِ اکبر (سب سے بڑا جہاد) ہے یا اس سے ظالم بادشاہ کے پاس کلمۂ حق کہنا مراد ہے ﴿فِي اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور اسی کی خاطر ﴿حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ جیسے اس کے جہاد کا حق ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ رکھا جائے۔ کہا جاتا ہے: ''هُوَ حَقّ عالم وجدّ عالم اي عالم حَقًّا و جدًّا'' یعنی وہ برحق اور محنتی عالم ہے اور اسی سے ''حَقَّ جِهَادِهٖ'' ہے اور قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ''حق الجهاد فيه'' ہوتا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے یا ''حقّ جهاد كم فيه'' ہوتا کہ تم اس کی راہ میں جہاد کرو جیسا تمہارے لیے جہاد کرنے کا حق ہے [لیکن اس میں ادنیٰ ملابست اور اختصاص کی وجہ سے اضافت کی گئی] پھر جب جہاد اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا جاتا ہے تو اس کی طرف اس کی اضافت درست ہوگئی اور یہ بھی جائز ہے کہ ظرف میں وسعت کی جائے جیسا کہ کسی شاعر کا کلام ہے:۔

''ويوم شهدناه سليمًا و عامرًا''

''اور جس دن ہم سلیم اور عامر کے پاس حاضر ہوئے''۔

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ اسی نے تمہیں اپنے دین کی حمایت کے لیے اور اپنی مدد کے لیے چن لیا ہے ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' بلکہ اس نے ان تمام احکام میں تمہیں رخصت دی ہے' جن کا تمہیں مکلّف بنایا' مثلاً طہارت (یعنی غسل اور وضو)' نماز' روزہ اور حج میں تیمم' اشارے سے نماز پڑھنا اور سفر میں نمازِ قصر پڑھنا اور بیماری میں سخت سفر اور سواری نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت دینا ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''اَیْ اِتَّبِعُوْا مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ'' یعنی تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کرو [یا یہ اختصاص کی بناء پر منصوب ہے] یعنی دین سے مراد تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ قرار دیا حالانکہ آپ تمام امت کے باپ نہیں' دراصل یہ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ ہیں' اس اعتبار سے آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بھی باپ ہوئے کیونکہ رسول کی امت اس کی اولاد کے حکم میں ہوتی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ''[۱] بے شک میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' جس کی دلیل حضرت اُبی کی یہ قراءت ہے: ''اَللّٰهُ سَمّٰاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ'' ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے گزشتہ کتابوں میں ﴿وَفِيْ هٰذَا﴾ اور اس میں یعنی قرآن مجید میں یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیگر تمام امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور اس نے تمہارا نام اس محترم و معزز نام کے ساتھ مسلمان رکھا ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ تاکہ یہ مکرم و محترم رسول تم پر گواہ ہو جائے کہ اس نے بلاشبہ تمہارے پروردگار کا پیغام تم تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا ﴿وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ کہ تمام رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات ان لوگوں تک پہنچا دیئے تھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کرامت و نشانی کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اس لیے ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پس تم نماز کو اس کے فرائض و واجبات کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرتے رہو ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور تم زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرو ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط و مستحکم بناؤ اور اسی پر بھروسا رکھو اور تم نماز اور زکوٰۃ پر بھروسا نہ کرو ﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ﴾ وہی تمہارا مولیٰ ہے یعنی تمہارا مالک ہے اور تمہارا مددگار ہے اور تمہارے تمام معاملات کا وہی متولی و منتظم ہے ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ سو وہ بہت اچھا مالک و مددگار ہے کیونکہ وہ تمہاری نافرمانیوں پر تمہارا رزق نہیں روکتا ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور وہ بہت اچھا مددگار ہے یعنی صرف وہی سب سے اچھا مددگار ہے کیونکہ وہی تمہاری اطاعت پر تمہاری مدد کرتا ہے اور بے شک وہ ضرور کامیاب و کامران ہے' جس کا مالک و مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

| آیاتہا ۱۱۸ سورۃ المؤمنون مکیۃ ۲۳ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتہا ۶ |
| --- | --- | --- |

سورۃ المؤمنون مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو اٹھارہ آیات' چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

الجزء ۱۸

[۱] رواہ ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ' باب: ۴' النسائی فی کتاب الطہارۃ' باب: ۳۵' ابن ماجہ فی کتاب الطہارۃ' باب: ۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۴۷-۲۵۰

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُوْمِيْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩

وقف لازم

بے شک مؤمن کامیاب ہو گئے O وہ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں O اور وہ جو بے ہودہ کاموں سے منہ پھیرنے والے ہیں O اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں O اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O ماسوا اپنی بیویوں کے یا اپنی لونڈیوں کے' سو بے شک ان میں انہیں ملامت نہیں کی جائے گی O پھر جس نے ان کے علاوہ کسی کو طلب کیا تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں O اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں O اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

## کامیاب مؤمنوں کی صفات کا بیان

۱- ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ایمان دار لوگ کامیاب وکامران ہو گئے۔ [حرف ''قد'' ''لَمَّا'' کی نقیض ہے کیونکہ ''قد'' متوقع کے ثبوت کے لیے آتا ہے اور جب کہ ''لَمَّا'' اس کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے] اور مؤمن حضرات اس طرح کی بشارت کی توقع اور امید رکھتے ہیں اور یہ ان کے لیے کامیابی کے ثبوت کی اطلاع ہے' پس ان کو اس (حرفِ ''قد'') کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے' جو اس چیز کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے' جس کی انہیں توقع ہے اور ''فلاح'' کا معنی ہے: مطلوب کو پانے میں کامیاب ہو گئے اور جس سے وہ ڈرے اور نفرت کی اس سے نجات حاصل کر لی (یعنی جنت کو پالیا' دوزخ سے نجات حاصل کر لی) اور لغت میں ایمان کا معنی تصدیق کرنا ہے اور لغت میں مؤمن تصدیق کرنے والے کو کہتے ہیں اور شریعت میں ہر وہ شخص' جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی ہو' جب کہ اس کا دل اس کی زبان کے موافق ہو کہ زبان سے اقرار ہو دل میں تصدیق ہو تو وہ مؤمن ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: بول' تو اس نے تین مرتبہ کہا: ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' میں ہر بخیل ریاکار پر حرام ہوں[۱] کیونکہ ریاکاری سے تمام بدنی عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں اور بخیل کی مالی عبادت ہوتی ہی نہیں۔

۲- ﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں (یعنی) دل میں ڈرنے والے ہیں' اعضاء کے ساتھ امن وسکون والے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ بندہ اپنی پوری توجہ اور ہمت نماز ہی میں مرکوز رکھے اور نماز کے علاوہ ہر چیز سے منہ پھیر لے اور اس کی نظر نماز گاہ سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ نمازی نماز میں دائیں اور بائیں نہ دیکھے اور نماز میں اپنے جسم اور کپڑوں کے ساتھ نہ کھیلے اور سدل نہ کرے (یعنی چادر یا رومال وغیرہ کندھوں پر یا سر پر ڈال کر بغیر لپیٹے سیدھا سینے کی طرف نہ لٹکا دے) اور نہ اپنی انگلیوں کو چٹخائے اور نہ کنکروں اور روڑوں کو الٹ پلٹ کرے اور اسی طرح دوسرے نماز کے منافی کام نہ کرے' اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خشوع یہ

[۱] رواہ ابونعیم فی صفۃ الجنۃ رقم الحدیث: ۱۷' ابن ابی الدنیا کمافی النہایۃ ج ۲ ص ۳۸۴

ہے کہ قول میں اخلاص ہو' قیام میں تعظیم ہو اور یقین تام ہو اور اہتمام پورا ہو۔ نماز کی نسبت نمازیوں کی طرف کی گئی ہے اور جس ذاتِ اقدس کے لیے نماز پڑھی جارہی ہے اس کی طرف نسبت نہیں کی گئی کیونکہ نماز پڑھنے کا فائدہ صرف اکیلے نمازی کو ہوگا کہ یہ نماز اس کی تیاری اور ذخیرۂ آخرت بنے گی لیکن جس کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے وہ تو نماز وغیرہ سے بے نیاز ہے۔

۳۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ جو بے ہودہ کاموں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ ''لغو'' ہر اس بے ہودہ اور ردّی کلام کو کہا جاتا ہے' جس کا حق یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے' جیسے جھوٹ اور گالی دینا اور مذاق اڑانا اور ناشائستہ گفتگو کرنا یعنی وہ نیک کاموں میں اس قدر جدوجہد کرتے ہیں کہ بے ہودہ کلام کرنے سے دور رہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے نماز میں ان کی صفت خشوع کو بیان کیا تو اس کے بعد لغو و بے ہودہ کلام سے اعراض کی صفت کو بھی بیان کر دیا تاکہ ان میں کرنے والے کاموں کی صفت اور نہ کرنے والے کاموں کی صفت دونوں جمع ہو جائیں' یہی دونوں نفس پر سخت گراں ہوتے ہیں' یہی دونوں تکلیف کی بناء کی بنیاد ہیں۔

٤۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ ''فاعلون'' بہ معنی ''مُؤَدُّوْنَ'' ہے اور لفظ ''فاعلون'' دوام و ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے جب کہ ''مُؤَدُّوْنَ'' اس کے برعکس دوام پر دلالت نہیں کرتا اور بعض نے فرمایا کہ زکوٰۃ اسم مشترک ہے' جو عین مال پر بولا جاتا ہے اور یہ وہ مقدار ہے' جس کو زکوٰۃ ادا کرنے والا نصاب کے مال میں سے نکال کر فقیر و محتاج کو دے دیتا ہے اور یہ معنی پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کا فعل ہے' جسے ''تزکیہ'' (زکوٰۃ ادا کرنا) کہا جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ''فٰعِلُوْنَ'' قرار دیا گیا ہے کیونکہ لفظ فعل تمام افعال میں عام ہے اور سب کو شامل ہے' جیسے مارنا' قتل کرنا وغیرہما اور تم کہہ سکتے ہو کہ ''ضَارِبٌ'' کے لیے ضرب کا فعل اور ''قَاتِلٌ'' کے لیے قتل کا فعل اور ''مُزَكِّي'' کے لیے زکوٰۃ ادا کرنے کا فعل ہے [''لِلزَّكٰوةِ'' میں لام اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مفعول مقدم ہے اور اسم فاعل عمل کرنے میں ضعیف ہوتا ہے' پس تم ''هٰذَا ضَارِبٌ لِزَيْدٍ'' کہہ سکتے ہو لیکن تم ''ضرب لزید'' نہیں کہہ سکتے]۔

۵۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور لفظ فرج مرد اور عورت دونوں کی شرمگاہ کو کہا جاتا ہے۔

٦۔ ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ ماسوا اپنی بیویوں کے [یہ محلًا حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مگر جو اپنی بیویوں کے والی ہیں یا ان پر نگران مقرر ہیں جیسے تمہارا قول ہے کہ ''كان زياد على البصرة'' یعنی زیاد بصرہ پر حاکم مقرر ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی تمام احوال میں حفاظت کرنے والے ہیں ماسوا اپنی بیویوں کے ساتھ اور اپنی لونڈیوں کے ساتھ مباشرت کی حالت میں [یا ''عَلٰى'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے' جس پر ''غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ'' دلالت کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انہیں اپنی بیوی کے علاوہ پر ملامت نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ہر مباشرت پر ملامت کیا جائے گا ماسوا اس حالت کے جس پر ''فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے اور فراء نے کہا: ''اِلَّا مِنْ اَزْوَاجِهِمْ'' ہے یعنی ان کی بیویوں کے علاوہ پر ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ یا وہ (لونڈیاں) جو ان کی مِلک میں ہیں یعنی ان کی لونڈیاں مراد ہیں اور لفظ ''ما'' کی بجائے لفظ ''مَنْ'' نہیں بولا گیا اس لیے کہ مملوک غیر عقلاء کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لیے اسے فروخت کر دیا جاتا ہے جیسے جانوروں کو فروخت کیا جاتا ہے ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ سو بے شک انہیں ملامت نہیں کی جائے گی یعنی ان پر کوئی ملامت نہیں کی جائے گی' اگر وہ اپنی عورتوں اور اپنی لونڈیوں کی شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں (بلکہ انہیں استعمال کریں کہ یہ جائز ہے)۔

۷۔ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ سو جس نے اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لیے ان دو طریقوں کے ماسوا کوئی اور طریقہ طلب کیا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ پس یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ یہ لوگ مکمل زیادتی کرنے والے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہوتِ نفسانی کے ارادہ سے متعہ (عارضی نکاح) کرنا اور ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے۔ 104

۸۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے معاہدے کی پابندی کرتے ہیں اور جس چیز کو کسی کے پاس بطورِ امانت رکھا جائے اور جس چیز پر معاہدہ کیا جائے اس کو امانت اور عہد کہتے ہیں اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا'' (النساء:۵۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو''۔ اور بعینہٖ وہی چیز ادا کی جائے گی اس کا بدل نہیں اور اس سے عموم مراد ہے' پس ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی مخلوق کی طرف سے کسی کو بطورِ امانت عطا کی جائے اور اس سے اس چیز پر معاہدہ کیا جائے وہ امانت وعہد میں داخل ہے [ابن کثیر مکی اور سہل کی قراءت میں ''لِاَمَانَتِهِمْ'' ہے] ﴿رٰعُوْنَ﴾ ''رَاعُوْنَ'' بہ معنی ''حَافِظُوْنَ'' ہے یعنی وہ اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں اور ''رَاعِيْ'' کسی چیز کی حفاظت واصلاح کے لیے مقرر نگران کو کہا جاتا ہے جیسے بکریوں کا چرواہا ان کی نگرانی کرتا ہے۔

۹۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (یعنی) وہ نمازوں کو ہمیشہ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں اور نماز کا دوبارہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تمام عبادات میں اہم ترین عبادت ہے اور اس لیے بھی دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرنے کا ذکر تھا جب کہ اس آیت مبارکہ میں نمازوں کی حفاظت کا ذکر ہے۔ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے مغائر ہیں اور (تیسری وجہ یہ ہے کہ) نماز کا ذکر دوبارہ اس لیے کیا گیا ہے کہ پہلے واحد ذکر کیا گیا ہے تاکہ جنس نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرنے کا افادہ حاصل ہو' خواہ کوئی نماز ہو اور آخر میں یہاں جمع ذکر کیا گیا ہے تاکہ نماز کی تمام اقسام کی حفاظت کا افادہ ہو خواہ فرائض میں سے ہو' خواہ واجبات میں سے ہو' خواہ سنن ونوافل میں سے ہو [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے قراء کے نزدیک ''صَلَاتِهِمْ'' ہے]۔

| |
|---|
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ |
| خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ |
| ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا |
| الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ |
| بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ |

یہی لوگ وارث ہیں ○ جو (جنت) فردوس کے وارث ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور بے شک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ○ پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا ○ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس لوتھڑے کو نرم بوٹی بنا دیا' پھر ہم نے اس نرم بوٹی سے ہڈیوں کو پیدا کیا' پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا' پھر ہم نے اس کو دوسری صورت میں پروان چڑھایا' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے ○ پھر بے شک تم

اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو○ پھر بے شک قیامت کے دن تم اٹھائے جاؤ گے○

۱۰-﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ان مذکورہ بالا اوصاف کے جامع ہیں ﴿هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ وہی اس لائق ہیں کہ انہیں (جنت کا) وارث قرار دیا جائے ان کے ماسوا کو نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ''وَارِثِیْنَ'' کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۱-﴿الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ﴾ جو کفار کے وارث بنیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک آدمی کے دو ٹھکانے ہیں' ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک ٹھکانا دوزخ میں' پھر اگر وہ مر گیا اور جنت میں داخل ہو گیا تو دوزخی اس کے دوزخ والے ٹھکانے کے وارث بن جائیں گے اور اگر وہ مر گیا اور دوزخ میں داخل ہو گیا تو جنتی لوگ اس کے جنت والے ٹھکانے کے وارث بن جائیں گے[1]﴿الْفِرْدَوْسَ﴾ ''فردوس'' بہت بڑے وسیع باغ کو کہا جاتا ہے' جو پھلوں کی تمام اقسام کے جامع ہوتا ہے اور علامہ قطرب نے کہا کہ یہ جنت کا اعلیٰ ترین مقام ہے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [''فردوس'' کو جنت کی تاویل میں مؤنث قرار دیا گیا ہے (اس لیے کہ ''فیھا'' میں مؤنث ضمیر مذکور ہے)]۔

## انسان کے تخلیقی مراحل اور قدرتِ الٰہی کا بیان

۱۲-﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ چنی ہوئی مٹی سے [اس میں حرف ''مِنْ'' ابتداء کے لیے ہے] اور ''سـلالة'' کا معنیٰ خلاصہ ہے کیونکہ اس مٹی کو بھی عام گدلی اور میلی مٹی کے درمیان میں سے منتخب کر کے تیار کیا گیا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا اس کا نام ''سُلَالَة'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس مٹی کو ہر قسم کی مٹی سے چن کر تیار کیا گیا تھا ﴿مِّنْ طِیْنٍ﴾ مٹی میں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:۳۰)]

۱۳-﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً﴾ پھر ہم نے اسے نطفہ بنا دیا' یعنی ہم نے اس کی نسل کو تھوڑے سے پانی (منی) سے بنایا ہے [پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا] کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو نطفہ نہیں بنایا گیا اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ○'' (السجدۃ: ۷-۸) ''اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع فرمائی○ پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا○'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''انسان'' سے بنی آدم مراد ہیں اور ''سلالة'' کا معنیٰ ہے: مٹی' اور عرب کے لوگ نطفہ کو ''سلالة'' کہتے ہیں یعنی بے شک ہم نے انسان کو ''سلالة'' سے یعنی نطفہ سے پیدا کیا یعنی مٹی سے پیدا ہونے والے کے نطفہ سے پیدا کیا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ﴿فِیْ قَرَارٍ﴾ قرار گاہ میں یعنی رحم میں ﴿مَّكِیْنٍ﴾ محفوظ و مضبوط۔

۱۴-﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ پھر ہم نے نطفہ کو جامد خون کا ٹکڑا بنا دیا [''خَـلَقْنَا'' بہ معنیٰ ''صَیَّرْنَا'' ہے' جس کی دلیل اس کا دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونا ہے جب کہ ''خـلـق'' ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے] اور معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے سفید پانی کو سرخ رنگ کا جامد خون بنا دیا ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو اس قدر نرم گوشت کا ٹکڑا بنا دیا جس کو چبایا جا سکے ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا﴾ پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا یعنی ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت اُگا دیا' پس وہ ان کے لیے لباس کی طرح ہو گیا[2] [ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں پہلی جگہ ''عظمًا'' اور دوسری جگہ ''العظم'' ہے اور

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الزہد باب:۳۹' رقم الحدیث:۴۳۴۱

[2] حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسولِ خدا حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا اور آپ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعقوب کی روایت میں جناب زید کی قراءت میں پہلی جگہ "عظمًا" دوسری جگہ "العظام" ہے جب کہ ابوزید کی قراءت میں پہلی جگہ "عظامًا" اور دوسری جگہ "العظم" ہے۔ واحد کو جمع کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں التباس نہیں ہے کیونکہ انسان میں بہت زیادہ ہڈیاں ہوتی ہیں] ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ پھر ہم نے اسے دوسری تخلیق میں پروان چڑھایا' جو پہلی تخلیق کے مغائر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جان دار بنا دیا حالانکہ وہ پہلے بے جان تھا اور اسے بولنے والا اور سننے والا اور دیکھنے والا بنایا' جب کہ وہ اس سے پہلے ان صفات کے برعکس تھا اور اس لیے ہم (احناف) کہتے ہیں: جب کسی شخص نے ایک انڈا غصب کیا اور اس کے پاس اس انڈے سے چوزا پیدا ہو گیا تو اس کا غاصب انڈے کا ضامن ہوگا اور چوزا واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ انڈے کے برعکس دوسری تخلیق ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ﴾ سو اللہ تعالیٰ بڑی برکتوں والا ہے' پس اس کی شان اور اس کی قدرت و علم بہت بلند ہے ﴿اَحْسَنُ﴾ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے [یہ بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ صفت نہیں ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اور اگر مضاف مانا جائے تو اس لیے کہ مضاف الیہ "مِنْ" کے عوض میں ہوتا ہے] ﴿الْخٰلِقِيْنَ﴾ یہ بہ معنیٰ "مُقَدِّرِيْنَ" ہے "اَىْ اَحْسَنُ الْمُقَدِّرِيْنَ تَقْدِيْرًا" یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بہتر مناسب و موزوں اندازے سے بنانے والا ہے' پھر تمیز کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ "الخالقین" اس پر دلالت کر رہا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا' جب اس نے ان آیات کو لکھنا شروع کیا تو یہی جملہ لکھنے سے پہلے بے ساختہ اس کی زبان پر جاری ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ مجھ پر اسی طرح نازل ہوا ہے تو عبد اللہ بن سعد نے کہا: اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں' جن کی طرف وحی کی جاتی ہے تو میں بھی نبی ہوں کہ میری طرف بھی وحی کی گئی ہے اور وہ مرتد ہو کر مکہ شریف جا پہنچا' پھر کچھ عرصہ بعد فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ عبداللہ مدینہ منورہ میں مرتد ہوا جب کہ یہ سورت مکی ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ کلام بولنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۱۵- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ پھر بے شک ہم نے تمہارے معاملے کا اوپر جو ذکر کیا ہے اس کے بعد تم ﴿لَمَيِّتُوْنَ﴾ ضرور اپنی مدتِ حیات پوری کرنے کے بعد مرنے والے ہو۔

۱۶- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ پھر بے شک تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا (یعنی) تمہیں جزاء کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صادق و مصدوق ہیں: بے شک تم میں سے کسی ایک کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ (منی) کی صورت میں رکھا جاتا ہے' پھر وہ چالیس روز تک جما ہوا خون بن کر رہتا ہے' پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن کر چالیس روز تک رہتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو چار کلمات لکھتا ہے: (۱) وہ اس کا عمل لکھتا ہے (۲) وہ اس کی موت و حیات لکھتا ہے (۳) اس کا رزق لکھتا ہے (۴) اور اس کا نیک بخت ہونا یا اس کا بد بخت ہونا لکھتا ہے' پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے' پس اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے! تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے عمل جیسے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر تقدیر کا لکھا سبقت کر جاتا ہے اور وہ اہل دوزخ کے عمل جیسے عمل کرنا شروع کر دیتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی شخص دوزخیوں کے عمل جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا سبقت کر جاتا ہے' پس وہ جنتیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ

(تفسیر مظہری ج ۶ ص ۳۶۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر مترجم زیر بحث آیت' ص ۶)

زندہ کیا جائے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں' اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں O اور ہم نے آسمان سے ایک مقدار پر زمین پر پانی برسایا' اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر ضرور قادر ہیں O پھر ہم نے اس کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے' ان میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو O اور ایک ایسا درخت (بھی ہم نے پیدا کیا ہے) جو طورِ سیناء سے نکلتا ہے' وہ روغنِ زیتون اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے اُگتا ہے O

۱۷- ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں پیدا کیں۔ ''طرآئق'' ''طریقة'' کی جمع ہے اور ''طریقة'' کا معنی ہے: راستہ تو ''طرائق'' کے معنی ہوئے: راستے اور اس سے سات آسمان مراد ہیں کیونکہ یہ فرشتوں کی راہیں ہیں اور ان کے آنے جانے کی شاہراہیں ہیں ﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾ اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۔ ''خلق'' سے ساتوں آسمان مراد ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو لوگوں کے اوپر بنادیا ہے اور ہم ان سے اور ان کی حفاظت سے غافل و بے خبر نہیں ہیں یا پھر ''خلق'' سے انسان مراد ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو انسانوں کے اوپر اس لیے پیدا فرمایا تا کہ ان سے انسانوں پر رزق اور برکتیں کھول دی جائیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی مصلحتوں سے غافل و بے خبر نہیں ہے۔

۱۸- ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) ہم نے آسمان سے بارش برسائی ﴿بِقَدَرٍ﴾ ایک معیّن اندازہ کے مطابق کہ لوگ اس کے ساتھ مضرت و نقصان سے سلامت رہیں اور اس سے منفعت و فائدے وصول کریں یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اپنے علم کے مطابق اتنی مقدار میں بارش برسائی جتنی لوگوں کو ضرورت تھی ﴿فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ﴾ سو ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرالیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ'' (الزمر:۲۱) ''سو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس سے چشمے بنائے''۔ اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو زمین میں ثابت رکھا' پس زمین کا تمام پانی آسمان سے اترتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں یعنی ہم جس طرح بارش کے برسانے پر قادر ہیں اسی طرح ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں' سو تم اس نعمت کو شکر ادا کر کے قید کرلو۔

۱۹- ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ پھر ہم نے اس کے ساتھ (یعنی) بارش کے ذریعے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے ﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ﴾ ان باغات میں تمہارے لیے بہت زیادہ میوے

ہوتے ہیں' جو کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ ہیں ﴿وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ﴾ اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو یعنی باغات میں سے یعنی ان کے پھلوں میں سے اور ممکن ہے کہ یہ عرب کے اس قول سے ہو کہ فلاں آدمی اپنے ہنر سے کھاتا ہے' جس ہنر سے کماتا ہے اور اپنے پیشہ سے کھاتا ہے' جس پیشہ سے وہ غلہ حاصل کرتا ہے یعنی بے شک اس کا کھانا اور اس کا سبب وہی ہے جس سے اس کا رزق حاصل ہوتا ہے' گویا فرمایا کہ یہ باغات تمہارے رزق اور تمہاری معیشت کے اسباب ہیں' جن سے تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور جن کے ذریعے تم پُرسکون زندگی گزارتے ہو۔

۲۰۔﴿وَشَجَرَةً﴾ [یہ ''جَنّٰتٍ'' پر معطوف ہے] جس کے مطابق معنی یہ ہوگا: سو ہم نے اس بارش کے ذریعے تمہارے لیے ایک درخت پیدا کیا ہے اور وہ زیتون کا درخت ہے ﴿تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ وہ طور سیناء سے نکلتا ہے [طور سیناء اور طور سینین دو حال سے خالی نہیں یا تو طور اس جگہ کی طرف مضاف ہے' جس کا نام سیناء اور سینون ہے یا پھر یہ ایک پہاڑ کا نام ہے' جو مضاف اور مضاف الیہ سے مرکب ہے جیسے امرء القیس مرکب نام ہے اور یہ طور سیناء فلسطین کا ایک پہاڑ ہے اور سیناء ہر حال میں معرفہ اور عجمہ ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے اور یہ ابوعمرو بصری اور اہل حجاز کی قراءت میں مکسور العین ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک مفتوح العین ہے اس لیے کہ اس کا الف تانیث کا ہے جیسے صحراء ہے] ﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ﴾ تیل کے ساتھ اُگتا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''بَا'' حال کے معنی میں ہے یعنی وہ درخت اس حال میں اُگتا ہے کہ اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تُنْبِتُ'' (تا پر پیش) ہے یا تو اس لیے کہ ''اَنْبَتَ'' بہ معنی ''نَبَتَ'' ہے' جیسے یہ قول ہے: ''حَتّٰى اِذَا اَنْبَتَ الْبَقْلُ'' یہاں تک کہ سبزی اُگ گئی یا اس لیے اس کا مفعول لہ محذوف ہے] یعنی اس کا زیتون اُگتا ہے اور اس میں خوردنی تیل ہے ﴿وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سالن اور تیل دونوں پیدا کر دیئے' پس یہ تین چیزیں: سالن' زیتون اور تیل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ طوفان کے بعد پہلا درخت ہے جو اگا ہے اور یہ تینوں اقسام مخصوص ہیں اس لیے کہ یہ بزرگ ترین اور افضل ترین درخت ہے اور یہ منافع وفوائد کے اعتبار سے سب سے زیادہ جامع ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ
ع ۲ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے' ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں' جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو○ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے○ اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' اس نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو○ سو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح بشر'

وہ چاہتا ہے کہ تمہارا سردار بن جائے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا' ہم نے یہ بات تو اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنی O

۲۱- ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾ اور بے شک تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے۔ ''انعام''. ''نعم'' کی جمع ہے' جس سے اونٹ' گائے اور بکری مراد ہے' نر مادہ سب کو شامل ہے ﴿نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا﴾ ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں' جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یعنی ہم ان جانوروں کے پیٹوں میں سے تمہارے لیے ہضم ہو جانے والا خالص دودھ نکالتے ہیں [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں نون مفتوح (یعنی ''نَسْقِیْكُمْ'') ہے اور ''سَقٰی وَاَسْقٰی'' دو لغتیں ہیں] ﴿وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ﴾ اور دودھ کے علاوہ ان میں تمہارے لیے اور بہت سے فائدے ہیں اور وہ فائدے اون' بال اور گوبر وغیرہ ہیں ﴿وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان میں سے یعنی ان کے گوشت میں سے تم کھاتے ہو۔

۲۲- ﴿وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾ اور خشکی کے سفر میں ان جانوروں پر اور دریاؤں میں کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے اور یہ اشارہ ہے کہ جانوروں سے مراد صرف اونٹ ہیں کیونکہ عام طور پر انہیں پر سواری کی جاتی ہے' اس لیے اس کو کشتیوں کے ساتھ متصل بیان کیا گیا ہے کیونکہ اونٹ خشکی کی کشتیاں ہیں۔ ذورمہ نے کہا کہ ''سَفِیْنَةُ بَرٍّ تَحْتَ خَدِّیْ زِمَامُهَا'' خشکی کی کشتی کی مہار میرے رخسار کے نیچے ہے' اس سے اونٹنی مراد ہے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور قوم کی تکذیب وغیرہ کا تذکرہ

۲۳- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی تم اس کو واحد لاشریک مانو ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے [''اِلٰهٍ'' کے محل کے اعتبار پر ''غَیْرُهٗ'' مرفوع ہے اور لفظ کے اعتبار پر مجرور ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل) جملہ ہے' جو عبادت کے حکم کی تعلیل کے قائم مقام استعمال ہوا ہے] ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے وہ جو تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں پیدا کرنے والا ہے جب کہ تم اس کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو کچھ بھی عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

۲۴- ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ سو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یعنی ان کے لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے اپنے عوام سے کہا کہ ﴿مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ یہ نہیں ہے مگر تمہارے جیسا بشر' تمہاری طرح کھاتا ہے اور پیتا ہے ﴿یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ﴾ وہ تم پر فضیلت چاہتا ہے یعنی وہ تمہارا افسر اور سردار و رئیس بننا چاہتا ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ رسول کو بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا ﴿مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ ہم نے یہ بات نہیں سنی یعنی بشر کو رسول بنا کر بھیجنا یا حضرت نوح علیہ السلام جو توحید کا ہمیں حکم دیتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی مذمت بیان کرتے ہیں اور یہ بات ان لوگوں کی طرف سے بطور تعجب کہی گئی ہے کیونکہ وہ لوگ پتھر کے معبود ہونے پر راضی تھے لیکن بشر کے لیے نبوت کو ماننے پر راضی نہیں تھے ﴿فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ﴾ ہمارے پہلے باپ دادا میں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ تو نہیں مگر ایسا آدمی جسے جنون ہو گیا ہے' سو تم اس کے متعلق ایک عرصہ تک انتظار کرو O اس نے کہا: اے میرے پروردگار! تو میری مدد فرما اس بناء پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے O سو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی تیار کیجئے' پھر جب ہمارا حکم آئے گا اور تنور جوش مارنے لگے' تو آپ ہر جوڑے میں سے دو کو اس میں داخل کر لینا اور اپنے گھر والوں کو ماسوا اس کے کہ ان میں سے جس پر حکم سبقت کر چکا ہے' اور آپ ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا' بے شک انہیں غرق کیا جائے گا O

٢٥- ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ ﴾ وہ تو نہیں ہے مگر ایسا آدمی' جسے جنون ہو گیا ہے ﴿ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴾ سو تم انتظار کرو اور ایک عرصہ تک اس پر صبر کرو یہاں تک کہ ان کا معاملہ کھل کر واضح ہو جائے' پھر اگر اس نے جنون سے افاقہ حاصل کر لیا تو درست ورنہ تم اسے قتل کر دینا۔

٢٦- ﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ دراصل جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس و ناامید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے ان سے انتقام لینے کی دعا کی اور معنی یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے اس لیے تو ان کو ہلاک کر دے کیونکہ حضرت نوح کی مدد کرنے میں ان کو ہلاک کرنا تھا یا یہ کہ اے اللہ! تو میری مدد فرما' اس کے بدلے میں کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے' جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''هٰذَا بِذَاكَ اَىْ بَدَلَ ذَاكَ'' یہ اس کے ساتھ ہے' یعنی یہ اس کے بدلے میں ہے اور معنی یہ ہو گا: ان کی تکذیب سے لاحق ہونے والے میرے غم کو ان کے خلاف میری مدد فرمانے کی تسلی سے بدل دے۔

٢٧- ﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ ﴾ سو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی' سو ہم نے ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجا کہ ﴿ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ آپ ہمارے سامنے اور ہماری نگرانی میں ایک کشتی تیار کیجئے یعنی آپ کشتی کو اس حال میں بنائیے کہ آپ کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کر رہا ہے اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے یا آپ ہماری حفاظت اور ہماری نگرانی میں ہیں' گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ساتھ ایسے محافظ و نگران ہیں' جو مسلسل آپ کی اپنی آنکھوں کے سامنے حفاظت و نگرانی کر رہے ہیں تاکہ کوئی شخص آپ کے درپے آزار نہ ہو سکے اور کوئی فسادی آپ کے عمل میں فساد نہ ڈال سکے اور اسی سے اہل عرب کا قول ہے کہ فلاں آدمی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت و نگرانی کی آنکھ ہے ﴿ وَوَحْيِنَا ﴾ اور ہمارے حکم سے اور ہم نے آپ کو جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق کشتی تیار کیجئے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ پرندے کے سینے کے ڈیزائن کے مطابق ایک کشتی تیار کیجئے ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ پھر جب ہمارا حکم آئے گا یعنی جب ہمارے حکم سے ہمارا عذاب آئے گا ﴿ وَفَارَ التَّنُّوْرُ ﴾ اور تنور اُبلنے لگے گا یعنی روٹیاں پکانے والے تنور سے پانی جوش مارتے ہوئے اُبلنے لگے گا یعنی غرق کرنے کا سبب آگ جلانے کی جگہ سے نکالا جائے گا تاکہ ڈرانے اور عبرت حاصل کرنے میں زیادہ بلیغ ہو جائے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ جب آپ دیکھیں کہ پانی تنور سے اُبلنے لگا ہے تو آپ خود اور اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار کر لینا' پھر جب تنور سے پانی جوش مارنے لگا تو آپ کی بیوی نے آپ کو اطلاع دی اور یہ تنور حضرت

آدم علیہ السلام کا تھا جو نسل بہ نسل منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام تک آن پہنچا اور یہ تنور پتھر سے تیار کیا گیا تھا اور اس کی جگہ میں اختلاف ہے' چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ کوفہ کی جامع مسجد میں تھا اور بعض نے کہا: ملک شام میں تھا اور بعض نے کہا کہ ہند میں تھا ﴿فَاسْلُكْ فِيهَا﴾ پس اس میں یعنی کشتی میں داخل کر لیجئے ﴿مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ﴾ ہر گروہ سے جوڑا' اور وہ نر کا گروہ ہے اور مادہ کے گروہ جیسے اونٹ اور اونٹنی اور گھوڑا اور گھوڑی وغیرہ ﴿اثْنَيْنِ﴾ ایک ہی قسم کے نر مادہ جیسے اونٹ اور اونٹنی اور گھوڑا اور گھوڑی وغیرہ۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ کشتی میں صرف انہیں جانوروں کو سوار کیا گیا' جو بچے جنتے تھے یا انڈے دیتے تھے۔ [امام حفص کی قراءت میں ''مِنْ كُلٍّ'' (بغیر اضافت) ہے یعنی ہر گروہ میں سے ایک جوڑا' جس میں دو فرد نر اور مادہ ہوں۔ ''اثنین''' ''زوجین'' کی تاکید ہے اور توضیحی بیان ہے] ﴿وَأَهْلَكَ﴾ اور اپنے گھر والوں کو (کشتی میں سوار کر لیجئے) یعنی اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کو ﴿إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ مگر جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاک کرنے کا حکم سبقت کر چکا اور اس سے آپ کا بیٹا کنعان اور آپ کی دو بیویوں میں سے ایک بیوی (کنعان کی والدہ) مراد ہیں [سو یہاں ''سَبَقَ'' کے بعد لفظ ''عَلٰی'' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہاں سبقت کرنے والا حکم ضرر رساں اور نقصان دِہ تھا جیسا کہ (درج ذیل آیات میں) لام کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سبقت کرنے والا فیصلہ نافع اور مفید ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ'' (الصافات:١٧١) ''اور بے شک ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہماری بات پہلے ہو چکی ہے''۔ اور اسی طرح یہ آیت مبارکہ ہے کہ ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرہ:١٨٦) ''نیکی کا فائدہ اسی کے لیے' جو اس نے کمائی اور بدی کا نقصان اسی پر ہے' جو اس نے کمائی''۔] ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ﴾ اور آپ مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا بے شک انہیں غرق کیا جائے گا اور نہ مجھ سے کافروں کی نجات کے بارے میں سوال کرنا کیونکہ میں انہیں یقیناً غرق کر دوں گا۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ
الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾
فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾ ع ٢

پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو کر پوری طرح بیٹھ جائیں تو کہنا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' جس نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرمائی O اور کہنا کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے بابرکت جگہ پر اتارنا اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں O بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور بے شک ہم ضرور آزمائش کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا فرمایا O سو ہم نے ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو O

٢٨- ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ سو جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو جاؤ (یعنی) جب تم کشتی پر سوار ہو کر پوری طرح پرسکون ہو کر بیٹھ جاؤ ﴿فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ تو کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرمائی۔ کافروں کی ہلاکت اور ان سے نجات

حاصل کرنے پر حضرت نوح علیہ السلام کو حمد وثناء کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور "فقولوا" نہیں فرمایا حالانکہ "فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ" بہ معنیٰ "اِسْتَوَيْتُمْ" ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام مسلمانوں کے نبی اور ان کے امام تھے پس ان کا کہنا ان کا کہنا تھا' نیز اس میں حضرت نوح کی نبوت کی فضیلت کا اظہار ہے۔

۲۹۔﴿وَقُلْ﴾ اور جب آپ کشتی پر سوار ہونے لگیں اور جب آپ کشتی سے اترنے لگیں تو کہئے: ﴿رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ اے میرے پروردگار! مجھے بابرکت جگہ پر اتارنا["مُنْزَلًا" بہ معنیٰ مصدر "اِنْزَالًا" ہے یا بہ معنیٰ ظرف مکان موضع انزال ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میم مفتوح "مَنزِلًا" یعنی "مَكَانًا" ہے] ﴿وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں اور کشتی میں برکت یہ ہے کہ اس میں سوار ہو کر طوفان سے نجات حاصل کرنا اور صحیح سلامت اترنا ہے اور طوفان کے ختم ہونے پر کشتی سے اترنے کے بعد برکت یہ ہے کہ نسل انسانی کا بڑھنا اور مسلسل خیر اور بھلائیوں کا حاصل ہونا ہے۔

۳۰۔﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور ان کی قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس میں یقیناً عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ﴿وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾ اور بے شک ہم قوم نوح کو بہت بڑی آزمائش اور سخت عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں یا ہم ان نشانیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو آزماتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کون عبرت حاصل کرتا ہے اور کون نصیحت حاصل کرتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (القمر:۱۵) "اور بے شک ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے"۔["اِنْ" ثقیلہ سے خفیفہ ہے' لام اس کے اور نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان اور قصہ یہ ہے کہ ہم آزمانے والے ہیں]۔

## حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ اور کفار کی گستاخی کا تذکرہ

۳۱۔﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا﴾ پھر ہم نے پیدا فرمایا ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری قوم' عاد کی قوم کے لوگ مراد ہیں' جو حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور اس پر حضرت ھود علیہ السلام کا یہ (درج ذیل) ارشاد شاہد و گواہ ہے: "وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ" (الاعراف:۶۹) "اور تم یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جانشین بنایا"۔ چنانچہ حضرت ھود اور ان کی قوم کا قصہ سورتِ اعراف' سورتِ ھود اور سورتِ شعراء میں حضرت نوح اور ان کی قوم کے قصہ کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

۳۲۔﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ سو ہم نے ان میں ایک پیغمبر حضرت ھود علیہ السلام کو بھیج دیا' جو انہیں میں سے تھے یعنی ان کی قوم میں سے تھے["ارسال" کو وہاں ("وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ" میں) "اِلٰى" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' حرف "فِيْ" کے ساتھ متعدی نہیں کیا گیا (جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشادات میں حرف "فی" کے ساتھ متعدی نہیں کیا گیا ہے' چنانچہ) ارشاد ہے: "كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ" (الرعد:۳۰) "اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ "وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ" (الاعراف:۹۴) "اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں"۔ لیکن یہاں "امة" اور "قرية" کو "ارسال" کا ظرف مکان قرار دیا گیا ہے جیسا کہ رؤبہ کا قول ہے:

''اَرْسَلْتُ فِيهَا مُصْعَبًا ذَا اِقْحَامٍ'' ازخود کلام میں دخل اندازی کرنے والے مصعب کو میں نے اس میں بھیج دیا] ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو [حرف ''اَنْ'' ''مُفَسِّرَہ ہے جو ''اَرْسَلْنَا'' کی تفسیر کر رہا ہے یعنی ہم نے رسول کی زبانی ان سے فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو]۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اور انہوں نے آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا اور ہم نے دنیا کی زندگی میں انہیں مالی خوشحالی عطا فرمائی' یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح بشر ہے' وہ اس میں سے کھاتا ہے' جس میں سے تم کھاتے ہو اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے وہ پیتا ہے O اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت اختیار کر لی تو اس وقت تم یقیناً نقصان اٹھاؤ گے O کیا وہ تمہیں یہ وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر گئے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں یقیناً نکالا جائے گا O وہ بہت دور ہے وہ بہت دور ہے' جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے O وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا O

۳۳- ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا [حضرت ھود علیہ السلام کے جواب میں قومِ ھود کے قول کا ذکر سورتِ اعراف اور سورتِ ھود میں بغیر واؤ کے ہے کیونکہ سائل کے سوال کی تقدیر پر کہا کہ اس کی قوم نے کیا کہا؟ تو کہا گیا کہ انہوں نے اس طرح کہا اور یہاں واؤ کے ساتھ ہے اس لیے کہ یہاں قوم کے قول کو رسول کے قول پر معطوف کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حصول میں یہ حق اور یہ باطل مجتمع ہو گئے ہیں اور نبی کے لیے جواب ان کے کلام کے ساتھ متصل نہیں' اس لیے یہاں ''فَا'' نہیں لایا گیا جب کہ قصۂ نوح میں ''فَا'' کو اس لیے لایا گیا ہے کہ وہاں جواب ان کے قول کے بعد متصل ذکر کیا گیا ہے۔ ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' ''الملا'' کی صفت ہے یا ''لِقَوْمِهٖ'' کی صفت ہے] ﴿وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور انہوں نے آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا' یعنی انہوں نے آخرت کے ساتھ آخرت میں حساب و کتاب اور ثواب و عذاب وغیرہ جو کچھ اس میں ہو گا سب کو جھٹلا دیا تھا ﴿وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور ہم نے دنیا کی زندگی میں انہیں کثرتِ اموال اور کثرتِ اولاد عطا فرما کر خوشحال بنا دیا تھا۔ ''اَتْرَفْنَا'' بہ معنی ''اَنْعَمْنَا'' ہے یعنی ہم نے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں ﴿مَا هٰذَآ﴾ یعنی یہ نبی نہیں ہے ﴿اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ مگر تمہارے جیسا بشر ہے' یہ اسی میں سے کھاتا ہے' جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں سے پیتا ہے' جس سے تم پیتے ہو [''تَشْرَبُوْنَ'' کے بعد ''مِنْهُ'' محذوف ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے] یعنی انہوں نے کہا کہ یہ ھود تمہاری قوم میں سے نبوت د

رسالت کا کیسے دعویدار بنتا ہے حالانکہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہے۔

٣٤۔﴿ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ﴾ اور اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت اختیار کر لی' ان تمام امور میں جن کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے اور جن اُمور سے تمہیں منع کرتا ہے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا ﴾ [یہ شرط کی جزاء میں واقع ہے اور ان لوگوں کے لیے جواب ہے' جو ان کی قوم سے ان سے جھگڑا کرتے تھے] بے شک تم اس وقت ﴿ لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ ضرور نقصان اٹھاؤ گے' اپنے جیسے انسان کی اطاعت کر کے' اور ان لوگوں کی حماقت تو دیکھئے کہ انہوں نے اپنے جیسے انسان کی اتباع سے انکار کر دیا جب کہ انہوں نے اپنے سے کم تر و عاجز' بے جان مورتیوں اور بتوں کی عبادت شروع کر دی۔

٣٥۔﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ بے شک جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم یقیناً زمین سے نکالے جاؤ گے' سوال و جواب اور حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کے لیے [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں میم مکسور کے ساتھ "مِتُّم" ہے' ان کے علاوہ کے نزدیک میم مضموم کے ساتھ "مُتُّم" ہے اور "اَنَّكُمْ" کو دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور پہلے اور دوسرے کے درمیان ظرف کے ساتھ فاصلہ بہت اچھا ہے اور "مُخْرَجُوْنَ" پہلے "اَنَّكُمْ" کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ مُخْرَجُوْنَ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا" کیا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ تم یقیناً نکالے جاؤ گے جب کہ تم مر چکے ہو گے اور تم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہو گے]۔

٣٦۔﴿ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ ﴾ بہت دور ہے بہت دور ہے [یزید کی قراءت میں مکسور ہے اور انہیں سے کسرہ اور تنوین مروی ہے اور علی کسائی "ھَا" پر وقف کرتے ہیں' دوسرے "تَا" پر وقف کرتے ہیں اور یہ اسم فعل ہے اور "بَعُدَ" کے موقع پر واقع ہے اور اس کا فاعل اس کے اندر مضمر ہے] یعنی حشر و نشر کی تصدیق کرنا عقل سے بہت دور ہے یا قیامت کا وقوع عقل سے بہت دور ہے ﴿ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے [یا پھر "هَيْهَاتَ" کا فاعل "مَا تُوْعَدُوْنَ" ہے اور لام زائدہ ہے] یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر قبروں سے اٹھنا اور حشر و نشر کا ہونا عقل سے بہت دور ہے۔

٣٧۔﴿ اِنْ هِيَ ﴾ [یہ ایسی ضمیر ہے' جس کی مراد معلوم نہیں ماسوا اس کے جو اس کے بعد اس کا بیان ہوا ہے اور اس کی اصل ہے: "اِنِ الْحَيَاةُ"] ﴿ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ﴾ زندگی نہیں ہے ماسوا ہماری اس دنیاوی زندگی کے [پھر "هِيَ" کو "الحياة" کی جگہ پر رکھا گیا ہے اس لیے کہ خبر اس پر دلالت کر رہی ہے اور اس کو بیان کر رہی ہے] اور معنی یہ ہے کہ اس زندگی کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے' جس میں ہم رہے ہیں اور جو ہمارے قریب ہے [یہ اس لیے کہ "اِنْ" نافیہ "هِيَ" پر داخل ہے جو "حياة" کے معنی میں ہے' جو جنس پر دلالت کرتا ہے تو جب "اِنْ" نافیہ نے جنسِ حیاۃ کی نفی کی تو "لا" نفی جنس کے برابر ہو گیا] ﴿ نَمُوْتُ وَنَحْيَا ﴾ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں' یعنی ہم میں سے بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہیں' ایک قوم ختم ہو جاتی ہے تو دوسری قوم آ جاتی ہے یا پھر اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ رہتے ہیں' پھر ہم مر جاتے ہیں اور حضرت ابی اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہی قراءت یعنی "نَحْيَا وَنَمُوْتُ" ہے ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴾ اور ہمیں مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

وہ تو نہیں مگر آدمی جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O اس نے کہا: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے O فرمایا: تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ضرور نادم و شرمندہ ہو جائیں گے O پس انہیں ایک سخت چیخ نے حق کے مطابق پکڑ لیا' پھر ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ بنا دیا' پس ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے O پھر ہم نے ان کے بعد اور قومیں پیدا کیں O اور کوئی امت اپنی مدت سے نہ پہلے جا سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے O پھر ہم نے مسلسل اپنے رسول بھیجے' جب کسی امت کے پاس اس کا رسول تشریف لایا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا اور ہم نے بعض کو بعض کے پیچھے لگا دیا اور ہم نے ان کو قصے کہانیاں بنا ڈالا' جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہلاکت ہے O

٣٨-﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ وہ تو نہیں ہے مگر ایک ایسا آدمی ہے' جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت کا جو دعویٰ کرتا ہے اور مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا جو وعدہ کرتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان ہے ﴿ وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور ہم ان پر ایمان لانے والے یعنی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

٣٩-﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴾ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما' اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمالی اور فرمایا:

٤٠-﴿ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تھوڑا عرصہ بعد اور عنقریب [حرف ''مَا'' زائدہ ہے یا بہ معنی ''شیی'' ہے یا بہ معنی زمانہ ہے اور ''قَلِیْل'' اس سے بدل ہے اور جوابِ قسم محذوف ہے] ﴿ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴾ البتہ وہ ضرور پشیمان ہوں گے جب وہ اس عذاب کو ملاحظہ کریں گے' جو ان پر نازل ہوگا۔

٤١-﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ ﴾ پھر انہیں سخت چیخ نے پکڑ لیا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ کہ اس نے ان پر ایک زوردار چیخ ماری تو ان سب کو ہلاک کر دیا ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ اَیْ بِالْعَدْلِ'' فلاں آدمی حق کے مطابق یعنی انصاف سے فیصلہ کرتا ہے ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ﴾ سو ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تباہی و بربادی اور ہلاکت کو کوڑے کرکٹ سے تشبیہ دی ہے اور دراصل ''غثآء'' سیلابی پانی کے اوپر جھاگ اور خاشاک اور سیاہ پتے اور ٹوٹی پھوٹی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے اور یہی حال قوم ھود کے کافروں کا ہوا تھا ﴿ فَبُعْدًا ﴾ پس ہلاکت ہے۔ کہا جاتا ہے: ''بَعُدَ بَعْدًا وَبُعْدًا اَیْ هَلَكَ'' وہ دور ہوا دور ہونا یعنی وہ تباہ و برباد اور ہلاک ہو گیا [اور یہ ان مصادر میں سے' جو ایسے پوشیدہ افعال کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں' جن کو ظاہر کر کے استعمال نہیں کیا جاتا] ﴿ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾

ظالموں کی قوم کے لیے (ہلاکت ہے)' یہ ان لوگوں کا بیان ہے' جن کے لیے ہلاکت کی بددعا کی گئی' جیسے "هَيْتَ لَكَ"۔ (یوسف:۲۳)

## قوم صالح' قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہم کا بیان

۴۲۔﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد اور قومیں پیدا کیں۔ حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام کی قومیں۔

۴۳۔﴿ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا ﴾ کوئی امت اپنی اس مدت سے پہلے نہیں جا سکتی' جو اس کے لیے لکھ دی گئی اور جو وقت اس کی ہلاکت کا محدود و مقرر کر دیا گیا اور جو وقت ان کی تباہی کا لکھ دیا گیا ہے وہ اس سے سبقت نہیں کر سکتی [حرف "مِنْ" زائدہ ہے] ﴿ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴾ اور وہ نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے۔

۴۴۔﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ﴾ پھر ہم نے اپنے رسولوں کو مسلسل بھیجا ["تَتْرَا" "فَعْلٰى" کے وزن پر ہے اور الف تانیث کا ہے جیسے "سَكْرٰى" اس لیے کہ رسل جماعت ہے اور اس لیے اس پر تنوین نہیں لائی گئی کیونکہ یہ غیر منصرف ہے۔ ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور یزید کی قراءت "تَتْرًى" تنوین کے ساتھ ہے' اس بناء پر کہ الف الحاقی ہے' جیسے "اَرْطًى" اور یہ دونوں قراءتوں میں حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی لگاتار ایک کے بعد ایک اور اس کی پہلی "تَـا" دونوں صورتوں میں واؤ سے تبدیل شدہ ہے اور اصل میں "وَتْرٰى" ہے جو "وتر" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: اکیلا' پھر واؤ کو "تَا" سے بدل دیا گیا جیسے "تراث"] ﴿ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ﴾ جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول تشریف لایا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا ["رسول" "مُرْسِل" (رسول کو بھیجنے والا) اور "مُرْسَل اِلَيْه" (جس قوم کی طرف رسول کو بھیجا گیا) کے لیے لازم ہے اور اس کی اضافت بھی اسی ملابست و ملازمت کی بناء پر ہے' لہٰذا رسول کی اضافت ان دونوں کی طرف درست ہے] ﴿ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا ﴾ سو ہم نے منکر و نافرمان امتوں اور قوموں کو ہلاک کرنے کے لیے ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا (کہ ہم نے ان کو یکے بعد دیگرے ہلاک کر دیا) ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ﴾ اور ہم نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد قصے کہانیاں بنا دیا کہ لوگ ان کی ہلاکت کے واقعات کو سنتے سناتے ہیں اور ان سے تعجب و عبرت حاصل کرتے ہیں' اور "احادیث" "حدیث" کی اسم جمع ہے اور اسی سے "احادیث النبی" ماخوذ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات' اور نیز "احادیث" "احدوثة" کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے' جس کا مطلب ہے کہ وہ قصے کہانیاں' جن کو لوگ کھیل تماشے کے لیے بیان کرتے ہیں' ایک دوسرے سے سنتے سناتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے ﴿ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ پس ہلاکت و تباہی اسی قوم کے لیے ہے جو ایمان نہیں لاتی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا
لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ
ع ۳ ۱۸ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجاO فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' سوانہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھےO سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور ان کی قوم تو ہماری غلام ہےO سوانہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا' پس وہ ہلاک ہونے والے میں سے کر دیئے گئےO اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تا کہ یہ لوگ ہدایت پالیںO اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا اور ہم نے ان دونوں کو بلند ہموار سرزمین پر جگہ دی جو ٹھہرنے کے قابل صاف پانی والی شاداب جگہ تھیO

## حضرت موسیٰ و ہارون کی نبوت' فرعونیوں کی سرکشی اور ابن مریم کی شان کا بیان

٤٥- ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نو نشانیوں (نو معجزات) کے ساتھ اور واضح حجت کے ساتھ بھیجا [''ھارون''،''اخاہ'' سے بدل ہے]۔

٤٦- ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' سوانہوں نے تکبر کیا اور وہ ایمان کو قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ وہ اپنے آپ کو بلند اور بڑا تصور کرتے تھے ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ﴾ اور وہ لوگ بڑے سرکش اور بہت متکبر تھے۔

٤٧- ﴿فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں؟ [''بشر'' واحد' تثنیہ اور جمع ہوتا ہے جب کہ ''مثل'' اور ''غیر'' تثنیہ' جمع' مذکر اور مؤنث کی صفت واقع ہوتے ہیں (جیسے یہاں ''لِبَشَرَيْنِ'' کی صفت ''مِثْلِنَا'' ہے)] ﴿وَقَوْمُهُمَا﴾ اور ان دونوں (بھائیوں) کی قوم یعنی بنی اسرائیل ﴿لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ ہمارے خادم و فرماں بردار ہیں اور ہر وہ شخص جو بادشاہ کا خدمت گزار ہو اس کو عرب کے نزدیک بادشاہ کا عابد یعنی غلام و خادم تصور کیا جاتا ہے۔

٤٨- ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور ہلاک کردہ لوگوں میں سے ہو گئے کہ انہیں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

٤٩- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تورات شریف عطا کی ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ تورات کے احکام و نصائح پر عمل کر کے ہدایت کو پالیں۔

٥٠- ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً﴾ اور ہم نے حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی ماں حضرت مریم کو نشانی بنایا تا کہ وہ ہماری قدرت پر دلالت کریں' جیسا ہم چاہتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر نطفہ کے پیدا کیا گیا۔ دونوں کو ایک نشانی قرار دیا گیا کیونکہ دونوں میں عجوبہ ایک ہے یا مراد یہ ہے کہ ''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ اٰيَةً وَّاُمَّهٗ اٰيَةً'' یعنی ہم نے ابن مریم کو الگ ایک نشانی بنایا اور ان کی ماں کو الگ ایک نشانی بنایا' پھر پہلی کو حذف کر دیا گیا کہ دوسری نشانی اس پر دلالت کرتی ہے ﴿وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر جگہ دی یعنی ہم نے ان کی رہائش گاہ بلند زمین پر بنا دی [ابن عامر شامی اور عاصم کی قراءت میں ''رَا'' پر زبر ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''رَا'' پر پیش ہے] یعنی بلند زمین اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا رملہ یا مصر ہے ﴿ذَاتِ قَرَارٍ﴾ ہموار و کشادہ زمین میں قرار گاہ یا پھلوں اور پانی والی سرزمین یعنی پھلوں اور چشموں کی وجہ سے رہنے والے وہاں ٹھہرتے ہیں ﴿وَّمَعِيْنٍ﴾ اور چشموں والی سرزمین اور زمین کی سطح پر نمودار ہو کر بہنے والا پانی [اور یہ مفعول ہے یعنی اپنے ظہور کے سبب چشمے کا احاطہ کرنے والا' یہ ''عانه'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ بعینہٖ کسی چیز کو گھیر لیتا ہے یا فعیل کے وزن پر ہے کیونکہ اپنے ظہور

اور اپنے بہنے کے سبب بہت نفع دینے والا ہے اور یہ "ماعون" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: منفعت]۔

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌؕ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًاؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ﴿۵۴﴾ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَۙ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَۙ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَۙ﴿۵۸﴾

اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں○ اور بے شک یہ تمہارا دین ایک دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم مجھ سے ڈرو○ پھر امتوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا' ہر گروہ اسی پر خوش ہے' جو کچھ اس کے پاس ہے○ سو انہیں ان کی غفلت میں ایک مدت تک چھوڑ دیجئے○ کیا وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ مال اور اولاد سے ان کی مدد کر رہے ہیں○ تو ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں' بلکہ وہ نہیں سمجھتے○ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں○ اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں○

## رسولوں کو رزقِ حلال وعملِ صالح کی تلقین اور کفار کی مذمت

۵۱- ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔ خیال میں رہے کہ یہ ندا اور یہ خطاب اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے کیونکہ یہ تمام پیغمبر مختلف زمانوں میں الگ الگ بھیجے گئے تھے اور اس کا معنی صرف یہ اطلاع دینا ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کے اپنے زمانہ میں یہی خطاب کیا گیا اور یہی وصیت کی گئی ہے کہ ہمیشہ رزقِ حلال کمانا اور کھانا ہے تاکہ ہر سننے والے شخص کو یقین ہو جائے کہ تمام پیغمبروں کو اس کے لیے خطاب کیا گیا اور سب کو اسی کی وصیت کی گئی اور مذہبی فریضہ اور حق یہی ہے کہ اس حکم کو لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے یا یہ خطاب صرف (سرورِ انبیاء حبیب کبریا حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے (جمع کے ساتھ اس لیے خطاب کیا گیا ہے کہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے زمانہ میں اپنے فضائل ومناقب اور مقامات ومراتب کی وجہ سے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام پر فائز ہیں (آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (ہجرت کے بعد) جہاد کے ذریعے حاصل شدہ اموالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کے مال میں سے کھایا کرتے تھے یا یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ سے پہلے متصل انہی کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے سوت کاتنے کی اجرت سے کھایا کرتے تھے اور یہ ہاتھ کی کمائی کا کھانا سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا ہوتا ہے اور پاکیزہ چیزوں سے رزقِ حلال مراد ہے اور یہ حکم تکلیف کے لیے (یعنی شریعت کی ذمہ داری کی پابندی کے لیے) دیا گیا ہے یا فرحت ولذت کے حصول کے لیے پاکیزہ اور حلال رزق کھانے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم آسودگی اور خوش حالی کی اباحت کے لیے دیا گیا ہے ﴿وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اور نیک عمل کرو۔ ہر وہ عمل جو شریعت کے موافق ہو وہ نیک عمل کہلائے گا ﴿اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ بے شک میں تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہوں' سو میں تمہیں تمہارے

اعمال کے مطابق بدلا دوں گا۔

۵۲- ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ﴾ اور بے شک یہ (تمہارا دین ایک دین ہے) [یہ اہل کوفہ کی قراءت کے مطابق ہے اس بناء پر کہ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جب کہ اہل حجاز اور ابوعمرو بصری کی قراءت کے مطابق ''اَنَّ'' (ہمزہ پر زبر ہے) بہ معنی ''وَ لِاَنَّ'' ہے یعنی سو تم مجھ سے ڈرو اس لیے کہ بے شک یہ یا پھر ماقبل پر معطوف ہے ''اَیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَبِاَنَّ هٰذِهٖ'' یعنی میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں اور اس لیے کہ بے شک یہ یا اس کی تقدیر یہ ہے: ''وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذِهٖ'' اور تم جان لو کہ بے شک یہ] ﴿اُمَّتُكُمْ﴾ تمہارا دین ہے یعنی تمہاری ملت اور تمہاری شریعت ہے' جس پر تم قائم ہو ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک دین' ایک ملت ہے اور وہ اسلامی شریعت ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے: ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران:۱۹) ''بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے''۔ ﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم مجھ ہی سے ڈرو (یعنی) مجھے واحد لاشریک مانو اور میرے عذاب سے ڈرو' میرے احکام کی مخالفت نہ کرو۔

۵۳- ﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ پھر امتوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑوں میں بانٹ لیا۔ ''تَقَطَّعَ'' بہ معنی ''قَطَّعَ'' ہے یعنی انہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ﴿زُبُرًا﴾ (''زبور'' کی جمع ہے) یعنی مختلف کتابیں یعنی انہوں نے اپنے دین کو کئی دینوں میں تبدیل کر لیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ اپنے دین کے متعلق مختلف اور کئی فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ نے الگ ایک کتاب بنالی اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انہوں نے اس میں تحریف کر کے تبدیل کر دیا [اور اسے ''زُبَرًا'' (زاء پر زبر) پڑھا گیا ہے ''زُبْرَة'' کی جمع ہے] یعنی ٹکڑے ﴿كُلُّ حِزْبٍۢ﴾ اپنے دین کے ٹکڑے کرنے والے ان مختلف فرقوں میں سے ہر فرقہ (یعنی تمام فرقے) ﴿بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ اپنی اپنی کتاب اور دین یا اپنی اپنی خواہش اور رائے پر ﴿فَرِحُوْنَ﴾ خوش ہیں' سب کے سب یقین و عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ یقیناً حق پر ہیں۔

۵۴- ﴿فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ﴾ پس انہیں ان کی جہالت وغفلت میں چھوڑ دیئے ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک مدت تک یعنی یہاں تک کہ وہ جنگوں میں مارے جائیں یا ازخود طبعی موت مر جائیں۔

۵۵'۵۶- ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ کیا وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم مال و اولاد کے ذریعے ان کی مدد کر رہے ہیں؟ [''اَنَّمَا'' میں ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور ''اَنَّ'' کی خبر] ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ ہے یعنی ہم ان کے لیے بھلائیوں کے دینے میں جلدی کر رہے ہیں [اور ''انّ'' کی خبر میں اس کے اسم کی طرف ایک ضمیر لوٹتی ہے' جو محذوف ہے اصل میں ''نُسَارِعُ لَهُمْ بِهٖ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ امداد انہیں صرف نافرمانیوں میں ڈھیل دینے کے لیے دی جا رہی ہے اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ ان کو بھلائیوں کے عطا کرنے میں جلدی کی جا رہی ہے اور ان کی اچھی کارکردگی پر صلہ دینے کے لیے انہیں جلد از جلد ثواب دیا جا رہا ہے اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کوئی کام نہیں کرتا مگر وہی کام کرتا ہے' جو بندے کے لیے کارآمد اور مفید ہو' نقصان دِہ نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دی ہے کہ انہیں جو مال و دولت اور اولاد و خوشحالی دی جا رہی ہے آخرت میں ان کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے اور نہ اس میں ان کے لیے کوئی مصلحت ہے (بلکہ یہ خوشحالی ان کے لیے نقصان دِہ ہے) ﴿بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ بلکہ وہ لوگ اس کو نہیں سمجھ رہے [''بَلْ'' ''اَيَحْسَبُوْنَ'' کے لیے استدراک ہے] یعنی بلکہ وہ جانوروں کی طرح ہیں' انہیں کوئی شعور نہیں ہے تا کہ وہ اس میں غور و فکر کرتے کہ یہ صرف ڈھیل ہے یا خیر و بھلائی میں سبقت

## اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام کی صفات کا بیان

۵۷- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام (یعنی اپنے دوستوں) کا تذکرہ بیان کیا اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں یعنی خائف رہتے ہیں۔

۵۸- ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں' اس کی کتابوں کے درمیان ان لوگوں کی طرح تفریق نہیں کرتے' جنھوں نے اپنے دین میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور وہ اہلِ کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) ہیں۔

| |
|---|
| وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ |
| اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ |
| نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ |
| غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذْنَا |
| مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ |

اور وہ جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے O اور جو لوگ (راہِ خدا میں) جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں' بے شک وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں O یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں اور وہ ان کے لیے سب سے آگے بڑھنے والے ہیں O اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں کرتے مگر اس کی وسعت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے' جو حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے اعمال اس کے سوا کچھ اور نہیں جن کے وہ کرنے والے ہیں O یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ اس وقت اچانک چلائیں گے O

۵۹- ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے جیسا کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں وغیرہ کو شرک ٹھہراتے تھے۔

۶۰- ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا﴾ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں یعنی انہوں نے زکوٰۃ و صدقات میں سے جو کچھ دینا ہوتا ہے وہ (جب) دیتے ہیں [اور ''یُؤْتُوْنَ مَا اَتَوْا'' قصر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے] یعنی انہوں نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ کرتے ہیں ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ اور ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں (یعنی) خوف زدہ ہوتے ہیں کہ کہیں ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کے صدقات قبول نہ کیے جائیں ﴿اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ بے شک وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں [جمہور اس پر متفق ہیں کہ تقدیر یوں ہے ''لِاَنَّهُمْ'' اور یہ ''اِنَّ الَّذِیْنَ'' کی خبر ہے]۔

۶۱- ﴿اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ﴾ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں (یعنی) وہ لوگ عبادات و اطاعات میں رغبت کرتے ہیں اور ان کو ادا کرنے میں جلدی کرتے ہیں ﴿وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ اور وہ ان کے لیے سب سے آگے

بڑھنے والے یعنی وہ لوگ نیکیوں کی وجہ سے بہشتوں میں سبقت کرنے والے یا ان نیکیوں کے سبب وہ لوگوں سے سبقت کر جانے والے ہیں۔

٦٢- ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی وسعت کے مطابق یعنی اس کی طاقت کے مطابق یعنی جس صفت کے ساتھ نیک لوگوں کو موصوف کیا گیا ہے وہ انسانی وسعت و طاقت کی حد سے خارج نہیں ہے اور اسی طرح ہر وہ صفت' جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مکلف ٹھہراتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس شخص کی تردید کررہی ہے' جو انسانی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کے لیے مکلف ٹھہرانے کو جائز قرار دیتا ہے ﴿وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ﴾ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ یا اعمال نامہ ﴿يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ وہ حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی) قیامت کے دن جب اسے پڑھا جائے گا تو اس کی بات سچ اور انصاف پر مبنی ہوگی اور اس میں کسی قسم کی کمی وزیادتی نہیں ہوگی اور ان میں سے کسی کو زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کو اس کی ہمت وطاقت سے زیادہ کا مکلف و ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

## دشمنانِ دین کی کرتوتوں کا بیان

٦٣- ﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی) بلکہ کفار کے دل ایسی غفلت میں مبتلا ہو چکے ہیں' جس نے ان کے دلوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے' اس راہ سے بہت دور ہو چکے ہیں' جس پر مؤمنوں میں سے یہ موصوف حضرات گامزن ہیں ﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ﴾ اور اس کے علاوہ ان کے اور اعمال بھی ہیں یعنی اس کے علاوہ ان کے اعمال خبیثہ اور بھی ہیں' جو شریعت کی حدود سے تجاوز کرنے والے غلط اعمال ہیں یعنی ان اعمال کے خلاف ہیں' جن کے ساتھ مؤمنوں کو موصوف کیا گیا ہے ﴿هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ وہ ان پر عمل کر رہے ہیں اور وہ ان پر قائم ہیں' وہ ان اعمالِ خبیثہ سے الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار کرلے گا۔

٦٤- ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے خوشحال اور مال دار لوگوں کو عذاب میں گرفتار کیا (یعنی) دنیا کے عذاب میں گرفتار کرلیا اور مسلسل سات سال تک کفارِ مکہ کو قحط سالی اور خشک سالی میں مبتلا رکھا گیا (یہاں تک کہ وہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے) اور یہ اس وقت ہوا تھا جب حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی تھی یا عذاب دنیا سے جنگ بدر کے دن ان کا قتل کیا جانا مراد ہے [''حَتّٰى'' وہ حرف ہے' جس کے بعد کلام کا آغاز ہوتا ہے اور یہ کلام جملہ شرطیہ ہوتا ہے] ﴿اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ﴾ اچانک وہ چلائیں گے اور چیخ کر فریاد کریں گے اور ''الجؤار'' کا معنی ہے: فریاد چاہنے کے لیے چیخ کر فریاد کرنا' چنانچہ جواب میں ان سے کہا جائے گا:

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ
اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

(ان سے کہا جائے گا:) آج تم فریاد کے لیے مت چلاؤ' بے شک ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی O
بے شک میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے O تم تکبر کرتے تھے' اس قرآن کو داستان کہہ کر بے ہودہ بکواس کرتے O تو کیا انہوں نے اس کلام میں غور وفکر نہیں کیا یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا O کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا' پس وہ اس کے منکر ہو گئے ہیں O یا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہو گیا ہے' بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آیا اور ان میں اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں O

۶۵- ﴿لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ﴾ آج تم فریاد مت کرو کیونکہ آج فریاد کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا ﴿إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ بے شک ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی یعنی ہماری طرف سے تمہیں کسی قسم کی مدد و نصرت اور اعانت نہیں پہنچے گی۔

۶۶- ﴿قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میری آیتیں یعنی قرآنِ مجید کی آیات تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں ﴿فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ﴾ سو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے (یعنی) تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ ''نکوص'' کا معنی ہے: ایڑیوں کے بل الٹے پاؤں بھاگ جانا جسے قہقری دوڑ کہا جاتا ہے اور یہ سب سے بڑھ کر بدترین چال چلنا ہے کیونکہ اس طرح دوڑنے والا آدمی اپنے پیچھے کی طرف نہیں دیکھتا۔

۶۷- ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ کفار مسلمانوں پر تکبر کرنے والے تھے [یہ ''تَنْكِصُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿بِهٖ سٰمِرًا﴾ اس کے سبب (یعنی) بیت اللہ شریف کی وجہ سے یا حرم شریف کی وجہ سے کیونکہ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ ہم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اس لیے کہ ہم اہل حرم ہیں [اور جس نے ''بِهٖ'' میں ضمیر کا مرجع بیت اللہ کو قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ کا بیت اللہ شریف کے ساتھ تکبر کرنا مشہور ہو چکا تھا یا ''مُسْتَكْبِرِيْنَ'' کا ''اٰيَاتِيْ'' کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ یہ ''كِتَابِيْ'' کے معنی میں ہے اور ان کا قرآن مجید کے ساتھ تکبر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں اور ''مُسْتَكْبِرِيْنَ''، ''مُكَذِّبِيْنَ'' کے معنی کو متضمن ہے یعنی وہ تکبر سے قرآن مجید کو جھٹلانے والے ہیں یا ''بِهٖ'' میں ''با'' کا تعلق ''سَامِرًا'' کے ساتھ ہے] یعنی تم قرآنِ مجید کے ذکر کو داستان تصور کرتے ہو اور تم اس کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور دراصل کفارِ مکہ بیت اللہ شریف کے پاس جمع ہوتے تھے اور وہاں داستانیں بیان کرتے تھے اور ان کے عوام کی داستان قرآن مجید کا ذکر ہوتا تھا اور وہ اس کو کبھی شعر کا نام دیتے اور کبھی جادو کا نام دیتے [اور ''سَامِرٌ''، ''حَاضِرٌ'' کی طرح جمع پر بھی بولا جاتا ہے اور ''سُمَّارًا'' بھی پڑھا گیا ہے یا ''تَهْجُرُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿تَهْجُرُوْنَ﴾ تم تکبر کی وجہ سے قرآن مجید کے متعلق بکواس کرتے ہو [یہ ''هُجْر'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہذیان بکنا اور بے ہودہ وفحش باتیں کہنا ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''تُهْجِرُوْنَ'' (بابِ افعال سے) ہے اور یہ ''اَهْجَرَ فِيْ مَنْطِقِهٖ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص فحش اور گندی گفتگو کرتا ہے]۔

۶۸- ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ تو کیا انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا؟ (یعنی) کیا انہوں نے قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کیا تا کہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ بے شک یہ قرآن مجید واضح طور پر حق ہے' سو وہ اس کی تصدیق کرتے اور اس کو سچا مان لیتے اور جو اس قرآن مجید کو لے کر تشریف لائے ہیں وہ لوگ ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان لاتے ﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا بلکہ ان کے پاس وہ (رسول اور قرآن) آیا' جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا' سو اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا اور

انہوں نے اس کو انوکھا سمجھا۔

۶۹- ﴿اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ﴾ یا پھر انہوں نے اپنے کریم رسول کو نہیں پہچانا (یعنی) کیا انہوں نے (سید عالم حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صداقت و امانت داری اور وفورِ عقل اور نسب کے صحیح ہونے اور حسنِ اخلاق سے نہیں پہچانا؟ یعنی انہوں نے ان صفات کی برکت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچان لیا ہے ﴿فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ پس وہ بغاوت و سرکشی اور حسد و بغض کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر بن گئے ہیں۔

۷۰- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ یا وہ کہتے ہیں کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے زیادہ ذہین و ہوشیار ہیں ﴿بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ آپ تو ان کے پاس حق لے کر تشریف لائے ہیں' جو روزِ روشن کی طرح واضح اور سیدھا راستہ بتاتا ہے اور ان کی خواہشات و شہوات کی مخالفت کرتا ہے اور وہ توحید اور دینِ اسلام ہے اور جب انہوں نے آپ کی تردید کرنے اور آپ سے دفاع کرنے کی دلیل نہیں پائی تو انہوں نے آپ کی طرف جنون و دیوانگی کی نسبت کر دی ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایسے بھی تھے' جو حق سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی قوم کے خوف اور لوگوں کی عار کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بے دین ہو گئے ہیں اور اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے' جیسے جنابِ ابو طالب وغیرہ۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ
بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ
خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا ربع
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ
مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب تباہ ہو جاتے' بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں' سو وہ اپنی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں○ کیا آپ ان سے اُجرت مانگتے ہیں' سو آپ کے پروردگار کا اجر و ثواب بہت بہتر ہے' اور وہ سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے○ اور بے شک آپ انہیں ضرور سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں○ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں○ اور اگر ہم ان پر رحم کرتے اور انہیں جو تکلیف پہنچی ہے ہم اسے دور کر دیتے تو وہ ضرور اپنی سرکشی میں اصرار کر کے بھٹکتے رہتے○

۷۱- ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور اگر حق یعنی اللہ تعالیٰ ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا' جس میں وہ کئی معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں تو ﴿لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ البتہ تمام آسمان اور زمین تباہ ہو جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' (الانبیاء:۲۲) ''اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود

ہوتے تو وہ دونوں ضرور تباہ و برباد ہو جاتے''۔ ﴿وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ اور جو کچھ ان میں ہے' سب تباہ ہو جاتا۔ اس میں عقلاء کے ذکر کو مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ ان کے علاوہ انہیں کے تابع ہیں ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لائے (یعنی) ایسی کتاب (قرآن مجید) جس نے ان کو نصیحت کی اور ان کو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دی یعنی ان کے لیے وعظ و شرافت کا باعث ہے کیونکہ رسول کریم بھی انہیں کی قوم سے ہیں اور قرآن مجید بھی انہیں کی زبان و لغت میں اترا ہے یا ذکر سے وہی مراد ہے' جس کی کفار مکہ تمنا اور آرزو کیا کرتے اور کہتے: ''لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ'' (الصافات:۱۶۸۔۱۶۹)''اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے''۔ ﴿فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ سو وہ اپنے ذکر سے منحرف ہو گئے ہیں' اپنے بُرے اختیار کے ساتھ۔

۷۲۔ ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں' پس آپ کے رب تعالیٰ کی اجرت سب سے بہتر ہے' اور خراج وہ ٹیکس ہے' جو زمین کی پیداوار میں سے بطور زکوٰۃ نکال کر بادشاہ کو ادا کیا جائے یا ہر اس عامل کو ادا کیا جائے' جو سرکار کی طرف سے اُجرت اور تنخواہ پر مقرر کیا گیا ہو اور ''خرج'' خاص اور ''خراج'' عام ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بستی کا ٹیکس اور کھلیان کا ٹیکس' پس لفظ کا زیادہ ہونا معنی کے زیادہ ہونے کی دلیل ہے' سو پہلی قراءت ''خَرْجًا'' بہت بہتر ہے یعنی کیا آپ ان کو ہدایت عطا فرما کر اس ہدایت پر مخلوق سے تھوڑا سا معاوضہ طلب کرتے ہیں حالانکہ خالق کا عطیہ اور معاوضہ سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہے [اہل حجاز' ابوعمرو بصری اور عاصم کی قراءت میں پہلا بغیر الف کے ''خَرْجًا'' اور دوسرا الف کے ساتھ ''فخراج'' ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں الف کے بغیر ''خَرْجًا'' اور ''فَخَرْجُ'' ہیں اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں دونوں الف کے ساتھ ''خراجًا'' اور ''فخراج'' ہیں] ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور وہ (اللہ تعالیٰ) سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے اور افضل المعطین یعنی سب عطا فرمانے والوں میں سے سب سے زیادہ اور بہتر عطا فرمانے والا ہے۔

۷۳۔ ﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ ان کو ضرور سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں اور وہ دینِ اسلام ہے' پس ان پر فرض ہے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں۔

۷۴۔ ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راہ سے منحرف ہیں اور وہ مذکورہ بالا راہ سے دور ہیں اور وہ راہ صراطِ مستقیم ہے۔

۷۵۔ ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ہم ان کی وہ تکلیف دور کر دیں' جس میں وہ مبتلا ہیں۔

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی کے ذریعے پکڑا یہاں تک کہ وہ لوگ خون اور گوبر پکا کر کھانے لگے اور ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم اور صلۂ رحمی اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں' کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں یعنی آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں! تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے بڑے بڑے آباء و اجداد تلواروں سے قتل کر دیئے اور ہمارے بیٹے قحط سالی کی وجہ سے بھوک سے مر رہے ہیں (تو حضور نے دعا فرمائی اور قحط کا عذاب ٹل گیا) تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' اور معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان سے اس تکلیف کو دور کر دے اور وہ تکلیف قحط سالی کی ہے' جس میں وہ مبتلا تھے اور وہ خوشحالی کو پالیں تو ﴿لَّلَجُّوْا﴾ وہ ضرور سرکش ہو جائیں گے ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ وہ اپنی سرکشی میں حیران و پریشان

ہو کر بھٹکتے پھریں گے یعنی وہ پہلی جن بُری عادات پر تھے دوبارہ انہیں پر لوٹ آئیں گے کہ وہ پہلے کی طرح تکبر کریں گے اور رسول اکرم اور مؤمنوں کے ساتھ عداوت ودشمنی جاری رکھیں گے اور حضور کے سامنے ان کی یہ خوشامد ان سے ختم ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور بے شک ہم نے انہیں عاجزی میں پکڑ لیا' پھر بھی وہ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکے اور نہ وہ عاجزی اختیار کرتے ہیںO یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ اس میں ناامید ہو جائیں گےO اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے' تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہوO اور وہی ہے' جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گےO اور وہی ہے' جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات اور دن کو بدلنا اسی کے اختیار میں ہے' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہےO بلکہ انہوں نے اسی طرح کہا' جو پہلے لوگوں نے کہا تھاO

۷۶- ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ اور بے شک جب ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تھا تو وہ اپنے پروردگار کے آگے نہیں جھکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہی پیش کی کہ بے شک جب ہم نے انہیں تلواروں کے ذریعے پکڑا تھا اس لیے کہ جنگِ بدر کے دن ان پر یہ عذاب نازل ہوا کہ ان کے بہت سے سردار بدر کی جنگ میں قتل کر دیئے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے' لیکن اس کے بعد بھی ان کی طرف سے تواضع نہیں پائی گئی یعنی عاجزی وانکساری نہیں پائی گئی ﴿وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ حال ہمیشہ یہی ہے یعنی وہ اس پکڑ کے بعد بھی اسی حال پر قائم ہیں اور اس لیے ''وَمَا تَضَرَّعُوْا'' نہیں فرمایا [اور ''اِسْتَكَانَ''، ''اِسْتَفْعَلَ'' کے وزن پر ہے اور ''کون'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہو گیا جیسے ''استحال'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی ایک حال سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے]۔

۷۷- ﴿حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت ترین عذاب کا ایک دروازہ کھول دیا یعنی بھوک کا دروازہ جو قید اور قتل سے بھی زیادہ سخت ہے ﴿اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ اچانک وہ حیران وپریشان ہو گئے اور وہ ہر خیر وبھلائی سے ناامید ہو گئے اور ان کے سب سے بڑے سرکش اور بغض وعناد میں سخت متکبر آئے تا کہ اے محبوب! آپ سے رحم کی اپیل کریں یا یہ معنی ہے کہ ہم نے ہر قسم کی تکلیف قتل وغارت' قید وبند اور بھوک وپیاس سے آزمایا لیکن ان میں نرمی اور اطاعت نہیں دیکھی گئی اور وہ اسی طرح رہے جیسے پہلے تھے یہاں تک کہ جب انہیں دوزخ میں آگ کا عذاب دیا جائے گا تو اس وقت وہ سخت مایوس وناامید ہو جائیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ' (الروم:١٢) '' اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے''۔

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان

٧٨- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ﴾ اور (اللہ تعالیٰ) وہی ہے' جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان تین اعضاء کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ دینی اور دنیاوی فوائد و منافع جس قدر ان کے ساتھ متعلق ہیں' ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اس قدر منافع متعلق نہیں ہیں ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم بہت کم اور بہت تھوڑا سا شکر ادا کرتے ہو [حرف ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے' جو بہ معنی ''حَقًّا'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم نے ان نعمتوں کی عظمت کو نہیں پہچانا اور تم نے ان کو اپنے صحیح محل میں رکھنے کی بجائے ان کے غیر مناسب محل میں رکھا ہے اور تم نے اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے افعال میں استعمال نہیں کیا اور نہ تم نے اپنے دلوں سے اس کی قدرت پر استدلال کیا تاکہ تم اس کی نعمتوں کو پہچان لیتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

٧٩- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور وہی تو ہے' جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور افزائش نسل کے ذریعے تمہیں زمین میں ہر طرف پھیلا دیا ﴿ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور عالم برزخ میں تمہیں بکھیرنے اور تمہارے تمام اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد تم سب کو اس کے حضور میں جمع کیا جائے گا۔

٨٠- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ اور وہی تو ہے' جو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے یعنی وہی ماں کے پیٹ میں ناتواں بچے کے جسم میں روح ڈال کر زندگی عطا کرتا ہے اور اسے پروان چڑھاتا ہے اور پھر وہی اس کو فنا کر کے اس پر موت کو طاری کر دیتا ہے ﴿ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ اور اسی کے اختیار میں ہے رات کو اور دن کو تبدیل کرتے رہنا یعنی رات اور دن میں ہر ایک کا دوسرے کے پیچھے آنا جانا اور ان دونوں کا تاریکی اور روشنی میں یا بڑھنے اور گھٹنے میں تبدیل ہوتے رہنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی اس کے ساتھ مختص ہے اور ان کی تبدیلی پر اس کے علاوہ کوئی قدرت و اختیار نہیں رکھتا ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ہماری قدرت کو پہچان لیتے یا پھر تم مصنوع کے ذریعے صانع اور مخلوق کے ذریعے خالق کے وجود پر استدلال کرتے اور تم ایمان لے آتے۔

٨١- ﴿ بَلْ قَالُوْا ﴾ بلکہ انہوں نے کہا' یعنی مکہ مکرمہ میں رہنے والے کافروں نے کہا ﴿ مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ جس طرح پہلے لوگوں نے کہا تھا' یعنی ان کفار مکہ سے پہلے کے کفار نے جس طرح کہا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے ان کا کہا بیان فرمایا کہ:

| |
|---|
| قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا |
| هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ |
| اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ |
| السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ |
| بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ |

انہوں نے کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گےO بے شک ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے یہی وعدہ کیا گیا' یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیںO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے اگر تم جانتے ہوO وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' فرمائیے: تو کیا تم غور نہیں کرتےO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا پروردگار کون ہے اور عرشِ عظیم کا پروردگار کون ہےO وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے' فرما دیجئے: تو کیا تم ڈرتے نہیں ہوO فرما دیجئے کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم جانتے ہوO

۸۲- ﴿قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں "مِتْنَا" (میم کے نیچے زیر) ہے][1]

۸۳- ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا﴾ البتہ تحقیق ہم سے اور ہمارے آباء واجداد سے یہی وعدہ کیا گیا ہے یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ سرورِ کائنات مفخر موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد سے پہلے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ["اساطیر" جمع ہے "اسطار" کی اور "اسطار" جمع ہے "سطر" کی اور یہ وہ من گھڑت کہانی ہوتی ہے' جس کو پہلے لوگوں نے لکھا ہو' جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہ ہو اور "اسطورۃ" کی جمع قرار دینا زیادہ مناسب ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لیے فرمایا کہ:

۸۴'۸۵- ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ "فَاِنَّهُمْ" ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے اگر تم جانتے ہو' تو بے شک وہ فوراً کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے سو جب وہ کہہ دیں تو ﴿قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما دیں کہ کیا تم سوچتے نہیں ہو تا کہ تم جان لیتے کہ بے شک جس نے زمین کو اور اس کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمام مخلوق کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے ساتھ اس کی ربوبیّت میں اس کی بعض مخلوق کو شریک نہ ٹھہرایا جائے [حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے]۔

۸۶'۸۷- ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِOسَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ ساتوں آسمانوں کا رب تعالیٰ کون ہے اور عرشِ عظیم کا رب تعالیٰ کون ہے؟O وہ ابھی کہہ دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہے۔ فرمائیے: تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو (یعنی) کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' یا یہ معنی ہے کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر تم اس کی قدرت کا انکار کرتے ہوئے اس سے ڈرتے نہیں ہو جب کہ تم اقرار واعتراف کرتے ہو کہ وہ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

۸۸- ﴿قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اے محبوب! فرمائیے کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ "ملکوت"

[1] جب کہ ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' ابن عامر شامی' شعبہ' ابوجعفر اور یعقوب کی قراءت میں "مُتْنَا" (میم پر پیش) ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۷ ص ۶۸)

اصل میں ''الملك'' ہے' جس کا معنی ہے: بادشاہ اور واؤ اور ''تا'' مبالغہ کے لیے زیادہ کیے گئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا بادشاہ ہے ] ﴿وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی۔ ''اَجَرْتَ فُلَانًا عَلٰى فُلَانٍ'' (تم نے فلاں کو فلاں کے مقابلے میں پناہ دی) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اس کو دوسرے سے پناہ دو اور اس کو دوسرے سے بچالو یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' جس سے چاہتا ہے پناہ عطا کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی شخص کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾
مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ
لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِى
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

وہ فوراً کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' فرما دیجئے کہ پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جاتا ہے O بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹ بولنے والے ہیں O اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود ضرور اپنی مخلوق کو لے جاتا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر برتری چاہتا' اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے' جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں O وہ ہر غائب اور ظاہر کا جاننے والا ہے سو وہ مشرکین کے شرک سے بہت بلند ہے O (اے محبوب! دعا کے لیے) عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے O تو اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کرنا O اور بے شک ہم آپ کو دکھانے پر ضرور قادر ہیں' جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں O

۸۹- ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ ابھی کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اے حبیب! فرمائیے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے کہ تم حق تعالیٰ یا اس کی توحید کے متعلق دھوکہ کھا رہے ہو اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کے بارے میں فریب کھا رہے ہو اور دھوکہ دینے والا شیطان اور خواہشِ نفس ہے [پہلا ''لِلّٰهِ'' بالاتفاق صحیح جواب ہے کیونکہ سوال (لام کے ساتھ) ''لِمَنْ'' ہے اور معنی کے اعتبار سے اہل بصرہ کے علاوہ کے نزدیک دوسرا اور تیسرا ''لِلّٰهِ'' بھی اسی طرح صحیح ہے کیونکہ جب ''مَنْ رَبُّ هٰذَا'' کہا جاتا ہے تو اس کا معنی بھی ''لِمَنْ هٰذَا'' ہوتا ہے' اس لیے جواب میں ''لِفُلَانٍ'' کہا جائے گا جیسا کہ شاعر کا قول ہے: ؎

اِذَا قِيْلَ مَنْ رَبُّ الْمَزَالِفِ وَالْقُرٰى ۔۔۔ وَرَبُّ الْجِيَادِ الْجُرْدِ؟ قِيْلَ لِخَالِدٍ

''جب سوال کیا گیا کہ کوچ کی منزلوں اور گاؤں کا مالک کون ہے اور کم بالوں والے تیز رفتار گھوڑوں کا مالک کون ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ خالد کے لیے ہے''۔

یعنی اصل میں ''لمن المزالف'' ہے اور جس نے لام کو محذوف پڑھا تو پھر ظاہر ہے کیونکہ جب ''مَنْ رَبُّ هٰذَا'' کہا

جاتا ہے تو جواب "فُلَانٌ" ہوتا ہے]۔

۹۰۔﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اس لیے اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا محال ہے اور شرک باطل ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک وہ ضرور جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کے شریک ہونے کا دعویٰ کرنا سفید جھوٹ ہیں' پھر ان کے جھوٹ کی تاکید کے لیے فرمایا کہ:

## اللہ تعالیٰ سے اولاد اور شرک کی نفی کا بیان

۹۱۔﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد اختیار نہیں فرمائی' اس لیے کہ وہ نوع اور جنس سے منزہ ہے کیونکہ اولاد باپ کی جنس میں سے ہوتی ہے ﴿وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور اس کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے (یعنی) الوہیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے ﴿اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ﴾ (بفرضِ محال اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے جاتا اور ان معبودوں میں سے ہر معبود اپنی مخلوق کے لیے منفرد مالک ہوتا اور اس کا مستقل معبود ہوتا تاکہ ہر معبود و بادشاہ دوسرے معبود سے ممتاز ہو ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبہ چاہتا جیسا کہ تم دنیا کے بادشاہوں کا حال دیکھتے ہو۔ ان کے ممالک ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے اپنے ملک پر غالب ہوتے ہیں اور جب ایسی کوئی نشانی دکھائی نہیں دیتی کہ ملک الگ الگ خداؤں کے ملک میں نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور غالب ہے تو جان لو کہ بے شک وہی ایک اکیلا معبود ہے' ہر چیز کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے [اور یہ نہ کہا جائے کہ "اِذًا" تو اس کلام پر داخل ہوتا ہے جو جزاء اور جواب ہو اور یہاں "لَذَهَبَ" جزاء اور جواب واقع ہوا ہے جب کہ اس سے پہلے کوئی شرط نہیں ہے اور نہ کسی سائل کا سوال پہلے مذکور ہے' اس لیے کہ شرط محذوف ہے' جس کی تقدیر یہ ہے: "وَلَوْ كَانَ مَعَهٗ اٰلِهَةٌ" جس پر "وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ" دلالت کرتا ہے اور یہ مشرکین میں سے ان جھگڑالو لوگوں کے لیے جواب ہے' جنہوں نے حضور سے جھگڑا کیا تھا] ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں اور اولاد سے پاک ہے' جو مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

۹۲۔﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہ پوشیدہ اور علانیہ سب کچھ جاننے والا ہے ["عَالِمِ" جر (آخر میں زیر) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہی امام حفص کی قراءت میں ہے جب کہ نافع مدنی اور امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں رفع (آخر میں پیش) کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو گی یعنی "هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ"] ﴿فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں کے شرک سے بہت بلند ہے' جن کو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) بتوں وغیرہ کی شراکت سے بہت بلند ہے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا کی تلقین کرنا

۹۳'۹۴۔﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ ["اِمَّا" اصل میں "اِنْ مَا" تھا۔ اس میں "مَا" اور "تُرِيَنِّيْ" میں نون ثقیلہ دونوں تاکید کے لیے ہیں] یعنی عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ عذاب ضرور بہ ضرور دکھانا چاہتا ہے' جس کا ان سے وعدہ فرما رہا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں ﴿رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو اے میرے پروردگار! تو مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کرنا یعنی پس تو مجھے ان کا ساتھی نہ بنا دینا اور نہ ان کے عذاب کے ساتھ مجھے عذاب دینا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر سنائی کہ ان کی امت میں ظالموں پر عذاب آئے گا اور یہ نہیں بتایا کہ وہ عذاب کس وقت آئے گا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ یہ دعا مانگا

کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ معصوم نبی کریم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا اس لیے مانگی ہو کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دے گا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی' اس سے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ کام نہیں کرے گا' یہ صرف اپنی بندگی کا اظہار کرنے اور اپنے رب تعالیٰ کے لیے عاجزی کرنے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی کسی مجلس کو برخواست کر کے کھڑے ہونے لگتے تو ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے [''فَلَا'' میں حرف ''فَا'' شرط کے جواب کے لیے آیا ہے اور ''رَبِّ'' ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے' جو صرف تاکید کے لیے ہے]۔

۹۵- ﴿ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں' جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں۔ دراصل کفار عذاب کے وعدہ کا انکار کرتے تھے اور اس پر ہنستے اور قہقہے لگاتے' سو ان کے لیے کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پر پوری طرح قادر ہے' اگر تم لوگ غور و فکر کرو اور سوچو تو اس انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

آپ برائی کا ایسے طریقے سے دفاع کریں جو سب سے بہتر ہو' ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں' جن کو وہ بیان کرتے ہیں○ اور (اے محبوب!) عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے○ اور اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں○ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آئے گی تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے○ تاکہ میں اس میں نیک عمل کر لوں' جس کو میں نے چھوڑ دیا تھا' ایسا ہرگز نہیں ہوگا' بے شک یہ اس کے منہ کی بات ہے جسے وہ کہے گا' اور ان کے آگے ایک پردہ ہے' جس دن تک انہیں اٹھایا جائے گا○ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کر سکیں گے○

۹۶- ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ﴾ اے محبوب! ایسی خصلت کے ساتھ بُرائی کو دفع کیجئے جو سب سے بہتر ہو اور یہ ''بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ'' سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں فضیلت و بزرگی ہے' گویا فرمایا: ''اِدْفَعْ بِالْحُسْنٰی السَّیِّئَةَ'' بُرائی کو نیکی کے ذریعے دفع کیجئے اور معنی یہ ہے کہ کفار کی بُرائیوں اور ان کی تکلیفوں سے درگزر کیجئے اور بُرائی کے مقابلے میں جہاں تک ممکن ہو احسان و نیکی کیجئے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ''احسن'' سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا مراد ہے اور ''السیئة'' سے شرک مراد ہے یعنی اے محبوب! شرک کو کلمۂ توحید سے دفع کیجئے یا یہ کہ بُری بات کو سلام کے ذریعے دور کیجئے یا بُرائی کو نصیحت سے دفع کیجئے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ

آیت مبارکہ جہاد کے حکم سے منسوخ ہو چکی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے کیونکہ اصل مقصد تو بُرائی کو سب سے اچھے طریقے سے دفع کرنے کی ترغیب دینا ہے' جب تک دین کو نقصان نہ پہنچے ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں' جو کچھ وہ لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی) شرک وغیرہ کی باتیں بیان کرنا یا ان کا آپ کے متعلق باتیں (شاعر' کبھی جادوگر' کبھی مجنون وغیرہم) بیان کرنا اور ان کا بُرائی کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا' سو ہم ان باتوں پر ان سے بدلا لیں گے اور ہم انہیں سزا دیں گے۔

۹۷- ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ﴾ اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے (یعنی) ان کے وسوسوں اور ان کے بُرے خیالات سے اور ''همز'' کا معنی وسوسہ ڈالنا اور بُرا خیال پیدا کرنا ہے اور ''همزات'' اسی کی جمع ہے اور اسی سے ''مهماز الرائض'' ہے جانوروں کو سدھانے والا اور کسی عمل پر ان کو اُکسانے والا اور معنی یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کو گناہوں اور نافرمانیوں کے کاموں پر اُکساتے ہیں جیسا کہ جانوروں کو سدھانے والا ایک خاص چال چلنے پر انہیں اکساتا اور تیار کرتا ہے۔

۹۸- ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ اور اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔ یہاں شیطانوں کے وسوسوں سے اپنے رب تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ایسے لفظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے' جو عاجزی وانکساری کے اظہار پر مشتمل ہے اور اس کو ندا کرنے کے لیے بار بار ذکر کیا گیا ہے اور پناہ طلب کرنا' اس بات سے ہے کہ شیطان وغیرہ آپ کے پاس کسی وقت حاضر ہوں یا صرف تلاوتِ قرآن مجید کے وقت یا پھر سکرات موت کے وقت اور روح کے جسم سے نکلنے کے وقت آ جائیں۔

## مرنے کے بعد کفار کی واپس دنیا میں آنے کی آرزو کرنا اور ان کے بدانجام کا بیان

۹۹- ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آئے گی [''حتّٰی'' ''يَصِفُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ لوگ ہمیشہ موت کے آنے کے وقت تک شرک کرتے رہیں گے یا وہ ہمیشہ موت کے آنے کے وقت تک بُرے ذکر پر رہیں گے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان مذکور ہے وہ ان کی سرکشی پر تاکید کرنے کے لیے جملہ معترضہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کے خلاف مدد لینے کے لیے ہے کہ وہ حلم و بردباری سے پھسلا نہ دے اور ان سے انتقام لینے پر نہ اُکسا سکے ﴿قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دے یعنی مجھے واپس دنیا میں لوٹا دے۔ یہ کافر اللہ تعالیٰ کو لفظ جمع ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ'' کے ساتھ محض تعظیم کے لیے مخاطب کرے گا جیسے بادشاہوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

۱۰۰- ﴿لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ﴾ تاکہ میں اس میں نیک عمل کروں جو میں نے چھوڑ دیا تھا (یعنی) اس جگہ میں جہاں میں نے نیک عمل کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ دنیا ہے کیونکہ اس نے مرنے کے بعد دنیا کو چھوڑ دیا اور آخرت کی طرف لوٹ گیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ کافر یہ آرزو اور تمنا نہیں کرے گا کہ وہ گھر والوں کے پاس لوٹ جائے اور نہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ اپنے خاندان والوں کی طرف واپس لوٹ جائے بلکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ اس میں اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکے [''لَعَلِّيْٓ'' میں اہل کوفہ اور سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' ساکنہ ہے] ﴿كَلَّا﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس لفظ کے ذریعے دنیا کی طرف لوٹ جانے کے مطالبے کو روک دیا گیا اور انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور یہ انکار ہے اور ایسا ہونا بہت ہی دور کی بات ہے (یعنی ناممکن ہے) ﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ﴾

بے شک یہ ایک بات ہے' اس کلمہ سے ایک دوسرے سے جڑا ہوا منظم کلام کا ایک حصہ مراد ہے اور وہ یہ ہے: ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ'' ﴿هُوَ قَآىِٕلُهَا﴾ وہ اسے کہنے والا ہوگا' وہ اسے ہر حال میں کہے گا اور اس کو ترک نہیں کرے گا اور نہ وہ اس سے خاموش رہ سکے گا کیونکہ اس وقت اس پر حسرت وافسوس اور ندامت وشرمندگی غالب وطاری ہو گی ﴿وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ﴾ اور ان کے پسِ پشت ''اَیْ اَمَامِهِمْ'' یعنی ان کے آگے [''هم'' ضمیر جمع جماعت کے لیے ہے] ﴿بَرْزَخٌ﴾ ایک پردہ (عالمِ برزخ) ان کے درمیان اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے کے درمیان حائل ہے ﴿اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا (یعنی) حشر ونشر کے دن تک انہیں واپس نہیں بھیجا جائے گا یہ مقصد نہیں کہ انہیں اس دن واپس بھیج دیا جائے گا بلکہ انہیں کلی طور پر بالکل مایوس کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ حشر ونشر کے بعد دنیا میں نہیں صرف آخرت کی طرف بھیجا جائے گا۔

۱۰۱- ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ﴾ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا' بعض حضرات نے فرمایا: اس سے دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ﴾ تو اس دن ان (کفار) کے درمیان رشتہ داریاں قائم نہیں رہیں گے' سب رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی یعنی ان کے درمیان ایک دوسرے سے جدائی واقع ہو جائے گی' لوگ ایک دوسرے سے جدا جدا ہو جائیں گے اور ان کے درمیان رشتہ داری کا تعلق نہیں رہے گا کیونکہ ''یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِO وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِO وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِO'' (العبس: ۳۴-۳۶) ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گاO اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے Oاور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے O'' اور اس دن رشتہ داری اور تعلق داری صرف نیک اعمال کی وجہ سے قائم رہ سکے گی[1]

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''بَیْنَهُمْ'' کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اس سے پہلے انہیں کا ذکر ہوا ہے یعنی کفار کی باہمی رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی' مؤمنوں کی نہیں' اس لیے کہ مؤمنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ'' (الطور: ۲۱) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی اولاد کو انہیں کے ساتھ ملا دیا'' (یعنی مؤمن اولاد ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہے گی) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں کے بچے آئیں گے' جن کے ہاتھوں میں مشروب ہوں گے اور لوگ ان سے کہیں گے: ہمیں پلاؤ' وہ بچے کہیں گے: ہمارے ماں باپ کہاں ہیں؟ ہمارے ماں باپ کہاں ہیں؟ یہاں تک کہ کچا بچہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہے گا: میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک میرے ماں باپ نہیں جائیں گے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث شریف میں ہے' حضور نے فرمایا: ہر خاندانی اور سسرالی رشتہ قیامت کے دن ختم ہو جائے گا ماسوا میرے خاندانی اور سسرالی رشتہ کے۔ اس حدیث کو علامہ ابن عساکر نے ابن عمر سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ مؤمنوں کا نسب حضور نبی کریم ﷺ کے نسب میں داخل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے باپ ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین مؤمنوں کی مائیں ہیں۔ (تفسیر مظہری ص ۴۰۲ تا ۴۰۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ'' (الزخرف: ۶۷) ''قیامت کے دن مخلص وگہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے''۔ اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ قیامت کے دن دنیاوی دوستیاں اور قرابت داریاں ختم ہو جائیں گی' دوسرا یہ کہ مؤمنوں کی دوستیاں اور قرابت داریاں کام آئیں گی' لہٰذا کفار کے ساتھ دوستیاں اور قرابت داریاں کوئی فائدہ نہیں دیں گی کہ یہ دنیا تک محدود ہیں مگر مؤمنوں کی دوستیاں اور رشتہ داریاں فائدہ دیں گی کیونکہ یہ قیامت کے دن قائم رہیں گی۔

[ابوعمرو کی قراءت میں پہلی ''بَا'' دوسری ''بَا'' میں مدغم ہے اجتماع مثلین کی وجہ سے اگرچہ وہ دونوں دو الگ کلموں میں واقع ہیں] ﴿وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور ایک دوسرے کے تعلقات کے بارے میں سوال نہیں کریں گے جیسا کہ دنیا میں ایک دوسرے سے تعلقات کے بارے میں پوچھتے ہیں کیونکہ ہر ایک شخص اپنے حال میں اس قدر خوف زدہ ہو کر مشغول ہوگا کہ اسے اپنے ساتھی کے بارے میں سوال کرنے کا ہوش نہیں ہوگا اور اس کلام میں اور درج ذیل آیتِ مبارکہ میں کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے' ارشاد ہے کہ ''وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ'' (الصافات:٢٧) ''اور وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے''۔ کیونکہ قیامت کے مختلف مقامات ہوں گے' چنانچہ بعض مقام اتنے سخت ہوں گے کہ لوگوں کو خوف کے مارے ایک دوسرے کا ہوش نہیں ہوگا اس لیے وہ ایسے موقع پر ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور بعض مقام ایسے آئیں گے جہاں کچھ اطمینان نصیب ہوگا اور سب لوگ ہوش میں ہوں گے تو اس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾

پھر جن کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے ○ اور جن کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہی لوگ ہوں گے' جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جلا دے گی اور اس میں ان کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے ○ (اور ان سے کہا جائے گا:) کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھی' سو تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے ○ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی اور ہم گمراہ قوم تھے ○ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دوزخ سے نکال' پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں گے تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○

١٠٢- ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ سو جس کے وزن بھاری ہوں گے۔ ''موازین''. ''موزون'' کی جمع ہے اور اس سے نیک اعمال کی موزونات (تولی ہوئیں نیکیاں) مراد ہیں' انہیں نیک اعمال کے لیے وزن ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں نیک اعمال کی قدر ہوگی' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا'' (الکہف:١٠٥) ''سو ہم کفار کے لیے قیامت کے دن وزن قائم نہیں کریں گے''۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

١٠٣- ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور جس کے وزن برائیوں کے سبب ہلکے ہوں گے اور اس سے کفار مراد ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ پس یہی لوگ ہیں' جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا اور اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال دیا ﴿فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے [یہ ''خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ'' سے بدل ہے اور بدل و مبدل منہ کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا کیونکہ صلہ کے لیے محل نہیں ہوتا یا یہ ''اُولٰٓئِكَ'' کی ایک خبر کے بعد دوسری

خبر ہے یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ا۔

۱۰۴- ﴿تَلْفَحُ﴾ "اَیْ تحرق" یعنی جلا دے گی ﴿وُجُوهَهُمُ النَّارُ﴾ ان کے چہروں کو آگ ﴿وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ اور اس میں ان کے چہرے ترش اور بگڑے ہوئے ہوں گے چنانچہ ان سے کہا جائے گا:

۱۰۵- ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ کیا دنیا میں میری آیات یعنی قرآن مجید تم پر تلاوت نہیں کیا جاتا تھا ﴿فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ سو تم اس کو جھٹلاتے تھے اور تم یہ گمان کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

۱۰۶- ﴿قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم پر مالک بن بیٹھی [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "شَقَاوَتُنَا" ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں] یعنی ہم اپنے بُرے اعمال ہی کے سبب بد بخت بن گئے' جن پر ہم نے عمل کیا اور اہل تاویل کا یہ قول کہ ہم پر ہماری وہ بدبختی غالب آ گئی' جو ہم پر لکھ دی گئی تھی' صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی لکھتا ہے' جو بندے نے کرنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بندہ یہی کام اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ جو بندہ کے متعلق جانتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے یہ کام اختیار کرے گا تو اسی کے مطابق لکھ لیتا ہے' اس کے علاوہ اور اس کے برعکس نہیں لکھتا ( کہ بندہ اس کے مطابق مجبور ہو جائے ) پس یہ کفار اپنے شرک کے فعل میں نہ مغلوب تھے اور نہ مجبور تھے اور یہ اس لیے کہ وہ یہ بات صرف بہانہ بنانے کے لیے کہتے تھے کیونکہ ان کی طرف سے عقیدۂ توحید کے بارے میں بہت بڑی کوتاہی ہو گئی تھی' لہٰذا اب یہ احتمال نہیں رہا کہ قیامت میں کفار یہ بات اپنی کوتاہی پر اپنے لیے معذرت و معافی طلب کرنے کے لیے کہیں گے ﴿وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ اور ہم حق سے اور راہِ راست سے گمراہ قوم ہو گئے تھے۔

۱۰۷- ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اس سے یعنی دوزخ کی آگ سے نکال لے ﴿فَاِنْ عُدْنَا﴾ سو اگر ہم کفر و شرک اور توحید و رسالت کی تکذیب کی طرف دوبارہ لوٹ جائیں ﴿فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ تو بے شک ہم اپنی ہی جانوں پر ظلم کر کے بہت بڑے ظالم لوگ ہو جائیں گے۔

۱۰۸- ﴿قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو (یعنی) تم ذلت و رسوائی اور اہانت و رذالت کی خاموشی کے ساتھ خاموش پڑے رہو ﴿وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ اور تم اپنے آپ سے عذاب کو دور کرنے کے لیے مجھ سے بات نہ کرو کیونکہ یہ عذاب تم سے نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ اسے کم کیا جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہاں کفار کا یہ آخری کلام ہو گا جو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے اور اس کے بعد کوئی کلام نہیں ہو گا صرف ان کی چیخ و پکار اور رونا چلانا ہو گا۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ
تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ
كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ
الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں سو تو ہماری بخشش فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے O سو تم نے انہیں مذاق بنا لیا یہاں تک کہ اس مشغلہ نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے O بے شک آج میں نے انہیں اس لیے بہترین جزا دی ہے کہ انہوں نے صبر کیا' بے شک وہی کامیاب ہیں O اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین پر گنتی کے کتنے برس ٹھہرے رہے ہو O وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے ہیں' سو گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیجئے O فرمائے گا: تم تو نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا سا عرصہ اگر تمہیں علم ہوتا O

## صحابۂ کرام کی عظمت اور کفار کی مذمت کا بیان

۱۰۹'۱۱۰-﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں' سو آپ ہمیں بخش دیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں O تو (اے کافرو!) تم نے ان کو مذاق بنا لیا۔ بعض مفسرینِ کرام نے فرمایا کہ اس گروہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں جن کا کفار اسلام قبول کرنے پر مذاق اڑایا کرتے تھے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اس گروہ سے مخصوص اصحاب صُفّہ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے انہیں مذاق بنا لیا اور تم نے ان کے ساتھ مذاق اڑانے کو باہمی مشغلہ بنا لیا ["سِخْرِيًّا" دوسرا مفعول ہے اور نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں سین پر پیش (یعنی "سُخْرِيًّا") ہے اور یہ دونوں "سُخْر" کی طرح مصدر ہیں مگر ان دونوں میں مبالغہ کرنے کے لیے نسبت کی "یا" ہے] ﴿حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ﴾ یہاں تک کہ ان کے ساتھ تمہارے ہنسی مذاق کے باہمی مشغلے نے تمہیں بھلا دیا ﴿ذِكْرِيْ﴾ مجھے یاد کرنا' پس تم نے میری یاد کو چھوڑ دیا یعنی تمہارا صحابۂ کرام کے ساتھ ہنسی مذاق اڑانے کا مشغلہ تمہارے لیے میری یاد کو بھلانے کا سبب بن گیا ﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور تم ان سے ہنسی مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۱۱۱-﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا﴾ بے شک میں آج انہیں ان کے صبر پر جزائے خیر عطا کروں گا ﴿اَنَّهُمْ﴾ "اَیْ لِاَنَّهُمْ" یعنی اس لیے کہ بے شک وہ ﴿هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ وہی کامیاب ہیں [اور یہ جائز ہے کہ یہ دوسرا مفعول ہو یعنی میں آج انہیں ان کے صبر پر کامیابی عطا کرنے کی صورت میں جزا دوں گا کیونکہ "جَزٰی" دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے یہ ارشاد ہے: "وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً" (الدھر:۱۲) "اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے صبر پر جزاء میں جنت عطا فرمائے گا"۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں جملہ مستأنفہ کی بناء پر "اِنَّهُمْ" ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے] یعنی بے شک وہی صحابۂ کرام کامیاب ہیں (اے کافرو!) تم نہیں۔

۱۱۲-﴿قٰلَ﴾ اس نے فرمایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا پھر فرشتوں میں سے جس فرشتے کو ان سے سوال کرنے کا حکم دیا جائے گا وہ فرشتہ فرمائے گا [قاری ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "قُلْ" ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو حکم دیا کہ تو ان سے سوال کر اور ان سے کہہ کہ ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ تم دنیا میں زمین پر گنتی مدت ٹھہرے ہو ﴿عَدَدَ سِنِيْنَ﴾ گنتی کے سال یعنی تم گنتی کے کتنے سال (دنیا میں) ٹھہرے ہو [پس "کَمْ"، "لَبِثْتُمْ" کی وجہ سے منصوب ہے اور "عدد" تمیز ہے]۔

۱۱۳-﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ انہوں نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا بعض حصہ ٹھہرے تھے۔ کفار نے

دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو دوزخ میں دائمی زندگی کے مقابلے میں کم اور تھوڑا قرار دیا اور اس لیے بھی کہ دوزخ میں انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا کیونکہ امتحان دینے والے کو محنت ومشقت کا زمانہ طویل اور لمبا محسوس ہوتا ہے اور آزادی اور فرحت و خوشی اور آرام کا جو زمانہ اس پر گزر چکا ہوتا ہے وہ اس کو کم اور تھوڑا لگتا ہے ﴿فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ﴾ سو حساب کی گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیجئے یا ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو بندوں کی عمریں اور ان کے اعمال گنتے رہتے ہیں [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''فَسَلْ'' ہے]۔

۱۱۴-﴿قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ فرمایا: تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ یعنی تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا سا زمانہ یا تھوڑا ٹھہرنا (حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ''مَا'' کے معنی میں ہے) ﴿لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو۔ انہوں نے دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو کم خیال تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرمادی اور ان کو اس غفلت پر ڈانٹا' جس کی وجہ سے وہ دنیا میں غافل رہے (کہ اپنے آپ کو تباہ و برباد کرلیا)۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ع ۶

تو کیا تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں محض بے کار پیدا کیا اور یہ کہ یقیناً تم ہمارے پاس واپس پلٹ کر نہیں لائے جاؤ گے O سو بہت برتر ہے اللہ حقیقی بادشاہ' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی عرشِ کریم کا مالک ہے O اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے' اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے' سو اس کا حساب یقیناً صرف اس کے رب تعالیٰ کے پاس ہے' بے شک کافر نجات نہیں پائیں گے O (اے محبوب! دعا کے لیے) عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! بخش دے اور رحم فرما اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں O

## انسان کی تخلیق کا مقصد اور اللہ تعالیٰ کی توحید و شان کا بیان

۱۱۵-﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار و بے فائدہ پیدا کیا ہے [''عَبَثًا'' حال ہے یعنی درآں حالیکہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے یا مفعول لہ ہے یعنی ہم نے تمہیں کھیل تماشا کے لیے پیدا کیا ہے] ﴿وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے یعنی تمہارا خیال ہے کہ ہم تمہیں بے کار چیز سمجھ کر چھوڑ دیں گے اور تم ہمارے پاس لوٹ کر دوبارہ نہیں آؤ گے بلکہ ہم نے تمہیں شرعی احکام کی تکلیف اور ذمہ داری پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے' پھر ہم اس دار التکلیف اور دار الامتحان دنیا سے دار الجزاء آخرت کی طرف تمہیں لوٹا کر لے جائیں گے' پھر ہم نیکوں کو اجر و ثواب اور دائمی نعمتیں عطا کریں گے اور بدکاروں کو دوزخ میں عذاب دیں گے [قاری حمزہ اور علی کسائی اور یعقوب کی قراءت میں ''تَا'' پر زبر اور جیم کے نیچے زیر دے کر ''لَا تَرْجِعُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''خَلَقْنَاكُمْ'' پر معطوف ہے یا ''عَبَثًا'' پر معطوف ہے]۔

١١٦-﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ سو اللہ بے کارو بے فائدہ پیدا کرنے سے بہت بلند و برتر ہے ﴿الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ حقیقی بادشاہ ہے وہی ایک ذات ہے جو اس بات کی حق دار ہے کہ حقیقی بادشاہی اسی کی ہے کیونکہ ہر چیز اسی کی طرف سے دنیا میں آئی اور اسی کی طرف جائے گی یا وہ ایسا حقیقی اور سچا بادشاہ ہے جو ہمیشہ قائم و ثابت ہے اس کو زوال نہیں اور نہ اس کی بادشاہی کو زوال ہوگا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرشِ کریم کا مالک ہے عرش کو کرم کے ساتھ اس لیے متصف کیا گیا ہے کہ اس کی طرف سے رحمت کا نزول ہوتا ہے یا اس لیے کہ تمام کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کرم فرمانے والے مالک کی طرف اسی کی نسبت کی گئی ہے [اور ایک شاذ قراءت میں "الکریم" کو "رَبُّ" کی صفت قرار دے کر مرفوع پڑھا گیا ہے]۔

١١٧-﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے اس کے لیے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ["لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ" شرط اور جزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: "مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى زَيْدٍ لَا اَحَقُّ بِالْاِحْسَانِ مِنْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ مُثِيْبُهٗ" جو شخص زید پر احسان کرے گا جس سے بڑھ کر احسان کا کوئی حق دار نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر و ثواب عطا کرے گا یا یہ "اِلٰه" کی صفت لازمہ ہے جس کو تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسے "يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ" (الانعام:٣٨) "پرندے اپنے پروں کے ساتھ اُڑتے ہیں"]۔ یہ مطلب نہیں کہ باطل معبود میں کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس پر دلیل قائم کرنا جائز ہے ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ﴾ تو اس کا حساب یعنی اس کی جزا ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ اس کے پروردگار کے پاس ہے یعنی پس وہی یقیناً اس کو جزا دے گا [یہ پورا جملہ شرط "وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ" کی جزا ہے] ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بے شک کافر فلاح و نجات نہیں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" (بے شک مؤمن نجات پا گئے) سے کیا اور اس کا اختتام "اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ" (بے شک کافر نجات نہیں پائیں گے) پر کیا تو آغاز اور اختتام کے درمیان کس قدر بُعد اور فاصلہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مغفرت و رحمت مانگنے کی ہمیں تعلیم دی اور فرمایا:

١١٨-﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ﴾ اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! (میری امت کی) بخشش فرما اور (اس پر) رحم فرما پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور (اے میرے رب تعالیٰ!) آپ سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہترین رحم فرمانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کو اپنی آغوش میں گھیر لیتی ہے اسے غیر کی رحمت سے مستغنی و بے نیاز کر دیتی ہے اور غیر کی رحمت اس کی رحمت سے بے نیاز و بے پرواہ نہیں کرتی۔

| | | |
|---|---|---|
| سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ٦٤ رُكُوْعَاتُهَا ٩ |
| سورۃ النور مدنی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی چونسٹھ آیات نو رکوع ہیں |

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①اَلزَّانِيَةُ

وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ

دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا ہے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل کیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو○ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے میں ان دونوں پر تمہیں رحم و کرم نہ گھیر لے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دین پر ایمان رکھتے ہو اور مسلمانوں کا ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت حاضر رہنا چاہیے○ زنا کرنے والا مرد نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے یا مشرکہ سے اور زنا کرنے والی عورت سے نکاح نہ کرے مگر زنا کار مرد یا مشرک مرد اور ان سے نکاح کرنا مؤمنوں پر حرام قرار دے دیا گیا ہے○

## زنا سے متعلق احکام کا بیان

یہ سورتِ نور مدنی ہے اس کے نو رکوع اور چونسٹھ آیات ہیں۔

۱- ﴿سُوْرَةٌ﴾ [مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیْ هٰذِهٖ سُوْرَةٌ'' یعنی یہ ایک سورت ہے ﴿اَنْزَلْنٰهَا﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ہے [یہ جملہ ''سُوْرَةٌ'' کی صفت ہے اور جناب طلحہ نے ''زَیْدًا ضَرَبْتُهٗ'' کی بناء پر (کہ ''زیدًا'' مفعول مقدم ہے کی طرح) ''سُوْرَةً اَنْزَلْنَاهَا'' (میں ''سُوْرَةً'' مفعول مقدم ہے اس لیے اس کو منصوب) پڑھا ہے یا ''اُتْلُ سُوْرَةً'' کی بناء پر منصوب پڑھا ہے (کہ ''سُوْرَةً'' فعل امر حاضر کا مفعول ہے) یعنی اس سورت کو تلاوت کیجئے] اور سورت قرآن مجید کے اس حصہ کا نام ہے جو ایسے مجموعۂ آیات پر مشتمل ہو جس کا باقاعدہ آغاز ہوا اور اس کا اختتام ہوا اور یہ ''سور المدینہ'' سے مشتق ہے یعنی شہر کی بیرونی سب اطراف سے محیط دیوار ﴿وَفَرَضْنٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو فرض کیا یعنی ہم نے اس کے احکام کو فرض کیا ہے جو اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور ''فرض'' کا اصل معنی کاٹنا اور الگ کرنا ہے یعنی ہم نے اس سورت کے احکام و آیات کو الگ الگ وضاحت سے بیان کیا ہے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں اس کے وجوب اور اس کی تاکید میں مبالغہ کے لیے تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ہے] یا اس لیے کہ اس سورت میں بہت زیادہ فرائض و احکام بیان کیے گئے ہیں یا اس لیے کہ اس سورت کے احکام بہت سے لوگوں پر فرض کیے گئے ہیں گزشتہ لوگوں پر بھی اور آئندہ لوگوں پر بھی ﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ اور ہم نے اس سورت میں بہت سی روشن آیات یعنی واضح دلائل نازل کیے ہیں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو [قاری حمزہ، علی کسائی، خلف اور امام حفص کی قراءت میں ذال مشدد کی بجائے مخفف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

۲- ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ﴾ [یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں اور خبر محذوف ہے] یعنی تم پر جو احکام فرض کیے گئے ہیں ان میں ایک فرض یہ ہے کہ زنا کارہ عورت اور زنا کار مرد کی سزا چمڑے کے کوڑے مارنا ہے [یا یہ خبر ہیں ''فَاجْلِدُوْا'' میں ''فا'' جزائیہ اس لیے داخل کی گئی ہے کہ الف لام بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور وہ شرط کے معنی کو متضمن ہیں] اور اس کی تقدیر یہ ہے: ''اَلَّتِیْ زَنَتْ وَالَّذِیْ زَنٰی فَاجْلِدُوْهُمَا'' جو عورت زنا کاری کرے اور جو مرد زنا کاری کرے تو تم ان دونوں کو کوڑے مارو جیسا کہ تم کہتے ہو: ''مَنْ زَنٰی فَاجْلِدُوْهُ'' جو شخص زنا کرے تو تم اس کو کوڑے مارو اور جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ'' (النور: ۴) ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت

لگائیں' پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں کوڑے مارو'۔ [اور جناب عیسیٰ ابن عمر نے پوشیدہ فعل کے مفعول ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو منصوب پڑھا ہے' اس شرط پر کہ ان کے بعد فعلِ ظاہر اس کی تفسیر کرتا ہے اور یہ ''سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا'' سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان کے بعد فعل امر ہے] ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ سو تم ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ ''جلد'' سے چمڑے کے کوڑے سے مارنا مراد ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوڑے مارنے میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مارنے کی تکلیف چمڑے کے نیچے گوشت تک پہنچ جائے اور یہ خطاب حکام کے لیے ہے کیونکہ شرعی حد کو نافذ کرنا دین میں سے ہے اور یہ ہر مسلمان پر فرض ہے' مگر اجتماع کر کے مجرموں کو سزا دینا عوام کے لیے ناممکن ہے' پس حاکمِ اعلیٰ سب کی طرف سے نمائندہ ہوگا اور یہ حکم غیر شادی شدہ آزاد کا ہے' شادی شدہ کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ شادی شدہ زانی کا حکم سنگسار کرنا ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں: (۱) آزاد ہو (۲) عاقل ہو (۳) بالغ ہو (۴) مسلمان ہو (۵) صحیح نکاح کے ساتھ شادی شدہ ہو (۶) دخول ہوا ہو' اور یہ سزا اس بات کی دلیل ہے کہ مجرم کو سزا کے بعد جلاوطن کرنا جائز نہیں ہے [کیونکہ حرفِ ''فا'' جزاء پر داخل ہوتا ہے] لہٰذا سو کوڑے مارنا مکمل سزا ہے اور یہی نام کافی ہے اور جلاوطن کرنا جو روایت کیا گیا ہے وہ اس آیتِ مبارکہ سے منسوخ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ'' (النساء:۱۵) ''سو تم ان بدکارہ خواتین کو گھروں میں قید کر کے رکھو'۔ اور ارشاد ہے: ''فَاٰذُوْهُمَا'' (النساء:۱۶) ''سو تم ان دونوں (مجرموں) کو ایذاء اور تکلیف دو'۔ پہلی آیت مبارکہ میں قید کرنے اور دوسری آیت مبارکہ میں تکلیف پہنچانے کا حکم دیا گیا لیکن یہ دونوں قید کرنے اور تکلیف دینے کے حکم اس آیت مبارکہ سے منسوخ ہو گئے ہیں ﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ﴾ اور تمہیں ان دونوں کے متعلق رحمت وشفقت نہ گھیر لے اور بعض نے فرمایا کہ ''رَأفت'' ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کو کہتے ہیں اور ''رحمت'' پیاری چیز کے دینے کو کہتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں متصلب یعنی سخت اور مضبوط ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کے نفاذ میں کسی قسم کی نرمی اور ترس انہیں نہ گھیر لے اور وہ نرمی اور رعایت سے کام لے کر حدودِ الٰہی کو معطل نہ کر دیں یا کوڑے مارنے کی سزا میں کمی نہ کر دیں [لغت میں ''رَاْفَةٌ'' میں ''رَا'' مفتوح ہے اور یہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے] ﴿فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں یا اس کے حکم میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے دین کے لیے ترغیب دینے اور غصہ کو ابھارنے اور اس میں تحریک پیدا کرنے کے باب سے ہے [اور جوابِ شرط پوشیدہ ہے] یعنی پس تم مجرموں کو کوڑے مارو اور شرعی حد کو معطل نہ کرو ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان دونوں کی سزا کے وقت حاضر ہونا چاہیے (یعنی) جس جگہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارنے کی سزا دینی ہے اس جگہ مؤمنوں کا ایک گروہ حاضر ہو اور اس حد کا نام عذاب رکھنا اس کے سزا ہونے کی دلیل ہے اور ''طَآئِفَة'' سے ممکن ہے ایک ایسا گروہ مراد ہو جو حد جاری کرنے کی جگہ کے اردگرد دائرہ کی شکل میں ایک حلقہ بن سکے تاکہ یہ لوگ عبرت حاصل کریں اور خود مجرم ڈر جائے اور اس کی کم از کم تعداد تین آدمی ہیں یا چار آدمی اور یہ ایک صفت غالبہ ہے گویا وہ گروہ اتنی جماعت ضرور ہو' جو کسی چیز کے اردگرد حلقہ بن سکے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ گروہ چار افراد سے لے کر چالیس افراد تک ہو' اور ''مؤمنین'' سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرنے والا مسلمانوں کا ایک گروہ مراد ہے۔

۳۔ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ زناکار مرد نکاح نہ کرے مگر

زناکارہ عورت سے یا مشرکہ عورت سے اور زناکارہ عورت سے نکاح نہ کرے مگر زناکار مرد یا مشرک مرد یعنی خبیث و پلید وہ شخص ہے' جس کی زناکاری عادت ہو' ایسا شخص نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتا اور وہ تو صرف اپنی جیسی خبیثہ اور گندی عورت یا مشرکہ عورت میں رغبت رکھتا ہے اور اسی طرح زناکارہ خبیثہ اور گندی عورت نیک مردوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتی' وہ تو صرف اپنے جیسے فاسق و فاجر بدکار یا مشرک مردوں سے نکاح کی رغبت رکھتی ہے' سو یہ آیت مبارکہ زناکار مرد و زن کے نکاح سے نفرت دلاتی ہے اور ان سے پرہیز کرنے کی ترغیب دیتی ہے کیونکہ زناکاری قباحت و بُرائی میں شرک کی مثل ہے اور ایمان عفت و پاک دامنی کی مثل ہے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ'' (النور:۲۶) ''زناکارہ عورتیں زناکار مردوں کے لیے اور زناکار مرد زناکارہ عورتوں کے لیے ہیں''۔ اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ زناکار عورت سے نکاح کرنا شروع اسلام میں حرام کر دیا گیا تھا' پھر یہ حکم (درج ذیل) ارشادِ مبارکہ سے منسوخ کر دیا گیا' ''وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ'' (النور:۳۲) ''اور تم اپنوں میں سے بے نکاح مرد و زن کا نکاح کر دو''۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں نکاح سے وطی اور جماع مراد ہے' اس لیے کہ غیر زانی شخص زانیہ عورت سے نفرت کرتا ہے اور اس کو نہ چاہتا ہے اور نہ اس کو پسند کرتا ہے اور یہی صحیح ہے لیکن یہ اس بات کی طرف لے جائے گا کہ زناکار مرد صرف زناکارہ عورت سے زنا کرتا ہے اور زناکارہ عورت صرف زناکار مرد سے زنا کراتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا' جس نے ایک عورت سے زنا کیا' پھر اسی سے شادی کر لی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا آغاز زنا ہے اور اس کی انتہاء نکاح ہے اور اس آیت مبارکہ کے پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ زناکار مرد کی صفت اور عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ پاک دامن نیک عورتوں میں رغبت و خواہش نہیں کرتا لیکن بدکار عورتوں کی رغبت و خواہش کرتا ہے اور آیت مبارکہ کے دوسرے جملہ کا معنی یہ ہے کہ زناکارہ عورت کی صفت و عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ پاک دامن اور نیک مردوں میں رغبت و خواہش نہیں کرتی لیکن زناکار مردوں میں بڑی رغبت و خواہش کرتی ہے اور یہ دونوں مختلف معانی ہیں اور اس آیت مبارکہ سے پہلی آیت میں زانیہ کا زانی سے پہلے ذکر کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہ آیت مبارکہ زانیہ اور زانی دونوں کے زنا کے جرم پر سزا دینے کے لیے بیان کی گئی ہے اور عورت وہ مادہ ہے' جس سے یہ جرم پروان چڑھتا ہے کیونکہ اگر عورت مرد کو لالچ نہ دے اور اس کو اپنی طرف مائل نہ کرے اور اس کو اپنے اوپر اختیار و کنٹرول اور تسلط نہ دے تو مرد اس کا لالچ نہیں کرے گا اور نہ وہ اس پر غالب و مسلط ہو سکے گا' پس جب عورت اس جرم کے ارتکاب میں اصل ہے اور پہل اسی کی طرف سے ہوتی ہے تو اس لیے اس کا ذکر پہلے کیا گیا لیکن یہ دوسری آیت مبارکہ ذکرِ نکاح کے لیے بیان کی گئی ہے اور نکاح میں اصل مرد ہے کیونکہ منگنی کا پیغام مرد کی طرف سے ہوتا ہے اور نکاح کا مطالبہ مرد کی طرف سے ہوتا ہے [اور فعل نہی کی بناء پر ''لَا یَنْکِحُ'' کے آخر میں پیش کی بجائے جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور مرفوع (یعنی پیش کی صورت میں) کی حالت میں بھی نہی کا معنی ملحوظ ہے بلکہ زیادہ بلیغ و مؤکد ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محض خبر ہو اس معنی کی بناء پر کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کی یہ عادت جاریہ ہے] اور مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس بُری عادت میں داخل نہ کرے اور وہ اس سے بچتا رہے ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور یہ مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے یعنی زنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے یا یہ معنی ہے کہ زناکار عورت سے زنا کی کمائی حاصل کرنے کے ارادے سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے یا زناکار مردوں سے اس لیے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے کہ اس صورت میں فاسقوں اور بدکاروں کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور تہمت و الزام تراشی کے مواقع نکل آتے ہیں اور یہ صورت غیبت کرنے اور بُری باتیں کہنے کا سبب بن جاتی ہے اور خطاء کاروں کی مجالس میسر ہو جاتی ہیں اور بہت سے

لوگ بُروں کی مجالس میں جا کر گناہوں کا ارتکاب کرنے لگ جاتے ہیں تو زنا کار مردوں اور عورتوں سے نکاح اور شادی و بیاہ کے سبب گناہوں سے کیسے بچے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا) کی تہمت لگائیں' پھر وہ چار گواہ نہ لاسکیں تو تم انہیں اسّی کوڑے مارو اور تم ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو' اور یہی لوگ فاسق ہیں○ مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور انہوں نے اپنی اصلاح کر لی' تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے اپنی ذاتوں کے اور گواہ نہ ہوں تو ان کے لیے اکیلے کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے' کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے○

## زنا کی تہمت لگانے کے احکام

٤۔﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ اور جو لوگ پاک دامن عفت مآب عورتوں پر تہمت لگائیں یعنی جو لوگ آزاد اور پاک دامن مسلمان مکلّف عورتوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور تہمت زنا کاری پر بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ دوسری غلط کاریوں پر بھی ہوتی ہے اور یہاں اس آیت مبارکہ میں عورتوں پر زنا کاری کی تہمت لگانا مراد ہے مثلاً یوں کہہ دے: اے زانیہ عورت! کیونکہ یہاں زنا کارہ عورتوں کے ذکر کے بعد "محصنات" یعنی پاک دامن خواتین کا ذکر کیا گیا ہے اور چار گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ پھر وہ چار گواہ نہ لاسکیں یعنی پھر وہ چار گواہ ایسے پیش نہ کر سکیں جو زنا پر گواہی دیں' اس لیے کہ بغیر زنا کے کوئی اور تہمت لگانا جیسے کوئی کہے: اے فاسق! اے سود خور! تو اس صورت میں صرف دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور ایسی تہمت لگانے والے شخص پر تعزیر لاگو ہوتی ہے اور حد قذف (تہمت پر سزا دینے) کے لیے محصن میں پانچ شرطیں ہونا ضروری ہیں: (۱) آزاد ہونا (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) مسلمان ہونا (۵) زنا سے پاک ہونا اور پاک دامن عورت کی طرح پاک دامن مرد پر زنا کی تہمت لگانے والے پر بھی حد قذف واجب ہو جائے گی ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ تو تم ان کو اسّی کوڑے مارو اگر تہمت لگانے والا آزاد ہو ["ثمانین" مصادر کی طرح منصوب ہے جیسے "مِائَةَ جَلْدَةٍ" منصوب ہے اور "جَلْدَةً" تمیز کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ اور تم ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو' [اور "شهادة" کو نفی کے تحت نکرہ لایا گیا] جس کی وجہ سے یہ ہر گواہی کو عام ہو گیا اور ہمارے نزدیک حد میں اس کی گواہی رد کر دی گئی ہے اور یہ پوری حد کے ساتھ یا اس کے بعض کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ مشہور ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی گواہی صرف حد قذف میں مردود ہو گی' پس ہمارے

نزدیک یہ شرط کی جزاء ہے اور وہ تہمت لگانا اور کوڑے مارنا ہے اور یہ گواہی ہمیشہ کے لیے مردود ہوگی اور ''اَبَدًا'' کا معنی ہے: پوری زندگی میں گواہی قبول نہیں ہوگی ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ فاسق و نافرمان ہیں [یہ مستقل الگ کلام ہے جسے جملہ مستأنفہ کہا جاتا ہے' شرط کی جزاء کے محل میں داخل نہیں ہے' گویا یہ جملہ شرطیہ کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک الزام تراشی کرنے والوں کے حال کی حکایت ہے]۔

۵۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ﴾ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد یعنی تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور انہوں نے اپنے حالات کی اصلاح کر لی [یہ ارشاد ''الفاسقون'' سے استثناء ہے اور اس پر ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' دلالت کر رہا ہے] ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ پس اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے یعنی وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان پر رحم و کرم فرمائے گا [ہمارے نزدیک استثناء کا حق یہ ہے کہ وہ منصوب ہو کیونکہ وہ کلام موجب سے ہے اور جس نے استثناء کو دوسرے جملہ سے متعلق کیا ہے' اس کے نزدیک مجرور ہے کیونکہ اس صورت میں یہ استثناء ''لَهُمْ'' میں ضمیر ''هُمْ'' سے بدل ہے]۔

۶۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اب اس آیت مبارکہ میں بیویوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا جا رہا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں یعنی وہ اپنی بیویوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ ﴾ اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں یعنی ان کے پاس ان کی بات کی تصدیق کرنے کے لیے ایسے افراد نہ ہوں' جو ان کے حق میں اس بات پر گواہی دیں ﴿ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ ﴾ سوائے ان کی اپنی ذاتوں کے [یہ ''شهدآء'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تو ان کے اکیلے کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر یہ گواہی دے کہ بے شک وہ اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگانے میں ضرور سچا ہے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''اَرْبَعُ'' خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور مبتدا ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ'' ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مصدر کے حکم میں ہے اور اس میں عامل مصدر ہے' وہ جو ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ'' ہے اور اس صورت میں اس کی خبر محذوف ہوگی] جس کی تقدیر یہ ہوگی: ''فَوَاجِبٌ شَهَادَةِ اَحَدِهِمْ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اَنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنٰى'' پس ان کے اکیلے کی گواہی واجب ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دیں کہ بے شک وہ اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگانے میں ضرور سچوں میں سے ہے (یعنی وہ خود سچا ہے)۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ
اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو بے شک اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ○ اور عورت سے یہ سزا اس طرح دور ہو جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ بے شک وہ مرد جھوٹا ہے ○ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ

(مرد) سچا ہو تو بے شک اس (عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو O اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تمہیں ضرور سزا ملتی) اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا' سب سے بڑا دانا ہے O

٧- ﴿وَالْخَامِسَةُ﴾ [اس کے مرفوع ہونے میں یہاں کسی کا اختلاف نہیں' مشہور یہی ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَالشَّهَادَةُ الْخَامِسَةُ"] اور پانچویں دفعہ یہ گواہی دے کہ ﴿اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ بے شک اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہو [سو یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اگر وہ جھوٹا ہو اس معاملہ میں' جو اس نے اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے۔

٨- ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ اور اس تہمت شدہ عورت سے سزا کو دور کر دے گا (یعنی) اس سے حبس بے جا کو دور کر دے گا ﴿اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اس کا چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینا کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹا ہے اس معاملہ میں' جو اس نے مجھ پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے [" یدرؤا " کا فاعل " اَنْ تَشْهَدَ الخ " ہے]۔

٩- ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر اس کا خاوند اس بات میں سچا ہو' جو اس نے مجھ پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے تو بے شک اس (یعنی عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو [امام حفص کی قراءت میں " الخامسة " کو " اربع " پر معطوف کر کے منصوب پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ باقیوں کے نزدیک مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا گیا ہے اور اس کی خبر " اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ " ہے اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں " اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ " اور " اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ " دونوں میں " اَنْ " مخفف ہے (یعنی نون ساکن ہے مشدد نہیں) اور " غضب اللّٰهِ " میں ضاد کے نیچے زیر ہے اور یہ دونوں مثقلہ کے حکم میں ہیں اور سہل اور یعقوب کی قراءت میں " اَنْ غَضَبُ اللّٰهِ " (" با " پر پیش ہے)] " غضب " کو عورت کی جانب مخصوص کیا گیا کیونکہ عورتیں زیادہ تر لعن طعن اور غیظ و غضب کے الفاظ استعمال کرتی ہیں' جیسا کہ اس کے بارے میں حدیث شریف وارد ہے اور بسا اوقات عورتیں اپنی زبانوں پر لعن طعن اور قہر و غضب کے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے کے لیے اقدام کی جرأت کرتی ہیں اور ایسے طنز و تشنیع کے الفاظ ان کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہوتے ہیں' سو اس لیے ان کی جانب میں غضب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ طریقہ ان کے لیے سرزنش کا باعث بن جائے اور دراصل ہمارے نزدیک لعان میاں بیوی کی وہ گواہیاں ہیں' جنہیں قسموں کے ساتھ مستحکم کیا جاتا ہے اور وہ لعنت کے ساتھ مقرون و متصل ہوتی ہیں اور یہ خاوند کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام شہادت (یعنی گواہی) رکھا ہے' پس جب خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں میاں بیوی گواہی دینے کے اہل ہوں تو ان دونوں کے درمیان لعان کرنا صحیح ہوگا اور جب وہ دونوں لعان کریں گے جیسا کہ " کتاب النہر " میں بیان کیا گیا ہے تو فرقت و جدائی واقع نہیں ہوگی' یہاں تک کہ قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لعان کرتے ہی میاں بیوی میں فرقت و جدائی پڑ جائے گی اور فرقت طلاق بائنہ ہوگی اور امام ابو یوسف اور امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک میاں بیوی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے اور یہ آیت لعان جناب ہلال یا جناب عویمر کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے کہا تھا کہ میں نے اپنی عورت خولہ کے پیٹ پر شریک بن سحماء کو دیکھا ہے لیکن اس کی عورت نے اس کو جھوٹا قرار دے دیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا تھا۔[1]

[1] سنن ابی داؤد رقم الحدیث:٢٢٤٥ و مابعدہ

۱۰-﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت یعنی نعمت نہ ہوتی اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے [''لَوْ لَا'' کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و نعمت نہ ہوتی تو تم ضرور رسوا ہو جاتے یا اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور سزا دیتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک جن لوگوں نے بہت بڑا بہتان لگایا وہ تم میں سے ایک گروہ ہے' تم اسے اپنے لیے بُرا خیال نہ کرو' بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے' ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی گناہ ہے جو اس نے کمایا ہے' اور ان میں سے جس نے گناہ کا بڑا حصہ اٹھایا اس کے لیے بڑا عذاب ہے ○ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مؤمن مردوں نے اور مؤمنہ عورتوں نے اپنے آپ میں نیک گمان کیا ہوتا' اور انہوں نے کہہ دیا ہوتا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے ○ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں لائے' سو جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں ○

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاک دامنی

۱۱-﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ بے شک جو بہت بڑا بہتان لائے اور یہ کذب (جھوٹ) اور افتراء (بہتان) سے زیادہ بلیغ ہے اور اس کی اصل ''اَفْكٌ'' ہے اور اس کا معنی ہے: بدلنا' اس لیے کہ کسی پر بہتان تراشنے میں اصل طریقہ سے بات کو پھیرا جاتا ہے اور اس سے وہ بہتان مراد ہے' جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا تھا۔

شانِ نزول: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا ایک ہار غزوۂ بنی مصطلق میں گم ہو گیا' جس کے سبب میں قافلہ سے پیچھے رہ گئی اور میرا ہودج (کجاوہ) اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والوں کو میرے ہودج کے خالی ہونے کا علم نہ ہوا کیونکہ میں ہلکی پھلکی تھی' پھر جب قافلے کے لوگ کوچ کر کے چلے گئے تو پیچھے رہ جانے والے حضرت صفوان بن معطل نے اپنا اونٹ بٹھایا اور میں سوار ہو گئی اور وہ اونٹ ہانک کر چل پڑے یہاں تک کہ وہ مجھے لے کر قافلے میں پہنچے جب وہ ایک منزل پر اتر چکے تھے' سو میرے متعلق جس نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا اور میں ایک ماہ بیمار رہی اور اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ ''کَيْفَ اَنْتِ'' کیسی ہو؟ لیکن میں اپنے ساتھ حضور کا وہ لطف و کرم نہیں دیکھتی تھی جو پہلے فرمایا کرتے تھے' یہاں تک کہ میرے والد کی خالہ حضرت ام مسطح گر پڑیں اور کہا: مسطح ہلاک ہو جائے تو میں نے اس پر بُرا منایا اور انہیں مسطح کو بُرا بھلا کہنے سے روک دیا تو انہوں نے اس بہتان تراشی کا سارا واقعہ مجھے بتایا' سو جب میں نے یہ واقعہ سنا تو زیادہ بیمار پڑ گئی اور میں حضور کی اجازت سے اپنے والدین کے گھر رہنے لگی' میرے آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی اور میرے والدین کا خیال تھا کہ رونے سے میرا جگر پھٹ جائے گا' یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا: اے حمیراء! تجھے بشارت ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری براءت و پاک دامنی کے متعلق آیات نازل فرمائی ہیں' میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی شکرگزار ہوں آپ کی نہیں [1]

﴿عُصْبَةٌ﴾ دس افراد سے لے کر چالیس افراد تک ایک جماعت اور اس گروہ نے سخت سازش کی اور سب جمع ہوئے

[1] بندۂ ناچیز و پُر تقصیر یہاں ''تفسیر ضیاء القرآن'' کا بیان کردہ تفصیلی واقعہ کا انتخاب پیش کرتا ہے تا کہ مکمل واقعہ سمجھنا آسان ہو جائے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود روایت بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کے نام کا قرعہ نکلتا اس کو ہمرکابی کا شرف بخشتے۔ جب حضور غزوۂ بنی مصطلق پر روانہ ہوئے تو حسبِ معمول قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نکلا' چنانچہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ گئی' اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ میں ہودج میں بیٹھی تھی اور جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جہاں قیام کیا جاتا وہاں ہودج اتار دیا جاتا' جب جہاد سے فراغت ہوئی تو حضور ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا' ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ رات کے پچھلے حصہ میں کوچ کی تیاری شروع ہو گئی۔ میں قضائے حاجت کے لیے باہر دور چلی گئی' جب واپس آئی تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر واپس لوٹ گئی' ہار تو مجھے مل گیا لیکن جب میں واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھنے اور پھر اتارنے پر مامور تھے' انہوں نے حسبِ عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں' کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں کیونکہ غذا مرغن نہیں ہوتی تھی اور میں تو کم عمر تھی' اس لیے ہودج میں میرے نہ ہونے کا انہیں احساس تک نہ ہوا' جب میں واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا' یہ خیال کر کے کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے' میں وہیں ٹھہر گئی۔ حضرت صفوان بن معطل کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے' جب لشکر کوچ کرتا تو وہاں پہنچتے' اگر کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملتی تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ میں چادر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ اتنے میں جناب صفوان آ پہنچے' ابھی صبح کا اندھیرا تھا۔ انہوں نے کسی کو دور سے سویا ہوا دیکھا تو قریب آئے۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا' اس لیے مجھے پہچان لیا اور بلند آواز سے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھا۔ ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب لا کر بٹھایا اور مجھے سوار کر کے چل پڑے۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آملے۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے جب یہ دیکھا تو اس نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ جب میں مدینہ شریف پہنچی تو بیمار پڑ گئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا کوئی علم نہ تھا' البتہ ایک بات مجھے کھٹک رہی تھی کہ میری علالت کے وقت جو لطف وعنایت حضور ﷺ مجھ پر فرمایا کرتے تھے وہ مفقود تھی۔ حضور ﷺ جب مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس سے مجھے شک گزرتا تاہم مجھے اس شرانگیز پروپیگنڈے کی خبر تک نہ تھی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا اور ہم دونوں جب فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں' ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: مسطح ہلاک ہو' یہ اس کا بیٹا تھا' میں نے کہا: تم ایک بدری کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو' یہ بہت بُری بات ہے۔ اس نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے؟ میرے استفسار پر اس نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سن کر میرا مرض پھر عود کر آیا۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی: مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ میں والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں' حضور ﷺ نے اجازت دی' میں میکے چلی آئی۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح ابن اُثاثہ اور حمنہ بنت جحش اور وہ لوگ بھی جو ان کے معاون ومددگار تھے ﴿مِّنْكُمْ﴾ تم میں سے (یعنی) مسلمانوں کی جماعت میں سے حالانکہ یہ مسلمان تو یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک کسی پر بہتان گھڑنا کافروں سے واقع ہوسکتا ہے' مسلمانوں سے نہیں ہوسکتا ﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ﴾ یعنی تم اس بہتان کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرا مت خیال کرو ﴿بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر وثواب عنایت فرمائے گا اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو' ابوبکر صدیق' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت صفوان اور مسلمانوں میں سے ان لوگوں کو ہے' جنہوں نے بہتان تراشوں کے جھانسے میں آ کر آپ کو دُکھ پہنچایا تھا ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ﴾ ان میں سے ہر ایک آدمی کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا یعنی بہتان لگانے والے گروہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امی جان! لوگ یہ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں' جب کوئی بیوی پاکیزہ صورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں رات بھر جاگتی رہی اور روتی رہی' صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میرے شب وروز گریہ وزاری میں گزرتے' لمحہ بھر کے لیے نیند نہ آتی' میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ اس طرح رونے سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی کہ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آئی' وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' سلام فرمایا اور بیٹھ گئے' اس سے پہلے کبھی بیٹھے نہ تھے' ایک مہینہ گزر چکا تھا' میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تیرے بارے میں مجھے ایسی ایسی اطلاع ملی ہے' اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت بیان کردے گا' اگر تم سے قصور سرزد ہوگیا ہے تو توبہ کرلے کیونکہ بندہ اگر قصور کا اعتراف کرلے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ میرے آنسو یک دم خشک ہوگئے' میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ حضور ﷺ کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا: میں کچھ جواب نہیں دے سکتا' پھر میں نے والدہ سے کہا' انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی' میں اگرچہ نوعمر تھی' زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہ تھا لیکن میں نے عرض کی: بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی' اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جس سے خدا جانتا ہے کہ میں بَری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو حضرت یوسف کے باپ نے کہی تھی: ''فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ'' (یوسف:۱۸) ''تو صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مطلوب ہے''۔ پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی' مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت بیان فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ میرے بارے میں آیات قرآنی نازل ہوں گی۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی۔ حضور ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے' سردی کے موسم میں بھی نزولِ وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے' جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے اور پہلی بات جو حضور ﷺ نے فرمائی' وہ یہ تھی کہ اے عائشہ! خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت بیان فرمادی ہے۔ میری والدہ نے مجھے کہا: اے عائشہ! اٹھ اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کر' میں نے کہا: بخدا! میں نہیں اٹھوں گی اور نہ کسی کا شکریہ ادا کروں گی' صرف اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گی' جس نے میری براءت بیان فرمائی ہے۔ اس وقت یہ دس آیات ''ان الذین جآء وا بالافک الخ'' نازل ہوئیں۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۹۶ تا ۲۹۸)

میں سے ہر شخص پر اس کے گناہ کی سزا اسی مقدار پر ہوگی جس قدر گناہ میں اس نے حصہ لیا اور ان میں سے بعض خوب ہنسے اور بعض نے بہتان تراشی میں سخت گفتگو کی اور بعض اس میں خاموش رہے' نہ حصہ لیا اور نہ کسی کو روکا ﴿وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ﴾ اور اس گروہ میں سے جس نے سب سے بڑے بہتان کا ارتکاب کیا یعنی سب سے بڑا بہتان عبداللہ بن اُبی نے تراشا تھا ﴿لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے یعنی دوزخ کا عذاب۔ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت صفوان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہودج کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت اپنی قوم کے سرداروں میں تھے اور کہا: لِمَنْ ہٰذِہٖ یہ کجاوہ کس کا ہے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے' تو آپ نے فرمایا کہ نہ یہ اس ہودج سے چھٹکارہ حاصل کریں گی اور نہ وہ ہودج ان سے چھٹکارہ حاصل کرے گا۔

۱۲۔پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے جھانسے میں آ کر اس بہتان میں مشغول ہونے والے مسلمانوں کو ملامت کی اور فرمایا: ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ﴾ ایسا کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے یعنی اس بہتان کو سنا تو ﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنوں کے بارے میں جو انہیں میں سے ہیں' نیک گمان کرتے' پاک دامن اور نیک ہونے کا عقیدہ رکھتے کیونکہ تمام مسلمان ایک جان کی طرح ہیں اور یہ اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (الحجرات:۱۱) ''اور تم اپنے آدمیوں پر عیب نہ لگاؤ''۔اور یہ اس روایت کی طرح ہے جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا قطعی یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسمِ اقدس پر مکھی بیٹھے کیونکہ نجاستوں پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہو جاتی ہے' سو جب اللہ تعالیٰ نے اتنی معمولی نجاست والی چیز کے چھونے سے آپ کو محفوظ رکھا تو آپ کو اس فاحشہ عمل سے آلودہ ہونے والی عورت سے کیسے محفوظ نہیں رکھے گا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے مبارک کو زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ کوئی انسان اپنا قدم اس مبارک سائے پر نہ رکھ سکے تو جب کسی شخص کے لیے آپ کے سائے مبارک پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کا آپ کی زوجہ محترمہ کی عزت سے آلودہ ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے اور اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے ذریعے آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے نعلین شریفین میں گھناؤنی چیز ہے اور آپ کو آپ کے پاؤں مبارک سے نعلین کے اتار دینے کا حکم دیا' صرف اس سبب سے کہ اس میں کوئی ہلکی سی گھناؤنی چیز لگی ہوئی تھی' لہٰذا اگر بفرضِ محال آپ کی زوجۂ محترمہ اس فاحشہ عمل سے آلودہ ہوگئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم کیسے نہ دیتا۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے کیا تمہیں علم نہیں؟ تو اس نے کہا کہ اگر تم حضرت صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم کے ساتھ اس قسم کی بے حیائی کا ارادہ کر سکتے تھے؟ تو حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا: ہرگز نہیں' تو ان کی بیوی نے کہا کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جگہ پر میں ہوتی تو میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہرگز خیانت نہ کرتی جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ تو مجھ سے بہت بہتر ہیں اور حضرت صفوان تم سے بہتر ہیں[1]

اور اس آیت مبارکہ میں خطاب سے غائب کی طرف اور اسم ضمیر سے اسم ظاہر کی طرف عدول کیا گیا ہے اور ''ظَنَنْتُمْ

[1] خود حضور سیّد عالم ﷺ کو الزام لگانے والوں کے جھوٹے ہونے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِاَنۡفُسِہِمۡ خَیۡرًا وَّقُلۡتُمۡ'' نہیں فرمایا (کہ تم اپنوں کے متعلق نیک گمان رکھتے ہو اور تم کہتے یہ صریح جھوٹ) تا کہ خطاب کے طریقے پر ڈانٹنے اور دھمکانے میں مبالغہ ہو جائے اور تا کہ لفظ ایمان کی تصریح کے ساتھ اس بات پر رہنمائی مل جائے کہ ایمان میں اشتراک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی مؤمن مرد اپنے اسلامی بھائی کے متعلق اور کوئی مؤمنہ عورت اپنی اسلامی بہن کے متعلق کسی عیب نکالنے والے اور زبانِ طعن دراز کرنے والے کی بات کی تصدیق نہ کرے اور یہی حسنِ ادب ہے' جس پر بہت کم لوگ کاربند ہیں اور بہت کم لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور کاش کہ تم ایسا شخص پاتے جو یہ بہتان سنتا اور خاموشی اختیار کر لیتا اور اس کو اپنے بھائیوں میں نہ پھیلاتا ﴿ وَّقَالُوۡا ھٰذَاۤ اِفۡکٌ مُّبِیۡنٌ ﴾ اور وہ کہتے کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے اور واضح طور پر جھوٹ ہے جو ان دونوں (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مناسب نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے بے قصور اور پاک دامن ہونے کا قطعی یقین تھا' چنانچہ آپ نے پورے یقین کے ساتھ حلفیہ ارشاد فرمایا:

فَوَ اللّٰہِ مَا عَلِمۡتُ عَلٰی اَھۡلِیۡ اِلَّا خَیۡرًا وَّلَقَدۡ ذَکَرُوۡا رَجُلًا مَا عَلِمۡتُ عَلَیۡہِ اِلَّا خَیۡرًا. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

بہ خدا! مجھے اپنی اہلیہ میں پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور انہوں نے تہمت لگا کر جس آدمی کا ذکر کیا ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حضرت ام المؤمنین کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف توجہ کم کیوں کر دی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا حضرت ام المؤمنین کی طرف توجہ کم کرنا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد آپ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک آپ توجہ کم رکھیں تا کہ کسی دشمنِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ کو حضرت ام المؤمنین کی براءت کا پہلے سے علم تھا تو آپ نے اس مسئلہ میں اصحاب سے استصواب کیوں کیا اور حضرت بریرہ سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس لیے کیا تھا کہ کسی دشمنِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ دیکھو جب ان کے اپنے اہل پر تہمت لگی تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی تحقیق اور تفتیش نہیں کی۔ آپ نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ حضرت عائشہ کی سوکن (حضرت زینب بنت جحش)' حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ اور دیگر قریبی ذرائع سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیا' حتیٰ کہ سب نے حضرت ام المؤمنین کی براءت اور پاکیزگی کا اظہار کیا اور سب نے بیک زبان کہا کہ ہم حضرت عائشہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ کیوں فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اتمامِ حجت کے لیے تھا اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو۔ قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت مثالیں ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ فَسۡئَلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکَ. (یونس: ۹۴)

تو اگر آپ کو (بالفرض) اس چیز کے متعلق شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے عہد لینے کے بعد فرماتا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔

۱۳-﴿ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ﴾ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں لائے (یعنی) اگر وہ تہمت لگانے میں سچے تھے تو اپنے اس دعویٰ پر چار گواہ کیوں نہیں لائے ﴿ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾ جب وہ چار گواہ نہیں لا سکے تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اور اس کی شریعت میں جھوٹے ہیں یعنی تہمت لگانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سچی تہمت کے لیے چار گواہوں کی گواہی کے ثبوت کو اور جھوٹی تہمت کے لیے چار گواہوں کی گواہی کے عدم ثبوت کو حد فاصل قرار دیا ہے اور جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تھی' ان کے پاس اس بات پر گواہ نہیں تھے اس لیے وہ جھوٹے تھے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲) پھر جو کوئی اس کے بعد (بالفرض) اس عہد سے پھر گیا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے ۝

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝ (الزخرف: ۸۱) آپ فرمایئے: اگر (بفرضِ محال) رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرتا ۝

سو اسی اعتبار سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر بالفرض تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو' اور یہ تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فرمایا تھا اور اس ارشاد میں امت کے لیے نمونہ رکھنا تھا کہ اپنے اہل کی رعایت سے تحقیق میں کوئی کمی نہ کی جائے اور یہ تعلیم دینی تھی کہ اگر کسی شخص کی بیوی سے غلطی ہو جائے تو اس کو توبہ کی تلقین کرے اور یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے جواب میں یہ کہا تھا کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے' اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا علم نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ اس خطاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں تھا۔ اس قول میں اگرچہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے تھا لیکن یہ خطاب ان لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقین کے بہکانے سے تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت اور پاکیزگی کا علم تھا تو آپ اس قدر پریشان اور غمگین کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غم اور صدمہ کی وجہ یہی تو تھی کہ بے گناہ پر تہمت لگی ہے' نیز زیادہ غم اور پریشانی کا سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے' ایسے میں اگر رسول اللہ ﷺ از خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کا اعلان کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ مسلمان آپ کے متعلق یہ بدگمانی کرتے کہ آپ اپنی اہل کی رعایت فرما رہے ہیں اور آپ کے متعلق بدگمانی کر کے کافر ہو جاتے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۸ ص ۸۷-۸۸)

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمہیں اس بہتان تراشی میں بڑا عذاب پہنچتا جس کے پھیلانے میں تم مشغول رہے O جب تم اس (بہتان) کو اپنی زبانوں پر ایک دوسرے کو منتقل کرنے لگے تھے اور تم اپنے مونہوں سے وہ بات کہنے لگے تھے' جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں تھا اور تم اسے معمولی بات خیال کرتے تھے' حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی سنگین بات تھی O اور جب تم نے اسے سنا تو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بات کہنا ہمیں زیب نہیں دیتا' اے اللہ! تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے O اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ اس طرح کی بات کبھی نہ کہنا اگر تم ایمان دار ہو O اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بڑا حکمت والا ہے O

---

۱٤- ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں تم پر نہ ہوتی تو تمہیں اس بہتان تراشی پر بڑا عذاب پہنچتا' جس میں تم مشغول ہو چکے تھے یعنی اگر میں نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ میں تم پر دنیا کی کئی قسم کی نعمتوں کے ساتھ فضل و کرم کرتا رہوں گا' ان نعمتوں میں سے ایک نعمت توبہ کے لیے مہلت دینا بھی شامل ہے اور یہ کہ میں آخرت میں تم پر مغفرت و معافی کے ساتھ رحمت کروں گا تو میں تمہیں اس بہتان تراشی کی وجہ سے بہت جلد ضرور عذاب میں مبتلا کر دیتا' جس میں تم مشغول رہے۔ ''اَفَاضَ فِی الْحَدِیْثِ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی بات میں غور و خوض کرے اور اس میں مشغول ہو جائے [یہ ''لَوْ لَا'' ایک شے کے امتناع کے لیے آتا ہے' اس کے غیر کے پائے جانے کی وجہ سے بہ خلاف گزشتہ ''لَوْ لَا'' کے کیونکہ وہ بہ معنیٰ ''هَلَّا'' ہے]۔

۱۵- ﴿اِذْ﴾ [یہ ''مَسَّكُمْ'' کا ظرف ہے یا پھر ''اَفَضْتُمْ'' کا ظرف ہے] یعنی جب ﴿تَلَقَّوْنَهٗ﴾ تم اس بہتان کی بات کو ایک دوسرے سے لینے لگے تھے' ''تَلَقَّوْنَهٗ'' بہ معنیٰ ''یَاْخُذُهٗ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ'' ہے کہ تم ایک دوسرے سے وہ بات لینے لگ گئے' اس لیے ''تلقی القول تلقنه وتلقفه'' کہا جاتا ہے (سب ہم معنی ہیں کہ ایک دوسرے سے بات لینا) ﴿بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ تم اپنی زبانوں سے یعنی بے شک تم ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا تمہیں (حضرت) عائشہ کی بات پہنچی ہے یہاں تک کہ یہ بات تمام لوگوں میں پھیل گئی اور سب میں مشہور ہو گئی' پس کوئی گھر نہیں رہا اور نہ کوئی مجلس رہی' مگر یہ تہمت کی بات ان میں مشہور ہو گئی ﴿وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور تم اپنے مونہوں سے ایسی مجرمانہ بات کہتے ہو' جس کا تمہیں کچھ علم نہیں ہے اور بات کو مونہوں کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ ہر بات منہ ہی سے کہی جاتی ہے کیونکہ ایک معلوم چیز کا علم پہلے دل میں ہوتا ہے' پھر زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے اور یہ افک و بہتان ایک ایسی بات ہے جس کا علم دلوں میں آئے بغیر تمہاری زبانیں اور تمہارے منہ اس کی ترجمانی کرنے میں (چلتی گاڑی کے پہیہ کی طرح) گھوم رہے ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ'' (آل عمران:۱٦۷) ''وہ لوگ اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں' جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں''۔

﴿ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ﴾ اور تم اسے چھوٹی سی بات تصور کرتے ہو یعنی تم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں غور وخوض اور ان پر بہتان تراشی کے بارے میں بات چیت کو آسان اور معمولی سمجھتے ہو ﴿ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴾ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے (یعنی) گناہ کبیرہ ہے۔ ایک بزرگ موت کے وقت رونے لگے تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر لگ رہا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا بُرا عمل ہو گیا ہو' جس کو میں نے معمولی اور صغیرہ سمجھا ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین اور گناہِ کبیرہ ہو۔

۱۶- ﴿ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ﴾ اور ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے اس کو سنا تھا تو کہہ دیا ہوتا کہ یہ بات کہنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے [''لَوْ لَا'' اور ''قُلْتُمْ'' کے درمیان حرف ظرف ''اِذْ'' کے ساتھ اس لیے فاصلہ روا رکھا گیا ہے کہ ظرف کی بڑی شان ہے اور یہ خود اشیاء کے عین کے قائم مقام ہے کیونکہ سب اشیاء اس میں واقع ہوتی ہیں اور کوئی شے ظرف سے خالی نہیں ہوتی' سو اس لیے اس میں اتنی وسعت ہوتی ہے جتنی کسی اور میں نہیں ہوتی اور ظرف کو مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ] ان پر واجب تھا کہ پہلی دفعہ بہتان کی بات سنتے ہی اس کے متعلق گفتگو کرنے سے کنارہ کش ہو جاتے' پھر جب وقت کا ذکر کرنا بہت اہم تھا تو اس لیے ظرف کو مقدم کیا گیا اور معنی یہ ہے کہ جب تم نے اس قدر سنگین بہتان سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمارے لیے ایسی بات کرنا صحیح نہیں ہے ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ یہ لفظ معاملہ کی بہت بڑی اہمیت کی وجہ سے تعجب کے لیے استعمال ہوا ہے اور تسبیح کے کلمہ میں تعجب کے معنی کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں کسی عجیب مصنوع کے دیکھتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کی جائے' پھر یہ کثرت سے استعمال ہونے لگ گیا یہاں تک کہ ہر تعجب خیز چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے مکرم و معظم نبی کی حرم محترم فاجرہ و بدکارہ ہو کیونکہ یہ تو جائز ہے کہ پیغمبر کی بیوی کافرہ ہو' جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں لیکن یہ جائز نہیں کہ پیغمبر کی بیوی بدکارہ ہو کیونکہ پیغمبر کفار کی طرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ انہیں دینِ توحید کی طرف دعوت دیں' لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہو' جس سے کفار نفرت کرتے ہوں اور کفار کفر سے نفرت نہیں کرتے لیکن بدکاری نفرت دلانے والی چیزوں میں سے سب سے بڑھ کر قابل نفرت عیب ہے ﴿ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴾ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے' جو شخص سنتا ہے وہ مبہوت و پریشان اور حیران رہ جاتا ہے اور اس سے پہلے آیت مبارکہ میں ''هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ'' (النور:۱۲) ذکر کیا گیا ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ ''یہ صریح جھوٹ ہے''۔ اور ممکن ہے کہ براءت میں مبالغہ کرنے کے لیے ان دونوں کا حکم دیا گیا ہو۔

۱۷- ﴿ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم آئندہ دوبارہ تہمت کی بات جیسی بات نہ کہنا اور نہ دوبارہ ایسی بات سننا ﴿ اَبَدًا ﴾ ہمیشہ کے لیے یعنی عمر بھر کے لیے ایسی بات کبھی نہ کہنا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ اگر تم ایمان دار ہو۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ترغیب ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور یاد دہانی رہے کہ دوبارہ تہمت کی بات نہ کہنے کو جو چیز واجب کرتی ہے وہ ایمان ہے جو ہر قبیح چیز سے خالی ہے۔

۱۸- ﴿ وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کے لیے واضح دلائل اور شریعت کے احکام اور بہترین آداب بیان کرتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ بڑا دانا ہے' تمہارے اعمال کے موافق تمہیں جزا دے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی و پاکیزگی کی صداقت کو خوب جانتا ہے اور اس نے ام المؤمنین کی براءت کا

فیصلہ عین حکمت و دانائی کے مطابق کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ
اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَمَنْ یَّتَّبِعْ
خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
مَا زَكٰی مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر بہت جلد عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت فرمانے والا' بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! تم شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو' اور جو شخص شیطان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ یقیناً بے حیائی اور بُرائی کا حکم دیتا ہے' اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا' لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے O

۱۹- ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے یعنی سب سے بڑھ کر بدترین بے حیائی پھیل جائے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اشاعت کے ارادہ سے اور بے حیائی کو پسند کرنے کی وجہ سے اسے پھیلاتے ہیں[1] ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا ﴾ ان کے لیے دنیا میں حدِ قذف کی صورت میں دردناک عذاب ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ ابن اُبَیّ' حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اُثاثہ کو حدِ قذف کی وجہ سے اسّی کوڑے مارے ﴿ وَالْاٰخِرَةِ ﴾ اور آخرت میں دوزخ کی آگ کا دردناک عذاب ہوگا' اگر

1. کسی پر لگائے ہوئے الزام کی بلا تحقیق تشہیر کرنا' بُرائیوں اور فواحش کے خلاف نفرت کی جو دیوار اسلام نے قائم کر دی ہے اس میں رخنہ اندازی کی قولاً اور فعلاً کوشش کرنا' ایسی کتابیں لکھنا جن سے شہوانی جذبات میں تحریک ہو۔ ایسے گانے' ایسی تصاویر' ایسے ڈرامے' ایسی فلمیں' جن سے نوجوانوں میں شرم و حیاء کا جذبہ کمزور ہوتا جائے سب اس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ جو محض دولت کمانے کے لیے ایسی فلمیں بناتے ہیں' بڑھ چڑھ کر حیا سوز مناظر پیش کرتے ہیں' ایسے اشتہارات جن میں جنسی عریانیت سے جاذبیّت اور کشش پیدا کی جاتی ہے' ایسا لٹریچر جس کی مقبولیت کا انحصار ہی شہوانی محرکات پر ہے' مانا کہ وقتی طور پر اس کی آمدنی میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو نقصان ہوگا اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا' جب قوم کا اخلاق بگڑ جائے گا' جب شرم و حیاء کی چادر تار تار ہو جائے گی' بے حیاء اور ہوس ناک نگاہیں اس کی دولتِ عصمت لوٹنے میں بھی کوئی تأمل محسوس نہیں کریں گی۔ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے' اسی طرح اس کے اخلاق باختہ ہونے سے ہر فرد کو حصہ رسدی مل کر رہتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دروازہ کو بند کر دیا جس سے فسق و فجور کا سیلاب اُمڈ سکتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۳)

انہوں نے توبہ نہ کی تو پھر یہ وعدہ ہر حال میں پورا ہوگا ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ معاملات کے باطن کو اور سینوں میں پوشیدہ رازوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم نہیں جانتے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان کی پسند کو خوب جانتا ہے جو بے حیائی کو پھیلانا چاہتے ہیں اور وہ اس پر ضرور سزا دے گا۔

۲۰- ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تمہیں بہت جلد عذاب دیتا اور اللہ تعالیٰ نے جلد عذاب نہ دینے کا احسان دوبارہ ذکر کیا ہے لیکن دونوں میں جواب محذوف ہے تاکہ ان پر احسان کرنے میں اور ان کو ڈرانے دھمکانے میں مبالغہ کیا جائے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت فرمانے والا ہے اس لیے تو جن پر تہمت لگائی تھی ان کی براءت و پاکیزگی کا اعلان فرما دیا اور ان کو صبر کرنے پر اجر وثواب عطا فرمایا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے‘ جو تہمت لگانے والے کے قصور کو بخش دیتا ہے‘ جب وہ توبہ کر لیتا ہے۔

## مسلمانوں کو شیطان کی پیروی نہ کرنے اور دولت مندوں کو محتاجوں کی مدد کرنے کی تلقین

۲۱- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدموں پر نہ چلو یعنی اس کے نشانات اور اس کے وسوسوں پر نہ چلو کہ تم اس کے بہکاوے میں آ کر تہمت و الزام تراشی کی باتیں سننے لگ جاؤ اور اس کے بارے میں باتیں بنانے اور اس کی تشہیر میں مشغول ہو جاؤ (ایسا ہرگز نہ کرو) ﴿وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ اور جو شخص شیطان کے قدموں کی پیروی کرتا ہے تو بلاشبہ شیطان اس کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے‘ جس کی قباحت و حیا سوزی حد سے بڑھ کر ہوتی ہے ﴿وَالْمُنْكَرِ﴾ اور وہ بُرائی کا حکم دیتا ہے جس سے نفوسِ انسانی انکار کرتے ہیں اور اس بُرائی سے نفرت کرتے ہیں اور اس کو پسند نہیں کرتے ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا (یعنی) اگر اللہ تعالیٰ تم پر گناہوں کو مٹانے والی توبہ کے ذریعے مہربانی نہ فرماتا تو تم میں سے کوئی شخص قیامت تک اس بہتان کے گناہ کے میل کچیل سے کبھی پاک نہ ہوتا ﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کی باتیں خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ ان کے دلوں کی پوشیدہ نیتوں اور ان کے اخلاص کو خوب جانتا ہے۔

> وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
> وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ
> وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا
> فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ
> وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تم میں سے جو صاحبِ فضیلت اور دولت مند ہیں وہ رشتہ داروں اور ناداروں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مالی امداد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں‘ اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں‘ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ

تعالیٰ تمہیں بخش دے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○ بے شک جو لوگ پاک دامن مخلص مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا میں اور آخرت میں ملعون ہیں' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے○ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال پر گواہی دیں گے جن کو وہ کیا کرتے تھے○

۲۲- ﴿وَلَا يَأْتَلِ﴾ اور قسم نہ اٹھائیں [یہ ''ائتلی'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی قسم اٹھاتا ہے' باب افتعال سے ہے اور ''اَلِيَّة'' سے مشتق ہے یا ''اَلْوٌ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے:] کوتاہی اور کمی نہ کریں ﴿اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ تم میں سے دین میں فضیلت و بزرگی رکھنے والے حضرات ﴿وَالسَّعَةِ﴾ اور دنیا میں مالی وسعت رکھنے والے دولت مند حضرات ﴿اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی امداد دینے میں یعنی وہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ احسان و امداد کے مستحق غریب لوگوں پر آئندہ احسان نہیں کریں گے یا یہ کہ وہ ان غریب لوگوں پر احسان کرنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کریں گے اگر چہ ان کے درمیان اور ان کے درمیان بہتان تراشی کی غلطی کی وجہ سے دشمنی و عداوت ہی ہو ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا﴾ اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ ''عفو'' کا لغوی معنی ہے: چھپانا اور ''صفح'' کا معنی ہے: اعراض کرنا اور منہ پھیرنا یعنی انہیں چاہیے کہ وہ غلطی و زیادتی کرنے پر درگزر کریں اور انتقام سے اعراض کریں ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے' سو انہیں چاہیے کہ وہ غریبوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جس کی وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کا رب تعالیٰ ان کے گناہوں کی کثرت کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ کرے گا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کے ادب کے ساتھ متادب اور اس کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاؤ اور تم بھی بخش دو اور رحم کرو۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح پر اپنا مال خرچ نہیں کریں گے کیونکہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہتان لگانے والوں کے ساتھ مشغول ہو گئے تھے اور حضرت مسطح نادار و غریب آدمی تھے' لیکن بدری اور مہاجر صحابی تھے اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ ابوبکر صدیق کے سامنے تلاوت فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! میں چاہتا ہوں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور آپ نے دوبارہ حضرت مسطح پر مال خرچ کرنا شروع کر دیا۔

## بہتان تراشوں کا بد انجام اور پاک دامنوں کا نیک انجام

۲۳- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ بے شک جو لوگ پاک دامن عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ﴿الْغٰفِلٰتِ﴾ صحیح سلامت سینوں والی' دلوں کی پاک صاف جن میں کسی قسم کا مکر و فریب اور بے جا ہوشیاری نہیں ہوتی کیونکہ وہ دنیا کے معاملات کا تجربہ نہیں رکھتیں ﴿الْمُؤْمِنٰتِ﴾ جو ایمان لانے والیاں ہیں' ان تمام ضروریاتِ دین پر جن پر ایمان لانا واجب و لازم ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ تمام نیک مسلمان عورتیں مراد ہیں کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے مخصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں اکیلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں اور جمع کے کلمات اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محترم و مکرم پاک دامن بیویوں میں

سے کسی ایک بیوی پر بدکاری کی تہمت لگانے والا گویا تمام بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والا ہے ﴿لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ان پر دنیا میں اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے' اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو دونوں جہانوں میں لعنتی قرار دیا اور آخرت میں ان کو بہت بڑے عذاب کی وعید سنائی' اس شرط کے ساتھ کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی۔

٢٤- ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف ان کے ان اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے یعنی جو انہوں نے تہمت لگائی تھی اور یا جو انہوں نے بہتان تراشا تھا [''يَوْمَ'' کا عامل محذوف ''يُعَذَّبُوْنَ'' ہے] یعنی اس دن انہیں عذاب دیا جائے گا جس دن ان کی زبانیں' ہاتھ' پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يَشْهَدُ'' ہے]۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ع ٩
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا بدلا ان کے استحقاق کے مطابق پورا پورا دے گا اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے ہر بات کی وضاحت کرنے والا ہے ○ بُری باتیں بُرے لوگوں کے لیے ہیں اور بُرے لوگ بُری باتوں کے لیے ہیں' اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں' یہی (اچھے لوگ) بَری کر دیئے گئے ان (تہمت کی باتوں) سے جو لوگ ان پر لگاتے ہیں' انہیں کے لیے مغفرت وبخشش اور عزت کی روزی ہے ○ اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ (پہلے) اجازت لو اور ان کے مکینوں کو سلام کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

٢٥- ﴿يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا بدلا پورا پورا دے گا جس کے وہ اہل ہیں۔ ''دین'' کا معنی جزاء اور بدلا ہے اور ''حق'' کا معنی ثابت ہے' جس کے وہ بہتان تراش اہل ہیں [''يَوْمَئِذٍ'' کا عامل ''يُوَفِّيْ'' ہے' ''دین'' موصوف اور ''الحق'' اس کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حضرت مجاہد نے اس کو ''اللّٰہ'' کی صفت قرار دے کر مرفوع پڑھا ہے جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت میں ہے: ''يُوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ الْحَقُّ دِيْنَهُمْ'' اللہ برحق ان کو ان کا بدلا پورا دے گا' اور نصب کی قراءت میں بھی جائز ہے کہ ''الحق'' اللہ کی صفت ہو اور بطور مدح منصوب ہو] ﴿وَيَعْلَمُوْنَ﴾ ''عِنْدَ ذَالِكَ'' (یعنی) وہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے جو ہر بات کی صحیح وضاحت کرنے والا ہے کیونکہ اس وقت شکوک وشبہات کے تمام پردے ان کی آنکھوں

سے اٹھ جائیں گے اور انہیں فوراً ضروری اور بدیہی علم حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی گناہ کی اتنی سخت تردید نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لگائی گئی تہمت کی تردید میں سختی فرمائی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں مختصر بلیغ کلام بھی بیان فرمایا اور بڑھا کر بھی بیان فرمایا اور تفصیل کے ساتھ بھی بیان فرمایا اور اجمال کے ساتھ بیان فرمایا اور تاکیدات کے ذریعے اسے مستحکم بھی کیا اور مکرر بھی بیان فرمایا اور یہ سارا اہتمام صرف اہم ترین مسئلہ کے لیے کیا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جو شخص کوئی گناہ کر لے' پھر اس سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی ماسوا اس شخص کے جس نے حضرت عائشہ صدیقہ کے معاملہ میں براہِ راست حصہ لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتان تراشی کے معاملہ میں مبالغہ کرنے اور اس کی عظمت واہمیت کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے چار بزرگ ہستیوں کو چار چیزوں کے ذریعے بَری فرمایا' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے خاندان کے ایک بچے کی گواہی کے ذریعے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے الزام سے ایک پتھر کے ذریعے بَری فرمایا جو آپ کے کپڑے لے گیا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کے ذریعے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان عظیم الشان آیاتِ قرآنی کے ذریعے بَری فرمایا' یہ کتاب سراسر ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ قیامت تک یہ آیاتِ براءت اسی مبالغہ کے ساتھ تلاوت کی جاتی رہیں گی۔ اے لوگو! غور وفکر کرو کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی براءت کے درمیان اور ان حضرات کی براءت کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے اور یہ صرف رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کی سربلندی کے اظہار کے لیے ہے اور آپ کے عظیم الشان مقام ومرتبہ پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے۔

۲۶۔﴿ اَلْخَبِيْثٰتُ ﴾ بُری باتیں جو بولی جاتی ہیں وہ ﴿ لِلْخَبِيْثِيْنَ ﴾ مردوں اور عورتوں میں سے بُرے لوگوں کے لیے ہیں ﴿ وَالْخَبِيْثُوْنَ ﴾ اور ان (مردوں اور عورتوں) میں سے بُرے لوگ جو الزام تراشیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ﴿ لِلْخَبِيْثٰتِ ﴾ بُری اور قابل مذمت باتوں کے لیے ہیں ﴿ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ﴾ اور اسی طرح اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ یہی اچھے لوگ ان تمام بُری باتوں سے بَری ہیں' جو بُرے لوگ کہتے ہیں یعنی ان کے بارے میں جو بکواسات کہتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ'' سے ''الطیبون'' کی طرف اشارہ ہے اور بے شک یہ اچھے اور پاک دامن لوگ ان تمام بُری باتوں سے بَری اور پاک ہیں' جو بُرے اور ناپاک لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ کلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ پر لگائی گئی اس بدترین تہمت و الزام کے لیے مثال کے قائم مقام ہے جو آپ کی عفت وطہارت کے حال کے مطابق نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اشارہ اہل بیت کی طرف ہو اور معنی یہ ہو کہ حضور کے تمام اہلِ بیت (گھر والے) بہتان لگانے والوں کی باتوں سے بَری ہیں اور ''الخبیثات'' اور ''الطیّبات'' سے عورتیں مراد ہوں اور معنی یہ ہو کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں سے شادیاں کرتی ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اور اسی طرح پاک مرد پاک عورتوں اور پاک عورتیں پاک مردوں سے نکاح کرتی ہیں ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ ان کے لیے ہی مغفرت وبخشش ہے [یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل کلام) ہے' جو ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے] ﴿ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ اور جنت میں باعزت روزی ملے گی' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرضِ موت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری سے ڈر رہی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق مغفرت وبخشش اور باعزت روزی ملے گی' خوف کس بات کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی آیت

تلاوت کی' سو یہ تلاوت سن کر خوشی سے حضرت ام المؤمنین پر جذب کی حالت طاری ہو گئی اور سنبھلنے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے نو خوبیاں ایسی عطا فرمائی ہیں' جو کسی عورت کو عطا نہیں کی گئیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے میری تصویر لا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتھیلی مبارک پر رکھی جب کہ اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا۔

(۲) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے شادی کی تو میں باکرہ (کنواری) تھی جب کہ حضور نے میرے سوا کسی باکرہ (کنواری لڑکی) سے شادی نہیں کی۔

(۳) اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۴) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار مبارک میرے گھر میں بنا۔

(۵) اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی مبارک نازل ہوتی تو آپ میرے بستر پر ہوتے تھے۔

(۶) اور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ اور آپ کے صدیق کی بیٹی ہوں۔

(۷) اور آسمان سے صرف میری براءت کے لیے آیاتِ قرآنی نازل کی گئیں۔

(۸) اور مجھے پاک (پیغمبر) کے پاس نکاح میں دینے کے لیے پاک و طاہر پیدا کیا گیا۔

(۹) اور مجھ سے مغفرت و بخشش اور عزت کی روزی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اور حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے آپ کے حق میں کہا:

(۱) پاک دامن' باعزت' صاحبِ وقار خاتون ہیں' ان کے بارے میں تہمت کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور وہ بھولی بھالی خواتین کے گوشت سے خالی شکم صبح کرتی ہیں (کسی کی بُرائی نہیں کرتیں)۔

(۲) آپ دین اور منصب میں سب سے بہترین پیغمبر کی بیوی ہیں' جو ہدایت دینے والے نبی اور بڑی عالی شان کمالات کے حامل ہیں۔

(۳) جنابِ لؤی بن غالب کے ایک قبیلہ کی عقل مند خاتون ہیں' ظلم و ستم کرنے والوں سے درگزر کرنے والی ہیں' جس کی بزرگی کبھی زائل نہیں ہو گی۔

(۴) آپ مہذب و شائستہ خاتون ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبعیت کو پاک پیدا کیا ہے اور آپ کو ہر قسم کی بُرائی اور باطل سے پاک رکھا ہے۔

## دوسروں کے گھر میں جانے کے آداب کا بیان

۲۷- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے ماسوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یعنی ایسے گھروں میں نہ جاؤ جن کے تم مالک نہیں ہو اور نہ تم ان میں رہائش پذیر ہو ﴿حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ یہاں تک کہ اجازت لو یعنی پہلے اجازت طلب کرو' پھر اجازت ملنے کے بعد اندر جاؤ' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مروی ہے' وہ یہ ہے کہ آپ نے ''حَتّٰى تَسْتَاْذِنُوْا'' پڑھا ہے اور ''استئناس'' کا اصل معنی ''استعلام'' اور ''استکشاف'' یعنی معلوم کرنا اور جاننا ہے' یہ باب استفعال ہے اور ''اَنَسَ الشیءَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو اپنے سامنے عیاں اور کھلم کھلا دیکھ لیتا ہے یعنی یہاں تک کہ تم معلوم کرلو کہ آیا

تمہیں اندر آنے کی اجازت دی جاتی ہے یا نہیں؟ اور یہ اجازت "سبحان اللہ" یا "اللہ اکبر" یا "الحمد للہ" کہنے سے یا کھانسنے سے حاصل کی جا سکتی ہے (جیسے آج کل بیل بجا کر یا کنڈی کھٹکھٹا کر اجازت لی جاتی ہے) ﴿وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ اور تم اس کے باشندوں کو سلام کرو اور سلام یہ ہے کہ وہ کہے: السلام علیکم! کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں' تین مرتبہ کہے' پھر اگر اس کو اجازت دے دی جائے تو ٹھیک' ورنہ واپس لوٹ جائے اور بعض نے فرمایا کہ اگر ملاقات ہو تو پہلے سلام کرے ورنہ اجازت مانگے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ یعنی اجازت لینا اور سلام کرنا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے زمانۂ جاہلیت کے سلام اور دمور سے بہت بہتر ہے اور دمور یہ ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جانا اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں سے کوئی آدمی جب غیر کے گھر میں داخل ہوتا تو کہتا: تمہیں صبح کا سلام اور تمہیں شام کا سلام ہو' پھر اجازت کا انتظار کیے بغیر گھر میں داخل ہو جاتا اور بسا اوقات خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر پر ایک لحاف میں پا لیتا ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی تمہیں یہ اس لیے کہا گیا ہے تا کہ یاد رکھو اور نصیحت حاصل کرو اور اجازت طلب کرنے کے باب میں تمہیں جو حکم دیا گیا ہے تم اسے جان لو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

پھر اگر تم اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے' اور اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس لوٹ جاؤ' یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے ○ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جاؤ' جن میں کوئی نہیں بستا جب کہ تمہارے لیے ان میں فائدہ ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو ○ (اے محبوب!) مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کاموں سے خبردار ہے جو یہ کرتے ہیں ○

۲۸- ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا﴾ پھر اگر تم ان میں یعنی گھروں میں اجازت دینے والوں میں سے کسی کو نہ پاؤ ﴿فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ تو تم ان میں مت داخل ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے (یعنی) یہاں تک کہ کسی ایسے مکین کو پالو جو تمہیں اجازت دے دے یا یہ معنی ہے کہ اگر تم ان میں ان کے مکینوں میں سے کسی کو نہ پاؤ اور تمہیں ان میں جانے کی ضرورت بھی ہو تو تم ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر ان کے اندر مت داخل ہو کیونکہ غیر کی ملک میں تصرف کرنے کے لیے مالک کی رضا اور اجازت ضروری اور لازمی ہے ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا﴾ اور اگر تمہیں کہا جائے کہ تم واپس لوٹ جاؤ یعنی جب ان گھروں میں کوئی قوم رہائش پذیر ہو اور وہ کہیں کہ تم واپس چلے جاؤ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ تو تم واپس چلے جاؤ

اور اجازت طلب کرنے کے لیے منت سماجت شروع نہ کر دو اور نہ پردے کے اندر سے جھانکو اور نہ دروازہ پر کھڑے رہو کیونکہ یہ حرکتیں نفرت کا باعث ہیں' سو جب ان باتوں سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ قابل نفرت ہیں تو پھر ہر اس عمل سے رکنا واجب ہو گیا جو قابلِ نفرت ہو' جیسے زور زور سے دروازہ پیٹنا اور مالک مکان کو چیخ چیخ کر پکارنا وغیرہ وغیرہ اور حضرت ابو عبید نے فرمایا کہ میں نے ادب کے پیش نظر کبھی کسی عالم دین کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا ﴿ هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾ وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے یعنی واپس لوٹ آنا تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں دلوں کی سلامتی ہے اور شک و شبہ سے اجتناب ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ تمہارے لیے زیادہ مفید و نفع بخش ہے اور اسی میں زیادہ بھلائی ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ اور تم جو کچھ اعمال کرتے ہو اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ اس میں مخاطبین کے لیے وعید و دھمکی ہے کہ انہیں جن احکام کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے' ان میں سے جن کو وہ ادا کر رہے ہیں اور جن کو وہ ترک کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جاننے والا ہے' پس اللہ تعالیٰ ان اعمال پر پورا پورا بدلا دے گا۔

٢٩- ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں مستقل سکونت نہیں رکھی جاتی جیسے مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے سرائیں' مہمان خانے اور ہوٹل اور تاجروں کی تجارت گاہیں ﴿ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ﴾ اس میں تمہارے لیے فائدہ ہو یعنی منفعت ہو جیسے گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے ٹھہرنا اور سامانِ سفر رکھنا' کاروباری سامان اور خرید و فروخت کا سامان وغیرہ رکھنا اور بعض اہل علم نے فرمایا: جیسے ویران مکانات جن میں لوگ بول و براز کرتے ہیں' بیت الخلاء وغیرہ۔ ''متاع'' کا معنی پاخانہ کرنا ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴾ اور تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ تہمت لگانے والوں کے لیے وعید و دھمکی ہے جو ویران مکانوں اور خالی گھروں میں محض فتنہ و فساد اور تہمت و الزام تراشی کے لیے داخل ہو جاتے ہیں۔

## پردے کے احکام کا بیان

٣٠- ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ اے محبوب! مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ جن کا دیکھنا حرام ہے ان سے آنکھیں بند رکھی جائیں اور صرف انہیں کے دیکھنے پر اکتفا کیا جائے' جن کا دیکھنا حلال اور جائز ہے [''مِنْ'' تبعیض کا ہے] ﴿ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ﴾ اور وہ اپنی شرمگاہوں کی زنا کاری سے حفاظت کریں اور یہاں حرف ''مِنْ'' داخل نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں زنا کاری کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے حالانکہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف اور اس کی ہتھیلیوں اور اس کے قدموں کی طرف دیکھنا جائز ہے (بُری نیت سے جائز نہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ محارم (وہ خواتین جن سے نکاح حرام ہے) کے سر کی طرف اور سینے اور پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ﴿ اَزْكٰى لَهُمْ ﴾ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے یعنی گناہوں کے میل کچیل سے بچنے کے لیے یہ عمل پاکیزہ تر ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو وہ لوگ کرتے ہیں۔ اس میں ترغیب و ترہیب ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان کے حالات اور ان کے افعال سے پوری طرح باخبر ہے اور اب دیکھو وہ کس طرح اپنی آنکھوں کو غیر محرم سے روکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ'' (غافر:١٩) ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے بھی جس کو سینے چھپاتے ہیں''۔ پس ان لوگوں پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہر حرکت و سکون میں یعنی ہر حال میں بچیں اور اس سے ڈرتے رہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ
وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور (اے محبوب!) مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کیا کریں مگر جو اس میں سے خود ظاہر ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال کر رکھیں' اور وہ اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی (نیک مسلمان) عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا مردوں میں سے وہ نوکر جو شہوت نہ رکھتے ہوں یا ان بچوں کے لیے جو ابھی عورتوں کی پردہ داری کی باتوں سے واقف نہیں' اور وہ اپنے پاؤں زمین پر اس لیے زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کا وہ بناؤ سنگھار جسے وہ چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے' اور اے ایمان والو! تم سب توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤO

۳۱- ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ اے محبوب! مسلمان عورتوں سے فرمایئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں بند رکھیں اور کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھیں' لہٰذا اجنبی مرد کی ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو عورت کے لیے دیکھنا حرام ہے اور ناجائز ہے اور اگر شہوت تیز ہو جائے تو پھر عورت اجنبی آدمی سے اپنی آنکھیں بالکل بند رکھے اور نیز اپنے جیسی عورت کے ماسوا کسی عورت کو نہ دیکھے اور اجنبیوں سے بالکل آنکھیں بند رکھنا سب سے بہتر ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت سے پہلے آنکھوں کو بند رکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ نظر زناکاری کی ایلچی اور پیغامبر ہے اور فسق و فجور کی جڑ ہے' پس نفسانی خواہش کا بیج نگاہ کی سرکشی ہے ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ اور وہ اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں۔ زینت اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے' جیسے زیورات پہننا اور سرمہ لگانا یا مہندی وغیرہ لگانا اور معنی یہ ہے کہ عورتیں زیب و زینت کی جگہیں ظاہر نہ کریں کیونکہ خود زینت کا اظہار جو زیورات وغیرہ ہیں جائز ہے' پس زینت سے مراد وہ جگہیں ہیں' جن پر زیورات وغیرہ پہنے جاتے ہیں یا خود زینت کا اظہار منع ہو لیکن مطلق نہیں' بلکہ جب زینت کی چیزیں اپنے پہننے کی جگہ پر ہوں تاکہ ان جگہوں کا اظہار ہو جائے جن پر زیورات وغیرہ پہنے ہوئے ہیں نہ کہ زیورات کا مطلق اظہار اور زینت کی جگہیں سر' کان' گردن' سینہ' دونوں بازو' کلائیاں اور پنڈلیاں وغیرہم ہیں اور زینت یہ ہیں: تاج' کانوں کی بالیاں' گلے کے ہار' جواہرات

وغیرہ سے مرصع پٹی' بازوبند' کنگن' چوڑیاں اور پازیب وغیرہ ﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ مگر جو ان سے ظاہر ہو (یعنی) ماسوا اس کے جس کا ظاہر رکھنا عادت وطبیعت کے اعتبار سے عام جاری وساری ہو اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم ہیں کیونکہ ان کے چھپانے میں بہت مشکل ہو جاتی ہے اور واضح تنگی آ جاتی ہے کیونکہ چیزوں کے پکڑنے اور اٹھانے اور رکھنے کے لیے ہاتھوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اسی طرح چہرہ کو کھلا رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے خصوصاً گواہی میں اور محاکمہ میں اور نکاح میں اور راستوں میں چلنے کے لیے چہرہ کھلا رکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے تاکہ صحیح دیکھ سکے اور قدموں کو بھی ظاہر رکھنا پڑتا ہے خصوصاً ان میں سے نادار و غریب عورتیں (جو محنت مزدوری کرتی ہیں) ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ ﴾ یہ بہ معنیٰ ''وَلْيَضَعْنَ'' ہے اور یہ تمہارے قول ''ضَرَبْتُ بِيَدِيْ عَلَى الْحَائِطِ'' کہ میں نے اپنا ہاتھ دیوار پر رکھا' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اپنا ہاتھ دیوار پر رکھتے ہو اب اس کا معنی ہوگا کہ اور انہیں چاہیے کہ وہ رکھیں ﴿ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر کیونکہ (آج کل کی طرح) اس زمانہ میں عورتوں کی قمیصوں اور کرتوں کے گریبان بہت زیادہ کشادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے سینے اور گردن کے اردگرد ظاہر ہوتے تھے اور وہ عورتیں اپنے دوپٹے آگے سینے پر ڈالنے کی بجائے اپنے پیچھے کی طرف لٹکا دیتی تھیں' جس سے ان کے سینے کھلے رہتے تھے' سو اس لیے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دوپٹے آگے گریبانوں پر ڈالا کریں یہاں تک کہ سینہ اور گردن اور اس کا اردگرد چھپ جائے ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾ اور وہ اپنی زیب وزینت اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں یعنی زیب وزینت کی چھپی جگہیں ظاہر نہ کریں جیسے سینہ' پنڈلیاں اور سر وغیرہ ﴿ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ مگر اپنے خاوندوں کے لیے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کریں۔ ''بعول''. ''بعل'' کی جمع ہے''بعل'' کا معنی خاوند ہے ﴿ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنے باپوں کے لیے اور ان میں دادے پردادے بھی داخل ہیں ﴿ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے لیے کیونکہ وہ بھی محارم ہو چکے ہیں ﴿ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنے بیٹوں کے لیے اور اس میں پوتے بھی داخل ہیں ﴿ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے کیونکہ یہ بھی محارم ہو چکے ہیں ﴿ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ ﴾ یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے لیے اور ان میں آگے ان کی اولادیں بھی داخل ہیں اور باقی محارم بھی دلالۃً داخل ہیں' جیسے چچے اور ماموں وغیرہم ﴿ اَوْ نِسَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنی عورتوں کے لیے یعنی آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ یہ مطلق لفظ آزاد عورتوں کو شامل ہے ﴿ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ یا جو ان کے دائیں ہاتھ کے ملک میں ہیں یعنی ان کی لونڈیاں اور غلام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مالک عورت کے ان اعضاء کو دیکھ سکے خواہ وہ خصی ہو یا ''عِنِّيْن'' (جس کا آلۂ تناسل ہمیشہ ڈھیلا ڈھالا رہے کبھی انتشار نہ ہو) یا توانا اور صحیح سلامت جوان ہو اور حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ سورۂ نور کا یہ کلام دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ یہ لونڈیوں کے بارے میں ہے' غلاموں کے بارے میں نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مالکہ اپنے غلام کو اپنے ان اعضاء (چہرہ' دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم) کے دیکھنے کی اجازت دے سکتی ہے ﴿ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ﴾ یا مردوں میں سے وہ نوکر جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یعنی جن میں مردانہ شہوت نہ ہونے اور ختم ہو جانے کی وجہ سے انہیں عورتوں کی حاجت نہیں' بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں' جو تمہارے پیچھے پیچھے رہتے ہیں تاکہ تمہارا بچا ہوا کھانا حاصل کر سکیں اور انہیں عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ یہ کم عقل ہوتے ہیں اور وہ عورتوں کے معاملے نہیں جانتے یا ان سے بہت بوڑھے نیک حضرات مراد ہیں یا نامرد مراد ہیں یا خصی لوگ مراد ہیں یا مخنث (یعنی ہیجڑے) مراد ہیں اور ایک روایت کے مطابق اس سے مجبوب مراد ہیں (یعنی جس کے خصیے اور آلۂ تناسل کاٹ دیئے گئے ہوں) اور پہلی توجیہ ٹھیک

ہے [ابن عامر شامی' یزید اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں استثناء کی بناء پر یا حال ہونے کی بناء پر "غَیْرَ" منصوب ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک "التابعین" سے بدل یا اس کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور "من الرجال" حال ہے] ﴿ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ﴾ یا وہ بچے جو عورتوں کے قابلِ شرم وحیاء کے مقامات سے آگاہ نہیں' یعنی وہ حد شہوت کی عمر کو نہ پہنچنے کی وجہ سے عورتوں کے پردے کے مقامات سے آگاہ نہیں ہیں اور یہ "ظَهَرَ عَلَى الشَّيْءِ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز سے آگاہ ہو جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ بچے عورتوں کے ساتھ جماع کی قدرت رکھنے کے زمانہ کو نہیں پہنچے اور "ظَهَرَ عَلٰى فُلَانٍ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ فلاں پر غالب وقوی ہو ["الطفل" اگرچہ مفرد ہے لیکن یہ اسم جنس ہے' اُس لیے اس سے جمع مراد لی جاسکتی ہے] ﴿ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ﴾ اور وہ اپنے پاؤں نہ ماریں تاکہ وہ جو اپنی زیب وزینت چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے۔ دراصل عورتیں پازیب پہن کر جب چلتی تھیں تو وہ اپنے پاؤں زمین پر زور سے مار کر چلتیں تاکہ ان کے پازیب کی جھنکار سنی جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ پازیب والی عورت ہے' سو اس لیے عورتوں کو اس سے منع کیا گیا کیونکہ زینت کی آواز سننا خود زینت کے اظہار کی طرح ہے اور اسی وجہ سے زیور کی آواز کو وسواس (جھنکار) کہا جاتا ہے ﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو ["اَیُّهَ" میں ھا کے آخر میں التقائے ساکنین کی وجہ سے الف حذف کر دیا گیا ہے (اصل میں "اَیُّهَا" تھا) اس کے بعد ابن عامر شامی کی قراءت میں ماقبل کے ضمہ (پیش) کی پیروی میں ھا پر ضمہ (اَیُّهُ) پڑھا گیا ہے جب کہ اس کے علاوہ کے نزدیک ھا پر فتح (زبر) ہے کیونکہ اس کے بعد الف مقدر ہے] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔ انسان کوشش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی میں کوتاہی اور بھول چوک سے نہیں بچ سکتا' سو اس لیے تمام مسلمانوں کو توبہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور توبہ کرنے کی صورت میں فلاح ونجات اور کامیابی وکامرانی کی امید دلائی گئی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ تمام لوگوں سے بڑھ کر توبہ کا وہ شخص محتاج ہے' جسے یہ وہم ہو کہ اسے توبہ کی حاجت نہیں اور بہ ظاہر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ معصیت ونافرمانی ایمان کے خلاف نہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے قابلِ نکاح غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو' اگر وہ محتاج

ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا' خوب جاننے والا ہے ○ اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامن بن کر رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے' اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں جو لوگ مکاتب بننا چاہیں تو تم اگر ان میں بھلائی جانو تو انہیں مکاتب کر دو' اور تم اللہ تعالیٰ کے مال میں سے انہیں کچھ دو جو اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے' اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو' اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو ان پر جبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

## بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم

۳۲- ﴿ وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ ﴾ اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو۔ ''اَیَامٰی. اَیِّمٌ'' کی جمع ہے اور ''ایـم'' وہ مرد ہے جس کی بیوی نہ ہو اور وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو' خواہ وہ کنوارے ہوں یا پہلے بھی شادی شدہ رہ چکے ہوں اور اس کی اصل ''ایـائم'' بھی ہے' پھر اس میں تبدیلی کی گئی ہے ﴿ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ ﴾ اور قابلِ نکاح اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دو یعنی بہترین یا مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دو۔ ''صـالـحین'' کا معنی بہترین یا مؤمنین ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ اے متولیو! تم اپنے بے نکاح آزاد مردوں اور آزاد عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں میں سے جن میں نکاح کی صلاحیت وقابلیت ہو ان کے بھی نکاح کر دو اور یہ حکم استحباب کے لیے ہے کیونکہ نکاح ایک پسندیدہ عمل ہے ﴿ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾ اگر وہ مال کے لحاظ سے محتاج وضرورت مند ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے کفایت شعاری اور قناعت کے سبب یا دونوں کے رزق کو جمع کر دینے کے سبب غنی و مال دار کر دے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ تم نکاح کے ذریعے رزق تلاش کرو[1] اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ غنی اور بڑی وسعت والا ہے اور مخلوق کو غنی کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ﴿ عَلِيۡمٌ ﴾ خوب جاننے والا ہے ''يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ'' (الرعد:٢٦) ''اللہ تعالیٰ رزق فراخ کر دیتا ہے' جس کے لیے چاہتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے''۔ اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بے نکاحوں کا نکاح کرنا ان کے سربراہوں کی ذمہ داری ہے' جیسا کہ غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرنا' ان کے مالکوں کی ذمہ داری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے نکاح مرد کا متولی وہی ہوگا جسے وہ اپنے نکاح کی اجازت دے گا اور اسی طرح عورت کے نکاح کا متولی بھی اس کی اجازت سے ہوگا کیونکہ بے نکاح مرد وزن اپنے نکاح کرنے کے انتظام میں خود مختار ہیں۔

۳۳- ﴿ وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا ﴾ اور جو لوگ نکاح کی طاقت یعنی حق مہر ادا کرنے اور نان ونفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ اپنی پاکیزگی و پاک دامنی برقرار رکھیں اور وہ عفت و پاک دامنی قائم رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گویا ''مُسۡتَعۡفِف'' اپنی عفت و پاک دامنی کا طالب ہوتا ہے ﴿ حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں غنی اور مال دار کر دے (یعنی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق مہر ادا کرنے اور نان ونفقہ دینے پر قدرت واختیار عطا فرما دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ یہ نگاہ کو بُرائی سے بہت روکنے والا ہے اور عزت وآبرو

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث:۲۸۲

اور شرمگاہ کی بہت حفاظت کرنے والا ہے اور جو تم میں سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ بُرائی سے بچنے کے لیے ڈھال ہے[1] سوتم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو کیسے ترتیب سے بیان فرمایا' پس اللہ تعالیٰ نے پہلے ایسے عمل کا حکم دیا جو فتنہ وفساد سے انسان کو بچاتا ہے اور معصیت و نافرمانی اور گناہ کے مواقع سے دور رکھتا ہے اور وہ نگاہوں کو نیچے رکھنا اور غیر محارم کو نظر بھر کر دیکھنے سے پرہیز کرنا ہے' پھر نکاح کرنے کا حکم دیا جو دین کا محافظ اور حرام کاری سے بے نیاز کر دینے والا عمل ہے' پھر نکاح کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں شہوت رانی سے بچنے کے لیے نفسِ امارہ (سرکش نفس) کو کنٹرول کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ نکاح پر قادر ہو جائے ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونے کا مطالبہ کریں یعنی تمہارے مملوک غلام جو کتابت کا مطالبہ کریں [''اَلَّذِيْنَ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے] ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ تو تم انہیں مکاتب کر دو اور یہ استحبابی حکم ہے (یعنی پسندیدہ حکم) اور مکاتبت یہ ہے کہ آقا اپنے مملوک وغلام سے کہے کہ میں نے تجھے ایک ہزار درہم ادا کرنے پر آزادی لکھ دی ہے' پھر اگر غلام ایک ہزار درہم ادا کرے گا تو آزاد ہو جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے ذمہ لکھ لیا ہے کہ جب تو مقرر کردہ مال ادا کر دے گا تو میری طرف سے تو آزاد ہو جائے گا اور تو نے میرے لیے اپنے ذمہ لکھ لیا ہے کہ یہ رقم تو پوری طرح ادا کرے گا یا یہ معنی ہے کہ میں نے تیرے ذمہ اتنا مال ادا کرنا لکھ دیا ہے اور اپنے ذمہ تجھے آزاد کرنا لکھ دیا ہے اور یہ مال نقد اور اُدھار اور قسط وار اور بغیر قسط کے یک مشت ادا کرنا ہر طرح جائز ہے کیونکہ امر مطلق ہے [''فَا'' اس پر اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ اسم موصول شرط کے معنی کو متضمن ہے اور ''کتاب'' اور ''مکاتبة'' ''عتاب'' اور ''معاتبة'' کی طرح ہے] ﴿اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ اگر تم ان میں بھلائی جانو کہ وہ محنت ومزدوری کر سکتا ہے یا امانت دار و دیانت دار ہے اور اس حکم کا استحباب اس شرط پر موقوف ہے ﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے اس مال میں سے کچھ دو جو اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وجوب کے طریقہ پر مکاتبوں کی امداد کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے ارشاد: ''وَفِي الرِّقَابِ'' (البقرہ:۱۷۷) کی بناء پر انہیں زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کرنے کا حکم دیا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تم بدل کتابت میں سے ایک چوتھائی رقم کم کر دو اور یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے اور پہلی وجہ بہتر ہے کیونکہ مالی امداد کا مقصد مکاتب کو عطا کردہ رقم کا مالک بنانا ہے' سو اس کا مکاتبت کی رقم میں سے ایک چوتھائی کم کرنے پر اطلاق درست نہیں ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ صبیح نامی غلام نے اپنے آقا حویطب سے درخواست کی کہ وہ اسے ایک مخصوص معاوضہ پر مکاتب کر دے لیکن اس نے اس سے انکار کر دیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ غلاموں کی چار قسمیں ہیں:[2] (۱) قن: جو خدمت گزار ہوتا ہے (۲) ماذون فی التجارۃ

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الصوم' باب:۱۰' مسلم فی کتاب النکاح' حدیث:۱' النسائی فی کتاب الصیام' باب:۴۳' ابن ماجہ فی کتاب النکاح باب:۱' الدارمی فی کتاب النکاح' باب:۲' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۵۷-۳۱۸

[2] ''قِنٌّ'' (یا عبد رقیق) یہ ہمہ اوقات اپنے آقا کی خدمت کے لیے وقف ہوتا ہے' یہ اپنا کوئی اختیار استعمال نہیں کر سکتا بلکہ اپنے مالک وآقا کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور ''ماذون'' وہ غلام ہوتا ہے جسے تجارتی کاروبار میں مالک کی طرف سے اجازت دی جاتی ہے' یہ اپنے کاروباری معاملات میں خود مختار ہوتا ہے اور وہ اپنا اختیار استعمال کرتا ہے اور مکاتب جسے مقررہ بدل کتابت ادا کرنے پر آزاد کر دیا جاتا ہے اور آبق اپنے آقا کا نافرمان غلام ہوتا ہے۔غوثوی مہاروی

(۳) مکاتب (۴) آبق: سو پہلے کی مثال وہ شخص ہے جو عزلت و گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے (اور سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنے خالق و مالک اور اپنے معبودِ برحق کی عبادت میں مشغول رہتا ہے) اسے معاشرہ کی دوستی کو ترک کرنے اور خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و وقار حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے کی مثال وہ شخص ہے' جو معاشرہ کی سنگت و صحبت کو پسند کرتا ہے' سو یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا ہے اور خبر گیری کے لیے لوگوں سے بھی ملتا جلتا ہے اور لوگوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں غیرت کا حکم دیتا ہے' پس یہ رسول اللہ ﷺ کا نائب اور جانشین ہے' جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ بولتا ہے' سو دنیا اس کے لیے بازارِ تجارت ہے اور عقل اس کے لیے رأس المال (اصل مال) ہے اور غصے اور خوشحالی کی حالت میں عدل و انصاف کرنا اس کا ترازو ہے اور فقر و فاقہ اور خوشحالی میں میانہ روی اختیار کرنا اس کی عادت و فطرت ہے اور علم اس کی جائے پناہ اور نجات کا باعث ہے اور قرآن مجید اس کے آقا کی طرف سے کتاب اذن ہے' پس وہ بہ ظاہر لوگوں میں شامل ہوتا ہے اور باطن میں ان سے دور ہوتا ہے کیونکہ یہ باطن میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان پر اپنے تمام حقوق کو ترک کر چکا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ظاہر میں ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور وہ ان میں معیشت کے اعتبار سے ان میں سے نہیں ہوتا لیکن وہ ریتلے سونے کی کان ہوتا ہے' وہ وہی کھاتا ہے جو لوگ کھاتے ہیں اور وہ وہی پیتا ہے جو لوگ پیتے ہیں اور ان پر ظاہر نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے' وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو اسی کے حکم کا پابند و قائم دیکھتا ہے اور گویا اسی کے حق میں کہا گیا ہے۔ •

پھر اگر تم لوگوں میں مل جل کر رہتے ہو جب کہ تم انہیں میں سے ہو تو بلا شبہ مشک بھی ہرن کے خون کا حصہ ہوتی ہے'

بہر حال گوشہ نشینی اختیار کرنے والے کا حال خالص و صاف اور لذیذ و شیریں (یعنی پاکیزہ ترین) ہے اور معاشرت اختیار کرنے والے کا حال بہت مکمل اور بڑا بلند و بالا ہے اور رحمٰن کی بارگاہِ قدس میں پہلے کا دوسرے کے مقابلے میں وہی مقام ہے' جو بادشاہ کے نزدیک اس کے وزیر دوست کا ہوتا ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ طرفین (آپ عبد رقیق اور عبد ماذون دونوں کی صفات کے جامع ہیں' نیز ان کے سردار ہیں کیونکہ تمام نیک مسلمان عبد رقیق ہیں اور تمام انبیائے کرام عبد ماذون ہیں اور حضور سب کے سردار ہیں) اور آپ موتیوں اور سونے کی کان ہیں اور آپ دونوں احوال (ظاہر و باطن) کے جامع ہیں اور آپ دونوں پسندیدہ راہوں (شریعت و طریقت) کے منبع و مرکز ہیں' پس آپ کے احوال کا باطن گوشہ نشینی اختیار کرنے کی رہنمائی کرنے والا ہے اور آپ کے اعمال کا ظاہر معاشرت اختیار کرنے کا نمونہ ہے (گویا آپ "دل بیار دست بکار" کے اولیں مصداق ہیں)۔

اور تیسرا بندہ وہ ہے جو جہاد کرنے والا' اپنا محاسبہ کرنے والا اور عمل کرنے والا ہے' جس سے مکاتب کے ذمہ قسطوں کی طرح کئی اقسام (کی عبادات) کا مطالبہ کیا گیا ہے' دن رات میں پانچ نمازوں اور دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ اور ایک سال میں ایک ماہ کے روزوں اور عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو گویا اس بندے نے اپنے آپ کو اپنے رب تعالیٰ سے ان قسط وار مرتب عبادات کے عوض میں فروخت کر دیا ہے' سو وہ اپنی گردن چھڑانے میں کوشاں رہتا ہے' ایک اس خوف سے کہ کہیں غلامی کی قید میں باقی نہ رہ جائے' دوسرا آزادی کا ویزہ حاصل کرنے کی امید میں تاکہ جنت کے باغات میں خوب کھائے پئے اور اپنی تمنا کے مطابق فائدہ اٹھائے اور جو چاہے وہ کرے۔

اور چوتھے بھاگنے والے بندے ہیں اور یہ بہت زیادہ ہیں' جن میں سے ظالم قاضی (یعنی جج) اور بے عمل عالم' ریاکار

کاری اور وہ واعظ جو کہتا کچھ اور ہے اور کرتا کچھ اور ہے (یعنی قول وفعل میں تضاد ہے) اور اس کے اکثر اقوال فضول و بے کار ہوتے ہیں اور وہ ہر اس چیز پر حملہ آور ہوتا ہے' جس میں اس کو فائدہ نہ ہو' ایسا شخص چور' زانی اور لوٹ مار کرنے والے سے بڑھ کر بُرا ہے اور انہیں لوگوں کے بارے میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ذریعے اس دین کی مدد فرمائے گا' جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ اور تم اپنی لونڈیوں کو زنا کاری پر مجبور نہ کرو۔

شانِ نزول: عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین کی چھے لونڈیاں تھیں: معاذہ' مسیکہ' اُمیمہ' عمرہ' اروی اور قتیلہ۔ عبداللہ ابن ابی انہیں زنا کاری پر مجبور کرتا اور اس نے ان پر یومیہ ٹیکس لگا رکھا تھا' جو وہ لونڈیاں زنا کاری کے ذریعے کما کر اسے دیتی تھیں' اگر ان میں سے کوئی انکار کرتی تو اسے مارتا تھا' چنانچہ ان میں سے دو لونڈیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں شکایت پیش کی' جس پر یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور لونڈیوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرنے سے منع کیا گیا اور ''فتی'' غلام کو اور ''فتاۃ'' لونڈی کو کہا جاتا ہے اور ''البغاء'' کا معنی زنا ہے لیکن یہ عورتوں کے لیے مخصوص ہے [اور یہ ''بغی'' کا مصدر ہے] ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اگر وہ لونڈیاں زنا کاری سے پاک دامن رہنا چاہیں اور اس کو اس شرط کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ اکراہ (مجبور کرنا) اسی وقت ہوگا جب لونڈی پاک دامن و پاکیزہ رہنا چاہتی ہو اور زنا سے انکار کردے' لہٰذا زنا کاری کے لیے تیار و مطیع لونڈی کو زنا کاری کا حکم دینے والے کو ''مُکْرِہ'' (یعنی مجبور کرنے والا) نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کے حکم کو اکراہ (مجبور کرنا) کہا جائے گا اور اس لیے بھی کہ یہ ممانعت ایک خاص وجہ سے نازل ہوئی تھی' اس لیے یہ نہی اس صفت پر واقع ہوئی اور اس میں مالکوں اور آقاؤں کے لیے وعید اور دھمکی ہے یعنی جب وہ لونڈیاں زنا کاری سے بچنا چاہیں اور پاک دامن و پاکیزہ رہنا چاہیں تو یہ تم پر زیادہ فرض ہے کہ انہیں مجبور کرنے کی بجائے پاک دامن رہنے کی حوصلہ افزائی کرو ﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ تم دنیا کی زندگی کا عارضی فائدہ طلب کرو یعنی تاکہ تم انہیں زنا کاری پر مجبور کر کے ان سے اجرت اور ان سے اولاد حاصل کرو ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ انہیں مجبور ہو جانے کے بعد بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے یعنی ان مجبور و مقہور لونڈیوں کو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف شریف میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجبور لونڈیوں کے لیے ہی مغفرت و رحمت ہے اور ممکن ہے کہ یہ اکراہ (مجبور کرنا) اس سے کم ہو جس کو شریعت نے معتبر قرار دیا ہے اور یہ وہ اکراہ ہے' جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو شریعت کے معتبر اکراہ سے کم اکراہ میں زنا کاری پر لونڈی گنہگار ہوئی یا جب لونڈیوں کے مالک و آقا مجبور کرنے کو ترک کر کے توبہ کر لیں گے تو ان کے لیے مغفرت و رحمت خداوندی نچھاور ہوگی۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ ع ۹ ۱۰
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰى

نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بھی O اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے' اس کے نور کی مثال ایک طاق کی طرح ہے' جس میں چراغ ہو' وہ چراغ ایک فانوس میں ہو' وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے' جو موتی کی طرح چمک رہا ہے' وہ بابرکت زیتون کے درخت سے روشن کیا جاتا ہے نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے' قریب ہے کہ اس کا تیل خودبخود روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے' نور پر نور ہے' اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۳٤۔ ﴿وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ اور بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح اور روشن آیات نازل کی ہیں [ابوبکر کوفی' ابوعمرو بصری اور اہل حجاز اور حماد کی قراءت میں "مُبَیَّنَاتٍ" میں "یا" پر فتح (زبر) ہے] اور وہ آیات مراد ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور احکام و حدود کے معانی بیان کرنے میں انہیں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے[1] [اور یہ بھی جائز ہے کہ "مُبَیَّنَاتٍ فِیۡهَا" ہو' پھر ظرف میں وسعت دی گئی یعنی مفعول بہ ('ایات مبیّنات) کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہو اور دیگر قراء کی قراءت میں "مُبَیِّنَاتٍ" میں "یا" کے نیچے کسرہ (زیر) ہے] یعنی ہم نے تمہاری طرف احکام و حدود بیان کرنے والی آیات نازل کی ہیں [اور ان کو بطور مجاز فعل قرار دیا گیا ہے] یا پھر "بَیَّنَ" بہ معنی "تَبَیَّنَ" ہے واضح آیات اور اسی سے مثال ہے کہ "قَدۡ بَیَّنَ الصُّبۡحُ لِذِیۡ عَیۡنَیۡنِ" بے شک آنکھیں رکھنے والوں کے لیے صبح روشن ہو چکی ہے ﴿وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ اور ہم نے ان لوگوں میں سے کچھ کی مثالیں بیان کی ہیں' جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تم سے پہلے لوگوں کی مثالیں یعنی ہم نے ان کے قصوں سے عجیب قصہ بیان کیا ہے' جیسے حضرت یوسف اور حضرت مریم علیہما السلام کے قصے ہیں اور یہ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ ﴿وَّمَوۡعِظَةً﴾ اور ان آیتوں اور مثالوں میں نصیحت کی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں' جیسے ارشاد ہے کہ "تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں ان دونوں (زانی مرد و عورت) پر ترس نہ آئے"۔ (النور: ۲) "ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے بارے

[1] اب تک مختلف اور متعدد احکامات بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے' جن کا مقصد معاشرہ کو ہر قسم کی بے حیائیوں' بدکاریوں سے پاک کرنا اور پاک رکھنا ہے۔ یہ احکامات اتنے واضح ہیں کہ ان کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ انہیں سمجھ نہیں سکا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ان قوموں کے حالات بھی پوری تفصیل سے متعدد بار بیان کیے گئے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے گئے' سمجھائے گئے لیکن وہ باز نہ آئے' حتیٰ کہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا' (لہٰذا) اے فرزندانِ اسلام! اگر اب بھی تم نے اصلاحِ احوال کی کوشش نہ کی اور قدیم و جدید جاہلیتوں کے سحر میں مبتلا رہ کر اپنا ستیاناس کر ڈالا اور دوسری بے حیاء قوموں کی تقلید میں اپنی شرم و حیاء کی چادر کو اتار پھینکا تو پھر تم سے زیادہ زیاں کار اور کون ہو سکتا ہے' پھر مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق اگر تم پر غضبِ الٰہی کی بجلیاں گریں تو تمہارا اپنا قصور ہوگا۔ تمہارے کریم پروردگار نے تو تمہیں بُرے کاموں سے بڑی وضاحت سے آگاہ کر دیا اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج کو کھول کر بیان کر دیا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۲۴)

میں نیک گمان کیا ہوتا اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے''۔ (النور:١٢) ''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے متعلق کوئی بات کریں اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے''۔ (النور:١٦) ''اللہ تعالیٰ تمہیں یہ نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ اس طرح کی بات کبھی نہ کرنا اگر تم مسلمان ہو''۔ (النور:١٧) ﴿لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیزگاروں کے لیے یعنی وہی اس سے فائدہ اور نفع اٹھانے والے ہیں اور اگر چہ یہ سب کے لیے نصیحت ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے نور کی شان

٣٥- ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس ارشاد کی اور اس کے ساتھ دوسرے ارشاد ''مَثَلُ نُوْرِهٖ'' کی اور ''يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ'' کی نظیر یہ قول ہے: ''زَيْدٌ كَرَمٌ وَجُوْدٌ'' یعنی زید سراپا فیاض وسخی ہے' پھر کہو ''ينعش الناس بكرمه وجوده'' یعنی لوگ اس کی فیاضی اور اس کی سخاوت سے خوشحال ہو جاتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے اور آسمانوں اور زمین کے نور سے مراد حق ہے اور حق کو نور اس کے ظہور اور عیاں ہونے کے اعتبار سے کہا گیا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'' (البقرہ:٢٥٧) ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز ہے' وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے یعنی باطل سے حق کی طرف لے جاتا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ نے ''نور'' کو ''السمٰوٰت والارض'' کی طرف مضاف اس لیے فرمایا تا کہ یہ اضافت اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی کی وسعت اور اس کے نور کی روشنی کے عام ہونے پر رہنمائی کرے' یہاں تک کہ اس کے نور سے تمام آسمان اور تمام زمینیں روشن ہوگئی ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والے مراد ہوں یعنی اس کے نور سے تمام آسمانوں والے اور تمام زمین والے روشن ہو گئے اور بے شک تمام زمین وآسمان والے اسی کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ اس کے نور کی مثال یعنی اس کے نور کی صفت کی مثال جس کی روشنی دینے میں عجیب شان ہے[1]

(ا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''مَثَلُ نُوْرِهٖ'' ''اى نور الله الذى هدى به المؤمن' اس کے نور کی

[1] واضح رہے کہ ''مدارک التنزیل'' کے تین نسخے میرے پاس موجود ہیں' جن میں ایک نسخہ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر کا ہے' یہ نسخہ ''تفسیر خازن'' کے حاشیہ پر ہے اور دوسرا نسخہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی کا ہے ان دونوں نسخوں میں ''مثل نوره'' کی تفسیر صرف ''اىْ صفة نوره العجيبة الشان فى الاضاءة'' ہے' تیسرا نسخہ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور کا ہے' جس میں حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال بھی تحریر ہیں' اگر چہ اس میں بعض طباعتی غلطیاں ہیں تاہم چونکہ یہ اقوال اسی آیت مبارکہ کے آخر میں تینوں نسخوں میں بیان کیے گئے ہیں اس لیے یہاں بھی ان کا ترجمہ تحریر کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذاتِ اقدس میں واحد لاشریک بے مثل و بے مثال ہے' اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی واحد لاشریک بے مثل و بے مثال ہے اور اس کے اسماء ذاتی ہوں خواہ صفاتی' وہ سب بے مثل و بے مثال قدیم ازلی ابدی ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ:١١) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ جب مفسرین کرام نے ''مثل نوره'' میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو قرار دیا تو انہوں نے مثل کا معنی صفت کیا ہے جیسے صاحبِ ''مدارک'' نے فرمایا: ''اى صفة نوره العجيبة الشان فى الاضاءة'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی صفت جس کی خوب روشنی عطا کرنے میں عجیب شان ہے' اس لیے مفسرین کرام نے دلائل کی روشنی میں ''نوره'' کی ضمیر کا مرجع مؤمن' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثال یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی جس کے ذریعے وہ مؤمن کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۲) اور حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قراءت میں ہے: ''مثل نوره فی قلب المؤمن کمشکاة'' اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال مؤمن کے قلب میں ایک طاق کی طرح ہے۔

(۲) اور حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے: ''مثل نور المؤمن'' مؤمن کے نور کی مثال۔

﴿ كَمِشْكٰوةٍ ﴾ ''کصفة مشکاة'' جیسے ایک طاق کی صفت وخوبی ہے اور یہ دیوار میں ایک سوراخ اور شگاف ہوتا ہے' جو کھڑکی کی طرح آر پار نہیں ہوتا بلکہ پیچھے سے اور جانبین سے بند ہوتا ہے' صرف سامنے شگاف ہوتا ہے ﴿ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قلب مؤمن' قرآنِ مجید' طاعتِ الٰہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرار دیا ہے' جیسا کہ ''تفسیر روح المعانی' روح البیان' ابن کثیر' مظہری'' اور ''خازن'' وغیرہم میں وضاحت موجود ہے' یہاں صرف اختصار کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی مثال مراد لینے کے چند حوالہ جات عشاق کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں: ''وقال سعید بن جبیر والضحاک هو محمد ﷺ'' اور حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ جس کے نور کی مثال بیان کی جارہی ہے وہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں' نیز قاضی صاحب چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں: ''قال ابن عباس لکعب الاحبار اخبرنی عن قوله تعالٰی مثل نوره کمشکاة قال هٰذا مثل ضربه الله لنبیّه صلی الله علیه وسلم فالمشکاة صدره والزجاجة قلبه والمصباح فیه النبوة یکاد نور محمد صلی الله علیه وسلم وامره یتبیّن للناس ولو لم یتکلم انه نبیٌّ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت کعب سے کہا کہ آپ مجھے ارشادِ باری تعالیٰ ''مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ'' کے متعلق بتایئے۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ یہ ایک مثال ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم نبی کریم ﷺ کے لیے بیان فرمائی ہے' پس ''مشکاة'' (طاق) آپ کا سینہ مبارک ہے اور ''زجاجة'' (قندیل) آپ کا قلب اطہر ہے اور ''مصباح'' (بڑا روشن چراغ) آپ کی نبوت ہے' قریب ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا نور مبارک اور آپ کی نبوتِ مقدسہ لوگوں پر خود بخود واضح ہو جائے' اگرچہ آپ بیان نہ بھی فرمائیں کہ میں نبی ہوں۔

(تفسیر مظہری ج ۶ ص ۵۲۲ نیز ۵۲۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۲) علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: ''المراد بنوره رسوله محمد صلی الله علیه وسلم وقد جآء اطلاق النور علیه الصلٰوة والسلام فی قوله تعالٰی: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' ''نوره'' سے اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں اور یقیناً آپ پر نور کا اطلاق (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں آچکا ہے کہ ''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب'' نیز علامہ آلوسی چند سطور کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ ''الضمیر راجع الٰی محمد صلی الله علیه وسلم وروی ذالك جماعة عن ابن عباس عن کعب الاحبار وحکاه ابو حیّان عن ابن جبیر ایضًا'' یعنی ''نوره'' میں ضمیر سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کو ایک پوری جماعت نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت کعب احبار سے بیان کیا ہے اور علامہ ابوحیان نے اس کو حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کیا ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۸ ص ۱۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) علاوہ ازیں تفسیر خازن جزء ۳ ص ۳۵۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۹۷۸ء' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۵' اٹھارواں پارہ مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی' تفسیر روح البیان مترجم بہ نام فیوض الرحمان' پارہ ۱۸' ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

جس میں ایک چراغ ہو یعنی ایک بڑا روشن چراغ ہو ﴿ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ﴾ یہ چراغ شیشہ میں ہو (یعنی) شیشے کے فانوس میں ہو [ابن عامر شامی کی قراءت میں "زَا" کے نیچے زیر ہے ] ﴿ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ ﴾ یہ فانوس گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے جو روشنی بکھیرنے والا ہے [ "دُرِّیٌّ" دال پر پیش ہے اور "یَا" مشدد ہے "دُرٌّ" کی طرف منسوب ہے ستارے کو بہت زیادہ روشن ہونے اور صاف ستھرا ہونے کی وجہ سے موتی کی طرف منسوب کیا گیا' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں دال کے نیچے زیر اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے' گویا ستارہ اپنی روشنی کی وجہ سے اندھیرے کو دور دھکیل دیتا ہے اور دال پر پیش اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ابوبکر کوفی اور حمزہ کی قراءت ہے ] اس ستارہ کو اپنی چمک دمک کی وجہ سے "کواکب دراری" (خوب چمکنے والے ستاروں) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے مشتری اور زہرہ وغیرہا ﴿ یُّوْقَدُ ﴾ وہ چراغ روشن کیا جاتا ہے [ حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "تُـوْقَدُ" ہے یعنی فانوس کی آگ روشن کی جاتی ہے اور ابن عامر شامی' نافع مدنی اور امام حفص کی قراءت میں بھی تخفیف کے ساتھ "یُـوْقَـدُ" (فعل مضارع مجہول مذکر) ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں (قاف مشدد فعل ماضی معروف باب تفعل) "تَـوَقَّدَ" ہے (بعض میں "یُـوَقَّدُ" قاف مشدد فعل مضارع مجہول باب تفعیل ہے) یعنی یہ چراغ روشن کیا جاتا ہے ] ﴿ مِنْ شَجَرَةٍ ﴾ یعنی چراغ کو روشن اور جلانے کا آغاز زیتون کے درخت سے کیا جاتا ہے یعنی اس چراغ کی بتی کو زیتون کے درخت کے تیل سے سیراب (تر) کیا جاتا ہے ﴿ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ بابرکت کثیرۃ المنافع یعنی بہت زیادہ منافع بخش درخت یا اس لیے کہ یہ درخت ایسی زمین میں پیدا ہوتا ہے' جس میں تمام جہانوں کے لیے برکت رکھی گئی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے' جس کے بارے میں ستر انبیائے کرام علیہم السلام نے دعائے برکت فرمائی' ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ﴿ زَیْتُوْنَةٍ ﴾ [ "شجرة" سے بدل ہے ] یعنی زیتون کا بابرکت درخت ﴿ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ﴾ نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے [ یہ "زیتونة" کی صفت ہے ] کیونکہ اس کے پیدا ہونے کی سرزمین ملک شام ہے یعنی یہ درخت نہ فقط مشرق سے ہے اور نہ فقط مغرب سے ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان میں واقع ہے اور وہ ملک شام ہے اور سب سے بہترین اور سب سے اچھا زیتون ملک شام کا زیتون ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ نہ تو ایسا درخت ہے کہ اس پر صرف صبح طلوع آفتاب کے وقت شعاعیں پڑتی ہیں اور نہ ایسا کہ فقط شام کو سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں بلکہ اس پر صبح و شام سورج کی حرارت پہنچتی رہتی ہے' پس یہ مشرقی بھی ہے اور مغربی بھی ﴿ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ﴾ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دینے لگے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے۔ زیتون کے تیل کو صفائی ستھرائی اور روشنی پھیلانے کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ یہ خوب چمکتا ہے یہاں تک کہ قریب ہے کہ آگ کے بغیر روشنی دینے لگے جائے ﴿ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ﴾ نور بالائے نور یعنی یہ نور جس کے ساتھ حق کو تشبیہ دی گئی ہے دوہرا نور ہے' بے شک اس نور کے بڑھانے میں طاق' فانوس' چراغ اور زیتون کا تیل ایک دوسرے کا مددومعاون بنے' یہاں تک کہ اس نور کو تقویت پہنچانے والی کوئی چیز باقی نہیں رہی اور یہ اس لیے کہ جب چراغ تنگ اور چھوٹے مکان میں ہو جیسے طاق ہے تو اپنی روشنی کے اضافے کے لیے زیادہ جامع ہوتا ہے' بہ خلاف کشادہ مکان کے کیونکہ اس میں چراغ کی روشنی منتشر ہو جاتی ہے اور قندیل (یعنی فانوس) روشنی بڑھانے میں سب سے زیادہ معاون و مددگار ہوتا ہے اور اسی طرح زیتون کے تیل کی صفائی ستھرائی اور یہ ایک ایسی مثال بیان کی گئی ہے جو چھوٹی سی ہے مگر محسوس ہونے والی اور مشہور و معروف ہے' اتنی بڑی مثال نہیں جو دیکھی نہ جا سکے اور نہ مشہور ہو۔

ابوتمام نے جب مامون کی تعریف میں کہا کہ:

اِقۡدَامُ عَمۡرٍو فِیۡ سَمَاحَةِ حَاتِمٍ فِیۡ حِلۡمِ اَحۡنَفَ فِیۡ ذَكَاءِ اِیَاسٍ
لَا تُنۡكِرُوۡا ضَرۡبِیۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَثَلًا شَرُوۡدًا فِی النَّدَرِ وَالۡبَاسِ
فَاللّٰهُ قَدۡ ضَرَبَ الۡاَقَلَّ لِنُوۡرِهٖ مَثَلًا مِنَ الۡمِشۡكٰوةِ وَالنِّبۡرَاسِ

''عمرو' حاتم کے بخشش وسخاوت خانے میں حلم و بردباری میں بہت رغبت رکھنے والے عمر رسیدہ ذہین و فطین خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا ہے' اور اسے کہا گیا کہ خلیفہ اس کی بیان کردہ مثالوں سے بلند ہے تو اس نے فوراً کہا: تم میرے بیان کو اس کے حق میں کم تر خیال کر کے اس کا انکار نہ کرو۔ یہ قوت و بہادری اور سخاوت و فیاضی میں نادر و انوکھی مثال ہے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لیے سب سے چھوٹی مثال طاق اور چراغ کی بیان کی ہے''۔

﴿ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے اس روشنی بکھیرنے والے نور کے لیے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت و رہنمائی عطا فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے الہام کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے' اسے حق کو پانے کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے یا پھر اسے دلیلِ حق میں غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے ﴿ وَیَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ بیان کردہ مقصود و مطلوب ان کے ذہنوں کے قریب ترین ہو جائے اور انہیں سمجھنا آسان ہو جائے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لا کر مسلمان ہو جائیں ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' پس وہ ہر وہ چیز بیان کر دیتا ہے جس کا جاننا ممکن ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''مَثَلُ نُوۡرِهٖ'' اس کے نور کی مثال یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مؤمن کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''مَثَلُ نُوۡرِهٖ فِیۡ قَلۡبِ الۡمُؤۡمِنِ كَمِشۡكٰوةٍ'' اس کے نور کی مثال مؤمن کے دل میں ایک طاق کی طرح ہے۔

(۳) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''مَثَلُ نُوۡرِ الۡمُؤۡمِنِ'' مؤمن کے نور کی مثال۔

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡكَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجۡزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَیَزِیۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

جن گھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعمیر و تعظیم کی جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے' ان میں صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ۝ وہ بندگان جنہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے کوئی تجارت غافل نہیں کرتی اور نہ خرید و فروخت' وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک اعمال پر بہترین جزا عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے مزید عطا فرمائے' اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق عطا فرماتا ہے ۝

## مساجد کی تعمیر و تعظیم اور بندگانِ خدا کی شان و پہچان کا بیان

۳۶۔﴿فِیْ بُیُوْتٍ﴾ [یہ "مِشْکٰوۃٍ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کے بعض گھروں میں جیسے طاق ہوتے ہیں اور وہ گھر مساجد ہیں' گویا فرمایا گیا کہ اس کے نور کی مثال اس طرح ہے جس طرح تم مسجد میں طاق میں رکھے ہوئے چراغ کا نور (روشنی) دیکھتے ہو' جس کی صفت و خوبی (مسجد کو روشن کرنے میں) اس طرح اور اس طرح ہے [یا یہ "یُوْقَدُ" کے متعلق ہے] یعنی وہ چراغ گھروں میں جلائے جاتے ہیں [یا یہ "یُسَبِّحُ" کے متعلق ہے] یعنی بندگانِ خدا ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں [اور اس میں "فِیْهَا" دوبارہ صرف تاکید کے لیے ہے جیسے "زَیْدٌ فِی الدَّارِ جَالِسٌ فِیْهَا" ہے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے "اَیْ سَبِّحُوْا فِیْ بُیُوْتٍ" یعنی تم ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکیزگی بیان کیا کرو جن کے حق میں] ﴿اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں اونچا تعمیر کیا جائے' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ" (البقرہ:۱۲۷) "اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند کر رہے تھے"۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھروں (مسجدوں) کی تعظیم و تکریم اور ان کا احترام کیا جائے [ "تُرْفَعُ" "رفعة" سے ماخوذ ہے]۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمارت کو بلند کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے ﴿وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ﴾ اور ان (گھروں) میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے یعنی ان میں کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے یا یہ حکم ہر قسم کے ذکر الٰہی کو عام ہے ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ان میں صبح و شام اس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں' یعنی ان گھروں (مسجدوں) میں اس کی رضا کے لیے صبح نمازِ فجر ادا کرتے ہیں اور شام کے اوقات میں نمازِ ظہر' نمازِ عصر' نمازِ مغرب اور نماز عشاء ادا کرتے ہیں [اور "الغدو" کو واحد اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ صبح کے وقت صرف ایک نماز ادا کی جاتی ہے اور "اصال" میں کئی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور "اصال"' "اصُل" کی جمع ہے اور "اُصُل"' "اصیل" کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: شام]۔

۳۷۔﴿رِجَالٌ﴾ مردوں [یہ "یُسَبِّحُ" کا فاعل ہے۔ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یُسَبَّحُ" (فعل مضارع مجہول) ہے اور تینوں ظروف یعنی "له ' فیها ' بالغدو" کی طرف مسند ہے اور "رِجَالٌ" اس فعل کی وجہ سے مرفوع ہے جس پر "یُسَبِّحُ" دلالت کرتا ہے "ای یُسَبِّحُ له رِجَالٌ"] ﴿لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ لوگ تسبیح بیان کرتے ہیں' جنہیں سفر میں تجارتی کاروبار مشغول نہیں کرتا اور نہ انہیں تسبیح و ذکر الٰہی سے غافل کرتا ہے ﴿وَّلَا بَیْعٌ﴾ اور نہ گھر میں خرید و فروخت غافل کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ تجارت سے صرف خریداری مراد ہے کیونکہ اسم جنس کا ایک نوع پر اطلاق کیا گیا ہے یا پھر "بَیْعٌ" کو عموم کے بعد مخصوص کر لیا گیا ہے کیونکہ یہ جزع و فزع میں شراء (خریداری) سے زیادہ کمزور ہے' اس لیے منافع کی بیع میں منافع یقینی ہے اور خریداری میں منافع ظنی ہے ﴿عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ﴾ زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ﴿وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز قائم کرنے سے [اصل میں "عَنْ اِقَامَةِ الصلٰوةِ" ہے اور "اقامة" کی "تا" اس الف کے عوض میں ہے جو اعلال کی وجہ سے گرا دیا گیا ہے کیونکہ اصل میں "اِقْوَامًا" تھا پھر واؤ کو الف سے تبدیل کیا گیا تو دو الف جمع ہو گئے اور ان میں سے ایک الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا سو "اِقَامًا" رہ گیا تو "تا" محذوف کے عوض میں داخل کی گئی ہے' پھر جب اس کو مضاف کیا گیا تو اضافت کو "تا" کے قائم مقام کر دیا گیا اور "تا" کو گرا دیا گیا] ﴿وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ یہ اصل میں "وَعَنْ اِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ" ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی تجارتی کاروبار نہیں ہے یہاں تک کہ وہ انہیں غافل کر دے جیسے تنہائی میں گوشہ نشینی اختیار کرنے والے یا یہ معنی ہے کہ وہ خرید و فروخت

کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرتے ہیں اور جب نماز کا وقت آ جاتا ہے تو بغیر کسی سستی اور بوجھ کے اس کو ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے معاشرہ میں مل جل کر رہنے والے کاروباری لوگ ﴿ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں' جس میں دل اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اور آنکھیں اوپر کھنچ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی یعنی یہ لوگ (عبادت گزار ہونے کے باوجود) قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں' جس میں دل سینے سے حلق میں آ کر پھنس جائیں گے اور آنکھیں اوپر کو کھنچ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور نیلی بھی ہو جائیں گی یا اس دن کفار کے دل کفر و شرک کے بعد ایمان کی طرف پلٹ جائیں گے اور آنکھیں سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے انکارِ حق کے بعد مشاہدۂ حق کی طرف کھلی کی کھلی رہ جائیں گی جیسے کہ ارشاد ہے: ''فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ'' (ق:٢٢) ''سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے' پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے''۔ [''یَخَافُوْنَ'' یا تو ''تُلْهِیْهِمْ'' سے حال ہے یا پھر ''رِجَالٌ'' کی دوسری صفت ہے]۔

٣٨- ﴿ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک اعمال کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں اور زیادہ عطا فرمائے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی اور اس کا ذکر و فکر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال پر بہترین جزاء عطا فرمائے یعنی تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب کو کئی گناہ بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے اور ہر نیک عمل پر مقررہ اجر و ثواب پر بڑھا کر اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا فرما دے ﴿ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر گنتی رزق عطا فرما دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اسے اتنا زیادہ اجر و ثواب عنایت فرمائے گا جو مخلوق کے حساب و کتاب میں نہیں آ سکے گا۔ یہ تمام صفات و خوبیاں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہدایت پانے والوں کی ہیں لیکن جو لوگ اس نور سے گمراہ ہو گئے تو ان کا ذکر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں کیا گیا ہے:

| |
|---|
| وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۗ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَهٗ |
| لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ اَوْ |
| كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۗ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا |
| فَوْقَ بَعْضٍ ۗ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ |
| مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ ع |

اور جو لوگ کافر ہو گئے ان کے اعمال چٹیل میدان میں دھوپ سے چمکتی ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آ جاتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں پاتا اور (جب) وہ اللہ تعالیٰ کو پائے گا تو وہ اسے اس کا حساب برابر چکا دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے O یا جیسے گہرے سمندر میں تاریکیاں جس کو موج بالائے موج ڈھانپ لیتی ہے جس کے اوپر بادل ہو اس کی تاریکیاں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں' جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ سکے اور اللہ تعالیٰ جس کو نور عطا نہ فرمائے تو اس کے لیے نور نہیں ہوتا O

کفار کے اعمال کا انجام

۳۹۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ اور جو لوگ کافر ہو گئے ان کے اعمال چمکتی ریت کی مانند ہیں۔ دراصل جنگل میں دوپہر کے وقت سورج کی دھوپ سے زمین کی سطح پر ریت کی مانند چمکتے ہوئے جو ذرات دیکھے جاتے ہیں کہ گویا پانی بہہ رہا ہے انہیں سراب کہا جاتا ہے ﴿بِقِيْعَةٍ﴾ [''بقاع'' کی جمع ہے یا پھر ''قاع'' کی جمع ہے جیسے ''جیرۃ''. ''جار'' کی جمع ہے] اس کا معنی ہے: زمین کا دور دراز تک پھیلا ہوا ہموار میدان ﴿يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾ ''اَلظَّمْاٰنُ'' بہ معنی ''اَلْعَطْشَانُ'' ہے یعنی پیاسا اسے پانی گمان کرتا ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ جاتا ہے یعنی جب اس کے پاس پہنچتا ہے جسے اس نے پانی خیال کیا تھا تو ﴿لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا﴾ وہ اسے کوئی چیز نہیں پاتا جیسا اس نے اسے گمان کیا تھا ﴿وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس یعنی کافر کے پاس پالے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی جزا پالے گا' جیسے ارشاد ہے: ''يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' (النساء:۱۱۰) ''وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا''۔ یعنی اس کی مغفرت و رحمت کو پالے گا ﴿فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا حساب برابر چکا دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کا بدلا پورا اور مکمل عطا فرمائے گا [فعل جمع ''كَفَرُوْا'' کے بعد فعل واحد لایا گیا ہے صرف اس بات پر محمول کرنے کے لیے کہ کفار میں ہر ایک کافر مراد ہے] ﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ وہ گنتی کرنے اور حساب لگانے کا محتاج نہیں ہے اور نہ ایک حساب میں دوسرا حساب رکاوٹ بنے گا یا یہ معنی ہے کہ اس کا حساب قریب آ چکا ہے' اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی ہے۔ جو شخص ایمان پر اعتقاد نہیں رکھتا اور حق کی پیروی نہیں کرتا' وہ شخص جو نیک اعمال کرتا ہے جن کے بارے میں اسے گمان کرتا ہے کہ یہ اعمال قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے نفع دیں گے اور اسے اللہ کے عذاب سے نجات دیں گے لیکن پھر قیامت میں اس کی امید ناکام ہو جائے گی اور اس کے مقدر کردہ خیالات کے برخلاف اس پر بوجھ ڈالا جائے گا' انہیں چیزوں کو سراب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے کافر پانی کا چشمہ خیال کرے گا اور قیامت کے دن پیاس اس پر غالب آ چکی ہوگی' پس وہ اسے پانی گمان کرے گا اور اس کے پاس آئے گا لیکن وہ اسے نہیں پائے گا جس کی اسے امید تھی اور وہ وہاں اپنے پاس اللہ تعالیٰ کے زبانیہ نامی فرشتوں کو پائے گا وہ اس کو پکڑیں گے اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ اسے کھولتا ہوا گرم ترین پانی اور جلتا ہوا پیپ پلائیں گے اور یہ وہی لوگ ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌO عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌO تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةًO'' (الغاشیہ: ۲۔۴) ''بہت سے چہرے اس دن ذلیل ہوں گےO کام کرنے والے مشقت اٹھانے والےO بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گےO'' ''وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا'' (الکہف:۱۰۴) ''اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں''۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بعض اہل علم حضرات کے نزدیک عتبہ بن ربیعہ بن اُمیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانۂ جاہلیت میں دین کی تلاش میں راہب بن گیا تھا' پھر جب اسلام آیا تو اس نے کفر اختیار کر لیا۔

۴۰۔﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ﴾ یا جیسے سمندر میں تاریکیاں۔ [''اَوْ'' یہاں ایسے ہے جیسے ''اَوْ كَصَيِّبٍ'' (البقرہ:۱۹) میں ہے] ﴿لُّجِّيٍّ﴾ گہرا' جس میں پانی بہت زیادہ ہو۔ یہ ''لُجّ'' کی طرف منسوب ہے اور یہ سمندر کی وہ جگہ ہوتی ہے' جس میں سب سے زیادہ پانی ہوتا ہے ﴿يَّغْشٰىهُ﴾ اسے ڈھانپ لیتی ہے کہ سمندر کو ڈھانپ لیتی ہے یا جو سمندر میں ہے یعنی پانی کی موجیں اوپر کو اٹھتی ہیں اور اسے ڈھانپ لیتی ہیں ﴿مَوْجٌ﴾ پانی سے اوپر اٹھنے والی لہر ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ﴾ اس کے

اوپر لہر یعنی ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ لہریں ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ بالائی موج کے اوپر بادل ہو ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ تاریکیاں یعنی یہ تاریکیاں ہیں' بادل کی تاریکی' موج کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ﴿بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اس کی بعض موجیں بعض کے اوپر ہیں' موج کی تاریکی' سمندر کی تاریکی اور ایک موج کی تاریکی دوسری موج پر اور بادل کی تاریکی موج پر ﴿اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ﴾ یعنی جب وہ اپنا ہاتھ اس میں ڈال کر نکالے گا تو ﴿لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ اسے نہیں دیکھ سکے گا اس کے نہ دیکھنے میں مبالغہ ہے یعنی یہ دیکھنے کے قریب ہی نہیں تو اسے کیسے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلے ان کے اعمال کو فائدہ اور نفع نہ دینے میں اور نقصان پہنچانے میں سراب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جسے اس نے نہیں پایا جس کو دور سے دیکھنے کے سبب دھوکہ لگا تھا اور اس کو ناامیدی اور رنج وغم کافی نہیں ہوا کہ اس نے اپنے غیر کی طرف سراب سے کچھ نہیں پایا یہاں تک کہ اس نے اپنے پاس دوزخ کے زبانیہ فرشتوں کو پالیا' جنہوں نے اسے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا اور دوسری مرتبہ ان کے اعمال کو باطل ہونے اور نورِ حق سے خالی ہونے کی وجہ سے تاریکیوں اور سیاہ کاری میں تہ بہ تہ تاریکیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' سمندر کی گہرائی کی تاریکی اور موجوں اور لہروں کی تاریکی اور بادل کی تاریکی ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور عنایت نہیں فرماتا تو اس کے لیے نور نہیں ہوتا (یعنی) اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت عطا نہیں فرماتا وہ ہدایت نہیں پاتا۔ یہ زجاج سے منقول ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا' پھر اپنے نور کا اس پر چھینٹا ڈالا تو جس کو اس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کے پانے میں غلطی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے' ہر کوئی اپنی نماز اور اپنی تسبیح معلوم کر چکا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں O اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے' پھر انہیں آپس میں باہم جمع کر دیتا ہے' پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے' سو آپ مینہ کو دیکھتے ہیں کہ اس کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہی آسمان میں سے پہاڑوں (جیسے بادلوں) سے اولے برساتا ہے' پھر جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں لے جائے O

## تمام مخلوقات کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کی قدرت کے دلائل کا بیان

۴۱۔ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! کیا آپ کو ایسا (وحی کا) علم معلوم نہیں جو یقین محکم میں مشاہدہ کے قائم مقام ہے؟ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں

اورزمین میں ہیں اور پرندے [''الطیر''،''من'' پر معطوف ہے] ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ یعنی پرندے فضا میں اپنے پر پھیلاتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں [''صافات'' حال ہے ''الطیر'' سے] ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ ہر کوئی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم کر چکا ہے اور ''صلوٰۃ'' بہ معنی دعا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ پرندوں کو دعا اور تسبیح کا الہام کرتا ہو جیسا کہ اس نے ان کو باقی دقیق و باریک ایسے علوم کا الہام فرمایا کہ قریب ہے کہ عقل مند حضرات بھی ان علوم تک رسائی حاصل نہ کر سکیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں' اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے [''عَلِمَ'' کی ضمیر ''کل'' کی طرف لوٹتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اسی طرح ''صلاتہ'' اور ''تسبیحہ'' کا حال ہے]۔

٤٢- ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کیونکہ وہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اپنی تملیک کے سبب اس کا مالک ہوتا ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ جانا ہے۔

٤٣- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بادلوں کو جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ ''سَحَابٌ''،''سَحَابَةٌ'' کی جمع ہے جس کی دلیل یہ (درج ذیل ارشاد) ہے کہ ﴿ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ انہیں آپس میں جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیتا ہے [''سحاب'' کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ''بینہ'' کی ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے] ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے اور ان کو تہ بہ تہ جمع کر دیتا ہے ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ سو آپ بارش کو دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے نکلتی ہے (یعنی) ان کے سوراخوں میں سے اور ان کی نکاسی کی راہوں میں سے بارش نکلتی ہے [یہ ''خَلَلٌ'' کی جمع ہے جیسے ''جِبَالٌ''،''جَبَلٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) آسمان سے اتارتا ہے [''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے کیونکہ بارش کے نزول کا آغاز آسمان سے ہوتا ہے اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''ینزل'' بغیر تشدید کے تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا﴾ پہاڑوں سے جو اس (آسمان) میں ہیں [حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اتارتا ہے وہ آسمان میں موجود پہاڑوں کا بعض ہوتا ہے ﴿مِنْۢ بَرَدٍ﴾ اولے [حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے یا پہلے دونوں ابتداء کے لیے ہیں اور یہ آخری تبعیض کے لیے ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں سے اولے اتارتا ہے ان پہاڑوں میں سے جو اس میں موجود ہیں [اور پہلے کی بناء پر ''یُنَزِّلُ'' کا مفعول ''مِنْ جِبَالٍ'' ہے یعنی بعض پہاڑ] اور ''مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اولے کے پہاڑوں کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس نے زمین میں پتھر کے پہاڑوں کو پیدا کیا یا پھر ''جبال'' کے ذکر سے بارش کی کثرت مراد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی سونے کے پہاڑوں کا مالک ہے ﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ﴾ پس اللہ تعالیٰ اسے (یعنی) اولوں کو پہنچا دیتا ہے ﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس پر چاہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس انسان پر اور اس کی کھیتی پر اولے گرا کر تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس پر گرا دیتا ہے ﴿وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے اسے اس سے پھیر دیتا ہے اور اس پر نہیں گراتا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور اسے عذاب نہیں دیتا ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھیں لے جائے (یعنی) آنکھوں کی بینائی اُچک لے [یزید کی قراءت میں ''یُذْهِبُ'' (''یا'' پر پیش اور ''ھا'' کے نیچے زیر باب افعال سے) ہے'

اس صورت میں ''بِالْاَبْصَارِ'' میں ''با'' زائدہ ہوگی]۔

یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے' بے شک اس میں غور وفکر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہےO اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا' سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں' اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہےO بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائیں' اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہےO اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے' پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے' اور وہ ایمان دار نہیں ہیںO

۴۴- ﴿یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ انہیں بڑھا گھٹا کر' اور ایک دوسرے کے پیچھے لگا کر مختلف طریقہ پر بدلتا رہتا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) بادلوں کے چلانے میں' بارش برسانے میں' اولے گرانے میں اور رات دن کے بدلنے میں ﴿لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ البتہ عبرت ہے عقل والوں کے لیے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلائل کا بیان ہے کیونکہ زمین و آسمانوں میں رہنے والوں کی تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں رہنے والے پرندوں کی تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا اس کی ذاتِ اقدس سے دعا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور بادلوں کی تسخیر کا ذکر کیا گیا ہے' سو یہ روشن دلائل اس کے موجود ہونے پر رہنمائی کر رہے ہیں اور یہ واضح دلائل اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں بشرطیکہ ان میں غور وفکر اور تدبر سے کام لیا جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور دلیل بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۴۵- ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ﴾ اور ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے (یعنی) ہر وہ جانور جو زمین کی سطح پر چلتا ہے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''خالق کل دآبّة'' ہے] ﴿مِّنْ مَّآءٍ﴾ پانی میں سے یعنی پانی کی ایک خاص قسم سے جو ان جانداروں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کہ مخصوص پانی سے اور وہ نطفہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا ہونے والی مخلوقات کو ایک دوسرے سے مختلف بنایا' چنانچہ ان میں سے بعض حشرات الارض (زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑے) ہیں اور ان میں سے بعض چوپائے ہیں اور بعض انسان ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یُسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ'' (الرعد: ۴) ''سب کو ایک پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (اس کے باوجود) ہم ذائقے اور خوشبو میں ایک کو دوسرے سے بہتر بناتے ہیں''۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور ان کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے والا ہے' ورنہ ایک اصل کی وجہ سے مختلف نہ ہوتے (بلکہ متفق ہوتے) اور (درج ذیل) اس ارشاد میں ''مَا'' کو معرفہ

ذکر کیا گیا ہے: "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (الانبیاء: ۳۰) "اور ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے"۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام جانداروں کی جنسیں پانی کی جنس سے پیدا کی گئی ہیں اور یہی پانی سب کی اصل ہے' چنانچہ مفسرین کرام نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا' پھر اس سے آگ' ہوا اور مٹی کو پیدا فرمایا' پھر آگ سے جنات کو پیدا کیا گیا اور ہوا سے فرشتوں کو پیدا کیا گیا اور مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو اور دیگر زمین پر چلنے والے جانوروں کو پیدا کیا گیا اور جب جانور ممیز اور غیر ممیز سب کو شامل تھا تو ممیز کو غلبہ دے دیا گیا اور اس کو ماوراحکم دیا گیا تو گویا تمام جانور ممیز ہیں' سو اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ﴾ پس ان میں سے بعض وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی اور سرین اور گھٹنوں کے بل چلنے والے کو پیٹ پر چلنے والوں میں مجازاً شامل کیا گیا ہے جیسے مسلسل کام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام چل پڑا ہے یا پھر صرف مشاکلت کی بناء پر شامل کیا گیا ہے کیونکہ اصل میں گھٹنوں اور سرین کے بل چلنے والوں کا پیدل چلنے والوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ﴾ اور ان میں بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ﴾ اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے چوپائے اور پہلے قدرت واختیار میں کمزور کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ چلنے کے آلہ کے بغیر چلتا ہے یعنی پاؤں وغیرہ کے بغیر چلتا ہے' پھر دو پاؤں پر چلنے والے اور پھر چار پاؤں پر چلنے والے کا ذکر کیا گیا ہے ﴿يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس پر کوئی چیز دشوار نہیں۔

٤٦- ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک ہم نے حق کو واضح بیان کرنے والی آیات کو نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور اپنے ارادہ سے جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف (یعنی) دین اسلام کی طرف رہنمائی فرماتا ہے' جو جنت میں پہنچاتا ہے' پس تمام آیات و دلائل اس کی حجت کے الزام کے لیے ہیں۔

## منافقوں کی منافقانہ چالوں کا بیان

٤٧- جب اللہ تعالیٰ نے آیات قدرت کے نزول کا ذکر فرمایا تو ان کے بعد لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے کا ذکر فرمایا' چنانچہ ایک گروہ نے زبان سے ظاہری طور پر اسلام کی تصدیق کی اور دل سے تکذیب کی اور جھٹلایا اور یہ منافقین کا گروہ ہے اور دوسرے گروہ نے زبان سے بہ ظاہر بھی تصدیق وتائید کی اور دل سے بھی تصدیق وتائید کی اور یہ مخلص مسلمانوں کا گروہ ہے اور تیسرے گروہ نے زبان سے بھی تکذیب کی اور انکار کیا اور دل سے بھی تکذیب کی اور انکار کیا اور اس ترتیب پر یہ کافروں کا گروہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آغاز منافقین کے ذکر سے کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ﴾ اور وہ لوگ اپنی زبانی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کی اطاعت اختیار کر لی ہے ﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر ان میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرنے سے منہ پھیر لیتا اور اعراض وروگردانی کر لیتا ہے ﴿مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد یعنی اپنے اس قول کے بعد کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی ﴿وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور وہ ایمان والے نہیں ہیں یعنی مخلص مسلمان نہیں ہیں (بلکہ نام نہاد مسلمانوں میں شامل ہیں) اور یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے' جنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اطاعت گزار ہو گئے لیکن اس گروہ کی طرف اشارہ نہیں ہے جو کچھ کہے بغیر پھر جانے

والے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہے کہ تمام منافقین یقیناً ایمان سے خالی ہیں اور ایمان سے محروم ہیں کیونکہ سب وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو یہ گروہ رکھتا ہے اور انہیں کی طرح سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اعراض کرنے والے ہیں اگرچہ اس کا اظہار بعض منافقین سے ہوا' پس سب کے سب اعراض کرنے پر راضی ہیں۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو اس وقت اچانک ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے O اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو تو وہ فرماں بردار بن کر آپ کے پاس چلے آتے ہیں O کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہو چکے ہیں یا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان پر (معاذ اللہ) ظلم کریں گے' بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں O بے شک اہل ایمان کی بات صرف یہی ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ آپ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں O اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اور (آئندہ گناہوں سے) بچتا رہے گا' سو یہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے O

۴۸- ﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَعْجَبَنِیْ زَیْدٌ وَّکَرَمُہٗ'' جب کہ تمہاری مراد زید کا کرم ہو ﴿لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ آپ یعنی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اس وقت ان میں سے ایک گروہ اعراض و روگردانی کرنے والا ہو جاتا ہے یعنی اچانک ان میں سے ایک گروہ اعراض کر لیتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جس سے ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا تھا جب دونوں ایک زمین کے متعلق آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑ پڑے تھے (اور چونکہ یہودی سچا تھا اس لیے) وہ اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس کھینچ کر لے جانا چاہتا تھا اور منافق کعب بن اشرف (رشوت خور یہودی عالم) کے پاس لے جانا چاہتا تھا اور کہتا تھا کہ (حضور سرور کونین رسول الثقلین حضرت) محمد (ﷺ) ہم پر ظلم کریں گے۔

۴۹- ﴿وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ﴾ اور اگر حق ان کے لیے ہو یعنی اگر ان کے کسی غیر پر ان کا حق بنتا ہو تو ﴿يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ﴾ وہ لوگ آپ کے پاس یعنی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس آئیں گے ﴿مُذْعِنِيْنَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی وہ اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لیے جلدی کرتے ہوئے اپنا حق طلب کرنے کے لیے آ جائیں گے لیکن اپنے رسول اکرم کے حکم کی رضا حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''اذعان'' کا معنی ہے: اطاعت کے لیے جلدی کرنا اور معنی یہ ہے کہ

وہ پہچانتے ہیں کہ آپ کے پاس صرف کڑواحق اور محض خالص عدل وانصاف ہے' چنانچہ جب کسی کا حق ان پر لازم ہوجاتا تو پھر یہ لوگ آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے نہیں آئیں گے تاکہ آپ ان کے فریق مخالف کے حق میں ان کے خلاف فیصلہ فرما کر ان کے باغات میں سے اس کا حق چھین لیں اور اگر فریق مخالف پر ان کا حق ثابت ہوجاتا تو آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آجاتے اور آپ کے فیصلہ کے ماسوا کسی کے فیصلہ پر راضی نہ ہوتے تاکہ فریق مخالف پر ان کا جو حق واجب و لازم ہو چکا ہے وہ آپ لے کر انہیں پکڑا دیں۔

۵۰- ﴿ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے۔ جب حق ان کے خلاف ہو تو اس وقت آپ سے فیصلہ کرانے سے ان کے رک جانے میں معاملہ کو تین صورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) یہ کہ منافقین دل کے مریض ہیں (۲) یا وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہو چکے ہیں (۳) یا آپ کے فیصلے میں انہیں ظلم کا اندیشہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضور کے بارے میں ان کے ظلم کے اندیشے کو باطل قرار دیا ﴿ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ بلکہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظلم کرنے والے ہیں یعنی وہ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ حضور ان پر ظلم کریں گے کیونکہ آپ کے حال کو اچھی طرح پہچانتے ہیں بلکہ صرف وہی لوگ خود ظالم ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس شخص پر ظلم کریں' جس کا ان پر حق بنتا ہو اور وہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں نہیں کر سکتے' سو اسی وجہ سے وہ آپ کے پاس فیصلہ کرانے سے انکار کرتے ہیں۔

## مسلمانوں اور منافقوں کے طرزِ عمل کا بیان

۵۱- ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ بے شک اہل ایمان کی صرف یہ بات ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے [اور حضرت حسن بصری سے "قول" کو مرفوع پڑھنا منقول ہے جب کہ اس کا منصوب پڑھنا زیادہ قوی اور مضبوط ہے کیونکہ دونوں میں سے پہلا اسم "کَانَ" کا اسم ہونے کی بناء پر زیادہ معرفہ ہونا چاہیے اور "ان یقولوا" زیادہ معرفہ ہے بہ خلاف "قول المؤمنین" کے (اس لیے کہ "قول" معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر نکرہ مخصصہ ہو کر معرفہ کی ادنیٰ قسم ہے)] ﴿ لِیَحْكُمَ ﴾ تاکہ وہ یعنی نبی اکرم ﷺ فیصلہ فرمائیں [یزید کی قراءت میں ("یا" پر پیش اور کاف پر زبر بر فعل مضارع مجہول) "لِیُحْكَمَ" ہے یعنی تاکہ فیصلہ کیا جائے] ﴿ بَیْنَهُمْ ﴾ ان (مؤمنوں) کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق جو اس نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے ﴿ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا ﴾ مسلمان کہتے ہیں: ہم نے ان کا فرمان سن لیا ہے ﴿ وَاَطَعْنَا ﴾ اور ہم نے ان کے حکم کی اطاعت اختیار کر لی ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ ہی فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

۵۲- ﴿ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے گا ﴿ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اس کے رسول کی سنتیں ادا کرنے کے لیے اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرے گا ﴿ وَیَخْشَ اللّٰهَ ﴾ اور وہ اپنے ان گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے' جو اس سے ماضی (گزشتہ دور) میں ہو چکے ﴿ وَیَتَّقْهِ ﴾ اور وہ مستقبل (آئندہ زمانہ) میں اس کی نافرمانی اور گناہوں سے بچتا رہے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ پس یہی لوگ ہی کامیاب وکامران ہونے والے ہیں اور ایک بادشاہ سے منقول ہے کہ اس نے اپنے دربار میں سوال کیا کہ ایک ایسی آیت مبارکہ بتائی جائے جو پوری زندگی کے لیے کافی ہو تو ایک عالم دین کی طرف سے اس کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت کی

گئی تھی' اور یہ آیت مبارکہ کامیابی وکامرانی اور اُخروی نجات کے تمام اسباب کی جامع ہے [''وَيَتَّقْهِ'' میں ابوعمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں وقف کی بناء پر ھا ساکن ہے جب کہ امام حفص کی قراءت میں قاف ساکن ہے اور ھا کے نیچے زیر باریک کر کے پڑھا جائے گا اور ان کے علاوہ کے نزدیک قاف اور ''ھا'' دونوں مکسور ہیں]۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٣﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٥٤﴾

اور انہوں نے زوردار قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور (جہاد کے لیے) نکلیں گے' (اے محبوب!) فرمادیں کہ تم قسمیں نہ کھاؤ' اطاعت بہتر ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت باخبر ہے تم جو کچھ اعمال کرتے ہو○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' سو اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اس کے ذمہ صرف وہی ہے' جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہی ہے' جو تم پر بوجھ رکھا گیا' اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے' اور رسول کے ذمہ لازم نہیں مگر صاف صاف پہنچا دینا○

۵۳-﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پوری کوشش کر کے مضبوط قسمیں کھائیں یعنی منافقوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں اور وہ پوری جدوجہد اور محنت کی قسمیں تھیں کیونکہ انہوں نے ان میں اپنی پوری محنت وقوت خرچ کی تھی اور ''جَهَدَ يَمِيْنَهٗ'' ماخوذ ہے ''جَهَدَ نَفْسَهٗ'' سے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اپنی وسعت و طاقت کی انتہاء تک پہنچ جائے اور پہلا اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنی قسم میں مبالغہ کرے اور وہ قسم کی شدت وسختی کی انتہاء تک پہنچ جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تو بے شک اس نے قسم میں انتہاء کردی [''اقسم جهد اليمين'' کی اصل ''اقسم يجهد اليمين جهدًا'' ہے' پھر فعل (يجهد) کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو مقدم کر دیا گیا اور اس کو فعل کی جگہ رکھ کر مفعول (اليمين) کی طرف مضاف کر دیا گیا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَضَرْبَ الرِّقَابِ'' (محمد:۴) ''سو تم کافروں کی گردنیں اڑادو''۔ اور اس منصوب کا حکم حال کا حکم ہوتا ہے گویا کہا: ''جاهدين ايمانهم''] ﴿لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ﴾ البتہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور بہ ضرور نکلیں گے یعنی اگر (سیّد عالم حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں جنگ میں جانے کے لیے حکم دیں گے تو ہم ضرور جنگ کرنے کے لیے جائیں گے یا ہمیں ہمارے اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور نکل جائیں گے ﴿قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا﴾ اے حبیب! فرمایئے کہ اے منافقو! تم جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ' کیونکہ جھوٹی قسمیں اٹھانا گناہ ہے ﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾ تمہارے لیے ان جھوٹی قسموں کی بجائے اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنا عمدہ اور بہتر ہے [یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے] یعنی جو اطاعت تم سے طلب کی جارہی ہے وہ مشہور و معروف اور معلوم ہے' اس میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہے جیسے مخلص مسلمانوں کی اطاعت ہے' تمہاری وہ قسمیں نہیں جو تم زبانی جمع خرچ کرتے ہوئے اپنے مونہوں سے کھاتے ہو اور تمہارے دل اس کے

خلاف ہوتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے' جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' وہ انہیں خوب جانتا ہے اور تمہاری پوشیدہ باتوں میں سے کوئی چیز اس سے مخفی اور اوجھل نہیں ہے اور وہ یقیناً تمہیں ہر حال میں ذلیل ورسوا کرے گا اور تمہیں تمہارے نفاق پر سزا دے گا۔

٥٤۔﴿ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لو اور تم رسول کریم کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرلو۔ اس آیت مبارکہ میں غائب سے خطاب کی طرف التفات کے طریقے پر کلام پھیرا گیا ہے اور یہ طریقہ انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے بلیغ و بہتر ہے ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ﴾ سو اگر وہ پھر جائیں تو رسول کریم کے ذمے وہی لازم ہے' جو ان کے ذمہ لگایا گیا ہے اور تم پر وہی لازم ہے' جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اطاعت و اخلاص اختیار کرنے سے پھر جاؤ گے تو تم رسول اکرم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے بلکہ تم صرف اپنا نقصان کرو گے کیونکہ رسول کریم پر صرف وہی لازم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور انہیں نبوت ورسالت کے ادا کرنے کا مکلف بنایا ہے' پس جب انہوں نے اپنا فریضہ ادا کرلیا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے اور اپنا فرضِ منصبی پورا کرلیا' لیکن رہے تم تو تم پر وہی لازم ہے' جس کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے اور وہ ہے خلوصِ دل سے ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول کرنا اور اس کی سچائی پر یقین رکھنا' پس اگر تم نے یہ نہ کیا اور منہ پھیر لیا تو بلاشبہ تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کے لیے پیش کر دیا ﴿ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ اور اگر تم نے اس کی اطاعت اختیار کر لی تو ہدایت پا جاؤ گے یعنی رسولِ خدا ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے اور جن کاموں سے تمہیں منع کیا ہے' ان سب میں اگر تم نے اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لی تو یقیناً تم نے ہدایت میں سے اپنے حصے کو محفوظ کرلیا کیونکہ نقصان اور نفع تمہاری طرف لوٹتے ہیں ﴿ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴾ اور رسول کریم پر لازم نہیں مگر صاف صاف اور کھلم کھلا پہنچا دینا (یعنی) رسول اکرم ﷺ کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تم تک وہ ساری باتیں واضح طور پر پہنچا دیں' جن کو اگر تم قبول کرلو تو انہیں فائدہ ہو اور اگر تم ان کو قبول نہ کرو تو انہیں کوئی نقصان نہ ہو اور ''البلاغ'' کا معنی تبلیغ کرنا اور پہنچا دینا ہے' جیسے ''اِدْآءٌ'' کا معنی ''تادیہ'' ہے یعنی پورا کرنا اور ادا کرنا' اور ''المبین'' کا معنی ہے: ظاہر اور عیاں کرنا اور کسی چیز کو واضح کرنا کیونکہ یہ آیات و معجزات کے ساتھ مقرون ومشروط ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیتِ مبارکہ میں مخلصین (خالص مسلمانوں) کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿٥٧﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمالیا ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں کہ

انہیں زمین میں ضرور خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی' اور وہ ضرور ان کے لیے ان کے دین کو قائم و دائم اور غالب کر دے گا جسے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے اور وہ ضرور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا' وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے' اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا تو وہی نافرمان ہوں گے O اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اس رسول کریم کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لو تا کہ تم پر رحم و کرم کیا جائے O (اے محبوب!) آپ کافروں کو زمین میں عاجز کر دینے والا خیال نہ فرمائیں' اور ان کا ٹھکانا تو دوزخ کی آگ ہے' اور البتہ وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

## نیک مسلمانوں سے خلافتِ الٰہی کا وعدہ اور کفار کا انجام

۵۵- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمالیا ہے' جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطاب ہے [اور ''مِنْكُمْ'' میں حرفِ ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے اور بعض نے فرمایا: حرفِ ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے ] اور اس آیت مبارکہ سے مہاجرینِ مکہ مراد ہیں ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ البتہ وہ انہیں ضرور زمین میں یعنی کفار کی سرزمین پر خلافت عطا فرمائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سرزمین مدینہ کی خلافت مراد ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ وعدہ عام ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات پہنچی ہے (یعنی یہ دین تمام دنیا میں پھیلے گا) ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا فرمائی تھی [ابو بکر کوفی کی قراءت میں ''اُسْتُخْلِفَ'' (فعل ماضی مجہول کے وزن پر) ہے ] ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے دین کو ان کے لیے ضرور غالب و قائم فرما دے گا' جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے اور وہ ضرور ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام سے وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں دین اسلام کی مدد فرمائے گا اور ان کو زمین کا وارث بنائے گا اور انہیں اس سرزمین پر خلافت عطا فرما کر خلفاء مقرر فرمائے گا جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا' جب جابر و ظالم بادشاہوں اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر کے ان کو مصر اور شام کے ممالک کا وارث بنا دیا تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پسندیدہ دین کو غالب و ثابت اور قائم و دائم فرمائے گا اور وہ دینِ اسلام ہے اور اس کی تمکین کا مطلب ہے اس کو ثابت و غالب اور مضبوط و مستحکم کرنا اور یہ کہ ان کے سینوں میں امن عطا فرمائے گا اور ان سے وہ خوف دور فرمائے گا' جس میں وہ مبتلا تھے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام دس سال تک مکہ مکرمہ میں خوف میں مبتلا رہے اور جب انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی (تو جہاد کی وجہ سے) صبح و شام ہتھیاروں سے مسلح رہنا پڑتا تھا یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا کہ ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا کہ اس میں ہم امن سے رہیں گے اور ہتھیار اتار کر رکھ دیں گے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب تم اس حالت میں باقی نہیں رہو گے مگر تھوڑے عرصے تک یہاں تک کہ تم میں سے ایک آدمی ایک بڑی جماعت میں اطمینان سے تکیہ لگا کر بیٹھے گا اور اس کے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں ہوگا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور صحابۂ کرام کو پورے جزیرۂ عرب پر غلبہ عطا فرمایا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور دراز کے ملکوں کو فتح کیا اور انہوں نے ایرانی بادشاہوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے خزانوں پر قبضہ کر لیا اور وہ ایک دنیا پر غالب آ گئے [اور ''لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ'' میں لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ ملنے والی قسم محذوف ہے ] جس کی تقدیر اس طرح ہے: ''وَعَدَهُمُ اللّٰهُ وَاَقْسَمَ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ''

اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرما لیا اور قسم اٹھائی کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور خلافت عطا فرمائے گا یا پھر تحقق وثبوت میں اللہ تعالیٰ کے وعدے کو قسم کے قائم مقام کر دیا گیا اور وعدہ کو اسی چیز کے ساتھ ملایا گیا جس کے ساتھ قسم کو ملایا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی کہ وہ انہیں ضرور خلافت عطا فرمائے گا [ابن کثیر مکی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں دال مخفف کے ساتھ ''وَلَيُبْدِلَنَّهُمْ'' (باب افعال سے) ہے] ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ ﴾ وہ میری عبادت کریں گے گویا کہا گیا کہ ان کو خلافت وامن کیوں عطا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ میری عبادت کریں گے [اگر اس کو جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) قرار دیا جائے تو اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوگا اور اگر اس کو ''وعد اللّٰہ'' سے حال قرار دیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ ان کی حالت عبادت میں فرمایا ﴿ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ وہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے [یہ ''یَعْبُدُوْنَ'' سے حال ہے] یعنی وہ اس حال میں میری عبادت کریں گے کہ وہ توحید پرست وموحد ہوں گے [اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حال سے حالِ بدل ہو] ﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ اور جو شخص اس کے بعد یعنی اس وعدہ کے بعد ناشکری کرے گا اور اس سے کفرانِ نعمت مراد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ'' (النحل: ۱۱۲) ''تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی''۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ پس یہی لوگ ہی فاسق و نافرمان ہوں گے (یعنی) وہی لوگ اپنے فسق میں کامل ہیں کیونکہ انہوں نے اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کی اور اس کو حقیر قرار دینے پر جسارت کی؛ چنانچہ مفسرین کرام نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں نے اس نعمتِ عظیمہ کی ناشکری کی تھی؛ پھر وہی لوگ جو اس واقعہ سے پہلے آپس میں بھائی بھائی بن چکے تھے لیکن وہی لوگ اس کے بعد آپس میں بدست وگریباں ہو گئے اور جنگیں شروع کر دیں اور ان سے خوف جاتا رہا اور یہ آیت کریمہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کی صحت پر واضح ترین دلیل ہے کیونکہ خلافت کا مستحق نیک مسلمانوں کو قرار دیا گیا ہے اور خلفائے راشدین تو ان کے سردار ہیں اس لیے یہی اس کے مستحق تھے۔

۵٦- ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور تم نماز قائم رکھو [یہ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' پر معطوف ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فاصلہ نقصان دِہ نہیں ہوتا اگرچہ طویل فاصلہ ہو] ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اور تم زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کریم کی ان تمام اُمور میں اطاعت کرو جن کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں اور رسول اکرم کی اطاعت کو اس کے وجوب کی تاکید کرنے کی وجہ سے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی ''لِكَيْ تُرْحَمُوْنَ'' تاکہ تم پر رحم وکرم کیا جائے کیونکہ یہ تینوں اُمور رحمتِ الٰہی کے حصول کے لیے ذریعہ اور واسطہ ہیں؛ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر کیا؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

۵۷- ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ آپ کافروں کو زمین میں عاجز کرنے والا مت خیال فرمائیں یعنی اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والا وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ان پر قادر نہ رہے [پس ''تَا'' حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرنے کے لیے ہے اور یہ فاعل ہے اور مفعول دو ہیں ایک ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اور دوسرا ''مُعْجِزِيْنَ'' ہے۔ ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ہے اور اس کا فاعل حضور نبی کریم ﷺ ہیں کیونکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور دو مفعول ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اور ''مُعْجِزِيْنَ'' ہیں] ﴿ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے [یہ ''لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ﴿ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور البتہ وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ کی آگ میں لوٹ کر جانا بہت

ہوا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ
وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلام و باندیاں اور تم میں سے وہ لوگ جو بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تم سے (تمہارے پاس آنے کے لیے) تین دفعہ اجازت لیا کریں' فجر کی نماز سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد' یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں' ان اوقات کے علاوہ کوئی گناہ نہیں نہ تم پر اور نہ ان پر' (کیونکہ) تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا جانا ہوتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

## تین اوقات میں گھروں میں آنے کے لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم

۵۸- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم سے ان لوگوں کو اجازت لینی چاہیے' جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک بن چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں فقط غلاموں کو یا پھر غلاموں اور لونڈیوں دونوں کو اجازت لے کر گھروں میں آنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ﴾ اور تم میں سے جو بلوغ کی حد (احتلام کی عمر) کو نہیں پہنچے (یعنی) آزاد مردوں میں سے جو بچے احتلام کی عمر کو نہیں پہنچے [تخفیف کی خاطر لام کو سکون کے ساتھ "اَلْحُلْمُ" پڑھا گیا ہے] ﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ دن اور رات میں تین دفعہ اور وہ اوقات یہ ہیں: ﴿مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ﴾ فجر کی نماز سے پہلے کیونکہ یہ بستروں سے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں وہ کپڑے اتارے جاتے ہیں' جن کو رات کو سونے کے لیے پہنا جاتا ہے اور بیداری کے کپڑے پہنے جاتے ہیں ﴿وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ﴾ اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور یہ موسم گرما میں وہ وقت ہوتا ہے جب آدھا دن گزرنے والا ہوتا ہے اور آدھا دن باقی ہوتا ہے' جسے زوال کا وقت یا دوپہر کا وقت کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت قیلولہ کرنے (دوپہر کے سونے) کے لیے بیداری کے کپڑے اتار کر رکھ دیئے جاتے ہیں ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ اور عشاء کی نماز کے بعد کیونکہ اس وقت بیداری کے کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور سونے کے کپڑے پہنے جاتے ہیں ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ یعنی یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں [اصل میں "هِيَ اَوْقَاتُ ثَلَاثٍ" سے بدل ہے] یعنی تین اوقات پردے اور خلوت کے ہیں اور ان تین حالات میں سے ہر حال کو "عَوْرَةٌ" کہا گیا ہے کیونکہ انسان انہیں اوقات میں اپنے ستر میں خلل انداز ہوتا ہے (جیسے صرف دھوتی باندھ کر ناف سے پنڈلیوں تک کے علاوہ باقی جسم ظاہر کر دیتا ہے) اور "عورة" خلل کو کہتے ہیں اور اسی سے "اعور" بنا ہے کہ کانے آدمی کی آنکھ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

شانِ نزول: انصار کا ایک غلام' جس کو مدلج بن عمرو کہا جاتا تھا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آرام گاہ میں عین دوپہر کے وقت داخل ہوا' جب کہ آپ سو رہے تھے اور آپ کے جسم کے ایک حصے سے کپڑا ہٹ چکا تھا اور آپ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس دوپہر کے وقت اللہ تعالیٰ بغیر اجازت داخلہ کو ممنوع فرما دے' یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ آیتِ مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت آنے جانے کے لیے ان حضرات کو معذور قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ﴾ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے یعنی ان اوقات کے علاوہ بغیر اجازت داخل ہونے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان مذکورین (غلاموں' باندیوں اور نابالغ لڑکوں) پر کوئی گناہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کے علاوہ اجازت نہ لینے کی علّت وسبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ﴾ وہ تمہارے پاس بار بار بہ کثرت آنے جانے والے ہیں یعنی وہ گھر کی ضروریات کے لیے بار بار آنے جانے والے ہیں ﴿بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ تم ایک دوسرے کے پاس بار بار آتے جاتے ہو [یہ مبتدا خبر ہے' "بَعْضُکُمْ" مبتدا ہے' "عَلٰی بَعْضٍ" خبر ہے' اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہے: "بَعْضُکُمْ طَآئِفٌ عَلٰی بَعْضٍ" ہے' پھر "طآئف" حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ "طَوّٰافُوْنَ عَلَيْكُمْ" اس پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ اپنے ماقبل سے بدل ہو اور یہ جملہ مبیّنہ مؤکدہ ہو] یعنی تمہیں اور انہیں ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے پاس آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے' وہ تمہارے پاس خدمت کرنے کے لیے آتے جاتے ہیں اور تم ان کے پاس خدمت لینے کے لیے آتے جاتے ہو' پس اگر ہر وقت اجازت لینے کا حکم لازم کر دیا جاتا تو بڑا حرج واقع ہو جاتا اور یہ شریعت میں نص سے اٹھا دیا گیا ہے ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اجازت لینے کا حکم کھول کر بیان کیا ہے' اسی طرح اس کے علاوہ جن آیات کے بیان کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے' انہیں اللہ تعالیٰ تمہاری خاطر بیان کر دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ اپنی مراد بیان کرنے میں بڑا دانا ہے۔

| |
|---|
| وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ |
| يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ |
| نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ |
| وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ |

اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ ضرور اجازت لیا کریں جیسا کہ ان سے پہلے لوگ اجازت طلب کرتے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے O اور وہ خانہ نشین بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (نقاب کی بڑی چادریں) اتار کر رکھ دیں جب کہ وہ اپنی زیب و زینت ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں' اور اس سے بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا'

بہت کچھ جاننے والا ہے۞

## نابالغ لڑکوں کو تمام اوقات میں اجازت لے کر گھر میں آنے کا حکم

۵۹- ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ﴾ اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں یعنی آزاد لڑکے نہ کہ غلام ﴿الْحُلُمَ﴾ احتلام کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی جب لڑکے بالغ و جوان ہو جائیں اور تمہارے پاس گھروں میں آنا چاہیں ﴿فَلْيَسْتَاْذِنُوْا﴾ تو انہیں چاہیے کہ وہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے تمام اوقات میں اجازت لے کر آئیں ﴿كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جس طرح ان سے پہلے لوگ اجازت طلب کرتے رہے یعنی جو لوگ ان سے پہلے بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اور وہ مرد مراد ہیں یا پھر وہ لوگ مراد ہیں، جن کا ان سے پہلے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا" اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور سلام کرو، اور معنی یہ ہے کہ ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے نابالغ لڑکوں کو گھروں میں آنے جانے کی اجازت دی گئی ہے، سو جب لڑکے اس کے عادی ہو جائیں گے، پھر احتلام کی عمر کو یا سنِ بلوغت کو پہنچ جائیں گے تو واجب و لازم ہو جائے گا کہ ان کی یہ عادت چھڑائی جائے اور ان پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ تمام اوقات میں ان بڑے مردوں کی طرح اجازت لے کر گھروں میں آیا جایا کریں جو بغیر اجازت تمہارے گھروں میں تمہارے پاس آنے جانے کے عادی نہیں ہیں اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہو چکے ہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں، جن کا لوگوں نے عملی طور پر انکار کر رکھا ہے: (۱) گھروں میں اجازت لے کر آنے کی آیت مبارکہ (۲) اور یہ ارشاد کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" (الحجرات:۱۳) "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔ (۳) اور "وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" (النساء:۸) "اور جب میراث کی تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے اچھی بات کہا کرو"۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں ہے ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمہارے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی مصلحتوں اور ان کے فائدوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ ان تمام احکام میں بڑی زبردست حکمت والا ہے جو اس نے واضح طور پر بیان فرما دیئے ہیں۔

## بوڑھی عورتوں کو بڑی چادریں اتارنے کی اجازت

٦٠- ﴿وَالْقَوَاعِدُ﴾ اور بیٹھنے والیاں ["قَوَاعِد"، "قَاعِد" کی جمع ہے] کیونکہ یہ عورتوں کی مخصوص صفات میں سے ہے جیسے "طَالِق" (طلاق والی) اور "حَائِض" (ماہواری والی) یعنی وہ عورتیں جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے اور ماہواری آنے سے فارغ بیٹھنے والیاں ہیں ﴿مِنَ النِّسَآءِ﴾ عورتوں میں سے [یہ "القواعد" کی ضمیر فاعل سے حال ہے] ﴿الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا﴾ جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں (یعنی) جو بوڑھی عورتیں نکاح میں دلچسپی اور طمع نہیں رکھتیں [یہ محلاً مرفوع ہے اور مبتدا کی صفت ہے اور وہ مبتدا "القواعد" ہے اور اس کی خبر (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ﴾ تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور "جناح" کا معنی "اِثْم" (گناہ) ہے [اس میں حرف "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مبتدا میں الف لام کے سبب شرط کا معنی پایا جاتا ہے] ﴿اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں یعنی فالتو

کپڑے جیسے سرڈھانپنے کی اوڑھنی کے اوپر بڑا سا دوپٹا پہنا جاتا ہے اور وہ بڑی چادر جو دوپٹے کے اوپر پہنی جاتی ہے ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ﴾ جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں یعنی زیب و زینت ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں' زینت سے پوشیدہ چیزیں ظاہر کرنا مراد ہے جیسے بال' سینہ اور پنڈلیاں وغیرہ یعنی یہ عورتیں فالتو کپڑے سے بناؤ سنگار اور زیب و زینت کے اظہار کا ارادہ نہ کریں بلکہ تخفیف وآسانی کا ارادہ کریں اور ''تبرُّج'' کی حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کا تکلف سے اظہار کرنا جس کا چھپانا واجب و لازم ہو ﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ اور ان کا بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے یعنی کپڑے اتارنے سے عفت و پاک دامنی طلب کرنا ان کے لیے بہتر ہے' پس وہ پردہ میں رہا کریں [اور یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے' جو وہ علانیہ کہتی ہیں ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ ان کے تمام مقاصد کو خوب جاننے والا ہے' جن کا وہ اپنے دلوں میں ارادہ کرتی ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى
اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۱۴

نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضہ وملکیت میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ' سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت و پاکیزہ دعائے خیر ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھ لوO

## رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت

۶۱- ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ نہ نابینے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔

**شانِ نزول:** حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ مسلمان مجاہد جب جنگ کرنے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوتے تو اپنے گھروں کی چابیاں نابینوں' بیماروں اور لنگڑوں اور اپنے رشتہ داروں کے پاس رکھ جاتے اور انہیں اجازت دے کر جاتے کہ وہ ان کے گھروں سے کھالیا کریں لیکن یہ لوگ اس میں تنگی محسوس کرتے اور کہتے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے

کہ کہیں وہ لوگ اس پر خوش نہ ہوں تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور انہیں رخصت واجازت دی گئی ﴿وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تم پر یعنی نہ تم پر کوئی حرج ہے ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے کیونکہ اولاد والد کا بعض حصہ ہوتی ہے اور اس کا حکم خود اس کے حکم کی طرح ہے اور اس لیے آیت مبارکہ میں اولاد کا ذکر نہیں کیا گیا اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اَنْتَ وَمَا لُكَ لِاَبِيْكَ''[1] تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اپنی بیویوں کے گھروں سے کھاؤ کیونکہ میاں بیوی دو قالب یک جان کی طرح ہوتے ہیں' سو اس لیے بیوی کا گھر شوہر کے اپنے گھر کی طرح ہوا ﴿اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ﴾ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے کیونکہ ان تمام کے گھروں سے کھانے کی اجازت اس آیت مبارکہ کے بتانے سے ثابت ہوگئی ہے ﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ﴾ یا جس کی چابیوں کے تم مالک بن گئے ہو۔ ''مفاتح''، ''مفتح'' کی جمع ہے اور یہ وہ آلہ (چابی) ہے' جس کے ذریعے کسی بند چیز (تالا) کو کھولا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے کسی آدمی کا وکیل اور نگران (یعنی کارمختار' منتظم یا منیجر وغیرہ) مراد ہے جو اس آدمی کی زمین اور اس کے مویشیوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کرتا ہو' ایسے شخص کے لیے جائز ہے کہ یہ اس آدمی کی زمین کے پھلوں میں سے کچھ کھا لے اور اس کے جانوروں کے دودھ میں سے کچھ پی لے اور چابیوں کی ملکیت سے اس کا قبضہ حاصل کرنا اور اپنی حفاظت وتحویل میں لینا مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اپنے غلام کا گھر مراد ہے کہ تم اپنے غلاموں کے گھروں سے کھاؤ کیونکہ خود غلام اور اس کا کمایا ہوا مال اس کے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے ﴿اَوْ صَدِيْقِكُمْ﴾ یا اپنے دوستوں کے یعنی یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور صدیق یعنی دوست ایک بھی ہوتا ہے اور کئی دوست بھی ہوتے ہیں اور دوست وہ ہوتا ہے' جو تمہارے ساتھ اپنی محبت میں سچا ہو (یعنی تم سے سچی دوستی کرتا ہو) اور تم اس کے ساتھ اپنی محبت میں سچے ہو (یعنی تم بھی اس کے ساتھ سچی محبت کرتے ہو) اور پہلے زمانہ کے بزرگوں میں سے کوئی آدمی اپنے دوست کے گھر میں بطورِ مہمان داخل ہوتا اور وہ گھر پر نہ ہوتا تو یہ مہمان اس کی لونڈی سے اس کی رقم کی تھیلی منگاتا اور جتنا چاہتا خورد ونوش کے لیے لے لیتا' پھر جب لونڈی کا آقا مالک مکان حاضر ہوتا اور لونڈی اس کو مہمان دوست کی آمد وغیرہ بتلاتی تو وہ اس پر خوش ہو جاتا اور مہمان نوازی کے لیے رقم خرچ کرنے پر خوش ہو کر اپنی لونڈی کو آزاد کر دیتا لیکن چونکہ آج کل لوگوں پر بخل سوار ہو چکا ہے اور مہمان نوازی کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے' اس لیے دوست کے گھر اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کھایا پیا جائے گا ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر اکٹھے کھانا کھاؤ یا الگ الگ انفرادی طور پر کھاؤ۔ ''اَشْتَاتًا''، ''شَتٌّ'' کی جمع ہے' الگ ہونا۔

**شانِ نزول:** یہ آیت مبارکہ بنولیث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی تھی' یہ لوگ ناگوار محسوس کرتے تھے کہ کوئی شخص اکیلا کھانا کھائے اور یہ لوگ اکیلا کھانا ناپسند کرنے کی وجہ سے صبح سے شام تک مہمان کا انتظار کرتے رہتے' پھر اگر کوئی مہمان نہ آتا جس کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکیں تو مجبوراً اکیلے کھا لیتے یا یہ آیت مبارکہ انصار مدینہ کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جن کے پاس جب کوئی مہمان آ جاتا تو وہ کھانا نہیں کھاتے تھے مگر مہمان کے ساتھ مل کر کھاتے تھے' محض اس بناء پر

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۱۷۹' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲

کہ لوگ کھانا کھانے میں مختلف ہوتے ہیں' بعض لوگ زیادہ کھاتے ہیں اور بعض کم کھاتے ہیں ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا﴾ سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو یعنی جب تم ان مذکورہ بالا گھروں میں کھانا کھانے کے لیے اندر آنے لگو ﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ﴾ تو تم اپنے لوگوں کو سلام کرو یعنی تم ان گھر والوں پر سلام کرنے سے ابتداء کرو جو دین اور رشتہ داری کے اعتبار سے تم میں سے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب خالی گھروں میں یا اللہ تعالیٰ کے گھر مسجدوں میں داخل ہونے لگو تو کہو: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ'' ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں (اولیائے کرام) پر سلام ہو ﴿تَحِیَّۃً﴾ دعائے خیر [یہ ''سَلِّمُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ ''تَسْلِیْمًا'' کے معنی میں مفعول مطلق ہے جیسے ''قَعَدْتُ جُلُوْسًا'' ہے] ﴿مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے یا اس لیے کہ تسلیم کا مطلب سلامتی طلب کرنا ہے اور ''تحیة'' کا مطلب ہے کہ جس کو سلام کیا گیا ہے اس کے لیے عمر کی درازی کی دعا کرنا اور واضح بات ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے ﴿مُبٰرَكَۃً طَیِّبَۃً﴾ بابرکت و پاکیزہ۔ ''تحیة'' یعنی دعا کو برکت اور طیّب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ ایک مسلمان کے حق میں دوسرے مسلمان کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکیزہ رزق اور بابرکت بھلائی کی امید کی جاتی ہے ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو اور انہیں سمجھو۔

| |
|---|
| اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ |
| یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ |
| رَسُوْلِہٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ |
| اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٢﴾ |

بے شک ایمان دار صرف وہ لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے لیے آپ کے ساتھ جمع ہوتے ہیں تو پھر وہاں سے نہیں جاتے یہاں تک کہ پہلے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں' بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' پس جب یہ لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

## مخلص مسلمانوں کی پہچان

٦٢- ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ﴾ بے شک مسلمان صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے جمع ہوتے ہیں یعنی ایسا کام جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے جیسے جہاد کرنے کے لیے اور جنگ کے بارے میں سوچ و بچار اور غور و فکر کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کے لیے اور ہر وہ اجتماع جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو جیسے جمعہ اور عیدین کے لیے بلایا جائے ﴿لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ وہ نہیں جاتے یہاں تک کہ وہ حضور سے اجازت مانگتے ہیں یعنی ان کو اجازت دی جاتی ہے

تو پھر جاتے ہیں ورنہ نہیں جاتے اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے ان کی اجازت کے بغیر چلے جانے کی وجہ سے بہت بڑے جرم کا ارتکاب دکھائیں تو مسلمانوں کے بغیر اجازت مانگے نہ جانے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی تیسری علامت قرار دیا اور ان دونوں کو اس کا سبب قرار دیا اور اس کے ذکر کے لیے بنیاد قرار دے دیا [اور اس کے باوجود جملہ کا آغاز ''انما'' کے ساتھ کیا اور ''المؤمنون'' کو مبتدا قرار دیا' جس کی خبر اسم موصول ہے جس کے صلہ نے انہیں دو ایمانوں کا احاطہ کر رکھا ہے] پھر اس کے بعد ایسے کلام کا ذکر کیا' جس نے مزید تاکید کر دی کیونکہ اس کا دوسرے طریقہ پر اعادہ کیا اور وہ کلام درج ذیل ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' اور اس کے ساتھ دوسری چیز کو ملا دیا اور وہ یہ کہ اجازت مانگنے کو دونوں ایمانوں کی صحت کے لیے مصداق کی طرح قرار دیا اور منافقوں کے حال پر اور ان کے چھپ چھپا کر نکلنے پر طنز کیا ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ﴾ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے مجلس سے چلے جانے کی آپ سے اجازت مانگیں ﴿فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی بلند شان کا اظہار ہے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے اور اجازت مانگنے والوں کے لیے استغفار کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ افضل و بہتر یہی ہے کہ آپ سے اجازت نہ مانگی جائے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ لوگ اپنے اماموں اور علم و دین میں پیشوائی کرنے والوں کا ساتھ دیں اور ان کی مدد کریں اور ان سے بغیر اجازت جدا نہ ہوں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی تھی' جب منافقین بغیر اجازت اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے تھے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ
مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ
وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۳ ۱۵

تم رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو چپکے سے چھپ کر نکل جاتے ہیں' سو جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی مصیبت آن پڑے یا ان پر دردناک عذاب آ پہنچے○ سنو! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' بے شک وہ خوب جانتا ہے جس حال پر تم ہو' اور جس دن وہ لوگ اس کے حضور لوٹائے جائیں گے' پس وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلانے کے آداب اور شانِ الٰہی

۶۳- ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک

دوسرے کو بلاتے ہو یعنی جب رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کے لیے اپنے پاس تمہیں بلانے کی ضرورت پیش آ جائے اور وہ تمہیں بلا لیں تو تم ان کی محفل سے ان کی اجازت کے بغیر کبھی جدا نہ ہونا اور تم ان کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے پر قیاس نہ کرو اور جس طرح تم کسی بلانے والے کی مجلس سے اس سے اجازت لیے بغیر گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہو' اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلانے پر حاضر مجلس اقدس ہو کر آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے گھروں کو نہ لوٹ جایا کرو یا یہ معنی ہے کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کے لینے کو اور انہیں پکارنے کو آپس میں ایسے نہ ٹھہرا لو جیسے تم ایک دوسرے کا نام لے کر بلاتے ہو اور اس کو اسی نام سے پکارتے ہو جو نام اس کے ماں باپ نے رکھا تھا' لہٰذا تم ''یَا مُحَمَّدُ'' نہ کہو بلکہ ''یَا نَبِیَّ اللّٰہ'' اور ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہ'' کہا کرو اور یاد رکھو! حضور کو نہایت تعظیم و توقیر اور ادب واحترام اور نرم وملائم لہجے میں پکارا کرو۔[1]

﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے' جو تم میں سے تھوڑے تھوڑے ہو کر چپکے سے نکل جاتے ہیں ﴿لِوَاذًا﴾ [یہ حال ہے] یعنی چھپ کر بھاگنے والا۔ ''لواد'' اور ''ملاوذۃ'' کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے کی آڑ لے کر چلے جانا کہ یہ اس کی اور وہ اس کی آڑ لے کر چلا جائے یعنی وہ لوگ جماعت سے پوشیدہ ہو کر آڑ کے طریقہ پر چلے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے ذریعے چھپ کر چلے جاتے تھے ﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ﴾ پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو رسولِ خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں یعنی مخلص مسلمانوں کے علاوہ جو لوگ حضور کے حکم کی بجا آوری سے رک جاتے ہیں اور حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور وہ لوگ منافقین ہیں۔ اور ''خَالَفَہٗ اِلَی الْاَمْرِ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص صحیح سمت کی بجائے مخالف سمت کی طرف چلا جائے اور اسی سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھٰکُمْ عَنْہُ'' (ھود:۸۸) ''اور میں نہیں چاہتا کہ میں جس کام سے تمہیں منع کرتا ہوں اس میں' میں تمہارے خلاف چلوں''۔ ''خَالَفَہٗ عَنِ الْاَمْرِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حکم عدولی کر کے خلافِ امر کام کرے اور ''عَنْ اَمْرِہٖ'' میں ضمیر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا پھر رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے کہ اس کی

---

[1] واضح رہے کہ یہ حکم آج بھی جاری وساری ہے' چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ''والظاہر استمرار ذالک بعد وفاتہ الی الأن.'' اور ظاہر ہے کہ یہ حکم آپ کی وفات کے بعد بھی آج تک مسلسل جاری ہے۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۸ ص ۲۲۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) نیز علامہ عارف باللہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں: ''لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لا فی حیاتہ ولا بعد وفاتہ فبھذا یعلم ان من استخف بجنابہ ﷺ فھو کافر ملعون فی الدنیا والاٰخرۃ'' حضور نبی کریم کو ایسے کلمہ کے ساتھ پکارنا جو تعظیم کا فائدہ نہ دیتا ہو وہ جائز نہیں' نہ آپ کی زندگی میں جائز تھا اور نہ آپ کی وفات کے بعد جائز ہے' پس اس سے معلوم ہو گیا کہ بے شک جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں بے ادبی اور توہین کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لعنتی قرار پائے گا۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین ج ۳ ص ۱۴۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی' مصر) مکتب دیوبند کے مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے' آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر لبیک کہے یا نہ کہے' اگر حضور کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعا معمولی انسان جیسی نہیں' نیز مخاطبات میں حضور کے ادب وعظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے' عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۴۶۶' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

اطاعت وفرماں برداری اور اس کے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور ''یَحۡذَرُ'' کا مفعول یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ﴾ کہ ان پر کوئی مصیبت آن پہنچے۔ دنیا میں تکلیفیں یا قتل و غارت یا زلزلوں اور تباہ کاریوں' ہلاکتوں کا رونما ہونا یا ظالم بادشاہ کا قابض ہونا یا ربِ تعالیٰ کی معرفت سے دل کا سخت ہو جانا یا نعمتوں کا آہستہ آہستہ زائل ہونا شروع ہو جانا ﴿اَوۡ یُصِیۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ یا انہیں آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اَمر وجوب کے لیے آتا ہے۔

٦٤- ﴿اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس ذاتِ اقدس کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کی جائے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے ﴿قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم جس روش پر گامزن ہو۔ ''قَدۡ'' داخل کر کے علمِ الٰہی کی تاکید کی گئی ہے کہ دین اسلام کی مخالفت اور نفاق کی جس روش پر منافقین گامزن ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور علمِ الٰہی کی تاکید کا نتیجہ وعید (عذاب کی دھمکی) کی تاکید ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمینوں میں تمام مخلوقات تخلیق ملکیت اور علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے تو اس پر منافقین کے حالات کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں' اگرچہ وہ ان کے چھپانے کی بہت کوشش کرتے ہیں ﴿وَیَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡهِ﴾ اور جس دن وہ اس کی بارگاہ کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' جس دن یہ منافقین اپنے نفاق اور دین اسلام کی مخالفت کی سزا پانے کے لیے اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر کیے جائیں گے اور وہ قیامت کا دن ہوگا [اور ''مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَیَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡهِ'' میں خطاب اور غیبت ممکن ہے کہ دونوں منافقوں کے لیے بہ طریقِ التفات استعمال کیے گئے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَاۤ اَنۡتُمۡ علیه'' میں عام خطاب ہو اور ''یُرۡجَعُوۡنَ'' صرف منافقین کے لیے ہو] ﴿فَیُنَبِّئُهُمۡ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن بتا دے گا ﴿بِمَا عَمِلُوۡا﴾ انہوں نے جو اعمال کیے یعنی انہوں نے جو کچھ اپنے اعمال کی بُرائی چھپا رکھی تھی وہ سب اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دے گا اور ان کو سزا دے گا جیسا ان کی سزا کا حق ہوگا ﴿وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' پس اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ حج کے موسم میں منبر پر سورت نور کی تلاوت کی اور اس کی ایسے عظیم الشان طریقہ پر تفسیر بیان کی کہ اگر اہل روم اسے سن لیتے تو ضرور اسلام قبول کر لیتے۔

سُوۡرَةُ الۡفُرۡقَانِ مَکِّیَّةٌ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ | اٰیَاتُهَا ٧٧ رُکُوۡعَاتُهَا ٦

سورۃ الفرقان مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی ستتر آیات' چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿١﴾ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿٢﴾ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّهُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَلَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا ﴿٣﴾

بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے محبوب بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ

تمام جہانوں کو ڈر سنانے والا ہو○ وہی جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور نہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مقرر کردہ ٹھیک اندازے پر رکھا ہے○ اور انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور انہیں خود پیدا کیا جاتا ہے اور وہ اپنی جانوں کے لیے نہ نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور وہ نہ موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے○

## اللہ تعالیٰ کی شان' رسالت عامہ کا بیان اور بتوں کی بے بسی کا اعلان

۱۔﴿ تَبٰرَكَ ﴾ [باب تفاعل' فعل ماضی واحد مذکر غائب ''برکۃ'' سے ماخوذ ہے] بڑی برکت والا ہے' خیر کثیر کا مالک ہے اور وہ بہت زیادہ خیر و بھلائی رکھتا ہے اور ''تبارك'' کا معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر و بھلائی سب سے زیادہ ہے اور سب سے کثیر ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہر چیز سے بڑھ کر ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے افعال میں سب سے بلند و بالا ہے اور یہ تعظیم کا کلمہ ہے' جو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے ماسوا کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اور یہ صرف ماضی استعمال ہوتا ہے ﴿ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ﴾ جس نے فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی۔ [''فرقان'' مصدر ہے' دو چیزوں میں فرق کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جب ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہو جاتا ہے] قرآن مجید کو فرقان اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فاصلہ اور فرق بیان کرتا ہے اور حلال اور حرام میں واضح طور پر فرق بیان کرتا ہے یا اس لیے کہ یہ قرآن مجید یکدم اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے سے جدا جدا اور الگ الگ آیات اور سورتیں نازل کی گئیں' کیا تم نے اس آیت مبارکہ میں غور و فکر نہیں کیا: ''وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا'' (الاسراء:۱۰۶) ''اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے''۔ ﴿ عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾ اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ﴿ لِیَكُوْنَ ﴾ تا کہ یہ محبوب بندہ یا یہ فرقان (قرآن) ہو جائے ﴿ لِلْعٰلَمِیْنَ ﴾ تمام جہانوں کے لیے (یعنی) جنوں اور انسانوں کے لیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کا عام ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے[1] ﴿ نَذِیْرًا ﴾ ڈرانے والا۔ ''نذیرًا'' بہ معنی ''مُنْذِرًا'' ہے یعنی ڈرانے والا یا پھر بہ معنی ''اِنْذَارًا'' ہے جیسے ''نکیر'' بہ معنی انکار ہے اور اسی سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ'' (القمر:۱۶) ''سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا رہا''۔

---

[1] کیونکہ ''مشکوٰۃ شریف'' باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک متفق علیہ (بخاری و مسلم کی) حدیث شریف خصائص مصطفےٰ میں بیان کی گئی ہے' جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد (عبادت گاہ) پاک بنا دی گئی ہے کہ میری امت میں سے جس آدمی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لے (۳) میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھے (۴) مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا ہے (۵) اور سابق انبیائے کرام میں سے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور جب کہ میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(فائدہ) علامہ خازن لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائلِ مخصوصہ کو بیان کیا گیا ہے' جن میں سے آپ کی ایک مخصوص فضیلت رسالتِ عامہ ہے جو تمام جن و انس کو شامل ہے جب کہ آپ سے پہلے نبی اپنی خاص قوم یا اپنے خاص شہر کی طرف مبعوث ہوتے تھے' پس ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت تمام مخلوق کو شامل ہے۔

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۲۳۔ ۵۲۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٢- ﴿ اَلَّذِیْ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے[ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا پھر ''اَلَّذِیْ نَزَّلَ'' سے بدل بن رہا ہے اور بدل اور مبدل منہ کے درمیان ''لِیَکُوْنَ'' کے ساتھ فاصلہ جائز قرار دیا ہے کیونکہ مبدل منہ کا صلہ ''نَزَّلَ'' ہے اور ''لِیَکُوْنَ'' اس کی علت ہے' پس گویا مبدل منہ مکمل نہیں ہو سکتا مگر صرف اسی کے ساتھ یا پھر یہ مدح کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی خالص بادشاہی ہے ﴿ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد نہیں بنائی جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا گمان ہے کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) ﴿ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ ﴾ اور اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ ثنویہ فرقہ نے گمان کر رکھا ہے ﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا یعنی اسی (اللہ تعالیٰ) نے اکیلے ہر چیز کو از سرِ نو پیدا کیا۔ ایسا نہیں ہے جیسا مجوس و ثنویہ کہتے ہیں کہ (خیر کا خالق) نور ہے اور (شر کا خالق) ظلمة ہے' نور کو یزدان اور ظلمة کو اھرمن کہا جاتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ شے ہے اور نہ ان کے لیے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے [ کیونکہ فاعل اپنی تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے کسی صفت کے لیے مفعول نہیں ہوتا] علاوہ ازیں لفظ شے کا مخصوص معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ شے وہ ہے جس کی تخلیق صحیح ہو' جس کا قرینہ ''خَلَقَ'' ہے اور یہ معتزلہ کے خلاف ہماری واضح ترین دلیل ہے کہ بندوں کے افعال مخلوق ہیں ﴿ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مقرر کردہ ٹھیک اندازے پر رکھا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی طبعی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تیار کیا' جس میں کسی قسم کی کمی اور خلل نہیں رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس موجودہ شکل و صورت پر پیدا کیا' جس میں اسے بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو تکالیفِ شرعیہ اور دین و دنیا سے متعلقہ مصلحتوں کے لیے تیار کیا یا اسے معلوم و معین اور محدود و قصیر مدت تک باقی رکھنے کے لیے تیار کیا ہے۔

٣- ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ﴾ اور انہوں نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں یعنی بتوں کو معبود بنالیا۔ ''واتخذوا'' میں ضمیر کافروں کے لیے ہے اس لیے کہ وہ لوگ عالمین میں داخل ہیں یا پھر ''نذیرًا'' ان پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہیں کو ڈرایا جاتا ہے ﴿ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں یعنی کفار نے بتوں کی پرستش کو اس ذاتِ اقدس کی عبادت پر ترجیح دی جو الوہیت و بادشاہی میں اور تخلیق میں یکتا اور واحد لاشریک ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ کفار عاجز و بے بس بتوں کی عبادت کرتے ہیں' جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''عالمین'' سے حضور کے زمانۂ اقدس سے لے کر قیامت تک تمام جن و انس مراد ہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت اسی کی تائید و تصدیق کرتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام جن و انس کے لیے رسالتِ عامہ دینِ اسلام میں بداہت کے ساتھ واضح ثابت ہے' لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور اسی طرح محققین کے نزدیک فرشتے بھی حضور کی امت میں شامل ہیں جیسے علامہ سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کی جماعت کی تحقیق ہے' جنہوں نے اس کی مخالفت کرنے والے کا خوب رد کیا ہے اور بعض محققین نے حضور کی رسالتِ عامہ پر قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے' چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ماسوا تمام کائنات عالَم ہے' پس آپ کی نبوت و رسالت تمام جن و انس اور ملائکہ کو عام ہے' نیز علامہ بارزی جیسے علماء نے فرمایا کہ حضور کی رسالت جمادات کو بھی شامل ہے جیسا کہ ''صحیح مسلم شریف'' کی حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً'' میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
(تفسیر روح المعانی جزء ١٨ ص ٢٣١-٢٣٢' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وہ خود مخلوق ہیں ﴿ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ اور وہ نہ اپنی جانوں کے لیے نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں سے ضرر و تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کے لیے نفع حاصل کر سکتے ہیں ﴿ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا ﴾ اور نہ وہ موت کا یعنی مارنے کا اختیار رکھتے ہیں ﴿ وَّلَا حَيٰوةً ﴾ اور نہ زندگی کا (یعنی) وہ زندگی دینے کا اختیار نہیں رکھتے ﴿ وَّلَا نُشُوْرًا ﴾ اور نہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور بتوں کو اہل عقول کی طرح اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بت پرست اپنے بتوں کو اہل عقول سمجھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۞ ۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۞ ۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ ۶ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۞ ۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞ ۸

اور کافروں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر سراسر جھوٹ ہے' اس نے اسے خود گھڑا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی' پس بے شک انہوں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا O اور انہوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں' جنہیں اس نے لکھ لیا ہے' سو وہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے: اسے اس نے نازل فرمایا ہے' جو آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' اس پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا' پس وہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا O یا اس کی طرف خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا' جس میں سے وہ کھاتا' اور ظالموں نے کہا کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا گیا ہے O

## کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید گھڑنے کا الزام اور اس سے براءت کا اعلان

۴- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن مجید نہیں ہے مگر من گھڑت افتراء اور سراسر جھوٹ ﴿ ِۨافْتَرٰىهُ ﴾ جس کو (سرورِ دو عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور بناوٹی پیش کیا ہے ﴿ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ﴾ اور اس پر ان کی دوسری قوم نے مدد کی یعنی یہود یا عداس اور یسار اور ابو فکیہہ رومی نے مدد کی۔ یہ بات نضر بن حارث نے کہی تھی ﴿ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴾ سو بے شک انہوں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کی تردید کرنا اور ان کے ظالمانہ رویے کے بارے میں خبر دینا مقصود ہے [سو اس لیے ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور "جَآءَ" بہ معنی "فَعَلَ" ہے' پس یہ اسی طرح متعدی ہے' جس طرح "فَعَلَ" متعدی ہوتا ہے یا حرفِ جار محذوف ہے' جس نے فعل کو ملا دیا یعنی ظلم اور جور کے ساتھ ملا دیا] اور ان کفار کا ظلم و ستم یہ ہے کہ انہوں نے ایک خالص عربی

کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ وہ ایک عجمی آدمی سے ایسا عربی کلام سیکھتا ہے جس نے عرب کے تمام فصحاء کو اپنی فصاحت و بلاغت سے عاجز کر دیا اور ''زُوْر'' یہ ہے کہ انہوں نے آپ پر ایسی چیز کی نسبت کر کے بہتان باندھا جس سے آپ بری اور منزہ تھے۔

۵- ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور انہوں نے کہا کہ یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں یعنی وہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں اور ایسے قصے ہیں جن کو ان لوگوں نے گھڑ کر لکھ رکھا ہے جیسے رستم وغیرہ کے قصے [''اساطیر''، ''اسطار'' کی جمع ہے یا ''اسطورۃ'' کی جمع ہے جیسے ''احدوثۃ'' ہے] ﴿اكْتَتَبَهَا﴾ جس کو اس نے اپنے آپ کے لیے لکھ لیا ہے ﴿فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ﴾ سو آپ پر وہ کلام اس کی کتاب سے پڑھا جاتا ہے ﴿بُكْرَةً﴾ دن کے شروع میں (صبح) ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور دن کے آخر میں (شام کے وقت) پس آپ اسے یاد کر لیتے ہیں جو آپ پر پڑھا جاتا ہے پھر آپ اس کو ہمارے سامنے تلاوت کر دیتے ہیں۔

٦- ﴿قُلْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فرمائیے کہ ﴿اَنْزَلَهُ﴾ اس کو یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے ﴿الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اس (خدا) نے جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے یعنی وہ ہر اس پوشیدہ اور مخفی بات کو جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے یعنی بے شک قرآن مجید جب ایسے غیوب کے علم پر مشتمل ہے جس کو بطورِ عادت محال و ناممکن ہے کہ حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر تعلیم کے جان لیں۔ یہ بات بذاتِ خود دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید آپ پر علام الغیوب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے پس وہ ان کو مہلت دیتا ہے اور ان کو عذاب میں جلد نہیں پکڑتا اور اس لیے انہوں نے تکبر و غرور کر کے عذاب اپنے اوپر واجب و لازم کر لیا۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھانے پینے اور کاروبار کرنے پر کفار کے ملحدانہ اعتراضات

۷'۸- ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ﴾ اور انہوں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے [مصحفِ عثمانی میں لام کو ''ھا'' سے جدا کر کے لکھا گیا اور مصحفِ عثمانی کے مطابق لکھنا سنت ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی (ورنہ ''مَا لِهٰذَا'' لکھا جاتا)] اور کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول کہنا ان کی طرف سے آپ کا مذاق اڑانے کے لیے تھا گویا انہوں نے کہا کہ انہیں کیا ہو گیا جو اپنے آپ کو رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گمان کرتے ہیں ﴿يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں کاروبار بھی کرتے ہیں [یہ حال ہے اور اس کا عامل ''هٰذَا'' ہے] ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ ان پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ان کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا ان پر خزانہ نازل کیا جاتا یا ان کے لیے باغ ہوتا جس سے کھاتے پیتے یعنی اگر یہ درست اور صحیح ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو انہیں کیا ہو گیا کہ یہ کھانا کھاتے ہیں جیسے ہم کھانا کھاتے ہیں اور یہ بازاروں میں روزگار کی تلاش میں کاروبار کرتے ہیں اور آتے جاتے ہیں جیسے ہم بازاروں میں کاروبار کرنے کے لیے آتے جاتے ہیں۔ دراصل کفار کا مقصد یہ تھا کہ رسولِ خدا کے لیے واجب و لازمی ہے کہ وہ فرشتہ ہو جو کھانے پینے سے اور ذریعۂ معاش کے حصول سے بے نیاز و مستغنی ہو پھر یہ لوگ اس اعتراض سے نیچے اتر آئے کہ رسولِ خدا کم از کم اپنا انسان ہو جس کے ساتھ لوگوں کو منوانے کے لیے ایک فرشتہ ہو جو ڈرانے دھمکانے اور خوفِ خدا دلانے کے لیے ان کا معاون و مددگار ہو پھر اس سے نیچے اتر آئے کہ وہ مال دار ہو ان پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل کیا جائے جس سے مدد حاصل کریں اور ذریعۂ معاش کے حصول کی طرف احتیاج نہ رہے پھر اس سے بھی نیچے اتر آئے یہاں تک کہ وہ کہنے لگے کہ چلو رسولِ خدا ایسا آدمی تو ضرور ہونا چاہیے جس کے پاس باغ ہو جس سے مال داروں کی طرح خوب کھائے پیئے یا ہم لوگ اس میں سے کھائیں [جیسے علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''يَاْكُلُ'' کی بجائے ''نَاْكُلُ''

ہے اور فعل مضارع کا عطف فعل ماضی پر بہتر ہے اور وہ ''یُلْقٰی'' اور ''تَکُوْنُ'' کا ''اُنْزِلَ'' پر عطف ہے اور یہ دخیل المضارع ماضی ہے اور وہ یہ کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فعل مضارع دخیل ہو گیا ہے اور وہ ''فَیَکُوْنَ'' ہے اور ''فَیَکُوْنَ'' کے آخر میں مشہور قراءت کی بناء پر نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ ''لَوْلَا'' کا جواب ہے' جو بہ معنیٰ ''ھَلَّا'' کے ہے اور اس کا حکم حرف استفہام جیسا ہے] ﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور ظالموں نے مسلمانوں سے ان کے سامنے کہا کہ (تم سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو) اور اسم مضمر کی بجائے اسم ظاہر ''ظٰلِمِیْنَ'' کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ کافروں پر ظلم کی مہر ثبت کی جائے جو کچھ انہوں نے کہا تھا اور اس سے قریشِ مکہ کے کفار مراد ہیں ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ تم پیروی نہیں کرتے ہو مگر ایسے آدمی کی' جس پر جادو کیا گیا ہے' پس وہ دیوانہ ہو گیا ہے یا وہ جادو والا ہے' کفار کا مقصد یہ تھا کہ حضور محض انسان ہیں فرشتے نہیں ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩ۧ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ ع ۹ ۱۴
اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ
لَّكَ قُصُوْرًا ۝١٠ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝١١ۚ

غور سے دیکھئے انہوں نے آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے' پس اب وہ سیدھا راستہ نہیں پا سکتے O وہ بڑی برکت والا ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہترین باغات بنا دے' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اور وہ آپ کے لیے عالی شان محلات تیار کر دے O بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا' اور جس نے قیامت کو جھٹلایا اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

۹- ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ اے محبوب! دیکھئے کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں یعنی انہوں نے آپ کے بارے میں کیسی باتیں کہیں اور انہوں نے آپ کے لیے کیسے صفات واحوال گھڑ لیے ہیں کہ مفتری' لوگوں سے سن کر کلام بیان کرنے والا اور سحر زدہ کہا ﴿فَضَلُّوْا﴾ پس اس لیے وہ حق سے گمراہ ہو گئے ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ سو وہ لوگ حق کی طرف راستہ نہیں پا سکتے۔

## کفار کے اعتراضات کا جواب' ان کے بُرے انجام اور پرہیزگاروں کے نیک انجام کا بیان

۱۰- ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾ بڑا بابرکت ہے وہ (خدا) کہ اگر وہ چاہے تو وہ آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنا دے' جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور وہ آپ کے لیے عالی شان محلات بنا دے یعنی سب سے زیادہ خیر و بھلائی وہ ہو گی جو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں اگر چاہے تو عطا فرمادے' جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں بھی اسی طرح باغات اور محلات عطا فرما دے جس طرح کے باغات ومحلات کا آپ سے آخرت میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے [''جَنّٰتٍ''، ''خَيْرًا'' سے بدل ہے اور ''وَيَجْعَلُ'' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں مرفوع ہے کیونکہ شرط جب فعل ماضی واقع ہو تو اس کی جزا میں جزم اور رفع دونوں جائز ہوتے ہیں]۔

۱۱- ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا۔ [یہ ان کی بیان کردہ حکایت پر معطوف ہے [اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلکہ انہوں نے اس سے عجیب ترین بات کہی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے یا پھر یہ اپنے قریب ماقبل سے متصل ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلا دیا تو وہ اس جواب کی طرف کیسے توجہ کریں گے یا اس جیسی نعمتوں کی کیسے تصدیق کریں گے' جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے آخرت میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ وہ تو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا﴾ اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والے کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (یعنی) ہم نے اس کے جھٹلانے والے کے لیے سخت ترین بھڑکتی ہوئی شعلے مارنے والی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

جب انہیں دور کی جگہ سے دیکھے گی تو وہ اس کے جوش مارنے اور چلانے کی غضب ناک آوازیں سنیں گے O اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس کی تنگ جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت مانگیں گے O (انہیں کہا جائے گا کہ) آج تم ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے' یہ ان کے لیے اجر و ثواب اور نیک مرجع گاہ ہے O اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ مانگا ہوا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا آپ کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر لازم ہے O

۱۲- ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ﴾ جب وہ انہیں یعنی جب آگ انہیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھے گی ﴿مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ دور جگہ سے یعنی جب آگ ان سے دوری میں دیکھنے والوں کی نظر کی انتہاء تک دور ہوگی تو ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾ وہ لوگ آگ کے جوش مارنے اور چلانے کی غضب ناک آوازیں سنیں گے یعنی وہ اس کے ہانڈی کی طرح اُبلنے کی آوازیں سنیں گے اور اس کو جوش مارنے والی اور چلانے والی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یا پھر یہ معنی ہے کہ جب آگ پر مقرر زبانیہ فرشتے انہیں دیکھیں گے تو وہ کفار پر غضب ناک ہو کر دھاڑیں گے اور چلائیں گے۔

۱۳- ﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا﴾ اور جب انہیں اس آگ کے تنگ مکان میں ڈال دیا جائے گا' جس میں تنگی کے ساتھ شدت کی تکلیف بھی ہوگی جیسے کشادہ جگہ کے ساتھ راحت و سکون ہوتا ہے اور اس لیے جنت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اس کی فقط چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہوگی (اور لمبائی پھر کتنی زیادہ ہوگی) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دوزخ ان پر اس طرح تنگ ہو جائے گی جس میں تیر کا پھل تیر میں تنگ ہو جاتا ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ضَيْقًا" میں "یا" ساکن ہے] ﴿مُّقَرَّنِيْنَ﴾ جکڑے ہوئے ہوں گے یعنی وہ تنگی کے ساتھ ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کی طرف طوقوں میں بندھے ہوئے ہوں گے یا ہر کافر

کے ساتھ اس کا شیطان ساتھی ایک زنجیر میں جکڑا ہوا ہوگا اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنی ہوئی ہوں گی ﴿ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴾ وہاں (یعنی) اس وقت وہ موت وہلاکت کی دعا کریں گے یعنی وہ لوگ کہیں گے: "وَ اثْبُوْرًا" یعنی اے موت! ادھر آ' پس یہ تیرا وقت ہے' سو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا:

١٤- ﴿ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴾ آج تم ایک موت نہ مانگو بلکہ تم بہت سی موتیں مانگو یعنی جس جگہ تم داخل ہو اس میں تمہاری ایک ہلاکت نہیں بلکہ اس میں تمہیں بہت سی ہلاکت خیز تکالیف اور عذاب سہنے پڑیں گے۔

١٥- ﴿ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یعنی دوزخ کی آگ کی جو صفت اوپر ذکر کی گئی ہے وہ بہتر ہے ﴿ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ یا ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا پرہیز گاروں کو وعدہ دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ڈانٹنے کے لیے "لَا خَيْرَ فِي النَّارِ" کی بجائے "اَذٰلِكَ خَيْرٌ" فرمایا [موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] ﴿ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴾ وہ (بہشت) ان کے لیے اجر و ثواب اور نیک مرجع گاہ ہے' یہاں اللہ تعالیٰ نے فعل ماضی "كَانَتْ" اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرمالیتا ہے وہ گویا اپنے تحقق و ثبوت کے لحاظ سے ہو چکا ہے یا یہ کہ پرہیز گاروں کی پیدائش سے پہلے یہ وعدہ لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

١٦- ﴿ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ["خٰلِدِيْنَ" حال واقع ہو رہا ہے "يَشَآءُوْنَ" کی ضمیر سے] ﴿ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴾ یہ مانگا ہوا وعدہ آپ کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر پورا کرنا لازم اور واجب ہے (یعنی) یہ وعدہ مطلوب ہے یا اس لائق ہے کہ اس کا سوال کیا جائے یا یہ کہ اس کا مسلمانوں نے اور فرشتوں نے اپنی اپنی دعاؤں میں سوال کیا ہے' مثلاً "رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ" (آل عمران: ۱۹۴) "اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمالیا ہے"۔ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً" (البقرہ: ۲۰۱) "اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہمیں خیر و بھلائی عطا فرمانا"۔ "رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ" (غافر: ۸) "اے ہمارے پروردگار! تو ان کو چین کی بہشتوں میں داخل فرما' جن کا تو ان سے وعدہ فرما چکا ہے"۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ
هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا
قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَ
مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿١٩﴾

اور جس دن وہ انہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کو جمع کرے گا تو فرمائے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راہ سے بھٹک گئے تھے○ وہ عرض کریں گے کہ تو پاک ہے' ہمارے لیے مناسب نہ تھا کہ ہم

تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحال بنا دیا یہاں تک کہ وہ تیرے ذکر کو بھول گئے اور وہ تباہ کار لوگ ہو گئے O سو جو کچھ تم کہتے رہے ہو اس میں تمہیں یہ یقیناً جھٹلا چکے ہیں' پس اب تم عذاب کو نہیں پھیر سکتے اور نہ مدد لے سکتے ہو' اور تم میں سے جو ظلم کرے گا ہم اسے بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے O

## قیامت کے دن بتوں کا اعلانِ براءت اور کفار کی شامت

۱۷۔﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا۔ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک اس سے مرنے کے بعد روزِ حشر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور میدانِ حشر میں جمع کرنا مراد ہے [ابن کثیر مکی' یزید' یعقوب اور امام حفص کی قراءت ''یَا'' کے ساتھ ''یَحْشُرُهُمْ'' ہے[1]] ﴿وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی جمع کیا جائے گا۔ معبودوں سے فرشتے اور حضرت مسیح و حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں۔ کلبی (ضحاک اور عکرمہ) سے منقول ہے کہ معبودوں سے بت مراد ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا: عام ہے اور کلمۂ ''مَا'' عقلاء اور غیر عقلاء دونوں کو شامل ہے کیونکہ اس سے وصف مراد ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروزِ حشر مشرکین کو اور ان کے معبودوں کو جمع فرمائے گا ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پھر ان سے فرمائے گا [ابن عامر شامی کی قراءت میں نون کے ساتھ ''فَنَقُوْلُ'' ہے] ﴿ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا [''هٰٓؤُلَآءِ'' ''عِبَادِيْ'' سے بدل ہے] اس سے مشرکین مراد ہیں یعنی (بتوں سے کہا جائے گا کہ) کیا تم نے ان مشرکین کو گمراہ کیا تھا ﴿اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ یا وہ خود گمراہ ہو گئے [اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ''ضَلُّوا عَنِ السَّبِيْلِ'' ہوتا مگر انہوں نے حرفِ جار کو ترک کر دیا' جیسا کہ انہوں نے ''هَدَاهُ الطَّرِيْقَ'' میں حرف جار کو ترک کر دیا اور اصل میں ''اِلَى الطَّرِيْقِ'' یا ''لِلطَّرِيْقِ'' ہے اور ''اَضَلَّهٗ'' کا مطاوع ''ضَلَّ'' ہے اور شبہ کا حرف داخل کر کے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا تم نے ان کو راہِ حق سے بھٹکا کر گمراہی میں ڈال دیا یا وہ خود حق کی راہ سے بھٹک گئے تھے اور یہاں ''ءَاَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ'' نہیں فرمایا بلکہ ''اَنْتُمْ'' اور ''هُمْ'' کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال فعل اور اس کے وجود سے نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو یہ عتاب بھی متوجہ نہ ہوتا لیکن یہ سوال فعل سے پھیر کر اس کے فاعل (یعنی بتوں) سے کیا گیا ہے' لہٰذا ان کا ذکر کرنا ضروری ہے اور اس پر حرفِ استفہام (سوالیہ حرف) داخل کرنا بھی ضروری ہے تا کہ مسئول عنہ کا علم ہو سکے اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو مسئول عنہ معلوم ہے لیکن ان سے سوال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ وہی جواب دیں جو انہوں نے دیا ہے تا کہ بتوں کے جھٹلانے پر بت پرستوں کو ڈانٹا جائے اور ان کی ندامت و حسرت بڑھ جائے]۔

۱۸۔﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ﴾ وہ عرض کریں گے: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بتوں کی طرف سے بطورِ تعجب یہ کلمہ کہا جائے گا' اس سوال کی وجہ سے جو ان سے پوچھا جائے گا یا پھر وہ اس کلمہ ''سُبْحَانَكَ'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے شریکوں سے منزہ و مبرا ہونے کا ارادہ کریں گے اور یہ کہ اس کے لیے کوئی نبی یا کوئی فرشتہ یا ان کے علاوہ کوئی اور اس کا شریک نہیں ہو سکتا' پھر وہ عرض کریں گے: ﴿مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اور ہمیں یہ لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے یعنی ہمارے لیے صحیح نہیں ہے اور نہ ہمارے لیے یہ درست ہے کہ ہم تیرے سوا کسی کو دوست بنا لیں' پس یہ ہمارے لیے کیسے صحیح ہو گا کہ ہم اپنے غیروں کو گمراہ کریں کہ وہ تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت کریں اور ہمیں

[1] ابن عامر شامی' ابو عمرو' حمزہ' علی کسائی' نافع مدنی' عاصم' شنبوذی' طلحہ' حسن' شعبہ اور خلف کی قراءت میں نون کے ساتھ ''نَحْشُرُهُمْ'' ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۲۷۷)

دوست بنالیں [یزید کی قراءت میں ''نُتَّخَذَ'' (نون پر پیش) پڑھا گیا ہے اور ''اِتَّخَذَ'' کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ''اِتَّخَذَ وَلِیًّا'' اور کبھی دو مفعولوں کی طرف جیسے ''اِتَّخَذَ فُلَانًا وَلِیًّا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ'' (الانبیاء:۲۱) ''کیا انہوں نے زمین میں سے کچھ معبود ٹھہرا لیے ہیں''۔ ''وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا'' (النساء:۱۲۵) ''اور اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم کو خلیل بنالیا ہے''۔ سو پہلی قراءت میں ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ ''مِنْ اَوْلِيَآءَ'' ہے اور یہ اصل میں ''اَنْ نَّتَّخِذَ اَوْلِيَآءَ'' ہے' حرف ''مِنْ'' نفی کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے زیادہ کیا گیا اور دوسری قراءت میں دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے' پہلا مفعول فعل مجہول کی وجہ سے نائب فاعل ہے جسے مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں اور دوسرا مفعول ''مِنْ اَوْلِيَآءَ'' اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے یعنی ہم بعضوں کو دوست نہیں بناتے کیونکہ حرف ''مِنْ'' دوسرے مفعول میں زیادہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف پہلے میں زائد ہوتا ہے' چنانچہ تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ ''مَا اتَّخَذْتُ مِنْ اَحَدٍ وَلِيًّا'' اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''مَا اتَّخَذْتُ اَحَدًا مِّنْ وَّلِيٍّ''] ﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ اور لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحال بنا دیا (یعنی) مال و دولت اور اولاد اور دراز زندگی اور عذاب سے سلامتی دے کر انہیں آسودہ حال بنا دیا ﴿حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ﴾ یہاں تک کہ انہوں نے ذکر کو بھلا دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اور اس پر ایمان لانے کو اور قرآن مجید اور شرعی احکام کو بھلا دیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہلاک ہونے والی قوم تھی [''بور''، ''بائر'' کی جمع ہے جیسے ''عود''، ''عائد'' کی جمع ہے]۔

۱۹- پھر غائب سے عدول کر کے خطاب کے طریقہ پر کفار سے کہا جائے گا: ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ﴾ سو بے شک تمہارے باطل معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا ہے اور یہ اچانک حجت پیش کرنا اور الزام دینا بہت عمدہ طریقہ ہے' خصوصاً جب اس کے ساتھ خطاب مل جائے اور قول محذوف ہے۔ جس کی نظیر یہ ارشاد ہے: ''يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ'' اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لا چکے ہیں جو تمہارے لیے احکامِ الٰہی بیان کرتے ہیں' رسولوں کی آمد کے بند ہو جانے کے بعد کہ کبھی یہ کہہ دو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا نہیں آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا ہے' پس بے شک تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ (المائدہ:۱۹) اور ایک کہنے والے کا قول ہے:

قَالُوْا خُرَاسَانُ اَقْصٰی مَا یُرَادُبِنَا ثُمَّ الْعُقُوْلُ فَقَدْ جِئْنَا خُرَاسَانَا

''انہوں نے کہا کہ خراسان ہمارے مقصود سے بہت دور ہے' پھر قافلے ہمیں خراسان لے آئے''۔

﴿بِمَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ان کے بارے میں جو تم کہتے ہو کہ وہ معبود ہیں [اور حرف ''بَا'' اس پر اس طرح ہے جس طرح (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ''بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ'' (قٓ:۵) ''بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کی''۔ اور جار مجرور مل کر ضمیر سے بدل ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک انہوں نے (یعنی بتوں نے) تمہاری باتوں کی تکذیب کی اور قنبل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''بِمَا يَقُوْلُوْنَ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے: بے شک انہوں نے اپنے قول سے تمہیں جھٹلایا' جیسے ارشاد ہے: ''سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ'' (الفرقان:۱۸) ''تو پاک ہے ہمیں لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے''۔ اور اس میں حرف ''بَا'' اس طرح ہے جس طرح تمہارے اس قول میں ہے کہ ''كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ'' میں نے قلم کی مدد سے لکھا ہے] ﴿فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا﴾ پس اب تم نہ عذاب کو پھیر

سکتے ہو اور نہ تم کسی سے مدد لے سکتے ہو یعنی تمہارے بت نہ تم سے عذاب کو پھیر سکتے ہیں اور نہ وہ تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں [اور امام حفص کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ہے] یعنی اے کافرو! تم اپنے آپ سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تم اپنی مدد کر سکتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو بطور عموم مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا یعنی شرک کرے گا کیونکہ ظلم کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے اپنے محل کی بجائے غیر کے محل میں رکھنا اور جس نے مخلوق کو اس خالق کے ساتھ شریک ٹھہرایا' اس نے یقیناً ظلم کیا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کر رہا ہے کہ ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' (لقمان: ۱۳) ''بے شک شرک کرنا ضرور بہت بڑا ظلم ہے''۔ ﴿ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴾ ہم اسے بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہے گا اور یہ تفسیر مشرک کے لائق ہے فاسق کے لیے نہیں' البتہ معتزلہ اور خوارج کے قول پر ٹھیک ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۱ / ۱۷

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ بلاشبہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے' اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنادیا ہے' کیا تم صبر کرو گے اور آپ کا پروردگار سب کچھ دیکھنے والا ہے ○

۲۰۔ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر بلاشبہ وہ کھانا کھاتے تھے اور وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے [''اِنَّ'' میں کسرہ اس لیے دیا گیا ہے کہ خبر میں لام ہے اور ''اِلَّا'' کے بعد یہ جملہ محذوف موصوف کی صفت ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ سب کھانا کھانے والے اور کاروبار کے لیے بازاروں میں چلنے پھرنے والے ہوتے تھے اور جار مجرور پر اکتفا کرتے ہوئے موصوف ''احدًا'' کو حذف کر دیا گیا یعنی ''مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ''] اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات: ۱۶۴) ''اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے ایک معین مقام ہے''۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان لوگوں پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی ہے ﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ﴾ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے یعنی امتحان و ابتلاء بنایا اور یہ رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو فقر و غربت پر عار دلائی تھی اور بازاروں میں کاروبار کے سلسلے میں آنے جانے پر عار دلائی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کو فقراء کے لیے آزمائش بنایا' سو وہ جسے چاہتا ہے غنی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب و محتاج بنا دیتا ہے ﴿ اَتَصْبِرُوْنَ ﴾ کیا تم اس آزمائش پر صبر کرو گے' پس تمہیں اجر و ثواب دیا جائے گا یا تم صبر نہیں کر سکتے' پس تمہارا غم و رنج بڑھے گا اور ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک نیک بزرگ اپنی معیشت کی تنگی کی وجہ سے بہت پریشان تھے' پھر روزگار کی تلاش میں پریشان ہو کر نکلے تو دیکھا کہ ایک نامرد آدمی سامان اٹھانے والے مزدوروں میں کام کر رہا ہے اور بزرگ کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوا تو انہوں نے ایک شخص کو یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم صبر کریں گے یا اس کا معنی ہے کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو انسانوں کے لیے آزمائش و امتحان بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اگر آپ غنی و مالدار اور خزانوں اور باغات کے مالک ہوتے تو لوگ آپ کی اطاعت صرف دنیا کی خاطر کرتے یا دین و دنیا دونوں کے

لیے کرتے جس کی وجہ سے دینی معاملات دنیا سے ملوث ہوتے' سو ہم نے آپ کو صاحب فقر بنا کر بھیجا تا کہ جو شخص آپ کی اطاعت کرے تو اس کی اطاعت خالص ہمارے لیے ہو'اس میں دنیا کی آمیزش نہ ہو ﴿وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا﴾ اور آپ کا پروردگار سب کچھ دیکھنے والا ہے اور جس کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تو اس کی حسن نیت کو وہ خوب جاننے والا ہے یا وہ خوب جاننے والا ہے' کون صبر کرتا ہے اور کون جزع وفزع اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝۲۱ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۲۲ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝۲۴ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝۲۵ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝۲۶

اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے' یا ہم اپنے پروردگار کو اپنے سامنے دیکھ لیں' بے شک انہوں نے اپنے دلوں میں تکبر کیا اور بہت بڑی سرکشی کی O جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے: کوئی رکاوٹ آڑ بن جائے O اور ہم ان کے اعمال کی طرف توجہ کریں گے اور ہم ان کو غبار کے بکھرے ہوئے باریک ذرے بنا دیں گے O اس دن جنت والوں کا بہترین ٹھکانا ہوگا اور دوپہر کی نیند کے لیے بہترین آرام گاہ ہوگی O اور اس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے جیسا نازل کرنے کا حق ہے O اس دن بادشاہی صرف رحمٰن کے لیے ثابت ہوگی اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا O

## کفار کی بدنصیبیاں اور جنت والوں کی خوش نصیبی

۲۱-﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ اور ان لوگوں نے کہا جو بھلائی کے ساتھ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کیونکہ وہ کافر ہیں' جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتے یا وہ ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے یا تو اس لیے کہ امیدوار جس چیز کی امید رکھتا ہے' وہ اس کے بارے میں ڈرنے والے کی طرح پریشان رہتا ہے [یا اس لیے کہ تہامہ کی لغت میں "رجاء" کا معنی خوف ہے] ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے (یعنی) انسان کی بجائے فرشتوں کو نبی اور رسول بنا کر ہم پر کیوں نہیں نازل کیا گیا یا یہ معنی ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اور آپ کے رسالت کے دعویٰ کرنے پر گواہی دینے کے لیے فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجا گیا ﴿اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ یا ہم اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لیتے (یعنی) اللہ تعالیٰ کھلم کھلا ہمارے سامنے آتا' ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے اور وہ ہمارے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی گواہی دینے اور ان کی پیروی کرنے کا ہمیں حکم دیتا ﴿لَقَدِ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ بے شک انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا یعنی انہوں نے حق سے تکبر کرنے کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھا اور اس سے کفر اختیار کرنا اور اپنے دلوں میں دین حق کے بارے میں بغض و عناد رکھنا مراد ہے ﴿ وَعَتَوْ ﴾ اور انہوں نے سرکشی کی اور انہوں نے ظلم و ستم کرنے میں حد سے تجاوز کیا اور حد سے بڑھ کر ظلم و ستم ڈھایا ﴿ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴾ بہت بڑی سرکشی۔ ''عتو'' کو ''کبیر'' کے ساتھ موصوف کر کے اس کی زیادتی میں مبالغہ کیا گیا کہ ان کی سرکشی بہت زیادہ بڑھ گئی یعنی بے شک انہوں نے صرف اس بہت بڑے بول بولنے پر ہی جسارت نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بہت بڑا تکبر بھی کیا اور وہ تکبر و سرکشی میں انتہاء کو پہنچ گئے [اور لام محذوف قسم کا جواب ہے]۔

۲۲۔﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴾ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ یعنی موت کے دن یا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے دن [اور ''يَوْمَ'' منصوب ہے کیونکہ اس پر ''لَا بُشْرٰى'' دلالت کر رہا ہے یعنی جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن انہیں خوشخبری سے محروم کر دیا جائے گا اور خوشخبری سنانے سے روک دیا جائے گا اور ''يَوْمَئِذٍ''' ''يَوْمَ يَرَوْنَ'' کی تاکید کرنے کے لیے ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اے حبیب! اس دن کو یاد کیجئے' جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر سنائی کہ اس روز انہیں جنت کی خوشخبری نہیں سنائی جائے گی اور یہ ''يَرَوْنَ'' سے منصوب نہیں ہے کیونکہ مضاف الیہ اپنے مضاف میں عمل نہیں کرتا اور نہ ''بُشْرٰى'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ ''لَا'' کی وجہ سے منفی ہونے والا ''لَا'' کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور ''لِّلْمُجْرِمِيْنَ'' اسم ظاہر کو اسم ضمیر (لَهُمْ) کی جگہ لایا گیا ہے یا تو عام ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے ان کو بھی شامل ہے اور اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور اس سے کفار مراد ہیں' اس لیے کہ جب مطلق اسماء بولے جائیں تو اس وقت ان سے کامل ترین مسمیات مراد ہوتے ہیں]۔

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہیں گے یعنی فرشتے کہیں گے: ﴿ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ ایسی رکاوٹ جو ممنوع ہے (یعنی) حرام ہے' جو تم پر خوشخبری کو حرام کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر حرام کر دیا ہے' بے شک خوشخبری صرف مؤمنوں کے لیے ہے [اور ''حِجْرٌ'' مصدر ہے' اس کے شروع میں کسرہ اور فتح دونوں لغتوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ ''حَجَرَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کو روک دیا جائے اور یہ منصوبہ مصادر میں سے ہے جن کے افعال کے اظہار کو ترک کر دیا گیا ہے اور ''مَحْجُوْرًا''' ''حجر'' کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے ہے' جیسا کہ عرب کہتے ہیں: ''مَوْتٌ مَائِتٌ'']۔

۲۳۔﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ اور ہم ان کے ان اعمال کا قصد و ارادہ فرمائیں گے' جو انہوں نے زمانۂ کفر میں کیے تھے' تو ہم ان کو غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح برباد کر کے فضا میں اُڑا دیں گے۔ ''مَنْثُوْرًا''' ''هَبَآءً'' کی صفت ہے اور وہاں آنا جانا نہیں ہوگا' اس لیے ''قَدِمْنَا'' اپنے اصل معنی میں نہیں ہے لیکن یہاں کفار اور ان کے اعمال کے حال کی مثال بیان کی گئی ہے' جو انہوں نے دنیا میں زمانۂ کفر میں کیے تھے جیسے صلۂ رحمی' مظلوم کی فریاد رسی کرنا' مہمان نوازی' قیدیوں کو آزاد کرنا اور یتیموں کی پرورش کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان کی مثال بادشاہ کے مخالفوں اور نافرمانوں کے حال کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ بادشاہ ان کے پاس آئے اور ان کی جائیداد وغیرہ تمام چیزیں چھین لے اور اپنے ماتحت عملہ کو حکم دے جو باغیوں کو کچل دیں اور ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہنے دیں اور ''هَبَآءً'' وہ گرد و غبار ہوتا ہے' جو سورج کی کرنوں سے روشندانوں میں نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے' اسی کو غبار کے ساتھ

تشبیہ دی گئی ہے اور ''منثور'' جدا جدا اور بکھرے ہوئے ذرات کو کہا گیا ہے اور یہ اشارہ ہے کہ ان کے اعمال کو غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح برباد کر دیا جائے گا' جو کبھی اجتماعیت کو قبول نہیں کریں گے اور نہ کبھی ان سے نفع اٹھایا جا سکے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں پر جنتیوں کی فضیلت کو بیان کیا اور ارشاد فرمایا:

۲۴- ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا﴾ جنتی لوگ اس دن بہترین ٹھکانا میں ہوں گے [اور ''مُسْتَقَرًّا'' تمیز ہے] اور ''مستقر'' اس مکان کو کہا گیا ہے' جس میں جنتی حضرات اکثر اوقات میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں گے اور آپس میں مل کر ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کیا کریں گے ﴿وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ اور بہترین آرام گاہ ہو گی (یعنی) وہ مکان جس میں جنتی لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ سکون و راحت حاصل کرنے کے لیے ٹھہریں گے اور آرام کریں گے اور جنت میں نیند نہیں ہو گی لیکن حوروں کے ساتھ جنتیوں کے آرام کرنے کو بطور تشبیہ ''مقیلا'' کہا گیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس دن لوگ آدھے دن میں حساب سے فارغ ہو جائیں گے' پس اس لیے جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں قیلولہ کے وقت (دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے سونے کو قیلولہ کہتے ہیں) داخل کیا جائے گا اور ''احسن'' کا ذکر کفار کا مذاق اُڑانے کے لیے کیا گیا ہے۔

۲۵- ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ﴾ اور اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جس دن آسمان پھٹ جائے گا [اصل میں ''وَاذْكُرْ يَوْمَ'' ہے اور ''تَشَقَّقُ'' اصل میں ''تَتَشَقَّقُ'' تھا' اہل کوفہ اور ابوعمرو کے نزدیک ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''تا'' کو شین میں مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿بِالْغَمَامِ﴾ بادلوں کے سبب۔ جب آسمان کا پھٹنا اس میں سے بادلوں کے طلوع ہونے کا سبب ہو گا تو بادلوں کو سبب قرار دیا گیا گویا بادلوں کے سبب آسمان پھٹ جائے گا' جیسے کہا جائے کہ کوہان کو چھری سے کاٹا جائے اور کوہان اس کے سبب پھٹ گیا ﴿وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ اور فرشتے نازل کیے جائیں گے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''نُنْزِلُ'' (باب افعال سے) ہے اور ''تَنْزِيْلًا'' اس قراءت کے مطابق مصدر غیر لفظ فعل سے ہو گا] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک آسمان سفید بادلوں کی وجہ سے کھل جائے گا' جو اس میں سے نکلیں گے اور ان بادلوں میں سے فرشتے نیچے اتریں گے اور ان کے ہاتھوں میں بندوں کے اعمال نامے ہوں گے۔

۲۶- ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ اس دن بادشاہی صرف رحمٰن کے لیے ثابت ہو گی اور اس دن سب بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی اور رحمٰن کی بادشاہی کے علاوہ کسی کی بادشاہی باقی نہیں رہے گی [''اَلْمُلْكُ'' مبتدا ہے اور ''يَوْمَئِذٍ'' اس کا ظرف ہے' جب کہ ''اَلْحَقُّ'' اس کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے: ثابت اور ''لِلرَّحْمٰنِ'' اس کی خبر ہے] ﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں پر وہ دن بڑا سخت ہو گیا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ دن مسلمانوں پر آسان ہو گا' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں پر قیامت کا دن آسان ہو گا' یہاں تک کہ وہ دن دنیا میں دوگانہ فرض نماز ادا کرنے سے کم وقت میں محسوس ہو گا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى
لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا (اور یہ) کہے گا کہ ہائے افسوس کہ میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتاO ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتاO بے شک اس نے مجھے نصیحت سے بہکا دیا اس کے بعد کہ وہ میرے پاس پہنچ چکا تھا' اور شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہےO اور رسول نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیاO اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے ایک شخص کو دشمن بنا دیا اور آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا کافی ہےO

٢٧- ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائیں گے۔ ہاتھوں کے چبانے سے غیظ وغضب اور حسرت وندامت کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ ہاتھوں کا چبانا ندامت وشرمندگی اور غیظ وغضب اور غصے کے مترادف اور تابع ہے' سو مترادف وتابع کا ذکر کیا گیا اور اس کے ذریعے مردوف ومتبوع مراد لیا گیا' پس اب یہ کلام اس کی وجہ سے فصاحت کے طبقہ میں بلند وبالا ہو گیا ہے اور سننے والا اس کو اپنے دل میں اس قدر محفوظ کرے گا' جس قدر اصل متبوع کے سننے کے وقت محفوظ نہ کر پاتا [اور (الظالم) میں لام عہد خارجی کا ہے] اور اس سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے' جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا [یا پھر یہ لام جنس کے لیے ہے] پس اب یہ عقبہ وغیرہ تمام کفار کو شامل ہے ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ﴾ وہ کہے گا کہ کاش! میں نے دنیا میں بنا لیا ہوتا ﴿مَعَ الرَّسُوْلِ﴾ اس محترم ومکرم رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ﴿سَبِيْلًا﴾ نجات پانے اور جنت میں جانے کا راستہ اور اس سے ایمان لانا مراد ہے۔

٢٨- ﴿يٰوَيْلَتٰى﴾ ہائے افسوس! [اور اس کو آخر میں الف کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''يَاوَيْلَتِيْ'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ اصل ہے کیونکہ آدمی بہ وقتِ ندامت ''یَا'' متکلم کے ساتھ ندا کرتا ہے اور اس سے ہلاکت مراد ہے۔ آدمی اسے کہتا ہے: اے ہلاکت! ادھر میرے پاس آ جا' پس یہ تیرے آنے کا وقت ہے' پھر ''یا'' کو الف سے تبدیل کر دیا ہے جیسا کہ ''صحاریٰ'' اور ''مداریٰ'' میں کیا گیا ہے] ﴿لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ کاش! میں نے فلاں آدمی کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ فلاں نام لینے کی طرف اشارہ ہے' پھر ''الظالم'' سے عقبہ مراد ہے تو اس کے اسم (نام) کی طرف اشارہ ہے' جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے ضیافت کے لیے دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں رسول اللہ ﷺ کو بھی بلایا (کیونکہ آپ اس کے ہمسایہ تھے) تو آپ تشریف لے گئے لیکن آپ نے اس کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: جب تک تم توحید ورسالت کی گواہی نہیں دو گے' میں تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا اور اس نے (یہ سوچ کر کہ آپ بغیر کھانا کھائے واپس نہ چلے جائیں) کلمہ پڑھ لیا تو اس کے ایک دوست اُبی بن خلف (جو دعوت میں شریک نہ ہو سکا) نے اس سے کہا کہ جب تک تم اس دین سے واپس رجوع نہیں کر لیتے' تیری میری ملاقات حرام اور دوستی ختم' چنانچہ عقبہ مرتد ہو گیا' سو اب آیت مبارکہ کا معنی یہ ہو گا: کاش! میں نے اُبی بن خلف کو دوست نہ بنایا ہوتا اور اگر اس ''الظالم'' سے جنس مراد ہے تو پھر وہ تمام ظالم مراد ہوں گے' جنھوں نے گمراہ کرنے والوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا اور اب ''خلیل'' اسم علم ہو گا اور آیت مبارکہ میں ''فُلَانًا خَلِيْلًا'' میں اسی کی طرف اشارہ ہو گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''خلیل'' سے شیطان مراد ہے (یعنی کاش! میں نے شیطان کو دوست نہ بنایا ہوتا)۔

٢٩- ﴿لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ﴾ بے شک اس نے مجھے نصیحت سے بہکا دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یا قرآن

مجید سے یا ایمان لانے سے بہکا کر دور کر دیا ﴿بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس آ چکا ﴿وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ اور شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے یعنی اس کا دوست جس کا نام شیطان رکھا گیا ہے کیونکہ اس نے اسی طرح گمراہ کیا' جس طرح شیطان گمراہ کرتا ہے یا ابلیس مراد ہے کیونکہ یہ اس شخص پر فوراً حملہ آور ہو جاتا ہے جو کسی گمراہ کرنے والے کو دوست بنا لیتا ہے اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرتا ہے اور یہاں ''انسان'' سے اس کا مطیع وفرماں بردار آدمی مراد ہے (ہر انسان نہیں) اور ''خَذُوْلًا'' کا معنی ہے: بہت ذلیل وخوار اور بہت رسوا کرنے والا۔ یہ ''خذلان'' سے ماخوذ ہے اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی ابلیس کی عادت ہے' جو اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے' اسے گمراہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے یا پھر یہ اسی ظالم کا کلام ہے۔

۳۰۔ ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسول نے کہا۔ (سیّد عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں (قریش مکہ کی ہٹ دھرمی دیکھ کر) عرض کیا کہ ﴿یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی﴾ اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم قریش نے ﴿اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ اس قرآن مجید کو متروک کر دیا یعنی چھوڑ دیا اور اس پر ایمان نہیں لائی [اور ''مَهْجُوْرًا''، ''ھجران'' سے ماخوذ ہے اور یہ ''اِتَّخَذُوْا'' کا دوسرا مفعول ہے] اور اس آیت مبارکہ میں اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے اور ان کی شکایت کرنے کے لیے دھمکی ہے' کیونکہ جب انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی قوم کی شکایت کرتے ہیں تو ان پر عذاب نازل ہو جاتا ہے اور انہیں مہلت نہیں دی جاتی' پھر اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لیے آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کفار کے خلاف آپ کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

۳۱۔ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا﴾ اور اسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیئے اور آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا آپ کو کافی ہے یعنی اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کو اپنی قوم کی طرف سے عداوت ودشمنی میں مبتلا کیا گیا اور میں ان کو مغلوب ومقہور کرنے کی راہ کی طرف آپ کی رہنمائی کرنے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے اور ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہوں [اور ''عَدُوًّا'' کو واحد اور جمع لانا' دونوں طریقے جائز ہیں اور حرف ''بَا'' زائدہ ہے اور ''هَادِیًا وَّنَصِیْرًا'' تمییز ہیں] یعنی آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا ہدایت میں کافی ہے۔

مع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ
لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ
وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ
ع ۳ ۱۴ ۱ سَبِیْلًا ﴿۳۴﴾ ع

اور کافروں نے کہا کہ اس پر سارا قرآن ایک دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل مبارک کو مضبوط کر دیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ○ اور وہ آپ کے پاس کوئی مثال نہیں لائیں گے' مگر ہم آپ کے پاس حق بات اور بہترین وضاحت پیش کریں گے ○ انہیں لوگوں کو دوزخ میں اپنے مونہوں

کے بل جمع کیا جائے گا' انہیں لوگوں کا بدترین ٹھکانا ہے' اور (یہی لوگ) سب سے زیادہ گمراہ ہیں O

٣٢- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے کہا۔ یعنی قریش نے یا یہود نے کہا کہ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ ان پر سارا قرآن مجید ایک دم کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ [''جُمْلَةً''، ''قُرْاٰن'' سے حال ہے' سارا قرآن مجید جمع کر کے]۔ ''وَّاحِدَةً'' ایک دفعہ یعنی یہ قرآن مجید حضور پر سارے کا سارا ایک دفعہ ایک وقت میں اس طرح کیوں نہیں نازل کیا گیا' جس طرح تورات' انجیل اور زبور تینوں کتابیں بیک وقت ساری نازل کی گئی تھیں اور اس قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ اور یہ فضول قول ہے اور یہ ایسا جھگڑا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ قرآن مجید کے معجزہ اور حجت ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ ایک دفعہ نازل کیا جائے خواہ متفرق نازل کیا جائے اور (نُزِّلَ) یہاں بہ معنی ''انزل'' ہے ورنہ ''جُمْلَةً وَّاحِدَةً'' سے ٹکراؤ ہو جائے گا اور یہ اعتراض فاسد ہے کیونکہ انہیں چھوٹی سورتوں میں سے کسی ایک سورت کے لانے کا چیلنج کیا گیا' لیکن ان کا عجز ظاہر ہو گیا' یہاں تک کہ انہوں نے دشمنی کرنے میں پناہ لی اور مخالفت شروع کر دی اور وہ جنگ کرنے کے لیے مجبور ہو گئے اور انہوں نے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں لیکن دلائل کا مقابلہ دلائل سے نہ کر سکے ﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ ان کا جواب ہے یعنی اسی طرح یہ قرآن مجید بیس سال میں یا تئیس سالوں میں متفرق نازل کیا گیا ہے اور (كَذٰلِكَ) میں ارشادِ باری تعالیٰ ''لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً'' کے مفہوم کی طرف اشارہ ہے' اس لیے کہ اس کا معنی ہے کہ آپ پر یہ قرآن متفرق کیوں نازل کیا گیا؟ تو انہیں آگاہ کیا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں (یعنی) تاکہ ہم اس کو متفرق نازل کرنے کے ذریعے آپ کے دل کو قوی اور مستحکم بنا دیں' حتیٰ کہ آپ اسے سینے میں محفوظ کر سکیں اور اس کو حفظ کر لیں کیونکہ سیکھنے والے کا دل علم کے حفظ کرنے میں اس وقت قوی و مضبوط ہوتا ہے' جب اسے تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک حصہ یاد کرایا جائے اور اگر سارا ایک دفعہ اس پر ڈال دیا جائے تو وہ اس کے حفظ کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے یا یہ معنی ہے: تاکہ ہم متواتر وحی کے وصول اور فرشتے کے مسلسل آتے رہنے سے آپ کے قلب مبارک کو ہر قسم کی تنگی سے محفوظ و مضبوط کر دیں کیونکہ محبّ کا دل محبوب کے خطوط کے ملتے رہنے سے تسکین حاصل کرتا ہے اور محبوب کی کتاب سے محبّ کو سکون ملتا ہے ﴿وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا [یہ اسی فعل پر معطوف ہے' جس کے ساتھ ''كَذٰلِكَ'' متعلق ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم نے اس قرآن مجید کو متفرق کر کے نازل کیا ہے اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے یعنی ہم نے ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو نازل کیا اور وقفہ وقفہ سے نازل کیا یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کی قراءت کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا اور یہ اس (درج ذیل) ارشاد کے مطابق ہے: ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا'' (المزمل:٤) ''اور اے محبوب! قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے''۔ یعنی اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اس قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا' وقفہ وقفہ سے تفصیل بیان کی اور ''تبیین'' اور ''ترتیل'' کا معنی ٹھہر ٹھہر کر اور وقفہ سے بیان کرنا یا پڑھنا ہے۔

٣٣- ﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ﴾ اور وہ (کفارِ مکہ) اپنے باطل و بے ہودہ سوالات میں سے کوئی عجیب و غریب باطل سوال آپ پر پیش نہیں کریں گے (مگر ہم اس کے مقابلے میں حق جواب عنایت فرما دیں گے) گویا ''بِمَثَلٍ'' باطل اُمور کی مثال دیتے وقت بولا جاتا ہے ﴿اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ مگر ہم آپ کے پاس ایسا حق پر مبنی جواب پیش کریں گے' جس سے ان کو انکار کی گنجائش نہیں رہے گی ﴿وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ اور وہ معنی اور بیان کے اعتبار سے ان کی مثل یعنی ان کے باطل و بے ہودہ سوال سے بہت بہترین ہوگا [اور ''تفسیرًا'' کے بعد ''مِنْ مِّثْلِهِمْ'' کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ خود کلام اس

پر دلیل ہے جیسا کہ اگر تم ''رَاَیْتُ زَیْدًا وَّعُمَرَ وَکَانَ عُمَرُ اَحْسَنَ وَجْهًا'' کہو (کہ میں نے زید اور عمر دونوں کو دیکھا ہے اور عمر کا چہرہ زیادہ خوب صورت ہے) تو یہ کلام خود دلیل ہے' تمہارا مقصد زید سے زیادہ حسین کہنا ہے اور جب کہ تفسیر اس معنی ومفہوم کی وضاحت وتفصیل بیان کرنا ہے' جس پر کلام دلالت کرتا ہے تو اس لیے اس کو اس کے معنی کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہے] چنانچہ عربی دان کہتے ہیں: ''تَفْسِیْرُ هٰذَا الْكَلَامِ كَیْتَ وَكَیْتَ'' یعنی اس کلام کا معنی ومفہوم اور وضاحت اس طرح اور اس طرح ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''مَعْنَاهُ كَذَا وَكَذَا'' اس کا معنی اس طرح اور اس طرح ہے' یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ آپ کے پاس کوئی مثال یا عجیب صفت جیسے کہتے ہیں کہ آپ پر یہ قرآن ایک دم کیوں نہیں نازل کیا گیا' پیش نہیں کریں گے مگر ہم آپ کو ایسی صفت عطا کریں گے جو آپ کے لیے حق کے ساتھ ثابت ہوگی اور ہماری حکمت کے مطابق آپ کو عطا کی جائے گی اور آپ کو جس صفت پر بھیجا گیا ہے' اس کی زیادہ عمدہ وضاحت ہوگی اور اس کی صحت پر زیادہ واضح طور پر دلالت و رہنمائی کرے گی یعنی قرآن مجید کا متفرق نازل کیا جانا اور کفار کو ان متفرق آیات وسورتوں میں سے کسی سورت یا آیت کی مثل لانے کا چیلنج دینا اور ان کا نہ لاسکنا۔ ان میں سے جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل کی جائے گی' وہ یک بارگی قرآن مجید کے نازل کرنے سے معجزہ ہونے میں بڑھ کر ہوگی۔

۳۴۔ ﴿اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ﴾ انہیں لوگوں کو ان کے مونہوں کے بل دوزخ میں جمع کیا جائے گا' یہی لوگ بدترین ہیں [''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور ''اُولٰٓىِٕكَ'' دوسرا مبتدا ہے اور ''شَرٌّ''، ''اُولٰٓىِٕكَ'' کی خبر ہے اور ''اُولٰٓىِٕكَ'' اپنی خبر ''شرٌّ'' کے ساتھ مل کر ''اَلَّذِیْنَ'' کی خبر ہے یا مقدر عبارت ''هُمُ الَّذِیْنَ'' یا ''اَعْنِی الَّذِیْنَ'' ہے اور ''اُولٰٓىِٕكَ'' سے جملہ مستأنفہ ہے] ﴿مَّكَانًا﴾ مقام ومنزل اور رہائش گاہ' ٹھہرنے کی جگہ ﴿وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ اور وہ راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹک گئے ہیں یعنی وہ بہت زیادہ غلط راستے پر پڑ چکے ہیں [اور یہ مجازی اسناد میں سے ہے] اور معنی یہ ہے کہ تمہیں ان سوالات پر ابھارنے اور ترغیب دینے والی چیز یہ ہے کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے سے بھٹک چکے ہو اور تم ان کے ٹھکانا کو اور ان کے مرتبہ ومنزلت کو حقیر جانتے ہو اور اگر تم انصاف کی آنکھ سے دیکھو گے جب کہ تمہیں تمہارے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف گھسیٹا جارہا ہوگا تو ضرور تم جان لو گے کہ بے شک تمہارا ٹھکانا ان کے ٹھکانا سے بدتر ہے اور تمہاری راہ ان کی راہ سے بہت بھٹکی ہوئی ہے اور ان کے راستے کے بارے میں ارشاد ہے: ''قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ'' (المائدہ:۶۰) ''اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بدتر درجہ والا بتا دوں؟ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور وہ اس پر غضب ناک ہوا ہے''۔ اور حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو تین قسموں پر جمع کیا جائے گا' ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو سواریوں پر سوار ہوں گے اور ایک قسم پیدل چلنے والے لوگوں کی ہوگی اور ایک قسم اپنے مونہوں کے بل چل کر میدانِ محشر میں پہنچے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! لوگ اپنے چہروں کے بل کیسے چل سکیں گے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: جو خدا انہیں ان کے پاؤں پر چلاتا رہا' وہی ان کو ان کے چہروں کے بل چلائے گا۔[1]

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَی الْقَوْمِ

[1] رواہ البخاری فی کتاب تفسیر' سورہ ۲۵' باب:۱' مسلم فی کتاب المنافقین حدیث: ۵۴' الترمذی فی کتاب تفسیر' سورت ۱۷' باب: ۱۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۵۴۔ ۳۶۳

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ
لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ
قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا مددگار بنایاO سو ہم نے ان دونوں کو فرمایا کہ تم اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے ان کو ہلاک کر کے تباہ کر دیاO اور قومِ نوح کو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہےO اور ہم نے عاد اور ثمود اور کنویں والوں کو اور ان کے درمیان بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیاO اور ہم نے ہر ایک کی مثالیں بیان کیں اور ہم نے سب کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیاO

## انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفوں کا بُرا انجام

٣٥- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (یعنی) تورات عطا فرمائی جیسا کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید عطا فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا[''ھارون''،''اخاہ'' سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے] اور''وزیر''لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے' جس کی طرف تمام معاملات کے حل کے لیے رجوع کیا جائے اور اس کی رائے اور مشورہ کا احترام کیا جائے' یہ ''وَزَر'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: پناہ گاہ اور وزارت نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ قبل از اسلام ایک زمانہ میں کئی پیغمبروں کو بھیجا جاتا تھا اور انہیں حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

٣٦- ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ سو ہم نے فرمایا کہ تم دونوں اس قوم کے پاس چلے جاؤ' جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی فرعون اور اس کی قوم کے پاس چلے جاؤ اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ وَاَنْذَرَا فَكَذَّبُوْهُمَا'' سو وہ دونوں ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان دونوں نے ڈرایا دھمکایا' پس فرعونیوں نے دونوں کی تکذیب کی اور جھٹلایا ﴿فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا﴾ پھر ہم نے ان کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔''تدمیر'' کا معنی ہے کہ کسی چیز کو عجیب طریقے سے ہلاک کرنا۔ چونکہ اس قصہ کو مختصر بیان کرنا مقصود و مراد ہے' اس لیے اس کے شروع اور آخر کا ذکر کیا گیا کیونکہ اس قصہ سے یہی دونوں چیزیں مقصود ہیں یعنی رسولوں کو بھیج کر ان پر حجت قائم کرنا اور انہیں رسولوں کے جھٹلانے کی وجہ سے ہلاک کرنے کا مستحق قرار دینا۔

٣٧- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ ''اَیْ وَدَمَّرْنَا قَوْمَ نُوْحٍ'' یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا ﴿لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ﴾ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا یعنی حضرت نوح' حضرت ادریس اور حضرت شیث علیہم السلام یا پھر ان کا ان میں کسی ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے ﴿اَغْرَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو طوفان میں غرق کر دیا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً﴾ اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا (یعنی) ہم نے ان کے غرق ہونے کو یا ان کے قصے کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا تا کہ وہ ان کے قصے سے عبرت حاصل کریں ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب یعنی

دوزخ کی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ "ظالمین" سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہے اور اس کی اصل "وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ" ہے مگر ان کے ظلم وستم ڈھانے کا اظہار مقصود ہے اس لیے ضمیر کی جگہ "لِلظّٰلِمِیْنَ" کو ظاہر کر کے بیان کیا گیا ہے یا یہ ہر اس شخص کے لیے عام ہے جس نے شرک جیسے عظیم ظلم کا ارتکاب کیا اور یہ اس صورت میں اپنے عموم کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی شامل ہے۔

۳۸۔﴿ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ ﴾ "اَیْ وَدَمَّرْنَا عَادًا وَّثَمُوْدَا" یعنی ہم نے عاد اور ثمود کی قوم کو ہلاک کر دیا [حمزہ اور حفص کی قراءت میں قبیلہ کی تاویل پر "ثَمُوْدَا" (تنوین کے بغیر ہے) اور ان دونوں کے علاوہ کے نزدیک "وَثَمُوْدًا حَیٌّ" کی تاویل پر (تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) یا یہ بڑے باپ کا نام ہے] ﴿ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ ﴾ اور کنویں والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو بتوں کی عبادت کرتی تھی اور انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور اسی دوران یہ لوگ اس یعنی کنویں کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا معنیٰ کنواں ہے اور یہ کچا کنواں تھا جو بغیر اینٹوں کے صرف گڑھا کھود کر تیار کیا گیا تھا جس سے یہ لوگ خود اور اپنے جانوروں کو سیراب کرتے تھے کہ ایک دن یہ کنواں بمع پوری آبادی کے زمین میں دھنس گیا اور بعض نے کہا کہ "الرس" ایک بستی کا نام ہے جس کے باشندوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا جس کے سبب انہیں ہلاک کر دیا گیا یا اس سے خندق والے لوگ مراد ہیں کیونکہ "الرس"، "اخدود" کے معنی میں استعمال ہوا ہے ﴿ وَقُرُوْنًا ﴾ اور ہم نے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ﴿ بَیْنَ ذٰلِكَ ﴾ مذکورہ بالا امتوں کے درمیان ﴿ كَثِیْرًا ﴾ بہت زیادہ امتیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نہیں جانتا ان کی طرف بہت سے رسولوں کو بھیجا گیا لیکن انہوں نے سب کو جھٹلا دیا پس انہیں اسی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔

۳۹۔﴿ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ﴾ اور ہم نے ہر ایک کی مثالیں بیان کیں (یعنی) ہم نے پہلے لوگوں کے قصوں میں سے عجیب وغریب قصے بیان کیے ﴿ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴾ اور ہم نے سب کو ہلاک کر کے تباہ و برباد کر دیا یعنی ہم نے سب کو ہلاک کر ڈالا [اور پہلا "وَكُلًّا" اس کلام کی وجہ سے منصوب ہے جس پر "ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ" دلالت کر رہا ہے اور وہ "اَنْذَرْنَا" ہے یا "حَذَّرْنَا" ہے (دونوں کا معنیٰ ہے کہ ہم نے ڈرایا) اور دوسرا "تَبَّرْنَا" کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ اسی کے لیے فارغ رہ گیا ہے]۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا
يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ
رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ
يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ
عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ
بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع ۱۰ ۴

اور بے شک یہ کفارِ مکہ اس بستی سے گزر کر آئے ہیں' جس پر بدترین بارش برسائی گئی تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں تھے' بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے O اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے O بے شک یہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے لگا تھا' اگر ہم ان پر صبر کر کے ثابت قدم نہ رہتے اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو عنقریب وہ جان لیں گے کہ راہِ راست سے کون بھٹکا ہوا ہے O کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنا لیا ہے تو کیا آپ اس پر نگرانی کرنے کے ذمہ دار ہیں O یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ یقیناً سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں' وہ تو نہیں مگر جانوروں کی طرح بلکہ وہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں O

## کفارِ مکہ کی شرم ناک بے باکیاں

۴۰- ﴿وَلَقَدْ اَتَوْا﴾ اور البتہ بے شک وہ لوگ گزر کر آئے ہیں یعنی اہل مکہ ﴿عَلَى الْقَرْيَةِ﴾ اس بستی پر جس کا نام سدوم ہے اور یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی سب سے بڑی بستی تھی اور ان کی کل پانچ بستیاں تھیں' جن میں سے چار بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے باشندوں سمیت ہلاک کر ڈالا اور باقی ایک بستی رہ گئی تو ﴿الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ﴾ اس پر بدترین بارش برسائی گئی یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر نوکیلے پتھروں کی بارش برسا دی۔ مطلب یہ ہے کہ بے شک قریشِ مکہ اپنی تجارت کے سلسلے میں ملک شام کی طرف جاتے ہوئے بہت مرتبہ اس بستی کے پاس سے گزر چکے ہیں' جسے آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر دیا تھا [اور "مطر السوء" دوسرا مفعول ہے اور اصل میں "امطرت القرية مطرًا" تھا یا پھر مصدر محذوف الزوائد ہے یعنی "امطار السوء"] ﴿اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا﴾ تو کیا وہ اسے دیکھتے نہیں تھے' لیکن انہوں نے ملک شام کی طرف جاتے ہوئے دورانِ سفر اپنی آنکھوں سے اس کا کئی بار مشاہدہ کیا تھا' سو وہ اس میں غور و فکر کرتے اور ایمان لے آتے ﴿بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا﴾ بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے (یعنی) بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا کفر و انکار کرنے والی قوم تھی' وہ حشر و نشر سے نہیں ڈرتے' سو اس لیے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے یا یہ معنی ہے کہ وہ حشر و نشر کی اس طرح امید نہیں رکھتے' جس طرح مسلمان اس کی امید رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال پر اس دن ثواب ملنے کی امید ہے۔

۴۱- ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ اور وہ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا صرف مذاق ہی اُڑاتے ہیں۔ کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مذاق اور ٹھٹھا کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کا اصل معنی یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو مذاق اڑانے کا محل و مکان بنا لیا تھا [یا "هُزُوًا"، "مَهْزُوْءًا" (مفعول) کے معنی میں ہے' یعنی انہوں نے آپ کو مذاق اڑائے جانے والا بنا لیا تھا' اس جگہ حرف "اِنْ" حرف شرط نہیں بلکہ یہ "اِنْ" نافیہ ہے] ﴿اَهٰذَا﴾ ["هٰذَا" استصغار اور استہزاء کے لیے ہے یعنی حقیر و صغیر اور مذاق اڑانے کے لیے "هٰـذَا" استعمال کیا گیا ہے اور یہ مضمر و پوشیدہ قول کے بعد بیان کیا گیا ہے' اصل میں "قَآئِلِيْنَ اَهٰذَا" ہے] ﴿الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴾ یعنی وہ اس حال میں یہ کہنے والے تھے کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے [اور محذوف (قَـآئِلِيْنَ) حال ہے اور "الَّذِی" کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' اصل میں "بَعَثَهٗ" ہے]۔

۴۲- ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ بے شک قریب تھا کہ وہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتے' اگر ہم ان (کی عبادت) پر صبر نہ کرتے اور ثابت قدم نہ رہتے [حرف "اِنْ" ثقیلہ سے خفیفہ کر دیا گیا ہے] اور یہ

آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کفار کو دعوتِ اسلام دینے میں اور ان پر حق واضح کرنے کے لیے معجزات پیش کرنے میں انتہائی زیادہ جدوجہد اور خوب کوشش کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کفار نے یہ گمان کرلیا تھا کہ اگر وہ اپنے بتوں کی پرستش وعبادت پر ڈٹ نہ جاتے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر جمے نہ رہتے اور اپنے بتوں کی عبادت پر صابرو ثابت قدم نہ رہتے تو قریب تھا کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر دین اسلام کی طرف راغب و مائل ہو جاتے ﴿ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ﴾ اور عنقریب وہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے۔ یہ کفار کے لیے سخت وعید (دھمکی) ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اس عذاب سے بچ نہیں سکیں گے اگرچہ انہیں عرصۂ دراز تک مہلت دے دی جائے ﴿ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ کہ کون راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔ یہ ان کے قول "اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا" کی طرف سے جواب کی طرح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے اس قول میں رسول اللہ ﷺ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے جب کہ گمراہ صرف وہی کرتا ہے جو بذاتِ خود گمراہ ہوتا ہے۔

۴۳۔﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ اے محبوب! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا۔ یعنی وہ شخص جو کام کرتا ہے اور جو کام چھوڑتا ہے اس میں وہ اپنی خواہشِ نفس کی اطاعت و پیروی کرتا ہے سو اس لیے وہ اپنی خواہشِ نفس کا پجاری ہے اور اسی کو اپنا معبود قرار دینے والا ہے پس اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں اپنے محترم و مکرم رسول سے ارشاد فرما رہا ہے: یہ وہ شخص ہے جو صرف اپنی ہی خواہش کو اپنا معبود سمجھتا ہے آپ ایسے شخص کو ہدایت کی طرف کیسے دعوت دے سکتے ہیں۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کافر جب کسی پتھر کی عبادت کرتا تھا تو جب اس سے بہتر اور خوب صورت کوئی اور پتھر مل جاتا تھا تو وہ شخص پہلے پتھر (معبود) کو چھوڑ دیتا تھا اور دوسرے خوب صورت پتھر کی عبادت شروع کر دیتا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو شریعتِ اسلامی کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ اس آیت مبارکہ میں شامل ہے ﴿ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴾ تو کیا آپ اس کے محافظ ہیں کہ خواہش نفس اور خواہش نفس کو معبود ٹھہرانے سے روکنے کے لیے آپ اس کی حفاظت فرمائیں گے یا یہ کہ آپ اس پر نگران مقرر ہیں کہ اسے خواہش نفسانی سے پھیر کر ہدایت کی طرف لے جانا آپ کی ذمہ داری ہو (ایسا ہرگز نہیں)۔ اس میں بتا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ صرف پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچانا ہے۔

۴۴۔﴿ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں بلکہ وہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں [حرف "اَمْ" منقطعہ ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ آپ خیال کرتے ہیں کہ گویا یہ مذمت اس سے زیادہ سخت ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے یہاں تک کہ اس سے روئے سخن پھیر کر اس کی طرف کر دیا گیا ہے اور وہ ہے ان کا سننے اور سمجھنے کی قوت سے محروم ہونا کیونکہ یہ لوگ حق کی سماعت کی طرف کان نہیں دھرتے اور نہ حق کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ جانوروں کے مشابہ ہو چکے ہیں جن کی غفلت و گمراہی میں مثال دی جاتی ہے سو جب سے ان لوگوں نے حق کے لیے استدلال کو ترک کر دیا تب سے انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے شیطان ان پر سوار ہو گیا ہے پھر یہ جانوروں سے بڑھ کر گمراہ ہو گئے ہیں کیونکہ جانور اپنے پروردگار کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ جانور اپنے چارا ڈالنے والے کی اطاعت کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی اور نیکی کرتا ہے اسے بھی اور جو ان کے ساتھ بُرائی اور ظلم سے پیش آتا ہے اسے بھی پہچانتے ہیں اور اپنے نفع کی چیز طلب کرتے ہیں اور اپنے لیے نقصان دہ چیز سے پرہیز کرتے ہیں

اور اپنی چراگاہ اور اپنے پینے کے لیے پانی کے گھاٹ کی راہ جانتے ہیں اور جب کہ یہ کفار اپنے پروردگار کی اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دشمن شیطان کی بُرائی سے بچانے کے لیے ان پر جو عظیم الشان احسان فرمایا' انہوں نے اس کو نہیں پہچانا اور ثواب کو طلب نہیں کیا' جو تمام منافع سے عظیم الشان نفع ہے اور نہ وہ عذاب سے بچتے ہیں جو سب سے زیادہ نقصان دہ اور ہلاکت خیز ہے اور وہ لوگ اس حق کی طرف راہ نہیں پاتے جو خوش گوار گھاٹ ہے اور شیریں سیراب کرنے والا مشروب ہے' پس مفسرین کرام نے بیان کیا کہ فرشتوں کے لیے فقط روح اور عقل ہے اور چوپایوں کے لیے فقط نفس اور خواہش ہے اور انسان سب کا جامع ہے تاکہ اس کا امتحان لیا جائے' پھر اگر اس پر نفس اور خواہش غالب آ جائے تو یہ چوپایوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور اگر اس پر روح اور عقل غالب آ جائے تو یہ معزز فرشتوں پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور یہاں اکثر کا ذکر کیا گیا' ہے کیونکہ کفار میں بعض لوگ غور سے حق کی باتیں سنتے تھے اور سمجھتے تھے' لیکن دنیا کی محبت اور چودھراہٹ کے لالچ نے انہیں اسلام قبول کرنے سے روک دیا اور یہی محبت منصب و دنیا کو سخت عاجز کر دینے والی بیماری ثابت ہوئی اور اس لیے بھی اکثر کا ذکر کیا گیا کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِ ۧ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اے محبوب! کیا آپ نے اپنے پروردگار کی قدرت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایا کو کیسے پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو جامد بنا دیتا' پھر ہم نے اس پر سورج کو دلیل بنا دیا O پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا O اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو آرام اور دن کو چلنا پھرنا مقرر کر دیا O اور وہی تو ہے جس نے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر اپنی بارانِ رحمت سے آگے بھیج دیا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا O تاکہ ہم اس کے ذریعے کسی مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو اس پانی سے سیراب کر دیں O اور بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان بار بار بیان کیا تاکہ وہ غور وفکر کر کے عبرت حاصل کریں' سو اکثر لوگوں نے ناشکری کرنے کے ماسوا (ہر چیز کا) انکار کر دیا O

## انعامات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کا بیان

۴۵- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ﴾ اے محبوب! کیا آپ نے اپنے پروردگار کی طرف نہیں دیکھا (یعنی) کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی صنعت و تخلیق اور اس کی قدرت کی طرف نہیں دیکھا کہ ﴿كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ اس نے سایا کو کیسے دراز فرمایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو پھیلا دیا اور وہ زمین پر چھا گیا اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک یہ فجر کے نمودار ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کا وقت مراد ہے' کیونکہ اس وقت سایا بہت دراز (مشرق سے مغرب تک اور شمال سے

جنوب تک) ہر طرف چارسُو پھیلا ہوتا ہے' نہ اس کے ساتھ سورج ہوتا ہے اور نہ اس وقت تاریکی ہوتی ہے اور یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے سایا کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' (الواقعہ: ۳۰) ''اور پھیلا ہوا لمبا سایا''۔ نہ اس کے ساتھ سورج ہوگا اور نہ اندھیرا ہوگا ﴿ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو ساکن و جامد بنا دیتا یعنی وہ ہمیشہ ایک جگہ پر قائم رہتا' ادھر اُدھر زائل نہ ہوتا اور نہ اسے سورج کہیں لے جاتا ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴾ پھر ہم نے سورج کو اس پر یعنی سایا پر دلیل (رہنمائی کرنے والا) بنا دیا کیونکہ سایا سورج ہی کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے اور اگر سورج نہ ہوتا تو سایا نہ پہچانا جاتا' سو اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۴۶- ﴿ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ﴾ پھر ہم اس کو سمیٹتے جاتے ہیں یعنی ہم اس دراز سایا کو پکڑ لیتے ہیں ﴿ اِلَيْنَا ﴾ اپنی طرف جدھر ہم چاہتے ہیں کھینچ لیتے ہیں ﴿ قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴾ بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ بغیر کسی تنگی کے اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے یعنی جیسے لحہ بہ لحہ سورج اس پر چڑھتا جاتا ہے' ہم سایا کا ایک ایک حصہ پکڑ کر گھٹاتے جاتے ہیں [حرف ''ثُمَّ'' کئی چیزوں کے درمیان بڑائی کے اظہار کے لیے آتا ہے تو گویا دوسرا پہلے سے بڑا ہوا اور تیسرا دوسرے سے بڑا ہوا۔ یہاں سورج اور سایا کے درمیان اضافی بُعد کو وقت میں رونما ہونے والے حوادث کے درمیان بُعد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے]۔

۴۷- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے رات کے اندھیرے کو لباس کی طرح ساتر و چھپانے والا بنایا ہے ﴿ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا ﴾ اور نیند کو آرام بنایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسموں اور بدنوں کے لیے نیند کو راحت و سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہارے کاروبار اور اعمال کے اختتام کا ذریعہ بنایا اور ''سبت'' کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا ہوتا ہے اور سونے والا بھی اپنے تمام اعمال وکاروبار سے منقطع وجدا ہو جاتا ہے کیونکہ نیند کی حالت میں اس کا ہر عمل اور ہر حرکت ختم ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ ''سُبَات'' کا معنی موت ہے اور سونے والا مردہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی حیات وزندگی عارضی طور پر منقطع اور ختم ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ'' (الانعام: ۶۰) ''اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رات کو تمہاری جان قبض کر لیتا ہے''۔ اور اس کے مقابلے میں ''نُشُوْر'' کا ذکر اس کی تائید کرتا ہے کہ ''سبات'' بہ معنی موت ہے ﴿ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴾ اور اس نے دن کو اٹھنے کا وقت بنایا' کیونکہ ''نُشُوْر'' کا معنی نیند سے اٹھنا ہے' جیسے قیامت کے دن مردے کا اٹھنا ہوگا یا ''نشور'' کا ایک معنی پھیلنا بھی ہے کیونکہ دن میں بھی تمام مخلوق روزی کی تلاش میں پھیل جاتی ہے اور یہ آیت مبارکہ خالق و مالک کی قدرت پر جس طرح دلالت کرتی ہے' اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی نعمت کا اظہار بھی ہے کیونکہ رات کو پردہ دار حجاب بنانے میں بہت سے دینی اور دنیاوی فوائد و منافع بھی ہیں اور موت و حیات کے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے سونے اور جاگنے میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت بھی ہے اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جیسے تم سوتے ہو' پھر تم بیدار ہو کر اٹھتے ہو' اسی طرح تم موت کو گلے لگاؤ گے' مرنے کے بعد پھر تم زندہ ہو کر اٹھو گے۔

۴۸- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''الریح'' ہے اور اس سے جنس مراد ہے] ﴿ بُشْرًا ﴾ خوشخبری دینے کے لیے [یہ ''بُشُرٌ'' بضمتین کا مخفف ہے اور ''بشور'' کی جمع ہے] ﴿ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ﴾ اس کی رحمت کے آگے (یعنی) بارش کے آگے کیونکہ بارش کی آمد سے پہلے خوشگوار ہوا چلتی ہے' پھر بادل چھا جاتے ہیں' پھر بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ لطیف اشارہ ہے ﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴾ اور ہم

نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی یعنی بارش کو نازل کیا۔[''طھور'' طہارت میں مبالغہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہ صفت بھی ہوتی ہے' جیسے ''مَآءً طَھُوْرًا'' یعنی طاہر و پاک پانی اور یہ اسم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے طہارت حاصل کرنے کے آلہ (آفتابہ یا لوٹا وغیرہ) کو ''طھور'' کہا جاتا ہے اور یہ ''طھور'' وضوا ور وقود کی طرح ہے کہ وضو اس برتن کو بھی کہا جاتا ہے جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے اور وقود اس ماچس کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے آگ جلائی جاتی ہے اور ''طھور'' مصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے بہ معنی ''تطھّر'' (یعنی) پاک کرنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''تَطَھَّرْتُ طَھُوْرًا حَسَنًا'' میں نے بہت خوب پاکیزگی حاصل کی' اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطُھُوْرٍ''[1] یعنی نماز طہارت کے بغیر نہیں ہوتی اور اس کا معنی جو ثعلب سے نقل کیا گیا ہے کہ جو خود بذاتہٖ پاک ہو اور دوسرے کو پاک کر دے' یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اگر یہ طہارت و پاکیزگی کے بیان میں مبالغہ ہے تو پھر بہت خوب ہے اور اس کی تائید اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: ''وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ'' (الانفال:۱۱) ''اور اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی نازل کیا تاکہ وہ تمہیں اس کے ذریعے پاک صاف کر دے''۔ ورنہ فعول کے وزن پر باب تفعیل سے کچھ نہیں آتا اور افعالِ متعدیہ سے قطوع اور منوع کی طرح مشتق ماننا قیاس فاسد ہے' کیونکہ مبالغہ کے لیے مفعول کا صیغہ اگر فعل متعدی ہو تو مفعول متعدی ہوتا ہے اور اگر فعل لازم ہو تو مفعول بھی لازم ہوتا ہے]۔

۴۹۔﴿لِّنُحْیِۦَ بِهٖ﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے (یعنی) بارش کے ذریعے زندہ کر دیں ﴿بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ مردہ شہر کو [''بلد'' یا مکان مراد لینے پر ''مَیْتًا'' کو مذکر ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا﴾ اور ہم اس سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں کو اور انسانوں کو سیراب کر دیں یعنی ہم بارش کے پانی سے بہت سے چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں [اور ''مِمَّا خَلَقْنَا''، ''اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ'' سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی ہم نے جو مخلوق پیدا کی' اس میں سے بہت سارے جانوروں اور انسانوں کو بارش سے سیراب کر دیں اور ''سَقٰی'' اور ''اَسْقٰی'' دو لغتیں ہیں اور مفضل اور برجمی نے ''وَنَسْقِيَهٗ'' (نون پر پیش کی بجائے زبر) پڑھا ہے اور ''اناسیّ''، ''انسِیّ'' کی جمع ہے' جیسے ''کرسی'' کی جمع ''کراسّی'' یا پھر ''انسان'' کی جمع ہے اور اس کی اصل ''اناسین'' ہے جیسے ''سِرْحان'' کی جمع ''سراحین'' آتی ہے' پھر نون کو ''یَا'' سے تبدیل کر دیا گیا اور ''یَا'' کو ''یَا'' میں مدغم کر دیا گیا] اور اس آیت مبارکہ میں زمین کو بارش کے پانی سے زندہ کرنے کا ذکر جانوروں اور انسانوں کو بارش کے پانی سے سیراب کرنے کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے کیونکہ زمین کی زندگی ان دونوں کی زندگی کا سبب ہے' تو ان دونوں کی زندگی کے سبب کو ان دونوں کے سیراب پر مقدم کیا گیا ہے اور پانی پینے والے جانوروں میں چوپایوں (اونٹ' گائے' بکری اور بھیڑ نر' مادہ) کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے عام منافع اور فوائد انہیں کے ساتھ متعلق ہیں تو گویا یہ چوپائے پانی پینے والے چوپایوں میں ایسے ہیں' جیسے انسانوں کو سیراب کرنے والے چوپائے [''اناسی'' اور ''انعام'' کو نکرہ لانے اور ان کو کثرت کے ساتھ موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ وادیوں اور نہروں کے قریب رہنے کی وجہ سے آسمان کے پانی سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے رہ جانے والے (جو وادیوں' نہروں سے دور جنگلوں' پہاڑوں میں رہنے والے ہیں) کثیر لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بارانِ رحمت پر زندگی گزارتے ہیں اور ''بَلْدَةً'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مراد پانی کے گھاٹوں سے دور بعض شہر ہیں اور جس پانی سے

[1] رواہ البخاری فی کتاب الوضوء باب:۲' مسلم فی کتاب الطہارۃ حدیث:۱' ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ باب:۳۱' الترمذی فی کتاب الطہارۃ باب:۱' نسائی فی کتاب الطہارۃ باب:۱۰۳' ابن ماجہ فی کتاب زکوٰۃ باب:۲

انسان سیراب ہوتے ہیں' وہ انہیں پانیوں میں سے ہے' جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔اس لیے ان کے احترام کے لیے پانی کو "طهور " کے ساتھ موصوف کیا گیا اور یہ "طهور " بیان ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے باطن میں اور اپنے ظاہر میں طہارت و پاکیزگی کو اختیار کرے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنا زندگی کے لیے شرط ہے]۔

۵۰۔﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا﴾ اور بے شک ہم نے اس کو ان کے درمیان بار بار بیان کیا' تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں[حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "لِيَذْكُرُوْا" (باب "نَصَرَ يَنْصُرُ" سے) ہے]مراد اور مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم نے اس بات کو لوگوں کے درمیان قرآن مجید میں اور دیگر رسولوں پر نازل کی گئی باقی کتابوں میں بھی بار بار بیان کیا ہے اور اس بات سے بادلوں کے پیدا ہونے کا ذکر اور بارش کے برسنے کا ذکر مراد ہے' تا کہ لوگ غور وفکر کریں اور عبرت حاصل کریں اور اس میں نعمت کا حق پہچانیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں ﴿فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ سو اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے باقی سب کا انکار کر دیا (یعنی) پس ان میں سے اکثر لوگوں نے کفرانِ نعمت کے ماسوا سب کا انکار کر دیا۔نعمتوں کا انکار کرنا اور ان کی پرواہ نہ کرنا ان کی عادت ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے ان کے درمیان مختلف شہروں میں مختلف اوقات میں متفرق صفات کے ساتھ بارش کو بار بار گھما پھرا کر برسایا' کبھی تیز موٹی بارش' کبھی ہلکی بارش اور کبھی کثرت سے بارش' کبھی پھوار کی بارش اور کبھی لگاتار مسلسل بارش برسائی مگر انہوں نے کفرانِ نعمت کے سوا انکار کر دیا اور وہ کہتے کہ ہم پر فلاں ستارے کے غروب اور فلاں ستارے کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش برسائی گئی ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی رحمت و مہربانی کا ذکر نہیں کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کسی سال دوسرے سال سے کم تر بارش نہیں ہوتی' مگر اللہ تعالیٰ جدھر چاہتا ہے' اُدھر بارش کو پھیر دیتا ہے اور پھر انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم کی بناء پر ہر سال میں برسنے والی بارش کی تعداد کو اور اس کی مقدار کو جانتے ہیں کیونکہ بارش مختلف نہیں ہوتی لیکن اس میں شہر مختلف ہوتے رہتے ہیں اور جو شخص بارش کے برسنے کو ستاروں کے غروب و طلوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ بارش کو اور ستاروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے نہیں مانتا تو وہ کافر ہے اور اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ ان سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے ستاروں کو بارش کے برسنے کے لیے بطور علامات مقرر فرمایا ہے اور یہ صرف علامات و نشانیاں ہیں' جو بارش کے برسنے پر دلالت کرتی ہیں تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔

| |
|---|
| وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ |
| وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا |
| وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ |
| رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾ |

اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہر ایک بستی میں ایک ایک ڈر سنانے والا بھیج دیتےO سو آپ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کے ساتھ اس کے ذریعے بہت بڑا جہاد کیجئےO اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا' یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے اور اس نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور روکنے والا پردہ حائل کر دیا ہےO اور وہی ہے جس نے

پانی میں سے انسان کو پیدا فرمایا' پھر اسی نے اس کو خاندانی اور سسرالی رشتوں والا بنا دیا اور آپ کا پروردگار زبردست قدرت والا ہےO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت اور رشتوں کی اہمیت

۵۱'۵۲۔﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًاO فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ ﴾اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں الگ الگ ڈر سنانے والا بھیج دیتےO سو آپ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے' یعنی اگر ہم چاہتے تو تمام بستیوں اور شہروں کے باشندوں کو ڈرانے کی ذمہ داری آپ سے کم کر دیتے اور ہم ہر ایک بستی میں ایک ایک الگ نبی بھیج دیتے' جو اپنی اپنی بستی کے باشندوں کو ڈر سناتے' لیکن ہم نے چاہا کہ آپ کو تمام جہانوں کا رسول بنا کر تمام رسولوں اور نبیوں کے فضائل و کمالات آپ میں کر دیں' سو اس لیے آپ کو تمام جہانوں کا رسول بنا کر تمام بستیوں اور شہروں کے باشندوں کو ڈر سنانے کی ذمہ داری کا معاملہ صرف آپ کے لیے محدود و معین کر دیا اور ہم نے آپ کو اس رسالتِ عامہ کے منصب کے ذریعے سب سے بڑا عظیم الشان رسول بنا دیا ہے' پس آپ اکیلے ان تمام نبیوں اور رسولوں کی طرح ہیں اور اس لیے آپ کو جمع کے ساتھ خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ''یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ'' (المؤمنون:۵۱) سو آپ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیجئے اور صبر و تحمل سے کام لیجئے اور آپ کافروں کی اس میں اطاعت نہ کیجئے' جس کی طرف وہ آپ کو ان کی موافقت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ مداہنت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور جس طرح میں نے آپ کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ترجیح دی ہے' اسی طرح آپ تمام خواہشات پر میری رضا اور میری خوشنودی کو اختیار کیجئے اور اس کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور مسلمانوں کو جوش دلانا اور ان کو متحرک کرنا مقصود ہے ﴿ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ﴾اور آپ ان سے اس کے ذریعے جہاد کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور اس کی توفیق سے کفار کے ساتھ جہاد کیجئے یا یہ کہ آپ قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ جہاد کیجئے یعنی قرآن مجید کے ذریعے ان سے مجادلہ اور مباحثہ کیجئے اور قرآن کریم کی مثال لانے سے عاجز ہو جانے پر ان کو للکاریئے ﴿ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴾ بڑا جہاد کیجئے' جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے کیونکہ اس میں مشقت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِهٖ'' میں ضمیر اس طرف لوٹتی ہو جس پر ''وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا'' (الفرقان:۵۱) دلالت کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں کیونکہ اگر ہر ایک بستی میں الگ الگ ڈرانے والا بھیجا جاتا تو ہر ڈرانے والے نبی پر اپنی بستی کے باشندوں کے ساتھ مجاہدہ کرنا واجب ہوتا' سو اب تمام مجاہدات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر واجب و لازم ہو گئے ہیں' پس اسی وجہ سے آپ کا جہاد سب سے بڑا اور عظیم الشان ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! کفار کے ساتھ اس سبب کی وجہ سے جہاد کیجئے کہ آپ تمام بستیوں اور شہروں کے ڈرانے والے ہیں' ایسا بڑا جہاد جو تمام مجاہدات کا جامع ہے۔

۵۳۔﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ﴾اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب ملا کر متصل بنا کر چھوڑ دیا' جب جانور کو چرنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو ''مرجت الدآبّۃ'' کہا جاتا ہے اور بہت بڑی جگہ کو گھیرنے والے دو کثیر پانیوں کو ''بحرین'' کہا جاتا ہے ﴿ هٰذَا ﴾ یہ یعنی ان دونوں میں سے ایک ﴿ عَذْبٌ فُرَاتٌ ﴾ میٹھا خوشگوار پیاس بجھانے والا ہے [''فُرَاتٌ''، ''عَذْبٌ'' کی صفت ہے] یعنی بہت میٹھا ہے' یہاں تک کہ میٹھی چیز کے بالکل قریب ہے ﴿ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ﴾ اور یہ کھاری کڑوا ہے [''اجاج''، ''ملح'' کی صفت ہے] یعنی بہت سخت کھارا پانی ہے ﴿ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان اپنی قدرتِ کاملہ سے

ایک آڑ مقرر فرما دی' جو ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھتی ہے اور ان کو ملنے سے روکتی ہے' پس وہ دونوں بظاہر خلط ملط اور ملے ہوئے ہیں اور درحقیقت وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں ﴿ وَحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ اور حجاب جو آنکھوں کے سامنے رکاوٹ ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حِجَابًا مَّسْتُوْرًا'' (الاسراء:۴۵) ''چھپا ہوا پردہ''۔

۵۴۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے انسان کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا فرمایا ﴿ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاندان اور سسر مقرر فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قسموں میں تقسیم کرنا چاہا' ایک خاندانی رشتہ یعنی مردوں کا رشتہ' جس کی بناء پر ان کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے' چنانچہ فلاں بن فلاں اور فلانہ بنت فلاں کہا جاتا ہے اور دوسرا سسرالی رشتہ یعنی زنانے رشتے' جن کے سبب انسان داماد اور بہنوئی کہلاتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى'' (القیامہ:۳۹) ''سو اللہ تعالیٰ نے اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت''۔ ﴿ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴾ اور آپ کا پروردگار بہت بڑی قدرت والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بوند پانی سے انسان کی دو قسمیں پیدا فرمائیں' مرد اور عورت' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نسب یعنی قرابت کو بنایا اور سسرالی رشتہ بنایا یعنی نکاح کے ملاپ سے رشتہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انساب یعنی خاندانی رشتوں کے ساتھ اس لیے احسان فرمایا کہ اسی رشتہ کی بناء پر باہمی تعلقات قائم رہتے ہیں اور سسرالی رشتہ داری کے ساتھ اس لیے احسان فرمایا کہ توالد و تناسل یعنی اولاد در اولاد کا افزائشی رشتہ انہیں میاں بیوی کے رشتہ سے چلتا ہے۔

| |
|---|
| وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ |
| وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ |
| اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ |
| مع وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ |
| اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا |
| ع لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ |

اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں' اور کافر اپنے رب تعالیٰ کے خلاف (شیطان کا) مددگار ہوتا ہے O اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا O اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف راستہ اختیار کر لے O اور آپ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات پر بھروسا رکھیے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اسی کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح و پاکیزگی بیان کیجئے' اور وہی اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے O جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا' پھر اس نے اپنی شان کے لائق عرش پر استوا فرمایا' وہ رحمٰن ہے' سو اس کے متعلق کسی باخبر سے پوچھیے O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کیا ہے؟' کیا ہم اسے سجدہ

کریں جس کے لیے آپ ہمیں حکم دیتے ہیں اور اس بات نے ان کی نفرت میں اضافہ کر دیا○

## کفار کی مذمت' بعثت نبوی کی اہمیت اور خدا کی عظمت کا بیان

۵۵- ﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع نہیں دے سکتے' اگر وہ ان کی عبادت کرتے رہیں ﴿ وَلَا يَضُرُّهُمْ ﴾ اور نہ وہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں' اگر وہ ان کو چھوڑ دیں ﴿ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴾ اور کافر اپنے رب تعالیٰ پر یعنی اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی پر معاون و مددگار رہتا ہے [فعیل بہ معنیٰ مفاعل استعمال ہوتا رہتا ہے سوائے ''عزیز'' کے اور ''ظھیر'' بہ معنیٰ ''مظاھر'' ہے جیسے ''عوین'' بہ معنیٰ ''معاون'' ہے اور ''مظاھرۃ'' بہ معنیٰ ''معاونۃ'' ہے] اور معنیٰ یہ ہے کہ بے شک کافر بتوں کی عبادت کرنے میں شیطان کی پیروی کرتا ہے اور خدائے رحمٰن کی نافرمانی کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

۵۶- ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا ﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر مؤمنوں کو خوشخبری دینے والا ﴿ وَّنَذِيْرًا ﴾ اور کافروں کو ڈرسنانے والا [''نذیر'' بہ معنیٰ ''مُنذِر'' ہے]۔

۵۷- ﴿ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر (یعنی) اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴾ مگر جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔ ''والمراد الا فعل من شآء'' اور مراد یہ ہے کہ مگر جو چاہے وہ کرے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجرت سے استثناء فرمانا تمہارے لیے مشفقانہ قول ہے کہ آپ نے تمہارے لیے مال کی تحصیل کی کوشش فرمائی اور تمہاری کمائی پر تم سے معاوضہ طلب نہیں کیا' مگر یہ کہ تم اپنے مال کی حفاظت کرو اور اسے ضائع مت کرو' سو تمہارا اپنے لیے مال کی حفاظت کرنا' ثواب کی جنس میں سے نہیں لیکن اس کو ثواب کی صورت جیسی صورت بخشی گئی ہے' گویا ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک تمہارا اپنے مال کی حفاظت کرنا میرے لیے ثواب ہے اور اس پر میری رضا ہے' جیسے ثواب پانے والا ثواب پر راضی ہوتا ہے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے ساتھ اسی کے درپے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان واطاعت یا صدقہ وخیرات اور خرچ کر کے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ مال خرچ کر کے اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کی طرف راستہ بنالے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کام ضرور کرے اور بعض حضرات نے فرمایا: اس کی تقدیر یہ ہے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' جس کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں مگر یہ کہ تم ایمان واطاعت کے ذریعے میری دعوت کو اپنے پروردگار تک پہنچنے کا راستہ بنالو' سو یہی میری اجرت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر ضرور اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۵۸- ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ اور آپ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات پر بھروسا رکھیے' جس پر کبھی موت نہیں آئے گی (یعنی) اے حبیب! آپ اس کو اپنا وکیل وکارساز بنالیں' جو کبھی نہیں مرے گا اور نہ آپ کو اس کے سپرد کرے گا جو خود ذلیل ہو کر مرے گا یعنی صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے اور کفار کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اسی کی طرف اپنا معاملہ سپرد کر دیجئے اور ایسے زندہ پر کبھی بھروسا نہ کیجئے جو مر جائے گا اور بعض صالحین نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ کسی عقل رکھنے والے شخص کے لیے صحیح نہیں کہ وہ اس کے بعد کسی مخلوق پر بھروسا رکھے اور ''توکل'' یہ ہے کہ تمام معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہو ﴿ وَسَبِّحْ ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کو اس سے منزہ ومبرا اور پاک بیان کیجئے کہ جس نے اس پر بھروسا کر رکھا ہے' وہ اسے اپنے کسی غیر کے سپرد کر دے گا (ایسا ہرگز نہیں ہوگا) ﴿ بِحَمْدِهٖ ﴾ اس کی حمد وثناء کے ساتھ' اسی کی

توفیق سے جو حمد و ثناء کو واجب کرتی ہے یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' کہتے رہیے یا آپ اس کو ایسی حمد و ثناء کے ساتھ تمام عیبوں سے پاک و مبرا بیان کیجئے جو اس کی حمد و ثناء آپ بیان کرتے رہتے ہیں ﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لیے اکیلا کافی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام حالات و احوال سے پوری طرح خبر دار ہے اور ان کے اعمال پر جزاء دینے کے لیے کافی ہے۔

۵۹۔﴿اِلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھے دن میں پیدا فرمایا یعنی ان کی مقدار کی مدت میں اسی قدر مدت صرف ہوئی کیونکہ اس وقت نہ رات تھی اور نہ دن تھا اور حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ ان کی تخلیق کا پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعۃ المبارک کا دن تھا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک لحہ میں پیدا کرنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن اس نے ان کو چھ دن میں صرف اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کے بندوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ اپنے کاموں میں جلدی نہ کریں بلکہ نرمی اور ثابت قدمی سے آرام کے ساتھ اپنے کام سرانجام دیا کریں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ﴾ پھر اس نے اپنی شان کے لائق عرش پر استوا فرمایا وہ رحمٰن ہے' یعنی وہی رحمٰن ہے [اصل میں ''هُوَ الرَّحْمٰنُ'' ہے۔ ''رحمٰن'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ''استویٰ'' میں ضمیر سے بدل ہے یا پھر ''اَلَّذِیْ خَلَقَ'' مبتدا ہے اور ''اَلرَّحْمٰنُ'' اس کی خبر ہے] ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ پس اس کے متعلق کسی باخبر سے پوچھیے [ابن کثیر کی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''فَسَلْ'' ہے اور ''بِهٖ''، ''سَلْ'' کا صلہ ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ'' (المعارج:۱) ''آنے والے عذاب کے بارے میں سائل نے سوال کیا''۔ جیسا کہ ''عَنْ'' (درج ذیل) ارشاد میں اس کا صلہ ہو رہا ہے ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ'' (التکاثر:۸) ''پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ ''فَسْاَلْ بِهٖ'' تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ ''اِهْتَمَّ بِهٖ' وَاشْتَغَلَ بِهٖ'' اور ''سَاَلَ عَنْهُ'' تمہارے اس قول ''بَحَثَ عَنْهُ وافتش عنه'' کی طرح ہے یا ''خَبِيْرًا'' کا صلہ ہے اور ''خَبِيْرًا''، ''سَلْ'' کا مفعول ہے] یعنی اس کے بارے میں ایسے آدمی سے پوچھیے جو اللہ تعالیٰ کا عارف ہو' وہ آپ کو اس کی رحمت کے بارے میں بتائے گا یا ایسے آدمی سے پوچھیے جو اس کی رحمت سے باخبر ہو اور ''رحمٰن'' اللہ تعالیٰ کے ان ناموں میں سے ایک نام ہے جن کا سابق کتب میں ذکر کیا گیا ہے لیکن قریشِ مکہ اس نام سے واقف نہیں تھے' سو اس لیے آپ سے کہا گیا کہ آپ اس نام کے متعلق اہلِ کتاب میں سے ایسے شخص سے پوچھیے جو آپ کو بتا سکے تاکہ آپ اس کو اس نام کا تعارف کرا سکیں جو اس کا انکار کرتا ہو اور اسی وجہ سے قریشِ مکہ کہا کرتے تھے: ہم یمامہ کے رحمٰن کے سوا کسی رحمٰن کو نہیں جانتے' ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھا' جس کو رحمان الیمامہ کہا جاتا تھا۔

۶۰۔﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا' یعنی جب سیّدِ عالم حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرکین سے فرماتے کہ ﴿اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ تم رحمٰن کو سجدہ کرو (یعنی) اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھو اور اسی کے لیے عاجزی و انکساری اختیار کرو ﴿قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ تو وہ کہتے: رحمٰن کیا چیز ہے؟ یعنی ہم رحمٰن کو نہیں جانتے تو اسے سجدہ کیسے کریں' پس یہ سوال مسمّٰی بہ کے بارے میں ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے نہیں جانتے تھے اور حرف ''مَا'' کے ساتھ مجہول کے بارے میں سوال تھا یا اس کے معنی کے متعلق تھا کیونکہ رحمٰن ان کے کلام میں مستعمل نہیں تھا' جس طرح ''رحیم''، ''راحم'' اور ''رحوم'' مستعمل تھے ﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا﴾ کیا ہم اس کے لیے سجدہ کریں جس کے لیے سجدہ کرنے کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں یا یہ کہ اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! ہم اسے جانے بغیر صرف آپ کے حکم کی وجہ سے سجدہ کریں [علی کسائی اور حمزہ کی

قراءت میں ''یَامُرُنَا'' ہے] گویا ان میں سے بعض نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لیے ہمیں (سرورِ کونین حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم دیتے ہیں یا وہ ہمیں رحمٰن نام کی ذات کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور دراصل انہوں نے عناد سے کام لیا کیونکہ اہل لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے: بے انتہا رحمت فرمانے والا' جس کے بعد رحمت کی انتہا نہیں' اس لیے کہ [''فعلان'' مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے] جب کوئی انتہائی پیاسا ہو تو ''رَجُلٌ عَطْشَانٌ'' کہا جاتا ہے ﴿وَزَادَهُمْ نُفُورًا﴾ اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ'' (رحمٰن کو سجدہ کرو) نے ان میں نفرت اور ایمان سے دوری کو بڑھا دیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

بہت بڑی برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور اس میں چراغ اور روشنی دینے والا چاند بنایاO اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا' اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو یا شکر گزار بننا چاہتا ہوO اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہوO اور جو اپنے رب تعالیٰ کے لیے رات سجدے اور قیام کرتے ہوئے گزار دیتے ہیںO اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے' بے شک اس کا عذاب لازم ہےO بے شک وہ بُرا ٹھکانا ہے اور بُری قیام گاہ ہےO

## رحمان کی شان اور عباد الرحمان کی پہچان

٦١- ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ بہت برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور یہی سات کواکب سیارہ کی منزلیں ہیں اور ہر ستارے کے لیے دو گھر ہیں جن میں اس کا حال قوی ہوتا ہے اور سورج کے لیے ایک گھر ہے اور چاند کے لیے بھی ایک گھر ہے' لیکن حمل اور عقرب دونوں مریخ کے گھر ہیں اور ثور اور میزان زُہرہ کے دو گھر ہیں اور جوزاء اور سنبلہ دونوں عطارد کے گھر ہیں اور سرطان قمر کا گھر ہے اور اسد شمس کا گھر ہے اور قوس اور حوت دونوں مشتری کے گھر ہیں اور جدی اور دلو دونوں زُحل کے گھر ہیں اور یہ بروج چار طبیعتوں پر تقسیم کیے گئے ہیں اور ان طبیعتوں میں سے ہر ایک کو تین تین برج ملتے ہیں' چنانچہ حمل اور اسد اور قوس تینوں ناریہ ہیں اور ثور اور سنبلہ اور جدی تینوں اُرضیہ ہیں اور جوزاء اور میزان اور دلو تینوں ہوائیہ ہیں اور سرطان اور عقرب اور حوت تینوں مائیہ (آبی) ہیں۔ ان کے نام بروج اس لیے رکھے گئے کہ بروج کا معنی بلند و بالا محلات ہیں کیونکہ یہ بروج کواکب سیارہ کے لیے اس طرح منازل و مراکز ہیں' جس طرح رہائشیوں کے لیے ان کی رہائش گاہیں منازل ہوتی ہیں اور ''بروج'' ''تبرّج'' سے مشتق ہے' جس کا معنی

ظہور ہے اور حضرت حسن' قتادہ اور مجاہد نے فرمایا کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کا نام ہے' ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ﴿ وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس آسمان میں ایک چراغ یعنی سورج بنایا' روشنی دینے کی وجہ سے سورج کو چراغ کہا گیا ہے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "سُرُجًا" ہے یعنی ستارے] ﴿ وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴾ اور ایک روشنی دینے والا چاند بنایا (یعنی) رات کو روشن کرنے والا چاند بنایا۔

٦٢- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ﴾ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا ["فِعلة" کے وزن پر ہے "خلف" سے ماخوذ ہے جیسے "ركبة"، "ركب" سے ماخوذ ہے اور یہ وہ حالت ہے جس پر رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں' ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو خلیفہ بنایا ہے' اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے گزر جانے کے بعد اس کے پیچھے آتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ اگر ایک میں کوئی ورد' وظیفہ اور کوئی عمل رہ جائے تو دوسرے میں ادا کرلیں ﴿ لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ ﴾ اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو' وہ ان دونوں کی تسخیر میں غور و فکر کرے اور ان دونوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور ادل بدل ہونے میں سوچ و بچار کرے تو وہ ضرور ان دونوں کی تدبیر و تسخیر کرنے والے خالق و مالک کو پہچان لے گا [حمزہ اور خلف کی قراءت میں "يَذْكُرَ" ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہتا ہو یا بھولی چیز کو یاد کرنا چاہتا ہو تا کہ پھر اس کی قضا کرے ﴿ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴾ یا وہ شکر گزار بننا چاہتا ہو یعنی وہ رات اور دن میں اس نعمت پر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہتا ہو۔

٦٣- ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر پرسکون ہو کر نرمی سے چلتے ہیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں (کافروں) کے اوصاف بیان فرمائے اور اس کے بعد اب ان آیات میں اپنے اولیائے کرام کے اوصافِ حسنہ بیان فرمائے اور "عباد" کی رحمٰن کی طرف اضافت و نسبت تخصیص کے لیے ہے اور ان بندوں کی شرافت و فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرنے کے لیے ہے یعنی رحمٰن کے بندے بڑے بڑے نرم خو اور آرام سے چلنے والے ہوتے ہیں اور "هون" کا معنی ہے: نرم اور ملائم یعنی رحمٰن کے بندے بڑے پرسکون' وقار اور تواضع کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں' اکڑ کر تکبر و غرور اور اترا کر نہیں چلتے' سو وہ اپنے قدموں کو زمین پر نہیں مارتے اور نہ وہ شیخی سے اترا کر اپنے جوتے زمین پر مار کر کھڑکھڑاتے ہیں اور اس لیے بعض علمائے اسلام نے بازار میں سوار ہو کر چلنے کو ناپسند کیا ہے اور نیز اس ارشاد کی بناء پر کہ "وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ" (الفرقان:۲۰) "اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بازار میں پیدل چلتے ہیں" ["عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" مبتدا ہے اور "اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ" اس کی خبر ہے یا پھر "اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ" خبر ہے اور "اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ" اور ان کے مابعد صفت ہے اور "هَوْنًا" حال ہے یا "مشي" کی صفت ہے] ﴿ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ ﴾ اور جب ان سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں یعنی جب ان سے نادان و بے وقوف لوگ کوئی ایسی بات کرتے ہیں جو نامناسب و ناپسندیدہ ہوتی ہے تو ﴿ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے کہتے ہیں: سلام ہو (یعنی) بندگانِ خدا سلامتی کی بات کہتے ہیں' جس میں وہ ایذا اور تکلیف اور گناہ سے سلامت و محفوظ رہتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں اور ہم تم سے متارکت (کنارہ کشی) کرتے ہیں اور ہم تم سے جاہلانہ رویہ اختیار (کر کے جھگڑا) نہیں کرتے' پس "سلام" کو تسلیم کے قائم مقام کیا گیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ قتال کی آیت مبارکہ نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی' البتہ جاہلوں اور بے وقوفوں سے چشم پوشی سے کام لینا شرعاً اور اخلاقاً مستحسن ہے' یہ بندگانِ رحمان کے دن کا وصف بیان ہوا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رات کے

وصف کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

٦٤- ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ اور وہ جو اپنے پروردگار کی خاطر رات سجدوں اور قیاموں میں گزار دیتے ہیں۔ "بیتوتة" ظلول کی نقیض ہے اور اس کا معنی ہے: رات گزارنا نیند ہو یا نہ ہو اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ جس نے رات کی نماز میں قرآن مجید کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہو اگرچہ تھوڑا سا حصہ تلاوت کیا ہو تو بے شک اس نے رات سجدہ اور قیام میں گزاری اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے والا اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے والا رات سجدہ میں اور قیام میں گزارنے والوں میں شامل ہے اور اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات بھر عبادت کرنے والوں کی یا رات کے اکثر حصے میں عبادت کرنے والوں کی توصیف وتعریف بیان فرمائی ہے[1]

٦٥- ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے' بے شک اس کا عذاب پائیدار ہے (یعنی) ہلاک کرنے والا لازم ہے اور اسی سے "غریم" ماخوذ ہے اور "غریم" بہ معنی قرض خواہ ہے کیونکہ یہ مقروض سے قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے سجدے اور قیام کرتے ہوئے شب بیداری کے ساتھ اپنے نیک بندوں

---

[1] کیونکہ رات کی عبادت میں مشقت ومحنت بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہ عبادت اخلاص کے قریب ترین اور ریاء ودکھاوے سے دور ہوتی ہے اور پرسکون رات کی وجہ سے دل اور زبان میں خوب یکسانیت پائی جاتی ہے' اس لیے قرآن وسنت میں اس عبادت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے' یہاں چند احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ" میری امت کے افضل وبہترین لوگ قرآن پڑھنے والے اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ" فرض نماز کے بعد سب سے اعلیٰ نماز نصف رات کے وقت نماز پڑھنا ہے۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کی عبادت اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے اور یہ تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے اور برائیوں کو مٹانے والی اور گناہوں سے روکنے والی عبادت ہے۔

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے' ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے' دوسرے وہ نمازی حضرات جب وہ نماز میں صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں' تیسرے وہ مجاہدین جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لیے جب صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل یا اس سے زیادہ پڑھے' وہ رات بھر عبادت کرنے والوں میں داخل ہے۔

(۶) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی' وہ نصف شب عبادت کرنے والے کی طرح ہے اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی' وہ پوری رات عبادت کرنے والے کی طرح ہے۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۴۶-۴۷' مطبوعہ مکتبہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

کی توصیف بیان فرمائی' پھر اس کے بعد ان کی اس دعا کا صرف یہ بتانے کے لیے ذکر فرمایا ہے کہ بے شک یہ نیک حضرات عبادت و ریاضت میں اپنی پوری کوشش صرف کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے' نہایت عاجزی اختیار کرنے والے اور اپنے آپ سے دوزخ کا عذاب دور کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے آہ وزاری کرنے والے اور گڑگڑانے والے ہیں۔

٦٦- ﴿اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ بے شک وہ یعنی بے شک دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور بہت بُری قیام گاہ ہے [''سَآءَتْ''، ''بِئْسَت'' کے حکم میں ہے اور اس میں مبہم ضمیر ہے جس کی تفسیر ''مستقرًّا'' کر رہا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ''هِیَ'' ضمیر ہے اور یہ ضمیر وہ ہے جو جملہ کا رابطہ ''اِنَّ'' کے اسم کے ساتھ قائم رکھتی ہے اور اس کو ''اِنَّ'' کی خبر قرار دیا گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے: ''سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا هِیَ'' دوزخ بُرا ٹھکانا ہے اور بُری قیام گاہ ہے وہ' یا یہ معنی ''احزنت'' ہے اور اس میں ''اِنَّ'' کے اسم کی ضمیر ہے اور ''مستقرًّا'' حال ہے یا تمیز ہے اور یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں تعلیلیں متداخل اور مترادف تعلیلیں ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہوں اور ان کے قول کی حکایت ہو]۔

| |
|---|
| وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ |
| لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا |
| يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ |
| فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ |
| حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ |
| مَتَابًا ﴿٧١﴾ |

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور وہ (خرچ) اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے O اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ اس جان کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں' اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ گناہ کی سزا پائے گا O قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہو گا O مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور جس نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اور نیک عمل کرنے لگا تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف کما حقہ رجوع رکھتا ہے O

٦٧- ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا﴾ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ وہ خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ مزے لینے کے لیے کھانا نہیں کھاتے (بلکہ بھوک مٹانے اور عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھاتے ہیں) اور وہ لوگ شیخی مارنے اور تکبر کرنے کے لیے لباس نہیں پہنتے اور حضرت

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ گناہوں کے کاموں میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے' پس حکم شرعی سے تجاوز کر کے خرچ کرنا اسراف (فضول خرچی) ہے' ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنا اسراف نہیں ہے' چنانچہ کسی شخص نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''لَا خَیْرَ فِی الْاِسْرَافِ'' فضول خرچی کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے' تو اس شخص نے جواب میں کہا کہ بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنا کوئی فضول خرچی نہیں ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ مَّنَعَ حَقًّا فَقَدْ قَتَرَ' وَمَنْ اَعْطٰی فِیْ غَیْرِ حَقٍّ فَقَدْ اَسْرَفَ'' جس نے حق کی جگہ اپنا مال خرچ کرنے سے روک لیا تو اس نے یقیناً بخل سے کام لیا اور جس نے ناحق جگہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنا مال عطا کیا تو اس نے فضول خرچی کی اور حد سے تجاوز کیا ﴿وَلَمْ یَقْتُرُوْا﴾ اور وہ (خرچ کرنے میں) تنگی نہیں کرتے۔ ''قتر''' ''اقتار'' اور ''تقتیر'' تینوں کا معنی ہے: تنگی کرنا' کنجوسی اور بخل سے کام لینا اور یہ ''اِسْرَاف'' کی نقیض (متضاد) ہے [کوفی قراء کے نزدیک ''تَا'' مضموم (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے) ہے اور ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مضموم اور ''تا'' مکسور (باب افعال) ہے اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' مفتوح اور ''تا'' مکسور (باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'') ہے] ﴿وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ اور وہ اس کے درمیان میں برابر کی حد پر تھا' یعنی ان کا مال خرچ کرنا اسراف وفضول خرچی اور تنگی و کنجوسی کے درمیان اعتدال پر تھا اور ان دونوں کے درمیان برابر کی حد پر تھا' پس ''قَوام'' کا معنی ہے کہ دو چیزوں کے درمیان برابر کرنا [اور یہ دونوں منصوبات یعنی ''بَیْنَ ذَالِكَ'' اور ''قَوَامًا''' ''کَان'' کی خبریں ہیں] اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی ایک صفت اعتدال بیان فرمائی ہے' جو زیادتی اور کمی کے درمیان کی صفت ہے اور جو غلو اور انتہاء پسندی کے درمیان اعتدال ومیانہ روی کی راہ ہے اور اسی کی مثل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ'' (الاسراء:۲۹) ''اور آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھیے اور نہ اس کو پورا کھول دیجئے''۔ اور عبد الملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے ان کے خرچ کے بارے میں سوال کیا اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب عبد الملک نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت عمر بن عبد العزیز سے کردی تھی تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب میں فرمایا کہ میں دو برائیوں (فضول خرچی اور کنجوسی) کے درمیان بھلائی (اعتدال) کے ساتھ خرچ کرتا ہوں' چنانچہ عبد الملک بن مروان سمجھ گیا کہ حضرت عمر کی مراد وہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض مفسرینِ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں جو میانہ روی اور اعتدال کی خوبی بیان کی گئی ہے' یہ خوبی حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں خصوصی طور پر موجود تھی اور وہی اوّلین مصداق ہیں کیونکہ یہ حضرات مزہ لینے اور لذت حاصل کرنے کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ حسن و جمال کے اظہار اور زیب و زینت کے لیے لباس پہنتے تھے بلکہ یہ حضرات تو صرف بھوک مٹانے کے لیے کھانا کھاتے تھے اور ستر پوشی کرنے اور شرمگاہوں کو چھپانے کے لیے اور سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے لباس پہنا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسراف کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ جس چیز کی آدمی کا دل خواہش نہ کرتا ہو وہ اسے کھالے۔

۶۸- ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ﴿وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اس جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کا قتل کرنا حرام قرار دیا ہے [اصل میں ''حَرَّمَهَا اللّٰه'' یعنی ''حَرَّمَ قَتْلَهَا'' ہے] ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ (یعنی) قصاص میں یا سنگساری میں یا مرتد ہوجانے کی صورت میں یا

مشرک ہونے کی صورت میں یا زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش میں [ یہ قتل محذوف کے متعلق ہے یا'' لایقتلون '' کے متعلق ہے ] ﴿ وَلَا یَزْنُوْنَ ﴾ اور وہ زنا نہیں کرتے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے ان بڑے گناہوں کی نفی کر کے ان کے دشمنوں قریشِ مکہ اور ان کے علاوہ دیگر کفار پر تعریض و تشنیع اور طنز کیا ہے' جو ان گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے ﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ﴾ اور جو شخص یہ کام یعنی مذکورہ بالا گناہوں کا ارتکاب کرے گا ﴿ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ وہ گناہ کی سزا پائے گا ( مضاف محذوف ہے' اصل میں )'' جزآء الاثم '' گناہ کی سزا ہے۔

۶۹۔ ﴿ یُّضٰعَفْ ﴾ بڑھایا جائے گا۔ [ یہ '' یَلْقَ '' سے بدل ہے کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے' اس لیے کہ عذاب کا بڑھانا ہی گناہ کی سزا ہے' جیسا کہ شاعر کا قول ہے کہ ؎

مَتٰی تَاْتِنَا تُلْمِمْ فِیْ دِیَارِنَا　تَجِدْ حَطَبًا جَزْلًا وَنَارًا تَاَجُّجَا

'' جب تو ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے گھروں میں ہمارے پاس آ کر ٹھہرنا کہ تو ہمارے پاس بہت لکڑیاں اور بہت زیادہ آگ کو پائے گا''۔

پس '' تلمم '' کے آخر میں جزم اس لیے ہے کہ یہ '' تاتینا '' کا ہم معنی ہے کیونکہ '' اتیان '' ہی '' المام '' ہے۔ ابن کثیر مکی' یزید اور یعقوب کی قراءت میں '' یُضَعَّفُ '' ( عین مشدد اور '' فا '' بجزم باب تفعیل ) ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں '' یُضَعَّفُ '' ( عین مشدد اور '' فا '' مرفوع باب تفعیل ) ہے' ابوبکر کوفی کی قراءت میں '' یُضَاعَفُ '' ( باب مفاعلہ ) ہے' یہ ماقبل سے الگ ہے یا پھر ماقبل سے حال ہے اور معنی یہ ہے: '' یُضَاعَفُ '' ] ﴿ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب بڑھایا جائے گا یعنی آخرت میں انہیں ہمیشہ سارا زمانہ عذاب پر عذاب دیا جاتا رہے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ جب مشرک شرک کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو ڈبل گناہ کرتا ہے' ایک شرک دوسرا گناہ' اس لیے اسے سزا ڈبل دی جائے گی۔ شرک پر بھی اور گناہ کے ارتکاب پر بھی' دونوں کی وجہ سے اسے عذاب پر عذاب دیا جائے گا تو گویا سزا جرم کے زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ دی جائے گی ﴿ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴾ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا رہے گا [ '' یَخْلُدْ '' کا جازم وہی ہے جو '' یضاعف '' معطوف علیہ ہے'' فیه '' میں ضمیر عذاب کی طرف لوٹتی ہے یعنی '' فِی العذاب '' وہ عذاب میں رہے گا اور ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت میں '' فِیْهٖ '' میں '' ھا '' کو اشباع کر کے پڑھا جاتا ہے یعنی '' فِیْهٖ '' میں '' ہ '' کے کسرہ کو یائے مدہ کے ساتھ کھینچ کر پڑھا جائے گا اور امام حفص نے وعید میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کلمہ کے ساتھ اشباع کو خاص کیا ہے اور اہل عرب مبالغہ کے لیے کلمہ کو دراز کر کے پڑھتے ہیں' اس کے باوجود کہ ہائے کنایہ میں اصل اشباع ہے'' مهانا '' حال ہے اور بہ معنی '' ذَلِیْلًا '' ہے ]۔

۷۰۔ ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ مگر جو شخص شرک سے توبہ کر لے [ اور یہ جنس سے استثناء ہے اور محلاً منصوب ہے ] ﴿ وَاٰمَنَ ﴾ اور وہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ﴿ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ﴾ اور وہ اپنی توبہ کے بعد نیک عمل کرنا شروع کر دے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ سو یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برائیوں کے بعد نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے گا یا توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ مٹا دے گا اور ان کی جگہ ایمان و اطاعت کی نیکیوں کو ثبت فرما دے گا اور اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کی برائیوں کو بعینھا نیکیاں بنا ڈالے گا بلکہ اس سے وہی مراد ہے' جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے [ برجمی کے نزدیک '' یُبْدِلُ '' مخفف ہے ] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ برائیوں کو مٹا دے گا ﴿ رَّحِیْمًا ﴾ بے حد مہربان ہے' وہ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ

بدل دے گا۔

۷۱-﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ اور جس شخص نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے' جیسا رجوع رکھنے کا حق ہے یعنی جس نے توبہ کی اور اپنی توبہ کو نیک عمل کے ذریعہ ثابت کیا تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف تائب ہے' ایسی توبہ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے جو گناہوں کو مٹانے والی ہے اور ثواب حاصل کرانے والی ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ
بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا
بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنی عزت بچا کر گزر جاتے ہیںO اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتےO اور وہ لوگ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور تو ہمیں پرہیزگاروں کے لیے امام و پیشوا بنا دےO یہی لوگ ہیں جنہیں عالی شان بالا خانے انعام میں دیئے جائیں گے' اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور اس میں ان کا دعا اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گاO وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کا ٹھکانا اور قیام کرنے کا مقام بہت اچھا ہےO اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری کیا پروا کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے' پس بے شک تم نے جھٹلایا تو عنقریب اس کا عذاب (تمہیں) لازم ہو گاO

۷۲-﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ اور وہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے اور ''زُوْرٌ'' بہ معنیٰ ''کذب'' یعنی جھوٹ کے معنی میں ہے یعنی یہ نیک لوگ خطا کاروں کی مجالس سے اور جھوٹوں کی محافل سے نفرت کرتے ہیں' پس یہ لوگ شر اور اہل شر کے ساتھ ملوث ہونے سے بچنے کے لیے ان مجالس و محافل کے قریب بھی نہیں جاتے کیونکہ باطل کا مشاہدہ کرنا' اس میں شرکت کے مترادف ہے اور اسی طرح دیکھنے والوں کا حال ہے' جب تک اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی' وہ لوگ گناہ کرنے والوں کے ساتھ گناہوں میں شریک ہیں کیونکہ ان کا حاضر ہونا اور ان کو دیکھنا رضامندی کی دلیل ہے اور اس میں اضافہ کے پائے جانے کا سبب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مواعظ میں لکھا ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اے لوگو! تم بُروں اور بُروں کی مجالس سے بچو' یا یہ معنی ہے کہ ''لَا يَشْهَدُوْنَ شَهَادَةَ الزُّوْرِ'' کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ [یہاں مضاف محذوف ہے] اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں باطل کی مجالس مراد ہیں اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے کھیل تماشا اور گانے وغیرہ کی جگہ میں حاضر نہیں ہوتے ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ﴾ اور جب وہ لغو فحش اور بے حیائی کے پاس سے گزرتے ہیں اور ہر وہ کام جو بے کار و بے ہودہ ہو اور جس کا چھوڑنا

ضروری ہو وہ لغو ہے اور معنی یہ ہے کہ جب یہ نیک بندگانِ خدا لغو اور بے ہودہ کام کرنے والوں اور اس میں مشغول ہونے والوں کے پاس سے اتفاقیہ گزرتے ہیں تو ﴿مَرُّوۡا كِرَامًا﴾ باعزت طریقے سے گزر جاتے ہیں (یعنی) منہ پھیرتے ہوئے اور اپنے آپ کو ملوث ہونے سے بچاتے ہوئے باعزت طریقے سے گزر جاتے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ'' (القصص: ۵۵) ''اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں''۔ اور حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب شریر لوگ شرمگاہوں کا ذکر کرتے ہیں تو نیک بندے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔

۷۳- ﴿وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ﴾ اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے یعنی جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے یا انہیں قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ﴿لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا صُمًّا وَّعُمۡيَانًا﴾ وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے۔ اس میں گرنے کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کا اثبات ہے اور نفی صرف بہرے اور اندھے ہونے کی ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''لَا يَلْقَانِيْ زَيْدٌ مُسْلِمًا'' کہ زید مجھ سے سلام کرتے ہوئے ملاقات نہیں کرتا۔ اس میں سلام کی نفی ہے ملاقات کی نفی نہیں ہے یعنی جب بندگانِ خدا کو آیاتِ قرآنی کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں' محفوظ رکھنے والے کانوں کے ساتھ سنتے ہیں' حفاظت کرنے والی آنکھوں سے دیکھتے ہیں' جب بھی انہیں کوئی حکم دیا جائے یا انہیں کسی چیز سے منع کیا جائے تو منافقوں اور کافروں کی طرح نہیں ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا'' (مریم: ۵۸) ''اور کچھ ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت عطا کی اور اپنے لیے چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں''۔

۷۴- ﴿وَالَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا﴾ اور وہ لوگ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں عطا فرما' ہماری بیویوں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' پھر ٹھنڈک کو بیان کیا گیا اور اس کی اس قول سے تفسیر کی گئی کہ ﴿مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا﴾ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''اَنْ يَّجْعَلَهُمُ اللّٰهُ لَهُمْ'' ﴿قُرَّةَ اَعۡيُنٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان بیوی بچوں کو ان حضرات کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور یہ ان کے اس قول سے ہے: ''رَاَيْتُ مِنْكَ اَسَدًا اَيْ اَنْتَ اَسَدٌ'' ''میں نے تجھ سے شیر کو دیکھا ہے یعنی تم شیر ہو [یا حرف ''مِن'' ابتدا کے لیے ہے] اس معنی کی بناء پر کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان کی طرف سے نیک عمل اور اطاعت کے ذریعے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ [امام حفص کے علاوہ اہل کوفہ اور ابوعمرو کی قراءت میں ''ذریتنا'' (مفرد) ہے' جنس مراد لینے کی بناء پر اور دوسرے قراء کے نزدیک ''ذریاتنا'' اور ''قرۃ'' کو نکرہ لانے کی خاطر ''اعین'' کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ مضاف کو نکرہ بنانے کے لیے کوئی راستہ نہیں' ماسوا مضاف الیہ کے نکرہ لانے کے' گویا کہا کہ ہمیں ان سے سرور و فرحت عطا فرما اور ''عیون'' کی بجائے جمع قلت کے وزن پر ''اعین'' صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے ''اعین المتقین'' یعنی پرہیزگاروں کی آنکھیں مراد ہیں جب کہ فقط ان کی آنکھیں باقی تمام لوگوں کی ''عیون'' یعنی آنکھوں کی نسبت قلیل وتھوڑی ہیں] اور معنی یہ ہے کہ نیک بندوں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ انہیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرمائے' جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہوں' جن کے مقام ومرتبہ سے انہیں خوشی حاصل ہو اور ان کے سبب سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک مؤمن کی آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ ٹھنڈک نہیں ہوتی کہ وہ

دیکھے کہ اس کی بیوی اور اس کی اولاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار اور نیک ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ لڑکے تھے جب ان کو والد دیکھتے تو یہ علوم شرعیہ کی کتابت کر رہے ہوتے ﴿وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا﴾ اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے ''اَیْ اَئِمَّۃً یَقْتَدُوْنَ بِنَا فِی الدِّیْنِ'' (امام کی بجائے ائمہ جمع ہے) یعنی ہم سب کو پیشوا بنا دے تاکہ دوسرے لوگ دین کے معاملہ میں ہماری پیروی کریں [لیکن واحد پر اس لیے اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ جنس پر دلالت کرتا ہے اور التباس نہیں ہے] یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو پیشوا اور رہبر بنا دے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ احکام دین کے نفاذ کے لیے اور لوگوں کو ان احکام پر عمل پیرا کرانے کے لیے امارت و حکومت کی طلب کرنا اور اس میں رغبت رکھنا نیک لوگوں پر واجب ہے۔

۷۵- ﴿اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ﴾ یہی خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں جنت میں بالا خانے انعام میں عطا کیے جائیں گے۔ ''ای الغرفات'' (واحد کی بجائے جمع مراد ہے) یعنی بہت سے بالا خانے انعام میں عطا کیے جائیں گے اور یہ جنت میں سب سے اونچی اور بلند و بالا منازل ہوں گی [اور اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے جنس مراد ہے اور جمع کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:] ''وھم فی الغرفات اٰمنون'' (سبا:۳۷) ''اور وہ جنتی حضرات بالا خانوں میں امن و سکون کے ساتھ رہیں گے''۔ ﴿بِمَا صَبَرُوۡا﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اطاعات و عبادات پر صبر کیا اور شہوات سے باز رہے اور کفار کی تکلیفوں پر اور ان کے ساتھ جہادوں میں صبر کیا اور فقر و غربت وغیرہ پر صبر کیا ﴿وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا﴾ اور جنت کے بالا خانوں میں دعا اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ''تحیۃ'' کا معنی تعمیر و ترقی کی دعا کرنا اور ''سلام'' کا معنی سلامتی کی دعا کرنا ہے یعنی فرشتے جنتیوں کو ترقی درجات کی دعا دیں گے اور ان کو سلامتی کی دعا دیں گے یا یہ کہ جنتی ایک دوسرے کو دعا و سلام کریں گے [حضرت حفص کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ''یَلْقَوْنَ'' ہے]۔

۷۶- ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [یہ ''یُجْزَوْنَ'' سے یا ''یُلَقَّوْنَ'' سے حال ہے] ﴿حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ وہ یعنی جنت کے بالا خانے ٹھہرنے اور قیام کرنے کے لیے بہترین محلات اور عالی شان منزلیں ہیں۔ ''مستقر'' کا معنی موضع قرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ اور ''مقاما'' کا معنی قیام گاہ اور رہائش گاہ اور یہ ''سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا'' (الفرقان:۶۶) ''کفار کا ٹھکانا اور قیام گاہ بہت بری ہے'' کے مقابلے میں بیان کیا گیا ہے۔

۷۷- ﴿قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے پروردگار کو تمہاری کیا پروا ہے اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے [حرف ''مَا'' استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور محلاً منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرا پروردگار تمہارے ساتھ کیا کرے گا اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہیں دے گا یا یہ معنی ہے کہ میرا پروردگار تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے یعنی بے شک اس نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ'' (الذاریات:۵۶) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''۔ یعنی تمہارے پروردگار کے نزدیک اعتبار تمہاری عبادت کا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کے ساتھ کسی معبود کی عبادت نہ کرو اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ'' (النساء:۱۴۷) ''اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ''۔ ﴿فَقَدۡ کَذَّبۡتُمۡ﴾ اے اہل مکہ! پس تم نے میرے رسول کو جھٹلا دیا ﴿فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ لِزَامًا﴾ سو عنقریب عذاب لازمی ہوگا [''اَیْ ذَا لِزَامًا'' یعنی لازم ہوگا یا ''مُلَازِمًا'' ہے لازم کے مصدر کو اسم فاعل کی جگہ رکھا گیا ہے]

ضحاک نے کہا: "ما یعبا" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مغفرت کی کیا پرواہ ہے اگر تم اس کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کرو۔

(۲۶) سورۃ الشعراء مکیۃ (۴۷) | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | آیاتہا ۲۲۷ رکوعاتہا ۱۱

سورۃ الشعراء مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی دوسوستائیس آیات گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹ ع

طٰسٓمٓ ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس بناء پر کہ وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں پس ان کی گردنیں اس کے لیے جھک جائیں ○ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ○ سو انہوں نے یقیناً جھٹلایا پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○ کیا انہوں نے زمین کی طرف غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کے عمدہ نباتات کے کتنے جوڑے اُگائے ہیں ○ بے شک اس میں ضرور بڑی نشانی موجود ہے اور ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ○ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ البتہ بہت غالب بے حد مہربان ہے ○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت، حضور ﷺ کی خیر خواہی اور کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان

۱-﴿ طٰسٓمٓ ﴾ ["طٰسٓمٓ"، "طٰسٓ"، "یٰسٓ" اور "حٰمٓ" میں اعشیٰ، برجمی اور حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے نزدیک امالہ کیا جاتا ہے اور یزید اور حمزہ کی قراءت میں میم کے پاس نون کو ظاہر کر کے پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ قراء نون کو میم میں مدغم کر کے پڑھتے ہیں]۔

۲-﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں، جس کا معجزہ ہونا ظاہر اور واضح ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا صحیح ہے اور اس سے سورتیں یا قرآن مجید مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ آیتیں اس روشن کتاب کی ہیں جو (عرب میں بولے جانے والے) حروف ہجاء سے مرکب ہے۔

۳-﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ﴾ شاید آپ اپنے آپ کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے اور "لَعَلَّ" کا کلمہ خوف و اندیشہ

کے اظہار کے لیے ہے یعنی اے محبوب! آپ اپنی جان پر شفقت و نرمی کیجئے کہ کہیں اپنی قوم (قریش مکہ) کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غم و رنج اور حسرت و افسوس میں اپنے آپ کو ختم کر دیں ﴿ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴾ یہ کہ وہ ایمان لانے والے نہیں (یعنی) وہ ایمان نہیں لائیں گے یا ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے یا اس خوف سے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۴- ﴿ اِنْ نَّشَاْ ﴾ اگر ہم ان کا ایمان چاہتے تو ﴿ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً ﴾ ہم ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیتے' جو واضح طور پر رہنمائی کرتی ﴿ فَظَلَّتْ ﴾ پس ہو جاتیں "اَیْ فَتَظِلُّ" یعنی سوڈ ھلک جاتیں [ کیونکہ شرط کی جزا میں ماضی کا لفظ مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ] جیسے تم کہو کہ "اِنْ زُرْتَنِیْ اَکْرَمْتُکَ اَیْ اُکْرِمُکَ" اگر تم میری ملاقات کے لیے آؤ گے تو میں تمہاری عزت کروں گا (یہاں فعل ماضی "اَکْرَمْتُ" بہ معنی "اُکْرِمُ" ہے) اسی طرح زجاج نے کہا ﴿ اَعْنَاقُهُمْ ﴾ ان کی گردنیں (یعنی) ان کے سر اور ان کی پیشانیاں جھک جاتیں یا ان کی جماعتیں کیونکہ انسانوں کی فوج کے لیے کہا جاتا ہے کہ "جَآءَ عُنُقٌ مِنَ النَّاسِ" لوگوں کی گردنیں (یعنی) ان کی فوج آ گئی ہے ﴿ لَهَا خٰضِعِیْنَ ﴾ اس کے لیے جھک جائیں گے (یعنی) مطیع و فرماں بردار ہو جائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ہمارے اور بنوامیہ کے بارے میں نازل ہوئی' سو عنقریب ہمیں ان پر غلبہ و تسلط حاصل ہو جائے گا' پس ان کی گردنیں بڑی مشکل کے بعد ذلیل ہو کر جھک جائیں گی اور ان کو عزت و غلبہ کے بعد یہ ذلت پہنچے گی۔

۵- ﴿ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ﴾ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعے ان کے لیے کوئی نئی نصیحت اور یاد دہانی نہیں بھیجتا' مگر وہ نئے سرے سے اس سے روگردانی کر لیتے ہیں اور از سر نو اس کے ساتھ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔

۶- ﴿ فَقَدْ کَذَّبُوْا ﴾ سو بے شک انہوں نے (حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کو ان تمام تعلیمات سمیت جھٹلا دیا' جو کچھ آپ ان کے پاس لے کر تشریف لائے تھے ﴿ فَسَیَاْتِیْهِمْ ﴾ سو عنقریب ان کے پاس آن پہنچیں گی (یعنی) پس وہ عنقریب جان لیں گے ﴿ اَنْبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اس کی خبریں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے' اور یہ ان کے لیے وعید (دھمکی و ڈراوا) ہے اور خوف زدہ کرنا ہے کہ بے شک عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا' جب انہیں بدر کے دن یا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچے گا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور وہ قرآن مجید ہے اور عنقریب اس کی خبریں اور اس کے احوال ان کے پاس آ جائیں گے' جن کا ان پر خوف تھا۔

۷- ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ﴾ اور کیا انہوں نے زمین کی طرف غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کے نباتات کے کتنے عمدہ اور بہترین جوڑے اُگائے ہیں۔ "مِنْ کُلِّ زَوْجٍ" سے نباتات کی تمام اقسام مراد ہیں اور "کریم" کا معنی محمود یعنی عمدہ اور بہترین' کثرت سے نفع دینے والا ہے' جس سے انسان اور چوپائے کھائیں' جیسے کریم آدمی وہ شخص ہوتا ہے جس کا نفع عام ہو اور کثرت کے کلمہ "کَمْ" اور احاطہ کے کلمہ "کُلّ" کے جمع کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ کلمہ "کل" تفصیل کے ساتھ تمام نباتات کے جوڑوں کے احاطہ کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے اور "کَمْ" کا کلمہ اس محیط کی کثرت پر دلالت کرتا ہے' یہ محیط بہت کثرت پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۹'۸- ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی موجود ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں' یعنی بے شک ان تمام اقسام کے نباتات کے اُگانے میں اس بات پر ضرور نشانی اور دلیل موجود

ہے کہ ان کا اُگانے والا مُردوں کے زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً خوب جانتا ہے کہ ان میں اکثر لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے' ان کے ایمان لانے کی امید نہیں کی جاسکتی ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار کفار سے انتقام لینے میں زبردست غالب ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ ان میں سے ایمان لانے والوں کے لیے بے حد مہربان ہے [اور ''اٰیَة'' کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ کثیر نشانیوں کی خبریں دی گئی ہیں' یہ اس لیے کہ ''ذٰلِكَ'' اسم اشارہ سے ''اَنْۢبَتْنَا'' کے مصدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا پھر نباتات کے ان جوڑوں میں سے ہر ایک میں ایک نشانی مراد ہے خواہ کوئی نشانی ہو]۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾

اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تو ظالم قوم کے پاس جاO فرعون کی قوم کے پاس کیا' وہ ڈرتے نہیں ہیںO اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گےO اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی' سو ہارون کی طرف بھیج دیجئےO اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے' سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گےO فرمایا: ہرگز نہیں! پس تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ چلے جاؤ' بے شک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیںO سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ بے شک ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیںO بات یہ ہے کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دےO

## بنی اسرائیل کو آزاد کرانے اور فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے حضرت موسیٰ کا بھیجا جانا

۱۱٬۱۰- ﴿وَاِذْ﴾ اور جب [''اِذْ'' مفعول بہ ہے ''اَیْ اُذْكُرْ اِذْ''] یعنی (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا کہ تم اپنی جانوں پر کفر کے سبب ظلم کرنے والی ظالم قوم کے پاس جاؤ' اور بنی اسرائیل کو غلام بنانے اور ان کی اولاد کو ذبح کرنے کی وجہ سے ان پر ظلم کی مہر لگا کر ظالم قوم فرمایا گیا [''اَنْ'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے عطف بیان کے ساتھ ''اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ'' پر عطف کر کے فرمایا:] ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی قوم کے پاس جاؤ گویا یہ دونوں عبارتیں ایک مقصد کے بیان کے لیے ایک دوسرے کے بعد استعمال ہوئی ہیں ﴿اَلَا یَتَّقُوْنَ﴾ کیا وہ ڈرتے نہیں یعنی تم ان کے پاس جا کر انہیں کفر و شرک پر ڈانٹو' سو بے شک اب ان کے لیے وقت آ گیا ہے کہ وہ ڈر جائیں اور یہ کلمہ تحریک پیدا کرنے اور ترغیب دینے کا ہے [اور اس میں احتمال ہے کہ یہ ''اَلظّٰلِمِیْنَ'' کی ضمیر سے حال ہو] یعنی فرعون کی قوم کے لوگ ظلم و ستم کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے [پھر انکار کا ہمزہ حال پر داخل کر دیا گیا ہے]۔

۱۳٬۱۲- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک

میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔خوف وہ غم ہوتا ہے جو کسی انسان کو ایسے امر کی وجہ سے لاحق ہو جائے جو عنقریب واقع ہونے والا ہے ﴿وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ﴾ اوران کی طرف سے میری تکذیب کرنے اور مجھے جھٹلانے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے [یہ جملہ مستأنفہ ہے یا ''اَخَافُ'' پر معطوف ہے ] ﴿وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ﴾ اور میری زبانی نہیں چلتی کیونکہ جب میں ظلم وستم اور ناممکن ومحال کام دیکھتا ہوں اور لڑائی جھگڑے کی باتیں سنتا ہوں تو مجھ پر غیرت ایمانی کا جوش بڑھ کر غالب آ جاتا ہے اور غصہ کے سبب روانگی سے زبان نہیں چلتی [یعقوب کی قراءت میں یہ دونوں ''یضیق'' اور'' لا ینطلق ''منصوب ہیں کہ یہ ''یُکَذِّبُوْنَ'' پر معطوف ہیں' پس اس تقدیر پر خوف کا تعلق ان تینوں کے ساتھ ہے اور مرفوع کی تقدیر پرا کیلے تکذیب کے ساتھ تعلق ہوگا ] ﴿فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ﴾ یعنی اے اللہ! تو حضرت جبریل کو حضرت ہارون کے پاس بھیج اور تو اسے نبی بنا دے تا کہ رسالت کی تبلیغ پر میری مدد کرے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس وقت مصر میں تھے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر شام کی طرف بھیجا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ درخواست حکم کی بجا آوری سے رکنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے نہیں تھی بلکہ تبلیغ رسالت کے لیے معاون و مددگار کی درخواست تھی اور حکم کی تعمیل وتنفیذ میں مددگار کی درخواست عذر پیش کرنے کی تمہید تھی اور قبول کرنے کے لیے تو مددگار کا طلب کرنا ہی کافی دلیل ہے' علت بازی کے لیے نہیں۔

۱٤- ﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ﴾ اوران کا مجھ پر ایک الزام ہے یعنی فرعونیوں کے خیال میں قبطی شخص کے میرے ہاتھ سے قتل ہو جانے کے سبب مجھ پر جرم کی سزا لازم ہے [یہاں مضاف محذوف ہے اصل ''تبعة ذنب'' ہے یعنی جرم کی سزا ] یا پھر جرم کی سزا کو جرم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ بُرائی کی سزا کو بُرائی کہا گیا ہے ﴿فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ﴾ سو مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے قبطی کے قصاص (بدلے) میں قتل کر دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات علت بازی اور بہانہ سازی کے لیے نہیں کہی تھی بلکہ ایک متوقع مصیبت کے لیے دفاع کی طلب کی تھی اور ادائے رسالت سے پہلے ایک قتل کی وضاحت کی تھی اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے کلمہ کے ساتھ خوف کے دفاع اور غلبہ کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضرت موسیٰ کی دونوں حاجتوں کی قبولیت کو جمع فرما دیا' (چنانچہ ارشاد فرمایا:)

۱۵- ﴿قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! پس تم دونوں جاؤ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کی مصیبتوں اور ایذاؤں سے دفاع کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلمۂ تنبیہ کے ساتھ ان کے خوف کو دور کرنے کا وعدہ فرما لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی حضرت ہارون کے لیے رسالت کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول کی اور ارشاد فرمایا: ''فَاذْهَبَا'' تم دونوں جاؤ یعنی میں نے ان کو بھی تمہارے ساتھ رسول بنا دیا ہے' سو تم دونوں جاؤ [اور ''فَاذْهَبَا'' کو اس فعل پر معطوف کیا گیا ہے جس پر ''كَلَّا'' دلالت کر رہا ہے ] گویا فرمایا گیا کہ اے موسیٰ! اپنے خیال سے باز آ جاؤ' سو اب تم اور تمہارا بھائی ہارون دونوں جاؤ ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ ہماری نشانیوں کے ساتھ اور وہ ید بیضاء اور عصا وغیرہ کے معجزات مراد ہیں [اور حرف ''بَا''، ''مع'' کے معنی میں ہے ] ﴿اِنَّا مَعَكُمْ﴾ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی مدد ونصرت کرنے کے لیے میں تمہارے ساتھ ہوں اور علم وقدرت اور قہر وغضب کے اعتبار سے میں اس کے ساتھ ہوں' جس کی طرف تم دونوں کو بھیجا گیا ہے ﴿مُّسْتَمِعُوْنَ﴾ ہم سننے والے ہیں' پس ''اِسْتِمَاع'' اس جگہ کانوں سے سننا کے معنی میں مستعمل نہیں ہو سکتا' جیسے کہا جاتا ہے کہ ''اِسْتَمِعْ اِلٰى حَدِيْثِهٖ'' کہ فلاں کی بات کی طرف کان لگا کر غور سے سنو' اور اس کو یہاں اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' پس اب اس کو صرف سننے کے معنی پر محمول کیا جائے گا

[" مُسْتَمِعُوْنَ "، " اِنَّا " کی خبر ہے اور " مَعَكُمْ " ظرف لغو ہے یا یہ دونوں " اِنَّا " کی خبر ہیں ]۔

١٦۔﴿ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بے شک ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں۔[ یہاں " رَسُوْل " کو تثنیہ ذکر نہیں کیا گیا جیسا اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں تثنیہ ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے کہ " اِنَّـا رَسُوْلَا رَبِّكَ " (طٰہٰ: ٤٧) اس لیے کہ " رَسُوْل " بہ معنی " مُرْسَل " بھی آتا ہے اور بہ معنی رسالت بھی آتا ہے' سو یہاں رسول بہ معنی مرسل ہے' اس لیے اس کو تثنیہ لانا ضروری نہیں ہے اور وہاں بہ معنی رسالت ہے اور رسالت کے ساتھ وصف میں واحد' تثنیہ اور جمع مساوی ہوتے ہیں یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں ایک ہی شریعت پر متحد و متفق تھے ] گویا وہ دونوں ایک رسول تھے یا پھر مراد یہ ہے کہ بے شک ہم میں سے ہر ایک پروردگارِ عالم کا رسول ہے۔

١٧۔﴿ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا ﴾ یہ کہ ہمارے ساتھ بھیج دے۔ " ان " بہ معنی " اَیْ اَرْسِل مَعَنَا " ہے یعنی ہمارے ساتھ بھیج دے کیونکہ " رسول "، " ارسال " ( بھیجنے ) کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں قول کا معنی ہے ﴿ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ مراد یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دے تاکہ وہ ہمارے ساتھ فلسطین چلے جائیں اور فلسطین ان دونوں کا مسکن تھا' چنانچہ یہ دونوں بھائی فرعون کے دروازے پر پہنچے لیکن ایک سال تک ان دونوں کو اجازت نہیں دی گئی' یہاں تک کہ ایک دن دربان نے فرعون سے کہا کہ یہاں دروازے پر ایک شخص آیا ہے' جو خیال کرتا ہے کہ وہ تمام جہانوں کے رب تعالیٰ کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا: اسے آنے کی اجازت دے دو تاکہ ہم اس سے ہنسی مذاق کریں' چنانچہ ان دونوں نے فرعون تک رسالت کا پیغام پہنچایا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اور اس موقع پر (درج ذیل گفتگو کی):

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ
وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا
خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ
عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾

فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے اپنے ہاں تمہاری بچپن میں پرورش نہیں کی اور تم نے ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی سال گزارے O اور تم نے اپنا وہ کام کیا جو تم نے کیا اور تم ناشکروں میں سے ہو O آپ نے فرمایا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب کہ میں اس کام (صرف ایک مکہ مارنے پر قتل ہو جانے) سے بے خبر لوگوں میں سے تھا O سو میں تمہارے پاس سے اسی وقت نکل گیا جب میں نے تم سے خوف محسوس کیا تو میرے پروردگار نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا O اور وہ احسان جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے یہی ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے O

١٨۔﴿ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ﴾ فرعون نے کہا: ہم نے اپنے ہاں تمہاری بچپن میں پرورش نہیں کی تھی۔ " فَـاْتِـيَـا فِرْعَوْنَ فَقَالَا لَـهٗ " پس وہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور ان دونوں نے اس سے فرمایا' کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے' اور " وَلِيْـد " کا معنی ہے: بچہ کیونکہ ولادت و پیدائش کے قریب یہی بچپن کا زمانہ ہوتا ہے یعنی کیا تم چھوٹے سے بچے

نہیں تھے کہ ہم نے تمہیں پالا پوسا' جوان کیا؟ ﴿ وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴾ اور تم نے ہمارے درمیان کتنے سال گزارے تھے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس تیس سال گزارے تھے۔

۱۹- ﴿ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ ﴾ اور تم نے اپنا وہ کام کیا' جو تم نے کیا یعنی قبطی شخص قتل کیا' سو فرعون نے تعریض کی کیونکہ ایک بادشاہ تھا ﴿ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور تم میری نعمت و احسان کی ناشکری کر کے ناشکری کرنے والوں میں سے ہو کیونکہ تم نے میرے باورچی کو قتل کیا یا یہ کہ تم ہمارے اسی دین پر تھے جسے اب تم کفر کہتے ہو اور فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ محض بہتان اور افتراء تھا' اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کفر سے معصوم تھے اور ان کے ساتھ اپنے عقیدہ کو چھپا کر زندگی گزارتے رہے۔

۲۰- ﴿ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا یعنی میں نے قبطی کو مکہ اس وقت مارا تھا ﴿ وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ جب کہ میں اس بات سے بے خبر لوگوں میں سے تھا کہ یہ کام قتل تک جا پہنچے گا اور ''ضـال عـن الشيئ'' اس چیز کی معرفت سے دور آدمی کو کہا جاتا ہے (یعنی اس چیز سے ناواقف و بے خبر آدمی) یا ''ضَـالِّيْن'' بہ معنی ''نَاسِيْن'' ہے یعنی اس وقت میں بھولنے والوں میں سے تھا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَنْ تَـضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْـدٰهُـمَا الْاُخْرٰى'' (البقرہ:۲۸۲) ''یہ کہ ان دو میں سے ایک بھول جائے تو ان دونوں میں سے ایک کو دوسری یاد کرا دے''۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے کفر کے وصف کو دور کیا اور ''كَـافِرِيْن'' کی جگہ ''ضَـالِّيْن'' کو رکھا اور ''اِذًا'' اکٹھے جواب بھی ہے اور جزاء بھی اور یہ کلام فرعون کے لیے جواب بھی ہے اور اس کے احسان کی جزا بھی کیونکہ فرعون کے قول ''وَفَـعَلْتَ فَعْلَتَكَ'' کا معنی یہ ہے کہ بے شک تم نے جو کچھ کیا ہے یہی میرے احسان کا بدلا ہے تو حضرت موسیٰ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ہاں! میں نے وہ کام تجھے بدلا دینے کے لیے کیا تھا' آپ نے اس کی بات تسلیم کر لی کیونکہ اس کا احسان اسی کے لائق تھا کہ اس قسم کا بدلا دیا جائے۔

۲۱- ﴿ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ ﴾ سو میں تم سے بھاگ کر مدین کی طرف چلا گیا ﴿ لَمَّا خِفْتُكُمْ ﴾ جب میں نے خطرہ محسوس کیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خوف و خطرہ اس وقت محسوس کیا تھا جب آلِ فرعون کے ایک مؤمن نے آپ سے کہا تھا کہ ''اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ'' (القصص:۲۰) ''بے شک سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ تمہیں قتل کر ڈالیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیں' بے شک میں آپ کے خیرخواہوں میں سے ہوں'' ﴿ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا ﴾ پس اب میرے پروردگار نے مجھے حکم یعنی نبوت و علم عطا فرما دیا ہے اور مجھ سے نادانی و بے خبری دور ہو گئی ہے ﴿ وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ہے (یعنی) رسولوں کی جماعت میں سے بنا دیا۔

۲۲- ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور یہ احسان ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے تربیت والے احسان کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' اس لیے حضرت موسیٰ نے اسے اس کی جڑ سے باطل کر دیا اور اس کو احسان ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ تو ایک عذاب تھا' اس لیے حضرت موسیٰ نے بیان فرمایا کہ ان پر فرعون کے احسان کی حقیقت بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھنا ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو غلام بنانا اور فرعونیوں کا ان کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا قصد کرنا ہی اصل سبب ہے' فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے کا اور اس کے پاس تربیت حاصل کرنے کا اور اگر فرعون بنی اسرائیل کو چھوڑ دیتا تو حضرت موسیٰ کی تربیت ان کے ماں باپ

کرتے تو گویا فرعون کا حضرت موسیٰ پر احسان ان کی قوم کو غلام بنانا اور انہیں ان کے ماں باپ کی گود سے نکالنا ہے اور ''تعبیدھم'' کا معنی ہے: بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور انہیں غلام بنانا [''تَمُنُّهَا'' اور ''عَبَّدْتَّ'' میں ضمیر کو واحد لایا گیا ہے جب کہ ''مِنكُمْ'' اور ''خِفْتُكُمْ'' میں جمع لایا گیا ہے] کیونکہ خوف اور فرار صرف اکیلے فرعون سے نہیں تھا بلکہ فرعون اور قتل کا مشورہ دینے والے سرداروں سے تھا' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ''اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ'' (القصص: ۲۰) ''بے شک سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ وہ تمہیں قتل کر دیں''۔ اور لیکن احسان تو صرف ایک شخص کا تھا اور اسی طرح غلام بنانا [اور ''تِلْكَ'' سے ایک مبہم اور بُری خصلت کی طرف اشارہ ہے اور اس کی وضاحت کے بغیر اس کا علم نہیں ہو سکتا اور ''اَنْ عَبَّدْتَّ'' محلًا مرفوع ہے اور ''تِلْكَ'' کا عطف بیان ہے] یعنی تیرا بنی اسرائیل کو غلام بنانا ہی وہ احسان ہے جس کا تو مجھے احسان جتا رہا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۴

فرعون نے کہا کہ تمام جہانوں کا رب کیا ہے ○ فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو ○ اس (فرعون) نے اپنے اردگرد والوں کو کہا کہ کیا تم سنتے نہیں ہو ○ فرمایا: تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے ○ اس نے کہا: بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے ○ آپ نے فرمایا: وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○ اس نے کہا: اگر تم نے میرے بغیر کسی معبود کو اختیار کیا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں سے بنادوں گا ○ فرمایا: اگر چہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لے آؤں ○ اس نے کہا: سو تم اسے لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو ○ پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا ○ اور آپ نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمک دار بن گیا ○

## اللہ تعالیٰ کے متعلق فرعون کے سوال کا جواب اور معجزہ طلب کرنے پر معجزے کا اظہار

۲۳- ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ تمام جہانوں کا پروردگار کیا چیز ہے؟ یعنی تم دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم پروردگارِ عالم کے رسول ہو تو اس کی تعریف کیا ہے؟ کس صفت کا مالک ہے؟ اس لیے کہ جب تم زید کی صفت کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہو تو کہتے ہو: ''مَا زَيْدٌ'' زید کیا چیز ہے؟ تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دراز قامت ہے یا چھوٹے

قدر والا ہے' آیا وہ فقیہ (ماہر علوم دینیہ) ہے یا طبیب ہے" "کشاف" وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔

٢٤۔﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال کے مطابق اس کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی جو کچھ ان دو جنسوں کے درمیان میں ہے سب کا پروردگار اور مالک ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ﴾ اگر تم یقین کرنے والے ہو یعنی اگر تم چیزوں کو دلیل سے پہچان لیتے ہو تو پھر ان چیزوں کی تخلیق ہی کافی اور وافی دلیل ہے' یا یہ معنی ہے: اگر تم سے اس ایقان کی امید کی جاتی ہے جو نظر صحیح تک پہنچاتا ہے تو تمہیں یہ جواب فائدہ دے گا' ورنہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور ایقان اس یقینی علم کو کہا جاتا ہے جو دلائل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور اس لیے "اَللّٰهُ مُوْقِنٌ" نہیں کہا جاتا۔

٢٥۔﴿قَالَ﴾ اس نے کہا یعنی فرعون نے ﴿لِمَنْ حَوْلَهٗۤ﴾ اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا اور وہ پانچ سو آدمی تھے جنہیں کنگن پہنائے جاتے تھے اور یہ لوگ بادشاہوں کے مخصوص ہوتے تھے ﴿اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم سنتے نہیں ہو۔ فرعون نے یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہی تھی کیونکہ وہ زمین و آسمان کو قدیم خیال کرتے تھے اور وہ لوگ ان دونوں کے پروردگار اور مالک و خالق کا انکار کرتے تھے' اس لیے حضرت موسیٰ کو ایسی چیز کے ساتھ استدلال کرنے کی ضرورت پیش آ گئی جس کے حادث ہونے اور فنا ہونے کا ان لوگوں نے مشاہدہ کیا ہو' چنانچہ آپ نے ایسا ہی ایک استدلال پیش کیا۔

٢٦۔﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: وہ تمہارا پروردگار ہے' تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے یعنی وہی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق و مالک ہے اور تمہارے باپ دادا کا خالق و مالک ہے' پس اگر اپنے غیر کے ذریعے استدلال نہیں کر سکتے تو تم اپنے آپ سے استدلال کر و اور یہ جو "وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمْ" فرمایا ہے تو وہ اس لیے کہ فرعون اپنے زمانہ کے لوگوں پر اپنی ربوبیّت کا دعویٰ دار تھا' ان سے پہلے لوگوں پر ربوبیّت کا دعویٰ دار نہیں تھا۔

٢٧۔﴿قَالَ﴾ یعنی فرعون نے کہا: ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے کیونکہ وہ گمان کرتا ہے کہ میرے سوا ایک اور معبود موجود ہے اور فرعون اپنے علاوہ الوہیّت و معبود ہونے کا انکار کرتا تھا۔

٢٨۔﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ مشرق و مغرب کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کا پروردگار ہے' سو تم اگر اس کے ساتھ استدلال کرو گے جو میں کہتا ہوں تو تم اپنے پروردگار کو پہچان لو گے' اور یہ ہے رہنمائی کی غرض و غایت کیونکہ حضرت موسیٰ نے پہلے عام دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے' پھر عام میں سے ان کی اپنی جانوں اور ان کے آباء و اجداد کو بیان کے لیے مخصوص فرمالیا کیونکہ عقل مند کے لیے سب سے غور و فکر کے قریب اس کی اپنی جان ہے اور جس سے وہ پیدا ہوا ہے وہ ہے اور وہ احوال ہیں جن کا وہ اپنی پیدائش کے وقت سے لے کر اپنی وفات تک مشاہدہ کرتا رہا ہے' پھر آپ نے صرف مشرق و مغرب کو مخصوص کر لیا کیونکہ ان دو سمتوں میں سے ایک سے سورج طلوع ہوتا ہے اور دوسری میں غروب ہوتا ہے اور یہ نظام سال کے تمام موسموں میں اعتدال کے ساتھ منظم تدبیر اور معین حساب پر چلتا رہتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن چیزوں کے ساتھ استدلال کیا ہے' یہ ان سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے اور اس کے ظہور کے سبب حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ السلام نے نمرود بن کنعان کے سامنے مارنے اور زندہ کرنے کے استدلال سے منتقل ہو کر

اسی طلوع وغرب کے نظام سے استدلال کیا (اور فرمایا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو تُو مغرب سے لا کر دکھا' تو نمرود لاجواب ہو گیا) اور بعض مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے اپنے سوال کی حقیقت سے جاہل ہونے کی بناء پر ماہیّت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا' لیکن جب حضرت موسیٰ نے حقیقی جواب دیا تو فرعون سمجھا کہ حضرت موسیٰ نے جواب سے انحراف کیا ہے کیونکہ اس نے ماہیّت کے متعلق سوال کیا ہے جب کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت اور اس کی صنعت کے آثار سے جواب دیا' اس لیے اس نے حضرت موسیٰ کے جواب پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اپنے درباریوں سے کہا: ''اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ'' کیا تم سنتے نہیں ہو؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ اپنے پہلے قول کی مثل صفاتی جواب دیا تو فرعون نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت موسیٰ نے جواب سے انحراف کیا ہے' مجنون و دیوانہ قرار دے دیا لیکن حضرت موسیٰ تیسری مرتبہ اپنے پہلے کلام کی مثل کی طرف لوٹے اور وضاحت بیان کی کہ فرد حقیقی کا تعارف و معرفت اور اس کی پہچان صرف صفات کے ذریعے ہو سکتی ہے اور اس کی ماہیّت کے متعلق سوال محال و ناممکن ہے اور اسی کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ''اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ'' اگر تم عقل رکھتے ہو یعنی اگر تمہارے لیے عقل ہے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے' پھر جب فرعون حیران ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت اور اس کی صنعت کے آثار کے ظہور کا دفاع نہ کر سکا تو

۲۹۔﴿ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ ﴾ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا ﴿ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴾ تو میں ضرور تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ یعنی میں تجھے ان قیدیوں میں داخل کر دوں گا' جن کا حال تمہیں معلوم ہے اور فرعون کی عادت تھی کہ وہ جس کو قید کرنا چاہتا تو اسے پکڑ لیتا اور اسے اکیلا زمین کی گہرائی میں جانے والے گہرے گڑھے میں پھینک دیتا' جس میں وہ شخص نہ کچھ سن سکتا اور نہ کچھ دیکھ سکتا اور یہ سزا قتل کرنے سے زیادہ سخت تھی اور اگر ''لَاَسْجُنَنَّكَ'' کہا جاتا تو یہ معنی ادا نہ ہوتا اگرچہ مختصر ہو جاتا۔

۳۰۔﴿ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اور کیا اگرچہ میں تیرے پاس روشن چیز لے کر آ جاؤں [واؤ حال کی ہے' اس پر استفہام کا ہمزہ داخل کیا گیا ہے] یعنی کیا تو میرے ساتھ یہی کرے گا اگرچہ میں تیرے پاس ایک روشن چیز یعنی معجزہ لے آؤں۔

۳۱۔﴿ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ فرعون نے کہا کہ پس تم وہ معجزہ لے آؤ جو تمہاری صداقت و حقانیت کو بیان کر دے اگر تم سچوں میں سے ہو کہ بے شک تمہارے پاس ایک واضح اور روشن معجزہ ہے [اور شرط کا جواب مقدر ہے یعنی ''فاحضرہ''] سو تم اسے حاضر کرو۔

۳۲۔﴿ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴾ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈال دیا تو اچانک وہ ایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا' جس کا اژدھا ہونا بالکل ظاہر اور واضح تھا۔ کوئی چیز اژدھے کے مشابہ نہیں تھی جیسا کہ جادو اور شعبدہ بازی کے ذریعے چیزیں دکھائی جاتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اژدھا آسمان کی طرف ایک میل بلند ہو گیا تھا' پھر فرعون کی طرف جھکا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا: اے موسیٰ! آپ جو چاہتے ہیں مجھے حکم دیں' اور فرعون کہنے لگا: میں آپ کو اس ذاتِ اقدس کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ اسے واپس پکڑ لیں' چنانچہ آپ نے اسے پکڑ لیا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔

۳۳۔﴿ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے

لیے سفید چمک دار ہو گیا۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ہاتھ کی سفیدی ایسی چیز تھی' جس پر ناظرین کی نظریں جمع ہو جاتی تھیں کیونکہ یہ نورانی سفیدی خلاف عادت نکلتی تھی اور یہ سفیدی نورانی تھی۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے جب پہلا معجزہ دیکھا تو کہنے لگا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور معجزہ ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا اور فرعون سے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا: یہ تمہارا ہاتھ' تو حضرت موسیٰ نے اسے اپنی بغل میں داخل کیا' پھر جب اسے نکالا تو اس سے نورانی شعاعیں ہر طرف پھیل رہی تھیں' قریب تھا کہ آنکھیں چندھیا جاتیں اور اُفق بند ہو جاتے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ
عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ
لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ
مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

فرعون نے اپنے اردگرد درباریوں سے کہا: بے شک یہ بہت بڑے علم والا جادوگر ہے O چاہتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے جادو کے زور پر تمہاری سرزمین سے نکال دے' سو تم کیا مشورہ دیتے ہو O انہوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے O کہ وہ تیرے پاس ہر بڑے علم والے ماہر جادوگر کو لے آئیں O پھر ایک دن معین کر کے مقررہ وقت پر سب جادوگروں کو جمع کیا گیا O اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی جمع ہونے والے ہو O شاید ہم جادوگروں کی پیروی اختیار کر لیں اگر وہ غالب آ گئے O پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ کیا ہمیں ضرور انعام ملے گا اگر ہم غالب آ گئے O فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے O موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم جو کچھ ڈالنے والے ہو ڈال دو O سو انہوں نے اپنی (تمام) رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! ہم یقیناً ضرور غالب آنے والے ہیں O

## حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ

۳۴- ﴿قَالَ﴾ اس نے یعنی فرعون نے کہا: ﴿لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ﴾ اپنے اردگرد درباری سرداروں سے [''حَوْلَهٗ'' منصوب ہے دو نصبوں کے ساتھ' ایک نصب لفظ میں ہے اور اس کا عامل وہی ہے جو ظرف میں مقدر ہے اور دوسرا نصب محل میں ہے اور یہ نصب حال کی بناء پر ''اَیْ کَائِنِیْنَ حَوْلَهٗ'' اور اس کا عامل ''قَالَ'' ہے] ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک یہ جادو کے فن میں بہت بڑا علم رکھنے والا جادوگر ہے' پھر فرعون نے اپنی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف گمراہ کرنے کے لیے کہا:

٣٥- ﴿ يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو کے زور پر تمہاری زمین سے نکال دے' پس تم کیا مشورہ دیتے ہو' تم ان کو قید کرنے کا مشورہ دیتے ہو یا قتل کرنے کا [''فَمَاذَا'' مفعول بہ ہے' تمہارے اس قول ''اَمَرْتُكَ الْخَيْرَ'' سے ہے۔ ''تَاْمُرُوْنَ'' ''مؤامرة'' سے ماخوذ ہے یا ''امر'' سے مشتق ہے وہ جو نہی کی ضد ہے] جب فرعون نے دو عظیم الشان معجزے دیکھے تو حیران و پریشان ہو گیا اور خدائی دعویٰ کا بھوت اتر گیا اور ربوبیت کی کبریائی و بڑائی اس کے کندھوں سے اتر گئی اور خوف کے مارے اس کی رگیں کانپنے لگیں اور وہ اپنی اس قوم سے مشورہ مانگنے لگا' جس کو وہ اپنے گمان میں غلام سمجھتا تھا اور خود کو اس کا خدا سمجھتا تھا یا اس نے انہیں اپنا حاکم بنا لیا اور اپنے آپ کو محکوم بنا لیا۔

٣٦- ﴿ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ ﴾ انہوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو ٹھہرا لے (یعنی) ان دونوں کے معاملے کو مؤخر کر دے اور فتنہ کے خوف سے بچنے کے لیے ان دونوں کے قتل کے معاملہ کو نہ اُبھار ﴿ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴾ اور شہروں میں جمع کرنے والی پولیس کو بھیج دے' وہ جادوگروں کو جمع کریں اور انہوں نے فرعون کے قول ''اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ'' کا اپنے (درج ذیل) قول کے ساتھ مقابلہ کیا:

٣٧- ﴿ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴾ وہ تیرے پاس ہر ایک بہت بڑے علم رکھنے والے ماہر جادوگر کو لے آئیں گے' سو وہ لوگ احاطہ کا کلمہ اور مبالغہ کا صیغہ اس لیے لائے تا کہ وہ اس کے اضطراب و پریشانی سے اس کو تسکین دیں۔

٣٨- ﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ پس مقررہ دن میں معین وقت پر جادوگروں کو جمع کر لیا گیا یعنی عید کے دن' اور میقات سے چاشت کا وقت مراد ہے کیونکہ یہی وہ وقت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عید کے دن ان کے لیے مقرر فرمایا تھا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى'' (طٰہٰ:٥٩) ''تمہارا وعدہ عید کے دن کا ہے اور یہ کہ تمام لوگوں کو چاشت کے وقت جمع کیا جائے گا''۔ اور ''میقات'' وہ وقت ہے جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو یعنی جو کسی زمانہ (صبح' دوپہر اور شام) میں یا کسی جگہ میں مقرر کیا جائے اور اسی سے ''مَوَاقِيْتُ الْاِحْرَام'' ماخوذ ہے (یعنی احرام باندھنے کی جگہیں)۔

٣٩- ﴿ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ یعنی تم جمع ہو جاؤ اور یہ سوال ان سے اجتماع میں تاخیر کرنے کی بنا پر پوچھا گیا ہے یعنی کیا تم جمع ہو جاؤ گے تاخیر تو نہیں کرو گے اور اس سے مراد ان کو جلدی جمع ہونے کی تاکید ہے۔

٤٠- ﴿ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ ﴾ شاید ہم جادوگروں کی پیروی اختیار کر لیں کہ ہم ان کے دین میں شامل ہو جائیں ﴿ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴾ اگر وہ غالب آ گئے یعنی اگر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کے دین کے معاملے میں غلبہ حاصل کر لیا اور اصل میں ان کی غرض جادوگروں کی پیروی کرنا مقصود نہیں تھی بلکہ ان کی غرض صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا تھی۔

٤١- ﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴾ پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: کیا ہمیں انعام ضرور ملے گا اگر ہم غالب آ گئے۔

٤٢- ﴿ قَالَ نَعَمْ ﴾ فرعون نے کہا: ہاں! [علی کسائی کی قراءت میں عین کے نیچے کسرہ ہے جب کہ عین کے لیے فتح اور کسرہ دونوں لغتیں جائز ہیں] ﴿ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے

یعنی فرعون نے کہا کہ ہاں! تمہیں میری طرف سے انعام ضرور ملے گا اور تم اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس عزت و مرتبہ اور عہدہ و منصب میں میرے مخصوص قریبی لوگوں میں سے ہو جاؤ گے' سو تم میرے دربار میں سب سے پہلے آؤ گے اور سب سے آخر میں جاؤ گے [اور جب ارشاد ''اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا'' شرط کی جزا کے معنی میں ہے کہ یہ شرط کی جزا پر دلالت کرتا ہے اور ارشاد ''وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ'' اس پر معطوف ہے اور ''اِذًا'' داخل کر کے اس کی جگہ میں مقرر کیا گیا جو جواب اور جزاء کا تقاضا کرتا ہے]۔

۴۳۔﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم نے جادو میں سے جو کچھ ڈالنا ہے' ڈال دو' پس عنقریب تم اس کا انجام دیکھ لو گے۔

۴۴۔﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ﴾ سو انہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈال دیں اور بعض نے کہا کہ بہتر ہزار رسیاں اور اسی طرح بہتر ہزار لاٹھیاں تھیں ﴿وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ضرور غالب آئیں گے۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت و قوم کی قسم کھائی اور یہ طریقہ جاہلیت کے زمانہ میں ایمان کا حصہ تھا۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا
بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ
لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ
لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۳

پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ اچانک ان (کے جادو) کی مصنوعی چیزوں کو جلد از جلد نگلنے لگا O سو تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے O انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آئے O موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر O فرعون نے کہا: اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا تم ان پر ایمان لے آئے' بے شک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا' پس عنقریب تم ضرور جان لو گے' میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو کاٹ دوں گا اور میں ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا O انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں' بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں O بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو بخش دے گا' اس لیے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں O

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غالب آنے اور جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون کی دھمکی

۴۵۔﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ اچانک ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا (یعنی) وہ لوگ اپنے جادو کے زور پر چیز کی شکل و صورت اور اس کی حقیقت سے اسے پھیر دیتے اور اس کو جھوٹ موٹ ثابت کرتے' چنانچہ لوگوں کے ذہنوں میں یوں خیال گزرتا کہ ان کی رسیاں اور ان کی

لاٹھیاں سانپ ہیں جو یقیناً دوڑ رہے ہیں۔

۴۶- ﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴾ سو جادوگر سجدہ میں گر گئے۔ یہاں ''خرور'' (گرنے) کو ''القاء'' (ڈالنے) کے ساتھ صرف مشاکلت کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے اوپر مذکورہ بالا آیات میں ''القائات'' کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے یہاں بھی ''فَاُلْقِیَ'' کا ذکر کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ اس قدر تیزی کے ساتھ سجدوں میں گرے تھے کہ گویا انہیں ڈالا گیا ہے۔

۴۷- ﴿ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے پالنے والے خدا پر ایمان لے آئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حضرات صبح کے وقت جادوگر اور کافر تھے اور شام کو مسلمان اور شہید تھے۔

۴۸- ﴿ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار پر ہم ایمان لائے۔ [یہ ''رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کا عطف بیان ہے] کیونکہ فرعون خدائی دعویٰ کرتا تھا' سو انہوں نے فرعون کو ربوبیّت سے معزول کرنا چاہا' اس لیے انہوں نے ''رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کہا (یعنی ہم اس خدا پر ایمان لائے ہیں جو صرف مصر والوں کا نہیں بلکہ تمام جہانوں کا رب ہے) اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب فرعون نے ان سے ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' سنا تو کہنے لگا کہ تم نے یہ میرے بارے میں کہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''رَبِّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ'' ہم اس پروردگارِ عالم پر ایمان لائے ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا پروردگار ہے۔

۴۹- ﴿ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ فرعون نے کہا: تم ان پر ایمان لے آئے ہو' اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا' بے شک وہ تمہارا بڑا استاد ہے' جس نے تمہیں جادو سکھا دیا اور تم نے ایک منصوبے اور ایک سازش پر اتفاق کر لیا ہے ﴿ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ سو تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا وبال عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' پھر وضاحت کی اور کہا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو ضرور کاٹ دوں گا' اس لیے کہ تم نے میری مخالفت کی ہے ﴿ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ اور میں تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا' گویا فرعون نے اس دھمکی کے ذریعے عوام کو ڈرایا تا کہ وہ ان کی پیروی کرتے ہوئے ایمان نہ لے آئیں۔

۵۰- ﴿ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ﴾ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں (یعنی) کوئی ضرر اور خطرہ نہیں [اور ''لَا'' کی خبر محذوف ہے ''اَیْ فِیْ ذَالِكَ اَوْ عَلَیْنَا'' یعنی ہمیں اس میں کوئی خطرہ اور ڈر نہیں یا ہم پر کوئی ضرر وغیرہ نہیں ہے] ﴿ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ بے شک ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۵۱- ﴿ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو بخش دے گا' اس لیے کہ ہم شہید ہونے والوں میں سے پہلے مسلمان ہیں یا فرعون کی رعایا میں سے ہم پہلے مسلمان ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ اس صورت میں ہم پر کوئی نقصان نہیں بلکہ ہمارے لیے بہت بڑا نفع اور فائدہ ہے' اس لیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کرنے پر ہمیں گناہوں کی مغفرت و بخشش حاصل ہوگی یا یہ معنی ہے کہ جس سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے' اس میں ہم پر کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہے کیونکہ موت کے اسباب میں سے کسی سبب کے ساتھ ہمیں اپنے خدا کی طرف لوٹ جانا ہے اور قتل ہونا اس کے اسباب میں سے آسان ترین سبب ہے اور امید افزا سبب ہے یا یہ کہ تیرے قتل کر دینے سے ہم پر کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ اگر تو ہمیں قتل کرے گا تو ہم اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جائیں گے' جس میں

اس کی مغفرت ورحمت کی امید ہے' اس لیے کہ اس نے سب سے پہلے ہمیں ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾
فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ
اِسْرَآئِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جایئے' بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گاO سو فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیاO بے شک یہ تھوڑی سی جماعت ہےO اور بے شک وہی ہمیں غصہ دلانے والے ہیںO اور بے شک ہم سب ہوشیار و مسلح ہیںO سو ہم نے انہیں باغوں اور چشموںO اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے باہر نکال دیاO اسی طرح ہوا' اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیاO سو فرعونیوں نے سورج کے طلوع ہونے کے وقت ان کا پیچھا کیاO پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم پکڑے گئےO

## حضرت موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کے تعاقب کرنے اور غرق ہونے کا بیان

۵۲- ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ﴾ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں (یعنی) بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات چلے جایئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے بندے اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے یعنی ان کو رات کے وقت لے جاؤ اور یہ ہجرت کا حکم جادوگروں کے ایمان لانے کے کئی سال بعد دیا گیا تھا [اہل حجاز کی قراءت میں ''ان اسر'' میں ہمزہ وصل کا ہے] ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا کہ فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کریں گے۔ بنی اسرائیل کو رات کے وقت ہجرت کے حکم کی علت ان کے قدموں کے نشانات پر فرعون اور اس کے لشکر کے تعاقب کو قرار دیا گیا ہے یعنی بے شک میں نے تمہارے معاملے اور ان کے معاملے کی تدبیر کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ تم آگے چلو اور فرعونی تمہارا پیچھا کریں' یہاں تک کہ دریا کے راستے میں تمہارے داخل ہونے کی جگہ میں وہ بھی داخل ہو جائیں اور میں انہیں ہلاک کر دوں اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس رات فرعونیوں کے ہر گھر میں ایک ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کی تکفین و تدفین میں مشغول ہو گئے' یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ہر چار گھروں کے رہنے والوں کو ایک گھر میں جمع کیجئے' پھر ایک بکری کا بچہ ذبح کیجئے اور اس کا خون تم اپنے دروازوں پر لگا دو اور میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے' جس کے دروازے پر خون لگا ہو گا اور میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ قبطیوں کے نوخیز لڑکوں کو قتل کر دیں اور تم بے خمیری آٹے کی روٹیاں تیار کر لو کیونکہ یہ تمہارے لیے جلدی تیار ہو جائیں گی' پھر تم میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر چلے جاؤ' یہاں تک کہ دریا پر پہنچ کر رک جاؤ' سو وہاں میرا حکم تمہیں مل جائے گا۔

٥٣-﴿ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴾ سوفرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا کہ وہ تمام لوگوں کو بختی کے ساتھ جمع کریں' پھر جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرعون نے کہا:

٥٤-﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴾ بے شک یہ (بنی اسرائیل) البتہ تھوڑی سی جماعت ہے' اور'' شِـرْذِمَة'' تھوڑے اور چھوٹے گروہ کو کہتے ہیں۔فرعون نے بنی اسرائیل کا ذکر ایسے لفظ کے ساتھ کیا جو قلت پر دلالت کرتا ہے' پھر اس کو '' قلیل '' (تھوڑا) کے ساتھ موصوف کیا' پھر'' قلیل '' کو جمع لایا' سو اس طرح ان کے ہر گروہ کو'' قلیل '' (یعنی تھوڑا) قرار دیا اور اس نے جمع سلامت کو اختیار کیا' جو قلت کے لیے استعمال ہوتی ہے یا پھر قلت سے ذلت مراد ہے' تعداد کی قلت مراد نہیں (مطلب یہ کہ بنی اسرائیل ذلیل جماعت ہے) یعنی ان کی قلت اور ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی پروا نہیں اور ان کے غلبہ کی توقع بھی نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل چھ لاکھ ستر ہزار تھی' اس کے باوجود فرعون نے ان کو صرف اس لیے'' قـلیل '' کہا کہ فرعون کے ساتھ اس سے کئی گنا زیادہ فوج تھی اور حضرت ضحاک نے بیان کیا کہ فرعون کی فوج ستر لاکھ تھی۔

٥٥-﴿ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں۔یعنی بے شک وہ لوگ ایسے کام کرتے ہیں' جن سے ہمارے دل جلتے ہیں اور ہمیں غصہ آجاتا ہے اور ہمارے سینے تنگ ہو جاتے ہیں اور وہ ان کا ہمارے ملک مصر سے نکل کر چلے جانا' ہمارے زیورات اٹھا کر لے جانا اور ہمارے نوخیز لڑکوں کو قتل کرنا ہے۔

٥٦-﴿ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم سب ہوشیار اور مسلح ہیں۔'' حـذر '' کا معنی بیدار و ہوشیار اور محتاط و چوکنا رہنا ہے اور'' حاذر '' وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی احتیاط و ہوشیاری کو جدید و ماڈرن بناتا رہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ '' حـاذر ''جنگی اُمور میں مہارت رکھنے والے اور ہتھیار پہننے والے مسلح شخص کو کہا جاتا ہے اور وہ یہ کام صرف دشمن سے بچنے کے لیے اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے احتیاطاً کرتا ہے یعنی ہم ایسی قوم ہیں کہ ہماری عادت میں یہ شامل ہے کہ بیدار و ہوشیار اور محتاط و مسلح رہتے ہیں اور تمام معاملات میں احتیاط کو عمل میں لاتے ہیں' سو جب کوئی شخص ہم پر خروج و سرکشی کرتا ہے تو ہم فوراً اس کے فساد کو مٹانے کے لیے جلدی کرتے ہیں اور یہ ہیں وہ بہانے جو شہروں میں رہنے والوں کو جمع کرنے کے لیے ان کے سامنے پیش کیے گئے تاکہ فرعون کے بارے میں کسی قسم کی عاجزی و بے بسی اور سستی و کمزوری کا گمان نہ کیا جائے۔

٥٧-﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴾ سو ہم نے ان فرعونیوں کو باغوں اور چشموں (یعنی) رواں دواں بہتی نہروں سے نکالا۔

٥٨-﴿ وَّكُنُوْزٍ ﴾ اور خزانوں سے (یعنی) ظاہری اموال سونا اور چاندی وغیرہ اور ان کا نام'' کـنـوز '' (خزانے) اس لیے رکھا کیونکہ فرعونی اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ نہیں کرتے تھے ﴿ وَّمَقَامٍ ﴾ اور رہائش گاہ اور مکان ﴿ كَرِيْمٍ ﴾ خوب صورت و خوش شکل اور سرسبز و شاداب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس سے منابر مراد ہیں۔

٥٩-﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ہوا۔[ یہ نصب کا احتمال رکھتا ہے' اس بناء پر کہ یہ'' اَخْرَجْنَاهُمْ '' کا تشبیہی مصدر ہے'' ای مثلك ذالك الاخراج الذی وصفنا '' یعنی ہم نے ان کو اسی طرح نکالا ہے' جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اور یہ رفع کا احتمال بھی رکھتا ہے' اس بناء پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہو'' ای الامر كذالك '' ] ﴿ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنایا۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا کہ جب بنی اسرائیل کے لوگوں نے دریا کو

عبور کرلیا (اور فرعون بمع قوم ہلاک ہوگیا) تو وہ لوگ واپس مصر لوٹ آئے اور انہوں نے ان کے گھروں اور ان کے مالوں پر قبضہ کرلیا۔

۶۰۔ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ﴾ سوفرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ ان کے پاس پہنچ گئے [یزید کی قراءت میں "تا" مشدد "فَاَتَّبَعُوْهُمْ" ہے] ﴿مُّشْرِقِيْنَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی وہ سورج کے روشن ہونے کے وقت داخل ہوئے اور یہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہے یعنی فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو سورج طلوع ہونے کے وقت پالیا تھا۔

۶۱۔ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ﴾ پس جب دو جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں یعنی دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں اس حیثیت سے کہ ہر گروہ اپنے ساتھ کے گروہ کو دیکھنے لگا اور اس سے بنی اسرائیل اور قبطی قوم مراد ہے ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: بے شک ہم پکڑے گئے یعنی قریب ہے کہ ہمارے دشمن ہم کو پکڑ لیں جب کہ ہمارے سامنے دریا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۚ ﴿۶۳﴾ وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۚ ﴿۶۴﴾ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۚ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ؕ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ ع

موسیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو میری رہنمائی فرمائے گا O سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا دریا پر ماریئے' پس وہ پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہوگیا O اور ہم نے دوسروں کو اسی جگہ کے نزدیک کردیا O اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا O بے شک اس میں البتہ عجیب ترین عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۶۲۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسا کرکے فرمایا: ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی سے باز آجاؤ تو وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکیں گے ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے' وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا یعنی ان کے پکڑنے اور نقصان پہنچانے سے میرا پروردگار مجھے نجات کا راستہ بتادے گا [امام حفص کی قراءت میں "مَعِیَ" میں "یا" مفتوح ہے (جب کہ دیگر قراء کے نزدیک "یا" ساکن ہے) اور یعقوب کی قراءت میں "سیھدینی" آخر میں "یا" کے ساتھ ہے]۔

۶۳۔ ﴿فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ پس ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو یعنی بحر قلزم پر جس میں لوگ یمن سے مصر کی طرف بحری سفر کرتے ہیں یا دریائے نیل مراد ہے ﴿فَانْفَلَقَ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا دریا پر مارا تو وہ پھٹ اور چر گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں کی تعداد کے مطابق بارہ راستے بن گئے ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ﴾ پس ہر ٹکڑا متفرق ہوگیا یعنی اس کا ہر حصہ الگ الگ ہوگیا ﴿كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾

بڑے پہاڑ کی طرح جو آسمان میں بہت اونچا جا کر اپنے مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔

٦٤۔ ﴿ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴾ اور ہم نے وہاں دوسروں کو نزدیک کر دیا' جب دریا پھٹ گیا تو ہم نے فرعون کی قوم کو نزدیک کر دیا یعنی ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے یا دریا کے قریب کر دیا۔

٦٥۔ ﴿ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو غرق سے نجات دے دی۔

٦٦۔ ﴿ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسروں (یعنی) فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اور اس آیت مبارکہ میں انسانی زندگیوں کی مدت میں ستاروں کی تاثیر کے قائلین کی اور اس کے علاوہ دیگر حوادث کے مؤثر ہونے کی تردید کی گئی ہے' کیونکہ وہ سب اکٹھے ہلاک ہوئے' حالانکہ سب کے ستارے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بنی اسرائیل اور قومِ فرعون کے درمیان حائل ہو گئے اور وہ بنی اسرائیل سے کہتے تھے کہ تمہارا آخری آدمی تمہارے پہلے آدمی سے ملنے لگا ہے (لہٰذا جلدی سے دریا عبور کر جاؤ) اور وہ فرعون کی قوم قبطیوں کے سامنے آتا اور ان سے کہتا کہ ابھی ٹھہرو اور صبر کرو' تمہارا آخری تم تک پہنچ جائے' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا تک پہنچ گئے تو حضرت یوشع نے حضرت موسیٰ سے کہا: آپ کو کہاں کا حکم ملا ہے؟ یہ دیکھیں آپ کے سامنے دریا ہے اور آپ کے پیچھے فرعون کی قوم ہے' حضرت موسیٰ نے فرمایا: یہیں تک کا حکم ملا ہے' چنانچہ حضرت یوشع علیہ السلام پانی میں داخل ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا (اور بارہ راستے بن گئے) تو سب لوگ داخل ہو گئے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ کلام پڑھا تھا: ''يَامَنْ كَانَ قَبْلَ كُلِّ شَيْئٍ وَالْمُكَوِّنُ لِكُلِّ شَيْئٍ وَالْكَائِنُ بَعْدَ كُلِّ شَيْئٍ'' اے وہ ذات جو ہر چیز سے پہلے ہے اور ہر چیز کو پیدا کرنے والی ہے اور ہر چیز کے بعد رہنے والی ہے!

٦٧۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں یعنی ہم نے جو کچھ حضرت موسیٰ کے ساتھ اور فرعون کے ساتھ کیا ہے' اس میں ﴿ لَاٰيَةً ﴾ البتہ عجیب ترین عبرت ہے' جس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے یعنی دریا میں ڈوبنے والی فرعون کی قوم میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ مفسرین کرام نے بیان کیا کہ ان میں سے حضرت آسیہ اور آلِ فرعون کے مؤمن حضرت حزقیل اور حضرت مریم جس نے حضرت موسیٰ کو حضرت یوسف کی قبر مبارک کا پتا بتایا تھا' کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔

٦٨۔ ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر غالب ہے ﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ اپنے دوستوں کو انعام دینے کے لیے بے حد مہربان ہے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾

اور (اے محبوب!) آپ ان کو ابراہیم کا قصہ پڑھ کر سنایئے O جب انہوں نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو O انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں' سو ان کی عبادت پر جمے رہتے ہیں O فرمایا: کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو O یا وہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں O انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طرح کرتے ہوئے پایا O فرمایا: تو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم کس کی عبادت کر رہے ہو O تم اور تمہارے پہلے باپ دادا O سو وہ سب یقیناً میرے دشمن ہیں ماسوا تمام جہانوں کے پروردگار کے O جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی میری رہنمائی فرماتا ہے O اور وہی ہے جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور مجھے پانی پلاتا ہے O اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے O

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں پر مشتمل قصہ کا بیان

۶۹- ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرٰهِيْمَ﴾ اور اے محبوب! آپ ان کو (یعنی) قریشِ مکہ کے مشرکین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر پڑھ کر سنا دیجئے۔

۷۰- ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (یعنی چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا: قوم سے حضرت ابراہیم کی قوم مراد ہے یا آزر کی قوم مراد ہے ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم کس کی عبادت کرتے ہو یعنی تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ تمام لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ نے ان سے اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ غور سے دیکھیں کہ وہ جن کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

۷۱- ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ أَصْنَامًا﴾ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں [''أَصْنَامًا''، ''مَا تَعْبُدُوْنَ'' کا جواب ہے جس طرح ''وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ'' (البقرہ:۲۱۹) میں ''اَلْعَفْو'' اور ''مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ'' (سباء:۲۳) میں ''اَلْحَقَّ'' جواب ہیں کیونکہ سوال معبود کے بارے میں ہے' عبادت کے بارے میں نہیں ہے اور انہوں نے جواب میں بتوں کی عبادت پر فخر و مباہات کا اظہار کرنے کے لیے ''نَعْبُدُ'' کو زیادہ کیا اور اس لیے انہوں نے ''نَعْبُدُ'' پر عطف کرتے ہوئے کہا:] ﴿فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ سو ہم ان کی عبادت و پرستش کرنے کے لیے سارا دن ان کے پاس ٹھہرے رہتے ہیں اور انہوں نے ''فَنَظَلُّ'' صرف اس لیے کہا کہ وہ لوگ صرف دن میں ان کی عبادت کرتے تھے رات کو نہیں یا اس کا معنی دوام ہے یعنی ہم ہمیشہ ان کی پرستش کرنے کے لیے ان کے پاس ٹھہرے رہتے ہیں۔

۷۲- ﴿قَالَ﴾ اس نے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ﴾ کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں [اصل میں ''دُعَاءَكُمْ'' ہے' حذفِ مضاف پر ''تَدْعُوْنَ'' دلالت کر رہا ہے] ﴿إِذْ تَدْعُوْنَ﴾ جب تم انہیں پکارتے ہو۔

۷۳- ﴿أَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ﴾ یا وہ تمہیں کوئی نفع دیتے ہیں' اگر تم ان کی عبادت کرو ﴿أَوْ يَضُرُّوْنَ﴾ یا وہ نقصان پہنچاتے ہیں اگر تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔

۷۴- ﴿قَالُوْا بَلْ﴾ انہوں نے کہا [''بل'' اضراب یعنی سابق کلام سے اعراض و انکار کے لیے ہے] یعنی بت نہ سنتے ہیں اور نہ نفع دیتے ہیں اور نہ کوئی نقصان پہنچاتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی وجہ سے ان کی عبادت نہیں کرتے لیکن ﴿وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے' سو ہم نے ان کی پیروی اختیار کر لی۔

۷۵، ۷۶۔﴿ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ o اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو O تم اور تمہارے پہلے آباء واجداد۔ ''اَلْاَقْدَمُوْنَ'' بہ معنی ''اَلْاَوَّلُوْنَ'' ہے۔

۷۷۔﴿ فَاِنَّهُمْ ﴾ پس وہ یعنی بت ﴿ عَدُوٌّ لِّيْٓ ﴾ میرے دشمن ہیں [''عدو'' اور'' صدیق'' دونوں واحد اور جمع کے معنی میں آتے ہیں ] یعنی اگر میں بھی ان کی عبادت کرنا شروع کردوں تو وہ قیامت کے دن میرے دشمن ہو جائیں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا'' (مریم:۸۲) ''عنقریب وہ ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے''۔ اور فراء نے کہا کہ یہ مقلوب ہے یعنی میں خود ان کا دشمن ہوں اور ''لَكُمْ'' کی بجائے ''عَدُوٌّ لِّيْ'' کہنے میں زیادہ خیر خواہی ہے تا کہ یہ بات ان کے لیے دعوتِ توحید قبول کرنے کی طرف زیادہ رغبت کا باعث بن جائے اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ''فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ'' فرماتے تو پھر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا ﴿ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں کے پروردگار کے ماسوا' کیونکہ رب تعالیٰ دشمنوں میں داخل نہیں ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: لیکن پروردگارِ عالم میرا دشمن نہیں ہے [ یہ استثناء منقطع ہے ]۔

۷۸۔﴿ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ ﴾ جس نے عدم سے وجود میں لانے کے لیے مجھے ایک محفوظ مقام میں پیدا فرمایا ﴿ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴾ سو وہی دنیا کی کامیابیوں کے لیے اور دین کی مصلحتوں اور بھلائیوں کے لیے میری رہنمائی کرتا ہے اور سابق عنایات کے باوجود فعل مستقبل ''يَهْدِيْنِ'' میں ایک یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے اہم' سب سے افضل' سب سے اتم اور سب سے مکمل نعمت کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے یا جس نے اپنی خدمت واطاعت کے اسباب کے لیے پیدا فرمایا ہے پس وہی اپنی خلت وخالص دوستی کے آداب کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے۔

۷۹۔﴿ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ ﴾ اور وہی مجھے کھانا کھلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھانا کھلانے کی نسبت نعمتوں کے عطا فرمانے والے مالک وخالق کی طرف کی' کیونکہ صرف اسباب کی طرف جھکنا جانوروں کی عادت ہے ﴿ وَيَسْقِيْنِ ﴾ اور وہ مجھے پلاتا ہے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' جو مجھے اپنے طعام کے ذریعہ زندہ رکھتا ہے اور اپنے مشروب (پانی وغیرہ) کے سبب سے مجھے سیراب کرتا ہے۔

۸۰۔﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ ﴾ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (تو وہی مجھے شفا دیتا ہے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''اَمْرَضَنِيْ'' نہیں فرمایا کہ جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکر کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ارادہ فرمایا (شکایت کی زبان سے نہیں)' سو اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی نسبت نہیں فرمائی جو ضرر ونقصان کا تقاضا کرتی ہے اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب میں خلق کے مشاہدہ سے بیمار ہو جاتا ہوں ﴿ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ تو وہ مجھے حق کے مشاہدہ سے شفا عطا فرماتا ہے اور حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میں افعالِ بد کے مشاہدہ سے بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ انعامات کے احسان کو منکشف کر کے مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾

اور وہی مجھے موت دے گا' پھر مجھے زندہ کرے گا ○ اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری بھول کو معاف فرما دے گا ○ اے میرے پروردگار! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں سے ملا دے ○ اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکرِ جمیل جاری فرما ○ اور مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بنا ○

۸۱- ﴿وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴾ اور وہی مجھے موت دے گا' پھر وہ مجھے زندہ کرے گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''اذا مِتُّ'' نہیں فرمایا کیونکہ مصیبت کی قید سے اور فنا کے گھر سے بقا کے باغ کی طرف رہائی پانا ملاقات کے وعدہ کے لیے ہے اور آپ نے زندہ کرنے کی بات میں ''ثُمَّ'' اس لیے داخل فرمایا کہ وہ فناء سے مؤخر ہے اور ہدایت اور شفاء میں ''فا'' کو اس لیے داخل فرمایا کیونکہ ہدایت پیدائش کے بعد اور شفا بیماری کے بعد حاصل ہوتی ہیں' اکٹھے نہیں۔

۸۲- ﴿وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ﴾ اور میں اسی سے امید رکھتا ہوں۔غلاموں کی امیدیں اپنے آقاؤں سے احسانات کے سبب وابستہ ہوتی ہیں' استحقاق کی بناء پر سوال نہیں کیا جاتا ﴿اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ﴾ کہ وہ میری خطا کو بخش دے۔بعض مفسرین کرام نے فرمایا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (درج ذیل) قول ہیں: ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' (الصافات:۸۹) ''بے شک میں بیمار ہوں''۔''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ'' (الانبیاء:۶۳) ''بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے''۔''هٰذَا رَبِّیْ'' ''یہ میرا رب ہے'' طلوع ہونے والے ستارے کے لیے کہا۔''هِیَ اُخْتِیْ'' ''یہ میری بہن ہے' اپنی بیوی حضرت سارہ کے لیے کہا' اور یہ صرف جائز اشارے کنایے ہیں اور یہ گناہ نہیں ہیں کہ ان پر مغفرت طلب کی جائے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی استغفار ان کی طرف سے اپنے رب تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے اور اپنے کسرِ نفسی کے لیے ہوتی ہے اور مغفرت و بخشش کی طلب امتوں کی تعلیم کے لیے ہوتی ہے ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ روزِ جزا۔

۸۳- ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا﴾ اے میرے پروردگار! مجھے حکم عطا فرما (یعنی) حکمت و دانائی یا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ یا نبوت عطا فرما کیونکہ نبی علیہ السلام صاحبِ حکمت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان مبنی برحق فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے ﴿وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔یعنی مجھے انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل رکھنا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ'' (البقرہ:۱۳۰) ''اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیکوں میں ہوں گے''۔

۸٤- ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور میرے لیے سچ کی زبان اور اچھی تعریف کو آنے والی نسلوں میں جاری و ساری فرما یعنی میری حسنِ ثناء اور ذکرِ جمیل کو ان امتوں میں جاری کر دے' جو میرے بعد آئیں گی' چنانچہ آپ کو یہ شان عطا کی گئی اور ہر دین و مذہب والے آپ سے محبت و دوستی رکھتے ہیں اور آپ کی تعریف کرتے ہیں اور ''لسان'' کو قول کی جگہ اس لیے رکھا گیا کہ قول زبان ہی سے ادا ہوتا ہے۔

۸۵- ﴿وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴾ اور نعمتوں سے بھرپور جنت کے وارثوں میں سے مجھے بنا دے یعنی اس میں باقی رہنے والوں میں سے بنا دے [''مِنْ'' محذوف کے متعلق ''اَیْ وَارِثًا مِّنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ'' یعنی مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے ایک وارث بنا دے]۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (٨٦) وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (٨٧) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ
وَّلَا بَنُوْنَ (٨٨) اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (٨٩) وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (٩٠) وَبُرِّزَتِ
الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ (٩١) وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (٩٢) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ
یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ (٩٣) فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ (٩٤) وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ
اَجْمَعُوْنَ (٩٥) قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ (٩٦) تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (٩٧) اِذْ نُسَوِّیْكُمْ
بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (٩٨) وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ (٩٩) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ (١٠٠) وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ (١٠١)

اور میرے باپ (چچا ابوآزر) کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے O اور مجھے اس دن ذلیل نہ کرنا جس میں تمام لوگ اٹھائے جائیں گے O اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے O ماسوا اس کے جو سلامت دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا O اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی O اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے O اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلا لیں گے O پھر انہیں اور تمام گمراہوں کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا O اور شیطان کے تمام لشکر کو (بھی) O وہ کہیں گے حالانکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے O اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی گمراہی میں تھے O جب کہ ہم تمہیں تمام کائنات کے پروردگار کے ساتھ برابر قرار دیتے رہے O اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے O پس ہمارے لیے سفارش کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے O اور نہ کوئی ہمدرد دوست ہے O

٨٦- ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ﴾ اور میرے باپ کو بخش دے[1] (یعنی) اس کو اسلام کی توفیق عطا فرما کر مغفرت و بخشش کا اہل بنا دے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آزر نے جدا ہونے کے دن اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ بے شک وہ گمراہوں میں سے (یعنی) کافروں میں سے ہے۔

٨٧- ﴿وَلَا تُخْزِنِیْ﴾ اور مجھے رسوا نہ کرنا۔ ''اخزاء''، ''خزی'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ذلیل و رسوا ہونا ہے یا ''خزایة'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی شرم و حیا اور شرمندگی اٹھانا ہے اور یہ دعا بھی استغفار کی طرح (عجز و انکساری اور تواضع کے اظہار اور امت کی تعلیم کے لیے کی) ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ﴿یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ﴾ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے [اس میں ضمیر ''عباد'' (یعنی بندوں) کے لیے ہے] کیونکہ معلوم ہے کہ اس دن تمام بندوں کو اٹھایا جائے گا یا ''ضآلین'' مراد ہیں اور یہ کہ باپ کے لیے استغفار کو اسی جملہ میں شامل کیا جائے یعنی مجھے اس دن ذلیل و رسوا نہ کرنا، جس دن گمراہوں اور میرے باپ کو ان میں اٹھایا جائے گا۔

٨٨- ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ﴾ اس دن مال نفع نہیں دے گا [یہ پہلے ''یوم'' سے بدل ہے] ﴿وَّلَا بَنُوْنَ﴾ اور نہ بیٹے

[1] حضرت ابراہیم کے والد مسلمان و موحد تھے، یہ دعا آزر کے لیے ہے جو کہ آپ کے چچا تھے، والد کا نام تارخ تھا۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''دلائل النجات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

کسی کو نفع دیں گے۔

۸۹۔﴿ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ مگر جو شخص کفر و نفاق سے سلامت دل لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا اور کافر اور منافق کا دل بیمار ہوتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ '' (البقرہ:۱۰) ''ان کے دلوں میں بیماری ہے'' یعنی بے شک جب مال نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور اس کے بیٹے نیک ہوں تو وہ اس مال سے اور ان بیٹوں سے قیامت کے دن فائدہ اٹھائے گا اور سلامت دل والا ہو گا یا مال اور بیٹوں کو غنی کے معنی میں لیا جائے' گویا فرمایا کہ اس دن کسی غنی کو اس کا غنا نفع نہیں دے گا' ماسوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور سلامت دل کے ساتھ آئے گا کیونکہ دین میں آدمی کا غنا اس کے دل کی سلامتی ہے' جیسا کہ دنیا میں آدمی کا غنا مال اور اولاد ہے [پس ''مَنْ'' کو ''ینفع'' کا مفعول قرار دیا گیا ہے] یعنی اس دن مال اور اولاد نفع نہیں دیں گے مگر اس آدمی کو نفع دیں گے جس نے اپنے دل کو اپنے مال کے ساتھ سلامت رکھا' اس حیثیت سے کہ اس نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کیا اور اس نے اپنے دل کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی سلامت رکھا' اس حیثیت سے کہ اس نے اپنی اولاد کی دین میں رہنمائی کی اور ان کو احکامِ شریعت سکھلائے اور اس صورت میں یہ معنی بھی جائز ہے کہ مگر جو شخص مال اور اولاد کے فتنہ سے سلامت دل لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گا' اس کو اس کا مال اور اولاد فائدہ دے گی اور بے شک رب جلیل نے حضرت ابراہیم خلیل کے استثناء کی تصویب و تصدیق فرمائی' یہ بھی حضرت ابراہیم کے احترام و اکرام کی دلیل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''قلب سلیم'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف قرار دیا' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝'' (الصافات:۸۳۔۸۴) ''اور بے شک البتہ حضرت ابراہیم اسی کے گروہ میں سے ہیں ۝ جب کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوں گے ۝'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ساتھ اپنے کلام کو کتنا حسین ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ پہلے ان سے اس کے متعلق سوال کیا کہ وہ کس کی عبادت کرتے ہیں' یہ تقریری سوال تھا' معلومات کے حصول کے لیے نہیں' پھر حضرت ابراہیم ان کے بتوں پر متوجہ ہوئے اور ان کی پرستش کو باطل قرار دیا' اس لیے کہ وہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کچھ سن سکتے ہیں اور آپ ان کے پہلے آباء و اجداد کی تقلید کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو اس سے نکال دیا کہ اس کے باطل ہونے میں شبہ ہو سکے' چہ جائے کہ اس کو حجت بنایا جا سکے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی دشمنی کے مسئلہ کی صورت میں اپنی طرف نسبت کی' ان کی طرف نہیں کی یہاں تک کہ (''اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ'' کہہ کر) بتوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع فرمایا اور اس کی شان کی عظمت بیان کی اور اپنی پیدائش سے لے کر اپنی وفات تک اس کی نعمتوں کا شمار کیا' جن کے ساتھ آخرت میں اس کی رحمت کی امید وابستہ ہو جاتی ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعائیں مانگیں جس طرح مخلصین حضرات دعائیں مانگتے ہیں اور اس طرح عاجزی کا اظہار کیا اور گڑگڑائے' جس طرح بہت رجوع رکھنے والے اور بہت توبہ کرنے والے حضرات اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں' پھر اس کو روزِ قیامت ثواب و عقابِ الٰہی کے ذکر کے ساتھ ملا دیا' نیز یہ ذکر کیا کہ اس روز مشرکین مجبور ہو کر اپنی اس گمراہی پر حسرت و ندامت اور افسوس کریں گے' جس میں مبتلا تھے اور دنیا میں واپس جانے کی تمنا کریں گے تاکہ وہاں جا کر ایمان لائیں اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں۔

۹۰۔﴿ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ اور جنت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ ''اُزْلِفَتْ'' بہ معنی ''قُرِّبَتْ'' ہے یعنی نیک بختوں اور پرہیز گاروں کے موقف کے درمیان جنت کو قریب کر دیا جائے گا' جس کو وہ حضرات دیکھیں۔

۹۱۔ ﴿ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغٰوِينَ ﴾ اور دوزخ کو گمراہوں یعنی کافروں کے لیے ظاہر کر دیا جائے گا اور ''بُرِّزَتْ'' بہ معنیٰ ''اُظْهِرَتْ'' ہے یعنی دوزخ کافروں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی' یہاں تک کہ قریب ہوگا کہ اس کے شعلے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

۹۲'۹۳۔ ﴿ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴾ اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے تھے' کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا وہ بدلا لیں گے۔ مشرکین کو قیامت کے دن شرک کرنے پر ڈانٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر کے تمہیں نفع دیں گے یا کیا اپنی مدد کر کے اپنے آپ کو نفع پہنچائیں گے' اس لیے کہ وہ خود اور ان کے معبود دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں۔

۹٤۔ ﴿ فَكُبْكِبُوا ﴾ پس انہیں سر کے بل اوندھا گرا دیا جائے گا یا انہیں ایک دوسرے کے اوپر اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا ﴿ فِيهَا ﴾ اس میں (یعنی) دوزخ میں ﴿ هُمْ ﴾ وہ یعنی معبودانِ باطلہ ﴿ وَالْغَاوُنَ ﴾ اور تمام گمراہوں کو جو بتوں کی عبادت کرتے تھے' جن کے لیے دوزخ ظاہر کی گئی [اور ''كَبْكَبْ'' میں ''كبّ'' کا تکرار ہے اور لفظ کا تکرار معنی کے تکرار کی دلیل ہوا کرتا ہے] گویا مشرکین بار بار سر کے بل اوندھے منہ الٹ پلٹ ہوتے ہوئے دوزخ میں گرتے چلے جائیں گے' یہاں تک کہ اس کی گہرائی میں پہنچ کر ٹھہر جائیں گے' ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

۹۵۔ ﴿ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴾ اور ابلیس کے تمام لشکر کو (یعنی) اس کے تمام شیطانوں کو یا انسانوں اور جنوں میں سے اس کی پیروی کرنے والے نافرمانوں کو اوندھے منہ سر کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔

۹٦۔ ﴿ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴾ وہ کہیں گے جب کہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی کی توفیق عطا فرما دے تا کہ ان کا آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنا اور جھگڑنا صحیح ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جھگڑا نافرمانوں اور شیطانوں کے درمیان جاری ہو۔

۹۷'۹۸۔ ﴿ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ۝ کیونکہ اے بتو! ہم تمہیں عبادت میں تمام جہانوں کے پروردگار کے برابر اور مساوی قرار دیتے تھے۔

۹۹۔ ﴿ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴾ اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے۔ یعنی ان کے سرداروں نے انہیں گمراہ کیا یا شیطان نے اور اس کے لشکر نے اور جس نے شرک جاری کیا۔

۱۰۰۔ ﴿ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴾ سو اب ہمارے لیے سفارش کرنے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کے لیے انبیائے کرام اور اولیائے عظام اور فرشتے سفارش کرنے والے موجود ہیں۔

۱۰۱۔ ﴿ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴾ اور نہ مہربان دوست' جیسا کہ ہم مسلمانوں کے لیے دوست دیکھ رہے ہیں کیونکہ آخرت میں صرف مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہوں گے' لیکن رہے دوزخی تو ان میں باہمی عداوت و دشمنی ہوگی' جیسا کہ ارشاد ہے: ''الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ'' (الزخرف:٦٧) ''قیامت کے دن گہرے سچے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ماسوا پرہیزگاروں کے' یا یہ معنی ہے کہ ہمارے لیے ان میں سے سفارش کرنے والے نہیں رہے اور نہ مخلص دوست رہے' جن کو ہم اپنا سفارشی اور دوست شمار کرتے تھے کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور انسانوں میں سے شیطان لوگ ان کے دوست تھے

[اور ”حمیم“، ”احتمام“ سے ماخوذ ہے اور وہ ”اھتمام“ سے اور یہ وہ دوست ہوتا ہے کہ جو چیز تجھے غمگین کر دے وہ اسے بھی غمگین کر دے یا یہ ”حامة“ سے ماخوذ ہے بہ معنی ”خاصه“ اور یہ خاص دوست ہوتا ہے اور ”شافع“ کو جمع اور ”صدیق“ کو واحد لایا گیا ہے] کیونکہ عموماً عادۃً سفارشی بہ کثرت مل جاتے ہیں اور لیکن دوست اور وہ بھی سچا دوست، تجھ سے اس قدر محبت کرتا ہو کہ تیرا غم اس کو غمگین کر دے، بہت کم اور بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں اور ایک دانا سے دوست کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ ایک ایسا سہانا نام ہے جس کا کوئی جامع معنی نہیں ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ”صدیق“ سے جمع مراد ہو]۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ ع

سو اگر ہمیں واپس جانا ہوتا تو ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے O بے شک اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار ہی سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۱۰۲- ﴿فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سو اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا تو ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے [”لَو“ کا جواب محذوف ہے اور وہ ”لَفَعَلْنَا كَيْتَ وَكَيْتَ“ ہے یا اس طرح کے کلام میں ”لَو“ ”تمنّی“ کے لیے ہوتا ہے گویا کہا گیا: ”فَلَيْتَ لَنَا كَرَّةً“ سو کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاتا کیونکہ ”لَو“ اور ”لَيْتَ“ کے معنی میں مماثلت ہے]۔

۱۰۳- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک جو خبریں اور واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان میں ﴿لَاٰيَةً﴾ ضرور نشانی ہے یعنی عبرت حاصل کرنے والے کے لیے البتہ عبرت ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے اور البتہ ان میں سے ایک گروہ ایمان لایا۔

۱۰۴- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھٹلانے والوں کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر ضرور انتقام لینے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ ہر سلامت دل رکھنے والے مسلمان پر نعمتوں سے بھرپور جنت میں داخل کر کے بے حد مہربانی فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾

(حضرت) نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایاO جب کہ ان کے قومی بھائی نوح نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتےO بے شک میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو صرف تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر ہےO پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO انہوں نے کہا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کمین لوگوں نے تیری پیروی اختیار کر لی ہےO فرمایا: اور مجھے کیا معلوم کہ وہ کون سے اعمال بجالاتے ہیںO ان کا حساب تو صرف میرے پروردگار کے ذمہ ہے اگر تم سمجھتے ہوO اور میں مسلمانوں کو نہیں دھتکاروں گاO

## حضرت نوح علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں کا تذکرہ

۱۰۵- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا [''قوم'' کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں پیدا ہوئے تھے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''المرسلین'' سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اس ارشاد کی نظیر تمہارا یہ قول ہے کہ ''فُلَانٌ يَرْكَبُ الدَّوَآبَّ وَيَلْبَسُ الْبُرُوْدَ'' کہ فلاں آدمی سواری کے جانوروں پر سوار ہوتا اور دھاردار کپڑے پہنتا ہے جب کہ اس کے پاس صرف ایک سواری کا جانور ہوتا ہے اور صرف ایک دھاری دار کپڑا ہوتا ہے' یا یہ کہ وہ تمام رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے تھے' اس لیے ''مرسلین'' جمع لایا گیا اس لیے کہ جس نے ان میں سے کسی رسول کو جھٹلایا' اس نے یقیناً تمام رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ ہر رسول لوگوں کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور اسی طرح اس سورت میں جتنے ''مرسلین'' ہیں سب کا یہی مطلب ہے۔

۱۰۶- ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ﴾ جب ان کے قومی بھائی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت نوح ان کے نسبی بھائی نہیں دینی بھائی تھے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم خالقِ کائنات سے نہیں ڈرتے کہ تم بتوں کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔

۱۰۷- ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں امانت داری میں اس طرح مشہور و معروف تھے' جس طرح قریش میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ صداقت و امانت داری میں مشہور و معروف تھے۔

۱۰۸- ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میں جس چیز کا تمہیں حکم دیتا ہوں' تم اس میں میری اطاعت کرو اور جس حق بات کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں' اس کو مان لو۔

۱۰۹- ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں تم سے اس تبلیغ کے کام پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میری اجرت و مزدوری نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر' اسی طرح میں اسی سے اپنی اجرت چاہتا ہوں [''اِنْ اَجْرِيَ'' میں حضرت نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو اور حضرت حفص کی قراءت میں ''یا'' پر فتح (یعنی زبر) ہے]۔

۱۱۰- ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات مضبوطی کے ساتھ جم جائے' نیز ان میں سے ہر ایک علیحدہ علت کے ساتھ وابستہ ہے' پس پہلے کی علت حضرت نوح کا ان کے درمیان امین ہونا ہے اور دوسرے کی علت حضرت نوح کا ان سے طمع و لالچ نہ رکھنا ہے' گویا

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ جب تم نے میری رسالت و امانت داری کو پہچان لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' پھر جب تم نے پہچان لیا ہے کہ میں تبلیغ دین کے بدلے میں اجرت و معاوضہ نہیں لیتا اور اس سے احتراز کرتا ہوں تو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۱۱۱- ﴿قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں حالانکہ کم تر لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے [''وَاتَّبَعَكَ'' میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے ''قد'' پوشیدہ ہے' اس کی دلیل حضرت یعقوب کی قراءت ''واتباعك'' ہے' جو ''تابع'' کی جمع ہے جیسے ''شاهد'' کی جمع ''اشهاد'' ہے یا ''تبع'' کی جمع ہے' جیسے ''بطل'' کی جمع ''ابطال'' ہے] اور ''اَرۡذَلُوۡنَ'' کا معنی ہے: کم عقل لوگ' ذلیل و خسیس لوگ اور کم تر و گھٹیا لوگ اور کافروں نے ان مسلمانوں کو کم تر و کمین اس لیے سمجھا کہ ان کا نسب گم نام تھا اور دنیا کے مال و دولت سے انہیں کم حصہ ملا تھا اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ مزدور پیشہ لوگوں سے تعلق رکھتے تھے حالانکہ پیشہ دیانت داری میں عیب پیدا نہیں کرتا' پھر اصل دولت و غنا تو دین کی دولت و غنا ہے اور اصل نسب تو تقویٰ و پرہیز گاری کا نسب ہے اور مؤمن کو رذیل و کم تر کہنا جائز نہیں ہے' اگر چہ وہ تمام لوگوں سے غریب ترین ہو اور نسب و خاندان میں ان سے کم تر ہو اور انبیائے کرام علیہم السلام کے پیروکار ہمیشہ اسی طرح غریب لوگ ہوتے ہیں۔

۱۱۲- ﴿قَالَ وَمَا عِلۡمِىۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور مجھے کیا معلوم جن پیشوں کے وہ عمل کرتے ہیں' میں تو صرف ان سے ایمان کا مطالبہ کرتا ہوں (جو وہ قبول کر چکے ہیں)۔

۱۱۳- اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کافروں نے مسلمانوں کو رذیل کہنے کے ساتھ ان کے ایمان میں طعن کیا اور انہوں نے کہا کہ بے شک جو لوگ تجھ پر ایمان لائے ہیں' ان کے دلوں میں وہ بات نہیں ہے جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ حضرت نوح نے فرمایا کہ مجھ پر ان کے ظاہر پر اعتبار کرنا لازم ہے' ان کے باطن کی تفتیش و تحقیق کرنا لازم نہیں ہے ﴿اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰى رَبِّىۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ﴾ ان کا حساب نہیں مگر میرے رب تعالیٰ پر' کاش! انہیں سمجھ آ جائے' بہر حال ان کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس پر اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔

۱۱۴- ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ اور میں مؤمنوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں' یعنی میری یہ شان نہیں کہ میں تمہارے ایمان لانے کے لالچ میں مسلمانوں کو دھتکار کر چھوڑ دوں اور میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرنا شروع کر دوں (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا)۔

اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ﴿۱۱۵﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰـنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ ۖ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ مَّعِىَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡـفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۚ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِيۡنَ ؕ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۲﴾ ع

میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈرانے والا O انہوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے O عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے O سو تو میرے اور ان کے درمیان خوب

فیصلہ فرمادے اور مجھے اور میرے ایمان دار ساتھیوں کو نجات عطا فرماO سو ہم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بھری کشتی میں نجات عطا فرمادیO پھر ہم نے اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیاO بے شک اس میں البتہ عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان دار نہیں تھےO اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی زبردست انتقام لینے والا' بے حد مہربان ہےO

۱۱۵- ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈرانے والا (یعنی) مجھ پر لازم نہیں مگر اس قدر کہ میں تمہیں کھلم کھلا ایسی صحیح برہان کے ذریعے ڈرانے والا ہوں جس کے ساتھ حق باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے' پھر تم خود اپنے حال کو خوب جان لوگے۔

۱۱۶- ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ﴾ انہوں نے کہا: اے نوح! تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس سے باز نہیں آؤ گے تو ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ﴾ ضرور تم سنگسار کر کے قتل کیے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۱۱۷- ﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ﴾ عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ جھٹلانے کی خبر دینے کے لیے نہیں کہا کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب وشہادت کا خوب جاننے والا ہے بلکہ حضرت نوح کا مقصد یہ تھا کہ اے میرے رب تعالیٰ! انہوں نے آپ کی وحی اور آپ کی رسالت کے بارے میں مجھے جھٹلا دیا ہے۔

۱۱۸- ﴿فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا﴾ سو تو میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ فرمادے اور ''فتاحة'' کا معنی حکومت وفیصلہ ہے اور ''فتاح'' کا معنی حاکم ہے کیونکہ وہ مشکل چیز کو کھول دیتا ہے جیسا کہ ''فیصل'' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ﴿وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مجھے اور میرے ساتھی ایمان والوں کو ان کے عمل کے عذاب سے نجات عطا فرما [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' کی ''یا'' مفتوح ہے]۔

۱۱۹- ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ﴾ پس ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات عطا فرمائی [''فُلْكْ'' بہ معنی ''سفینة'' یعنی کشتی کے لیے ہے اور اس کی جمع ''فُلْكْ'' ہے پس واحد ''قُفْلْ'' کے وزن پر آتا ہے اور جمع ''اَسَدْ'' کے وزن پر آتی ہے] ﴿الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی اور اسی سے ''شحنة البلد'' ہے یعنی جو آبادکاروں سے کافی بھرا ہوا شہر ہو۔

۱۲۰- ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ﴾ پھر ہم نے (حضرت) نوح اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو نجات دینے کے بعد ان کی قوم میں سے باقیوں کو غرق کر دیا۔

۱۲۱- ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت کے لیے نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان دار نہیں تھے (صرف اسی مسلمان تھے)۔

۱۲۲- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب ہے اور انکار کرنے والے نافرمانی پر اصرار کرنے والے کو ذلیل کر کے انتقام لینے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ بے حد مہربان ہے اور توحید کے ماننے والے اور اسلام کا اقرار کرنے والے کی اعانت کر کے انعام فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

عاد نے رسولوں کو جھٹلایاO جب ان سے ان کے قومی بھائی ھود نے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتےO بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پرO کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار تعمیر کرتے ہو کہ (اس میں) تم کھیل تماشا کرتے ہوO اور تم مضبوط محلات بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گےO اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو سرکش ہو کر پکڑتے ہوO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہاری ایسی چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہوO

## حضرت ھود علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں اور نافرمان قوم کے انجام کا بیان

۱۲۳- ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ﴾ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ عاد ایک قبیلہ تھا (جس کی رہنمائی کرنے کے لیے حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا گیا) اور اصل میں عاد ایک آدمی کا نام تھا اور وہ اس قبیلہ کا باپ تھا۔

۱۲۴- ﴿إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ جب ان سے ان کے بھائی حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے؟ حضرت ھود علیہ السلام اپنی قوم کے نسب اور خاندان کے اعتبار سے قومی بھائی تھے' لیکن ان کے دینی اور اسلامی بھائی نہیں تھے (کیونکہ وہ کافر تھے)۔

۱۲۶'۱۲۵- ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم امانت دار رسول کے جھٹلانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۱۲۷- ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور میں اس (دعوتِ حق دینے) پر تم سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر۔

۱۲۸- ﴿أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً﴾ کیا تم ہر بلند و بالا جگہ پر کبوتروں کے اونچے اونچے برج و مینار بناتے ہو یا ایسے اونچے قلعے اور محل بناتے ہو' جو اپنی بلندی کی وجہ سے نشانِ راہ اور علامت نظر آتے ہیں ﴿تَعْبَثُونَ﴾ تم کھیل تماشا کرتے ہو۔

۱۲۹- ﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ﴾ اور تم زمین کے نیچے پانی کے ذخیرے اور حوض بناتے ہو یا مضبوط و مستحکم محلات تعمیر کرتے ہو یا بڑے بڑے قلعے بناتے ہو ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾ اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے (یعنی) تم دنیا میں ہمیشہ رہنے کی امید رکھتے ہو۔

۱۳۰- ﴿وَإِذَا بَطَشْتُمْ﴾ اور جب تم سزا دینے کی پکڑ کی طرح سختی سے پکڑتے ہو ﴿بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ﴾ تو تم سرکش حملہ آور کی طرح تلوار کے ساتھ قتل کرنے اور کوڑے کے ساتھ مارنے کے لیے پکڑتے ہو اور "جبار" وہ ہوتا ہے جو غصہ کی حالت میں قتل کر دے اور مارے۔

۱۳۱- ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ سو تم لوگوں کے پکڑنے اور گرفتار کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَأَطِيعُونِ﴾ اور میں

تمہیں جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہوں' اس میں تم میری اطاعت کرو۔

۱۳۲۔﴿ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور اس ذاتِ اقدس سے ڈرو؛ جس نے تمہاری ان چیزوں کے ساتھ مدد کی جنہیں تم بھی جانتے ہو (یعنی) جس نے جانوروں اور چوپایوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اپنی نعمتیں شمار کیں اور فرمایا:

| |
|---|
| اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۳۳ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۱۳۴ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳۵ |
| قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝۱۳۶ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳۷ |
| وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۱۳۸ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ |
| وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۴۰ ع ۱۸ / ۱۱ |

اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی O اور باغات اور چشموں کے ساتھ (تمہاری مدد فرمائی) O بے شک میں تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O انہوں نے کہا: ہم پر برابر ہے آیا آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O بے شک یہ تو صرف پہلے لوگوں کی عادت ہے O اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور عبرت ہے' اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب ہے (اور) بے حد مہربان ہے O

۱۳۳۔﴿ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے ساتھ بیٹوں کو ملا کر اس لیے ذکر فرمایا کہ بیٹے جانوروں کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال اور ان کی نگرانی کرنے کے لیے ماں باپ کی مدد کرتے ہیں۔

۱۳۴۔﴿ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴾ اور باغات اور چشموں کے ساتھ مدد فرمائی۔

۱۳۵۔﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے' اگر تم نے میری نافرمانی کی۔

۱۳۶۔﴿ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم پر برابر ہے' آیا تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں سے نہ بنو یعنی ہم تمہاری بات اور تمہاری دعوت قبول نہیں کریں گے' تم نصیحت کرو یا خاموش رہو' اور ''ام لم تعظ'' نہیں کہا تا کہ آیات کا آخر باہم موافق رہے۔

۱۳۷۔﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ یہ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی عادت (یعنی) یہ اندازِ معاشرت جس پر ہم زندگی گزارتے ہیں اور پھر موت کا جام پیتے ہیں اور رہنے سہنے کے لیے مکانات بناتے ہیں' یہ سب چیزیں اور کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی عادت اور ان کا طریقہ ہے یا جس دین پر ہم قائم ہیں' یہ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کا طریقہ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' یزید اور علی کسائی کی قراءت میں ''خـا'' مفتوح اور لام ساکن ہے] یعنی تم جو کچھ لائے ہو یہ پہلے پیغمبروں کا طریقہ ہے اور تم سے پہلے بھی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو جھٹلایا گیا' جیسا کہ کافروں کا قول ہے: ''اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ'' (الانعام:

۲۵) ''یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں''۔ یا ہماری فطرت پہلے لوگوں کی فطرت کی طرح ہے' جس طرح انہوں نے زندگی گزاری' اسی طرح ہم بھی زندگی گزار رہے ہیں' وہ بھی مر گئے اور ہم بھی مر جائیں گے۔

۱۳۸- ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ اور دنیا میں ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ آخرت میں ہمیں اٹھایا جائے گا اور نہ ہمارا حساب و کتاب ہو گا۔

۱۳۹- ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ سو انہوں نے اس کو یعنی حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ﴾ پس ہم نے ان کو نہایت سخت گرجتی ہوئی آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیا ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اس میں ضرور عبرت کی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

۱۴۰- ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ۙ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ۚ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ۚ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ۙ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا O جب ان کے قومی بھائی صالح نے ان سے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو نہیں مگر تمام کائنات کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر O کیا تمہیں یہاں کی نعمتوں میں امن و امان کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا O باغات اور چشموں میں O اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم و نازک ہے O اور تم بڑی عقل مندی سے گھر بنانے کے لیے پہاڑوں کو تراشتے ہو O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور تم حد سے بڑھنے والوں کی اطاعت نہ کرو O جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے O

## حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے منکرین کا انجام

۱۴۱ تا ۱۴۵- ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ O اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ O اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ O فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ O وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ثمود[1] نے رسولوں کو جھٹلایا O جب ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں O بے شک میں امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لو O اور میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو

[1] ثمود ایک قبیلہ کا نام ہے' جس کے جد اعلیٰ کا نام ثمود تھا' اس کا نسب نامہ یوں ہے: ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ (روح البیان)

صرف پروردگار عالمیاں کے ذمہ کرم پر ہے O

١٤٦- ﴿ اَتُتْرَكُوْنَ ﴾ کیا تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔[ یہ ہمزہ استفہامِ انکاری ہے جو زجر و توبیخ کرنے کے لیے آیا ہے] (یعنی) انہیں دنیا کی نعمتوں میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا انکار ہے ﴿ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ ﴾ اس جگہ میں (یعنی) دنیا کی بھرپور نعمتوں کی اس سرزمین میں جس میں ٹھہرے ہوئے ہیں ﴿ اٰمِنِیْنَ ﴾ عذاب اور زوال اور موت سے بہ حفاظت امن و امان کے ساتھ' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی تفسیر و تشریح فرمائی:

١٤٧- ﴿ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴾ باغات اور چشموں میں۔ یہ بھی اجمال ہے' پھر تفصیل آ رہی ہے۔

١٤٨- ﴿ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ ﴾ اور کھیتوں اور کھجوروں میں۔[ ''نخل'' کو ''جنات'' پر معطوف کیا گیا ہے باوجود یکہ باغ از خود کھجوروں کو شامل ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کھجور باقی درختوں پر فضیلت رکھتی ہے ] ﴿ طَلْعُهَا ﴾ اس کا شگوفہ۔ کھجور سے جو نرم و نازک گابھا اور گچھا نکلتا ہے اسے ''طَلْعٌ'' کہا جاتا ہے' یہ تلوار کے پھل کی طرح ہوتا ہے ﴿ هَضِیْمٌ ﴾ نرم و نازک پختہ' گویا فرمایا: اور کھجوریں جن کا پھل تازہ پختہ میوہ بن چکا ہے۔

١٤٩- ﴿ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ﴾ اور تم پہاڑوں کو تراشتے ہوئے گھر بناتے ہو ﴿ فٰرِهِیْنَ ﴾ عقل مند' ماہر' خوش و خرم لوگ[ شامی اور کوفی قراء کے نزدیک اسم فاعل کے وزن پر ''فَا'' اور ''رَا'' کے درمیان الف کے ساتھ ''فَارِهِیْنَ'' بہ معنی ''حَاذِقِیْنَ'' ہے (یعنی ماہرین) یہ حال ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے ہاں الف کے بغیر ''فَرِهِیْنَ'' بہ معنی ''اشرین'' ہے (یعنی مغرور و متکبر لوگ) اور ''فراهة'' کا معنی چالاک و عقل مند اور ہوشیار و ہشاش بشاش اور خوشی سے اترانا اور اکڑنا ہے ]۔

١٥٠- ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

١٥١- ﴿ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ اور تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو (یعنی) کافروں کی اطاعت نہ کرو یا ان نو افراد کی اطاعت نہ کرو' جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ یہاں ''امر'' کو مجاز حکمی کی بناء پر مطاع قرار دیا گیا اور اس سے ''امر'' مراد ہے ( کیونکہ اطاعت ''امر'' یعنی حکم دینے کی کی جاتی ہے) اور ہر وہ جملہ جس میں عقل کے اعتبار سے حکم اپنے موضوع و محل سے خارج کر دیا گیا ہو' وہاں تاویل بیان کی جائے گی' جیسے عرب کا قول ہے: ''اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ'' کہ موسم بہار نے سبزہ اُگا دیا (حالانکہ سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے)۔

١٥٢- ﴿ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ جو زمین میں کفر و شرک اور ظلم و ستم کے ذریعے فساد پھیلاتے ہیں ﴿ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴾ اور وہ ایمان اور عدل و انصاف سے اصلاح نہیں کرتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا فساد اصلاح سے بالکل خالی ہے' اس کے ساتھ صلاح و درستگی نہیں ہے جیسا کہ بعض فسادیوں کا حال ہوتا ہے' جن میں اصلاح کی صلاحیت فساد کی حالت کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۚ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ۙ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ

ع ۱۹ ۱۲ ﴿ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾﴾

انہوں نے کہا: بے شک تم صرف جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہوO تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر' سو تم کوئی معجزہ لاؤ اگر تم سچوں میں سے ہوO اس نے فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے' اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لیے پانی پینے کا ایک دن معین ہےO اور تم اس کو بُرائی کے ساتھ ہاتھ مت لگاؤ ورنہ ایک بہت بڑے دن کا عذاب تمہیں پکڑ لے گاO سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پس وہ صبح کے وقت پشیمان ہوئےO تو انہیں عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں البتہ عبرت کی ایک نشانی ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھےO اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہےO

---

۱۵۳- ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک تم جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہو۔ "مسحر" وہ شخص ہوتا ہے جس پر کثرت سے جادو کیا جائے یہاں تک کہ وہ اس کی عقل پر غالب آ جائے اور بعض نے کہا کہ یہ "سَحْرٌ" سے مشتق ہے' بہ معنی پھیپھڑا اور وہ بشر ہے۔

۱۵٤- ﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ تم تو نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر' سو تم کوئی معجزہ لاؤ اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہو۔

۱۵۵- ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے' ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے' سو اس دن تم اسے پانی سے روک کر تنگ نہ کرنا ﴿وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور تمہارے لیے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہے اور اس دن میں وہ اونٹنی تمہیں تنگ نہیں کرے گی۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اس پتھر سے نمودار ہو اور وہ پہاڑ سے نکلتے ہی ایک بچہ جن دے' چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ گئے اور سوچنے لگے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ دو رکعت نماز نفل ادا کیجئے اور اپنے رب تعالیٰ سے اونٹنی کے لیے درخواست کیجئے' چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو پہاڑ سے صحیح سلامت دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکل آئی اور آتے ہی ایک بچے کو جنم دیا' جو جسمانی ساخت و مقدار میں اس اونٹنی کے برابر تھا اور اس کے سینے کا حصہ ساٹھ ہاتھ لمبا تھا اور وہ اونٹنی اپنے پانی پینے کے دن ان کا تمام پانی پی جاتی تھی اور جس دن لوگوں اور ان کے جانوروں کے پانی پینے کی باری ہوتی' اس دن وہ پانی نہیں پیتی تھی اور یہ کسی معاملہ پر قوم کے متفق ہونے کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ یہ مذکورہ بالا ارشاد طے شدہ معاملہ پر متفق ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵٦- ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور تم اسے بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ (یعنی) نہ اسے مارو اور نہ اس کی کونچیں کاٹو اور اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف وغیرہ نہ پہنچاؤ ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ سو ورنہ تمہیں بہت بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔ دن کو بڑا اس میں عذاب اترنے کی وجہ سے کہا گیا ہے اور دن کو عذاب کے ساتھ موصوف کرنا عذاب کے وصف سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب دن اس کے سبب بڑا ہے تو عذاب کا ملنا کتنا بڑا سخت ہوگا۔

۱۵۷- ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس اونٹنی کی کونچیں قدار نام کے ایک شخص نے کاٹی تھیں' لیکن اس پر تمام کفار راضی تھے' اس لیے ان سب کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کونچیں کاٹنے والے شخص نے کہا تھا کہ جب تک تم سب راضی نہیں ہو جاتے' میں اس کی کونچیں نہیں کاٹوں گا' چنانچہ وہ لوگ

عورت کے پاس اس کی پردہ گاہ میں گئے اور کہنے لگے: کیا تم راضی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں راضی ہوں اور اسی طرح ان کے بچے بھی راضی تھے ﴿فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ﴾ پھر وہ لوگ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر اپنے اوپر عذاب آ جانے کے خوف سے بہت پشیمان ہوئے مگر یہ ندامت و پچھتاوا توبہ کے لیے نہیں تھا یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اس وقت پشیمان ہوئے' جب یہ ندامت مفید نہیں رہی تھی اور وہ عذاب کے دیکھ لینے کے وقت ہوئی یا اس اونٹنی کے بچے کو صحیح سلامت چھوڑ دینے پر انہیں پشیمانی ہوئی (نہ کہ اونٹنی کے مارنے پر)۔

۱۵۸- ﴿فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ پس انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے' اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

۱۵۹- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب' بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱٦۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱٦۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱٦۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱٦۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱٦۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱٦۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱٦۷﴾

لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا○ جب ان سے ان کے قومی بھائی لوط نے فرمایا: کیا تم نہیں ڈرتے○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں○ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر○ کیا تم تمام جہان والوں میں سے صرف مَردوں سے بُرائی کرتے ہو؟○ اور تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے پروردگار نے (صرف) تمہارے لیے پیدا فرمائی ہیں' بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو○ انہوں نے کہا: اے لوط! البتہ اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکالے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے○

## حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ کے بعد منکرین کے بدانجام کا بیان

۱٦۰ تا ۱٦۵- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ○﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا○ جب ان سے ان کے قومی بھائی حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو○ بے شک میں امانت دار رسول ہوں○ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر○ کیا تمام جہانوں والوں میں سے صرف تم مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟ ''عالمین'' سے انسان مراد ہیں یعنی عورتوں کی کثرت کے باوجود تم انسانوں میں سے صرف مردوں

سے بدفعلی کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ کیا تم ہی لوگ اپنوں کے علاوہ جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ بُرا کام کرتے
14 ہو؟ یعنی صرف تمہیں لوگ اس بے حیائی کے کام کے ساتھ مخصوص ہو اور اس بناء پر ''عالمین'' سے ہر وہ حیوان مراد ہوگا جس
سے جماع ہوسکتا ہو۔

١٦٦-﴿ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ﴾ اور تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو' جو تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں [''من'' بیانیہ ہے' جو تخلیق کے بیان کے لیے آیا ہے یا یہ تبعیض کا ہے] اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ایک مخصوص مباح عضو تمہارے لیے پیدا کر دیا (پس تم اسی کو استعمال کرو) اور دراصل وہ لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ بھی اسی طرح بدفعلی کرتے تھے' جس طرح وہ مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ لواطت (یعنی عورتوں کے مقامِ فضلہ کو استعمال) کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور جس شخص نے اس کو جائز قرار دیا' اس نے بہت بڑی غلطی کی ﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴾ بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو' ''عادی'' کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنے میں زیادتی کرنے والا اور اس میں حد سے تجاوز کرنے والا یعنی تم لوگ اس بات کے مستحق ہو کہ تمہیں ظلم و زیادتی کی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے' کیونکہ تم نے اس طرح کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

١٦٧-﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ ﴾ انہوں نے کہا: اے لوط! اگر تم ہمیں منع کرنے سے اور ہمارے اس کام (بدفعلی) کی بُرائی اور قباحت بیان کرنے سے باز نہ آئے تو ﴿ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴾ البتہ تم ضرور نکال دیئے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے (یعنی تمہیں یہاں سے ملک بدر کر دیا جائے گا) تم اس جماعت میں شامل ہو جاؤ گے جس کو ہم نے اپنے سامنے نکال دیا اور ہم نے اسے اپنے ملک سے باہر پھینک دیا اور شاید وہ لوگ ان کو نکال دیتے تھے جو ان کے بُرے حال پر احتجاج کرتے اور مخالف ہو جاتے۔

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ
اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا
فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ع ١٤

فرمایا: بے شک میں تمہارے (اس بُرے) عمل سے بیزار ہوں O اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس عمل سے نجات عطا فرما جو وہ لوگ کر رہے ہیں O سو ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا کی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسا دی' سو بہت بُری بارش ڈرائے جانے والوں پر برسائی گئی O بے شک اس میں عبرت کی ایک نشانی ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب ہے' بے حد مہربان ہے O

١٦٨-﴿ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں تمہارے (اس بُرے) عمل سے سخت بیزار لوگوں میں سے ہوں۔ [یہ ''قالٍ'' کہنے سے زیادہ بلیغ ہے' جیسے تمہارا قول ''فُلَانٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ'' زیادہ بلیغ

ہے' تمہارے قول ''فُلَانٌ عَالِمٌ'' سے کیونکہ تم پہلے قول میں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ فلاں آدمی علماء کے ساتھ علم میں شریک ہے]اور ''قلی'' کا معنی ہے: سخت ترین بغض وغصہ گویا بغض دل کو اور جگر کو جلا دیتا ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ بدفعلی بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا بغض دین کے لیے تھا۔

۱۶۹۔﴿رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل کی سزا سے نجات عطا فرما۔

۱۷۰۔﴿فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ﴾ پس ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا فرمادی یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو۔

۱۷۱۔﴿اِلَّا عَجُوْزًا﴾ سوائے ایک بڑھیا کے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی اور یہ اپنی قوم کے بُرے عمل سے راضی تھی اور گناہ پر راضی گناہ گار کے حکم میں ہوتا ہے[''اھل'' سے کافرہ کا استثناء جب کہ وہ مسلمان تھے محض اس اسم میں اشتراک کی وجہ سے کیا گیا' اگرچہ وہ ایمان میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھی]﴿فِی الْغٰبِرِیْنَ﴾[''عجوزا'' کی صفت ہے]یعنی عذاب میں باقی رہنے والی کیونکہ وہ اس عذاب سے نجات نہیں پاسکی تھی اور لغت میں ''غابر'' کا معنی باقی ہے گویا فرمایا گیا کہ سوائے ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہے یعنی اس کا نام پیچھے باقی رہنے والوں میں تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا کیونکہ مسلمانوں کی نجات کے وقت اس کا باقی رہنا اس کی صفت نہیں تھا۔

۱۷۲۔﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان کی تدمیر (ہلاکت) سے مراد ان کے شہر کو الٹ کر کے ان کو تباہ کر دینا ہے۔

۱۷۳۔﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ایک گروہ پر آسمان سے پتھر برسائے تھے اور ان کو تباہ و برباد کر دیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو شہر سمیت الٹ کر کے ہلاک پر خوش نہ ہوا یہاں تک کہ اس کے فوراً بعد ان پر پتھروں کی بارش برسادی ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ سو بہت بُری بارش برسی' ان لوگوں پر جنہیں ڈرایا گیا تھا اور ''المنذرین'' سے مخصوص قوم مراد نہیں بلکہ کافروں کی جنس مراد ہے[''فساء'' کا فاعل ''مطر المنذرین'' ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ''مطرھم'' ہے]۔

۱۷۴'۱۷۵۔﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت کی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے ۝ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی غالب (اور) بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۱۷۶ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۷ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِیْنٌ ۝۱۷۸ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝۱۷۹ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۸۰ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ۝۱۸۱ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝۱۸۲
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۱۸۳ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

اُیکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایاO جب ان سے شعیب نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیںO بے شک میں امانت دار رسول ہوںO سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت صرف پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر ہےO اورتم ناپ پورا کیا کرو اور کم ناپ کر دینے والوں میں سے نہ ہو جاؤO اور تم سیدھے ترازو سے تولا کروO اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور فسادی بن کر زمین میں فساد نہ پھیلاؤO اور تم اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور بہت سی پہلی مخلوق کو پیدا کیاO

## حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کے باوجود نافرمانی کرنے پر اُیکہ والوں پر عذاب

۱۷۶- ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ﴾ [ہمزہ اور جر کے ساتھ ہے' یہ جنگل کا نام ہے' جس میں کثرت سے درخت ہوں۔ علامہ خلیل نحوی سے ''لَیکۃ'' (لام کے ساتھ) منقول ہے' اہل حجاز اور ابن عامر شامی کی قراءت میں بھی ہمزہ کی بجائے لام کے ساتھ ''لیکـہ'' ہے اور اسی طرح سورۂ صٓ میں ہے' یہ ایک شہر کا نام ہے ] اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اُیکہ والے وہی مدین کے رہنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جنگل میں پناہ لی تھی' جب ان پر سخت ترین گرمی کا عذاب آیا تھا' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اُیکہ والے مدین والوں کے علاوہ قوم ہے اور یہ لوگ ایک جنگل میں ایک بَن کے پاس جا کر ٹھہرے تھے' ان کے درختوں میں اکثریت گوگل کے درختوں کی تھی۔ ان کے غیر اہل مدین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ان کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے ''اَخُوْهُمْ شُعَيْبٌ'' نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کے نسب سے نہیں تھے بلکہ وہ مدین والوں کے نسب سے تھے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت شعیب مدین کے بھائی تھے' جو ان کی طرف اور اُیکہ والوں کی طرف بھیجے گئے تھے ﴿الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اُیکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔

۱۷۷ تا ۱۸۱- ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ۝﴾ جب ان سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیںO بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو صرف پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر ہےO تم ناپ پورا کیا کرو (یعنی) مکمل ناپ کیا کرو اور تم کم کر کے چیزیں دینے والوں میں سے نہ ہو جاؤO اور تم لوگوں کے حقوق کم نہ کیا کرو' پس پورا پورا ناپنا چاہیے اور یہی مامور بہ (اسی کا حکم دیا گیا) ہے اور کم کر کے نہیں ناپنا چاہیے اور یہی منہی عنہ (یعنی اسی سے منع کیا گیا) ہے اور ایک زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں شریعت میں خاموشی اختیار کی گئی ہے' پس اس کا ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو کر لے تو بہتر ہے اور اگر اس کو نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔

۱۸۲- ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ اور تم صحیح اور سیدھی ترازو کے ساتھ تولا کرو اور ''قسطاس'' کا معنی ہے: میزان یعنی ترازو یا کانٹا (یعنی تولنے کا بہت بڑا آلہ یا بڑا ترازو) اور اگر یہ ''قسط'' سے مشتق ہو تو اس کا معنی ہے: برابر کرنا اور انصاف کرنا [ اور اس کے عین کلمہ کو مکرر قرار دیا جائے تو اس کا وزن ''فعلاس'' ہے ورنہ یہ رباعی ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے قراء کی قراءت میں قاف مکسور ہے ]۔

۱۸۳- ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو (یعنی) ان کے درہموں اور

دیناروں کو اطراف سے کاٹ کر ان میں کمی نہ کرو' جب تم کسی کا حق کم کر کے اس کو دو گے تو کہا جائے گا: ''بَخَسْتَهٗ حَقَّهٗ'' کہ تم نے اس کا حق کم کر کے اس کو دیا ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ اور تم زمین میں فساد پھیلانے والے نہ بن جاؤ اور تم اس میں حد سے بڑھ کر فساد نہ پھیلاؤ اور یہ جیسے قتل و غارت کرنا اور ڈاکہ زنی کرنا' کھیتوں کو برباد کرنا اور وہ لوگ یہی کام کرتے تھے' سو اس لیے اس سے انہیں منع کیا گیا' جب کوئی سخت فساد پھیلاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''عَثَا فِی الْاَرْضِ'' کہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور لغت میں ''عَثَا'' کی بجائے ''عَثٰی فِی الْاَرْضِ'' بھی کہا جاتا ہے۔

۱۸۴۔﴿وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور تم اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا [اور ''الجبلة'' کا ضمیر ''کُمْ'' پر عطف ہے] یعنی تم اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے بہت سی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ ''الاولین'' بہ معنی ''ماضین'' ہے یعنی گزشتہ مخلوق۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

ع ۱۰ / ۱۶ / ۱۴

انہوں نے کہا: بے شک تم صرف انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہےO اور تم نہیں ہو مگر ہماری طرح ایک بشر اور بے شک ہم تجھے ضرور جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیںO سو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچوں میں سے ہوO فرمایا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہوO سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پس انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا' بے شک وہ بہت بڑے دن کا عذاب تھاO بے شک اس میں عبرت ہے' اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھےO اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہےO

۱۸۵'۱۸۶۔﴿قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَO وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ انہوں نے کہا: بے شک تم صرف جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہوO اور تم نہیں ہو' مگر ہمارے جیسے بشر۔ [یہاں واؤ اس لیے داخل کی گئی ہے تاکہ یہ دو معنوں کا فائدہ دے] اور وہ دونوں ان کے نزدیک رسالت و نبوت کے منافی تھے' ایک جادو زدہ ہونا اور دوسرا بشر ہونا' اور اس واؤ کو ثمود کے قصہ میں چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ وہاں ایک متحدہ معنی کا فائدہ دے اور وہ حضرت صالح کا جادو زدہ ہونا ہے' پھر اسی معنی کو مستحکم و مضبوط کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام ان جیسے بشر ہیں ﴿وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں [اس میں حرف ''اِنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور لام ''اِنْ'' خفیفہ اور نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے داخل کیا گیا ہے اور دونوں کو ظن کے فعل پر جدا کر کے داخل کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ ان دونوں کی اصل یہ ہے کہ وہ دونوں مبتدا اور خبر پر الگ الگ داخل ہوتے ہیں' جیسے ''اِنَّ زَیْدًا لَمُنْطَلِقٌ'' پھر جب ''کان'' اور ''ظننت'' مبتدا اور خبر کی جنس کے باب سے ہیں تو ان کو دو بابوں میں ذکر کیا گیا' چنانچہ کہا گیا کہ ''اِنْ كَانَ زَیْدٌ لَمُنْطَلِقًا وَاِنْ ظَنَنْتُهٗ لَمُنْطَلِقًا'']۔

۱۸۷۔ ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا ﴾ سوتم ہم پر کوئی ٹکڑا گرادو ['' کِسَفًا '' (کاف کے نیچے زیر اور سین پر زبر) امام حفص کی قراءت ہے (جب کہ دوسرے قراء کی قراءت میں '' کِسْفًا '' کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن ہے[1]) اور یہ دونوں '' کِسْفَة '' کی جمع ہیں اور اس کا معنی ٹکڑا ہے ] ﴿ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ آسمان سے یعنی بادل یا سائبان ﴿ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم سچوں میں سے ہو یعنی اگر تم واقعی سچے ہو کہ تم نبی ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرادے یعنی آسمان سے عذاب کا ٹکڑا گرادے۔

۱۸۸۔ ﴿ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو بہت خوب جانتا ہے اور ان پر جس عذاب کے تم مستحق ہوا سے بھی وہ خوب جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں آسمان سے ٹکڑا گرا کر عذاب دینا چاہے گا تو وہ کر گزرے گا (اسے کوئی روک نہیں سکتا) اور اگر وہ کوئی دوسرا عذاب دینا چاہے گا تو وہ مختار ہے' حکم اور ارادہ اسی کا پورا ہوگا [اہل حجاز اور ابو عمرو کی قراءت میں '' رَبِّیَ '' ، '' یَا '' مفتوح کے ساتھ (یعنی '' یَا '' پر زبر ہے) اور ان کے علاوہ کی قراءت میں '' یَا '' ساکن ہے ]۔

۱۸۹۔ ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ﴾ سوانہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' یہ سائبان ایک بادل تھا' جو سایا دار بن کر ان پر سایا فگن ہوا تھا۔ اس سے پہلے ان لوگوں پر ہوا رک گئی' جس سے گرمی کی شدت بڑھ گئی اور سات دن متواتر سخت ترین گرمی کے عذاب میں وہ لوگ گرفتار رہے' پھر سایا دار بادل آنے پر گرمی سے بچنے کے لیے اس کے نیچے پناہ کے لیے سب جمع ہو گئے تو ان پر آگ برسا دی گئی' سو وہ سب اس میں جل کر مر گئے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ بے شک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔

۱۹۰' ۱۹۱۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے ۝ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب ہے (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ہر قصے کے شروع میں اور اس کے آخر میں جو چیزیں دوہرائی ہیں ان کو اس لیے مکرر ذکر فرمایا کہ ان کے معانی دلوں میں پختہ ہو جائیں تا کہ وعظ و نصیحت میں اور زجر و توبیخ میں زیادہ بلیغ ہو جائیں اور اس لیے بھی کہ اس میں ہر قصہ مستقل نازل کیا گیا ہے اور اس میں اسی طرح عبرت حاصل ہوتی ہے' جس طرح اس کے علاوہ دوسرے قصہ میں عبرت حاصل ہوتی ہے' پس اس سورت کا ہر قصہ اس لائق ہے کہ اسے کھول کر بیان کیا جائے' جس طرح اس کے ساتھی قصہ کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو اسی پر ختم کیا جائے' جس پر اس کا سابقہ قصہ ختم ہوا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ ۝۱۹۳ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ؕ ۝۱۹۵ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۹۶ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ۝۱۹۷ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۙ ۝۱۹۸ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ؕ ۝۱۹۹ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ ۝۲۰۰ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۙ ۝۲۰۱

[1] یہ قراءت حمزہ' علی کسائی' ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابو عمرو' عاصم' شعبہ' خلف اور یعقوب کی ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۳۲٦)

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾

اور بے شک یہ قرآن تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہےO اس کو روح الامین لے کر نازل ہواO آپ کے دل مبارک پر تا کہ آپ ڈرسنانے والوں میں سے ہو جائیںO صاف عربی زبان میںO اور بے شک اس کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) کیا گیا ہےO اور کیا یہ ان کے لیے نشانی نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے علماء اسے جان لیتےO اور اگر ہم اسے کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے' پھر وہ اسے ان پر پڑھتا تو وہ لوگ اس پر ایمان نہ لاتےO اسی طرح ہم نے اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیاO وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیںO سو وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہو گیO پھر وہ کہیں گے: کیا ہمیں مہلت دی جائے گیO تو کیا وہ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیںO

## قرآن مجید کے نزول کی شان اور منکرین کے انجام کا بیان

١٩٢- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ یعنی یہ قرآن مجید ﴿لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ البتہ پروردگارِ عالم کا نازل کیا ہوا ہے (یعنی) اسی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

١٩٣- ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ اس کو روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے' کیونکہ وہ وحی پر امانت دار ہیں' جس میں دلوں کی زندگی ہے [''نَزَلَ'' مخفف ہے اور ''اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ'' اس کا فاعل ہے اور یہ اہل حجاز' ابوعمر' زید اور حفص کی قراءت ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''نَـزَّلَ'' مشدد ہے اور ''اَلـرُّوْحَ الْاَمِيْنَ'' منصوب ہے اور اللہ تعالیٰ ''نَـزَّلَ'' کا فاعل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید کے ساتھ نازل کیا ہے اور دونوں قراءتوں پر حرف ''بَا'' تعدیہ کے لیے ہے]۔

١٩٤- ﴿عَلٰى قَلْبِكَ﴾ آپ کے دل مبارک پر یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید آپ کو حفظ کرا دیا اور اسے آپ کے ذہن میں سمجھا دیا اور اس کو آپ کے قلب اطہر مبارک میں اس قدر مضبوطی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ اب کبھی نہیں بھولے گا جیسا کہ خود ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى'' (الاعلیٰ:٦) ''بے شک ہم آپ کو پڑھائیں گے' پس آپ کبھی نہیں بھولیں گے'' ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ تا کہ آپ ڈرسنانے والوں میں سے ہو جائیں۔

١٩٥- ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ﴾ عربی زبان میں (یعنی) قریش اور جرہم کی لغت میں ﴿مُّبِيْنٍ﴾ صاف اور واضح اور فصیح جو ان چیزوں کی تصحیح کرنے والی ہے تا کہ ان مقدس لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے (کفار کو) عربی زبان میں ڈرسنایا اور وہ حضرات ہود' صالح' شعیب اور اسماعیل علیہم السلام ہیں یا پھر ''نزل'' کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ (اے محبوب!) آپ اس کے ذریعے (کفارِ مکہ کو) ڈرائیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو عجمی زبان میں نازل کرتا تو یہ لوگ اس کتاب سے بالکل دور ہو جاتے اور وہ البتہ یہ کہتے کہ ہم اس کتاب کو کیا کریں' جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے' پس اس کے ساتھ ڈرانا مشکل و متعذر ہو جاتا اور اسی وجہ سے اس کو عربی زبان میں نازل کیا گیا' جو آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان ہے۔ اس کو آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا تا کہ آپ خود اس کو سمجھیں اور اپنی قوم کو سمجھائیں اور اگر یہ عجمی زبان میں ہوتا تو آپ کے کان پر نازل ہوتا' آپ کے دل پر نازل نہ ہوتا' اس لیے کہ آپ حروف کی آواز تو سن لیتے' اس کے معانی کو نہ سمجھ سکتے اور نہ اس کو حفظ کر سکتے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی چند لغات (زبانوں) کا جاننے والا ہوتا ہے' پھر جب وہ

اپنی لغت (زبان) میں کلام کرتا ہے تو اس کا دل صرف اس کلام کے معانی کی طرف ہوتا ہے اور اگر دوسری زبان میں گفتگو کرتا ہے تو پہلے اس کی نظر اس زبان کے الفاظ کی طرف ہوتی ہے' پھر اس کے معانی میں ہوتی ہے' اگر چہ وہ آدمی اس لغت کا ماہر ہی کیوں نہ ہو' پس یہ تقریر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو آپ کے دل مبارک پر عربی زبان میں نازل فرمایا۔

۱۹۶- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) اور بے شک یہ قرآن مجید ﴿لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلی کتابوں میں مذکور ہے یعنی اس کا ذکر پہلی تمام آسمانی کتابوں میں مشہور و معروف اور ثابت ہو چکا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک اس کے معانی ان کتب میں مذکور ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کا جب کسی غیر عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو بھی وہ قرآن ہی ہوتا ہے' پس یہ دلیل ہے کہ نماز میں قرآن مجید کو فارسی زبان میں پڑھنا جائز ہے[1]۔

۱۹۷- ﴿اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ﴾ اور کیا ان کے لیے یہ علامت نہیں تھی کہ وہ اسے یعنی قرآن مجید کو جان لیتے کیونکہ اس کا ذکر تورات شریف میں موجود تھا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تَكُنْ'' ہے' ''اٰیَةٌ'' اس کا اسم ہے اور اس کی خبر ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' ہے اور بعض نے کہا کہ ''تَكُنْ'' میں ضمیر قصہ کی ہے اور ''اٰیَةٌ'' خبر مقدم ہے اور مبتدا ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' ہے اور یہ جملہ ''كَانَ'' (''یَكُنْ'') کی خبر ہے اور بعض نے کہا کہ ''كان'' ''تامہ'' ہے اور ''اٰیة'' اس کا فاعل ہے اور ''اَنْ یَعْلَمَهٗ'' اس سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اور کیا ان کے لیے یہ علامت وغیرہ نہیں تھی کہ یاددہانی ہو جاتی اور ''اٰیةً'' اس بنا پر منصوب ہے کہ یہ اس کی خبر ہے اور ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' اس کا اسم ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ عِلْمُ عُلَمَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ'' (''اٰیَةً'') اور کیا ان کے لیے بنی اسرائیل کے عالموں کا علم علامت نہیں تھا] ﴿عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل کے علماء جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ' (القصص: ۵۳)'' اور جب ان پر قرآن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں' بے شک یہ ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے' بے شک ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے''۔ اور مصحف عثمانی میں ''عُلَمٰٓؤا'' میں الف سے پہلے واؤ لکھا گیا ہے۔

۱۹۸- ﴿وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے [''اعجم'' کی جمع ہے] اور عجمی وہ آدمی ہوتا ہے جو صاف کھول کر بات بیان نہ کر سکتا ہو (یا جو عربی نہ بول سکتا ہو) اور اسی طرح ''اعجمی'' ہے' مگر اس میں یاءِ نسبت کی زیادہ ہونے کی وجہ سے تاکید زیادہ ہے اور جب کوئی شخص ان اہل عرب کی زبان کے علاوہ کسی زبان میں بات کرتا ہے' جس کی بات کو یہ لوگ نہیں سمجھتے تو اسے اعجم اور اعجمی کہتے ہیں اور اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو صاف بات نہ کرتا ہو اور رواں بیان نہ کر سکتا ہو اور عجمی عجم کی جنس سے ہے' عربی بول سکتا ہو یا نہ بول سکتا ہو اور حضرت حسن نے ''اَعْجَمِیِّیْنَ'' پڑھا ہے [اور بعض نے کہا کہ ''اَعْجَمِیْنَ'' بھی ''اَعْجَمِیِّیْنَ'' کا مخفف ہے جیسے

[1] اسی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز میں خشوع و خضوع کی خاطر اس کے جواز کے لیے فارسی زبان میں قرآن پڑھنا جائز قرار دیا تھا کیونکہ قرآن مجید کے عربی الفاظ نماز میں لازمی رکن نہیں (بلکہ مطلق قراءت نماز کا لازمی رکن ہے) لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ عربی کے علاوہ فارسی وغیرہ میں قرآن مجید کی قراءت جائز نہیں جیسا کہ صاحبین اور اکثر ائمہ دین کا قول ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۸۴' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نوٹ: مزید تفصیل ''تفسیر روح المعانی'' میں اسی آیت مبارکہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں' نیز اُردو دان حضرات یہی تفصیل ''تفسیر تبیان القرآن'' جلد ۸ ص ۴۴۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

کہتے ہیں: ''اَشْعَرُوْنَ'' یعنی ''اَشْعَرِیُّوْنَ'' حذف یائے نسبت کے ساتھ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی جمع سلامت کے وزن پر جمع نہیں آ سکتی کیونکہ اس کا مؤنث ''عجماء'' ہے]۔

١٩٩۔﴿ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴾ پھر وہ عجمی آدمی یہ قرآن ان کو پڑھ کر سناتا تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے' اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے یہ قرآن عربی مرد پر فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل کیا' سو انہوں نے اس کو سمجھا اور اس کی فصاحت کو پہچان لیا اور اچھی طرح جان لیا کہ یہ یقیناً معجزہ ہے اور اس کے ساتھ اہل کتاب کے علماء کا اتفاق اس سے پہلے شامل ہو چکا ہے کہ اس قرآن مجید کے نزول اور اس کی صفات کی بشارت ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور وہ کتابیں اس قرآن مجید کے معانی و قصص کو متضمن ہیں' جس سے یہ بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ محض قصے کہانیاں نہیں' جیسا کہ انہوں نے گمان کیا اور اس پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے اسے کبھی شعر کہہ دیا اور کبھی جادو کہہ دیا اور انہوں نے کہا کہ یہ (حضرت سرورِ کائنات باعث ایجادِ کائنات) محمد (مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا گھڑا ہوا ہے اور اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے' جو عربی زبان اچھی طرح نہیں بول سکتا' چہ جائے کہ وہ اس کی مثل بنا کر لانے پر قادر ہو' پھر وہ ان پر یہ کتاب اسی طرح بہ طورِ معجزہ پڑھ کر سناتا تو وہ اس کے ساتھ کفر اختیار کر لیتے جیسا کہ انہوں نے اب تک کفر اختیار کیا ہوا ہے اور وہ اپنے انکار پر عذر پیش کرتے (کہ ہم عربی ہیں یہ عجمی ہیں) اور اس کو بھی جادوگر کہہ دیتے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

٢٠٠۔﴿ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے مجرموں کے دلوں میں تکذیب و جھٹلانے کی عادت کو یا کفر کرنے کی عادت کو داخل کر دیا ہے اور ارشاد ''مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ'' کا یہی معنی ہے اور ''مُجْرِمِیْنَ'' سے وہ کفار مراد ہیں جن کے متعلق کفر اختیار کرنا اور اس پر اصرار کرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے یعنی اس کفر و اصرار کی طرح ہم نے ان کے دلوں میں تکذیب کو داخل کر دیا ہے اور ہم نے اسے ان کے دلوں میں پختہ کر دیا ہے' لہٰذا اب ان کے ساتھ کیسے کیا جائے اور ان کے معاملہ کی کیا تدبیر کی جائے' سو اب اس بات کا امکان نہیں رہا کہ وہ لوگ جس کفر و تکذیب پر اصرار کر کے اَڑ گئے ہیں' اس سے بدل جائیں یعنی جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ'' (الانعام:٧) ''اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب نازل کر دیتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تو البتہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا ہوا جادو''۔ اور یہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف ہماری مضبوط دلیل ہے کہ بندوں کے تمام افعال نیک ہوں یا بد' سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

٢٠١۔﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ وہ لوگ اس پر یعنی قرآن مجید پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ارشاد (''سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ'') کی توضیح و تلخیص کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ کلام اس لیے چلایا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں اس قرآن مجید کا انکار اور اس کی تکذیب کا ہونا ثابت کیا جائے' یہاں تک کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام حال ہو یعنی ہم نے اس قرآن کی تکذیب کو ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے' دراں حالیکہ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴾ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیں گے اور اس وقت کا ایمان ''ایمان یاس'' (ناامیدی کا ایمان) ہو گا جو انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

٢٠٢۔﴿ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ سو وہ عذاب ان پر اچانک آن پہنچے گا اور انہیں اس کے آنے کی خبر بھی نہیں ہو سکے گی۔

٢٠٣-﴿ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴾ پس وہ کہیں گے: کیا ہمیں مہلت دی جائے گی (یعنی) وہ لوگ ایک لمحہ کی مہلت مانگیں لیکن انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا[''فَيَقُوْلُوْا'' اور ''فَيَاْتِيَهُمْ'' دونوں ''يَرَوْا'' پر معطوف ہیں]۔

٢٠٤-﴿ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ تو کیا وہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی چاہتے ہیں۔اس آیت مبارکہ میں کفار کو زجر و توبیخ کی گئی اور ان کو دھمکایا گیا اور ان کے (درج ذیل) قول کا ان پر انکار کیا گیا ہے:''وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (الانفال:٣٢) ''اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسادے یا ہمیں دردناک عذاب دے''۔ اور حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت غافل وہ شخص ہے جو اپنی زندگی پر مغرور ہے اور اپنے مفادات سے خوش ہوتا ہے اور اپنی خواہشات میں سکون حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ مع
وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾

تو کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کئی سال عیش و عشرت سے لطف اندوز ہونے دیتے ○ پھر ان پر وہ عذاب آ جاتا جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا رہا ○ تو ان کو وہ عیش و عشرت نہ بچا سکتی جس سے ان کو لطف اندوز کیا جاتا رہا ○ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے ڈر سنانے والے بھیجے گئے ○ نصیحت کرنے کے لیے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں تھے ○ اور اس کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوتے ○ اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں ○ بے شک وہ وحی سننے سے معزول کر دیئے گئے ہیں ○ سو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کرو ورنہ تم عذاب پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○

٢٠٥-﴿ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴾ تو کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کئی سال لطف اندوز ہونے دیں۔بعض نے کہا: اس سے دنیا کی مدت کے سال مراد ہیں۔

٢٠٦-﴿ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴾ پھر ان پر وہ عذاب آ جائے' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا۔

٢٠٧-﴿ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴾ تو انہیں وہ عیش و عشرت نہیں بچا سکے گا' جس سے وہ ان سالوں میں لطف اندوز کیے جاتے رہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا عذاب کے لیے جلدی کرنا' ان کے اس اعتقاد پر ہے کہ نہ قیامت قائم ہو گی اور نہ انہیں عذاب ملے گا اور وہ عمر بھر ساری زندگی امن و سلامتی کے ساتھ گزاریں گے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ'' تو کیا وہ لوگ ہمارا عذاب جلدی چاہتے ہیں۔یہ انہوں نے تکبر و غرور کرنے اور استہزاء و مذاق اڑانے اور طویل و لمبی آرزو پر بھروسا کر کے کہا تھا' پھر فرمایا کہ چلو اگر ہم تسلیم کر لیں کہ معاملہ ایسا ہو گا' جیسا ان کا عقیدہ ہے کہ وہ زندگی بھر عیش و عشرت میں رہیں گے اور ان کی عمریں دراز ہوں گی' لیکن جب اس کے بعد ان پر عذاب آئے گا تو اس وقت ماضی میں ان کی گزری ہوئی لمبی عمریں اور خوش حال زندگیاں ان کو فائدہ نہیں دیں گی اور حضرت میمون بن مہران سے

منقول ہے کہ انہوں نے طوافِ کعبہ کی جگہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور وہ ان کی ملاقات کے بہت آرزومند رہتے تھے' چنانچہ انہوں نے کہا کہ حضرت جی! آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو حضرت حسن نے صرف یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا: میں نے نصیحت کر دی ہے اور میں نے بہت بڑی بلیغ نصیحت کی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دربار میں فیصلہ جات سنانے کے لیے بیٹھتے وقت یہی آیت مبارکہ پڑھا کرتے تھے۔

۲۰۸۔﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴾ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک و برباد نہیں کیا' مگر پہلے اس کے لیے ڈرسنانے والے پیغمبر بھیجے گئے جو وہاں کے لوگوں کو ڈرسناتے تھے [اور اس آیت مبارکہ کے جملہ میں ''اِلَّا'' کے بعد واؤ داخل نہیں کی گئی جیسا کہ (درج ذیل آیت مبارکہ میں داخل کی گئی ہے یعنی) ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الحجر:۴) ''اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے جانی پہچانی تحریر موجود تھی''۔ اس لیے کہ اصل میں واؤ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ جملہ ''قریة'' کی صفت ہے اور جب زیادہ کی گئی تو موصوف کے ساتھ صفت کی تاکید کے لیے کی گئی ہے]۔

۲۰۹۔﴿ ذِكْرٰى ﴾ نصیحت [یہ منصوب ہے اور بہ معنیٰ ''تذکرۃً'' ہے کیونکہ ''انذر'' اور ''اذکر'' دونوں متقارب ہیں' پس گویا ''مذکرون تذکرۃً'' فرمایا گیا ہے کہ انہیں خوب نصیحت کی گئی اور انہیں (آخرت کی) خوب یاددہانی کرائی گئی یا ''منذرون'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام انہیں ڈرسناتے' دراں حالیکہ وہ انہیں نصیحت کرنے والے ہوتے تھے یا یہ مفعول لہ ہے یعنی انبیائے کرام انہیں نصیحت کرنے کے لیے ڈرسناتے تھے یا یہ مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے بہ معنیٰ ''هٰذِهٖ ذِكْرٰى'' یہ نصیحت ہے اور جملہ معترضہ ہے یا یہ صفت ہے بہ معنیٰ ''منذرون ذوو ذکرٰی'' ایسے ڈرسنانے والے ہیں جو نصیحت کرنے والے ہیں یا ''ذکرٰی'' ''اهلکنا'' کے متعلق ہے اور اس کا مفعول لہ ہے] اور معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے بستی والے ظالموں کو ہلاک نہیں کیا' مگر ان پر حجت لازم کرنے اور ان کی طرف ڈرسنانے والے پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد ہلاک کیا تاکہ ان کو ہلاک کرنا ان کے علاوہ لوگوں کے لیے نصیحت اور عبرت بن جائے' پھر وہ لوگ ان کی طرح نافرمانی نہ کریں ﴿ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ اور ہم ظلم کرنے والے نہیں کہ ہم کسی غیر ظالم قوم کو ہلاک کر دیں۔

۲۱۰۔ اور جب مشرکوں نے کہا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفےٰ ﷺ) پر شیاطین قرآن نازل کرتے ہیں تو ان کے ردّ میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴾ اور اس قرآن مجید کو شیاطین نے نازل نہیں کیا۔

۲۱۱۔﴿ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾ اور نہ ان کے لیے جائز ہے اور نہ وہ استطاعت رکھتے ہیں (یعنی) یہ کام ان کے لیے آسان نہیں اور نہ وہ اس پر قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔

۲۱۲۔﴿ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴾ بے شک انہیں سننے سے معزول کر دیا گیا ہے (یعنی) فرشتوں کی باتیں سن کر چرانے سے انہیں ستاروں کے ذریعے روک دیا گیا ہے۔

۲۱۳۔﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے' ورنہ عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اشارۃً دوسروں کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزید اخلاص کو اپنانے اور توحید پر قائم و دائم رہنے کی ترغیب و تحریک دی گئی ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۱٦ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۲۱۷ الَّذِیْ
یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝۲۱۸ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝۲۱۹ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۲۲۰ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ
عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝۲۲۱ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝۲۲۲ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ
كٰذِبُوْنَ ۝۲۲۳ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝۲۲۴ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝۲۲۵ وَ اَنَّهُمْ
یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝۲۲٦ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا
مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷ ع ۱۱ ۱۵

اور آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں O اور آپ اپنے رحمت کے بازو ان مسلمانوں کے لیے جھکا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے O پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہارے اُن تمام اعمال سے بَری ہوں جو تم کرتے ہو O اور اس پر بھروسا کیجئے جو سب پر غالب ہے (اور) بے حد مہربان ہے O جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں O اور سجدہ گزاروں میں آپ کے پلٹنے کو O بے شک وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے O کیا میں تمہیں بتا دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں O وہ ہر بڑے گناہ گار بہت جھوٹ بولنے والے پر اُترتے ہیں O وہ سنی سنائی باتیں (ان پر) ڈال دیتے ہیں اور ان میں زیادہ تر جھوٹے ہوتے ہیں O اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں O کیا آپ نے انہیں دیکھا نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں O اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا اور انہوں نے بڑے مظالم سہنے کے بعد بدلا لے لیا اور عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کون سی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جائیں گے O

۲۱٤- ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے مخصوص فرمایا تاکہ آپ پر یہ تہمت نہ لگائی جائے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر دوسروں کو ڈر سنانے لگ گئے ہیں کیونکہ انسان عموماً اپنے رشتہ داروں میں سُستی کرتا ہے یا یہ کہ تاکہ لوگ جان لیں کہ حضور ان کو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھڑا سکیں گے اور بے شک نجات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے میں ہے ان کی قرابت داری میں نہیں ہے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور تمام قریبی رشتہ داروں کو بہ آواز بلند پکارا اور فرمایا: اے بنی عبد المطلب! اے بنی ہاشم! اے بنی عبد مناف! اے عباس' نبی کریم کے چچا جان! اے صفیہ' رسول اللہ کی پھوپھی جان! بے شک میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا[1]

۲۱۵- ﴿وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ اور آپ اپنے بازو جھکا دیجئے (یعنی) نرمی کا رویہ اختیار کیجئے اور تواضع اختیار کیجئے اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ نیچے اترنا چاہتا ہے تو اپنے دونوں بازو سمیٹ لیتا ہے اور انہیں جھکا لیتا ہے اور جب

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۳۳' مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵' النسائی ج ٦ ص ۲۴۸

اُڑنے کے لیے اٹھنا چاہتا ہے تو اپنے بازو بلند کرتا ہے' پس اترتے وقت بازو کے جھکانے کو تواضع اور نرمی کے لیے مثال قرار دیا گیا ہے ﴿لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اپنے پیروکار مسلمانوں کے لیے اپنے رشتہ داروں میں سے اور دیگر لوگوں میں سے۔

۲۱٦-﴿فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں یعنی آپ اپنی قوم کو ڈرایئے' پھر اگر وہ پیروی اختیار کر لیں اور آپ کے اطاعت گزار ہو جائیں تو آپ ان کے لیے رحمت ونرمی کے بازو جھکا دیجئے اور اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کی پیروی نہ کریں تو ان سے بیزاری کا اعلان کر دیجئے اور ان کے شرکیہ اعمال وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کر دیجئے۔

۲۱۷-﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ اور آپ اس ذاتِ اقدس پر بھروسا کیجئے جو سب پر غالب ہے۔وہ اپنے غلبہ کی بناء پر آپ کے دشمنوں کو مغلوب ومقہور کر دے گا اور وہ بے حد مہربان ہے' وہ اپنی رحمت کی برکت سے ان کے خلاف آپ کی مدد کرے گا اور ان میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے جو آپ کی نافرمانی کرے گا' اس کے شر سے آپ کی کفایت فرمائے گا اور ''توکل'' کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے جو اس کے کام کا مالک ہے اور اسے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور مفسرین کرام نے فرمایا کہ متوکل وہ شخص ہے کہ اگر اس کو کوئی کام غمگین کر دے تو وہ اسے اپنے آپ سے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توکل یہ ہے کہ تم کُلی طور پر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہو اور اس کے ماسوا سے کُلی طور پر اعراض کر لو' کیونکہ دنیا و آخرت میں تمہاری حاجت اسی کی طرف ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فقل'' پر یا ''فلا تدع'' پر عطف کرکے ''فتوکل'' پڑھا گیا ہے]۔

۲۱۹'۲۱۸-﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ﴾ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نمازِ تہجد پڑھتے ہوئے قیام میں ہوتے ہیں ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ اور سجدہ گزاروں میں آپ کے پلٹنے کو یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو نمازیوں کے بارے میں چلنے پھرنے اور (ان کے گھروں کے پاس) گھومنے کو دیکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کا حضور کے ساتھ لاحق رہنا' اپنے رسول کریم پر اس کے رحیم ومہربان ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ رحمت کے اسباب میں سے ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی ذکر فرمایا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آدھی رات کو نمازِ تہجد کے لیے اُٹھ کر دورہ کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام میں نمازِ تہجد ادا کرنے والوں کے احوال کی جستجو میں دورہ فرمایا کرتے تا کہ آپ ان کے حالات سے آگاہ ہو جائیں اور ان کو محسوس ومعلوم بھی نہ ہو اور تا کہ آپ جان لیں کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی کیسے عبادت کرتے ہیں اور اپنی آخرت سنوارنے کے لیے کیسے اعمال بجالاتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کا سجدہ گزاروں میں پلٹنا اور دورہ فرمانا' یہ ہوتا ہے کہ آپ صحابہ کرام کے درمیان نماز باجماعت میں قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدہ کی طرف اور سجدہ سے قعود کی طرف ہر رکعت میں منتقل ہوتے رہتے ہیں[1]

[1] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو انبیائے کرام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہونے کو دیکھتا رہا ہے' یہاں تک کہ اس نے آپ کو اس آخری امت میں ظاہر فرما دیا۔

(تفسیر خازن جزء ۳ ص ۳۹۸' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن مجید میں نماز با جماعت کا ذکر پاتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں' پھر تھوڑی دیر میں آپ نے اسے یہی آیت مبارکہ پڑھ کر سنا دی۔

۲۲۰- ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ﴾ بے شک وہی سب کچھ سننے والا ہے جو کچھ تم کہتے ہو ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔ اس پر عبادات کی مشقت اٹھانے والے کی معاونت و نگہبانی کرنا آسان ہے' اس لیے کہ اس نے اپنی رؤیت کی خبر دی ہے کیونکہ اس شخص پر کوئی مشقت نہیں رہتی' جو یہ جانتا ہو کہ وہ اپنے مولیٰ و آقا کی نگاہ کے سامنے عمل کر رہا ہے' جیسے یہ قول ہے کہ جو بوجھ اٹھانے والے میری وجہ سے بوجھ اٹھاتے ہیں' وہ میری نگاہ میں ہیں۔

۲۲۱- مشرکین نے کہا تھا کہ شیاطین (آسمانوں پر جا کر) باتیں سنتے ہیں اور وہی سنی سنائی باتیں (حضور سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ پر نازل کرتے ہیں' ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی: ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ﴾ یعنی اے مشرکو! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ ﴿عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ﴾ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بتایا اور فرمایا:

۲۲۲- ﴿تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ﴾ ہر بہتان تراش' جھوٹ بولنے والے' گناہوں کا ارتکاب کرنے والے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں اور وہ کاہن ہیں' جھوٹی نبوت کے دعوے دار جیسے سطیح اور مسیلمہ کذاب وغیرہ ہیں اور جب کہ سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جھوٹوں پر لعنت فرماتے ہیں اور ان کی مذمت و بُرائی بیان کرتے ہیں تو بھلا ان پر شیاطین کیونکر نازل ہو سکتے ہیں۔

۲۲۳- ﴿یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ سنی ہوئی باتیں القاء کرتے ہیں۔ وہ شیاطین ہیں جو مار کر بھگائے جانے سے پہلے آسمانوں پر جایا کرتے اور وہاں کان لگا کر باتیں سنتے اور فرشتے قضا وقدر کی جو باتیں کرتے' ان میں سے کچھ باتیں یہ شیاطین چرا لیتے' جن کی وجہ سے بعض غیب کی باتوں پر مطلع اور آگاہ ہو جاتے تھے' پھر وہ وہی سنی ہوئی باتیں اپنے دوستوں کی طرف القاء کر دیتے تھے [''یُلْقُوْنَ'' حال ہے یعنی وہ سنی ہوئی باتیں القاء کرتے ہوئے نازل ہوتے ہیں یا یہ ''كُلِّ اَفَّاكٍ'' کی صفت ہے کیونکہ یہ جمع کے معنی میں ہے' پس یہ محلاً مجرور ہے یا یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے' گویا کہا گیا کہ شیاطین جھوٹوں اور گناہ گاروں پر کیوں نازل ہوتے ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ یہ اور یہ کام کرتے ہیں]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے یہ معنی مراد لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے والے پاک مردوں کی پشتوں سے سجدہ گزار پاک عورتوں کے رحموں میں اور سجدہ گزار پاک عورتوں کے رحموں سے سجدہ گزار پاک مردوں کی پشتوں میں یعنی موحد مردوں اور موحدہ عورتوں میں منتقل ہوتے رہے' یہاں تک کہ یہ دلیل ہے کہ ''اِنَّ اٰبَاءَ النَّبِیِّ ﷺ كُلَّهُمْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ'' حضور نبی کریم کے تمام آباء و اجداد مؤمنین تھے۔ (تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۸۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' نیز تفسیر صاوی جزء ۳ ص ۱۷۲' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعہ مصطفیٰ البابی' مصر)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور کے والدین کے بارے میں ایمان کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے' مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ اکثر بزرگ علمائے اہل سنت کا عقیدہ ان کے مؤمن ہونے کا ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۹ ص ۱۳۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: تفصیلی اور مدلل تحقیق فقیر کی کتاب ''دلائل النجات لاصول سید الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

﴿ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴾ اور وہ اپنے دوستوں کی طرف جو باتیں القاء کرتے ہیں ان میں اکثر جھوٹ بولتے ہیں اس لیے کہ شیاطین انہیں وہ باتیں بھی سناتے جو خود نہیں سنی ہوتی تھیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیاطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتیں اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ جھوٹے لوگ سنی سنائی باتیں شیطانوں کی طرف القاء کردیتے ہیں اور ان کی پوشیدہ سنی سنائی خود لے لیتے ہیں یا وہ شیطانوں سے سن کر لوگوں کی طرف ڈال دیتے ہیں اور اکثر بہتان تراش جھوٹ بولتے ہیں اور شیطانوں پر ان باتوں کا افتراء باندھتے ہیں جو انہوں نے ان کی طرف القاء نہیں کی ہوتیں سو ''افاك'' وہ شخص ہوتا ہے جو بہت زیادہ جھوٹ بولتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں اور سچ کبھی نہیں بولتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان بہت جھوٹ بولنے والے لوگوں سے سچ بولنا بہت کم واقع ہوتا ہے جب کہ وہ جنوں سے حکایت کرتے ہیں کیونکہ وہ اکثر جنوں پر بہتان تراشتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ سب بہتان لگاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ''وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اور ''وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ'' اور ''هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ'' کو الگ الگ بیان فرمایا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایسی آیات بیان کر دیں جو ان سے نہیں ہیں پھر دوبارہ ان کی طرف رجوع فرمایا تو یہ بات ان آیات کے ساتھ شدت عنایت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ جب تم کوئی بات بیان کرو اور تمہارے دل میں اس بات کا اہتمام ہو تو تم اس کا دوبارہ ذکر کرو گے اور اس کی طرف رجوع کیے بغیر نہیں رہ سکو گے۔

۲۲٤- اور یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اشعار پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں جیسا (حضور سید عالم) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں اور ان شعراء کی پیروی انہیں کی قوم کے گمراہ لوگ کرتے تھے جو ان سے ان کے اشعار سنتے تھے ﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴾ اور شاعروں کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں یعنی شعراء کی باطل اور جھوٹی باتوں روگردانی کی تباہی اور حسب ونسب اور خاندانوں میں طعنہ زنی اور غیر مستحق کی مدح اور ان کی غیر مستحسن باتوں کی پیروی نہیں کرتے مگر گمراہ یعنی احمق و بے وقوف لوگ یا قصہ گو یا شیاطین یا مشرکین۔ زجاج نے کہا: جب کوئی شاعر کسی ایسے شخص کی مدح وتعریف کرے جو مستحق نہیں یا ایسے شخص کی ہجو اور مذمت بیان کرے جو اس سے بری ہو اور اس کی قوم اسے پسند کرے اور اس کی پیروی کرے تو وہ گمراہ ہے [نافع مدنی کی قراءت میں ''يَتْبَعُهُمْ'' (تا ساکن) ہے اور ''الشعرآء'' مبتدا ہے اور ''يَتْبَعُهُمُ الْغَاوُوْنَ'' اس کی خبر ہے]۔

۲۲۵- ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ لوگ کلام کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی وہ جھوٹ کے ہر فن میں باتیں کرتے پھرتے ہیں یا ہر قسم کی لغو اور باطل گفتگو میں بے ہودگیاں بکتے ہیں اور ''هـائـم'' کا معنی ہے: بغیر کسی مقصد کے منہ اٹھا کر چلنے پھرنے والا شخص اور یہ ان کے لیے ہر قسم کی باتوں میں اور بغیر سوچے سمجھے گفتگو کرنے میں حصہ لینے کی مثال ہے یہاں تک کہ وہ سب لوگوں میں سے بزدل ترین آدمی کو ''عـنـتـره'' (بہادر و شجاع شخص) پر فضیلت دیتے ہیں اور لوگوں میں سے بخیل ترین آدمی کو حاتم پر ترجیح دیتے ہیں۔

۲۲٦- فرزدق شاعر نے بیان کیا کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے جب اس کو یہ شعر کہتے سنا: (ترجمہ) ''ان عورتوں نے رات میرے پہلو میں گزاری جب کہ وہ بچھاڑ دی گئیں اور میں نے اس حال میں رات گزاری کہ میں مخصوص دروازوں کی سیل توڑتا رہا'' تو سلیمان نے کہا کہ (اے فرزدق!) تم پر حد (شرعی سزا) جاری کرنا واجب ہو گئی ہے' تو فرزدق نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حد دور کر دی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ

(شعراء) جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

۲۲۷- پھر اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمان شعراء کو (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے مستثنیٰ (الگ) قرار دیا: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے جیسے حضرت عبد اللہ بن رواحہ حضرت حسان بن ثابت حضرت کعب بن زہیر اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اور قرآن مجید کی تلاوت ان پر اشعار پڑھنے سے زیادہ غالب تھی اور جب وہ شعر کہتے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی حمد وثناء حکمت و دانائی وعظ ونصیحت زہد وتقویٰ ادب رسولِ خدا کی مدح ونعت اور صحابہ کرام و بزرگانِ اُمت کی شان میں کہتے تھے اور اسی طرح کے اُمور میں شعر کہتے تھے جن میں گناہ نہ ہوتا اور حضرت ابویزید نے کہا: ذکر کثیر گنتی اور غفلت کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ بے گنتی اور حضورِ قلب کے ساتھ ہوتا ہے ﴿وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا﴾ اور ظلم برداشت کرنے کے بعد بدلا لیا یعنی پہلے کفار کی طرف سے مسلمانوں کی ہجو اور مذمت کی گئی اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی ہجو اور مذمت بیان کر کے بدلا لے لیا یعنی مسلمان شاعروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کی ہجو کا جواب دے کر ہجو کو انہیں پر لوٹا دیا اور حقیقت میں ہجو و مذمت کا حق دار وہی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کی ہجو کی اور حضرت کعب بن مالک سے منقول ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کفار کی ہجو و مذمت بیان کرو کیونکہ یہ ہجو ان پر تیروں کی مار سے زیادہ سخت ہوتی ہے[1] اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کرتے تھے: ''قُلْ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ'' (اے حسان!) تم کفار کی ہجو میں کہو اور پاک روح (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) تمہارے ساتھ ہیں[2] اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام ایسے کلام کے ساتھ فرمایا جو تدبر کرنے والوں کے جگر چھلنی کر دیتا ہے اور وہ یہ ایک ارشاد ہے کہ ﴿وَسَيَعْلَمُ﴾ اور عنقریب جان لیں گے اور اس میں زبردست وعید (دھمکی) ہے اور یہ ارشاد ہے کہ ﴿ظَلَمُوا﴾ جنہوں نے ظلم کیا اور اس کے اطلاق وعموم نے وعید کی مزید تاکید کر دی ہے اور یہ ارشاد ہے کہ ﴿أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ کون سی پلٹنے کی جگہ میں لوٹ کر جائیں گے اور اس کے ابہام میں بھی زبردست وعید ہے اور حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تھی جب ان سے خلافت کا عہد لیا تھا اور سابق بزرگانِ دین اسی کے ساتھ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عطاء نے فرمایا: عنقریب ہمارے (اسلامی) طریقے سے روگردانی کرنے والے جان لیں گے کہ انہوں نے ہم سے کیا کچھ کھویا [''ایّ''، ''ینقلبون'' کی وجہ سے مصدر کی بناء پر منصوب ہے ''سَيَعْلَمُ'' کے متعلق نہیں ہے کیونکہ استفہام کے اسماء میں ان کا ماقبل عمل نہیں کرتا ''ای ینقلبون ایّ انقلاب'' ہے۔ واللہ اعلم]۔

رکوعاتہا ۷　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○　سورۃ النمل مکیۃ ۲۷

سورۃ النمل مکی ہے　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ترانوے آیات سات رکوع ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

[1] اخرجہ عبد الرزاق وابن سعد فی الطبقات حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۳۴۵

[2] رواہ البخاری فی کتاب بدء الخلق باب: ۶ مسلم فی کتاب الفضائل حدیث: ۱۵۳ احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۲۸۶

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ
وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

طٰسٓ یہ قرآن اور بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں O مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہیں O جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں O بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے ہیں' سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے O اور بے شک آپ کو البتہ یہ قرآن سب سے بڑی حکمت و دانائی والے سب کچھ جاننے والے کی طرف سے تلقین کیا جاتا ہے O

## قرآن مجید کی شان اور ایمان لانے اور نہ لانے والوں کا انجام

۱- ﴿طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہ قرآن مجید اور بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں یعنی بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں اور ''تِلْكَ'' سے اس سورۃ کی آیاتِ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے اور ''کتاب مبین'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے اور اس کتاب (لوحِ محفوظ) کا بیان کرنا یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ اس میں لکھ دیا گیا ہے' سو یہ لوحِ محفوظ نظر رکھنے والوں اور اس میں دیکھنے والوں کے لیے اس کو خوب بیان کرتی ہے یا ''کتاب مبین'' سے قرآن مجید مراد ہے اور اس کا بیان کرنا یہ ہے کہ اس میں جتنے علوم اور حکمتیں ودیعت کی گئی ہیں ان کو یقیناً بیان کرتا ہے [اور اس صورت میں اس کا قرآن پر عطف اس طرح ہوگا' جس طرح دو صفتوں میں سے کسی ایک کا دوسری صفت پر عطف ہوتا ہے' جیسے ''هٰذَا فِعْلُ السَّخِيِّ وَالْجَوَّادِ'' ہے اور ''کتاب'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس کی تعظیم و تکریم میں اضافہ ہو جائے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ بے شک ''کتاب'' یہاں نکرہ اور سورۂ حجر میں معرفہ اور قرآن مجید کو یہاں معرفہ اور وہاں نکرہ صرف اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ قرآن اور کتاب اس کلامِ الٰہی کے دونوں اسم علم ہیں' جو حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور یہ دونوں اس کے وصف بھی ہیں کیونکہ یہ کلام مبارک پڑھا بھی جاتا ہے اور لکھا بھی جاتا ہے' پس جہاں تعریف کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہ اسم علم ہے اور جہاں نکرہ کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہ وصف ہے]۔

۲- ﴿هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہیں [''ایات'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں ''ای هادیة ومبشرة''] یعنی یہ آیات ہدایت دینے والی اور خوشخبری دینے والی ہیں اور اس میں عامل وہی ہے جو ''تِلْكَ'' میں اشارہ کے معنی کے لیے آتا ہے یا ''کِتَاب'' سے بدل ہونے یا اس کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہیں یا ''هِيَ هُدًى وَّبُشْرٰى'' (یعنی ''هي'' ضمیر مبتدا ہے اور ''هُدًى وَّبُشْرٰى'' اس کی خبر) ہونے کی بناء پر یا ''ایات'' سے بدل ہونے کی بناء پر یا ''تِلْكَ'' کی خبر کے بعد دوسری خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں ''اَیْ تِلْكَ اٰیَاتٌ وَّهَادِیَةٌ مِّنَ الضَّلَالَةِ وَمُبَشِّرَةٌ بِالْجَنَّةِ'' یعنی یہ قرآن کی آیتیں ہیں اور گمراہی سے ہدایت دینے والی ہیں اور جنت کی خوشخبری سنانے والی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قرآنی آیات ہدایت تو تمام مخلوق کے لیے ہیں اور خوشخبری خاص مسلمانوں کے لیے ہیں]۔

۳- ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ جو نماز کو قائم کرتے ہیں (یعنی) وہ نماز کو اس کے فرائض و واجبات اور سنن کے

115 ساتھ پورے صحیح طریقے پر ہمیشہ ادا کرتے ہیں ﴿ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں (یعنی) وہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ''یُؤْتُوْنَ'' بہ معنی ''یُؤَدُّوْنَ'' ہے ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴾ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔[ یہ موصول کے صلہ کا تتمہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ اس کے پاس پورا ہو گیا ہو اور یہ جملہ مستأنفہ ہو ] گویا کہا گیا ہے: اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان دار ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں یعنی نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس میں مبتدا کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' جو ''هُمْ'' ہے یہاں تک کہ اس کا معنی یہ ہو گیا ہے کہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے جیسا یقین کا حق ہے مگر یہی لوگ جو ایمان اور نیک عمل کے جامع ہیں کیونکہ آخرت کا خوف انہیں مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے پر راغب کرتا ہے۔

٤- ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ہم نے ان میں شہوات کو پیدا کر کے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے' یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اعمال کو اچھا سمجھ لیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا'' (الفاطر:۸) ''تو کیا اس کا بُرا عمل اس کے لیے آراستہ کر دیا گیا ہے کہ اس نے اسے اچھا سمجھ لیا''۔ ﴿ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ﴾ پس وہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں' جیسا کہ راہِ راست سے گمراہ ہو جانے والے کا حال ہوتا ہے۔

٥- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے' جیسے غزوۂ بدر کے دن قتل ہونا اور قید ہونا ہے' یہ بُرا عذاب ان سے صادر ہونے والے بُرے اعمال کا بدلا ہے ﴿ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے (یعنی) تمام لوگوں سے زیادہ سخت نقصان اٹھائیں گے کیونکہ اگر وہ ایمان لے آتے تو تمام سابقہ امتوں پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جاتے' پس انہوں نے اس نقصان کے ساتھ نجات اور ثوابِ الٰہی کا نقصان بھی اٹھایا۔

٦- ﴿ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ ﴾ اور بے شک البتہ تمہیں قرآن مجید دیا جاتا ہے اور وہ تمہیں تلقین کیا جاتا ہے ﴿ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴾ کتنے بڑے حکمت والے اور کتنے بڑے علم والے کے پاس سے اور ان دونوں کے نکرہ ہونے کا یہی معنی ہے اور اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ کے بعد جو واقعات وقصص بیان کرنا چاہتا ہے اور ان میں جو کچھ اس کی حکمت کے لطائف اور اس کے علم کے دقائق بیان ہوں گے' ان سب کے لیے یہ آیت مبارکہ تمہید ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸ یٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱

جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے' میں ابھی تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں یا میں

تمہارے پاس روشن انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم تاپو○ پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز دی گئی کہ جو آگ کی جگہ میں ہے اور جو اس کے اردگرد کی جگہ میں ہے وہ متبرک بنادیا گیا ہے' اور اللہ تعالیٰ پاک ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے○ اے موسیٰ! بے شک میں سب پر غالب بہت حکمت والا اللہ ہوں○ اور تم اپنا عصا ڈال دو' پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ متحرک ہو کر لہرا رہا ہے گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس لوٹے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے فرمایا:) اے موسیٰ! مت ڈرو' بے شک میرے پاس رسولوں کو خوف نہیں ہوتا○ مگر جس نے حد سے تجاوز کیا' پھر بُرائی کے بعد نیکی سے بدل ڈالا تو بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں○

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور فرعونیوں کے انجام کا تذکرہ

۷۔ ﴿اِذْ﴾ یہ ''اُذْکُرْ'' کی وجہ سے منصوب ہے (ترجمہ آگے آرہا ہے) گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کے آثار میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ لیجئے اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا (یعنی) جس وقت آپ مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی سے اور ان سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے کہ ﴿اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ ''اٰنَسْتُ'' بہ معنی ''اَبْصَرْتُ'' ہے ﴿سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ میں ابھی تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں (یعنی) راستے کا حال تلاش کر کے آتا ہوں کیونکہ آپ راستہ بھول چکے تھے ﴿اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ﴾ یا میں تمہارے پاس کوئی چنگاری لے آؤں یعنی سفید چمکتا ہوا شعلہ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''بِشِهَابٍ'' تنوین کے ساتھ ہے] ﴿قَبَسٍ﴾ روشن آگ [یہ ''شِهَابٍ'' سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے' کوفیوں کے علاوہ کے نزدیک اضافت کے ساتھ ''بِشِهَابِ قَبَسٍ'' (''بَا'' کے نیچے تنوین نہیں) ہے کیونکہ آگ کبھی شعلہ زن ہوتی ہے اور کبھی شعلہ زن نہیں ہوتی] اور یہاں ''سَاٰتِیْكُمْ'' کے درمیان اور سورۂ قصص میں ''لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ'' کے درمیان تنافی نہیں ہے باوجود یکہ ان میں سے ایک امید کے معنی میں ہے اور دوسرا یقین کے لیے ہے' اس لیے کہ امیدوار کی امید جب پکی ہو جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں عنقریب فلاں کام کروں گا اور عنقریب فلاں کام ہو جائے گا' حالانکہ اس میں ناکامی کا ہونا بھی جائز ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استقبال کی سین لا کر اپنی بیوی سے وعدہ فرمایا کہ آپ ان کے پاس خبر ضرور لائیں گے' اگرچہ دیر ہو جائے گی یا مسافت دور کی تھی اور ''اَوْ'' اس لیے استعمال کیا کہ انہوں نے امید کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ اگر وہ اپنی دونوں حاجتوں میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے تو کم از کم ان میں سے ایک تو ضرور حاصل ہو جائے گی یا تو راستے کی رہنمائی اور یا پھر آگ کی چنگاری اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ آگ کے پاس اپنی دونوں حاجتیں مکمل طور پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور وہ دونوں دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت کا حصول ہے اور ان دونوں سورتوں میں الفاظ مختلف ہیں اور قصہ ایک ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے اور فارسی میں نماز جائز ہے[1] اور نکاح اور تزویج کے لفظ کے بغیر نکاح جائز ہے ﴿لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تا کہ تم اس سردی سے بچنے کے لیے آگ تاپو جو تمہیں پہنچی ہے [''تَصْطَلُوْنَ'' میں ''طَا'' باب افتعال کی ''تَا'' سے تبدیل ہوئی ہے' صاد کی وجہ سے]۔

۸۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے یعنی اس آگ کے پاس آئے جس کو انہوں نے دور سے دیکھا تھا ﴿نُوْدِیَ﴾ تو حضرت موسیٰ کو پکار کر آواز دی گئی ﴿اَنْۢ بُوْرِكَ﴾ کہ متبرک بنادیا گیا ہے [اس میں

[1] مگر فتویٰ فارسی میں نماز کے ناجائز ہونے کا ہے' جس کی مختصر وضاحت سورۃ الشعراء: ۱۹۶ کی تفسیر کے حاشیہ میں کر دی گئی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

''اَنْ'' ثقیلہ (مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) بنادیا گیا ہے اس کی مقدر عبارت ہے: ''نُوْدِیَ مُوْسٰی بِاَنَّهٗ بُوْرِكَ'' حضرت موسیٰ کو آواز دی گئی کہ بابرکت بنادیا گیا ہے۔اس میں ضمیر شان کی ہے اور یہ بغیر عوض کے جائز ہے اور اگر چہ علامہ زمخشری نے اس کو منع کیا ہے اس لیے کہ ''بُوْرِكَ'' دعا ہے اور دعا بہت سے احکام میں اپنے غیر کے خلاف ہوتی ہے یا ''اَنْ'' مفسرہ ہے کیونکہ ندا میں قول کا معنی موجود ہے یعنی حضرت موسیٰ سے کہا گیا: ''بُوْرِكَ'' بابرکت بنادیا گیا ہے یعنی مقدس ومحترم بنادیا گیا ہے یا اس میں خیر وبرکت رکھ دی گئی ہے ] ﴿مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ جو آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے یعنی جو آگ کی جگہ میں ہیں اور وہ فرشتے ہیں اور جو اس کی جگہ کے اردگرد ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں دینی معاملات کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانا ہے اور انہیں نبوت کی اطلاع دینا اور اس جگہ پر معجزات کا اظہار کرنا ہے ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ہر عیب سے خصوصاً انسان کے کلام کے مشابہ کلام کرنے اور آواز دینے سے پاک ہے۔بے شک اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ہر اس عیب سے پاکیزگی بیان کی ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے جیسے تشبیہ وغیرہ۔

۹۔﴿یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اے موسیٰ! بے شک شان یہ ہے کہ میں اللہ ہوں بہت غالب بڑا حکمت والا ہوں [''اِنَّهٗ'' میں ضمیر شان کی ہے اور ''اَنَا اللّٰهُ'' مبتدا خبر ہیں اور ''الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ'' دونوں خبر کی صفت ہیں یا یہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر ماقبل کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی بے شک آپ سے کلام کرنے والا میں اللہ تعالیٰ ہوں بہت غالب بڑی حکمت والا ہوں اور ''اَللّٰهُ'' ''اَنَا'' کا بیان ہے اور ''العزیز الحکیم'' ''مُبَیَّن'' کی دو صفتیں ہیں] اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جو معجزہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اس کی یہ تمہید ہے۔

۱۰۔﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ﴾ اور آپ اپنا عصا ڈال دیں تا کہ آپ کو اپنا معجزہ معلوم ہو جائے اور اپنے اس معجزہ سے مانوس ہو جائیں [اور یہ ''بُوْرِكَ'' پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر آواز دی گئی کہ جو آگ کی جگہ ہے اور جو اس کے اردگرد کی جگہ ہے اسے بابرکت بنادیا گیا ہے اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے اور یہ دونوں (یعنی ''اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّار'' اور ''وَاَلْقِ عَصَاكَ'') ''نُوْدِیَ'' کی تفسیر ہیں پس اب معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ جو آگ کی جگہ ہے اسے بابرکت بنادیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے اور اس پر سورۃ القصص کا (درج ذیل) کلام پاک دلالت کرتا ہے جیسے فرمایا: ''اَنْ یّٰمُوْسٰی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' (القصص:۳۰) ''اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔اس کے بعد حرف تفسیر (اَنْ) کے تکرار کے ساتھ فرمایا: ''وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ'' (القصص:۳۱) ''اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دیجئے''۔﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ حرکت کرتے ہوئے لہرا رہا ہے [''تَهْتَزُّ'' ''رَاٰهَا'' سے حال ہے] ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا وہ چھوٹا سانپ ہے [یہ ''تَهْتَزُّ'' سے حال ہے] ﴿وَّلّٰی مُدْبِرًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر واپس لوٹے یعنی حضرت موسیٰ نے اس سے منہ پھیر لیا اور سانپ کے حملہ کر دینے کے خوف سے اس کی طرف پشت کر کے واپس چل پڑے ﴿وَلَمْ یُعَقِّبْ﴾ اور مڑ کے نہ دیکھا یا واپس نہ لوٹے۔''قَدْ عَقَّبَ فُلَانٌ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص لڑتے ہوئے پیٹھ پھیر کر واپس لوٹ آئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر آواز دی گئی کہ ﴿یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے موسیٰ! مت ڈرو بے شک میرے ہاں پیغمبر نہیں ڈرتے یعنی میرے پاس رسولانِ کرام اس وقت خوف نہیں کرتے جب میں ان سے مخاطب ہوتا ہوں یا میرے ہاں پیغمبر میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

۱۱-﴿اِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ مگر جس نے ظلم کیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ جس نے ظلم کیا کیونکہ انبیائے کرام ظلم نہیں کرتے یا یہ معنی ہے کہ ان میں سے جس نے حد سے بڑھ کر بے محل کام کیا' جو پیغمبروں سے لغزش میں واقع ہو گیا' پس پیغمبر سے ایسا کام واقع ہو گیا' جس کی اسے اجازت نہیں دی گئی تھی اور یہ کام انہیں کاموں میں سے تھا' جو انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے جائز ہوتے جیسے حضرت آدم' حضرت یونس' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام سے تقصیر واقع ہوئی تھی ﴿ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ﴾ پھر اس نے برائی کے بعد نیکی سے بدل دیا یعنی لغزش کے بعد توبہ کر لی ﴿فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں کہ میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور اس کی لغزش کو بخش دیتا ہوں اور میں اس پر رحم و کرم کرتا ہوں' سو میں اس کی آرزو کو پورا کرتا ہوں اور گویا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر تعریض ہے جو انہوں نے قبطی کو قتل کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ "رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَ لَهٗ" (القصص:۱۶) "اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' پس آپ مجھے بخش دیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا"۔

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۟ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ۚ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع

اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا' نو معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف (تمہیں بھیجا جاتا ہے) بے شک وہ فاسق و نافرمان قوم تھے ○ سو جب ان کے پاس ہماری روشن آیات آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے ○ اور انہوں نے ظلم و تکبر کے سبب ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا ○

۱۲-﴿وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کیجئے' یعنی اپنے کُرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کیجئے اور پھر اسے نکال لیجئے ﴿تَخْرُجْ بَیْضَآءَ﴾ تو وہ چمکتا ہوا روشن نکلے گا اور سورج کی روشنی پر غالب آ جائے گا ﴿مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ﴾ برص وغیرہ کی بیماری سے بے عیب ["بَیْضَآءَ" اور "مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ" دونوں "تَخْرُجْ" سے حال واقع ہو رہے ہیں] ﴿فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ﴾ نو معجزات کے ساتھ [اور یہ مستقل الگ کلام ہے اور حرف "فِیْ" فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے "اَیْ اِذْهَبْ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ"] یعنی نو معجزات کے ساتھ (فرعون اور اس کی قوم کی طرف) چلے جایئے یا یہ معنی ہے کہ اپنا عصا ڈال دیجئے اور اپنا ہاتھ اپنے کُرتے کے گریبان میں داخل کر لیجئے (یہ دونوں) نو معجزات میں شامل ہیں ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ﴾ فرعون اور اس کی قوم کی طرف [حرف "اِلٰی" محذوف کے ساتھ متعلق ہے "اَیْ مُرْسَلًا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ"] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس قوم کی طرف بھیجا گیا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ نافرمان تھے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلنے والے اور اس کے ساتھ کفر کرنے والے تھے۔

۱۳-﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں آئیں یعنی ہمارے واضح اور روشن

معجزات جنہیں آنکھیں کھولنے والا بنایا گیا اور یہ حقیقت میں تامل کرنے والوں اور ان میں غور کی نگاہ سے دیکھنے والوں اور ان میں سوچ و بچار کرنے والوں کے لیے روشن و واضح معجزات ہیں یا انہیں ایسا واضح کر کے بھیجا گیا ہے کہ وہ گویا آنکھیں کھول دیتے ہیں اور ہدایت نظر آ جاتی ہے کیونکہ اندھا اور نابینا شخص ہدایت حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا تو وہ دوسروں کو کیسے ہدایت دے گا اور اسی سے ''کلمة عوراء'' ہے کیونکہ اچھا کلمہ رہنمائی کرتا اور بُرا کلمہ گمراہ کرتا ہے ﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ انہوں نے کہا: یہ کھلا جادو ہے' غور و فکر کرنے والے کے لیے اس کا جادو ہونا ظاہر و عیاں ہے اور اس میں ''مُبْصِرَةً'' کے مقابلے میں ''مُبِیْن'' بولا گیا ہے۔

۱۴- ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾ اور انہوں نے ان معجزات کا انکار کر دیا۔ بعض نے کہا کہ ''جُحُوْد'' کا معنی انکار ہے اور کبھی کسی چیز کا انکار اس سے جہالت کی بناء پر ہو جاتا ہے اور کبھی جان پہچان کے بعد محض ضد اور حسد کی بناء پر بھی انکار ہو جاتا ہے جیسا کہ ''شرح التأویلات'' میں ذکر کیا گیا ہے اور ''دیوان'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ ''جَحَدَ حَقَّهٗ'' اور ''جَحَدَ بِحَقِّهٖ'' کا ایک معنی ہے ﴿وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا [اس میں واؤ حال کے لیے اور اس کے بعد ''قَدْ'' مضمر ہے اور ''اِسْتِیْقَان'' ''اِیْقَان'' سے زیادہ بلیغ ہے] یعنی انہوں نے اپنی زبانوں کے ساتھ معجزات کا انکار کر دیا لیکن انہوں نے اپنے دلوں میں یقین کر لیا تھا ﴿ظُلْمًا﴾ ظلم سے' اور ان کے ظلم سے بڑھ کر کن کا ظلم بُرا ہو گا جنہیں دل میں یقین ہو کہ بے شک یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں' پھر وہ ان کو کھلم کھلا جادو کہہ دیں [''ظُلْمًا''، ''جَحَدُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿وَّعُلُوًّا﴾ اور جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے' ان پر ایمان لانے سے تکبر و غرور اور بڑائی کی بناء پر (انہوں نے انکار کیا) ﴿فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ سو دیکھئے فسادیوں کا انجام کیسا ہوا' اور وہ یہ کہ یہاں دنیا میں ان کو غرق کیا گیا اور وہاں آخرت میں آگ کے عذاب میں جلائے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا' اور دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی O اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے عطا کیا گیا ہے' بے شک یہ البتہ واضح فضیلت ہے O اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جنوں' انسانوں اور پرندوں میں سے جمع کیے گئے' پھر وہ ترتیب وار روکے جاتے ہیں O یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' تمہیں سلیمان اور اس کا لشکر روند نہ ڈالے' اور انہیں معلوم نہ ہو O

## حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی علمی شان اور شکر گزاری کا بیان

۱۵- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا﴾ اور البتہ بے شک ہم نے دیا" اَیْ اَعْطَیْنَا "یعنی ہم نے عطا فرمایا ﴿دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا﴾ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو علم سے کچھ حصہ یا بہت بلند رتبہ علم عطا فرمایا اور اس علم سے دین کے احکام و شرائع کا علم اور حکم دینے اور فیصلہ جات کرنے کا علم مراد ہے ﴿وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی اور یہ آیت مبارکہ ہمارے لیے ترک اصلح کے مسئلہ میں معتزلہ کے خلاف حجت ہے[1]

[اور یہاں عبارت محذوف ہے تاکہ واؤ کا عطف صحیح ہو جائے اور اگر محذوف مقدر نہ مانا جائے تو پھر "فا" آنا چاہیے تھا جیسے یہ مقولہ ہے کہ "اَعْطَيْتُهٗ فَشَكَرَ" میں نے اسے کوئی نعمت عطا کی تو اس نے شکر ادا کیا اور مقدر عبارت یہ ہے: "اٰتَيْنَاهُمَا عِلْمًا فَعَمِلَا بِهٖ وَعَلِمَاهُ وَعَرِفَا حَقَّ النِّعْمَةِ فِيْهِ"] ہم نے ان دونوں کو علم عطا فرمایا تو انہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی قدر جانی اور اس میں نعمت کا حق پہچانا "وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا" اور انہوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں فضیلت و بزرگی عطا فرمائی اور جن بہت سے انسانوں پر انہیں فضیلت دی گئی ہے یہ وہ ہیں جنہیں بالکل علم عطا نہیں کیا گیا یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم تو دیا گیا ہے لیکن ان دونوں کے علم جیسا انہیں نہیں دیا گیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں پیغمبروں کو بہت سے لوگوں پر فضیلت و بزرگی دی گئی اور بہت سے حضرات (انبیاء و رسل) کو ان دونوں پر فضیلت و بزرگی دی گئی اور یہ آیت مبارکہ علم کی اور علماء کی فضیلت و بزرگی اور شرف و کمال کی دلیل ہے اور اہل علم کو راہبر و رہنما بنانے کی دلیل ہے اور بے شک علم کی نعمت بزرگ ترین اور عالی شان نعمتوں میں سے ہے اور بے شک جس کو علم کی دولت و نعمت عطا کی گئی اسے اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں پر فضیلت و بزرگی عنایت کی گئی اور ان کو رسول اللہ ﷺ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا اس لیے وارث قرار دیا ہے کہ یہ حضرات علم کے شرف و مرتبہ میں ان کے مقرب ہیں کیونکہ جس مقصد کے لیے انبیائے کرام کو بھیجا گیا ہے اس کے نگران و مبلغ یہی علمائے کرام ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ علمائے اسلام پر اس عظیم الشان نعمتِ علم کی وجہ سے واجب و لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے عطا کیے جانے پر حمد و ثناء بیان کیا کریں اور اس کا شکر ادا کیا کریں اور ہر عالم یہ اعتقاد رکھے کہ جس طرح اسے بہت سے لوگوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے اسی طرح اس پر کئی اہل علم حضرات کو فضیلت عطا کی گئی ہے اور اس کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ عالی شان کس قدر بہترین رہنمائی کرتا ہے آپ نے فرمایا: "كُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ" ہر انسان عمر سے زیادہ فقیہ (یعنی علم دین میں زیادہ ماہر) ہے۔

---

[1] اہل سنت کے نزدیک تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تحت داخل ہیں اس لیے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں خواہ وہ افعالِ خیر ہوں یا افعالِ شر کیونکہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" (الصافات: ۹۶) "اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے"۔ اور کسی بھی چیز کی تخلیق سے پہلے اس کے لیے مشیت و ارادہ کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (یٰسین: ۸۲) "بے شک اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے"۔ لہٰذا تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں لیکن اسے پسند صرف نیک اعمال ہوتے ہیں جب کہ معتزلہ کے نزدیک صرف افعالِ خیر اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں حالانکہ ان کا یہ نظریہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ غوثوی مہاروی

۱۶۔ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے باقی تمام بیٹوں کی بجائے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت وسلطنت میں ان کے وارث ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس (۱۹) بیٹے تھے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے باپ کی طرح نبوت عطا کی گئی تو گویا آپ اپنے باپ کے نبوت میں وارث ہوئے کیونکہ نبوت مال و دولت کا وارث نہیں بناتی ﴿وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ یہ بات آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس عالی شان نعمت کی تشہیر کے لیے اور اس کی عظمت کے اعتراف کے لیے اور اس معجزہ کا ذکر کر کے اس کی تصدیق کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے بیان فرمائی اور وہ معجزہ پرندوں کی بولیاں جاننا ہے اور ''منطق'' ہر وہ آواز ہے جو منہ سے نکالی جائے' خواہ مفرد ہو خواہ مرکب' مفید ہو خواہ غیر مفید' اور حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں اس طرح جانتے تھے' جس طرح وہ ایک دوسرے کی بولی جانتے تھے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فاختہ نے (کسی تکلیف کی وجہ سے) چیخ ماری تو حضرت سلیمان نے بتایا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ کاش! یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی اور مور نے چیخ ماری تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ جیسا تم کرو گے ویسا ہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا (یعنی جیسے کرنی ویسے بھرنی) اور ہدہد چیخا تو فرمایا: یہ کہتا ہے کہ اے گناہ گارو! اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو' اور خطاف (لمبے بازوؤں اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ رنگ کا پرندہ جسے عصفور الجنۃ کہا جاتا ہے) چیخا تو فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ میرے بلند و بالا پروردگار کی پاکی زمین و آسمان کے برابر ہے اور قمری چیخی تو آپ نے بتایا: یہ کہہ رہی ہے کہ میرا بلند و بالا پروردگار ہر عیب سے پاک ہے اور فرمایا کہ چیل کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز فنا ہو جائے گی اور جنگلی کبوتر کہتا ہے: ''مَنْ سَكَتَ سَلِمَ'' جو خاموش رہا وہ سلامت رہا' اور مرغ کہتا ہے: اے غافلو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور گدھ کہتی ہے: اے ابن آدم! جس طرح چاہے زندگی گزار لیکن آخر کار تیرا انجام موت ہے اور عقاب کہتا ہے کہ (برے) لوگوں سے دور رہنا اچھا ہے اور مینڈک کہتا ہے کہ میرا مقدس و پاک پروردگار ہر عیب سے منزہ اور بری ہے ﴿وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے' اس سے عطا کردہ چیزوں کی کثرت مراد ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ ''فُلَانٌ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ'' کہ فلاں آدمی ہر چیز (یعنی بہت کچھ) جانتا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' (النمل: ۲۳) اور ملکہ بلقیس کو ہر چیز (یعنی بہت کچھ) دی گئی''۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ بے شک یہ البتہ بہت بڑی واضح فضیلت و بزرگی ہے۔ یہ ارشاد بہ طور شکر وارد ہوا ہے جیسے حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: ''اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ'' کہ میں تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور یہ فخریہ نہیں[1] یعنی میں یہ بات بہ طورِ شکر کہہ رہا ہوں بہ طورِ فخر نہیں کہتا [واحد مطاع حکمران کے لیے نون ضمیر جمع تعظیم کے لیے آتی ہے] اور حضرت سلیمان علیہ السلام فرماں بردار رعایا کے بادشاہ تھے' سو آپ نے اپنے فرماں برداروں سے اپنی شان کے مطابق گفتگو فرمائی' جس شان پر متمکن تھے اور اس سے تکبر لازم نہیں آتا۔

۱۷۔ ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں' انسانوں اور پرندوں میں اس کے لشکر جمع کیے گئے اور ''حُشِرَ'' بہ معنی ''جُمِعَ'' ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی لشکر گاہ تین سو میل لمبی اور تین سو میل چوڑی تھی' جن میں سے پچھتر میل جنوں کے لیے اور پچھتر میل انسانوں کے لیے اور پچھتر میل پرندوں کے لیے اور پچھتر میل وحشی جانوروں کے لیے تھی اور لکڑیوں پر شیشوں کے تعمیر کردہ ایک ہزار گھر آپ کے لیے بنائے گئے تھے' جن میں تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں رہائش پذیر رہتیں اور جنوں نے آپ کے لیے سونے

[1] رواہ الحاکم ج ۱ ص ۳۰

اور ریشم سے ایک قالین تیار کیا تھا' جو تین میل لمبا اور تین میل چوڑا تھا اور سونے اور چاندی سے تیار کردہ آپ کا منبر اس قالین کے درمیان میں رکھا جاتا تھا' پھر آپ اس پر بیٹھتے تھے اور اس کے اردگرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں' پھر سونے کی کرسیوں پر نائبین (وزراء وغیرہم) بیٹھا کرتے اور چاندی کی کرسیوں پر علمائے کرام بیٹھا کرتے اور ان کے اردگرد انسان ہوتے اور انسانوں کے اردگرد جن ہوا کرتے اور جنوں کے اردگرد شیاطین ہوا کرتے تھے اور پرندے آپ پر اپنے پروں کے ساتھ سایا کرتے تھے تاکہ آپ پر سورج کی دھوپ نہ پڑے اور اس پورے لشکر کو قالین سمیت بادِ صبا اٹھا کر چلتی تھی' جو ایک ماہ کے برابر سفر کرتی رہتی تھی اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تیز ہوا کو حکم دیتے کہ وہ آپ کے تخت کو اٹھائے اور نرم ہوا کو حکم دیتے کہ وہ اس تخت کو فضا میں چلائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی جب کہ آپ زمین و آسمان کے درمیان رواں دواں تھے کہ اے سلیمان! بے شک میں نے تیری سلطنت میں اضافہ کر دیا ہے اور اب کوئی شخص کوئی بات نہیں کرے گا' مگر ہوا اس کو آپ کے کانوں میں پہنچا دے گی' چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کا تخت فضا میں اُڑتا ہوا جا رہا تھا کہ آپ کا ایک کسان کے اوپر سے گزر ہوا' جو اس وقت کہنے لگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کو بہت بڑی بادشاہی عطا کی گئی ہے' کاش! مجھے بھی ایسی ہی بادشاہی عطا کی جاتی' چنانچہ ہوا نے کسان کی یہ بات آپ کے کانوں میں پہنچا دی تو آپ نیچے اُتر آئے اور کسان کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ تم ایسی آرزو نہ کیا کرو جس پر تمہیں اختیار نہیں' پھر فرمایا: تمہارا صرف ایک بار ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے' یہ اس بادشاہی سے تمہارے لیے بہتر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کو عطا کی گئی ہے ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ پھر انہیں اوّل سے لے کر آخر تک روک لیا جاتا ہے یعنی لشکر کے اگلے حصے کو روک لیا جاتا تاکہ لشکر کے دوسرے حصے ساتھ مل جائیں اور وہ سب جمع ہو جائیں اور یہ عمل لشکر کی بہت بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور ''وَزْعٌ'' کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اسی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جس قدر قرآن مجید (اپنے پڑھنے والے کے لیے دوزخ سے آڑ اور) روک بنے گا اس سے زیادہ بادشاہ کسی کے لیے روک نہیں بن سکتا۔

۱۸- ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ﴾ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس آ گئے یعنی وہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس پہنچے اور یہ وادی ملک شام میں تھی' جس میں چیونٹیوں کی کثرت تھی [حرف ''علٰی'' کے ساتھ اس لیے فعل کو متعدی کیا گیا ہے کہ یہ حضرات اوپر سے آ رہے تھے' پس حرف استعلا (بلندی) کے ساتھ فعل لایا گیا] ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ﴾ ایک لنگڑی چیونٹی نے کہا: جسے طاخیہ یا منذرہ کہا جاتا تھا' اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ کوفہ کے شہر میں گئے تو وہاں کے لوگ جوق در جوق ملاقات کے لیے آئے' چنانچہ حضرت قتادہ نے فرمایا: تم جو چاہو مجھ سے سوال پوچھ لو' تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اس وقت نوجوان تھے' انہوں نے حضرت قتادہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کے بارے میں سوال کیا کہ آیا وہ مذکر (نر) تھی یا مؤنث (مادہ) تھی؟ حضرت قتادہ خاموش ہو گئے تو حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ مؤنث (مادہ) تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''قَالَتْ نَمْلَةٌ'' اگر وہ چیونٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ''قَالَ نَمْلَةٌ'' ارشاد فرماتا' اور بہر حال یہ اس لیے کہ ''نَمْلَة''، ''حَمَامَة'' کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں پر بولی جاتی ہے' چنانچہ مذکر اور مؤنث کے درمیان کسی علامت سے فرق واضح کیا جاتا ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''حَمَامَةٌ ذَكَرٌ'' نر کبوتر

اور ''حَمَامَةٌ اُنْثٰی'' مادہ کبوتری نیز کبوتر کے لیے ''ھُوَ'' مذکر کی ضمیر اور کبوتری کے لیے ''ھِیَ'' مؤنث کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ﴾ اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ [اور اس چیونٹی نے فعل مؤنث ''اُدْخُلْنَ'' نہیں بولا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ''قائلة'' اور چیونٹیوں کو ''مقول لھم'' قرار دیا ہے جیسا کہ ذوی العقول میں ان کو مذکر کے قائم مقام قرار دے کر خطاب کیا جاتا ہے] ﴿ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ﴾ تمہیں حضرت سلیمان اور اس کا لشکر روند نہ ڈالیں یعنی وہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیں اور ''حطم'' کا معنی توڑنا ہے [اور یہ فعل نہی ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے] اور یہ بہ ظاہر تو حضرت سلیمان اور اس کے لشکر کے روندنے سے نہی (منع کرنا) ہے اور حقیقت میں ان کو گھروں سے باہر نکلنے اور راستوں میں ٹھہرنے سے نہی (منع کرنا) ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''لَا اُرِیَنَّكَ ھٰهُنَا'' میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں یعنی تم اس جگہ حاضر نہ رہو [اور بعض نے فرمایا: یہ امر کا جواب ہے حالانکہ یہ قول ضعیف و کمزور ہے' اس لیے کہ اسے نون تاکید رد کر دیتا ہے کیونکہ یہ شعر کی ضروریات میں سے ہے] بعض حضرات نے فرمایا کہ ''لَا یَحْطِمَنَّكُمْ'' سے حضرت سلیمان کا صرف لشکر مراد ہے لیکن ایسا کلام لایا گیا ہے جو سب سے زیادہ بلیغ ہے ﴿ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ محسوس نہ کر سکیں اور وہ تمہاری جگہ کو نہ جان سکیں یعنی اگر انہوں نے تمہیں جان لیا تو پھر وہ یہ کام نہیں کریں گے۔ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کی انصاف کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے یہ بات چیونٹیوں سے معذرت کے طور پر کہی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات تین میل دور سے سن لی تھی۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ⑲

سو سلیمان اس کی بات سے مسکرا کر ہنس دیئے اور کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں آپ کی ہر نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں نیک عمل کرتا رہوں' جس سے آپ راضی رہیں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما O

۱۹- ﴿ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ﴾ سو حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سے ہنس کر مسکرائے اور چیونٹی کی ہوشیاری اور اپنی برادری کی چیونٹیوں کو نصیحت کرنے اور ان کی مصلحتوں کے لیے ان کی رہنمائی کرنے پر آپ نے تعجب کیا یا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عدل و انصاف کے ظہور پر خوش ہوئے [اور ''ضَاحِكًا'' حال مؤکدہ ہے کیونکہ ''تَبَسَّمَ'' بہ معنی ''ضَحِكَ'' ہے] اور انبیائے کرام علیہم السلام کا اکثر ''ضحك'' تبسم ہی ہوتا ہے۔ علامہ زجاج نے بھی اسی طرح فرمایا ہے ﴿ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما (یعنی) مجھے الہام فرما اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے تمام چیزوں سے روک لے مگر اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق سے نہ روک ﴿ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ ﴾ کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں' کہ آپ نے مجھے نبوت و سلطنت اور علم کی نعمت عطا فرمائی ﴿ وَعَلٰی وَالِدَیَّ ﴾ اور میرے والدین پر' کیونکہ والدین پر انعام فرمانا اولاد پر انعام فرمانا ہوتا ہے ﴿ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾ اور میں ایسے نیک عمل کرتا رہوں کہ میری بقیہ ساری زندگی میں آپ مجھ پر

راضی رہیں ﴿وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ﴾ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل فرما یعنی مجھے جنت میں اپنی رحمت کے سبب داخل فرما' میرے نیک اعمال کے سبب نہیں کیونکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ﴿فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اپنے نیک بندوں میں یعنی مجھے اپنے انبیاء و رسل کی جماعت میں داخل فرما یا اپنے نیک بندوں کے ساتھ مجھے (جنت میں) داخل فرما۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آواز محسوس کی تھی' لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لشکر ہوا میں محو پرواز ہے یا زمین پر پیدل رواں دواں ہے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن کر ہوا کو حکم دیا تو وہ رک گئی تا کہ چیونٹیاں ڈر نہ جائیں یہاں تک کہ امن کے ساتھ اپنے گھروں میں داخل ہو جائیں' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعا مانگی تھی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کر کے جائزہ لیا تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' کیا وہ غائب ہو گیا ہے O البتہ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ ضرور میرے پاس (غیر حاضری کی) کوئی واضح دلیل پیش کرے O سو وہ زیادہ دیر لیٹ نہ ہوا' پس اس نے (حاضر ہو کر) کہا کہ میں ایسی چیز دیکھ کر آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھی اور میں آپ کے پاس سبا شہر کی ایک یقینی خبر لایا ہوں O بے شک میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا ہے جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسے ہر چیز میں سے حصہ عطا کیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک بہت بڑا تخت ہے O میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا ہے' پس اس نے انہیں سیدھے راستے سے روک دیا ہے' سو وہ ہدایت نہیں پاتے O

## ہدہد اور ملکہ بلقیس کا ذکر

۲۰-﴿وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کیا اور ہدہد کو نہ پایا تو فرمایا: کیا بات ہے اور "تفقد" کا معنی ہے: اپنے سے غائب چیز کو طلب کرنا [ابن کثیر مکی' علی کسائی اور عاصم کی قراءت میں "مَالِیَ" "یا" مفتوح کے ساتھ ہے جب کہ ان کے علاوہ کے ہاں "مَالِیْ" "یا" ساکن کے ساتھ ہے] ﴿لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ﴾ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' کیا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہو گیا ہے۔ ["اَمْ" بہ معنی "بَلْ" ہے] اور معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کر کے پہچان کی تو ان میں ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد

کو نہیں دیکھ رہا' اس معنی پر کہ ہدہد حاضر تو ہو لیکن کسی پردے کے حائل ہونے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آیا ہو یا اس کے علاوہ کوئی وجہ ہو' پھر آپ پر ظاہر ہو گیا ہو کہ ہدہد غائب ہے تو آپ نے پہلے کلام سے اعراض فرمالیا اور فرمانے لگے کہ بلکہ وہ تو غائب ہے اور ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے حج کر لیا تو یمن کی طرف تشریف لے گئے اور زوال کے وقت صنعاء میں پہنچے اور نیچے زمین پر اترے تا کہ نماز ظہر ادا کریں تو آپ نے وہاں پانی نہ پایا اور ہدہد آپ کو پانی بتایا کرتا تھا اور ہدہد پانی کو زمین کی گہرائی میں دیکھ لیا کرتا تھا جیسا کہ شیشے میں پانی دیکھا جاتا ہے اور ہدہد کی نشاندہی پر جنات زمین کھود کر پانی نکال لیتے تھے اور ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر مبارک پر سورج کی دھوپ کی ایک شعاع پڑی تو آپ نے اوپر دیکھا تو ہدہد کی جگہ خالی تھی اور آپ نے پرندوں کے نگران کو بلایا اور وہ گِدھ تھی اور آپ نے اس سے ہدہد کے بارے میں پوچھا تو اس سے ہدہد کے بارے میں معلوم نہ ہوا' پھر آپ نے پرندوں کے سردار سے فرمایا اور وہ شاہین تھا کہ ہدہد کو میرے پاس لاؤ' چنانچہ اس نے بلندی کی طرف پرواز کی تو اس نے ہدہد کو دیکھ لیا کہ وہ اچانک سامنے واپس آ رہا تھا اور شاہین نے اسے گرفتار کر کے لانا چاہا تو ہدہد نے اللہ تعالیٰ کی قسم دی تو شاہین نے اسے چھوڑ دیا اور ہدہد جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچا تو اپنے سر کو جھکا لیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر گھسیٹتا ہوا عاجزی کے ساتھ حاضر خدمت ہو گیا اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کھڑے ہونے کو یاد کیجئے' پس اس بات پر حضرت سلیمان پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے ہدہد کو معاف فرما دیا۔

۲۱۔ ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا﴾ البتہ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا کہ اس کے پروں کو نوچ کر اسے دھوپ میں ڈال دوں گا یا اس کو اس کے دوستوں اور پیاروں سے علیحدہ کر دوں گا یا اسے اس کے اپنے دوستوں کی خدمت پر لگا دوں گا یا اس کے دشمنوں کے ساتھ اسے قید کر دوں گا اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں قیدیوں کو دشمنوں کے ساتھ قید و بند میں تنگ کیا جاتا تھا یا اسے پنجرے میں بند کر دیا جائے گا یا اس کے پروں کو نوچ کر اسے چیونٹیوں کے سامنے پھینک دیا جائے گا تا کہ وہ اسے کھا جائیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہدہد کو سزا دینا جائز تھا کیونکہ انہوں نے ہدہد کو سزا دینے میں مصلحت دیکھی (تا کہ آئندہ بغیر اجازت غائب نہ ہو) جیسا کہ کھانے اور دیگر فوائد کی خاطر جانوروں اور پرندوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور جب پرندوں کو ان کے لیے مسخر کر دیا گیا اور تسخیر بغیر ادب سکھانے کے مکمل نہیں ہو سکتی تو ان کے لیے پرندوں کو ادب سکھانا اور انہیں قانون و قاعدے کا پابند بنانا جائز ہو گیا۔ ﴿اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ یا میں اسے ضرور ذبح کر دوں گا یا وہ میرے پاس ضرور کوئی واضح دلیل پیش کرے گا' جس میں اس کے غائب رہنے پر کھلم کھلا معقول عذر پیش کیا جائے [''لَیَاْتِیَنِّیْ'' نون ثقیلہ کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ ''لَاُعَذِّبَنَّهٗ'' کے موافق ہو جائے اور اس سے نون وقایہ کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے' ابن کثیر کی قراءت میں ''لَیَاْتِیَنَّنِیْ'' دونون کے ساتھ ہے' پہلا نون تاکید کے لیے ہے اور دوسرا وقایہ کا نون ہے] اور یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین چیزوں میں سے کسی ایک پر قسم فرمائی ہے (ایک یہ کہ ہدہد کو سخت سزا دینا' دوسرا یہ کہ اسے ذبح کرنا اور تیسرا یہ کہ وہ کوئی واضح دلیل پیش کرے) ان میں سے پہلی دو چیزیں حضرت سلیمان کا اپنا فعل ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں اور لیکن تیسرا ہدہد کا فعل ہے اور اس پر اشکال ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ واضح دلیل لے کر آئے گا اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آپ کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا اُمور میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری اور لازمی ہے یعنی اگر ہدہد واضح دلیل پیش کر دیتا ہے تو اسے نہ سخت سزا ہو گی اور نہ اسے ذبح کیا جائے گا اور اگر وہ کوئی واضح دلیل پیش نہ کر سکا تو ان دو اُمور میں سے ایک ضرور ہو گا (سخت

سزا ہوگی یا پھر ذبح کرنا ہوگا) اور اس کلام میں علم و درایت کا دعویٰ نہیں ہے۔

۲۲۔﴿ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴾ سو ہدہد زیادہ دیر نہ ٹھہرا یعنی دراز زمانہ یا دور دراز زمانہ تک نہیں ٹھہرا تھا بلکہ حضرت سلیمان کے اسے گم پانے کے تھوڑی دیر بعد حاضر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہدہد کے ٹھہرنے کی مدت کو کم اور تھوڑی بیان کیا' جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہدہد حضرت سلیمان کے خوف سے جلد از جلد پہنچ گیا تھا [عاصم' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''مَكَثَ'' میں کاف مفتوح ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک کاف مضموم ہے اور یہ دونوں لغتیں جائز ہیں] پھر جب ہدہد واپس لوٹ کر آیا تو حضرت سلیمان نے اس سے اس کے غیر حاضر رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ﴿ فَقَالَ اَحَطْتُّ ﴾ پس اس نے کہا کہ میں نے ایک ایسی چیز کو اس کی تمام جہات سے جان لیا ہے ﴿ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ﴾ جس کو آپ نے نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو الہام فرمایا تو اس نے حضرت سلیمان کو اس کلام کے ساتھ خطاب کیا' اس کے باوجود کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور علومِ کثیرہ کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی' یہ دراصل ان کے لیے ان کے علم میں آزمائش تھی اور یہ رافضیوں کے اس قول کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ امامِ زمانہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی اور نہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم ہوتا ہے ﴿ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ ﴾ اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے حاضر ہوا ہوں [''سبا'' ابوعمرو کے نزدیک غیر منصرف ہے اور اس نے اس کو قبیلہ یا شہر کا نام قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کے نزدیک تنوین کے ساتھ (منصرف) ہے' انہوں نے اس کو محلّہ کا نام یا جدّ اکبر کا نام قرار دیا ہے] ﴿ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴾ یقینی خبر کے ساتھ۔ ''نبا'' اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کی شان بہت بلند ہو اور ''من سبا بنبا'' حسین ترین کلاموں میں سے ہے اور اسی کا نام بدیع (انوکھا اور نرالا کلام) رکھا جاتا ہے اور یہاں یہ کلام لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے حسین وجمیل اور انوکھا و نرالا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر ''بنبا'' کی جگہ ''بخبر'' رکھا جاتا تو پھر بھی معنی صحیح رہتا اور جیسا کہ اب آیا ہے' زیادہ صحیح ہے کیونکہ ''نبا'' کے معنی میں اضافہ ہے جو مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

۲۳۔﴿ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ﴾ بے شک میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر حکمرانی و بادشاہی کرتی ہے۔ یہ بلقیس بنت شراحیل تھی اور اس کا باپ سرزمین یمن کا بادشاہ تھا اور اس کے ہاں اس بیٹی کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی' اس لیے اس نے بہ طورِ وراثت بادشاہی کرنے کے لیے ملک کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ اور اس کی قوم آتش پرست تھی' سورج کی عبادت کرتے تھے [اور ''تملکھم'' میں ''ھم'' ضمیر قوم کی تاویل پر ''سبا'' کی طرف لوٹتی ہے یا شہر والوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بلقیس قوم سبا پر یا سبا شہر کے رہنے والوں پر بادشاہی کرتی تھی ﴿ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ اور اسے ہر چیز میں سے حصہ عطا کیا گیا (یعنی) دنیا کے اسباب میں سے جتنے اسباب اس کے شاہانہ حال کے مناسب وضروری تھے' وہ سب اس کو عطا کیے گئے تھے [اور یہ ''قد'' مقدرہ کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور اس کے لیے ایک بہت بڑا تخت ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تخت اسّی ہاتھ دراز اور اسّی ہاتھ چوڑا تھا اور فضا میں اس کی اونچائی اسّی ہاتھ تھی اور یہ سونے اور چاندی سے تیار کیا گیا تھا اور یہ مختلف جواہرات سے جڑا ہوا تھا اور اس کے پائے سرخ یاقوت اور سبز یاقوت اور زمرد اور موتی کے تھے اور اس پر سات کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور بلقیس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں کم تر بتایا گیا ہے' لیکن اس کا تخت بڑا بتایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بلقیس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام سے کسی مصلحت کی بنا پر مخفی رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا۔

٢٤-﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا ہے اور اس نے انہیں راہ سے یعنی توحید کی راہ سے روک دیا ہے ﴿ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ حق کی طرف راہ نہیں پاتے' اور ممکن ہے کہ ہدہد کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے لیے سجدہ کے وجوب اور سورج کے لیے سجدہ کی حرمت کی ہدایت بہ طور الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے علاوہ دیگر پرندوں کو ایسے معارف لطیفہ کا الہام فرمایا' جن کی رہنمائی ذہین وفہیم اہل عقل حاصل نہیں کر سکتے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ السجدة قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ع ١٧

وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے' جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو O اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے O فرمایا: میں عنقریب دیکھوں گا آیا تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو O میرا یہ خط لے جا' پس اسے ان کی طرف ڈال دے' پھر ان سے ہٹ جا اور دیکھ! وہ کیا جواب دیتے ہیں O اس عورت نے کہا: اے قوم کے سردارو! بے شک میرے پاس ایک بہترین خط ڈالا گیا O بے شک یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع ہوتا ہے) جو بہت رحم فرمانے والا بے حد مہربان ہے O کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر چلے آؤ O

٢٥-﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے [لام مشدد کے ساتھ "اَلَّا" ہے "اَیْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ لِئَلَّا يَسْجُدُوْا" یعنی پس شیطان نے ان کو توحید کی راہ سے اس لیے روک دیا ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں' پھر حرف جار کو "اَنْ" کے ساتھ حذف کر دیا گیا ہے اور نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "لَا" زائدہ ہو اور معنی ہوگا: "فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اِلٰى اَنْ يَّسْجُدُوْا" سو وہ سجدہ کرنے کی طرف راہ نہیں پاتے اور یزید اور علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کی تقدیر یہ ہوگی: "اَلَا يَا هٰٓؤُلَآءِ اسْجُدُوْا" خبردار! اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو' پس اس صورت میں "اَلَا" تنبیہ کا ہے اور "یَا" حرف ندا ہے اور اس کا منادیٰ محذوف ہے اور جو لام کو مشدد کر کے "اَلَّا" پڑھتے ہیں وہ صرف "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" پر وقف کرتے ہیں اور جو لام مخفف کر کے "اَلَا" پڑھتے ہیں وہ "فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ" پر وقف کرتے ہیں' پھر "اَلَا يَا اسْجُدُوْا" سے ابتدا کرتے ہیں اور سجدہ تلاوت دونوں قراءتوں میں واجب ہے' بہ خلاف زجاج کے قول کے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تشدید کی صورت میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے حالانکہ سجدہ کی جگہوں میں یا تو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا

ہے یا پھر سجدہ کرنے والے کی تعریف ہوتی ہے یا پھر سجدہ ترک کرنے والے کی مذمت ہوتی ہے اور ان دونوں قراءتوں میں سے ایک میں سجدہ کرنے کا حکم ہے اور دوسری قراءت میں سجدہ ترک کرنے کی مذمت ہے ] ﴿ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آسمان کی پوشیدہ چیز سے بارش برسانا مراد ہے اور زمین کی پوشیدہ چیز سے سبزہ جات پودے درخت اور غلہ جات وغیرہ مراد ہیں ["مخبوء" کا نام مصدر "الخبء" کو دے دیا گیا ہے ] ﴿ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو [امام حفص اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تخفون" اور "تعلنون" ہے[1] ]۔

٢٦۔ ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی عظمت والے عرش کا مالک و پروردگار ہے' اور ہدہد کا اللہ تعالیٰ کے عرش کو "عظیم" کے ساتھ موصوف کرنا آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کی نسبت سے اس کی تعظیم و بڑھائی بیان کرنے کے لیے ہے جب کہ اس کا بلقیس کے عرش کو "عظیم" کے ساتھ موصوف کرنا اس زمانہ کے بادشاہوں کے تختوں کی نسبت سے اس کی تعظیم و بڑھائی بیان کرنے کے لیے ہے اور یہاں تک ہدہد کا کلام ہے۔

٢٧۔ جب ہدہد اپنے کلام سے فارغ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے ﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ ﴾ فرمایا: ابھی ہم دیکھیں گے اور غور وفکر کریں گے [ یہ فعل "نظر" سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: غور وفکر کرنا اور سوچ و بچار کرنا ] ﴿ اَصَدَقْتَ ﴾ آیا تم نے جو خبر سنائی ہے اس میں تم نے سچ بولا ہے ﴿ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴾ یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ "اَمْ كَذَبْتَ" سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب وہ جھوٹوں کی جماعت میں شامل ہو جانے کی وجہ سے جھوٹا مشہور ہو جائے گا تو وہ یقیناً جھوٹا ہی ہوگا اور جب وہ جھوٹا قرار پا جائے گا تو وہ جو خبر بھی سنائے گا' اس میں اس پر جھوٹ کا الزام لگ جائے گا' سو اس پر کوئی بھی اعتماد و یقین نہیں کرے گا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھا' جس کی صورت یہ تھی کہ "مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ اِلٰی بَلْقِیْسَ مَلِكَةِ سَبَاٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ' اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" اللہ تعالیٰ کے ایک بندے سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کی جانب سے شہر سبا کی ملکہ بلقیس کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے' لیکن حمد کے بعد اے ملکۂ بلقیس! سو تم مجھ پر سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ' پھر آپ نے اس کو خوشبو سے معطر کر کے بند کیا اور اس پر اپنی انگوٹھی سے مہر لگائی اور ہدہد سے فرمایا:

٢٨۔ ﴿ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ﴾ یہ میرا خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے (یعنی) بلقیس اور اس کی قوم کی طرف ڈال دے کیونکہ ہدہد نے بلقیس کے ساتھ اس کی قوم کا ذکر کیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ" (النمل:٢٤) "میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں"۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اسی وجہ سے جمع کے لفظ کے ساتھ اسے خطاب کیا [ ابو عمرو' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں "فالقه" میں "ها" کو تخفیف کرنے کے لیے ساکن پڑھا جاتا ہے اور یزید' قالون اور یعقوب کی قراءت میں "ھا" کے نیچے باریک کسرہ پڑھا جاتا ہے تا کہ یائے محذوفہ پر دلالت کرے' ان کے علاوہ کی قراءت میں "یا" کو ثابت رکھ کر "فَاَلْقِهِیْ" پڑھا جاتا ہے ] ﴿ ثُمَّ تَوَلَّ

[1] جب کہ حمزہ' ابن عامر شامی' ابو عمرو' ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یُخْفُوْنَ" اور "یُعْلِنُوْنَ" ہے۔
(معجم القراءات القرآنیۃ ج ۴ ص ۳۴۸)

عَنْهُمْ ﴾ پھر تو خط ڈال کر ان سے علیحدہ ہو کر نزدیک جگہ کی طرف ہٹ جا' اس طرح تو انہیں دیکھتا رہے اور وہ تجھے نہ دیکھ سکیں تا کہ وہ جو کچھ کہیں تو اسے سنتا رہے ﴿ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ پھر غور سے دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں اور جواب دینے کے لیے ایک دوسرے سے کیا باتیں کرتے ہیں۔

۲۹۔ پھر ہدہد نے خط لے کر اپنی چونچ میں تھام لیا اور بلقیس کے محل میں اس کے پاس روشن دان میں سے اندر داخل ہو گیا اور خط اس کے سینے پر پھینک دیا اور وہ اس وقت سو رہی تھی اور خود ہدہد روشن دان میں چھپ کر بیٹھ گیا تو ملکہ بلقیس گھبرا کر بیدار ہو گئی یا ہدہد اس کے پاس اس وقت آیا جب کہ اس کا لشکر اس کے اردگرد موجود تھا' پس وہ لمحہ بھر کے لیے پھڑ پھڑایا' پھر اس کی گود میں خط ڈال دیا اور وہ پڑھی ہوئی تھی' جب اس نے مہر کو دیکھا تو ﴿ قَالَتْ ﴾ اس نے سر جھکا کر ڈرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴾ اے قوم کے سردارو! بے شک میری طرف ایک مکرم و محترم خط پہنچایا گیا ہے' جس کا مضمون اور جو کچھ اس میں لکھا ہے بہت عمدہ ہے یا مہر شدہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''كَرَامَةُ الْكِتَابِ خَتَمُهُ'' [1] خط کی عزت و بزرگی اس کی مہر ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو خط لکھا اور اس پر مہر نہ لگائی تو اس نے اس کی توہین کی یا یہ کہ اس خط کا مضمون اور جو کچھ اس میں ہے' اس لیے عمدہ ہے کہ اس کو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے ساتھ شروع کیا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ خط ایک کریم اور معزز و محترم بادشاہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

۳۰۔ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ بے شک یہ (حضرت) سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بے شک یہ خط اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے جو بہت مہربان' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں اس شخص کا بیان ہے جس نے اس کی طرف خط بھیجا' گویا جب ملکہ بلقیس نے کہا کہ میری طرف ایک محترم و مکرم خط بھیجا گیا ہے تو اس سے پوچھا گیا کہ یہ خط کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور وہ کون ہے؟ سو اس نے جواب میں کہا: بے شک یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور اس طرح اس طرح ہے۔

۳۱۔ ﴿ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ ﴾ اور یہ کہ تم مجھ پر بڑھائی نہ چاہو اور نہ تکبر کرو جیسا کہ بادشاہ کرتے ہیں [اصل میں ''اَنْ لَّا تَعْلُوْا'' ہے اس میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا'' (ص:۶)'' اور ان کے سردار (یہ کہہ کر) چلے گئے کہ اس کے پاس سے چلے جاؤ''۔ یعنی'' امشوا'' چلے جاؤ] ﴿ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ اور تم مؤمن بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ یا میرے فرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ' اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خطوط اختصار و اجمال پر مبنی ہوتے ہیں۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۹

يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ
سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

بلقیس نے کہا: اے سردارو! مجھے میرے معاملہ میں مشورہ دو میں کسی معاملہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرتی یہاں تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو○ انہوں نے کہا: ہم بڑے طاقت ور اور سخت جنگ کرنے والے ہیں اور حکمرانی کا اختیار تیرے سپرد ہے سوتو غور وفکر کر لے کہ کیا حکم دیتی ہے○ اس نے کہا: بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح کریں گے○ اور بے شک میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں○ پھر جب وہ سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مال و دولت سے میری مدد کرتے ہو سواللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے بلکہ تمہیں لوگ اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو○ تو ان کی طرف واپس چلا جا سو ہم ان پر ایسا لشکر لے کر آئیں گے جس کا مقابلہ ان سے نہیں ہو سکے گا اور ہم انہیں ضرور ذلیل کر کے وہاں سے باہر نکال دیں گے اور وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے○

## ملکۂ بلقیس کا تحائف بھیجنا اور حضرت سلیمان کا ان کو قبول نہ کرنا

۳۲- ﴿قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ بلقیس نے کہا: اے (قوم) کے سردارو! تم مجھے میرے اس معاملہ میں سوچ کر جواب دو (یعنی) تم مجھے اس معاملہ میں مشورہ دو جو مجھ پر آن پڑا ہے اور ''فتوٰی'' کا معنی ہے: کسی نئی آنے والی مشکل کا حل بتانا اور اس کا جواب دینا اور یہ ''فتآء'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: طاقت ور نوجوان اور نوعمر جوان اور یہاں ''فتوٰی'' سے مراد قوم کے سرداروں کا بہ طورِ مشورہ بلقیس کو اپنی رائے پیش کرنا ہے اور بلقیس کا مشورہ لینے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے تھا تا کہ وہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اس کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ جنگ کرنے کے لیے کھڑے ہوں ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ﴾ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور نہ میں کوئی حکم نافذ کرتی ہوں یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو اور مجھے مشورہ دو اور تم گواہی دو کہ بے شک یہ فیصلہ صحیح اور درست ہے یعنی میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرتی مگر تمہاری موجودگی میں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بلقیس کو مشورہ دینے والے تین سو تیرہ آدمی تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس دس ہزار آدمی پر سردار مقرر تھا [نون مکسور ہے اور فتح غلط ہے کیونکہ رفع کی جگہ مفتوح ہوتا ہے اور یہ نصب کی جگہ ہے اور اس کی اصل ''تشہدوننی'' ہے پھر پہلے نون کو نصب کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور ''یا'' کو کسرہ کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۳۳- ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ انہوں نے بلقیس کو جواب دیتے ہوئے کہا: ہم قوت و طاقت رکھنے

والے اور سخت جنگ کرنے والے لوگ ہیں اور قوت سے جسمانی اور ہتھیاروں کی قوت وطاقت مراد ہے اور ''باس'' سے شجاعت و بہادری اور جنگ و غارت گری اور جنگ میں مصیبتیں برداشت کرنی مراد ہیں ﴿وَالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ﴾ اور معاملہ تیری طرف ہے' سوتو غور وفکر کر اور سوچ کر دیکھ لے کہ تو کیا فیصلہ کرتی ہے اور کیا حکم نافذ کرتی ہے یعنی معاملہ سراسر تیرے سپرد ہے اور ہم تو تیرے حکم کے فرماں بردار واطاعت گزار ہیں' سوتو ہم پر حکم نافذ کر ہم تیرے حکم کی اطاعت کریں گے اور ہم کسی صورت میں تیرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے' گویا انہوں نے ملکۂ بلقیس کو جنگ کرنے کا مشورہ دیا یا انہوں نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ہم تو جنگجو لوگوں میں سے ہیں' ہم صرف رائے اور مشورہ دینے والوں میں سے نہیں ہیں اور تو خود صاحب رائے اور صاحب تدبیر ملکہ ہے' پس تو سوچ کر دیکھ لے کہ کیا حکم دیتی ہے؟ ہم تیری رائے کی پیروی کریں گے' پھر بلقیس نے ان کی طرف سے جنگ کی طرف رغبت محسوس کی تو وہ مصالحت کی طرف مائل ہو گئی اور اس نے جواب کو ترتیب دی' چنانچہ اس نے پہلے ان کی ذکر کردہ باتوں کو کمزور قرار دیا اور اس میں ان کو ان کی غلطی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

۳۴- ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ بلقیس نے کہا: بے شک بادشاہوں کی عادت یہ ہے کہ جب وہ زبردستی اور غلبہ حاصل کر کے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کو اجاڑ کر ویران کر دیتے ہیں ﴿وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً﴾ اور وہاں کے معزز ومحترم باشندوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں اور وہاں کے بزرگوں کی توہین کر کے رسوا کر دیتے ہیں اور انہیں قتل کیا جاتا ہے اور زندہ بچ جانے والوں کو قیدی بنالیا جاتا ہے' بہرحال ملکۂ بلقیس نے ان لوگوں کے سامنے جنگ کی تباہ کاری کی مذمت کا تذکرہ کیا' پھر کہا: ﴿وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ ملکۂ بلقیس کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہوں کی یہ دائمی عادت چلی آ رہی ہے' جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی' اس لیے یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ملکۂ بلقیس نے قدیمی بادشاہ کے گھر میں پرورش پائی تھی' سو اس نے اس قسم کی باتیں سن رکھی تھیں اور اس نے یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا' پھر اس نے اس کے بعد تحفہ کا ذکر کیا اور اس نے یہ رائے صحیح نہیں سوچی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلقیس کے قول کی تصدیق و تائید ہے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والوں نے اس آیت مبارکہ سے حجت پکڑی ہے اور جس نے کسی مباح و جائز چیز کو حرام قرار دیا تو اس نے یقیناً کفر کیا' پھر جب اس نے اپنے لیے قرآن سے تحریف کے طور پر حجت پکڑی تو اس نے بلاشبہ دو کفر جمع کر لیے۔

۳۵- ﴿وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ﴾ اور بے شک میں ان کی طرف تحفے بھیجنے والی ہوں' یعنی میں ان کے پاس تحفے دے کر قاصد بھیجنے والی ہوں ﴿فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ سو میں دیکھتی ہوں اور انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس لوٹتے ہیں' تحفہ کے قبول ہونے کا یا مسترد ہونے کا کیونکہ وہ بادشاہوں کی عادت سے واقف تھی اور وہ ان کے نزدیک تحائف کے بہترین مواقع کو جانتی تھی' پس وہ اگر بادشاہ ہوئے تو تحائف کو ضرور قبول کر لیں گے اور قاصد واپس آ جائیں گے اور اگر وہ نبی ہوئے تو تحائف کو مسترد کر دیں گے اور وہ اس وقت تک ہم سے راضی نہیں ہوں گے' جب تک ہم ان کے دین کی پیروی اختیار نہیں کر لیں گے' پھر اس نے پانچ سو غلام بھیجے' جن کو لونڈیوں کا لباس پہنایا گیا اور انہیں زیورات سے آراستہ کیا گیا' ایسے گھوڑوں پر سوار کیا گیا جو ریشم کے کپڑوں سے آراستہ کیے گئے تھے اور لگاموں اور زینوں کو سونے اور جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا اور اس نے پانچ سو لونڈیوں کو غلاموں کے لباس پہنا کر گھوڑیوں پر سوار کر کے بھیجا اور ہدیہ کے طور پر ایک ہزار سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں اور موتیوں اور جواہرات سے جڑا ہوا ایک تاج بھیجا اور قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے متعدد ڈبے بھیجے اور ٹیڑھے سوراخ والے مہرے بھیجے اور اس نے قاصدوں کا ایک وفد بھیجا' جن پر منذر بن عمرو

کوامیر مقرر کیا' جس کی دلیل (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: "بِمَ یَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ" اوراس نے ایک خط لکھا' جس میں تمام تحائف وہدایا کی تفصیل درج کی اوراس میں اس نے کہا کہ اے سلیمان! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو لونڈیوں اور غلاموں کے درمیان امتیاز کیجئے اور بتایئے ڈبوں میں کیا ہے اور موتیوں میں بالکل سیدھے سوراخ نکالیے اور مہروں میں دھاگا ڈالیے' پھر اس نے امیر وفد منذر بن عمرو سے کہا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام تجھے غضب کی نگاہ سے دیکھیں تو سمجھ لینا کہ وہ صرف بادشاہ ہیں' سوان کی نگاہِ غضب تجھے نقصان نہیں دے گی اور اگر تو اسے ہشاش بشاش اور خوش وخرم دیکھ لے تو سمجھ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں' پھر ہدہد پہنچ گیا اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی ساری خبر سنادی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو حکم دیا تو انہوں نے سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کیں اور آپ کے سامنے میدان میں ان سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش بنادیا' جس کی لمبائی ایک میل تھی اور انہوں نے اس میدان کے اردگرد سونے اور چاندی کی دیوار بنادی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ خشکی اور دریائی خوب صورت جانور جمع کر کے میدان کے دائیں اور اس کے بائیں باندھ دیئے جائیں اور جنوں کی اولاد کو حکم دیا اور وہ بہت بڑی مخلوق ہے کہ دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں' پھر آپ اپنے تخت پر تشریف لا کر بیٹھ گئے اور بہت کرسیاں اس کے اردگرد بچھائی گئیں اور کئی میل تک جنوں کی صفیں بنائی گئیں اور کئی میل انسانوں کی صفیں تھیں اور درندوں اور پرندوں اور حشرات الارض کی صفیں بھی اسی طرح تھیں' پھر جب بلقیس کا وفد قریب پہنچا اور انہوں نے جانوروں کو دیکھا کہ سونے کی اینٹوں پر گوبر کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تحائف کو زمین پر پھینک دیا اور جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کھڑے ہوئے تو حضرت سلیمان نے ان کی طرف خوشی سے دیکھا تو انہوں نے ملکہ کا خط پیش کیا اور آپ نے پڑھ کر فرمایا: ڈبے کہاں ہیں' پھر آپ نے دیمک کو حکم دیا تو اس نے ایک بال لیا اور موتی میں سوراخ کیا' پھر اپنے منہ میں سفید دھاگا پکڑا اور موتی میں داخل کر دیا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی منگایا' چنانچہ لونڈیاں پہلے پانی ایک ہاتھ میں لیتیں اور دوسرے میں رکھ دیتیں' پھر اپنے چہروں پر ڈالتیں جب کہ غلام جیسے پانی لیتے اپنے چہروں پر ڈال لیتے (اس طرح آپ نے پہچان لیا کہ مردانہ لباس میں لونڈیاں ہیں اور زنانہ لباس میں غلام ہیں) پھر آپ نے بلقیس کے تمام تحائف واپس کر دیئے اور منذر بن عمرو سے فرمایا کہ یہ سب کچھ لے کر واپس چلے جاؤ۔

۳۶- ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ﴾ پھر جب ملکۂ بلقیس کا قاصد امیرِ وفد منذر بن عمرو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پہنچا تو ﴿قَالَ اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ﴾ آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ مال و دولت کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو [ابن کثیر مکی اور سہل کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں دونوں کے ساتھ "یا" کو ثابت رکھ کر "اَتُمِدُّوۡنَنِیۡ" پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی اور ابوعمرو بصری نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے اور حمزہ اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ایک نون مشدد کے ساتھ یائے متکلم کو ثابت رکھ کر "اَتُمِدُّوۡنِّیۡ" پڑھا جاتا ہے اور باقی قراء کی قراءت میں دونوں حالتوں میں "یا" کو حذف کر کے دونوں کے ساتھ "اَتُمِدُّوۡنَنِ" پڑھا جاتا ہے] اور اس میں قاصدوں کو خطاب کیا گیا ہے ﴿فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمۡ﴾ سو جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے (یعنی) نبوت اور بادشاہی اور دیگر انعامات (جیسے جنوں اور شیطانوں اور درندوں' پرندوں اور ہواؤں کا آپ کے تابع فرمان ہونا وغیرہ وغیرہ) یہ سب کچھ اس سے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کے حقیر مال و متاع دیئے ہیں [امام حفص اور نافع مدنی اور ابوعمرو کی قراءت میں "یا" مفتوح ہے] ﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ﴾ بلکہ تم اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو۔ "ھدیہ" "مھدی" کے معنی میں ہے جیسے "عطیہ" "معطی" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' پس اسے "مھدی" اور "مھدیٰ لہ" کی طرف مضاف کیا

جاتا ہے جیسے تم کہو: ''هٰذِهٖ هَدِيَّةُ فُلَانٍ'' یہ فلاں آدمی کا تحفہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ تحفہ ہے جس کو فلاں آدمی نے بھیجا ہے یا (معنی ہے) کہ یہ تحفہ فلاں آدمی کی طرف بھیجا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں بہت بڑا حصہ ہے اور بہت بڑی دولت ہے اور دنیا میں سے مجھے اس قدر عطا فرمایا ہے جس پر مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے تو بھلا میرے جیسا آدمی تمہاری مالی امداد پر کیونکر راضی ہوگا؟ بلکہ تم ایسی قوم ہو جو حقیقت کو نہیں جانتے البتہ تم دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہو سو اس لیے تم مزید مال و دولت پر خوش ہوتے ہو اور اس لیے تمہیں تحائف دیئے جاتے ہیں تو تم خوش ہو جاتے ہو کیونکہ تمہاری ہمت کی پہنچ یہیں تک ہے جب کہ میرا حال تمہارے حال کے برعکس ہے اور میں تمہاری کسی چیز پر راضی نہیں ہوں اور نہ مجھے خوشی ہوتی ہے ماسوا ایمان لانے اور مجوسیت کے ترک کرنے کے (یعنی اگر تم ایمان لاؤ اور مجوسیت ترک کر دو تو مجھے بے حد خوشی ہوگی) اور تمہارے قول ''وَاَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ وَّاَنَا اَغْنٰى عَنْكَ'' کیا تو مال سے میری مدد کرنا چاہتا ہے حالانکہ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں' تمہارے ''فَا'' کے قول ''فَاَنَا اَغْنٰى عَنْكَ'' سو میں تجھ سے زیادہ غنی و مال دار ہوں' میں یہ فرق ہے کہ جب میں نے واؤ کے ساتھ کہا تو میں نے اپنے مخاطب کو اپنے زیادہ مال دار ہونے کا عالم قرار دیا حالانکہ وہ اس کے باوجود میری مالی مدد کرنا چاہتا ہے اور جب میں نے ''فَا'' کے ساتھ کہا تو میں نے اس کو ان لوگوں میں سے قرار دیا' جن پر میرا حال مخفی و پوشیدہ ہے' سو اب میں اسے خبر سنا رہا ہوں کہ مجھے اس کی مالی امداد کی احتیاج نہیں گویا میں اس سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے' میں اس سے تجھ پر انکار کرتا ہوں کیونکہ میں اس سے زیادہ مال دار ہوں اور اسی کے مطابق ''فَمَا اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ'' کا فرمان وارد ہوا ہے اور حرف ''بَلْ'' کے ذریعے اعراض کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کی امداد سے انکار کیا اور اس انکار کی علت بیان کی تو اس سے اعراض کر کے اس سبب کو بیان کرنے کی طرف متوجہ ہوئے' جس نے ان لوگوں کو امداد کرنے پر راغب کیا اور وہ سبب یہ تھا کہ وہ لوگ خوشنودی اور رضامندی کا حقیقی سبب نہیں جانتے تھے' وہ صرف یہ جانتے تھے کہ کسی شخص کی خوشنودی اور اس کی رضا دنیا کے مال و دولت کو تحائف کی صورت میں پیش کر کے حاصل کی جا سکتی ہے' اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

۳۷۔﴿اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ﴾ تم ان کی طرف (یعنی) ملکۂ بلقیس اور اس کی قوم کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ یہ خطاب قاصدوں کے سربراہ کو ہے یا ہدہد کو ہے جسے دوسرے خط کا حامل بنا کر ان کی طرف واپس بھیجا گیا تھا ﴿فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا﴾ پس ہم ان کے پاس ایسا لشکر لے کر آئیں گے کہ ان کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں اور ''قِبَل'' کی حقیقت مقابلہ کرنا اور جنگ کے لیے آمنا سامنا کرنا ہے یعنی وہ لوگ اسلامی لشکر کے مقابلہ کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور ہم ان کو وہاں سبا شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے اور ''ذلت'' کا معنی ہے کہ ان سے عزت و احترام اور ان کا ملک ان سے چھن جائے اور ''صغار'' کا معنی ہے کہ ان کو قید کر کے غلام بنا لیا جائے گا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۞ ۳۸ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۞ ۳۹ قَالَ

الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا شاہی تخت میرے پاس لے آئے' اس سے پہلے کہ وہ فرماں بردار بن کر میرے پاس آئیں O جنوں میں سے ایک خبیث و سرکش جن نے کہا: میں اسے آپ کے پاس لے کر آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس برخاست فرمائیں اور بے شک میں اس پر ضرور طاقت رکھنے والا امانت دار ہوں O جس کے پاس کتاب کا علم تھا' اس نے کہا: میں اس کو آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لے آتا ہوں' پس جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کریم کا فضل و کرم ہے تاکہ وہ میرا امتحان لے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو بے شک وہ صرف اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرا پروردگار تو بہت بے نیاز' بڑا اکرم نواز ہے O

## حضرت سلیمان کے تخت بلقیس منگوانے پر ولی کی کرامت کا ثبوت

۳۸- پھر جب بلقیس کے قاصد تحائف و ہدایا لے کر واپس اس کے پاس پہنچے اور اسے سارا قصہ بیان کیا تو اس نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے' پھر اس نے اپنا شاہی تخت ساتوں کمروں کے اندر چھپا دیا اور دروازے بند کر دیئے اور اسے محافظوں کے سپرد کر دیا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور اس نے حضرت سلیمان کے پاس قاصد بھیج دیئے کہ بے شک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تاکہ میں غور و فکر کر کے دیکھوں کہ آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں اور بلقیس نے حضرت سلیمان کے پاس بارہ ہزار بادشاہ بھیجے جنہیں ''قَیل'' (قاف پر زبر کے ساتھ) کہا جاتا تھا اور ہر ''قَیل'' کے ماتحت کئی ہزار رعایا تھے' پھر جب بلقیس حضرت سلیمان کی قیام گاہ سے تین میل کے فاصلے پر پہنچ گئی تو ﴿قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴾ حضرت سلیمان نے فرمایا: اے میرے درباریو! تم میں کون ہے جو بلقیس کا شاہی تخت میرے پاس لے آئے' اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرماں بردار و مطیع ہو کر حاضر ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں اپنے ہاتھ پر عجائبات جاری کرنے کے وہ مخصوص کمالات دکھا دیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص فرمایا ہے' نیز اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت سے انہیں آگاہ کر دیں اور اپنی نبوت پر دلیل قائم کر دیں یا آپ نے چاہا کہ اس کا تخت شاہی اس کے مسلمان ہونے سے پہلے لے لیں کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرے گی تو پھر آپ کے لیے اس کا مال لینا حلال نہیں ہوگا مگر یہ بات محققین کے نزدیک قرین انصاف نہیں یا پھر آپ نے چاہا کہ اس کا تخت منگوا کر اس میں تغیر و تبدیل کر دیا جائے' پھر اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے دیکھا جائے کہ آیا وہ اس کو پہچان کر اپنا تخت ثابت کرتی ہے یا اس کا سرے سے انکار کر دیتی ہے۔

۳۹- ﴿قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنوں میں سے عفریت نے کہا اور یہ خبیث اور سرکش و طاقت ور جن تھا' جس کا نام ذکوان تھا ﴿اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ﴾ میں وہ تخت آپ کے احکام نافذ کرنے اور فیصلہ جات جاری کرنے کی کچہری برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا ﴿وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ﴾ اور بے شک میں اس کے اٹھانے پر خوب طاقت

رکھنے والا' بہت امانت دار ہوں۔ میں اسے ویسا ہی لاؤں گا جیسا وہ ہے' میں اس میں سے کوئی چیز نہیں چراؤں گا اور نہ میں اس میں کوئی ردّوبدل کروں گا' حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سے جلدی چاہتا ہوں۔

٤٠۔ ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ﴾ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا: وہ تخت میں آپ کے پاس لے آتا ہوں یعنی ایک فرشتے نے کہا' جو مقادیر کی کتابت کرنے پر مقرر تھا' اللہ تعالیٰ نے عفریت کی بات کے وقت اسے بھیج دیا تھا یا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اور اس صورت میں ''الکتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہوگی یا حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یا پھر حضرت آصف بن برخیا نے کہا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے اور یہی آخری قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر جمہور مفسرین متفق ہیں[1]

اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم تھا' جس کے ساتھ جب بھی دعا کی جاتی تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول فرما لیتا اور وہ اسم

---

1۔ میرے مشفق و مربی استاذی المکرم شیخ الحدیث والتفسیر اپنی مایہ ناز تفسیر ''تبیان القرآن'' جلد ہشتم ص ٦٩١ پر تحریر فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا' وہ آصف بن برخیا تھے' جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے' ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ١٩٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ٧١٠ھ' علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ٧٥٤ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ٧٧٤ھ' علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ٨٢٥ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ' علامہ محمد مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ٩٥١ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ' علامہ سلیمان الجمل التوفی ١٢٠٤ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ١٢٤١ھ' علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ١٢٥٠ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ' غیر مقلد مفسر صدیق بن حسن قنوجی متوفی ١٣٠٧ھ' صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی متوفی ١٣٦٧ھ' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ١٣٦٩ھ' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ کی یہی تحقیق ہے اور ان حضرات نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔ ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں: مدارک التنزیل علیٰ ہامش الخازن ج ٣ ص ٤١٢' پشاور' البحر المحیط ج ٨ ص ٢٤٠' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٤٠٠' بیروت' نظم الدرر ج ٥ ص ٤٢٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' جلالین ص ٣٨٠' بیروت' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ٦ ص ٣٩٨' بیروت' روح البیان ج ٦ ص ٤٤٨' بیروت' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ٣ ص ٣١٥' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ٤ ص ١٤٩٩' بیروت' فتح القدیر ج ٤ ص ١٨٤' بیروت' روح المعانی جز ١٩ ص ٣٠٢' فتح البیان ج ٥ ص ١٣٧' بیروت' خزائن العرفان علی کنز الایمان ص ٦٠٨' کراچی' تفسیر عثمانی ص ٥٠٦' معارف القرآن ج ٦ ص ٥٨٥' کراچی۔ علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تفسیر مظہری'' میں لکھتے ہیں: ''وقال اکثر المفسرین ھو 'اصف بن برخیا'' اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ تختِ بلقیس اٹھا کر لانے والے حضرت آصف بن برخیا ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ٧ ص ١١٧' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت ''تفسیر روح البیان'' میں لکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں دو وجہوں سے ولی کی کرامت کا ثبوت ملتا ہے' ایک یہ کہ جب جن نے تخت لانے کا یوں دعویٰ کیا کہ میں مجلس برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت لا دوں گا تو حضرت سلیمان نے فرمایا: مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے' جب یہ کام جن کے لیے ممکن ہے تو پھر اولیاء اللہ کے لیے کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ حضرت آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ آپ کی امت کے ولی تھے' نبی نہیں تھے اور وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آئے' جیسا کہ قرآن مجید میں ثابت ہے' جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے لیے خرقِ عادت کام (کرامت) جائز ہے' البتہ قدریہ فرقہ اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ کرامت کے منکر ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اعظم "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" تھا یا پھر "یَا اِلٰھَنَا وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ" تھا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ حضرت آصف بن برخیا کے پاس الہامی طور پر غیبوں کے جاری ہونے کی جگہوں کا علم تھا [اور "اٰتِیْکَ" دونوں جگہوں میں دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ یہ فعل مضارع واحد متکلم ہو اور دوسرا یہ کہ یہ اسم فاعل ہو] اور ارشادِ باری تعالیٰ: "قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ" کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہ اٹھا کر کسی چیز کی طرف دیکھئے پھر آپ اپنی نگاہ واپس لوٹنے سے پہلے تخت بلقیس کو اپنے سامنے دیکھیں گے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ جہاں تک دیکھ سکتے ہیں دیکھیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی طرف دیکھا اور حضرت آصف نے دعا کی تو وہ تخت زمین میں گھس کر غائب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان کی مجلس کے پاس ظاہر ہو گیا ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ پھر جب انہوں نے اسے اپنے پاس ٹھہرا ہوا دیکھا یعنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس غیر متحرک ٹھہرا ہوا پرسکون رکھا ہوا دیکھا تو ﴿قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ فرمایا: یہ میرے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے یعنی آنکھ جھپکنے کی مدت میں اس تخت کے حاضر ہونے کی صورت میں میری مراد کا حاصل ہونا یہ محض میرے اوپر میرے رب کریم کا فضل وکرم اور اس کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ میرا اس میں کوئی استحقاق نہیں ہے بلکہ یہ معاوضہ سے خالی اور غرض سے پاک فضل وکرم ہے ﴿لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آزمائے اور میرا امتحان لے کہ آیا میں اس انعام پر شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ صرف اپنے فائدے ہی کے لیے کرتا ہے کیونکہ شکر کے ذریعے واجب کا بوجھ اتر جاتا ہے اور بندہ ناشکری کے عیب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور شکر کے ذریعے بندہ مزید نعمتیں حاصل کر لیتا ہے اور موجود نعمت مستحکم ہو جاتی ہے' پس شکر موجودہ نعمت کے لیے قید ہے اور غیر موجود نعمت کے لیے شکار ہے اور جب کوئی گروہ یا جماعت خوش حال ہو جاتی ہے تو اپنی سرکشی وناشکری کی طرف لوٹ جاتی ہے' سو نعمت پر سرکشی کرنے والے کو شکر ادا کرنے کی دعوت دے اور آمادۂ شکر کو قرب کے کرم سے شکر ادا کرنے کے لیے قائم ودائم کر دے اور یقین رکھ کہ اللہ تعالیٰ کی پردہ داری عنقریب سمٹ جائے گی' جب تو اللہ تعالیٰ کے لیے عزت ووقار کی امید نہیں رکھے گا یعنی جب تو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرے گا ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جو شخص نعمتِ الٰہی پر شکر ترک کرنے کا رویہ اختیار کر کے ناشکرا بنتا ہے ﴿فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ﴾ تو بے شک میرا پروردگار شکر سے بے نیاز ہے ﴿كَرِیْمٌ﴾ بہت مہربان ہے کہ اس شخص پر بھی انعام کرتا ہے' جو اس کی نعمت پر ناشکری کرتا ہے۔ علامہ واسطی نے کہا کہ ہماری طرف سے جو شکر ادا کیا جاتا ہے اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی ہوتا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق (حضرت آصف بن برخیا) اس درجہ کو پہنچے' جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے' اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۸' ص ۴۹۲' دار التصنیف' کراچی) نیز علامہ پیر محمد کرم شاہ فاضل جامعہ ازہر' مصر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے کراماتِ اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی "الکتاب" کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے تو سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی امت کا ولی جو "الکتاب" نہیں بلکہ "الکتاب المبین" کا عالم اور اس کے اسرار ورموز اور معارف پر آگاہ ہے' اس سے ایسے اُمور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے' وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کی امت کے اولیاء کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں' انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر غور کرنا چاہیے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۴۴۵۔۴۴۶)

ہے (کہ ہماری نعمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے) اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں تو وہ بھی ہماری طرف پہنچتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم پر اس کا بڑا فضل واحسان ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

ع ۳ ۱۴ ۱۸

سلیمان نے فرمایا: اس کے تخت کی شکل وصورت تبدیل کر دو تا کہ ہم دیکھیں کہ آیا وہ پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو نہیں پہچان سکتے O پھر جب وہ آئی تو اسے کہا گیا کہ کیا تیرا شاہی تخت بھی اسی طرح ہے اس نے کہا: گویا یہ وہی ہے اور ہمیں تو اس سے پہلے ہی علم دے دیا گیا تھا اور ہم تسلیم کر چکے ہیں O اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتی تھی اسی نے اس کو روکے رکھا بے شک وہ کافروں کی قوم میں سے تھی O اسے کہا گیا کہ تو اس محل میں داخل ہو جا سو جب اس نے اسے دیکھا تو اسے پانی سے بھرا ہوا خیال کیا اور اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے فرمایا: بے شک یہ شیشوں سے تعمیر کیا ہوا صاف ستھرا محل ہے اس نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O

۴۱- ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا تخت تبدیل کر دو یعنی اس کے اگلے حصہ کو پیچھے اور پچھلے حصہ کو آگے اور اس کے اوپر کے حصے کو نیچے اور اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دو ﴿نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ آیا وہ تخت کو پہچان کر راہِ راست پر رہتی ہے یا جب اس سے اس تخت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو آیا صحیح جواب دیتی ہے ﴿اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو نہیں پہچانتے۔

۴۲- ﴿فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ﴾ پھر جب بلقیس آ گئی تو اسے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت اسی طرح ہے [''ھَا'' تنبیہ کے لیے ہے اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور ''ذا'' اسمِ اشارہ ہے] اور ''اَھٰکَذَا عَرْشُكِ'' نہیں فرمایا (یعنی کیا تیرا تخت یہی ہے) لیکن ''اَمِثْلَ ھٰکَذَا عَرْشُكِ'' فرمایا (یعنی کیا تیرا تخت اسی طرح ہے) تا کہ اسے تلقین نہ ہو جائے ﴿قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ بلقیس نے کہا: گویا یہ وہی ہے سو اس نے بہترین جواب دیا پس اس نے نہ تو ''ھو ھو'' یہ وہی ہے کہا اور نہ ''لیس بہ'' کہ یہ وہ نہیں ہے کہا اور یہ اس کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس نے دونوں احتمالوں میں سے کسی کو یقینی قرار نہیں دیا یا پھر جب انہوں نے بلقیس پر ''اَھٰکَذَا عَرْشُكِ'' کہہ کر تشبیہ کا جملہ پیش کیا تو اس نے بھی ''کَاَنَّهٗ هُوَ'' کہہ کر تشبیہ کے جملے کے ساتھ جواب دیا اس کے باوجود کہ اس نے جان لیا تھا کہ یہ اسی کا تخت ہے ﴿وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا﴾ اور ہمیں بلقیس

کی گفتگو سے معلوم ہو چکا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی نبوت کی صحت پر اس معجزہ سے پہلے قاصدوں کی واپسی اور ہدہد کے معاملہ سے علم حاصل ہو چکا ہے یعنی ہمیں تخت حاضر کرنے سے پہلے یا اس حالت سے پہلے ﴿وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور ہم تجھے مان چکے ہیں اور ہم تیرے حکم کے فرماں بردار ہو چکے یا پھر یہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کی قوم کے سرداروں کا کلام ہے اور ان کے قول کو بلقیس کے کلام پر معطوف کیا گیا ہے یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کا اور اس کی طرف سے جو کچھ آ چکا ہے' اس کی صحت کا علم بلقیس کے علم سے پہلے ہو چکا ہے یا یہ معنی ہے کہ بلقیس کے اسلام لانے اور اس کے مطیع و فرماں بردار ہو کر آنے کا علم اس کے آنے سے پہلے ہمیں عطا کر دیا گیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی و انکساری اختیار کرنے والے توحید پرست مسلمان ہیں۔

۴۳۔﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور اس کو اسی چیز (سورج پرستی) نے روکے رکھا' جس کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کے ساتھ متصل ہے یعنی جو علم ہمیں عطا کیا گیا ہے' اس علم سے یا اسلام کی طرف آنے سے بلقیس کو سورج پرستی اور کفار کے اندر نشو ونما پانے نے روکے رکھا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کافروں کے درمیان اس کی نشو ونما کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ بے شک وہ (بلقیس) کافروں کی قوم میں سے تھی یا پھر یہ حضرت سلیمان کے کلام سے الگ کلام شروع کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَصَدَّهَا'' اور بلقیس کو اس سے پہلے راہِ راست سے اس کی اس گمراہی نے روکے رکھا جس میں وہ مبتلا تھی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی توفیق دے کر اس کو سورج پرستی سے روک لیا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اسلام کی دعوت دے کر اس کو سورج پرستی سے روک لیا [یہاں حرفِ جار اور ایصالِ فعل محذوف ہے]۔

۴۴۔﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ اسے کہا گیا کہ تو اس بلند و بالا خالص عمارت میں داخل ہو جا یعنی عالی شان محل میں یا گھر کے صحن میں داخل ہو جا ﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً﴾ سو جب بلقیس نے اسے دیکھا تو اس نے اسے بہت بڑے پانی سے بھرا ہوا خیال کیا ﴿وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ اور اس نے کپڑا اٹھا کر اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھول دیا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ ''سَاْقَيْهَا'' ہے]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے حکم دیا کہ اس کے راستے میں سفید شیشے کا ایک محل تیار کیا جائے' چنانچہ حکم کے مطابق شیشے کا محل تیار کیا گیا' جس کے نیچے پانی کو جاری کیا گیا اور اس میں مُشک وغیرہ خوشبو ڈالی گئی اور اس کے درمیان میں صدر مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا' جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور اس پر پرندے اور جنات اور انسانی کارندے بیٹھے اور حضرت سلیمان نے یہ اس لیے کیا تا کہ بلقیس کے دل و دماغ میں آپ کی حکمرانی اور نبوت کی عظمت وشان راسخ و ثابت ہو جائے اور بعض علماء نے فرمایا کہ چونکہ بلقیس ایک جنیہ کی بیٹی تھی' اس لیے جنوں نے یہ بات ناپسند کی کہ حضرت سلیمان اس سے نکاح کریں اور ان کی یہ راز کی بات حضرت سلیمان تک پہنچ گئی تھی اور بعض علماء نے فرمایا کہ جنوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں آپ کے ہاں ایسی اولاد پیدا نہ ہو جائے جس میں جنوں اور انسانوں دونوں کی عقل و ذہانت جمع ہو جائے اور وہ حضرت سلیمان کے ملک سے بڑھ کر سخت مضبوط ملک پر خروج کر لیں' چنانچہ انہوں نے حضرت سلیمان سے عرض کیا کہ بلقیس کی عقل میں کچھ خلل ہے اور اس کی پنڈلیاں اور پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح بالوں سے پُر ہیں' سو اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے اس کے تخت میں تبدیلی کرائی اور شیشے کا محل تیار کرایا' تا کہ اس کی پنڈلیوں اور پاؤں کے بارے میں جان سکیں' چنانچہ بلقیس نے محل

میں داخل ہوتے وقت پانی خیال کر کے اپنی پنڈلیوں اور پاؤں سے کپڑا ہٹالیا تو وہ سب سے زیادہ حسین ترین پنڈلیوں والی ثابت ہوئی اور اس کے سارے جسم کی طرح اس کی پنڈلیاں اور پاؤں سب سے زیادہ حسین پائے گئے' مگر چند بال تھے' بہرحال جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظران پر پڑی تو آپ نے شرم وحیا اور پردے کے باعث اپنی آنکھیں بند فرمالیں' پھر ﴿قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ﴾ حضرت سلیمان نے اس سے فرمایا کہ یہ سیدھا ہموار اور صاف ستھرا شیشے سے تیار کردہ ایک محل ہے اور اسی سے ''امرد'' ہے (صاف چہرہ والا بے ریش لڑکا) ﴿مِّنْ قَوَارِيْرَ﴾ شیشے سے (تعمیر کردہ محل ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کرنا چاہا تو پنڈلیوں اور پاؤں پر بالوں کو ناپسند کیا' چنانچہ شیطانوں نے نورہ (بال صفا پوڈر) اسے استعمال کرایا' جس سے بال صاف ہو گئے' پھر حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر لیا اور اس سے خوب محبت فرمائی اور اس کو اس کے اپنے ملک کی حکمرانی پر برقرار رکھا اور معزول نہیں فرمایا اور آپ مہینے میں ایک دفعہ اس سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے پاس تین دن قیام فرماتے اور اس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی تھی ﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ﴾ بلقیس نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے سورج کی عبادت کر کے اپنے آپ پر ظلم وزیادتی کی ہے ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور اب میں نے حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ محققین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا ہوتا کہ ایک اجنبی اور پرائی عورت کی پنڈلیاں دیکھ سکیں' بلکہ اس قسم کی بات کہنا صحیح نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۵
قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝۴۶ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
تُفْتَنُوْنَ ۝۴۷ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝۴۸ قَالُوْا
تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۴۹

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' سو وہ اسی وقت دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے ۝ صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم نیکی سے پہلے برائی میں جلدی کیوں کرتے ہو' تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۝ انہوں نے کہا: ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شگون لیا ہے' جناب صالح نے فرمایا کہ تمہارا برا شگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے ہو ۝ اور شہر میں نو آدمی تھے جو زمین میں فساد پھیلایا کرتے اور وہ اصلاح نہیں چاہتے تھے ۝ انہوں نے کہا: تم آپس میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤ کہ ہم اس (صالح علیہ السلام) پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے' پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت حاضر نہیں تھے اور بے شک ہم سچے ہیں ۝

## حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اور قوم ثمود کی تباہی کا بیان

۴۵۔﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾ اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے نسبی اور خاندانی بھائی تھے کیونکہ قرابت داری اور رشتہ داری کی وجہ سے قوم ثمود سے تعلق رکھتے تھے [''صَالِحًا''،''اَخَاهُمْ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم اسی اللہ تعالیٰ ہی کو واحد لاشریک معبود تسلیم کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو' اس کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہ مانو [امام عاصم' قاری حمزہ اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں وصل کی حالت میں نون مکسور پڑھا جائے گا اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''اُعْبُدُوْا'' کی ''با'' مضموم کی اتباع میں نون کو مضموم پڑھا جائے گا] ﴿ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ سو اسی وقت وہ لوگ دو گروہ ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا پیغام سنایا تو اسی وقت وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے' ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے آپ کے ساتھ کفر کیا اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے' چنانچہ ان میں سے ہر ایک گروہ کہتا کہ حق تو صرف میرے ساتھ ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں بیان کی گئی ہے:

''قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○'' (الاعراف:۷۵۔۷۶)

''اس کی قوم میں سے تکبر کرنے والے سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ (حضرت) صالح اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یقیناً رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' انہوں نے کہا کہ انہیں جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہے' اس پر ہم یقیناً ایمان رکھنے والے ہیں ○ تکبر کرنے والوں نے کہا: بے شک ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو ○'' اور کافروں کے گروہ نے یہ بھی کہا کہ ''يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○'' (الاعراف:۷۷) ''اے صالح (علیہ السلام)! تم ہم سے جس چیز (عذاب) کا وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ' اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو ○'' [''اِذَا'' مفاجاۃ کے لیے ہے اور ''هُمْ'' مبتدا ہے۔ ''فَرِيْقٰنِ'' اس کی خبر ہے اور ''يَخْتَصِمُوْنَ'' صفت ہے اور یہی ''اِذَا'' میں عامل ہے]۔

۴۶۔﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم بُرائی کے لیے جلدی کیوں کرتے ہو؟ (یعنی) اس عذاب کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ نیکی سے پہلے (یعنی) توبہ کرنے سے پہلے ﴿ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کیوں نہیں کرتے' (یعنی) تم اپنے اوپر عذاب نازل ہونے سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کر کے اور ایمان لا کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو [یہاں ''لَوْلَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' استعمال کیا گیا ہے] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ تاکہ دعا کی قبولیت کے ساتھ تم پر رحم و کرم کیا جائے۔

۴۷۔﴿ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ بُرا شگون لیا ہے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت کے وقت انہیں قحط میں مبتلا کر دیا گیا تھا' جس کا سبب ان کا آپ کو جھٹلانا تھا' سو انہوں نے اس قحط سالی کو آپ کی آمد کی طرف منسوب کر دیا [اور اصل میں ''تَطَيَّرْنَا'' ہے اور اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے' پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا اور ''طا'' کے ساکن ہو جانے کی وجہ سے شروع میں الف متحرک زیادہ کیا گیا ہے] ﴿ وَبِمَنْ مَّعَكَ ﴾ اور آپ پر ایمان لانے

والے مؤمنوں کے ساتھ جو آپ کے ساتھی ہیں ﴿قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی تمہارا وہ سبب جس کی وجہ سے تمہاری بھلائی اور تمہاری بُرائی آتی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اس کی تقدیر اور اس کی قسمت ہے یا یہ کہ تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے پاس لکھ دیا گیا ہے سو اسی عمل کی وجہ سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ تمہارے لیے بہ طورِ سزا اور امتحان و آزمائش نازل ہوا ہے (تو گویا "طائر" بہ معنی عمل ہے) اور اسی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ" (الاسراء: ۱۳) "اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے میں لگا رکھا ہے"۔ اور اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مسافر پرندے کے پاس سے گزرتا تو اسے ڈراتا دھمکاتا' پھر اگر وہ پرندہ مسافر کی بائیں جانب سے دائیں جانب کی طرف اُڑتا ہوا گزر جاتا تو یہ مسافر اسے مبارک سفر خیال کرتا اور جب وہ پرندہ دائیں جانب سے بائیں جانب کی طرف اڑتا ہوا گزر جاتا تو مسافر اس کو بدشگونی تصور کرتا' پھر اہل عرب نے بہ طورِ استعارہ بھلائی اور بُرائی کو پرندہ کی طرف منسوب کر دیا جب کہ خیر و شر کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی تقسیم ہے یا بندے کا اپنا عمل ہے' جو رحمتِ الٰہی اور غضبِ الٰہی کا سبب ہوتا ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴾ بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے ہو یا تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۴۸۔ ﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے' جو زمین میں فساد مچاتے اور اصلاح بالکل نہیں کرتے تھے۔ اس شہر سے ثمود کا شہر مراد ہے اور اس کا نام حجر ہے اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ ان کا سردار قدار بن سالف تھا اور یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے معجزے سے پیدا ہونے والی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے اور اسے ہلاک کرنے کے لیے کوشاں رہتے اور یہ اس قوم کے سرداروں کے بیٹے تھے' جن کا کام محض فساد پھیلانا تھا اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے' جیسا کہ تم بعض فسادیوں کو دیکھو گے کہ ان سے اصلاح بہت کم واقع ہوتی ہے اور حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ یہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے اور ظالموں کو ظلم کرنے سے نہیں روکتے تھے اور حضرت ابن عطاء نے بیان کیا کہ یہ دوسرے لوگوں کے عیبوں کو تلاش کرتے تھے اور ان کی پردہ پوشی نہیں کرتے تھے [ "رهط" لفظاً مفرد ہے مگر معنیً جمع ہے اور اس کا مفرد نہیں آتا' اس لیے اس کے ساتھ "تِسْعَةٌ" کی تمیز جائز ہے تو گویا وہ نو اشخاص تھے اور "رَهْط" کا لفظ تین سے لے کر دس افراد تک بولا جاتا ہے ]۔

۴۹۔ ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا۔ [ یہ "قَدْ" مضمر کے ساتھ حال کی جگہ پر خبر واقع ہے "اَيْ قَالُوْا مُتَقَاسِمِيْنَ" یعنی انہوں نے قسم کھاتے ہوئے کہا' یا پھر یہ امر ہے "اَيْ اَمَرَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالْقَسَمِ" یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو قسم کھانے کا حکم دیا] ﴿لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے اور "اهل" سے حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کے پیروکار مراد ہیں ﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ﴾ پھر ہم اس کے وارث کو (یعنی) اس کے خون کے وارث کو کہیں گے [ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "لَتُبَيِّتُنَّهٗ" کو نون کی بجائے "تا" کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' اس صورت میں دوسری "تا" بھی مضموم پڑھی جاتی ہے' نیز "ثُمَّ لَتَقُوْلُنَّ" میں نون کی بجائے "تا" کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' اس صورت میں لام مضموم ہے ] ﴿مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ ہم اس کی ہلاکت کے وقت حاضر نہیں تھے' یہاں "مَا شَهِدْنَا" بہ معنی "مَا حَضَرْنَا" ہے (گویا "شَهِدْنَا" "شهود" سے مشتق ہے) یعنی ہم حضرت صالح کے اہل و عیال کے درپے آزار نہیں ہوئے تو ہم خود ان کے درپے آزار کیسے ہو سکتے ہیں؟ یا یہ معنی ہے کہ ہم اس کی ہلاکت کی جگہ پر حاضر نہیں تھے تو ہم اس کی مدد کیسے کرتے [ امام حفص کی قراءت میں "مَهْلِكَ" میں لام مکسور

ہے جب کہ ابوبکر کوفی' حماد اور مفضل کی قراءت میں ''مَهْلَكَ'' میں لام مفتوح ہے اور یہ ''هَلَكَ'' سے مشتق ہے سو پہلی قراءت کے مطابق اسم ظرف بہ معنی ہلاکت گاہ ہوگا اور دوسری قراءت کے مطابق مصدر بہ معنی ہلاکت ہوگا اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''مُهْلَكَ'' میں میم مضموم اور لام مفتوح ہے اور یہ ''اهلك'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہلاک کرنا یا ہلاک کرنے کی جگہ ہے] ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے' اس میں ہم ضرور سچے ہیں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور انہوں نے ایک بہت بڑی سازش تیار کی اور ہم نے بھی ایک بہت بڑی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ (اس سے) بالکل بے خبر رہے ○ پس آپ غور سے دیکھیں کہ ان کی سازش کا انجام کیسا بھیانک ہوا کہ بے شک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو تباہ کر ڈالا ○ سو ان کے گھر خالی گرے پڑے ہیں اس لیے کہ انہوں نے ظلم کیا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو علم رکھتے ہیں ○ اور ہم نے ایمان داروں اور پرہیزگاروں کو نجات دے دی ○

۵۰- ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور ہم نے بہت بڑا مدبرانہ خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ قوم ثمود کا مکر تو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کے قتل کی سازش تیار کی اور اسے مخفی رکھا (تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے) اور اللہ تعالیٰ کا مکر یعنی منصوبہ یہ تھا کہ انہیں ان کی بے خبری میں ہلاک کیا جائے اور اس منصوبہ کو مکر کرنے والے کے مکر کے ساتھ بہ طورِ استعارہ تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ شہر حجر کے ایک کنارہ پر ایک درے میں حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی' جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے (اور اونٹنی کی ہلاکت پر آپ نے قوم ثمود کو تین دن تک عذابِ الٰہی میں ہلاک ہو جانے کی خبر سنائی تھی) پس انہوں نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام کا گمان ہے کہ تین دن تک ہم سے نجات پالیں گے' سو ہم خود تین دن سے پہلے انہیں اور ان کے گھر والوں کو ہلاک کر کے ان سے نجات حاصل کر لیتے ہیں' چنانچہ وہ نو آدمی اس درے میں جا پہنچے اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے' پھر ان کے گھر لوٹ جائیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک بہت بڑا پتھر بھیج دیا' جو درے کے دروازے پر آ گرا' انہوں نے نکلنے کی جلدی کی مگر وہ پتھر درے کے منہ پر چپک گیا اور وہ درے کے اندر بند ہو گئے اور ان کی قوم کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ لوگ کہاں گئے اور نہ ان کو معلوم ہو سکا کہ ان کی قوم کے ساتھ کیا کیا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی اپنی جگہ میں عذاب بھیج کر تباہ کر ڈالا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات عطا فرما دی۔

۵۱- ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ﴾ (اے محبوب!) سو دیکھئے کہ ان کے مکر و فریب کا انجام کیا ہوا کہ بے شک ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا [اہل کوفہ اور سہل کی قراءت میں الف مفتوح ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں الف (یعنی ہمزہ بہ صورتِ الف متحرک) مکسور ہے' اس بناء پر کہ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے اور الف مفتوح کی صورت میں یہ ''عَاقِبَةُ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا' جس کی مقدر

عبارت یوں ہوگی: "وَهِيَ تَدْمِيرُهُمْ" اور وہ انجام ان کی تباہی ہے یا پھر یہ "اَنَّا" کے معنی کی بناء پر منصوب ہوگا یا "كَانَ" کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا "اَیْ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمُ الدمار" یعنی ان کے مکر وفریب کا انجام ہلاکت وتباہی ہوا]
﴿وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور (ہم نے) ان کی ساری قوم کو ایک چنگاڑ کے ذریعے تباہ و برباد کر ڈالا۔
۵۲- ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً﴾ پس ان کے یہ گھر گر کر خالی پڑے ہوئے ہیں۔ "خَاوِيَة" کا معنی یہ ہے کہ ان کے مکانات منہدم ہو کر گرے پڑے ہیں' اس صورت میں یہ "خوى النجم" سے ماخوذ ہوگا اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے' جب ستارہ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے یا "خاوية" کا معنی یہ ہے کہ ان کے مکانات اپنے باشندوں سے خالی پڑے ہیں اور اس صورت میں "خاوية"، "خواء" سے ماخوذ ہوگا' جس کا معنی ہے: خالی ہونا [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے' اس کا عامل "تِلْكَ" کا معنی ہے]
﴿بِمَا ظَلَمُوْا﴾ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا گویا ان کی تباہی کا سبب ان کا ظلم کرنا ہے
﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ بے شک قوم ثمود کے ساتھ جو کچھ کیا گیا ہے' اس میں ایسی قوم کے لیے ضرور عبرت کی نشانی ہے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔
۵۳- ﴿وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات بخشی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے
﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کے احکام کے ترک سے پرہیز کرتے رہے اور یہ اہل ایمان حضرات چار ہزار تھے' جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے نجات حاصل کی تھی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کے پاس آتے ہو؟ حالانکہ تم دیکھتے ہو O کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے پاس آتے ہو؟ بلکہ تم لوگ جہالت وکم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہو O سو اس کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہی کہ انہوں نے کہا: لوط کی آل کو اپنی بستی سے نکال دو' بے شک یہ لوگ پاک باز بن کر رہنا چاہتے ہیں O سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دی ماسوا اس کی ایک بیوی کے' ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں مقدر کر دیا تھا O اور ہم نے ان پر پتھروں کی زوردار بارش برسا دی' پس ڈرائے جانے والوں کی بارش بہت بُری ثابت ہوئی O فرمایئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بنایا' کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک بناتے ہیں O

## حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کی تباہی کا بیان

۵۴-﴿ وَلُوْطًا ﴾ ''اَیْ وَاذْکُرْ لُوْطًا'' یعنی (اے محبوب!) اور حضرت لوط علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا [اور ''اِذْ''، ''لُوْطًا'' سے بدل واقع ہو رہا ہے یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے قول کے وقت کو یاد کیجئے جس وقت آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ] ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ کیا تم بے حیائی کے پاس آتے ہو یعنی کیا تم لوگ شہوت رانی کے لیے لڑکوں کے پاس آتے ہو ﴿ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾ اور تم دیکھتے بھی ہو (یعنی) تم جانتے ہو کہ یہ کام بے حیائی کا ہے' وہ شخص اس کی طرف ہرگز سبقت نہیں کر سکتا' جو دل کا بینا ہے یا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بے حیائی کا کام کرتے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے تھے کیونکہ وہ لوگ اس قدر بے حیا ہو چکے تھے کہ وہ اپنی محافل و مجالس میں علانیہ کھلم کھلا اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے' وہ لوگ اس گناہ میں منہمک اور دیوانے ہو کر ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتے تھے' یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے سے پہلے نافرمانوں اور گناہ گاروں کے آثار اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کی علامات دیکھتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کی تصریح اور وضاحت بیان کی اور فرمایا:

۵۵-﴿ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ﴾ کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے پاس آتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے لیے پیدا فرمایا ہے اور مردوں کو مردوں کے لیے پیدا نہیں فرمایا اور نہ عورتوں کو عورتوں کے لیے پیدا فرمایا' پس یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے [کوفی اور شامی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''اَىِٕنَّكُمْ'' ہے] ﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ بلکہ تم لوگ جہالت کا کام کرتے ہو کہ تم جاہلوں کے کام جیسا کام کرتے ہو' اس کے باوجود کہ تم جانتے ہو یہ بے حیائی کا کام ہے یا ''جھل'' سے سفاہت و کم عقلی اور بے حیائی و بے شرمی مراد ہے' جس پر وہ قائم تھے [اور ''بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ'' اور ''بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ'' میں غیبت اور خطاب جمع ہو گئے ہیں' پھر خطاب کو غیبت پر غالب کر دیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ کلام حاضرین کے درمیان ہو]۔

۵۶-﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ﴾ سو اس کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہی کہ انہوں نے کہا کہ لوط (علیہ السلام) کی آل کو اپنی بستی سے نکال دو یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے باہر نکال دو [پس ''کان'' کی خبر ''جَوَابَ قَوْمِهٖ'' ہے اور اس کا اسم ''اَنْ قَالُوْا'' ہے] ﴿ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ پاک باز بنتے ہیں اور گندے اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں' سو اس لیے وہ اس ناپاک اور گندے عمل سے انکار کرتے ہیں اور ان کا انکار ہمیں غضب ناک کرتا ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ انہوں نے یہ بات استہزاء اور مذاق اڑانے کے لیے کہی تھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ'' (ھود:۸۷) ''بے شک (اے شعیب علیہ السلام!) آپ تو بہت بردبار بڑے نیک چلن ہیں''۔

۵۷-﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ ﴾ سو ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو اس عذاب سے نجات دے دی' جو قوم پر واقع ہونے والا تھا ﴿ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ ماسوا ان کی بیوی کے' جس کا عذاب میں باقی رہنے والوں میں ہونا ہم نے مقدر کر دیا [''قدرناھا'' حماد اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں مشدد ہے یعنی ہم نے اس کا عذاب میں باقی رہنے والوں میں ہونا مقدر کر دیا]۔

۵۸-﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کی زوردار بارش برسا دی اور ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا' جس پر اس پتھر نے گرنا تھا ﴿ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ ان ڈرائے جانے والوں پر بہت بُری بارش برسائی گئی' جنہوں

نے ڈراوے کو قبول نہیں کیا تھا۔

۵۹۔﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾ فرمایئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بزرگ بنایا۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم و معظم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنی حمد وثناء بیان کرنے اور اپنے برگزیدہ بندوں پر سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے' اس بنیاد پر کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور ہر چیز پر اس کی قدرت کی رہنمائی کرنے والا بیان آ رہا ہے اور یہ کلام کرنے والے کے لیے تعلیم ہے کہ ہر ذیشان کام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام پڑھنے سے تبرک حاصل کیا جائے اور ان دونوں کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کی جائے یا یہ حضرت لوط علیہ السلام سے خطاب ہے کہ وہ اپنی قوم میں سے کفار کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور ان بندوں پر سلام پڑھیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنالیا اور ان کو کفار کی ہلاکت سے نجات بخشی اور انہیں ان کے گناہوں سے بچالیا ﴿ ءَآللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں' اور مشرکین جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے' ان میں تو بالکل خیر ومنفعت نہیں تھی' یہاں تک کہ ان کے درمیان اور تمام کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ دراصل یہاں صرف مشرکین پر الزام دینا اور انہیں ڈرانا دھمکانا مقصود ہے اور یہ اس لیے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دی تھی اور کوئی عقل مند شخص کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر اس وقت تک ترجیح نہیں دیتا اور نہ اسے اختیار کرتا ہے جب تک اس میں زیادہ خیر ومنفعت نہیں پالیتا تو گویا مشرکین سے کہا گیا کہ اس کو جان لینے کے باوجود کہ جن بتوں کی عبادت کو انہوں نے ترجیح دی' ان میں ذرہ برابر بھی خیر و بھلائی اور منفعت نہیں ہے اور بلا شبہ انہوں نے ان کو زیادہ خیر و بھلائی کی بناء پر اختیار نہیں کیا بلکہ محض خواہشِ نفسانی کی بناء پر بے کار و بے فائدہ ان کی عبادت اختیار کر لی تاکہ انہیں بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی جہالت پر تنبیہ کی جائے اور انہیں اس بدترین جہالت و غلطی سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ کسی چیز کو ترجیح دینے اور اسے اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں خیر و بھلائی اور منفعت سب سے زیادہ ہو' اور حضور سید عالم ﷺ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے: ''بَلِ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَجَلُّ وَاَكْرَمُ'' بلکہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور سب سے زیادہ بزرگ و برتر اور مکرم و معظم ہے۔ [ابوعمرو بصری اور امام عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُشْرِكُوْنَ'' (فعل مضارع غائب جمع مذکر) ہے]۔

الجزء ۲۰

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا
بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝٦٠ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦١ؕ
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَؕ ۝۶۲

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہاری خاطر آسمان سے بارش کا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے خوش نما باغات اگائے' تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم ان کے درخت اگاتے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبودِ برحق ہے' بلکہ وہ لوگ راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں○ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھکانا بنایا اور اس کے درمیان دریا بنا دیئے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے اس پر مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور اس نے دونوں سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے○ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب بھی وہ اسے پکارے اور وہی مصیبت کو دور کرتا ہے اور وہی تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو○

## اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فوائد ومنافع اور اس کی قدرت کا بیان

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان خیرات وحسنات اور منافع وفوائد کو شمار کیا جو کہ اس کی رحمت ومہربانی اور اس کے فضل وکرم کی نشاندہی کرتے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۶۰- ﴿ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا [اور ''اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ'' میں ''اَمۡ'' کے درمیان اور ''اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ'' میں ''اَمۡ'' کے درمیان فرق ہے کہ وہ ''اَمۡ'' متصلہ ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں (اللہ تعالیٰ اور بتوں) میں سے کون بہتر ہے اور یہ ''اَمۡ'' منقطعہ ہے جو ''بَلۡ'' اور ہمزہ کے معنی میں ہے] جب گزشتہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بتاؤ! کیا اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے یا مشرکین کے خود ساختہ معبود' تو اب اس آیت مبارکہ میں فرمایا: بلکہ کیا وہی سب سے بہتر ہے' جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اس ارشاد میں ان کے لیے ثابت کر دیا گیا ہے کہ بے شک جو تمام جہانوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے' وہی ان بے جان مورتیوں (بتوں) سے بہتر ہے' جو بے چارے کسی چیز کے پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہیں ﴿ وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اور وہی تمہارے لیے آسمان سے بارش کا پانی نازل کرتا ہے ﴿ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ﴾ پھر ہم نے اس بارش کے پانی کے ذریعے حسین وجمیل' خوش نما پُر رونق باغات اُگائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے کلام کو غیبت سے تکلم کی طرف پھیر دیا' ایک تو یہ تاکید کرنے کے لیے کہ یہ فعل اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا یہ تنبیہ کرنے کے لیے کہ مختلف اقسام' مختلف رنگوں' ذائقوں اور مختلف شکلوں کے حسین وجمیل اور خوب صورت باغات کے ایک پانی سے پیدا کرنے پر ماسوا اس اکیلے خدا کے کوئی اور قادر نہیں ہے۔ ''بِهٖ'' کا مرجع ''الماء'' (پانی) ہے۔ ''حَدَآئِقَ'' کا معنی باغات ہے اور یہ ''حَدِیۡقَة'' کی جمع ہے ''حَدِیۡقَة'' اس باغ کو کہا جاتا ہے' جس کے اردگرد چاروں طرف دیوار سے گھیر لیا گیا ہو کیونکہ ''حَدِیۡقَة'' کا ایک لغوی معنی احاطہ کرنا اور گھیرنا ہے' پھر ''ذات'' کی بجائے ''ذوات'' نہیں فرمایا کیونکہ ''حَدَائِق'' سے ایک جماعت مراد ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''اَلنِّسَآءُ ذَهَبَتۡ'' یعنی عورتوں کی ایک جماعت چلی گئی۔ ''بَهۡجَة'' کا معنی ہے: خوب صورت' خوش نما اور حسین وجمیل کیونکہ ہرے بھرے باغات کو دیکھنے والا خوش ہو جاتا ہے ﴿ مَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ﴾ تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم ان باغات کے درختوں کو اُگا سکو' اور ''کینونة'' کا معنی مناسب ولائق قدرت ہے' مطلب ومراد یہ ہے کہ باغات کے درختوں کو مناسب وموزوں اُگانا اور پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کے لیے ممکن نہیں' بلکہ ایسا کرنا اس ذاتِ واحد لاشریک کے سوا

محال و ناممکن ہے ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ایسا ہے (ہرگز نہیں) یعنی اس کے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کو اس کے ساتھ ملایا جائے اور اس کا شریک ٹھہرایا جائے؟ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ شرک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو مساوی قرار دے کر شرک کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں جو کہ وہی توحید ہے اور خطاب کے بعد "بَلْ هُمْ" ان کی رائے کے غلط قرار دینے میں سب سے زیادہ بلیغ ہے۔

٦١- ﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھکانا بنایا۔ "قرار" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہر چہار اطراف پھیلایا اور اس کو مساوی ہموار کیا تا کہ اس پر ٹھہرا جا سکے اور اس پر رہائش رکھی جا سکے [یہ اور اس کا مابعد "اَمَّنْ خَلَقَ" سے بدل ہے' پس اس کا وہی حکم ہے جو اس کا حکم ہے] ﴿وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے درمیان دریا جاری کر دیئے۔ [ "خِلٰلَهَا" اسم ظرف ہے "اَیْ وَسْطَهَا" یعنی اس کے درمیان اور یہ دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول "اَنْهٰرًا" ہے اور "بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ" بھی اسی کی مانند ہے] ﴿وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو برقرار رکھنے کے لیے اس پر بھاری بھرکم مضبوط قائم رہنے والے پہاڑ بنا دیئے' جو اس کو حرکت کرنے اور ہلنے سے روکتے ہیں ﴿وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سمندروں (یعنی) میٹھے اور کھارے سمندروں کے درمیان آڑ (یعنی) رکاوٹ قائم کر دی تا کہ وہ دونوں آپس میں خلط ملط ہو کر باہم مل نہ جائیں ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے؟ بلکہ ان میں اکثر لوگ توحید کو نہیں جانتے' پس اس لیے وہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

٦٢- ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار و محتاج کی دعا قبول کر لیتا ہے' جب بھی وہ اسے پکارتا ہے۔ "اضطرار" "باب افتعال" "ضرورة" سے مشتق ہے اور یہ وہ حالت ہے جو کسی پناہ کی محتاج ہوتی ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "اِضْطَرَّهُ اِلٰى كَذَا" اور اس کے اسم فاعل اور اسم مفعول کا ایک وزن "مضطر" ہے اور "مضطر" وہ شخص ہوتا ہے جس کو کسی بیماری یا غربت یا زمانہ کے حوادثات میں سے کوئی نازل ہونے والے حادثہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لینے اور عاجزی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہو یا "مضطر" وہ گناہ گار ہے' جب وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگتا ہے یا مظلوم ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے یا ہر وہ شخص مراد ہے' جو دعا کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر بلند کرتا ہے اور وہ اپنے دل میں توحید ہی کو بھلائی خیال کرتا ہے اور وہ اسی واحد لاشریک سے ڈر کر دعا مانگتا ہے ﴿وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ اور وہی ہر قسم کے ضرر اور نقصان کو یا ظلم و ستم کو دور کرتا ہے ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے یعنی زمین میں جانشین بناتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کے باشندوں کو فوت ہو جانے والوں کا وارث بناتا ہے کہ وہ زمین میں تصرف کریں' پھر ان کے مرنے کے بعد آنے والے دوسرے لوگوں کو ان کا وارث بنا دیتا ہے' اسی طرح ہر زمانہ میں ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے وارث بنتے رہتے ہیں (اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا) یا خلافت سے حکومت و اقتدار مراد ہے ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو [ابو عمرو کی قراءت میں "یا" کے ساتھ (فعل مضارع غائب) ہے اور امام حفص اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ذال کی تخفیف کے ساتھ ہے اور حرف "ما" زائدہ ہے یعنی تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو ]^[1]

ا باقی قراء کی قراءت میں ذال مشدد کے ساتھ "تَذَّكَّرُوْنَ" ہے اور یہ قراءت نافع مدنی' ابن کثیر مکی' عاصم' ابوعمرو' ابن عامر شامی' شعبہ' ابن ذکوان' یعقوب اور ابوجعفر کی ہے۔ (معجم القراءات ج ۴ ص ٣٦٣)

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِۦ ۗ
أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَٰلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَمَنْ
يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَٰنَكُمْ إِنْ كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ
أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادَّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم
مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾ ع

بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھاتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی برحق معبود ہے' اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بہت بلند تر ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں O بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ بنائے گا اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق عطا کرتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے' (اے محبوب!) فرمائیے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرمائیے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود) غیب کو نہیں جانتے ماسوا اللہ تعالیٰ کے' اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا O بلکہ اِن کا علم آخرت کے بارے میں (دلائلِ ربانی کے بعد) مکمل ہو گیا' بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' بلکہ وہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں O

۶۳- ﴿أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں رات کو ستاروں کے ذریعے اور دن کو زمین کے نشانات کے ذریعے تمہیں راہ دکھاتا ہے ﴿وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَٰحَ﴾ اور وہ کون ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "الریاح" کی بجائے "الریح" ہے] ﴿بُشْرًا﴾ خوشخبری دینے والی۔ یہ "بشارۃ" سے ماخوذ ہے اور اس کا ذکر (سورۃ الاعراف' آیت: ۵۷ میں) گزر چکا ہے ﴿بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِۦ﴾ اپنی رحمت کے آگے (یعنی) بارش کے آنے سے پہلے ﴿أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَٰلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (بلکہ) اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بہت بلند تر ہے' جن کو یہ مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔

۶۴- ﴿أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ﴾ بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر دوبارہ اس کو بنائے گا' اور یہاں ان کے لیے "ثُمَّ يُعِيدُهُ" فرمایا گیا ہے حالانکہ وہ تو دوبارہ اٹھائے جانے اور دوبارہ زندگی کا انکار کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوبارہ اٹھنے کی معرفت اور اقرار و اعتراف کے حصول پر ان کی قدرت و صلاحیت رکھنے کی بناء پر ان کا اعتراض زائل کر دیا گیا ہے (کہ جو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر بھی وہی جسمانی زندگی عطا کر کے دوبارہ اٹھائے گا) سو اب ان کے انکار کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ﴿وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے یعنی بارش کے ذریعے اور زمین سے یعنی زمین کی پیداوار سے رزق عطا کرتا ہے ﴿أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَٰنَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَٰدِقِينَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور سچا معبود ہے (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم شرک کرنے پر اپنی ٹھوس اور مضبوط دلیل پیش کرو' اگر تم اپنے اس

دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔

۶۵- قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں کوئی بھی غیب نہیں جانتے' سوا اللہ تعالیٰ کے۔ "غیب" وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور مخلوق اس پر مطلع نہ ہو اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا غیب کو کوئی نہیں جانتا' ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً بہت بلند ہے کہ وہ ان میں سے ہو جو آسمانوں میں اور زمین میں رہتے ہیں[1] لیکن بنی تمیم کی لغت پر یہ جائز ہے کیونکہ وہ استثناء منقطع کو استثناء متصل کے حکم میں مقرر دیتے ہیں اور وہ مستثنیٰ منقطع پر نصب کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدل مستثنیٰ منقطع میں اسی طرح ہوتا ہے' جس طرح مستثنیٰ متصل میں ہوتا ہے اور "مَنْ" "يَعْلَمُ" کا فاعل ہے اور "الْغَيْبَ" اس کا مفعول ہے اور اسم "اللّٰهُ" "مَنْ" سے بدل ہے[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ جو کل ہونے والا ہے' اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹا الزام لگایا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

اور بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] واضح ہو کہ بعض آیات مبارکہ میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور مخلوق سے نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض احادیث مبارکہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے جب کہ بعض آیات مبارکہ اور بہت سی احادیث شریفہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علمی کے مخالفین ثبوت علم غیب کی آیات و احادیث سے صرف نظر کر کے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صرف علم غیب کی نفی کی آیات و احادیث پیش کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں (جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کیا ہے' ملاحظہ ہو "تفہیم القرآن" ج ۳ ص ۵۹۷۔ ۵۹۸' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۳ء) جس کی وجہ سے عام تعلیم یافتہ طبقہ شانِ نبوت میں اس قسم کی متضاد ابحاث کو بڑھ کر اس کو علماء کی فرقہ پرستی اور ہٹ دھرمی قرار دے کر دین سے متنفر ہوتا جا رہا ہے' لہٰذا اس بات کی وضاحت بہت ضروری ہے تاکہ آیات و احادیث میں تضاد نہ رہے اور باہم آپس میں موافق و مطابق نظر آئیں' سو جن آیات و احادیثِ مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے' ان سے قدیم' مستقل' غیر متناہی اور بلاواسطہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے سکھائے بغیر ذاتی علمِ غیب کی نفی مراد ہے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ روایت اور آیت میں بھی اسی علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے اور جن آیات و احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے' ان سے حادث' غیر مستقل' علومِ الٰہیہ کے مقابلے میں متناہی اور بالواسطہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے سکھانے سے عطائی علمِ غیب کا ثبوت مراد ہے' چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ (یعنی سورۃ النمل' آیت: ۶۵) کی تشریح کرتے ہوئے مسلکِ دیوبند کے مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: (تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں' نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہاں! بعض بندوں کو بعض غیوب پر بااختیار خود مطلع کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا' یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "عَالِمُ الْغَيْبِ" یا "فُلَانٌ يَعْلَمُ الْغَيْبَ" کا اطلاق نہیں کیا بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ بہ ظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں' اس لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں' گو لغۃً صحیح ہوں۔

(حاشیہ قرآن المعروف تفسیر عثمانی ص ۴۹۶' حاشیہ نمبر: ۱' ادارہ دار التصنیف' کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ اور یہ لوگ نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ ''يَشْعُرُوْنَ'' بہ معنی ''يَعْلَمُوْنَ'' ہے اور ''اَيَّانَ'' بہ معنی ''مَتٰی'' ہے۔

٦٦- ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ ﴾ بلکہ ان کا علم اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور مکمل ہو گیا۔ یہ ''ادركت الفاكهة'' سے لیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پھل پک کر مکمل تیار ہو جاتا ہے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' یزید اور مفضل کی قراءت میں ہمزہ قطعی کے ساتھ (باب افعال سے) ہے جب کہ اعشی کی قراءت میں ''بل ادّرك'' (دال کے بعد الف نہیں) ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک ''بل ادّارك'' ہے اور اس کا معنی ہے: مستحکم ہو گیا اور اس کی اصل ''تَدَارَكَ'' ہے پھر ''تا'' کو دال میں مدغم کر دیا گیا اور شروع میں وصل کا الف زیادہ کیا گیا تا کہ اس کے ساتھ تکلم کیا جا سکے] ﴿ فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ آخرت کے بارے میں یعنی آخرت کی شان اور اس کے معنی کے بارے میں اور مطلب یہ ہے کہ بے شک قیامت قائم ہو گی' اس کے بارے میں انہیں (کفارِ مکہ کو) علم کے استحکام اور اس کے مکمل اسباب حاصل ہو چکے اور قیامت کے وقوع کی معرفت اور پہچان کی پوری قوت انہیں حاصل ہو چکی حالانکہ اس کے باوجود وہ شک کرنے والے جاہل بنے ہوئے ہیں اور یہی مطلب ہے درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ کا ﴿ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ بلکہ وہ لوگ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہو چکے ہیں' اس آیت مبارکہ میں ان کے مختلف احوال اور ان کی جہالت کو تین مرتبہ ''بَلْ'' کے ساتھ مکرر بیان کیا گیا ہے' چنانچہ پہلے ان کا یہ وصف بیان کیا گیا کہ انہیں بعثت و قیامت کا شعور ہی نہیں ہے' پھر بیان کیا گیا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ قیامت ہو گی' پھر بیان کیا گیا کہ وہ قیامت کے بارے میں شک وشبہہ میں حیران و سرگرداں ہو چکے ہیں' سو وہ اس کو زائل نہیں کرتے حالانکہ زائل کرنے کی استطاعت ہے' پھر ان کا بدترین حال بیان کیا گیا اور وہ ان کا قیامت کی معرفت سے اندھا ہونا ہے اور آخرت کو ان کے اندھے پن کا مبداء و منشا قرار دیا گیا ہے' اس لیے ''عَنْ'' کی بجائے ''مِنْ'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ آخرت اور جزا و سزا کے انکار ہی نے انہیں غور و فکر اور تدبر کرنے اور اس آیت مبارکہ کی درست توجیہ جاننے سے روکے رکھا اور مشرکین کی یہی صفت اور عادت ہے کہ وہ بعثت اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہیں' اس کے باوجود کہ اس سے پہلے علم کے اسباب اور معرفت کی صلاحیت و قوت کے اسباب مستحکم ہو چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ علمِ غیب کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ مختص ہے' بندوں کو اس میں سے کچھ علم نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ بندے غیب نہیں جانتے تو یہ ان کے عجز کا بیان ہو گیا اور ان کے علم کی کمی کا اظہار ہو گیا تو اس کے ساتھ متصل یہ بھی ذکر کر دیا کہ ان کے نزدیک علم سے عجز زیادہ بلیغ ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ اس واقع ہونے والی چیز' جس کا واقع ہونا بہرحال ضروری اور لازمی ہے اور وہ ان کے اعمال کی جزاء و سزا کا وقت ہے' کہتے ہیں کہ وہ واقع نہیں ہو گی' اس کے باوجود کہ ان کے پاس اس کے ہونے کی معرفت کے اسباب اور اس کے ساتھ علم کے استحکام کے اسباب موجود ہیں اور یہ بھی جائز اور ممکن ہے کہ علم کے استحکام کے ساتھ اور اس کے مکمل ہونے کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا' ان کے ساتھ تحکم و استہزاء اور مذاق اڑانا مقصود ہو جیسا کہ تم کسی سب سے زیادہ جاہل آدمی سے کہو کہ تم کتنے بڑے عالم ہو جب کہ یہ صرف اس کا مذاق اڑانے کے لیے کہو اور یہ اس لیے کہ وہ لوگ قیامت کے علم تک پہنچنے کے لیے جو راستہ چلایا گیا اس کے اثبات سے اندھے بنے رہے اور شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے'

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نوٹ: قرآن و سنت کے دلائل اور اقوالِ مفسرین کی تفصیل کے لیے اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیے' تفسیر ''تبیان القرآن'' جلد ۸ ص ۲۳۲-۲۱۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور اور ''تفسیر ضیاء القرآن'' جلد ۳ ص ۴۶۱-۴۵۶' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' نیز جاء الحق جلد اوّل بحث علمِ غیب۔ غوثوی مہاروی

چہ جائے کہ وہ اس کے واقع ہونے کے وقت کو پہچان سکتے' جس کی معرفت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''ادرك'' بہ معنیٰ ''انتھٰی وفنٰی'' ہو (یعنی ان کا علم قیامت کے بارے میں ختم ہو گیا ہے اور فنا ہو گیا ہے) جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''ادرکت الثمرۃ'' پھل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا کیونکہ یہ پھل اپنے پکنے کی انتہاء کے پاس پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور حضرت حسن نے اس کی یہ تفسیر کی کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں کمزور ہو گیا اور ''تَـدَارَكَ بَنُوْ فُلَانٍ'' سے ''ادراك'' ماخوذ ہے' جب وہ ہلاکت کے پیچھے لگ جائیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾

اور کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے O بے شک یہی وعدہ ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا' یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا O اور آپ ان پر غمگین نہ ہو جائیں اور وہ جو مکر و فریب کرتے ہیں ان سے آپ تنگ دل نہ ہو جائیں O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O

## کفارِ مکہ کے شکوک و شبہات اور قدرت و علمِ الٰہی کا بیان

٦٧- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ﴾ اور کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں تو کیا ہم یقیناً دوبارہ زندہ کر کے اپنی قبروں سے ضرور نکالے جائیں گے [اور ''اِذَا'' اور ''ان'' کے شروع میں حرف استفہام عاصم' حمزہ اور خلف کی قراءت میں انکار کے بعد انکار اور نفی کے بعد نفی کے لیے ہے اور یہ ان کے کفر کے مؤکد و پکا ہونے کی دلیل ہے' جس میں مبالغہ کیا گیا ہے اور ''اِذَا'' کا عامل وہی ہے جس پر ''لَمُخْرَجُوْنَ'' دلالت کرتا ہے اور وہ ''نخرج'' ہے کیونکہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہمزہ استفہام کے بعد یا ''اِنَّ'' یا لام ابتدا کے بعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتے تو جب یہ جمع ہو جائیں گے تو پھر کیسے عمل ہو سکے گا اور ''اِنَّا'' میں ضمیر کفارِ مکہ اور ان کے آباء و اجداد کے لیے ہے کیونکہ ان کا مٹی ہو جانا ان کو اور ان کے آباء و اجداد دونوں کو شامل ہے لیکن حکایت کو غائب پر غلبہ دے دیا گیا ہے۔ اور (وَاٰبَاؤُنَا) ''كُنَّا'' کی ضمیر پر معطوف ہے' اس لیے کہ مفعول تاکید کے قائم مقام ہوتا ہے]۔

٦٨- ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ﴾ بے شک یہ وعدہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا وعدہ ہم سے کیا گیا ہے ﴿وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور (سرورِ کائنات رحمت عالمیاں حضرت) محمد ﷺ سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یہ وعدہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی من گھڑ باتیں اور ان کی جھوٹی کہانیاں [یہاں اس سورت میں ''هٰذَا'' کو ''نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا'' پر مقدم ذکر کیا گیا ہے جب کہ سورۃ المؤمنون میں ''نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا'' کو ''هٰذَا'' پر مقدم ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں خود بعثت (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) کا ذکر مقصود ہے اور وہاں

سورۃ المؤمنون میں مبعوث (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے والے بندوں) کا ذکر مقصود ہے]۔

٦٩۔﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور غور و فکر سے دیکھو کہ مجرموں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کا کیسا بھیانک انجام ہوا۔ "عـاقبة" کا معنی ہے: کافروں کے معاملے کا آخر اور کافروں کو "مُجْرِمِيْن" ذکر کرنے میں مسلمانوں کو ترک جرائم پر خوشخبری دینا مقصود ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا" (الشمس:١٤) "سو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی پھر انہیں ہلاک کر کے برابر کر دیا"۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا" (نوح:٢٥) "ان کافروں کو ان کے گناہوں کے سبب غرق کر دیا گیا"۔

٧٠۔﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ان پر اس لیے غمگین نہ ہوں کہ انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی اور نہ انہوں نے اسلام قبول کیا کہ سلامت رہ جاتے ﴿وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اور آپ اس سے تنگ دل نہ ہوں جو وہ لوگ آپ کے خلاف مکر و فریب کرتے ہیں اور بُری چالیں چلتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی سازشوں سے محفوظ و معصوم رکھے گا[ "ضَاقَ الشَّيْئُ ضَيْقًا" ضاد پر فتح کی قراءت کی جاتی ہے' ماسوا ابن کثیر مکی کی قراءت کے کیونکہ اس کی قراءت میں ضاد کے نیچے کسرہ ہے]۔

٧١۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ یعنی عذاب کے آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جھٹلانے والوں پر عذاب ضرور نازل ہوتا ہے۔

| |
|---|
| قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ |
| لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ |
| صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ |

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جسے تم جلدی مانگ رہے ہو ممکن ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو O اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں پر بہت فضل و کرم کرنے والا ہے' لیکن ان میں اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O اور بے شک آپ کا پروردگار ان چیزوں کو خوب جانتا ہے جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں O اور آسمان و زمین میں غیب چیزوں میں سے کوئی ایسی نہیں مگر بیان کرنے والی ایک کتاب میں ہے O

---

٧٢۔﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جس وعدہ کردہ عذاب کا تم جلدی آنے کا مطالبہ کر رہے ہو' ممکن ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو' سو ان سے جس بعض عذاب کے پیچھے آ لگنے کا کہا گیا ہے' اس سے بدر کے دن کا عذاب مراد ہے[ "رَدِفَ لَكُمْ" میں لام کو تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا (کیونکہ اصل میں "رَدِفَكُمْ" ہونا چاہیے) جیسا کہ "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرہ:١٩٥) میں "با" کو زیادہ کیا گیا ہے یا وہ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے "دَنَا لَكُمْ وَاَزِفَ لَكُمْ" وہ تمہارے قریب آ گیا اور وہ تمہارے نزدیک آ گیا ہے اور اس کا معنی ہے: "تَبِعَكُمْ وَلَحِقَكُمْ" وہ تمہارے پیچھے آ لگا ہے اور وہ تمہیں تمہارے پیچھے ملنے والا ہے اور جب بادشاہ "عَسٰی' لَعَلَّ" اور "سَوْفَ" کے ساتھ اپنا کوئی وعدہ یا وعید کرتے ہیں تو اس سے سچا اور یقینی

عمل مراد ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اسی طریقہ پر جاری ہوتے ہیں]۔

٧٣- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں پر بہت بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے کہ جلد عذاب کے مطالبے کے باوجود ان پر جلد عذاب نازل نہیں کرتا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور ان میں اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے یعنی ان میں سے اکثر لوگ حقِ نعمت نہیں پہچانتے اور نہ شکر ادا کرتے ہیں بلکہ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے عذاب کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

٧٤- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار وہ باتیں بھی جانتا ہے، جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور وہ باتیں بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں، سو ان سے عذاب کو مؤخر کرنا اس لیے نہیں کہ ان کا حال اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے بلکہ اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور "تُكِنُّ" بہ معنی "تُخْفِي" ہے پوشیدہ ہونا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفارِ مکہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی کو اور ان کی سازشوں کو خوب جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے ہیں، وہ بھی اور جنہیں وہ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی، سب کچھ جانتا ہے اور وہ انہیں اس پر ضرور سزا دے گا، جس سزا کے وہ مستحق ہیں اور "تَكُنُّ" بھی پڑھا گیا ہے۔ "كَنَنْتُ الشَّيْءَ وَاَكْنَنْتُهٗ" اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو پوشیدہ کر لیتے ہو اور اسے تم چھپا لیتے ہو۔

٧٥- ﴿وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی غیب چیز نہیں مگر وہ بیان کرنے والی ایک کتاب میں ہے۔ جو چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی ہوا سے "غَائِبَة" اور "خَافِيَة" کہا جاتا ہے [اور ان دونوں میں حرفِ "تَا" ایسے ہے جیسے "عَافِيَة" اور "عَاقِبَة" میں ہے اور ان کی مثال "رمیّة، ذبیحة" اور "نطیحة" ہیں، اس بات میں کہ یہ سب اسماء ہیں، صفات نہیں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں صفات ہوں اور ان دونوں میں حرف "تَا" مبالغہ کی ہو جیسے "روایة"] گویا فرمایا کہ کوئی سخت ترین پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر اسے اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے اور اس نے اس کا پورا احاطہ کر رکھا ہے اور اس کو لوحِ محفوظ میں ثبت فرما دیا ہے اور "مُبِيْن" کا معنی ظاہر اور واضح ہے، جس کو فرشتے دیکھتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں○ اور بے شک وہ مسلمانوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے○ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور وہ بہت غالب (اور) خوب جاننے والا ہے○ سو (اے محبوب!) آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں، بے شک آپ واضح ترین

حق پر ہیںO بے شک آپ (دل کے) مُردوں کونہیں سنا سکتے اور آپ بہروں کو (اپنی) پکارنہیں سنا سکتے جب وہ پشت پھیر کر واپس جانے لگیںO اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے نہیں ہیں' آپ نہیں سنا سکتے مگر صرف انہیں لوگوں کو (سنا سکتے ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' سو وہی مسلمان ہیںO

## قرآن وحاملِ قرآن کی حقانیت اور کفار مکہ کی محرومی کا بیان

۷۶- ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ ''يَقُصُّ'' بہ معنی ''يُبَيِّنُ'' ہے' سو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا' پھر وہ بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور بہت سی چیزوں میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا' یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگ گئے اور انہوں نے جس میں اختلاف کیا اس کو بیان کرنے کے لیے قرآن مجید نازل کیا گیا' کاش! وہ لوگ انصاف سے کام لیتے اور وہ قرآن مجید کو تھام لیتے اور اسلام قبول کر لیتے' مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔

۷۷- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) بے شک وہ قرآن ﴿لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ البتہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' ان میں سے جنہوں نے انصاف سے کام لیا اور ایمان لے آئے یعنی بنی اسرائیل میں سے یا ان میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے۔

۷۸- ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ قرآن مجید پر ایمان لانے والوں اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ﴿بِحُكْمِهٖ﴾ اپنے حکم کے ساتھ یعنی اپنے عدل وانصاف کے ساتھ' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر فیصلہ عدل وانصاف کے ساتھ کرتا ہے' پس ''محکوم بہ'' کا نام ''حکم'' رکھ دیا گیا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس پر اس کی قراءت دلیل ہے' جس نے ''بِحِكَمِهٖ'' پڑھا ہے' جو ''حكمة'' کی جمع ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے' اس کا فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا ﴿الْعَلِيْمُ﴾ خوب جاننے والا ہے' اسے بھی جس کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اور اسے بھی جس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے یا وہ باطل پرستوں سے انتقام لینے میں بہت غالب ہے' وہ ان کے درمیان اور حق پرستوں کے درمیان فیصلے کو خوب جانتا ہے۔

۷۹- ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) سو آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں۔ (اس آیتِ مبارکہ میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور دشمنانِ دین کی پروانہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ﴾ بے شک آپ روشن حق پر ہیں' اور توکل وبھروسا کرنے کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ روشن حق پر ہیں اور وہ واضح ترین دین ہے' جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ صاحبِ حق اس بات کا حق دار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر اور اس کی مدد پر پورا بھروسا رکھے۔

۸۰'۸۱- ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَO وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ بے شک آپ مُردہ دلوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ حق سے بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگیں[1]O اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ازخود ہدایت نہیں دے سکتے۔ دراصل کفار مکہ حضور سے جو کچھ سنتے تھے' انہیں محفوظ نہیں رکھتے تھے (بلکہ ایک کان سے سنتے' دوسرے کان سے نکال دیتے) اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے (کہ ان

[1] سماعِ موتیٰ کی بحث سورۃ الروم: ۵۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پر ایمان نہیں لاتے تھے) تو اس لیے انہیں مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' حالانکہ وہ جسمانی طور پر زندہ تھے' ان کے حواس بھی سلامت تھے اور انہیں بہروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' جنہیں بلند آواز سے پکارا جاتا ہے تو وہ کچھ نہیں سن سکتے اور انہیں ایسے اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' جو راستے سے بھٹک چکے ہیں اور کوئی شخص ان کی یہ خامیاں ان سے دور نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں ہدایت یافتہ اور انکھیارا نہیں بنا سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان بہروں کے حال کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ'' کیونکہ جب بہرا شخص پیٹھ پھیر کر پکارنے والے سے دور چلا جائے گا تو اس کی آواز سننے سے بھی دور ہو جائے گا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ'' (باب افعال کی بجائے باب ''سَمِعَ یَسْمَعُ'' سے) ہے اور اسی طرح سورۃ الروم میں ہے اور حمزہ کی قراءت میں ''وَمَا اَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ'' ہے اور اسی طرح سورۃ الروم میں ہے] ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی آپ کا سنانا فائدہ نہیں دے گا مگر صرف انہیں لوگوں کو فائدہ دے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ بے شک وہ اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ان کی تصدیق و تائید کرتے ہیں ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہی مسلمان ہیں (اور وہی) مخلص ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ'' (البقرہ:۱۱۲) ''بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا لیا''۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اسی کا مخلص بندہ بن گیا۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ
النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ ع
یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ
تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا
فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور جب ان پر (علاماتِ قیامت کی) بات واقع ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے○ اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایسے گروہ کو اٹھائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے تو پھر انہیں اوّل سے آخر تک روک کر جمع کیا جائے گا○ یہاں تک کہ وہ جب سب آ جائیں گے تو فرمائے گا: کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے علم کے ساتھ ان کا احاطہ نہیں کیا تھا یا تم کیا کام کرتے تھے○ اور (جب) ان پر عذاب کی بات آ پڑے گی' اس سبب سے کہ انہوں نے ظلم کیا تو وہ بول نہیں سکیں گے○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے رات بنائی تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو دکھلانے والا بنایا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو وہ گھبرا جائیں گے جو

آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں ماسوا اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا' اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہوں گے O

## قیامت کے منظر اور اس کے آخر میں حضور کے اعلانِ حق کا بیان

۸۲- ﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور جب ان پر بات واقع ہو جائے گی۔ ''قول'' کے معنی اور جو اس کے ساتھ ادا کیا گیا اسے قول کہا گیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو ان سے قیامت کے قیام اور عذاب کے نزول کا اور اس کے وقوع اور اس کے حصول کا کیا گیا تھا اور اس سے مراد قیامت کا قریب ہونا اور اس کی علامات کا ظاہر ہونا ہے اور اس وقت توبہ کرنا فائدہ نہیں دے گا ﴿اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ﴾ ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' اس کا نام جساسہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس کا طول ساٹھ ہاتھ ہوگا اور اس کو کوئی پکڑنے والا پکڑ نہیں سکے گا اور نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ سکے گا اور اس کے چار پاؤں ہوں گے اور سارے جسم پر بال اور پَر ہوں گے' دو بازو ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا بیل کے سر جیسا سر ہوگا اور خنزیر کی آنکھوں جیسی آنکھیں ہوں گی اور ہاتھی کے کان جیسے اس کے کان ہوں گے اور بارہ سنگا جیسے سینگ ہوں گے اور شتر مرغ جیسی گردن ہوگی اور شیر کا سینہ اور چیتے کا رنگ اور بلی جیسی کمر ہوگی اور دنبہ جیسی دم اور اونٹ جیسے پاؤں گے اور اس کے دو کندھوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا' صفا پہاڑ سے نکلے گا اور عربی زبان میں کلام کرے گا اور وہ کہے گا: ﴿اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے یعنی میرے نکلنے پر لوگ یقین نہیں کرتے کیونکہ اس کا زمین سے نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا اور وہ کہے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یا وہ دینِ اسلام کے ماسوا باقی تمام دینوں کو باطل کہے گا یا وہ بتائے گا کہ یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے [اور اہل کوفہ اور سہل کی قراءت میں ''اَنَّ'' حرف جار محذوف ہونے کی وجہ سے الف مفتوح کے ساتھ ہے ''اَیْ تُكَلِّمُهُمْ بِاَنَّ'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں مکسور ہے[1] کیونکہ کلام بہ معنی قول ہے یا قول مضمر ہے ''اَیْ تَقُوْلُ الدَّآبَّةُ ذَالِكَ'' اور معنی ہوگا: ''بِاٰيٰتِ رَبِّنَا'' یا اس وقت یہ اللہ تعالیٰ کے قول کی حکایت ہوگی] پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قائم ہونے کا ذکر فرمایا' چنانچہ فرمایا:

۸۳- ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا﴾ اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ کو اٹھائیں گے [''مِنْ'' تبعیضیہ ہے] یعنی اور (اے محبوب!) اس روز کو یاد کیجئے جس روز ہم تمام امتوں میں سے ہر ایک امت سے ایک گروہ کو جمع کریں گے ﴿مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا﴾ جو ہماری ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جو ہمارے پیغمبروں پر نازل کی گئی تھیں ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ پھر انہیں اوّل سے لے کر آخر تک سب کو روک لیا جائے گا' یہاں تک کہ سب جمع ہو جائیں گے' پھر انہیں حساب کے میدان میں لے جایا جائے گا اور یہ کثرتِ تعداد کی تعبیر کے لیے آتا ہے اور اسی طرح فوج کا لفظ بھی بڑی جماعت کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔

۸٤- ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ﴾ یہاں تک کہ جب وہ سوال کا جواب دینے اور حساب و کتاب کے لیے موقف میں حاضر ہو جائیں گے تو ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ﴾ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا' جو میرے رسولوں پر نازل کی گئی تھیں ﴿وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا﴾ اور تم نے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا' گویا ارشاد

[1] یہ کسرہ کی قراءت ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' ابوعمرو' خلف اور ابوجعفر کی ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۳۷۱)

فرمایا کہ کیا تم نے بغیر سوچے سمجھے سرسری رائے سے میری آیتوں کو جھٹلا دیا اور کیا تم نے غور و فکر نہیں کیا جو تمہیں ان کی کنہ اور حقیقت کا احاطہ کرنے والے علم تک پہنچا دیتا اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے یا ان کی تکذیب کی جائے ﴿اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ یا تم کیا عمل کرتے تھے کیونکہ تم نے ان میں غور و فکر نہیں کیا' سو تم بے مقصد و بے کار پیدا نہیں کیے گئے (''اَمَّا ذَا'' اصل میں ''اَمْ مَاذَا'' تھا)۔

۸۵-﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ اور ان کے ظلم کے سبب ان پر (جب) عذاب آن پڑے گا تو وہ بول نہیں سکیں گے یعنی جس عذاب کا کفار سے وعدہ کیا گیا تھا' وہ انہیں ان کے ظلم کے سبب ڈھانپ لے گا اور ان کا ظلم اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا تھا' پس عذاب انہیں معذرت کرنے اور بات چیت کرنے سے پھیر دے گا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ'' (المرسلات:۳۵) ''وہ اس دن نہیں بول سکیں گے''۔

۸۶-﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے رات کو بنایا تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن کرنے والا بنایا۔ [''مُبْصِرًا'' حال ہے] ''اَبْصَار'' کو دن کی صفت قرار دیا گیا حالانکہ وہ دن میں رہنے والے لوگوں کی صفت ہے اور تقابل میں معنی کی حیثیت کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ ''مُبْصِرًا'' کا معنی یہ ہے کہ تا کہ لوگ کاروبار کرنے کے لیے دن کے اُجالے میں آنے جانے کے راستوں کو دیکھ سکیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' جو ایمان دار ہیں' جو تصدیق کرتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا صحیح ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے نہیں جانا کہ بے شک ہم نے رات اور دن کو دنیا میں لوگوں کے لیے ذریعۂ معاش بنایا تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ مربوط نظام بے کار نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں امتحان و آزمائش ہے اور اس وقت ضروری ہے کہ اچھائی پر ثواب اور بُرائی پر سزا ہو اور جب یہ دونوں اس دنیا میں نہیں تو پھر جزاء و سزا کے لیے دوسرے جہان کا ہونا ضروری ہوا۔

۸۷-﴿وَيَوْمَ﴾ ''وَاذْكُرْ يَوْمَ'' اور اس دن کو یاد کیجئے جس دن ﴿يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ صور میں پھونکا جائے گا' اور یہ ''صور'' ایک سینگھ ہے (جسے نرسنگھا اور بگل وغیرہ کہا جاتا ہے) یا یہ ''صورة'' کی جمع ہے اور یہ ''صور'' پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں ﴿فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ تو وہ تمام گھبرا جائیں گے جو آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں' اور ''یفزع'' کی بجائے ''فزع'' (فعل ماضی) کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ اس ''فزع و جزع'' کا تحقق اور اس کا ثبوت لازمی ہونا ہے اور لوگوں کی گھبراہٹ نفخۂ اُولیٰ کے وقت ہوگی جب لوگ بے ہوش کیے جائیں گے ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا (یعنی) مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے جس کے دل کو ثابت و قائم رکھے گا۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ اس سے حضرات جبریل' میکائیل' اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ وہ شہدائے کرام ہیں اور بعض نے فرمایا کہ جنت کی حوریں' دوزخ کے خزانچی اور حاملینِ عرش مراد ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں کیونکہ وہ ایک دفعہ (دنیا میں) بے ہوش ہو چکے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ'' (الزمر:۶۸) ''اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ تمام بے ہوش ہو جائیں گے' جو آسمانوں میں اور زمین میں رہنے والے ہیں' مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا''۔ ﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ اور تمام اس کے حضور میں عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوں گے [حمزہ' حفص اور خلف کی قراءت میں ''اَتَوْهُ'' ہے جب کہ

ان کے علاوہ کی قراءت ''اتَوْهُ'' ہے اور اس کی اصل ''اتِيُوْهُ'' ہے اور ''دَاخِرِيْنَ'' حال ہے] یعنی عاجز و پست ہو کر حاضر ہوں گے اور ''اِتْيَان'' کا معنی ہے: ان کا موقف میں حاضر ہونا یا ان کا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرنا اور ان کا اس کے لیے اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور (اے مخاطب!) تو اس دن پہاڑوں کو دیکھے گا تو ان کو اپنی جگہ جما ہوا خیال کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے' جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس سے پورا خبردار ہے○ جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر جزا ہے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے امن و امان میں ہوں گے○ اور جو شخص بُرائی لائے گا تو ان کو اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا' تمہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر انہیں کاموں کا جو تم کرتے تھے○

۸۸۔ ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ اور (اے مخاطب!) تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو تُو انہیں جما ہوا خیال کرے گا (یعنی) ٹھہرا ہوا حرکت سے رُکا ہوا گمان کرے گا۔ یہ ''جَمِدَ فِيْ مَكَانِهٖ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز حرکت کرنے سے اپنی جگہ میں رک جائے [ابن عامر شامی' حمزہ' یزید اور عاصم کی قراءت میں سین پر زبر کے ساتھ ''تَحْسَبُهَا'' ہے جب کہ ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں سین کے نیچے زیر کے ساتھ ''تَحْسِبُهَا'' ہے اور یہ مخاطب سے حال ہے] ﴿وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیز تیز چل رہے ہوں گے یعنی وہ اس طرح چلتے ہوں گے جس طرح بادل چلتے ہیں [اور یہ ''تَحْسَبُهَا'' کی ضمیر منصوب سے حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ جب تم نفخہ (صور پھونکنے) کے وقت پہاڑوں کو دیکھو گے تو تم انہیں ان کی اونچائی کی وجہ سے یہ خیال کرو گے کہ وہ ایک جگہ میں جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ تیزی سے ان بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' جن کو زوردار تیز ہوا' بڑا تیز چلاتی ہے اور اسی طرح کثیر تعداد میں بڑے بڑے اجسام جب حرکت کریں گے تو ان کی حرکت بہ ظاہر نظر نہیں آئے گی' جیسا کہ نابغہ نے ایک بڑے لشکر کی تعریف میں کہا:۔

بِاَرْعَنَ مِثْلَ الطَّوْدِ تَحْسَبُ اَنَّهُمْ وَقُوْفٌ لِّحَاجٍ وَالرِّكَابُ تَهْمَلِجُ

''تم بہت بڑے پہاڑ کی طرح عالی شان لشکر کو خیال کرو گے کہ وہ رُک کر ٹھہرا ہوا ہے' حالانکہ سواریاں بڑی تیزی سے چل رہی ہیں''۔

﴿صُنْعَ اللّٰهِ﴾ [یہ مصدر ہے' اس میں وہی عمل کرتا ہے جس پر ''تَمُرُّ'' دلالت کرتا ہے] کیونکہ پہاڑوں کا بادلوں کی طرح تیزی سے چلنا اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاریگری میں سے ہے' پس گویا فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے اور یہ اسی

کی کاریگری ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام مبارک اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ﴿الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ جس نے ہر چیز کو پختہ بنایا یعنی اس نے اپنی مخلوق کو مستحکم بنایا ﴿اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک وہ ان تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو [ابن کثیر مکی ابوعمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَفْعَلُوْنَ'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ''تَفْعَلُوْنَ'' ہے] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب جانتا ہے جو کچھ بندے کرتے ہیں' پس ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۸۹۔ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا یعنی جمہور کے نزدیک ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا مراد ہے ﴿فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا﴾ تو اس کے لیے اس سے بہتر جزا ہے یعنی اس نیکی کی وجہ سے جو ثواب حاصل ہوگا' وہ اس نیکی سے بہتر ہوگا اور وہ جنت ہے [اور اس بناء پر ''خَیْرٌ'' بہ معنی ''اَفْضَل'' نہیں ہوگا اور ''مِنْهَا'' محلاً مرفوع ''خَیْر'' کی صفت ہوگا] ﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ اور وہ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہوں گے یعنی انتہائی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور وہ دوزخ کا ڈر ہوگا یا کسی قسم کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے' خواہ وہ تھوڑی سی ہو اور ''یَوْمَىٕذٍ'' سے قیامت کا دن مراد ہے [کوفیوں کی قراءت میں تنوین کے ساتھ ''مِنْ فَزَعٍ'' ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں بغیر تنوین کے (اضافت کے) ساتھ ''مِنْ فَزَعِ'' ہے اور ''یَوْمَىٕذٍ'' میں کوفیوں اور نافع مدنی کی قراءت میں میم مفتوح ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں (''فَزَعِ'' کا مضاف الیہ ہونے کی بناء پر) ''یَوْمِىٕذٍ'' میں میم مکسور ہے اور ''اٰمِنُوْنَ'' کا فعل ماضی ''اَمِنَ'' حرف جار کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور بغیر حرف جار کے براہِ راست بھی متعدی ہوتا ہے' جیسے (درج ذیل) ارشاد ہے: ''اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ'' (الاعراف:۹۹) ''تو کیا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خفیہ منصوبے سے نڈر ہو گئے'']۔

۹۰۔ ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ﴾ اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا۔ یہاں ''سَیِّئَةٌ'' سے شرک مراد ہے ﴿فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ﴾ تو انہیں اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا ''كُبَّتْ'' بہ معنی ''اُلْقِیَتْ'' ہے' جب کسی شخص کو منہ کے بل گرا دیا جائے تو ''كُبِّبَتِ الرَّجُلُ'' کہا جاتا ہے یعنی انہیں سروں کے بل دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا یا پورے بدن کو صرف چہرے کے ساتھ اس طرح تعبیر کیا گیا ہے' جس طرح پورے بدن کو صرف سر اور گردن کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور انہیں ڈالتے وقت جھڑکتے ہوئے کہا جائے گا: ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تمہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر انہیں اعمال پر جو تم دنیا میں کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کی صورت میں کیا کرتے تھے۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘
وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱

بے شک مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں' جس نے اسے حرم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کے ملک میں ہے اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوںO اور یہ کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہوں' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو وہ یقیناً صرف اپنے فائدہ کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو (اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوںO اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا' سو تم انہیں پہچان لو گے اور (اے محبوب!) آپ کا پروردگار (اے لوگو!) تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہےO

---

۹۱۔﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا ﴾ بے شک مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ مکرمہ کے رب تعالیٰ کی عبادت کروں' جس نے اس کو حرم قرار دیا (یعنی) اس کو امن والا حرم بنایا' جس میں پناہ لینے والے کو امان حاصل ہو جاتی ہے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جاتی ہے اور نہ اس کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹا جاتا ہے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جاتا ہے ﴿ وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ﴾ اور اس شہر سمیت ہر چیز اسی کے ملک میں ہے' پس دنیا و آخرت کا وہی مالک ہے ﴿ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس کے فرماں برداروں اور اطاعت گزاروں میں سے رہوں۔

۹۲۔﴿ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ﴾ اور یہ کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ یہ ''تلاوۃ'' سے ماخوذ ہے یا ''تلوٌّ'' سے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ'' (الاحزاب:۲) ''اور (اے محبوب!) آپ اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم رسول کو حکم دیا کہ وہ کہہ دیں کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں عبادت کو اکیلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں جیسا کہ قریشِ مکہ نے کیا اور میں مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے والے موحدوں میں سے رہوں اور میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہوں تا کہ میں حلال و حرام اور ان چیزوں کو پہچان لوں' جن کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام شہروں میں سے صرف مکہ مکرمہ کی طرف اپنے نام کی اضافت و نسبت کر کے اس کو اس لیے مخصوص کیا کہ تمام شہروں میں سے یہ شہر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و پیارا ہے (محبوب کی ولادت گاہ جو ہوا) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شہر سب سے زیادہ محترم و معظم ہے اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''هٰذِهِ الْبَلْدَةِ'' یہ اشارہ اس کی تعظیم و تقریب کے لیے ہے جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہی شہر اس کے نبی کریم کا وطن ہے اور اس کی وحی کا مرکز و مہبط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کا ایک یہ وصف بیان کیا کہ اس نے اس شہر کو حرم بنایا' جو اس شہر کی مخصوص صفت ہے اور ہر چیز کو اپنی ربوبیّت و بادشاہی کے تحت قرار دیا' جیسا کہ تابع اپنے متبوع کے تحت داخل ہوتا ہے۔﴿ فَمَنِ اهْتَدٰی ﴾ سو جس شخص نے ان تعلیمات میں میری پیروی کر کے ہدایت حاصل کر لی' جن کو میں نے اختیار کیا ہوا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور اس سے شریکوں کی نفی کرنا اور ملتِ حنیفیہ میں داخل ہونا اور جو میری طرف وحی نازل کی گئی' اس کی پیروی کرنا ﴿ فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ﴾ تو وہ صرف اپنے فائدے کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کی ہدایت کا فائدہ اسی کی طرف لوٹے گا میری طرف نہیں ﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴾ اور جس شخص نے گمراہی اختیار کر لی تو (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں تو صرف ڈرسنانے والوں میں سے ہوں یعنی جس شخص نے گمراہی کو اپنا لیا اور میری پیروی نہیں کی تو مجھ پر کوئی نقصان نہیں ہوگا اور میں تو صرف ڈرسنانے والا رسول ہوں (جیسا کہ ارشاد ہے:) ''وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ'' (النور:۵۴) ''اور رسول

کے ذمے صرف صاف پہنچا دینا ہے''۔

۹۳-﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ﴾ اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا' سو تم انہیں پہچان لو گے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اس نے آپ کو نبوت کی جو نعمت عطا کی ہے اس پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کیا کریں' یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی اور آپ دشمنانِ خدا کو ڈرائیں' دھمکائیں کہ عنقریب آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں گے' جن پر انہیں یقین حاصل ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا' دھوئیں کا ظہور اور دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی جو ناراضگیاں نازل ہوں گی' مراد ہیں ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کا رب تعالیٰ (اے لوگو!) تمہارے اعمال سے غافل نہیں [نافع مدنی' ابن عامر شامی' حفص اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تَعْمَلُوْنَ'' ہے اور خطاب اہلِ مکہ کو ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَعْمَلُوْنَ'' ہے] یعنی ہر وہ عمل جس پر لوگ عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے' اس سے غافل نہیں ہے' سو غفلت اور نسیان اس پر جائز نہیں ہیں۔

| سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۸۸ رُكُوْعَاتُهَا ۹ |
|---|---|---|
| سورۃ القصص مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی اٹھاسی آیات' نو رکوع ہیں |

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

طٰسٓمّٓ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں○ ہم آپ پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں○ بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کے کئی گروہ بنا دیئے' ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے لگا' ان کے بیٹوں کو ذبح کرنے لگا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے لگا' بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا○ اور ہم یہ ارادہ رکھتے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں' جو زمین میں کمزور سمجھے گئے اور ہم انہیں مقتدا بنائیں اور ہم انہیں وارث بنائیں○ اور ہم انہیں ملک کی سرزمین پر اقتدار عطا کریں اور ہم فرعون اور ہامان کو اور ان میں سے ان دونوں کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ خوف زدہ رہا کرتے تھے○

## بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا بیان

۲،۱- ﴿طٰسٓمّٓ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ "بـان الشيىء" اور "ابان" کہا جاتا ہے دونوں کا ایک معنی ہے کہ چیز ظاہر ہو گئی اور یہ کہا جاتا ہے کہ "اَبَنْتُهٗ" میں نے ظاہر کر دیا' لہٰذا "ابان" لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے یعنی یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جس کی خیر و برکت عیاں ہے یا جو حلال و حرام اور وعد و وعید اور اخلاص و توحید بیان کرنے والی ہے۔

۳- ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ﴾ ہم آپ پر پڑھیں گے' یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے حکم سے آپ کو پڑھ کر سنائیں گے ﴿مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی خبر یعنی ہم آپ کو ان دونوں کی بعض خبریں پڑھ کر سنائیں گے [یہ "نَتْلُوْ" کا مفعول ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ یہ حال ہے یعنی برحق و سچی ﴿لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جن کے بارے میں پہلے سے ہمارے علم میں طے ہو چکا ہے کہ وہ ایمان دار ہیں کیونکہ تلاوت صرف انہیں ایمان دار لوگوں کو فائدہ دیتی ہے' ان کے علاوہ (بے ایمانوں) کو نہیں۔

٤- ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ بے شک فرعون زمین میں سرکش ہو گیا تھا۔ یہ الگ مستقل کلام ہے اور مجمل کی تفسیر کی طرح ہے' گویا کہنے والے نے کہا کہ ان دونوں کی خبر کیسی ہے؟ تو ارشاد فرمایا: بے شک فرعون زمین میں یعنی اپنی مملکت کی سرزمینِ مصر میں سرکش ہو گیا تھا اور وہ ظلم و ستم ڈھانے میں حد سے بڑھ گیا تھا یا اس نے تکبر اختیار کر لیا اور اپنی ذات پر فخر کرنے لگا اور عبودیت کو بھلا کر (خدائی دعویٰ کر لیا تھا) ﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کے کئی گروہ بنا دیئے' وہ لوگ انہیں کاموں کو کرنے کے لیے پھیل جاتے تھے' جن کو فرعون چاہتا اور وہ لوگ فرعون کے اطاعت گزار بن چکے تھے' چنانچہ ان میں سے کوئی شخص یہ اختیار نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی گردن بلند کر سکے یا اس نے لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا' کسی گروہ کو عزت دار بنا دیا تھا اور کسی دوسرے گروہ کو ذلیل و کمی بنا کر رکھا ہوا تھا' سو اس نے اپنی قبطی قوم کو عزت دار قرار دے دیا تھا اور اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار بنا دیا تھا ﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾ وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے لگا اور وہ بنی اسرائیل تھے ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا یعنی فرعون بنی اسرائیل کی بیٹیوں کو خدمت کے لیے زندہ چھوڑ دیتا اور بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا سبب یہ تھا کہ کسی کاہن نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا' جس کے ہاتھ پر تیرا ملک تجھ سے چھن جائے گا اور یہ فرعون کی حماقت کی دلیل ہے' کیونکہ اگر کاہن سچا تھا تو وہ ہو کر رہنا تھا' پھر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ جھوٹا تھا تو پھر قتل کا کیا فائدہ [اور "يَسْتَضْعِفُ"، "جَعَلَ" کی ضمیر سے حال ہے یا "شِيَعًا" کی صفت ہے یا پھر یہ مستقل الگ کلام ہے اور "يُذَبِّحُ"، "يَسْتَضْعِفُ" سے بدل ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک وہ اس سرزمین پر فساد پھیلانے والوں میں سے تھا۔ بے شک ظلم و ستم کرنا اور ناحق قتل کرنا صرف فسادیوں کا عمل ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں' نہ کاہن کا سچا ہونا معلوم ہو سکے گا اور نہ اس کے جھوٹا ہونے کا علم ہو سکے گا۔

۵- ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں' جن کو سرزمینِ مصر میں کمزور کر دیا گیا (یعنی) ہم ان پر فضل و کرم کریں اور یہ اصلح کے مسئلہ میں ہماری دلیل ہے[1] [اور یہ جملہ

[1] اور یہ کہ بندوں کے افعال نیک ہوں خواہ بد ہوں' سب اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادہ پر موقوف ہیں' سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' یہ نہیں کہ نیک افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہو اور بد افعال کے خالق اس کے بندے ہوں' جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے' البتہ اللہ تعالیٰ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ'' پر معطوف ہے کیونکہ یہ ''نَبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ'' کے لیے تفسیر اور اس کے لیے قصاص کے وقوع میں نظیر ہے یا ''یَسْتَضْعِفُ'' سے حال ہے یعنی فرعون تو انہیں کمزور کرنے لگا جب کہ ہم نے چاہا کہ ان پر احسان اور فضل کریں' اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی پورا ہو کر رہتا ہے تو اسے بنی اسرائیل کی کمزوری کے ساتھ مقارن کر دیا گیا] ﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً﴾ اور ہم انہیں پیشوا و قائد بنا دیں جن کی اُمورِ خیر میں اقتداء کی جائے یا ہم انہیں خیر و بھلائی کی طرف دعوت دینے والا بنا دیں یا ہم انہیں حکمران بنا دیں یا انہیں بادشاہ بنا دیں ﴿وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور ہم انہیں وارث بنا دیں گے یعنی وہ فرعون کے اور اس کی قوم کے اور ان کے ملک کے اور ان کی ہر چیز کے وارث ہوں گے۔

٦- ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں۔ ''مَكَّنَ لَهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے' جب کسی شخص کے لیے ایسی جگہ مقرر دی جائے جس میں اسے پوری طرح قدرت و اختیار حاصل ہو' جس طرح چاہے استعمال کرے' اس پر بیٹھے خواہ اس پر سوئے اور اب ''تَمْكِيْن'' کا معنی یہ ہوا کہ ہم انہیں اس زمین یعنی سرزمین مصر اور شام میں ایسا اقتدار عطا کریں گے' جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک اقتدار نہیں ہوگا' صرف انہیں اس پر مسلط کیا جائے گا اور انہیں کا حکم نافذ ہوگا ﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ اور ہم فرعون' ہامان اور ان کے لشکر کو ان کی طرف سے یعنی بنی اسرائیل کی طرف سے وہی چیز دکھا دیں گے' جس سے وہ ڈرتے تھے۔ ''يَحْذَرُوْنَ''، ''حذر'' سے مشتق ہے اور ''حذر'' کا معنی ہے: نقصان دِہ اور ضرر رساں چیز سے اپنا بچاؤ کرنا [''نُرِيَ'' میں نون مضموم ہے اور فرعون اور اس کا مابعد مفعول کی بناء پر منصوب ہے (ترجمہ اسی کے مطابق ہے) اور ایک قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''یَرٰی'' پڑھا گیا ہے' اس صورت میں ''فرعون'' اور اس کا مابعد فاعل کی بنا پر مرفوع ہوگا اور یہ قراءت حمزہ اور علی کسائی کی ہے' اب ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو بنی اسرائیل کی وہی چیز دکھا دی جائے جس سے انہیں ڈر لگا ہوا تھا کہ ان کا ملک چھن جائے گا اور انہیں بنی اسرائیل کے ایک بچہ کے ہاتھوں ہلاک کر دیا جائے گا اور ''یَرٰی'' اپنے ماقبل منصوب پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب بھی ہو سکتا ہے جیسے نون کی قراءت میں ہے یا الگ مستقل جملہ ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہو سکتا ہے اور ''مِنْهُمْ''، ''نُرٰی'' کے ساتھ متعلق ہے ''يَحْذَرُوْنَ'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ صلہ اپنے موصول سے مقدم نہیں ہو سکتا]۔

| |
|---|
| وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ |
| وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ |
| لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ |
| فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ |
| لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا |

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی رضا صرف نیک افعال میں ہے۔ غوثی مہاروی

عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلاؤ' پھر جب اس کے بارے میں تجھے کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور بالکل نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا' بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے اور ہم اسے رسولوں میں سے (ایک رسول) بنائیں گے ○ سو فرعون کے کارندوں نے اسے اٹھا لیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور غم کا باعث ہو جائے' بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے ○ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو' شاید وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور وہ بے خبر تھے ○ موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا بے شک قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر کر دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ○

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت و تربیّت کا بیان

۷- ﴿وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی﴾ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف خفیہ پیغام بھیجا' الہام کے ذریعے یا خواب کے ذریعے یا فرشتے کی خبر دینے کے ذریعے جیسا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ہوا تھا اور یہ رسالت کی وحی نہیں تھی' اس لیے کہ وہ رسول نہیں ﴿اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ کہ تم اسے دودھ پلاؤ [''اَنْ'' بہ معنیٰ ''اَیْ'' ہے یا ''اَنْ'' مصدریہ ہے] ﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ﴾ پھر جب تمہیں اس کے متعلق خطرہ لاحق ہو جائے کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں اور اس کے متعلق چغلی کر کے شکایت کر دیں ﴿فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ﴾ تو تم اسے دریا میں ڈال دینا' بعض مفسرین نے بیان کیا کہ وہ مصر کا دریائے نیل ہے ﴿وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ﴾ اور تم اس کے ڈوبنے اور اس کے ضائع ہونے کا بالکل خوف نہ کرنا اور نہ اس کی جدائی پر غم کرنا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ﴾ بے شک ہم اسے تمہارے پاس لطیف طریقہ سے واپس لے آئیں گے تا کہ تم اس کی تربیت کر سکو ﴿وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور ہم اسے رسولوں میں سے (رسول) بنائیں گے' اور اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور دو خبریں سنائی گئی ہیں اور دو خوشخبریاں سنائی گئی ہیں اور خوف اور حزن میں یہ فرق ہے کہ خوف وہ غم ہوتا ہے جو آنے والے متوقع خطرناک معاملہ پر انسان کو لاحق ہوتا ہے (جیسے گناہوں پر عذابِ دوزخ کا غم) اور حزن وہ غم ہوتا ہے جو کسی گزشتہ افسوس ناک معاملہ پر انسان کو لاحق ہوتا ہے (جیسے ماضی کی کوتاہیوں پر غم) سو ان دونوں سے منع کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بخیر و عافیت والدہ کے پاس واپس لانے اور انہیں رسول مقرر کرنے کی خوشخبریاں سنائی گئیں۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نوّے (۹۰) ہزار بچوں کو قتل کرا دیا تھا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دردِ زِہ شروع ہوا تو جو دائیاں بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی پر مقرر تھیں' ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ کی والدہ کی مخلص و محبت کرنے والی سہیلی تھی' جس کو انہوں نے بلا کر ساری حقیقت بتائی تو اس نے بڑی رازداری کے ساتھ ساری کارروائی پوری کی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہی زمین پر تشریف لائے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان جو نور نکلا' اس سے وہ دائی حیران و ششدر رہ گئی اور فوراً اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت موجزن ہو گئی' چنانچہ اس دائی نے کہا کہ میں تمہارے پاس صرف اس لیے آئی تھی کہ میں تمہارے اس بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دوں گی اور جا کر فرعون کو بتا دوں گی لیکن میں نے اپنے دل

میں تمہارے اس بیٹے کی محبت اس قدر پالی ہے کہ اتنی محبت کسی کے لیے میں نے اپنے دل میں نہیں پائی' پس اب تم اسے حفاظت سے اپنے پاس رکھو' پھر جب یہ دائی باہر نکل کر چلی گئی تو فرعون کی جاسوس پولیس آ گئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا' اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کیا کر رہی ہے کیونکہ اس وقت شدتِ خوف کی وجہ سے اس کی عقل و خرد جواب دے گئی اور اسے کچھ ہوش نہ رہا کہ وہ کیا کر رہی ہے' بہرحال پولیس نے بہت تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا تو وہ گھر سے باہر نکل گئے اور پریشانی کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی والدہ کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس جگہ ہیں' پھر جب تنور سے آپ کے رونے کی آواز انہوں نے سنی تو اس طرف دوڑ کر گئیں اور آپ کو صحیح سلامت اٹھالیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تنور کی آگ کو حضرت موسیٰ پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا' پھر جب فرعون نے بچوں کی تلاش میں اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام فرمایا کہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دے' چنانچہ انہوں نے جو تین مہینے تک آپ کو دودھ پلا چکی تھیں' اس کے بعد اس الہام کی بناء پر اپنے بیٹے حضرت موسیٰ کو ایک محفوظ صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔

۸۔ ﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ تو اسے فرعون کی آل نے اٹھالیا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ فرعون اہل فارس میں سے تھا اور اصطخر سے تعلق رکھتا تھا ﴿لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا﴾ تا کہ وہ ان کا دشمن ہو یعنی آخر کار انجام یہی ہو گا' یہ معنی نہیں کہ انہوں نے اسے اس لیے اٹھایا تھا کہ وہ ان کا دشمن بنے گا' جیسے مرنے والے کے لیے کہتے ہیں کہ اس کی والدہ اسے نہ جنتی حالانکہ والدہ نے اس لیے نہیں جنا کہ اس کا بیٹا مر جائے گا لیکن اس کا انجام کار یہی ہوا۔ زجاج نے اسی طرح کہا ہے اور اسی وجہ سے مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ لام عاقبت وصیرورت کا ہے اور صاحبِ ''کشاف'' نے کہا کہ یہ لام بہ معنی ''کَیْ'' ہے' جس کا معنی تعلیل بیان کرنا ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''جِئْتُكَ لِتُكْرِمَنِیْ'' میں تمہارے پاس آیا ہوں تا کہ تم میری عزت کرو' لیکن اس آیتِ کریمہ میں تعلیل کا معنی بہ طریق مجاز وارد ہوا ہے' یہ اس لیے کہ فرعونیوں کی طرف سے حضرت موسیٰ کے اٹھانے کے نتیجے کو اس سبب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس کی وجہ سے فاعل اپنا فعل سر انجام دیتا جیسا کہ قول میں عزت و احترام کو آنے کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے ﴿وَّحَزَنًا﴾ اور باعثِ غم ہو [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''حُزْنًا'' میں ''حا'' پر زبر کی بجائے پیش ہے اور ''زا'' پر زبر کی بجائے جزم ہے یعنی ''حُزْنًا'' ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے ''عُدْمٌ'' اور ''عَدَمٌ'' ہے] ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ﴾ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے' یعنی وہ لوگ گناہ گار تھے' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی کہ انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی اور وہی ان کی ہلاکت کے سبب بن گئے یا یہ معنی ہے کہ فرعونی ہر چیز میں خطا کار و گناہ گار تھے' لہٰذا ان کا اپنے دشمن کی پرورش کرنا' ان کی طرف سے کوئی انوکھی غلطی نہیں تھی۔

۹۔ ﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ﴾ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ مروی ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ کا صندوق نکالا تو انہوں نے اسے کھولنے کی بہت کوشش کی' مگر وہ اس کو نہ کھول سکے' پھر انہوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی لیکن اس سے بھی عاجز آ گئے' پھر آسیہ (فرعون کی بیوی) اس تابوت کے قریب آئی اور اس نے تابوت کے درمیان میں جھانک کر دیکھا تو اسے اندر سے نور نظر آیا تو اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو اسے کھول لیا تو اچانک ایک بچہ مل گیا' جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا' پس سب اس پر عاشق ہو گئے اور فرعون کی ایک بیٹی تھی' جو برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو شفایاب ہو گئی۔ یہ دیکھ کر فرعون کی قوم کے سرکش کارندوں نے کہا: یہ وہی بچہ ہے جس سے ہم

خوف زدہ رہتے ہیں' لہٰذا ہمیں اس کو قتل کرنے کی اجازت دی جائے' چنانچہ فرعون نے اس کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا: ''قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ'' یہ بچہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' تو فرعون نے جواب میں کہا: تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے کوئی ٹھنڈک نہیں ہے اور حدیث شریف میں ہے: اگر فرعون اپنی بیوی آسیہ کی طرح حضرت موسیٰ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ہدایت دے دیتا' جیسا کہ آسیہ کو ہدایت عطا کی[1]

اور یہ بر سبیل فرض ہے یعنی اگر آسیہ کی طرح اس کے دل پر مہر نہ لگی ہوتی تو وہ بھی اسی طرح کہتا' جس طرح آسیہ نے کہا اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہو جاتا' جس طرح آسیہ ایمان لا کر مسلمان ہو گئی تھی [''قرة عين'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هو قرة عين'' اور ''لِيْ'' اور ''لَكَ'' دونوں ''قرة'' کی صفتیں ہیں] ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ اس کو قتل نہ کرو۔ آسیہ نے فرعون کو بادشاہوں کے آداب کے مطابق جمع کے ساتھ مخاطب کیا یا پھر گمراہ و سرکش کارندوں کو مخاطب کیا ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ﴾ ممکن ہے کہ وہ ہمیں نفع پہنچائے کیونکہ اس میں برکت کی علامات اور نفع کے دلائل پائے جاتے ہیں اور یہ اس لیے کہا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان نور کو دیکھا تھا اور اس نے برص کی لاعلاج بیمار بیٹی کو شفایاب ہوتے دیکھا تھا ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اسے بیٹا بنالیں یا ہم اس کو اپنا لے پالک بیٹا بنالیں کیونکہ یہ اس کا اہل ہے کہ بادشاہ کا بیٹا ہو ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ بے شعور لوگ تھے [یہ حال ہے اور اس کا ذوالحال ''ال فرعون'' ہے اور کلام کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا وَقَالَتِ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ كَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ'' وہ لوگ حضرت موسیٰ کو اٹھانے میں اور اس سے نفع کی امید رکھنے اور اسے منہ بولا بیٹا بنانے میں یقیناً بہت بڑی غلطی پر تھے اور ''اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ الخ'' معطوف اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ واقع ہوا ہے' ان کے خطا کار ہونے کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے اور یہ کلام اصحاب معانی و بیان کے نزدیک کس قدر حسن نظم پر مشتمل ہے]۔

۱۰۔ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل عقل سے خالی ہو گیا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے ہاتھ میں پہنچ گئے تو شدتِ خوف و گھبراہٹ سے دہشت زدہ ہو گئیں اور اتنی زیادہ پریشان ہو گئیں کہ ہوش و خرد قائم نہ رہ سکے ﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾ بے شک قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتیں۔ ''بہ'' کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے معاملہ اور ان کے قصہ کو ظاہر کر دیتیں اور بتا دیتیں کہ حضرت موسیٰ اسی کا بیٹا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ دریا کی موجیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کے ساتھ کھیلتے ہوئے اسے تیزی سے بہا کر لے جا رہی ہیں تو قریب تھا کہ چیخ پڑتیں اور کہہ دیتیں: اے میرے بیٹے! ہائے افسوس! اور بعض نے فرمایا: جب اس نے سنا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے تابوت کو پکڑ لیا ہے تو اسے اپنے بیٹے کے قتل ہو جانے میں کوئی شک و شبہہ نہ رہا تو اس وقت قریب تھا کہ بآوازِ بلند کہہ دیتیں: ہائے افسوس! اے میرے بیٹے! محض ان پر شفقت و محبت کی بناء پر [''اِنْ كَادَتْ'' میں ''اِنْ'' ثقیلہ سے مخفف کیا گیا ہے ''اَیْ اِنَّهَا كَادَتْ''] ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے۔ ''رَبَطَ مَا عَلٰى قَلْبٍ'' کا مطلب ہے: دل کو الہام کے ذریعے صبر کے ساتھ مضبوط کرنا ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے اور ہمارے وعدہ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور وہ وعدہ یہ ہے کہ بے شک ہم حضرت موسیٰ کو دوبارہ تمہارے پاس واپس لائیں گے اور ''لَوْ لَا'' کا جواب محذوف ہے ''ای لابدته'' یعنی البتہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی یا غم سے فارغ ہو جاتی' جب وہ یہ بات

---

[1] قال الحافظ: ہذا طرف من الفتون الطویل' اخرجہ النسائی' حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۳۹۴

سنتی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا ہے' بے شک وہ یہ ظاہر کر دیتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بیٹا ہے کیونکہ یہ خوشخبری سن کر خوشی ومسرت کے سبب اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکتی' اگر ہم اس کے دل کو مطمئن نہ کرتے اور اگر ہم اس کی گھبراہٹ و پریشانی کو جو اسے شدتِ فرحت ومسرت کی وجہ سے لاحق ہو گئی تھی' دور نہ کرتے اور اس کے دل کو سکون نہ پہنچاتے تا کہ وہ ان ایمان داروں میں سے ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسا اور اعتماد رکھنے والے ہوتے ہیں' محض فرعون کے منہ بولا بیٹا بنانے سے نہیں۔ حضرت یوسف بن الحسین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا' دو چیزوں سے منع کیا گیا اور دو چیزوں کی بشارت دی گئی' مگر ان تمام چیزوں نے اسے نفع نہیں دیا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ اس کا متولی بنا اور اس کے دل کو مضبوط کیا اور اسے سکون پہنچایا۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور (حضرت موسیٰ کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے چلی جا' سو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور انہیں علم نہ ہوا O اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا' سو اس نے کہا کہ کیا میں ایسے گھر والوں پر تمہاری رہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس کی تربیت کریں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں O سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور تا کہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے O اور جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گیا اور وہ توانا و مستحکم ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں O

١١-﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے اس کی بہن مریم سے کہا کہ تو حضرت موسیٰ کے بہتے ہوئے صندوق کے پیچھے پیچھے چلی جا تا کہ تجھے اس کی خبر کا علم ہو سکے ﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ﴾ سو وہ ایک طرف ہو کر دور دور سے اسے دیکھتی رہتی ["عَنْ جُنُبٍ" بہ معنی "عَنْ بُعْدٍ" ہے اور یہ "بِهٖ" کی ضمیر سے حال ہے یا پھر "بَصُرَتْ" کی پوشیدہ ضمیر سے حال ہے] ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ لڑکی حضرت موسیٰ کی بہن ہے۔

١٢-﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ اور ہم نے اس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔ یہاں "تحریم" بہ معنی منع ہے' شریعت کی حرمت مراد نہیں ہے یعنی ہم نے حضرت موسیٰ کو منع کر دیا اور انہیں روک دیا کہ اپنی ماں کے دودھ کے علاوہ کسی عورت کا دودھ نہیں پینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دودھ پلانے والی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے' یہاں تک کہ اس رویہ نے انہیں مغموم کر دیا [اور "مَرَاضِعَ"، "مُرْضِع" کی جمع ہے اور یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو دودھ پلاتی ہو یا یہ "مَرْضَع" کی جمع ہے اور اس سے ظرف مکان دودھ کی جگہ یعنی پستان مراد ہے یا دودھ پلانا مراد ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ حضرت موسیٰ کی

بہن کے اس کے صندوق کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے سراغ لگانے سے پہلے دودھ حرام کر دیا گیا تھا یا یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس واپس لوٹانے سے پہلے غیر عورت کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا ﴿فَقَالَتْ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ فرعون کے گھر میں داخل ہو کر دودھ پلانے والی دائیوں کے درمیان پہنچ گئی اور اس نے آپ کو دیکھا کہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ﴾ کیا میں ایسے گھر والوں پر تمہاری رہنمائی و رہبری کروں جو ان کی یعنی حضرت موسیٰ کی کفالت و تربیت کریں ﴿لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ تمہارے لیے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ ''نصح'' کا معنی ہے: فساد کی ملاوٹ سے پاک اور خالص عمل۔ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ''وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ'' کہا تو ہامان نے کہا: یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے اور اس کے گھر والوں کو بھی جانتی ہے' لہٰذا اس کو پکڑ لو یہاں تک کہ وہ اس بچے کا پورا واقعہ بیان کرے' پس اس نے جواب میں کہا کہ میرا مطلب تو یہ ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں' پھر وہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی اور اسے ان کے بارے میں بتایا اور اسے لے کر آ گئی اور اس وقت بچہ فرعون کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اسے شفقت کی بناء پر بہلا رہا تھا جب کہ وہ دودھ کی طلب میں رو رہے تھے' پھر جب انہوں نے اپنی ماں کی خوشبو محسوس کی تو اس سے مانوس ہو گئے اور اس کی چھاتی سے چمٹ کر دودھ پینا شروع کر دیا' سو فرعون نے یہ حالت دیکھ کر ماں سے پوچھا کہ تم اس بچہ کی کیا ہو؟ کیونکہ اس بچہ نے تمہارے سوا کسی عورت کا دودھ نہیں پیا' حضرت موسیٰ کی والدہ نے فرمایا: بے شک میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی عورت ہوں' اس لیے ہر بچہ میرا دودھ قبول کر لیتا ہے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے سپرد کر دیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور وہ اپنے بیٹے کو لے کر اپنے گھر چلی گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے واپس کرنے کا اپنا وعدہ پورا کر دیا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی اور اس کے علم میں مستحکم ہو گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۱۳- ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا﴾ سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اپنے بیٹے کے ساتھ قیام کرنے سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں ﴿وَ لَا تَحْزَنَ﴾ اور وہ اپنے بیٹے کی جدائی میں غم نہ کریں ﴿وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ اور تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یعنی تاکہ اس کا علم مشاہدہ سے ثابت ہو جائے' جس طرح کہ وہ خبر سے جانتی تھی [اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَلَا تَحْزَنْ'' ''تَقِرَّ'' پر معطوف ہے] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے روزانہ ایک دینار فرعون سے لینا اس لیے جائز اور حلال تھا کہ یہ حربی کافر کا مال تھا' اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں تھی' جیسا کہ امام سدی نے فرمایا ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ حضرت کی والدہ کے علم میں شامل ہے یعنی تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو وہ تو شک کرتے ہیں اور اس تعریض کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف سے پائی جانے والی کوتاہی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے جب حضرت موسیٰ کی فرعون کے پاس پہنچنے کی خبر سنی تو بہت سخت گھبرا گئیں (حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن رہنا چاہیے تھا)۔

۱۴- ﴿وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے (یعنی) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوت و طاقت کی انتہا کو پہنچ گئے اور عقل تمام و مکمل ہو گئی [اور یہ ''شدة'' کی جمع ہے جیسا کہ سیبویہ کے نزدیک ''نعمة'' کی جمع ''انعم'' ہے] ﴿وَ اسْتَوٰۤى﴾ اور وہ توانا ہو گئے (یعنی) وہ معتدل ہو گئے اور ان کا استحکام پورا ہو گیا اور وہ چالیس سال کی عمر ہے اور

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر نبی چالیس سال پورے ہونے پر نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے[1] ﴿اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ہم نے اسے حکم (یعنی) نبوت اور علم (یعنی) فقہ (دین کی سمجھ) عطا فرمائی یا دین و دنیا کی مصلحتوں کا علم عطا فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے ساتھ احسان کا سلوک کیا ہے اسی طرح ہم مؤمنوں کے ساتھ بھی احسان کا سلوک کریں گے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی عطا کو نیکی کرنے کا صلہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں جنت میں پہنچاتے ہیں جو نیکوکاروں کا صلہ ہے اور

[1] واضح رہے کہ خود صاحب ''مدارک'' نے سورۂ مریم: ٣٠ میں ''وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے' کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی گود میں بھی نبی تھے اور ماں کی گود میں حضرت عیسیٰ کا کلام کرنا ان کا معجزہ تھا (یعنی نبوت بچپن میں ہی مل چکی تھی' البتہ رسالت تیس سے پینتیس سال کے دوران ملی تھی) چنانچہ تفسیر ''تبیان القرآن'' میں لکھا ہے کہ اس (چالیس سال والی) روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ نے لکھا ہے: مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ٣ ص ٣٩٧) علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی ١٠٦٩ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی ''وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا'' (مریم: ١٢) ''اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا کی''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (٣٣) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا' اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے' اکثریہ ہے)۔ (عنایۃ القاضی ج ٧ ص ٢٨٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٧ھ) علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں (جب ان کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی: ''وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ'' (یوسف: ١٥) ''اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی''۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔ (روح البیان ج ٦ ص ٤٩٨' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ) پھر اگلے صفحہ پر لکھا ہے: ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ کو پیدائش سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٦٠٩' المستدرک ج ٢ ص ٦٠٩' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ١٣٠' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ١٨٥٦) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا' (میں) حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا' ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ٣٦٢٦' مسند احمد ج ٤ ص ١٢٧' المعجم الکبیر ج ١٨ رقم الحدیث: ٢٥٢' مسند البزار رقم الحدیث: ٢٣٦٥' دلائل النبوت للبیہقی ج ١ ص ١٩' البدایہ والنہایہ ج ٢ ص ٢٩٠ طبع جدید) نوٹ: (ماخوذ از ''تفسیر تبیان القرآن'' جلد ہشتم ص ٧٨٣ تا ٧٨٥' فرید بک سٹال' لاہور)

دانا عالم وہ ہے' جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (البقرہ:۱۰۲) ''اور البتہ وہ بہت بُرا ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا کاش! وہ جانتے''۔ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں جاہل قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے علم پر عمل نہیں کیا۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا
مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ
فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ
اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور وہ (حضرت موسیٰ) شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب اس کے باشندے غافل تھے' سو انہوں نے اس میں دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں میں سے تھا' سو جو آدمی اس قوم میں سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد چاہی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو مکا مارا' پس اس پر قضائے الٰہی جاری کر دی' فرمایا: یہ شیطان کے عمل سے ہے' بے شک وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے O اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' سو تو مجھے بخش دے' پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھ پر جو انعام فرمایا ہے اس کی وجہ سے اب میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا O

۱۵- ﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں یعنی مصر کے شہر میں داخل ہوئے ﴿عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ اس وقت وہاں کے رہنے والے غفلت و بے خبری میں تھے [یہ ضمیرِ فاعل سے حال ہے] یعنی پوشیدہ طور پر چھپ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا' یا وہ قیلولہ کرنے کا وقت تھا یعنی دن میں دوپہر کے وقت داخل ہوئے' اس وقت لوگ سو رہے تھے اور بعض علماء نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے اور کامل عقل مند ہو گئے تو لوگوں کو حق بات کہنا شروع کر دی اور بُرائی سے روکنا اور اس سے نفرت کا اظہار شروع کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا' جس کی وجہ سے شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب لوگ غافل ہو چکے تھے ﴿فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ سو حضرت موسیٰ نے اس شہر میں داخل ہوتے وقت دو مردوں کو آپس میں لڑتے ہوئے پایا' یہ ایک ان کی قوم میں سے تھا (یعنی) وہ بنی اسرائیل میں سے تھا' جو آپ کے دین پر آپ کی اتباع اور پیروی کرتے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ شخص سامری تھا ﴿وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اور یہ دوسرا شخص ان کے دشمنوں میں سے تھا (یعنی) دوسرا آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین قوم قبط سے تھا (جو فرعون کی قوم تھی) اور اس کا نام فاتون تھا اور بعض نے فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں لڑنے والے آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں موجود نہیں تھے لیکن ان کے بارے میں ''هٰذَا وَهٰذَا'' صرف بہ طورِ حکایت بیان کیے گئے یعنی جب دیکھنے والا ان دونوں کی طرف دیکھے گا تو یہی کہے گا کہ یہ شخص حضرت موسیٰ کی قوم میں

سے ہے اور یہ شخص حضرت موسیٰ کے دشمنوں میں سے ہے ﴿فَاسْتَغَاثَهُ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی (یعنی) اس سے مدد طلب کی ﴿الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى﴾ اس شخص نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا' اس شخص کے خلاف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا' سو حضرت موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا (یعنی) انگلیوں کو اپنی ہتھیلی کے ساتھ ملا کر (مکا) مارا یا اپنی انگلیوں کے اطراف مارے ﴿فَقَضَى عَلَيْهِ﴾ پس اس پر قضا جاری کر دی اور اسے قتل کر دیا ﴿قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ "هٰذَا" سے اس قتل کی طرف اشارہ ہے جو بغیر ارادہ (محض سمجھانے کے لیے مکا مارنے سے) حاصل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافر کے قتل کو شیطان کے عمل میں سے قرار دیا اور اس کو اپنی جان پر ظلم و زیادتی قرار دیا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کو فرعونیوں میں امن حاصل تھا اور اس صورت میں کافر حربی کا قتل جائز نہیں تھا یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے قتل کی اجازت ملنے سے پہلے اس کو قتل کر دیا تھا اور حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے' جب تک اسے حکم نہ دیا جائے [1] ﴿إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ﴾ بے شک وہ (شیطان) کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے' جس کی عداوت و دشمنی عیاں اور ظاہر ہے۔

١٦- ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر ایک ایسے فعل کے ساتھ زیادتی کی ہے' جس کے سبب قتل ہو گیا' اصل میں "يَا رَبِّ" ہے ﴿فَاغْفِرْ لِي﴾ پس تو میرے لیے میری خلافِ اولیٰ کوتاہی کو بخش دے ﴿فَغَفَرَ لَهُ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری تقصیر کو بخش دیا ﴿إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ﴾ بے شک وہ تقصیرات کو بہت مٹانے والا اور انہیں بہت بخشنے والا ہے ﴿الرَّحِيمُ﴾ ندامت و شرمندگی کو زائل کرنے کے لیے بے حد مہربان ہے۔

١٧- ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھ پر بہت بڑا انعام کیا ہے' سو اب میں مجرموں کا ہرگز مددگار نہیں بنوں گا (یعنی) کافروں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ "ظَهِيرًا" بہ معنی "مُعِينًا" (مددگار) ہے اور مجرمین سے کافرین مراد ہیں [اور "بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ" قسم ہے' اس کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "أُقْسِمُ بِإِنْعَامِكَ عَلَيَّ بِالْمَغْفِرَةِ لَأَتُوبَنَّ" مجھے تیرے اس انعام کی قسم جو تو نے میری مغفرت و بخشش فرما کر مجھ پر کیا ہے! میں ضرور توبہ کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع رکھتا ہوں]' سو اب میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا یا طلب رحمت ہے گویا حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! اس حق کے

---

1. حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام (یعنی "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ") بہ طریقِ تواضع ہے کیونکہ آپ سے کوئی معصیت (جرم) سرزد نہیں ہوئی اور انبیاء معصوم ہیں' ان سے گناہ نہیں ہوتے۔ قبطی کا مارنا آپ کا دفعِ ظلم اور مظلوم کی امداد تھی' یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں' پھر بھی اپنی طرف تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار کرنا' یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں تاخیر اولیٰ (اور بہتر) تھی' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ترکِ اولیٰ کو ظلم و زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ (خزائن العرفان ص ٦٥٤' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور) نیز علامہ خازن نے لکھا ہے کہ "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" میں اشارہ مقتول کے عمل کی طرف ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے عمل کی طرف نہیں ہے یعنی قبطی کا بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرنا' یہ شیطان کا عمل ہے۔ (تفسیر خازن جزء ٣ ص ٤٢٧' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

ذریعے جو تو نے مغفرت و بخشش کی صورت میں مجھ پر انعام فرمایا' تو میری عصمت کی حفاظت فرما' سو اگر تو نے میری عصمت کی حفاظت کی تو میں مجرموں کا کبھی مددگار نہیں بنوں گا اور مجرموں کی مدد سے فرعون کی صحبت اور اس کے انتظامی اُمور میں شرکت اور اس کی جماعت میں شمولیت سے اضافہ کرنا مراد ہے کیونکہ آپ اس کی سواری کے ساتھ سوار ہوتے' جیسے بیٹا باپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ط
قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ⑱ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ
لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ ق اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ
اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ⑲ وَجَآءَ رَجُلٌ
مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ
اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ⑳ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ع ㉑

ع ۲ ۵

پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس شہر میں ڈرتے (اور) انتظار کرتے ہوئے صبح کی' سو اچانک دیکھا کہ جس شخص نے گزشتہ کل اس سے فریاد کی تھی وہی اس سے فریاد کر رہا ہے' موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا: بے شک تو صریح گمراہ ہے○ سو جب آپ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو مضبوطی سے پکڑ لیں جو ان دونوں کا دشمن ہے' تو اسرائیلی نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے گزشتہ کل ایک شخص کو قتل کیا' تم تو نہیں چاہتے مگر یہ کہ تم زمین پر زبردست جابر بن جاؤ اور تم نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جاؤ○ اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' (اور) کہنے لگا: اے موسیٰ! بے شک درباری سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تاکہ تمہیں قتل کر دیں' سو تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں○ پس موسیٰ (علیہ السلام) اس شہر سے ڈرتے (اور) انتظار کرتے ہوئے نکلے' عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما○

۱۸- ﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآىِٕفًا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کے قتل ہو جانے کی وجہ سے اپنے بارے میں ڈرتے ہوئے صبح کی کہ کہیں انہیں گرفتار نہ کر لیا جائے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ انتظار کرنے لگے یعنی ناپسندیدہ امر کا انتظار کرنے لگے اور وہ ان سے انتقام لینا ہے یا قتل کی خبر کا پھیل جانا یا یہ کہ ان کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے اور حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف و ڈر اپنی ذات کا تھا اور انتظار اپنے رب تعالیٰ کی نصرت و مدد کا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف زدہ ہونے میں کوئی حرج نہیں' بہ خلاف اس کے جو بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنا جائز نہیں [''يَتَرَقَّبُ''،''اَصْبَحَ'' کے فاعل سے حال ہے] ﴿فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ﴾ پھر

اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ شخص جس نے گزشتہ کل آپ سے یعنی حضرت موسیٰ سے فریاد کی تھی' وہ چیختا ہوا آپ سے فریاد کر رہا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہی اسرائیلی جس کو حضرت موسیٰ نے قبطی کے ظلم و ستم سے نجات دلائی تھی' آج دوبارہ دوسرے قبطی کے مقابلے میں آپ سے فریاد کر رہا ہے [''اذا'' مفاجاتیہ ہے اور جو اس کے بعد ہے وہ مبتدا ہے ]﴿ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یعنی اس اسرائیلی سے فرمایا ﴿ اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ بے شک تو صریح گمراہ ہے یعنی رشد و ہدایت سے بھٹکا ہوا کھلم کھلا گمراہ ہے کہ کل تو نے ایک آدمی سے جھگڑا کیا اور تیری وجہ سے وہ مجھ سے قتل ہو گیا اور تدبیر میں صاحبِ رشد و ہدایت وہ ہوتا ہے جو کوئی ایسا کام نہ کرے جو اپنے آپ کو اور جو اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دے۔

۱۹- ﴿ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ﴾ سو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس شخص کو یعنی قبطی کو پکڑ لیں جو وہ ان دونوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلی کا دشمن تھا کیونکہ وہ ان دونوں کے دین کا پیروکار نہیں تھا اور اس لیے بھی کہ قبط قوم کے لوگ بنی اسرائیل کے دشمن تھے ﴿ قَالَ ﴾ اس نے کہا (یعنی) اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور اسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ اسی کو پکڑنا چاہتے ہیں' قبطی کو نہیں پکڑنا چاہتے کیونکہ حضرت موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ بے شک تو کھلم کھلا گمراہ ہے ﴿ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ﴾ اے موسیٰ! کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کہ تم نے کل ایک شخص یعنی قبطی کو قتل کیا تھا ﴿ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ ﴾ تم تو نہیں چاہتے مگر یہ کہ تم زمین پر جابر بن جاؤ یعنی سرزمین مصر میں تم غضب کے ساتھ زبردست لڑاکے بن جاؤ [''اِنْ'' بہ معنی ''مَا'' نافیہ ہے ]﴿ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴾ اور تم نہیں چاہتے کہ غصہ ضبط کر کے اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جاؤ' اور قبطی کے قتل کی خبر گزشتہ کل سے لوگوں میں پھیل چکی تھی' لیکن اس کا قاتل مخفی تھا اور اس کا علم نہیں ہو سکا تھا' پھر جب اسرائیلی نے دوسرے قبطی کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا راز فاش کر دیا تو قبطی کو علم ہو گیا کہ مقتول قبطی کا قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں' سو اس نے جا کر فرعون کو خبر سنا دی' پس انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

۲۰- ﴿ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ ﴾ اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے آیا۔ یہ آدمی آلِ فرعون کا مؤمن تھا اور وہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا ﴿ یَسْعٰى ﴾ وہ دوڑتا ہوا آیا [''یَسْعٰی''، ''رَجُلٌ'' کی صفت ہے یا پھر ''رَجُلٌ'' سے حال ہے کیونکہ ''مِنْ اَقْصَا المدینۃِ'' اس کا وصف ہے ]﴿ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ ﴾ اس شخص نے کہا: اے موسیٰ! بے شک درباری سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ وہ تمہیں قتل کر دیں یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو تمہیں قتل کرنے کا کہہ رہے ہیں یا یہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے تمہاری وجہ سے مشورہ کر رہے ہیں۔ ''الائتمار'' کا معنی ہے: باہمی مشورہ کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ ''الرجلان یتاٰمران ویاتمران'' دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھی کو کسی چیز کا حکم دیتا ہے یا اس کو کسی کام کی طرف اشارہ کرتا ہے ﴿ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴾ سو آپ اس شہر سے باہر نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں [''لَکَ'' بیان ہے اور ''نَاصِحِیْنَ'' کا صلہ نہیں ہے کیونکہ صلہ موصول سے مقدم نہیں ہوتا' گویا اس شخص نے کہا: ''اِنِّیْ مِنَ النَّاصِحِیْنَ'' پھر بیان کرنا چاہا تو کہا: ''لَکَ'' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''سَقْیًا لَّکَ وَمَرْحَبًا لَّکَ'']۔

۲۱- ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا﴾ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکل پڑے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ راستے میں اپنے تعاقب کا انتظار کرتے ہوئے یا یہ کہ کوئی شخص ان کے پیچھے سے آ کر ان کو قتل کر دے گا ﴿قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم یعنی فرعون کی قوم سے نجات عطا فرما۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ
مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ
تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾
فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾
فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا
سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر چلائے گاO اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس نے اس پر لوگوں کا ایک گروہ پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان کے پیچھے دو عورتوں کو (اپنی بکریاں) روکے ہوئے پایا' فرمایا: تمہارا کیا کام ہے' ان دونوں نے کہا کہ ہم پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے واپس چلے جائیں' اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیںO سو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان دونوں کے لیے (بکریوں کو) پانی پلایا' پھر وہ سایا کی طرف پلٹ گئے اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہےO سو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی' کہنے لگی: بے شک میرا باپ بلاتا ہے تاکہ وہ تمہیں اس کی مزدوری دے جو تو نے ہمارے لیے (ہماری بکریوں کو) پانی پلایا ہے' پس جب وہ اس کے پاس آیا اور اسے اپنا سارا قصہ بیان کیا' تو اس نے فرمایا کہ خوف نہ کرو' تم نے ظالموں کی قوم سے نجات پالیO

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدین کی طرف ہجرت کرنے کا بیان

۲۲- ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر جانے کے لیے مدین کی روانگی کی طرف متوجہ ہوئے اور ''التوجه'' کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف قصداً منہ کر کے جانا اور مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے اور اس شہر کا یہ نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے نام پر رکھا گیا اور یہ شہر فرعون کی سلطنت میں شامل نہیں تھا اور مدین اور مصر کے درمیان پیدل آٹھ دن کی مسافت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں راستہ کا کوئی پتا معلوم نہیں تھا' صرف اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی بناء پر سفر شروع کیا اور ﴿قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ فرمایا: قوی امید ہے کہ میرا رب تعالیٰ مجھے سیدھے راستہ پر چلائے گا یعنی راہِ مستقیم اور سب سے بڑی شارع عام پر چلائے گا'

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور وہ آپ کو مدین لے گیا۔

٢٣- ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پہنچے اور مدین ان کے ایک کنویں کا نام بھی تھا' جس کے پانی سے وہ اپنے جانوروں کو سیراب کرتے تھے اور ''وَرَدَ'' بہ معنیٰ ''وَصَلَ'' ہے ﴿ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنویں کے کنارے پر لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع کو پایا جو مختلف قبیلوں کے لوگ جمع تھے ﴿ يَسْقُوْنَ ﴾ وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں ﴿ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مجمع کی جگہ کے پیچھے نشیبی جگہ پر دو لڑکیوں کو پایا جو اپنی بکریوں کو پانی سے روکے ہوئے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہیں کیونکہ پانی پر وہ لوگ قابض ہو چکے تھے' جو ان دونوں سے قوی تھے' اس لیے یہ دونوں ان کی موجودگی میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتی تھیں یا اس لیے اپنی بکریوں کو روکے ہوئے تھیں تا کہ ان دونوں کی بکریوں کے ساتھ ان لوگوں کی بکریاں خلط ملط نہ ہو جائیں اور ''الـذود'' کا معنی ہے: روکنا اور ہٹانا یا دفع کرنا ﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (دونوں لڑکیوں سے) فرمایا: تمہارا کیا کام اور تمہارا کیا معاملہ ہے اور حقیقت میں یہ ''ما مخطوبکما'' کے معنی میں ہے یعنی تمہارا مطلوب کیا ہے؟ اور اپنی بکریوں کو روکنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ پس ''مخطوب'' کا نام ''خطب'' رکھا گیا ہے ﴿ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ﴾ ان دو لڑکیوں نے کہا کہ ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں' یہاں تک کہ چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر ہٹا لے جائیں [ابن عامر شامی' یزید اور ابو عمر کی قراءت میں ''يَصْدُرُ'' (باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) ہے یعنی یہ چرواہے اپنے جانور واپس لے جائیں' سو ''دعاء'' ''راع'' کی جمع ہے' جیسے ''قائم'' کی جمع ''قیام'' ہے] ﴿ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ ﴾ اور ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں' وہ بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے ﴿ كَبِيْرٌ ﴾ بڑی شان والے ہیں یا بڑی عمر والے ہیں۔ وہ بکریوں کو چرا سکتے ہیں اور نہ انہیں پانی پلا سکتے ہیں' ان دو لڑکیوں نے بکریوں کو خود چرانے اور پانی پلانے کا انتظام کرنے کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

٢٤- ﴿ فَسَقٰى لَهُمَا ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فریادی کی فریاد سننے اور نیکی کے کام میں رغبت کے جذبہ کے تحت ان دونوں کے لیے ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنویں سے لوگوں کو الگ کیا اور ان سے ڈول مانگا اور انہوں نے اپنا ڈول آپ کو دیا اور انہوں نے کہا: اس کے ساتھ پانی نکال کر بکریوں کو پلایئے' سو آپ نے صرف چالیس ڈول کھینچے اور ان کو حوض میں ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی' پھر اسی سے تمام بکریوں کو پانی پلا کر سیراب کیا [''يَسْقُوْنَ' تَذُوْدٰنِ' لَا نَسْقِيْ'' اور ''فَسَقٰى'' چاروں افعال میں مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مقصد اور غرض صرف فعل ہے مفعول نہیں] کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضرت موسیٰ کو ان لڑکیوں پر اس لیے رحم آیا کہ وہ دور ایک طرف ہٹ کر انتظار کر رہی تھیں جب کہ دیگر لوگ پانی پلا رہے تھے' اس لیے ان پر رحم نہیں آیا کہ ان کی بکریوں کو روکا گیا ہے اور قوم کے اونٹوں کو پانی پلایا گیا اور اسی طرح ''لَا نَسْقِيْ'' اور ''فَسَقٰى'' میں مقصود پانی پلانا ہے نہ کہ وہ جانور جن کو پانی پلایا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال اور ان لڑکیوں کے جواب میں مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بکریوں کو روکنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم باپردہ اور کمزور عورتیں ہیں' ہم مردوں کی مزاحمت کی طاقت وقدرت نہیں رکھتیں اور ہم ان کے ساتھ مل جل کر رہنے سے شرم وحیاء کرتی ہیں' اس لیے ہمارے لیے اس قدر تاخیر کرنا لازمی اور ضروری ہے کہ یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں اور حضرت شعیب علیہ السلام اپنی بیٹیوں پر جانوروں کو پانی پلانے کے لیے صرف اس لیے راضی تھے کہ یہ کام کرنا بذاتہٖ ممنوع نہیں' نیز دین اس سے منع نہیں کرتا لیکن رہی مروّت تو

اس میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور اس میں عرب کے حالات عجم کے حالات کے برعکس ہیں اور اس میں دیہات اور گاؤں میں رہنے والوں کا طریقہ شہر میں رہنے والوں کے طریقہ سے جدا ہوتا ہے ﴿ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام (بکریوں کو پانی پلانے کے بعد) ایک سایا کی طرف پلٹے یعنی ببول کے درخت کے سایا میں لوٹ آئے اور اس عمل میں اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں بہ وقتِ ضرورت آرام حاصل کرنا جائز ہے' بہ خلاف اس کے جو بعض مشقت پسند لوگ کہتے ہیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مشقت و بلا زیادہ دراز ہو گئی تو آپ نے شکایت کے ساتھ انس حاصل کیا کیونکہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کرنے میں کوئی نقص نہیں ﴿فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ پس حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میں اس خیر و بھلائی کا ضرورت مند ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے' کسی قسم کی بھلائی ہو تھوڑی ہو یا زیادہ ہو' چھوٹی ہو یا بڑی ہو' کمزور و دبلی ہو یا طاقت ور و موٹی ہو [''فقیر'' کو لام کے ساتھ متعدی کیا گیا کیونکہ یہ سائل اور طالب کے معنی کو متضمن ہے] بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کھانا نہیں کھایا تھا' اس لیے اس کلام میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ اے اللہ! دارین کی بھلائی میں سے جو کچھ تو نے میری طرف نازل کیا ہے' اس کی وجہ سے اب میں دنیا کی نعمت (کھانے) کا ضرورت مند ہوں اور دارین کی بھلائی میں سے ایک فرعون سے نجات حاصل کرنا ہے کیونکہ آپ فرعون کے پاس شہزادے کی صورت میں ثروت و آسودگی میں تھے' آپ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے عالی شان عدل و انصاف پر راضی ہو کر کہی اور اس پر خوشی کا اظہار کرنے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کہی اور حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عبودیت سے ربوبیت کی طرف غور سے دیکھا تو نہایت خشوع و خضوع اور محتاجی و عاجزی کی زبان سے گفتگو فرمائی' اس لیے کہ آپ کے سر مخفی پر انوار ربوبیت کی بارش ہو گئی تھی۔

۲۵۔ ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا﴾ پھر ان دو لڑکیوں میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی' کہنے لگی: بے شک میرا باپ تمہیں بلاتا ہے تاکہ وہ تمہیں اس کی مزدوری عطا کرے جو تم نے ہمارے لیے بکریوں کو پانی پلایا ہے [''عَلَى اسْتِحْیَآءٍ'' محلاً حال ہے] یعنی وہ لڑکی شرماتی ہوئی آئی اور یہ وصف اس کی ذاتی و خاندانی شرافت اور اس کے کامل ایمان دار ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کو ضیافت کی دعوت دینے کے لیے آئی تھی' اسے معلوم نہیں تھا کہ آیا آپ اس کی دعوت قبول کریں گے یا نہیں' سو اس لیے شرماتی ہوئی دوپٹے کے پلو سے چہرہ چھپا کر حاضر ہوئی اور ''مَا سَقَیْتَ'' میں ''مَا'' مصدریہ ہے یعنی تمہارے پانی پلانے کی اجرت۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ دو لڑکیاں لوگوں سے پہلے اپنے باپ کے پاس لوٹ گئیں اور ان کی بکریوں کے تھن اور کھیریاں دودھ سے بھری ہوئی تھیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: آج تم جلدی کیسے آ گئیں؟ انہوں نے کہا کہ آج ہم نے ایک نیک آدمی پایا' جس نے ہم پر رحم و کرم کیا اور ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا تو حضرت شعیب نے ان دونوں میں سے ایک سے فرمایا کہ تم اس نیک آدمی کے پاس چلی جاؤ اور اس کو میرے پاس بلا کر لاؤ' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لڑکی کے پیچھے چل پڑے' لیکن تیز ہوا نے اس لڑکی کے کپڑوں کو اس کے جسم کے ساتھ چپکا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلتی آؤ اور مجھے راستہ بتاتی آؤ ﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ﴾ سو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنا سارا قصہ سنایا یعنی فرعون کے ساتھ اپنے احوال اور اپنا سارا قصہ بیان کیا [''القصص'' مصدر ہے' اس کے نام پر ''مقصوص'' (بیان کردہ قصہ) کا نام

رکھا گیا ہے ] ﴿قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: اب تم بالکل نہ ڈرو تم نے ظالموں کی قوم سے نجات پالی ہے کیونکہ ہماری سرزمین پر فرعون کی حکومت نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ خبرواحد (ایک شخص کی خبر) پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ وہ غلام ہو یا عورت ہی ہو اور یہ کہ اجنبی عورت کے ساتھ احتیاط اور تقویٰ و پرہیزگاری سے چلنا جائز ہے' لیکن نیکی اور بھلائی کے کام پر اجرت لینا' تو بعض مفسرین نے فرمایا: بہ وقتِ حاجت وضرورت کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا' اس بناء پر کہ ایک روایت میں ہے کہ جب لڑکی نے کہا: ''لِيَجْزِيَكَ'' تو آپ نے اس کو ناپسند کیا لیکن اس کی دعوت اس لیے قبول فرمالی کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام نہ ہوجائے کیونکہ قاصد کے لیے عزت وحرمت لازم ہے اور جب حضرت شعیب نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے کھانے سے انکار کردیا' حضرت شعیب نے فرمایا: کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! بھوک ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے پانی پلانے کا معاوضہ نہ ہوجائے کیونکہ ہم انبیاء کرام کے گھرانے والے ہیں' ہم اپنا دین دنیا کے عوض میں فروخت نہیں کرتے اور نہ ہم نیکی پر قیمت وصول کرتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہ ہماری عادت ہے کہ جو شخص بھی ہمارے پاس ٹھہرتا ہے' وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اے میرے باپ! آپ انہیں اجرت پر ملازم رکھ لیں' بے شک آپ جس کو اجرت پر ملازم رکھنا چاہیں اس میں بہتر وہی ہے جو طاقتور امانت دار ہو O فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ اس شرط پر کردوں کہ تم آٹھ سال تک میری مزدوری کرو' پھر اگر دس سال پورے کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا' اور میں تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مجھے عنقریب نیکوں میں سے پاؤ گے O موسیٰ نے کہا کہ یہ میرے درمیان اور آپ کے درمیان اقرار ہوگیا' میں ان دو مدتوں میں سے جو بھی پوری کردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی' اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے O

۲۶- ﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا: اے میرے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں (یعنی) آپ ان کو بکریاں چرانے کے لیے ملازم رکھ لیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے بڑی کا نام صفرآء اور چھوٹی کا نام صفیرآء تھا اور صفرآء ہی وہ لڑکی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے گئی تھی اور اسی نے اپنے باپ سے مطالبہ کیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو اجرت پر ملازم رکھ لیں اور اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا (بعض تفاسیر میں اس کا نام صفورآء ہے) ﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ بے شک آپ جس کو مزدور

رکھنا چاہتے ہیں' اس میں بہترین مزدور طاقت ور امانت دار ہوتا ہے' چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہیں ان کی قوت و امانت داری کا علم کیسے ہوا؟ تو اس نے ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اکیلے کنویں سے پانی کے ڈول بھر کر کھینچتے رہے اور تمام بکریوں کو پانی سے سیراب کر دیا اور چلتے وقت انہوں نے مجھے اپنے پیچھے چلنے کا حکم دیا' اور ماضی کے لفظ کے ساتھ فعل کا لانا' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امانت داری اور قوت دونوں صفات متحقق ہو چکی ہیں اور صاحب زادی کا یہ کہنا ''اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ'' جامع کلام ہے کیونکہ جب یہ دونوں خصلتیں کفایت و امانت تمہارے کسی کام کے قائم رکھنے میں جمع ہو جائیں گی تو تمہارا دل فارغ ہو جائے گا اور تمہاری مراد پوری ہو جائے گی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''قوی'' سے اپنے دین میں مضبوط و طاقت ور اور ''امین'' سے اپنے اعضاء میں امانت دار مراد ہے اور بے شک مثال کے قائم مقام اس کلام کی وجہ سے تم اپنے اس قول ''اِسْتَاْجِرْهُ لِقُوَّتِهٖ وَاَمَانَتِهٖ'' سے بے نیاز ہو گئے ہو اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں تین آدمی سب سے زیادہ ذہین ہوئے' ایک حضرت شعیب کی صاحب زادی' جس نے ملازم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا اور دوسرے عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا: ''عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَا'' (یوسف:۲۱) ''ممکن ہے کہ یہ یوسف ہمیں نفع پہنچائے'' اور تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' جنہوں نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا۔

۲۷۔﴿قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں اور میں تمہاری شادی کر دوں۔ ''هَاتَيْنِ'' ارشاد دلالت کرتا ہے کہ ان دو بیٹیوں کے علاوہ بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی اور یہ حضرت شعیب کی طرف سے نکاح کا وعدہ تھا اور یہ نکاح کا عقد نہیں تھا کیونکہ اگر نکاح کا عقد ہوتا تو حضرت شعیب علیہ السلام (فعل ماضی کے ساتھ) ''قَدْ اَنْكَحْتُكَ'' فرماتے کہ بے شک میں نے تمہارا نکاح کر دیا ہے ﴿عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ﴾ اس شرط پر کہ تم میرے پاس مزدوری کرو گے (یعنی) تم میرے ملازم و اجیر بن کر کام کرو گے' یہ ''اَجَرْتُهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کا مزدور و ملازم ہو جاتا ہے تو کہتا ہے: ''اَجَرْتُهٗ'' میں فلاں آدمی کا مزدور ہو گیا ہوں ﴿ثَمٰنِيَ حِجَجٍ﴾ آٹھ سال تک۔ [یہ ظرف ہے اور ''حِجَّةٌ'' کا معنی سال ہے اور اس کی جمع ''حِجَجٌ'' ہے] اور بکریوں کے مقررہ مدت تک چرانے پر نکاح کرنا جائز ہے' اس پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کیونکہ یہ نکاح کا عمل قائم رکھنے کے باب سے ہے (اور اجرت معین ہے) سو اس میں کوئی اختلاف و اعتراض نہیں' البتہ اس کے برعکس بغیر اجرت کے تعین کے محض خدمت کرنے پر نکاح کرنا جائز نہیں ﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا﴾ پس اگر تم دس پورے کرو یعنی دس سال تک مزدوری کا کام کرو ﴿فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا یعنی یہ تمہاری طرف سے احسان و فضل ہوگا لیکن تم پر واجب و لازم نہیں ہوگا یا یہ معنی ہے کہ پورے دس سال تک مزدوری کرنا تمہاری طرف سے ہوگا اور میں اس مدت کو تم پر لازم نہیں کروں گا اور تم یہ کام کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے فضل و کرم اور احسان و عطیہ ہو گا ﴿وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ﴾ اور میں دونوں مدتوں کو واجب و لازم کر کے تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا اور اہل عرب کے قول ''شَقَقْتُ عَلَيْهِ وَشَقَّ عَلَيْهِ الْاَمْرُ'' کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ بڑا مشکل ہو جائے گا گویا وہ معاملہ بہت دشوار محسوس ہونے لگے' جس کی وجہ سے آدمی خیال کرتا ہے کہ یہ معاملہ ڈبل دشوار ہو گیا ہے تو اس کے متعلق کبھی کہتا ہے: ''اُطِيْقُهٗ'' میں اس کو حل کرنے کی طاقت رکھتا ہوں اور کبھی کہتا ہے: ''لَا اُطِيْقُهٗ'' میں اس کی طاقت نہیں رکھتا ہوں ﴿سَتَجِدُنِيْۤ

﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے حسن معاملہ میں نیک لوگوں میں سے پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی شرط سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے نیک ہونے کا جو وعدہ کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد پر بھروسا ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ نیکی کا معاملہ کر سکیں گے اور اگر وہ نہیں چاہے گا تو وہ یہ کام نہیں کر سکیں گے۔

۲۸-﴿ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ معاہدہ میرے اور آپ کے درمیان مقرر ہو گیا [''ذَالِكَ'' مبتدا ہے اور یہ اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا اور ''بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ'' اس کی خبر ہے] یعنی حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب سے کہا کہ یہ مدت جو آپ نے کہی ہے اور اس کے بارے میں مجھ سے جو معاہدہ کیا ہے اور اس پر مجھ سے جو شرط بیان کی ہے یہ معاہدہ ہم دونوں کے درمیان قائم ہو گیا ہم میں سے کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا نہ میں اس مدت کی خلاف ورزی کروں گا جو شرط آپ نے مجھ پر مقرر کی ہے اور نہ آپ اس کی خلاف ورزی کریں گے جو شرط آپ نے اپنے آپ پر مقرر کی ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ﴾ میں دونوں مدتوں میں سے جو مدت پوری کروں گا تو مجھ پر زیادتی نہیں کی جائے گی یعنی دونوں مدتوں میں سے جو مدت میں پوری کروں گا وہ دس سال کی ہو خواہ آٹھ سال کی ہو تو مجھ سے اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ مبرد نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ دونوں مدتوں کو پورا کرنے کی صورت میں ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی لیکن انہوں نے دونوں کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ کم مدت کے پورا کرنے کو بھی پوری مدت کی طرح قرار دیا جائے اور جس طرح پوری مدت کو پورا کرنے پر زیادہ کا مطالبہ کرنا ظلم و زیادتی ہے اسی طرح کم مدت کے پورا کرنے پر زیادہ کا مطالبہ کرنا بھی ظلم و زیادتی ہے [اور ''اَيَّ'' منصوب ہے ''قَضَيْتُ'' کی وجہ سے اور حرف ''مَا'' زائدہ ہے صرف ''اَيَّ'' کی تاکید کے لیے بڑھایا گیا ہے اور یہ ''اَيَّ'' شرطیہ ہے اور اس کا جواب ''فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ'' ہے] ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ گواہ اور ضامن ہے۔ [یہ ''وُكِّلَ اِلَيْهِ الْاَمْرُ'' سے ماخوذ ہے اور ''عَلٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا کہ یہ ''شاهد'' اور ''مقيت'' کی جگہ میں استعمال کیا گیا ہے]۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام کے بہت عصا ہائے مبارکہ موجود تھے چنانچہ ایک رات حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ تم اس کمرے میں داخل ہو جاؤ اور ان میں سے ایک عصا پکڑ لاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ عصا مبارک پکڑ کر لائے جسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترتے وقت لائے تھے اور ہمیشہ سے انبیائے کرام علیہم السلام اس کے یکے بعد دیگرے وارث بنتے آئے یہاں تک کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا اور حضرت موسیٰ نے اسے چھوا اور چونکہ وہ کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا تو آپ نے خیال کیا کہ اس کے علاوہ اٹھا لیں چنانچہ سات دفعہ اٹھایا ہر بار یہی عصا ہاتھ میں آ جاتا تو آپ نے جان لیا کہ اس کی بہت بڑی شان ہے چنانچہ اسی کو اٹھا لیا اور جب صبح ہوئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ جب بکریاں لے کر راستے کے چوک میں پہنچو گے تو اس کی دائیں جانب نہ جانا بے شک اس طرف اگرچہ گھاس بہت ہے لیکن وہاں ایک اژدہا ہے مجھے آپ کی جان اور بکریوں کا خطرہ ہے چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں لے کر چوک پر پہنچے تو بکریاں بھاگ کر دائیں جانب کو چلی گئیں آپ نے ان کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ روک سکے چنانچہ آپ بکریوں سمیت اژدہا کی جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں بکریوں کے لیے بہترین گھاس تھی اور ایسا سبزہ کہیں نہیں تھا سو آپ وہاں سو گئے تو اچانک اژدہا سامنے آ گیا تو آپ

کے عصا مبارک نے اس سے جنگ کرنی شروع کر دی یہاں تک کہ اسے مار دیا اور خون آلود ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلو کے پاس لوٹ آیا' پھر جب حضرت موسیٰ نے بیدار ہو کر اسے خون آلود دیکھا اور اژدھا بھی مرا دیکھا تو اس پر خوش ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ بکریوں کو لے کر واپس حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے بکریوں کے پیٹ کو غذا سے اور تھنوں کو دودھ سے بھرا ہوا پایا اور حضرت موسیٰ نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو آپ خوش ہو گئے اور جان لیا کہ حضرت موسیٰ اور عصا کی بہت بڑی شان ہے اور حضرت شعیب نے فرمایا کہ اس سال بکریوں کے جتنے اُدرع اور درعا بچے پیدا ہوں گے وہ سب تمہارے ہوں گے (ادرع اور درعاوہ ہوتے ہیں جن کے سینے سفید اور رانیں سیاہ ہوں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس معاہدہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں الہام فرمایا کہ اپنا یہ عصا مبارک بکریوں کے پانی پینے کی جگہ پر مارو' سو آپ نے ایسا ہی کیا' پھر بکریوں نے وہاں سے پانی پیا تو سب نے اُدرع اور درعا بچے جنے اور حضرت شعیب نے اپنی شرط پوری کی اور تمام بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملکیت میں دے دیئے۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ رات کو چل پڑے تو طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی' (اور) اپنی گھر والی سے فرمایا: ٹھہرو بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تاکہ تم تاپو○ سو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اسے زمین کے برکت والے ٹکڑے میں وادی کے دائیں جانب ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ہوں○ اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دیں' سو جب اسے لہراتا ہوا دیکھا گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس چل دیئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے کہا:) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور بالکل نہ ڈریئے' بے شک تم امن پانے والوں میں سے ہو○

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی کا بیان

۲۹- ﴿فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کی مدت پوری کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتیں پوری کر دی تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دونوں لڑکیوں میں سے چھوٹی کی آپ سے شادی کر دی' اور یہ اس روایت کے خلاف ہے جو (پہلے آیت:۲۶ کی تفسیر میں) گزر چکی ہے ﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب محنت و مزدوری کی مدت پوری ہو گئی اور قربت و نزدیکی کے ایام نزدیک آ گئے اور نبوت کے انوار و برکات نمودار ہونے لگے تو آپ اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے تاکہ وہ آپ کے ساتھ ان

لطائف واحسانات میں شریک ہوجائے جورب تعالیٰ نے ان پر کیے ہیں ﴿اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف سے آگ دیکھی تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا: تم یہاں ٹھہرو' بے شک میں نے آگ دیکھی ہے تاکہ میں وہاں سے تمہارے پاس راستے کی کوئی خبر لاؤں کیونکہ وہ راستہ بھول چکے تھے ﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ یا آگ کی کوئی چنگاری لے آؤں تاکہ تم اپنے ہاتھ تاپو اور آگ سے گرمی حاصل کرو۔

۳۰-﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو انہیں وادی کی اس جانب سے پکارا گیا' جو حضرت موسیٰ کی دائیں طرف تھی ﴿فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ﴾ زمین کے اس ٹکڑے سے جس کو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی وجہ سے بابرکت بنادیا گیا ﴿مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ عناب کے درخت سے یا عوسج کے درخت سے ﴿اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یہ کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ہوں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسی آگ دیکھی تھی' جس نے انوار پر ان کی رہنمائی کی تھی کیونکہ انہوں نے آگ کی شکل میں نور کو دیکھا تھا' پھر جب اس کے قریب پہنچے تو قدسی انوار نے انہیں اپنی آغوش میں لپیٹ لیا اور انس ومحبت کے پردوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور انہیں بڑے پیارے اور لطیف ترین خطاب کے ساتھ پکارا گیا اور وہاں سے بہترین جواب سنایا گیا' سو اسی وجہ سے آپ معزز ومکرم کلیم اللہ بن گئے' آپ نے جو مانگا عطا کیا گیا اور جس چیز سے آپ خوف زدہ تھے' اس سے امن عطا کیا گیا[''اَنْ یّٰمُوْسٰی'' میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے یا ثقیلہ سے مخففہ کیا گیا ہے اور ''جذوۃ'' میں تین لغات ہیں اور اسے ان تینوں لغات میں پڑھا گیا ہے' چنانچہ امام عاصم کی قراءت میں جیم پر زبر ہے اور حمزہ اور خلف کی قراءت میں جیم پر پیش ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں جیم کے نیچے زیر ہے اور ''جِذْوَةٌ'' کا معنی ہے: سخت لکڑی' اس کے آخر میں آگ کی چنگاری ہو یا نہ ہو اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''مِنْ'' اور دوسرا ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی کی جانب سے درخت سے ندا آئی تھی اور ''مِنَ الشَّجَرَةِ'' بدل ہے ''مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ'' سے اور یہ بدل اشتمال ہے کیونکہ یہ درخت وادی کے کنارے پر اُگا ہوا تھا]۔

۳۱-﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ اصل میں ''وَنُوْدِیَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ'' ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر کہا گیا کہ اپنا عصا ڈال دو' سو آپ نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بہت بڑے سانپ کی جنس میں تبدیل کردیا ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ﴾ پس جب آپ نے اسے لہراتا ہوا متحرک دیکھا ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا وہ سانپ ہے (یعنی) وہ تیزی کے ساتھ دوڑنے میں باریک سانپ کی طرح ہے اور اپنی جسامت وقد کاٹھ میں بہت بڑا اژدہا ہے ﴿وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام (نے عصا کو سانپ کی شکل میں دیکھا تو) پشت پھیر کر واپس چل پڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور نہ واپس لوٹے' سو انہیں فرمایا گیا کہ ﴿یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ﴾ اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور بالکل نہ ڈریئے' بے شک آپ امن پانے والوں میں سے ہیں یعنی آپ کو اس سے مامون ومحفوظ بنادیا گیا ہے کہ سانپ کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان پہنچ سکے۔

| |
|---|
| اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ |
| جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ |

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾
وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ
اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

معانقة ۱۱

تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب باہر نکلے گا' اور تم خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے پر رکھ لو' سو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ دو معجزے ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' بے شک وہ نافرمان لوگ ہیںO موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہوا ہے' پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گےO اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے' سوا سے میری مدد کے لیے میرے ساتھ رسول بنا دیجئے' وہ میری تصدیق کرے' بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گےO فرمایا کہ عنقریب ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور ہم تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے' سو وہ تم دونوں تک ہماری آیتوں کی وجہ سے نہیں پہنچ سکیں گے' اور تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے غالب رہو گےO

---

۳۲- ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ﴾ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (یعنی) اپنی قمیص کے گریبان میں داخل کیجئے۔ ''اُسْلُكْ'' بہ معنی ''اُدْخُلْ'' ہے ﴿تَخْرُجْ بَيْضَآءَ﴾ وہ سفید چمکتا ہوا نکلے گا' اس کی اس طرح شعاعیں ہوں گی جس طرح سورج کی شعاعیں ہوتی ہیں ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ برص کی بیماری کے عیب کے بغیر ﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ اور آپ خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے پر رکھ لیجئے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیجئے' سانپ کی وجہ سے جو خوف آپ پر طاری ہے' وہ زائل ہو کر چلا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہر خوف زدہ شخص جب اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتا ہے تو اس کا خوف زائل ہو جاتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بازو کے ملانے کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف پھیلا کر اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگے' جیسا کہ کسی چیز سے ڈرنے والا کرتا ہے اور آپ سے کہا گیا ہے کہ بے شک آپ کا اپنے ہاتھوں کے ذریعے اس سے بچنا' اس میں دشمنوں کے نزدیک بزدلی اور ذلت و کمزوری ہے' پھر جب آپ نے اپنے عصا کو زمین پر پھینک دیا ہے تو جس طرح وہ سانپ بن گیا ہے تو آپ اس سے ڈرنے اور بچنے کی بجائے اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے داخل کیجئے' پھر اسے سفید چمکتا ہوا نکال لیجئے تاکہ دو چیزیں حاصل ہو جائیں: (۱) آپ پر لگنے والی بزدلی اور کمزوری سے اجتناب (۲) دوسرے معجزہ کا اظہار اور ''جَنَاح'' سے ہاتھ مراد ہے کیونکہ انسان کے لیے ہاتھ پرندوں کے پروں کے قائم مقام ہیں اور جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو کے نیچے داخل کیا تو آپ نے اپنا ایک بازو دوسرے کے ساتھ سمیٹ لیا یا بازو کے سمیٹنے اور ملانے سے مراد یہ ہے کہ عصا کے سانپ کی شکل میں تبدیلی کے وقت اپنے آپ کو ثابت و قائم رکھنا اور اپنے نفس پر ضبط و کنٹرول رکھنا تاکہ نہ گھبراہٹ ہو اور نہ خوف پیدا ہو اور یہ پرندے کے فعل سے استعارہ ہے کیونکہ جب پرندہ ڈرتا ہے تو اپنے پَر پھیلا لیتا ہے اور انہیں کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اگر اسے خوف نہیں

ہوتا تو اپنے پَر سمیٹ لیتا ہے اور ملا لیتا ہے اور ''مِنَ الرَّھْبِ'' کا معنی ''مِنْ اَجْلِ الرَّھْبِ'' ہے (یعنی) خوف وڈر کی وجہ سے یعنی جب سانپ کو دیکھتے وقت تم پر خوف طاری ہو جائے تو اپنے ہاتھ اپنے سینے سے ملا لو اور وہ خوف وڈر جو انسان کو پہنچتا ہے' اسے سینے کے ساتھ بازو یعنی ہاتھوں کے ملانے کے لیے حکم دینے کی علت وسبب قرار دیا گیا ہے اور ''وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ'' اور ''اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ'' کا معنی دونوں تفسیروں پر ایک ہے لیکن اغراض کے اختلاف کی وجہ سے عبارتیں مختلف ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کی غرض سفید چمکتا ہوا ہاتھ کا نکلنا ہے اور دوسرے کی غرض خوف وڈر کو چھپانا ہے اور سورۂ طٰہٰ میں ''وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ'' کا یہ معنی ہے کہ تم اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے نیچے داخل کرو ﴿فَذٰنِکَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّکَ﴾ سو یہ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے دو روشن اور واضح حجتیں اور دلیلیں ہیں اور حجت کا نام ''بُرْھَان'' اس کے روشن اور واضح ہونے کی بناء پر رکھا گیا جیسا کہ عرب کے لوگ سفید گوری عورت کو ''بـرهـرهـه'' کہتے ہیں [''ذانك'' تخفیف کی صورت میں ''ذَاکَ'' کا تثنیہ ہے اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں نون مشدد ہے اور یہ ''ذَالِکَ'' کا تثنیہ ہے اور دونوں نونوں میں سے ایک نون لازم محذوفہ کے عوض میں ہے اور اس سے ہاتھ اور عصا مراد ہے] ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف یعنی ہم نے آپ کو ان دو معجزوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ فاسق ونافرمان یعنی کافر ہیں۔

۳۳- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہوا ہے' سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ مجھے اس شخص کے عوض میں قتل کر دیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے]۔

۳۴- ﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً﴾ اور میرا بھائی ہارون ہے' وہ مجھ سے زیادہ رواں اور صاف بولتا ہے' سو اسے رسول بنا کر میری مدد کے لیے بھیج دیجئے [''معی'' میں امام حفص کی قراءت میں ''یا'' پر زبر ہے اور ''رِدْاً'' حال ہے یعنی مددگار۔ کہا جاتا ہے کہ ''رَدَاْتُهٗ'' بہ معنی ''اَعَنْتُهٗ'' ہے کہ میں نے اس کی مدد کی اور نافع مدنی کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے ہے] ﴿یُّصَدِّقُنِیْٓ﴾ وہ میری تصدیق وتائید کرے گا [عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''ردا'' کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے ''اَیْ رِدْاً مُّصَدِّقًا لِّیْ'' یعنی ایسا مددگار جو میری تصدیق کرنے والا ہوگا اور ان کے علاوہ کے نزدیک جزم ہے' اس لیے کہ یہ ''اَرْسِلْهُ'' کا جواب ہے] اور تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ بحث وتمحیص اور جھگڑے کی صورت میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضرورت ہوگی تو حضرت ہارون علیہ السلام حق کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے اور مخالفین کے شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے ان کی مدد کریں گے' تا کہ ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے یہ نہیں کہ ان سے صرف یہ کہیں کہ آپ نے سچ کہا۔ کیا تم اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ'' وہ مجھ سے زیادہ واضح اور صاف زبان میں بولتے ہیں' سو انہیں رسول بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے اور فصاحت وبلاغت کی فضیلت کا اظہار اس وقت ضروری ہوتا ہے' جب حجت ودلیل کو مضبوط بیان کرنا مقصود ہو' صرف ''صَدَقْتَ'' کہنا کافی نہیں ہوتا' لہٰذا اس میں ''سحبان'' (رواں بولنے والا) اور ''باقل'' (رُک رُک کر بولنے والا) دونوں اشخاص برابر ہیں ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''یُکَذِّبُوْنِیْ'' ہے]۔

۳۵- ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے

بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے (یعنی) ہم عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعے تمہیں تقویت پہنچائیں گے کیونکہ ہاتھ بازو کی قوت سے بہت مضبوط ہو جاتا ہے اس لیے کہ ہاتھ کا دارومدار بازو پر ہوتا ہے اور مجموعہ ہاتھ کی قوت کے سبب معاملات کے نمٹانے میں قوی ہو جاتا ہے ﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾ اور ہم تم دونوں کے لیے دشمنوں کے دلوں میں ہیبت و رعب اور غلبہ و تسلط مقرر کر دیں گے ﴿فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ﴾ پس وہ لوگ ہماری آیتوں کے سبب تم تک نہیں پہنچ سکیں گے [''بَا''، ''يَصِلُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی وہ لوگ تمہاری طرف ہماری آیتوں کے سبب نہیں پہنچ سکیں گے اور یہاں کلام پورا ہو جاتا ہے یا پھر ''نَجْعَلُ'' کے متعلق ہے یعنی ہم تم دونوں کو اپنی آیتوں کے ذریعے دشمنوں پر مسلط و غالب کر دیں گے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے یعنی تم دونوں ہماری آیتوں کے ساتھ چلے جاؤ یا یہ ''غٰلِبُوْنَ'' کا بیان ہے صلہ نہیں یا یہ ''بَا'' قسم کی ہے اور اس کا جواب ''لَا يَصِلُوْنَ'' ہے جو اس پر مقدم ہے] ﴿اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے غالب رہو گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر من گھڑت جادو اور ہم نے اسے اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا O اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہے' بے شک ظالم نجات نہیں پائیں گے O اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں جانتا' سوائے ہامان! تو میرے لیے مٹی کی اینٹوں پر آگ جلا کر پکا' پھر تو میرے لیے ایک بلند محل بنا تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اور بے شک میں اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں O اور اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے O

## توحید و رسالت کے انکار اور تکبر کرنے پر فرعونیوں کی ہلاکت کا بیان

۳۶- ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ہماری واضح آیتوں کے ساتھ ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر گھڑا ہوا جادو' یعنی یہ وہ جادو ہے جسے تم خود اپنے عمل سے گھڑتے ہو' پھر تم اللہ تعالیٰ پر اس کا بہتان لگاتے ہو یا یہ ایسا جادو ہے جو افتراء کے ساتھ متصف ہے جیسے جادو کی باقی اقسام

ہوتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ نہیں ہے ﴿ وَمَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِيۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ﴾ اور ہم نے اسے اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا [''فِیْ اٰبَآئِنَا''، ''هٰذَا'' سے حال ہے یعنی ہم نے یہ نہیں سنا کہ ان کے زمانہ میں ہوا یعنی ہم سے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ان کے زمانہ میں تھا]۔

۳۷۔﴿ وَقَالَ مُوۡسٰى رَبِّيۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰى مِنۡ عِنۡدِهٖ وَمَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴾
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے' یعنی میرا رب تعالیٰ اس کے حال کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین فلاح کا اہل بنایا کیونکہ اسے نبی بنایا اور اس کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور اس سے بہترین آخرت کا وعدہ فرمایا یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام' اور اگر ایسا ہوتا جیسا کہ تم اسے جادوگر' بہتان تراش گمان کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا اہل نہ بناتا کیونکہ وہ بے نیاز و بے پروا اور بڑا دانا ہے' وہ جھوٹوں کو نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجتا اور نہ وہ جادوگروں کو نبی بناتا ہے اور نہ اس کے پاس ظلم کرنے والے فلاح حاصل کر سکیں گے اور ''عَاقِبَةُ الدَّارِ'' سے بہترین انجام مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدۡنٍ' (الرعد:۲۲۔۲۳)'' انہیں کے لیے آخرت کا گھر ہے ۝ ہمیشہ رہنے والے باغات' اور دنیا کے گھر اور اس کے انجام سے یہ مُراد ہے کہ بندے کا خاتمہ رحمت اور رضائے الٰہی پر ہو اور فرشتے مغفرت و بخشش کی بشارت کے ساتھ اس سے ملاقات کریں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر واؤ کے ''قَالَ مُوۡسٰى'' ہے اور یہ بہتر ہے کیونکہ یہ سوال و بحث کی جگہ ہے' جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا' جب انہوں نے اس قسم کی عظیم الشان آیات و معجزات کو جادو اور افترا قرار دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے وہ بات کہی اور حضرت موسیٰ نے یہ بات کہی تا کہ غور و فکر کی نظر سے دیکھنے والا شخص ان دونوں قولوں کے درمیان موازنہ کر سکے اور ان دونوں میں سے ایک کے فساد کو اور دوسرے کی صحت کو دیکھ سکے اور اہل حجاز اور ابو عمرو کی قراءت میں ''رَبِّیَ اَعۡلَمُ'' میں ''یا'' پر زبر ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''وَمَنۡ يَكُوۡنَ لَهٗ'' ہے]۔

۳۸۔﴿ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِيۡ ﴾ اور فرعون نے کہا کہ اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا۔ دراصل فرعون کا اپنے علاوہ کسی معبود کے علم کی نفی سے مقصد اس کے وجود کی نفی کرنا ہے یعنی میرے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے یا یہ اپنے ظاہر پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ فرعون کو معلوم نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور معبود ہے ﴿ فَاَوۡقِدۡ لِيۡ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيۡنِ ﴾ سواے ہامان! تو میرے لیے مٹی پر آگ جلا کر پکا یعنی مٹی سے پکی اینٹیں بنا کر آگ میں جلا اور انہیں پکی اینٹیں بنا اور فرعون نے براہِ راست ''اطبخ لی الآجر'' نہیں کہا کہ تو میرے لیے اینٹیں پکا کر پختہ بنا کیونکہ اس نے پہلے کچی مٹی (گارہ) سے اینٹیں بنانے کا عمل بتایا' سو اس نے اس عبارت کے ذریعے ہامان کو اینٹوں کی صنعت کی تعلیم دی اور اس لیے بھی کہ یہ زیادہ فصیح اور جابر و قاہر بادشاہوں کے کلام کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ فرعون کا اپنے وزیر ہامان کو مٹی پکانے کا حکم دینا اور کلام کے درمیان اس کو نام سے بلانا فرعون کے بڑے ہونے اور جابر ہونے کی دلیل ہے ﴿ فَاجۡعَلۡ لِّيۡ صَرۡحًا لَّعَلِّيۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوۡسٰى ﴾ پس تو میرے لیے ایک بہت بلند و بالا محل بنا تا کہ میں اس پر چڑھ کر (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھوں ''اَطَّلِعُ'' بہ معنی ''اَصۡعَدُ'' ہے کیونکہ ''طلوع'' اور ''اطلاع'' کا معنی ''صعود'' یعنی چڑھنا ہے اور فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہے جیسا کہ وہ خود مکان میں رہتا ہے ﴿ وَاِنِّيۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴾ اور بے شک میں اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں یعنی میں

(حضرت) موسیٰ کو اس کے اس دعویٰ میں جھوٹا گمان کرتا ہوں کہ اس کا ایک برحق معبود ہے اور اسی نے اس کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' سوفرعون کی دلیل کے اس کلام میں تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ اس نے پہلے کہا: ''مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ'' میں تمہارے لیے اپنے علاوہ کسی معبود کو نہیں جانتا' پھر اس نے ہامان کے سامنے اپنی حاجت کو ظاہر کیا کہ بلند محل تیار کرو اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کر کے حضرت موسیٰ کے برحق معبود کو ثابت کر دیا اور بیانگ دہل بتا دیا کہ اسے حضرت موسیٰ کے جھوٹے ہونے پر یقین نہیں ہے اور گویا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک سے پناہ ڈھونڈنا چاہی تو اس پر سارا معاملہ خلط ملط ہو گیا اور شک وشبہ میں گرفتار ہو گیا اور کہہ دیا کہ ''لَعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی'' شاید میں (محل کے مینار پر چڑھ کر) موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار معمار و مستری اور مزدور وغیرہ کو جمع کیا اور اتنا بلند و بالا محل تیار کرایا کہ مخلوق میں سے کسی کی عمارت اس محل کی بلندی کو نہیں پہنچتی تھی' پھر حکمِ الٰہی پر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس محل پر اپنا پَر مارا تو اس کے تین ٹکڑے کر دیئے اور ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا تو ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے اور ایک ٹکڑا دریا میں گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں مستریوں اور مزدوروں پر گرا' جن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا بلکہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

۳۹۔ ﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ اور اس نے اور اس کے لشکر نے سرزمین مصر میں ناحق یعنی باطل کے ساتھ تکبر کیا اور وہ بڑے بن بیٹھے کیونکہ حق کے ساتھ ''استکبار'' صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حقیقت میں وہی متکبر ہے یعنی وہ کبریائی کی شان میں بہت بلند ہے' جیسا کہ ہمارے رسول کریم نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:) کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے' پس جو شخص ان دونوں میں سے کوئی ایک مجھ سے چھیننا چاہے گا تو میں اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دوں گا[1] اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر متکبر کا تکبر ناحق ہے ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے [حمزہ' علی کسائی' خلف اور یعقوب کی قراءت میں ''یَرْجِعُوْنَ'' ''یا'' پر زبر اور جیم کے نیچے زیر (فعل مضارع معروف) ہے]۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۴

پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں پھینک دیا' سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا O اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں' اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی O اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے' اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے O

۴۰۔ ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ﴾ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا۔ یہ عظیم الشان کلام اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت کی عظمت و بڑھائی پر دلالت کرتا ہے اور اگرچہ فرعون کا لشکر بہت بڑا تھا لیکن اس کو تعداد کے لحاظ سے حقیر و قلیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جیسے گری پڑی حقیر کنکریوں کو پکڑنے والا پکڑتا ہے اور

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب اللباس باب: ۲۵' ابن ماجہ فی کتاب الزہد باب: ۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۷۶۔ ۴۱۴

دریا میں پھینک دیتا ہے' ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو اپنی گرفت میں لیا اور دریا میں پھینک دیا ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ سوائے محمد (ﷺ)! دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا' اور آپ اپنی قوم (قریشِ مکہ) کو ڈرایئے کیونکہ ان کے خلاف آپ کی ضرور مدد کی جائے گی۔

٤١- ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی دوزخیوں والے عمل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے (کفر وغرور کے سبب) ہدایت کی توفیق اور تحقیق کے انوار چھین لیے' سو وہ اپنے نفوس کی تاریکیوں میں سرگرداں ہیں' صحیح راہ کی طرف رہنمائی نہیں پاتے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا دینے کے لیے ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

٤٢- ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی ہے (یعنی) ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر پھٹکار لازم کر دی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ ان کو ان کی ہلاکت کے بعد لوگوں کی لعنتیں پہنچتی رہیں گی ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے کہ انہیں خیر و برکت اور رحمت سے دور پھینک دیا جائے گا یا انہیں ہلاک شدہ لوگوں میں سے کر دیا جائے گا یا انہیں چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلاہٹ کے سبب بدشکل بنادیا جائے گا [''يَوْمَ'' ''مَقْبُوْحِيْنَ'' کا ظرف ہے]۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پہلے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد ایک ایسی کتاب عطا کی جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا اور نہ آپ حاضرین میں سے تھے O لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں تو ان پر عمریں دراز ہوگئیں' اور نہ آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے' لیکن بے شک رسول بنا کر بھیجنے والے ہم ہی ہیں O اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O

## حضرت موسیٰ کی تورات‘ حضور سیّد عالم کی رسالت اور بعثت رسل کی حکمت کا بیان

۴۳۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب (یعنی) تورات شریف عطا فرمائی ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾ اس کے بعد کہ ہم نے پہلے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا‘ جیسے حضرت نوح‘ حضرت ھود‘ حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قومیں ہلاک کی گئی تھیں ﴿ بَصَآىٕرَ لِلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی [یہ ”الکتاب“ سے حال ہے] ”البصیرۃ“ کا معنی ہے: دل کا نور جس کے ذریعے رشد و ہدایت اور سعادت و نیک بختی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے‘ جیسا کہ ”البصر“ آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے‘ جس کے ذریعے ظاہری اشیاء کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے اسے ایسی تورات عطا فرمائی ہے‘ جو دلوں کے لیے انوار ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے دل اندھے تھے جو کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ وہ باطل کے مقابلے میں حق کو پہچان سکتے تھے ﴿ وَهُدًى ﴾ اور وہ سراسر رشد و ہدایت تھی کیونکہ بنی اسرائیل گمراہی میں دیوانے ہو چکے تھے ﴿ وَّرَحْمَةً ﴾ اور وہ ان لوگوں کے لیے سراسر رحمت تھی جنہوں نے اس کی پیروی کی‘ کیونکہ جب انہوں نے اس پر عمل کیا تو وہ رحمت پانے تک پہنچ گئے ﴿ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۴۴۔﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ ﴾ اور اے (پیارے) محمد ﷺ! آپ پہاڑ کی مغربی جانب نہیں تھے اور یہ وہ جگہ ہے جو کوہِ طور کے غرب کی جانب میں واقع ہے اور اسی مقام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا میقات ہے ﴿ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ ﴾ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجنے کا حکم دیا یعنی ہم نے ان سے کلام فرمایا‘ جیسے ارشاد ہے: ”وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا“ (مریم:۵۲)“ ”اور ہم نے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے اسے اپنے قریب کر لیا“ ﴿ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴾ اور آپ انہیں دیکھنے والوں میں سے نہ تھے (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجنے کے وقت آپ ان دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے جو اس وقت (بنی اسرائیل میں سے منتخب کردہ ستّر افراد) موجود تھے‘ یہاں تک کہ آپ بہ طورِ مشاہدہ اس معاملہ سے واقفیت حاصل کر لیتے‘ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے میقات میں جاری ہوا۔

۴۵۔﴿ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ﴾ لیکن ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی قومیں پیدا فرمائیں‘ پھر ان پر زمانہ دراز ہو گیا یعنی ان کی عمریں لمبی ہو گئیں اور سلسلۂ نبوت رُک گیا اور قریب تھا کہ اسلامی تعلیمات اور اس کی خبریں اوجھل ہو جاتیں اور دینی علوم ختم ہو جاتے اور ان میں سے بہت سی چیزوں میں تحریف واقع ہو گئی‘ سو ہم نے ان تعلیمات و واقعات کو تازہ کرنے اور ان میں واقع تحریف کو بیان کرنے کے لیے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے سابق انبیائے کرام علیہم السلام کے قصوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا علم آپ کو عطا فرمایا‘ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جاری ہونے والی گفتگو اور ان پر جاری ہونے والی تعلیمات کے وقت آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے‘ لیکن ہم نے آپ کی طرف ان تمام باتوں کی وحی نازل فرمائی‘ پس اللہ تعالیٰ نے وحی کے اس سبب کا ذکر کیا جو سلسلۂ نبوت رُک جانے سے دراز ہو گیا اور اختصار کے ساتھ اس کے ذریعے مسبب کی رہنمائی فرمائی‘ سو یہ استدراک اپنے بعد آنے والے استدراکین کے مشابہ ہے ﴿ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ﴾ اور آپ مدین والوں میں مقیم نہیں تھے۔ ”ثاویا“ بہ معنی مقیم ہے اور اہل مدین سے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمان مراد ہیں ﴿ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ﴾ تاکہ آپ ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے (یعنی) آپ ان سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ان پر ہماری آیتیں پڑھتے اور آیات سے وہ آیتیں مراد ہیں‘ جن میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی

قوم کے واقعات بیان کیے گئے [اور "تتلوا" محلاً منصوب خبر ثانی ہے یا پھر "ثاویا" کی ضمیر سے حال ہے] ﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ لیکن ہم ہی رسولوں کو بھیجنے والے ہیں (یعنی) ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے آپ سے ماضی کی تمام خبریں بیان کی ہیں اور ہم نے آپ کو گزشتہ تمام واقعات کا علم عطا فرمایا۔

٤٦- ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ اور آپ بنفس نفیس اس وقت طور کے کنارہ پر نہیں تھے' جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بہ آوازِ بلند پکارا کہ پوری قوت و ہمت کے ساتھ یہ کتاب (تورات) لے لو[1] ﴿وَلٰكِنْ﴾ لیکن ہم نے آپ کو تمام علوم سکھا دیئے ہیں اور ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے مہربانی کرنے کے لیے ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ تا کہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا (یعنی) آپ کے درمیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ جس میں کوئی نبی و رسول نہیں آیا اور یہ ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

| |
|---|
| وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ |
| اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ |

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ جب بھی ان کو کوئی مصیبت پہنچی ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے O

---

[1] حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی آپ ان سے ملاقات نہیں کر سکتے' ہاں! اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ان کی امت کو آواز دیتا ہوں اور میں آپ کو اس کی آواز سنوا دیتا ہوں' حضرت موسیٰ نے کہا: مجھے منظور ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تو انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی پشتوں میں سے جواب دیا' اور حضرت ابوزرعہ بن عمرو بن جریر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پکار کر فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک میں نے تمہاری دعا مانگنے سے پہلے قبول فرمالی ہے اور میں نے تمہارے سوال کرنے سے پہلے تمہیں عطا فرما دیا ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تو انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں' اے اللہ! ہم حاضر ہیں' بے شک تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں تیری ہیں اور ساری بادشاہی تیری ہے' تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے امت احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر چکی اور میرا عفو و درگزر اور معاف کرنا میرے عذاب سے سبقت کر چکا ہے' بے شک میں نے تمہارے سوال کرنے سے پہلے تمہیں عطا فرما دیا اور بے شک میں نے تمہاری دعا مانگنے سے پہلے تمہاری دعا قبول فرمالی ہے اور بے شک میں نے تمہارے گناہوں کے ارتکاب سے پہلے تمہیں بخش دیا' سو جو شخص قیامت کے دن اس گواہی پر قائم ہو کر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے خاص بندے اور میرے آخری رسول ہیں' تو وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہوگا اور اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں گے۔

(تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۱۶۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' ہند)

۴۷۔﴿ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب کبھی ان (اہل مکہ) کو کوئی مصیبت (یعنی) سزا پہنچی ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اس کفر وشرک اور ظلم وستم کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور چونکہ زیادہ تر اعمال ہاتھوں کی قوت سے ادا کیے جاتے ہیں اس لیے اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف کی گئی ہے اگر چہ کچھ اعمال دلوں کے ہوتے ہیں لیکن زیادہ کو کم پر غالب قرار دیا جاتا ہے ﴿ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ تو وہ عذاب کے وقت کہتے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے۔[پہلا ''لَوْلَا'' امتناعیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور دوسرا ''لَوْلَا'' تحضیضیہ (ترغیب دینے کا) اور پہلا ''فَا'' (''فَيَقُوْلُوْا'' میں) عطف کے لیے ہے اور دوسرا ''فَا'' (''فَنَتَّبِعَ'' میں) ''لَوْ لَا'' کا جواب ہے کیونکہ یہ امر کے حکم میں ہے کیونکہ امر فعل کا باعث ہے اور باعث اور محضض ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں اور ''فَا'' امر کے جواب میں داخل ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب کفارِ مکہ کو ان کے کفر وشرک اور دیگر گناہوں کے سبب سزا دی جاتی تو وہ ہم پر حجت بازی کرنے کے لیے کہتے: اے اللہ! ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تو ہم ان کی طرف رسول نہ بھیجتے یعنی ان کی طرف رسول کا بھیجنا صرف اس لیے ہے تا کہ ان پر حجت لازم کر دی جائے اور وہ کوئی حجت لازم نہ کر سکیں جیسا کہ ارشاد ہے: ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ'' (النساء:۱۶۵) ''تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ ہو سکے''۔[پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ معنی کس طرح قائم رہ سکتا ہے حالانکہ عقوبت وسزا کو ہی رسول کے بھیجنے کا سبب قرار دیا گیا ہے نہ کہ قول کو کیونکہ ''لَوْلَا'' امتناعیہ ارسال پر داخل ہے قول پر داخل نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل قول ہی مقصود ہے اس لیے یہی ارسالِ رسول کا سبب ہے لیکن چونکہ عقوبت وسزا قول کی علت ہے اور قول کا وجود عقوبت کے وجود پر موقوف ہے اس لیے عقوبت کو ارسال کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اس پر ''لَوْلَا'' داخل کر دیا گیا ہے اور قول کو سبب کا معنی دینے والے حرف ''فَا'' کے ساتھ اس پر معطوف کیا گیا ہے اور اس کے معنی کی درج ذیل قول کے مطابق تاویل کی جائے گی: ''وَلَوْلَا قَوْلُهُمْ هٰذَا اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ لَمَا اَرْسَلْنَا'' جب انہیں مصیبت پہنچتی تو اس وقت اگر ان کا یہ قول نہ ہوتا تو ہم رسول نہ بھیجتے]۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ
كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ
مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۵/۸

پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا کہ ایسا کیوں نہیں دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا اور کیا

انہوں نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا' انہوں نے کہا تھا: یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم ہر ایک کے منکر ہیں O فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O سو اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ بے شک وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں' اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کی' بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

## کفارِ مکہ اور قومِ موسیٰ علیہ السلام کی مذمت کا بیان

۴۸- ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پھر ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا' یعنی قرآن مجید یا رسول عربی' جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو اوّل تا آخر معجزہ ہے ﴿قَالُوْا﴾ تو انہوں نے (یعنی) کفارِ مکہ نے کہا ﴿لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى﴾ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری کتاب ایک دفعہ نازل کر کے عطا کی گئی تھی' اسی طرح سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پورا قرآن مجید ایک دفعہ نازل کر کے عطا کیوں نہیں کیا گیا؟ یہاں ''لَوْلَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے ﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ اور کیا انہوں نے قرآن مجید سے پہلے اس کا انکار نہیں کیا تھا' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا یعنی ان کفارِ مکہ کے ہم جنس کفار (قبطیوں اور فرعونیوں) نے انکار کیا تھا اور ان کا مذہب بھی انہیں کے مذہب جیسا تھا اور وہ بھی اس طرح اپنے پیغمبر سے بغض وعناد رکھتے تھے' جس طرح یہ اپنے پیغمبر سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے کفار تھے ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا (یعنی) قبطیوں اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا تھا کہ ﴿سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا﴾ یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ''تَظَاهَرَا'' بہ معنی ''تَعَاوَنَا'' ہے [اہل کوفہ کی قراءت میں ''سِحْرَانِ'' ہے[1] یعنی ''ذَوَا سِحْرٍ'' جادو کرنے والے یا انہوں نے ''سحر'' (جادو) کے ساتھ ان دونوں کو متصف کرنے میں مبالغہ کرنے کے لیے ''سَحْرَيْنِ'' قرار دے دیا] ﴿وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ﴾ اور انہوں نے کہا: بے شک ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جس طرح اہل مکہ نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا تھا' اسی طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات شریف کے ساتھ بھی کفر کیا تھا اور انہوں نے حضرت محمد عربی ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے بارے میں کہا: ''سَاحِرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں جادوگر ہیں' ایک دوسرے کے مددگار ہیں' یا انہوں نے تورات شریف اور قرآن مجید دونوں کے بارے میں کہا: ''سِحْرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں کتابیں جادو ہیں' ایک دوسرے کی مددگار ہیں اور اہل مکہ نے یہ اس وقت کہا تھا جب انہوں نے ایک وفد یہودیوں کے سرداروں کے پاس مدینہ منورہ بھیجا تھا' جس نے وہاں جا کر یہود کے سرداروں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس وفد کو بتایا کہ ان کی کتاب تورات شریف میں حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ یہ وفد مکہ مکرمہ میں واپس قریش کے پاس لوٹ آیا اور اس نے ان کو یہود کی تمام باتیں بتائیں تو قریشِ مکہ نے اس وقت یہ کہا تھا: ''سَاحِرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

۴۹- ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف

[1] جب کہ ابن عامر شامی' ابو عمرو بصری' ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابو جعفر' خلف' یعقوب اور حسن کی قراءت میں ''سَاحِرَانِ'' ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۵ ص ۲۶)

سے کوئی کتاب لاؤ کہ وہ ان دونوں سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے اور جو مجھ پر نازل کی گئی ہے زیادہ ہدایت دینے والی ہو ﴿اَتَّبِعْهُ﴾ تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ یہ ''فَاتُوْا'' کا جواب ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔

۵۰۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ بے شک وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی) اگر وہ تورات وقرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لانے کے لیے آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے تو جان لیجئے کہ انہوں نے جادو کا صرف الزام لگایا ہے اور ان کے پاس اپنی خواہشات کی پیروی کے علاوہ کوئی مضبوط حجت اور کوئی مستحکم سند نہیں ہے ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی زیادہ گمراہ نہیں ہے جو دین کے معاملہ میں اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے [اور ''بغیر هدی'' حال ہے یعنی بے یار و مددگار اور اس شخص کے درمیان اور اس کی خواہش کے درمیان جدائی ناممکن ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور بے شک ہم ان کے لیے نصیحت کی بات مسلسل نازل کرتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں O اور جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے بے شک وہ ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے بے شک ہم اس سے پہلے ہی ماننے والے ہیں O یہی لوگ ہیں جنہیں دگنا ثواب عطا کیا جائے گا اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بُرائی کا نیکی کے ذریعے دفاع کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں O اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہو' ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے O

## کفارِ مکہ کی نصیحت اور اہلِ کتاب میں سے اہلِ حق کی شان کا بیان

۵۱۔ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کے لیے نصیحت کی بات مسلسل نازل کرتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ''توصیل'' کا معنی ہے: بہت زیادہ بھیجنا اور بار بار مسلسل اور لگاتار بھیجنا یعنی بے شک قرآن مجید قریشِ مکہ کے پاس متواتر اور مسلسل و لگاتار آتا رہا' کبھی وعدوں اور وعیدوں کی صورت میں اور کبھی قصوں اور عبرتوں کی صورتوں میں اور کبھی نصیحتوں کی صورت میں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور فلاح ونجات پائیں۔

٥٢- ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید سے پہلے کتاب عطا کی ﴿ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ وہ اس قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں' یہ آیت مبارکہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے حق میں نازل کی گئی ہے [''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور یہ اس کی خبر ہے]۔

٥٣- ﴿ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴾ اور جب ان پر اس کی (یعنی) قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے' بے شک ہم اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید کے نزول سے پہلے ماننے والے ہیں۔ دین اسلام پر ہم قائم رہنے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہم ایمان لانے والے ہیں [''اِنَّا'' بیان ہے ''اٰمَنَّا'' کا] کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قریب زمانہ میں ایمان لائے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت پہلے ایمان لائے ہوں' بہرحال انہوں نے بتایا کہ ان کا قرآن مجید اور حاملِ قرآن مجید پر پہلے سے ہی ایمان ہے۔

٥٤- ﴿ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر وثواب عطا کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے بڑا صبر کیا (یعنی) تورات شریف پر ایمان رکھنے اور قرآن مجید پر ایمان رکھنے پر صبر کرنے کی وجہ سے یا قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے قرآن مجید پر ایمان لانے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اس پر ایمان لانے پر صبر کرنے کی وجہ سے (انہیں دو دفعہ اجر وثواب دیا جائے گا) یا مشرکین اور (ایمان نہ لانے والے) اہل کتاب کی تکالیف پہنچانے پر صبر کرنے کی وجہ سے ﴿ وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ ﴾ اور وہ نیکی کے ساتھ بُرائی کو دور کرتے ہیں اور وہ اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ نافرمانی کا دفاع کرتے ہیں یا وہ حلم و بردباری کے ساتھ لوگوں کی ایذاؤں اور تکلیفوں کا دفاع کرتے ہیں ﴿ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے جو رزق انہیں عطا کیا ہے' اس میں سے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں یعنی وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

٥٥- ﴿ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ﴾ اور جب وہ مشرکین کی طرف سے باطل و بے ہودہ گفتگو اور ان کی طرف سے گالی گلوچ سنتے ہیں تو (ترکی بہ ترکی جواب دینے اور ان سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے صبر کرتے ہوئے) اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ﴿ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ ﴾ اور وہ لغویات بکنے والوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہے (یعنی) تمہاری لغویات کا اسی طرح مقابلہ کرنے کی بجائے ہماری طرف سے تمہارے لیے امان ہے ﴿ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴾ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے (یعنی) ہم ان کے ساتھ ملنا جلنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور دوستی کرنا نہیں چاہتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ٘ وَ هُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَاؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ
لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا٘ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ

مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہےO اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں اپنے ملک سے اُچک لیا جائے گا' اور کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں آباد نہیں کیا جس کی طرف ہمارے ہاں سے ہر چیز کے پھل بہ طورِ رزق لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےO اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اتراتی تھیں' سو یہ ان کے مکانات ہیں کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہیں کی گئی مگر بہت کم' اور ہم ہی وارث ہیںO اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں تھا یہاں تک کہ (پہلے) ان کے مرکز میں کسی رسول کو بھیجتا رہا جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا' اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں تھے مگر جب کہ ان میں رہنے والے ظالم ہو گئےO

## پیغمبر کا کام ہدایت پیش کرنا ہے لیکن ہدایت یافتہ بنانا اور ہدایت پیدا کرنا' اللہ تعالیٰ کا کام ہے

۵۶- ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہتے ہیں (یعنی) آپ ہر اس شخص کو اپنے آپ اسلام میں داخل نہیں کر سکتے جس کو آپ اپنی قوم میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہوں ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرمادیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ جس میں چاہتا ہے ہدایت پانے کا فعل پیدا کر دیتا ہے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کو اختیار کرے گا اور کون اسے قبول کرے گا اور کون دلائل و آیات سے نصیحت حاصل کرے گا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ جناب ابوطالب کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ ابوطالب نے اپنے قربِ موت کے وقت کہا: اے بنو ہاشم کی جماعت! تم (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لے آؤ تو نجات پالو گے' یہ بات سن کر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اے چچا جان! دوسروں کو خیر و بھلائی اور خیر خواہی کا حکم دے رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں' ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم صدق دل سے ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہو تا کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کلمہ کی گواہی دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا: بے شک میں جانتا ہوں کہ آپ یقیناً سچے رسول ہیں' لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت کے وقت گھبرا گئے [1]

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ اختلافی ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ تمام مسلمین یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مبارکہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ شیعہ اور بہت سے مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ ابوطالب مسلمان تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ اہلِ بیت کا اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس کی گواہی دیتے ہیں اور جو اجماعِ مسلمین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شیعہ کے اختلاف کو معتبر نہیں مانتے اور نہ ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں' پھر ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول پر بھی ابوطالب کو بُرا نہیں کہنا چاہیے اور ان کے متعلق فضول کلام کے ساتھ بحث و گفتگو نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو تکلیف پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے حضور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہو کیونکہ ان روایات کی بناء پر یہ آیت مبارکہ بیان کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوطالب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اگر چہ اس آیت مبارکہ کا صیغہ اور لفظ عام ہے (لیکن مورد خاص ہے) اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہدایت کا معنی ہے: راہِ حق بیان کرنا اور یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام لوگوں کو راہِ حق بیان کر دی' لیکن کفار نے اپنے بُرے اختیار کی وجہ سے ہدایت حاصل نہیں کی' سو یہ آیت مبارکہ رہنمائی کرتی ہے کہ ہدایت راہِ حق بیان کرنے کے علاوہ اور چیز کا نام ہے اور وہ ہدایت کو پیدا کرنا اور ہدایت کی توفیق اور قدرت عطا کرنا ہے[1]

۵۷- ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا﴾ اور انہوں نے کہا: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنے ملک سے اُچک لیا جائے گا اور کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں آباد نہیں کیا۔ قریشِ مکہ کے بعض لوگوں نے (حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر) کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی اور ہم آپ کی وجہ سے عرب کے مخالف ہو گئے تو ہمیں خوف ہے کہ عرب کے مشرکین ہمیں ہمارے ملک سے اُچک لیں گے' سو اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کر کے انہیں لاجواب و خاموش کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حرم کے پاس آباد کیا جس کو بیت اللہ شریف کی حرمت کی وجہ سے جائے امن قرار دیا اور اس کی حرمت کی وجہ سے اس کے باشندوں کو امن عطا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے محبت تھی اور صاحبِ عقل سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایسے نازک موقع پر احتیاط ضروری ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۲۰ ص ۹۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[1] اس وضاحت سے ایک اعتراض ختم ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے جب کہ دوسری آیت مبارکہ میں ہدایت کو آپ کے لیے ثابت کیا گیا ہے' نیز آپ کی تشریف آوری کا مقصد بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دینا ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" (الشوریٰ: ۵۲)" اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں"۔

(۱) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس آیت میں ہدایت کی نفی کی گئی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں اس میں ہدایت کو پیدا نہیں کر سکتے یعنی مطلق ہدایت کی نفی نہیں بلکہ تخلیقِ ہدایت کی نفی ہے کیونکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس میں ہدایت کو پیدا کر دیتا ہے (۲) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس آیت میں ہدایت کی نفی کی گئی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت کی قدرت و توفیق نہیں دے سکتے یعنی مطلق ہدایت کی نفی نہیں بلکہ قدرت اور توفیق ہدایت کی نفی ہے کیونکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت کی قدرت و توفیق عطا فرما دیتا ہے (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت کا فعل جب حرف لام یا "اِلٰی" کے بغیر براہِ راست متعدی ہوتا ہے تو اس وقت ہدایت کا معنی "ایصال الی المطلوب" یعنی منزلِ مقصود تک پہنچانا ہوتا ہے اور منفی ہدایت کی آیت میں یہی معنی مراد ہے کہ آپ جس کو چاہیں اسے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے' یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور جب ہدایت کا فعل لام یا "اِلٰی" کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت ہدایت کا معنی "اراءۃ الطریق" یعنی راستہ دکھانا ہوتا ہے اور مثبت ہدایت کی آیت میں یہی معنی مراد ہے کہ بے شک آپ ضرور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں (۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام وعظ و تبلیغ کے ذریعے ہدایت دینا ہے' باقی کسی شخص میں ہدایت قبول کرنے کی تاثیر پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے یعنی آپ جس کو چاہیں ان میں ہدایت قبول کرنے کی تاثیر پیدا نہیں کر سکتے' البتہ آپ ہر ایک کو وعظ و تبلیغ کے ذریعے ہدایت یعنی سیدھا راستہ ضرور دکھاتے ہیں۔ غوثوی مہاروی

فرمایا اور ہر جانب سے اس کی طرف پھل لائے جاتے ہیں حالانکہ وہ کفار ہیں' پھر بھلا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ عرب کے کافر لوگ انہیں اُچک کر لے جانے کے لیے ان کا تعاقب کریں گے اور وہ امن سے محروم ہو جائیں گے' جب کہ حرمت بیت اللہ شریف کے ساتھ دین اسلام کی حرمت بھی ان کے ساتھ ملا لی گئی ہے اور امن کی نسبت اہل حرم کے لیے حقیقی ہے اور حرم کے لیے مجازی ہے ﴿ یُّجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ ہر چیز کے پھل اس کی طرف لائے جاتے ہیں یعنی ہر چیز کے میوہ جات اور ہر قسم کے پھل اس حرم شریف کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اٹھا کر لائے جاتے ہیں اور اس میں جمع کیے جاتے ہیں اور ''کل شیی'' میں ''کل'' کا معنی کثرت ہے یعنی حرم میں کثرت سے پھل لائے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ'' (النمل: ۲۳) ''اور اسے بہت سی چیزیں عطا کی گئی ہیں''۔ ﴿ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ ہماری طرف سے انہیں رزق عطا کیا گیا [اور یہ مصدر ہے کیونکہ ''یُجْبٰی اِلَیْهِ'' بہ معنی ''یُرْزَقُ اِلَیْهِ'' ہے' اس حرم شریف کی طرف ہر قسم کے پھل بہ طورِ رزق عطا کیے جاتے ہیں یا مفعول لہ ہے یا یہ ''ثمرات'' سے حال ہے اگر ''رزق'' بہ معنی ''مرزوق'' ہے اس لیے کہ یہ اضافت کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ صفت کے ساتھ نکرہ مخصصہ سے منصوب ہوتا ہے] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ ''مِنْ لَّدُنَّا'' کے متعلق ہے یعنی ان میں سے تھوڑے لوگ اقرار کرتے ہیں کہ یہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ جاہل ہیں' اس کو نہیں جانتے اور اگر وہ جان لیتے کہ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو یہ بھی ضرور جان لیتے کہ خوف اور امن اسی کی طرف سے ہے اور وہ اُچک لیے جانے سے خوف زدہ نہ ہوتے کیونکہ وہ حرم شریف کی وجہ سے امن پا چکے ہیں۔

۵۸- ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ﴾ اور بہت سی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اترا گئیں۔ اس آیت مبارکہ میں اہل مکہ کو ان قوموں کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے' جن کا حال اہل مکہ کے حال کی طرح تھا' ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے انعامات نازل کیے تھے' لیکن انہوں نے ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا تھا اور انہوں نے تکبر وغرور اور سرکشی کے ساتھ نعمتوں کا مقابلہ کیا تھا' سو اس لیے وہ ہلاک کر دیئے گئے [اور ''کَمْ'' ''اَهْلَكْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''مَعِیْشَتَهَا'' حرف جار محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] ''بَطَرٌ'' کا معنی ہے: بُرے طریقہ سے دولت حاصل کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت نہ کرنا (یعنی جس دولت کا حصول اور استعمال ناجائز طریقہ سے ہو) ﴿ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ ﴾ سو وہ ہیں ان کے تباہ شدہ مکانات و محلات جن کے اب صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں' دورانِ سفر لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسے ثمود اور حضرت شعیب کی قومیں اور ان کے علاوہ دیگر قوموں کے ممالک وشہر برباد ہو گئے ﴿ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ ان کے بعد وہاں بہت کم لوگ ٹھہرے۔ ''تسکن'' ''سکنی'' سے ماخوذ ہے یعنی وہاں تباہ شدہ گرے پڑے مکانات میں صرف مسافر اور رہ گزر لوگ ایک دن یا چند گھنٹے ستانے کے لیے ٹھہرتے [''لم تسکن'' حال ہے اور اس کا عامل اسم اشارہ ''تلك'' ہے] ﴿ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴾ اور ان رہائش گاہوں کے ہم وارث ہیں' جن کے باشندے ہلاک ہو گئے یعنی ان میں ہمارے علاوہ کوئی تصرف کا مالک نہیں ہے۔

۵۹- ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی ﴾ اور آپ کا پروردگار ہر وقت بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا ﴿ حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا ﴾ یہاں تک کہ (پہلے) ان کے مرکز میں رسول کو بھیجتا ہے تا کہ ان میں رہنے والوں پر حجت لازم ہو جائے اور معذرت و بہانہ ختم ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اور اس کی سابق تقدیر میں یہ کہیں نہیں ہے کہ وہ زمین پر بستیوں کو ہلاک کر دے گا بلکہ ہلاکت سے پہلے ان بستیوں کے مرکز میں یعنی مکہ مکرمہ میں عظیم الشان رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو

بھیجے گا۔ مکہ مکرمہ تمام ممالک وشہروں اور بستیوں کا مرکز اس لیے ہے کہ اسی کے نیچے سے زمین کو ہر جانب (مشرق ومغرب اور شمال وجنوب) پھیلایا گیا تھا[ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے نیچے کسرہ یعنی زیر ہے یعنی اس بستی میں جو تمام بستیوں کی اصل اور سب سے بڑی مرکزی بستی ہے ] ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ﴾ وہ مبعوث رسول ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید تلاوت کرے گا ﴿ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴾ اور ہم نے بستیوں کو ہلاک نہیں کیا تھا' مگر جب وہاں کے رہنے والے ظلم وستم کرنے لگ گئے تھے یعنی ہم نے ان کو انتقام لینے کے لیے ہلاک نہیں کیا بلکہ ان میں رہنے والے اپنے ظلم وستم کے سبب عذاب کے مستحق ہو گئے تھے اور وہ یہ کہ ان کی طرف عذر ختم کرنے کے لیے رسول بھیجنے کے بعد وہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرنے لگے' عناد وتکبر کیا اور سرکش ہو گئے۔

وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٦٠ ع

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' سو وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اس کی زینت ہے' اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے ○

٦٠-﴿ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ﴾ اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' سو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زیب وزینت ہے اور دنیا کے اسباب میں تمہیں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف چند روزہ' بہت ہی قلیل منافع اور عارضی سنگار ہے اور وہ فانی زندگی کی حیات تک کارآمد ہے ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے کہ باقی فانی سے بہتر ہے [ ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' اور ''تا'' کے درمیان اختیار دیا گیا ہے خواہ ''یا'' کے ساتھ ''یعقلون'' پڑھا جائے خواہ ''تا'' کے ساتھ ''تعقلون'' پڑھا جائے جب کہ قراء نے صرف ''تا'' کے ساتھ ''تعقلون'' پڑھا ہے' اس کے علاوہ نہیں ] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس پر رہنے والے انسانوں کی تین قسمیں بنائیں: ایک مؤمن' دوسرا منافق اور تیسرا کافر' سو مؤمن تو دنیا میں آخرت کے لیے زادِ راہ تیار کرتا ہے اور منافق دنیا میں زیب وزینت اور اس کا سنگار حاصل کرتا ہے اور کافر دنیا کی متاع سے لطف اندوز ہوتا ہے اور دنیاوی فوائد حاصل کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ مستحکم ومضبوط کیا ہے:

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝٦١ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝٦٢ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ۝٦٣ وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ۝٦٤ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

تو کیا وہ شخص جس کو ہم نے اچھا وعدہ دیا' سو وہ اسے ضرور حاصل کرے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کا سامان دیا ہے' پھر وہ (دوزخ کے عذاب کے لیے) حاضر کیے جانے والے لوگوں میں سے ہو گا O اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کرتے تھے O جن پر (عذاب کی) بات ثابت ہو چکی' وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا' ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے' ہم تیری بارگاہ میں بیزاری کا اعلان کرتے ہیں' وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے شریکوں کو پکارو' پس وہ انہیں پکاریں گے تو وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے' کاش! وہ ہدایت پر ہوتے O اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا O سو اس دن ان سے ساری خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی' پس وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کر سکیں گے O سو لیکن جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ کامیاب لوگوں میں سے ہو جائے گا O

## قیامت کے دن مشرکین کی رسوائی کا بیان

۶۱- ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا﴾ تو کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہوا ہے یعنی جنت کا وعدہ' پس اس سے زیادہ اچھی چیز کوئی نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ رہنے والی ہے اور اسی وجہ سے جنت کا نام ''حُسْنٰی'' رکھا گیا ہے ﴿فَهُوَ لَاقِيْهِ﴾ پس وہ شخص اسے ضرور پائے گا یعنی اسے دیکھے گا اور اسے حاصل کرے گا اور وہ اس میں پہنچے گا ﴿كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ اس شخص کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیا کی زندگی کے سامان سے فائدہ پہنچایا ہے' پھر وہ قیامت کے دن حاضر کیے جانے والے لوگوں میں سے ہو گا (یعنی) ان لوگوں میں سے ہو گا جن کو دوزخ کی آگ میں حاضر کیا جائے گا اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ'' (الصافات:۱۲۷) ''سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اس لیے وہ یقیناً دوزخ میں حاضر کیے جائیں گے''۔

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اور ابوجہل علیہ اللعنۃ کے خلاف نازل ہوئی یا حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں اور ابوجہل کے خلاف نازل ہوئی یا پھر مؤمن کے حق میں اور کافر کے خلاف نازل ہوئی اور پہلے ''فَا'' کا معنی یہ ہے کہ جب دنیاوی زندگی کے ساز و سامان کے درمیان اور جو انعاماتِ اخروی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' ان کے درمیان فرق کا ذکر کیا گیا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا: ''اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ الخ'' یعنی اس واضح فرق کے بعد بھی کیا دنیاداروں اور آخرت کے متوالوں کے درمیان برابری ہو سکتی ہے؟ (ہرگز نہیں!) [اور دوسرا ''فَا'' سبب کے لیے ہے کیونکہ جنت کی ملاقات وعدہ کا مسبب ہے اور حرف ''ثُمَّ'' دنیا کے فوائد سے لطف اندوز ہونے کے حال سے دوزخ میں حاضر کیے جانے کے حال کی تاخیر بیان کرنے کے لیے ہے' قاری علی کسائی کی قراءت میں ''ثُمَّ هْوَ'' (''هَا'' ساکن) ہے جیسا کہ ''عضد'' میں کہا گیا ہے (کہ ''عـضـد'' میں ضاد ساکن اور مرفوع دونوں طرح پڑھا جاتا ہے) منفصل کو متصل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے]۔

۶۲- ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ کفار کو پکارے گا اور یہ انہیں ڈانٹنے اور

دھمکانے کی پکار ہوگی [اور یہ "یوم القیامة" پر معطوف ہے یا "اذکر" محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿فَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ﴾ سو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات کفار کے گمان کی بناء پر فرمائے گا ﴿الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے [''تزعمون'' کے دونوں مفعول محذوف ہیں جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَهُمْ شُرَكَآءِ یْ'' اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مفعولوں کا حذف باب ''ظَنَنْتُ'' میں جائز ہو اور کسی ایک پر اکتفا جائز نہ ہو]۔

۶۳- ﴿قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ ان لوگوں نے کہا: جن پر عذابِ دوزخ کی بات ثابت ہو چکی ہے یعنی شیطانوں نے کہا یا کافروں کے گمراہ سرداروں نے کہا اور ''حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ'' کا معنی ہے کہ بات کا مقتضاء ان پر واجب اور ثابت ہو چکا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ'' (السجدہ: ۱۳) ''میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا''۔ ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا﴾ اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا یعنی ہم نے انہیں شرک کی طرف دعوت دی اور ہم نے ان کے لیے سرکشی و بغاوت وغیرہ کو خوشنما بنا کر پیش کیا [''هٰٓؤُلَآءِ'' مبتدا ہے ''اَلَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا'' اس کی خبر ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں ''اَغْوَيْنَاهُمْ'' ہے] ﴿اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا﴾ ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا، جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے [کاف محذوف مصدر کی صفت ہے، جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَغْوَيْنَاهُمْ فَغَوَوْا غَيًّا مِثْلَ مَا غَوَيْنَا''] ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے، سو وہ بھی اسی طرح اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے کیونکہ ہمارا ان کو گمراہ کرنا ان کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ہم نے وسوسہ ڈالا اور بت پرستی و سرکشی کو سنوار کے پیش کیا، سو اب ہماری گمراہی اور ان کی گمراہی کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا اور اگرچہ ہمارا ان کو گمراہ کرنا ان کے کفر کا سبب بنا لیکن اس کے مقابلے میں ان کے لیے ایمان کی طرف اللہ تعالیٰ کی دعوت بھی تھی، جس میں عقلی دلائل رکھے گئے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ان کی طرف کتابیں نازل کی گئیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل کلام کی طرح ہے: ''وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الخ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (ابراہیم: ۲۲) تک ہے'' اور شیطان تب کہے گا: جب فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے جھوٹ بولا تھا اور میرا تم پر کچھ قابو نہیں تھا مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے میری بات قبول کر لی، سو اب تم مجھے ملامت نہ کرو اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو''۔ ﴿تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ﴾ ہم تیرے حضور میں ان سے اور انہوں نے جو کچھ کفر و شرک اختیار کیا تھا، اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ﴿مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی خواہشات کی عبادت کرتے تھے اور اپنی شہوات کی اطاعت کرتے تھے [اور دونوں جملے حرف عطف سے اس لیے خالی ہیں کہ یہ دونوں پہلے جملے کے معنی کی تاکید و تقریر کے لیے ہیں]۔

۶۴- ﴿وَقِيْلَ﴾ اور مشرکین سے کہا جائے گا: ﴿ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ کہ تم اپنے شریکوں کو بلاؤ یعنی بتوں کو بلاؤ جنہیں تم خدا کا شریک گمان کرتے تھے تا کہ وہ تمہیں عذاب سے چھڑائیں ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴾ سو وہ ان کو بلائیں گے، پس وہ ان کو جواب نہیں دیں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے، کاش! وہ ہدایت پا لیتے [اور ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر وہ ہدایت کو پا لیتے تو عذاب کو ہرگز نہ دیکھتے۔

۶۵- ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم نے ان رسولوں کو کیا جواب دیا تھا، جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے وہ کلام بیان کیا جس کے ذریعے ان کو

ڈانٹا ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا' پھر وہ کلام ذکر کیا جو ڈانٹ کے وقت شیاطین یا کافروں کے سردار بولیں گے کیونکہ جب انہیں معبودانِ باطلہ کی عبادت پر ڈانٹا جائے گا تو وہ معذرت کریں گے اور کہیں گے کہ شیطانوں نے انہیں گمراہ کیا تھا' پھر ایسا کلام بیان کیا جو دشمنوں کی مصیبتوں پر خوش ہونے کے مشابہ ہے کیونکہ جب کفار قیامت کے دن اپنے معبودوں کو فریاد رسی کے لیے پکاریں گے' مگر وہ اپنے عجز کی بناء پر نہ ان کی مدد کر سکیں گے اور نہ ان کو کوئی جواب دیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے بھیجنے اور تمام معذرتیں اور علتیں زائل کر کے ان پر حجت قائم کر دی' جس کے سبب قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ تو وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔

٦٦- ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ﴾ سو اس دن ان سے تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی (یعنی) تمام دلائل یا خبریں ان سے مخفی اور پوشیدہ ہو جائیں گی اور بعض نے کہا کہ ان سے جواب پوشیدہ ہو جائے گا' پس وہ نہیں جان سکیں گے کہ وہ کیا جواب دیں کیونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا ﴿فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ سو وہ معذرت اور حجت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال و جواب نہیں کر سکیں گے' محض اس امید پر کہ شاید دوسرے کے پاس کوئی عذر یا حجت ہو کیونکہ جواب دینے سے عاجز ہونے میں وہ سب برابر ہوں گے۔

٦٧- ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ﴾ سو لیکن جس نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور وہ اپنے پروردگار پر اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا' اس پر ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴾ اور اس نے نیک عمل کیے تو وہ یقیناً کامیاب ہونے والے لوگوں میں سے ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نجات و فلاح حاصل کر لے گا اور لفظ ''عَسٰی'' معزز و کریم کی طرف سے تحقیق و یقین کے معنی کے لیے ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اسلام پر قائم رہنے والے مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے اور ایمان لانے اور دینِ اسلام اختیار کرنے پر کافروں کے لیے ترغیب ہے۔

| |
|---|
| وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ |
| وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ |
| فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ |
| عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا |
| تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ |
| اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ |

اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی برگزیدہ کرتا ہے ان (مشرکین) کو کوئی اختیار نہیں' اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں○ اور آپ کا پروردگار وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں○ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں دنیا

میں اور آخرت میں اور اسی کے لیے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O فرمائیے کہ کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت کے دن تک ہمیشہ رات ہی کو رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم پر روشنی لے آئے تو کیا تم سنتے نہیں ہو O فرمائیے: کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت کے دن تک دن ہی کو رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم پر رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو O

## اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار اور کفار کی رسوائی کا بیان

۶۸-اور یہ آیت کریمہ ولید بن مغیرہ کے قول کے جواب میں نازل ہوئی تھی' جب اس نے کہا کہ "لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ" (الزخرف:۳۱) "یہ قرآن دو بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا"۔ یعنی بڑے آدمی سے وہ خود اپنے آپ کو یا ابومسعود کو مراد لیتا تھا ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور یہ آیت مبارکہ افعال کے مخلوقِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے ﴿وَيَخْتَارُ﴾ "أَيْ (وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ) رَبُّكَ (يَخْتَارُ) مَا يَشَآءُ" یعنی آپ کا رب تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور آپ کا رب تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے برگزیدہ بنالیتا ہے [اور "وَيَخْتَارُ" پر وقف کیا جاتا ہے] ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ ان کے لیے کوئی اختیار نہیں ہے یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے مقابلے میں کسی کو منتخب کرلیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو برگزیدہ (یعنی نبی) بنایا اس کے مقابلے میں کسی اور کو برگزیدہ بنالیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار پر انہیں کچھ اختیار نہیں ہے اور ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ کو ان پر پورا اختیار ہے [اور "ما كان لهم الخيرة" میں حرف عطف داخل نہیں کیا گیا' اس لیے کہ یہ "ويختار" کا بیان ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ کسی کو برگزیدہ بنانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور وہ اپنے افعال میں حکمتوں کی وجوہات کو خوب زیادہ جانتا ہے اور اس کی مخلوق میں سے کسی کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار پر اپنا اختیار استعمال کرے اور جس نے "وَيَخْتَارُ" پر وقف کی بجائے وصل کے ساتھ پڑھا اور معنی یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو برگزیدہ بناتا ہے اس میں ان کو بھی اختیار حاصل ہے تو اس نے بہت بعید کا معنی کیا بلکہ حرفِ "مَا" تو مخلوق کے انتخاب کی نفی اور خالق کے انتخاب کے ثبوت کے لیے ہے اور جس نے یہ کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے صرف اس کا انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر اور مفید ہے تو یہ شخص اعتزال (گمراہ فرقہ معتزلہ) کی طرف مائل ہے اور "اَلْخِيَرَةُ" "تَخَيُّرٌ" سے ماخوذ ہے' یہ مصدر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور وہ "تَخَيُّر" ہے' برگزیدہ بنانا اور یہ بہ معنی "مُتَخَيَّر" بھی استعمال ہوتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "مُحَمَّدٌ خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ" کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے برگزیدہ ہیں ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ اس شرک سے پاک اور بلند و برتر ہے جو مشرکین کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے شریک ٹھہرانے سے بَری ہے اور وہ اس بات سے منزّہ اور پاک ہے کہ کسی کو اس کی ذاتِ اقدس پر اختیار ہو۔

۶۹-﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ اور آپ کا پروردگار وہ سب جانتا ہے جو ان کے سینے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت ودشمنی اور حسد کو چھپاتے ہیں۔ "تُكِنُّ" بہ معنی "تضمر" ہے ﴿وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور وہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ کے بارے میں برملا طعن وتشنیع اور زبان درازی کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت کے لیے ان کے مقابلے میں کسی اور کو کیوں نہیں منتخب کیا گیا۔

۷۰-﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو "اِلٰه" ہونے کا اکیلا مستحق ہے' وہی اس کے ساتھ مخصوص ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ ﴾ اس کے سوا نہ کوئی ''اِلٰہ'' ہے اور نہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہے' یہ اس کے لیے تقریر و تاکید ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''اَلْكَعْبَةُ قِبْلَةٌ لَا قِبْلَةَ اِلَّا هُوَ'' یعنی کعبہ شریف ہی قبلہ ہے اس کے سوا کوئی قبلہ نہیں ﴿ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ﴾ دنیا میں اور آخرت میں تمام محامد اس کے لیے ہیں' یہ جنتیوں کے اس قول کی طرح ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ'' (الفاطر: ۳۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے رنج و غم دور کر دیا''۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ'' (الزمر: ۷۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا''۔ ''وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' (الزمر: ۷۵) ''اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے''۔ اور وہاں (یعنی جنت میں) حمد و ثناء صرف روحانی لذت اور ذوق و شوق کے طور پر کی جائے گی' مکلف ہونے پر نہیں ﴿ وَلَهُ الْحُكْمُ ﴾ اور بندوں کے درمیان صرف اسی کا حکم نافذ ہے اور اسی کا فیصلہ جاری ہے ﴿ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور تم مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر و نشر برپا ہونے پر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مفتوح اور جیم مکسور (فعل مضارع معروف ''تَرْجِعُوْنَ'') ہے]۔

۷۱- ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو ہمیشہ قیامت کے دن تک رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا ایسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے آتا [''سَرْمَدًا''، ''جَعَلَ'' کا دوسرا مفعول ہے] یعنی ہمیشہ' یہ ''سرد'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: مسلسل' پے در پے اور لگا تار اور عرب کا قول اسی سے ہے کہ ''اَلْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ثَلَاثَةٌ سُرُدٌ وَوَاحِدٌ فَرْدٌ'' حرمت والے تین مہینے مسلسل و لگاتار ہیں اور ایک مہینہ الگ ہے [اور اس میں میم زائد ہے اور اس کا وزن ''فعمل'' ہے] ﴿ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴾ تو کیا تم سنتے نہیں ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھے بتاؤ اس پر کون قادر ہے۔

۷۲- ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ
فِيْهِ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ دن کو تم پر قیامت تک ہمیشہ رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو رات کو تمہارے پاس لے آئے' جس میں تم آرام کرتے ہو۔ جس طرح یہاں ''بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ'' وہ رات جس میں تم آرام کرتے ہو ذکر کیا ہے' اسی طرح ''بِنَهَارٍ تَتَصَرَّفُوْنَ فِيْهِ'' کہ وہ دن جس میں تم تصرف و کاروبار کرتے ہو ذکر نہیں فرمایا بلکہ ''ضیاء'' کا ذکر فرمایا اور وہ سورج کی روشنی ہے' اس لیے کہ وہ منافع اور فوائد جو روشنی کے ساتھ متعلق ہیں' بہت زیادہ ہیں' کیونکہ معاش کے لیے صرف تصرف کافی نہیں ہے اور ''ظلام'' اس کی جگہ نہیں لے سکتا' اس لیے ''ضیاء'' کا ذکر کیا ﴿ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ تو کیا تم نہیں دیکھتے کیونکہ تمہارے علاوہ اشیاء تاریکی میں وہی منافع دیکھتی ہیں جو تم سکون میں نفع دیکھتے ہو۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۵ / ۱۰

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے دن اور رات بنائے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو○ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (میرا

شریک) گمان کرتے تھےO اور ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے' پھر ہم فرمائیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو' سو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور ان سے وہ گم ہو جائیں گے جنہیں یہ لوگ گھڑا کرتے تھےO

۷۳- ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو مقرر فرمایا تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو یعنی تا کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو' پس یہ لف اور نشر کے باب سے ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو' اور علامہ زجاج نے کہا کہ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہو کہ تم رات اور دن دونوں میں آرام بھی کرو اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کا فضل (رزقِ حلال) بھی تلاش کرو اور اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمانہ کو مقرر فرما دیا ہے رات ہو خواہ دن ہو تا کہ تم اس میں آرام بھی کرو اور اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل بھی تلاش کرو۔

۷۴- ﴿وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا اور فرمائے گا: کہاں ہیں میرے شریک جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے۔ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریکوں کے ٹھہرانے پر بار بار دھمکایا' ڈرایا اور ڈانٹا تا کہ یہ علانیہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے ساتھ شریک بنانے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو غضب ناک کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے' جس طرح اس کو ''واحد لاشریك'' ماننے سے بڑھ کر اس کو راضی کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

۷۵- ﴿وَنَزَعْنَا﴾ یہ ''واخرجنا'' کے معنی میں ہے (یعنی) اور ہم نکالیں گے ﴿مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا﴾ ہر امت میں ایک گواہ یعنی اس امت کے نبی کو بہ طورِ گواہ پیش کریں گے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام امتوں کے لیے ان پر گواہ ہیں جو (قیامت کے دن) ان کے متعلق گواہی دیں گے ﴿فَقُلْنَا﴾ سو ہم امتوں کے لیے فرمائیں گے: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ تم شرک کرنے اور رسول کریم کی مخالفت کرنے پر اپنی کوئی دلیل پیش کرو ﴿فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ﴾ سو وہ اس وقت جان لیں گے کہ بے شک حق (یعنی) توحید اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور ان سے گم ہو جائے گا اور ان سے غائب ہو جائے گا۔ کسی چیز کے غائب ہونے کا مطلب ہے: اس کا ضائع ہو جانا ﴿مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ جو کچھ وہ گھڑتے تھے' غیر اللہ کے لیے الوہیت اور ان کے لیے شفاعت کا من گھڑت عقیدہ رکھتے تھے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ
مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْفَرِحِیْنَ ۝۷۶ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا
وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْمُفْسِدِیْنَ ۝۷۷ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ
مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا' پھر اس نے ان (بنی اسرائیل) پر زیادتی کی' اور ہم نے اس کو خزانوں میں سے اس قدر دیا کہ بے شک اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت پر بھاری تھیں' جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تو مت اترا بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ عطا کیا ہے' اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور تو دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور تو احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور تو زمین میں فساد کی خواہش نہ کر' بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا O اس نے کہا: بے شک یہ مال مجھے صرف علم کی وجہ سے دیا گیا جو میرے پاس ہے' اور کیا اسے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کئی قومیں ہلاک کر دیں جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں' اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

## قارون کی بغاوت وسرکشی اور تباہی کا بیان

۷۶- ﴿إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ بے شک قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا (یعنی) یہ اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا' سو قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب تھا اور موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب تھے اور قارون کو اس کے حسن و جمال کی بناء پر منور کہا جاتا تھا اور یہ بنی اسرائیل میں تورات شریف کو سب سے زیادہ پڑھنے والا شخص تھا لیکن یہ منافق ہو گیا تھا' جس طرح سامری منافق بن گیا تھا [''قارون'' عجمہ اور معرفہ ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے اور اگر فعول کے وزن ''قرنت الشیء'' سے ماخوذ ہو تو پھر یہ منصرف ہوگا] ﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ پھر اس نے ان پر ظلم وزیادتی کی۔ ''بَغٰی'' ''بَغْیٌ'' سے مشتق ہے' اس کا معنی ظلم وزیادتی کرنا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ فرعون نے قارون کو بنی اسرائیل پر حاکم مقرر کر دیا تھا' جس کی وجہ سے اس نے ان پر ظلم کیا تھا یا یہ ''بغی'' سے یہ معنی تکبر ہے کیونکہ قارون نے اپنے مال و دولت اور اپنی اولاد کی کثرت کی وجہ سے بنی اسرائیل پر تکبر وغرور کیا تھا یا وہ تکبر کی وجہ سے بنی اسرائیل کے کپڑوں سے ایک بالشت زیادہ کپڑے بنواتا تھا ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓأُ بِالْعُصْبَةِ﴾ اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے عطا فرمائے کہ اس کی چابیاں یقیناً ایک جماعت پر بھاری تھیں اور قارون کے خزانوں کی چابیوں کو ساٹھ خچر اٹھاتے تھے' ہر خزانہ کی الگ چابی تھی اور کوئی چابی ایک انگلی سے بڑی نہیں ہوتی تھی اور یہ چابیاں (نیل گائے کے) چمڑے کی بنی ہوئی تھیں [''مَا'' بہ معنی ''الذی'' ہے اور ''اٰتَيْنَا'' کا مفعول ثانی ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور ''إِنَّ'' اور اس کا اسم ''مفاتحه'' اور اس کی خبر ''لتنوا بالعصبة اولی القوة'' یہ سب جملہ ہو کر ''الذی'' کا صلہ ہے اور اس لیے ''اِنَّ'' کا ہمزہ مکسور ہے اور ''مفاتح'' ''مِفْتَح'' میم مکسور کی جمع ہے اور یہ ہر وہ آلہ ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو کھولا جائے یا ''مَفْتَح'' میم مفتوح کی جمع ہے اور یہ خزانہ کہلاتا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ وہ چابیاں تھیں اور ''بالعصبة'' میں ''بَا'' تعدیہ ہے ''ناء به الحمل'' اس وقت بولا جاتا ہے جب بوجھ اس قدر بھاری ہو جائے کہ اٹھانے والے کو جھکا دے اور ''عصبة'' بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے] ﴿أُولِي الْقُوَّةِ﴾ سخت قوت والے ﴿إِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ﴾ جب اس سے اس کی قوم یعنی مؤمنوں نے کہا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ کہنے والے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے [''إِذْ'' ''لَتَنُوْٓأُ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے]۔

﴿لَا تَفْرَحْ﴾ مت اترا (یعنی) تو اپنے مال و دولت کی کثرت پر مت اترا' اور تکبر وغرور نہ کر' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ

ہے کہ ''وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ'' (الحدید: ٢٣) ''اور تم اس پر نہ اتراؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے''۔ اور دنیا پر نہیں اتراتا اور نہ اس پر فریفتہ ہو کر خوش ہوتا ہے مگر وہی شخص جو اس سے راضی ہو چکا ہوتا ہے اور اس پر مطمئن ہوتا ہے لیکن جس شخص کا دل آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ بے شک وہ عنقریب اسے چھوڑ دے گا تو وہ شخص اس پر نہیں اتراتا اور وہ اس پر تکبر و غرور نہیں کرتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مال و دولت پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

٧٧- ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ مال و دولت اور خوشحالی و فراخی عطا کی ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور وہ اس طرح کہ تو غریبوں محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صدقہ و خیرات کر اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوئے ان کی مالی امداد کر اور نیکی و بھلائی کی راہوں میں اپنا مال خرچ کر ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ اور تو دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور وہ یہ کہ تو دنیا سے اتنا لے جتنا تجھے کافی ہو اور تیری آخرت سنوار دے اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو دنیا کے بدلے آخرت کو طلب کر کیونکہ دنیا سے مؤمن کا یہی حصہ ہے ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ اور تو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے یا یہ کہ تو تمام مخلوق کے خالق کی رضا جوئی کے لیے شکر و اطاعت بجالانے کے ذریعے نیکی کر جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ذریعے تجھ پر احسان کیا ہے ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور تو زمین میں ظلم و زیادتی اور بغاوت و سرکشی کے ذریعے فساد طلب نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

٧٨- ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ قارون نے کہا کہ بے شک یہ یعنی مال و دولت مجھے میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے یہ وہ علم ہے جس کی وجہ سے مجھے لوگوں پر فضیلت و برتری دی گئی ہے اور اس سے تورات کا علم مراد ہے یا اس سے علم کیمیاء مراد ہے اور قارون قلعی اور تانبا کی مخصوص مقدار لیتا اور وہ ان دونوں سے سونا تیار کرتا تھا یا تجارت و زراعت کے کاروبار کے طریقوں کا علم مراد ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس نے خود پسندی کی نظر سے اپنے نفس کی طرف نہیں دیکھا وہ فلاح پا گیا اور نیک بخت و سعادت مند وہ شخص ہے جس کی نظر اس کے اپنے افعال اور اپنے اقوال سے پھیر دی گئی اور تمام افعال و اقوال میں اس پر اللہ تعالیٰ کے احسان کو دیکھنے کی راہ کھول دی گئی اور بد بخت وہ شخص ہے جس کی نگاہ میں اس کے افعال و اقوال اور اس کے احوال خوش نما اور آراستہ کر دیئے گئے پھر وہ ان پر فخر و غرور کرنے لگا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ سب اس کے نفس کے کارنامے ہیں تو اس کی بدبختی اسے ایک دن ہلاک کر دے گی جیسا کہ قارون جب علم و فضل کا اپنے نفس کے لیے دعوے دار بن گیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً﴾ اور کیا اس نے یعنی قارون نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جو اس سے زیادہ سخت طاقت ور تھیں اور اس آیت مبارکہ میں قارون کے علم کا ثبوت ہے کہ وہ جانتا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اس سے زیادہ طاقتور اور اس سے زیادہ مال دار کتنی قومیں ہلاک کر دیں کیونکہ اس نے یہ سب کچھ تورات شریف میں پڑھا ہوا تھا گویا کہا گیا ہے کہ کیا اس کے پاس جو کچھ علم تھا اس نے اس میں سے یہ نہیں جانا تھا تا کہ اپنے مال و دولت کی کثرت سے اور اپنی قوت سے دھوکا نہ کھاتا یا اس سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ جب اس نے کہا کہ مجھے مال و دولت میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے تو جواب میں کہا گیا کہ کیا اس علم کی مثل اس کے پاس ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے اور اپنے نفس کو اس علم کے سبب ہر نعمت کا مستحق قرار دیا ہے اور وہ اس نافع اور مفید علم کو نہیں جان سکا تا کہ اس

کے ذریعے اپنے نفس کو ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت گاہ سے بچالیتا ﴿ وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ﴾ اور ہلاک ہونے والی گزشتہ قومیں قارون سے مال و دولت میں زیادہ تھیں یا جماعت و تعداد میں زیادہ تھیں ﴿ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے بلکہ انہیں حساب کے بغیر دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا یا وہ خود سوال کے بغیر اعتراف و اقرار کر لیں گے یا انہیں ان کی علامات سے پہچان لیا جائے گا' پس اس لیے ان سے سوال نہیں کیا جائے گا یا اس لیے ان سے سوال نہیں کیا جائے گا کہ انہیں پہچان لیا جائے گا بلکہ انہیں زجر و توبیخ اور ڈرانے دھمکانے کے لیے سوال کیا جائے گا یا گزشتہ مجرموں کے گناہوں کے متعلق اس امت سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ
اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝۷۹ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ
خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ
الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۝۸۱

سو وہ اپنی پوری آرائش کے ساتھ بن سنور کر اپنی قوم کے سامنے نکلا' جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے لیے اسی طرح مال و متاع ہوتا جس طرح قارون کو دیا گیا ہے' بے شک البتہ وہ بہت بڑے نصیب والا ہےO اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا: تم پر افسوس اللہ تعالیٰ کا ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے' اور وہ نہیں دیا جائے گا مگر صبر کرنے والوں کوO پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا' سو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے لیے کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا' اور نہ وہ بدلا لینے والوں میں سے تھاO

۷۹۔ ﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ﴾ سو وہ سرخ و زرد فاخرانہ لباس میں پوری سج دھج کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا اور بعض حضرات نے کہا کہ قارون ہفتہ کے دن شہبا نامی خچر پر سوار ہو کر فاخرانہ لباس میں اپنی قوم کے سامنے نکلا' اس پر دوشالہ ڈالا ہوا تھا اور وہ خچر پر سونے کی زین پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ چار ہزار کا لشکر تھا اور بعض نے کہا کہ ان پر اور ان کے گھوڑوں پر سرخ ریشم ڈالا ہوا تھا اور قارون کی دائیں جانب تین سو غلام تھے اور اس کی بائیں جانب تین سو گوری لونڈیاں تھیں' جن پر زیورات اور ریشم پڑے ہوئے تھے [''فِیْ زِیْنَتِهٖ''' ''خَرَجَ'' کے فاعل سے حال ہے یعنی قارون آراستہ ہو کر نکلا] ﴿ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴾ جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انہوں نے کہا۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ کہنے والے مسلمان تھے اور انہوں نے خوشحالی میں رغبت رکھنے کی بناء پر قارون جیسے مال دار ہونے کی تمنا کی تھی' جیسا کہ عام طور پر انسان کی عادت ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ کفار تھے ﴿ یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ﴾ اے کاش! ہمارے لیے ایسا ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا۔ یہ بات انہوں نے رشک کی بناء پر کہی تھی' حسد کی بناء پر نہیں اور رشک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے ساتھی کے پاس نعمت دیکھ کر تمنا اور آرزو کرے کہ ساتھی کے پاس یہ نعمت قائم و دائم رہے اور اس کو بھی اس کی طرح نعمت مل جائے جب کہ حسد یہ ہے کہ حاسد آدمی یہ آرزو کرے کہ اس کے ساتھی کی نعمت اس سے چھن جائے اور وہ نعمت اس کو مل

جائے اور یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: "وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (النساء:٣٢) "اورتم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی"۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا رشک نقصان دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر جیسے خاردار درخت کو پتے نقصان دیتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ بے شک وہ (قارون) بڑے نصیب والا ہے۔ "حظ" کا معنی نصیب' حصہ اور دولت ہے۔

٨٠- ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ﴾ اور جن لوگوں کو ثواب وعذاب اور دنیا کی فنا اور آخرت کی بقاء کا علم عطا کیا گیا تھا' انہوں نے قارون پر رشک کرنے والوں سے کہا: تم پر افسوس ہے۔ اصل میں "وَیْلَكَ" ہے اور یہ ہلاکت کی دعا کے لیے استعمال ہوتا ہے' پھر یہ ڈانٹنے' روکنے اور ناپسندیدہ کام کے ترک پر ترغیب دینے کے لیے استعمال کیا گیا۔ ["التبیان فی اعراب القرآن" میں ہے کہ یہ محذوف فعل کا مفعول ہے "اَیْ اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ وَیْلَكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر عذاب کو لازم کر دیا ہے] ﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اللہ تعالیٰ کا اجر وثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے ﴿وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ اور وہ (اجر وثواب) نہیں دیا جائے گا مگر صبر کرنے والوں کو یعنی یہ کلمہ "ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ" تلقین نہیں کیا جائے گا مگر دنیا کی زیب وزینت اور خواہشاتِ نفسانی کے ترک کرنے پر اور اطاعات اور کثیر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی قلیل تقسیم پر صبر کرنے والوں کو تلقین کیا جائے گا۔

٨١- ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء اور تکلیف ودکھ دیتا رہتا تھا اور ہر وقت در پے آزار رہتا اور دونوں کی باہمی رشتہ داری کی بناء پر قارون حضرت موسیٰ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا' یہاں تک کہ زکوٰۃ دینے کا حکم نازل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو ہر ہزار دینار میں سے ایک دینار اور ہر ہزار درہم میں سے ایک درہم ادا کرنے کا حکم دیا اور بس' لیکن اس نے اس قدر زکوٰۃ کو بھی بہت زیادہ خیال کیا' جس کی بناء پر اس کے نفس نے اسے بخل پر اُبھارا اور اس نے تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے مالوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور تم سے زکوٰۃ کے ذریعے تمہارے مال لے لینا چاہتا ہے' تو انہوں نے کہا کہ تو ہمارا بڑا سرمایہ دار ہے' لہٰذا تو اس سلسلہ میں جو چاہتا ہے ہمیں حکم دے تو قارون نے کہا کہ ہم فلاں بدکارہ عورت کو رشوت دیں گے تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ بدکاری کی تہمت لگا دے' چنانچہ بنی اسرائیل نے اسے کھلی چھٹی دے دی اور اس نے بدکار عورت کو ایک ہزار دینار اور ایک سونے کی پرات پر تیار کر لیا یا اس سے فیصلہ کر لیا' پھر جب عید کا دن آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ' وعظ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی اسرائیل! سنو! جو شخص چوری کرے گا' ہم اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے اور جو شخص کسی پر بہتان لگائے گا' ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو شخص زنا کاری کرے گا اور وہ غیر شادی شدہ ہوا تو ہم اسے کوڑے ماریں گے اور اگر وہ شادی شدہ ہوا تو ہم اسے سنگسار کر دیں گے' قارون بول پڑا اور کہا: اگر آپ خود بھی ہوں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: اگر چہ میں خود ہی کیوں نہ ہوں (یہ حکم سب کے لیے ہے)' اس پر قارون نے کہا کہ بنی اسرائیل گمان کرتے ہیں کہ آپ نے فلاں بدکارہ عورت سے بدکاری کی ہے' چنانچہ اس عورت کو حاضر کیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس ذاتِ اقدس کی قسم دی جس نے دریا کو چیرا اور تورات شریف کو نازل کیا کہ تو سچ بتا' تو اس نے کہا کہ قارون نے اس شرط پر کچھ رقم کا لالچ دیا ہے کہ میں آپ پر اپنے ساتھ زنا کاری کی تہمت لگا دوں' یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام شکرانے کا سجدہ کرتے ہوئے رو پڑے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! اگر میں آپ کا رسول ہوں تو میری خاطر اس پر اپنا غضب نازل فرما' سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

طرف وحی بھیجی کہ تم زمین کو جو چاہتے ہو حکم دے دو وہ تمہاری اطاعت و فرماں برداری کرے گی چنانچہ حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے قارون کی طرف اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا ہے پس جو شخص قارون کے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے اور جو شخص میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہ یہاں سے الگ ہو جائے چنانچہ ماسوا دو آدمیوں کے باقی تمام لوگ وہاں سے الگ ہو گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے زمین! تو ان کو اپنی گرفت میں پکڑ لے تو زمین نے ان کو گھٹنوں تک اپنے اندر گرفت میں لے لیا پھر آپ نے فرمایا: اے زمین! ان کو پکڑ لے تو زمین نے نصف حصہ تک ان کو پکڑ لیا آپ نے پھر فرمایا کہ ان کو مزید پکڑ لے تو زمین نے ان کو گردنوں تک اپنے اندر گرفت میں لے لیا اور قارون اور اس کے ساتھی گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آہ وزاری کرنے لگے اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسمیں دے کر رحم کی اپیل کرنے لگے مگر حضرت موسیٰ نے شدتِ غضب کی وجہ سے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور حضرت موسیٰ نے زمین سے فرمایا: ان کو مزید گرفت میں لے لے تو زمین نے ان کو اپنے اندر مکمل طور پر دھنسا لیا اور ان کے اوپر برابر مل گئی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ قارون اور اس کے ساتھیوں نے آپ سے کئی مرتبہ فریاد کی لیکن آپ نے ان پر رحم نہیں فرمایا سو مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر وہ مجھ سے صرف ایک مرتبہ رحم کی بھیک مانگتے تو میں ان پر ضرور رحم کر دیتا چنانچہ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صرف اس لیے ہلاک کیا کہ آپ قارون کے مال کے وارث بن جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کے گھر کو اور اس کے خزانوں کو زمین میں دھنسا دیا ﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سو اس کے پاس کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مدد کرتی اور اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتی ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور نہ وہ حضرت موسیٰ سے انتقام لینے والوں میں سے تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والوں میں سے نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے: "نَصَرَهٗ مِنْ عَدُوِّهٖ فَانْتَصَرَ" یعنی فلاں شخص نے اس کی اس کے دشمن کے مقابلے میں مدد کی اور اس کو اس سے روک دیا تو وہ رُک گیا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ ۱۱

اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبہ کی تمنا کی تھی وہ صبح کہنے لگے: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا افسوس کہ کفار فلاح نہیں پائیں گے ○

۸۲- ﴿وَاَصْبَحَ﴾ اور وہ ہو گئے ﴿الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ﴾ جنہوں نے دنیا میں قارون کے مرتبہ کی تمنا اور آرزو کی تھی ﴿بِالْاَمْسِ﴾ زمانۂ قریب میں [یہ "بالامس"، "تمنّوا" کا ظرف ہے اور اس سے گزشتہ کل کا دن مراد نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر قریب وقت مراد ہے] ﴿يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ﴾ وہ کہنے لگے: تعجب ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا

ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے [بصریوں کے نزدیک ''وَیْ'' تعجب کے لیے ہے اور ''کَاَنَّ'' سے الگ ہے لیکن سیبویہ نے کہا کہ یہ خطاء اور ندامت وحسرت پر تنبیہ کا کلمہ ہے' نادم اپنی ندامت ظاہر کرنے کے لیے اسے استعمال کرتا ہے] یعنی جب قوم اپنی خطاء اور اپنی تمنا کرنے اور اپنے قول ''یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ'' پر آگاہ ہوئی اور نادم ہوگئی تو اس نے کہا: ﴿لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے پھیر کر ہم پر احسان نہ کرتا' جس کی ہم تمنا کرتے تھے تو وہ ہمیں دھنسا دیتا [امام حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''خَسَا'' اور سین دونوں پر زبر ہے اور اس ''لَخَسَفَ'' میں ضمیر فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَیْکَاَنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ افسوس ہے کہ کفار فلاح نہیں پائیں گے یعنی وہ نادم و پشیمان ہوئے' پھر انہوں نے کہا کہ گویا کفار نجات نہیں پائیں گے۔

| |
|---|
| تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ |
| وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ |
| فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ |
| عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْھُدٰی وَمَنْ ھُوَ فِیْ |
| ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ |

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں' جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد' اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے O جو شخص نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا' اور جو شخص بُرائی لائے گا تو جن لوگوں نے بُرائیاں کی ہوں گی انہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر وہ عمل کرتے تھے O بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ ضرور واپس لائے گا' فرما دیجئے کہ میرا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور جو کھلی گمراہی میں ہے O

## اعمال کی کیفیت پر جزاء وسزا کے مرتب ہونے کا بیان

۸۳- ﴿تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ﴾ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں تکبر وظلم نہیں کرتے اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ''عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ'' کا مطلب ابن جبیر کے نزدیک بغاوت وسرکشی ہے اور ضحاک کے نزدیک ظلم وزیادتی اور تکبر وغرور مراد ہے [''تِلْکَ'' سے اشارہ آخرت کے گھر کی تعظیم اور اس کی شان کی بڑھائی بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے یعنی آخرت کا وہ عظیم الشان گھر ہے جس کا ذکر تم سن چکے ہو اور اس کی تعریف اور شان کا بیان تمہارے پاس پہنچ چکا ہے اور یہ اسم اشارہ اپنی صفت ''الدار'' سے مل کر مبتدا ہے اور ''نَجْعَلُھَا'' خبر ہے] ﴿وَلَا فَسَادًا﴾ اور نہ وہ فساد پھیلاتے ہیں (یعنی) گناہوں پر عمل نہیں کرتے یا لوگوں کو قتل نہیں کرتے یا غیر اللہ (بتوں) کی عبادت کی طرف نہیں بلاتے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے وعدہ کو علو اور فساد کے ترک کرنے پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ ان دونوں کے ارادے اور دلوں کی رغبت کے ترک کرنے پر موقوف فرمایا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا'' (ھود: ۱۱۳) ''اور تم ان لوگوں کی طرف راغب نہ ہو جنہوں نے ظلم کیا''۔ یہاں بھی ظالم بننے پر

نہیں بلکہ محض ظالموں کی طرف راغب اور مائل ہونے پر وعید و عذاب کو موقوف فرما دیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے بیان فرمایا کہ بے شک جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے جوتے کا تسمہ اس کے ساتھی کے جوتے کے تسمہ سے بہتر ہو تو وہ
بھی اس آیت کی رُو سے تکبر میں داخل ہے اور حضرت فضیل نے اس کو پڑھا' پھر فرمایا کہ یہاں سب آرزوئیں ختم ہو گئیں اور
حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کو بار بار دہراتے رہے' یہاں تک کہ ان کی روح
قبض کر لی گئی اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ درج ذیل دو آیات سے استدلال کی بناء پر فرعون اور
قارون کی پیروی سے نفرت کا اظہار ہے' چنانچہ فرعون کے بارے میں ارشاد ہے کہ ''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ'' (القصص:۴)
''بے شک فرعون نے سرزمین مصر میں تکبر کیا''۔ نیز قارون کے بارے میں ارشاد ہے: ''وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ''
(القصص:۷۷) ''اور تو زمین میں فساد طلب نہ کر''۔ ﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

۸۴۔ ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا۔ اس کی
وضاحت سورۃ النمل (آیت:۸۹) میں گزر چکی ہے ﴿ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ﴾ اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا تو جنہوں نے بُرائیاں کی ہوں گی انہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر وہ عمل
کرتے تھے [اس کا معنی ''فلا یجزون'' ہے لیکن ''اَلَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ'' کو ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے] کیونکہ بُرے عمل
کی دوباران کی طرف نسبت کرنے میں ان کے حال کی بُرائی میں اضافہ ظاہر کرنا اور سامعین کے دلوں میں بُرائی کی نفرت و
بغض کو بڑھانا ہے۔ ''اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' کا معنی ''اِلَّا مِثْلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' ہے' جس قدر وہ بُرے اعمال کرتے
تھے' اسی قدر انہیں سزا ملے گی زیادہ نہیں ملے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ بُرائی کا بدلا بُرائی کے برابر ہوگا
لیکن نیکی کا بدلا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جائے گا۔

۸۵۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ ﴾ بے شک جس نے آپ پر قرآن مجید فرض کیا ہے (یعنی) بے شک جس
نے آپ پر قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تبلیغ اور جو کچھ اس میں ہے' اس پر عمل کرنے کو واجب و لازم کیا ہے وہی ﴿ لَرَآدُّكَ ﴾
آپ کو موت کے بعد ضرور واپس لے آئے گا ﴿ اِلٰى مَعَادٍ ﴾ لوٹنے کی کسی جگہ میں (خواہ مقامِ محمود ہو یا جنت ہو) اور لوٹنے
کی ایسی جگہ جو انسانوں میں سے آپ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے' اس لیے اس کو نکرہ ذکر کیا گیا یا اس سے مکہ مکرمہ مراد
ہے اور مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپس لے آئے گا کیونکہ اس دن یہی مکہ مکرمہ
آپ کے لوٹنے کی جگہ ہوگی' جس میں آپ کی شان ظاہر ہوگی اور اس دن یہی مکہ مکرمہ اپنے باشندوں پر رسول
اللہ ﷺ کے غلبہ اور تسلط کے لیے اور اسلام کے غلبہ کے ظہور کے لیے آپ کا معتبر مرجع گاہ ہوگا اور اس دن شرک اور اہل
شرک ذلیل و رسوا ہوں گے اور یہ سورت مکیہ ہے' لیکن یہ آیت مبارکہ نہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور نہ مدینہ منورہ میں نازل
ہوئی' بلکہ دورانِ ہجرت جحفہ کے مقام پر جب آپ کو اپنے مولد اور اپنے آباء و اجداد کے مولد کا اشتیاق پیدا ہوا تو اس وقت
مقام جحفہ میں آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم سے واپس مکہ مکرمہ میں دوبارہ لوٹ
آنے کا وعدہ کر لیا تو اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ (اے محبوب!) مشرکین سے فرما دیجئے: ﴿ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ
بِالْهُدٰى ﴾ میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے یعنی خود حضور کی ذاتِ اقدس مراد ہے جو ہدایت لے کر
آئے اور انہیں کے لیے آخرت میں ہدایت کی تبلیغ پر اجر و ثواب ہوگا ﴿ وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اور جو کھلی گمراہی میں
ہے یعنی وہ مشرکین کو بھی خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہیں اور وہ ان کے اس عذاب کو بھی خوب جانتا ہے جس کے وہ

آخرت میں لوٹنے کے بعد مستحق ہوں گے [''مَنْ'' پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی ''یَعْلَمُ'' کی وجہ سے]۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کے پروردگار کی رحمت کے بغیر آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی' سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں O اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ پر نازل کی گئیں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف (لوگوں کو) بلائیں اور آپ مشرکین میں سے نہ بنیں O اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کیجئے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' حکم اسی کے لیے ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۸۶- ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی رحمت کے بغیر یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا جائے۔ ''یُلْقٰی'' بہ معنی ''یُوْحٰی'' ہے ''اَلْکِتَاب'' سے قرآن مجید مراد ہے اور ''اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ'' معنی پر محمول ہے یعنی یہ کتاب قرآن مجید محض آپ کے پروردگار کی رحمت سے آپ پر نازل کی گئی ہے یا ''اِلَّا'' بہ معنی ''لٰکِن'' ہے اور یہ استدراک کے لیے ہے یعنی لیکن آپ کے پروردگار کی طرف سے محض رحمت و کرم نوازی کرنے کے لیے آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے۔ ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ سو آپ کافروں کے مددگار ہرگز نہ بنیں (یعنی) ان کے لیے ان کے دین پر مددگار نہ بنیں۔

۸۷- ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ روک سکیں۔ یہ فعل جمع ہے یعنی یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن مجید پر عمل کرنے سے نہ روک سکیں ﴿بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ﴾ اس کے بعد کہ آپ پر آیات مبارکہ نازل کی گئیں یعنی ان کے نزول کے وقت کے بعد [''اِذْ'' کی طرف اسمائے زمان مضاف ہوتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''حِیْنَئِذٍ'' اور ''یَوْمَئِذٍ''] ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف (لوگوں کو) بلائیے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

۸۸- ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب بہ ظاہر نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن اس سے آپ کا دین قبول کرنے والے مسلمان مراد ہیں اور اس لیے کہ عصمت نہی کو نہیں روکتی اور ''اٰخَرَ'' پر وقف کرنا ضروری اور لازمی ہے کیونکہ وصل کے ساتھ پڑھا جائے گا تو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ''، ''اِلٰهًا اٰخَرَ'' کی صفت ہوگا اور اس صورت میں معنی فاسد ہو جائے گا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ اس کی ذات اقدس کے ماسوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے یعنی مگر اس کے سوا' اور ''وَجْهٌ'' سے ذات بھی مراد لی جاتی ہے اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا کہ اس سے علمائے دین کا علم مراد ہے جب کہ اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی رضا کا ارادہ کیا جائے ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اس کی مخلوق میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [یعقوب کی قراءت میں "تا" مفتوح اور جیم مکسور ہے]۔

| آیاتہا ۶۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتہا ۷ |
|---|---|---|

سورۃ العنکبوت مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی انہتر آیات' سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ
حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا
لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا
يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝

الم○ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا○ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو خوب آزمایا تھا' سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ممتاز فرمائے گا جنہوں نے سچ بولا اور وہ جھوٹوں کو ضرور ظاہر فرمائے گا○ جو لوگ بُرائیاں کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے' بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں○ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے○ اور جس شخص نے جہاد کیا تو بے شک وہ صرف اپنی ذات کے لیے جہاد کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم ضرور ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں گے اور ہم ضرور انہیں اس سے بہتر بدلا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے○

## دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے مسلمانوں کو آزمائش سے گزارنے کا بیان

۱-۲- ﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ انہیں اتنی بات کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ ["حسبان" کا معنی ہے کہ دو نقیضوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا جیسے ظن ہے' بہ خلاف شک کے کہ اس کی دونوں نقیضوں کے درمیان توقف ہوتا ہے اور علم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر یقین ہو اور ان دونوں ("علم وحسبان") کو مفردات کے معانی کے ساتھ معلق

کرنا صحیح نہیں ہے لیکن جملوں کے مضامین کے ساتھ درست ہے لہٰذا اگر "حَسِبْتُ زَیْدًا" اور "ظَنَنْتُ الْفَرَسَ" کہا جائے گا تو اس کا مطلب کچھ نہیں ہوگا' یہاں تک کہ "حَسِبْتُ زَیْدًا عَالِمًا" اور "ظَنَنْتُ الْفَرَسَ جَوَّادًا" کہا جائے کیونکہ "زَیْدٌ عَالِمٌ" اور "اَلْفَرَسُ جَوَّادٌ" ایسا کلام ہے جو مضمون پر دلالت کرتا ہے' سو جب اس مضمون کے بارے میں خبر دینے کا ارادہ کیا جائے گا جو متکلم کے نزدیک بہ طور ظن (گمان) ثابت ہے بہ طور یقین نہیں تو پھر جملہ کے دو مفعولوں پر "حسبان" کو داخل کیا جائے گا تا کہ متکلم کی غرض پوری ہو جائے اور جو کلام مضمون پر دلالت کرتا ہے" حسبان" یہاں اسی کا تقاضا کرتا ہے اور وہ ("اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ") ہے اور یہ اس لیے کہ اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اَحَسِبُوْا تَرْکَهُمْ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ لِقَوْلِهِمْ اٰمَنَّا" پس ترک" حَسِبَ" کے دو مفعولوں میں سے پہلا مفعول ہے اور "لقولھم آمنا" یہ خبر ہے لیکن رہا "غیر مفتونین" تو یہ ترک کا تتمہ ہے کیونکہ یہ ترک میں سے ہے جو بہ معنی تصییر ہے جیسا کہ عنترہ کا قول ہے: "فَتَرَکْتُهٗ جَزَرَ السِّبَاعِ یَنُشْنَهٗ" سو میں نے اس کو درندوں کی خوراک کے لیے چھوڑ دیا تا کہ وہ اس کی کھال ادھیڑ کر اس کا گوشت نوچ کر کھا جائیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ "حسبان" کے لانے سے پہلے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ "تَرْکُهُمْ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ لِقَوْلِهِمْ اٰمَنَّا" لام سے پہلے "حَاصِلٌ" اور "مُسْتَقِرٌّ" مقدر ماننے پر اور یہ ہمزہ استفہام زجر و توبیخ اور انتباہ کے لیے ہے] "وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ" میں "فِتْنَةٌ" کا مطلب و معنی یہ ہے کہ اپنے وطنوں سے جدائی کی وجہ سے تکالیف و شدائد اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنا اور دیگر مشقت بھری عبادات بجالانا اور نفسانی خواہشات ترک کرنا اور فقر و قحط اور جانی و مالی مختلف اقسام کے مصائب و آلام برداشت کرنا اور کفار کی ایذاؤں اور ان کی فریب کاریوں پر صبر کا امتحان دینا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ان لوگوں کی تسلی کے لیے نازل کی گئی جو مشرکین کی ایذاؤں اور تکلیفوں کی وجہ سے گھبرا کر بہت پریشان ہو گئے تھے یا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل کی گئی تھی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید پرستی میں کفارِ مکہ کی طرف سے سخت ترین تکلیفیں اور سزائیں دی جاتی تھیں۔

۳- ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا﴾ اور بے شک ہم نے امتحان لیا یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا' اور یہ "اَحَسِبَ" کے ساتھ متصل ہے یا "لَا یُفْتَنُوْنَ" کے ساتھ متصل ہے ﴿الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے' مختلف آزمائشوں کے ساتھ آزمایا گیا' سو ان میں سے بعض وہ لوگ تھے' جن کے سروں پر آرے رکھ کر ان کو چیر دیا گیا اور ان کے جسموں کے دو دو ٹکڑے کر دیئے گئے' لیکن یہ سختیاں انہیں ان کے دین سے نہ پھیر سکیں اور ان میں سے بعض وہ لوگ تھے جن کے جسموں میں لوہے کی تیز دھار دار کنگھیاں چبھو کر ان کے جسموں کو پرزے پرزے کر دیا گیا لیکن یہ تکلیفیں انہیں ان کے دین سے نہ پھیر سکیں ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا﴾ سو اللہ تعالیٰ امتحان و آزمائش کے ذریعے ان لوگوں کو ضرور ممتاز کرے گا جو ایمان میں سچے نکلے ﴿وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ایمان میں جھوٹوں کو ضرور ظاہر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم کا معنی یہ ہے کہ وہ ازل سے ہمیشہ ہر چیز کو جانتا ہے یہاں تک کہ اس کے وجود کے وقت وہ جانتا ہے کہ یہ چیز موجود ہے جیسا کہ اس کے وجود سے پہلے اسے جانتا تھا کہ یہ چیز موجود ہوگی اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے سچوں کو جھوٹوں سے ضرور ممتاز کرے گا۔ حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ خوشحالی اور مصیبت کے اوقات میں بندے کا سچ اس کے جھوٹ سے ظاہر ہو جاتا ہے' سو جو شخص خوشحالی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت کے دنوں میں صبر کرتا ہے تو وہ شخص سچوں میں سے ہے اور جو شخص خوشحالی کے دنوں میں اتراتا اور تکبر و غرور کرتا ہے اور مصیبت کے دنوں میں گھبرا کر جزع فزع کرتا ہے اور بے صبری کا

مظاہرہ کر کے شکوہ و شکایت کرتا ہے تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ہے۔

٤۔﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ﴾ جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے ﴿ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ﴾ کہ وہ ہم سے سبقت کر جائیں گے یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نکل جائیں گے' مقصد یہ ہے کہ بے شک سزا انہیں ہر حال میں ضرور ملے گی [''ان'' کے صلہ کا مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہونا دو مفعولوں کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ'' (البقرہ:۲۱۴) ''کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم (بغیر امتحان کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ''حَسِبَ'' بہ معنیٰ ''قَدَّرَ'' ہو اور ''اَمْ'' منقطعہ ہو اور اس میں انتقال کا معنیٰ ہو (یعنی ''اَمْ'' بہ معنیٰ ''بَلْ'' ہے) اور مطلب یہ ہے کہ) بے شک یہ گمان پہلے گمان سے زیادہ باطل ولغو ہے' اس لیے کہ اس (پہلے) میں یہ فرض کر لیا گیا کہ ایمان لانے کی وجہ سے کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا اور یہاں یہ گمان کر لیا گیا ہے کہ برائیوں اور گناہوں پر سزا نہیں ہوگی اور مفسرین کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پہلی آیت مبارکہ مسلمانوں کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ کافروں کے بارے میں نازل کی گئی ہے (کیونکہ ان کا گمان تھا کہ نہ قیامت قائم ہوگی اور نہ کفر و شرک اور گناہوں پر سزا ہوگی) ﴿ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴾ کتنا بُرا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں [''مَا'' محلًّا اس بناء پر مرفوع ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: ''سَآءَ الْحُكْمُ حُكْمُهُمْ'' کہ ان کا فیصلہ بہت بُرا فیصلہ ہے یا یہ اس بناء پر منصوب ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: ''سَآءَ حُكْمًا یَحْكُمُوْنَ'' اور مخصوص بالذم محذوف ہے ''اَیْ بِئْسَ حُكْمًا یَحْكُمُوْنَهٗ حُكْمُهُمْ هٰذَا'' یعنی بہت بُرا فیصلہ ہے جس کا یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں ان کا یہ فیصلہ]۔

٥۔﴿ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ ﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے یعنی جو شخص اس کے ثواب کی امید رکھتا ہے یا اس کے حساب سے ڈرتا ہے' پس ''رجآء'' ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے ﴿ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ﴾ تو بے شک ثواب و عذاب کے لیے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور ہر حال میں آنے والا ہے' سو جو شخص اپنی اس امید کی تصدیق کرتا ہے اور اپنی آرزو کو ثابت کرنا چاہتا ہے وہ نیک عمل میں جلدی کرے ﴿ وَهُوَ السَّمِیْعُ ﴾ اور وہ ان تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے' جو اس کے بندے بولتے رہتے ہیں ﴿ الْعَلِیْمُ ﴾ وہ ان تمام اعمال و افعال کو خوب جاننے والا ہے' جو اس کے بندے کرتے رہتے ہیں' سو اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ [علامہ زجاج نے کہا کہ ''مَنْ'' شرط کے لیے ہے اور ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور شرط کا جواب ''فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ'' ہے جیسے یہ قول ہے کہ ''اِنْ كَانَ زَیْدٌ فِی الدَّارِ فَقَدْ صَدَقَ الْوَعْدُ'' اگر زید گھر میں ہے تو وعدہ یقیناً سچا ہے]۔

٦۔﴿ وَمَنْ جَاهَدَ ﴾ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے پر صبر کر کے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا یا شیطان کے ساتھ اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لیے جہاد کیا یا کفار کے ساتھ جہاد کیا ﴿ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ﴾ تو بلا شبہ وہ شخص صرف اپنی ذات کے لیے جہاد کرتا ہے کیونکہ اس جہاد کا فائدہ اور نفع اسی کی ذات کی طرف لوٹتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے اور اطاعت و عبادت اور ان کے مجاہدہ سے بے نیاز ہے' اسے کسی کی پروا نہیں ہے۔ بے شک اس نے صرف اپنے بندوں پر رحم و کرم کرنے کے لیے انہیں بھلائی کا حکم دیا اور بُرائی سے منع کیا۔

٧۔﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم ضرور ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں گے یعنی کفر و شرک کو ایمان کی وجہ سے اور گناہوں کو توبہ

کرنے کی وجہ سے مٹا دیا جائے گا ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور البتہ ہم ان کو اس سے بہتر بدلا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے یعنی ہم انہیں ان کے اعمال پر اسلام میں سب سے بہتر بدلا دیں گے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِيْنَ ۝٩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ
نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ
الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝١١

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دے کر کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان دونوں کی تو اطاعت نہ کر' تم سب نے میری ہی طرف واپس لوٹ کر آنا ہے' سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم انہیں نیک لوگوں میں ضرور داخل کریں گے ○ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف دی گئی تو انہوں نے لوگوں کے فتنہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر قرار دے دیا' اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد آ جائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں' اور کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جو کچھ جہان بھر کے دلوں میں ہے ○ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ ضرور منافقوں کو ظاہر کر کے رہے گا ○

٨- ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ خیر و بھلائی اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اور ''وَصّٰی'' کا حکم اپنے معنی میں اور اپنے استعمال میں ''امر'' کے حکم کی طرح ہے' کہا جاتا ہے: ''وَصَّيْتُ زَيْدًا بِاَنْ يَّفْعَلَ خَيْرًا'' کہ میں نے زید کو وصیت کی (یعنی حکم دیا) کہ وہ نیک کام کرے جس طرح تم کہتے ہو: ''اَمَرْتُهٗ بِاَنْ يَّـفْعَلَ خَيْرًا'' کہ میں نے اس کو حکم دیا کہ وہ بھلائی کا کام کرے اور اسی میں سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ'' (البقرہ: ١٣٢) ''اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اس کی تاکید کی'' یعنی حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کلمۂ توحید کی وصیت کی اور آپ نے ان کو اسی کلمۂ توحید پر قائم رہنے کا حکم دیا اور تمہارے قول ''وَصَّيْتُ زَيْدًا بِعَمْرٍو'' کا معنی ہے کہ میں نے زید کو عمرو کے خیال رکھنے اور اس کی رعایت کرنے کی وصیت کی ہے اور ''وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا'' کا معنی بھی یہی ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی یا اپنے والدین کے ساتھ خیر و بھلائی کرنے کی تاکید کی یعنی نیک کام یا وہ کام جو اپنی ذات میں اچھائی کی کثرت کے اعتبار سے خوب اچھا ہو' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' (البقرہ: ٨٣) ''اور تم لوگوں سے اچھی بات کہو'' [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''حُسْنًا'' کو تمہارے

قول: ''زیدًا'' کے باب سے قرار دیا جائے' یہ اس وقت بولو جب تم کسی مارنے والے کو دیکھو کہ وہ مارنے کے لیے تیار ہے تو تم ''اِضْرِبْ'' فعل امر کو پوشیدہ کر کے صرف کہہ دو: ''زَیْدًا'' یعنی ''اِضْرِبْ زَیْدًا'' زید کو مارو' سو اسی طرح ''حُسْنًا'' سے پہلے فعل پوشیدہ قرار دے کر ''حُسْنًا'' کو منصوب پڑھو یعنی تم اپنے ماں باپ دونوں کو خیر و بھلائی پہنچاؤ یا ان دونوں کے ساتھ نیک سلوک کرو کیونکہ ان دونوں کے لیے وصیت کرنا' نیک سلوک کرنے کی دلیل ہے' اس کا مابعد اس کے موافق ہوگا' گویا فرمایا کہ ہم نے انسان کو حکم فرما دیا ہے کہ ان دونوں کو خیر و بھلائی پہنچا اور شرک کے بارے میں ان کی اطاعت نہ کر' جب وہ دونوں تمہیں شرک پر مجبور کریں اور اس تفسیر کی بناء پر اگر ''بِوَالِدَیْهِ'' پر وقف کیا جائے اور ''حُسْنًا'' سے ابتداء کی جائے تو یہ وقف بہتر ہوگا اور پہلی تفسیر کی بناء پر قول کو پوشیدہ قرار دینا لازم و ضروری ہے' اس کا معنی ہوگا: ''وَقُلْنَا'' ] ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور ہم نے فرمایا کہ اے انسان! اگر تجھ سے وہ دونوں جھگڑا کریں اور تجھ پر زور دے کر کوشش کریں تاکہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے دے' جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں یعنی تجھے اس کے معبود ہونے کے بارے میں کچھ علم نہیں' اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے' گویا فرمایا کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرا دے' جس کا معبود ہونا صحیح نہیں ہے ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پس تو ان دونوں کی اطاعت نہ کر اور اس معاملہ میں ان کی بات نہ مان کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ﴿اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ تم سب نے میری طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی) تم میں سے جو ایمان لایا ہے وہ بھی اور جس نے شرک کیا ہے' اس نے بھی میرے پاس آنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا' جو تم اعمال کرتے تھے اور میں تمہیں بدلا دوں گا جیسا کہ بدلا دینے کا حق ہے اور مرجع اور وعید کا ذکر کر کے شرک پر ماں باپ کی پیروی کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور دین کے معاملے میں ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ جب انہوں نے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے منت مانی کہ اس وقت تک نہ کچھ کھائے گی اور نہ کچھ پئے گی' جب تک اس کے یہ بیٹے حضرت سعد اسلام چھوڑ کر واپس کفر کی طرف نہیں لوٹ جاتے۔ حضرت سعد نے یہ بات سن کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ اور سورۂ لقمان کی (آیت: ۱۴) اور سورتِ احقاف کی (آیت: ۱۵) نازل ہوئی تھیں۔

۹- ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر درج ذیل ہے:] ﴿لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ﴾ تو البتہ ہم ضرور ان کو نیک بندوں کی جماعت داخل کریں گے اور نیک ہونا مؤمنوں کی صفات میں سے اعلیٰ ترین صفت ہے اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمنا اور آرزو تھی' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: ''وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ'' (النمل: ۱۹) ''اور آپ اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما''۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' (یوسف: ۱۰۱) ''میرے پروردگار! مجھے مسلمان رکھ کر موت دے اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما''۔ یا مجھے نیک لوگوں کے مدخل میں شامل فرما اور وہ جنت ہے۔

۱۰- اور یہ آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں' پھر جب انہیں یعنی منافقین کو اللہ تعالیٰ

کی راہ میں تکلیفیں دی جاتی ہیں یعنی جب انہیں کفار کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی ہیں تو ﴿ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ﴾ وہ لوگوں کے فتنہ (اذیت و تکلیف) کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی وہ کفار کی تکلیفوں سے اس طرح گھبراتے ہیں' جس طرح کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے گھبرانا اور پریشان ہوتا ہے ﴿ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ﴾ اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد آجاتی ہے تو یہ لوگ ضرور کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی مدد کرتا ہے اور فتح و غلبہ عطا فرما کر انہیں اموالِ غنیمت عطا کرتا ہے تو پھر یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی ہم تمہارے دین میں تمہارے پیروکار ہیں اور ہم دین پر اسی طرح ثابت قدم ہیں' جس طرح تم دین پر ثابت قدم ہو' لہٰذا غنیمت کے مالوں میں سے ہمارا حصہ ہمیں عطا کرو ﴿ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو خوب سے خوب تر نہیں جانتا' جو جہاں بھر کے دلوں میں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جہان بھر کے دلوں کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے (یعنی) تمام جہان والوں میں سے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اور منافقوں کے دلوں میں جو نفاق ہے' وہ بھی اور جو مؤمنوں کے دلوں میں اخلاص ہے وہ بھی اسی میں سے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد میں مؤمنوں سے وعدہ فرمایا ہے اور منافقوں کو ڈرایا ہے:

۱۱- ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کر دے گا یعنی ان دونوں کا حال اس کے پاس ظاہر و عیاں ہے' جو ان دونوں پر جزائے خیر اور سزا مرتب کرنے کا مالک ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع

اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا: تم ہمارے راستے پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہیں اٹھائیں گے' بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور البتہ وہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے' اور قیامت کے دن ان سے ان چیزوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا جو وہ بہتان تراشی کرتے تھے O

۱۲- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے۔ کفار نے مسلمانوں کو اپنے راستے پر چلنے کا حکم دیا اور یہ ان کا وہ راستہ ہے جس پر وہ اپنے دین کے معاملے میں قائم تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو ان کے گناہوں کو اٹھانے کا حکم دیا [سو اس لیے فعل امر کا فعل امر پر عطف کیا گیا] اور انہوں نے چاہا کہ یہ دونوں چیزیں اکٹھی حاصل ہو جائیں: (۱) یہ کہ تم ہماری راہ کی پیروی کرو (۲) اور یہ کہ ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے' اور معنی اور مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے اٹھانے کو پیروی کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے یعنی اگر تم ہماری راہ پر چلو گے تو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے اور یہ بات قریشِ مکہ کے سرداروں نے

کہی تھی اور ان میں سے جو شخص ایمان لے آتا اور مسلمان ہو جاتا تو یہ لوگ اس سے یہی بات کہتے کہ مرنے کے بعد نہ ہم زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نہ تم اٹھائے جاؤ گے؛ پھر اگر ایسا ہو گیا تو ہم تمہارے گناہوں کو اپنے ذمہ اٹھالیں گے ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات زبان سے تو کہہ دی لیکن ان کے دل اس کے خلاف ہیں جیسے جھوٹے لوگ جو کسی چیز کا وعدہ تو کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اس وعدہ کے خلاف نیت ہوتی ہے۔

۱۳- ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ﴾ اور وہ البتہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے؛ یعنی اپنے نفسوں کے بوجھوں کو ضرور اٹھائیں گے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے کفر و شرک کے سبب اپنے گناہوں کے بوجھ خود اٹھائیں گے ﴿وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ اور وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں یعنی وہ ان گناہوں کے علاوہ جن کے اٹھانے کے لیے مسلمانوں کے ضامن بنے تھے دوسروں کے بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے اور یہ ان لوگوں کے بوجھ ہوں گے جن کی گمراہی کا یہ سبب بنے تھے اور یہ اس طرح ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ '' (النحل: ۲۵) ''تاکہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنے گناہوں کے بوجھ بھی مکمل طور پر اٹھائیں اور ان لوگوں کے گناہوں کو بھی جن کو نادانی میں گمراہ کرتے رہے'' ﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن ان سے ان باتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا' جو وہ بہتان تراشیاں کرتے تھے (یعنی) وہ لوگ جو جھوٹی اور باطل باتیں گھڑتے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ اس میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے' پھر انہیں طوفان نے پکڑ لیا اور وہ ظالم تھے ○ سو ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی اور ہم نے ان کو تمام جہان والوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا ○ اور ابراہیم کو (ہم نے بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور تم جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے کچھ مالک نہیں' سو تم اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

## حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے تبلیغی کارناموں اور قوموں کے ردّعمل کا بیان

١٤- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ اور البتہ بے شک ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام کی کل عمر مبارک ایک ہزار پچاس سال تھی اور آپ کو چالیس سال مکمل ہونے پر منصب نبوت پر فائز کر کے قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ اپنی قوم میں نوسو پچاس سال تبلیغ کرتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اور حضرت وہب نے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام چودہ سو سال زندہ رہے' پھر ان سے ملک الموت نے کہا: اے انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ عمر پانے والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ حضرت نوح نے فرمایا: جیسے ایک ایسا گھر جس کے دو دروازے ہیں' ایک دروازہ میں داخل ہوا ہوں اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے ''تِسْعَةً وَّخَمْسِيْنَ سَنَةً'' (ساڑھے نوسو سال) نہیں فرمایا کیونکہ اگر اس طرح کہا جاتا تو ممکن تھا کہ یہ وہم کیا جاتا کہ اس تعداد کا اطلاق ان کی اکثر مدت پر کیا گیا اور یہاں یہ وہم زائل ہو گیا ہے' پس گویا فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پورے کامل نوسو پچاس سال اپنی قوم میں تبلیغ کرتے رہے' مگر وہ مختصر ہے اور الفاظ کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہے اور فائدے سے بھرپور ہے اور اس لیے کہ یہ قصہ ان تکلیفوں کے ذکر کے لیے چلایا گیا ہے' جن کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی امت کی طرف سے مبتلا کیا گیا اور طویل زمانہ تک ان تکلیفوں پر صبر کرنے میں ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے' سو ہزار (الف) کے ذکر کرنے میں زیادہ تعظیم ہے اور غرض کے زیادہ قریب ہے اور پہلے تمیز کو'' سنة'' کے ساتھ پھر ''عاما'' کے ساتھ لایا گیا کیونکہ ایک کلام میں ایک لفظ کے تکرار سے علم بلاغت میں بچنا ضروری ہے ﴿فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ﴾ پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا۔ طوفان وہ ہوتا ہے جو کثرت اور غلبہ کی بناء پر ہر طرف سے احاطہ کر لے اور گھیر لے' جیسے سیلاب کا پانی یا رات کی تاریکی یا ان دونوں کی طرح کوئی چیز ﴿وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ اور وہ کفر و شرک کے سبب اپنے نفسوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔

١٥- ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ﴾ سو ہم نے اسے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات بخشی ﴿وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾ اور کشتی والوں کو اور وہ کل اٹھہتر (٧٨) افراد تھے اور ان میں نصف مرد حضرات تھے اور نصف خواتین تھیں' انہیں میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سام' حام اور یافث اور ان کی بیویاں تھیں ﴿وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً﴾ اور ہم نے اس کو یعنی کشتی کو یا اس حادثہ کو یا اس قصہ کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ایک نشانی بنا دیا ﴿لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہان والوں کے لیے تاکہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

١٦- ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ﴾ اور (اے محبوب!) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کیجئے جب اس نے فرمایا[''اِبْرَاهِيْمَ'' ''اُذْكُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اِذْ قَالَ'' اس سے بدل اشتمال کے طور پر بدل بنایا گیا ہے کیونکہ اوقات اس پر مشتمل ہوتے ہیں جو کچھ ان میں وقوع پذیر ہوتا ہے یا ''نُوْحًا'' (العنکبوت:١٤) پر معطوف ہے یعنی ''وَاَرْسَلْنَا اِبْرَاهِيْمَ'' اور ہم نے حضرت ابراہیم کو بھیجا اور ''اِذْ''، ''اَرْسَلْنَا'' کا ظرف ہے یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو اس وقت بھیجا جب وہ عمر اور علم میں اس معیار کو پہنچ گئے' جس کی بناء پر ان میں یہ صلاحیت و استعداد پیدا ہو گئی کہ آپ اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کریں اور ان کو عبادت و تقویٰ کا حکم دیں اور حضرت امام ابراہیم نخعی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ''وَاِبْرَاهِيْمُ'' پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس کا معنی ہے:](وَ) مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اِبْرَاهِيْمُ اِذْ قَالَ) ﴿لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

اور رسولوں میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں' جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' یہ تمہارے لیے کفر وشرک سے بہتر ہے ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ اگر تم جانتے ہو (یعنی) اگر تمہیں اس کا علم ہے جو تمہارے لیے بہتر ہے اور جو تمہارے لیے بُرا ہے۔

۱۷- ﴿ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ﴾ بے شک تم اللہ کے سوا صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ ''اَوۡثَانًا'' بہ معنیٰ ''اَصۡنَامًا'' ہے ﴿ وَّتَخۡلُقُوۡنَ ﴾ اور تم جھوٹ بولتے ہو یا تم باتیں گھڑتے ہو' اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سلمی رحمہما اللہ نے ''وَتُخَلِّقُوۡنَ'' پڑھا ہے' یہ ''خَلَّقَ'' (باب تفعیل) سے ہے اور اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ باتیں بنانا یا بہت زیادہ باتیں گھڑنا ﴿ اِفۡكًا ﴾ جھوٹ اور افتراء' اور اس کو ''اَفِكًا'' (ہمزہ پر زبر اور ''فَا'' کے نیچے زیر) پڑھا گیا ہے جیسے ''كَذِبٌ'' اور ''لَعِبٌ'' ہے اور ''اِفۡكٌ'' اس کا مخفف ہے جیسے ''كِذۡبٌ'' اور ''لِعۡبٌ'' اپنی اصل سے مخفف ہیں اور ان کا جھوٹ و افترا باندھنا یہی تھا کہ انہوں نے اپنے بتوں کو معبود اور اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا تھا ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو' وہ تمہارے لیے رزق کے کچھ مالک نہیں ہیں (یعنی) وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار اور قدرت نہیں رکھتے ﴿ فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ ﴾ سو تم سارا رزق اللہ تعالیٰ کے پاس طلب کرو کیونکہ وہی اکیلا رزق دینے والا ہے' اس کے علاوہ کوئی رزق نہیں دے سکتا ﴿ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ اور تم اسی کی عبادت کرو اور تم اسی کے لیے شکر ادا کرو' سو تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کر کے اور اس کی عبادت کر کے اس کی ملاقات کے لیے تیاری کرو [ قاری یعقوب کی قراءت میں ''تَا'' مفتوح اور جیم مکسور کے ساتھ ''تَرۡجِعُوۡنَ'' (فعل مضارع معروف) ہے ]۔

وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ
الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ
اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ
مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ
وَلَا فِى السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۱۴

اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو بے شک تم سے پہلے بہت سی امتیں جھٹلا چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ نہیں مگر واضح طور پر پہنچا دینا O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو' پھر غور سے دیکھو کہ اس نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس پر رحم کر دیتا ہے' اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے O اور تم (اللہ تعالیٰ

کو) نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے O

۱۸- ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو بے شک تم سے پہلے بہت سی امتیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا یعنی اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو تمہاری تکذیب (جھٹلانے) سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور تم اپنی تکذیب سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا اور وہ پیغمبروں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے بلکہ انہوں نے اپنا نقصان کیا کہ پیغمبروں کے جھٹلانے کے سبب ان پر عذاب نازل کیا گیا لیکن رہے رسول تو ان کا کام مکمل ہو گیا کہ انہوں نے احکام الٰہی کا پیغام صاف پہنچا دیا' جس کی وجہ سے شک زائل ہو گیا کیونکہ ان کا پیغام اللہ تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ اور اپنے معجزات سے مقترن و مؤید ہوتا ہے یعنی اگر تمہاری طرف سے مجھے جھٹلایا گیا تو میرے لیے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں نمونہ موجود ہے کہ انہیں بھی جھٹلایا گیا اور رسول کے ذمہ صرف پیغام الٰہی من وعن صاف صاف پہنچانا ہے اور بس اور اس پر یہ لازم نہیں کہ ہر حال میں اس کی تصدیق کی جائے اور اسے جھٹلایا نہ جائے اور یہ آیت اور اس کے بعد والی آیات ''فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ'' تک دو احتمال رکھتی ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجموعۂ کلام میں سے ایک کلام یہ ہے جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے بیان فرمایا اور آپ سے پہلے امتوں سے مراد حضرت شیث' حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام وغیرہم کی قومیں مراد ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آیاتِ مبارکہ جملہ معترضہ کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے اوّل اور آخر کے درمیان میں قریشِ مکہ اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہیں' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ معترضہ جملوں کے لیے ضروری ہے کہ جس کلام کے درمیان میں حائل ہوا' اس کے ساتھ اتصال و ربط ہو' چنانچہ ''مَكَّةُ وَزَيْدٌ قَائِمٌ خَيْرُ بِلَادِ اللّٰهِ'' کہنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے' یہاں بھی ربط اور تعلق موجود ہے' جس کا بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو لانے کا مقصد یہی ہے کہ کفارِ مکہ کی تکذیب کی وجہ سے پہنچنے والے غم اور دکھ کو رسول اللہ ﷺ سے دور کیا جائے اور آپ کو تسلی و تشفی دی جائے کہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے اسی طرح رنج و غم اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا تھا' جس طرح آپ کو اپنی قوم کے شرک اور ان کی بتوں کی پرستش کی وجہ سے رنج و غم اور دُکھ میں مبتلا کیا گیا ہے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کے درمیان ارشاد فرمایا کہ ''وَاِنْ تُكَذِّبُوْا'' اس کا معنی یہ ہے کہ اے قریش کی جماعت! بے شک تم اگر (حضرت) محمد (ﷺ) کو جھٹلاؤ گے تو بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم جھٹلا چکی ہے اور ہر امت نے اپنے نبی کو جھٹلایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ'' لازمی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کو بھی شامل ہے' اسی طرح جملہ معترضہ کا ربط و تعلق قائم ہو جاتا ہے' پھر باقی بعد میں آنے والی آیات اس کے توابع میں سے ہیں کیونکہ یہ تمام آیاتِ مبارکہ توحید اور اس کے دلائل بیان کرنے والی اور شرک کو مٹانے والی اور اس کی بنیادیں کمزور کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صفت اور اس کی بادشاہی کی صفت بیان کرنے والی اور اس کی حجت و برہان کو واضح کرنے والی ہیں۔

۱۹- ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''اَوَلَمْ تَرَوْا'' (اور کیا تم نے نہیں دیکھا) ہے] ﴿كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ پیدائش کی ابتداء کس طرح کرتا ہے یعنی بے شک انہوں نے اسے دیکھا ہے اور انہوں نے اس کو جان لیا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ پیدا

کرے گا[اور یہ ''یُبْدِئُ'' پر معطوف نہیں کیونکہ رؤیت کا وقوع اس پر نہیں ہوا' اور اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد خلق کا دوبارہ اعادہ فرمائے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' (العنکبوت: ۲۰) '' سو تم غور سے دیکھو کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ نئے سرے سے پیدا فرمائے گا''۔ میں ''نظر'' پیدائش کی ابتداء پر واقع ہوئی ہے ''انشاء'' پر نہیں بلکہ وہ پورے جملہ ''اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ الْخَلْقَ'' پر معطوف ہے ] ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ یعنی مرنے کے بعد خلق کا دوبارہ پیدا کرنا ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان ہے۔ ''یسیر'' بہ معنیٰ ''سَهْلٌ'' ہے۔

۲۰- ﴿قُلْ﴾ اے (پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فرما دیجئے اور اگر یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں سے ہے تو اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اَنْ قُلْ'' اور ہم نے حضرت ابراہیم کی طرف خفیہ پیغام بھیجا کہ فرما دو: ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' اس کے باوجود کہ مخلوق بہت زیادہ ہے اور ان کے احوال بھی مختلف ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی فطرت وقدرت کے عجائبات کو مشاہدہ کے ساتھ پہچان لو اور ''بَدَاَ'' اور ''اَبْدَا'' دونوں کا ایک معنی ہے ﴿ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ دوسری دفعہ پیدا فرمائے گا یعنی مرنے کے بعد اٹھائے گا [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''النشاۃ'' میں شین کو فتح کی حرکت دینے کے بعد مدّ کے ساتھ پڑھا گیا ہے ] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تخلیقیں دو ہیں اور ان میں سے ہر ایک الگ تخلیق ہے یعنی ابتداء اور اختراع اور وہ یہ کہ عدم سے وجود میں لانا یعنی معدوم کو موجود کرنا اور نئی چیز بنانا مگر آخرت اور اعادہ یہ ہے کہ تخلیق کے بعد اسی طرح دوبارہ تخلیق کرنا اور پہلی تخلیق اس طرح نہیں ہوتی اور قیاس یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: ''كَيْفَ بَدَاَ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' لیکن ''كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' صرف اس لیے کہا گیا کہ کفارِ مکہ کے ساتھ یہ کلام اعادہ میں ہو رہا ہے کیونکہ یہ بات ان کے نزدیک مسلّم اور ثابت ہے کہ تمام کائنات کی پہلی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی وجہ سے ان پر یہ حجت قائم کی جا رہی ہے۔ پہلی تخلیق کی طرح مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی دوبارہ تخلیق کے ذریعے سب کو اٹھائے گا' یہی اعادہ ہے' پس جب اللہ تعالیٰ ابتداءً یعنی مرنے کے بعد دوسری تخلیق سے بھی عاجز نہیں ہے تو گویا فرمایا کہ پس یہ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے ساری کائنات کی پہلی تخلیق کی اور وہی مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کر کے اٹھائے گا' سو اسی معنی پر تنبیہ کرنے کے لیے ''ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ'' فرما کر اپنا اسم ظاہر فرمایا اور اس کو مبتدا میں واقع کیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۱- ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے ذلت و رسوائی کے ساتھ سزا دیتا ہے ﴿وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے اس پر ہدایت کے ساتھ رحم فرماتا ہے یا وہ حرص کے ساتھ سزا دیتا ہے اور قناعت کے ساتھ رحم فرماتا ہے یا وہ بد خلقی اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی اور بدعت کی پیروی کے ساتھ سزا دیتا ہے اور حسن خلق اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے اور سنت کی پیروی کرنے کے ساتھ رحم فرماتا ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ﴾ اور تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے (یعنی) تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۲- ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم اپنے پروردگار کو عاجز کرنے والے نہیں یعنی اگر تم بھاگ جاؤ تو تم اس کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بچ نہیں سکو گے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ وسیع وعریض زمین میں ﴿وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں جو اس سے زیادہ کشادہ اور زیادہ فراخ ہے' اگر تم اس میں ہوتے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا

تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہارے معاملات میں تعاون کرے ﴿وَّلَا نَصِیْرٍ﴾ اور نہ کوئی مددگار ہے جو تمہیں میرے عذاب سے بچا سکے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہی میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O سو اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو' سو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے نجات دے دی' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس (ابراہیم) نے فرمایا کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو (معبود) بنا لیا' دنیا کی زندگی میں اپنی باہمی دوستی کی وجہ سے' پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا' اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں O

۲۳- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا اور اس کی وحدانیت کے دلائل کا اور اس کی کتابوں اور اس کے معجزات کا انکار کیا ﴿اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ یہی لوگ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں (یعنی) یہی لوگ میری جنت سے محروم ہو چکے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۲۴- ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو اس کی قوم کا جواب نہیں تھا ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: اس کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں جلا دو (یعنی) انہوں نے ایک دوسرے سے کہا یا ان میں سے کسی ایک نے کہا اور باقی راضی تھے' سو اس لیے سب کہنے والوں کے حکم میں ہو گئے' پھر وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر متفق ہو گئے ﴿فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ﴾ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے نجات دے کر بچا لیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ جو کچھ نمرودیوں نے حضرت ابراہیم کو ہلاک کرنے کے لیے ان کے ساتھ کیا اور اس کے جواب میں ہم نے حضرت ابراہیم کو بچانے کے لیے ان کے ساتھ جو کچھ کیا' بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ضرور ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا' اس دن آگ سے کوئی شخص نفع اور فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا کیونکہ آگ کی تمام تر حرارت و گرمی اور جلانے کی صلاحیت زائل ہو گئی تھی اور آگ ٹھنڈی سلامتی والی بن گئی تھی۔

۲۵- ﴿وَقَالَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ بے شک تم نے دنیا کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی محبت کے سبب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو معبود بنالیا ہے [امام حفص اور حمزہ کی قراءت میں ''بَيْنِكُمْ'' کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر ''مَوَدَّةَ'' بغیر تنوین کے منصوب ہے اور نافع مدنی' ابن عامر شامی' حماد' یحییٰ اور خلف کی قراءت میں بغیر اضافت کے تنوین کے ساتھ منصوب (یعنی ''مَوَدَّةً'') ہے اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں اضافت کے ساتھ مرفوع (یعنی ''مَوَدَّةُ بَيْنِكُمْ'') ہے اور شمونی اور برجمی کی قراءت میں بغیر اضافت کے تنوین کے ساتھ مرفوع (مَوَدَّةٌ) ہے' سو دونوں وجوں پر نصب تعلیل کی وجہ سے ہے یعنی تا کہ تم بتوں کی پرستش وعبادت پر مجتمع اور متفق ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے باہمی محبت کرو اور ایک دوسرے سے باہمی تعلقات جوڑے رکھو' جیسا کہ لوگ مذہب پر متفق ہوتے ہیں' پس یہ ان کی باہمی محبت و دوستی کا سبب ہے اور یہ کہ یہ دوسرا مفعول ہے جیسے ''اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ'' (الفرقان:۴۳) ''اس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا''۔ اور ''مَا'' کافہ ہے ''اَيِ اتَّخَذْتُمُ الْاَوْثَانَ سَبَبَ الْمَوَدَّةِ بَيْنَكُمْ'' یعنی تم نے بتوں کو اپنے لیے باہمی محبت کا سبب بنالیا۔ اس صورت میں ''المودة'' کا مضاف سبب محذوف مقدر مانا جائے گا یا ''مَوَدَّةً'' بہ معنی اسم مفعول ''مودودة'' ہے یعنی تم نے بتوں کو اپنے درمیان محبوب بنالیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ'' (البقرہ:۱۶۵) ''اور لوگوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے شریکوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے''۔ اور رفع (پیش) کی صورت میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ ''اِنَّ'' کی خبر ہو اور ''مَا'' موصولہ ہو اور دوسرا یہ کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی اصل میں ''هِيَ مَوَدَّةُ بَيْنِكُمْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک بت تمہارے باہمی مشترکہ محبوب ہیں یا تمہاری باہمی محبت کا سبب ہیں اور جس نے ''مودة'' کو مضاف کیا ہے' اس نے ''بینکم'' کو اسم قرار دیا ہے ظرف نہیں' جیسے یہ ارشاد ہے: ''شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ'' (المائدہ:۱۰۶) اور جس نے ''مودة'' پر تنوین پڑھی ہے ''بینکم'' کو منصوب پڑھا ہے تو اس نے ظرف کی بناء پر کیا ہے] ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾ پھر قیامت کے دن تم میں سے بعض دوسرے بعض کے ساتھ کفر کرے گا اور بت اپنے عبادت کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے ﴿وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اور تمہارے بعض ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یعنی قیامت کے دن تمہارے درمیان ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا باہمی معاملہ کھڑا ہو جائے گا' پھر پیروکار قیادت کرنے والے سرداروں اور لیڈروں پر لعنت بھیجیں گے ﴿وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یعنی عابد و معبود اور تابع و متبوع سب کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور تمہارے لیے وہاں مددگاروں میں سے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وقف لازم

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

سو لوط (علیہ السلام) اس پر ایمان لائے اور اس نے فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بے شک وہ سب پر غالب ہے بڑی حکمت والا ہے O اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے

اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کر دی اور ہم نے اس کو اس کا اجر و ثواب دنیا میں دے دیا' اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے O

۲۶۔﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ﴾ سو اس پر یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے اور یہ حضرت ابراہیم کی ہمشیرہ کے بیٹے (یعنی حضرت ابراہیم کے بھانجے) تھے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے' جب انہوں نے آگ کو دیکھا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا ﴿ وَقَالَ ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ ﴾ بے شک میں کوثی سے حران کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں اور یہ کوثی کوفہ کی نواحی بستی ہے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حران سے فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے اور یہ شام کا صحرائی علاقہ ہے اور اسی وجہ سے مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کے لیے ایک ہجرت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دو ہجرتیں ہیں اور حضرت ابراہیم کی اس ہجرت میں حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ شریک سفر تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے شادی کی ہوئی تھی ﴿ اِلٰى رَبِّیْ ﴾ اپنے پروردگار کی طرف (یعنی) میرا رب تعالیٰ مجھے جس جگہ کی ہجرت کا حکم دے گا' اسی جگہ میں ہجرت کر جاؤں گا ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ بے شک وہ سب پر غالب ہے' وہی مجھے میرے دشمنوں سے بچائے گا ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ مجھے صرف اسی کا حکم دیتا ہے جس میں خیر و بھلائی ہوتی ہے۔

۲۷۔﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ﴾ اور ہم نے اسے اسحاق (یعنی) بیٹا عطا فرمایا ﴿ وَیَعْقُوْبَ ﴾ اور یعقوب بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا عطا فرمایا) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ان کی شہرت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا ﴿ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ ﴾ اور ہم نے ان کی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو رکھا ہے' پس بے شک وہ اس لیے جدّ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں ﴿ وَالْكِتٰبَ ﴾ اور کتاب رکھی' اور اس سے مطلق جنس کتاب مراد ہے یعنی تورات' انجیل' زبور اور قرآن مجید ﴿ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ ﴾ اور ہم نے اسے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجر و ثواب عطا فرمایا (یعنی) اچھی تعریف اور قیامت تک ان پر درود شریف اور تمام مذاہب کا ان سے محبت کرنا یا ان کی ضیافت کا ان کی قبر کے پاس جاری رہنا اور یہ ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ﴿ فِی الدُّنْیَا ﴾ دنیا میں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے ﴿ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے یعنی جنت والوں میں سے ہوں گے' یہی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ
نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ ع ۳ ۸ ۱۵
رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ

| |
|---|
| اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٚ |
| لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٚ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ |

اورلوط علیہ السلام (کو یاد کیجئے) جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے یہ کام جہان بھر کے لوگوں میں سے کسی نے نہیں کیاO کیا تم ضرور مردوں کے پاس آتے ہو اور تم راہ زنی کرتے ہو اور تم اپنی مجلس میں بُری باتیں کرتے ہو' سو اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہوO اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! فساد پھیلانے والی قوم کے خلاف میری مدد فرماO اور جب ہمارے فرشتے (حضرت) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے' تو انہوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں' بے شک اس کے باشندے بڑے ظالم ہیںO اس نے فرمایا: بے شک اس میں لوط (علیہ السلام) ہیں' انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی میں رہنے والوں کو خوب جاننے والے ہیں' ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے' وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہےO

## حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ اور نافرمان قوم کی ہلاکت کا بیان

۲۸-﴿ وَلُوْطًا ﴾ "اَیْ وَاذْكُرْ لُوْطًا" یعنی اور (اے محبوب! حضرت) لوط علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک تم ضرور بے حیائی کا کام کرتے ہو (یعنی) قباحت و برائی میں حد سے بڑھ کر بُرا اور حیا سوز کام اور وہ ہے: لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنا ﴿ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تم سے پہلے جہان بھر کے لوگوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جو اس کام کی بے حیائی وقباحت کی تاکید کے لیے ہے' گویا کہنے والے نے کہا کہ یہ بے حیائی کا کام کیونکر ہے؟ تو جواب میں کہا گیا کہ یہ اس لیے بے حیائی کا کام ہے کہ ان لوگوں سے پہلے دنیا بھر کے لوگوں میں سے کسی نے اس کام کی جرأت نہیں کی اور نہ کسی نے ایسا شرم ناک اقدام کیا۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ قومِ لوط سے پہلے کبھی کسی مرد نے کسی مرد کے ساتھ جفتی (یعنی بدفعلی) نہیں کی۔

۲۹-﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ﴾ کیا تم مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو اور تم لوگوں کا مال چھیننے اور انہیں قتل کرنے کے لیے راہ زنی کرتے ہو' جیسا کہ شاہراہوں اور بڑی بڑی سڑکوں پر ڈاکہ زنی کا عمل کرنے والے ڈاکو کرتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ لوگ بدفعلی کرنے کے لیے بڑی سڑکوں پر راہ گیروں کا تعاقب کرتے تھے ﴿ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ﴾ اور تم اپنی مجلس میں بُری بات کرنے آتے ہو۔ مجلس کو "نـــاد" اس وقت کہا جاتا ہے جب تک اس میں بیٹھنے والے موجود رہتے ہیں اور "منکر" کا مطلب ہے کہ آواز سے گوز مارنا یعنی زور سے ہوا خارج کرنا' جماع کی اور زناکاری کی باتیں کرنا' گالی دینا اور مذاق کرتے وقت بُری اور بے حیائی کی باتیں کرنا' کنکریاں مارنا' سرعام گوند چبانا اور انگلیوں کو کھینچ کر آوازیں نکالنا اور لوگوں کے اجتماع میں سب کے سامنے مسواک کرنا ﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ سو ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر لے آؤ' اگر تم سچوں میں سے ہو' اس وعدہ میں جو تم عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں ہم سے کرتے ہو [ابن عامر شامی اور حفص کی قراءت میں "اَئِنَّكُمْ" ہے اور یہ مصحفِ عثمانی میں موجود ہے اور امام حفص کے علاوہ

باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ہر ایک (یعنی ''اَاِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ'' اور ''اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ'') دو ہمزوں کے ساتھ ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ''آیِنَّکُمْ'' ہمزہ مدہ اور یا مکسورہ کے ساتھ ہے اور قالون کے علاوہ ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور زید کے علاوہ سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''اَیِنَّکُمْ'' ہمزہ مقصورہ اور ''یا'' مکسورہ کے ساتھ ہے]۔

۳۰- ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! فساد پھیلانے والی اس قوم پر عذاب نازل کر کے میری مدد فرما (یعنی) وہ لوگ جن گناہوں اور بے حیائی کے کاموں پر خود عمل پیرا تھے' دوسرے لوگوں کو بھی انہیں بُرے کاموں پر ترغیب دے کر اور اُبھار کر فساد پھیلاتے تھے۔

۳۱- ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ اور جب ہمارے فرشتے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے یعنی حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی ولادت کی خوشخبری لے کر آئے تو ﴿قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں [''مهلكوا'' کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ استقبال کے معنی میں ہے] اور ''قرية'' سے سدوم کا شہر مراد ہے' جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سدوم کے قاضی سے زیادہ ظالم تھی اور ''هذه القرية'' کے الفاظ نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ بستی یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کے قریب تھی' چنانچہ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ بستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقہ سے ایک دن اور ایک رات (پیدل چلنے کی) مسافت پر واقع تھی ﴿اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ﴾ بے شک اس کے رہنے والے بڑے ظالم تھے یعنی یہ ظلم ان کی طرف سے گزشتہ زمانہ میں مسلسل جاری رہا اور وہ اس پر اصرار کرتے تھے' اور ان کے ظلم سے کفر و شرک اور مختلف اقسام کے گناہ مراد ہیں۔

۳۲- ﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا﴾ بے شک اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام ہیں یعنی کیا تم اس کے بستی کے باشندوں کو ہلاک کر دو گے حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ظلم و ستم سے بَری اور پاک ہیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں (اور آپ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں) ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے یعنی فرشتوں نے کہا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا﴾ ہم ان لوگوں کو آپ سے زیادہ جاننے والے ہیں جو بستی میں رہائش پذیر ہیں ﴿لَنُنَجِّیَنَّهٗ﴾ ہم اسے ضرور نجات دیں گے [عاصم کے علاوہ باقی اہل کوفہ اور یعقوب (نیز حمزہ اور علی کسائی) کی قراءت میں ''لَنُنْجِیَنَّهٗ'' (باب افعال سے) ہے] ﴿وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ اور اس کے گھر والوں کو (ہم نجات دیں گے) ماسوا اس کی ایک بیوی کے' وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فرشتوں کے چلے جانے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی طرف فرشتوں کے جانے کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کا آنا اسے ناپسند لگا اور ان کی وجہ سے قوتِ بازو تنگ ہوگئی اور انہوں نے کہا کہ آپ بالکل خوف نہ کیجئے اور نہ غم کیجئے' بے شک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے سوائے آپ کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے O بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے ایک عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے O اور بے شک ہم نے اس بستی میں سے اس قوم کے لیے ایک واضح نشانی چھوڑ دی ہے جو عقل رکھتے ہیں O

---

۳۳۔﴿ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ ﴾ اور جب ہمارے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کا آنا اسے ناگوار ہوا (یعنی) ان کا آنا آپ کو اچھا نہ لگا [''اَنْ'' صلہ کا ہے' جس کے ساتھ دو فعلوں کے پائے جانے کی تاکید کی جاتی ہے' ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے پر ترتیب کے ساتھ' گویا وہ دونوں فعل زمانہ کے اعتبار سے ایک جزاء میں پائے گئے ] گویا فرمایا گیا کہ جیسے ہی حضرت لوط علیہ السلام کو ان کا آنا محسوس ہوا تو اس کے ساتھ ہی بغیر کسی وقفہ کے ان کی آمد ناگوار ہوئی' اس لیے کہ فرشتوں کی آمد سے انہیں اپنی قوم کے متعلق خوف دامن گیر ہوا کہ فرشتے ان کی نافرمان قوم کو گناہوں کے سبب پکڑ لیں گے [ نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سیئ بھم'' کی سین کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اشمام کر کے پڑھا گیا ہے ] ﴿ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ﴾ اور ان کے حال اور ان کے کام کی تدبیر میں حضرت لوط کا بازو تنگ ہو گیا یعنی ان کی طاقت نہ رہی اور اہل لغت نے ''ذرع'' اور ''ذراع'' کی تنگی سے قوت وطاقت کا ختم ہو جانا مراد لیا ہے' جیسا کہ وہ لوگ ''رحب الذراع'' اس وقت بولتے ہیں جب وہ طاقت ور ہوتا ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ جب آدمی کا بازو دراز اور لمبا ہوتا ہے تو وہ آدمی اپنے ہاتھ سے وہ چیز پکڑ لیتا ہے' جس کو کوتاہ ہاتھ نہیں پکڑ سکتا اور اس کو عجز وقدرت دونوں کے لئے بیان کیا گیا ہے [اور یہ تمیز کی بناء پر منصوب ہے ] ﴿ وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ ﴾ اور فرشتوں نے کہا کہ آپ بالکل خوف نہ کریں اور نہ غم کریں بے شک ہم آپ کو ضرور نجات دیں گے [حفص کے علاوہ ابن کثیر مکی اور اہل کوفہ کی قراءت میں جیم مشدد ہونے کی بجائے مخفف ہے ] ﴿ وَاَهْلَكَ ﴾ اور آپ کے گھر والوں کو [ کاف جر کے محل میں ہے' سو فعل محذوف کے سبب ''اَهْلَكَ'' کو منصوب پڑھا جاتا ہے ] ''ای نُنَجِّیْ اَهْلَكَ'' یعنی ہم آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے ﴿ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ ماسوا آپ کی ایک بیوی کے' وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے۔

۳۴۔﴿ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں' اس کا سبب یہ ہے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے (یعنی) ان کے فسق و فجور اور ان کی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جانے کے سبب ان پر عذاب آنے والا ہے اور ''رجز'' بہ معنی عذاب ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مُنَزِّلُوْنَ'' (میں نون مفتوح اور ''زا'' مشدد و مکسور باب تفعیل سے ) ہے ]۔

۳۵۔﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً ﴾ اور بے شک ہم نے اس بستی سے ایک واضح نشانی چھوڑ دی اور وہ ان کے تباہ شدہ مکانات کے آثار و کھنڈرات ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس بستی کی تباہی کی نشانی اس کی سرزمین کی سطح پر سیاہ اور کالا پانی ہے ﴿ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ عقل مند قوم کے لیے (عبرت کی نشانی ہے )[''لقوم''، ''ترکنا'' کے متعلق ہے یا ''بیّنۃ'' کے متعلق ہے ]۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿٣٦﴾ فَکَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِهِمْ ۫ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿٣٨﴾

اور مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب کو (ہم نے بھیجا) سو اس نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو اور تم زمین میں فسادی بن کر فساد نہ پھیلاؤ O پس انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں زلزلہ نے آ پکڑا، سو وہ صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ پڑے رہ گئے O اور عاد اور ثمود کو (ہم نے ہلاک کیا) اور بے شک (یہ) تمہارے لیے ان کی بستیوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت کر کے دکھایا اور انہیں سیدھی راہ سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے بھالنے والے تھے O

## مدین والوں، عاد و ثمود اور قارون و فرعون اور ہامان کی ہلاکت کا بیان

٣٦- ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ﴾ (اصل میں ہے:) "وَاَرْسَلْنَا اِلٰی مَدْیَنَ" ﴿اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا ﴿فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ سو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو (یعنی) تم وہ کام کرو جن کی وجہ سے تم آخرت میں ثواب کی امید رکھو یا یہ کہ تم آخرت کے دن (میں جواب دہی کی وجہ سے) ڈرتے رہو ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو (یعنی) فساد چاہنے والے نہ بنو۔

٣٧- ﴿فَکَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ سو انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا (یعنی) شدید زلزلہ یا حضرت جبریل علیہ السلام کی زوردار خوفناک چیخ کیونکہ اس چیخ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر لرزہ طاری ہو گیا تھا ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ سو وہ صبح کے وقت اپنے گھر میں (یعنی) اپنے ملک میں اور اپنی زمین میں یا "فِیْ دِیَارِهِمْ" ہے کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ مردہ پڑے ہوئے تھے، لیکن واحد (دار) پر اس لیے اکتفاء کیا گیا کہ یہاں التباس کا خطرہ نہیں ہے۔

٣٨- ﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا [" عَادًا " مضمر فعل (یعنی پوشیدہ فعل) " اَهْلَکْنَا " کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ " فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ " اس پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے، اس لیے کہ یہ ہلاک کرنے کے معنی میں ہے اور امام حفص، حمزہ، سہل اور یعقوب کی قراءت میں " ثَمُوْدَ " (بغیر تنوین مفتوح ہے کیونکہ یہ قبیلہ کی تاویل میں غیر منصرف) ہے] ﴿وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ﴾ یعنی ان کی ہلاکت کا جو وصف بیان کیا گیا ہے، وہ تمہارے لیے ظاہر ہو چکا ہے ﴿مِّنْ مَّسٰکِنِهِمْ﴾ ان کی بستیوں اور ان کے مکانات کی طرف سے کیونکہ جب تم ان کے پاس سے گزرتے ہو تو انہیں تم دیکھتے ہو۔ دراصل اہل مکہ اپنے سفروں کے دوران ان کے پاس سے گزرتے تھے اور ان ہلاک شدہ بستیوں کے آثارِ قدیمہ دیکھتے تھے ﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال (یعنی) ان کے کفر و شرک اور گناہوں

کو اوران کی نافرمانیوں کو بھلا کر کے دکھایا ﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ﴾ اور شیطان نے انہیں سیدھی راہ سے روک دیا' جس پر چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے ﴿وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ﴾ اور وہ دیکھنے بھالنے والے عقل مند لوگ تھے' وہ عبرت کی نگاہ سے دیکھنے پر قدرت رکھنے والے حق و باطل میں فرق کرنے والے تھے' لیکن انہوں نے کچھ نہیں کیا۔

| |
|---|
| وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ |
| وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ |
| مِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا ۚ |
| وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ |

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (ہم نے ہلاک کیا)' اور بے شک ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلیں لے کر آئے' سو انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہماری گرفت سے) نکل کر بھاگ جانے والے نہیں تھے O سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑ لیا' پس ہم نے ان میں سے کسی پر پتھر برسائے اور ان میں سے کسی کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا' اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا' اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا' اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ ان پر ظلم وستم کرے لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

---

۳۹۔ ﴿وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ﴾ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو "اَیْ وَاَهْلَكْنَاهُمْ" یعنی اور ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ﴾ اور بے شک ان کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام روشن اور واضح دلائل و معجزات لے کر آئے' لیکن انہوں نے زمین میں تکبر و غرور کیا اور وہ نکل کر جانے والے نہیں تھے (یعنی) بچنے والے نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم نے انہیں گھیر لیا اور اپنی گرفت میں لے لیا' سو وہ اس سے بچ نہ سکے۔

۴۰۔ ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ﴾ سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔ اس میں اس شخص کی تردید کر دی گئی ہے' جس نے بغیر گناہ کے سزا کو جائز قرار دیا ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا﴾ سو ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسائے' یہ ایک تیز اور سخت آندھی تھی جس میں کنکر اور پتھر تھے اور یہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ﴾ اور ان میں سے کسی کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور وہ مدین اور ثمود کے لوگ تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ﴾ اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا یعنی قارون کو ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا﴾ اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان میں' فرعون علیہ اللعنۃ کو (لشکر سمیت دریا میں) غرق کر دیا ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم وستم کرتا (یعنی) تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر گناہ کے سزا دیتا ﴿وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ اور لیکن وہ اپنی جانوں پر کفر و شرک اور سرکشی کی وجہ سے خود ظلم کرتے تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾

وقف لازم — ع ۱۶

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ( دوسروں کو ) مالک بنالیا ہے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے' اس نے ( جالے کا ) گھر بنایا اور بے شک تمام گھروں سے کمزور ترین گھر البتہ مکڑی کا گھر ہے' کاش! وہ جان لیتے O بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جس چیز کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' اور وہ سب پر غالب' بہت بڑا حکمت والا ہے O اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں' اور اس کو نہیں سمجھتے مگر علم والے O اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا' بے شک اس میں البتہ مؤمنوں کے لیے نشانی ہے O

## کفار کے عقیدہ کی کمزوری کا بیان

٤١- ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ﴾ ان کی مثال جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور مالک بنا لیے یعنی معبود بنا لیے' مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا' اس کی کمزوری اور بُرے اختیار میں مثال ﴿كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا﴾ مکڑی کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا یعنی اس بات میں مکڑی کی طرح ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لیے گھر بناتی ہے لیکن اس کا یہ گھر نہ اس سے گرمی کو دور کرتا ہے اور نہ سردی کو دور کرتا ہے اور نہ وہ ان چیزوں سے بچاتا ہے جن سے دیگر گھر بچاتے ہیں' سو اسی طرح بتوں کا حال ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو نہ دنیا میں فائدہ دیتے ہیں اور نہ آخرت میں فائدہ دیں گے [ حاتم نے '' اتخذت '' کو حال قرار دیا ہے ] ﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ اور بے شک تمام گھروں سے سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے' کیونکہ اس کے گھر سے زیادہ کمزور کوئی گھر نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو مکڑی کے جالے سے پاک رکھو کیونکہ جالے کا چھوڑنا فقر و فاقہ پیدا کرتا ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش! وہ جان لیتے کہ یہ مثال انہیں کی ہے کیونکہ ان کے دین کا معاملہ کمزوری کی انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار مومن کے مقابلے میں اس مشرک کی مثال جو بتوں کی عبادت کرتا ہے' مکڑی کی طرح ہے کہ وہ نہایت کمزور جالے کا گھر بناتی ہے' خاص کر اس آدمی کے مقابلے میں جو پکی اینٹوں اور چونے سے گھر بناتا ہے یا پتھروں سے اپنا گھر تراشتا ہے اور جیسے تم جب ایک ایک گھر تلاش کرو گے اور اس کا جائزہ لو گے تو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ملے گا' اسی طرح جب تم ایک ایک دین و مذہب کو تلاش کر کے اس کا جائزہ لو گے تو تمام ادیان و مذاہب میں سب سے زیاہ کمزور ترین دین و مذہب بت پرستی کا ملے گا' کاش! وہ یہ بات جان لیتے' اور علامہ زجاج نے کہا: جماعت کے بارے میں آیت کی تقدیر یہ ہوگی: '' مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ '' جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

اوروں کو معبود بنالیا ہے کاش! وہ یہ جان لیتے کہ ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے۔

۴۲۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے جس کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں [اعشٰی اور برجمی کے علاوہ ابوعمرو بصری اور عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَدْعُوْنَ'' ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور یہ ''یَعْلَمُ'' کا مفعول ہے اور ''یَدْعُوْنَ'' کا مفعول مضمر ہے ''اَیْ یَدْعُوْنَهٗ یَعْنِیْ یَعْبُدُوْنَهٗ'' یعنی جس کو وہ پکارتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ جس کی عبادت کرتے ہیں (قرآن مجید میں اکثر جگہ ''یَدْعُوْنَ'' بہ معنی ''یَعْبُدُوْنَ'' ہوتا ہے) اور ''مِنْ شَیْءٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] ﴿ وَهُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ اور وہی غالب ہے جس کا کوئی شریک نہیں ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ بہت بڑی حکمت والا ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور اس میں کفار کی جہالت کا بیان ہے' کیونکہ انہوں نے ایسے بے جان بتوں کی عبادت شروع کر دی جنہیں نہ کچھ علم ہے اور نہ کچھ اختیار ہے اور انہوں نے ہر چیز پر غلبہ رکھنے والے با اختیار قادر خدا کی عبادت ترک کر دی' جو سب سے بڑا دانا اور بہت حکمت والا ہے کہ کوئی کام بغیر حکمت و تدبیر کے نہیں کرتا۔

۴۳۔ ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ﴾ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں [''نَضْرِبُهَا'' بہ معنی ''نُبَیِّنُهَا'' ہے' ''الامثال''، ''تلك'' کی صفت ہے اور ''نَضْرِبُهَا'' خبر ہے] قریش مکہ کے بے وقوف و کم عقل اور جاہل لوگ کہا کرتے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب تعالیٰ حقیر مکھی اور حقیر مکڑی کی مثال بیان کرتا ہے اور وہ اس قسم کی مثال پر ہنستے تھے اور مذاق اُڑاتے تھے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ اور اس مثال کو نہیں سمجھتے مگر علم والے' جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے اسماء کو اور اس کی صفات کو جانتے پہچانتے ہیں یعنی اس قسم کی مثال کی صحت کو اور اس کے حسن کو اور اس کے فائدے کو نہیں سمجھ سکتے مگر صرف علم والے سمجھتے ہیں کیونکہ مثالیں اور تشبیہات صرف پوشیدہ معانی کی راہیں ہوتی ہیں' یہاں تک کہ انہیں ظاہر کر دیتی ہیں اور ذہنوں میں ان معانی کی شکل و صورت لاتی ہیں' جیسا کہ اس تشبیہ نے مشرک کے حال اور موحد کے حال کے درمیان فرق کو واضح کر دیا' اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کو تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو جانتا مانتا ہے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے نیک عمل کرتا ہے اور اس کے غضب سے بچتا رہتا ہے اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم کو عقل پر فضیلت حاصل ہے۔

۴۴۔ ﴿ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا یعنی برحق پیدا کیا' ان دونوں کو باطل اور عبث پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت کے مطابق پیدا کیا اور وہ یہ کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے سکونت گاہیں ہوں اور ان میں سے عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا باعث بنیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پر دلیلیں بنیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے ارشاد فرمایا کہ ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اس میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ خاص کر مؤمنوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قدرت کی نشانیوں سے صرف یہی مسلمان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

الجزء ۲۱

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا

تَصۡنَعُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ
وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنَاۤ
اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ۚ وَمِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ
مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا
مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾

(اے محبوب!) کتاب میں سے جو کچھ وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تلاوت کیجئے اور نماز قائم کیجئے' بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے' اور البتہ اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو○ اور تم اہلِ کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے بہتر ہو' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور تم کہہ دو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور (اس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں○ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (ان میں سے بعض لوگ) اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ان (اہلِ مکہ) میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر کفار○ اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب تلاوت نہیں کرتے تھے اور نہ آپ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے○

## سیّد عالم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے چند آداب کا بیان

۴۵- ﴿اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ﴾ اس کتاب میں سے وحی کے ذریعے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' اس کی تلاوت کیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی تلاوت کے ذریعہ آپ کو اس کا مزید قرب حاصل ہو جائے اور تا کہ آپ ان چیزوں سے آگاہ ہو جائیں جن کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کیجئے یعنی نماز کو ہمیشہ قائم و دائم رکھنا ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ﴾ بے شک نماز بے حیائی سے روکتی ہے یعنی بدترین اور شرم ناک کام سے روکتی ہے جیسے زنا کاری وغیرہ مثلاً ﴿وَالۡمُنۡكَرِ﴾ اور بُرائی سے روکتی ہے' ''منکر'' ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کو عقلِ سلیم اور شریعت اسلامی بُرائی قرار دیتے ہوں' بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی پوری رعایت کرتا ہے اسے یہ نماز یہاں تک لے جاتی ہے کہ ایک دن وہ تمام بُرائیوں کو چھوڑ دیتا ہے ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ فلاں آدمی دن کو نمازیں پڑھتا ہے اور رات کو چوری کرتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اس کی نماز اسے ضرور روک دے گی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انصار میں سے ایک نوجوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کرتا تھا اور بُرائیوں میں سے کچھ نہیں چھوڑتا تھا' یعنی ہر برائی کا ارتکاب کرتا تھا' سو جب حضور سے اس کی صفت بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا: بے شک اس کی نماز عنقریب اسے روک دے

گی' چنانچہ چند دنوں میں اس نے توبہ کر لی اور حضرت ابن عوف نے فرمایا کہ بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے یعنی جب تم نماز میں مشغول ہوتے ہو تو اس وقت تم نیکی اور فرماں برداری میں مصروف ہوتے ہو اور اس وقت تم یقیناً اپنے آپ کو بے حیائی اور بُرائی سے روک چکے ہوتے ہو' اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس کو اس کی نماز نے بے حیائی اور بُرائی سے نہیں روکا اس کی نماز نماز نہیں ہے' بلکہ وہ اس پر وبال ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے یعنی نماز باقی عبادات سے بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف ''ولذكر الله'' اس لیے فرمایا تا کہ یہ ایک مستقل علّت ہو جائے گویا فرمایا کہ اور نماز سب سے بڑی چیز ہے' اس لیے کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ البتہ اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کے ساتھ تمہارا ذکر کرنا' اس سے بہتر ہے کہ تم اس کی اطاعت وفرماں برداری کے ساتھ اس کا ذکر کرو اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ تم اسے یاد کرو کیونکہ اس کا ہمارا ذکر کرنا بغیر کسی علّت وغرض کے ہوتا ہے اور ہمارا ذکر الٰہی کرنا علّتوں اور آرزوؤں کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کا ذکر باقی ہے فانی نہیں اور ہمارا ذکر فانی ہے باقی نہیں اور حضرت سلمان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے بڑا اور افضل ہے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتادوں جو تمہارے اعمال سے بہتر ہے اور وہ تمہارے بادشاہ کے پاس پاکیزہ ترین ہے اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور سونا چاندی صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارا اپنے دشمنوں سے لڑنے اور ان کی گردنیں مارنے اور ان کا تمہاری گردنیں مارنے سے بہت بہتر ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون سا عمل ہے؟ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا[1]

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم دنیا سے اس حال میں جدا ہو جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تروتازہ ہو[2]

یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عظمت وفضیلت تمہارے افہام وعقول کی سوچ سے بہت بلند وبالا ہے' یا اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بڑھ کر ہے کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی گناہ باقی رہ جائے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر بے حیائی اور بُرائی کے روکنے میں سب سے بڑھ کر مؤثر ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری خیر وبھلائی اور عبادات واطاعت کو خوب جانتا ہے' سو وہ تمہیں بہترین اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۴۶- ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور تم اہل کتاب سے بحث ومناظرہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو سب سے اچھا ہو (یعنی) سب سے اچھے رویہ اور اچھی عادت کے ساتھ بحث کرو اور وہ یہ کہ سختی کے مقابلہ میں نرمی اور غصہ کے مقابلہ میں ضبط وبرداشت اور غصہ کو پینے کا رویہ اختیار کیا کرو' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ'' (المومنون: ۹۶) ''سب سے اچھی خصلت کے ساتھ بُرائی کو دفع کیجئے''۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم وستم کیا اور بغض وعناد اور ظلم وزیادتی میں حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے کوئی نصیحت قبول نہیں کی اور ان کے معاملے میں نرمی نے کوئی فائدہ نہیں دیا' سو تم ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرو' اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سوائے ان

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب۔ باب: ۵۳' الموطأ فی کتاب مس القرآن۔ حدیث: ۲۴' احمد فی مسندہ ج ۶ ص ۷ ۴۴' الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۴

[2] رواہ ابن شاہین وابن النجار' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۳۹

لوگوں کے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت و دکھ اور تکلیفیں دیں یا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کو ثابت کیا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان اہل کتاب سے بحث نہ کرو جو مسلمانوں کے امن معاہدہ میں داخل ہیں اور جزیہ (ٹیکس) ادا کرتے ہیں' مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے عمدہ اور بہتر ہو' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا اور مسلمانوں کی امان و پناہ کو پھینک دیا اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ان کے ساتھ تلوار سے مجادلہ ہوگا اور یہ آیت مبارکہ دین کے معاملہ میں کفار کے ساتھ مناظرہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور یہ علم کلام کی تعلیم حاصل کرنے کی دلیل ہے' جس کے ذریعے دشمنانِ دین کے ساتھ مناظرہ و مجادلہ کیا جا سکے ﴿وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور تم (ان سے) کہو: ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم مناظرہ و مباحثہ احسن و عمدہ طریقہ سے کرنے میں اس کے اطاعت گزار و فرماں بردار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل کتاب تمہیں جو کچھ بیان کریں تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ اس کو جھٹلاؤ بلکہ تم یہ کہہ دو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں' پس اگر وہ باطل و جھوٹ ہوا تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی اور اگر وہ حق و سچ ہوا تو تم نے اس کی تکذیب (جھٹلانا) نہیں کی[1]

۴۷- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور جس طرح وہ (سابقہ کتب) نازل کی گئیں' اسی طرح ﴿اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے یعنی ہم نے اس کو دیگر آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے نازل کیا ہے یا ہم نے جس طرح آپ سے پہلے پیغمبروں پر کتابیں نازل کی تھیں' اسی طرح ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے ﴿فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (ان میں سے بعض) اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ حضرت عبد اللہ ابن سلام اور اس کے دیگر ساتھی ہیں جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ﴿وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور ان میں سے یعنی اہل مکہ میں سے کچھ ﴿مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ وہ لوگ بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی' ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہلِ کتاب میں سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے پہلے گزر چکے (جیسے قس بن ساعدہ' بحیرا' نسطورا اور ورقہ بن نوفل وغیرہم) اور ''وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں تھے ﴿وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ہماری روشن اور واضح آیات جو شک و شبہ سے بالاتر ہیں کا انکار نہیں کرتے مگر کافر لوگ جو کفر میں غلو کرنے والے ہیں اور پختہ ارادہ کر کے اس پر قائم و دائم رہنے والے ہیں' جیسے کعب بن اشرف اور اس کے دیگر ساتھی۔

۴۸- ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ﴾ اور آپ اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید کے نزول سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ آپ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لکھتے تھے' یہاں دائیں ہاتھ کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ عموماً کتابت دلکھائی دائیں ہاتھ سے ہوتی ہے یعنی آپ کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ آپ کوئی کتاب لکھتے تھے ﴿اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ ورنہ اہل کتاب میں سے باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے یعنی اگر اس میں سے کوئی چیز ہوتی کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو اہل کتاب شک میں پڑ جاتے اور وہ کہتے کہ ہم نے اپنی کتب میں آخر الزمان نبی کی جو صفات پڑھی ہیں' ان میں ایک صفت یہ ہے کہ وہ اُمی ہوگا' وہ نہ کوئی کتاب پڑھتا ہوگا اور نہ وہ لکھتا ہوگا

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۱۳۶' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۴

اوران میں یہ صفت نہیں ہے یا یہ معنی ہے کہ مشرکین مکہ شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ آپ شاید کسی کتاب سے پڑھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں یا خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اوران کا ''مبطلون'' نام اس لیے رکھا گیا کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا اور حضرت مجاہد اور حضرت شعبی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا سے انتقال نہیں فرمایا' یہاں تک کہ آپ نے آخر عمر میں لکھنا پڑھنا شروع کر دیا (تا کہ پہلے آپ کے امی ہونے کا معجزہ ثابت ہو جائے اور آخر میں اُمی ہونے کے باوجود لکھنے پڑھنے کا معجزہ ثابت ہو جائے)۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ
اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ ع
كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲

بلکہ یہ روشن آیتیں ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا اور ہماری آیتوں کا ظالموں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا O انہوں نے کہا کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کچھ نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں' فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' اور بے شک میں تو صرف کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O اور کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے البتہ رحمت اور نصیحت ہے O فرمائیے: میرے درمیان اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہی دینے کے لیے کافی ہے' وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے' اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

۴۹- ﴿بَلْ هُوَ﴾ بلکہ وہ یعنی قرآن مجید ﴿اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ روشن اور واضح آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں' جنہیں علم عطا کیا گیا یعنی علمائے دین کے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں اور یہ دونوں قرآن مجید کے خصائص میں سے ہیں' ایک قرآن مجید کی آیات کا واضح طور پر معجزہ ہونا اور دوسرا قرآن مجید کا سینوں میں محفوظ ہونا' بخلاف دیگر کتب کے کہ وہ معجزات نہیں ہیں اور نہ وہ زبانی پڑھی گئیں' بلکہ انہیں صرف مصاحف سے دیکھ کر پڑھا گیا ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور ہماری واضح آیتوں کا ظالموں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا' جو ظلم میں انتہائی غلو کرنے والے ہوتے ہیں۔

## کفار کے غلط مطالبات اور ان کے بُرے انجام کا بیان

۵۰- ﴿وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اور انہوں نے کہا کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کچھ نشانیاں

(معجزات) کیوں نہیں نازل کی گئیں؛ دراصل کفار مکہ نے چاہا کہ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی کا معجزہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا کا معجزہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مائدہ کا معجزہ عطا کیا گیا' اسی طرح کا معجزہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کیوں نہیں عطا کیا گیا[1] [ابن کثیر مکی اور امام حفص کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ''ایۃٌ'' (واحد) ہے] ﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' وہ جو چاہتا ہے نازل کرتا ہے' سو میں از خود (اللہ تعالیٰ کی اجازت و مرضی کے بغیر) معجزات پیش کرنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا ﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور بے شک میں تو صرف واضح طور پر صاف ڈرسنانے والا ہوں' مجھے صرف ڈرسنانے کا مکلف کیا گیا ہے' جو میں نے تمہیں سنا دیا ہے اور مجھے جو آیات بینات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں' ان کے ذریعے میں نے تمہیں خدا تعالیٰ کے خوف سے آگاہ کر دیا ہے اور میرا یہ کام نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے فرمائش کروں کہ مجھ پر یہ معجزہ نازل کر دے اور یہ معجزہ مجھ پر نازل نہ کر' باوجودیکہ میں جانتا ہوں کہ آیات کا مقصد یہی ہے کہ ان کا مفہوم و مطلب تمہارے سامنے بیان کر دوں اور اس معاملہ میں تمام آیات ایک آیت کے حکم میں ہیں۔

۵۱- ﴿اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ﴾ اور کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے' جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے' یعنی کیا یہ قرآن مجید جو ایک واضح دلیل اور روشن نشانی ہے' انہیں باقی نشانیوں سے بے نیاز کرنے کے لیے کافی نہیں' اگر وہ واقعی حق کے طلب گار ہیں اور بغض و عناد رکھنے والے نہیں (کیونکہ) یہ وہ قرآن ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انہیں ہمیشہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے' سو یہ معجزہ اور نشانی ان کے ساتھ ہمیشہ قائم و دائم رہے گی' کبھی زائل نہیں ہوگی' جیسا کہ ہر نشانی (معجزہ) واقع ہو جانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے یا پھر وہ ایک جگہ میں ہوتی ہے تو دوسری جگہ میں نہیں ہوتی ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں یعنی اس نشانی (قرآن مجید) کی مثل میں جو زمانہ کے اختتام تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں موجود رہے گی ﴿لَرَحْمَةً﴾ ضرور رحمت اور نعمت عظیمہ ہے ﴿وَّذِكْرٰی﴾ اور پند و نصیحت ہے ﴿لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے' عناد رکھنے والی نہیں۔

۵۲- ﴿قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے' یعنی میں نے نبوت و رسالت کا اور اپنے اوپر قرآن مجید کے نازل ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے' اس کی سچائی کی اور تمہارے جھٹلانے کی گواہی دینے والا اکیلا اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ خوب

---

[1] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے شمار معجزات عطا فرمائے' مثلاً پتھروں کا آپ کو سلام کرنا' حضور کے قدم مبارک لگنے پر کوہ ثبیر کا اپنی قسمت پر نازاں ہو کر وجد کرنا' اُحد پہاڑ کا حضور سے محبت کرنا اور استن حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا اور آہیں بھرنا' درختوں کا آپ کو سلام کرنا اور نبوت کی گواہی دینا' حضور کی عطا کردہ لکڑی کا حضرت عکاشہ کے ہاتھ میں تلوار بن جانا اور حضور کا حضرت فاطمہ کے لیے جنت سے پکا پکایا کھانا منگوانا' حضور کی دعائے برکت سے حضرت ابوہریرہ کی تھوڑی سی کھجوروں کا کئی سال تک کھاتے رہنے کے باوجود ختم نہ ہونا' حضور کی دعائے برکت سے دورانِ سفر قلیل طعام کثیر ہو کر تمام قافلہ کے لیے پورا ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا' نیز چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' سورج کا واپس لوٹ آنا وغیرہم اور اگر کفار کے فرمائشی معجزات عطا کر دیئے جاتے' پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو قانون کے مطابق ان پر عذاب کا آنا اور ان تمام کو ہلاک کرنا لازمی ہو جاتا' جب کہ رحمت عالمیاں کی موجودگی میں ان پر عذاب کا آنا اور تمام کو ہلاک کرنا حکمتِ الٰہی اور قرآن کی رو سے ناممکن تھا۔

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' پس وہ میرے اور تمہارے معاملہ پر پوری طرح مطلع و آگاہ ہے اور وہ میرے حق ہونے کو اور تمہارے باطل ہونے کو خوب جاننے والا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جو لوگ باطل پر (یعنی) یہودیت پر یا شرک پر یا شیطان پر ایمان لائے [1] ﴿وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں اور اپنے سودا میں گھاٹا پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان کے عوض میں کفر کو خرید لیا مگر یہ کلام انصاف کی جگہ پر وارد ہوا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' (سبأ: ۲۴) ''اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں''۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَ
لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' اور اگر مدت مقرر نہ ہوتی تو ان پر ضرور عذاب آ جاتا' اور وہ (عذاب) ان پر ضرور اچانک آئے گا اور وہ بے خبر ہوں گے O وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے O جس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا اور ارشاد ہوگا کہ جو عمل تم کرتے تھے ان کا مزہ چکھو O اے میرے بندو جو ایمان لا چکے! بے شک میری زمین کشادہ اور فراخ ہے' سو تم میری عبادت کرو O ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' پھر تم سب ہماری طرف واپس آ ؤ گے O

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا: اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! آپ کے حق میں کون گواہی دے گا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں؟ تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی تھی:

۵۳- ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (الانفال: ۳۲) ''سو آپ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش

[1] خیال میں رہے کہ یہ ترجمہ مکتبہ رحمانیہ' اردو بازار' لاہور کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ہے' جس میں ''بـالیهودیة او بالشرك او بابلیس'' لکھا ہے' جب کہ اتفاق سے میں نے مدارک مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر اور مدارک مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی دیکھا تو اس میں (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ) ''مِنكُمْ وَهُوَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' لکھا ہے (ترجمہ:) اور تم میں سے جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور باطل وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کی عبادت کی جائے۔

برسا دیں یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دیں''۔ ﴿ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ اور اگر ایک مدت مقرر نہ ہو چکی ہوتی' اور وہ قیامت کا دن ہے یا غزوۂ بدر کا دن ہے یا ان کے فنا ہونے کے لیے موت کا مقررہ وقت مراد ہے اور ''وَلَوْ لَا اَجَلٌ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور اس کو لوحِ محفوظ میں بیان کر دیا ہے اور حکمتِ الٰہی اس مقررہ مدت تک عذاب کی تاخیر کا تقاضا کرتی ہے ﴿ لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ﴾ البتہ ان پر جلد از جلد عذاب آ جاتا ﴿ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً ﴾ اور البتہ مقررہ مدت میں ان پر ضرور اچانک عذاب آئے گا ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ عذاب کے آنے کے وقت سے بے خبر ہوں گے۔

٥٤- ﴿ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾ وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے یعنی دوزخ عنقریب انہیں گھیر لے گی۔

٥٥- ﴿ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ﴾ جس دن ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے انہیں عذاب ڈھانپ لے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ'' (الزمر:١٦) ''ان کے لیے اوپر بھی آگ کے پہاڑ ہوں گے اور ان کے نیچے بھی پہاڑ ہوں گے'' [اور ''بالکافرین'' پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ''یوم'' کافروں کے لیے آگ کے احاطہ کا ظرف ہے] ﴿ وَيَقُوْلُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا [اور نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے] ﴿ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ تم جو کچھ عمل کرتے تھے' اب ان کا مزہ چکھو یعنی تم اپنے اعمال کی جزا کا مزہ چکھو۔

## مسلمانوں کے انعام اور کفار کی طرف سے قدرتِ الٰہی کے اعتراف کا بیان

٥٦- ﴿ يٰعِبَادِيَ ﴾ [عاصم کے علاوہ دیگر اہل کوفہ اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''عبادی'' کی ''یا'' کو ساکن پڑھا جاتا ہے] اے میرے بندو! ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ ﴾ جو ایمان لا چکے ہو بے شک میری زمین وسیع اور کشادہ ہے یعنی جب مسلمان کے لیے اس ملک میں عبادت کرنا آسان نہ ہو' جس میں وہ رہائش پذیر ہے اور اس کے لیے اپنے دین کے معاملہ کو چلانا ممکن نہ ہو تو لازم ہے کہ وہ وہاں سے کسی ایسے ملک میں ہجرت کر جائے' جس میں اسے یہ قدرت و اختیار حاصل ہو کہ وہ دل جمعی کے ساتھ اسلام پر قائم رہ سکے اور اپنے دین پر صحیح طریقے سے عمل کر سکے اور زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکے اور اس معاملہ میں ممالک و علاقہ جات آپس میں بہت مختلف ہیں' اور حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کسی علاقہ کی سرزمین پر گناہوں' نافرمانیوں اور بدعات کا عام ظہور ہو جائے تو تم اس سرزمین سے کسی ایسی سرزمین کی طرف نکل جاؤ' جس کے رہنے والے مطیع و فرماں بردار ہوں' اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا' خواہ زمین کی ایک بالشت کے برابر ہجرت کرے' اس پر جنت واجب ہو گئی[1] [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ارضی'' کی ''یا'' مفتوح ہے] ﴿ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ سو تم میری ہی عبادت کرو [یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(فَاِيَّايَ) فَاعْبُدُوْا (فَاعْبُدُوْنِيْ)'' اور ''فاعبدون'' میں حرف ''فا'' اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ محذوف شرط کا جواب ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میری زمین بہت کشادہ اور فراخ ہے' سو اگر تم ایک جگہ خلوص کے ساتھ میری عبادت نہیں کر سکتے تو اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ میں جا کر رہو اور وہاں خلوص کے ساتھ میری عبادت کرو' پھر شرط کو حذف کر دیا گیا اور اس کے حذف

[1] قال الحافظ: اخرجه الثعلبی من مرسل الحسن' حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۴۶۱

کرنے کے عوض میں مفعول کو مقدم کر دیا گیا کیونکہ اس کی تقدیم میں اختصاص اور اخلاص کا فائدہ حاصل ہو گیا] پھر اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے کے دل میں شجاعت و بہادری کا جذبہ ابھارنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ

۵۷۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے یعنی موت کی کڑواہٹ اور اس کی تکلیف پانے والا ہے' جیسا کہ چکھنے والا شخص ذائقہ دار چیز کا مزہ پاتا ہے کیونکہ جب موت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس پر اپنے وطن سے جدائی اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم مرنے کے بعد جزا اور سزا کے لیے ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے [یحییٰ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یرجعون'' ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''ترجعون'' ہے]۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۤ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا اجر وثواب بہت بہتر ہے O جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے پرودگار پر بھروسا رکھتے ہیں O اور زمین پر چلنے والے کتنے ایسے جاندار ہیں جو اپنی روزی نہیں اٹھاتے' اللہ تعالیٰ ہی انہیں اور تمہیں روزی دیتا ہے' اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے ایک نظام کا پابند بنا دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' سو وہ کہاں بہکے پھرتے ہیں O

۵۸۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ہم انہیں ضرور جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے (یعنی) البتہ ہم ضرور انہیں جنت کے بالا خانوں میں مہمان نوازی کے لیے اتاریں گے (تو گویا ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ'' بہ معنی ''لَنُنْزِلَنَّهُمْ'' ہے) [عاصم کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''لَنُثْوِيَنَّهُمْ'' ہے اور یہ ''ثواء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: ٹھہرانے کے لیے اتارنا' اور ''ثَوِيَ'' متعدی نہیں ہوتا' پھر جب ہمزہ کے اضافہ کے ساتھ اسے متعدی کیا جاتا ہے تو یہ ایک مفعول سے تجاوز نہیں کرتا اور اسے مؤمنوں کی ضمیر اور ''غرفًا'' کی طرف متعدی کرنے کی یا تو یہ وجہ ہے کہ اسے ''لَنُنْزِلَنَّهُمْ'' کا قائم مقام کیا گیا ہے یا ''لَنُوْوِيَنَّهُمْ'' کے قائم مقام کیا گیا ہے یا حرف جار کو حذف کر کے فعل کو مفعول کی طرف براہِ راست ایصال کیا گیا یا ظرفِ موقت کو ظرفِ مبہم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے] ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ

اس میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا اجر وثواب بہت اچھا ہے۔

۵۹- ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وطنوں سے جدا ہونے پر اور مشرکین کی تکلیفوں پر اور مصائب و آلام اور مشقتوں پر اور عبادات و اطاعات پر اور گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنے پر صبر کیا [اور ''العاملین'' پر وقف کیا جائے گا' اس بناء پر کہ ''الذین صبروا'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا'' ہے لیکن وقف کی بجائے وصل کرنا زیادہ بہتر ہے تا کہ ''اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا'' ''اَلْعَامِلِيْنَ'' کی صفت ہو جائے ] ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں اور وہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں کسی اور پر نہیں۔

۶۰- اور جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا تو وہ لوگ فقر و فاقہ اور تنگ دستی سے ڈر گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ اور بہت سے جان دار ایسے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے (یعنی) وہ اپنا رزق نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ اپنا رزق اٹھانے سے کمزور ہیں اور ''دابۃ'' ہر اس جاندار کو کہا جاتا ہے' جو زمین کی سطح پر چلتا ہو' خواہ وہ عاقل ہو یا غیر عاقل ہو [ابن کثیر مکی کی قراءت میں مد اور ہمزہ کے ساتھ ''کائن'' ہے ] ﴿اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی انہیں اور تمہیں رزق عطا فرماتا ہے' یعنی ان کمزور جانداروں کو صرف اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے اور اے طاقتورو! تمہیں بھی صرف وہی اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے اور اگر چہ تم اپنے رزق اٹھانے اور اسے کمانے کی طاقت رکھتے ہو' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں قدرت و طاقت نہ دیتا اور تمہارے لیے کسب کے اسباب مقدر نہ کرتا تو تم ان کمزور جانداروں سے زیادہ کمزور و عاجز ہو جاتے' جو اپنا رزق نہیں اٹھا سکتے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا'' کا مطلب ہے کہ وہ اپنے رزق کو ذخیرہ نہیں کرتے بلکہ جب وہ صبح اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا فرماتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ انسان' چیونٹی اور چوہے کے علاوہ کوئی جاندار اپنی روزی ذخیرہ نہیں کرتا ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ﴾ اور وہ تمہاری اس بات کو خوب سننے والا ہے کہ ہمیں فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا ڈر ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ خوب جاننے والا ہے' جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔

۶۱- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی اگر آپ ان مشرکین سے سوال کریں کہ اتنے بڑے اور وسیع و عریض اور کشادہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور وہ کون ہے جس نے سورج اور چاند کو مطیع و تابع فرمان کر دیا ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ البتہ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' سو وہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں' پس ان تمام چیزوں کے اقرار کرنے کے باوجود پھر وہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے اعراض و روگردانی کیوں کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ ع ۱۲

وقف لازم

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے (بارش کا) پانی کس نے نازل کیا جس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے O اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر صرف کھیل اور تماشا ہے' اور بے شک آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی ہے' کاش! وہ جان لیتے O

۶۲- ﴿اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے لیے یعنی جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' [پس ''لہ'' کی ضمیر ''لمن یشاء'' کی جگہ رکھی گئی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وہ مبہم اور غیر معیّن ہے' اس لیے ضمیر بھی اس کی مثل مبہم ہے'' قدّر الرزق وقتّرہ'' ہم معنی ہیں' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب رزق تنگ کر دیا جاتا ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے لیے مفید ہے اور جو ان کو نقصان دِہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان صرف مال و دولت میں صحیح سلامت رہتا ہے اور اگر میں ان کو تنگ دست و غریب کر دوں تو ان کا ایمان خراب ہو جائے اور میرے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان صرف فقر و فاقہ اور غربت میں صحیح سلامت رہتا ہے اور اگر میں ان کو مال و دولت دے کر غنی کر دوں تو ان کا ایمان خراب ہو جائے[1]

۶۳- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے (بارش کا) پانی کس نے نازل کیا' پھر اس کے ذریعہ زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا' البتہ وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یعنی وہ لوگ اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام محامد و تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' اس لیے کہ اس نے آسمان سے بارش برسا کر مردہ و بنجر زمین کو زندہ فرما کر سبزہ زار بنا دیا' یا اس بناء پر کہ آپ نے بھی اسی طرح اقرار کیا' جس طرح انہوں نے اس کا اقرار و اعتراف کیا' پھر اس اقرار نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور اس سے شریکوں کی نفی کرنے میں فائدہ پہنچایا اور آپ کا اقرار مشرکین کے اقرار کی طرح معطل و بے فائدہ نہیں رہا ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور اپنی عقلوں سے کام لے کر ان نشانیوں میں تدبر نہیں کرتے' جو ہم نے انہیں دکھائی ہیں اور نہ ان دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں جو ہم نے ان پر قائم کیے ہیں یا وہ لوگ ان چیزوں کو نہیں سمجھتے جو آپ الحمد للہ کہہ کر مراد لیتے ہیں۔

## دنیا کے طالب کفار کی مذمت و ناشکری کا بیان

۶۴- ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے یعنی یہ دنیا اہل دنیا سے بہت جلد زائل ہو جانے اور دنیاداروں کے موت آنے پر دنیا کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح ہے جس طرح بچے تھوڑی دیر کے لیے مل کر کھیلتے ہیں' پھر جلد ہی کھیل کود چھوڑ کر منتشر ہو جاتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں دنیا کی تحقیر و تذلیل

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۸۰۹۸۔ ۸۱۰۰' من حدیث عمر و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

بیان کی گئی ہے اور اس کی تحقیر کیوں نہ کی جاتی جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں اور ''لھو'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی لذت وسرور حاصل کرتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے اس میں منہمک ہو کر غافل ہو جاتا ہے' پھر دنیا کا سرور ختم ہو جاتا ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندگی ہے یعنی اصل زندگی آخرت کا گھر ہے کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہوگی' اس میں موت نہیں تو گویا اصل اور بالذات زندگی یہی ہے [اور ''حَیَوَان''، ''حَیَّ'' کا مصدر ہے اور قیاس کے مطابق ''حَیَیَان'' ہونا چاہیے مگر دوسری ''یا'' کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے اور ''لھی الحیاۃ'' نہیں کہا گیا کیونکہ ''فَعَلَان'' کے صیغہ میں حرکت واضطراب کا معنی پایا جاتا ہے اور حیات میں حرکت ہے اور موت میں سکون ہے' پس ''حیاۃ'' کو ایسے وزن پر لانا جو حرکت کے معنی پر دلالت کرتا ہو ''حیاۃ'' کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور ''الحیوان'' پر وقف کیا جائے گا کیونکہ مقدر عبارت یوں ہے] ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''حَقِیقَةَ الدَّارَیْنِ لَمَا اخْتَارُوا اللَّھْوَ الْفَانِیَ عَلَی الْحَیَوَانِ الْبَاقِیْ'' یعنی اگر مشرکین مکہ دنیا وآخرت کی حقیقت جان لیتے تو فانی وعارضی کھیل کود کو باقی اور دائمی زندگی پر ترجیح نہ دیتے [اور اگر وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''حیاۃ'' کا وصف ان کے علم کی شرط پر معلق ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے]۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ
اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ۫ وقفة
فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ
مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ
اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا
لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ ع ۷

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں جب کہ وہ اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر لیتے ہیں' پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو اسی وقت وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں○ تا کہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں' اور تا کہ وہ چند روزہ نفع حاصل کر لیں' سو عنقریب وہ جان لیں گے○ اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو امن کی جگہ قرار دیا حالانکہ اس کے گرد ونواح سے لوگوں کو اچانک اغوا کر لیا جاتا ہے' تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں○ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب حق اس کے پاس آ جائے تو اس کو جھٹلا دے' کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی' ہم انہیں ضرور اپنے راستے دکھلا دیں گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کے

ساتھ ہے O

٦٥- ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ﴾ پھر جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں [یہ محذوف کے ساتھ متصل ہے اور اس پر ان کا وہ وصف دلالت کرتا ہے جو ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور ان کے حال کی وضاحت کی گئی ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین عرب کفر و شرک اور بغض و عناد کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں جب کہ وہ اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر لیتے ہیں (یعنی) یہ لوگ ان مؤمنوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں جو اپنا دین و ایمان اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کشتیوں میں صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ﴿فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے اور حالتِ امن میں آ جاتے ہیں تو ﴿إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اسی وقت وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں اور شرک کی حالت میں لوٹ جاتے ہیں۔

٦٦- ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَا آتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا﴾ تا کہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں اور تا کہ عارضی منافع سے لطف اندوز ہو لیں۔ [بعض حضرات نے کہا کہ کسرہ کی قراءت کی صورت میں ''لِيَكْفُرُوْا'' اور ''وَلِيَتَمَتَّعُوْا'' میں لام ''كَيْ'' ہے ''أَيْ كَيْ يَكْفُرُوْا وَ كَيْ يَتَمَتَّعُوْا'' یعنی تا کہ وہ ناشکری کریں اور تا کہ وہ لطف اندوز ہو لیں] اور معنی یہ ہے کہ یہ لوگ (خشکی پر آ جانے کے بعد) اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں' تا کہ یہ لوگ اپنے شرک کی طرف لوٹ کر نجات پانے کی نعمت پر ناشکری کریں اور اس نجات کی وجہ سے عارضی دنیا کے فوائد سے صرف لذت و لطف اٹھائیں اور کچھ نہیں اور ان کا رویہ حقیقت میں مخلص مؤمنوں کے برعکس تھا کیونکہ مؤمنین تو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر بجالاتے ہیں' جب انہیں نجات ملتی ہے اور یہ نجات کی نعمت کو عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کے اضافہ کا ذریعہ بنا لیتے اور یہ حضرات عارضی منافع سے لطف و سرور حاصل کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے [اور اس معنی پر ''يُشْرِكُوْنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا اور جس نے ابن کثیر مکی' علی کسائی اور حمزہ کی قراءت ثابت کرنے کی وجہ سے لام امر قرار دیا ہے' اس کے نزدیک وقف کیا جائے گا اور اس صورت میں لام ساکن ہوگا] اور یہ امر ڈانٹنے کے طور پر ہوگا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ'' (الکہف:۲۹) ''سو جو شخص چاہے پس ایمان لے آئے اور جو شخص چاہے پس وہ کفر اختیار کر لے''۔ اور اس کی تحقیق اصولِ فقہ ہے ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو وہ عنقریب اپنی ہلاکت کے وقت اپنی بُری سوچ کا انجام جان لیں گے۔

٦٧- ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا یعنی کیا اہل مکہ نے نہیں دیکھا کہ ﴿أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا﴾ بے شک ہم نے ان کے شہر کو حرم بنا کر ہر قسم کی ظلم و زیادتی سے سلامت و محفوظ بنا دیا ﴿آمِنًا﴾ امن و امان کی جگہ بنا دیا جس میں لوگ امن و سکون کے ساتھ داخل ہوتے ہیں ﴿وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ حالانکہ لوگوں کو ان کے گرد و نواح سے اغواء کر لیا جاتا ہے اور انہیں اچانک قتل کرنے یا قیدی بنانے کے لیے اچک لیا جاتا ہے ﴿أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں یعنی شیطان پر اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں یعنی حضرت سیّد عالم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں۔

٦٨- ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے' اس بناء پر کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنایا ہے ﴿أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ﴾ یا اس نے حق جھٹلایا ہے

(یعنی) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کو اور کتاب کو جھٹلایا ہے ﴿لَمَّا جَآءَهٗ﴾ جب وہ اس کے پاس آیا یعنی جب انہوں نے آپ کے بارے میں سنا تو انہوں نے دیر نہیں لگائی بلکہ فوراً آپ کی تکذیب کی اور جھٹلایا ﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں۔ یہ دوزخ میں ان کے ٹھکانے کی تصدیق و تائید کرنا اور اس کے لیے ثبوت مہیا کرنا ہے [ کیونکہ انکار کا ہمزہ جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو مدخول منفی کی بجائے مثبت ہو جاتا ہے ] یعنی کیا وہ دوزخ میں نہیں ٹھہریں گے حالانکہ انہوں نے اتنی بڑی تکذیب کی طرح اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا اور انہوں نے اتنی بڑی تکذیب کی طرح حق کو جھٹلایا' یا یہ کہ کیا ان کے نزدیک یہ درست نہیں کہ دوزخ کافروں کا ٹھکانا ہے کیونکہ انہوں نے اتنی بڑی جراءت کی طرح جراءت کا مظاہرہ کیا اور ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ'' کے مقابلے میں ''المثوی'' کا ذکر ''ثا'' کی قراءت کی تائید کرتا ہے۔

## راہِ حق کے طالب کے انعام کا بیان

٦٩- ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا﴾ اور جن لوگوں نے مجاہدہ کیا۔ یہاں مجاہدہ کو مطلق بیان کیا گیا اور اس کو مفعول کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تا کہ یہ ہر اس مجاہدہ کو شامل ہو جائے جس پر عمل کرنا واجب و لازم ہے' جیسے نفس کے ساتھ اور شیطان کے ساتھ اور دشمنانِ دین کے ساتھ مجاہدہ کرنا واجب و لازم ہے ﴿فِیْنَا﴾ ہمارے حق میں اور ہماری خاطر اور خالص ہماری رضا وخوشنودی کے لیے ﴿لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ البتہ ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھلائیں گے۔ حضرت ابوعمرو نے کہا کہ یعنی ہم خیر و بھلائی کی راہ کی طرف ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیں گے اور ہم انہیں خیر و بھلائی کی توفیق عنایت کریں گے اور دارانی نے کہا کہ اور جن لوگوں نے ان راہوں میں مجاہدہ کیا' جو ان کے علم میں تھیں تو ہم ضرور ان راہوں کی طرف ان کی رہنمائی کریں گے' جن کو وہ نہیں جانتے' چنانچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اسے ایسے علم کی توفیق عطا کی جاتی ہے' جس کا اسے پہلے علم نہیں ہوتا اور بعض نے کہا کہ بے شک ہم اپنی بے علمی کی وجہ سے جس چیز کو خیال کرتے ہیں کہ اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے تو یہ صرف ہماری علمی کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اور جو لوگ علم کی طلب میں مجاہدہ کریں گے' ہم انہیں اس پر عمل کرنے کی ہدایت و توفیق عطاء کریں گے اور حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جو لوگ سنت کو قائم و دائم رکھنے میں جہاد کریں گے' ہم انہیں جنت کا راستہ دکھائیں گے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ ہماری رضا و خوشنودی کے حصول میں مجاہدہ کریں گے' ہم انہیں رضوان کے محل تک پہنچنے کی رہنمائی کریں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جو لوگ ہماری اطاعت و فرماں برداری کرنے میں جدوجہد اور کوشش کریں گے' ہم انہیں اپنے اجر و ثواب کے راستوں کی رہنمائی فرمائیں گے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ توبہ کرنے میں کوشش کریں گے' ہم انہیں اخلاص کی راہوں کی طرف رہبری کریں گے' یا یہ معنی ہے کہ جو لوگ ہماری خدمت کے لیے جدوجہد کریں گے' ہم ان پر مناجات کی راہیں اور اپنے ساتھ انس و محبت کی راہیں کھول دیں گے' یا جو لوگ ہماری رضا کے لیے متحیر ہو کر ہماری طلب میں جدوجہد کرتے ہیں' ہم انہیں اپنے قرب تک پہنچنے کی راہیں کھول دیتے ہیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ دنیا میں اعانت و مدد کرنے کے لیے اور آخرت میں مغفرت و بخشش کرنے اور اجر و ثواب عطا کرنے کے لیے نیکوں کے ساتھ ہے۔

(آج بروز ہفتہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء بوقت پانچ بجے شام' سورت عنکبوت کا ترجمہ اور ''تفسیر مدارک'' کے تفسیری حصہ کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک) (فقیر حافظ محمد واحد بخش غوثوی)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

وہ عظیم کتاب جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرہ: ۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

## وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمٰی بہ

## برکات القرآن

تصنیف

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ: ۲)

# تفسیر مدارک التنزیل

المعروف

## وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمی بہ

## برکات القرآن

جلد سوم

(الروم تا الناس)

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرید بُک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، محمد اشتیاق احمد

مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

الطبع الاوّل : رمضان 1434ھ / جون 2013ء

**Farid Book Stall**

*Phone No:092-42-7312173-7123435*

*Fax No.092-42-7224899*

*Email:info@faridbookstall.com*

*Visit us at:www.faridbookstall.com*

فرید بُک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹

ای۔میل : info@faridbookstall.com

ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر مدارک التنزیل (جلد سوئم)

سورۃ الروم مکیۃ    بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O    آیاتہا ۶۰ رکوعاتہا ۶

سورۃ الروم مکی ہے    اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO اس کی ساٹھ آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ
يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

المO رومی مغلوب ہو گئےO نہایت قریب کی زمین (شام) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گےO چند سالوں میں' حکم تو اوّل و آخر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس دن مسلمان خوش ہوں گےO اللہ تعالیٰ کی مدد پر' وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ بہت غالب بے حد مہربان ہےO (یہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتےO

## روم کے غلبہ کی خبر سے نبوت و قرآن کی حقانیت اور کفار کی مذمت

۲'۱ - ﴿الٓمّٓ O غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ رومی مغلوب ہو گئے یعنی فارس (ایران) نے روم پر غلبہ پا کر فتح حاصل کر لی۔

۳ - ﴿فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ قریب ترین زمین میں یعنی سرزمین عرب کے قریب ترین زمین میں' کیونکہ عرب کے نزدیک مشہور سرزمین انہیں کی زمین ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ عرب کی سرزمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے اور وہ ملک شام کے گردونواح کا علاقہ ہے یا ان کی اپنی زمین مراد ہے' اس بناء پر (''الارض'' کا) لام مضاف الیہ کے قائم مقام ہے'' ای فی ادنٰی ارضھم الی عدوھم ''یعنی دشمن کی طرف اپنی زمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے ﴿وَهُمْ﴾ اور وہ یعنی اہل روم ﴿مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ﴾ مغلوب ہونے کے بعد یعنی فارس سے مغلوب ہونے کے بعد [اور یہ لام کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ''غَلَبْ'' (مفتوح لام) اور ''غَلْبْ'' (لام ساکن ہے) دونوں مصدر ہیں اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے] ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ عنقریب وہ فارس پر غالب آ جائیں گے [اور اس پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا (فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ) کے ساتھ تعلق ہے]۔

٤ - ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ﴾ چند سالوں میں اور یہ (بِضع) تین سال سے لے کر دس سال تک کے عرصہ پر بولا جاتا ہے' روم اور فارس کی اذرعات اور بصریٰ کے درمیان جنگ ہوگئی' جس میں فارس روم پر غالب آ گئے اور اس وقت فارس کا بادشاہ کسریٰ پرویز تھا اور یہ خبر مکہ مکرمہ میں پہنچی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مغموم ہو گئے کیونکہ فارس کے باشندے مجوسی (آتش پرست) تھے اور روم کے باشندے اہل کتاب تھے جب کہ مشرکین مکہ خوش و خرم ہو گئے اور انہوں نے (مسلمانوں سے) کہا کہ تم اور نصرانی دونوں اہل کتاب ہو' جب کہ ہم اور اہل فارس اَن پڑھ لوگ ہیں اور ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب

آ گئے اور ہم بھی تم پر ضرور غالب آ جائیں گے تو یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! چند سال بعد رومی فارسیوں پر ضرور غالب آ ئیں گے' یہ بات سن کر ابی بن خلف نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو' پھر اس نے حضرت ابوبکر صدیق سے ایک شرط لگالی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا پابند ہوگا کہ ہارنے کی صورت میں دس اونٹنیاں دے گا اور تین سال تک مدت مقرر کر لی' پھر حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم معاہدہ میں اضافہ کر دو اور اس سے زیادہ دور کی مدت مقرر کراؤ' چنانچہ دونوں نے باہمی رضامندی سے ایک سو اونٹنیوں پر نو سال تک شرط مقرر کر لی اور ابی بن خلف' رسول اللہ ﷺ کے تیر لگنے سے زخمی ہو گیا تھا اور اس زخم کی وجہ سے مر گیا اور حدیبیہ کے دن یا بدر کے دن روم فارس پر غالب آ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے ابی بن خلف کی اولاد سے شرط کی اونٹنیاں لے لیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان کو صدقہ کر دو[1]

یہ ایک روشن ترین دلیل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت صحیح اور برحق ہے اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ یہ علم غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔[2] اور یہ واقعہ جوئے کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا' حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا عقیدہ شرک نہیں بلکہ علم غیب حضور کی نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ آپ کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''من احب ان یسال عن شیء فلیسال عنه فواللہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم به ما دمت فی مقامی هذا'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۲) ''جو شخص کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے بارے میں سوال کرے' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتادوں گا' جب تک میں اس جگہ میں ہوں''۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ان اللّٰہ زوی لی الارض حتی رایت مشارقها و مغاربها'' (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا' یہاں تک کہ میں نے اس کے تمام مشرقوں کو اور اس کے تمام مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔

(۳) حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھ گئے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا' پھر آپ اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا'' فاخبرنا بما کان وبما هو کائن فاعلمنا احفظنا'' (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۰) ''سو آپ نے جو کچھ پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا تھا سب کچھ ہمیں بیان فرما دیا' سو ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے''۔

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے'' فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم'' (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷) ''سو آپ نے خلقت کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنتی منزلوں میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کی منزلوں میں داخل ہونے تک سب کچھ بتادیا' اسے جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا' اس سے وہ بھول گیا''۔

بے شمار احادیث پیش کی جاسکتی ہیں' مگر اختصار کے پیش نظر انہی چند احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

[2] رواہ الترمذی: ۳۱۹۴

سے یہی منقول ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے مذہب میں فاسد سودے (عقود فاسدہ) سود وغیرہ کی طرح دارالحرب (غیر مسلم ملک) میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جائز ہوتے ہیں اور ان دونوں حضرات نے اس مسئلہ کی صحت پر اس واقعہ سے استدلال کیا ہے ﴿لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی یعنی ہر چیز سے پہلے بھی اور ہر چیز کے بعد بھی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ کہ جب وہ مغلوب ہوئے اور جب وہ غالب ہوئے گویا کہا گیا کہ رومیوں کے غالب ہونے سے پہلے اور وہ ان کے مغلوب ہونے کا وقت ہے اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد اور وہ ان کے غالب ہونے کا وقت ہے یعنی رومیوں کا پہلے مغلوب ہونا اور بعد میں ان کا غالب آ جانا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے فیصلے سے ہوا' چنانچہ ارشاد ہے: ''وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ'' (آل عمران: ۱۴۰) ''اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں''۔ ﴿وَيَوۡمَئِذٍ﴾ اور اس دن (یعنی) جس دن رومی فارس پر غالب آ جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کے غلبہ کا وعدہ پورا فرمائے گا ﴿يَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ مسلمان خوش ہوں گے۔

۵- ﴿بِنَصۡرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہل کتاب (رومیوں) کو ان لوگوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمایا جن کے پاس کتاب نہیں تھی تاکہ کفارِ مکہ غیظ و غضب میں جلیں کیونکہ انہوں نے رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منائی تھیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کی صداقت کا اظہار کیا' اس لیے کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو رومیوں کے غالب آنے کی خبر دی تھی [اور ''با''، ''یفرح'' کے متعلق ہے' سو اس لیے ''بِنَصۡرِ اللّٰهِ'' پر وقف کیا جائے گا' البتہ ''اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا] ﴿يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ﴾ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ اپنے دشمنوں پر بہت غالب ہے ﴿الرَّحِيۡمُ﴾ وہ اپنے اولیاء (یعنی) دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

٦- ﴿وَعۡدَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ'' ''اور یہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے' پس یہ ارشاد باری تعالیٰ (وَعۡدَ اللّٰهِ) ''وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَعۡدًا'' کے قائم مقام ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے پکا وعدہ فرما لیا ہے ﴿لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ فارس کے خلاف روم کی مدد کرنے کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ﴿وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝٧ اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ ۝٨

وہ تو صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہی ہیں O اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں O

۷- ﴿يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ﴾ وہ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ یہ ''یعلمون'' ''لایعلمون'' سے بدل ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ عدمِ علم جو سراسر جہل ہے کے درمیان اور وجودِ علم جو تحصیل

دنیا سے تجاوز نہیں کرتا' کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور'' ظاهرًا من الحیوة الدنیا '' سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دنیا کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے' سو اس کا ظاہر تو وہی ہے جسے جاہل لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کے نقش و نگار اور اس کی خوش نما زیب و زینت اور آرائش سے لطف اندوز ہونا اور اس کا باطن یہ ہے کہ یہ دنیا آخرت کی جزا کا ذریعہ ہے اور اس دنیا سے آخرت کی طرف نیک اعمال کا زادِ راہ تیار کیا جاتا ہے اور ظاہر کے نکرہ ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری چیزوں میں سے صرف ایک ظاہر کو جانتے ہیں ﴿ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ اور وہ آخرت سے غافل ہیں اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک وہ لوگ آخرت سے غفلت کے مخزن و منبع اور سرچشمہ ہیں [اس میں دوسرا'' ھُمْ '' مبتدا ہے اور'' غافلون '' اس کی خبر ہے اور مبتدا و خبر مل کر جملہ ہوا اور یہ جملہ پہلے'' ھُمْ '' کی خبر ہے]۔

۸- ﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا [ایک احتمال یہ ہے کہ'' فی انفسهم '' ظرف ہے] گویا فرمایا گیا: اور کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں تفکر کو ثابت نہیں کیا یعنی اپنے دلوں میں جو غور و فکر سے خالی ہیں اور تفکر تو صرف دلوں میں ہوتا ہے لیکن وہ متفکرین (غور و فکر کرنے والوں) کے حال کی تصویر زیادہ پیش کرتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے:'' اعتقده فی قلبك '' اسے اپنے دل میں پختہ کر لو [اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ'' فی انفسهم ''،'' تفکر '' کا صلہ ہے] جیسے'' تفکر فی الامر واجال فیه فکره '' کہ اس نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا اور اس نے اس میں اپنی فکر کو خوب گھمایا' اور اس بناء پر اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا جو دیگر مخلوقات سے ان کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور وہ دوسروں کے احوال سے بڑھ کر اپنے دلوں کے احوال کو خوب جانتے ہیں' پس وہ لوگ ان عجیب و غریب حکمتوں میں غور و فکر اور تدبر کریں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری اور باطنی حکمتیں عطا کی ہیں' وہ چھوڑنے کے لائق نہیں بلکہ غور و فکر کے قابل ہیں اور ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کی انتہاء ایک وقت کی طرف ہو جس میں نیکی کرنے پر نیک اور اچھی جزا دی جائے اور برائی کرنے پر اسی کی مثل بری سزا دی جائے تا کہ یہ لوگ اس وقت جان لیں کہ بے شک باقی تمام مخلوقات بھی اسی طرح ہے' اس کا معاملہ بھی حکمت و تدبیر پر جاری ہے اور سب کی انتہاء اسی وقت کی طرف ہے ﴿ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' ان سب کو بے کار و بے فائدہ پیدا نہیں کیا [یہ محذوف قول کے متعلق ہے' اس کا معنی یہ ہے: (اولم یتفکروا)'' فیقولوا هذا القول '' اور کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا تا کہ وہ بھی یہی بات کہتے ( کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور دیگر مخلوقات کو بے کار پیدا نہیں کیا)' اور بعض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات جان لیتے (یعنی اس قول سے پہلے'' فیعلموا '' ہے) کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام زمین و آسمان و دیگر تمام مخلوقات کو بغیر زبردست حکمت کے محض باطل و بے کار پیدا نہیں فرمایا اور نہ یہ کہ یہ تمام چیزیں ہمیشہ رہیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو برحق و مبنی بر حکمت اور مقرر مدت تک کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کے لیے ایک مدت ضروری ہے' جہاں یہ اختتام پذیر ہوں گی اور وہ قیامت کا قیام ہے اور وہ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کا وقت ہے' کیا تم نے یہ ارشاد نہیں دیکھا:'' اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ O '' تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک ہم نے تمہیں محض عبث و بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہیں لوٹائے جاؤ گے O ان کے ترک کا نام کیسا رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عبث و بے کار نہیں لوٹیں گے؟ ﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء و سزا کا ﴿ لَكٰفِرُوْنَ ﴾ البتہ انکار کرتے ہیں' اور علامہ

زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ البتہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۹ ؕ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع

ع ۴

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا بویا تھا اور انہوں نے اس کو زیادہ آباد کیا تھا جتنا انہوں نے اس کو آباد کیا ہے اور ان کے رسول ان کے پاس روشن دلائل لائے' سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم وستم کرتا اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم وستم کرتے تھے O پھر جن لوگوں نے حد سے بڑھ کر برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت برا ہوا' اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے O

---

۹ - ﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ اور کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی' سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے جو لوگ گزر چکے ان کا انجام کیسا ہوا۔ یہ آیت مبارکہ کفارِ مکہ کی زمین میں سیر و سیاحت اور سفر کرنے اور نافرمان و سرکش امتوں میں سے عاد و ثمود وغیرہم جیسی تباہ شدہ قوموں کے آثار و نشانیوں کی طرف دیکھنے کی تقریر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ﴾ وہ لوگ ان سے زیادہ سخت طاقتور تھے اور انہوں نے بیلوں کو جوت کر زمین کو تیار کیا اور اس میں کھیتی باڑی کی ﴿وَعَمَرُوْهَآ﴾ اور انہوں نے اس کو آباد کیا یعنی ہلاک کردہ اور تباہ شدہ قوموں نے اس زمین کو آباد کیا تھا ﴿اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا﴾ اس سے زیادہ جتنا اہل مکہ نے آباد کیا تھا یعنی ان لوگوں نے اہل مکہ کی آبادکاری سے زیادہ آبادکاری کی تھی [''اکثر'' محذوف مصدر کی صفت ہے اور ''مِمَّا'' میں ''مَا'' مصدریہ ہے] ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ﴾ اور ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے تھے [اس پر وقف کیا جائے گا' محذوف کے حق کی وجہ سے ''ای فلم یؤمنوا فاھلکوا'' یعنی جب وہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے] ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا (یعنی) اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا ان پر ظلم کرنے کے لیے نہیں تھا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم وستم کرتے تھے (یعنی) لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ انہوں نے ایسے عمل کیے جنہوں نے ان کی ہلاکت کو واجب کر دیا۔

۱۰ - ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى﴾ پھر جن لوگوں نے برے عمل کیے ان کا انجام بہت برا ہوا' اور معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں دنیا میں ہلاکت و بربادی کی سزا دی گئی' پھر ان کی آخرت کی سزا بہت بری ہوگی' مگر یہاں مضمر کی جگہ

مشہور کو رکھا گیا ہے اور وہ ''الذین اساء وا'' ہے یعنی وہ سزا جو تمام سزاؤں سے بدترین سزا ہے وہ آخرت میں ملے گی اور وہ
دوزخ کی آگ ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿أَنْ كَذَّبُوا﴾ اصل میں ''لِاَنْ كَذَّبُوْا'' ہے یا ''بِاَنْ كَذَّبُوْا'' ہے
یعنی اس لیے کہ انہوں نے تکذیب کی اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''اَسَآءُوْا'' بہ معنی ''كَفَرُوْا'' ہے ﴿بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ﴿وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی پھر کافروں کا
انجام دوزخ ہوئی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا
بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮

اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○ اور جس
دن قیامت قائم ہو گی مجرم مایوس ہو جائیں گے ○ اور ان کے شریکوں میں سے ان کی سفارش کرنے والے نہیں ہوں گے اور
وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے ○ اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن وہ (ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں
گے ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ جنت کے باغ میں خوش ہوں گے ○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وتسبیح اور مسلم وکافر کے انجام کا بیان

۱۱ - ﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے (یعنی) پہلے بھی اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرتا ہے
﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا (یعنی) وہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾
پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابو عمرو اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُرْجَعُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲ - ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہو گی تو اس وقت مجرم لوگ (یعنی) مشرکین
مایوس و ناامید ہو جائیں گے۔ ''يبلس'' بہ معنی ''يَيْئَسُ وَيَتَحَيَّرُ'' ہے یعنی ناامید و حیران ہو جائے گا جیسے کہا جاتا ہے:
''ناظرته فابلس'' میں نے اس سے مناظرہ کیا تو وہ ناامید و حیران ہو کر ساکت و خاموش ہو گیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے
جب کوئی شخص دلائل پیش کرنے سے عاجز ولا جواب ہو کر مایوس و حیران ہو جاتا ہے۔

۱۳ - ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ اور ان کے شریکوں میں سے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے
تھے ان کی سفارش نہیں کریں گے [مصحف عثمانی میں ''شُفَعٰٓؤُا'' لکھا گیا ہے کہ الف سے پہلے واؤ ہے جیسے سورتِ شعراء میں
''عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ'' لکھا گیا ہے اور اسی طرح ''السُّوْٓاٰی'' لکھا جاتا ہے یعنی ''یا'' سے پہلے ہمزہ کو ثابت کرنے کے
لیے الف کو اس حرف کی صورت پر لکھا جاتا ہے جس سے اس کی حرکت پیدا ہوتی ہے] ﴿وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ
اپنے شریکوں کا انکار کر دیں گے یعنی مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کفر کریں گے اور وہ ان کا انکار کر دیں گے یا یہ معنی ہے
کہ وہ لوگ دنیا میں انہی معبودوں کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے۔

۱۴ - ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہو گی' اس دن مسلم و کافر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ ''یتفرقون'' میں ''ھم'' ضمیر مسلمانوں اور کافروں سب کے لیے ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے بعد کا کلام اس پر رہنمائی کر رہا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۵ - ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ باغ میں رہیں گے یعنی وہ جنت کا باغ ہے [اور ''رَوْضَة'' کو نکرہ لانے کی وجہ سے ایک تو اس کی تعظیم و تفخیم اور دوسرا اس کے معاملہ کو مبہم رکھنا مقصود ہے] ﴿ يُّحْبَرُوْنَ ﴾ وہ خوش و خرم رہیں گے' ''حبرہ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو اس قدر خوشی و مسرت حاصل ہو کہ اس خوشی کے لیے اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک اٹھے اور اس کے چہرے میں خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں' پھر خوشی کی کئی وجوہات کے احتمال کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے' چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے گی (جس سے ان کی خوشی دوبالا ہو جائے گی) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہیں جنت میں جنتی جوڑے اور تاج پہنائے جائیں گے (جن سے وہ خوش ہوں گے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا (جو باکرہ حوریں تسبیحات الٰہی پر مشتمل کلام مترنم آواز میں گا کر سنائیں گی)۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۵

اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا' سو یہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ○ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو ○ اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے آخری وقت اور جب تم ظہر کرتے ہو ○ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے' اور اسی طرح تم بھی (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ○

۱۶ - ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کو جھٹلایا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴾ سو انہیں لوگوں کو عذاب میں حاضر رکھا جائے گا (یعنی) انہیں عذاب ہی میں ٹھہرایا جائے گا' اس سے غائب نہیں ہونے دیا جائے گا اور نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا'' (المائدہ:۳۷) ''اور ان کو وہاں سے نہیں نکالا جائے گا''۔

۱۷ - جب اللہ تعالیٰ نے (جنت کے) وعدہ اور (عذاب جہنم) کی وعید (دھمکی) کا ذکر کیا تو اس کے بعد اب ان چیزوں کا ذکر کیا جو وعدہ تک پہنچاتی ہیں اور وعید سے نجات دلاتی ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو' اور تسبیح سے اس کا ظاہر مراد ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ہر برائی اور عیب سے پاک ہونا اور ان اوقات میں خیر و بھلائی

کے ساتھ اس کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنا جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نئے سرے سے نمودار ہوتی رہتی ہیں یا نمازیں ادا کرنا
مراد ہے' چنانچہ جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا
ذکر پاتے ہیں؟ تو فرمایا: ہاں! اور یہی آیت مبارکہ تلاوت کی[ ''سبحان'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے ]اور اس کا معنی یہ ہے
کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں اور عیبوں سے پاکیزگی بیان کرو جو اس کی شان کے لائق نہیں یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے
لیے نمازیں پڑھا کرو ﴿حِيْنَ تُمْسُوْنَ﴾ جب تم شام کرتے ہو تو مغرب اور عشاء کی نماز پڑھا کرو ﴿وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾
اور جب صبح کرتے ہو تو فجر کی نماز پڑھا کرو۔

۱۸ - ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام تعریفیں آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کے لیے ہے [ یہ جملہ
معترضہ ہے اور ''فی السموات''، ''الحمد'' سے حال ہے ]اور اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والے
تمام اہل تمیز حضرات پر واجب و لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کیا کریں ﴿وَعَشِيًّا﴾ اور دن کے آخری وقت نماز
عصر پڑھا کرو [ اور یہ ''حین تمسون'' پر معطوف ہے ] ﴿وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ اور جب ظہر کرتے ہو تو نمازِ ظہر پڑھا کرو۔
''اَظْهَرَ'' یعنی وہ ظہر کے وقت میں داخل ہوا' اور اکثر اہل علم حضرات کا قول یہ ہے کہ پنجگانہ نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض کی گئیں۔

۱۹ - ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے (یعنی) پرندے کو انڈے یا انسان کو نطفہ سے یا مؤمن
کو کافر سے نکالتا ہے ﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے (یعنی) انڈے پرندے سے یا نطفہ کو
انسان سے یا کافر کو مؤمن سے [ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' ابوعمرو' ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''المیت'' کو دونوں جگہ
تخفیف کے ساتھ (''یا'' کو ساکن) پڑھا گیا ہے' ان کے علاوہ کی قراءت میں ''المیّت'' کی ''یا'' کو تشدید کے ساتھ پڑھا
گیا ہے ] ﴿وَيُحْيِ الْاَرْضَ﴾ اور وہ زمین کو درختوں' پودوں اور سبزہ جات کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس
کے مرنے کے بعد (یعنی) اس کے خشک اور بنجر ہونے کے بعد ﴿وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اور اسی طرح تمہیں نکالا جائے گا
یعنی ان مذکورہ بالا چیزوں کے نکالنے کی طرح تمہیں قبروں سے نکالا جائے گا [ حمزہ' علی کسائی اور خلف کی قراءت میں
''تَخْرُجُوْنَ'' (''تا'' مفتوح اور ''را'' مضموم فعل مضارع معروف باب ''نصر ینصر'' سے) ہے اور ''و کذالك'' میں
کافِ تشبیہ ''تخرجون'' کے ساتھ محلاً منصوب ہے ]اور معنی یہ ہے کہ ابتداء میں تخلیق کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ
کر کے اٹھانا' اس ذاتِ اقدس کی قدرت میں برابر ہیں' جو مردے کو زندہ سے اور زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ''فسبحان اللہ
حین تمسون'' سے لے کر ''و کذالك تخرجون'' تک اور سورۃ الصافات کی آخری تین آیات پڑھے گا' تو اس کے لیے
آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں اور زمین کی مٹی کے ذرّوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی
جائیں گی' پھر جب وہ شخص انتقال کر جائے گا تو اس کو قبر میں ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیوں کا اجر وثواب دیا جائے گا اور
حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت ''فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون''
سے لے کر ''و کذالك تخرجون'' تک پڑھ لیا کرے گا تو اس دن اس کے جو اَوراد و وظائف پڑھنے سے رہ گئے ہوں گے'
ان کا اجر وثواب پالے گا اور جو اسے شام کے وقت پڑھ لیا کرے گا تو جو وظائف اور اَوراد اس رات اس کے ترک ہو گئے
ہوں گے' ان کا اجر وثواب پالے گا۔[1]

[1] رواہ ابوداؤد: ۵۰۷٦

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر تب ہی تو تم انسان ہو کر پھیلتے جا رہے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت قائم کر دی' بے شک اس میں البتہ اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ○

قدرتِ الٰہی کے مظاہر و انعامات کا بیان

۲۰- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ربوبیت و پرورش کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ اس نے تمہیں یعنی تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ﴿ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ پھر جب ہی تو تم انسان ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ﴿تَنْتَشِرُوْنَ﴾ تم ہر طرف پھیلتے جا رہے ہو اور تم اپنی ضروریاتِ زندگی میں تصرف کرتے پھرتے ہو [اور ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ثم فاجاتم وقت کونکم بشرًا منتشرین فی الارض'' پھر تم اچانک بروقت انسان ہو کر زمین میں پھیلنے لگ گئے ہو]۔

۲۱- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور اس کے بعد دوسری عورتوں کو مَردوں کی پشتوں سے پیدا کیا گیا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری ہم شکل و ہم جنس عورتیں پیدا کیں' کسی دوسری جنس سے نہیں اور یہ اس لیے کہ ایک جنس کے دو افراد کے درمیان محبت و الفت اور سکون و آرام پایا جاتا ہے اور جب کہ دو مختلف جنسوں کے دو افراد کے درمیان منافرت و اجنبیت پائی جاتی ہے' ''سکن الیہ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کی طرف مائل ہوتا ہے ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت قائم کر دی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان میاں بیوی کے رشتہ کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم و کرم اور مہربانی کرنے کے عمل کو جاری فرما دیا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مودۃ'' سے جماع (ہم بستری) کی طرف اشارہ ہے اور ''رحمۃ'' سے اولاد کی طرف اشارہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مؤدت و محبت نوجوان بیوی کے لیے اور رحمت سن رسیدہ بیوی کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مؤدت و رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے (والفرك من الشيطان) اور فرک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے' یعنی بیوی کا خاوند سے بغض و عناد رکھنا اور خاوند کا بیوی سے بغض و عناد رکھنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتی ہے' سو وہ جانتے ہیں کہ دنیا کا قیام نسل در نسل کی افزائش کے پائے جانے سے ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے' بے شک اس میں علم والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے ہی ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا' بے شک اس میں اس قوم کے لیے جو غور سے سنتے ہیں ضرور نشانیاں ہیں O

۲۲- ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ ﴾ اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کی نشانیوں میں سے ہے یعنی لغات و بولیوں کا ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہونا یا یہ کہ بولنے کی مختلف قسموں کا ہونا اور اس کی مختلف شکلوں کا ہونا ﴿ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ ﴾ اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا جیسے سیاہ اور سفید اور سرخ اور گندمی وغیرہ اور ان رنگتوں کا مختلف ہونا باہمی تعارف و پہچان کے لیے ضروری ہے' ورنہ اگر سب کی شکلیں ایک دوسرے سے ملتی ہوتیں اور سب کے سب ہم شکل ہوتے اور سب ایک رنگ و شکل پر متفق ہوتے تو آپس میں تجاہل والتباس اور اشتباہ واقع ہوتا اور ایک دوسرے کی پہچان ناممکن ہو جاتی اور باہمی مصلحتیں معطل و ختم ہو جاتیں اور اس میں قدرتِ الٰہی کی روشن ترین دلیل ہے کیونکہ تمام انسان ایک باپ سے پیدا ہوئے اور وہ اب اس قدر کثرت سے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا لیکن اس کے باوجود تمام انسان ایک دوسرے سے شکل وصورت میں' بولیوں میں اور لب ولہجہ میں مختلف ہیں ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴾ بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں [''عَـالَـم'' (لام پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے اور امام حفص کی قراءت میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ ''عَالِم'' کی جمع ہے اور لام کے نیچے زیر کی شہادت درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ دے رہا ہے: ''وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ O'' (العنکبوت: ۴۳) اور اس کو نہیں سمجھتے مگر علم والے (یعنی جاننے والے) O]۔

۲۳- ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (یعنی رزق) کو تلاش کرنا۔ یہ لف ونشر کے باب سے ہے (یعنی) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو اس کا فضل (رزق) تلاش کرنا' مگر پہلے دو قرینوں اور دوسرے دو قرینوں کے درمیان فاصلہ رکھا گیا ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ تمہارا دونوں زمانوں (رات اور دن) میں سونا اور ان دونوں زمانوں میں تمہارا رزق تلاش کرنا' اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اور جمہور اہل اسلام اوّل پر متفق ہیں کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور سب سے زیادہ درست معانی وہی ہوتے ہیں جن پر قرآن مجید کی دلالت ہو ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں یعنی جو غور وفکر اور بڑے تدبر کی سماعت کے ساتھ اور یاد رکھنے والے کانوں کے ساتھ سنتے ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں خوف و امید دلانے کے لیے بجلی دکھلاتا ہے اور وہ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے' پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو عقل رکھتی ہےO اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب وہ پکار کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گےO اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے' سب اسی کے حکم کے تابع ہیںO

۲۴- ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے [''یریکم'' میں دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ حرف ''اَنْ'' پوشیدہ ہے' اصل میں ''اَنْ یُّرِیَكُمْ'' ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس فعل کو مصدر کے قائم مقام کیا گیا ہے اور انہیں دو وجہوں کے ساتھ (درج ذیل) مثال کی تفسیر کی گئی ہے ''تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ'' معیدی کا کلام سننا تمہارے لیے اس کے دیکھنے سے بہتر ہے'' ای ان تسمع'' یعنی اصل میں ''ان تسمع'' ہے یا پھر (مصدر کے قائم مقام) ''سماعك'' ہے] ﴿خَوْفًا﴾ بجلی کی کڑک سے ڈراتا ہے یا بارش نہ برسنے سے ڈراتا ہے ﴿وَّ طَمَعًا﴾ اور بارش کے برسنے کی امید بھی دلاتا ہے یا مسافر کو ڈراتا ہے اور حاضر و مقیم کو امید دلاتا ہے [اور یہ دونوں مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں' مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے یعنی ''ارادة خوف و ارادة طمع'' ہے یا دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی خائفین وطامعین ہے] ﴿وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور وہ آسمان سے نازل کرتا ہے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے] ﴿مَآءً﴾ پانی یعنی بارش ﴿فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ پھر وہ اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' جو عقل رکھتی ہے (یعنی) وہ اپنی عقلوں سے سوچتے اور غور و فکر کرتے ہیں۔

۲۵- ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں یعنی تمام زمین و آسمان محض اس کے قائم رکھنے کی وجہ سے یا اس کی تدبیر و حکمت کی وجہ سے بغیر ستون کے باقی و ثابت ہیں ﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین میں سے اٹھانے کے لیے بلائے گا تو تم اچانک اسی وقت اپنی قبروں سے نکل پڑو گے۔ یہ ''یریکم'' کی طرح مفرد معنی پر جملہ واقع ہے' گویا فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آسمانوں اور زمین کا بغیر ستون کے قائم رہنا اور رُکا رہنا ہے' پھر مُردوں کا قبروں سے نکلنا ہے جب انہیں ایک دفعہ پکارا جائے گا کہ ''یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ اُخْرُجُوْا'' اے قبروں والو! تم اپنی

قبروں سے باہر نکل آؤ اور مقصد و مراد یہ ہے کہ بغیر توقف کے فوراً نکل پڑو اور اس کو "ثُمَّ" کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے قیام پر اس لیے عطف کیا گیا ہے تاکہ قبروں سے نکلنے کے معاملے کی بڑائی کو اور اس طرح کی چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا جائے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے قبروں والو! کھڑے ہو جاؤ' تو اولین و آخرین میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا' مگر سب کے سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے' جیسا کہ فرمایا: "ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ O" (الزمر: ٦٨) "پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو فوراً وہ لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے O" [اور پہلا "اِذَا" شرط کے لیے ہے اور دوسرا مفاجات کے لیے ہے اور یہ شرط کے جواب میں "فَا" کے قائم مقام ہے اور "مِنَ الْاَرْضِ" فعل کے متعلق ہے مصدر کے نہیں' جیسے کہا جاتا ہے: "دعوته من مكان كذا" میں نے اس کو اس طرح کے مکان سے بلایا' ممکن ہے کہ "مَكَانَكَ" ہو اور یہ بھی ممکن ہے "مكان صاحبك" ہو]۔

٢٦ - ﴿وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' سب اسی کے فرماں بردار ہیں' وہ اپنے اندر اس کے افعال کے وجود کے لیے ہمہ وقت فرماں بردار رہتے ہیں' اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنتے یا وہ عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٢٧﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿٢٩﴾

ربع

اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ اسی کی شان ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O اس نے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال تمہارے لیے بیان فرمائی کہ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اس رزق میں تمہارا شریک ہے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے کہ تم سب اس (رزق) میں برابر ہو' تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم اپنوں سے ڈرتے ہو' اسی طرح ہم اس قوم کے لیے اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو عقل رکھتی ہے O بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی' سو اسے کون ہدایت دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا' اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے O

٢٧ - ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتداء کرتا ہے' پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی پہلی بار بھی وہی اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرتا ہے' پھر وہی قبروں میں سے اٹھانے کے لیے دوبارہ پیدا کر کے زندہ کرے گا ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ﴿اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ﴾ تمہارے نزدیک اس پر بہت آسان ہے

کیونکہ پہلی بار پیدا کرنے سے دوبارہ اس کا اعادہ کرنا تمہارے نزدیک آسان ہے' سو اب تم اعادہ (دوبارہ اٹھانے) کا انکار کیوں کرتے ہو۔ ''اَھْوَنُ'' بہ معنی ''اَیْسَرُ'' آسان ترین ہے [''وھو اھون علیه'' میں صلہ کو مؤخر کیا گیا ہے' جب کہ سورۂ مریم: ۹ میں ''هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ'' میں صلہ کو مقدم کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہاں اختصاص کا قصد کیا گیا ہے لیکن یہاں اختصاص کے لیے کوئی معنی نہیں ہے] اور علامہ ابوعبیدہ اور علامہ زجاج وغیرہما نے کہا کہ ''اَھْوَنُ'' اور ''هَیِّنٌ'' ہم معنی ہیں' اس لیے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا جا سکتا ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا○'' (الاحزاب: ۳۰) ''اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے○'' جیسا کہ کہتے ہیں: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ ای كبير'' یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اعادہ فی نفسہ بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت سے آسان ہے یا یہ معنی ہے کہ پیدا کرنے کی نسبت سے اعادہ کرنا مخلوق کے لیے آسان ہے کیونکہ ان کا ایک حالت پر قائم ہونا زیادہ آسان ہے اس سے کہ وہ پہلے نطفہ ہوں' پھر لوتھڑا ہوں' پھر گوشت ہوں' پھر ان کی تخلیق کی تکمیل ہو ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور تمام زمین میں اسی (اللہ تعالیٰ) کی شان بلند و بالا ہے یعنی اعلیٰ وصف صرف اسی اللہ تعالیٰ کا ہے' اس کے سوا کسی کا نہیں ہے اور وہی اس کے ساتھ مشہور و معروف ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کا وصف جو تمام مخلوقات کی زبان پر اور تمام دلائل کی زبان پر جاری وساری ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مقدورات پر پوری طرح قادر ہے' وہ پہلی بار پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنے وغیرہما مقدروات میں سے کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ہر مقدور پر غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ بڑا دانا ہے' وہی ہے جس کے علم وحکمت سے پُر فیصلہ جات پر ہر فعل جاری وساری ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ''المثل الاعلٰی'' سے ''لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○'' (الشوریٰ: ۱۱) مراد ہے (یعنی) ''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے○''۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ سب سے بلند و بالا وصف اسی کا ہے اور وہ وحدانیت کا وصف ہے' جس کی تائید و توثیق درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ کر رہا ہے۔

۲۸- ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال بیان فرمائی' سو اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس شخص کے لیے بیان فرمائی ہے جس نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے شریک ٹھہرا لیے [''من'' ابتداء کے لیے ہے] گویا فرمایا کہ اس نے ایک مثال لی ہے اور اسے تمہاری قریب ترین چیز میں سے لیا ہے اور وہ تمہاری اپنی جانیں ہیں ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اے آزادوں کی جماعتو! کیا تمہارے لیے تمہارے غلاموں میں سے کوئی ہے [''من'' تبعیض کا ہے] ﴿مِّنْ شُرَكَآءَ﴾ تمہارا شریک [''من'' استفہام کی تاکید کے لیے زائد ہے' یہ استفہام نفی کے قائم مقام ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک انسان دوسرے انسان کی طرح ہوتا ہے اور ایک غلام دوسرے غلام کی طرح ہوتا ہے' اس بناء پر کیا تم اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے ایسی مثالیں پسند کرتے ہو کہ ان میں سے بعض تمہارے ساتھ شریک ہوں ﴿فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ تمہارے ان مالوں اور جائیدادوں میں جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَاَنْتُمْ﴾ سو تم آزادوں اور غلاموں کی تمام جماعتیں ﴿فِيْهِ﴾ اس رزق میں ﴿سَوَآءٌ﴾ آزاد اور غلام کے درمیان بغیر کسی تفریق کے تم سب برابر ہو کہ تمہارے غلام تمہارے مالوں میں اسی طرح تصرف وخرچ کریں جس طرح تم خود اپنے مالوں میں تصرف وخرچ کرتے ہو ﴿تَخَافُوْنَهُمْ﴾ تم ان سے ڈرتے ہو یعنی اے آقاؤں کی جماعت! تم اپنے مالوں میں

اپنے غلاموں کی برابری کی شرکت سے ڈرتے ہو کہ تم اس صورت میں ان کی اجازت کے بغیر اپنے اموال میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکو گے' محض ملامت کرنے والے کے خوف کی وجہ سے جو تمہیں ان کی طرف سے لاحق ہوگا [یہ "سواء" کی ضمیر فاعل سے حال ہے] ﴿كَخِيفَتِكُمْ﴾ "ای خیفة کخیفتکم" یعنی ایسا ڈر جیسے تم ڈرتے ہو ﴿أَنفُسَكُمْ﴾ اپنے لوگوں سے یعنی جس طرح آزاد لوگ مشترکہ اُمور میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں' سو جب تم اپنوں کے لیے یہ شرکت پسند نہیں کرتے تو تم تمام آزادوں اور غلاموں کے بادشاہ اور رب الارباب کے لیے اس کے بعض بندوں کو اس کا شریک کیوں کر ٹھہراتے ہو؟ ﴿كَذَٰلِكَ﴾ [کاف تشبیہ محلاً منصوب ہے] یعنی اس تفصیل کی طرح ﴿نُفَصِّلُ الْآيَاتِ﴾ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں یعنی ہم ان کو تفصیل کے ساتھ واضح کر کے بیان کرتے ہیں کیونکہ مثالوں کے ذریعے معانی کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور ان کی وضاحت کی جاتی ہے ﴿لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو مثالوں کے بیان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔

۲۹- پھر جب کفارِ مکہ کفر و شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض فرما لیا اور ارشاد فرمایا: ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ بلکہ جب لوگوں نے اپنی جانوں پر شرک کر کے ظلم کیا' جیسا کہ ارشاد ہے: "إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ O" (لقمان: ۱۳) "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے O"۔ انہوں نے پیروی اختیار کر لی ﴿أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اپنی خواہشات کی علم کے بغیر یعنی انہوں نے جہالت کی وجہ سے اپنی خواہشات کی پیروی کی ﴿فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ سوا سے کون ہدایت دے سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہو' یعنی اصل میں "اضله الله" ہے ﴿وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

| |
|---|
| فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا |
| تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا |
| يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ |
| الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا |
| لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ |

سو آپ اپنا رخ زیادہ دینِ حنیف پر قائم رکھیے' اللہ تعالیٰ کی خلقت وہی ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا' اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں' یہی سیدھا دین ہے' اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاؤ اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ O ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ کئی گروہ ہو گئے' ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے O

## دینِ حنیف کو اپنانے کی تاکید اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۰- ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنا چہرۂ انور دینِ حق پر قائم رکھیں (یعنی) سو آپ اپنا چہرہ مبارک اس دین کی طرف سیدھا رکھیں اور برابر اسی کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھیں' اس سے اِدھر اُدھر' دائیں اور بائیں

اطراف توجہ مت کیجئے اور یہ حکم دراصل ایک تمثیل ہے دین حق پر توجہ رکھنے کی اور اس پر پوری طرح قائم و دائم رہنے کی اور اس کی تبلیغ کے اسباب کے لیے اہتمام کرنے کی' کیونکہ جو شخص کسی چیز کا اہتمام کرتا ہے تو وہ اپنی نگاہ اسی پر مرکوز رکھتا ہے اور اپنی نظر اسی کی طرف سیدھی کر لیتا اور اپنا چہرہ اسی کی طرف سیدھا رکھتا ہے ﴿حَنِیۡفًا ؕ﴾ تمام باطل ادیان سے منہ موڑ کر دین حق پر قائم رہنے والا [یہ مامور اور دین سے حال ہے] ﴿فِطۡرَتَ اللّٰہِ﴾ ''ای الزموا فطرۃ اللّٰہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو اور ''فطرۃ'' بہ معنیٰ ''خلقت'' ہے' کیا تم نے ارشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ'' کی طرف نہیں دیکھا اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو توحید اور دینِ اسلام قبول کرنے والے' اس سے روگردانی نہ کرنے والے اور اس کا انکار نہ کرنے والے بنا کر پیدا کیا ہے' اس لیے کہ یہ دین عقل کے لیے جاذب ہے اور صحیح نظر کے لیے قائد و رہنما ہے' یہاں تک کہ اگر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دین اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے دین و مذہب کو اختیار نہیں کریں گے اور ان میں سے جو لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں' وہ صرف جن و انس کے شیطانوں کے اُکسانے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے' چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا کہ ''کُلُّ عِبَادِیۡ خَلَقۡتُ حُنَفَآءَ فَاجۡتَالَتۡھُمُ الشَّیَاطِیۡنُ عَنۡ دِیۡنِھِمۡ وَاَمَرُوۡھُمۡ اَنۡ یُّشۡرِکُوۡا بِیۡ غَیۡرِیۡ'' میں نے اپنے تمام بندوں کو توحید پرست پیدا کیا' پھر شیطانوں نے انہیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور انہوں نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک ٹھہرائیں[1] اور حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کُلُّ مَوۡلُوۡدٍ یُوۡلَدُ عَلَی الۡفِطۡرَۃِ حَتّٰی یَکُوۡنَ اَبَوَاہُ ھُمَا اللَّذَانِ یُھَوِّدَانِہٖ اَوۡ یُنَصِّرَانِہٖ'' ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ ہی وہ لوگ ہیں جو اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں[2] اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ایمان باللہ پر پیدا کیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی تمام پیدا ہونے والی اولاد کو چیونٹیوں کی طرح نکالا اور ان کو ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنایا کہ بے شک وہ ان کا خالق و مالک ہے اور ارشاد فرمایا: ''وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُھُوۡرِھِمۡ ذُرِّیَّتَھُمۡ وَاَشۡھَدَھُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِھِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی شَھِدۡنَا'' (الاعراف:۱۷۲) ''اور جب آپ کے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں' سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی''۔ پس ہر بچہ اس اولاد میں سے ہے جس نے گواہی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق و مالک ہے' سو اللہ تعالیٰ کی ''فطرۃ'' اللہ تعالیٰ کا دین ہے ﴿الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡھَا ؕ﴾ وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا' یعنی ''فطر'' بہ معنیٰ ''خلق'' ہے ﴿لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی نہیں' یعنی یہ مناسب و لائق نہیں کہ اس فطرت کو تبدیل کر دیا جائے یا متغیر کیا جائے' اور زجاج نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین تبدیل نہیں ہوگا اور اس معنیٰ پر اس کے بعد آنے والا یہ کلام رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ٭ۙ﴾ یہ دین بڑا پکا اور مضبوط ہے یعنی یہ سیدھا دین ہے ﴿وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۱- ﴿مُنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡہِ﴾ اس کی طرف رجوع کرنے والے [یہ ''الزموا'' کی ضمیر سے حال ہے اور یہ ارشاد ''واتقوہ''

[1] رواہ مسلم فی کتاب الجنۃ' حدیث: ۶۳' واحمد فی مسندہ ج ۴ ص ۱۶۲

[2] رواہ البخاری فی کتاب الجنائز باب: ۹۲' ابوداؤد فی کتاب السنۃ باب: ۱۷' الترمذی فی کتاب القدر باب: ۵' الموطأ فی کتاب الجنائز حدیث: ۵۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۳۳-۱۷۵

''واقیموا''، ''ولا تکونوا'' اس مضمر پر معطوف ہیں' یا ارشاد باری تعالیٰ ''فاقم وجھك'' سے حال ہیں] کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم حقیقت میں آپ کی امت کے لیے حکم ہے تو گویا فرمایا: ''فاقیموا وجوھکم منیبین الیه'' سوتم اپنے چہروں کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے سیدھا رکھو۔ یا تقدیر عبارت یوں ہے: ''کونوا منیبین الیه'' کہ تم اس کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ' اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ''ولا تکونوا من المشرکین'' ﴿وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ اور تم اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو یعنی نماز کو اس کے اوقات میں صحیح طریقے پر ادا کیا کرو ﴿وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ اور تم شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں۔

۳۲- ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ﴾ [یہ ''المشرکین'' سے حرف جارہ کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے] ان لوگوں میں سے ﴿فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ﴾ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور انہوں نے اپنی مختلف خواہشات کے سبب مختلف دین بنا لیے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''فارقوا'' ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے] یعنی انہوں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا ﴿وَکَانُوۡا شِیَعًا﴾ اور وہ کئی گروہ بن گئے' ہر ایک گروہ اپنے پیشوا کی پیروی کرتا ہے' جس نے اسے گمراہ کیا ﴿کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ﴾ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے (یعنی) ہر گروہ اپنے مذہب پر مسرور و خوش ہے اور وہ اپنے باطل مذہب کو حق گمان کرتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا رَبَّهُمۡ مُّنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ
رَحۡمَةً اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ یُشۡرِکُوۡنَ ۝۳۳ لِیَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا
فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۴ اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ یَتَکَلَّمُ بِمَا کَانُوۡا بِهٖ یُشۡرِکُوۡنَ ۝۳۵

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ اپنی طرف سے ان کو رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو عطا کی ہیں' سو تم زندگی کا لطف اٹھا لو' پس عنقریب تم جان لو گے O یا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شریکوں کی گواہی دیتی ہے O

۳۳- ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے جیسے سخت کمزوری کا لاحق ہو جانا یا کوئی بیماری یا قحط یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف ﴿دَعَوۡا رَبَّهُمۡ مُّنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً﴾ تو وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں' پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انہیں رحمت کا مزہ چکھاتا ہے اور تکلیف سے نجات عطا کرتا ہے ﴿اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ یُشۡرِکُوۡنَ﴾ تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے۔

۳۴- ﴿لِیَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ﴾ تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں [''لیکفروا'' میں یہ لام ''کَیۡ'' کا ہے یا پھر وعید کے لیے لام امر ہے] ﴿فَتَمَتَّعُوۡا﴾ سو تم اپنے کفر و شرک کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو [یہ امر وعید کا ہے] ﴿فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ سو تم عنقریب اپنے فائدہ اٹھانے کا وبال جان لو گے۔

۳۵- ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ ﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی حجت و دلیل نازل کی ہے سو وہ (انہیں) بتلاتی ہے اور اس حجت کا کلام کرنا اور بولنا مجاز ہے جیسا کہ کہتے ہیں: ''کتابه ناطق بهکذا'' کہ اس کی کتاب اس طرح بولتی ہے'' وهذا مما نطق به القرآن'' اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ قرآن مجید کلام کرتا ہے اور اس کا معنی ہے: گواہی دینا' گویا فرمایا: سو وہ ان کے شرک اور اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے ﴿ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴾ جس کے ساتھ شرک کرتے تھے [''مَا'' مصدریہ ہے یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' یا ''مَا'' موصولہ ہے اور ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی پس وہ حجت اس امر کے ساتھ کلام کرتی اور گواہی دیتی ہے جس کے سبب وہ شرک کرتے ہیں] یا اس آیت مبارکہ کا یہ معنی ہے کہ کیا ہم نے ان پر گواہ نازل کیا ہے یعنی فرشتہ نازل کیا ہے جس کے ساتھ برہان و دلیل ہے' سو وہ فرشتہ اس برہان کے ساتھ شرک کی صحت کی گواہی دیتا ہے' جس کی وجہ سے یہ مشرکینِ مکہ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں' اور اگر ان کے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اسی وقت ناامید ہو جاتے ہیں O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور وہ تنگ بھی کر دیتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے O

۳۶- ﴿ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً ﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی کوئی نعمت عطا کرتے ہیں جیسے بارش کا بروقت برسنا یا خوش حالی و فراخ روزی کا حاصل ہو جانا یا صحت و تندرستی کا ہونا ﴿ فَرِحُوْا بِهَا ﴾ تو وہ لوگ اس پر خوش ہو کر اتراتے اور اکڑتے ہیں ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ﴾ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یعنی کوئی مصیبت جیسے خشک سالی و قحط سالی یا غربت و تنگ دستی یا کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ان کرتوتوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں (یعنی) ان کے گناہوں کی بدبختی کے سبب ﴿ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴾ تو وہ لوگ فوراً اسی وقت رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں [پس ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور شرط کا جواب ہے اور ''فَا'' کا نائب ہے کیونکہ یہ دونوں تعقیب (تاخیر) کے معنی میں مشترک ہیں]۔

۳۷- ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور وہ جس کا چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے' اللہ تعالیٰ نے (سوالیہ جملہ سے) ان پر انکار کیا ہے کہ بے شک وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی روزی فراخ کرنے والا ہے اور وہی روزی تنگ کرنے والا ہے تو اب انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہیں کرتے جن کی وجہ سے انہیں سختی کے ساتھ سزا دی جاتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت کے ساتھ ان کی طرف رجوع فرمالے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠
فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ
وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۴

سو آپ قرابت دار کو اس کا حق عطا کر دیں اور مسکین اور مسافر کو یہ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں' اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے' سو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور تم جو زکوٰۃ کا مال اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے دیتے ہو' سو یہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں O وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا' کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو' اس کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک و برتر ہے جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں O

## صدقہ وزکوٰۃ دینے' سود سے بچنے اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ کفارِ مکہ کو جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی ہیں' وہ ان کے ان گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو اس کے بعد اب بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کا ادا کرنا واجب ہے اور بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کو ترک کرنا واجب و لازم ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ سو (اے محبوب!) رشتہ دار کو اس کا حق عطا کیجئے' اس کے ساتھ صلہ رحمی' صدقہ و خیرات اور نیکی کیجئے ﴿وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ﴾ اور مسکین و نادار اور مسافر کو بھی صدقہ و خیرات میں سے ان کا وہ حصہ عطا کیجئے جو ان کے لیے مقرر و فرض کر دیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ محارم کا نان و نفقہ واجب ہے (یعنی قریبی رشتہ داروں کو بوقت ضرورت کھانا کھلانا اور ان پر حسب استطاعت خرچ کرنا لازم ہے) جیسا کہ یہی ہمارا مذہب ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی مذکورہ بالا افراد کے حقوق ادا کرنا یہ ﴿خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی رضا چاہتے ہیں (''وجہ'' کا معنی ذات ہے' چہرہ نہیں) یعنی وہ لوگ اپنی نیکیوں میں خالص اس کی رضا چاہتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

۳۹- ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ اور تم سود لینے کے لیے جو مال لوگوں کو دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے' مطلب یہ ہے کہ تم جو مال سود کھانے کے لیے لوگوں کو سود کی شرح پر دیتے ہو تا کہ وہ

لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے اور تا کہ زیادہ ہوتا رہے اور ان کے مال میں اضافہ کرے ﴿فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ تو ایسا مال اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں بڑھتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اس میں برکت عطا کی جاتی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''ربا'' سے یہاں حلال مال مراد ہے یعنی اور تم جو کچھ تحفے تحائف اپنے دوست احباب کو دیتے ہو تا کہ تم ان کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرو اور تا کہ لوگ تمہارے تحائف سے بڑھ کر تمہیں تحائف دیں' سو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں نہیں بڑھتے کیونکہ تم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ارادہ نہیں کرتے ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ اور تم زکوٰۃ میں سے (یعنی) صدقہ وخیرات میں سے جو کچھ دیتے ہو جب کہ تم اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو (یعنی) تم اس کے ذریعے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو' اس کے ذریعے بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتے اور نہ ریا اور دکھاوا چاہتے ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ تو یہی لوگ بڑھانے والے ہیں (یعنی) یہی لوگ اپنی نیکیاں کئی گنا بڑھانے والے ہیں اور ''مضعف'' کی نظیر ''مقوی'' اور ''موسر'' اور ''یسار'' ہے' جن کا معنی ہے: قوت والے (مال دار) [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر مد کے ''اَتَیْتُمْ'' ہے (جب کہ جمہور قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ''اٰتَیْتُمْ'' ہے) یعنی اور جو کچھ تم سود دینے کے لیے چھپاتے ہو۔ نافع مدنی کی قراءت میں ''لِیَرْبُوْا'' کی بجائے ''لِتُرْبُوْا'' (''تا'' مضموم اور واؤ ساکن باب افعال سے) ہے یعنی تا کہ تم ان کے مالوں میں اضافہ کرو' اور ارشاد باری تعالیٰ ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ'' میں بہترین التفات ہے کیونکہ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے' گویا فرمایا گیا کہ جس نے یہ کام کیا تو اس کا طریقہ مخاطبین کا طریقہ ہے اور اصل میں ''المضعفون به'' ہے کیونکہ اس کے لیے ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ما موصولہ کی طرف لوٹتی ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ اصل میں ''فاهلها هم المضعفون'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ وخیرات کرنے والوں کا اجر وثواب کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا کیونکہ انہیں ایک نیکی پر دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا]۔

۴۰۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودوں اور ان کے خداؤں کے عجز و بے بسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا [یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ﴾ پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا' یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے کے ساتھ صرف وہی مختص ہے ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ﴾ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے یعنی کیا تمہارے بتوں میں جن کو تم گمان کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ان میں کوئی ایسا ہے ﴿مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ﴾ جو ان کاموں میں سے یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے میں سے کچھ کر سکے یعنی ان کاموں میں سے کچھ کر سکے' سو جب انہوں نے عاجز آ کر کوئی جواب نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو محال و ناممکن قرار دے کر ارشاد فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ مشرکین کے من گھڑت شریکوں سے پاک و برتر ہے [اور ''مِنْ'' پہلا اور دوسرا اور تیسرا' ان میں سے ہر ایک مشرکین کے شریکوں (بتوں) کے عجز و بے بسی کی تاکید اور اپنے پرستاروں سے ان کی جہالت کی تاکید کرنے کے لیے مستقل ہے]۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۞ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۞

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ان گناہوں کے سبب جو لوگوں نے کمائے تا کہ وہ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے جو انہوں نے کیے تھے تا کہ وہ باز آ جائیں ○ فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو پھر غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' ان میں اکثر لوگ مشرک تھے ○ سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیں اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ○

## گناہوں کے وبال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۴۱- ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا' جیسے قحط سالی و خشک سالی اور بارشوں کی قلت و بندش اور کھیتوں میں کیڑے وغیرہ پڑنا اور تجارت میں منافع کی کمی اور انسانوں اور جانوروں میں اموات کی کثرت اور سیلابوں کی کثرت اور غرقابی کی تباہی اور ہر چیز سے برکات کا ختم ہو جانا[1] ﴿بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ ان گناہوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے کمائے (یعنی) ان کے گناہوں اور ان کے کفر و شرک کے سبب (دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ" (الشوریٰ: ۳۰) "اور تمہیں جو کچھ مصیبت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا سبب وہ جرائم ہیں جن کا تمہارے ہاتھوں نے ارتکاب کیا ہے" ﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾

[1] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی حنفی نے دنیا میں فتنہ و فساد پھیلنے کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے چند احادیث نبوی بیان کی ہیں' عبرت و سبق کے حصول اور اصلاح معاشرہ کے پیش نظر یہاں ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) کسی قوم میں فحاشی و بے حیائی کا اعلانیہ ظاہر ہو جانا' اس قوم میں طاعون وغیرہ اور دردوں کی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

(۲) جب معاشرہ میں ناپ تول میں کمی اور لین دین میں بددیانتی عام ہو جاتی ہے تو گھریلو اور ملکی پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ظالم بادشاہ کا تسلط ہو جاتا ہے اور قحط و خشک سالی مسلط ہو جاتی ہے۔

(۳) زکوٰۃ ادا نہ کرنا' بارش کے بند ہونے کا سبب بن جاتا ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو بارش کبھی نہ ہوتی۔

(۴) جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی عہد شکنی کر کے بے وفا ہو جاتی ہے تو پھر اس سبب سے ان پر دشمنانِ دین کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(۵) جب کسی قوم میں لوگوں کے اموال و جائیدادوں کو ناحق لوٹا جاتا ہے اور حکمران قرآن و سنت کو پس پشت ڈال کر ان پر عمل کرنا ترک کر دیتے ہیں تو یہ جرائم ان میں باہمی جنگ و جدال' قتل و غارت اور خون ریزی کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۶) جب کسی ملک و قوم میں سودی کاروبار کی لعنت عام ہو جاتی ہے تو وہاں زلزلے اور زمین میں دھنسانے کے واقعات رونما ہو جاتے ہیں اور بعض بدکردار لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے پوری قوم پر تکلیف دہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لہٰذا ان احادیث مبارکہ کے پیش نظر ہر انسان پر لازم ہے کہ دنیا میں امن و سکون قائم رکھنے اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارے' یہی بڑی کامیابی ہے۔ (تفسیر روح البیان' الجزء الحادی والعشرون' سورۃ الروم: ۴۱)

تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے جو انہوں نے خود کیے ہیں یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ اسی دنیا میں چکھا دے' اس سے پہلے کہ آخرت میں انہیں تمام اعمال پر سزا دی جائے [قنبل کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''لِنُذِيقَهُمْ'' ہے] ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ تا کہ وہ لوگ ان گناہوں سے باز آ جائیں' جن کے ارتکاب پر گامزن ہیں' پھر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی عبرت ناک سزا کے لیے گناہوں کو سبب قرار دینے کی درج ذیل ارشاد کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔

۴۲- ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' ان میں اکثر لوگ مشرک تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ زمین میں سیر و سیاحت کریں اور چل پھر کر غور سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو کیسے ہلاک کیا اور ان کو ان کے گناہوں کے سبب کیسی بدترین سزا کا مزہ چکھایا۔

۴۳- ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ﴾ سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیے۔''قیم'' کا معنی ہے: بہت سیدھا راستہ' جس میں بالکل ٹیڑھا پن نہ ہو ﴿مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ﴾ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کو کسی صورت میں ٹالا نہیں جا سکتا۔''مَرَدّ'' یہ مصدر ہے بہ معنی رد کرنا اور واپس کرنا ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ [یہ ''یاتی'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دن آ جائے جس کو کوئی نہیں ٹال سکتا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا'' (الانبیاء: ۴۰) ''سو وہ لوگ اس کو ٹال نہیں سکیں گے'' [یا یہ ''مَرَدّ'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی نہیں ٹالے گا' اس کے بعد کہ اس کے لانے کا فیصلہ کر چکا ہے اور نہ اس کی طرف سے اسے کبھی ٹالا جا سکے گا ﴿يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ﴾ اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے' اصل میں ''یتصدعون'' ہے یعنی قیامت کے دن لوگ نیک و بد ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے (نیک جنت میں اور بدکار دوزخ میں جائیں گے)۔

مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾

جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا' اور جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیںO تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو نیک جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتاO اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور تا کہ وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کروO

۴۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے نیاز اور بے پرواہ ہونے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ﴿مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾

جس نے کفر اختیار کر لیا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا یعنی اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں یعنی وہ اپنی ہی جانوں کے فائدے کے لیے نیک عمل کرتے ہیں' جو بھی اپنی جان کے لیے تیاری کرتا ہے' وہ اپنا بستر تیار کرتا ہے اور اسے سنوارتا ہے تا کہ اس کے لیٹنے کی جگہ میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اس کی قبر کو مکدر و بدمزہ کر دے' جیسے سوجنا اور شکل وصورت تبدیل ہونا وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کے سبب ان کے لیے جنت تیار کی جا رہی ہے' سو اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی اور ظرف کی تقدیم دونوں جگہ میں اس پر رہنمائی کرنے کے لیے کی گئی ہے کہ کفر کا ضرر اور اس کا نقصان صرف کافر کی طرف لوٹے گا' صرف اسی کو کفر کا نقصان پہنچے گا کسی اور کو نہیں اور ایمان اور نیک عمل کا نفع صرف مؤمن کی طرف لوٹے گا' اس کے سوا کسی اور کو یہ نفع اور فائدہ نہیں پہنچے گا۔

۴۵- ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اپنے فضل یعنی اپنی عطا سے جزا دے [''لیجزی''' یمهدون'' کے متعلق ہے اور اس کی تعلیل ہے جب کہ ضمیر کی بجائے ''الذین امنوا وعملوا الصالحات'' کی تصریح اس بات کی تقریر کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مؤمن فلاح اور نجات حاصل کرے گا] ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کافروں کو دھتکارنے اور ان کے ساتھ برعکس معاملہ کرنے کے لیے ایک تقریر کے بعد دوسری تقریر ہے (کہ مؤمن کو جنت اور کافر کو دوزخ میں جانا ہوگا)۔

۴۶- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ﴾ کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے' یہ جنوب اور شمال اور صباء (مشرق سے چلنے والی) کی ہوائیں ہیں اور یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اور لیکن دبور (پچھوائی) کی ہوا عذاب کی ہوا ہے اور اسی سے حضور سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا''[1] اے اللہ! اس کو ریاح (رحمت کی ہوا) بنا اور اس کو ریح (عذاب کی ہوا) نہ بنا' اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بھیجنے کے کئی فائدے گنوائے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مُبَشِّرٰتٍ﴾ خوش خبری دینے والی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہواؤں کو بارش کی خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے ﴿وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے یعنی وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھانے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے اور وہ بارش کا برسانا مراد ہے اور اس زرخیزی کا حصول مراد ہے جو بارش کے بعد ہے اور اس راحت وسکون کا حصول مراد ہے جو ہوا کے چلنے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے' نیز زمین وغیرہ کا تر و تازہ ہو جانا [''ولیذیقکم''' مبشرات'' پر معطوف ہے' اس معنی کی بناء پر کہ گویا فرمایا گیا: تا کہ وہ تمہیں خوش خبری دے اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے] ﴿وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ﴾ اور تا کہ ہواؤں کے چلنے کے وقت سمندر میں کشتیاں چلیں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم سے یعنی اس کی تدبیر اور اس کی تکوین سے' جیسے ارشاد ہے: ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O'' (یٰسین: ۸۲) ''بے شک اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے: ہو جا' تو وہ فوراً ہو جاتی ہے O'' ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے بحری تجارت مراد ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

---

[1] رواہ ابو یعلیٰ: ۲۴۵۶' والطبرانی کما فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۶-۱۳۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے' پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا انتقام لیا اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہےO اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں' پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے' سو آپ اس کے اندر سے مینہ نکلتا ہوا دیکھتے ہیں' پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر وہ چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے تو وہ اس وقت خوشیاں مناتے ہیںO

۴۷- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کے پاس بھیجا' سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے یعنی پس ایک گروہ ان پر ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا اور اس مضمر اور اضافی کلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ﴾ پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا' انتقام و بدلہ لے لیا یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا' ان کو دنیا میں ہلاک کر کے ہم نے بدلہ لے لیا ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہمارے ذمہ کرم پر مسلمانوں کی مدد کرنا واجب و لازم ہے یعنی مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر واجب و لازم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کو رسولوں کے ساتھ نجات دی جائے اور کبھی ''حَقًّا'' پر وقف کیا جاتا ہے اور اس کا اب معنی یہ ہوگا: اور اس کی طرف سے بدلہ لینا واجب و لازم ہے' پھر آغاز کیا جائے گا کہ ''علینا نصر المؤمنین'' ہم پر مسلمانوں کی مدد کرنا لازم ہے اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔

۴۸- ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''الریح'' ہے] ﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾ سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں ﴿فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ اس بادل کو آسمان کی سمت میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ'' (ابراہیم:۲۴) ''اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں'' ﴿كَيْفَ يَشَآءُ﴾ وہ جس طرح چاہتا ہے شمال کی جانب سے یا جنوب کی جانب سے یا دبور کی جانب سے یا صبا کی جانب سے ﴿وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا﴾ اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے [''كِسَفٌ'' ''كِسْفَةٌ'' کی جمع ہے' بہ معنی بادل کا ٹکڑا] یعنی اللہ تعالیٰ اس کو پھیلا دیتا ہے کبھی آسمان کی طرف سے لیتا ہے اور کبھی بغیر پھیلائے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے جدا جدا کر دیتا ہے [یزید اور ابن ذکوان کی قراءت میں سین

ساکن کے ساتھ ''کِسْفًا'' ہے] ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ سو آپ بارش کو دیکھیں گے کہ وہ تمام حالتوں میں اس کے اندر یعنی اس کے درمیان میں سے نکلتی ہے ﴿فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش کو پہنچا دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے شہروں اور ان کی زمینوں پر پہنچا دیتا ہے ﴿اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ تو وہ اسی وقت فوراً خوشیاں مناتے ہیں (یعنی) وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

اور اگرچہ ان پر اس کے اتارے جانے سے پہلے ہی وہ نا امید ہو چکے تھے O سو تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھو کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے' بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O اور اگر ہم نقصان دِہ ہوا بھیج دیں اور وہ کھیتی کو زرد دیکھ لیں تو وہ ضرور اس کے بعد بھی کفر کریں گے O سو آپ (دلوں کے) مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں O اور آپ (دل کے) اندھوں کو گمراہی سے ہدایت پر نہیں لا سکتے' آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' سو وہ تو فرماں بردار ہیں O

۴۹- ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ﴾ اور اگرچہ ان پر بارش کے اتارنے اور برسانے سے پہلے وہ ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اس سے پہلے' تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا'' (الحشر: ۱۷) ''سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہوں گے' وہ دونوں اس میں ہمیشہ رہیں گے'' اور تاکید کا معنی اس میں یہ ہے کہ اس بات پر دلالت کرنا کہ بارش نہ برسنے کا زمانہ ان پر لمبا ہو گیا ہے' پس اس لیے ان کی مایوسی مستحکم ہو گئی' سو اس بارش کی خوشی ان کے غم کی مقدار پر ہو گی ﴿لَمُبْلِسِيْنَ﴾ البتہ مایوس ہو گئے۔

۵۰- ﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش کی نشانیوں کی طرف دیکھئے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اٰثٰر'' (جمع) ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''اثر'' (مفرد) ہے] ﴿كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہونے کے بعد پودوں' درختوں' سبزہ جات اور مختلف اقسام کے پھلوں کے ساتھ کس طرح زندہ کر دیتا ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ یعنی اللہ تعالیٰ ﴿لَمُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ ضرور مُردوں کو زندہ کرے گا یعنی بے شک وہ قادر خدا جو زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے' وہی انسانوں کو ان کے

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا' پس یہ بے جان وغیرآباد اور بنجر چیزوں کے زندہ کرنے کے ذریعے مُردوں کے زندہ کرنے پر استدلال ہے ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اور وہ مقدورات میں سے ہر چیز پر قادر ہے اور یہ مُردوں کو زندہ کرنا مقدورات میں سے ہے' دلیل یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

۵۱- ﴿ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا ﴾ اور اگر ہم ہوا کو بھیج دیتے یعنی دبور (عذاب کی ہوا) ﴿ فَرَاَوْهُ ﴾ اور وہ (کفار) اسے دیکھ لیتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی کو دیکھ لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد بارش ہے اور اس کی نشانی ہرے بھرے پودے' درخت اور سبزہ جات ہیں اور جس نے جمع کے ساتھ (فَرَاَوْهُمْ) پڑھا ہے' اس نے ضمیر کو اس کے معنی کی طرف لوٹایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا معنی ''نبات'' ہے اور ''نبات'' کا اسم قلیل اور کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے' اس لیے کہ یہ مصدر ہے جب کہ زمین سے اگنے والی ہر چیز کو ''نبات'' کہا جاتا ہے ﴿ مُصْفَرًّا ﴾ (یعنی اگر کفارِ مکہ اپنی اپنی کھیتی کو) اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھ لیتے (تو نا امید ہو کر کفر کرتے) اور ''مُصْفَرًّا'' اس لیے فرمایا کہ یہ زرد رنگ حادثاتی طور پر پیدا ہوا اور بعض مفسرین نے فرمایا (کہ اس کا معنی یہ ہے:) کفارِ مکہ بادل کو زرد دیکھ لیتے کیونکہ زرد بادل بارش نہیں برساتا [اور ''وَلَىِٕنْ'' میں لام قسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اسے حرف شرط پر داخل کیا گیا ہے اور قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام ''لَظَلُّوْا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''لَیَظَلُّنَّ'' ﴿ لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴾ البتہ وہ اس کے بعد ضرور کافر ہو جائیں گے یعنی کھیتی کے زرد ہو جانے کے بعد یا خوشی کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت مبارکہ میں) ان کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جب ان پر بارش برسنا رُک جاتی ہے تو وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور وہ نا امید ہو کر اپنی ٹھوڑیاں اپنے سینوں پر ڈال دیتے ہیں' پھر جب اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت (بادل) پہنچاتا ہے اور انہیں بارش عطا کرتا ہے تو وہ بہت خوش ہو کر اتراتے ہیں' پھر جب وہ ہلاکت خیز ہوا بھیجتا ہے اور ان کے ہرے بھرے لہلہاتے سبز کھیتوں کو زرد و پیلا کر دیتا ہے تو وہ تنگ دل ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر دیتے ہیں' پس ان تمام حالات میں بُری صفت پر گامزن رہتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فضل و کرم پر بھروسا رکھتے' مگر وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور ان پر لازم تھا کہ بارش کی نعمت پر شکر ادا کرتے اور اس پر اس کی حمد و ثناء کرتے اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتے اور اس کی مصیبت پر صبر کرتے' لیکن وہ کفر کرتے تھے۔

۵۲- ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ''ای موتی القلوب'' یعنی آپ دلوں کے مردوں (کفار) کو نہیں سنا سکتے یا یہ (کفارِ مکہ) مُردوں کے حکم میں ہیں' سو آپ یہ امید نہ رکھیں کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں گے[1]۔

---

[1] واضح ہو کہ سماع موتی کے منکرین اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب انسان مرجاتے ہیں تو وہ زندوں کی پکار نہیں سن سکتے حالانکہ یہ استدلال چند وجوہ سے غلط ہے: (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں اور سورۃ النمل کی آیت مبارکہ: ۸۰ میں موتی سے وہ مُردے مراد نہیں جن کی روح جسم سے خارج ہو جانے کی وجہ سے مُردہ کہلاتے ہیں' بلکہ یہاں موتی سے کفارِ مکہ مراد ہیں جن کی روحیں ان کے جسموں میں موجود تھیں اور عرفی معنی میں زندہ تھے مگر چونکہ انہوں نے مقصدِ زندگی کو نہیں پایا یعنی وہ دین اسلام قبول نہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل نہیں کر سکے' اس لیے وہ دل کے مُردہ ہیں' چنانچہ مفسرین کرام نے موتی سے یہی معنی مراد لیا ہے' چند حوالے ملاحظہ ہوں: تفسیر مدارک التنزیل الجزء الثالث ص ۲۶۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' ج ۲ ص ۲۰۶' ۷' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' ج ۲ ص ۳۱۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر معالم التنزیل الجزء الثالث' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴾ اور آپ بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بہرا تو سامنے کی طرف متوجہ ہو یا پشت پھیر کر مخالف سمت متوجہ ہو دونوں صورتوں میں آواز نہیں سن سکتا تو اس تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بہرا آدمی سامنے متوجہ ہو اس وقت وہ اشارہ وغیرہ سے کچھ سمجھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سورۃ النمل ص ۲۲۸ 'تفسیر خازن الجزء الثالث ص ۴۲۴ سورۃ نمل مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۱ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی' تفسیر صاوی الجزء الثالث ص ۲۲۳ مطبوعہ ... مصطفیٰ البابی مصر تفسیر ابن عباس ص ۲۳۸ 'مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان' تفسیر ابن کثیر سورۃ نمل پارہ ... ص ۳۷ 'مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) بلکہ خود قرآن مجید اس کی تفسیر کر رہا ہے: "اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ O" (الحج:۴۶) "سو کیا انہوں نے (یعنی کفارِ مکہ نے) زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی جس سے ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سنتے سو بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں O"۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اسماع سے اسماعِ مقبول اور سماعِ نافع ومفید کی نفی مراد ہے چنانچہ کفار اگرچہ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن چونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اس لیے وہ نہ حق کو قبول کرتے ہیں اور نہ وہ اس حق سے فائدہ حاصل کرتے ہیں' چنانچہ علامہ نسفی لکھتے ہیں: "اَوْ هٰؤُلَآءِ فِیْ حُكْمِ الْمَوْتٰی فَلَا تَطْمَعْ اَنْ یَّقْبَلُوْا مِنْكَ" "یا کفارِ مکہ مُردوں کے حکم میں ہیں' سو اس لیے آپ یہ امید نہ رکھیں کہ وہ لوگ آپ کی دعوتِ حق کو قبول کریں گے۔ (مدارک التنزیل الجزء الثالث ص ۴۶۷ 'حاشیۃ علی الخازن' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر) علامہ مظہری لکھتے ہیں: "شبههم بالموتی لعدم انتفاعهم بما یتلی علیهم" اللہ تعالیٰ نے کفار کو مُردوں کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ انہیں جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا ہے اس سے یہ لوگ نفع حاصل نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ سورۃ نمل ص ۱۳۱ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: "ای موتی القلوب او شبهوا بالموتی لانهم لا ینتفعون بما یتلی علیهم" یعنی کفار دلوں کے مردہ ہیں یا انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انہیں جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ اس سے نفع حاصل نہیں کرتے۔ (روح المعانی الجزء العشرون ص ۱۹ 'مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: "تو مُردوں کو نفع دینے والی بات نہیں سنا سکتا۔ اسی طرح کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں' ان کے کانوں میں بوجھ ہیں' یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ نمل پارہ ۲۰ ص ۱۰ 'ج ۴ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں: "یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہو اس کے حق میں سودمند نہیں' یہی حال ان مکذبین کا ہے' جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے' ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۵۰۷ 'مطبوعہ دار التصنیف' کراچی) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اسماع کی یعنی سنانے کی نفی ہے' سماعِ موتیٰ یعنی مردوں کے سننے کی نفی نہیں ہے' چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت مبارکہ کے تحت سماعِ موتیٰ کی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: "بہرحال آیت میں اسماع کی نفی ہے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۵۳۱ 'مطبوعہ دار التصنیف' کراچی) سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں: "وله جواب آخر وهو ان المنفی فی الایة هو الاسماع دون السماع" اور اس کا ایک اور جواب ہے اور وہ یہ کہ آیت میں سنانے کی نفی کی گئی ہے' سننے کی نہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۷ 'بحوالہ فیض الباری ج ۲ ص ۴۷) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سکتا ہے لیکن جب وہ پشت پھیر لے تو وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ اشارے سے سمجھ سکتا ہے [ابن کثیر کی قراءت میں ''وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ'' ہے یعنی خود بہرا آدمی پکار کو نہیں سن سکتا (یعنی ''لَا يَسْمَعُ'' باب افعال کی بجائے باب ''سَمِعَ يَسْمَعُ'' سے ہے نیز مخاطب کی بجائے غائب ہے اور ''اَلصُّمُّ'' مفتوح کی بجائے مضموم ہے )]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ ) کیونکہ مُردوں کے سننے کا ثبوت تو خود قرآن مجید میں مل جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا'' (البقرہ:۲۶۰)'' (اے ابراہیم!) پھر تم ان (ذبح شدہ پرندوں) کو بلاؤ وہ تمہارے پاس تیزی سے چل کر آئیں گے'' اس آیت مبارکہ کے اس مذکورہ حصہ سے تین مسائل ثابت ہو رہے ہیں: ایک مُردوں کو پکارنے کا جواز' دوسرا مُردوں کے سننے کا جواز' تیسرا پکارنے والے کے پاس آنے کا جواز۔ ''وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَO'' (الزخرف:۴۵)'' اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائےO''۔ یہاں اس آیت کریمہ کے تحت ایک یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ قول ایک تو اس لیے درست نہیں ہے کہ یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی جب کہ اہل کتاب مدینہ منورہ میں رہتے تھے' دوسرا یہ کہ اس آیت مبارکہ میں ''مِنْ رُّسُلِنَا'' کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براہِ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کو براہِ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس' ابن جبیر' زہری اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ شب معراج تمام انبیاء و رسل کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ آپ اپنے سے پہلے انبیائے کرام سے دریافت کیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کی عبادت کی اجازت دی ہے۔ حضور نے فرمایا: مجھے تعلیماتِ الٰہی کافی ہیں اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیائے کرام توحید کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے رہے۔ (روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص۸۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۱' تفسیر مظہری ج۸ ص ۳۵۳' مدارک التنزیل ج ۲ ص ۵۲۶' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر صاوی الجزء الرابع ص ۵۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبہ مصطفےٰ البابی' مصر)

تنبیہ: لہٰذا دیگر احتمالات مراد لینے میں ایک تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی' دوسرا ظاہر کلام سے عدول لازم آئے گا' تیسرا حدیث کے مقابلے میں رائے لازم آئے گی۔

''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَOفَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَO'' ''سو ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا' پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئےO پھر حضرت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میرے قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی لیکن تم نے نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کیاO'' اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مُردے سنتے ہیں کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کی موت کے بعد یہ کلام اور خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو بعد وفات دور سے بھی سن لیتے ہیں' اسی لیے ہر نمازی حضور ﷺ کو التحیات میں سلام کرتا ہے حالانکہ جو سلام نہ سن سکے' اسے سلام کرنا منع ہے جیسے سویا ہوا یا بے ہوش' ایسے ہی جو سلام کا جواب نہ دے سکے اسے بھی سلام کرنا منع ہے جیسے نماز میں یا قضائے حاجت میں مشغول۔ (تفسیر نور العرفان ص ۲۵۵' حاشیہ قرآن' مطبوعہ پیر بھائی کمپنی' لاہور) امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہاں دو قول ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵۳- ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ ﴾ اور آپ اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے یعنی دلوں کے اندھوں کو آپ ہدایت نہیں دے سکتے [حمزہ کی قراءت میں (فعل مضارع معروف مخاطب کے ساتھ) ''وَمَا تَهْدِي الْعُمْىَ'' ہے] ﴿ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ ان کی گمراہی سے یعنی آپ کے لیے ممکن نہیں کہ آپ اندھوں کو ایسے راہِ راست کی طرف ہدایت دیں جس سے وہ گمراہ ہو چکے ہیں' اپنی طرف سے ان کو اس راہِ حق کی طرف اشارہ کر کے ﴿ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو (سنا سکتے ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' اور وہ فرماں بردار ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پہلا قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے خطاب وکلام فرمایا' ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان کی ترتیب میں قوم کی ہلاکت کا ذکر پہلے ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کے خطاب اور گفتگو کا ذکر بعد میں ہے' جس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کے بعد مردوں سے نداء اور گفتگو کی گئی' دوسری وجہ یہ ہے کہ ''فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ'' میں حرف ''فَا'' ہے: ''وَاِنَّ الْفَاءَ مِمَّا تَدُلُّ عَلَى التَّعْقِيْبِ'' اور بے شک حرف ''فَا'' ان حروف میں سے ہے جو تاخیر (التعقیب مع الوصل) پر دلالت کرتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ قوم کی ہلاکت مقدم اور پہلے ہے اور خطاب وکلام مؤخر اور بعد میں ہوا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خطاب اور کلام قوم کی ہلاکت سے پہلے ہوا ہے لیکن اس صورت میں اس واقعہ کی ترتیب قائم نہیں رہے گی بلکہ تقدیم وتاخیر لازم آئے گی اور حرف ''فَا'' کا معنی اپنی جگہ صحیح نہیں رہے گا بلکہ غلط ہو جائے گا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

اعتراض: قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے خطاب کیسے فرمایا؟ جواب: جیسے حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے مقتولوں سے خطاب وکلام فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثامن ص ۱۶۶۔۱۶۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۷۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت) شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: کہتے ہیں کہ حضرت صالح اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا: یا تو اسی طرح جیسے آنحضرت ﷺ نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا جیسے شعراء' دیار وطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات کی مرعی (رعایت) نہ ہو گی۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۲۰۷' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

''فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○'' (الاعراف: ۹۳) ''پھر حضرت شعیب علیہ السلام ان سے منہ پھیر کر روانہ ہوئے اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' سو اب میں کافروں پر غم کیسے کروں ○''۔ یعنی جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آ چکا تو پھر آپ نے وہاں سے روانگی کے وقت ان سے یہ خطاب فرمایا۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۴۳' قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۸۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی نظیر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت میں پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء التاسع ص ۸۔۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: سماعِ موتیٰ کے ثبوت کی احادیثِ مبارکہ وغیرہ ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفاطر: ۲۲ کے تحت پیش کی جائیں گی' وہیں مطالعہ فرمائیں۔

احکام و اوامر کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا' پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت عطا کی' پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا' وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور وہ سب کچھ جاننے والا بہت قدرت رکھنے والا ہے○ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی' وہ اسی طرح پھر جایا کرتے تھے○ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا' وہ کہیں گے: بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حشر کے دن تک رہے ہو' سو یہ حشر کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے○ سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے راضی نامہ قبول نہیں کیا جائے گا○

## انسان کی زندگی کے تین مدارج اور قیامت میں کفار کی رسوائی کا بیان

٥٤- ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے (یعنی) نطفہ سے پیدا فرمایا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ○ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○'' (المرسلات:۲۱-۲۰) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا○ سو ہم نے اسے محفوظ جگہ میں رکھا○''۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے کمزوری کے بعد قوت دی یعنی (بچپن کی کمزوری کے بعد) جوانی کا حال اور سخت و مضبوط بالغ کیا ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا دیا اور بہت بڑی عمر کا بنایا ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (یعنی) کمزور اور طاقتور اور جوان اور بوڑھا ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہ ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے ﴿الْقَدِيْرُ﴾ وہ ان کو تبدیل کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے اور احوال میں یہ تبدیلی خوب واضح دلیل ہے' صانع علیم و قدیر ذات پر [اس آیت کریمہ میں تمام جگہ عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''ضعف'' میں ضاد پر فتح (زبر) ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ضمہ (پیش) ہے اور حضرت حفص نے اسی قراءت کو اختیار کیا اور یہ دونوں لغتیں درست ہیں' لیکن ضمہ کی قراءت زیادہ قوی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ''مِنْ ضَعْفٍ'' (ضاد پر زبر) پڑھا تو آپ نے مجھے ''مِنْ ضُعْفٍ'' (ضاد پر پیش) پڑھایا]۔

۵۵- ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ﴾ اور جس دن ساعت یعنی قیامت قائم ہو گی اور قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا کی ساعتوں اور گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہو گی یا اس لیے کہ یہ اچانک واقع ہو گی' جیسے تم جس سے جلدی کام کرانا چاہتے ہو تو کہتے ہو: ''فِیْ سَاعَةٍ'' کہ جلدی اور اسی وقت کرو' اور اب ''ساعة'' ''قیام'' کا اسم علم (ذاتی نام) ہو گیا ہے جیسے ''النجم'' ہر ستارے کی بجائے صرف ثریا کا اسم علم (ذاتی نام) ہو گیا ہے ﴿ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ مجرم و گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے (یعنی) کفار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں یا پھر دنیا میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور وہ لوگ قبروں میں یا دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے اور قیامت کی سختیوں میں اس دن طویل و دراز قیام کی وجہ سے اسے بہت ہی تھوڑا خیال کریں گے یا وہ بھول جائیں گے یا پھر وہ جھوٹ بولیں گے [''یقسم المجرمون'' پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ''ما لبثوا غیر ساعة'' قسم کا جواب ہے] ﴿ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴾ اسی طرح وہ پھر جایا کرتے تھے یعنی جس طرح آج قیامت میں قسمیں کھا کر جھوٹ بول رہے ہیں' اسی طرح یہ کافر دنیا میں بھی سچ سے جھوٹ کی طرف پھر جایا کرتے تھے اور زندگی کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور بس اور ہم آخرت میں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔

۵٦- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ ﴾ اور جن لوگوں کو علم دین اور ایمان عطا کیا گیا' وہ کہیں گے اور وہ فرشتے ہوں گے یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین ہوں گے ﴿ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم میں جو لوحِ محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلہ میں قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ کفار نے جو کچھ کہا اور اس پر قسمیں کھائیں' مسلمانوں نے ان کی تردید کر دی اور انہوں نے انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا' پھر مسلمانوں نے اٹھنے کے دن سے انکار کرنے پر کفار کو ڈانٹتے ہوئے اس کو اپنے (درج ذیل) قول سے ملا دیا: ﴿ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ سو یہ ہے اٹھنے کا دن (یعنی قیامت کا دن) لیکن تم دنیا میں نہیں جانتے تھے کہ یہ حق ہے کیونکہ تم نے حق کی طلب اور اس کی پیروی کرنے میں بہت کوتاہی کی تھی [یہ ''فا'' شرط کے جواب کے لیے ہے' جس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے اور اس کی مقدر عبارت یوں ہے:] ''ان کنتم منکرین البعث فھذا یوم البعث الذی انکرتموہ'' (یعنی) اگر تم مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے تو یہ ہے اٹھنے کا وہ دن جس کا تم نے انکار کیا تھا۔

۵۷- ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ سو اس دن ظالموں (یعنی) کافروں کو ان کی معذرت و عذر نفع نہیں دے گی [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''لا ینفع'' ہے] ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ اور ان سے رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کر کے اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر لو' جیسے کہا جاتا ہے: ''استعتبنی فلان فاعتبته'' یعنی فلاں آدمی نے مجھ سے رضا مندی طلب کی تو میں نے اسے راضی کیا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ
لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۹ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ

عٌ ۷ / ۶

## الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی آیت لائیں تو کافر لوگ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں ہو مگر باطل پرO اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہےO سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ آپ کو سبک نہ کریں جو یقین نہیں رکھتےO

### قرآن مجید کی فضیلت' کفار کی مذمت اور صبر کا حکم

۵۸ - ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی آیت پیش کریں گے تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے' وہ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں مگر باطل پر' یعنی اور البتہ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر مضمون اور ہر ایک مسئلہ کو اس قدر خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ گویا وہ اپنے عجیب و غریب اور اپنے انوکھا و نرالہ ہونے میں ایک معیاری مثال ہے اور ہم نے ان پر ہر ایک واقعہ کو عجیب شان کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے قیامت کے دن اٹھائے جانے والوں کی صفت و کیفیت اور ان کے قصے کا بیان اور وہ جو کچھ وہاں کہیں گے اور جو کچھ ان سے کہا جائے گا اور ان کی جو معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے جو ان کی رضامندی طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس وقت توبہ کے ذریعے ان کا راضی نامہ قبول کیا جائے گا اور لیکن ان کے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ جب بھی آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت مبارکہ پیش کرنے کے لیے لائیں گے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ آپ جھوٹ اور باطل چیز ہمارے پاس لے کر آئے ہیں۔

۵۹ - ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے' یعنی اس چھاپ کی طرح اور وہ مہر لگانا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے صرف ان جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جن کے بارے میں اپنے اختیار سے گمراہی پر چلنا اس کے علم میں آ چکا ہے' یہاں تک کہ وہ لوگ حق پرستوں کو باطل پرست اور اہل حق کو اہل باطل قرار دے دیتے ہیں اور وہ لوگ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں ذلیل ترین ہوتے ہیں۔

۶۰ - ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ سو آپ ان کی اذیتوں اور تکلیفوں یا ان کی عداوت و دشمنی پر صبر کیجئے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا اور دین اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا کرے گا' سچا اور برحق ہے' وہ ہر حال میں اپنے وقت آنے پر ضرور پورا ہوگا اور اس وعدہ کا وفا ہونا لازم ہے ﴿ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ کر دیں یعنی جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو خفت و ہلکے پن اور ان کے خلاف عذاب کی دعائے ضرر کرنے کی جلد بازی پر برانگیختہ نہ کر دیں یا وہ جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں' اس کی وجہ سے آپ کو خفت و ہلکے پن اور بے چینی و گھبراہٹ پر برانگیختہ نہ کر دیں کیونکہ وہ لوگ یقیناً گمراہ ہو چکے ہیں' حق میں بہت شک کرنے والے ہیں' ان سے یہ بات بعید نہیں [ قاری یعقوب کی قراءت میں نون ساکن کے ساتھ ''وَلَا يَسْتَخِفَنْكَ'' ہے ]۔

سورۃ لقمٰن مکیۃ    بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○    آیاتها ۳۴ رکوعاتها ۴

سورۂ لقمان مکی ہے    اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO    اس کی چونتیس آیات' چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ
الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥

المO یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیںO نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیںO جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیںO یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںO اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ اپنی بے علمی کی وجہ سے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں' اور اسے ہنسی مذاق بنالیں' انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہےO

## نیک مسلمانوں کے لیے جنت کی بشارت اور قرآن سے تکبر کرنے والے موسیقاروں کے لیے..... ذلت ناک عذاب کا بیان

۱'۲- ﴿الٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ ''حکیم'' بہ معنی ''ذی الحکمۃ'' یعنی حکمت والی کتاب ہے یا پھر کتاب کو اسناد مجازی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ہدایت اور رحمت ہیں [یہ دونوں آیات سے حال ہیں اور ان کا عامل ''تلك'' میں اشارہ کا معنی ہے۔ حمزہ کی قراءت میں یہ دونوں اس بناء پر مرفوع ہیں کہ ''تلك'' مبتدا ہے اور ''ایات الکتاب'' اس کی خبر ہے اور ''ھدی ورحمۃ'' خبر کے بعد خبر ہیں یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہیں] ''ای ھو اوھی ھدی ورحمۃ'' ﴿لِّلْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی وہ کتاب یا وہ آیتیں جو نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں مذکورہ نیکیوں پر عمل کرتے ہیں:

٤- ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کی نظیر اوس کا یہ قول ہے کہ ''المعی'' وہی شخص ہے جو تجھے یقین سے جانتا ہے جیسا کہ اس نے دیکھا اور سنا ہے' یا یہ معنی ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے جو ان تمام کاموں پر عمل کرتے ہیں جو اچھے اور نیک کام ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان تین صفات کی فضیلت کی بناء پر ان پر قائم رہنے والوں کو مخصوص کر لیا۔

[illegible]

[illegible]

۶ [illegible]

شان نزول یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ شخص ایران کے بادشاہوں کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا اور قرآن مجید کو چھوڑ کر انہیں پڑھتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے کہانیاں سناتے ہیں سو میں تمہیں بادشاہوں کے قصے کہانیاں سناتا ہوں چنانچہ لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف راغب و مائل ہو جاتے اور قرآن مجید کو سننا چھوڑ دیتے اور "لھو" ہر وہ باطل و لغو چیز ہے جو نیکی اور بھلائی سے غافل و بے پرواہ کر دے جیسے بے ہودہ اور غافل کر دینے والی باتیں جو آدمی چاہتا ہے اور "لھو الحدیث" رات کو لوگوں کے سامنے بے اصل قصے کہانیاں بیان کرنا اور گانے گانا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں قسم کھا کر فرماتے تھے کہ "لھو الحدیث" سے گانے گانا مراد ہے اور بعض مفسرین علمائے اسلام نے فرمایا کہ گانا گانا دل کو فاسد کر دیتا ہے اور مال و دولت کو ضائع کر دیتا ہے اور رب تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے ان میں سے ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر سو وہ دونوں اس کو اپنے پاؤں مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔[1]

[1] رواہ الطبرانی کما فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۱۹

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ عادتیں اپنائے گی تو اس پر بلاؤں اور مصیبتوں کا نزول شروع ہو جائے گا' آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ کون سی عادتیں ہیں؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنالیا جائے گا (۲) اور امانت کو لوٹ کا مال بنالیا جائے گا (۳) اور زکوٰۃ کو تاوان و جرمانہ قرار دیا جائے گا (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا (۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا (۷) اور اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی (۹) اور سب سے زیادہ رذیل (کمینے) شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا (۱۰) شریر آدمی کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی (۱۱) اور شرابیں پی جائیں گی (۱۲) ریشم پہنا جائے گا (۱۳) اور گانے والیوں کو (۱۴) اور موسیقی کے آلات کو اپنایا جائے گا (۱۵) اور اس امت کے بعد میں آنے والے اپنے سے پہلے لوگوں کو برا کہیں گے' اس وقت تم سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسنے (زلزلوں) کا اور مسخ (شکلیں بگڑنے) کا انتظار کرو۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۴۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گانے والی لونڈیوں کو نہ خرید و اور نہ انہیں فروخت کرو اور نہ انہیں گانے کی تعلیم دو اور نہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی ہے اور ان کی قیمت وصول کرنا حرام ہے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے ناچنے گانے والی لونڈی اس لیے خریدی کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس سے گانا سنے گا اور اس کا ناچ وغیرہ دیکھے گا' یہ شخص جب مر جائے گا تو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آلات موسیقی کی کمائی اور کتے کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۰۔ ۴۸۹' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۶۸' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ''اشتـراء''، ''شـراء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: خریدنا' جیسا کہ نضر بن حارث کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے یا اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے کہ ''اِشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ'' (آل عمران: ۱۷۷) ''انہوں نے ایمان کے عوض میں کفر خرید لیا'' یعنی انہوں نے ایمان کو کفر میں تبدیل کر لیا اور انہوں نے کفر کو ایمان پر پسند کر لیا یعنی انہوں نے باطل بات کو حق بات پر اختیار کر لیا [اور ''لھو'' کی اضافت ''الحدیث'' کی طرف بیانیہ بہ معنی ''مِنْ'' ہے] کیونکہ ''لھو''، ''حدیث'' (بات) بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی عمل بھی ''لھو'' ہوتا ہے (جیسے کرکٹ وغیرہ مختلف کھیل) سو ''لھو'' کو ''حدیث'' کے ساتھ بیان کر دیا اور یہاں ''لھو الحدیث'' سے بُری بات مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے' جس طرح پانی سبزہ اُگاتا ہے۔
(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۶۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مظہری نقشبندی پانی پتی لکھتے ہیں کہ گانے گانا حرام ہے' ایک تو اس آیت مبارکہ کی وجہ سے کیونکہ یہ ''لھو الحدیث'' (بے ہودہ کلام) ہیں' دوسرا ان احادیث مبارکہ کی وجہ سے جن کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے (جن سے گانے گانا حرام قرار دیا گیا ہے) اور صوفیائے کرام نے فرمایا کہ (۱) جس شخص کا دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہو اور اسی کی یاد میں اس قدر منہمک ہو کہ اس کا دل غیر اللہ کی یاد سے خالی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو (۲) اور صوفیانہ کلام گانے والا شخص محل شہوت نہ ہو (یعنی عورت اور نابالغ لڑکا نہ ہو) (۳) اور محفل سماع اغیار (نا اہل اللہ) سے خالی ہو (۴) نماز وغیرہ کا وقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے سماع جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ صوفیانہ کلام کے سماع کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے دل میں پوشیدہ جامد و ساکن محبت کی آگ متحرک و مشتعل ہو جاتی ہے (اور اللہ تعالیٰ اور اہل اللہ سے عقیدت و محبت دوچند ہو جاتی ہے) اور یہی محبت عوام کے حق میں حرمت سماع کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ عوام کے دل عورتوں اور لڑکوں کی محبت میں مشغول ہوتے ہیں' سو اس لیے سماع کے وقت ان کی یہ محبت مشتعل ہو جاتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے اور لیکن جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے غیر سے خالی ہوتے ہیں' ان کے حق میں سماع محبت الٰہی کی ترقی کا باعث بن جاتی ہے' سو اس لیے ان کے حق میں سماع مستحب ہے اور وہ نصوص جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے' ان کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس غنا کو حرام قرار دیتی ہے' جو ''لھو الحدیث'' (یعنی بے ہودہ کلام جیسے مرد و عورت کے باہمی عشق و محبت کے عرفی گانوں پر مشتمل) ہو اور صوفیائے کرام کے سماع کا اس غنا سے کوئی تعلق نہیں ہے (کیونکہ سماع میں صرف حمدیہ اور نعتیہ اشعار کو مترنم آواز میں سنایا جاتا ہے) اور اسی طرح جن احادیث مبارکہ سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ بھی مخصوص بالبعض ہیں کیونکہ دوسری ایسی احادیث مبارکہ بھی ہیں جو (مہذب کلام پر مشتمل) غنا کے مباح و جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں' سو ہم حرمت غنا کی احادیث مبارکہ کو لہو و لعب اور بے ہودہ گانوں پر محمول کرتے ہیں' جو فسق و فجور اور بدکاری کا محرک و باعث بنتے ہیں۔ علامہ مظہری نے مباح غنا کے ثبوت میں بہت سی احادیث مبارکہ نقل کی ہیں' مگر یہاں اختصار کی وجہ سے بطور نمونہ صرف تین احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں' جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے' حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرہ مبارک کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں' اسے امام بخاری نے روایت کیا اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی کسی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لِیَضِلَّ'' (''یا'' مفتوح کے ساتھ) ہے] یعنی تا کہ وہ اپنی اسی گمراہی پر ثابت قدم رہے جس پر پہلے قائم تھا اور اس میں مزید ترقی کرے ﴿عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید سے ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ بے علمی کے سبب یعنی اس گناہ سے اپنی جہالت کے سبب جس پر وہ قائم ہیں ﴿وَّ یَتَّخِذَهَا﴾ کہ مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح جانور گھاس کھا جاتا ہے [''لهو الحدیث'' کی اضافت تبعیض کی ہے] گویا فرمایا گیا: اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بعض ایسی باتیں خرید کر لاتے ہیں جو لہو اور لعب ہوتی ہیں ﴿لِیُضِلَّ﴾ تا کہ وہ بہکا دے یعنی تا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے اور قرآن مجید کی تلاوت سننے سے روک دے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں منصوب (یعنی ذال پر زبر) ہے کہ ''لیضل'' پر معطوف ہے اور جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس نے اسے ''یشتری'' پر معطوف قرار دیا ہے] اور تا کہ وہ اسے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ کو ﴿هُزُوًا﴾ تمسخر بنا لیں [حمزہ کی قراءت میں ''زا'' اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے (هزءًا) اور امام حفص کی قراءت میں بغیر ہمزہ ''زا'' مضموم ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''زا'' اور ہمزہ دونوں مضموم (هُـزُؤًا) ہیں] ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے یعنی وہ عذاب انہیں ذلیل و خوار کر دے گا [اور ''مَنْ'' اپنے ابہام کی وجہ سے واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے] یعنی نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۝۸ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹

اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والے چین کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ سب پر غالب بہت بڑی حکمت والا ہے O

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری لڑکے سے کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا' لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں' آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے' حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انصار ایک ایسی قوم ہے جن میں گانے کا شوق ہے سو کاش! تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ کہتا: ''اتینا کم اتینا کم' فحیانا وحیاکم'' (ترجمہ) ''ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں' سو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے''۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک دعوت ولیمہ میں حضرت قرظ بن کعب اور ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت بچیاں گا رہی تھیں' تو میں نے کہا: اے رسول اللہ کے صحابیو! اور اے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والو! تمہارے پاس یہ کام کیا جا رہا ہے' سو ان دونوں نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو اور اگر تم چاہو تو چلے جاؤ کیونکہ ولیمہ کے وقت گانے کی ہمیں رخصت دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۰ ـ ۲۴۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

۷- ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا ﴾ اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے' وہ تکبر کرنے اور اپنے آپ کو بہت بڑا شخص خیال کرنے کی وجہ سے آیات الٰہی میں تدبر اور غور وفکر کرنے سے اور قرآن مجید کی طرف کان لگا کر توجہ کرنے سے اعراض وروگردانی کر لیتا ہے ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ﴾ گویا اس نے اس کو سنا ہی نہیں اور اس شخص کے حال کو اس میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس نے اسے سنا ہی نہیں [اور یہ ''مُسْتَكْبِرًا'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور اصل میں ''كَاَنَّهٗ'' ہے اور اس کی ضمیر شان کی ضمیر ہے] ﴿ كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ ﴾ گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ اور ثقل ہے [اور یہ ''لم یسمعها'' سے حال ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''اُذْنَیْهِ'' (ذال ساکن) ہے] ﴿ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اسے دردناک عذاب کی بشارت سنادیں۔

۸'۹- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان کے لیے چین کے باغات ہیں [اور اس پر وقف نہیں کرنا کیونکہ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ ''لهم'' میں ضمیر سے حال ہے (یعنی) ان کے لیے چین کے باغات ہیں جب کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ] ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے [یہ دونوں تاکید کرنے والے مصدر ہیں' پہلا اپنی ذات کی تاکید کر رہا ہے اور دوسرا اپنے غیر کی تاکید کر رہا ہے' کیونکہ ''لهم جنات النعیم'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے چین کے باغات کا وعدہ کر لیا' پس وعدہ کے معنی کو ''وعد'' کے لفظ سے مؤکد و پختہ کیا گیا ہے اور ''حقا'' ثبات پر دلالت کرتا ہے' سو اس لیے وعدہ کے معنی کی اس کے ساتھ تاکید کی گئی ہے اور یہ دونوں ''لهم جنات النعیم'' کی تاکید ہیں] ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے (یعنی) وہ ذات جس پر کوئی چیز غالب نہ آ سکے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب کے ساتھ ذلیل ورسوا کرے گا ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ جو کچھ کرتا ہے' اس میں بڑا حکمت والا ہے' سو اس لیے وہ اپنے دوستوں کو ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ ع

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جنہیں تم دیکھتے ہو اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اُگائے O یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے' سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں' انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے' بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O

## اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا بیان

۱۰- ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا [''عمد'' جمع ہے اس کا واحد ''عماد'' ہے] ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ جنہیں تم دیکھتے ہو اور لوگوں کا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھنا یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''بغیر

عَمَدٍ'' کی دلیل ہے جیسے تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ ''اَنَا بلا سَیْفٍ وَلَا رُمْحٍ تَرَانِیْ'' میں بغیر تلوار اور بغیر نیزے کے ہوں
کہ تم مجھے دیکھے رہے ہو[''ترونھا'' کی ضمیر''سمٰوٰت'' کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے
کیونکہ یہ مستانفہ (الگ مستقل کلام) ہے یا''عمد'' کی صفت ہونے کی بناء پر جر کے محل میں ہے ]یعنی بغیر ستونوں کے دیکھے
جاتے ہیں یعنی بے شک آسمانوں کے ستون ایسے ستون ہیں جو دیکھے نہیں جا سکتے اور وہ ہیں قدرتِ الٰہی سے ان کا رُکا ہوا ہونا
﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ﴾ اور اس نے زمین میں ثابت وقائم رہنے والے مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا﴿اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ﴾
''لئلا تضطرب بکم'' تا کہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے ﴿وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا
مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ﴾ اور اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے (بارش کا) پانی برسایا' پھر ہم
نے اس میں ہر قسم کے حسین وجمیل اور بہترین غلہ جات ومیوہ جات کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

۱۱- ﴿هٰذَا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوقات کی طرف اشارہ ہے' جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے ﴿خَلْقُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی
خلق یعنی اس کی مخلوق ﴿فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا کچھ
پیدا کیا ہے' یعنی ان کے معبود۔ اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو ڈانٹا اور جھڑکا ہے کہ یہ تمام بڑی بڑی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات
میں سے ہیں' سو تم مجھے دکھاؤ کہ تمہارے معبودوں نے کون سی مخلوق پیدا کی ہے' یہاں تک کہ وہ تمہارے نزدیک عبادت کے
مستحق قرار پائے ﴿بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بلکہ ظلم وستم کرنے والے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو
ڈانٹنے اور ان کو جھڑکنے سے عدول کر کے ایسی گمراہی میں ان کی ہلاکت پر مہر ثبت فرمائی' جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۱۲ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ
بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝۱۳ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝۱۴



اور البتہ بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات
کے لیے شکر کرتا ہے اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل ستائش ہےO اور جب لقمان نے اپنے
بیٹے سے فرمایا اور وہ اسے نصیحت کر رہا تھا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا' بے شک شرک بہت بڑا ظلم
ہےO اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت فرمائی' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے
اسے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے (وہ وصیت یہ تھی) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر
ادا کر' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےO

## حضرت لقمان کا تذکرہ

۱۲- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت ودانائی عطا فرمائی۔ یہ حضرت لقمان بن باعوراء
تھے' جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے اور بعض نے کہا کہ وہ آزر کی اولاد میں سے تھے اور انہوں

نے ایک ہزار سال زندگی پائی تھی اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے' پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث کیے گئے تو انہوں نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میں حضرت داؤد علیہ السلام کے علمی فتاویٰ پر اکتفاء کیوں نہ کروں' جب کہ انہیں نبی مبعوث کر کے میری کفایت کر دی گئی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان درزی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ بڑھئی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ چرواہا تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت لقمان' بنی اسرائیل کے قاضی تھے جو ان کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے' اور حضرت عکرمہ اور حضرت شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت لقمان نبی تھے' مگر جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان صرف حکیم تھے نبی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تھا تو انہوں نے حکمت کو اختیار کر لیا اور حکمت کا معنی یہ ہے کہ قول و فعل میں حق پر قائم رہ کر صحیح راستے پر چلنا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان نے ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو [''ان'' مفسرہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ یعنی تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو' کیونکہ حکمت کا عطا کرنا قول کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اصل حکمت اور حقیقی علم یہی ہے کہ ان دونوں پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کرنے کی تفسیر شکر ادا کرنے کی ترغیب کے ساتھ کی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حکیم (صاحب حکمت) نہیں ہو سکتا جب تک اپنے قول' اپنے فعل اور اپنی معاشرتی زندگی اور اپنی صحبت میں حکیم نہیں ہو جاتا اور حضرت ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی نعمتوں کی وجہ سے نہ کی جائے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: شکر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھو اور بعض حضرات نے کہا کہ شکر کی کما حقہ ادائیگی سے عجز کا اقرار شکر ہے' خلاصہ یہ ہے کہ دل کا شکر معرفت الٰہی اور زبان کا شکر حمد الٰہی اور اعضاء کا شکر اطاعت و فرماں برداری ہے اور سب میں عجز کا نظریہ سب کے قبول ہونے کی دلیل ہے ﴿ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ بلاشبہ اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے کیونکہ شکر کا نفع اور فائدہ اسی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ ادائیگی شکر سے مزید نعمت کا ارادہ کرتا ہے ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے ﴿ حَمِيْدٌ ﴾ وہ اپنی ذات میں محمود و قابل تعریف ہے' وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد و ثناء بیان کی جائے اور اگرچہ اس کی کوئی تعریف نہ بھی کرے۔

۱۳- ﴿ وَإِذْ ﴾ ''ای واذکر اذ'' یعنی اور یاد کیجئے جب ﴿ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ ﴾ حضرت لقمان نے اپنے انعم یا اشکم نامی بیٹے سے فرمایا ﴿ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ اور وہ اس کو نصیحت کرتا تھا کہ اے میرے بیٹے! تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہرگز نہ کرنا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یا بنی'' میں ''یا'' ساکن ہے اور حفص کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ہے] ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے' کیونکہ اس میں بے نعمت ذات جس کے پاس کسی قسم کی نعمت نہیں' کے درمیان اور صاحب نعمت خدا جس سے ہر قسم کی نعمت ملتی ہے' کے درمیان برابری کی جاتی ہے۔

۱٤- ﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی' اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھا' یعنی وہ کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے مزید کمزور ہو گئی یعنی ضعف کمزوری پر حمل کے بوجھ کی کمزوری کی وجہ سے مزید کمزوری ہو گئی یعنی اس کی کمزوری زیادہ ہو گئی اور اس میں اضافہ ہو گیا

کیونکہ حمل (پیٹ میں بچہ یا بچی) جب بڑھتا جاتا ہے اور بڑا ہوتا جاتا ہے تو اس کا بوجھ اور ضعف و کمزوری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ﴾ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے یعنی دودھ پیتے بچہ کی دودھ چھڑائی دو سال پورے ہو جانے پر ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ﴾ یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر [یہ "وصینا" کی تفسیر ہے یعنی ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ ہمارا شکر ادا کرے اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرے اور ارشاد باری تعالیٰ "حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ" مفسر (سین مفتوح مشدد) اور مفسر (سین مکسور مشدد) کے درمیان جملہ معترضہ ہے] کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت فرمائی تو جو مشقتیں اور تکلیفیں ماں نے برداشت کیں اور بچے کے بوجھ کو اٹھانے اور دودھ پلانے، پھر دودھ چھڑانے کی طویل مدت میں جو مشقتیں دیکھتی رہی، ان کو الگ ذکر کر کے ماں کا عظیم ترین حق بیان کیا اور حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں نمازیں ادا کیں، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جس نے پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے دعائے مغفرت کی تو اس نے ان دونوں کا شکر ادا کیا۔ ﴿اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ
صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ تو اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں، سو تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھا ساتھ دے، اور تو اس کے راستے کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کر لیا ہے، پھر تم سب نے میری طرف لوٹ آنا ہے، سو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے ○

۱۵ - ﴿وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ معبود کے علم کی نفی سے خود معبود کی نفی مراد ہے یعنی تو میرے ساتھ اس کو شریک نہ ٹھہرا جو کچھ بھی نہیں، اس سے بت مراد ہیں ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ سو تو مشرک کے معاملہ میں ان دونوں کی اطاعت نہ کر اور ان کا کہنا نہ مان ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھی طرح ساتھ دے ["معروفا" مصدر محذوف کی صفت ہے "ای صحابا معروفا"] یعنی اچھا ساتھ دے کہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق، حلم و بردباری، برداشت، نیکی اور صلہ رحمی کے ساتھ پیش آ ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ اور ان لوگوں کی راہ پر چل اور پیروی کر، جو میری طرف رجوع لائے یعنی اپنے دین کے بارے میں صرف مؤمنوں کی راہ پر چل اور اس کے معاملے میں اپنے والدین کی راہ پر نہ چل اور اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا تجھے حکم دیا گیا ہے اور حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ تو ہر اس شخص کی صحبت اختیار کر جس پر تجھے میری خدمت و عبادت اور اطاعت کے انوار نظر آئیں ﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم نے میری طرف لوٹ آنا ہے یعنی تیرا اور تیرے ماں باپ کا انجام کار میری بارگاہ میں لوٹ آنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے، پس میں تمہیں تمہارے ایمان پر جزائے خیر عطا کروں گا اور میں تمہیں تمہارے کفر پر سزا دوں گا اور ان دونوں آیتوں کو جملہ معترضہ کے طور پر بالتبع شرک کی ممانعت کے

بارے میں حضرت لقمان کی وصیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے' یعنی بے شک ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ہم نے اس کو حکم دیا کہ شرک میں ان کی اطاعت نہ کرنا اگرچہ وہ پوری کوشش کر کے تجھ پر دباؤ ڈالیں کیونکہ شرک قبیح ترین و بدترین عمل ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اے میرے بیٹے! بے شک وہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو' پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور لائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے خوب خبر رکھنے والا ہے ○ اے میرے بیٹے! نماز قائم کیا کر اور نیکی کا حکم دیا کر اور بُرائی سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ پر آن پڑے اس پر صبر کیا کر' بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

۱۶ - ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ اے میرے بیٹے! بے شک یہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو [نافع مدنی کی قراءت میں پیش کے ساتھ ''مِثْقَالُ'' ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور ''مثقال'' کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''حبّة'' کی طرف مضاف ہے جیسا کہ (میمون بن قیس شاعر نے) کہا: ''كَمَا شَرِقَتْ صَدْرُ الْقَنَاةِ مِنَ الدَّمِ'' جیسا کہ نیزہ کا سینہ خون سے رنگین و روشن ہو گیا' اور ''کان'' (تَكُ) تامہ ہے' باقی قراء کی قراءت میں زبر (مِثْقَالَ) ہے اور ضمیر بُرائی اور نیکی کی ہیئت کے لیے ہے] یعنی کوئی نیکی یا بُرائی چھوٹا ہونے میں اگرچہ رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو ﴿فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ﴾ پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی پھر وہ اپنے چھوٹے ہونے کے باوجود کسی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو جیسے پتھر کی چٹان کا پیٹ یا عالم بالا میں ہو یا عالم سفلی (زمین کی تہہ) میں ہو اور اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ پتھر کی وہ چٹان مراد ہے جو زمین کے اوپر ہوتی ہے اور یہی ''سجین'' ہے جس میں کفار کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور وہ زمین کی جنس سے نہیں ﴿يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ضرور لائے گا اور اس کے ساتھ اس کے عامل سے حساب لے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے' اس کا علم ہر پوشیدہ چیز تک پہنچ جاتا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ بڑا خبردار ہے' اس کی حقیقت کو خوب جاننے والا ہے یا وہ ہر پوشیدہ چیز کے نکالنے میں بہت باریک بین ہے' اس کے ٹھکانا سے خوب خبردار ہے۔

۱۷ - ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو مشقت و مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر' جب تو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے یا یہ کہ جو محنت و مشقت تجھے پہنچے اس پر صبر کر کیونکہ یہ صبر انعام و بخشش کا وارث کر دیتا ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ عمل جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں یہ ﴿مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ہمت کے کاموں سے

ہے'اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں میں سے اس کو ضروری اور یقینی قرار دیا ہے یعنی اس کو بہ طور وجوب اور لزوم کے قطعی قرار دیا ہے یعنی اس کو حتمی و لازم حکم قرار دیا [اور یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے اور یہ اصل میں ''من معزومات الامور'' سے ہے] یعنی یہ کام حتمی' لازمی اور یقینی و فرض کاموں میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبادات باقی امتوں پر فرض تھیں اور ان کے معمولات میں فرض کے طور پر شامل تھیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

ع ۸ ۱۱

اور تو (تکبر کی وجہ سے) لوگوں سے اپنے رخسار نہ پھیر اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل' بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا O اور تو اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ' بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے O

۱۸- ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ اور تو لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر' یعنی تو تکبر و غرور کی وجہ سے لوگوں سے روگردانی اور اعراض نہ کر [ابو عمرو' نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تصاعر'' ہے اور یہ ''تصعر'' کے ہم معنی ہے اور ''صعر'' ایک بیماری بھی ہے جو اونٹ کو لگتی ہے' جس سے اس کی گردن جھک جاتی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگوں سے بات چیت کرو تو عاجزی کے ساتھ اپنا پورا چہرہ لوگوں کی طرف متوجہ کر کے بات کیا کرو اور ان سے اپنے چہرے کا ایک حصہ اور ایک جانب نہ پھیرنا جیسے متکبر لوگ کرتے ہیں ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل [''مرحا'' مفعول مطلق ہے' فعل محذوف کا'' ای تمرح مرحا'' یعنی تو اترا اترا کر اکڑتا ہوا چلتا ہے' یا یہ مصدر ہے اور حال کے موقع پر واقع ہے یا مفعول لہ ہے یعنی تو اترانے اور اکڑنے کی وجہ سے نہ چل] ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ''مختال'' بہ معنی متکبر ہے اور ''فخور'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو تکبر و فخر کے طور پر اپنے مناقب و فضائل شمار کرتا ہو۔

۱۹- ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ اور تو اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر'' قصد'' کا معنی ہے: بلندی اور پستی یا لمبائی اور کوتاہی کا درمیان یعنی اس میں اعتدال کی راہ پر چل' یہاں تک کہ دو چالوں کی درمیانی چال چل کہ کمزور چیونٹیوں کی چال کی طرح بالکل آہستہ بھی نہ چل اور ہوشیار و چالاک و ڈرنے والے کی طرح تیز دوڑ بھی نہ چل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تیز رفتار چلنا مؤمن کے وقار کو ختم کرتا ہے اور لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد کہ جب آپ چلتے تو تیز رفتار چلتے' تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق سُست رفتار نہیں چلتے تھے بلکہ اس سے قدرے تیز درمیانہ رفتار چلتے' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام یہود کی طرح دوڑتے ہوئے چلنے سے اور نصرانیوں کی طرح سُست رفتار چلنے سے منع کرتے تھے' لیکن اس کے درمیان چال چلنے کا کہتے تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چلتے وقت عاجزی اور تواضع کرتے ہوئے اپنی نگاہیں اپنے قدموں پر رکھو ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اور اپنی آواز کو پست کر اور اسے کم کر یعنی اپنی آواز پست

کر ﴿ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ ﴾ بے شک تمام آوازوں میں سے بدترین وقبیح ترین آواز ﴿ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴾ البتہ گدھے کی آواز ہے کیونکہ پہلے اس کی باریک آواز ہوتی ہے اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے جیسے دوزخیوں کی آواز ہو گی اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز کی آواز تسبیح الٰہی ہوتی ہے ماسوا گدھے کی آواز کے کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی آواز کو بدترین فرمایا اور بلند آواز میں بات کرنے والوں کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے میں اور ان کی آواز کی گدھے کی چیخ کے ساتھ تمثیل بیان کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ آواز بلند کرنا انتہائی مکروہ کام ہے اور اس کی وہ روایت تائید کرتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات بہت پسند تھی کہ آدمی آہستہ بولے اور یہ بات ناپسند فرماتے کہ کوئی آدمی بلند آواز میں بولے [''صوت الحمیر'' واحد لایا گیا اور جمع کر کے ''اصوات'' نہیں لایا گیا کیونکہ ہر ایک گدھے کی علیحدہ علیحدہ آواز کا اظہار مراد نہیں' اس لیے جمع نہیں لایا گیا بلکہ حیوان کی جنس ''صوت'' مراد ہے اور تمام اجناسِ اصوات میں بدترین آواز اس جنس کی صوت ہے' پس اس کا واحد لانا واجب ہے]۔

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں' اور لوگوں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے O اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کتاب کی پیروی کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا' اور کیا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو O

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکروں اور شکر گزاروں کا بیان

۲۰- ﴿ اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں اور بادلوں وغیرہ کو ﴿ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی سمندروں' دریاؤں' نہروں' وادیوں' چشموں اور معدنیات اور جانوروں وغیرہ کو تمہارے کام میں لگا دیا ﴿ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتیں تمام و پوری کر دیں [''اَسۡبَغَ'' بہ معنی ''اَتَمَّ'' ہے۔ نافع مدنی' ابو عمرو' سہل اور حفص کی قراءت میں ''نِعَمَهٗ'' (جمع) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''نِعۡمَةً'' (واحد) ہے] اور نعمت ہر وہ نفع اور فائدہ ہے جس کے ساتھ کسی پر احسان کیا جائے ﴿ ظَاهِرَةً ﴾ ظاہری نعمتیں وہ جو مشاہدہ اور معائنہ سے معلوم کی جائیں ﴿ وَّبَاطِنَةً ؕ ﴾ اور باطنی نعمتیں وہ جو صرف دلیل سے معلوم کی جائیں' پھر بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ظاہری نعمتیں

آنکھیں، کان، زبان اور جسم کے دیگر ظاہری اعضاء وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتیں دل، عقل، فہم و فراست اور جو اس کے مشابہ ہیں (جیسے روح، معرفت، بصیرت اور تدبر و فکر) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں روایت بیان کی گئی ہے: اے اللہ! تو مجھے اپنے بندوں پر سب سے پوشیدہ نعمت کے بارے میں بتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر میری سب سے پوشیدہ نعمت نفس ہے اور بعض نے فرمایا کہ احکامِ شریعت کا آسان ہونا اور وسائل کا زیادہ ہونا مراد ہے اور خَلق (حسنِ صورت، قد و قامت جسمانی ساخت) اور خُلق (اخلاقِ حسنہ میں مروت، نیک سیرتی، مہذب گفتگو، شفقت و محبت) اور عطایا (رزق، مال و اولاد، خدام، صحت و عافیت اور امن) کا پانا اور بلایا (غربت و ذلت، بیماری، دشمن کا خوف وغیرہ) کا دور ہونا اور مخلوق میں مقبولیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تیری تخلیق کا موزوں و مناسب اور مساوی ہونا ظاہری نعمت ہے اور تیرے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا باطنی نعمت ہے۔[1]

شانِ نزول: اس آیت مبارکہ کا درج ذیل حصہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوا تھا اور بے شک اس کا ذکر سورۃ الحج:۸ میں گزر چکا ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور لوگوں میں سے ایک شخص (نضر بن حارث) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے۔

۲۱ - ﴿اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور کیا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا یہ کفارِ مکہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، اگرچہ شیطان ان کو بلاتا ہو یعنی اس حال میں کہ شیطان ان کو دوزخ کی بڑھکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ

[1] (۱) مقاتل نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی نعمت سے مراد اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا ہے۔ (۲) مجاہد اور وکیع نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد زبان ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل ہے۔ (۳) نقاش نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد لباس ہے اور باطنی نعمت گھر کا ساز و سامان ہے۔ (۴) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت لذت جماع ہے۔ (۵) ظاہری نعمت دنیا کی زیب و زینت ہے اور باطنی نعمت آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہے۔ (۶) ظاہری نعمت مال و دولت اور صحت و عافیت اور باطنی عبادت اور ریاضت کی توفیق ہے۔ (۷) ظاہری نعمت حسن صورت ہے اور باطنی نعمت اچھے اخلاق اور نیک سیرت ہے۔ (۸) ظاہری نعمت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور باطنی نعمت اس کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کا قبول کرنا ہے۔ (۹) ظاہری نعمت علماء کی تبلیغ اور تصنیف و تالیف ہے اور باطنی نعمت وہ علم اور حکمت ہے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پائے (۱۰) ظاہری نعمت ماں باپ ہیں اور باطنی نعمت اساتذہ اور مشائخ ہیں (۱۱) ظاہری نعمت حکام اور سلاطین کی حکومت ہے اور باطنی نعمت اولیاء اور اتقیاء کی ولایت ہے۔ یہ چند نعمتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو غیر متناہی (بے شمار) ہیں وہ فرماتا ہے: ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' (ابراہیم: ۳۴) ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے''۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۲۷۲)

نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۲۴﴾

اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو بے شک اس نے مستحکم رسی کو مضبوطی سے تھام لیا' اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے O اور جس شخص نے کفر اختیار کر لیا ہے' سو اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈال دے' ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے' پھر ہم انہیں بتا دیں گے جو کچھ انہوں نے عمل کیے' بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے O ہم انہیں تھوڑا نفع پہنچائیں گے' پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے O

۲۲- ﴿وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے [یہاں ''اِلٰی'' کی طرف متعدی کیا گیا ہے جب کہ ''بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ'' (البقرہ:۱۱۲) میں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] سو لام کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنا چہرہ' اور (وجهه) اپنے چہرے سے اس کی ذات اور اس کا نفس مراد ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا یعنی اسی کے لیے خالص کر لیا اور ''اِلٰی'' کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنے آپ اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا' جیسا کہ سامان آدمی کے سپرد کیا جاتا ہے جب اس کی طرف دیا جاتا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس کی طرف سپرد کر دینا ہے ﴿وَهُوَ مُحۡسِنٌ﴾ اور وہ اپنے اعمال و کردار اور معاملات میں نیکوکار بھی ہو ﴿فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی﴾ تو بے شک اس نے پختہ رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور ''عروه'' ہر وہ چیز ہے جس کو اپنی حفاظت کے لیے مضبوط باندھ لیا جائے اور ''وُثۡقٰی''، ''اَوۡثَق'' کی تانیث ہے (جیسے ''صغرٰی''، ''اصغر'' کی تانیث ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسا کرنے والے شخص کے حال کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنا چاہتا ہے اور وہ اپنی حفاظت کے لیے مضبوط و پختہ رسی کو مضبوطی سے باندھ لیتا ہے جس کے ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہے' پھر بے خوف ہو کر اس کو پکڑ کر نیچے اترتا ہے ﴿وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ﴾ اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی تمام کام اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں' سو وہی ان پر جزا اور سزا دے گا۔

۲۳- ﴿وَمَنۡ كَفَرَ﴾ اور جس شخص نے کفر کیا اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد نہیں کیا اور اسلام قبول نہیں کیا ﴿فَلَا یَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ﴾ سو آپ کو اس کا کفر غم میں نہ ڈال دے [یہ ''حَزَنَ'' (باب ''نصر ینصر'') سے ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''یحزنك'' (یا پر پیش اور زا کے نیچے زیر) ''اَحۡزَنَ'' (باب افعال) سے ہے] یعنی جس نے کفر اختیار کر لیا ہے' اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کر دے کیونکہ ﴿اِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ فَنُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا﴾ ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے' پھر ہم بتا دیں گے ان کو جو کچھ انہوں نے کیا' سو ہم ان کو ان کے اعمال پر سخت سزا دیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے خوب جانتا ہے' سو ان کے ساتھ اسی کے مطابق سزا کا معاملہ فرمائے گا۔

۲۴- ﴿نُمَتِّعُهُمۡ قَلِیۡلًا﴾ ہم ان کو دنیا میں تھوڑے عرصہ تک دنیوی فوائد و منافع دیتے رہیں گے ﴿ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ﴾ پھر ہم ان کو سخت ترین عذاب کی طرف لے جانے پر مجبور کر دیں گے۔ کفار کو لازمی عذاب پہنچانے اور ان کو عذاب میں داخل کرنے کو اس مجبور شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو کسی چیز کی طرف اس کی مرضی کے خلاف مجبور کر کے لے جایا جائے اور ''غلظ'' اجسامِ غلیظہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' پھر اس کو معانی میں بہ طور مستعار استعمال کیا جاتا ہے اور

یہاں بھی اسے مستعار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس سے شدت وسختی اور ثقل و بوجھ مراد ہے کہ ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ
سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا
بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے' آپ فرمائیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریف کیا ہوا ہے O اور بے شک اگر روئے زمین پر جتنے درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے O تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں دوبارہ زندہ کرنا نہیں ہے مگر ایک جان کی مثل' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے O

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان کا بیان

۲۵- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے)' فرمایئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' کفار کے اس اقرار پر کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمینوں کو اکیلے اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے' ان پر الزام دیا گیا ہے کہ پھر واجب وضروری ہے کہ تمام تعریفیں بھی اسی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں اور شکر بھی اسی کا ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے کسی غیر کی عبادت نہ کی جائے' پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے کہ یہ ان پر لازم ہے اور جب اس پر انہیں تنبیہ کی جاتی ہے تو باز نہیں آتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔

۲۶- ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بے نیاز ہے' وہ حمد وثناء بیان کرنے والوں کی حمد وثناء سے بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہی تمام محامد اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اگرچہ وہ لوگ اس کی تعریف بیان نہ بھی کریں۔

۲۷- مشرکین مکہ نے ایک دفعہ کہا: بے شک یہ وحی ایسا کلام ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بتلایا کہ بے شک اس کا کلام کبھی ختم نہیں ہوگا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ﴾ اور اگر بے شک تمام روئے زمین پر جس قدر درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تو تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ ابو عمرو اور یعقوب کی قراءت میں حرف "اَنَّ" کے اسم کو "مَا" پر عطف کرتے ہوئے "وَالْبَحْرَ" (منصوب) پڑھا گیا ہے اور "اَنَّ" کے محل اور اس کے معمول پر عطف کرتے ہوئے مرفوع "وَالْبَحْرُ" پڑھا گیا ہے یعنی اور اگر درختوں کا قلمیں ہونا ثابت ہو جائے اور تمام سمندروں کا مزید سات سمندروں کے ساتھ سیاہی ہونا ثابت ہو جائے (اور کلمات لکھنے شروع کر دیئے جائیں) تب بھی قلمیں سیاہیاں ختم ہونے کے باوجود کلمات الٰہی ختم نہیں ہوں گے) یا "وَالْبَحْرُ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور واو حال کے معنی کے لیے ہے اس معنی پر کہ اگر تمام درخت قلمیں ہو جاتے اس حال میں کہ تمام سمندر سیاہی ہو جاتے اور ایک قراءت میں "يُمِدُّهٗ" (اِمداد باب افعال سے "یا" مضموم کے ساتھ) پڑھا گیا ہے اور کلام کا معنی یہ ہے کہ یوں فرمایا جاتا: "وَلَوْ اَنَّ الشَّجَرَ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ مِدَادٌ" لیکن "يَمُدُّهٗ" نے "مِدَادٌ" کے ذکر سے بے نیاز کر دیا ہو تمہارے قول "مَدَّ الدَّوَاةَ وَاَمَدَّهَا" سے ماخوذ ہے سو یہ دوات ایسی ہے کہ اس میں ہمیشہ سیاہی ڈالی جاتی رہے وہ ختم نہیں ہوگی اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلمیں بن جائیں اور تمام روئے زمین کے سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہیاں بن جائیں اور ان قلموں اور ان سیاہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے لیکن قلمیں اور سیاہی ختم ہو جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ" (الکہف: ۱۰۹) "اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں تو میرے رب تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے سے پہلے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے" [اگر یہ کہا جائے کہ "وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ" رفع کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ میں حال ہے حالانکہ اس میں کوئی ایسی ضمیر نہیں ہے جو ذوالحال کی طرف لوٹتی ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے: "جِئْتُ وَالْجَيْشُ مُصْطَفٌّ" "میں آ گیا ہوں جب کہ حال یہ ہے کہ لشکر صف بستہ کھڑا ہے اور جو احوال اس کے مشابہ ہیں جن کا حکم ظروف کے حکم کی طرح ہے اور "شَجَرَةٍ" کا واحد کی بناء پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ہر درخت ایک ایک کر کے علیحدہ علیحدہ مراد ہے یہاں تک کہ جنس شجر میں کوئی درخت باقی نہ رہے اور کوئی ایک درخت بھی باقی نہ رہے مگر اس کی قلمیں بن جائیں اور "الکلم" کی بجائے "الکلمات" کو ترجیح دی گئی ہے حالانکہ یہ جمع قلت ہے اور وہ "الکلم" جمع کثرت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمات جمع قلت کے باوجود ختم نہیں ہوں گے تو "الکلم" جمع کثرت کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ بہت بڑا حکمت والا ہے کوئی چیز اس کے علم سے اور اس کی حکمت سے خارج نہیں ہے سو اس کے کلمات اور اس کی حکمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

۲۸- ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ تمہاری پیدائش اور مرنے کے بعد تمہارا زندہ ہو کر اٹھنا نہیں ہے مگر ایک جان کی مانند یعنی مگر ایک جان کی پیدائش اور ایک جان کے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی مثل ہے سو "كَخَلْقِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ" میں "خلق" کو معلوم ہونے پر حذف کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک کام کی قدرت دوسرے کام کی قدرت سے دور نہیں کرتی (وہ امر "کُن" سے سارے کام بیک وقت کر سکتا ہے) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ خوب سننے والا ہے اس نے مشرکین کی یہ بات سن لی ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا ﴿ بَصِيْرٌ ﴾ وہ ان کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے سو ان کو ضرور سزا دے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع ۱۱

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کر رہے ہو○ یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں سب باطل ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے○

۲۹- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں داخل کر دیتا ہے ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو بندوں کے منافع اور فوائد کے لیے کام میں لگا رکھا ہے ﴿كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یعنی سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے اپنے فلک (مدار) میں چل رہا ہے اور اپنی اپنی منازل کو مقررہ مدت تک (یعنی) قیامت تک یا معین و مقرر وقت تک طے کر رہا ہے' سورج سال کے آخر تک اپنی منازل کو طے کر لیتا ہے اور چاند اپنی منازل کو مہینے کے آخر تک طے کر لیتا ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح خبردار ہے' جو کچھ تم اعمال کرتے ہو [عیاش کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے]۔

نیز یہ آیت مبارکہ رات دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے اور کم اور زیادہ ہونے پر اور سورج اور چاند کے اپنے اپنے مدار میں ایک اندازے اور حساب پر چلتے رہنے پر اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے تمام اعمال پر محیط ہونا' اس کی قدرت کی عظمت اور اس کی حکمت کے کمال کی دلیل ہے۔

۳۰- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں' وہ باطل ہیں [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی عراقیوں کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یدعون'' ہے] ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے یعنی یہ وہ وصف ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کے ان عجائب کی وجہ سے موصوف ہے جن سے تمام زندہ قدرت و اختیار رکھنے والے اور علم رکھنے والے عاجز ہیں' سو بھلا وہ بے جان پتھر وغیرہ جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے' کیسے قدرت و اختیار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بلاشبہ صرف اس سبب سے معبود ہے کہ وہ یقیناً حق ہے' اس کی الوہیت و معبودیت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کی الوہیت باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے اور وہی سب سے بڑا بادشاہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِىْ

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں○ اور جب انہیں کوئی موج پہاڑوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں' اپنے عقیدہ کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے' پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بہت غدار سخت ناشکرا ہوتا ہے○

۳۱- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چلتی ہے (یعنی) اس کے احسان اور اس کی رحمت سے یا ہوا سے کیونکہ ہوا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے [''الفلك'' (لام پر پیش) بھی پڑھا گیا ہے اور ہر ''فُلْكٌ'' (لام ساکن) میں ''فُلُكٌ'' (لام پر پیش) پڑھنا جائز ہوتا ہے' جیسا کہ ہر ''فُلُكٌ'' (لام مضموم) میں ''فُلْكٌ'' (لام ساکن) پڑھنا جائز ہوتا ہے] ﴿لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾ تا کہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھا دے (یعنی) دریا میں اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے' جب تم اس میں کشتی پر سوار ہو کر سفر کرنے لگو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہے ﴿شَكُوْرٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت بڑا شکر کرنے والا ہے اور یہ دونوں مؤمن کی صفتیں ہیں' سو ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے' پس گویا ارشاد فرمایا کہ بے شک اس میں ہر مؤمن کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

۳۲- ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ﴾ اور جب انہیں یعنی کفار کو کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے ﴿كَالظُّلَلِ﴾ پہاڑوں کی طرح (یعنی) جب موج بلند ہوتی ہے تو پھر پہاڑوں کی طرح بہت اونچائی پر پہنچ کر نیچے لوٹ آتی ہے اور ''ظلة'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جو تجھ پر سایا بن جائے' پہاڑ ہوں خواہ بادل ہوں یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اپنے عقیدہ کو (یا اپنی اطاعت کو یا اپنی عبادت کو) اسی کے لیے دل سے خالص کرتے ہوئے ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں یعنی ایمان اور اخلاص پر باقی رہتے ہیں' جو ان سے ظاہر ہوا تھا اور وہ کفر کی طرف نہیں لوٹتے یا وہ کفر وظلم میں میانہ اور متوسط رویہ اختیار کر لیتے ہیں' بعض دفعہ ڈانٹ دھتکار سے متاثر ہو جاتے ہیں اور کفر میں غلو اور شدت نہیں کرتے یا وہ اس اخلاص پر معتدل رہتے ہیں جس پر وہ دریا میں تھے' یعنی بے شک وہ اخلاص جو خوف کے وقت پیدا ہوتا ہے وہ کسی کے لیے باقی نہیں رہتا اور مقصد قلیل و نادر ہوتا ہے ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور ہماری آیتوں کا یعنی ان کی حقیقت کا انکار نہیں کرے گا ﴿اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾ مگر بہت غدار دھوکے باز اور اپنے رب تعالیٰ کا بہت ناشکرا' اور ''ختار'' ''ختر'' سے ماخوذ ہے' اور ''ختر'' کا معنی ہے: بدترین غدار۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَقفة وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ دے سکے گا' بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان مکار دھوکے میں نہ ڈال دے O

۳۳- ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا [اصل میں ''لا یجزی فیہ'' ہے' پھر اسے حذف کر دیا گیا ہے] یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کچھ ادا نہیں کر سکے گا ﴿ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ﴾ اور نہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دے سکے گا [یہ تاکید کے طریقہ پر وارد ہوا ہے اس پر وارد نہیں ہوا وہ جو معطوف علیہ ہے کیونکہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ''ھُوَ'' اور ''مولود'' بھی متصل ہیں] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے جن کے بڑے بزرگ آباء واجداد کفر کی حالت میں فوت ہو گئے تھے' سو اس خطاب سے ان کی اس امید کے خاتمہ کا ارادہ کیا گیا ہے کہ ان کے آباء واجداد آخرت میں شفاعت کر کے انہیں فائدہ پہنچائیں گے اور ''مولود'' کے لفظ میں اس معنی کی تاکید ہے کہ بے شک ان بیٹوں میں سے اگر کوئی ایک بیٹا اپنے قریبی باپ جس کی صلب سے پیدا ہوا' کی شفاعت کرے گا تو اس کی شفاعت اس کے (کافر) باپ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی تو بھلا دور کے اجداد کے حق میں کیسے سفارش قبول کی جائے گی کیونکہ ولد بیٹے اور بیٹے کے بیٹے پر بھی بولا جاتا ہے' بہ خلاف مولود کے کیونکہ یہ حقیقی صلبی بیٹے پر بولا جاتا ہے اور بس' تفسیر کشاف میں اسی طرح ہے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے قبور سے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب ہو گا اور اعمال کے مطابق جزا ملے گی' برحق اور سچا ہے ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ سو تمہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ اس کی نعمتیں حقیر ہیں اور اس کی لذتیں فانی اور عارضی ہیں ﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور شیطان مکار تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے یا دنیا یا آرزوئیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم' اور وہی بارش نازل کرتا ہے' اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے' اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کرے گی' اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی' بے شک اللہ تعالیٰ خوب

جاننے والا بتانے والا ہے○

## علومِ خمسہ[1] کا بیان

۳۴- ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہی بارش کو نازل کرتا ہے [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور عاصم کی قراءت میں ''زا'' کی تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ہے اور یہ اس فعل پر معطوف ہے جس کا ظرف تقاضا کرتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(ان اللّٰه يثبت عنده علم الساعة وينزل الغيث) في ابانه من غير تقديم ولا تاخير'' ''بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت ہے اور وہی بارش کو اس کے وقت میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے نازل کرتا ہے''] ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے جو ماں کے پیٹوں میں ہوتا ہے' لڑکا ہے یا لڑکی اور مکمل ہے

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ اور چند احادیث مبارکہ میں علومِ خمسہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے' جس کی وجہ سے بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو بھی نہیں ہے جب کہ محققین علماء نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے انبیاء اور متعلقہ ملائکہ اور خصوصاً حضور سید عالم ﷺ کے لیے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان علومِ خمسہ کی تخصیص کی وجہ نجومیوں' کاہنوں اور دیگر سائنسی ذرائع سے یقینی جاننے کی نفی مقصود ہے' چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی انہیں خود بہ خود نہیں جان سکتا' جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خود بہ خود جانتا ہے اس نے قرآن کریم کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی۔ انبیاء ان اُمورِ غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کا یہ جاننا اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے سے ہے' اس آیت سے مراد (انبیاء کے علوم کی نفی نہیں بلکہ) کاہنوں' نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ سمجھتے ہیں' ان کی تردید ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ایک ہی فقرے میں ساری الجھنوں کا خاتمہ کر دیا' لکھتے ہیں: ''هذه مفاتيح الغيب التي استاثر الله تعالى بعلمها ولا يعلمها احد الا بعد اعلامه تعالى بها'' یعنی یہ اُمورِ خمسہ مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا پس انہیں کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم سکھا دے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۲۰-۲۱۹)

نوٹ: اس آیت مبارکہ کے مفہوم کی مختصر وضاحت کے بعد قرآنی ترتیب کے مطابق انبیاء و ملائکہ اور خاص کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ان اُمورِ خمسہ کے علم کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حبیب خدا کے لیے قیامت کے علم کا ثبوت: حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں حضرت امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دآبۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعۃ المبارک کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعۃ المبارک کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا ناقص ہے ﴿ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ ﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی وہ نیک ہو خواہ بد ہو کہ وہ کل کیا کرے گی' اچھا یا بُرا اور بسا اوقات انسان نیک کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے' پھر اس سے بُرا کام ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان بُرا کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے' لیکن اس سے نیک کام ہو جاتا ہے ﴿ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ ﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی یعنی اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں مرے گی اور بسا اوقات آدمی ایک سرزمین پر قیام پذیر ہو جاتا ہے اور وہیں مکان بنا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس جگہ کو نہیں چھوڑوں گا مگر تقدیر کا تیر اسے ایسی جگہ پھینک دیتا ہے' جس کا خیال بھی اس کے دل میں کبھی نہیں آیا تھا' یہاں تک کہ وہیں موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ روایت میں ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کو غور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا' صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً '' (الاعراف:۱۸۷) ''قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی''۔ ''فَیَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ O'' (الشعراء:۲۰۲) ''اور ان پر قیامت اچانک آئے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا O''۔

اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے' اس کے مکذب بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوعِ قیامت کی تمام نشانیاں' مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

(۲) بارش کے نزول کا علم: اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی' اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کل علم (یا ذاتی علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش کے نزول کی خبر دی ہے: ''ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ O'' (یوسف:۴۹) ''اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر بارش نازل کی جائے گی اور اس سال وہ انگور کا رس بھی خوب نچوڑیں گے O''۔ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں' چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی' بیروت ص ۸۲' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' داراحیاء التراث العربی' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰) حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے (یہ حدیث ہر چند کہ صراحۃً موقوف ہے' لیکن حکماً مرفوع ہے)۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی' جب تک اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱)

(۳) ماؤں کے رحموں کا علم: قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کے پیٹ سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی: ''قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ O'' (الذاریات:۲۸) ''فرشتوں نے کہا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے دیکھنے لگا اس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ شخص کون ہے؟ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ ملک الموت ہے' اس نے عرض کیا کہ گویا یہ میری روح قبض کرنا چاہتا ہے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اٹھا کر لے جائے اور ہندوستان کے کسی شہر میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا' پھر ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں جو اس شخص کو مسلسل غور سے دیکھ رہا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے اس پر تعجب آ رہا تھا کیونکہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہندوستان میں جا کر اس کی روح قبض کروں حالانکہ وہ یہاں آپ کے پاس موجود تھا' اور اس آیت مبارکہ میں علم اللہ تعالیٰ کے لیے' درایت بندوں کے لیے قرار دی گئی ہے کیونکہ درایت میں مکر و فریب اور حیلہ و بہانہ کا معنی پایا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی جان نہیں جان سکتی' اگرچہ وہ اپنے مخصوص ظن و قیاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ مت ڈریں اور انہوں نے اسے علم والے لڑکے (اسحاق) کی بشارت دی O''۔ اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے: ''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى'' (آل عمران: ۳۹) ''پس فرشتوں نے زکریا کو آواز دی جب کہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے''۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے: ''قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا O'' (مریم: ۱۹) ''جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ لڑکا دوں O''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے' وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے' اے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶)

حضرت ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے آج رات بہت خطرناک خواب دیکھا ہے' حضور نے فرمایا: وہ کیا ہے' عرض کیا: وہ بہت سخت خواب ہے' آپ نے فرمایا: بتاؤ! وہ کیا ہے' تو عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے' سو حضور نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے' میری بیٹی فاطمہ ان شاء اللہ بیٹا جنے گی' جو تمہاری گود میں آئے گا' چنانچہ حضرت فاطمہ نے حضرت حسین کو جنم دیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق وہ میری گود میں دیئے گئے۔

(مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۱۸۰۔ ص ۵۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۲۳)

(۴) کل اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کاری کر کے غلہ جمع کریں' پھر اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے' ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے' قرآن مجید میں ہے: ''قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ O ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ O'' (یوسف: ۴۸۔۴۷) ''یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوا اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے O پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے ماسوا اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے O''۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حیلہ کو عمل میں لائے اور انسان کے لیے اس کے کسب اور اس کے انجام سے زیادہ کوئی چیز مخصوص نہیں ہے جب اسے ان دونوں کی معرفت کا کوئی ذریعہ اور طریقہ حاصل نہیں ہے تو ان دو کے ماسوا کو جاننا کس قدر زیادہ بعید ہے اور لیکن وہ نجومی جو بارش برسنے اور موت کے آنے کے وقت کی خبر دے دیتے ہیں تو وہ صرف ظن و قیاس سے کام لے کر اور ستاروں میں غور وفکر اور نظر کر کے بتاتے ہیں اور جو دلیل سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہوتا' اس بناء پر کہ وہ محض گمان ہوتا ہے اور گمان علم نہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''مفاتیح الغیب خمس'' ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں' اور آپ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ان پانچ چیزوں کو (ذاتی طور پر) جاننے کا دعویٰ کیا تو بے شک اس نے جھوٹ بولا اور خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا اور اس سے اپنی عمر کی مدت پوچھی تو اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں' چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ اسی طرح حضرت یوسف نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق بتایا: ''یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَّاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِO'' (یوسف: ۴۱) ''اے میرے قیدخانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے' تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہےO'' اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی اور ہمارے نبی کریم سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے تو قیامت تک بلکہ دخولِ جنت اور دخولِ دوزخ تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہم کو ابتدائے آفرینش سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے' جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲) اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''لاعطین الرایة غدا یفتح الله علی یدیه'' میں کل جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵)۔

آپ نے فرمایا: ''منزلنا غدا ان شاء الله بخیف بنی کنانه'' کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہو گی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' دہلی) اسی طرح آپ نے اپنی بیٹی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت کی خواتین کی ملکہ اور سردار قرار دیا۔ (متفق علیہ' مشکوٰۃ ص ۵۶۸) نیز آپ نے اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا۔ (رواہ الترمذی' مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

(۵) مرنے کی جگہ کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا کہ تمہیں سولی دی جائے گی۔ (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی' اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا' نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں' سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے' جیسا کہ خود علامہ نسفی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملک الموت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے آدمی کی سرزمین ہند میں روح قبض کرنے کی روایت بیان کی ہے اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد ﷺ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موت کے فرشتے نے اپنی انگلیوں سے پانچ کا اشارہ کیا' سو اس کی تعبیر بتانے والوں نے یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے پانچ سال اور پانچ مہینے اور پانچ دن مراد ہیں' لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان پانچ علوم کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿ خَبِيْرٌ ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا' وہ سب سے خبردار ہے اور حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ سورۂ لقمان کی تلاوت کثرت سے کیا کرو کیونکہ اس میں بہت سی عجیب باتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

سورۃ السجدہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی تیس آیات' تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

الم ○ یہ کتاب پروردگارِ عالم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ○ کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اسے از خود گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت پائیں ○

## قرآن اور صاحب قرآن کی شان

۱'۲- ﴿ الٓمّٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے' اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے [اس سورت کے نام ہونے کی بناء پر "الم" مبتدا ہے اور "تنزیل الکتاب" اس کی خبر ہے اور اگر ان کو حروف کے لیے تعدید قرار دیا جائے تو پھر "تنزیل" اس بناء پر مرفوع ہوگا کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ کہ یہ مبتدا ہے اور "لا ریب فیه" اس کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا کہ یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳) خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات' بلاواسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور اولیاء کو بھی ہے اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۲۹۱۔ ۲۸۶) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ قتل گاہ کربلا کی مٹی کے بارے میں بھی بتا دیا کہ وہ سرخ ہے اور اپنی وفات کے پچاس سال بعد مدینہ منورہ سے کربلا تشریف لے گئے اور حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کے دن ان کے خون کو ایک شیشی میں جمع کر لیا' جیسا کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عباس کی خواب کی روایات سے ثابت ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۳۔ ۵۷۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

''من رب العالمین'' ہے اور ''لاریب فیه'' جملہ معترضہ ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں اور اس میں ضمیر مضمون جملہ کی طرف لوٹتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کو عاجز کرنے والی ہے اور اس جیسی کتاب شک وشبہ سے بہت دور ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے درج ذیل ارشاد کی طرف اعراض فرمایا ض

۳- ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یعنی کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اس کتاب قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے [کیونکہ ''اَم'' منقطعہ بہ معنی ''بل'' اور ہمزہ ہے] اس کا معنی یہ ہے: (بل ایقولون افتراہ) بلکہ کیا وہ کفارِ مکہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ اس ارشاد میں ان کے قول کا انکار ہے اور اس سے تعجب کا اظہار ہے کیونکہ قرآن مجید کا معاملہ ظاہر اور واضح ہو چکا ہے' اس بناء پر کہ عرب کے بڑے بڑے ماہر بلغاء اس قرآن مجید کی صرف تین آیات کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں ﴿بَلْ هُوَ الْحَقُّ﴾ بلکہ وہ حق ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انکار سے اثبات کی طرف اعراض فرمایا کہ بے شک یہ کتاب برحق ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے (نازل کی گئی ہے) اور اس کو (حضور سید عالم حضرت) محمد ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑ کے پیش نہیں فرمایا جیسا کہ کفار نے تعصب وعناد اور جہالت کی وجہ سے کہا ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ تا کہ آپ ایسی قوم کو یعنی اہل عرب کو ڈرسنائیں ﴿مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہیں آیا [اس میں ''مَا'' نافیہ ہے اور یہ جملہ ''قَوْمًا'' کی صفت ہے] ﴿لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ شاید وہ ہدایت پالیں۔ یہ ترجی (امید رکھنا) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے (کیونکہ آپ ہی نے ڈرسنایا) جیسا کہ یہ ارشاد ہے کہ ''لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ○'' (طٰہٰ:۴۴) ''شاید وہ (فرعون) نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے ○'' اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لیے ترجی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا' تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ سفارشی تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ وہ آسمان سے زمین تک کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف چڑھتا ہے' اس دن کو جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے جسے تم گنتے ہو ○

۴- ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' چھ دن میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (یعنی) اس نے عرش کو پیدا کر کے اس پر غالب ہوا ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ﴾ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ماسوا نہ کوئی

حمایتی ہے اور نہ کوئی سفارشی ہے یعنی جب تم رضائے الٰہی کی حدود سے بڑھ جاؤ گے تو تم اپنے لیے کوئی حمایتی نہیں پاؤ گے یعنی تم کوئی ایسا مددگار اپنے لیے نہیں پاؤ گے جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی پاؤ گے جو تمہارے لیے سفارش کر سکے ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے مواعظ حسنہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۵-﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہی کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی دنیا کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے ﴿مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قائم ہونے تک ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ پھر وہ اسی کی طرف چڑھتا ہے یعنی پھر وہ ہر کام اسی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تا کہ وہ اس میں اپنا حکم نافذ کرے ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ اس دن میں جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ دنیا کے دنوں میں جنہیں تم شمار کرتے ہو اور مشبہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو انسان کی جسمانی ساخت کے مشابہ ماننے والا فرقہ) ''اِلَيْهِ'' کے ارشاد سے جہت وسمت کے اثبات کے لیے استدلال نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسے جس طرف لے جانا چاہتا ہے لے جاتا ہے یا (جب دنیا کے فنا ہونے کے بعد حکام کے احکام وتدابیر ختم ہو جائیں گی تو) اس کی تدبیر اور اس کا حکم اسی کی طرف جائے گا جیسا کہ وہ درج ذیل ارشادات سے استدلال نہیں کر سکتے: ''اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ'' (الصافات:۹۹) ''بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں''۔ ''اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ'' (العنکبوت:۲۶) ''بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر جانے والا ہوں''۔ ''وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ'' (النساء:۱۰۰) ''اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف نکلتا ہے''۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا بہت غالب بے حد مہربان ہےO اسی نے ہر چیز کو اچھا پیدا کیا اور اس نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیاO پھر اس نے اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصہ سے بنایاO پھر اس کو ہموار کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہوO

۶-﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہی پوشیدہ وچھپی ہوئی اور ظاہر وعیاں سب کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کارنامہ ہائے مذکورہ کے ساتھ متصف ہے' جن کا اوپر ذکر گزر چکا ہے اور جو کچھ مخلوقات سے مخفی وپوشیدہ ہے اور جو کچھ مخلوقات مشاہدہ کرتی ہے' سب کو وہ خوب جاننے والا ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ اس کا حکم اور اس کی تدبیر سب پر غالب ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ بے حد مہربان ہے' اس کا لطف وکرم اور آسانیاں سب کو پہنچ رہی ہیں [اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس پر وقف نہیں کیونکہ (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ''الَّذِيْ'' اس کی صفت ہے]۔

۷-﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اسی نے ہر چیز کو خوب بنایا یعنی اس نے ہر چیز کو حسین بنایا کیونکہ ہر چیز اسی ترتیب پر

مرتب ہے جس کا حکمت و دانائی تقاضا کرتی ہے ﴿خَلَقَهٗ﴾ [کوئی نافع اور سہل کی قراءت میں ''شَیْءٍ'' کی صفت ہونے کی بناء پر (لام پر فتح فعل ماضی واحد مذکر) ''خَلَقَهٗ'' ہے یعنی ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اسے بلاشبہ حسین بنایا ہے اور ان کے علاوہ (ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی) کی قراءت میں بدل ہونے کی بناء پر (لام ساکن مصدر) ''خَلْقَهٗ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بہترین تخلیق فرمائی] ﴿وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔

۸۔ ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی نسل (یعنی) اس کی اولاد کو پانی کے نچوڑ (نطفہ) سے بنایا ﴿مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ﴾ ضعیف وحقیر پانی یعنی منی سے (پیدا فرمایا) [اور یہ ''سلالة'' سے بدل ہے]۔

۹۔ ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار بنایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انسان کے قالب کی شکل وصورت کو معتدل اور اس کے اعضاء کو ہموار بنایا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O'' (التین: ۴) ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا O'' ﴿وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح داخل کی [''نَفَخَ'' بہ معنی ''اَدْخَلَ'' ہے اور ''مِنْ رُّوْحِهٖ'' میں اختصاص کی اضافت ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی زندگی بخش چیز داخل کی جو اس کی ذات اقدس اور اس کے علم کے ساتھ مخصوص ہے ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم اپنے کانوں سے سنو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اپنے دل سے سمجھو ﴿قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو ''ای تشکرون قلیلا'' یعنی تم تھوڑا سا شکر ادا کرتے ہو۔

| |
|---|
| وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ |
| بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ |
| بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ |

ع ۱۱

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے' بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۱۰۔ ﴿وَقَالُوْۤا﴾ اور انہوں نے کہا' کہنے والا صرف اکیلا ابی بن خلف تھا اور تمام کفار اس کی اس بات پر راضی تھے' اس لیے اس ایک کی بات کو ان سب کی طرف نسبت کر کے ''قالوا'' کہا گیا ہے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ﴾ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے یعنی ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہم زمین کی مٹی میں گھل مل جائیں گے' جس سے ہم جدا اور ممتاز نہیں ہو سکیں گے جیسا کہ پانی دودھ میں گم ہو جاتا ہے یا ہم زمین میں دفن ہو کر غائب ہو جائیں گے [علی کسائی کی قراءت میں ''ضَلِلْنَا'' لام مکسور کے ساتھ ہے ''ضَلَّ یَضِلُّ'' (باب ''سمع یسمع'') اور ''ضَلَّ یَضِلُّ'' (باب ''ضرب یضرب'') دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور ''ءاذ اضللنا'' میں ظرف محلاً منصوب ہے اور عامل ''نبعث'' ہے' جس پر درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے:] ﴿ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ﴾ کیا ہم یقیناً نئے سرے سے پیدا ہوں گے ﴿بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ

بِرَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا ذکر کیا تو اب اس سے زیادہ بلیغ کی طرف اعراض فرمایا اور وہ یہ کہ کفار ان تمام چیزوں کے منکر ہیں جو آخرت میں واقع ہوں گی' صرف دوبارہ زندہ ہونے کے منکر نہیں۔

۱۱۔ ﴿ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی تمہیں موت کا وہ فرشتہ وفات دیتا ہے جو تمہاری روحیں قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' پھر اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کر کے پیش کیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یہی معنی ہے اور ''توفی'' کا معنی ہے: نفس کو پورا لے لینا' اور وہ روح ہے یعنی تم سب کی روحیں اکیلا موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام قبض کر لیتا ہے اور یہ تمہارے اس قول سے ہے کہ ''توفیت حقی من فلان'' میں نے فلاں آدمی سے اپنا حق پورا پورا لے لیا۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنا حق بغیر کسی نقصان کے پورا اور مکمل لے لیا ہو اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کے لیے زمین کو لپیٹ دیا گیا ہے اور اس کو اس کے لیے طشت کی طرح کر دیا گیا ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے' لے لیتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ملک الموت ارواح کو بلاتا ہے تو وہ اس کی دعوت قبول کر لیتی ہیں' پھر وہ اپنے معاونین کو حکم دیتا ہے' وہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا آمر یعنی حکم دینے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کے افعال کا خالق ہے' سو درج ذیل آیات اور اس آیت مبارکہ کے درمیان موافقت و جمع کی یہی ایک وجہ ہے: ''تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا'' (الانعام:۶۱) ''ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں'' اور ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا'' (الزمر:۴۲) ''اللہ تعالیٰ جانوں کی موت کے وقت ان کی روحوں کو وفات دے دیتا ہے''۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا
وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے' (اور کہیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا ہے اور ہم نے سن لیا ہے' سو آپ ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیں ہم نیک عمل کریں گے بے شک اب ہم یقین کرنے والے ہیں O اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ہر جان کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے یہ قول سچا ثابت ہوا کہ میں ضرور بالضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا O سو تم عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو تم آج اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے' بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے کی

طرح چھوڑ دیا ہے اور اب تم ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو عمل تم کرتے تھے O

## مجرموں کے انجام کا بیان

۱۲- ﴿وَلَوْ تَرٰى﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے' یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا ہر ایک انسان کے لیے ہے [اور ''لَوْ'' امتناعیہ اور جواب محذوف ہے یعنی ''لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا'' البتہ آپ بہت بڑا معاملہ دیکھتے] ﴿اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور یہ مجرم لوگ وہی مشرکین و کفار ہیں جو قیامت کے دن کہیں گے کہ ''ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ'' (السجدہ:۱۰) ''کیا جب ہم زمین میں (دفن ہو کر) غائب ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھیں گے'' [اور ''لَوْ'' اور ''اِذْ'' ماضی کے لیے ہیں اور یہاں یہ صرف اس لیے جائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوقع موجود و ثابت کے قائم مقام ہے اور ''تَرٰی'' کا مفعول مقدر نہیں جس پر یہ مشتمل ہو جاتا اور ''اِذْ'' ظرف ہے اس کا] گویا فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ دیکھتے جب مجرم و گناہ گار لوگ ﴿نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ﴾ ذلت و رسوائی اور شرم و حیا اور ندامت و پشیمانی کی وجہ سے اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے پروردگار کے پاس حساب دینے کے لیے [یہاں حذف کے حق کی وجہ سے وقف کیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد عبارت یوں مقدر ہے:] ''یقولون'' ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا﴾ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ کے وعدے اور وعید (دھمکی) کی سچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿وَسَمِعْنَا﴾ اور آپ سے آپ کے رسولوں کی تصدیق ہم نے سن لی ہے یا یہ کہ ہم دنیا میں اندھے اور بہرے بنے رہے لیکن اب ہم نے سن لیا اور دیکھ لیا ہے ﴿فَارْجِعْنَا﴾ سو اب ہمیں دنیا کی طرف واپس بھیج دے ﴿نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ ہم نیک عمل کریں گے یعنی ہم ایمان و اطاعت اختیار کر لیں گے ﴿اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ بے شک اب ہم حساب و کتاب اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین کرتے ہیں۔

۱۳- ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو دنیا میں ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اپنے پاس سے وہ لطف و کرم عطا کر دیتے جس کی وجہ سے اگر وہ اسے اختیار کر لیتے تو ضرور ہدایت حاصل کر لیتے لیکن ہم نے ان کو وہ لطف و کرم عطا نہیں کیا کیونکہ ہمیں ازل سے معلوم ہے کہ وہ کفر کو اختیار کریں گے اور اسی کو ترجیح دیں گے اور یہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف حجت ہے' سو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ وہ ہر شخص کو وہ لطف عطا کرے گا جس کے سبب وہ ہدایت حاصل کرنے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو لطف و ہدایت عطا کر دی لیکن اس نے ہدایت حاصل نہیں کی اور انہوں نے اس آیت مبارکہ کی جبری مشیت کے ساتھ تاویل کی ہے اور یہ تاویل فاسد و غلط ہے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اس کا فساد معلوم ہو چکا ہے ﴿وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور لیکن میرا قول برحق ہے کہ میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا (یعنی) اور لیکن میرا قول واجب و ثابت ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بے شک ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوزخ کے مستحق ٹھہریں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے میں علم ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں آ کر انکار و تکذیب کو اختیار کریں گے اور جن و انس کی تخصیص میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ایسے اعمال سے معصوم و محفوظ رہیں گے جن کے سبب وہ دوزخ کے مستحق بنتے۔

۱۴- ﴿فَذُوْقُوْا﴾ ''العذاب'' سو تم عذاب کا مزہ چکھو ﴿بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اس عمل کی وجہ سے جس کے سبب تم نے آج کے دن کی ملاقات کے عمل کو ترک کر دیا تھا اور وہ ہے اس دن کی ملاقات پر ایمان لانا ﴿اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ﴾

بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے شخص کی طرح عذاب میں چھوڑ دیا ہے "نسینا" بہ معنی "ترکنا" ہے ﴿وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ اور تم ہمیشہ کا عذاب چکھو یعنی ایسے دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ان اعمال کے سبب جو تم کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی صورت میں کرتے تھے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۶﴾

بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جائیں تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار سے خوف اور امید کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں O

## نیکوکار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۱۵- ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا﴾ بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں ان کی یاد دلائی جائے یعنی انہیں ان آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے تو ﴿خَرُّوا سُجَّدًا﴾ وہ سجدے میں گر جاتے ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے فروتنی اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے اس کے حضور میں سجدے میں گر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی جو توفیق عطا فرمائی' اس نعمت اسلام پر شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں ﴿وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی تعریف کرتے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور وہ ایمان لانے اور اسے سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے۔

۱۶- ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ان کے پہلو بستروں اور سونے کی جگہوں سے بلند اور دور و الگ رہتے ہیں۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم کو عطیہ بخشا اور وہ یہ کہ انہیں اپنے ساتھ مناجات کی اجازت عطا فرما دی اور انہیں اپنا قرب رکھنے والوں میں سے بنا دیا' پھر اس پر ان کی مدح و تعریف بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ" ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اور ﴿يَدْعُونَ﴾ "داعین" ﴿رَبَّهُمْ﴾ "عابدین لہ" وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں اس کو پکار پکار کر (اور) وہ اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ [دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنے اور اس کی رحمت کی امید رکھنے کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور یہ تہجد گزار ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اس سے رات کو اٹھ کر بندے کا عبادت کرنا مراد ہے[1] اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان کے پہلوؤں نے غفلت کے بستر پر آرام کرنے سے انکار کر دیا ہے اور قربت کا بستر طلب کر لیا ہے یعنی رات کی نماز' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] رواہ احمد ج ۵ ص ۲۴۲-۲۳۲

نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء اخیرہ کی نماز تک نوافل کی نماز (نماز اوابین) پڑھتے رہتے تو ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتے' اس سے پہلے نہیں سوتے تھے ﴿ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں جو رزق عطا کیا ہے' وہ اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾
اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے (یہ) ان کے اعمال کا صلہ ہے جو کرتے تھے O تو کیا وہ شخص جو مؤمن ہے وہ اس طرح ہو سکتا ہے جو فاسق ہے' وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے O لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی کے لیے بسنے کے باغات ہوں گے ان اعمال کے عوض میں جو وہ کرتے تھے O

۱۷- ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ ﴾ سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے [''مَا'' بہ معنی ''الذی'' ہے' حمزہ اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' ساکن کے ساتھ حکایت نفس (فعل مضارع متکلم) ہے] ﴿ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک سے' یعنی کوئی نہیں جانتا جو ان کے لیے عزت و کرامت تیار کی گئی ہے ﴿ جَزَآءً ﴾ بدلہ [یہ مصدر ہے] یعنی انہیں جزائے خیر دی جائے گی ﴿ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اس کے عوض میں جو وہ اعمال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ عبادت گزار قوم نے دنیا میں چھپا کر اعمال (نماز تہجد وغیرہ) ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ آدھی رات میں نماز پڑھنا مراد ہے تا کہ جزا عمل کے مطابق ہو جائے۔

۱۸- پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیات میں) بیان فرمایا کہ جو شخص اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت اور ایمان و اسلام کے نور میں مشغول ہے' وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی اور گناہوں کی ظلمت و تاریکی میں مبتلا ہو چکا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ﴾ تو کیا جو شخص مؤمن ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو فاسق یعنی کافر ہے ﴿ لَا يَسْتَوٗنَ ﴾ وہ لوگ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے [اور ''کان مؤمنا'' اور ''کان فاسقا'' دونوں ''مَنْ'' کے لفظ پر محمول ہونے کی بناء پر (واحد ہیں کیونکہ ''مَنْ لفظًا'' مفرد اور معنًا جمع ہے) اور ''لا یستوون'' ''من'' کے معنی پر محمول ہے' جس کی دلیل درج ذیل ارشاد ہے:]

۱۹- ﴿ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ﴾ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے بسنے کے باغات ہیں۔ یہ بہشتوں میں سے ایک قسم ہے جس میں شہداء کی روحیں پناہ حاصل کرتی ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب ہے ﴿ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ مہمانی ہے' ان کے عوض میں جو اعمال وہ کرتے تھے (یعنی) ان کے اعمال پر عطیہ ہے اور ''نزل'' آنے والے مہمان کے لیے تیار کیا جانے والا عطیہ ہے

[1] رواہ ابن مردویہ: حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۵۱۲

(خواہ وہ کھانا پینا ہو یا رہائش وغیرہ ہو) پھر عام ہو گیا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے انہیں دوبارہ اسی میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم (دوزخ کی) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O اور ہم ضرور بالضرور انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب چکھائیں گے تا کہ وہ لوٹ آئیں O اور اس سے بڑھ کر کون زیادہ ظالم ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں O

## نافرمان کفار کا انجام

۲۰- ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ماویٰ یعنی ان کا ٹھکانا اور ان کی منزل دوزخ کی آگ ہے ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ﴾ وہ جب بھی اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں واپس لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے دربان ان سے کہیں گے: ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ تم دوزخ کی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں فاسق سے کافر مراد ہے کیونکہ تکذیب (جھٹلانا اور انکار کرنا) ایمان کا مقابل ہے۔

۲۱- ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى﴾ اور بے شک ہم ان (اہل مکہ) کو چھوٹے یا قریب ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے یعنی دنیا کے عذاب قید و بند اور قتل و غارت میں گرفتار کریں گے اور (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے ضرر کی وجہ سے) سات سال قحط میں مبتلا کر کے محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے عذاب میں گرفتار کریں گے ﴿دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ بہت بڑے عذاب سے پہلے (یعنی) آخرت کے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کے عذاب میں مبتلا کر کے اس کا مزہ چکھائیں گے پھر انہیں آخرت کے عذاب میں پہنچایا جائے گا اور دارانی سے منقول ہے کہ ادنیٰ عذاب سے دنیا کی ذلت و رسوائی مراد ہے اور عذاب اکبر سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''العذاب الادنی'' سے قبر کا عذاب مراد ہے (اور عذاب اکبر سے آخرت کا عذاب مراد ہے) ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ تا کہ عذاب ادنیٰ میں مبتلا ہو کر عذاب دیئے جانے والے کفار مکہ ﴿يَرْجِعُوْنَ﴾ کفر و شرک سے (توحید و ایمان کی طرف) رجوع کر کے توبہ کر لیں۔

۲۲- ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ﴾ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات یعنی قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کی گئی ﴿ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ﴾ پھر اس نے ان سے منہ موڑ لیا یعنی وہ ان سے پھر گیا اور ان میں تدبر اور غور وفکر نہیں کیا اور ''ثم'' استبعاد کے لیے ہے یعنی بے شک اس قسم کی واضح ترین اور روشن ترین اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنے والی اور سعادتِ عظمیٰ سے کامیاب کرنے والی آیاتِ مبارکہ سے نصیحت حاصل کرنے کے بعد منہ پھیر لینا عقل کے نزدیک بہت بعید ہے' جیسے تم اپنے ساتھی کو فرصت کے ترک کرنے کو بہت بعید خیال کرتے ہوئے کہو کہ کیا تم نے اس طرح کی فرصت کا وقت پایا' پھر اس کو غنیمت نہیں سمجھا ﴿ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں' اور ''من المجرمین'' کی بجائے ''منه'' نہیں فرمایا گیا کیونکہ اسے جب ہر ظالم سے زیادہ بڑا ظالم قرار دیا گیا' پھر عام مجرموں کو انتقام لینے سے ڈرایا گیا تو بے شک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے زیادہ بڑے ظالم کو انتقام کا حصہ سب سے زیادہ پہنچے گا اور اگر ضمیر لائی جاتی تو پھر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ
جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی' سو آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا O اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے جب انہوں نے صبر کیا' اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے O بے شک آپ کا پروردگار ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان اُمور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O

## حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا تذکرہ

۲۳- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات شریف عطا فرمائی ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ ﴾ سو آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں' یا آپ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں شک نہ کرنا' یا قیامت کے دن میں شک نہ کرنا' یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کرنے میں شک نہ کرنا' حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح منقول ہے ﴿ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا (یعنی) اور ہم نے جو کتاب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی' اسے ان کی قوم کے لیے ہدایت بنا دیا تھا۔

۲۴- ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو امام و پیشوا بنا دیا تھا [عاصم کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''اَئِمَّةً'' ہے] ﴿ يَّهْدُوْنَ ﴾ وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام کی جو باتیں تورات شریف میں تحریر تھیں' ان کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے ﴿ بِاَمْرِنَا ﴾ ان کو ہمارے حکم سے اس کی

دعوت دیتے تھے جب کہ انہوں نے حق پر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر صبر کیا' یا انہوں نے گناہوں سے پرہیز کرنے پر صبر کیا ﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ جب انہوں نے صبر کیا (تو ہم نے انہیں قوم کا امام بنا دیا) [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "لِمَا صَبَرُوْا" (لام مکسور اور "مَا" موصول غیر مشدد) ہے یعنی دنیا سے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر کرنے کا ثمرہ یعنی پھل اور نتیجہ لوگوں کی امامت و پیشوائی کا ملنا ہے ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ہماری آیتوں یعنی تورات شریف پر یقین رکھتے تھے' وہ ایسا علم جانتے تھے جس سے انہیں شک و شبہہ پریشان نہیں کرتا تھا۔

۲۵- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ قیامت کے روز انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان یا مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن اُمور میں وہ اختلاف کرتے تھے' پس حق پرست اور باطل پرست ظاہر ہو جائیں گے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں' بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' تو کیا وہ سنتے نہیں ○ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم (بارش کے) پانی کو بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں' پھر ہم اس کے ذریعہ سے کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں' تو کیا وہ دیکھتے نہیں ○

## اہل مکہ کو غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے کا بیان

۲۶- ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ﴾ اور کیا اللہ تعالیٰ نے (اہل مکہ کو) ہدایت نہیں دی [حرف واؤ معطوف علیہ منوی پر عطف کے لیے ہے' جو معطوف کی جنس سے ہے یعنی "اولم یدع" اور "یَهْدِیْ" بہ معنی "یُبَیِّنْ" ہے اور اس کا فاعل "اَللّٰه" ہے جس کی دلیل زید کی قراءت ہے جو یعقوب سے روایت کی گئی ہے اور وہ ہے "نَهْدِ"] ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے (یعنی) اہل مکہ کے لیے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جیسے عاد اور ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم۔ ["کم" کو "یهد" کا فاعل بنانا جائز نہیں کیونکہ حرف "کم" استفہام کے لیے ہے' اس لیے وہ اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور خود "اَهْلَكْنَا" کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] ﴿يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ﴾ وہ ان کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں یعنی اہل مکہ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں دورانِ سفر ان کے گھروں اور ان کے ملکوں اور شہروں کے پاس سے گزرتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ﴾ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا وہ لوگ وعظ و نصیحت کی باتیں غور سے نہیں سنتے' تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کرتے۔

۲۷- ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم پانی کو چلاتے ہیں (یعنی) ہم بارش اور نہروں' وادیوں کے پانی کو چلا کر لے جاتے ہیں ﴿اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ﴾ بنجر اور ویران زمین کی طرف یعنی ایسی زمین کی

طرف جس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو یعنی منقطع ہو چکا ہو خواہ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے یا جانوروں کے چرا جانے کی وجہ سے اس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو اور اس زمین کو ''جرز'' نہیں کہا جاتا' جس میں سبزہ نہیں اُگتا جیسے شور والی زمین جس کی دلیل (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا ﴾ سو ہم اس کے ذریعے (یعنی) پانی کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں (یعنی پیدا کر کے اگاتے) ہیں ﴿ تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ﴾ اس کھیتی میں سے ان کے چوپائے اس کی گھاس' چارہ' پتے اور بھوسہ وغیرہ کھاتے ہیں اور وہ خود اس کے دانے اور پھل کھاتے ہیں ﴿ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ تو کیا وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں کہ وہ مردوں کے زندہ کیے جانے پر دلیل حاصل کرتے (کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ویران زمین کو پانی سے زرخیز اور ہرا بھرا بنا دیتا ہے' اسی طرح وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مردوں کو زندہ فرمائے گا)۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۸ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۲۹ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝۳۰ ع

ع ۳

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی O سو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور انتظار کریں بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں O

---

۲۸- ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح و نصرت یا یہ فیصلہ کب واقع ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ O'' (الاعراف:۸۹) ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے O''۔ اور مسلمان کہنے لگے کہ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں مشرکین پر فتح عطا فرمائے گا' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' چنانچہ جب مشرکین نے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: ''مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ'' یہ فتح کب ہوگی یعنی کس وقت ہو گی ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بے شک یہ فتح تمہیں حاصل ہوگی۔

۲۹- ﴿ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کا دن یعنی قیامت کا دن' اور یہ مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہوگا یا وہ دن مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان (مشرکین) پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا یا بدر کا دن یا فتح مکہ کا دن مراد ہے ﴿ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ اس دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی اور یہ کلام بہ ظاہر ان کے سوال کے جواب کے مطابق نہیں لیکن جب ان کی غرض فتح کے وقت کے متعلق سوال کرنے سے تکذیب و استہزاء کے طور پر جلد از جلد مطالبہ کرنا ہے تو انہیں ایسے طریقے پر جواب دیا گیا' جس سے ان کے سوال کی غرض معلوم ہو جائے' پس ان سے کہا گیا کہ تم جلدی طلب نہ کرو اور نہ مذاق اُڑاؤ' پس گویا میں تمہارے پاس ہوں اور تم نے وہ حاصل کر لیا ہے اور اس دن میں پہنچ چکے ہو اور تم ایمان بھی لا چکے ہو لیکن ایمان نے تمہیں کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا اور تم نے عذاب پانے کی صورت میں مہلت بھی طلب کر لی لیکن تمہیں مہلت نہیں دی گئی' اور جس نے فتح مکہ یا بدر کے دن کے ساتھ اس کی تفسیر کی تو پھر مشرکین میں سے صرف مقتولین مراد ہوں گے کیونکہ حالتِ قتل

میں ان کے ایمان نے انہیں نفع نہیں دیا جیسا کہ فرعون کو غرق ہونے کے وقت اس کے ایمان لانے نے کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا تھا۔

۳۰۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ ﴾ سو آپ ان سے اعراض فرمالیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کا اور ان کی ہلاکت کا انتظار کیجئے ﴿ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴾ بے شک وہ تم پر غلبہ پانے کا اور تمہاری ہلاکت کا انتظار کرنے والے ہیں' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے' جب تک پہلے ''الم تنزیل'' سورۃ السجدہ اور ''تبارك الذی بیده الملك'' سورۂ ملک نہیں پڑھ لیتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ''الم تنزیل'' ایک دفعہ اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تین دن تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''سورۃ الم تنزیل'' کا نام مانعہ ہے کیونکہ یہ عذاب قبر کو روکتی ہے۔

| سورۃ الاحزاب | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | آیاتہا ۷۳ رکوعاتہا ۹ |
|---|---|---|

سورۃ الاحزاب مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی تہتر آیات' نو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

اے (غیب کی خبریں بتانے والے) پیغمبر! اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر قائم رہیے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بڑا حکمت والا ہے○ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب خبردار ہے○ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے○

## حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چار اہم ترین احکام کی تلقین

نوٹ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم سورتِ احزاب کی آیات کی تعداد کتنی بیان کرتے ہو؟ حضرت زر بن حبیش نے فرمایا کہ سورتِ احزاب کی تہتر آیات ہیں' حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: پس قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کی ابیّ قسمیں اٹھایا کرتا ہے! بے شک یہ سورتِ احزاب' سورتِ بقرہ کے برابر یا اس سے زیادہ لمبی تھی (لیکن بعد میں بہت سی آیات منسوخ کر دی گئیں) اور بے شک ہم نے اس سورت میں رجم کی یہ آیت کریمہ بھی پڑھی تھی کہ ''الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم'' جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کاری کریں تو تم ضرور سنگسار کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے۔ حضرت ابی کی مراد یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ بھی اسی مجموعہ میں سے ہے جو قرآن مجید میں سے (خصوصاً اس سورت میں سے جو بہت سی آیات کو) منسوخ قرار دیا گیا ہے اور لیکن جو حکایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ اضافی آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں موجود صحیفہ میں تھیں' پھر انہیں گھریلو بکری کھا گئی تھی' سو یہ ملحدوں اور

رافضیوں کی من گھڑت تالیفات وتحریرات میں سے ہے۔[1]

۱- ﴿ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ [نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ ''النبیئ'' (''نبا'' سے ماخوذ ہے)] یعنی اے ہماری وحی سے خبریں پہنچانے والے ہمارے اسرار و رموز کے محافظ و معتمد' ہمارے خطاب کو ہمارے دوستوں تک پہنچانے والے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو پکارتے ہوئے نام لے کر فرمایا: ''یا ادم' یا موسٰی'' (''یاعیسٰی بن مریم' یاداؤد' یا زکریا' یا یحیی'' اور ''یا ابراھیم'' وغیرہم) اس طرح ''یامحمد'' کہہ کر نہیں پکارا (بلکہ اوصاف جمیلہ کے ساتھ ''یا ایھا النبی' یا ایھا الرسول' یا ایھا المزمل'' اور ''یا ایھا المدثر'' کہہ کر پکارا) یہ محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم اور آپ کی فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے کیا اور ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (الفتح:۲۹) جیسے ارشاد میں اسم مبارک کی تصریح صرف لوگوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (نیز اس میں نداء نہیں ہے) ﴿ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر ثابت قدم اور اس پر ہمیشہ قائم رہیں اور اس میں بڑھتے جائیں کیونکہ یہ تقویٰ ایک ایسا باب ہے جس کے درجات کی انتہاء معلوم نہیں کی جا سکتی ﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے اور کسی چیز پر نہ ان کی مدد کیجئے اور نہ ان سے مدد لیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان' عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی' جنگ اُحد کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اور منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابیّ کے پاس آ کر ٹھہرے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے امان طلب کی تو آپ نے اس شرط پر انہیں امان دے دی کہ وہ آپ کے پاس آ کر گفتگو کر لیں' چنانچہ انہوں نے آ کر کہا: آپ ہمارے معبودوں کا مذمت کے ساتھ ذکر کرنا چھوڑ دیں اور آپ (لوگوں سے) یہ فرمائیں کہ ہمارے یہ بت قیامت میں شفاعت کریں گے اور پجاریوں کو فائدہ اور نفع پہنچائیں گے اور منافقین نے اس بات پر ان کی تائید کی (جس سے آپ کو دکھ ہوا اور آپ کو ناگوار گزرا) جس پر مسلمانوں نے ان کو قتل کرنا چاہا (تو آپ نے امان کی وجہ سے انہیں منع کر دیا) اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی یعنی امان دینے کے عہد کو توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اہل مکہ میں سے کافروں کی اور اہل مدینہ میں سے منافقوں کی اطاعت نہ کریں جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی خباثت کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِیْمًا ﴾ (اور) ان کے قتل کرنے کے معاملہ کو مؤخر کرنے میں بڑا حکمت والا ہے۔

۲- ﴿ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جو آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴾ وہ اس سے خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو' وہ ان کے اعمال کو بھی اور تمہارے اعمال کو بھی ہمیشہ سے خوب جانتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''بما تعملون'' میں فعل کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اتبع'' سے مراد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام دونوں ہیں [اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے'

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ہر وہ روایت جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے تو سمجھو وہ روایت یا تو موضوع (یعنی من گھڑت) ہے یا پھر مؤول ہے (کہ کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا بلکہ منسوخ ہو گیا ہے)۔
(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۴۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

یعنی کفار و منافقین جو کچھ تمہارے خلاف مکر و فریب اور سازشیں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال سے خوب خبردار ہے۔

۳- ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں اور آپ اپنا ہر کام اسی کی طرف منسوب کر دیں اور اپنا ہر معاملہ اسی کی تدبیر کی طرف سپرد کر دیں ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے' وہی حفاظت فرمانے والا ہے اور ہر کام و معاملہ اسی کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ یہ جملہ لفظ کے اعتبار سے اگرچہ خبر ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے: (اے محبوب!) آپ اللہ تعالیٰ کے وکیل و کارساز ہونے پر اکتفاء کریں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے' اور نہ اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا' اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا' یہ تمہارے اپنے مونہوں کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی حق کی راہ دکھاتا ہے ○ تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے' پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں' اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا' اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کہا (اس پر گناہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○

## کسی آدمی کے دو دل ہونے' بیوی کو ماں کہنے اور کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کی ممانعت

٤- ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو (یعنی ماں کہتے ہو) تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کے پیٹ میں دو دل جمع نہیں کیے اور نہ ہی ایک عورت میں بیوی اور ماں کا رشتہ جمع کیا ہے اور نہ ایک آدمی میں حقیقی بیٹے اور لے پالک بیٹے کو (یکساں) جمع کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایک انسان کے لیے دو دل نہیں بنائے کیونکہ اس صورت میں ایسا انسان دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا وہ افعال قلوب میں سے جو فعل اور کام دو دلوں میں سے ایک کے ساتھ کرے گا وہی فعل اور کام دوسرے دل کے ساتھ بھی کرے گا تو ایسی حالت میں ان دو دلوں میں سے کوئی ایک دل فضول و زائد ہوگا' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور یا پھر ایک دل کے ساتھ ایک کام کرے گا تو دوسرے دل کے ساتھ

کوئی اور کام کرے گا تو اس طرح وہ ایک حالت میں دو متضاد کاموں کے ساتھ متصف ہو جائے گا' پس وہ بیک وقت چاہنے والا بھی ہوگا اور نہ چاہنے والا و ناپسند کرنے والا بھی ہوگا' علم والا بھی ہوگا اور ظن و گمان کرنے والا بھی ہوگا' یقین کرنے والا بھی ہوگا اور شک کرنے والا بھی ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ بھی نہیں کیا کہ ایک عورت کسی آدمی کی ماں بھی ہو اور اس کی بیوی بھی ہو کیونکہ ماں مخدومہ ہوتی ہے اور بیوی خادمہ ہوتی ہے (ماں کی خدمت کی جاتی ہے اور بیوی سے خدمت لی جاتی ہے) اور ان دونوں میں منافات ہے (کہ ایک دوسرے کے منافی اور متضاد ہے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی جائز قرار نہیں دیا کہ ایک شخص کسی آدمی کا لے پالک بیٹا بھی ہو اور اسی کا حقیقی بیٹا بھی ہو کیونکہ حقیقی بیٹا نسب کے ثبوت میں اصل ہے جب کہ لے پالک بیٹے کا نام کی حد تک عارضی تعلق ہوتا ہے' اس کے علاوہ کچھ نہیں تا کہ ایک شخص میں اصل ہونا اور غیر اصل (فرع) ہونا جمع نہ ہو جائے۔

شانِ نزول: اور یہ منہ بولے بیٹے کی مثال' اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان فرمائی ہے اور یہ قبیلہ کلب کے ایک آدمی تھے' جنہیں بچپن میں قید کر کے غلام بنالیا گیا تھا' پھر انہیں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے خرید لیا تھا' پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے شادی کی تو انہوں نے حضرت زید آپ کو ہبہ کر دیئے' پھر حضرت زید کے باپ حارثہ بن شراحیل اور چچا دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضرت زید کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ گھر چلے جائیں' چنانچہ حضرت زید نے اپنے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کی بجائے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو آپ نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور انہیں اپنا بیٹا بنا لیا اور اسی بناء پر لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہتے تھے' پھر جب حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور نبی کریم ﷺ نے شادی کر لی تو منافقوں نے کہا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) سے شادی کر لی ہے حالانکہ خود آپ اس سے منع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی' اور بعض حضرات نے کہا کہ منافقین کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے لیے دو دل ہیں' ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل اپنے صحابہ کرام کے ساتھ ہے اور بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک شخص ابو معمر عرب میں سب سے زیادہ تیز حافظہ والا شخص تھا' جسے عرب کے لوگ ذوالقلبین (دو دلوں والا) کہتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب فرمائی اور اس کو ظہار اور متبنی کے بیان میں بیان کیا [اور "رَجُلٍ" کو نکرہ اور "قلبین" پر حرف "مِنْ" اور "جوف" کا ذکر محض تاکید کے لیے ہے اور "اللّٰئِی" ہمزہ کے بعد "یا" کے ساتھ ہوتی ہے جہاں بھی ہو' یہ عاصم کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت ہے اور نافع مدنی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں "اللّٰاءِ" بغیر "یا" کے ہے اور یہ "اَلّتِی" کی جمع ہے اور عاصم کی قراءت میں "تُظٰهِرُوْنَ" ہے "ظاهر" سے ماخوذ (باب مفاعلہ) ہے] اور ظہار اس وقت منعقد ہوتا ہے جب خاوند اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تو مجھ پر اس طرح (حرام) ہے جس طرح میری ماں کی پشت (یا پیٹ مجھ پر حرام) ہے [علی کسائی' حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں "تَظٰهَرُوْنَ" (باب تفاعل سے) ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تَظّٰهَرُوْنَ" (ظاء مشدد) ہے اور یہ "اِظّٰهَرَ" سے بہ معنی "تَظَاهَرَ" ہے' باقی قراء کے نزدیک "تَظّهَّرَ" (ظاء اور ھاء مشدد) ہے' یہ "اِظَّهَّرَ" سے بہ معنی "تَظَهَّرَ" ہے اور اس کو "مِنْ" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ "بُعْد" کے معنی کو متضمن ہے] کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس کی نظیر: "الٰی من امراته" کہ فلاں شخص اپنی بیوی سے ایلاء کر کے اس سے

دور ہو گیا اور علیحدگی اختیار کر لی [چونکہ یہ بھی "تـاعـد" کے معنی کو متضمن ہے اس لیے حرف "مِنْ" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے ورنہ "الّٰـی" اصل میں "الـذی" ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے قسم اٹھائی] اور اب اس کا یہ حکم نہیں ہے (بلکہ ظہار کی صورت میں طلاق نہیں حرمت لازم آئے گی، جو کفارہ ادا کرنے پر ختم ہو جائے گی) ["دعی" فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے اور یہ وہ ہے جسے منہ بولا بیٹا پکارا جائے اور "ادعیـاء" افعلاء کے وزن پر جمع ہے مگر یہ شاذ ہے اس لیے کہ اس کا باب بہ معنی فاعل آتا ہے جیسے "تَقِیٌّ" واحد اور "اَتْقِیَاء" جمع ہے اور "شَقِیٌّ" واحد اور "اَشْقِیَاء" جمع ہے اور یہ جمع "رَمِیٌّ" اور "سَـمِیٌّ" کی مثل میں نہیں آتی، محض لفظی تشبیہ کی بناء پر ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے یعنی تمہارا بیوی کو یہ کہنا کہ وہ ماں ہے اور لے پالک کو یہ کہنا کہ یہ بیٹا ہے یہ صرف تمہاری زبانی باتیں ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ "ابن" (بیٹے) اور اسی طرح "ام" (ماں) کا رشتہ ولادت سے متعلق ہے (جس کی ولادت ہوئی وہ بیٹا یا بیٹی اور جس سے ولادت ہوئی وہ ماں ہے) ﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے یعنی وہ جس کا ظاہر بھی حق ہو اور باطن بھی حق ہو ﴿وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ﴾ اور وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کی راہ دکھاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حق اور ہدایت کیا ہے اور حق کی راہ کیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۵- ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لے پالک بیٹوں کو ان کے اصل باپوں کی طرف منسوب کر کے بلانا یہ دو امروں میں سے عدل و انصاف میں زیادہ داخل ہے اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی آدمی کو کوئی لڑکا پسند آتا تو وہ اسے اپنا بیٹا بنا کر اپنے ساتھ ملا لیتا اور اپنی میراث میں اپنی اولاد میں سے اپنے لڑکے کے حصہ کے برابر کا اسے وارث بنا دیتا تھا، پھر اس لڑکے کو اس آدمی کا بیٹا کہہ کر فلاں بن فلاں کہا جاتا [پھر اس کلام الٰہی کی فصاحت و بلاغت اور ترتیب میں غور سے دیکھئے کہ انشائیہ جملوں کو جمع کیا، پھر ان سے جملہ خبریہ الگ کیا اور ان کے درمیان میں رکھا، پھر ان سے جملہ اسمیہ الگ کر لیا اور اسے ان کے درمیان رکھا، پھر جملہ انشائیہ الگ کیا] ﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے جن کی طرف تم ان کو منسوب کر سکو ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ تو دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں" ای فهم اخوانکم فی الدین واولیاؤکم فی الدین "یعنی پس وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور دین میں تمہارے دوست ہیں (یعنی وہ تمہارے اسلامی بھائی اور اسلامی دوست ہیں) سو تم کہو کہ یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا دوست ہے اور اے میرے بھائی اور اے میرے دوست! مقصد یہ کہ وہ دینی بھائی اور دینی دوست ہیں ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا یعنی ممانعت سے پہلے نادانی میں غلطی سے تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں ﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کیا (یعنی) لیکن گناہ اس صورت میں ہوگا کہ ممانعت اور نہی کے وارد ہونے کے بعد جو تم نے اپنے دلی ارادہ کے ساتھ بُرائی کی یا تم پر اس وقت گناہ نہیں ہوگا جب تم نے کسی غیر کے بیٹے کو غلطی کے طور پر اور زبان کی سبقت کرنے پر کہا: اے میرے بیٹے! اور لیکن جب تم جان بوجھ کر دل کے ارادہ کے ساتھ کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کے لیے اے بیٹا کہو گے تو پھر تم پر گناہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ عموم کے طور پر معافی صرف غلطی پر ہوگی اور جان بوجھ کر بُرائی کرنے پر معافی نہیں ہوگی، پھر یہ حکم اپنے عموم کی وجہ سے غلطی سے لے پالک بیٹا بنانے کو اور جان بوجھ کر لے پالک بیٹا بنانے کو دونوں کو شامل ہوگا اور پھر جب لے پالک بیٹا مجہول النسب ہو اور بیٹا بنانے والے سے چھوٹا ہو، تو اس کا اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر

منہ بولا بیٹا اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا اور اگر منہ بولا بیٹا اس سے بڑی عمر کا ہوا تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا غلام آزاد ہو جائے گا اور لیکن معلوم النسب ہونے کی صورت میں منہ بولا بیٹا بنانے سے نسب ثابت نہیں ہوگا' البتہ اگر وہ اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا [ ''مَا'' محلاً مجرور ہے کیونکہ پہلے ''مَا'' پر معطوف ہے ] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے' وہ غلطی کرنے پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور جان بوجھ کر برائی کرنے پر توبہ قبول کر لیتا ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

نبی کریم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک ہیں اور ان کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں' اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دوسرے مسلمانوں اور مہاجروں سے زیادہ ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے نیک برتاؤ کرو' یہ کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے O

## حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اور تمام انبیائے کرام سے میثاق

۶- ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین و دنیا کے معاملات میں سے ہر معاملہ میں ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان کی اپنی جانوں کے حکم سے زیادہ ان پر نافذ و جاری ہے' سو ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ حضور کے سامنے اپنی جانیں قربان کریں اور وہ اپنی جانیں حضور پر فدا کریں یا یہ معنی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی جانوں سے بڑھ کر ان پر مشفق و مہربان ہیں اور آپ ان کی جانوں سے بڑھ کر ان کے لیے مفید و نافع ہیں[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O'' (التوبہ:۱۲۸) ''آپ مسلمانوں پر بہت شفقت فرمانے والے بے حد مہربان ہیں O''۔ اور

[1] اس آیت مبارکہ کا تیسرا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں کیونکہ ''اَوْلٰی'' بہ معنی ''اَقْرَبُ'' ہے جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''(اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ) اَیْ اَحَقُّ وَاَقْرَبُ اِلَيْهِمْ (مِنْ اَنْفُسِهِمْ)'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں اور ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) نیز دار العلوم دیوبند کے بانی شیخ محمد قاسم نانوتوی اپنی ایک کتاب ''تحذیر الناس'' میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں' کیونکہ ''اَوْلٰی'' بہ معنی ''اَقْرَبُ'' ہے اور اگر بہ معنی ''اَحَبُّ'' یا ''اَوْلٰی بِالتَّصَرُّفِ'' ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی۔ (تحذیر الناس ص ۱۴' مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی) اور اس معنی سے واضح ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب کی طرح اپنے اصل جسم اقدس کے ساتھ اپنے مقام (یعنی قبر انور) میں قیام پذیر رہ کر بھی اپنی نورانیت کی وجہ سے مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں' نیز نانوتوی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۱۶ پر لکھا ہے کہ سو جیسے طلوع آفتاب وجودِ نور پر مقدم ہے' ایسے ہی تحقیق اولویت بہ معنی اقربیت تحقیق اولویت بالتصرف اور اولویت بہ معنی احبیت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے کہ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک و مختار ہیں اور آپ ان کے (روحانی و اسلامی) باپ ہیں اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا (دینی) باپ ہوتا ہے اور اسی لیے تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہوئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین میں ان کے باپ ہیں ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ اور ان (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں (یعنی) ان سے نکاح کی حرمت وممانعت میں اور ان کی تعظیم و تکریم اور ادب وعزت میں مسلمانوں کے لیے مائیں ہیں اور وہ اس کے علاوہ میراث میں (نیز پردہ کرنے میں خلوت نشینی میں اور مسلمانوں کے ساتھ سفر کرنے میں) اجنبی عورتوں کی طرح ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حرمت وممانعت ان کی بیٹیوں کی طرف نہیں پہنچتی ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ اور قرابت دار ورشتہ دار ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ وراثت میں وارث بننے کے لیے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان دینی رشتہ داری (مواخات و بھائی چارے) اور ہجرت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن قرابت داری اور نسبی رشتہ کی بناء پر وارث نہیں بنتے تھے پھر بعد ازاں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور قرابت داری اور رشتہ داری کے حق پر میراث میں ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا ﴿فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (یعنی) اس کے حکم اور اس کے فیصلہ میں یا لوح محفوظ میں یا جس میں اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت فرض فرمایا ہے (یعنی قرآن مجید) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ﴾ مہاجروں اور مسلمانوں میں سے ممکن ہے کہ یہ عبارت "اولو الارحام" کا بیان ہو یعنی مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ مسلمانوں میں سے قرابت دار ورشتہ دار ایک دوسرے کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پر مقدم ہوگی۔ (تحذیر الناس ص ١٦)

اور اس آیت مبارکہ کا چوتھا معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے محبوب ہیں یعنی "اَوْلٰی" بہ معنی "اَحَبُّ" ہے جیسا کہ متفق علیہ اور صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و پیارا ہو جاؤں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے حق میں اس مقام و مرتبہ پر فائز ہیں تو ان پر واجب ولازم ہے کہ آپ انہیں ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان پر ان کی جانوں کے حکم سے زیادہ نافذ و جاری ہو اور آپ کا حق ان کے نزدیک ان کی جانوں کے حقوق سے زیادہ قابل ترجیح ہو اور مؤمنوں کا اپنی جانوں پر شفقت کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شفقت کرنا مقدم ہو۔

اور اس آیت مبارکہ کا پانچواں معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے لیے اولیٰ بالتصرف ہیں یعنی دین و دنیا کے تمام معاملات میں آپ کو ان پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف واختیار حاصل ہے کیونکہ آپ ان کے حق میں وہی فیصلے کریں گے جن میں ان کی مصلحت و بھلائی اور فلاح و نجات اور کامیابی و کامرانی ہوگی۔

شانِ نزول: چنانچہ اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو لوگوں کو اس میں جانے کا حکم دیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے اپنے ماں باپ سے اجازت لے لیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر تصرف و فیصلہ جات کا اختیار رکھتے ہیں اور جب آپ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں تو آپ کو ان کے ماں باپ کے اختیار سے بہ طریق اولیٰ زیادہ اختیار حاصل ہو گیا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ١٥١ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وراثت میں زیادہ حق دار ہیں اجنبیوں کے مقابلے میں اور ممکن ہے کہ حرف ''مِــنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہو یعنی رشتہ دار حق قرابت نسبی کی وجہ سے میراث میں ان مسلمانوں سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں جو صرف قرابت دینی (مواخات کا رشتہ) کا حق رکھتے ہیں یعنی انصار مدینہ اور جو صرف حق ہجرت رکھنے والے مسلمان ہیں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ﴾ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو [ یہ استثناء منقطع ہے ] یعنی لیکن تمہارا اپنے دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا جائز ہے اور وہ یہ کہ تم اپنے ان دوستوں میں سے جسے پسند کرو اس کے لیے کچھ وصیت کر دو پس یہ ترکہ وصیت کی بناء پر ملے گا' وراثت کی بناء پر نہیں [ اور ''تفعلوا'' کو ''الی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ بھلائی کرو کے معنی میں ہے ] اور ''اولیاء'' سے وہ مسلمان مہاجر مراد ہیں جو ولایت دینی (مواخات کا تعلق) رکھتے ہیں ﴿ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴾ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے یعنی رشتہ داروں کا باہمی ایک دوسرے کا وارث ہونا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى
وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ
صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۸ ع ۸

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا تھا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے' اور ہم نے ان سب سے بڑا پکا عہد لیا تھا O تا کہ وہ سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۷- ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ﴾ اور جب ہم نے تمام پیغمبروں سے پختہ عہد لیا (یعنی اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے تبلیغ رسالت اور دین حق کی دعوت دینے کا پکا عہد لیا تھا ﴿ وَمِنْكَ ﴾ اور خاص کر آپ سے' اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والوں سے اس لیے پہلے کیا گیا ہے کہ یہ عطف ان حضرات کی فضیلت و بزرگی کو بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور تمام صاحب شریعت ہیں' سو جب (سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ ان حضرات انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں تو اس لیے آپ کا ذکر مبارک ان سب سے پہلے کیا گیا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو البتہ اسی کا سب سے پہلے ذکر کیا جاتا جس کا زمانہ مقدم ہوتا ﴿ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ مریم کے بیٹے سے اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا اور میثاق کے ذکر کا اعادہ صرف اتصال وصف کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

۸- ﴿ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں سے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کرے اور پوچھے ﴿ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ ان کے سچ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لیے فرمایا تھا' یا یہ معنی ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تصدیق کرنے والے مسلمانوں سے ان کی تصدیق کے بارے میں پوچھے' اس لیے کہ جو شخص کسی سچ بولنے والے سے یہ کہے کہ تم نے سچ بولا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا' یا یہ معنی ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے پوچھے کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا تھا اور یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ''

(المائدہ:۱۰۹) ''جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ تمہیں (اپنی قوموں کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا'' ﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے انکار کرنے والے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ ''اَخَذْنَا'' پر معطوف ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اپنے دین کی دعوت دینے کے لیے تاکید فرمائی تاکہ وہ ایمان لانے والوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یا یہ اس کلام پر معطوف ہے جس پر ''لیسئل الصادقین'' دلالت کرتا ہے' گویا فرمایا: سو وہ مؤمنوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ
فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ
وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا
شَدِيْدًا ۝۱۱

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو جب (کفارِ عرب کے) لشکر تم پر آن پہنچے تو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر (بھیجے) جو تمہیں نظر نہیں آئے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے○ جب تم پر بلندی کی جانب سے اور پستی کی جانب سے وہ لشکر آن پہنچے اور اس وقت آنکھیں حیرت زدہ ہو کر پتھرا گئیں اور دل (ڈر کے مارے) نرخروں تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح گمان کرنے لگے○ وہاں مسلمانوں کو خوب آزمایا گیا اور انہیں سختی سے جھنجھوڑا گیا○

## مسلمانوں کی سخت آزمائش میں ثابت قدمی پر انعام الٰہی

۹- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو یعنی تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے دن تم پر انعام کیا تھا اور وہ غزوۂ خندق کا دن مراد ہے اور یہ غزوۂ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا تھا ﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ﴾ جب تمہارے پاس (جنگ کرنے کے لیے) بہت سے لشکر پہنچ گئے یعنی بہت سے مختلف گروہ بہت بڑے لشکر کی صورت میں آ گئے اور یہ قریش مکہ اور قبیلہ غطفان اور قبیلہ بنو قریظہ اور قبیلہ بنو نضیر (اور دیگر کا ذکر آگے آ رہا ہے) پر مشتمل مختلف گروہ آئے تھے ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ سو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی' یعنی بادِ صبا (مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی آندھی) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری بادِ صبا کے ذریعے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو بادِ دبور (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی آندھی) کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا[1] ﴿وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور (ہم نے ان پر) ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھ سکے تھے اور وہ فرشتوں کے لشکر تھے اور وہ ایک ہزار تھے' اللہ تعالیٰ نے ان

۱ رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب: ۲۶' مسلم فی کتاب الاستسقاء حدیث: ۱۷' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۲۴ ـ ۳۲۴ ـ ۲۲۲

تمام کفار پر موسم سرما کی سردترین رات کو یخ ٹھنڈی مشرق سے چلنے والی آندھی کو بھیج دیا' جس نے ان کے اجسام کو گرد وغبار سے آلودہ کر کے ان کے اندر سردی کی سختی کو داخل کر دیا اور ان کے چہرے مٹی سے بھر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے خیموں کی میخیں اکھیڑ دیں اور ان کی طنابیں اور رسیاں کاٹ دیں اور آگ بجھا دی اور ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے گھوڑے خوف کے مارے ایک دوسرے کے ساتھ بدک کر بھاگ پڑے اور کفار کے دلوں میں رعب وخوف ڈال دیا گیا تھا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے چاروں اطراف سے بہ آواز بلند نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام کفار سہم گئے اور بغیر لڑائی کے شکست کھا گئے اور جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار کی آمد کی خبر سنی تو آپ نے اسی وقت صحابہ کرام کو بلا کر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے اردگرد بہت بڑی لمبی چوڑی خندق کھدوائی' پھر آپ نے تین ہزار مہاجرین وانصار صحابہ کرام کو جنگ کے لیے تیار فرمایا اور آپ نے اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ اس طرح متعین فرمائی (کہ سلع نامی پہاڑ پشت کی طرف رہا اور) خندق اسلامی لشکر اور کفار قوم کے درمیان حائل ہوگئی اور آپ نے حکم دیا کہ بچوں اور عورتوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے اور خوف وڈر شدت اختیار کر گیا تھا کیونکہ قریشِ مکہ مختلف قبائل کے ساتھ دس ہزار کا جنگ جو لشکر لے کر آئے تھے اور بنو کنانہ اور اہل تہامہ کو ابوسفیان لے کر آیا تھا اور یہی ان کا قائد ولیڈر تھا اور بنو غطفان ایک ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ اہل نجد بھی شامل تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا اور عامر بن طفیل ہوازن کے لوگوں کو لے کر آیا تھا اور ان کے ساتھ یہودیوں میں سے بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی شامل ہو گئے تھے اور ان دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کفار) کے درمیان تقریباً ایک مہینہ گزر گیا اور ماسوا تیر اندازی اور پتھر پھینکنے کے ان کے درمیان کوئی اور جنگ نہ ہوئی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت ومدد نازل فرمائی ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴾ اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھتا ہے' یعنی اے مؤمنو! خندق کھود کر اس میں محفوظ ہو جانے اور حضور نبی کریم ﷺ کی معاونت پر ثابت قدم رہنے کے تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے [ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے] یعنی کفار کی بغاوت وسرکشی اور اللہ تعالیٰ کے نور (دین اسلام) کے مٹانے میں ان کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

۱۰ - ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ جب تمہاری مشرق کی جانب سے وادی کی بلندی سے بنو غطفان اور تمہاری مغرب کی جانب سے وادی کی پستی سے قریش مکہ تم پر آن پہنچے [یہ ''اذ جاء تکم'' سے بدل ہے] ﴿ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ ﴾ اور جب آنکھیں جھک گئیں اور اپنی جگہ سے ہٹ گئیں اور ان کی نظر برابر ویکساں نہ رہی' حیرت کے سبب یا ان کی آنکھیں ہر چیز سے ہٹ گئیں اور خوف کے مارے صرف اپنے دشمن کی طرف متوجہ رہیں ﴿ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ﴾ اور دل نرخروں تک پہنچ گئے ''حنجرة'' کا معنی ہے: سر اور گردن کے درمیان کا گوشت اور اس سے انتہائے حلقوم مراد ہے اور حلقوم گلے کی وہ جگہ ہے جہاں سے کھانا پینا اندر داخل ہوتا ہے' مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب غم وگھبراہٹ کی شدت سے یا غیظ وغضب کی وجہ سے پھیپھڑے پھولتے ہیں تو اوپر کی طرف بڑھ جاتے اور گلے کے سر کی طرف ان کے اٹھنے کے سبب دل بھی اوپر کی طرف بلند ہو جاتے ہیں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ دلوں کے مضطرب وبے قرار اور بے چین ہونے کی مثال بیان کی گئی ہے' اگرچہ حقیقت میں وہ گلوں تک نہیں پہنچے تھے۔ ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں نے رسول اکرم نبی محترم ﷺ سے عرض کی کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم پڑھیں (تو ہمارا خوف جاتا رہے) کیونکہ دلوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ خوف کے مارے گلوں تک پہنچ گئے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! وہ

یہ ہے کہ تم یوں کہو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" [1] اے اللہ! ہماری شرم گاہوں کو چھپالے (یعنی ہماری عزتوں کی حفاظت فرما) اور ہمیں خوف و ڈر سے امن عطا فرما ﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے' یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے' ان مسلمانوں میں سے جو مخلص حضرات (یعنی صحابہ کرام) تھے وہ ثابت قدم رہے اور ان کے دل مضبوط رہے لیکن ان میں سے کمزور دل اور منافقین ایک طرف علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے' پھر پہلے مخلص حضرات نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں امتحان میں مبتلا کر کے آزما رہا ہے' سو انہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور اس امتحان کو برداشت کرنے سے کمزور و عاجز نہ ہو جائیں اور لیکن رہے دوسرے لوگ (یعنی منافقین اور کمزور و مریض دل) تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی گمان کیا جو ان کی طرف سے (آیت: ۱۲ میں) بیان کیا گیا ہے [ابوعمرو بصری اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "الظنون" وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے ہے اور یہی قیاس کے مطابق ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ "الظنونا" ہے' وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے اور ابن کثیر مکی اور علی کسائی اور حفص کی قراءت میں وقف کی حالت میں الف کے ساتھ ہے اور اس کی مثال سورۃ الاحزاب: ۶۶ میں "الرسولا" اور سورۃ الاحزاب: ۶۷ میں "السبیلا" ہے' فصل کی حالت میں الف زیادہ کیا جاتا ہے' جیسا کہ قافیہ میں الف زیادہ کر دیا جاتا ہے:

"اقلی اللوم عاذل والعتابا" اے ملامت کرنے والے ملامت کم کرنا۔

اور یہ سارے اسماء مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ ہیں]۔

۱۱- ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ یہاں (اس جنگ میں) مسلمانوں کو آزمایا گیا تھا اور انہیں ایمان پر صبر کرانے کے لیے امتحان میں مبتلا کیا گیا تھا ﴿وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ اور انہیں بہت سخت جھنجھوڑا گیا اور انہیں خوف و ڈر کے ذریعے بہت سخت ہلایا گیا۔

وَإِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ إِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنْ يُّرِيْدُوْنَ إِلَّا فِرَارًا ۝۱۳

مع عند المتأخرین ۱۲

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے' کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ نہیں کیا مگر فریب کا ○ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب (مدینہ منورہ) کے رہنے والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے' سو تم واپس لوٹ چلو' اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگنے لگا' وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں' حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے' وہ نہیں چاہتے مگر بھاگنا ○

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۲۵' وابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۴' وابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۱

## منافقین کی حالت نفاق کا بیان

۱۲- ﴿ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ اور جب منافقین کہنے لگے [ یہ پہلے جملے" واذ زاغت الابصار" پر معطوف ہے ]
﴿ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ اور وہ لوگ کہنے لگے جن کے دلوں میں بیماری ہے' بعض اہل علم نے فرمایا کہ واؤ کے ساتھ منافقین کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

الی الملك القرم و ابن الهمام وليث الكتيبة فی المزدحم

" سردار و بادشاہ اور ابن ہمام اور لشکر کے شیر وقائد کی طرف بھیڑ میں"۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دین اسلام کی سمجھ بوجھ نہیں ہے گویا منافقین انہیں کی طرف مائل ہیں کہ ان میں بھی وہی شک وشبہہ داخل ہو چکا ہے ﴿ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے جو دشمنوں پر غلبہ اور فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے' وہ صرف دھوکا ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ معتب بن قشیر نے جب کفار کے مختلف حملہ آور لشکر دیکھے تو کہنے لگا کہ (حضور سید عالم) محمد (ﷺ) ہم سے فارس وروم کے فتح ہونے کا وعدہ کرتے ہیں جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی شخص خوف کے مارے بول و براز کے لیے باہر نہیں جا سکتا' یہ وعدہ تو صرف دھوکا ہے۔

۱۳- ﴿ وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ ﴾ اور جس وقت ان منافقین میں سے ایک گروہ نے کہا اور یہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ﴿ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ ﴾ اے مدینہ منورہ کے رہنے والو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یعنی تمہارے لیے یہاں کوئی جائے قرار نہیں رہی اور نہ کوئی مکان ہے جس میں تم ٹھہر سکو یا تم اس میں رہائش رکھ سکو' یثرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے[1] [روایت حفص میں "لَا مُقَامَ" میں پہلا میم مضموم ہے] ﴿ فَارْجِعُوْا ﴾ سوتم کفر کی طرف یا رسول اللہ (ﷺ) کے لشکر سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ چلو ﴿ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ ﴾ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بنو حارث نبی سے اجازت مانگنے لگا ﴿ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ﴾ اور وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ اور خطرے میں ہیں ﴿ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾ اور وہ بالکل غیر محفوظ نہیں تھے' وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے [ "العورة" بہ معنی

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من سمّی المدينة يثرب فليستغفر الله تعالٰى هی طابة هی طابة هی طابة" جو شخص مدینہ منورہ کا یثرب نام لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے' یہ تو طابہ ہے' طابہ ہے' طابہ ہے (عمدہ خوشبودار شہر) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہا کرو کیونکہ یہ طیبہ (پاک وخوشبودار شہر) ہے۔ "ومن قال يثرب فليستغفر الله تعالٰى ثلاث مرّات هی طيبة هی طيبة هی طيبة" اور جو شخص اسے یثرب کہہ دے تو اسے چاہیے کہ وہ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر کے معافی مانگے' یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے۔ اور خفاجی کے حواشی میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا اب کراہت تنزیہ کے ساتھ مکروہ ہے کہ یہ نام ملامت وعار کی نشاندہی کرتا ہے (کیونکہ یثرب کا معنی ملامت وعار اور فساد ومرض گاہ ہے)۔ (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۹' الجزء الحادی والعشرون' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' نیز تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۰۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۹۰' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر)

خلل کے ہے اور ''العورة'' بہ معنی ''ذات العورة'' خلل ونقصان والا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے جیسا کہ ''عَوِرَ الْمَكَانُ عَوَرًا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں چوروں اور دشمنوں کا خطرہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''عَوْرَة'' ہو اور ''عَوِرَة'' کا مخفف ہو] انہوں نے معذرت پیش کی کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں' ان میں دشمنوں اور چوروں کے نقصان پہنچانے کا خطرہ ہے کیونکہ وہ غیر محفوظ ہیں' سو انہوں نے آپ سے اجازت مانگی تاکہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت کر کے پھر آپ کی طرف واپس لوٹ آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار دیا کیونکہ انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا' وہ صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾

اور اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے فوجیں آ جاتیں' پھر ان سے فتنہ وفساد برپا کرنے کو کہا جاتا تو وہ اس میں ضرور شامل ہو جاتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی سی O اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے' اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تمہیں فائدہ نہیں دیا جائے گا مگر تھوڑا O

۱۴- ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان پر مدینہ منورہ میں یا ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں [یہ ''دخلت علی فلان داره'' سے ماخوذ ہے (کہ ''دخلت'' کا اسناد ان کے ''بیوت'' کی طرف ہے یعنی ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں)] ﴿مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾ مدینہ کے تمام اطراف سے اور تمام سمتوں سے یعنی اگر یہ مختلف گروہوں پر مشتمل کفار کا لشکر جس کے خوف وڈر سے مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ رہے ہیں ان کے شہر مدینہ منورہ میں یا چاروں اطراف سے خود ان کے گھروں میں داخل ہو جائے اور ان کے بیوی بچوں پر حملہ آور ہو' ان کو لوٹنے اور قیدی بنانے لگ جائے ﴿ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ﴾ پھر اس گھبراہٹ وپریشانی کے وقت انہیں فتنہ کی طرف یعنی انہیں اسلام سے پھر کر کفر کی طرف لوٹنے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کی طرف بلایا جائے ﴿لَاٰتَوْهَا﴾ تو وہ ضرور اس سوال وبلاوے کا جواب دیں گے (اور مرتد ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے) [اہل حجاز کی قراءت میں بغیر مد کے ''لَاَتَوْهَا'' ہے] بعض وہ لوگ اس بلاوے پر ضرور آئیں گے اور فتنہ وفساد کا کام کرنے لگ جائیں گے ﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ اور وہ فتنہ کا جواب دینے کے لیے دیر نہیں لگائیں گے مگر تھوڑی سی جتنی دیر میں سوال وجواب ہو (یعنی بغیر وقفہ کے فتنہ وفساد میں کود پڑیں گے) یا یہ معنی ہے کہ منافقین مرتد ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر چند روز' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ اب اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے اور عذر تراش رہے ہیں

تاکہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد کرنے سے اور کفار کے لشکروں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھاگ جائیں' جنہوں نے ان پر خوف وڈر اور رعب و دہشت طاری کر رکھی ہے اور یہی کفار کے لشکر اگر ان پر حملہ آور ہو کر ان کے کھیتوں اور ان کے گھروں کو لوٹنے لگ جائیں اور ان پر کفر پیش کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ تم مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ٹوٹ پڑو تو یہ منافقین فوراً اس دعوت کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کوئی بہانے وغیرہ نہیں بنائیں گے اور یہ صرف اس لیے کہ ان کو اسلام سے نفرت اور کفر سے محبت ہے۔

۱۵- ﴿ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں یعنی بنو حارثہ غزوۂ خندق سے پہلے یا کفار کے لشکروں کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کر چکے ہیں کہ ﴿ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ﴾ یہ پیٹھ پھیر کر اور شکست کھا کر نہیں بھاگیں گے ﴿ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق باز پرس ہو گی' جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے ورنہ اس کا مطالبہ کیا جائے۔

۱۶- ﴿ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ اگر تم موت سے یا لڑائی سے بھاگو گے تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تم نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑا سا یعنی اگر تمہاری اجل (آخری وقت) آ چکی ہے تو تمہیں بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اگر تمہاری اجل ابھی نہیں آئی اور تم بھاگ گئے تو تم دنیا میں تھوڑا عرصہ نفع اٹھا سکو گے اور وہ تمہاری زندگی کا عرصہ ہے اور وہ بہت تھوڑا ہے اور ایک مروانی شخص کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے جب گزرنے لگے تو ڈر کے مارے جلدی گزر رے' تو یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے انہیں سنائی گئی' پس انہوں نے جواب میں کہا کہ میں بھی اسی قلیل زندگی کی طلب میں جلدی سے گزر رہا ہوں۔

| |
|---|
| قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا |
| يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ |
| وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ |
| فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى |
| عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ |
| اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ |

فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچالے گا اگر وہ تمہیں دکھ دینا چاہے یا وہ تم پر اپنی رحمت کرنا چاہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی نہیں پائیں گے اور نہ کوئی مددگار O بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے جہاد سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والوں کو کہ ہماری طرف چلے آؤ' اور وہ (کفار کے خلاف) جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم O وہ تم پر بہت بخیل ہیں' پھر جب خوف آتا ہے تو آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ

ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی چھا جاتی ہے' پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو وہ تمہیں تیز وطرار زبانوں سے ایذاء پہنچاتے ہیں وہ نیکی پر بہت بخیل ہیں' یہی لوگ دل سے ایمان نہیں لائے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کردیئے' اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہےO

۱۷- ﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچالے گا یعنی اس عذاب وغیرہ سے جس کو تم پر اللہ تعالیٰ نازل کرنے کا ارادہ فرمالے ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا﴾ اگر وہ تمہیں تکلیف و دکھ دینے کا ارادہ کرلے (یعنی) تمہارے اجسام میں قتل وغارت یا اس کے علاوہ کسی صورت میں وہ تمہیں عذاب دینا چاہے ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ یا وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمالے یعنی خیر و عافیت اور صحت و سلامتی کے ساتھ تمہاری عمر دراز کردے یعنی اللہ تعالیٰ کو تم پر رحمت و کرم کرنے سے کون روک سکتا ہے اگر وہ تمہارے ساتھ رحمت و مہربانی کا ارادہ فرمالے کیونکہ عصمت میں منع کا معنی پایا جاتا ہے ﴿وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ اور وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار نہیں پائیں گے [''نصیر'' بہ معنی ''ناصر'' ہے]۔

۱۸- ﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے منع کرنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نصرت و امداد سے لوگوں کو منع کرتے ہیں یعنی روکتے ہیں اور وہ روکنے والے منافقین ہیں ﴿وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ﴾ اور وہ اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں ﴿هَلُمَّ اِلَیْنَا﴾ تم ہماری طرف چلے آؤ یعنی تم اپنے آپ کو ہمارے پاس قریب لے آؤ اور محمد (ﷺ) کو چھوڑ دو [اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے' سو وہ واحد اور جمع کے درمیان مساوات و برابری کے قائل ہیں اور لیکن قبیلہ بنو تمیم' تو وہ واحد کے لیے ''ھلمّ'' یا ''رجل'' اور جمع کے لیے ''ھلمّوا'' یا ''رجال'' کہتے ہیں اور یہ وہ آواز ہے جس کے ساتھ فعل متعدی نام رکھا جاتا ہے جیسے ''احضر وقرّب'' حاضر کر اور نزدیک کر] ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور وہ جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم یعنی وہ صرف ریاکاری اور دکھاوا کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے آجاتے ہیں اور حاضری لگوا لیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں جتنی دیر میں ان کی آمد و حاضری کو دیکھ لیا جائے' پھر وہ واپس پھر جاتے ہیں۔

۱۹- ﴿اَشِحَّةً﴾ [یہ ''شحیح'' کی جمع ہے اور اس کا معنی بخیل ہے اور ''یاتون'' کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] یعنی وہ لوگ جنگ میں شرکت کرنے کے لیے آنے میں بہت بخیل ہیں ﴿عَلَیْكُمْ﴾ وہ تم پر بہت بخیل ہیں' وہ تمہارے لیے فتح و نصرت' کامیابی و کامرانی اور مال غنیمت کا حصول ہرگز نہیں چاہتے ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب دشمن کی طرف سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خوف و ڈر کا وقت آجاتا ہے تو ﴿رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ﴾ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اس حالتِ خوف میں آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ ان کی آنکھیں دائیں اور بائیں پھرتی رہتی ہیں ﴿كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ اس شخص کی طرح جس کو موت ڈھانپ لیتی ہے (یعنی) جس طرح وہ شخص جس پر موت کی سکرات چھا جاتی ہے تو وہ آنکھیں پھاڑ کر گھماتا ہے' اسی طرح یہ منافق لوگ خوف و ڈر' ذلت و رسوائی اور آپ کی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں دائیں بائیں گھما کر دیکھتے ہیں ﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب وہ خوف و ڈر ختم ہو جاتا ہے اور انہیں امن و سکون حاصل ہو جاتا ہے اور اموال غنیمت جمع کیے جاتے ہیں تو ﴿سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ وہ تمہیں تیز و طرار زبانوں سے ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں سختی کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور وہ تم سے گفتگو کرتے ہوئے زبان درازی کر کے تمہیں ایذاء و تکلیف اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ فصاحت سے بولنے والے خطیب کو

"خطیب مسلق" اور گفتگو میں مبالغہ آمیزی کرنے والے کو" رجل مسلاق" کہا جاتا ہے یعنی یہ منافقین کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے حصہ سے بڑھ کر زیادہ مالِ غنیمت دیا جائے کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں موجود تھے اور ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ کی ہے اور تم ہماری وجہ سے اپنے دشمن پر غالب و کامیاب ہو سکے ہو ﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾ وہ نیکی کے کاموں میں بہت بخیل ہیں یعنی وہ مالِ غنیمت پر بخیل ہونے کا طعنہ دیتے ہوئے تمہیں مخاطب کرتے ہیں جب کہ وہ خود نیکی کے کاموں پر بہت بخیل ہیں [" اشحة"، "سلقوكم" سے حال واقع ہو رہا ہے ] ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا﴾ یہی لوگ حقیقت میں ایمان نہیں لائے بلکہ صرف زبانوں سے ایمان کا اظہار کیا ﴿فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلبی اور مخفی و پوشیدہ کفر کی وجہ سے ان کے ظاہری اعمال کو باطل و نامقبول قرار دے دیا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ان کے اعمال کو برباد کرنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ
فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۸

وہ لشکر کفار کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نہیں گئے' اور اگر وہ لشکر دوبارہ آ جائیں تو یہ لوگ یہی خواہش کریں گے کہ کاش وہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے وہاں وہ تمہاری خبریں پوچھا کرتے' اور اگر وہ تمہارے درمیان میں ہوتے تو وہ (کفار سے) جنگ نہ کرتے مگر بہت کم ○

۲۰- ﴿يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا﴾ وہ منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ کفار کے لشکر مغلوب نہیں ہوئے اور نہ وہ چلے گئے حالانکہ وہ واپس جا چکے ہیں ﴿وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ﴾ اور اگر کفار کے لشکر دوبارہ مدینہ منورہ حملہ کرنے آ جائیں تو یہ منافقین خواہش کریں گے کہ کاش! یہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے [" البادون"، "البادی" کی جمع ہے' بہ معنی دیہاتی ] یعنی منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! یہ مدینہ منورہ سے باہر کسی گاؤں میں نکل جاتے اور دیہاتیوں کے درمیان موجود رہتے تاکہ انہیں اپنے بارے میں امن واطمینان حاصل ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی لڑائی اور جنگ کی مصیبت سے الگ اور دور رہتے ﴿يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ﴾ وہ مدینہ منورہ کی جانب سے ہر آنے والے آدمی سے تمہاری خبریں دریافت کرتے اور تم پر آنے والے حالات کے بارے میں پوچھتے ﴿وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ﴾ اور اگر وہ تم میں موجود رہتے اور بہانے بنا کر مدینہ منورہ کی طرف اپنے گھر کو لوٹ کر نہ جاتے اور جنگ چھڑ جاتی تو ﴿مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا﴾ وہ تمہارے ساتھ مل کر دشمن سے نہ لڑتے مگر بہت کم محض دکھاوے اور عار کے خوف سے شہرت کے لیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

بے شک رسول اللہ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہےO اور جب مسلمانوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا' تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس (فوجوں کی آمد) نے ان میں اضافہ نہیں کیا مگر ایمان میں اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے میںO

## رسولِ خدا کے اسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کا بیان

۲۱- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے [''اسوۃ'' ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت عاصم کی قراءت میں ہے] یعنی نمونہ اور یہ وہ نمونہ ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے یعنی اس کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: ''فی البیضۃ عشرون منًّا حدیدًا'' خود وزن میں بیس سیر لوہا ہے یعنی بذاتِ خود خود کا بیس سیر لوہا ہے' یہ اس کی اپنی مقدار ہے (مقصد یہ کہ ''فی'' کا حرف تحسین کلام کے لیے ہے لیکن معنی میں یہ زائد ہے اور بذاتِ خود رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے) یا رسول اللہ کی ہستی میں اچھی اور عمدہ خصلت و عادت ہے' جس کا حق یہ ہے کہ اس کی اتباع و پیروی کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس کفار سے جہاد و مقاتلہ کیا ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے [بعض نے کہا کہ ''لمن''، ''لکم'' سے بدل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ضمیر مخاطب سے بدل جائز نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ''لمن''، ''حسنۃ'' کے متعلق ہے'' ای (اسوۃ حسنۃ) کائنۃ (لمن کان)'' یعنی آپ کی زندگی ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے] ﴿وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے یعنی خوف و ڈر میں اور امید میں' نیز تنگی اور خوش حالی میں' ہر حال میں وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو۔

۲۲- ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ﴾ اور جب مسلمانوں نے کفار کے لشکر دیکھے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں مسلمانوں سے وعدہ لیا تھا کہ امتحان کی مصیبت میں مبتلا کر کے انہیں جھنجھوڑا جائے گا' یہاں تک کہ وہ اسی سے فریاد کریں گے اور اسی سے امداد مانگیں گے' چنانچہ فرمایا: ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌO'' (البقرۃ: ۲۱۴) ''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کو بہت زیادہ سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں بہت جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ (اس زمانہ کے) رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے' کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہےO''۔ پھر جب کفار کے مختلف قبائل پر مشتمل لشکر آ گئے اور مسلمان بھاری لشکر دیکھ کر مضطرب و بے چین ہو گئے اور سخت رعب کی وجہ سے مرعوب ہو گئے تو اس وقت ان مسلمانوں نے ﴿قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچا وعدہ فرمایا تھا اور مسلمانوں نے جان لیا کہ بے شک جنت اور فتح و نصرت ان کے لیے واجب ہو گئی ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (غزوۂ خندق سے پہلے) ایک دن صحابہ

کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ بے شک بہت بڑے لشکر نو یا دس دن بعد تم پر حملہ کرنے کے لیے تمہارے پاس آنے والے ہیں' پھر جب صحابہ کرام نے کفار کے ان لشکروں کو دیکھا کہ حسب ارشادِ نبوی مقررہ مدت پر آ گئے ہیں تو اس وقت صحابہ کرام نے یہ کہا تھا اور ''ھٰذا'' سے اسی لشکر کی طرف اشارہ ہے یا آزمائش کی طرف اشارہ ہے ﴿ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴾ اور کفار کے حملہ آور لشکروں کے اجتماع اور ان کی آمد کو دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا' ماسوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر ایمان رکھنے میں اور اس کی قضاء و قدر کو تسلیم کرنے اور اس پر راضی رہنے میں اضافہ ہوا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٤﴾

مؤمنوں میں سے بعض ایسے باہمت مرد ہیں جنہوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں' اور انہوں نے (اپنا وعدہ) ذرا بھی نہیں بدلا O تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر صلہ عطا فرمائے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۲۳- ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ﴾ مسلمانوں میں سے بعض باہمت مخلص مردوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا' جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا'' ای فیما عاهدوه علیه ''یعنی وہ اس میں سچے ثابت ہوئے جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا [ پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس مثال میں ہے کہ'' صدقنی سن بکره ای صدقنی فی سن بکره ''یعنی اس نے اپنے نوجوان اونٹ کی عمر بتانے میں مجھ سے سچ بولا ہے' سو اس میں بھی حرف جار حذف کر دیا گیا اور فعل کو براہِ راست اس کی طرف متعدی کر دیا گیا]۔

دراصل صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے بعض آدمیوں نے نذر (منّت) مان لی کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر دشمنانِ دین سے جنگ کریں گے تو ثابت قدم رہیں گے اور کفار سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے جائیں اور یہ حضرات حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ' حضرت سعد بن زید' حضرت امیر حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے ﴿ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ ﴾ سو ان میں سے بعض نے اپنی نذر کو پورا کیا یعنی وہ شہید و فوت ہوئے جیسے حضرت امیر حمزہ سیّد الشہداء اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور نذر پوری کرنا موت سے عبارت ہے کیونکہ مخلوقات میں سے ہر جان دار کے لیے موت ضروری ہے' پس موت کو نذر سے تعبیر کیا جو ہر زندہ کی گردن میں اس کے ذمہ لازم ہے' پس جب کوئی زندہ مر جاتا ہے تو اس کی منّت یعنی اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے ﴿ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ﴾ اور ان میں سے بعض انتظار کرتے ہیں یعنی شہادت کی موت کا انتظار کر رہے ہیں جیسے حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ﴿ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴾ اور انہوں نے اپنے عہد کو بالکل تبدیل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس میں کسی قسم کا تغیر کیا اور نہ وہ شہید ہوئے بلکہ وہ شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کلام میں اہل نفاق اور بیمار دلوں میں سے جنہوں نے اپنے

عہد کو تبدیل کر دیا تھا' ان بدبختوں پر طنز کیا گیا ہے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے: "وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ" (الاحزاب: ۱۵) "اور البتہ بے شک انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے"۔

۲۴- ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر (یعنی) ان کے عہد پورا کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ﴾ اور اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے گا اگر چاہے گا جب وہ توبہ نہیں کریں گے ﴿اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اگر وہ توبہ کریں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمًا﴾ گناہوں کو مٹا کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ منافقوں کے بارے میں یہ قرار دیا گیا کہ گویا انہوں نے اپنا بُرا انجام خود چاہا کیونکہ انہوں نے عہد شکنی کر کے بُرا انجام اختیار کر لیا جیسا کہ سچوں نے اپنا عہد پورا کر کے سچے اور نیک انجام کا ارادہ کیا تھا' اس لیے کہ دونوں فریق اجر و ثواب اور عذاب میں سے اپنے اپنے انجام کی طرف چلائے گئے تو گویا وہ دونوں گروہ اپنی اپنی طلب میں یکساں اور برابر ہیں اور اپنے اپنے انجام کی تحصیل میں کوشاں ہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾
وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَــُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۱۹

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ ناکام واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہیں کی' اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کی کفایت فرما دی' اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غلبہ والا ہے O اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب و خوف ڈال دیا' (چنانچہ) تم ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو تم قید کرتے ہو O اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور ایسی سرزمین کا وارث بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قدرت رکھنے والا ہے O

## کفار وغیرہ کی ناکامی کا بیان

۲۵- ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا تھا (یعنی) حملہ آور مختلف قبائل کے کفار لشکروں کو ناکام و نامراد کر کے ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ واپس لوٹا دیا [" بغیظھم" حال ہے " ای مُغِيْظِيْنَ "] یعنی وہ اپنے دلوں کی جلن اور قلبی غیظ و غضب سے بھرے ہوئے (ناکام واپس لوٹ گئے) جیسے ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ''تَنبُتُ بِالدُّهْنِ'' (المؤمنون: ۲۰) ''زیتون کا درخت تیل لے کر اُگتا ہے'' ﴿لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا﴾ انہوں نے کوئی بھلائی نہیں پائی (یعنی) فتح وکامیابی یعنی انہوں نے مسلمانوں پر فتح وکامیابی حاصل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق فتح وکامیابی کو ''خیـــر'' کا نام دیا ہے [اور یہ ''خیـــرًا'' حال ہے یعنی کامیاب نہ ہونے والے] ﴿وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں تیز آندھی اور فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی کفایت فرمائی ﴿وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غالب ہے (یعنی) زبردست قدرت رکھنے والا غالب ہے۔

۲۶- ﴿وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیچے اتار لیا جنہوں نے ان کی مدد کی تھی (یعنی) جنہوں نے کفار کے لشکر کی مدد کی تھی ﴿مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ اہل کتاب میں سے یعنی بنی قریظہ ﴿مِن صَيَاصِيهِمْ﴾ ان کے قلعوں سے [''صیاصی'' جمع ہے اور اس کا واحد ''صیصة'' ہے' جس کا معنی ہے: وہ چیز جس سے پناہ اور حفاظت حاصل کی جائے] ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام اس رات کی صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' جس رات میں کفار کے لشکر شکست کھا کر بھاگ گئے تھے اور مسلمان خندق سے نکل کر واپس مدینہ منورہ کے شہر میں اپنے گھروں میں واپس آ چکے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تھے' اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اپنے حیزوم نامی گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے کے چہرے اور زین پر گرد وغبار پڑی ہوئی تھی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا: اے جبریل! یہ کیسے ہوا' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں کفار کے لشکروں کو بھگانے کے لیے ان کا پیچھا کرتا رہا ہوں' سو رسول اللہ ﷺ گھوڑے کے چہرے اور اس کی زین سے گرد وغبار جھاڑنے لگ گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک ابھی تک فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں اتارے' بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے ان کی طرف سفر اختیار فرمالیں اور میں بھی انہیں کی طرف جانے کا قصد کر رہا ہوں' کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح توڑ پھوڑ کر ہلاک کرنا ہے جس طرح انڈا صفا پہاڑ کے پتھر پر توڑا جاتا ہے اور بے شک وہ تمہاری ہلاکت کے لیے امید وآرزو رکھتے ہیں' سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں میں اعلان کرادیا کہ بے شک جس قدر فرماں بردار سننے والے ہیں' وہ سب تیار ہو جائیں آج نماز عصر بنی قریظہ میں جا کر پڑھنی ہے' چنانچہ حضور نے اپنے لشکر کے ساتھ پچیس راتوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے اترو تو انہوں نے انکار کر دیا' آپ نے پھر فرمایا کہ تم حضرت سعد بن معاذ کی ثالثی اور ان کے حکم پر نیچے اتر آؤ تو وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے' چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا: میرا ثالثی فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ان میں سے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے تو اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ بے شک تم نے وہی فیصلہ کیا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر فیصلہ کیا ہے' پھر ان سب کو اتار لیا اور مدینہ منورہ کے بازار میں ایک خندق (گڑھا) کھودی گئی اور ان کو وہاں لا کر ان کی گردنیں اڑائی گئیں (اور ان کی لاشوں کو خندق میں دبا دیا گیا) اور یہ لوگ تقریباً آٹھ سو سے لے کر نو سو تک تھے اور بعض نے کہا کہ چھ سو جنگ جو تھے اور سات سو قیدی تھے[1] ﴿وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''الـرعـب'' میں عین پر ضمہ (پیش) ہے] ﴿فَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور وہ مرد تھے [''فـریقا'' ارشادِ باری تعالیٰ ''تقتلون'' کی وجہ سے منصوب ہے]

1 اُنظر سیرت ابن ہشام (ج ۲ ص ۲۴۴ وما بعدھا)

﴿ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴾ اور تم ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو اور وہ گروہ عورتوں اور بچوں کا تھا۔

۲۷- ﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا یعنی مویشیوں اور نقد رقوم اور ساز و سامان کا تمہیں وارث بنایا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے انصار کی بجائے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے والے مہاجرین کو بنی قریظہ کی جائیداویں عطا فرما دی تھیں اور آپ نے انصار مدینہ سے فرمایا تھا کہ بے شک تم (تو پہلے ہی سے) اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہو[1] ﴿ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی زمین کا وارث بنا دیا' جس پر تم نے جنگ کے ارادے سے قدم نہیں رکھے اور وہ مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے (جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوئی تھی) یا (یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی سرزمین کا وارث بنا دیا ہے جس پر ابھی تک تم نے قدم نہیں رکھے اور وہ) فارس (ایران) ہے اور روم ہے یا خیبر ہے یا پھر ہر وہ زمین مراد ہے جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے فتح ہوتی رہے گی ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا |
| فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ |
| وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ |
| يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ |
| ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ |

اے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب بتانے والے) پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیں' اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور میں تمہیں خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم تمام نیکوکاروں کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ○ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی) حرکت کرے گی تو اس کو دگنی سزا دی جائے گی' اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ○

## آیاتِ تخییر کے جواب میں ازواجِ مصطفےٰ کے حسنِ انتخاب کا بیان

۲۸- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا ﴾ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش چاہتی ہو یعنی اگر دنیا کی خوش بختی اور مال و دولت کی کثرت و فراوانی چاہتی ہو ﴿ فَتَعَالَيْنَ ﴾ سو تم آؤ' یہ دراصل "تعال" سے ماخوذ ہے' یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے والے مکان میں رہنے والے کو بلاتا ہے' پھر کثرت سے استعمال ہونے لگا' یہاں تک کہ ہر جگہ میں استعمال ہونے لگا اور "تعالین"

[1] أخرجه الواقدي (حاشية الكشاف ج ۳ ص ۵۳۴)

کا معنی یہ ہے کہ تم دونوں کاموں میں سے کسی ایک کے لیے اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے متوجہ ہو اور اس سے ان ازواجِ مطہرات کا بذاتِ خود اٹھ کر آنا مراد نہیں ہے' جیسا کہ یہ قول ہے: ''فَـامَ يُهَـدِّدُنِـى'' وہ مجھے جھڑکنے لگا ﴿ اُمَتِّعْكُنَّ ﴾ میں تمہیں کچھ مال دے دوں (یعنی) میں تمہیں طلاق کا متعہ عطا کر دوں (مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ حق مہر کے علاوہ تن ڈھانپنے کے لیے جو شلوار' قمیص' دوپٹہ اور پردہ کی بڑی چادر دی جاتی ہے' اسے متعۂ طلاق کہا جاتا ہے) اور یہ متعۂ طلاق ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے ماسوا اس مطلقہ عورت کے جس کو دخول (مخصوص صحبت) سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو (کیونکہ ایسی مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے) ﴿ وَاُسَرِّحْكُنَّ ﴾ اور میں تمہیں چھوڑ دوں (یعنی) اور میں تمہیں طلاق دے دوں ﴿ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح چھوڑ دینا' جس میں ضرر و نقصان نہ ہو۔

شانِ نزول: حضور سیّد الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دنیا کی کچھ خوش حالی چاہی' پہننے کے لیے اچھا لباس اور کھانے پینے کے لیے وافر و وسیع مقدار میں نان نفقہ اور خرچہ وغیرہ کا مطالبہ کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلا کر مطالبہ پر اتحاد کر لیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و غم پہنچا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آغاز کیا کیونکہ تمام بیویوں میں آپ کو یہی زیادہ محبوبہ و پیاری تھیں' سو آپ نے اختیار دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ انہیں پڑھ کر سنائی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو دنیا کے مقابلے میں اختیار کر لیا' پھر تمام بیویوں نے اسی کو اختیار کر لیا۔[1]

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں ایک معاملہ تم پر پیش کرنے کے لیے تمہارے سامنے ذکر کر رہا ہوں' مگر تم اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تم پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لینا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ پس میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔[2]

---

[1] واضح رہے کہ فقہ جعفری کے حامل مفسّر علامہ السید امداد حسین الکاظمی المشہدی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت مجیدہ آیت تخییر کہلاتی ہے' اس میں ازواجِ نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالِ دنیا اور آسودگی چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں مالِ دنیا دے کر رخصت کر دیں گے اور اگر وہ صحبتِ رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرنا چاہیں تو فبہا۔ واقعہ یوں ہے کہ مدینہ کے قریب یہودیوں کی کچھ زمین آنحضرت ﷺ کے ہاتھ لگی' آپ نے اسے مہاجرین پر بانٹ دیا جس سے ان کی گزران کی صورت نکل آئی اور انصار پر ان کا خرچ ہلکا ہو گیا' دو سال بعد خیبر کے یہودیوں کی زمین بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی' اس سے حضرت محمد ﷺ کے سب اصحاب آسودہ ہو گئے۔ ازواجِ رسول نے جب دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں فقر و فاقہ رہتا تھا' اس کے بارے میں بعض ازواج نے رسول ﷺ سے کچھ بول چال کی' حضرت محمد ﷺ نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے' پھر مہینہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی' حضرت محمد ﷺ گھر میں آئے اور سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ ہی سے پوچھا کہ وہ مالِ دنیا لے کر رخصت ہونا چاہتی ہیں یا صحبتِ رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہیں' حضرت عائشہ نے اللہ اور رسول کی مرضی اختیار کی پھر اسی طرح سب نے۔

(تفسیر المتقین ص ۵۴۶' حاشیہ: ۲' مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی' انصاف پریس' ریلوے روڈ' لاہور)

[2] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۵

مسئلہ: اور طلاق میں تخییر (طلاق میں اختیار دینے) کا حکم یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی سے کہے "اختاری" تو (طلاق کو) اختیار کر لے اور بیوی کہہ دے: "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی اور جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو کچھ واقع نہیں ہوگا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے گی تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو پھر ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲۹- ﴿وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم نیکو کاروں کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے [ "مِنْكُنَّ" میں حرف "مِنْ" بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے ]۔

۳۰- ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو بُری حرکت کرے گی، "فَاحِشَةٍ" کا معنی ہے: قباحت و بے حیائی میں سخت بُری حرکت ﴿مُّبَيِّنَةٍ﴾ صریح جس کی بُرائی و بے حیائی ظاہر ہو [ یہ "بَيَّنَ" سے ماخوذ ہے اور بہ معنی "تَبَيَّنَ" ہے (یعنی ظاہر و عیاں) کیہ ابن کثیر مکی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "یا" مفتوح کے ساتھ (اسم مفعول) "مُّبَيَّنَةٍ" ہے ] بعض نے کہا کہ "فَاحِشَةٍ" سے مراد ازواجِ مطہرات کا رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا ہے اور بعض نے کہا: اس سے زنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس و مطہر رسول کو اس طرح کی ازواج سے معصوم و محفوظ رکھا ہے ﴿يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ﴾ اس کے لیے دوگنا عذاب دیا جائے گا [ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "نُضَعِّفْ" (باب تفعیل نون متکلم، عین مشدد مکسور اور "فا" ساکن کے ساتھ) ہے جب کہ ابو عمرو بصری، یزید اور یعقوب کی قراءت میں "يُضَعَّفْ" (باب تفعیل عین مشدد مفتوح اور "فا" ساکن فعل مضارع مجہول) ہے ] ﴿ضِعْفَيْنِ﴾ ان کے علاوہ دوسری عورتوں کی نسبت انہیں دگنا عذاب دیا جائے گا، اس لیے کہ جو کام دیگر عورتوں کے لیے قبیح و بُرا ہے، وہ ان کے لیے زیادہ قبیح و بُرا ہے، سو نافرمانی کی قباحت و بُرائی کی زیادتی، فضیلت و بزرگی کی زیادتی کے تابع ہے، لہٰذا جس قدر فضیلت و بزرگی اور شان زیادہ ہوگی، اسی قدر نافرمانی کرنے کی قباحت و بُرائی زیادہ ہوگی، اور حضور نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان کی طرح دنیا بھر کی عورتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور اس لیے جاہل و اَن پڑھ نافرمانی کرنے والے سے پڑھے لکھے علم والے کی نافرمانی کی مذمت و سزا زیادہ سخت ہے کیونکہ علم والے کی نافرمانی بے علم کی نافرمانی سے زیادہ قبیح و بُری ہے اور اس لیے آزاد کی سزا غلام کی سزا سے زیادہ ہوتی ہے اور کافر کو سنگسار نہیں کیا جائے گا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور یہ سزا یعنی ازواجِ مطہرات کی سزا کو دوگنا کر کے دینا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

الجزء ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اسے دگنا ثواب عطا کریں گے' اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہےO اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ لالچ کرے اور تم نیک بات کہوO

## ازواج مطہرات کو احکام و آداب کی تلقین

۳۱- ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی' ''القنوت'' کا معنی ہے: عاجزی کے ساتھ اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنا ﴿وَتَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور وہ نیک عمل کرتی رہے گی تو ﴿نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ ہم اسے دوگنا اجر وثواب عطا فرمائیں گے یعنی ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ثواب کا دوگنا ثواب عطا کیا جائے گا [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یُؤْتِهَا'' ہے] ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے' جلیل القدر اور بڑی شان والی روزی اور وہ جنت ہے۔

۳۲- ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اے نبی کی بیویو! تم دیگر عام عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو یعنی تم عام عورتوں کے گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کی طرح نہیں ہو' جب عورتوں کی جماعتوں کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کیا جائے تو ان میں سے کوئی گروہ فضیلت و بزرگی اور عظمت وشان میں تمہارے مساوی اور برابر نہیں[1]

[اور ''احد'' اصل میں بہ معنیٰ ''وحد'' ہے اور اصل میں ''واحد'' تھا (پھر کثرت استعمال کی وجہ سے خلاف قیاس تخفیف کے لیے واؤ کو حذف کر دیا گیا)' پھر اس کو عام نفی کے تحت استعمال کے لیے وضع کیا گیا' اس میں مذکر ومؤنث اور واحد وجمع سب مساوی ہیں] ﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ اگر تم ڈرتی ہو (یعنی) اگر تم تقویٰ و پرہیز گاری چاہتی ہو یا اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ تو تم نرمی سے بات نہ کرو یعنی جب تم پس پردہ مردوں سے بات کرو تو تم عاجزی کے ساتھ یعنی نرم و لچک دار لہجہ میں بات نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے للچا کر باتیں کرتی ہیں ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ پس جس کے دل میں غلط لالچ اور فسق و فجور کی بیماری ہو گی وہ کوئی غلط امید لگائے گا ﴿وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور تم سخت لہجہ میں بولنے کے باوجود نیک بات کہو۔

## وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سے ہر ایک زوجہ' حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل و برتر ہو حالانکہ اس طرح نہیں ہے' اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ ازواج مطہرات' امہات المؤمنین ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہونے کے شرف کی حیثیت سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں' لیکن تمام حیثیات کے اعتبار سے افضل نہیں ہیں' سو اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض دوسری حیثیات کے اعتبار سے ان میں سے ہر ایک سے افضل ہوں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے جزو ہونے کی حیثیت سے تو تمام خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۴-۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور تم پہلی جاہلیت (کے زمانہ) کے بناؤ سنگھار کی طرح بناؤ سنگھار کر کے ظاہر نہ کرو اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور وہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے O اور تم وہی یاد کرتی رہو جو تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کی باریکی کو جاننے والا (اور) ہر چیز کی حقیقت کی خبر رکھنے والا ہے O

۳۳- ﴿وَقَرْنَ﴾ اور تم ٹھہری رہو [نافع مدنی اور ھبیرہ کے علاوہ عاصم کوفی کی قراءت میں قاف مفتوح ہے اور اس کی اصل ''اِقْـرَرْنَ'' تھی' پھر پہلے راء کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور اس کا فتح اس کے ماقبل قاف کو دے دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے اسے بھی گرا دیا گیا'' قَرْنَ'' رہ گیا) یا ''قَارَ یقار'' (باب سمع یسمع) سے ماخوذ ہے جب جمع ہو جائے اور باقی قراء کی قراءت میں ''قِرْنَ'' (قاف مکسور باب ضرب یضرب سے) ہے اور ''وَقَرَ يَقِرُ وَقَارًا'' سے ماخوذ ہے یا پھر ''قَرَّ يَقِرُّ'' سے ماخوذ ہے اور اصل میں ''اِقْرِرْنَ'' تھا' پھر تکرار سے بچنے کے لیے پہلی ''رَا'' کو حذف کر دیا گیا اور اس کا کسرہ قاف پر منتقل کر دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے گرا دیا گیا)] ﴿فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں [ابوعمرو بصری' نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''بَـــا'' مضموم ہے] ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ اور تم پہلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو یعنی قدیم زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح تم اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرو' اور ''تبرّج'' کا معنی ہے کہ چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا اور چلنے کے وقت اترا کر اور اکڑ کر مٹک مٹک کر چلنا' یا اس کا معنی ہے کہ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی نمائش کرنا اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''(لَا تَبَرَّجْنَ) تَبَرُّجًا مِثْلَ تَبَرُّجِ النِّسَآءِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى'' تم اس طرح زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کرو جس طرح قدیم جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں بن سنور کر اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش کرتی تھیں' اور اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تھی یا پھر وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان میں گزرا تھا یا پھر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا زمانہ مراد ہے اور یہ جاہلیت اُولیٰ (قدیم اور پہلا دورِ جہالت) ہے اور جہالت اُخریٰ (جدید اور دوسرا دورِ جاہلیت) وہ زمانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سرورِ انبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان گزرا ہے یا پھر جاہلیت اُولیٰ سے مراد اسلام سے پہلے کفر و شرک کا زمانہ ہے اور جاہلیت اُخریٰ سے اسلام کے مبارک زمانہ میں فسق و فجور اور بدکاری و گناہ گاری کی جاہلیت مراد ہے ﴿وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہاں پہلے خصوصی طور پر نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا' پھر اطاعت کی صورت میں تمام عبادات کا عمومی طور پر حکم دیا' ایک تو اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ سب سے افضل عبادات ہیں' دوسرا اس لیے کہ جو شخص ان دونوں کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا تو یہ دونوں

ارکانِ اسلام اسے دیگر عبادات کی طرف کھینچ لے جائیں گے ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کے گناہ کی نجاست و ناپاکی کو دور رکھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں[1] اور ''عنکم'' میں ضمیر مخاطب اس لیے مذکر لائی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل پاک میں سے عورتیں اور مرد سب مراد ہیں اور ''اھل البیت'' نداء کی وجہ سے منصوب ہے کہ اصل میں ''یا اھل البیت'' ہے یا مدح کی بناء پر منصوب ہے ﴿ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴾ اور وہ تمہیں گناہوں کی نجاست سے خوب پاک صاف رکھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو بیان کیا ہے ان میں کچھ چیزوں سے ازواجِ مطہرات کو منع کیا ہے اور کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں کی نصیحت کی ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت گناہوں کا ارتکاب نہ کریں اور تا کہ تقویٰ و طہارت اور تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے گناہوں سے پرہیز کرتے رہیں اور ذنوب (گناہوں) کے لیے ''رجس'' کو اور تقویٰ کے لیے ''طہر'' کو استعمال کیا گیا کیونکہ جس طرح انسان کا بدن نجاستوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اسی طرح برائیوں کا ارتکاب کرنے والے کی عزت و آبرو بھی گناہوں سے آلودہ ہو جاتی ہے اور لیکن نیکیوں کی وجہ سے عزت و آبرو پاکیزہ ترین ہو جاتی ہے جس طرح پانی سے کپڑا پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس میں عقل مندوں کے لیے منہیات و ممنوعات اور محرمات سے نفرت دلائی گئی ہے اور امر و فرائض کے بجالانے میں انہیں ترغیب دی گئی ہے۔

۳۴- ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے (یعنی) قرآن مجید میں سے جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے اسے یاد کیا کرو ﴿ وَالْحِكْمَةِ ﴾ اور حکمت و دانائی کی باتوں کو یعنی سنت نبوی ﷺ یا قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کے بیان کو یاد کیا کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی باریکیوں کو خوب جانتا ہے ﴿ خَبِیْرًا ﴾ ان کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے یعنی (اے نبی کی پاک دامن بیبیو!) وہ تمہارے تمام افعال اور تمہارے تمام اقوال اور تمہارے تمام احوال کو خوب جانتا ہے سوتم اس کے حکم کی مخالفت اور اس کی

---

1. کیونکہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ پاک کو اہل بیت کہہ کر پکارا گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور کی ازواجِ پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ کے بعد بھی حضور کی ازواجِ پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان میں اصالۃً کسی اور کا ذکر کر دیا جائے ورنہ آیات بے ربط ہو جائیں گی لہٰذا اس جگہ ازواجِ پاک کا اہل بیت میں داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اوّلاً ان ہی سے ہے مگر چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء حضرت علی مرتضیٰ حضرت حسن مجتبیٰ حضرت حسین سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بذاتِ خود ایک چادر میں لے کر ''اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَیْتِیْ'' فرما کر اور ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ تلاوت فرما کر اہل بیت میں شامل و داخل فرمایا اس لیے یہ حضرات بھی اہل بیت میں یقیناً داخل ہیں اور فضیلت تطہیر کے مستحق ہیں اگرچہ اس قرآنی خطاب کی اوّلین مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ پاک ہیں اور چونکہ لفظ اہل بیت مذکر ہے اس لیے یہاں ضمیر مذکر لائی گئی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا: ''قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا'' اور ''لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○'' (القصص: ۲۹) اور جیسے فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ سے فرمایا تھا: ''اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ'' (ھود: ۷۳) بہر حال بیت سکنیٰ کے اعتبار سے ازواجِ مطہرات اور بیت نسب کے اعتبار سے اولاد امجاد داماد اور نواسے نواسیاں سب اس آیت مبارکہ میں داخل ہیں۔

۱۲ غوثوی

ممانعت اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچتی رہو۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ۝

## مردوں اور عورتوں کی قابلِ اعزاز خوبیاں

شانِ نزول: اور جب حضور نبی کریم ﷺ کی ازواجِ پاک کے حق میں (ان کی عظمت و شان میں اضافہ کرنے والے) اوامر و نواہی اور آداب پر مشتمل آیاتِ مبارکہ جتنی اللہ تعالیٰ نے نازل کرنی تھیں' وہ نازل فرمادیں تو مسلمانوں کی عورتوں نے کہا کہ ہماری شان میں تو کوئی آیت مبارکہ نازل نہیں ہوئی' سو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی شان میں یہ (درج ذیل) آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ مسلم وہ شخص ہے جو جنگ کے بعد سلامتی میں داخل ہو جائے' مطیع وہ شخص ہے جو سرکشی نہ کرے یا اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' اسی کی ذات اقدس پر پورا پورا بھروسا رکھے' یہی وہ شخص ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا (یعنی کامل مسلمان ہو گیا) ﴿وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول اور ان تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق و تسلیم کرنے والے مرد و خواتین جن کی تصدیق کرنا واجب و لازم ہے ﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں (یعنی) اپنے ارادوں و نیتوں میں اور اپنے اقوال و گفتار میں اور اپنے افعال و اعمال اور سیرت و کردار میں سچائی پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعات و عبادات کے بجا لانے پر اور تمام برائیوں اور تمام گناہوں سے بچنے پر صبر کرنے والے مرد و خواتین ﴿وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں (یعنی) ظاہر و باطن اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی

اختیار کرنے والے مرد وخواتین یا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حضرات وخواتین ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں' خواہ وہ صدقہ فرض ہو (جیسے زکوٰۃ' قربانی اور صدقہ فطر وغیرہ) یا نفل ہو (مسجد و مدرسہ و دیگر فلاحی کاموں پر مال و دولت خرچ کرنا) ﴿وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' خواہ فرض روزے ہوں (جیسے ماہِ رمضان اور نذر اور کفارہ کے روزے) خواہ نفلی روزے ہوں (جیسے ہر ماہ کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے اور نو دس محرم اور ہر پیر کے روزے وغیرہ وغیرہ) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو شخص ہر ہفتہ میں ایک درہم صدقہ کیا کرے گا وہ خیرات کرنے والوں میں سے (سخی) ہوگا اور جو شخص ہر مہینے میں ایام بیض (تیرہ' چودہ' پندرہ تاریخ) میں روزے رکھا کرے گا' سو وہ (ہمیشہ) روزے رکھنے والوں میں سے ہوگا ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ﴾ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد حضرات (یعنی حرام کاری' بدکاری' زنا کاری اور) ان تمام بُرے کاموں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں جو کسی صورت میں حلال نہیں ﴿وَالْحٰفِظٰتِ﴾ اور تمام حرام کاموں سے اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد (یعنی) ''سبحان اللّٰہ' الحمد للّٰہ'' اور ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور ''اللّٰہ اکبر'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد وثناء اور استحقاق عبادت اور بڑائی بیان کر کے اور قرآن مجید کی تلاوت کر کے اور علم کے حصول میں مشغول ہو کر کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو' اور معنی یہ ہے کہ ''والحافظات فروجھن'' ﴿وَالذّٰكِرٰتِ﴾ ''اللّٰہ'' (یعنی) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی عورتیں [اور چونکہ ماقبل کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے' اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس آیت کریمہ میں مؤنثات کا ذکور پر عطف کے درمیان اور ایک جوڑے کا دوسرے جوڑے پر عطف کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے کی مثال یہ ارشاد ہے: ''ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا O'' (التحریم:۵) یہ اس بات کی مثال ہے کہ دونوں جنس مختلف ہیں اور دونوں ایک حکم میں مشترک ہیں' پس ان دونوں کے درمیان عطف کا واسطہ ضروری اور لازمی ہے اور لیکن دوسرے میں صفت کا صفت پر حرف جمع کے ساتھ عطف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ان عبادات وکمالات کے جامع مردوں اور عورتوں کے لیے ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعات و عبادات اور ان کی ان خوبیوں پر مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر وثواب تیار کر رکھا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک وہ کھلم کھلا گمراہی میں بھٹک گیا O

## رسولِ خدا کے فیصلے پر کسی مسلمان کو ردِّ عمل کا اختیار نہیں

شانِ نزول: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت امیمہ کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا' جس پر حضرت زینب بنت جحش نے انکار کر دیا اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن جحش نے بھی انکار کر دیا تو یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۶۔ ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ﴾ اور کسی مسلمان مرد کے لیے (جائز نہیں) اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے (جائز) ہے یعنی کسی مسلمان مرد کے لیے صحیح اور جائز نہیں ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے بھی صحیح اور جائز نہیں ہے کہ ﴿ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا ﴾ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول یعنی جب رسول اللہ ﷺ معاملات میں سے کسی معاملہ کا فیصلہ فرما دیں تو (یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم امر کے لیے ہے' ورنہ مراد صرف حضور کا فیصلہ ہے) ﴿ أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ﴾ ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہ جائے یعنی مسلمانوں کے جس معاملے میں رسول اکرم ﷺ فیصلہ فرما دیں تو اس معاملہ میں مسلمانوں کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی مرضی استعمال کر کے جو چاہیں کریں' بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ اپنی رائے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کے تابع کر دیں اور وہ اپنے اختیار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار کے تابع کر دیں (چنانچہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی) تو ان دونوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ "رضینا یا رسول اللّٰہ" اے اللہ تعالیٰ کے محترم رسول! ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کر دیا اور آپ نے حضرت زید سے حضرت زینب کو ان کا حق مہر دلا دیا [''لَهُمْ'' میں ضمیر کو جمع کر کے لایا گیا ہے اگرچہ اس کا حق یہ تھا کہ اسے واحد لایا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکور نفی کے تحت واقع ہونے کی بناء پر عام ہو گیا ہے اور وہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کو شامل ہو گیا ہے' اس لیے ضمیر کو معنی کے لحاظ سے جمع لایا گیا ہے' لفظ کے لحاظ سے نہیں لایا گیا اور کوفیوں کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَكُونَ'' ہے ''الخيرة'' کا معنی ہے: اختیار' اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہوتا ہے] ﴿ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں بھٹک گیا ہے' سو اگر نافرمانی خدا اور رسول کے فیصلے کو ردّ کرنے اور اس کو قبول کرنے سے انکار پر مشتمل ہو گی تو یہ کفر کی گمراہی ہے اور اگر نافرمانی فیصلہ کو قبول کرنے' اس کے وجوب کا اعتقاد رکھنے کے باوجود ترکِ عمل پر مشتمل ہو گی تو یہ نافرمانی اور گناہ کی گمراہی ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾

اور جب آپ اس شخص سے فرمانے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا کہ اپنی بیوی

کو اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں اسے چھپانے لگے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے' حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہا کریں' پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں' اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے ○

## منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کے جواز کا بیان

۳۷- ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نعمت سے مالا مال کر دیا یہی وہ نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے جلیل القدر ہے ﴿وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ اور آپ نے بھی آزاد کر کے اور منہ بولا بیٹا بنا کر اس پر انعام فرمایا' سو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے اور اس کے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہے اور وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں[1]

﴿اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ﴾ تم اپنی بیوی یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس روکے رکھو اور یہ اس لیے فرمایا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح کر دیا تو اس کے بعد ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت زینب کو دیکھا تو آپ کے دل میں حضرت زینب کی محبت خود بخود داخل ہو گئی اور آپ نے فوراً فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ'' اللہ تعالیٰ پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا ہے' اور یہ کلمات آپ نے اس لیے فرمائے کہ آپ کا دل اس سے پہلے حضرت زینب کی چاہت و محبت سے بالکل خالی تھا اور آپ کے دل نے اسے کبھی نہیں چاہا تھا اور حضرت زینب نے آپ کا ''سبحان اللّٰہ'' کہنا سن لیا اور حضرت زید کی گھر واپسی پر حضرت زینب نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت زید بن حارثہ سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں حضرت زینب کی صحبت کی نفرت و کراہیت ڈال دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت زینب کی رغبت پیدا کر دی' چنانچہ حضرت زید نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک و شبہہ لاحق ہو گیا ہے؟ حضرت زید نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا' لیکن وہ اپنی خاندانی فضیلت و عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو مجھ سے بڑا خیال کرتی ہیں اور مجھے غلام سمجھ کر اپنی بڑھائی جتانے کے لیے میری تحقیر کرتی ہیں' اس کے جواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ'' کہ تم اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو' سو اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور یہ نہی تنزیہہ (کراھت) کی ہے کیونکہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ عورت کو طلاق نہ دی جائے یا یہ معنی ہے کہ (اے زید!) اللہ تعالیٰ سے ڈرو' سو تکبر اور شوہر کو دکھ دینے کی طرف نسبت کر کے حضرت زینب کی مذمت و برائی بیان نہ کرو ﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپا رہے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے یعنی آپ اپنے دل میں یہ بات چھپا رہے ہیں کہ اگر حضرت زید بن

[1] حضرت زید بن حارثہ کا مختصر تذکرہ اسی تفسیر مدارک میں سورۃ الاحزاب: ۴ کی تفسیر میں گزر چکا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں' تفصیل کے لیے تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۶' سورۃ الاحزاب: ۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حارثہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو آپ ان سے نکاح کر لیں گے اور یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ جس چیز کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل میں مخفی رکھا تھا' وہ ایک تو حضرت زینب کے ساتھ دل کی بستگی اور دوسرا حضرت زید کا حضرت زینب کو طلاق دے کر جدائی اختیار کرنے کی خواہش تھی۔[1]

﴿وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں یعنی آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ کہیں گے: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے ﴿وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہیں یعنی آپ حضرت زید سے فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جب کہ آپ نے اپنے دل میں یہ ارادہ پوشیدہ رکھا ہوا ہے کہ حضرت زید اپنی بیوی کو اپنے پاس نہ رکھے (اور طلاق دے دے تا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو) اور آپ لوگوں کی باتوں اور ان کے طعنوں سے ڈرتے ہیں' حالانکہ اس بارے میں آپ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو یہ زیادہ مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ وحی پہنچائی جاتی ہے' اس میں سے اگر آپ کچھ چھپانا چاہتے تو البتہ یہی آیت مبارکہ چھپا لیتے [''وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ'' اور ''وَتَخْشَى النَّاسَ'' اور ''وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ'' میں سب واؤ حال کے لیے ہیں] ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾ پھر جب حضرت زید نے اپنی حاجت اس سے پوری کر لی' ''الوطر'' کا معنی حاجت ہے' چنانچہ جب کوئی شخص اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے' جس میں اس کی کوئی اہمیت مطلوب ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''قضی منه وطره'' فلاں شخص نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی' اور اب معنی یہ ہوا کہ جب حضرت زینب میں حضرت زید کی کوئی حاجت باقی نہ رہی اور اس سے حضرت زید کا کوئی مطلب نہ رہا اور اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی تو ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔

مروی ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول خدا حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء

---

[1] علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا' وہ یہی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے بتا دیا تھا کہ حضرت زینب کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا جائے گا' جب حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے' لہٰذا عنقریب یہ بی بی آپ کی بیوی ہو جائے گی اور آپ اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا یہ وعدہ ضرور پورا کرے گا اور سب لوگوں پر ظاہر فرما دے گا کہ یہ آپ کی بیوی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''زَوَّجْنٰكَهَا'' کہ ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا ہے' جس کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کو اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور یہ محبت خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پیدا کر دی ہے' ورنہ آپ ایسے نہیں کہ غیر عورت سے محبت کریں کیونکہ آپ تو معصوم ہیں اور جو محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہو' وہ محبت قابل تعریف ہے' حدیث شریف میں ہے کہ ''حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَآءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ'' تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لیے محبوب بنا دی گئی ہیں' خوشبو' عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان چیزوں سے خود محبت ہوتی تو ''حُبِّبَ'' کی بجائے ''اَحْبَبْتُ'' فرماتے۔

مسئلہ: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام علیہم رحمۃ الرحمان کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے ہیں' کیونکہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان' مترجم بنام فیوض الرحمان' پارہ ۲۱' ص ۴۴ ۔ ۴۳)

نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ با اعتماد و باوثوق کسی کو نہیں پاتا' تم حضرت زینب کو میرے نکاح کا پیغام پہنچا آؤ' چنانچہ حضرت زید نے فرمایا کہ میں اس کے گھر گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں خوش خبری اور مبارک ہو کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے' پس حضرت زینب یہ خوش خبری سن کر بہت خوش ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور ان کے ساتھ شب زفاف فرمائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی پر جس قدر بہترین ولیمہ کیا' اس قدر اپنی دیگر بیویوں میں سے کسی بیوی سے شادی کے موقع پر نہیں کیا کیونکہ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور لوگوں کو روٹی اور گوشت کھلایا گیا اور یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا (جب کہ ایسے موقع پر عموماً چھوہارے اور کھجوریں کھلائی جاتی ہیں) ﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے' جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں (یعنی طلاق دے دیں) بعض نے کہا کہ "قضائے وطر" کا معنی ہے: حاجت کو پالینا اور اپنی مراد کو حاصل کر لینا ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے (یعنی) جس حکم کے نافذ کرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالیتا ہے وہ حکم ضرور لامحالہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور یہ مثال اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم نبی محترم و معظم کی حضرت زینب سے شادی ہو جانے کا ارادہ فرمالیا تو وہ ہو کر رہی۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾

نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرما دیا' اللہ تعالیٰ کا (یہ) دستور ان لوگوں میں جاری رہا جو پہلے گزر چکے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے ○ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتے' اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ○

۳۸- ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ﴾ پیغمبر خدا پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے از خود مقرر فرما دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کر دیا اور انہیں اس کا حکم دے دیا اور وہ حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کرنا مراد ہے' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عورتوں کی جتنی تعداد مقرر و مقدر فرما دی ہے' اتنی تعداد تک ان سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ﴿سُنَّةَ اللَّهِ﴾ ["سنة" اسم ہے جس کو مصدر کے قائم مقام مقرر کیا گیا ہے اور یہ "ما كان على النبی من حرج" کی تاکید ہے' جیسے عرب کا قول ہے: "تربا" اور "جندلا" مصدر کے قائم مقام اسم ہیں] گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک دستور اور طریقہ ہے' جو اس نے گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جاری و ساری رکھا ہے اور یہ کہ ان پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مباح اور جائز قرار دے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نکاح وغیرہ کے معاملہ میں وسعت و گنجائش عطا کر رکھی ہے اور ان کے نکاح میں بہت سی آزاد عورتیں ہونے کے علاوہ بہت بڑی تعداد لونڈیوں کی ہوا کرتی تھی' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں ایک سو خواتین تھیں اور تین سو لونڈیاں تھیں اور حضرت

سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں ﴿فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ﴾ ان حضرات میں جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی انبیائے کرام میں جو آپ سے پہلے گزر چکے ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا (ہر) کام ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ہر کام کا فیصلہ قطعی اور حکم یقینی ہوتا ہے [اور اس پر وقف نہیں کرنا چاہیے اگر (درج ذیل آیت) "الذين يبلغون" کو پہلے "الذين" سے بدل قرار دیا جائے تو اور اگر "الذين يبلغون" کو بدل کی بجائے محلاً مرفوع یا مدح کی بناء پر منصوب قرار دیا جائے تو پھر اس پر وقف کیا جائے گا' یعنی "هم الذين يبلغون" یا "اعني الذين يبلغون"]۔

۳۹ - ﴿الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات (لوگوں کو) پہنچاتے ہیں اور صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وتخشى الناس والله احق ان تخشاه" اور اے محبوب! آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کے معاملہ میں لوگوں کی ملامت سے ڈرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ صرف اسی سے ڈرتے رہیں' اس آیت مبارکہ میں تصریح وتوضیح کرنے کے بعد اب اس جگہ تعریض بیان فرمائی کہ انبیائے کرام تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں[1]

﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے' وہی ڈرنے والے کی کفایت فرمائے گا یا وہی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں پر محاسبہ فرمائے گا' پس وہی اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ ع
وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم

[1] دراصل انبیائے کرام علیہم السلام کو تقاضائے بشریت کے تحت وقتی طور پر خوف لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ فرعون کے دربار میں جادوگروں کے جادو کے سبب جب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگیں تو بہ تقاضائے بشریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف وڈر لاحق ہوا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ O" (طٰہٰ: ۶۸) "(اے موسیٰ!) بالکل نہ ڈرو بے شک تم ہی غالب رہو گے O"۔ نیز جب فرعون کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا' تو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام نے کہا تھا کہ "رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ O قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ O" (طٰہٰ: ۴۵-۴۶) "اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا O" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بالکل نہ ڈرو' بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' میں سنتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں O" اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: "وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ" (یوسف: ۱۳) "اور مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا" اس لیے جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہونے کا ذکر ہے وہ یہی خوف ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرنے کا ذکر ہے' وہاں شانِ نبوت اور اللہ تعالیٰ پر ان کے پختہ ایمان ویقین کا اظہار ہے۔ غوثوی مہاروی

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُہُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا کرو O اور تم صبح اور شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو O وہی تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور وہ مؤمنوں پر بہت رحم فرمانے والا ہے O جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے' اس دن ان کو سلام کہہ کر دعا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے O

## حبیبِ خدا امت کے روحانی باپ اور آخری نبی ہیں

۴۰- ﴿مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں تاکہ آپ کے درمیان اور اس آدمی کے درمیان وہی رشتہ ثابت ہو جائے' جو ایک باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان حرمت مصاہرہ (سسرالی رشتہ کی حرمت) اور حرمت نکاح کی صورت میں ثابت ہو جاتا ہے اور ''مـن رجالکم'' سے بالغ جوان مرد مراد ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بالغ نہیں تھے (نیز حسنین کریمین حقیقی نہیں مجازی بیٹے ہیں) اور آپ کے حقیقی صاحب زادے حضرت طیب و طاہر اور حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلوغت سے پہلے بچپن میں وفات پا گئے تھے ﴿وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ﴾ اور اصل میں ''ولـکـن کـان رسـول اللّٰہ'' ہے (یعنی) اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا روحانی اور معنوی باپ ہوتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ امت پر اپنے نبی اور رسول کی تعظیم و توقیر اور اس کا ادب و احترام اور اطاعت واجب و لازم ہوتی ہے اور رسول پر اپنی امت کی نصیحت و خیر خواہی اور شفقت و رحمت واجب ہوتی ہے' باقی احکام میں نہیں جو باپ اور بیٹوں میں ثابت ہوتے ہیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے انہیں مردوں میں سے ایک مرد ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اولاد نہیں ہیں' سو اس لیے حضرت زید کا حکم وہی ہوگا جو تمہارا حکم ہے اور متبنّٰی ہونا محض اختصاص اور قرب کی وجہ سے منہ بولا بیٹا کہلاتا ہے ورنہ وہ نہ حقیقی بیٹا بن جاتا ہے اور نہ اس کا نسب سے کوئی تعلق ہوتا ہے ﴿وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ ''خَاتَمَ''[1] عاصم کی قراءت میں ''تا'' پر فتح (زبر) ہے' بہ معنی تابع یعنی ان سب (نبیوں) کے آخر میں آنے والا' مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی شخص اب نبی نہیں بنے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے

[1] واضح رہے کہ لغت کی بعض کتب میں ''خـاتم'' کا معنی مہر لگانا بھی لکھا ہے' جس سے منکرین ختم نبوت یہ معنی مراد لے لیتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر لگانے والے ہیں' آپ نے جس پر مہر لگا دی وہی نبی ہوگا اور جس پر آپ نے مہر نہیں لگائی وہ نبی نہیں بن سکے گا' حالانکہ یہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے اور صحیح معنی یہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا' لیکن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا اور اس پر ختم نبوت کی مہر لگا کر باب نبوت بند کر دیا گیا تاکہ کوئی کذاب و دجال اور مکار و عیار فریبی شخص نبوت کا دعویٰ کر کے اس میں داخل نہ ہو سکے' پھر قرآن مجید میں جہاں ''ختم'' کا معنی مہر لگانا ہوتا ہے' وہاں ''ختم'' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے نبوت عطا کی گئی تھی (اس لیے ان کے دوبارہ دنیا میں آنے سے ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا' نیز) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے تو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے' گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے [اور حضرت عاصم کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''خـاتِـم'' میں ''تـا'' مکسور (زیر) ہے بہ معنی تابع (آخر میں آنے والا) اور یہ ختم کا اسم فاعل ہے اور اس کی تقویت اور تائید وتصدیق حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس (درج ذیل) قراءت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کا کلمہ صرف ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ'' (البقرہ:۷) ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے'' نیز فرمایا: ''اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ'' (یٰسین:۶۵) ''ہم اس دن (قیامت میں) ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ'' (الشوریٰ:۲۴) ''سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہارے دل پر مہر لگا دیتا''۔ قارئین کرام! اختصار کے پیش نظر مزید صرف تین آیات' چند احادیث اور چند اقوال مفسرین تحریر کیے جاتے ہیں:

(۱) ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تمہارے اوپر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا''۔ دین مکمل' نعمت مکمل اور اسلام پر رضائے الٰہی کا واضح اظہار رسول اکرم ﷺ کے آخری نبی اور آخری رسول ہونے کا اعلان ہے کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی' اس لیے کہ احکام الٰہی مکمل ہو گئے کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا جب آپ کا دین نامکمل ہوتا اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی رہ گئی ہوتی تو اس کی تکمیل کے لیے اور نبی کو بھیجا جاتا' لیکن جب دین مکمل ہو گیا' نعمت تمام ہو گئی اور دین اسلام کو پسند کر لیا گیا تو اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) ''(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت سے لے کر قیامت تک تمام انسانوں کے فقط آپ رسول ہیں' لہٰذا اگر آپ کے بعد نبوت کا اجراء جائز وممکن مانا جائے تو پھر آپ تمام انسانوں کے رسول نہیں ہوں گے' حالانکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ نبوت کا اجراء ناممکن ومحال ہے۔

(۳) ''وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝'' (الانبیاء:۱۰۷) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے ۝''۔ یاد رہے کہ ہر نبی اپنی اپنی امت کے لیے مشفق ومہربان اور رحمت ہوتا ہے اور تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بن کر آنے والی فقط حضور سیّد عالم ﷺ کی ذات بابرکات ہے' لہٰذا اب اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ممکن مانا جائے تو آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے کیونکہ جس قوم کا کوئی اور نبی ہوگا' وہی اس قوم کے لیے رحمت ہوگا حالانکہ یہ اس آیت مبارکہ کے خلاف ہے' اس لیے آپ کے بعد نبی کا آنا ناممکن ومحال ہے۔

**ختم نبوت کے متعلق احادیث مبارکہ**

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هل لا وضعت هذه اللبنة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین''۔ (بخاری کتاب الفتن' باب خاتم النبیین' رقم الحدیث:۳۵۳۵' تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۴۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو جاتی ہے: ''وَلٰكِنْ نَبِيًّا خَتَمَ النَّبِيِّينَ'' اور لیکن آپ نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ نبوت ختم فرمادیا] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' لبنان' لباب التاویل عرف خازن ج ۳ ص ۵۰۳ تا ۵۰۴' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۵۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس کو بہت حسین و جمیل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ ایک کونے میں چھوڑ دی' سو لوگ اس گھر کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہاں یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ سو میں وہ اینٹ ہوں (جس سے ایوانِ نبوت کی تکمیل ہوگئی ہے) اور میں تمام نبیوں کے بعد آخری نبی ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**فضّلت على الانبياء بستٍّ اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجدا وطهورا وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون**'' (مشکوٰۃ ص ۵۱۲' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' بحوالہ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳) ''مجھے تمام انبیائے کرام پر چھ خوبیوں کی وجہ سے فضیلت و برتری عطا کی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ میں بے شمار معانی بیان کرنے کی قوت) عطا کی گئی (۲) اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی (۳) اور میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کیے گئے (۴) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنادیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے''۔

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''**انت منّى بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبى بعدى**'' ''میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۳' متفق علیہ باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا' آپ نے فرمایا: ''**ان لى اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحى الذى يمحوا الله بى الكفر وانا الحاشر الذى يحشر الناس على قدمى وانا العاقب الذى ليس بعده نبىٌّ**'' (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۵' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل ص ۵۰۴' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ص ۳۵۱' ج ۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) ' بے شک میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میں احمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹادے گا اور میں وہ حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر اٹھایا جائے گا اور میں وہ عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا''۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث نبوی بیان کی' جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**وانه سيكون فى امتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبىّ الله وانا خاتم النبيين لا نبىّ بعدى**'' (مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل ثانی ص ۴۶۵' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' رواہ ابوداؤد کتاب الفتن' والترمذی) ''اور بے شک عنقریب میری امت میں تیس کذاب (بہت جھوٹ بولنے والے) ہوں گے' ان میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے حالانکہ میں تمام نبیوں کے آخر میں آنے والا (خاتم النبیین) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

(۶) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**لو كان بعدى نبىٌّ لكان عمر بن الخطاب**'' (مشکوٰۃ باب مناقب عمر' فصل ثانی ص ۵۵۸' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' رواہ الترمذی' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح بیان کرنے کا حکم

۴۱'۴۲ - ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو (یعنی) حمد و ثناء کی جتنی اقسام ہیں ان سب کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی توصیف و تعریف' عظمت و شان اور خوبیاں بیان کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رقم الحدیث: ۳۶۸۶' الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۶۹' مطبوعہ مکتبۃ النوریہ الرضویہ)'' بہ فرض محال اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو البتہ (حضرت) عمر بن خطاب ہوتے''۔

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی'' (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)'' بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا''۔

(۸) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اول شافع و مشفع ولا فخر'' (رواہ الدارمی' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین' فصل ثانی ص ۵۱۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)'' میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں' اور میں خاتم النبیین (سب نبیوں کے آخر میں آنے والا) ہوں اور فخر نہیں' اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے اور فخر نہیں''۔

(۹) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انی عند اللّٰه مکتوب خاتم النبیین وانّ 'ادم لمنجدل فی طینته وساخبركم باول امری دعوة ابراهیم وبشارة عیسی ورویا امی الّتی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام'' (رواہ فی شرح السنۃ ورواہ احمد عن ابی امامۃ' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی ص ۵۱۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)'' بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین (سب سے آخری نبی) لکھا جا چکا تھا حالانکہ اس وقت حضرت آدم مٹی میں گوندھے جا رہے تھے اور میں تمہیں اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں' حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور بے شک ان کے لیے ایک نور برآمد ہوا جس سے ان کے لیے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے''۔

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''كنت اول النبیین فی الخلق واخرهم فی البعث'' (تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۸۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۱' ص ۹۷' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)'' میں تخلیق و پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے ہوں اور اعلانِ نبوت میں سب سے آخری نبی ہوں''۔

### ختم نبوت کے متعلق مفسرین کے چند اقوال

(۱) علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''فقد اخبر اللّٰه تعالٰی فی كتابه ورسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی السنة المتواترة عنه انه لانبی بعده لیعلموا ان كل من ادعٰی هذا المقام بعده فهو كذّاب افّاك دجّال ضالٌّ ومضلٌّ'' ''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں' تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا' وہ کذاب ہے' جھوٹا ہے دجال ہے' گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یاد کرو اور تم اسے بہت کثرت سے یاد کیا کرو ﴿وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ اور تم صبح و شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو''بکرۃ'' کا معنی ہے: دن کا آغاز اور شروع (یعنی صبح) اور''اصیل'' کا معنی ہے: دن کا آخر (یعنی شام)' ان دو اوقات کا خصوصیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سیّد محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی (ص ۴۱' الجزء الثانی والعشرون' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

''وكونه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصرحت به السنة واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان اصرّ'' یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین (سب سے آخری نبی) ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح و توضیح قرآن و سنت نے کی ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے' پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا' وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس دعویٰ پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) علامہ ابن الحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ' اپنی تفسیر بحر محیط میں رقم طراز ہیں:

''ومن ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع او الى ان الولى افضل من النبى فهو زنديق يجب قتله وقد ادّعى ناس النبوة فقتلهم المسلمون على ذالك وكان فى عصرنا شخص من الفقراء ادّعى النبوة بمدينة ما لقه فقتله السلطان بن الاحمر ملك الاندلس بغرناطة وصلب حتى تناثر لحمه'' یعنی جس شخص کا نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا' اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے' آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا' مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا' ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا۔ وہ اسی حال میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۷۲۔۷۳)

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:

جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے' اس لیے کہ وہ اپنے اس جھوٹے دعویٰ میں نص قطعی کا منکر ہے' اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے' وہ بھی کافر ہے' اس لیے کہ حق اور باطل کا فرق اور امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو آدمی اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہو گا وہ کافر ہے' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لا نبی بعدی''۔ (تفسیر روح البیان ص ۶۸' پارہ: ۲۲' مترجم' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

## ختم نبوت کے متعلق فقہاء اسلام کے چند اقوال

درج ذیل فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یا آپ کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے' وہ کافر ہے اور جو اس کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے' (الف) امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ (ب) قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ (ج) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ (د) علامہ سلطان محمد القاری الحنفی متوفی ۱۰۱۴ (ھ) علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی ۷۵۴ھ (و) علامہ محمد الشربینی الشافعی (ز) علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ۔ ان کے اقوال کی تفصیل تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۴۷۱ تا ۴۷۲' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ان دو اوقات میں جمع ہو جاتے ہیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم (صبح وشام) کہا کرو: "سبحان الله" اور "الحمد لله" اور "الله اكبر" اور "لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم" اور یہ دونوں فعل یعنی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور اس کی تسبیح بیان کرنا' صبح اور شام کے اوقات کی طرف متوجہ کیے گئے ہیں' جیسے تمہارا یہ کہنا کہ "صم وصل يوم الجمعة" جمعۃ المبارک کے دن روزہ رکھ اور نماز پڑھ' اور تسبیح بیان کرنا بھی ذکر خدا کی ایک قسم ہے' لیکن جس طرح تمام فرشتوں میں سے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے ذکر کو ان کی فضیلت کی بناء پر مخصوص کیا جاتا ہے' اسی طرح ذکر الٰہی کی تمام اقسام میں سے تسبیح کے ذکر کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ ذکر کی تمام اقسام پر تسبیح کی فضیلت ظاہر کی جائے کیونکہ تسبیح کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ان تمام صفات سے پاک ثابت کیا جائے جو اس کی شایانِ شان نہیں اور نہ وہ اس کی ذاتِ اقدس پر جائز ہو سکتی ہیں' پھر اس تسبیح کے لیے "بكرة" اور "اصيلا" کے اوقات مقرر و مخصوص کیے گئے اور "بكرة" سے نمازِ فجر مراد ہے اور "اصيلا" سے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں یا پھر "بكرة" سے فجر کی نماز اور "اصيلا" سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

## مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان

٤٣- ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) ہے جو تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں) جب نمازی کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے رکوع اور سجود میں جھک جاتا ہے تو یہ کلمہ بطور مستعار ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے غیر پر شفقت و مہربانی کرنے کے لیے جھک جاتا ہے' جیسے عیادت کرنے والا بیمار پر شفقت کرتے ہوئے اس پر جھک جاتا ہے اور عورت اپنے بچے پر شفقت و رحمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس پر جھک جاتی ہے' پھر یہ کثرت سے بولا جانے لگا' یہاں تک کہ یہ رحمت و مہربانی اور "رافت" کے معنی میں استعمال کیا گیا' اور اسی معنی میں اہل عرب کا یہ قول بولا جاتا ہے: "صلى الله عليك" یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم و کرم اور مہربانی فرمائے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے لیے دعائے رحمت کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ "اللهم صل على المؤمنين" یعنی اے اللہ! تو مسلمانوں پر رحم فرما۔ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو اس لیے صلوٰۃ یعنی رحمت بھیجنے والا قرار دیا گیا ہے کہ وہ مستجاب الدعوۃ (مقبول دعا والے) ہیں' گویا وہ رحمت و مہربانی کرنے والے ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم و کرم فرماتا ہے اور تم پر مہربانی کرتا ہے کہ تمہیں خیر و بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور وہ تمہیں کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نماز پڑھنے اور عبادت و اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے (یعنی) گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر عبادات و اطاعت کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بے حد مہربان ہے اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ سے رحمت مراد ہے۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سورت احزاب کی (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ "إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" (الاحزاب:٥٦) "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں" تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرف و خیر عطا فرمایا' اس میں ہمیں بھی شریک رکھا ماسوا اس شرف و کرم کے' سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما دی۔

۴۴- ﴿تَحِيَّتُهُمْ﴾ ان کی دعا (یعنی) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعا [اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے] ﴿يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ﴾ جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کا جس دن دیدار کریں گے ﴿سَلٰمٌ﴾ سلام کہنا ہوگا (یعنی) اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنوں کو دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: "السلام علیکم" تم سب پر سلام ہو ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر وثواب تیار کر رکھا ہے یعنی جنت۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور (جنت کی) خوش خبری سنانے والا اور (جہنم سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) O اور مؤمنوں کو خوش خبری سنا دیجئے کہ بے شک ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے O اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے اور آپ ان کی ایذاء رسانی پر انہیں چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں' اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے O

## شانِ مصطفےٰ کا بیان

۴۵- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾[1] اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ان تمام افرادِ امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف آپ کو نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان کی تکذیب پر اور ان کی تصدیق پر آپ کو گواہ بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی گواہی اور آپ کی بات امت کے حق میں اور امت کے خلاف دونوں صورتوں میں ہر حال میں قبول کی

[1] واضح رہے کہ "شاھد" کا معنی حاضر وناظر بھی ہے اور گواہی دینے والا بھی ہے' کیونکہ "شاھد" کا لفظ "شھود" اور "شھادۃ" سے مشتق ہے اور امام راغب اصفہانی ان کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشھود والشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ" "اما بالبصر او البصیرۃ" "شھود" اور "شھادۃ" کا معنی ہے: حاضر ہونا بمع مشاہدہ (دیکھنے) کے خواہ وہ دیکھنا آنکھوں کی بینائی سے ہو یا بصیرت (قلبی آنکھ) کے نور سے ہو۔ (مفردات عربی ج ۲ ص ۲۷۷' مطبوعہ مصر) اس معنی کے بیان سے واضح ہو گیا کہ "شاھد" کے معنی میں حاضر ہونا اور مشاہدہ (دیکھنا) دونوں چیزیں داخل ہیں' اس لیے "شاھد" کا معنی حاضر وناظر اور گواہی دینے والا دونوں صحیح ہیں' کیونکہ "شاھد" (گواہی دینے والا) موقع پر حاضر وموجود بھی ہوتا ہے اور موقع کا ناظر ومشاہدہ کرنے والا بھی ہوتا ہے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گواہ ہونا چار وجوہ کی بناء پر ہے:

(۱) آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات وصفات کے شاہد ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ O" (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے O اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے O اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے O اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے O

(۲) آپ اپنی امت اور انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (البقرہ: ۱۴۳) "اور رسول تم پر گواہ ہوں گے" نیز ارشاد ہے: "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا O" (النساء: ۴۱) "سو اس وقت کیا حالت ہوگی جب ہم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گی' جیسا کہ ایک عادل ومنصف کی بات وگواہی مقدمہ کے فیصلہ میں قبول کی جاتی ہے [اور ''شَاهِدًا'' حال مقدر ہے' جیسے ''مررتُ برجل معه صقر صائلًا به غدًا'' میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جس کے ساتھ شکرا تھا' وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا] یعنی شکرے کے ساتھ شکار کرنا ابھی مقدر ومخفی ہے' جس کا ظہور کل شکار کے وقت ہوگا (لہٰذا آپ کو شاہد وگواہ تو بنادیا گیا ہے مگر آپ کی شہادت وگواہی ابھی مقدر ومخفی ہے' اس کا اظہار قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب آپ گواہی دیں گے) ﴿وَمُبَشِّرًا﴾ ''للمؤمنین بالجنة'' اور (ہم نے آپ کو) مسلمانوں کے لیے جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر (بھیجا ہے) ﴿وَنَذِيرًا﴾ ''للکافرین بالنار'' اور کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر (بھیجا ہے)۔

۴٦- ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے دعوت دینے والے ہیں (یعنی) اس کے حکم اور اس کی توفیق سے [اور یہ سب حال کی بناء پر منصوب ہیں] ﴿وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ اور روشن چراغ ہیں' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے شرک کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید کی راہیں روشن کر دیں اور اس کے ذریعے گمراہوں نے ہدایت پائی' جیسا کہ رات کی تاریکیاں روشن چراغ سے جگمگا پڑتی ہیں اور اس کے سبب راہِ راست حاصل کی جاتی ہے اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ ''سراجًا منیرًا'' سے مراد قرآن مجید ہے مگر اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''وذا سراج منیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہر ایک امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O''۔

(۳) آپ نے دنیا میں احوالِ آخرت یعنی جنت ودوزخ اور میزان وپل صراط وغیرہم کی گواہی دی۔

(۴) آپ آخرت میں احوالِ دنیا یعنی نیکی وبدی' اطاعت ونافرمانی اور اصلاح وفساد' خیر وشر کی گواہی دیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۸۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۹۷۸ء)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر وناظر ہونے کی توضیح

صوفیائے کرام اور بعض علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر وناظر ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسد اصلی اور اپنے معروف ومخصوص تشخص کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں' حتیٰ کہ کوئی معاند ومخالف یہ کہے کہ جب تم کرسی پر بیٹھو تو بتاؤ کرسی کے نیچے رسول اللہ ﷺ ہیں یا نہیں ہیں' اگر آپ کرسی کے نیچے نہیں ہیں تو ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں اور اگر کرسی کے نیچے ہیں تو تم بڑے بے ادب اور گستاخ ہو کہ حضور کرسی کے نیچے ہیں اور تم کرسی کے اوپر بیٹھے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر وناظر کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے جسم اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ بعینہٖ ہر جگہ موجود ہیں بلکہ آپ اپنے جسد اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ اپنے روضۂ انور میں جلوہ فرما ہیں اور وہاں آپ کے مختلف اشغال ہیں' آپ قبر منور میں نماز پڑھتے ہیں' تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں' صفاتِ باری کا مطالعہ کرتے ہیں' زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں' ان کی درخواستوں پر توجہ فرماتے ہیں' ان کے لیے دعا فرماتے ہیں اور ان کی شفاعت کرتے ہیں' آپ پر اعمالِ امت پیش کیے جاتے ہیں' آپ نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں' کائنات ملاحظہ فرماتے ہیں اور جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں' جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں' بعض اوقات کسی کی عیادت فرماتے ہیں' کسی کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں' کسی ستم رسیدہ کی مدد کرتے ہیں' کسی کو حدیث پڑھاتے ہیں' کسی کو فقہی مسئلہ بتاتے ہیں اور کسی کو محض اپنے جمال دل نواز سے شاد کام کرتے ہیں اور اگر آپ ایک وقت میں متعدد جگہ جانا چاہیں تو بہ یک وقت متعدد جگہ جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۴۸ تا ۷۴۹)

نوٹ: مسئلہ حاضر وناظر کی مدلل ومفصل تحقیق ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۴۷ تا ۷۶۲' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور

او تالیا سراجًا منیرًا'' اور روشن چراغ والے یا روشن چراغ کی تلاوت کرنے والے اور ''سراج'' کو ''منیر'' کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چراغ کا تیل جب کم ہو جاتا ہے اور اس کی بٹی ہوئی بتی باریک ہو جاتی ہے تو پھر وہ روشنی نہیں دیتا' یا اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ہماری وحدانیت کی گواہی دینے والے اور ہماری رحمت کی خوش خبری سنانے والے اور ہمارے غضب و ناراضگی سے ڈرانے والے اور ہماری عبادت کی طرف (لوگوں کو) بلانے والے اور روشن چراغ یعنی آپ ہماری ذاتِ بابرکات کے لیے روشن حجت اور واضح دلیل ہیں۔

۴۷- ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴾ اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوش خبری سنا دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بہت بڑا فضل ہے (یعنی) بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

۴۸- ﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کفار و منافقین کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے۔ اس نہی سے مراد کفار سے اجتناب کرنے پر برانگیختہ کرنا اور اسی اجتناب کی حالت پر جس پر پہلے سے گامزن ہیں' اسی پر آپ کو قائم و دائم اور ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے ﴿ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ﴾ اور آپ ان کی ایذاء کو چھوڑ دیجئے۔ یہ ایذاء اور تکلیف دینے کے معنی میں ہے' پس اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی کفار و منافقین آپ کو جو ایذاء اور تکلیف دیتے ہیں' آپ اس کو ایک طرف کر دیجئے اور آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کیجئے اور نہ آپ ان کی ایذاء سے خوف زدہ ہوں۔ (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) یا یہ مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کفار و منافقین کی کارروائیوں کا انتقام لینے کے لیے آپ ان کو ایذاء پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیجئے ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اسی پر بھروسا رکھیے' کیونکہ وہی ان کے مقابلے میں آپ کی کفایت کرے گا ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اور اس معاملہ میں وہی کفایت کرے گا' تمام اُمور اسی کی طرف سپرد کیے گئے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ صفات کے ساتھ متصف فرمایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں آپ کو مناسب خطاب کے ساتھ مخاطب فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شاہد کے مقابلے میں آپ کو اپنے ارشاد ''بشر المؤمنین'' کے ساتھ مخاطب فرمایا کیونکہ آپ اپنی امت پر گواہ ہیں اور وہ باقی تمام سابقہ امتوں پر گواہ ہوں گے اور یہ بہت بڑا فضل ہے اور ''مبشرًا'' کے مقابلے میں کفار و منافقین سے اعراض کرنے کو بیان فرمایا کیونکہ جب آپ ان سے اعراض کریں گے تو آپ کی تمام تر توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہو جائے گی اور یہ بشارت و خوش خبری کے مناسب ہے اور ''نذیرًا'' کے مقابلے میں ''وَدَعْ اَذٰھُمْ'' کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ فی الحال ان کی ایذاء کو ترک کر دیں گے اور آپ کو ایذاء پہنچانے پر جلد یا بہ دیر عذاب کا آنا ضروری ہے تو کفار و منافقین کو ایذاء پہنچانے پر مستقبل کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور ''داعیا الی اللہ باذنہ'' کے مقابلے میں آپ کو ''وتوکل علی اللہ'' کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر بھروسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ پر ہر مشکل کو آسان کر دے گا اور ''سراجًا منیرًا'' کے مقابلے میں ''کفٰی باللہ وکیلا'' کو بیان فرمایا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے برہان بنا کر منور کر دیتا ہے' وہ اس لائق ہے کہ وہ تمام مخلوق کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ کے وکیل و کارساز ہونے پر اکتفاء کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرلو' پھر تم ان سے صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو' سو تم انہیں کچھ فائدہ مند چیزیں دے دو اور تم انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دو○

## غیر مدخولہ مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں

۴۹- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو یعنی شادی کرو' اور ''نکاح'' کا معنی اصل میں جماع کرنا ہے اور عقد شادی کا نام نکاح رکھنا محض ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے' کیونکہ یہ عقد ہی نکاح کے مقصد تک پہنچنے کا راستہ ہے جیسا کہ شراب کا نام گناہ رکھا جاتا ہے کیونکہ شراب گناہ کا سبب ہے اور جیسا کہ راجز کا قول ہے: ''اسمنة الأبال فی سحابه'' اونٹوں کا موٹاپا اور ان کی کوہانوں کا بلند ہونا اس کے تالاب کے پانی کی وجہ سے ہے۔ یہاں اونٹوں کے موٹاپے کو پانی کا نام دیا گیا ہے کیونکہ پانی اونٹوں کے موٹاپے اور کوہانوں کے بلند ہونے کا سبب ہے اور قرآن مجید میں ''نکاح'' کے لفظ سے صرف عقد کا معنی مراد ہوتا ہے کیونکہ جماع کے معنی سے اس کی تجرید ہو جاتی ہے جب کہ قرآن کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ جماع کے لیے بطور کنایہ لفظ ''ملامسة و مماسّة'' (ہاتھ لگانا اور چھونا) اور ''قربان'' (میاں بیوی کی قربت) اور ''تغشی'' (ڈھانپنا) اور ''اتیان'' (پاس آنا) استعمال کیے گئے ہیں اور ''مؤمنات'' کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان مرد کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسلمان عورت سے نکاح کرے' اگرچہ اہل کتاب خواتین اس حکم میں مسلمان عورتوں کے مساوی ہیں ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ پھر تم ان کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو (یعنی) خلوتِ صحیحہ سے پہلے جیسے منکوحہ کو ہاتھ لگانا اور چھونا (یا میاں بیوی کا تنہائی میں رہنا) ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ﴾ سو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم گنا کرو' اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں پر عدت گزارنا واجب و لازم ہے اور ''تَعْتَدُّوْنَهَا'' کا معنی ہے کہ تم اس کی گنتی پوری کرو (جب تین حیض ختم ہو جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی) [یہ ''تفتعلون'' کے وزن پر باب افتعال ''عَدٌّ'' سے مشتق ہے] ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ سو تم انہیں کچھ فائدے کی چیزیں دے دو اور ''متعه'' اس عورت کو دینا واجب ہے جس کو خاوند نے اس کے ساتھ ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی ہو' اس کے علاوہ کے لیے نہیں ﴿وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ اور تم انہیں اچھے طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور تم انہیں محض نقصان پہنچانے کے لیے روک کر نہ رکھو اور تم انہیں اپنے گھروں سے نکال دو کیونکہ تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کی وہ بیویاں آپ کے لیے حلال کر دیں ہیں جن کو آپ حق مہر ادا کر چکے ہیں اور آپ کی مملوکہ کنیزیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں عطا فرمائیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور مسلمان عورت اگر وہ اپنی جان نبی کریم کے لیے نذر کر دے اگر نبی کریم اس سے نکاح کرنا چاہیں' یہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں' بے شک ہمیں وہ سب کچھ معلوم ہے جو ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے حق میں ان پر فرض کر دیا ہے (اور یہ خصوصی اجازت آپ کے لیے صرف اس لیے ہے) تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے○

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نکاح کی خصوصی اجازت

۵۰- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ اے نبی! (غیب کی خبریں سنانے والے) بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کو آپ ان کی اجرت (یعنی) ان کے حق مہر ادا کر چکے ہیں کیونکہ مہر بضع (مباشرت وغیرہ) کی اجرت ہے اور اس لیے علامہ کرخی حنفی نے کہا کہ بے شک لفظ اجرت کے ساتھ نکاح جائز ہے اور ہمارا (جمہور احناف کا) جواب یہ ہے کہ نکاح کی شرط دوام ہمیشگی ہے اور اجرت کی شرط مقرر ومعین وقت ہے اور ان دونوں کے درمیان تضاد ہے اور ''ایتاؤھا'' کا معنی ہے: عورتوں کو ان کا حق مہر نقدا ادا کرنا یا اس کو عقدِ نکاح میں فرض و مقرر کرنا اور اس کی مقدار کا نام لینا ہے ﴿وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾ اور وہ کنیزیں جو آپ کے دائیں ہاتھ مبارک کی ملکیت میں آ چکیں' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ غنیمت میں سے عطا فرمائی ہیں اور وہ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا اور پھر ان سے شادی کر لی ﴿وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور ''مع'' اقتران واتصال کے لیے نہیں بلکہ ان کی موجودگی کے لیے ہے' بس جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○'' (النمل:۴۴) ''اور میں نے حضرت سلیمان کے ساتھ تمام جہانوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام کو قبول کر لیا ہے○''۔

اور حضرت ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا' سو میں نے (کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے) معذرت پیش کی تو آپ نے میری معذرت قبول فرمالی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

مبارکہ نازل فرمائی جس میں چچازاد' پھوپھی زاد' ماموں زاد اور خالہ زاد میں سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی' نکاح حلال کر دیا مگر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی[1] ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ اور مسلمان عورت اگر اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے ہبہ (نذر) کر دے' یعنی ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورتوں میں سے وہ عورت بھی حلال کر دی ہے جس کے دل میں یہ خیال واقع ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرے اور حق مہر کا مطالبہ نہ کرے' اگر آپ اس سے متفق ہو جائیں [اور اس لیے اسے نکرہ بیان کیا گیا ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ مستقبل کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ان ازواج میں سے آپ کے پاس کوئی زوجہ محترمہ ہبہ سے نہیں آئی تھی' بعض اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے ہبہ کرنے والی حضرت میمونہ بنت حارث یا حضرت زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھی [اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذف لام کی تقدیر پر تعلیل کی بناء پر ''ان'' کو مفتوح پڑھا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر ''ان'' کے پڑھا ہے] ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا﴾ اگر حضور نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ ''استنکح'' کا معنی ہے: نکاح کی طلب و خواہش اور اس میں رغبت جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ ''نکح'' اور ''استنکح'' کا ایک معنی ہے اور دوسری شرط پہلی شرط کی تقیید ہے' مطلب یہ ہے کہ نکاح حلال ہونے میں عورت کا اپنے آپ کو ہبہ کرنا شرط ہے اور ہبہ میں رسول اکرم ﷺ کے نکاح کی طلب و رغبت شرط ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورت کو حلال کر دیا ہے' اگر وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کر دے اور آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں' کیونکہ حضور کا اس کو چاہنا ہبہ کو قبول کرنا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح جائز ہے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت احکام میں یکساں ہیں' ماسوا ان احکام کے جن کو دلیل شرعی نے آپ کے لیے مخصوص کر دیا ہو ﴿خَالِصَةً﴾ بغیر مہر کے [یہ ''وھبت'' کی ضمیر سے حال ہے یا پھر مصدر مؤکد ہے یعنی جو عورتیں ہم نے آپ کے لیے حلال قرار دیں ہیں وہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے' ''خالصة'' بہ معنی خلوص ہے اور مصادر میں ''فاعلة'' کا وزن غیر مقبول ہے جیسے ''عافية'' اور ''كاذبة''] ﴿لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف آپ کے لیے دوسرے مسلمانوں کے لیے نہیں' بلکہ آپ کے علاوہ باقی سب کے لیے حق مہر ادا کرنا واجب ہے اگر چہ نام لے کر مقرر نہ بھی کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ﴾ اگر نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ اس ارشاد میں خطاب سے غائب کی طرف عدول ہے پھر (''لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ'' میں) خطاب کی طرف رجوع ہے تا کہ یہ اعلان کیا جائے کہ بے شک یہ اختصاص نبوت کی وجہ سے آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور اس کو مکرر بیان کرنا بھی آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ﴾ بے شک ہمیں وہ معلوم ہے جو ہم نے ان (مردوں) پر ان کی بیویوں کے حق میں فرض کر دیا ہے یعنی جو مہور ہم نے آپ کی امت پر ان کی بیویوں کے بارے میں واجب و لازم کر دیئے ہیں یا ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے جو حقوق واجب کر دیئے ہیں (وہ ہمیں خوب معلوم ہیں) ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ اور وہ کنیزیں جو خرید وغیرہ حصول ملک کے طریقوں سے ان کی ملکیت میں آ چکی ہیں ﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ تا کہ (اے محبوب!) آپ پر کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو' ''حرج'' بہ معنی ''ضيق'' یعنی تنگی ہے' پھر یہ ارشادِ باری تعالیٰ سابق کلام (خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کے ساتھ متصل ہے اور ارشاد (قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۴

اِیْمَانُھُمْ) جملہ معترضہ ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ (تنگی کی حالت میں) اپنے بندوں کو وسعت عطا فرما کر بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

| |
|---|
| تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ |
| فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ |
| اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝۵۱ لَا یَحِلُّ |
| لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ |
| حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ۝۵۲ |

ع ۴

(اے محبوب!) آپ ان میں سے جس کو چاہیں دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں' اور جس کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اس کو آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں' یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور وہ سب اس پر راضی رہیں جو کچھ آپ نے انہیں عطا کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت حلم والا ہےO اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے میں اور بیویاں تبدیل کر لیں اور اگر چہ ان کا حسن و جمال آپ کو بہت پسند ہو ماسوا ان کنیزوں کے جو آپ کی ملکیت میں آ جائیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہےO

۵۱- ﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ﴾ آپ ان (ازواجِ مطہرات) میں سے جس کو چاہیں پیچھے ہٹا دیں اور مؤخر کر دیں [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' خلف اور حفص کی قراءت میں "تُرْجِی" یا ساکن بغیر ہمزہ کے ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "تُرْجِئُ" ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے] ﴿وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ اور آپ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے ساتھ ملا لیں' یعنی آپ ان میں سے جس کا بستر چاہیں چھوڑ دیں اور آپ جس کو چاہیں اس کے ساتھ ہم بستر ہو جائیں یا آپ جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس روک کے رکھیں یا آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں باری مقرر کر دیں اور جس کے لیے چاہیں اس کی باری مقرر نہ کریں یا آپ اپنی امت کی عورتوں میں جس کے ساتھ چاہیں شادی نہ کریں اور جس کے ساتھ چاہیں شادی کر لیں اور یہ ارشاد اصل غرض کا جامع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا تو طلاق دیں گے اور یا روک کے رکھیں گے' پھر جب آپ روک لیں گے تو اس کے ساتھ ہم بستر ہوں گے یا اس کے بستر پر جانا ترک کر دیں گے اور آپ باری مقرر کریں گے یا باری مقرر نہیں کریں گے اور جب آپ طلاق دے دیں گے اور اپنے پاس سے دور کر دیں گے تو پھر یا تو اس مطلقہ معزولہ کو الگ کر کے اسے طلب نہیں کریں گے' یا اسے طلب کر لیں گے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ان میں سے جن کو دور کر دیا تھا' وہ حضرت جویریہ' حضرت سودہ' حضرت صفیہ' حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں' سو آپ ان ازواجِ مطہرات کے لیے جو چاہتے اور جیسا چاہتے باری مقرر کر لیتے' اور جن بیویوں کو آپ نے اپنے پاس جگہ دی تھی ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ' حضرت ام سلمہ اور

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ ازواج کو (باری میں) مؤخر کر دیا اور چار ازواج کو اپنے پاس جگہ دی' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ باوجودیکہ حضور کو ازواجِ مطہرات کے بارے میں آزادی دی گئی اور آپ کو اختیار دیا گیا' لیکن آپ نے ان میں باری برابر تقسیم کر رکھی تھی ماسوا حضرت سودہ کے کیونکہ انہوں نے اپنی رات کی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی تھی اور انہوں نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن آپ کی ازواج کے زمرہ میں اٹھائی جاؤں ﴿وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ اور جن ازواج کو آپ نے الگ کر دیا ہے' ان میں سے جس کو آپ طلب کر لیں گے تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یعنی آپ نے جن بیویوں کو باری سے مؤخر کر کے اپنے بستر سے الگ کر دیا ہے' ان میں سے جس کو آپ اپنے بستر پر بلا لیں اور جس کے ساتھ صحبت کرنا چاہیں تو آپ پر اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے یعنی یہ بات نہیں ہے کہ جس بیوی کو آپ نے ہم بستری سے مؤخر کر دیا ہے' اس کو اپنے پاس واپس لوٹا لینا جائز نہ ہو [اور ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''فَلَا جُنَاحَ'' اس کی خبر ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ہے اور یہ معاملہ جو آپ کی مشیت اور آپ کے ارادہ کے سپرد کیا گیا ہے یہ ﴿أَدْنٰى أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ﴾ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور آپ نے جو کچھ انہیں دیا ہے' وہ سب اس پر راضی رہیں یعنی یہ اختیار ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے غم کی قلت اور ان سب کی رضا کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ کا یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ان کے دل مطمئن اور پرسکون ہو جائیں گے اور ان میں سوکنوں پر غیرت کرنا ختم ہو جائے گا اور انہیں خوشی حاصل ہوگی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی [''کلھن''، ''یرضین'' کی نون ضمیر کی تاکید ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''کلھن'' کو مقدم کر کے ''ویرضین کلھن بما اتیتھن'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''کلھن'' کو ''اتیتھن'' میں ''ھن'' ضمیر کی تاکید کی بناء پر منصوب پڑھنا شاذ (خلافِ قیاس) ہے] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اس میں اس بی بی کے لیے وعید (دھمکی) ہے جو ازواجِ مطہرات میں سے اس معاملہ پر راضی نہیں ہوئی' جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر کر دیا اور یہ معاملہ اپنے محترم و مکرم رسول کی مشیت کے سپرد کر دیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَلِيْمًا﴾ بہت بڑے حلم والا ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا' پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۵۲- ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ آپ کے لیے مزید عورتیں حلال نہیں ہیں [اور ابو عمرو اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''لا تحل'' فعل مؤنث ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ فعل مذکر ہے کیونکہ جمع کی تانیث غیر حقیقی ہوتی ہے اور جب بغیر فصل فعل مذکر جائز ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَقَالَ نِسْوَةٌ'' (یوسف: ۳۰) تو فصل کے ساتھ بہ طریق اولیٰ جائز ہے] ﴿مِنْ بَعْدُ﴾ وسعت کے بعد کیونکہ یہ وسعت رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا نصاب ہے جیسا کہ آپ کی امت کے لیے چار بیویاں نصاب ہے ﴿وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ﴾ اور نہ آپ ان کے بدلہ میں دوسری ازواج کر سکتے یعنی ان کو طلاق دے کر اور معنی یہ ہے کہ آپ ان تمام نو بیویوں کے بدلے یا ان میں سے بعض کے بدلے انہیں طلاق دے کر دوسری ازواج سے نکاح کر کے تبدیل نہیں کر سکتے' یہ محض ازواجِ مطہرات کی تعظیم و تکریم کی خاطر ہے اور انہیں اس بات پر انعام و صلہ عطا کرنا ہے جو انہوں نے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم اور آخرت کو اختیار کر لیا اور انہیں پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں بیویوں پر اکتفاء فرمایا اور یہ نو بیویاں وہی ہیں

جو آپ کے وصال تک آپ کے نکاح میں رہیں' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت سودہ' حضرت ام سلمہ' حضرت صفیہ' حضرت میمونہ' حضرت زینب بنت جحش اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن [ ''مِنْ اَزْوَاجٍ'' میں حرف ''مِنْ'' نفی کی تاکید کے لیے ہے جو جنس ازواج کی حرمت کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے ] ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اور اگر چہ ان کا حسن و جمال آپ کو پسند ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس کا حسن آپ کو پسند آیا تھا وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے آپ کی زندگی میں آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں یعنی یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کا نسخ یا سنت سے ہوا یا پھر ارشادِ باری تعالیٰ ''انا احللنا لك ازواجك'' سے ہوا ہے اور ترتیب نزولی' ترتیب مصحف کے مطابق نہیں ( کیونکہ وسعت عامہ اور اجازت عامہ کی آیت مبارکہ قرآن میں پہلے ہے جب کہ نزول بعد میں ہوا ہے ) ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ ماسوا ان کنیزوں کے جو آپ کی ملکیت میں ہیں' یہ ان عورتوں سے استثناء ہے جو آپ پر حرام کر دی گئیں ماسوا لونڈیوں کے [ ''وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ'' ''تبدل یعنی' تتبدل'' کی ضمیر فاعل سے محلاً حال ہے' مفعول سے نہیں وہ جو ''من ازواج'' ہے اس لیے کہ یہ تنکیر میں کمزور ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''مفروضا اعجابك بهن'' اور ''ما ملكت'' میں کلمہ ''ما'' ''النساء'' سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے ] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان اور محافظ ہے اور یہ حدود سے تجاوز کرنے پر خوف وڈراوا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو ماسوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے جب کہ کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم داخل ہو جاؤ' پھر جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو' بے شک یہ بات نبی کریم کو ایذاء دیتی ہے' سو وہ تم سے شرم وحیاء کرتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے نہیں شرماتا' اور جب تم ان سے کوئی برتنے کی چیز مانگنا چاہو تو تم ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ

تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ عمل ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے O

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بے اجازت جانے اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان

۵۳ - ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ﴾ اے ایمان والو! تم نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے جب کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو [ "ان یوذن لکم" محلاً حال ہے یعنی تم اپنے لیے اجازت حاصل کیے بغیر نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ' یا ظرف کے معنی میں ہے' جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "وقت ان یوذن لکم" "تمہیں جس وقت اجازت دی جائے اور "غیر ناظرین" "لا تدخلوا" سے حال ہے اور حرف استثناء ظرف زمان اور حال دونوں کے لیے ہے ] گویا فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم نبی کریم کے گھروں میں صرف اجازت ملنے کے وقت جاؤ اور تم کھانا پکنے کے انتظار میں آپ کے گھروں میں نہ جاؤ یعنی وہاں جا کر منتظر نہ رہنا پڑے اور اس سے قوم کے وہ افراد مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور آپ کے گھر میں آ جاتے اور بیٹھے رہتے اور کھانا پکنے کے لیے انتظار کرتے رہتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے کھانے کا انتظار کرنے والے مسلمانو! تم نبی کریم کے گھر میں نہ آ جاؤ مگر جب تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو اس وقت آ جاؤ پہلے کھانا حاصل کرنے کا انتظار نہ کرو اور "اناء الطعام" کا معنی ہے: کھانے کا پکنا' چنانچہ کہا جاتا ہے: "انی الطعام انی" جیسے یہ قول ہے کہ "قلاہ قلی" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اناہ" کا معنی ہے: اس (کھانے) کا وقت یعنی طعام کے وقت اور اس کے کھانے کی گھڑی کا انتظار نہ کرو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ کیا' جس میں کھجوریں اور ستو اور بکری کا گوشت پیش کیا گیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو کھانے کی دعوت دے دیں' چنانچہ حضرت انس نے سب لوگوں کو دعوت دے دی اور لوگ گروہ در گروہ یکے بعد دیگرے آنا شروع ہو گئے' سو ایک گروہ آ کر کھانا کھاتا اور باہر چلا جاتا' پھر ایک اور گروہ اندر آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا' یہاں تک کہ حضرت انس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے سب لوگوں کو دعوت دے دی تھی حتیٰ کہ کوئی شخص نہیں رہا جس کو میں نے دعوت نہ دی ہو (اور سب کھانا کھا چکے ہیں) تو حضور نے فرمایا کہ کھانا اٹھا لو اور لوگ منتشر ہو گئے' صرف تین آدمی باقی رہ گئے جو باتوں میں مشغول ہو چکے تھے اور وہ بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تا کہ یہ آدمی باہر چلے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام کیا اور انہوں نے آپ کے لیے خیر و برکت کی دعائیں دیں اور آپ واپس لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں آدمی بیٹھے باتوں میں مشغول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ شرم وحیاء کرتے تھے' سو اس لیے آپ پھر واپس چلے گئے' جب انہوں نے آپ کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو باہر چلے گئے اور آپ واپس گھر لوٹ آئے اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] ﴿ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ﴾ اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم آ جاؤ اور جب تم کھانا کھا چکو تو وہاں سے چلے

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۹۸۔۱۰۵۔۲۰۰' البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۴' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸ (۸۷۔۸۹۔۹۰)

جاؤ اور متفرق ہو جاؤ ﴿ مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ﴾ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔ اس کلام میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جی لگا کر طویل و دراز مجلس قائم کر کے باتوں میں مشغول ہو کر بیٹھے رہنے سے منع کیا گیا ہے [یہ ''ناظرین'' پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہے یا پھر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ''ای لا تدخلوھا مستانسین لحدیث'']۔

﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ﴾ بے شک (تمہارا) یہ طریقہ نبی کریم ﷺ کو ایذاء دیتا ہے' سو وہ تم سے شرم و حیاء کرتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں اپنے گھر سے نکالنے سے حیاء کرتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی بے شک تمہیں نکالنا حق ہے' جس سے شرمانا اور حیاء کرنا مناسب نہیں ہے اور جب شرم و حیاء ایسی صفت ہے جو حیاء دار کو بعض کاموں سے روک دیتی ہے تو ''وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں رُکتا اور نہ وہ حق کو ترک کرتا ہے جیسا کہ حیاء دار تم سے حق کو ترک کر دیتا ہے اور یہ ادب ہے' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بوجھ بن کر دیر تک بیٹھے رہنے والوں کو سکھاتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ تمہیں دیر تک بوجھ بن کر بیٹھے رہنے والوں کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو برداشت نہیں کیا اور واضح طور پر فرمادیا کہ ''فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا'' سو جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر اور متفرق ہو جاؤ ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی استعمال کی چیز بطورِ ادھار یا بطورِ حاجت مانگو تو تم ان سے استعمال کی چیز پردے کے پیچھے ہو کر مانگو۔ ''هُنَّ'' ضمیر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''بیوت النبی'' اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے' اس لیے کہ نبی کے گھروں میں ان کی بیویاں رہتی ہیں ﴿ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے شیطان کے وسوسوں اور اس کے خطروں اور فتنہ پھیلانے والوں کی فتنہ انگیزیوں سے بچنے کے لیے یہ عمل سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

شانِ نزول: اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات اس آیت مبارکہ کے نزول سے پہلے مردوں کے سامنے آتی جاتی تھیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی بیویوں پر پردے کا نفاذ چاہتے تھے اور وہ یہ پسند کرتے تھے کہ پردے کے متعلق کوئی آیت مبارکہ نازل ہو جائے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے پاس نیک و بد سب آتے جاتے ہیں' کاش! آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں' سو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1]۔

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان (طلحہ بن عبد اللہ تیمی) نے کہا کہ کیا ہمیں روک دیا گیا ہے کہ ہم اپنے چچا کی بیٹیوں (یعنی ازواجِ مطہرات) سے ہرگز کوئی بات چیت نہ کریں مگر پردے کے پیچھے ہو کر؟ البتہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وصال فرما گئے تو میں ان کی فلاں بیوی سے نکاح کرلوں گا' سو اس کے جواب میں (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ﴾ اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینا تمہارے لیے صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح صحیح ہے ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ بے شک یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے یعنی بہت بڑا گناہ ہے۔

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۰

إِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ' سو اللہ تعالیٰ تو یقیناً ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں ہیں' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے O

۵۴- ﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا﴾ اگر تم نبی کریم ﷺ کو ایذاء اور دکھ دینے یا ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے سے کوئی چیز ظاہر کرو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یا تم اس کو اپنے دلوں میں چھپا لو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شانِ نزول: اور جب پردے کی آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور کی بیویوں کے آباء واجداد اور بیٹوں اور دیگر اعزہ واقارب نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم بھی ازواجِ مطہرات سے پردے کے پیچھے ہو کر بات کریں گے؟ تو ان کے جواب میں (درج ذیل آیت مبارکہ) نازل ہوئی:

۵۵ - ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ﴾ ان پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں اور نہ اپنے بھتیجوں اور نہ اپنے بھانجوں اور نہ اپنی عورتوں کے بارے میں یعنی مسلمان عورتوں کے بارے میں ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ﴾ اور نہ ان کنیزوں کے بارے میں جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں' یعنی ان پر ان حضرات وخواتین سے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اور یہاں اس آیت مبارکہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا' کیونکہ یہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں اور قرآن مجید میں چچا کو باپ کا نام دیا گیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ '' (البقرہ: ۱۳۳) ''اور ہم آپ کے باپوں حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے''۔ حضرت اسماعیل حضرت یعقوب علیہما السلام کے چچا ہیں (جس طرح آزر' حضرت ابراہیم کے چچا ہیں مگر قرآن میں اسے حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہے) اور ازواج مطہرات کے غلام جمہور کے نزدیک ان کے لیے اجنبیوں کی طرح ہیں' پھر کلام کو غیب سے خطاب کی طرف نقل کیا گیا ہے اور اس نقل میں بڑی زبردست فضیلت وشان ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ پردے کے متعلق تمہیں جو حکم دیا گیا اس میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور اس میں پردے کی وحی نازل کی گئی ہے اور اس میں تم احتیاط کرتی رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے (یعنی) وہ خوب جاننے والا ہے۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہید وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں کو جانتا ہو' جیسا کہ وہ ظاہری اعضاء کی حرکات وسکنات کو جانتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْءَاخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا
ع ۷/۴ اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجوO بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہےO اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذاء دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا تو بے شک انہوں نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھالیاO

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام پڑھنے کے فضائل

٥٦- ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں[1] اے ایمان والو! تم (بھی) آپ پر درود بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' اے اللہ! تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیج' یا تم یوں کہو: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ'' اللہ تعالیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتا رہے

[1] اگرچہ ''صلوٰۃ'' کے معنی رحمت' دعا' استغفار' تعظیم وتکریم' برکت اور نماز کے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ''يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ'' میں فرشتوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا ہے' اس لیے یہاں مشترک معنی یہ مراد لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمد وثناء' فضیلت وبزرگی اور آپ کی عظمت وشان بیان کرتے ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نبی کریم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نبی کریم کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں' نیز حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم پر برکتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نزول برکات کی دعا کرتے ہیں جب کہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ بہ معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار ہے اور حضرت ابو العالیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نبی کریم پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے نبی کریم کی حمد وثناء بیان کرتا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۴' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کے متعلق کئی مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے محبوب نبی کریم کی حمد وثناء اور آپ کی تعظیم وتکریم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ اور تم (نبی کریم پر) خوب سلام بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: "اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اے اللہ! تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سلامتی نازل فرما' یا یہ معنی ہے کہ تم ان کے امر اور ان کے حکم کی اطاعت کرو اور تم ان کے فرماں بردار رہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کرتا ہے۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ سے (صحیح بخاری' تفسیر سورۃ الاحزاب' باب: ۱۰' میں) اور اس کے علاوہ نے حضرت ربیع بن انس سے اور حلیمی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے ذکر جمیل کو بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت پر عمل باقی رکھ کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرما رہا ہے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنا کر اور آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا فرما کر اور مقامِ محمود پر فائز کر کے اوّلین و آخرین پر آپ کی فضیلت و بزرگی کو ظاہر فرما کر اور آپ کو تمام مقربین پر مقدم فرما کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرمائے گا اور صلوٰۃ کی یہ تفسیر عطف کے ذریعے کسی اور کو آپ کے ساتھ درود میں شامل کرنے کے منافی نہیں ہے' جیسے آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے مطابق اور اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی' الجزء الثانی والعشرون ص ۷۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

## صلوٰۃ وسلام کی فضیلت میں چند احادیث کا بیان

(۱) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجد میں) بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا' اور نماز ادا کی' پھر اس نے کہا: "اللھم اغفرلی وارحمنی" اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تو نے بہت جلدی کی' جب تو نماز ادا کر لے تو بیٹھ جا' پھر اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان حمد و ثناء بیان کر اور مجھ پر درود شریف پڑھ' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کر' راوی نے کہا کہ پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی' پھر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثناء بیان کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا' تو حضور نے اس سے فرمایا: اے نمازی! اب تو دعا کر' تیری دعا قبول کر لی جائے گی۔ (رواہ الترمذی' ابوداؤد' نسائی)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دے گا اور اس کے دس درجے بلند فرما دے گا۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد' والنسائی' والحاکم وصححہ)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۴) انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو زمین میں سیر و سیاحت کرتی پھرتی ہے (اور جب میرا کوئی امتی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو) وہ میرے امتی کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(رواہ النسائی' والدارمی)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' یہاں تک کہ میں اسے سلام کہتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶) اور انہیں سے مروی ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر مبارک کو عید نہ ٹھہراؤ بلکہ مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔ (رواہ الترمذی)

(۷) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں تشریف لائے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت مبارکہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں' سو جب کسی مسلمان بندے کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اس شخص کے حق میں کہتے ہیں: ''غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ'' اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے' اور اللہ تعالیٰ اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ کے چہرۂ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار عیاں ہو رہے تھے اور (صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر) آپ نے فرمایا: بے شک میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آ کر عرض کیا کہ بے شک آپ کا پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی آپ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ درود شریف پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر ایک مرتبہ سلام پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ سلام پڑھوں گا۔ (رواہ النسائی)

(۸) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ پر بہت درود شریف پڑھتا ہوں' سو میں آپ پر کس قدر درود شریف پڑھا کروں' آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو پڑھا کرو' میں نے عرض کیا کہ وقت کا ایک چوتھائی حصہ' آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے بہت بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا کہ نصف وقت آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا' آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا: وقت کا دو تہائی حصہ' آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو' سو اگر تم اس سے بھی زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا کہ آئندہ میں (فرائض سے زائد) تمام اوقات آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا' آپ نے ارشاد فرمایا: تب تو یہ درود شریف تمہارے تمام قسم کے رنج و غم دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بے شک دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے' اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی یہاں تک کہ تم اپنے نبی پر درود شریف پڑھ لو۔ (رواہ الترمذی)

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر (۷۰) مرتبہ درود پڑھیں گے۔ (رواہ احمد)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر اس وقت تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے' سو وہ بندہ چاہے تو تھوڑا پڑھے' چاہے تو زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ (رواہ البغوی)

(۱۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا' اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھ دیا جائے گا اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (رواہ عبد الرزاق فی الجامع بسند حسن)

(۱۳) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اور شام کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا' اس کو قیامت کے روز میری شفاعت حاصل ہوگی۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن)

صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنے کی مذمت وسزا

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود (ہلاک) ہو جائے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور اس کی ناک خاک آلود ہو جائے جس پر ماہِ رمضان المبارک آئے اور چلا جائے مگر وہ مغفرت طلب نہ کرے اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جائے' جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور جب کسی مسلمان بندے کے پاس میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں: "لا غفر اللّٰہ لک" اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے' اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں کہتے ہیں: آمین [1]

پھر یہ صلوٰۃ وسلام امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ (اور امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام طحاوی اور علامہ ابن الھمام) (مظہری) کے نزدیک کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھنا واجب (اور فرض) ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ذکر کیا جائے' آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور یہی محتاط قول ہے اور اسی پر جمہور علمائے اسلام متفق ہیں اور اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ بالتبع کسی اور کو بھی شامل کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں' یہ جائز ہے' جیسے کہا جائے: "صلی اللّٰہ علی النبی وآلہ" اور لیکن جب کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اہل بیت میں سے کسی پر مستقل درود شریف پڑھتا ہے تو یہ مکروہ (قابل نفرت عمل) ہے اور یہ طریقہ کار روافض (اہل تشیع) کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

## اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دینے کی سزا کا بیان

۵۷- ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں' یعنی صرف رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام نامی اسم گرامی تو صرف تشریف وتعظیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے' یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذاء کو بطور مجاز ایسے فعل کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی نہیں ہوتے' جیسے کفر اور نبوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں ایذاء کا مجازی معنی اس لیے مقرر کیا گیا ہے' تاکہ ایک لفظ میں حقیقت اور مجاز جمع نہ ہو جائیں' کیونکہ ایذاء کا حقیقی معنی تو صرف رسول اللہ ﷺ میں متصور ہو سکتا ہے ﴿لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ﴾ دنیا میں اور آخرت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کو دونوں جہانوں میں اپنی رحمت سے محروم اور دور کر دیا ہے ﴿وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے مگر وہ (ان کی خدمت نہ کر کے) جنت حاصل نہ کر سکے۔

(رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ)

(۲) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے تو وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ (رواہ الطبرانی)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا تو وہ یقیناً شقی اور بدبخت ہو گیا۔ (رواہ ابن السنی)

(۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا۔ (رواہ الترمذی وامام احمد)

(۵) حضرت حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔ (رواہ الطبرانی)

نوٹ: یہ تمام احادیث مبارکہ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۶ تا ۳۷۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) سے بمع تقدیم وتاخیر منتخب کی گئی ہیں۔

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۳

توہین آمیز اور ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے[1]

## مسلمانوں کو ایذاء دینے کا گناہ

۵۸- ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا﴾ اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر کسی خطاء کے ارتکاب کے ایذاء اور دکھ دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذاء کو مطلق بیان کیا گیا ہے جب کہ اس آیت مبارکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایذاء کو مقید بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دینا ہر حال میں اور ہمیشہ کے لیے ناحق اور ناجائز ہے اور لیکن یہ ایذاء جو مسلمانوں کو دینا ہے' یہ کبھی حق ہوتی ہے جیسے حدود و تعزیرات کی سزا اور کبھی یہ ناحق اور باطل ہوتی ہے (جیسے بغیر جرم کے الزام تراشی کی ایذاء وغیرہ)۔

شانِ نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منافقین میں سے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سبّ و شتم کر کے انہیں تکلیف و دکھ اور ایذاء پہنچاتے تھے اور وہ لوگ آپ کو سنا سنا کر سبّ بکتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان زانیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر جانے والی عورتوں کا پیچھا کرتے تھے' جب کہ یہ عورتیں اس حرکت کو ناپسند کرتی تھیں اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم کسی کتے یا کسی خنزیر کو ناحق تکلیف اور ایذاء دو تو پھر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذاء دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے ﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا﴾ تو بے شک انہوں نے اٹھایا اور برداشت کر لیا ﴿بُهْتَانًا﴾ بہت بڑی تہمت کو ﴿وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ اور صریح و ظاہر گناہ کو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹

اے نبی! آپ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمائیے کہ وہ اپنی بڑی چادریں اپنے (پورے جسم کے) اوپر اوڑھ لیا کریں' یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں' پھر انہیں ستایا نہ جائے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

## مسلم خواتین کو اپنے چہروں اور جسموں کو چھپانے کا حکم

۵۹- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اے نبی! آپ

[1] جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں یا آپ کے دین کے بارے میں یا آپ کے نسب میں یا آپ کی صفات میں سے کسی صفت میں یا عیب کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر صراحت کے ساتھ یا کنایہ یا تعریض یا اشارہ کے ساتھ طعن کر کے آپ کو تکلیف اور ایذاء دی تو وہ بلاشبہ کافر ہو گیا اور علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے دل میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھا' وہ مرتد ہو گیا تو گالی دینے والا بطریق اولیٰ مرتد ہے اور اس شخص کو ہمارے نزدیک بطور حد قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۱ تا ۳۸۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرما دیں کہ وہ اپنی بڑی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیا کریں۔ "جلباب" کا معنی ہے: ایسی بڑی چادر جو پورے جسم کو چھپا لے' جیسے لحاف اور بڑا کمبل ہوتا ہے' یہ معنی علامہ مبرد سے منقول ہے اور "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" کا معنی یہ ہے کہ عورتیں اپنی بڑی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں اور ان کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے تمام اطراف کو چھپا لیا کریں۔ جب کپڑا عورت کے چہرے سے پھسل جائے تو اسے کہا جاتا ہے: "ادنی ثوبك علی وجهك" تو اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لے' اور "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے' یعنی تم اپنی چادر کا بعض اور زائد حصہ اپنے چہروں پر لٹکا لو کہ چہرے پلو سے چھپ جائیں یہاں تک کہ تم آزاد خواتین لونڈیوں سے ممتاز ہو جاؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ مسلم خواتین اپنی بڑی چادروں کے بعض حصہ سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیا کریں یعنی تاکہ مسلم خواتین لونڈیوں کی طرح صرف قمیص شلوار اور دوپٹہ پہن کر عام لباس میں گھٹیا اور بے وقار نہ بنیں' حالانکہ ان کے گھروں میں ان کی خاطر دو یا دو سے زیادہ بڑی چادریں ہوتی ہیں اور پردے کا یہ حکم اس لیے ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم خواتین بھی زمانہ جاہلیت کی عادت کے مطابق استعمال کا عام لباس پہنتی تھیں اور اس زمانہ کی عورت قمیص اور دوپٹہ پہن کر (پردے کی بڑی چادر اوڑھے بغیر) باہر آتی جاتی تھی' آزاد اور لونڈی میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا تھا اور جب عورتیں رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے نکل کر باہر کھجوروں کے جھنڈ اور زمین کی نشیبی وادیوں میں جاتیں تو نوجوان لڑکے لونڈیوں کی خاطر ان کا پیچھا کرتے اور بسا اوقات لونڈیوں کے گمان میں آزاد عورتوں کا پیچھا شروع کر دیتے تھے' سو اس لیے مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس میں لونڈیوں کے لباس سے مختلف وضع قطع اختیار کریں' وہ اس طرح کہ مسلم خواتین بڑی چادروں اور کمبلوں سے اپنے سروں اور اپنے چہروں کو ڈھانپ کر باہر نکلا کریں تاکہ ان کے بارے میں کوئی بدکار لالچی ہرگز لالچ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾ پردے کا یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ قریب ہے تاکہ انہیں ایذاء نہ دی جائے یعنی یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے تاکہ ان کا پیچھا نہ کیا جائے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِیْمًا﴾ ان کو بہترین آداب کی تعلیم دے کر ان پر بے حد رحم و کرم فرمانے والا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی
الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا معانقة ۱۲ عند المتاخرین ۱۲
ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾ الزم

البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں' باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے' پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر بہت تھوڑا عرصہ O ان پر لعنت کی جائے گی' وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے گا O اللہ تعالیٰ کا یہی طریقۂ کار ان لوگوں میں جاری رہا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقۂ کار میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیں گے○

## منافقین کو قتل کی دھمکی

۶۰- ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں فسق و فجور کی بیماری ہے' باز نہ آئے اور یہ دلوں کے مریض زنا کار لوگ ہیں (جن کے دل بدکاری کی وجہ سے بیمار ہو چکے ہیں) جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ'' (الاحزاب:۳۲) ''سو وہ شخص للچائے گا جس کے دل میں بیماری ہے'' ﴿وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ اور جو لوگ مدینہ منورہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں بُری اور جھوٹی خبریں اڑایا کرتے اور وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ مسلمانوں کی فوجیں شکست کھا گئی ہیں اور مسلمان مجاہدوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اور وہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے' پس وہ لوگ ان جھوٹی خبروں کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو شکستہ کرتے اور ان کو رنج و غم میں مبتلا کر دیتے' چنانچہ ''ارجف بکذا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حقیقت کے برعکس اور خلاف واقعہ جھوٹی خبر سناتا ہے کیونکہ یہ خبر متزلزل اور غیر ثابت ہے اور یہ ''رجفۃ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی زلزلہ اور تھرتھرانا ہے ﴿لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ البتہ ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف اُبھاریں گے اور ترغیب دیں گے (یعنی) ہم ضرور آپ کو ان کے قتل کا حکم دیں گے یا ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے ﴿ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ﴾ پھر وہ آپ کے پاس اس میں یعنی مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے [اور یہ ''لنغرینک'' پر معطوف ہے کیونکہ جائز ہے کہ اس کو قسم کا جواب بنایا جائے' اس لیے کہ یہ قول درست ہے کہ ''لئن لم ینتھوا لا یجاورونك'' البتہ اگر وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر وہ آپ کے پاس پڑوس میں ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے اور جب جلاوطن کرنا اور ملک بدر کرنا ان تمام مصائب و آلام سے بڑھ کر ہے جو انہیں پہنچائے گئے تو اس کو حرف ''ثُمَّ'' کے ساتھ معطوف کر دیا گیا کیونکہ اس معطوف کا حال معطوف علیہ کے حال سے بہت دور ہے] ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا سا عرصہ ٹھہر سکیں گے' اور معنی یہ ہے کہ اگر منافقین اپنی عداوت و دشمنی اور اپنے مکر وفریب سے اور فساق و بدکار لوگ اپنے فسق و فجور اور اپنی بدکاری و زنا کاری سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ضرور حکم دیں گے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ایسے کام کریں جو انہیں دُکھ اور تکلیف پہنچائیں' پھر آپ انہیں مدینہ منورہ خالی کرنے کی خواہش پر مجبور کر دیں اور آپ انہیں یہاں تک مجبور و بے بس کر دیں کہ وہ مدینہ منورہ میں محض تھوڑا عرصہ ٹھہر سکیں' جیسے مسافر تھوڑی سی دیر کے لیے ٹھہرتا ہے' پھر کوچ کر جاتا ہے' سو اسی کا نام ''اغراء'' رکھا گیا ہے اور یہ مجاز کے طور پر تحریک و ترغیب دینا اور اُکسانا ہے۔

۶۱- ﴿مَّلْعُوْنِيْنَ﴾ [یہ بطور ذم و شتم یا بطور حال منصوب ہے یعنی یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ منورہ میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی بن کر رہیں گے' سو استثناء ظرف اور حال دونوں پر اکٹھے داخل ہے' جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ ''اخذوا'' سے منصوب نہیں ہے کیونکہ کلمۂ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا] ﴿اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا﴾ وہ لوگ جہاں کہیں پائے جائیں گے ﴿اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴾ انہیں پکڑ کر گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں چن چن کر ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا اور ''قُتِّلُوْا'' میں تشدید قتل کی تکثیر پر دلالت کرتی ہے۔

۶۲- ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ [یہ مصدر مؤکد کی جگہ میں واقع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے یہی دستور ان لوگوں میں جاری و ساری کر دیا ہے جو انبیائے کرام کے ساتھ منافقت کا رویہ اختیار کر لیتے تھے کہ وہ جہاں کہیں پائے جائیں' انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے

﴿فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں "خَلَوْا" بہ معنی "مَضَوْا" ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ اپنا دستور ہرگز تبدیل نہیں کرتا بلکہ وہ تمام امتوں میں ایک دستور اور ایک ہی طریقہ جاری و ساری رکھتا ہے۔

یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ۝٦٣ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ۝٦٤ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝٦٥ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝٦٦ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ۝٦٧ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ۝٦٨ ع

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے: بے شک اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہی ہو O بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مددگار O اس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ کر دیئے جائیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی' سو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بہکا دیا تھا O اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما O

## قیامت کا علم اور کفار کا انجام

٦٣- ﴿یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ﴾ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں (کہ کس دن' کس تاریخ کو اور کب واقع ہوگی)۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اُڑانے کی نیت سے جلد بازی کرتے ہوئے قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے اور یہود محض امتحان لینے کی نیت سے قیامت کے متعلق آپ سے سوال کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اور دیگر تمام الہامی کتابوں میں قیامت کا علم مخفی رکھا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں کہ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم کے لیے بیان کیا کہ بے شک قیامت کا وقوع قریب آچکا ہے[1]

[1] واضح رہے کہ سورۃ الجن میں قیامت کے وقوع کے متعلق حضور سے درایت کی نفی کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" (الجن: ٢٦-٢٧) "وہی غیب کو جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا O سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ اس آیت مبارکہ سے ایک تو یہ واضح ہو گیا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر اللہ تعالیٰ نے جلد بازی کرنے والے مشرکین کو دھمکانے کے لیے اور امتحان لینے والے یہودیوں کو خاموش کرانے کے لیے (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ﴿قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِیۡبًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہو (یعنی) ''شیئًا قریبًا'' قیامت عنقریب وقوع پذیر ہونے کی چیز ہے یا اس لیے کہ ''الساعة'' زمان کے معنی میں ہے۔

٦٤- ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الۡكٰفِرِیۡنَ وَاَعَدَّ لَهُمۡ سَعِیۡرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (یعنی) بہت سخت جلانے والی آگ۔

٦٥- ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اس سے جہمیہ فرقہ کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گے [اور ''سعیرًا'' پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ''خالدین'' ''لھم'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا﴾ وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مدد کرنے والا جو انہیں بچا سکے۔

٦٦- ﴿یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِی النَّارِ﴾ (اے محبوب!) اس دن کے منظر کو یاد کیجئے جس دن ان کے چہروں کو الٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور انہیں دوزخ کے تمام جہات و اطراف میں گھمایا جائے گا' جیسے گوشت کے چھوٹے ٹکڑے ہانڈی میں اس وقت گھومنے لگ جاتے ہیں جب ہانڈی آگ کی تیزی کی وجہ سے اُبلنے اور جوش مارنے لگتی ہے اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' دوسرا یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے مخصوص غیوب پر آگاہ فرما دیتا ہے اور یہ علمِ غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی تمام علامات بیان کرنے کے ساتھ قیامت کے وقوع کا مہینہ محرم اور تاریخ دس محرم اور دن جمعۃ المبارک بیان فرمایا' لیکن صرف سن نہیں بتایا کہ آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تا کہ قرآن مجید کی خبر کی صداقت کہ قیامت اچانک واقع ہو گی' قائم و دائم رہے۔

علامہ عارف باللہ حضرت احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

''وھذا انما ھو وقت السوال والا فلم یخرج نبینا صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی اطلعه اللہ علی جمیع المغیبات ومن جملتھا الساعة لکن امر بکتم ذالك'' اور یہ علم قیامت کی نفی صرف سوال کے وقت تھی ورنہ ہمارے محترم و مکرم نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات پر آگاہ فرما دیا' جن میں قیامت کا علم بھی شامل ہے لیکن آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۷۰' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' بمصر)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے' پھر اکوانِ غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی کی باعتبار ماضی' مستقبل' حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکامِ غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ ''فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ الی اخر الایة'' (الجن' رکوع:۲) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی اور اکوانِ غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا۔ ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا' جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوانِ غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ (تفسیر عثمانی' حاشیہ قرآن مجید ص ۵۳۸' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

ان کے چہروں کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ چہرہ انسان کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ومکرم ہوتا ہے یا چہروں سے تمام اجسام مراد ہیں ﴿ یَقُوْلُوْنَ ﴾ [یہ "تقلب" سے حال ہے یعنی] حالانکہ وہ دوزخ میں الٹے مونہوں ڈالے جانے کے وقت افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴾ اے کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی ہوتی اور ہم نے رسول کریم کی اطاعت وفرماں برداری اور اتباع کی ہوتی تو آج ہم اس خطرناک عذاب سے نجات حاصل کر لیتے' سو یہ لوگ اس وقت تمنا اور آرزو کریں گے' جب انہیں ان کی یہ تمنا نفع اور فائدہ نہیں دے گی۔

٦٧- ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا ﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں کی اطاعت کی تھی اور اس سے کفار کے سردار مراد ہیں جنہوں نے اپنے ان پیروکاروں کو کفر اختیار کرنے کی تلقین کی تھی اور انہوں نے کفر وشرک کو ان کے سامنے خوب صورت انداز میں پیش کر کے انہیں کفر وشرک اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا [ "سادتنا"، "سیّد" کی جمع ہے اور ابن عامر شامی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں "ساداتنا" (دال کے بعد الف) ہے اور یہ جمع الجمع یعنی جمع کی جمع ہے] ﴿ وَكُبَرَآءَنَا ﴾ اور ہم نے اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی (یعنی) ہم میں سے جو عمر رسیدہ اور بڑی عمر کے بزرگ تھے یا جو ہمارے اصحاب علم رہبر تھے ﴿ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴾ سو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا [نیز "ضل السبیل" اور "اضلّه اياه" دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور "السبیل" کے آخر میں الف بڑھا کر "السبیلا" محض آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے' دوسرا یہ کہ دیگر آیات کے ساتھ موافقت ہو جائے تا کہ آیات کے فواصل اشعار کے قوافی کے مشابہ ہو جائیں اور اس الف کے اضافہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس پر وقف کرنے کا علم ہو جائے اور دوسرا یہ کہ یہ الف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام یہاں پر ختم ہو گیا اور اس کے بعد مستقل نیا جملہ ہے]۔

٦٨- ﴿ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے ایک گمراہ ہونے پر اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے پر ﴿ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴾ اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما [عاصم کی قراءت میں "با" کے ساتھ "کبیرًا" ہے تا کہ یہ سخت ترین اور بہت زیادہ لعنت کرنے پر دلیل بن جائے اور اس کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں "ثا" کے ساتھ "کثیرًا" ہے تا کہ لعنت کی زیادہ تعداد پر دلالت کرے]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝٦٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو ایذاء دی' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کی تکلیف دِہ باتوں سے بَری فرما دیا' اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت وآبرو والے تھے ○ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صحیح بات کہا کرو ○ وہ تمہارے اعمال کو تمہارے لیے درست کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل

کر لی○

## ایذاء رسانی کی ممانعت اور کامیابی کی ضمانت کا بیان

شانِ نزول: جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے کر جدائی اختیار کر لی تو سیّد عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا' جس پر بعض لوگوں نے طعن و تشنیع اور زبان درازی شروع کر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لے پالک بیٹے کی بیوی سے شادی رچالی۔ جب یہ باتیں ان حضرات نے سنیں تو انہیں' خصوصاً حضور کو بہت رنج والم اور دکھ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۶۹- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء اور دکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بَری فرما دیا جو کچھ انہوں نے کہا تھا [''مَـــا'' مصدریہ ہے یا پھر موصولہ ہے] اور ان میں سے جو بھی ہو لیکن مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ان باتوں سے بَری فرمایا' جو آپ کے لیے موجب نقص و عیب اور اذیت و تکلیف کا باعث تھیں' ایک تو وہی بدکارہ اور فاسقہ و فاجرہ عورت کی بات ہے' جسے قارون نے تیار کیا اور اس سے یہ چاہا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائے گی یا پھر بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا الزام مراد ہے (جب کہ حضرت ہارون مقام تیہ میں طبعی موت سے انتقال کر گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زندہ کر دیا اور انہوں نے انہیں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے قتل سے بَری اور بے قصور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے بَری قرار دے کر فرمایا: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ'' (الاحزاب: ۴۰) ''حضرت محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں'' ﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان اور رتبہ والے اور مستجابِ دعا تھے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت اعمش نے ''وكان عبدًا لله وجيهًا'' پڑھا ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے بڑی وجاہت والے بندے تھے۔

۷۰- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو (یعنی) سچی اور صحیح بات یا مستقیم اور سیدھی بات جو حق کی طرف مائل ہو اور ''سَـــدَاد'' کا معنی ہے: حق کی طرف جانے والا سیدھا راستہ اور انصاف کی بات کہنا اور اس کا مطلب و مراد یہ ہے کہ لوگوں کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ناحق اور انصاف کے خلاف معمولی بات کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے اور انہیں اس بات پر ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سچی اور صحیح اور مبنی بر انصاف حق سچ کی بات کیا کریں کیونکہ زبان کی حفاظت اور حق سچ کی بات ہر خیر و بھلائی کی بنیاد ہے اور ''سدیدًا'' پر وقف نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ اس امر کا جواب (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۷۱- ﴿ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست کر دے گا (یعنی) وہ تمہاری عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کو قبول فرمالے گا یا وہ تمہیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا یعنی ان کو مٹا دے گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے میں اور اپنی بات چیت کو درست رکھنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' سو بلاشبہ اگر تم یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ

تمہیں تمہاری طلب کی غرض و غایت عطا فرمائے گا' وہ یہ کہ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمالے گا اور ان پر تمہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور بُرائیوں کو مٹا دے گا اور یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ کی توثیق کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینے سے ممانعت پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ زبان کی حفاظت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم پر مبنی ہے تا کہ ان پر نہی کے ساتھ امر کو بھی بیان کر دیا جائے' اس لیے کہ نہی کی اتباع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وعید کو متضمن ہے اور امر کی اتباع وعید بلیغ کی ضامن ہے' پس اذیٰ سے روکنے والا اور اسے ترک کی دعوت دینے والا مضبوط ہو جائے گا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی' اور جب اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی کو اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا تو اس کے فوراً بعد اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۟ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ ع

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ایک امانت پیش کی تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس میں خیانت کی' بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا بڑا نادان ہے O تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی توبہ قبول فرمائے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

## امانتِ الٰہی کا بیان

۷۲- ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی' اور اللہ تعالیٰ امانت سے اطاعت مراد لیتا ہے اور حملِ امانت کا معنی ہے: خیانت کرنا' جیسے کہا جاتا ہے کہ "فلان حامل الامانة ومحتمل لها" فلاں آدمی امانت اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہے یعنی فلاں آدمی یہ امانت اس کے مالک کو ادا نہیں کرتا تا کہ اپنے ذمہ سے عہدہ برا اور بَری ہو جائے کیونکہ امانت گویا امانت دار پر سوار ہوتی ہے اور وہ اس کو اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: "رَكِبَتْهُ الدُّيُوْنُ ' وَلِيَ عَلَيْهِ حَقٌّ " فلاں پر قرض سوار ہو گیا ہے' اس پر حق مسلط ہو گیا ہے' پھر جب وہ اسے ادا کر دے گا تو وہ اس پر سوار نہیں رہے گا اور نہ وہ اسے اٹھانے والا کہلائے گا' یعنی بے شک یہ تمام بڑے بڑے اجرام واجسام (یعنی) آسمان' زمین اور پہاڑ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے اطاعت گزار ہیں جیسے ان کی اطاعت ہوتی ہے اور یہ وہ اطاعت ہے جو جمادات سے ادا ہو سکتی ہے (یعنی تکوینی اطاعت مراد ہے لیکن تشریعی نہیں) اور یہ جمادات اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس اطاعت کے ساتھ مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں جو ان کے لائق و مناسب ہوتی ہے' اس اعتبار سے کہ یہ ایجاد و تکوین (یعنی تخلیق) میں اور مختلف اشکال میں مساوی

ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے سامنے رُک نہیں سکتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ O'' (حم السجدہ:۱۱) ''پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا حالانکہ اس وقت وہ دھواں تھا' پس اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا: تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے' ان دونوں نے کہا: ہم اپنی خوشی سے فرماں بردار بن کر آئے ہیں O'' اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بے شک سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت اور جانور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور بے شک بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر سے گر پڑتے ہیں اور لیکن رہا انسان جو اس کے لائق و مناسب ہے (اور وہ تشریعی اطاعت ہے) اس میں اس کا حال ان جمادات کے حال کی طرح نہیں ہے ان کی اس (تکوینی) اطاعت میں جو ان کے لیے صحیح ہے اور جو ان کے لیے لائق و مناسب ہے اور (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا یہی معنی ہے: ﴿فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا﴾ سو انہوں نے اس امانت کے اٹھانے سے معذرت کر لی یعنی انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہ وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکیں گے [1]

﴿وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور وہ اس سے ڈر گئے (یعنی) اور وہ اس امانت میں خیانت کرنے سے ڈر گئے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اور انسان نے اسے اٹھا لیا یعنی اس نے اس امانت میں خیانت کی اور اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ اس امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور اس کی ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکے گا اور وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکے گا ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا﴾ بے شک وہ بڑا ظالم ہے کیونکہ وہ امانت کی ادائیگی کا تارک ہے ﴿جَهُوْلًا﴾ بہت بڑا نادان ہے کیونکہ اس نے اس امانت

---

[1] یاد رہے کہ تفسیر مدارک کے مصنف علیہ الرحمۃ نے اگرچہ اختصار کے پیشِ نظر امانت کا صرف ایک معنی بیان کیا ہے کہ امانت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مراد ہے لیکن علامہ بغوی اور علامہ مظہری نے (درج ذیل) سات معانی بیان کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے اطاعت اور وہ فرائض مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض و لازم کر دیئے ہیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت سے مراد نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا اور سچ بولنا اور ناپ تول میں انصاف کرنا اور ان سب سے اہم لوگوں کی امانتیں ادا کرنا ہے۔

(۳) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے فرائض کی ادائیگی اور حدودِ دین کی حفاظت مراد ہے۔

(۴) حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے اوامر و نواہی مراد ہیں (اوامر وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے اور نواہی وہ ممنوعات ہیں جن سے بچنا واجب ہے)۔

(۵) حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے روزہ' غسلِ جنابت اور دیگر عبادات مراد ہیں جن میں ریا کو دخل نہیں۔

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرم گاہ کو پیدا کیا اور انسان سے فرمایا کہ یہ امانت ہے' میں اسے تیرے پاس امانت رکھ رہا ہوں' سو شرم گاہ ایک امانت ہے' کان امانت ہیں' آنکھیں امانت ہیں' ہاتھ امانت ہیں اور پاؤں امانت ہیں اور جو شخص امانت دار نہیں' وہ ایمان دار نہیں۔

(۷) حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امانت سے لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں اور ایفائے عہد مراد ہے' سو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی امانت میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو خیانت نہ کرے اور کسی کے ساتھ وعدہ کر کے عہد شکنی نہ کرے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

میں غلطی کی جو اسے نیک بخت بنا سکتی تھی' بشرطیکہ وہ اس پر قائم رہتا اور وہ اسے صحیح طریقے سے ادا کرتا تھا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ کافر اور منافق امانت اٹھانے والے ہیں یعنی امانت میں خیانت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اطاعت و فرماں برداری اختیار نہیں کی اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے چونکہ اطاعت کی ہے' اس لیے انہیں ''کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' نہیں کہا جا سکتا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک جس امانت کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے' یہ اتنی اہم اور عظیم الشان چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب بڑے اجسام آسمان اور زمین اور پہاڑ پر اس عظیم الشان امانت کو پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے جب کہ انسان نے اپنی کمزوری کے باوجود اسے اٹھا لیا' بے شک یہ بڑا ظالم اور بہت نادان ثابت ہوا کیونکہ اس نے امانت کو اٹھا لیا' پھر اسے پورا نہیں کیا اور اس کا ضامن تو بن گیا لیکن پھر وہ اپنی اس ضمان میں خیانت کر بیٹھا اور اس قسم کا کلام عرب کی زبان میں بہت استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید انہیں کے اسلوب اور انداز پر نازل ہوا ہے۔

۷۳- ﴿لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ [اس آیت مبارکہ میں لام علّت اور سبب بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہاں عذاب دینے کا ذکر ادب سکھانے کی نظیر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ضربته للتادیب'' کہ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے مارا ہے' سو ''جَهُوْلًا'' پر وقف نہ کیا جائے] ﴿وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول فرما لے [اعمش کی قراءت میں ''وَيَتُوْبُ'' مرفوع پڑھا گیا ہے تا کہ حامل کے فعل کے لیے علّت کو قاصر قرار دیا جائے اور ''ویتوب الله'' سے آغاز کیا جائے] اور اس کا مشہور معنی یہ ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والے کافروں اور منافقوں کو عذاب دے اور ان کے علاوہ جنہوں نے امانت میں خیانت نہیں کی' ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ جب کسی وفادار پر توبہ کے ذریعہ نظر رحمت کی جاتی ہے تو یہ بھی مستقبل کے عذاب سے نجات کی ایک قسم ہوتی ہے [یا پھر ''لیعذب'' کا لام علّت کی بجائے عاقبت کے لیے ہے] یعنی انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا' پھر انجام کار بدبختوں کو عذاب دینے اور نیک بختوں کی توبہ قبول کرنے کی طرف لوٹ گیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمًا﴾ اپنے مسلمان بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

| آیاتہا ۵۴ سورۃ سبا | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتہا ۶ |
|---|---|---|
| سورۂ سبا مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی چوّن آیات' چھ رکوع ہیں |

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے اور

آخرت میں اسی کے لیے حمد وثناء ہوگی' اور وہ بڑا حکمت والا بہت خبردار ہے○ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے' اور وہ بڑا مہربان بہت بخشنے والا ہے○

## اللہ تعالیٰ کی شان اور مسلم وکافر کے انجام کا بیان

۱- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔اگر ''الحمد'' میں لام عہد کا ہے تو اس سے مخصوص و معین حمد وثناء مراد ہے' سو اس صورت میں اس سے وہ حمد مراد ہوگی جو خود محمود (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنی حمد وثناء کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف جو خود بیان کی ہے وہ اسی کا خاصہ ہے' اس جیسی تعریف کوئی اور نہیں کرسکتا) اور اگر یہ لام استغراق کا ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ تمام محامد کا وہی مستحق ہے' تمام قسم کی تمام تعریفیں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور ''لِلّٰهِ'' میں لام تملیک کا ہے کیونکہ اصل میں تعریف بیان کرنے والے کا خالق وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' سو تعریف کا مالک بھی اسی کی ملکیت میں ہے اور توصیف وتعریف کا اہل بھی وہی ہے ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' پیدائش کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے اور قبضہ کے اعتبار سے' سب اسی کے لیے ہے' پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ ہر حال میں اس کی تعریف وتوصیف کی جائے' پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں اسی کی حمد وثناء بیان کی جائے گی جیسا کہ دنیا میں اسی کی تعریف وتوصیف بیان کی جاتی ہے کیونکہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں تمام نعمتیں اسی مولیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں مگر یہاں دنیا میں اس کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف واجب ولازم ہے' اس لیے کہ دنیا دارِ تکلیف ہے (اس میں انسان حمد الٰہی کا مکلف ہے) اور وہاں آخرت میں واجب نہیں کیونکہ وہاں انسان مکلف نہیں ہوگا اور البتہ اہل جنت اخروی نعمتوں سے مسرور وخوش ہوکر اور اجر عظیم پانے پر لذت وراحت پاکر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہیں گے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ'' (الزمر:۷٤) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کردکھایا''۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ'' (الفاطر:۳٤) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم ورنج کو دور کردیا'' ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے میں وہی بہت بڑا حکمت والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ جزا اور بدلے کے دن جو اس کی تعریف کریں گے' ان کے باطن کو وہ خوب جاننے والا اور پوری طرح خبردار ہے۔

۲- ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو مُردوں اور دفینوں (بارش کے قطروں اور مختلف اجناس کے بیجوں اور مختلف کیڑوں) میں سے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے [یہ جملہ مستانفہ ہے اور ''مَا یَلِجُ'' بہ معنی ''مَا یَدْخُلُ'' ہے] ﴿وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ اس زمین سے نباتات (یعنی درخت' پودے' باغات اور انگوریاں) اور معدنیات سے (نیز بلوں اور سوراخوں میں سے کیڑے مکوڑے ودیگر جنگلی حیوانات) باہر نکلتے ہیں ﴿وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو کچھ آسمان سے بارشوں اور مختلف اقسام کی برکتوں (مثلاً فرشتوں' کتابوں' تقدیروں' رزقوں' رحمتوں اور مغفرتوں) میں سے نازل ہوتا ہے ﴿وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (یعنی) جو کچھ فرشتوں اور دعاؤں (ارواحِ مؤمنین' اعمالِ صالحہ اور مظلوموں کی فریادوں) میں سے آسمان کی طرف چڑھتا ہے ﴿وَهُوَ الرَّحِیْمُ﴾ اور وہ اپنی تمام مخلوقات پر جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے نازل کرکے بے حد رحم فرمانے والا ہے ﴿الْغَفُوْرُ﴾ نافرمانی کرنے والے گناہ گار مسلمانوں کو (توبہ کرنے پر) بہت بخشنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ
الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ
مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۳ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۴ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۵

اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ فرمائیے: کیوں نہیں! میرے رب تعالیٰ کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے گی' وہی غیب کا جاننے والا ہے' اس سے ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب میں ہے O تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان ہی کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کی ان ہی کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے O

۳- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کے منکروں نے کہا کہ ﴿لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ اس جملے میں انہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کی نفی کر دی اور قیامت کے آنے کا انکار کر دیا ﴿قُلْ بَلٰى﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ کیوں نہیں! وہ ضرور آئے گی۔ لفظ ''بَلٰی'' کے ذریعے نفی کے بعد قیامت کے آنے کا اثبات کیا گیا ہے اس بناء پر کہ ''بَلٰی'' کا معنی ہے کہ بات اس طرح نہیں بلکہ وہ ضرور آئے گی ﴿وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ اور مجھے اپنے رب تعالیٰ کی قسم! البتہ وہ تم پر ضرور آئے گی۔ اس کلامِ مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بطور تاکید قیامت کے اثبات کا اعادہ کیا گیا ہے کیونکہ تاکید و تشدید میں یہی مقصود ہے اور وہ ہے اللہ عزوجل کے ساتھ قسم کی تاکید کرنا' پھر اس قسمی تاکید کو مقسم بہ کے بعد آنے والے وصف کے ساتھ دراز کیا گیا ہے اور وہ وصف یہ ارشاد ہے کہ ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ وہی غیب کا جاننے والا ہے' کیونکہ مقسم بہ (رب تعالیٰ) کے حال کی عظمت و رفعت مقسم علیہ (قیامت) کے حال کی قوت و اثبات اور اس کی استقامت کا اعلان و اظہار کرتی ہے' اس لیے کہ یہ کسی معاملہ پر گواہی دینے کے قائم مقام ہوتی ہے اور جب مستشہد بہ (رب تعالیٰ) ارفع و اعلیٰ مرتبہ کا ہوگا تو گواہی زیادہ قوی اور زیادہ مؤکد ہوگی اور اسی طرح مستشہد علیہ (ثبوت قیامت) زیادہ ثابت اور زیادہ پختہ ہوگا اور جب قیامت کا قیام غیوب کے مشاہیر میں سے ہے اور خفاء و پوشیدگی میں زیادہ داخل ہے تو اس کے وصف کا غیب کے جاننے والے رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بلند و بالا ہونا زیادہ اولیٰ ہے [نافع اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''عَالِمُ الْغَيْبِ'' میں ''عالم'' مرفوع ہے ''ای ھو عالم الغیب'' یعنی وہی غیب جاننے والا ہے جب کہ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے طور پر (علام الغیب) ہے] ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ﴾ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے [علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''زا'' کے نیچے زیر ہے (یعنی باب ضرب یضرب ہے) چنانچہ ''عزب'' اور ''یعزب'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی غائب اور دور ہو جائے] ﴿مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر

(یعنی) چھوٹی چیونٹی کے برابر ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے (یعنی) ذرّہ برابر سے چھوٹا اور نہ ذرّہ برابر سے بڑا ﴿اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر روشن کتاب میں ہے (یعنی) مگر لوحِ محفوظ میں ہے [''ولا اصغر'' اور ''ولا اکبر'' دونوں مرفوع ہیں اور ''مثقال ذرّة'' پر معطوف ہیں اور ''اِلّا'' بہ معنی ''لٰکنّ'' ہے یا پھر مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''فی کتاب مبین'' خبر ہے]۔

٤- ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے۔ یہ مغفرت و بخشش ان کے لیے ہے جنہوں نے ایمان کے مدارج میں کوتاہی نہیں کی ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ ان لوگوں کے لیے عزت کی روزی ہے جنہوں نے احسان کے راستوں پر صبر کیا۔ یہ ''لَتَاْتِيَنَّكُمْ'' کے متعلق ہے اور ''لیجزی'' میں لام اس کی علت بیان کرنے کے لیے ہے (یعنی قیامت اس لیے آئے گی تاکہ نیک مسلمانوں کو جزائے خیر اور غیر مسلموں کو سزا دی جائے)۔

٥- ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی (یعنی) انہوں نے قرآن مجید کو رد کرنے میں کوشش کی ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ عاجز کرنے والے، غالب آنے والے اس گمان کی بناء پر کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے (یعنی کفار ہمیں عاجز کرنے اور ہم پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ ہماری گرفت سے بچ جائیں) [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''معجزین'' ہے] یعنی وہ لوگوں کو ہماری آیات (قرآنی) کی اتباع سے اور ان میں غور و فکر کرنے سے روکتے تھے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عجز و کمزوری کی طرف منسوب کرتے تھے ﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب میں سے دردناک عذاب ہے [ابن کثیر مکی، حفص اور یعقوب کی قراءت میں ''اَلِيْمٌ'' عذاب کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی عذاب کے درمیان میں سے دردناک عذاب۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''الرجز'' کا معنی ہے: بدترین اور بُرا عذاب، اور دیگر قراء کی قراءت میں ''اَلِيْمٍ'' مجرور ہے کہ ''رجز'' کی صفت ہے]۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ
يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۞ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ
عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، اور وہ اس ذات کے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب پر غالب (اور) تمام خوبیوں کے لائق ہے O اور کافروں نے کہا کہ کیا ہم ایسے آدمی کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل پارہ پارہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تو بے شک تم دوبارہ نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے O

## اہلِ علم مسلمانوں کی شان اور کفارِ مکہ کی مذمت

٦- ﴿وَيَرَى﴾ اور دیکھتے ہیں ''اَیْ یَعْلَمُ'' یعنی جانتے ہیں [یہ جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور وہ لوگ جو آپ کی امت

میں سے ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے یا اہل کتاب کے وہ علماء مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما (لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ سورت مکی ہے اگرچہ مکی سورت میں آیت مدنی ہوسکتی ہے) ﴿الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید ﴿هُوَ الْحَقَّ﴾ وہ حق ہے یعنی سچ ہے [''ھو'' ضمیر فصل ہے اور ''الحق'' دوسرا مفعول ہے یا ''لیجزی'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] یعنی اہل علم پختہ علم کے ساتھ قیامت کے آنے کے بارے میں خوب جانتے ہیں کہ بے شک قیامت کا آنا برحق ہے' اس پر ان کے یقین میں مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا ﴿وَیَهْدِیْٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے یا وہ قرآن مجید ہدایت دیتا ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ سب پر غالب (اور) تمام تعریفوں کے لائق خدا کی راہ کی طرف اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

۷- ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے کہا (یعنی) قریش مکہ کے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ﴾ کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں بتائیں۔ کفار مکہ ''رَجُلٍ'' سے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا قصد کرتے تھے اور اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ذاتی نام سے قریش مکہ میں مشہور و معروف تھے اور آپ کا اعلانِ نبوت بھی ان کے ہاں مشہور تھا' لیکن انہوں نے آپ کی ذاتِ مبارک اور آپ کے مشن سے اَن جان بن کر اور تجاہل برتنے کے لیے ''رجل'' کو نکرہ بیان کیا اور تجاہل کا باب بلاغت میں ہے ﴿یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ وہ تمہیں بتاتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ ہوکر ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے تو بے شک تم نئے سرے سے پیدا ہوکر اٹھو گے یعنی وہ تمہیں بہت سے عجائبات میں سے کئی عجیب باتیں بیان کرتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تم نئی پیدائش میں پیدا کیے جاؤ گے' اس کے بعد کہ تم ریزہ ریزہ اور چورہ چورہ ہوکر مٹی میں مل چکے ہوگے اور تمہارے پرانے اجسام بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہوچکے ہوں گے ''كل ممزق'' کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں ہر قسم کے ٹکڑوں میں تقسیم کردے گا [اور ''مُمَزَّقٌ'' مصدر میمی بہ معنی تمزیق ہے اور ''اِذَا'' میں عامل وہ فعل ہے جس پر ''اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ'' دلالت کرتا ہے یعنی ''تُبْعَثُوْنَ'' اور ''جدید''، ''فعیل'' کے وزن پر ہے اور بصریوں کے نزدیک بہ معنی فاعل ہے جیسے ''جَدَّ جَدِیْدٌ'' اور ''قَلَّ''، ''قلیل'' ہے اور ''اِنَّكُمْ'' میں ہمزہ کو مفتوح پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی خبر میں لام ہے]۔

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ط بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾ ع

کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے جنون ہوگیا ہے' بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور بہت دور کی گمراہی میں گرفتار ہیں O تو کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین میں سے احاطہ کیے ہوئے ہیں' اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا

دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانی ہے O

۸- ﴿ اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے (یعنی) کیا یہ نبی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ حشر ونشر کی خبر سنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے [''افتریٰ'' میں ھمزہ استفہام کا (سوالیہ) ہے اور وصل کا ھمزہ گرا دیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی] ﴿ اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ ﴾ یا انہیں جنون ہو گیا ہے جو انہیں اس وہم میں ڈالتا ہے اور ان کی زبان پر ایسی بات جاری کر دیتا ہے ﴿ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴾ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (مستقبل میں) عذاب میں مبتلا ہوں گے اور وہ (فی الحال) دور کی گمراہی میں گرفتار ہو چکے ہیں' پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں افتراء اور جنون میں سے کچھ بھی نہیں اور آپ ﷺ کسی پر افتراء و بہتان تراشی اور جنون و دیوانگی دونوں سے مبرّا اور پاک ہیں بلکہ افتراء و جنون کی بات کہنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے خود دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور وہ اب بھی ایسی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں جو انہیں حق سے دور لے جا رہی ہے اور وہ اس سے غافل ہو چکے ہیں اور یہی بدترین جنون ہے' کفار کے عذاب میں گرفتار ہونے کو ان کے گمراہی میں مبتلا ہونے کے ساتھ معلق بیان کیا گیا ہے' گویا یہ دونوں ایک وقت میں ہونے والے ہیں کیونکہ جب عذاب گمراہی کے لوازم میں سے ہے تو دونوں کو گویا متصل قرار دیا گیا ہے [''ضلال'' کا وصف بعید اسناد مجازی میں سے ہے کیونکہ اصل میں ''بعید''،''ضال'' گمراہ ہونے والے کی صفت ہے کیونکہ وہی راہِ حق سے دور ہوتا ہے]۔

۹- ﴿ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ ﴾ سو کیا انہوں نے اس طرف نہیں دیکھا کہ ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین نے انہیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے' اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں [علی کسائی کی قراءت میں ''نخسف'' کی ''فا'' کو ''بِھِم'' کی ''با'' میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے' محض اس لیے کہ ''فا'' اور ''با'' کے درمیان مخرج میں تقارب ہے (کہ دونوں شفوی ہیں) اور بعض قراء نے اس ادغام کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ''فا'' کی آواز ''با'' پر زیادہ ہوتی ہے] ﴿ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ ﴾ یا ہم ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں یعنی کیا وہ اندھے ہو گئے ہیں کہ انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا اور بے شک آسمان و زمین دونوں نے وہ جہاں بھی رہیں اور وہ جہاں بھی جائیں' ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہر طرف سے انہیں گھیرا ہوا ہے' وہ ان دونوں کے اطراف سے شگاف ڈال کر نکل نہیں سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی سے بھی نہیں نکل سکتے' جس میں وہ رہ رہے ہیں اور وہ اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر آسمان سے (آگ کے گولے اور) ٹکڑے گرا دے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا ہے اور اس کے محترم و مکرم رسول کی نبوت کا انکار کیا ہے اور ان کی تعلیمات کا انکار کیا ہے جیسا کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اور ایکہ کے رہنے والوں پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئی تھیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر کوفی قراء نے تینوں افعال کو ''یا'' کے ساتھ ''ان یشأ یخسف بھم الارض او یسقط'' پڑھا ہے اور حضرت حفص کی روایت ''کِسَفًا'' میں سین مفتوح ہے (اور یہ ''کسفۃ'' کی جمع ہے)] ﴿ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ ﴾ بے شک اس میں (یعنی) آسمان اور زمین کی طرف عبرت کی نگاہ سے دیکھنے میں اور ان دونوں میں غور و فکر اور تدبر و سوچنے میں اور ان چیزوں کی طرف غور سے دیکھنے میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار پر دلالت کرتی ہیں ﴿ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴾ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور نشانی اور رہنمائی موجود ہے کیونکہ رجوع کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرنے سے خالی نہیں ہوتا' جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے

اور قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہے اور ان لوگوں کو عذاب و سزا دینے پر بھی قادر ہے جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ﴿۱۰﴾

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ

اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا خصوصی فضل عطا فرمایا' (اور حکم دیا کہ) اے پہاڑو! تم اس کے ساتھ تسبیح پڑھو اور اے پرندو! (تم بھی)' اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور کڑیاں جوڑنے میں مناسب اندازے کا لحاظ رکھیں اور تم نیک عمل کرو' بے شک تم جو کچھ عمل کرتے ہو میں اسے خوب دیکھنے والا ہوں O اور سلیمان کے لیے ہوا کو تابع بنا دیا اس کی صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور اس کی شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا' اور جنوں میں سے کچھ اس کے سامنے اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے' اور ان میں سے جو ہماری حکم عدولی کرے گا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O

## حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے خصوصی فضائل کا بیان

۱۰- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے خصوصی فضل و احسان عطا فرمایا کہ (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اور اے پرندو! تم (حضرت) داؤد علیہ السلام کے ساتھ میری تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے رہو۔ ''اوبی'' ''تاویب'' سے ماخوذ ہے یعنی تم حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے پھرو اور پہاڑوں کی تسبیح بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تسبیح پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ان کی تسبیح اس طرح سنتے تھے جس طرح تسبیح بیان کرنے والے انسانوں کی تسبیح سنتے تھے' اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

اور اس عبارت میں ایسی عظمت و رفعت کا بیان ہے جو کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ یہاں اس عبارت میں پہاڑوں کو ان عقل مندوں کے قائم مقام کیا گیا ہے جن کو جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تو وہ اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں بلاتا ہے تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور بلاوے کا جواب دیتے ہیں اور پہاڑوں اور پرندوں کو یہ خطاب و نداء صرف یہ بتانے کے لیے ہے کہ کوئی حیوان اور جماد نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کے تابع اور مطیع و فرماں بردار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما دیتا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنا فضل عطا کیا کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے تھے' تو یہ عظمت و رفعت حاصل نہ ہوتی [''یا جبال''، ''فضلا'' سے بدل ہے یا ''اتینا'' سے بدل ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''قولنا یا جبال او قلنا یا جبال'' ہمارا فرمان تھا کہ اے پہاڑو!' یا ہم نے فرمایا: اے پہاڑو!' اور

''وَالطَّیرَ'' نصب کی حالت میں ''جبال'' کے محل پر عطف ہے اور ''وَالطَّیرُ'' رفعی حالت میں لفظ ''جبال'' پر عطف ہے]۔

﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا اور ہم نے اس کو آپ کے لیے مٹی اور آٹے کی طرح نرم بنا دیا کہ آپ اسے آگ میں گرم کیے بغیر اور ہتھوڑا مارے بغیر جیسے چاہتے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر گھما دیتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس قدر مضبوط قوت عطا کی تھی کہ آپ موم کی طرح لوہے کو جیسے چاہتے موڑ دیتے تھے اور اُسے موم کی طرح آسانی سے استعمال کر لیتے تھے۔

۱۱- ﴿أَنِ اعْمَلْ﴾ ''اَنْ'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے۔ ''اَیْ اَمَرْنَاهُ اَنِ اعْمَلْ'' ﴿سٰبِغٰتٍ﴾ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ مکمل اور کشادہ زرہیں تیار کریں۔ ''سابغات''، ''سبوغ'' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: دراز اور کامل زرہ بنانا اور حضرت داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بنائی تھی اور آپ ایک زرہ بنا کر چار ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے' پس ان میں سے کچھ (دو ہزار درہم) اپنے اوپر اور اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتے تھے اور کچھ (دو ہزار درہم) فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیتے تھے' اور بعض حضرات نے بیان فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس تبدیل کر کے ایک اجنبی شخص بن کر لوگوں سے اپنے بارے میں پوچھتے اور ان سے فرماتے کہ تم لوگ (حضرت) داؤد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ وہ کیسے بادشاہ ہیں؟ سو لوگ آپ کے عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ پر آپ کی تعریف کرتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو ایک آدمی کی صورت میں متشکل فرما کر آپ کے پاس بھیج دیا' چنانچہ آپ نے حسب عادت اس سے اپنے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن ان میں ایک عادت ہے' کاش! وہ عادت ان میں نہ ہوتی' آپ نے پوچھا: وہ کون سی عادت ہے جو نہیں ہونی چاہیے' اس نے کہا کہ وہ عادت یہ ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کو بیت المال سے کھانا کھلاتے ہیں' سو آپ نے اسی وقت اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! میرے لیے کوئی سبب بنا دے کہ میں بیت المال سے بے نیاز ہو جاؤں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی ﴿وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازے کا خیال رکھیں' زرہ کے حلقے برابر برابر جوڑیں تا کہ ان کی وضع مناسب ہو اور آپ زرہ کی کیلیں نہ اتنی باریک بنائیں کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر نہ سکیں بلکہ گھومتی رہیں اور نہ اس قدر موٹی ہوں کہ ان سے حلقے ٹوٹ جائیں اور ''سرد'' کا معنی ہے: زرہوں کی کڑیاں جوڑنا یا زرہیں بُننا ﴿وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ اور تم نیک عمل کرو (یعنی) خالص عمل جو قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس میں جمع کا خطاب آپ کو اور آپ کے جملہ اہل و عیال کو ہے ﴿إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ تم جو جو اعمال کرتے رہتے ہو بے شک میں ان سب کو خوب دیکھتا رہتا ہوں' سو میں ان پر تمہیں ضرور جزائے خیر عطا کروں گا۔

۱۲- ﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ﴾ ''اَیْ سَخَّرْنَا لِسُلَیْمَانَ الرِّیْحَ'' یعنی ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر اور ان کے تابع کر دیا اور وہ باد صبا تھی (یعنی مشرقی ہوا جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے) [ابو بکر کوفی اور حماد اور فضل کی قراءت میں ''الریح'' مرفوع ہے ''اَیْ لِسُلَیْمَانَ الرِّیْحُ مُسَخَّرَةٌ''] یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا ہے اور ان کے حکم کے تابع بنا دیا گیا ہے ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ صبح کے وقت اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور شام کے وقت اس کی رفتار اسی طرح ایک ماہ کی مسافت تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام (اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر ہوا پر سوار ہو جاتے اور) صبح کے وقت دمشق سے ہوا آپ کو اُڑا کر روانہ ہوتی اور آپ فارس کے

ایک شہر اصطخر میں پہنچ کر قیلولہ فرماتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اور آپ شام کے وقت اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں پہنچ کر گزارتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کی مسافت ہے اور بعض اہل علم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح ناشتہ رئے کے شہر میں اور شام کا کھانا سمرقند میں پہنچ کر کھاتے تھے ﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ اور ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے قطر کا چشمہ بہا دیا یعنی پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ''قطر'' کا معنی ہے: تانبا' اور یہ زرد رنگ ہوتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی کی طرح بہنے والا بنا دیا' چنانچہ یہ چشمہ ایک ماہ میں تین دن پانی کی طرح بہتا تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے نہیں پگھلتا تھا اور اس کا نام ''عین القطر'' تانبا کا چشمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ آخر کار یہ پھر تانبا بن جاتا ہے ﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اور جنوں میں سے کچھ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آپ کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے [اور ''ومن الجن'' میں ''مِنْ'' نصب کے محل میں واقع ہے'' ای سخرنا لہ من الجن من یعمل الخ''] یعنی ہم نے ان کے لیے بعض جنوں کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے سامنے ان کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے' ''باذن ربہ'' بہ معنی ''بامر ربہ'' ہے ﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا﴾ اور ان جنوں میں سے جو جن ہمارے اس حکم سے روگردانی کرے گا جو ہم نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کے بارے میں دیا ہوا ہے تو ﴿نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے (یعنی) آخرت کا عذاب اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا تھا' سو جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا تو وہ فرشتہ آگ کا کوڑا اس کو زور سے مارتا جو اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتا۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۭ ⑭

وہ سلیمان کے لیے جو آپ چاہتے محلات اور تصویریں اور بڑے بڑے حوض کی طرح پراتیں اور ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے' اے آل داؤد! تم میرا شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرتے رہو اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں O پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے انہیں (یعنی جنات کو) اس کی موت کے متعلق آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والی ایک دیمک نے جو اس کے عصا کو کھاتی رہی' سو جب وہ گر پڑے تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت ناک عذاب میں مبتلا نہ رہتے O

١٣ - ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾ وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے وہی کام کرتے جو آپ

چاہتے' بہت مضبوط محلات تیار کرتے یعنی وہ مسجدیں بناتے تھے اور مکانات تیار کرتے تھے ﴿ وَتَمَاثِيْلَ ﴾ اور مورتیاں تیار کرتے یعنی وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جنات نے آپ کے لیے آپ کی کرسی کے نیچے دو شیر اور اوپر کے حصے میں دو گدھ بنادیئے' چنانچہ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو دونوں شیر آپ کے لیے اپنے دونوں بازو پھیلا دیتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو دونوں گدھ اپنے پروں کے ساتھ آپ پر سایا کرتے اور اس زمانہ میں تصویر بنانا جائز تھا ﴿ وَجِفَانٍ ﴾ اور وہ بڑے بڑے لگن' تھال اور پراتیں تیار کرتے تھے'' جفان '' '' جفنة '' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: بہت بڑا پیالہ' تھال اور پرات ﴿ كَالْجَوَابِ ﴾ '' جابية '' کی جمع ہے اور یہ بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ لگن اور پرات اتنا بڑا ہوتا تھا کہ ایک ہزار آدمی بیٹھ کر اس میں سے کھانا کھا سکتے تھے [ ابن کثیر مکی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں '' یَا '' کے ساتھ '' كالجوابی '' ہے' ابوعمرو نے وصل کی حالت میں انہیں کی موافقت میں '' كالجوابی '' '' یَا '' کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے بغیر '' یَا '' صرف کسرہ پر اکتفاء کیا ہے ] ﴿ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ﴾ اور چولہوں پر جمی رہنے والی (پتھروں سے یا تانبے کی بنی ہوئیں) بڑی بڑی دیگیں جو بہت بڑی ہونے کی وجہ سے چولہوں سے نہیں اتاری جا سکتیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ایسی دیگیں یمن میں ہوا کرتی تھیں اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ﴾ اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو یعنی تم ملکی باشندوں پر رحم و کرم کرو اور تم اپنے پروردگار سے خیر و عافیت کا سوال کیا کرو۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی منقول ہے [ '' شکرا '' مفعول لہ ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے ] یعنی شکر کرنے کے لیے نیک عمل کرو یا یہ معنی ہے کہ تم اس کا خوب شکر ادا کرو کیونکہ '' اعملوا '' کا معنی بھی شکر کرو ہے' اس اعتبار سے کہ منعم (انعام دینے والا) کے لیے کوئی عمل کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے یا یہ مفعول بہ ہے یعنی بے شک ہم نے تمہارے لیے جنوں کو مسخر کر دیا ہے' تم جو چاہتے ہو وہ تمہارے لیے کام کرتے ہیں' سو تم بھی شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شکر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی تمام تر توانائیاں اور کوششیں اپنے معبود برحق کے سامنے خرچ کر دینا شکر ہے ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں (یعنی) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے اور اپنی پوری کوشش شکر ادا کرنے میں خرچ کرنے والے' جو اپنے دل سے اور اپنی زبان سے اور اپنے اعضاء سے عقیدت و ایمان اور اعتراف و اقرار اور محنت و مشقت کے ساتھ شکر ادا کرنے میں مشغول رہتے ہوں بہت کم ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو اپنے تمام حالات میں شکر کرتا رہتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شکر گزار وہ ہے جو شکر ادا کرنے پر بھی شکر ادا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو شکر کرنے کے باوجود اپنے آپ کو شکر سے عاجز خیال کرے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے رات اور دن کے اوقات کو اپنے اہل خانہ پر تقسیم کر رکھا تھا' چنانچہ تمام اوقات میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا مگر اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آل میں سے کوئی نہ کوئی آدمی نماز میں مشغول ہوتا۔

١٤- ﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ﴾ پھر جب ہم نے ان پر یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ﴿ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ ﴾ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر یعنی جنوں کو یا داؤد علیہ السلام کی آل کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر کسی نے آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والے جانور نے یعنی لکڑی کھانے والے ایک چھوٹے سے کیڑے نے آگاہ کیا اور وہ دیمک تھی جسے سُرفہ کہا جاتا تھا۔ '' الارض '' دیمک کا فعل ہے اس لیے '' دابة '' یعنی

دیمک کی ''الارض'' کی طرف اضافت کی گئی ہے (کیونکہ ''ارض'' کا معنی کھانا ہے' دیمک کو ''ارضة'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لکڑی کو کھا جاتا ہے جیسے آسمان کے مقابلے میں زمین کو ''ارض'' کہا جاتا ہے کہ یہ اجسام بنی آدم کو کھا جاتی ہے) چنانچہ ''ارضت الخشبة الارضة'' اس وقت بولا جاتا ہے جب لکڑی کو دیمک کھا جاتی ہے ﴿تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ﴾ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھاتی رہی' اور ''منساۃ'' سے آپ کا عصا مبارک مراد ہے کیونکہ آپ اس سے دفاع کا کام لیتے تھے یعنی موذی جانوروں کو بھگا دیتے تھے [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں بغیر ہمزہ ''منسالہ'' ہے] ﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ﴾ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر گر پڑے تو جنوں نے واضح طور پر جان لیا' اس کے بعد کہ یہ معاملہ ان کے عوام اور بوڑھوں پر مشتبہ ہو چکا تھا ﴿أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد وہ ذلت ناک عذاب میں گرفتار نہ رہتے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کے نصب ہونے کی جگہ پر بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی' پھر بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے آپ وفات پا گئے اور اپنی موت سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت کر دی تھی' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل کا حکم دیا' پھر جب آپ کی عمر میں سے صرف ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی موت کو ان پر پوشیدہ رکھے یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل سے فارغ ہو جائیں اور تاکہ علم غیب کے بارے میں ان کا دعویٰ باطل ہو جائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر ترپن (۵۳) سال تھی اور جب آپ بادشاہ بنے تھے تو اس وقت تیرہ سال عمر تھی' اسی طرح وہ چالیس سال بادشاہ رہے اور بیت المقدس کی بنیاد کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب آپ کی بادشاہت کے چار سال گزر چکے تھے' اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ افریدون آیا تاکہ آپ کی کرسی پر بیٹھے لیکن جب وہ کرسی کے قریب آیا تو دو شیروں نے اس کی پنڈلی پر اپنے پنجے مارے' جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی ٹوٹ گئی' پھر اس کے بعد کسی کو جراءت نہ ہوئی کہ وہ اس کرسی کے قریب جا سکے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾

بے شک اہل سبا کے لیے ان کے گھروں میں ایک نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں تھے' (اور ان سے کہا گیا کہ) تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' یہ پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار بہت بخشنے والا ہے O پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بہت زور کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دو باغوں کو دو ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا جن کے پھل کڑوے تھے اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے تھوڑے سے درخت تھے O یہ ہم نے ان کو اس وجہ سے سزا دی کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کو O

## اہل سبا کے عروج وزوال کا بیان

۱۵- ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ﴾ بے شک اہل سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی ہے [''سبا'' الحی کی تاویل میں منصرف ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں ''قبیلۃ'' کی تاویل میں غیر منصرف ہے اور حمزہ اور حفص کی قراءت میں ''مَسْكَنِهِمْ'' میں سین ساکن اور کاف مفتوح اور نون مکسور ہے جب کہ علی کسائی اور خلف کی قراءت میں سین ساکن ہے مگر کاف اور نون مکسور ہیں یعنی ''مَسْكِنِهِمْ'' ہے اور یہ ان کی رہائش کی جگہ ہے اور یہ ان کا شہر تھا اور یہ ان کی وہ زمین تھی جس میں وہ لوگ یمن کے قریب رہائش پذیر تھے یا ان میں سے ہر ایک کی رہائش گاہ مراد ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے ہاں ''مساکنھم'' ہے اور ''ایۃ''، ''کَانَ'' کا اسم ہے] ﴿جَنَّتٰنِ﴾ دو باغ تھے [اور یہ ''ایۃ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے' جس کی تقدیر عبادت اس طرح ہے: ''الایۃ جنتان''] دونوں باغ ایک نشانی تھے اور ان دونوں کے نشانی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے باشندوں نے جب اللہ تعالیٰ کے شکر سے روگردانی کی اور اس سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت چھین لی تا کہ وہ لوگ عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور نعمتوں پر ناشکری اور کفر کی جس روش پر وہ گامزن تھے' اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹ جائیں یا اللہ تعالیٰ نے ان دو باغات کو ایک نشانی قرار دیا یعنی ایسی نشانی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے احسان اور اس کے شکر کے وجوب پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے ﴿عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ﴾ دائیں طرف اور بائیں طرف۔ دونوں میں سے ایک جماعت مراد ہے' ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب میں واقع تھی اور دوسری جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب میں واقع تھی اور دونوں جماعتوں میں ہر ایک' ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر گویا وہ ایک باغ ہے جیسا کہ آباد شہروں میں دو باغ ہوتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے دو دو باغ تھے' ایک باغ اس کی رہائش گاہ کی دائیں جانب ہوتا اور دوسرا باغ اس کی رہائش گاہ کی بائیں جانب میں ہوتا تھا ﴿كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾ تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف بھیجے گئے تھے انہوں نے ان لوگوں سے جو فرمایا تھا یہ اس کی حکایت ہے یا یہ اس کی حکایت ہے جو کہنے والے کی زبان نے ان سے کہا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے یہ کہا جائے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تو اس کے بعد فرمایا کہ ﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ﴾ یعنی یہ شہر جس میں تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے بڑا پاکیزہ اور عمدہ شہر ہے اور تمہارا رب تعالیٰ جس نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے اور تم سے شکر ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہے وہ شکر ادا کرنے والوں کو بہت بخشنے والا پروردگار ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صنعاء سے تقریباً چوبیس کلومیٹر کے فاصلے پر سبا شہر واقع ہے اور یہ سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا' یہاں کے رہنے والے بڑے خوش حال تھے' کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھ کر باغ کے درختوں کے درمیان سے گزرتی تو اس کا ٹوکرا ان پھلوں سے بھر جاتا تھا جو خود بخود گرتے تھے' اسے ہاتھ سے توڑنا نہیں پڑتا تھا اور یہ تمام شہروں سے پاکیزہ شہر تھا' اس میں نہ مچھر ہوتے اور نہ مکھیاں اور نہ پسو اور نہ بچھو ہوتے تھے اور اس میں نہ سانپ ہوتے تھے اور باہر کے مسافروں میں جو مسافر یہاں سے گزرتا تو اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے اس کی جوئیں مر جاتی تھیں۔

۱۶- ﴿فَاَعْرَضُوْا﴾ سو ان لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و تعلیم سے روگردانی کی اور ان کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں جانتے ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ پس ہم نے ان پر بہت سخت زوردار سیلاب چھوڑ دیا یعنی سخت ترین بارش ان پر برسائی گئی یا ''العرم'' اس وادی کا نام ہے جس سے سیلاب کا

پانی ان پر چھوڑا گیا تھا یا پھر "عـرم" سے وہ چوہے مراد ہیں جنہوں نے بند میں سوراخ کر دیئے جس کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور وہ لوگ سیلاب میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے سرکشی اور ظلم وستم کا بازار گرم کیا اور انبیائے کرام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چوہوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے بند کے نیچے سے سوراخ کر دیئے (اور بند ٹوٹ گیا) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلابی پانی میں غرق کر دیا ﴿وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ﴾ اور ہم نے ان کے مذکورہ دو باغوں کے عوض میں انہیں دو باغ تبدیل کر کے دیئے [اور "جنتین" کو مذکورہ دو باغوں کا بدل قرار دینا صرف مشاکلت اور کلام کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ:۴۰) "اور برائی کا بدلہ اسی کی مانند برائی ہے"] ﴿ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ﴾ خاردار کڑوے پھل والے "الاكـل" کا معنی پھل ہے یہ پھل بھاری بھی ہوتا ہے اور ہلکا بھی [اور یہ نافع مدنی اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ہے] اور "الـخـمـط" پیلوں کا درخت (حالانکہ اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے) یا اس سے ہر خاردار درخت مراد ہے ﴿وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ﴾ اور جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیری کے کچھ درخت۔ "الاثل" ایک درخت ہے اُردو میں اسے جھاؤ کا درخت کہتے ہیں یہ طرفاء نامی درخت کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ اس سے بڑا ہوتا ہے اور اس کی لکڑی عمدہ ہوتی ہے [اور جس نے "الاكل" کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "ذواتی اكلٍ اكل خمطٍ" تھی پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور "اكل" کو تنوین کے ساتھ پڑھنے والا ابو عمرو کے علاوہ ہے یا پھر "اكل" موصوف ہے اس کی صفت "خمط" ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ بدمزہ پھل والے درخت اور ابو عمرو کی قراءت کی وجہ یہ ہے کہ "اكـل الخمط البريرة" کے معنی میں ہے سو گویا فرمایا گیا کہ پیلوں کے درخت کے پھل اور "اثل" اور "سدر" دونوں "اكل" پر معطوف ہیں "خمط" پر معطوف نہیں کیونکہ "اثـل" بے پھل درخت ہوتا ہے] حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیری کے درختوں کو قلت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ جن باغوں کو تبدیل کیا گیا ہے ان میں یہ بہترین اور لذیذ پھل دار درخت ہے یہی وجہ ہے کہ یہ درخت جنت کے باغوں میں بھی ہوگا (دراصل بیری کا درخت دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جس کا پھل لذیذ و میٹھا ہونے کی وجہ سے کھایا جاتا ہے جب کہ دوسرا وہ ہے جس کا پھل کڑوا اور سخت کھٹا ہوتا ہے جو کھایا نہیں جا سکتا مذکورہ آیت میں یہی مراد ہے)۔

۱۷- ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا﴾ ہم نے انہیں یہ سزا اس لیے دی کہ انہوں نے کفر و ناشکری کی "اَىْ جَزَيْنَاهُمْ ذَالِكَ بِكُفْرِهِمْ" یعنی ہم نے ان کو یہ سزا ان کے کفر اور ناشکری کی وجہ سے دی تھی ["ذلك"، "جزینا" کا دوسرا مفعول ہے جو اپنے فعل سے مقدم ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کو [یہ ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت ہے (جس میں فعل معروف جمع متکلم ہے) جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں ہے: "وَهَلْ يُجَازٰى اِلَّا الْكَفُوْرُ" اور سزا صرف ناشکروں کو دی جاتی ہے (یعنی فعل مضارع غائب مجہول) یعنی اس قسم کی سزا صرف انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے یا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں یا یہ "هـل يـعـاقـب" کے معنی میں ہے کیونکہ "الـجـزاء" اگرچہ عام ہے چنانچہ یہ "مـعـاقـبـت" کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور "ثـواب" کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں خاص معنی مراد ہے اور وہ عقاب یعنی سزا ہے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کے زمانہ میں تھے جسے زمانہ فترت کہا جاتا ہے]۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا
السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا
وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا
فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ
بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ع ۱۴ ۸

اور ہم نے ان لوگوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنادیں اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کے لیے منزلیں مقرر کر دیں' تم ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن و امان کے ساتھ سیر و سیاحت کروO سو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں داستانیں بنادیا اور ہم نے ان کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا' بے شک بہت زیادہ صبر کرنے والوں (اور) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والوں کے لیے اس میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیںO اور بے شک ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا' سو مسلمانوں کی جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی اختیار کر لیO اور شیطان کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں تھا مگر تا کہ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہو چکے ہیں' اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہےO

۱۸- ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ اور ہم نے ان سبا والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی گونا گوں نعمتوں اور بہترین چشموں کے ذریعہ خوش حالی عطا کی تھی اور یہ شام کے ملک کی بستیاں تھیں ﴿قُرًى ظَاهِرَةً﴾ نمایاں بستیاں بنادی تھیں جو ایک دوسرے کے نزدیک تھیں' اسی قرب کی وجہ سے ایک بستی سے دوسری کو دیکھا جا سکتا تھا' پس یہ بستیاں دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے عیاں تھیں اور یہ مسافروں کے لیے نمایاں تھیں کیونکہ یہ ان کے راستوں سے دور نہیں تھیں' اس لیے ان پر یہ پوشیدہ نہیں ہو سکتی تھیں اور یہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں' جو سبا سے لے کر ملک شام تک ایک دوسرے کے قریب ملی ہوئی تھیں ﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ اور ہم نے سفر کے لیے منزلیں مقرر کر دیں یعنی ہم نے ان بستیوں کو سفری سہولت کے لیے معین و مناسب مقدار پر بنایا تھا تا کہ مسافر ایک بستی میں قیلولہ (دوپہر کو آرام کرنے کے لیے سونا) کریں اور شام کو دوسری بستی میں جا کر آرام کریں یہاں تک کہ وہ ملک شام تک پہنچ جائیں ﴿سِيرُوا فِيهَا﴾ اصل میں "وقلنا لھم سیروا فیھا" ہے (یعنی) اور ہم نے انہیں حکم فرمایا کہ تم ان بستیوں میں سیر و سیاحت کیا کرو۔ یہاں بہ ظاہر قول نہیں ہے لیکن جب انہیں سیر و سیاحت کی قدرت اور قوت دی گئی اور اس کے تمام اسباب ان کے لیے مہیا کر دیئے تو گویا انہیں اس کا حکم دیا گیا ﴿لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ﴾ یعنی تم ان بستیوں میں اگر چاہو تو رات کو سیر کرو اور اگر چاہو تو دن کو سیر کرو کیونکہ اوقات کے اختلاف سے امن مختلف نہیں ہوتا' یا یہ معنی ہے کہ تم

ان بستیوں میں امن وامان کے ساتھ سیر کرو کسی دشمن سے نہ ڈرو اور نہ بھوک سے اور نہ پیاس سے اگرچہ تمہارے سفر کی مدت دراز ہی کیوں نہ ہو جائے اور دن ورات طویل کیوں نہ ہو جائیں۔

۱۹ - ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ سو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں دوری ڈال (یعنی) انہوں نے کہا: اے کاش! دور دراز کے سفر ہوتے اور ہم سواریوں پر سوار ہو کر سفر کرتے اور تجارت کے کاروبار میں خوب نفع حاصل کرتے اور ہم اپنے جانوروں اور اسباب کی وجہ سے غریبوں پر فخر کرتے۔ دراصل اہل سبا نعمتیں حاصل کر کے اترا گئے اور تکبر وغرور میں آ گئے اور عافیت وتندرستی سے اکتا گئے اور وہ محنت ومشقت کے خواہاں ہوئے [ابن کثیر کی اور ابوعمرو کی قراءت میں "بَعِّدْ" (باب تفعیل کا امر) ہے] ﴿وَظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور انہوں نے کفر وشرک کے کلمات بول کر اور نعمتوں پر ناشکری اور انبیائے کرام کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ سو ہم نے ان کو افسانے اور داستانیں بنا دیا جنہیں لوگ بیان کرتے ہیں اور ان کے حالات سے تعجب کرتے ہیں ﴿وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ اور ہم نے ان کو خوب ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر دیا' لوگ ان کی تفریق کی مثال بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اہل سبا تتر بتر ہو گئے اور سبا کے قبیلے منتشر ہو گئے' چنانچہ قبیلہ غسان' ملک شام میں چلا گیا اور قبیلہ انمار' یثرب (مدینہ منورہ کا سابق نام) میں اور قبیلہ جذام' تہامہ میں اور قبیلہ ازد' عمان میں چلا گیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بے شک اس میں البتہ گناہوں اور بُری خواہشات سے صبر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والوں کے لیے یا ہر مؤمن کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں کیونکہ ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے۔

۲۰ - ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ [اہل کوفہ کے قراء کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ "صَدَّقَ" ہے یعنی شیطان نے ان پر اپنا گمان سچا ثابت کر دیا یا شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا پایا اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے تخفیف کے ساتھ "صَدَقَ" پڑھا ہے یعنی وہ اپنے گمان میں سچا ثابت ہوا] ﴿فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف مسلمانوں کے ایک گروہ کے علاوہ سب نے اس (شیطان) کی پیروی اختیار کر لی [ "عَلَيْهِمْ" میں اور "فَاتَّبَعُوْهُ" میں ضمیر "هُمْ" اہل سبا کی طرف لوٹتی ہے یا پھر تمام اولادِ آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد "اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" میں مسلمانوں کو قلیل اور تھوڑا قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان کفار کی نسبت کم اور تھوڑے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O" (الاعراف: ۱۷) "اور آپ ان میں بہتوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے O"]۔

۲۱ - ﴿وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور جن لوگوں کے بارے میں ابلیس اور شیطان کا گمان سچا ثابت ہوا تھا' ان پر شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لیے کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں تھا ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ﴾ تا کہ جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے ہم اسے اس شخص سے ممتاز کر دیں جو اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے (یعنی) تا کہ ہم جس کو عدم کی حالت میں اپنے ازلی ابدی علم کے ساتھ جانتے تھے' اسے حالت وجود میں موجود کر کے اپنے علم کو ظاہر کر دیں اور تغیر و حدوث صرف معلوم پر جاری ہوا (کہ پہلے معدوم تھا اور اب موجود ہو گیا) لیکن علم الٰہی پر جاری نہیں ہوا ﴿وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے اور وہ ہر چیز کا محافظ ہے [اور فعیل اور مفاعل دونوں آپس میں بھائی بھائی ہیں (سو اس لیے حفیظ اور محافظ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں' یعنی ہم معنی ہیں]۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ
قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

آپ فرمائیے کہ تم ان کو پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود گمان کرتے ہو' وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کے لیے ان دونوں کی ملکیت میں کوئی شراکت ہے' اور نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس (کسی کی) شفاعت فائدہ نہیں دے گی ماسوا اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا' یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی' تو وہ کہیں گے: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے' وہ کہیں گے کہ حق فرمایا' اور وہ عالی شان بڑا بزرگ ہے O آپ فرما دیجئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے کون رزق عطا کرتا ہے' فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ' اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں O

## معبودانِ باطلہ کے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۲۲- ﴿قُلِ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی قوم کے مشرکین سے فرمائیے کہ ﴿ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کو بلاؤ جن کو تم گمان کرتے ہو یعنی تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود خیال کرتے ہو [اصل میں "زعمتموهم الهة من دون الله" ہے' سو پہلا مفعول "هم" ضمیر ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور اسے حذف کر دیا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ: "اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ" (الفرقان: ۴۱) میں اسے حذف کر دیا گیا ہے' یہ حذف تخفیف کے لیے کیا گیا ہے تاکہ موصول اپنے صلہ سے مل کر طویل کلام نہ ہو جائے اور دوسرا مفعول "الهة" ہے اور اس کو بھی حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی صفت "من دون الله" کے ساتھ موصوف ہے اور جب موصوف کلام میں سمجھا جاتا ہو تو اس وقت اس کی صفت کو موصوف کے قائم مقام کر کے موصوف کا حذف جائز ہوتا ہے' پس "زعمتم" کے دونوں مفعول دو مختلف اسباب کی وجہ سے محذوف ہیں] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہو اور جن کے نام اللہ تعالیٰ کے نام پر تم رکھے ہوئے ہو' ان کو پکارو اور ان اُمور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں ان کی پناہ ڈھونڈو' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرتے ہو اور تم ان کو پکارنے پر ان کے جواب کا انتظار کرو جیسا کہ تم اللہ تعالیٰ کی استجابت کا انتظار کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ آسمانوں میں ایک ذرہ کے برابر کسی بھلائی یا بُرائی یا نفع یا نقصان کے مالک نہیں ہیں ﴿وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ وہ زمین میں کسی چیز کے مالک ہیں ﴿وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾ اور نہ اُن کے لیے ان دونوں جنسوں کی تخلیق کرنے میں کوئی شراکت و حصہ داری ہے اور نہ ہی ملکیت میں کوئی حصہ داری ہے ﴿وَمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾ اور نہ ان معبودوں میں سے کوئی

اللہ تعالیٰ کے لیے معاون و مددگار ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تدبیر میں اس کی مدد کرے مقصد یہ ہے کہ ان کے معبود اس صفت میں عاجز و بے بس ہیں تو بھلا ان کو پکارنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور ان سے کیسے امیدیں وابستہ کرنا صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔

۲۳- ﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فائدہ نہیں دے گی' مگر اس کے لیے فائدہ دے گی' جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا یعنی جس کی خاطر شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی اجازت ملے گی' صرف اسی کے لیے شفاعت مفید ہوگی اور یہ دوسرا لام اس طرح ہے جس طرح اس قول میں ہے کہ ''اَذِنَ لِزَیْدٍ لِعَمْرٍو'' یعنی عمرو کی خاطر زید کو اجازت دی گئی ہے' اور یہ آیت مبارکہ کفار کے اس قول کی تکذیب و تردید کررہی ہے کہ ''هٰٓـؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰهِ'' (یونس:۱۸) ''یہ بت (معبودانِ باطلہ) اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے'' (حالانکہ مشرکین و کفار کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی[1]) [امام عاصم کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ماسوا اعمش کے ''اُذِنَ'' (فعل ماضی مجہول) ہے] ﴿حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جائے گی' یعنی اللہ تعالیٰ جو شفاعت کی اجازت کے متعلق کلام فرمائیں گے تو اس کی وجہ سے شفاعت کرنے والوں اور جن کی شفاعت کی جائے گی' ان دونوں قسم کے لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ و پریشانی دور کردی جائے گی [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَزَّعَ'' (فعل ماضی معروف باب تفعیل سے) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور فرما دے گا اور ''تفزیع'' کا معنی ہے: گھبراہٹ و پریشانی کو دور کرنا۔ ''حَتّٰی'' اس کلام کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے' جو یہاں سمجھ میں آتا ہے کہ پہلے سفارش اور سفارشیوں کے لیے امید رکھنے والوں کو گھبراہٹ و پریشانی اور اجازت کے لیے انتظار اور توقف کی زحمت اٹھانی پڑے گی کہ آیا ان کے لیے شفاعت کی اجازت ملے گی یا نہیں ملے گی' گویا فرمایا ہے کہ وہ لوگ انتظار کریں گے اور کافی دیر تک گھبراہٹ کی حالت میں امیدوار رہیں گے' یہاں تک کہ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جائے گی تو ﴿قَالُوا﴾ وہ لوگ ایک دوسرے سے باہم سوال کریں گے اور پوچھیں گے: ﴿مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ﴾ تمہارے پروردگار نے کیا ارشاد فرمایا ہے ﴿قَالُوا الْحَقَّ﴾ وہ کہیں گے: (ہمارے پروردگار نے) حق فرمایا ہے' یعنی سچ ارشاد فرمایا اور وہ شفاعت کی اجازت ہے' جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ اور وہ اونچی شان والا بڑا بزرگ ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ والا اور سب سے بڑا بزرگ ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس دن بات نہیں کر سکے گا' مگر اس کی اجازت ملنے کے بعد بات کر سکے گا اور کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا' اس کے لیے شفاعت کی اجازت عطا فرمادے گا۔

۲٤- ﴿قُلْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے' اللہ تعالیٰ نے ''قُل'' فرما کر حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کفارِ مکہ کو اس ارشادِ باری تعالیٰ کی تقریر سنائیں کہ ﴿مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمانوں سے اور زمین سے تمہیں کون رزق عطا کرتا ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے۔ اس ارشاد میں

---

1 بت تو کفار و مشرکین کی شفاعت اس لیے نہیں کرسکیں گے کہ ان کا مرتبہ سفارشیوں سے کم تر ہے کیونکہ سفارشی کے لیے مقربِ خدا ہونا ضروری ہے اور وہ ایمان دار اور پرہیزگار ہوسکتا ہے' نیز خود کفار و مشرکین شفاعت کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی شفاعت کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ کفر و شرک کی سرکشی میں منہمک و مستغرق ہیں اور انبیائے کرام اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر دوبارہ حکم دیا کہ آپ خود ہی جواب دے دیجئے اور انہیں اس بات کے اقرار پر قائل کیجئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے اور یہ ارشاد اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ کفار مکہ اپنے دلوں میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے مگر وہ اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اگر وہ اپنے مونہوں سے اقرار کر لیتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا کرتا ہے تو لازمی طور پر انہیں کہا جاتا کہ پھر تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے اور اس پر ان بتوں کو ترجیح کیوں دیتے ہو جو رزق وغیرہ دینے پر قدرت و اختیار کچھ نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل ارشاد میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں الزام دینے اور انہیں خاموش کرانے کے بعد ان سے فرمادیں کہ اگر وہ اپنی زبانوں سے اپنے اقرار میں مزید نہیں بڑھ سکتے تو وہ اس اقرار سے کوتاہی نہیں کر سکتے کہ ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ موحدین اور مشرکین کے دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقینی طور پر ہدایت اور صریح گمراہی میں سے کسی ایک پر ضرور ہے اور یہ اس منصف و عادل کا کلام ہے جس کی بات ہر دوست و دشمن سنتا ہے' جیسے تو اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے اور گزشتہ تقریر میں دلائل گزر چکے ہیں' جو اس بات پر واضح طور پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت پر ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے' لیکن بطور تعریض کلام کرنا خصوصاً سخت جھگڑالو مخالف سے تبلیغی غرض تک پہنچنے کے لیے بہترین طریقہ ہے اور اس کی مثال تمہارا اپنے جھوٹے فریق سے یہ کلام ہے کہ ''اِنَّ اَحَدَنَا لَكَاذِبٌ'' بے شک ہم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے' اور ''ھدی'' اور ''ضلال'' پر داخل کیے گئے حروف جارہ اس لیے مختلف لائے گئے کہ صاحب ہدایت گویا تیز رفتار گھڑ سوار ہے' جدھر چاہتا ہے اسے دوڑا کر لے جاتا ہے اور گمراہ شخص گویا تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے' وہ نہیں جانتا کہ وہ کس طرف جائے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۵ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ط وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۝۲۶ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ط بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۷

آپ فرمادیجئے کہ ہمارے اعمال کے متعلق تم سے نہیں پوچھا جائے گا اور تمہارے اعمال کے متعلق ہم سے نہیں پوچھا جائے گا○ فرمائیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا' پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا اور وہ سب سے بڑا فیصلہ فرمانے والا سب کچھ خوب جاننے والا ہے○ فرمائیے کہ مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز نہیں!' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے سب سے بڑا حکمت والا ہے○

۲۵-﴿قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ (اگر) ہم نے جرائم کیے ہیں تو ان کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو' ان کے متعلق ہم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام پہلے سے زیادہ انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس میں جرم و خطاء کو اپنی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اس سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے اور عمل کو ''مُخَاطَبِیْن'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ وہ مامور بہ ہے' اس کے بجالانے پر جزا

مقرر کی گئی ہے۔

۲۶- ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہمیں جمع فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا ﴿ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ (یعنی) بغیر ظلم وزیادتی کے اور بغیر جانب داری کے فیصلہ کر دے گا ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ﴾ اور وہی سب سے بڑا حاکم ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہی فیصلہ جات کو سب سے بہتر اور سب سے خوب تر جانتا ہے۔

۲۷- ﴿قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (اے کافرو!) تم مجھے اپنے وہ معبود دکھاؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر ملا دیا ہے اور اس کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرالیا ہے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے' اس لیے ''اَرُوْنِیْ'' کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے کے کبیرہ گناہ سے خبردار کر دیں اور انہیں شرکِ الٰہی کی حالت سے آگاہ کر دیں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں' یہ کلمہ ڈرانے دھمکانے اور تنبیہ کرنے کے لیے آتا ہے یعنی تم اس بات سے ڈرو اور اس شرکیہ بات سے بچو اور تم اپنی گمراہی سے آگاہ ہو کر اس سے باز آجاؤ ﴿بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ﴾ بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے' سو اس کا کوئی شریک نہیں [اور ''ھُو'' ضمیر شان ہے] ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ اپنے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی میں بڑا دانا اور بہت حکمت والا ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے○ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا' اگر تم سچے ہو○ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے وعدے کا ایک دن مقرر ہے' تم اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم آگے بڑھ سکو گے○

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ اور قیامت کا بیان

۲۸- ﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے (یعنی) ہم نے آپ کو ایسی رسالت عامہ سے نوازا ہے جو تمام بنی آدم کو عام ہے' سب کو شامل ہے اور سب پر محیط ہے' اس لیے کہ جب آپ کی نبوت و رسالت سب کو شامل ہے تو اس نے سب کو روک دیا کہ ان میں سے اب کوئی انسان رسالت محمدی ﷺ سے باہر نہیں ہو سکتا ہے[1]

---

[1] حضور سید عالم ﷺ کی رسالت عامہ کا ثبوت قرآن و احادیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ''قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا'' (الاعراف:۱۵۸) ''(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ لغت میں ''کَآفَّةً'' کا معنی احاطہ کرنا ہے اور آیت مبارکہ کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے میں تمام لوگوں کے لیے جمع کرنے والا رسول بنا کر بھیجا ہے [اور ''کــافــة'' کو کاف (ضمیر مخاطب مفعول) سے حال قرار دیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ''تــا'' اس معنی کی بناء پر مبالغہ کے لیے ہے جیسے ''روایة'' اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) ''تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا'' (الفرقان:۱) ''بہت با برکت ہے وہ خدا جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرسنانے والا ہو جائے''۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سید عالم ﷺ کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات' سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کو عالم کہتے ہیں' جس میں تمام خلق داخل ہے' علاوہ ازیں مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً'' یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ (ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ خوبیاں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) مجھے ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ عطا کیا گیا ہے (۲) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے' سو میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے تمام غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں (۴) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی اپنی خاص قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے جاتے تھے'' وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً'' اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دیگر تمام انبیائے کرام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جامع کلمات (مختصر الفاظ میں بہت زیادہ معانی بیان کرنا) عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب و دبدبہ کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد (یعنی پاک) اور پاک ہونے کا آلہ (قابل تیمم) بنا دیا گیا ہے (۵) ''وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً'' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) ''وَخُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ'' اور میرے ساتھ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(تفسیر مظہری ج۸ ص ۳۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۵) امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۶) امام ابن ابی حاتم نے حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر نے بھی یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

(۷) امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو عرب و عجم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' سو اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم و معظم' افضل و اعلیٰ اور سب سے زیادہ آپ ہی کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی جائے گی۔

(۸) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کو تمام عرب و عجم اور تمام امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۴۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

''علامۃ'' میں ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے۔﴿بَشِيْرًا﴾ آپ ﷺ توحید و رسالت کے اقرار کرنے والے اور ایمان لانے
والے کو فضل و کرم کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کو
آپ ﷺ عدل و انصاف کے سبب ڈرانے والے ہیں ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ نہیں
جانتے' سو اس لیے ان کی جہالت و نادانی نے اُنہیں آپ کی مخالفت پر اُبھارا اور وہ آپ کے مخالف ہو گئے۔

۲۹۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کے آنے کا وعدہ کب پورا ہو
گا اور اس میں ''هٰذا'' سے اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا'' (سبا:۲۶)
محبوب! فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا''﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو۔

۳۰۔﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وعدہ کا دن تمہارے لیے مقرر ہے [''میعاد'' وعدہ کا ظرف ہے
مکان یا ظرف زمان ہے لیکن یہاں ظرف زمان مراد ہے جس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ''مِيْعَادٌ يَوْمٌ'' (''یوم'' کو
مرفوع) پڑھا گیا ہے' اس صورت میں ''یوم''، ''میعاد'' سے بدل ہوگا اور لیکن اضافت کی صورت میں یہ اضافت بیانیہ ہو
گی جسے ''بعير سانيه'' کہتے ہیں]﴿لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے رہ سکو گے اور
نہ تم اس سے آگے جا سکو گے یعنی تم مہلت حاصل کر کے نہ اس سے پیچھے رہ سکو گے اور نہ جلدی کر کے تم اس کی طرف پہنچ
سکتے ہو اور ان کے سوال کے مطابق جواب کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسی کے متعلق سوال کیا تھا اور وہ راہِ راست
پر آنے کے لیے نہیں بلکہ وہ قیامت کا انکار محض عناد کی وجہ سے کرتے تھے' پس یہ ڈرانے اور دھمکانے والا جواب ان کے عناد
و انکار پر مشتمل سوال کے مطابق ہے اور بے شک وہ لوگ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جو ان پر اچانک آن پڑے گا' سو وہ
لوگ اس سے نہ پیچھے رہ سکیں گے اور نہ اس سے آگے جا سکیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ
تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور کافروں نے کہا: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی' اور
کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' وہ ایک دوسرے کی بات کو رد
کر رہے ہوں گے' اس وقت دبے ہوئے کمزور لوگ تکبر کرنے والے سرداروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور
مسلمان ہو جاتے O متکبر سردار کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس
آ چکی تھی بلکہ تم خود مجرم ہو O

## منکرین اسلام کی ذلت ورسوائی کا بیان

۳۱- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا (یعنی) ابوجہل اور اس کے دیگر ساتھی قریش مکہ نے کہا کہ ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس پر جو آپ کے آگے ہے یعنی ہم نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی دوسری کتابوں کو مانتے ہیں یا آگے مستقبل میں آنے والی قیامت اور جنت و دوزخ کو ہم نہیں مانتے' یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے ہونے کا انکار کر دیا اور اس سے بھی انکار کر دیا جس پر قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے کہ حقیقی جزاء کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ اور کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے (یعنی) انہیں قید کر کے اپنے رب تعالیٰ کے پاس محاسبہ کرنے کے لیے روک لیا جائے گا اور اس وقت ﴿ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ﴾ وہ لوگ باہمی جھگڑے میں ایک دوسرے کی بات کی تردید کریں گے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے معاملات کے انجام کی اور آخرت میں خود ان کے انجام کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یا پھر مخاطب سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آخرت میں انہیں محاسبہ کے لیے قیدی کی حالت میں رکا ہوا دیکھ لیتے جب کہ وہ باہمی گفتگو میں ایک دوسرے پر گھٹیا الزام لگا رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر بات پلٹا رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات کی تردید کر رہے ہوں گے تو ضرور تم عجیب عبرت ناک منظر دیکھتے' بہرحال ''لَوْ'' کے جواب کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا ﴾ جن لوگوں کو دنیا میں کمزور سمجھ رکھا گیا تھا یعنی پیروکار اور پس ماندہ لوگ اس وقت کہیں گے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ ان لوگوں سے جو سرکش بنے ہوئے تھے یعنی سرداروں اور لیڈروں سے (کہیں گے کہ) ﴿ لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مسلمان ہو جاتے (یعنی) اگر تم ہمیں کفر و شرک کی طرف نہ بلاتے تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے محترم و مکرم رسول پر ایمان لے آتے اور مسلمان ہو جاتے۔

۳۲- ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى ﴾ متکبر و سرکش سردار اپنے کمزور و پس ماندہ پیروکاروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں پہلا اسم یعنی ''نحن'' حرف انکار ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے سردار اس بات سے انکار کر دیں گے کہ انہوں نے کمزور اور پس ماندہ پیروکاروں کو ایمان قبول کرنے سے روکا تھا اور وہ یہ ثابت کریں گے کہ خود ان پس ماندہ پیروکاروں نے اپنے آپ کو ہدایت قبول کرنے سے روک کر رکھا تھا اور انہیں سرداروں کی طرف سے پورا پورا اختیار حاصل تھا ﴿ بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ ﴾ اس کے بعد کہ وہ ہدایت تمہارے پاس آ چکی تھی [اس کلام میں حرف ''اذ'' کو فعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے حالانکہ ''اِذْ'' اور ''اِذَا'' ان حروف ظروف میں سے ہیں جو لازمی طور پر ظرفیت کے لیے استعمال ہوتے ہیں' اس لیے کہ زمان میں جس قدر وسعت و گنجائش ہوتی ہے' اس کے غیر میں اس قدر وسعت نہیں ہوتی' سو اس لیے اس کی طرف ظرف زمان کو مضاف کیا گیا ہے] ﴿ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴾ بلکہ تم خود ہی مجرم یعنی کافر ہو کہ تم نے خود گمراہی کو ہدایت کے بدلے اختیار کر لیا اور تم نے خود ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی اور ہماری تحریک و ترغیب اور ہمارے کہنے پر تم نے گمراہی اختیار نہیں کی تھی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ

اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

دبے ہوئے کمزور لوگ متکبر سرداروں سے کہیں گے: بلکہ یہ تمہاری رات ودن کی فریب کاری تھی جب تم ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا حکم دیتے تھے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت وشرمندگی چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے انہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر انہیں کاموں پر جو وہ کرتے تھے ۝

۳۳۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ اور کمزور و پس ماندہ لوگ متکبر و سرکش سرداروں سے کہیں گے [پچھلی آیت "قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا" میں حرف عطف نہیں لایا گیا ہے اس لیے کہ کمزور لوگوں کا پہلا کلام "یقول الذین استضعفوا" گزر چکا ہے سو اس کے جواب میں استیناف (الگ مستقل جملے) کے طریقہ پر حرف عطف کو حذف کر دیا گیا ہے پھر کمزوروں کا کلام دوبارہ لایا گیا تو اس کو ان کے پہلے کلام پر عطف کیا گیا ہے] ﴿بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بلکہ رات اور دن کی سازش تھی "بل مکرکم بنا فی اللیل والنهار" بلکہ رات اور دن میں ہمارے ساتھ تمہاری سازش کارفرما تھی [چونکہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے اس لیے "لیل" کو مفعول بہ کے قائم مقام کیا گیا اور "مکر" کو اس کی طرف مضاف بنا دیا گیا ہے یا پھر اسنادی مجازی کی بناء پر ان کے "لیل و نهار" کو مکر وفریب کار قرار دیا گیا ہے] یعنی رات اور دن نے طویل صحت وتندرستی اور سلامتی کے ذریعے ہمارے ساتھ سازش وفریب کاری کی تھی یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ تم حق پر ہو ﴿اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ﴾ کیونکہ تم اس وقت ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور ہم اس کے لیے شریک ٹھہرائیں (یعنی) ہم اوروں کو اللہ تعالیٰ جیسا معبود قرار دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب متکبر و سرکش سرداروں نے "انحن صددناکم" کہہ کر کمزور و پس ماندہ پیروکاروں کے کفر کا سبب بننے سے انکار کر دیا اور "بل کنتم مجرمین" کہہ کر ثابت کر دیا کہ کمزوروں کا کفران کے اپنے کسب اور ان کے اپنے اختیار کی بناء پر ہے تو کمزور و پس ماندہ پیروکاروں نے "بل مکر اللیل والنهار" کہہ کر ان پر حملہ کیا اور اپنے انکار سے ان کے انکار کو باطل قرار دے دیا گویا انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس جرم کا ارتکاب ہماری وجہ سے نہیں ہوا بلکہ رات اور دن کو ہمیشہ ہمارے ساتھ تمہاری سازش و فریب کاری کی وجہ سے ہوا تھا اور کفر وشرک کرنے اور بتوں کو خدا جیسا معبود قرار دینے کی ترغیب تم نے ہمیں دی تھی ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ﴾ اور وہ اپنی ندامت وشرمندگی چھپائیں گے (یعنی) وہ ندامت وپشیمانی کو چھپائیں گے یا اسے ظاہر کریں گے اور یہ "اسرّوا" لغۃ الاضداد سے ہے اور وہ ظالم ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ" (سباء:۳۱) "جب ظالموں کو ان کے رب تعالیٰ کے پاس روک کر کھڑا کیا جائے گا" چنانچہ متکبر وسرکش سردار تو اپنے گمراہ ہونے پر اور دوسروں کو گمراہ کرنے پر نادم وپشیمان ہوں گے اور دبے ہوئے کمزور و پس ماندہ لوگ اپنے گمراہ ہونے پر اور گمراہ کرنے والوں کی پیروی کرنے پر پشیمان وشرمندہ ہوں گے ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (یعنی) جب وہ دوزخ کو دیکھیں گے ﴿وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے "ای فی اعناقهم" یعنی ان کی گردنوں میں ضمیر کی بجائے صراحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ صراحت اس بات پر دلالت کرے کہ وہ لوگ طوقوں کے مستحق تھے ﴿هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ انہیں صرف اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر وہ دنیا

میں عمل کرتے رہے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝٣٤
وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝٣٥ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝٣٦ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ
وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝٣٧

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا (نبی) نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں نے کہا کہ تمہیں جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیںO اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں' اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گاO فرمایئے: بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ وہ تمہیں ہمارے ہاں مقرب کر دیں' مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرلے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ وہ جو بھی نیک عمل کریں گے اس پر انہیں دوگنا اجر وثواب ملے گا اور وہ جنت کے بالاخانوں میں امن کے ساتھ رہیں گےO

## پیغمبروں کے ساتھ سرکش مال داروں کے رویّے کا بیان

۳۴- ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ﴾ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا (یعنی) نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں اور سرداروں نے کہا کہ ﴿ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ بے شک جس مشن کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور اس آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو ان تکالیف کی وجہ سے تسلّی و تشفی دی گئی ہے' جن میں آپ کو اپنی قوم کی طرف سے آزمایا گیا کہ آپ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے تھے' آپ کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ کفر کیا اور کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نبی کبھی نہیں بھیجا گیا مگر وہاں کے خوش حال باشندوں نے اس سے وہی کچھ کہا جو کچھ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اور انہوں نے مال و دولت اور اولاد کی وسعت و کثرت پر فخر وغرور کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۳۵- ﴿ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴾ اور انہوں نے کہا: ہم مال و دولت اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اس کلام سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم و معزز ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور انہوں نے دنیا میں اپنے حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی تھی اور انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و معظم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی صورت میں اس قدر وسیع رزق عطا نہ فرماتا اور اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و ادنیٰ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی سے محروم نہ کرتا' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو باطل قرار دیا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے وہ

جیسے چاہتا ہے اسے تقسیم کرتا ہے' سو بعض اوقات نافرمان پر مال و دولت کو وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور مطیع و فرماں بردار پر مال و دولت کو تنگ و کم کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس کر دیتا ہے (کہ فرماں بردار کو مال دار اور نافرمان کو تنگ دست کر دیتا ہے) اور بعض اوقات دونوں کو مالی وسعت عطا فرما دیتا ہے اور بعض اوقات دونوں کو تنگ دست بنا دیتا ہے' سو ثواب کے معاملے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۳٦- ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے" قدر الرزق" کا معنی ہے: رزق کو تنگ کر دیتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ" (الطلاق:۷) "اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے نان نفقہ دے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے" ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۷- ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی﴾ اور نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی ہے جو تمہیں ہمارے قریب کر دیں[ "ای وما جماعة اموالكم ولا جماعة اولادكم (بالتی تقربكم)" یعنی اموال اور اولاد میں "جماعة" کا معنی اس لیے مراد لیا گیا ہے کہ جمع مکسر ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو' تانیث کے حکم میں برابر ہے اور "زلفٰی" اور "زلفة"' "قربٰی" اور "قربة" کی طرح ہیں اور یہ محلاً منصوب ہے "ای تقربكم قربةً" جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاO" (نوح:۱۷)]۔

﴿اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے[ یہ "تقربكم" میں "كُمْ" ضمیر مخاطب سے استثناء ہے] یعنی مال و دولت کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر نیک مسلمان کا وہ مال اللہ تعالیٰ کا اسے مقرب بنا دیتا ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اولاد کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر اس شخص کی اولاد اسے مقربِ خدا بنا دیتی ہے' جسے اس نے خیر و بھلائی کی تعلیم دی ہو اور انہیں دین کا فقیہ و ماہر عالم دین بنایا ہو اور انہیں نیکی اور اطاعت میں پختہ کر دیا ہو[ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ "اِلَّا" بہ معنی "لٰكِنَّ" ہے اور "مَنْ" اس کے جواب کی شرط ہے] ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا﴾ سو یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال پر دوگنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا[ "جزاء الضعف" میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے' اس کی اصل یوں ہے: "فاولئك لهم ان یجاوزوا ثم جزاء الضعف" ہے اور "جزاء الضعف" کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایک نیکی پر دس گنا بڑھا کر نیکیاں دی جائیں گی اور یعقوب کی قراءت میں "جزاءً الضعفُ" ("جزاءً" تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور "الضعف" مبتدا کی بناء پر مرفوع ہے جس کی خبر "لهم" ہے) اس بناء پر کہ اصل میں "فاولئك لهم الضعف جزاءً" ہے اور "بما عملوا" بہ معنی "باعمالهم" ہے] ﴿وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ﴾ "ای غرف منازل الجنة" اور وہ لوگ بالا خانوں میں ہوں گے یعنی وہ جنت کی بالائی منزلوں میں ہوں گے[ قاری حمزہ کسائی کوفی کی قراءت میں "فی الغرفة" (جمع کی بجائے واحد) ہے] ﴿اٰمِنُوْنَ﴾ امن و امان کے ساتھ رہیں گے (یعنی) جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کے خوف و ڈر اور ہر قسم کی مصیبت و تکلیف سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ

إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٩﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾

اور جولوگ ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی لوگ حاضر کر کے عذاب میں ڈالے جائیں گے○ فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور کسی کے لیے تنگ کر دیتا ہے' اور تم جو چیز خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدلہ (تمہیں ضرور) دے گا' اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے○ اور وہ ایک دن ان سب کو جمع کرے گا' پھر وہ فرشتوں سے فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے○

## کفارِ مکہ کی سرکشیوں کا انجام

۳۸۔ ﴿وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ﴾ اور جولوگ ہمیں عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں کو باطل ثابت کرنے میں کوششیں کرتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ﴾ یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہیں حاضر کر کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

۳۹۔ ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ اور وسیع کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ ''یبسط'' بہ معنی ''یوسع'' ہے یعنی وسیع اور کشادہ کر دیتا ہے ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور تم جو کچھ خرچ کرو گے [اس میں حرف ''ما'' شرطیہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور ''من شیء'' اس کا بیان ہے] ﴿فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ سو وہ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ صدقہ میں خرچ ہونے والے مال کا معاوضہ ضرور عطا فرمائے گا' اس کے سوا کوئی معاوضہ دینے والا نہیں ہے' خواہ وہ دنیا میں مال و دولت کی صورت میں بدلہ عطا فرما دے یا پھر آخرت میں اجر وثواب کی صورت میں بدلہ عطا فرما دے [یہ شرط کا جواب ہے] ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے (یعنی) وہی سب کو کھلانے والا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر وہ شخص جو روز دیتا ہے اور خرچ کرتا ہے جیسے بادشاہ اپنے لشکر وغیرہ پر اور آقا اپنے غلام پر اور انسان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رزق سے خرچ کرتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں پر جاری فرما دیا اور وہی اللہ تعالیٰ رزق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان اسباب کو پیدا کرنے والا ہے جن کے ذریعے رزق پانے والے رزق حاصل کرتے ہیں اور بعض حضرات سے یہ حمد منقول ہے کہ ''الحمد لله الذی اوجدنی وجعلنی ممن یشتھی'' ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے ان لوگوں میں سے بنایا جو کھانے پینے کی خواہش رکھتے اور انہیں بھوک لگتی ہے کیونکہ کئی لوگ کھانے کی خواہش رکھتے ہیں مگر روزی نہیں پاتے اور کئی لوگ روزی تو خوب رکھتے ہیں مگر کھانے کی خواہش اور اشتہاء نہیں رکھتے۔

۴۰۔ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا' پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ خطاب تو فرشتوں سے ہے لیکن مقصود

کفار کو ڈرانا اور دھمکانا ہے اور جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ'' (المائدہ:۱۱٦) ''کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے معبود بنالو'' [اور ان دونوں میں حفص اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (''یحشرھم'' اور ''یقول'' ہے)]۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

وہ عرض کریں گے: آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں آپ ہی ہمارے دوست ہیں وہ نہیں' بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں اکثر لوگ انہیں (جنوں) پر یقین رکھنے والے ہیں O سو آج تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے نہ نفع کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان کا' اور ہم ظالموں سے فرمائیں گے کہ تم اس آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O

٤١- ﴿قَالُوْا﴾ ''ای الملائکۃ'' وہ عرض کریں گے یعنی فرشتے کہیں گے: ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذاتِ اقدس اس سے منزہ و مبرّا ہے اور پاک ہے کہ تیرے ساتھ تیرے کسی غیر کی عبادت کی جائے ﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا﴾ آپ ہمارے حامی و ناصر اور ہمارے دوست ہیں۔ ''مـوالاۃ'' (دوستی) ''مـعـاداۃ'' (دشمنی) کا متضاد و مخالف ہے اور یہ ''مـوالاۃ'' مفاعلہ کے وزن پر ''ولی'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قریب ہونا اور ''ولی''، ''موالی'' اور ''موالٰی'' دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہی وہ پاک ذات ہیں جس سے ہم محبت و دوستی کرتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ ان (کفار و مشرکین) سے ہمارا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی دوستی نہیں ہے' سو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی اور کفار کی عداوت و دشمنی ثابت کر کے واضح کر دیا کہ جو کفار ان کی عبادت کرتے تھے' وہ ان کی عبادت سے راضی نہیں بلکہ وہ ان کی شرکیہ عبادت سے بَری اور بے زار ہیں' اس لیے کہ جو اس صفت پر ہو گا اس کا حال کفار کے حال کے منافی ہو گا ﴿بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ﴾ بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے یعنی شیطانوں کی عبادت کرتے تھے کیونکہ کفار نے غیر اللہ کی عبادت و پرستش میں انہیں (شیطانوں) کی اطاعت تھی یا شیاطین بتوں کے اندر داخل ہیں کہ جب بتوں کی عبادت کی جاتی تو ان کی عبادت کے ساتھ ان شیاطین کی عبادت بھی کی جاتی یا پھر شیاطین نے جنوں میں سے ایک قوم کی خیالی تصویریں ان کے ذہنوں میں ڈال دیں اور کہا کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں' پس تم انہیں کی عبادت و پرستش کیا کرو ﴿اَكْثَرُهُمْ﴾ ان میں اکثر انسان یا اکثر کفار ﴿بِهِمْ﴾ ان پر (یعنی) جنات پر ﴿مُّؤْمِنُوْنَ﴾ یقین و ایمان رکھنے والے ہیں۔

٤٢- ﴿فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ سو آج تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی کے نقصان کا کوئی اختیار رکھتا ہے کیونکہ آج کے دن سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو واحد لاشریک ہے اور اس میں کوئی کسی کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور کوئی کسی کے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' اس لیے کہ آخرت کا گھر ثواب و عذاب کا گھر اور اجر و ثواب اور عقاب و عذاب دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' پس آخرت کا حال دنیا کے حال سے مختلف ہے کیونکہ دنیا دار التکلیف ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اور دنیا میں لوگ آپس میں اکٹھے رہتے ہیں' ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نفع بھی پہنچاتے ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نفع اور

نقصان دینے والا نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴾ اور ہم ظالم لوگوں سے کہیں گے: جنہوں نے عبادت کو اس کی اصل جگہ کی بجائے ناحق جگہ میں استعمال کیا کہ تم اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ ۭ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ ع

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتیں تو کہتے کہ یہ تو نہیں مگر ایک ایسا آدمی جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور کہتے: یہ تو نہیں مگر گھڑا ہوا بہتان اور کافروں نے حق کے بارے میں کہا جب وہ ان کے پاس آیا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو O اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا O اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا اور یہ لوگ ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا' سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا' سو میرا انکار کرنا کیسا رہا O

## کفارِ مکہ کو سابق کفار کے انجام کے تذکرہ سے انتباہ

٤٣- ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ﴾ اور جب ان پر ہماری روشن اور واضح آیتیں پڑھی جاتیں یعنی جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا تو ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہتے یعنی مشرکین کہتے: ﴿ مَا هٰذَآ ﴾ یہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں ہیں ﴿ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ ﴾ مگر ایک آدمی ہے جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے ﴿ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ ﴾ انہوں نے کہا کہ یہ یعنی قرآن مجید نہیں ﴿ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ ﴾ مگر گھڑا گھڑا یا بہتان ہے ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا یعنی اصل میں "وقالوا" ہونا چاہیے تھا مگر اسم ضمیر سے اسم ظاہر کی طرف عدول کفار کے عظیم ترین انکار کی اور اللہ تعالیٰ کے سخت ترین غضب و ناراضگی کے اظہار کی دلیل ہے ﴿ لِلْحَقِّ ﴾ حق (یعنی) قرآن مجید کے متعلق یا نبوت کے تمام لوازمات کے متعلق ﴿ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا اور وہ اس کی مثل کلام لانے سے عاجز آ گئے (تو انہوں نے کہا کہ) ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ یہ نہیں ہے یعنی یہ حق نہیں ہے مگر کھلم کھلا جادو ہے' کفارِ مکہ نے قرآن مجید اور امر نبوت کے متعلق یہ یقین کر لیا کہ یہ یقیناً جادو ہے' پھر ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا کہ ان کا جادو ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے' ہر عقل مند جو ان کے بارے میں غور و فکر کرے گا' وہ انہیں جادو کہے گا۔

٤٤- ﴿ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا ﴾ اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں یعنی ہم

نے مشرکین مکہ کو کوئی کتابیں وغیرہ نہیں دیں جن کو وہ پڑھتے ہوں کہ ان میں شرک کے صحیح ہونے پر کوئی مضبوط دلیل ہو ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡہِمۡ قَبۡلَکَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا (یعنی) ہم نے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا' جو انہیں شرک پر عذاب سے ڈراتا تاکہ وہ شرک نہ کرتے اور اس سے بچ جاتے۔

۴۵- پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی طرف سے تکذیب کرنے اور جھٹلانے پر ڈرایا اور ارشاد فرمایا: ﴿وَکَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی اور جھٹلایا یعنی کفارِ مکہ سے پہلے گزشتہ امتوں اور گزشتہ قوموں نے رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا تھا جس طرح انہوں نے جھٹلایا ﴿وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَآ اٰتَیۡنٰہُمۡ﴾ اور وہ اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا یعنی اہل مکہ تو اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو پہلے لوگوں کو طویل و لمبی عمریں اور جسمانی قوتیں اور اموال کی کثرت وفراوانی دی گئی تھیں ﴿فَکَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ﴾ سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا تو گزشتہ جھٹلانے والے لوگوں کے لیے عذاب و ہلاکت کی صورت میں میرا انکار کیسا رہا' پس کفارِ مکہ کو اس طرح کے عذاب سے بچنا چاہیے یعنی جب گزشتہ قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا انکار ہلاکت وتباہی کی صورت میں ان پر آ گیا اور انہیں ان کی مدد کی طلب نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جن سے وہ مدد طلب کرتے تھے تو ان کفارِ مکہ کا کیا حال ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ''فَکَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ'' فرمایا حالانکہ ''وَکَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ'' کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ''وَکَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ'' کا معنی یہ ہے کہ کفارِ مکہ سے پہلے لوگوں نے تکذیب کے فعل کا ارتکاب کیا اور اس پر جراءت واقدام کیا تو رسولوں کی تکذیب کو مسبب عنہ قرار دیا گیا اور یہ کسی کہنے والے کے اس قول کی طرح ہے کہ ''اقدم فلان علی الکفر فکفر بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' یعنی فلاں آدمی نے کفر کرنے پر اقدام کیا تو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کفر کرلیا۔

قُلۡ اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَۃٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ مَثۡنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوۡا ۟ مَا بِصَاحِبِکُمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ لَّکُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ ﴿۴۶﴾ قُلۡ مَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَہُوَ لَکُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۴۷﴾

فرمادیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہو جاؤ' پھر غور وفکر کرو کہ تمہارے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے' وہ تو نہیں مگر آگے آنے والے سخت ترین عذاب سے تمہیں صرف ڈرانے والے ہیںO فرمائیے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' سو وہ تمہارے لیے ہے' میری اجرت تو نہیں مگر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر اور وہ ہر چیز پر گواہ ہےO

## حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غور وفکر کرنے کی نصیحت

۴۶- ﴿قُلۡ اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَۃٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت یعنی ایک خصلت کی نصیحت کرتا ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَنۡ تَقُوۡمُوۡا﴾ کہ تم کھڑے ہو

جاؤ[یہ ''بواحدۃ'' کا عطف بیان ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ بدل ہے اور ان دونوں وجہوں پر یہ محلاً مجرور ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ محلاً مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ''ھی ان تقوموا'' وہ ایک نصیحت یہ ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ یا پھر یہ اس تقدیر پر منصوب ہے کہ اس سے پہلے ''اعنی'' مقدر ہے ]اور ان کے قیام سے مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھ جائیں اور آپ کے مجمع سے دور اِدھر اُدھر چلے جائیں یا یہ کہ بیٹھنے کی بجائے کسی چیز کی طرف جانے کے ارادے سے کھڑے ہو جائیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں تمہیں صرف نصیحت کرتا ہوں اگر تم نے اس پر صحیح طریقہ سے عمل کر لیا تو تم حق کو پالو گے اور تم نجات حاصل کر لو گے ''وَھِیَ اَنْ تَقُوْمُوْا'' ﴿لِلّٰهِ﴾ اور وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہو جاؤ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھڑے ہو جاؤ نہ حمیت ونخوت کے لیے اور نہ مذہبی تعصب دکھانے کے لیے بلکہ محض حق کی طلب میں کھڑے ہو جاؤ ﴿مَثْنٰى﴾ دو دو ﴿وَفُرَادٰى﴾ اور ایک ایک (ہو کر کھڑے ہو جاؤ) ﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا﴾ پھر تم حضرت سرورِ عالم محمد مصطفےٰ ﷺ کے معاملے میں اور جو تعلیمات آپ لے کر تشریف لائے ہیں ان کے بارے میں غور وفکر کرو لیکن رہے دو تو وہ دونوں غور وفکر کریں اور صحیح سوچیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی فکر وسوچ کا ماحاصل اپنے ساتھی پر پیش کرے اور وہ دونوں اس معاملہ میں عدل وانصاف اور سچ پر مبنی سوچ کے ساتھ غور وفکر کریں یہاں تک کہ سچی اور صحیح سوچ ان دونوں کو حق تک پہنچا دے گی اور اسی طرح ایک اور اکیلا شخص عدل وانصاف کے ساتھ اپنے دل میں غور وفکر کرے اور اپنی فکر وسوچ کو اپنی عقل پر پیش کرے اور دو دو اور ایک ایک کو دعوتِ غور وفکر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اجتماع میں لوگوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور دینی غیرت کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور تعصب کی وجہ سے صحیح سوچ میں رکاوٹ آ جاتی ہے اور ایسی صورت میں انصاف کم ہو جاتا ہے اور ظلم وناانصافی بڑھ جاتی ہے اور تعصب کا جذبہ جوش مارنے لگتا ہے جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی باتیں ہوتی ہیں اور اپنے مذہب کی نصرت وحمایت کی وجہ سے خلافِ مذہب حق بات کو سنا نہیں جاتا اور اختلاف بڑھ جاتا ہے [اور ''تتفکروا'' ''تقوموا'' پر معطوف ہے] ﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ تمہارے صاحب یعنی سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ میں کوئی جنون نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پھر تم غور وفکر کرو تو تم جان لو گے کہ تمہارے اس صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ وہ صرف تمہیں آگے آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والے ہیں ''بین یدی'' بہ معنی ''قدام'' آگے آنے والا ہے اور وہ آخرت کا عذاب ہے اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ'' مجھے قیامت کے آگے بھیجا گیا ہے[1]

## تبلیغ پر طلب اجرت کی نفی کا بیان

۴۷- پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میرا محبوب ڈر سنانے پر کوئی اجرت ومعاوضہ طلب نہیں کرتا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے نبوت ورسالت کی تبلیغ پر اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے پر کوئی اجرت ومزدوری نہیں مانگتا ﴿فَهُوَ لَكُمْ﴾ سو وہ تمہارے لیے ہے' یہ شرط کی جزا ہے اس کی تقدیر اس طرح ہے: ''اَيُّ شَيْءٍ سَاَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ'' میں نے تم سے اجرت میں کون سی چیز مانگی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا'' (الفاطر: ۲) ''اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں'' اور اس کا معنی اور مطلب اجرت کے سوال کی بالکل مکمل نفی کرنا ہے جیسے ''مالی فی ھذا فھو لک'' اس میں

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۱۰' مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷ (۴۳-۴۵)' نسائی ج ۳ ص ۱۸۸' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵

میرے لیے جو کچھ ہے' سو وہ تیرے لیے ہے'' ای لیس لی فیہ شیء ''یعنی میرے لیے اس میں کچھ نہیں ہے ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ﴾ میری اجرت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے [ نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو اور حفص کی قراءت میں ''اِنْ اَجْرِیَ'' کی ''یا'' مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں ''یا'' ساکن ہے ] ﴿وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے' سو وہ خوب جانتا ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرنے اور تمہیں اس کی توحید کی طرف دعوت دینے پر اجرت وصلہ نہیں مانگتا مگر صرف اسی سے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (میرے دل میں) حق القاء فرماتا ہے' وہی غیبوں کو خوب جاننے والا ہے O فرما دیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ مرنے کے بعد اٹھائے گا O فرما دیجئے کہ اگر بفرضِ محال میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میرے گمراہ ہونے کا وبال صرف میری ذات پر ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ سب کچھ سننے والا بہت نزدیک ہے O

## حق و باطل کا بیان

۴۸- ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (مجھ پر) حق القاء فرماتا ہے اور ''قذف'' کا معنی ہے: قرعہ اندازی کا تیر پھینکنا اور ڈالنا اور اسی طرح دفع کرنا اور رکھنا ہے' پھر اسے القاء کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ ارشادات ہیں: ''وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ'' (الاحزاب: ۲۶) ''اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈال دیا''۔ ''اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ'' (طٰہٰ: ۳۹) ''یہ کہ تو اُسے صندوق میں ڈال دے'' اور ''یَقْذِفُ بِالْحَقِّ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کی طرف حق القاء فرماتا ہے اور ان پر حق نازل فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ حق کے ذریعہ باطل کو دور پھینکتا ہے تو اسے مٹا دیتا ہے اور اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے ﴿عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے [ یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ ''یقذف'' کی ضمیر سے بدل ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''ای هُوَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ'' یعنی وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے ]۔

۴۹- ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق آ گیا ہے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید آ گیا ہے ﴿وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ﴾ اور باطل نہ کسی کو پہلے پیدا کرتا ہے اور نہ کسی کو دوبارہ لوٹاتا ہے یعنی باطل مٹ گیا اور ہلاک و تباہ ہو گیا کیونکہ ابتداء اور اعادہ زندہ کی صفات میں سے ہے' سو ان دونوں کے معدوم ہونے سے ہلاکت مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' (الاسراء: ۸۱) ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا'' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ایک درخت کی لکڑی کعبہ معظمہ کے اردگرد نصب بتوں کو چھوتے جاتے اور فرماتے جاتے: ''جَآءَ الْحَقُّ

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا' جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ''[1] حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا' حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ کرے گا۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ باطل سے بت مراد ہیں اور بعض نے فرمایا کہ ابلیس مراد ہے کیونکہ وہی صاحب باطل ہے یا اس لیے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شیطان ''شـــاط'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: وہ ہلاک ہوا' کیونکہ جب کوئی ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''شـاط'' وہ ہلاک ہو گیا ہے یعنی شیطان کسی کو پیدا نہیں کرتا اور نہ بت کسی کو پیدا کرتے ہیں اور نہ وہ کسی کو دوبارہ اٹھائیں گے' پس پیدا کرنے والا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

## گمراہی کے الزام پر کفار کو حضور ﷺ کا متواضعانہ جواب

شانِ نزول: جب کفارِ مکہ نے حضور سیّد عالم ﷺ کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کر کے گمراہ ہو گئے ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالك) تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کی اور ارشاد فرمایا:

۵۰- ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بفرضِ محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میری گمراہی کا وبال میری ذات پر ہو گا یعنی بفرضِ محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو یہ گمراہی میری طرف سے ہو گی اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہو گا ﴿وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ﴾ اور اگر میں ہدایت پر ہوں (اور یقیناً ہوں) تو یہ اس لیے ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی نازل فرماتا ہے' سو اسی نے میری طرف وحی بھیج کر مجھے ہدایت پر گامزن فرما دیا اور تقابل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا: ''(وَاِنِ اهْتَدَيْتُ) فانما اهتدى لها'' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو بلاشبہ میں صرف اپنی ذات کے لیے ہدایت پر ہوں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا'' (الزمر:۴۱) ''سو جس نے ہدایت حاصل کی تو اپنے فائدے کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو بلاشبہ وہ صرف اپنی ذات پر گمراہی کا وبال ڈالتا ہے'' اور لیکن یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے کے متقابل ہیں کیونکہ ہر وہ چیز جو نفس پر پڑے گی اور اس کے لیے نقصان دِہ ثابت ہو گی تو وہ اسی کی وجہ سے ہو گی اور اسی کے سبب ہو گی اس لیے کہ نفس ہی بُرائی کا حکم دینے والا ہے اور مفید و نافع چیزوں میں جو چیز اس کے لیے فائدہ مند اور نفع بخش ہو گی تو وہ صرف اس کے رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت اور اس کی توفیق کی وجہ سے ہو گی اور یہ حکم ہر مکلف کے لیے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم اور اپنے معصوم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کریں کیونکہ رسول اکرم ﷺ جلیل القدر اور عظیم المرتبہ ہونے کے باوجود اور سیدھے راستے پر گامزن ہونے کے باوجود جب آپ اس کے حکم کے تحت داخل ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے بطریق اولیٰ اس حکم میں داخل ہیں ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے جو میں تم سے کہتا رہتا ہوں ﴿قَرِيْبٌ﴾ وہ میرے اور تمہارے سب کے نزدیک ہے' وہ مجھے بھی جزائے خیر عطا فرمائے گا اور وہ تمہیں بھی سزا دے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۷۷' البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸۷' مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۱

بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾ ع ۹

اور کاش! آپ کفار کو اس وقت دیکھتے جب وہ گھبرا رہے ہوں گے اور بھاگ نہیں سکیں گے اور انہیں نزدیکی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O اور وہ کہیں گے: ہم اس پر ایمان لائے' اور انہیں اتنی دور کی جگہ سے ایمان کیسے حاصل ہو سکتا ہے O اور بے شک وہ اس سے پہلے اس کے ساتھ کفر کر چکے تھے' اور وہ بہت دور کی جگہ سے غیب کے متعلق بدگمانی کی جھوٹی باتیں کرتے تھے O اور (اس روز) ان کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جسے وہ چاہتے ہوں گے ایک پردہ ڈال دیا جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے کفار کی جماعتوں کے ساتھ کیا گیا' بے شک وہ تردّد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے O

## کفار کی ندامت و گھبراہٹ کا بیان

۵۱- ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور کاش! آپ دیکھتے [اس کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر آپ اس وقت دیکھتے تو البتہ بہت بڑا ہولناک معاملہ اور بہت دہشت ناک معاملہ دیکھتے ﴿اِذْ فَزِعُوْا﴾ جب وہ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے روز قبروں سے اٹھتے وقت یا موت کے وقت مضطرب و پریشان اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا پھر جب وہ غزوۂ بدر کے دن خوف کے مارے گھبرائے ہوئے تھے ﴿فَلَا فَوْتَ﴾ سو وہ بھاگ نہیں سکیں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نکل سکیں گے ﴿وَاُخِذُوْا﴾ اور انہیں پکڑ لیا جائے گا [یہ "فزعوا" پر معطوف ہے] یعنی جب وہ مضطرب و گھبرائے ہوئے ہوں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا تو اس وقت ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی [یا یہ "فلا فوت" پر معطوف ہے] اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے تو وہ بچ نہیں سکیں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ نزدیک کی جگہ سے یعنی موقف سے پکڑ کر دوزخ کی آگ کی طرف لے جائے گا' جب وہ قبروں سے اٹھیں گے یا جب وہ مریں گے تو انہیں زمین کی اوپر کی سطح سے زمین کی گہرائی میں لے جایا جائے گا یا بدر کے صحرا سے اس کے قلیب نامی کنویں میں پھینک دیا جائے گا۔

۵۲- ﴿وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ﴾ اور جب وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں (یعنی) ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ آپ کا ذکر "مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ" (سباء:۴۶) میں گزر چکا ہے یا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ اور انہیں دور کی جگہ سے ایمان لانا کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ "التناوش" کا معنی ہے: کسی چیز کو پانا اور حاصل کرنا یعنی وہ توبہ کیونکر پائیں گے اور کیسے حاصل کریں گے حالانکہ وہ ان سے بہت دور ہو چکی ہے' مقصد یہ ہے کہ بے شک توبہ تو ان کی طرف سے دنیا میں قبول کی جاتی تھی اور وہ یقیناً گزر چکی ہے اور آخرت سے بہت دور ہو گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ان کی ایسی طلب کی تمثیل ہے جو حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ یہ ہے کہ اس وقت بھی انہیں ان کا ایمان لانا اس طرح نفع اور فائدہ دے جس طرح مسلمانوں کو دنیا میں ان کے ایمان نے فائدہ دیا اور ان کے حال کی اس شخص کے حال کے ساتھ مثال دی گئی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ دور سے ایک چیز حاصل کر لے

جس طرح دوسرا شخص صرف ایک ہاتھ کی مقدار کے فاصلہ سے کسی چیز کو حاصل کرتا ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ اور ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ ''التناؤش'' ہے اور یہ ہمزہ واؤ سے تبدیل کیا گیا ہے کیونکہ ہر وہ واؤ جو مضموم ہو اور اس کا ضمہ لازمی ہو تو تمہیں اختیار ہے چاہو تو اسے ہمزہ سے بدل دو اور اگر چاہو تو نہ بدلو جیسے ''اُدْؤُرٌ وَتَقَاؤُمٌ'' ہے اور اگر چاہو تو ''اُدْوُرٌ'' اور ''تَـقَـاوُمٌ'' کہہ دو؛ اور ثعلب نے کہا: ''التـنـاؤش'' ہمزہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: دور سے حاصل کرنا' اور ''التناوش'' بغیر ہمزہ کے ہو تو پھر معنی ہوگا: نزدیک سے حاصل کرنا]۔

۵۳- ﴿وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک وہ اس سے پہلے (یعنی) عذاب دیکھنے سے پہلے یا پھر دنیا میں وہ آپ کے ساتھ کفر کر چکے تھے ﴿وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ اور وہ بن دیکھے تیر پھینکتے ہیں [یہ ''قد کفروا'' پر معطوف ہے اور یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] یعنی وہ لوگ (دنیا میں) غیب کے بارے میں باتیں کرتے تھے یا غائب چیز کے بارے میں باتیں کرتے تھے' چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہوگا اور نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی جنت بنی ہے اور نہ دوزخ بنی ہے ﴿مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ دور کی جگہ سے یعنی سچ سے یا حق سے یا راہِ راست سے دور یا پھر ان کا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا مراد ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ شاعر' ساحر و جادوگر اور کذاب و جھوٹے ہیں اور یہ امر مخفی اور غیب کی گفتگو ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو نہ جادو کرتے دیکھا اور نہ شعر و اشعار پڑھتے دیکھا اور نہ آپ کو جھوٹ بولتے دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے حال اور مرتبہ وشان سے بہت دور بن دیکھے غیب کی یہ باتیں کہنا شروع کر دیں' اس لیے کہ یہ بہت بعید بات ہے کہ آپ قریش مکہ کے سامنے جادو اور اشعار پیش کریں اور آپ کی عادتِ مبارکہ جو اہل مکہ کے درمیان مشہور و معروف اور مجرب تھی اس سے بہت بعید بات ہے کہ آپ ان کے سامنے جھوٹ بولتے [اور ابوعمرو کی قراءت میں ''ویـقـذفـون'' مبنی بر مفعول ہونے کی بناء پر فعل مجہول ہے] یعنی کفار کے پاس ان کے شیاطین غیب کی باتیں لاتے اور وہی انہیں اس کی تلقین کرتے تھے اور اگر تم چاہو تو اس کو ارشادِ باری تعالیٰ ''وقالوا امنّا به'' کے متعلق کر دو؛ اس بناء پر یہ ان کی طلب کی تمثیل بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت میں ''امَـنَّـا'' ہم ایمان لائے کہہ کر دنیا میں جو انہوں نے ایمان کو معطل کر دیا تھا اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ مطلب اس شخص کے لیے ناممکن ہے جو دنیا میں بن دیکھے دور کی جگہ سے تیر تکے چلاتا رہا اور الٹکل پچو سے باتیں بناتا رہا اور ظن و گمان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس سے بہت بعید اور غائب ہے اور یہ جائز ہے کہ ''امَنَّا بِهٖ'' کی ضمیر کو عذابِ شدید کی طرف لوٹایا جائے' جو ارشادِ باری تعالیٰ: ''بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۝'' (سبا:۴۶) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ لوگ آخرت کے معاملے کو دنیا کے معاملے پر قیاس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: اگر معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح تم بیان کرتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی اور عذاب و ثواب ہوگا تو پھر ہمیں عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم و معظم ہیں' سو یہ تھا ان کی طرف سے غیب کی بات کرنا اور یہ واقعی غیب ہے اور اسے بہت دور کی سمت سے پھینکا گیا ہے کیونکہ دار الجزاء (آخرت) کو دار التکلیف (دنیا) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۵۴- ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ اور ان کفار کے درمیان اور ان کی خواہش و چاہت کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے گا (اور قیامت کے روز ان کی چاہت یہ ہوگی کہ) اس روز ان کا ایمان لانا مفید ثابت ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل ہو جائے اور جنت میں دخول کی کامیابی حاصل ہو جائے یا یہ کہ انہیں دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ان کی طرف سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ ''وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا

رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَO'' (السجدہ:۱۲) ''اور کاش! آپ اس وقت مشرکوں کو ملاحظہ فرماتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (اور عرض کریں گے:) اے ہمارے پروردگار! (اب) ہم نے دیکھ لیا ہے اور سن لیا ہے' سو آپ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیں تا کہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہمیں یقین آ گیا ہےO'' اور وہ افعال جو (فعل ماضی کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں وہ) یہ ہیں: ''فَزِعُوْا''، ''اُخِذُوْا'' اور ''حِيْلَ'' یہ سب ایک معنی کے لیے ہیں اور ان سب سے مستقبل کا معنی مراد ہے کیونکہ ان کا تحقق ضرور وقوع پذیر ہوگا ﴿كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ط﴾ جس طرح اس سے پہلے ان جیسے کفار کے ساتھ کیا گیا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ﴾ بے شک وہ لوگ بھی رسولوں اور مرنے کے بعد اٹھنے کے معاملے میں شک میں مبتلا تھے ﴿مُّرِيْبٍ﴾ تردد میں ڈالنے والا؛ ''من ارابه'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو شک میں ڈال دے۔ یہ کلام پاک اس شخص کا رد کر رہا ہے جس نے گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ شک پر عذاب نہیں دے گا۔

| سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O | آیاتہا ۴۵ رکوعاتہا ۵ |
|---|---|---|
| سورۂ فاطر مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO | اس کی پینتالیس آیات' پانچ رکوع ہیں |

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ج وَمَا يُمْسِكْ لا فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو از سر نو پیدا کرنے والا فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہےO اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لیتا ہے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہےO

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے تکذیبی رویہ کا بیان

۱- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی حمد و ثناء کرنے کی تعلیم دینے اور اپنی عظمت کے اظہار کے لیے اپنی ذات کی خود تعریف بیان فرمائی ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے اور ان کو بغیر مادہ ونقشہ کے پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ''فاطر'' کا معنی نہیں سمجھتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں میرے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: ''اَنَا فَطَرْتُهَا اَيِ ابْتَدَاْتُهَا'' میں نے اسے کھودا ہے' یعنی سب سے پہلے ابتداء میں میں نے اسے بنایا ہے ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾ وہ

فرشتوں کو اپنے مخصوص بندوں کی طرف رسول اور پیغام بر بنانے والا ہے (جو بہ ذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے نبیوں اور رسولوں کی طرف پہنچاتے تھے) ﴿ اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کے دو دو پر ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک کے دو دو پر ہیں اور ایک گروہ کے تین تین پر ہیں اور ممکن ہے کہ تیسرا پر دو پروں کے درمیان پشت کے وسط میں ہو اور ان دونوں کو قوت کے ساتھ دراز کرتا ہو اور ایک گروہ کے چار چار پر ہیں [''اولو''، ''ذو'' کا اسم جمع ہے اور یہ ''رسلا'' سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے اور ''اجنحة''، ''جناح'' کی جمع ہے اور ''مثنی و ثلاث و رباع'' تینوں ''اجنحة'' کی صفات ہیں اور منصرف صرف اس لیے نہیں کہ ان میں عدل مکرر ہے اور یہ اس لیے کہ یہ تینوں اسماء اعداد کے الفاظ سے ایک صیغے سے دوسرے کی طرف معدول کیے گئے ہیں (''اثنان''، ''اثنان'' سے ''مثنی'' اور ''ثلاثة''، ''ثلاثة'' سے ''ثلاث'' اور ''اربعة''، ''اربعة'' سے ''رباع'' کی طرف عدول کیا گیا) جیسا کہ عمر عامر سے معدول ہے اور یہ اسماء تکرار سے غیر تکرار کی طرف معدول کیے گئے ہیں] ﴿ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ﴾ وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پروں اور دیگر چیزوں میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے[1]

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ تخلیق میں اضافے کا مطلب ہے: خوب صورت چہرہ، خوب صورت آواز، خوب صورت بال، خوب صورت تحریر اور آنکھوں میں ملاحت ہو اور یہ آیت مبارکہ مطلق تخلیق میں ہر قسم کے اضافہ کو شامل ہے، مثلاً دراز قد ہونا اور شکل وصورت کا معتدل ہونا اور صائب الرائے ہونا اور زبان میں روانگی ہونا اور مسلمانوں کے دلوں میں محبت اور اس جیسی دیگر چیزیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲- ﴿ مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ﴾ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے۔ ''رحمة'' میں عموم پیدا کرنے اور اسے مبہم رکھنے کے لیے نکرہ لایا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''من اية رحمة'' کوئی رحمت ہو خواہ وہ رزق ہو یا بارش ہو یا صحت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ﴾ سوا سے کوئی روکنے والا نہیں (یعنی) کوئی شخص اس کے روکنے اور اس کو بند کرنے پر قدرت واختیار نہیں رکھتا اور ''فتح'' کا لفظ اطلاق وارسال (چھوڑنے اور کھولنے) کے لیے بطور استعارہ لایا گیا ہے جیسا کہ اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ ﴿ وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے (یعنی) منع کر دیتا ہے اور بند کر دیتا ہے تو پھر اس کے روک لینے کے بعد کوئی شخص اسے چھڑانے والا نہیں ہوتا [اور ''فلا ممسك لها'' میں مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے جو شرط کے معنی پر مشتمل اسم کی طرف لوٹتی ہے، رحمت کے معنی کے لیے پھر اس کو مذکر بیان کیا مرجوع الیہ کے لفظ پر محمول کر کے کیونکہ اس میں تانیث نہیں ہے، اس لیے پہلے رحمت کی وضاحت و تفسیر کی گئی ہے، پس تفسیر وتوضیح ضمیر کی اتباع میں عمدہ ہوتی ہے اور دوسرے کی تفسیر نہیں کی گئی، سو اصل تذکیر پر چھوڑ دیا گیا ہے]۔

---

[1] امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی، آپ نے ارشادِ باری تعالیٰ ''لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی O''، ''بے شک حضور نے اپنے رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں O'' کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔ علامہ جار اللہ زمخشری نے بعض کتب کے حوالے سے بیان کیا کہ فرشتوں کی ایک قسم کے چھ پر ہوتے ہیں، دو پروں کے ساتھ وہ اپنے جسموں کو لپیٹ لیتے ہیں اور وہ دو پروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اُمور میں سے کسی امر کے لیے اُڑتے ہیں اور وہ دو پروں کو اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کی بناء پر اپنے چہروں پر لٹکائے رہتے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت اس امت پر اس وقت تک کشادہ اور کھلا رہے گا جب تک اس امت کے بہترین افراد بدترین لوگوں کے ساتھ نرمی نہیں کریں گے اور اس کے نیک و پرہیز گار حضرات اس کے بُرے اور نافرمان لوگوں کی تعظیم نہیں کریں گے' اور علماء و قراء اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حکامِ بالا کی مدد نہیں کریں گے' سو جب یہ حضرات ایسے کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت و شفقت ان سے چھین لے گا۔ (احیاء العلوم للغزالی ج ۲ ص ۱۵۰) ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ اپنی رحمت کے بھیجنے اور روکنے پر پوری طرح قادر و غالب ہے ﴿الْحَكِيمُ﴾ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہی بھیجتا اور روکتا ہے جس کے بھیجنے اور روکنے کا حکمت تقاضا کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٣﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤﴾

اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو' کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق عطا کرتا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے' اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O

۳- ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو زبان سے بھی اور دل میں بھی یاد کیا کرو اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے جیسے بچھونے کی طرح زمین کو پھیلانا و بچھانا اور آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی راہوں کو بیان کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجنا اور تخلیق میں سب سے بڑی نعمت پر تنبیہ فرمائی اور وہ ہے منعم و محسن کا واحد لاشریک ہونا' چنانچہ فرمایا: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ [''غیر'' اپنے موصوف کے محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ خالق مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور وہ ''لکم'' ہے اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''غیر'' کو اپنے موصوف کے لفظ پر محمول کر کے مجرور پڑھا گیا کیونکہ ''خالق'' حرف ''من'' کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے] ﴿يَرْزُقُكُمْ﴾ جو تمہیں رزق دیتا ہے [یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خالق کی صفت ہو یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے] ﴿مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے کھیتی باڑی اور دیگر مختلف اقسام کے نباتات کے ذریعے ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [یہ جملہ مفصولہ ہے' اس کا اعراب کے محل سے کوئی تعلق نہیں] ﴿فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾ سو تم کس وجہ سے توحید سے منہ موڑ کر شرک کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

٤- ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعہ قریش مکہ پر طعن فرما کر ان کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا بہت بُرے طریقے سے سامنا کیا اور انہوں نے آیات الٰہیہ کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول اکرم کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے کے انبیائے کرام علیہم السلام میں آپ کے لیے نمونہ موجود ہے اور اسی لیے ''رُسُلٌ'' کو نکرہ لایا گیا ہے یعنی بہت بڑی اور کثیر تعداد والے' آیات لانے اور ڈرانے والے' بڑی

طویل ولمبی عمریں پانے والے اور بڑے صبر واستقلال اور عزم وہمت والے رسولوں کی تکذیب کی گئی' مگر انہوں نے صبر کیا' اس لیے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور تقدیر کلام یہ ہے: ''وان یکذبوك فتاس بتکذیب الرسل من قبلك'' اور اگر کفار مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ اپنے سے پہلے انبیاء ورسل کی تکذیب وجھٹلانے کے ذریعے صبر کیجئے [ کیونکہ جزاء شرط کے بعد ہوتی ہے اور اگر اسے ظاہر پر جاری رکھا جائے تو جزاء شرط پر سابق ہو جائے گی' پس ''فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ'' کو ''فتاس'' کی جگہ رکھا گیا ہے کہ سبب کے ذریعے مسبب سے بے نیازی مل گئی ہے یعنی تکذیب کے ذریعے ''تـاسـی'' سے بے نیازی مل گئی ہے ] ﴿ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴾ اور تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ جانے' اور جھٹلائے گئے رسولوں اور نبیوں کو جزائے خیر عطا کرنے' اور جھٹلانے والے کفار کو سزا دینے کی وجہ سے یہ کلام وعدہ اور وعید دونوں پر مشتمل ہے [ ابن عامر شامی' حمزہ' علی کسائی' خلف یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''تا'' مفتوح (''تَرْجِعُ'' فعل مضارع معروف) ہے ]۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ |
| بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا |
| مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ۭ |

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے' اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں کوئی فریب دینے والا فریب میں نہ ڈال دے O بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو' بے شک وہ اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں O

## شیطان کی فریب کاری پر انسانوں کو تنبیہ

۵- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (یعنی) مرنے کے بعد اٹھنے اور نیکیوں پر جزا اور برائیوں پر سزا کا وعدہ سچا ہے' ضرور ہو کر رہے گا ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ سو تمہیں دنیا کی زندگی غرور میں نہ ڈال دے (یعنی) پس تمہیں دنیا دھوکے میں نہ ڈال دے اور دنیا کی عیاشی اور اس کے فوائد ومنافع کی رنگینیاں اور لذتیں تمہیں آخرت کے عمل سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی نعمتوں کی طلب سے غافل و بے خبر نہ کر دیں ﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور تمہیں کوئی فریب دینے والا اللہ تعالیٰ کے بارے میں فریب میں نہ ڈال دے یعنی شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ وہ تمہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت و ریاضت سے اور تمہیں عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔

۶- ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ ﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے جس کی عداوت و دشمنی ظاہر ہے' تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا وہ کیا' لیکن تم اس کے ساتھ اس شخص کی طرح معاملہ کرتے ہو جیسے اس کے حال کا کچھ علم نہیں ہے ﴿ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ سو تم اپنے عقائد اور اپنے افعال میں اسے دشمن بنائے رکھو اور وہ تم سے اس کے سوا اور کوئی رویہ نہ پائے' جو صرف اس کی عداوت و دشمنی پر دلالت کرتا ہو' خواہ تمہارے معاملات پوشیدہ ہوں یا علانیہ ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پوشیدہ کارروائی کا خلاصہ بیان کیا اور اس کی پیروی کرنے والے کی غلطی کا اظہار کیا کہ شیطان کی

غرض و غایت جس کو وہ اپنے گروہ کو دعوت دینے میں پیش نظر رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ انہیں ہلاکت کے گھاٹ میں اتار دے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ بے شک شیطان اپنے گروہ کو صرف اس لیے دعوت دیتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ع اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہےO سو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما کر دیا گیا ہو اور وہ خود بھی اسے نیک عمل خیال کرتا ہو (تو کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں) سو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے پس آپ کا دل ان (کی گمراہی) پر غم ناک نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیںO

۷- ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے سخت عذاب ہے یعنی سو جس نے شیطان کی دعوت کو قبول کر لیا اور کافر ہو گیا جب اس نے اسے دعوت دی تو ایسے شخص کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ ایسا شخص اس کے گروہ میں سے ہو گیا یعنی اس کے پیروکاروں میں سے ہو گیا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور انہوں نے شیطان کی نہ دعوت قبول کی اور نہ اس کے گروہ میں شامل ہوئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے اس لیے کہ انہوں نے بہت بڑا اجہاد کیا ہے۔

۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فریقوں (مسلم و کافر) کا ذکر فرمایا تو اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾ سو کیا جس شخص کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہو اور وہ اس کو شیطان کے آراستہ کرنے اور خوش نما بنانے کی وجہ سے نیک عمل خیال کرتا ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے آراستہ نہیں بنایا گیا گویا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے پس آپ کا دل ان پر حسرت ناک نہ ہو اور علامہ زجاج نے ذکر کیا کہ مطلب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے آراستہ کر دیئے گئے اس پر آپ کا دل افسوس ناک ہوتا ہے؟ جواب کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ'' دلالت کر رہا ہے یا یہ معنی ہے کہ تو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے آراستہ کر دیئے گئے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے سو جواب حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

مَنْ يَّشَآءُ'' دلالت کر رہا ہے [یزید کی قراءت میں ''فَلا تُذْهِبْ نَفْسَكَ'' (باب افعال سے) ہے یعنی آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کر دیں ''حسرات'' مفعول لہ ہے یعنی آپ اپنے آپ کو حسرت وغم کی وجہ سے ہلاک نہ کر دینا اور ''علیھم'' ''تذهب'' کا صلہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''هلك عليه حبًّا ومات عليه حزنًا'' فلاں شخص اس پر محبت وعشق کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور فلاں آدمی اس پر غم ورنج کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور ''علیھم''، ''حسرت'' کے متعلق کرنا جائز نہیں کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے پہلے نہیں آتا] ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ یہ کلام ان کے لیے ان کی بُری کارکردگی پر سزا دینے کی وعید (یعنی دھمکی) ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ
يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا' سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' پھر ہم اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں' اسی طرح مرنے کے بعد اٹھنا ہے O جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' پاکیزہ کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور جو نیک عمل ہے اسے اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے' اور انہیں کی سازش تباہ ہو گی O

## اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور بتوں کی بے بسی کا بیان

۹- ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''الریح'' ہے] ﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''مَيِّت'' کی ''یا'' مشدد ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''یا'' ساکن ہے] ﴿فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ پھر ہم اس کے ذریعہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں (یعنی) ہم بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کر دیتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے بادل کے ضمن میں بارش کا ذکر گزر چکا ہے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ اس کے مردہ ہو جانے کے بعد (یعنی) اس کے خشک وبنجر ہو جانے کے بعد اور ''فتثیر'' محض اس لیے فرمایا گیا ہے تا کہ اس حال کی حکایت بیان کی جائے جس میں ہوائیں بادل کو اٹھا کر واقع ہوتی ہیں اور اس صورت کو سامنے لایا جائے' جو رب تعالیٰ کی قدرت واختیار پر رہنمائی کرتی ہے اور لوگ بھی اسی طرح کوئی کام کرتے ہیں جس میں عجیب وغریب حال کے ساتھ ایک قسم کا امتیاز وخصوصیت پائی جائے اور اسی طرح بادل کو کسی مردہ شہر کی طرف لے جانا اور زمین کو اس کے مردہ اور بنجر ہو جانے کے بعد بارش کے ذریعے زندہ کرنا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ''فَسُقْنَا'' اور ''اَحْيَيْنَا'' دونوں کو غائب کے لفظ سے جمع متکلم کی طرف اس لیے منتقل کیا گیا ہے کہ یہ اختصاص میں زیادہ دخیل ہیں اور قدرتِ ربانی پر دلالت ورہنمائی زیادہ کرتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ اسی طرح اٹھنا ہے یعنی جس طرح

اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے' اسی طرح وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک ایسے پانی سے زندہ فرمائے گا جسے عرش کے نیچے سے برسائے گا جس سے تمام مخلوق کے اجسام اُگنا شروع ہو جائیں گے۔

۱۰- ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں' دنیا کی عزت بھی اور آخرت کی عزت بھی اور کفار نا ہنجار بتوں سے عزت حاصل کرتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّاO'' (مریم:۸۱) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے عزت وغلبہ کا باعث بن جائیںO'' اور جو لوگ صرف اپنی زبانوں کے ساتھ ایمان لائے جب کہ ان کے دل زبانوں کے موافق نہیں' وہ مشرکین سے عزت وغلبہ حاصل کرتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًاO'' (النساء:۱۳۹) ''جو لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنا لیتے ہیں کیا وہ ان کے ہاں عزت طلب کرتے ہیں' سو بے شک تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہےO'' پس اللہ تعالیٰ نے واضح بیان کر دیا کہ تمام عزتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' سو اب معنی یہ ہوگا کہ جو عزت چاہتا ہے ''فَلْيَطْلُبْهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس طلب کرے' پس ''فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا'' کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت بھی کرتا ہے اور اس سے بے نیاز بھی کرتا ہے' اس لیے کہ جو چیز بھی طلب کی جاتی ہے' وہ اس کے مالک سے طلب کی جاتی ہے جس کے پاس وہ چیز ہوتی ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: ''من اراد النصيحة فهى عند الابرار'' جو شخص نصیحت چاہتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے پاس ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نصیحت انہیں نیک لوگوں سے حاصل کرے مگر اس کے قائم مقام ایسا کلام بنایا گیا جو اس پر دلالت کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ ''ان ربكم يقول كل يوم انا العزيز فمن اراد عزّ الدارين فليطع العزيز'' بے شک تمہارا پروردگار روزانہ پکار کر اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں' سو جو شخص دونوں جہانوں کی عزت چاہتا ہے تو وہ عزیز ترین خدا کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرلے' پھر اللہ تعالیٰ نے پہچان بیان کر دی کہ جس کے ساتھ عزت حاصل کی جاتی ہے' وہ ایمان اور نیک عمل ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہی سر بلندی عطا کرتا ہے اور ''اليه'' کا معنی یہ ہے کہ پاکیزہ کلمات قبول و رضا کے مقام کی طرف چڑھتے ہیں اور ہر وہ نیک عمل اور پاکیزہ کلمات جو قبولیت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں' وہی رفعت و سر بلندی اور اونچائی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور یہ ایسے محل کی طرف چڑھائی کرتے ہیں جس میں صرف اسی کا حکم نافذ و جاری ہوتا ہے اور ''الكلم الطيّب'' سے توحید کے کلمات مراد ہیں یعنی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' [اور قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ''الطيّبة'' مؤنث ہوتا لیکن ہر وہ جمع جس کے واحد اور اس کے درمیان فرق صرف تائے تانیث سے ہو' اسے مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے] اور عمل صالح سے خالص عبادت مراد ہے یعنی پاکیزہ کلمات ''لا اله الا اللّٰه'' نیک عمل کو بلند کر دیتے ہیں پس ''الكلم'' رافع ہیں اور عمل مرفوع ہے کیونکہ موحد کے ماسوا کسی کا عمل قبول نہیں کیا جاتا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ رافع اللہ تعالیٰ ہے اور عمل مرفوع ہے یعنی نیک عمل کو اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ عمل رفع پر موقوف ہے اور پاکیزہ کلمات خود بہ خود چڑھ جاتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نیک عمل عامل (عمل کرنے والے) کو سر بلند کر دیتا ہے اور اسے معزز بنا دیتا ہے یعنی جو شخص عزت و وقار چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے' سو

وہی نیک عمل ہی تو ہے جو بندے کو سر بلند کر دیتا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ اور جو لوگ بُرائیوں کی تدبیریں کرتے ہیں
[''السیّئات'' مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ''المکرات السیئات'' بُری سازشیں کیونکہ مکر غیر متعدی فعل ہے چنانچہ
''مکر فلان عملہ'' نہیں کہا جاتا] اور اس سے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق قریش مکہ کی سازش مراد ہے' جب انہوں
نے دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازش تیار کی تھی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ
يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ'' (الانفال:۳۰) ''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے) جب
کفار مکہ آپ کے خلاف سازش تیار کرنے لگے تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا آپ کو ملک بدر کر دیں'' ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ﴾ ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہوگا ﴿ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴾ اور انہیں کا مکر و فریب ہی برباد ہوگا [''ومکر
اولئک'' مبتدا ہے اور ''ھو'' ضمیر فاعل ہے اور ''یبور'' خبر ہے] یعنی انہیں لوگوں کا مکر و فریب خاص کر تباہ ہوگا یعنی فاسد و
باطل ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے خلاف ناکام نہیں ہوئی جب اللہ تعالیٰ انہیں مکہ مکرمہ سے نکال کر بدر میں لے
آیا اور ان کو قتل کیا اور ان کو بدر کے کنویں میں مقید کر دیا' پس ان کی ساری سازشیں انہیں پر جمع ہو گئیں اور ان کے بارے میں
اللہ تعالیٰ کے یہ ارشاد ثابت ہو گئے: ''وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَO'' (الانفال:۳۰) ''اور وہ سازش
کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرمانے لگا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہےO'' اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَلَا
يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ'' (فاطر:۴۳) ''اور بُرے مکر و فریب (کا وبال) نہیں پڑتا مگر اس کے کرنے والے پر''۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے' پھر نطفہ سے پیدا فرمایا' پھر اس نے تمہارے جوڑے بنائے' اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی
اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ اس کی عمر میں سے کچھ کمی کی جاتی ہے مگر ایک
کتاب میں تحریر ہو چکا ہے' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہےO

۱۱۔ ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا
﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ پھر اس نے تمہیں نطفہ (مرد و زن کے پانی سے) پیدا فرمایا' پھر اس نے تمہارے مختلف
اقسام کے جوڑے بنائے (سرخ' سفید' کالے اور گندمی رنگ والے) یا یہ کہ اس نے تمہیں مرد اور عورت بنایا ﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ
اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾ اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم کے ساتھ [''بعلمہ'' محلاً حال ہے]
یعنی مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ﴾ اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی'' ای (وما یعمر من
احد'' یعنی کسی شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور اسے ''معمّر'' (بوڑھا) اس لیے کہا کہ آخر کار اس نے بڑھاپے کی عمر کی
طرف لوٹ جانا ہے ﴿ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ﴾ اور نہ اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں تحریر ہو چکا ہے'
یعنی لوح محفوظ میں یا انسان کے صحیفہ میں تحریر ہو چکا ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان یا تو معمر ہوگا یعنی لمبی اور طویل
عمر پانے والا ہوگا یا ناقص عمر والا یعنی اس کی عمر تھوڑی ہوگی' پھر اگر اس کی عمر پر مزید اضافہ کیا جائے جب کہ اس کا برعکس تو

محال ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا کہ ''وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ'' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تسامح (چشم پوشی) برتی گئی اور اس کی تاویل میں سامعین کی فہم وفراست پر بھروسہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص کی عمر میں کمی وبیشی کا محال ہونا ان پر مشتبہ نہیں رہ سکتا اور اسی اسلوب پر عرب کے لوگوں کا کلام جاری وساری ہوتا ہے چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نہ اجر وثواب عنایت کرے گا اور نہ اسے سزا دے گا مگر حق کے ساتھ پھر اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ صحیفہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس کی عمر اتنے اتنے سال ہوگی' پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے: ایک دن اس کی عمر کم ہو گئی ہے' دو دن کم ہو گئی' یہاں تک کہ اس کی عمر کا آخری دن آ جاتا ہے' پس یہ ہے اس کی عمر کا کم ہو جانا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ معمر وہ شخص ہوتا ہے جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ جائے اور نقص عمر والا وہ ہوتا ہے جو ساٹھ سال پورے ہونے سے پہلے مرجائے[1] ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا۔ یا عمر کا زیادہ اور کم ہونا ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر سہل اور آسان ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں' یہ میٹھا خوش ذائقہ ہے اس کا پانی خوش گوار ہے اور یہ نمکین وکھارا ہے' اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو' اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۝

۱۲- ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ﴾ اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ یہ میٹھا ہے یعنی ان میں سے ایک میٹھا

[1] علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب کی وجہ سے بڑھتی گھٹتی ہے' جیسا کہ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس کے بعد مرجائے گا' پھر اگر وہ حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی' ورنہ چالیس سال کی عمر میں مرجائے گا' اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر حج نہ پڑھنے کی وجہ سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسّی سال ہوگی ورنہ پچاس سال ہوگی۔

(۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ اور صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں۔

(۲) جب کوئی آدمی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کی عمر کے صرف تین دن باقی رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے' ایسے ہی جب کوئی آدمی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے۔

(۳) والدین کی خدمت گزاری عمر کو بڑھاتی ہے' جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر کو تبدیل کر دیتی ہے (یہ تقدیر معلق کی بات ہے جس میں تبدیلی ہوتی ہے لیکن تقدیر مبرم میں تبدیلی نہیں ہوتی کہ وہ اٹل ہوتی ہے)۔

(تفسیر روح البیان مترجم ۲۱ پارہ' ص ۷۰۴' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

ہے ﴿فُرَاتٌ﴾ بہت میٹھا نہایت خوش گوار اور بعض علماء نے فرمایا: فرات وہ پانی ہوتا ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے ﴿سَآئِغٌ شَرَابُهٗ﴾ اس کا پانی خوش گوار ٔ ہاضمہ دار اور اپنی مٹھاس کی وجہ سے حلق میں آسانی سے جلد اُترنے والا ہے اور اسی وجہ سے اس کا پانی خوش ذائقہ ہوتا ہے ﴿وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ نمکین و کھاری ہے (یعنی) سخت نمکین ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ پانی ہے جو اپنی نمکینی اور کڑواہٹ کی وجہ سے حلق کو جلا دیتا ہے ﴿وَمِنْ كُلٍّ﴾ ''ومن کل واحد منهما'' اور ان دونوں دریاؤں میں سے ہر ایک دریا سے ﴿تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ مچھلی ہے ﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ اور تم ان میں سے زیور نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو اور وہ موتی اور مرجان ہیں ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ﴾ اور تم اس میں (یعنی) ہر ایک دریا میں کشتیوں کو دیکھو گے کہ وہ چلتے وقت پانی کو چیرتے ہوئے گزرتی ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ ''مخرت السفينة الماء'' یعنی کشتی نے پانی کو چیر پھاڑ دیا اور یہ ''ماخرة'' کی جمع ہے ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو (یعنی) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو کیونکہ اگرچہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک مذکور نہیں ہوا لیکن اس سے پہلے مذکور ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر مذکور نہ بھی ہوتا تو کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ معنی اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے لیے دو دریاؤں ایک میٹھے اور ایک نمکین و کڑوے کی مثالیں بیان فرمائی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے بالتبع دونوں دریاؤں کی صفتوں میں ان سے متعلقہ اپنی نعمتیں اور اپنی عطائیں بھی بیان فرما دیں اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان کو بالتبع بیان نہ کیا ہو بلکہ اس لیے بیان فرمایا کہ دو جنسوں کو دو دریاؤں کے ساتھ تشبیہ دی جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے نمکین و کڑوے دریا کو کافر پر فضیلت و ترجیح دی کہ بلاشبہ نمکین و کڑوا دریا بعض منافع میں خوش ذائقہ اور میٹھے دریا کے ساتھ مشترک ہے اور وہ یہ ہیں: مچھلیوں کا حصول اور موتیوں اور مرجان کا حصول اور ان دونوں میں کشتیوں کا چلنا جب کہ کافر ہر قسم کے نفع سے بالکل خالی ہے بلکہ وہ (درج ذیل) ارشاد کے طریقہ پر ہے: ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً'' ''پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے' سو وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا: ''وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ'' (البقرہ: ۷۴) ''اور بے شک بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور بے شک بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں''۔

| |
|---|
| يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ |
| يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ |
| دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا |
| مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾ ع |

ع ۲ ۱۴

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے' اور اسی نے سورج اور چاند کو تابع فرمان بنا دیا' ہر

ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے' اور اس کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں O اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے' اور اگر (بفرضِ محال) وہ سن بھی لیں تو وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے' اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے' اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی دوسرا خبر دینے والا نہیں ہے O

۱۳- ﴿ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ﴾ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کے اوقات کو دوسرے میں داخل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے زائد پندرہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور ناقص نو گھنٹے کا رہ جاتا ہے) ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت میں سب سے زیادہ روشن ترین سورج اور چاند کو ان کی مسافت کے اعتدال کے لیے پابند حکم بنا دیا ﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن ان دونوں کی حرکت و رفتار ختم ہو جائے گی ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے' اسی کی بادشاہی ہے [''ذالکم'' مبتدا ہے اور باقی مترادف خبریں ہیں یا پھر ''الله ربکم'' دو خبریں ہیں اور ''له الملك'' ابتدائیہ جملہ ہے جو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کے اقتران واتصال کے لیے واقع ہوا ہے کہ] ﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ اور اس کے سوا جن کو تم پوجتے ہو یعنی وہ بت جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو (''تدعون'' بہ معنی ''تعبدون'' ہے) ﴿ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ وہ گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ''قطمیر'' کا معنی گٹھلی کا چھلکا ہے' جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح ایک باریک سا پردہ ہوتا ہے [قتیبہ کی قراءت میں ''یدعون'' ہے]۔

۱٤- ﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ ﴾ اگر تم ان کو بلاؤ یعنی بتوں کو تو ﴿ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ﴾ وہ تمہارے بلاوے کو نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں ﴿ وَلَوْ سَمِعُوْا ﴾ اور اگر وہ سن لیں (یعنی) اگر وہ بر سبیل فرض (بفرضِ محال) سن لیں تو ﴿ مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ﴾ وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے کیونکہ وہ اس الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے جس کے تم ان کے دعوے دار ہو (کہ وہ معبود ہیں) حالانکہ وہ اس سے بَری ہیں ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ﴾ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے (یعنی) تم جو ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اور تم جو ان کی عبادت کرتے تھے' وہ اس کا انکار کریں گے اور وہ کہیں گے: ''مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ O'' (یونس:۲۸) ''تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O'' ﴿ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾ اور جس طرح اللہ تعالیٰ خبر دینے والا ہے' اس طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے گا (یعنی) اے غرور کے اسباب میں مفتون و مبتلا انسان! تمہیں کوئی اس طرح خبر نہیں دے گا جس طرح ''خبیر'' (خبریں دینے والا) اللہ تعالیٰ پوشیدہ اُمور کی مبنی برحقیقت خبر سناتا ہے اور تمہیں کوئی مخبر (خبر دینے والا) کسی کام کی خبر اس طرح نہیں سنائے گا' جس طرح اس کام کو خوب جاننے والا اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر سنائے گا' اس سے مراد و مقصد یہ ہے کہ ہر کام کی خبر دینے والا صرف ایک خدا ہے' جو تمہیں حقیقت پر مبنی خبر سناتا ہے نہ کہ دوسرے مخبرین اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ حقیقت ہے جو میں نے تمہیں بتوں کی حالت کے بارے میں بتا دی ہے اور یہی حق ہے کیونکہ بتوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بلاشبہ میں ہی بتانے والا ہوں۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ |
| وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ |

أُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ
اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ
تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تمام تعریفوں کے لائق ہے O اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے O اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں O اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی تو اس کے بوجھ میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا' اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو' بے شک آپ صرف ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں' اور جو شخص پاکیزہ بنے گا تو بے شک وہ صرف اپنے فائدے کے لیے پاکیزہ بنے گا' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے O اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہیں O اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی (برابر ہیں) O اور نہ سایا اور نہ دھوپ (برابر ہیں) O

## تمام مخلوق کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر

۱۵- ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام مخلوق ہر سانس' ہر قدم اور ہر لحہ میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ تمام مخلوق کا وجود بھی اسی کی وجہ سے ہے اور تمام مخلوق کی بقاء بھی اسی کی وجہ سے ہے ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہی قابل ستائش ہے کہ ہر زبان پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقارت کے لیے ان کا نام فقراء نہیں رکھا بلکہ بے نیازی اختیار کرنے پر طعن و تعریض کرنے کے لیے انسان کو فقراء فرمایا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو غنی کے ساتھ موصوف فرمایا جو تمام غنیوں اور دولت مندوں کو کھلانے پلانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت ''الحمید'' کا ذکر فرمایا تا کہ اس کے ذریعے اس بات پر رہنمائی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے جو اپنے غنا کے ساتھ اپنی مخلوق کو نفع اور فائدہ پہنچاتا ہے' وہ ان پر انعام فرمانے والا جواد و سخی ہے کیونکہ ہر غنی اپنے غنا کے ساتھ نفع نہیں پہنچاتا مگر جب غنی ہونے کے ساتھ جواد و منعم بھی ہو' سو جب وہ سخاوت کرے گا اور انعام فرمائے گا تو انعام یافتہ تمام لوگ اس کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کریں گے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی ذاتِ اقدس کے لیے غنا کا اور ان کے لیے فقر کا فیصلہ فرمایا' پس جو شخص غنا کا دعویٰ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے محجوب و محروم رہے گا اور جو شخص اپنے فقر کا اظہار کرے گا تو اس کا فقر اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گا' سو ہر بندے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ خفیہ اللہ تعالیٰ کا محتاج بن جائے اور غیر سے تعلق توڑ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کی عبودیت و بندگی خالص ہو جائے' پس عبودیت یہی عاجزی و انکساری اور تواضع اختیار کرنا ہے اور اس کی علامت و پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ

کسی سے سوال نہ کرے۔

حضرت امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرے گا' وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت طلب کرے گا وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہوگا۔

حضرت الحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کا محتاج بنے گا' اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنا حاصل ہوگا اور جب بھی فقر و احتیاج بڑھے گا' تب ہی غنا بڑھے گا۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ کے لیے فقر غنا سے بہتر ہے کیونکہ فقر میں عاجزی و پستی ہے اور غنا میں تکبر و بڑھائی اور بے نیازی ہے اور تواضع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا زیادہ سے زیادہ اعمال لے کر اس کی طرف رجوع کرنے سے بہتر ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اولیائے کرام کی تین صفات ہیں: (۱) ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسا رکھنا (۲) اور ہر چیز میں اسی کا محتاج رہنا (۳) اور ہر چیز سے اسی کی طرف رجوع کرنا۔

حضرت ابوبکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ فقر میں بندہ بلائیں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے اور اس کا مصیبتیں برداشت کرنا پوری عزت ہے۔

۱۶- ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو عدم و فنا کی طرف لے جائے' سو اس لیے کہ اس کا غنا ازل میں تمہارے ساتھ نہیں تھا ﴿وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ اور وہ نئی مخلوق لے آئے اور وہ تمہاری حمد کے بغیر بھی محمود ہے۔

۱۷- ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ہے (یعنی) پیدا کرنا اور فنا کرنا اللہ تعالیٰ پر ممتنع نہیں ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

## کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

۱۸- ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (یعنی) اور کوئی گناہ گار جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی اور ''وِزْرٌ'' اور ''وِقْرٌ'' دونوں ہم معنی ہیں اور ''وزر الشیء'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کا بوجھ اٹھاتا ہے اور ''وَازِرَةٌ'' نفس کی صفت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر جان صرف اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گی' جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا' کوئی جان کسی دوسری جان کے گناہ میں ماخوذ نہیں ہو گی جیسا کہ دنیا کے جابر لوگ ایک وارث کے بدلے میں دوسرے وارث کو پکڑ لیتے ہیں اور ایک پڑوسی کے بدلے میں دوسرے پڑوسی کو پکڑ لیتے ہیں اور ''ولا تزر وازرة'' فرمایا ہے لیکن ''ولا تزر نفس'' نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمام بوجھ اٹھانے والی جانیں ماسوا اپنے بوجھ کے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گی اور رہا (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ'' (العنکبوت:۱۳) ''اور البتہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے'' تو یہ آیت مبارکہ گمراہ کرنے والے گمراہوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی اٹھائیں گے' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں ان کا قول ذکر کر کے ان کو کیسے جھٹلا دیا ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○'' (العنکبوت:۱۲) ''اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو

اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے' بے شک وہ جھوٹے ہیں O" ﴿وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ﴾ اور اگر بوجھ اٹھانے والی بلائے گی یعنی اگر گناہوں کا بوجھ اٹھانے والی جان کسی کو بلائے گی ﴿اِلٰی حِمۡلِهَا﴾ اپنے بوجھ کی طرف یعنی اپنے گناہوں کی طرف تا کہ دوسرا شخص اس سے اس کے کچھ گناہوں کو اٹھالے ﴿لَا یُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَیۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی﴾ اس میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اور اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہو یعنی جس کو بلایا گیا ہے اور یہ "وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ" سے سمجھا جاتا ہے اور رشتہ دار سے مراد جیسے باپ ہے یا اولاد یا بھائی وغیرہ اور "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی" اور "وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰی حِمۡلِهَا لَا یُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَیۡءٌ" میں فرق یہ ہے کہ پہلا ارشاد اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس کے انصاف پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ کوئی جاندار بغیر گناہ کے نہیں پکڑا جائے گا اور دوسرے ارشاد میں اس بات کا بیان ہے کہ اس روز کسی فریاد کرنے والے کے لیے کوئی فریاد رس نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب کسی جان پر اس کا بوجھ بھاری ہو جائے گا' اگر وہ کسی کو بلائے گی کہ اس کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے تو اس کے بلانے پر جواب نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی فریاد رسی کی جائے گی' اگر چہ جسے بلایا گیا ہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ﴾ بے شک آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں [ "بالغیب" فاعل سے یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے ] یعنی وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب سے غائب ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ عذاب ان سے غائب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "بالغیب" کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر تنہائی میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب کہ اس پر کسی غیر کو اطلاع نہیں ہوتی ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور وہ لوگ نماز کو اس کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم رکھتے ہیں ﴿وَمَنۡ تَزَكّٰی﴾ اور جو شخص عبادات واطاعات کے بجالانے اور گناہوں کے ترک کرنے کے سبب پاکیزگی حاصل کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفۡسِهٖ﴾ تو وہ صرف اپنے فائدے اور اپنے بھلے کے لیے پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو ان کے خوف و ڈر اور ان کی اقامت نماز کی تاکید کر رہا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل تزکیہ و پاکیزگی کے ارکان میں سے ہیں ﴿وَاِلَی اللّٰهِ الۡمَصِیۡرُ﴾ اور (سب نے) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور یہ کلام تزکیۂ نفس کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کے لیے اجر وثواب کا وعدہ ہے۔

۱۹ - ﴿وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں' یہ کافر ومؤمن یا جاہل وعالم کی مثال بیان کی گئی کہ جیسے اندھا شخص اور دیکھنے والا شخص برابر نہیں' اسی طرح کافر ومؤمن اور جاہل وعالم برابر نہیں ہیں۔

۲۰ - ﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوۡرُ﴾ اور نہ تاریکیاں اور نہ نور برابر ہیں' ظلمات کفر کی مثال ہے اور نور ایمان کی مثال ہے۔

۲۱ - ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الۡحَرُوۡرُ﴾ اور نہ سایا اور نہ دھوپ برابر ہیں' "ظل" سے حق یا جنت مراد ہے اور "حرور" سے باطل یا دوزخ مراد ہیں' یعنی جس طرح سایا اور دھوپ برابر نہیں' اسی طرح حق و باطل اور جنت و دوزخ برابر نہیں۔ "حرور" گرم ہوا کو کہا جاتا ہے جیسے گرم لو ہوتی ہے مگر گرم لو دن کو چلتی ہے اور "حرور" رات اور دن دونوں میں چلتی ہے یہی علامہ فراء سے منقول ہے۔

وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَحۡیَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ

بِسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ ع

اور برابر نہیں ہوتے زندے اور نہ مردے' بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں O آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈرسنانے والا گزرا ہے O اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا' (جب) ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو میرا انکار (عذاب) کیسا رہا O

## سماعِ موتیٰ کا بیان اور رسولوں کی تکذیب کا انجام

٢٢- ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں۔ اس میں ایک تو ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے کہ یہ زندوں کی طرح ہیں اور دوسری ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے (بلکہ کفر پر اڑے رہے) کہ یہ مردوں کی طرح ہیں [اور حرف نفی ''لا'' کا اضافہ محض نفی کے معنی کی تاکید کے لیے کیا گیا ہے اور ان آیات میں عاطفہ واؤں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اس کی بعض جوڑے کو جوڑے سے ملاتی ہیں اور بعض طاق کو طاق سے ملاتی ہیں] ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سناتے جو قبروں میں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اسلام میں داخل ہوگا اور کون اسلام میں داخل نہیں ہوگا' سو اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت چاہتا ہے اسے ہدایت عنایت کر دیتا ہے (اور جس کی ہدایت نہیں چاہتا اسے ہدایت کی توفیق نہیں دیتا) اور لیکن رہا آپ کا معاملہ تو آپ پر چونکہ ان کا معاملہ مخفی ہوتا ہے' سو اس لیے آپ ہدایت سے محروم لوگوں کے لیے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں اور اس آیت مبارکہ میں کفار کو موتیٰ (مردوں) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے مردے سنائی گئی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے' اسی طرح کفر پر اصرار کرنے والے کفار بھی حق کی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے [1]

[1] واضح ہو کہ اسماعِ موتیٰ (مردوں کو سنانے) کی نفی اور سماعِ موتیٰ (مردوں کے سننے) کے ثبوت کی چند وجوہات' نیز سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیاتِ مبارکہ' سورۃ الروم: ٥٢ کے حاشیہ میں بیان کر دی گئی ہیں' اب یہاں سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں چند احادیث مبارکہ اور علماء کے چند اقوال بیان کیے جاتے ہیں:

### سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں احادیث مبارکہ کا بیان

(١) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن بیس سے زائد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۳- ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ﴾ آپ تو نہیں مگر ڈر سنانے والے یعنی آپ پر لازم نہیں مگر صرف یہی کہ آپ لوگوں کو تبلیغ کریں اور انہیں ڈرائیں' پھر جسے ڈرایا گیا ہے' اگر وہ ان میں سے ہوا جو ڈراوے کو سن کر قبول کر لیتے ہیں تو نفع پائے گا اور اگر وہ کفر پر اصرار کرنے والوں میں سے ہوا تو آپ پر کچھ لازم نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قریش کے سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا' پھر وہاں تشریف لے گئے اور ان کو بہ آواز بلند پکارتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اور اے عتبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا نہیں پایا' سو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا ہے' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تو ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ وقدرت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! ''مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ'' تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت عبید بن مرزوق سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت مسجد کی خدمت کرتی تھی' پھر وہ فوت ہوگئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی اطلاع نہیں کی گئی تھی' چنانچہ حضور اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ قبر کس کی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ام محجن کی ہے' حضور نے فرمایا: وہی جو مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی' صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے لوگوں کی صفیں بنائیں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی' پھر اس سے فرمایا کہ تو نے کون سا عمل سب سے افضل پایا ہے' اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ''یارسول اللّٰہ! اَتَسْمَعُ'' اے اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا وہ سنتی ہے؟ ''قَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهَا'' آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ نہیں سنتے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا کہ اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد کی خدمت سب سے بہتر عمل ہے۔

(۳) امام بیہقی اور امام حاکم وغیرہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس لوٹتے وقت (شہدائے اسلام) حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ کرام کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اَشْهَدُ اَنَّكُمْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہو' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''فَزُوْرُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ'' پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو' سو اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! قیامت تک ان پر کوئی شخص سلام نہیں کرے گا مگر وہ اسے اس کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

(۴) علامہ ابن عبد البر اور عبد الحق اشبیلی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس کی تمام اسناد صحیح ہیں کہ جو شخص اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اس کو سلام کرے تو وہ اسے پہچان لیتا ہے اور اسے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

(۵) ابن ابی الدنیا نے حضرت عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ اسے لے کر جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اور وہ اس روح سے کہتا ہے: ''اَتَسْمَعُ مَا يُقَالُ لَكَ'' کیا تو سن رہی ہے یہ جو کچھ تیرے بارے میں کہا جا رہا ہے' پھر جب وہ فرشتہ اس کی قبر پر پہنچتا ہے تو اس روح کو اس کی لاش کے ساتھ دفن کر دیتا ہے۔

(۶) صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ ''اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِىْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ'' بے شک بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۴- ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے [''بالحق'' ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول دونوں میں سے کسی ایک سے حال ہے یعنی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم حق کو ظاہر کرنے والے ہیں یا یہ کہ بے شک ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا کہ آپ حق کو بیان کرنے والے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے'' ای ارسالا مصحوبا بالحق'' یعنی آپ کو حق کے ساتھ ملا کر بھیجا ہے] ﴿بَشِیْرًا﴾ آپ وعدۂ الٰہی کے مطابق بہشتوں و دیگر اخروی نعمتوں کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿وَّنَذِیْرًا ؕ﴾ اور آپ وعید و دھمکی کے ذریعہ دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ﴾ [اس میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی ''وَمَا مِنْ اُمَّةٍ قَبْلَ اُمَّتِكَ''] اور آپ کی امت سے پہلے کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے اور ''اُمَّةٌ'' بہت بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ'' (القصص:۲۳) ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے کنویں پر لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو پایا''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مسلمان ساتھی اس سے رخصت ہو کر واپس جانے لگتے ہیں تو بے شک وہ اپنی قبر میں ان کے جوتوں کی آہٹ ضرور سنتا ہے۔

نوٹ: یہ تمام احادیث تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون (اکیس پارہ) ص ۵۵ تا ۵۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور سے ماخوذ ہیں' (فالحمد للہ علیٰ ذالک) نیز میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنے کی اور قبر والوں کو سلام کرنے کی اور نکیرین کے سوالوں کے جواب دینے کی تمام احادیث مبارکہ سماع موتی (مردوں کے سننے) کی دلیلیں ہیں۔

## علماء کے اقوال

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) علامہ ابن قیم نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے' لکھتے ہیں: ''والسلف مجمعون علٰی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان الميّت يعرف زيارة الحی له ويستبشر به'' یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع اور اتفاق ہے اور ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

(۲) علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''والذی يحصل لنا من مجموع النصوص واللّٰه اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملة بالاحاديث الكثيرة الصحيحة'' یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماع موتی ثابت ہے۔ واللہ اعلم

(۳) سید انور شاہ صاحب' فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اقول والاحاديث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حديث صححه ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی الميّت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه فی الدنيا'' میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرما لیا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماع موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مزارات پُر انوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۷ تا ۵۸۸' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ' لاہور)

اور ہر زمانے کے باشندوں کو امت کہا جاتا ہے اور یہاں ہر زمانہ کے لوگ مراد ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان نذارت (ڈرانے) کی علامات ونشانیاں باقی تھیں' سو اس لیے یہ امتیں ڈرانے والے پیغمبر سے خالی نہیں رہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ڈرانے کے آثار وعلامات ختم ہو گئے تو سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث کیا گیا ﴿ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے جو انہیں سرکشی ونافرمانی کی خامی اور کفر وشرک اور ناشکری کے بُرے انجام سے ڈراتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے ''بشیر'' اور ''نذیر'' دونوں کے ذکر کے بعد اس آیت مبارکہ کے آخر میں ''بشیر'' کی بجائے صرف ''نذیر'' کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے' اس لیے کہ نذارت بشارت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے' سو نذارت کا ذکر بشارات کے ذکر پر دلالت کرتا ہے۔

۲۵ - ﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ ﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور صحیفے لے کر تشریف لائے تھے [''جآء تھم رسلھم'' حال ہے اور ''وَقَدْ'' پوشیدہ مقدر ہے] ''بالبیّنات'' سے معجزات مراد ہیں اور ''زبر'' سے صحیفے مراد ہیں ﴿ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴾ اور روشن کتاب یعنی تورات' انجیل اور زبور۔ اور جب یہ چیزیں ان کی جنس میں سے ہیں تو ان چیزوں کو اسناد مطلق کے ساتھ ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے' اگرچہ ان میں سے بعض ان سب میں موجود ہیں اور وہ معجزات ہیں اور بعض چیزیں ان کے بعض میں ہیں اور وہ زبور اور کتاب ہے اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

۲۶ - ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُ ﴾ پھر میں نے پکڑ لیا یعنی میں نے سزا دی ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ کافروں کو مختلف اقسام کی سزا ﴿ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴾ سو میرا ان پر انکار اور میرا ان کو عذاب دینا کیسا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى
اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ
اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لا

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل اگائے جن کے رنگ مختلف ہیں' اور پہاڑوں میں کئی قسم کے راستے ہیں سفید اور سرخ جن کے رنگ مختلف ہیں اور بہت سیاہ کالے پہاڑ ہیں ○ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی اسی طرح مختلف رنگ کے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے ○ بے شک

جولوگ کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور وہ اس مال میں سے کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو رزق عطا فرمایا ہے وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا○

## اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

۲۷- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے (یعنی) بارش کے پانی کے ذریعے پھلوں کو پیدا کیا ﴿مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا﴾ ان کے رنگ (یعنی) ان کی اجناس مختلف ہیں جیسے انار' سیب' انجیر اور انگور اور ان کے علاوہ دیگر وہ نعمتیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں' کچھ سرخ ہوتے ہیں اور کچھ زرد ہوتے ہیں اور کچھ سبز ہوتے ہیں اور اسی طرح اور رنگ ہیں ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ﴾ اور پہاڑوں میں مختلف راستے ہیں' ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں' یہ ''جُدَّةٌ'' کی جمع ہے' جیسے ''مُدَدٌ''، ''مُدَّةٌ'' کی جمع ہے ﴿بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ کچھ سفید ہیں اور کچھ سرخ ہیں' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت کالے سیاہ پہاڑ بھی ہیں [اور ''غرابیب''، ''غربیب'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: سیاہ کالا اور یہ ''اسود'' کی تاکید کے لیے آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''اسود غربیب'' بہت کالا سیاہ اور یہ سیاہی میں بہت گہرا ہوتا ہے اور اس میں بہت زیادہ کالا سیاہ ہوتا ہے اور اسی سے ''غـراب'' (کالا سیاہ کوّا) ماخوذ ہے اور تاکید کا حق یہ ہے کہ وہ مؤکد کے بعد ہو جیسے ''اصفر فاقع'' گہرا زرد رنگ' مگر اس کا مؤکد اس سے پہلے مضمر ہے اور جو اس کے بعد ''سُوْدٌ'' ہے یہ مضمر کی تفسیر ہے اور یہ صرف تاکید کے استحکام کے لیے کیا جاتا ہے تا کہ تاکید ایک معنی پر دو طریقوں سے دلالت کرے ایک اظہار سے دوسرا اضمار سے اور حذف مضاف کو مقدر ماننا واجب و لازم ہے یعنی اس ارشاد میں ''(ومن الجبال) ذو جدد بيض وحمر وسود''] اور پہاڑوں میں مختلف رنگ والے راستے ہوتے ہیں سفید' سرخ اور سیاہ' یہاں تک کہ یہ کلام تمہارے اس قول کی طرف لوٹ جائے: ''ومن الجبال مختلف الوانه'' اور پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''ثمرات مختلفا الوانها'' (فاطر: ۲۷) ''پھلوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں''۔

۲۸- ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ﴾ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ مختلف ہیں یعنی ان میں سے بعض کے رنگ مختلف ہیں ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی جس طرح پھلوں اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''الم تر ان الله انزل من السمآء مآء'' اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی قدرت کی علامات اور اس کی صنعت کی نشانیوں کو شمار کیا گیا اور مختلف اجناس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا اور ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی صفات پر استدلال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی

[1] واضح ہو کہ اس آیت میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو محض تاریخ' فلسفہ اور دنیاوی اور مروّجہ علوم کے عالم ہوں بلکہ اس سے مراد علمائے دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں' قرآن' حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہوں' ان کو قدر ضروری احکامِ شرعیہ مستحضر ہوں اور ان کو اتنی مہارت حاصل ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو اس کی متعلقہ کتابوں سے نکال سکتے ہوں اور ان کے دل میں خوف خدا ہو' جس کی بناء پر وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں اور جو شخص بے عمل ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' فرید بک سٹال' لاہور)

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ بے شک میری مخلوق میں سے مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذات کا علم و عرفان رکھنے والے علماء جنہوں نے اس کی ذات کو اس کی صفات سے جان کر پہچان لیا' سو انہوں نے اس کو معظم و مکرم جانا اور جس شخص کا علم زیادہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ ہوگا اور جس شخص کا علم بہت کم ہوگا وہ بے خوف ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو مقدم کرنا اور ''العلماء'' کو مؤخر کرنا' اس بات کا علان ہے کہ اس کلام الٰہی کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں' ان کے علاوہ دیگر لوگ خوف خدا نہیں رکھتے اور اگر اس کو برعکس پڑھا جائے: ''اِنَّمَا یَخْشَی الْعُلَمَآءِ مِنْ عِبَادِهِ اللّٰهُ'' تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک علمائے دین صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ'' (الاحزاب:۳۹)'' اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صرف وہی ڈرتا ہے جو میرے جبروت و تسلط اور میری عزت و عظمت اور میری سلطنت و غلبہ کا علم رکھتا ہے۔

(۲) حضرت مسروق نے فرمایا کہ عالم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جاہل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غرور کرتا ہے۔

(۳) حضرت امام شعبی سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ مجھے بتایئے عالم کون ہے؟ تو امام شعبی نے فرمایا: ''انما العالم من خشی اللّٰه عزوجل'' بے شک عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۳ ص ۵۶۹۔ ۵۷۰' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل للخازن ج ۳ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۴' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۴) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: ''من لم یخش اللّٰه فلیس بعالم'' جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا سو وہ عالم نہیں۔

(تفسیر لباب التاویل للخازن ج ۳ ص ۵۳۴' تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' بحوالہ تفسیر قرطبی)

(۵) حضرت مقاتل نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا وہی ہوتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم رکھتا ہے۔ (تفسیر لباب التاویل ج ۳ ص ۵۳۴)

(۶) حضرت مجاہد نے فرمایا: ''انما العالم من خشی اللّٰه عزوجل'' بے شک عالم صرف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۵)

(۷) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''لیس العلم عن کثرة الحدیث لکن العلم عن کثرة الخشیة'' زیادہ باتیں بنانا علم نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا علم ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۸' نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

(۸) حضرت امام مالک فرماتے ہیں: کثرت روایات کا نام علم نہیں اور علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر' ضیاء القرآن)

(۹) حضرت احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ قرآن و سنت کی تعلیم اور ان کی اتباع کا نام علم ہے جن کی اتباع ہم پر فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۸)

(۱۰) حضرت الشیخ العارف الاجل شہاب الدین السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''من لاخشیة له فهو لیس بعالم'' جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں تو وہ عالم نہیں ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱۱) حضرت سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ ''من افقه اهل المدینة قال اتقاهم لربه عزوجل'' اہل مدینہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے'' اور ان دونوں میں فرق ہے' سو پہلے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ خوف و ڈر رکھنے والے صرف وہی علمائے دین ہیں اور دوسرے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک جس ذات سے ڈرا جاتا ہے اور جس کا خوف و ڈر رکھا جاتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ' حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت محمد ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓءَ'' پڑھا ہے اور اس قراءت میں خشیت سے عظمت و فضیلت کی طرف استعارہ ہے (کیونکہ ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ'' (الحجرات: ۱۳) کے تحت عزت و عظمت صرف خشیت سے حاصل ہوتی ہے) اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف علمائے دین کو عزت و عظمت عطا کرتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد بخشنے والا ہے۔ یہ خشیت کے وجوب کی علت ہے کیونکہ یہ نافرمانوں کو سزا دینے اور ان کو گرفتار کرنے پر اور اطاعت گزاروں کو ثواب عنایت کرنے اور ان سے درگزر کرنے پر دلالت کر رہا ہے اور ثواب و عذاب دینے والے کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

## حاملینِ قرآن کا بیان

۲۹- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (یعنی) جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر دوام و ہمیشگی اختیار کر لیتے ہیں ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق عطا فرمایا ہے' وہ اس میں کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں یعنی وہ نفلی صدقات و خیرات کو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور فرض صدقات کو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں یعنی وہ لوگ قرآن مجید پر عمل کرنے کی حلاوت کی وجہ سے صرف اس کی تلاوت پر قناعت نہیں کرتے (بلکہ دیگر مذکورہ بالا نیکیاں بھی کرتے ہیں) ﴿یَّرْجُوْنَ﴾ وہ امید رکھتے ہیں [یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿تِجَارَةً﴾ تجارت کی' یہ عبادت و اطاعت پر طلب ثواب کی امید ہے ﴿لَّنْ تَبُوْرَ﴾ یہ تجارت کبھی گھاٹے میں ہرگز نہیں رہتی یعنی یہ ایک ایسی تجارت ہے جس سے گھاٹا اور نقصان منتفی و ختم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے ہمیشہ مٹا دیا گیا ہے' اب کبھی نقصان نہیں ہوگا۔

لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۰ وَالَّذِیْۤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو اپنے رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔
(تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵)

(۱۲) حضرت حسن بیان فرماتے ہیں کہ فقیہ (ماہر عالم دین) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے' آخرت میں رغبت کرے' اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔
(تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' بحوالہ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۹۹)

(۱۳) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: ''ان الفقیه حق الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله ولم یرخص لهم فی معاصی الله تعالٰی ولم یؤمن هم من عذاب الله تعالٰی ولم یدع القرآن رغبته عنه الی غیره'' بے شک صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں انہیں جری نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے اور قرآن مجید کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' بحوالہ تفسیر قرطبی)

أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾ ۗ

تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر وثواب پورا پورا عطا کرے اور ان کو اپنے فضل وکرم سے مزید عطا فرمائے' بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے O اور جو کتاب ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے نازل کی ہے وہ حق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O پھر ہم نے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے' سو ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اور ان میں سے بعض میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں' اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے O

---

۳۰- ﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر وثواب پورا عطا فرمادے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو مال خرچ کرنے پر اپنے پاس سے ان کے اعمال کا ثواب بھرپور عطا فرمائے [یہ ''لَنْ تَبُوْرَ'' کے متعلق ہے] ﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں مزید عطا فرمائے گا' ان کی قبریں کشادہ کر کے یا ان کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں قبول کر کے جنہوں نے ان کے ساتھ احسان کیا ہو گا یا ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا کر یا اپنی ملاقات کا وعدہ پورا کر کے مزید عطا فرمائے گا [یا ''یرجون'' محلاً حال ہے یعنی حالانکہ وہ امید رکھنے والے ہیں اور ''لیوفیھم'' کا لام اور اس کا مابعد ''یتلون'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی انہوں نے یہ تمام اعمال تلاوتِ قرآن اور اقامتِ نماز اور راہِ الٰہی میں اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرنا صرف اسی مقصد کے لیے کیا تھا اور ''اِنَّ'' کی خبر درج ذیل ارشاد ہے:] ﴿إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بہت بخشنے والا ہے اور ان کے نیک اعمال کے لیے قدر دان ہے یعنی انہیں قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا فرمائے گا۔

۳۱- ﴿وَالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ﴾ اور ہم نے جو کتاب یعنی قرآن مجید آپ کی طرف وحی کیا ہے وہ حق ہے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ﴾ اپنے سے پہلے گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' [''مُصَدِّقًا'' حال مؤکد ہے کیونکہ حق اس تصدیق سے جدا نہیں ہوتا] ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت خبردار (اور) خوب دیکھنے والا ہے' سو وہ آپ کو خوب جانتا ہے اور آپ کے احوال کو خوب دیکھتا ہے اور وہ آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے کہ آپ کی طرف اس قسم کی سراسر معجز کتاب کو وحی کیا جائے جو دیگر تمام الہامی کتابوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی ہے۔

۳۲- ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا یعنی ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید وحی کیا' پھر ہم نے آپ کے بعد اس کا وارث بنایا یعنی ہم نے اس کی وراثت کا حکم دیا (یا ہم نے اس کی وراثت کا فیصلہ کیا) ﴿الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا

مِنْ عِبَادِنَا ﴾ ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا اور وہ آپ کی امت ہے' صحابہ کرام ہیں اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے اہل علم مسلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیگر تمام امتوں پر منتخب کر لیا اور اس کو معتدل و میانہ رو امت بنایا تا کہ یہ امت تمام لوگوں پر گواہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسولوں میں سے سب سے افضل رسول کی طرف منسوب کر کے امت محمدی ﷺ کی کرامت و شرافت کے ساتھ مخصوص فرما لیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی مراتب پر تقسیم کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ سو ان میں سے بعض اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے امیدوار بنائے گئے ہیں ﴿ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ﴾ اور ان میں سے بعض درمیانہ راہ پر چلنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نیک اعمال کے ساتھ کچھ بُرے اعمال کو ملا لیا ہے ﴿ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ ﴾ اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ معنی قرآن مجید کے موافق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ'' (التوبہ:۱۰۰) ''اور مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ میں سے سب سے پہلے (ایمان میں) سبقت کرنے والے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا'' (التوبہ:۱۰۲) ''اور دوسرے حضرات جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے نیک عمل کو بُرے عمل کے ساتھ ملا دیا'' اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝'' (التوبہ:۱۰۶) ''اور دوسرے حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کا امیدوار رکھا گیا ہے خواہ وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے ۝'' اور حدیث شریف میں بھی یہی ترتیب بیان کی گئی ہے' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے سبقت کرنے والے سابق واوّل ہیں اور میانہ روی اختیار کرنے والے نجات پانے والے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو بخش دیا جائے گا۔[1]

اور حضور ﷺ سے مروی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا کہ سبقت کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور میانہ روی اختیار کرنے والوں سے آسان حساب لیا جائے گا' پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور لیکن اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو روک لیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ انہیں ہرگز نجات نہیں دی جائے گی' پھر انہیں رحمت الٰہی اپنی آغوش میں لے لے گی اور انہیں جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ رواہ ابو الدرداء[2] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک اثر مروی ہے' جس میں آپ نے فرمایا کہ ''سابق'' سے نجات پانے والے مراد ہیں اور ''مقتصد'' سے امیدوار مراد ہیں اور ظالم سے نعمت کا انکار کیے بغیر نہ شکر کرنے والا مراد ہے کیونکہ تینوں کے لیے جنت میں جانے کا حکم ہے اور سلف صالحین کا اس کے بارے میں ارشاد ہے:

(۱) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: ''ظالم'' سے کبیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور ''مقتصد'' سے صغیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور ''سابق'' جو تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے والا ہو۔

(۲) حضرت حسن بصری نے فرمایا: ''ظالم'' وہ جس کی برائیاں زیادہ ہوں اور ''سابق'' وہ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں اور

[1] رواہ ابن مردویہ کما فی الدر المنثور ج ۷ ص ۲۵' وذکرہ القرطبی فی تفسیرہ ج ۱۴ ص ۳۴۶' ورواہ العقیلی فی الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۳۴۳

[2] مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۹۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۵' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۳

''مقتصد'' وہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں۔

(۴) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مؤمنین ہیں' جن کے درجے مختلف ہیں اور لیکن کفار کی صفت اس کے بعد بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ'' (فاطر: ۳۶) ''اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے'' اور لیکن رہے یہ تینوں طبقات تو یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمالیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ان میں سے بعض ''سابق'' ہیں اور بعض ''مقتصد'' ہیں اور بعض ''ظالم'' ہیں اور یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''الذين اصطفينا من عبادنا'' میں شامل ہیں اور وہ سب مسلمان ہیں اور اسی پر جمہور متفق ہیں اور ''ظالم'' کا ذکر اس لیے پہلے کیا گیا تا کہ ان کی کثرت کی اطلاع دی جائے اور ''مقتصدين'' تو ان ظالموں کی نسبت قلیل ہیں اور ''سابقون'' ان سے بھی قلیل ہیں اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''ظالم'' کا ذکر پہلے کیا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مایوس نہ ہو جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا ذکر پہلے اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اسے بتایا جائے کہ اس کا گناہ اسے اس کے رب تعالیٰ سے بالکل دور نہیں لے گیا (توبہ کر کے قرب حاصل کر سکتا ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انسان کے تین احوال ہیں: ایک معصیت اور دوسرا توبہ اور تیسرا استقامت' اور حضرت سہل نے فرمایا کہ ''سابق'' سے عالم دین اور ''مقتصد'' سے متعلم اور ''ظالم'' سے جاہل مراد ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ''سابق'' وہ ہے جو اپنی آخرت کی کامیابی میں مشغول ہے اور ''مقتصد'' وہ جو اپنے معاش اور اپنی آخرت دونوں میں مشغول ہو اور ''ظالم'' وہ جو اپنی آخرت سے غافل ہو کر صرف اپنے معاش میں مشغول رہتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ''ظالم'' وہ جو غفلت وعادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور ''مقتصد'' وہ جو شوق وذوق اور خوف کے ساتھ اس کی عبادت کرتا ہو اور ''سابق'' وہ جو اللہ تعالیٰ کو مستحق عبادت جان کر استحقاق وہیبت کی بناء پر اس کی عبادت کرتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ''ظالم'' وہ جو دنیا کو حلال اور حرام دونوں طریقوں سے حاصل کرتا ہو اور ''مقتصد'' وہ جو محنت ومشقت اٹھا کر صرف حلال طریقے سے دنیا کو حاصل کرتا ہو اور ''سابق'' وہ جو دنیا سے منہ پھیر لے اور بغیر ضرورت کے اس کی طرف توجہ نہ کرے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''ظالم'' وہ جو دنیا کا طالب ہو اور ''مقتصد'' وہ جو آخرت کا طالب ہو اور ''سابق'' جو مولیٰ کا طالب ہو ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اس کے علم سے یا اس کی توفیق سے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ یعنی کتاب الٰہی قرآن مجید کی وراثت حاصل کرنا ﴿ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴾ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ لِ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

دائمی جنتوں میں وہ داخل ہوں گے ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ان میں ان کے لباس

ریشمی ہوں گےO اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے ہر قسم کا غم و رنج دور کر دیا' بے شک ہمارا پروردگار البتہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہےO جس نے اپنے فضل و کرم سے دائمی قیام گاہ میں ہمیں ٹھہرایا' جس میں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ پہنچے گیO

## حاملینِ قرآن کے انعام اور منکرین کے انجام بد کا بیان

۳۳- ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا﴾ وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے یعنی وہ تینوں فریق دائمی بہشتوں میں جائیں گے ["جنات عدن"، "ذالك" کی دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا اور "یدخلونها" اس کی خبر ہے اور ابوعمر کی قراءت میں "یُدْخَلُوْنَهَا" (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا﴾ ان کو ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے یعنی انہیں سونے کے ایسے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا ["اساور"، "اسورة" کی جمع ہے اور "اسورة"، "سوار" کی جمع ہے "سوار" کا معنی ہے: کنگن اور "لؤلؤا" نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ منصوب ہے اور "اساور" کے محل پر معطوف ہے "ای یحلون اساور ولؤلؤا" یعنی انہیں کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے] ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ﴾ اور ان میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا کیونکہ اس میں لذت بھی ہے اور زیب و زینت بھی ہے۔

۳۴- ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا (یعنی) دوزخ کی آگ کا خوف و غم یا موت کا خوف و غم یا دنیا کے غموں کو ہم سے دور کر دیا ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ﴾ بے شک ہمارا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا ہے' وہ تمام قصوروں کو بخش دے گا اگر چہ وہ بہت زیادہ ہوں گے ﴿شَكُوْرٌ﴾ بہت بڑا قدر دان ہے' وہ عبادات کو قبول فرمالیتا ہے اگر چہ وہ بہت کم ہوں۔

۳۵- ﴿الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ﴾ جس نے ہمیں دائمی قیام گاہ میں ٹھہرایا یعنی اقامت گاہ جس سے ہم نہ کوچ کریں گے اور نہ ہم اس سے جدا ہوں گے' کہا جاتا ہے: "اقمت اقامة ومقاما ومقامة" (سب مصدر ہیں' اسم ظرف نہیں ہیں) ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے ہمیں دائمی قیام گاہ بہشت میں ٹھہرایا ہے' ہمارا اپنا کوئی استحقاق نہیں ﴿لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ﴾ ہمیں اس میں کوئی تکلیف و مشقت نہیں پہنچے گی ﴿وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ﴾ اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ و سستی لاحق ہوگی [قاری ابوعبدالرحمان السلمی نے "لَغُوْبٌ" کو لام مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے] اور یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو جاتی ہے' یعنی ہمیں کسی ایسے عمل کا مکلف نہیں کیا جائے گا جو ہمیں کمزور کر دے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ
عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا
یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ

ع ۱۱/۱۴

## ترجمہ

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (اس عذاب سے) نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف ان اعمال کے جو پہلے کرتے تھے' (جواب میں کہا جائے گا:) اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس تو ایک ڈرسنانے والا تشریف لایا تھا' سو تم (اب عذاب کا) مزہ چکھو' پس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○

۳۶- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے' ان پر قضا نہیں آئے گی کہ وہ مرجائیں [''فیموتوا'' نفی کا جواب ہے اور یہ ''اَنْ'' ناصبہ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی دوبارہ موت کی قضاء ان پر نہیں آئے گی کہ وہ (عذاب سے) امن و سکون حاصل کر لیں ﴿وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ﴾ اور ان سے اس کا عذاب (یعنی) دوزخ کی آگ کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح (یعنی) اس سزا کی طرح ﴿نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ ہم ناشکرے کو سزا دیتے ہیں [ابو عمرو کی قراءت میں ''یُجْزٰی کُلُّ کفور'' ہے]۔

۳۷- ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ﴾ اور وہ لوگ اس میں چیخ و پکار کریں گے اور چلائیں گے' فریاد طلب کریں گے [اور یہ ''یفتعلون'' کے وزن پر باب افتعال سے ہے] اور ''صراخ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: زور سے چیخ کر چلانا اور اس کو فریاد کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ فریاد کرنے والا فریادی اپنی آواز کو بہت بلند کرتا ہے ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف اس کے جو ہم کرتے تھے یعنی وہ لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ کی آگ سے نکال اور ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دے' ہم وہاں جا کر کفر کے عوض ایمان لے آئیں گے اور ہم نافرمانی اور گناہوں کے بجائے اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے اور نیک عمل کریں گے' پھر دنیا کی زندگی کی مقدار کے برابر عرصہ گزر جانے کے بعد انہیں جواب دیا جائے گا کہ ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ﴾ کیا ہم نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاص کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور ممکن ہے کہ ''مَا'' نکرہ موصوفہ ہو یعنی عمر عطا کرنا ''یتذکر فیہ من تذکر'' یہ ہر عمر کو شامل ہے جس میں مکلف انسان اپنی حالت کی اصلاح کرنے پر قادر ہو اور اگر چہ بہت کم ہو مگر ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا لمبی عمر میں زیادہ اہم ہوتا ہے' پھر بعض نے کہا کہ وہ اٹھارہ سال ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس سال ہے اور بعض نے کہا: ساٹھ سال ہے ﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ﴾ اور تمہارے پاس ایک ڈرسنانے والا آیا تھا (یعنی) رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تھے یا بڑھاپا (یا قرآن مجید) اور یہ ''اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ'' پر عطف ہے کیونکہ یہ لفظاً استفہام ہے اور معنی کے اعتبار سے خبر ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''قَدْ عَمَّرْنَاكُمْ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ'' بے شک ہم نے تمہیں دراز زندگی عطا کی تھی اور تمہارے پاس ایک ڈرسنانے والا تشریف لایا تھا ﴿فَذُوْقُوْا﴾ ''العذاب'' سو تم عذاب کا مزہ چکھو ﴿فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ سو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کی مدد کر سکے۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے' بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر اختیار کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں میں ان کا کفران کے رب تعالیٰ کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر سخت بغض وعناد کا' اور کافروں میں ان کا کفر زیادہ نہیں کرتا مگر نقصان کو O

## اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کی شان اور کفر وشرک کے نقصان کا بیان

۳۸- ﴿إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) ان دونوں میں جو کچھ تم سے غائب اور پوشیدہ ہے' اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ کلام علت کی طرح ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سینوں اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں تو پھر وہ دنیا کی تمام غیب چیزوں کو یقیناً جانتا ہے اور ''ذات الصدور'' سے اس کی پوشیدہ باتیں اور ارادے مراد ہیں اور ''ذات'' یہ ''ذو'' کی مؤنث ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں ہے کہ ''ذو بطن خارجة جارية''[1] خارجہ کے پیٹ سے لڑکی ہوگی یعنی اس کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ لڑکی ہوگی' اس لیے کہ حمل پیٹ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی طرح پوشیدہ خیالات و باتیں سینوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور ''ذو'' صحبت کے معنی کے لیے بنایا گیا ہے۔

۳۹- ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ جانشین کے لیے خلیفہ بولا جاتا ہے اور اس کی جمع ''خلائف'' آتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ اور جانشین بنایا اور بے شک اس نے زمین میں تصرف کی چابیوں کا تمہیں مالک بنا دیا اور اس نے تمہیں اس کی ہر چیز پر مسلط کر دیا اور اس نے تمہارے لیے زمین کے منافع وفوائد کو مباح و جائز قرار دے دیا تاکہ تم عقیدۂ توحید اور عبادت واطاعت پر اس کا شکر ادا کرو ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ سو تم میں سے جس نے کفر اختیار کر لیا اور اس عالی شان قسم کی نعمت کی ناشکری کی ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ﴾ تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا (یعنی) اس کے کفر کا وبال اسی پر لوٹے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی ہے اور آخرت کا خسارہ ہے' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا﴾ اور کافروں میں ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر بغض وعناد میں اور ''مقتا'' کا معنی ہے: سخت ترین بغض ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور کافروں کا کفران میں نہیں بڑھاتا مگر خسارہ کو (یعنی) ہلاکت ونقصان کو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

[1] رواہ مالک فی الموطأ ج ۲ ص ۷۵۲

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ
مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ
بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

فرما دیجئے کہ تم بھلا مجھے اپنے شریکوں کے بارے میں بتلاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے' یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے' پس وہ اس کی کسی واضح دلیل پر قائم ہیں' بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے مگر صرف مکر و فریب کا ○ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تا کہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں' اور اگر وہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا' بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے ○

۴۰ - ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے مشرکو!) کیا تم اپنے شریکوں کے بارے میں مجھے بتلا سکتے ہو' تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت و پرستش کرتے ہو (یعنی) اپنے معبودوں کے متعلق جن کو تم نے عبادت میں شریک ٹھہرا لیا ہے ﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے [یہ "ارءیتم" سے بدل ہے کیونکہ "ارءیتم" کا معنی ہے: "اخبرونی"] گویا فرمایا گیا کہ "اخبرونی عن هٰؤلاء الشرکاء وعما استحقوا به الشرکة" مجھے ان شریکوں کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کس سبب کی وجہ سے شرکت کے مستحق ٹھہرے ہیں' مجھے یہ بھی دکھاؤ کہ زمین کے حصوں میں سے کون سا حصہ ہے جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا خود مستقل پیدا کیا ہے ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ﴾ کیا ان کی آسمانوں میں شرکت ہے (یعنی) کیا ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت و حصہ داری ہے (کہ اس کی وجہ سے وہ الوہیت میں شریک ہوں) ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ﴾ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ واضح دلیل پر قائم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں' سو اس کتاب کی وجہ سے وہ حجت و برہان رکھتے ہیں [علی کسائی' ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "بیّنات" (واحد کی بجائے جمع) ہے] ﴿بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا﴾ بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر مکر و فریب کا اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ "هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یونس:۱۸) "یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے" ["بَعْضُهُمْ" "الظّٰلِمُوْنَ" سے بدل ہے اور ان دونوں سے سردار اور بڑے لوگ مراد ہیں جب کہ "بَعْضًا" سے پیروکار مراد ہیں]۔

۴۱ - ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تا کہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں (یعنی) اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی اصل جگہ سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے کیونکہ "امساك" کا معنی منع ہے ﴿وَلَئِنْ زَالَتَآ﴾ اور اگر بفرضِ محال وہ دونوں اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو ﴿اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ﴾

﴿مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾ اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا [پہلا ''مِنۡ'' نفی کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور دوسرا ''مِنۡ'' ابتداء کے لیے ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا﴾ بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے' جلد سزا نہیں دیتا اس لیے آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے حالانکہ ان دونوں کے لیے مناسب تھا کہ وہ کلمہ شرک کی بناء پر مشرکین پر گر پڑتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ'' (مریم:۹۰) ''قریب ہے کہ اس (شرک) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے''۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿۴۲﴾ اِۨسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّـئِ ؕ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّـئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾

اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور تمام امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے' پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو صرف ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا ○ زمین میں تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے' اور بُری سازش نازل نہیں ہوتی مگر اس کے کرنے والے پر' سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں ماسوا پہلے لوگوں کے دستور کے' سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے' اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی ہیرا پھیری نہیں پائیں گے ○

## کفارِ مکہ کو جھوٹی قسم کھانے اور بُری سازش کرنے پر انتباہ

۴۲- ﴿وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ﴾ اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی پکی قسم کھا کر کہا [''جهد ایمانهم'' میں ''جهد'' مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی پکی قسمیں یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی وہ اپنی قسموں میں بہت کوشش کرنے والے ہیں] ﴿لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ﴾ البتہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آ گیا تو وہ گزشتہ امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے قریش مکہ کو خبر پہنچی کہ اہل کتاب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ ان کے پاس رسول تشریف لائے مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر ہمارے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو ہم ان امتوں میں سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ہم اس امت میں سے ہوں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امتوں میں ایک (یکتا) ہے' اس بناء پر کہ وہ دوسری امتوں پر ہدایت و استقامت میں فضیلت و برتری رکھتی ہے' جیسا کہ بڑی مصیبت کے لیے کہا جاتا ہے: ''هی احدی الدواهی'' یہ مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ﴾ پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا آ گیا (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ

کو مبعوث کیا گیا ﴿مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ تو ان کی نفرت میں اور اضافہ ہو گیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی آمد نے ان میں صرف نفرت اور حق سے دوری کو بڑھا دیا [اور یہ مجازی اسناد ہے]۔

٤٣- ﴿اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ زمین میں تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ان میں رسول کی آمد پر نفرت میں اضافہ محض تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے ہوا [یا یہ حال ہیں] یعنی کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تکبر و غرور کرنے والے اور مکر و فریب کرنے والے ہیں اور اس کی اصل ''وان مکرو السیّیء'' اور یہ کہ انہوں نے بُرا فریب کیا یعنی بُری سازش' پھر اور بُری سازش' پھر اور بُری سازش اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا يَحِيْقُ﴾ اور نہیں گھیرتا اور نہ نازل ہوتا ہے ﴿الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ بُرا مکر و فریب مگر اس کے کرنے والے پر اور بے شک بدر کے دن ان کے مکر و فریب نے انہیں گھیر لیا تھا اور جیسا کہ کہاوت ہے کہ ''من حفر لاخیه جبًّا وقع فیه مکبًّا'' جو شخص اپنے کسی بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گر پڑتا ہے ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر پہلے لوگوں کے دستور کا اور وہ ان گزشتہ امتوں پر عذاب نازل کرنا ہے جنہوں نے کفارِ مکہ سے پہلے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور معنی یہ ہے کہ کفارِ مکہ آپ کو جھٹلانے کے بعد اب کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر صرف اسی بات کا کہ ان پر اسی طرح عذاب نازل ہو جائے جس طرح ان سے پہلے رسولوں کے جھٹلانے والے لوگوں پر عذاب نازل ہوا تھا اور اس کے لیے ان کے استقبال کو ان کی طرف سے اس عذاب کا انتظار قرار دیا گیا ہے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو بدلتا ہوا ہرگز نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دستور رسولوں کے جھٹلانے والوں سے انتقام لینا ہے' یہ ایک ایسا دستور ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بدلتا اور نہ اس کو اوقاتِ مقررہ سے پھیرتا ہے بلکہ یہ کام یقیناً ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ
اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ ع ٨

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ قوت و طاقت میں ان سے بہت زیادہ سخت تھے' اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ ہی زمین میں ہے' بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ○ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بداعمال پر پکڑ لیتا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے تو پھر روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک ان کو ڈھیل دیتا ہے' پھر جب ان کا وقت

آ جائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا○

۴۴۔﴿ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس وہ غور وفکر سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا۔ کفارِ مکہ پر اس لیے شہادت ودلیل پیش کی گئی ہے کہ یہ لوگ ملک شام' یمن اور عراق کی طرف اپنے سفر کے دوران گزشتہ نافرمان قوموں کے ویران واجاڑ محلات ومکانات کے آثار اور خود ان قوموں کی ہلاکت وبربادی اور ان کی تباہی کی علامات کا مشاہدہ کرتے تھے ﴿ وَکَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ ﴾ اور وہ لوگ ان سے یعنی اہل مکہ سے بہت زیادہ سخت جان تھے ﴿ قُوَّةً ﴾ قوت وطاقت اور قدرت واختیار میں' پھر بھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے راہِ فرار اختیار کر کے بھاگ نہ سکے ﴿ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اس کو کوئی چیز آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ زمین میں یعنی زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ نکل سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز بچ سکتی ہے بلکہ ہر چیز اس کے قابو میں ہے ﴿ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا ﴾ بے شک وہ ان کو خوب جاننے والا ہے (اور) ان پر بہت قدرت واختیار رکھنے والا ہے۔

۴۵۔﴿ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کارناموں پر پکڑ لیتا جو انہوں نے کمائے (یعنی) انہوں نے جن گناہوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا ہے' ان پر اگر اللہ تعالیٰ فوراً پکڑ لیتا تو ﴿ مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ اللہ تعالیٰ روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا (بلکہ سب کو ہلاک کر دیتا) زمین پر چلنے والے ہر ذی روح کو ''دآبة'' کہا جاتا ہے [ضمیر مؤنث ''ارض'' کی طرف لوٹی ہے یعنی ''علی ظهر الارض'' ہے کیونکہ ''ارض'' کا ذکر پیچھے ''لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ'' میں کیا جا چکا ہے] ﴿ وَلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مقرر وقت تک مہلت دے دیتا ہے (یعنی) قیامت کے دن تک ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ﴾ پھر جب ان کا وقت آ جائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا یعنی اس پر ان کے معاملہ کی حقیقت اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کی حکمت مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔

| ایاتها ۸۳ رکوعاتها ۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | سورۃ یٰس مکیۃ ۳۶ |
| --- | --- | --- |
| اس کی تراسی آیات' پانچ رکوع ہیں | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | سورۂ یٰس مکی ہے |

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸

یٰس○ حکمت والے محکم قرآن مجید کی قسم○ بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں○ سیدھے راستے پر○ بہت غالب وعزت والے (اور) بے حد مہربان (خدا) کا اتارا ہوا ہے○ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو نہیں

ڈرایا گیا' سو وہ غافل ہیں O بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں' سو وہ ٹھوڑیوں تک پہنچ چکے ہیں' پس وہ اپنے سروں کو اونچے کیے ہوئے ہیں O

## سورتِ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تفسیر

۱- ﴿یٰسٓ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قبیلہ بنو طے کی لغت میں اس کا معنی ہے: ''یَـا انسـان '' (اس سے انسانِ کامل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں) اور حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حدیث شریف میں ہے: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان اللّٰہ تعالٰی سمّانی فی القراٰن بسبعة اسماء محمد ' واحمد وطٰهٰ ویٰس والمزمّل والمدثّر وعبد اللّٰہ ''[1] بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میرے سات نام رکھے ہیں: (۱) محمد (۲) احمد (۳) طٰہٰ (۴) یٰسین (۵) مزمل (٦) مدثر (۷) عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور بعض علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: ''یا سیّد'' [علی کسائی' حمزہ' خلف' حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''یٰس'' میں ''یا'' کے فتح (زبر) کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے (اس سورت کے فضائل اس کے آخر میں بیان کیے گئے ہیں)]۔

۲- ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ حکمت والے قرآن کی قسم! یا تو اس لیے کہ یہ حکمت بیان کرنے والی دلیل ہے یا اس لیے کہ یہ حکیم کا کلام ہے' سو اس لیے اس کو متکلم کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے اور اس میں کفارِ مکہ کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''لَسْتَ مُرْسَلًا'' (الرعد: ۴۳) ''آپ رسول نہیں ہیں''۔

٤- ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے پر ہیں [یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ ''مرسلین'' کا صلہ ہے] یعنی جتنے رسولوں کو بھیجا گیا ہے' وہ سب صراطِ مستقیم پر گامزن تھے یعنی سیدھے راستے پر قائم تھے اور وہ دین اسلام ہے۔

۵- ﴿تَنْزِيْلَ﴾ [ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں اس بناء پر منصوب ہے کہ اصل میں ''اقرأ تنزیل'' یعنی اس نازل شدہ قرآن کو پڑھیے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے ''اَیْ نُزِّلَ تَنْزِيْلًا'' اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هُوَ تَنْزِيْلٌ'' اور یہ مصدر بہ معنی مفعول ہے] ﴿الْعَزِيْزِ﴾ اپنی کتاب کی نظم کی فصاحت کی وجہ سے عناد و بغض رکھنے والوں کے اوہام پر غالب ہے ﴿الرَّحِيْمِ﴾ اپنے خطاب کے معنی کی لطافت کی وجہ سے ہدایت والوں کی عقلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

٦- ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرسنائیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا [''لتنذر'' میں لام متصل بہ معنی ''مرسل'' ہے] ''اَیْ اُرْسِلْتَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ'' یعنی آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرسنائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا [''ما انذر'' میں ''مَا'' جمہور کے نزدیک نافیہ ہے اور یہ جملہ ''قَوْمًا'' کی صفت ہے] یعنی آپ ایسی قوم کو ڈرسنائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا۔ اس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہیں: ''لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ'' (السجدہ: ۳) ''تاکہ آپ ایسی قوم کو ڈرسنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہیں آیا''۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ O'' (سباء: ۴۴) ''اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا O'' [یا پھر یہ ''مَـا'' موصولہ ہے اور مفعول ثانی کی بناء پر منصوب ہے] یعنی آپ

[1] رواہ بنحوہ ابن عدی وابن عساکر (کنز العمال: ۳۲۱٦۹)

انہیں اس عذاب سے ڈرائیں جس سے ان کے آباء واجداد کو ڈرایا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّآ اَنْذَرْنٰکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا۝'' (النباء:۴۰) ''بے شک ہم نے تمہیں ایسے عذاب کا ڈر سنا دیا ہے جو عنقریب آنے والا ہے۝'' [یا یہ ''مَا'' مصدریہ ہے] یعنی تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جیسا کہ ان کے باپ دادا کو ڈرایا گیا تھا ﴿فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ سو وہ غافل ہو چکے ہیں [اگر ''مَا'' کو نافیہ قرار دیا جائے تو پھر یہ نفی کے متعلق ہوگا یعنی ان کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا' سو وہ غافل ہیں ورنہ وہ ''انك لمن المرسلين لتنذر'' کے متعلق ہوگا یعنی بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں تاکہ آپ ڈرائیں' جیسا کہ تم کہو: ''ارسلتك الى فلان لتنذره فانه غافل او فهو غافل'' یعنی میں نے تجھے فلاں آدمی کے پاس بھیجا ہے تاکہ تو اسے ڈرائے کیونکہ وہ یقیناً غافل ہے یا سو وہ غافل ہے]۔

۷- ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی جو بات ان پر ثابت ہو چکی ہے' وہ یہ ہے: ''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۝'' (السجدہ:۱۳) ''میں جنوں اور انسانوں سب سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گا۝'' یعنی یہ بات ان کے ساتھ متعلق ہو چکی ہے اور ان پر ثابت اور واجب ہو چکی ہے' اس لیے کہ یہ کفار ان لوگوں میں سے ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ بے شک یہ کفر پر مریں گے۔

۸- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے کفر پر اڑے رہنے کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ کہ بے شک ان کے واپس لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ وہ حق کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جن کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق پڑے ہوں' جن کے سبب ان کے سر اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور اب نہ وہ حق کی طرف اپنی گردنوں کو جھکا سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے سروں کو اس کے لیے نیچے کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ اب ان کے لیے غور و فکر اور سوچ و بچار کی صلاحیت نہیں رہی اور نہ ان کے پاس اب بصیرت رہی ہے' ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جو دو دیواروں کے درمیان گھر چکے' نہ وہ اپنے آگے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے پیچھے دیکھ سکتے ہیں اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ میں غور و فکر کی نظر سے اندھے ہو چکے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ﴾ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں' سو وہ ٹھوڑیوں تک ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ پس وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ وہاں تک گردنوں کے گرد چمٹے ہوئے ہیں ﴿فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ سو وہ اپنے سروں کو اونچا اٹھائے ہوئے ہیں' جب اونٹ پانی پی کر سیراب ہو جاتا ہے تو اپنے سر کو اوپر اٹھا لیتا ہے' اس وقت کہا جاتا ہے: ''قمح البعير فهو قامح'' اور یہ اس لیے کہ جو طوق مغلول کی گردن میں ہوتا ہے' اس کے دونوں سرے ٹھوڑی کے نیچے جہاں باہم ملتے ہیں وہاں گول حلقہ ہوتا ہے جس میں سے ڈنڈی کا سرا نکل کر ٹھوڑی کے نیچے تک پہنچتا ہے' سو وہ سر کو جھکنے نہیں دیتا' پس وہ ہمیشہ اپنا سر اوپر اٹھائے رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ

كَرِيمٍ ⑪ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ⑫



اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کر دی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کر دی ہے' سو ہم نے ان کو ڈھانپ لیا ہے' پس وہ دیکھ نہیں سکتے O اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے O بے شک آپ تو صرف اسے ڈرسنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے' سو آپ اس کو مغفرت و بخشش اور عزت کے اجر و ثواب کی خوش خبری سنا دیں O بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیج دیئے ہیں اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے' اور ہم نے ہر چیز کو ایک روشن کتاب میں گن رکھا ہے O

۹- ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ﴾ اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنا دی [حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں دونوں ''سَـدًّا'' میں سین مفتوح ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: جو انسان کے عمل سے تیار ہو وہ فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے تیار ہو جیسے پہاڑ وغیرہ تو وہ ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے] ﴿ فَأَغْشَيْنَاهُمْ ﴾ سو ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا یعنی ہم نے ان کی آنکھوں کو چھپا لیا اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ﴿ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ سو وہ حق اور رشد و ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ قبیلہ بنی مخزوم کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ ایک دفعہ ابوجہل نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے (سرورِ عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ضرور آپ کا سر کچل دے گا' چنانچہ ایک دن اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے ساتھ ایک بھاری پتھر لے کر آپ کے قریب آیا تا کہ وہ اس پتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دے لیکن جب وہ آپ کو پتھر مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھانے لگا تو اس نے جونہی اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اس کا ہاتھ اس کی اپنی گردن سے چمٹ گیا اور پتھر اس کے ہاتھ سے چمٹ گیا' بہت پریشان ہوا' یہاں تک کہ بڑی مشکل سے گردن سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گیا اور انہیں جا کر سارا واقعہ سنایا تو ایک دوسرے مخزومی نے کہا کہ میں انہیں اس پتھر کے ساتھ قتل کر کے آتا ہوں' چنانچہ وہ بھی آپ کے قریب آیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا۔

۱۰- ﴿ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا آپ انہیں نہ ڈرائیں' وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر و یکساں ہے (مگر آپ کو تبلیغ پر اجر و ثواب ملے گا) اور معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اس قدر گمراہ کر دے' اس کو ڈرانا مفید و نافع نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ آیت مبارکہ غیلان قدری پر تلاوت فرمائی تو غیلان قدری نے کہا: میں نے گویا یہ آیت مبارکہ پہلے پڑھی ہی نہیں' میں آپ کو گواہ بنا کر تقدیر کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں' یہ سن کر حضرت عمر نے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر اس نے سچی توبہ کی ہے تو اس کی توبہ قبول فرما لے اور اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس پر ایسے شخص کو مسلط کر دے جو اس پر بالکل رحم نہ کرے' چنانچہ ہشام بن عبد الملک نے اسے اپنے پاس بلا کر گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا کر دمشق کے بڑے

دروازے پرسولی پر لٹکوا دیا۔[1]

۱۱۔ ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ ﴾ بے شک آپ صرف اس شخص کو ڈر سنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف وہ شخص نفع اور فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن مجید کی پیروی کرے ﴿ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ﴾ اور وہ بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہو حالانکہ اس نے اسے دیکھا بھی نہیں ﴿ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ ﴾ سو آپ اس کو مغفرت و بخشش کی بشارت سنا دیں اور وہ اس کے گناہوں سے درگزر کرنا ہے اور اسے معاف کرنا ہے ﴿ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴾ اور عزت کے اجر و ثواب کی بشارت سنا دیں یعنی جنت کی۔

۱۲۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے (اور) ہم ہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے یا ہم ہی ان کو شرک سے نکال کر ایمان کی طرف لے جائیں گے ﴿ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا ﴾ اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے (یعنی) انہوں نے جو نیک اعمال اور ان کے علاوہ دیگر جو اعمال بھی آگے بھیج دیئے ہیں ہم انہیں لکھ رہے ہیں ﴿ وَاٰثَارَهُمْ ﴾ اور ان کے نشانات (یعنی) جو نیکی کے نشانات ان سے عملی طور پر ختم ہو چکے ہیں (لیکن صدقہ جاری کے طور پر باقی ہیں) جیسے جو کسی کو تعلیم کے ذریعہ سکھا دیا اور پڑھا دیا' یا کوئی دینی کتاب لکھ دی یا ٹھہرنے کے لیے سرائیں یا مسافر خانے یا مسجد جس کو انہوں نے بنا دیا' یا پھر برائی کے نشانات جیسے ٹیکس جن کو ظالم حکمرانوں نے عوام رعایا پر لگایا ہوتا ہے اور اسی طرح ہر نیک طریقہ یا بُرا طریقہ جس کو جاری اور رائج کیا جاتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝'' (القیامہ: ۱۳) ''اور اس دن (قیامت کے دن) انسان کو بتا دیا جائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا ہے ۝'' یعنی اس نے اپنے اعمال میں جو کچھ آگے بھیجا ہے اور اس نے اپنے آثار و نشانات میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ وہ آثار ان کے نمازِ جمعہ اور پنجگانہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے جانے والے قدم ہیں ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ ﴾ اور ہر چیز کو ہم نے گن رکھا ہے اور ہم نے اسے بیان کر رکھا ہے ﴿ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ روشن کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں کیونکہ یہی کتابوں کی اصل ہے اور ان کی پیشوا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے' جب اس میں کئی رسول تشریف لائے ۝ جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے' سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ تائید کی' سو انہوں نے فرمایا: بے شک ہمیں تمہاری

[1] قدریوں کا عقیدہ ہے کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کے بارے میں کوئی عمل دخل نہیں' اس لیے انسان کے افعالِ بد کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

طرف پیغام دے کر بھیجا گیا ہے O انہوں نے کہا: تم تو نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہو O رسولوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں O

## پیغمبروں کو اپنے جیسا کہنے والے انطاکیہ شہر کے کفار کا قصہ

۱۳ - ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ م﴾ اور (اے محبوب!) آپ ایک شہر والوں کی مثال ان (کفارِ مکہ) کے لیے بیان کیجئے (یعنی) مثال دے کر انہیں نصیحت کیجئے' یہ کلام اہل عرب کے اس قول میں سے ہے کہ "عندی من هذا الضرب کذا ای من هذا المثل" یعنی میرے پاس اس مثال میں سے یوں ہے اور "هذه الاشیآء علی ضرب واحد ای علی مثال واحد" یعنی یہ تمام چیزیں ایک ہی مثال پر ہیں اور معنی یہ ہے: "(واضرب لهم مثلاً) مثل اصحاب القریة ای انطاکیة" اور آپ ان (کفارِ مکہ) کے لیے ایک مثال بیان کیجئے یعنی انطاکیہ شہر کے رہنے والوں کی مثال بیان کیجئے یعنی آپ ان کے لیے ایک عجیب وغریب قصہ بیان کیجئے جو انطاکیہ شہر میں رہنے والوں کا قصہ ہے [اس میں دوسرا "مثل" پہلے کا بیان ہے] ﴿اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ جب اس شہر میں بھیجے گئے رسول تشریف لائے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے جو اس شہر کے باشندوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجے گئے تھے اور وہ لوگ بت پرست تھے ["اذ" "اصحاب القریة" سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔

۱۴ - ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ جب ہم نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے حکم سے دو سچے رسولوں کو بھیجا' سو جب وہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا اور وہ حبیب نجار تھا' چنانچہ اس نے ان دونوں سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تاکہ ہم تمہیں بتوں کی عبادت کرنے کی بجائے خدائے رحمٰن کی عبادت کرنے کی دعوت دیں' سو حبیب نجار نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم بیماروں کو تندرست وشفاء یاب کرتے ہیں اور ہم مادرزاد نابینے اور کوڑھ کے بیماروں کو شفاء یاب کرتے اور نابینا کو بینا کرتے ہیں اور برص والوں کو تندرست کر دیتے ہیں اور حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا اور انہوں نے اس کے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے تو وہ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا اور حبیب نجار یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا اور یہ خبر فوری طور پر پھیل گئی (اور لوگ گروہ در گروہ شفاء یابی کے لیے ان حضرات کے پاس آنے لگے یہاں تک) کہ ان دونوں مقدس رسولوں کے مبارک ہاتھوں سے بہت بڑی مخلوق شفاء یاب وتندرست ہو گئی' سو ان دونوں حضرات کو بادشاہ نے بلا لیا اور کہا کہ کیا ہمارے معبود کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! ضرور ہے' وہی ہمارا معبود ہے جس نے تمہیں اور تمہارے معبودوں کو پیدا کیا' بادشاہ نے کہا: ٹھہرو! یہاں تک کہ تمہارے معاملے میں غور وفکر کر لوں' پھر وہاں کے مشرک لوگ ان رسولوں کے پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے ان کو بہت مارا اور بعض نے فرمایا کہ انہیں قید کر دیا گیا تھا' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیسرے رسول حضرت شمعون کو بھیج دیا جو اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے خاص کارندوں کے ساتھ دوستی کر کے ان کے ساتھ رہنے لگے' یہاں تک کہ وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے اس کی خبر بادشاہ کو پہنچائی تو بادشاہ نے اس کو بلا کر بات چیت کی تو وہ بھی مانوس ہو گیا' چنانچہ ایک دن حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے تو کیا آپ نے ان کی بات سنی ہے' بادشاہ نے کہا کہ نہیں! پھر بادشاہ نے ان دونوں حضرات کو بلایا تو حضرت شمعون نے ان سے کہا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور

ہر جاندار کو رزق عطا کرتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں' پھر حضرت شمعون نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور صفات بیان کرو مگر مختصر بیان کرو' انہوں نے فرمایا: وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا اور حکم دیتا ہے' حضرت شمعون نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے' انہوں نے فرمایا کہ بادشاہ جو آرزو کرے ہم پوری کر دیں گے' چنانچہ بادشاہ نے ایک پیدائشی اندھا لڑکا منگوایا اور ان دو رسولوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ لڑکا تندرست ہو کر انکھیارا ہو گیا اور سب کچھ دیکھنے لگا' پھر حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اپنے معبودوں سے سوال کرو کہ وہ بھی اس قسم کا کام کریں تو وہ کر دیں گے اور کیا انہیں یہ کمال حاصل ہے' بادشاہ نے کہا: تم سے میری کوئی بات چھپی نہیں ہے' حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں' پھر بادشاہ نے عرض کیا کہ اگر تمہارا معبود مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے تو ان دونوں رسولوں نے سات دن سے مرے ہوئے بچے کے حق میں دعا فرمائی تو وہ بچہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا' اور کہنے لگا: بے شک مجھے مرنے کے بعد دوزخ کی سات وادیوں پر پھیرا گیا کیونکہ میں کفر و شرک پر مرا تھا اور اب میں تمہیں کفر و شرک پر قائم رہنے سے ڈراتا ہوں' تم کفر و شرک سے بچو اور توبہ کر کے ایمان لے آؤ' اور اس نے کہا کہ ابھی آسمان کے ساتوں دروازے کھول دیئے گئے ہیں' سو میں ایک حسین و جمیل نوجوان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں جو ان تینوں کے لیے سفارش کر رہے ہیں' بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تین افراد کون ہیں؟ بچے نے کہا: وہ حضرت شمعون اور یہ دو نوجوان ہیں' سو بادشاہ بڑا حیران ہوا' چنانچہ جب حضرت شمعون نے دیکھا کہ بچے کی بات بادشاہ میں تاثیر کر گئی ہے تو اسے نصیحت کی تو وہ خود بھی ایمان لے آیا اور اس کی قوم بھی ایمان لے آئی اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے زور سے چیخ ماری' پس وہ سب ہلاک ہو گئے ﴿فَكَذَّبُوهُمَا﴾ سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا (یعنی) اس شہر کے رہنے والوں نے دونوں رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ سو ہم نے تائید کی (یعنی) سو ہم نے تقویت پہنچائی [ابوبکر کوفی کی قراءت میں تخفیف یعنی بغیر شد کے "فَعَزَزْنَا" ہے] یہ "عز یعزہ" سے ماخوذ ہے جب کوئی غالب آ جاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے یعنی سو ہم غالب آ گئے اور زبردست قابو کر لیا ﴿بِثَالِثٍ﴾ تیسرے رسول کے ساتھ اور وہ حضرت شمعون ہیں (کذا اخرج ابن المنذر عن سعید بن جبیر. مظهری) [اور مفعول بہ کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مراد "معزز بہ" کا ذکر ہے اور وہ حضرت شمعون ہیں] اور اس میں کتنی لطیف تدبیر و منصوبہ بندی کی گئی ہے' یہاں تک کہ حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا اور جب کلام کو اغراض میں سے کسی خاص غرض کے ساتھ مقرر کر کے بیان کیا جاتا ہے تو پھر کلام کو اسی غرض کے لیے چلایا جاتا ہے اور اسی کی طرف توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے گویا اس کے ماسوا کو ترک کر دیا جاتا ہے ﴿فَقَالُوٓا إِنَّآ إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ﴾ سو انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں یعنی ان تینوں نے اس شہر میں رہنے والوں سے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۱۵- ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا یعنی شہر کے رہنے والے کفار نے کہا: ﴿مَآ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ تم تو صرف ہماری طرح بشر ہو[1] [یہاں "بَشَرٌ" مرفوع ہے جب کہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں منصوب ہے: "مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا

[1] اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا اور اپنے جیسا بشر سمجھنا کفار کا عقیدہ اور طریقہ ہے جب کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ انبیائے کرام کی بشریت بے مثل و بے مثال ہوتی ہے اور ان کی بشریت سب سے ممتاز ہوتی ہے کیونکہ ایک تو ان کی بشریت تمام بشری آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے' دوسرا یہ کہ ان کی بشریت نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بشریت کے باوجود فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں۔

اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ ''(یوسف:۳۱) ''یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ ہے ۝'' اس لیے کہ یہاں حرف ''اِلَّا'' کی وجہ سے نفی ختم ہو چکی ہے اور اب حرف ''مَا'' ''لَيْسَ'' کے مشابہ نہیں رہا اور وہ اپنے عمل کے ساتھ مثبت ہو گیا ہے] ﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ﴾ اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی یعنی وحی نازل نہیں فرمائی ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو (یعنی) تم صرف جھوٹے ہو۔

۱۶- ﴿قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ انہوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف البتہ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں [دوسرے ''مرسلون'' کو لام کے ساتھ مؤکد کر کے ''لمرسلون'' لایا گیا ہے پہلے کو نہیں کیونکہ پہلا ''مرسلون'' محض خبر ہے اور دوسرا انکار کا جواب ہے' پس یہاں تاکید زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور ''ربنا یعلم'' تاکید میں قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ ان کا قول ہے: ''شهد الله و علم الله'' یعنی اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے]۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ہم پر لازم نہیں مگر واضح طور پر پہنچا دینا ۝ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے تمہیں منحوس سمجھا ہے' اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے ضرور دردناک عذاب پہنچے گا ۝ رسولوں نے فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے' کیا (تم اس لیے منحوس سمجھ رہے ہو کہ) تمہیں نصیحت کی گئی ہے' بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو ۝

---

۱۷- ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر صاف پہنچا دینا یعنی کھلم کھلا تبلیغ کرنا اور پہنچانا اور آیات و دلائل کے ساتھ ایسا واضح کیا گیا ہو جو اس کی صحت پر گواہ ہو جائے۔

۱۸- ﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم تمہیں نحوست تصور کرتے ہیں (یعنی) ہماری نحوست تمہاری وجہ سے ہے اور یہ اس لیے کہا کہ وہ لوگ ان رسولوں کے دین کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے دلوں کو اس دین حق سے نفرت تھی اور جاہلوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی انہیں آرزو ہوتی ہے وہ اسی کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی کو ان کی طبیعتیں قبول کرتی ہیں اور جس سے وہ نفرت کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں' وہ اس کو منحوس قرار دیتے ہیں' پھر اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں: اس شخص کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے اور اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو کہتے ہیں: یہ فلاں کی برکت سے ہوا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان پر بارش برسنا رک گئی تھی' اس لیے انہوں نے اسے نحوست قرار دیا' اور کہا: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ اگر تم اپنی اس بات سے باز نہ آئے ﴿لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ تو البتہ ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور ہم تمہیں ضرور قتل کریں گے یا ہم تمہیں ضرور جلاوطن کر دیں گے یا ہم تمہیں ضرور گالیاں دیں گے' سب وشتم کریں گے ﴿وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (یعنی) تمہیں جلانے والا عذاب ضرور پہنچے گا اور یہی سب سے زیادہ سخت عذاب ہے۔

۱۹- ﴿قَالُوْا طَآئِرُكُمْ﴾ رسولوں نے فرمایا: تمہاری نحوست یعنی تمہاری نحوست کا سبب ﴿مَّعَكُمْ﴾ تمہارے ساتھ ہے اور وہ کفر و شرک ہے ﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ﴾ کیا اگر تمہیں نصیحت کی جائے اور تمہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے (تو تم اسے نحوست قرار دو گے اور سنگسار کرنے اور عذاب دینے کی دھمکیاں دو گے) [کوفی قراء اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ استفہام اور حرف شرط کے ساتھ ''اَئِنْ'' ہے جب کہ ابو عمرو کی قراءت میں ہمزہ ممدودہ اس کے بعد ''یا'' مکسور ''آئِنْ'' ہے اور ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ مقصورہ اس کے بعد ''یا'' مکسورہ ''اَیِنْ'' ہے اور یزید کے ہاں تخفیف کے ساتھ ''ذُكِرْتُمْ'' ہے] ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم زیادتی کرنے والی قوم ہو (یعنی) تم نافرمانی اور گناہ کرنے میں حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو' پس اسی وجہ سے تم پر نحوست نازل ہوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی طرف سے نہیں آئی اور نہ ان کی نصیحت کرنے کی وجہ سے آئی ہے یا یہ کہ تم اپنی گمراہی اور اپنی بغاوت و سرکشی میں حد سے بڑھنے والے ہو کیونکہ تم انہیں نحوست قرار دیتے ہو جن سے تبرک حاصل کرنا واجب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو○ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں○

## حضرت حبیب نجار کے ایمان و شہادت اور اس کی قوم میں سے کفار کے انجام کا بیان

۲۰- ﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى﴾ اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور وہ حضرت حبیب نجار تھا اور وہ ایک پہاڑ کے غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا' پھر جب اسے رسولوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ ان کے پاس آیا اور اپنے دین کا اظہار کیا اور اس نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرات جس مشن کو لے کر تشریف لائے ہیں اس پر کوئی اجرت طلب کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا کہ نہیں ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اس نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم ان رسولوں کی پیروی اختیار کر لو۔

۲۱- ﴿اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا﴾ تم ان حضرات کی پیروی کر لو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے ﴿وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ہدایت پر ہیں یعنی وہ رسول ہدایت یافتہ ہیں' سو اس کی قوم کے لوگوں نے پوچھا: کیا تم بھی انہیں کے دین پر ہو تو اس نے جواب میں فرمایا:

وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾
قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ

مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ﴿٢٩﴾

اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O کیا میں اس کے سوا اوروں کو معبود بنالوں اگر رحمٰن مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو ان (بتوں) کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے O بے شک اس وقت میں ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا O بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں' سو تم میری بات سنو O اس سے فرمایا گیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا: کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے O جس کے سبب میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں سے قرار دیا O اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے O وہ سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار چیخ' پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے O

---

۲۲- ﴿وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي﴾ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس ذاتِ اقدس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ ''فطرنی'' بہ معنیٰ ''خلقنی'' ہے یعنی اس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (یعنی) اور تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَمَالِيْ'' میں ''یا'' ساکن ہے]۔

۲۳- ﴿أَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً﴾ کیا میں اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا اوروں کو معبود بنالوں یعنی کیا میں بتوں کو معبود بنالوں؟ [کوفی کی قراءت میں ''اتخذ'' میں دو ہمزے ہیں] ﴿إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ﴾ اگر رحمٰن مجھے ضرر پہنچانا چاہے [یہ شرط ہے اور اس کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے:] ﴿لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ﴾ تو ان کی شفاعت مجھے کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے عذاب سے چھڑا سکیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے اثبات کے ساتھ ''وَلَا يُنْقِذُوْنِيْ'' اور ''فَاسْمَعُوْنِيْ'' (یٰس:۲۵) ہے]۔

۲۴- ﴿إِنِّي إِذًا﴾ بے شک میں اس وقت یعنی جب میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کو معبود بنالوں گا تو اس وقت میں ﴿لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ ضرور کھلم کھلا گمراہی میں ہوں گا جو ہر ایک پر ظاہر اور واضح ہو گی۔

۲۵- اور جب جناب حبیب نجار نے اپنی قوم کو نصیحت کی تو انہوں نے آپ کو سنگسار کرنا شروع کیا' لیکن وہ سنگسار کے ذریعے قتل ہونے سے پہلے جلدی سے رسولوں کے پاس پہنچا اور ان سے عرض کیا کہ ﴿إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ﴾ بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں' سو تم میری بات سنو یعنی میرے ایمان کی بات سنو تا کہ تم اس پر میرے لیے گواہ بن جاؤ اور پھر جب وہ قتل کر دیئے گئے تو

۲۶- ﴿قِيلَ﴾ ''لَهٗ'' ﴿ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ اس کے لیے فرمایا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا' اور اس کی قبر انطاکیہ شہر کے بازار میں واقع ہے اور ''قیل'' فرمایا گیا ہے لیکن ''قیل لہ'' نہیں فرمایا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بات کہی گئی ہے اس کے بیان کے لیے یہ کلام چلایا گیا ہے لیکن جس شخص کے لیے بات کہی گئی ہے' اس کے بیان کے لیے یہ کلام نہیں چلایا گیا کیونکہ وہ معلوم و معین ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ مخلوق ہو چکی ہے اور

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جب قوم کے لوگوں نے جناب حبیب نجار کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس اوپر اٹھالیا اور اب وہ جنت میں ہیں اور آسمانوں اور زمین کے فنا ہونے تک وہ فوت نہیں ہوں گے' پھر جب وہ جنت میں داخل ہوئے اور اس کی عالی شان نعمتوں کو دیکھا تو ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اس نے کہا: اے کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے۔

۲۷- ﴿ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ ﴾ کہ مجھے میرے پروردگار نے بخش دیا ہے یعنی میرے لیے میرے رب تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کو جان لیتے یا وہ اس ذاتِ اقدس کو جان لیتے جس نے مجھے بخش دیا ہے ﴿ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر کے مجھے معززین میں سے بنایا ہے۔

۲۸- ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا یعنی ہم نے حبیب نجار کے قتل ہو جانے یا اس کے اوپر اٹھائے جانے کے بعد اس کی قوم پر انہیں عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا [''وَمَا اَنْزَلْنَا'' میں حرف ''مَا'' نافیہ ہے] ﴿ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴾ اور نہ ہم اتارنے والے تھے (یعنی) اور ہماری حکمت میں یہ صحیح نہیں تھا کہ ہم جناب حبیب نجار کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نازل کریں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض حکمتوں کی بناء پر نہیں بلکہ بعض اسباب و وجوہ کی بناء پر ہر قوم کو ہلاک کرنے کا اس وقت فیصلہ جاری کرتا ہے' جب اس کے اسباب تقاضا کرتے ہیں۔

۲۹- ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ انطاکیہ کے کفار کی گرفت ہلاکت یا عذاب و سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار خطرناک چیخ و چنگاڑ تھی' حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری تھی ﴿ فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴾ پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے (یعنی مر گئے) جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے معاملہ کے لیے صرف ایک فرشتے کی چیخ کو کافی قرار دے دیا اور ان کی ہلاکت کے لیے آسمان کے لشکروں میں سے کسی لشکر کو نہیں اتارا جیسا کہ غزوۂ بدر کے دن اور خندق کے موقع پر فرشتوں کے لشکر اتارے گئے تھے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

وقف غفران — ع

ہائے افسوس ان بندوں پر کہ جن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر چکے ہیں بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر واپس نہیں آئیں گے ○ اور سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے ○

## کفار کی سرکشیوں پر اظہارِ افسوس

۳۰- ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اے افسوس! ان بندوں پر کہ ان کے پاس کوئی رسول آتا تو وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ''حسرة'' کا معنی ہے: سخت ترین افسوس و غم اور یہ ان کفار پر افسوس کرنے کے لیے نداء ہے گویا اس کے لیے کہا گیا ہے کہ اے افسوس و ندامت! ادھر آ' پس تیرے احوال میں سے ایک حال یہ

ہے جو تیرا حق ہے کہ تو اس میں حاضر ہو جا اور وہ رسولوں کے ساتھ ان کے مذاق اڑانے کا حال ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ کفار اس بات کے مستحق ہیں کہ غمگین و نادم ان پر غم و ندامت کا اظہار کریں اور افسوس کرنے والے ان کے حال پر افسوس کریں یا یہ کہ کفار پر فرشتوں کی طرف سے اور جنوں اور انسانوں میں سے مسلمانوں کی طرف سے اظہارِ افسوس کیا گیا ہے۔

۳۱-﴿ اَلَمْ یَرَوْا ﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفارِ مکہ کو معلوم نہیں اور کیا کفارِ مکہ نہیں جانتے کہ ﴿ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں ہیں[ "کم"، "اهلكنا" کی وجہ سے منصوب ہے اور "یروا" کا عمل "کم" میں موقوف ہے کیونکہ حرف "کم" میں اس سے پہلے عامل عمل نہیں کرتا' خواہ "کم" استفہام کے معنی میں ہو یا خبر کے معنی میں ہو اس لیے کہ اس کا استعمال اصل میں استفہام کے لیے ہے مگر اس کا معنی پورے جملے میں نافذ ہوتا ہے] ﴿ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے [اور یہ ارشاد "کم اهلكنا" سے بدل ہے مگر معنی کی بناء پر لفظ کی بناء پر نہیں' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے] (ترجمہ:) کیا اہل مکہ نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' جن کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی ان کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں۔

۳۲-﴿ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴾ اور بے شک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے [ابن عامر شامی' عاصم کوفی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "لَمَّا" کا میم مشدد ہے بہ معنی "اِلَّا" ہے اور "اِنْ" نافیہ ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "لَمَا" ہے یہ اس بناء پر ہے کہ "مَا" تاکید کے لیے صلہ ہے اور "اِنْ" ثقیلہ سے خفیفہ ہے (اصل میں "اِنَّ" ہے) اور یہ لامحالہ لام کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور "کُلٌّ" میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے] اور معنی یہ ہے کہ "ان کلهم محشرون مجموعون محضرون للحساب او معذبون" بے شک وہ تمام لوگ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے جمع کر کے حاضر کیے جائیں گے یا عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے [اور بے شک "کل" کی "جمیع" کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ "کل" احاطہ کا فائدہ دیتا ہے اور "جمیع" فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے] اور اس کا معنی ہے: اجتماع یعنی روزِ محشر ان سب کو جمع کر دے گا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ
جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا
مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ
نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ان (اہل مکہ) کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے' جسے ہم نے زندہ کیا اور اس میں سے اناج پیدا کیا' سو وہ اسی میں سے کھاتے ہیں○ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے جاری کر دیئے○

تا کہ وہ اس کے پھل میں سے کھائیں' اور ان کے ہاتھوں نے اسے نہیں بنایا' تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے O پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ان چیزوں میں سے بھی جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان کی جانوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے O اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے' جس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ اسی وقت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O

## دلائل قدرت سے محشر برپا کرنے پر استدلال

٣٣- ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ﴾ اور ان (اہل مکہ) کے لیے ایک نشانی مردہ زمین (یعنی) خشک وبنجر زمین ہے یعنی یہ ایک ایسی علامت ہے جو اس مسئلہ پر رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو بھی ضرور زندہ کرے گا [''ایة'' مبتدا ہے اور ''لهم'' اس کی خبر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''ایة'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہو اور ''لهم'' اس کی صفت ہو اور ''الارض المیتة'' اس کی خبر ہو اور ''المیتة'' بہ معنی ''یابسة'' ہے یعنی خشک وبنجر' نیز نافع مدنی کی قراءت کے مطابق ''یا'' مشدد ہے (یعنی ''المیّتة'')] ﴿اَحْیَیْنٰهَا﴾ ہم نے اس کو بارش کے ذریعہ زندہ فرمایا [یہ جملہ مستانفہ ہے جو یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ مردہ زمین قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی ہے اور اسی طرح ''نسلخ'' ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الارض'' اور ''اللیل'' کو فعل کے ساتھ موصوف کیا جائے کیونکہ ان دونوں سے مطلق جنس مراد ہے معین ومخصوص ''ارض و لیل'' مراد نہیں ہیں' سو ان افعال کی صفت لانے میں ان کے ساتھ نکرات کا معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ یہ شعر ہے:

ولقد امرّ علی اللئیم یسبّنی فمضیت ثمة قلت لا یعنینی

''اور بے شک میں ایک کمینے شخص کے پاس سے گزرا جو مجھے گالیاں دے رہا تھا' سو جب میں وہاں سے گزرا تو میں نے (دل میں) کہا کہ وہ میرا ارادہ نہیں کرتا ہوگا''۔]

﴿وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا﴾ اور ہم نے اس میں سے دانے (اناج) پیدا کیے ہیں' ''حَبًّا'' سے جنس مراد ہے (معین ومخصوص نوع کے دانے مراد نہیں بلکہ زراعت کی تمام اجناس وانواع کے دانے مراد ہیں) ﴿فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ﴾ سو وہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں' ظرف کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے تا کہ یہ اس بات پر رہنمائی کرے کہ سب سے عظیم ترین خوراک جس پر معیشت کا دارومدار ہے وہ یہی دانے ہیں جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی صحت بھی اسی رزق پر قائم ہے اور جب اناج کم رہ جاتا ہے تو قحط پڑ جاتا ہے اور نقصان ہو جاتا ہے اور جب یہ اناج ختم ہو جاتا ہے تو ہلاکتیں شروع ہو جاتی ہیں اور مصیبتیں آن پڑتی ہیں۔

٣٤- ﴿وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ اور ہم نے اس میں (یعنی) زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے ہیں ﴿وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ﴾ اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیئے [اخفش کے نزدیک حرف ''مِنْ'' زائدہ اور اس کے علاوہ کے نزدیک مفعول محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ما ینتفعون به'' جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں]۔

٣٥- ﴿لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ﴾ تا کہ وہ لوگ اس کے پھلوں میں سے کھائیں' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی تا کہ لوگ ان پھلوں میں سے کھائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''مِنْ ثُمُرِهٖ'' (''ثا'' اور میم پر پیش) ہے] ﴿وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ﴾ اور وہ جسے ان کے ہاتھوں نے بنایا یعنی اور ان پھلوں میں سے بھی کھائیں

جنہیں ان کے ہاتھوں نے تیار کیا جیسے اپنے ہاتھوں سے زمین میں پھل دار درختوں کے بیجوں کی بیجائی کرنا اور اس کے پودے لگانا' پھرانہیں پانی پلاتے رہنا اوران کی صفائی اور کانٹ چھانٹ کرنا اوران کی حفاظت کرنا' یہاں تک کہ پھل پک کر اپنی انتہا کو پہنچ جائیں یعنی بے شک پھل اصل میں اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کے پیدا کرنے سے تیار ہوتا ہے لیکن اس میں بنی آدم کی محنت ومشقت کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں اور اصل میں ''لیاکلوا من ثمرنا'' ہے یعنی تا کہ لوگ ہمارے پھلوں میں سے کھائیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَجَعَلْنَا وَفَجَّرْنَا'' [پھر کلام تکلم سے غیبت کی طرف بطور التفات منتقل کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''من ثمرہ'' کی ضمیر ''النخیل'' کی طرف لوٹتی ہو اور ''الاعناب'' کو چھوڑ دیا گیا اور اس کی طرف رجوع نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ''النخیل'' کے حکم میں معلوم ہے' اس لیے کہ یہ بھی انہیں میں سے ہے جن کے پھل کھائے جاتے ہیں یا مذکور پھل مراد ہوں اور وہ باغات ہیں (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) جیسا کہ رؤبہ نے کہا: (شعر کا ترجمہ) اس میں محض سفید اور سفید وسیاہ سے مخلوط نشانات ہیں گویا جسم کے چمڑے میں کوڑھ کے سفید داغ ہیں' سو اس سے کہا گیا تو اس نے کہا: میں نے گویا یہی ارادہ کیا ہے۔ امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ضمیر کے بغیر ''وما عملت'' ہے اور یہ اہل کوفہ کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے اور اہل حرمین' بصرہ اور شام کے مصاحف میں ضمیر کے ساتھ ''وما عملتہ'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''ما'' نافیہ ہے' اس بناء پر کہ پھل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' اس کو انسانی ہاتھوں نے تیار نہیں کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہیں] ﴿اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴾ تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اس میں نعمت کے حصول پر شکر ادا کرنے کی ترغیب وتحریک دی گئی ہے۔

۳۶- ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام مختلف اقسام وانواع کے جوڑے پیدا کیے ہیں ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ﴾ جنہیں زمین اُگاتی ہے جیسے کھجوریں' درخت' کھیتیاں اور دیگر پھل آور درخت اور بیلیں ﴿وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور خود ان کی جانوں میں سے نر اور مادہ اولاد ﴿وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور اس میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے (یعنی) اور ایسی چیزوں کے بھی جوڑے پیدا کیے جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلع وآگاہ نہیں فرمایا اور نہ ان کی معرفت تک تم پہنچ سکتے ہو چنانچہ وادیوں میں' دریاؤں اور سمندروں میں بے شمار مخلوق کے جوڑے ہیں' جنہیں لوگ نہیں جانتے۔

۳۷- ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں (یعنی) ہم دن کو رات سے اس طرح نکال لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ دن کی روشنی میں سے کچھ نہیں رہتا یا ہم اس سے دن کی روشنی اس طرح چھین لیتے ہیں جس طرح کالے آدمی کی سفید قمیص اتار لی جائے' پھر اس وقت خالی جسم رہ جائے جیسے کالا سیاہ حبشی شخص ہوتا ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان تاریک فضا ہے' پس اس کا کچھ حصہ سورج کی روشنی کا لباس پہن لیتا ہے جیسے تاریک گھر میں چراغ جلایا جائے' پھر جب چراغ غائب ہو جائے گا تو گھر تاریک ہو جائے گا ﴿فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ﴾ سو وہ اسی وقت اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں (یعنی) وہ اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ
مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ
الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا

ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِنْ نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾

اور سورج اپنی منزلِ مقصود کی طرف چلتا رہتا ہے' یہ ایک زبردست بے انتہا علم رکھنے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہےO اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دیں ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو کر لوٹ آتا ہےO نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے' اور ہر ایک اپنے مدار میں رواں دواں رہتا ہےO اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیاO اور ہم نے ان کے لیے اس کی مثل اور چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیںO اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر نہ تو ان کے لیے کوئی فریادرس ہوگا اور نہ انہیں چھڑایا جا سکے گاO مگر ہماری طرف سے (ان پر) رحمت ہو جائے اور ایک مقرر وقت تک فائدہ پہنچانا ہوO

٣٨- ﴿وَالشَّمْسُ﴾ اور سورج (یعنی) اور ایک نشانی ان کے لیے سورج ہے جو ﴿تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ اپنی مقرر کردہ منزل کی طرف چلتا رہتا ہے (یعنی) اپنی مقرر و معین منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مدار سے وہاں تک سال کے آخر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جب وہ اپنی سفری منازل طے کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے یا پھر سورج اپنی معین و مخصوص حد کے لیے روزانہ ہماری آنکھوں کی نگاہ کے سامنے چلتا ہے اور وہ معین حد مغرب ہے یا یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے دنیا کے فنا ہونے تک (یعنی قیامت تک) چلتا رہے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ اس انداز پر اور باریک حساب پر اس کا چلنا ﴿تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ﴾ ایک زبردست ہستی کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جو اپنی قدرت کی وجہ سے ہر مقدور پر غالب ہے ﴿الْعَلِیْمِ﴾ ہر معلوم کو خوب جاننے والا ہے۔

٣٩- ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ﴾ اور ہم نے چاند کے لیے (منزلیں) مقرر کر دی ہیں [''القمر'' اپنے ماقبل مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی ''قدرناہ'' تفسیر کر رہا ہے اور ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابوعمرو اور سہل کی قراءت میں مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر ''قدرناہ'' ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ہے: ''وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْقَمَرُ'' اور ان کے لیے ایک نشانی چاند ہے] ﴿مَنَازِلَ﴾ (اور ہم نے چاند کے لیے) منزلیں (مقرر کر دیں) اور وہ کل اٹھائیس منزلیں ہیں' چاند ہر رات ان میں سے کسی ایک منزل میں اترتا ہے' نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے بلکہ مقرر کیے ہوئے نظام کے مطابق ایک انداز سے برابر پہلی رات سے لے کر اٹھائیسویں رات تک مسلسل چلتا رہتا ہے' پھر جب مہینہ اختتام کو پہنچتا ہے تو ایک یا دو راتیں چھپ جاتا ہے اور ''قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ'' میں مضاف محذوف کو مقدر ماننا ضروری ہے کیونکہ خود چاند کی منزلیں مقرر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے یعنی ہم نے چاند کے نور کی منزلیں مقرر کر دیں جن میں اس کی روشنی گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے' یا یہ کہ ہم نے چاند کے سفر کی منزلیں مقرر کر دیں' پس منازل اسم ظرف ہے' پھر جب چاند اپنی آخری منزلوں میں پہنچتا ہے تو باریک اور کمان کی طرح ہو جاتا ہے ﴿حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ﴾ کھجور کے خوشے کی باریک لکڑی جب خشک اور کمان کی طرح ہو جاتی ہے اور یہ ''فعلون'' کے وزن پر ہے اور ''انعراج'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: ٹیڑھا ہونا

﴿الْقَدِيْمِ﴾ ایک سال سے پرانی چیز' اور جب کھجور کے خوشہ کی شاخ یا ٹہنی پرانی ہو جاتی ہے تو باریک اور ٹیڑھی اور زرد و پیلی ہو جاتی ہے' سو اس لیے ان تین وجوہ کی بناء پر چاند کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

٤٠- ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ﴾ سورج کے لائق نہیں یعنی سورج کے لیے آسان نہیں اور درست نہیں اور نہ اس کے لیے ممکن ہے ﴿اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور ایک وقت میں اس کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کی سلطنت و بادشاہی میں مداخلت کر سکے' ورنہ چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی کیونکہ سورج اور چاند میں سے ہر ایک کی اپنے اپنے وقت میں بادشاہی ہے' پس سورج دن کا بادشاہ ہے اور چاند رات کا بادشاہ ہے ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ اور نہ رات دن سے آگے بڑھنے والی ہے (یعنی) اور رات دن سے آگے نہیں بڑھ سکتی یعنی رات بھی ایک نشانی ہے اور دن بھی ایک نشانی ہے اور وہ (سورج و چاند) دونوں روشن کرنے والے ہیں اور یہ معاملہ اسی ترتیب پر ہمیشہ جاری رہے گا' یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو جمع کر دے گا اور اس دن سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا ﴿وَكُلٌّ﴾ [اور اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی ''کلھم'' ہے اور یہ ضمیر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے] اور ہر ایک ﴿فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ اپنے اپنے مدار (آسمان) میں تیر رہا ہے (یعنی سب سیارے) اپنے اپنے مدار میں رواں دواں اور سفر کرتے رہتے ہیں۔

٤١- ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ اور ان (مکہ والوں) کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ ''مشحون'' بہ معنی ''مملوء'' بھری ہوئی ہے اور ''ذریّة'' سے اولاد مراد ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کشتی میں سوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور دراصل اہل مکہ اپنی اولاد کو بری اور بحری راستوں سے تجارت کے لیے مختلف ممالک بھیجتے تھے یا پھر ''ذریّة'' سے ان کے آباء واجداد مراد ہیں کیونکہ ''ذریة'' کا لفظ لغتِ اضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہو سکتے ہیں اور اس معنی کی بناء پر ''فلك'' سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہوگی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان کی ذریّت کو کشتی میں سوار کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سابق آباء واجداد کو سوار کیا ہے اور یہ خود اور ان کی اولاد ان کی پشت میں ہونے کی وجہ سے سوار ہوئے تھے اور خود ان کی بجائے صرف اولاد کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ ان پر احسان جتانے میں زیادہ بلیغ و مؤثر ہے۔

٤٢- ﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی طرح اور سواریاں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں' جیسے اونٹ (گھوڑے' خچر اور گدھے) اور یہ خشکی کی سواریاں ہیں یا خشکی کی کشتیاں ہیں۔

٤٣- ﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں (یعنی) دریا میں ڈبو دیں ﴿فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ﴾ تو پھر ان کو بچانے کے لیے کوئی فریاد رس نہیں ہوگا یا پھر فریاد کرنے کے لیے چلانا اور پکارنا نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ﴾ اور نہ انہیں چھڑایا جا سکے گا اور نہ انہیں نجات دی جائے گی۔

٤٤- ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ﴾ مگر ہماری طرف سے رحمت ہو جائے اور مقرر وقت تک فائدہ اٹھانے کی مہلت دی جائے یعنی اور انہیں غرق ہو جانے کے بعد چھڑایا نہیں جا سکتا مگر صرف ہماری رحمت کی وجہ سے اور مقررہ مدت کے اختتام تک انہیں زندگی کا فائدہ پہنچانے کی وجہ سے [سو یہ دونوں مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں]۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا

تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا قِيلَ
لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن
لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ
هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ ع

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے O اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے' تو کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا' تم تو نہیں ہو مگر کھلی گمراہی میں O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O وہ انتظار نہیں کرتے مگر ایک چیخ کا جو انہیں پکڑ لے گی حالانکہ وہ باہم جھگڑتے ہوں گے O سو وہ نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے O

## کفارِ مکہ کی سرکشیوں اور بخل کا بیان

٤٥- ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی تم اپنے سابقہ گناہوں سے ڈرو اور پیچھے آنے والے ان گناہوں سے بچو جو تم بعد میں کرنے والے ہو یا یہ کہ تم ان حوادثات سے ڈرو جن میں ان امتوں کو مبتلا کیا گیا تھا جو تم سے پہلے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا کرتی تھیں اور تم قیامت کے معاملہ سے ڈرو جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے یا یہ کہ تم دنیا کے فتنہ اور آخرت کی سزا سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ تا کہ تم پر رحم کیا جائے (یعنی) تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بن جاؤ اور ''إِذَا'' کا جواب مضمر ہے یعنی جب انہیں یہ سب کچھ کہا گیا تو انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ ممکن ہے کہ ''إِذَا'' کا جواب محذوف ہو کیونکہ درج ذیل آیت مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

٤٦- ﴿وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی کفار مکہ کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر نشانی اور ہر نصیحت آنے پر منہ پھیر لیتے ہیں اور روگردانی اختیار کر لیتے ہیں [پہلا ''مِنْ'' نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرا ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے]۔

٤٧- ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم خرچ کرو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے یعنی جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تم فقیروں' محتاجوں اور ضرورت مندوں کو صدقہ وخیرات ادا کیا کرو ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ﴾ تو کفار نے مسلمانوں سے کہا کہ کیا ہم ان کو

کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں کچھ بے دین لوگ رہتے تھے' جب انہیں مسکینوں اور فقیروں پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نادار و محتاج پیدا کیا ہے ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ تم تو نہیں ہو مگر کھلی گمراہی میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کفار سے فرمایا گیا کہ تم محض کھلی گمراہی میں مبتلا ہو' یا یہ مسلمانوں کا کلام ہے جو انہوں نے کفار سے کہا تھا یا پھر مسلمانوں کو کفار کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

۴۸۔ ﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم اس میں سچے ہو جو تم کہتے ہو۔ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔

۴۹۔ ﴿مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً﴾ اہل مکہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا اس سے نفخہ اولیٰ مراد ہے ﴿تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ﴾ وہ انہیں پکڑ لے گی اور وہ آپس میں جھگڑتے ہوں گے [قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''خا'' ساکن اور صاد مخفف یعنی غیر مشدد ''یَخْصِمُوْنَ'' ہے اور ''خصمة'' سے ماخوذ ہے (باب ضرب یضرب ہے) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی جھگڑے میں غالب آ جائے اور باقی قراء نے صاد کو مشدد پڑھا ہے یعنی ''یَخِصِّمُوْنَ'' اصل میں ''یَخْتَصِمُوْنَ'' ہے' پھر ''تا'' کو صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے' ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''تا'' مدغمہ کی حرکت ''خا'' کی طرف منتقل کر کے ''خا'' کو فتح دیا گیا۔ نافع مدنی کی قراءت میں ''خا'' ساکن ہے اور یحییٰ کی قراءت میں ''یا'' اور ''خا'' دونوں مکسور ہیں کیونکہ ''یا'' کو کسرہ دینے میں ''خا'' کے تابع رکھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا'' مفتوح اور ''خا'' مکسور ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہیں نفخہ اولیٰ کی چیخ پکڑ لے گی اور وہ اس وقت اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے۔

۵۰۔ ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً﴾ پس وہ وصیت نہیں کر سکیں گے (یعنی) پس وہ اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ کی وصیت نہیں کر سکیں گے ﴿وَّلَاۤ اِلٰۤی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹنے پر قادر ہوں گے بلکہ وہ جونہی زوردار چیخ کی آواز سنیں گے' فوراً مر جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے چلیں گے O کفار کہیں گے: ہائے ہماری خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' (ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا O وہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ' پس اچانک وہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے O سو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جو کچھ تم کرتے تھے O

## روزِ محشر کے برپا ہونے اور اہل جنت کا بیان

۵۱- ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ﴾ اور صور میں پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نفخہ ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام جاندار مر جائیں گے دوسری دفعہ سب زندہ ہو جائیں گے) اور ''صور'' کا معنی سینگ ہے یا پھر ''صور'' واؤ مفتوح کے ساتھ ''صورۃ'' کی جمع ہے یعنی تمام صورتوں میں روحیں پھونکی جائیں گی ﴿ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴾ پس وہ تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے ''احداث'' بہ معنی قبور ہے ''ینسلون'' تیز تیز دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے۔

۵۲- ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: ﴿ يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ﴾ ہائے خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا اور حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ کفار پر نیند طاری ہوگی' جس میں وہ نیند کا مزہ پائیں گے' پھر جب اہل قبور کو زندہ کر کے اٹھانے کے لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں زوردار چیخ ماریں گے تو اس وقت کفار کہیں گے کہ ہمیں کس نے اٹھا دیا ﴿ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴾ یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔ یہ فرشتوں کا کلام ہے جو کفار کے جواب میں کہیں گے یا پرہیزگار و نیک مسلمانوں کا کلام ہے یا پھر یہ بھی کفار کا کلام ہے' انہوں نے دنیا کی زندگی میں رسولوں سے جو کلام سنا تھا' اس کو وہ یاد کریں گے اور پہلے سوال کریں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ پھر خود اپنے آپ کو اس کلام کے ذریعے جواب دیں گے کہ یہ تو وہی ہے جس کا رب رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا' یا وہ اس کلام کے ذریعے ایک دوسرے کو جواب دیں گے یا پھر ''مَا'' مصدریہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ رحمٰن کا وعدہ ہے اور رسولوں کا سچ ہے تو گویا موعود اور مصدوق کو وعد اور صدق کا نام دے دیا گیا ہے یا ''مَا'' موصولہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ھذا الذی وعدہ الرحمن والذی صدقہ المرسلون'' یعنی یہ وہ وعدہ ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور یہ وہ وعدہ ہے جس کے بارے میں رسولوں نے سچ فرمایا تھا یعنی جس وعدہ میں رسولوں نے سچ بولا تھا۔

۵۳- ﴿ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً ﴾ وہ نفخہ اخیرہ نہیں ہوگا مگر ایک زوردار چیخ اور چنگھاڑ ہوگی ﴿ فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴾ پس اچانک وہ سب کے سب ہمارے پاس حساب و کتاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔

۵۴- پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس جواب کا ذکر کر دیا جو اس روز ان سے فرمایا جائے گا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ سو آج کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی قدر جس قدر تم عمل کرتے تھے۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ۝٥٥ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝٥٦ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ۝٥٧ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ۝٥٨

بے شک جنت والے آج دل پسند مشغلوں میں خوش ہو کر لطف اندوز ہوں گے ۝ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ۝ اس میں ان کے لیے پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ مانگیں

گے ○ بے حد مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا○

۵۵- ﴿ اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ ﴾ بے شک جنتی لوگ آج (بروز قیامت) مشغلوں میں ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بہشتی کسی نہ کسی نعمت میں مشغول ہوں گے اور "فی شغل" کا کوئی وصف بیان نہیں کیا گیا جب کہ اس "شغل" سے مراد یہ ہے کہ باکرہ یعنی کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنا اور نہروں کے کناروں پر سیر وتفریح کرنا اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں آرام کرنا یا یہ کہ آلاتِ موسیقی بجانا یا پھر خدائے جبار کی ضیافت ومہمانی میں مشغول ہونا [ابن عامر شامی اور کوفی کی قراءت میں شین اور غین دونوں مضموم ہیں جب کہ ابن کثیر مکی نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں شین مضموم ہے اور غین ساکن ہے] ﴿ فٰكِهُوۡنَ ﴾ [یہ دوسری خبر ہے اور یزید کی قراءت میں بغیر الف کے "فکِھُون" ہے] "فاکہ" اور "فکہ" دونوں کا معنی ہے: نعمتوں سے خوش ہونے والا اور نعمتوں سے لذت حاصل کرنے والا اور اسی سے "فاکھة" ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: پھل کیونکہ اس کے ساتھ بھی لذت ومزہ حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح "فکاھة" ہے، خوش طبعی اور دل لگی کرنا۔

۵٦- ﴿ هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ ﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہوں گے ["ھم" مبتدا ہے اور "وازواجھم" اس پر معطوف ہے اور "فی ظلال" حال ہے اور یہ "ظل" کی جمع ہے اور یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سورج کی دھوپ نہیں پڑتی، جیسے "ذئاب"، "ذئب" کی جمع ہے یا یہ "ظلة" کی جمع ہے جیسے "برام"، "برمة" کی جمع ہے اور اس کی دلیل قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت "فی ظُلَل" ہے جو "ظلة" کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہیں سورج کی دھوپ سے چھپالے] ﴿ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴾ مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ["ارائك"، "اریكة" کی جمع ہے اور یہ دلہن کے کمرہ میں مزین وآراستہ تخت ہوتا ہے یا دلہن کے کمرہ میں بچھایا ہوا قیمتی قالین۔ "متکئون" تکیے لگا کر آرام کرنے والے، یہ "ھم" کی خبر ہے یا پھر "فی ظلال" حال کی بجائے "ھم" کی خبر ہے اور "علی الارائك متکئون" جملہ مستانفہ ہے]۔

۵۷- ﴿ لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ ﴾ ان کے لیے اس (جنت) میں ہر قسم کے بہترین میوہ جات وپھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ "یدّعون"، "یفتعلون" کے وزن پر "دعا" سے ماخوذ ہے یعنی ہر وہ چیز جسے جنتی لوگ مانگیں گے، ان کو مل جائے گی یا جس چیز کی وہ آرزو اور خواہش کریں گے اور تمنا کریں گے وہ انہیں مل جایا کرے گی، یہ اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "ادع علی ما شئت" یعنی تمہیں جس کی تمنا ہو یا جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔ فرّا نے کہا کہ یہ "دعوی" سے ماخوذ ہے یعنی جنتی حضرات اس چیز کا دعویٰ نہیں کریں گے، جس کے وہ مستحق نہیں ہوں گے۔

۵۸- ﴿ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ﴾ رحیم وکریم پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم کی خاطر براہِ راست یا فرشتوں کی وساطت سے ان پر سلام بھیجے گا اور یہی اہل جنت کی تمنا ہوگی اور یہ ان کو حاصل ہوگی، اس سے انہیں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: بے شک تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے فرشتے سلام کے تحفے لے کر جنتیوں پر پیش کریں گے۔

وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا
الشَّيۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿٦۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿٦۱﴾ وَ

وقف غفران

لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۞ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۞ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞

اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ O اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے O اور یہ کہ تم میری عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے O اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے O یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا O آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے O

## مشرکینِ مکہ کی شامت، عہد کی یاد دہانی اور اعضاء کی گواہی

۵۹- ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور اے مجرمو! تم علیحدہ ہو جاؤ (یعنی) اور تم مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور تم ان سے جدا ہو جاؤ اور یہ اس وقت کہا جائے گا جب مسلمانوں کو جمع کیا جائے گا، پھر انہیں بہشت کی طرف لے جایا جائے گا اور حضرت ضحاک نے بیان فرمایا کہ ہر کافر کے لیے دوزخ میں ایک گھر ہے جس میں وہ رہے گا نہ وہ کسی کو دیکھ سکے گا اور نہ اسے کبھی دیکھا جا سکے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ

۶۰- ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ "عہد" کا معنی ہے: وصیت کرنا، چنانچہ جب کوئی شخص کسی کو وصیت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "عهد اليه" اور اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد لینا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں عقلی دلائل کو جمع کر دیا تھا اور ان پر سمعی (شرعی) دلائل نازل فرمائے گا اور شیطان کی عبادت کا مطلب ہے کہ شیطان ان کی طرف جو وسوسے ڈالتا اور جو کام ان کے لیے مزین و آراستہ کرتا، ان میں شیطان کی اطاعت کرنا۔

۶۱- ﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو (یعنی) مجھے واحد لاشریک مانو اور میری اطاعت کرو ﴿هٰذَا﴾ یہ اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو شیطان کی نافرمانی اور رحمٰن کی اطاعت کرنے کے بارے میں کفارِ مکہ سے لیا گیا تھا ﴿صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ سیدھا راستہ یعنی انتہائی سیدھا راستہ جس سے زیادہ سیدھا راستہ اور کوئی نہ ہو۔

۶۲- ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ﴾ اور بے شک شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے [ابن کثیر مکی، عاصم اور سہل کی قراءت میں "جِبِلًّا" میں جیم اور "با" مکسور ہیں اور لام مشدد ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں جیم اور "بَا" مضموم اور لام مشدد "جُبُلًّا" ہے اور ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں لام مخفف ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک جیم اور "بَـا" مضموم اور لام مخفف ہے، یہ تمام لغات مسلّم ہیں اور اس کا معنی خلق ہے] ﴿اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ استفہام کے ذریعے کفار و مشرکین کو عقل سے فائدہ نہ اٹھانے پر ڈانٹا گیا ہے۔

۶۳- ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ کفر و شرک کی صورت میں تمہیں اس میں جانا ہوگا، لہٰذا

۶۴- ﴿اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے (یعنی) تم اپنے کفر کے سبب اور دوزخ کے وجود سے انکار کے سبب اس میں داخل ہو جاؤ۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھےO اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے' سو وہ راستہ کی طرف بڑھنا چاہتے تو وہ کیسے دیکھ سکتےO اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھر بیٹھے ان کی صورتیں بدل دیتے' سو وہ نہ تو آگے بڑھ سکتے اور نہ وہ واپس لوٹ سکتےO

---

۶۵- ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے یعنی ہم ان کو بات کرنے سے روک دیں گے ﴿ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار و مشرکین انکار کریں گے اور جھگڑا کریں گے تو ان کے پڑوسی اور ان کے گھر والے اور ان کے قبیلے کے لوگ ان کے خلاف گواہی دیں گے تو کفار و مشرکین قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ وہ شرک کرنے والے نہیں تھے' سو اس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بولیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ عرض کرے گا کہ میرے اوپر صرف میرا نفس گواہی دے' سو اس لیے اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بولو! تو وہ اس بندے کے اعمال کے بارے میں بولنا شروع کر دیں گے' پھر دورانِ کلام اس کے منہ سے مہر کھول دی جائے گی تو وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم پر لعنت و پھٹکار ہو میں تو تمہاری طرف سے جھگڑ رہا تھا[1]

۶۶- ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ان کی آنکھیں مٹا دیتے' ہم انہیں ضرور اندھا کر دیتے اور ان کی بینائی زائل کر دیتے اور ''طمس'' کا معنی ہے: آنکھ کے خول کو مٹا دینا' یہاں تک کہ برابر ہو جائے اور نشان باقی نہ رہے ﴿ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ ﴾ سو وہ راستے کی طرف بڑھنا چاہتے [حرف جار محذوف ہے اور براہِ راست فعل متعدی ہے' اصل میں ''فاستبقوا الی الصراط'' تھا] ﴿ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴾ تو اب وہ کیسے دیکھتے حالانکہ ہم نے ان کی آنکھیں تو مٹا دی ہیں [''انّٰی'' بہ معنی ''کیف'' ہے]۔

۶۷- ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی شکلیں بدل دیتے کہ انہیں بندر اور خنزیر بنا دیتے یا انہیں پتھر بنا دیتے ﴿ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ ﴾ ان کے گھر میں [ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''علی مکاناتھم'' (جمع) ہے اور ''مکانۃ'' اور ''مکان'' ایک ہی ہے جیسے ''مقامۃ'' اور ''مقام'' ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم انہیں ان کے گھروں میں مسخ کر دیتے یہاں تک کہ وہ گناہ کی جراءت نہ کرتے] ﴿ فَمَا اسْتَطَاعُوْا ﴾ سو وہ نہ جا سکتے یعنی وہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر یا یہ کہ ﴿ مُضِيًّا ﴾ وہ نہ آگے جا سکتے ﴿ وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔

---

[1] رواہ مسلم فی کتاب الزہد رقم الحدیث: ۱۷' نیز ۲۹۶۹' النسائی فی الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۶۵۳

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۰

اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں' اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں' تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے O اور ہم نے اپنے رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے' وہ تو نہیں ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآن O تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر عذاب کی بات ثابت ہو جائے O

## عمر کی درازی سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال

۶۸- ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ﴾ اور ہم جس کو زیادہ بڑی عمر دیتے ہیں تو ہم اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں۔ ''تنکیس'' اور ''نکس'' دونوں کا معنی ہے: کسی چیز کو پلٹ کر الٹ کر دینا کہ چیز کے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر ہو جائے یعنی ہم جس آدمی کو زیادہ لمبی عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو ہم الٹ کر دیتے ہیں' چنانچہ وہ آدمی طاقت ور ہونے کی بجائے ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے اور وہ جوان رہنے کی بجائے بوڑھا ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ بے شک ہم نے انسان کو کمزور جسم کے ساتھ اور عقل و خرد اور علم سے خالی پیدا کیا' پھر ہم نے اسے بڑھانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوت کو پہنچ کر مکمل جوان ہو گیا اور اس کی قوت و طاقت مکمل ہو گئی اور وہ پورا عقل مند ہو گیا اور اس نے وہ سب کچھ جان لیا جو اس کے لیے فائدہ مند ہے اور جو چیزیں اس کے لیے نقصان دِہ ہیں' پھر جب وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے ﴿فِي الْخَلْقِ﴾ پیدائش میں الٹ کر دیا (یعنی) پھر ہم نے اسے گھٹانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنی جسمانی کمزوری اور اپنی عقل کی کمی اور علم سے خالی ہونے میں ایسی حالت کی طرف لوٹ گیا جو بالکل بچے کی حالت کے مشابہ ہوتی ہے جس طرح تیر کو الٹ کیا جاتا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ اس کے نیچے کر دیا جاتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا'' (النحل: ۷۰) ''اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ وہ جاننے کے بعد نہ جانے''[''نـنکسه'' میں امام عاصم کوفی اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت کے مطابق پہلا نون مضموم دوسرا مفتوح اور کاف مکسور مشدد ہے (یعنی باب تفعیل سے ہے) اور باقی قراء کے نزدیک پہلا نون مفتوح دوسرا ساکن اور کاف مضموم مخفف (باب نصر ینصر) ہے] ﴿اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ﴾ تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے' بے شک جو ذاتِ اقدس انہیں جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور قوت سے کمزوری کی طرف اور کامل عقل سے قلتِ عقل کی طرف اور تمیز و پہچان کی کمی کی طرف پلٹنے پر قادر ہے وہ ان کی آنکھیں مٹانے پر اور ان کو ان کے گھروں میں مسخ کرنے پر اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے [نافع مدنی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'' ہے]۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر نہ کہنے کی حکمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

۶۹- اور کفار رسول اللہ ﷺ کو شاعر کہا کرتے تھے (اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے) ان کے ردّ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ﴾ اور ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا یعنی ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو شعراء کے کلام کی طرح شعر کہنا نہیں سکھایا[1] یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم شعر میں نہیں سکھائی' جس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعر موزون اور مقفّٰی کلام ہوتا ہے جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہے' سو قرآن مجید میں بھلا وزن اور قافیہ کہاں؟ پس اگر تحقیق کی جائے تو قرآن مجید کے درمیان اور شعر میں کوئی مناسبت نہیں ہے ﴿وَمَا يَنۢبَغِىْ لَهٗ﴾ اور نہ وہ آپ کی شان کے لائق ہے (یعنی) شعر کہنا آپ کے لیے درست نہیں اور نہ آپ کے حال (منصب نبوت) کے لائق ہے اور اگر آپ شعر کہنا بھی چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے یعنی ہم نے آپ کو ایسا عظیم الشان نبی و رسول بنایا ہے کہ اگر آپ شعر کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے اور آپ اسے آسانی سے نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہم نے آپ کو اُمّی بنایا کہ آپ مہارت کے ساتھ لکھ نہیں سکتے تھے تا کہ آپ کا اُمّی ہونا (آپ کی نبوت کے لیے) مثبت و مستحکم حجت ہو جائے اور شک وشبہ بالکل ختم ہو جائے اور لیکن آپ کا یہ کلام

اَنَـا الـنَّـبِـىُّ لَا كَـذِبْ     اَنَـا ابْـنُ عَـبْـدِ الْـمُطَّلِبْ
هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ     وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ[1]

''میں نبی ہوں جھوٹ نہیں' میں جناب عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں'
تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے' اور تو نے یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں پائی ہے''۔

سو یہ آپ کا محض وہ کلام ہے جو آپ نے سلیقے کے مطابق بغیر کسی بناوٹ اور بغیر کسی تکلف کے موزون بیان فرما دیا لیکن اتفاق سے بغیر قصد اور بغیر ارادہ یہ کلامِ وزن اور قافیہ کے مطابق جاری ہو گیا' آپ نے موزون کلام کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی جیسا کہ لوگوں کے خطبات' رسائل اور ان کے محاوروں میں اتفاقیہ موزون اشیاء ہوتی ہیں اور ان کو کوئی شخص شعر نہیں کہتا کیونکہ ایسا کلام کہنے والا وزن کا قصد نہیں کرتا جب کہ شعر میں وزن اور قافیہ کا قصد ضروری ہے' علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''لقیت'' کو سکون کے ساتھ اور ''کذب'' کی ''با'' کو مفتوح اور ''المطلب'' کی ''با'' کو مکسور پڑھا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شعر کی جنس سے ہونے کی نفی کر دی تو ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ وہ تو نہیں یعنی جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآن یعنی یہ تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت' جس کے ذریعہ انسانوں اور جنوں کو نصیحت کی جاتی ہے اور یہ تو نہیں مگر قرآن' آسمانی کتاب ہے جو محرابوں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی عبادت گاہوں میں تلاوت کی جاتی ہے اور اس کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت سے دین و دنیا کی کامیابی حاصل کی جاتی ہے' پھر بھلا اس عظیم الشان قرآن مجید کے درمیان اور اس شعر کے درمیان کتنا بڑا اور واضح فرق ہے جو شیطان کے وسوسوں سے تیار کیا جاتا ہے۔

---

[1] معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا (یہ مطلب نہیں کہ آپ مبنی بر حقیقت اچھا موزون ومقفّٰی کلام بالکل نہیں کہہ سکتے) یا یہ کہ قرآن کی تعلیم شعر نہیں اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے خواہ موزون ہو یا غیر موزوں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علومِ اوّلین و آخرین تعلیم فرمائے گئے جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کی معلومات واقعی اور نفس الامری (حقیقت پر مبنی) ہیں' کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے' وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامنِ تقدس اس سے پاک ہے' اس میں شعر بہ معنی موزوں کلام کے جاننے اور اس کے صحیح وسقیم اور جیّد وردّی کو پہچاننے کی نفی نہیں اور نبی کریم ﷺ کے علم میں طعن کرنے والوں کے لیے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علومِ کائنات عطا فرمائے' اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۵۴۴' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

۷۰- ﴿لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا﴾ تا کہ وہ قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کو ڈرسنائیں جو زندہ ہے (یعنی) عقل مند غور وفکر سے کام لینے والا ہے کیونکہ غافل آدمی مردہ آدمی کی طرح ہے یا یہ کہ جس شخص کا دل زندہ ہے ﴿وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ﴾ اور بات ثابت ہو چکی ہے (یعنی) اور عذاب کی بات ثابت اور واجب ہو چکی ہے ﴿عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں پر جو غور وفکر نہیں کرتے اور وہ مردوں کے حکم میں ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾
وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا
یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ وقف لازم

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جن چیزوں کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے' سو وہ ان کے مالک ہیںO اور ہم نے ان جانوروں کو ان کا فرماں بردار بنا دیا' سو ان میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیںO اور ان کے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں اور پینے کی لذیذ چیزیں ہیں' تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتےO اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے ہیں شاید ان کی مدد کی جائےO وہ تو ان کی مدد نہیں کر سکتے' اور وہ تو ان کے ایسے لشکر ہیں جنہیں (ان کے خلاف) حاضر کیا جائے گاO سو ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کر دیں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ اعلانیہ کرتے ہیںO

## انعامات پر شکر کرنے کی ترغیب اور بت پرستی کی مذمت

۷۱- ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے ان کے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں سے جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا یعنی یہ چوپائے اس مخلوق میں سے ہیں جس کی پیدائش بلاشرکت غیرے ہم نے خود کی ہے اور ہمارے علاوہ اس کی پیدائش پر بذاتِ خود کوئی قادر نہیں ہے ﴿فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ پس اب وہ ان کے مالک بن گئے ہیں یعنی یہ چوپائے ہم نے انہیں کی خاطر پیدا کیے ہیں' پھر ہم نے انہیں کو ان کا مالک بنا دیا ہے' سو اب وہ ان میں اس طرح اپنا تصرف و اختیار استعمال کرتے ہیں جس طرح مالک تصرف کرتا ہے' وہی ان سے نفع اٹھانے کے لیے مخصوص ہیں یا یہ کہ وہی ان پر قابض و غالب ہیں۔

۷۲- ﴿وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا ہے ورنہ ان پر کون غالب آ سکتا تھا' اگر اللہ تعالیٰ ان کو تابع نہ بناتا اور ان کو مسخر نہ کرتا اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سوار ہونے والوں پر لازم اور واجب کر دیا کہ وہ اس نعمت پر شکر ادا کریں اور تسبیح و پاکی بیان کریں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَO'' (الزخرف:۱۳) ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے فرماں بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھےO'' ﴿فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ﴾ سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور یہ وہ چوپائے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے (جیسے اونٹ' گھوڑے' خچر اور گدھے وغیرہ) ﴿وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان

میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں (جیسے اونٹ، بھینسیں، گائیں، بکریاں اور بھیڑیں وغیرہ) یعنی ہم نے چوپایوں کو فرماں بردار بنا دیا تا کہ وہ لوگ سواری کے قابل جانوروں کی پشتوں پر سوار ہوں اور وہ حلال جانوروں کا گوشت کھائیں۔

۷۳- ﴿ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ﴾ اور ان کے لیے ان جانوروں میں بہت سے فائدے ہیں جیسے چمڑے، اون اور گوبر وغیرہ ﴿ وَمَشَارِبُ ﴾ اور پینے کی چیزیں، اس سے دودھ مراد ہے اور یہ ''مشرب'' کی جمع اور یہ پینے کی جگہ ہے یا پینا مراد ہے ﴿ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ تو کیا وہ لوگ ان چوپایوں کے انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

۷۴- ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے تا کہ ان کی مدد کی جائے یعنی شاید ان کے بت اس وقت ان کی مدد کر سکیں جب انہیں کوئی مشکل پیش آ جائے۔

۷۵- ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ﴾ وہ ان کی مدد نہیں کر سکیں گے یعنی ان کے معبود اپنی عبادت کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ﴿ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴾ اور وہ ان کے ایسے لشکر ہیں جنہیں حاضر کیا جائے گا یعنی کفار بتوں کے معاون و مددگار ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کفار نے بتوں کو اس لیے معبود بنا لیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی مدد کریں اور ان کے لیے سفارش کریں حالانکہ انہوں نے جو کچھ سوچ رکھا ہے معاملہ اس کے خلاف ہوگا، کیونکہ قیامت کے دن ان بتوں کو لشکر کی صورت میں ان کے لیے تیار کیا جائے گا اور انہیں ان کے عذاب کے لیے حاضر کیا جائے گا، اس لیے ان کو جلانے کے لیے ان بتوں کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔

۷۶- ﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾ سو ان کی بات آپ کو غم زدہ نہ کرے یعنی ان کا آپ کو جھٹلانا اور ایذاء دینا اور ان کا ظلم و ستم کرنا، آپ کو غم زدہ نہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مضموم اور ''زا'' مکسور ''حزنه'' اور ''احزنه'' سے ماخوذ ہے] ﴿ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ ﴾ بے شک ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ اپنی عداوت و دشمنی کو چھپاتے ہیں ﴿ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور ہم یقیناً ان کو اس پر سزا دیں گے، سو آپ جیسی شخصیت کا حق یہ ہے کہ آپ اس وعید (دھمکی) پر تسلی رکھیں اور آپ اپنے دل میں آخرت کے دن اپنی صورتِ حال اور ان کی صورتِ حال پیش نظر رکھیں تا کہ اس کی وجہ سے غم و فکر دور ہو جائے اور آئندہ غم و رنج لاحق نہ ہو [اور جس کا یہ گمان ہے کہ جس شخص نے ''اِنَّا نَعْلَمُ'' میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کے معنی کو صحیح سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اس کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ اس کو لام تعلیل کے حذف پر محمول کرنا ممکن ہے (یعنی اصل میں ''لانا نعلم'' ہو) اور یہ قرآن مجید اور شعروں میں اکثر ہے بلکہ ہر کلام میں ہوتا ہے اور اسی بناء پر رسولِ خدا ﷺ کا یہ تلبیہ ہے: ''ان الحمد والنعمة لك''[1] امام ابوحنیفہ نے کسرہ اور امام شافعی نے فتحہ پڑھا ہے، رحمۃ اللہ علیہما اور دونوں دلیل پر مبنی ہیں، پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فتحہ کی صورت میں ''قولهم'' سے بدل ہوگا، گویا کہا گیا کہ آپ کو یہ بات غمگین نہ کرے کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ اس کا فساد ظاہر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی کسرہ میں بھی لازم آئے گا جب اسے ''قولهم'' کا مفعول قرار دیا جائے، پس ظاہر ہو گیا کہ ''حزن'' کا تعلق اور عدم تعلق اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کے ساتھ ''اِنَّ'' کے کسرہ اور فتحہ پر موقوف نہیں بلکہ وہ اس پر موقوف ہے کہ فتحہ کی حالت تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے، بدل کا معنی نہیں جیسا کہ کسرہ کی صورت میں تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے گا، مفعولیت کا نہیں بہرحال اس میں رسول اللہ ﷺ کو اس بناء پر غم سے منع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پوشیدہ اور علانیہ خباثتوں کو خوب جانتا ہے اور غم سے منع کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے آپ کو غم لاحق ہو چکا تھا، جیسا

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۵۴۹، مسلم رقم الحدیث: ۱۱۸۴

کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ''(القصص:۸۶)''سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیںO''۔
''وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ''(الانعام:۱۴)''اور آپ مشرکوں میں سے نہ ہو جائیںO''۔''وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا
اٰخَرَ''(القصص:۸۸)''اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے''۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ
نَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ
مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم
مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۰﴾

اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیاO اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال گھڑ لی اور اپنی پیدائش بھول گیا' اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ گل سڑ گئیںO فرما دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا' اور وہ ہر قسم کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہےO جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کی' سو تم اس میں سے اچانک آگ سلگاتے ہوO

## انسان کی پہلی تخلیق سے مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کرنے پر استدلال

شانِ نزول: اور یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ اُبیّ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب اس نے ایک بوسیدہ اور پرانی گلی سڑی ہڈی کو اٹھایا اور وہ اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ٹکڑے کرنے لگا اور کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بوسیدہ ہو جانے کے بعد زندہ کر لے گا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ تجھے بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔[1]

۷۷- ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ﴾ اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ (یعنی) مرد کے آلہ تناسل کے سوراخ سے نکلنے والے سفید پانی سے پیدا کیا ہے' وہ آلہ جو گندگی (پیشاب) کی نالی ہے ﴿فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ پس وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا' جس کا جھگڑا سب پر عیاں ہے یعنی پس وہ اب تک اپنی اصلی خساست اور اپنی ابتدائی پستی پر قائم ہے' وہ اپنے پروردگار سے جھگڑنے کے درپے رہتا ہے اور مردوں کی ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان کے زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے' پھر اس کا جھگڑنا اس کا لازمی وصف بن گیا اور یہ جھگڑا ہمہ اوقات اس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے حالانکہ وہ بے جان سے جاندار ہو کر پلا بڑھا اور اب وہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا انکار کرتا ہے اور یہ انتہائی سخت مجادلہ ہے۔

۷۸- ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا﴾ اور وہ بوسیدہ ہڈی کو توڑ کر ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے ﴿وَنَسِيَ خَلْقَهُ﴾ اور وہ منی سے اپنی تخلیق کو بھول گیا ہے حالانکہ یہ ہڈی کے زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے [''خلقه'' میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی ہمارا اس کو پیدا کرنا] ﴿قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ اس نے کہا کہ اس ہڈی کو کون زندہ کرے گا

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۴۶

حالانکہ وہ گل سڑ کر چورہ چورہ ہو چکی ہے [''رمیم'' گلی سڑی ہڈی کا اسم ہے صفت نہیں جیسے ''رمة'' اور ''رفات'' ہے پس یہی وجہ ہے کہ مؤنث نہیں آتا جب کہ یہ مؤنث کی خبر واقع ہو رہا ہے] اور جو لوگ ہڈی میں حیات کو ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ مردہ کی ہڈی ناپاک ہوتی ہے کیونکہ موت اس میں اثر کرتی ہے اور اس سے پہلے اس میں حیات داخل تھی' وہ اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں جب کہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ہڈی پاک ہوتی ہے اور اسی طرح مردہ کے بال اور پٹھے پاک ہوتے ہیں' اس لیے کہ ان میں زندگی نہیں ہوتی' پس موت ان میں کوئی اثر نہیں کرتی اور اس آیت مبارکہ میں ہڈی کے زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی پہلی حالت میں واپس لے آئے گا' جس طرح پہلے حساس و زندہ شخص میں لیس دار اور رطوبت دار تھی۔

۷۹- ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جس نے ابتداء میں پیدا کیا تھا' وہی دوبارہ پیدا کرے گا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے' اس سے کسی مخلوق کے اجزاء پوشیدہ نہیں ہیں اگرچہ وہ دریا میں یا خشک صحرا میں بکھیر دیئے جائیں' سو اللہ تعالیٰ ان کو ہر جگہ سے جمع کرلے گا اور جیسے انسان پہلے تھا' ویسے اسے دوبارہ کر دے گا۔

۸۰- ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَآ أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو پیدا کیا' پس تم اچانک اس میں سے آگ روشن کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے عجائبات کا ذکر فرمایا جیسے سبز درخت سے آگ کو پیدا کرنا حالانکہ آگ پانی کے متضاد ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے' اور وہ چقماق ہے جس کے ساتھ عرب کے باشندے آگ جلاتے ہیں اور زیادہ تر مرخ اور عفار نامی درختوں سے آگ روشن کی جاتی ہے اور اہل عرب کی مثالوں میں سے ایک یہ مثال ہے کہ ''فی کل شجر نار'' ہر درخت میں آگ ہوتی ہے' جب کہ مشہور یہ ہے کہ مرخ اور عفار نامی درختوں سے آگ روشن ہوتی ہے کہ آدمی مسواک کے برابر دو شاخیں ان دونوں درختوں میں سے کاٹ لیتا ہے اور وہ دونوں شاخیں سبز اور ہری ہوتی ہیں' ان سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں' پھر مرخ جو کہ مذکر ہے' کی شاخ کو عفار جو کہ مؤنث ہے' کی شاخ پر رگڑا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آگ روشن ہو جاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہر درخت میں آگ ہوتی ہے' ماسوا ایک انگور کے درخت کے' محض اس مصلحت کی بناء پر کہ دھوبی کپڑے صاف کرنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں' سو جو ذات پانی اور آگ کو درخت میں جمع کرنے پر قادر ہے' وہ انسان میں موت و حیات کو باری باری لانے پر بھی قادر ہے اور دو متضاد چیزوں میں سے کسی ایک کو کسی دوسری پر باری باری لانا عقل کے نزدیک زیادہ آسان ہے' دو متضاد چیزوں کو بغیر ترتیب اکٹھے جمع کرنے سے اور ''الشجر'' لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے اور معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے' اس لیے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں اس کی صفت ''الاخضر'' لائی گئی ہے اور معنی کے اعتبار کر کے اس کو ''الخضرآء'' بھی پڑھا گیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے باوجودیکہ یہ دونوں عظیم ترین وجود رکھنے والی مخلوق ہے تو وہ انسانوں کے پیدا کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُولَ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

وقف غفران
ع ۵

اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان کی (پیدائش کی) طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں' کیوں نہیں! اور وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہےO بے شک اس کی شان تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہےO سو پاک ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

۸۱- ﴿ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' وہ آسمانوں اور زمین کی بہ نسبت ان کی طرح چھوٹی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں' یا ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں' کیونکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی طرح ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے ﴿ بَلٰی ﴾ یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیوں نہیں! وہ تو اس پر قادر ہے ﴿ وَهُوَ الْخَلّٰقُ ﴾ اور وہ بہت سی مخلوق پیدا کرنے والا ہے ﴿ الْعَلِیْمُ ﴾ بہت سی معلومات رکھنے والا ہے۔

۸۲- ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗ ﴾ بے شک اس کا کام صرف یہ ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ ﴿ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے' پس وہ پیدا ہو جاتی ہے یعنی پس وہ ہونے والی چیز ہر حال میں موجود ہو جاتی ہے' سو خلاصہ یہ ہے کہ تمام مکوّنات اس کی تخلیق اور اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی ایجاد کو لفظ ''کُـــنْ'' سے تعبیر کیا' جس میں کاف اور نون کے بغیر کوئی اور لفظ نہیں' یہ صرف ایجاد کی جلدی کے لیے بیان کیا' گویا فرمایا کہ جس طرح تم پر ''کُـنْ'' کہنا بھاری نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ پر پہلی بار پیدا کرنا اور انہیں دوبارہ پیدا کرنا بھی کوئی بھاری اور مشکل نہیں [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فیکون'' کو ''یقول لہ'' پر معطوف کر کے اس کے آخر کو منصوب پڑھا گیا ہے لیکن رہا رفع تو اس صورت میں یہ جملہ مبتدا خبر ہے کیونکہ اس کی اصل ''فھو یکون'' ہے اور یہ اپنی مثل پر معطوف ہے اور وہ ''امرہ ان یقول لہ کن'' ہے]۔

۸۳- ﴿ فَسُبْحٰنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان تمام سے پاک ہے جن کو مشرکین اس کے متعلق بیان کرتے ہیں اور لفظ ''سبحان'' کے ذریعے مشرکین کی ان بکواسات پر تعجب کا اظہار ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیں ﴿ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے ''ای ملك كل شیء'' یعنی ہر چیز کی بادشاہی (''ملك'' مصدر ہے' اس کے آخر میں) مبالغہ کے لیے واؤ اور ''تا'' کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی وہ ہر چیز کا مالک و مختار ہے ﴿ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور تم سب مرنے کے بعد بغیر کسی فرار اور بچاؤ کے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تَرْجِعُوْنَ'' ہے]۔

## سورۂ یٰسٓ کے فضائل

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَّاِنَّ قَلْبَ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ''۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۷) ''بے شک ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور بے شک قرآن مجید کا دل سورۂ یٰسٓ ہے''۔

(۲) جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ سے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی' اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کو اس قدر اجر و ثواب عطا فرمائے گا' گویا اس نے بائیس (۲۲) مرتبہ قرآن مجید کو پڑھ لیا ہے۔

(۳) جو شخص اپنی کسی حاجت کو پیش نظر رکھ کر سورۂ یٰسٓ تلاوت کرے گا' اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے گی۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سورتِ یٰسین کی تلاوت کرے گا اگر وہ بھوکا ہے تو اللہ تعالیٰ کھانا عطا فرما کر اس کا پیٹ بھر دے گا اور اگر وہ پیاسا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے پانی سے سیراب کر دے گا اور اگر وہ لباس کا ضرورت مند ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لباس عطا فرمائے گا اور اگر وہ کسی وجہ سے خوف زدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو امن عطا فرمائے گا اور اگر وہ پریشان ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور فرما دے گا اور اگر وہ گھبرایا ہوا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اطمینان وسکون عطا فرمائے گا اور اگر وہ فقیر ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور اگر وہ قید میں ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو رہائی عطا فرمائے گا اور اگر گرفتار شدہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے خلاصی اور نجات عطا فرمائے گا اور اگر وہ گمراہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے گا اور اگر وہ مقروض ہوا تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں میں سے اس کا قرض ادا فرما دے گا اور اس سورت کو ''دافعۃ'' اور ''قاضیۃ'' کہا جاتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہر برائی اور بیماری دور ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت (۳۷) — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ — رکوعاتہا ۵ ، آیاتہا ۱۸۲

سورۃ الصّفت مکی ہے     اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○     اس کی ایک سو بیاسی آیات، پانچ رکوع ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰـہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِۣ الۡکَوَاکِبِ ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَیُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوۡرًا وَّلَہُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَۃَ فَاَتۡبَعَہٗ شِہَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

قسم ہے قطار میں ہو کر صف باندھنے والوں کی○ پھر خوب جھڑ کنے والوں کی○ پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی○ بے شک تمہارا برحق معبود ایک ہی ہے○ وہی آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے اور تمام مشرقوں کا مالک ہے○ بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا○ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا○ وہ عالم بالا کی طرف کان لگا کر نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے مارا جاتا ہے○ بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○ مگر جو شیطان کوئی بات اچک کر لے چلا تو بھڑکتا ہوا تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے○

## صفاتِ الٰہیہ سے اس کی توحید پر استدلال

سورتِ والصافات مکی ہے اور اس کی آیات ایک سو اکیاسی یا ایک سو بیاسی ہیں۔

۱۔ ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ قسم ہے قطار در قطار صف باندھنے والوں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے چند گروہوں کی یا پھر خود ان کی ذوات کی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ''الصافات'' سے نماز میں آکر صفیں باندھنے والے مراد ہیں۔

۲۔ ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا﴾ پھر بہت جھڑ کنے والوں کی قسم۔ ''زاجرات'' سے بادلوں کو چلانے والے فرشتے مراد ہیں اور الہام کے ذریعے گناہوں سے روکنے والے مراد ہیں۔

۳- ﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴾ پھر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی قسم۔ ''فالتالیات'' سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں وغیرہ میں سے کلام اللہ کی تلاوت کرنے والے مراد ہیں اور یہ حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے یا پھر شریعت اسلامی پر بہت عمل کرنے والے علمائے دین کی ذوات کی قسمیں بیان فرمائی گئیں ہیں' چنانچہ ''الصافات'' سے ان حضرات کا نمازِ تہجد اور دیگر پنجگانہ نمازوں کے لیے آنا مراد ہے' ''فالزاجرات'' سے مواعظ و نصائح کے ذریعے جھڑکنا مراد ہے اور ''فالتالیات'' سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت و تعلیم اور اس کے احکام کا درس دینا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جو میدانِ جہاد میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں اور سواری کے گھوڑوں کو جہاد کی خاطر تیز دوڑانے کے لیے جھڑکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی اور قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھتے ہیں [''صَفًّا'' تاکیدی مصدر ہے اور اسی طرح ''زجرًا'' ہے اور حرف ''فَا'' فضیلت و برتری میں صفات کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے' پس فضیلت کو پہلے صفیں باندھنے والوں' پھر جھڑکنے والوں' پھر تلاوت کرنے والوں کے لیے مقید کیا گیا یا پھر اس کا برعکس بھی مراد ہو سکتا ہے]۔

٤- ﴿ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴾ بے شک تمہارا معبودِ برحق ایک ہی ہے' یہ قسم کا جواب ہے' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کفارِ مکہ کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ''اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝'' (ص:۵) ''کیا اس (رسولِ اکرم) نے تمام معبودوں کو ایک معبود قرار دیا ہے' بے شک یہ بات بہت عجیب ہے ۝''۔

۵- ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ﴾ وہی تمام آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے [یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے ''ای ھو رب السموت والارض'' یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے] ﴿ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴾ اور مشرقوں کا مالک ہے یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہیں اور وہ تین سو ساٹھ جگہیں ہیں اور اسی طرح سورج کے غروب ہونے کی جگہیں بھی تین سو ساٹھ ہیں' سورج ہر روز ان میں سے ایک مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورج دو دن میں ایک جگہ سے نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے اور لیکن رہا ''رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ۝'' (الرحمٰن:۱۷) دو مشرقوں کا مالک ہے اور دو مغربوں کا مالک ہے' تو اس سے موسمِ گرما اور موسمِ سرما کے دو مشرق اور ان کے دو مغرب مراد ہیں اور لیکن رہا ''رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ'' (المزمل:۹) تو اس سے جہت اور سمت مراد ہے کیونکہ مشرق بھی ایک سمت ہے اور مغرب بھی ایک سمت ہے۔

٦- ﴿ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا ﴾ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو مزین و آراستہ کیا جو تمہارے نزدیک ہے ''دنیا''، ''ادنیٰ'' کی تانیث ہے بہ معنی قریب ﴿ بِزِیْنَةِ ﹰالْكَوَاكِبِ ﴾ ستاروں کی زینت کے ساتھ [امام حفص اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''الکواکب''، ''زینۃ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا یعنی ستاروں کی زینت کے ساتھ اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''زینۃ'' کے محل سے بدل بنا کر مفعول ہونے کی بناء پر ''الکواکب'' کو منصوب پڑھا گیا ہے یا ''اعنی'' مضمر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا مصدر منوّن مفعول میں عمل کر رہا ہے اور ان کے علاوہ نے مصدر کو فاعل کی طرف مضاف مانا یعنی آسمانِ دنیا کو ستاروں نے آراستہ کیا ہے اور اس کی اصل ''بِزِیْنَةِ الکواکبُ'' ہے یا اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو حسین و جمیل بنایا ہے کیونکہ آسمانِ دنیا کو خود ستاروں کے حسن و جمال کی وجہ سے آراستہ کیا گیا ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں اس کی اصل ''بِزِیْنَةٍ الْكَوَاكِبَ'' ہے]۔

۷۔ ﴿وَحِفْظًا﴾ اور محفوظ رکھنے کے لیے [یہ "زینۃ" کے معنی یعنی محل پر محمول معطوف ہے] اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ستاروں کو آسمان کی زینت اور شیطانوں سے حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِيْنِ" (الملک:۵) "اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں کے ساتھ مزین و آراستہ کیا اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مار بھگانے والا بنایا ہے" [یا فعل معلل مقدر ہے گویا فرمایا گیا ہے: "وحفظا من كل شيطان زيّناها بالكواكب" ہر شیطان سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کو ہم نے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا' یا اس کا معنی یہ ہے کہ "حفظناها حفظا" ہم نے اس کو خوب محفوظ بنایا ہے] ﴿مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ﴾ ہر سرکش (یعنی) اطاعت سے خارج شیطان سے۔

۸۔ ﴿لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾ وہ عالمِ بالا کا کلام نہیں سن سکتے یعنی فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کو "ملأ اعلٰی" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں رہتے ہیں اور انسانوں اور جنوں کو "ملأ اسفل" (عالم زیریں) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زمین کے رہنے والے ہیں ["لَا يَسَّمَّعُوْنَ" میں "هم" ضمیر (كل شيطان) کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ شیاطین کے معنی میں ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفی قراء کے نزدیک "يَسَّمَّعُوْنَ" میں سین اور میم مشدد مفتوح ہیں' اس کی اصل "يَتَسَمَّعُوْنَ" ہے اور "تَسَمَّعْ" کا معنی ہے: سماعت کو طلب کرنا یا سماعت کو چاہنا' جیسے کہا جاتا ہے: "تَسَمَّعَ فَسَمِعَ" فلاں شخص نے سننا چاہا تو اس نے سن لیا اور مناسب تو یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ کے طور پر الگ کلام شروع کیا گیا ہوتا کہ شیاطین کا چوری چھپے کلام سننے کا حال بیان کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ بے شک وہ فرشتوں کے کلام سننے پر قدرت نہیں رکھتے' یا "يتسمعوا" ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی اصل "لئلا يسمعوا" ہے' پھر لام کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ "جِئْتُكَ اَنْ تُكْرِمَنِيْ" میں لام کو حذف کیا گیا ہے (کہ اصل میں "لِاَنْ تُكْرِمَنِيْ" ہے) پس اب "ان لا يسمعوا" باقی رہ گیا' پھر "اَنْ" کو بھی حذف کر دیا گیا اور اس کے عمل کو چھوڑ دیا گیا' جیسا کہ اس قول میں ہے کہ "اَلَا اَيُّهٰذَا الزَّاجِرِيْ اَحْضُرُ الْوَغٰى" اور اس میں "تعسف" ہے' اس لیے اس جیسی عبارت سے قرآن مجید کو محفوظ رکھنا واجب ہے کیونکہ ان دونوں حرفوں میں سے ہر ایک حرف کو الگ رد نہیں کیا جاتا لیکن ان دونوں کا اجتماع غیر مانوس ہے اور "سمعتُ فلانا يتحدث" اور "سمعتُ اليه يتحدث" کے درمیان اور "سمعتُ حديثه" اور "سمعتُ الى حديثه" کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو فعل براہِ راست متعدی ہوتا ہے وہ صرف سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے اور جو فعل "اِلٰى" کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے وہ کان لگا کر سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے] ﴿وَيُقْذَفُوْنَ﴾ اور ان پر تیز شعلہ پھینکا جاتا ہے ﴿مِنْ كُلِّ جَانِبٍ﴾ آسمان کی تمام اطراف سے جس طرف سے بھی وہ کلام ملائکہ چوری کرنے اوپر چڑھتے ہیں۔

۹۔ ﴿دُحُوْرًا﴾ بھگانے کے لیے' [یہ مفعول لہ ہے] یعنی شیطانوں کو آسمان کی طرف اوپر جانے سے روکنے اور بھگانے کے لیے انگارے پھینکے جاتے ہیں۔ "دحور" کا معنی بھگانا اور دفع کرنا ہے' یا پھر حال کی بناء پر "مدحورین" ہے یا اس لیے کہ "قذف" اور "طرد" قریب المعنی ہیں سو گویا فرمایا گیا کہ انہیں انگارے پھینک کر بھگایا جاتا ہے ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ﴾ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے' "واصب" بہ معنی دائم ہے اور "وصوب" سے ماخوذ ہے' یعنی بے شک دنیا میں ان پر انگارے اور شعلے پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

۱۰۔ ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ مگر جو شیطان اچک لے جائے [اس میں "مَنْ" "لا يسمعون" کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] یعنی شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سکتے مگر کوئی ایک شیطان جو اچانک چوری چھپے کچھ نہ کچھ

بات اچک لے یعنی چھین لے' مطلب یہ کہ شیطان ان کے کلام میں سے کوئی چیز جلدی سے اچانک چھین لے ﴿فَاَتْبَعَهٗ
شِهَابٌ﴾ پس فوراً اس کا تیز شعلہ پیچھا کرتا ہے یعنی پھینکا ہوا ستارہ ﴿ثَاقِبٌ﴾ چمکتا ہوا' روشن۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ
عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ
الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲۱ ۵

سو آپ ان (کافروں) سے پوچھئے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مضبوط و دشوار ہے یا ان (دوسری بڑی چیزوں) کی جن کو ہم نے پیدا کیا ہے' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○ بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ○ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے ○ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے ○ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو (بھی اٹھایا جائے گا) ○ فرمایئے: ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے ○ سو یقیناً وہ صرف ایک زور دار جھڑک ہو گی' پس وہ اچانک دیکھنے لگیں گے ○ اور کہیں گے: ہائے ہماری بربادی! یہ تو سزا کا دن ہے ○ یہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ○

## کفارِ مکہ کے احمقانہ روّیوں کا بیان

۱۱- ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ سو آپ ان سے سوال کیجئے (یعنی) سو آپ کفارِ مکہ سے یہ بات پوچھئے کہ ﴿اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا ان کی تخلیق زیادہ سخت ہے یعنی کیا وہ اپنی تخلیق و پیدائش میں زیادہ مضبوط و قوی ہیں' یہ ان (اہل عرب) کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "شدید الخلق وفی خلقه شدّة" فلاں کی تخلیق مضبوط اور قوی ہے اور اس کی تخلیق میں قوت و مضبوطی ہے' یا یہ معنی ہے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار و سخت ہے' اس معنی کی بناء پر کہ اس آیت مبارکہ میں قیامت اور حشر و نشر کے انکار کرنے پر کفارِ مکہ کا ردّ کیا گیا ہے اور بے شک جس ذاتِ اقدس پر اتنی بڑی مخلوقات (ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں) کی تخلیق و پیدائش آسان ہے اور اس پر ان کا ایجاد و اختراع کرنا مشکل و دشوار نہیں ہے تو اس پر انسان کی تخلیق و پیدائش بہت ہی آسان ہے ﴿اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ﴾ یا ان کے علاوہ وہ مخلوقات زیادہ قوی اور مضبوط ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ اس سے وہ مخلوقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے یعنی فرشتے' ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان دونوں کے درمیان (سورج' چاند' ستارے' سمندر' دریا' پہاڑ' بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا درخت' ہاتھی وغیرہ) [اور کلمہ "مَنْ" عقلاء کی غیر عقلاء پر تغلیب کی وجہ سے لایا گیا ہے اور اس پر اس کی قراءت دلالت کرتی ہے' جس نے "ام من عددنا" تشدید اور تخفیف

دونوں کے ساتھ پڑھا ہے ] ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴾ بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔ "لازب"
بہ معنی "لاصق" "چپکنے والی یا بہ معنی لازم چمٹنے والی جدا نہ ہونے والی ہے اور ایک قراءت میں "من طین لازم" بھی پڑھا گیا
ہے اور یہ آیت مبارکہ انسان کے کمزور مخلوق ہونے پر شہادت و گواہی ہے کیونکہ جو چیز مٹی سے بنائی جائے گی وہ جسمانی
صلابت و مضبوطی کے ساتھ متصف نہیں ہو گی یا یہ ان پر حجت و دلیل ہے کہ جو لیس دار مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں وہ مٹی ہی
( کی طرح کمزور ) ہیں تو بھلا وہ ان ہی کی طرح مٹی سے دوبارہ پیدا کیے جانے سے کیونکر انکار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے کہا:
" ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ " (الرعد:۵) " کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم دوبارہ ایک نئی پیدائش
میں ظاہر ہوں گے" اور یہ معنی اس کی تائید و توثیق کرتا ہے جس کی پہلے تلاوت کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار
کرتے ہیں۔

۱۲ - ﴿ بَلْ عَجِبْتَ ﴾ بلکہ آپ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا
(لیکن) ﴿ وَيَسْخَرُوْنَ ﴾ اور وہ تو آپ کا اور آپ کے تعجب کا مذاق اڑاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ تو مرنے کے بعد اٹھنے پر
ان کے انکار کی وجہ سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے معاملے کا مذاق اڑاتے ہیں [حمزہ کوفی
اور علی کسائی کی قراءت میں "تا" مضموم (فعل واحد متکلم) ہے یعنی بلکہ میں نے ان کے انکارِ بعثت کا انکار کر دیا اور تعجب اس
ڈر یا گھبراہٹ کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کو بہت بڑا خیال کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے
حق میں خوف و ڈر اور گھبراہٹ کے معنی کو خالی کرنا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر خوف و ڈر جائز نہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فرما دیجئے کہ میں نے تعجب کیا ]۔

۱۳ - ﴿ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴾ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے (یعنی) ان کی
عادت اور ان کا طریقہ یہی ہے کہ بے شک جب انہیں کسی چیز کی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں
کرتے۔

۱۴ - ﴿ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً ﴾ اور جب وہ لوگ ( کفارِ مکہ ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ اور اسی
طرح کا کوئی اور معجزہ تو ﴿ يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴾ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اس کا مذاق اڑانے کے لیے
بلاتے ہیں یا وہ مذاق اڑانے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔

۱۵ - ﴿ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اور انہوں نے معجزہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو (یعنی) یہ صاف ظاہر
ہے کہ یہ محض کھلا جادو ہے۔

۱۶ - ﴿ ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں
گے تو کیا ہم یقیناً ضرور اٹھائے جائیں گے یعنی کیا ہمیں اس وقت اٹھایا جائے گا جب ہم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہوں گے اور
اس میں شروع کا ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

۱۷ - ﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ اور کیا ہمارے پہلے آباء و اجداد کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا [ یہ "اِنَّ" اور
اس کے اسم کے محل پر معطوف ہے یا "لمبعوثون" میں ضمیر پر معطوف ہے ] اور معنی یہ ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا کو بھی
دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا کیونکہ یہ بہت بعید ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد تو بہت پہلے گزر چکے ہیں سو
ان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا عقل کے نزدیک بہت بعید اور باطل ہے [ نافع مدنی ' ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ

ساکن ہے یعنی کیا ہم میں سے کسی ایک کو دوبارہ اٹھایا جائے گا' یہ دراصل انکار میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے]۔

۱۸- ﴿قُلْ نَعَمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ جی ہاں! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا [علی کسائی کی قراءت میں نون مفتوح کے بجائے مکسور ہے اور دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ اور تم ذلیل ورسوا ہو گے۔

۱۹- ﴿فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ پھر بے شک وہ صرف ایک زوردار ڈانٹ اور جھڑک ہو گی [یہ مقدر شرط کا جواب ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِذَا کَانَ کذالك فما هی الّا زجرة واحدة'' یعنی جب معاملہ اسی طرح ہو گا تو پھر وہ نہیں ہو گی مگر ایک خطرناک چیخ اور جھڑک اور ''هــی'' کسی چیز کی طرف نہیں لوٹتی کیونکہ مبہم ضمیر ہے' اس کی وضاحت اس کی خبر کرتی ہے اور یہ جائز ہے کہ ''فانما البعثة زجرة واحدة'' ہو یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے لیے ایک چیخ دار جھڑک کافی ہو جائے گی اور وہ نفخۂ ثانی ہو گا اور ''زجـرة'' کا معنی چیخ مارنا ہے' چنانچہ جب چرواہا اونٹوں یا بکریوں کو چیخ کر جھڑکتا ہے تو اس وقت بولا جاتا ہے: ''زجر الراعی الابل او الغنم''] ﴿فَاِذَا هُمْ﴾ سو اچانک وہ زندہ ہو کر انکھیارے ہو جائیں گے ﴿یَنْظُرُوْنَ﴾ وہ اپنے بُرے اعمال کی طرف دیکھتے ہوں گے یا وہ اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب کا انتظار کرتے ہوں گے۔

۲۰- ﴿وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا﴾ اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری بربادی۔ ''ویـل'' وہ کلمہ ہے جسے ہلاکت وتباہی کے وقت کہنے والا کہتا ہے ﴿هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ یہ تو بدلے کا دن ہے یعنی آج وہ دن ہے جس میں ہمیں اعمال پر بدلہ دیا جائے گا یعنی ہمیں ہمارے اعمال پر سزا دی جائے گی۔

۲۱- ﴿هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ فیصلہ کا دن ہے (یعنی) یہ انصاف کا دن ہے اور ہدایت وگمراہی کے درمیان فرق کرنے کا دن ہے ﴿الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے' پھر اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ''هٰـذا یـوم الـدین'' سے ''احشروا'' تک ایک دوسرے کے ساتھ کفار کا کلام ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہو جو اس دن کفار کے ساتھ کریں گے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ''یا ویلنا هٰذا یوم الدین'' کفار کا کلام ہو اور ''هٰذا یوم الفصل'' کفار کو جواب دینے کے لیے فرشتوں کا کلام ہو۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾

الربع

(اے فرشتو!) تم ظالموں کو اور ان کے ہم مثل ساتھیوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے سب کو جمع کر لو○ اللہ تعالیٰ کے ماسوا' سو تم ان کو دوزخ کا راستہ دکھا دو○ اور تم ان کو روک لو بے شک ان سے سوال کیے جائیں گے○ تمہیں کیا ہو

گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے O بلکہ وہ سب آج گردنیں جھکائے فرماں بردار بن کر کھڑے ہوں گے O اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے بہکانے آتے تھے O وہ کہیں گے بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے O اور ہمارا تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش قوم تھے O

## روزِ محشر کے قیام اور مُسلم و کافر کے اعمال و انجام کا بیان

۲۲'۲۳- ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ تم ان لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ خطاب فرمائے گا کہ تم ظالموں یعنی کافروں کا اکٹھا کر لو ﴿ وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ اور ان کے ساتھیوں کو یعنی ان کے ہم مثل اور ان جیسے لوگوں کو بھی ان کے ساتھ جمع کر لو یا شیطانوں میں سے ان کے ساتھیوں کو یا ان کی کافرہ عورتوں کو ان کے ساتھ جمع کر لو [اس میں واؤ بہ معنی ''مَعَ'' ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کو ''ظلموا'' میں پوشیدہ ضمیر پر عطف کر کے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے یعنی بتوں کو بھی ان کے ساتھ اکٹھا کر لو ﴿ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴾ سو تم ان کو دوزخ کی راہ دکھا دو۔ اصمعی سے منقول ہے کہ دین میں رہنمائی کرنے کے لیے ''هُدًى'' استعمال ہوتا ہے اور راستہ کے معنی میں ''هداية'' استعمال ہوتا ہے۔

۲- ﴿ وَقِفُوْهُمْ ﴾ اور تم انہیں ٹھہراؤ یعنی اور تم ان کو روک لو ﴿ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴾ بے شک ان سے ان کے اقوال اور ان کے افعال کے بارے میں سوال کیے جائیں گے۔

۲۵- ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مدد نہیں کرتے یعنی تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے اور یہ دراصل ایک دوسرے کی مدد کرنے سے عاجز و بے بس ہونے پر انہیں ڈانٹنا ہو گا کیونکہ اس سے پہلے دنیا میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ابوجہل کے لیے جواب ہے کیونکہ اس نے غزوۂ بدر کے دن کہا تھا: ''نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ O'' (القمر: ۴۴) ''ہم سب مل کر بدلہ لیں گے O'' [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے'' ای ما لکم غیر متناصرین'' یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے]۔

۲٦- ﴿ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴾ بلکہ وہ آج سر تسلیم خم کیے ہوئے کھڑے ہوں گے (یعنی) مطیع و فرماں بردار ہوں گے یا بے شک وہ ایک دوسرے سے سر جھکا کر بات کریں گے اور ان کی یہ ذلت و خواری عاجزی اور بے بسی کی وجہ ہو گی' سو وہ سب کے سب عاجز و بے بس ہوں گے' کوئی مدد کرنے والا نہیں ہو گا۔

۲۷- ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے یعنی تابع اور متبوع اور پیروکار اور پیشوا' نیز عوام اور سردار ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) ﴿ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہوئے باہم جھگڑیں گے' چنانچہ

۲۸- ﴿ قَالُوْٓا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار عوام اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴾ بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے (یعنی) پوری قوت و غلبہ کے ساتھ تم ہمارے پاس آتے تھے کیونکہ ''یمین'' کو قوت کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ گرفت و پکڑ واقع ہوتی ہے یعنی بے شک تم ہمیں پوری قوت و غلبہ کے ساتھ گمراہی پر اُبھارتے اور اس پر راغب کرتے تھے اور تم گمراہی اختیار کرنے پر ہمیں مجبور کرتے تھے۔

۲۹- ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے یعنی کافروں کے سردار اور بڑے رئیس اپنے پیروکاروں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے: ﴿بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے یعنی بلکہ تم نے خود ایمان سے انکار کر دیا تھا اور تم نے قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود ایمان سے منہ پھیر لیا تھا اور تم نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کر لیا تھا' تمہیں کوئی مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

۳۰- ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور ہمیں تم پر کوئی تسلط و غلبہ حاصل نہیں تھا' جس کے ذریعے ہم تم سے تمہارا اختیار چھین لیتے اور ہم بہ زور تمہاری قوت و قدرت سلب کر لیتے ﴿بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ﴾ بلکہ تم سرکش قوم تھے (یعنی) بلکہ تم بغاوت و سرکشی اختیار کرنے والی قوم تھے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ أَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾

سو ہم پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو گئی ہے بے شک ہم ضرور چکھنے والے ہیں O سو ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا تھا بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے O سو بے شک وہ آج عذاب میں شریک ہوں گے O بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O بے شک یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے O اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں O (ایسا نہیں!) بلکہ وہ حق لے کر تشریف لائے اور رسولوں کی تصدیق و تائید کی O

۳۱- ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ﴾ سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت و لازم ہو گئی کہ ﴿إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ﴾ ہم یقیناً (عذاب الٰہی) چکھنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی وعید (دھمکی) ہم سب پر واجب و لازم ہو گئی کہ ہم ضرور لامحالہ اس کا عذاب چکھنے والے ہیں کیونکہ اسے ہمارے حال کا بہ خوبی علم ہے اور اگر وعید کو جیسے ہے ویسے حکایۃً بیان کیا جاتا تو پھر ارشاد ہوتا: ''إِنَّكُمْ لَذَآئِقُوْنَ'' بے شک تم عذاب الٰہی ضرور چکھنے والے ہو' لیکن مخاطب سے متکلم کی طرف عدول کیا گیا ہے' یہ محض اس لیے کہ وہ خود اپنے بارے میں اقرار کریں اور اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے: ''فَقَدْ زَعَمَتْ هَوَازِنُ قَلَّ مَالِيْ'' بے شک قبیلہ ہوازن نے یہ گمان کر لیا ہے کہ میرا مال کم ہو گیا ہے۔ اور اگر شاعر اس کا قول بیان کرتا تو یوں کہتا کہ ''قَلَّ مَالُكَ''۔

۳۲- ﴿فَأَغْوَيْنٰكُمْ﴾ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ ہم نے تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تھا ﴿إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ﴾ بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے' سو ہم نے تمہیں اس لیے گمراہ کرنا چاہا تھا تاکہ تم بھی ہماری طرح گمراہ ہو جاؤ۔

۳۳- ﴿فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ بے شک وہ سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے یعنی بے شک پیروی کرنے والے عوام اور جن سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ سب کے سب قیامت کے دن عذاب میں اس طرح شریک ہوں گے جس طرح وہ دنیا میں رہ کر گمراہی میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔

۳۴- ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴾ بے شک ہم مجرموں کے ساتھ یعنی مشرکوں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ یہاں "مجرمین" سے مشرکین مراد ہیں' مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس عجیب وغریب فعل کی مثل ہر مجرم کے ساتھ کرتے ہیں کہ جرائم وگناہوں کے رہبروں اور رہزنوں دونوں کو اکٹھے عذاب میں شریک کرتے ہیں۔

۳۵- ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ بے شک یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے ہیں (یعنی) بے شک یہ لوگ جب توحید کا کلمہ سنتے تھے تو اس سے تکبر کرتے تھے اور شرک کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔

۳۶- ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ وہ لوگ "شاعر مجنون" سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات مراد لیتے تھے [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ "أَئِنَّا" ہے]۔

۳۷- ﴿ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ ﴾ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس میں مشرکینِ مکہ کا رد کیا گیا ہے ﴿ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" (آل عمران:۳) "آپ اپنے سے پہلے رسولوں' نبیوں اور کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں"۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو ○ اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے ○ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کا رزق معلوم ہے ○ ہر قسم کے بہترین پھل ہوں گے اور وہ باعزت ہوں گے ○ نعمتوں والی جنت میں رہیں گے ○ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے ○

۳۸'۳۹- ﴿ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۚ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو ○ اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے' اس سے زیادہ نہیں۔

۴۰- ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ماسوا [کوفی اور نافع مدنی کی قراءت میں "مخلصین" میں لام مفتوح ہے اور اسی طرح جو اس کے بعد آئیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے۔ یہ استثناء منقطع ہے]۔

۴۱- ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ انہیں برگزیدہ بندوں کا رزق معلوم ہے۔

۴۲- ﴿ فَوَاكِهُ ۚ ﴾ بہترین ومزے دار پھل ہیں "رزق معلوم" کی تفسیر وتوضیح "فواکه" کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ ہر وہ پھل ہے جس کے ذریعہ لذت ومزہ حاصل کیا جائے اور صحت کی حفاظت کے لیے قوت حاصل نہ کی جائے گی کیونکہ ان کے اجسام ہمیشہ کے لیے مضبوط و مستحکم پیدا کیے جائیں گے' سو جنت میں جس قدر پھل کھائے جائیں گے وہ صرف لذت کے لیے کھائے جائیں گے' یہ بھی جائز ہے کہ "رزق معلوم" سے مخصوص رزق مراد ہو' جسے چند خصوصیات پر پیدا کیا گیا ہو جیسے ذائقہ' خوشبو اور لذت سب سے بہترین اور اچھی ہو' اور وہ سب سے زیادہ خوب صورت ہو' اور بعض علمائے تفسیر کا قول ہے کہ

اس سے وہ رزق مراد ہے جس کا وقت معلوم و معیّن ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا O'' (مریم:٦٢) ''اور ان کو بہشت میں ان کا رزق صبح و شام ملا کرے گاO'' اور نفس انسانی کو اس سے راحت و سکون ملے گا ﴿وَهُمْ مُّكْرَمُونَ﴾ اور انہیں بہشت میں بہت تعظیم و تکریم اور بڑی عزت کے ساتھ رکھا جائے گا۔

٤٣- ﴿فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ﴾ دائمی نعمتوں والی بہشتوں میں رہیں گے [یہ ظرف بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے اور ایک خبر کے بعد دوسری خبر بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح درج ذیل آیت میں ہو سکتا ہے:]

٤٤- ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے مسند نشین ہوں گے' ''تقابل'' کی صورت میں سرور و خوشی اور انس و محبت زیادہ کامل ہوتی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَّقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾

شراب کا جام چشمہ سے بھر کر ان پر پھرایا جائے گاO سفید شراب پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ ہوگیO نہ اس میں سر درد ہوگا اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گےO اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گیO گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیںO سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم سوال کریں گےO ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک میرا ایک ساتھی تھاO وہ کہتا تھا کہ کیا تو یقیناً تصدیق کرنے والوں میں سے ہےO کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں ضرور جزاء و سزا دی جائے گیO وہ کہے گا: کیا تم اسے جھانک کر دیکھو گےO

٤٥- ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ﴾ ان (جنتیوں) پر شراب کا بھرا ہوا جام گھمایا جائے گا۔ شیشے کے جس گلاس میں شراب پلائی جاتی ہے اسے ''كَأْسٌ'' کہا جاتا ہے اور خود شراب کو بھی ''كَأْسٌ'' کہا جاتا ہے اور امام اخفش سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ''كَأْسٌ'' آیا ہے' اس سے شراب مراد ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے [ابو عمرو کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے ''كَاسٌ'' ہے اور حمزہ کوفی کی قراءت میں وقف کی حالت میں بغیر ہمزہ کے ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ ''كَأْسٌ'' ہے] ﴿مِّنْ مَّعِينٍ﴾ چشمہ سے بہتی شراب یا بہتی نہر مراد ہے۔ ''معین'' وہ چشمہ جس سے پانی پھوٹ کر زمین کی ظاہری سطح پر بہنے لگتا ہے' جو دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے ظاہر و عیاں ہوتا ہے۔ شراب کو اسی چیز (چشمہ) کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جس کے ساتھ پانی کو متصف کیا جاتا ہے کیونکہ جنت میں شراب نہروں میں بہتی ہوگی' جیسا کہ دنیا میں پانی نہروں میں بہتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَأَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِينَ''

(محمد:۱۵)''اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ اور مزے دار ہوں گی''۔

۴۶۔ ﴿بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ سفید پینے والوں کے لیے لذیذ [''بیضاء''اور''لذة''''کاس'' کی صفات ہیں کہ جنت کی شراب دودھ کی طرح سفید اور پینے میں نہایت مزے دار ہوگی گویا وہ خود بعینہ لذت ومزہ ہے یا یہ کہ''ذَاتَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِيْنَ'' پینے والوں کے لیے خوب لذت والی ہے]۔

۴۷۔ ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ﴾ نہ اس میں دردِ سر ہوگا یعنی اس کے پینے سے عقل زائل نہیں ہوگی جیسا کہ دنیا کی شراب ہوتی ہے اور یہ''غاله ' يغوله ' غولا'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کو ہلاک اور ختم کر دیا جائے ﴿وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾ اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے۔''ینزفون'' بہ معنیٰ''یسکرون'' ہے یعنی دماغ پر نشے کا چڑھ جانا۔ یہ''نُزِف الشارب'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب شراب پینے کی وجہ سے ہوش وحواس اور عقل ختم ہو جائے (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے سے ہو جاتا ہے) اور''سکران'' کے لیے''نزیف''اور''منزوف'' بولا جاتا ہے [علی کسائی کوفی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں''يُنْزِفُوْنَ''(فعل مضارع معروف) ہے] یعنی جنتی حضرات جنتی شراب پینے سے بے ہوش نہیں ہوں گے یا ان کا شراب پینا کبھی ختم نہیں ہوگا' یہ''انزف الشارب'' سے ماخوذ ہے جب کسی کی عقل زائل ہو جائے یا جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔

۴۸۔ ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی حوریں ہوں گی' جو اپنی نگاہیں صرف شوہروں تک موقوف رکھیں گی اور وہ اپنی نگاہیں ان کے علاوہ غیروں کی طرف نہیں اٹھائیں گی ﴿عِيْنٌ﴾ بڑی آنکھوں والی۔ یہ''عیناء'' کی جمع ہے یعنی بڑی اور کشادہ آنکھوں والی۔

۴۹۔ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ گویا وہ پوشیدہ یعنی محفوظ انڈے ہیں' حوروں کو صفائی اور ستھرائی میں شتر مرغ کے انڈوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپا کر گرد وغبار سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل عرب بھی انہیں کے ساتھ عورتوں کو تشبیہ دیتے ہیں اور انہیں باپردہ سفید انڈے کہتے ہیں۔

۵۰۔ ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال کریں گے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی لوگ جنت میں شراب پئیں گے اور وہ شراب کے بارے میں ایک دوسرے سے اس طرح گفتگو کریں گے جس طرح دنیا میں شراب پینے والوں کی عادت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

''اور لذت دینے والی چیزوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا ماسوا بزرگوں کی باتوں کے جو ہمیشہ راحت پہنچاتی ہیں''۔

سو جنتی حضرات ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے ان باتوں کے متعلق پوچھیں گے جو دنیا میں ان کے حق میں یا ان کے خلاف وقوع پذیر ہوئی تھیں [مگر یہاں فعل ماضی''فَاَقْبَلَ'' اس بناء پر لایا گیا جو عرب کی خبروں میں مشہور و معروف ہے کہ فعل ماضی واقعہ کے تحقق اور اس کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور یہ آیت''یطاف علیھم'' پر معطوف ہے]۔

۵۱'۵۲۔ ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِيْنٌ ○ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا○ جو مجھے کہتا تھا کہ کیا تو بھی قیامت کے دن کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہے [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ''أَأِنَّكَ'' ہے]۔

۵۳۔ ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا اور سزا دی جائے گی۔''لمدینون'' بہ معنیٰ''لمجزیون'' ہے اور دین سے ماخوذ ہے' جس کا معنی جزا ہے۔

۵۴- ﴿قَالَ﴾ وہ کہنے والا اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا: ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ کیا تم دوزخ کی آگ کی طرف جھانکنا چاہتے ہو تا کہ میں تمہیں وہ ساتھی دکھا دوں۔ بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ جنت میں روشن دان ہوگا' جس سے جنتی حضرات دوزخیوں کی طرف دیکھیں گے یا خود اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: کیا تم دوزخ کی طرف دیکھنا چاہتے ہو تا کہ تمہیں دوزخیوں کے مرتبے کے مقابلے میں اپنا مرتبہ معلوم ہو جائے۔

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝۵۵ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝۵۶ وَلَوْلَا
نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝۵۷ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتَنَا
الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا
فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝۶۱ اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً
لِّلظّٰلِمِیْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۝۶۴

سو وہ جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے دوزخ کے درمیان دیکھے گا۝ وہ کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا۝ اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں ضرور (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوتا۝ سو کیا اب تو ہم نہیں مریں گے۝ ماسوا اپنی پہلی موت کے اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۝ بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۝ سو اس طرح کی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۝ کیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت۝ بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۝ بے شک یہ وہ درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے۝

۵۵- ﴿فَاطَّلَعَ﴾ پھر وہ مسلمان دوزخ کی طرف جھانکے گا ﴿فَرَاٰهُ﴾ تو وہ اپنے غیر مسلم ساتھی کو دیکھے گا کہ وہ ﴿فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ﴾ دوزخ کے درمیان میں ہے یعنی اس کے وسط میں ہے۔

۵۶- ﴿قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ﴾ مسلمان کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک قریب تھا کہ تو دنیا میں مجھے ہلاک کر دیتا ["اِنْ" ثقیلہ (مشدد) سے مخففہ (غیر مشدد) ہے اور یہ "کَادَ" پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ یہ "کَانَ" پر داخل ہوتا ہے اور لام "اِنْ" خفیفہ اور "اِنْ" نافیہ کے درمیان فرق کے لیے آیا ہے اور "ارداء" کا معنی ہلاک کرنا ہے اور یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "لتردینی" پڑھا جاتا ہے]۔

۵۷- ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ﴾ اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا احسان نہ ہوتا اور وہ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر رکھنے کی توفیق اور کفر و شرک سے بچانا ہے ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ﴾ تو میں ضرور ان لوگوں میں سے ہوتا جنہیں عذاب دوزخ میں حاضر کیا گیا' جیسے تجھے اور تیرے جیسے ساتھیوں کو عذاب میں حاضر کیا گیا ہے۔

۵۸'۵۹- ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ﴾ کیا اب تو ہم نہیں مریں گے۝ سوائے پہلی موت کے (جو دنیا میں ہم مر چکے) اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ [اس میں "فا" عطف کے لیے ہے' جو محذوف پر ہے' جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "انحن مخلّدون منعمون فما نحن بميّتين ولا معذبين" کیا ہم اب ہمیشہ رہیں

گے (اور) نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے سو اب ہم نہیں مریں گے اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا] مطلب یہ ہے کہ بے شک یہ حال صرف نیک مسلمانوں کا ہوگا اور وہ موت کو صرف پہلی بار دنیا میں چکھیں گے اس کے برعکس کفار ہر لمحہ موت کی آرزوئیں کرتے رہیں گے اور ایک دانا سے پوچھا گیا کہ بدترین موت کون سی ہے؟ اس نے فرمایا: وہ موت جس کی آرزو کی جائے۔ بہرحال یہ بات مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل کو بیان کرنے کے لیے اور اپنے دوزخی ساتھی کو سنانے کے لیے کہے گا تاکہ یہ بات اس کے لیے ڈانٹ اور جھڑک ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف ہو [''موتتنا'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے اور استثناء متصل ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ''لا نموت الا مرّة'' ہم نہیں مریں گے مگر صرف ایک مرتبہ یا پھر یہ استثناء منقطع ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''لکن الموتة الاولی قد کانت فی الدنیا'' لیکن پہلی موت جو دنیا میں ہو چکی] پھر مسلمان اپنے ساتھی کو ڈانٹتے ہوئے کہے گا:

۶۰- ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ یعنی یہ حال جس میں ہم جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز اور محظوظ ہو رہے ہیں ﴿لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ضرور یہی بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے پھر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

۶۱- ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ اس قسم کی بڑی کامیابی کے حصول کے لیے عمل کرنے والوں کو ضرور عمل کرنا چاہیے اور بعض کا قول ہے کہ یہ بھی اسی مسلمان کا کلام ہے۔

۶۲- ﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا﴾ کیا یہ بہترین مہمانی ہے؟ یعنی جنت کی نعمتیں اور کھانے پینے کی اور دوسری لذیذ و مزے دار چیزیں ﴿اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴾ یا تھوہر کا درخت بہترین مہمانی ہے؟ ''نزل'' وہ خوراک و طعام ہے جو مکان اور گھر آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور ''زقوم'' ایک بہت کڑوا درخت ہے جو حجاز مقدس کے علاقے تہامہ میں پایا جاتا ہے۔

۶۳- ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم نے اس کو آخرت میں ظالموں کے لیے عذاب اور مشقت و تکلیف کا سبب بنا دیا ہے اور دنیا میں اس کو ظالموں کے لیے بہت بڑی آزمائش بنا دیا اور یہ اس طرح کہ کافروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں درخت کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے سو انہوں نے اس کی تکذیب کر کے اس سے انکار کر دیا۔

۶۴- ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ﴾ بے شک یہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس درخت کا اُگاؤ دوزخ کی گہرائی سے ہوتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے شعلوں کی انتہاء تک پہنچتی ہیں۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾
اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ
قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

ع ۲

اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیںO سو بے شک وہ اس میں سے کھائیں گے' پھر بھی اس سے ان کے پیٹ نہیں بھریں گےO پھر بے شک اس کے اوپر ان کے لیے کھولتے گرم پانی کی آمیزش ہوگیO پھر انہیں یقیناً دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگاO بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھاO پھر بھی وہ انہیں کی راہوں پر دوڑتے رہےO اور بے شک ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے بہت سے گمراہ ہو چکےO اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا تھاO سو آپ دیکھ لیں کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا (بھیانک) ہواO ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص اور برگزیدہ بندوں کےO

٦٥- ﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ﴾ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ ''طلع'' کھجور کے شگوفے کا نام ہے' پھر اس کو تھوہر کے درخت کے لیے عاریۃً استعمال کیا گیا اور اس کو شیاطین کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی تاکہ یہ اس کی کراہت کی انتہاء پر دلالت کرے' نیز اس کے منظر کی قباحت پر دلالت کرے کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شیطان نہایت مکروہ اور قبیح ہوتا ہے' اس لیے کہ ان کا اس کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ محض شر اور بُرا ہے اور جب کہ بعض نے کہا کہ شیطان سے بلند چوٹی والے سانپ مراد ہیں' جو سخت ڈراؤنے اور نہایت بدصورت ہوتے ہیں۔

٦٦- ﴿فَإِنَّهُمْ لَاٰكِلُونَ مِنْهَا﴾ سو بے شک وہ لوگ اس میں سے کھائیں گے (یعنی) اس تھوہر کے درخت میں سے یا اس کے شگوفوں میں سے کھائیں گے ﴿فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا الْبُطُونَ﴾ لیکن وہ اس میں سے اپنے پیٹ نہیں بھر سکیں گے (یعنی) ان پر اس قدر شدت کی سخت بھوک غالب آ جائے گی کہ ان کے پیٹ نہیں بھریں گے۔

٦٧- ﴿ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ﴾ پھر بے شک ان کے لیے اس کے کھانے پر کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی' جو ان کے چہروں کو جلا دے گا اور ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شراب کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍO'' (المطففین:۲۷) ''اور اس میں آبِ تسنیم کی ملاوٹ ہوگیO'' اور معنی یہ ہے کہ پھر وہ کفار تھوہر کے درخت سے اپنے پیٹ بھریں گے لیکن وہ تو سخت گرم ہوگا جو ان کے پیٹوں کو جلا دے گا اور ان کو پیاسا بنا دے گا' پھر انہیں پیاس کے عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے فوراً پانی مہیا نہیں کیا جائے گا بلکہ بڑی دیر بعد ملے گا' پھر وہ بھی سخت ترین گرم ہوگا کیونکہ اس مشروب (جو سرخ خون یا سیاہ پیپ ہوگا) میں کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی۔

٦٨- ﴿ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ﴾ پھر بے شک ان کو دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگا یعنی بے شک فرشتے انہیں ان کے گھروں سے نکال کر ہانکتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے اور یہ دوزخ کے درکات (درجے) ہیں جن میں ان کو ٹھہرایا جائے گا' لیکن پہلے ''زقوم'' کے درخت کی طرف لے جایا جائے گا' جس میں سے وہ کھائیں گے' یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں گے اور انہیں شدت کی پیاس لگے گی اور پھر اس کے بعد انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا' پھر انہیں درکاتِ جہنم کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا اور اس میں ''تراخی'' کا معنی ظاہر ہے۔

٦٩'٧٠- ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَO فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ﴾ بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایاO تو یہ بھی ان کی راہوں پر دوڑتے چلے گئے۔ اس آیت مبارکہ میں کفار کے شدائد وتکالیف میں مبتلا ہونے کے استحقاق کی علت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے: دین کے معاملہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید کرنا اور گمراہی میں ان کی پیروی کرنا اور دلیل کی اتباع کو ترک کرنا' اور ''اھراع'' کا معنی ہے: بہت تیز چلنا' گویا وہ دوڑتے ہیں۔

۷۱- ﴿ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴾ اور بے شک ان سے پہلے یعنی قریش مکہ کی قوم سے اگلے لوگوں میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو چکے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ جاہل باپ دادوں کی تقلید اور حق کے معاملہ میں غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو چکے۔

۷۲- ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنذِرِينَ ﴾ اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے والوں کو بھیجا تھا یعنی گزشتہ امتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا تھا جنہوں نے اپنی اپنی امت کو بُرے انجام سے ڈرایا تھا۔

۷۳- ﴿ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴾ سو آپ دیکھئے کہ ڈرائے گئے لوگوں کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا' یعنی جن لوگوں کو ڈرایا گیا اور انہیں خوف دلایا گیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

۷۴- ﴿ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے یعنی سوائے ان بندوں کے جو ان میں سے ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا' یا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے لیے خالص کر لیا تھا [دونوں قراءتوں کی بناء پر]۔

| |
|---|
| وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝۷۵ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝۷۶ وَ |
| جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝۷۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۷۸ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي |
| الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۹ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۰ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۱ ثُمَّ |
| اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۸۲ |

اور بے شک نوح نے ہمیں پکارا' سو ہم ہی سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی O اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنایا O اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر بعد میں آنے والوں میں باقی رکھ چھوڑا O تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو O بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O

## حضرت نوح علیہ السلام کی شان اور ان کی قوم کے انجام کا بیان

اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں میں ڈرانے والوں کے بھیجنے اور ڈرائے جانے والے کافروں کے بُرے انجام کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان کی اس دعا کا ذکر فرمایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس وقت مانگی تھی جب آپ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۷۵- ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ ﴾ اور بے شک نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا (یعنی) انہوں نے ہم سے دعا کی تا کہ ہم انہیں غرق ہونے سے نجات دے دیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس نداء اور پکار سے ان کی یہ دعا مراد ہے کہ "فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ O" (القمر:۱۰)" پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں' پس تو (ان سے) انتقام لے O" ﴿ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴾ سو ہم سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں [" نعم " پر جو لام داخل ہے' وہ محذوف قسم کا جواب ہے اور مخصوص بالمدح بھی محذوف ہے' اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہے:] " ولقد ناد

نوح فوالله لنعم المجیبون نحن'' اور بے شک نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ضرور سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں اور ''نَادَانَا'' فعل جمع متکلم محض اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے انہیں سب سے اچھا جواب دیا اور ہم نے ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی اور ہم نے ان سے پورا پورا انتقام لیا۔

۷٦- ﴿ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ ﴾ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو اور جو آپ پر ایمان لائے تھے ان کو اور آپ کی اولاد کو نجات دے دی ﴿ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ بہت بڑی تکلیف سے (یعنی) غرق ہونے کے غم سے۔

۷۷- ﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنا دیا اور ان کے علاوہ سب کو فنا اور ختم کر دیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمام انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے تین صاحب زادے تھے: (۱) سام اور یہ عرب' فارس اور روم کے باپ ہیں (۲) اور حام ہیں اور یہ سوڈان کے مشرق سے لے کر مغرب تک سب کے باپ ہیں (۳) اور یافث اور یہ ترک اور یاجوج و ماجوج کے باپ ہیں۔

۷۸- ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ اور ہم نے نوح علیہ السلام کے لیے ان کے بعد آنے والی امتوں میں یہ کلمہ باقی رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ ہے:

۷۹- ﴿ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ ﴾ حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو یعنی تمام لوگ ان پر خوب سلام بھیجتے رہیں اور وہ لوگ ان کے حق میں دعا کرتے رہیں اور یہ کلام بطورِ حکایت بیان کیا گیا ہے جیسے تم کہو کہ ''قرات سورة انزلناها'' میں نے سورت ''انزلناها'' کو پڑھا ہوا ہے ﴿ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں میں یعنی یہ سلام ان تمام لوگوں میں ثابت اور جاری و ساری رہے اور ان میں سے کوئی بھی سلام پڑھنے سے خالی نہ رہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلا پر سلام کو ثابت و قائم رکھے گا اور وہ سلام کو فرشتوں اور جن و انس میں ہمیشہ جاری و ساری رکھے گا اور وہ سب کے سب ان پر آخر تک سلام پڑھتے رہیں گے۔

۸۰- ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی علت اس عظیم الشان اعزاز کے سبب یہ بیان کی گئی کہ بے شک وہ نیک انسان تھے۔

۸۱- ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک وہ ہمارے اہل ایمان بندوں میں سے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے نیک ہونے کی علت بیان کی کہ بے شک وہ ایمان دار بندے تھے تاکہ آپ کو ایمان کی اہمیت اور اس کی عظمت و بزرگی دکھائی جائے اور بے شک یہ ایمان حمد و ثناء اور تعظیم و تکریم کی صفات میں سے انتہائی اہم اور اعلیٰ صفت ہے۔

۸۲- ﴿ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو یعنی کافروں کو غرق کر دیا۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

وقف لازم

فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

اور بے شک ابراہیم انہیں کے گروہ میں سے ہیں○ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئے○ جب انہوں نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو○ کیا بہتان لگا کر تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود چاہتے ہو○ سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے○ پھر انہوں نے غور سے ایک نظر ستاروں کی طرف دیکھا○ اور فرمایا: بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں○ سو وہ پیٹھ پھیر کر ان کے پاس سے چلے گئے○ پھر وہ چھپ کر ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے اور فرمایا: کیا تم کھاتے نہیں ہو○ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو○ پھر چھپ کر دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے لگے○

## حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے احوال کا بیان

۸۳- ﴿ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴾ اور بے شک انہیں کے گروہ میں سے البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ سے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لوگوں میں سے ہیں جو دین کے بنیادی عقائد میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے یا اللہ تعالیٰ کے دین پر سختی کے ساتھ عمل کرنے میں اور تکذیب کرنے والوں کی مخالفت پر صبر کرنے میں ان کے تابع ہوئے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ تھا اور ان دونوں حضرات کے درمیانی عرصہ میں صرف دو پیغمبر گزرے ہیں' ایک حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے حضرت صالح علیہ السلام۔

۸۴- ﴿ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صحیح وسالم دل کے ساتھ حاضر ہوئے [''اذ'' کا تعلق اس کے ساتھ ہے جو لفظ ''شیعہ'' میں تابع کا معنی دیتا ہے] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے ہیں جو اپنے دین اور اپنے تقویٰ میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے' اس وقت جو اپنے رب تعالیٰ کے پاس کفر وشرک سے سلامت دل کے ساتھ یا آفاتِ قلوب سے سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئے' وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے [یا پھر ''اِذْ'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ ''اُذْکُر'' ہے] اور سلامت دل کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے پاس آنے کا یہ معنی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنا دل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے اس خلوص کو جانتا ہے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد کی مثال بیان فرمائی۔

۸۵'۸۶- ﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴾ جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو○ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو [''اذ'' پہلے ''اذ'' سے بدل ہے اور ''افکا'' مفعول لہ ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''اتریدون الھة من دون اللّٰہ افکا'' کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو' اور مفعول بہ ''الھة'' کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے تاکہ تخصیص کا فائدہ حاصل ہو جائے اور مفعول لہ کو مفعول بہ پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کے نزدیک زیادہ اہم ہے کہ آپ مشرکین کو عار دلا سکیں اور انہیں شرمندہ کر سکیں کہ وہ اپنے شرک کے معاملہ میں بدترین

کر چلے گئے۔

۹۱- ﴿فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ﴾ سوحضرت ابراہیم چھپ کر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ اور ان کی طرف مائل ہوئے ﴿فَقَالَ﴾ اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا: ﴿أَلَا تَأْكُلُونَ﴾ تم کھاتے کیوں نہیں اور اس وقت ان کے پاس مختلف اقسام کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔

۹۲- ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ﴾ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو [چونکہ حضرت ابراہیم نے بتوں کے ساتھ ذوی العقول کے ساتھ خطاب فرمایا' اس لیے واؤ اور نون کے ساتھ جمع ذوی العقول ''لاتنطقون'' بولا]۔

۹۳- ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا﴾ پس حضرت ابراہیم چپکے سے ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو مارنے لگے گویا فرمایا کہ پس آپ نے ان کو زبردست مارنا شروع کر دیا کیونکہ ''راغ علیھم'' بہ معنی ''ضربھم'' ہے یا ''فراغ علیھم یضربھم ضربا ای ضاربا'' سو حضرت ابراہیم نے ان کی طرف رخ کیا (اور) ان کو مارنا شروع کر دیا یعنی ان کو خوب مارنے والے ﴿بِالْيَمِينِ﴾ دائیں ہاتھ سے یعنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ زوردار مارنا شروع کیا کیونکہ دایاں ہاتھ سب سے زیادہ زخمی کرنے والا ہے اور دونوں ہاتھوں میں یہ زیادہ سخت ہے یا قوت و مضبوطی میں دایاں بائیں سے زیادہ سخت ہوتا ہے' یا پھر ''یمین'' بہ معنی قسم ہے اور ''با'' سببیہ ہے یعنی اس قسم کے سبب ان کو مارا جو آپ نے اس سے پہلے کھائی تھی اور وہ یہ ہے کہ ''وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ'' (الانبیاء:۵۷) ''اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے خلاف ضرور کوئی تدبیر کروں گا''۔

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿۹۴﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۹۷﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۹۹﴾

پھر لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے O اس نے فرمایا کہ کیا تم اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے معبودوں کی عبادت کرتے ہو O اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا کہ اس کو جلانے کے لیے ایک عمارت تیار کرو' پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O سو انہوں نے اس کے ساتھ فریب کرنا چاہا تو ہم نے ان کو نیچا (ذلیل) کر دیا O اور اس نے فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہی عنقریب میری رہنمائی کرے گا O

۹۴- ﴿فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ﴾ سو وہ لوگ حضرت ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے [''یزفون'' ''زفیف'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: جلدی اور تیزی سے چلنا۔ قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''یا'' مضموم کے ساتھ ''يُزِفُّونَ'' (باب افعال) ہے اور ''ازفّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی تیز دوڑنے میں داخل ہوتا ہے] اور گویا ان لوگوں میں سے بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو توڑتے ہوئے دیکھ لیا اور بعض نے نہیں دیکھا تھا' پھر جنہوں نے ان کو بت توڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا' وہ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے' پھر وہ دوسرے لوگ بھی جنہوں نے بت توڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور وہ آ کر دیکھنے والوں سے کہنے لگے: ''مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ O'' (الانبیاء:۶۰) ''ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے' بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O'' پھر ان سب نے یک

زبان ہو کر کہا کہ ہم تو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور تم نے انہیں توڑ ڈالا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو جواب میں فرمایا:

۹۵- ﴿ قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ﴾ (حضرت ابراہیم نے) فرمایا: کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو؟

۹۶- ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور تم پتھروں اور لکڑیوں میں سے جو بت تراش کر تیار کرتے ہو' ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے [یا ''ما'' مصدریہ ہے'' ای وخلق اعمالکم ''یعنی اور اسی نے تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے] اور یہ معتزلہ فرقہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خالق ہے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

۹۷- ﴿ قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا ﴾ انہوں نے کہا: ان کے لیے یعنی ان کی خاطر یا ان کی وجہ سے پتھروں کی ایک عمارت تیار کرو جس کی لمبائی تیس (۳۰) ہاتھ اور چوڑائی بیس (۲۰) ہاتھ ہو (اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو) ﴿ فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ ﴾ پھر ان کو پکڑ کر بھڑکتی ہوئی سخت آگ میں پھینک دو' اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر وہ آگ جس کے شعلے جوش مارتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوں' وہ ''جحیم'' کہلاتی ہے۔

۹۸- ﴿ فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا ﴾ سو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے سازش کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا (اور آگ میں ڈال دیا) ﴿ فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴾ تو ہم نے ان کو آگ میں ڈالنے کے وقت نیچا کر دیا کہ ان کو مغلوب و مقہور اور ناکام و ناشاد کر دیا (کہ ہم نے آگ کو گلزار بنا دیا)۔

۹۹- چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرودی سے باہر تشریف لائے ﴿ وَقَالَ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ ﴾ اور فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں کہ جس جگہ کی طرف میرا رب تعالیٰ مجھے جانے کا حکم دے گا اسی طرح میں چلا جاؤں گا ﴿ سَيَهۡدِيۡنِ ﴾ وہی عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا (یعنی) عنقریب اللہ تعالیٰ اسی طرح میری رہنمائی فرمائے گا جس میں میری اور میرے دین کی اصلاح ہوگی اور وہی میری حفاظت فرمائے گا اور وہی مجھے خیر کی توفیق عطا فرمائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں حالتوں (وقف اور وصل) میں ''یا'' کے اظہار کے ساتھ ''سَيَهۡدِيۡنِىۡ'' پڑھا گیا ہے]۔

رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۚ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ ﴿۱۰۴﴾ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۷﴾

اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی O پھر جب وہ اس کے ساتھ کاروبار کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا: اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے

ذبح کر رہا ہوں اب سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا: اے میرے باپ! آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب ان دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا لیا O اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! O بے شک تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا' بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور ایک کھلی آزمائش تھی O اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O

## حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری اور انہیں ذبح کرنے کا حکم

۱۰۰ - ﴿رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک بیٹا عطا فرما (یعنی) بعض صالحین میں سے اور اس سے بیٹا مراد ہے کیونکہ لفظ "ھبۃ" اکثر بیٹے پر بولا جاتا ہے۔

۱۰۱ - ﴿فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ﴾ سو ہم نے اسے بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔ یہ بشارت تین چیزوں پر مشتمل تھی (۱) وہ لڑکا ہوگا لڑکی نہیں (۲) بردباری اور حوصلہ مندی کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچے کو حلم کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا اور (۳) بے شک وہ حلیم و حوصلہ مند ہوگا اور بھلا اس لڑکے کے حلم و بردباری سے بڑھ کر کس کا حلم و حوصلہ ہو سکتا ہے کہ جب اس کے باپ نے اس پر ذبح کا حکم سامنے رکھا تو اس حوصلہ مند لڑکے نے کہا: "سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ O" (الصافات: ۱۰۲) "اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O" پھر اس نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔

۱۰۲ - ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ﴾ پھر جب وہ لڑکا اپنے باپ کے ساتھ کاروبار کے قابل ہو گیا (یعنی) وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کے مشاغل اور اس کی ضروریات میں کام آنے کے قابل ہو گیا اور کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی عمر کو پہنچ گیا [اور "معہ"، "بلغ" کے متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائے گا کہ باپ بیٹا دونوں اکٹھے دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچے حالانکہ ایسا نہیں اور نہ "السعی" کے متعلق ہو سکتا ہے کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہو سکتا' سو اب بیان ہونا باقی رہے گا] (اس صورت میں معنی یہ ہوگا) گویا جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ" پھر جب بیٹا اپنے باپ کے ساتھ اس حد کو پہنچ گیا' جس میں وہ دوڑ دھوپ کرنے پر قادر ہو گیا' کہا گیا کہ کس کے ساتھ؟ جواب دیا: اپنے باپ کے ساتھ اور اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی ﴿قَالَ یٰبُنَیَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! [حفص کی قراءت میں "بُنَیَّ" میں "یا" مفتوح ہے جب کہ باقی قراء کے نزدیک "یا" مکسور ہے] ﴿اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ﴾ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اپنا بیٹا ذبح کیجئے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں' جیسے بیداری میں وحی کی جاتی ہے اور صرف "رَاَیۡتُ" (فعل ماضی) نہیں فرمایا' اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے یہ خواب بار بار دیکھا تھا' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ترویہ کی رات (آٹھویں ذوالحج کی رات) خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُكَ بِذَبۡحِ اِبۡنِكَ هٰذَا" بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تو اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دے' پھر جب صبح ہوئی تو اٹھے اور سارا دن صبح سے شام تک اسی کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے کہ آیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے ہے' سو اس لیے آٹھویں ذی الحج کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے' پھر جب نویں ذی الحج کی رات آئی تو پھر اسی طرح دوبارہ خواب دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ خواب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' سو اسی وجہ سے نویں ذی الحج کو یوم

عرفہ کہا جاتا ہے' پھر تیسری رات (یعنی دسویں رات) اسی خواب میں دیکھا تو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اسی وجہ سے دسویں ذوالحج کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہا جاتا ہے [اہل حجاز اور ابوعمرو کی قراءت میں دونوں یائے متکلم مفتوح ہیں] ﴿ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾ سو تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ''ترى''، ''رؤية العين'' (آنکھ سے دیکھنا) سے نہیں بنا بلکہ ''الرأى'' سے بنا ہے' جس کا مطلب ہے کہ اس ذبح کے معاملہ میں تمہاری ذاتی رائے اور مشورہ کیا ہے اور یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے مشورہ نہیں لیا تھا کہ آپ ان کی رائے اور ان کے مشورہ کی طرف رجوع کرلیں گے بلکہ ان کی رائے اور مشورہ اس لیے لیا تھا تا کہ آپ جان لیں کہ حضرت اسماعیل یہ حکم سن کر آیا گھبرا جاتے ہیں یا صبر کرتے ہیں؟ [علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں (''تا'' مضموم اور ''را'' مکسور باب افعال سے) ''تُرِی'' ہے] یعنی تمہاری اس میں کیا رائے ہے غور کرو اور اس کا اظہار کرو ﴿ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ کو اس کے متعلق جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے ''ای ما تؤمر به'' یعنی اس (ذبح) کے بارے میں تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اور ایک قراءت میں ''ما تؤمر به'' پڑھا گیا ہے ﴿ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے ذبح ہونے پر صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ذبیح علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ میری پیشانی پکڑ لیجئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان بیٹھ جائیے تا کہ جب چھری چلنے پر مجھے تکلیف پہنچے تو تڑپ کر آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچاؤں اور آپ مجھے سیدھا لٹا کر اس طرح ذبح نہ کیجئے کہ آپ میرے چہرے کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اس حالت میں مجھے دیکھ کر آپ کو مجھ پر رحم آ جائے بلکہ آپ مجھے چہرے کے بل الٹا لٹا دیں تا کہ میرا چہرہ زمین کی طرف نیچے ہونے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آئے اور ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ آپ مجھے چہرہ کے بل الٹا کر کے اس لیے لٹا دینا تا کہ جب آپ مجھے ذبح کریں تو میں اس وقت سجدہ میں ہوں اور میری امی جان کو میرا اسلام کہہ دینا اور اگر آپ سے ہو سکے تو میری قمیص میری امی جان کو لوٹا دینا اور ممکن ہے میری قمیص پا کر انہیں صبر کرنا آسان ہو جائے۔

۱۰۳ تا ۱۰۵- ﴿ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا ﴾ پھر جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے سر تسلیم خم کر دیا اور دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے گردنیں جھکا لیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ﴿ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴾ اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل پر زمین پر لٹا دیا اور چھری کو ان کے حلق پر رکھ کر چلایا تو چھری نے ذبح نہ کیا' پھر جب دوبارہ آپ نے چھری کو ان کی گدی پر رکھا تو چھری سیدھا چلنے کی بجائے الٹ ہو گئی اور (تیسری بار) پکارا اور آواز دی گئی کہ اے ابراہیم! بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا' ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ذبح کرنے کی وہ جگہ اس پتھر کے پاس ہے جو منیٰ میں ہے اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے یعنی سو جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے اپنے سر جھکا دیئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ﴿ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ﴾ اور ہم نے اسے آواز دے کر پکارا: اے ابراہیم! ۝ آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا یعنی ہم نے تمہیں خواب میں جو بیٹے کو ذبح کے لیے سپرد کر دینے کا حکم دیا تھا آپ نے اسے حقیقت میں ثابت کر دیا تو وہی ہوا جو ہونا تھا' جس کو حال بیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی وصف اس کا احاطہ کر سکتا ہے' جیسے ان دونوں کو خوش خبری کا ملنا اور ان

جھوٹ اور محض باطل پر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''افکًا'' مفعول بہ ہو یعنی کیا تم محض جھوٹا بہتان چاہتے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ''افکًا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''الٰھۃ من دون اللّٰہ'' اس بناء پر کہ یہ بذاتِ خود بہت بڑا جھوٹا بہتان ہے یا پھر ''افکًا'' حال ہے یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود چاہتے ہو؟ اس حال میں کہ تم بدترین جھوٹ بولنے والے ہو]۔

٨٧- ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ حالانکہ تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا گمان ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور وہ تمہیں کیسی سزا دے گا کیونکہ تم اس کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرتے ہو اور تم جانتے بھی ہو کہ وہی حقیقی منعم (نعمتیں دینے والا) ہے' سو اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے[ ''مَا'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''ظنکم'' اس کی خبر ہے' اصل میں ''ای شئ ظنکم'' ہے]۔

٨٨- ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک نگاہِ عبرت سے ستاروں کی طرف دیکھا یعنی انہوں نے ستاروں کو دیکھنے کے لیے ایک نگاہ آسمان کی طرف ڈالی' اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ اب کیا تدبیر کریں یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو یہ دکھایا کہ آپ اس وقت ستاروں میں غور وفکر کر رہے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا علم نجوم پر بڑا پختہ اعتقاد تھا' سو حضرت ابراہیم نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ آپ ستاروں کی چال سے اپنے بیمار ہونے پر رہنمائی طلب کر رہے ہیں۔

٨٩- ﴿فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی میں بیماری کے قریب ہوں کہ عنقریب بیمار ہونے والا ہوں اور وہ طاعون کی بیماری ہے اور ان لوگوں پر سب بیماریوں سے زیادہ یہی طاعون کی بیماری غالب تھی (اور یہ ایک متعدی بیماری ہے) اور وہ لوگ متعدی بیماری سے بہت ڈرتے تھے' سو اس لیے وہ لوگ آپ کے پاس سے اپنے عید کے میلے کی طرف بھاگ پڑے تاکہ وہ آپ سے الگ تھلگ ہو کر جدا ہو جائیں اور وہ آپ کو بت خانہ میں اکیلا چھوڑ گئے' آپ کے ساتھ کوئی شخص نہیں تھا' چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہیں ان کے ساتھ کرنا چاہیے تھے اور وہ لوگ علمِ نجوم کو حق کہتے تھے' پھر اس کے سیکھنے میں مشغول ہونا منسوخ کر دیا گیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے' مگر تعریض کرنا جائز ہے۔[1]

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا' وہ کلام میں توریہ استعمال کیا یعنی عنقریب بیمار ہونے والا ہوں (مگر کفار سمجھے ابھی بیمار ہیں' توریہ' ذو معنی لفظ بولنے کو کہتے ہیں) یا یہ کہ جس کے گلے میں موت کا پھندا لگا ہو وہ بیمار ہی ہوا اور اسی سے یہ مثال ہے: بیماری سے سلامتی کافی ہے اور ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے کہا: فلاں آدمی مر گیا ہے حالانکہ وہ صحیح وسالم تھا تو ایک اعرابی نے جواب دیا کہ جس کی گردن میں موت کا پھندہ پڑا ہو' کیا وہ صحیح ہے؟ یا پھر حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارے کفر کے سبب ''سقیم النفس'' ہوں (یعنی میری روح بیمار ہے)۔

٩٠- ﴿فَتَوَلَّوْا﴾ سو انہوں نے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ﴾ حضرت ابراہیم کے پاس سے پیٹھ موڑ

---

[1] تعریض کا معنی یہ ہے کہ فعل کی نسبت جس کی طرف ہو وہ مراد نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کوئی دوسرا مراد ہو' جس طرح حضرت ابراہیم نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی لیکن اس سے قوم مراد تھی یعنی ''ان قومی سقیم'' بے شک میری قوم بیمار ہے کیونکہ کفر وشرک کی بیماری میں وہی قوم مبتلا تھی جیسے پولیس افسر جرم سے انکار کرنے پر مجرموں سے کہے کہ یہ جرم میں نے کیا ہے۔ یہ تعریض ہے' بہر حال حذف مضاف کی مثال ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف: ٨٢) ہے یعنی ''وَسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ''۔ غوثوی مہاروی

دونوں کا اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنا اور ان دونوں کا ان نعمتوں پر شکر کرنا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائی تھیں کہ بہت بڑی آزمائش کو دور کرنا اس کے بعد کہ وہ ان پر نازل ہو چکی تھی' یا اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اسے قبول فرمالیا اور ''نادیناہ'' اس پر معطوف ہے ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو رنج و بلا اور شدت و مصیبت سے نجات دینے کے بعد احسان و انعام اور مسرت وخوشی کے عطا کرنے کی علت ہے۔

۱۰۶ - ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴾ بے شک یہ ضرور کھلم کھلا آزمائش تھی (یعنی) یہ ایک ایسی واضح اور کھلی آزمائش تھی جس میں صرف مخلص بندے کامیاب ہو کر دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں یا یہ واضح مشقت ومحنت تھی۔

۱۰۷ - ﴿ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ ﴾ اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک ذبیحہ دیا۔ ذبح ہر وہ جانور ہے جسے بطور قربانی ذبح کیا جا سکتا ہو' اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس ذبح سے وہ مینڈھا مراد ہے جس کو جناب ھابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرمالیا تھا اور یہ مینڈھا جنت میں چرتا اور پلتا رہا یہاں تک کہ اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح کیا گیا اور انہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے منقول ہے کہ اگر حضرت اسماعیل کی قربانی مکمل ہو جاتی کہ خود حضرت اسماعیل کو ذبح کیا جاتا تو یہ قربانی تمام مسلمانوں کے لیے سنت قرار پاتی اور لوگ اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے ﴿ عَظِیْمٍ ﴾ بڑے جسم والی موٹی قربانی یعنی جسیم وجیم مینڈھا اور قربانیوں میں ایسا ہی جانور ذبح کرنا سنت ہے' جو صحت مند اور توانا ہو' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھاگ کر جمرہ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ابراہیم نے وہاں پہنچ کر اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ اسے پکڑ لیا اور مِنٰی کے پاس لا کر ذبح کر دیا' چنانچہ جمرہ کے پاس سات کنکریاں مارنے کی سنت آج تک باقی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دنبے کو ذبح کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور (حضرت اسماعیل) ذبیح علیہ السلام نے کہا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ' وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' سو اب یہ کلمات (نو ذوالحج کی صبح سے تیرہ ذوالحج کی عصر تک ہر فرض با جماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ بہ آواز بلند پڑھنا' واجب اور تین مرتبہ) پڑھنا سنت باقیہ ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کی نذر مان لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے بدلے میں ایک بکری ذبح کرے۔

اور زیادہ ظاہر اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عبداللہ ابن عباس' حضرت عبداللہ ابن عمر اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے' رضی اللہ تعالیٰ عنہم' کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے کہ ''اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ''[1] میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں' سو ان میں سے ایک آپ کے جدّ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کے بیٹے دس کی تعداد تک پہنچ گئے تو اپنے آخری بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں گے اور حضرت عبداللہ سب سے آخری بیٹے تھے (اور تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل' بااخلاق' خداترس' نیکوکار انسان تھے جس کی وجہ سے قریش مکہ نے حضرت عبدالمطلب کو مشورہ دیا اور مطالبہ بھی کیا کہ ان کو قربان کرنے کی بجائے ان کے

---

[1] مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۵۵۴

بدلے میں اونٹ ذبح کیے جائیں) چنانچہ حضرت عبد المطلب نے ان کے بدلہ میں ایک سو اونٹ قربان کیے اور اس لیے بھی کہ مینڈھے کے دونوں سینگ بنو اسماعیل کے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے' یہاں تک کہ حجاج بن یوسف اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کے جلنے کے ساتھ وہ بھی جل گئے اور امام اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' انہوں نے کہا: میں نے ابوعمرو ابن العلاء سے ذبیح کے بارے میں سوال کیا' انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل تم سے کہاں غائب ہوگئی ہے' کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب رہتے تھے اور مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام رہتے تھے اور یہ وہی بیٹے ہیں جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے' جہاں ذبح کا واقعہ پیش آیا تھا' جب کہ حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبد اللہ ابن مسعود' حضرت عباس اور تابعین کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل حضرت یعقوب کا ایک خط ہے' جو حضرت یوسف علیہ السلام کو لکھا گیا تھا کہ "**من یعقوب اسرائیل اللّٰہ بن اسحاق ذبیح اللّٰہ بن ابراھیم خلیل اللّٰہ**"۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَفَدَيْنٰهُ" "اور ہم نے اس کا فدیہ دیا ہے' اگرچہ فدیہ دینے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس کی طرف سے فدیہ عطا کیا گیا تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ذبح کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مینڈھا حضرت ابراہیم کو دیا تھا تاکہ وہ اسے اپنے بیٹے کے عوض میں بطور فدیہ قربان کرسکیں اور یہاں ایک بہت بڑا اعتراض ہے اور وہ یہ کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور اس کے حلق پر چھری چلائی' یہ ذبح کے حکم میں ہے یا نہیں' سو اگر یہ ذبح کے حکم میں ہے تو پھر فدیہ اور بدلہ دینے کا کیا معنی ہوا' کیونکہ فدیہ کا مطلب تو ہے بدل دے کر ذبح سے نجات حاصل کرنا اور اگر یہ ذبح کے حکم میں نہیں تو پھر "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا" "کا کیا معنی ہوا' کیونکہ خواب تب سچا ہوگا جب خواب پر عمل کرتے ہوئے ذبح پایا جائے اور وہ صحیح نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری کوشش صرف کردی' اپنے بیٹے کو لٹایا اور پوری قوت سے اس کے حلق پر چھری بھی چلائی اور ذبح کرنے والا ذابح جو کچھ کارروائی کرتا ہے وہ آپ نے کردی لیکن اللہ تعالیٰ نے چھری کو حلق کاٹنے سے منع کردیا اور یہ ممانعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل اور کوشش کو عیب دار نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک دنبہ عطا فرمایا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دنبہ کے ذبح کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جانِ مبارک کے عوض میں اس (خواب والے ذبیحہ) کی حقیقت کے قائم مقام بنا دیں اور یہ ذبح کے حکم کے لیے نسخ نہیں ہے بلکہ قربانی کا حکم باقی رہا البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ایک مینڈھا جنت سے بطور فدیہ بھیجا گیا تھا لیکن نسخ کے طور پر نہیں بھیجا گیا اور یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا تاکہ ذبح کا حکم آخر حال تک برقرار رہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیٹے کے حق میں ذبح کے حکم دینے میں قربانی دینا مطلوب تھی اور یہ اعزاز حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیے بغیر فدیہ سے حاصل ہوگیا اور حالت انکشاف تک صبر و مجاہدہ کا امتحان بھی ہوگیا اور پھر نسخ تو حکم پر عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے' اس سے پہلے نہیں ہوتا اور نیز قرآن مجید میں اس ذبح کو فدیہ قرار دیا گیا ہے' نسخ قرار نہیں دیا گیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع۷

اور ہم نے اس قربانی کو بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھ چھوڑا ہےO ابراہیم پر سلام ہوO اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیںO بے شک وہ ہمارے اعلیٰ کردار کے حامل مسلمان بندوں میں سے تھےO اور ہم نے اسے اسحاق پیغمبر کی خوش خبری دی جو نیک بندوں میں سے ہیںO اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر اپنی برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکوکار ہوگا اور کوئی کھلم کھلا اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگاO

۱۰۸'۱۰۹- ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حسن تعریف اور ذکر خیر ان کے بعد آنے والی نسلوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے [اس پر وقف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو''ترکنا'' کا مفعول ہے]۔

۱۱۰- ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ عطا کرتے ہیں [یہاں ''انّا'' نہیں فرمایا جیسا کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ ہوتا ہے' اس لیے کہ یہ اسی قصہ میں پہلے گزر چکا ہے' پھر پہلے ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کر کے دوبارہ ذکر کرنے کو ترک کر کے تخفیف حاصل کی گئی ہے]۔

۱۱۱- ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی بشارت

۱۱۲- ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا﴾ اور ہم نے ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو ان کے بیٹے اسحاق پیغمبر کی (ولادت کی) خوش خبری دی [''نبیًّا''، ''اسحاق'' سے حال مقدرہ ہے اور مضاف محذوف کو مقدر ماننا واجب ہے' ای (وبشرناه به) وجود (اسحاق نبیا)'' یعنی اور ہم نے ان کو اسحاق پیغمبر کی پیدائش کی بشارت دی یعنی اس کی مقدرہ نبوت موجود ہوگی' پس حال میں الوجود عامل ہے' فعلِ بشارت نہیں] ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیک لوگوں میں سے ہوں گے [یہ دوسرا حال ہے] اور اس کو صرف حمد وثناء اور تعریف کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ ہر نبی لازمی طور پر نیکوں میں سے ہوتا ہے۔

۱۱۳- ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل فرمائیں یعنی ہم نے ان دونوں پر دین ودنیا کی برکتیں نازل فرمائیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کی اولاد کے بارے میں برکتیں نازل فرمائیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اس طرح برکتیں نازل فرمائیں کہ ان کی پشت سے نسل در نسل ایک ہزار پیغمبر پیدا فرمائے' جن میں سے سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور ان میں سب سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ﴾ اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار ہوں گے یعنی مسلمان ہوں گے ﴿وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ اور کچھ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے یعنی کافر ہوں گے ﴿مُبِيْنٌ﴾ ظاہر اور واضح' یا یہ معنی ہے کہ کچھ تو لوگوں سے نیک سلوک کرنے والے ہوں گے اور کچھ شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے اپنی جانوں پر ظلم وستم کرنے والے ہوں گے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بدی اور نیکی کمینگی اور شرافت کا معاملہ خاندان اور نسب پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خاندانی اطوار اور نسبی فطرتوں کو منہدم کر دیتا ہے اور نیز اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی نسلوں میں ظلم و ستم کا رائج ہو جانا' ان حضرات میں عیب ونقص پیدا نہیں کرتا کیونکہ آدمی کو اپنے بُرے عمل پر عیب دار کیا جاتا ہے اور اپنے

ہاتھوں سے جرائم کے ارتکاب پر اسے سزا دی جاتی ہے لیکن اپنے خاندان اور اولا دور اولاد کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾
وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان فرمایاO اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑے دُکھ سے نجات عطا فرمائیO اور ہم نے ان کی مدد کی' سو وہی غالب ہو گئےO اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دیO اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ پر چلایاO اور ہم نے ان دونوں کی تعریف پیچھے آنے والے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑیO موسیٰ اور ہارون پر سلام ہوO بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیںO بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیںO اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہوO

## حضرات موسیٰ وہارون اور الیاس کا تذکرہ

۱۱٤- ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون علیہما السلام پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا اور ''مَنَنَّا'' بہ معنی ''اَنْعَمْنَا'' ہے۔

۱۱۵- ﴿وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوم کو بہت بڑے دکھ سے نجات عطا کی کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے یا پھر مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی قوم سے اور ان کے ظلم و ستم سے نجات عطا فرمائی۔

۱۱٦- ﴿وَنَصَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کی یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی اور ان دونوں کی قوم کی مدد کی ﴿فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ سو وہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہو گئے۔

۱۱۷- ﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دی جو اپنے (احکام و مسائل کے) بیان میں کامل و مکمل ہے اور وہ کتاب تورات ہے۔

۱۱۸- ﴿وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ پر چلائے رکھا (یعنی) اہل اسلام کا راستہ اور یہ ان حضرات کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَO'' (الفاتحہ:۷) ''ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کاO''۔

۱۱۹ تا ۱۲۲ - ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ اور ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے O حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر سلام ہو O بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں O بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں O

۱۲۳ - ﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور بے شک (حضرت) الیاس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ حضرت الیاس بن یاسین ہیں' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کے مطابق ''الیاس'' کی جگہ ''وان ادریس لمن المرسلین'' ہے۔

۱۲٤ - ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو (یعنی) کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

کیا تم بعل (بت) کی عبادت کرتے ہو اور تم سب سے اچھا پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو O (یعنی) اللہ تعالیٰ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے O سو انہوں نے اسے جھٹلایا تو بے شک انہیں ضرور پکڑ کر حاضر کیا جائے گا O ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے O اور ہم نے اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے O ال یاسین پر سلام ہو O بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیں O

---

۱۲۵ - ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا ﴾ کیا تم بعل بت کی عبادت کرتے ہو۔ ''اتدعون'' بہ معنیٰ ''اتعبدون'' ہے' بعل ایک بت کا نام ہے جو سونے سے بنایا گیا تھا اور یہ بیس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنائے گئے تھے' وہاں کے لوگ اس کی عبادت کے فتنے میں مبتلا ہو گئے اور وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے' یہاں تک کہ چار سو خدّام اس کی خدمت کرتے تھے اور وہاں کے پجاری ان خدّام کو انبیاء قرار دیتے تھے اور ان کے جس علاقہ میں یہ بت نصب تھا' اس کو بک کہا جاتا تھا اور وہ ملک شام کے شہروں میں ایک شہر ہے' پھر بعد میں بعل اور بک کو مرکب کر کے اس شہر کا نام بعلبک پڑ گیا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو صحراؤں اور جنگلوں پر مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو دریاؤں اور سمندروں پر مقرر کیا گیا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام فوت ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ وہ دونوں زندہ ہیں ﴿ وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴾ اور تم

سب سے بہترین خالق کو چھوڑتے ہو (یعنی) اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑتے ہو' جو سب سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

۱۲۶ - ﴿ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرتے ہو) جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے [ابوبکر کوفی اور ابوعمر کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں تمام منصوب ہیں' ''احسن'' سے بدل ہونے کی بناء پر اور ان کے علاوہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی بناء پر تمام مرفوع ہیں]۔

۱۲۷'۱۲۸ - ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ○ ﴾ سو ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا تو بے شک انہیں ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیا جائے گا ○ اس کی قوم میں سے ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ○

۱۲۹'۱۳۰ - ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ○ ﴾ اور ہم نے اس کی تعریف پچھلے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑی ○ ال یاسین پر سلام ہو ○ یعنی حضرت الیاس اور اس کی مسلمان قوم پر سلام ہو' جیسے اہل عرب کا قول ہے کہ ''الخبیبون'' یعنی ابوخبیب حضرت عبداللہ بن زبیر اور اس کی قوم [ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں ''آل یاسین'' ہے کیونکہ حضرت الیاس کے باپ کا نام یاسین ہے' سو اس لیے ''آل'' کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے]۔

۱۳۱'۱۳۲ - ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ﴾ بے شک ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں ○

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۱۳۳) اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ (۱۳۴) اِلَّا عَجُوْزًا فِی
الْغٰبِرِیْنَ (۱۳۵) ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ (۱۳۶) وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ (۱۳۷)
وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۳۸) ع وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۱۳۹) اِذْ اَبَقَ اِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (۱۴۰) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ (۱۴۱) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِیْمٌ (۱۴۲) فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ (۱۴۳) لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۴۴) النصف

اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات دی ○ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی ○ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا ○ اور بے شک تم صبح کے وقت ان پر ضرور گزرتے ہو ○ اور رات کو بھی تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف چلے گئے ○ سو انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہی قرعہ میں مغلوب رہنے والوں میں سے ہو گئے ○ سو اسے مچھلی نے نگل لیا اور اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے ○ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور اس دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا ○

## حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کا تذکرہ

۱۳۳ تا ۱۳۵ - ﴿ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ○ ﴾ اور بے شک

حضرت لوط علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات بخشیO سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی (یعنی) باقی ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔

۱۳۶- ﴿ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ''دَمَّرْنَا'' بہ معنی ''اَهْلَكْنَا'' ہے۔

۱۳۷- ﴿ وَاِنَّكُمْ ﴾ اور بے شک تم اے مکہ مکرمہ میں رہنے والو! ﴿ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ البتہ تم ان پر صبح کے وقت ضرور گزرتے ہو (یعنی) تم صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔

۱۳۸- ﴿ وَبِالَّيْلِ ﴾ اور رات کو بھی تم اسی راستے سے گزرتے ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو یعنی تم اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں ملک شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن ان کے تباہ شدہ مکانات کے پاس سے گزرتے ہو تو کیا تمہارے اندر عقل نہیں ہے کہ تم ان سے عبرت و سبق حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کے قصوں کو سلام پر ختم نہیں فرمایا جیسا کہ ان دونوں نے پہلے قصوں کو سلام پر ختم فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجا ہے سو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے اسی پر اکتفاء فرمالیا ہے۔

۱۴۰٬۱۳۹- ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَOاِذْ اَبَقَ ﴾ اور بے شک (حضرت) یونس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب وہ جلدی میں نکل کر چلے گئے۔ ''ابــاق'' کا مطلب ہے کہ ایسی جگہ بھاگ جانا جہاں تلاش نہ کیا جا سکے چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے (اور یہ عمل شانِ نبوت کے خلاف تھا) اس لیے اس کو مجازاً ''ابــــاق'' کہا گیا ﴿ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴾ بھری ہوئی کشتی کی طرف اور دراصل حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا' پھر جب اس میں تاخیر ہوئی تو آپ وہاں سے چھپ کر نکل گئے اور دریائی سفر کا ارادہ کرلیا اور کشتی میں سوار ہوگئے' لیکن کشتی دریا میں چلتے چلتے اچانک رک گئی' جس پر ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا کشتی میں موجود ہے کیونکہ دریائی سفر کرنے والوں کا گمان تھا کہ جب کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہو جائے تو کشتی نہیں چلتی بلکہ رُک جاتی ہے' چنانچہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکل آیا' سو آپ نے فرمایا: وہ غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) سے بھاگا ہوا ہوں اور اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا' سو اسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

۱۴۱- ﴿ فَسَاهَمَ ﴾ تو انہوں نے قرعہ ڈالا' سو انہوں نے تیر اندازی کے ذریعہ ایک مرتبہ یا پھر تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تھی اور ''مـــســاهـــمـــة'' قرعہ اندازی کے طور پر تیر ڈالنے کو کہا جاتا ہے ﴿ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴾ سو وہ قرعہ ڈالنے پر مغلوب رہنے والوں میں سے ہوگئے (اس کے بعد آپ نے کشتی میں کھڑے ہوکر دریا میں چھلانگ لگادی)۔

۱۴۲- ﴿ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴾ پس ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے (یعنی) ملامت میں داخل ہوگئے۔

۱۴۳- ﴿ فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴾ سو اگر وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے (یعنی) تسبیح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں میں سے نہ ہوتے یا وہ یہ کلمات ''اَنْ لَّآ اِلٰــهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰـالِمِيْنَO'' (الانبیاء:۸۷) ''تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے' بے شک میں ہی حد سے بڑھ

جانے والوں میں سے ہوں O" کہنے والوں میں سے نہ ہوتے' یا وہ اس سے پہلے نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے' اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاں تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں نماز مراد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو نیک عمل اس کو سربلند کر دیتے ہیں۔

۱۴۴- ﴿لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ تو وہ لوگوں کے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اس کا ظاہر مطلب تو یہی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہتے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مچھلی کا پیٹ ان کے لیے قیامت کے دن تک قبر ہو جاتا اور جب کہ حضرت یونس علیہ السلام (تسبیح کی برکت سے) مچھلی کے پیٹ میں تین دن یا سات دن یا پھر چالیس دن ٹھہرے تھے اور امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے دن میں دوپہر کے وقت نگلا تھا اور اسی روز شام کے وقت دریا کے باہر پھینک دیا تھا۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے O اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا O اور ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O سو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک معین مدت تک زندگی کا فائدہ پہنچایا O

۱۴۵- ﴿فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ﴾ سو ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا (یعنی) پھر ہم نے اس کو ایسی خالی جگہ میں ڈال دیا جس میں نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی عمارت تھی (جس کے سایا میں آرام کر سکتے) ﴿وَهُوَ سَقِیْمٌ﴾ اور وہ مچھلی کے نگلنے اور اس کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے بیمار و کمزور تھے اور مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا بدن مبارک اس طرح کمزور اور نرم ہو گیا تھا جس طرح پیدائش کے وقت بچے کا بدن کمزور و نرم ہوتا ہے۔

۱۴۶- ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ﴾ اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا[1] (یعنی) ہم نے ان کے اوپر سائبان بنا دیا جس طرح مکان انسان پر سایا دار خیمہ ہوتا ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ کدو کا درخت تھا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پاس مکھیاں جمع نہیں ہوتیں اور یہ تمام درختوں میں سے جلدی اُگتا ہے اور بہت جلد پودا بن کر ہر چار اطراف پھیلتا اور بلند ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ یقیناً کدو کو پسند فرماتے ہیں' حضور نے فرمایا: جی ہاں! کیونکہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

[1] واضح رہے کہ کدو کی بیل ہوتی ہے جو زمین پر پھیلتی ہے' مگر یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ کدو کا درخت قد والے درختوں کی طرح شاخیں رکھتا تھا اور اس کے بڑے بڑے پتوں کے سایا میں آپ آرام کرتے تھے اور بہ حکم الٰہی روزانہ ایک بکری آتی اور اپنا تھن حضرت یونس کے دہن مبارک میں دے کر آپ کو صبح و شام دودھ پلایا کرتی تھی' یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک کی جلد شریف یعنی کھال مضبوط ہو گئی اور اپنے موقع سے بال مبارک جمے اور جسم مبارک میں قوت و توانائی آ گئی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۵۴۳' حاشیہ: ۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

۱۴۷- ﴿ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ ﴾ اور ہم نے اس کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔اس سے وہ قوم مراد ہے جس کی طرف مچھلی کے نکلنے سے پہلے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے سو یہاں '' قد '' مضمر ہے (اور اصل میں '' وقد ارسلناه الخ '' ہے ) ﴿ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ یا وہ اس سے بھی زیادہ تھے (یعنی ) جب دیکھنے والا اس قوم کو دیکھتا تو یہ دیکھنے والے کی نگاہ میں اس سے زیادہ محسوس ہوتے تھے اور وہ کہہ دیتا کہ یہ ایک لاکھ آدمی ہیں یا اس سے زیادہ ہیں اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلکہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہی بات امام فراء اور جناب ابوعبیدہ نے کہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

۱۴۸- ﴿ فَاٰمَنُوْا ﴾ سو وہ حضرت یونس علیہ السلام پر اور جو کچھ آپ کو دے کر بھیجا گیا تھا' اس سب پر ایمان لے آئے ﴿ فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ تو ہم نے انہیں ان کی مقرر کردہ مدت حیات تک زندگی کا فائدہ پہنچایا۔

| |
|---|
| فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ |
| شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ |
| اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ |
| اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ |

سو آپ ان سے پوچھئے کہ کیا آپ کے رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں O کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا ہے اور وہ اس وقت حاضر تھے O خبردار ہو جاؤ بے شک وہ اپنے جھوٹے بہتان سے کہتے ہیں O کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹے چھوڑ کر بیٹیاں پسند کرلیں O تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو O تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو O کیا تمہارے لیے کوئی واضح دلیل ہے O سو تم اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو O

## کفارِ مکہ کے باطل نظریات کی تردید

۱۴۹- ﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴾ (اے محبوب!) سو آپ ان (کفارِ مکہ) سے پوچھئے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لیے بیٹیاں ہیں اور خود ان کے لیے بیٹے ہیں [ یہ آیت مبارکہ اس سورت کے شروع میں موجود اپنی جیسی آیت مبارکہ پر معطوف ہے یعنی '' فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا '' (آیت:۱۱) پر اور اگرچہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے ] اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کے انکار کرنے کی وجہ کے بارے میں قریش مکہ سے باز پرس کرنے اور ان سے پوچھنے کا اپنے رسول اکرم کو حکم دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام کا سلسلہ چلایا اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل کلام کو جاری رکھا' پھر اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول کو حکم دیا کہ آپ قریشِ مکہ سے اس نامنصفانہ اور ظالمانہ تقسیم کی وجہ کے بارے میں پوچھیں جو انہوں نے از خود تقسیم کر رکھی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں اور خود اپنے لیے بیٹے مقرر کر رکھے تھے' چنانچہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے حالانکہ خود ان کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے اور ان کے ذکر سے سخت نفرت کرتے تھے۔

۱۵۰- ﴿ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴾ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا اور وہ اس وقت حاضر تھے۔
''شاھدون'' کا معنی ''حاضرون'' ہے اور فرشتوں کی تخلیق کے وقت مشاہدہ کے لیے ان (کفار) کے علم کی تخصیص محض ان کا مذاق اڑانے اور ان کی جہالت ثابت کرنے کے لیے کی گئی ہے کیونکہ جس طرح انہیں مشاہدہ کے ساتھ یہ معلوم نہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں کوئی علم نہیں' نہ اخبار صادقہ (سچی خبروں) کے ذریعے اور نہ غور وفکر اور استدلال کے ذریعے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے دلوں کی کیفیات تک خوب جانتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات دل کے اطمینان سے کہتے ہیں گویا انہوں نے ان کی تخلیق کا مشاہدہ کیا ہے اور دراصل یہ ان کی انتہائی جہالت کی بات ہے۔

۱۵۲'۱۵۱- ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ خبردار! بلاشبہ یہ بات اپنے جھوٹ سے کہتے ہیں ۝ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ اپنی بات میں ضرور جھوٹے ہیں۔

۱۵۳- ﴿ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو منتخب کرلیا ہے [ہمزہ مفتوح استفہام (سوال کرنے کے لیے یعنی سوالیہ) ہے اور یہ استفہام ان کو ڈرانے' دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ہے اور ہمزہ وصل کو حذف کردیا گیا ہے کیونکہ ہمزہ استفہام نے اس سے بے نیاز کردیا ہے]۔

۱۵۴- ﴿ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم اس فاسد وباطل حکم کا فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟

۱۵۵- ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے [حمزہ کوفی' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب نصر ینصر) پڑھا گیا ہے]۔

۱۵۶- ﴿ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴾ کیا تمہارے لیے کوئی ایسی واضح حجت ودلیل ہے جو تم پر آسمان سے نازل کی گئی ہو کہ واقعی فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۱۵۷- ﴿ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ ﴾ پس تم اپنی وہ کتاب لاؤ جو تم پر نازل کی گئی ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۵۸ۙ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۵۹ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۰ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝۱۶۱ۙ
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝۱۶۲ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝۱۶۳ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ
مَّعْلُوْمٌ ۝۱۶۴ۙ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاۗفُّوْنَ ۝۱۶۵ۚ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝۱۶۶

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قائم کردی' اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے ۝ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۝ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ۝ سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ۝ تم سب اس کے خلاف کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ۝ ماسوا اس کے جو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والا ہے ۝ (فرشتے کہتے ہیں:) اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لیے ایک مقام معلوم ہے ۝ اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہیں ۝ اور بے شک ہم ضرور تسبیح بیان کرنے والے ہیں ۝

۱۵۸- ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرالی۔ یہاں جنوں سے فرشتے مراد ہیں یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور فرشتوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرالی کیونکہ فرشتے بھی جنوں کی طرح آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کا گمان تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں سے شادی کر لی اور ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے پیدا ہوئے ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک جنہوں نے یہ بات کہی ہے وہ ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیے جائیں گے۔

۱۵۹- ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو اولاد اور بیوی سے مبرّا اور منزّہ اور پاک بیان فرمادیا ہے۔

۱۶۰- ﴿إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے [یہ "من المحضرین" سے استثناء منقطع ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے [اور "سبحان اللّٰه" استثناء کے درمیان اور مستثنیٰ منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء "یصفون" کی واؤ جمع سے واقع ہو] یعنی یہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی ناشائستہ صفات بیان کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی ناز یبا صفات بیان کرنے سے مبرّا ہیں۔

۱۶۱ تا ۱۶۳- ﴿فَإِنَّكُمْ﴾ سو بے شک اے مکہ مکرمہ کے رہنے والو! تم ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ﴾ تم اور وہ تمہارے معبود سب کے سب اس پر (یعنی) اللہ تعالیٰ کے متعلق گمراہ نہیں کرسکتے ﴿إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ﴾ مگر اس کو (گمراہ کرسکتے ہو) جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے یعنی تم کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ہو سوائے دوزخیوں کے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکے ہیں کہ وہ اپنے بُرے اعمال کے سبب دوزخ میں جانے کے مستحق ہیں اور ان کی بداعمالیوں کے باعث ان پر دوزخ واجب و لازم ہو چکی ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "فتن فلان علی فلان امراتہ" کہ فلاں آدمی نے فلاں شخص کے خلاف اس کی بیوی کو گمراہ کردیا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اے یہ بات کہنے والو! تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو' تم سب بتوں کی عبادت کے لیے کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ہو' سوائے اس شخص کے جس پر تقدیر میں دوزخ میں داخل ہونا واجب و لازم ہو چکا ہے یعنی وہ دوزخ کی آگ میں ضرور داخل ہوگا اور بعض کا قول ہے کہ تم گمراہ نہیں کرسکتے مگر اس شخص کو جس پر ازل میں پہلے ہی گمراہی واجب و لازم ہو چکی ہے [ "صال" میں لام مکسور ہے اور "مَا اَنْتُم" میں "مَا" نافیہ ہے اور "فاتنین" کی وجہ سے "مَنْ" محلاً منصوب ہے اور حضرت حسن کی قراءت میں "صَالُ الجحیم" لام مضموم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ جمع ہو اور نون اضافت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہو اور واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی ہے اور وہ "الجحیم" میں لام ہے اور "مَنْ" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے' چنانچہ "ھو" کو اس کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے اور "صالون" کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے]۔

۱۶۴- ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے عبادت و معرفت میں ایک مقام معلوم ومقرر ہے' اس مقام سے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا [یہ فرشتوں کا کلام ہے' اصل میں "وَمَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" ہے' پھر "اَحَدٌ" موصوف کو حذف کر کے اس کی صفت "اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" کو اس کا قائم مقام بنادیا گیا ہے]۔

۱۶۵-﴿وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾ اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہوتے ہیں (یعنی) ہم نماز میں اپنے قدموں کو برابر رکھ کر صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم عرشِ الٰہی کے اردگرد صف بستہ ہو کر مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

۱۶۶-﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ضرور تسبیح کرتے ہیں (یعنی) ہم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور عیبوں سے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں یا یہ کہ نماز پڑھتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس سے پہلے ''سبحان اللّٰہ عما یصفون'' سے یہاں تک فرشتوں کے کلام میں سے ہو' یہاں تک کہ ان کے ذکر کو ارشادِ باری تعالیٰ ''ولقد علمت الجنة'' میں ان کے کلام سے پہلے متصل بیان کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک فرشتوں کو معلوم ہے اور وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب العزت کا شریک و ہم جنس کہہ کر ان پر بہتان تراشتے ہیں' اس لیے فرشتے کہتے ہیں کہ ''سبحان اللّٰہ عما یصفون'' سو وہ اللہ تعالیٰ کو ان شرکیہ باتوں سے منزہ اور پاک ثابت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور انہیں اس سے بَری قرار دیتے ہیں اور وہ کافروں سے کہتے ہیں کہ تم اور تمہارے معبود اس کی مخلوق میں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو' ماسوا ان کے جو دوزخ والوں میں سے ہیں اور ہم بھلا رب تعالیٰ کے کیسے شریک و ہم جنس ہو سکتے ہیں' ہم تو اس کے سامنے محض عاجز و ادنیٰ بندے ہیں' ہم میں سے ہر ایک کے لیے عبادت و اطاعت گزاری میں ایک مقام معلوم ہے جس سے کوئی بھی اِدھر اُدھر پھر نہیں سکتا کیونکہ کامیاب ہونے اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے خشوع و خضوع کے اظہار کے لیے ایسا پابند ہونا ضروری ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں کو برابر کر کے صف بستہ رہتے ہیں' ہم تسبیح و بزرگی بیان کرنے والے ہیں جیسا کہ بندوں پر اپنے پروردگار کی اطاعت کے لیے واجب ہے اور بعض اہل علم حضرات کا فرمان ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے یعنی ہم مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوگا مگر قیامت کے دن اس کے اعمال کی مقدار کے مطابق اس کے لیے ایک مقام معلوم ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○'' (الاسراء:۷۹) ''عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا○'' پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اعمال کا تذکرہ کیا اور یہ کہ بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں صف بندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں سے تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں جو چیزیں اس کے لیے جائز نہیں ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ
عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور بے شک وہ کہتے ہیں○ اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی○ تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے○ پھر انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا' سو عنقریب وہ جان لیں گے○ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے گزر چکا ہے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا○ بے شک ان کی مدد ضرور کی جائے گی○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا○ سو آپ ان سے ایک مقررہ عرصہ تک اعراض کر لیجئے○ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے○ تو کیا وہ

ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں○

## مُرسلین کے غلبہ اور مشرکین کے انجام کا بیان

۱۶۷ تا ۱۷۰ - ﴿ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ کہا کرتے تھے یعنی حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے قریش مکہ کے مشرکین کہا کرتے تھے کہ ﴿ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ بے شک اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی یعنی ہم سے پہلے وہ لوگ جن پر تورات اور انجیل وغیرہ نازل کی گئی تھی اگر ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے پاس ہوتی تو ﴿ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے ہو جاتے کیونکہ ہم ضرور اپنی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتے اور پھر جب انہوں نے ہمیں جھٹلایا جیسا کہ دیگر کفار نے جھٹلا دیا تھا اور جب انہوں نے ہماری مخالفت کی جیسا کہ سابق کفار نے مخالفت کی تھی تو ان کے پاس ذکر آیا' جو سیّد الاذکار تھا (یعنی رسولِ عربی ﷺ تشریف لائے جو سیّد الانبیاء والرسل تھے) اور ان کے ساتھ ایک کتاب بھی نازل کی گئی تھی جو تمام کتابوں کی سردار تھی (یعنی قرآن مجید) ﴿ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار کر دیا' سو وہ لوگ اپنے جھٹلانے کے انجام اور انتقام کی صورت میں اپنے اوپر نازل ہونے والے عذابِ الٰہی کو عنقریب جان لیں گے [''وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ'' میں حرف ''اِنْ'' دراصل ثقیلہ (ہمزہ مکسور اور نون مشدد مفتوح ''اِنَّ'') سے مخففہ (ہمزہ مکسور اور نون ساکن) بنایا گیا ہے اور لام ''اِنْ'' خفیفہ اور ''اِنْ'' نافیہ میں فرق کرنے کے لیے لایا گیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ''اِنْ'' خفیفہ تو ضرور ہے لیکن نافیہ نہیں) اور ''اِنَّ'' کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بات کو نہایت مؤکد و مستحکم کر کے اور اس میں پوری محنت و کوشش کرنے کے بعد اسے بہت مضبوط و پختہ کر کے بیان کرتے تھے' سو ان لوگوں کے پہلے روّیے کے درمیان اور ان کے آخری روّیے کے درمیان کس قدر فرق و تضاد پایا جاتا ہے]۔

۱۷۱ تا ۱۷۳ - ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے پہلے سے گزر چکا ہے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور اس کلمہ سے درج ذیل ارشاد مراد ہے کہ ﴿ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ بے شک ضرور صرف انہیں کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا' اور بے شک ہم نے اسے کلمہ کہا ہے حالانکہ وہ کلمات ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلمات کو ایک ہی معنی میں جمع کر دیا جائے تو پھر وہ ایک کلمہ کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں میدانِ جنگ اور دلائل کے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے دشمنوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں ان کو ان کے دشمنوں پر بہت بڑے بلند درجات عطا فرمائے گا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ کسی جنگ میں کوئی نبی اور رسول مغلوب نہیں ہوا (بلکہ ہمیشہ غالب رہا ہے) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اگر انبیائے کرام کی دنیا میں مدد نہیں کی گئی (جیسے شہید ہونے والے پیغمبر) تو آخرت میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور خلاصہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مشن کی اساس و بنیاد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غالب و اکثر مواقع پر کامیابی و کامرانی اور فتح و نصرت اور غلبہ ہی ہے اگرچہ بعض مواقع پر امتحان و آزمائش کی خاطر شکست و کمزوری بھی ہو جاتی ہے لیکن اعتبار تو غالب و اکثر مواقع کا ہے[1]

[1] یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام کے غالب و منصور کرنے کا وعدہ صرف ان انبیائے کرام کے لیے تھا جن کو کفار سے جہاد کرنے کا مامور ٹھہرایا گیا تھا' چنانچہ میدانِ جہاد میں کسی نبی کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی نبی میدانِ جنگ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۷٤- ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض فرمالیجئے (یعنی) تھوڑی سی مدت تک ان سے روگردانی کر لیجئے اور یہ وہ مدت ہے جس میں ان کو مہلت دی گئی ہے یا پھر غزوۂ بدر کے دن تک یا مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے دن تک۔

۱۷۵- ﴿وَّاَبْصِرْهُمْ﴾ اور آپ انہیں دیکھتے رہیں یعنی آپ یہ دیکھتے رہیے کہ اس دن ان کو کیا کچھ عذاب پہنچتا ہے ﴿فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ سو وہ بھی عنقریب اپنا یہ انجام دیکھ لیں گے اور یہ "سوف" وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے' بُعد و دوری کے معنی کے لیے نہیں ہے' یا یہ معنی ہے کہ آپ اس وقت انہیں دیکھنا جب انہیں عذاب دیا جائے گا' سو وہ عنقریب اپنے انکار کا انجام دیکھ لیں گے یا آپ انہیں بتائیے کہ وہ عنقریب جان لیں گے۔

۱۷٦- ﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ تو کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں کہ اس کے وقت سے پہلے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

| |
|---|
| فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ |
| وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى |
| الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ |

ع

پھر جب ان کے صحن میں (عذاب الٰہی کا لشکر) اترے گا تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بدترین ہوگی O اور آپ ان سے ایک معین عرصہ تک اعراض کر لیجئے O اور دیکھتے رہیے' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے O آپ کا عزت والا پروردگار ہر اس عیب سے پاک ہے جو مشرکین بیان کرتے ہیں O تمام پیغمبروں پر سلام ہو O اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک و پروردگار ہے O

۱۷۷- ﴿فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ پھر جب وہ عذاب ان کے گھروں کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا ["المنذرین" میں لام جنس کا ہے جو مبہم ہوتا ہے کیونکہ "سَآءَ" اور "بِئْسَ" اسی کا تقاضا کرتے ہیں] بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد مراد ہے اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کو اس کے بعد کہ انہیں پہلے ڈرایا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اس لشکر کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مغلوب رہا ہے' انجام کار غلبہ ہی رہا ہے اور جن انبیائے کرام کو شہید کیا گیا وہ نہ تو میدانِ جنگ میں شہید ہوئے اور نہ وہ کفار سے جنگ کرنے کے مامور ٹھہرائے گئے تھے۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳' ص ۲۸٦' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

نیز علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ نصرت و غلبہ سے مراد میدانِ جنگ میں ان کو غالب و منصور رکھنا ہے' چنانچہ انبیائے کرام میں سے کوئی نبی میدانِ جنگ میں شہید نہیں کیا گیا۔ حضرت امام سدی نے فرمایا کہ غلبہ و نصرت سے حجت و دلیل مراد ہے کہ انبیائے کرام دلائل کے میدان میں کفار سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ غالب و منصور رہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۱۵٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

مانند قرار دیا گیا جس کے بعض خیر خواہوں نے اپنی قوم کو اس لشکر کے حملہ آور ہونے سے ڈرایا لیکن انہوں نے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی' یہاں تک کہ وہ اچانک ان کے گھروں کے صحنوں میں ان پر ٹوٹ پڑا اور ان پر لوٹ مار شروع کر دی اور چونکہ ان کے لوٹ مار اور غارت گری کرنے کی عادت صبح کے وقت ہوتی ہے' سو اس لیے اس لوٹ مار کو "صباح" کا نام دیا جاتا ہے' اگرچہ کسی دوسرے وقت میں کیوں نہ واقع ہو۔

۱۷۸'۱۷۹- ﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ اور آپ ان سے ایک مختصر عرصہ تک اعراض فرما لیجئے ۝ اور آپ دیکھتے رہیے' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے' اور اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی در تسلی دی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کی تاکید در تاکید کی جائے اور اس میں ایک زائد فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فعلوں کو مفعول کی قید سے مطلق و آزاد رکھا گیا ہے اور یہ کہ بے شک آپ بھی اور وہ بھی اسے دیکھ لیں گے جس کا ذکر احاطہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو تو مختلف اقسام کی خوشیاں اور مسرتیں ملیں گی اور ان کو مختلف انواع کے دُکھ درد اور تکلیفیں ملیں گی اور بعض مفسرین نے فرمایا: ان دو مکررہ آیات میں سے ایک سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور دوسری سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

۱۸۰- ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ﴾ آپ کا عزت والا رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے" "عزۃ" کی طرف "رب" کی اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ رب تعالیٰ ہی عزت کے ساتھ مخصوص ہے گویا فرمایا: "ذو العزۃ" کہ اللہ تعالیٰ عزت والا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں: صاحب صدق' سچ بولنے والا کیونکہ وہ صدق کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ کسی کے لیے عزت نہیں ماسوا اللہ تعالیٰ کے کہ وہی عزت والا ہے اور وہی عزت کا مالک ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ" (آل عمران:۲۶) "آپ جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرما دیتے ہیں" ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کفار مکہ کی من گھڑت بیان کردہ اولاد' بیوی اور شریک سے پاک ہے۔

۱۸۱- ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو' اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مخصوص رسولوں پر سلام کے بعد اب آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجنے کا عام ذکر محض اس لیے فرمایا کہ ہر ایک پیغمبر پر خصوصیت کے ساتھ سلام کے ذکر کرنے میں طوالت ہو جاتی۔

۱۸۲- ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اللہ تعالیٰ کی یہ حمد و ثناء دشمنانِ دین کے ہلاک کرنے پر اور انبیائے کرام علیہم السلام کی مدد کرنے پر ہے' یہ سورت ان باتوں کے ذکر پر بھی مشتمل ہے جو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہی تھیں اور جن چیزوں کو اس کی طرف منسوب کیا' جن سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے اور ان چیزوں کا بھی ذکر ہے جو رسولوں نے ان کی طرف سے برداشت کیں اور آخر کار کفار کے خلاف انبیائے کرام کی جو مدد کی گئی اس کا بھی ذکر ہے' پھر آخر میں اس سورت کو ایسی آیات پر ختم کیا گیا جو ان تمام باتوں کی جامع ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ کی ان تمام باتوں سے تنزیہ اور پاکی بھی ہے جو مشرکین نے بیان کی تھیں اور رسولوں پر سلام بھی بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور مؤمنوں کے لیے حسن خاتمہ اور اخروی نعمتیں جو مقدر فرمائی ہیں' ان پر اس کی حمد و ثناء بھی کی گئی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو اس کی تعلیم دینا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مشمولات سے کبھی غافل نہ ہوں اور نہ اس کے قرآن مجید میں ودیعت رکھے گئے احکام سے یا الوداعی کلمات سے کبھی غافل ہوں' اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اس کا اجر و ثواب پورا پورا ناپا جائے تو وہ جب مجلس سے اٹھے' اس

سورت کی آخری تین آیات ''سبحان ربک'' سے آخر تک پڑھ لیا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ ص مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی اٹھاسی آیات' پانچ رکوع ہیں

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۞ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۞ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۞ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۞ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۞ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ۞

صٓ نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم ○ بلکہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ تکبر اور مخالفت میں ہیں ○ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں' سو انہوں نے پکارا حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا ○ اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا' اور کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ○ کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے ○ اور ان کے سردار (یہ کہہ کر) چلے گئے کہ تم چلو اور اپنے معبودوں پر صابر رہو' بے شک یہ کوئی مطلوب بات ہے ○

## صٓ اور قرآن مجید کی حکمتیں

۱- ﴿صٓ﴾ [1] حروف تہجی میں سے اس حرف کو ایک تو چیلنج کے طور پر' دوسرا قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر تنبیہ کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے' پھر اس کے بعد قسم کا ذکر فرمایا جس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس جواب پر چیلنج دلالت کر رہا ہے' گویا فرمایا: ﴿وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ﴾ نصیحت والے قرآن مجید کی قسم یعنی فضیلت وعظمت والے قرآن کی قسم! بے شک یہ معجز کلام (عاجز کرنے والا اور بے مثل کلام) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''صٓ'' مبتدا محذوف کی خبر ہو' اس بناء پر کہ یہ سورت کا نام ہے' گویا فرمایا: یہ ''صٓ'' ہے یعنی یہ ایک ایسی سورت ہے جس نے تمام عرب والوں کو عاجز کر دیا ہے' ''والقراٰن ذی الذکر'' اس طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو: ''هٰذَا حَاتِمٌ وَاللّٰهِ'' اللہ کی قسم! یہ شخص حاتم طائی ہے۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص حاتم طائی کی طرح سخاوت میں بہت مشہور ومعروف ہے اور اسی طرح قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے' گویا ارشاد فرمایا: مجھے ''صٓ'' اور نصیحت والے قرآن کی قسم! بلاشبہ یہ سراسر معجزہ ہے' پھر آگے کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

[1] حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ ''صٓ'' اسم الصمد اور صادق الوعد کی چابی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''ص'' کا معنی ہے: ''صَدَقَ محمد رسول اللّٰه'' یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اللہ کے رسول ہیں' نے سچ فرمایا۔ حضرت ضحاک نے فرمایا: ''صٓ'' کا معنی ہے: ''صدق اللّٰه'' یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ (تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۳ ص ۷۰۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۵۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

## کفارِ مکہ کے تکبر و مخالفت کا بیان

۲- ﴿بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ﴾ بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر میں ہیں کہ اس کتاب کی تصدیق کرنے اور اس پر یقین رکھنے سے تکبر کرتے ہیں اور حق کا اعتراف واقرار کرنے سے تکبر کرتے ہیں ﴿وَّشِقَاقٍ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول کی مخالفت میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ''عزۃ و شقاق'' کونکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ نکارت کفار کی مخالفت وتکبر کی شدت وسختی اور ہٹ دھرمی پر دلالت کرے اور ایک قراءت میں ''فی غرّۃ'' پڑھا گیا ہے یعنی کفارِ مکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان پر واجب تھا کہ حق میں غور وفکر کرتے اور اس کی اتباع کرتے۔

۳- ﴿کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ﴾ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر ڈالا (یعنی اے محبوب!) ہم نے آپ کی قوم قریشِ مکہ سے پہلے کتنی سرکش امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس میں تکبر وغرور اور مخالفت کرنے والوں کے لیے بڑی وعید (دھمکی) ہے ﴿فَنَادَوۡا﴾ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ہمیں پکارا اور فریاد کی اور مدد چاہی ﴿وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ﴾ حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا [''لات'' اصل میں ''لا'' مشبہ ''بلیس'' ہے اس پر تائے تانیث زیادہ کی گئی ہے جیسے ''رُبَّ'' اور ''ثَمَّ'' پر تاکید کے لیے تائے تانیث زیادہ کی جاتی ہے اور اس ''لا'' پر تائے تانیث زیادہ کرنے کی وجہ سے اس کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے چنانچہ ''لَاتَ'' صرف ''الاحیان'' پر داخل ہوتا ہے اور اس کے دو معمولوں میں سے ایک محذوف ہوتا ہے اسم یا خبر دونوں کا اکٹھے ظاہر ہونا جائز نہیں بلکہ منع ہے اور یہ خلیل اور سیبویہ کا مذہب ہے اور اخفش کے نزدیک یہ ''لا'' نفی جنس کا ہے جس پر ''تا'' زیادہ کی گئی ہے اور یہ ''احیان'' (جمع ''حین'') کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور ''حین مناص'' ''لا'' نفی جنس کے اسم ہونے کی بناء پر منصوب ہے (اور خبر محذوف ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ولاحین مناص لھم'' اور خلیل وسیبویہ کے نزدیک اس بناء پر منصوب ہے کہ یہ ''ولات الحین حین مناص'' ہے ''ای ولیس الحین حین مناص'' یعنی اور وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا (بلکہ وہ یاس وناامیدی کا وقت تھا)]۔

٤- ﴿وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ﴾ اور انہوں نے تعجب کیا کہ انہیں میں سے یعنی انہیں کی جنس سے ایک ڈر سنانے والا رسول ان کے پاس تشریف لایا ہے یعنی وہ لوگ بنی نوع انسان اور جنس بشر سے نبی ورسول کا ہونا عقل سے بہت بعید اور ناممکن ومحال خیال کرتے تھے (جب کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے انہیں فخر سے اپنا معبود قرار دیتے) ﴿وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے (اور) بہت بڑا جھوٹا ہے۔

**(نعوذ باللّٰه من ذالك)**

٥- ﴿اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ﴾ کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود قرار دے دیا' بے شک یہ بہت عجیب چیز ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں ''وقالوا'' نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے غضب وناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے اور دوسرا اس بات پر رہنمائی کرنے کے لیے کہ ایسی احمقانہ بات پر صرف وہی کافر جراءت کرتے ہیں جو کفر میں حد سے بڑھ چکے ہوتے ہیں اور سرکشی وگمراہی میں منہمک و مستغرق ہو چکے ہوتے ہیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ سچا رسول قرار دے دے' یہ اسے کاذب وساحر کہیں اور توحید سے تعجب کرنے لگیں' حالانکہ یہ روشن ترین حق ہے اور وہ شرک پر تعجب نہیں کرتے حالانکہ وہ محض باطل ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور کفارِ قریش کو شاق وناگوار گزرا' چنانچہ کفار کے سرداروں میں سے پچیس افراد جمع ہوئے اور جناب ابوطالب کے پاس چلے

گئے اور ان سے جا کر کہا کہ آپ ہمارے بڑے سردار ہیں اور آپ کو معلوم ہے ان بے وقوفوں نے جو کچھ کیا ہے' ان کی مراد وہ مسلمان صحابہ تھے جو کفر و شرک چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیں' سو جناب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا لیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم ہے' یہ آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں' آپ اپنی قوم کے ساتھ اعتدال کا رویہ اپنائیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو' تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارا اور ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیں' ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیتے ہیں' چنانچہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: تم میرا ایک کلمہ قبول کر لو تو تم پورے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمہارے تابع ہو جائے گا' انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے' کہ ایک کیا دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم کہو "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" پس یہ کلمہ توحید سن کر سارے سردار بگڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "اَجَعَلَ الْاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ O" "کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے O" اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] یعنی یہ بہت زیادہ عجیب بات ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عجیب وہ چیز ہے جس کی مثال ہے اور "عجاب" وہ چیز ہے جس کی مثال نہ ہو۔

۶- ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا﴾ اور ان کے سردار چل پڑے کہ تم بھی چلو (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ نے سردارانِ قریش کے پچیس ارکان پر مشتمل وفد کو مسکت جواب دے کر انہیں لاجواب کر دیا تو جناب ابو طالب کی مجلس سے قریش کے یہ سردار ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے بگڑ کر کھڑے ہو گئے کہ چلو چلتے ہیں یہاں ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور "ان" بہ معنی "اَیْ" ہے یعنی چلو کیونکہ گفت و شنید کی باہمی مجلس سے جانے والوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی بات کرتے اور باہمی مکالمہ کے درمیان جو بات چیت جاری رہی' اس پر باہمی تبادلہ خیال کرتے تو گویا ان کا اٹھ کر چلے جانا ہی باہمی بات چیت کے معنی کو متضمن تھا ﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِھَتِکُمْ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ اور تم اپنے معبودوں کی عبادت پر صبر کرو اور اس پر ثابت قدم رہو' بے شک یہ عقیدۂ توحید ایک ایسا امر ہے جس کا باقاعدہ ارادہ کیا گیا ہے یعنی اس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرما لیا ہے اور اس نے اس امر کو نافذ و جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے' سو اس لیے اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اسے ٹال سکتا ہے اور اس میں سوائے صبر کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں یا یہ حوادثاتِ زمانہ کا ایک ایسا خطرناک منصوبہ ہے' جس کے ذریعے ہماری تباہی اور بربادی کا ارادہ کیا گیا ہے' سو اس لیے ہمارا اس سے بچنا ناممکن ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ ۚ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ۭ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۸ اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ ۹ اَمْ لَھُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا ۣ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۱۰ جُنْدٌ مَّا ھُنَالِکَ مَھْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۱۱

ہم نے یہ بات پچھلے مذہب میں بھی نہیں سنی' یہ تو نہیں مگر من گھڑت بات ہے O کیا ہم میں سے یہ ذکر (قرآن) اسی

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۶۲' الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۲' الحاکم ج ۲ ص ۴۳۲' ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۸۶

پر اتارا گیا ہے' بلکہ وہ میرے ذکر (قرآن) کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' بلکہ انہوں نے ابھی تک میرا عذاب نہیں چکھاO کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں وہ تو سب پر غالب بہت عطا فرمانے والا ہےO کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے' سو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جائیںO یہ کفار کے لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو یہیں شکست کھائے گاO

۷- ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ ہم نے یہ توحید کی بات کبھی نہیں سنی ﴿فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾ آخری دین میں (یعنی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں' یہی وہ دین ہے جو تمام دینوں میں آخری دین ہے کیونکہ عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل تھے' توحید کے قائل نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے یہ توحید کی بات قریش کے مذہب میں کبھی نہیں سنی جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد (باپ دادا) کو پایا ہے ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ یہ عقیدۂ توحید نہیں مگر جھوٹ اور من گھڑت ہے جس کو (سرور انبیاء حبیب کبریاء حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دل سے گھڑ کر جھوٹ پیش کیا۔

**(نعوذ باللّٰہ من ذٰلک)**

۸- ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا﴾ کیا ہم (سرداروں) میں سے صرف اسی پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے' "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہے۔ کفار مکہ حسد کے مارے اس سے انکاری تھے کہ ان سرداروں کی موجودگی کسی اور کو عظمت وشرف اور فضیلت وبرتری کے کسی عظیم الشان منصب وعہدے کے ساتھ مخصوص کیا جاسکتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے اس پر کتاب کو نازل کیا جاسکتا ہے ﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي﴾ بلکہ وہ لوگ میرے نصیحت سے بھرپور قرآن مجید کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ بلکہ انہوں نے ابھی تک عذاب نہیں چکھا' پھر جب وہ اسے چکھ لیں گے تو اس وقت ان کے دلوں میں جو شک وشبہ اور حسد' کینہ اور بغض موجود تھا' سب ختم ہو جائے گا یعنی یہ لوگ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کریں گے جب تک ان کو عذاب نہیں پہنچے گا' پھر جب انہیں عذاب پہنچے گا تو اس وقت وہ تصدیق کریں گے۔

۹- ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جو بہت بہت عطا فرمانے والا سب پر زبردست غالب ہے' یعنی وہ رحمت کے خزانوں کے مالک نہیں ہیں کہ وہ جن کو چاہیں نواز دیں اور جن سے چاہیں روک دیں اور وہ چاہیں تو نبوت کے عظیم منصب کے لیے اپنے سرداروں میں سے کسی کو منتخب کر لیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منصب سے برطرف کر دیں بلکہ رحمت اور اس کے تمام خزانوں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے' جو اپنی تمام مخلوق پر زبردست غالب و جابر ہے' بہت بہت عطا فرمانے والا ہے' وہ اپنے عطیات حسب موقع جس کو چاہتا ہے جتنے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' وہ اسی کے مطابق تقسیم کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کی وضاحت کی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۰- ﴿اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے' یہاں تک کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کے معاملات میں کلام کرتے ہیں اور اللہ معبودِ برحق کی تدابیر میں گفتگو کرتے ہیں جن کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے' جو عزت وکبریائی کا مالک ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کا استہزاء کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ کفار مخلوقات کی تدبیر ومنصوبہ بندی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رحمت کی تقسیم میں تصرف کر سکتے ہیں ﴿فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ

جائیں (یعنی) وہ ان سیڑھیوں اور راستوں پر چڑھ جائیں جن کے ذریعے وہ آسمان تک پہنچ جائیں تاکہ وہ پورے جہاں کی اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کی تدبیر کریں اور وہ جس کو چاہیں اس پر وحی کو نازل کریں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے خلاف مدد کرنے کا وعدہ کر کے ارشاد فرمایا (درج ذیل):

۱۱-﴿جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ﴾ یہ لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو وہاں شکست خوردہ ہوگا' مراد یہ ہے کہ جمع ہو کر حملہ کرنے والے کفار میں سے یہ ایک حقیر لشکر ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے والا ہے لیکن عنقریب یہ شکست خوردہ ہوگا' سو آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں جو یہ کہتے رہتے ہیں اور نہ آپ ان باتوں سے رنجیدہ وغمگین ہوں جو یہ لوگ آپ کے خلاف منصوبے بناتے رہتے ہیں [''جُندٌ'' مبتدا ہے ''مَا'' نکرہ مبتدا کی تقویت کے لیے اس کا صلہ ہے اور ''هنالك'' سے بدر کی طرف اشارہ ہے یا ان کی شکست کی جگہ کی طرف اشارہ ہے یا اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جس میں سب بیٹھ کر چرب زبانی سے اس قسم کی نازیبا باتیں کہنے کے لیے جواب تیار کرتے تھے جیسا کہ اہل عرب چرب زبانی کرنے والے کے لیے کہتے ہیں: یہ اس کے اہل نہیں' تم اس کے اہل نہیں' مبتدا کی خبر ''مَهْزُومٌ'' ہے اور ''من الاحزاب' جُندٌ'' کے متعلق ہے یا پھر ''مهزوم'' کے متعلق ہے]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

ان سے پہلے (حضرت) نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا O اور ثمود اور (حضرت) لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے (جھٹلایا)' یہ وہی گروہ ہیں O ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا' سو ان پر میرا عذاب لازم ہو گیا O اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہوگا O اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے O

## تکذیب کے سبب گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا بیان

۱۲-﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ﴾ ان سے پہلے (یعنی) اہل مکہ سے پہلے قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کو اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا تھا ﴿ذُو الْأَوْتَادِ﴾ میخوں والے۔ بعض کا قول ہے: فرعون کے پاس میخیں اور رسیاں ہوتیں تھیں جن کے ذریعے اس کے سامنے کھیل پیش کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ فرعون اپنی رعایا میں سے جب کسی کو سزا دیتا تو چار میخوں کے ساتھ دیتا' دو میخیں ہاتھوں اور دو پاؤں میں گاڑ دیتا تھا۔

۱۳-﴿وَثَمُودُ﴾ اور ثمود اور اس کے پیروکار حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے ان کے پاس حضرت صالح کو نبی بنا کر بھیجا گیا لیکن انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا ﴿وَقَوْمُ لُوطٍ﴾ اور حضرت لوط علیہ

السلام کو اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا ﴿وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ﴾ ایکہ یعنی جنگل کے رہنے (یا بہ کثرت درختوں اور جھاڑیوں کے علاقہ میں رہنے یا ایکہ کے شہر میں رہنے) والوں نے اپنے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا تھا ﴿أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ﴾ یہ وہی گروہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشارہ ''اُولٰٓئِكَ'' سے یہ بتلانا چاہا کہ جن گروہوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب پر شکست دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا' ان میں سے کچھ یہ ہیں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی گروہ ہیں کہ ان میں سے تکذیب پائی گئی تھی۔

١٤- ﴿إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا' اس سے پہلی دو آیات میں جملہ خبریہ کی صورت میں ابہام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب (جھٹلانے) کا ذکر فرمایا' جن میں ''مُكَذَّبِيْنَ'' (جن کو جھٹلایا گیا تھا) کی وضاحت بیان نہیں فرمائی' پھر اب جملہ استثنائیہ لایا اور اس میں اس بات کی وضاحت بیان فرمائی اور جن کو جھٹلایا گیا تھا ان کو بیان فرمایا اور وہ رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ ذکر کیا کہ ان گروہوں میں سے ہر ایک نے تمام رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ ان میں سے کسی ایک رسول کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے' اس لیے کہ ان تمام پیغمبروں کی دعوت متحد اور ایک ہے اور جھٹلانے کے تکرار میں اور اس کے ابہام کے بعد اس کی وضاحت کرنے میں اور پہلے جملہ خبریہ اور پھر جملہ استثنائیہ میں تقسیم کر کے اس کے تکرار میں اور پھر استثنائیہ جملہ کو تاکید کے طریقہ پر لانے میں مبالغے کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں' جس نے ان پر مہر لگا دی کہ وہ سخت ترین اور مکمل ترین عذاب کے مستحق ہیں' پھر ارشاد فرمایا: ﴿فَحَقَّ عِقَابِ﴾ سو ان پر میرا عذاب ثابت ولازم ہو گیا یعنی پس اسی وجہ سے واجب ہو گیا ہے کہ میں انہیں ایسا سخت عذاب دوں جیسا کہ عذاب دینے کا حق ہے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں ''لَمَّا یذوقوا عذابی'' اور ''فحقّ عقابی'' ''یا'' متکلم کے ساتھ پڑھا گیا ہے]۔

## کفارِ مکہ کی حماقت کا بیان

١٥- ﴿وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا یعنی اہل مکہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو کہ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلا صور پھونکنا مراد ہے اور یہ بہت بڑی گھبراہٹ کا دن ہو گا ﴿مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ﴾ اس کے لیے مہلت نہیں ہو گی [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فـــا'' پر ضمہ (پیش) ہے] یعنی اس چیخ کے وقوع میں اتنا وقفہ بھی نہیں جتنا ''فواق'' کا ہوتا ہے اور وہ دودھ دوہنے والے کے دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ مراد ہے (کیونکہ اونٹنی کے دودھ کا طریقہ یہ ہے کہ دودھ دوہ کر تھوڑی دیر وقفہ کیا جاتا ہے تا کہ اونٹنی کا بچہ دودھ پیے تو دودھ اتر آئے' جب اترنے لگتا ہے تو پھر دوہ لیتے ہیں) یعنی جب اس کا وقت آئے گا تو اتنی دیر بھی پیچھے نہیں ہٹے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کے لیے رجوع نہیں ہو گا اور نہ اُسے لوٹایا جائے گا' یہ ''افاق المریض'' سے ماخوذ ہے' جب مریض بیماری سے دوبارہ صحت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ''فواق الناقة'' اس ساعت اور وقت کو کہتے ہیں جب اونٹنی کا دودھ اس کے تھنوں کی طرف لوٹنے لگتا ہے اور اس چیخ سے ایک دفعہ صور پھونکنا مراد ہے' پس یہی ایک چیخ سب کی موت کے لیے کافی ہو جائے گی' دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا اور نہ اس چیخ کو لوٹایا جائے گا۔

١٦- ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا﴾ اور انہوں نے (یعنی کفارِ مکہ نے) کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دیجئے (یعنی) جنت میں ہمارا حصہ ہمیں جلد دے دیا جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے تو کفارِ مکہ نے تمسخر کے طور پر کہا کہ اس میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلدی

سے دنیا ہی میں دے دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ جس عذاب کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے' اس عذاب میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلد از جلد دنیا میں دے دیا جائے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ" (الحج:۴۷) "اور وہ آپ سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کر رہے ہیں" اور اصل میں "قط" کا معنی ہے: کسی چیز کا حصہ کیونکہ چیز کا حصہ اس کا ٹکڑا ہی ہوتا ہے' یہ "قَطَّهٗ" سے ماخوذ ہے جب اس کے ٹکڑے کر دے اور انعامی رقعہ کو بھی "قط" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ حساب وکتاب کے دن سے پہلے یعنی قیامت کے دن سے پہلے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

(اے محبوب!) وہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور آپ ہمارے قوت والے بندے داؤد کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو فرماں بردار بنا دیا وہ عصر سے شام تک اور طلوع آفتاب سے اشراق کے وقت تک تسبیح بیان کرتے رہتے O اور پرندوں کو (ہم نے فرماں بردار بنا دیا) جو تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے' سب اس کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے O اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کا علم عطا فرما دیا O

۱۷- ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ وہ لوگ آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور صبر کے ذریعے ان پر غلبہ پانے اور ان کی تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنے کے بارے میں آپ کو جو مکلف بنایا گیا ہے' اس میں صبر کر کے اپنے آپ کو (بفرضِ محال) پھسلنے سے محفوظ رکھیے۔

## حضرت داؤد علیہ السلام کی شان

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے بندے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں جو عزت و کرامت حاصل ہے' اس کو یاد کیجئے' بھلا انہوں نے معمولی سی بے صبری کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معمولی سا عتاب بھی سہنا پڑا ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ دین میں قوت والا ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے اور یہ "ذا الاید" کی علت اور اس کی وجہ ہے' مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور یہ سب سے زیادہ سخت اور دشوار روزے ہیں اور آپ آدھی رات عبادت کرتے تھے۔

۱۸- ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ﴾ بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا تھا' بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں کے تابع فرمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب ان کو اپنے ساتھ چلانے اور لے جانے کا ارادہ فرماتے تو پہاڑ اسی وقت آپ کے ساتھ چل پڑتے اور آپ جدھر اور جہاں تک لے جانا چاہتے وہ پہاڑ اُدھر اور وہاں تک چل پڑتے تھے ﴿يُسَبِّحْنَ﴾ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے تھے [یہ حال ہونے کی بناء پر "مُسَبِّحَات" کے معنی میں ہے اور "مُسَبِّحَات" کی بجائے "يُسَبِّحْنَ" اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ فعل کے حدوث و

تجدد پر دلالت کرے اور پہاڑوں کی تسبیح بھی وقفہ وقفہ سے اور وقتاً فوقتاً ہوتی تھی] ﴿بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ صبح وشام یعنی دن کے دونوں اطراف اور ''عشی'' سے عصر کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مراد ہے اور ''الاشراق'' سے اشراق کا وقت مراد ہے اور یہ سورج کے روشن ہونے کے وقت تک ہوتا ہے یعنی جب سورج خوب شعاعیں بکھیر نے لگتا ہے اور یہ چاشت کا وقت ہوتا ہے اور لیکن سورج کے شروق کا معنی ہے: سورج کا طلوع ہونا' جیسے کہتے ہیں: ''شرقت الشمس'' سورج طلوع ہو کر چمکا۔ ''تشرق'' سورج چمک رہا ہے یا چمکے گا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ چاشت کی نماز اسی آیت مبارکہ سے معلوم کی گئی ہے۔

۱۹- ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً﴾ اصل میں ''وَسَخَّرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُورَةً'' ہے اور ہم نے پرندوں کو تابع فرمان بنا دیا کہ وہ ہر طرف سے جمع ہو جاتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو اس کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور تسبیح پڑھتے تھے' پس ان کے ''محشور'' ہونے کا یہی معنی ہے ﴿كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ﴾ پہاڑوں اور پرندوں میں سے ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی ان کی تسبیح کی وجہ سے وہ بھی تسبیح بیان کرتے تھے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کرتے تھے اور ''مسبح'' کی بجائے ''اوابؐ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''اواب'' بہ معنیٰ ''توّاب'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی رضا کی طرف بہت رجوع کرنا ہے اور آپ کی عادت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتے تھے اور ہمیشہ اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''لہ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اور پرندے سب اللہ تعالیٰ کے لیے رجوع کرنے والے تھے یعنی تسبیح بیان کرنے والے تھے اور تسبیح الٰہی پڑھنے کے لیے بہت رجوع کرنے والے تھے۔

۲۰- ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ﴾ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط وقوی کر دیا تھا بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے محل کے اردگرد تینتیس (۳۳) ہزار فوجی رات کو پہرہ دیتے تھے ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ﴾ اور ہم نے اسے حکمت یعنی زبور اور شرعی احکام کا علم عطا فرمایا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو' وہ حکمت ہے ﴿وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی (یعنی) عدالتی فیصلوں کا علم اور مقدمات وجھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت وہمت اور حق وباطل میں فرق کرنے کی قوت واستعداد' اور دو چیزوں کے درمیان امتیاز کرنے کو ''فصل'' کہتے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ واضح اور دوٹوک کلام ''فصل'' ہے اور یہاں فعل بہ معنی مفعول ہے جیسے ''ضرب الامیر'' ہے اور ''فصل الخطاب'' کلام میں سے ایسا واضح خلاصہ جو بیان کیا جائے تو مخاطب پر بات روشن ہو جائے اور اس کو کوئی اشتباہ نہ رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فصل'' بہ معنیٰ ''فاصل'' ہو جیسے ''صوم'' اور ''زور'' اسم فاعل کے معنی میں آتے ہیں اور ''فصل الخطاب'' سے فاصل کلام مراد ہے جو صحیح اور فاسد اور حق وباطل کو ایک دوسرے سے واضح طور پر جدا کر دے اور حضرت داؤد کا کلام مقدمات اور فیصلہ جات اور ملک کی تدبیر میں اور مشوروں میں ایسا ہی ہوتا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''فصل الخطاب'' سے مدعی سے گواہ اور مدعیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کرنا مراد ہے کیونکہ یہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے اور امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ''فصل الخطاب'' سے حضرت داؤد علیہ السلام کا ''أَمَّا بَعْدُ'' فرمانا مراد ہے اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''أَمَّا بَعْدُ'' فرمایا کیونکہ جب آپ کوئی عظیم الشان اور اہم مضمون بیان کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد وثناء سے شروع کرتے' پھر جب آپ

حمد وثناء کے بعد مضمون شروع کرنا چاہتے تو دونوں کے درمیان ''اَمَّا بَعْدُ'' کہہ کر فاصلہ کرتے تھے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِىْ فِى الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی' جب وہ دیوار کے اوپر سے کود کر عبادت گاہ میں داخل ہوئے O جب وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں' (ہم) دو جھگڑنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیں اور ناانصافی نہ کیجئے اور آپ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے O بے شک یہ میرا بھائی ہے' جس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دنبی ہے' سو اس نے کہا ہے کہ تم اپنی یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دو اور وہ بات کرنے میں مجھ پر غالب آ گیا ہے O

## حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف من گھڑت روایت کی تردید

۲۱- ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آ چکی ہے [اس کا استفہام (سوالیہ) ہونا ظاہر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ خبر عجیب ترین خبروں میں سے ہے اور ''الخصم'' اور ''الخصماء'' یہ دونوں واحد اور جمع دونوں پر بولے جاتے ہیں' اس لیے کہ ''الخصم'' اصل میں مصدر ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''خصمه خصمًا''] ﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ جب وہ دیوار کے اوپر سے پھلانگ کر عبادت گاہ میں داخل ہو گئے (یعنی) جب وہ باہر سے عبادت گاہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور اس کے اندر اتر گئے اور ''سور'' بلند دیوار کو کہا جاتا ہے اور ''محراب'' کا معنی ہے: کمرہ یا مسجد یا مسجد کا صدر مقام [حرف ''اِذْ'' محذوف عامل کی وجہ سے محلًا منصوب ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَهَلْ اَتَاكَ نَبَأُ تَحَاكُمِ (الْخَصْمِ)'' ہے یا پھر ''الخصم'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے]۔

۲۲- ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ جب وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اندر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو دو آدمیوں کی شکل میں متشکل کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھیج دیا تھا' سو انہوں نے ان کے پاس اندر جانا چاہا تو انہوں نے عبادت کے لیے مخصوص دن میں اسے عبادت میں مشغول پایا اور محافظوں نے انہیں دروازے سے اندر جانے سے روک دیا تو اس لیے وہ دیوار پھلانگ کر عبادت گاہ میں ان کے پاس پہنچ گئے' سو انہیں محسوس بھی نہ ہوا مگر یہ کہ انہوں نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پایا تو آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ وہ عبادت گاہ میں فیصلہ جات سنانے کے دن کے علاوہ عبادت کے مخصوص دن میں ان کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس لیے بھی کہ وہ دروازے کی بجائے دیوار کے اوپر سے کود کر اترے تھے اور وہ پردے اور گوشہ نشینی کے دن آئے تھے جب کہ محافظ اردگرد پہرہ دے رہے تھے' وہ کسی کو اندر نہیں آنے دیتے تھے [یہ ''اِذْ'' پہلے ''اِذْ'' سے بدل ہے]

﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ ﴾ انہوں نے کہا: آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں ہم تو دو جھگڑنے والے دعوے دار ہیں۔ ''خصمان'' مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ نَحْنُ خَصْمَان'' یعنی ہم دونوں جھگڑنے والے ہیں کہ ﴿ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم وستم اور زیادتی کی ہے ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ ﴾ سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ سچا فیصلہ فرما دیں اور آپ ناانصافی نہ کیجئے۔ ''لاتشطط'' ''الشطط'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور حق میں خطا کرنا ﴿ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴾ اور آپ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کریں اور آپ ہمیں درمیانہ راستہ دکھائیں اور دلیل وحجت کی راہ دکھائیں اور مقصد یہ ہے کہ عین حق اور محض حق کا راستہ دکھائیں۔

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایثار وقربانی کے جذبہ کے تحت یہ رسم ورواج تھا کہ جب کسی آدمی کو کسی کی بیوی پسند آجاتی تو وہ آدمی بیوی کے شوہر سے درخواست کرتا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی خاطر طلاق دے دے تاکہ عدت کے بعد وہ آدمی اس سے نکاح کر لے اور یہ عادت صرف غم خواری اور ہمدردی کے تحت تھی اور (جب مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ صحابۂ کرام کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا عقد کیا گیا تو) انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس طرح کا ایثار کیا تھا' چنانچہ ایک دفعہ اُوریا یہودی کی بیوی پر حضرت داؤد علیہ السلام کی اتفاقی نظر پڑ گئی اور آپ کو وہ پسند آگئی اور آپ نے اُوریا سے اسے طلاق دے کر چھوڑ دینے کی درخواست کی تو اسے آپ کی بات رڈ کرتے ہوئے شرم وحیاء محسوس ہوئی' سو اس لیے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا اور یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں تھیں' چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ چونکہ آپ بہت بڑے مرتبے پر فائز ہیں اور آپ کی بیویاں بھی بہت ہیں' اس لیے یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں کہ آپ ایک ایسے شخص سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کریں جس کے پاس صرف ایک بیوی ہے بلکہ آپ پر واجب ولازم تھا کہ آپ اپنی خواہش پر غلبہ پالیتے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھتے اور آپ اس امتحان میں صبر کا مظاہرہ کرتے' جس میں آپ کو آزمایا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات کا یہ قول ہے کہ اُوریا نے اس عورت کو صرف نکاح کا پیغام بھیجا تھا (لیکن ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا) پھر اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا' چنانچہ اس کے گھر والوں نے آپ کو ترجیح دی' پس حضرت داؤد علیہ السلام کی کوتاہی صرف اس قدر تھی کہ آپ نے کثرت سے بیویاں رکھنے کے باوجود اپنے ایک مسلمان بھائی کے پیغام پر اپنا پیغام دے دیا اور بس۔

اور وہ جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اُوریا کو ملک شام کے ایک علاقہ بلقاء کی جنگ میں بار بار بھیجتے رہے اور چاہتے تھے کہ اُوریا وہاں جنگ میں قتل کر دیا جائے تاکہ آپ اس کی بیوی سے شادی رچالیں' سو ایسا کرنا تو عام مسلمانوں میں سے نیکی کی فہم وفراست رکھنے والے آدمی کے لائق نہیں ہے تو بھلا قوم کے سردار عظیم الشان انبیائے کرام علیہم السلام میں سے اس قدر معصوم نبی کے لیے ایسا کرنا کیسے ممکن ہے (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا' یہ اسرائیلی روایت موضوع ومن گھڑت ہے)۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث بیان کرے گا' جو قصہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اسے ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بہتان تراشی کی حد اور سزا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس یہی روایت بیان کی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل حق میں سے ایک بزرگ مردِ حق موجود تھا' سو انہوں نے یہ روایت بیان کرنے والے شخص کی تکذیب کی یعنی

اسے جھوٹا قرار دیا اور اس روایت کی تردید کی اور فرمایا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ اس طرح ہے جس طرح کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) میں ہے تو اس کے خلاف کچھ کہنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور اگر یہ قصہ اس طرح ہوتا جس طرح تم نے ذکر کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شان کے پیش نظر ان کی پردہ داری رکھتے ہوئے اس قصہ کا ذکر نہیں فرمایا تو پھر اب اس کا اظہار کرنا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے' چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات سن کر فرمایا: میرے کانوں کے لیے یہ کلام سننا ان تمام کلاموں سے محبوب تر (بہت پیارا) ہے' جن پر سورج طلوع ہوا ہے۔[1]

---

[1] حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے' فرماتے ہیں کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے' امام رازی فرماتے ہیں: "والذی اعتقد به واذهب اليه ان ذالك باطل" کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے' لکھتے ہیں: حق ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے' اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کے فرمودات سے اعتبار اٹھ جاتا۔ قصہ گو لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑی ہیں' ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہیں۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کریں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں۔ جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۲۲۵ پ ۲۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اس اسرائیلی روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اوریا کو قتل کرایا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے متعلق بھی سخت عیب' باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیا جاتا ہے' چہ جائیکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے (پھر زمخشری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا واقعہ بیان کیا ہے' جس کو صاحب مدارک نے بیان کیا ہے)۔

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اسرائیلی روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے جائز نہیں ہے' کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام ایسے فعل سے منزہ اور پاک ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۵۷ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مفسرین نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے' حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے' گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ضعیف ہے' ائمہ کے نزدیک۔ اور بہتر یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے اور جس پر یہ مشتمل ہے وہ حق ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور یہ تمثیل جو اللہ تعالیٰ نے (ان آیات میں) حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کے لیے بیان کی ہے یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے صرف اس قدر طلب اور خواہش تھی کہ اُوریا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو آپ اس کی بیوی سے نکاح کر لیں اور بس۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کو تصریح کی بجائے تمثیل وتعریض اور اشارہ وکنایہ کے طور پر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ ملامت کرنے میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ جب غور وفکر کرنے والا تعریض کے سبب تمثیل کو اپنے شعور تک لے جائے گا تو یہ تمثیل ذہن میں خوب نقش ہو جاتی ہے اور دل میں خوب جم جاتی ہے اور اس میں خوب تاثیر پذیر ہو جاتی ہے' نیز اس میں کھلم کھلا بات کو ترک کرنے میں حسن ادب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

۲۳- ﴿اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے [''اخی'' ''هٰذا'' سے بدل ہے یا پھر ''انّ'' کی خبر ہے] اور اس سے دینی اور اسلامی بھائی مراد ہے یا محبت والفت اور دوستانہ بھائی مراد ہے یا شرکت وحصہ داری کا بھائی مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' بے شک اکثر شریک وحصہ دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ اس کی ننانوے بھیڑیں ہیں اور میری فقط ایک بھیڑ ہے [حضرت حفص کی قراءت میں ''وَلِیَ'' میں ''یَا'' مفتوح پڑھی جاتی ہے] اور ''نعجة'' سے عورت مراد ہے اور جب یہ ایک مسئلہ کی صورت پیش کی گئی ہے اور اس مسئلہ کو فرض کر لیا گیا ہے تو دو فرشتوں کو اس مسئلہ کے دریافت کرنے کے لیے دو انسانوں کی شکل میں متشکل فرض کر لینا ممنوع نہ رہا' جیسے تم کہتے ہو کہ میری بکریاں چالیس ہیں اور تمہاری بکریاں بھی چالیس ہیں اور ہم نے ان کو باہم ملا دیا ہے اور (پھر ایک سال گزر جانے پر) تمہارے ذمہ زکوٰۃ چالیس بکریوں میں سے نہ چار بکریاں ہوں گی اور نہ اس کی چوتھائی (یعنی نہ ایک بکری) بلکہ تم دونوں پر دو بکریاں لازم ہوں گی ﴿فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا﴾ سو اس نے کہا: تم اس (اپنی دنبی) کا مجھے کفیل ومالک بنا دو' اور حقیقت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی دنبی (بیوی) بھی مجھے دے دے' میں اس کی کفالت کروں گا جیسا کہ میں خود اپنی ماتحت دنبیوں (بیویوں) کی کفالت کر رہا ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو اس کو میرا کفیل بنا دے یعنی تو اسے میرا نصیب اور میرا حصہ بنا دے ﴿وَعَزَّنِیْ﴾ اور اس نے مجھے اپنے دباؤ میں کر لیا ہے اور وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''عزہ یعزہ'' وہ اس پر غالب آ گیا (یا) وہ اس پر غالب آ جاتا ہے ﴿فِی الْخِطَابِ﴾ بحث وتمحیص اور جھگڑے میں یعنی وہ حجت بازی' دلیل بازی اور بحث ومباحثہ میں مجھ سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ قادر الکلام ہے اور خطاب سے جھگڑالو حجت باز کا مباحثہ مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ میں نے عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس نے بھی اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا اور وہ خطاب میں مجھ سے بازی جیت گیا یعنی وہ نکاح کے پیغام میں مجھ پر غالب آ گیا کیونکہ میری بجائے اس نے اس عورت سے شادی کر لی اور تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اُوریا کے قصے کو ایک آدمی کے قصے کے مماثل ومشابہ قرار دیا گیا ہے' جس کے پاس صرف ایک دنبی ہے اور اس کے ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور پھر بھی اس کا ساتھی ایک سو دنبیوں کی تعداد پوری کرنا چاہتا ہے' اس لیے وہ اپنے ساتھی کی ایک دنبی میں بھی لالچ رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ دنبی اس کی ملکیت سے نکل جائے اور میری ملکیت میں آ جائے اور وہ اپنی مراد کو پانے کے لیے ایک حریص جھگڑالو کی طرح اس معاملہ میں اپنے ساتھی سے جھگڑتا ہے اور یہ معاملہ صرف اسی کے پاس جھگڑے کا تصفیہ اور فیصلہ کرانے کے لیے پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ اس معاملہ کا فیصلہ اسی کے مطابق کرے جو اس نے (درج آیت مبارکہ میں) کہہ کر فیصلہ کیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ
دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۖ السجدۃ ۱۰
وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

فرمایا: بے شک اس نے تیری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے‘ اور بے شک شرکاء میں سے بہت سے لوگ ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں ماسوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں‘ اور داؤد نے گمان کیا کہ بے شک ہم نے اس کا صرف امتحان لیا ہے‘ سو اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی اور وہ سجدے میں گر پڑے اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا O سو ہم نے اس کی مغفرت قبول کر لی اور بے شک ہمارے پاس اس کے لیے ضرور قربِ خاص اور بہترین ٹھکانا ہے O

۲۴- ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اس نے اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملانے کے لیے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص ظالم قرار پا کر اس فیصلہ کی وجہ سے ہار گیا [اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور اس میں اس مدعی کے ساتھی کے فعل سے انکار ہے اور ”سؤال“ مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ اضافت کے معنی کو متضمن ہے‘ اس لیے اسے متعدی کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس شخص نے اپنی دنبیوں میں اضافہ کرنے کے لیے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر تجھ پر بہت بڑا ظلم کیا اور بے شک حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے شخص (مدعٰی علیہ) کو اس کے اعتراف کر لینے کے بعد ظالم قرار دیا تھا لیکن قرآن مجید میں اس کو بیان اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ معلوم ہے‘ چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس (دوسرے شخص مدعٰی علیہ) نے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس (مدعی) سے اس کی ایک دنبی بھی میں لے لوں اور اپنی دنبیوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لوں جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اگر تم نے یہ ظلم و زیادتی کی تو میں تیرے یہ یہ اعضاء توڑ دوں گا اور آپ نے اس کے ناک اور اس کی پیشانی کی طرف اشارہ کیا تو اس شخص نے کہا: اے داؤد علیہ السلام! آپ تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کے یہ یہ اعضاء توڑ دیئے جائیں اور آپ نے ایسا ایسا کیا ہے (کہ اپنے ساتھی اُوریا کی بیوی کو طلاق دلوا کر اور خود نکاح فرما کر اپنی بیویوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لی ہے) پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے غور سے دیکھا تو ان میں سے کسی کو نہ پایا (کیونکہ مسئلہ سمجھا کر دونوں فرشتے اپنی اصلی شکل میں واپس چلے گئے) سو آپ نے اس میں پیش آنے والی اپنی اجتہادی خطاء[1] کو پہچان لیا ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور بے شک شرکاء اور حصہ داروں میں سے بہت سے لوگ

[1] اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کسی کی بیوی پسند آنے پر اس کے شوہر سے طلاق دلوا کر اس سے خود نکاح کر لینا مباح و جائز تھا لیکن اعلیٰ درجات کے حامل انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مباح عمل ذاتی و نفسانی طلب کے وقت مرتبۂ نیکی سے ساقط ہو کر خطاء کے مساوی ہو جاتا ہے‘ اس لیے کہا جاتا ہے: ”حسنات الابرار سیئات المقربین“ کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربینِ خدا کے نزدیک (طلبِ عوض کی نیت سے) گناہوں کا درجہ رکھتی ہیں‘ سو اس بناء پر یہ جائز عمل بھی آپ کی اجتہادی خطا ٹھہرا۔

ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [مستثنیٰ منصوب ہے اور وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے اور مستثنیٰ منہ "بعضهم" ہے] ﴿وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ﴾ اور وہ بہت تھوڑے ہیں ["مَا" ابہام کے لیے ہے اور "هم" مبتدا ہے اور "قليل" اس کی خبر ہے] ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ بے شک ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے جان لیا اور یقین کر لیا کہ بے شک ہم نے ان کا امتحان لیا ہے اور یہاں علم کے معنی کے لیے ظن کو عاریتاً اس لیے لیا گیا ہے کہ ظن غالب علم کے قریب ہے ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ سو آپ نے اپنی اجتہادی خطاء پر اپنے پروردگار سے مغفرت و بخشش طلب کی اور جھک کر گر پڑے یعنی آپ اپنے چہرے کے بل اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں رکوع، سجدہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ رکوع میں اس کی نیت کی ہو (جیسے سجدۂ تلاوت بہ شرط نیت رکوع میں ادا ہو جاتا ہے) کیونکہ مراد محض ایسا عمل ہے جو آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت تواضع اور عاجزی کی صلاحیت رکھتا ہو اور نماز میں رکوع کا عمل محض تواضع اور عاجزی کے لیے کیا جاتا ہے، بہ خلاف اس رکوع کے جو نماز سے باہر کیا جائے ﴿وَاَنَابَ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن رات مسلسل سجدہ کرتے رہے اور آپ سوائے فرض نماز یا سوائے ضروریات کے سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے اور آپ کے آنسو نہیں تھمتے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں کی وجہ سے اس جگہ سبزہ اُگ آیا تھا اور آپ جو پانی پیتے تھے اس میں سے دو تہائی آنسو بن کر نکل جاتے تھے۔

۲۵- ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ﴾ سو ہم نے ان کی خاطر اس کو یعنی ان کی اجتہادی لغزش کو بخش دیا ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور بے شک ان کے لیے ہمارے پاس ضرور خاص قرب ہے اور واپس لوٹ کر آنے کا بہترین ٹھکانا ہے اور وہ جنت ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۱

اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں اپنا خلیفہ بنالیا ہے، سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور خواہش کی پیروی بالکل نہ کریں، سو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دے گی، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کا دن بھلا دیا ہے O

۲۶- ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ﴾[1] اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین پر نائب بنایا ہے یعنی

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے ضمن میں منہیہ (حاشیہ) تحریر فرمایا ہے، جو پیش خدمت ہے:
(۱) ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرات طلحہ زبیر نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل و انصاف کرتا ہے اور ان میں مساوی طور پر مال تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہم نے زمین پر حکومت چلانے کے لیے آپ کو خلیفہ اور نائب بنایا ہے یا یہ کہ ہم نے آپ کو آپ سے پہلے حق کو قائم کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کا جانشین بنایا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا حال اور مرتبہ توبہ کے بعد بھی اسی طرح باقی رہا' جس طرح توبہ سے پہلے آپ کا حال اور مرتبہ باقی تھا' اس میں کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوا ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا یعنی جب تم خلیفہ بن گئے تو اب تم لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنا یا یہ معنی ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ اور خواہش کی پیروی نہ کرنا یعنی اپنے فیصلوں میں خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرنا ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سو ورنہ خواہشاتِ نفسانی تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دیں گی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بھٹک جاتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے' اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے یعنی ان کا عذاب کے دن کو بھلا دینا سبب ہے سخت عذاب کا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار پیدا نہیں کیا' یہ صرف انہیں لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' سو کافروں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے○ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے اہل وعیال پر شفیق ہوتا ہے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کرتا ہے' پھر حضرت کعب نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے علاوہ بھی کوئی شخص اس مجلس میں خلیفہ اور بادشاہ میں فرق جانتا ہے۔

(۲) حضرت سلمان نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں خلیفہ ہوں یا میں بادشاہ ہوں' میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی زمین میں سے تم نے ایک درہم (چاندی کا سکہ) یا اس سے کم یا زیادہ لے لیا اور اسے ناحق جگہ استعمال کیا تو پھر تم بادشاہ ہو خلیفہ نہیں ہو' سو حضرت عمر نے عبرت حاصل کی۔

(۳) حضرت سلمان ابن ابی العوجاء نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہوں' تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے' آپ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ حق وانصاف کے ساتھ لیتا ہے اور وہ حق کی جگہ میں خرچ کرتا ہے اور بے شک آپ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسی طرح کرتے ہیں اور بادشاہ لوگوں پر ظلم وستم کرتا ہے' اِس سے لیتا ہے اور اُس کو دے دیتا ہے' حضرت عمر سن کر خاموش رہے۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! بے شک خلافت نہ مال ودولت جمع کرنے کا نام ہے اور نہ اس کو تقسیم کرنے کا نام ہے بلکہ خلافت حق پر عمل کرنے اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر پکڑنے کا نام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں' یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے O یہ کتاب جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور تاکہ عقل ودانش رکھنے والے نصیحت حاصل کریں O

## زمین وآسمان ودیگر مخلوق کی تخلیق بے مقصد نہیں

۲۷- ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان جس قدر مخلوق ہے ان سب کو بے کار و بے فائدہ اور بے مقصد پیدا نہیں کیا' جس کی تخلیق کی کوئی حکمت بالغہ نہ ہو یا محض باطل و بے کار ہو' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ O'' (الانبیاء:۱۶) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی تمام مخلوق کو کھیل تماشا کے لیے پیدا نہیں کیا O'' اور ''باطلا'' کی تقدیر ''ذُوْ بَاطِلٍ'' ہے یا ''عَبَثًا'' ہے' پھر اس کی جگہ ''باطلا'' کو رکھا گیا ہے یعنی ہم نے ان دونوں کو اور ان دونوں کے درمیان تمام مخلوق کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ مضبوط وقوی حق کے لیے پیدا کیا اور وہ یہ کہ بے شک ہم نے ایسے اشخاص ونفوس پیدا کیے جن میں ہم نے عقل ودانش کو امانت رکھا اور ہم نے ان کو قوت واختیار عطا کیا اور ہم نے ان پر ان کے اسباب اور وجوہات بیان کیے' پھر ہم نے ان کو بہت سے منافع اور فوائد کے لیے مکلف بنایا اور ہم نے ان کے لیے سزا اور جزائے خیر تیار کی ہے' ان کے اعمال کے عین مطابق ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان مخلوق کے بے کار و باطل پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ﴿ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے یعنی کافروں کا یہ نظریہ ہے کہ زمین وآسمان اور دیگر مخلوق بے کار پیدا کی گئی ہے کسی حکمت کی بناء پر نہیں' ''ظن'' بہ معنی ''مظنون'' ہے کہ یہ ''مظنون'' (گمان) ان کا ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے اور بے شک کفار کو یہ گمان کرنے والا قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو بے کار پیدا کیا ہے کسی حکمت کی وجہ سے نہیں' باوجودیکہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ مخلوق ان دونوں کے درمیان ہے' سب کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ'' (لقمان:۲۵) ''اور اے محبوب! اگر آپ ان (کفارِ مکہ) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حشر ونشر اور حساب وکتاب اور ثواب وعقاب سے ان کے انکار نے یہاں تک پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوقات بے کار پیدا کی ہیں تو انہیں یہی قرار دیا گیا کہ گویا وہ یہی گمان رکھتے ہیں اور وہ یہی کہتے ہیں' کیونکہ جزاء ہی وہ تصور ہے کہ خلق عالم میں حکمت جس کے علت ہونے کا تقاضا کرتی ہے' سو جس نے روزِ جزاء کا انکار کر دیا اس نے تخلیق عالم میں حکمت کا بھی انکار کر دیا ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴾ سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے' آگ کے عذاب سے۔

## نیک وبد ہرگز برابر نہیں ہوسکتے

۲۸- ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دیں گے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے۔ [''اَمْ'' منقطعہ استفہام کے لیے ہے' اس کے معنی میں انکار کا معنی شامل ہے] اور مطلب یہ ہے کہ اگر جزاء وسزا اور حشر ونشر اور حساب وکتاب کا عقیدہ باطل ہو' جیسا کہ کفار کہتے ہیں تو پھر نیکی کرنے والوں اور فساد پھیلانے

والوں اور پرہیزگاروں' گناہ گاروں کے احوال برابر برابر ہو جائیں گے اور جو ان کو باہم برابر سمجھے' وہ سفیہ و بے وقوف ہوتا ہے اور وہ حکیم و دانا نہیں ہوتا۔

## نزولِ قرآن کا مقصد

۲۹- ﴿ كِتٰبٌ ﴾ ''اَیْ هٰذَا كِتَابٌ'' یعنی یہ ایک کتاب ہے [ گویا ''کتاب'' خبر ہے' اس کا مبتدا ''هٰذَا'' ہے جو یہاں محذوف ہے ''اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ''، ''کتاب'' کی پہلی صفت ہے اور ''مُبٰرَكٌ'' دوسری صفت ہے ] ﴿ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ﴾ اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے جو بابرکت کتاب ہے' اس سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید بہت بابرکت کتاب ہے ﴿ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ﴾ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور سوچ سمجھ کر پڑھیں اور اس میں جو احکامات و نواہیات بیان کیے گئے ہیں ان سے واقفیت و آگاہی حاصل کریں اور ان کے مطابق عمل کریں' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک اس قرآن مجید کو غلاموں اور بچوں نے بھی پڑھا ہے مگر انہیں اس کے معانی کا علم حاصل نہ ہو سکا' انہوں نے اس کے حروف و کلمات کو یاد کر لیا اور انہوں نے اس کے حدود و احکام اور اوامر و نواہی کو ضائع کر دیا [ اور اس کی اصل ''لِيَتَدَبَّرُوْا'' ہے اور ایک قراءت میں اسی طرح پڑھا گیا ہے جب کہ یزید کی قراءت میں دو تاؤں میں سے ایک کو حذف کر کے فعل مخاطب ''لِتَدَبَّرُوْا'' پڑھا گیا ہے ] ﴿ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ اور تاکہ عقل و دانش رکھنے والے عقل مند لوگ اس قرآن مجید میں غور و فکر کر کے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى
تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ
فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا
لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا وہ بہت اچھے بندے تھے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھےO جب اس کے سامنے پچھلے پہر تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئےO تو سلیمان نے فرمایا: بے شک میں نے اپنے پروردگار کی یاد کے لیے گھوڑوں سے محبت کی' یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیاO اسے میرے پاس واپس لوٹا لاؤ' پھر وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگاO اور بے شک ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا' پھر وہ رجوع لایاO اس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو' بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہےO پھر ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے نرمی

سے چلتی جہاں وہ پہنچنا چاہتے O اور عمارتیں بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تمام شیطانوں کو (اس کے تابع کر دیا)O

## حضرت سلیمان کا تذکرہ

۳۰- ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ﴾ اور ہم نے (حضرت) داؤد کو (حضرت) سلیمان علیہما السلام عطا فرمایا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ وہ بہت بہترین بندے ہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام بہت اچھے بندے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں اور اس قول کی کوئی وجہ نہیں ( کیونکہ اس آیت سے حضرت سلیمان کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے) [پھر مخصوص بالمدح محذوف ہے] ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ممدوح اور قابل تعریف ہونے کی علت اور سبب کو بیان فرمایا کہ وہ ''اوّاب'' ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہیں۔

۳۱- ﴿اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ﴾ جب اس پر یعنی حضرت سلیمان پر پیش کیے گئے ﴿بِالْعَشِيِّ﴾ پچھلے پہر یعنی ظہر کے بعد ﴿الصّٰفِنٰتُ﴾ ایسے گھوڑے جو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے اور چوتھا پاؤں کھڑا کر کے اس کے سم کے صرف کنارے کو زمین پر ٹکانے والے ﴿الْجِيَادُ﴾ تیز رفتار گھوڑے ''جواد'' کی جمع ہے کیونکہ ایسے تیز رفتار گھوڑے دوڑتے ہوئے تیزی سے اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہیں' ان کو صفون کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ھجان میں نہیں ہوتے اور یہ صرف عراب میں ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو صفون اور جودۃ دونوں صفات کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تاکہ ان میں دونوں بہترین قابل تعریف صفات جمع ہو جائیں' ایک ٹھہرنے کی خوبی اور دوسری چلنے کی خوبی کے لیے یعنی جب یہ گھوڑے کھڑے ہوتے ہیں تو پورے اطمینان کے ساتھ اور باوقار طریقے کے ساتھ بالکل جم کر اپنی اپنی جگہ میں ٹھہرے رہتے ہیں اور جب چلتے ہیں تو بہت تیز رفتاری کے ساتھ نہایت ہلکے پھلکے ہو کر تیز بھاگتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''الجیاد'' ''الجید'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: لمبی گردن والے گھوڑے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین کے باشندوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور اس جنگ میں ایک ہزار عمدہ گھوڑے حاصل ہوئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کے اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے وارث بنے تھے اور ان کے باپ نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے اور بعض کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دریائی گھوڑے تھے' جن کے پَر بھی تھے' انہیں جنات نے دریا سے نکال کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا' پھر ایک دن آپ ظہر کی نماز پڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے تو جہاد کے لیے ان گھوڑوں کو دیکھنے کی خاطر سامنے لانے کا حکم دیا' چنانچہ یہ گھوڑے باری باری آپ کے سامنے پیش کیے جاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ نماز سے بے خبر ہو گئے حالانکہ نماز آپ پر فرض تھی' جس کے فوت ہو جانے سے آپ کو بہت غم لاحق ہوا' چنانچہ آپ نے گھوڑوں کو دوبارہ منگوایا اور اللہ تعالیٰ کے تقرب میں انہیں ذبح کر دیا اور صرف ایک سو گھوڑا باقی رہ گیا اور لوگوں کے پاس اس عمدہ نسل جیاد کے جو گھوڑے اب مل جاتے ہیں وہ انہیں باقی رہ جانے والے سو گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو قرب الٰہی میں ذبح کر ڈالا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بہتر بدلہ عطا فرما دیا تھا اور وہ یہ کہ ہوا آپ کے تابع کر دی گئی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی۔

۳۲- ﴿فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ﴾ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں نے (جنگی) گھوڑوں سے اس قدر محبت کی کہ اپنے پروردگار کی یاد سے دور ہو گیا یعنی میں نے گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب تعالیٰ

کے ذکر پر ترجیح دی۔ علامہ زجاج سے اسی طرح مروی ہے' سو ''اَحْبَبْتُ'' بہ معنی ''اٰثَرْتُ'' ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى'' (فصلت:۱۷) ''سو ثمود کی قوم نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کیا (یعنی ترجیح دی)'' اور ''عن'' بہ معنی ''عَلٰی'' ہے اور اس آیت مبارکہ میں گھوڑوں کو ''خیر'' فرمایا گیا ہے گویا وہ بذاتِ خود خیر ہیں کیونکہ ان سے ایک بہت بڑی خیر (جہاد) وابستہ ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''الخیل معقود بنواصیها الخیر الی یوم القیامة''[1] یعنی خیر (اجر وثواب اور مالِ غنیمت) گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ قیامت کے دن تک باندھی گئی ہے' اور حضرت ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''احببت'' بہ معنی ''جلست'' ہے' جیسے ''جلست من احباب البعیر'' یعنی میں اونٹوں کی محبت وجہ سے بیٹھا رہا اور ''بعیر'' سے اونٹوں کا گلہ یعنی ریوڑ مراد ہے۔

''حب الخیر'' یعنی مال ودولت کی محبت [''حب'' مفعول لہ ہے جو اپنے مفعول ''خیر'' کی طرف مضاف ہے]

﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا یا [یا ''تورات'' کی ضمیر ''الصافنات'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تیز رفتار گھوڑے رات کے پردے میں یعنی تاریکی میں چھپ گئے اور جو اس بات کی دلیل ہے کہ ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے' وہ ''العشی'' کا پہلے ذکر گزر جانا ہے اور مضمر کے لیے ذکر کا بیان یا ذکر کی دلیل کا ہونا واجب ولازم اور ضروری ہے]۔

۳۳- ﴿رُدُّوْهَا عَلَيَّ﴾ اس کو میرے پاس واپس لوٹا کر لے آؤ' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم سورج کو میرے پاس واپس اپنی جگہ لوٹا کر لے آؤ تا کہ میں عصر کی نماز ادا کر سکوں' چنانچہ آپ کے حکم پر آپ کی خاطر سورج کو واپس عصر کی جگہ لوٹایا گیا اور آپ نے نمازِ عصر ادا فرمائی یا یہ معنی ہے کہ تم تیز رفتار گھوڑوں کو واپس لے آؤ ﴿فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگے اور چھونے لگے یعنی آپ تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو چھونے لگے یعنی کاٹنے لگے کیونکہ انہوں نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا تھا [اور ''سوق''، ''ساق'' کی جمع ہے جیسے ''دار'' کی جمع ''دور'' آتی ہے] اور جب کوئی کسی کی گردن مار دے تو کہتے ہیں: ''مسح علاوته'' اور جب کوئی کتاب کے کنارے اپنی تلوار سے کاٹ دے تو کہتے ہیں: ''مسح المسفر الکتاب'' اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام صرف نماز کے لیے بطور کفارہ کیا تھا یا پھر سورج کے واپس لوٹنے پر شکر الٰہی ادا کرنے کے لیے یہ کام کیا تھا اور اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز تھا' سو اس لیے ان کو ذبح کرنا تلف وضائع کرنا نہ ہوا' جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان پر اپنے ہاتھوں کو استحسان وتعجب کے طور پر پھیرا تھا۔

۳۴- ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کو خوب آزمایا۔ ''فَتَنَّا'' بہ معنی ''اِبْتَلَيْنَا'' ہے ﴿وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾ اور ہم نے اس کی شاہی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا' پھر وہ رجوع لایا (یعنی) پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

بعض علمائے اسلام نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیس سال تک حکومت کرنے کے بعد آزمایا گیا اور آپ کا امتحان لیا گیا اور اس امتحان وآزمائش کے بعد بھی آپ نے بیس سال تک حکومت کی تھی اور آپ کا امتحان یہ تھا کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو کر کہنے لگے: اگر یہ بچہ زندہ رہا تو پھر ہم قید سے رہا نہیں ہوں گے' کیونکہ حضرت سلیمان

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:۲۸۴۹' مسلم رقم الحدیث:۱۸۷۱

کے بعد ان کے تابع ہو جائیں گے' لہٰذا ہماری نجات کا یہی راستہ ہے کہ ہم اسے کسی وقت قتل کر دیں یا پھر ہم اسے اپاہج بنا دیں' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شیطانوں کی اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ شیطانوں کی شرارت کے خوف کی وجہ سے اپنے بیٹے کی پرورش وتربیت بادل سے کرانے لگے' کیونکہ بادل نے آپ کے حکم سے آپ کے بیٹے کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا' پھر ایک روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے بیٹے کو مردہ حالت میں آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا' جس کی وجہ سے آپ اپنی خلافِ اولیٰ کوتاہی سے آگاہ ہو گئے کہ آپ نے اس بچہ کی پرورش میں اپنے رب تعالیٰ کی ذات پر توکل وبھروسا کیوں نہیں کیا اور ظاہری سبب کیوں اپنایا۔

اور ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس حقوقِ زوجیت ادا کرنے جاؤں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک گھڑ سوار مجاہد پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بات کہتے وقت ''اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' کہنا بھول گئے' پھر آپ نے ستر بیویوں کے پاس چکر لگایا' صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا تھا اور اس نے بھی ایک لنگڑا بچہ جنم دیا تھا' جسے آپ کی کرسی پر لایا گیا اور آپ کی گود میں رکھ دیا گیا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہہ دیتے تو تمام بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے اور وہ تمام گھوڑوں پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے۔ اور لیکن یاد رہے کہ جو حدیث آپ کی انگوٹھی اور شیطان کے متعلق اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت پرستی کی بیان کی جاتی ہے' یہ یہودیوں کی باطل ومن گھڑت روایتوں میں سے ایک باطل و من گھڑت روایت ہے۔

۳۵- ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ حضرت سلیمان نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو یعنی میرے سوا کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنی بخشش طلب کی' پھر حکومت کی عطا طلب کی کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی یہ عادتِ جاریہ ہے کہ وہ سوال سے پہلے استغفار کرتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صفت کی سلطنت کا سوال اس لیے کیا تا کہ ایسی سلطنت آپ کے لیے معجزہ قرار پائے لیکن کسی حسد وغیرہ کی بناء پر یہ سوال نہیں کیا تھا اور حضرت سلیمان سے پہلے کسی کے لیے ہوا کو اور شیاطین کو مسخر وتابع نہیں بنایا گیا تھا' پھر جب آپ نے دعا کی تو آپ کے لیے ہوا کو اور شیاطین (یعنی جنات) کو مسخر کر دیا گیا اور یہ خلافِ عادت آپ کا معجزہ قرار پایا ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک آپ تو بہت زیادہ عطا فرمانے والے ہیں۔

۳۶- ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً﴾ سو ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر وتابع کر دیا جو آپ کے حکم سے نہایت نرمی سے چلتی ''بامره'' کا معنی ہے: ''بامر سليمان'' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر ہوا چلتی تھی اور ''رخاء'' کا معنی ہے کہ ''لَيِّنَةٌ طَيِّبَةٌ'' عمدہ اور نرم ہوا جو آندھی کی طرح تیز نہ چلتی ہو [ابوجعفر کی قراءت میں ''الرياح'' پڑھا گیا ہے اور ''تجرى''' ''الريح'' سے حال ہے اور ''رخاء''' ''تجرى'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿حَيْثُ اَصَابَ﴾ جہاں آپ پہنچتے (یعنی) جہاں کا آپ قصد وارادہ فرماتے' ہوا اُدھر روانہ ہو جاتی' جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ''اصاب الصواب واخطا الجواب'' یعنی فلاں شخص نے درست کا ارادہ کیا اور جواب غلط دیا۔

۳۷- ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ﴾ [یہ ''الريح'' پر معطوف ہے] ''اَیْ وَسَخَّرْنَا لَهُ الشَّيَاطِيْنَ'' یعنی اور ہم نے (حضرت)

سلیمان علیہ السلام کے لیے شیطانوں (جنات) کو مسخر و تابع کر دیا ﴿كُلَّ بَنَّآءٍ﴾ ہر تعمیر کرنے والے معمار کو مسخر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تعمیرات میں سے جو چاہتے' یہ جنات وہی تعمیر کرنے لگ جاتے تھے [یہ "الشیاطین" سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّغَوَّاصٍ﴾ اور ہر غوطہ خور کو مسخر کر دیا یعنی وہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے دریاؤں میں سے موتی اور جواہرات نکال کر لاتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دریا اور سمندر سے موتی نکلوائے اور اس کا مطلب و معنی یہ ہے کہ ہم نے (حضرت) سلیمان کے لیے شیاطین میں سے ہر معمار اور ہر غوطہ خور کو مسخر اور تابع کر دیا۔

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے O یہ ہماری بخشش ہے' پس چاہے احسان کرو چاہے روک رکھو تم پر کوئی حساب نہیں O اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس خاص قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O

۳۸- ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ﴾ اور ہم نے دوسرے جنات کو بھی مسخر کر دیا جو بیڑیوں میں باندھے گئے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سرکش شیاطین و جنات کو ادب سکھانے اور فساد سے روکنے کے لیے زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیا کرتے تھے اور "صَفَد" کا معنی بیڑی ہے اور "عطآء" کو بھی "صفد" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی منعم علیہ کو گویا باندھ دیا جاتا ہے اور اسی سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان ہے کہ "مَنْ بَرَّكَ فَقَدْ اَسَرَكَ وَمَنْ جَفَاكَ فَقَدْ اَطْلَقَكَ" جس نے تیرے ساتھ نیکی کی تو بے شک اس نے تجھے قیدی بنا لیا اور جس نے تجھ پر ظلم کیا تو بے شک اس نے تجھے آزاد کر دیا ["واٰخرین"' "کل بنّآء" پر معطوف ہے اور یہ بدل کے حکم میں ہے]۔

۳۹- ﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا﴾ یہ ہماری عطاء اور بخشش ہے (یعنی) یہ حکومت و سلطنت اور یہ مال و دولت اور تسخیر و خوش حالی ہماری عطاء اور بخشش ہے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَامْنُنْ﴾ سو احسان کر (یعنی) اس میں سے جس کو جو چاہے عطا کر دے۔ یہ "منة" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی عطا کرنا ہے ﴿اَوْ اَمْسِكْ﴾ یا عطاء و بخشش سے روک لے اور حضرت سلیمان علیہ السلام جب عطاء و بخشش کرتے تو اجر و ثواب دیا جاتا اور اگر روک لیتے تو آپ گناہ گار نہیں ہوتے تھے کیونکہ آپ کو دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار حاصل تھا بہ خلاف آپ کے غیر کے (یعنی آپ کے علاوہ جو مال دار خرچ نہیں کرے گا' گناہ گار ہوگا) ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [یہ "عطآؤنا" کے متعلق ہے اور بعض نے کہا: یہ اس سے حال ہے] یعنی یہ ہماری عطاء ہے جو بہت زیادہ ہے' جس کا حساب کرنا اور شمار کرنا ممکن نہیں ہے یا یہ کہ یہ ہماری تسخیر ہماری عطاء ہے' تم شیاطین میں سے جس کو چاہو آزاد کر کے اس پر احسان کرو اور جس کو چاہو زنجیروں میں جکڑ کر روک کر رکھو بغیر حساب کے یعنی اس معاملہ میں تم پر کوئی حساب نہیں۔

۴۰- ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور بے شک (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس قرب خاص اور بہترین ٹھکانا ہے ["لزلفی"' "انّ" کا اسم ہے اور "لہ" خبر ہے اور "عند" میں خبر عامل ہے]۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ ط وقف لازم

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور ہمارے خاص بندے ایوب کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک مجھے شیطان نے دکھ اور تکلیف کے ساتھ چھولیا ہےO (ہم نے حکم دیا:) تم اپنا پاؤں زمین پر مارو' یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کے لیےO اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اور عطا فرمادیئے محض اپنی رحمت اور عقل مندوں کی نصیحت کی وجہ سےO اور (ہم نے حکم دیا:) تم اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لو' پھر اس کے ساتھ (اپنی بیوی کو) مارو اور قسم نہ توڑو' بے شک ہم نے اسے صابر پایا' وہ بہترین بندے ہیں' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیںO

## حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

۴۱- ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور اس سے دعا مانگی [''ایوب''، ''عبدنا'' سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے اور ''اِذْ'' بھی اسی سے بدل اشتمال ہے] ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ﴾ بے شک شیطان نے مجھے مشقت وتکلیف کے ساتھ چھولیا ہے۔ یہ اس کلام کی حکایت ہے جس کے سبب حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا [''بِنُصْبٍ'' نون مضموم صاد ساکن عام قراءت ہے اور یزید کی قراءت میں نون اور صاد دونوں مضموم ہیں یعنی ''بِنُصُبٍ'' ہے یہ ''نُصْب'' (نون مضموم اور صاد ساکن) کی تثقیل ہے اور یعقوب کی قراءت میں ''بِنَصَبٍ'' (نون وصاد دونوں مفتوح) ہیں' جیسے ''اشد ورشد'' اور ھبیرہ کی قراءت میں اصل میں مصدر ہونے کی بناء پر ''نَصْب'' (نون مفتوح صاد ساکن) ہے] اور معنی ایک ہے اور وہ ہے: مشقت ودکھ دینا ﴿وَّعَذَابٍ﴾ درد اور تکلیف' اور اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری مراد ہے اور وہ مختلف اقسام کی تکلیفیں اور دردیں مراد ہیں جو بیماری کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک میں پائی جاتی تھیں اور بعض کا قول ہے کہ اس سے شیطان کے وہ وسوسے مراد ہیں جو آپ کی حالتِ مرض میں شیطان آپ کے دل ودماغ میں ڈالتا رہتا تھا جیسے آپ پر نازل کی گئی' مصیبت وتکلیف اور بیماری کو خوف ناک حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور آپ کو ان آزمائشوں سے نفرت وکراہت دلانا اور جزع وفزع اور گھبراہٹ وپریشانی کا اظہار کر کے واویلا کرنے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے پر اُکسانا' سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کی اور اس کی پناہ ڈھونڈی کہ وہ خود اس آزمائش میں اس کی کفایت فرمائے یا اپنی توفیق سے اس کے دفاع میں مدد فرمائے اور اسے صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ایک روایت بیان کی گئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی صرف تین مسلمان عیادت وبیمار پرسی اور دیکھ بھال کرتے تھے' پھر ان میں سے ایک مرتد ہو گیا' حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو ایک قول کے مطابق شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور صالحین کو آزمائشوں میں مبتلا نہیں کرتا اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اس آزمائش اور بیماری کے سبب کے بارے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک بکری ذبح کی اور اسے خود کھایا' مگر آپ کا ایک پڑوسی بھوکا رہا یا یہ کہ آپ نے

ایک مرتبہ کسی بُرائی کو دیکھا لیکن اسے ختم کرنے کی بجائے خاموش رہے یا پھر اس امتحان و بیماری کا صرف یہ سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے اس آزمائش میں مبتلا کیا' اس سے پہلے آپ کی کوئی کوتاہی وغیرہ نہیں تھی [1]

۴۲ - ﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ﴾ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ یہ وہ کلام ہے جس کے ساتھ حضرت ایوب علیہ السلام کو جواب دیا گیا یعنی ہم نے ان کے پاس (حضرت) جبریل علیہ السلام کو بھیجا جس نے ان سے جا کر کہا: " ارکض برجلك " اپنا پاؤں

---

[1] حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا آخری سبب جو علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے یہ مقامِ نبوت کے موافق ہونے کی بناء پر زیادہ صحیح اور مناسب ہے' بہرحال حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن اور نفرت کرتے۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے (اس لیے آپ کے جسم مبارک میں کیڑے پڑ جانے کی بیماری یا چیچک کی بیماری یا گوشت کے گل سڑ جانے کی اسرائیلی روایات صحیح نہیں ہیں) صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مرجانے اور ان کے بیمار ہونے پر صابر رہنے کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے۔ ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں ہر روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ سال سے ان پر رحم و کرم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ میں اپنے گھر گیا تا کہ میں ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں' کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی: " اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○ " (ص:۴۲) " (زمین پر) اپنی ایڑی ماریے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ○ "۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آگئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار ہیں' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست کوئی شخص نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جَو کا کھلیان تھا' اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جَو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۱۵ تا ۱۱۶' بحوالہ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷۴-۳۷۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۱۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۸۱-۵۸۲' حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

مارو یعنی اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ اور وہ ملک شام کے علاقہ جابیہ کی سرزمین تھی' چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس پر اپنا پاؤں مارا' پس اس جگہ سے ایک چشمہ اُبلنے لگا تو آپ سے کہا گیا کہ ﴿ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ یہ نہانے اور پینے کا ٹھنڈا چشمہ ہے یعنی یہ پانی ہے جس سے تم غسل کرو اور اس سے پیو بھی' سو تمہارا ظاہر و باطن صحیح سلامت اور درست ہو جائے گا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں مارنے کی وجہ سے آپ کے لیے دو چشمے جاری ہو گئے تھے' چنانچہ ایک چشمہ سے آپ نے غسل فرمایا اور دوسرے چشمہ سے آپ نے پیا' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی ظاہری اور باطنی بیماری دور ہو گئی۔

۴۳۔ ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ﴾ اور ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ان کے فوت شدہ گھر والوں کو زندہ کر دیا اور ان کے برابر مزید عطا فرما دیئے ﴿ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ اپنی طرف سے ان پر رحمت و مہربانی کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی ہماری یہ عطاء اور بخشش حضرت ایوب علیہ السلام پر خصوصی رحمت کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے ہے کیونکہ جب عقل مند لوگ یہ بات سنیں گے کہ ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام پر ان کے مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے انعام و احسان فرمایا تو مصیبت پر صبر کرنے میں انہیں ترغیب ملے گی۔

۴۴۔ ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا ﴾ اور آپ اپنے ہاتھ میں ایک سو تنکوں کا ایک جھاڑو لے لیں (یعنی) گھاس کا چھوٹا گٹھا یا پھولوں کا ایک گچھا وغیرہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ درخت کی شاخوں کا گٹھا مراد ہے ﴿ فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴾ سو اس کو لے کر اپنی بیوی کو مارو اور قسم نہ توڑو' دراصل حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات پر ناراض ہو کر بیماری کی حالت میں یہ قسم کھائی تھی کہ جب وہ تندرست ہو جائیں گے تو وہ اپنی بیوی کو ایک سو کوڑے ماریں گے' سو آپ کی بیوی نے آپ کی بہترین خدمت کی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی پر آسانی اور نرمی فرمائی تا کہ ان کی قسم پوری ہو جائے' وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ایک سو تنکے والی جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ماریں اور یہ رخصت اب بھی باقی ہے اور یہ واجب ہے کہ مضروب کو سو کوڑوں کی بجائے سو تنکوں کی جھاڑو میں سے ہر ایک تنکا لگنا چاہیے تا کہ قسم کا کفارہ ادا ہو جائے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قسم کھانے کے سبب کے بارے میں ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آنے میں تاخیر کر دی اور آپ کے سینے میں درد شروع ہو گیا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے دو رسیاں دو روٹیوں کے عوض میں فروخت کر دیں جن کا سہارا لے کر آپ چلتے تھے' جب آپ کھڑے ہوتے تھے ﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ﴾ بے شک ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو مصیبتوں پر بڑا صبر کرنے والا پایا (یعنی) ہم نے جان لیا ہے کہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے والے ہیں' ہاں! البتہ انہوں نے اس دکھ اور تکلیف کی شکایت ضرور کی تھی اور رحم و کرم کی طلب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کو جزع فزع اور بے صبری نہیں کہتے' سو البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ'' (یوسف:۸۶) ''بے شک میں اپنے غم و رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں'' علاوہ ازیں حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس لیے شفاء طلب کی تھی کہ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ان کی قوم غلط فہمی کا شکار ہو کر کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ شیطان ان کی طرف یہ وسوسہ ڈالتا رہتا تھا کہ اگر حضرت ایوب علیہ السلام نبی ہوتے تو اس طرح کی بیماری اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے جس میں اب مبتلا ہو چکے ہیں اور نیز آپ اللہ تعالیٰ کی

اطاعت وعبادت کرنے کی قوت وطاقت کے حصول کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آپ کی بیماری کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ آپ کے جسم مبارک میں سے ماسوا آپ کے دل اور زبان کے کوئی حصہ بیماری سے سلامت نہیں رہا تھا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ حضرت ایوب علیہ السلام بہت بہترین اور بڑے اچھے بندے تھے ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝

اور آپ ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو بڑی قوتوں والوں اور بہت نظر وفکر رکھنے والے تھے O بے شک ہم نے ان کو دارِ آخرت کی یاد کے لیے خالص کر لیا O اور بے شک وہ ہمارے نزدیک بہترین پسندیدہ لوگوں میں سے تھے O اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب کے سب اچھوں میں سے ہیں O

## حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں سے انبیائے کرام کا ذکر خیر

۴۵۔ ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندوں حضرات ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "عَبْدَنَا" (واحد) پڑھا گیا ہے' سو جس نے جمع "عبادنا" پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم اور اس کے بعد والے "عبادنا" کے عطف بیان ہوں گے اور جس نے واحد "عبدنا" پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام اکیلے اس کا عطف بیان ہوں گے اور ان کی اولاد کو "عبدنا" پر معطوف قرار دیا جائے گا]۔

اور جب اکثر وبیشتر اعمال ہاتھوں کے ذریعے ظہور پذیر ہوتے ہیں تو ہر عمل میں انہیں غالب قرار دیا گیا اور ہر عمل میں کہا گیا کہ "هٰذَا مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْهِمْ" یعنی یہ عمل بھی انہیں اعمال میں سے ہے جن کو ہاتھوں نے سرانجام دیا ہے اگرچہ وہ عمل ہاتھوں کے ذریعے نہ کیا گیا ہو یا بعض کام کرنے والے لوگوں کے ہاتھ کٹ جانے کی وجہ سے ان کے ہاتھ نہیں ہوتے اور اسی بناء پر درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ وارد ہوا کہ ﴿اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ﴾ ہاتھوں والے اور نگاہوں والے یعنی کام کرنے والے اور غور وفکر کرنے والے' گویا جو لوگ آخرت کے اعمال نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور نہ وہ دین داری کے معاملات میں غور وفکر کرتے ہیں تو وہ اپاہج لوگوں کے حکم میں ہیں' جو اپنے اعضاء سے کسی قسم کے اعمال بجالانے پر قدرت نہیں رکھتے اور یہ مسلوب العقل یعنی بے عقلوں کے حکم میں ہیں' جن کے پاس غور وفکر کرنے اور سوچنے کی صلاحیت نہیں ہے یا پھر اس میں ہر اس شخص پر طنز ہے جو اللہ تعالیٰ کے کام نہیں کرتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بصیرت رکھتا ہے اور انہیں مجاہدہ اور غور وفکر کرنے کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود ان کو چھوڑ دینے پر ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔

۴۶۔ ﴿اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ﴾ بے شک ہم نے ان کو خوب خالص کر لیا (یعنی) بے شک ہم نے ان کو ایک خالص خصلت وعادت کے ساتھ اپنا مخلص وخالص بنا لیا ہے' جس میں کسی قسم کی آمیزش وملاوٹ نہیں ﴿ذِكْرَى الدَّارِ﴾ گھر کی یاد' اور "الدار" سے آخرت کا گھر مراد ہے اور معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد کے لیے خالص کر لیا یعنی ہم نے ان کو اپنا ایسا مخلص وخالص بنا لیا ہے کہ وہ لوگوں کو بھی آخرت کے گھر کی یاد دہانی کراتے ہیں اور وہ انہیں دنیاداری

ترک کر کے دین داری اختیار کرنے اور آخرت کے گھر کی فکر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ کار رہا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ حضرات آخرت کو کثرت سے بہت یاد کرتے ہیں اور بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور دنیا کے ذکر کو بھلا دیتے ہیں [''ذکری'' محلاً منصوب ہے کیونکہ اس سے پہلے ''اعنی'' فعل متکلم پوشیدہ ہے یا یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''ھِیَ'' ضمیر مبتدا پوشیدہ ہے یا یہ ''خالصة'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''بخالصة ذکری الدار'' اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے کیونکہ ''خالصة ذکری'' بھی ہوتی ہے اور ''غیر ذکری'' بھی ہوتی ہے اور ''ذکری'' مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی دارِ آخرت کے ذکر کو خالص کر دیا گیا اور بعض نے کہا کہ ''خالصة'' بہ معنی خلوص ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے] یعنی ان کے لیے آخرت کے گھر کی یاد خالص کر دی گئی ہے اس طرح کہ وہ آخرت کی یاد کو کسی دوسری مہم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے بلکہ ان کا اہم ترین مقصد صرف آخرت کی یاد ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اور بعض نے کہا کہ ''ذکری الدار'' سے دنیا میں ثنائے جمیل اور حسن تعریف مراد ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جس کے ساتھ ان کو خالص کر لیا گیا ہے چنانچہ جس طرح اس خوبی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح ان کے علاوہ کسی کا ذکر اس دنیا میں نہیں کیا جاتا اور درج ذیل ارشاد سے بھی اس کی تائید وتوثیق ہو جاتی ہے: ''وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا O'' (مریم:۵۰) ''اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان (ان کے ذکر جمیل) کو بلند کر دیا ہےO''۔

۴۷- ﴿وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ﴾ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک ضرور برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں (یعنی) وہ اپنے ہم جنس اشخاص میں سے بہترین و برگزیدہ ہیں ﴿الْأَخْيَارِ﴾ پسندیدہ و منتخب کردہ اور بہترین لوگ ہیں [یہ ''خَیِّر'' کی جمع ہے یا ''خیر'' کی جمع ہے جس میں تشدید کی بجائے تخفیف کے ساتھ ہے جیسے ''اموات'' ہے کہ یہ ''میِّت'' (''یا'' مشدد کے ساتھ) کی جمع ہے یا ''مَیْتٌ'' (''یا'' ساکن کے ساتھ) کی جمع ہے]۔

۴۸- ﴿وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ﴾ اور (اے محبوب!) اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے [''الیسع'' میں حرف تعریف داخل کیا گیا ہے] ﴿وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ﴾ اور وہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں [''کُلٌّ'' میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں یعنی اصل میں ''کُلُّهُمْ'' ہے]۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾

یہ نصیحت ہے' اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہےO ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے

دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے Oوہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں بہت سے پھل اور مشروب مانگیں گے Oاور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی ہم عمر لڑکیاں ہوں گی O یہ وہی ہے جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھاO بے شک یہ ہمارا عطا کیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O یہ تو (پرہیزگاروں کے لیے) ہے اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور بہت بُرا ٹھکانا ہے O دوزخ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

## پرہیزگاروں اور سرکشوں کے انجام کا بیان

٤٩- ﴿هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ یہ ہے شان اور بے شک پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہے یعنی یہ شرف وفضیلت اور یہ شان و مرتبہ اور یہ ذکر جمیل ہے جس کے ساتھ انہیں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا اور بے شک اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بہترین ٹھکانا بھی ہے جس کی طرف لوٹ کر جائیں گے یعنی دنیا میں تو انہیں حسن تعریف اور ذکر جمیل کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا اور آخرت میں ربِ جلیل کی مغفرت و بخشش کی طرف لوٹ کر جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھکانے کی خوبی کی کیفیت کو بیان کیا اور فرمایا کہ

٥٠- ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ ہمیشہ قیام کرنے اور ٹھہرنے کے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے [''جَنّٰتِ عَدْنٍ''،''حسن مآب'' سے بدل ہے اور ''مُفَتَّحَةً''، ''جنات'' سے حال ہے کیونکہ وہ ''عدن'' کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اور ''عدن'' اسم علم ہے اور اس میں عامل وہی ہے جو ''لِلْمُتَّقِيْنَ'' میں معنیٰ فعل ہے اور ''لَهُمُ الْاَبْوَابُ'' مرفوع اس لیے ہے کہ یہ ''مُفَتَّحَةً'' کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی اصل میں ''لهم الابواب منها'' ہے پھر اسے حذف کر دیا گیا جیسا کہ درج ذیل قول میں محذوف ہے: ''فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى O'' (النازعات:٣٩) ''سو بے شک دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے O'' یعنی ''لهم'' یا ''ابوابها'' لیکن پہلا زیادہ بہتر ہے یا پھر ''لهم الابواب'' بدل ہے ''مفتحة'' کی ضمیر سے اور ''جنات'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے جس کی تقدیر یہ ہے: ''مفتحة هي الابواب'' اور یہ بدل اشتمال ہے]۔

٥١- ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ﴾ وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے (راحت وسکون کے ساتھ) بیٹھے ہوں گے وہ ان میں بہت سے پھل اور بہت سی شرابِ طہور مانگیں گے [''متكئين''، ''لهم'' کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل ''مفتحة'' ہے اور اصل میں ''شراب كثير'' ہے یعنی بہت سی شراب پھر پہلے ''كثير'' پر اکتفاء کر کے دوسرے کو حذف کر دیا گیا]۔

٥٢- ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی لڑکیاں ہوں گی جو اپنی نگاہوں کو صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی ﴿اَتْرَابٌ﴾ بہ یک وقت پیدا ہونے والی ہم عمر ہم عصر ایک دوسرے کے برابر عمر والیاں سہیلیاں ہوں گی کیونکہ ہم زمانہ اور ہم عصر دوستوں میں باہمی محبت و پیار زیادہ ثابت وقائم رہتا ہے اور گویا وہ بہ یک وقت پیدا ہونے والی نرم ونازک ہم عمر دوشیزہ ہوں گی کیونکہ نوخیزی نے انہیں بہ یک وقت چھولیا (یعنی ایک ہی وقت میں سب بلوغت کو پہنچیں)۔

٥٣- ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ یہ ہے وہ جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی ایسے دن کے لیے جس میں ہر شخص کو ان اعمال کا پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کیے تھے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یوعدون'' پڑھا گیا ہے]۔

۵۴- ﴿اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جس کو فنا نہیں یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا [اور'' ماله من نفاد'' یہ جملہ'' الرزق'' سے حال ہے اور عامل اشارہ ہے]۔

۵۵- ﴿هٰذَا﴾ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ متقیوں اور پرہیزگاروں کا معاملہ ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ذکر کر دیا گیا ہے ﴿وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور بُرا ٹھکانا ہے یعنی ان کی مرجع گاہ بہت بُری ہے۔

۵۶- ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ دوزخ جس میں وہ سرکش لوگ داخل ہوں گے سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے' ان دوزخیوں کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہوگی اس کو اس بچھونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو'' نـائـم '' (سونے والا) بچھاتا ہے۔

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یہ (سرکشوں کے لیے) ہے' سو انہیں چاہیے کہ وہ اسے چکھیں کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ ○ اور اسی طرح کے اور کئی اقسام کے عذاب ہوں گے ○ یہ ایک اور فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسنے والی ہے' انہیں کوئی خوشی نہیں ہوگی' بے شک وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے ○ وہ کہیں گے: بلکہ تم ہو کہ تمہیں خوشی نہ ملے' تم ہی اسے ہمارے لیے آگے لے آئے ہو' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! جو اس کو ہمارے لیے آگے لے کر آیا ہے' اسے آگ میں دوگنا عذاب بڑھا کر دے ○ اور وہ کہیں گے: ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے ○ کیا ہم نے ان کو مذاق بنا رکھا تھا یا ان سے آنکھیں پھر گئی تھیں ○ بے شک دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا ضرور برحق ہے ○

---

۵۷- ﴿هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ﴾ یہی تو ہے' سو انہیں چاہیے کہ وہ اس کو چکھیں کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ یعنی یہ کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ ہے' سو وہ لوگ اس کو چکھیں [پس'' هٰـذَا '' مبتدا ہے اور'' حَـمِـيْـمٌ '' اس کی خبر ہے اور '' غَسَّـاقٌ '' خبر پر معطوف ہے اور'' فـلـيـذوقـوه '' جملہ معترضہ ہے] یا یہ معنی ہے کہ عذاب تو یہی ہے' سو وہ اسے چکھیں' پھر آغاز کیا اور فرمایا: وہ کھولتا ہوا سخت گرم ترین پانی اور پیپ ہے'' غسّـاق '' وہ گندا پانی ہوگا جو دوزخیوں کے جسموں سے سڑنے گلنے سے نکلے گا' چنانچہ جب آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو کہا جاتا ہے: '' غسـقـت الـعـيـن '' آنکھ آنسو بہانے لگی' اور بعض

حضرات نے فرمایا: ''حمیم'' اس قدر شدید گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا جو اپنی حرارت کی وجہ سے دوزخیوں کے ہونٹوں کو جلادے گا اور ''غسّاق'' اس قدر یخ ٹھنڈی پیپ ہوگی کہ اپنی ٹھنڈک کی وجہ سے منہ کے سارے راستے کو جلادے گی [حمزہ کوفی' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں سین مشدد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ اس کو مشدد اور مخفف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے]۔

۵۸- ﴿ وَّاٰخَرُ ﴾ یعنی اور دوسرا عذاب یا یہ کہ دوسرا چکھنا ﴿ مِنْ شَكْلِهٖٓ ﴾ اسی کی شکل کا ہوگا یعنی مذکورہ بالا پہلے عذاب کی طرح ہوگا [ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''وَاُخَرُ'' (ہمزہ مضموم) ہے] یعنی اور دوسرے عذاب جو چکھائے جائیں گے وہ سختی اور قباحت میں پہلے چکھائے گئے عذاب کی طرح ہوں گے ﴿ اَزْوَاجٌ ﴾ مختلف اقسام کے گوناگوں عذاب [یہ ''اخر'' کی صفت ہے کیونکہ کئی قسم کے عذاب ہونا جائز ہے]۔

۵۹- ﴿ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ﴾ یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی یہ ایک اور بہت بڑی جماعت ہے جو دوزخ میں تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی تمہاری صحبت ومعیّت میں دوزخ کی آگ میں جائے گی اور ''اقتحام'' کا معنی ہے: کسی چیز میں سختی کے ساتھ داخل ہونا اور ''قُحْمَة'' کا معنی ہے: شدت وسختی' اور یہ سرکشوں کے اس کلام کی حکایت ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کریں گے یعنی وہ یہ کہیں گے اور فوج سے ان کے وہ پیروکار مراد ہیں جو ان کے ساتھ گمراہی میں گھس گئے تھے' سو وہ قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ عذاب میں گھسیں گے ﴿ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ﴾ انہیں خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔ دوزخیوں کی طرف سے اپنے پیروکاروں کے لیے بددعا ہے' جیسے تم جس کو دعا دو تو اس سے کہو: ''مرحبا بك'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کشادہ اور نرم زمین میں اتارے جو فراخ ہو تنگ نہ ہو یا تیرا ملک وشہر کشادہ وفراخ ہو' پھر بددعا دینے کے لیے اس پر حرف ''لا'' نافیہ داخل کیا جاتا ہے اور ''بِهِمْ'' ان کا بیان ہے جن کو بددعا دی گئی ہے ﴿ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴾ بے شک وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور یہ ان کی بددعا قبول ہونے کی علّت ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ'' دوزخ کے فرشتوں کا کلام ہے جو وہ کفار کے سرداروں سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں کہیں گے اور ''لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ'' سرداروں کا کلام ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ سارا کلام دربان فرشتوں کا ہے۔

۶۰- ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اپنے سرداروں سے کہیں گے ﴿ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ﴾ بلکہ تم ہی ہو کہ تمہارے لیے خوش آمدید نہ ہو یعنی وہ دعا جو تم نے ہمارے خلاف مانگی ہے' اس کے زیادہ حق دار تم ہی ہو اور وہ اس کی علت اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ﴾ تم ہی تو ہو جو اس عذاب کو ہمارے آگے لے کر آئے ہو [ضمیر مفعول عذاب کی طرف لوٹتی ہے یا ان کے دوزخ میں دخول کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بے شک تم نے ہی اس کی طرف ہمیں دعوت دی تھی' سو ہم نے تمہاری پیروی میں کفر اختیار کرلیا ﴿ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ کی آگ۔

۶۱- ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: ﴿ رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا ﴾ اے ہمارے پروردگار! جو شخص یہ عذاب ہمارے لیے آگے لایا' سو تو اس کو دوگنا عذاب بڑھا کردے یعنی کئی گنا بڑھا کر ﴿ فِي النَّارِ ﴾ دوزخ کی آگ میں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہم سے دوگنا عذاب دیجئے اور اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا'' (الاعراف:۳۸) ''اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں

گمراہ کیا تھا' سو آپ انہیں دگنا عذاب دیجئے'' اور یہ کہ جتنا عذاب پیروکاروں کو دیا جائے اتنا اور بڑھا کر گمراہ کرنے والے سرداروں کو دیا جائے۔

٦٢- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے: یعنی کفار کے رئیس و سردار کہیں گے [''وقالوا'' میں ''ھم'' ضمیر کفار کے رؤسا کی طرف لوٹتی ہے] ﴿مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ ہمیں کیا ہوا کہ ہم یہاں ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم بُروں میں سے شمار کرتے تھے یعنی غریب وفقیر مسلمانوں کو یہاں دوزخ میں ہم نہیں دیکھ رہے جن کو ہم دنیا میں حقیر وذلیل اور بُرا خیال کرتے تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

٦٣- ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ کیا ہم نے ان کو مذاق وہنسی بنا رکھا تھا [امام عاصم کے علاوہ دیگر اہل عراق کے نزدیک یہ خبر ہے اور ہمزہ وصل کا ہے' اس بناء پر یہ ''رجالا'' کی صفت ہے' یہ ''کنا نعدھم من الاشرار'' کی طرح ہے یعنی جس طرح ہم ان کو بُروں میں سے شمار کرتے تھے' اسی طرح ہم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک اس کا ہمزہ استفہام انکاری قطعی ہے (ہمزہ وصل محذوف ہے) یہ اس بناء پر ہے کہ کفار ان غریب مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے انکار کریں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور نافع مدنی' حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف اور مفضل کی قراءت میں ''سُخْرِيًّا'' سین مضموم کے ساتھ ہے] ﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ﴾ یا ان سے آنکھیں پھر گئی ہیں' یہ ''مَالَنَا'' سے متصل ہے یعنی ہمیں کیا ہوا کہ ہم انہیں دوزخ کی آگ میں نہیں دیکھ رہے' گویا وہ اس میں نہیں ہیں بلکہ ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں' پس اس لیے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے حالانکہ وہ اسی میں ہیں۔ دراصل کفار مکہ اپنے معاملے میں پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ جنتی لوگوں میں سے ہیں اور یہ مسلمان دوزخیوں میں سے ہیں مگر حقیقت میں ان پر ان کا اپنا ٹھکانا مخفی اور پوشیدہ تھا۔

٦٤- ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ جسے ہم نے ان کی طرف سے باہمی جھگڑا بیان کیا ہے وہ ﴿لَحَقٌّ﴾ ضرور برحق ہے اور وہ ضرور سچ ہے جو ہر حال میں لازمی طور پر ہوگا اور یہ ضرور ہوگا کہ دوزخ میں کفار آپس میں جھگڑتے ہوئے باتیں کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ دوزخیوں کا باہمی جھگڑنا ہے اور جب کفار کے باہمی کلام کو اور ان کے درمیان جو سوال و جواب جاری ہوں گے' ان کو اس کلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو دو جھگڑنے والے جھگڑالوؤں کے درمیان واقع ہوتی ہے تو اس کا نام جھگڑا رکھ لیا گیا کیونکہ کفار کے سرداروں کا یہ کہنا کہ ''لا مرحبا بھم'' پیروکاروں کو خوش آمدید نہ ہو' اور پیروکاروں کا یہ کہنا ''بل انتم لا مرحبا بکم'' بلکہ تمہیں کے لیے خوش آمدید نہ ہو' یہ جھگڑے کے باب سے ہے' سو اس لیے ان کے سارے کلام کو جھگڑا کہا گیا کیونکہ ان کا کلام جھگڑے پر مشتمل ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں' اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

وہ ایک ہے سب پر غالب ہے O وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O فرما دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے O تم اس سے منہ پھیر کر غافل ہو چکے ہو O مجھے عالم بالا کے بارے میں کیا معلوم جب وہ جھگڑتے ہیں O میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ میں یقیناً تمہیں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O

## منصبِ نبوت' عذاب سے ڈرانا اور توحید سمجھانا ہے

٦٥- ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ مشرکین مکہ سے فرما دیں کہ ﴿ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ﴾ بے شک میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی) میں تو صرف ڈر سنانے والا رسول ہوں' میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ﴿ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک دینِ حق اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور تم یہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿ الْوَاحِدُ ﴾ اکیلا اور یکتا ہے' اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی شریک ہے ﴿ الْقَهَّارُ ﴾ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے۔

٦٦- ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا مالک ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' بادشاہی اسی کے لیے ہے اور تمام جہانوں کی تربیت و ربوبیت اور پرورش اسی کے لیے ہے ﴿ الْعَزِيْزُ ﴾ غالب ہے جب وہ سزا دیتا ہے تو وہ مغلوب و عاجز نہیں ہوتا ﴿ الْغَفَّارُ ﴾ ان کو بہت بخشنے والا ہے' جو اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

٦٧- ﴿ قُلْ هُوَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہ یعنی یہ جو میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں ڈر سنانے والا رسول ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ ﴿ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴾ بہت بڑی خبر ہے' اس جیسی خبر سے روگردانی نہیں کر سکتا مگر جو سخت غافل و بے خبر ہو' پھر بھی

٦٨- ﴿ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴾ تم اس سے روگردانی کرنے والے غافل ہو۔

٦٩- ﴿ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ مجھے عالم بالا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا جب فرشتے جھگڑتے تھے۔ اس آیت مبارکہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر اور اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے' وہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم بالا کے بارے میں اور وہاں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کے بارے میں جو خبریں بیان کی ہیں' وہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا علم اس سے پہلے آپ کو ہرگز حاصل نہیں تھا' پھر بعد ازاں آپ نے اس کو جان لیا اور آپ نے علوم کے حصول میں وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو لوگ غیر معلوم چیزوں کے جاننے میں اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات سے تعلیم حاصل کرنا اور کتابیں پڑھنا' سو اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم بالا میں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوا ہے[1] [امام حفص کی روایت میں ''مَا كَانَ لِيَ'' میں ''یا'' مفتوح ہے]۔

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میرا رب تعالیٰ میرے پاس سب سے زیادہ حسین صورت میں آیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ حضور نے خواب کا واقعہ بیان فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں' میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی ''فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' سو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے میں نے سب جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں' میں نے کہا: جی ہاں! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۰- ﴿اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ بے شک میں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں'' ای لانما انا نذیر مبین ''یعنی مجھے اس لیے وحی کی جاتی ہے کہ میں اعلانیہ ڈرسنانے والا ہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''مَا یُوۡحٰی اِلَیَّ اِلَّا لِاُنۡذِرَ'' مجھے صرف ڈرسنانے کے لیے وحی کی جاتی ہے [پھر لام کو حذف کر کے ''انما'' کے ہمزہ کو نصب دے دیا گیا ہے کیونکہ ''یُوۡحٰی'' فعل کا عمل اس کی طرف پہنچتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو] اس معنی کی بناء پر کہ ''مَا یُوۡحٰی اِلَیَّ اِلَّا هٰذَا وَهُوَ اَنۡ اُنۡذِرَ وَاُبَلِّغَ وَلَا اُفَرِّطَ فِیۡ ذٰلِكَ'' میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہی اور وہ یہ کہ میں تمہیں ڈرسناتا ہوں اور میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور میں اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا یعنی مجھے حکم نہیں دیا جاتا مگر صرف یہی ایک اور اس کے علاوہ مجھے کوئی حکم نہیں دیا جاتا [یہ بھی جائز ہے کہ ''اِنَّمَا'' میں ہمزہ مکسور ہو حکایت کی بناء پر یعنی مگر یہی قول اور وہ یہ کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ بے شک میں صرف ڈرسنانے والا ہوں اور میں کسی اور چیز کا دعویٰ نہیں کرتا] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''نَبَاٌ عَظِیۡمٌ'' سے کسی شخص سے سنے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنا اور اس کی خبر دینا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ''نبأ عظیم'' قرآن مجید ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''نبأ عظیم'' (بہت بڑی خبر) قیامت کا دن ہے اور ''ملأ اعلیٰ'' سے اصحاب قصہ مراد ہیں یعنی رائے دینے والے فرشتے اور حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس مردود' کیونکہ یہ سب آسمان میں رہتے تھے اور انہیں کے درمیان گفتگو ہوتی تھی [اور ''اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ'' محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ جھگڑے کے وقت مجھے فرشتوں کے کلام کا علم نہیں ہے]۔

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کفارات میں اور کفارات (گناہوں کو مٹانے والے اعمال) یہ ہیں: نمازوں کے بعد مسجدوں میں ٹھہرنا اور پنجگانہ نمازوں کی جماعت کے لیے پیدل چل کر جانا اور مشقت وتکلیف کے وقت کامل وضو کرنا اور جو یہ کام کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے نکل کر اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! جب آپ نماز پڑھ لیں تو یہ دعا کیا کریں: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَتَرۡكَ الۡمُنۡكَرَاتِ وَحُبَّ الۡمَسَاكِیۡنِ وَاِذَا اَرَدۡتَّ بِعِبَادِكَ فِتۡنَةً فَاقۡبِضۡنِیۡ اِلَیۡكَ غَیۡرَ مَفۡتُوۡنٍ'' اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور ناداروں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب آپ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو آپ میری روح کو اس حال میں قبض کر لینا کہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا: درجات کو بلند کرنے والے اعمال یہ ہیں: سلام کو پھیلانا' اور کھانا کھلانا' اور رات کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سور ہے ہوں۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۴۸' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۶۹' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۲۔۷۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۴۲ تا ۱۴۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۷۸﴾

جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوںO سو جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑناO پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیاO سوائے ابلیس کے‘ اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیاO فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا‘ کیا تو نے تکبر کیا یا تو تکبر کرنے والوں میں سے تھاO اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں‘ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیاO اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا‘ سو بے شک تو مردود ہےO اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہےO

## حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

۷۱- ﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ﴾ (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ کے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کی زبانی (فرشتے کی وساطت سے) ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ﴾ فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں اور فرمایا: ”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ“ (البقرہ:۳۰) ”بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں‘ فرشتوں نے کہا کہ کیا اس میں تو ایسے شخص کو نائب بنائے گا‘ جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا“ [”اذ قال ربك“ ”اذ یختصمون“ سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۷۲- ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ﴾ پھر جب میں اس کو برابر بنالوں یعنی جب میں اس کی خلقت کو مکمل و پورا کرلوں اور میں اس کی جسمانی ساخت کو برابر سنوارلوں ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾ اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں جسے میں نے پیدا کیا ہے۔ ”من روحی“ میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت و نسبت اپنی طرف محض تخصیص و تشریف کے لیے کی ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو حیات و زندگی عطا کی‘ میں نے اسے زندہ کیا اور میں نے اسے حساس (محسوس کرنے والا) اور متنفس (سانس لینے والا متحرک الارادہ) بنایا ﴿فَقَعُوا لَهُ﴾ سو تم اس کے آگے گر پڑو [یہ ”وقع یقع“ سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے] یعنی تم حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے زمین پر گر پڑو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اسے سجدہ کرو ﴿سٰجِدِينَ﴾ اسے سجدہ کرنے کے لیے گر پڑو‘ بعض کا قول ہے: سجدہ سے صرف جھکنا مراد ہے جو فرشتوں کی تواضع پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے تھا (اور حضرت آدم علیہ السلام صرف قبلہ بنے تھے) یا پھر یہ تعظیمی سجدہ تھا (کیونکہ سجدۂ عبادت ہمیشہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے)۔

۷۳- ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ پس تمام فرشتوں نے جمع ہو کر سجدہ کیا۔ لفظ ”کل“ احاطہ کرنے اور گھیرنے کے لیے ہے اور ”اجمعون“ اجتماع کے لیے ہے‘ پس اس کا مفاد و مطلب یہ ہوا کہ اوّل سے لے کر آخر تک تمام کے تمام فرشتوں نے جمع ہو کر ایک ہی وقت میں سجدہ کیا‘ الگ الگ گروہ در گروہ ہو کر مختلف اوقات میں سجدہ نہیں کیا۔

۷۴۔ ﴿ اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ ﴾ سوائے ابلیس (شیطان) کے اس نے تکبر وغرور کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا یعنی سجدہ کرنے سے تکبر وغرور کیا ﴿ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر کے کافروں میں سے ہوگیا۔

۷۵۔ ﴿ قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ ﴾ اے ابلیس! تجھے کس نے منع کیا کہ تو سجدہ کرتا'' ای ما منعك عن السجود ''یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟ ﴿ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ ﴾ اس کے لیے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا یعنی اپنے حکم کی تعمیل اور اپنے خطاب کی تعظیم کے لیے میں نے بغیر کسی واسطہ کے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اور بے شک یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دو ہاتھوں والے لوگ اپنے اکثر و بیشتر اعمال کو اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں اس لیے ہاتھوں کے اعمال کو باقی ان تمام اعمال پر غالب قرار دیا گیا جو ہاتھوں کے بغیر بھی کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ دل کے عمل کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے: یہی وہی کام ہے جسے تمہارے ہاتھوں نے سرانجام دیا اور یہاں تک کہ جس کے لیے ہاتھ نہیں ہوتا' اسے بھی کہا جاتا ہے کہ تیرے ہاتھ (کاروبار میں) خوب تیز چلتے رہیں اور تیرا منہ بھرا رہے اور یہاں تک کہ تمہارے اس قول کے درمیان کہ'' یہ کام تم نے کیا ہے'' اور اس قول کے درمیان کہ'' یہ کام تمہارے ہاتھوں نے کیا ہے'' کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ''مِمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَا'' (یٰسین:۷۱)'' اس میں سے جسے ہمارے ہاتھوں نے بنایا'' اور یہ ارشاد ''لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ'' اس کے لیے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ﴿ اَسۡتَكۡبَرۡتَ ﴾ کیا تو نے تکبر اور غرور کیا ہے۔ یہ استفہامِ انکاری ہے یعنی تو نے بغیر استحقاق کے تکبر کیا ہے ﴿ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴾ یا تو متکبروں میں سے تھا' انہیں میں سے تو فوقیت اور بڑھائی والا بن گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو ہمیشہ سے تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟

۷۶۔ ﴿ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴾ شیطان نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی میں سے پیدا کیا ہے یعنی اگر اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہوتا تب تو میں اسے سجدہ کر لیتا کیونکہ میرے جیسا مخلوق ہوتا بھلا اب میں اسے کیسے سجدہ کروں جو مجھ سے ادنیٰ اور کم تر ہے کیونکہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ مٹی پر غالب ہے اور اسے کھا جاتی ہے[1] [پہلے جملہ یعنی'' خلقتنی من نار'' پر دوسرا جملہ معطوف ہو کر عطف بیان اور عطف توضیح ہے]۔

---

[1] ابلیس کا یہ زعم (اور گمان) تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے:

(۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(۲) مٹی امین ہے کہ مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اُگا کر بیج کو پھر کئی گنا بڑھا کر لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے کہ اس میں جو کچھ ڈالا جائے' آگ اسے بھسم کر دیتی ہے۔

(۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے' مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے اور روئی حاصل ہوتی ہے' جس سے انسانوں کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے' اس میں معدنیات ہیں' جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا نہیں ہے بلکہ بگڑ جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۷۔ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ سوتو اس سے یعنی جنت سے یا آسمانوں سے یا تو اپنی اس اصلی خلقت سے نکل جا' جس میں تو اب تک رہا' اس لیے کہ شیطان نے اپنی خلقت پر تکبر اور فخر وغرور کیا تھا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو تبدیل کر دیا' پہلے وہ سفید تھا اس کے بعد اسے کالا سیاہ بنا دیا اور وہ پہلے حسین اور خوب صورت تھا' اس کے بعد اسے قبیح اور بدصورت بنا دیا اور پہلے وہ نورانی اور روشن تھا' اس کے بعد ظلمانی اور تاریک بنا دیا ﴿فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے یعنی تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) آگ خود بہ خود قائم نہیں ہو سکتی' اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے' سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ' محتاج سے (غنی ہونے کی بناء پر) افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں' مثلاً اس سے کھانا پکتا ہے' روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے' اگر کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے' سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے' اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے' زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو ''فراش''، ''بساط'' اور ''قرار'' بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے' دھمکانے اور عذاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر وثواب کا منبع بنا دیا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے' تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا گیا' انبیائے کرام علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے حتیٰ کہ اس کو ''اسفل السافلین'' میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۷۸)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم انکسار اور تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷)

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہوتا تو کسی مرکب کے تحقق (پائے جانے) کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

(۱) علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ'' اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درگاہِ الٰہی سے راندہ گیا ہے (اور تجھے رحمت الٰہی سے دور پھینک دیا گیا ہے) شیطان نے مٹی سے پیدا کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تکبر و غرور کیا اور اسی وجہ سے وہ پھسل گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اس کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب کے اجلال و بزرگی اور اس کے حکم کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس کے حکم کی اتباع اور پیروی کی (تو مطیع اور معصوم برقرار رہے) لیکن شیطان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے اور اسے ترک کر کے مردود اور ملعون قرار پایا۔

۷۸- ﴿وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ﴾ اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے یعنی میری طرف سے تجھے ہر خیر و بھلائی سے دور اور محروم کر دیا گیا ہے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ''لَعْنَتِیَ'' ہے] ﴿اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قیامت کے دن تک یعنی روزِ جزا تک اور یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شیطان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی انتہاء قیامت تک ہے' پھر ختم ہو جائے گی' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دنیا میں شیطان پر صرف اکیلی لعنت ہے' پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو لعنت کے ساتھ عذاب بھی مل جائے گا' سو وہاں انفرادیت ختم ہو جائے گی (یعنی صرف لعنت ہی نہیں' لعنت کے ساتھ عذاب بھی ہو گا) یا یہ کہ جب رحمت کے اوقات کے دوران اس پر لعنت جاری رہی تو رحمت کے اوقات کے نہ ہونے کے دوران اس پر بہ طریق اولیٰ لعنت جاری رہے گی اور بھلا اس پر لعنت کیسے ختم ہو سکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○'' (الاعراف:۴۴) ''سو ایک منادی ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ○''۔

| |
|---|
| قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى |
| يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ |

اس نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا○ فرمایا: سو تو بلاشبہ مہلت والوں میں سے ہے○ ایک معلوم و معیّن وقت کے دن تک○

۷۹ تا ۸۱- ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے○ ایک معلوم وقت کے دن تک۔ اور معلوم وقت سے وہ مراد ہے جس میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور اس دن سے وہ دن مراد ہے جس وقت صور پھونکنے کے اجزاء میں سے کوئی جز پایا جائے گا اور ''المعلوم'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دن اور وہ وقت معلوم اور معیّن ہے' نہ آگے ہو گا اور نہ پیچھے ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کُنْ'' سے بنایا اور حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' فرمایا: ''خَلَقْتُ بِيَدَيَّ'' (ص:۷۵)۔

(۳) اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لیے بنایا: ''اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً'' (البقرہ:۳۰)۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے ابلیس سے افضل تھے اور اس کا ''انا خیر منه'' کہنا بے جا غرور اور جھوٹا تکبر تھا۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۵۰ تا ۱۵۱' فرید بک سٹال لاہور' تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳' ص ۴۴۵ تا ۴۴۸)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گاO ماسوا تیرے ایسے بندوں کے جو ان میں سے برگزیدہ ہیںO فرمایا: سو یہ سچ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوںO ضرور میں تجھ سے اور ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گےO

۸۲'۸۳- ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور غلبہ مراد ہے ﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ مگر میں ان میں سے تیرے برگزیدہ بندوں کو گمراہ نہیں کر سکوں گا [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مخلصین'' کا لام مکسور ہے]۔

۸٤- ﴿قَالَ فَالْحَقُّ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ سچ ہے [علی کسائی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں مبتدا ہونے کی بناء پر ''الحق'' مرفوع ہے' ''ای الحق قسمی'' مجھے حق کی قسم ہے یا پھر خبر کی بناء پر مرفوع ہے: ''ای انا الحق'' یعنی میں حق ہوں' اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک یہ منصوب ہے' اس بناء پر کہ یہ مقسم بہ ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ ''اَللّٰهِ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا'' اللہ کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا' یعنی لفظ ''اللّٰہ'' کے شروع میں حرف ''بَا'' قسمیہ حذف کر دی گئی ہے' اصل میں ''بـاللّٰه لافعلن كذا'' تھا' اسی طرح اصل میں ''بـالحق'' تھا' حرف ''با'' قسمیہ حذف کر دیا گیا ہے' پھر اسے نصب دیا گیا ہے اور اس قسم کا جواب ''لَأَمْلَـئَنَّ'' ہے] ﴿وَالْحَقَّ أَقُولُ﴾ اور میں سچ ہی کہتا ہوں [یہ مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور ''الحق'' منصوب ہے ''اقول'' کی وجہ سے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''ولا اقول الا الحق'' اور میں حق سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا' اور حق سے یا تو اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک مراد ہے' جو درج ذیل ارشاد میں ہے: ''بِـأَنَّ اللّٰـهَ هُوَ الْحَقُّ'' (الحج: ٦٢)'' اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے'' یا پھر حق سے وہ حق مراد ہے جو باطل کی نقیض اور ضد ہے' اللہ تعالیٰ نے اس حق کی قسم فرما کر اس کی عظمت و شان کو بڑھا دیا ہے۔

۸۵- ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ﴾ میں ضرور دوزخ کو تجھ سے بھر دوں گا یعنی تیری جنس سے اور وہ تمام شیاطین ہیں ﴿وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو تیری پیروی کریں گے ﴿أَجْمَعِينَ﴾ یعنی ان میں پیروی کرنے والوں اور جن کی پیروی کی جائے گی' سب سے دوزخ کو بھر دوں گا' ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾ ع ۵ ۱۴

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوںO وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہےO اور تم کچھ مدت کے بعد ضرور اس کی خبر کو جان لو گےO

## رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعلان حق

۸۶- ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے (اے کفار مکہ) اس کی تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا [''علیہ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف یا پھر وحی کی طرف لوٹتی ہے] یعنی میں قرآن مجید اور وحی کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تصنع اور بناوٹ کرتے ہیں اور ایسی چیز کا اپنے لیے دعویٰ کرتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے اور تم مجھے کبھی بھی تصنع اور بناوٹ کرنے والا اور ایسی چیز کا دعوے دار ہرگز نہیں پاؤ گے جو میرے پاس نہیں' تا کہ میں نبوت کو ازخود اپنے لیے جائز قرار دے دوں اور میں ازخود اپنے آپ قرآن بنا بنا کر پیش کروں (ایسا ہرگز نہیں)۔

۸۷- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مجھ پر نازل کیا ہے' سو میں اسی قرآن مجید کی تمہیں تبلیغ کرتا ہوں۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تکلف کرنے والے کی تین علامتیں ہیں: (۱) جو اپنے سے بڑے طاقتور اور غالب سے کسی چیز کے حصول میں جھگڑا کرے (۲) اور ایسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے' جسے حاصل کرنے کی قدرت وطاقت نہ رکھتا ہو (۳) اور ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔

۸۸- ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ﴾ اور تم ضرور اس کی خبر جان لو گے (یعنی) قرآن مجید کی خبر اور جو کچھ اس میں وعدے اور وعیدیں اور حشر ونشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے' تم سب کچھ جان لو گے۔

﴿بَعْدَ حِيْنٍ﴾ کچھ عرصہ بعد (یعنی) موت کے بعد یا غزوۂ بدر کے دن یا پھر قیامت کے دن تمہیں قرآن مجید کی شان معلوم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورتِ مبارکہ کا آغاز بھی ذکر (نصیحت بھرے قرآن مجید) سے کیا اور اس کا اختتام بھی ذکر (قرآن مجید) پر کیا۔

| | | |
|---|---|---|
| سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | اٰيَاتُهَا ۷۵ رُكُوْعَاتُهَا ۸ |

سورۃ الزمر مکی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی پچھتر آیات' آٹھ رکوع ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (وقف لازم)
فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

یہ کتاب بہت عزت والے بڑی حکمت والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ۝ بے شک ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے' سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اسی کے لیے دین کو خالص کر کے ۝ سن لو خالص دین اللہ

تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں' بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو O

## قرآن کی حقانیت اور شرک کی مذمت

۱- ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ اس کتاب کو یعنی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے [''تنزیل الکتاب'' مبتدا ہے اور ''من اللہ'' اس کی خبر ہے یعنی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل کیا گیا ہے' یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ''من اللہ'' جار مجرور ''تنزیل'' کا صلہ ہے یا یہ صلہ نہیں بلکہ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ھٰذَا تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ ھٰذَا مِنَ اللّٰهِ'' یہ کتاب نازل کی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (خود ساختہ نہیں ہے)] ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہی میں سب پر غالب و زبردست ہے (لیکن اس پر کوئی غالب نہیں) ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ وہ اپنی تدبیر اور منصوبہ سازی میں بہت بڑا حکمت والا اور سب سے بڑا دانا ہے۔

۲- ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک ہم نے اس کتاب کو آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا کتاب کے لیے عنوان کی طرح ہے اور دوسرا اس تعلیم کا بیان ہے جو کتاب میں ہے ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے' اس کے لیے دین کو باطن کی صفائی اور عقیدۂ توحید کے ذریعے شرک اور ریاء سے خالص کر کے [پھر ''دین''، ''مخلصا'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳- ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ خبردار خالص دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی یہ خالص دین وہ ہے جس کا اختصاص واستحقاق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے' وہ اس طرح کہ عبادت کو ہر قسم کے شرک کی ملاوٹ سے خالص و پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے کیونکہ وہ تمام غیوب و اسرار (مخفی و پوشیدہ چیزوں) سے آگاہ ہے' کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالص دین ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی گواہی دینا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خالص دین صرف اسلام ہے (اس کے سوا باقی تمام ادیان شرک کی آمیزش کی وجہ سے غیر خالص ہیں) ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو کارساز بنالیا یعنی معبود بنالیا [یہ سارا کلام مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' جس کی تقدیر عبارت یہ ہے:] ''(والذین) عبدوا الاصنام یقولون'' اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت شروع کر دی' وہ کہتے ہیں کہ ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں ''زلفی'' مصدر ہے یعنی مقرب بنانا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب مسلمانوں نے مشرکینِ مکہ سے کہا کہ بتاؤ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو مشرکینِ مکہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے' پھر جب مسلمانوں نے ان سے کہا کہ پھر تم بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنا دیں' اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں جھگڑے والے فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا (کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر جنت میں بھیج دے گا اور مشرکوں کو ناکام

قرار دے کر دوزخ میں بھیج دے گا) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے علم میں آ چکا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کرلے گا یعنی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور اس شخص کے کفر اختیار کرتے وقت اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتا اور لیکن اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اور ان کا جھوٹ بولنا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کو معبود بنالیا تھا' ان میں سے بعض کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان کا تعاقب کیا اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝۵

اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو مخلوق پیدا کرتا ہے اس میں جسے چاہتا چن لیتا' وہ اس سے پاک ہے' وہ واحد اللہ تعالیٰ ہے جو سب پر غالب ہے O اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا' ہر ایک معین وقت تک کے لیے چلتا رہے گا' خبردار! وہ سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O

٤- ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو پیدا کرتا ہے اس میں سے جسے چاہتا چن لیتا یعنی اگر تمہارے گمان کے مطابق اولاد کا اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا اپنا بیٹا بنا لیتا' نہ کہ اس کو جسے تم پسند کرتے ہو اور جو تم چاہتے ہو ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں اور ان کی طرف سے اس کی طرف منسوب کی گئی اولاد سے پاک ہے اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلیل ہے کہ ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو واحد ہے سب پر غالب ہے یعنی بے شک وہ واحد و یکتا ہے' وہ انداد و شرکاء سے مبرّا ہے' وہ جزئیت اور اولاد سے بہت بلند و بالا ہے' وہ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے اور ان (مغلوب) چیزوں میں سے ان کے معبود بھی ہیں تو بھلا ایسی ذاتِ بابرکات کے لیے ہمسر و شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔

٥- پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق اور دن اور رات میں سے ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹنے اور سورج و چاند کی تسخیر اور قیامت تک ان کے چلتے رہنے اور انسانوں کی کثیر در کثیر تعداد کے باوجود ایک جان سے بنانے اور چوپایوں کے پیدا کرنے کے ذریعے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب پر غالب ہے' اس پر کوئی غالب نہیں ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ ﴾ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے' اور ''تکویر'' کا معنی ہے: لپیٹنا' ایک دوسرے کو ملانا جیسے کہا جاتا ہے: ''کار العمامة علی راسه و کوّرها'' فلاں آدمی نے اپنے سر پر پگڑی کو

لپیٹنا اور پگڑی کے بل ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر باندھے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دن رات میں سے ہر ایک دوسرے کو چھپا لیتا ہے' جب وہ اس پر طاری ہوتا ہے' پس ایک دوسرے کے چھپا لینے کو ایک ایسی ظاہر چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب اس کو کسی پر لپیٹا جائے تو اس کو نظروں سے چھپا لے (جیسے لباس ہے کہ وہ پہننے والے کے جسم کو چھپا لیتا ہے) یا یہ معنی ہے کہ یہ دن رات موسم کی تبدیلی کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آتے جاتے رہتے ہیں (کہ گرمیوں میں دن رات کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لیتا ہے' اس لیے دن بڑے ہو جاتے ہیں جب کہ سردیوں میں رات دن کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لیتی ہے' اس لیے راتیں بڑی ہو جاتی ہیں) سو اس تعاقب کو پگڑی کے بلوں کے ایک دوسرے کے پیچھے' اوپر نیچے آنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے' ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن تک ﴿اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ﴾ خبردار! وہ ہر اس شخص کو سزا دینے پر پوری طرح غالب وقادر ہے جو سورج اور چاند کی تسخیر سے عبرت وسبق حاصل نہیں کرتا اور ان کی تسخیر پر ایمان نہیں لاتا ﴿الْغَفَّارُ﴾ وہ ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جو (کائنات کی تسخیر وتخلیق میں) غور وفکر کرتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے' پھر ان کی تدبیر کرنے والے مدبر وخالق پر ایمان لے آتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اُتارے' وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیروں میں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرتا ہے' یہ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے بادشاہی اسی کے لیے ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو O

٦- ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اسی (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی دو چھوٹی پسلیوں سے بنایا' بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے غبار کے باریک ذرّوں کی طرح نکالا گیا' پھر اس کے بعد حضرت حوا کو پیدا کیا گیا ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ﴾ اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ جوڑے) اتارے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جانوروں کو بنایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیدا کیا' پھر ان کو زمین پر اتارا یا اس لیے کہ جانور نباتات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور نباتات پانی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو بارش کی صورت میں زمین پر اتارا تو گویا اس نے جانوروں کو اتارا ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ﴾ آٹھ جوڑے' اونٹ اور گائے اور بھیڑ اور بکری کے نر اور مادہ جیسا کہ سورت انعام میں بیان کیا گیا ہے اور جب کوئی چیز اکیلی ہو تو ''فرد'' اور ''وتر'' کہلاتی ہے اور جب اس کے ساتھ اس کی جنس میں سے دوسری چیز ملائی جائے تو اس کا نام ''زوج'' رکھا جاتا ہے ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری تخلیق کے بعد تخلیق کرتا ہے' پھر نطفہ (سفید پانی یعنی منی) ہوتا ہے' پھر ''علقۃ'' (جما ہوا خون)

ہوتا ہے پھر "مضغۃ" (لوتھڑا) ہوتا ہے پھر تخلیق مکمل ہوتی ہے ﴿ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ﴾ تین اندھیروں میں پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ ہوتا ہے یا باپ کی پشت کا اندھیرا اور ماں کے پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اندھیرا ﴿ ذٰلِكُمُ ﴾ وہ عظیم الشان ذات جس کے یہ معمولات ہیں وہ ﴿ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ہے تمہارا پروردگار ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کدھر منہ اٹھائے پھرے جا رہے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس کے غیروں کی عبادت کی طرف کیوں کر پھر جاتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں بیان کیا کہ وہ ان سب سے غنی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے' اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا' اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی' پھر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے' بے شک وہ سینوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے ○ اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے اس کی طرف رجوع کر کے' پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پہلے جو اس سے دعا مانگتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تا کہ وہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بھٹکا دے' فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا عرصہ فائدہ اٹھا لے' بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے ○

## اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا بیان

۷- ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ﴾ اگر تم کفر اختیار کر لو تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے یعنی تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج و ضرورت مند ہو کیونکہ کفر تمہیں نقصان دے گا اور ایمان تمہیں فائدہ دے گا ﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ارادہ سے ہوتا ہے ﴿ وَاِنْ تَشْكُرُوْا ﴾ اور اگر تم شکر کرو گے اور ایمان لے آؤ گے تو ﴿ يَرْضَهُ لَكُمْ ﴾ وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ شکر کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ وہ تمہاری کامیابی کا ذریعہ اور سبب ہے' سو اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں جنت عطا فرمائے گا [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں "یَرْضَہٗ" کی "ھا" کے ضمہ کو اشباع کے ساتھ (یعنی واؤ

مدہ کے ساتھ کھینچ کر) پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی' ہشام اور عاصم کی قراءت میں یحییٰ اور حماد کے علاوہ ''ھـا'' کے ضمہ کو بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی ''یـرضـهُ'' کی ''ھـا'' کو ساکن کر کے پڑھتے ہیں] ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ ﴾ پھر تم نے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) تمہیں اپنے اعمال پر بدلہ پانے کے لیے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم اعمال کرتے رہے تھے (یعنی) پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کر دے گا اور ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے پوشیدہ حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۸- ﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ ﴾ اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف' مصیبت اور سختی پہنچتی ہے ﴿ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ﴾ تو اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے' اس کی طرف رجوع کر کے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگنے لگ جاتا ہے اور اس کے علاوہ کسی سے دعا نہیں مانگتا' اس آیت مبارکہ میں انسان سے ابوجہل مراد ہے یا ہر کافر مراد ہے اور ''مس'' اعراض میں مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے ﴿ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے (یعنی) جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو ﴿ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس کو بھول جاتا ہے جس کی طرف رجوع کر کے پہلے دعا مانگتا تھا یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے جس کی بارگاہ میں آہ و زاری کر کے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا یا یہ کہ وہ شخص اس تکلیف و مصیبت کو بھول جاتا ہے' جس سے نجات پانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا [''ما'' بہ معنی ''مَنْ'' ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى O'' (اللیل:۳)] ﴿ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناتا ہے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی مثل اور ہمسر ٹھہراتا ہے ﴿ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ تا کہ وہ لوگوں کو اس کی راہ یعنی دین اسلام سے بہکا دے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور یعقوب کی قراءت میں ''لِیَضِلَّ'' میں ''یا'' مفتوح ہے یعنی تا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے اسلام سے بہک جائے] ﴿ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرما دیجئے کہ (اے کافر شخص!) تو دنیا میں اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے [اس میں ''تمتع'' کا امر محض دھمکانے کے لیے ہے] ﴿ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ بے شک تو دوزخ کی آگ والوں میں سے ہے (یعنی) اس میں رہنے والوں میں سے ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ
رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۹ ع ۹/۱۵

کیا وہ شخص جو فرماں بردار ہے رات کی گھڑیاں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ نافرمان کی طرح ہو سکتا ہے)' فرما دیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں' بے شک نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں O

۹- ﴿ اَمَّنْ ﴾ [ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''اَمَنْ'' کی میم کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا

ہے'اس بناء پر کہ ہمزہ استفہام ''مَنْ'' پر داخل ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''اَمَّنْ'' کی میم کو مشدد اس بناء پر پڑھا گیا ہے کہ اس پر ''اَمْ'' داخل ہے (یعنی اصل میں ''اَمْ'' ''مَنْ'' تھا پہلی میم کو دوسری میم میں مدغم کر کے ''اَمَّنْ'' پڑھا گیا ہے) اور ''مَنْ'' مبتدا ہے'اس کی خبر محذوف ہے] اصل میں ''امن'' ﴿هُوَقَانِتٌ﴾ ''كَغَيْرِهٖ'' یعنی کیا وہ شخص جو مطیع اور فرماں بردار ہے وہ نافرمان اور گناہ گار کی طرح ہوسکتا ہے'' قانت'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار' اور یہاں خبر کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس پر کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ ہے اس سے پہلے کافر کا ذکر اور اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' ﴿اٰنَآءَ الَّيْلِ﴾ رات کے اوقات اور اس کی گھڑیاں ﴿سَاجِدًا وَّقَآئِمًا﴾ سجدہ اور قیام کرنے والا (یعنی عبادت کرنے والا) [یہ دونوں کلمے ''قانت'' کی ضمیر سے حال ہیں] ﴿يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ﴾ وہ آخرت سے یعنی عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے ﴿وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے یعنی جنت کی اُمید رکھتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے کہ مؤمن کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ وہ خوف اور اُمید کے درمیانی حال پر قائم رہے' وہ اس طرح کہ ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھے اور اپنے عمل پر بھروسا نہ رکھے اور دوسری طرف اپنے عمل میں کوتاہی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے' پھر جب امید ورجاء حد سے بڑھ جائے تو ''امن'' کہلاتی ہے اور جب خوف اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو ''ایاس'' (ناامیدی) کہلاتا ہے'اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ O'' (الاعراف:۹۹) ''سو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف و نڈر نہیں ہوتی مگر نقصان اٹھانے والی قوم O''۔ ''اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ O'' (یوسف:۸۷) ''بے شک کافروں کی قوم کے ماسوا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس نہیں ہوتا O''۔ پس واجب ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی اپنی حد سے نہ بڑھے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں یعنی جو لوگ علم بھی رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں گویا جو شخص علم کے باوجود عمل نہیں کرتا اس کو عالم قرار نہیں دیا جائے گا اور اس میں ان لوگوں کی بہت مذمت ہے جو علوم تو حاصل کرتے ہیں لیکن پھر اطاعت و عبادت اختیار نہیں کرتے اور وہ صرف علوم میں بحث و نظر اور مناظرہ و مجادلہ اور علمی جھگڑوں میں مبتلا رہتے ہیں' پھر دنیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں' سو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''جہلاء'' ہیں کیونکہ ''قانتین'' (عبادت گزاروں) کو ''علمآء'' قرار دیا گیا ہے جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں یا پھر تشبیہ مراد ہے یعنی جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں اسی طرح مطیع و فرماں بردار اور عاصی و نافرمان بھی برابر نہیں ہیں ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ بے شک صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ''الباب''، ''لب'' کی جمع ہے بہ معنی عقل یعنی اللہ تعالیٰ کے وعظ سے صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّىْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣﴾

(اے میرے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو' جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے بہترین اجر ہے' اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے' بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب حساب کے بغیر بھر پور دیا جائے گاO فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اسی کے لیے دین کو خالص کر کےO اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوںO فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو بلاشبہ مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہےO

## ایمان اور احسان کی فضیلت

۱۰- ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو [اکثر قراء کے نزدیک ''یَا عِبَادِ'' بغیر ''یا'' پڑھا گیا ہے (جب کہ بعض کے نزدیک ''یا عبادی'' پڑھا گیا ہے)] ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ تم اپنے رب تعالیٰ کے اوامر واحکام پر عمل کر کے اور اس کے نواہی اور ممنوعات سے اجتناب وپرہیز کر کے اس سے ڈرتے رہو ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بہت اچھا اجر وثواب ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں اطاعت وفرماں برداری اختیار کی [اور ''فی'' کا ''احسنوا'' کے ساتھ تعلق ہے ''حسنة'' کے ساتھ نہیں] اس کا معنی یہ ہے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیے' ان کے لیے آخرت میں بہترین اور بہت اچھا اجر وثواب ہوگا اور وہ جنت میں جانا ہے [یعنی ''حسنة'' موصوف نہیں ہوتی اور علامہ سدی نے ''فی'' کو ''حسنة'' کے ساتھ متعلق کیا ہے] اور اس نے ''حسنة'' کی تفسیر صحت اور عافیت کے ساتھ کی ہے اور ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے' کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ عذر پیش کریں کہ وہ اپنے اپنے وطن میں وافر نیکی کرنے پر قادر نہیں تھے تو انہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تو بہت وسیع اور بہت کشادہ ہے اور اس کے ممالک بہت زیادہ ہیں تو تم دوسرے ممالک کی طرف منتقل ہو جاتے اور غیر ممالک کی طرف ہجرت کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی پیروی اختیار کر لیتے تاکہ تمہاری اپنی نیکیوں میں ایک اور نیکی کا اضافہ ہو جاتا اور تمہاری اپنی عبادت میں ایک اور عبادت کا اضافہ ہو جاتا ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ﴾ بے شک اپنے ممالک سے ہجرت کرنے اور اپنے خاندانوں کو چھوڑنے اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کی خاطر مختلف تکلیفیں جھیلنے اور مصیبتیں برداشت کرنے پر صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب بھر پور دیا جائے گا ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ بے حساب' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس قدر زیادہ اجر دیا جائے گا کہ حساب کرنے والے کا حساب اس کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اسے معلوم کیا جا سکے گا [اور یہ ''اجر'' سے حال ہے یعنی بہت زیادہ ثواب دیا جائے گا]۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عبادت کا حکم

۱۱- ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں' اصل میں ''بان اعبد اللّٰه'' ہے ﴿مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یعنی مجھے اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے دین کے اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲- ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان میں بنوں اور مجھے اس (دین میں اخلاص اختیار کرنے) کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں یعنی میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان سب سے سابق ومقدم اور اوّل رہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اخلاص ہی کی وجہ سے دین میں سبقت اور اوّلیت حاصل ہوتی ہے' سو جس نے اخلاص اختیار کرلیا وہ سابق واوّل ہو گیا' پس پہلے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا گیا اور دوسرا حکم سبقت کے لیے دیا گیا ہے' پس ان دونوں کی جہتیں مختلف ہونے کی وجہ سے ان کو مختلف مرتبہ پر نازل کیا گیا' سو اس لیے ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کرنا صحیح اور درست ہے۔

۱۳- ﴿ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (بفرضِ محال) اگر میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے (یعنی) یہ اسے فرمائیے جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ ایک دفعہ قریش کے کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کی طرف نہیں دیکھتے؟ اور آپ کی قوم کے سردار لات اور عزّیٰ کی عبادت کرتے ہیں' پس یہ آیت مبارکہ ان کی تردید کے لیے نازل کی گئی ہے۔

| |
|---|
| قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ |
| الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ |
| الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ |
| بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ |

فرما دیجئے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے O سو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو' آپ فرما دیں: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا' خبردار ہو جاؤ! یہی کھلم کھلا نقصان ہے O ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی سائبان ہوں گے' یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! پس تم مجھ ہی سے ڈرو O

۱۴- ﴿ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں جب کہ میں نے اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیا ہے' سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص کر دی اور اپنے دین کو بھی اسی کے لیے خالص کر رکھا ہے' کسی غیر اللہ کے لیے نہیں اور پہلے خبر دی گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبادت کے ساتھ اخلاص کا حکم دیا گیا' سو اس لیے پہلا کلام عین فعل اور اس کے اثبات میں واقع ہوا ہے اور دوسرا کلام اس ذات کے بارے میں واقع ہوا ہے' جس کے لیے یہ فعل کیا جاتا ہے اور اس لیے اس پر (درج ذیل) ارشاد مرتب کیا گیا ہے۔

آخرت کا خسارہ کفار کے لیے ہے

۱۵- ﴿فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ سوتم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو (لیکن میں تو صرف اسی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا رہوں گا) اور یہ حکم کفار کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اور اظہارِ غضب کے لیے دیا گیا ہے کیونکہ انہیں کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اپنے بڑوں کے دین کی مخالفت کی تو یقیناً آپ خسارے اور نقصان میں رہیں گے تو ان کے ردّ میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے یعنی کامل و مکمل خسارے اور نقصان میں وہ لوگ ہیں جو خسارے کی وجوہ اور اسباب کے جامع اور حامل ہیں ﴿الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنہوں نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں ہلاک کر کے دائمی خسارے میں ڈال دیا ﴿وَاَهْلِیْهِمْ﴾ یعنی اور جنہوں نے اپنے گھر والوں کو خسارے اور نقصان میں ڈال دیا ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن کیونکہ انہوں نے اپنے گھر والوں کو گمراہ کیا تھا' سو اس لیے وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ان کفار کے خسران و نقصان کو انتہائی قبیح وصف کے ساتھ بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ﴾ خبردار! یہی واضح اور کھلم کھلا خسران و نقصان ہے' [کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو پہلے حرف تنبیہ کے ساتھ شروع کیا' پھر مبتدا اور خبر کے درمیان "ھو" ضمیر کے ساتھ فاصلہ کیا اور پھر "الخسران" کو معرفہ بیان کیا اور اس کی صفت "المبین" لایا] اور یہ اس لیے کہ اس نے جنت کے بدلے میں دوزخ کی آگ کو حاصل کیا اور جنت کے بہترین درجات کے بدلے میں دوزخ کے درکات (طبقات) کو حاصل کیا۔

۱۶- ﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ﴾ ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور کثیف و غلیظ آگ کے دھواں دار بادل ہوں گے ﴿وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور یہ دوسرے سائبان ہوں گے یعنی آگ انہیں چاروں اطراف سے گھیر لے گی ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ جو آگ کا وصف بیان کیا گیا ہے یا یہ جو سائبان ہیں ﴿یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اس کے مناھی اور ممنوعات سے بچیں ﴿یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرو اور اس کے پیچھے نہ پڑو جو میری ناراضگی کا موجب ہو' اللہ تعالیٰ نے انہیں دوزخ کی آگ سے ڈرایا' پھر انہیں اپنی ذات سے ڈرایا۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے رہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوش خبری ہے' سو آپ میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں O جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس کی سب سے اچھی چیز کی پیروی کرتے ہیں'

یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ عقل والے ہیںO سو کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی' تو کیا آپ اس شخص کو بچالیں گے جس پر آگ میں جانا واجب ہو چکا ہےO لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتاO

## شیطان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی شان

۱۷- ﴿ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ اور جو لوگ شیطان سے بچتے رہے۔ ''طاغوت'' سے شیاطین مراد ہیں [یہ ''فعلوت'' کے وزن پر ہے اور ''طغیان'' سے ماخوذ ہے جیسے ''ملکوت'' اور ''رحموت'' ہے مگر اس میں قلب ہے کہ لام کلمہ عین کلمہ پر مقدم ہے' یہ شیطان پر بھی بولا جاتا ہے اور شیاطین پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ ''طاغوت'' مصدر ہے اور اس میں مبالغہ ہے اور یہ مصدر کے نام پر ہے' گویا شیطان بعینہٖ ''طغیان'' ہے اور اس کی بناء مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ''رحموت'' کا معنی ہے: وسیع رحمت اور ''ملکوت'' کا معنی کشادہ اور بڑا ملک اور قلب صرف اختصاص کے لیے ہے کیونکہ یہ غیر شیطان پر نہیں بولا جاتا اور یہاں اس سے جمع مراد ہے اور ''الطواغیت'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا ﴾ [یہ ''الطاغوت'' سے بدل الاشتمال ہے] یعنی وہ لوگ اس (شیطان) کی عبادت سے بچتے رہے ﴿ وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا' ان کے لیے خوش خبری ہے' یہ اجر وثواب کی خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ملاقات کر کے انہیں خوش خبری سنائیں گے اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس وقت بھی فرشتے انہیں خوش خبری سنائیں گے ﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴾ تو میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں۔

۱۸- ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ﴾ جو بڑے غور سے بات کو سنتے ہیں' پھر اس کی سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں' یہ وہی لوگ ہیں جو شیطانوں کی عبادت سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور مائل رہے اور یہ لوگ اس لیے مراد ہیں کہ یہ اجتناب اور انابت کے ساتھ اس (ساعت واتباع) کی صفت پر قائم ہیں' [سو اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے] مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دین میں بڑے کھرے ہیں جو حسن اور احسن اور فاضل اور افضل میں فرق کرتے ہیں' چنانچہ جب ان کے سامنے دو عمل پیش کیے جائیں ایک واجب اور ایک مستحب' تو وہ واجب کو اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح مباح اور مستحب میں سے مستحب کو اختیار کرتے ہیں' غرضیکہ وہ ہر اس عمل کے خواہش مند رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب حاصل کرنے کا زیادہ ذریعہ بنتا ہے اور جس پر ثواب بہت ملتا ہو یا یہ کہ وہ قرآن وغیرہ سنتے ہیں یا غیر کی بجائے قرآن مجید کی پیروی کرتے ہیں یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنتے ہیں تو ان میں سے بہتر پر عمل کرتے ہیں' جیسے قصاص اور عفو میں سے عفو کو اختیار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یا وہ قوم کے ساتھ باتیں سنتے ہیں جن میں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی ہوتی ہیں تو وہ اچھی باتیں لوگوں سے بیان کرتے ہیں اور بری باتوں سے رُکے رہتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ ہی عقل مند ہیں یعنی یہی لوگ اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

۱۹- ﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴾ سو کیا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپ اسے بچالیں گے جس پر دوزخ کی آگ میں جانا لازم ہو چکا ہے۔ اصل کلام یوں ہے: کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت یعنی واجب ہو چکی ہے تو آپ اسے بچالیں گے [یہ جملہ شرطیہ ہے جس پر انکار کا ہمزہ داخل ہے اور حرف

''فا'' جزاء کا ''فا'' ہے پھر شروع میں وہ ''فا'' داخل کیا گیا ہے جو محذوف پر عطف کے لیے ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''ء انت مالك امرهم فمن حق عليه العذاب فانت تنقذه؟''] کیا آپ ان کے معاملہ کے خود مالک ہیں سو جس پر عذاب واجب ہو چکا ہو تو آپ اسے بچا لیں [اور دوسرا ہمزہ وہی پہلا ہے جسے انکار کے معنی کی تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور ''من فی النار'' کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے یعنی ''تنقذه'' ہے پس یہ آیت کریمہ اس بناء پر ایک جملہ ہے] یا اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات واجب ہو چکی ہے وہ اس سے نجات پالے گا اور آپ اسے چھڑا لیں گے یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور پہلے سے اس کے علم میں ہو کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے تو اسے بچانے کی کوئی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

۲۰- ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے بنے ہوئے ہیں یعنی جنت میں ان کے لیے عالی شان بلند و بالا محلات ہیں اور ان کے اوپر ان سے بھی اونچے عالی شان محلات تعمیر کیے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے لیے دوزخ میں آگ کے بلند و بالا سائبان ہوں گے اور ڈرنے والوں اور پرہیزگاروں کے لیے جنت میں عالی شان محلات ہوں گے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں یعنی ان کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ [''وعد'' مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لهم غرف'' کا معنی ہے: ''وعدهم الله ذالك'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے اس کا وعدہ کر چکا ہے]۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۱۴

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کر دیتا ہے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پھر وہ سوکھ جاتی ہے سو آپ اسے زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O

۲۱- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے یعنی بارش برساتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ زمین میں ہر پانی پس وہ آسمان ہی سے ہے کیونکہ بارش کا پانی آسمان سے پہاڑوں پر نازل ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے تقسیم کر دیتا ہے ﴿فَسَلَكَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ بارش کے پانی کو داخل کر دیتا ہے ﴿يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ زمین کے چشموں میں اور وادیوں میں اور ایسی جگہوں میں جہاں سے پانی نکلتا ہے جیسے جسموں میں رگیں ہوتی ہیں [اور ''ینابیع'' حال کی بناء پر منصوب ہے یا ظرف کی بناء پر اور ''فی الارض'' ''ینابیع'' کی صفت ہے] ﴿ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے یعنی پانی کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں (یعنی) اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں سبز اور سرخ اور زرد اور سفید یا اس کی اقسام مختلف ہوتی ہیں گندم جو کشمش اور اس کے علاوہ دیگر زمینی پیداوار ﴿ثُمَّ يَهِيْجُ﴾ پھر وہ خشک ہو کر سوکھ جاتی ہے ﴿فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ پس اس کی

تروتازگی اور خوب صورتی کے بعد اس کو آپ زرد اور پیلا دیکھیں گے ﴿ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیتا ہے "حطام" کا معنی ہے کہ پودے وغیرہ کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دینا اور اسے ریزہ ریزہ کر دینا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک پانی کے نازل کرنے میں اور کھیتی کے نکالنے میں ﴿لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ ضرور عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے' یہ ضرور یاددہانی اور تنبیہ ہے کہ ایک صانع اور حکیم کا ہونا ضروری ہے اور بے شک یہ سب کچھ اسی صانع اور حکیم کی تقدیر اور تدبیر سے معرض وجود میں آ رہا ہے' یہ سب بے کار و بے فائدہ نہیں ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے' پس وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے نور پر ہے (اس جیسا ہو جائے گا جو سنگ دل کافر ہے) سو ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیںO اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے جس کا کلام ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے' جس سے ان کے چمڑوں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے چمڑے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے لیے نرم ہو جاتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیںO

## مسلم و کافر برابر نہیں ہو سکتے

۲۲۔ ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے یعنی اس کا سینہ کشادہ کر دیا ہے اور اس نے ہدایت اختیار کر لی' اور رسول اللہ ﷺ سے شرح صدر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے دل میں نور ہدایت داخل ہوتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے' پھر آپ سے عرض کی گئی کہ اس کی کوئی علامت اور نشانی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! دائمی گھر آخرت کی طرف رجوع کرنا' دھوکے کے گھر دنیا سے دور ہو جانا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا[1] ﴿فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (ہدایت) پر ہے (یعنی) وہ بیان اور بصیرت پر ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور اس نے ہدایت قبول کر لی ہے' اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے

[1] رواہ الترمذی الحکیم فی نوادر الاصول رقم الحدیث: ۱۲۷' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۰۔۱۸۱' الدر المنثور ج ۳ ص ۵۵۔۳' تنبیہ الغافلین للسمرقندی ص ۷۔۳۔

مہر لگادی' سواس کا دل سخت ہو گیا ہے' سواس کلام کو حذف کر دیا ہے کیونکہ اس پر درج ذیل کلام دلالت کر رہا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پس ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب یعنی جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے یا اس کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سختی اور سنگ دلی کا اضافہ ہو جاتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:۱۲۵) ''سو ان کی نجاست پر اور نجاست بڑھا دی'' ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں جن کی سرکشی ظاہر ہے۔

## قرآن مجید کی فضیلت و تاثیر کا بیان

۲۳ - ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا﴾ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آغاز اور اس پر ''نَزَّلَ'' کی بناء محض ''احسن الحدیث'' کی عظمت وشان بڑھانے کے لیے ہے [''کتابا''، ''احسن الحدیث'' سے بدل ہے یا اس سے حال ہے] ﴿مُّتَشَابِهًا﴾ سچ میں اور بیان میں اور وعظ ونصیحت میں اور حکمت ودانائی' فصاحت و بلاغت میں اور اعجاز وغیرہ میں اس کی آیات ایک دوسری سے ملتی جلتی اور ایک جیسی ہیں ﴿مَّثَانِيَ﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) بار بار دہرائی جاتی ہے کیونکہ اس کے قصے اور اس کی خبریں اور اس کے احکام اور اس کے اوامر اور اس کے نواہی اور اس کے وعدے اور اس کی وعیدیں اور اس کے مواعظ کو کئی بار دہرایا جاتا ہے' سو یہ قرآن مجید کے ''متشابہ'' ہونے کا بیان ہے کیونکہ اس کے دہرائے جانے والے اور بار بار بیان کیے جانے والے قصے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا: اس کلام پاک کو نماز میں بار بار تلاوت کر کے دہرایا جاتا ہے لیکن اس سے کوئی ملال اور اکتاہٹ نہیں ہوتی [اور واحد کو جمع کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ کتاب تفاصیل والا مجموعہ ہے اور کسی چیز کی تفاصیل اس کا مجموعہ ہوتی ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم کہتے ہو کہ قرآن مجید سات حصوں والا اور سورتوں اور آیتوں والا ہے' سو اسی طرح تم یہ کہہ سکتے ہو کہ قرآن مجید کے قصے اور احکام اور مواعظ کو بار بار بیان کیا جاتا ہے لہٰذا ''مثانی'' جمع ''کتاب'' واحد کی صفت ہے اور یہ ''مثنی'' کی جمع ہے یا تمیز کی بناء پر منصوب ہے' یہ ''متشابها'' کی تمیز ہے جیسے تم کہو کہ ''رایتُ رجلًا حسنا شمائل'' میں نے ایک خوب صورت خصلتوں والے آدمی کو دیکھا ہے' اور معنی یہ ہے کہ یہ ایک جیسا دہرایا جانے والا کلام ہے] ﴿تَقْشَعِرُّ﴾ کانپنے اور لرزنے لگتے ہیں ﴿مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اس کی تلاوت سن کر ان لوگوں کے چمڑوں کے رونگٹے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' جب بدن اور جسم بہت سخت بے قابو ہو کر اُچھلنے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''اقشعرّ الجلد'' کہ بدن سخت کانپنے لگا اور اس کا معنی یہ ہے: جب متقی حضرات قرآن مجید کی تلاوت سنتے ہیں اور اس کی وعید کی آیات سنتے ہیں تو ان پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی طاری ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے ان کے جسم اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے کسی مسلمان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس سے اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں[1] ﴿ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پھر ان کے چمڑے' بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتے ہیں یعنی جب رحمت کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چمڑے اور ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور ان سے وہ خوف وڈر زائل اور ختم ہو جاتا ہے جو انہیں پہلے لاحق تھا [اور یہاں فعل کو حرف ''اِلٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا

1 مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۰

کہ یہ فعل حرف ''الٰی'' کی وجہ سے فعل متعدی کے معنیٰ کا حامل ہو جاتا ہے ] گویا کہا گیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مطمئن اور نرم ہو جاتے ہیں' ان میں گھٹن نہیں رہتی اور رحمت کا ذکر کیے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اس لیے اکتفاء کیا گیا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر چکی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اصل ہے' اس لیے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا تو دل میں صرف یہی خیال آئے گا کہ وہ رؤف اور رحیم ہے اور پہلے صرف ''جلود'' کا ذکر کیا گیا' پھر اس کے متصل دوبارہ ''قلوب'' کا ذکر کیا گیا کیونکہ خشیت کا محل ''قلب'' یعنی دل ہے' پس خشیت کا ذکر ''قلوب'' کے ذکر کو متضمن ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کتاب کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کتاب ﴿هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط﴾ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور ان بندوں میں سے یہ ہدایت پانے والے وہ لوگ ہیں جن کا ہدایت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آچکا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے یعنی اس میں ضلالت وگمراہی کو پیدا کر دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ تو اس کو حق کی طرف کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا۔

| |
|---|
| اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ |
| تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ |
| فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ |

سو کیا وہ شخص جو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا (وہ جنتی کی طرح ہو سکتا ہے)' اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم (دنیا میں) کمایا کرتے تھےO ان سے پہلے جن لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تھا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا تھا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھاO سو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں انہیں ذلت کا مزہ چکھایا' اور آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہے' کاش! وہ جانتےO

## جنتی اور دوزخی برابر نہیں

۲۴۔ ﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط﴾ پس کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا' وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو عذاب سے مامون ومحفوظ ہے [ پھر خبر کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس کے نظائر میں حذف کیا گیا ہے ] اور ''سوء العذاب'' سے سخت ترین اور بدترین عذاب مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی انسان خوف ناک چیزوں میں سے کسی خوف ناک اور خطرناک چیز کا سامنا کرتا ہے تو وہ اس کا اپنے ہاتھ سے دفاع کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے چہرے کو بچالے کیونکہ یہ تمام اعضاء میں سے اہم ترین اور عزیز ترین عضو ہے اور جس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا' پس وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکے گا مگر صرف اپنے چہرے کے ذریعے جس کو خوف ناک چیز سے کسی اور عضو سے بچاتا تھا اور اس کی حفاظت کرتا رہتا تھا ﴿وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ظالموں سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کی آگ پر مقرر دربان ان سے کہیں گے: ﴿ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے یعنی اب تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔

۲۵- ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ سو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا (یعنی) ایسی سمت سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا اور نہ ان کے دل میں کبھی تصور آیا تھا کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا' اس دوران میں وہ امن کے ساتھ بڑے آرام اور سکون سے عیاشی میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک ان کی امن کی جگہوں میں عذاب آن پہنچا۔

۲۶- ﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ﴾ سو انہیں اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا (یعنی) خواری اور پستی جیسے شکلوں کا بگڑ جانا اور زمین میں دھنسا دینا اور قتل و غارت اور جلاوطنی و ملک بدری اور اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مزہ چکھایا گیا ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یہ سارے عذاب انہیں دنیا کی زندگی میں دیئے گئے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور دنیا کے عذاب سے آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہوگا ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ اگر وہ جان لیتے تو ضرور وہ ایمان لے آتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۰/۱۷

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O یہ قرآن عربی زبان میں ہے' جس میں بالکل کجی نہیں ہے تاکہ وہ ڈریں O اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی ایسا غلام ہے جس کی ملکیت میں کئی جھگڑالو شریک ہیں اور ایک آدمی سالم ایک آدمی کا غلام ہے' کیا وہ دونوں غلام مثال میں برابر ہیں' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں O پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑو گے O

## قرآن مجید کی مثالوں کا مقصد نصیحت ہے

۲۷- ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ دھیان کریں اور نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

۲۸- ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے [''قُرْاٰنًا''، ''هٰذَا'' سے حال مؤکد ہے کہ ''عَرَبِيًّا'' سے اس کی تاکید کر دی گئی ہے جیسے تم کہو کہ ''جاء نی زید رجلًا صالحًا وانسانًا عاقلًا'' میرے پاس زید آیا جب کہ وہ ایک نیک آدمی اور عقل مند انسان ہے' سو تم نے اس میں ''رَجُلًا'' اور ''اِنْسَانًا'' کو مؤکد کیا ہے یا یہ مدح کے طور پر منصوب ہے] ﴿غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ﴾ بغیر کجی کے ہے (یعنی) یہ قرآن مجید مستقیم اور صحیح و سالم ہے اور ہر قسم کے تناقض اور اختلاف سے پاک

ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے ''غیر ذی عوج'' کی جگہ ''مستقیما'' نہیں فرمایا (حالانکہ یہ مختصر ہے) کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی کجی کبھی نہیں ہوسکتی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ''عِوَج'' سے شک و شبہہ مراد ہے یعنی اس قرآن مجید میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ﴿ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾ تا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کفر وشرک سے بچیں۔

۲۹-﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی [''رَجُلًا''، ''مَثَلًا'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿ فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ ﴾ جس میں بہت سے لڑاکے جھگڑالو اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے والے شریک ہیں ﴿ وَرَجُلًا سَلَمًا ﴾ اور ایک آدمی ایسا غلام ہے جو شرکت سے سلامت ہے [''سَلَمًا'' مصدر ہے ''سَلِمَ'' فعل ہے] اور معنی یہ ہے کہ یہ غلام متعدد آقاؤں کی شرکت سے سلامتی والا ہے ﴿ لِّرَجُلٍ ﴾ صرف ایک آدمی کا غلام ہے یعنی یہ غلام شرکت سے پاک صرف اسی آدمی کا خالص غلام ہے (اسی طرح مسلمان صرف ایک اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ ہے جب کہ مشرک کئی معبودوں کا مشترک بندہ ہے) [ابن کثیر مکی ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''سَالِمًا'' ہے] یعنی اسی ایک آقا کا خالص غلام ﴿ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ﴾ کیا وہ دونوں غلام مشترک اور خالص مثال میں برابر ہو سکتے ہیں [''مَثَلًا'' صفت کے معنی میں ہے اور یہ تمیز ہے اور معنی یہ ہے کہ ان دونوں کی صفت اور ان دونوں کا حال برابر ہوسکتا ہے اور جنس کے بیان کی وجہ سے تمیز میں واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اور ''مثلین'' (تثنیہ) بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں یہاں ایک کافر کی اور اس کے معبودوں کی مثال بیان کی گئی ہے ایسے غلام کے ساتھ جس میں بہت سے جھگڑالو آقا شریک ہیں ان میں سے ہر ایک دعوے دار ہے کہ یہ غلام اسی کا ہے پس وہ سب اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اپنی اپنی مختلف خدمتوں کے لیے اس کو بلاتے ہیں اور وہ حیران یہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کون اس کی خدمت سے راضی ہے اور وہ اپنی حاجات میں ان میں سے کس پر اعتماد کرے اور ان میں سے اپنا رزق کس سے طلب کرے اور ان میں سے کس سے رحم وکرم کی التماس کرے پس اس کی توجہ اور ارادہ منتشر ہو گیا ہے اور اس کا دل بکھر گیا ہے اور دوسری طرف مسلمان ہے جو صرف ایک واحد لاشریک آقا کا غلام اور بندہ ہے پس اس کا مقصود اور مرکز توجہ ایک ہے اور اس کا دل مجتمع ہے۔

## اسلام دشمنی پر کفار کی مذمت

۳۰-﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ بے شک آپ کو موت آئے گی یعنی عنقریب آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں اور تخفیف کے ساتھ ''مَیْتٌ'' اس کو کہا جاتا ہے جس پر موت طاری ہو چکی ہو (یعنی مردہ یا جنازہ)' علامہ خلیل نے کہا کہ ابوعمرو نے اشعار پڑھے ہیں:

وتسالنی تفسیر مَیْتٍ ومَیّتٍ — فدونك وقد فسرتُ ان کنتَ تعقل

فمن کان ذا روح فذالك مَیِّتٌ — وما المیتُ الا من الی القبر یحمل

''اور تم مجھ سے ''مَیْت'' (مخفف) اور ''مَیِّت'' (مشدد) کی تفسیر اور وضاحت پوچھتے ہو تو لو میں نے تفسیر کر دی ہے اگر تم عقل مند ہو سو جو شخص روح والا (زندہ) ہے تو وہ ''مَیِّت'' (عنقریب مرنے والا) ہے اور ''مَیْت'' (مخفف) تو نہیں مگر وہ (مردہ) شخص جس کو قبر کی طرف (دفنانے کے لیے) اٹھا کر لے جایا جاتا ہے''۔

دراصل کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کی موت کا انتظار کرتے تھے' چنانچہ اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت سب کے لیے عام ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا' لہٰذا کسی کی موت کے انتظار کرنے میں اور فانی کا فانی کی بُرائی چاہنے کا کوئی معنی نہیں (یعنی کوئی فائدہ نہیں) اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی موت کی اطلاع دی اور تمہیں تمہاری موت کی اطلاع دی یعنی آپ اور وہ سب موت کے احاطہ میں ہیں' اس لیے کہ جو چیز ضرور ہونے والی ہوتی ہے پس وہ گویا یقینی طور ہوگئی ہے۔

۳۱- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ﴾ پھر بے شک تم یعنی بے شک آپ اور وہ لوگ کفارِ مکہ' اصل میں ضمیر مخاطب ''کُمْ'' کو ضمیر غائب پر غالب کر دیا گیا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس باہم جھگڑو گے' سوائے محبوب! آپ ان (کفارِ مکہ) پر حجت پیش فرمائیں کہ آپ نے انہیں یقیناً تبلیغ کی تو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ نے دعوتِ دین میں خوب محنت اور بہت جدوجہد کی لیکن وہ لوگ عناد ونفرت میں مبتلا ہو گئے اور آپ کی بہت مخالفت کی اور وہ قیامت کے دن بے کار اور بے فائدہ عذر اور بہانے پیش کریں گے' چنانچہ پیروکار اور عوام یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت وفرماں برداری کی تھی' سو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا تھا اور ان کے سردار اور بڑے کہیں گے کہ ہمیں شیطانوں نے اور ہمارے پہلے آباء واجداد نے گمراہ کر دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کہا کہ ہمارا جھگڑا کیسے ہوگا کیونکہ ہم تو تمام صحابہ رسول باہم بھائی بنے ہوئے ہیں' پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو تب انہوں نے کہا کہ یہ ہے ہمارا جھگڑا' اور حضرت ابو العالیہ نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ اہل قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ جھگڑا ان خون ریزیوں' قتل وغارت اور ان مظالم کے بارے میں ہوگا جو ان لوگوں کے درمیان باہم دنیا میں واقع ہوئے تھے' لیکن پہلی وجہ مراد لینا زیادہ بہتر ومناسب ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت میں فرمایا:

| |
|---|
| فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ |
| اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ |

سو اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور سچ کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آن پہنچے' کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ○

۳۲- ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ﴾ سو اس شخص سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ اس آیت کریمہ میں انہیں کا بیان ہے جن کے درمیان قیامت کے دن جھگڑا برپا ہوگا اور ''كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی اور شریک کی نسبت واضافت کی ہے' اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹا بہتان باندھا ہے ﴿وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ﴾ اور اس نے سچ اور حق کو جھٹلا دیا (یعنی) اس نے ایسے پیغام کو جھٹلایا جو بذاتِ خود عین صدق ہے یعنی بعینہٖ حق سچ ہے اور یہ وہ پیغام ہے جس کو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ﴿اِذْ جَآءَهٗ ؕ﴾ جب وہ پیغام اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے اچانک یک دم جھٹلا دیا اور اس نے حق وباطل کے درمیان تمیز کرنے کا اہتمام کیے بغیر اور غور وفکر اور سوچ بچار کیے بغیر جوں ہی وہ پیغام سنا تو بغیر کسی وقفہ کے فوراً جھٹلا دیا جیسا کہ انتقام لینے والے لوگ

جونہی کچھ سنتے ہیں تو فوراً ردعمل کر دیتے ہیں ﴿ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴾ کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے' یعنی ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا اور حق اور سچ کو جھٹلا دیا' دوزخ میں ٹھکانا ہے اور ''للکافرین'' کے لام تعریف میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ لَہُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۴﴾ۚۖ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا وَیَجۡزِیَہُمۡ اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ وَیُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿۳۶﴾ۚ وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جو یہ سچ لے کر تشریف لایا اور جس جس نے اس کی تصدیق کی وہ سب پرہیزگار ہیں○ ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے○ تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے وہ بُرے کام مٹا دے جو انہوں نے کیے تھے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر و ثواب عطا فرما دے جو وہ کرتے تھے○ کیا اللہ تعالیٰ بندے کے لیے کافی نہیں' اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور خداؤں سے ڈراتے ہیں' اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں○ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں' کیا اللہ تعالیٰ غالب بدلہ لینے والا نہیں○

## اسلام دوستی پر صحابہ کرام کی فضیلت

٣٣۔ ﴿ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ ﴾ اور جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی اور وہ رسول اللہ ﷺ مراد ہیں' آپ ہی حق لے کر تشریف لائے اور سب سے پہلے اس پر خود ہی ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی' سو اس لیے اس حق اور سچ کی تصدیق کرنے والوں سے آپ خود اور آپ کے تمام پیروکار مراد ہیں' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اور آپ کی تمام پیروکار قوم مراد ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ○'' (المومنون:٤٩) ''اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تا کہ وہ سب ہدایت پر چلیں○'' ﴿ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴾ یہی متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں' اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ'' سے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور ''وَصَدَّقَ بِہٖ'' سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک جو سچ لے کر تشریف لائے' وہ حضرت محمد رسول اللہ جل جلالہ و ﷺ مراد ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی' وہ مؤمنین (صحابہ کرام) مراد ہیں اور یہ سب صحیح ہے'

اسی طرح مفسرین نے فرمایا[ اور عربیت میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ''جَآءَ'' اور ''صَدَّقَ'' دونوں کا ایک فاعل ہونا چاہیے کیونکہ تغائر ''الذی'' کے اضمار کا تقاضا کرتا ہے اور یہ جائز نہیں یا قبل الذکر اضمارِ فاعل لازم آئے گا اور یہ بھی قیاس سے بہت دور ہے ]۔

۳٤'۳۵۔﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے یہی نیکیاں کرنے والوں کا صلہ اور انعام ہے ۝ تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ بُرائی دور کر دے جو انہوں نے کی اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر و ثواب عطا فرما دے جو عمل وہ کرتے تھے [ ''اسوا'' اور ''احسن'' کی اضافت کسی چیز کی بغیر تفضیل کے اپنے بعض کی طرف اضافت کرنے کے قبیل سے ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ ''اشج'' بنی مروان میں سے سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے ]۔

۳٦۔﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے [ حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''عبادہ'' ہے یعنی کیا اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور مؤمنوں کو کافی نہیں اور یہ ( درج ذیل ارشاد کی ) طرح ہے: ''اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝'' (الحجر:۹۵) ''بے شک ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں ۝'' نفی کے کلمہ پر ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کفایت کے اثبات کے معنی اور اس کی تقریر کا افادہ حاصل ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے لیے کافی ہے ] ﴿ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ ﴾ اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے خداؤں سے ڈراتے ہیں یعنی وہ آپ کو بتوں سے ڈراتے ہیں' جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ قریشِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: بے شک ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ہمارے معبود آپ کو ہلاک نہ کر دیں اور ہمیں یہ بھی خوف ہے کہ آپ پر کوئی مصیبت نہ آ جائے کیونکہ آپ ان کے عیب بیان کرتے ہیں ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔

۳۷۔﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دیتا ہے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہوتا ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور منع کرنے والا نہیں ﴿ ذِي انْتِقَامٍ ﴾ وہ انتقام لینے والا ہے' جو اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور اس میں قریش مکہ کے لیے وعید ( دھمکی ) ہے اور مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ان کفار سے ضرور انتقام لے گا اور کفار کے خلاف مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کفار بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ

اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ۴ / ۱۰

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے' تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے' آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کر سکیں گے یا وہ اگر مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکیں گے' آپ فرمادیں: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیںO آپ فرمادیں: اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں' سو عنقریب تم جان لو گےO کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گاO بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت قبول کر لی تو اپنے ہی فائدے کے لیے قبول کی' اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تو بے شک وہ گمراہی صرف اسی پر پڑے گی' اور آپ ان پر نگران نہیںO

## کفارِ مکہ کے لیے تنبیہات

۳۸ - ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا ہے)' آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو' اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر اور نقصان پہنچانا چاہے' بیماری یا فقر و فاقہ یا اس کے علاوہ کوئی اور مصیبت ﴿هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ﴾ تو کیا وہ (بت) اس کے ضرر کو دور کر سکیں گے یعنی اس کی سختی کو مجھ سے دور کر دیں گے ﴿اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ﴾ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے' صحت و تندرستی دے دے یا غنی کر دے یا ان دونوں کی طرح کوئی اور بھلائی عطا کر دے ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ تو کیا وہ (بت) اس کی رحمت کو روک سکیں گے [''ان ارادنی اللّٰه'' میں قاری حمزہ کوفی کے سوا باقی سب نے ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے اور ''کاشفاتُ ضره'' اور ''ممسكات رحمته'' میں ''کاشفات'' اور ''ممسکات'' کی ''تا'' پر اصل کی بناء پر ابو عمرو بصری کی قراءت میں تنوین ہے] اور آپ کے لیے مسئلہ فرض کیا گیا کہ اگر آپ سوال کریں' ان کے لیے فرض نہیں کیا گیا کیونکہ انہیں لوگوں نے آپ کو بتوں کی طرف سے ضرر و نقصان اور ہلاکت پہنچنے سے ڈرایا تھا' سو اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ پہلے ان پر یہ بات پختہ کر کے ثابت کر دیں کہ تمام جہان کا خالق اکیلا اللہ تعالیٰ ہے' پھر اس بات کے ثابت ہو جانے کے بعد ان سے فرمائیں کہ اگر تمام جہانوں کا خالق جس کا تم نے بھی اقرار کر لیا ہے' مجھے نقصان پہنچانا چاہے یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا تم اس کے خلاف کرنے کی قدرت و اختیار رکھتے ہو' پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں خاموش کرادیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن سکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما

دیجیے کہ بتوں کے نقصان سے بچانے کے لیے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ توکل وبھروسا کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے کافروں سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ''قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ'' فرمایئے: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ''وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ'' فرمانے کے بعد بتوں کے لیے ''كَاشِفَات'' اور ''مُمْسِكَات'' مؤنث کے کلمات بیان فرمائے کیونکہ ان کے بت مؤنث (مادہ) تھے اور وہ لات' عزیٰ اور مناۃ ہیں اور دراصل اس میں ان کفار کا اور ان کے معبودوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۳۹'۴۰۔ ﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ (یعنی) جس حال پر تم قائم ہو اور تم عداوت ودشمنی کی جس سمت پر جم چکے ہو [اور ''مكانة'' بہ معنی مکان ہے' سو ''مكانة'' معنی کے لیے مستعار ہے جیسا کہ یہاں مستعار لیا گیا ہے اور ''حيث'' زمان کے لیے مستعار لیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں مکان کے لیے ہیں] ﴿اِنِّيْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں'' اى على مكانتى ''یعنی میں اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں اور اس کو اختصار کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں زیادہ سخت وعید ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ کی حالت دن بہ دن روزانہ قوت میں بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا حامی وناصر اور آپ کا زبردست مددگار ہے' کیا تم نے اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر ذلت ناک عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل ورسوا کر دے گا اور کس پر قائم ودائم (ہمیشہ رہنے والا) عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو کیسے ڈرایا اور دھمکایا کہ ان کے خلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھرپور مدد کی جائے گی اور آپ کو ان پر دنیا وآخرت دو جہانوں میں غالب وفاتح اور عالی وکامیاب وکامران رکھا جائے گا کیونکہ جب ان کفار پر ذلت ورسوائی اور عذاب آئے گا تو یہی آپ کی عزت وغلبہ ہے' اس اعتبار سے کہ کسی کے لیے غلبہ تب مکمل ہوتا ہے جب اس کے دوست واحباب کو عزت واحترام ملے اور اس کے دشمن ذلیل وخوار ہو جائیں [اور ''يخزيه''، ''مقيم'' کی طرح عذاب کی صفت ہے' یعنی اسے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور وہ غزوۂ بدر کا دن مراد ہے اور دائمی عذاب سے دوزخ کا عذاب مراد ہے اور ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''مكاناتكم'' ہے]۔

۴۱۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا ہے ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کی خاطر اور قرآن مجید کی طرف ان کی حاجات وضروریات کی خاطر تاکہ انہیں خوش خبری سنائی جائے اور انہیں ڈرایا جائے جس سے گناہوں پر اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے کے لیے ان کے دواعی اور اسباب مضبوط ومستحکم ہو جائیں گے ﴿بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ﴾ مبنی برحق کتاب ہے' سو جس نے ہدایت قبول کر لی تو اس نے اپنے فائدے ہی کے لیے قبول کی (یعنی) سو جس نے ہدایت اختیار کر لی تو اس نے اپنے آپ کو ہی نفع اور فائدہ پہنچایا ﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ﴾ اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تو اس گمراہی کا وبال صرف اسی پر پڑے گا (یعنی) اور جس نے گمراہی کو اختیار کر لیا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور آپ ان پر نگران ومحافظ نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں خبر دی کہ وہ ہی ان پر قادر ہے اور وہی ان کا محافظ ونگران ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ
اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٣﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٤٤﴾

اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے' پھر جس پر موت کا حکم جاری ہو گیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مقرر مدت تک چھوڑ دیتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیںO کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور سفارشی بنا رکھے ہیں' فرمایئے : اور کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ وہ عقل رکھتے ہوںO فرما دیجئے کہ تمام سفارش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وحفاظت اور بتوں کی بے بسی کا بیان

٤٢- ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾ اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ ''الانفس'' سے ارواح مراد ہیں اور ''توفی'' سے ان پر موت طاری کرنا مراد ہے اور موت یہ ہے کہ کسی شخص کی وہ روح نکال لی جائے جس کے ساتھ اس کی حیات' حرکت' احساس اور ادراک یعنی فہم وفراست قائم تھی۔[1]

﴿ وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ ﴾ اور جس روح کے بدن پر موت کا وقت نہیں آیا' اس کی روح نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے اور ان ارواح کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے جن کے ابدان پر موت نہیں آئی یعنی نیند کے وقت ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے محض سونے والوں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کیونکہ سونے والے نیند کی حالت میں چیزوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ ان میں وہ کوئی تصرف کر سکتے ہیں جیسا کہ خود مردے بھی اسی طرح ہوتے ہیں اور اسی سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ'' (الانعام:٦٠) ''اور وہی (اللہ) ہے جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے'' ﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان ارواح کو روک لیتا ہے جن کے ابدان پر وہ حقیقی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے یعنی ان ارواح کو ان کے جسموں میں زندہ رکھنے کے لیے واپس نہیں لوٹاتا ﴿ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى ﴾ اور

[1] اس روح کو نفس حیات' نفس روح اور روحِ سلطانی کہا جاتا ہے' اس کے نکل جانے پر موتِ کبریٰ' موتِ حقیقی اور موتِ دائمی واقع ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے حیات' حرکت' احساس اور ادراک ختم ہو جاتا ہے جب کہ نیند کی حالت کے وقت نکلنے والی روح کو نفس تمیز' نفس عقل' نفس ناطقہ اور روحِ سیلانی کہا جاتا ہے' اس کے نکل جانے پر موتِ صغریٰ' موتِ مجازی اور عارضی موت طاری ہو جاتی ہے' جس میں حیات' حرکت' احساس اور ادراک قائم رہتے ہیں' صرف نیند کے غلبہ کی وجہ سے عارضی طور پر ہوش وحواس معطل ہو جاتے ہیں' اس لیے امتیاز اور تصرف کی قوت قائم نہیں رہتی۔ غوثوی

دوسری روح کو چھوڑ دیتا ہے (یعنی) سونے والی روح کو چھوڑ دیتا ہے ﴿ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ مقررہ مدت تک (یعنی) موت آنے کی مقررہ مدت تک اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "اللّٰہ یتوفی الانفس" کا معنی یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان ارواح کو پوری طرح لے لیتا ہے اور ان کو قبض کر لیتا ہے اور یہ وہ "انفس" ہیں جن کے ساتھ حیات اور حرکت قائم رہتی ہے "ویتوفی الانفس (التی لم تمت فی منامها)" اور جن اشخاص کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا' اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے اور یہ انفسِ تمیز ہیں' مفسرین کرام نے فرمایا کہ سوجس کی روح کو نیند میں قبض کیا جاتا ہے وہ نفس تمیز ہے' نفس حیات نہیں ہے کیونکہ جب نفس حیات جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی سانس بھی ختم ہو جاتی ہے حالانکہ سونے والا سانس لیتا ہے اور دراصل ہر انسان کے دو نفس ہیں' ان میں سے ایک نفسِ حیات ہے اور یہ وہ روح ہے جو موت کے وقت بدن سے الگ ہوتی ہے اور دوسری روح نفس تمیز ہے اور یہ وہ روح ہے جو نیند کے وقت بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور مفسرین کرام نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ہر انسان میں دو چیزیں ہوتی ہیں' ایک نفس دوسری روح' ان دونوں کے درمیان ایسا رشتہ باقی رہتا ہے جیسا کہ سورج اور اس کی شعاع کے درمیان باقی رہتا ہے' پس نفس تو وہ ہے جس کے ساتھ عقل اور تمیز قائم ہوتی ہے اور روح وہ ہے جس کے ساتھ سانس اور حرکت قائم رہتے ہیں' سو جب بندہ سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نیند کے وقت اگرچہ روح خارج ہو جاتی ہے لیکن اس کی شعاعیں جسم میں باقی رہتی ہیں' سو وہ انہیں کی وجہ سے خواب دیکھتا ہے' پھر جب اسے نیند سے بیدار کیا جاتا ہے تو اس کی روح ایک لمحہ میں فوراً جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ سونے والے کی روح جب آسمان میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں جو خواب دیکھتی ہے تو وہ خواب سچے ہوتے ہیں اور جب اس کی روح کو واپس چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس کے بعد جو خواب دیکھتی ہے وہ جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ وہ شیطان کے القاء ہوتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بے شک زندوں کی روحیں اور مردوں کی روحیں خواب میں ایک دوسرے سے باہم ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہو کر گفتگو کرتی ہیں' جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے' اس کی روح کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ان کے اپنے اجسام کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہے' جب تک ان کی زندگی کی مدت ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بے شک نیک مسلمانوں کی روحیں نیند کے دوران آسمان میں چڑھ جاتی ہیں' پھر ان میں سے جو پاک (یعنی باوضو اشخاص کی روحیں) ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور جو روحیں پاک نہیں ہوتیں' انہیں وہاں سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مرنے والوں اور سونے والوں کی روحوں کے قبض کرنے میں اور پھر ان کے روکنے میں اور ان کے چھوڑنے میں مدتِ حیات تک ﴿ لَأٓيَٰتٍ ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم پر نشانیاں ہیں ﴿ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور ان میں اپنے افکار اور اپنی سوچوں کو دوڑاتے اور گھماتے ہیں اور ان سے عبرت اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

٤٣- ﴿ أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُفَعَآءَ ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے (یعنی) کیا قریشِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم بغیر از خود اپنی طرف سے اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے

اپنے بتوں کے بارے میں کہا تھا کہ ''هٰـٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ'' (یونس:١٨) ''یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے'' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا ﴿قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾ (اے محبوب! ان سے) فرمادیجئے کہ کیا اگر چہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ عقل رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شفاعت کریں گے اگر چہ وہ ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ان کے پاس عقل ہے۔

٤٤- ﴿قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تمام شفاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے' سو اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا [''جمیعا'' حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لیے ہے وہی سب کا مالک ہے۔ یہ کلام ''لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا'' کی تقریر اور تاکید ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک اور بادشاہ ہے تو شفاعت و سفارش کا مالک بھی وہی ہے' اس لیے کہ ہر چیز میں یہ بھی شامل ہے اور اس کی ملک میں داخل ہے ﴿ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' یہ بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی آج بھی اسی کی ہے' پھر قیامت میں بھی تم سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے' سو اس دن بھی صرف اسی کی بادشاہی ہوگی تو دنیا اور آخرت دونوں کی بادشاہی اسی کے لیے ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ اَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡ مَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿٤٦﴾

اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان (کے بتوں) کا ذکر کیا جائے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں○ عرض کیجئے: اے میرے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غائب اور ظاہر کے خوب جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے○

٤٥- ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ﴾ اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس معنی کا دارومدار وحدہٗ پر ہے یعنی جب صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تو ﴿اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ان کے دل متنفر اور تنگ ہو جاتے ہیں ﴿وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ﴾ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی جب ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے خواہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے یا اس کا ذکر نہ کیا جائے تو ﴿اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ﴾ اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے بتوں کی محبت میں فریفتہ ہو چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ'' کہا جاتا ہے تو وہ لوگ نفرت کرتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اس کلمہ میں ان کے معبودوں کی نفی کی گئی ہے اور ''استبشار'' اور ''اشمئزاز'' دونوں ایک

دوسرے کے مدمقابل اور ایک دوسرے کے متضاد ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے معنی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے' پس ''استبشار'' یہ ہے کہ جس کو بشارت سنائی گئی ہے اس کا دل سرور وخوشی سے خوب بھر جائے یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس خوشی کے سبب کھل اٹھے اور خوشی کے آثار چمک اٹھیں اور ''اشمئزاز'' یہ ہے کہ اس کا دل غم ورنج اور غضب وغصہ سے بھر جائے یہاں تک کہ اس کے چہرے کے چمڑے پر انقباض ونفرت ظاہر ہو جائے [''اذا ذکر'' میں جو عامل ہے وہی ''اذا مفاجاة'' کا عامل ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وقت ذکر الذین من دونه فاجوؤا وقت الاستبشار'' یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اس وقت اچانک خوش ہو جاتے ہیں]۔

٤٦- ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (اے محبوب!) عرض کیجئے: اے میرے اللہ! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! [یعنی ''یا فاطر'' ہے اور یہ وصف نہیں جیسا کہ مبرد اور فراء نے کہا ہے] ﴿ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ غائب وحاضر کے جاننے والے (یعنی) پوشیدہ اور نہاں کے اور اعلانیہ اور عیاں کے جاننے والے ﴿ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے جن اُمور میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ ہدایت اور گمراہی کے بارے میں اور بعض نے کہا کہ یہ محاکمہ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشرکین کے خلاف پیش کیا جائے گا اور حضرت ربیع بن مسیب نے فرمایا: میں کوئی آیت مبارکہ ایسی نہیں جانتا جس کی میرے سامنے تلاوت کی گئی اور اس کا مطلب پوچھا گیا ہو مگر میں نے اس کا جواب دیا ہے ماسوا اس آیت مبارکہ کے۔

حضرت ربیع بن خثیم کے متعلق مروی ہے کہ وہ بہت کم کلام کرتے تھے' جب انہیں سیّدنا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو لوگوں نے کہا: اب ضرور بولیں گے تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا' صرف یہ کہا: آہ! کیا واقعی ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا ہے' اور یہی آیت مبارکہ پڑھی اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا: کیا اس امام عالی مقام کو شہید کر دیا گیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ خود اپنی گود میں بٹھایا کرتے تھے اور ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر چوما کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ
سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾
وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ فَاِذَا
مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾

اور اگر ظالموں کے لیے زمین کا تمام سامان اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور سامان بھی ہوتا تو وہ قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دیتے' اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہو گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے ○ اور انہوں نے جو کمایا اس کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہی (عذاب) گھیر لے گا

جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں' تو کہتا ہے: یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کی گئی ہے' بلکہ یہ تو آزمائش ہے' اور لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O

## مظالم کی وجہ سے ظالموں کے انجام کا بیان

٤٧- ﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اگر بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا وہ سب ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی مل جائے [''ہ'' ضمیر کلمہ ''ما'' کی طرف لوٹتی ہے] ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ تو وہ لوگ قیامت کے دن بُرے عذاب (یعنی) اور اس کی سختی سے بچنے کے لیے وہ سب کچھ فدیہ دے دیں گے ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ﴾ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی اور اس کا شدید عذاب ظاہر ہوگا جو ان کے گمان و خیال میں بھی کبھی نہیں آیا تھا اور نہ ان کے ذہنوں نے اس کے بارے میں کبھی سوچا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لوگ کچھ اعمال ایسے کریں گے جن کو وہ نیکیاں سمجھیں گے لیکن وہ (قیامت کے دن) بُرائیاں ہوں گے۔

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو پڑھا اور فرمایا: ریا کاروں کے لیے ہلاکت ہے' ریا کاروں کے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی موت کے وقت رونے لگے اور بہت گھبرا گئے' آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں کتاب اللہ کی ایک آیت مبارکہ کی وجہ سے ڈر رہا ہوں اور انہوں نے یہی آیت تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن میرے لیے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جائے جسے میں نے بُرا گمان نہ کیا ہو۔

٤٨- ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے' ان کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی یعنی ان کے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی' جن کا انہوں نے خود ارتکاب کیا تھا یا یہ کہ ان کی کمائی کی بُرائیاں اس وقت ظاہر ہو جائیں گی جب ان کے اعمال نامے پیش کیے جائیں گے حالانکہ پہلے وہ ان سے پوشیدہ تھیں یا پھر ان کے اعمال کی سزائیں ان کے سامنے آ جائیں گی ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور ان پر نازل ہوگا اور انہیں گھیر لے گا ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (یعنی) ان کے استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کا وبال اور عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

٤٩- ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ﴾ سو جب کسی آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے' ہم سے لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے' پھر جب ہم اسے اپنا فضل و کرم عطا کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر فضل و کرم کرتے ہوئے کوئی احسان کرتے ہیں۔ ''خوّلنی'' اس وقت کہا جائے گا جب تجھے کوئی شخص بغیر معاوضہ کے کچھ عطا کرے ﴿نِعْمَةً مِّنَّا﴾ ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں [اس پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ''اذا'' کا جواب ہے] ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ وہ کہتا ہے کہ بے شک یہ سب کچھ صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کیا گیا ہے کیونکہ میرے اندر کمال

اور استحقاق موجود ہے یا اس لیے کہ مجھے کمانے کے اسباب اور طریقوں کا علم ہے' یہ میرے ہنر کا نتیجہ ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا: ''عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ'' (القصص:٧٨)[ ''اوتیته'' میں مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے حالانکہ یہ ضمیر ''نعمة'' کی طرف لوٹتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف معنی کے اعتبار سے مذکر ضمیر ذکر کی گئی ہے کیونکہ ''نِعْمَةً مِّنَّا'' کا مطلب ہے: ''شیئا من النعمة وقسمًا منها'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اِنَّمَا'' میں ''مَا'' موصولہ ہے' ''مَا'' کافہ نہیں ہے' سو ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی ''ان الذی اتیته علٰی علم'' ] ﴿بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ﴾ بلکہ یہ آزمائش ہے۔ اس شخص کی بات کا انکار کیا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے جو نعمت دی ہے' اس کی وجہ وہ نہیں جو تو کہہ رہا ہے (بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ) بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی یہ نعمت تیرے لیے ایک آزمائش اور امتحان ہے کہ آیا تو اس پر شکر ادا کرتا ہے یا تو ناشکری کرتا ہے [اور جب خبر مؤنث ہے یعنی ''فتنة'' تو اس کی وجہ سے مبتدا کو بھی مؤنث لایا گیا اور ''اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ'' کی موافقت میں ''بل هو فتنة'' بھی پڑھا گیا ہے ] ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان کے اکثر و بیشتر لوگ نہیں جانتے کہ بے شک یہ نعمت ایک آزمائش ہے [اور اس آیت مبارکہ کو ''فا'' کے ساتھ عطف کرنے میں اور اس سورت کے شروع میں اس کی مثل (آیت:٨) کو واؤ کے ساتھ عطف کرنے میں یہ سبب ہے کہ یہ آیت مبارکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ'' کا مسبب واقع ہو رہی ہے' اس معنی کی بناء پر کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر مبارک سے نفرت کرتے اور بتوں کے جھوٹے معبودوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں' سو جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کو پکارتے ہیں جس کے ذکر سے نفرت کرتے ہیں ان کو نہیں پکارتے جن کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان آیت مبارکہ جملہ معترضہ ہے' پھر اگر یہ کہا جائے کہ جملہ معترضہ کا حق یہ ہے کہ وہ جن کے درمیان معترض ہوا ہے ان کی تاکید کرے' اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ معترضہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اکرم ﷺ کی دعا کا ذکر ہے' جو آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے مانگی اور اس دعا میں ارشاد ''اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ'' پھر اس کے بعد جو بہت بڑی وعید ہے' یہ مصائب و آلام میں بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے' بتوں کے ذکر پر خوش ہونے اور ذکر الٰہی سے نفرت کرنے کے انکار کی تاکید ہے' گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے اور میری اس قوم کے درمیان جو آپ پر اس طرح کی جرأت کرتے ہیں کوئی فیصلہ نہیں کرے گا ماسوا آپ کے' اور ارشاد ''وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا'' ان (قریش مکہ) کو اور دیگر ہر ظالم کو شامل ہے' اگر اسے عام قرار دیا جائے یا پھر انہیں کے ساتھ خاص ہے' اگر اسے انہیں کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے' گویا کہا گیا ہے کہ اگر ان ظالموں کے لیے تمام روئے زمین کا تمام ساز و سامان اور اس کے برابر مزید بھی ہو جائے تو یہ لوگ سب کچھ اس عذاب سے نجات کے عوض میں دے دیں گے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا ہے اور لیکن پہلی آیت مبارکہ مسبب واقع نہیں ہوئی اور وہ تو اپنے ماقبل جملہ کے مناسب ایک جملہ ہے اور بس' سو اس لیے اس کو واؤ کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے جیسے ''قام زید وقعد عمرو'' اور اس کے مسبب واقع ہونے کا بیان اس طرح ہے کہ تم کہو: ''زید مؤمن باللّٰه فاذا مسّه ضر التجا الیه'' پس یہ بالکل واضح طور پر مسبب ہے' پھر تم کہو: ''زید کافر باللّٰه فاذا مسّه ضر التجا الیه'' سو تم یہاں بھی ''فا'' لائے جیسا کہ وہاں ''فا'' لائے ہو گویا کافر نے جب مؤمن کی التجا کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف التجاء کی تو اس نے التجاء میں اپنے کفر کو سبب قرار دینے میں ایمان کا قائم مقام بنا دیا]۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝٥٠ فَاَصَابَهُمْ

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ؑ ع۱۱/۲

بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا' سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ ان کے کام نہیں آیا تھاO سو ان کی اپنی کمائیوں کی بُرائیاں ان کو پہنچیں اور ان میں سے ظالموں کو ان کی اپنی کمائیوں کی بُرائیاں عنقریب پہنچیں گی' اور وہ (ہمیں) عاجز کرنے والے نہیںO اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیںO

۵۰- ﴿قَدْ قَالَهَا﴾ بے شک یہی بات کہی تھی اور وہ یہ قول ہے: ''اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ'' (الزمر:۴۹) ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے جو ان (مشرکین مکہ) سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی قارون اور اس کی قوم کیونکہ قارون نے کہا تھا: ''اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ'' اور اس کی قوم اس پر راضی تھی تو گویا ان سب نے کہا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ امتوں میں اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی کہا ہو ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ سو ان کو ان کے اس مال و دولت نے کوئی فائدہ نہ دیا جو وہ دنیا کے مال و متاع میں سے کماتے رہے اور اس میں سے جو کچھ جمع کرتے رہے۔

۵۱- ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس کی بُرائیاں ان کو پہنچیں یعنی ان کی کمائی کی بُرائیوں کی سزا ان کو پہنچی (کہ انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا) یا بُرائی کی سزا کو بُرائی صرف مشابہت کی بناء پر کہا گیا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ:۴۰) ''اور بُرائی کی سزا اس کی مثل بُرائی ہے'' ﴿وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ﴾ اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کیا (یعنی) آپ کی قوم کے مشرکین میں سے جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر اختیار کر لیا ﴿سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ انہوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی برائیاں عنقریب انہیں ضرور پہنچیں گی یعنی جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو ان کی بُرائیوں کی سزا ملی تھی' اسی طرح ان کو بھی ان کی بُرائیوں کی سزا ضرور ملے گی' چنانچہ ان مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کا رزق بند کر دیا گیا اور ان پر سات سال تک مسلسل قحط پڑا تھا ﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والے نہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وسعت و کشادگی اور خوش حالی عطا فرمائی' چنانچہ سات سال بارشیں برسیں' جس سے خوش حالی لوٹ آئی' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ

۵۲- ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ﴾ اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا رزق گزارہ کے مطابق کر دیتا ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے بغیر کوئی رزق کو نہ فراخ کرنے والا ہے اور نہ کم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۵۵﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اور تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی O اور تم اس بہترین (قرآن) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر نہ ہو O

## مشرکین کے سوا تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت و رحمت کا اعلان

۵۳- ﴿قُلْ﴾ اے (میرے پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے (یعنی) جنہوں نے نافرمانیوں اور گناہوں میں اضافہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی اور نافرمانیوں کے کاموں اور گناہوں میں غلو اور انتہاء کر دی ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور مایوس نہ ہو جاؤ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا (یعنی) شرک کے ماسوا سب گناہوں کو معاف فرما دے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوسری قراءت میں ہے: "یغفر الذنوب جمیعا و لا یبالی" اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا اسے کوئی پرواہ نہیں اور "مبالاۃ" (پرواہ) کی نفی کی نظیر خوف کی نفی ہے' جیسا کہ ارشاد ہے کہ "وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا O" (الشمس:۱۵) "اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے انجام سے نہیں ڈرتا O" ۔ اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی [1]

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی شخص کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی' اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کیا' اس کو بہت گناہ ہوگا قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا O (الفرقان:۷۰)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے O (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ یہ آیت کریمہ نے کر اس کے عوض میں مجھے دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان دے دیا جائے [1] ﴿اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ﴾ بے شک وہی بڑے بڑے گناہوں کی ستر پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ بدترین مشکلات و مشقات اور قبیح ترین غموم دور کر کے بے حد مہربانی فرمانے والا ہے [ابوعمرو بصری' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' ساکن کے ساتھ ''عِبَادِیْ'' ہے جب کہ ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں نون مکسور کے ساتھ ''لَا تَقْنِطُوْا'' ہے]۔

۵۴۔ ﴿وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ﴾ اور تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور تم اس کی بارگاہ میں توبہ کرو ﴿وَاَسْلِمُوْا لَہٗ﴾ اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اور اسی کی رضا کے لیے عمل خالص کر لو ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی' اگر تم عذاب کے آنے سے پہلے توبہ نہیں کرو گے۔

۵۵۔ ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ اور تم اس بہترین کلام (قرآن مجید) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرے' ہو سکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ. (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے' میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو گی یا نہیں ہو گی' کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے' پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ) لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر بیٹھیں؟ آپ نے فرمایا: یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۰-۲۸۲' بحوالہ جات: المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰' شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۴' رقم الحدیث: ۷۱۴۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۳۱۶' رقم الحدیث: ۱۴۱۴۸' مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۸۴۰۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۰' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۴' النکت والعیون ج ۵ ص ۱۳۱' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۰۲' روح البیان ج ۸ ص ۱۷۱' روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۳' اسباب النزول رقم الحدیث: ۷۶۰۔

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۰

الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ'' (الزمر:١٨) ''جو لوگ بات غور سے سنتے ہیں' پھر بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں'' ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو یعنی اچانک تم پر عذاب آ جائے جب کہ تم بالکل غفلت میں ہو گویا تم اپنی غفلت کی زیادتی کے باعث بالکل بے خوف ہو اور تمہیں کسی چیز کا ڈر نہ ہو۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾

کہ کوئی جان یہ کہہ دے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کی اور بے شک میں ہنسی مذاق اُڑانے والوں میں سے تھاO یا وہ کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتاO یا وہ کہہ دے جب وہ عذاب دیکھے کہ اگر میرے لیے دوبارہ (دنیا میں) واپس لوٹ جانا ممکن ہوتا تو میں نیکیاں کرنے والوں میں سے ہو جاتاO ہاں! کیوں نہیں! بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں' سو تو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا تھاO

٥٦- ﴿ اَنْ تَقُوْلَ ﴾ ''ای لئلا تقول'' یعنی تا کہ کوئی یہ نہ کہے ﴿ نَفْسٌ ﴾ کوئی جان یا کوئی شخص [اس کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے بعض اشخاص مراد ہیں اور وہ کافر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اشخاص میں سے مخصوص افراد مراد ہوں یا تو کفر میں سخت اصرار کرنے کے ساتھ یا عظیم عذاب کے ساتھ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کثرت وعموم مراد ہو] ﴿ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ﴾ ہائے افسوس! اس بناء پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوتاہی کی ہے (یعنی) میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں یا اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوتاہی کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''فی ذکر اللّٰہ'' ہے اور ''جنب'' بہ معنی جانب ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''انا فی جنب فلان' وجانبہ وناحیتہ'' میں فلاں آدمی کی دائیں طرف اور اس کی ایک جانب اور اس کی ایک طرف میں ہوں' ''وفلان لیّن الجانب والجنب'' اور فلاں آدمی نرم پہلو' نرم طبیعت اور مان لینے والا ہے' پھر اہل عرب نے کہا کہ ''فرّط فی جنبہ وفی جانبہ'' سے مراد ''فی حقہ'' ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ جب تم نے کسی آدمی کے مکان اور اس کی جگہ کے بارے میں کوئی معاملہ ثابت کر دیا تو بلاشبہ تم نے خود اس آدمی کے بارے میں اس معاملے کو ثابت کر دیا اور اسی کنایہ کے باب سے یہ حدیث ہے کہ ''من الشرك الخفی ان یصلی الرجل لمکان الرجل' ای لاجلہ'' شرک خفی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور آدمی کے مکان اور مقام کی وجہ سے نماز پڑھے یعنی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے طریق میں کوتاہی کی اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنا ہے ﴿ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴾ اور بے شک میں ہنسی اور مذاق اڑانے والوں میں

سے تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہی کافی نہیں تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت وفرماں برداری کو ضائع کر دیا' یہاں تک کہ پھر وہ ہنسی مذاق اڑانے والوں میں بھی شامل ہو گیا [اور ''وان کنت'' محلاً حال کی بناء پر منصوب ہے (''ان'' مثقلہ سے مخففہ ہے) ''یا حسرتٰی'' میں ''تا'' پر الف یائے متکلم سے بدلا ہوا ہے اور اصل کی بناء پر ''یا حَسْرَتِیْ'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''یا حسرتای'' عوض و معوض منہ کو جمع کر کے بھی پڑھا گیا ہے] گویا اس نے کہا: میں نے کوتاہی کی اور میں ہنسی مذاق اڑانے والا تھا یعنی میں نے اس حال میں کوتاہی کی کہ میں اس وقت دین حق اور اہل دین کا مذاق اڑانے والا تھا۔

٥٧- ﴿ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ ﴾ یا وہ جان یہ کہہ دے کہ اگر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا یعنی مجھے ہدایت عطا کرتا تو ﴿ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا (یعنی) میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو شرک سے بچتے اور پرہیز کرتے رہے۔ حضرت الشیخ امام ابومنصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ کافر تو معتزلہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا عارف و عالم نکلا اور اسی طرح وہ کفار جو قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے کہیں گے: ''لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ'' (ابراہیم:٢١) ''اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے'' یعنی وہ کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کی توفیق دیتا اور وہ ہمیں ہدایت عطا کرتا تو ہم ضرور تمہیں اس کی طرف دعوت دیتے لیکن ہمارے دنیا میں آ کر گمراہی اور سرکشی کو اختیار کرنے کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے حاصل تھا' سو اس لیے اس نے ہمیں رسوا کیا اور ہمیں ہدایت کی توفیق عطا نہیں کی حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور ان کو ہدایت کی توفیق بھی دی لیکن انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس لطف و کرم ہے' جس کو وہ عطا ہو جائے تو وہ ہدایت پالیتا ہے اور وہ توفیق اور عصمت ہے اور جس کو وہ عطا نہ کیا جائے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور سرکش ہو جاتا ہے اور اس کو عذاب اور حق کو ضائع کرنا پسند آ جاتا ہے' اس کے بعد اس کو پسند کرنے کی وجہ سے اس کی تحصیل کا اسے اختیار اور اقتدار دے دیا جاتا ہے۔

٥٨- ﴿ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً ﴾ یا وہ جان جب عذاب دیکھے تو یہ کہہ دے کہ اگر میرے لیے ایک دفعہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ کر واپس جانا ممکن ہوتا ﴿ فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاتا (یعنی) میں موحدین میں سے ہو جاتا۔

٥٩- ﴿ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ہاں کیوں نہیں! بلکہ تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں' سو تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا۔ ''بلٰی'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کی تردید کر دی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلکہ تیرے پاس تو میری آیات آئی تھیں اور میں نے سرکشی سے ہدایت کو اور باطل سے راہِ حق کو تیرے لیے واضح طور پر بیان کر دیا تھا اور میں نے تجھے سرکشی پر ہدایت کو اختیار کرنے اور باطل پر حق اختیار کرنے کی قدرت و طاقت بھی عطا کی تھی لیکن تو نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور اس کو ضائع کر دیا تھا اور تو نے اسے قبول کرنے سے تکبر کیا تھا اور تو نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو ترجیح دی تھی اور میں نے تجھے جس کا حکم دیا تھا تو اس کے خلاف میں مشغول ہو گیا تھا' سو کوتاہی اور تضییع تیری طرف سے ہوئی تھی' لہٰذا آج تیرا کوئی عذر قبول نہیں [اور ''بلٰی'' نفی تقدیری کا جواب ہے کیونکہ ''لو ان اللہ ھدانی'' کا معنی ہے کہ ''مَا هُدِيْتُ'' یعنی مجھے ہدایت نہیں دی گئی اور جواب کو اس کے ساتھ متصل اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ نفس کی حکایت ترتیب کے مطابق ضروری تھی' پھر اس کے بعد جواب ہوتا ہے جس کا جواب تقاضا کرتا ہے]۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۞۶۰ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ
السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞۶۱ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
وَّكِيْلٌ ۞۶۲ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞۶۳ ع ۱۱ / ۴

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں O اور اللہ تعالیٰ شرک سے بچنے والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا' انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے O آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہے' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

---

۶۰- ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اور قیامت کے دن آپ انہیں دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے ساتھ متصف بیان کیا جو اس پر جائز ہی نہیں جیسے شریک اور اولاد کی اس کی طرف نسبت کرنا اور اس سے صفاتِ حمیدہ کی نفی کرنا ﴿وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ ان کے چہرے سیاہ کالے ہوں گے [''وجوههم'' مبتدا ہے اور ''مسودة'' اس کی خبر ہے اور مبتداء وخبر مل کر جملہ ہو کر حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اگر ''تری'' آنکھ کی رؤیت سے ہے اور اگر دل کی رؤیت سے ہو تو پھر مفعول ثانی ہے] ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ کیا دوزخ میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں؟ اور یہ ''واستکبرت'' کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱- ﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات عطا فرمائے گا جو شرک سے پرہیز کرتے رہے [نون ساکن اور جیم مخفف کے ساتھ بابِ افعال سے ''يُنْجِي'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ اپنی کامیابی کے سبب اور اپنی فلاح وسعادت کے سبب اور ''فَازَ بِكَذَا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنی مراد میں کامیاب وکامران ہو جاتا ہے اور (درج ذیل ارشاد) ''بمفازتهم'' کی تفسیر ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ انہیں کوئی تکلیف (یعنی) دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے' گویا پوچھا گیا کہ ان کی کامیابی کیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ''لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ'' انہیں کوئی تکلیف نہیں چھوئے گی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں رنج وغم اور تکلیف ودکھ سے نفی کے ساتھ نجات عطا کرے گا یعنی نہ ان کے ابدان کو ایذاء وتکلیف پہنچے گی اور نہ ان کے دلوں کو حزن وملال اور رنج وغم پہنچے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نجات کے سبب تکلیفوں سے بچا لے گا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ'' (آل عمران:۱۸۸) ''سو آپ انہیں عذاب سے دور نہ سمجھیں'' یعنی اس سے نجات پانے کے سبب کیونکہ نجات سب سے بڑی کامیابی ہے اور ان کی نجات کا سبب نیک عمل ہیں اور اس لیے حضرت عبد اللہ ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''المفازة'' کی تفسیر وتوضیح اعمالِ حسنہ سے کی ہے اور جائز ہے کہ وہ اپنی فلاح کے سبب نجات پائیں کیونکہ نیک عمل فلاح کا سبب ہیں اور وہ جنت میں داخلہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ نیک اعمال کو بذاتِ خود کامیابی ونجات قرار دیا جائے کیونکہ یہی فلاح وکامیابی کا سبب ہیں [اور پہلی تفسیر پر ''لا یمسھم'' کے لیے اعراب کا محل کوئی نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک مستقل الگ نیا کلام ہوگا اور دوسری تفسیر پر حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا اور امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں (جمع کے ساتھ) ''بمفازاتھم'' پڑھا گیا ہے]۔

۶۲- ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں معتزلہ اور ثنویہ دونوں فرقوں کی تردید کردی گئی ہے ﴿وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا محافظ ونگہبان ہے۔

۶۳- ﴿لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اس کی ملکیت میں ہیں[1] یعنی وہی ان کے ہر معاملے کا مالک ہے اور وہی ان کا محافظ ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ خزانوں کا محافظ اور ان کے معاملے کا مدبر (تدبیر کرنے والا) وہی ہے جو ان کی چابیوں کا مالک ہے اور اسی میں سے ان (اہلِ عرب) کا یہ قول ہے: ''فلان القیت الیہ مقالید الملك'' فلاں آدمی کو پورے ملک یا پوری بادشاہی کی چابیاں دے دی گئیں اور ''مقالید'' بہ معنی ''مفاتیح'' (چابیاں) ہے اور اس کا واحد ''مقلید'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بعینہٖ لفظ سے اس کا واحد نہیں ہے اور اصل میں یہ کلمہ فارسی کا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے ''مقالید'' (چابیاں) کی تفسیر اور اس کا مطلب پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: (۱) ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (۲) اور ''اللّٰهُ اَكْبَرُ'' (۳) ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' (۴) ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' (۵) ''وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' (۶) ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''۔

قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی نے تفسیر مظہری کے حاشیہ میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور علامہ سیّد محمود حنفی بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس حدیث مبارکہ کے بیان کردہ ان کلمات کے پڑھنے کے فوائد بھی بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام یہ کلمات دس مرتبہ پڑھا کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ چھ خوبیاں عطا فرمائے گا: (۱) ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا (۲) اسے بے حساب و بے شمار اجر وثواب دیا جائے گا (۳) بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کیا جائے گا (۴) اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا (۵) اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معیت وسنگت نصیب ہوگی (۶) اس کی موت کے وقت اس کے پاس بارہ فرشتے حاضر ہوں گے جو اسے جنت کی خوش خبری سنائیں گے اور حشر کے دن یہی فرشتے اسے قبر سے میدانِ محشر میں دلہن کی طرح لے جائیں گے اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے جب وہ شخص گھبرائے گا تو وہ فرشتے اس سے کہیں گے: تم نہ گھبراؤ کیونکہ تم امن وامان پانے والوں میں سے ہو' پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کا بہت آسان حساب لے گا' پھر اسے جنت میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا' چنانچہ اسے وہ فرشتے اس طرح میدانِ محشر سے جنت کی طرف لے جائیں گے' جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں داخل کر دیں گے جب کہ باقی لوگ حساب کی سختی میں ہوں گے۔ (رواہ ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیہقی فی الاسماء والصفات والعقیلی) (تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والعشرون ص ۲۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۳۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۴ ص ۱۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

آیتوں کے ساتھ کفر وانکار کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ "وینجّی اللّٰہ الذین اتقوا" کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفر وشرک اور بُرے کاموں سے پرہیز کرنے والوں کو ان کی کامیابی کے سبب نجات عطا فرمائے گا اور کفر وشرک اور سرکشی کرنے والے نقصان اٹھائیں گے اور خسارے میں رہیں گے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اس پر محافظ ونگہبان ہے سو اس سے مکلفین کے اعمال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی ان پر جزاء دے گا یا جو کچھ اس کے ساتھ متصل ہے وہ یہ کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق ومالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس کا دروازہ کھولنے والا ہے اور جنہوں نے کفر وشرک اختیار کر لیا اور اس طرح کے معاملے سے انکار کر دیا تو وہی لوگ نقصان اور گھاٹا پانے والے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "لہ مقالید السمٰوٰت والارض" کی تفسیر اور اس کا مطلب دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں اور اس کی تفسیر کے بارے میں سوال نہیں کیا' اس کی تفسیر یہ ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" [1]

اور اس پر اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے یہ ایسے کلمات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی فضیلت وعظمت کو بیان کیا جاتا ہے اور یہی کلمات تمام آسمانوں اور زمینوں کی خیر کی کنجیاں ہیں' جو شخص پرہیز گاروں میں سے ان کلمات کو پڑھا کرے گا' اسے یہ سب بھلائیاں پہنچیں گی ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کریں گے اور اس کی توحید کے اور اس کی فضیلت وعظمت کے کلمات کا انکار کریں گے تو ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ وہی لوگ نقصان اٹھانے والے اور گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں O اور بے شک آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ (بفرضِ محال) اگر آپ (حضرات) نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا

[1] رواہ البیہقی فی کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۱۴۱' وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۵

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں○ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا' اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند تر ہے جن کو وہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں○

## اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کا حکم اور شرک کی ممانعت

٦٤- ﴿قُلْ﴾ (اے محبوب!) آپ ان سے فرما دیجئے جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف بلاتے ہیں ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ﴾ تو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں نون مشدد اور "یا" مفتوح کے ساتھ "تَاْمُرُوْنِّيَ" ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں خفیفہ کے ساتھ "تَاْمُرُوْنَنِي" ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ایک نون خفیفہ کے ساتھ "تَاْمُرُوْنِيْ" ہے اور "افغیر" مفعول مقدم "اعبد" فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "تَاْمُرُوْنِّيْ" جملہ معترضہ ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا میں اس بیان کے بعد بھی تمہارے حکم پر غیر اللہ کی عبادت کروں؟ ﴿اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ اے اللہ تعالیٰ کی توحید سے جاہلو۔

٦٥- ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور بے شک آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے یعنی آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف (توحید کے بارے میں) وحی بھیجی گئی ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (بفرضِ محال) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے "لئن اشرکت" فعل مخاطب واحد بیان فرمایا حالانکہ شرک سے ممانعت کی وحی تو انبیائے کرام کی پوری جماعت کو کی گئی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: اے محبوب! آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اگر آپ نے (بفرضِ محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور اسی طرح آپ سے پہلے انبیائے کرام کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے [اس میں پہلا لام محذوف قسم کی تاکید ہے اور دوسرا جواب کا لام ہے اور یہ جواب دو جوابوں کے قائم مقام ہے' میری مراد قسم اور شرط کے جواب ہیں] بے شک یہ کلام باوجود یکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے انبیاء اور رُسل شرک ہرگز نہیں کرتے' اس لیے صحیح اور درست ہے کہ اس کلام میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس سے مراد آپ کے غیر ہیں یعنی آپ کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور اس لیے کہ یہ خطاب آپ کو بطورِ فرض کیا گیا ہے اور محالات کا فرض کرنا صحیح ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ نے راز کی باتوں میں میرے ماسوا کسی کو آگاہ کیا اور کسی اور کو شریکِ راز کیا تو پھر میرے اور آپ کے درمیان جو راز ہیں' وہ ضرور ضائع ہو جائیں گے۔

٦٦- ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ﴾ بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس آیت مبارکہ میں اس کی تردید ہے جس کا کفارِ مکہ نے آپ کو اپنے معبودوں کی عبادت کا حکم دیا تھا گویا فرمایا کہ کفارِ مکہ جن کی عبادت کا آپ کو حکم دیتے ہیں آپ ان کی عبادت ہرگز نہ کریں بلکہ اگر آپ نے عبادت کرنی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے [پھر شرط کو حذف کر دیا گیا ہے اور مفعول بہ کو اس کے عوض میں فعل امر سے مقدم کر دیا گیا ہے (تاکہ حصر و تخصیص کا فائدہ ہو)] ﴿وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور آپ شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور آپ اس نعمت کا شکر ادا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولادِ آدم کا سردار بنا کر آپ پر انعام فرمائی ہے۔

## کفار کی مذمت اور قیام قیامت کا تذکرہ

٦٧- ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو نہیں پہچانا جیسا اس کی عظمت و شان کا حق ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور جب تمام چیزوں میں سے ایک چیز عظیم الشان ہو' اسے جب انسان پہچان لیتا ہے جیسا کہ اس کی پہچان کا حق ہے تو پھر وہ اس کی قدر کرتا ہے' جیسا اس کی قدر کا حق ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے جیسا کہ اس کی تعظیم و تکریم کا حق ہوتا ہے (لیکن جب کفار مکہ نے سب سے بڑی عظیم الشان ذات کی قدر نہیں کی تو ان کے بارے میں) کہا گیا: ''وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ'' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظمت اور اپنی جلالتِ شان پر تمثیل و تخییل کے طریقے پر آگاہ فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے اور اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کی تصویر پیش کرنا اور اس کی جلالت و بڑائی کی حقیقت سے آگاہ کرنا مراد ہے اور کچھ نہیں کیونکہ جب کسی چیز کو مکمل اور پوری طرح پکڑ لیا جائے تو یہ پکڑنے والے کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور اس سے مٹھی میں لینا مراد نہیں اور نہ دائیں ہاتھ میں لینا مراد ہے نہ تو حقیقی جہت سے اور نہ مجازی جہت سے اور ''الارض'' سے ''الارضون السبع'' مراد ہیں یعنی زمین سے ساتوں زمینیں مراد ہیں اور اس کی گواہی ''جمیعًا'' اور ''والسمٰوٰت'' دے رہے ہیں اور اس لیے کہ یہ جگہ تعظیم و کبریائی کی جگہ ہے' سو یہ مبالغہ کا تقاضا کرتی ہے [''الارض'' مبتدا ہے اور ''قبضتہ'' اس کی خبر ہے اور ''جمیعًا'' حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی جب زمین جمع ہو جائے گی تو قیامت کے دن اسی کے تصرف میں ہوگی اور (قاف مفتوح) ''قَبْضَةٌ'' کا معنی ہے: ایک دفعہ مٹھی بھرنا اور (قاف مضموم) ''قُبْضَةٌ'' کا معنی ہے: ایسی مقدار جو ہاتھ کی ہتھیلی کے قبضہ میں آ سکے' یہ مصدر ہے اور دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ و ملک میں ہوں گی یعنی تمام زمینیں صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ والی ہوں گی' وہی سب کو اپنے قبضوں میں سے ایک قبضہ میں پکڑ لے گا یعنی بے شک تمام زمینیں اپنی بڑائی اور اپنی وسعت و کشادگی کے باوجود اس کے قبضوں میں سے صرف ایک قبضہ میں ہوں گی' گویا وہ ان سب کو ایک ہتھیلی میں قبضہ کر کے پکڑ لے گا' جیسے کہتے ہیں: ''الجزور اکلۃ لقمان'' ایک ذبح شدہ بکری لقمان کی خوراک ہے یعنی ایک بکری اس کی صرف ایک وقت کی خوراک کے لیے پوری ہوتی ہے اور جب ''قبضۃ'' (قاف مضموم) کا معنی مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کیونکہ اب معنی یہ ہوگا کہ تمام زمینیں اتنی مقدار کی ہوں گی کہ ان کو ایک ہتھیلی میں پکڑ لیا جائے گا اور ''مطویّات'' ''طَیٌّ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: جمع کرنا اور لپیٹنا' یہ ''نشر'' (پھیلانا) کی ضد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ'' (الانبیاء: ۱۰۴) ''اس دن ہم آسمانوں کو ایسے لپیٹیں گے جیسے سجل نامی فرشتہ نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے'' اور صحیفوں کو لپیٹنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ انہیں اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ''قبضتہ'' سے اللہ تعالیٰ کا ملک و تصرف مراد ہے کہ زمین کے طبقات اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہوں گے جس میں مداخلت اور جھگڑا کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور ''بیمینہ'' سے اللہ تعالیٰ کی قدرت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ''مطویات بیمینہ'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے سبب تمام آسمان فنا کر دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی تھی کہ وہ ان کو ضرور فنا کرے گا ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کی شرکت سے پاک اور بلند تر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ

کی قدرت وعظمت اس (شرک) سے بہت بعید اور دور ہے اور وہ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کی طرف شریکوں کی نسبت کی جائے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور شہیدوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس قدر اس نے عمل کیے ہوں گے اور وہ ان کاموں کو جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں O

٦٨ - ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور (جب) صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے (یعنی) مر جائیں گے ماسوا ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض حضرات نے کہا: وہ عرشِ اعظم کو اٹھانے والے فرشتے مراد ہیں یا رضوان اور حور اور مالک اور زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) مراد ہیں ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى﴾ پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا [یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ ''ونفخ في الصور'' کا معنی ہے: ایک دفعہ صور میں پھونکا جائے گا' پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا اور اس کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ''اخریٰ'' اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس لیے کہ وہ پہلے سے معلوم ہے کہ اس جگہ کے علاوہ دوسری کئی جگہ اس کا ذکر آ چکا ہے] ﴿فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ سو وہ اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور وہ مبہوت و حیران شخص کی طرح تمام اطراف میں آنکھیں گھما کر دیکھیں گے کہ نا معلوم کب انہیں اچانک بلایا جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ اچانک کھڑے ہو کر اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کریں گے اور یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو دفعہ صور پھونکا جائے گا' پہلا موت کے لیے اور دوسرا لوگوں کو اٹھا کر میدانِ محشر میں جمع کرنے کے لیے اور جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا' پہلا صور صرف گھبراہٹ کے لیے پھونکا جائے گا جس سے تمام لوگ گھبرا جائیں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ'' (النمل:٨٧) ''اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ گھبرا جائیں گے'' اور دوسرا موت کے لیے اور تیسرا اعادہ کے لیے۔

٦٩- ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ﴾ اور زمین اپنے رب تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جائے گی یعنی اس کے عدل و انصاف سے روشن ہو جائے گی' یہ بطور استعارہ مراد ہے' چنانچہ عادل بادشاہ سے کہا جاتا ہے: ''اشرقت الافاق بعدلك واضاءت الدنيا بقسطك'' سارا جہاں تیرے عدل کی وجہ سے چمک گیا ہے اور ساری دنیا تیرے انصاف کی وجہ سے روشن ہو گئی ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کے ظلم کی وجہ سے تمام ممالک تاریک ہو گئے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''الظلم ظلمات يوم القيامة'' قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہوگا۔[1]

اسم ''رب'' کی ''ارض'' کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ اسے مزین و آراستہ کرتا ہے' اس اعتبار سے کہ وہی اس میں اپنے عدل و انصاف کو پھیلاتا ہے اور وہ اس میں اپنے انصاف کے ترازو نصب کرتا ہے اور زمین کے باشندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور تم یہ نہیں دیکھو گے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ کے عدل سے زیادہ آراستہ کیا گیا ہو اور نہ اس سے زیادہ کوئی زمین کو آباد کرنے والا ہے اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نور کو پیدا کر دے اور اس کے ذریعے میدانِ محشر کو روشن کیا جائے اور نور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ اور کتاب یعنی اعمال کے صحیفے رکھ دیئے جائیں گے' لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے یا پھر ''الكتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ ﴾ اور نبیوں کو لایا جائے گا تا کہ ان سے ان کا پروردگار تبلیغ رسالت کے بارے میں اور جو ان کی قوم نے انہیں جواب دیا تھا اس کے بارے میں سوال کرے ﴿ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ اور گواہوں کو لایا جائے گا (یعنی) حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر زمانے کے نیک لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق گواہی دیں گے ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ اور ان کے درمیان یعنی بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق یعنی انصاف کے ساتھ ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو ظلم کی نفی پر ختم فرمایا' جس طرح کہ اس کو عدل و انصاف کے اثبات کے ساتھ شروع کیا تھا۔

٧٠- ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ﴾ اور ہر جان کو پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے عمل کیا ہو گا یعنی اس کے اعمال کی جزاء پوری دی جائے گی ﴿ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ بغیر کسی کتاب اور بغیر کسی گواہ کے خود سب کچھ جانتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت ''وهم لا يظلمون'' کی تفسیر ہے یعنی ہر شخص نے جو نیک اور بُرے عمل کیے ہوں گے' ان پر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا' نہ بُرائی میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ نیکی میں کمی کی جائے گی۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾
قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾

[1] رواہ البخاری فی کتاب المظالم باب: ٨' رقم الحدیث: ٢٤٤٧' مسلم رقم الحدیث: ٢٥٧٩' الترمذی فی کتاب البر رقم الحدیث: ٨٣

اور کافروں کے جدا جدا گروہ بنا کر انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی حاضری سے ڈراتے تھے' وہ کہیں گے: جی ہاں! کیوں نہیں! لیکن عذاب کا حکم کافروں پر سچا ثابت ہو گیاO کہا جائے گا کہ تم دوزخ کے دروازوں میں اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے' پس تکبر کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہےO

## کافروں اور پرہیز گار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۷۱- ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا' انہیں انتہائی سختی کے ساتھ ہانکا جائے گا جس طرح قیدیوں کو قید خانہ کی طرف اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو قتل کرنے کے لیے سختی کے ساتھ ہانکا جاتا ہے ﴿زُمَرًا ۖ﴾ [یہ حال ہے] یعنی الگ الگ گروہ بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے ہانکا جائے گا ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہ سات دروازے ہیں [کوفیوں نے دونوں جگہ "فُتِحَتْ" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے "فُتِّحَتْ" پڑھا ہے)] ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ اور ان سے دوزخ کے نگران کہیں گے (یعنی) دوزخ کے وہ محافظ فرشتے جنہیں دوزخ والوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے یعنی اولادِ آدم میں سے رسول نہیں آئے تھے ﴿يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ﴾ جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتوں کو تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے یعنی تمہیں اس وقت کی حاضری سے ڈراتے تھے اور یہ ان کے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا وقت ہو گا' قیامت کا دن مراد نہیں ہے ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ وہ لوگ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس رسول تشریف لائے تھے اور انہوں نے آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر ہمیں سنائی تھیں ﴿وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہو گیا یعنی اور لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) فرمان واجب اور لازم ہو گیا کہ "لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَO" (السجدہ: ۱۳) "میں ضرور جہنم کو تمام کافر جنوں اور تمام کافر انسانوں سے بھر دوں گاO" یہ ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ہوا' جیسا کہ انہوں نے خود کہا: "غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَO" (المومنون: ۱۰۶) "ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ قوم تھےO" سو انہوں نے ان اعمال کا ذکر کیا جن کی وجہ سے عذاب کا حکم ان پر واجب ہو گیا اور وہ ان کا کفر و شرک اور گمراہی ہے۔

۷۲- ﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ﴾ ان سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے دروازوں میں سے اندر داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے' [یہ حال مقدرہ ہے] یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے ﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے [اس میں لام جنس کا ہے کیونکہ "مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ"، "بئس" کا فاعل ہے اور "بئس" کا فاعل لام جنس کے ساتھ معرّف ہوتا ہے یا پھر اس کی مثل کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "فبئس مثوى المتكبرين جهنم"]۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ
حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے اس کے محافظ فرشتے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو' سو اب تم اس میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہو گے O اور کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں ٹھہریں' پس عمل کرنے والوں کا بہت بہترین اجر و ثواب ہے O اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں' اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O

٧٣- ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ اور جو لوگ (دنیا میں) اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان کی سواریوں کو ہانک کر لے جانا مراد ہے کیونکہ یہ حضرات رضا و خوشنودی اور کرامت و عزت کے گھر سواریوں پر سوار ہو کر ہی جائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنہیں بعض بادشاہوں کے پاس آنے والے وفود میں سے عزت و شرف اور احترام و اکرام دیا جاتا ہے[1] ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے [اس کے بعد کئی جملے بیان کیے گئے ہیں اور جو جملے اس کے بعد بیان کیے گئے ہیں وہ شرطیے ہیں' مگر ان کی جزا محذوف ہے اور اسے اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ وہ جنتیوں کے ثواب کی صفت کے بارے میں ہے' سو اس کا حذف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا وصف احاطہ نہیں کر سکتا] اور علامہ زجاج نے کہا: اس کی اصل عبارت اس طرح ہے: "حتی اذا جاء وھا" ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ "دخلوھا" یہاں تک کہ جب پرہیزگار حضرات جنت کے پاس پہنچیں گے اور ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو' سو اب تم جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے [پھر "دخلوھا" کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ کلام اس پر دلیل ہے اور ایک

[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا O" (مریم: ٨٥) "اس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمن کے پاس سوار کر کے لے جائیں گے O"۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مؤمنین متقین حشر میں اپنی قبروں سے سوار کر کے اٹھائے جائیں گے اور ان کی سواریوں پر طلائی مرصع زینیں اور پالان ہوں گے۔
(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ٤٧٣' حاشیہ: ١٥' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

قوم نے کہا: "(حتی اذا جآء وھا) جآء وھا (وفتحت ابوابھا)" ہے پس ان کے نزدیک "جآء وھا" محذوف ہے]
اور معنی یہ ہے کہ جب پرہیزگار مسلمان جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھلنے کے ساتھ ہی ان کا اس میں جانا وقوع پذیر ہو جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دوزخ کے دروازے تو صرف اس وقت کھلیں گے جب دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے اور لیکن جنت کے دروازے جنتیوں کے آنے سے پہلے کھول دیئے جائیں گے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُO" (ص:٥٠) "بسنے والے باغ کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گےO" سو اس لیے واؤ لایا گیا ہے گویا فرمایا کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور بلاشبہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھل چکے ہوں گے اور "طبتم" کا معنی ہے کہ تم نافرمانیوں کی میل سے صاف ستھرے ہو اور گناہوں کی خباثت سے پاک ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ یعنی تم دنیا میں پاک باز رہے ہو اور تم خبیث و ناپاک نہیں رہے ہو یعنی تم گندے اور بُرے کاموں والے نہیں بنے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارے لیے پاک مقام ہے اور جنت میں دخول کا سبب طہارت و پاکیزگی کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ جنت طیّب و پاکیزہ لوگوں کا گھر ہے اور پاک لوگوں کا ٹھکانا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کی میل سے پاک بنایا اور ہر قسم کی گندگی سے اسے صاف ستھرا بنایا ہے پس اس میں وہی داخل ہوں گے جو اس کے مناسب و لائق ہوں گے اور اس کی صفتِ طہارت کے ساتھ متصف ہوں گے۔

٧٤- ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچا کر دکھایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہم سے آخرت کی نعمتوں کا جو وعدہ کیا تھا وہ آج ہم سے پورا کر دیا ﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ اور اس نے ہمیں اس زمین (یعنی) جنت کی زمین کا وارث بنا دیا اور واقعی انہیں اس کا وارث بنا دیا گیا ہے یعنی اس کا انہیں مالک بنا دیا گیا ہے اور انہیں اس میں تصرف کرنے کی کھلی آزادی ہوگی جیسے وہ چاہیں گے کریں گے اور اپنی وراثت میں ان کے تصرف اور اس میں ان کی وسعت کو وارث کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ ہم جنت میں جہاں چاہیں گے ٹھہریں گے یعنی اہل جنت حضرات میں سے ہر ایک کو حاجت سے بڑھ کر اور اتنی وسیع اور کشادہ جنت عطا کی جائے گی جس کی توصیف و تعریف بیان نہیں کی جاسکتی پس جنت میں سے جہاں وہ چاہیں گے وہاں اپنی قرارگاہ و آرام گاہ اور ٹھکانا بنالیں گے ["نتبـوا" حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ سو دنیا میں عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب جنت کی صورت میں ملنا بہت بہترین اجر و ثواب ہے۔

٧٥- ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے اردگرد حلقہ بنا کر اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں یعنی وہ "سبحان اللّٰه ' الحمد للّٰه ' ولا الٰه الّا اللّٰه ' واللّٰه اکبر" یا پھر "سبّوح قدّوس ' ربّ الملآئکة والرّوح" کہتے رہتے ہیں اور فرشتے یہ کلمات مقدسہ صرف روحانی لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں تعبد کے لیے نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں ہیں ["حآفین" "الملآئکة" سے حال واقع ہو رہا ہے اور حرف "مِـنْ" ابتدائے غایت کے لیے ہے] یعنی فرشتوں کی حلقہ بندی کا آغاز عرش کے اردگرد سے ہوتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وسیع ہوتا جاتا ہے ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا (یعنی) انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان حق کے ساتھ یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا ﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور کہا جائے گا یعنی جنتی حضرات بہشت میں داخل ہوتے وقت شکر ادا کرنے کے لیے کہیں گے کہ تمام حمدیں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو

تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ '' (یونس:١٠) ''اور ان کی دعا کا اختتام اس پر ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○ ''اور رسول اللہ ﷺ سورت بنی اسرائیل اور سورت زمر کو روزانہ ہر رات پڑھا کرتے تھے [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ المؤمن مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پچاسی آیات' نو رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ
وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ وقف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾
وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٦﴾

وقف غفران — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حا میم ○ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو سب پر غالب بہت علم والا ہے ○ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا' بڑے انعام والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں نہیں جھگڑتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کرلیا' سو ان کا شہروں میں خوب گھومنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے ○ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد اور بہت سے گروہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول پر غلبہ پانے کا پختہ ارادہ کیا تاکہ وہ اسے گرفتار کرلیں اور انہوں نے باطل کے ذریعے جھگڑا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں' سو میں نے ان کو پکڑ لیا' پس میرا عذاب کیسا رہا ○ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہوگیا کہ وہ یقیناً دوزخی ہیں ○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان اور کفار کی تکذیب وانجام کا بیان

اس سورت کے دو نام ہیں: (١) سورۃ المؤمن (٢) سورۃ غافر' اور یہ سورت مکی ہے اور اس کی پچاسی (٨٥) آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حامیم سے شروع ہونے والی یہ ساتوں سورتیں مکی ہیں (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک)۔

١۔ ﴿حٰمٓ﴾ [حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف' یحییٰ اور حماد رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت میں اسے اور اس کے بعد آنے والی حامیم کو امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں فتح اور کسرہ (زبر زیر) کے درمیان (بین بین) پڑھا جاتا

[1] رواہ احمد ج ٦ ص ٦٨۔ ١٢٢۔ ١٨٩' الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٠٢' الحاکم ج ٢ ص ٤٣٤' ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ٤٦٤٣

ہے اور باقی قراء کے نزدیک تفخیم کے ساتھ (پُر کر کے) پڑھا جاتا ہے] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

۲-﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ ''ای هٰذا تنزیل الکتاب'' یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ﴾ بہت غلبہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یعنی وہ اپنے غلبہ کی وجہ سے اس بات کا خوب دفاع کرنے والا ہے کہ اس پر کوئی بہتان تراش کسی جھوٹی بات کا بہتان لگا سکے ﴿الْعَلِيْمِ﴾ وہ بہت جاننے والا ہے' اسے بھی جو اس کی تصدیق کرتا ہے اور جو اسے جھٹلاتا ہے' سو یہ مشرکین کے لیے دھمکی ہے اور مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے۔

۳-﴿غَافِرِ الذَّنْبِ﴾ گناہ گاروں کے گناہ کی پردہ پوشی کرنے والا اور انہیں بخشنے والا ہے ﴿وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف اور اپنے رب تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والوں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ مخالفین پر سخت عذاب بھیجنے والا ہے ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ عارفین پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے یا سب سے بے نیاز و بے پرواہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لیے ''غافر الذنب وقابل التوب'' گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے جس نے صدق دل سے ''لا الٰه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه'' کہا اور وہ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے جس نے یہ کلمہ صدق دل سے نہیں کہا اور ''توب ، ثوب'' اور ''أوب'' رجوع کے معنی میں مشترک ہے اور ''الطول'' کا معنی ہے: غنا اور فضل و کرم۔

[پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ صفات معرفہ اور نکرہ میں مختلف کیوں ہیں حالانکہ موصوف تو معرفہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رہے ''غافر الذنب'' اور ''قابل التوب'' تو یہ دونوں معرفہ ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دونوں فعلوں کا حدوث مراد نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ دونوں فعل انفصال کی تقدیر میں ہوں' سو ان دونوں کی اضافت غیر حقیقی ہے اور بے شک اس اضافت سے صرف ثبوت و دوام مراد ہے اور رہا ''شدید العقاب'' تو یہ اصل میں ''شدید عقابه'' ہے' پس یہ نکرہ ہو گیا ہے اور بعض نے کہا: یہ بدل ہے صفت نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ نکرہ ان معارف کے درمیان میں آ گیا ہے تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ یہ تمام کلمات بدل ہیں صفات نہیں] اور واؤ ''وقابل التوب'' میں ایک نکتہ کی بناء پر داخل کی گئی اور وہ یہ ہے کہ اس نے توبہ کرنے والے گناہ گار کے لیے دو رحمتوں کے جمع ہونے کا افادہ کیا ہے' ایک یہ کہ اس کی توبہ قبول کر کے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ گناہ مٹا کے اسے ایسا پاک قرار دیا جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں' گویا فرمایا کہ وہ مغفرت اور قبولیت کا جامع ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے رہنے والے ایک بہادر اور بہت خوف خدا رکھنے والے آدمی کو نہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا' آپ کو بتایا گیا کہ وہ شراب پینے لگ گیا ہے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت منشی کو فرمایا: تم لکھو: ''من عمر الی فلان سلام علیك وانا احمد الیك اللّٰه الذی لا الٰه الا هو بسم اللّٰه الرحمن الرحیم'' پھر ''حٰمٓ'' سے ''الیه المصیر'' تک لکھ کر خط ختم کر دیا اور اپنے قاصد کو خط دے کر فرمایا کہ یہ رقعہ اسے اس وقت تک نہیں دینا جب تک کہ نشہ کی حالت سے باہر نہ آ جائے' پھر جب ہوش میں آ جائے تو اسے یہ رقعہ دے دینا' پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ تم اس کے حق میں توبہ کی توفیق کی دعا کرو' پھر جب وہ صحیفہ اسے ملا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور کہنے لگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری مغفرت و بخشش کا وعدہ فرما لیا ہے اور اپنے عذاب سے مجھے ڈرایا ہے' چنانچہ وہ بار بار دہراتا گیا یہاں تک کہ رونے لگ گیا' پھر وہ شراب پینے سے باز آ گیا اور وہ اچھی

طرح رُک گیا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوگئی' جب اس کی توبہ کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو آپ نے اپنے پاس حاضرین سے فرمایا: تم اسی طرح کیا کرو' جب تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ وہ راہِ راست سے پھسل گیا ہے تو تم اس کی اصلاح کرو اور اسے سیدھا کر دو اور اس کے لیے دعا کرو کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو اور تم اس کے خلاف شیطان کے معاون نہ بنو ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے [یہ بھی ''ذی الطول'' کی طرح صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو] ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

٤- ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' وہی انہیں جھٹلانے اور ان کا انکار کرنے کے لیے ان میں بحث و مباحثہ اور جھگڑا کرتے ہیں اور اس پر یہ ارشادِ مبارک دلالت کر رہا ہے: ''وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ'' (غافر:٥) ''اور انہوں نے باطل کے ساتھ جھگڑا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں'' اور لیکن مشتبہ آیات کی وضاحت کرنے اور مشکل آیات کے حل کرنے اور ان سے معانی کو حاصل کرنے اور اہلِ کج اور بدمذہب کا رد کرنے کے لیے بحث و مباحثہ کرنا اور جھگڑنا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے ﴿فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ سوائے مخاطب! تمہیں ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے (یعنی) ان کا رائج و نقد تجارتیں اور منافع بخش کاروبار کرنا اور لوٹ مار کے باوجود صحیح و سالم رہنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ آخرکار ان کا انجام آخرت کے عذاب کی طرف جانا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی اور بتلایا کہ بے شک ان (کفارِ مکہ) سے پہلے جن امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا وہ سب ہلاک کر دی گئی تھیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

٥- ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ﴾ ان (قریشِ مکہ) سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿وَّالْاَحْزَابُ﴾ اور دیگر گروہوں نے بھی اپنے رسولوں اور نبیوں کو جھٹلایا تھا یعنی جن لوگوں نے اپنے رسولوں کے خلاف گروہ بندی کر لی اور ان کے سخت دشمن بن گئے اور ان کا مقابلہ کیا اور وہ عاد' ثمود' قومِ لوط علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر گروہ تھے ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ﴾ اور ان امتوں میں سے ہر ایک امت نے اپنے اپنے رسول کے ساتھ مخالفت کا پختہ ارادہ کر لیا' وہ یہ تھیں: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے علاوہ مختلف امتوں کے گروہ ﴿لِيَاْخُذُوْهُ﴾ تاکہ وہ اس پر غالب آ جائیں اور اسے قابو کر لیں' پھر وہ اسے قتل کر دیں اور ''اخیذ'' کا معنی ہے: کسی کو گرفتار کرنا اور قید کرنا' تو ''لیاخذوہ'' کا معنی ہوا: تاکہ وہ اس کو گرفتار کر لیں اور قید کر لیں ﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور انہوں نے اپنے رسولوں سے باطل یعنی کفر کے ذریعے جھگڑا کیا ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں (یعنی) تاکہ وہ لوگ اس کے ذریعے اہلِ ایمان کے ایمان کو ختم کر ڈالیں ﴿فَاَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا یعنی جب انہوں نے اپنے رسولوں کو گرفتار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہیں رسولوں کے گرفتار کرنے کے ارادے پر یہ سزا دی گئی کہ میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو سخت ترین سزا دی [ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت کے مطابق ''فَاَخَذْتُهُمْ'' میں ذال کو ''تا'' میں مدغم کرنے کی بجائے مظہر کر کے پڑھا گیا ہے (جب کہ نافع مدنی وغیرہ کی قراءت میں ذال کو ''تا'' میں مدغم کیا گیا ہے)] ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی تم ان کے شہروں کے پاس سے گزرتے ہو اور تم اس (ہلاکت و تباہی اور عذاب) کی علامات و نشانیاں دیکھتے ہو (جس سے تمہیں عبرت حاصل کر کے اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے) اور یہ ایک ایسی تقریر

ہے جس میں تعجب کا معنی پایا جاتا ہے [ قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''عقابی'' ہے ]۔

٦ - ﴿ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان ان کافروں پر بھی سچا ثابت ہو گیا ہے کہ بے شک یہ دوزخی ہیں یعنی اس وجوب کی طرح کفار پر ان کا دوزخی ہونا واجب ہو گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح جڑ سے اکھیڑنے والے عذاب کے ساتھ دنیا میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا' اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ کے عذاب میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے [ یا پھر یہ لام تعلیل اور ایصال فعل کے محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ] اور ''الذین کفروا'' سے قریش مکہ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ان سابقہ امتوں کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا' اسی طرح ان قریش مکہ کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے کیونکہ انہیں ایک علت (رسولوں کی تکذیب) جمع کر دیتی ہے کہ یہ سب دوزخی ہیں [ نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''کلمات ربك'' ہے اور ''انهم اصحاب النار'' محلاً مرفوع ہے اور ''كلمة ربك'' سے بدل ہے اور ''انهم اصحاب النار'' پر وقف کرنا لازم اور ضروری ہے کیونکہ وصل کر کے (ملا کر) پڑھا جائے تو پھر ''الذين يحملون العرش'' میں عرش اٹھانے والے اور اردگرد حلقہ بنانے والے فرشتے ''اصحاب النار'' کی صفت ہو جائیں گے اور اس کا فساد ظاہر ہے ]۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع اور کشادہ ہے' سو تو ان کو بخش دے جنہوں نے توبہ کر لی اور تیری راہ پر چل پڑے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے O

## مسلمانوں کے لیے فرشتوں کا دعائے مغفرت کرنا

٧ - ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ ﴾ جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں یعنی عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد حلقہ بنانے والے اور وہ کرّوبیین فرشتے ہیں جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کے پاؤں سب سے نچلی زمین تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کے سر عرش کے آر پار نکلے ہوئے ہیں اور انہوں نے عرش کو اپنے کندھوں پر بڑی عاجزی کے ساتھ اٹھایا ہوا ہے' وہ اپنی نگاہیں اوپر کی طرف نہیں اٹھاتے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح اور شام روزانہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کو سلام کیا کریں' یہ حکم صرف ان کی تمام فرشتوں پر فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عرش کے اردگرد ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں قطار در قطار ہو کر تکبیر (الله اكبر) اور تہلیل (لا اله الا الله) پڑھتے ہوئے اس کا طواف کرتے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں

صفیں باندھے تکبیر اور تہلیل میں مصروف ہیں' انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں پر رکھا ہوا ہے اور ان کے پیچھے بھی مزید ایک لاکھ فرشتوں نے صف بندی کی ہوئی ہے' انہوں نے ایمان کو بائیں کندھوں پر رکھا ہے' ان میں سے ہر ایک الگ الگ تسبیح پڑھتا ہے جس کے ساتھ دوسرے کسی فرشتے کی تسبیح نہیں ملتی ﴿ یُسَبِّحُوْنَ ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکی بیان کرتے ہیں [''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور ''یُسَبِّحُوْنَ'' اس مبتدا کی خبر ہے ] ﴿ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ یعنی اس کی تعریف کے ساتھ کیونکہ ''بـا'' اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتوں کی تسبیح حمد و ثناء اور تعریف کے ساتھ جمع ہے ﴿ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ اور وہ فرشتے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا فائدہ ایمان کی عظمت و فضیلت اور اس کی بزرگی کا اظہار ہے اور ایمان لانے کی ترغیب دینا مقصود ہے اور اس کے باوجود کہ ہمیں معلوم ہے کہ بے شک عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد کے فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ سب مؤمن ہیں' جیسا کہ کئی جگہ ایمان کی اصلاح کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کا وصف بیان کیا گیا ہے اور جیسا کہ اعمالِ خیر کے ذکر کے بعد فرمایا: ''ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' (البلد:١٧) سو اس کے ذریعے بھی ایمان کی فضیلت و عظمت کا اظہار کیا ہے اور ''ویـؤمـنـون بـه'' ارشاد فرمانے میں تناسب کی رعایت بھی کی گئی ہے ﴿ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ اہل ایمان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرتے ہیں' گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ فرشتے خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا بھی کرتے ہیں جو ایمان لانے میں ان کے حال کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں اشتراک لازمی تقاضا کرتا ہے کہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اگرچہ وہ ایک دوسرے سے دور رہائش پذیر ہوں ﴿ رَبَّنَا ﴾ ''ای یـقـولـون ربـنـا'' یعنی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! [اور یہ محذوف حال ہے ] ﴿ وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے' سو رحمت اور علم یہ دو وہ خوبیاں ہیں جو معنوی طور پر ہر چیز کو محیط ہیں کیونکہ اصل میں ''وسع کل شیء رحمتك وعلمك'' ہے کہ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے لیکن کلام کو اصل سے ہٹایا گیا ہے کہ فعل کا اسناد صاحب رحمت اور صاحب علم کی طرف کر دیا گیا ہے' [اور ان دونوں کو تمیز کی بناء پر منصوب قرار دیا گیا ہے ] یہ محض رحمت و علم کے وصف میں مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا ﴾ سو تو ان کے لیے مغفرت و بخشش فرما دے جنہوں نے توبہ کر لی ہے یعنی ان میں سے جن کی توبہ تیرے ازلی اور ابدی علم میں آ چکی ہے کیونکہ رحمت اور علم کے ذکر کے بھی مناسب ہے ﴿ وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ ﴾ وہ تیری راہ پر چل پڑے یعنی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا جس کی تو نے دعوت دی ہے ﴿ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾ اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ
ع وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اے ہمارے پروردگار! اور تو ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جو ان کے باپ دادا' اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہیں' بے شک تو بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے ۝ اور تو

ان کو برائیوں سے بچالے اور اس دن جس کو تو برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بے حد رحم کیا' اور یہی بہت بڑی کامیابی ہےO

٨- ﴿ رَبَّنَا وَاَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣالَّتِىۡ وَعَدْتَّهُمۡ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ ؕ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور تو انہیں دائمی بہشتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکوں سے وعدہ کیا ہوا ہے [''مَنْ'' محلاً منصوب ہے کہ یہ 'وادخلهم'' کی ''هم'' ضمیر پر یا پھر' وعدتهم'' میں ''هم'' ضمیر پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جن کا تو نے ان کے باپ دادا' بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہیں ان سے جو وعدہ کیا ہوا ہے ﴿ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴾ بے شک تو ہی سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! تو ایسا غالب و جابر بادشاہ ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اور تو اپنی بادشاہی اور عزت وغلبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حکمت و دانائی سے خالی کوئی کام نہیں کرتا اور تیری حکمت کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو پورا فرمائیں۔

٩- ﴿ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾ اور تو انہیں برائیوں سے بچالے یعنی برائیوں کی سزا سے بچالے اور وہ دوزخ کی آگ کا عذاب ہے ﴿ وَمَنۡ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَهٗ ؕ﴾ اور جس کو تو اس دن برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بہت بڑا رحم فرمایا ﴿ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴾ اور وہ یعنی عذاب کو دور کرنا وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ
اِلَى الۡاِيۡمَانِ فَتَكۡفُرُوۡنَ ۝١٠ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَاَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا
بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ۝١١ ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ
كَفَرۡتُمۡ ۚ وَاِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِ ۝١٢

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انہیں پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے ضرور بہت بڑھ کر ہے کیونکہ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہوO وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا' سو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو کیا اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہےO یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم ایمان لے آتے ہو' سو حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سب سے بلند و بزرگ تر ہےO

## کفار پر اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کے سبب کا بیان

١٠- ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے انہیں پکار کر کہا جائے گا (یعنی) جب قیامت کے دن کفار دوزخ کی آگ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ خود اپنی جانوں پر غضب ناک ہو رہے ہوں گے تو دوزخ

کے دربان فرشتے انہیں پکار کر کہیں گے کہ ﴿ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی اور غضب سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے" ای لمقت اللّٰه انفسکم اکبر من مقتکم انفسکم "یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کا تمہاری جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونا تمہارا اپنی جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے' سو ایک دفعہ "انفسکم" کے ذکر نے بے نیاز کر دیا اور "مقت" کا معنی ہے: بہت سخت بغض و نفرت اور ناراضگی ﴿ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴾ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور تم کفر پر اصرار بھی کرتے ہو اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار سے کہا جائے گا: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر اس لیے ناراض ہے کہ تمہارے نفوس تمہیں بُرائی اور کفر و شرک اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں' جب انبیائے کرام علیہم السلام تمہیں ایمان کی طرف بلاتے ہیں تو تم ان کی بات کا انکار کر دیتے ہو اور تم ایمان کی بجائے کفر اختیار کر لیتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ناراض و غضب ناک ہونا' اس سے کہیں زیادہ سخت ہے کہ تم آج دوزخ میں آ کر اپنے آپ پر ناراض و غضب ناک ہو رہے ہو کیونکہ تمہیں دوزخ میں تمہاری اپنی خواہشات کی پیروی لے کر آئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کا تم پر ناراض ہونا تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا" (العنکبوت:٢٥) "پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور تم ایک دوسرے پر لعنت کرو گے" [ "اذ تدعون" زمخشری کے نزدیک پہلے "مقت" کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ تعلیل کے لیے ہے اور جامع العلوم وغیرہ نے کہا کہ "اذ تدعون" فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر "لمقت اللّٰه" دلالت کر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت ناراض ہوا جب انہیں ایمان کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا اور پہلے "مقت" کی وجہ سے منصوب نہیں ہے کیونکہ "لمقت اللّٰه" مبتدا ہے اور وہ مصدر ہے اور اس کی خبر "اکبر من مقتکم" ہے اس لیے وہ "اذ تدعون" میں عمل نہیں کرے گا کیونکہ جب مصدر کی طرف سے کوئی خبر دی جائے تو اس کے ساتھ کسی چیز کو متعلق کرنا جائز نہیں ہوتا جو اس کا صلہ بنے کیونکہ اس سے خبر دینا اس کے مکمل ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا متعلق ہونا اس کے ناقص ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور یہ دوسرے "مقت" کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہے' اس لیے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں اور یہ اس لیے کہ کفار اپنے آپ پر دوزخ میں جا کر ناراض ہوں گے اور جب کہ ایمان کی دعوت انہیں دنیا میں دی گئی تھی ]۔

١١ - ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا یعنی دو دفعہ موت دینا اور دو دفعہ زندہ کرنا' یا دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں' ان کو عدم سے پیدا کرنا پہلی موت ہے (یعنی ماں کے شکم میں روح پھونکنے سے پہلے کی حالت جو محض عدم ہے) اور دنیا میں زندگی کی مدت ختم ہونے پر طبعی موت دینا دوسری موت ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کی پیدائش کو موت (مرنے) کی بجائے مجازاً "اماتة" (مارنا) قرار دیا جائے جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ کہا جائے: پاک ہے وہ ذات جس نے مچھر کے جسم کو چھوٹا بنایا اور ہاتھی کے جسم کو بڑا بنایا اور یہاں پر بڑے سے چھوٹے کی طرف انتقال نہیں (کہ پہلے مچھر بڑا تھا' پھر چھوٹا بنایا) اور نہ چھوٹے سے بڑے کی طرف انتقال ہے (کہ پہلے ہاتھی چھوٹا تھا' پھر بڑا بنا دیا بلکہ) اس میں سبب یہ ہے کہ صغر اور کبر (چھوٹا اور بڑا) دونوں ایک مصنوع پر جائز ہیں' پھر جب صانع نے ان دو جائزوں میں سے ایک کو اختیار کر لیا تو یقیناً دوسرے جائز سے مصنوع کو پھیر لیا' پس صانع کا اس کو اس سے پھیرنا مصنوع کو اس سے منتقل کرنا ہے اور دو زندگیوں میں سے ایک دنیا کی زندگی مراد ہے

اور دوسری زندگی دوبارہ صور پھونکنے پر زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے (یہاں برزخی زندگی یعنی قبر کی زندگی کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ ان دونوں سے مختلف اور غیر ظاہر و غیر محسوس ہے) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ''وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ'' (البقرہ:۲۸) ''اور تم مردہ تھے' سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا'' اور بعض حضرات نے کہا کہ پہلی موت سے دنیا کی طبعی موت مراد ہے' دوسری قبر میں مردے سے سوالات کرنے اور جوابات لینے کے لیے زندگی دینے کے بعد موت مراد ہے اور پہلی زندگی سے قبر کی زندگی مراد ہے جو سوالات و جوابات کے لیے مرنے کے بعد عطا کی جائے گی اور دوسری زندگی سے نفخہ ثانی پر زندہ کر کے اٹھنا مراد ہے ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا﴾ سو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے۔ دراصل جب کفار موت دینے اور زندگی دینے کے عمل کو اپنے اوپر بار بار دیکھ لیں گے تو انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے' اسی طرح وہ دوبارہ زندگی کے اعادہ پر بھی ضرور قادر ہے' سو اس لیے وہ اپنے ان گناہوں کا اعتراف کر لیں گے جن کا انہوں نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا جیسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور کفر و شرک' نیز ان کے تابع دیگر گناہ اور نافرمانیاں ﴿فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾ تو کیا اب یہاں دوزخ کے عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یعنی نکلنے کی صورت جلد یا بہ دیر تا کہ ہم اس عذاب سے خلاصی حاصل کر لیں' پھر کیا یہ ناامیدی اور مایوسی اس سے پہلے واقع ہو جائے گی' سو نہ نکلنا ہوگا اور نہ نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا؟ اور یہ کلام اس شخص کا ہوتا ہے جس پر مایوسی اور ناامیدی غالب آ چکی ہو اور وہ لوگ یہ بات صرف حیرانگی کی وجہ سے کہیں گے اور اس لیے انہیں اس کے مطابق جواب دیا جائے گا اور وہ یہ ارشاد ہے کہ

۱۲- ﴿ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا﴾ یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کی طرف تمہیں بلایا جاتا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جاتے تو تم ایمان لے آتے یعنی یہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اور جس سے اب کبھی تمہارے لیے کوئی راستہ نکلنے کا نہیں رہا' اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ تمہارا کفر کرنا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر تمہارا ایمان لانا ہے ﴿فَالْحُكْمُ لِلَّهِ﴾ سو حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اس لیے اس نے تمہارے خلاف دائمی عذاب کا فیصلہ فرما لیا ﴿الْعَلِيِّ﴾ اس کی شان بہت بلند ہے' سو اس کا فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا ﴿الْكَبِيرِ﴾ اس کی بادشاہی بہت بڑی ہے' سو اس کی سزا کی کوئی حد نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ خوارج کے ایک گروہ حروریہ نے گویا اپنے قول ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی سے لیا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حروراء کے باشندوں نے بغاوت کر دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا: ''اَلْمُحَكِّمُوْنَ'' ہیں' یعنی وہ کہتے ہیں: ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' چنانچہ یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس کا جو مطلب و مراد خوارج بیان کرتے ہیں' وہ باطل ہے۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا
مَن يُنِيبُ ⑬ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑭
رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ

مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

وہی تو ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتا مگر وہ جو رجوع کرتا ہےO سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اور اگرچہ کفار برا مانیںO درجوں کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے' وہی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی کو نازل کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائےO جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کچھ چھپا نہیں رہے گا' آج کس کی بادشاہی ہے' ایک اللہ تعالیٰ کی جو سب پر غالب ہےO آج ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا اس کا بدلہ دیا جائے گا' آج ظلم نہیں ہو گا' بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہےO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان اور اس کی خالص عبادت کا بیان

۱۳- ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے' ہوا' اندھیری' بادل' گرج' بجلی اور کڑک وغیرہ ﴿ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ﴾ اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے (یعنی) بارش برساتا ہے کیونکہ یہ رزق کا سبب ہے ﴿ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴾ اور نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر جو رجوع کرتا ہے (یعنی) اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے عبرت وسبق حاصل کرتا ہے مگر وہ جو شرک سے توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' سو معاند ومخالف عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتا' پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے والوں کے لیے فرمایا [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) ''یُنْزِلُ'' ہے]۔

۱۴- ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کو پکارو (یعنی) سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' ''ادعوا'' بہ معنی ''اعبدوا'' ہے ﴿ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾ اسی کے لیے دین کو شرک سے خالص کرتے ہوئے ﴿ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور اگرچہ کفار برا مانیں اور تمہارا اخلاص انہیں ناگوار ہو اور اگرچہ تمہارے دشمن جو تمہارے دین پر نہیں ہیں' وہ اس خالص دین کی وجہ سے تم پر عیب لگائیں اور تنقید کریں۔

۱۵- ﴿ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ ﴾ وہ درجات کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے' وہ روح الامین کو وحی دے کر بھیجنے والا ہے' یہ تینوں ارشاد باری تعالیٰ ''ھُوَ'' کی خبریں ہیں جو ارشادِ باری تعالیٰ ''الذی یریکم'' پر مرتب ہے یا یہ تینوں محذوف مبتدا کی خبریں ہیں اور ''رفیع الدرجات'' کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بلند کرنے والا ہے یا وہ دنیا میں اپنے نیک بندوں کے درجوں کو مرتبے میں بلند کرنے والا ہے یا پھر جنت میں ان کی منازل کو بلند کرنے والا ہے اور ''ذو العرش'' وہ اپنے عرش کا مالک ہے' جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے جسے اس نے فرشتوں کے طواف کرنے کے لیے پیدا فرمایا' محض اپنی عظمت وشان کے اظہار کے لیے باوجودیکہ وہ اپنی بادشاہی میں سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور ''الروح'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یا اس سے وحی مراد ہے جس کے ذریعے دلوں کو زندگی ملتی ہے ﴿ مِنْ اَمْرِهٖ ﴾ اپنے حکم کے سبب یا اپنے حکم کے ساتھ ﴿ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ ﴾ اپنے بندوں میں سے جس

پر چاہتا ہے تا کہ وہ ڈرائے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ڈرائے یا وہ ڈرائے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور وہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور اس پر حضرت یعقوب کی قراءت (فعل مخاطب) ہے یعنی ''لِتُنذِرَ'' ﴿ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴾ تا کہ آپ ملاقات کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں کیونکہ اس دن میں آسمان والوں اور زمین والوں کی اور اگلوں اور پچھلوں کی باہمی ملاقات ہوگی [ابن کثیر مکی اور یعقوب کی قراءت میں ''التلاقی'' ہے]۔

١٦ - ﴿ یَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ ﴾ اس دن وہ ایسے ظاہر ہوں گے کہ نہ انہیں پہاڑ چھپا سکیں گے اور نہ ٹیلے اور نہ کوئی عمارت ﴿ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ ﴾ ان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گی یعنی ان کے اعمال اور ان کے احوال میں سے ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بات اس وقت ارشاد فرمائے گا جب اسے کوئی جواب نہیں دے سکے گا' پھر اللہ تعالیٰ خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب ہے یعنی جس نے تمام مخلوق پر موت کے ذریعے غلبہ پالیا [''الیوم''،''لِمَنْ'' کے مدلول کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ''لمن ثبت الملك فی هذا الیوم'' آج کس کے لیے بادشاہی ثابت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا اور کہے گا: ''لمن الملك الیوم'' آج کس کی بادشاہی ہے' تو اہل محشر جواب دیں گے: ''للّٰه الواحد القهار'' اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب وقابض ہے۔

١٧ - ﴿ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴾ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ آج کے دن بادشاہی صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتائج کو شمار کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا' اس نے دنیا میں جو کچھ نیک اور بد عمل کیے ہوں گے اور یہ کہ سب لوگ ظلم وستم سے محفوظ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور یہ کہ بے شک حساب وکتاب میں تاخیر نہیں کی جائے گی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا حساب دوسرے کے حساب سے باز نہیں رکھے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا ایک ہی وقت میں حساب لے لے گا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ
مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ؕ ۞١٨ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۞١٩
وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۞٢٠ ع ١١

اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیں جب کہ دل حلقوم کے پاس غم کے مارے رُکے رہیں گے' ظالموں کے لیے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہنا مان لیا جائے ○ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے ○ اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے' اور اس کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ○

١٨ - ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ﴾ اور آپ انہیں عنقریب آنے والے دن سے ڈرائیں (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرائیں' اس کا یہ نام ''آزفہ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''آزفة'' کا معنی ہے: قریب اور نزدیک یعنی قیامت کے قرب کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے ﴿ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ ﴾ اس وقت دل حلقوم کے پاس پہنچ جائیں گے' یعنی گلے کی ہڈی تک یعنی ان کے دل دہشت کے مارے اپنی اصل جگہ سے اوپر چڑھ آئیں گے اور حلقوم کے ساتھ لپٹ جائیں گے سو نہ تو وہ باہر نکل پڑیں گے کہ موت واقع ہو جائے اور وہ مر جائیں اور نہ وہ اپنی اصل جگہ کی طرف لوٹیں گے کہ وہ سانس لے سکیں اور راحت و سکون کر سکیں [یہ ''یوم الآزفة'' سے بدل ہے] ﴿ كٰظِمِيْنَ ﴾ وہ حلقوم کے پاس رُک جائیں گے' یہ ''کظم القربة'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کا سرا کس کر باندھ دیا جائے اور یہ دلوں کے لیے محال ہے' اس لیے اصحاب قلوب پر محمول ہے اور اس کو جمع سالم اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''کظم'' کے ساتھ متصف ہوتا ہے جب کہ غصہ پینا عقلاء کے افعال سے ہے۔

﴿ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ ﴾ ظالموں کے لیے (یعنی) کافروں کے لیے کوئی حمایت کرنے والا' دوستی کرنے والا اور شفقت و محبت کرنے والا نہیں ہوگا ﴿ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی اطاعت کی جائے یعنی جس کی شفاعت قبول کی جائے کیونکہ اطاعت حقیقت میں اپنے سے بڑے کی کی جاتی ہے اور یہاں شفاعت اور اطاعت دونوں کی نفی مراد ہے' جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

''ولا ترى الضبّ بها ينجحر'' اور تم نہیں دیکھو گے کہ گوہ اپنے لیے بھٹ یا سوراخ بناتی ہو' اس شعر میں گوہ اور اس کے بھٹ بنانے کی نفی مراد ہے اور اگر چہ بہ ظاہر لفظ اطاعت کی نفی کا احتمال رکھتا ہے' شفاعت کی نفی کا نہیں' چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ان کے لیے کبھی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

١٩ - ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ ﴾ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو خوب جانتا ہے۔ ''خائنة'' مصدر بہ معنی خیانت ہے' جیسے ''عافية'' بہ معنی ''معافات'' ہے اور مراد یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو چور نظروں سے دیکھنا جن کا دیکھنا حلال نہیں ہے ﴿ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴾ اور جو کچھ سینے چھپاتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (یعنی) اور جو کچھ امانت اور خیانت اور اچھے بُرے اسرار و رموز وغیرہ سینے چھپاتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اجنبی عورت کو چور نظروں سے شہوت کے ساتھ دیکھنا' پھر اپنے دل میں اس کے حسن و جمال کے بارے میں غور و فکر کرنا مراد ہے اور جو لوگ اس کے پاس حاضر و موجود ہیں' وہ اس کی چور نظروں اور شہوت سے بھر پور سوچ کو نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے [''یعلم خائنة الاعین'' ایک خبر ہے ''هُوَ'' کی خبروں میں سے جو کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''هو الذی یریکم ایاته'' میں موجود ہے جیسے ''یلقی الروح'' ہے اور لیکن ''یلقی الروح'' ارشادِ باری تعالیٰ ''لینذر یوم التلاق'' سے معطل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''یوم التلاق'' یعنی قیامت کے دن کے احوال کا ذکر مستقل بیان فرمایا اور یہ ''ولا شفیع یطاع'' تک ہے کیونکہ یہ دوسرے معتقدات سے دور ہے]۔

٢٠ - ﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جس کی یہ صفات ہوں گی وہ صرف انصاف کا فیصلہ کرے گا ﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ﴾ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے (یعنی) اور ان کے معبود کسی چیز کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے اور یہ کفار کے ساتھ تمسخر ہے کیونکہ جو قدرت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا' اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ فیصلہ کرتا ہے یا وہ فیصلہ نہیں کرتا ہے

[نافع مدنی کی قراءت میں "یدعون" کی بجائے "تدعون" ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا ہے ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ یہ کلام مبارک ارشادِ باری تعالیٰ "یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُO" (غافر:۱۹) کی تقریر ہے اور کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب سنتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ عمل کرتے ہیں انہیں خوب دیکھ رہا ہے اور بے شک وہ انہیں ان اعمال پر سخت سزا دے گا اور یہ کلام مبارک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان تمام معبودوں پر طعن ہے جن کی کفار عبادت کرتے ہیں کہ وہ نہ کچھ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے' وہ ان سے قوت و طاقت میں اور زمین پر عمارات بنانے میں بہت سخت تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا' اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں تھاO یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے' سو انہوں نے کفر اختیار کر لیا' پس اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا' بے شک وہ بہت طاقتور ہے سخت عذاب دینے والا ہےO اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجاO

## رسولوں کی تکذیب پر کفار کی ہلاکت کا بیان

۲۱- ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا تھا یعنی ان (کفار مکہ) سے پہلے جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کو جھٹلایا تھا ان کے معاملے کا آخری انجام کیسا بھیانک ہوا تھا ﴿كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ پہلے لوگ تو ان سے بہت زیادہ سخت طاقتور تھے ["هم" ضمیر فصل ہے اور اس کا اصل میں حق یہ ہے کہ اس کو دو معرفوں کے درمیان لایا جائے مگر "اشد منهم" معرفہ کے مشابہ ہے کیونکہ معرفہ کی طرح اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا' سو اس لیے اس کو اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "اشد منكم" ہے] ﴿وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین پر تاریخی نشانات بنانے پر سخت محنتی تھے یعنی مضبوط قلعے اور محلات تعمیر کرنے میں سخت قوت آزمائی کرتے تھے ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں ان کے گناہوں کے سبب سخت سزا دی ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتی۔

۲۲ - ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ وہ یعنی یہ گرفت اس سبب سے ہوئی کہ بے شک وہ ﴿كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ﴾ ایسے لوگ تھے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا بے شک وہ بہت قوت رکھنے والا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت عذاب دینے والا ہے' جب وہ سزا دیتا ہے۔

۲۳ - ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے نو معجزات کے ساتھ بھیجا ﴿وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور ایک خاص روشن دلیل کے ساتھ اور ظاہر حجت کے ساتھ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا
نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ
اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ
فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع

فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا' سو انہوں نے کہا: بہت جھوٹا جادوگر ہے ○ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دو' اور کافروں کا کوئی فریب ایسا نہیں ہوتا مگر وہ ضائع ہو جاتا ہے ○ اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور تاکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارے' بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا یا وہ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا ○ اور موسیٰ نے فرمایا: بے شک میں ہر اس متکبر سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا ○

۲۴ - ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا﴾ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف' سو انہوں نے کہا: "هُوَ" ﴿سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ وہ جھوٹا جادوگر ہے' پس انہوں نے واضح اور روشن معجزہ کو جادو اور جھوٹ قرار دیا۔

۲۵ - ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق یعنی نبوت کے ساتھ ان کے پاس پہنچے ﴿قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو یعنی جس طرح پہلے قتل کا منصوبہ جاری تھا' اسی طرح ان ایمان لانے والوں پر بھی وہی قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر دو ﴿وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ﴾ اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو تاکہ ان سے گھروں کی خدمت لی جائے ﴿وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافروں کا مکر و فریب صرف ضائع ہو جاتا ہے یعنی فرعونیوں نے پہلی مرتبہ جس خوف کی طرف سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا تو اس منصوبہ نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کا

فیصلہ نافذ ہو کر رہا اور وہ جس (بچہ) سے ڈرتے تھے اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا' چنانچہ قتل کا یہ دوسرا منصوبہ بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور پہلی مرتبہ فرعون بچوں کے قتل سے محض اس لیے رُک گیا تھا کہ اگر سب بچے قتل ہو گئے تو خدمت گزار ختم ہو جائیں گے' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو گئے اور اس نے محسوس کیا کہ وہی کچھ واقع ہو گیا ہے جس کا اسے ڈر تھا تو وہ بنی اسرائیل پر دوبارہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے یہ گمان کر کے قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر دیا کہ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعاون سے رُک جائیں گے اور اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کا مکر وفریب دونوں مرتبہ ضائع جائے گا۔

٢٦- ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى﴾ اور فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دوں' کیونکہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تو اس کے درباری یہ کہہ کر اسے قتل سے روک دیتے تھے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کا تجھے خوف ہے اور یہ اس سے کمزور اور معمولی انسان ہے اور یہ صرف جادوگر ہے اور جب تو اسے قتل کر دے گا تو لوگوں پر شبہہ ڈال دے گا اور وہ یقین کر لیں گے کہ تو دلیل کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے اور ظاہر ہے کہ فرعون کو یہ یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ معجزات ہیں جادو نہیں اور لیکن فرعون میں دغا بازی تھی اور بہت قاتل اور خون ریز سفاک شخص تھا اور قتل وخون ریزی اس کے لیے معمولی چیز تھی تو بھلا وہ اس شخص کو کیسے قتل نہ کرتا جس کے بارے میں اسے محسوس ہو چکا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو اس کے ملک کو تباہ اور برباد کر دے گا مگر وہ اس بات سے ڈرتا تھا کہ اگر آپ کو قتل کرنا چاہا تو اسے فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ کی دعا سے بہت خوف تھا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿ذَرُوْنِيٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى﴾ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں' یہ محض اپنی قوم پر یہ ظاہر کرنا تھا اور انہیں یہ باور کرانا تھا کہ یہی لوگ ہیں جو اس کو قتل سے روکے ہوئے ہیں حالانکہ اس کے دل میں قدرتی ہولناک گھبراہٹ تھی' جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رکھا ہوا تھا ﴿اِنِّيٓ اَخَافُ﴾ بے شک مجھے یہ خوف اور ڈر ہے کہ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو ﴿اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ﴾ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا اور جس دین پر تم اس وقت گامزن ہو' اس کو وہ تبدیل کر دے گا اور اس وقت وہ لوگ فرعون کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ﴿اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾ یا یہ کہ (حضرت) موسیٰ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا اور زمین میں فساد سے قتل و غارت کرنا' ایک دوسرے پر حملے کرنا' لڑائی جھگڑا کرنا مراد ہے' جس کی وجہ سے امن وامان ختم ہو جاتا ہے' کھیتی باڑی اور باہمی کاروبار' محنت مزدوری' زندگی کے تمام مسائل معطل و بے کار ہو جاتے ہیں اور لوگ قتل و غارت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں' گویا فرعون نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ تمہیں اپنے دین کی طرف دعوت دے کر تمہارے دین کا تمہارے لیے خاتمہ کر دے گا یا وہ تمہاری دنیا تم پر فاسد وتباہ کر ڈالے گا کیونکہ اس کے سبب سے کئی فتنے ظاہر ہو جائیں گے [نافع مدنی' ابو عمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں ''ان یظهر'' میں ''یا'' مضموم ہے اور ''الفساد'' میں دال مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا'' مفتوح اور دال مضموم ہے اور پہلا قول ''ان یبدل'' کے موافق ہے' اس لیے وہی بہتر ہے اور اہل کوفہ کے علاوہ دیگر کے نزدیک ''وَاَنْ'' ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین اور دنیا دونوں کو فاسد وتباہ کر دے گا]۔

٢٧- ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ دراصل جب حضرت موسیٰ نے فرعون کی وہ باتیں سنیں

جو اس نے آپ کے قتل کرنے کے بارے میں اپنی قوم سے کی تھیں' تو اس وقت آپ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾ بے شک میں ہر تکبر کرنے والے سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول ''ربکم'' میں ان کو ترغیب دینا ہے کہ وہ بھی آپ کی پیروی کریں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں' جس طرح حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''من کل متکبر'' اس لیے فرمایا تا کہ آپ کا استعاذہ فرعون وغیرہ تمام جابروں کو شامل ہو جائے اور تا کہ تعریض کے طریقہ پر ہو جائے' سو یہ زیادہ بلیغ ہے اور تکبر سے مراد حق کے لیے یقین سے تکبر چاہنا اور یہی سب سے زیادہ بدترین وقبیح ترین تکبر چاہنا ہے اور یہ روّیہ تکبر چاہنے والے کی کمینگی کی دلیل ہے اور اس کی بہت زیادہ پست ذہنی کی علامت ہے اور اس کے ظلم کی انتہاء کی دلیل ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ'' وہ متکبر حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ اس لیے کہ جب کسی آدمی میں تکبر اور یوم جزاء کی تکذیب اور آخرت سے بے نیازی جمع ہو جائیں تو اس میں بدبختی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں پر بے باکی کے اسباب مکمل ہو جاتے ہیں اور ایسا آدمی بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے [''عُذْتُ'' اور ''لُذْتُ'' ہم معنی ہیں اور ابو عمرو' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''عُذْتُ'' کی بجائے ادغام کے ساتھ ''عُتُّ'' پڑھا گیا ہے]۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

اور فرعون کی آل میں سے ایک مسلمان مرد نے کہا' جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا: کیا تم اس مرد کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا' اور اگر (بفرضِ محال) وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا' اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتا ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا' بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے بہت جھوٹ بولنے والے شخص کو ہدایت نہیں دیتا O

## فرعون کی فریب کاری اور آل فرعون کے مسلمان کی حق گوئی

۲۸ - ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ﴾ اور آل فرعون میں سے ایک مسلمان مرد نے فرمایا جو ایمان چھپاتا تھا' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قبطی قوم کا ایک آدمی تھا جو فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور وہ پوشیدہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا [اور ''مِنْ آلِ فرعون'' ''رجل'' کی صفت ہے] اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا [اور ''مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ'' ''یَكْتُمُ'' کے متعلق ہے اور اسی کا صلہ ہے] یعنی جو اپنا ایمان چھپاتا تھا وہ آل فرعون سے تھا اور اس کا نام سمعان تھا یا حبیب تھا یا خربیل یا حزبیل تھا (بعض نسخوں میں حزبیل کی بجائے حزقیل بھی لکھا

ہے )اور پہلا قول ظاہر ہے ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ ﴾ کیا تم اس آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے' اصل میں ''لِاَنْ یَّقُوْلَ'' ہے (لام تعلیل کا ہے' ترجمہ اسی کے مطابق ہے )اور یہ اس کی طرف سے بہت بڑا انکار ہے' گویا اس مسلمان مرد نے یہ کہا کہ کیا تم اس قدر بدترین فعل کا ارتکاب کرتے ہو جو کہ ایک محترم جان کا قتل ہے جسے شہید کرنا حرام اور ممنوع ہے اور تمہارے لیے اس فعل کے ارتکاب پر ماسوا کلمۂ حق کہنے کے اور کوئی سبب نہیں ہے اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ ﴿ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمہارا پروردگار بھی ہے' اکیلا اس کا پروردگار نہیں ﴿ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ حالانکہ بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے یعنی انہوں نے اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے صرف ایک دلیل کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ وہ اس ذاتِ اقدس کی طرف سے بہت سی روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے جس کی طرف ربوبیّت اور پالنے کی نسبت کی گئی ہے اور اس کا اعتراف اور اقرار کرنا ان کے لیے استدراج ہے [یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ﴾ اور اگر (بفرضِ محال) وہ جھوٹے ہوئے تو ان کے جھوٹ کا وبال انہیں پر ہوگا اور اگر وہ سچے ہوئے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا' اس آیت مبارکہ میں اس مسلمان آدمی نے ان پر تقسیم کے طریقہ پر حجت پیش کی تھی' سو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ میں دو حال سے خالی نہیں' یا تو وہ جھوٹے ہوں گے یا وہ سچے ہوں گے' پھر اگر وہ جھوٹے ہوئے تو اس کے جھوٹ کا وبال بھی صرف اسی پر ہوگا اور وہ اس سے خطاء نہیں جائے گا اور اگر وہ سچے ہوئے تو جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا بعض حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا اور اس مسلمان مرد نے ''کل الذی یعدکم'' نہیں فرمایا باوجودیکہ یہ سچ بولنے والے نبی کا وعدہ ہے' یہ محض ان پر نرمی کا رویّہ اپنانے کے لیے اور انصاف کی راہ پر چلانے کے لیے' سو اس لیے وہ چیز بیان کی جو ان کے تسلیم کرنے کے زیادہ قریب ہے اور اس میں ''کل عذاب'' پہنچنے کی نفی بھی نہیں ہے' پس گویا اس مسلمان مرد نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس کے سچے ہونے کی صورت میں کم از کم اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ دنیا کا عذاب ہے اور اس عذاب میں تمہاری ہلاکت ہوگی اور ان سے دنیا اور آخرت دونوں عذابوں کا وعدہ کیا گیا تھا اور ''کاذب'' کی ''صادق'' پر تقدیم بھی اسی قبیل سے ہے اور بعض کی ''کل'' کے ساتھ تفسیر کرنا نہایت کمزور ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے تجاوز کرنے والا اپنے دعویٰ کرنے میں بہت جھوٹ والا ہوتا ہے اور یہ بھی بدمعاملگی کے باب سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا اور اس کو ہلاک کر دے گا یا پھر اگر وہ حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو نبوت کی ہدایت عطاء نہیں فرمائے گا اور نہ اس کو واضح معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ مضبوط کرے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ آل فرعون کے مسلمان مرد نے ان کے وہم میں یہ خیال ڈال دیا کہ ''مسرف'' سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مراد لیا ہے حالانکہ وہ خود فرعون مراد لے رہے تھے ( کیونکہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرا کے ''مسرف'' اور الوہیت کا دعویٰ کر کے کذّاب بھی تھا)۔

| |
|---|
| يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ |
| اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ |

الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تم زمین پر غالب ہو' سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری کون مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آ جائے' فرعون نے کہا کہ میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جو میں درست سمجھتا ہوں اور میں تمہیں ہدایت جاری نہیں کرتا مگر بھلائی کی راہ کی O اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر پہلے گروہوں کے دن جیسا خوف ہے O جیسے قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کا دستور تھا' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا O

۲۹- ﴿ یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ ﴾ اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تمہیں غالب اور حاوی ہو [''ظاهرين''، ''لکُم'' میں ''کُم'' ضمیر مخاطب سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فِی الْاَرْضِ ﴾ مصر کی سرزمین میں ﴿ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری مدد کون کرے گا اگر وہ عذاب ہم پر آ گیا یعنی بے شک آج تم ملک مصر کے بادشاہ ہو اور تم یہاں کے تمام لوگوں پر غالب ہو اور تم ان پر حاوی ہو چکے ہو' سو تم اپنے حکومت کے معاملہ کو اپنے آپ پر خراب نہ کرلو اور تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ یعنی اس کے عذاب کے در پے نہ ہو جاؤ کیونکہ تم اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے ہو اگر وہ تم پر آ جائے اور نہ تمہیں اس سے کوئی بچا سکے گا اور آل فرعون کے اس مرد مجاہد مسلمان نے ''یَنْصُرُنَا'' اور ''جَآءَنَا'' (جمع متکلم کے فعل) بیان فرمائے' یہ محض اس لیے کہ وہ قرابت اور رشتہ داری کی بناء پر انہیں میں سے تھا اس لیے فرمایا تاکہ انہیں بتا دے اور انہیں معلوم کرا دے کہ یہ ان کا بہت بڑا خیر خواہ ہے اور یہ ان کے ساتھ اس میں شریک ہے ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی ﴾ فرعون نے کہا: میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جس کو میں درست خیال کرتا ہوں یعنی میں اپنی رائے کے ذریعے تمہیں مشورہ نہیں دیتا مگر یہی مشورہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اسے قتل کر دیا جائے یعنی اسے قتل کرنا ہی بہتر اور درست رائے ہے اور یہ جو تم اسے قتل نہ کرنے کی بات کرتے ہو یہ درست نہیں ہے ﴿ وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴾ اور میں اپنی اس رائے کے ذریعے تمہاری رہنمائی نہیں کر رہا مگر صحیح اور درست راستے کی رہنمائی کر رہا ہوں یا یہ کہ میں تمہیں نہیں بتلاتا ہوں مگر وہی جس کو میں خود درست اور صحیح جانتا ہوں اور میں اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا اور نہ میں تم سے اس کے خلاف کچھ چھپاتا ہوں جو میں ظاہر کر رہا ہوں یعنی اس کی زبان اور اس کا دل اس بات پر متفق ہیں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے' وہ صحیح ہے اور بے شک فرعون نے جو کچھ کہا' سفید جھوٹ کہا' سو وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سخت خوف محسوس کرتا تھا لیکن بہ ظاہر مضبوط اور بے پرواہ بن کر رہتا تھا اور اگر اس کو آپ سے کوئی خوف محسوس نہ ہوتا تو وہ کسی سے مشورہ نہ لیتا اور نہ وہ اس معاملہ کو مشورہ پر موقوف رکھتا۔

۳۰'۳۱- ﴿ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴾ اور جو (آل فرعون میں سے) ایمان لا چکا تھا' اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں تم پر گزشتہ گروہوں کے دن جیسا خوف محسوس کرتا ہوں یعنی ان کے دنوں جیسا [اور یہ اس لیے کہ جب اس نے ''یوم'' کو ''احزاب'' کی طرف مضاف کیا اور اس نے اپنے (درج ذیل) قول

سے ان کی تفسیر بیان کی ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد والوں کا دستور اور طریقہ جاری ہو چکا ہے) اور کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہا کہ ان میں سے ہر گروہ اور ہر امت کے لیے ہلاکت وتباہی کا الگ الگ دن تھا تو اس لیے جمع کی بجائے واحد پر اکتفاء کیا] اور کفر وشرک' تکذیب اور دیگر گناہوں کے اعمال میں ان فرعونیوں کا طریقہ اور عادت انہیں گزشتہ گروہوں اور امتوں کے طریقہ اور عادت جیسا تھا اور انہوں نے ان گزشتہ قوموں کے طریقہ اور عادت سے ہونے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی [پس مضاف کو محذوف ماننا واجب ولازم ہے''ای (مثل) جزآء دابھم''یعنی ان کے دستور کی سزا کی طرح اور دوسرا''مثل''اس لیے منصوب ہے کہ پہلے''مثل''کا عطف بیان ہے] ﴿وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے وہ اس طرح کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب دے یا وہ جس قدر عذاب کے مستحق ہوں اس سے زیادہ عذاب دے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا عین انصاف ہے کیونکہ وہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں اور یہ (درج ذیل) ارشاد''وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ○''(فصلت:۴۶) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے ظلم کے ارادے کی نفی کر دی گئی اور جو اپنے بندوں پر ہر قسم کے ظلم کے ارادہ سے دور ہے' وہ ظلم سے بہ طریق اولیٰ دور ہوگا' بہت دور اور معتزلہ کی یہ تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے ایک دوسرے پر ظلم کریں عقل وخرد سے بہت دور ہے' کیونکہ اہل لغت نے کہا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے:''لا ارید ظلما لك''تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میں تم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا' اور یہ دنیا کے عذاب سے ڈرانا ہے' پھر اس نے انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا' چنانچہ اس نے کہا کہ

وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ۚ ۖ

اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر اس دن کا ڈر ہے جب ایک دوسرے کو پکاریں گے○ اس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹ جاؤ گے' تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا' اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں○ اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف روشن نشانیاں لے کر آئے تھے' سو وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تم اس کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب وہ انتقال کر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی کو رسول بنا کر ہرگز نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے○

٣٢- ﴿ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر ایک دوسرے کو چیخ کر پکارنے کے دن کا خوف اور ڈر ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ چیخ و پکار کا دن وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں پکارنے کی حکایت بیان فرمائی کہ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ'' (الاعراف:٤٤) ''اور جنتی حضرات دوزخیوں کو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے: بے شک ہمارے پروردگار نے ہم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا تو کیا تمہارے پروردگار نے تم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ تم نے ٹھیک پالیا' وہ جواب میں کہیں گے: جی ہاں!''۔ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ○'' (الاعراف:٤٨) ''اور اعراف والے ان لوگوں کو بہ آواز بلند پکاریں گے جن کو وہ ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے: کیا تمہاری جماعت نے اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس تکبر نے تمہیں کوئی فائدہ دیا؟○''۔ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'' (الاعراف:٥٠) ''اور دوزخی جنتیوں کو بلند آواز سے پکاریں گے کہ تم تھوڑا سا پانی اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق عطا کیا ہے' اس میں سے کچھ ہم پر انڈیل دو'' اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن بہ آواز بلند پکار کر اعلان کیا جائے گا کہ خبردار ہو جاؤ! فلاں آدمی بلاشبہ ایسا سعادت مند اور نیک بخت ہو گیا ہے کہ اب اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں بنے گا' خبردار ہو جاؤ! بے شک فلاں شخص ایسا شقی اور بد بخت ہو گیا ہے کہ اس کے بعد اب کبھی وہ نیک بخت نہیں بنے گا۔

٣٣- ﴿ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ﴾ جس دن تم پیٹھ موڑ کر پھر جاؤ گے (یعنی) حساب و کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف پھر جائیں گے ﴿ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی بچانے والا اور روکنے والا اور کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہو گا ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا اور اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

٣٤- ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اور بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اس سے پہلے روشن دلیلیں لے کر تمہارے پاس تشریف لائے تھے اور بعض حضرات نے کہا: یہ حضرت یوسف بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام ہیں جو بیس سال تک ان میں نبی بن کر قیام پذیر رہے اور بعض حضرات نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون وہی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا' اس کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا کی یہاں تک کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک تک زندہ رہا اور جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ وہ کوئی دوسرا فرعون تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس معجزات لے کر تشریف لائے تھے ﴿ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ﴾ وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تو تم اس کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہے' سو تم نے اس میں شک کیا تھا اور ہمیشہ تم شاکی رہے ﴿ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ﴾ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہہ دیا: اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا' تم نے بغیر دلیل کے اپنی طرف سے خود ہی فیصلہ کر لیا یعنی تم اپنے کفر پر قائم رہے اور تم نے یہ گمان کر لیا اب تم پر نئی حجت واجب نہیں کی جائے گی ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بہت شک کرنے والا ہوتا ہے' یعنی اس گمراہی کی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی میں

چھوڑ دیتا ہے جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کرنے والا' اپنے دین میں بہت شک کرنے والا ہوتا ہے۔

الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بہت ہی ناپسند ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر' سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہےO اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید میں ان راستوں تک پہنچ جاؤںO جو آسمانوں کے راستے ہیں' پس میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ لوں اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے بُرے عمل خوش نما بنا دیئے گئے اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا' اور فرعون کی سازش تباہی میں ہی ڈال دی گئیO

۳۵- ﴿ اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ ﴾ جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں [یہ "من هو مسرف" سے بدل ہے اور اس کو اس سے بدل بنانا جائز ہے اور وہ جمع ہے کیونکہ اس سے ایک حد سے تجاوز کرنے والا مراد نہیں بلکہ ہر "مسرف" مراد ہے] ﴿ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (یعنی) ان کے رد کرنے میں اور ان کو باطل کرنے میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ ﴾ بغیر حجت اور بغیر دلیل کے ﴿ اَتٰىهُمْ ؕ ﴾ کہ ان کے پاس آئی ہو ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ ﴾ وہ (جھگڑنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بڑا قابل نفرت عمل ہے یعنی بہت بڑا ناپسندیدہ عمل ہے ["كبر" کا فاعل ضمیر ہے "من هو مسرف" میں "مَنْ" کا کلمہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے' سو بدل "الذین یجادلون" کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے اور "هو" ضمیر جو "مَنْ" کی طرف لوٹتی ہے' اسے اس کے لفظ کے اعتبار پر محمول کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "الذین یجادلون" کو ابتداء کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور اس صورت میں مضاف کو محذوف ماننا ضروری ہے' جس کی طرف "كبر" کی ضمیر راجع ہوگی اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "جدال الذین یجادلون كبر مقتا"] ﴿ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر و سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے' [اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں "قلب" تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں "قلب" تکبر اور تجبر کا موصوف ہوگا' اس لیے کہ یہی دل میں تکبر و سرکشی کا منبع و مرکز ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں: "سمعت الاذن" کانوں نے سنا اور یہ درج ذیل ارشاد کی طرح ہے: "فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ" (البقرہ:۲۸۳) "سو اس کا دل گناہ گار ہے" حالانکہ اگرچہ پورا انسان گناہ گار ہوتا ہے]۔

۳۶- ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم پر اپنا اثر و رسوخ اور اپنا رعب قائم رکھنے کے لیے یا پھر اپنی جہالت کی وجہ سے کہا کہ ﴿يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا﴾ اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند و بالا محل تیار کر اور بعض حضرات نے کہا کہ ''صرح'' اس بلند و بالا عمارت کو کہا جاتا ہے جو ہر طرف سے دیکھنے والوں کو دور سے نظر آنے لگے اور کسی بلند اور اونچے پہاڑ' ٹیلے اور درخت وغیرہ کی وجہ سے دیکھنے والے سے مخفی اور پوشیدہ نہ رہے اور اسی وجہ سے جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''صرح الشیء'' ﴿لَعَلِّيْٓ﴾ [حجازی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''لَعَلِّیَ'' ''یا'' مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] معنی یہ ہے کہ شاید میں ﴿اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ﴾ راستوں تک پہنچ جاؤں [پھر اس کی عظمت بڑھانے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہاں ایک بہت بڑے معاملہ کا قصد و ارادہ کیا گیا ہے' اس کا بدل لا کر اس کی وضاحت کی گئی]۔

۳۷- ﴿اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کے دروازوں تک یعنی آسمانوں کے راستوں اور اس کے دروازوں تک اور ہر وہ چیز جو ان کی طرف لے جائے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز تک پہنچا دے تو وہ اس کا سبب کہلائے گی جیسے رسّی اور ڈول وغیرہ ﴿فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ پس میں موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اور معنی یہ ہے کہ پس میں اس دیکھ لوں [''فاطلع'' امام حفص کی قراءت میں منصوب ہے' یہ ''ترجی (لعلی)'' کا جواب ہے کیونکہ ''ترجی'' کو ''تمنی'' کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کے نزدیک ''ابلغ'' پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے] ﴿وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾ اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں یعنی بے شک میں موسیٰ (علیہ السلام) کو اس قول میں کہ میرے علاوہ بھی اس کا کوئی معبود ہے ضرور جھوٹا گمان کرتا ہوں ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح (یعنی) اور اس زیب و زینت اور اس ممانعت کی طرح ﴿زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ﴾ فرعون کے لیے اس کا ہر برا عمل خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا (یعنی سبیلِ مستقیم سے روکا گیا) [قاری یعقوب اور کوفی قراء کے علاوہ کے نزدیک ''صدّ'' میں صاد مفتوح ہے یعنی اس کے غیر نے روک دیا یا پھر اس نے خود کو روک لیا اور مزین و آراستہ بنانے والا شیطان ہے جو اپنے وسوسوں سے آراستہ بنا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ'' (النمل:۲۴) ''اور شیطان نے ان کے لیے ان کے برے اعمال کو خوش نما بنا دیا اور انہیں راہِ راست سے روک دیا'' یا پھر خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے: ''زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ O'' (النمل:۴) ''ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر دیا' سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں O''] ﴿وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ﴾ اور فرعون کا ہر مکر و فریب صرف خسارے اور ہلاکت میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ

إِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ إِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾

اور جو ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھا دوں گا O اے میری قوم! بے شک یہ دنیاوی زندگی صرف تھوڑا سا فائدہ ہے' اور بے شک آخرت ہی دائمی گھر ہے O جو شخص بُرا کام کرے گا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی مگر اسی کے برابر اور جو نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور وہ ایمان دار ہو' سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے انہیں اس میں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو O

## آل فرعون کے مردِ مؤمن کی ایمان افروز تبلیغ

٣٨- ﴿وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ﴾ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری اتباع کرو [ابن کثیر مکی' قاری یعقوب اور سہل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں "اتبعونی" (یائے متکلم کے ساتھ) ہے] ﴿أَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ میں تمہیں رشد و ہدایت اور خیر و بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا" "رَشَادٌ"، "غَيٌّ" (گمراہ و سرکش ہونا) کا متضاد ہے اور اس کلام میں تصریح کی طرح فرعونیوں پر تعریض وطعن ہے کہ جس راہ پر فرعون اور اس کی قوم قائم ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اس مردِ مؤمن نے پہلے اجمال کے ساتھ کہا' پھر اس کی تفسیر بیان کی' سو اس نے دنیا کی مذمت اور اس کی حقیر حالت سے آغاز کیا' چنانچہ اس نے کہا:

٣٩- ﴿يٰقَوْمِ إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ﴾ اے میری قوم! بے شک یہ دنیا کی زندگی حقیر سا سامان ہے (یعنی) تھوڑا سا فائدہ ہے' سو اس میں قیام کرنا شر اور بُرائی کی جڑ ہے اور فتنوں کا سرچشمہ ہے اور جب کہ آخرت کی تعظیم کی تعریف کی گئی اور بیان کیا گیا ہے کہ بے شک یہی وطن ہے اور مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ اور بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے' پھر اس مردِ مؤمن نے دنیا کے نیک و بد اعمال کا ذکر کیا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا تاکہ انسان ان کاموں سے باز رہے جو ہلاکت و تباہی کا باعث بنتے ہیں اور ان کاموں کے لیے چست و ہوشیار اور تیار رہے' جو قرب کا باعث بنتے ہیں۔

٤٠- ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى إِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ جو شخص بُرا عمل کرے گا تو اس کو بُرائی کے برابر سزا دی جائے گی (اس سے زیادہ نہیں) اور جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری' یزید اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "يُدْخَلُوْنَ" ("یا" مضموم فعل مضارع مجہول) ہے]۔

٤١- پھر اس نے دونوں دعوتوں میں موازنہ بیان کیا' ایک اس کی اپنی دعوت جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا ہے جس کا پھل اور نتیجہ نجات ہے اور دوسری دعوت فرعون اور اس کے پیروکاروں کی تھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور کفر و شرک کرنے کی تھی' جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ أَدْعُوْكُمْ إِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ إِلَى النَّارِ﴾ اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہو [ابو عمرو بصری اور اہل حجاز کی قراءت میں "مَالِيَ" میں "یا" مفتوح ہے]۔

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ٘ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرالوں جس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں' اور میں تمہیں سب پر غلبہ رکھنے والے بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں O حق تو یہ ہے کہ بے شک تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو اس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O سو عنقریب تم اسے یاد کرو گے جواب میں تم سے کہہ رہا ہوں' اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے O

٤٢- ﴿تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ تم مجھے بلاتے ہو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں [ہدایت کی طرح دعا بھی کبھی ''الیٰ'' سے متعدی ہوتی ہے اور کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے' چنانچہ ''دعاہ الٰی کذا'' بھی اور ''دعاہ لہ'' بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ''ھداہ الی الطریق'' اور ''ھداہ لہ'' کہا جاتا ہے اور یہ پہلے ''تدعوننی'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں یعنی اس کی ربوبیت کے ساتھ' اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے گویا یوں کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جو معبود نہیں اور جو معبود نہیں اسے معبود جاننا کیسے صحیح ہوگا ﴿وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ﴾ اور میں تمہیں سب پر غالب بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں اور وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور نداء کا تکرار انہیں زیادہ سے زیادہ تنبیہ کرنا اور انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے ہے اور اس نداء میں یہ بات بھی ہے کہ یہ لوگ اس کی قوم ہیں اور یہ بھی کہ وہ آل فرعون سے ہیں اور واؤ تیسری نداء میں لائی گئی' دوسری نداء میں نہیں لائی گئی کیونکہ دوسری نداء اس کلام پر داخل ہے جو مجمل کا بیان اور اس کی تفسیر ہے بہ خلاف تیسری نداء کے۔

٤٣- ﴿لَا جَرَمَ﴾ [بصریوں کے نزدیک حرف ''لَا'' اس دعوت کی تردید کے لیے ہے جس کی طرف مرد مؤمن کی قوم نے اسے بلایا تھا اور ''جَرَمَ'' فعل بہ معنیٰ ''حَقَّ'' ہے اور ''اَنَّ''، ''مَا'' کے ساتھ اس فعل کے فاعل کی جگہ پر ہے] یعنی قوم فرعون کی دعوت کا بطلان واجب اور ثابت ہے' یہی حق ہے ﴿اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ﴾ بے شک تم مجھے صرف اس چیز کی طرف بلاتے ہو جس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں فائدہ دے گا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم مجھے جن معبودوں کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہو انہوں نے خود اپنی عبادت کی دعوت کبھی نہیں دی یعنی سچے اور برحق معبود کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ بندوں کو عبادت اور اطاعت کی طرف دعوت دے اور تم جن معبودوں کی

عبادت کی دعوت دیتے ہو وہ خود اس کی دعوت نہیں دیتے اور نہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی معبود کے لیے دعوت دینا نہ دنیا میں قبول ہوگا اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہے کہ دعوت وہ ہوتی ہے جو مقبول ہو جائے' لہٰذا جو دعوت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس کا کوئی نفع ہوگا تو وہ دعوت نہ ہونے کے برابر ہوئی یا یہ کہ استجابت کو دعوت کا نام دیا گیا ہے جس طرح جس فعل پر جزا مرتب ہوتی ہے' اسے جزاء کا نام دیا جاتا ہے' چنانچہ عرب کا مقولہ ہے: ''کما تدین تدان'' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ﴿ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) اور بے شک ہم سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا ﴿ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے (یعنی) شرک کرنے والے مشرکین ﴿ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ وہی دوزخی ہیں۔

٤٤- ﴿ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ﴾ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں عنقریب تم اسے یاد کرو گے یعنی جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے ﴿ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ انہیں اسی سے ڈرایا اور دھمکایا جاتا تھا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَمْرِىْ'' میں ''یا'' مفتوح پڑھی جاتی ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال و افعال اور ان کے انجام سے خوب آگاہ ہے کیونکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اس کو ان تمام سازشوں کی برائیوں سے بچا لیا جنہیں فرعونی اس کے خلاف تیار کرتے تھے اور فرعونیوں کو برے عذاب نے گھیر لیا ○ وہ لوگ صبح اور شام کو آگ پر پیش کیے جاتے ہیں' اور جس دن قیامت قائم ہوگی' تو (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو ○ اور جب وہ دوزخ کی آگ میں آپس میں جھگڑیں گے تو کمزور ان سے کہیں گے جنہوں نے تکبر کیا تھا کہ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم ہم سے دوزخ کے آگ کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو ○

## آل فرعون کے مؤمن کی حفاظت اور فرعونیوں کے لیے عذاب کا بیان

٤٥- ﴿ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس مرد مؤمن کو فرعونیوں کی سازشوں کی برائیوں سے بچا لیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کی سختیوں سے اور ان کے مخالف راہِ حق اختیار کرنے پر اس مرد مؤمن کو مختلف اقسام

کے عذاب دینے کے لیے ان کے بُرے ارادوں سے بچالیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بے شک آل فرعون کا وہ مردِ مؤمن (تبلیغ کرنے کے بعد ان کی سازشِ قتل محسوس کر کے) وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ میں جا کر چھپ گیا' چنانچہ فرعون نے اس کی تلاش میں تقریباً ایک ہزار افراد اس کے پیچھے بھیجے تھے' سو ان میں سے بعض کو جنگلی درندے کھا گئے اور جو ان میں سے صحیح سلامت واپس لوٹ آئے تھے انہیں فرعون نے سولی پر لٹکا دیا تھا ﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا تھا (یعنی) اور ان پر بہت بُرا عذاب نازل ہوا (کہ سب کو دریا میں ڈبو دیا گیا) اور ''حَاقَ'' بہ معنی ''نزل'' ہے۔

٤٦- ﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا﴾ ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے (یعنی) اور ان کو دوزخ کی آگ پر جلانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے' چنانچہ جب امیر وقت قیدیوں کو تلوار سے قتل کر دے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''عرض الامام الاساری علی السیف'' [''النار سوء العذاب'' سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے گویا پوچھا گیا کہ ''سوء العذاب'' کیا ہے تو جواب میں کہا گیا: ''هُوَ النَّارُ'' وہ آگ ہے' یا پھر یہ خود مبتدا ہے اور اس کی خبر ''یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا'' ہے] ﴿غُدُوًّا وَّعَشِیًّا﴾ صبح اور شام کو یعنی انہیں ان دو وقتوں میں دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے درمیانی عرصہ میں یا کسی دوسری جنس کا عذاب دیا جاتا ہے یا اس دوران ان سے بالکل عذاب دور کر دیا جاتا ہے اور آرام کی مہلت دی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن اور جائز ہے کہ صبح اور شام سے دائمی عذاب مراد ہو اور یہ عذاب تو انہیں دنیا (عالمِ برزخ) میں دیا جاتا ہے ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن دوزخ کے محافظ فرشتوں سے کہا جائے گا: ﴿اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ تم فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو یعنی دوزخ کے عذاب میں' اور یہ آیت مبارکہ عذابِ قبر کی دلیل ہے[1] [نافع مدنی' حمزہ کوفی' علی کسائی' حفص' خلف اور یعقوب کی قراءت

---

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی' تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ''وفیه دلیل علی بقاء النفس وعذاب القبر وقد دلت الاحادیث علیه وانعقد علیه الاجماع'' اور یہ آیت مبارکہ قبر کے عذاب اور روح کی بقاء پر دلیل ہے اور عذابِ قبر پر بہت سی حدیثیں دلالت کرتی ہیں اور اس پر اجماعِ امت قائم ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱-۲۶۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے بہت بڑی دلیل ہے' پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۴ ص ۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ الشیخ اسماعیل الحقی الحنفی لکھتے ہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسانی روح کو بقاء اور عذابِ قبر حق ہے کیونکہ ''عرض'' (دوزخ پر پیش کیا جانا) منجملہ عذاب سے ایک ہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ قیامت میں ہوگا' اس لیے کہ قیامت کا ذکر تو بعد میں ''ویوم تقوم الساعة الخ'' میں ہے۔ (تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۴' ص ۲۰۵' مکتبہ اویسیہ' بہاولپور)

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کا ثبوت

نوٹ: عذابِ قبر سے برزخ کا عذاب مراد ہے یعنی مرنے کے بعد سے قیامِ قیامت تک خواہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جائے یا سولی پر لٹکا کر چھوڑ دیا جائے یا پانی میں ڈبو دیا جائے یا اسے کوئی جانور کھا جائے' بہر حال اللہ تعالیٰ جسے عذاب دینا چاہے گا اسے عذاب ہوگا' چونکہ اکثر و بیشتر مُردوں کو قبروں میں دفن کیا جاتا ہے' اس لیے عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ''اَدْخِلُوْا'' (ہمزہ قطعی اور ''خا'' مکسور کے ساتھ باب افعال) ''ادخال'' سے پڑھا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں (ہمزہ وصل اور ''خا'' مضموم باب نصر ینصر سے) ''اُدْخُلُوْا'' پڑھا گیا ہے] یعنی ان (فرعونیوں) سے کہا جائے گا کہ ''اُدْخُلُوْا یَا'' ('ال فرعون اشد العذاب) ''اے فرعونیو! تم سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل ہو جاؤ یعنی دوزخ کے عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

٤٧- ﴿وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ﴾ ''(و) اذکر وقت تخاصمھم'' ﴿فِی النَّارِ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب وہ (فرعونی) دوزخ کی آگ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے ﴿فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا﴾ سو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جنہوں نے (دنیا میں) تکبر کیا تھا یعنی رئیسوں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے [''تبعا'' ''تابع'' کی جمع ہے' جیسے ''خدم'' ''خادم'' کی جمع ہوتی ہے]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے جسموں میں ہر روز دو مرتبہ صبح وشام دوزخ کی آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے: اے آل فرعون! یہ تمہارا ٹھکانا اور اصلی مقام ہے اور یہ معمول ان کے ساتھ یوں ہی جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(۲) حضرت قتادہ' مقاتل' سدی اور کلبی نے بیان فرمایا کہ جب تک دنیا قائم ہے' روزانہ صبح وشام ہر کافر کی روح کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو صبح وشام اس پر اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے' اگر وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے تو جنتی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اگر دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے تو دوزخی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس کی طرف لے جانے کے لیے اٹھائے گا۔ (بخاری ومسلم)

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۹۹' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۸۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

(۴) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا: عذابِ قبر سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں' اس پر حضرت صدیقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! عذابِ قبر حق ہے' فرماتی ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(۵) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں کہیں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں اور مؤمنوں کی روحیں چڑیاؤں کے قالب میں ہوتی ہیں اور جہاں وہ چاہتی ہیں جنت میں چگتی رہتی ہیں اور عرش کے تلے قندیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴' اُردو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(۶) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ایذاء اور دُکھ دینے سے باز رہتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۷) حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(تفسیر روح البیان اُردو' پارہ: ۲۴' ص ۲۰۵' مطبوعہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ﴾ سو کیا تم ہم سے دوزخ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو۔ "مغنون" بہ معنی "دافعون" ہے "نصیبا" بہ معنی "جزءًا" ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ ع

ع ۱۰

جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب اس میں ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہےO اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دےO وہ کہیں گے: اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح معجزات لے کر نہیں آئے تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! وہ آئے تھے' فرشتے کہیں گے: پھر تم خود دعا کرو' اور کافروں کی ایسی کوئی دعا نہیں ہوگی مگر وہ ضائع ہو گیO

٤٨- ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ﴾ تکبر کرنے والے سردار کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں یعنی ہم سب کے سب اس میں ہیں کوئی کسی کے کام نہیں آ سکتا ["کـــل" میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل میں "کُلُّنَا" ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یقیناً یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی لوگ دوزخ میں چلے جائیں۔

٤٩- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾ اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے منتظم و محافظ فرشتوں سے کہیں گے (یعنی) دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے نگران فرشتوں سے کہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے "لخزنتها" ضمیر کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا' اس لیے جہنم کے ذکر سے اس کی ہولناکی' خوفناکی اور اس کی گھبراہٹ کا اظہار مقصود ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ جہنم کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ دوزخ کا سب سے بہت دور گڑھا ہے' جیسے اہل عرب کا قول ہے کہ "جهـنَّـام" بہت دور گڑھا ہے اور کفار میں سب سے زیادہ نافرمان سرکش کفار اس دوزخ میں ڈالے جائیں گے' سو شاید جو فرشتے ان کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں' وہ ان کی پکار کا اس لیے جواب دیں گے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ حاصل ہوگا' پس اس لیے دوزخی دعا مانگنے کے لیے انہیں کی طرف قصداً متوجہ ہوں گے ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ دنیا کے دن کے برابر ایک دن کا عذاب ہم سے ہلکا کر دے۔

٥٠- ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہیں گے یعنی دوزخ کے نگران فرشتے طویل اور لمبے عرصہ کے بعد انہیں ڈانٹتے ہوئے جواب دیں گے اور کہیں گے: ﴿اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ﴾ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں آئے تھے یعنی کیا یہ قصہ نہیں ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر تشریف لاتے رہے۔ "تــاتيك رســلكم" قصہ کی تفسیر ہے ﴿قَالُوْا بَلٰى ۭ﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: کیوں نہیں! جی ہاں وہ تشریف لائے تھے ﴿قَالُوْا﴾ نگران فرشتے کہیں

گے یعنی نگران فرشتے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے ان سے کہیں گے: ﴿ فَادْعُوْا ﴾ سو تم خود دعا مانگو لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی ﴿ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ اور کافروں کی دعا تو صرف ضائع ہوتی ہے یعنی باطل ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ دوزخ کے منتظم و نگران فرشتوں کا کلام ہو۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے اور ایمان والوں کی بھی دنیا کی زندگی میں اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے O جس دن ظالموں کو ان کا عذر فائدہ نہیں دے گا اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو رہنمائی عطا فرمائی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا O جو عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O

## اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان

۵۱- ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مسلمانوں کی ضرور مدد کریں گے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے یعنی دنیا اور آخرت میں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دونوں جہانوں میں حجت و دلیل اور اپنے دشمنوں پر فتح و کامیابی کے ساتھ مدد کرتا رہے گا اور ان کو دشمنانِ دین پر غلبہ عطا فرمائے گا' اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان لینے کی غرض سے بعض اوقات انہیں مغلوب بھی کیا جائے گا' لیکن انجام کار اہلِ حق کے لیے بہتر ہوگا' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تیار کرے گا جو ان کے دشمنوں سے انتقام لیں گے اور وقتی شکست کا بدلہ لیں گے اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہوگا [''یوم'' منصوب ہے اور یہ جار اور مجرور کی جگہ پر محمول ہے جیسا کہا جاتا ہے: ''جئتك في امس واليوم'' اور ''الاشهاد'' ''شاهد'' کی جمع ہے جیسے ''اصحاب'' ''صاحب'' کی جمع ہے اور رازی نے ہشام سے ''تا'' کے ساتھ ''تقوم'' کی قراءت نقل کی ہے] اور ''الاشهاد'' سے مراد انبیاء اور محافظ فرشتے ہیں کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام تو اللہ رب العزۃ کی بارگاہ میں کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی اور حق کو جھٹلانے کی گواہی دیں گے اور محافظ فرشتے ہر انسان کے اعمال پر گواہی دیں گے جو اس نے کیے ہوں گے۔

۵۲- ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ اس روز ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہیں دے گا یعنی ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا [یہ ''یوم یقوم'' سے بدل ہے اور نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں (''یا'' کے ساتھ) ''لا ینفع'' ہے] ﴿ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ اور ان کے لیے لعنت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے (ظلم و ستم کی بناء پر) دور اور محروم کر دیئے گئے ہیں ﴿ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ اور ان کے لیے بُرا گھر ہے یعنی ان کے لیے آخرت کا گھر بہت بُرا ہے اور وہ وہاں کا عذاب مراد ہے۔

۵۳- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رہنمائی عطا فرمائی۔ اس سے وہ تمام تعلیمات مراد ہیں جو آپ کو دین کے بارے میں معجزات اور تورات شریف اور دیگر اسلامی احکام وقوانین کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں ﴿ وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا یعنی تورات اور انجیل اور زبور کا کیونکہ کتاب اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

۵۴- ﴿ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے یعنی گواہی دینے اور یاد دہانی کرانے کے لیے ہے [ان دونوں کا منصوب ہونا مفعول لہ کی بناء پر ہے یا پھر حال کی بناء پر ہے]۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی امت کی مغفرت کی دعا کیجئے اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئےO بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے سینوں میں سوائے تکبر کے کچھ نہیں جب کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں' سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ ہر ایک کی سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہےO آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے ضرور بہت بڑی ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO

## کفار کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم

۵۵- ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ سو اے محبوب! آپ ان مصائب وآلام اور غموں پر صبر کیجئے جو آپ کی قوم آپ کو پہنچاتی ہے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یعنی آپ کے کلمہ اور دین کو بلند و برتر کرنے اور آپ کی مدد کرنے کا میرا وعدہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ برحق اور سچا ہے (ضرور پورا ہوگا) ﴿ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ﴾ "ای لذنب امتك" یعنی اور آپ اپنی امت کے گناہوں کی بخشش مانگئے ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴾ اور آپ صبح وشام اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی آپ اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کی حمد وثناء کی ہمیشہ پابندی کیجئے اور اس پر ہمیشہ قائم رہیے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شام سے عصر کی نماز اور صبح سے فجر کی نماز مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ "سبحان الله وبحمده" کہا کریں۔

۵۶- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو [اس پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ "اِنَّ" کی خبر درج ذیل ارشاد

ہے:] ﴿ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ ﴾ ان کے سینوں میں صرف تکبر اور غرور ہے اور وہ آگے بڑھنے اور سب سے بڑا سردار بننے کا ارادہ کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ ان سے بڑھ کر کوئی نہیں' سو اس لیے وہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ سے عداوت ودشمنی رکھتے ہیں اور آپ کی آیات کو رڈ کرتے ہیں' یہ سب کچھ محض اس خوف اور ڈر سے کرتے ہیں کہ کہیں آپ ان سے آگے نہ بڑھ جائیں اور وہ آپ کے ماتحت نہ ہو جائیں اور وہ آپ کے حکم کے تابع نہ ہو جائیں کیونکہ ہر بادشاہ اور سردار نبوت کے ماتحت ہوتا ہے یا وہ حسد اور بغاوت کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ آپ کی بجائے نبوت ان کے لیے ہو جائے اور اس پر درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے: ''لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ'' (الاحقاف:١١) ''اگر اس میں بھلائی ہوتی تو یہ (مسلمان) ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت کر کے نہ پہنچتے'' یا وہ جھگڑا کر کے آیات کو رڈ کرنا چاہتے ہیں ﴿ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ﴾ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی) وہ تکبر وغرور کر کے مقتضاء اور اس کے موجب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس کا تعلق نبوت وحکومت اور سرداری چاہنے کے ساتھ ہے' یا آیات کو دفع کرنے کا ارادہ کرنا ہے ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے (یعنی) پس آپ ہر اس شخص کے مکر وفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے جو آپ سے حسد اور کینہ رکھتا ہے اور آپ سے بغاوت وسرکشی کرتا ہے ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ ﴾ بے شک وہ سب کچھ سننے والا ہے' جو کچھ آپ کہتے ہیں اسے بھی اور جو کچھ کفارِ مکہ کہتے ہیں اسے بھی وہ خوب سنتا ہے ﴿ الْبَصِيرُ ﴾ سب کچھ دیکھنے والا ہے' جو آپ عمل کرتے ہیں اسے اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں انہیں بھی وہ خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ ان پر آپ کی مدد ضرور کرے گا اور وہ آپ کو ان کے شر سے ضرور بچائے گا۔

٥٧- ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ جب کفارِ مکہ کا اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرنا مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار پر مشتمل تھا اور یہی جھگڑے کی اصل اور اس کی بنیاد تھی تو ان پر آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے حجت قائم کی گئی' اس لیے کہ وہ اس بات کا اقرار اور اعتراف کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو جو اتنے بڑے بڑے اجسام کی تخلیق پر قادر ہے وہ کمزور انسان کی تخلیق پر بطریق اولیٰ قادر ہے ﴿ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کیونکہ وہ ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتے اس لیے کہ ان پر غفلت غالب ہوتی ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
لَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا
وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ
إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ ع ٦ ١١

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جو بُرے کام کرنے والا ہے برابر نہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو○ بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے○ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' بے شک جو

لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے O

٥٨- ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا اور ایمان دار اور نیک لوگ اور برا آدمی برابر نہیں ہو سکتے [''لا'' زائدہ (تحسین کلام کے لیے) ہے] ﴿قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو [اہل کوفہ کی قراءت میں دو تاؤں کے ساتھ (فعل مخاطب) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ایک ''یا'' اور ایک ''تا'' کے ساتھ (فعل جمع مذکر غائب) ''یتذکرون'' اور ''قلیلًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے' اصل میں ''تذکرًا قلیلا یتذکرون'' ہے اور ''ما'' زائدہ ہے]۔

٥٩- ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا﴾ بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں' اس کا آنا ضروری اور لازمی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے' اس لیے کہ اعمال پر جزاء ضروری اور لازمی ہے تاکہ مخلوق کی تخلیق صرف فنا کے لیے نہ ہو جائے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے یعنی اس کے آنے کی تصدیق نہیں کرتے۔

٦٠- ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: مجھ سے دعا مانگو (یعنی) صرف میری عبادت کرو ﴿اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ میں تمہارے لیے (تمہاری دعا اور عبادت کو) قبول کرلوں گا اور میں اس پر تمہیں ثواب عطا کروں گا' سو دعا عبادت کے معنی میں قرآن مجید میں بہت جگہ استعمال ہوئی ہے' اس پر (درج ذیل) یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ﴾ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر و غرور کرتے ہیں ﴿سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ﴾ وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''الدعآء هو العبادة'' دعا عبادت ہی ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب ہے: تم مجھے واحد اور یکتا مانو' میں تمہیں بخش دوں گا اور یہ دعا کی عبادت کے ساتھ تفسیر ہے' پھر عبادت کی توحید کے ساتھ تفسیر ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے طلب کرو اور جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''سَيُدْخَلُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿دٰخِرِيْنَ﴾ ذلیل ہو کر ''داخرین'' بہ معنی ''صاغرین'' ہے یعنی ذلیل و خوار اور رسوا ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے O وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' تو تم کہاں بھٹکتے جا رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھٹکتے پھر رہے

تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے O

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کا بیان

٦١- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا [یہ ''نہار'' کی ''مبصرا'' کی طرف مجازی اسناد ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں دیکھنا تو دن والوں کے لیے ہوتا ہے ''لیل'' کو مفعول لہ کے ساتھ اور ''نہار'' کو حال کے ساتھ ملایا گیا ہے اور نہ تو دونوں حال ہیں اور نہ دونوں مفعول لہ ہیں' یہ محض مقابل کے حق کی رعایت کے لیے کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مقابل ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرتا ہے اور اس لیے اگر یوں کہا جاتا کہ ''لِتُبْصِرُوْا فِیْهِ'' تو وہ فصاحت فوت ہو جاتی جو مجازی اسناد میں ہے اور اگر ''سَاكِنًا'' کہا جاتا تو حقیقت مجاز سے ممتاز نہ ہوتی کیونکہ ''لیل'' سکون کے ساتھ حقیقتاً موصوف ہوتی ہے کیا تم اہل عرب کے اس قول کو نہیں دیکھتے ہو: ''لیل ساج؟ وساکن لاریح'' (کیا) رات دیوار ہے؟ حالانکہ ساکن وجامد ہے ہوا نہیں ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''لمفضل'' یا ''لمتفضل'' نہیں فرمایا اس لیے کہ ''فضل'' سے عموم (نکرہ) مراد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا فضل کرتا ہے کہ کوئی فضل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ بے شک صرف نسبت سے حاصل ہوتا ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴾ اور لیکن بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ'' نہیں فرمایا تا کہ ''الناس'' کے ذکر کا دوبارہ تکرار لازم نہ آئے' اس لیے کہ اس تکرار میں ان کے کفرانِ نعمت کی تخصیص مراد ہے اور بے شک یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کی ناشکری کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ O'' (الحج:٦٦) ''بے شک انسان البتہ بہت ناشکرا ہے O'' ایک اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ O'' (ابراہیم:٣٤) ''بے شک انسان بڑا ظالم ہے بہت ناشکرا ہے O''۔

٦٢- ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ وہی تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے دن اور رات کو پیدا کیا ﴿ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' یہ مترادف خبریں ہیں یعنی وہ ان اوصاف کا جامع ہے' الوہیت' ربوبیت' ہر چیز کی تخلیق اور وحدانیت کا ﴿ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴾ سو تم کیونکر' کیسے اور کس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ کر بتوں کی عبادت کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

٦٣- ﴿ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ اسی طرح وہ لوگ پھیرے جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتا اور وہ حق کو طلب نہیں کرتا اسے ایسے ہی پھیرا جاتا ہے جیسا کہ ان کو پھیرا گیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اس نے تمہاری صورتوں کو سب سے اچھا بنایا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا' وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے○ وہ (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم اسی کی عبادت کرو جب کہ تم اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلو' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے○ فرمادیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پالنے والے کے حضور میں گردن جھکادوں○

---

٦٤- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ (یعنی) ٹھکانا بنایا اور آسمان کو تمہارے اوپر چھت بنایا ﴿ وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں' سو اس نے تمہاری صورتیں سب سے اچھی بنائیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شکل وصورت سے زیادہ اچھی شکل وصورت کسی جان دار کی نہیں بنائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چوپایوں کی طرح حالت رکوع کی مثل جھکا ہوا اور منحنی نہیں بنایا ﴿ وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور اس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا کیا ہے (یعنی) کھانے کی لذیذ ومزے دار چیزیں عطا کیں ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

٦٥- ﴿ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ ﴾ وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم اسی سے دعا مانگا کرو (یعنی) پس تم اسی کی عبادت کرو' "فادعوہ" بہ معنیٰ "فاعبدوہ" ہے ﴿ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے یعنی عبادت کو شرک اور ریاء ودکھاوے سے خالی اسی کے لیے خالص کرو یہ کہتے ہوئے کہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جو شخص "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے تو اس کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اسے ضرور کہنا چاہیے۔

٦٦- اور جب کفار نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بتوں کی عبادت کا مطالبہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں اور وہ قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ عقل اور وحی ہے ﴿ وَاُمِرْتُ

اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے گردن جھکا دوں (یعنی) میں اطاعت گزار رہوں اور فرماں بردار بن کر رہوں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿٦٨﴾

ع ۷ ١٤

وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تمہیں بچہ (بنا کر ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے' پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ' پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ' اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے وفات دے دی جاتی ہے اور تا کہ تم ایک مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ تا کہ تم عقل سے کام لوO وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' سو جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہےO

٦٧- ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ﴾ وہی ہے جس نے تمہیں یعنی تمہاری اصل کو پیدا کیا ﴿ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ مٹی سے' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے شکم سے) نکالتا ہے ["طفلا" کہہ کر واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے جنس کا بیان مراد ہے] ﴿ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ﴾ پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ [یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:] "(ثم) یبقیکم (لتبلغوا)" پھر وہ تمہیں زندہ باقی رکھتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ اور اسی طرح ﴿ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ﴾ پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ [ابن کثیر' حمزہ کوفی' علی کسائی' حماد' یحییٰ اور اعشیٰ کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ "شِیُوْخًا" پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ اور تم میں سے کچھ لوگ اس سے پہلے فوت کر دیئے جاتے ہیں یعنی جوانی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے یا بڑھاپے سے پہلے ﴿ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى ﴾ اس کا معنی یہ ہے: اور یہ تمہارے ساتھ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ تم مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ اور وہ موت کا وقت ہے یا قیامت کا دن مراد ہے ﴿ وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ اور تا کہ تم عقل سے کام لو اور اس میں جو عبرتیں اور دلیلیں ہیں ان کو سمجھو۔

٦٨- ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی ہے' پھر جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے فوری طور پر بہت جلد اس کو بنا لیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ

فِيٓ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسۡحَبُوۡنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِي الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾
ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ۙ﴿۷۳﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا
عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـئًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۴﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں' کہاں پھیرے جاتے ہیںO جنہوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا' سو عنقریب وہ جان لیں گےO جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیروں کے ساتھ' انہیں گھسیٹا جائے گاO کھولتے ہوئے پانی میں' پھر انہیں دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گاO پھر ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک ٹھہراتے تھےO اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں' وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے گم ہوگئے بلکہ ہم تو پہلے سے ہی کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کردے گاO

## کتب الٰہی کے منکروں کی سزا کا بیان

٦٩- ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ اس سورت میں جھگڑے کا تین جگہ ذکر کیا گیا ہے' پس اس لیے یہ جائز ہے کہ یہ تین قوموں کے بارے میں ذکر کیے گئے ہوں یا یہ تین قسموں کے جھگڑے ہوں یا ایک ہی جھگڑا مراد ہو لیکن اس کی بار بار تاکید کی گئی ہو۔

٧٠- ﴿ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ ﴾ ان لوگوں نے کتاب کو جھٹلا دیا (یعنی) قرآن مجید کو جھٹلا دیا ﴿ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ ﴾ اور (انہوں نے) اسے بھی جھٹلا دیا جس کے ساتھ ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تھا (یعنی) سابقہ کتب کو بھی جھٹلا دیا تھا ﴿ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ سو عنقریب وہ جان لیں گے۔

٧١'٧٢- ﴿ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِيۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ﴾ کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے [''اذ'' ظرف زمان ماضی ہے اور یہاں اس سے مستقبل مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فسوف یعلمون'' پس عنقریب وہ جان لیں گے' اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ مستقبل کے اُمور کی خبر دیتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے' اس لیے اسے ماضی کے لفظ ''ما کان'' اور ''وجد'' کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور معنی مستقبل مراد ہوتا ہے] ﴿ وَالسَّلٰسِلُ ؕ ﴾ اور زنجیروں میں جکڑے ہوں گے [یہ ''الاغلال'' پر معطوف ہے اور ''فی اعناقهم'' خبر ہے] اور معنی یہ ہے: کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوں گی ﴿ يُسۡحَبُوۡنَ ۙ فِي الۡحَمِيۡمِ ۙ ﴾ ان کو سخت گرم اور کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا ﴿ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ﴾ پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ ''یسجرون'' ''سجر التنور'' سے لیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور ایندھن سے بھر جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں جب دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ آگ میں گھر جائیں گے' ان کے پیٹ آگ سے بھر جائیں گے اور پُر ہو جائیں گے۔

٧٣'٧٤- ﴿ ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے کہ ﴿ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ۙ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ تمہارے وہ کہاں ہیں جن کو تم شریک ٹھہراتے تھےO جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے یعنی وہ بت جن

کی تم عبادت کرتے تھے ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ کہیں گے: وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں اور وہ ہماری آنکھوں سے چھپ گئے ہیں' سو ہم انہیں نہیں دیکھتے اور ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے ﴿بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا﴾ بلکہ ہم تو اس سے پہلے ہی ان کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی ہمارے لیے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بے شک وہ بت کچھ نہیں اور نہ ہم ان کی کچھ عبادت کرتے تھے' جیسے تم کہو کہ میں نے فلاں آدمی کو گمان کیا کہ وہ کوئی چیز ہے' سو اچانک معلوم ہوا کہ وہ کچھ نہیں' یہ اس وقت کی بات ہے جب تم اس کے بارے میں خبر دو لیکن تم اس کے پاس کوئی بھلائی نہ پاؤ ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کر دے گا (یعنی) جس طرح ان کے معبودان سے گم ہو جائیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پجاری کافروں کو ان بتوں سے گم کر دے گا یہاں تک کہ اگر کفار اپنے معبودوں کو تلاش کریں گے یا ان کے معبودان کفار کو تلاش کریں گے تو ایک دوسرے کو مل نہیں سکیں گے یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھگڑنے والوں کو گمراہ کر دیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ باقی کافروں کو بھی گمراہ کر دے گا' ان میں سے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی معلوم ہے کہ وہ دین پر گمراہی کو پسند کریں گے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾
اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

یہ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہو کر اتراتے تھے اور اس لیے تم اکڑتے تھے○ تم دوزخ کے دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' سو تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے○ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دے دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو (پھر بھی) وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے○

---

۷۵- ﴿ذٰلِكُمْ﴾ (یعنی) وہ عذاب جو تم پر نازل کیا جائے گا تو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اکڑتے اور غرور کرتے تھے (یعنی) اس کا سبب یہ ہے کہ تم ناحق خوش ہوتے اور اکڑتے تھے اور وہ شرک اور بتوں کی عبادت کرنا مراد ہے' چنانچہ ان سے کہا جائے گا:

۷۶- ﴿اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ تم دوزخ کے ان ساتوں دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے تقسیم کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ○" (الحجر:۴۴) "اس کے سات دروازے ہیں ان میں سے ہر دروازہ کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے○" ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی) ان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ سو حق سے تکبر کرنے والوں کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہے اور وہ جہنم ہے۔

٧٧- ﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ کفار کو ہلاک کر دیا جائے گا برحق ہے' سچا ہے ضرور پورا ہوگا ﴿ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ پس اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں (تو پھر بھی انہوں نے ہمارے پاس ہی لوٹ آنا ہے)["فاما نرينك" کی اصل "فَاِنْ نُرِكَ" اور "مَا" زائدہ ہے شرط کے معنی کی تاکید کے لیے ہے اور اسی لیے تو فعل کے آخر میں نون لاحق کیا گیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم "ان تكرمني اكرمك" نہیں کہتے ہو لیکن "اما تكرمني اكرمك" کہتے ہو] ﴿ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴾ سو انہیں ہماری طرف لوٹایا جائے گا [یہ جزاء ہے جو "نتوفينك" کے ساتھ متعلق ہے اور "نرينك" کی جزاء محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "فاما نرينك بعض الذی نعدهم فذاك"] سو اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ بدر کے دن ان کا قتل ہو جانا ہے تو یہی ہوگا یا اگر ہم آپ کو غزوۂ بدر کے دن سے پہلے وفات دے دیں تو قیامت کے دن انہیں پھر بھی ہمارے پاس ہی لوٹایا جانا ہے' سو ہم اس دن ان سے سخت ترین انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝٧٨ ع

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ان میں سے بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا' اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے' سو جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت باطل والے نقصان اٹھائیں گے 〇

٧٨- ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ہے (یعنی) انہیں آپ سے پہلے اپنی اپنی امت کی طرف بھیجا گیا تھا ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ ﴾ ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیئے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیے' بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں' چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے اور چار ہزار نبی باقی لوگوں میں سے بھیجے گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی نبی بنا کر بھیجا' سو قرآن مجید میں جن انبیائے کرام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے انہیں میں سے یہ بھی ہے[1] ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

---

[1] علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شرح المقاصد میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے' پھر میں نے عرض کیا: رسل کرام کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔ علمائے اسلام نے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ انبیائے کرام کی گنتی کے متعلق تعین نہ کیا جائے' اس لیے کہ خبر واحد اپنی جملہ شرائط کے باوجود صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے' وہ بھی صرف فروع (احکام و مسائل) میں فائدہ دیتی ہے' عقائد میں فائدہ نہیں دیتی۔

(تفسیر روح البیان مترجم' پارہ: ٢٤' ص ٥٧٥' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی معجزہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش کرے۔ کفار مکہ کی طرف سے تعصب وعناد کی بناء پر من پسند معجزات طلب کرنے پر یہ جواب دیا گیا ہے یعنی بے شک ہم نے بہت سے رسولوں کو دنیا میں بھیجا اور ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے سو پھر میرے لیے کیسے جائز ہوگا کہ میں تمہارے دل پسند معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کروں جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہو اور وہ اسے پیش کرنے کی مجھے اجازت دے دے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا یعنی قیامت کا دن اور کفار مکہ کے معجزات طلب کرنے کے بعد یہ ان کی تردید اور وعید (دھمکی) ہے ﴿قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ حق کے ساتھ سچا فیصلہ کیا جائے گا اور وہاں اس روز باطل پرست خسارے اور نقصان میں رہیں گے (یعنی) بغض وعناد رکھنے والے کفار جنہوں نے اپنی پسند کے معجزے کا مطالبہ کیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸۲

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تا کہ ان میں سے بعض پر تم سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ○ اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں اور تا کہ ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے○ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے○ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا' وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زیادہ سخت تھے اور زمین میں عمارتیں بنانے میں زیادہ سخت تھے' سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا○

## اللہ تعالیٰ کے انعامات اور منکروں کے انجام بد کا بیان

۷۹۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے (یعنی) اونٹ پیدا کیے "جعل" بہ معنی "خلق" ہے ﴿لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تا کہ تم ان سے کسی پر سوار ہو اور ان سے کسی کو کھاؤ یعنی تا کہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاؤ۔

۸۰۔ ﴿وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ﴾ اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں یعنی دودھ' اون اور چمڑے وغیرہ ﴿وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ﴾ اور تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہوتی

ہے یعنی تا کہ تم ان پر سوار ہو کر ان اُمور و مقاصد تک پہنچ سکو جن کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے ﴿وَعَلَيْهَا﴾ اور ان پر (یعنی) ان جانوروں پر ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾ اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو یعنی تم صرف اکیلے اونٹوں پر سوار نہیں ہوتے بلکہ تم جنگلوں اور صحراؤں میں اور خشکی کے سفر میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتیوں میں سوار ہوتے ہو۔

٨١- ﴿وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ﴾ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں [اور "ایَّ" "تنکرون" کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ مشہور و معروف لغت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور تمہارا یہ قول کہ "فایۃ آیات اللّٰہ" بہت کم استعمال ہوتا ہے' اس لیے کہ مذکر اور مؤنث میں فرق صرف اسماء میں ہوتا ہے صفات میں نہیں جیسے "حمار" کی مؤنث "حمارۃ" غریب ہے اور یہ "ایّۃ" میں زیادہ غریب ہے کیونکہ یہ مبہم ہے]۔

٨٢ - ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ﴾ "عَـدَدًا" تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ غور سے دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا' وہ لوگ تو تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھے ﴿وَأَشَدَّ قُوَّةً﴾ "بَـدَنًا" اور وہ لوگ بدنی اور جسمانی قوت و طاقت میں قریش مکہ سے زیادہ سخت تھے ﴿وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ﴾ اور وہ زمین میں مکانات و محلات اور پانی جمع کرنے کے لیے حوض تعمیر کرنے کے لیے بہت سخت محنتی تھے ﴿فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ سو ان کو ان چیزوں نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جو وہ کمایا کرتے تھے ["فما اغنی عنهم" میں حرف "ما" نافیہ ہے]۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَ
حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا
بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ ع ٧ / ١٤

سو جب ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اسی پر خوش رہے جو دنیا کا علم ان کے پاس تھا اور ان کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو ایک ہے اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کر دیا جن کو ہم شریک ٹھہراتے تھے O سو ان کے ایمان نے انہیں اس وقت فائدہ نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو یقیناً اس کے بندوں میں گزر چکا ہے' اور وہاں اس وقت کفار نقصان میں رہے O

٨٣- ﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ پھر جب ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور روشن دلائل لے کر آئے تو وہ دنیا کے اسی علم پر خوش رہے جو ان کے پاس تھا۔ ان کے علم سے دنیا کے معاملات کا علم اور ان معاملات کو بروئے کار لانے کے لیے تدبیر اختیار کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کی معرفت مراد ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ O" (الروم:٧)

''وہ دنیا کی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل ہی غافل اور بے خبر ہیں O'' پھر جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دینیات کے علوم لائے اور یہ علوم ان کے علم سے بہت دور تھے کیونکہ وہ دنیا کو ترک کرنے اور خواہشات اور لذت کی چیزوں سے باز آنے کی ترغیب دیتے تھے تو اس لیے انہوں نے ان علوم کی طرف توجہ نہیں دی اور انہوں نے ان علوم کو حقیر قرار دیا اور انہوں نے ان کا مذاق اڑایا اور یقین کر لیا کہ ان کے دنیاوی علم سے زیادہ کوئی علم فائدہ اور نفع دینے والا نہیں ہے' سو وہ اس پر خوش ہو گئے یا پھر فلاسفہ اور دھریوں کا علم مراد ہے کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی کو سنا تو انہوں نے اس کو رڈ کر دیا اور انہوں نے اپنے علم کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے علم کو حقیر جانا اور سقراط کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق سنا اور اس سے کہا گیا: کاش! تم ان کی طرف ہجرت کر کے جاتے اور ان کے علم سے مستفید ہوتے تو اس نے کہا کہ ہم خود مہذب قوم ہیں' ہمیں کسی ایسے شخص کی حاجت اور ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب کی تعلیم دے یا یہ مراد ہے کہ وہ رسولوں کی تعلیمات پر ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے کی خوشی کی طرح خوش ہوئے' گویا کہا کہ تم رسولوں کے معجزات کا مذاق اُڑاؤ اور وہ جو کچھ وحی کا علم لے کر آئے ہیں' اس کا مذاق اڑاؤ جب کہ وہ اس پر خوش ہوتے اور اکڑتے تھے اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کو اس چیز نے گھیر لیا تھا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یا پھر رسولوں کی خوشی مراد ہے یعنی جب رسولوں نے ان کی جہالت کو اور حق کا مذاق اڑانے کی ان کی روش کو دیکھا اور انہوں نے ان کے بُرے انجام کو جان لیا اور ان کی جہالت اور مذاق اڑانے پر انہیں جو سزا ملے گی اس کو جان لیا تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہوئے جو انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا گیا اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جب کہ کافروں کو ان کی جہالت اور مذاق اڑانے کی سزا نے گھیر لیا۔

۸۴- ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو (یعنی) ہمارے عذاب کی سختی کو دیکھا ﴿قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ﴾ تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور جن چیزوں کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے' ان کا ہم نے انکار کر دیا ہے۔

۸۵- ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انہیں کچھ فائدہ اور نفع نہ دیا یعنی ان کے ایمان کا ان کو نفع دینا صحیح اور درست نہ ہوا (کیونکہ یاس اور ناامیدی کے وقت ایمان لانا قابل قبول نہیں) ﴿سُنَّتَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے' بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے قائم مقام ہے اور اسی طرح تاکیدی مصادر ہوتے ہیں ﴿الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ﴾ جو بلاشبہ اس کے بندوں میں گزر چکا ہے کہ نزولِ عذاب کے وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا اور رسولوں کو جھٹلانے والوں پر عذاب ضرور نازل ہوتا ہے ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اس وقت کفار خسارے میں اور نقصان میں رہیں گے اور کفار تو تمام اوقات میں نقصان میں رہتے ہیں لیکن ان کا نقصان اس وقت واضح ہو کر سامنے آ جائے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھیں گے [''هنالك'' اسم مکان ہے لیکن یہاں زمان کے معنی کے لیے مستعار لیا گیا ہے' واضح ہو کہ ان آیات میں بار بار حرف ''فا'' کا ایک دوسرے کے پیچھے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ ''فما اغنی عنهم''، ''كانوا اكثر منهم'' کا نتیجہ ہے اور ''فلما جاء تهم''، ''فما اغنی عنهم'' کے بیان اور تفسیر کی مانند ہے جیسے یہ قول ہیں: ''رزق زيد المال'' زید کا رزق مال ہے اور ''فمنع المعروف فلم يحسن الى الفقراء'' سو فلاں آدمی نیکی سے روک دیا گیا' پس اس نے محتاجوں کے ساتھ نیکی نہیں کی' اور ''فلما راوا باسنا''

ارشادِ باری تعالیٰ: ''فلمّا جاء تھم'' کے تابع ہے' گویا فرمایا: سوانہوں نے کفر کیا' پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ایمان لے آئے' اور اسی طرح ''فلم یك ینفعھم'' ان کے ایمان لانے کے تابع ہے جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ لیا]۔

| | | |
|---|---|---|
| سورۂ حٰمٓ السجدہ مکی ہے | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○<br>اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی چوّن آیات' چھ رکوع ہیں |

حٰمٓ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ③ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤

حٰمٓ○ یہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے○ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو (عربی) جانتے ہیں○ خوش خبری دینے والا اور ڈرسنانے والا ہے' سو ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ پھیر لیا' پس وہ نہیں سنتے○ اور انہوں نے کہا: جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک پردہ ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے بے شک ہم اپنا کام کرنے والے ہیں○

## قرآن مجید کے نزول کی حکمت اور کفار کے عناد و انکار کا بیان

سورتِ فصلت (یا حٰمٓ سجدہ) مکی ہے اور اس کی چوّن (۵۴) آیات ہیں۔

۱ تا ۳ - ﴿ حٰمٓ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ یہ کتاب بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو عربی جانتے ہیں [اگر ''حٰمٓ'' کو اس سورت کا نام قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہوگا اور ''تَنْزِيْلٌ'' اس کی خبر ہوگی اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو پھر ''تنزیل'' مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور ''کِتٰبٌ''، ''تنزیل'' سے بدل ہوگا یا خبر کے بعد دوسری خبر ہوگی یا پھر یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہوگی یا ''تنزیل'' مبتدا ہے اور ''من الرحمن الرحیم'' اس کی صفت ہے' ''کتاب'' اس کی خبر ہے اور ''قرانا عربیا'' اختصاص اور مدح کی بناء پر منصوب ہے' یعنی اس مفصل کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جس کی صفت اس طرح اور اس طرح ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ وہ عربی قرآن ہے اور ''لقوم''، ''تنزیل'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''فصّلت'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کی خاطر نازل کی گئی ہے یا اس کی آیتیں انہیں کے لیے مفصل بیان کی گئی ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اپنے ماقبل اور اپنے مابعد کی طرح یہ بھی صفت ہے یعنی ''(قرانا عربیا) کائنا (لقوم) عرب'']

﴿ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ ﴾ اس کی آیتیں مختلف معانی کے لیے الگ الگ اور جدا جدا بیان کی گئی ہیں مثلاً بعض احکام کے لیے اور بعض مثالیں بیان کرنے کے لیے اور بعض مواعظ یعنی وعظ ونصیحت کے لیے اور بعض وعدوں کے لیے اور بعض وعیدوں (ڈرانے) کے لیے وغیرہ وغیرہ کے لیے بیان کی گئی ہیں ﴿ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴾ ''ای لقوم عرب'' یعنی یہ کتاب عرب کے لیے نازل کی گئی جو یہ جانتے ہیں کہ ان کی اپنی عربی زبان میں جو آیات ان پر نازل کی گئی ہیں' انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

٤۔ ﴿ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ﴾ یہ قرآن مجید (نیکوں کو جنت کی) خوش خبری سنانے والا ہے اور (بدکاروں کو دوزخ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہے [یہ دونوں کلمے ''قرانا'' کی صفات ہیں] ﴿ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴾ سو ان میں سے بہت سے لوگوں نے روگردانی کی' پس وہ نہیں سنتے یعنی وہ قبول نہیں کرتے جیسے تم کہو: ''تشفعت الی فلان فلم یسمع قولی'' میں نے فلاں آدمی کو سفارش کی تو اس نے میری بات نہیں سنی' حالانکہ اس نے اس کی بات سنی تھی' لیکن جب اس نے اس کی بات قبول نہ کی اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو گویا اس نے اسے نہیں سنا۔

٥۔ ﴿ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّةٍ ﴾ اور انہوں نے کہا: ہمارے دل پردوں میں ہیں [''اکنۃ'' بہ معنی ''اغطیۃ'' ہے یعنی پردے' یہ ''کنان'' کی جمع ہے اور ''اغطیۃ''، ''غطاء'' کی جمع ہے] ﴿ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ ﴾ اس سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (یعنی) توحید سے ﴿ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ ﴾ اور ہمارے کانوں میں ثقل اور بوجھ ہے جو آپ کی بات سننے سے مانع ہے ﴿ وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک حجاب اور پردہ ہے اور یہ تمام مثالیں اس بات کے لیے ہیں کہ ان کے دل حق قبول کرنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے بہت دور ہیں گویا وہ غلاف کے اندر اور پردوں میں چھپے ہوئے ہیں' ان میں کوئی چیز نافذ اور جاری نہیں ہوسکتی اور ان کے کان آپ کی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے گویا وہ بہرے ہیں اور دونوں مذاہب اور دونوں ادیان باہمی دوری کی وجہ سے گویا ان کے اور جس عقیدہ پر وہ قائم ہیں اس کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ اور جس عقیدۂ توحید پر آپ قائم ہیں اس کے درمیان مخفی اور پوشیدہ پردہ حائل ہے اور پہاڑ یا اس طرح کی کوئی آڑ ہے جو اتفاق واتحاد سے رکاوٹ ہے جو ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے ﴿ فَاعۡمَلۡ ﴾ سو آپ اپنے دین پر عمل کیجئے ﴿ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴾ بے شک ہم اپنے دین پر عمل کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ ہمارے مشن کے مٹانے کے لیے کام کیجئے اور ہم آپ کے مشن کو مٹانے کے لیے کام کرنے والے ہیں اور حرف ''مِنۡ'' کے اضافے کا فائدہ یہ ہے کہ پردے کا آغاز دونوں اطراف سے ہے' سو درمیان کی مسافت دونوں اطراف سے پردے سے گھری ہوئی ہے' اس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور اگر ''بیننا وبینک حجاب'' کہا جاتا تو پھر معنی صرف یہ ہوتا کہ پردہ دونوں اطراف کے درمیان میں حائل ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا
اِلَیۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوةَ
وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ
اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۸﴾ ع

ع ۱۵

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں (جن یا فرشتہ نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' سوتم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم اسی سے بخشش طلب کرو' اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے بالکل منکر ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم نہیں کیا جائے گا O

٦- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔[1] اس آیت مبارکہ میں ان (کفارِ مکہ) کے قول "قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ" ہمارے دل پردوں میں ہیں' کا جواب دیا گیا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ارشاد فرمایا: بے شک میں فرشتہ نہیں ہوں اور بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں اور بے شک میری طرف تو وحی کی جاتی ہے جب کہ تمہاری طرف نہیں' سو میری طرف وحی آنے کی وجہ سے میری نبوت

[1] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ "لَسْتُ مَلَكًا وَّلَا جِنِّيًّا لَا يُمْكِنُكُمُ التَّلَقِّيْ مِنْهُ وَهُوَ رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ" میں نہ تو فرشتہ ہوں اور نہ جن ہوں کہ تمہارے لیے اس سے استفادہ ناممکن ہو جائے۔ اس آیت مبارکہ میں ان (کفارِ مکہ) کے قول "بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ" کی تردید کی گئی ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والعشرون ص ۹۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "علمه الله تعالى التواضع" یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تواضع اور عاجزی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۸۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

حضرت صدر الافاضل علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کی بڑی ایمان افروز تشریح فرمائی ہے کہ

میں دیکھا بھی جاتا ہوں' میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بہ ظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سینے میں آئے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو' البتہ میری بجائے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے اور نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں' ہمارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا ہوں' سو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے' اس لیے کہ میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔

فائدہ: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلحاظ ظاہر "انا بشر مثلكم" فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں' وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو اس لیے کسی اُمتی کو روا اور جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے' یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے' ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۸۵۷' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور) نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ تشبیہ سورۂ کہف: ۱۱۰ کے تحت تفسیر مدارک کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح اور ثابت ہوگئی اور جب میری نبوت صحیح ہوگئی تو تم پر میری اتباع اور میری پیروی کرنا واجب ہوگئی اور میری طرف جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس میں ایک یہ ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے ﴿فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ﴾ سو تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم عقیدۂ توحید اور عبادت کے اخلاص کے ساتھ اسی اللہ تعالیٰ کی طرف برابر قائم و دائم رہو دائیں اور بائیں نہ جاؤ اور نہ تم ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرو جن کو شیطان نے تمہارے دوست اور سفارشی بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر لیا ہے ﴿وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ اور تم اس کی بارگاہ میں شرک سے معافی اور مغفرت طلب کرو ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور شرک کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۷- ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے (یعنی) جو لوگ نہ زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ مشرکین وہ کام نہیں کرتے جس کے ساتھ زکوٰۃ دینے والے متصف ہیں اور وہ ایمان لانا ہے ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں (یعنی) وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور اجر و ثواب اور عذاب و سزا ملنے کا انکار کرتے ہیں اور بے شک یہاں آخرت کے انکار کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر متصل اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ انسان کے لیے سب سے زیادہ پیاری چیز اس کا مال ہوتا ہے اور یہی مال انسان کی روح کو پراگندہ اور منتشر کر دیتا ہے' پھر جب کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ سخاوت اس کی استقامت اور اس کی نیت کی سچائی اور اس کے ارادہ کے خالص ہونے کی قوی دلیل بن جاتی ہے اور اس لیے دنیا کے بچے کھچے مال زکوٰۃ میں سے بعض نادار کفار کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے کچھ مال دیا جاتا تھا جنہیں ''مؤلفة القلوب'' کہا گیا ہے' اس کرم نوازی کی وجہ سے ان کا تعصب ٹھنڈا پڑ جاتا اور ان کا انتقام کا جذب نرم پڑ جاتا اور بنو حنیفہ کا قبیلہ صرف زکوٰۃ روک لینے کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور اس میں مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ روکنے سے سخت ڈرایا گیا ہے۔

۸- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے (یعنی) کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ بیماروں اور لنگڑوں اور سخت بوڑھوں کے حق میں نازل ہوئی' ان کو اسی طرح اجر و ثواب ملتا رہے گا جس طرح یہ لوگ ان عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے عمل کرتے تھے۔

| |
|---|
| قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ |
| اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑨ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ |
| فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩ ثُمَّ |
| اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا |
| اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪ |

(اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو' وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O اور اس نے بلند و بالا بھاری پہاڑ اس میں نصب کر دیئے اور

اس نے اس میں برکت رکھی اور اس نے اس میں بسنے والوں کے لیے چار دنوں میں ان کی غذائیں مقرر فرمائیں' جو سب مانگنے والوں کے لیے برابر ہیںO پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' سو اس نے اسے اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے عرض کیا: ہم اپنی خوشی سے حاضر ہوئےO

## قدرتِ الٰہی کے مناظر اور عاد و ثمود کے بدانجام کے ذریعے کفر و شرک کی مذمت

۹۔ ﴿قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا فرمایا' اتوار اور پیر کو' یہ دو دن صرف انسانوں کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا﴾ اور تم اس کے لیے بہت سے شریک اور مماثل و ہمسر ٹھہراتے ہو ﴿ذٰلِكَ﴾ پہلے جو گزر چکا ہے اس کو اسی نے پیدا کیا ہے جو ﴿رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور تمام موجودات کا خالق و مالک اور سب کا آقا ہے اور سب کا مربی ہے۔

۱۰۔ ﴿وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں (یعنی) زمین میں ثابت و قائم رہنے والے مضبوط و بھاری پہاڑوں کو بنایا ﴿مِنْ فَوْقِهَا﴾ جو اس کی سطح سے بلند اور اوپر اٹھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر پہاڑوں کو اس لیے بلند کیا تاکہ پہاڑوں کے فائدے اور ان کے منافع تلاش کرنے والوں کے لیے ظاہر ہو جائیں اور تاکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ بے شک زمین اور پہاڑ بھاری بھر کم بوجھ پر بوجھ ہونے کے باوجود سب اپنے روکنے والے اور ٹھہرانے والے کے محتاج ہیں اور وہ صرف اللہ عزوجل ہے ﴿وَبٰرَكَ فِیْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکتیں رکھی ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی کے دریا اور چشمے اور کھیتیاں اور درخت' باغات اور پھل وغیرہ کی بہت سی برکتیں رکھی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "بارك فیها" بہ معنی "اكثر خیرها" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی خیر و بھلائی کو بہت بڑھا دیا ہے ﴿وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کے باشندوں کے لیے روزیاں اور ان کی زندگی گزارنے کی ضروریات اور ان کی دنیا کی بھلائی تمام چیزیں مقدر و مقرر فرما دیں اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "واقسم فیها اقواتها" پڑھا ہے ﴿فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ﴾ چار دنوں میں بلکہ چار دنوں کے تتمہ میں اور تتمہ سے دو دن مراد ہیں (دو دن پہلے جن میں زمین تخلیق ہوئی اور دو دن یہ جن میں اہل زمین کی روزیوں کو مقدر کیا گیا تو مجموعہ چار دن ہوئے) جیسے تم کہو: "سرت من البصرة الی بغداد فی عشرة والی الكوفة فی خمسة عشر" میں نے بصرہ سے کوفہ تک دس دن میں سفر کیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں یعنی پندرہ کے تتمہ میں اور اس کو مقدر ماننا ضروری ہے' اس لیے کہ اگر ظاہر پر کلام کو جاری کیا جائے تو پھر آٹھ دن ہو جائیں گے' یہ اس لیے کہ پہلے ارشاد ہوا: "خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ" اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا' پھر ارشاد ہوا: "وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام" اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بسنے والوں کی روزیاں چار دن میں مقرر کیں' پھر ارشاد ہوا: "فقضاهن سبع سموت فی یومین" پھر اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پورے سات آسمان بنا دیئے' سو یہ بیان دوسری جگہ فرمائے گئے ارشاد "فی ستة ایام" کے خلاف ہو جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور بدھ کے روز درخت' پانی' آبادی اور جنگل پیدا کیے تو اس طرح یہ چار دن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے جمعرات کے روز آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعۃ المبارک کے دن ستاروں' سورج' چاند اور فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن کی آخری ساعت (عصر اور مغرب کے درمیان) پیدا کیا ہے[1] اور بعض اہل علم

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۲۷' مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹

حضرات نے فرمایا کہ یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت قائم ہوگی ﴿ سَوَآءً ﴾ [یعقوب کی قراءت میں ''سَوَاءٍ'' مجرور ہے اور ''ایام'' کی صفت ہے ''ای فی اربعة ایام مستویات تامات'' یعنی برابر پورے چار دنوں میں' اور یزید کی قراءت میں ''سَوَآءٌ'' مرفوع ہے (مبتدا محذوف کی خبر ہے) ''ای ھی سَوَآءٌ'' یعنی وہ برابر ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے نزدیک مصدر کی بناء پر منصوب ہے ''ای استوت سَوَآءً'' بہ معنی ''استوآءً'' ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ لِلسَّآئِلِيْنَ ﴾ مانگنے والوں کے لیے' یہ ''قدر'' کے متعلق ہے ''ای قدر فیھا الاقوات لاجل الطالبین لھا المحتاجین الیھا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں روزیاں مقدر و مقرر کر دیں ہیں' روزی طلب کرنے والوں اور روزی کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خاطر کیونکہ ہر کوئی روزی کا طالب اور سائل ہے یا یہ محذوف کے متعلق ہے' گویا کہا گیا ہے: یہ اختصاص اس آدمی کی وجہ سے ہے جو سوال کرے کہ کتنی مدت میں زمین کو پیدا کیا گیا اور اس میں کیا کچھ ہے؟

١١ - ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' سو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی خوشی سے حاضری کے لیے آ گئے۔ یہ کلام آسمان کے لیے ایجاد الٰہی سے مجاز ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا' اہل عرب کہتے ہیں: ''فعل فلان کذا ثم استوٰی الی عمل کذا'' ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آدمی نے پہلا کام مکمل کر لیا ہے' پھر اس نے دوسرا کام شروع کیا اور اس آیت مبارکہ سے یہی سمجھا تا ہے کہ آسمان کی پیدائش زمین کی پیدائش کے بعد ہوئی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی فرمایا ہے اور انہیں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر کو پیدا فرمایا جس کا طول اور عرض (لمبائی اور چوڑائی) ایک ہزار ضرب دس ہزار سال (ایک کروڑ سال کی) مسافت تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس جوہر کی طرف ہیبت و رعب کی نظر سے دیکھا تو پگھل گیا اور کانپنے لگا اور خوف زدہ ہو کر تھر تھرانے لگا' پھر اس پر آگ مسلط کر دینے کی وجہ سے اس سے دھواں اُبھرا اور اوپر بلند ہو گیا اور جھاگ جمع ہو گئی اور پانی کے اوپر ٹھہری رہی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھاگ کو زمین بنا دیا اور دھوئیں کو آسمان بنا دیا اور آسمان اور زمین کو آنے اور حاضر ہونے کے حکم اور ان دونوں کا حکم کی تعمیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دونوں معرضِ وجود میں آ جائیں' سو ان دونوں نے حکم عدولی نہیں کی بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا' وہ دونوں بن گئے اور موجود ہو گئے اور وہ دونوں اس معاملہ میں مطیع و فرماں بردار مامور کی طرح ہو گئے جس پر مطاع آمر کا حکم وارد ہوتا ہے اور حاضری کے حکم میں آسمان کے ساتھ زمین کا ذکر بھی کیا گیا ہے حالانکہ زمین کو آسمان سے دو دن پہلے پیدا کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے مادے کو پہلے پیدا کیا گیا لیکن اسے پھیلایا نہیں گیا' پھر آسمان کو پیدا کرنے کے بعد زمین کو پھیلایا گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا O'' (النازعات:٣٠) ''اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین کو پھیلایا O'' سو معنی یہ ہوا کہ تم دونوں اسی شکل و صورت اور وصف کے ساتھ آؤ جس پر تم دونوں کا آنا مناسب ہو' اے زمین! اپنے بسنے والوں کے لیے پھیل کر بچھونا اور قرار گاہ اور ٹھکانا بن کر آ' اور اے آسمان! تو اپنے بسنے والوں کے لیے قبہ اور چھت بن کر آ' اور آنے کا معنی ہے: حصول اور وقوع پذیر ہونا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اَتٰى عَمَلُهٗ مَرْضِيًّا'' اس کا عمل پسندیدہ واقع ہوا' پھر ارشادِ باری تعالیٰ ''طوعًا او کرهًا'' زمین و آسمان میں قدرتِ الٰہی کی تاثیر کے بیان کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک ان دونوں کا قدرتِ الٰہی کی تاثیر سے مانع ہونا محال ہے جیسے تم اپنے ماتحت سے کہتے ہو کہ ''لَتَفْعَلَنَّ هٰذَا شِئْتَ اَوْ اَبَيْتَ وَلَتَفْعَلَنَّهٗ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا'' تو نے یہ کام ضرور کرنا ہے تو چاہے یا انکار کرے اور تو نے اسے ضرور کرنا ہے خوشی یا ناخوشی سے [اور یہ

دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں اور بہ معنی ''طائعتین او مکرھتین'' ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہ اعتبار لفظ ''سمٰوات'' اور ''ارضون'' ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو مخاطبات اور مجیبات قرار دیا گیا اور ''طلوع'' اور ''کرہ'' کے ساتھ موصوف کیا گیا تو کہا گیا ''طائعین'' جو ''طائعات'' کی جگہ میں ہے جیسے ارشاد ہے: ''سٰجِدِيْنَ'' (یوسف:۴)]۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿١٢﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾

پھر اس نے دو دن میں ان کے سات آسمان بنا دیئے اور اس نے ہر آسمان میں اس کے متعلقہ کام کا حکم بھیجا' اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا' اور اس کو محفوظ کر دیا' یہ سب پر غلبہ رکھنے (اور) سب کچھ جاننے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہے O پھر اگر وہ روگردانی کر لیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں سخت کڑک والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جیسا کہ سخت کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O جب ان کے پاس ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ہر طرف رسول تشریف لائے (اور فرمایا) کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو البتہ فرشتوں کو نازل کر دیتا' سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا یقیناً انکار کرنے والے ہیں O

۱۲ - ﴿فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سات آسمان بنا دیئے (یعنی) ان کی تخلیق کو محکم و مستحکم بنا دیا' جیسے کسی شاعر نے کہا: ''وعلیھما مسرودتان قضاھما'' اور ان دونوں پر دو زرہیں تھیں جن کی بناوٹ مستحکم و مضبوط تھی [''ھن'' ضمیر ''السماء'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''السماء'' اسم جنس ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر مبہم ہو جس کی تفسیر ارشاد ''سبع سمٰوات'' کر رہا ہے اور دونوں کے منصوب ہونے میں فرق ہے کہ پہلا حال کی بناء پر منصوب ہے اور دوسرا تمیز کی بناء پر] ﴿فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ دو دنوں میں جمعرات اور جمعہ کے دن میں ﴿وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی بھیجی (یعنی) جس چیز کی تخلیق کا اور اس کی تدبیر کا اس میں حکم دیا گیا جیسے فرشتوں کی اور دیگر نورانی مخلوق وغیرہ کی تخلیق کا حکم دیا گیا ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ اور ہم نے دنیا کے آسمان کو مزین اور آراستہ کر دیا (یعنی) جو زمین کے نزدیک آسمان ہے ﴿بِمَصَابِيْحَ ڰ﴾ چراغوں یعنی ستاروں کے ساتھ ﴿وَحِفْظًا ۭ﴾ اور ہم نے اس کو ستاروں کے ذریعے چوروں سے محفوظ بنا دیا ہے ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ﴾ یہ نظام ایک زبردست غالب کا مقرر کیا ہوا ہے جو سب پر غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوگا ﴿الْعَلِيْمِ﴾ وہ تمام اُمور و معاملات کے موقعوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۳ - ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پھر اگر وہ اس بیان کے بعد بھی ایمان سے منہ پھیر لیں ﴿فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا اور خوف زدہ کرتا ہوں' وہ ایسا عذاب ہے جس کا وقوع بہت سخت ہوگا اور

اصل میں ''صاعقة'' وہ عذاب ہے جس میں سخت گونج دار ہولناک آواز کے ساتھ آگ ہوتی ہے ﴿مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ جیسے عاد اور ثمود پر سخت کڑک والا عذاب آیا تھا۔

۱۴- ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے رسول تشریف لائے یعنی ان کے پاس ہر طرف سے رسول آ کر تبلیغ کرتے رہے اور وہ حق پر لانے کے لیے ان کے بارے میں ہر قسم کی تدبیر پر عمل کرتے رہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان کی طرف سے ہمیشہ اعراض' روگردانی اور فرار کو پایا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے انہیں ان سے پہلے امتوں پر آنے والے خدائی عذاب سے ڈرایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا [''ان'' بہ معنی ''ای'' ہے یا ثقیلہ سے مخففہ ہے' اس کی اصل ''بانه'' ہے] ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی قوم نے جواب دیا کہ ﴿لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ اگر ہمارا پروردگار رسولوں کو بھیجنا چاہتا تو وہ ضرور فرشتوں کو نازل کر دیتا [''شآء'' کا مفعول بہ محذوف ہے' اصل میں ''لو شآء ربنا ارسال الرسل'' تھا' ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے] ﴿فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم انسان ہو اور تم فرشتے نہیں ہو تو ہم تم پر اور جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ''ارسلتم به'' کہنا رسول بنا کر بھیجنے کا اقرار نہیں ہے اور بے شک یہ تو صرف رسولوں کے کلام پر مبنی ہے اور اس میں تو تمسخر اور مخول ہے' جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ''اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ○'' (الشعراء: ۲۷) ''بے شک تمہارا رسول جسے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' وہ ضرور دیوانہ ہے ○'' اور یہ ارشاد ''فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○'' کفار کی طرف سے حضرت ہود' حضرت صالح اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے' جنہوں نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تھی۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ قریش مکہ نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا کیونکہ یہ سب سے اچھی گفتگو کرتا تھا تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرے اور دیکھے کہ آپ اس کی باتوں کا کیا جواب دیتے ہیں' چنانچہ عتبہ بن ربیعہ' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ حطیم کعبہ میں تشریف فرما تھے' اس نے جس قدر سوالات کیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کے جوابات دیئے' پھر حضور ﷺ نے اس کے سامنے یہی سورت تلاوت فرمائی' یہاں تک کہ جب آپ نے ''مثل صاعقة عاد و ثمود'' کو پڑھا تو اس نے آپ کو رحم وکرم کی قسم دی اور آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ڈر کے مارے فوراً بھاگ کھڑا ہوا کہ کہیں ان لوگوں پر عذاب آ جائے اور یہی خبر جا کر قریش کو سنائی اور کہا کہ بے شک میں جادو کو اور شعر گوئی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نہ تو جادوگر ہیں اور نہ شاعر ہیں' قریش کے لوگوں نے کہا: تو بے دین ہو گیا ہے' کیا تو نے ان کے کلمہ کا سمجھ کر جواب نہیں دیا؟ عتبہ نے کہا: نہیں اور مجھے ان کو جواب دینا نہیں آتا' حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا: یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تاکہ تم معلوم کر لو کہ بے شک وہ تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے عاد اور ثمود کے عذاب کا ذکر بیان فرمایا' چنانچہ (درج ذیل آیت میں) فرمایا:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو لیکن رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقتور کون ہے؟ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ سخت قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O

## کفر و شرک کے سبب عاد و ثمود پر عذاب

۱۵ - ﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ سو لیکن رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا یعنی انہوں نے اپنے علاقہ میں وہاں کے تمام باشندوں پر ایسی بڑھائی چاہی جس کے وہ مستحق نہیں تھے اور انہیں اپنی قوت کی زیادتی اور اپنے اجسام کے بڑے ہونے پر گھمنڈ تھا یا وہ امارت کے استحقاق کے بغیر اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے زبردستی اپنی سرزمین پر حاکم و رئیس بن گئے ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ﴾ اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقت والا کون ہے؟ دراصل عاد کی قوم کے لوگ بڑے دراز قد لحیم و جسیم تھے اور ان کی قوت و طاقت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ان میں سے کوئی آدمی پہاڑ میں سے بہت بڑا بھاری پتھر اپنے ہاتھ سے اکھیڑ کر اٹھا لیتا تھا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں اور مشاہدہ نہیں کیا (یعنی) اور کیا انہوں نے اس قدر یقینی اور پختہ علم حاصل نہیں کر لیا اور انہیں اس قدر پختہ علم معلوم نہیں ہوا جو مشاہدہ کے قائم مقام ہوتا ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ قوت والا ہے اور وہ ان سے بہت زیادہ وسیع اور بڑی قدرت و اختیار والا ہے کیونکہ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے حالانکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صرف بعض چیزوں پر قادر ہیں ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے [اور یہ ''فاستكبروا'' پر معطوف ہے] یعنی وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ حق ہے لیکن وہ دین حق کا اس طرح جان بوجھ کر انکار کرتے تھے جس طرح امانت دار جان بوجھ کر امانت سے انکار کر دیتا ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

پھر ہم نے ان پر سخت زوردار آواز والی یخ ٹھنڈی آندھی بھیجی منحوس دنوں میں تا کہ ہم دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی O اور لیکن رہے ثمود سو ہم نے

ان کو سیدھا راستہ دکھایا' پس انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کر لیا تو انہیں ذلت ناک عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے○ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لے آئے تھے اور وہ ڈرتے رہتے تھے○

۱۶۔ ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا ﴾ پھر ہم نے ان پر زوردار آواز والی آندھی بھیجی جو خوف ناک گرج دار تیز آندھی تھی' یعنی اس کے تیز چلنے کی وجہ سے گڑگڑاہٹ اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی تھیں یا یہ معنی ہے کہ بہت ٹھنڈی تیز آندھی تھی کہ سخت ترین ٹھنڈک کے سبب وہ جسموں کو جلاتی تھی اور لفظ'' صـر '' کا تکرار تاکید کے لیے ہے' جس کا معنی ٹھنڈ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ اس سے'' دبـور '' آندھی مراد ہے (یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی تیز آندھی جسے پچھوائی ہوا کہا جاتا ہے) ﴿ فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ منحوس دنوں میں یعنی جن دنوں میں ان پر نحوست و بدنصیبی طاری کی گئی [اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور نافع مدنی کی قراءت میں ('' حا '' ساکن) '' نَحْسَات '' ہے اور '' نَـحِسَ نَحسًا '' یہ '' سَعِدَ سَعِدًا '' کی نقیض کی ہیں اور یہ '' نَحِسَ '' کی جمع ہے ( بکسر الحاء) یا '' نَحْس '' (بسکون الحاء) کی جمع ہے اور یہ '' نحس '' مخفف ہے یا فعل کے وزن پر صفت ہے یا مصدر کا وصف ہے] اور یہ آندھی شوال کے آخر میں ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک مسلسل چلتی رہی تھی اور جس قوم کو بھی عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ بدھ کا دن تھا ﴿ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں [ '' الخزی '' کا معنی ہے: ذلت و رسوائی اور عذاب کی اضافت '' الـخـزی '' کی طرف اس بناء پر کی گئی ہے کہ یہ عذاب کی صفت ہے' گویا فرمایا: '' عَـذَابٌ خِزْيٌ '' جیسے تم کہو: '' فعل السوء '' (اضافت کے ساتھ) اس سے مراد '' الـفعل السوء '' ہو (موصوف صفت) اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے] ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى ﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ ذلت ناک اور زیادہ رسواکن ہوگا [اور یہ اسنادِ مجازی میں سے ہے اور '' عذاب '' کو '' خـزی '' کے ساتھ موصوف کرنا '' مـعـذبین '' کو '' خـزی '' کے ساتھ موصوف کرنے سے زیادہ بلیغ ہے' سو تیرے دونوں قولوں '' هو شاعر '' اور '' ولـه شعر شاعر '' میں بہت فرق ہے] ﴿ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ اور ان کی ان بتوں کی طرف سے امداد نہیں کی جائے گی جن کی وہ لوگ محض اس بناء پر عبادت کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں گے۔

۱۷۔ ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ﴾ اور لیکن رہے ثمود تو ہم نے انہیں ہدایت دی تھی یعنی ہم نے ان کے لیے رشد و ہدایت کو بیان کیا تھا [ '' ثـمـود '' کو مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دینا زیادہ فصیح ہے کیونکہ یہ حرف ابتداء کے بعد واقع ہوا ہے اور '' فهدیناهم '' اس کی خبر ہے اور منصوب ہونے کی صورت میں اس سے پہلے فعل مضمر ہوگا جس کی تفسیر '' فهـديناهم '' کر رہا ہے] ﴿ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ سو انہوں نے ہدایت پر اندھے پن (گمراہی) کو پسند کر لیا (یعنی) سو انہوں نے ایمان پر کفر کو اختیار کر لیا ﴿ فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ ﴾ پس انہیں ہولناک کڑک والے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا ﴿ الْهُوْنِ ﴾ ذلت ناک اور رسواکن [ '' عذاب '' کو '' هون '' کے ساتھ مبالغہ کے لیے موصوف کیا گیا ہے یا پھر '' الهون '' '' الـعـذاب '' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ان کاموں کے سبب جو وہ کرتے تھے یعنی ان کی کمائی کی وجہ سے اور وہ ہے ان کا شرک و کفر کرنا اور ان کا دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنا اور حضرت الشیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہدایت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک احتمال ہدایت کو بیان کرنا اور واضح کرنا مراد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور دوسرا احتمال ان میں ہدایت کو پیدا کرنا ہو' سو وہ لوگ ان دو وجوہ کی بناء پر '' مهتـدیـن '' (ہدایت پانے والے) ہو گئے' پھر انہوں نے اس کے بعد کفر و شرک کو اختیار کر لیا تھا اور انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر جب ہدایت کی

نسبت خالق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی ہوتا ہے: بیان کرنا اور توفیق دینا اور ہدایت کے فعل کو پیدا کرنا اور جب ہدایت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی صرف بیان کرنا ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور صاحب کشاف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ''ھَدَیْتُہٗ'' میں نے فلاں آدمی کو ہدایت کی' اس کا معنی یہ ہے کہ اس آدمی کو ہدایت حاصل ہوگئی ہے' جس پر دلیل تمہارا یہ کہنا ہے کہ ''ھَدَیْتُہٗ فَاھْتَدٰی'' میں نے اس کو ہدایت دی تو اس نے ہدایت پالی تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اس آدمی کو مقصود اور مطلوب حاصل ہوگیا جیسا کہ تم کہتے ہو: ''رَدَعْتُہٗ فَارْتَدَعَ'' میں نے اسے روکا تو وہ رُک گیا' سو بھلا اب ہدایت کو صرف راہ دکھانے کے لیے استعمال کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو قدرت و اختیار دیا اور نبی کے ذریعے ان کے تمام شکوک وشبہات زائل کر دیئے اور ان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا تھا تو گویا ان اسباب کی تحصیل کی وجہ سے ان کو مقصد حاصل ہوگیا' جو ہدایت کو واجب کرتے ہیں اور ہدایت کا تقاضا کرتے ہیں۔

اور صاحب کشاف نے یہ حیلہ بازی اس لیے کی ہے کیونکہ اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ تخلیق ہدایت کے ساتھ تفسیر کرے' اس لیے کہ یہ اس کے مذہب فاسد کے خلاف ہے (کیونکہ معتزلیوں کے مذہب میں بندہ اپنے تمام افعال کا خود ہی خالق ہوتا ہے)۔

١٨ - ﴿وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو اس (مذکورہ بالا) خوف ناک کڑک والے عذاب سے نجات دی جو ایمان لے آئے تھے یعنی انہوں نے اندھے پن (گمراہی) پر ہدایت کو اختیار کر لیا تھا ﴿وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرنے سے ڈرتے تھے۔

وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جانے کی خاطر جمع کیا جائے گا تو انہیں روک لیا جائے گاO یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان کے خلاف ان اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھےO اور وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ تعالیٰ نے گویائی عطاء کی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے اور اسی نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO اور تم (اپنے گناہوں کو اس ڈر سے) نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے کان

اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم نے یہ گمان کر لیا کہ تم جو کچھ اعمال کرتے ہو ان میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتاO

## دشمنانِ خدا کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی اور عذاب کا بیان

۱۹- ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف جمع کیا جائے گا یعنی اگلے پچھلے تمام کفار کو روزِ محشر جمع کیا جائے گا [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں "نحشر اعداء اللّٰه" ہے] ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ سو ان کے پہلے لوگوں کو ان کے آخری لوگوں کے لیے روک لیا جائے گا یعنی کفار کی پہلی جماعتوں کو روک لیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی پچھلی جماعتیں ان سے مل جائیں اور یہ دوزخیوں کی کثرت اور ان کی بہتات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل "وَزَعْتُهٗ" سے ماخوذ ہے "اَیْ کَفَفْتُهٗ" یعنی میں نے اس کو روک دیا۔

۲۰- ﴿حَتّٰٓى إِذَا مَا جَآءُوهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے (یعنی) جب وہ آگ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور حرف "مَا" تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے بے شک دوزخ کی آگ کے پاس ان کے آنے کا وقت لامحالہ وہی ہو گا جس میں ان کے خلاف گواہی دی جائے گی اور اس سے خالی ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان چیزوں کے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اور چمڑوں کی گواہی حرام چیزوں کو چھونے کے بارے میں ہو گی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ شرم گاہوں سے کنایہ ہے (یعنی شرم گاہیں ان کے خلاف بدکاری کی گواہی دیں گی)۔

۲۱- ﴿وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ اور کفار اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ہے کیونکہ کفار اپنے خلاف اپنے اعضاء کی گواہی کو بعید از قیاس بہت بڑا عجوبہ خیال کرتے ہوئے تعجب کی بناء پر سوال کریں گے ﴿قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وہ کہیں گے: ہمیں اس اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی ہے جس نے ہر جاندار چیز کو گویائی کی قوت عطاء کی ہے اور معنی یہ ہے کہ ہمارا بولنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب و غریب نہیں ہے کیونکہ وہ ہر جاندار سے گفتگو کرانے پر پوری طرح قادر ہے ﴿وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور اسی نے پہلی بار بھی تمہیں پیدا کیا تھا اور تم اب بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی وہ تمہیں جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور تمہیں جزاء و سزا دینے کے لیے دوبارہ لوٹانے پر پوری طرح قادر ہے۔

۲۲- ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ اور تم اس بات سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے گواہی دیں گے یعنی بے شک تم برائیوں اور گناہوں کے ارتکاب کے وقت دیواروں اور پردوں کے ذریعے چھپا کرتے تھے لیکن تم اس خوف و ڈر سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے کیونکہ تم نہیں جانتے تھے کہ وہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ تم تو مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھنے اور جزاء اور سزا کے بالکل منکر تھے ﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾ اور لیکن تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان اعمال میں سے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو (یعنی) لیکن تم تو اپنے گمان کے مطابق چھپتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت سے وہ اعمال نہیں جانتا جو تم کرتے ہو اور وہ تمہارے

پوشیدہ اعمال ہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ع

اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا تھا اسی نے تمہیں ہلاک کر دیا' سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو O سو اگر وہ صبر کریں گے تو دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کریں گے تو وہ رضامندی قبول کیے جانے والوں میں سے نہیں ہوں گے O اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر دیے' سو انہوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور ان پر وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزشتہ امتوں پر ثابت ہو چکا تھا' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے O

٢٣- ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ﴾ اور یہی تمہارا وہ گمان ہے جس نے تمہیں اپنے پروردگار کے بارے میں ہلاک کر ڈالا ہے (یعنی) اور یہ وہ گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا [''وذالکم'' مبتدا ہے اور ''ظنکم'' خبر ہے اور ''الذی ظننتم بربکم'' اس کی صفت ہے اور ''اردکم'' دوسری خبر ہے یا پھر ''ظنکم''، ''ذالکم'' سے بدل ہے اور ''اردکم'' خبر ہے] ﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ سو تم خسارہ پانے والوں اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو۔

٢٤- ﴿فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ پھر اگر وہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے یعنی سو اگر وہ صبر کریں گے تو صبر انہیں کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں دے گا اور وہ آگ میں جلنے سے بچ نہیں سکیں گے ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو منانا چاہیں گے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن کا منانا قبول کر لیا جائے گا (یعنی) اور اگر وہ رضامندی کی خواہش کریں گے تو ان کی رضامندی قبول نہیں کی جائے گی یا اگر وہ واپسی کی درخواست کریں گے اور وہ ہے ان کے لیے اسی طرف رجوع کرنا جس کو وہ چاہتے ہوں گے' محض اس عذاب سے گھبراہٹ کی بناء پر جس میں وہ مبتلا ہوں گے تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی اور ان کو واپسی کا پروانہ عطا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں جواب دیا جائے گا۔

٢٥- ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان کے لیے مقرر کر دیے یعنی ہم نے مشرکین مکہ کے لیے مقرر کر دیے جیسے کہا جاتا ہے: ''هذان ثوبان فيضان اى مثلان'' یہ دونوں کپڑے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یعنی ایک جیسے ہیں ''مقايضة'' بہ معنی معاوضہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے: ''سلطنا عليهم'' ہم نے ان پر مسلط کر دیے ﴿قُرَنَآءَ﴾ ساتھی (یعنی) شیطانوں میں سے ساتھی اور دوست ان کے لیے مقرر کر دیے جاتے ہیں' یہ ''قرين'' کی جمع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ O'' (الزخرف: ٣٦) ''اور جو شخص رحمان کی یاد سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہے O'' ﴿فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾

﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ سو وہ ساتھی ان کے لیے خوش نما بنا دیتے ہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی ان کے جو اعمال پہلے گزر چکے اور جن پر انہوں نے پختہ عزم کر رکھا ہے یا ''مَا بین ایدیھم'' سے دنیا کے اُمور و معاملات اور خواہشات کی پیروی کرنا مراد ہے اور جو ان کے پیچھے ہیں (یعنی) آخرت کے معاملات اور یہ کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھنا اور نہ کوئی حساب و کتاب ہونا ہے اور نہ جزاء اور سزا ہونی ہے ﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ﴾ اور ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ثابت ہو چکا ہے یعنی عذاب کا کلمہ [''فی امم'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''علیھم'' کی ضمیر سے حال ہے] یعنی ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ہونے والا ہے ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ﴾ بے شک وہ تمام امتیں ان (کفارِ مکہ) سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک وہ خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے تھے۔ تمام کفار کے مستحقِ عذاب ہونے کے لیے یہ علّت ہے اور ''ھم'' ضمیر ان (کفارِ مکہ) اور سابق تمام امتوں کے لیے ہے کہ سب کے سب خسارے میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو بالکل نہ سنو اور اس (کی تلاوت میں) بے ہودہ باتیں کرو تا کہ تم غالب ہو جاؤ O سو ہم کافروں کو ضرور سخت عذاب چکھائیں گے' اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے O یہ ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا جو دوزخ کی آگ ہے' انہیں کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O اور کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تا کہ وہ سب سے نیچے والوں میں سے ہو جائیں O

## کفار کے بُرے اعمال کی وجہ سے بُرا انجام

۲۶- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو نہ سنو جب اسے پڑھا جائے ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اور اس کی تلاوت میں بے ہودہ باتیں کرو تا کہ غالب ہو جاؤ اور تم ان کے ساتھ ایسے کلام کے ذریعے معارضہ اور مقابلہ کرو جسے سمجھا نہ جا سکے یہاں تک کہ اس کو تشویش و پریشانی اور اشتباہ و التباس لاحق ہو جائے اور تم اس کی قراءت پر غالب آ جاؤ اور ''لغو'' غیر معتبر اور بے ہودہ کلام ہوتا ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۲۷- ﴿فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ہم انہیں ضرور سخت عذاب

چکھائیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الذین کفروا'' سے وہی بے ہودہ اور لغو باتیں کرنے والے اور ان کا حکم دینے والے خاص کر مراد ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الذین کفروا'' سے عام کفار مراد ہوں تا کہ ان کے ذکر کے تحت سب کفار جمع ہو جائیں ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ کرتے تھے یعنی اور ہم انہیں ان کے بہت بُرے اعمال پر بہت بڑی سخت سزا دیں گے اور بدترین عمل سے ان کا کفر وشرک کرنا مراد ہے۔

۲۸- ﴿ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا ہے [''ذٰلک'' سے ''اسوا'' کی طرف اشارہ ہے اور واجب ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو''(اَسْوَاَ) جَزَآءِ (الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ)'' تا کہ یہ اشارہ درست ہو جائے] ﴿ النَّارُ ﴾ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے [یہ ''جزآء'' کا عطف بیان ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے] ﴿ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ﴾ ان کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یعنی دوزخ کی آگ فی نفسہ ہمیشہ کا گھر ہے جیسے تم کہو:''لک فی ھٰذہ الدار دار السرور'' تمہارے لیے یہ گھر سرور کا گھر ہے جب کہ تمہاری مراد بعینہ دار ہو ﴿ جَزَاءً ﴾ یعنی اس سزا کے ساتھ انہیں بدلہ دیا جائے گا ﴿ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴾ اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

۲۹- ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا ﴾ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ دونوں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا یعنی شیطانوں کے وہ دونوں گروہ ہمیں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا [ابن کثیر مکی ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''را'' ساکن کے ساتھ ''اَرْنَا'' ہے کیونکہ کسرہ ثقیل ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے ''فَخْذَ'' اور ''فَخِذَ'' کہا ہے اور ابوعمرو دوری کی قراءت میں بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے] ﴿ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے کیونکہ شیطانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک جنات میں سے اور دوسری انسانوں میں سے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ'' (الانعام:۱۱۲) ''اور اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے'' ﴿ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴾ کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں تا کہ وہ دوزخ کی آگ میں سب سے نیچے والے لوگوں میں سے ہو جائیں' انہیں گمراہ کرنے پر یہی سزا دینی چاہیے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿٣٢﴾ ع

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے:) تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے جی چاہیں گے اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تم مانگو گے○ یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی○

## دین پر استقامت اختیار کرنے پر مسلمانوں کا نیک انجام

۳۰۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب تعالیٰ اور پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے یعنی جنہوں نے توحید (ورسالت) کا اقرار کیا ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر وہ اس پر قائم رہے (یعنی) پھر وہ اقرار پر اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ استقامت اختیار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فعل اور عمل کے اعتبار سے اس طرح استقامت اختیار کی جس طرح انہوں نے قول اور اقرار کے اعتبار سے استقامت اختیار کی تھی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی' پھر صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کی کہ استقامت والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی گناہ نہ کیا ہو' آپ نے فرمایا: تم نے تو اس کو بہت سخت معاملہ پر محمول کیا ہے' چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے توحید کا اقرار کیا اور اس پر اس طرح قائم اور ثابت قدم رہے کہ پھر کبھی بتوں کی عبادت کی طرف رجوع نہیں کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے زندگی میں لومڑی کی طرح مکروفریب نہیں کیا یعنی جنہوں نے منافقت کو نہیں اپنایا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا اور فرائض کو ادا کیا۔

حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے ہر فانی چیز سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور باقی رہنے والی چیزوں میں رغبت اختیار کر لی اور بعض نے کہا: استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ اقرار کے بعد قرار اور ثابت قدم ہو اور اقرار کے بعد فرار نہ ہو ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ﴾ موت کے وقت ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿اَلَّا تَخَافُوْا﴾ کہ تم خوف نہ کرو یعنی تم جو کچھ آگے بھیج رہے ہو اس پر خوف نہ کرو ["اَلَّا" اصل میں "اَنْ لَّا" ہے اور یہ "اَنْ" بہ معنی "اَیْ" ہے یا یہ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کی اصل "بِاَنَّہٗ لا تخافوا" ہے اور اس میں ضمیر شان کی ہے] ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اور تم اس پر غم نہ کرو جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو' سو خوف تو اس غم کو کہتے ہیں جو کسی ناگوار امر کے واقع ہونے کی بناء پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور "حزن" اس غم کو کہتے ہیں جو کسی مفید اور نافع چیز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جاتا ہے یا وہ غم جو کسی نقصان دِہ چیز کے حصول پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ہر قسم کے غم ورنج سے امن وامان لکھ دیا ہے' سو تم کوئی غم ہرگز نہیں چکھو گے ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ اور تمہیں اس جنت کی خوش خبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) جس جنت کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اس پر تم خوش ہو جاؤ۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس وقت روحیں بدنوں سے جدا ہوتی ہیں' اس وقت خدائے رحمان کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور کہتے ہیں: تم ایمان کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ کرو اور جو غلطیاں ہو چکیں ان پر غم نہ کرو اور تم جنت میں جانے کے لیے خوش ہو جاؤ' جس کا گزشتہ زمانے میں تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

۳۱- ﴿ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ جس طرح شیاطین نافرمانوں اور گناہ گاروں کے ساتھی اور ان کے بھائی' تو اسی طرح فرشتے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں متقیوں اور پرہیزگاروں کے مددگار اور ان کے دوست ہیں ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ ﴾ اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ تمام نعمتیں میسر ہوں گی جن کو تمہارے دل اور جی چاہیں گے ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴾ اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہوگی جو تم مانگو گے (یعنی) جو تمنا کرو گے۔

۳۲- ﴿ نُزُلًا ﴾ مہمانی ہوگی' وہ مہمان کا رزق ہے اور ''نزیل'' کا معنی مہمان ہے [اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہے' یہ ھائے محذوف سے حال ہے یا پھر ''ما'' سے حال ہے] ﴿ مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴾ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے [یہ اس کی صفت ہے]۔

| |
|---|
| وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ |
| الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا |
| الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ |
| صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ |
| فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶ |

اور اس سے زیادہ بہترین کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں ○ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ برائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو' سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یک دم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے ○ اور وہ عمدہ خصلت نہیں دی جاتی مگر انہیں لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور وہ نہیں دی جاتی مگر بڑے نصیب والے کو ○ اور (اے انسان!) اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

## نیکی کی دعوت دینے والے کی شان کا بیان

۳۳- ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور اس سے زیادہ اچھا کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور وہ نیک اور خالص عمل کرتا ہو ﴿ وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں' یہ محض دین اسلام پر فخر کا اظہار کرنے کے لیے اور اس کے لیے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کے لیے کہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام بھی اس آیت مبارکہ کے مصداق میں شامل ہیں یا اذان کہنے والے مؤذنین مراد ہیں یا اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف رہنمائی کرنے والے اور دعوت دینے والے تمام حضرات مراد ہیں۔

۳۴- ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں آپ بُرائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو یعنی نیکی اور بُرائی اپنی اپنی ذات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' سو جب آپ کے سامنے دو نیکیاں درپیش ہوں تو آپ اس نیکی کو اپنا لیجئے جو سب سے بہتر ہو' پھر آپ اس بُرائی کو عمدہ طریقے سے دور کریں جو آپ کے دشمنوں کی طرف سے آپ پر عائد کی جاتی ہو' جیسا کہ اگر کوئی آدمی آپ کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو اچھائی یہ ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر کر لیں اور جو سب سے زیادہ اچھائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس کی بُرائی کی جگہ اس کے ساتھ نیکی اور احسان کریں مثلاً جو آپ کی مذمت کرے تو آپ اس کی تعریف کریں یا جو آدمی آپ کے بیٹے کو قتل کر دے تو آپ اس سے قصاص کی بجائے اپنے بیٹے کا خون بہا لے کر اپنے دشمن پر احسان کریں ﴿ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴾ سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یکدم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے (یعنی) جب آپ یہ کام کریں گے تو آپ کا سخت دشمن پلٹ کر گہرا دوست بن جائے گا' آپ کا مخلص چاہنے والا محب ہو جائے گا' پھر ارشاد فرمایا:

۳۵- ﴿ وَمَا يُلَقَّاهَا ﴾ اور وہ نہیں ملتی یعنی یہ خصلت جو بُرائی کے مقابلہ میں نیکی کرنے کی ہے' نہیں ملتی ﴿ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ﴾ مگر صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں (یعنی) مگر صبر کرنے والوں کو ملتی ہے ﴿ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ اور وہ نہیں ملتی مگر بہت بڑے نصیب والے کو (یعنی) مگر خیر و بھلائی والے آدمی کو جسے خیر و بھلائی میں سے بہت بڑے حصے اور بہت بڑے نصیب کی توفیق عطا کی گئی [اور یہاں "فادفع بالتي هي احسن" ("فا" سببیہ کے ساتھ) نہیں فرمایا' اس لیے کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ میں بُرائی کے جواب میں کیسے کروں تو اس کے جواب میں کہا گیا: "ادفع بالتي هي احسن" "تم اس بُرائی کو سب سے اچھے طریقے سے دور کرو اور بعض نے کہا: "لا" تاکید کے لیے زائدہ ہے' نفی کا معنی مراد نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ "لاتستوي الحسنة والسيئة" "نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی اور اس تفسیر کی بناء پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "ادفع بالتي هي حسنة" کہا جائے لیکن "التي هي احسن" کو "حسنة" کی جگہ رکھا گیا تا کہ بھلائی کے ساتھ دفاع میں زیادہ مبالغہ کیا جا سکے' اس لیے کہ جس نے کسی بُرائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کیا' اس کے لیے آسان ہے کہ وہ اس سے کم کے ساتھ بُرائی کا دفاع کرے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "بالتي هي احسن" کا معنی یہ ہے کہ غضب کے وقت صبر کرنا اور جہالت و نادانی کے بدلے بردباری اور حوصلہ کرنا اور بُرائی کے بدلے معاف کر دینا اور "حظ" کا مطلب ثواب بیان کیا گیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! جنت سے بڑا نصیب اور بڑا حصہ اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سفیان بن حرب اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' کیونکہ یہ اسلام لانے سے پہلے حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے سخت ایذاء اور تکلیفیں پہنچانے والے دشمن ہوا کرتے تھے پھر اسلام لانے کے بعد آپ کے گہرے اور مخلص خیر خواہ دوست و حامی بن گئے۔

۳۶- ﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ ﴾ اور (اے انسان!) اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے (تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو) "نزغ" کو "نخس" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (دونوں کا معنی اُکسانا' برانگیختہ کرنا ہے) اور شیطان انسان کو اُکساتا اور برانگیختہ کرتا ہے گویا اس کے اُکسانے اور اس کے اُبھارنے کی وجہ سے انسان نامناسب اقدام کر لیتا ہے اور "نزغ" (مصدر) کو "نازغ" قرار دیا گیا' جیسا کہ کہا جاتا ہے: "جد جده" یا پھر "واما ینزغنك" سے مراد

''نـازغ'' ہے اور شیطان کے لیے مصدر کے ساتھ وصف بیان کیا گیا یا اس سے شیطان کا گمراہ کرنا اور بھلانا مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ بھلائی کے ساتھ بُرائی کے دفاع کی تمہیں جو وصیت اور تاکید کی گئی ہے' اگر اس سے شیطان تمہیں گمراہ کرنا چاہے یا اسے تم سے بھلانا چاہے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اس کے شر سے بچنے کے لیے اور اپنے حلم و بردباری پر قائم رہ کر چلتے رہو اور اس کا کہنا نہ مانو ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ﴾ بے شک وہ تمہاری پناہ طلب کرنے کی دعا اور فریاد کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ شیطان کے اُکسانے کو خوب جاننے والا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ السجدة وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾

[السجدة]

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں' تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو○ پھر اگر وہ تکبر کریں تو وہ (فرشتے) جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں' وہ رات اور دن اسی کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ نہیں تھکتے○ اور اس کی نشانیوں میں سے (یہ بھی ہے) کہ بے شک تم زمین کو خشک دیکھتے ہو' پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ کھیتی سے تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے' بے شک جس نے اس کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے○

## اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے لیے قدرت کی نشانیوں کا بیان

۳۷- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت و رہنمائی کرنے والی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں جو معین حد پر ایک دوسرے کے تعاقب میں رواں دواں رہتے ہیں اور مقررہ مقدار پر باری باری دونوں چلتے رہتے ہیں ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند ہیں جو دونوں مقدر مسافت اور مقررہ نور کے ساتھ مختص ہیں ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ تم نہ تو سورج کے لیے سجدہ کرو' اور نہ چاند کے لیے کیونکہ یہ دونوں مخلوق ہیں اگرچہ ان کے منافع اور فوائد بہت زیادہ ہیں ﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اور تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کیا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر اس کی عبادت کرتے ہو [اور ''خـلـقهن'' میں ''هُنَّ'' ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے (یعنی ان تمام نشانیوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس لیے وہی خالق عبادت کا مستحق ہے نہ کہ یہ مخلوق) یا یہ ضمیر ''لیل''' ''نهـار'' اور ''شـمـس'' اور ''قـمـر'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ غیر ذوی العقول جماعت کا حکم مؤنث کے حکم کی مثل ہوتا ہے یا پھر ستاروں کی طرف لوٹتی ہے جیسے ''الاقـلام بـریتها'' اور ''لـلاقلام

بریتھن '' کہنا جائز ہے ] اور ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوں جیسے صابئین ستاروں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ستاروں کو سجدہ کرنے سے اصل میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کا قصد اور ارادہ کرتے ہیں' اس لیے اس آیت مبارکہ میں انہیں اس واسطہ سے روکا اور منع کیا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سجدوں میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت کیا کریں' اگر وہ واقعی اس کی عبادت کرتے ہیں اور وہ مؤحد اور توحید پرست بن کر رہیں' مشرک و شرک کرنے والے بن کر نہ رہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ اور اللہ تعالیٰ کا عابد نہیں کہلاتا۔

٣٨- ﴿ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ پھر اگر وہ تکبر کریں تو جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں یعنی فرشتے ﴿ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴾ وہ اس کے لیے رات اور دن تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں نہ وہ اکتاتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ پھر اگر وہ تکبر کریں اور انہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل نہ کریں اور واسطہ کے بغیر براہِ راست عبادتِ الٰہی سے انکار کر دیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے والے اور سجدہ کرنے والے کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کے بڑے مقرب و خاص بندے ہیں جو رات اور دن شریکوں سے اللہ تعالیٰ کی براءت اور اس کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور '' عند ربك '' سے قرب و مرتبہ اور کرامت و عزت مراد ہے اور ہمارے (احناف کے) نزدیک سجدۂ تلاوت '' لا يسئمون '' پر کیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک '' تعبدون '' پر کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ محتاط ہے۔

٣٩- ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بے شک آپ دیکھتے ہیں کہ زمین خشک و بنجر ہوتی ہے (یعنی) سوکھ کر غبار آلود ہوتی ہے '' خشوع '' کا معنی انتہائی عاجزی ہے' سو اس زمین کی حالت کے بیان کے لیے بطور مجاز لیا گیا جب زمین قحط کی وجہ سے خشک ہو جاتی ہے' اس پر کوئی سبزہ وغیرہ نہیں رہ جاتا ﴿ فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ ﴾ سو جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں ﴿ اهْتَزَّتْ ﴾ تو زمین میں سبزہ اُگ کر لہلہانے لگتا ہے اور جھومنے لگتا ہے ﴿ وَرَبَتْ ﴾ اور وہ سبزہ اور گھاس وغیرہ بڑھ کر بلند اور اونچا ہو جاتا ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ بے شک جس نے اس (خشک زمین) کو زندہ کیا ہے البتہ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے مُردوں کو اٹھانے پر ضرور قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں رہتے' تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا' تم جو چاہو عمل کرو' بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ خوب دیکھنے والا ہے O

بے شک جن لوگوں نے نصیحت (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آئی' اور بے شک وہ البتہ بڑی عزت والی کتاب ہےO باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے' یہ بڑی حکمت والے بہت تعریف کیے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہےO

## منکرینِ قرآن کی مذمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

٤٠- ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا﴾ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلائل میں زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے حق سے روگردانی کر لیتے ہیں اور حق سے پھر جاتے ہیں اور ''الحد الحافر ولحد'' اس وقت بولے جاتے ہیں جب گورکن سیدھی قبر کھود کر اس سے ایک کنارے کی طرف پھر جائے اور بغلی قبر کھودنے لگ جائے' پھر اس لفظ کو قرآن مجید کی آیات کی تاویل وتشریح میں صحیح اور استقامت کے طریقے سے انحراف واعراض کرنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''یَلۡحَدُوۡنَ'' (بفتح الیاء' باب فتح یفتح) ہے] ﴿لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا﴾ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ وہ ہم سے چھپے رہ سکتے ہیں' اور یہ انحراف اور تحریف کرنے پر کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے ﴿اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَةِ﴾ تو کیا جو شخص دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے گا۔ یہ کافر اور مؤمن کے لیے ایک مثال بیان کی گئی ہے (کہ کافر دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو گا جب کہ مؤمن امن میں رہے گا) ﴿اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ﴾ تم جو چاہو عمل کرو۔ یہ سخت ترین دھمکی اور بہت بڑا ڈراوا ہے اور وعید (دھمکانے) میں مبالغہ ہے ﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴾ تم جو اعمال کرتے ہو بے شک وہ انہیں خوب دیکھنے والا ہے' سو وہ ان اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

٤١- ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ﴾ بے شک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ کفر وانکار کیا' اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اس میں طعن وتشنیع کرتے تھے اور اس کی تاویل میں تحریف کیا کرتے تھے ﴿لَمَّا جَآءَهُمۡ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا [''اِنَّ'' کی خبر محذوف ہے' ''ای یعذبون او هالكون او (اولئك ینادون من مكان بعید)'' ہے یعنی قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں کو عذاب دیا جائے گا یا انہیں ہلاک کیا جائے گا یا انہیں کو دور جگہ سے پکارا جائے گا اور جو ان دونوں کے درمیان کلام ہے' معترضہ ہے] ﴿وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ﴾ اور بے شک یہ البتہ بڑی عزت وغلبہ والی کتاب ہے یعنی ایسی کتاب ہے جس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کی حمایت کی وجہ سے محفوظ کتاب ہے۔

٤٢- ﴿لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ﴾ اس کے پاس باطل نہیں آ سکتا (یعنی) وہ نہ تبدیل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں تناقض وتخالف ہو سکتا ہے ﴿مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ﴾ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یعنی تمام وجوہ میں سے کسی وجہ سے اس میں باطل کا گزر نہیں ہو سکتا (آگے پیچھے کا ذکر کثرتِ استعمال کی وجہ سے کیا گیا ہے) ﴿تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ﴾ (یہ قرآن) حمد وثناء کے مستحق بہت بڑے حکمت والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدۡ قِیۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ ؕ

ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۴۴﴾ ع ۱۹

آپ کے لیے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا' بے شک آپ کا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا ہےO اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بناتے تو وہ ضرور یہی کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا' کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے' اے محبوب! فرما دیجئے یہ مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت اور شفاء ہے' اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر مشتبہ ہے' یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جاتا ہےO

۴۳- ﴿مَا یُقَالُ لَکَ﴾ آپ کے لیے نہیں کہا جاتا (یعنی) آپ سے آپ کی قوم نہیں کہتی ﴿اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ؕ﴾ مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا تھا یعنی جس طرح گزشتہ انبیاء ورسل کی قوموں کے کفار اذیت ناک اور تکلیف دہ کلمات (جیسے ساحر' مجنون اور شاعر وغیرہ) کہتے تھے اور ان پر نازل شدہ کتابوں کے بارے میں طعنے (جیسے بناوٹی اور من گھڑت) دیتے تھے اسی طرح آپ کی قوم آپ سے کہتی ہے ﴿اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ بے شک آپ کا پروردگار البتہ ضرور بہت بخشنے والا اور اپنے انبیائے کرام پر بہت رحم وکرم فرمانے والا ہے ﴿وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ﴾ اور وہ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اسی طرح ارشاد فرما رہا ہے جس طرح اس نے آپ سے پہلے رسولوں سے ارشاد فرمایا تھا اور وہ ارشاد یہی ہے کہ ''اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍO'' بے شک آپ کا رب تعالیٰ اپنوں کو بہت بخشنے والا ہے اور اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہےO

۴۴- ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ﴾ اور اگر اس کو یعنی ذکر کو بناتے ﴿قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا﴾ عجمی قرآن یعنی عجمی زبان کا قرآن بناتے' دراصل کفار مکہ بغض وعناد اور تعصب کی بناء پر کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا جیسا یہ مطالبہ کرتے ہیں تو ﴿لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ﴾ البتہ وہ کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا یعنی وہ عناد کی وجہ سے کہتے: قرآن مجید کو عربی زبان میں واضح طور پر بیان کیوں نہیں کیا گیا تاکہ ہم اس کو سمجھ لیتے ﴿ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ﴾ کیا یہ قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاَعْجَمِیٌّ'' ہے' پہلا ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی انہوں نے انکار کر دیا اور انہوں نے کہا: کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے یا جس قوم کی طرف قرآن بھیجا گیا ہے وہ عربی ہے اور باقی حضرات نے ایک استفہامی ممدودہ ہمزے کے ساتھ پڑھا ہے] اور عجمی وہ کلام ہوتا ہے جو غیر فصیح ہو اور اس کا کلام سمجھ میں نہ آتا ہو خواہ وہ عجم میں سے ہو یا عرب میں سے اور عجمی عجم کی قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ فصیح ہو یا غیر فصیح اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے پاس کسی بھی طریقہ پر آ جاتیں تو وہ ان میں کوئی نہ کوئی دشواری اپنے لیے ڈھونڈ لیتے کیونکہ وہ لوگ حق کے طالب نہیں ہیں اور وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتا تو وہ ضرور قرآن ہی ہوتا' پس یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل ہے کہ جب فارسی زبان میں قراءت کی جائے تو نماز جائز ہوگی ﴿قُلْ هُوَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ یعنی یہ

قرآن مجید ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى﴾ ایمان رکھنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿وَّشِفَآءٌ﴾ اور (یہ قرآن مجید) سینوں اور دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے لیے شفاء ہے کیونکہ شک وشبہ (روحانی) بیماری ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ اور جو لوگ (اس قرآن پر) ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''للذین 'امنوا'' پر معطوف ہے'' ای ھو للذین 'امنوا ھدی وشفآء وھو للذین لا یؤمنون فی 'اذانھم وقر ''یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے تو ہدایت اور شفاء ہے اور یہ قرآن ایمان نہ لانے والوں کے لیے ان کے کانوں میں بوجھ ہے یعنی ان کے کان قرآن مجید سننے سے بہرے ہیں مگر یہ کہ اس میں ''عاملین'' پر عطف کیا جائے اور یہ اخفش کے نزدیک جائز ہے یا یہ مبتدا محذوف ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(والذین لا یؤمنون) ھو (فی 'اذانھم وقر)'' اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ قرآن ان کے کانوں میں بوجھ ہے یا پھر ''(فی 'اذانھم) منہ (وقر)'' ہے یعنی اس کی وجہ سے ان کے کانوں میں بوجھ ہے] ﴿وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ اور وہ یعنی قرآن ان پر ظلمت وتاریکی اور مشتبہ ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جائے گا' یعنی بے شک ان لوگوں کا قرآن مجید کو قبول نہ کرنے اور اس سے نفع حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گویا انہیں دور کی مسافت سے قرآن مجید پر ایمان لانے کے لیے پکارا جاتا ہے' جہاں سے وہ نہیں سن سکتے اور بعض نے کہا کہ کفار کو قیامت کے دن دور جگہ سے بدترین ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝٤٥ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝٤٦

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی' سو اس میں اختلاف کیا گیا' اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک وہ اس سے تردّد میں ڈالنے والے شک میں ہیں ○ جو نیک عمل کرے گا تو اپنی جان ہی کے فائدے کے لیے کرے گا اور جو بُرا عمل کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا' اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

## حضرت موسیٰ کی کتاب میں بنی اسرائیل کے اختلاف کا بیان

٤٥- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی' سو اس میں اختلاف کر دیا گیا' چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بعض نے کہا کہ یہ کتاب برحق ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ باطل ہے جیسا کہ آپ کی قوم قریش مکہ نے آپ کی کتاب قرآن مجید میں اختلاف کیا ہے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے عذاب کی تاخیر کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح تباہ وبرباد اور ہلاک کر دیتا جس طرح جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کیا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ کلمہ سابقہ سے قیامت کے دن فیصلہ کرنے کا وعدہ مراد ہے اور بے شک اسی دن میں تمام جھگڑوں کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿وَاِنَّهُمْ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) اور بے شک کفار ﴿لَفِيْ شَكٍّ﴾

﴿مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ﴾ ضرور اس کے بارے میں تردد میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔

۴۶- ﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ﴾ جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اس کا نفع اسی کی جان کے لیے ہوتا ہے ﴿وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا﴾ اور جو شخص بُرے عمل کرتا ہے تو اس کا ضرر اس کی ذات پر پڑے گا ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ﴾ اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں کہ وہ بُرے عمل نہ کرنے والے کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

قیامت کا علم اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور پھلوں میں سے کوئی بھی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ مادہ میں سے کوئی حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس دن وہ انہیں پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے: ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے O اور ان سے وہ گم ہو گئے ہیں جن کی وہ اس سے پہلے عبادت کرتے تھے اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے O

## اللہ تعالیٰ کی علمی شان اور بت پرستی کی مذمت

۴۷- ﴿اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف پھیرا جاتا ہے یعنی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا علم صرف اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے لہٰذا جس آدمی سے قیامت کے آنے کے بارے میں سوال کیا جائے کہ قیامت کب واقع ہو گی تو اس آدمی پر واجب اور لازم ہے کہ وہ کہہ دے کہ اس کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ﴿وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ﴾ اور پھلوں میں سے کوئی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے یعنی پھلوں میں سے کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا اور نہ حمل اٹھانے والی مادہ اپنا حمل اٹھاتی ہے اور نہ کوئی بچہ جننے والی مادہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو خوب جاننے والا ہے وہ حمل کے دنوں کی تعداد کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام اوقات کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی جانتا ہے کہ ہونے والا بچہ ناقص ہے کہ مکمل ہے اور نر ہے کہ مادہ (بچہ ہے یا بچی ہے) اور خوب صورت ہے یا بدصورت ہے وغیرہ وغیرہ [''اکمام''، ''کم'' کی جمع ہے جس کا معنی پھل نکلنے سے پہلے شگوفہ یا غلاف ہے جس میں نکلنے والا پھل محفوظ ہوتا ہے قاری نافع مدنی ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''ثمرات'' الف کے ساتھ (''ثمرۃ'' کی جمع) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک بغیر الف کے ''ثمرۃ'' ہے] ﴿وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکار کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے گمان پر شرکاء کی نسبت و اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا'' (الانعام:۹۴) ''اور ہم تمہارے ساتھ تمہاری سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کے

متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں' اور اس آیت مبارکہ میں ان کے ساتھ مسخری اور ٹھٹھا مخول کیا گیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا گیا ہے ﴿قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ﴾ وہ کہیں گے: ہم نے تجھے بتلا دیا ہے (یعنی) ہم نے تجھے آگاہ کر دیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر بیان کر دی ہے اور یہی زیادہ ظاہر اور مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس کو پہلے ہی سے جانتا ہے اور عالم کو آگاہ کرنا محال ہے لیکن عالم کو کسی چیز کی خبر بیان کرنا تو اس سے اس کے علم کا ثبوت واضح ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک اے اللہ! اس وقت ہمارے دلوں میں جو کچھ ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہ باطل گواہی نہیں دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے تو گویا انہوں نے اسے بتلا دیا کہ ﴿مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ﴾ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے یعنی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ گواہی دے کہ آپ کے ساتھ اور معبود شریک ہیں اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر وہ آپ کی توحید کا اعتراف کرنے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھ رہا کیونکہ اس روز مشرکین ان سے گم ہوں گے اور ان کے معبودانِ باطلہ ان سے گم ہو چکے ہوں گے' یہ مشرکین ڈانٹ ڈپٹ کے وقت انہیں نہیں دیکھ سکیں گے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ شریکوں (یعنی بتوں) کا کلام ہے یعنی ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے جو یہ گواہی دے کہ انہوں نے ہماری طرف شرک کی نسبت کی تھی۔

٤٨- ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ﴾ اور ان مشرکین سے وہ معبود گم ہو جائیں گے جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ "يَدْعُوْنَ" بہ معنی "يَعْبُدُوْنَ" ہے کہ جن بتوں کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے اور ان کے کام نہیں آئیں گے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے (یعنی) دنیا میں ﴿وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ﴾ اور وہ یقین کرلیں گے کہ ان کے لیے کہیں بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ "ظَنُّوْا" بہ معنی "ایقنوا" ہے کہ وہ یقین کرلیں گے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ
اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مایوس و ناامید ہو جاتا ہے○ اور اگر اسے تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اپنی طرف سے اس کو رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ ضرور کہے گا: یہ میرے لیے ہے' اور میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال نہیں کرتا' اور البتہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک اس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہوگی' سو جن لوگوں نے کفر کیا ہے ہم انہیں ان اعمال سے ضرور آگاہ کریں گے جو انہوں نے کیے اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھائیں گے○ اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا کر دور ہو جاتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا ہو جاتا ہے○

## انسان کا حرص کبھی ختم نہیں ہوتا

۴۹- ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ﴾ انسان نہیں تھکتا (یعنی) کافر انسان کبھی نہیں اُکتاتا جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً'' (الکہف:۳۶) ''اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا'' ﴿مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ﴾ بھلائی مانگنے سے (یعنی) انسان مال و دولت کی وسعت و فراخی اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی طلب میں کبھی نہیں تھکتا اور نہ ہی ان کی مانگ میں کبھی اُکتاتا ہے [اور اصل میں ''من دعائه الخیر'' تھا پھر فاعل کو حذف کر دیا گیا اور ''دعاء'' کو مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا] ﴿وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور اگر اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری ﴿فَيَئُوْسٌ﴾ تو وہ خیر و بھلائی اور مال و دولت سے مایوس ہو جاتا ہے ﴿قَنُوْطٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اس میں دو طریقوں سے مبالغہ کیا گیا' ایک فعول کے وزن پر کلمہ کو لانے کے طریقہ سے اور دوسرا تکرار کے طریقہ سے اور ''قنوط'' یہ ہے کہ انسان پر مایوسی کا اثر ظاہر ہونے لگے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے یعنی اس کی امید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ٹوٹ جائے اور یہ صفت کافر کی ہوتی ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ O'' (یوسف:۸۷) ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہوتے مگر کفار لوگ O''۔

۵۰- ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ﴾ اور اگر ہم اس (انسان) کو اپنی طرف سے کوئی رحمت کا مزہ چکھا دیں اس کے بعد کہ اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہلے پہنچ چکی ہو تو وہ ضرور یہی کہے گا کہ یہ میرے لیے ہے (یعنی) اور جب ہم اس سے کوئی بیماری وغیرہ دور کر کے صحت و تندرستی عطا کرتے ہیں اور تنگ دستی و غربت کو دور کر کے مال و دولت میں خوش حالی اور فراخ روزی عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے: یہ میرے لیے ہے یعنی یہ میرا حق ہے جو مجھے مل گیا ہے کیونکہ نیک اعمال اور خاندانی فضیلت و برتری اور خیر و بھلائی جو مجھے حاصل ہے' اس کی وجہ سے میں اس کا مستحق ہوں یا یہ معنی ہے کہ یہ میرے لیے ہے' مجھ سے کبھی زائل نہیں ہوگی ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا یعنی میں اس کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ قائم ہوگی ﴿وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ﴾ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹایا گیا جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں تو ﴿اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی یعنی جنت یا بہترین حالت عزت و کرامت اور نعمت ہوگی' وہ دنیا کے معاملہ پر آخرت کے معاملہ کو قیاس کر کے یہ کہے گا: ﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا﴾ سو ہم کفر اختیار کرنے والے لوگوں کو ضرور آگاہ کریں گے جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں (یعنی) عذاب کو واجب کرنے والے اعمال کی حقیقت سے ہم انہیں ضرور آگاہ اور خبردار کریں گے' جو انہوں نے دنیا میں رہ کر کیے ہیں ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے جو ان سے کبھی کم نہ ہوگا۔ ''غلیظ'' بہ معنی شدید ہے۔

۵۱- ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ﴾ اور جب ہم انسان پر کوئی احسان کرتے ہیں تو وہ اعراض کر لیتا ہے۔ یہ انسان کی سرکشی کی دوسری قسم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اترا جاتا ہے اور غرور و تکبر کرتا ہے' پس وہ اپنے منعم اور اپنے محسن کو بھول جاتا ہے اور اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس سے منہ پھیر لیتا ہے ﴿وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ اور وہ اپنی طرف دور ہو جاتا ہے (یعنی) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس سے دعا مانگنے سے دور ہو جاتا ہے یا وہ بذاتِ خود

روگرداں ہو کر دور چلا جاتا ہے اور تکبر و غرور اختیار کر لیتا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ "جانبه" کو "نفسه" کی جگہ پر رکھا جائے کیونکہ کسی چیز کے مکان اور اس کی جہت کو اس کے نفس کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جیسا کہ کاتبوں کا قول ہے: "کتبت الی جهته والی جانبه العزیز" میں نے اس کی عزیز و پیاری جہت اور اس کی جانب خط لکھا ہے۔ ان کی مراد نفس اور اس کی ذات ہوتی ہے تو گویا فرمایا کہ وہ انعام پانے کے بعد اپنی ذات کے ساتھ دور ہو جاتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور جب اسے ضرر و نقصان اور فقر و غربت پہنچتی ہے ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ تو وہ لمبی چوڑی کثرت سے دعا کرنے والا بن جاتا ہے یعنی وہ ہمیشہ دعا مانگنے پر متوجہ رہتا ہے اور وہ گڑگڑانا اور آہ و زاری کرنا شروع کر دیتا ہے اور "عریض" کے لفظ کو ہمیشہ اور کثرت سے دعا مانگنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور یہ اجسام کی صفت سے ہے جیسا کہ "غلیظ" کے لفظ کو سخت عذاب کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور "فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ" کے ارشاد کے درمیان اور "فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ" کے ارشاد کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ پہلا کسی قوم کے بارے میں ہے اور دوسرا کسی دوسری قوم کے بارے میں ہے یا ایک ہی قوم مراد ہے لیکن وہ قوم ناامید خشکی میں ہوتی ہے اور دعا مانگنے والی دریا میں ہوتی ہے یا دل میں ناامید ہوتی ہے اور زبان سے دعا مانگتی ہے یا پھر بتوں سے ناامید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والی ہوتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم بھلا بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم نے اس کے ساتھ کفر کیا تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو گا جو حق کی مخالفت میں دور جا پڑا O عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی جانوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ حق ہے' کیا تمہارا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے O سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' سنو! بے شک وہی ہر چیز کو محیط ہے O

۵۲- ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم نے دیکھ لیا (یعنی) مجھے خبر دو اور مجھے بتلاؤ کہ ﴿اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو پھر تم اس کے ساتھ کفر کرو (یعنی) پھر اس بات کا انکار کر دو کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ﴿مَنْ اَضَلُّ﴾ "مِنْكُمْ؟" تم میں سے کون زیادہ گمراہ ہو گا؟ ﴿مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ اس شخص سے جو قرآن کی مخالفت اور گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہو۔ یہ ان کے حال اور صفت کا بیان ہے ["من اضل" کے بعد "منکم" مقدر ہے مگر یہ کہ "مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ" کو "منکم" کی جگہ رکھا جائے]۔

۵۳- ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ﴾ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے (یعنی) مشرق اور مغرب

میں بہت سے ممالک فتح کر کے ﴿ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور فتح مکہ کے دن ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں خود ان کی اپنی جانوں میں دکھا دیں گے ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ یہاں تک کہ ان کے لیے ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ یعنی قرآن مجید یا دین اسلام حق ہے ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اور کیا آپ کا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے [''بربك'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''یکف'' کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے اور ''اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'' اس سے بدل ہے' اس کی مقدر عبارت یوں ہے: ''اولم یکفهم ان ربك علی کل شیء شهید''] اور کیا انہیں یہی کافی نہیں کہ بے شک آپ کا پروردگار ہر چیز پر گواہ ہے؟ یعنی کیا انہیں آپ کے پروردگار کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟ اور اس کا معنی یہ ہے کہ آفاق اور خود ان کی اپنی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے اظہار کے اس وعدے کو عنقریب وہ دیکھ لیں گے اور وہ اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور اس وقت ان پر واضح طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید ہر قسم کے غیب کو جاننے والے اس خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے۔

۵۴- ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴾ سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ سنو! بے شک وہ ہر چیز پر محیط ہے وہ تمام چیزوں کو خوب جاننے والا ہے اور ان کی تفاصیل کو اور ان کے ظواہر کو اور ان کے بواطن کو سب کچھ جاننے والا ہے' سو اس سے کوئی چھپنے والی چیز چھپی ہوئی نہیں رہتی' سو وہی ان کے کفر پر اور اپنے پروردگار کی ملاقات میں شک کرنے پر انہیں سخت سزا دے گا۔

| | | |
|---|---|---|
| آیاتھا ۵۳ رکوعاتھا ۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | سورة الشورٰی مکیة ۴۲ |
| اس کی ترپن آیات' پانچ رکوع ہیں | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ | سورۃ الشوریٰ مکی ہے |

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا رہا ہے' جو سب پر غالب ہے بہت حکمت والا ہے ۝ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور وہ بلند مرتبہ والا بہت عظمت والا ہے ۝ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے بخشش کی طلب کرتے ہیں' خبردار رہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

## اللہ تعالیٰ کی شان' قرآن کے نزول کی حکمت اور کفار کی مذمت

سورتِ شوریٰ مکی ہے اور اس سورت کی ترپن آیات ہیں۔

۱ '۲ ۔ ''کھیٰعص'' (مریم:۱) کے خلاف ''حٰمٓ'' کی کتابت ''عسق'' سے الگ اور جدا اس لیے کی گئی ہے کہ ''حٰمٓ'' اپنی ہم مثل (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک ''حٰمٓ'' سے شروع ہونے والی سورتوں) کے موافق ہو جائے اور اس لیے کہ بے شک ''حٰمٓ'' اور ''عسق'' دو آیتیں ہیں اور ''کھیٰعص'' ایک آیت ہے۔

۳۔﴿ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے یعنی اس وحی کی طرح یا اس کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی آپ سے پہلے دیگر انبیاء و رسل کی طرف ﴿ اللّٰهُ ﴾ یعنی جن معانی پر یہ سورت مشتمل ہے اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی انہیں معانی کی مانند اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی نازل فرماتا ہے اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی انہیں معانی کی وحی نازل کرتا رہا اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں معانی کو قرآن مجید میں اور تمام آسمانی کتابوں میں بار بار بیان کرتا رہا ہے کیونکہ ان معانی میں بہت بڑی تنبیہ اور اس کے بندوں پر بہت بڑا لطف و کرم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوئی صاحب کتاب نبی نہیں گزرا مگر اس کی طرف ''حٰمٓOعسق'' کی وحی کی گئی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یوحٰی'' میں ''حا'' مفتوح ہے اس قراءت کی بناء پر اسم جلالہ اللہ کو رفع دینے والا وہ ہے جس پر ''یوحٰی'' دلالت کر رہا ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ وحی نازل کرنے والا کون ہے تو جواب میں کہا گیا: اللہ تعالیٰ ہے] ﴿ الْعَزِيْزُ ﴾ جو اپنے قہر کے ساتھ سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل میں درست اور صحیح ہے۔

٤۔﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کی ملکیت میں ہے اور سب کا وہی بادشاہ ہے ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ ﴾ اور وہی ہے جس کی شان بہت بلند ہے ﴿ الْعَظِيْمُ ﴾ اس کی برہان بہت بڑی ہے۔

۵۔﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ﴾ قریب ہے تمام آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا شان اور اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے قریب ہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور اس کی دلیل اس آیت مبارکہ کا ''العلی العظیم'' کے بعد آنا ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنے کے سبب قریب ہے کہ تمام آسمان پھٹ پڑیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاO اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاO'' (مریم:۹۰۔۹۱) ''قریب ہے کہ تمام آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیںO کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیاO'' اور ''مِنْ فَوْقِهِنَّ'' کا معنی یہ ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کا آغاز آسمانوں کی اوپر کی سمت سے ہو گا اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ کہا جاتا کہ ''يَتَفَطَّرْنَ مِنْ تَحْتِهِنَّ'' یعنی تمام آسمان اپنے نیچے سے اس جہت سے پھٹ پڑیں گے جس سے کفر و شرک کا کلمہ آیا کیونکہ کفر و شرک کا کلمہ ان لوگوں سے آیا جو آسمانوں کے نیچے رہتے ہیں لیکن اس میں مبالغہ کیا گیا ہے پس یہ کلمہ اوپر کی جہت میں بھی مؤثر قرار دیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان نیچے کی جہت چھوڑ کر اوپر کی جہت سے پھٹ جائیں اور بعض حضرات نے فرمایا: ''من فوقهن'' کا مطلب ''من فوق الارض'' یعنی زمین کے اوپر پھٹ جائیں سو کنایہ زمین کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ ''الارضین'' کے معنی میں ہیں اور بعض اہل علم کا فرمان ہے کہ آسمانوں پر فرشتوں کی کثرت کے سبب قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آسمان چرچراتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے کیونکہ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی خالی نہیں مگر ہر جگہ فرشتے قیام رکوع اور سجدے کی

حالت میں عبادت میں مصروف رہتے ہیں[1] [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں "یکادہ"، "یا" کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "ینفطرن" ہے] ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور فرشتے اپنے پروردگار کی عظمت وشان کو دیکھ کر عاجزی کے ساتھ اس کی حمد وثناء اور تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (یعنی) ان میں سے مسلمانوں کے لیے مغرب طلب کرتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (المؤمن:۷) "اور وہ اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کی وجہ سے ان پر خوف وڈر طاری رہتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے اس کی توحید کو بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس پر جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر حمد وثناء بیان کرتے ہیں جو اس نے اپنے لطف وکرم سے انہیں عطا فرمائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے مشرکین کی حرکات کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور زمین پر رہنے والے مسلمانوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں جو اس کلمہ سے بَری ہیں یا وہ اپنے پروردگار سے زمین والوں کے لیے حلم کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد عذاب نہ دے ﴿اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ خبردار رہو! بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کے لیے بہت بخشش فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ
يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا
لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٨ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ
ع يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٩

اور جن لوگوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا متولی بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھے ہوئے ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O اور اسی طرح ہم نے عربی زبان میں قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے گرد ونواح والوں کو ڈر سنائیں اور آپ جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا O کیا انہوں نے اس کے سوا متولی بنا رکھے ہیں سو اللہ تعالیٰ ہی تمام اُمور کا متولی ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O

۶- ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو دوست بنا لیا یعنی انہوں نے

[1] رواہ احمد ج ۵ ص ۱۷۳، الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲، ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰

اللہ تعالیٰ کے لیے بہت سے شریک اور ہمسر بنالیے ﴿اللّٰهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر نگہبان ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے احوال اور ان کے اعمال پر نگران اور ان پر مطلع ہے' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں' سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور سزا دے گا ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں' نہ تو آپ کو ان پر مقرر کیا گیا ہے اور نہ ان کے اُمور و معاملات آپ کے سپرد کیے گئے' بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں اور بس۔

٧- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح اور اسی کی مانند ﴿أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور یہ اس آیت مبارکہ کے معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا نگران و محافظ ہے آپ نہیں' بلکہ آپ ڈر سنانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معنی کو اپنی کتاب قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے [پس کاف تشبیہ "اوحینا" کا مفعول بہ ہے] ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ [یہ مفعول بہ سے حال ہے] یعنی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور وہ قرآن مجید ہے جو واضح عربی زبان میں آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى﴾ تاکہ آپ ام القریٰ (کے باشندوں) کو ڈر سنائیں یعنی مکہ مکرمہ (کے رہنے والوں) کو کیونکہ زمین کو مکہ مکرمہ کے نیچے سے چار اطراف پھیلایا گیا تھا اس لیے کہ یہ تمام روئے زمین کے حصوں سے افضل واعلیٰ اور بزرگ ترین جگہ ہے اور "ام القریٰ" سے وہاں کے رہنے والے مراد ہیں ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور جو اس کے گرد و نواح میں رہنے والے اہل عرب ہیں' ان کو بھی ڈر سنائیں ﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ﴾ اور آپ جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرایئے (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرایئے کیونکہ اسی میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے [یہ جملہ معترضہ ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں چنانچہ "انذرته كذا" اور "انذرته بكذا" دونوں طرح کہا جاتا ہے اور بے شک "لتنذر ام القرى" پہلے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور "وتنذر يوم الجمع" دوسرے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے] ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا یعنی اور ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ان میں سے ایک گروہ دوزخ میں جائے گا [اور ضمیر دونوں مجموعوں کے لیے ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ قیامت کا روز تمام مخلوق کے لیے جمع ہونے کا دن ہے۔

٨- ﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ضرور ایک جماعت بنا دیتا یعنی سب کو مسلمان بنا دیتا ﴿وَلٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسلام کے ساتھ مکرم و معزز کر دیتا ہے ﴿وَالظّٰلِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا (یعنی) کافروں کے لیے نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی دفاع کرنے والا ہوگا "الظالمون" سے کفار مراد ہیں اور "ولی" سے سفارشی مراد ہے اور "نصیر" سے دافع مراد ہے۔

٩- ﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ کیا انہوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنا لیا ہے' سو اللہ تعالیٰ ہی سب کا دوست و مددگار ہے "فا" شرط مقدر کا جواب ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر ولی کے انکار کے بعد کہا گیا کہ اگر "ولی" سے حق مراد ہے تو اللہ تعالیٰ ہی برحق ولی ہے اور وہی اس بات کا حق دار ہے' اکیلے اسی کو لازمی طور پر متولی اور دوست بنا لیا جائے اور اس کے ماسوا کوئی برحق ولی اور دوست نہیں ہے ﴿وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہے' پس اکیلا وہی اس بات کا حق دار ہے کہ تمام اُمور میں اسی کو متولی اور متصرف بنایا جائے نہ کہ اسے جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ
الْبَصِيرُ ⑪ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑫

اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو؛ اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے بھی جوڑے بنائے وہ تمہیں اس میں بڑھاتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

## اختلافی مسائل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۱۰- ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی حکایت ہے جو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے جو کفار کسی دینی مسئلہ میں تمہارے خلاف ہو جائیں اور تم اور وہ دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں مختلف ہو جاؤ ﴿فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور وہی مسلمانوں میں سے اہل حق کو اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا ﴿ذَٰلِكُمُ﴾ وہی جو قیامت کے روز تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے ﴿اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا پروردگار ہے میں نے اسی پر بھروسا کر رکھا ہے۔ اس میں دشمنانِ دین کے مکر وفریب کی تردید کی گئی ہے ﴿وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ اور میں اسی کی طرف رجوع رکھتا ہوں وہی کفار کے شر کے مقابلے میں میری کفایت فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ علوم میں سے جس علم کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو جائے جس کی رسائی کے تم مکلف نہیں ہو اور اس علم تک رسائی حاصل کرنے کا تمہارے پاس کوئی طریقہ بھی نہیں ہے تو تم کہہ دیا کرو: "اللہ اعلم" یعنی اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے جیسے روح وغیرہ کی معرفت۔

۱۱- ﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے [اس کا مرفوع ہونا اس بناء پر ہے کہ یہ "ذَالِکُم" کی خبروں میں سے ایک خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "ھو فاطر الخ"] ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے (عورتوں کی صورت میں) جوڑے بنائے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس بنی نوع انسان میں سے (عورتوں کے) جوڑے بنائے ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا﴾ اور

چوپایوں میں سے جوڑے (نر اور مادہ) بنائے یعنی اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لیے بھی ان کی جنس سے جوڑے پیدا فرمائے ہیں ﴿ یَذْرَؤُكُمْ ﴾ وہی تمہیں پھیلاتا ہے (یعنی) وہ تمہیں بڑھاتا اور زیادہ کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''ذَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ بَثَّهُمْ وَكَثَّرَهُمْ'' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پھیلا دیا اور ان کو نسل در نسل بڑھا دیا اور بہت زیادہ کر دیا ﴿ فِيْهِ ﴾ اس تدبیر میں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جانوروں کے جوڑے بنائے یہاں تک کہ ان کے مذکروں (نروں) اور ان کی مؤنثوں (ماداؤں) کے درمیان اولاد اور نسل در نسل کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ''بِهٖ'' فرمانے کی بجائے ''فِيْهِ'' کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس تدبیر کو ان کو پھیلانے اور کثرت سے بڑھانے کے لیے منبع و معدن اور سرچشمہ بنا دیا گیا اور ''يَذْرَؤُكُمْ'' میں ''كُمْ'' ضمیر مخاطبین اور جانوروں کی طرف لوٹتی ہے اس میں عقل مند مخاطبوں کو غیر عقل مند غائبوں پر غلبہ دے دیا گیا ہے ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک تشبیہ کے کلمے (کاف اور مثل) کو تمثیل اور مماثلت کی نفی کی تاکید و توثیق کے لیے مکرر لایا گیا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''ليس مثله شيء'' اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں ''مثل'' زائد ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''ليس كهو شيء'' اس کی مثل کوئی چیز نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا'' (البقرہ: ۱۳۷) ''سو اگر وہ (یہود و نصاریٰ) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح (اے اصحابِ رسول!) تم ایمان لے آئے ہو تو وہ یقیناً ہدایت پالیں گے'' اور یہ اس لیے کہ اس کلام سے مثلیت کی نفی مراد ہے اور جب کاف یا ''مثل'' (کسی ایک) کو زیادہ قرار نہیں دیا جائے گا تو ''مثل'' کا اثبات ہو جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے ''ليس كذاته شيء'' مراد ہے یعنی اس کی ذات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں: ''مثلك لا يبخل'' تیرے جیسا کوئی بخل نہیں۔ اس کلام سے مخاطب کی ذات سے بخل کی نفی مراد ہوتی ہے اور وہ کنایہ کے طور پر اس میں مبالغہ کرنے کا قصد کرتے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اس شخص سے بخل کی نفی کر دی جو اصل مخاطب کا قائم مقام ہے تو انہوں نے اصل مخاطب سے بھی یقیناً بخل کی نفی کر دی پھر جب معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً کنایہ کے باب سے ہے تو اب ''ليس كالله شيء'' کے درمیان اور ''ليس كمثله شيء'' کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا مگر یہ کہ کنایہ فائدہ دیتا ہے گویا یہ دونوں عبارتیں ایک معنی دیتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مماثلت کی نفی ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد بھی ہے: ''بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ'' (المائدہ: ۶۴) ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ اور کھلے ہوئے ہیں'' سو اس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) جواد اور بہت سخی ہے نہ ہاتھ کا تصور ہے اور نہ اس کے کشادہ ہونے کا تصور ہے کیونکہ اس سے صرف جود و سخا مراد ہے یہاں تک کہ اہل عرب اس کلام کو اس کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے ہاتھ نہیں ہوتے سو اسی طرح اس کو اس ذات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل ہو اور اس ذات کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل نہ ہو ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ ﴾ اور وہ بغیر کانوں کے تمام مسموعات کو خوب سننے والا ہے ﴿ الْبَصِيْرُ ﴾ وہ بغیر آنکھوں کے تمام مرئیات (دیکھی جانے والی چیزوں) کو خوب دیکھنے والا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کا اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ کوئی یہ وہم نہ کر لے کہ جس طرح اس کی کوئی مثل نہیں اسی طرح اس کی کوئی صفت بھی نہیں۔

۱۲۔ ﴿ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی (اللہ تعالیٰ) کی ملکیت میں ہیں۔ اس کی تفسیر سورۃ الزمر میں گزر چکی ہے ﴿ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی کم کر دیتا ہے یعنی تنگ کر دیتا ہے ﴿ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ بے

شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی روشن راستہ مقرر کیا جس کی اس نے نوح کو وصیت کی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور جس کی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو' مشرکین پر وہ دین بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی طرف منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے' اور وہ اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے O

## انبیائے کرام کے متحدہ دین کو قائم رکھنے کا حکم

۱۳- ﴿شَرَعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اور ظاہر کر دیا ﴿لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ تمہارے لیے وہ دین جس کی اس نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو وصیت و تاکید کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور جس کی ہم نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسی دین کو بیان کر کے مقرر و مشروع فرمایا جو حضرت نوح علیہ السلام کا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا اور جو ان دونوں حضرات کے درمیان انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث کیے گئے تھے ان کا دین تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس مشروع اور مقرر کردہ دین کی تفسیر بیان کی جس میں اس کے رسولوں میں سے یہ بلند مرتبہ رسول مشترک ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور اس سے دین اسلام کو قائم رکھنا مراد ہے' جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے تمام رسولوں اور پیغمبروں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور روزِ جزاء پر ایمان لانا اور ان تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانا جن کے قائم کرنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس دین سے شریعتیں اور احکام و مسائل مراد نہیں کیونکہ سب پیغمبروں کی شریعتیں اور ان کے احکام و مسائل مختلف اور الگ الگ تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا'' (المائدہ:۴۸) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے'' [''ان اقیموا الدین'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''شَرَعَ'' کے مفعول اور تمام معطوفین علیہ سے بدل ہے یا پھر استیناف کی بناء پر مرفوع ہے' گویا پوچھا گیا کہ وہ مشروع کیا ہے؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ دین اسلام کو قائم رکھنا ہے] ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اور تم اس میں گروہ بندی نہ کرو اور تم دین میں اختلاف نہ کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ تم گروہ بندی نہ کرو کیونکہ جماعت رحمت ہے اور گروہ بندی عذاب ہے ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ﴾ مشرکوں پر گراں ہے (یعنی) ان پر دشوار ہے اور ان پر بہت بھاری ہے ﴿مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ جس مشن کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم

کرنا اور عقیدۂ توحید اختیار کرنا ﴿ اللّٰهُ يَجْتَبِيٓ ﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے' چن لیتا ہے اور جمع کر لیتا ہے ﴿ إِلَيْهِ ﴾ اپنے دین کی طرف راہِ راست کی ہدایت اور توفیق عطا کر کے ﴿ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴾ جس کو چاہتا ہے اور وہ اپنے دین کی طرف اس کو ہدایت عطا کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کرنے پر متوجہ ہوتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوٓا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَٰبَ مِنۢ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝١٤ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ ۖ وَقُلْ ءَامَنتُ بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ مِن كِتَٰبٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝١٥

اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی مگر ان کے پاس علم آ جانے کے بعد محض باہمی حسد اور ضد بازی کی وجہ سے' اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک مقررہ مدت تک (مہلت دینے کا) حکم پہلے سے نہ آ چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ ضرور اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۝ سو اس لیے آپ (انہیں اتفاق کی طرف) بلائیں' اور آپ خود ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا' اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اور آپ (انہیں) فرما دیں کہ میں اس پر ایمان لایا جو کتاب بھی اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں' اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال' ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا' اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۝

## فرقہ بندی اختیار کرنے پر اہل کتاب کی مذمت

١٤- ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوٓا ﴾ اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی یعنی اہل کتاب اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد فرقہ بندی اور گروہ بندی میں نہیں بٹے ﴿ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا (یعنی) مگر اس کے بعد کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ فرقہ بندی کرنا یقیناً گمراہی ہے اور یہ ایک ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی مذمت بیان فرمائی اور اس پر وعید (دھمکی) سنائی گئی ﴿ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی بغاوت و سرکشی اور حسد و کینہ اور ضد وہٹ دھرمی اور چودھراہٹ و سرداری کی طلب اور ناحق فخر و مباہات کی خواہش کی وجہ سے ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک مقرر مدت تک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ بات ہے کہ ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ۝'' (القمر: ۴۶) ''بلکہ قیامت ان کے وعدے کی جگہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہے۝'' ﴿ لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ تو ان کے

درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا (یعنی) انہیں ضرور اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا' جب انہوں نے جدا جدا مختلف فرقے اور گروہ بنا لیے تھے کیونکہ انہوں نے تفرقہ بازی میں پڑ کر بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر لیا تھا ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا۔ یہ وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے وہ ﴿ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ﴾ اپنی اس کتاب کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں' وہ اس پر ایسا ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہوتا ہے ﴿ مُرِیْبٍ ﴾ وہ شک وشبہہ جو تردد اور الجھن میں داخل کرنے والا ہو اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اہل کتاب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی بعثت (اعلانِ نبوت) کا علم آ جانے کے بعد وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ○'' (البینۃ:۴) ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ مختلف فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن دلیل آ چکی○'' اور بے شک جن لوگوں کو ان (اہل کتاب) کے بعد کتاب (قرآن) کا وارث بنایا گیا وہ مشرکین مکہ ہیں کیونکہ تورات اور انجیل کا اہل کتاب کو وارث بنانے کے بعد انہیں کو قرآن مجید کا وارث بنایا گیا۔

۱۵- ﴿ فَلِذٰلِكَ ﴾ سو اس فرقہ بندی کی وجہ سے اور اس کے سبب کفر کے مختلف گروہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے ﴿ فَادْعُ ﴾ پس آپ ان سب کو ملت حنیفیہ قدیمہ پر متفق ومتحد ہو جانے کی دعوت دیتے رہیں ﴿ وَاسْتَقِمْ ﴾ اور آپ خود اسی پر اور اس کی دعوت دیتے رہنے پر قائم ودائم اور ثابت قدم رہیے ﴿ كَمَاۤ اُمِرْتَ ﴾ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے (یعنی) جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ اور ان کی مختلف باطل وناجائز خواہشات کی پیروی بالکل نہ کیجئے اور ان کا کہنا ہرگز نہ مانیے ﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ﴾ اور آپ انہیں فرما دیجئے کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان لا چکا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے' خواہ کوئی کتاب ہو بشرطیکہ صحت کے ساتھ ثابت ہو کہ اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا مراد ہے کیونکہ فرقہ بندی کرنے والے بعض پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا○'' (النساء:۱۵۰۔۱۵۱) ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور ہم بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (ایمان و کفر) کے درمیان ایک راستہ بنا لیں○ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے○'' ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فیصلہ کرتے وقت تمہارے درمیان انصاف کروں جب تم ایک دوسرے سے جھگڑ پڑو اور پھر تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آ جاؤ ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یعنی ہم سب اس کے بندے ہیں ﴿ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ○'' (الکافرون:۶) ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے○'' اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک ہم تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جائیں گے اور تم ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جاؤ گے ﴿ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ﴾ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں یعنی کوئی ذاتی جھگڑا نہیں کیونکہ حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے اور برہان ودلیل میں تم ہار چکے ہو' سو اب جھگڑا کرنے کی حاجت نہیں رہی اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے کوئی حجت بازی پیش نہیں کی جائے گی اور نہ جھگڑا کیا جائے گا' اس لیے کہ دو جھگڑنے والوں

میں سے ایک اپنی یہ حجت پیش کرے گا اور دوسرا اپنی یہ حجت پیش کر دے گا ﴿اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا ﴿وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ﴾ اور فیصلہ کے لیے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہی ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور وہی ہمارے لیے تم سے انتقام لے گا۔

وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ حُجَّتُہُمْ دَاحِضَۃٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ وَّلَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ ﴿١٧﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو قبول کر لیا گیا ہے ان کی حجت بازی باطل ہے ان کے پروردگار کے نزدیک اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے O اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو O

١٦- ﴿وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰہِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں (یعنی) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ﴾ اس کے بعد کہ اسے قبول کر لیا گیا ہے (یعنی) بہت سے لوگوں نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اور وہ دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں لیکن وہ لوگ محض اس لیے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ وہ دوبارہ ان کو جاہلیت کے دین کی طرف لے جائیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا'' (البقرہ:١٠٩) ''اہل کتاب میں سے اکثر لوگوں نے چاہا کہ کاش تمہارے ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں مرتد بنا کر کافر کر لیں'' چنانچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اور ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہیں' سو ہم تم سے بہتر ہیں اور ہم تم سے حق کے زیادہ حق دار ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ غزوۂ بدر کے دن مشرکین کے بارے میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی دعائے ضرر قبول کیے جانے کے بعد اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے تھے ﴿حُجَّتُہُمْ دَاحِضَۃٌ﴾ ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان کی خصومت اگرچہ شک وشبہہ پر مبنی تھی لیکن اسے حجت محض ان کے زعم باطل کی وجہ سے کہا گیا کیونکہ وہ لوگ اپنی خصومت و حجت بازی کو اپنے باطل گمان میں دلیل سمجھتے تھے ﴿عِنْدَ رَبِّہِمْ وَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ﴾ ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان پر ان کے اپنے کفر و انکار کی وجہ سے خدا کا غضب ہے ﴿وَّلَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

١٧- ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے کتاب کو نازل فرمایا یعنی جنس کتاب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق اور سچ کے ساتھ یعنی باطل سے پاک سچ پر مبنی کتاب ہے ﴿وَالْمِیْزَانَ ؕ﴾ اور ترازو (یعنی) عدل و مساوات کے ساتھ اور عدل و انصاف اور مساوات پر نازل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں عدل و انصاف کے احکام نازل کیے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ خود بعینہٖ میزان یعنی ترازو مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں نازل کیا تھا ﴿وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ﴾ اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو یعنی شاید قیامت تمہارے نزدیک آ چکی ہو اور تمہیں معلوم ہی نہ ہو اور اس سے قیامت کا آنا مراد ہے اور یہاں ''ساعۃ'' ''بعث'' کے معنی

میں ہے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے اور کتاب ومیزان کے نازل کرنے کے ساتھ قیامت کے نزدیک ہونے میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ قیامت حساب وکتاب کا دن ہے اور ترازو کو انصاف کے ساتھ رکھنے کا دن ہے' پس گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے اور احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے' سو تم کتاب اور عدل پر عمل کرتے رہو' اس سے پہلے کہ تمہارے حساب اور تمہارے اعمال کے وزن کرنے کا دن تم پر اچانک آ جائے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا ۙ
وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ
بَعِيدٍ ۞ ١٨ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۞ ١٩ ع ۲

اس کو وہی لوگ جلدی چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے' اور جو لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں' اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ برحق ہے' خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ ضرور دور کی گمراہی میں ہیں O اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے روزی عطا کرتا ہے' اور وہی بہت قوت والا سب پر غالب ہے O

۱۸- ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا﴾ اس کی جلدی وہی لوگ چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے' یہ جلدی محض قیامت کی آمد کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا﴾ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں اور اس کی ہولناکی سے گھبرائے رہتے ہیں ﴿وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ (قیامت) برحق ہے (یعنی) قیامت ہر حال میں ضرور برپا ہونے والی ہے ﴿أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ﴾ خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے متعلق شک میں مبتلا ہو کر جھگڑا کرتے ہیں۔ ''الممارا ۃ'' کا معنی ہے: پستانوں سے دودھ نکالنا' چونکہ جھگڑنے والے دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی جھگڑالو کے دل کی بات کو ظاہر کرا لیتا ہے' اس لیے ''یمارون'' کا معنی جھگڑنا مراد ہے ﴿لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ حق سے دور گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ قیامت کا قیام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید اور دور نہیں ہے اور بے شک قرآن وسنت اس کے وقوع پر دلالت کرتے ہیں اور انسانوں کی عقلیں گواہی دیتی ہیں کہ جزاء کا گھر ضرور ہونا چاہیے۔

۱۹- ﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو منافع اور فوائد پہنچاتا ہے اور ان سے مصیبتوں کو ایسے طریقے پر دور کرتا ہے جس کا ادراک آسانی سے ہو جاتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زبردست نیکی اور بھلائی کرتا ہے' بے شک اس کی بھلائی اس کے تمام بندوں کو پہنچتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ لطیف وہ ہے جس کا علم پوشیدہ چیزوں کے جاننے میں بہت باریک بین ہو اور اس کا حلم اور حوصلہ جرائم اور خطاؤں سے بہت بڑھ کر ہو' یا جو اپنے بندوں کے مناقب وکمالات پھیلاتا ہو اور ان کے عیبوں سے چشم پوشی اور پردہ پوشی کر لیتا ہو' یا جو اپنے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہو' یا اپنے بندے کو کفایت سے بڑھ کر عطا فرماتا ہو اور اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے کم عبادت کا مکلف بناتا ہو' اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جس نے اپنے اولیاء اور اپنے دوستوں کو عرفان کی

توفیق بخشی ہو سوانہوں نے اسے پہچان لیا اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر لطف وکرم کر دیتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے ﴿یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے یعنی وہ جس کو چاہتا ہے اس کا رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے جب کہ اس میں اس کی مصلحت یقینی ہو اور حدیث قدسی میں ہے کہ بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف دولت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس شخص کو فقیر وغریب بنادوں تو وہ اپنا ایمان ضائع کر دے گا اور بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف غربت وفقر کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس کو دولت مند بنادوں تو وہ اپنا ایمان برباد کر دے گا ﴿وَهُوَ الْقَوِیُّ﴾ اور وہ بڑی قوت والا ہے (یعنی) وہ سب سے بڑھ کر قدرت واختیار رکھنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے ﴿الْعَزِیْزُ﴾ ایسا مضبوط اور ایسا قوی کہ اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا O کیا ان کے لیے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایسی شریعت بنا دی ہو جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O

## کفار کی مذمت مسلمانوں کے لیے خوش خبری اور آلِ رسول کی محبت

۲۰- ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہر وہ عمل جس کو عمل کرنے والا اس لیے کرتا ہے کہ اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرے اسے بطورِ مجاز کھیتی کا نام دیا گیا ہے (کہ جس طرح زمین میں بیج بونے کے نتیجے میں کھیتی حاصل ہوتی ہے اسی طرح دنیا میں عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت میں جزاء ملتی ہے) ﴿نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے کہ اس کے عمل میں توفیق عطا فرما دیں گے یا اس کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دیں گے یا یہ کہ وہ اس کے ذریعے دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد ومنافع حاصل کرے گا ﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا﴾ اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے یعنی جس کا عمل صرف دنیا کمانے کے لیے ہو اور وہ آخرت پر ایمان نہ لایا ہو ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم اس کو اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے اس لیے کہ "منھا" میں حرف "من" تبعیض کے لیے ہے جس کا معنی بعض ہے اور یہ اس کا وہ رزق ہے جو اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے لیکن اسے وہ نہیں ملے گا جو وہ چاہے گا اور جو وہ طلب کرے گا ﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ اور اس کے لیے آخرت میں ہرگز کوئی حصہ نہیں ہوگا اس کا حصہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا اور عالم آخرت میں اس کے حصے کا رزق جو اسے ملنا تھا اس کا ذکر محض اس کی حقارت کی وجہ سے نہیں کیا گیا کیونکہ آخرت میں کامیابی کے لیے اس کے اچھے اعمال دنیا طلبی اور ایمان نہ ہونے کے سبب حقیر وذلیل اور ناقابل قبول ہو گئے۔

۲۱- ﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ کیا ان کے شریک جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایک شریعت مقرر کر دی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی یعنی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا [بعض نے کہا: یہ ''ام'' منقطعہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''بل الھم شرکآء'' بلکہ کیا ان کے لیے (جن وانس میں سے شیاطین) شریک ہیں؟ اور بعض نے کہا کہ یہ استفہام کے الف کے مقابل ہے اور کلام میں اضمار ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ایقبلون ما شرع اللّٰہ من الدین ام لھم الھۃ شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللّٰہ'' کیا انہوں نے وہ دین قبول کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یا ان کے لیے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے فاسد دین سے ایک شریعت گھڑ لی ہے' جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی] ﴿وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ﴾ اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی اگر پہلے ہی سے سزا کی تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا یا اگر یہ وعدہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بے شک فیصلہ قیامت کے دن ہوگا تو البتہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان یہیں دنیا میں فیصلہ کر دیا جاتا یا یہ کہ اسی دنیا میں کافروں کو جلد سزا دے دی جاتی ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے (یعنی) اور بے شک مشرکین کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اگرچہ دنیا میں ان سے (رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت و رحمت کی وجہ سے) مؤخر اور دور کر لیا گیا ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ ان کاموں سے ڈر کر سہمے ہوئے ہوں گے جو انہوں نے (دنیا میں) کمائے اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگا' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغوں میں رہیں گے' ان کے لیے ان کے رب تعالیٰ کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' یہ بہت بڑا فضل ہے O یہ ہے وہ جس کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوش خبری دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ماسوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو' اور جو شخص کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس میں اضافہ کر دیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے O

۲۲- ﴿تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ آپ آخرت میں مشرکین کو دیکھیں گے کہ ﴿مُشۡفِقِيۡنَ﴾ خوف زدہ ہو کر سہمے ہوئے ہوں گے ﴿مِمَّا كَسَبُوۡا﴾ ان کاموں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائے (یعنی) وہ اپنے کفر و شرک کی سزا کی وجہ سے ﴿وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ﴾ اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگی (یعنی) ان کے کفر و شرک کی سزا ان پر لامحالہ ضرور نازل ہوگی اور وہ اس سے بچ

نہیں سکیں گے خواہ وہ اس سے ڈریں یا نہ ڈریں ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے گویا مؤمن کی جنت کا باغ جنت کے حصوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا اور عالی شان ہوگا ﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے [''عند ربهم'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے لیکن ''یشآء ون'' کی وجہ سے نہیں] ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ﴾ یہ قلیل اور تھوڑے سے عمل پر بہت بڑا فضل وکرم ہے۔

۲۳-﴿ذٰلِكَ﴾ وہ یعنی بہت بڑا فضل ﴿الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوش خبری سناتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [یعنی ''بِهٖ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا'' (الاعراف: ۱۵۵) ''اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر لیے'' پھر موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو حذف کر دیا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا O'' (الفرقان: ۴۱) ''کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے O'' اور ابن کثیر مکی' ابو عمرو' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یَبْشُرُ'' ہے]۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے ایک اجتماع میں آپس میں مشورہ کیا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پوچھا جائے کہ کیا وہ نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اجرت و معاوضہ اور مزدوری چاہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ نازل ہوئی کہ ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ مگر میرے قرابت داروں سے محبت کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء متصل ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہی کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو' اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کسی قسم کی کوئی اجرت اور معاوضہ ہرگز نہیں مانگتا لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو جو تمہارے بھی رشتہ دار ہیں اور تم ان کو دُکھ اور ایذاء نہ پہنچاؤ' اور اللہ تعالیٰ نے اضافت کے ساتھ ''اِلَّا مَوَدَّةَ الْقُرْبٰی'' یا لام کے ساتھ ''اَلْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبٰی'' نہیں فرمایا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابت داروں کو محبت کا ظرف و مکان اور مرکز بنایا گیا ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''لی فی آل فلان مودة ولی فیهم حب شدید'' مجھے فلاں آدمی کی آل سے محبت ہے اور مجھے ان کے بارے میں بہت شدید محبت ہے جب کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت ہے اور وہ میری محبت کا ظرف ٹھکانا اور محبت کا محل ہیں [اور حرف ''فی''' ''مودة'' کا صلہ نہیں جیسے حرف لام جارہ ہوتا ہے' چنانچہ جب ''الا المودة للقربی'' کہا جائے گا تو یہ محذوف کے متعلق ہوگا جس طرح تمہارے درج ذیل مقولہ میں ظرف محذوف کے متعلق ہے یعنی ''المال فی الکیس'' مال جیب میں ہے' اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''(الا المودة) ثابتة (فی القربی)'' مگر ایسی محبت جو قرابت میں ثابت اور اس میں راسخ ہو اور ''قربیٰ'' مصدر ہے جیسے ''زلفیٰ'' اور ''بشریٰ'' ہے' اس کا معنی قرابت اور رشتہ داری ہے' اس سے مراد ''هی اهل القربی'' ہیں یعنی قرابت دار اور رشتہ دار مراد ہیں]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے (جسے امام ابن ابی حاتم' طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے' تفسیر مظہری) کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قَرَابَتُكَ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ وَجَبَتْ عَلَیْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ عَلِیٌّ وَّفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ'' اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر فرض ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ اور

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء اور ان کے بیٹے ہیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہم [1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو کیونکہ میری تم سب سے قرابت داری ہے اور تم مجھے ایذاء اور تکلیف نہ پہنچاؤ اور تم مجھ سے لڑائی جھگڑا نہ

[1] علامہ مظہری بیان کرتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کے معنی کے بیان میں یہ کہا جائے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے اور میری اہل بیت سے اور میری آل سے محبت کرو' اور یہ اس لیے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں' آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کے لیے آپ کی امت کے علمائے ظاہر اور علمائے باطن کو مقرر کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دے دیں کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اولاد میں سے ائمۂ کرام کمالاتِ ولایت کے جامع ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے زمانہ میں قطبِ وقت ہوتے تھے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انا مدینۃ العلم و علیّ بابھا'' میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ اس کا دروازہ ہیں' اس کو بزاز اور طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر' ابن عباس' حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث اس روایت کے شواہد اور مؤید ہیں اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور تم دیکھو گے کہ اکثر مشائخ عظام کے سلاسل اہل بیت کے ائمۂ کرام کی طرف اختتام پذیر ہوتے ہیں اور ساداتِ عظام میں اولیائے کرام کی کثیر تعداد گزری ہے' ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں: غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی حسنی حسینی اور حضرت بہاء الدین نقشبندی اور السید السند مودود الچشتی اور سیّد معین الدین الچشتی اور حضرت ابو الحسن الشاذلی وغیرہم اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی'' میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید' دوسری اپنی عترت یعنی آل پاک۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۲۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

ضیاء الامت حضرت العلام پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم لکھتے ہیں:

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ قرابت داروں' خاندانِ بنو ہاشم خصوصاً اہلِ بیت کرام کی محبت' ان کا ادب و احترام عینِ ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے' جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمعِ ایمان بجھی ہوئی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ہوگی' اتنی ہی اس کی محبت و احترام زیادہ مطلوب ہوگا' ایک نہیں صد ہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے' لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجرِ ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک ہے' یہ اس خورشید کی چمک ہے' جہاں ایمان ہوگا وہاں حب آلِ مصطفےٰ ضرور ہوگی۔ یہ گرہ اب تک نہیں کھلی کہ بعض لوگوں کے نزدیک حُب آلِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے لیے بغضِ اصحاب حبیبِ کبریا کی شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور نے اپنے اہل بیت کی محبت کا حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کرام کے احترام و اکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اہل بیت کے بارے میں فرمایا: ''مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَ فِیْھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ'' یعنی میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے' جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا' وہ ڈوب گیا۔ تو دوسرا ارشادِ گرامی یہ بھی ہے کہ ''اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ'' میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں' ہم زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں' جو اس کشتی میں سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۳۷۷)

کرو کیونکہ قریش کے تمام قبائل میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا مگر یہ کہ ان کے درمیان اور رسول اکرم کے درمیان خاندانی قرابت اور رشتہ موجود تھا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''قربیٰ'' سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مراد ہے' یعنی مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول سے محبت کرو تا کہ عبادت اور نیک عمل کے ذریعے تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے ﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً﴾ اور جو شخص نیکی کمائے گا۔ امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے: بے شک ''حسنۃ'' سے رسول اللہ ﷺ کی آلِ پاک سے محبت کرنا مراد ہے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اور اہل بیت کے ساتھ ان کی محبت وعقیدت کے بیان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ''حسنۃ'' میں عموم پایا جاتا ہے' یہ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے خواہ کوئی نیکی ہو مگر یہ آلِ رسول کی محبت ومودّت کو سب سے پہلے شامل ہے کیونکہ آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے ﴿نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا﴾ ہم اس کے لیے اس میں نیکی کا اضافہ کر دیں گے یعنی ہم اس نیکی کو کئی گنا بڑھا دیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً'' (البقرہ:۲۴۵) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ (بہترین اور سب سے اچھا قرض) دے' سو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے بہت زیادہ بڑھا دے گا'' [اور ''حُسْنًا'' کو ''حُسْنٰى'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جیسے ''بشریٰ'' ہے اور ''فیھا'' میں ضمیر ''حسنۃ'' کی طرف لوٹتی ہے یا پھر ''جنت'' کی طرف لوٹتی ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت واختیار رکھنے کے باوجود ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جس نے گناہوں کا ارتکاب کر لیا ﴿شَكُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر اس شخص کو بہت اجر وثواب عطا فرمانے والا ہے جس نے اطاعت وفرماں برداری اختیار کی اور بعض علماء اسلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور توبہ کرنے کی ترغیب دینے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''شکور'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے' اس لیے اس سے عبادت واطاعت کی توفیق عنایت کرنا اور عبادت و اطاعت بجالانے پر پورا پورا ثواب عطا فرمانا اور ثواب کے کام کرنے والے پر فضل وکرم فرمانا مراد ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ لیا' سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دیتا' اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا اور وہ اپنے کلام سے حق کو ثابت رکھے گا' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

۲٤- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ کیا کفارِ مکہ یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ محبوبِ خدا جیسے معصوم پیغمبر کی طرف جھوٹ بولنے اور افتراء بازی کی نسبت کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے اور جھوٹ بولنے کا آپ پر الزام لگا دیں جو سب سے بڑا اور سب سے بدترین بہتان ہے [''ام'' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ کے معنی ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے] ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کفارِ مکہ کی طرف سے آپ کو تکلیفیں پہنچانے اور ان کی طرف سے آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانے کی بات کہنے پر آپ کے قلب مبارک پر صبر کی مہر لگا کر اسے مضبوط وقوی بنا دے گا تا کہ ان کے جھٹلانے کی مشقت وتکلیف آپ کے قلب مبارک

میں داخل نہ ہو سکے ﴿ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا یعنی شرک کو مٹا دے گا [اور یہ الگ کلام ہے "یختم" پر معطوف نہیں ورنہ مرفوع کی بجائے مجزوم ہوتا' اس لیے کہ باطل کا مٹانا کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلق وعدہ ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوبارہ لانا اور "یَمْحُ" اور "یُحِقُّ" کا مرفوع ہونا ہے اور رسم الخط میں واؤ کو ساقط کر دیا گیا جیسا کہ "وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ" (الاسراء:۱۱) اور "سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ○" (العلق:۱۸) محض اس بناء پر کہ یہ نافع مدنی کے مصحف میں ثابت ہے ] ﴿ وَيُحِقُّ الْحَقَّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت رکھے گا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے گا اور اس کو ثابت کر دے گا ﴿ بِكَلِمٰتِهٖ ﴾ اپنے کلام کے ساتھ جسے اس نے اپنی کتاب میں سے اپنے محترم نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر نازل فرمایا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے باطل و مشرکانہ دین کو مٹا دیا اور اسلام کو غالب کر دیا ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کے سینے میں ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے' سب کچھ خوب جاننے والا ہے' سو اسی کے مطابق حکم جاری کرے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲۵ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۲۶ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو○ اور وہ ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ انہیں اپنے فضل و کرم سے زیادہ کرتا ہے' اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے○ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور بغاوت وفساد برپا کر دیتے اور لیکن وہ ایک اندازے کے مطابق جو چاہتا ہے اتارتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے○

## توبہ قبول کرنے اور دیگر انعامات کا بیان

۲۵- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جب کوئی چیز کسی سے لی جائے تو کہا جاتا ہے: "قبلت منه الشیء" میں نے اس سے فلاں چیز قبول کر لی اور میں نے اس کو اپنی قبولیت کا مبداء بنا دیا اور "قبلته عنه" بھی کہا جاتا ہے یعنی میں اس سے الگ ہو گیا ہوں اور میں اس سے جدا ہو گیا ہوں اور توبہ یہ ہے کہ (۱) فرض اور واجب میں کوتاہی سے اور اس کے ترک سے اور ہر قسم کی بُرائی سے رجوع کرنا (۲) اور ان پر نادم و شرمندہ ہونا (۳) اور آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور اگر اس میں کسی آدمی کا حق ادا کرنا ہو تو اسی طریقے پر اس کو ادا کر کے بری الذمہ ہونا ضروری ہے۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توبہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معانی کے لیے آتا ہے: (۱) ماضی کے تمام

گناہوں پر ندامت و پشیمانی کا اظہار (۲) تمام ضائع شدہ فرائض کا اعادہ (۳) تمام مظالم (حقوق العباد کی) ادائیگی اور ان کی واپسی (۴) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت میں تھکانا' جس طرح اس کو گناہوں اور نافرمانیوں میں بڑھایا اور توانا کیا (۵) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت کی تلخی چکھانا جس طرح اس کو گناہوں کی لذت کی حلاوت و مٹھاس چکھائی تھی (۶) اور ہر ہنسی کے بدلے میں آہ وزاری اور گریہ وفغاں کرنا اور روتے رہنا۔

(۲) حضرت امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ (ا) گناہوں کے چھوڑنے پر سچے دل سے پختہ ارادہ کرنا (۲) دل سے تمام غیبوں کے خوب جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

(۳) ان کے علاوہ بعض کا قول ہے کہ توبہ کے بعد گناہ کے ذکر کے وقت دل میں گناہ کی حلاوت و کشش محسوس نہ کی جائے۔

(۴) حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی توبہ یہ ہے کہ وہ تمام بُرے احوال و اعمال کو ترک کر کے تمام اچھے اور نیک احوال و اعمال اختیار کرلے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بُرے احوال سے پسندیدہ احوال کی طرف منتقل ہو جانا۔

(۵) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام چیزوں سے منہ پھیر لے اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق اور منہمک ہو جائے۔

﴿وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے' وہ بُرائیاں شرک کے ماسوا مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا دیگر بُرائیوں کو جس کے لیے چاہتا ہے بغیر توبہ کے معاف کر دیتا ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو یعنی تمہاری توبہ وغیرہ اور تمام گناہوں کو وہ جانتا ہے [ابوبکر کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تفعلون'' ہے اور اس پر وقف کرنا جائز نہیں کہ اس پر (درج ذیل آیت مبارکہ کا) عطف کیا گیا ہے اور معنی متصل ہے]۔

۲۶ - ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی جب نیک مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور وہ جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ انہیں عطا کرتا ہے اور ان کے مطلوب سے بڑھ کر انہیں مزید عطا کرتا ہے [اور ''استجاب'' اور ''اجاب'' کا ایک معنی ہے اور اس طرح کے فعل میں سین محض فعل کی تاکید کے لیے آتی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''تعظم'' اور ''استعظم'' اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ويجيب الله الذين امنوا وعملوا الصالحات'' اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: ''ويستجيب للذين'' ہے' پھر لام کو حذف کر دیا گیا] ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جب وہ توبہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان کی بُرائیوں سے درگزر کر لیتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور انہیں ان کے سوال سے بڑھ کر مزید عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں کی جاتی ؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے تو تم اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے (یعنی) آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب ہوگا۔

۲۷ - ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان سب

(بندوں) کو مال دار و دولت مند اور غنی بنا دیتا تو ﴿لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ﴾ وہ ضرور زمین میں بغاوت و سرکشی کرتے "بغی" کا معنی ہے: ظلم کرنا یعنی یہ شخص اس پر اور وہ شخص اس پر ضرور ظلم و ستم ڈھاتے کیونکہ مال دار و غنی آدمی متکبر و مغرور ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے فرعون (اور قارون) کا حال کافی ہے' یا پھر "بَغْیٌ" کا معنی ہے: تکبر کرنا یعنی وہ ضرور زمین میں تکبر و غرور اختیار کر لیتے ﴿وَّلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ایک اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے۔ "قدر" کا معنی ہے: اندازہ کرنا' جیسے کہا جاتا ہے: "قَدَّرَہٗ قَدْرًا وَّ قَدَرًا" [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (بغیر تشدید کے باب افعال سے) "یُنْزِلُ" ہے] ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ﴾ بے شک وہ اپنے بندوں سے بہت خبردار رہتا ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو خوب جانتا ہے' سو وہ ان کے لیے وہی مقدر و مقرر کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے' پس وہی فقیر و غریب بناتا ہے اور وہی مال دار و غنی بناتا ہے اور وہی روکتا ہے اور وہی عطا کرتا ہے اور وہی تنگ اور کم کرتا ہے اور وہی کشادہ و فراخ کرتا ہے اور اگر وہ تمام انسانوں کو دولت مند و غنی بنا دیتا تو وہ ضرور زمین میں دنگا فساد اور ظلم و ستم برپا کر دیتے اور اگر وہ سب کو فقیر و محتاج اور غریب بنا دیتا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے اور کیا تم نے روزی کی فراخی کی وجہ سے ان کو نہیں دیکھا جو بغاوت و سرکشی کرتے پھرتے ہیں اور روزی میں فراخی اور فراوانی کے بغیر بہت کم بغاوت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فقر و غربت کے ساتھ بغاوت و سرکشی کم ہوتی ہے اور رزق کی فراخی اور فراوانی کی وجہ سے بہت زیادہ اور غالب ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ع۳ ۱۰ ۴

اور وہی ہے جو بارش اتارتا ہے اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے اور وہی متولی (اور) خوب تعریف کیا ہوا ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور اس نے ان دونوں کے درمیان جو کچھ جانور پھیلائے' اور وہ جب چاہے گا ان کے جمع کرنے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے O

۲۸- ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو بارش برساتا ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں "زا" مشدد کے ساتھ (باب تفعیل سے) "یُنَزِّلُ" ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا﴾ اس کے بعد کہ وہ مایوس و ناامید ہو چکے [اور نون مکسور کے ساتھ "قَنِطُوْا" بھی پڑھا گیا ہے] ﴿وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ﴾ اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے یعنی وہ بارش کی برکتیں اور اس کے فوائد و منافع اور اس کے ذریعے خوش حالی بکھیرتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ قحط سالی اور خشک سالی بہت سخت ہو گئی ہے اور لوگ بارش سے مایوس اور ناامید ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اب ضرور بارش ہو گی' ان کی مراد یہی آیت تھی کہ مایوسی کے بعد بارش ضرور ہوتی ہے یا ان کی مراد یہ تھی کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے ﴿وَهُوَ الْوَلِیُّ﴾ اور وہی مالک و متولی ہے جو اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کے ذریعے اپنے بندوں کی کارسازی فرماتا ہے اور ان کی تمام ضروریات کی تدبیر فرماتا ہے ﴿الْحَمِیْدُ﴾ وہی اس پر سراہا گیا ہے' اس کے اطاعت گزار اور

فرماں بردار بندے اس کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔

۲۹۔ ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے باوجود اپنے بہت بڑے ہونے کے ﴿وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور جو کچھ ان دونوں میں جاندار پھیلائے (یعنی) آسمانوں اور زمین میں جس قدر تمام جاندار پھیلائے ہوئے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں" دواب" صرف زمین میں چلنے والے جانداروں کو کہا جاتا ہے لیکن کسی چیز کو تمام مذکور کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اگر چہ اس کے بعض افراد کے ساتھ متعلق ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بنو تمیم میں بزرگ شاعر ہے حالانکہ وہ ان کے خاندانوں میں سے صرف ایک خاندان میں ہے اور اسی سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُO" (الرحمٰن:۲۲) "ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیںO" حالانکہ یہ نمکین پانی والے دریا سے نکلتے ہیں اور یہ عقل وخرد سے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ایسے جاندار پیدا کرتا ہو جو ان میں اس طرح چلتے ہوں جس طرح انسان زمین پر چلتے ہیں ﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ﴾ اور وہ قیامت کے دن ان کے جمع کرنے پر ﴿اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ جب وہ چاہے گا پوری طرح قادر ہے [حرف "اِذَا" مضارع پر بھی اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىO" (الیل:۱) "قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لیتی ہےO"]۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

اور تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو اس کی وجہ وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہےO اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہےO

## مصیبتوں کا نزول بُرے اعمال کے سبب ہوتا ہے

۳۰۔ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ اور تمہیں جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے (یعنی) غم ورنج اور تکلیف و بیماری ﴿فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ سو اس کا سبب وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا یعنی اس کا سبب وہ گناہ ہیں جن کا تم نے اپنے ہاتھوں سے ارتکاب کیا' یہ مصیبت اس پر سزا ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں "فا" کے بغیر "بما کسبت" ہے کیونکہ ان کے نزدیک "وما اصابکم" میں لفظ "ما" شرط کے معنی سے خالی محض مبتدا ہے اور "بما کسبت" اس کی خبر ہے اور جس نے "فا" کو ثابت رکھا اور "فبما کسبت" پڑھا اس کے نزدیک "وما اصابکم" میں حرف "ما" شرط کے معنی پر مشتمل ہے] اور جو تناسخ (روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے) کے قائل ہیں' انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا اور کہا کہ اگر بچوں کے لیے اس موجودہ حالت سے پہلے کوئی اور حالت نہ ہوتی تو انہیں اس موجودہ حالت میں کوئی رنج وغم اور تکلیف وغیرہ نہ پہنچتی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے صرف مکلفین (عقل مند بالغ حضرات) کے لیے مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ اور اللہ

تعالیٰ بہت سی چیزوں سے درگزر کر لیتا ہے اور بہت سی چیزوں کو معاف فرما دیتا ہے یعنی بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان پر جلد سزا نہیں دیتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے اور ان کو جلد از جلد سزا نہیں دیتا۔

(۱) حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ جو مصیبت و تکلیف اور فتنہ اس کو پہنچتا ہے وہ محض اس کے اپنے کرتوت کے سبب ہوا اور بے شک اس کے مالک اور معبودِ برحق نے اس کے اکثر گناہوں کو معاف فرما دیا ہے تو وہ اپنے اوپر اپنے رب تعالیٰ کے احسان پر بہت کم نظر رکھنے والا ہے۔

(۲) حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان تمام اوقات میں گناہوں کے ساتھ ملوث ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول و منہمک رہنے سے زیادہ اپنے گناہوں میں مشغول رہتا ہے کیونکہ گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب ایک سبب سے ہوتا ہے اور عبادت و اطاعت کئی وجوہات کی بناء پر ادا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کرتا رہتا ہے تاکہ قیامت کے دن اس سے اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو انسان پہلے قدم پر ہلاک ہو جاتا۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ اُمید افزا ہے کیونکہ کریم و مہربان جب ایک مرتبہ معاف فرما دیتا ہے تو دوبارہ سزا نہیں دیتا اور جب معاف کر دیتا ہے تو دوبارہ اس پر باز پرس اور سرزنش نہیں کرتا۔

۳۱- ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو (یعنی) جن مصائب و آلام کے نزول کا تم پر فیصلہ کر دیا گیا ہے ان سے تم بچ نہیں سکتے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے جو تم پر رحم و کرم کر سکے ﴿وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور نہ کوئی ایسا حامی و ناصر ہو سکتا ہے جو تم سے اس عذاب کو دور کر دے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر جب نازل کرنا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں ہیں O اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ کشتیاں اس کی پشت پر ٹھہری رہیں، بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یا وہ انہیں ہلاک کر دے ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو ان لوگوں نے کمائیں اور وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے O اور وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے O

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

۳۲- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے پہاڑوں کی طرح بلند

وبالا سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں جو محض اس کی قدرت کاملہ کی بناء پر بھاری بھر کم پانی میں ڈوبنے کی بجائے اس کی سطح پر رواں دواں رہتی ہیں [''الجوادی''، ''جاریۃ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: چلنے والی کشتی اور ابن کثیر مکی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''الجواری'' پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی اور ابو عمرو نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے (لیکن باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کے بغیر ''الجوار'' ہے)]۔

۳۳۔ ﴿اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک لے ﴿فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ﴾ پس وہ کشتیاں دریاؤں اور سمندروں میں پانی کی سطح اور پشت پر ساکن و جامد ہو کر کھڑی رہیں اور چل نہ سکیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''الریح'' کی بجائے اس کی جمع ''الریاح'' کے ساتھ ''یسکن الریاح'' پڑھا جاتا ہے] ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ضرور موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبتوں پر بہت صبر کرنے والا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والا ہے یعنی ہر مخلص مؤمن کے لیے قدرت الٰہی کی نشانیاں اس میں کارفرما ہیں' سو ایمان کے دو حصے ہیں: نصف ایمان شکر ادا کرنا اور نصف ایمان صبر کرنا ہے' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت پر بہت صبر کرنے والے اور اس کی طرف سے عنایت کی گئی نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والے۔

۳۴۔ ﴿اَوْ یُوْبِقْهُنَّ﴾ یا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے اور انہیں غرق کر کے تباہ و برباد کر دے [اور یہ ''یسکن'' پر معطوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہوا کو روک دے جس کے سبب کشتیاں چلنے کی بجائے جامد و ساکن ہو کر رُکی رہیں یا اللہ تعالیٰ چاہے تو تیز آندھی چلا دے جس کی سخت تیز رفتاری کی وجہ سے کشتیاں الٹ پلٹ ہو کر غرق ہو جائیں اور ان کے سوار ہلاک ہو جائیں ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ محض ان گناہوں کے سبب جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ﴿وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' سو ان پر سزا نہیں دیتا اور عفو و درگزر ہلاک کرنے کے حکم میں داخل ہے کیونکہ وہ یقینی ہے' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کئی لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور کئی لوگوں کو معاف کر کے نجات دے دیتا ہے۔

۳۵۔ ﴿وَّیَعْلَمَ﴾ یہ محذوف کی تعلیل پر منصوب ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لینتقم منهم ویعلم'' ﴿الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام اور بدلہ لے اور وہ لوگ اچھی طرح جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی ان آیات کو مٹانے اور ان کو رد کرنے کے لیے جھگڑتے ہیں [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یعلم'' استیناف (الگ مستقل جملہ ہونے) کی بناء پر مرفوع ہے] یعنی جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

سو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے پس وہ دنیا کی زندگی کا ساز وسامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے جو ایمان دار ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر کامل بھروسا رکھتے ہیں O اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں اور جب وہ غصہ میں آتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں O

## شانِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶ - ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ پس تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے سو وہ تو صرف دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اجر وثواب اور آخرت کی نعمتیں وہ ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں جو ایمان قبول کر کے مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھی بھروسا رکھتے ہیں۔

شانِ نزول: جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو اس پر لوگوں نے آپ کو ملامت کی کہ سب مال لٹا کر خود فقیر ومحتاج بن گئے' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید میں نازل ہوئی اور اس میں واضح کر دیا گیا کہ دنیا کا مال ومتاع آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا [اس آیت مبارکہ میں پہلا ''ما'' شرط کے معنی پر مشتمل ہے' اس کے جواب میں ''فا'' جزائیہ لایا گیا ہے بہ خلاف دوسرے ''ما'' کے]۔

۳۷- ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمام بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہتے ہیں یعنی اس جنس کے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں [اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''کبیر الاثم'' ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''کبیر الاثم'' (بڑے گناہ) سے شرک مراد ہے اور ''والذین یجتنبون'' ''الذین امنوا'' پر معطوف ہے اور اسی طرح اس کے بعد والی آیت مبارکہ بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور وہ لوگ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب و پرہیز کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بے حیائی کے کام وہ ہیں جن کی قباحت و بُرائی بہت بڑی ہے' سو ایسے کام ''فواحش'' کہلاتے ہیں جیسے زنا وغیرہ ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا﴾ اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں (یعنی) جب وہ دنیا کے معاملات میں سے کسی معاملہ میں غضب ناک ہوتے ہیں تو ﴿هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ وہ معاف کر دیتے ہیں اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں یعنی وہی لوگ حالت غضب میں عفو ودرگزر کرنے اور معاف کرنے کی خوبی کے ساتھ بہت زیادہ مخصوص ہو چکے ہیں گویا یہ ان کی خصوصی خصلت وعادت ہے [اور ''ھم'' ضمیر کا لانا اور اس کو مبتدا بنانا اور ''یغفرون'' کی اس کی طرف نسبت کرنا صرف اسی فائدہ کے لیے ہے اور ''ھم ینتصرون'' بھی اسی طرح ہے]۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا
سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى

الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کیا اور وہ نماز قائم کرتے رہے اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے رہے' اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں O اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی ظلم پہنچتا ہے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے' سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا O اور جس نے ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں O بے شک مواخذہ صرف انہیں پر ہوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں' انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

## مدنی صحابہ کرام کی شان

۳۸- ﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوتِ اسلام قبول کر لی۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ انصارِ مدینہ کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انہیں اسلام قبول کر کے ایمان لانے اور عبادت و اطاعت بجالانے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لی ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور انہوں نے نماز کو قائم رکھا (یعنی) وہ لوگ پانچوں نمازیں مکمل طور پر صحیح طریقے پر ادا کرتے رہے ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں" ای ذو شوریٰ "یعنی وہ لوگ الگ الگ اپنی اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مشورے کر کے ایک دوسرے کی رائے لیتے ہیں' پھر جس رائے پر متفق ہو جاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو قوم کسی کام میں ایک دوسرے سے باہمی مشورہ کرتی ہے' وہ ضرور ہدایت پر رہتی ہے اور ان کے کام سب سے زیادہ رشد و ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں [اور "شوریٰ" مصدر ہے جیسے "فتیا" ہے' اس کا معنی ہے: باہمی مشورہ کرنا] ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں یعنی وہ صدقہ اور خیرات کرتے ہیں۔

۳۹- ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی کی طرف سے بغاوت و ظلم پہنچتا ہے تو یہ لوگ صرف انتقام لیتے ہیں کہ ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں یعنی یہ حضرات انتقام لینے میں صرف اسی طریقہ پر اکتفاء کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے اور وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو عاجز و کمزور اور کم تر رکھنا سخت ناپسند کرتے ہیں تاکہ فساق و نافرمان کبھی بھی ان پر جراءت کا مظاہرہ نہ کر سکیں اور ان کی انتقام و بدلہ لینے پر صرف اس لیے تعریف کی گئی ہے کہ جو شخص بدلہ لیتا ہے اور وہ اپنا حق لیتا ہے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا اور وہ مقتول کا ولی ہونے کے باوجود قتل کرنے میں زیادتی نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار ہے اور ہر مطیع و فرماں بردار قابلِ تعریف ہے۔

۴۰- پھر اللہ تعالیٰ نے انتقام لینے کی حد بیان کی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے' سو پہلی تو حقیقت میں بُرائی ہے لیکن دوسری حقیقت میں بُرائی نہیں بلکہ وہ بُرائی کا بدلہ ہے اور اسی بناء پر اسے بُرائی کا نام دیا گیا ہے کہ بُرائی کا بدلہ ہے یا جس طرح بُرائی تکلیف دِہ ہوتی ہے' اسی طرح بُرائی کے بدلے میں بُرائی بھی تکلیف دہ ہوتی ہے' اس لیے اسے بھی برائی کہا گیا اور اس لیے بھی کہ اگر پہلی برائی نہ ہوتی تو دوسری یقیناً برائی ہی ہوتی کیونکہ یہ بہت تکلیف دہ ہوتی' لہٰذا یہ حسن لغیرھا ہے یا پھر بُرائی کے بدلے کو بُرائی کا نام دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاف کر دینا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ برائی کا بدلہ لینے میں واجب اور ضروری ہے کہ اس کے مقابلے میں اسی کی مثل برائی کی جائے' زیادتی ہرگز نہ کی جائے (مثلاً اگر کوئی کہے کہ تم لعنتی ہو' تو اس کے جواب میں صرف یہی کہا جائے کہ تم خود لعنتی ہو' اس سے زیادہ نہیں) ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ ﴾ سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی (یعنی) جس نے اپنے اور اپنے مخالف کے ساتھ عفو و درگزر اور چشم پوشی کر کے صلح کر لی ﴿ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے' اس وعدہ کو مبہم بیان کیا گیا ہے' اس لیے معاف کر دینے پر ملنے والے اجر و ثواب کی عظمت و بڑائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہ دوست رکھتا ہے اور نہ انہیں پسند کرتا ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم میں پہل کرتے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو انتقام اور بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی بلند آواز سے پکار کر کہے گا کہ جس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہے وہ ضرور کھڑا ہو جائے' سو صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے معاف کیا ہوگا۔

۴۱- ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ ﴾ اور البتہ جو شخص اپنے اوپر ظلم سہنے کے بعد انتقام لیتا ہے یعنی جو شخص اپنے اوپر ظلم کیے جانے کے بعد ظالم سے اپنا حق لے لیتا ہے [''ظلمه'' میں مصدر کی اپنے مفعول کی طرف اضافت ہے] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ سو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں [''فاولئك'' اسم اشارہ جمع ہے اور یہ ''مَنْ'' کے معنی کی طرف اشارہ ہے' اس کے لفظ کی طرف نہیں (کیونکہ کلمہ ''مَنْ'' معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے)] مطلب یہ ہے کہ جو شخص ظلم کا نشانہ بننے کے بعد ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لے لیتا ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں' نہ اسے سزا دی جائے گی اور نہ اس پر عتاب کیا جائے گا۔

۴۲- ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ ﴾ بے شک مواخذہ کی راہ صرف ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں یعنی جو لوگوں پر ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں ﴿ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں (یعنی) وہ زمین میں تکبر و غرور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ''السبیل'' کی تفسیر حجت اور مطالبہ کے ساتھ کی گئی ہے۔

۴۳- ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ ﴾ اور البتہ جس نے ظلم و ستم اور اذیت و تکلیف پر صبر کیا ﴿ وَغَفَرَ ﴾ اور معاف کر دیا اور انتقام اور بدلہ نہیں لیا ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ ﴾ بے شک یہ یعنی ظالم کے ظلم پر صبر کرنا اور اسے معاف کر دینا ﴿ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ضرور بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ ان اُمور میں سے ہے' جس کی طرف سبقت کرنا مستحب عمل ہے یا یہ ان اُمور میں سے ہے جو اس لائق ہے کہ انہیں عاقل و ذہین مرد اپنے اوپر واجب و لازم کر لے اور ان کے ترک کرنے میں رخصت پر عمل نہ کرے [اور راجع محذوف ہے یعنی ''منه'' کیونکہ یہ خود بخود سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کے اس قول: ''السمن منوان بدرهم''

میں راجع محذوف مانا گیا ہے] اور حضرت ابوسعید قرشی نے فرمایا کہ مصائب و آلام پر صبر کرنا بلند ترین اور اہم ترین علامات میں سے ہے' سو جو شخص کسی پہنچنے والی مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور جزع و فزع اور واویلا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو رضا کے حال کا وارث بنا دیتا ہے اور یہ تمام احوال سے اہم ترین و بلند ترین ہے اور جو شخص مصیبتوں سے گھبرا جاتا ہے اور جزع و فزع شروع کر دیتا ہے اور شکایت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے' پھر اس کا شکوہ و شکایت اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

| |
|---|
| وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا |
| الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۴۴ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا |
| خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ |
| الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ |
| فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۴۵ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ |
| وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۴۶ |

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں' اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے O آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ ذلت کی وجہ سے وہ سر جھکائے ہوئے چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے' اور ایمان والے کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں ڈال دیا' خبردار ہو جاؤ! بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے O اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں' اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے کوئی راہِ نجات نہیں رہتی O

## ظالموں کی رسوائی کا بیان

۴۴۔ ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں ہوتا جو اسے سیدھے راستے پر چلا دے' اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی پر ڈال دیا ہو اور نہ کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہے ﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے (یعنی) آپ قیامت کے دن کافروں کو دیکھیں گے کہ ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے یعنی جس وقت وہ عذاب دیکھیں گے۔ یہاں فعل ماضی کا لفظ صرف تحقیق کے لیے اختیار کیا گیا ہے ﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ وہ لوگ کہیں گے: کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے (یعنی) قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ دنیا میں واپس جانے دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئیں۔

۴۵۔ ﴿وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ عذاب

کا ذکر دوزخ پر دلالت ورہنمائی کر رہا ہے (اس لیے کہ کفار کو دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جائے گا) ﴿خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ﴾ ذلت ورسوائی کی وجہ سے اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (یعنی) اس روز جو انہیں ذلت ورسوائی لاحق ہوگی' اس کی وجہ سے نہایت متواضع وعاجز ہوکر اپنے سروں کو جھکا کر آئیں گے ﴿یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ﴾ وہ لوگ آنکھیں چرا کر کن انکھیوں سے دوزخ کی آگ کی طرف دیکھیں گے جیسے تلوار سے قتل کیے جانے والا شخص تلوار کی طرف دیکھتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور مسلمان کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا۔ ''یوم'' کا تعلق اگر ''خسروا'' کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے کفار کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر دنیا میں یہ کہا تھا کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو کفر وشرک کے سبب قیامت کے دن نقصان زدہ کر دیا اور اگر ''یوم'' کا تعلق ''قال'' کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان جب کفار کو اس حالت میں دیکھیں گے تو اس وقت وہ مذکورہ بالا بات کہیں گے: ﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک یہ ظالم و کافر لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔ ''مقیم'' بہ معنی ''دائم'' ہے یعنی ہمیشہ رہنے والا۔

۴۶- ﴿وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے ﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ ''سبیل'' سے نجات کی راہ مراد ہے۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ
مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ
حَفِیْظًا اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

تم اپنے پروردگار کے لیے (اسلام کی دعوت کو) قبول کر لو اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں' اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ لینے کی جگہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہوگی O پھر اگر وہ منہ پھر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا' آپ پر صرف پیغام پہنچا دینا لازم ہے اور بے شک جب ہم اپنی طرف سے انسان کو کسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو کر اترانے لگتا ہے' اور اگر ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے O

## کفار کو دعوتِ اسلام دینے اور ان کی روگردانی کا بیان

۴۷- ﴿اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ﴾ تم اپنے پروردگار کی دعوت قبول کر لو یعنی اللہ تعالیٰ جس دین کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہے تم اسے قبول کر لو ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ﴾ اس دن کے آنے سے پہلے یعنی قیامت کا دن آنے سے پہلے ﴿لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ حرف ''من'' جارہ ''لا مردّ'' سے متعلق ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ

قیامت کے وقوع کا حکم دے گا تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا نہ اسے کوئی دفع کر سکے گا یا حرف ''من'' ''یاتی'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دن کے آنے سے پہلے جس کے روکنے اور دفع کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ﴾ اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہو گی یعنی تمہارے لیے عذاب سے کسی صورت میں خلاصی نہیں ہے اور نہ تم اس پر قادر ہو کہ تم نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اور جو تمہارے اعمال ناموں میں لکھے گئے ہیں' ان میں سے کسی کا انکار کر سکو اور ''نکیر'' کا معنی انکار ہے۔

۴۸- ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پھر اگر انہوں نے ایمان لانے سے روگردانی کر لی اور اس سے منہ پھیر لیا ﴿فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ و نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ ''حفیظا'' بہ معنی ''رقیبا'' ہے (یعنی نگران) ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ آپ پر لازم نہیں مگر پہنچا دینا یعنی آپ کے ذمہ صرف نبوت و رسالت کی تبلیغ کرنا اور احکامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے اور بس اور آپ یقیناً یہ کام کر چکے ہیں ﴿وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور جب ہم انسان کو چکھاتے ہیں۔ یہاں ''انسان'' سے جمع مراد ہے یعنی تمام انسان ﴿مِنَّا رَحْمَةً﴾ اپنی طرف سے رحمت کا مزہ (یعنی) جب ہم انسان کو نعمت وخوش حالی اور امن و امان اور صحت و تندرستی کا مزہ چکھاتے ہیں تو ﴿فَرِحَ بِهَا﴾ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے اترانے لگتا ہے اور تکبر و غرور کرتا ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر ان کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے جیسے بیماری اور فقر و غربت اور ان جیسی دوسری تکلیفیں [''فرح'' کو واحد لایا گیا ہے کیونکہ ''انسان'' لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور اسی لفظ ''انسان'' کا اعتبار کر کے ''فرح'' کو واحد لایا گیا ہے اور ''وان تصبھم'' میں انسان کی طرف لوٹنے والی ضمیر ''ھم'' کو اس لیے جمع لایا گیا ہے کہ انسان اسم جنس ہے' اس سے جمع کا معنی مراد ہے اور اسی معنی کا اعتبار کر کے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے]

﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کرتوتوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی ان کے گناہوں کے سبب ﴿فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ﴾ سو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ''فانه کفور'' نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر مہر ثبت کی جائے کہ یہ صرف انسان کی جنس ہے جو کفرانِ نعمت کے ساتھ مخصوص و موسوم ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝'' (ابراہیم:۳۴) ''بے شک انسان بڑا ظالم (اور) بہت ناشکرا ہے ۝'' اور ''کفور'' کا لفظ کفرانِ نعمت و ناشکری کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے آتا ہے اور معنی یہ ہے کہ انسان مصیبت کو تو یاد رکھتا ہے اور اس کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے اہمیت دیتا ہے لیکن نعمت کو جلد بھول جاتا ہے اور اسے حقیر و ادنیٰ جان کر کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے کفرانِ نعمت مراد ہے جب کہ بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے (کیونکہ ''كَفُوْرٌ'' دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے)۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۵۰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۵۱

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہےO یا وہ ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے' اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے' بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا سب پر قادر ہےO اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا حجاب عظمت کی اوٹ سے یا وہ فرشتہ بھیجتا ہے' سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہی وحی لے کر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' بے شک وہ سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہےO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسان کے ساتھ کلام کرنے کے طریقہ کا بیان

۴۹'۵۰- ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَO اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کے لیے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا وہ انہیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملا کر دے دیتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ "یزوجهم" بہ معنیٰ "یقرنهم" ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملا کر عطا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کا مزہ چکھانے اور اس کے برعکس اسے تکلیف و مصیبت پہنچانے کا ذکر کر لیا تو اس کے بعد بیان کیا کہ بے شک حکومت و سلطنت اسی کی ہے اور بے شک وہی نعمت اور مصیبت کو جیسے چاہتا ہے تقسیم کرتا ہے اور وہی اپنے بندوں کے لیے اولاد میں سے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے' چنانچہ وہ بعض بندوں کو صرف لڑکیاں عطا کرتا ہے اور بعض کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور بعض بندوں کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور بعض کو بانجھ کر دیتا ہے" عقیم "اس عورت کو کہا جاتا ہے جو بچے نہیں جن سکتی (جسے اُردو میں بانجھ کہا جاتا ہے) اور اسی طرح جب کسی مرد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو اسے "رجل عقیم" کہا جاتا ہے اور یہاں پہلی آیت میں لڑکیوں کا ذکر لڑکوں کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے' یہ اس لیے کہ یہاں کلام کے چلانے کا مقصد یہ ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے' نہ وہ جو انسان چاہتا ہے' پس لڑکیوں کا ذکر اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ یہ انہیں چیزوں میں سے ہے جنہیں انسان نہیں چاہتا اور اہم ترین کا پہلے ذکر کرنا واجب ہے اور تاکہ (سابق آیت کے آخر میں) بلا و تکلیف کے ذکر کے ساتھ یہ جنس متصل ہو جائے' جسے اہل عرب بلا و مصیبت شمار کرتے ہیں اور جب لڑکوں کا ذکر مؤخر کیا گیا جب کہ ان کا حق تقدیم تھا تو ان کو معرفہ ذکر کر کے ان کی تاخیر کا تدارک کیا گیا کیونکہ تعریف میں تعظیم و تشہیر ہے' پھر اس کے بعد تقدیم و تاخیر کے ذکر میں ان دونوں جنسوں کو ان کا اپنا حق عطا کیا گیا اور بتلایا گیا کہ لڑکیوں کے ذکر کی تقدیم ان کی اپنی تقدیم کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے تقاضا کے پیش نظر کی گئی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: "ذکرانا واناثا" اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیات مبارکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں نازل کی گئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہما السلام کو صرف لڑکیاں عطا کی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف لڑکے عطا فرمائے تھے اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرمائے تھے اور جب کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بانجھ کر دیا تھا ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ﴾ "بکل شیء" بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿ قَدِيْرٌ ﴾ "قادر علی کل شیء" وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

۵۱- ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ﴾ اور کسی انسان کے لیے نہیں (یعنی) انسانوں میں سے کسی کے لیے صحیح نہیں ہے ﴿ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یعنی الہام کے ذریعے' جیسا کہ مروی ہے: "نفث فی روعی" "میرے دل میں کلام ڈالا گیا" یا حالت نیند میں خواب کے ذریعے کلام کیا جاتا ہے' جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

ارشادِ مبارک ہے کہ ''رؤیا الانبیآء وحی'' یعنی انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں' اور اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا ﴿ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾ یا پردے کے پیچھے یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی طرف سے اس کا کلام سنا جائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا لیکن سننے والے نے اپنے ساتھ کلام کرنے والے کو نہیں دیکھا اور اس حجاب سے اللہ تعالیٰ کا حجاب (پردہ) مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ پسِ پردہ چھپنے سے پاک ہے کیونکہ پردہ جسموں پر جائز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر یہ جائز نہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ کلام سننے والا بندہ دنیا میں دیدارِ الٰہی سے محجوب و مخفی ہوتا ہے (یعنی صرف بندہ پردے میں ہوتا ہے) ﴿ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ﴾ یا وہ رسول کو بھیجتا ہے یعنی یا پھر اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو بھیجتا ہے ﴿ فَیُوْحِیَ ﴾ سو وہ فرشتہ اس کے بندے کی طرف وحی لے کر آتا ہے اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ ''وَحْیًا'' کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے واسطے سے رسولوں کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور ''اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی اور پیغمبر کو بھیجتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام کی امتوں سے ان کے انبیائے کرام کی زبانوں کے ذریعے کلام کیا گیا [اور ''وَحْیًا'' اور ''اَنْ یُّرْسِلَ'' دونوں مصدر ہیں اور حال واقع ہو رہے ہیں کیونکہ ''اَنْ یُّرْسِلَ'' ''اِرْسَالًا'' کے معنیٰ میں ہے اور ''من ورآء حجاب'' ظرف ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہوا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ'' (آل عمران:۱۹۱) اور تقدیرِ عبارت اس طرح ہوگی: ''وما صح ان یکلم احدا الا موحیًا او مسمعًا من ورآء حجاب او مرسلًا'' اور یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے براہِ راست کلام کرے مگر یہ کہ وحی بھیجنے والا ہو یا پردہ کے پیچھے کلام سنانے والا ہو یا فرشتہ بھیجنے والا ہو] اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہے: اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے مگر یہ کہ وہ وحی نازل کر دے یا یہ کہ پردہ کے پیچھے سے کلام سنا دے یا یہ کہ وہ کوئی فرشتہ بھیج دے اور علامہ خلیل نے اسی کو اختیار کیا ہے [نافع کی قراءت میں ''او یرسل'' پیش کے ساتھ ہے' اس بناء پر کہ تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''او ھو یرسل رسولا فیوحی''] ﴿ بِاِذْنِهٖ ﴾ اس کے حکم سے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿ مَا یَشَآءُ ﴾ جو وحی وہ چاہے گا ﴿ اِنَّهٗ عَلِیٌّ ﴾ بے شک وہ زبردست غالب ہے' سو اسے روکا نہیں جا سکتا ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ وہ اپنے تمام اقوال و افعال میں مصیب اور صحیح رائے رکھنے والا ہے' سو اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا
الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ
لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک جانفزا چیز کی وحی بھیجی' آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان اور لیکن ہم نے اسے نور کر دیا' ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ذریعے ہدایت عطا کر دیتے ہیں' اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیںO اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف جس کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے' خبردار ہو جاؤ کہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ

جانتے ہیں O

۵۲۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم آپ سے پہلے انبیاء و رسل کی طرف وحی بھیجتے رہے یا جس طرح ہم نے آپ سے وحی نازل کرنے کا وصف اور طریقہ بیان کیا ہے ﴿ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک ایمان افروز کلام کو وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجا ہے۔اس سے وہ کلامِ الٰہی (قرآن مجید) مراد ہے جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آپ پر نازل کر چکا۔یہاں قرآن مجید کو ''روحا'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جسم روح سے زندہ رہتا ہے اسی طرح مخلوقِ خدا اپنے دینی معاملات میں کلامِ الٰہی کے ذریعے زندہ رہتی ہے ﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب یعنی قرآن مجید کیا چیز ہے اور نہ آپ از خود یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے[1] یعنی ایمان کے احکام و مسائل کو نہیں جانتے تھے اور نہ کتاب پر ایمان لانے کی کیفیت کو جانتے تھے کیونکہ جب آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے کہ آپ پر یقیناً کتاب نازل کی جائے گی تو کتاب کے نزول سے پہلے اس کے عالم بھی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ایمان تمام شرعی احکام و مسائل کو شامل ہے جن میں سے بعض احکام و مسائل ایسے ہیں جن کو صرف عقل کے ذریعے بھی جانا جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو جاننے کے لیے عقل کافی نہیں ہوتی بلکہ ان کو جاننے کے لیے دلائل سمعیہ (یعنی شرعی دلائل) کی ضرورت ہوتی ہے سو یہاں کتاب و ایمان سے وہ احکام و مسائل مراد ہیں جو صرف دلائل سمعیہ

---

[1] بہ ظاہر اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا انبیائے کرام کو بعثت سے پہلے ایمان و کتاب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ آیت پڑھتے ہیں: ''وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا O'' (مریم:۱۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت سے مشرف فرما دیا۔حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آپ کی عمر تین سال تھی اور حکم سے مراد ''تفقه فی الدین'' ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں ہی اعلان فرمایا: ''اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا O وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ'' (مریم:۳۰۔۳۱) یعنی ''بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے O اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں''۔حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کم سن ہی تھے کہ بھائیوں نے ان کے گلے میں رسہ ڈال کر کنویں میں لٹکا دیا تھا' اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ سنایا تھا کہ ''وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا'' (یوسف:۱۵) یعنی ہم نے ان کی طرف وحی نازل کی کہ آپ انہیں ان کے اس فعل پر آگاہ کریں گے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت ابراہیم خلیل سے عرض کیا تھا: ''يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ O'' (الصّٰفّٰت:۱۰۲) ''اے پدر بزرگوار! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے' اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے O''۔جب ان حضرات انبیاء کو بچپن میں ہی ان اُمور پر آگاہی بخش دی گئی تھی اور ان سے وہ محیّر العقول کارنامے صادر ہوئے' جو صرف اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ہی ثمر ہو سکتے ہیں تو حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ حضور کو ایمان اور کتاب کا علم نہ تھا۔سرور کائنات کی قبل از اعلانِ نبوت زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی اس مفروضے کی تکذیب کرتی ہے' حدیث پاک میں ہے: ''لمّا نشات بغضت الیّ الاوثان و بغض الیّ الشعر ولم اهم بشیء ممّا کانت الجاهلية تفعله الّا مرّتین فعصمنی الله منهما ثمّ لم اعد'' ''جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں اور شعر گوئی کے متعلق بغض اور نفرت پیدا ہو گئی اور میں نے جاہلیت کے کاموں کا کبھی ارادہ نہیں کیا صرف دو مرتبہ خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا' پھر میں نے ان کا کبھی قصد نہیں کیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے جانے جاسکتے ہیں عقل سے نہیں (اس لیے ''ما کنت تدری'' فرمایا کہ آپ اپنی عقل ودانش سے کتاب وایمان کونہیں جانتے تھے بلکہ خداداد علم سے جانتے تھے) اور یہ اس لیے کہ پہلے آپ کو کتاب وایمان کے بارے میں شرعی دلائل کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو (اعلانِ نبوت کے بعد) نزولِ وحی کے ذریعے حاصل کرلیا[''ما کنت تدری'' کا جملہ ''الیك'' میں ضمیر مخاطب کاف سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ﴾ اور لیکن ہم نے اس کو یعنی اس کتاب کو نور بنادیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت عطا فرما دیتے ہیں ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں (یعنی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور ﷺ بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام گئے' اسی سفر میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی' اس نے حضور ﷺ میں نبوت کی علامات دیکھیں تو آزمانے کے لیے اس نے حضور ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا۔ حضور نے اپنی کم سنی کے باوجود ارشاد فرمایا: ''لا تسئلنی بھما فو اللّٰه ما ابغضت شیئًا قط بغضھما'' یعنی اے راہب! مجھ سے ان بتوں کے واسطہ سے کوئی بات مت پوچھو' بخدا! مجھے جتنی نفرت ان سے ہے اور کسی سے نہیں۔

انبیائے کرام کے بچپن کے احوال لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''ثم یتمکن الامر لھم وتترادف نفحات اللّٰه علیھم وتشرق انوار المعارف فی قلوبھم حتّٰی یصلوا الغایة ویبلغوا باصطفآء اللّٰه لھم بالنبوة فی تحصیل الخصال الشریفة دون مما رسة ولا ریاضة'' پھر ان کے حالات میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں' یہاں تک کہ وہ انتہاء تک پہنچ جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے انہیں چن لیتا ہے' وہ اوصاف حمیدہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں' انہیں کسی مشق اور ریاضت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: ''الصواب انه معصوم قبل النبوة من الجھل باللّٰه وصفاته والتشکك فی شیء من ذالك وقد تعاضدت الاخبار والآثار عن الانبیآء بتنزیھھم عن ھٰذه النقیصة منذ ولدوا ونشاتھم علی التوحید والایمان بل علی اشراق انوار المعارف ونفحات الطاف السعادة ومن طالع سیرھم منذ صباھم الٰی مبعثھم حقق کذالك'' (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ انبیائے کرام نبوت سے پہلے بھی اس بات سے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جاہل ہوں یا ان میں سے کسی بات میں ان کو شک ہو۔ بہ کثرت ایسی احادیث وآثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بچپن میں ہی ان عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی نشوونما توحید اور ایمان پر ہوتی ہے' بلکہ معرفت کے انوار ان پر ضوفشاں رہتے ہیں۔ سعادت وارجمندی کے الطاف کی مہک سے وہ معطر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے' ان کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں' مجھے یہ جواب ان میں سے زیادہ پسند ہے: ''ما کنت تدری ما الکتاب لو لا انعامنا علیك ولا الایمان لو لا ھدایتنا لك'' یعنی اگر آپ پر ہمارا لطف وانعام نہ ہوتا تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی رہنمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا علم بھی نہ ہوتا۔ (ملخصاً عن تفسیر القرطبی) نیز درایت کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی' کیونکہ درایت کہتے ہیں: ''المعرفة المدرکة بضرب من الختل (مفردات)'' یعنی کسی چیز کو ظن وتخمین سے یا اٹکل پچو سے جاننا۔ تاج العروس میں اس کا یہ معنی کیا گیا ہے کہ حیلہ سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہیں۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۳۹۳ تا ۳۹۵)

آپ ضرور دینِ اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں [''تا'' مضموم اور دال مکسور کے ساتھ ''لَتُهْدِیْ'' بھی پڑھا گیا ہے (بابِ افعال ''اَهْدٰی یُهْدِیْ'' سے)]۔

۵۳- ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف آپ ہدایت دیتے ہیں [یہ ''صراط مستقیم'' سے بدل ہے] ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ وہ جس کی ملکیت و سلطنت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ﴾ سن لو! تمام اُمور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہ (کفار کے لیے) دوزخ میں جانے کی وعید (دھمکی) ہے اور (نیک مسلمانوں کے لیے) جنت میں نعمتوں کا وعدہ ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| (۸۹) آیاتہا | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | (۷) رکوعاتہا |

سورۃ الزخرف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی نواسی آیات' سات رکوع ہیں

حٰمٓ ⓵ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ⓶ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⓷ وَاِنَّهٗ مـ
فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ ⓸ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا
مُّسْرِفِيْنَ ⓹ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِيْنَ ⓺ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⓻ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⓼

حٰمٓ ○ قسم ہے روشن کتاب کی ○ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا تاکہ تم سمجھ سکو ○ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑا بلند مرتبہ بہت حکمت والا ہے ○ سو کیا ہم اعراض کر کے تم سے اس نصیحت کو بیان کرنا اس لیے ترک کر دیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ○ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجے ○ اور ان کے پاس کوئی نبی نہ آتا مگر وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے ○ سو ہم نے ان میں سے سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ○

## قرآن کی شان اور کفار کو انتباہ کرنے کا بیان

سورتِ زخرف مکی ہے اور اس کی نواسی آیات ہیں۔

۱ تا ۳- ﴿حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ قسم ہے واضح اور روشن کتاب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' کی قسم فرمائی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔ اس میں ''اِنَّا جَعَلْنَاهُ'' کے ارشاد کو ''صَيَّرْنَاهُ'' کے معنی میں قرار دیا گیا ہے یعنی ہم نے اس کتاب مبین کو عربی قرآن بنا دیا ہے اور یہ نہایت خوب صورت اور عجیب و غریب قسموں میں سے ہے کیونکہ قسم اور مقسم علیہ ایک دوسرے کے بالکل مناسب ہیں اور ''مبین'' کا معنی ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے نہایت واضح ہے جن پر یہ نازل کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کی زبان میں اور ان کے اندازِ بیان کے مطابق ہے یا یہ تدبر اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے واضح کتاب ہے یا یہ وہ قرآن ہے جو ہدایت کے راستے کو گمراہی کے راستے سے واضح کرتا ہے اور ان تمام مسائل کا واضح حل پیش کرتا ہے جن کی امت کو دین کے معاملات

میں ضرورت ہوتی ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ تا کہ تم سمجھو (یعنی) تا کہ تم اس کے معانی کو سمجھو۔

٤۔ ﴿ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا ﴾ اور بے شک وہ (قرآن) ہمارے نزدیک اصل کتاب میں ہے (یعنی) اور بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوحِ محفوظ میں ثابت ہے جس کی دلیل اس کا یہ ارشاد ہے: ''بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌO فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍO'' (البروج: ۲۱۔ ۲۲) ''بلکہ وہ عظمت والا قرآن O لوحِ محفوظ میں ہے O'' اور لوحِ محفوظ کو ''ام الکتاب'' اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتب کا یہی مرکز و اصل ہے' چنانچہ تمام کتب سماویہ اسی میں ثابت ہیں اور اسی سے منقل کی جاتی ہیں اور یہیں سے لکھ کر نقل کی جاتی ہیں [علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ''ام الکتاب'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ لَعَلِیٌّ ﴾ بے شک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے' یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے یعنی قرآن فصاحت و بلاغت کے درجات میں سب سے بلند درجہ میں ہے یا یہ کہ قرآن مجید تمام کتب میں عظیم الشان اور عالی شان ہے کیونکہ یہ ان کے درمیان سراپا معجزہ ہے ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ بہت بڑی حکمت والا قرآن ہے۔

٥۔ ﴿ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ﴾ تو کیا ہم تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں (یعنی) کیا ہم اس نصیحت سے بھرپور قرآن کو تم سے دور رکھیں اور ہم اس کو تم سے ہٹا دیں [یہ بطور مجاز ہے' جیسے عرب کا قول ہے: ''ضرب الغرائب عن الحوض'' بیگانے اونٹوں اور اونٹنیوں کو حوض سے دور بھگا دیا گیا' اور اس میں حرف ''فا'' محذوف پر عطف کے لیے ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''انهملكم (فنضرب عنكم الذكر)'' کیا ہم تمہیں چھوڑ دیں اور ہم تم سے اس ذکر (قرآن) کو دور کر دیں] یہ اس بات سے انکار ہے کہ کتابوں کے نازل کرنے کا جو طریقۂ کار پہلے گزر چکا ہے' اب معاملہ اس کے خلاف کیا جائے اور اس کتاب کو عربی قرآن بنا کر اس لیے نازل کیا تا کہ اہل عرب اس کو سمجھیں اور اس کے موجبات اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں ﴿ صَفْحًا ﴾ [یہ مصدر ہے اور ''صفح عنه'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سے روگردانی کی جائے اور اس سے منہ پھیر لیا جائے اور یہ مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم تمہاری وجہ سے قرآن مجید کو نازل کرنا اور اس کے ذریعے تم پر حجت قائم کرنا چھوڑ دیں اور ہم تم سے اعراض کر لیں' ہرگز نہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ''من غیر لفظه'' سے ہو کیونکہ کہا جاتا ہے: ''ضربت عنه'' یعنی میں نے اس سے اعراض کر لیا' اسی طرح علامہ فراء نے کہا ہے] ﴿ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴾ اصل میں ''لَاَنْ كُنْتُمْ'' ہے یعنی اس لیے کہ تم حد سے بڑھنے والے ہو (یعنی) تم جہالت میں بہت زیادہ مبتلا ہو اور گمراہی میں تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو [نافع مدنی اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ''اِنْ كُنْتُمْ'' ہے اور یہ حرف شرط ہے' جو کسی امر محقق کے ثبوت کی بناء پر اس کی صحت بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے' جیسے مزدور کہتا ہے کہ اگر میں نے تمہارا یہ کام کر دیا تو میرا حق مجھے پورا دے دینا حالانکہ وہ اس کو جانتا ہوتا ہے]۔

٦۔ ﴿ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے نبی بھیجے ہیں یعنی ہم آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بہت کثیر تعداد میں رسول بھیج چکے ہیں۔

٧۔ ﴿ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور ان کے پاس کوئی نبی اور پیغمبر نہ آتا مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ ماضی کے کفار کی دائمی حالت کا بیان ہے یعنی گزشتہ کفار بھی اسی انکار و کفر اور مخالفت پر قائم رہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے کیونکہ کفار مکہ بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

٨۔ ﴿ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا ﴾ سو ہم نے ان میں سے بہت سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا تھا [''بطشا''

تمیز ہے اور ''منھم'' میں ضمیر ''مسرفین'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان سے خطاب پھیر کر رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ان کے بارے میں بتا رہا ہے] ﴿وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے یعنی قرآن مجید میں بارہا بہت سی جگہوں میں گزشتہ قوموں کی تباہ کاریوں کے قصے اور ان کے عجیب و غریب حالات گزر چکے ہیں' جن کا حق ہے کہ انہیں مثال کہا جائے اور یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وعدہ ہے اور کفارِ مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُۙ ⑨ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَۚ ⑩ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًاۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑪ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَۙ ⑫

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو سب پر غالب سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے ○ وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لیے کئی راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنی منزل کے راستے پر چلو ○ اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی کو نازل کیا' سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے ○ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو ○

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے شرک و ناشکری کا بیان

۹- ﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے پوچھیں یعنی اگر آپ مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ﴾ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو سب پر غلبہ رکھنے والے بے حد جاننے والے نے پیدا کیا۔

۱۰- ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا [عاصم کوفی کی قراءت میں ''مَهْدًا'' ہے یعنی ٹھہرنے اور آرام کی جگہ اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''مھادًا'' ہے یعنی آرام کرنے اور رہنے سہنے کی جگہ] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے اس میں بہت سے راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنے سفروں کے دوران اپنی اپنی منزل کی طرف جانے والے راستے پر چلو۔

۱۱- ﴿وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا یعنی ایک معین مقدار جس کے ساتھ بندے سلامت رہیں اور شہروں کی ضرورت بھی پوری ہو جائے ﴿فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا﴾ سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا [''فانشرنا'' بہ معنی ''فاحیینا'' ہے اس میں غائب سے اخبار کی طرف عدول

ہے کیونکہ مخاطب کو مراد کا علم حاصل ہے یزید کی قراءت میں "میتـا" "یـا" مشدد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿ کَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ اسی طرح تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "تـخـرجون" کو معروف پڑھا گیا اور "العلیم" پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ "الذی" اس کی صفت ہے اور البتہ ابوحاتم نے اس پر وقف کیا ہے اس بناء پر کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: "هو الذی"] کیونکہ یہ اوصاف کفار کا مقولہ نہیں اس لیے کہ وہ قبروں سے نکالنے کے منکر ہیں تو وہ بھلا "کـذالك تخرجون" کیسے کہہ سکتے ہیں بلکہ یہ آیت مبارکہ تو قبروں سے زندہ کر کے اٹھانے کے انکار کرنے میں ان پر حجت ہے۔

۱۲- ﴿ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کیے (یعنی) مخلوق کی تمام اقسام پیدا کیں ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو [ "ای تـر کـبـونـه" یعنی تم اس سواری پر سوار ہوتے ہو ("رکوب" کا فعل "فُلْك" کی طرف حرف "فِی" کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے اور "انـعـام" کی طرف بغیر واسطے کے بنفسہٖ متعدی ہوتا ہے جیسے) کہا جاتا ہے: "رکبوا فی الـفـلـك ور کـبـوا الانـعـام" پھر بنفسہٖ متعدی فعل کو قوی ہونے کی بناء پر بالواسطہ متعدی فعل پر غالب قرار دے دیا گیا اور "تـر کـبـونـه" کہا گیا]۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع

تا کہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو پھر تم اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر جم کر بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا فرماں بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے○ اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں○ اور انہوں نے اس کے بعض بندوں کو اس کا حصہ (اولاد) بنا دیا بے شک انسان ضرور کھلم کھلا ناشکرا ہے○

۱۳- ﴿ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ﴾ تا کہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو (یعنی) تا کہ تم ان سواریوں کی پشتوں پر جم کر بیٹھ جاؤ جن پر تم سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اور سواری کے چوپائے ہیں ﴿ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ پھر تم جب ان پر سوار ہو جاؤ تو اپنے دلوں میں اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو ﴿ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا ﴾ اور تم اپنی زبانوں سے یہ کہو کہ پاک ہے وہ جس نے اس سواری کو ہمارے لیے فرماں بردار بنا دیا ﴿ وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴾ اور ہم اس کو اپنے تابع رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے "اقرن الشیء" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور "اقرنه" کا حقیقی معنی کسی کو اپنا ساتھی بنانا ہے کیونکہ طاقتور کمزور کا قرین اور ساتھی نہیں ہوتا۔

۱۴- ﴿ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (یعنی) آخرت میں ہمیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جانا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ لوگ جب دنیا کی سواریوں پر سوار ہوتے ہیں تو یہی کلمات پڑھتے ہیں اور دنیا کی سواریوں میں سے آخری سواری کے وقت بھی یہی کلمات پڑھتے ہیں اور وہ آخری سواری

جنازہ ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں اپنا پاؤں مبارک رکھتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے' پھر جب آپ سواری پر برابر بیٹھ جاتے تو فرماتے: ''الحمد للّٰہ علٰی کل حال سبحان الذی سخرلنا ھٰذا وما کنا لہ مقرنین وانا الٰی ربنا لمنقلبون'' اور آپ تین مرتبہ ''اللّٰہ اکبر'' کہتے اور تین مرتبہ ''لا الٰہ الّا اللّٰہ'' کہتے۔

(ابوداؤدرقم الحدیث: ۲۶۰۲' ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۶)

اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کشتی میں سوار ہونے لگے تو یہ کہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝'' (ھود: ۴۱)۔

عبرت آموز واقعہ: ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنی سواریوں پر سوار ہوتے وقت پڑھا: ''سبحان الذی سخرلنا ھٰذا'' آخر تک پڑھا' اور ان میں سے ایک شخص اپنی کمزور اونٹنی پر سوار ہوا' جس سے کمزوری کے باعث چلا نہیں جا سکتا تھا اور اس نے تکبر وغرور سے کہا کہ میری سواری میرے قابو میں ہے' لہٰذا مجھے تمہاری طرح یہ دعا پڑھنے کی ضرورت نہیں' چنانچہ تکبر وغرور کا انجام یہ ہوا کہ وہی کمزور سواری کودی اور اُچھلی' جس سے وہ شخص نیچے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی' اور عقل مند کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ سیر وتفریح اور لذت وآرام طلبی کے لیے سواری نہ کرے بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لیے سواری کرے اور وہ سوار ہوتے وقت سوچے اور غور وفکر کرے کہ اس نے ایک دن لامحالہ ہلاک ہو جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹ جانا ہے کیونکہ اس کے فیصلہ سے کوئی بچ نہیں سکتا' موت کا بلاوا برحق ہے۔

۱۵- ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا حصہ اور شریک بنالیا۔ یہ ارشاد گزشتہ ارشاد ''ولئن سالتھم'' کے ساتھ مرتبط ہے یعنی اگر آپ ان (کفار مکہ) سے آسمانوں اور زمین کے خالق ومالک کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ اقرار اور اعتراف کریں گے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس اقرار اور اعتراف کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بعض بندوں کو حصہ اور اس کا جزء قرار دے دیا یعنی عرب کے بعض کفار نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' سوانہوں نے یہ کہہ کر ان کو اللہ تعالیٰ کا جزء اور اس کا حصہ اور بعض قرار دے دیا' جیسا کہ بیٹا بیٹی والد کا جزء اور اس کا بعض اور حصہ ہوتے ہیں [ابوبکر اور حماد کی قراءت میں ''جُـزُؤًا'' (جیم اور زا مضموم) ہے] ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ﴾ بے شک انسان کھلم کھلا بہت ناشکرا ہے کیونکہ وہ نعمتوں کا منکر ہے' اس کا انکار واضح ہے کیونکہ اولاد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کفر ہے اور کفر تمام ناشکری کی اصل اور بنیاد ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ۝١٦ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ۝١٧ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ۝١٨ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْــَٔلُوْنَ ۝١٩ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝٢٠

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیاO اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتاO کیا وہ (اللہ تعالیٰ کی بیٹی ہو سکتی ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے‘ اور اسے بحث کے دوران اپنی بات واضح بیان کرنے کا طریقہ نہیں آتاO اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا‘ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے‘ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس ہو گیO اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے‘ انہیں اس کا کچھ علم نہیں‘ وہ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیںO

## اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے کی تردید

۱۶- ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیئے‘ یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں بنالیں اور ہمزہ انکار کے لیے ہے محض ان کی جہالت کا اظہار کرنے اور ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے‘ کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ اور کم تر مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹی) اپنے لیے پسند کی ہے اور اعلیٰ اور بڑے مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹے) ان کے لیے پسند کیے ہیں۔

۱۷- ﴿اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رب رحمٰن کے لیے مثال بیان کی (یعنی) جس جنس کو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی شبیہ قرار دیا کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جزء (حصہ) اور اس کا بعض قرار دیا تو انہوں نے یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ کی جنس سے اور اس کے مماثل و مشابہ قرار دے دیا‘ کیونکہ اولاد اپنے والد کی جنس سے ہوا کرتی ہے ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ﴾ اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور غم و غصہ سے بھر جاتا یعنی بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس جنس کو منسوب کر دیا لیکن ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب ان میں سے کسی کو کہا جاتا کہ تمہارے گھر بیٹی ہوئی ہے تو غم سے بھر جاتا اور اس کا چہرہ غضب اور افسوس سے کالا سیاہ ہو جاتا اور رنج و غم اور دُکھ سے بھر جاتا اور ’’ظلول‘‘ کا معنی ہے: ہو جانا۔

۱۸- ﴿اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ﴾ اور کیا اسے (خدا کی بیٹی قرار دیا جاتا ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور اسے بحث کے دوران واضح بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا یعنی کیا اولاد میں سے رحمٰن کے لیے اسے منتخب کیا جاتا ہے جس کی یہ بدترین صفت بیان کی جاتی ہے کہ اسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے یعنی جس کی پرورش و تربیت‘ زیب و زینت اور آرائش و سنگھار میں کی جاتی ہے اور جسے دشمن کو زیر کرنے اور مردوں سے دورانِ بحث اپنا مدعا بیان کرنا نہ آتا ہو نہ اس کے پاس واضح طور پر بات کرنے کا سلیقہ ہو اور نہ وہ دلیل و برہان پیش کر سکے اور یہ محض ان کی عقلوں کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض عورتیں جب بھی بات کرتی ہیں اس پر دلیل پیش کرتی ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ زیب و زینت اور آرائش و سنگھار میں پرورش پانا عیبوں میں سے ایک عیب ہے‘ سو اس لیے مردوں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ بناؤ سنگھار سے پرہیز کریں اور ظاہر کی بجائے اپنے باطن کو تقویٰ کے لباس سے آراستہ کریں [اور ’’مَنْ‘‘ محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا کفار مکہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے انہیں اولاد قرار دے دیا جو زیور میں پروان چڑھائی جاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بنالیں۔ حمزہ کوفی اور علی کسائی اور حضرت حفص کی قراءت میں ’’یُنَشَّؤُا‘‘ (یا مضموم‘ نون مفتوح اور شین مشدد کے ساتھ) ہے یعنی تربیت کی جاتی ہے‘ بے شک مشرکین مکہ نے اپنے اندر

تین کفر جمع کر لیے (۱) اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی (۲) انہوں نے اولاد میں سے بدترین یا کم ترین قسم (بیٹیوں) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا (۳) اور انہوں نے مکرم و معزز فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے دیا' سو انہوں نے فرشتوں کی بھی توہین کی ]۔

۱۹- ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے دیا یعنی انہوں نے فرشتوں کے نام ''اناثا'' لڑکیاں رکھا اور انہوں نے کہا کہ وہ یقیناً لڑکیاں ہیں [ ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''عند الرحمان'' ہے یعنی ظرفیت کی عندیت مراد نہیں بلکہ مرتبہ اور درجہ کے معنی میں ہے' جگہ اور مقام کے معنی میں نہیں اور ''عباد''، ''عبد'' کی جمع ہے اور یہ اہل عناد کے ساتھ حجت پیش کرنے کے لیے زیادہ لازم ہے کیونکہ عبودیت اور اولاد ہونے میں تضاد ہے ] ﴿ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ﴾ کیا وہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت حاضر اور موجود تھے اور اصل میں اس کلام کے ذریعے ان کا مذاق اڑایا گیا ہے یعنی وہ یہ بات کہتے ہیں لیکن ان کا یہ کہنا کسی قسم کے علم سے مستند نہیں' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے علم کے لیے مکلف نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو استدلال سے حاصل کیا ہے اور نہ انہوں نے کسی خبر کے ذریعے اس کا احاطہ کیا ہے' جو علم کو واجب کر دیتی اور نہ یہ لوگ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے تاکہ یہ لوگ مشاہدہ کی بناء پر ان کی خبر سناتے ﴿ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ ﴾ ان کی وہ گواہی لکھ لی جائے گی جو انہوں نے فرشتوں کے بارے میں دی کہ وہ عورتیں ہیں ﴿ وَيُسْئَلُوْنَ ﴾ اور ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اور یہ وعید (دھمکی) ہے۔

۲۰- ﴿ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اگر خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی یعنی فرشتوں کی عبادت نہ کرتے۔ اس آیت مبارکہ کے ظاہر سے معتزلہ فرقہ نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر نہیں چاہتا اور وہ تو صرف ایمان چاہتا ہے کیونکہ کفار نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر چاہا اور ان سے بتوں کی عبادت کے ترک کو نہیں چاہا' اس لیے کہ انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا کہ ہم بتوں کی عبادت ترک کر دیں تو وہ ہمیں ان کی عبادت سے منع کر دیتا لیکن اس نے ہم سے بتوں کی عبادت کو چاہا تب ہی تو منع نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول اور ان کے اعتقاد کی تردید فرما دی اور فرمایا: ﴿ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ﴾ ان کو اس مقولہ کا کچھ علم نہیں ﴿ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ وہ تو نہیں مگر وہ قیاس آرائی کرتے ہیں یعنی وہ جھوٹ بولتے ہیں اور ہمارے نزدیک آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ نے مشیّت سے رضا مراد لی اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہ ہوتا تو وہ ہمیں بہت جلد اور فوراً سزا دے دیتا یا پھر وہ زبردستی ان کی عبادت سے ہمیں منع کر دیتا اور ہمیں ان کی عبادت ترک کرنے پر مجبور کر دیتا اور جب اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تو وہ اس پر یقیناً راضی ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ'' کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے یا پھر کفار مکہ نے یہ بات بطور مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لیے کہہ دی' اپنے اعتقاد کے طور پر نہیں کہی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میں جھوٹا قرار دیا اور انہیں جاہل قرار دیا کہ انہوں نے اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ استہزاء کے طور پر یہ بات کہہ دی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ'' (یٰسین: ۴۷) ''کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو خود انہیں کھانا کھلا دیتا'' اور یہ بات اصل میں تو حق ہے لیکن جب کفار مکہ نے یہ بات بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کے لیے کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○'' (یٰسین: ۴۷) ''تم تو نہیں مگر کھلی گمراہی میں پڑے ہو ○'' اور اسی طرح اللہ

تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ''قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' (المنافقون:۱) ''منافقوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے ضرور رسول ہیں'' پھر ارشادفرمایا: ''وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ O'' (المنافقون:۱) ''اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O'' اس لیے کہ منافقوں نے یہ گواہی اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں دی تھی اور کفارِ مکہ نے اپنے تمام اختیار کردہ افعال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اپنے لیے حجت قرار دیا اور انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر انہیں سزا نہیں دے گا جو انہوں نے اس کی مشیت کے تحت کیا اور انہوں نے اس میں اپنے آپ کو معذور قرار دے دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کردی اور فرمایا:

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۰

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے' پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں O بلکہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے نقوشِ پا پر چل رہے ہیں O اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس بستی کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے قدموں کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں O اس نبی نے فرمایا: اور کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں' جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: بے شک جس دین کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھیے کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بھیانک) انجام ہوا O

۲۱- ﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی (یعنی) قرآن مجید سے پہلے یا ان کے اس قول سے پہلے ﴿ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴾ پس وہ اسی کو تھامے ہوئے ہیں (یعنی) پکڑنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اشهدوا خلقهم ام اٰتيناهم كتابا فيه ان الملائكة اناث؟'' کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس میں لکھا ہے کہ فرشتے عورتیں ہیں۔

۲۲- ﴿ بَلْ قَالُوْٓا ﴾ بلکہ انہوں نے (یعنی) بلکہ ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہیں جس کے ساتھ تمسک کر سکیں نہ مشاہدہ کے اعتبار سے اور نہ عقل کے اعتبار سے اور نہ نقل کے اعتبار سے' مگر ان کا کہنا ہے کہ ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا' سو ہم نے ان کی پیروی کی [''امـــة'' کا معنی دین ہے اور یہ ''اُمٌّ'' سے

مشتق ہے اور ''اُمٌّ'' کا معنی قصد کرنا' پس ''امۃ'' کا معنی وہ طریقہ ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے یعنی جس کا ارادہ کیا جاتا ہے]
﴿ وَاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقوش پا پر چلتے ہیں [ظرف ''مهتدون'' کا صلہ ہے اس کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یا یہ دونوں خبریں ہیں]۔

۲۳۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ ﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا یعنی نبی نہیں بھیجا ﴿ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ﴾ مگر اس بستی کے سرداروں نے کہا یعنی وہاں کے خوش حال اور مال دار سرداروں نے کہا اور یہ وہ لوگ تھے جن کو نعمت و دولت نے تکبر میں مبتلا کر دیا یعنی ان کو اترا دیا' پس وہ صرف خواہشات نفسانی اور کھیل کود اور کھیل تماشے کو پسند کرتے ہیں اور وہ دین کی مشقت اور اس کی تکالیف سے دور بھاگتے ہیں ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے طریقوں کی اقتداء کر رہے ہیں اور یہ کلام حضور نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی و تشفی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ گمراہ باپ دادا کی تقلید پرانی بیماری ہے۔

۲۴۔ ﴿ قٰلَ ﴾ اس نے فرمایا [یہ ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت ہے یعنی اس ڈر سنانے والے نبی نے فرمایا۔ ان کے علاوہ کی قراءت میں ''قُلْ'' ہے یعنی ڈر سنانے والے سے کہا گیا: ''قل'' تم فرما دو کہ] ﴿ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ﴾ اور کیا اگر چہ میں اس سے زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر تمہارے پاس آ جاؤں' جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا یعنی کیا تم اپنے آباء واجداد کی پیروی کرتے رہو گے اور اگر چہ میں تمہارے باپ داد کے دین سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں ﴿ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس دین کے منکر ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے (یعنی) ہم اپنے آباء واجداد کے دین پر قائم رہیں گے' اگر چہ آپ زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر آ جائیں۔

۲۵۔ ﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سخت سزا دی' اس لیے کہ وہ کفر و شرک پر اصرار کرنے کی بناء پر سزا کے مستحق ہو گئے تھے ﴿ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴾ سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا بھیانک ہوا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ
فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے چچا ابو اور اپنی قوم سے فرمایا: بے شک میں ان سے بیزار

ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہوO سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا' سو یقیناً وہی آئندہ بھی مجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھے گاO اور اس نے اپنی نسل میں اسے باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا تا کہ وہ رجوع کریںO بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور واضح بیان والا رسول آ گیاO اور جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ جادو ہے اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیںO اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیاO

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ حق

۲۶- ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم سے فرمایا یعنی (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا ابو آزر اور اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو [یعنی ''بری ء'' اور یہ مصدر ہے' اس میں واحد' تثنیہ اور جمع اور مذکر و مؤنث یکساں استعمال ہوتے ہیں' جیسے تم کہو: ''رجل عدل' وامراۃ عدل' وقوم عدل'' منصف مرد اور منصف عورت اور منصف قوم اور اس کا معنی ہے: ''ذو عدل'' انصاف کرنے والا اور ''ذات عدل'' انصاف کرنے والا]۔

۲۷- ﴿اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ ماسوا اس ذاتِ اقدس کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا فرمایا: ''لکن الذی فطرنی'' لیکن جس ذاتِ پاک نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ﴾ پس بے شک عنقریب مجھے وہی منزلِ مقصود تک پہنچائے گا یعنی وہی مجھے ہدایت پر ثابت و قائم رکھے گا۔

۲۸- ﴿وَجَعَلَهَا﴾ اور اس نے اسے بنا دیا (یعنی) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمۂ توحید کو جسے انہوں نے اپنی قوم سے بیان کیا تھا' اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا اور وہ ان کا یہ قول ہے: ''اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَO اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ'' ''بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہوO سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے'' ﴿كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ﴾ ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ' سو یہ کلمہ ان میں ہمیشہ باقی رہا جو اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانتے رہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ ان کی نسل میں سے جنہوں نے توحید کا عقیدہ اختیار کر لیا' ان کی دعوت کی وجہ سے وہ لوگ جنہوں نے ان میں سے کفر و شرک اختیار کر لیا وہ کفر و شرک سے رجوع کر لیں اور ''ترجی'' (امید) کا کلمہ ''لعلّ'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا۔

## آخر الزمان رسول ﷺ اور قرآن کے انکار پر کفارِ مکہ کی مذمت

۲۹- ﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ بلکہ میں نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو دنیا کا فائدہ دیا تھا یعنی میں نے اہل مکہ اور ان کے باپ دادا کو لمبی عمریں اور ہر قسم کی نعمتیں خوب دی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے تھے' لیکن یہ لوگ اس مہلت کی وجہ سے مغرور ہو گئے اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے اور کلمۂ توحید سے منہ پھیر کر خواہشات نفسانی اور شہوات کی پیروی شروع کر دی اور شیطان کے پیروکار اور اس کے اطاعت گزار بن گئے ﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید ﴿وَرَسُوْلٌ﴾ اور رسول عربی یعنی سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ﴿مُّبِیْنٌ﴾ واضح رسالت کے ساتھ کیونکہ آپ کے ساتھ روشن معجزات و دلائل تھے۔

۳۰- ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آ گیا تو ﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾

انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سراسر جادو ہے اور بے شک ہم اس کے ساتھ کفر وانکار کرنے والے ہیں۔

۳۱- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے باطل و ناحق فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ یہ قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا' اس میں قرآن مجید کی اہانت ہے ﴿عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر یعنی دو بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے بڑے آدمی پر' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یخرج منهما اللؤلؤ والمرجانO" (الرحمٰن: ۲۲) "ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیںO" یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک سے' اور دو بستیوں سے مکہ مکرمہ اور طائف مراد ہیں اور مکہ معظمہ کے بڑے آدمی سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کے بڑے آدمی سے عروہ بن مسعود ثقفی مراد ہے اور عظیم (بڑے آدمی) سے ان کی مراد وہ شخص تھا جو دولت مند و مال دار اور دنیاوی مرتبہ میں اونچا ہو' اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ عظیم اور بڑا آدمی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم اور بڑا ہو۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ
رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا
لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِــــُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں (ہرگز نہیں! بلکہ) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے رزق کو ان کے درمیان تقسیم کر رکھا ہے اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کر دیا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنالیں' اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیںO اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک امت بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے ہیںO اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیںO اور سونے کا بھی بنا دیتے' اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگانی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا ثواب آپ کے پروردگار کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہےO

۳۲- ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ کیا آپ کے پروردگار کی رحمت یعنی نبوت کو وہی تقسیم کرتے ہیں؟ اور ہمزہ مستقل انکار کے لیے ہے جس کے ذریعہ اعتراض کرنے والے کفار کی جہالت کو ثابت کرنا اور نبوت کی صلاحیت کے حامل آدمی کے انتخاب میں ان کے فیصلے پر تعجب کا اظہار کرنا مقصود ہے اور یہاں رحمت سے نبوت مراد ہے ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ ہم نے ان کے درمیان ان کے معاش وغذا کو تقسیم کیا ہے اور وہ ان کی روزیاں اور ان کے رزق مراد ہیں ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیاوی زندگانی میں یعنی ادنیٰ اور کم تر چیز کی تقسیم ہم نے ان کے سپرد نہیں کی اور وہ رزق ہے تو بھلا نبوت کی تقسیم ان کے سپرد کیسے کی جا سکتی ہے' یا یہ معنی ہے کہ جس طرح میں نے رزق کے معاملہ میں بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت و

برتری عطا کی ہے تو اسی طرح نبوت کے ساتھ وہی مخصوص ہوگا جس کو میں چاہوں گا ﴿ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا یعنی ہم نے بعض کو طاقت ور اور غنی و دولت مند اور سردار و آقا اور حاکم و مخدوم بنا دیا اور بعض کو ضعیف و کمزور اور فقیر و محتاج اور محکوم و خادم بنا دیا ﴿ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾ تا کہ ان میں سے بعض لوگ دوسرے بعض کو خدمت گار بنالیں (یعنی) بعض حضرات اپنی حاجات و ضروریات میں دوسرے بعض کو کام میں لائیں اور اپنے کاموں میں ان سے خدمات حاصل کریں اور اپنے کاروبار میں ان سے خدمت و بیگار لیں یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کے معاش کا سبب بنیں اور ایک دوسرے سے فوائد و منافع حاصل کریں' یہ اپنے مال و دولت کے ذریعے اور وہ اپنی محنت و مزدوری اور اپنے کام کے ذریعے ﴿ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کرتے رہتے ہیں یعنی آپ کے پروردگار کی عطا کردہ نبوت و رسالت یا اللہ تعالیٰ کا دین اسلام اور جو آخرت کی کامیابی میں اس کے دین کے تابع ہے' یہ دنیا کے اس مال و دولت سے بہت بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

## دنیا کی حقارت اور اس کی زیب و زینت کا کفار کے لیے ہونے کا بیان

۳۳-اور جب اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا آیت میں) دنیا کی قلت اور اس کی حقارت کو بیان کیا تو اب اس کے بعد متصل اس چیز کو بیان کیا جو اس کے نزدیک دنیا کی قلت و حقارت کو پختہ ثابت کر دے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں گے (یعنی) تمام لوگ کفر پر جمع ہو جائیں گے اور اس پر متفق ہو جائیں گے ﴿ لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴾ تو ہم رحمٰن کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی وہ سیڑھیاں چاندی کی ضرور بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں (یعنی) اپنے نزدیک دنیا کے انتہائی حقارت و عارضی ہونے کی وجہ سے ہم یہ ضرور کر دیتے۔

۳۵٬۳۴- ﴿ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت چاندی کے بنا دیتے جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں' اور ہر طرح کی زیب و زینت دے دیتے یعنی ہم کفار کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں اور دروازوں اور تختوں سب کو چاندی کا بنا دیتے اور ہم ان کو طرح طرح کی زیب و زینت دیتے یعنی ہر قسم کی زیب و زینت عطا کر دیتے اور ''زخرف'' کا معنی زیب و زینت اور سونا ہے' اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں ''سقفا من فضة وزخرف'' ہو یعنی بعض چیزیں چاندی کی ہوتیں اور بعض چیزیں سونے کی ہوتیں [''زخرفا'' کی نصب ''من فضة'' کے محل پر عطف کی وجہ سے ہے اور ''لبیوتھم''، ''لمن یکفر'' سے بدل اشتمال ہے اور ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور یزید کی قراءت میں سین مفتوح اور قاف ساکن کے ساتھ ''سَقْفًا'' ہے اور جنس مراد لینے پر واحد ہے اور ''المعارج''، ''معرج'' کی جمع ہے اور اس کا معنی سیڑھیاں ہے' جن کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھا جاتا ہے ''یَظْهَرُوْنَ'' کا معنی ہے: بلند اور ابھری ظاہر چیز یعنی وہ لوگ ان سیڑھیوں کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھتے ہیں] ﴿ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور یہ سب چیزیں دنیاوی زندگانی کا عارضی سامان ہے [اس میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ''لَمَّا'' بہ معنی ''اِلَّا'' ہے'' ای وما (کل ذالك) الا (متاع الحیوة الدنیا)'' یعنی وہ سب چیزیں نہیں ہیں مگر دنیا کی زندگی کا سامان' اور امام عاصم اور حمزہ کوفی کی یہی قراءت ہے جب کہ ان دونوں کے علاوہ قراء نے ''لَمَا'' بغیر تشدید مخفف پڑھا ہے' اس بناء پر کہ لام ''ان'' مخففہ اور ''ان'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور حرف ''مَا'' صلہ ہے'' ای انّ کل ذالك لمتاع الحیوة الدنیا'' یعنی بے

شک یہ تمام چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے ] ﴿ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ اور آپ کے پروردگار کے نزدیک آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے یعنی آخرت کا اجر وثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر وشرک سے پرہیز کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں' پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے O اور بے شک وہ ان کو راہِ راست سے روکتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں O یہاں تک کہ جب وہ (اندھا) ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا: کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی' سو تو بہت بُرا ساتھی ہے O اور آج ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تم ظلم وستم کر چکے ہو بے شک تم سب عذاب میں باہم شریک ہو O

## ذکر الٰہی سے اعراض کے سبب شیطان کا تسلط

۳۶- ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ﴾ اور جو شخص رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے اور "ذکر" سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید سے اعراض کر لیتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ O" (البقرہ:۱۸) "بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' سو وہ نہیں لوٹیں گے O" [اور ایک اور قراءت میں "وَمَنْ يَّعْشَ" بھی پڑھا گیا ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری ہو جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے اور اندھا ہو جائے تو "عشی یعشی" (جیسے "رضی یرضی" "باب سمع یسمع") کہا جاتا ہے اور جس شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری تو نہ ہو لیکن جب وہ دیکھے تو اندھے آدمی کی طرح دیکھے تو پھر "عشا یعشو" (جیسے "دعا یدعو" "باب نصر ینصر) کہا جاتا ہے اور اب فتح (زبر) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص (غفلت کی وجہ سے) اندھا ہو جاتا ہے اور ضمہ (پیش) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص اس کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا بن جاتا ہے یعنی وہ جانتا اور پہچانتا ہے کہ یہ حق ہے اور اس کے باوجود وہ بہ تکلف متجاہل اور اَن جان بن جاتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" (النمل:۱۴) "اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اس کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا" ] ﴿ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴾ ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں' پس وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے: "نسلطه علیه فهو معه في الدنیا والاخرة یحمله علی المعاصي" یعنی ہم شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں' سو وہ اس کا ساتھی بن کر دنیا میں اور آخرت میں اس کے ساتھ رہتا ہے' وہ اسے گناہوں پر اُبھارتا رہتا ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بے شک جو شخص ذکر الٰہی پر ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی نہیں بنتا۔

٣٧- ﴿ وَاِنَّهُمْ ﴾ اور بے شک وہ یعنی شیاطین ﴿ لَيَصُدُّوْنَهُمْ ﴾ البتہ ذکر الٰہی سے منہ پھیر کر اندھے بن جانے والوں کو روکتے ہیں ﴿ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ ہدایت کی راہ سے ﴿ وَيَحْسَبُوْنَ ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں یعنی ذکر الٰہی سے اعراض کر کے اندھے بن جانے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ﴿ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں [''مَنْ'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر اور شیطان کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو جمع صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ ''مَنْ''، ''عاشی'' کی جنس میں مبہم ہے اور اس پر مقرر کیا جانے والا شیطان اپنی جنس میں مبہم ہے' سو اس لیے جائز ہے کہ ان دونوں کی طرف جمع کی ضمیر لوٹائی جائے]۔

٣٨- ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا ﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا [ابوبکر کے سوا عراقی قراء کی قراءت میں واحد کی بناء پر ''جآء نا'' ہے یعنی اندھا بن جانے والا جب ہمارے پاس آئے گا اور ان کے علاوہ کے نزدیک تثنیہ کی بناء پر ''جآءنا'' ہے] یعنی اندھا بن جانے والا اور اس کا ساتھی جب وہ دونوں ہمارے پاس آئیں گے تو ﴿ قَالَ ﴾ ذکر الٰہی سے اعراض کر کے اندھا بن جانے والا اپنے ساتھی شیطان سے کہے گا کہ ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ ﴾ اے کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ ''مشرقین'' سے مشرق اور مغرب مراد ہیں' پھر مشرق کو مغرب پر غلبہ دے کر ''مشرقین'' کہا گیا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے ''عُمَران'' اور ''قمران'' اور مغرب سے مشرق تک کا بُعد اور مشرق سے مغرب تک کا بُعد مراد ہے ﴿ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴾ ''انت'' سو تو بہت بُرا ساتھی ہے۔

٣٩- ﴿ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ ﴾ اور آج تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تمہارا ظلم و ستم کرنا صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا یعنی تمہارا کفر ثابت اور واضح ہو چکا ہے اور تمہارے ظالم و کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا' نہ تمہارے لیے اور نہ کسی اور کے لیے [اور ''اذ'' بدل ہے ''الیوم'' سے] ﴿ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴾ بے شک تم سب عذاب میں باہمی شریک اور حصہ دار ہو [''انکم'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے یعنی تمہارا عذاب میں اشتراک یا عذاب میں تمہارا مشترک ہونا تمہیں ہرگز فائدہ نہیں دے گا جیسے عموم بلویٰ سے دنیا میں دل کو تسلی مل جاتی ہے' جیسے خنسآء کا قول ہے:

ولو لا کثرة الباکین حولی | علی اخوانهم لقتلت نفسی
ولا یکون مثل اخی ولٰکن | اعزّی النفس عنه بالتاسّی

''اور اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو مار ڈالتی' اور وہ میرے بھائی کی طرح نہیں روتے لیکن میں اس سے اپنے دل کو صبر کے ذریعے تسلی دیتی ہوں''۔

لیکن رہے یہ لوگ تو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا رونے میں اشتراک نہ تو انہیں تسلی دیتا ہے اور نہ ان کو سکون پہنچاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ فاعل پوشیدہ ہے: ''ای ولن ینفعکم هذا التمنی او الاعتذار'' یعنی تمہیں یہ آرزو یا یہ معذرت فائدہ نہیں دے گی' اس لیے تم سب عذاب میں باہمی مشترک ہو' (یعنی) عذاب کے سبب میں تم سب شریک ہو اور وہ کفر اختیار کرنا ہے اور اس کی تائید اس شخص کی قراءت کرتی ہے جس نے کسرہ (زیر) کے ساتھ ''انکم'' پڑھا ہے]۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾
فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ

مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾
وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔــلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۰

سو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں O سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے O یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو بے شک ہم ان پر پوری طرح قدرت رکھنے والے ہیں O سو آپ اس (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھیے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے' بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں O اور بے شک وہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بہت بڑا شرف و اعزاز ہے' اور عنقریب تم سے باز پرس ہوگی O اور آپ ہمارے ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے O

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی اور نصیحت

۴۰- ﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ ﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے؟ یعنی جس نے عقل مندی اور قبولیت حق کی سماعت کو گم اور ضائع کر دیا ہے ﴿ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ ﴾ یا کیا آپ اندھوں کو سیدھی راہ دکھائیں گے' یعنی جس نے حق بین دلوں کو گم کر دیا ہے ﴿ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور جو شخص کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے (یعنی) جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ گمراہی کی موت مرے گا۔

۴۱- ﴿ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴾ پھر اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بے شک ہم ان سے ضرور سخت انتقام لیں گے (یعنی) اگر ہم ان پر آپ کی مدد کرنے اور مسلمانوں کے دلوں کو ان سے سکون و راحت پہنچانے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو پھر ہم ان سے آخرت میں سخت ترین انتقام لیں گے [''فاما'' میں حرف ''ان'' پر حرف ''ما'' کو شرط کی تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے اور اسی طرح ''نذھبنّ'' میں نون ثقیلہ کو داخل کیا گیا ہے]۔

۴۲- ﴿ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ ﴾ یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے (یعنی) آپ کو وفات دینے سے پہلے ہم آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یعنی بدر کے روز جنگ میں انہیں شکست دینے کا عذاب ﴿ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴾ سو ہم یقیناً ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''افانت تسمع الصم'' کے ذریعے ان کو کفر و گمراہی میں سخت مزاجی کے ساتھ موصوف کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''فاما نذھبن لك'' سے دو آیات مبارکہ میں ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۴۳- ﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ﴾ سو آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیجئے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے اور اسی پر عمل کیجئے ﴿ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں اور وہ دین اسلام ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

۴۴- ﴿ وَاِنَّهٗ ﴾ اور بے شک وہ جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿ لَذِكْرٌ لَّكَ ﴾ آپ کے لیے باعث شرف ہے ﴿ وَلِقَوْمِكَ ﴾ اور آپ کی قوم یعنی آپ کی امت کے لیے باعث شرف ہے ﴿ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ﴾ اور

عنقریب قیامت کے روز اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کا حق قائم رکھا اور تم نے اس کی تعظیم کی اور تم نے اس نعمتِ عظمٰی پر شکر ادا کیا۔

۴۵۔ ﴿ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھیے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے۔ رسولوں سے سوال کرنا حقیقی سوال مراد نہیں ہے بلکہ ان کے دینوں میں غور وفکر کرنا اور ان کی ملتوں میں تفتیش کرنا مراد ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان میں سے کسی دین میں اور کسی نبی کی ملت میں بتوں کی عبادت کی اجازت ہرگز نہیں ہے اور غور وفکر کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یہی کتاب قرآن مجید کافی ہے' جو سراسر معجزہ اور اپنے سے پہلی گزشتہ کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنادی ہے کہ بے شک کفارِ مکہ ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا'' (الحج:۷۱) ''اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور کوئی دلیل نازل نہیں کی'' اور یہ آیت مبارکہ بذاتِ خود کافی ہے' اس کے علاوہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے شبِ معراج تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا جہاں آپ نے ان کی امامت فرمائی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے لیکن آپ نے نہ شک کیا اور نہ ان سے پوچھا اور بعض کا قول ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ گزشتہ امتوں سے پوچھ لیں اور وہ اہل کتاب مراد ہیں یعنی تورات اور انجیل کے حاملین اور وہ انبیاء ورسل کی کتابوں سے آپ کو بتائیں گے' سو جب آپ ان سے سوال کریں گے تو گویا آپ نے خود انبیائے کرام سے سوال کیا اور اس سوال کا معنی اور مقصد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے باطل پر ہیں [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر وصل ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ''رُسْلِنَا'' سین کے سکون کے ساتھ ہے]۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا' سو اس نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں ○ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آیا تو یک دم وہ ان پر ہنسنے لگے ○ اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنی جیسی پہلی سے بڑی ہوتی اور ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ رجوع کر لیں ○ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! تو ہمارے لیے اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے دعا کر جو اس

نے تجھ سے عہد کیا ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کرلیں گے O پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے O

## حضرت موسیٰ کی تبلیغ پر فرعون کی مخالفت کا انجام

۴۶۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ کی کارستانیوں پر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا' سو آپ نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں۔فرعونیوں نے ''اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا وہ محذوف (مذکور نہیں) ہے کیونکہ اس پر درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے۔

۴۷۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری نشانیاں (معجزات) لے کر آئے اور یہ اس لیے کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ اپنے رسول ہونے کے دعویٰ کرنے پر کوئی واضح دلیل پیش کریں اور کوئی معجزہ دکھائیں ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴾ اچانک وہ لوگ ان معجزات پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑانے لگے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرنے لگے اور وہ لوگ ان معجزات کو جادو کا نام دینے لگے [اور ''اذا'' مفاجاۃ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے: اچانک' فوراً اور یک دم اور یہ ''فَلَمَّا'' کا جواب ہے کیونکہ مفاجاۃ کا فعل اس کے ساتھ مقدر ہے اور یہی فعل ''اذا'' کے محل میں نصب کا عامل ہے] گویا فرمایا گیا: پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات و دلائل لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے اسی وقت فوراً مذاق اڑانا شروع کر دیا اور غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

۴۸۔ ﴿وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا﴾ اور ہم انہیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنے جیسے معجزہ سے بڑھ کر ہوتا یعنی بعد والا معجزہ اپنے ساتھی اور اپنے ہم جنس پہلے معجزہ سے خلاف عادت ہونے میں بڑھ کر واضح ہوتا تھا اور اس آیت مبارکہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ بعد والا معجزہ پہلے معجزے سے بہت بڑا ہوتا تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ تمام معجزات بڑائی کے ساتھ متصف تھے اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا اور اسی پر سب کا کلام متفق ہے' کہا جاتا ہے: ''ھما اخوان'' ان دونوں میں ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ﴿وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا اور اسی عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ O'' (الاعراف:۱۳۰) ''اور بے شک ہم نے فرعون کی قوم کو کئی سالوں کے متواتر قحطوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O'' نیز ارشاد فرمایا: ''فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ'' (الاعراف:۱۳۳) ''سو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا'' ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ کفر و شرک سے رجوع کر کے ایمان و اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

۴۹۔ ﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر۔فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ماہر عالم کو ''ساحر'' (علم سحر کے ماہر عالم) کہا کرتے تھے کیونکہ وہ علم سحر کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور اسے عظیم ترین علم مانتے تھے [''یَاَیُّهَ السَّاحِرُ'' میں ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ھا'' مضموم الف کے بغیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الف سے پہلے واقع ہونے کی وجہ سے مفتوح تھی (یعنی ''اَیُّھَا'') پھر الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا تو اس کے ماقبل حرف کی اتباع میں

اس پر ضمہ کی حرکت دی گئی] ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے ہمارے لیے دعا کیجیے جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کا تجھ سے یہ عہد کہ آپ کی دعا مستجاب یعنی قبول کر لی جائے گی یا اس کا وہ عہد جو تیرے پاس ہے اور وہ نبوت ہے یا اس کا تجھ سے یہ عہد کہ جو ہدایت قبول کر لے گا' وہ اس سے عذاب دور کر دے گا ﴿إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ﴾ بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے (یعنی) ہم مسلمان ہو جائیں گے۔

۵۰- ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ﴾ پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً پھر گئے (یعنی) وہ لوگ ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے کا عہد توڑ بیٹھے اور وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ
وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ
مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا
آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾ ع ۵ ۱۱ ۱۱

اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہی میرے لیے نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہتی ہیں' تو کیا تم دیکھ نہیں رہے O بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو حقیر و کمزور ہے اور وہ بات بھی صاف نہیں کرتا O سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا اس کے ساتھ قطار در قطار فرشتے آتے O سو اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا' پس انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں سخت ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O سو ہم نے ان کو پہلے لوگوں کے لیے داستان اور پیچھے آنے والوں کے لیے کہاوت بنا دیا O

۵۱- ﴿وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ﴾ اور فرعون نے بذاتِ خود قبط قوم کے سرداروں کو پکارا' یا اس نے منادی کو حکم دیا اور وہ پکارا جیسے جب امیر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''قطع الامير اللص'' امیر نے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے ﴿فِي قَوْمِهِ﴾ اپنی قوم میں۔ فرعون نے اپنی قوم کو اپنی نداء کے لیے محل اور موقع قرار دیا ﴿قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ﴾ فرعون نے کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت و بادشاہی اور یہ نہریں میری نہیں یعنی دریائے نیل کی نہریں اور اس کی بڑی بڑی نہریں چار تھیں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِي﴾ میرے نیچے بہتی ہیں (یعنی) میرے محل کے نیچے' اور بعض نے کہا کہ اس کا یہ معنی ہے کہ میرے سامنے میرے باغ میں بہتی ہیں [اور واؤ عاطفہ ہے ''انهار'' کی ''ملك مصر'' پر عطف کے لیے اور ''تجری'' حال کی بناء پر منصوب ہے یا پھر واؤ حال کے لیے ہے اور اسم اشارہ مبتدا ہے اور ''الانهار'' اسم اشارہ کی صفت ہے اور ''تجری'' مبتدا کی خبر ہے]۔

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی تو اس نے کہا کہ میں اس ملک مصر پر اپنے کم ترین غلام کو

حکمران بناؤں گا' پھر اس نے اپنے ایک غلام خصیب کو مصر کا حکمران مقرر کر دیا اور یہ غلام ہارون الرشید کے وضوء کرانے پر مامور تھا' اور منقول ہے کہ جب عبد اللہ بن طاہر مصر کے ملک کا حاکم مقرر ہوا اور وہ مصر کی طرف روانہ ہوا اور جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا: کیا یہ وہ شہر ہے جس پر فرعون نے فخر و تکبر کیا تھا اور کہا تھا: ''اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ'' اور اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک یہ شہر میرے نزدیک بہت کم ترین ہے' اور میرے لیے لائق نہیں کہ میں اس میں داخل ہوں' چنانچہ وہ واپس چلا گیا ﴿ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ تو کیا تم لوگ میری قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری اور میری دولت مندی اور اس کی فقیری و غربت کو نہیں دیکھتے۔

۵۲۔ ﴿ اَمْ اَنَا خَیْرٌ ﴾ بلکہ میں بہتر ہوں [''اَمْ'' منقطعہ ہے بہ معنیٰ ''بَلْ'' ہے اور ہمزہ تقریری ہے] گویا فرعون نے کہا کہ تمہارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے اور یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ میں بلاشبہ بہتر ہوں اور یہ میرا حال ہے ﴿ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ﴾ اس شخص سے جو کم تر ہے (یعنی) کمزور اور حقیر ہے ﴿ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴾ اور وہ صاف بات نہیں کر سکتا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک پر ہلکی سی ثقالت اور لکنت تھی۔

۵۳۔ ﴿ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ ﴾ پس (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے [''لَوْ لَا'' بہ معنیٰ ''هَلَّا'' ہے اور حضرت حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''اَسْوِرَةٌ'' ہے اور یہ ''سوار'' کی جمع ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک ''اَسَاوِرَةٌ'' ہے اور یہ ''اسورة'' کی جمع ہے اور ''اساویر'' ''اسوار'' کی جمع ہے اور وہ ''سوار'' ہے اور ''اساویر'' سے ''یا'' حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں ''تا'' لگا دی گئی ہے] ﴿ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾ سونے سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کنگن اتارنے سے مصر کے ملک کی چابیاں ان پر اتارنا مراد ہے' اس لیے کہ جب وہ لوگ کسی آدمی کو اپنا سردار بنانا چاہتے تو اس کو امتیازی حیثیت دینے کے لیے کنگن پہناتے تھے اور وہ لوگ اس آدمی کے گلے میں سونے کا ہار پہناتے تھے ﴿ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴾ یا اس کے ساتھ فرشتوں کا ایک گروہ آتا (یعنی) جو اس کے ساتھ ساتھ چلتے اور وہ فرشتے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر اس کے ساتھ رہتے تاکہ وہ آپ کی مدد کرتے اور وہ آپ کے ساتھ معاون و مددگار بن کر رہتے۔

۵۴۔ ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ ﴾ سو اس نے اپنی قوم کو کم عقل سمجھا (یعنی) فرعون نے اپنی پُر فریب باتوں سے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور اس نے انہیں پھسلایا اور گمراہ کر دیا اور اس کا کلام ان میں کام کر گیا اور بعض کا قول ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو اطاعت میں کم عقل و ہلکا اور بے وقوف و جاہل سمجھا کیونکہ وہ لوگ بہت جلد اس کے مطیع و فرماں بردار بن گئے ﴿ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴾ سو انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے' اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے والے لوگ تھے۔

۵۵۔ ﴿ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض و غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ''اسف'' منقول ہے ''اسف اسفا'' سے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا غضب اور غصہ سخت ہو جائے اور وہ سخت غضب ناک ہو جائے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بے شک انہوں نے گناہوں میں اور سرکشیوں میں بہت زیادتی کی' پھر وہ اس کے مستحق ہو گئے کہ ہم انہیں بہت جلد اپنے عذاب میں گرفتار کر لیں اور ہم انہیں بہت جلد اپنے انتقام کا نشانہ بنالیں اور یہ کہ ہم ان سے حلم و بردباری کا معاملہ ہرگز نہ کریں۔

۵۶۔ ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا ﴾ سو ہم نے انہیں گزری ہوئی ماضی کی داستان بنا دیا [''سلف'' ''سالف'' کی جمع ہے جیسے

''خادم'' کی ''خدم'' ہے اور قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سُلُفًا'' ہے (سین اور لام دونوں مضموم ہیں) اور ''سلیف'' کی جمع ہے یعنی گزرا ہوا گروہ] ﴿ وَمَثَلًا ﴾ اور مثال بنا دیا اور عجیب و غریب شان کی کہاوت بنا دیا اور انہیں مثل مشہور بنا دیا جن کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ''مثلکم مثل قوم فرعون'' تمہاری مثال قوم فرعون کی مثال ہے ﴿ لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴾ پیچھے آنے والوں کے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو فرعونیوں کے بعد آئیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پس ہم نے انہیں بعد میں آنے والے کافروں کے لیے نمونہ بنا دیا کہ جو ان کی اقتداء کریں گے وہ بھی انہیں کے عذاب جیسے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان پر اس جیسا عذاب نازل ہوگا' اس لیے کہ انہوں نے بھی انہیں کے کرتوتوں جیسے کرتوت سرانجام دیئے اور ایسی مثال چھوڑی جسے بیان کیا جاتا رہے گا۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی تو فوراً آپ کی قوم کے لوگ اس پر خوش ہو کر ہنسنے لگےO اور انہوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ' انہوں نے یہ مثال صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے بیان کی' بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیںO وہ تو نہیں مگر ایک خاص بندے جن پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے عجیب نمونہ بنایاO اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے فرشتے بنا دیتے تو وہ زمین میں (تمہارے) جانشین ہوتےO

## کفارِ مکہ کے ایک اعتراض اور جھگڑے کا بیان

۵۷- ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ﴾ اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی (تو آپ کی قوم اس پر ہنسنے لگی)۔
شانِ نزول: جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ'' (الانبیاء:۹۸) ''بے شک تم اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو'' تو قریش مکہ سخت غضب ناک ہوئے اور عبد اللہ ابن زبعری نے (قبل از قبول اسلام) کہا: اے محمد (ﷺ)! کیا یہ آیت ہمارے لیے اور ہمارے معبودوں کے لیے مخصوص ہے یا پھر تمام امتوں کے لیے عام ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمہارے لیے اور تمہارے معبودوں کے لیے اور تمام امتوں کے لیے عام ہے' تو اس نے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نبی ہیں اور آپ ان کی اور ان کی ماں کی خیر و بھلائی کے ساتھ تعریف بیان کرتے ہیں' حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ عیسائی ان دونوں کی عبادت کرتے ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام کی بھی عبادت کی جاتی ہے اور فرشتوں کی بھی عبادت کی جاتی ہے' سو اگر یہ تمام دوزخ میں جائیں گے تو پھر ہم بھی اس پر راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود ان حضرات کے ساتھ ہوں گے' چنانچہ ابن زبعری کی یہ بات سن کر تمام قریش مکہ خوش ہو گئے اور بلند آواز سے ہنسنے لگے اور قہقہے لگانے لگے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی اس بے ہودگی پر خاموشی اختیار فرمالی (تاکہ وحی

کے ذریعے جواب دیا جائے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ردّ میں ایک تو سورۃ الانبیاء کی درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی: "اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ○" (الانبیاء:۱۰۱) "بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے○" اور دوسری یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ابن الزبعری نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی مثال اپنے معبودوں کے لیے بیان کی اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ نصاریٰ (عیسائی) بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں تو ﴿اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ﴾ فوراً اسی وقت آپ کی قوم قریشِ مکہ اس مثال کو سن کر ہنسنے لگے اور بلند آواز سے قہقہے لگانے لگے (یعنی) ان کے خوش ہونے اور قہقہے لگانے کی وجہ سے شور وغل اور چیخ و پکار بلند ہوگئی' یہ محض مثال سننے اور رسول اکرم ﷺ کے خاموش ہو جانے اور ابن الزبعری کے جھگڑنے کی وجہ سے ہوا [نافع مدنی' ابن عامر شامی' علی کسائی اور اعشیٰ کی قراءت میں (صاد مضموم کے ساتھ باب نصر ینصر سے) "یَصُدُّوْنَ" ہے اور یہ "صدود" سے مشتق ہے یعنی وہ لوگ اس مثال کی وجہ سے حق سے دور ہونے اور اس سے روگردانی کرنے لگے اور بعض کا قول ہے کہ یہ "صدید" سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: چیخ کر بلند آواز سے شور کرنا اور یہ دونوں لغتیں صحیح ہیں' جیسے "یَعْکِفُ" (کاف مکسور ہے) اور "یَعْکُفُ" (کاف مضموم) ہے]۔

۵۸- ﴿وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ﴾ اور انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) کہا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (حضرت عیسیٰ) ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے معبود تو حضرت عیسیٰ کے مقابلے میں آپ کے نزدیک خیر و بھلائی سے خالی ہیں' پھر حضرت عیسیٰ دوزخ کا ایندھن ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو ہمارے معبودوں کا معاملہ آسان ہوگیا ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا﴾ وہ لوگ یہ مثال آپ سے بیان نہیں کرتے مگر محض جھگڑا کرنے کے لیے اور بات چیت میں غالب آنے کے لیے' حق و باطل میں فرق اور امتیاز طلب کرنے کے لیے نہیں ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہے (یعنی) وہ بہت سخت جھگڑالو قوم ہے' ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جھگڑنا ان کی عادت میں شامل ہے اور یہ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ" سے صرف بتوں کو مراد لیا گیا ہے کیونکہ لفظ "ما" غیر عقلاء کے لیے استعمال ہوتا ہے (اس لیے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ اور حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام اس آیت میں شامل نہیں ہیں) مگر ابن الزبعری نے جب اپنی فریب کاری کے ساتھ کلام اللہ میں دیکھا کہ لفظ "ما" عموم کا احتمال رکھتا ہے تو اس نے اس میں حیلہ سازی کے لیے گنجائش پالی حالانکہ وہ خود جانتا تھا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں' چنانچہ اس نے محض ضد اور ہٹ دھرمی اور مکابرہ ومجادلہ کے سبب لفظ "ما" کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی ہر معبود کے احاطہ اور شمول کی طرف پھیر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باوقار خاموشی اختیار فرمالی (اور وحی کا انتظار کرنے لگے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان

۵۹- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مگر دیگر بندوں کی طرح ایک بندے ہیں (نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں) ﴿اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ ہم نے نبوت عطا کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا ﴿وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) عجیب نمونہ بنادیا (یعنی) اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے مشہور و معروف مثال کی طرح ایک عجیب عبرت بنادیا۔

۶۰- ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے زمین میں فرشتے بنادیتے یعنی ہم تمہارے بدلے فرشتے پیدا کر دیتے' علامہ زجاج نے اسی طرح فرمایا ہے اور انہوں نے جامع العلوم میں فرمایا:

"لجعلنا بدلکم" "ہم تمہارے بدلے بنا دیتے [اور یہاں حرف "مِنْ" بہ معنی بدل ہے] ﴿ یَخْلُفُوْنَ ﴾ وہ زمین میں تمہارے جانشین بنتے یا یہ معنی ہے کہ فرشتے ایک دوسرے کے جانشین ہوتے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اور تمام اُمور کے عجائبات پر کامل قدرت و طاقت رکھنے کی بناء پر اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے یعنی اے آدمیو! ہم تم میں سے فرشتوں کو جنم اور ولادت کے ذریعے پیدا کر دیتے جو زمین میں تمہارے اس طرح جانشین ہوتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد تمہاری جانشین ہوا کرتی ہے' جس طرح کہ ہم نے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مرد کے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک عورت سے جنم دیا تھا تا کہ تم قدرتِ کاملہ غالبہ کے ساتھ ہمارے ممتاز و منفرد ہونے کو پہچان لو اور تا کہ تم یہ جان لو کہ بے شک فرشتے اجسام ہیں اور صرف اجسام سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور ہمیشہ سے ہے' وہ توالد کے عیب سے پاک ہے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾
وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ
اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾
اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ ع ۱۱ ۱۲

اور بے شک وہ قیامت کی علامت ہیں' سو تم اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو' یہی سیدھا راستہ ہےO اور شیطان تمہیں روک نہ دے' بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہےO اور جب عیسیٰ روشن معجزات لے کر آ گئے تو فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تا کہ میں تم سے بعض وہ باتیں بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہےO سو کئی گروہ آپس میں مختلف ہو گئے' سو ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہےO وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور انہیں کوئی خبر نہ ہوO اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا پرہیزگاروں کےO

۶۱- ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ اور بے شک وہ قیامت کی نشانی ہے (یعنی) اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں چیزوں میں سے ہیں جن کے ذریعے قیامت کا آنا معلوم کر لیا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "لَعَلَمٌ" (عین اور لام پر زبر) پڑھا ہے اور اس کا معنی علامت ہے' یعنی بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

فرمانا قیامت کی علامت ونشانی ہے[1] ﴿فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا﴾ سوتم اس میں شک نہ کرو۔ یہ ''مرية'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے وقوع سے پہلے آسمان سے نازل فرمائے گا' جس کا ذکر صحیح احادیث میں مذکور ہے' چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیسی عظیم شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم باہر مذاکرہ میں مشغول تھے' آپ نے فرمایا: تم کس کا ذکر کررہے ہو' صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم قیامت کا ذکر کررہے تھے' حضور نے فرمایا: بے شک قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھو گے: (۱) دھواں (۲) دجال کا خروج (۳) دابۃ الارض (عجیب چوپایہ جو باتیں کرے گا) (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول (۶) یاجوج وماجوج اور تین زلزلے ہوں گے جن سے زمین دھنس جائے گی (۷) ایک مشرق میں (۸) ایک مغرب میں (۹) ایک جزیرۂ عرب میں اور اس کے آخر میں (۱۰) یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ حشر میں لے جائے گی۔ (مسلم)

(۳) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس کے قصہ میں طویل حدیث ذکر کی' یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلّے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے' جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب سر اونچا کریں گے تو موتیوں کی طرح (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ الحدیث (صحیح مسلم)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل وانصاف کرنے والے ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے اور وہ اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا اس وقت دنیا اور دنیا کے تمام اسباب سے بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں ہے کہ تمہارا امیر کہے گا کہ آپ آگے تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے احترام کے پیش نظر فرمائیں گے کہ تمہارا امیر تمہیں میں سے ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(۶) امام بغوی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس تشریف لائیں گے اور اس وقت لوگ نمازِ عصر ادا کر رہے ہوں گے' سو امام پیچھے ہٹ جانے لگے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کردیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نماز ادا کریں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور گرجے اور کنیسے گرادیں گے اور جو عیسائی اسلام قبول نہیں کرے گا' اسے قتل کردیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۵۸ تا ۳۵۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

نیز ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۹۵ تا ۹۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر الخازن ج ۴ ص ۱۱۶' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر روح البیان پارہ: ۲۵ ص ۲۴۹ تا ۲۵۱' مطبوعہ اُردو مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور' تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۷۰۳ تا ۷۱۳' بمع مرزائی سوالات کے جوابات' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

شک ہے ﴿ وَاتَّبِعُوْنِ ﴾ اور تم میری پیروی کرو [سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "اتبعونی" پڑھا جائے گا] یعنی تم میری ہدایات اور میری شریعت کی پیروی کرو' یا میرے رسول کی اتباع کرو' یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم ہے کہ آپ قریش مکہ سے فرمائیں: تم میری پیروی کرو ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے یعنی یہ وہی ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دی جاتی ہے۔

٦٢- ﴿ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ اور شیطان تمہیں قیامت پر ایمان لانے اور میری اتباع کرنے سے روک نہ دے ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اس کی عداوت و دشمنی ظاہر وعیاں اور واضح ہے کیونکہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تھا اور ان سے نور کا لباس اتر وایا تھا۔

٦٣- ﴿ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام روشن دلائل لے کر آئے یعنی واضح معجزات یا انجیل کی آیات اور دیگر شرعی احکام لے کر آئے۔ "بیّنات" کا معنی ہے واضحات ﴿ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ ﴾ تو انہوں نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں (یعنی) انجیل مقدس اور احکامِ شریعت ﴿ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ﴾ اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیز بیان کر دوں جس میں تم اختلاف کرتے ہو اور وہ دین کا معاملہ ہے نہ کہ دنیا کا معاملہ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت وفرماں برداری کرو۔

٦٤- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو گیا ہے۔

٦٥- ﴿ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ﴾ پھر مختلف گروہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصرانی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور وہ یہ ہیں: (١) یعقوبیہ (٢) نسطوریہ (٣) ملکانیہ (٤) شمعونیہ ﴿ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ﴾ آپس کے درمیان (یعنی) نصاریٰ کے درمیان ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ سو ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کیں جن کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہو گئے ﴿ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴾ دردناک دن کے عذاب سے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

٦٦- ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ ﴾ وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا ["ینظرون" کی ضمیر قوم عیسیٰ کے لیے ہے یا پھر کفار مکہ کے لیے ہے] ﴿ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ﴾ کہ وہ ان پر اچانک آ جائے [یہ "الساعة" سے بدل ہے] یعنی وہ صرف قیامت کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور انہیں خبر نہ ہو یعنی وہ لوگ اپنے دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے غافل و بے خبر ہوں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○" (یٰسین:٤٩) "وہ انہیں آن پکڑے گی اور وہ اس وقت جھگڑتے ہوں گے ○"۔

٦٧- ﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے یعنی قیامت کے دن ماسوا مؤمنوں کے باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ["اَلْاَخِلَّآءُ" "خلیل" کی جمع ہے' پکا سچا دوست اور "یَوْمَئِذٍ" "عَدُوٌّ" کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اس روز ہر وہ دوستی ختم ہو جائے گی جو دوستوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں ذاتی مفادات کے لیے قائم تھی اور ایسی تمام دوستیاں اس روز عداوت و دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی' مگر سچے اور مخلص دوستوں کی دوستی جو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم ہوئی تھی' وہ ثابت رہے گی

اور یہ دوستی یقیناً باقی رہے گی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اے میرے بندو! آج تم پر نہ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ فرماں برداری کرتے رہے O تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہاری بیویاں تمہیں خوش رکھا جائے گا O ان پر (کھانے اور شراب سے بھرپور) سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کا دورہ ہوگا' اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی' اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم ان اعمال کے سبب وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے رہے تھے O اس میں تمہارے لیے بہت زیادہ پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے O

## نیکوں کی جزاء اور بُروں کی سزا کا بیان

۶۸- ﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾ اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف وڈر ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ یہ اس کلامِ الٰہی کا بیان ہے جس کے ساتھ قیامت کے روز محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر باہمی دوستی کرنے والے پرہیزگاروں کو پکارا جائے گا [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''یَا عِبَادِیْ'' ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ''یَا عِبَادِیَ'' پڑھا جائے گا اور باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کو حذف کر کے صرف ''یَا عِبَادِ'' پڑھا جائے گا]۔

۶۹- ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے (یعنی) انہوں نے ہماری آیتوں کی حقانیت کی تصدیق کی اور انہیں دل وجان سے تسلیم کیا [یہ ''عبادی'' کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہے]

﴿ وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہے اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہے۔

۷۰- ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ﴾ تم اور تمہاری بیویاں سب جنت میں داخل ہو جاؤ (یعنی) جو تمہاری بیویاں دنیا میں ایمان دار تھیں ﴿ تُحْبَرُوْنَ ﴾ تمہیں خوش کیا جائے گا (یعنی) تم اس قدر زیادہ مسرور اور خوش ہو جاؤ گے کہ اس کی مسرت واضح طور پر ظاہر ہو جائے گی یعنی اس کا اثر تمہارے چہروں پر عیاں اور ظاہر ہو جائے گا۔

۷۱- ﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ ﴾ ان پر (کھانے کی) بڑی بڑی پلیٹوں کو گردش میں لایا جائے گا۔ ''صحاف''، ''صحیفة'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: پرات' تھال یا بڑی پلیٹ ﴿ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾ سونے کی ہوں گی ﴿ وَّاَكْوَابٍ ﴾ اور جام اور گلاس یعنی سونے کے گلاسوں کو (شرابِ طہور سے بھر کر) گردش میں لایا جائے گا اور ''کوب'' کا معنی ہے: ایسا ڈونگا یا

گلاس جس کا پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو ﴿ وَفِيهَا ﴾ اور اس میں یعنی جنت میں ﴿ مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ ﴾ وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہیں گے [ نافع مدنی' ابن عامر شامی اور حفص کی قراءت میں ''ھا'' کے اثبات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''ھا'' کو محذوف کر کے ''ھا'' کے بغیر ''تشتھی'' پڑھا جاتا ہے کیونکہ موصول فعل اور فاعل اور پھر مفعول کے ساتھ طویل و دراز ہو جاتا ہے ] ﴿ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ﴾ اور آنکھیں لذت پائیں گی اور یہ جنتی نعمتوں کی مختلف اقسام کے لیے حصر ہے کیونکہ یہ نعمتیں یا تو ایسی ہوں گی جن کو دل چاہتے اور پسند کرتے ہوں گے یا پھر ایسی ہوں گی کہ آنکھیں انہیں دیکھ کر لذت و خوشی اور ٹھنڈک محسوس کریں گی ﴿ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

۷۲- ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں ان نیک اعمال کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے تھے [ ''تلك'' سے اس جنت کی طرف اشارہ ہے جس کا (آیت: ۷۰ میں) اوپر ذکر کیا گیا ہے اور یہ مبتدا ہے اور ''الجنة'' خبر ہے اور ''التي اورثتموها'' صفت ہے ''الجنة'' کی یا پھر ''الجنة'' مبتدا کی صفت ہے اور یہ مبتدا وہی اسم اشارہ ''تلك'' ہے اور ''التي اورثتموها'' مبتدا کی خبر ہے یا پھر یہ بھی صفت ہے اور ''بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ'' خبر ہے اور حرف ''با'' محذوف کے متعلق ہے یعنی ''حاصلة'' یا ''كائنة'' جیسا کہ ان ظروف میں ہوتا ہے جو خبریں ہوا کرتی ہیں اور البتہ پہلی وجہ میں ''اورثتموھا'' کے متعلق ہو گی ] اور اس آیت میں جنت کو جنتیوں کے لیے باقی رہنے میں میراث کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جو ورثاء کے پاس باقی رہتی ہے۔

۷۳- ﴿ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴾ تمہارے لیے اس (جنت) میں بہت زیادہ پھل ہوں گے' جن میں سے تم کھاتے رہو گے [ ''منھا'' میں حرف ''من'' تبعیض (بعض کے معنی) کے لیے ہے ] یعنی تم ان پھلوں میں سے بعض اور کچھ کھاؤ گے اور کھانے کے بعد پیچھے بچ جانے والے پھل درختوں پر صحیح سلامت باقی رہیں گے اور وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے آراستہ رہیں گے اور حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ جنتی آدمی جنت میں جس جگہ سے پھل توڑ کر کھائے گا تو اس جگہ قدرتِ خدا سے اس کی مثل اور پھل اُگ آئے گا۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ
مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ
كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ
وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

بے شک مجرم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے ○ وہ ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید رہیں گے ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ظالم تھے ○ وہ پکاریں گے: اے مالک! (دوزخ کے نگران فرشتے!) چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت وارد کر دے' وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ ٹھہرنے والے ہو ○ بے شک ہم تمہارے پاس حق

لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے تھے○ کیا انہوں نے کوئی پکا فیصلہ کرلیا ہے' سو بے شک ہم مضبوط فیصلہ کرنے والے ہیں○ کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (بلکہ ہم سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں○

۷۴- ﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴾ بے شک مجرم و گناہ گار لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے [''خالدون'' ایک خبر''فی عذاب جهنم'' کے بعد دوسری خبر ہے]۔

۷۵- ﴿ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ ﴾ ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا یعنی ان مجرموں کا عذاب نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا [یہ اور خبر ہے] ﴿ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴾ اور وہ اس عذاب میں نجات سے مایوس و ناامید اور حیران و پریشان رہیں گے۔

۷۶- ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود (گناہوں اور نافرمانیوں اور کفر و شرک کے سبب) ظالم تھے [''هم'' مبتدا ہے اور خبر کے درمیان فاصلہ کے لیے آئی ہے]۔

۷۷- ﴿ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ ﴾ اور کفار (دوزخ میں) پکاریں گے: اے مالک (یعنی) جب کفار عذاب کے کم ہونے اور اس کے وقفے سے مایوس اور ناامید ہو جائیں گے تو پکار کر کہیں گے: اے مالک' اور یہ مالک دوزخ کا نگران فرشتہ ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو''یَا مَالِ'' (کاف کو گرا کر) پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اہل دوزخ کو ترخیم (نام سے آخری حرف کو گرانے جیسے''مَالِكُ'' کو''مَالِ'' پڑھنے) سے کس نے غافل کر دیا ﴿ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ﴾ چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت کا فیصلہ کر دے (یعنی) ہمیں موت دے دے' یہ''قضی علیه'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی پر موت طاری کر دے یعنی مار دے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ'' (القصص:۱۵)'' سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو مکا مارا تو اس پر موت واقع ہوگئی'' اور معنی یہ ہے کہ اے مالک! تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ ہم پر موت طاری کر دے ﴿ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴾ وہ فرشتہ جواب میں کہے گا: بے شک تم ہمیشہ عذاب میں ٹھہرے رہو گے اور تم اس عذاب سے نہ تو موت کے ذریعے نجات حاصل کر سکتے ہو اور نہ عذاب کے کم اور ہلکا ہونے سے چھٹکارا پا سکتے ہو۔

۷۸- ﴿ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک ہم تمہارے پاس حق لائے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور واجب و ضروری ہے کہ''قَالَ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو (یعنی) جب کفار نے مالک فرشتے سے سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر موت واقع کر دے تاکہ ان کی عذاب سے جان چھوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خود ان کو یہ جواب دیا کہ ہم تو تمہارے پاس حق لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے اسے ناپسند کر کے کفر اختیار کر لیا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ کلام مالک کے کلام سے متصل ہے (اس لیے''قال'' کی ضمیر مالک کی طرف لوٹتی ہے) اور''جئنا کم'' سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتوں نے کہا: ہم تمہارے پاس حق لائے تھے کیونکہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کے قاصد ہوتے ہیں اور مالک بھی انہی میں سے ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴾ اور لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے حق کو ناپسند کیا اور تم نے اسے قبول نہ کیا اور تم نے اس سے نفرت کی' کیونکہ باطل کے ساتھ رغبت و کشش ہوتی ہے اور حق کے ساتھ مشقت اٹھانا اور محنت کرنا ہوتی ہے۔

۷۹- ﴿ اَمْ اَبْرَمُوْٓا ﴾ کیا انہوں نے کوئی پکا ارادہ کر لیا ہے (یعنی) کیا مشرکین مکہ نے پختہ اور مضبوط فیصلہ کر لیا ہے ﴿ اَمْرًا ﴾ (سیّد عالم حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکر و فریب کرنے اور ان کے خلاف سازش کرنے کا ﴿ فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴾ سو

بے شک ہم نے ان کے خلاف اپنی خفیہ تدبیر اور اپنے مخفی منصوبے کا پختہ اور مضبوط ارادہ کرلیا ہے جیسا کہ انہوں نے ہمارے محبوب کے خلاف اپنی سازش کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔

شانِ نزول: کفارِ مکہ دارالندوہ (میٹنگ روم) میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک دوسرے سے مشورے کرتے اور سرگوشیاں کرتے اور آپ کے خلاف سازش تیار کرتے تھے' جس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ

۸۰- ﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ﴾ کیا کفارِ مکہ یہ خیال اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ یعنی ان کی دلوں کی باتوں کو نہیں جانتے ﴿وَنَجْوٰىهُمْ﴾ اور ان کی وہ باتیں جو وہ دوسروں سے چھپ چھپا کر آپس میں بطور مشورہ کرتے ہیں ان کو ہم نہیں جانتے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں! بلکہ ہم ان کی تمام باتوں کو خوب سنتے ہیں اور ہم ان کی تمام باتوں کو خوب جانتے ہیں ﴿وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ﴾ اور ہمارے محافظ فرشتے جو ان کے پاس ہوتے ہیں وہ یہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں' حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں سے اپنے گناہوں کو تو چھپایا لیکن اس نے اس ذاتِ پاک کے سامنے انہیں ظاہر کیا جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تو اس شخص نے یقیناً اسے تمام دیکھنے والوں سے ہلکا اور کمزور قرار دیا اور یہ عمل نفاق کی علامات میں سے ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا' تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتاO آسمانوں اور زمین کا مالک عرش کا مالک ان تمام باتوں سے پاک ہے جو لوگ بیان کرتے ہیںO سو آپ انہیں چھوڑ دیں وہ بے ہودہ باتیں کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہےO اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے' اور وہ سب سے بڑا حکمت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہےO اور بڑا برکت والا ہے وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی ہے اور قیامت کا علم اسی کے پاس ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

## اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی اور تقدس و قدرت کا ثبوت اور کفار کی مذمت

۸۱- ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: اگر (بفرضِ محال) رحمٰن کے لیے بیٹا ہوتا اور یہ پختہ دلیل سے صحیح ثابت ہو جاتا ﴿فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ﴾ تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا (یعنی) سب سے پہلے میں اس بیٹے کی تعظیم بجالاتا اور تم سب سے پہلے میں اس کی عبادت و اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرلیتا جیسا کہ باپ کی

تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کے بیٹے کی لوگ تعظیم کرتے ہیں اور یہ کلام صرف بطور فرض وارد ہوا ہے اور اس سے اولاد کی نفی کرنا مراد ہے اور یہ اس لیے کہ عبادت کو بیٹے کے ہونے کے ساتھ معلق ومقید کیا گیا ہے اور وہ بذاتِ خود محال ہے تو جو اس کے ساتھ معلق ہوگا' وہ بھی اسی کی طرح محال ہوگا اور اس کی نظیر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے حجاج بن یوسف ثقفی سے فرمایا تھا' چنانچہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تجھے دنیا کے بدلے آگ میں جلادوں گا' جس میں تو جل کر خاکستر ہو جائے گا' حضرت سعید نے جواب میں فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تیرے سوا کسی معبود کی عبادت نہ کرتا۔

اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں توحید کا اعلان کرنے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت والے تمہارے قول کی سب سے پہلے میں تکذیب کرنے والا ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں اس کے لیے اولاد ہونے کا انکار کرنے والا ہوں [''عابدین''، ''عَبِدَ یَعْبَدُ'' (باب سمع یسمع) سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: سخت غضب ناک ہو کر نفرت وانکار کرنا اور ''عَبِدٌ'' اور ''عابد'' آتا ہے اور ایک قراءت میں ''العبدین'' بغیر الف کے پڑھا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی رحمٰن کے لیے کوئی بیٹا نہیں ہے' سو سب سے پہلے میں یہ کہنے والا ہوں اور سب سے پہلے میں اس کو واحد لاشریک ماننے والا ہوں]۔

شانِ نزول: اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نضر بن حارث نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جس کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور نضر کہنے لگا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ قرآن نے میری تصدیق کر دی ہے' ولید نے اس سے کہا کہ تیری تصدیق نہیں کی گئی بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں اور میں اہل مکہ میں سے سب سے پہلا موحد ہوں' اور یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ اس کی اولاد نہیں ہے [اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''وُلْدٌ'' (واؤ مضموم لام ساکن) ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو اپنے لیے اولاد بنانے سے پاک ومنزہ اور مبرا بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸۲۔ ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴾ آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک ان تمام عیبوں سے پاک ہے جو یہ مشرکینِ مکہ بیان کرتے ہیں یعنی وہی (اللہ تعالیٰ) تمام آسمانوں اور زمین اور عرش کا مالک ہے' سو وہ جسم نہیں کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا اور جب وہ جسم نہیں ہے تو اس کے لیے اولاد بھی نہیں ہے کیونکہ توالد (اولاد کا ہونا) اجسام کی صفت ہے۔

۸۳۔ ﴿ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا ﴾ سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ باطل اور بے ہودہ کاموں میں مشغول رہیں ﴿ وَیَلْعَبُوْا ﴾ اور وہ دنیا کے معاملات میں کھیلیں ﴿ حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ جہالت و نادانی اور لہو ولعب اور باطل و بے ہودہ نظریات کی وجہ سے کہتے ہیں۔

۸۴۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمان میں بھی معبودِ برحق ہے اور زمین میں بھی معبودِ برحق ہے [اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک وصف کے معنی پر مشتمل ہے' سو اس لیے ارشادِ باری تعالیٰ ''فی السماء''

اور ''فی الارض'' میں ظرف اس کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جیسے تم کہو: ''هو حاتم فی طیّ وحاتم فی تغلب'' اس بناء پر کہ حاتم جواد کے معنی پر مشتمل ہے جس کے ساتھ وہ مشہور و معروف ہو چکا ہے گویا تم نے کہا: ''هو جواد فی طیّ وجواد فی تغلب'' اور ''وهو الذی فی السمآء الله وفی الارض الله'' بھی پڑھا گیا ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ''وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ'' (الانعام:۳) ''اور وہی اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے'' گویا یہ اسم مبارک (یعنی اللہ تعالیٰ) معبود کے معنی کو متضمن ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تاکہ کلام طویل نہ ہو جائے جیسا کہ عرب کا قول ہے: ''ما انا بالذی قائل لك شيئا'' اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''(هو الذی)هو (فی السمآء الله)'' اور ''الله'' ابتداء کی بناء پر مرفوع نہیں ہے اور ''فی السمآء'' خبر ہے کیونکہ اس وقت صلہ ایسی لوٹنے والی ضمیر سے خالی ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ اپنے تمام اقوال اور اپنے تمام افعال میں بڑا حکمت والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے' وہ ان تمام کو خوب جانتا ہے۔

۸۵ - ﴿وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اور وہ بہت بڑا برکت والا ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب پر بادشاہی ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم یعنی قیامت کے قائم ہونے اور واقع ہونے کا علم ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابن کثیر مکی' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''يُرْجَعُوْنَ'' (''یا'' کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے]۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر وہ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور وہ جانتے ہوں ○ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا)' پھر وہ کیسے بہکائے جاتے ہیں ○ اور اس کے اس قول کی قسم کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ○ سو ان سے درگزر کیجئے اور فرما دیجئے کہ بس سلام ہو' عنقریب وہ جان لیں گے ○

۸۶ - ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ﴾ اور وہ لوگ اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے یعنی کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' وہ ان کی شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ انہوں نے ان کے بارے میں گمان کر رکھا ہے کہ ان کے بت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ مگر جو حق کی گواہی دیں یعنی لیکن جو کلمۂ توحید کی گواہی دیتے ہیں ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کا حقیقی اور سچا مالک و پروردگار ہے اور وہ اس پر یقین رکھتے ہیں' یہ ہیں وہ جو شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں [اور یہ استثناء منقطع ہے یا پھر متصل ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں فرشتے بھی داخل ہیں]۔

۸۷ - ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے سوال کریں یعنی اگر آپ مشرکین سے یہ پوچھیں کہ ﴿مَّنْ

خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا)' نہ انہیں بتوں نے پیدا کیا اور نہ فرشتوں نے ﴿ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ تو وہ کہاں پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ اس اقرار کے باوجود کیسے اور کیونکر توحید سے روگردانی کرتے ہیں۔

۸۸- ﴿ وَقِيْلِهٖ ﴾ [امام عاصم اور حمزہ کوفی کی قراءت میں جر کے ساتھ (لام کے نیچے زیر) پڑھا گیا ہے] یعنی اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے قیامت کا علم اور اس کے محبوب کے اس کہنے کا علم کہ ﴿ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے [اور "قیلہ" میں "ھا" ضمیر (سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت سیّدنا) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان کا ذکر مبارک اس آیت کریمہ "قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○" (الزخرف:۸۱) میں پہلے گزر چکا ہے اور باقیوں کے نزدیک "الساعة" کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر "وقیلہ" منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی جانتا ہے اور اپنے محبوب کے قول کو بھی جانتا ہے یعنی سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے "یا رب" کہنے کو بھی جانتا ہے اور "القیل" اور "القول" اور "القال" اور "المقال" سب ایک ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ "وقیلہ" کی جر اور نصب حرفِ قسم کے مضمر اور محذوف ہونے کی بناء پر ہو اور قسم کا جواب "اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ" ہے] گویا فرمایا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اس کہنے کی قسم فرمائی کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب کے کہنے کی قسم فرمانا اپنے محبوب کے قول کی رفعت و بلندی اور ان کی دعا کی تعظیم و توقیر اور اس سے التجاء کرنے کے اظہار کے لیے ہے۔

۸۹- ﴿ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے ایمان سے ناامید ہو کر ان کو دعوتِ حق دینے سے اعراض فرما لیجئے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان کو ترک کر دیجئے ﴿ وَقُلْ سَلٰمٌ ﴾ اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ سلام یعنی میں تم سے سلامتی کا طالب ہوں اور تم سے متارکت و بے زاری چاہتا ہوں ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ سو عنقریب وہ جان جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے اور اپنے محترم و مکرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی و تشفی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تعلمون" ہے]۔

| | | |
|---|---|---|
| سورۃ الدخان | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۵۹ رکوعاتہا ۳ |

سورۃ الدخان مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی انسٹھ آیات' تین رکوع ہیں

حٰمٓ ۚ ۞ ۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ۲ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۞ ۳ فِيْهَا مع

يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۞ ۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞ ۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ ۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ وقف لازم

مُّوْقِنِيْنَ ۞ ۷ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ۸ بَلْ

هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۞ ۹

حٰمٓ O اس روشن کتاب کی قسم O بے شک ہم نے اسے بڑی برکت والی رات میں نازل کیا بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں O اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہر حکم ہماری طرف سے صادر ہوتا ہے' بے شک ہم بھیجنے والے ہیں O آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت' بے شک وہی سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O وہ مالک ہے تمام آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو O کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہی' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے O بلکہ وہ تو شک وشبہ میں پڑے کھیل رہے ہیں O

## نزولِ قرآن اور شبِ براءت کی برکت وفضیلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الدخان مکی ہے اوراس کی انسٹھ (۵۹) آیات ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو جمعۃ المبارک کی رات پڑھے گا' وہ جب صبح اٹھے گا تو بخشا ہوا ہوگا۔

۱ تا ۳۔ ﴿حٰمٓ O وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ واضح اور روشن کتاب کی قسم یعنی قرآن مجید کی قسم [اور ''و الکتاب'' میں واؤ قسمیہ ہے اگر ''حٰـمٓ'' کو حروف کے لیے تعدید یا سورت کا نام اور مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور یہ واؤ عطف کی ہوگی' اگر ''حٰـمٓ'' کو مقسم بہا قرار دیا جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل) آیت کو قرار دیا جائے] یعنی ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ بے شک ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل فرمایا ہے یعنی شبِ قدر یا شعبان کی نصف (پندرھویں) رات مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شبِ قدر اور نصف شعبان کے درمیان چالیس راتوں کا فاصلہ ہے[1] اور جمہور علمائے اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ ''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ

[1] واضح رہے کہ شبِ قدر کی برکت وفضیلت ان شاء العزیز سورۃ القدر میں بیان کی جائے گی اور یہاں صرف شبِ برات (پندرھویں شعبان) کی برکت وفضیلت بیان کی جاتی ہے' چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اذ کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا'' جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو تم اس رات کو عبادت کرو' اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں سورج کے غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے' پھر ارشاد ہوتا ہے: سن لو! کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا' سو میں اسے بخش دوں' سنو! کوئی ہے رزق طلب کرنے والا' سو میں اسے رزق عطا کر دوں' سنو! کوئی ہے مصیبت زدہ' سو میں اسے عافیت عطا کروں' خبردار! کوئی ہے اس طرح' خبردار! کوئی ہے اس طرح یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۸' شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث: ۳۸۳۶)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا' چنانچہ میں آپ کو تلاش کرنے کے لیے باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع کے قبرستان میں اپنے سر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں' سو آپ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: کیا تمہیں یہ خوف تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں لیکن میں نے یہ خیال کیا تھا کہ آپ شاید اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل شعبان کی پندرھویں رات آسمانِ دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت و بخشش فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' ابن ابی شیبہ' بیہقی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَيْلَةِ الْقَدْرِ O'' (القدر:۱) '' بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا O'' اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ'' (البقرہ:۱۸۵) '' رمضان المبارک کا مہینہ وہی ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے'' اور اکثر اقوال کے مطابق شب قدر ماہِ رمضان میں آتی ہے' پھر مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پورا قرآن مجید بہ یک وقت لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف (بیت العزۃ میں) نازل فرمایا' پھر بعد ازاں حضرت جبریل علیہ السلام ضرورت و حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے (تقریباً تیئس سال کے عرصہ میں) نازل کرتے رہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز شب قدر میں ہوا تھا اور مبارکہ کا مطلب ہے: بہت زیادہ خیر و برکت کیونکہ اس رات میں بہت زیادہ خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اگر اس رات میں قرآن مجید کے نزول کے ماسوا اور کچھ بھی نہ پایا جاتا تو اکیلا قرآن کا نزول ہی اس رات کی خیر و برکت کے لیے کافی تھا ﴿اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ بے شک ہم (اس قرآن کے ذریعے) ڈر سنانے والے ہیں۔

٤۔ ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے [اور یہ دونوں جملے ''اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ'' اور ''فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ'' الگ مستقل جملے ہیں' لف و نشر کے طور پر بیان کیے گئے ہیں' ان دونوں کی تفسیر و توضیح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف (پندرھویں) رات میں اپنے تمام بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے اور ماسوا دو آدمیوں کے تمام کو بخش دیتا ہے' ایک بغض و کینہ رکھنے والا آدمی اور دوسرا قاتل آدمی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

(۴) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے' اس میں ایک سال میں ہونے والے معاملات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس سال مرنے والے زندوں کے نام مُردوں میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور حج کرنے والوں کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں' پھر اس میں نہ کوئی زیادتی ہوتی ہے اور نہ کوئی کمی ہوتی ہے۔

(۵) حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس رات میں ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مرنے والے لوگوں کی زندگیوں کی مدت منقطع کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مُردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصف شعبان کی رات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال جس جس بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے' ملک الموت کو اس رات ان کی روحیں قبض کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

(۷) بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا کہ لوحِ محفوظ سے ہر حکمت والے کام کے نقل کا آغاز شب براءت میں ہوتا ہے اور اس سے فراغت شب قدر میں ہوتی ہے' پھر رزقوں کا تحریر نامہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جنگوں کا تحریر نامہ اور اسی طرح زلزلوں اور بجلیوں کے گرانے اور زمین میں دھنسانے کا تحریر نامہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اعمال کا تحریر نامہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آسمانِ دنیا کے فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا فرشتہ ہے اور مصائب کا تحریر نامہ ملک الموت کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں تمام معاملات کے فیصلے فرما دیتا ہے' پھر ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (شب قدر) میں ان فیصلوں کو ان کے متعلقہ اصحاب کے سپرد کر دیتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۱۱۱۔ ۱۱۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

جواب قسم کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک اس کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ڈرانا یعنی عذاب سے ڈرانا ہماری شان سے ہے اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو اس مخصوص رات میں نازل کیا ہے کیونکہ قرآن مجید کو نازل کرنا حکمت والے اُمور میں سے ہے اور اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے اور ''یُفْرَقُ'' کا معنی ہے: بانٹا جاتا ہے اور الگ الگ کیا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور ''کُلُّ اَمْرٍ'' سے بندوں کے رزق اور ان کی زندگیوں کی مدتیں اور ان کے دیگر تمام اُمور مراد ہیں' وہ سب اُمور اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور ''حَکِیْمٍ'' سے حکمت والا کام مراد ہے [یعنی مفعول ہے جیسا کہ حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے اور یہ مجازی اسناد ہے کیونکہ ''حکیم'' اصل میں صاحب امر کی صفت ہے اور امر کو اس کے ساتھ بطور مجاز موصوف کیا گیا ہے]۔

۵- ﴿اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ہر حکمت والا کام' ہماری طرف سے اور ہمارے حکم سے جاری ہوتا ہے [اور ''امرًا'' کا منصوب ہونا اختصاص کی بناء پر ہے] گویا ہر امر کو بہت بڑا حصہ قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ اس کو ''حکیم'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' پھر اس کی عظمت و اہمیت میں اضافہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ ہر حکمت والا کام ہماری طرف سے حاصل ہونے والے حکم سے جاری ہوتا ہے جیسا ہمارا علم اور ہمارا منصوبہ اس کا تقاضا کرتا ہے ﴿اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ بے شک ہم (اے محبوب! آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کو بھیجنے والے ہیں) [یہ سابق ''اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ O'' (الدخان: ۳) سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

٦- ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت [یہ مفعول لہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ہماری شان اور ہماری عادت کریمہ یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کی طرف رسولوں کو کتابوں کے ساتھ بھیجتے ہیں' اس کی وجہ اور سبب محض ان پر رحمت و مہربانی ہے یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ''اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا'' کی علت ہے اور ''رَحْمَةً'' مفعول بہ ہے اور رحمت کو ارسال (بھیجنے) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد میں رحمت کو ارسال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ'' (الفاطر: ۲) ''اور جب اللہ تعالیٰ رحمت کو روک دے تو اس کے بعد اسے کوئی بھیجنے والا نہیں' اور اصل میں ''اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنَّا'' ہے یعنی بے شک ہم اپنی طرف سے رحمت بھیجنے والے ہیں' پھر اسم ظاہر ''مِنْ رَّبِّكَ'' کو ضمیر ''مِنَّا'' کی جگہ رکھ دیا گیا ہے' یہ محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ ربوبیت پلنے والوں پر رحمت کرنے کا تقاضا کرتی ہے] ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے تمام اقوال کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

۷- ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾ آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا مالک ہے اگر تم یقین رکھتے ہو [''رَبِّ'' اہل کوفہ کے نزدیک ''مِنْ رَّبِّكَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک (مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر) مرفوع ہے یعنی اصل میں ''هو رب السموت والارض الخ'' ہے] اور شرط ''ان كنتم موقنين'' کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق رب تعالیٰ ہے' پس ان سے کہا گیا کہ بے شک رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا رب تعالیٰ کی طرف سے سراسر رحمت و مہربانی ہے' پھر کہا گیا: بے شک یہ رب تعالیٰ وہی ہے جو سب کے اقوال کو خوب سننے اور ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے' جس کا تم اقرار کرتے ہو اور تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' کا مالک ہے اگر تمہارا اقرار و اعتراف علم و یقین پر مبنی ہے' جیسے تم کہو کہ بے شک یہ زید کا وہ انعام ہے جسے تم محض

اس کے فضل و کرم کی بناء پر لوگوں سے سن رہے ہو اگر تمہیں اس کی خبر پہنچ چکی ہے اور اس کا قصہ تم سے بیان کیا جا چکا ہے۔

٨- ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے ﴿رَبُّكُمْ﴾ "اى هُوَ رَبُّكُمْ" یعنی وہی تمہارا مالک و خالق اور تمہارا پروردگار ہے ﴿وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے [اور یہ "رَبُّكُمْ" پر معطوف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور معبودِ برحق ہونے کا یقین ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

٩- ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ﴾ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں اور بے شک ان کا اقرار علم اور یقین کی بناء پر نہیں ہے بلکہ ان کا قول و اقرار تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے اور کھیل تماشے سے مخلوط و آلودہ ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا
اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾

وقف لازم وقف لازم

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا○ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ دردناک عذاب ہو گا○ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں○ ان کے لیے نصیحت ماننا کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے○ پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی اور انہوں نے کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے○ بے شک ہم تھوڑی مدت کے لیے اس عذاب کو دور کر دیں گے' پھر تم پلٹ جاؤ گے○ جس دن ہم سب سے بڑی سخت گرفت میں پکڑیں گے' بے شک ہم ضرور بدلہ لیں گے○

## مشرکین مکہ کا عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کرنا

١٠- ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان دھواں لائے گا یعنی قیامت کے دن سے پہلے آسمان سے ایک دھواں برآمد ہو گا جو کفار کے کانوں میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص کا سر اس طرح ہو جائے گا جس طرح آگ میں بھونا ہوا سر ہوتا ہے اور وہ دھواں مسلمان پر اس طرح طاری ہو گا جس طرح زکام ہو جاتا ہے اور اس روز تمام زمین جل کر راکھ ہو جانے والے گھر کی طرح ویران ہو جائے گی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قریش مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور ایمان لانے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: اے اللہ! قبیلہ مضر پر سخت قحط سالی کے ذریعے ان کی سخت گرفت فرما اور انہیں سخت قحط سالی میں اس طرح مبتلا فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں (سات سال مسلسل) قحط سالی پڑی تھی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قحط سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا' یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور اونٹوں کے گوبر میں خون ملا کر آگ پر پکا کر کھانا شروع کر دیا تھا اور ہر آدمی کو بھوک کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان دھواں نظر آتا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وقت ایک دوسرے کا کلام تو سنتے تھے

مگر دھویں کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے ﴿ مُّبِيْنٍ ﴾ وہ دھواں بالکل کھلم کھلا عیاں نظر آئے گا' اس کا حال بالکل ظاہر ہوگا اور اس کے دھواں ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوگا۔

۱۱- ﴿ يَّغْشَى النَّاسَ ﴾ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا (یعنی) وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور لباس کی طرح ہر طرف سے ان کا احاطہ کرلے گا ﴿ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ یہ تو دردناک عذاب ہے [''یغشی الناس'' محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''دخان'' کی صفت ہے اور ''هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' فعل مضمر کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور وہ فعل ''يَقُوْلُوْنَ'' ہے اور خود ''يَقُوْلُوْنَ'' حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے ''ای قَائِلِيْنَ ذَالِكَ'' یعنی وہ لوگ دھویں کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بڑا دردناک عذاب ہے' نیز وہ یہ کہیں گے کہ]

۱۲- ﴿ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب دور کر دیجئے بے شک ہم ضرور ایمان لے آئیں گے یعنی اگر تو ہم سے عذاب کم کردے گا تو عنقریب ہم ضرور ایمان قبول کرلیں گے۔

۱۳- ﴿ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى ﴾ ان کے لیے نصیحت کہاں (یعنی) وہ لوگ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ لوگ عذاب کے کھل جانے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ کیسے پورا کر سکتے ہیں ﴿ وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴾ حالانکہ ان کے پاس تو واضح اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے۔

۱٤- ﴿ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴾ پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روگردانی کی اور انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے یعنی بے شک نصیحت کے وجوب میں دھواں کھلنے سے بہت بڑھ کر اور زیادہ مؤثر دلائل ان کے پاس آ چکے ہیں اور یہ وہ معجزات اور قرآنی آیات وغیرہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو عطا کیے گئے لیکن ان لوگوں نے ان سے نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ قبیلہ ثقیف کا ایک عجمی غلام جس کا نام عداس ہے' وہ آپ کو سب کچھ سکھاتا ہے اور انہوں نے آپ کو مجنون اور دیوانہ قرار دیا۔

۱۵- ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا ﴾ بے شک ہم اس عذاب کو تھوڑے عرصے کے لیے یا تھوڑا سا کھول دیں گے ﴿ اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴾ بے شک تم دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس میں تم پہلے سے مبتلا تھے یا تم پھر عذاب کی طرف پلٹ جانے والے ہو۔

۱٦- ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ﴾ جس دن ہم بہت بڑی گرفت میں انہیں گرفتار کریں گے' یہ قیامت کے دن ہو گا یا پھر غزوۂ بدر کے دن ہوگا ﴿ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ بے شک ہم ضرور انتقام لے کر رہیں گے یعنی ہم اس دن ان سے ضرور انتقام اور بدلہ لیں گے [''يَوْمَ نَبْطِشُ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی طرف سے منصوب ہے یا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ''اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ'' دلالت کرتا ہے اور وہ ''نَنْتَقِمُ'' ہے' منتقمون'' نہیں کیونکہ ''اِنَّ'' کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا]۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ
اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ

فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایاO کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کردو' بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوںO اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کروO اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤO سو اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک یہ لوگ مجرم و گناہ گار قوم ہیںO

## حضرت موسیٰ کی آمد اور فرعونیوں کی آزمائش

۱۷- ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا یعنی ان مشرکین مکہ سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا یعنی ہم نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا تھا جس طرح آزمانے کے لیے ممتحن معاملہ کرتا ہے تاکہ ان کے باطن میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہو جائے ﴿وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾ اور ان کے پاس ایک ایسا رسول تشریف لایا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اس کے ایمان دار بندوں کے ہاں بڑا معزز و محترم ہے یا وہ بذاتِ خود حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے مکرم و برگزیدہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنا کر بھیجا وہ اپنی قوم میں حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور برگزیدہ ہوتا تھا۔

۱۸- ﴿اَنْ اَدُّوْۤا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کردو [یہ ''اَنْ'' مفسرہ ہے] کیونکہ ان لوگوں کی طرف رسول کی آمد جن کی طرف اسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' قول کے معنی کو متضمن ہے اس لیے کہ رسول ان کو خوش خبری دینے اور ڈرسنانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا بن کر آتا ہے یا پھر یہ ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے: اور وہ ان کے پاس اس شان اور اس فرمان کے ساتھ تشریف لایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کردو' اور اس صورت میں ''عباد اللّٰه'' مفعول بہ ہوگا اور اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں' گویا اس رسول نے قومِ فرعون کے پاس آکر فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کو میرے سپرد کردو اور انہیں میرے ساتھ بھیج دو' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ'' (طٰہٰ: ۴۷) ''سو تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب نہ دو'' اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لیے نداء ہو' اس معنی پر کہ ''اَدُّوْۤا اِلَیَّ یَا عِبَادَ اللّٰهِ'' اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میرا وہ حق ادا کرو جو میرے لیے تم پر واجب و لازم ہے اور وہ یہ کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ اور میری دعوت کو قبول کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو' پھر اس رسول نے اس کی علت اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں یعنی میں اپنی رسالت کی ادائیگی پر امانت دار ہوں اور میں سچا رسول ہوں تہمت یافتہ نہیں ہوں۔

۱۹- ﴿وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی وحی کی اہانت کر کے اس پر بڑائی نہ چاہو یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر تکبر و بڑائی نہ چاہو اور اس پر تکبر و سرکشی نہ کرو [یہ حرف ''اَنْ'' پہلے ''اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ'' میں موجود حرف ''اَنْ'' کی طرح ہے' اس میں بھی وہی وجوہات ہیں جو پہلے ''اَنْ'' میں تھیں] ﴿اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک میں تمہارے پاس ایسی واضح اور روشن دلیل و سند لایا ہوں' جو اس بات پر دلالت و رہبری کرتی ہے کہ میں یقیناً نبی اور پیغمبر ہوں۔

٢٠ - ﴿ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴾ اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو (یعنی) یہ کہ تم مجھے سنگسار کر کے قتل کر ڈالو اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر بھروسا کر کے اپنے مالک و پروردگار سے پناہ چاہی کہ وہ اسے فرعونیوں سے اور ان کے مکر و فریب سے ضرور بچالے گا' سو وہ فرعونیوں کی ان دھمکیوں سے بے نیاز و بے پرواہ ہو گئے' جو وہ اسے سنگسار کرنے اور قتل کر دینے کی دھمکیاں دیتے تھے [ابو عمرو' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ذال کو ''تا'' میں مدغم کر کے ''وَاِنِّیْ عُتُّ'' پڑھا گیا ہے]۔

٢١ - ﴿ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ یعنی اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو میرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان کوئی دوستی نہیں' سو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ یا یہ معنی ہے کہ تم مجھے اکیلا چھوڑ دو نہ میرے لیے کچھ کرو اور نہ میرے خلاف کچھ کرو اور تم مجھے اذیت و دکھ دینے اور میرے ساتھ بُرائی و شرارت کرنے کے لیے میرا پیچھا نہ کرو' سو جس نے تمہیں ایمان کی دعوت ہے اس کا صلہ یہ نہیں اور اس کا نہ یہ حکم ہے کہ تم مجھے سنگسار کر دو [قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یائے متکلم کے ساتھ ''فَاعْتَزِلُوْنِیْ'' پڑھا جاتا ہے]۔

٢٢ - ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗۤ ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم (فرعونیوں) کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پروردگار کو پکارا کہ ﴿ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ بے شک یہ مجرم و گناہ گار قوم ہے' اصل میں ''بان هؤلاء'' ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے یہی دعا کی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ ''اللھم عجل لھم ما یستحقونہ باجرامھم'' اے اللہ! ان پر وہ عذاب جلدی بھیج جس کے یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے مستحق ہو چکے ہیں' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ دعا سے حضرت موسیٰ کا یہ قول مراد ہے: ''رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ O'' (یونس:٨٥) ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالموں کی قوم کے لیے آزمائش نہ بنا O'' [''ان هٰـؤُلَآءِ'' میں حرف ''اِنَّ'' کے ہمزہ کو مکسور پڑھا گیا ہے' قول کے مضمر (پوشیدہ قرار دینے) پر یعنی حضرت موسیٰ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: بے شک یہ مجرم قوم ہے]۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع ١٣

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) سو تم میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر چل پڑو بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا O اور تم دریا کو یوں ہی تھما ہوا چھوڑ دینا بے شک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گا O وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئے O اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات O اور نعمتیں جن میں وہ عیش کرتے تھے O ایسا ہی ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا O سو ان پر آسمان و زمین نہیں روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئی O

٢٣ - ﴿ فَاَسْرِ ﴾ [یہ ''اسریٰ'' (باب افعال) سے ماخوذ ہے اور اہل حجاز کے ہاں وصل کی صورت میں ''فاسر'' ہوگا

اور یہ ''سَرٰی'' سے ماخوذ ہے اور ''فا'' کے بعد قول مضمر ہے] اصل میں ''فقال اسر'' ﴿بِعِبَادِیْ لَیْلًا﴾ ہے یعنی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمہارا تعاقب اور پیچھا کیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ تم آگے آگے چلو اور فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ آگے آگے جانے والوں کو نجات دے دے گا اور پیچھے آنے والوں کو دریا میں غرق کر دے گا۔

۲٤- ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا﴾ اور آپ دریا کو تھما ہوا اور ساکن چھوڑ دیں۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تھا کہ جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر دریا عبور کر لیں گے تو اپنا عصا مبارک مار کر دریا کو جوڑ دیں گے لیکن انہیں حکم دیا گیا کہ آپ دریا کو اپنی اسی موجودہ حالت میں ساکن و تھما ہوا اور اپنے حال پر برقرار چھوڑ دیں اور پانی اپنی جگہ پر کھڑا رہے اور راستہ اپنی جگہ پر خشک و سوکھا ہوا پڑا رہے' آپ اس کو جاری کرنے کے لیے اپنا عصا اس پر ہرگز نہ ماریں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں تا کہ فرعون کی قوم قبطی اس کے اندر داخل ہو جائے' پھر جب وہ اس میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی کو باہم ملا دیا جس کی وجہ سے وہ غرق ہو گئے اور بعض نے کہا کہ ''رهو'' کا معنی ہے: کشادہ اور وسیع راستہ یعنی تم اسے اپنے حال پر کھلا ہوا کشادہ چھوڑ دو ﴿اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک تمہارے دریا سے نکلنے کے بعد اس لشکر کو ڈبو دیا جائے گا [اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ''لِاَنَّهُمْ'']۔

۲٦٬۲۵- ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ انہوں نے کتنے زیادہ باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ محفلیں' عالی شان مکانات چھوڑے' ''مقام کریم'' سے ان کے خوب صورت محلات اور بہترین کوٹھیاں مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے منبر مراد ہیں [اور ''کَمْ'' کثرت کے معنی کے لیے آیا ہے اور ''ترکوا'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۷- ﴿وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ اور بہت سی نعمتوں میں وہ مشغول ہو کر لطف اندوز اور لذت حاصل کرتے رہے (یعنی) وہ ناز و نعمتوں سے زندگیاں گزارتے ہیں۔

۲۸- ﴿كَذٰلِكَ﴾ ''ای الامر کذالک'' یعنی معاملہ اسی طرح ہوا [سو کاف تشبیہ مبتدا مضمر کی خبر ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا' ان کا فرعونیوں سے نہ کوئی نسبی رشتہ تھا اور نہ کوئی دینی رشتہ تھا اور نہ ان سے ان کا دوستی کا کوئی تعلق تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے جنہیں فرعونیوں کا وارث بنا دیا گیا۔

۲۹- ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ سو ان پر نہ آسمان رویا تھا اور نہ زمین روئی تھی کیونکہ وہ لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اور مؤمن جب بھی فوت ہوتا ہے تو اس پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے' چنانچہ زمین کے وہ حصے مؤمن کی موت پر روتے ہیں جن مقامات اور جگہوں پر اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے اور عبادت و ریاضت اور تسبیح وغیرہ کی ہوتی ہے اور آسمان کی وہ راہ روتی ہے جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مؤمن کی موت پر آسمان میں رہنے والے اور زمین پر رہنے والے روتے ہیں ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ اور ان کو مہلت نہیں دی گئی یعنی جب ان کی ہلاکت و تباہی کا وقت آن پہنچا تو پھر دوسرے وقت تک ان کی ہلاکت کو مؤخر نہیں کیا گیا اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ○ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی O فرعون سے' بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا متکبر و سرکش تھا O اور بے شک ہم نے انہیں جان بوجھ کر جہان والوں پر برگزیدہ بنالیا O اور ہم نے انہیں وہ نشانیاں عطا فرمائیں جن میں واضح آزمائش تھی O بے شک یہ لوگ کہتے ہیں O وہ تو نہیں مگر ہماری پہلی موت اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے O سو تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو O کیا وہ بہتر ہیں یا تبّع کی قوم' اور جو ان سے پہلے تھے' ہم نے انہیں ہلاک کر دیا' بے شک وہ گناہ گار لوگ تھے O

## بنی اسرائیل کی نجات اور مشرکین کی مذمت کا بیان

۳۰- ﴿ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ اور بے شک ہم نے اولادِ یعقوب علیہ السلام کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی یعنی مشقت بھرے کاموں کے لیے خدمت گار بنانے اور غلام بنانے اور لڑکوں کو قتل کرنے کے ذلیل کن عذاب سے نجات عطا فرمائی۔

۳۱- ﴿ مِنْ فِرْعَوْنَ ﴾ فرعون سے [یہ حرف جار کے اعادہ کے ساتھ "العذاب المھین" سے بدل واقع ہو رہا ہے' گویا وہ بذاتِ خود ذلیل کرنے والا عذاب تھا کیونکہ فرعون ان کو حد سے بڑھ کر بہت زیادہ عذاب دیتا تھا اور بہت زیادہ ان کی توہین کرتا تھا یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں "ذالك من فرعون" تھا یعنی وہ ذلیل کن عذاب فرعون کی طرف سے تھا] ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا ﴾ بے شک وہ متکبر و سرکش تھا ﴿ مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا [یہ دوسری خبر ہے] یعنی فرعون متکبر بھی تھا اور حد سے بڑھ کر ظلم و زیادتی کرنے والا بھی تھا۔

۳۲- ﴿ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کر لیا اور چن لیا یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو منتخب کر لیا ﴿ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ دانستہ طور پر' [یہ ضمیر فاعل سے حال ہے] یعنی ہم انتخاب کے محل کو خوب جانتے ہیں اور یہ کہ بے شک وہی زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں منتخب کیا جائے ﴿ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں پر یعنی ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر انہیں انتخاب کی فضیلت سے نوازا گیا۔

۳۳- ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ ﴾ اور ہم نے انہیں اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دیں' جیسے دریا کا پھٹ جانا اور بادلوں کا سایا کرنا اور من و سلویٰ کا نازل کرنا اور ان کے علاوہ دیگر بڑی بڑی نشانیاں ﴿ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴾ وہ نشانیاں ہیں جن میں نعمت ہونا ظاہر و عیاں ہے یا ان میں امتحان و آزمائش ہونا ظاہر اور واضح ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

۳۴'۳۵- ﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ بے شک یہ لوگ یعنی قریش مکہ کے کفار ﴿ لَيَقُوْلُوْنَ O اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى ﴾ البتہ وہ کہتے ہیں: یہ موت تو نہیں مگر ہماری پہلی موت' اور یہاں ایک اشکال اور اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام تو دوسری

زندگی کے بارے میں ہوا ہے (کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا) نہ کہ موت کے بارے میں' پس "اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الْاُوْلٰی" کیوں نہیں کہا گیا اور نیز "اولٰی" کے ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے گویا ان سے دوسری موت کا وعدہ کیا گیا ہے جس کا انہوں نے انکار کر دیا ہے اور اپنی پہلی موت کو ثابت کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم ضرور ایسی موت سے مرو گے جس کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا (اور تمہارا حساب وکتاب ہوگا) جیسا کہ تمہاری پیدائش سے پہلے (عدم محض کی صورت میں) تم پر موت گزر چکی ہے جس کے بعد تمہیں (پیدا کر کے) زندگی دی گئی اور اس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ" (البقرہ:۲۸) "اور تم مردہ تھے' سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں مارے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا" سو انہوں نے "اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی" جو کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ موت جس کی شان یہ ہے کہ اس کے بعد زندگی عطا کی جائے گی وہ صرف پہلی موت ہے' پس اس کے درمیان اور "اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا" (الجاثیہ:۲۴) کے درمیان معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ درج ذیل ارشاد کا انکار ہو: "رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ" (الغافر:۱۱) "اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا" ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴾ اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا تو کہا جائے گا: "انشر الله الموتٰی" "اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ فرمادیا۔"

۳۶- ﴿ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ ﴾ سو تم ہمارے باپ دادا کو (دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کر) لے آؤ۔ کفار کی طرف سے یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان (صحابہ کرام) ان سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ کرتے تھے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم سچے ہو یعنی تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس میں تم سچے ہو تو تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کر کے ہمارے جو آباء واجداد فوت ہو چکے ہیں انہیں جلدی سے زندہ کرا کر ہمارے پاس لے آؤ تا کہ یہ عمل اس بات کی دلیل بن جائے کہ تم قیامت کے قائم ہونے اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کا جو وعدہ کرتے ہو' وہ حق اور سچ ہے۔

۳۷- ﴿ اَهُمْ خَيْرٌ ﴾ کیا وہ (کفارِ مکہ) قوت و مدافعت میں زیادہ بہتر ہیں ﴿ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ یا تبع کی قوم (بہتر ہے)' یہ تبع حمیری ہے' خود مؤمن تھا[1] مگر اس کی قوم کے لوگ کافر تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ نبی تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی تھا (مگر نیک مسلمان ضرور تھا) ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے [یہ "قوم تبع" پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿ اَهْلَكْنٰهُمْ ﴾

---

[1] امام ابوحاتم نے یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ ابوکرب اسعد حمیری تابعہ (یمن کے بادشاہوں) میں سے تھا اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے اعلانِ نبوت سے سات سو سال پہلے ایمان لے آیا تھا اور حضرت یزید رقاشی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم تبع کی مذمت بیان کی ہے لیکن تبع کی مذمت بیان نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: "لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا" "تم تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا' اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تبع ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف کو غلاف پہنایا' نیز امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ قَدْ اَسْلَمَ" "تم تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ بے شک ہو اسلام قبول کر چکا ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۵۳' شرح مسند امام اعظم للملا علی القاری ص ۵٦۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا بے شک وہ مجرم لوگ تھے (یعنی) وہ کافر تھے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾ ع

ع ۱۳ ۱۵

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیاO اور ہم نے انہیں پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےO بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر وقت ہےO اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کر دے بے شک وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہےO

۳۸- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا [یعنی دونوں جنسوں کے درمیان اور ''لاعبین'' حال ہے] اور اگر حشر ونشر اور حساب و کتاب اور ثواب وعقاب نہ ہوتا تو مخلوقات کی تخلیق خاص فنا کے لیے ہوتی اور بس' سواب ان کی تخلیق عبث و بے کار اور لہو لعب اور کھیل تماشا ہو جاتی۔

۳۹- ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم نے ان دونوں کو حق کے ساتھ (یعنی) خوب تحقیق واہتمام اور پوری سنجیدگی کے ساتھ پیدا فرمایا ہے'' حق''،''لعب'' کی ضد ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟

٤٠- ﴿اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ﴾ بے شک فیصلہ کا دن یعنی حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا دن اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ ان سب کے وعدے کا وقت مقرر ومعین ہے۔

٤١- ﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا﴾ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا یعنی کوئی دوست کسی دوست کے اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کچھ کام نہیں آئے گا'' شیئا'' قلت کے معنی میں ہے یعنی تھوڑا سا فائدہ نہیں ہوگا ﴿وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی [ضمیر مولیٰ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ کثیر کے معنی میں ہے تاکہ لفظ بطور عموم وابہام ہر مولیٰ کو شامل ہو جائے]۔

٤٢- ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ﴾ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرمادے یعنی عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا مگر جس پر خود اللہ تعالیٰ رحم فرمادے [یہ کلام ''ینصرون'' کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ﴾ بے شک وہی اپنے تمام دشمنوں پر غالب ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ اپنے دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ
الْحَمِيمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ
عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿۴۹﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿۵۰﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۵۱﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۲﴾ يَلْبَسُونَ
مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۵۳﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۴﴾

بے شک تھوہر کا درخت O بڑے گناہ گار کی خوراک ہوگا O پگھلے ہوئے تانبا کی طرح' پیٹوں میں جوش مارے گا O جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے O (حکم ہوگا:) اسے پکڑ لو اور اس کو زبردستی گھسیٹ کر دوزخ کے وسط میں لے جاؤ O پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو O لے چکھ! بے شک تو بڑا معزز و مکرم بنتا تھا O بے شک یہ وہی ہے جس میں تم شک کرتے تھے O بے شک پرہیز گار امن و امان والے مقام میں رہیں گے O باغوں اور چشموں میں O وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے O اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے O

## کفار کے لیے عذاب آخرت کی وعید

۴۳- ﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ﴾ بے شک کڑوا' کسیلا' خاردار درخت زقوم (بڑے بڑے گناہ گاروں کی خوراک ہوگا) یہ بہ ظاہر دنیا کے درخت کے مشابہ اور اس کے ہم شکل ہے لیکن یہ دوزخ کی آگ میں ہے اور زقوم سے اس کا میوہ اور پھل مراد ہے اور یہ سب سے زیادہ ثقیل اور ناگوار کھانا ہے۔

۴۴- ﴿طَعَامُ الْأَثِيمِ﴾ بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب فاسق و فاجر کا کھانا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک آدمی کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور وہ آدمی ''طعام الاثیم'' کی بجائے ''طعام الیتیم'' پڑھتا تھا' تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص! تو ''طعام الفاجر'' پڑھا کر' اور اس سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کے ایک کلمہ کو بوقت ضرورت دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ دوسرا کلمہ قرآن مجید کے کلمہ کے ہم معنی ہو۔

اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ فارسی زبان میں قراءت کرنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی تھی کہ پڑھنے والا قاری عربی قراءت کے تمام معانی کو فارسی میں مکمل طور پر ادا کر سکتا ہو اور عربی قراءت کے مفہوم میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو سکے۔ فقہائے کرام نے فرمایا کہ یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت عدم اجازت کی طرح ہے کیونکہ عرب کے کلام میں خصوصاً قرآن مجید جو اپنی فصاحت و بلاغت میں ایک معجزہ ہے اور اس کے نظم اور اسالیب کی غرابت میں لطیف و دقیق معانی ہیں' جو فارسی وغیرہ کسی دوسری زبان میں مستقل ادا نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے قول

کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر اعتماد کیا گیا۔

٤٥- ﴿ كَالْمُهْلِ ﴾ پگھلے ہوئے تانبا کی طرح۔ یہ تیل کا تلچھٹ کہلاتا ہے [ اور کاف ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے ] ﴿ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴾ وہ پیٹوں میں جوش مارے گا [ ابن کثیر مکی اور حفص کی قراءت میں ''یــا'' کے ساتھ ''یغلی'' پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں ضمیر ''طعام'' کے لیے ہوگی اور ''تا'' کی صورت ''تغلی'' میں ضمیر ''شجرۃ'' (درخت) کے لیے ہوگی ]۔

٤٦- ﴿ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴾ کھولتے ہوئے پانی کی طرح یعنی وہ سخت گرم ترین پانی جس کا اُبال اور کھولنا اور جوش مارنا انتہاء کو پہنچ چکا ہو' اور اس کا معنی یہ ہے کہ زقوم کا پھل پیٹ میں پہنچ کر اس طرح جوش مارے گا جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے' پھر زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) سے کہا جائے گا کہ

٤٧- ﴿ خُذُوهُ ﴾ اس کو پکڑ لو یعنی اس فاسق و فاجر گناہ گار کو ﴿ فَاعْتِلُوهُ ﴾ سو تم اس کو سختی کے ساتھ اور زبردستی گھسیٹ کر لے جاؤ [ ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مکسور کی بجائے ''تا'' مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ] ﴿ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴾ دوزخ کے وسط میں اور اس کے مرکز میں لے جاؤ۔

٤٨- ﴿ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴾ پھر اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو' اور جو انڈیلا جائے گا وہ صرف کھولتا ہوا پانی ہوگا' عذاب نہیں انڈیلا جائے گا (عذاب تو محض تکلیف کا احساس ہے جس کا کوئی جسم نہیں جبکہ انڈیلنا یا گرانا جسم کا ہوتا ہے) مگر جب اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو اس وقت کھولتے ہوئے گرم پانی کا عذاب اور اس کی سختی اس پر انڈیلی جائے گی اور عذاب کا انڈیلنا استعارہ ہے اور اس شخص سے کہا جائے گا:

٤٩- ﴿ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴾ چکھ بے شک تو بڑا عزت والا اکرم بنتا تھا' اس کا مذاق اڑانے اور اس کے ساتھ تمسخر کرنے کے طور پر یہ کہا جائے گا [ علی کسائی کی قراءت میں ''أنك'' ہے یعنی اصل میں ''لأنك'' ہے ]۔

٥٠- ﴿ إِنَّ هَٰذَا ﴾ بے شک یہ عذاب یا یہ معاملہ وہ ہے ﴿ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴾ جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے۔

## پرہیز گاروں کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت

٥١- ﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴾ بے شک پرہیز گار امن و سکون کے مکان میں ہوں گے [ ''مـقـام'' میم مفتوح کے ساتھ قیام گاہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مکان مراد ہے اور یہ خاص ہے جو عموم کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں میم مضموم کے ساتھ ''مُـقـام'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اقامت کی جگہ مراد ہے۔ ''امیــن'' یہ ''امن الـرجـل امانة فهو امین'' سے ماخوذ ہے' اس آدمی نے امانت کو دیانت کے ساتھ ادا کیا' سو اس لیے وہ ''امین'' ہے اور یہ ''خائن'' کا متضاد ہے اور مکان کو اس کے ساتھ بطور استعارہ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ خوف و ڈر کا مکان اپنے مالک کو خوف زدہ کر دیتا ہے کیونکہ اس میں تکالیف و مکارہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے ]۔

٥٢- ﴿ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴾ باغات اور چشموں میں رہیں گے [ یہ ''مقام امین'' سے بدل ہے ]۔

٥٣- ﴿ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ ﴾ وہ ریشم سے تیار کردہ باریک لباس پہنیں گے ﴿ وَإِسْتَبْرَقٍ ﴾ اور ریشم سے تیار کردہ نفیس موٹا لباس (باریک لباس کے اوپر) پہنیں گے اور یہ معرب ہے ''استبر'' سے اور جب کسی عجمی لفظ کو معرب (عربی) بنایا جاتا ہے تو وہ عجمی ہونے سے نکل جاتا ہے اور خالص عربی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ معرب کا معنی یہ ہے کہ عجمی لفظ میں

تصرف کر کے اور اس کو عجمیت کے رنگ ڈھنگ سے تبدیل کر کے عربی بنا دیا جائے اور اس پر وجوہ اعراب کو جاری کر دیا جائے اور اس صورت میں وہ عربی قرآن میں استعمال ہو سکتا ہے (کہ اب وہ عجمی نہیں بلکہ عربی ہو چکا ہے) ﴿ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے اپنی اپنی نشست گاہ میں بیٹھے ہوں گے اور یہ انس و محبت کا سب سے زیادہ مکمل طریقہ ہے۔

٥٤- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ہوگا ''ای الامر کذالك'' یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوگا [''کذالك'' میں کاف مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ ﴾ اور ہم ان کو حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے یعنی ہم ان کو حوروں کے ساتھ ملا دیں گے (تا کہ وہ ان سے انس حاصل کر کے ان کے ساتھ خوشیاں منائیں' لہٰذا عرفی عقد نکاح نہیں ہو گا) ''حور''، ''حوراء'' کی جمع ہے' ان کی آنکھیں بہت زیادہ سفید ہوتی ہیں اور پتلی بہت زیادہ سیاہ ہوتی ہے (جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں) ﴿ عِيْنٍ ﴾ بڑی بڑی آنکھوں والی۔ ''عین''، ''عیناء'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بڑی اور کشادہ آنکھ۔

| |
|---|
| يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ |
| الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ |
| فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع |

وہ اس میں امن وسکون کے ساتھ ہر قسم کے پھل اور میوے منگوا لیا کریں گے O وہ اس میں پہلی موت کے سوا کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا O محض آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O سو بے شک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ وہ نصیحت قبول کر لیں O سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں O

٥٥- ﴿ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں ہر قسم کا پھل طلب کریں گے ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ وہ وہاں امن وسکون سے رہیں گے' ان کو ان نعمتوں کے زائل ہونے یا ختم ہو جانے کا اور بیماریوں اور ضرر رساں تکلیفوں میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف و اندیشہ نہیں ہوگا۔

٥٦- ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں موت کو ہرگز نہیں چکھیں گے ﴿ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ ماسوا پہلی موت کے یعنی ماسوا اس پہلی موت کے جس کو انہوں نے دنیا میں چکھا تھا اور بعض نے کہا کہ لیکن پہلی موت جسے انہوں نے دنیا میں چکھا تھا (مطلب یہ ہے کہ ''اِلَّا'' بہ معنی سوائے بھی آتا ہے اور بہ معنی ''لٰکِنَّ'' بھی آتا ہے) ﴿ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا۔

٥٧- ﴿ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے یعنی فضل کرنے کے لیے [سو یہ مفعول لہ ہے یا پھر یہ مصدر مؤکد ہے' ماقبل کے لیے ہے کیونکہ ''وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمَ'' بہ معنی ''تفضل منه لهم'' ہے اس لیے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا مستحق نہیں] ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ یعنی عذاب کا پھیرنا اور جنت میں داخلہ عطا کرنا ﴿ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

٥٨- ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ سو ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا یعنی اس کتاب (قرآن مجید) کو اور

بلاشبہ اس سورت کے شروع میں اس کا ذکر گزر چکا ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۵۹- ﴿ فَارْتَقِبْ ﴾ سو آپ اس کا انتظار کیجئے جو ان پر نازل ہوگا ﴿ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴾ بلاشبہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں جو آپ کو حاصل ہوگا حوادثِ زمانہ سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الجاثیہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO — اس کی سینتیس آیات چار رکوع ہیں

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٣ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٤ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٥

حٰمٓO اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہےO بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے بہت سی نشانیاں ہیںO اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو وہ پھیلاتا ہے ان میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیںO اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو رزق کا سبب بارش ہے' کو نازل کیا' پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اس میں اور ہواؤں کو چلانے میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیںO

## قدرتِ الٰہی کی نشانیوں اور ان کے منکروں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورتِ جاثیہ مکی ہے اور اس کی سینتیس (۳۷) آیتیں ہیں۔

۲'۱- ﴿ حٰمٓO تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے [اگر "حٰمٓ" کو اس سورت کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "تنزیل الکتاب" اس کی خبر ہے اور "من اللہ"، "تنزیل" کا صلہ ہے اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو "تنزیل الکتاب" مبتدا ہوگی اور ظرف "مِنَ اللّٰهِ" خبر ہوگی] ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر بہت غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ وہ اپنی تدبیر میں بہت بڑا حکمت والا اور زبردست دانا ہے۔

۳- ﴿ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ضرور بہت سی دلیلیں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یوں ہو: "اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ اس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے۔

٤- ﴿ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو اللہ تعالیٰ

پھیلاتا ہے ان میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں [اور ''وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ''، ''خلق'' پر معطوف ہے جس پر عطف کرنا قبیح ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''ایٰتًا'' منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے ہاں مرفوع ''ایٰتٌ'' ہے جیسے تمہارا یہ کہنا ہے کہ ''اِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ وَعَمْرًا فِي السُّوقِ'' یا ''وَعَمْرٌو فِي السُّوقِ'' ہے]۔

۵۔ ﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ﴾ اور رات اور دن کے تبدیل ہونے میں اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق یعنی بارش کو نازل کیا اور ''مطر'' (بارش) کو رزق اس لیے کہا گیا ہے کہ بارش رزق کا سبب ہے ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس (بارش) کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے چلانے میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور ایمان (مؤمنین) کو ایقان ''یوقنون'' پر مقدم کرنے میں اور ایقان کو درمیان میں ذکر کرنے میں اور ''یعقلون'' کو آخر میں لانے کا معنی یہ ہے کہ جو بندے ان صفات کے ساتھ متصف ہیں جب وہ آسمانوں اور زمین میں صحیح نظر سے غور و فکر کریں گے تو وہ جان لیں گے کہ بے شک یہ مصنوع اور مخلوق ہیں اور ان کے لیے صانع اور خالق ضرور ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے' پھر جب وہ اپنی پیدائش میں غور و فکر کریں گے اور اپنے بارے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف (بچپن سے جوانی' جوانی سے بڑھاپے کی طرف) منتقل ہونے کی کیفیت میں غور کریں گے اور زمین پر مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش میں غور و فکر کریں گے تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے گا اور انہیں یقین کامل حاصل ہو جائے گا' پھر جب وہ باقی حوادث میں غور کریں گے جو ہر وقت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جیسے رات و دن کا تبدیل ہونا اور بارش کا برسنا اور زمین کا مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ ہونا اور ہواؤں کا جنوب و شمال اور مشرق و مغرب مختلف اطراف میں چلنا تو وہ سمجھ جائیں گے اور ان کا علم مستحکم و مضبوط ہو جائے گا اور ان کا یقین خالص ہو جائے گا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''الریاح'' کی بجائے ''الریح'' ہے' نیز ان دونوں کی قراءت میں ''ایات'' منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک ''ایات'' مرفوع ہے اور یہ دو عاملوں پر معطوف ہونے کے قبیل سے ہے خواہ منصوب ہو یا مرفوع ہو' سو جب منصوب ہوگا تو اس وقت عامل ''اِنَّ'' اور حرف ''فِیْ'' ہوں گے اور واؤ کو ان دونوں کا قائم مقام قرار دیا جائے گا' چنانچہ ''واختلاف الیل والنھار'' میں اس نے جر کا عمل کیا اور ''ایات'' میں نصب کا عمل کیا اور جب مرفوع ہوگا تو عامل ابتداء اور حرف ''فِیْ'' ہوں گے اور واؤ ''ایات'' میں رفع کا عمل کرے گی اور ''واختلاف الیل والنھار'' میں جر کا عمل کرے گی اور یہ اخفش کا مذہب ہے کیونکہ وہ دو عاملوں پر عطف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن سیبویہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے نزدیک آیت کے شروع میں حرف ''فِیْ'' مضمر ہے اور اس آیت سے پہلے دو آیتوں کے شروع میں حرف ''فِیْ'' کے ذکر نے اس قول کو عمدہ بنا دیا اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ''وفی اختلاف الیل والنھار'' اسی قول کی تائید کرتی ہے اور مجرور کے اختتام کے بعد اپنے ماقبل پر معطوف ہونے کی وجہ سے اختصاص کی بناء پر ''ایات'' کا منصوب ہونا جائز ہے یا پہلی آیات کی تاکید کے لیے تکرار کے طور پر بھی منصوب ہونا جائز ہے' گویا کہا گیا: ''ایات' ایات''، اور ''ھی'' ضمیر کو مضمر (پوشیدہ) قرار دینے پر ''ایات'' کا مرفوع ہونا جائز ہے]۔

| |
|---|
| تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ |
| يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ |
| مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٨ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا |
| اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩ |

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے O ہر بہت جھوٹ بولنے والے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں سنتا ہے' پھر تکبر کے ساتھ (کفر پر) اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں' سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں O اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کچھ جان لیتا ہے تو اس کو ہنسی مذاق بنا لیتا ہے' انہیں لوگوں کے لیے رُسوا کن عذاب ہے O

٦- ﴿تِلْكَ﴾ یہ اِن آیات قرآنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت میں پہلے بیان کی جا چکی ہیں "ای تلك الایات" یعنی وہ آیات ﴿اٰيٰتُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی (تکوینی) آیات ہیں ﴿نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں [" نَتْلُوْهَا "محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور" علیك بالحق "کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے جس پر" تِلْكَ " دلالت کر رہا ہے] ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے بعد [جیسے ان کا قول ہے:" اعجبنی زید و کرمه "اور وہ اس سے" اعجبنی کرم زید "مراد لیتے ہیں۔ اہل حجاز اور ابوعمرو اور سہل اور حفص کی قراءت میں" یا "کے ساتھ" یؤمنون "ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک" قُلْ یَا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیہ وسلم) "کی تقدیر پر" تا "کے ساتھ" تؤمنون "ہے]۔

٧- ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ ہر جھوٹے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے" اَفَّاك "بہ معنی" كَذَّاب "ہے یعنی بہت جھوٹ بولنے والا اور" اَثِيْم "کا معنی ہے کہ گناہوں کے ارتکاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا' مطلب یہ ہے کہ بہت جھوٹ بولنے والے اور بہت گناہ کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

٨- ﴿يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ" افاك "کی دوسری صفت ہے] ﴿تُتْلٰى عَلَيْهِ﴾ جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں [یہ" ایات الله "سے حال ہے] ﴿ثُمَّ يُصِرُّ﴾ پھر وہ اصرار کرتا ہے' اپنے کفر پر متوجہ رہتا ہے اور اس پر قائم و دائم رہتا ہے ﴿مُسْتَكْبِرًا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے اور وہ جو حق سچ بیان کرتی ہیں ان پر یقین کرنے سے تکبر و اعراض کرتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے اور اس کے اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر خوش رہتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ نضر بن حارث کے بارے میں اس کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی اور وہ عجم کے قصے کہانیاں خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا تاکہ لوگ قرآن مجید نہ سنیں' بہرحال یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے اور اسی لیے" ثُمَّ "لایا گیا ہے کیونکہ گمراہی پر اصرار کرنا اور قرآن مجید کی

آیات کی سماعت کے وقت ایمان سے تکبر کرنا عقل مندوں کی عقلوں سے بہت بعید ہے ﴿كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں [''كَأَنْ'' مخففہ ہے اور اصل میں ''كَأَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْهَا'' تھا اور اس میں ضمیر شان کی ضمیر ہے اور یہ جملہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یعنی وہ نہ سننے والے کی طرح اصرار کرتا ہے ] ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں (یعنی) آپ اسے دردناک عذاب کی محض خبر سنا دیں جس کا اثر اس کے چہرے سے عیاں اور ظاہر ہو جائے۔

٩- ﴿وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا﴾ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی کو جان لیتا ہے (یعنی) اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کوئی پہنچتی ہے اور وہ جان لیتا ہے' یہ انہیں آیات میں سے ہے تو ﴿اتَّخَذَهَا هُزُوًا﴾ وہ انہیں یعنی وہ تمام آیات کو ہنسی مذاق بنالیتا ہے'' اتخذہ ''نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جاسکے کہ جب وہ کلام میں کسی چیز کو محسوس کرتا ہے کہ یہ بھی جملہ آیات میں سے ہے تو وہ تمام آیات کے ساتھ مذاق اڑانے میں مشغول ہو جاتا ہے اور صرف اسی آیت کے ساتھ مذاق اڑانے پر اکتفاء نہیں کرتا جو اس کو پہنچتی ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر ''شیئاً'' کی طرف لوٹی ہو کیونکہ ''شیئاً'' بھی آیت کے معنی میں ہے جیسے ابو العتاہیہ کا قول (شعر) ہے:

نفسی بشیءٍ من الدنیا معلقة      اللہ و القائم المهدی یکفیها

''میرا دل دنیا کی ایک چیز (عتبہ لونڈی) کے ساتھ معلق ہے' اللہ تعالیٰ اور خلیفہ مہدی جو (اپنی اس لونڈی کا) نگران ہے اس کو کفایت کریں گے''۔

کیونکہ شاعر نے ''بشیء'' سے عتبہ نامی لڑکی کا ارادہ کیا ہے' اس لیے ''یکفیها'' میں اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹائی ہے ]
﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے رسوا کن اور ذلیل کرنے والا عذاب ہے [''اولئك'' سے ''كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ'' کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ''أَفَّاكِينَ'' پر مشتمل ہے ]۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ ع

ان کے آگے دوزخ ہے' اور انہوں نے جو کچھ کمایا وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا حمایتی بنا لیا' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O یہ ہدایت ہے' اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے O

١٠- ﴿مِنْ وَّرَآئِهِمْ﴾ ان کے آگے ''الورآء'' اس جہت اور اس سمت کا نام ہے' جس کو آدمی چھپالیتا ہے خواہ وہ پیچھے ہو یا آگے ہو (گویا ''ورآء'' خلف وقدام دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتا ہے) ﴿جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا﴾ دوزخ ہے اور انہوں نے جس قدر مال و دولت کمایا ہے وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اور وہ کچھ کام نہیں آئے گا ﴿وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہ وہ بت کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا کارساز اور حمایتی بنالیا تھا [حرف ''مَا'' دونوں جگہ مصدر یہ ہے یا موصولہ ہے ] ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دوزخ

میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔

۱۱-﴿هٰذَا هُدًى ۚ﴾ یہ سراسر ہدایت ہے۔"هٰذَا" سے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے'اس پر درج ذیل کلام دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے' کیونکہ ان کے رب تعالیٰ کی آیات وہی قرآن ہی تو ہے یعنی یہ قرآن ہدایت دینے کے لیے کامل اور مکمل ہے (یعنی قرآن ہدایت کامل ہے) جیسے تم کہو:"زید رجل" یعنی زید کامل مرد ہے ﴿لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے بہت سخت قسم کا دردناک عذاب ہے"رجز" کا معنیٰ"اشد العذاب" سب سے زیادہ سخت عذاب ہے [ابن کثیر مکی' قاری یعقوب اور امام حفص کی قراءت میں"اَلِيْمٌ" عذاب کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک"اَلِيْمٍ"' "رِجْزٍ" کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے]۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ
اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ
فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلتی رہیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کروO اور اس نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیںO ان لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان لا چکے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تا کہ ایک قوم کو ان کاموں کا بدلہ دے جو کمایا کرتے تھےO جس نے نیک عمل کیے تو اپنے فائدے کے لیے کیے ہیں اور جس نے بُرے کام کیے تو ان کا وبال اسی پر ہوگا' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

## اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور مسلمانوں کو درگزر کرنے کی تلقین کا بیان

۱۲-﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم سے اور اس کی اجازت سے کشتیاں چلتی رہیں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو' تجارت کے ذریعے یا موتی اور مرجان اور تر وتازہ گوشت (مچھلی) نکالنے کے لیے غوطہ خوری کے ذریعے اس کے فضل کو تلاش کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔

۱۳-﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ["جمیعا"' "ما فی السموت" کی تاکید ہے اور یہ "مسخر" کا مفعول ہے اور

بعض نے کہا کہ ''جمیعا'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿مِّنْهُ﴾ [یہ حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو مسخر کردیا' اس حال میں کہ یہ اسی کی طرف ہونے والی ہیں اور اسی کے پاس سے حاصل ہونے والی ہیں یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''ای هذه النعم کلها (منه)'' یعنی یہ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے ''ای تسخیرًا (مِّنْهُ)'' یعنی تسخیر اسی کی طرف سے ہے] ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔

١٤- ﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا﴾ اے محبوب! ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ وہ درگزر کرلیا کریں'' ای (قل) لهم اغفروا (یغفروا) '' یعنی اے محبوب! آپ ان سے فرمادیجئے کہ تم درگزر کرو اور معاف کردو' تاکہ وہ درگزر سے کام لیں اور معاف کردیا کریں' پھر مقولہ حذف کردیا گیا ہے' اس لیے کہ جواب اس پر دلالت کررہا ہے اور ''یغفروا'' کا معنی ہے: ''یعفوا ویصفحوا'' یعنی وہ معاف کردیں اور درگزر کرلیا کریں اور بعض نے کہا کہ یہ بلا مضمر مجزوم ہے اور اس کی تقدیر ''لیغفروا'' ہے تاکہ وہ معاف کردیا کریں' سو یہ مستقل فعل امر ہے اور اس سے لام کو حذف کرنا جائز ہے کیونکہ امر ''قل'' اس پر دلالت کرتا ہے ﴿لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ﴾ ان لوگوں کے لیے (درگزر سے کام لیں) جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے (یعنی) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں پر حوادثات اور سختیاں نازل کرنے کی امید نہیں رکھتے' یہ عرب کے قول کے مطابق ہے کہ وہ حوادثات اور جنگوں کے دنوں کو ''ایام العرب'' کہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگ ان اوقات کی امید نہیں رکھتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجر وثواب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے ان اوقات میں کامیابی وکامرانی کا وعدہ فرمایا ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی' جب مشرکین میں سے قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑ کر سزا دینے کا ارادہ کیا' چنانچہ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں دشمنوں سے درگزر کرنے کی تلقین کی گئی ﴿لِیَجْزِیَ قَوْمًا﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کلام عفو ودرگزر کرنے کے حکم کی علت ہے یعنی اہل ایمان کو درگزر کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو درگزر کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے اور ''قومًا'' کی تنکیر ان کی مدح وثناء کے لیے ہے' گویا فرمایا گیا ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خاص کر اس قوم کو جس نے اپنے دشمنوں کی اذیٰ اور تکلیفوں پر صبر کیا اور درگزر سے کام لیا انہیں نیک بدلہ دے [ابن عامر شامی' قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''لنجزی'' ہے جب کہ یزید کی قراءت میں ''لِیُجْزٰی قوما'' (یا مضموم اور فعل مجہول ہے) ''اَیْ لیُجزی الخیر قوما'' یعنی تاکہ قوم کو جزائے خیر عطا کی جائے' پھر ''الخیر'' کو مضمر کردیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد ''حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ O'' (ص:۳۲) میں ''شمس'' کو مضمر کیا گیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ''اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ'' (ص:۳۱) شمس (سورج) کے چھپ جانے پر دلیل ہے اور ''لِیُجزی الجزآء قوما'' تقدیر عبارت جائز نہیں کیونکہ مصدر فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا اور ''معك'' مفعول صحیح ہے لیکن رہا دوسرے مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنا تو یہ جائز ہے اور تم کہتے ہو: ''جزاك الله خیرًا''] ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ وہ جس قدر نیک کام کرتے رہے تھے۔

١٥- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو ہوگا اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا یعنی اجر وثواب بھی اسی پر ہوگا اور عذاب وعقاب بھی اسی پر ہوگا ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی اس کی جزاء کی طرف۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۷ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں پاک چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا اور ہم نے انہیں ان کے زمانہ والوں پر فضیلت عطا فرمائی O اور ہم نے انہیں اس دین کے بارے میں روشن دلیلیں عطا فرمادیں' سوانہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس علم آ جانے کے بعد' محض باہمی بغاوت وحسد کی وجہ سے' بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O پھر ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا' سو آپ اسی کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو کچھ نہیں جانتے O

## اللہ تعالیٰ کے انعامات پر بنی اسرائیل کی ناشکری کا بیان

۱۶- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (یعنی) تورات عطا فرمائی ﴿وَالْحُكْمَ﴾ اور حکمت ودانائی اور دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان مقدمات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت وصلاحیت کیونکہ ان میں بادشاہ بھی ہوئے ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان میں انبیائے کرام علیہم السلام کثرت سے تشریف لائے تھے ﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور ہم نے پاکیزہ چیزوں میں سے ان کو رزق عطا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان چیزوں کو حلال کیا جو رزقوں میں سے پاک تھیں ﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی (یعنی) ان کے زمانہ کے جہان والوں پر انہیں فضیلت وبرتری عطا کی گئی تھی۔

۱۷- ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ اور ہم نے ان کو دین کے معاملے میں روشن دلائل اور معجزات عطا کیے تھے ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْٓا﴾ سوانہوں نے اختلاف نہیں کیا (یعنی) سو ان کے درمیان دین کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا محض باہمی بغاوت وسرکشی کی وجہ سے یعنی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس وہ چیز آ چکی تھی جو اختلاف کے زائل وختم کرنے کا سبب اور موجب تھی اور وہ علم ہے اور بے شک انہوں نے صرف اس بغاوت وسرکشی کے سبب اختلاف کیا تھا جو ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پیدا ہو گیا تھا یعنی عداوت ودشمنی اور حسد کی وجہ سے ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے' بعض اہل علم نے

فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حسد و بغض اور ریاست و چودھراہٹ کی طلب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر (احکام) اور نواہی (ممنوعات) میں اختلاف پیدا ہونا مراد ہے' جہالت' بے علمی اور نادانی کی وجہ سے نہیں جس کے ساتھ انسان معذور سمجھا جاتا ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پیروی کرنے اور ظالموں کی مذمت کا بیان

۱۸ - ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ پھر (اے محبوب!) ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا (یعنی) پھر اہل کتاب کے اختلاف کے بعد ہم نے آپ کو اس دین کے راستے اور طریقے پر گامزن کر دیا ﴿فَاتَّبِعْهَا﴾ سو آپ اپنی اس شریعت کی پیروی کیجئے جو دلائل و براھین سے ثابت ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو بے علم و جاہل ہیں (یعنی) اور آپ جاہلوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جن پر کوئی دلیل و حجت پیش نہیں کی جا سکتی اور نہ ان کے دین و مذہب کی پیروی کیجئے' جو خواہش نفسانی اور بدعت پر مبنی ہے اور وہ قریش مکہ کے سردار مراد ہیں جنہوں نے ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جایئے۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۱۰/۱۸

بے شک وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے' اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست ہے O یہ لوگوں کے لیے روشن دلیلیں ہیں اور ان لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے جو یقین رکھتے ہیں O کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' کہ ہم ان کی زندگی اور موت برابر کر دیں گے' وہ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں O

۱۹ - ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ (یعنی) بے شک یہ کفار و مشرکین مکہ ﴿لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست و حامی ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست اور کارساز و حامی ہے اور یہ پرہیز گار اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب ہیں اور دونوں دوستیوں کے درمیان فضیلت و برتری میں کتنا واضح فرق ہے۔

۲۰ - ﴿هٰذَا﴾ یہ قرآن مجید ﴿بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل ہیں۔ اس قرآن مجید میں دین اسلام کے اصول اور احکام کو دلوں میں روحانی بصیرتوں اور فراستوں کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' جس طرح اس (قرآن) کو روح اور حیات قرار دیا گیا ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور یہ قرآن گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور یہ عذاب سے نجات و رحمت ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور

مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں۔

۲۱۔ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ﴾ کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا انہوں نے گمان کر رکھا ہے (یعنی) جنہوں نے گناہوں اور کفر وشرک کا ارتکاب کیا ہے اور اسی سے ''جوارح'' ماخوذ ہے (کہ اعضاء بھی کاروبار اور کام وغیرہ کرتے ہیں) اور کہا جاتا ہے: ''فلان جارحۃ اھلہ'' یعنی ''کاسبھم'' وہ سب کام کرنے والے ہیں (اس لیے ''اجترحوا السیئات'' کا معنی ہوا کہ انہوں نے گناہوں کو کمایا) [''ام'' منقطعہ ہے اور ہمزہ ''حسبان'' وگمان کے انکار کے لیے واقع ہوا] ﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کہ ہم ان کو لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک عمل کیے [''ان نجعلھم'' بہ معنی ''ان نصیّرھم'' کے ہے اور یہ اس ''جعل'' سے ماخوذ ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے سوان دونوں میں سے پہلا مفعول ''ھم'' ضمیر ہے اور دوسرا مفعول ''کالذین امنوا وعملوا الصالحات'' میں کاف جار تشبیہ ہے] ﴿سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہو جائیں گی اور اس کا معنی دونوں گروہوں کی زندگی اور موت کی مساوات کا انکار ہے یعنی بُروں اور نیکوں کی نہ تو زندگی برابر ہوگی ہے اور نہ ان دونوں کی موت برابر ہوتی ہے اس لیے کہ ان کی زندگی کے احوال مختلف ہیں کیونکہ نیکوں کی زندگی عبادات واطاعات کو قائم رکھنے میں گزرتی ہے جب کہ بُروں کی زندگی گناہوں کے ارتکاب میں گزرتی ہے اور ان کی موت بھی مختلف طریقے پر ہوتی ہے کیونکہ نیکوں کی موت رحمت ومغفرت اور عزت وکرامت کی خوش خبری پر مشتمل ہوتی ہے اور جب کہ بُروں کی موت رحمت سے مایوسی اور ندامت وحسرت پر ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں گروہ موت میں مساوی اور برابر نہیں ہوں گے جیسا کہ وہ زندگی میں رزق اور صحت کے اعتبار سے مساوی اور برابر نہیں ہیں۔

(۱) حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ جب دوران تلاوت اس آیت مبارکہ تک پہنچے تو اس کو پڑھ کر رونے لگ گئے اور صبح تک اس کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے (۲) اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس آیت کریمہ تک پہنچے تو اس کو بار بار دہرا کر پڑھتے رہے اور روتے رہے اور اپنے آپ کو کہتے رہے: اے فضیل! کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تو دونوں گروہوں میں سے کس گروہ سے ہے [اور یہ ''سوآء محیاھم ومماتھم'' وہ جملہ ہے جو کاف تشبیہ سے بدل واقع ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ جملہ دوسرا مفعول واقع ہو رہا ہے سو یہ مفرد کے حکم میں ہے اور ''سوآءً'' علی کسائی حمزہ کوفی اور امام حفص کی قراءت میں ''نجعلھم'' کی ضمیر سے حال ہونے پر منصوب ہے اور ''محیاھم ومماتھم سوآء'' کے ساتھ مرفوع ہیں اور قاری اعمش نے ''ومماتھم'' کو منصوب پڑھا ہے۔ ''محیاھم ومماتھم'' دونوں کو مقدم الحاج کی طرح ظرف قرار دیا گیا ہے ''ای سوآء فی محیاھم وفی مماتھم'' یعنی وہ اپنی زندگی میں اور اپنی موت میں برابر ہیں] ﴿سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے گمان کر رکھا ہے کہ بے شک وہ مسلمانوں کی طرح ہیں سو جسے موافقت کی بساط پر بٹھایا گیا ہو وہ اس کی طرح نہیں ہو سکتا جسے مخالفت کے مقام میں بٹھایا گیا ہو بلکہ ہم ان کے درمیان فرق کریں گے سو ہم مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر سر بلند کر دیں گے اور ہم کافروں کو ذلیل ورسوا کریں گے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ

عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ
اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تا کہ ہر جان کو اس کی کمائی پر بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گاO سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' سو اب اللہ تعالیٰ کے بعد اس کو کون ہدایت دے گا' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتےO اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ' اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں' وہ صرف گمان کرتے ہیںO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کفار کی گمراہیوں کا بیان

۲۲- ﴿ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا تا کہ یہ تخلیق اس کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرے ﴿ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ اور تا کہ ہر جان کو اس پر بدلہ دیا جائے جو کچھ (نیک و بد) اس نے کمایا ہے [یہ اس معلل محذوف ''لیدل علی قدرته'' پر معطوف ہے] ﴿ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم و ستم ہرگز نہیں کیا جائے گا۔

۲۳- ﴿ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا یعنی وہ نفس کی خواہش کا مطیع و فرماں بردار بن چکا ہے وہ اس کی پیروی کرتا ہے جس کی اسے نفس دعوت دیتا ہے' سو گویا وہ اس کی عبادت و پرستش کرتا ہے جس طرح ایک آدمی اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے ﴿ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اس کو گمراہی پر ڈال دیا' اس لیے کہ اس شخص نے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا' یا اللہ تعالیٰ نے اس شخص میں گمراہی کا فعل پیدا کر دیا' اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ شخص اسی گمراہی کو اختیار کرے گا ﴿ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر مہر لگا دی' سو اب وہ وعظ و نصیحت کو قبول نہیں کرے گا ﴿ وَقَلْبِهٖ ﴾ اور اس کے دل پر مہر لگا دی' سو اب وہ حق کی تصدیق و تائید نہیں کرے گا ﴿ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' سو اب وہ عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر ''غَشْوَةً'' ہے] ﴿ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا (یعنی) اس کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد کون ہدایت دے گا ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے' پس اصل بُرائی خواہش کی پیروی کرنا ہے اور ساری خیر و بھلائی اس کی مخالفت میں ہے' سو کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اذا طلبتك النفسُ یومًا بشهوةٍ — وكان الیها للخلاف طریق
فدعها و خالف ما هویت فانما — هواك عدوٌّ و الخلافُ صدیق

''جب کسی دن تجھ سے تیرا نفس شہوت طلب کرے اور اس کی مخالفت کے لیے کوئی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دے اور تو اپنی خواہش نفسانی کی مخالفت کر' سو بے شک تیری خواہش تیری دشمن ہے اور اس کی مخالفت کی راہ تیری دوست ہے''۔

[قاری حفص' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے]۔

۲۴۔ ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ﴾ اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں یعنی اور کوئی زندگی نہیں ہے کیونکہ کفار عرب سے مرنے کے بعد دوسری زندگی کا وعدہ کیا گیا تھا' اس لیے انہوں نے کہا کہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ﴿إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ ماسوا ہماری دنیاوی زندگی کے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں (یعنی) ہم تو مرجاتے ہیں اور ہماری اولاد زندہ رہتی ہے یا یہ کہ بعض لوگ مرجاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ہم اپنے باپوں کی پشتوں میں نطفہ کی صورت میں مردہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد (روح پڑنے پر) ہم زندہ ہو جاتے ہیں یا یہ کہ ہمیں دونوں چیزیں پہنچتی ہیں موت بھی اور حیات بھی' ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا میں حیات وزندگی ملتی ہے اور اس کے بعد موت ملتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ کلام ان لوگوں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں یعنی ایک آدمی مرجاتا ہے' پھر اس کی روح کو کسی مردہ جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے' پس وہ مردہ جسم اس روح کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے۔ قریش مکہ اور دیگر کفار یہ گمان کرتے تھے کہ دنوں اور راتوں کے گزرنے سے بننے والا زمانہ ہی نفوس میں مؤثر ہوتا ہے اور وہ لوگ ملک الموت کا انکار کرتے تھے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت کے ارواح کو قبضے میں کرنے کے منکر تھے اور وہ لوگ ہر نئے پیدا ہونے والے حادثے کو دھر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کے بہت سے اشعار زمانے کی شکایت پر ناطق وشاہد ہیں اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ ''لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ'' (بخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۱' مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۶) تم زمانے کو گالیاں نہ دیا کرو' سو بے شک اللہ تعالیٰ ہی (خالق) دھر ہے یعنی پس اللہ تعالیٰ ہی حوادثات کو لانے والا ہے' زمانہ نہیں ﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں وہ تو نہیں مگر گمان کرتے ہیں (یعنی) اور وہ لوگ یہ بات علم اور یقین کی بناء پر نہیں کہتے بلکہ وہ ظن وگمان اور قیاس وانداز ے سے کہتے ہیں۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَا
إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا
رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۵ ۱۹

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی کوئی حجت ودلیل نہیں تھی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے کر آؤ اگر تم سچے ہوO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی عطا کرتا ہے' پھر وہی تمہیں مارے گا' پھر وہی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO

۲۵۔ ﴿وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتیں یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا جس میں وہ آیتیں پڑھ کر انہیں سنائی جاتیں جن میں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کا ذکر ہوتا ﴿مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ﴾ تو ان کے پاس کوئی حجت ودلیل نہیں ہوتی تھی' اور ان کے قول کو ''حجت'' کہا گیا ہے حالانکہ وہ حجت نہیں تھا اس

لیے کہ ان کے اپنے گمان میں ان کا قول حجت ہوتا تھا ﴿ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ یعنی ان کو زندہ کرو ﴿ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملنے کے دعویٰ میں سچے ہو [''حُجَّتَهُمْ''، ''كَانَ'' کی خبر ہے اور اس کا اسم ''أَنْ قَالُوْا'' ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی حجت نہیں تھی مگر ان کا صرف یہ کہنا تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ اور ''حجتهم'' کو اس بناء پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے کہ یہ ''كَانَ'' کا اسم اور ''أَنْ قَالُوْا'' خبر ہے]۔

۲۶۔ ﴿ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں زندگی عطا کرتا ہے ﴿ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ﴾ پھر وہی اس دنیا میں تمہاری عمروں کے اختتام کے وقت تمہیں مارے گا ﴿ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا یعنی وہ تم سب کو قیامت کے دن اٹھائے گا اور جو اس پر قادر ہے وہ تمہارے باپ دادا کو لانے پر بھی ضرور قادر ہے ﴿ لَا رَيْبَ فِيهِ ﴾ اس میں یعنی قیامت کے دن سب کو جمع کرنے میں کوئی شک نہیں ﴿ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ مُردوں کو اٹھانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض و روگردانی کرتے ہیں۔

| |
|---|
| وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ |
| وَتَرٰى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعٰى إِلٰى كِتٰبِهَا ۗ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ |
| تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ |
| فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ |
| الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾ |

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے' اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل نقصان اٹھائیں گے O اور آپ ہر گروہ کو زانوؤں کے بل گرنے والا دیکھیں گے' ہر گروہ کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' (اور کہا جائے گا کہ) آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے O یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تم پر حق بیان کرتا ہے' بے شک ہم لکھتے رہتے تھے جو کچھ تم عمل کرتے تھے O سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا' یہی واضح کامیابی ہے O

## قیامت کے احوال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان

۲۷۔ ﴿ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن باطل پرست نقصان اٹھائیں گے [''يَوْمَ تَقُوْمُ'' میں نصب کا عامل ''يَخْسَرُ'' ہے اور ''يَوْمَئِذٍ''، ''يَوْمَ تَقُوْمُ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۲۸۔ ﴿ وَتَرٰى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ﴾ اور آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرنے والا دیکھیں گے (یعنی) گھٹنوں کے بل پر

بیٹھنے والا' چنانچہ "جثا فلان یجثو" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے دونوں زانوؤں پر بیٹھا ہو اور بعض کا قول ہے:
"جاثية" بہ معنی "مجتمعة" ہے ﴿كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا﴾ ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی (یعنی) اپنے
اعمال کے صحیفوں کی طرف بلائی جائے گی' سو اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے' پھر ان سے کہا جائے گا کہ ﴿الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ﴾ آج تمہیں تمہارے ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے ["كُلُّ أُمَّةٍ" مبتداء ہونے کی بناء پر
مرفوع ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں پہلے "كُلَّ أُمَّةٍ" سے بدل قرار دینے کی بناء پر مفتوح ہے]۔

۲۹- ﴿هَٰذَا كِتَابُنَا﴾ یہ (اعمال نامہ) ہمارا لکھا ہوا ہے "الی کتابها" میں کتاب کی اضافت و نسبت امت کی طرف کی
گئی ہے اس لیے کہ کتاب کا ان کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ ان کے اعمال اس میں درج ہیں اور اس آیت کریمہ میں کتاب کی
اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے اور اپنے فرشتوں کو حکم دینے والا ہے کہ وہ اس
کے بندوں کے اعمال اس میں لکھ لیا کریں ﴿يَنطِقُ عَلَيْكُم﴾ وہ تم پر بیان کرتی ہے کہ دنیا میں تم نے جو اعمال کیے ان کی تم پر
گواہی دیتی ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ بے شک تم جو کچھ اعمال
کرتے تھے ہم وہ سب کچھ لکھ لیا کرتے تھے (یعنی) ہم فرشتوں سے تمہارے اعمال لکھوا لیا کرتے اور بعض نے کہا کہ
"نسخت" اور "استنسخت" کا ایک معنی ہے اور یہ کتاب سے نقل کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ثبت اور درج
کر لیتے ہیں۔

۳۰- ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے
نیک عمل کیے تو ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں یعنی اپنی جنت میں داخل فرمائے گا ﴿ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ﴾ یہی بڑی
واضح کامیابی ہے۔

| |
|---|
| وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنتُمْ قَوْمًا |
| مُّجْرِمِينَ ۝٣١ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي |
| مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ۝٣٢ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا |
| عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٣٣ |

اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا' (ان سے کہا جائے گا:) تو کیا تم پر ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں' سو تم نے
تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے○ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو
تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' ہم تو صرف گمان کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں○ اور انہوں
نے جو عمل کیے تھے ان کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے
تھے○

۳۱- ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ
عَلَيْكُمْ﴾ تو کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ "(ا) لم یأتکم رسلی (فلم تکن ایاتی تتلی

علیکم) ''کیا تمہارے پاس میرے رسول تشریف نہیں لائے تھے پس تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں [پھر معطوف علیہ کو حذف کر دیا گیا] ﴿فَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ پھر تم نے ان (آیات) پر ایمان لانے سے تکبر وغرور کیا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور تم جرم وگناہ کرنے والی قوم تھے (یعنی) تم کفار تھے۔

۳۲- ﴿وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک جزاء اور سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور برحق ہے ﴿وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [''الساعة'' رفع (پیش) کے ساتھ ''اِنَّ'' کے محل پر معطوف ہے اور اس کا اسم ہے اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''والساعة'' فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور ''وعد اللّٰه'' پر معطوف ہے] ﴿قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ﴾ تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' اور ''ما الساعة'' بہ معنیٰ ''اَیُّ شیء الساعة'' ہے کہ قیامت کیا چیز ہے ﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا﴾ ہم تو محض گمان کرتے ہیں۔ اس کی اصل ''نظنُّ ظنًّا'' ہے اور اس کا معنیٰ ظن وگمان کا اثبات ہے اور بس (یعنی محض گمان کا ثبوت دینا مقصود ہے) [پھر حرف نفی اور حرف استثناء داخل کیا گیا تاکہ ظن وگمان کے ماسوا کی نفی کے ساتھ اس کے اثبات کا فائدہ حاصل کیا جائے اور ظن کے ماسوا کی نفی کی تاکید کے لیے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا اضافہ کیا گیا ہے:] ﴿وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۳- ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ اور ان کے لیے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو انہوں نے کیے تھے (یعنی) ان کفار کے لیے ان کے اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی یا ان کفار کے بُرے اعمال کی سزائیں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ: ۴۰) ''اور بُرائی کی سزا اسی کی مثل بُرائی ہے'' ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور ملے گی۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳۷ ع ۴/۱۱/۲۰

اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر کے (عذاب میں) چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیے رکھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہے ○ یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا' سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا اور ان سے رضا طلب نہیں کی جائے گی ○ سو تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا مالک ہے اور تمام جہانوں کا مالک ہے ○ اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے

اور وہ سب پر غالب ہے (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے ○

٣٤- ﴿ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا یعنی ہم تمہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے ملنے کی تیاری کو چھوڑ دیا تھا اور وہ تیاری اللہ تعالیٰ کی عبادت در یاضت اور اطاعت وفرماں برداری کرنا ہے یعنی تم نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور اس کی طرف سے جزاء کے ملنے کو بھلا دیا تھا [''لقاء'' کی ''یوم'' کی طرف اضافت اس طرح ہے جس طرح درج ذیل ارشاد میں ''مکر'' کی اضافت ہے: ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سباء:٣٣) ''بلکہ یہ تمہاری رات اور دن کی سازشیں تھیں''] ﴿ وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ ﴾ اور تمہارا ٹھکانا یعنی تمہاری منزل در ہائش گاہ دوزخ کی آگ ہے ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

٣٥- ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ﴾ اس عذاب کا سبب یہ ہے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا' سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا [ قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''لَا يَخْرُجُوْنَ'' (یا مفتوح اور راء اور جیم مضموم فعل مضارع معروف) ہے ] ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ اور ان سے یہ طلب نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو منالیں یعنی وہ اسے راضی کر لیں۔

٣٦- ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں تمام تعریفیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے' تمام جہانوں کا رب ہے یعنی پس تم اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کرو جو تمہارا رب ہے اور آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں میں سے ہر چیز کا رب ہے' سو اس طرح کی پرورش اور ربوبیت عامہ ہر پلنے والے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کو واجب ولازم کرتی ہے۔

٣٧- ﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین میں بڑائی صرف اسی کے لیے ہے ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ اپنے احکام میں بہت بڑا حکمت والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الاحقاف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پینتیس آیات' چار رکوع ہیں

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞

حٰمٓO یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہےO ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک' اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ہے وہ اس چیز سے روگردانی کررہے ہیں جس سے وہ ڈرائے گئے ہیںO (اے محبوب!) فرمایئے کہ کیا تم نے ان کے بارے میں غور کیا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کے لیے کوئی شرکت ہے' تم اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کا بقیہ میرے پاس لے کر آؤ اگر تم سچے ہوO

## اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور کفار اور ان کے بتوں کی مذمت کا بیان

١ تا ٣- ﴿ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو سب پر غالب ہے (اور) بڑا حکمت والا ہےO ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور حکمت پر مبنی پیدا کیا ﴿ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور مقررہ مدت تک' جس تک پہنچ کر تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں جس دن کی ہولناکی سے ڈرایا گیا ہے (اس سے وہ روگردانی کرتے ہیں)' یہ وہ دن ہے جس کی طرف پہنچ کر ہر مخلوق کی انتہاء ہو جاتی ہے ﴿ مُعْرِضُوْنَ ﴾ وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں' اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کے لیے تیاری کا اہتمام کرتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ "ما" مصدر یہ ہو یعنی ان کو اس دن کے بارے میں ڈرانے سے]۔

٤- ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ ﴾ اے محبوب! فرمایئے کہ کیا تم نے دیکھا ہے (یعنی) مجھے خبر دو اور بتاؤ کہ ﴿ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو "ای تعبدونہ من الاصنام" یعنی بتوں میں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ انہوں نے زمین میں سے کیا چیز پیدا کی ہے یعنی اگر وہ بت معبود ہیں تو انہوں نے جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے ﴿ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ یا ان کے لیے آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شرکت ہے ﴿ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ ﴾ تم میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یعنی اس کتاب سے پہلے اور وہ قرآن مجید ہے یعنی بے شک یہ کتاب یعنی قرآن مجید توحید کو بیان کرتا ہے اور شرک کی تردید کرتا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی مگر وہ بھی اسی طرح بیان کرتی تھی' سو تم اس سے پہلے کی نازل شدہ کوئی ایک کتاب لاؤ تاکہ غیر اللہ کی عبادت کے جس طریقے پر تم قائم ہو وہ اس کے صحیح ہونے کی گواہی دے ﴿ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ یا پہلے لوگوں کے علوم میں سے تمہارے پاس کوئی بچا کھچا علم رہ گیا ہے تو اسے لاؤ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم سچے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

| |
|---|
| وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ |
| الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً |
| وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥ |

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس سے دعا کرتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کے لیے قبول نہیں کرے گا اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں O اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور وہ ان کی عبادت سے منکر ہو جائیں گے O

٥- ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور ان سے بڑھ کر زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے دعا کرتے ہیں جو انہیں قیامت کے دن تک جواب نہیں دیں گے اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں یعنی ہمیشہ کے لیے۔

٦- ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً﴾ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے ﴿وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے' وہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا تھا اور ''مَنْ اَضَلُّ'' میں استفہام کا معنی انکار اور نفی ہے کہ بت پرستوں سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ گمراہ نہیں ہے بلکہ بت پرست سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں کیونکہ انہوں نے ہر چیز پر قادر اور ہر ایک کی دعا سننے والے اور قبول کرنے والے خدا سے دعا کرنا چھوڑ دیا اور اس کے علاوہ بے جان بتوں سے دعا کرنے لگ گئے' جو ہمیشہ رہتی دنیا تک اور قیامت کے قائم ہونے تک نہ ان کی دعا سنتے ہیں اور نہ ان میں سے کسی کی دعا قبول کرنے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی اور تمام لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے' پس ان کے بت دونوں جہاں میں ان کے لیے صرف باعث ضرر و نقصان ثابت ہوں گے اور ان کے باطل معبود بتوں نے دنیا میں ان کی دعائیں اور فریادیں قبول نہ کر کے ان کی کوئی مدد نہیں کی اور آخرت میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور جب ان کی طرف استجابت و غفلت کی نسبت کی گئی جو کہ اہل علم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو ان کے لیے ''مَنْ'' اور ''هُمْ'' کہا گیا اور محض ان کا اور ان کی عبادت کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو ترک استجابت اور غفلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ''اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ'' (فاطر:١٤) ''اگر تم ان کو بلاؤ تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر (بفرض محال) وہ سن لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے''۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞٨ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٩

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے متعلق کہتے ہیں جب وہ ان کے پاس آ چکا کہ یہ کھلم کھلا جادو ہے○ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے' وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول رہتے ہو' میرے درمیان اور تمہارے درمیان وہی گواہی دینے کو کافی ہے' اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اور میں تو پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈر سنانے والا○

## قرآن مجید کی حقانیت اور کفار کی مذمت کا بیان

۷- ﴿ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتیں۔ "بَیِّنَات"، "بَیِّنَة" کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: حجت و دلیل اور گواہ یا (حق و باطل اور حلال و حرام کو) واضح طور پر بیان کرنے والیں ﴿ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ ﴾ تو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہاں "حق" سے آیات مراد ہیں اور "الذین کفروا" سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں' پس دونوں ظاہر اسموں کو دو ضمیروں کی جگہ پر رکھا گیا ہے تاکہ منکرین پر کفر کی اور تلاوت کردہ آیاتِ الٰہیہ پر حق ہونے کی مہر لگا دی جائے ﴿ لَمَّا جَآءَهُمْ ﴾ جب وہ (حق) ان کے پاس آیا یعنی جس وقت حق سچ پر مبنی قرآن مجید ان کے پاس آیا تو اس کے آتے ہی انہوں نے اس کا انکار کے ساتھ سامنا کیا اور پہلی دفعہ سنتے ہی انہوں نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کے انکار کر دیا ﴿ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ یہ کھلا جادو ہے جس کا جادو اور باطل ہونا بالکل ظاہر ہے' اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

۸- ﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ اس میں کفار کی طرف سے آیات قرآنی کو جادو کہنے کے ذکر سے ان کے اس قول کی طرف اعراض ہے کہ محمد (ﷺ) نے اس کو از خود بنا لیا یعنی اس کو خود گھڑ لیا' پھر اس جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی اور اس میں ضمیر "حق" کی طرف لوٹتی ہے اور حق سے قرآن مجید کی آیات مراد ہیں ﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے ہو یعنی اگر بفرضِ محال میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بہتان تراشنے کی وجہ سے مجھے سزا دے تو تم مجھے سزا دینے سے اس کو روکنے اور میرا دفاع کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتے ہو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ دور کر سکتے ہو' سو میں اسے کیسے گھڑوں گا اور میں اس کے عذاب کے لیے اپنے آپ کو کیونکر پیش کروں گا ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ﴾ وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول ہوتے ہو یعنی تمہاری ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو وحی الٰہی میں جرح و قدح کرتے ہو اور اس کی آیات میں زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور کبھی ان کو جادو اور کبھی ان کو جھوٹ و افتراء کہتے ہو ﴿ كَفٰی بِهٖ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ﴾ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے' وہی میری سچائی اور میری تبلیغ حق کی گواہی دے گا اور تمہارے جھوٹ اور انکار کی گواہی دے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم اور گواہی کے ذکر کرنے کا مطلب حق کے خلاف زبان درازی میں ان کے مشغول ہونے پر عذاب و عقاب اور سزا کی وعید (دھمکی دینا) ہے ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ اور وہ بہت مغفرت و بخشش کرنے والا ہے' بے حد مہربان ہے (یعنی) اگر کفار اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور وہ ایمان لے آئیں تو ان کے لیے

مغفرت ورحمت کا وعدہ ہے۔

٩۔ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں یعنی میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں' جس طرح ''خِفّ'' بہ معنی ''خَفِيف'' آتا ہے' اسی طرح ''بِدْعًا'' بہ معنی ''بَدِيعًا'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں کہ تم میری نبوت کا انکار کردو ﴿وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ اور میں ازخود (اپنے آپ) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی میں نہیں جانتا کہ آئندہ مستقبل کے زمانہ میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا[1]

حضرت امام کلبی تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان' مشرکین مکہ کے ظلم وستم اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ گئے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اس حال پر کب

---

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ میں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے' اور درایت کا معنی ہے: کسی چیز کو انگل پچو سے اور حیلہ سے یا قیاس سے جاننا' اسی لیے ہم نے اس کا معنی کیا ہے: میں ازخود نہیں جانتا' اور کتب لغت سے اس پر حسب ذیل شواہد ہیں:

• دری: حیلہ سے جاننا۔ (المنجد اُردو ص ۳۲۱)

دری: وہ معرفت جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۴)

دری: کسی قسم کے حیلہ سے جاننا۔ (القاموس ص ۱۲۸۲)

کسی چیز کو قیاس سے اور حیلہ سے جاننا درایت ہے اور کسی چیز کو مطلقاً جاننا علم ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' سورۂ لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علم کی بجائے درایت کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ درایت میں کسی چیز کو حیلہ سے جاننے کا معنی ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اب ہمارے جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر ازخود نہیں جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ اور آپ کے متبعین کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں آپ سے درایت کی نفی کرائی ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں ازخود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور اس آیت میں آپ سے علم کی نفی نہیں کرائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو علم تھا کہ آپ آخرت میں مقامِ محمود پر فائز ہوں گے' آپ کو شفاعتِ کبریٰ عطا کی جائے گی' سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے ہم جیسے لاتعداد گناہ گار جنت میں داخل ہوں گے اور کفار میدانِ حشر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار سے محروم ہوں گے' ان کے چہرے سیاہ اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور بالآخر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' لہٰذا اس آیت میں درایت کی نفی ہے یعنی آپ اپنا اور کفار کا آخرت میں انجام ازخود نہیں جانتے تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے متبعین جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں اور آپ کا جو بھی علم تھا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا ازخود نہیں تھا اور یہی جواب حضرت ام العلاء کی حدیث کا بھی ہے' جس میں آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ازخود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس حدیث میں بھی آپ نے ''مَا اَدْرِیْ'' فرمایا ہے ''مَا اَعْلَمُ'' نہیں فرمایا' اور آپ نے درایت کی نفی کی ہے علم کی نفی نہیں کی۔

اور اگر بالفرض اس آیت میں اور اس حدیث میں درایت سے مراد علم ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ آپ نے درایت کی نفی سے آخرت سے تفصیلی علم کی نفی کی ہے علم اجمالی کی نفی نہیں کی یعنی آپ کو اجمالی طور پر معلوم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا' لیکن تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آخرت میں جنت میں آپ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک رہیں گے؟ سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ'' میں ازخود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' آیا مجھے مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا جائے گا یا مجھے اس سرزمین کی طرف ہجرت کر کے چلے جانے کا حکم دیا جائے گا جسے اٹھا کر میرے سامنے کیا گیا اور میں نے اس کو دیکھا یعنی خواب میں کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور آپ کے متبعین کے کیا مقامات ہوں گے اور کتنے درجات ہوں گے اور کفار آخرت میں دوزخ کے کون کون سے طبقات میں ہوں گے اور بعد میں آپ کو ان چیزوں کا تفصیلی علم دے دیا گیا' جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث شاہد ہیں' علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ٩٨٦ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حدیث ام العلاء میں) فرمایا: ''واللّٰہ ما ادری وانا رسول اللّٰہ'' اس میں درایت تفصیلیہ کی نفی کی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت ہو چکی ہے اور آپ کے وہ مقامات ہیں جو کسی اور کے نہیں ہیں (الیٰ قولہ) یا یہ حدیث ''لیغفر لک اللّٰہ'' سے منسوخ ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ٤ ص ١٧٤۔١٧٥' مکتبہ دار الایمان' مدینہ منورہ' ١٤١٥ھ)

علامہ حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ٧٢٨ھ لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل نہیں تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل تھی تو آپ نے اس وقت اس درایت کی نفی کی تھی جو آپ کو ازخود اپنی عقل سے حاصل ہو اور آپ نے اس درایت کی نفی نہیں کی تھی جو آپ کو وحی سے حاصل ہوئی ہو۔ (غرائب القرآن جز ٢٦ ص ١١٨' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ٥٣٨ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''ما ادری'' میں درایت مفصلہ کی نفی کی گئی ہو۔

(الکشاف ج ٤ ص ٣٠٢' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کو میں اختیار کرتا ہوں' وہ یہ ہے کہ اس آیت سے درایت کی نفی کرنا مراد ہے جو بغیر وحی کے ہو (میں ازخود نہیں جانتا)' عام ازیں کہ وہ درایت تفصیلی ہو یا اجمالی ہو اور خواہ اس کا تعلق دنیاوی اُمور سے ہو یا اُخروی امور سے ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور تمام شانوں کا علم دے دیا گیا' اور جن چیزوں کے علم کو کمال قرار دیا جاتا ہے ان تمام چیزوں کا علم آپ کو دے دیا گیا اور آپ کو اتنا علم دے دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں میں کسی کو اتنا علم نہیں دیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ دنیا کے بعض جزوی حوادث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے علم کا کمال نہیں رہے گا' مثلاً یہ کہ زید آج اپنے گھر میں کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرے گا اور میں کسی قائل کے اس قول کو اچھا نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ غیب کو جانتے ہیں اس کو اس کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع (آگاہ) فرما دیا ہے یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کہنی چاہیے۔

(تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ١٦۔١٧' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

حضرت ام العلاء کی حدیث کا علامہ آلوسی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ''ما ادری ما یفعل بی'' فرمانا اس آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی ''لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح:٢)۔

(روح المعانی جز ٢٦ ص ١٦' دار الفکر' بیروت)

علامہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ کا ''مَا اَدْرِیْ'' فرمانا سورۃ الاحقاف:٩ کے موافق ہے کیونکہ اس میں بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کھجوروں اور درختوں والی سرزمین ہے [اور ''مَا یُفْعَلُ'' میں لفظ ''ما'' ممکن ہے موصولہ منصوبہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استفہامیہ مرفوعہ ہو اور ''وَلَا بِکُمْ'' میں حرف ''لا'' باوجودیکہ ''یفعل'' مثبت ہے منفی نہیں' صرف اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''مَا اَدْرِیْ'' میں حرف ''ما'' نفی کے معنی پر مشتمل ہے اور حرف ''ما'' اس کے حیز میں ہے] ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور میں پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿١٠﴾ ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿١١﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم نے غور سے دیکھا کہ اگر وہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دے دی ہے' پس وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا' بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ اور کافروں نے مسلمانوں کے بارے میں کہا: اگر وہ (اسلام) بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور جب انہوں نے اس کی ہدایت نہیں پائی تو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے ○

١٠- ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی دی' وہ جمہور کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ مدنی ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن سلام کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ ابن سلام نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زیارت کی اور آپ کے چہرۂ اقدس کو غور سے دیکھا تو جان لیا کہ ایسا چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا' چنانچہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال ایسے کرتا ہوں کہ جن کو صرف نبی جان سکتا ہے (١) قیامت کے قائم ہونے کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے (٢) اہل جنت جو سب سے پہلا کھانا کھائیں گے وہ کیا ہوگا (٣) اولاد شکل وصورت میں باپ کی طرف مائل ہوتی ہے یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ'' ہے اور یہ واقعہ ''لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح:٢) سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحقاف مکی ہے اور سورۃ الفتح بالاتفاق مدنی ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا' اس کے علاوہ اور صریح احادیث ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے اخروی احوال اور مقامات کا علم تھا' سو جن احادیث میں آپ کے اخروی علم کا ثبوت ہے وہ آپ کے علم اجمالی پر محمول ہیں اور جن آیات اور احادیث میں آپ کے علم اخروی کی نفی ہے وہ علم محیط اور علم تفصیلی پر محمول ہیں۔

(فتح الباری ج ٣ ص ٤٥٢' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ' ماخوذ باختصار از تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٥١ تا ٥٣' فرید بک سٹال' لاہور)

ماں کی طرف، سو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور لیکن رہا پہلا کھانا جسے اہل جنت کھائیں گے تو وہ مچھلی کا جگر ہوگا اور لیکن رہا اولاد کا معاملہ تو جماع کے وقت اگر مرد کا پانی غالب آ جائے تو شکل وصورت میں باپ کی طرح ہوتی ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت کر کے غالب آ جائے تو پھر شکل وصورت میں ماں کی طرح ہوتی ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن سلام نے یہ سن کر فوراً پڑھا: ''اَشْھَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں ﴿عَلٰی مِثْلِهٖ﴾ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے یعنی معنی میں قرآن مجید کی مثل پر اور یہ تورات شریف کے وہ معانی مراد ہیں جو قرآن مجید کے معانی کے مطابق وموافق ہیں جیسے توحید و رسالت اور وعد اور وعید وغیرہ کا بیان اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اس کی مثل پر گواہی دے دی ہے یعنی اس بات کی کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿فَاٰمَنَ﴾ اور وہ گواہ اس پر ایمان لے آیا ﴿وَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ اور تم نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا [شرط کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(ان کان) القرآن (من عند اللّٰہ و کفرتم بہ) الستم ظالمین'' اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا تو کیا تم ظالم نہیں ٹھہرو گے اور اس محذوف پر (درج ذیل کلام) دلالت کرتا ہے] ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا [پہلی واؤ ''کفرتم بہ'' کو فعل شرط پر عطف کرنے کے لیے ہے اور اسی طرح اخیری واؤ ''شھد شاھد'' پر ''استکبرتم'' کا عطف کرنے کے لیے ہے اور ''وَشَھِدَ شَاھِدٌ'' میں جو واؤ ہے یہ ''شَھِدَ شاھد من بنی اسرائیل علٰی مثلہ فاٰمن واستکبرتم'' جملے کا ''کان من عند اللّٰہ و کفرتم بہ'' کے جملے پر عطف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان کفار سے فرما دیجئے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس سے تمہارے کفر کے ساتھ جمع ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بڑے عالم کی اس کی مثل کے نزول پر گواہی دینا اور اس پر اس کا ایمان لانا اس سے تمہارے تکبر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کے ساتھ جمع ہو گیا تو کیا تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بڑھ کر گمراہ اور ظالم نہیں ٹھہرو گے؟

١١ - ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا یعنی ان کی وجہ سے کہا اور وہ کفار مکہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ عام لوگ جو (سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں وہ گھٹیا لوگ ہیں ان کی مراد فقیر وغریب مسلمان تھے جیسے حضرت عمار حضرت صہیب رومی اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ﴾ اگر وہ خیر و بھلائی ہوتی تو اس کی طرف وہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جو قرآنی تعلیمات لے کر تشریف لائے ہیں اگر وہ خیر و بھلائی پر مبنی ہوتیں تو یہ لوگ (صحابۂ کرام) ان کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے ﴿وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ﴾ [''اذ'' میں عامل محذوف ہے کیونکہ اس پر کلام دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(واذ لم یھتدوا بہ) ظھر عنادھم''] اور جب انہوں نے اس سے ہدایت نہ پائی تو ان کا بغض وعناد ظاہر ہو گیا ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ﴾ سو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے اور یہ قول مسبب عنہ ہے اور ان کا ''افك قدیم'' یعنی پرانا جھوٹ کہنا اس طرح ہے جس طرح ان کا ''اساطیر الاولین'' (الانعام: ٢٥) کہنا ہے کہ یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا
لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی' اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے تا کہ ظالموں کو ڈرسنائے اور نیکوں کے لیے بشارت ہو○ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف وڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○ یہی جنت والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ ان اعمال کا انعام ہے جو وہ کیا کرتے تھے○

## تورات وقرآن اور ثابت قدم رہنے والوں کی شان

۱۲- ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ﴾ اور اس سے پہلے یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے ﴿كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب رہبر ورہنما تھی' امام کا معنی ہے: ایسا مقتدا اور پیشوا جس کی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام میں پیروی کی جائے جیسا کہ حاکم وقت کی پیروی کی جاتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے تورات شریف مراد ہے [''كِتَابُ مُوْسٰى'' مبتدا ہے اور ''وَمِنْ قَبْلِهٖ'' ظرف ہے جو کہ اس پر خبر مقدم واقع ہوئی ہے اور یہ ''اِمَامًا'' کا ناصب ہے اور ''اِمَامًا'' حال ہے جیسے ''فِي الدَّارِ زَيْدٌ قَائِمًا'' ہے] ﴿وَّرَحْمَةً ؕ﴾ اور جو شخص اس پر ایمان لایا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا اس کے لیے رحمت تھی ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ﴾ اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید ﴿مُّصَدِّقٌ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی اور ان تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں ﴿لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ فصیح وبلیغ عربی زبان میں ہے [یہ ''مُصَدِّقٌ'' میں کتاب کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے حال ہے اور اس میں عامل ''مُصَدِّقٌ'' ہے یا خود کتاب سے حال ہے کیونکہ یہ صفت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عمل کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''مُصَدِّقٌ'' کا مفعول ہو ''اَيْ يُصَدِّقُ ذَا لِسَانٍ عَرَبِيٍّ وَهُوَ الرَّسُوْلُ'' یعنی عربی زبان والا التصدیق کرتا ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں] ﴿لِّيُنْذِرَ﴾ تا کہ وہ ڈرسنائے یعنی کتاب (قرآن) [ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں ''لتنذر'' ہے] ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ﴾ جن لوگوں نے ظلم وستم کیا (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ﴿وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور نیکوں کاروں کے لیے بشارت ہے (یعنی) فرماں بردار نیک مسلمانوں کے لیے بشارت ہے [''بُشْرٰى'' محلاً منصوب ہے اور یہ ''لِيُنْذِرَ'' کے محل پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس کا مفعول لہ ہے]۔

۱۳- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' پھر وہ ثابت قدم رہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اس کے نبی سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر قائم ودائم رہے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ تو قیامت میں ان پر کوئی خوف وڈر نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ موت کے وقت غمگین و رنجیدہ ہوں گے۔

۱٤۔﴿ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ یہی لوگ جنت کے مالک ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [''خالدین''،''اصحاب الجنۃ'' سے حال ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عامل ہے جس پر''اولئک'' دلالت کرتا ہے]

﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ یہ ان اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے [''جزآء'' مصدر ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے:''ای جوزوا جزآء''یعنی انہیں خوب جزائے خیر دی جائے گی]۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَ
حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ
أَعْمَلَ صٰلِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی' اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف سے ہی جنا' اور اسے پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے' یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے الہام (توفیق) عطا فرما کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کو راسخ فرما' بے شک میں نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں O

## والدین کی شان اور نیک اولاد کی اہمیت وفضیلت

۱۵۔﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی ہے یعنی ہم نے اس کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے [کوفیوں کی قراءت میں''احسانا'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں''حَسَنًا'' ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی والے معاملہ کی وصیت کی یا نیک معاملہ کی وصیت کی' پس یہ''بوالدیہ'' سے بدل کی جگہ واقع ہے اور یہ بدل الاشتمال ہے] ﴿ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ﴾ اس کی ماں نے اسے بڑی مشقت میں پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اسے جنا [اہل حجاز اور ابوعمرو نے (دونوں میں) کاف کو مفتوح یعنی''كَرْهًا'' پڑھا ہے اور یہ (کاف مضموم اور مفتوح) دو لغتیں ہیں' مشقت کے معنی میں ہیں اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی مشقت اٹھانے والی یا یہ مصدر کی صفت ہے یعنی مشقت والا حمل] ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ﴾ اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا (یعنی) اور اس کے حمل کی مدت اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت ﴿ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ تیس مہینے ہیں اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہے کیونکہ رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت جب دو سال ہے' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ''(البقرہ:۲۳۳) تو حمل کے لیے باقی چھ مہینے رہ گئے

اور یہی حضرت قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے [1] اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حمل سے ہاتھوں میں اور گود میں بچے کو اٹھانا مراد ہے (کیونکہ اس مدت میں بچہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتا) [قاری یعقوب کی قراءت میں ''وفصله'' پڑھا گیا ہے اور ''فصل'' اور ''فصال'' وزن اور معنی میں ''فطم'' اور ''فطام'' کی طرح ہیں] ﴿حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا [''اَشُدَّ'' جمع ہے' اس کے لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا اور سیبویہ کہتے تھے کہ اس کا واحد ''شِدَّةٌ'' ہے] اور ''بلوغ الاشد'' یہ ہے کہ درمیانی عمر کو پہنچ جائے (یعنی ادھیڑ عمر کا ہو جائے) اور یہ عمر کا وہ سن ہے جس میں آدمی کی قوت اور عقل مستحکم و مضبوط اور پختہ ہو جاتی ہے اور یہ عمر اس وقت ہوتی ہے جب آدمی تیس سال سے بڑھ جاتا ہے اور چالیس سال کے قریب پہنچ جاتا ہے اور حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ وہ تینتیس سال ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقل و قوت کی تکمیل کا آغاز ہوتا ہے' چالیس سال مکمل ہو جانے پر اس کی تکمیل کی انتہاء ہوتی ہے

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت پیش کی گئی' جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا' آپ نے اس کے متعلق صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت پر کوئی رجم نہیں' کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا'' اس کے حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے' پھر فصال کی مدت کے متعلق فرمایا: ''وفصاله فی عامین'' دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد حمل کے لیے صرف چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

قدیم اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حکیم جالینوس سے منقول ہے کہ میں اس امر کی کھوج میں لگا رہا کہ حمل کی کم سے کم مدت کتنی ہے' یہاں تک کہ میں نے ایک عورت دیکھی جس نے ۱۸۴ دنوں (چھ ماہ اور سولہ دن) میں بچہ جنا۔

جدید تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے یعنی ۱۹۶ دن رحم میں رہنا پڑتا ہے۔ یہ چھ ماہ اور سولہ دن بنتے ہیں۔ دنوں کا شمار اس وقت شروع ہوتا ہے جب عورت حیض سے فارغ ہوتی ہے اور اس طہر کا آغاز ہوتا ہے جس میں حمل قرار پاتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ طہر کے پہلے دنوں میں ہی حمل قرار پا جائے' بلکہ جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ حیض سے ۱۴ دن پہلے دو چار روز کے عرصہ میں عمل تلقیح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سولہ دن کا فرق بھی نہیں رہتا۔ حمل کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے' قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ابو علی سینا نے اپنی مشہور کتاب ''الشفاء'' کے نناویں مقالہ میں لکھا ہے کہ مجھے نہایت باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت کے ہاں حمل کے چوتھے سال بچہ پیدا ہوا' اس کے منہ میں دانت اُگ آئے تھے' پھر وہ زندہ سلامت رہا۔ ارسطا طالیس نے کہا ہے کہ دیگر حیوانات کے لیے تو حمل کی مدت مقرر ہے لیکن انسان کے بارے میں یقینی تحدید مشکل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم نے دودھ پلانے کی تو زیادہ سے زیادہ مدت بیان کی اور حمل کی کم سے کم مدت؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان المقصود من تقدیر اقل الحمل ستة اشهر وتقدیر اکثر الرضاع حولین کاملین السعی فی دفع الضارّ والفواحش وانواع التهمة عن المراة فسبحان من له تحت کل کلمة من هذا الکتاب اسرار عجیبة ونفائس لطیفة تعجز العقول عن الاحاطة بکمالها'' (تفسیر کبیر) ترجمہ: یعنی اس میں حکمت یہ ہے تاکہ عورت سے ہر قسم کی تہمت کا سدّ باب کیا جا سکے' ضرر رسانی اور فحاشی کا قلع قمع ہو سکے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں ہزاروں حکمتیں اور لطیفے ودیعت فرمائے ہیں' جن کے احاطے سے عقل عاجز ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۴۸۵ تا ۴۸۶)

﴿ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ ﴾ اور وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے" اَوْزِعْنِيْ " بہ معنیٰ " اَلْهِمْنِيْ " ہے کہ مجھے الہام فرما اور یہاں نعمت سے توحید الٰہی اور دین اسلام کی نعمت مراد ہے اور بیٹے پر اور اس کے والدین پر نعمت و احسان کے شکر کو اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ اس کے والدین پر احسان خود اسی پر احسان ہے ﴿ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾ اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ عمل صالح سے پنجگانہ نمازیں مراد ہیں ﴿ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ ﴾ اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کرنے کا جذبہ و شوق راسخ فرما یعنی میری اولاد کو نیک کاموں کے وقوع پذیر ہونے کا مرکز اور نیکی کے گمان کی جگہ بنا دے ﴿ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ ﴾ بے شک میں نے ہر گناہ سے توبہ کر کے تیری طرف رجوع کر لیا ہے ﴿ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں (یعنی) مخلص لوگوں میں سے ہوں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾

یہی لوگ جنت والوں میں ہیں جن کی نیکیاں ہم ان کی طرف سے قبول کر لیتے ہیں اور ہم ان کی برائیوں سے درگزر کر لیتے ہیں' سچا وعدہ وہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا O

١٦- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے [امام حفص' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں (نون جمع متکلم کے ساتھ) " نَتَقَبَّلُ " اور " نَتَجَاوَزُ " (فعل معروف جمع متکلم) ہے اور " احسن " منصوب ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک (" یا " مضموم فعل مضارع مجہول کے ساتھ) " يُتَقَبَّلُ " اور " يُتَجَاوَزُ " ہے اور " أحسن " مرفوع ہے] ﴿ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ ﴾ وہ جنت والوں میں ہوں گے۔ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ " أكرمني الأمير في ناس من أصحابه " یعنی مسلمانوں کے امیر نے اپنے ساتھیوں میں سے تمام لوگوں میں میری تعظیم و توقیر کی۔ اس سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ اس نے تمام معززین میں میری تعظیم کی اور مجھے انہیں افراد میں شمار کیا [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت والوں میں ہونے والے ہیں اور ان کو انہیں میں شمار کیا جائے گا ﴿ وَعْدَ الصِّدْقِ ﴾ یہ سچا وعدہ ہے' یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ (" نَتَقَبَّلُ " اور " نَتَجَاوَزُ ") اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے نیک اعمال کی قبولیت اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے جنت والوں میں شامل کرنے کا پکا اور سچا وعدہ ہے۔

شانِ نزول: مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو اور ان کی والدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر اور ان کی اولاد (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق کی دعا ان سب کے حق میں قبول کر لی گئی تھی' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت ایمان لائے تھے اس وقت ان کی عمر اڑتیس (٣٨) سال تھی اور انہوں نے والدین کے ایمان لانے کی جب دعا کی' اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور مہاجرین اور انصار میں سے تمام صحابۂ کرام میں حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماسوا کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین نے اسلام قبول کیا ہو اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں نے اسلام قبول کیا ہو ﴿الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ جو انہیں دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف (نفرت) ہے کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں ایک دوسرے کے بعد گزر چکی ہیں' اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں تجھ پر افسوس تو ایمان لا' بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو وہ کہتا ہے: یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاںO یہی وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے ان تمام قوموں میں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیںO

## نافرمان اور بدعقیدہ اولاد کی مذمت کا بیان

۱۷- ﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ﴾ اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر "اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ" ہے اور "اَلَّذِیْ قَالَ" سے اسم جنس مراد ہے جو بھی یہ بات کہنے والا ہو اور اس لیے خبر کو جمع لایا گیا ہے]۔

شانِ نزول: اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اپنے والدین کے نافرمان اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کو جھٹلانے والے کافر کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ اس وقت وہ ایمان لا کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے' لیکن اس قول کے باطل اور غلط ہونے پر حضرت معاویہ کا مروان کی طرف لکھا گیا خط گواہ ہے' جس میں (اس وقت کے گورنر مدینہ) مروان سے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت کا حکم دیں' چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے ان سے فرمایا کہ تم ہرقل بادشاہ قیصرِ روم کے طریقے کو لا رہے ہو' کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؟ سو مروان نے کہا: اے لوگو! یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا" اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف ہو' سو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئیں اور پردے کی اوٹ سے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص حضرت عبدالرحمٰن نہیں ہیں اور اگر میں چاہوں تو میں نام لے کر بتا سکتی ہوں کہ یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اس کی پشت میں تھے' سو تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے راہِ راست سے کٹا ہوا ہے[1]

[1] حضرت زجاج نے کہا کہ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ تمہارے لیے اُف ہو' اُف وہ آواز ہے کہ جب کوئی انسان اس سے آواز نکالتا ہے اور یہ کلمہ بولتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ڈانٹ کر جھڑکیاں دے رہا ہے اور اپنی نفرت و ناگواری کا اظہار کر رہا ہے' جیسا کہ جب کوئی شخص حس کہہ کر آہستہ دُکھ بھری آواز نکالتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے درد لاحق ہے اور لام بیان کے لیے ہے یعنی یہ نفرت و ناگواری صرف تم دونوں کے لیے مخصوص ہے اور صرف تمہارے لیے ہے تمہارے سوا کسی کے لیے نہیں [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں ''اُفٍّ'' کا ''فا'' مکسور تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فا'' مفتوح بغیر تنوین کے ''اُفَّ'' پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک ''فا'' مکسور بغیر تنوین کے ''اُفِّ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ ﴾ کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا اور زمین (یعنی اپنی قبر) سے نکالا جاؤں گا ﴿ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ﴾ اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور اُمتیں گزر چکی ہیں اور ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد زندہ کر کے نہیں اٹھایا گیا ﴿ وَهُمَا ﴾ اور وہ دونوں یعنی اس کے دونوں ماں باپ ﴿ يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ ﴾ وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) وہ دونوں ماں باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ تجھ سے اور تیری بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی فریاد چاہتے ہیں اور یہ طلب فریاد دراصل اس ناخلف بیٹے کی بات کو بہت بڑا جرم قرار دینا ہے اور وہ دونوں ماں باپ اس سے کہتے ہیں کہ ﴿ وَيْلَكَ ﴾ تجھ پر افسوس ہے۔ اصل میں تو یہ اس کے لیے ہلاکت و تباہی کی بددعا ہے لیکن اس سے مراد اس کو ایمان کی ترغیب دینا اور اسے اس پر برانگیختہ کرنا ہے حقیقی ہلاکت مراد نہیں ہے ﴿ اٰمِنْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لے آ ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ سچا ہے ﴿ فَيَقُوْلُ ﴾ سو وہ اپنے دونوں ماں باپ سے کہتا ہے: ﴿ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ یہ بات تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔

۱۸۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے یعنی یہ بات ''لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (الاعراف: ۱۸) ''البتہ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا'' ﴿ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ ان امتوں میں جو جنوں اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی ہیں' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ
فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے نازل ہوئی تھی' اس نے غلط کہا ہے اور اس کے اس قول کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ باطل کر دیتا ہے: ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ'' یہ وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن افاضل مؤمنین میں سے بزرگ ترین مؤمن ہیں' سو آپ ان میں سے نہیں ہو سکتے جن پر عذاب کا کلمہ ثابت اور واجب ہو چکا ہے۔

(تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۱۳۵ 'مطبوعہ مصر' معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۶۸ 'بیروت' مظہری ج ۸ ص ۴۰۷ 'مطبوعہ دہلی)

اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انہوں نے کیے ہیں' اور تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گاO اور جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیے جائیں گے' (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنی پاکیزہ چیزیں لے چکے ہو اور تم نے ان سے فائدہ حاصل کر لیا ہے' سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کرتے تھےO

۱۹- ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ﴾ اور ہر ایک کے لیے (یعنی) مذکورہ دونوں جنسوں (جن وانس) میں سے نیکوں اور بُروں سب کے درجے ہیں یعنی مقامات اور مراتب ﴿مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ان اعمال میں سے جو انہوں نے دنیا میں کیے (یعنی) ان کے نیک اور بد اعمال میں سے جو انہوں نے کیے ہیں یا ان اعمال کی وجہ سے جو ان دونوں (نیک و بد) میں سے جو انہوں نے کیے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہاں درجات محض تغلیب کے طور پر فرمایا گیا ہے ورنہ دراصل جنت کے لیے درجات آتا ہے اور دوزخ کے لیے درکات آتا ہے ﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور صلہ پورا پورا عطا فرمائے [ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور امام عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''لیوفیھم'' ہے] ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کے حقوق کے بارے میں ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے اعمال کی مقدار پر ان کی جزاء مقرر کی گئی ہے' سو ثواب کے لیے درجات اور عذاب کے لیے درکات کہا جاتا ہے [اور لام محذوف کے متعلق ہے]۔

۲۰- ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا۔ دوزخ کی آگ پر انہیں پیش کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا' یہ عرب کے اس قول سے ہے: ''عرض بنو فلان على السيف'' یعنی فلاں کے بیٹوں کو تلوار پر پیش کیا گیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انہیں تلوار سے قتل کیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب ہے کہ آگ کو ان کافروں پر پیش کیا جائے گا۔ یہ عرب کے اس قول سے ہے: ''عرضت الناقة على الحوض'' جب کہ حوض کو اونٹنی پر پیش کرنا مراد ہوتا ہے' پھر انہیں الٹ کر دیا گیا ﴿اَذْهَبْتُمْ﴾ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ تم نے لے لی ہیں [''اذھبتم'' ظرف کا ناصب ہے] ﴿طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ اپنی لذیذ و پاکیزہ چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں یعنی لذیذ و عمدہ اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو کچھ تمہارے لیے لکھا گیا تھا وہ سب تم نے دنیا میں پا لیا اور بلاشبہ اسے تم لے چکے ہو اور اسے تم حاصل کر چکے ہو' سو اب ان میں سے تمہارے حصے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی' اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو میں تم سب سے عمدہ اور لذیذ کھانا کھا سکتا تھا اور میں تم سب سے اچھا اور قیمتی لباس پہن سکتا تھا' لیکن میں اپنے حصے کی عمدہ اور لذیذ و پاکیزہ چیزوں کو آنے والی زندگی کے لیے باقی رکھتا ہوں ﴿وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ اور تم نے ان سے (یعنی) پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھا لیا ہے ﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا یعنی حقارت و خواری اور ذلت و رسوائی والا عذاب اور ''الھوان'' بھی پڑھا گیا ہے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر و غرور کرتے تھے ﴿وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ اور اس سبب سے کہ نافرمانیاں کرتے تھے یعنی تمہیں تمہارے تکبر و غرور اور تمہارے فسق و فجور کے سبب ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾

اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی (حضرت ھود) کو یاد کیجئے' جب اس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے اور اس کے بعد بہت سے ڈرانے والے گزر چکے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوںO انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو' سو تم ہم سے جس کا وعدہ کرتے ہو اسے ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہوO اس نے فرمایا: بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہوO

## حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ کے منکر قوم عاد کا انجام

٢١- ﴿وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ﴾ اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی کو یاد کیجئے یعنی حضرت ھود علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ﴾ جب اس نے احقاف کی سرزمین پر اپنی قوم کو ڈرایا۔ ''أحقاف''، ''حِقْفٌ'' کی جمع ہے اور یہ بلند و بالا اور طویل و لمبے بل کھاتے ہوئے منحنی اور قدرے ڈھلان کے ریتلے ٹیلے تھے' جہاں قومِ عاد کی بستیاں بنا کر آباد کی گئی تھیں اور یہ ''احقوقف الشیء'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز ٹیڑھی ہو جائے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ احقاف ایک وادی ہے جو عمان اور مُہرہ کے درمیان واقع ہے ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ﴾ اور بے شک بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔ ''نذر''، ''نـذیر'' کی جمع ہے اور یہ بہ معنیٰ ''منذر'' ڈرانے والا ہے یا یہ ''انـذار'' کی جمع ہے ﴿مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾ اس سے پہلے اور اس کے بعد یعنی حضرت ھود علیہ السلام سے پہلے اور حضرت ھود علیہ السلام سے پیچھے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ'' جملہ معترضہ ہے جو ''انذر قومه'' کے درمیان اور درج ذیل ارشاد کے درمیان واقع ہوا ہے ﴿أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کفر و شرک اور بہت بڑے عذاب سے ڈرایا تھا اور جو اس سے پہلے رسول گزر چکے تھے' انہوں نے بھی اپنی قوموں کو ڈرایا تھا اور جو اس کے بعد آئے تھے' انہوں نے بھی اسی طرح اپنی قوموں کو ڈرایا تھا۔

٢٢- ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا یعنی حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا﴾ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے تھے تا کہ آپ ہمیں پھیر دیں ﴿عَنْ آلِهَتِنَا﴾ ہمارے معبودوں سے یعنی ان کی عبادت سے ''لتـافکـنا''، ''افك'' سے ماخوذ ہے اور ''افك'' کا معنی ہے: پھیرنا' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''أفكه عن رأيه'' اس شخص نے فلاں کو اس

کی رائے سے پھیر دیا﴿ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ ﴾ سو آپ ہم پر وہ عذاب لے آئیے جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں (یعنی) کفرو شرک کرنے پر جس عذاب کے آنے کا آپ وعدہ کرتے ہیں اور آئے روز ہمیں ڈراتے رہتے ہیں وہ ہم پر لے آئیں ﴿ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ اگر آپ اپنے وعدہ میں ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنا وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں۔

۲۳- ﴿ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کے آنے کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور مجھے ذاتی طور پر اس وقت کا علم نہیں ہے جس میں تم پر عذاب آئے گا ﴿ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ ﴾ اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں [ابوعمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (بابِ انعال سے) ''أُبْلِغُكُم'' ہے] یعنی میری شان یہ ہے کہ میں تمہیں ڈرانے اور خوف دلانے کی وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ﴿ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴾ اور لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھتا ہوں کہ تم جہالت سے کام لیتے ہو یعنی اور لیکن تم جاہل قوم ہو اور تم یہ نہیں جانتے کہ رسولوں کو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس لیے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کے لیے ایسے سوالات کریں جن کی انہیں اجازت نہیں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٢٦﴾ ع۴

پھر جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے (عذاب کے) بادل کو دیکھا' تو کہنے لگے: یہ ہم پر بارش برسانے والا ہے' بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا' زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے○ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی' سو وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا' اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں○ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں میں قدرت عطا کی تھی جن میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' سو ان کے کانوں نے انہیں فائدہ نہ دیا اور نہ ان کی آنکھوں نے اور نہ ان کے دلوں نے کوئی فائدہ دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے○

۲۴- ﴿ فَلَمَّا رَأَوْهُ ﴾ سو جب انہوں نے اس عذاب کو دیکھا [ضمیر ''مَا تَعِدُنَا'' کی طرف لوٹتی ہے یا پھر یہ ضمیر مبہم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے وضاحت فرما دی] ﴿ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ ﴾ ان کی وادیوں کی طرف آنے والا ایک بادل' اور عارض اس بادل کو کہا جاتا ہے جو آسمان کے چاروں اطراف میں پھیل جاتا ہے [''عارضا''

تمیز واقع ہو رہی ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے] ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ انہوں نے کہا کہ یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم عاد کے علاقہ میں بارش برسنا رُک گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کو بارش کی اشد ضرورت تھی' چنانچہ جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف بادل کو آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا اور انہوں نے اس بادل کی وجہ سے خوب خوشی کا اظہار کیا [''مستقبل'' اور ''ممطر'' کی اضافت مجازی اضافت ہے' معرفہ کرنے والی نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود نکرہ کی صفت ہیں] ﴿بَلْ هُوَ﴾ یعنی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ وہی عذاب ہے' اور اس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ''قال هود بل هو'' ہے ﴿مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ﴾ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ سخت ترین آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

۲۵۔ ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وہ ہر چیز کو تباہ کر دے گی (یعنی) وہ آندھی قوم عاد کے افراد و نفوس اور اموال میں سے اکثر کو تباہ و برباد کر دے گی' سو کثرت کو کلیت سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے (یعنی) ہوا کے رب تعالیٰ کے حکم سے ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ پس وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا یعنی ان کی ہلاکت کے بعد صرف ان کے مکانات نظر آتے تھے باقی مکین سب ہلاک ہو گئے تھے [عاصم' حمزہ اور خلف کی قراءت میں ''یـا'' کے ساتھ ''لا یـرٰی'' ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک تائے مخاطبہ کے ساتھ ''لا تـری مساکنهم'' پڑھا گیا ہے اور خطاب ہر دیکھنے والے کے لیے ہے خواہ کوئی ہو] ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ جرم کرنے والی قوم کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں یعنی اسی کی مانند ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو انہیں لوگوں کی مانند جرم کرے گا' اور یہ دراصل مشرکین عرب کے لیے وعید اور ڈراوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ہود علیہ السلام نے آندھی کو دیکھا تو آپ اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت ایک احاطہ میں پناہ گزیں ہو گئے' جب ہوا ان کے پاس سے گزرتی تو ان کے نفوس اس سے لذت محسوس کرتے اور یہی آندھی قوم عاد کے پاس سے گزرتی تو ان کے خیموں اور پالانوں کو آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں اُڑاتی پھرتی اور وہ آندھی ان لوگوں کے سروں پر پتھروں کو گراتی' جن کی وجہ سے ان کے بھیجے نکل پڑتے۔

۲۶۔ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر قدرت و قوت عطا کی تھی جن پر ہم نے تمہیں وہ قوت و طاقت اور قدرت عطا نہیں کی [''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی ''فِيْمَا مَا مَكَّنّٰكُمْ فِيْهِ'' ہے مگر ''ان'' نافیہ کو لانا لفظ میں بہت بہتر ہے کیونکہ ''مَا'' کا اپنے جیسے ''ما'' کے ساتھ اجتماع بے مزہ تکرار ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ ''مَهْمَا'' اصل میں ''مَا مَا'' تھا لیکن صرف تکرار کی بدمزگی کی وجہ سے الف کو ''ھا'' سے تبدیل کر دیا گیا اور ''ان'' کو صلہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ''(اِنَّ لَا مَكَّنّٰهُمْ فِيْ) مِثْلِ مَا (مَكَّنّٰكُمْ فِيْهِ)'' کے ساتھ اس کی تاویل کی گئی ہے] یعنی بے شک ہم نے انہیں اسی طرح کی چیزوں میں قدرت و اختیار دیا تھا جس طرح ہم نے تمہیں ان چیزوں میں قدرت و اختیار دیا ہے اور پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے (درج ذیل) ارشادات کی وجہ سے ''هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا'' (مریم: ۷٤) ''وہ لوگ تو سامان اور دکھلاوے میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھے''۔ ''كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا'' (الغافر: ۸۲) ''وہ لوگ (تعداد میں) ان (کفارِ مکہ) سے زیادہ تھے اور قوت و طاقت اور عمارتیں بنانے میں بہت سخت تھے'' [اور ''فِيْمَا'' میں ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِيْ'' ہے یا نکرہ موصوفہ

ہے] ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ﴾ اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے یعنی جاننے اور سمجھنے کے آلات بنائے ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ سو انہیں نہ ان کے کان بچا سکے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کچھ کام آسکے یعنی کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے تھوڑا سا بھی فائدہ نہ ہوا ﴿اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے [''اِذْ'' ''فما اغنی'' کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ علت کے قائم مقام ہے' تعلیل اور ظرف تمہارے اس قول کے معنی میں مساوی ہیں ''ضَرَبْتُهُ لِاِسَائَتِهٖ'' میں نے اس کی بُرائی کی وجہ سے اسے مارا'' ''وَضَرَبْتُهُ اِذَا سَاءَ'' اور میں نے اس کو اس وقت مارا جب اس نے بُرائی کی' کیونکہ جب تم نے اسے بُرائی کے وقت میں مارا تو گویا تم نے اسے وقت میں مارا کیونکہ بُرائی وقت میں موجود ہوتی ہے مگر ''اذ'' اور ''حیث'' اس میں باقی ظروف پر غالب ہیں] ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی انہیں مذاق اڑانے کی سزا دی گئی اور ''حَاقَ'' کا معنیٰ ''نَزَلَ'' ہے اور یہ کفارِ مکہ کے لیے وعید اور دھمکی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی وعید اور دھمکانے کے لیے مزید ارشاد فرمایا (ذیل میں):

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا
نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ
ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
مُّنْذِرِیْنَ ﴿٢٩﴾

اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو بار بار بیان کیا تاکہ وہ رجوع کریں ○ سو ان کی مدد کیوں نہیں کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنالیا' بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے' اور یہ بہتان ہے اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے ○ اور جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا وہ کان لگا کر قرآن کو سنتے' سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے: خاموش رہو' پھر جب پڑھنا پورا ہو چکا تو وہ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ○

## گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور جنوں کے ایمان لانے کا بیان

٢٧- ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ اور اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا' جیسے حجر کی بستی جس میں قوم ثمود آباد تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں' اور ''القریٰ'' سے اہل القریٰ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ﴿وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور ہم نے آیات کو پھیر پھیر کر طرح طرح کے طریقوں سے بیان کیا یعنی ہم نے دلائل اور عبرتوں کے مختلف اقسام و انواع کو ان پر بار بار دُہرا کر بیان کیا تاکہ وہ سرکشی و نافرمانی سے توبہ کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں لیکن انہوں نے رجوع نہیں کیا تھا۔

٢٨- ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ﴾ سو ان کی مدد کیوں نہ کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنالیا تھا' "قربان" ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے یعنی انہوں نے اپنے معبود بتوں کو اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے والے اور اس کی بارگاہ میں انہیں مقرب بنانے والے بنالیا تھا' کیونکہ انہوں نے کہا تھا: "هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یونس:١٨) "یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں"[ "اتخذوا" کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول جو"الذین" کی طرف لوٹتا ہے وہ محذوف ہے یعنی "اتخذوھم" اور دوسرا مفعول "الھۃ" ہے اور"قربانًا" حال ہے ] ﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ﴾ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے (یعنی) وہ ان کی مدد کرنے سے غائب ہو گئے ﴿وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور یہ ان کا جھوٹ ہے اور وہ بہتان تراشی کرتے تھے۔ "ذالك" سے اشارہ کفار کے معبودوں کی جانب سے ان کی مدد نہ کرنے کی طرف ہے اور نیز کفار سے ان کے معبودوں کے گم ہو جانے کی طرف ہے یعنی یہ ان کے من گھڑت جھوٹ کا اثر ہے' وہ یہ کہ انہوں نے بتوں کو اپنا معبود ٹھہرا لیا اور یہ ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام تراشنے کا نتیجہ ہے۔

٢٩- ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا (یعنی) ہم نے ان کو آپ کی طرف مائل کیا اور ہم نے ان کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور "نفر" دس سے کم افراد کو کہا جاتا ہے اور جنوں سے نصیبین کے جنات مراد ہیں ﴿يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ﴾ جب کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنتے ہیں ﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ﴾ پھر جب وہ ان کے پاس یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یا پھر قرآن مجید کے پاس حاضر ہوئے یعنی جب یہ جنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سننے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے تو ﴿قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ﴾ انہوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ یعنی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر قرآن مجید سنو۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے جنات آسمان پر چڑھ کر چوری چھپے فرشتوں سے مستقبل میں رونما ہونے والے اُمور کے بارے میں سنتے (اور ان میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتے) پھر جب اعلانِ نبوت کے بعد آسمان پر چڑھنے سے انہیں روک دیا گیا اور آسمان کو محفوظ کر دیا گیا اور اوپر جانے پر ان کو آگ کے گولے مارے جاتے تھے' اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ کسی نئے حادثے کے رونما ہونے کی وجہ سے ہوا ہے' چنانچہ نصیبین یا نینوی کے رہنے والے جنات کے سرداروں میں سے سات یا نو جنات کا ایک گروہ کھڑا ہوا اور ان میں سے زوبعہ بھی تھا اور وہ روانہ ہوئے' یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی ایک وادی تہامہ میں پہنچے' پھر وہاں سے نخلہ نامی وادی میں پہنچے' سو انہوں نے آپ کو آدھی رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے قیام کی حالت میں پایا' یا پھر فجر کی نماز میں پایا اور انہوں نے آپ سے قرآن مجید کی قراءت کو غور سے سنا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جنوں کو از خود قرآن سنایا اور نہ آپ نے انہیں دیکھا بلکہ آپ تو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور جنات وہاں سے گزرے تو قرآن مجید سننے کے لیے رُک گئے جب کہ آپ کو محسوس بھی نہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سماعت سے آپ کو آگاہ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا: بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن مجید سناؤں تو میرے ساتھ کون چلے گا' آپ نے تین دفعہ فرمایا تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ جنوں کی رات میرے سوا حضور کے ساتھ اور کوئی نہیں گیا' چنانچہ ہم روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب ہم مکہ معظمہ کی بالائی

جانب حجون کی گھاٹی میں پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے اردگرد دائرہ کی صورت میں ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ تم اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس لوٹ آؤں' پھر آپ نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور میں نے سخت شور سنا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے کچھ دیکھا ہے' میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے سیاہ کالے مردوں کو دیکھا ہے' تو آپ نے فرمایا: یہی نصیبین کے جن ہیں اور وہ بارہ افراد تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں جو سورت پڑھ کر سنائی وہ ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' تھی ﴿فَلَمَّا قُضِیَ﴾ پھر جب پڑھائی پوری ہو گئی یعنی حضور نبی کریم ﷺ قراءت سے فارغ ہو گئے ﴿وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ﴾ تو وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے انہیں ڈر سنانے کے لیے۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٣٠﴾ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿٣١﴾ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٣٢﴾

انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' وہ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے ○ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ' وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات نہیں مانے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

٣٠- ﴿قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے' جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' اور انہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس لیے کہا کہ وہ یہود کے مذہب پر کاربند تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں سنا تھا نہ وہ انہیں جانتے تھے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ وہ (قرآن مجید) پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے (اور) ﴿یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ وہ حق کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

٣١- ﴿یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ﴾ اے ہماری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ یعنی (سرورِ عالم فخر آدم و بنی آدم) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان عالی شان اور ان کی تعلیمات کو برحق تسلیم کر لو اور ان پر ایمان لے آؤ ﴿یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا

اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جنات کو ایمان لانے کی صورت میں صرف دوزخ کے عذاب سے نجات ملے گی اور کوئی اجروثواب (جنت میں داخلہ) نہیں ملے گا' اور حضرت امام مالک' امام ابن ابی لیلیٰ' امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنات کو ایمان لانے پر دوزخ سے نجات کے ساتھ اجروثواب بھی ملے گا اور ایمان نہ لانے اور کفر اختیار کرنے پر عذاب بھی ہوگا اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جنات ایمان لانے پر جنت میں داخل ہوں گے اور اس کے میوہ جات وغیرہ کھائیں گے اور اس میں مشروبات پئیں گے' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ O'' (الرحمٰن:٧٤) ''انہیں (یعنی جنتی حوروں کو) ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا تھا اور نہ کسی جن نے O''۔

٣٢- ﴿وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکے گا ﴿وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہیں تھکا وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے' کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا' (تو ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ حق نہیں' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو تم عذاب چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے O

## مُردوں کو زندہ کرنے کی دلیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کی تلقین کا بیان

٣٣- ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی پیدائش سے نہیں تھکا (وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ O'' (قٓ:٣٨) ''اور ہمیں (آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر) تھکاوٹ ہرگز نہیں پہنچی O'' اور جب کسی معاملہ کی وجہ معلوم نہ ہو سکے تو کہا جاتا ہے: ''عَیِیْتُ بِالْاَمْرِ'' میں اس معاملے سے عاجز آ گیا ہوں ﴿بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی﴾ وہ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے [''بقادر'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''اَنَّ'' کی خبر ہے جس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ''قَادِرٌ'' ہے اور اس پر حرف ''با'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ آیت مبارکہ کے شروع میں نفی ''اَنَّ'' اور اس کے مدخول پر مشتمل ہے] علامہ زجاج نے کہا: اگر تم کہہ دو کہ ''مَا ظَنَنْتُ اَنَّ زَیْدًا بِقَائِمٍ'' میں نے گمان نہیں کیا کہ زید کھڑا ہے' تو یہ جائز ہے گویا فرمایا گیا: ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی'' کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں' کیا تم ''بَلٰی'' کے وقوع کی طرف نہیں دیکھتے جو حشر ونشر وغیرہ میں سے ہر چیز پر قدرت کی تقریر و تقویت کے لیے آیا ہے نہ کہ محض ان کے دیکھنے کے لیے آیا ہے ﴿بَلٰٓی﴾ یہ نفی کا جواب ہے ﴿اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳٤۔ ﴿وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ﴾ اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ حق نہیں ہے [ظرف کا ناصب مضمر قول ہے اور ''ھٰذَا'' سے عذاب کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا یہ عذاب حق نہیں؟] ﴿قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو اب تم اس عذاب کو چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے یعنی دنیا میں تمہارے کفر کرنے کے سبب۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

سو اے محبوب! صبر کیجئے جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے' گویا وہ لوگ جس روز اس کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے' تو خیال کریں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ' یہ پیغام ہے' سو نافرمانوں کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کیا جائے گاO

۳۵۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ سو اے محبوب! آپ صبر کیجئے جس طرح بڑی ہمت والے رسولوں نے صبر کیا یعنی جس طرح تبلیغ دین کے لیے خوب جدوجہد کرنے والوں اور خوب دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں اور مشکلات ومصائب پر صبر کرنے والے رسولوں نے کیا [اور حرف ''مِنْ'' ''تبعیض (بعض) کے معنی میں ہے] اور ''اولو العزم'' سے وہ حضرات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاحزاب کی اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے: ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ'' (الاحزاب:۷) ''اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا عہد لیا' اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے'' اور حضرت یونس علیہ السلام ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ'' (القلم:۴۸) ''اور آپ مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے پیغمبر کی طرح نہ ہونا'' اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام بھی ان میں سے نہیں ہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًاO'' (طٰہٰ:۱۱۵) ''سو آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد وارادہ نہیں پایاO'' [یا حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے] پس اس طرح سے ''اولو العزم'' تمام رسل کی صفت ہو جائے گی ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ اور آپ ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے یعنی آپ

قریش مکہ کے کفار کے لیے دعائے ضرر کر کے ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ یہ عذاب ان پر ہر حال میں ضرور نازل ہوگا اگرچہ تاخیر کے ساتھ ہوگا ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ﴾ جس روز وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو وہ خیال کریں گے کہ گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ یعنی وہ لوگ اس وقت دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی (طویل ولمبی) مدت کو قلیل اور تھوڑا تصور کریں گے' یہاں تک کہ وہ اسے دن کا ایک گھنٹہ گمان کریں گے ﴿ بَلٰغٌ ﴾ اصل میں "هٰذَا بَلَاغٌ" ہے (مبتدا خبر ہیں) یعنی یہ (قرآنی) تبلیغ جس کے ساتھ تمہیں نصیحت کی گئی ہے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے یا یہ اس (محترم ومکرم) رسول کی طرف سے تبلیغ ہے ﴿ فَهَلْ يُهْلَكُ ﴾ سو ہلاک نہیں کیا جاتا (یعنی) عذاب کی ہلاکت سے کسی کو ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کسی کو ہرگز ہلاک نہیں کیا جائے گا ﴿ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ مگر فاسق ونافرمان قوم کو یعنی مشرکین کو ہلاک کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصیحت اور اس کے موجبات پر عمل کرنے سے خارج اور دور ہیں۔

| آیاتہا ٣٨ رکوعاتہا ٤ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | (٤٧) سورۃ محمد مدنیۃ (٩٥) |
|---|---|---|

سورۂ محمد مدنی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی اڑتیس آیات' چار رکوع ہیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی بُرائیاں ان سے دور فرما دیں اور ان کے حال کو سنوار دیا ○ یہ اس لیے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی' اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ○

## باطل کی پیروی کے نقصان اور حق کی پیروی کے انعام کا بیان

1- ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ جن لوگوں نے کفر وشرک کو اختیار کرلیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا یعنی انہوں نے حق سے اعراض کیا اور دین اسلام کو قبول نہ کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے رُکے رہے یا یہ کہ انہوں نے اپنے علاوہ دوسروں کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ علامہ جوہری نے کہا کہ "صَدَّ عَنْهُ"

یَصُدُّ' صُدُوْدًا'' کا معنی ہے: ''اَعْرَضَ'' یعنی اس نے اعراض کیا اور اپنا منہ پھیر لیا اور ''صَدَّهٗ عَنِ الْاَمْرِ صَدًّا'' کا معنی ہے: ''مَنَعَهٗ وَصَرَفَهٗ عَنْهُ'' یعنی اسے روک دیا اور اسے اس سے پھیر دیا اور اس سے غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں سے لڑنے والے کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مکہ مراد ہیں یا اس سے اہل کتاب مراد ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے خود کفر و شرک کو اختیار کر لیا اور دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکا ﴿ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا اور ان کو ضائع کر دیا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو تباہ و برباد کر کے ضائع کر دیا' اب نہ تو ان کو کوئی قبول کر سکتا ہے اور نہ ان پر کوئی ثواب دے سکتا ہے جس طرح اونٹنیوں میں سے گم ہونے والی اونٹنی اور ان (کفار) کے اعمال سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو انہوں نے حالت کفر میں سرانجام دی تھیں جیسے صلہ رحمی' ضرورت مندوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا یا پھر ان کے اعمال سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں تیار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (اسلام) سے روکنا مراد ہے۔

٢- ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ یہ لوگ قریش مکہ میں سے ہیں یا انصار مدینہ میں سے ہیں یا اہل کتاب میں سے ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے (ہر مؤمن اور نیک عمل والے مہاجرین مکہ اور انصارِ مدینہ اور اہل کتاب کو شامل ہے) ﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﴾ اور وہ (حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان لائے اور وہ قرآن مجید ہے اور جن چیزوں پر ایمان لانا واجب و لازم ہے' ان میں سے صرف رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات پر ایمان لانے کی تخصیص محض آپ کی شان کو بلند و بالا ظاہر کرنے اور اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جملہ معترضہ کے ساتھ مؤکد و مستحکم کر دیا اور وہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اور وہ یعنی قرآن مجید ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ بے شک دین محمدی ﷺ حق ہے کیونکہ اس پر نسخ وارد نہیں ہوتا اور یہ خود اپنے علاوہ دیگر ادیان کا ناسخ ہے ﴿ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور ان کے نیک عمل کے سبب ان کے گزشتہ کفر و شرک اور دیگر گناہوں کی پردہ پوشی فرما دی کیونکہ انہوں نے ان چیزوں سے رجوع کر لیا اور انہوں نے سچی توبہ کر لی ﴿ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو سنوار دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے اُمور بجالانے کی توفیق کے ذریعے اور ان کو اپنی نصرت و مدد اور تائید عطا کر کے دنیا پر غلبہ کے ذریعے ان کے حال اور ان کی شان کو سنوار دیا۔

٣- ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ یہ اس لیے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی یعنی یہ معاملہ اس لیے ہوا اور وہ یہ کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق (کفار) کے اعمال کا ضائع کرنا اور دوسرے فریق (مسلمانوں) کے گناہوں کو مٹا دینا اور ان کے حال کو سنوار دینا' اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) باطل کی پیروی کی اور وہ شیطان ہے اور انہوں نے (یعنی مسلمانوں نے) حق کی پیروی کی اور وہ قرآن مجید ہے [''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور اس کے بعد کا کلام اس کی خبر ہے] ﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عجیب مثال کی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ''یَضْرِبُ اللّٰهُ'' بہ معنی ''یُبَیِّنُ اللّٰهُ'' ہے [''هُمْ'' ضمیر ''النَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے یا مذکورہ بالا دونوں فریقوں کی طرف لوٹتی ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خاطر ان کی مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں' چنانچہ باطل کی پیروی کو کافروں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا

اور حق کی پیروی کو مسلمانوں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا' یا اعمال کے ضائع کرنے کو کفار کی رسوائی اور ناکامی کے لیے مثال قرار دیا گیا اور گناہوں کے مٹانے اور احوال کے سنوارنے کو نیکوں (مسلمانوں) کی کامیابی کے لیے مثال قرار دیا گیا۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

سو جب تمہارا کافروں سے سامنا ہو تو (ان کی) گردنیں مارو' یہاں تک کہ جب تم انہیں کثرت سے قتل کر لو تو مضبوط باندھ لو' پھر اس کے بعد یا احسان کرنا یا فدیہ لینا یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے' معاملہ یہی ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور بدلہ لے لیتا تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ○ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کے حال کو سنوار دے گا ○ اور وہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرا دے گا ○ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں ثابت قدم رکھے گا ○

## جہاد کے سبب مسلمانوں کے لیے انعام و اکرام اور کفار کے لیے ذلت و ہلاکت

٤- ﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ پھر جب کافروں سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔ یہاں ملاقات سے جنگ کرنا مراد ہے ﴿ فَضَرْبَ الرِّقَابِ ﴾ سو تم (ان کی) گردنیں مارو۔ اس کی اصل "فاضربوا الرقاب ضربًا" سو (ان کی) خوب گردنیں مارو (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) [پھر فعل امر کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو مقدم کیا گیا اور اس کو فعل امر محذوف کے قائم مقام کر کے مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اور اس میں تاکیدی معنی کے حصول کے ساتھ اختصار بھی ہے کیونکہ جب مصدر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اپنے منصوب ہونے کی وجہ سے فعل پر رہنمائی کرتا ہے] اور "ضَرْبَ الرِّقَاب" سے کفار کو قتل کرنا مراد ہے کیونکہ گردنوں کا مارنا مخصوص ہے' اس کے علاوہ دیگر اعضاء نہیں اس لیے کہ انسان کا قتل اکثر و بیشتر اس کی گردن مارنے سے ہوتا ہے' سو اس لیے گردنیں مارنے سے قتل کرنا مراد ہے' اگرچہ گردن کے علاوہ دیگر اعضاء کو بھی مارا جاتا ہے ﴿ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ ﴾ یہاں تک کہ جب تم انہیں زیادہ سے زیادہ قتل کر لو ﴿ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ﴾ تو تم (انہیں) مضبوط باندھ لو (یعنی) پس تم انہیں قید کر لو اور "وثاق" واؤ پر زبر اور زیر کے ساتھ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو تاکہ وہ تم سے فرار نہ ہو جائیں ﴿ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ ﴾ پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا یعنی کفار کو قیدی بنا لینے کے بعد یا تو تم ان پر احسان کرنا ﴿ وَإِمَّا فِدَاءً ﴾ اور یا فدیہ (تاوان) لے لینا [یہ دونوں اپنے دونوں مضمر (پوشیدہ) فعلوں کی وجہ سے منصوب ہیں" أي فإمّا تمنّون منًّا أو تفدون

فِـدَآءً''یعنی پس تم یا تو احسان کر دیا ان سے فدیہ لے لو] اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو قید کر لینے کے بعد دونوں معاملوں کے درمیان تمہیں اختیار دیا گیا ہے کہ تم چاہو تو ان پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دو اور چاہو تو ان سے فدیہ لے لو اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مشرکین قیدیوں کا حکم انہیں قتل کرنا ہے یا غلام بنانا ہے اور احسان کرنے یا فدیہ لینے کا جو اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے' یہ (درج ذیل) ارشاد سے منسوخ ہو چکا ہے:''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' (التوبہ:۵)''سو تم مشرکوں کو قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ'' کیونکہ سورۂ براءۃ آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج نہ احسان ہے اور نہ فدیہ ہے' بلکہ اب تو صرف اسلام قبول کرنا ہے یا گردنیں مارنا ہے یا پھر''مَـنٌّ'' سے یہ مراد ہے کہ ان پر یہ احسان کیا جائے کہ انہیں قتل نہ کیا جائے' بلکہ انہیں صرف غلام بنا لیا جائے یا ان پر یہ احسان کیا جائے کہ ان کی طرف سے جزیہ قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ مشرکین قیدیوں کے عوض میں مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا جائے' چنانچہ امام طحاوی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ امام صاحب مشرکوں سے فدیہ لینے کو جائز نہیں سمجھتے نہ مال کے بدلے میں اور نہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں' تا کہ وہ دوبارہ ہم پر حملہ کر کے جنگ مسلط نہ کر سکیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حاکم وقت کو ان چاروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے: (۱) قتل کر دینا (۲) غلام بنا لینا (۳) اور مسلمان قیدیوں کے عوض انہیں فدیہ بنانا (۴) اور ان پر احسان کرنا (جب کہ ہمارے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے) ﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یعنی اپنا بوجھ ڈال دے اور وہ جنگی آلات رکھ دے جن کے ساتھ جنگ برپا کی جاتی ہے جیسے تلواریں اور دیگر جنگی اسلحہ وغیرہ اور جنگی اسلحہ لے جانے والے گھوڑے وغیرہ اور بعض حضرات نے کہا کہ''اوزارھا'' بہ معنی''آثامھا'' ہے یعنی یہاں تک کہ اہل حرب یعنی مشرکین اپنا کفر و شرک ترک کر دیں' اس طرح کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر حرف''حَتّٰـی'' دو حال سے خالی نہیں یا''ضَـرْبٌ'' اور ''شَدٌّ'' کے ساتھ متعلق ہے یا''مَنٌّ'' اور''فداء'' کے ساتھ متعلق ہے بہرحال دونوں صورتوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ مسلمان ان کے ساتھ جنگ کرتے رہیں اور انہیں قتل کرتے رہیں اور ہمیشہ ان کی گردنیں مارتے رہیں' یہاں تک کہ مشرکین کے ساتھ جنگ باقی نہ رہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کی شوکت و غلبہ باقی نہیں رہے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب''حَتّٰی''کو''ضَرْبٌ''اور''شَدٌّ''(گردنیں مارنے اور قیدیوں کو باندھنے) کے ساتھ معلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک مسلمان مجاہدین کفار کو قتل کرتے رہیں اور انہیں قیدی بناتے رہیں یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کے لیے شوکت و دبدبہ اور ان کا غلبہ باقی نہ رہے اور ہر جگہ اسلام کا غلبہ ہو جائے اور جب اس کو''مَـنٌّ''اور''فِـدَآءٌ''کے ساتھ معلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان مجاہدین کفار پر احسان کریں اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جنگ بدر اپنے ہتھیار ڈال دے مگر یہ معنی اس وقت درست ہو گا جب وہ تاویل کی جائے جو ہم نے ذکر کر دی ہے ﴿ذٰلِكَ﴾''اَىِ الْاَمْرُ ذٰلِكَ''یعنی معاملہ ایسا ہی ہے [پس یہ مبتدا اور خبر ہیں یا''اِفْـعَلُوْا بِهِمْ ذٰلِكَ'' ہے یعنی ان کے ساتھ یہی معاملہ کرو' تو اس صورت میں''ذٰلِكَ''محلاً منصوب ہوگا] ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور انتقام لے لیتا (یعنی) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جنگ کے بغیر ہلاکت کے دیگر اسباب کے ذریعے ان سے انتقام لے لیتا جیسے انہیں زمین میں دھنسا دینا یا زلزلے کے ذریعے

ہلاک کر دینا یا اس کے علاوہ پتھر وغیرہ برسا کر ہلاک کر دینا ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے یعنی مسلمانوں کو کافروں کے ذریعے آزمائے کہ وہ مسلمانوں کو الگ اور ممتاز کر دے اور کافروں کو مٹا دے ﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا [یہ امام حفص اور ابوعمرو بصری کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ''قاتلوا'' ہے]۔

٥- ﴿ سَيَهْدِيْهِمْ ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ جنت کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا یا منکر نکیر کے سوالوں کے درست اور صحیح جوابات کے دینے کی ہدایت عطا فرمائے گا ﴿ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴾ اور ان کے حال کو سنوار دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے مخالفین کو راضی کر کے ان کے احوال کو سنوار دے گا اور ان کے اعمال کو قبول کر لے گا۔

٦- ﴿ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴾ اور وہ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرائے گا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں ان کی رہائش گاہوں کی پہچان کرا دے گا تاکہ وہ کسی سے سوال کرنے کے محتاج نہ رہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر بہشت کو عمدہ اور خوشبودار بنا دے گا ''عَرَّفَ''، ''عَرْفٌ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی خوشبو ہے۔

٧- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرو گے تو ﴿ يَنْصُرْكُمْ ﴾ وہ تمہارے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا ﴿ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ اور وہ جنگ کے مواقع پر یا حجت اسلام پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿١١﴾ ع ١١

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا، سو ان کے لیے ذلت ناک ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ○ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اسے انہوں نے ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا ○ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی کو ڈال دیا، اور کافروں کے لیے ہلاکت کی بہت سی مثالیں ہیں ○ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں ○

٨- ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، سو ان کے لیے ہلاکت ہے [''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''فَتَعْسًا لَّهُمْ'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اور وہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا اور ''تَعْسٌ'' کا معنی ہلاکت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس سے دنیا میں کفار کا قتل ہونا

اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہلاک ہونا مراد ہے [اور ''اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ'' اس فعل پر معطوف ہے جس نے ''تَعْسًا'' کو نصب دیا ہے کیونکہ اس کا معنیٰ ''فَقَالَ تَعْسًا لَّهُمْ'' ہے]۔

۹- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ یعنی کفار کی ہلاکت اور ان کے اعمال کا ضائع ہونا ﴿ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اسے ناپسند کیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی انہوں نے قرآن مجید کو ناپسند کیا ﴿ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

۱۰- ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا یعنی کیا آپ کی امت کے کفار نے زمین میں سفر نہیں کیا ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت و تباہی ڈال دی کہ ان کو ہلاک و تباہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور کافروں کے لیے (یعنی) قریشِ مکہ کے مشرکین کے لیے ﴿ اَمْثَالُهَا ﴾ اس کی بہت سی مثالیں ہیں (یعنی) اس ہلاکت و تباہی کی بہت سی مثالیں ہیں' اس لیے کہ ہلاکت و تباہی مثالوں پر دلالت کرتی ہے۔

۱۱- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ یعنی مسلمانوں کی فتح و نصرت اور کفار کی ہلاکت و بربادی اور ان کے انجام کی ذلت و بُرائی ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اس لیے ہوئی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے (یعنی) ان کا حامی و ناصر اور ان کا مددگار ہے ﴿ وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ اور بے شک کافروں کے لیے کوئی مولیٰ نہیں ہے یعنی ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے' سو اللہ تعالیٰ تخلیق اور تصرف کا مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں کا مولیٰ ہے جب کہ کافروں کا صرف تخلیق اور ان میں تصرف کرنے کے اعتبار سے مولیٰ ہے اور مسلمانوں کا خاص فتح و نصرت کے اعتبار سے مولیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ⑭

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہ کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ○ اور کتنی بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت و طاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا' ہم نے انہیں ہلاک کر دیا' سو ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوا ○ تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کا بُرا عمل آراستہ کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی ○

## نیک مسلمانوں کی جزاءاور کفار کی سزا کا بیان

١٢- ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا' وہ دنیا کی زندگی کے ساز و سامان سے بہت کم اور چند روز عارضی فائدہ اٹھائیں گے ﴿وَیَاْكُلُوْنَ﴾ اور وہ غافل و بے خبر ہو کر آخرت کے بارے میں غور و فکر کیے بغیر اس طرح کھاتے ہیں ﴿كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ جس طرح جانور اپنی چارہ کی کھرلیوں اور اپنی چراگاہوں میں کھاتے ہیں کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر و غافل ہو کر کھاتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ آج گھاس کھا رہے ہیں تو کل ان کی گردن پر چھری چلے گی اور انہیں ذبح کیا جائے گا ﴿وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ﴾ اور ان کا ٹھکانا (یعنی) ان کی منزل و رہائش گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں ہو گی۔

١٣- ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ﴾ اور بہت سی بستیاں یعنی ''كَاَیِّنْ'' بہ معنی ''كَمْ'' ہے اور وہ یہاں تکثیر (بہت اور زیادہ) کے معنی میں ہے اور بستیوں سے وہاں کے باشندے اور رہائشی لوگ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ''اَهْلَكْنٰهُمْ'' کہ ہم نے وہاں کے باشندوں کو ہلاک کر ڈالا ﴿هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ﴾ وہ بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت و طاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکال دیا یعنی ان بستیوں کے بہت سے باشندے آپ کی قوم سے زیادہ مضبوط و توانا تھے' جس نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا یعنی وہ لوگ آپ کی ہجرت کا سبب بن گئے تھے ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا تو ان کا کوئی مددگار نہیں تھا یعنی پس ان کا کوئی ایسا مددگار نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا اور انہیں عذاب سے چھڑا لیتا۔

١٤- ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے مضبوط دلیل اور واضح برہان پر قائم ہو اور وہ برہان و دلیل قرآن مجید ہے جو سراسر معجزہ ہے اور دیگر تمام معجزات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں یعنی وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں (جو اپنے رب کریم کی روشن دلیل قرآن مجید کے حامل ہیں) ﴿كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لیے آراستہ بنا دیا گیا۔ اس سے اہل مکہ مراد ہیں جن کے لیے شیطان نے ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کو آراستہ بنا دیا تھا اور اس لیے ''سُوْٓءُ عَمَلِهٖ'' فرمایا ﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی [''اتبعوا'' فعل جمع کو لفظ ''مَنْ'' اور اس کے معنی پر محمول کیا گیا]۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾

اس جنت کی مثال جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا' اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلتا' اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہے' اور صاف

ستھرے شہد کی نہریں ہیں' اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی' یہ اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا' پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ دے گاO

## پرہیزگاروں کے لیے جنت کی اقسام اور منافقین کے نفاق کا بیان

۱۵- ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ جس جنت کا وعدہ کفر و شرک سے پرہیز کرنے والوں سے کیا گیا ہے' اس کی مثال اور صفت عجیب شان کی ہے ﴿ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ ﴾ اس میں نہریں ہیں [یہ کلام صلہ کے حکم میں داخل ہے جسے اس کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارا "اَلَّتِیْ فِیْهَا اَنْهٰرٌ" کہنا صحیح ہے یا پھر یہ حال واقع ہو رہا ہے" اَیْ مُسْتَقِرَّةً (فِیْهَا اَنْهٰرٌ)" یعنی جب کہ اس میں نہریں برقرار اور قائم و دائم ہیں] ﴿ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ﴾ ایسے پانی کی جو بدبودار نہیں نہ رنگ بدلا ہے نہ بُو بدلی ہے اور نہ ذائقہ و مزہ بدلا ہے' اور "اَسِنَ الْمَآءُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کا مزہ اور اس کی ہوا تبدیل ہو جاتی ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر مد کے "اَسِن" ہے] ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ﴾ اور دودھ کی ایسی نہریں ہیں جس کا ذائقہ اور مزہ نہیں بدلا جیسا کہ دنیا کے دودھ کھٹے اور گاڑھے وغیرہ ہو جاتے ہیں ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴾ اور پینے والوں کے لیے لذیذ شراب کی نہریں ہیں "لَذَّةٍ"' "لَذًا" کی مؤنث ہے' جس کا معنی ہے: لذیذ و مزہ دار چیز یعنی وہ شراب خالص لذیذ اور مزہ دار ہوگی' نہ اس کے ساتھ عقل کے لیے مدہوشی ہوگی اور نہ وہ نشہ آور ہوگی اور نہ وہ سر میں درد کرے گی اور نہ اس میں دیگر شرابوں کی خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہوگی ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ﴾ اور صاف و شفاف اور ستھری شہد کی نہریں ہیں جو شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلی' جس میں موم وغیرہ شامل ہوتی ہے ﴿ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش ہوگی ﴿ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا' پس وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ "حَمِیْمًا" کا معنی ہے: انتہائی گرم ترین پانی [اور "مثل" مبتدا ہے اور یہ ارشاد اس کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے:] "اَمَثَلُ الْجَنَّةِ كَمَثَلِ جَزَآءِ مَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ؟" کیا جنت کی مثال اس شخص کی سزا کی طرح ہو سکتی ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والا ہے؟ [اور یہ کلام اثبات کی صورت میں ہے لیکن اس کا معنی نفی ہے کیونکہ یہ ایک ایسے کلام کے حکم کے تحت داخل ہے جو حرف انکار کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور یہ کلام بھی اسی کے محل میں داخل ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے:] "اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ" (محمد:١٤) "سو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا بُرا عمل اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہے" اور حرف انکار کے حذف کرنے کا فائدہ اس شخص کی عداوت و دشمنی اور مخالفت کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنا ہے جو حق کی واضح دلیل پر قائم کے درمیان اور خواہش نفسانی کے پیروکار کے درمیان برابری کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ شخص اس آدمی کے قائم مقام ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان برابری کا قائل ہے حالانکہ جنت میں صاف پانی اور خالص دودھ اور خالص شہد اور پاکیزہ شراب کی نہریں بہتی ہیں جب کہ دوزخ میں جلانے والی آگ اور انتہائی گرم ترین کھولتا ہوا پانی ہے جو دوزخیوں کو پلایا جائے گا اور وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر دے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا
اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾
فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں' یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم لوگوں سے کہتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا ہے' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی O اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا O سو وہ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ ان پر آ جائے گی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں نصیب ہوگا O سو آپ جان لیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ گناہ سے معصوم رہنے کے لیے استغفار کیجئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے بخشش طلب کیجئے' اور اللہ تعالیٰ تمہاری آمد و رفت اور تمہاری رات کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے O

۱۶ - ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جانے لگتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور وہ بہ ظاہر کان لگا کر آپ کا کلام سنتے لیکن نہ تو اسے ذہن نشین کرتے اور نہ اسے اپنے دلوں میں محفوظ کرتے بلکہ وہ کاہلی اور سستی کرتے تھے' پھر جب مجلس سے نکلتے تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے' یہ صرف تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کے طور پر کہتے تھے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے (ان کے نفاق کی وجہ سے) مہر لگادی اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

۱۷ - ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ اور جن لوگوں نے ایمان لانے اور قرآن مجید کی تلاوت کو غور سے سننے کے سبب ہدایت حاصل کر لی ﴿زَادَهُمْ هُدًى﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو مزید بڑھا دیا کہ انہیں علم و بصیرت عطا فرمائی یا (دین اسلام کے لیے) ان کے سینوں کو مزید کشادہ فرما دیا ﴿وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے پر ان کی مدد فرمائی یا تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہ طریقے بیان کرتا ہے' جن کو اپنا کر وہ پرہیز گار بن جاتے ہیں۔

١٨ - ﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ﴾ پس وہ لوگ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ ان پر اچانک آ جائے یعنی قیامت کے اچانک آ جانے کا انتظار کر رہے ہیں [''يَنْظُرُوْنَ'' بہ معنی ''يَنْتَظِرُوْنَ'' ہے اور ''اَنْ تَاْتِيَهُمْ'' ''السَّاعَةَ'' سے بدل اشتمال ہے] ﴿ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ﴾ سو بے شک اس کی علامتیں اور نشانیاں آ چکی ہیں اور وہ سرورِ انبیاء حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبی اور رسول کی حیثیت سے تشریف آوری ہے' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہے اور دھواں ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس سے باہمی رشتے داریاں منقطع ہو جانا اور نیک لوگوں کی کمی اور کمینوں اور بُروں کی کثرت مراد ہے ﴿ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴾ پھر جب ان پر قیامت آ جائے گی تو اس وقت انہیں نصیحت کہاں فائدہ دے گی۔ اخفش نے کہا: تقدیرِ عبارت اس طرح ہے کہ ''فَاَنّٰى لَهُمْ ذِكْرٰىهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ'' پھر انہیں ان کی نصیحت کہاں فائدہ دے گی جب ان پر قیامت آ چکے گی۔

١٩ - ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ سو آپ جان لیجئے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اپنے آپ کو معصوم رکھنے کے لیے استغفار کرتے رہیے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت و بخشش طلب کیجئے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق جو یقینی علم حاصل ہے' اس پر آپ ثابت قدم رہیں اور اس پر جمے رہیں اور تواضع و عاجزی اور کسرِ نفسی کے طور پر اپنی تقصیر پر اور اپنے دین پر چلنے والوں کے گناہوں پر استغفار کرتے رہیں۔[1]

کتاب التاویلات کی شرح میں لکھا ہے کہ ممکن ہے آپ کا کوئی ''ذنب'' (قصور) ہو جس پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہو لیکن ہم آپ کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں جانتے' ماسوا اس بات کے کہ افضل و اعلیٰ عمل کا ترک انبیائے کرام علیہم

[1] واضح ہو کہ تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں' اس لیے مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' کے کئی معانی بیان کیے ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں: (١) حقیقی استغفار مراد نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تواضع اور کسرِ نفسی کے اظہار کے لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے ورنہ آپ تو گناہوں سے معصوم ہیں (٢) (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی طرف سے عطا کردہ بے شمار معجزات و کمالات کا کما حقہ شکر ادا نہ کر سکنے کی) تقصیر پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ورنہ آپ تمام گناہوں سے معصوم ہیں (٣) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مصلحت کی وجہ سے اولیٰ و اعلیٰ عمل کو ترک کر کے عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرتے ہوئے کسی خلافِ اولیٰ اور کم تر عمل کو اختیار کر لیتے جب کہ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' ''نیکوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ سمجھی جاتی ہیں'' کے مطابق آپ اس کو اپنی عظمت و شان کے مقابلے میں تقصیر خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے اور ''اِسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' بھی اسی بناء پر فرمایا گیا ہے۔

(٤) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر لحظہ و ہر لمحہ مقامات رفیعہ عظیمہ کی طرف ترقی پذیر رہتے ہیں' چنانچہ جب آپ مقام و مرتبہ سے اعلیٰ و ارفع کی طرف ترقی فرماتے ہیں تو پہلے والے ادنیٰ مقام و مرتبہ کو تقصیر خیال فرماتے ہوئے اس پر استغفار کرتے ہیں' اس لیے یہاں بھی ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ٥٥' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(٥) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معصوم و مغفور پیدا فرمانے کے باوجود استغفار کا حکم اس لیے دیا' تاکہ آپ کی امت آپ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کرتی رہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ٤ ص ١٨٢' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر خازن ج ٤ ص ١٤٨' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ٨ ص ٤٣١' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر جلالین مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ٤ ص ٨٥' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتا ہے (جس پر وہ استغفار کرتے ہیں) مگر خود برائی کا ارتکاب ان سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور جب کہ ہمارے گناہ خود برائیوں کے ارتکاب سے آلودہ ہوتے ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں [اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ان آیات میں جس قدر ''فا'' ہیں وہ جملے کا جملے پر عطف کرنے کے لیے ہیں' اس لیے ان کے درمیان اتصال ہے] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے معاشی اور تجارتی کاروبار کے لیے چلنے پھرنے اور آنے جانے کو خوب جانتا ہے ﴿وَمَثْوٰىكُمْ﴾ اور تم اپنے گھروں میں جہاں ٹھہرتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے یا وہ تمہاری زندگی میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور قبروں میں تمہارے ٹھہرنے کو یا تمہارے اعمال میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور جنت و دوزخ میں سے تمہارے ٹھکانے کو خوب جانتا ہے اور ایسی علیم وخبیر ذاتِ اقدس اس بات کی حق دار ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے اور اس کے عذاب اور گرفت سے ڈرا جائے اور اپنے گناہوں پر اس سے مغفرت و بخشش طلب کی جائے اور حضرت سفیان بن عیینہ سے علم کی فضیلت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' نہیں سنا؟ کیونکہ اس میں عمل کا حکم علم کے بعد دیا گیا ہے (جس سے معلوم ہوا علم عمل سے اہم ہے اور اسے عمل سے پہلے حاصل کرنا واجب ہے)۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری گئی' سو جب کوئی مستحکم سورت اُتاری جاتی اور اس میں جہاد کا حکم ذکر کیا جاتا تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت طاری ہو جاتی ہے' سو ان کے لیے ہلاکت بہت قریب ہے O اطاعت وفرماں برداری کرنا اور اچھی بات کہنا (ان کے حق میں بہتر تھا)' پھر جب جہاد کا حکم فرض ہو گیا تو اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا O سو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے باہمی رشتے ناتے توڑ دو گے O

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام گناہوں سے معصوم پیدا فرمایا تو اس لیے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام گناہوں سے معصوم رہنے پر استغفار کیجئے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ مصر)

(۷) ''ذنبك'' سے اہل بیت کرام کی لغزشیں مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کرام اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کیجئے۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۴۸' مطبوعہ مصر' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ مصر' تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' لبنان)

## مسلمانوں کی خواہش پر جہاد کی فرضیت سے منافقوں کی پریشانی کا بیان

٢٠- ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری جاتی جس میں جہاد کا حکم بیان کیا جائے ﴿ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ پھر جب کوئی سورت جہاد کے بیان میں نازل کی جاتی ہے ﴿ مُّحْكَمَةٌ ﴾ مستحکم اور ایسی واضح کہ اس میں جہاد کی فرضیت کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال نہیں ہوتا' اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے وہ محکم وقطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس پر نسخ کسی طرف سے وارد نہیں ہو سکتا بے شک ابتدائے اسلام میں کفار کے ساتھ عفو ودرگزر کرنے اور نرم روّیہ رکھنے کی جو اجازت تھی' اس کو جہاد سے منسوخ کر دیا ہے اور خود جہاد قیامت کے دن تک منسوخ نہیں ہوگا ﴿ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ﴾ اور اس میں جہاد اور جنگ کا ذکر کیا جاتا یعنی اس میں جہاد کا حکم دیا جاتا ﴿ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی کیا آپ نے منافقین کو دیکھا کہ ان کے درمیان کس طرح اضطراب برپا ہو گیا ہے کیونکہ وہ جہاد کے حکم کی وجہ سے پریشان ومضطرب ہو رہے ہیں ﴿ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ﴾ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے یعنی وہ لوگ بزدلی اور گھبراہٹ کی وجہ سے اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کے وقت غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے ﴿ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴾ پس ان کے لیے ہلاکت قریب آچکی ہے۔ یہ ان منافقین کے لیے وعید اور دھمکی ہے اور یہ ''فَوَيْلٌ لَّهُمْ'' (سوان کے لیے ہلاکت ہے) کے معنی میں ہے اور یہ ''وَلِیٌّ'' سے اسم تفضیل ''اَفْعَلُ'' کے وزن پر ہے اور اس کا معنی ہے: قریب ونزدیک اور اس کا مطلب ان لوگوں پر بددعا ہے کہ امر مکروہ ان کے قریب ہو (یعنی انہیں دوزخ نصیب ہو)۔

٢١- ﴿ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ﴾ اطاعت وفرماں برداری کرنا اور اچھی اور بھلائی کی بات کہنا ان کے لیے بہتر و مفید ہے [یہ ایک الگ مستقل کلام ہے] ﴿ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ﴾ پھر جہاد کا حکم محکم و پکا ہو گیا اور جہاد کرنا ان پر لازم ہو گیا ﴿ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ ﴾ تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے میں اور اطاعت میں سچے ہوتے ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ تو البتہ ان کا سچ جہاد کی ناگواری سے ان کے لیے بہتر ہوتا۔

٢٢- پھر اللہ تعالیٰ غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا' اور ایک قسم کی ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکی آمیز کلام کے ساتھ مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴾ تو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے یعنی پس ممکن ہے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے دین اور ان کی سنت سے پھر جاؤ گے تو تم زمانۂ جاہلیت کی اس بُری عادت کی طرف لوٹ جاؤ گے جس پر تم پہلے کاربند تھے کہ تم قتل وغارت اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم رشتہ داروں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑائی کر کے رشتے ناتے توڑ دو گے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دو گے [''عَسٰی'' کی خبر ''اَنْ تُفْسِدُوْا'' ہے اور شرط اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ'' تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے اگر تم حکمران بن گئے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ
الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیاO تو کیا وہ قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیںO

٢٣- ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور اور محروم کر دیا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' سے مذکورہ بالا مفسدین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ﴿فَأَصَمَّهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو وعظ ونصیحت سننے سے بہرا کر دیا ﴿وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ اور ہدایت کی راہ دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

٢٤- ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ تو کیا وہ قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کرتے ورنہ وہ قرآن مجید میں مذکور وعظ و نصیحت اور گناہ گاروں اور نافرمانوں کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکیوں کو ضرور پہچان لیتے یہاں تک کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی جراءت نہ کرتے ﴿أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں' اس آیت مبارکہ میں ''اَمْ'' ''بَلْ'' کے معنی میں ہے اور شروع میں ہمزہ ان لوگوں پر اس بات کی مہر لگانے اور اس بات کی تقریر کے لیے آیا ہے کہ بے شک ان کے دل مقفل ہو چکے ہیں' اس لیے ان کے دلوں میں نہ تو نصیحت پہنچتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اور ''قلوب'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ سخت ترین دل مراد ہیں جن کا معاملہ اس سلسلے میں مبہم ہے (ان کی سختی کس قدر زیادہ ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا) اور مراد بعض قلوب ہیں اور وہ منافقین کے دل ہیں اور ''اَقْفَال'' کی اضافت ''قُلُوْب'' کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ان سے ایسے قفل (تالے) مراد ہیں جو انہیں دلوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ کفر ونفاق کے تالے ہیں جن کی وجہ سے ان کے دل بند ہو گئے ہیں' سو اب وہ نہیں کھلیں گے جیسے شک وشبہ اور انکار وتردّد اور مہر وچھاپ لگانے کے تالے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ
سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ
سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ
الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ
ع ٣ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

بے شک جو لوگ (اسلام سے) پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی' شیطان نے ان کے لیے (کفر کو) خوش نما بنا دیا اور اس نے ان کو لمبی امیدیں دلائیںO یہ اس لیے ہوا کہ بے شک منافقوں

نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے' اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہےO پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گےO یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیےO

## منافقوں کے ارتداد اور اس کے سبب وانجام کا بیان

٢٥- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی﴾ بے شک جو لوگ پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے یعنی منافقوں پر حق واضح ہو چکا تھا (اور انہوں نے زبانی کلمہ پڑھ کر اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار بھی کر لیا تھا لیکن) اس کے بعد وہ لوگ خفیہ طور پر کفر کی طرف لوٹ گئے ﴿الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے فریب کاری سے ان کے لیے کفر کو خوش نما اور خوب صورت بنا کر پیش کیا۔ ''سَوَّلَ'' بہ معنیٰ ''زَیَّنَ'' ہے [یہ جملہ مبتدا اور خبر سے مل کر ''اِنَّ'' کی خبر واقع ہو رہا ہے جیسے ''اِنَّ زَیْدًا عَمْرٌو مَرَّ بِهٖ'' بے شک زید کہ عمرو اس کے پاس سے گزر گیا] ﴿وَاَمْلٰی لَهُمْ﴾ اور اس نے انہیں لمبی امیدیں دلائیں (یعنی) شیطان نے انہیں دنیا میں عرصۂ دراز تک رہنے کی امیدیں اور تمنائیں اور آرزوئیں دلائیں [قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اُمْلِیَ'' (فعل ماضی مجہول) ہے] یعنی انہیں مہلت دی گئی اور ان کی عمریں دراز کر دی گئیں۔

٢٦- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا یعنی منافقوں نے یہودیوں سے کہا: ﴿سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ﴾ ہم بعض معاملات میں تمہاری اطاعت کریں گے یعنی (حضور سید عالم حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے میں اور ان کی امداد کرنے کی بجائے پیچھے بیٹھے رہنے میں تمہاری بات مانیں گے ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے [امام حفص' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں (ہمزہ مکسور کے ساتھ) ''اِسْرَارٌ''، ''اَسَرَّ'' کا مصدر ہے]

٢٧- ﴿فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے یعنی اس وقت وہ کیا کریں گے اور اس وقت وہ کون سا مکر و فریب اور حیلہ کریں گے؟ ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ وہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ماریں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جو شخص بھی گناہ کی حالت میں فوت ہوتا ہے' اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے چہرے اور اس کی پشت پر مارتے ہیں۔

٢٨- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ خوفناک موت۔ ''ذالك'' سے مذکورہ بالا موصوفہ وفات کی طرف اشارہ ہے ﴿بِاَنَّهُمْ﴾ ایسی موت کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ﴿اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض و غضب ناک کر دیا اور وہ ہے کافروں کی مدد کرنا ﴿وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کو ناپسند کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ

اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ
اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے ہوئے کینے کو ہرگز نہیں نکالے گاO اور اگر ہم چاہیں تو وہ لوگ آپ کو ضرور دکھادیں' سو آپ تو انہیں ان کی علامت سے خوب پہچانتے ہیں' اور آپ انہیں گفتگو کے لہجے سے ضرور پہچان لیں گے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہےO اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کردیں گے' اور ہم تمہاری خبروں کی جانچ پرکھ کریں گےO بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور اس رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی' وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کردے گاO

## منافقوں کے قلبی بغض اور ان کی پہچان و امتحان کا بیان

٢٩- ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴾ کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' انہوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بغض و عناد کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا منافقوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ان کے بغض و عناد اور ان کی عداوت و دشمنی کو ظاہر نہیں فرمائے گا۔

٣٠- ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ ضرور دکھادیں (یعنی) ہم آپ کو ان کی پہچان ضرور کرادیں گے اور ہم ان پر آپ کی ضرور رہنمائی کریں گے ﴿ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ ﴾ سو آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی علامت بنادے گا' جس سے انہیں پہچان لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد منافقین میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ پر مخفی اور پوشیدہ نہیں رہا' آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیا کرتے تھے[1]

﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ ﴾ اور آپ انہیں گفتگو کے انداز اور لہجے سے ضرور پہچان لیں گے (یعنی) آپ انہیں

[1] اس حدیث مبارکہ کو (ا) امام بغوی نے اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں نقل کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مَا خَفِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ شَيْءٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ كَانَ يَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ'' اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ پر منافقین میں سے کچھ مخفی نہیں رہا' آپ انہیں ان کے چہروں اور ان کے لیے مقرر کردہ علامتوں سے پہچان لیتے تھے۔ نیز اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں: ''فَكَانَ بَعْدَ هٰذَا لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا عَرَفَهٗ بِقَوْلِهٖ وَيَسْتَدِلُّ بِفَحْوٰى كَلَامِهٖ عَلٰى فَسَادِ خُلُقِهٖ وَعَقِيْدَتِهٖ'' پس اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد کوئی منافق حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گفتگو نہیں کرتا تھا مگر آپ اس کے نفاق کو اس کی باتوں سے پہچان لیتے تھے اور آپ اس کے کلام کے لب و لہجہ اور محاورے سے اس کی بدخلقی اور بدعقیدگی پر استدلال فرمالیتے تھے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۸۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے کلام کے محاورے اور اچھے بُرے اندازِ گفتگو سے اور اسی طرح ان کے تعریض وطنز کے کلام سے پہچان لیں گے کیونکہ منافقین اپنے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو چھپا نہیں سکتے تھے [ ''فَلَعَرَفْتَهُمْ'' میں لام ''لَوْ'' کے جواب میں داخل کیا گیا جیسے ''لَاَرَيْنَاكَهُمْ'' میں لام داخل کیا گیا ہے چنانچہ معطوف میں بھی مکرر داخل کیا گیا ہے اور لیکن ''وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ'' میں لام نون کے ساتھ مل کر محذوف قسم کے جواب میں واقع ہوا ہے ] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے سو وہ ان میں سے اچھے اعمال کو بُرے اعمال سے الگ کر دے گا (اور تمہاری نیتوں کے مطابق تمہیں ان کی جزاء عطا فرمائے گا)۔

۳۱- ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ اور ہم تمہیں لوگوں کی آگاہی کے لیے جنگ کے ذریعے آزمائیں گے اپنی آگاہی کے لیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جیسا معاملہ ممتحن امتحان دینے والے کے ساتھ کرتا ہے تاکہ عدل و انصاف کے اظہار میں یہ زیادہ مؤثر ہو جائے ﴿حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور جہاد پر صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں یعنی ہم ہونے والا کام (لوگوں کو) معلوم کرادیں جو ہمیں (ازل سے) معلوم تھا کہ بے شک

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں امام بغوی کے حوالے سے یہی حدیث بیان کی ہے ملاحظہ ہو:

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۴۳۷ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

(۳) علاوہ ازیں علامہ خازن نے تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر میں۔

(۴) علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی جز ۲۶ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور میں نقل کی ہے اور علامہ آلوسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے آخر میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ہم ایک غزوہ (جنگ) میں تھے اور اس میں نو منافق بھی تھے لوگ ان کی شکایت کرتے تھے ایک رات وہ لوگ (حسب معمول) سو گئے اور جب صبح اٹھے تو ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: یہ منافق ہے۔

(۵) امام فخر الدین نے ''فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ'' کی تیسری وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ منافقین کی گفتگو کے لب و لہجہ سے ان کی منافقت کو سمجھ جاتے اور آپ کے علاوہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ منافقین کو پہچانتے تھے لیکن آپ نے ان کے نفاق کو اس وقت تک ظاہر نہیں فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے نفاق کے اظہار کی اجازت نہیں دی اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع نہیں فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۶) علامہ محمد اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بھی نقل کی اور علامہ امام فخر الدین رازی اور علامہ سیّد محمود آلوسی کی طرح اس غزوہ کا ذکر بھی کیا جس میں ایک رات سو کر صبح اٹھنے پر نو منافقین کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا کہ یہ منافق ہیں نیز انہوں نے صوفیانہ تفسیر کے تحت لکھا ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ الْفِرَاسَةِ وَالْعَارِفُ بِنُوْرِ التَّحْقِيْقِ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ بِاللّٰهِ فَلَا يَسْتَتِرُ عَلَيْهِ شَيْءٌ'' (تفسیر روح البیان جز ۲۶ مترجم ص ۱۶۷-۱۶۹ مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور عربی ج ۹ ص ۵۰۱) ''مؤمن تو بے شک فراست کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف تحقیق کے نور سے دیکھتا ہے اور نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے سو اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی''۔

(۷) علامہ ابن کثیر نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا اے فلاں! کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لیے۔

(تفسیر ابن کثیر اردو ج ۵ ص ۱۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ کام عنقریب ہوگا ﴿وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ اور ہم تمہاری خبروں کو آزمائیں گے (یعنی) ہم تمہارے حالات اور تمہاری نیتوں کو آزمائیں گے [ابوبکر کوفی کی قراءت میں "وَلَيَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى يَعْلَمَ وَيَبْلُوَا" ہے] حضرت خواجہ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرماتے تو روتے تھے اور عرض کرتے: اے میرے اللہ! تو ہمیں نہ آزما کیونکہ اگر تو ہمیں آزمائے گا تو ہم رُسوا ہو جائیں گے اور ہمارے پردے چاک ہو جائیں گے اور ہم مصیبت وعذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

٣٢- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور انہوں نے اس رسول کی مخالفت کی اور اس سے دشمنی کی یعنی بدر کے دن لشکر کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مراد ہیں اور اس کا بیان (سورۃ الانفال میں) گزر چکا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی (یعنی) اس کے بعد کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا کہ دین اسلام یقیناً حق ہے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (٨) عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَافِقِيْنَ فَمَنْ سَمَّيْتُهُ فَلْيَقُمْ ثُمَّ قَالَ قُمْ يَا فُلَانُ قُمْ يَا فُلَانُ حَتّٰى سَمّٰى سِتَّةً وَّثَلَاثِيْنَ" (تفسیر صاوی ج ٤ ص ٨٧، مطبوعہ مصطفےٰ البابی، مصر) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی، پھر اس کے بعد فرمایا: بے شک تم میں سے بعض لوگ منافق ہیں، سو میں جس کا نام لوں پس وہ کھڑا ہو جائے، پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا، اے فلاں! کھڑا ہو جا، یہاں تک کہ آپ نے چھتیس اشخاص کے نام لیے۔ نیز اس حدیث کو سورۃ التوبہ: ١٠١ کے تحت تفسیر روح المعانی جز ١١ ص ١١، مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ٤ ص ٤٩٣، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، تفسیر مظہری ج ٤ ص ٢٨٩، مطبوعہ دہلی، تفسیر صاوی ج ١ ص ١٥٤، مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی، مصر، تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ٢ ص ٢٧٦، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، خزائن العرفان ص ٢٤٤، مطبوعہ مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور، تفسیر تبیان القرآن ج ٥ ص ٢١، تفسیر عثمانی حاشیہ بر قرآن ص ٢٦٢، مطبوعہ دار التصنیف، کراچی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(٩) علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا، ممکن ہے کہ وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو، یا آیۂ ہٰذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل وتعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ٦٦١، مطبوعہ دار التصنیف، کراچی)

(١٠) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منافقین کے متعلق مکمل علم ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا: "فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا" (التوبہ: ٨٣) "سو (اے محبوب! منافقوں سے) فرما دیجئے کہ تم میرے ساتھ (جہاد کے لیے) ہرگز کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے"۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (التوبہ: ٨٤) "اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان آیات پر تب عمل کر سکیں گے جب آپ کو منافقین کا مکمل علم ہوگا تاکہ آپ صرف مسلمانوں کو جہاد میں لے جائیں اور انہیں کی نماز جنازہ پڑھائیں اور انہیں کی قبور پر کھڑے ہوں لیکن منافقین کو نہ جہاد میں لے جائیں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں اور نہ ان کی قبور پر کھڑے ہوں۔ غوثوی مہاروی

نے رسول اکرم ﷺ کو پہچان لیا ﴿لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَ سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے وہ تمام اعمال ضائع فرما دے گا جو انہوں نے رسول اکرم کی مخالفت میں کیے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے تمام منصوبے ناکام و باطل کر دے گا' سو وہ ان میں سے کسی منصوبہ کے ذریعے اپنے اغراض و مقاصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' اور تم اپنے اعمال برباد نہ کرو ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا ○ سو تم سستی نہ کرو اور نہ انہیں صلح کی دعوت دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال میں تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا ○

٣٣ - ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم نفاق اور ریا کاری کے سبب اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

٣٤ - ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ سے بدر کے کنویں میں ڈالے جانے والے کفار مراد ہیں (جنہیں غزوۂ بدر میں مسلمان مجاہدین نے قتل کیا تھا) اور بہ ظاہر یہ حکم عام ہے۔

٣٥ - ﴿فَلَا تَهِنُوْا﴾ سو تم سستی نہ کرو اور نہ تم کمزوری دکھاؤ اور تم دشمن کے لیے عاجزی کا اظہار نہ کرو ﴿وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ﴾ اور تم صلح کی طرف نہ بلاؤ یعنی تم کفار کو صلح کی دعوت نہ دو [قاری حمزہ' ابوبکر کوفی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ ''اَلسِّلْم'' ہے] ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ اور تم ہی غالب رہو گے' یعنی ''اعلون'' بہ معنیٰ ''اغلبون'' ہے اور ''تَدْعُوْا'' نہی کے حکم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے ﴿وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا مددگار ہے ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا اجر و ثواب تمہیں کم نہیں دے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ

هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾

ع ۴ / ۸

بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے' اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجرو ثواب عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا O اگر وہ تم سے انہیں مانگے اور وہ تم سے مانگنے میں اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے بغض و کینے نکال دے گا O خبردار! تم وہی لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو' تو تم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں' اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو' اور اگر تم منہ پھیرلو گے تو وہ تمہارے سوا دوسری قوم تبدیل کرلے گا' پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے O

---

٣٦- ﴿ اِنَّمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ﴾ بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے' بہت جلد اور تھوڑی مدت میں ختم ہو جاتی ہے اور فانی و ناپائیدار ہے ﴿ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ ﴿ وَتَتَّقُوۡا ﴾ اور تم کفر و شرک چھوڑ کر متقی اور پرہیزگار بن جاؤ ﴿ یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ ﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے ایمان لانے پر اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا ﴿ وَلَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ ﴾ اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا یعنی وہ تم سے تمہارا تمام مال طلب نہیں کرے گا بلکہ چالیسواں حصہ طلب کرے گا اور مال طلب کرنے والے سے اللہ تعالیٰ مراد ہے یا اس کا رسول مراد ہے اور حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ (شریعت میں) کثیر مال میں سے قلیل مال (چالیسواں حصہ) طلب کیا جاتا ہے۔

٣٧- ﴿ اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡهَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا ﴾ اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور وہ تم سے بہت اصرار کرے تو تم بخل کرو گے یعنی وہ مال کی طلب میں شدت سے مطالبہ کرے اور تم سے سارا مال طلب کرلے (تو تم بخل کرو) اور ''احفاء'' کا معنی ہے: مبالغہ کرنا اور ہر چیز میں اس کی انتہاء تک پہنچنا اور جب کوئی شخص سوال کرنے میں بہت زیادہ اصرار کرے تو کہا جاتا ہے: ''اَحۡفَاهُ فِی الۡمَسۡاَلَةِ'' فلاں شخص نے اس سے سوال کرنے میں بہت اصرار کیا' اور جب کوئی شخص اپنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دے تو کہا جاتا ہے: ''اَحۡفٰی شَارِبَهٗ'' فلاں آدمی نے اپنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دیں ﴿ وَیُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ ﴾ اور وہ تمہارے کینے کو نکال دے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے سوال کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے گا اور یا تمہارا بخل تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے مطالبے کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے گا کیونکہ مال کے مطالبے اور سوال پر عداوت و کینہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

٣٨- ﴿ هٰٓاَنۡتُمۡ ﴾ اس میں ''ھَا'' تنبیہ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ اور خبردار ہو جاؤ (اور ''اَنۡتُمۡ'' مبتدا ہے) ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ [یہ موصول بہ معنی ''اَلَّذِیۡنَ'' ہے اور اس کا صلہ ﴿ تُدۡعَوۡنَ ﴾ ہے (موصول اپنے صلہ سے مل کر ''اَنۡتُمۡ'' مبتدا کی خبر ہے)] یعنی تم وہی لوگ ہو کہ جب تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور یہ جنگ کے لیے خرچ کرنا مراد ہے یا پھر زکوٰۃ ادا کر کے خرچ کرنا مراد ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اس بات پر

دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال طلب کرنے کے لیے تم سے مطالبہ میں اصرار کرے تو تم ضرور بخل کرو گے اور مال دینے کو ناپسند کرو گے' یہ ہے کہ جب مال کے چالیسویں حصے کی ادائیگی کے لیے تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ﴾ تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں (اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) [یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ ''مَنْ'' شرطیہ نہیں ہے] یعنی سو تم میں سے بعض لوگ اس کی ادائیگی میں بخل کرتے ہیں ﴿ وَمَنْ يَّبْخَلْ ﴾ اور جو شخص صدقہ دینے میں اور فرض کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے ﴿ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ تو بے شک وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے یعنی وہ اپنی ذات کی وجہ سے بخل کرتا ہے' اپنے رب تعالیٰ کی وجہ سے نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنی ذات پر بخل کرتا ہے (کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا فائدہ اور ادا نہ کرنے کا نقصان خود اسی کی اپنی ذات پر وارد ہوگا) چنانچہ ''بَخِلْتُ عَلَيْهِ وَعَنْهُ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو یعنی اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم اس لیے نہیں دیتا کہ اسے اس کی حاجت وضرورت ہے کیونکہ وہ تو تمام حاجات سے بے نیاز ہے لیکن وہ تمہیں تمہاری حاجت کی وجہ سے حکم دیتا ہے اور تم اجر وثواب کے محتاج ہو ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا ﴾ اور اے اہل عرب! اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری سے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے سے روگردانی کرو گے اور تم اپنے منہ پھیر لو گے تو [اور یہ ''وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا'' پر معطوف ہے] ﴿ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ وہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تبدیل کر لے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تم سے بہتر اور تم سے زیادہ فرماں بردار واطاعت گزار قوم پیدا فرمائے گا اور وہ فارس کی قوم مراد ہے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس وقت آپ کے ایک طرف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے' چنانچہ آپ نے ان کی ران پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ اور اس کی قوم مراد ہے اور قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا (کہکشاں نامی ستاروں) سے معلق ہوتا تو فارس کے لوگ اسے ضرور حاصل کر لیتے [1] ﴿ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے یعنی پھر وہ لوگ اطاعت وفرماں برداری میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ لوگ تم سے بڑھ کر زیادہ اطاعت گزار اور زیادہ فرماں بردار ہوں گے۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ٢٩ رکوعاتہا ٤

سورۃ الفتح مدنی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی انتیس آیات' چار رکوع ہیں

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا
عَزِيْزًا ﴿٣﴾

بے شک ہم نے آپ کو ایک روشن اور واضح فتح عطا فرما دی ہے○ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی عصمت کو ہر قسم کے گناہ سے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں محفوظ رکھے اور اپنی (ہر قسم کی) نعمت آپ پر پوری فرما دے اور آپ کو صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے○ اور اللہ تعالیٰ زبردست نصرت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائے○

1 رواہ احمد ج ۲ ص ۴۱۷' البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۸' مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱' ۲۵۴۶

## محبوبِ خدا کے لیے انعاماتِ خمسہ کا بیان

سورۃ الفتح مدنی ہے اور اس کی انتیس آیتیں ہیں۔

۱- ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ بے شک ہم نے آپ کو روشن اور واضح فتح عطا فرما دی ہے۔ فتح کا مطلب ہے: کسی شہر پر غلبہ پا کر کامیابی حاصل کرنا' یا صلح کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا خواہ یہ صلح جنگ کے ساتھ ہو یا بغیر جنگ کے ہو کیونکہ جب تک شہر پر کامیابی اور فتح حاصل نہ ہو تو اس میں داخلہ بند ہوتا ہے لیکن جب اس پر فتح اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں داخلہ کھل جاتا ہے' پھر بعض حضرات کا قول ہے کہ اس فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے ساتھ (۶ ہجری میں) مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے۔ اس میں آپ سے فتح کا وعدہ فرمایا گیا اور اس فتح کو فعل ماضی کے لفظ کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا تحقق اور وقوع پذیر ہونا یقینی طور پر ہونے والے کام کے قائم مقام ہے اور اس میں عظمت و بڑائی کا اظہار ہے اور مخبر عنہ (فتح) کے عالی شان ہونے پر دلالت و رہنمائی ہے جو (کسی ذی عقل پر) مخفی نہیں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے فتح حدیبیہ مراد ہے اور اس میں شدید قسم کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے درمیان تیر اندازی اور پتھر بازی ہوئی تھی' چنانچہ مسلمانوں نے دفاع کرتے ہوئے مشرکین پر تیر اندازی کی تھی' یہاں تک کہ مشرکین کو ان کے گھروں میں جانے پر مجبور کر دیا اور انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا اور انہوں نے (مرعوب ہو کر) صلح کی درخواست کر دی' سو اس لیے یہ "فتح مبین" (روشن اور واضح فتح) قرار پائی اور علامہ زجاج نے کہا کہ فتح حدیبیہ میں بہت بڑا معجزہ رونما ہوا تھا اور وہ یہ کہ حدیبیہ نامی کنویں کا پانی حسبِ ضرورت نکالا جاتا رہا اور اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا اور سارا پانی ختم ہو گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے کلی کی اور اسے کنویں میں ڈال دیا' چنانچہ کنویں کی گہرائی سے پانی جوش مارنے لگا اور وہ کنواں کناروں تک لبالب بھر گیا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے پیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے فتح خیبر مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کے خلاف آپ کے لیے ایک واضح فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ اور آپ کے صحابہ اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ تم سب کے سب بیت اللہ شریف کا طواف کرو' اور یہ "فتاحة" سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔

۲- ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما دے۔ بعض نے فرمایا کہ فتح مغفرت کا سبب نہیں اور تقدیر عبارت یوں ہے: "(اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا) فَاسْتَغْفِرْ (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ)" بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی' سو آپ (اظہارِ تشکر کے لیے) مغفرت طلب کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد ہے: "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○" (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ تک: "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" (النصر:۱۔۳) "جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی فتح آ جائے تو (اظہارِ تشکر کے لیے) آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے" اور یہ بھی جائز ہے کہ فتح مکہ مراد ہو کیونکہ دشمنانِ دین سے جہاد کرنا مغفرت و بخشش کا سبب ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ فتح اس لیے نہیں تھی کہ آپ کی مغفرت کی جائے بلکہ وہ تو زبردست مدد عطا فرمانے اور نعمت کی تکمیل کے لیے تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی جانے والی اپنی نعمتوں کا شمار کیا تو ان کے ساتھ اس مغفرت و بخشش کی نعمت کو بھی شمار کر کے ان کے ساتھ ملا دیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی عظیم الشان نعمت ہے' گویا فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مکہ کو اس لیے آسان فرما دیا تاکہ ہم دین و دنیا کی عزتیں اور دنیا و آخرت کے اغراض و مقاصد آپ کے لیے جمع فرما دیں ﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾

جو اس سے پہلے اجتہادی اور امت کی تعلیم کے لیے خلافِ اولیٰ امور میں تقسیم ہوئی اور جو اس کے بعد ہوئی۔[۲] "مِنْ ذَنْۢبِكَ"

[۱] اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پہلی تین آیات میں اپنے محترم و مکرم اور معظم محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر پانچ پانچ نعمات کا ذکر فرمایا ہے: (۱) فتح مبین (۲) مغفرت ذنب (۳) اتمام نعمت (۴) صراط مستقیم کی ہدایت (۵) قوی ترین نصرت و مدد چنانچہ ان میں سے دوسرا انعام یعنی مغفرت ذنب (گناہوں کی بخشش) کی نسبت آپ کی طرف کرنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کے گناہ تھے جن کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے؟ حالانکہ تمام انبیائے کرام خصوصاً ہمارے آقا سید الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ تمام گناہوں سے معصوم اور پاک ہیں تو پھر مغفرت ذنب کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام نے اس شبہ کے چند جوابات بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مغفرت کا معنی عصمت ہے یعنی "لِيَعْصِمَكَ اللّٰهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمُرِكَ وَفِيمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ" تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے آپ کو معصوم رکھے' چنانچہ علامہ جلال الدین محلی تفسیر جلالین میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: "وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِيْلِ الْعَقْلِيِّ الْقَطْعِيِّ" یعنی اس کی تاویل کی جائے گی کیونکہ انبیائے کرام کی عصمت و پاک دامنی عقلی قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت ہے۔ (تفسیر جلالین مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر) امام فخر الدین رازی نے چار وجوہ بیان کی ہیں' ان میں سے چوتھی توجیہ یہی ہے کہ مغفرت سے عصمت مراد ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے گناہ سے معصوم و محفوظ رکھے)۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" کا معنی ہے: "لِيَعْصِمَكَ اللّٰهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمُرِكَ وَفِيمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا۔ اس آیت میں مغفرت' عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' بحوالہ مدارج النبوت ج ۱ ص ۲۷۔ ۳۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

(۲) مغفرت کا معنی احالہ (عصمت کے پردے کا حائل ہونا مراد) ہے' جب وہ بندے کے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو اس سے گناہ صادر نہیں ہوتے کیونکہ غُفران' مغفرت اور غفر کا لغوی معنی ستر (پردہ) ہے اور یہ ستر کبھی تو بندے کے درمیان اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ گناہوں سے محفوظ اور بچ جاتا ہے) اور کبھی بندے کے درمیان اور اس کے عذاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ عذاب سے بچ جاتا ہے) بہر حال انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق صرف پہلا معنی ہے (کہ انبیائے کرام کے حق میں مغفرت کا معنی ان کے درمیان اور گناہوں کے عصمت کے پردے کا حائل ہو جانا ہے) اور امتیوں کے لیے دوسرا معنی مراد ہوتا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰۔ ۹۱' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

(۳) "مِنْ ذَنْۢبِكَ" سے (کسی مصلحت کی بناء پر) افضل و اعلیٰ کام ترک کر کے خلافِ اولیٰ کام کرنا مراد ہے' اگرچہ یہ جائز ہے لیکن "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ" (نیکوں کی نیکیاں بعض اوقات مقربین کے نزدیک گناہ سمجھی جاتی ہیں) کے مطابق اسے آپ کے مقام و منصب کے اعتبار سے ذنب قرار دے کر اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے۔

(۴) "مِنْ ذَنْۢبِكَ" سے حقیقی گناہ مراد نہیں بلکہ مباح فعل مراد ہے اور وہ مباح ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ تو گناہ ہے اور نہ وہ خلافِ اولیٰ ہے لیکن حضور سیّد عالم ﷺ کی نگاہِ عالی میں نہیں جچا اور آپ کے بلند و بالا مرتبے اور شان کے مقابلے میں ادنیٰ و کم تر ہونے کی وجہ سے آپ کی نگاہِ عالی میں وہ ذنب ہے' اس لیے اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السادس والعشرون ص ۹۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے وہ تمام تقصیرات مراد ہیں جو آپ سے صادر ہو چکیں یا پھر ''مَا تَقَدَّمَ'' سے ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ مراد ہے ( کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دل جوئی کے لیے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیا تھا) اور ''مَا تَاَخَّرَ'' سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورت کا واقعہ مراد ہے ( کیونکہ حضور نے وحی کے ذریعے حضرت زید کی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی خبر پا کر طلاق کے بعد ان سے نکاح کا پختہ ارارہ کر لیا تھا لیکن آپ کو لوگوں کے طعنوں کا خوف وڈر تھا حالانکہ آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا خوف وڈر ہونا چاہیے تھے ) ﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کے دین کو غلبہ عطا فرما کر اور آپ کے ہاتھوں آپ کو شہروں کی فتح عطا فرما کر آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دے گا ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت پر قائم ودائم فرما دے گا اور آپ کو پسندیدہ ترین دین پر ثابت قدم رکھے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(۵) ''ذنب'' کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔گناہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو لیکن اہل لغت لفظ ''ذنب'' کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔اسی مادہ سے دو اور لفظ ہیں: ''ذَنَبٌ'' اور ''ذَنُوْبٌ''۔ ''ذَنَبٌ'' کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چمٹی ہوتی ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں بلکہ باہر سے اس کے ساتھ چمٹا دی گئی ہے اور پانی نکالنے والے ڈول کو ''ذَنُوْبٌ'' کہتے ہیں جو رسی کے ایک سرے سے بندھا رہتا ہے۔اسی مناسبت سے ''ذَنَبٌ'' کا اطلاق الزام پر بھی ہو سکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔قرآن کریم میں بھی ''ذنب'' کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔قبطی اسرائیلی کو زدوکوب کر رہا تھا۔اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مُکا دے مارا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔اپنے زبردست مظلوم ساتھی کی مدد کرنا' اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لیے حملہ آور کو مُکا مارنا' نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرب میں یہ فعل قبیح ہے لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا' اس لیے اس نے آپ پر قتل کا الزام لگا رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتلِ عمد کی ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوتِ حق دو' تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ○'' (الشعراء:۱۴) ''انہوں نے مجھ پر قتل کا الزام لگا رکھا ہے' پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے○'' اس آیت میں ''ذَنْبٌ'' سے گناہ مراد نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے ایک اُمتی کے بچاؤ کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا۔آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا اور نہ عام طور پر مُکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔ان آیات کے سیاق وسباق کو مدنظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے''غَفَرَ'' کا معنی چھپا دینا' دور کرنا ہے۔''مَا تَقَدَّمَ'' سے مراد ہجرت سے پہلے اور''مَا تَاَخَّرَ'' سے ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفارِ مکہ آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں' اس ''فتح مبین'' سے وہ سارے کے سارے نیست ونابود ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالم ﷺ پر عائد کیے جاتے تھے' وہ یہ ہیں کہ یہ کاہن ہے' یہ شاعر ہے' یہ مجنون ہے' یہ ساحر ہے' یہ اوروں سے سن سن کر افسانے بنا لیتا ہے' اسے کوئی اور پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔ ﴿ وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو زبردست نصرت و مدد عطا فرمائے گا (یعنی) ایسی جامع اور مانع مضبوط و مستحکم نصرت و امداد عطا فرمائے گا کہ اس کے بعد کبھی ذلت و رسوائی اور شکست نہیں ہوگی۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ
اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۴﴾
لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ
فِیۡہَا وَ یُکَفِّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۙ﴿۵﴾ وَّ یُعَذِّبَ
الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ
عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ لَعَنَہُمۡ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ
مَصِیۡرًا ﴿۶﴾

وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں اطمینان وسکون نازل فرمایا تاکہ وہ اپنے (پہلے) یقین کے ساتھ مزید یقین کا اضافہ کریں اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے ○ تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وہ کہتے: یہ قوم میں اختلاف' انتشار پیدا کرنے والا ہے' اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اُجاڑ ڈالا ہے' بھائی کو بھائی سے' اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے' اس نے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے' ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۵۳۲۔ ۵۳۳)

(۶) ''مِنۡ ذَنۡۢبِکَ'' سے امت کے گناہ مراد ہیں اور آپ کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ آپ مقتداء ہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰' مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر) امام فخر الدین رازی نے کہا کہ مؤمنوں کے گناہ مراد ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۷) علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہرچند کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے شرف و بزرگی اور مرتبہ و شان کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا' نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم و تکریم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸' بحوالہ مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۲۔ ۷۳' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کی بُرائیوں کو اُن سے دور فرما دے' اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہےO اور تا کہ وہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرا گمان رکھتے ہیں' ان ہی پر بُری گردش ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہےO

## صحابہ کے لیے انعامات اور کفار و منافقین کے لیے عذاب کا بیان

۴ - ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تسکین کو نازل فرمایا تا کہ ان کے (پہلے) یقین و ایمان کے ساتھ مزید ایمان و یقین مستحکم ہو جائے۔
''سکینۃ'' سکون کے معنی کے لیے اس طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ''بھیتۃ'' بہتان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں میں سکون وطمانیت نازل فرمائی تا کہ ان کے (پہلے) یقین کے ساتھ اور یقین بڑھ جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''سکینہ'' سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد و بھروسا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا مراد ہے ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے۔

۵ - ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

۶ - ﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں' وہ ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر مسلط کر دیتا ہے جیسے اس کا علم اور اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے اور اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو سکون و اطمینان عطا فرمایا صلح حدیبیہ کے سبب اور ان سے وعدہ فرمایا کہ انہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور یہ فیصلہ صرف اس لیے فرمایا تا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمت پہچان لیں اور اس پر شکر ادا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے کیونکہ وہ اس صلح سے غیظ و غضب میں جل گئے اور انہوں نے اسے ناپسند کیا ﴿الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت بُرا گمان رکھنے والے ہیں۔ ''السوء'' کا مطلب ہے: کسی چیز کا مذموم و فاسد ہونا' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''فِعْلُ سَوْءٍ اَیْ مَسْخُوْطٍ فَاسِدٍ'' یعنی بُرا اور فاسد کام اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اور منافقین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو رسول کریم اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور نہ انہیں اس حال میں مکہ مکرمہ واپس لائے گا کہ وہ کامیاب و کامران اور فاتح و غالب بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے ﴿عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ﴾ انہیں پر بُری گردش ہے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''اَلسُّوْءُ'' میں سین مضموم ہے] یعنی مشرکین و منافقین مسلمانوں کے بارے میں جس چیز کا گمان رکھتے ہیں اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سو وہی چیز خود انہیں گھیر لے گی اور وہ انہیں پر پڑے گی اور ''اَلسُّوْءُ'' (سین پر پیش) کا معنی ہے: ہلاکت و بربادی اور ''دَائِرَةُ السَّوْءِ'' سین

پر زبر کے ساتھ کا معنی ہے کہ وہ لوگ جس چیز کو مذموم و بُرا خیال کرتے ہیں اور جس کو ناپسند کرتے ہیں وہی بُرائی ان پر پڑے گی (درج ذیل تمام مکرر الفاظ میں سے پہلے لفظ کے پہلے حرف پر زبر ہے اور دوسرے لفظ کے پہلے حرف پر پیش ہے) ''اَلسَّوْء'' اور ''اَلسُّوْء'' اور ''کَرْہٌ'' اور ''کُرْہٌ'' نیز ''ضَعْفٌ'' اور ''ضُعْفٌ'' ہم معنی ہیں مگر زبر والے اسم کی طرف اکثر ہر چیز میں سے وہ چیز مضاف ہوتی ہے جس کی مذمت مقصود ہوتی ہے لیکن ''اَلسُّـوْء'' (پیش والا) سو یہ شر (بُرائی) کے قائم مقام ہوتا ہے جو خیر (بھلائی) کی نقیض اور ضد ہے ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب نازل فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝٧ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَ
تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ
اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا
عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠ ع

اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک میں ہیں' اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے○ بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر اور خوش خبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے○ تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو' اور تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو○ بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے' سو جس نے بیعت کو توڑ دیا تو اس کے توڑنے کا وبال صرف اسی کی ذات پر ہوگا' اور جس نے اس عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا○

## اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کی عظمت و شان کا بیان

٧- ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں' سو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کا مکر و فریب دور کر دے گا جو اس کے محترم نبی کریم ﷺ سے اور مسلمانوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے جس قدر وہ چاہے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب ہے' سو اس کی پکڑ کو رد نہیں کیا جا سکتا ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ جو تدبیر کرتا ہے اور جو منصوبہ بناتا ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

٨- ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے تا کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے سکیں[1] [اور ''شَاهِدًا'' حال مقدر واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ اور آپ ﷺ مؤمنوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور آپ ﷺ کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والے ہیں۔

[1] علامہ محمد اسماعیل حقی حنفی لفظ ''شاهد'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَهُوَ الْمَحْبُوْبُ الْاَصْلِيُّ'' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۹- ﴿ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے خطاب ہے ﴿ وَتُعَزِّرُوْهُ ﴾ اور تم (لوگ) آپ کو نصرت و مدد کے ذریعے قوت دو ﴿ وَتُوَقِّرُوْهُ ﴾ اور تم آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو ﴿ وَتُسَبِّحُوْهُ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ یہ ''تسبیح'' سے ماخوذ ہے یا ''سبحة'' سے ماخوذ ہے اور تمام ضمیریں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تقویت دینے سے مراد اس کے دین کو اور اس کے رسول کو تقویت پہنچانا مقصود ہے اور جس نے ضمیروں میں تفریق کی اور پہلی دو ضمیروں کو نبی کریم ﷺ کے لیے قرار دیا اس نے غلط کیا ہے[1] [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''لِیُؤْمِنُوْا'' پڑھا جاتا ہے اور اس کی ضمیر ''الناس'' (لوگوں) کے لیے ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَمَا سِوَاهُ تَبَعٌ لَهٗ فَلِهٰذَا اَرْسَلَهُ اللّٰهُ شَاهِدًا فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَرُبُوْبِيَّتِهٖ وَشَاهِدًا مَا اُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَالْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَامِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيَاطِيْنِ وَالْاِنْسَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشُذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ دَرْكُهٗ مِنْ اَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِ صُنْعِهٖ وَغَرَائِبِ قُدْرَتِهٖ بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ'' اور وہ اصلی محبوب ہیں اور ان کے ماسوا ہر چیز ان کے تابع اور ان کے طفیل ہے سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاظر و ناظر بنا کر بھیجا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا فرمایا' جب آپ اوّل مخلوق ہیں تو سب سے پہلے آپ ہی حق تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے گواہ ہیں اور آپ تو ہر اس چیز کے گواہ ہیں جو عدم سے وجود میں آئی وہ ارواح ہوں' نفوس ہوں' ارکان ہوں اور اجسام و اجساد ہوں' معدنیات ہوں' نباتات ہوں' فرشتے ہوں' جنات ہوں اور شیطان ہوں یا انسان وغیرہ ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار اور اس کی صنعت وکاری گری کے عجائبات اور اس کی قدرت و اختیار کے غرائب آپ سے مخفی و پوشیدہ نہ رہیں' جن کا حصول مخلوق کے لیے ناممکن ہے اور اس اعتبار سے اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(تفسیر روح البیان عربی ج ۹ ص ۱۸' مطبوعہ بیروت' مترجم پارہ: ۲۶ ص ۲۲۸' مطبوعہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

[1] (۱) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الْبَغَوِيُّ ضَمِيْرُ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ رَاجِعَانِ اِلٰى رَسُوْلِهٖ وَضَمِيْرُ تُسَبِّحُوْهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاسْتَبْعَدَهُ الزَّمَخْشَرِيُّ لِكَوْنِهٖ مُسْتَلْزِمًا لِانْتِشَارِ الضَّمَائِرِ قُلْنَا لَا بَاْسَ بِهٖ عِنْدَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ وَعَدَمِ اللَّبْسِ'' (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۵-۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) اور امام بغوی نے فرمایا: ''تعزروہ و توقروہ'' کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہیں اور ''تسبحوہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور زمخشری نے اس کو بعید سمجھا کیونکہ اس سے انتشار ضمائر لازم آئے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ قرینہ موجود ہو اور التباس نہ ہو' نیز علامہ بغوی نے فرمایا کہ ''وتوقروہ'' پر وقف ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

(۲) علامہ خازن نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَيُعَزِّرُوْهُ وَيُوَقِّرُوْهُ'' میں مفعول کی دونوں ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہیں اور ''وَيُوَقِّرُوْهُ'' پر کلام تمام ہو جاتا ہے اور اس پر وقف تام ہے۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

(۳) عارف باللہ علامہ شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے یا صرف رسول کی تعظیم کرے تو وہ مؤمن نہیں بلکہ مؤمن تو وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے رسول کی تعظیم دونوں کا جامع ہو لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے لائق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آخری تینوں بھی ان کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ ''وَیُعَزِّرُوْهُ وَیُوَقِّرُوْهُ وَیُسَبِّحُوْهُ'' ہے] ﴿بُكْرَةً﴾ نمازِ فجر میں ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور چاروں نمازوں (ظہر' عصر' مغرب اور عشاء) میں۔

١٠ - ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں یعنی بیعت رضوان اور جب اللہ تعالیٰ نے ''انما یبایعون اللّٰہ'' فرمایا تو استعارۂ تخییل کے طور پر اس کی مزید تاکید بیان کی اور فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے اوپر ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور اجسام کی صفت سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرنا ہوتا ہے' ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:٨٠) ''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے سو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' [''اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ''، ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿فَمَنْ نَّكَثَ﴾ پھر جس نے اس عہد کو توڑ دیا اور بیعت کو پورا نہیں کیا ﴿فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ تو اس عہد کو توڑنے کا وبال اسی کی ذات پر ہوگا (یعنی) پس عہد بیعت توڑنے کا ضرر اور اس کا نقصان صرف اسی پر ہوگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت پر بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم جنت سے راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے' چنانچہ ہم میں سے کسی نے بیعت کو نہیں توڑا سوائے جد بن قیس کے اور وہ منافق تھا' بیعت کے وقت وہ اپنے اونٹ کی بغل کے نیچے چھپ گیا تھا اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر نہیں ہوا تھا[1] ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور جس نے اس (بیعت) کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوگی' سو اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو تمام صفاتِ حوادث سے پاک ماننے اور اس کو کمالات کے اوصاف کے سات متصف تسلیم کرے اور اس کے رسول کی تعظیم یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں اور آپ تمام مخلوق کے لیے خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان اوصافِ مبارکہ اور آپ کے محبوب و پسندیدہ شمائل و خصائل کو تسلیم کرے۔ (تفسیر صاوی ج ٤ ص ٩٢' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر) نیز اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی آیت مبارکہ:١٥٧ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ کمالیہ بیان کرتے ہوئے اس کے آخر میں فرمایا: ''فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○'' (الاعراف:١٥٧) ''سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے' یہی لوگ فلاں پانے والے ہیں○'' سورۂ اعراف کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں سورۂ فتح میں ''وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ'' سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مراد ہیں' نیز سورۂ اعراف کی اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے ثابت ہو گئے ہیں' ایک یہ کہ ایمان وہ معتبر و مفید ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مؤمن نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی تعظیم و توقیر کرنے کا حکم پہلے بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اتباع کا حکم بعد میں بیان کیا گیا ہے' جس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی اتباع تب مفید ہوگی جب پہلے دل میں تعظیم و تکریم مصطفیٰ موجزن ہوگی' جس کا ثبوت سورۃ الحجرات کی پہلی پانچ آیات میں بیان کیا گیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فقیر پُر تقصیر حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی غفرلہٗ

[1] رواہ احمد ج ٣ ص ٣٩٦' مسلم رقم الحدیث:٦٨-٦٩' ١٨٥٦' الترمذی رقم الحدیث:١٥٩١' النسائی ج ٧ ص ١٤٠۔٤

پورا کیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا اجر وثواب عطا فرمائے گا (یعنی) جنت عطا فرمائے گا' کہا جاتا ہے:''وَفَيْتُ بِالْعَهْدِ وَاَوْفَيْتُ بِهٖ''میں نے عہد کو پورا کیا اور میں نے اسے پورا کیا اور (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ اسی سے ماخوذ ہے:''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ''(المائدہ:۱)''تم عہدوں کو پورا کرو''۔''وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ'' (البقرہ:۱۷۷)''اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں''[امام حفص کی قراءت میں''عَلَيْهُ''کی ضمیر''ھا''مضموم ہے اور ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں نون کے ساتھ''فَسَنُؤْتِيْهِ''ہے]۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

عنقریب دیہاتی لوگوں میں سے پیچھے رہ جانے والے آپ سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا تھا' سو ہمارے لیے مغفرت کی دعا کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں' آپ فرما دیجئے کہ پھر کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے' بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والا ہے O

## منافقین کی جھوٹی معذرت اور بدگمانی کا بیان

۱۱ - ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ﴾ (اے محبوب!) جب آپ حدیبیہ کے مقام سے مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹیں گے تو عنقریب آپ سے (وہ لوگ) عرض کریں گے: ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ جو دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ گئے تھے' یہ وہ لوگ ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ غفار' مزینہ' جہینہ' اسلم' اشجع اور دیگر قبائل کے دیہاتی لوگ ہیں اور یہ اس وقت ہوئے جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کرنے کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مدینہ منورہ کے گردونواح کے قبائل کے دیہاتیوں اور صحرانشینوں کو بلایا تاکہ وہ لوگ آپ کے ساتھ چلیں' قریش مکہ کے خوف سے کہ کہیں وہ جنگ کے ذریعے آپ کا معارضہ اور مقابلہ کریں یا وہ آپ کو بیت اللہ شریف کے طواف سے روک دیں اور آپ ﷺ نے احرام باندھا اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن دیہاتیوں میں سے اکثر لوگوں نے سستی کی اور چلنے کی بجائے بوجھل ہو کر گھروں میں بیٹھے رہے اور کہنے لگے: آپ تو اس قوم کے پاس جا رہے ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں آکر آپ سے جنگ کی اور آپ کے صحابہ کو قتل کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور آپ مدینہ شریف واپس نہیں لوٹیں گے ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا﴾ ہمیں ہمارے اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے گھر والوں اور ان کے مالوں نے انہیں مصروف رکھا جس کی وجہ سے وہ نہیں جا سکے اور ان کے مال اور ان کے اہل وعیال کا سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے پیچھے رہ جانے کی ہماری خطا کو معاف فرما دے ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے

دلوں میں نہیں ہیں‘ یہ ان کی معذرت کی تکذیب و تردید ہے اور یہ کہ جس چیز نے انہیں جانے سے پیچھے روکے رکھا وہ نہیں تھی جو وہ کہتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرنا اور نفاق اختیار کرتا تھا اور ان کا استغفار طلب کرنا بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ فرما دیجئے کہ کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فیصلے سے کون بچا سکتا ہے ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا﴾ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے (یعنی) وہ تمہیں قتل اور شکست میں مبتلا کر کے نقصان دینا چاہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ضاد مضموم کے ساتھ ”ضُرًّا“ ہے] ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ یا وہ تمہیں مالِ غنیمت اور فتح و کامیابی کی صورت میں نفع پہنچانا چاہے ﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ یہ رسول اور مسلمان واپس اپنے گھروں کو ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ (گمان) آراستہ کر دیا گیا تھا‘ اور تم نے بہت بُرا گمان کر لیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو O اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ہم نے تمام کافروں کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی‘ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے‘ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

١٢ - ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ بلکہ تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ رسول اکرم اور مسلمان اپنے گھروں کی طرف ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور یہ (بدگمانی) تمہارے دلوں میں آراستہ کر دی گئی جسے شیطان نے آراستہ اور خوش نما بنا دیا تھا ﴿وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ اور تم نے کفر کے غلبہ اور فساد کے ظہور کی وجہ سے بہت بُرا گمان کر لیا تھا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا﴾ اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو [”بور“ ”بائر“ کی جمع ہے جیسے ”عُوْذ“ ”عائذ“ کی جمع ہے اور یہ ”بَارَ الشَّیْءُ“ سے ماخوذ ہے کہ فلاں چیز ہلاک ہوگئی اور فاسد و تباہ ہوگئی] یعنی تم اپنی ذوات میں اور اپنے دلوں میں اور اپنی نیتوں میں فسادی قوم تھے اور تمہارے اندر کوئی خیر نہیں یا یہ کہ ہلاک ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے غضب و ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

١٣ - ﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اصل میں ”لَهُم“ ہے پھر اسم ظاہر ”کافرین“ کو اسم ضمیر ”هم“ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے محض اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ جو شخص ان دونوں ایمانوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول پر ایمان کا جامع نہیں ہوگا‘ سو وہ کافر ہوگا اور ”سَعِيْرًا“ کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ

اس سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ ''نَارًا تَلَظّٰی O'' (اللیل:۱۴) ''بھڑکتی ہوئی آگ O''۔

۱۴- ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی' وہی ہر ایک کی اس طرح تدبیر و منصوبہ بندی کرتا ہے جس طرح ایک زبردست قدرت رکھنے والا بہت بڑا دانا تدبیر کرتا ہے ﴿ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ ﴾ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور اپنی حکمت کے عین مطابق بخشش بھی کرتا ہے اور عذاب بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت مؤمنوں کی مغفرت و بخشش اور کافروں کے لیے عذاب کا تقاضا کرتی ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے' اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ
فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵﴾

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب کہیں گے جب تم غنیمتوں کے مال لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو کہ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے' وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے سے فرما دیا ہے' سو وہ عنقریب کہیں گے: بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو' بلکہ وہ نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم O

## منافقین کے حرص اور کم عقلی کا بیان

۱۵- ﴿ سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ ﴾ جو لوگ حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے وہ عنقریب کہیں گے ﴿ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ﴾ جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو ﴿ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے' وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یعنی یہ منافقین چاہتے ہیں کہ حدیبیہ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو تبدیل کر دیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے وعدہ فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے اموالِ غنیمت کے بدلے خیبر کے اموالِ غنیمت انہیں عطا کیے جائیں گے' یہ وعدہ اس وقت کیا گیا تھا جب مسلمان حدیبیہ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ واپس روانہ ہوئے تھے اور انہوں نے مکہ والوں سے کچھ حاصل نہیں کیا تھا [قاری حمزہ کوفی اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''كـلام الله'' کی بجائے ''كَـلِمَ اللّٰهِ'' پڑھا گیا ہے] ﴿ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا ﴾ (اے محبوب! آپ منافقین سے) فرما دیجئے کہ تم خیبر کی طرف جانے کے لیے ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر سنانا ہے کہ منافقین خیبر نہیں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تبدیل نہیں کیا جا سکتا ﴿ كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے ہی فرما دیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئیں گے اور خیبر کے اموالِ غنیمت صرف انہی لوگوں کے لیے ہوں گے جو عمرہ کی نیت سے حدیبیہ گئے تھے ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہوں گے ﴿ فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ ﴾ سو عنقریب منافقین مسلمانوں سے کہیں گے: بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم نہیں دیا بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ مالِ غنیمت میں شریک اور حصہ دار ہو جائیں گے ﴿ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ

﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ بلکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم اور بہت تھوڑا سا یعنی محض بات کی حد تک اور اس آیت مبارکہ میں لفظ ''بَلْ'' دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔ پہلا ''بَلْ'' منافقین کی طرف سے ایک تو اس بات کی تردید کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ منافقین (خیبر کا مالِ غنیمت لینے کے لیے) مسلمانوں کے پیچھے نہیں جائیں گے اور دوسرا مسلمانوں کا حسد ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا ''بَلْ'' منافقین کی طرف سے مسلمانوں کی طرف حسد کی نسبت کرنے کے وصف سے اعراض کر کے خود منافقوں کے اس وصف کو ثابت کرنا مقصود ہے جو حسد سے بدتر ہو اور وہ ہے دین اسلام سے منافقین کی جہالت و نادانی اور کم عقلی و کم فہمی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ
اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ
مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

دیہاتیوں میں سے پیچھے بیٹھے رہ جانے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک سخت لڑائی کرنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے' پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم پھر جاؤ گے جیسے تم پہلے پھر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گاO اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اور جو شخص پھر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گاO

## دعوتِ جہاد کی اطاعت پر ثواب اور روگردانی کرنے پر عذاب کا بیان

۱٦- ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اے محبوب! دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرمایئے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ عنقریب تمہیں سخت لڑائی لڑنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا یعنی تمہیں مُسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی طرف اور ان مرتدین کی طرف بلایا جائے گا جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کی تھی کیونکہ مشرکین عرب اور مرتدین ہی وہ لوگ ہیں جن سے اسلام لانے یا جنگ کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہیں کی جاتی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے فارس کے لوگ مراد ہیں اور بے شک ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوتِ اسلام دی تھی ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ تم ان سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ہوگا یا تو جنگ ہوگی یا پھر اسلام قبول کرنا ہوگا اور اس تاویل پر (کہ فارس کے لوگ مراد ہیں) ''يُسْلِمُوْنَ'' کا معنی ہوگا: وہ اطاعت گزار ہو جائیں گے' اس لیے کہ اہل فارس مجوسی ہیں' ان سے

جزیہ (تاوان) قبول کرلیا جائے گا اور یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت کے صحیح اور برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت کرنے پر ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا﴾ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر وثواب عطا فرمائے گا (یعنی) اگر تم نے اس شخص کی اطاعت اختیار کر لی جس نے تمہیں غیر مسلم قوم سے جنگ کرنے کی دعوت دی ہے تو تمہیں بہترین ثواب ملے گا' پس ثابت ہوا کہ جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت فرض ہے ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ تم اس سے پہلے یعنی حدیبیہ سے پہلے پھر چکے تھے ﴿يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا (یعنی) آخرت میں۔

## معذروں کی رخصت اور اللہ ورسول کی اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر عذاب کا بیان

۱۷- ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ﴾ اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں۔ یہاں جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف آفت زدہ لوگوں سے حرج وتنگی کی نفی کی گئی ہے ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جہاد کرنے میں اور دیگر ماموارت میں اطاعت اختیار کرلے گا ﴿يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب دے گا [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''نُدْخِلْهُ وَنُعَذِّبْهُ'' ہے]۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۱۸﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام مؤمنوں سے اسی وقت راضی ہو گیا جس وقت انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی' سو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا جو (صدق واخلاص کا جذبہ) ان کے دلوں میں تھا' پس اس نے ان کے دلوں پر اطمینان نازل فرما دیا اور ان کو عنقریب ملنے والی فتح کا انعام عطا فرمایا○ اور بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے' اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے○ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا جن کو تم حاصل کرو گے' سو اس نے تمہیں یہ نعمت بھی بہت جلد عطا فرمادی اور اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا' اور تاکہ یہ مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے○

## بیعتِ رضوان اور دیگر انعامات کا بیان

۱۸-﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے اسی وقت راضی ہو گیا جب انہوں نے ببول کے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی' یہ بیعت رضوان ہے' اس آیت مبارکہ کی وجہ سے اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر جب حدیبیہ کے مقام پر نزولِ اجلال فرمایا اور خراش بن امیہ خزاعی کو بطورِ قاصد مکہ مکرمہ بھیجا اور اہل مکہ نے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا اور تمام قبائل کے لوگوں نے مل کر اسے روک لیا لیکن پھر جب وہ واپس لوٹ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا تاکہ انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیج دیں' لیکن حضرت عمر نے عرض کیا کہ مجھے اپنے بارے میں ان سے قتل کا اندیشہ ہے کیونکہ ان کے ساتھ میری عداوت ودشمنی بہت مشہور ہو چکی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس بھیج دیا تاکہ یہ انہیں جا کر بتا دیں کہ آپ بمع اپنے صحابہ کرام جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے آئے ہیں' سو انہوں نے حضرت عثمان غنی کا بڑا احترام کیا اور انہوں نے آپ کو بہت احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور آپ ان کے پاس رک گئے تو اُدھر حدیبیہ میں یہ افواہ اُڑا دی گئی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمان غنی کو قتل کر کے شہید کر دیا ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں ارشاد فرمایا کہ ہم اس قوم سے حضرت عثمان غنی کا قصاص (بدلہ) لیے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائیں گے اور آپ نے تمام لوگوں کو بیعتِ جہاد کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ وہ قریشِ مکہ سے جنگ کر کے حضرت عثمان غنی کا بدلہ لیں گے اور وہ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے اور جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی' وہ ببول کا درخت تھا اور بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔[1]

﴿ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اسے ظاہر کر دیا (یعنی) ان کے دلوں میں مخفی سچ اور اخلاص کو ظاہر فرما دیا جس کی بناء پر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تھی ﴿ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون کو نازل فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں پر امن وطمانیت اور تسکین کو نازل فرمایا ﴿ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے بدلے ان کو بالکل قریب عظیم الشان فتح عطا فرما دی (کہ آپ بمع صحابہ کرام ذی الحج ٦ھ کو حدیبیہ سے واپس مدینہ شریف تشریف لائے اور پچیس دن بعد محرم الحرام ٧ھ میں خیبر فتح کر لیا) اور اس فتح سے خیبر کی فتح مراد ہے جو مکہ مکرمہ سے واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد حاصل ہوئی تھی۔

---

[1] بعض مفسرین نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں لکھا ہے کہ بیعتِ رضوان کے بعد حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا اور زیادہ تر مفسرین نے احادیث اور آثار کی اتباع میں یہ لکھا ہے کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد اس درخت کی شناخت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی تھی' اس لیے یہ روایت بے اصل ہے کہ اس درخت کے پاس لوگوں نے اس درخت کی تعظیم کے لیے وہاں نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں' اس لیے حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٢٥٥)

نوٹ: (نیز اس روایت کے ایک راوی عبد الوہاب بن عطاء ہیں' جس کے متعلق محدثین نے لکھا ہے) کہ وہ قوی نہیں تھا' وہ روایت میں خطا کرتا تھا' شدید وہمی تھا' ضعیف الحدیث اور مضطرب تھا' جھوٹ بولتا تھا اور متروک الحدیث تھا' اس کی روایت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی روایت کو بے توجہی سے صحیح کہہ دیا اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے تحقیق کے بغیر ان کے کلام کو نقل کر دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٢٥٤)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹- ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ اور بہت سی غنیمتیں عطا ہوں گی جن کو یہ مسلمان حاصل کریں گے اور یہ خیبر کی غنیمتیں مراد ہیں اور خیبر کی سرزمین بہت زرخیز اور عمدہ تھی' وہاں سے بہت سے غنیمت کے اموال حاصل ہوئے تھے اور آپ نے ان اموال کو ان پر تقسیم فرما دیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت غالب وقوی اور بہت طاقتور ہے' سو وہ کسی سے کبھی بھی مغلوب نہیں ہو سکتا ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ اپنے تمام فیصلے عین حکمت کے مطابق کرتا ہے' سو اس لیے اس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۰- ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ غنیموں کا وعدہ فرمالیا ہے جنہیں تم ضرور حاصل کرو گے۔ یہ غنیموں کے اموال وہ ہیں جو صحابہ کرام کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاصل ہوئے تھے اور وہ بھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام کو حاصل ہوئے اور قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوتے رہیں گے ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے یہ غنیمتیں تمہیں بہت جلد عطا فرما دیں یعنی خیبر کی غنیمتیں ﴿وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک رکھا یعنی تمہیں خیبر کے باشندوں کی دست درازی سے محفوظ رکھا اور ان خیبر والوں کے حلیف و معاون بنو اسد اور بنو غطفان کے حملوں سے تمہیں محفوظ رکھا' جب وہ ان خیبر والوں کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ ناکام واپس لوٹ گئے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے ذریعے تمہیں اہل مکہ کے حملے اور ان کی دست درازی سے محفوظ رکھا ﴿وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور یہ حفاظت اور اہل کفر کی دست درازی کو روکنا اہل ایمان کے لیے ایک نشانی اور عبرت و سبق بن جائے اور مسلمان اسے جان لیں کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے مقام و مرتبہ کے حامل ہیں اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کا ضامن و کفیل ہے اور انہیں فتح و کامیابی عطا فرمانے کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام کر کے دکھا دیے ﴿وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے اور وہ تمہاری بصیرت' تمہارے یقین اور اپنے فضل و کرم پر تمہارے اعتماد کو بڑھاتا رہتا ہے۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز جن مفسرین نے مذکورہ بالا درخت کٹوانے کی روایت کو تسلیم نہیں کیا' ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۱۲ (۲) امام ابو اسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' الکشف والبیان ج ۹ ص ۴۷ (۳) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲۷ (۴) علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل ج ۴ ص ۱۵۹ (۵) حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۸ (۶) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان ج ۹ ص ۴۲۔ ۴۳ (۷) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۲ (۸) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵ (۹) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۵)

نوٹ: اس کی مکمل بحث تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۱ تا ۲۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسری غنیمتیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے' بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ فرمالیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہےO اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے' پھر وہ نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ کوئی مدد کرنے والاO یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گےO

۲۱-﴿ وَّاُخْرٰی ﴾ [یہ "هٰـذِهٖ" پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ یہ غنیمتیں اور دوسری غنیمتیں تمہیں جلد عطا فرمائے گا اور دوسری غنیمتوں سے ہوازن اور غزوۂ حنین کی غنیمتیں مراد ہیں ﴿ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا ﴾ جن پر تم قدرت وغلبہ نہیں رکھتے کیونکہ ان میں ہزیمت وشکست اور سخت ترین مقابلے اور دفاع کا سامنا ہوسکتا تھا ﴿ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر یقیناً قادر وغالب ہے اور وہ ان کے خلاف تمہاری مدد فرما کر تمہیں غالب کردے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ "اُخْرٰی" فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو اور "قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا" اس کی تفسیر کررہا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی: "وَقَضَی اللّٰهُ اُخْرٰی قَدْ اَحَاطَ بِهَا" اور اللہ تعالیٰ نے دوسری غنیمتوں کا فیصلہ کرلیا' وہ بلاشبہ ان پر قادر وغالب ہے اور البتہ "لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا اُخْرٰی" کی صفت ہے اور "اُخْرٰی" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کیونکہ یہ "لَمْ تَقْدِرُوْا" کا موصوف ہے اور "قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا" مبتدا کی خبر ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر وغالب ہے۔

۲۲-﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ﴾ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے یعنی اہل مکہ میں سے جو کفار تھے وہ اگر حدیبیہ کے موقع پر صلح نہ کرتے اور وہ تم سے جنگ کرتے یا اہل خیبر کے حلیف (تعاون ومدد کا معاہدہ کرنے والے) تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور مغلوب ومقہور ہو جاتے اور تم سے شکست کھاتے ﴿ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا ﴾ پھر وہ کسی کو حمایتی نہ پاتے جو ان کے جنگی معاملات میں ان کی حمایت کرتا ﴿ وَّلَا نَصِیْرًا ﴾ اور نہ وہ کسی کو مددگار پاتے جو ان کی مدد کرتا۔

۲۳-﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ ﴾ [یہ مصدر مؤکد کے قائم مقام ہے] اصل میں "سَنَّ اللّٰهُ غَلَبَةَ اَنْبِیَآئِهٖ سُنَّةً" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے غلبہ کے لیے ایک زبردست دستور جاری فرمادیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ" (المجادلہ:۲۱) "بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے" ﴿ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴾ جو اس سے پہلے بھی جاری وساری رہا اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پائیں گے کیونکہ وہ کبھی تغیر پذیر نہیں ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

اور وہی تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں (پہلے) ان پر کامیاب وغالب کر دیا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہےO یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا گیا' اور اگر مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم انہیں (لڑائی میں) روند ڈالو گے' پھر ان کی طرف سے تمہیں بے خبری میں نقصان پہنچے گا (تو تمہیں کفار مکہ سے جنگ کی اجازت دے دی جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے' اگر وہ مسلمان الگ ہو جاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک سزا دیتےO

٢٤- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ اور وہی تو ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا یعنی اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا ﴿ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ ﴾ اور تمہارے ہاتھوں کو ان اہل مکہ سے روک دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے دن تمہیں کفار مکہ پر فتح وکامیابی اور غلبہ عطا کرنے کے بعد تمہارے اور ان کے درمیان جنگ نہ کرنے کی رکاوٹ پیدا کر دی اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ مکہ مکرمہ کو بزور بازو اور قوت وغلبہ کے ساتھ فتح کیا گیا تھا صلح کے ساتھ نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ غزوۂ حدیبیہ میں ہوا تھا کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل (اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) پانچ سو مسلح افراد لے کر حملہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا جس نے اسے شکست دے دی اور اسے مکہ مکرمہ میں دھکیل دیا[1] اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام) نے ان پر سنگ باری کر کے غلبہ حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا تھا ﴿ بِبَطْنِ مَكَّةَ ﴾ مکہ مکرمہ کے وسط میں یعنی مکہ مکرمہ میں یا حدیبیہ میں کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم شریف کی طرف منسوب ہے ﴿ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا یعنی تمہیں ان پر غالب وقادر کر دیا تھا اور تمہیں ان پر مسلط کر دیا تھا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے [ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے]۔

٢٥- ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو روک دیا ''ھدی'' قربانی کا وہ جانور ہے جسے کعبہ معظمہ کی طرف بھیجا جاتا ہے [''اَلْهَدْيَ'' کو ''صَدُّوْكُمْ'' میں ''كُمْ'' ضمیر پر معطوف کر کے منصوب پڑھا گیا ہے] ''اَیْ صَدُّوْكُمْ وَصَدُّوا الْهَدْيَ'' ﴿ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ ﴾ یعنی انہوں نے تمہیں روکا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا اور حضور سید عالم ﷺ ستر اونٹ لے کر گئے تھے [''معکوفا'' حال ہے] ﴿ مَحِلَّهٗ ﴾ قربانی کا وہ مکان جس میں اسے ذبح کیا جاتا ہے یعنی جہاں اس کو ذبح کرنا واجب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''مُحْصَر'' (وہ شخص جسے حج یا عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی قربانی کے جانور کی قربان گاہ حرم شریف ہے اور ''محل'' سے مشہور ومعروف جگہ مراد ہے اور وہ منٰی ہے ﴿ وَلَوْلَا رِجَالٌ ﴾

[1] اخرجہ الطبرانی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۴۱)

مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ ﴾ اور اگر مکہ مکرمہ میں ایسے مسلمان مرد اور ایسی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے [''لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ''، ''رجال'' اور ''نساء'' کی جامع صفت ہے] ﴿ اَنْ تَطَئُوْهُمْ ﴾ کہ تم انہیں روند ڈالو گے [یہ ان سے بدل اشتمال ہے یا پھر ''لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ'' کی منصوب ضمیر سے بدل اشتمال ہے] ﴿ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ﴾ پھر تمہیں ان کی وجہ سے دُکھ پہنچے گا (یعنی) گناہ اور سخت افسوس ہوگا [''مَعَرَّةٌ''، ''مَفْعَلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور یہ ''عَرَّةٌ'' بہ معنیٰ ''عَرَاهُ'' سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو ایسی تکلیف پہنچے جو اسے ناگوار ہو اور اس پر بھاری ہو اور وہ قتل خطا کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہے اور مشرکین کی تکلیف دہ اور بُری باتیں ہیں جو وہ عار دلانے کے لیے کہتے تھے اس لیے کہ وہ لوگ اپنے دین داروں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے جس طرح وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں بغیر کسی تمیز کے اور گناہ اس وقت ہوگا جب کوتاہی برتی جائے گی ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ اَن جانے میں [یہ ''اَنْ تَطَئُوْهُمْ'' کے متعلق ہے] یعنی تم ان کو اس لیے روند ڈالو گے کہ تمہیں ان کا علم نہیں ہوگا اور ''وَطْءٌ'' کا مطلب ہے: روند ڈالنا اور کچل دینا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان مشرکوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' ان سے الگ اور ممتاز ہو کر نہیں رہتے تھے' سو اس لیے فرمایا گیا کہ اگر یہ بات ناپسند نہ ہوتی کہ تم مشرکین کے سامنے مسلمانوں کو ہلاک کر دو گے اور تمہیں ان کا علم بھی نہیں ہو سکے گا' پھر ان کی ہلاکت کی وجہ سے تمہیں افسوس اور دُکھ ہوگا تو تمہارے ہاتھوں کو ان سے ہرگز نہ روکا جاتا ﴿ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ یہ ارشادِ مبارک اس بیان کی علت ہے جس پر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے اور جس کے لیے اسے بیان کیا گیا ہے' وہ ہے اہل مکہ سے تمہارے ہاتھوں کو روکنا اور مسلمانوں کو بچانے کی خاطر کفار کے قتل سے تمہیں باز رکھنا' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ کو سزا دینے سے تمہیں روکنا اور باز رکھنا' اس لیے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں یعنی اپنی توفیق میں داخل کر لے' تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و فرماں برداری اور نیکی میں اضافہ ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ ان مشرکین میں سے جو لوگ اسلام میں رغبت و شوق رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں اسلام میں داخل کر دے ﴿ لَوْ تَزَيَّلُوْا ﴾ اگر مسلمان کافروں سے الگ اور ان سے جدا ہوتے ﴿ لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ تو البتہ ہم ان میں سے (یعنی) اہل مکہ میں سے کافروں کو ضرور دردناک سزا دیتے [''لَوْلَا'' کا جواب محذوف ہے جس سے ''لَوْ'' کے جواب نے بے نیاز کر دیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''لَوْ تَزَيَّلُوْا' لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ'' کے لیے تکرار کی طرح ہو کیونکہ دونوں کا مرجع ایک ہے اور ''لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اس کا جواب ہو' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہو: ''وَلَوْ لَا اَنْ تَطَئُوْا رِجَالًا مُّؤْمِنِيْنَ وَنِسَآءً مُّؤْمِنَاتٍ وَلَوْ كَانُوْا مُتَمَيِّزِيْنَ لَعَذَّبْنَا هُمْ بِالسَّيْفِ'' اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو روند ڈالو گے اور اگر وہ الگ ہوتے تو ہم کفارِ مکہ کو جنگ کے ذریعے ضرور سزا دیتے]۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

ع ۱۱

جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں

پر اپنا امن وسکون نازل فرمادیا اور تقویٰ کے کلمہ کو ان پر لازم کر دیا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۲٦ - ﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جیسے جہالت کا تعصب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں پر اپنا امن وسکون نازل فرمادیا۔ کافروں سے قریش مکہ کے کفار مراد ہیں اور ان کی حمیت سے بے جا غیرت و عار اور ان کی اَنا مراد ہے (کیونکہ وہ لوگ رسالت کو تسلیم کرنا اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے دینا' اپنی غیرت اور اپنی اَنا کی توہین خیال کرتے تھے) اور مسلمانوں کے سکینہ سے وقار اور حلم مراد ہے۔ مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر نزول فرمایا تو قریشِ مکہ نے سہیل بن عمرو' حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو بھیجا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا یہ منصوبہ پیش کریں کہ آپ اس شرط پر اس سال واپس مدینہ تشریف لے جائیں کہ اگلے سال قریش کی طرف سے مکہ مکرمہ میں آپ کو عمرہ کی قضاء کرنے کے لیے تین دن تک ٹھہرنے کی کھلی اجازت ہوگی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرمالیا اور دونوں فریقوں کے درمیان معاہدہ لکھا جانے لگا تو حضور سیّد عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکھو' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ '' جس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم اس رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے' تم '' بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ '' لکھو' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا: لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کی بناء پر رسول اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کر لی ہے' اس پر انہوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ تو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے' لیکن تم یوں لکھو کہ '' هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَهْلَ مَكَّةَ '' یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے اہل مکہ سے صلح کر لی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی سے فرمایا کہ جو کچھ یہ چاہتے ہیں وہی لکھ لو' سو میں گواہی دیتا ہوں کہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں' سو مسلمانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ ایسے معاہدے سے انکار کر دیں اور اس سے نفرت کا اظہار کر کے اسے ٹھکرا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم رسول پر اور تمام مسلمانوں پر تسکین و اطمینان نازل فرمادیا جس کی برکت سے تمام مسلمان وقار واطمینان اور حلم وحوصلہ سے مالا مال ہو گئے [1] ﴿ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا۔ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ اس جگہ کلمہ سے کلمۂ شہادت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ کلمہ سے '' بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم '' مراد ہے اور کلمہ کی تقویٰ کی طرف اضافت اس بناء پر ہے کہ کلمۂ شہادت تقویٰ کا سبب اور اس کی بنیاد ہے (کیونکہ کلمہ شہادت پڑھ کر آدمی کفر وشرک سے پرہیز کرتا ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ کلمہ سے اہل تقویٰ مراد ہیں ﴿ وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا ﴾ اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں یعنی مسلمان دوسرے لوگوں سے زیادہ اس کلمہ کے مستحق ہیں اور سب سے زیادہ حق دار ہیں ﴿ وَاَهْلَهَا ﴾ اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا اہل بنایا ہے [2] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' پس وہ تمام اُمور کو ان اشیاء کی مصلحتوں کے مطابق جاری وساری کرتا ہے۔

---

1. رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱ - ۲۷۳۲' البیہقی فی دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۰۵

2. علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

کیونکہ نبی کریم علیہ السلام کائنات کا خلاصہ اور اس کی اصل ہیں اور یہ وہ حبیب ہیں جن کے طفیل تمام موجودات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کوحق کے ساتھ سچا کر دکھایا' کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ ضرور داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بالوں کو کترواتے ہوئے' تم خوف نہیں کرو گے' سو اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتا ہے وہ تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک بالکل قریب ملنے والی فتح مقدر کر دی O وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے' اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے O

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کی سچائی اور دین اسلام کے غلبہ کا بیان

۲۷- ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا﴾ البتہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے خواب کے بارے میں سچا ثابت کر دیا اور ان کو جھٹلایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک اور بہت بلند و بالا ہے [''صَدَقَ'' کے دوسرے مفعول سے حرف جار حذف کر دیا گیا ہے' اصل میں ''فِی الرُّؤْيَا'' تھا اور فعل کو مفعول سے براہِ راست ملا دیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ'' (الاحزاب:۲۳) ''انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا''۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے خواب دیکھا کہ گویا آپ اور آپ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے سر منڈوا دیئے ہیں اور بالوں کو کتروا دیا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو یہ خواب بیان فرمایا تو وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اسی سال مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہونے والے ہیں اور وہ کہنے لگے کہ بے شک رسولِ خدا کا خواب سچا ہوتا ہے' پھر جب اس میں تاخیر ہو گئی تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے علاوہ دیگر منافقین نے کہا کہ اللہ کی قسم! نہ ہم نے سر منڈائے اور نہ ہم نے بال ترشوائے اور نہ ہم نے مسجد حرام کی زیارت کی (گویا وہ صحابہ کرام کا مذاق اُڑانے لگے) تو ان کی تردید میں یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیدا کیا گیا اور یہی کلمہ حبیب خدا کی صورت ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ اس کلمہ کی حق دار ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبین ہیں تا کہ محب کو محبوب سے ملایا جائے اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اس کلمہ کے حامل مسلمان ہی اس کی ذات و صفات میں فنا ہیں اور اسی کے باقی رکھنے سے باقی ہیں بغیر کسی انانیت کے اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' (آل عمران:۱۱۰) یعنی ''تم اس لیے بہترین امت ہو کہ تمہیں لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے لیے پیدا کیا گیا''۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ ۲۶' ص ۳۲۷' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور' عربی ج ۹ ص ۵۱' مطبوعہ بیروت)

آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

﴿ بِالْحَقِّ ﴾ یہ ''صَدَقَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب کو اس بناء پر سچا کر دکھایا کہ وہ خواب سچا ہونے میں حق کے ساتھ ملتبس و متصل ہے یعنی حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے اور یہ اس لیے کہ اس میں آزمائش ہے اور مخلص مؤمن اور نفاق کے مرض میں مبتلا دل والے کے درمیان امتیاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بالحق'' قسم ہو یا تو حق سے وہ مراد ہے جو باطل کی نقیض ہے یا حق سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس کا جواب (درج ذیل کلام) ہے: ﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اور حق کے پہلے معنی کی بناء پر یہ کلام مبارک محذوف قسم کا جواب ہے'' ان شآء اللّٰہ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کے قول کی حکایت ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ادب کے ساتھ مؤدب ہو کر اپنے وعدوں میں اسی طرح ان شاء اللہ کہا کریں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل پیرا ہو کر ان شاء اللہ کہا کریں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ وہ امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے [یہ حال ہے اور شرط'' ان شآء اللّٰہ'' جملہ معترضہ ہے]

﴿ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ ﴾ اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے یعنی تمام بالوں کو منڈواتے ہوئے [''محلقین'' حال ہے'' امنین'' میں پوشیدہ ضمیر سے] ﴿ وَمُقَصِّرِيْنَ ﴾ یا بالوں کو کٹواتے ہوئے (یعنی) سر کے بعض بالوں کو ترشواتے ہوئے ﴿ لَا تَخَافُوْنَ ﴾ تمہیں (کسی کا کوئی) ڈر نہیں ہوگا [یہ تاکیدی حال ہے] ﴿ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا ﴾ اگلے سال تک فتح مکہ کی تاخیر میں جو حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تو اس سے پہلے (تمہارے لیے) ایک عنقریب فتح مقدر و مقرر کر دی ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے خیبر کی فتح تمہارے لیے مقدر کر دی ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے راحت و خوشی حاصل ہو جائے یہاں تک کہ وہ فتح جس کا وعدہ دیا گیا وہ آسان ہو جائے۔

٢٨- ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى ﴾ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی توحید کے ساتھ بھیجا ﴿ وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ اور سچے دین یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ اس (دین اسلام) کو ہر دین پر غالب کر دے اور اسے بلند و بالا کر دے ''علی الدین'' میں لام جنس کا ہے یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے گا اور اس سے کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے مختلف ادیان مراد ہیں جو دین اسلام کی وجہ سے منسوخ ہو گئے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس بات کو ثابت کر دیا' چنانچہ تم کسی مذہب و دین کو نہیں دیکھو گے مگر اس پر اسلام غالب ہے اور ہر ایک مذہب سے زیادہ معزز ہے (اگرچہ بدکرداریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل خیال کیا جاتا ہے لیکن دشمنانِ دین اسلام کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس پُرفتن دور میں غیر مسلم اقوام کے افراد گاہے بگاہے اسلام قبول کرتے رہتے ہیں) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت دین اسلام تمام ادیان پر غالب آ جائے گا' یہاں تک کہ اس وقت روئے زمین پر ایک کافر بھی باقی نہیں رہے گا' سب مسلمان ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام دلائل و براہین کے اعتبار سے اب بھی تمام ادیان پر غالب ہے ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس بات پر کافی گواہ ہے کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہر حال میں ضرور پورا ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک پر گواہ ہے کہ وہ بلاشبہ عنقریب دین اسلام کو غالب کر دے گا اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ '' وکفاہ اللّٰہ شھیدا'' اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے [''شَهِيْدًا'' تمیز ہے یا پھر حال ہے]۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ
السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ

(حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اور ان کا ساتھ دینے والے کفار پر بہت سخت ہیں آپس میں بڑے نرم دل ہیں آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں' سجدوں کی تاثیر کی وجہ سے ان کی علامت (نورانیت) ان کے چہروں میں (ثابت) ہے ان کی یہ صفت تورات میں مذکور ہے' انجیل میں ان کی صفت کھیتی کی مانند ہے جس نے اپنی باریک کونپل نکالی' پھر اسے قوت وطاقت دی' پھر وہ موٹی ہوگئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی' وہ کسانوں کو اچھی لگتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے کفار (کے دلوں) کو جلائے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمالیا ہے O

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے فضائل و برکات اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

٢٩- ﴿مُحَمَّدٌ﴾ [1] [مبتدا محذوف کی خبر ہے "اَیْ ھُوَ مُحَمَّدٌ"] یعنی وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں' جن کا ذکر (درج ذیل گزشتہ) ارشادِ باری تعالیٰ میں گزر چکا ہے "هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ" وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے [یا پھر یہ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے' قاری

[1] ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی کتاب ضیاء النبی ج ٢ ص ٦١-٦٢ میں لکھتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے دعوت عقیقہ کے موقع پر حضرت عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اس فرزند کا نام کیا تجویز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کا نام "محمد" تجویز کیا ہے۔ ازراہِ حیرت وہ گویا ہوئے' آپ نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کے نام پر اس کا نام نہیں رکھا' آپ نے فرمایا: "اَرَدْتُّ اَنْ یَّحْمَدَهُ اللّٰهُ فِی السَّمَآءِ وَخَلْقُهٗ فِی الْاَرْضِ" میں نے اس کا یہ نام اس لیے تجویز کیا ہے تاکہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوق اس مولود مسعود کی حمد وثناء کرے۔

**کلمہ محمد کی تشریح**

"قَالَ اَهْلُ اللُّغَةِ کُلُّ جَامِعٍ بِصِفَاتِ الْخَیْرِ یُسَمّٰی مُحَمَّدًا" اہل لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفات خیر کی جامع ہو اسے محمد کہتے ہیں۔ امام محمد ابو زہرہ اسم محمد کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: (ترجمہ) تفعیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لمحہ بہ لمحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت (درہنمائی) کرتا ہے' اس میں استمرار و دوام پایا جاتا ہے' یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق محمد کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بہ صورت استمرار و دوام ہر لمحہ ہر گھڑی نو بہ نو تعریف وثناء کی جاتی ہو۔

(خاتم النبیین ج ١ ص ١١٥) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نصیر نے اس پر وقف کیا ہے] اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ اور جو لوگ ان کا ساتھ دینے والے ہیں وہ کفار پر بہت سخت ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کافروں پر بڑے سخت ہیں [''وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' مبتدا ہے اور ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' خبر ہے یا پھر ''مُحَمَّدٌ'' مبتدا ہے اور ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' عطف بیان ہے اور ''وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' مبتدا پر معطوف ہے اور ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' سب کی خبر ہے] یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سب کافروں پر بہت سخت ہیں اور ''اَشِدَّآءُ'' کا معنی ہے: ''غِلَاظٌ'' یعنی سخت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سہیلی اس نام کی تشریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) یعنی لغت میں محمد اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مُفَعَّل کے وزن میں اس فعل کا تکرار مقصود ہوتا ہے' مضرّب اور ممدّح ان کا وزن بھی مفعل ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔ (الروض الانف ج ١ ص ١٨٢)

فقیہ العصر علامہ مفتی محمد امین فیصل آبادی نے اپنی کتاب البرہان' باب: ٨ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامِ پاک کے برکات وکمالات بیان کیے ہیں' موضوع کی مناسبت سے یہاں چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

(١) جانِ دو عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا: ''اِنَّكِ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْعَالَمِيْنَ فَاِذَا وَلَدْتِهٖ فَسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا''۔ (مواہب اللدنیہ ج ١ ص ١٢٤)
یعنی اے آمنہ! تیرے شکمِ پاک میں وہ ہے جو سارے جہانوں سے افضل واعلیٰ ہے اور جب اس کی ولادت ہو تو اس کا نام محمد رکھیں۔

(٢) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ وُلِدَ لَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِّيْ وَتَبَرُّكًا بِاسْمِيْ كَانَ هُوَ وَمَوْلُوْدُهٗ فِي الْجَنَّةِ'' (زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠١' سیرتِ حلبیہ ج ١ ص ٧٩' احکامِ شریعت ص ٣٨) یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے بچہ کا نام محمد رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنت میں جائیں گے۔

(٣) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے' ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان دونوں کو جنت میں لے جاؤ' وہ دونوں بندے عرض کریں گے: یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حق دار ہوئے ہیں حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اُدْخُلَا الْجَنَّةَ فَاِنِّيْ اٰلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ اَنْ لَّا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ'' (زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠١' احکامِ شریعت ص ٣٨) یعنی تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

(٤) حضرت ضبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے: ''وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا عَذَّبْتُ اَحَدًا تُسَمّٰى بِاسْمِكَ فِي النَّارِ''۔

(زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠٢' سیرتِ حلبیہ ج ١ ص ٧٩' احکامِ شریعت ص ٣٩)

(٥) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ وُلِدَ لَهٗ ثَلَاثَةُ اَوْلَادٍ فَلَمْ يُسَمِّ اَحَدًا مِّنْهُمْ مُحَمَّدًا فَقَدْ جَهِلَ'' (سیرتِ حلبیہ ص ٧٩' احکامِ شریعت ص ٣٩) جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا' وہ جاہل ہے۔

(٦) مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''اِذَا سَمَّيْتُمُ الْوَلَدَ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ وہ آپس میں بڑے رحم دل اور نرم دل ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں [اور یہ دوسری خبر ہے اور یہ دونوں خبریں اکٹھی ہیں' ایک (ان کا کفار پر) شدید وسخت ہونا اور دوسرا ان کا آپس میں رحیم و مہربان ہونا] اور اسی طرح (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ O'' (المائدہ: ۵۴) یعنی ''صحابہ کرام مؤمنوں پر بڑے مہربان اور ان کے لیے بہت نرم ہیں جب کہ کافروں پر بہت سخت ہیں O'' اور صحابہ کرام کی کفار پر شدت و سختی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنے کپڑوں کو ان کے کپڑوں کے ساتھ لگنے اور ملنے سے بچاتے تھے اور اپنے جسموں کو ان کے جسموں کے ساتھ مَس ہونے اور لگنے سے بچاتے تھے اور ان کی آپس میں باہمی رحم دلی اور مہربانی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مُحَمَّدًا فَاَكْرِمُوْهُ وَاَوْسِعُوْا لَهٗ فِي الْمَجْلِسِ وَلَا تُقَبِّحُوْا لَهٗ'' (زرقانی ج ۵ ص ۳۰۲' احکامِ شریعت ص ۴۰) یعنی جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لیے مجلس میں جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت و بُرائی مت کرو۔

(۷) سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''مَا كَانَ فِيْ اَهْلِ بَيْتٍ اِسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا كَثُرَتْ بَرَكَتُهٗ'' (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲' احکامِ شریعت ص ۴۰) یعنی جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں بہت زیادہ برکت ہوتی ہے۔

(۸) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی تعظیم کی خاطر جب اذان میں مؤذن ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھے تو مستحب ہے کہ آپ کا اسم گرامی سننے والا درود پاک پڑھے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگائے' ایسا کرنے والے شخص کو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں لے جائیں گے' چنانچہ علامہ شامی ردّ المحتار (فتاویٰ شامی) میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی جب اذان میں مؤذن ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے تو مستحب ہے کہ سننے والا کہے: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' اور جب دوسری مرتبہ یہی کلمہ سنے تو کہے: ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ'' اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے' ایسا کرنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت لے جائیں گے جیسا کہ یہ مسئلہ کنز العباد میں ہے اور ایسے ہی فتاویٰ صوفیہ میں ہے' نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ردالمحتار میں فرمایا:

(ترجمہ:) یعنی کتاب الفردوس میں یوں ہے کہ جس نے اذان میں ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سنا اور انگوٹھوں کو بوسا دیا تو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ میں ایسے شخص کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۹۸' طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۵۶)

نوٹ: علامہ معین الدین کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے فضائل و برکات میں چند روایات بیان کی ہیں' جو کہ درج ذیل ہیں:

حدیث اوّل: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کے روز تمام اوّلین و آخرین مخلوق سے ان کے بُرے اعمال کا مواخذہ ہوگا تو دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا' جب ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو حق سبحانہ وتعالیٰ متعلقہ فرشتوں کو فرمائے گا کہ میرے ان دونوں بندوں کو جنت میں لے جاؤ۔ وہ دونوں بندے انتہائی مسرت و خوشی سے جود و سخا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا! ہم اپنی ذات میں جنت میں داخل ہونے کی کوئی صلاحیت اور استحقاق نہیں رکھتے اور ہمارے نامۂ اعمال میں جنتیوں والا کوئی عمل نہیں' اب ہم اپنے متعلق اس عزت و اکرام کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میرے کرم سے یہ بات بعید ہے کہ احمد اور محمد جس کا نام ہو میں اسے دوزخ میں ڈال دوں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ جب بھی ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو آپس میں گلے ملتے اور مصافحہ کرتے ﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾ آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے (اور) سجدے کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ''رُكَّعًا'' بہ معنی ''رَاكِعِيْنَ'' ہے اور ''سُجَّدًا'' بہ معنی ''ساجدین'' ہے ﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں [''یبتغون'' حال ہے جیسا کہ ''رُكَّعًا سُجَّدًا'' حال ہیں] ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ان کی نشانی ہے یعنی وہ تاثیر جو ان کے چہروں میں سجدوں کی وجہ سے اثر انداز ہوئی ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ رات کے اوقات میں لمبی لمبی نمازیں پڑھنے کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے چہرے مبارک منور و روشن تھے کیونکہ حضور سرورِ کائنات منبع فیوض و برکات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ فِي النَّهَارِ'' (رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳) جو شخص رات کو بہت زیادہ نماز پڑھتا ہے تو دن کو اس کا چہرہ نورانی اور روشن ہو جاتا ہے ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾ یہ مذکورہ بالا ان کی صفت تورات شریف میں بیان کی گئی ہے [اور یہاں پر وقف کرنا (ٹھہرنا) چاہیے] ﴿ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ﴾ اور ان کی صفت انجیل میں (بھی یہ) ہے ﴿ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ ﴾ جیسے کھیتی ہے جس نے اپنی شاخیں اور ٹہنیاں نکالیں۔ ''اَشْطَاَ الزَّرْعُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کھیتی اپنی شاخیں، پتے اور ٹہنیاں نکالتی ہے [''مَثَلُهُمْ'' مبتدا ہے اور ''فِي الْاِنْجِيْلِ'' اس کی خبر ہے] ﴿ فَاٰزَرَهٗ ﴾ پھر اس نے اسے مضبوط کیا یعنی قوی اور طاقتور کیا [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَـاَزَرَهٗ'' ہے] ﴿ فَاسْتَغْلَظَ ﴾ پھر وہ موٹی ہو گئی، چنانچہ وہ باریکی سے موٹاپے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حدیث دوم: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس گھر میں ان تین ناموں احمد، محمد، عبد اللہ میں سے کسی نام والا شخص ہو اس گھر میں فقر نہیں آتا۔

حدیث سوم: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ بندۂ مومن جو اپنے فرزند کا نام میرے ساتھ محبت اور دوستی کی بناء پر میرے نام پر رکھتا ہے وہ اور اس کا فرزند میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

حدیث چہارم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندۂ مومن اپنے بیٹے کا نام محمد رکھتا ہے اور جب وہ اپنے اس لڑکے کو پکارتا ہے اور کہتا ہے: یا محمد! تو تمام حاملین عرش ''لَبَّيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ'' کہہ کر جواب دیتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں: اے اللہ کے ولی! تجھے بشارت ہو کہ تو ہماری مزدوری میں شریک ہے یعنی طاعات و عبادات میں ہمارے ساتھ شریک ہے اور اس کا اجر و ثواب تجھے عطا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز حاملین عرش کا اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

حدیث پنجم: جناب عبد الرحمٰن بن عمرو بن جبابہ، رشدہ بن سعید سے روایت نقل کرتے ہیں اور رشدہ بنت سعید، ام کلثوم بنت عتبہ سے اور وہ اپنی والدہ جلیلہ بنت عبد الجلیل سے روایت کرتی ہیں، اس نے کہا کہ ایک روز میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے مگر بچپن میں ہی فوت ہو جاتا ہے، مجھے آپ کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ جب تجھے حمل ہو جائے تو پختہ ارادہ کر لینا کہ تو اپنے فرزند کا نام محمد رکھے گی، مجھے امید ہے کہ وہ لڑکا لمبی عمر پائے گا اور اس کی نسل میں برکت ہوگی، وہ کہتی ہیں: میں نے ایسا ہی کیا، میرا وہ بچہ زندہ رہا اور بحرین کے علاقے میں اس کی اولاد سے زیادہ کسی قبیلہ کے افراد نہیں ہیں۔ واللہ الھادی (معارج النبوت ج ۲ ص ۸۲۔۸۳، مترجم، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور)

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب کوئی قوم مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو اور محمد نام والا شخص ان کے مشورہ میں شامل نہ ہو تو ان لوگوں کو اس کام میں کوئی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

(تفسیر روح البیان پارہ: ۲۶، ص ۳۴۳، مترجم، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور)

طرف منتقل ہوگئی ﴿ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ ﴾ پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی یعنی پھر وہ تن آور جڑ پر سیدھی کھڑی ہوگئی' ''سُاق'' کی جمع ''سوق'' ہے ﴿ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ ﴾ وہ کسان اور کاشت کار کو بہت بھلی لگتی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا تھا کہ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو سرسبز و شاداب اُگنے والی کھیتی کی طرح اُگے گی (یعنی بہت جلد پھیل جائے گی)' وہ لوگوں کو بھلائی اور نیکی کا حکم دے گی اور وہ بدی اور بُرائی سے روکے گی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ''اَخْرَجَ شَطْئَہٗ'' سے حضرت ابوبکر صدیق اور ''فَاٰزَرَہٗ'' سے حضرت عمر فاروق ''فَاسْتَغْلَظَ'' سے حضرت عثمان غنی اور ''فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ'' سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ابتدائی کام اور اس کی ترقی و عروج اور دن بہ دن بڑھنے کی یہ مثال بیان کی ہے یہاں تک کہ دین اسلام قوی اور مضبوط و مستحکم ہوگیا ہے کیونکہ نبی کریم رءوف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے دین اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لیے اکیلے کھڑے ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ان لوگوں کے ذریعے قوی اور مضبوط و مستحکم کیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لائے جیسے کھیتی پہلے کمزور ہوتی ہے' پھر جب اس سے شاخیں اور ٹہنیاں پیدا ہوجاتی ہیں تو وہ اسے مضبوط و قوی بنادیتی ہیں یہاں تک کہ وہ کاشت کار کو بہت بھلی اور خوش نما لگتی ہے ﴿ لِیَغِیْظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان (صحابہ کرام) کے ذریعے جلائے اور انہیں غضب ناک کردے۔ صحابہ کرام کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دینے اور قوت و اضافہ میں بڑھنے اور ترقی کرنے کی یہ علت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ (درج ذیل) کلام کو اس کی علت قرار دیا گیا ہو کہ ﴿ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' بخشش اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمالیا ہے۔ کیونکہ جب کفار ان انعامات کے بارے میں سنیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کے لیے آخرت میں تیار کر رکھے ہیں' نیز ان کے ساتھ ساتھ جو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت و غلبہ عطا فرمائے گا تو ان سے کفار جلیں گے اور غصے کے مارے غضب ناک ہوجائیں گے [اور ''مِنْہُمْ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:٣٠) یعنی ''پس تم اس نجاست و پلیدگی سے بچو جو بذاتِ خود بت ہیں'' اور جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَنْفِقْ مِنَ الدَّرَاہِمِ'' درہموں (سکّے) میں سے خرچ کرو یعنی تم صرف اسی جنس کو اپنا خرچ مقرر کرلو] اور یہ آیت مبارکہ روافض (اہل تشیع) کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے مرتد ہوکر کفر اختیار کرلیا تھا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) کیونکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے اس آیت مبارکہ میں مغفرت و بخشش اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرماچکا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد انہیں تعلیمات پر اور اسی دین اسلام پر آخر دم تک ثابت قدم رہے ہوں جیسا کہ وہ آپ کی دنیاوی حیاتِ مبارک میں ثابت قدم رہے۔

(٤٩) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (١٠٦)

## بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اٰيَاتُهَا ١٨ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۃ الحجرات مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی اٹھارہ آیات' دو رکوع ہیں

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا

تَشْعُرُوْنَ ②

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور تم ان کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بولتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی O

## مسلمانوں کے لیے آدابِ نبوی کا بیان

سورتِ حجرات مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

۱۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا ﴾ اے ایمان والو! تم (اللہ' رسول سے) آگے بالکل نہ پڑھو [''قَدَّمَهٗ'' اور ''اَقْدَمَهٗ'' دونوں طرح پڑھنا منقول ہے (پہلے میں) حرف زائد کو مشدد (اور دوسرے میں) ہمزہ کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں ''قَدَمَهٗ'' سے ماخوذ ہیں'' قَدَمَهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے آگے چلا ہو' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ'' (ھود:۹۸) ''کہ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا'' اور یہاں مفعول کو محذوف رکھا گیا ہے] تاکہ (''لَا تُقَدِّمُوْا'' کی) یہ ممانعت قول و فعل میں سے ہر اس چیز کو شامل ہو جائے جس میں آگے بڑھنے کا خیال عقل و دل میں آ سکتا ہے[1]

[1] حق یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ تمام اُمور کو عام ہے (کیونکہ اگرچہ مورد خاص ہو لیکن اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے) خواہ اقوال ہوں یا افعال ہوں' یہی وجہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ قاری اور سامع کا ذہن اسے ہر مسئلہ پر منطبق کر سکے جہاں تک اس کے لیے ممکن ہے خواہ قول ہو یا فعل مثلاً جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں کوئی مسئلہ پیش ہو تو تم اپنی طرف سے جواب دینے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب حضور سرورِ عالم ﷺ کے حضور میں طعام پیش ہو تو تم کھانے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ راستہ طے کر رہے ہو تو تم ان کے آگے نہ چلو' ہاں! البتہ ضرورت و مصلحت کے تحت آگے چلنا پڑے تو جائز اور رَوا ہے' ورنہ حضور نبی کریم ﷺ کے آگے چلنا یا کسی کام میں آپ سے سبقت کرنا جائز اور رَوا نہیں ہے۔

مسئلہ: تین مقامات کے علاوہ اصاغر کا اکابر کے آگے چلنا جائز نہیں:

(۱) رات کے سفر میں (۲) لشکر کے مقابلے میں (۳) سیلاب یا گہرے پانی کی معلومات کرنے میں۔

مسئلہ: اس نہی میں یہ بھی داخل ہے کہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کے آگے چلنا منع ہے' کیونکہ یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا: ''تَمْشِیْ اَمَامَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنْكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَّلَا غَرَبَتْ عَلٰۤی اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ خَیْرًا وَّاَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ'' (تفسیر روح البیان ج۹ ص ۶۲' مطبوعہ بیروت) تو اس کے آگے چل رہا ہے جو دنیا میں اور آخرت میں تجھ سے بہتر ہے اور انبیاء و مرسلین کے بعد سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے لے کر اس کے غروب ہونے کی جگہ تک ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر اور افضل نہیں ہے۔

نوٹ: تفسیر روح البیان مترجم پارہ:۲٦' ص ۳۶۸' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہ ہو (کہ کسی چیز میں آگے نہیں بڑھنا) بلکہ یہ نہی مطلق تقدم (آگے بڑھنے) کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ'' (المؤمنون: ۸۰) ''اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے'' [یا پھر یہ ''قَدَّمَ'' (دال مشدد باب تفعیل) سے ماخوذ ہے اور ''تَقَدَّمَ'' کے معنی میں ہے جیسے ''وَجَّهَ'' بہ معنی ''تَوَجَّهَ'' ہے اور اسی سے ''مُقَدَّمَةُ الْجَیْشِ'' ہے اور یہ فوج کے اس دستہ کا نام ہے جو تمام فوجی لشکر سے آگے ہوتا ہے اور قاری یعقوب کی قراءت ''لَا تَقَدَّمُوْا'' (باب تفعّل) اس کی تائید کرتی ہے اس میں ایک ''تا'' محذوف ہے اصل میں ''لَا تَتَقَدَّمُوْا'' ہے] ﴿بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے (نہ بڑھو) اہل عرب کے قول: ''جَلَسْتُ بَیْنَ یَدَیْ فُلَانٍ'' کہ تو فلاں آدمی کے سامنے بیٹھا' کا حقیقت میں یہ مطلب ہے کہ تو اس آدمی کے دائیں اور بائیں نزدیک ترین دونوں جہتوں اور دونوں سمتوں کے درمیان اس کے سامنے بیٹھا ہو پھر دونوں جہتوں کا نام ''یدین'' اس لیے رکھا گیا کہ یہ دونوں جہتیں دونوں ہاتھوں کے نزدیک ترین سمتوں میں واقع ہیں جیسا کہ کسی چیز کا نام اس کے کسی ایسے غیر کے نام پر رکھا جاتا ہے جو اس کے نزدیک ترین اور اس کے پڑوس میں واقع ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ کی عبارت میں مجاز کی ایک قسم ہے جس کو تمثیل کا نام دیا جاتا ہے اور اس تمثیل میں بہت بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ جن اُمور میں آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ان میں آگے بڑھنے کی برائی اور معیوبی کا اظہار کیا گیا ہے' ورنہ کتاب وسنت کی مثالوں میں جسمانی تشبیہ مراد نہیں ہوتی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام تمہارے اس قول کے قائم مقام ہو کہ ''سَرَّنِیْ زَیْدٌ وَّحُسْنُ حَالِهٖ'' مجھے زید نے اور اس کی صورت کے حسن نے مسرور اور خوش کر دیا یعنی زید کی خوبصورتی نے مجھے خوش کر دیا' پس یہاں بھی ''بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ'' کا معنی اسی طرح ہے' اور اس اسلوب و انداز کا ایک فائدہ اختصاص کی قوت پر دلالت و رہنمائی کرنا مقصود ہے اور جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے عظیم الشان مقام پر فائز ہیں جو کسی سے مخفی نہیں تو اس لیے یہ انداز اختیار کیا گیا اور اس میں اس عمل کے لیے تمہید ہے جو ان کی طرف سے بُرا لگا یعنی ان کا اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر بلند کرنا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو اس قدر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور انہیں اس عظیم الشان خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے تو ان کے لیے جو کم از کم رعب وجلال واجب ہے' وہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے بلند لہجہ میں بات نہ کی جائے بلکہ اپنی آواز کو پست رکھا جائے اور آپ کے سامنے دھیمے انداز میں بات کی جائے۔

شانِ نزول: (۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے قربانی کے دن نمازِ عید سے پہلے قربانیاں کر لیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ دوسری قربانیاں کریں[1]

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی (یعنی تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو)[2] ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' سو بلاشبہ

---

[1] حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدِ قربان کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: آج سب سے پہلے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نمازِ عید ادا کریں گے' پھر ہم (اپنے گھروں کو) لوٹ جائیں گے اور قربانی کریں گے' سو جو شخص ایسا کرے گا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جو نمازِ عید سے پہلے قربانی کرے گا سو اس نے بلاشبہ جلدی کی اور صرف اپنے گھر والوں کے لیے گوشت حاصل کیا (ثواب نہیں) اور اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۲۰۹' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۱۷۵' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

[2] حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس آدمی نے اس دن میں روزہ رکھا جس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے تقویٰ اختیار کرلو گے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے آگے بڑھنے سے تمہیں تمہارا تقویٰ روک دے گا ﴿ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری وہ تمام باتیں خوب سن لیتا ہے جو تم کہتے ہو ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ وہ تمام اعمال و افعال کو خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور ایسی ذات اقدس کا حق ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۲۔ ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے ایمان والو! یہاں مسلمانوں کو دوبارہ نداء کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کہ انہیں اس بات کی دعوت دی جائے کہ ہر آنے والے خطاب کے وقت نئے سرے سے غور سے دیکھیں اور کان لگا کر سنیں اور ان میں تحریک و جوش پیدا ہوتا کہ وہ غور و فکر کرنے سے غافل و بے خبر نہ ہو جائیں ﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ﴾ تم اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز مبارک سے اونچا نہ کرو یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو فرما رہے ہوں اور تمہیں بھی بات چیت کرنی ہو تو اس باہمی گفتگو کے دوران تم پر لازم ہے کہ تمہاری آواز اس حد تک نہ پہنچے جس حد تک آپ کی آواز پہنچتی ہو بلکہ تم پر واجب ہے کہ تم اپنی آواز کو قدرے پست رکھو تا کہ آپ کا کلام مبارک تمہارے کلاموں سے بلند ہو اور آپ کی آواز تمہاری آواز پر غالب رہے یہاں تک کہ آپ کی فضیلت و عظمت تم پر عیاں ہو جائے اور آپ کی سبقت و اوّلیت واضح ہو جائے ﴿ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ ﴾ اور تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اونچے لہجہ میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات چیت کرتے ہو یعنی جب تم حضور سے گفتگو کرنے لگو اور آپ خاموش سن رہے ہوں تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آواز کو بلند کرنے سے پرہیز کرو جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے بلکہ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ تم آپس میں لوگوں کے ساتھ دورانِ گفتگو جس قدر بلند آواز میں باتیں کرتے ہو' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس حد تک بھی تمہاری آواز نہیں پہنچی چاہیے اور تم آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں پست لہجہ کے ساتھ نرم بات چیت کرنے کا پختہ عزم کر لو جو بلند آواز کے برعکس لہجہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم حضور کو نام لے کر ''یا محمد'' اور ''یا احمد'' نہ پکارو بلکہ تم نبوت و رسالت کے القاب کے ساتھ ''یَا نَبِیَّ اللّٰہِ' یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کہہ کر پکارو' نیز عظمت اور وقار کے لقب کے ساتھ آپ کو مخاطب کرو (جیسے ''یا حبیب اللّٰہ' یا خیر خلق اللّٰہ'' وغیرہ) اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت پست اور نرم آواز میں بات چیت کرتے تھے جیسے کوئی سرگوشی سے بات کرتا ہے[1]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (ماہِ رمضان کے چاند کا) ہونا نہ ہونا مشکوک ہو تو اس آدمی نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کی۔ (تفسیر خازن' مذکورہ بالا حوالہ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۰' مطبوعہ دہلی) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو' پھر اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تم شعبان کی گنتی تیس دن مکمل کرو۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

1 کیونکہ اس آیت مبارکہ میں خصوصی طور پر انہیں حضرات کو تعلیم دی گئی تھی' چنانچہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو ان کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! ان کو عامل نہ بنائیں' پھر ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بحث کی' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' حضرت عمر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی' حتیٰ کہ ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے کیا کہا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۷۵' بحوالہ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۰۲-۴۳٦۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲٦٦' مسند احمد ج ۴ ص ۴)

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے اور بہت بلند اور بھاری آواز والے تھے اور جب بات کرتے تو ان کی آواز بہت بلند اور اونچی ہو جاتی اور بسا اوقات یہ حضور نبی کریم ﷺ سے بات کرتے تو ان کی آواز سے آپ کو اذیت پہنچتی[1]

1. حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے' حضور نبی پاک ﷺ نے ان کے نہ آنے کا سبب پوچھا تو آپ کو عرض کیا گیا کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ نے انہیں بلوایا تو انہوں نے عرض کی: میں تو اسی خوف کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا ہوں کہ شاید یہ آیت میرے لیے اتری ہے۔ آپ نے فرمایا: ''لَسْتَ هُنَاكَ اِنَّكَ تَعِيْشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوْتُ بِخَيْرٍ وَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ'' تو اس کا مصداق نہیں بلکہ تو خیر و بھلائی کی زندگی بسر کرے گا' پھر خیر و بھلائی کے ساتھ فوت ہوگا اور بے شک تو جنتی لوگوں میں سے ہے' اس حدیث شریف کے راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا' کیونکہ حضرت ثابت بن قیس خیر و بھلائی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی جنگ کے دن شہید ہو کر فوت ہوئے۔ جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اس وقت آپ زرّہ پہنے ہوئے تھے' چنانچہ ان کی موت کے بعد انہیں کسی صحابی نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے اس صحابی سے فرمایا: جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر لے لی ہے اور وہ لشکر کے فلاں حصے (کونے) میں ہے اور اس کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے جو گھاس چر رہا ہے' اس آدمی نے میری زرّہ ایک ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے' تم حضرت خالد بن ولید کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس سے واپس لے لیں' اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی خواب میں اسی صحابی کو فرمایا کہ تم حضرت ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہو کہ فلاں آدمی کا مجھ پر قرض ہے وہ ادا کر دیجئے اور میرے فلاں غلام کو آزاد کر دیجئے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کی یہ وصیتیں سن کر اس صحابی نے اسی طرح کیا جیسے انہیں کہا گیا' چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو خبر دی اور حضرت ابوبکر نے وصیت پوری کی' حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایسی کوئی وصیت یاد نہیں جسے کسی کی موت کے بعد پورا کیا گیا ہو ماسوا اس وصیت کے۔ (تفسیر روح البیان (عربی) ج۹ ص ٦٥' مطبوعہ بیروت' مترجم پارہ:٢٦' ص ٣٧٤-٣٧٥' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور) علامہ فیض احمد اویسی صاحب اس مترجم تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں اور دیگر محدثین نے اپنی تصانیف میں بیان کی ہے۔ اس سے صراحۃً چند فوائد حاصل ہوئے (١) صحابہ کرام حضور نبی کریم ﷺ کی معمولی گستاخی کو کفر اور موجبِ جہنم سمجھتے تھے (٢) حضور نبی کریم ﷺ ہر امتی کے حالات سے باخبر ہیں' اسی لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اجمالی حالات بتا دیئے (٣) صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہے کہ جیسے فرماتے ہیں وہ یقیناً ویسے ہوتا ہے (٤) انسان مرنے کے بعد بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ قلب مکانی کرتا ہے (٥) مرنے کے بعد انسان کے علم و شعور میں اضافہ ہو جاتا ہے (٦) مرنے والے کا مرنے کے بعد اہل دنیا سے تعلق وابستہ رہتا ہے (٧) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی عقیدہ تھا کہ مرنے والے بے خبر نہیں ہوتے' تبھی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطلاع پر چور سے ان کا سامان (زرہ وغیرہ) واپس کرایا۔ (تفسیر روح البیان کا حاشیہ' پارہ:٢٦' ص ٣٧٥' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

**بوقتِ ضرورت آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا اور آپ کی نعت پڑھنا جائز ہے**

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جن مواقع پر بلند آواز سے بولنا مطلوب ہوتا ہے' وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے مثلاً میدانِ جہاد میں دشمن کو للکارتے ہوئے یا کسی معاند اور مخالف کو جواب دیتے ہوئے یا دشمن کو ڈراتے ہوئے ان تمام صورتوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نبی کریم ﷺ کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز ہے کیونکہ ان صورتوں میں یہ متصور نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ادب اور احترام کے خلاف ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جب جنگ حنین میں مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے رسول اللہ ﷺ اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے حضرت عباس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! اصحاب سمرہ (کیکر کے درخت کے سایہ میں بیعت کرنے والوں) کو آواز دو حضرت عباس بلند آواز شخص تھے وہ کہتے ہیں: میں نے بلند آواز سے پکارا: اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بخدا! وہ یہ آواز سنتے ہی اس طرح واپس پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے چنانچہ وہ "یَا لَبَّیْکَ یَا لَبَّیْکَ" کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے واپس آ گئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث:١٧٧٥) اسی طرح حدیث میں حضرت عثمان بن عمر کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم راستوں میں بکھر گئے اور وہ زور زور سے پکار رہے تھے: "یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!"۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٣٠١٤)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدافعت میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے گفتگو کرتے وقت آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے اور اسی طرح جب کوئی شخص آپ کو اپنی بات سنا رہا ہو اور آپ خاموشی سے سن رہے ہوں تو آواز بلند نہ کی جائے یا آپ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کی جائے جیسے لوگ ایک دوسرے سے عامیانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ تقریباً یہ تمام امور حسب ذیل مفسرین نے اپنی اپنی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[اس میں کاف تشبیہ کا ہے اور محل کے اعتبار سے منصوب ہے] "اَیْ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ جَهْرًا مِثْلَ جَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ" یعنی تم حضور سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو اور اس میں انہیں مطلقاً بلند آواز سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا البتہ ان کے لیے (بغیر شرعی اجازت کے) بلند آواز سے بات کرنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تصانیف میں بیان فرمائے ہیں:

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ٥٣٨ھ (الکشاف ج ٤ ص ٣٥٣-٣٥٥) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٦ ص ٢٧٦-٢٧٩) علامہ سیّد محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ (روح المعانی جز ٢٦ ص ٢٠٤-٢٠٦)۔ بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر بھی کہتے ہو اور مجالس میلاد میں بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام بھی پڑھتے ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے (کہ وہ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے ہر جگہ ہر وقت موجود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے) بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں اور کائنات آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٨٨٩ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٢٥٢ سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٧٦ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٩٥٢)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائز نہیں مگر یہ کہ وہ آپ سے آہستہ آواز سے نرمی کے ساتھ بات کریں اور بے شک انہیں صرف مخصوص بلند آواز سے منع کیا گیا ہے یعنی ایسی بلند آواز جو لوگوں کی آواز کے مشابہ ہو جنہیں لوگ بطورِ عادت عامیانہ انداز میں باہمی گفتگو کے دوران بہت اونچا بولتے ہیں اور یہ طریقہ آدابِ نبوت کی رعایت اور اس کی شانِ جلالت کے خلاف ہے ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ یہ کہ تمہارے اعمال برباد اور ضائع ہو جائیں [یہ جملہ اس بناء پر محلاً منصوب ہے کہ یہ مفعول لہ ہے اور یہ معنوی نہی کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے: ''اِنْتَھُوْا عَمَّا نُھِیْتُمْ عَنْهُ لِحُبُوْطِ اَعْمَالِكُمْ'' تم اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے رُک جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے ''اَیْ لِخَشْیَةِ حُبُوْطِھَا'' یعنی اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کے خوف سے اس کی تقدیر مضاف محذوف ہے] ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اور تمہیں علم بھی نہیں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے تمام دنیا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال کے ضعف کے باوجود توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷، بیروت)

باقی رہا آپ کے سامنے بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا، سو ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے سامنے مطلقاً بلند آواز سے بولنا منع نہیں ہے، آپ کی تعظیم اور توقیر کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے جیسا کہ ہجرت کے موقع پر انصار کے مرد، عورتیں اور بچے آپ کا استقبال کرتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے: ''یا محمد! یا رسول اللّٰہ! یا محمد! یا رسول اللّٰہ!'' اور آپ کے سامنے اذان دی جاتی تھی اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدح میں بلند آواز کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۷۶۔۴۷۸) علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے، نیز آپ کی احادیث مبارکہ کی تدریس کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے کیونکہ آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کا احترام اور آپ کی تعظیم و تکریم اسی طرح واجب و لازم ہے جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کا احترام واجب اور لازم تھا اور علامہ ابوحیان نے ذکر کیا ہے کہ عالم دین کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۳۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر روح البیان میں ہے کہ ''لِاَنَّهٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ'' کیونکہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، عربی ج ۹ ص ۶۶، مترجم جز ۲۶، ص ۸۷، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۵۸۰، تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۶۶۹، مطبوعہ دار التصنیف، کراچی)

نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے انہیں کے لیے مغفرت وبخشش اور بہت بڑا اجر وثواب ہے O بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں O اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر تشریف لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۳- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں [''اِنَّ'' کا اسم ''رَسُوْلِ اللّٰهِ'' کے پاس مکمل ہو جاتا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل ایمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر اپنی آوازوں کو بولتے وقت پست اور دھیمار کھتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا۔ یہ ان کے قول ''اِمْتَحَنَ الذَّهَبَ فِتْنَةً'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص سونے کو پگھلاتا ہے پھر اس کے اصل کو اس کے کھوٹ سے الگ کرتا ہے اور اس کے اصل کو خالص کر لیتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا ہے جس طرح آزمائش کرنے والا اور امتحان لینے والا ممتحن کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کرام کو مخلص مؤمن پایا تو ان کے اخلاص اور تقویٰ کا ذکر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات اور خواہشاتِ نفسانی کو مٹا دیا اور ان کے دلوں کو بُرے اخلاق سے صاف کر کے مکارمِ اخلاق کے ساتھ آراستہ کر دیا [اور ''امتحان'' افتعال کے وزن پر ہے اور یہ ''مَحْنَةٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کہ بہت بڑی آزمائش اور انتہائی کوشش اور ''الذین'' کا صلہ ''لِلتَّقْوٰى'' پر پورا جاتا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا اپنی خبر ''الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى'' کے ساتھ مل کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے [یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہ دونوں حضرات (''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' کے نزول کے بعد) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بہت آہستہ آواز سے گفتگو کرتے تھے [اور یہ آیت مبارکہ اپنی اس نظم کے ساتھ جس پر اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کا وقوع مرتب ہوا ہے ''اِنَّ'' مؤکدہ کا اسم ہے اور دونوں معرفہ مبتداء وخبر سے مرکب جملے کو اس کی خبر قرار دیا گیا ہے اور جس جملے میں ان کے عمل پر جزاء کا وعدہ کیا گیا ہے اسے مستقل الگ جملہ قرار دیا گیا ہے اور اس میں جزاء کو نکرہ مبہم لانا اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کے فعل پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعتماد پر دلالت ورہنمائی کرتا ہے] اور اس آیت کریمہ میں ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو بلند کیا تھا طعن وطنز ہے کہ انہوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

٤- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ ﴾ بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو بہ آواز بلند پکارتے ہیں (ان میں اکثر لوگ احمق ہیں)۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بنو تمیم کے ایک وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر ہوا جب کہ آپ اس وقت قیلولہ (دوپہر کی نیند) فرما رہے تھے اور اس وفد میں اقرع بن حابس (شاعر) اور عیینہ بن حصن بھی تھے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے حجروں سے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا اور کہا:

''اُخْرُجْ اِلَيْنَا يَا مُحَمَّدُ! فَاِنَّ مَدْحَنَا زَيْنٌ وَذَمَّنَا شَيْنٌ'' اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے پاس باہر تشریف لائیں سو بے شک ہماری مدح وتعریف زیب وزینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو گئے اور باہر تشریف لے آئے[1] ''وَرَاءِ'' اس جہت اور سمت کو کہا جاتا ہے جو حجرہ سے باہر کھڑے شخص کو اپنے سایا میں تم سے چھپا لے خواہ وہ جہت اور سمت آگے ہو یا پیچھے ہو [''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور بلند آواز سے بولنا اور پکارنا اسی جگہ ہوا اور حجرہ زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کو چار دیواری کے ذریعے ہر طرف سے احاطہ کر کے روک لیا جائے اور یہ ''فُعْلَةٌ'' کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے جیسے ''قُبْضَةٌ'' ہے اور ''حُجْرَةٌ'' کی جمع ''حُجُرَات'' ہے جس میں حا اور جیم مضموم ہیں اور یزید کی قراءت میں جیم مفتوح کے ساتھ ''حُجَرَاتٌ'' پڑھا گیا ہے] اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے مبارک مراد ہیں اور آپ کی ازواج پاک میں سے ہر ایک کے لیے ایک حجرہ ہوتا تھا اور انہیں کے باہر لوگ حضور کو بلاتے تھے اور شاید وہ لوگ آپ کی تلاش میں مختلف حجروں کے پاس منتشر ہو گئے ہوں یا انہوں نے آپ کو اس حجرہ مبارک سے باہر بلند آواز سے پکارا ہو جس میں آپ تشریف فرما تھے' لیکن رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وجلالت کے پیش نظر جمع کے ساتھ ''حجرات'' فرمایا گیا ہے اور پکارنے کے فعل کی نسبت اگرچہ ان سب کی طرف کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے آپ کو بلند آواز سے پکارا ہو اور باقی اس فعل پر راضی ہوں' اس لیے گویا سب نے یہ عمل کیا ﴿ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ان میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اکثر کی نفی کر کے بعض لوگوں کے عقل مند ہونے کا استثناء مقصود ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر کہہ کر (عرب کے محاورے کے مطابق) عام نفی مراد ہو کہ سب کے سب بے عقل ہیں کیونکہ قلت نفی کے قائم مقام ہوتی ہے' اور یہ آیت مبارکہ جس اسلوب اور طریقہ پر وارد کی گئی ہے' اس کے ورود میں رسول خدا ﷺ کے مقام ومرتبہ کی جلالت وعظمت اور فضیلت کسی سے مخفی نہیں رہتی' اس میں سے ایک یہ کہ چیخ کر بلند آواز سے بلانے والوں پر بے عقلی اور جہالت کی مہر لگا دی ہے اور دوسرا یہ کہ ''حجرات'' کا لفظ لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ایک زوجہ محترمہ کے پاس خلوت نشینی اور قیلولہ فرمایا کرتے تھے' اور تیسرا یہ کہ اضافت کے بغیر ''الحجرات'' کو لام تعریف کے ساتھ معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور اگر غور وفکر کرنے والا شخص اس سورت کے آغاز سے لے کر اس آیت کریمہ کے آخر تک غور وفکر کرے تو وہ اس کو اسی طرح پائے گا' پھر غور کیجئے کہ وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہیں ان کو بغیر کسی قید کے دیگر تمام اُمور پر مقدم رکھنے کے وجوب کا آغاز کس طرح پیارے خطاب سے کیا گیا ہے' پھر اس کے ساتھ تقدیم (کسی کام میں اللہ ورسول سے پہل کرنے) کی جنس سے ہونے والے اُمور یعنی آپ کے سامنے آواز کو بلند کرنے اور چیخ کر اونچی آواز کے ساتھ بلانے سے منع کرنے کے لیے نہی کو لایا گیا گویا پہلی آیت دوسری آیت کی تمہید ہے' پھر اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کی تعریف کی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام ومرتبہ کے عظیم الشان ہونے پر دلالت ورہنمائی کی جائے' پھر اس کے بعد اس معاملہ کا ذکر کیا گیا جو ایک بہت بڑا سانحہ اور سب سے زیادہ معیوب عمل تھا اور وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کو حالت خلوت میں دوپہر میں آرام کرنے کے وقت حجروں سے باہر چار دیواری سے پیچھے چیخ چیخ کر زور زور سے اس طرح بلانا جس طرح کم مرتبہ عام لوگوں کو چیخ کر زور سے بلایا جاتا ہے تا کہ اس عمل کی قباحت پر تنبیہ کی جائے جس پر بنو تمیم کے وفد نے جسارت کی تھی کیونکہ جس ہستی کی قدر ومنزلت کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بہت بلند کر دیا کہ اس کو اونچی آواز سے چیخ کر بلایا جائے تو پھر ان (اہل وفد) کی یہ جسارت اس بدترین برائی میں

1 رواہ ابن اسحاق فی السیرۃ وابن مردویہ وابن المنذر والثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۵۸)

سے ہے جو فحاشی و بے حیائی میں اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

۵- ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا ﴾ اور اگر وہ لوگ صبر کر لیتے یعنی اگر ان کا صبر ثابت و قائم رہتا اور صبر کا معنی ہے کہ نفس کو اس خواہش سے روکنا جس کی طرف وہ کشش محسوس کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ '' (الکہف:۲۸) ''اور آپ اپنے آپ کو صرف انہیں لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھیں جو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں'' اور اہل عرب کا قول ہے کہ ''صَبَرَ عَنْ كَذَا'' یعنی صبر اس طرح سے ہے [یہاں مفعول محذوف ہے اور وہ نفس ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ''الصَّبْرُ مُرٌّ لَا يَتَجَرَّعُهُ اِلَّا حُرٌّ'' یعنی صبر بہت کڑوا ہے' اسے نہیں پی سکتا مگر آزاد مرد ''اَنَّهُمْ صَبَرُوْا'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿ حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ ﴾ یہاں تک کہ آپ ان کے پاس باہر تشریف لے آتے۔ اس ارشاد سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے آتے لیکن آپ کا باہر تشریف لانا ان لوگوں کی طرف نہ ہوتا اور نہ ان کی خاطر ہوتا تو پھر بھی ان لوگوں پر لازم تھا کہ وہ صبر کرتے یہاں تک کہ وہ یہ جان لیتے کہ آپ صرف انہیں کی طرف تشریف لائے ہیں ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ البتہ یہ صبر کرنا ان کے مذہب میں بھی ان کے لیے بہت بہتر تھا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے (یعنی) اس کی مغفرت و بخشش اور اس کی رحمت و مہربانی بہت وسیع و بلیغ ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے' سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں تو اس کی مغفرت و رحمت ان لوگوں سے ہرگز تنگ نہیں ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝٦

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم خوب تحقیق کر لو کہ کہیں تم بے خبری میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو' پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم و پشیمان ہو جاؤ ○

## فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم

٦- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ ﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے (تو خوب تحقیق کر لو)۔

شانِ نزول: تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی' جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق سے صدقات و خیرات اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجا اور ولید بن عقبہ اور ان لوگوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کسی معاملہ میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ قائم ہو گیا تھا (لیکن وہ دور جاہلیت کی بات تھی جو ختم ہوگئی) جب وہ ان کے گھروں کے قریب پہنچے تو وہ لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر اس کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے' پس ولید بن عقبہ نے ان کے بارے میں یہ گمان کیا کہ وہ لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں' چنانچہ یہ وہاں سے بھاگ کر واپس لوٹ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) خالد بن ولید کو (یہ ہدایت دے کر) ان کے پاس بھیجا (کہ اگر وہ ارکانِ اسلام اور دیگر شعائرِ اسلام ادا کر رہے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا

مطالبہ کرنا ورنہ ان سے جنگ کرنا' چنانچہ جب حضرت خالد مغرب کے وقت وہاں پہنچے تو ان سے مغرب اور عشاء کی اذانیں سنیں) اور ان کو دیکھا وہ باقاعدہ نمازیں ادا کر رہے ہیں اور انہوں نے بلا چون و چرا زکوٰۃ و صدقات کے اموال حضرت خالد کے سپرد کر دیئے اور حضرت خالد صدقات کے اموال لے کر واپس لوٹ آئے [1] (اور ساری حقیقت بیان کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی) [اور ''فَاسِقٌ'' اور ''نَبَأٌ'' کو نکرہ ذکر کرنا ''فساق'' اور ''الباء'' میں مشہور و معروف اور عام شائع ہے] گویا ارشاد فرمایا کہ کوئی گناہ گار شخص کسی قسم کی کوئی خبر تمہارے پاس لے کر آئے ﴿فَتَبَيَّنُوٓا﴾ تو تم خوب تحقیق کرو اور اس میں اچھی طرح پہچان حاصل کرو اور اس خبر کے معاملے میں خوب تفتیش کرو اور حقیقت حال کی وضاحت کے لیے خبر کی صداقت تلاش کرو اور محض فاسق کی بات پر اعتماد نہ کرو کیونکہ جو شخص فسق و فجور سے نہیں بچتا وہ جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا جو کہ فسق کی ایک نوع ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک عادل و منصف آدمی کی خبر قابل قبول ہے کیونکہ اگر ہم ایسے آدمی کی خبر میں توقف کریں گے تو اس آدمی کے درمیان اور ایک فاسق و فاجر شخص کے درمیان برابری قائم کریں گے اور اس کی تخصیص فائدہ سے خالی ہوگی اور ''فسوق'' کا معنی ہے: کسی چیز سے باہر نکلنا' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا'' یعنی انڈے کی تری اس کے چھلکے سے باہر نکل آئی اور اس کا مقلوب (الٹ) ''فَقَسَتِ الْبَيْضَةُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے اندر کا تمام سیلانی مادہ باہر نکل جاتا ہے' نیز اس کا مقلوب ''قَفَسَتِ الشَّيْءَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز مالک کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ چیز اس سے چھین لی جاتی ہے' پھر اس کو بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے سبب راہِ اعتدال سے نکل جانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فَتَثَبَّتُوْا'' پڑھا گیا ہے] اور ''تَثَبُّتٌ'' اور ''تَبَيُّنٌ'' قریب المعنی ہیں اور دونوں کا معنی ہے کہ خبر کے ثبوت اور بیان اور اس کی حقیقت کو جاننا اور پہچاننا ﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان نہ پہنچا دو [اصل میں ''لِئَلَّا تُصِيْبُوْا'' ہے اور ''بِجَهَالَةٍ'' حال واقع ہو رہا ہے یعنی معاملے کی حقیقتِ حال اور واقعہ کی کنہ کے نہ جاننے اور اس سے ناواقف ہونے کی حالت میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو گے] ﴿فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم و پشیمان ہو جاؤ۔ ندامت غم و رنج کی ایک قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوتاہی تم سے واقع ہو گئی ہے اس پر تم غمگین ہو جاؤ اور تم آرزو کرنے لگو کہ کاش! ایسا نہ ہوتا اور یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ Ⓐ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ Ⓗ

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ٢٦١

اور تم جان لو بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور اس نے تمہارے لیے کفر اور فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا' یہی لوگ حق کی راہ پر چلنے والے ہیں O اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سبب' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے O

## رسولِ خدا کی اہمیت اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

۷۔ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول تم میں موجود ہیں' سو تم جھوٹ نہ بولا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کی خبر بتا دیتا ہے لیکن آپ جھوٹے شخص کی پردہ شکنی نہیں کرتے' یا اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ تمہارے درمیان موجود ہیں' لہٰذا تم صرف انہیں کی طرف رجوع کیا کرو اور انہیں کی رائے طلب کیا کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے مستقل طور پر ارشاد فرمایا: ﴿ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ﴾ اگر آپ تمہارے بہت سے معاملات میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم ضرور مشقت و تکلیف میں پڑ جاؤ اور تم ضرور محنت و ہلاکت میں گر پڑو گے اور یہ کلام مبارک اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنی مصطلق پر حملہ کرنے کو پسند کیا اور ولید بن عقبہ کی بات کی تصدیق کی تھی اور بعض دیگر مسلمان اپنے آپ کو اس عیب سے بچاتے رہے اور وہ بنی مصطلق کے لوگوں کے تقویٰ و پرہیزگاری میں رغبت و محنت اور ان کی جدوجہد کے پیش نظر انہیں انکارِ زکوٰۃ کی جسارت سے بَری اور بے قصور خیال کرتے رہے اور یہ وہی مسلمان ہیں جن کا استثناء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب و پیارا بنا دیا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ وہی صحابہ کرام ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا اور جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے' جب ان کی صفت پہلے گروہ کی صفت کے مغائر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو بیان کرنے کے موقع پر ''لٰکِنَّ'' کا ذکر کیا جو استدراک کے لیے آتا ہے اور استدراک یہ ہوتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کا نفی اور اثبات میں مخالف ہوتا ہے ﴿ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو (یعنی ایمان کو) تمہارے دلوں میں مزین و آراستہ کر دیا اور اس نے اسے تمہارے دلوں میں سنوار دیا ﴿ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کفر کو اور فسق و فجور کو اور نافرمانی کو ناپسندیدہ اور ناگوار بنا دیا' اور ''کفر'' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان سے چشم پوشی کر لینا اور انکار کر کے ان سے اعراض کر لینا اور منہ پھیر لینا اور ''فسوق'' یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان کی جحت اور اس کے نور سے خارج ہو جانا (یعنی نورِ ایمان سے محروم ہو جانا) اور ''عصیان'' یہ ہے کہ شارع کے احکام کی اطاعت کو ترک کر دینا اور نافرمانی اختیار کر لینا (اور صحابہ کرام چونکہ ان تمام برائیوں سے پاک تھے' اس لیے ان کے حق میں فرمایا) ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴾ یہی لوگ راہِ حق پر چلنے والے ہیں یعنی جن لوگوں کا ''لٰکِنَّ'' کے ذریعے استثناء کیا گیا ہے وہی راہِ حق پر چلنے والے ہیں' مطلب یہ ہے کہ انہوں نے راہِ حق کو پا لیا ہے اور وہ راہِ مستقیم سے نہیں پھرے' اور ''رشد'' کا معنی ہے: راہِ حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم و دائم رہنا' یہ ''رِشَادَۃٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی مضبوط چٹان ہے۔

۸۔ ﴿ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے سبب [''الفضل'' بہ معنیٰ ''افضال'' اور ''نعمۃ'' بہ معنیٰ ''انعام'' ہے اور مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے تمہارے دلوں میں ایمان کو سنوار دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی کو ناگوار و ناپسندیدہ بنا دیا ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کے تمام احوال کو اور ان کے درمیان باہمی امتیاز اور فضیلت و برتری کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' جب وہ اپنی توفیق سے صاحب فضیلت حضرات پر فضل وکرم اور احسان کرتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو' پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری پر بغاوت کرے تو جو جماعت بغاوت کرتی ہے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے' پھر اگر وہ رجوع کر لے تو تم ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور تم انصاف سے کام لو' بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہےO بے شک تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں' سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائےO

## دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے کی اہمیت کا بیان

۹- ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو۔

شانِ نزول: رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر گزرتے ہوئے انصار کی ایک مجلس کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کے دراز گوش نے وہیں پیشاب کر دیا تو عبد اللہ ابن اُبی (منافق) نے اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھ لیا اور اپنا منہ بند کر کے کہنے لگا: آپ اپنا دراز گوش یہاں سے لے جائیں کیونکہ اس کے پیشاب کی بدبو نے ہمیں بہت اذیت و تکلیف دی ہے' اس پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضور کے دراز گوش کی بدبو تیری کستوری کی خوشبو سے بہت بہتر ہے اور حضور سیّد عالم رسول اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور ان دونوں کے درمیان بحث و تکرار شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور دونوں قومیں آ گئیں اور وہ اَوس اور خزرج تھے اور انہوں نے ڈنڈوں سے لڑائی شروع کر دی اور بعض کا قول ہے کہ وہ ہاتھوں' مکوں اور جوتوں سے لڑنے لگے' پھر اسی دوران رسول کریم ﷺ واپس تشریف لے آئے اور ان دونوں میں صلح کرا دی اور اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی [1]

[1] صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۹

سوال: اس آیت مبارکہ میں ''مؤمنین'' کا لفظ صریح ہے اور عبد اللہ ابن ابی تو منافق تھا' اس پر مؤمن کا اطلاق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب ۱: واقعی عبد اللہ ابن ابی منافق تھا لیکن اس کی قوم کے اکثر لوگ مسلمان اور مؤمن تھے اور اس آیت کریمہ میں ''طآئفة'' کا لفظ ہے جس سے وہی مؤمن مراد ہیں۔

جواب ۲: ''مؤمنین'' سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا۔ عبد اللہ ابن ابی منافق ہی سہی لیکن ایمان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[ ''اقتتلوا'' کو معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ''طَآئِفَتَانِ'' ''قَوْمٌ'' اور ''نَاسٌ'' کے معنی میں ہے اور ''بَیْنَهُمَا'' میں لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے تثنیہ ذکر کیا گیا ہے ] ﴿ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى ﴾ پھر اگر ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر بغاوت وسرکشی کرے۔ ''بَغْیٌ'' کا معنی ہے: دوسرے پر زبردستی غلبہ حاصل کرنا اور ظلم وستم کرنا اور صلح سے انکار کرنا ﴿ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ ﴾ تو تم اس جماعت سے لڑو جو بغاوت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ (صلح کی طرف) رجوع کر لے یعنی لڑائی سے صلح کی طرف رجوع کر لے اور ''فَیْءٌ'' کا معنی رجوع کرنا ہے اور ''ظل'' (سایا) اور غنیمت کو ''فَیْءٌ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ''ظل'' (یعنی سایا) سورج کے زوال کے بعد اپنی جگہ واپس لوٹ آتا ہے اور مالِ غنیمت کفار کے اموال میں سے نکل کر مسلمانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے اور باغی گروہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ بغاوت کر کے لڑتا رہے گا' اس وقت تک اس کے ساتھ لڑائی کرنا واجب و لازم ہے' پھر جب وہ بغاوت سے باز آ جائے اور جنگ سے اپنے ہاتھ روک لے تو اس کے ساتھ لڑائی ترک کر دی جائے گی ﴿ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (یہاں تک کہ باغی گروہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے جو اس کی کتاب میں صلح کرانے اور باہمی بغض و کینہ کو ترک کرنے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے ﴿ فَاِنْ فَآءَتْ ﴾ پھر اگر وہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ﴿ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ ﴾ تو تم ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرا دو ﴿ وَاَقْسِطُوْا ﴾ اور تم عدل و انصاف کیا کرو۔ اس سے پہلے دو گروہوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم دیا گیا' اب اس کے بعد ''قسط'' کا لفظ استعمال کر کے عمومی طور پر (تمام لوگوں میں ہر قسم کے معاملہ میں) عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے' ''مُقْسِطِیْنَ'' بہ معنی ''عَادِلِیْنَ'' ہے اور ''قَسْطٌ'' (قاف مفتوح) کا معنی ہے: ظلم وستم کرنا اور حق سے تجاوز کرنا اور ''قِسْطٌ'' (قاف مکسور) کا معنی ہے: عدل و انصاف کرنا اور اسی سے ''اَقْسَطَ'' فعل ماخوذ ہے اور اس فعل میں ہمزہ سلب (نفی) کے لیے ہے یعنی فلاں آدمی نے ظلم کو دور کر دیا۔

۱۰- ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ ﴾ بے شک تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں' سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ یہ اس حکم کی تقریر و تاکید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر واجب اور لازم کر دیا جو مسلمانوں میں سے جھگڑنے والے دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے ذمہ دار ہیں اور یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ بے شک ایمان نے اہل ایمان حضرات کے درمیان اسلامی دوستی اور دینی قرابت داری کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ اگر یہ اسلامی تعلق خاندانی اخوت و بھائی چارے سے بڑھ کر قرار نہ بھی دیا جائے تو اس سے کم بھی نہیں ہے' پھر لوگوں میں یہ عادت جاری و ساری ہو چکی ہے کہ جب دو پیدائشی بھائیوں کے درمیان اس قسم کا جھگڑا برپا ہو جائے تو باقی لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کے ذریعے اس جھگڑے کو ختم کرنے اور اسے مٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو دینی بھائی اس سے بڑھ کر صلح کے حق دار ہیں [ قاری یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''بَیْنَ اِخْوَتِكُمْ'' پڑھا گیا ہے ] ﴿ وَاتَّقُوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ظاہر کرتا تھا اور آیت کریمہ میں مطلق مؤمن مراد ہیں خواہ حقیقی مؤمن ہوں یا صرف ایمان کے دعوے دار مؤمن ہوں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے اس کے علاوہ اور شانِ نزول بھی بیان کیے ہیں تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ ساری روایات اگرچہ صحیح سہی لیکن ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہو۔

(تفسیر روح البیان' مترجم پارہ: ۲۶' ص ۴۰۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

اللہ لعلکم ترحمون ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے[1] یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ یہی تقویٰ باہمی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کی ترغیب دے گا اور تمہارے اس عمل اور فعل کے وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی کے پہنچنے کی امید کی جائے گی' اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ بغاوت کرنے سے ایمان زائل نہیں ہوتا کیونکہ بغاوت و سرکشی کرنے کے باوجود بغاوت کرنے والوں کو مؤمنین کہا گیا ہے۔[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! مرد مردوں کا مذاق نہ اُڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں' اور تم اپنوں کو طعنہ نہ دو اور نہ تم ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو' ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے' اور جو توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں O

## معاشرتی بُرائیوں کی ممانعت کا بیان

۱۱- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ﴾

[1] (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

(۲) حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔

(۳) حضرت سلم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے گالی دے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کر دے گا اور جو شخص (دنیا میں) کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے رُسوا کرے اور نہ اسے حقیر جانے۔ حضور نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں پر ہے' پھر ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانتا ہو' ہر مسلمان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۸۔۴۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

[2] حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ سے صفین اور جمل کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں! وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے' پھر عرض کیا گیا کہ کیا وہ منافق ہو گئے تھے؟ فرمایا: ہرگز نہیں! منافق تو اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں (جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں)' پھر عرض کیا گیا کہ اگر وہ مشرک بھی نہیں اور منافق بھی نہیں تو ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔
(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اے ایمان والو! مردوں میں سے کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے کہ جن کا مذاق اُڑایا گیا ہو وہ مذاق اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑایا کریں ممکن ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ یہاں قوم سے صرف مرد حضرات مراد ہیں کیونکہ وہی عورتوں کے تمام معاملات کے نگران اور ذمہ دار ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" (النساء:۳۴) "مرد عورتوں پر نگران اور حاکم ہیں" [یہ اصل میں "قائم" کی جمع ہے جیسے "صَائِمٌ" کی جمع "صُوَّمٌ" (واؤ مشدد مفتوح ہے) اور "زَائِرٌ" کی جمع "زُوَّرٌ" (واؤ مشدد مفتوح ہے)] اور اس آیت مبارکہ میں "قوم" کے لفظ کا مردوں کے ساتھ مخصوص ہونا صریح اور واضح ہے کیونکہ اگر عورتیں قوم میں داخل ہوتیں تو اللہ تعالیٰ "وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ" ارشاد نہ فرماتا اور زہیر نے (اپنے درج ذیل) شعر میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے چنانچہ اس نے کہا:

وَمَا اَدْرِیْ وَلَسْتُ اَخَالُ اَدْرِیْ اَقَوْمٌ اٰلُ حِصْنٍ اَمْ نِسَآءٌ؟

"اور میں نہیں جانتا اور نہ میں جاننے کا سوچتا ہوں آیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں؟"

اور باقی رہا اہل عرب کا قومِ فرعون اور قومِ عاد بولنا تو اس سے مرد اور عورتیں دونوں مراد ہوتے ہیں کیونکہ لفظ "قوم" دونوں فریقوں کے لیے بانجھ نہیں ہے بلکہ دونوں کو شامل ہوتا ہے لیکن یہاں مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں صرف مردوں کا ذکر مقصود ہے اور عورتوں کا ذکر متروک ہے اس لیے کہ عورتیں اپنے مردوں کے تابع ہوتی ہیں (نیز "وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ" میں عورتوں کا ذکر الگ بیان کر دیا گیا ہے اس لیے "قوم" سے صرف مرد مراد ہیں) اور "قوم" اور "نساء" دونوں کو نکرہ بیان کرنا دو معانی کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں دوسرے بعض مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس عیب کی ممانعت کی نشر و اشاعت سے لوگوں کے افادے کا قصد کیا جائے اور وہ یہ کہ بنو نوع انسان کے تمام گروہوں کے لیے کسی کا مذاق اڑانا ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں "لَا یَسْخَرْ رَجُلٌ مِّنْ رَّجُلٍ وَّلَا امْرَاَةٌ مِّنِ امْرَاَةٍ" یعنی "کوئی مرد کسی مرد کا اور کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے" مفرد کلمات بیان نہیں فرمائے ایک تو اس لیے تاکہ یہ بتایا جائے کہ مردوں میں سے بہت سے مرد اور عورتوں میں سے بہت سی عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے میں ملوث ہیں دوسرا جو لوگ اس جرم کے ارتکاب پر قائم ہیں ان کی اس حالت پر انہیں ذلت و رسوائی کا احساس دلایا جائے [اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ" الگ مستقل کلام ہے جو نہی کی علت دریافت کرنے والے کے لیے جواب کے قائم مقام ہے ورنہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے حرف "فا" کے ذریعے مقابل سے ملا دیا جائے] اور معنی یہ ہے کہ ہر آدمی پر واجب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ بے شک جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے وہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذاق اڑانے والے سے بہت بہتر ہوتا ہے کیونکہ لوگ صرف ظاہر سے آگاہ ہوتے ہیں اور انہیں کسی کے باطن کا علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دلوں کا خلوص معتبر اور وزنی ہوتا ہے سو واجب ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کا محض اس بناء پر مذاق اڑانے کی جراءت نہ کرے کہ اس کی دونوں یا ایک آنکھ اندر کو دھنسی ہوئی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے میں اس کی حالت گھٹیا لگتی ہے یا آفت زدہ شخص ہے جس کے بدن میں کوئی عیب وغیرہ پایا جاتا ہے یا اس کے بولنے میں روانی کے بجائے لکنت اور رکاوٹ پائی جاتی ہے (ایسے لوگوں کا خصوصاً مذاق اڑانا اور تمام لوگوں کا عموماً مذاق اڑانا ممنوع اور گناہ ہے) کیونکہ ممکن ہے وہ دل میں مخلص ہو اور ان سے زیادہ دل کا متقی اور پرہیزگار ہو جو اس کی صفت کے برعکس ہیں سو مذاق اڑانے والا ایسے شخص کی تحقیر کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و وقار عطا فرما دیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مصیبت و بلا کا نزول گفتگو

کے سپرد کر دیا گیا ہے' سو اگر میں کسی کتے کا مذاق اُڑاؤں تو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے کتے کی اسی خصلت میں تبدیل کر دیا جائے جس پر میں نے اس کا مذاق اڑایا[1] ﴿ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ اور تم اپنوں پر الزام نہ لگاؤ' مطلب یہ کہ تم اپنے اہل دین (یعنی اپنے مسلمان بھائیوں) پر الزام نہ لگاؤ' اور ''لمز'' کا معنی ہے: طعن کرنا اور زبان سے طعنہ مارنا اور بُرا بھلا کہنا اور چونکہ تمام مسلمان ایک نفس اور ایک جان کی طرح ہیں' اس لیے جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا عیب بیان کرتا ہے تو وہ گویا اپنا عیب بیان کرتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے تمہاری عیب گوئی کی جائے کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے طعن و تشنیع اور عیب گوئی کا مستحق ٹھہرتا ہے تو وہ شخص یقیناً حقیقت میں اپنے آپ پر خود طعن کرتا ہے [قاری یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''وَلَا تُلَمِّزُوْا'' (باب تفعیل سے) ہے] ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ اور تم ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ ''تنابز بالقاب'' کا معنی ہے: اصل نام چھوڑ کر بُرے نام اور بُرے لقب سے کسی کو بلانا اور ''نبز'' کا معنی ہے: بُرا لقب' نام تبدیل کر کے پکارنا وہی ممنوع اور منہی عنہ ہے جس کی وجہ سے بلائے گئے شخص کو یہ نام ناگوار اور ناپسند ہو' اس لیے کہ اس نام سے اس کی شان میں کمی ہوتی ہے اور اس سے اس کی مذمت و بُرائی کا اظہار ہوتا ہے' لیکن جو تبدیل شدہ نام اسے پسند ہو' اس کے ساتھ اسے بلانا منع نہیں ہے۔

شانِ نزول: (۱) ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے حضرت بلال بن رباح' حضرت خباب بن ارت' حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذاق اڑایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذاق اڑایا کرتی تھیں کیونکہ وہ چھوٹے قد کی تھیں۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کا چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے عار دلایا کرتی تھیں۔[2]

(۴) مروی ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے' اس لیے لوگ حضور نبی اکرم رسولِ اعظم ﷺ کی مجلس مبارکہ میں ان کے لیے کشادہ جگہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ حضور کی بات غور سے سن سکیں' چنانچہ ایک دن وہ آئے تو کہنے لگے کہ لوگو! جگہ کشادہ کر دو یہاں تک کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور ایک آدمی سے کہا: ایک طرف پیچھے ہٹ جا' سو اس نے ایسا نہ کیا اور وہیں بیٹھا رہا تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس آدمی نے کہا: ''اَنَا فُلَانٌ'' میں فلاں آدمی ہوں' تو انہوں نے سن کر اس سے کہا: بلکہ تو فلانی عورت کا بیٹا ہے۔ ان کا مقصد اس کی ماں کا نام لینا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ماں کے نام سے بلا کر عار دلاتے اور شرمندہ کرتے تھے' چنانچہ وہ آدمی بھی شرمندہ ہو گیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت ثابت بن قیس نے فرمایا کہ اس کے بعد میں کبھی بھی کسی پر حسب و نسب میں فخر نہیں کروں گا۔[3]

(غرضیکہ اس آیت میں تمام مذکورہ بالا مذاق اڑانے والوں کو مذاق اڑانے سے منع کر دیا گیا ہے) ﴿ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ﴾ ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے۔ یہاں اسم بہ معنی ذکر ہے یعنی ایمان کے بعد فاسق کے

[1] رواہ ابن ابی شیبہ فی الادب المفرد (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۶۸)

[2] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۳۵۔۱۳۶' الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۴' النسائی فی عشرۃ النساء رقم الحدیث: ۳۳

[3] ذکرہ الثعلبی ومن تبعہ عن ابن عباس بغیر سند (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۷۰)

نام سے یاد کیا جانا بہت بُرا ہے جیسے عرب کا قول ہے: ''طَارَ اِسْمُهٗ فِی النَّاسِ بِالْكَرَمِ اَوْ بِاللُّؤْمِ'' اس کا نام لوگوں میں سخاوت کے ساتھ یا بخل کے ساتھ مشہور ہو گیا ہے' اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر بلند اور مشہور ہو گیا ہے اور لوگوں کے درمیان بہت بلند ہو گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ان (مذکورہ بالا) جرائم کے ارتکاب کے سبب مسلمانوں کے لیے ایسے ذکر کا بلند ہو جانا کہ انہیں فسق کے ساتھ یاد کیا جائے بہت بُرا ہے کیونکہ ایمان تو فسق سے روکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''بِئْسَ الشَّأْنُ بَعْدَ الْكِبْرَةِ الصَّبْوَةُ'' یعنی بڑھاپے کے بعد بچپن کا طاری ہو جانا بہت بُرا حال ہے۔

شانِ نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہود میں سے جو لوگ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے کچھ لوگ انہیں ستانے کے لیے اے یہودی اور اے فاسق کہہ کر بلاتے اور ایسا بلانا ان کے ہاں گالی شمار ہوتا تھا' اس لیے یہ آیت مبارکہ نازل کر کے ان لوگوں کو اس طرح بلانے سے منع کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ یہ بہت بُرا ذکر ہے کہ کسی آدمی کو ایمان لانے کے بعد یہودیت اور فسق کے ساتھ یاد کیا جائے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ﴾ اور جن جرائم سے روکا گیا ہے ان سے توبہ کر کے جو شخص باز نہیں آئے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو یہی لوگ ظالم ہوں گے [''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ''لَمْ يَتُبْ'' کو واحد ذکر کیا گیا اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' میں تمام اسماء کو جمع ذکر کیا گیا ہے]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو' بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور تم عیب تلاش نہ کرو اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے' سو تم اسے ناپسند کرتے ہو' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے O

١٢- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو یعنی زیادہ گمان بازی سے دور رہو' چنانچہ ''جَنَّبَهُ الشَّرَّ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بُرائی کو اس سے دور کر دے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسے ایک جانب اور ایک طرف کر دے [سو یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ O'' (ابراہیم:٣٥) ''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ O'' اور ''جَنَّبَهُ الشَّرَّ'' کا مطاوع ''اِجْتَنَبَ الشَّرَّ'' ہے جس سے ایک مفعول کم ہو گیا] اور یہاں بعض گمانوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بعض کثرت کے ساتھ متصف ہیں یہی وجہ ہے کہ آگے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ نیک لوگوں کے بارے میں بُرا گمان کرنا گناہ ہے لیکن نافرمانوں اور گناہ گاروں کے بارے میں بُرا گمان کرنا ہمارے لیے جائز ہے جیسا کہ ان سے پہلے بھی گناہ صادر ہو چکے یا اس کا معنی ہے: ''اِجْتِنَابًا كَثِيْرًا'' بہت زیادہ بچنا' یا یہ معنی ہے کہ تم بہت زیادہ گمانوں سے احتراز کرو تا کہ بعض گمانوں سے احتراز واقع ہو جائے اور ''اِثْمٌ'' کا معنی گناہ ہے جس کا کرنے والا عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے بدگمانی کرنے والے کی سزا کو ''اثام'' کہا گیا ہے (کیونکہ ''اثام'' کا معنی ہے: گناہ کی سزا) فعال کے وزن پر ہے جیسے ''نکال'' اور ''عذاب'' ہے ﴿وَّلَا

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ اور تم عیب تلاش نہ کرو یعنی تم مسلمانوں کے عیوب ونقائص تلاش نہ کرو چنانچہ ''تَـجَسُّسُ الْاَمْرِ'' اس وقت بولا جائے گا جب تم اس کام کو تلاش کرنے لگو گے اور اسے ڈھونڈو گے اور ''تَجَسُّسٌ''، ''تَفَعُّلٌ'' کے وزن پر ہے اور ''جَسٌّ'' سے ماخوذ ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جو کچھ ظاہر ہے اسے تم لے لو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے اسے چھوڑ دو؛ اور حضرت سہل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے جن عیبوں کو چھپالیا ہے تم ان کی تلاش میں تحقیق نہ کرو ﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ ''غيبة'' کا معنی ہے: کسی کی غیر موجودگی میں اس کا عیب بیان کرنا اور یہ ''اغتياب'' سے ماخوذ ہے جیسے ''غيلة''، ''اغتيال'' سے ماخوذ ہے اور حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے کسی ایسے عیب کا ذکر کرو جو اس کو ناگوار گزرے اور وہ اسے ناپسند کرے[1] پھر اگر وہ بُرائی اس میں موجود ہو تو وہ غیبت ہے اور اگر وہ بُرائی اس میں موجود نہ ہو تو پھر وہ بہتان ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ غیبت لوگوں میں کتوں کی غذا ہے ﴿ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے اور یہ غیبت کرنے والے کی طرف سے جو بدترین عیب گوئی اور فحش گوئی کی جاتی ہے' اس کی تمثیل وتفصیل ہے جس کی تکلیف اس شخص کو پہنچتی ہے جس کی عیب گوئی کی جاتی ہے اور اس کلام مبارک میں بہت سی بلیغ ترین خوبیاں ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کلام کو حرف استفہام (سوالیہ حرف) سے شروع کیا گیا ہے جس کا معنی کلام کو مستحکم اور مضبوط کرنا ہے اور ان میں سے دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کلام میں جو مکروہ ترین عمل ہے' اسے محبت کے ساتھ متصل کر دیا گیا ہے اور ان میں سے تیسری خوبی یہ ہے کہ اس میں فعل کا اسناد ''اَحَـدُكُـمْ'' کی طرف ہے اور یہ تنبیہ ہے کہ تمام لوگوں میں کوئی ایک شخص بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا اور چوتھا یہ کہ غیبت کی تمثیل میں مطلق انسان کے گوشت کھانے پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ انسان کو بھائی قرار دیا گیا ہے' پانچواں یہ کہ صرف بھائی کے گوشت پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اسے مردہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جس طرح تم مردار کا گوشت کھانا ناپسند کرتے ہو' اسی طرح تم اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھانا بھی ناپسند کرو[2] [اور ''مَيْتًا'' حال کی بناء پر ''لحم'' سے منصوب ہے یا ''اخيه'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے' قاری نافع مدنی

---

1. رواہ احمد ج ۲ ص ۳۸۴' مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹' ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۴' الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۴

2. غیبت کا کفارہ: (۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے لیے استغفار کرو جس کی غیبت کی ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۸' اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۳۰۳)

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کو نہ بتائے لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۶)

(۳) امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۷)

غیبت کے جواز کی صورتیں: (۱) شعبہ نے فرمایا: شکایت کرنے کے لیے اور لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۲) (۲) ابن عیینہ نے فرمایا: تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے: (۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۳۰۲-۳۰۳

کی قراءت میں ''مَيِّتًا'' (''یا'' مشدد کے ساتھ) ہے] اور جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ سو تم اسے ناپسند کرتے ہو یعنی پس جب عقل کی استقامت کے سبب تمہارا اس کو ناپسند کرنا متحقق و ثابت ہو گیا ہے تو دین کی استقامت کے سبب غیبت کو ناپسند کرنا بھی ضرور متحقق و ثابت ہو جائے گا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔ ''تَوَّابٌ'' کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بے حد قبول کرنے والا' اور ''اِتَّقُوا اللّٰهَ'' کا معنی ہے کہ جس چیز سے بچنے اور پرہیز کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے' اس کو ترک کرنے اور چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم میں جو شخص اس سے پرہیز کرنے اور بچنے کی بجائے اس کا ارتکاب کر لے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈر کر اس پر نادم و پشیمان اور شرمندہ ہو جائے' سو اگر تم بُرے کاموں سے پرہیز اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہیں بطورِ انعام توبہ کرنے والے پرہیزگاروں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

مروی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کی خدمت کرتے تھے اور ان دونوں کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرتے تھے' چنانچہ ایک دن حضرت سلمان سو گئے اور کھانا تیار نہ کر سکے تو ان دو صحابیوں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ ان دونوں کے لیے کھانا طلب کر کے لے آئیں اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلانے پر مامور تھے' سو انہوں نے کہا کہ میرے پاس کھانا وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے تو حضرت سلمان نے ان دونوں کو جا کر بتایا کہ کھانا نہیں ملا تو ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہم سلمان کو سمیحہ کے کنویں پر بھیجتے تو اس کے جانے پر اس کنویں کا پانی زمین کی گہری تہہ میں نیچے چلا جاتا' پھر وہ دونوں شام کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سرخی کو دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے تو گوشت بالکل نہیں کھایا' آپ نے فرمایا: بے شک تم دونوں نے (حضرت سلمان فارسی کی) غیبت کی ہے اور جس نے کسی مسلمان کی غیبت کی تو اس نے یقیناً اس کا گوشت کھایا' پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی[1] اور بعض کا قول ہے کہ مخلوق کی غیبت حقیقت میں حق تعالیٰ کی غیبت ہے۔

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ |
| اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾ |

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے ہیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے O

## انسانی قبائل و خاندان اور تقویٰ کی اہمیت کا بیان

١٣- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (یعنی) حضرت آدم و حواء علیہما السلام سے یا تم میں سے ہر ایک کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا ہے' سو تم میں کوئی

[1] هكذا ذكره الثعلبى و ربيعة بغير سند (حاشية الكشاف ج ٤ ص ٣٧٤)

شخص نہیں مگر وہ اسی طرح نسل آدم سے پیدا ہوا ہے' جس طرح دوسرے اشخاص پیدا ہوئے ہیں' برابر برابر' پس نسب پر فخر کرنے اور برتری ظاہر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ ﴾ اور ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں پیدا کیا۔ ''شعب'' ان چھ طبقات میں سے پہلا طبقہ ہے جن پر عرب کا مدار ہے اور وہ چھ طبقات یہ ہیں: (۱) شعب (۲) قبیلہ (۳) عمارہ (۴) بطن (۵) فخذ (۶) فصیلہ' سو ''شعب'' تو قبائل کا جامع ہے اور ''قبیلہ'' ''عمائر'' کا جامع ہے اور ''عمارہ'' ''بطون'' کا جامع ہے او ''بطن'' ''افخاذ'' کا جامع ہے اور ''فخذ'' ''فصائل'' کا جامع ہے' پھر خزیمہ ''شعب'' ہے اور کنانہ ''قبیلہ'' اور قریش ''عمارہ'' ہے اور قصیٰ ''بطن'' ہے اور ہاشم ''فخذ'' ہے اور عباس ''فصیلہ'' ہے اور ''شعوب'' اس لیے نام رکھا گیا ہے کہ بہت سے قبیلے اس میں سے پھوٹتے اور نکلتے ہیں ﴿ لِتَعَارَفُوْا ﴾ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں خاندانوں' قوموں اور قبیلوں پر صرف اس لیے مرتب فرمایا تا کہ تم ایک دوسرے کے نسب کو پہچان سکو اور کوئی شخص اپنے آپ کو اپنے آباء و اجداد کے غیر کی طرف منسوب نہ کر سکے اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اپنے آباء و اجداد کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرو اور اپنے اپنے نسبوں اور خاندانوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت کا دعویٰ کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس خصلت وصفت کو بیان کیا جس کی وجہ سے انسان اپنے غیر پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و بزرگی اور عزت و وقار حاصل کر لیتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے[1]

---

[1] علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ (۱) صحیح بخاری شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے' لوگوں نے کہا: ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے' فرمایا: پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے اور نبی زادے تھے اور ان کے دادا بھی نبی تھے' پھر پردادا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں' انہوں نے کہا: ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا: پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو تو سنو! جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ممتاز و بزرگ تھے وہی اب اسلام میں بھی ممتاز و بزرگ اور معزز ہیں بشرطیکہ وہ علم دین میں خوب سمجھ حاصل کر لیں (۲) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں اور دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: خیال رکھنا کہ تو کسی سرخ اور سیاہ پر کوئی فضیلت و امتیاز نہیں رکھتا' ہاں! البتہ اگر تو تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑھ جائے تو پھر تو فضیلت وعظمت والا ہو جائے گا (۴) طبرانی شریف میں ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' لہٰذا کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ (۵) مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں ہیں تم سب برابر برابر ہو اور تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں' ہاں! البتہ فضیلت و بزرگی اور عزت و احترام دین داری اور تقویٰ و پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو' بخیل اور فحش کلام ہو (۶) ابن جریر کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے حسب ونسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا' سنو! تم میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں (۷) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ مہمان نواز' سب سے زیادہ پرہیزگار' سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا' سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ معزز ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور وہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرے۔[۱]

(۲) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دنیا کی عزت مال و دولت ہے اور آخرت کی عزت تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

(۳) حدیث شریف میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کا طواف کیا' پھر (خطبہ دیا اور) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی' پھر فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے زمانۂ جاہلیت کی عیب جوئی اور اس کے تکبر وعصبیت کو تم سے دور کر دیا' اے لوگو! بے شک انسان صرف دو قسم کے ہیں: (۱) مؤمن' متقی' اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم ومکرم (۲) اور فاسق و فاجر' بدبخت' اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وحقیر' پھر آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔[۲]

شانِ نزول: (۴) حضرت یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے' وہاں آپ نے ایک کالے سیاہ غلام کو دیکھا' جو یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے اس شرط پر کون خریدے گا کہ وہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پنجگانہ نمازیں پڑھنے سے نہیں روکے گا' سوائے ایک شخص نے خرید لیا' پھر وہ غلام بیمار ہو گیا تو رسول کریم ﷺ اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے' پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور اس کے دفن میں شریک ہوئے تو اس پر لوگوں نے اس کے بارے میں حیرانگی کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں کچھ باتیں کہیں' جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔[۳]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے اخلاص اور ان کے تقویٰ کو خوب جاننے والا ہے ﴿ خَبِيْرٌ ﴾ خواہشات میں نفوس کے ارادوں سے پورا پورا خبردار ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ
فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو (۸) مسند احمد میں ہے کہ حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص اچھا نہیں لگتا تھا ماسوا اہل تقویٰ کے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ جو ہدایت کے لائق ہیں انہیں راہِ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں ہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں۔ رحم کرنا اور عذاب دینا اس کی مشیئت پر موقوف ہے۔ فضیلت اس کے قبضے میں ہے' جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے' یہ تمام اُمور اس کے علم میں ہیں' وہ سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۷' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

[۱] رواہ الحاکم والبیہقی وابویعلیٰ واسحاق والطبرانی وابونعیم فی الحلیہ (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۷۵)

[۲] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۶۱' ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۱۶' الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵۰

[۳] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۶۵

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لا چکے ہیں' آپ فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا' اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو (خلوصِ دل سے) اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا' یہی سچے لوگ ہیںO

## قبیلہ بنو اسد کے دیہاتیوں کی مذمت اور مخلص مؤمنوں کی شان

١٤- ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ﴾ اعراب نے کہا یعنی بعض اعرابیوں اور دیہاتیوں نے کہا' کیونکہ ان دیہاتیوں میں سے بعض حضرات اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر خلوصِ دل سے ایمان رکھتے تھے اور یہ کہنے والے قبیلہ بنو اسد کے دیہاتی لوگ تھے جو قحط سالی اور خشک سالی کے سال مدینہ منورہ میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا' دراصل وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صدقہ کا مال لینا چاہتے تھے اور وہ آپ پر احسان جتلاتے کہ ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم تو ایمان دار ہیں یعنی ہم ظاہر و باطن میں ایمان لا چکے ہیں (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں اپنے محبوب سے فرمایا:) ﴿قُلْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان سے فرما دیں کہ ﴿لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾ تم ایمان نہیں لائے کیونکہ تم نے اپنے دلوں میں تصدیق نہیں کی (صرف مال کی خاطر زبانی کلامی ایمان کا اظہار کیا ہے) ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ اور لیکن تم یہ کہو کہ ہم امن و سلامتی میں آ گئے' سو ایمان تو دل کی گہرائی سے تصدیق کرنا ہے اور اسلام سلامتی میں داخل ہونا اور توحید و رسالت کی گواہی کا اظہار کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ سے محفوظ ہو جانا ہے۔ کیا تم نے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ سو تم جان رکھو کہ بے شک جو دل کی موافقت کے بغیر صرف زبان سے اقرار ہو تو وہ اسلام ہے اور جس میں دل زبان کے موافق ہو (کہ زبان سے اقرار ہو اور دل میں اس کی تصدیق ہو) تو وہ ایمان ہے اور یہ صرف لغت کے اعتبار سے ہے' ورنہ شریعت میں ایمان اور اسلام ایک چیز ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے کہ دونوں کی ایک تعریف ہے اور حرف ''لَمَّا'' میں توقع اور اُمید کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بے شک یہ بعض حضرات بھی بعد میں سچے دل سے ایمان لے آئے تھے' اور یہ آیت کریمہ کرامیہ کے مذہب کی نفی کرتی ہے' ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کلام کے نظم (الفاظ) کا تقاضا یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: ''(قُلْ) لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا (وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا) اَوْ (قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا) وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' اے محبوب! فرما دیجئے: تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لا چکے ہیں لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں یا اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم اسلام میں داخل ہو گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کے نظم نے ان کے دعویٰ کو پہلے جھوٹا ثابت کر دیا' پھر حسن ادب کے ساتھ فرمایا گیا: ''قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا'' ان سے فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے' کیونکہ صراحت کے ساتھ ''كَذَبْتُمْ'' نہیں فرمایا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے' بلکہ اس کی جگہ ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' رکھا گیا ہے جس نے ان کے دعویٰ کے ثبوت کی نفی کر دی ہے اور ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' کے ارشاد نے ''لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا'' کہنے سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ ''ان'' کو ایسے لفظ کے ساتھ مخاطب کرنے کو قابل نفرت سمجھا گیا ہے جس کا مقصد ایمان کے قول سے نہی ہو (جیسے ''لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا'') اور اللہ تعالیٰ نے ''وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' نہیں فرمایا (بلکہ ''وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا'' فرمایا) تاکہ ایمان کے دعویٰ اور گمان کو خارج کر دیا جائے' جیسا کہ ان کا اپنا قول ''اٰمَنَّا'' ہے اور اگر ''وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' کہا جاتا تو ان کے دعویٰ کو

تسلیم کرنے اور ان کے غیر معتبر قول کو معتبر قرار دینے کے مشابہ ہو جاتا' اور ''وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ'' کا ارشاد ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' کے معنی کا تکرار نہیں کیونکہ ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' فرمانے کا فائدہ ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دینا ہے اور ''وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ'' اس مقصد کی تعیین ہے' جسے کہنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے' گویا ان سے یہ فرمایا گیا ہے: ''وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا'' لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں' کیونکہ ابھی تک تمہاری زبانوں کے ساتھ تمہارے دلوں کی موافقت ثابت نہیں ہوئی [اس لیے کہ ''ولما یدخل الایمان الخ'' ''قولوا'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے (یعنی) ظاہر کی بجائے نفاق ترک کر کے خلوصِ دل سے اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا﴾ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں ہوگا یعنی تمہاری نیکیوں میں سے ثواب کم کر کے تمہیں نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نیک اعمال کا اجر و ثواب پورا پورا عطا فرمائے گا [قاری ابو عمر بصری کی قراءت میں ''لَا يَاْلِتْكُمْ'' ہے۔ دراصل ''اَلَتَ يَاْلِتُ'' اور ''اَلَاتَ يُلِيْتُ'' اور ''لَاتَ يَلِيْتُ'' سب کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: کم کرنا] ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کی پردہ پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ وہ اپنے بندوں کو عیبوں سے توبہ کرنے کے لیے ہدایت عطا فرما کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

١٥- اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں مخلص مؤمنوں کا ایک عمدہ وصف بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ بے شک مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو خلوصِ دل سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا۔ ''اِرْتَابَ'' ''رَابَهٗ'' کا مطاوع ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو تہمت کے ساتھ شک میں ڈال دے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ ایمان لے آئے' پھر جس پر وہ ایمان لائے اس کے بارے میں کبھی ان کے دلوں میں شک و شبہ واقع نہیں ہوا اور انہوں نے جس کی تصدیق کی ہے اس کے متعلق ان پر کبھی تہمت نہیں لگی اور جب یقین کامل اور شک کا زوال ایمان کی بنیاد ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کا ذکر کرنے کے بعد عدم شک کا ذکر الگ کر کے ''ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا'' فرمایا اور تراخی کے کلمہ کے ساتھ اس کا ایمان پر عطف فرمایا تاکہ یہ بتایا جائے کہ عدم ارتیاب یعنی زوالِ شک کے لیے ضروری نہیں ایمان لانے کے بعد ہو بلکہ زوالِ شک کا استحکام ایمان کے لانے کے عرصہ دراز بعد زمانہ متراخی میں بھی ہو سکتا ہے ﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور ممکن ہے کہ جس سے جہاد کیا گیا ہے' وہ نیت میں ہو اور وہ جنگ جو دشمن ہو خواہ شیطان ہو یا نفسانی خواہش ہو اور یہ کہ جہاد میں مبالغہ ہو اور ممکن ہے مجاہدہ بالنفس کی جنگ مراد ہو اور اس صورت میں یہ تمام عبادات کو شامل ہوگا اور ممکن ہے کہ مجاہدہ بالمال مراد ہو جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ تبوک میں اپنا بہت سا مال خرچ کیا اور اس صورت میں یہ زکوٰۃ کو اور تمام مالی عبادات کو شامل ہو جائے گا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی سچے لوگ ہیں یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ''اٰمَنَّا'' کہنے میں سچ بولا اور انہوں نے اس طرح جھوٹ نہیں بولا جس طرح بنو اسد کے دیہاتیوں نے جھوٹ بولا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان سچا اور حق ہے [''المؤمنون'' مبتدا ہے اور ''الذین امنوا باللّٰہ ورسولہ'' اس کی صفت ہے اور ''اولئک هم الصادقون'' جملہ اس مبتدا کی خبر ہے]۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْاؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےO وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لا چکے ہیں آپ فرمائیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا کی اگر تم سچے ہوO بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہوO

شانِ نزول: جب مذکورہ بالا سابقہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں مخلص مؤمنوں کی شان بیان کی گئی تو بنو اسد کے وہی دیہاتی لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور آ کر قسمیں کھانے لگے کہ وہ مخلص مسلمان ہیں تو ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

١٦ - ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِؕ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی تم اپنے دلوں کی تصدیق کی خبر اللہ تعالیٰ کو بتا رہے ہو حالانکہ وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے ﴿وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نفاق اور اخلاص وغیرہ میں سے ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

١٧ - ﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْاؕ﴾ وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے یعنی وہ اپنے اسلام کا احسان جتلاتے ہیں اور ''مَنٌّ'' کا معنی ہے: شکر ادا کرنے کی ترغیب دینے کی خاطر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنا اور ہمیں اس سے منع کر دیا گیا ہے (یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے) ''اَنْ اَسْلَمُوْا'' اصل میں ''بِاَنْ اَسْلَمُوْا'' ہے ﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے ﴿اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا فرمائی۔ دراصل ''بِاَنْ هَدَاكُمْ'' ہے یا ''لِاَنْ هَدَاكُمْ'' ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم سچے ہو (یعنی) اگر تمہارا گمان صحیح ہے اور تمہارا دعویٰ سچا ہے مگر تم جس چیز کا گمان رکھتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے خلاف خوب جانتا ہے [اور شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(ان کنتم صادقین) فی ادعائکم الایمان فللّٰہ المنة علیکم'' اگر اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے اور ایک قراءت میں ''اِنْ هَدَاكُمْ'' (''اِنْ'' شرطیہ کے ساتھ) پڑھا گیا ہے]۔

١٨ - ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا

غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور یہ اس بات کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان کی ہر پوشیدہ چیز اچھی طرح جانتا ہے اور وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر ہو۔ اس پر کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے تو بھلا تمہارے دلوں کے ارادے اور منصوبے اس پر کس طرح مخفی اور پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

| سُوْرَةُ قٓ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتها ٤٥ رکوعاتها ٣ |
|---|---|---|

سورۂ قٓ مکی ہے　　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○　اس کی پینتالیس آیات' تین رکوع ہیں

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

قاف' عزت والے قرآن کی قسم○ بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک (عذاب سے) ڈرانے والا آ گیا' سو کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کر کے لوٹائے جائیں گے)' یہ لوٹنا (عقل سے) بہت دور ہے○ بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان (کے مردہ جسموں) میں سے کم کرتی ہے' اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والی کتاب ہے○ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا' سو وہ مضطرب حالت میں (مبتلا) ہیں○

## بعثتِ نبوی اور حشر و نشر پر کفار کے تعجب کا بیان

تنبیہ: سورۂ قٓ کی ابتدائی دو آیات پر اور سورۂ صٓ کی ابتدائی دو آیات پر جو کلام مشتمل ہے وہ باہم ملتا جلتا اور ایک جیسا کلام ہے کیونکہ دونوں سورتوں کے یہ کلام مبارک انداز بیان میں متحد و متفق ہیں۔

۱- ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾[1] قسم ہے عزت والے قرآن کی' اور ''مجید'' کا معنی ہے: ''ذوالمجد والشرف علی غیرہ من الکتب'' یعنی اپنے علاوہ دیگر تمام کتابوں پر فضیلت و بزرگی رکھنے والا' اور جو شخص علم کے ذریعے قرآن مجید کے معانی کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اس پر عمل کر لیتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور لوگوں کے

[1] یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس سورت کا نام ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کی کنجی ہے جن کی ابتداء میں ق ہے' مثلاً ''القدیر' القادر' القھار'' وغیرہ (القیوم' القاضی' القابض' القدوس' القریب' القاھر)۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''وَالْحَقُّ اَنَّهٗ رَمْزٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہ حق یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے جسے بعض راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نزدیک معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔

۲- ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا﴾ بلکہ انہوں نے تعجب کیا یعنی کفارِ مکہ نے ﴿اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آ گیا' مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے انکار کیا کیونکہ انہوں نے جس سے تعجب کیا ہے وہ تعجب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ہی میں سے ایک آدمی انہیں خوف ناک دن (مرنے کے بعد اٹھنے کا دن یعنی قیامت کے دن) سے ڈراتا ہے جس کی صداقت وعدالت اور امانت و دیانت داری کو وہ لوگ جانتے ہیں اور واضح بات ہے کہ ایسا آدمی تو صرف اپنی قوم کا خیر خواہ ہوگا اور وہ اس بات سے فکر مند ہوگا کہ کہیں اس کی قوم پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے اور جب یہ معلوم ہے کہ بے شک ڈرانے والا ان پر سایہ عاطفت کرنے والا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں بروقت ڈرائے تو بھلا یہ ڈرانے والا کیسا انتہائی ہمدرد ہے اور جب انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے دن سے ڈرایا گیا تو ان کا اس پر تعجب کرنا انکار کے مترادف ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کی تخلیق پر قادر ہے اور ہر چیز کی ایجاد پر قادر ہے اور وہ اقرار کرتے تھے کہ ان تمام چیزوں کو پہلی دفعہ اسی نے پیدا کیا ہے' نیز عقلِ سلیم گواہی دیتی ہے کہ جزاء و سزا کا ہونا بہت ضروری ہے' پھر دو انکاروں (بعثت نبوی اور حشر و نشر) میں سے ایک پر بھروسا کر کے ارشاد فرمایا گیا: ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ سو کافروں نے کہا: یہ عجیب چیز ہے۔ اور ''الکافرون'' کو ضمیر کی جگہ لانا اس بات پر گواہی ہے کہ ان کا یہ کہنا بہت بڑے کفر پر اقدام ہے اور ''ھٰذا'' سے دوبارہ لوٹنے کی طرف اشارہ ہے (کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے لوٹنا یہ بہت عجیب چیز ہے)۔

۳- ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے [''اِذَا'' مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کا معنی ہے کہ ''اَحِیْنَ نَمُوْتُ وَنَبْلٰی نُرْجَعُ'' یعنی کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم بوسیدہ ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ قاری نافع مدنی' قاری حمزہ کوفی' قاری علی کسائی اور قاری حفص کی قراءت میں ''مِتْنَا'' پڑھا گیا ہے] ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ﴾ یہ لوٹنا عقل سے بہت دور ہے (یعنی) یہ سمجھ سے بالاتر ہے عقل و خرد میں آنے والا نہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''ھٰذَا قَوْلٌ بَعِیْدٌ'' یعنی یہ بات وہم و ادراک اور عادت سے بہت دور ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''رَجْعٌ'' بہ معنی ''مَرْجُوْعٌ'' ہو اور جواب ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے سے ڈرانے پر ان کے انکار کو بعید قرار دیا گیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مرنے کے بعد لوٹنے کا انکار کرنا عقل و خرد سے بہت بعید اور دور ہے کیونکہ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے وہ لوٹا بھی سکتا ہے) [اور اس معنی کی بناء پر ''تُرَابًا'' پر وقف کرنا بہت بہتر ہوگا اور جب ''رَجْعٌ'' بہ معنی مرجوع ہوگا تو اس وقت ظرف ''اذا'' کا ناصب ''مُنْذَرٌ بِهٖ'' ہوگا جس پر ''مُنْذِر'' یعنی ڈرانے والے نے رہنمائی کی ہے اور وہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے]۔

٤- ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ﴾ بے شک ہمیں اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ زمین ان کے مردہ جسموں میں سے کم کرتی ہے۔ کفار کی طرف سے لوٹنے کو بعید از عقل قرار دینے کی یہ تردید ہے کیونکہ جس کا علم اس قدر لطیف اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: ''قَالَ ابْنُ عَطَا اَقْسَمَ اللّٰهُ بِقُوَّةِ قَلْبِ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ حَیْثُ تَحَمَّلَ الْخِطَابَ وَالْمُشَاهَدَةَ وَلَمْ يُؤَثِّرْ ذٰلِكَ فِیْهِ لِعُلُوِّ حَالِهٖ'' (روح البیان) یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب مکرم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے کہ عین حق کا مشاہدہ بھی کیا اور شرفِ تکلم بھی حاصل ہوا' لیکن کلیم کی طرح ایک تجلّیِ صفت سے غش کھا کر گر نہیں پڑے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۶۰۷)

وسیع ہو جو یہاں تک جانتا ہو کہ زمین مُردوں کے گوشت اور ہڈیوں کو کھا کر ان کے جسموں کو گھٹاتی جا رہی ہے تو وہ ان کو زندہ کر کے دوبارہ اسی طرح اٹھانے اور اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے لوٹانے پر بھی ضرور قادر ہے جس طرح وہ دنیا میں تھے ﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ اور ہمارے پاس شیطانوں کی دخل اندازی سے اور ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ کتاب موجود ہے یا یہ معنی ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسی کتاب موجود ہے کہ جس میں جو کچھ بطورِ ودیعت و امانت لکھا گیا ہے وہ اس کی خوب حفاظت کرنے والی ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے۔

۵۔ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ یہ پہلے اضراب کے بعد دوسرا اضراب ہے (پہلے کلام کے مضمون سے بڑھ کر دوسرے مضمون کی طرف حرف ''بَلْ'' کے ذریعے متوجہ ہونا اضراب کہلاتا ہے) جو یہاں اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک کفارِ مکہ کے پاس جو کچھ لایا گیا ہے اس پر ان کا بدترین تعجب یہی ہے کہ انہوں نے غور و فکر اور سوچے سمجھے بغیر پہلی دفعہ سنتے ہی حق کی تکذیب کر دی اور اسے جھٹلا دیا اور وہ ہے نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ جو معجزات سے ثابت شدہ حقیقت ہے ﴿فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ سو وہ لوگ اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہیں' وہ مضطرب و پریشان ہیں' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''مَرِجَ الْخَاتَمُ فِيْ اَصْبَعِهٖ'' یعنی انگوٹھی کشادہ ہونے کی وجہ سے اس کی انگلی میں مضطرب و متحرک رہتی ہے' سو کفارِ مکہ بھی کبھی کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں' کبھی کہتے ہیں: آپ ساحر و جادوگر ہیں اور کبھی کہتے ہیں: آپ کاہن ہیں وہ کسی ایک بات پر ثابت و قائم نہیں رہتے اور بعض کا قول ہے کہ ''حق'' سے قرآن مجید مراد ہے جب کہ دوسرے بعض کا قول ہے کہ ''حق'' سے مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانا مراد ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦
وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧
تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝٩ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝١٠ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ
اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝١١

تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا ہم نے اسے کس طرح بنایا اور ہم نے اسے کس طرح آراستہ کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے O اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوب صورت نباتات اُگا دیئے O جو ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بصیرت اور نصیحت ہیں O اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے باغات اور کاٹی جانے والی کھیتیوں کے اناج اُگائے O اور کھجور کے لمبے درخت اُگائے جن کے گابھے تہ بہ تہ پھل سے لدے ہوئے ہیں O بندوں کی روزی کے لیے' اور ہم نے اس (پانی) کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہوگا O

## حشرنشر پر قدرتِ الٰہی کے دلائل کا بیان

٦- پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کی رہنمائی کرتے ہوئے (درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں) حشر و نشر برپا کرنے اور لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے پر اپنی قدرت کے دلائل بیان فرمائے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ ﴾ جب کفارِ مکہ نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ اٹھنے کا اور قیامت برپا ہونے کا انکار کیا تو انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھا تاکہ وہ تمام کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار و علامات دیکھتے کہ ﴿ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا ﴾ ہم نے آسمان کو کس طرح بنایا اور ہم نے اسے بغیر ستونوں کے کس طرح بلند تعمیر فرمایا ﴿ وَزَیَّنّٰهَا ﴾ اور ہم نے اسے کس طرح روشن ستاروں سے مزین و آراستہ کر دیا ﴿ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴾ اور اس میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ کوئی سوراخ ہے یعنی وہ تمام عیبوں سے صحیح سلامت ہے نہ اس میں پھٹن ہے اور نہ شگاف ہے اور نہ کوئی رخنہ ہے۔

٧- ﴿ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا ﴾ اور ہم نے زمین کو (مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تمام اطراف میں) پھیلا دیا ﴿ وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ ﴾ اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو نصب کر دیا (یعنی) زمین میں پہاڑوں کو مضبوطی کے ساتھ جما دیا اور اس میں گاڑ دیا (تاکہ زمین ثابت و ساکن رہے) اگر اس میں پہاڑوں کو پیدا نہ کیا جاتا تو البتہ زمین ہچکولے کھاتی اور متحرک رہتی[1] ﴿ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ﴾ اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوب صورت پودے اُگائے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے پسند کیا جاتا ہے۔

٨- ﴿ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى ﴾ بصیرت و عبرت اور نصیحت ہیں تاکہ ہم ہر نعمت کو نگاہِ بصیرت سے دیکھیں اور اسے یاد رکھیں اور نصیحت حاصل کریں ﴿ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴾ ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی تخلیق کے عجائبات میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

٩- ﴿ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ﴾ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا ہے جو بہت زیادہ منافع دینے والا ہے ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ﴾ پھر ہم نے اس کے ذریعے باغات اور اپنے وقت پر کاٹی جانے والی کھیتی کے دانے اُگائے یعنی ایسی کھیتی کے دانے جس کی شان یہ ہے کہ اسے کاٹا جاتا ہے جیسے گندم' جو' مکئی' باجرہ اور جوار وغیرہ۔

١٠- ﴿ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ ﴾ اور آسمان کی طرف بڑھتی ہوئیں لمبی لمبی دراز قامت کھجوروں کو اُگایا ﴿ لَّهَا طَلْعٌ ﴾ اس کے لیے گابھے ہیں اور ''طَلْع'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کھجور کے پھل نمودار ہوتے ہیں ﴿ نَّضِیْدٌ ﴾ یہ ''منضود'' کے معنی میں ہے یعنی تمام گابھے ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ چڑھے ہوئے ہیں' پھل کی کثرت کی وجہ سے کہ ان میں پھل بہت

''زوج'' کا معنی یہاں جوڑا نہیں بلکہ وہ صنف اور قسم کے معنی میں ہے۔

---

[1] مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا' جس کی وجہ سے وہ ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو اس سے سخت تعجب ہوا اور پوچھنے لگے: خدایا! تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! وہ لوہا ہے' پوچھا: اس سے زیادہ سخت؟ فرمایا: آگ' پوچھا: اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا: ہاں! پانی ہے' پوچھا: اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا: ہوا' پوچھا: اے پروردگار! تیری مخلوق میں اس سے بھی زیادہ بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا! ہاں! وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔
ابن جریر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی کہ مجھ پر تو آدم کو اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ ہوتے ہیں یا کھجور پر بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ تہ بہ تہ ہوتے ہیں۔

١١- ﴿رِزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ بندوں کے لیے رزق یعنی ہم نے ان چیزوں کو اپنے بندوں کی روزی کے لیے اُگایا ہے کیونکہ یہاں ''انبات'' (اُگانا) رزق کے معنی میں ہے [تو ''رِزْقًا'' فعل محذوف ''البتنا'' کا غیر اللفظ سے مصدر ہے اور یہ اس کا مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے ان پھل آور باغات وغیرہ کو اس لیے پیدا کیا تا کہ ہم اپنے بندوں کو روزی مہیا کریں ﴿وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ اور ہم نے اس پانی کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کیا' جس کے کھیت' پودے' درخت اور سبزہ جات وغیرہ خشک ہو گئے تھے ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ اسی طرح نکلنا ہوگا (یعنی) جس طرح اس مردہ شہر کو زندہ کیا گیا ہے' اسی طرح تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں وغیرہ سے نکالا جائے گا کیونکہ ویران وبنجر زمین کو زندہ کرنا مُردوں کو زندہ کرنے کے مترادف ہے [''کذالك'' میں کاف تشبیہ کا مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿١٣﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٥﴾ ع ١٥

ان سے پہلے نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود نے جھٹلایا O اور عاد اور فرعون اور لوط کی برادری والوں نے O اور ایکہ والوں اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا' سو میرے عذاب کا ڈراوا ثابت ہو گیا O تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں' بلکہ وہ نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا ہونے کے متعلق شک میں ہیں O

## پہلی قوموں کی تکذیب اور ان کے انجام کا بیان

١٢- ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور رس کے پاس رہنے والوں اور ثمود نے جھٹلایا۔ ''رَسّ'' اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد منڈیر نہ بنائی گئی ہو اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کریں گے' اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زمین کا پہاڑوں کے نصب کرنے کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے' پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳' مترجم پارہ: ۳۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو اس لیے گاڑ دیا تا کہ زمین حرکت کرنے سے رُک جائے' جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے: ''وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ'' (النحل:١٥) یعنی ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو گاڑ دیا کہ وہ تمہیں لے کر نہ کانپے''۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ زمین حرکت نہیں کرتی اور بعض متقدمین اور موجودہ دور کے تمام فلاسفر اس کے مخالف ہیں اور بعض مغربی مسلمانوں نے بھی ان کی موافقت کی ہے' ان سب کا گمان ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور انہوں نے زمین کے ساکن ہونے اور حرکت نہ کرنے کے بارے میں متقدمین کے عقلی دلائل کی تردید کی ہے اور کیا زمین کی حرکت کا قائل کافر ہو جائے گا یا نہیں' غالب گمان یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔

(تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ١٧٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

یمامہ کے رہنے والی قوم کا کنواں تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصحابِ اخدود کا کنواں تھا۔

١٣- ﴿ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴾ اور عاد اور فرعون اور لوط علیہ السلام کی برادری کے لوگوں نے (رسولوں کو جھٹلایا) فرعون سے اس کی قوم مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ'' (یونس:٨٣) ''سو موسیٰ علیہ السلام پر ان کی اپنی قوم کی نسل کے کچھ لوگوں کے ماسوا اور کوئی ایمان نہیں لایا محض اس خوف سے کہ فرعون اور اس کے درباری انہیں تکلیف دیں گے'' [ کیونکہ ''قوم نوح'' معطوف علیہ ہے اور اس پر جو معطوف ہیں وہ سب جماعت اور گروہ ہیں ] اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کا بھائی اس لیے فرمایا گیا کہ آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان قریبی خاندانی رشتہ تھا۔

١٤- ﴿ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ اور اَیکہ کے رہنے والوں اور تبّع کی قوم نے (رسولوں کو جھٹلایا)۔ تبع یمن کا بادشاہ تھا' جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اسے جھٹلا دیا تھا اور اس بادشاہ کو تبّع اس لیے کہا گیا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے ﴿ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ﴾ ہر ایک نے یعنی مذکورہ بالا قوموں سے ہر ایک قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تھا کیونکہ جس نے کسی ایک رسول کو جھٹلایا اس نے یقیناً تمام رسولوں کو جھٹلایا ﴿ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾ سو میرا ڈراوا واجب اور ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے اور کفارِ مکہ کے لیے ڈراوا اور دھمکی ہے۔

١٥- ﴿ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ﴾ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے پر تھک گئے ہیں۔ ''اَعْيَا بِالْاَمْرِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام کی وجہ کی راہ نہ پا سکے اور عاجز آ جائے اور اس کے شروع میں ہمزہ سوالیہ انکار کے لیے ہے یعنی بے شک ہم پہلی بار پیدا کر کے عاجز نہیں ہو گئے اور نہ ہم تھک گئے ہیں تو بھلا ہم دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز و بے بس ہو سکتے ہیں اور اس کا اعتراف و اقرار دوبارہ پیدا کرنے کا اعتراف و اقرار ہے ﴿ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ ﴾ بلکہ وہ (کفارِ مکہ) شک و شبہ میں مبتلا ہو کر پریشان ہیں اور بے شک شیطان نے ان پر شک و شبہ ڈال دیا ہے اور ان کو حیران و پریشان کر دیا اور شیطان نے ان کے لیے یہ بات گھڑ دی ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنا عادت کے خلاف اور ناممکن کام ہے' سو اس لیے انہوں نے صحیح استدلال کو چھوڑ دیا اور وہ یہ کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اور ان کا اعادہ کرنے پر بہ طریق اولیٰ زیادہ قادر ہے ﴿ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ مرنے کے بعد از سر نو پیدا کرنے کے متعلق [''خلق جدید'' کو نکرہ محض اس لیے ذکر کیا گیا تا کہ اس کی اہمیت و شان کی عظمت پر دلالت کی جائے] اور اس شخص کا فرض ہے جو اس کو سنے' وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تیاری کا اہتمام کرے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو اس کا نفس اسے وسوسے ڈالتا ہے' اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں O جب دو حاصل کرنے والے (فرشتے) حاصل کر لیتے ہیں دائیں اور بائیں جانب

بیٹھنے والے O وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے O

## انسان کی تخلیق شانِ الٰہی اور دو محافظ فرشتوں کا بیان

١٦ - ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان وسوسوں کو خوب جانتے ہیں جو اس کا نفس (عقل) اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ وسوسہ کا معنی ہے: پوشیدہ اور آہستہ آواز اور نفس کے وسوسہ سے وہ خیال اور تصور مراد ہے جو انسان کے دل میں اندیشہ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور نفسِ ناطقہ کی تحریک سے انسان کے دل میں وسوسہ اور اندیشہ پیدا ہوتا ہے [''بِہٖ'' میں حرف ''با'' صلہ کی ہے جیسے ''صَوَّتَ بِكَذَا'' میں ہے] ﴿ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴾ اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اور یہاں ''قرب'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے انسان کی رگِ جان سے بڑھ کر اس کے زیادہ قریب ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ جسمانی، مکانی اور زمانی قرب سے منزہ و پاک ہے) اور ''حبل الورید'' کو سب سے زیادہ قریب ترین چیز کی تمثیل کے لیے بیان کیا جاتا ہے اور ''وَرِيْدٌ'' گردن کی اندرونی رگ کو کہا جاتا ہے اور ''حَبْلٌ'' کا معنی بھی رگ ہے جیسے ''بَعِيْرُ سَانِيَةٍ'' (یا ''خَاتَمُ فِضَّةٍ'') ہے[۱] (''سَانِيَة'' کا معنی ہے: رہٹ چلانے والا اونٹ اور ''بَعِيْر'' کا معنی ہے: اونٹ)۔

١٧ - ﴿ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ ﴾ جب دو حاصل کرنے والے حاصل کرتے ہیں یعنی دو محافظ و نگران فرشتے (جو انسان کے تمام اعمال لکھنے پر مامور ہیں) ﴿ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴾ انسان کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں ''تَلَقِّیْ'' کا معنی ہے: یاد کرنا اور لکھ لینا اور ''قعید'' بہ معنی ''مقاعد'' ہے جیسے ''جلیس'' بہ معنی ''مجالس'' ہوتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(عَنِ الْيَمِيْنِ) قَعِيْدٌ (وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ) مِنَ الْمُتَلَقِّيَيْنِ'' یعنی حاصل کرنے والوں میں سے ایک دائیں جانب بیٹھا ہے اور ایک بائیں جانب بیٹھا ہے سو ان دو میں سے ایک کو ترک اس لیے کر دیا گیا ہے کہ

[۱] بعض مفسرین نے فرمایا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان کے ورغلانے سے ان کے دل میں شجر ممنوع کی خواہش پیدا ہوئی تاہم انہوں نے معصیت کے قصد سے شجر ممنوع سے نہیں کھایا بلکہ اجتہادی خطاء سے کھایا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی' پھر ان کی اولاد کے دل میں ممنوع کاموں کا شوق اور تحریک پیدا ہوئی' اس کو حدیث نفس اور کلامِ خفی بھی کہتے ہیں۔

اور فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ''وَرِيْدٌ'' اس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے' یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہماری ہر باطن اور ظاہر چیز کا علم ہے' حتیٰ کہ اس کو ہمارے دل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: شہ رگ سے مراد رگِ جان ہے جو دل کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور اس قرب سے مراد قربِ مسافت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے زیادہ اس کے قریب ہے یعنی دل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اسے اس خیال کا علم ہوتا ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا: اس قرب سے مراد علم اور قدرت ہے' انسان کے بعض اعضاء اس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی' ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے خون میں کیا کیا کیمیاوی اجزاء ہیں' کیا کیا بیماریاں ہیں' ہمارے معدہ اور جگر میں قوت اور ضعف اور صحت اور سقم کی کیا کیفیات ہیں اور ہمارے جسم میں کتنے مسامات اور کتنے بال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسم کے ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۳۲۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

رَمَانِیْ بِاَمْرٍ کُنْتُ مِنْهُ وَوَالِدِیْ بَرِیْئًا وَمِنْ اَجْلِ الطَّوِیِّ رَمَانِیْ

''اس شخص نے مجھ پر ایسا الزام لگایا جس سے میں اور میرے والد بَری اور بے قصور ہیں اور (میری) نیک نامی اور اچھی شہرت کی وجہ سے اس نے مجھ پر تہمت لگا دی''۔

اصل میں ''بِاَمْرٍ کُنْتُ مِنْهُ بَرِیْئًا وَّکَانَ وَالِدِیْ مِنْهُ بَرِیْئًا'' ہے[''اِذْ'' منصوب ہے ''اَقْرَبُ'' کی وجہ سے کیونکہ اس میں ''یَقْرُبُ'' کا معنی موجود ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ بہت بڑا باریک بین ہے' اس کا علم نفس کے تمام خطرات تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے مخفی اور پوشیدہ ہو اور وہ ہر قریب سے بڑھ کر انسان کے زیادہ قریب ہے' جب دونوں محافظ فرشتے لے لیتے ہیں جو کچھ انسان بولتا ہے محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کہ دونوں فرشتوں کا محافظ ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جس سے وہ غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اس سے کیسے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور یہ معاملہ صرف حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں فرشتوں کا لکھنا اور یاد کرنا اور قیامت کے دن ان اعمال ناموں کو پیش کرنا' بُرائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب دینے کے لیے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم ہے۔

١٨۔ ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ﴾ انسان کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محفوظ ﴿عَتِیْدٌ﴾ حاضر و تیار رہتا ہے یعنی انسان جو کچھ بولتا ہے اور جو کچھ اپنے منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس محافظ و حاضر فرشتے لکھ لیتے ہیں' پھر بعض حضرات نے کہا کہ دو فرشتے ہر چیز لکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بیماری کی آہ بھی لکھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ دونوں محافظ فرشتے صرف وہی اقوال و اعمال لکھتے ہیں جن میں اجر و ثواب ہوتا ہے یا گناہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں ماسوا دو حالتوں کے (١) بول و براز کے وقت (٢) جماع کے وقت۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾

اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ گئی' یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا O اور صور پھونکا گیا' یہ ہے عذاب کی وعید کا دن O اور ہر شخص اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس کے ساتھ ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہو گا O بے شک تو اس (دن) سے غفلت میں تھا' سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا' پس آج تیری نظر بہت تیز ہے O اور اس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ ہے (اس کا اعمال نامہ) جو میرے پاس حاضر ہے O تم ہر عناد رکھنے والے کافر کو دوزخ میں ڈال دو O نیکی سے بہت روکنے والا' حد سے بڑھنے والا' شک کرنے والا O

## موت کی سختی' قیامت کے وقوع اور کفار کی سزا کا بیان

۱۹- جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے حشر ونشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکار کا ذکر کیا اور ان پر اپنی قدرت اور اپنے علم کے دلائل کے ذریعے حجت قائم کی تو اب اس آیت مبارکہ میں انہیں آگاہ کیا کہ جس کا انہوں نے انکار کیا ہے وہ عنقریب ان کی موت کے وقت اور قیامت کے قیام کے وقت انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب ہونے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آمد کو ماضی کے فعل کے ساتھ تعبیر فرمایا اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ﴾ اور موت کی سختی آن پہنچی یعنی اس کی سختی عقل وخرد کو زائل کر دینے والی ہے اور وہ ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ متصف ہے یعنی یہ موت اور اس کی سختی واقعی حقیقی امر ہے اور حقیقت پر مبنی ہے یا حکمت پر مبنی ہے ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور تو کنارہ کشی کرتا تھا۔ ''ذٰلِكَ'' سے موت کی طرف اشارہ ہے اور اس میں اس انسان کو التفات کے طریقے پر خطاب کیا گیا ہے جس کا ذکر (درج ذیل) اس ارشاد میں ہے: ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ''۔

۲۰- ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور صور میں پھونکا گیا یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کے لیے صور پھونکا جائے گا ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾ یہ ہے عذاب سے ڈرنے کا دن [اصل میں ''وَقْتُ ذٰلِكَ الْوَعِيْد'' (یہ ڈرنے کا وقت ہے) حذف مضاف کی بناء پر ہے اور اشارہ ''نُفِخَ'' کے مصدر کی طرف ہے]۔

۲۱- ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ اور ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک اسے چلانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا یعنی ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے' ان میں سے ایک اسے محشر کی طرف چلا کر لائے گا اور دوسرا اس پر اس کے عمل کی گواہی دے گا [''مَعَهَا سَآئِقٌ'' ''كُلُّ'' سے حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے تاکہ تم اس کی اضافت کو پہچانو جو اس اسم کی طرف ہے جو معرفہ کے حکم میں ہے]۔

۲۲- ﴿لَقَدْ كُنْتَ﴾ ''اَیْ يُقَالُ لَهَا لَقَدْ كُنْتَ'' ﴿فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ یعنی اس جان سے کہا جائے گا کہ بے شک تو اس سے غفلت میں تھی جو آج تجھ پر نازل ہونے والی ہے ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ سو ہم نے تیری غفلت کا پردہ تجھ سے زائل کر دیا تاکہ تو اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ سو آج تیری نظر تیز ہے۔ انسان کی غفلت کو گویا ایک ایسا پردہ قرار دیا گیا جس نے اس کے پورے جسم کو ڈھانپ دیا' یا پھر ایسا پردہ جس نے اس کی دونوں آنکھوں کو ڈھانپ دیا' پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ بیدار ہو جائے گا اور اس سے غفلت اور اس کا پردہ سب دور ہو جائیں گے' پھر وہ اس حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اسے دنیا میں نظر نہیں آتا تھا اور اس کی غفلت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی کمزور بینائی تیز ہو کر واپس لوٹ آئے گی تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور بیدار ہو کر متنبہ ہو جائے۔

۲۳- ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ اور اس کا ساتھی کہے گا۔ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک یہ ساتھی اس کے اعمال لکھنے والا اور اس پر گواہی دینے والا فرشتہ ہی ہے ﴿هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ یہ وہ چیز ہے یعنی اس کے اعمال کا دیوان اور رجسٹر جو میرے پاس حاضر اور تیار ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ''قرين'' (ساتھی) سے اس کا وہ شیطان ساتھی مراد ہے جو اس پر مسلط کیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○'' (الزخرف:۳۶) ''اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں' سو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے ○''۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ وہی شخص ہے جس پر مجھے مقرر کیا گیا تھا جو میرے پاس حاضر ہے [''هٰذَا'' مبتدا اور

''مَا'' نکرہ ہے جو بہ معنیٰ ''شَیْءٌ'' ہے اور ظرف ''لَدَیَّ'' اس کی صفت ہے اور اسی طرح ''عَتِیْدٌ'' صفت ہے اور ''مَا'' اپنی صفتوں سے مل کر ''هٰذَا'' کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''(هٰذَا) شَیْءٌ ثَابِتٌ (لَدَیَّ عَتِیْدٌ)'']۔

٢٤- پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ﴿ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴾ تم دونوں ہر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دو جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی بہت ناشکری کرنے والا' عناد رکھنے والا ہے' حق سے کنارہ کش اور اہل حق سے عداوت و دشمنی رکھنے والا ہے [اور ''اَلْقِیَا'' کا خطاب انسان کو چلانے والے فرشتے اور گواہی دینے والے فرشتے کو ہے یا ایک فرشتے کو خطاب ہے اور اصل میں ''اَلْقِ اَلْقِ'' تھا پھر ''اَلْقِیَا'' کو ''اَلْقِ اَلْقِ'' کا قائم مقام کیا گیا ہے کیونکہ فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتا ہے' سو فاعل کا تثنیہ ہونا تکرار فعل سے نائب ہے اور بعض نے کہا: اس کی اصل ''اَلْقِیَنْ'' ہے اور الف نون سے تبدیل شدہ ہے' وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے' اس کی دلیل حضرت حسن کی ''اَلْقِیَنْ'' قراءت ہے]۔

٢٥- ﴿ مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ ﴾ مال کو حقوق کی ادائیگی سے بہت روکنے والا یا مستحقین تک جنس مال کو پہنچنے سے بہت روکنے والا ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ حد سے بڑھنے والا ظالم اور حق سے تجاوز کرنے والا ﴿ مُّرِیْبٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے دین کے بارے میں شک کرنے والا۔

| |
|---|
| الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِیْنُهٗ |
| رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ |
| قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿٢٨﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿٢٩﴾ ع |
| یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿٣٠﴾ |

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا' سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو○ اس کا بُرا ساتھی کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا لیکن وہ خود دُور کی گمراہی میں جا پڑا تھا○ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور بے شک میں پہلے ہی تمہیں عذاب کا ڈر سنا چکا ہوں○ میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی اور میں بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کروں گا○ جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا اور کچھ زیادہ ہے○

٢٦- ﴿ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا' سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

٢٧- ﴿ قَالَ قَرِیْنُهٗ ﴾ اس کا ساتھی کہے گا یعنی اس کا شیطان جسے اس کا ''قرین'' اور ساتھی بنایا گیا ہے اور یہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتا ہے [اور اس جملے کو واؤ عاطفہ سے خالی بیان کیا گیا ہے جب کہ پہلی آیت کے جملے میں واؤ عاطفہ ذکر کی گئی کیونکہ پہلے جملے میں عطف کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے معنی پر اور اپنے ماقبل کے معنی پر یعنی دونوں کے جمع ہونے پر دلالت کرتا ہے' مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا دو فرشتوں کے ساتھ آنا اور اس کے ساتھی کا اس کے بارے میں کہنا جو کچھ بھی کہے گا لیکن یہ جملہ الگ مستقل واقع ہوا ہے جیسا کہ دو شخصوں کے درمیان باہمی گفتگو کی حکایت کے متعلق الگ مستقل جملہ واقع ہوتا ہے' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمے میں ہوا] گویا کافر کہے گا: اے میرے پروردگار!

اسی نے مجھے گمراہ اور سرکش بنا دیا تھا' تو اس کا شیطان ساتھی کہے گا: ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا اور نہ میں نے اسے سرکش بنایا بلکہ وہ خود دور کی گمراہی میں پڑا رہا تھا یعنی میں نے اس کو گمراہی اور سرکشی میں نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ خود سرکش بن گیا تھا اور اس نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا۔

۲۸- ﴿ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو [''قال قرینه'' کی طرح یہ جملہ بھی الگ مستقل جملہ ہے] گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو ﴿ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴾ اور بے شک میں تمہیں پہلے ہی عذاب کی وعید سنا چکا ہوں یعنی تم یہاں حساب کے میدان میں اور دارالجزاء میں میرے سامنے آپس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ تمہارے جھگڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور میں اپنے رسولوں کی زبانی اور اپنی کتابوں کے ذریعے تمہیں سرکشی اختیار کرنے پر اپنے عذاب سے پہلے ڈرا چکا ہوں' سو میں نے تمہارے لیے اپنے ذمے کوئی حجت اور دلیل ترک نہیں کی [''بالوعید'' میں ''با'' زائدہ (محض تحسین کلام کے لیے ہے معنی مقصود نہیں) جیسے ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ'' (البقرہ:۱۹۵) یا پھر یہ ''با'' تعدیہ کی ہے محض اس بناء پر کہ ''قَدَّمَ'' بہ معنی ''تَقَدَّمَ'' ہے اور یہ مطاوع ہے]۔

۲۹- ﴿ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ﴾ میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی یعنی تم یہ اُمید نہ رکھو کہ میں کفار کو دوزخ میں داخل کرنے کی وعید کو اور اپنی کسی بھی بات کو تبدیل کر دوں گا ﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴾ اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں' سو میں کسی بندے کو بغیر کسی گناہ کے ہرگز عذاب نہیں دوں گا اور اللہ تعالیٰ کا بطور مبالغہ ''بظلام'' فرمانا عرب کے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہے: ''هُوَ ظَالِمٌ لِعَبْدِهٖ وَظَلَّامٌ لِعُبَیْدِهٖ'' وہ اپنے بندے (غلام) پر ظلم کرنے والا ہے اور اپنے بندوں (غلاموں) پر بہت ظلم کرنے والا ہے۔

۳۰- ﴿ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴾ ہم اس روز دوزخ سے فرمائیں گے کہ کیا تو بھر چکی ہے اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمائے گا کہ کیا تو پُر ہو چکی ہے' تو وہ پُر ہونے کے باوجود عرض کرے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ مطلب یہ کہ کیا میرے اندر کوئی جگہ باقی ہے جو نہیں بھری؟ یعنی بے شک میں پُر ہو چکی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ مزید کا مطالبہ کرے گی اور اس میں اور زیادہ کی جگہ باقی ہوگی اور اس تحقیق پر کہ دوزخ بولے گی اور یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے جیسے قیامت کے دن انسان کے اعضاء بولیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دوزخ سے یہ سوال صرف کفار کو ڈرانے دھمکانے اور انہیں ڈانٹنے کے لیے ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ دوزخ بھر چکی ہے یا نہیں [''یَوْمَ''، ''ظَلَّامٌ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' اور ''اَنْذِرْ'' جیسے فعل امر مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَقُوْلُ'' پڑھا گیا ہے]۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾ اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ ﴿۳۵﴾

اور جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا دور نہیں ہوگی O یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر ایسے آدمی کے لیے جو (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا (اور اس کی حدود کی) بہت حفاظت کرنے والا ہے O جو بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا رہا اور وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لے کر حاضر ہوا O (اسے کہا جائے گا:) تم سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ' یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے O ان کے لیے اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو کچھ وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے O

## پرہیزگاروں کے لیے جنت اور اس کے انعامات کا بیان

۳۱- ﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ اور جنت کو پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دیا جائے گا' وہ ان سے دور نہیں ہوگی اور ''غیر بعید'' صرف سابق کلام کے معنی کی تاکید کے لیے ہے' جیسے کہتے ہیں: ''هُوَ قَرِيبٌ غَيْرُ بَعِيدٍ وَعَزِيزٌ غَيْرُ ذَلِيلٍ'' یعنی وہ قریب ہے بعید نہیں ہے اور عزیز ہے ذلیل نہیں ہے [''غیر بعید'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے ''أَيْ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيدٍ'' یعنی ایسی جگہ ہے جو دُور نہیں ہے' یا پھر حال کی بناء پر منصوب ہے اور وہ مذکر ہے کیونکہ مصدر کے وزن پر ہے جیسے ''صـلـيـل'' ہے اور مصادر کے وصف میں مذکر ومؤنث مساوی ہوتے ہیں' یا پھر حذفِ موصوف کی وجہ سے منصوب ہے ''أَيْ شَيْئًا غَيْرَ بَعِيدٍ''].

۳۲- ﴿هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ﴾ یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا [''هٰـذَا'' مبتدا ہے اور یہ ثواب کی طرف اشارہ ہے یا ''ازلـفـت'' کے مصدر کی طرف اشارہ ہے ''مَـا تُـوْعَـدُوْنَ'' اس کی صفت ہے اور قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یـا'' کے ساتھ ''یـوعـدون'' ہے] ﴿لِكُلِّ أَوَّابٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہر شخص کے لیے [یہ ''هٰـذَا'' مبتدا کی خبر ہے] ﴿حَفِيظٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دن کے شروع میں چار رکعت نماز کی حفاظت کرتا ہے' وہ ''اوّاب حفیظ'' ہے یعنی وہ بہت رجوع کرنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔

۳۳- ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ﴾ جو رحمٰن سے ڈر گئے۔ خشیت یہ ہے کہ گناہ کے یاد آ جانے پر دل کانپنے لگے اور خشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن کو ڈرنے والوں کی تعریف کے لیے ملایا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جانتا ہے کہ بے شک وہ خوب وسیع رحمت والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تعریف کی کہ وہ خوب ڈرنے والا ہے' اس کے باوجود کہ جس ذاتِ اقدس سے وہ ڈرتا ہے وہ اس کی نظروں سے غائب ہے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ڈرتا ہے [یہ مفعول سے حال ہے] یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی نگاہوں سے غائب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بن دیکھے ڈرنا یہ ہے کہ جب دروازے بند ہوں اور پردے حائل ہوں اس وقت تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ﴿وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش اور راضی رہنے والا راز داں' پاکیزہ' کھرا اور صحیح عقیدہ رکھنے والا دل مراد ہے۔

۳۴- ﴿ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ﴾ تم اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی تم جنتی نعمتوں کے زائل ہونے سے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے نازل ہونے سے سالم ومحفوظ ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ﴾ یہ ہمیشہ کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے فیصلے کا یہی دن ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ O'' (الزمر: ۷۳)

''سو تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کر داخل ہو جاؤ O''یعنی ہمیشگی مقدر کر دی گئی ہے۔

۳۵- ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ اس میں چاہیں گے اور ہمارے پاس ان کی چاہت کی ہر نعمت کے علاوہ اور زیادہ ہوگا اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہاں مزید اللہ تعالیٰ کا بلا کیف دیدار کرنا نصیب ہوگا۔

| |
|---|
| وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن |
| مَّحِيصٍ ﴿۳۶﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾ |
| وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن |
| لُّغُوبٍ ﴿۳۸﴾ |

اور ہم نے ان (قریش مکہ) سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں کہ وہ ان سے گرفت میں بہت زیادہ سخت طاقتور تھیں' سو وہ شہروں میں (پناہ کی تلاش میں) گھومتے رہے' کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ملی O بے شک اس میں اس شخص کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحبِ دل ہو یا وہ کان لگا کر غور سے سنے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ حاضر ہو O اور بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی O

## کفارِ مکہ کے لیے انتباہ اور یہود کی تردید

۳۶- ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جن قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا﴾ وہ قومیں ان سے (یعنی) آپ کی قوم سے گرفت کرنے اور قوت و طاقت اور شوکت و دبدبہ میں زیادہ سخت تھیں ﴿فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ﴾ سو انہوں نے شہروں میں سرنگیں کھودیں اور تہ خانے بنائے اور وہ ان میں خوب گھومتے پھرتے رہے اور ''تنقیب'' کا معنی ہے: کسی کام کا کھوج لگانا' بحث کرنا اور طلب کرنا اور اس میں ''فا'' (هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا) سے سبب کے لیے ہے یعنی سرنگیں وغیرہ کھودنے پر ان کی گرفت کے سخت ہونے کا سبب ان لوگوں کی قدرت و ہمت اور ان کی قوت و طاقت ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو کہ اہل مکہ اپنے سفروں اور اپنی سیر و سیاحت کے دوران ان قوموں کے شہروں میں بارہا گھوے پھرے ہیں تو کیا انہوں نے ان کے لیے وہاں کوئی بھاگنے کی جگہ دیکھی ہے تاکہ یہ بھی اسی طرح اپنے لیے سوچیں اور غور و فکر کریں اور اس پر اس قاری کی قراءت دلالت کرتی ہے جس نے پڑھا: ''(فنقبوا) علی الامر'' ﴿هَلْ مِن مَّحِيصٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سے یا موت سے بھاگنے کے لیے کوئی جگہ ہے؟ (ہرگز نہیں!)

۳۷- ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مذکورہ بالا قوموں کے قصے میں ﴿لَذِكْرَىٰ﴾ ضرور عبرت و نصیحت اور یاد دہانی ہے ﴿لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ ہر اس شخص کے لیے جس کا دل یاد کرنے والا ہے کیونکہ جس کا دل کسی چیز کو یاد نہیں رکھتا تو گویا وہ دل ہی نہیں ہے ﴿أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ﴾ یا وہ کان لگا کر غور سے سنتا ہو اور وہ نصیحتوں کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہو اور انہیں غور سے اور توجہ سے سنتا ہو ﴿وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ اور وہ اپنی ذہانت و توجہ کے ساتھ حاضر ہو کیونکہ جو شخص اپنے ذہن اور

دماغ کو حاضر نہیں رکھتا تو وہ گویا غائب ہے۔

٣٨۔ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ یہود علیہم اللعنۃ کے قول کی تکذیب و تردید میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پہلا دن اتوار کا تھا اور آخری دن جمعہ کا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے آرام کیا اور عرش پر لیٹ گیا اور مفسرین نے فرمایا کہ اس امت میں تشبیہ کا قائل جو فرقہ مشبہ پیدا ہوا ہے وہ بھی انہی یہودیوں کی وجہ سے اور ان سے متاثر ہو کر تشبیہ کا قائل ہوا ہے اور یہود نے چارزانو ہو کر چوکڑی بیٹھنا ممنوع قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہفتہ کے دن اس طرح بیٹھا تھا۔ (نعوذ باللہ من ذالك)

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿٤١﴾ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴿٤٣﴾ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿٤٥﴾ ع

سو (اے محبوب!) وہ جو کچھ (دل آزار باتیں) کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے اور آپ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئےO اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھیO اور غور سے سنیئے جس دن نداء دینے والا نزدیک جگہ سے نداء دے گاO جس دن سب لوگ ایک گرج دار چیخ حق کے ساتھ سنیں گے' یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگاO بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور (سب نے) ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہےO جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑ پڑیں گے' یہ (یعنی سب کو) جمع کرنا ہم پر آسان ہےO ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں' سو آپ ہر اس شخص کو قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہےO

### حضور ﷺ کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے اور تسبیح بیان کرنے کی تلقین

٣٩۔ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ سو وہ لوگ جو دل آزار باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے یعنی یہود جو کفریہ باتیں بکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تشبیہ کی باتیں کہتے ہیں' آپ ان پر صبر کیجئے یا مشرکین مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق جو باطل باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور ان سے انتقام لینے پر بھی پوری طرح بہ طریق اولیٰ قادر ہے ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

﴿وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ اور طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے آپ اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور تسبیح سے یا تو اس کا ظاہری معنی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ممکنات کے تمام عیوب سے منزہ ومبرا ہونا بیان کیجئے یا اس سے نماز مراد ہے' پس طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی نماز مراد ہے اور غروب آفتاب سے پہلے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔

٤٠۔﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ﴾ اور کچھ رات کے حصے میں بھی اس کی تسبیح بیان کیا کریں (یعنی) مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھا کریں یا نمازِ تہجد پڑھا کریں ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اور سجدہ کے بعد (یعنی) نمازوں کے اختتام کے بعد تسبیح بیان کیا کریں اور نماز کو سجود اور رکوع دونوں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد نوافل نمازیں پڑھنا مراد ہے یا نمازِ عشاء کے بعد وتر کی نماز پڑھنا مراد ہے [اور ''اَدْبَار''' 'دبر'' کی جمع ہے جب کہ اہل حجاز' حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں الف (ہمزہ) مکسور کے ساتھ ''اِدْبَار'' پڑھا جاتا ہے] ''اَدْبَرَتِ الصَّلٰوةُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب نماز ختم ہو جائے اور تمام ہو جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نمازوں کے ختم ہو جانے کے وقت تسبیح بیان کیا کریں جیسے عرب کا قول ہے: ''اٰتِيْكَ خَفُوْقَ النَّجْمِ'' میں تیرے پاس ستارہ کے غروب کے وقت آؤں گا۔

## قیامت کے برپا ہونے اور مردوں کو زندہ کرنے کا بیان

٤١۔﴿وَاسْتَمِعْ﴾ اور آپ اسے کان لگا کر غور سے سنئے جس کی وحی کے ذریعے آپ کو خبر دی گئی ہے اور وہ قیامت کے دن کا حال ہے اور اس کلام میں قیامت کی ہولناکی اور اس کی شان کے لیے عظمت کا اظہار بھی ہے [قاری یعقوب نے اس پر وقف کیا ہے] ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ جس دن پکارنے والا پکارے گا [اور ''یوم'' کو منصوب پڑھا گیا ہے کیونکہ اس پر ''ذالك یوم الخروج'' دلالت کرتا ہے] یعنی جس دن پکارنے والا پکارے گا' اس دن سب لوگ قبروں سے باہر نکل آئیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''(وَاسْتَمِعْ) حَدِيْثَ (يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِي)'' اور اس دن کی بات غور سے سنئے جس دن پکارنے والا پکارے گا [''المنادی'' وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ابن کثیر مکی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن وقف کی حالت میں نہیں اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں دونوں حالتوں میں ''یا'' کے بغیر ''المناد'' پڑھا جاتا ہے] ''المنادی'' سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں' وہی صور میں پھونکیں گے اور یہ آوازِ بلند پکاریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور جدا جدا جوڑو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو! اور متفرق بالو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فیصلہ کے لیے جڑ جاؤ اور باہم مل جاؤ' اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ صور میں پھونک حضرت اسرافیل ماریں گے اور سب کو جمع کرنے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام پکاریں گے ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ نزدیک جگہ سے (یعنی) بیت المقدس کے صخرہ نامی پتھر پر کھڑے ہو کر پکاریں گے اور یہ حصہ تمام زمین سے بارہ میل زیادہ آسمان کے قریب ہے اور یہی جگہ تمام روئے زمین کا وسط اور مرکز ہے۔

٤٢۔﴿يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ﴾ جس دن وہ ہولناک چیخ سنیں گے۔ چیخ سے نفخۂ ثانی مراد ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام مخلوق فنا ہو جائے گی' دوسری دفعہ صور پھونکنے پر تمام لوگ قبروں سے نکل کر میدانِ حساب میں جمع ہو جائیں گے) [یہ کلام مبارک ''یوم ینادی'' سے بدل ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ [یہ ''صیحة'' کے متعلق ہے] اور اس سے جزاء کے لیے قبروں سے زندہ ہو کر نکلنا اور حساب وکتاب کے لیے جمع ہونا مراد ہے ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ یہ نکلنے کا دن ہے (یعنی) یہ

قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔

٤٣۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ ﴾ بے شک ہم ہی مخلوق کو زندہ کرتے ہیں ﴿ وَنُمِیْتُ ﴾ اور ہم ہی ماریں گے یعنی ہم ہی دنیا میں انہیں موت دیں گے ﴿ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴾ اور ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی ان سب لوگوں کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

٤٤۔ ﴿ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ ﴾ جس دن زمین ان سے شق ہو جائے گی یعنی قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی اور اس کے پھٹ جانے کی وجہ سے مردے زمین سے باہر نکل آئیں گے [اہل کوفہ ابوعمرو بصری اور دیگر قراء کی قراءت میں قاف اوّل مشدد پڑھا جاتا ہے] ﴿ سِرَاعًا ؕ ﴾ وہ لوگ جلدی میں فوراً دوڑ پڑیں گے [یہ ضمیر مجرور سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴾ یہ حشر برپا کرنا ہمارے لیے بالکل آسان ہے [اور ظرف کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے] یعنی اس طرح کا بہت دشوار کام سرانجام دینا آسان نہیں مگر اس ذاتِ اقدس کے لیے آسان ہے جو مطلق قادر ہے جسے بڑی سے بڑی رکاوٹ کام سے نہیں روک سکتی۔

٤٥۔ ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ ہم وہ سب کچھ خوب جانتے ہیں جو مشرکین اور یہود وغیرہ آپ کے بارے میں اور ہمارے بارے میں کہتے رہتے ہیں۔ یہ کلام مبارک کفار کے لیے دھمکی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تسلی ہے ﴿ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴾ اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ O" (الغاشیہ:٢٢) "آپ ان پر جبر کر کے مسلمان بنانے والے نہیں O" یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کیے گئے بے شک آپ تو صرف حق کی دعوت و ترغیب دینے والے ہیں اور بعض نے کہا کہ "جبار" ماخوذ ہے "جَبَرَهٗ عَلَی الْاَمْرِ" سے اور یہ "اَجْبَرَهٗ" کے معنی میں ہے یعنی آپ ان کے نگران اور ذمہ دار نہیں ہیں کہ آپ انہیں ایمان پر مجبور کریں ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴾ سو آپ قرآن مجید کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا O" (النازعات:٤٥) "بے شک آپ صرف انہیں کو ڈر سنانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں O" کیونکہ آپ کے ڈرانے سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہی نفع حاصل کرتے ہیں۔

| آیاتها ٦٠ رکوعاتها ٣ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O | سورۃ الذّٰریٰت مکیۃ ٦٧ |
|---|---|---|
| اس کی ساٹھ آیات' تین رکوع ہیں | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O | سورۃ الذّٰریٰت مکی ہے |

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿٢﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿٥﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿٨﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿١٠﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ﴿١١﴾ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ﴿١٢﴾ یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾

گردوغبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم!O پھر پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی قسم!O پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم!O پھر رزق تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم!O بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا ہےO اور بے شک جزاء ضرور ملنے والی ہےO حسین راستوں کے آسمان کی قسم!O بے شک تم مختلف باتوں میں مشغول ہوO اس سے اسی کا منہ پھیرا جاتا ہے جس کا (ازل میں) منہ پھیر دیا گیا تھاO من گھڑت باتیں بنانے والوں کا ستیاناس ہو جائےO جو جہالت کے نشے میں غافل ہو چکے ہیںO وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب واقع ہوگاO جس دن وہ دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گےO اب تم اپنے عذاب کا مزہ چکھو! یہ وہی ہے جس کے مطالبے میں تم جلدی کرتے تھےO

## قیامت کے وقوع کی قسمیں اور منکرین کے بُرے انجام کا بیان

سورت الذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیات ہیں۔

١ تا ٤- ﴿وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا﴾ بکھیر کر اڑانے والیوں کی قسم!' اس سے تیز ہوائیں مراد ہیں کیونکہ وہ مٹی وغیرہ کو اُڑاتی اور بکھیرتی ہیں [حمزہ کوفی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''تا'' کو ذال میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے اور ''ذَرْوًا'' مصدر ہے اور اس کا اسم فاعل ''الذاریات'' ہے] ﴿فَالْحٰمِلٰتِ﴾ پھر اٹھانے والیوں کی قسم!' اس سے بادل مراد ہیں کیونکہ بارش کے پانی کو اٹھائے پھرتے ہیں ﴿وِقْرًا﴾ بوجھ [یہ ''حاملات'' کا مفعول ہے] ﴿فَالْجٰرِیٰتِ﴾ پھر چلنے والی کشتیوں کی قسم! ﴿یُسْرًا﴾ نرمی کے ساتھ چلنا یعنی بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ چلنا ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ پھر مختلف کاموں کے تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم!' اس سے فرشتے مراد ہیں کیونکہ وہی مختلف کاموں کو تقسیم کرتے ہیں جیسے بارشیں اور رزق وغیرہما کے کام یا یہ معنی ہے کہ وہ مختلف کاموں کی تقسیم پر مامور کیے گئے ہیں یا وہ انسانوں کے کاموں کی تقسیم کے متولی اور منتظم ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام سخت گرفت کرنے اور عذاب لانے کے متولی و منتظم ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام رحمت و مہربانی اور رزق پہنچانے کے منتظم و متولی ہیں اور ملک الموت (یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام) ارواح قبض کرنے پر متولی ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے منتظم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان چاروں آیات میں صرف ''ریاح'' یعنی تیز ہوائیں مراد ہوں کیونکہ یہی تیز ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور انہیں بلند و بالا اور کم و بیش کرتی ہیں اور حسب ضرورت ان میں تصرف کرتی ہیں اور انہیں فضاء کی بلندی میں نہایت نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلاتی ہیں اور بادلوں میں تصرف کر کے بارشوں کو حسب ضرورت تقسیم کرتی ہیں اور بہر حال پہلے مطلب کے مطابق ''فا'' کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تیز ہواؤں کی قسم یاد فرمائی' پھر ان بادلوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں چلاتی ہیں' پھر کشتیوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں اپنی قوت و تیزی کے سبب چلاتی ہیں' پھر فرشتوں کی قسم فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارشوں کے ذریعے روزیاں تقسیم کرتے ہیں اور بحری تجارتوں اور ان کے فوائد و منافع تقسیم کرتے ہیں اور جب کہ دوسرے مطلب کے مطابق یہ معنی ہوگا کہ ان ہواؤں کی قسم جو شروع میں ذرات کو اڑاتی ہیں' پھر تیز ہو کر مٹی کو اور کنکروں کو اُڑاتی پھرتی ہیں' پھر وہ بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں اور انہیں فضاء میں پھیلا دیتی ہیں' پھر بارش کو تقسیم کرتی ہیں۔

٥- ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے [یہ قسم کا جواب ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے یا پھر مصدریہ ہے] اور جس کے وعدہ کے سچے ہونے کی قسم کھائی گئی ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا یعنی حشر و نشر کا وعدہ ہے ﴿لَصَادِقٌ﴾ اصل میں ''لَوَعْدٌ صَادِقٌ'' ہے' جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا وعدہ ہے جیسے ''عیشة راضية'' یعنی پسندیدہ زندگی۔

٦- ﴿ وَّاِنَّ الدِّیْنَ ﴾ اور بے شک جزاء (یعنی) دنیا کے اعمال پر جزاء وسزا ﴿ لَوَاقِعٌ ﴾ ضرور واقع اور مرتب ہوگی (نیک اعمال پر جزائے خیر اور بُرے اعمال پر سزا ملے گی)۔

٧- ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴾ خوب صورت راستوں والے آسمان کی قسم! جیسے تیز ہوا کے چلنے کی وجہ سے لہروں کے ساتھ پانی کے اوپر راستے ظاہر ہو جاتے ہیں (یوں ہی ریت کے ٹیلوں پر تیز ہوا کے سبب لہروں کی صورت میں راستے نظر آتے ہیں) اور اسی طرح ''حَبَكَ الشَّعْرُ'' کہا جاتا ہے کہ بال بڑے عمدہ اور خوب صورت ہیں اور یہ ان بالوں کے گھنگریالے ہونے اور ان کے مڑ کر ٹیڑھے ہو جانے کی علامات ہیں اور ''حُبُكٌ'' جمع ہے' اس کا واحد ''حَبِيْكَةٌ'' ہے جیسے ''طَرِيْقَةٌ'' واحد ہے' اس کی جمع ''طُرُقٌ'' ہے اور ایک قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بے شک آسمان کی تخلیق اسی طرح مختلف راستوں سے مزین وآراستہ ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان کی ''حبك'' (خوب صورتی) اس کے ستارے ہیں اور یہ ''حباك'' کی جمع ہے اور یہ دوسری قسم ہے۔

٨- ﴿ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴾ بے شک تم مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو یعنی کفارِ مکہ کے الزامات رسول اکرم ﷺ کے بارے میں مختلف تھے' کچھ کہتے کہ آپ جادوگر ہیں اور کچھ کہتے: آپ شاعر ہیں' اور کچھ کہتے: مجنون ودیوانہ ہیں (نعوذ باللّٰه من ذالك) اور یہ کفار قرآن مجید کے بارے میں بھی مختلف باتیں بناتے' کوئی کہتا: یہ شعر ہے' اور کوئی کہتا: یہ جادو ہے' اور کوئی کہتا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

٩- ﴿ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴾ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو (ازل سے) پھیر دیا گیا۔ ''عَنْهُ'' کی ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے یا پھر رسول کریم ﷺ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو ایسا پھیرنا پھیرا گیا ہے کہ اس سے زیادہ سخت اور اس سے بڑھ کر نہیں پھیرا جا سکتا یا یہ معنی ہے کہ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی پھیرا جا چکا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک یہ شخص حق سے ایسا پھیر دیا گیا ہے کہ کبھی رجوع نہیں کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''عَنْهُ'' کی ضمیر ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' کی طرف یا ''اَلدِّيْنُ'' کی طرف لوٹتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی اور گرد وغبار اڑانے والی تیز ہواؤں کی اس بات پر قسم فرمائی کہ قیامت کی آمد برحق ہے' پھر آسمان کی قسم اس بات پر فرمائی کہ کفارِ مکہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے میں مختلف باتیں بناتے ہیں' چنانچہ ان میں سے کوئی شک کرتا ہے اور کوئی انکار کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''يُؤْفَكُ'' قیامت کے وقوع کے اقرار سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو پھیرا جا چکا ہے۔

١٠- ﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴾ من گھڑت باتیں تراشنے والے تباہ وبرباد ہو جائیں (یعنی) ان پر لعنت و پھٹکار ہو' ''قُتِلَ'' اصل میں ہلاکت کی بددعا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' پھر اس کو ''لُعِنَ'' کے قائم مقام کر دیا گیا ہے' مطلب یہ کہ بہت جھوٹ بولنے والے ظن وتخمینہ اور ذہنی اختراع سے ایسی من گھڑت باتیں تراشنے والے جو کبھی صحیح اور درست نہیں ہو سکتیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو رسول اکرم اور قرآن مجید کے بارے میں مختلف الزامات گھڑتے رہے اور لام تعریف سے انہیں کی طرف اشارہ ہے' گویا فرمایا گیا کہ یہ من گھڑت الزامات تراشنے والے ہلاک ہو جائیں۔

١١- ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی جہالت ونادانی کے نشے میں بدمست ہو کر بھول چکے ہیں اور اس چیز سے غافل ہو چکے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔

١٢- ﴿ يَسْـَٔلُوْنَ ﴾ وہ پوچھتے ہیں' سو وہ کہتے ہیں ﴿ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴾ بدلے کا دن کب آئے گا یعنی روزِ جزاء کب اور کس وقت آئے گا [تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَيَّانَ وُقُوْعُ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کیونکہ اوقات رونما ہونے والے حوادثات کے

لیے ظرف ہوتے ہیں]۔

۱۳-﴿یَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ﴾ جس دن وہ آگ کے عذاب میں داخل کیے جائیں گے یعنی دوزخ کی آگ میں انہیں جلایا جائے گا۔ ''یُفْتَنُوْنَ'' بہ معنی ''یُحْرَقُوْنَ'' ہے ["یَوْمَ" فعل مضمر کے جواب میں منصوب ہے' جس پر سوال "یسئلون" دلالت کرتا ہے" اَیْ یَقَعُ (یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ) "یعنی روز جزاء اس دن واقع ہوگا جس دن انہیں دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا اور یہ ممکن ہے کہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے مفتوح ہو اور وہ جملہ ہے اور محلاً فعل مضمر جو "یَقَعُ" ہے کی وجہ سے منصوب ہو یا پھر اس بناء پر مرفوع ہو کہ اصل میں "هُوَ یَوْمُ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ" ہو]۔

۱٤-﴿ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَكُمۡ﴾ تم اپنا عذاب چکھو یعنی دوزخ کے خازن اور داروغے فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اپنے عذاب اور دوزخ کی آگ میں اپنے جلنے کا مزہ چکھو ﴿هٰذَا الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ﴾ یہ وہی ہے جس کی جلدی آمد کا تم شور مچاتے تھے یعنی یہ وہی عذاب ہے جس کے جلدی آنے کا تم دنیا میں مطالبہ کرتے تھے اور تم کہتے تھے: "فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَO" (الاعراف:۷۰) "سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیںO" ["هٰذَا" مبتدا ہے اور اس کی خبر "الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ" ہے]۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِينَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ
مُحْسِنِينَ ﴿۱٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۸﴾ وَفِيٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ
اَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۲۳﴾ ع ۱۸

بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گےO وہ اسے لینے والے ہوں گے جو ان کا پروردگار انہیں عطا کرے گا' بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکی کرنے والے تھےO وہ رات کے بہت قلیل حصہ میں سویا کرتے تھےO اور وہ رات کے پچھلے پہر مغفرت وبخشش طلب کرتے تھےO اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ثابت تھاO اور زمین میں یقین رکھنے والوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیںO اور خود تمہارے نفسوں میں بھی' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہوO اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہےO پس آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! بے شک یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تم بولتے ہوO

## پرہیزگاروں کے انعامات واوصاف کا بیان

۱۵- کفار نابکار کے حال کا ذکر کرنے کے بعد پھر اب مؤمنوں کے حال کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گے یعنی وہاں چشمے ہوں گے اور یہ

وہ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی جنہیں جنتی حضرات دیکھتے ہوں گے اور ان کی نظریں اور نگاہیں ان پر پڑیں گی لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ جنتی خود ان چشموں کے اندر ہوں گے۔

١٦ - ﴿ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ وہ اسے لینے والے ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا کرے گا (یعنی) وہ ہر اس اجر و ثواب کو قبول کر لیں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے جو انہیں ان کا رب تعالیٰ عطا فرمائے گا [''اٰخِذِیْنَ'' ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور وہ ظرف جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (یعنی) جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں بہت نیکیاں کرنے والے لوگ تھے' بلاشبہ انہوں نے دنیا میں اپنے اعمال و کردار کو سنوارا اور نیک اعمال کو اپنایا اور ان کی نیکیوں کی تفسیر اور وضاحت اس کے بعد (درج ذیل آیات میں) آ رہی ہے۔

١٧ - ﴿ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴾ وہ لوگ رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے [''یَهْجَعُوْنَ'' بہ معنی ''یَنَامُوْنَ'' ہے اور تاکید کے لیے حرف ''مَا'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور ''یَهْجَعُوْنَ''، ''كَانُوْا'' کی خبر ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ رات کے بہت تھوڑے سے حصے میں سوتے ہیں باقی تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں [یا پھر ''مَا'' مصدریہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ ''كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ هُجُوْعُهُمْ'' یعنی ان کا سونا اور آرام کرنا رات کے تھوڑے سے حصے میں ہوا کرتا تھا۔ سو اس صورت میں ''هجوعهم'' مرفوع ہوگا کیونکہ یہ ''كَانُوْا'' کی واؤ سے بدل ہوگا' ''قَلِیْلًا'' سے نہیں کیونکہ جب یہ ''مِنَ اللَّیْلِ'' کا موصوف ہوا تو یہ شبہ فعل سے اور اس کے عمل سے مشابہت کے اعتبار سے خارج ہو گیا یعنی رات کے بہت تھوڑے سے حصہ میں ان کا سونا اور آرام کرنا ہوتا تھا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ حرف ''مَا'' نافیہ ہو محض اس بناء پر کہ بے شک وہ لوگ رات کے تھوڑے سے حصے میں بھی نہیں سوتے تھے بلکہ وہ پوری رات شب بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتے تھے کیونکہ ''مَا'' نافیہ کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا' چنانچہ ''زَیْدًا مَا ضَرَبْتُ'' نہیں کہہ سکتے]۔

١٨ - ﴿ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ سحری کے اوقات میں یعنی رات کے آخری پہر میں مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ وہ رات کے وقت شب بیداری کر کے نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور وہ رات کو عبادتِ الٰہی میں بیدار رہ کر گزار دیتے ہیں' بہت کم حصہ میں سوتے ہیں' اب پھر اس آیت مبارکہ میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر اٹھتے ہیں تو عبادت کے بعد اب اس وقت استغفار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی رات جرائم کی معافی میں گزار دیتے ہیں اور سحر رات کے آخری چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔

١٩ - ﴿ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ ﴾ اور ان کے مالوں میں سائل کا حق ہے (یعنی) ان کے مالوں میں ہر اس شخص کا حق ہے جو اپنی حاجت و ضرورت پوری کرنے کے لیے ان سے دست سوال دراز کرتا ہے ﴿ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ اور محروم و نادار کا حق ہے یعنی محروم وہ شخص ہے جو ضرورت کے باوجود اغنیاء سے الگ رہتا ہے اور شرم و حیاء اور عزتِ نفس کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتا۔

٢٠ - ﴿ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ ﴾ اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں' جو صانع (بنانے والے) کے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت پر اور اس کی حکمت پر اور اس کی تدبیر پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس زمین کو فرش کی طرح اپنے اوپر چلنے والوں کے لیے بچھایا گیا ہے اور اس میں مختلف راستے ہیں جن میں مختلف ممالک میں پہنچنے کے لیے آنے جانے

والے سیاحوں اور مسافروں کے لیے آسانی ہے اور اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے' جن میں بعض ہموار میدانی علاقہ جات ہیں اور بعض پہاڑی علاقے ہیں اور بعض علاقے نرم اور عمدہ آب و ہوا کے علاقے ہیں جب کہ بعض علاقے اس کے برعکس نمکین اور شور والی زمین دلدلی کے ویران جنگلات ہوتے ہیں اور اس زمین میں چشمے' نہریں اور دریا ہوتے ہیں اور عجیب وغریب مختلف کانیں ہوتی ہیں اور مختلف شکل وصورت' رنگ ونسل کے جانور اور چوپائے ہوتے ہیں اور اس میں مختلف انگوریاں' پودے اور درخت پیدا ہوتے ہیں اور شکل وصورت اور رنگ ومزہ میں مختلف اقسام کے بے شمار پھل' فروٹ پیدا ہوتے ہیں ﴿لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ یقین رکھنے والوں کے لیے (یعنی) توحید کے ماننے والوں کے لیے جو ایسے برہانی اور مدلل سیدھے راستے پر رواں دواں ہیں جو انہیں معرفتِ الٰہی تک پہنچاتا ہے' سو وہ لوگ اپنی آنکھوں کی بصارت سے اور اپنی عقول کی فہم وفراست سے ان نشانیوں کو غور وفکر سے دیکھتے ہیں' چنانچہ وہ جب بھی کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی وجہ اور غرض و غایت کو پہچان لیتے ہیں اور جب وہ اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو ان کے پہلے یقین پر اور یقین بڑھ جاتا ہے اور ان کا ایمان مضبوط ومستحکم ہو جاتا ہے۔

۲۱- ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور خود تمہارے نفوس وذوات میں قدرتِ الٰہی کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں' چنانچہ ان کی ابتدائی حالت بچپن سے دوسرے احوال لڑکپن' جوانی اور بڑھاپے کی طرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں اور ان کے باطن وظاہر میں فطرت کے عجائبات اور تخلیق کے ایسے انوکھے اور نرالے کمالات ودیعت کیے گئے ہیں' جن میں عقول واذہان حیران ہیں اور تمہیں یہی کافی ہے کہ ہر انسان کو دل عطا کیا گیا ہے اور اس میں عقل اور زبان اور بولنے کے لیے قوتِ گویائی اور حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنے کی صلاحیت اور ان کو مرکب کرنے اور انہیں ترتیب دینے کی قوت' یہ سب ایسی روشن نشانیاں اور واضح دلیلیں ہیں جو اپنے صانع وخالق اور اپنے مدبر کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں کان' آنکھیں اور دیگر تمام اعضاء کا مناسب وموزوں اور مساوی پیدا کیا جانا اور ان کو آسانی سے موڑنے اور دوہرا کرنے کے لیے جوڑوں کی تخلیق یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی عضو خشک ہو جائے تو انسان اس سے عاجز ہو جاتا ہے اور اگر کوئی عضو فالج وغیرہ سے بے کار ہو کر ڈھیلا ہو جائے تو انسان ذلت محسوس کرتا ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے [اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت ''اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ'' تھی' یہ ضعیف وکمزور قول ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو استفہام کے حیز میں ہے وہ حرفِ استفہام سے مقدم کیا جائے] ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ تو کیا تم عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

۲۲- ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے (یعنی) بارش کیونکہ یہ بارش روزیوں کا سبب اور ذریعہ ہے' اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب آپ بادلوں کو دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ اللہ کی قسم! ان بادلوں میں تمہارا رزق ہے لیکن تم اپنے گناہوں کے سبب اس سے محروم ہو جاتے ہو ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ عرش کے نیچے اور ساتویں آسمان کی پشت کے اوپر واقع ہے یا یہ مراد ہے کہ بے شک تمہیں دنیا میں جو رزق عطا کیا جاتا ہے وہ اور آخرت میں ملنے والی جس نعمت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' وہ سب مقدر کر کے آسمان میں لکھ دیا گیا ہے۔

۲۳- ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ سو قسم ہے زمین وآسمان کے مالک کی! بے شک یہ ضرور حق ہے [ضمیر ''رزق'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی بے شک یہ رزق ضرور حق ہے یا ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی جس جنت کا تم

سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور حق ہے] ﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''مِثْلُ'' مرفوع ہے کہ یہ حق کی صفت ہے یعنی یہ تمہارے بولنے کی طرح حق ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''مِثْلَ'' منصوب ہے ''اَیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ حَقًّا مِّثْلَ نُطْقِكُمْ'' یعنی یہ اس طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ غیر متمکن اسم کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر مفتوح ہو اور حرف ''مَا'' زائدہ ہو]۔

امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں جامع مسجد بصرہ سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں بیٹھا ایک اعرابی ملا اور اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: میں بنی اصمع سے ہوں' اس نے کہا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں اس گھر سے آ رہا ہوں جس میں خدائے رحمٰن کے کلام مبارک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تم مجھے قرآن مجید کی کچھ تلاوت سناؤ' چنانچہ میں نے والذاریات کی تلاوت کی اور جب میں ''وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ'' تک پہنچا تو اس نے کہا: ٹھہریئے! پھر وہ اٹھا اور ایک اونٹنی ذبح کی اور اس کا گوشت تمام آنے جانے والے لوگوں پر تقسیم کیا اور اس نے اپنی تلوار اور اپنا تیر کمان اٹھایا اور انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ جلدی چل پڑا' پھر جب میں ہارون الرشید کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ میں حاضر ہوا' اور میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک دھیمی آواز میرے کانوں میں پہنچی' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا جس کا جسم نہایت کمزور اور رنگ زرد ہو گیا تھا' اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ مجھے وہی سورت سنایئے تو جب میں اسی آیت پر پہنچا تو وہ اسے سن کر چیخا اور کہا: بے شک ہمارے پروردگار نے جو ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے' پھر فرمایا: کچھ اور سنایئے' تو میں نے ''فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ'' پڑھی' سو وہ یہ آیت مبارکہ سنتے ہی چیخا اور کہا: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے' وہ کون ہے جس نے رب جلیل کو غضب ناک کیا یہاں تک کہ اس نے قسم فرمائی' پھر بھی انہوں نے اس کے قول کی تصدیق نہیں کی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ قسم فرمائی' اس نے یہ تین دفعہ کہا اور اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿٢٨﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿٣٠﴾

وقف لازم

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ گئی ہے O جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا' ابراہیم نے (بھی جواب میں) سلام فرمایا' کہ تم اجنبی لوگ ہو O پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا پکوا کر لے آئے O سو ان کے قریب کر کے فرمایا: کیا تم نہیں کھاتے O پھر اس نے ان سے خوف محسوس کیا' تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کر' اور انہوں نے اسے ایک بڑے علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی O پھر ان کی بیوی چلاتی ہوئی

آگے آئی اور چہرے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی: (میں تو) بوڑھی بانجھ ہوں O انہوں نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے' بے شک وہ بہت بڑا حکمت والا سب کچھ خوب جاننے والا ہے O

## حضرت ابراہیم کو بیٹے کی ولادت سے پہلے بشارت

٢٤- ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر پہنچ گئی۔ اس استفہام سے ایک تو اس واقعہ کی عظمت وشان کا اظہار مقصود ہے اور دوسرا اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ازخود (یعنی ذاتی طور پر) نہیں ہوا بلکہ آپ نے اسے وحی کے ذریعے معلوم کیا اور اس کا اپنے ماقبل سے اس اعتبار سے ربط اور تعلق ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَفِی الْاَرْضِ اٰيٰتٌ'' اور زمین میں بے شک نشانیاں ہیں۔ اور اس قصے کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً'' اور ہم نے اس میں ایک نشانی کو باقی رکھا۔ ''ضَيْفٌ'' واحد کے لیے اور پوری جماعت کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ''صَوْمٌ'' اور ''زُوْرٌ'' واحد اور جمع دونوں کے لیے بولے جاتے ہیں کیونکہ ''ضَيْفٌ'' اصل میں ''ضَافَهُ'' کا مصدر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان فرشتے کل بارہ (١٢) افراد تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ نو افراد تھے' ان کے دسویں فرد حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کو مہمان اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ وہ مہمانوں کی صورت میں آئے تھے' اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا ذبح کر کے پکوا کر ان کی مہمان نوازی کی تھی یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم کے خیال میں وہ اسی طرح تھے ﴿الْمُكْرَمِيْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ومحترم تھے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ O'' (الانبیاء:٢٦) ''بلکہ فرشتے تو معزز بندے ہیں O'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بہ نفس نفیس خدمت کی تھی اور ان کی بیوی نے بھی ان کی خدمت کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے بہت جلدی کھانا پیش کر دیا تھا۔

٢٥- ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ جب وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے [''اِذْ''، ''المکرمین'' کے ساتھ منصوب ہے جب کہ یہ تفسیر کی جائے کہ آپ نے فرشتوں کی مہمان نوازی کی تھی ورنہ ''اُذْكُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے ''اِذْ'' منصوب ہوگا] ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ سو انہوں نے سلام کہا [''سَلٰمًا'' مصدر ہے اور یہ فعل کے قائم مقام ہے' اس کے ہوتے ہوئے فعل کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کی اصل ''نُسَلِّمُ عَلَيْكُمْ سَلٰمًا'' یعنی ہم تمہیں خوب سلام بھیجتے ہیں] ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں سلام فرمایا ''اَیْ عَلَيْكُمْ سَلٰمٌ'' یعنی تم پر بھی سلام ہو [''سلام'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور رفع کی طرف عدول ''سلام'' کے اثبات پر دلالت کے لیے ہے گویا حضرت ابراہیم نے ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے سلام کے جواب میں ان کے سلام سے بہتر سلام کے ساتھ جواب دیں محض اللہ تعالیٰ کے ادب کی موافقت کرنے کے لیے اور یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرشتوں کے لیے بڑا اعزاز ہے' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سِلْمٌ'' ہے اور ''سِلْمٌ'' اور ''سَلٰمٌ'' ہم معنی ہیں] ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ ''اَیْ اَنْتُمْ مُّنْكَرُوْنَ فَعَرِّفُوْنِیْ مَنْ اَنْتُمْ'' یعنی تم اجنبی لوگ ہو' سو تم مجھے تعارف کراؤ کہ تم کون ہو؟

٢٦- ﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے (یعنی) آپ اپنے مہمانوں کے پاس سے اٹھ کر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے کیونکہ میزبان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہ اپنی مہمان نوازی کی تیاری کو مخفی رکھے اور مہمانوں کو کھانا پکانے کا علم نہ ہو سکے' اس اندیشے سے کہ کہیں مہمان

تکلف کر کے کھانا پکانے سے منع نہ کر دیں اور اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس عام مال گائیں بیل ہوا کرتے تھے ﴿فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾ سو اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ان مہمانوں کے لیے بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے کر آ گئے۔

۲۸'۲۷۔ ﴿فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ﴾ پس آپ نے اسے ان کے سامنے قریب رکھ دیا تا کہ وہ اس میں سے پیٹ بھر کر کھائیں مگر انہوں نے کچھ نہ کھایا ﴿قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم کھانا نہیں کھاتے؟ گویا آپ نے ان کے کھانا نہ کھانے کو ناپسند کیا' یا پھر آپ نے انہیں کھانا کھلانے کی ترغیب کے لیے یہ فرمایا' ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ﴾ پھر آپ نے اپنے دل میں ان سے خوف و ڈر محسوس کیا کیونکہ جو تمہارا کھانا نہیں کھائے گا وہ تمہاری عزت نہیں کرے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال آ گیا تھا کہ بے شک یہ فرشتے ہیں جو عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں ﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ﴾ انہوں نے کہا: آپ مت گھبرایئے' بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بھنے ہوئے بچھڑے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنی ماں کے ساتھ مل گیا ﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ اور ان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی یعنی وہ لڑکا بالغ و جوان ہو گا اور عالم و فاضل ہو گا' پھر جس لڑکے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

۲۹۔ ﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چیختی چلاتی آگے بڑھ گئی۔ ''صــرة'' کا معنی زوردار اور بلند آواز نکالنا' یہ ''صر القلم و الباب'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چلتے وقت قلم سے آواز آنے لگے اور دروازے کے کھولتے اور بند کرتے وقت اس سے آواز نکلے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ''صــرة'' سے یہاں زوردار آواز نکالنا مراد ہے [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے ''اَیْ فَجَاءَ تْ صَارَّةً'' یعنی وہ چیختی اور چلاتی ہوئی آئی اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس نے خوش خبری سن کر بلند آواز سے ''يَا وَيْلَتَا'' کہنا شروع کر دیا' جس کا مطلب ہے: اے ہائے افسوس! اس بڑھاپے میں بچہ ہو گا' اور ''صرة'' سے یہی ''يَا وَيْلَتَا'' کہنا مراد ہے] ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾ پھر اس نے اپنے چہرے پر اپنا ہاتھ مارا (یعنی) اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے چہرہ پر ماری اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی بیوی نے صرف اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے اطراف اور پوری پیشانی پر تعجب کرنے والے آدمی کی طرح مارے تھے اور یہ اظہار تعجب تھا ﴿وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ اور اس نے کہا: بوڑھی بانجھ ہوں یعنی میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہو چکی ہوں تو بھلا میں بچہ کیسے جنوں گی' جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ءَ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا'' (ھود:۷۲) ''کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے''۔

۳۰۔ ﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ﴾ فرشتوں نے کہا: اسی طرح ہو گا جس طرح ہم نے کہا ہے اور جس طرح ہم نے اس کی خبر دی ہے ﴿قَالَ رَبُّكِ ؕ﴾ یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے یعنی بے شک ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خبر سنا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں پر پوری طرح قادر ہے جن کو تم عقل سے بعید سمجھتے ہو ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک وہ اپنے ہر فعل میں بڑا حکمت والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ سب کچھ خوب جاننے والا ہے' سو اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے اس بڑھاپے کی عمر میں بچہ کی ولادت کو بعید از قیاس خیال کیا تو

حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم اپنے گھر کی چھت کی طرف غور سے دیکھو' جب اس نے چھت کی طرف دیکھا تو چھت کا تنا (شہتیر) اچانک ہرا بھرا پتوں والا پھل دار ہو گیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى
قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ
لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ
بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

ابراہیم نے فرمایا: اے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہےO انہوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیںO تا کہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسائیںO جو آپ کے پروردگار کے پاس سے حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیںO سو ہم نے اس بستی میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو نکال لیا ہےO پس ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایاO اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیںO

## حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کی ہلاکت اور مسلمانوں کی نجات کا بیان

۳۱- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور فرشتے آسمان سے زمین پر جب بھی نازل ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض کاموں کے لیے بھیجے جاتے ہیں ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی تمہاری اہم ترین کیا مہم ہے اور تمہارا کیا مطلب ہے اور تمہیں کس اہم کام کے سلسلے میں بھیجا گیا ہے ﴿اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہیں خاص خوش خبری دینے اور بشارت سنانے کے لیے بھیجا گیا ہے یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے یا پھر دونوں مقاصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔

۳۲- ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف۔

۳۳- ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ تا کہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسا دیں۔ کنکر مراد ہیں اور یہ آگ پر پکائے ہوئے کنکر ہوتے ہیں جیسا کہ اینٹوں کو آگ پر پکایا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ کنکر پتھروں کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔

۳۴- ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ نشان زدہ اور علامت کردہ۔ یہ "سَوَّمَة" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی علامت اور نشانی ہے' ہر کنکر پر سرخ یا سفید نشان ہوتا تھا اور جس شخص کو جس کنکر سے ہلاک کرنا ہوتا' اس پر اس شخص کا نام لکھا ہوتا تھا ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کے پاس (یعنی) اس کی بادشاہی اور اس کی سلطنت میں ﴿لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے۔ ان کو "مسرفین" کا نام اس طرح دیا گیا ہے جس طرح ان کو "عادین" (تجاوز کرنے والے) کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کام میں حد سے بڑھنے والے اور سرکشی کرنے والے تھے' اس لیے کہ انہوں نے صرف اسی کام پر اکتفاء نہیں کیا جو ان کے لیے مباح اور جائز قرار دیا گیا تھا۔

۳۵- ﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا ﴾ سو ہم نے ان کو نکال لیا جو اس بستی میں تھے اور ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ سب کو معلوم تھے ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ایمان داروں میں سے یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور جو افراد ان پر ایمان لے آئے تھے۔

۳۶- ﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایا یعنی گھر والوں کے سوا' اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے کیونکہ فرشتوں نے اہل ایمان کو یہاں پر ''مؤمنین'' اور ''مسلمین'' فرمایا ہے۔

۳۷- ﴿ وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں (یعنی) ان ہلاک شدہ لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں میں ایک علامت اور نشانی کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ اس سے ڈرنے والے نرم دل لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں' نہ کہ وہ لوگ جن کے دل سخت بدبخت ہو گئے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کی ہلاکت کی ایک علامت اور نشانی وہاں کا سیاہ اور بدبودار پانی ہے' جو تباہی کے وقت وہاں کی زمین میں سے باہر اُبل پڑا تھا۔

| |
|---|
| وَفِيْ مُوْسٰى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ |
| قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ |
| عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ |
| كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ |

اور موسیٰ (کے واقعہ) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے اسے روشن سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا O سو وہ اپنے طاقتور لشکر سمیت پھر گیا اور اس نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت والا ہو گیا O اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر ہلاکت خیز سخت آندھی بھیجی O وہ کسی چیز پر نہ گزرتی مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر کے چھوڑتی O

## فرعون' عاد' ثمود اور قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

۳۸- ﴿ وَفِيْ مُوْسٰى ﴾ یہ ''وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ'' پر یا پھر ''وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً'' پر معطوف ہے اور اس کا معنی یہ ہے: ''وَجَعَلْنَا فِيْ مُوْسٰى اٰيَةً'' اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ایک نشانی مقرر کر دی ہے' جیسے شاعر کا قول ہے: ''عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَآءً بَارِدًا'' میں نے اس کو چارہ میں گھاس پھونس دی اور ٹھنڈا پانی پلایا ﴿ اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ جب ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک واضح اور روشن سند کے ساتھ بھیجا تھا (یعنی) بالکل ظاہر حجت کے ساتھ بھیجا اور وہ حجت و سند ہاتھ اور عصا کا معجزہ تھا۔

۳۹- ﴿ فَتَوَلّٰى ﴾ سو اس نے ایمان قبول کرنے سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿ بِرُكْنِهٖ ﴾ اپنی اس قوت کے بل بوتے پر جس کے ذریعے وہ طاقتور بن چکا تھا اور وہ قوت اس کا لشکر و فوج اور اس کی حکومت تھی اور ''رکن'' سے مراد وہ مال و دولت اور لشکر و فوج ہے جس کی طرف انسان جھک جاتا ہے ﴿ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ اور فرعون نے کہا: یہ جادوگر ہے یا

دیوانہ ہے۔

۴۰۔ ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والا تھا یعنی فرعون ایسا کام کرنے والا تھا جس پر اسے ملامت کی جائے گی اور وہ اس کا کفر وعناد تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اس کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌO'' (الصافات: ۱۴۲) ''سو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھاO'' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ملامت کے موجبات مختلف ہیں اور موجبات کے اختلاف کے اعتبار پر ملامت کی مقداریں مختلف ہوں گی' چنانچہ کفر وشرک کے مرتکب کو اس کی مقدار پر ملامت کی جائے گی اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ اور کسی اور لغزش کے مرتکب کو اس کی اپنی اپنی مقدار کے مطابق ملامت کی جائے گی [''وَهُوَ مُلِيْمٌ'' جملہ واؤ کے ساتھ ''فَاَخَذْنٰهُ'' کی ضمیر سے حال ہے]۔

۴۱۔ ﴿وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر خیر وبرکت سے خالی ہلاکت خیز آندھی بھیجی تھی۔ ''الريح العقيم'' اس سخت آندھی کو کہا جاتا ہے جس میں بارش پیدا کرنے اور درختوں پر پھل تیار کرنے کے لیے کسی قسم کی کوئی خیر وبھلائی نہیں ہوتی اور یہ تباہ وبرباد اور ہلاک کرنے والی سخت آندھی ہوتی ہے اور اس آندھی میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس سمت سے چلتی ہے لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دُبور (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی پچھوائی ہوا) ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ''[1] بادِ صبا کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اور عاد کو دُبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔

۴۲۔ ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر وہ گزرتی ہے مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر دیتی ہے۔ ''رمیم'' ہر گلی سڑی اور چورہ چورہ ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے یعنی بہت پرانی اور بوسیدہ چیز جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے خواہ ہڈی ہو یا کوئی کھیت اور پودے وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ یہ آندھی کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر بھی گزر جاتی ہے' اسے تباہ کر دیتی ہے' وہ انسان ہوں اور ان کے جانور ہوں اور ان کے اموال ہوں' وہ سب کو ہلاک کر دیتی ہے۔

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲ ۲۳ ۱

اور ثمود (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ حاصل کر لوO سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں ایک گرج دار مہلک عذاب نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے رہ گئےO پھر وہ نہ تو کھڑے ہو سکے اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھےO اور قوم نوح (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جو پہلے تھی' بے شک وہ نافرمان قوم تھیO

۴۳۔ ﴿وَفِيْ ثَمُوْدَ﴾ اور ثمود میں (یعنی) اس کی ہلاکت میں بھی ایک نشانی ہے ﴿اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ﴾

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۲۲۴،۳' مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰

جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھالو جس کی تفسیر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: "تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ" (ھود:٦٥) "تم اپنے گھروں میں تین دنوں تک فائدہ اٹھالو"۔

٤٤- ﴿فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے اس پر عمل کرنے سے تکبر کیا ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ تو انہیں کڑک دار عذاب نے پکڑ لیا اور ہر ہلاک کرنے والے عذاب کو "صَاعِقَةٌ" کہا جاتا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر "الصَّعْقَةُ" ہے اور یہ "صَعَقَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ" کا مصدر ہے جو نوع کے معنی میں ہے یعنی ایک مخصوص قسم کا سخت عذاب] ﴿وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ اور وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ عذاب دن کو آیا تھا' جس کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

٤٥- ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ﴾ پس وہ کھڑے نہ ہو سکے یعنی وہ لوگ عذاب کو دیکھ کر کہیں بھاگ کر نہ جا سکے یا وہ لوگ اس کا دفاع نہ کر سکے' یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "مَا يَقُوْمُ بِهٖ" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کے دفاع سے عاجز آ جائے ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور وہ عذاب سے بچنے والے نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ عذاب سے بچنے کے لیے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ "انتصار" کا معنی مقابلہ بھی آتا ہے۔

٤٦- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ "اَیْ وَاَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوْحٍ" یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کو ہلاک کر دیا تھا' اس لیے کہ اس معنی پر سابق کلام دلالت کر رہا ہے یا پھر اصل میں "وَاذْكُرْ قَوْمَ نُوْحٍ" اور (اے میرے محبوب!) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یاد کیجئے [ابو عمرو بصری' علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں مجرور پڑھا جاتا ہے: "اَیْ (وَ) فِیْ (قَوْمِ نُوْحٍ) اٰیَةٌ" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک نشانی ہے' اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "وفی قوم نوح" اس کی تائید کرتی ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ مذکورہ بالا ان قوموں کی ہلاکت سے پہلے اس قوم کو ہلاک کیا گیا تھا (کیونکہ) ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک وہ ایک نافرمان قوم تھی (یعنی) وہ کافر تھے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾
وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّیْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿٥١﴾

اور ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم نے اسے ضرور بڑا وسیع و عریض بنایا O اور ہم نے زمین کو فرش بنایا' سو ہم بہت اچھا فرش بچھانے والے ہیں O اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو' بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے واضح ڈر سنانے والا ہوں O

## قدرتِ الٰہی' توحید کی دعوت اور رسولوں پر کفار کی الزام تراشی

۴۷- ﴿وَالسَّمَآءَ﴾ اور ہم نے آسمان کو بنایا ہے [''السمآء'' ایک ایسے فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ''بَنَيْنٰا'' کر رہا ہے] ﴿بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ﴾ ہم نے اس (آسمان) کو اپنے ہاتھوں سے یعنی اپنی قوت و طاقت اور اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ یہاں ''اَیْدٌ'' سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ قوت اور قدرت مراد ہے[1] ﴿وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے اس کو بڑا کشادہ بنایا ہے' بے شک ہم بڑی قدرت والے ہیں۔ یہ ''وَسْعٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: قوت اور ''الموسع'' کا معنی ''القوی علی الانفاق'' یعنی خرچ کرنے پر قدرت و اختیار رکھنے والا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے درمیان وسعت دینے والا ہے۔

۴۸- ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (یعنی) ہم نے زمین کو ہر چہار اطراف (مشرق و مغرب اور جنوب و شمال) میں پھیلا دیا اور اس کو بچھا دیا ہے [اور یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ''وَفَرَشْنَا الْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا''] ﴿فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ سو ہم سب سے بہتر بچھانے والے ہیں۔

۴۹- ﴿وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہر چیز میں سے (یعنی) ہر جاندار میں سے ہر ایک کے ﴿خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں مذکر و مؤنث۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان' زمین اور رات' دن اور سورج' چاند اور صحرا' دریا اور موت' حیات' پھر انہوں نے متعدد چیزیں گنیں اور فرمایا: ہر دو چیزیں ایک دوسرے کا جوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ فرد ہے' واحد ہے اور احد ہے' اس کی کوئی مثل نہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو' یعنی یہ آسمان کی بناء اور زمین کا فرش اور تمام جوڑوں کی تخلیق سب کچھ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور تم اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

۵۰- ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو یعنی کفر و شرک سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی طرف دوڑو' یا شیطان کی اطاعت و فرماں برداری سے دُور ہو کر اللہ رحمٰن عزوجل کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف بھاگو' یا اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اسی اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو ﴿اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسنانے والا ہوں۔

۵۱- ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسنانے والا ہوں۔ ''نذیر مبین'' کا تکرار ایک تو پیغام کی تاکید کے لیے ہے' دوسرا کلام کی طوالت وعید (دھمکانے اور ڈرانے) میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

---

[1] اس آیت میں ''اید'' کا لفظ ہے' اس کا معنی قوت اور قدرت ہے یعنی ہم نے آسمان کو اپنی قوت اور قدرت سے بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''اید''، ''ید'' کی جمع ہو اور اس کا معنی ہو: ہم نے آسمان کو (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کے ثبوت میں دو مذہب ہیں' ایک مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں اور وہ مخلوق کے ہاتھوں کی مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کیا کیفیت ہے' یہ ائمہ اربعہ اور متقدمین کا مذہب ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ ان الفاظ کی وجہ سے مخالفینِ اسلام' دینِ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جسمانی اعضاء ہیں اور جسمانی اعضاء کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو انہوں نے ان الفاظ کی تاویل کی اور کہا: ہاتھوں سے مراد اس کی قدرت' اس کی قوت اور اس کا اقتدار ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۳۸۵)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح ان (قریشِ مکہ) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہہ دیا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہےO کیا انہوں نے ایک دوسرے کواس کی وصیت کی تھی' بلکہ وہ سرکش لوگ تھےO سو آپ ان سے منہ پھیر لیں' پس آپ پر کوئی ملامت نہیںO اور آپ نصیحت کرتے رہیے' پس نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہےO

۵۲- ﴿كَذٰلِكَ﴾ معاملہ اسی طرح ہے اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہا' اسی طرح مشرکینِ عرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس اجمال کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم (قریش) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا ﴿اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ مگر انہوں نے کہا: یہ رسول جادوگر ہے یا دیوانہ ہے' اور انہوں نے محض اپنی جہالت کی وجہ سے جادوگر ہونے اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا تھا۔

۵۳- ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ کیا انہوں نے اس کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی۔ "بہ" کی ضمیر قول کی طرف لوٹتی ہے یعنی کیا پہلے لوگوں اور پچھلے لوگوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی یہاں تک کہ سب لوگوں نے متفق ہو کر یہی بات کہی ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ بلکہ وہ سرکش قوم ہے یعنی انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو ہرگز وصیت نہیں کی کیونکہ وہ ایک زمانہ میں ایک دوسرے سے نہیں ملے بلکہ ان سب کا سبب ایک ہے اور وہ سرکشی ہے اور یہی سرکشی انہیں اس بات پر ابھارتی تھی۔

۵۴- ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ سوائے محبوب! آپ ان لوگوں سے منہ پھیر لیں جن کو آپ نے بار بار دعوتِ حق دی لیکن انہوں نے بغض و عناد کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا ﴿فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ سو آپ کو ملامت نہیں کیا جائے گا (یعنی) جب آپ نے رسالت کی تبلیغ کر دی اور حق کی دعوت دینے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دی تو اب اس کے بعد ان سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے پر آپ پر ملامت عائد نہیں ہوتی۔

۵۵- ﴿وَّذَكِّرْ﴾ اور آپ قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس بے شک نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہے کیونکہ ان کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں O میں ان سے نہ رزق چاہتا ہوں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں O بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت رزق دینے والا بڑی مضبوط قوت والا ہے O سو بے شک ظالموں کے لیے عذاب کا حصہ ہے' جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے' سو وہ مجھ سے جلدی نہ مانگیں O سو کافروں کے لیے ان کے اسی دن سے عذاب ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے O

## جن وانس کی تخلیق کا مقصد اور کفار کی سزا کا بیان

۵۶- ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اگر عبادت کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ آیت عام نہیں ہوگی کہ تمام جن وانس مراد ہوں بلکہ مخصوص ہوگی اور اس صورت میں جنوں اور انسانوں دونوں فریقوں میں سے صرف اہل ایمان مراد ہوں گے' اس کی دلیل کلام کا سیاق وسباق ہے یعنی ''وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ O'' اور اے محبوب! آپ نصیحت کرتے رہیے' سو بے شک نصیحت کرنا مؤمنوں کو نفع دیتا ہے O'' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت بھی اس کی تائید کرتی ہے' چنانچہ آپ کی قراءت میں اس طرح ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ'' اور میں نے مؤمنین میں سے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور یہ قراءت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو بھی عبادت کے لیے پیدا کرے جن کے متعلق اسے خوب معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لیے پیدا کیا اور ان سے عبادت کا ارادہ فرمالیا تو اب ان کی طرف سے عبادت کا پایا جانا ضروری اور لازمی ہے لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے تو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کے لیے نہیں بلکہ دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ'' (الاعراف:۱۷۹) '' اور بے شک ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے'' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی معنی منقول ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ صرف میرے بندے بن جائیں اور وجہ یہ ہے کہ اگر عبادت کو توحید پر محمول کیا جائے تو یقیناً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر وہ جگہ جہاں عبادت ذکر کیا گیا ہے' اس سے توحید مراد ہے اور آخرت میں تمام جن وانس اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے مؤحد بن جائیں گے' جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تمام کفار مسلمان مؤحد بن جائیں گے' جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ O'' (الانعام:۲۳) '' پھر ان کا کفر وانکار نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے O'' ہاں! البتہ جنوں اور انسانوں میں سے بعض نے یقیناً دنیا میں شرک کیا لیکن آخرت کی ابدی اور دائمی مدت کی بہ نسبت دنیا کی مدت ایک دن سے کم ہوگی اور جس شخص نے ایک غلام خریدا اور کہا کہ میں نے صرف کتابت کے لیے خریدا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں کسی ایک دن اسے کسی دوسرے کام میں استعمال کیا ہو۔

۵۷- ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں ان سے رزق نہیں چاہتا (یعنی) میں نے انہیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے لیے خود رزق پیدا کریں یا میرے بندوں میں سے کسی کے لیے رزق پیدا کریں (کیونکہ رزق میرے ذمے ہے) ﴿وَمَآ

اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴾ اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ثعلب نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میرے بندوں کو کھلائیں اور یہ تخصیص کی اضافت ہے‘ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی ہے: ’’مَنْ اَكْرَمَ مُؤْمِنًا فَقَدْ اَكْرَمَنِيْ وَمَنْ اٰذٰى مُؤْمِنًا فَقَدْ اٰذَانِيْ ‘‘جس نے کسی مسلمان کی تعظیم کی تو بے شک اس نے میری تعظیم کی اور جس نے کسی مسلمان کو اذیت و تکلیف دی تو اس نے یقیناً مجھے اذیت دی[1]

۵۸ - ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت رزق دینے والا مضبوط قوت والا ہے‘ ’’متین ‘‘ کا معنی ہے: زبردست طاقتور [ اور ’’المتین ‘‘ ’’ذو ‘‘ کی صفت واقع ہونے کی بناء پر مرفوع ہے جب کہ اعمش نے اسے ’’قوۃ ‘‘ کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا ہے‘ اس تاویل پر کہ ’’قوۃ ‘‘ بہ معنی اقتدار ہے ]۔

۵۹ - ﴿ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ سو بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا یعنی اہل مکہ میں سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کو جھٹلایا ﴿ ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ ﴾ عذاب کا حصہ ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے‘ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے مشرکین عرب کے لیے مقرر حصہ ہے‘ جس طرح گزشتہ ہلاک شدہ ان جیسی مشرک قوموں کے نلیے عذاب کا حصہ ہے۔علامہ زجاج نے کہا کہ لغت میں ’’ذنوب ‘‘ کا معنی نصیب اور حصہ ہے ﴿ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴾ سو تم مجھ سے نزولِ عذاب کو جلدی نہ مانگو‘ اور یہ نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے جواب ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیا تھا۔

٦٠ - ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴾ پس کافروں کے لیے ان کے اس دن سے عذاب ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کے دن سے اور بعض اہل علم نے کہا: غزوۂ بدر کے دن سے [ قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وقف اور حالت وصل دونوں میں ’’یا ‘‘ کے ساتھ ’لِيَعْبُدُوْنِيْ‘ اَنْ يُّطْعِمُوْنِيْ‘ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِيْ‘‘ پڑھا جاتا ہے اور سہل نے وصل کی حالت میں یعقوب کی موافقت کی اور باقی قراء نے ’’یا ‘‘ کے بغیر پڑھا ہے ]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الطور مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی انچاس آیات‘ دو رکوع ہیں

وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ
الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨
يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ وقف لازم

طور (کے پہاڑ) کی قسم !○ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم !○ کھلے ہوئے باریک کھال کے ورق میں ○ اور بیتِ معمور کی

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۵۸۰٦‘ انظرہ فی فیض القدیر رقم الحدیث: ۸۵۱۲‘ ومیزان الاعتدال للذہبی رقم الحدیث:

قسم! Oاور بلند چھت کی قسم! Oاور بھرے ہوئے سمندر کی قسم! Oبے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہوگاO اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہےO اس روز آسمان تھرتھرا کر گھوم رہا ہوگاO اور پہاڑ خوب تیزی سے چل رہے ہوں گےO سو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگیO جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیل رہے ہیںO اس دن انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر دھکیلا جائے گاO

## قیامت برپا ہونے کی قسموں اور منکرین کے لیے عذاب کا بیان

(نوٹ) سورۃ الطّور مکی ہے اور اس کی کل آیات انچاس (۴۹) ہیں۔

۱۔ ﴿وَالطُّوْرِ﴾ قسم ہے طور پہاڑ کی! یہ وہ پہاڑ ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست کلام کیا تھا اور یہ پہاڑ مدین کے علاقے میں ہے۔

۲۔ ﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم! یہ قرآن مجید ہے اور اس کو معرفہ کی بجائے نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ تمام دیگر کتب کے درمیان مخصوص وممتاز اور معروف ومشہور کتاب ہے (اسے معرفہ لانے کی ضرورت نہیں) یا اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے یا پھر تورات مراد ہے۔

۳۔ ﴿فِيْ رَقٍّ﴾ باریک کھال کے ورق میں۔ ''رق'' کا معنی صحیفہ ہے یا ایسی کھال (جسے رگڑ رگڑ کر کاغذ کی طرح باریک وملائم کر کے) اس میں لکھا جاتا ہو ﴿مَّنْشُوْرٍ﴾ پھیلا ہوا اور کھلا ہوا خط جس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو یا ظاہر وعیاں اور روشن کتاب۔

۴۔ ﴿وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ اور بیتِ معمور کی قسم! یعنی ''ضُرَّاح'' (بلند وبالا گھر) اور یہ کعبہ معظّمہ کے مقابل اوپر آسمان میں ایک گھر ہے (اور ''بیت معمور'' کا مطلب ہے: آباد گھر) اور اس کے آباد ہونے کا یہ معنی ہے کہ فرشتے اس کی بہت کثرت سے زیارت کرتے ہیں اور مروی ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں اور باہر نکل جاتے ہیں اور جو فرشتے ایک دفعہ داخل ہو کر زیارت کر لیتے ہیں پھر انہیں دوبارہ کبھی نہیں لوٹایا جائے گا[1] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''البیت المعمور'' سے کعبہ معظّمہ مراد ہے اور اسے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں اور زیارت کی خاطر آنے جانے والوں سے آباد رکھا جاتا ہے۔

۵۔ ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ اور بلند وبالا چھت کی قسم! یعنی آسمان کی یا عرش کی قسم!

۶۔ ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ اور پانی سے لبریز اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی قسم! یا بھڑکائے ہوئے موجزن سمندر کی قسم! [پہلی واؤ قسم کی ہے اور باقی تمام عطف کے لیے ہیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے:)]

[1] ''البیت المعمور'' کا لفظی معنی ہے: آباد شدہ گھر' اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ لوگ اس کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اور حج کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے سورۂ توبہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں اور اس کو آباد کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کو قندیلوں اور فرش سے مزین کیا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''البیت المعمور'' ساتویں آسمان میں ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہوتا ہے وہ دوبارہ قیامت تک داخل نہیں ہوتا۔
(المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٧- ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب یعنی جس عذاب سے کفار کو ڈرایا گیا ہے وہ ﴿لَوَاقِعٌ﴾ ضرور نازل ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات چیت کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوا' سو میں نے آپ کو فجر کی نماز میں پایا' آپ اس وقت سورۃ الطّور پڑھ رہے تھے' چنانچہ جب آپ ''إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ'' پر پہنچے تو میں نے فوراً دل سے اسلام قبول کرلیا' محض اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں مجھ پر عذابِ الٰہی نازل نہ ہوجائے۔

٨- ﴿مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ﴾ اس کو کوئی روکنے والا نہیں روک سکتا' نہ اسے کوئی منع کرنے والا منع کرسکتا ہے [اور یہ جملہ ''لَوَاقِعٌ'' کی صفت ہے] یعنی عذابِ الٰہی ضرور واقع ہوگا' اسے کسی صورت میں نہیں روکا جاسکتا۔

٩- ﴿يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا﴾ اس دن آسمان کانپتے ہوئے چکی کی طرح گھوم رہا ہوگا [''یوم'' کا عامل ''لَوَاقِعٌ'' ہے یعنی اس روز عذابِ الٰہی ضرور واقع ہوگا یا پھر ''اذکر'' محذوف عامل ہے یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس روز آسمان تھرتھرا کر گھومنے لگے گا]۔

١٠- ﴿وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ اور پہاڑ ہوا میں بادلوں کی طرح چلنے لگ جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہوجائیں گے۔

١١- ﴿فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ سو اس روز جھٹلانے والوں کے لیے عذابِ الٰہی اور ہلاکت وتباہی ہوگی۔

١٢- ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیلتے ہیں۔ ''خوض'' کا اکثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ ہر آسمان میں زمین کے کعبہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''البیت المعمور'' آسمان میں ہے اور اس کو ''الضراح'' (دور اور بلند) کہتے ہیں۔ یہ ''بیت الحرام'' کی مثل اور اس کی سیدھ میں ہے۔ اگر وہ اوپر سے گرے تو کعبہ کے اوپر گرے گا' اس میں ہر روز ایسے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اس کو نہیں دیکھا اور اس کی آسمان میں ایسی حرمت ہے جیسی مکہ مکرمہ کی حرمت ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٢١٨٥' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے: اسحاق بن بشر ابو حذیفہ' وہ متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ج ٧ ص ١١٤' دار الکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ھ) قاضی بیضاوی نے آل عمران کی تفسیر میں کہا ہے کہ ''البیت المعمور'' کعبہ کی جگہ پر تھا' اس کا نام ''الضراح'' تھا' فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا حج کریں اور اس کا طواف کریں اور جب طوفانِ نوح آیا تو اس کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہاں فرشتے اس کا طواف کرتے تھے اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ ''البیت المعمور'' ساتویں آسمان میں ہے' یہ اس کے منافی ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر آسمان میں مکہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جو کعبہ کی جگہ ''البیت المعمور'' تھا اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور وہ چوتھے آسمان میں ہے' اسی طرح امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے لیکن یہ عبارت قاضی بیضاوی کی اس تحریر کے خلاف ہے کہ ''البیت المعمور'' کو طوفانِ نوح کے وقت چوتھے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی اور روایت ہو' نیز ''البیت المعمور'' بھی متعدد ہیں۔

(عنایۃ القاضی ج ٨ ص ٦٠٦' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ١٨ ص ٢٣٨' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٢ھ) (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٤٣٥-٤٣٦)

استعمال باطل و ناحق اور ناجائز و جھوٹی باتوں میں مشغول رہنے کے لیے ہوتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ O'' (المدثر:۴۵) ''اور ہم بے ہودہ گوئی کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گوئی کرتے تھے O''۔

۱۳- ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ اور اس روز ان کو دھکے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ ''دَعٌّ'' کا معنی ہے: سخت نفرت کے ساتھ زور سے دھکا دینا اور یہ اس لیے کہ قیامت کے روز دوزخ کے دارو غے فرشتے کفار کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور ان کو چہروں اور گدیوں کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں دھکے دے کر دھکیل دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا:

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮
اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯

(اور انہیں کہا جائے گا:) یہ ہے دوزخ کی وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے O تو کیا یہ جادو ہے یا تم اسے نہیں دیکھ رہے O تم اس کے اندر داخل ہو جاؤ' سو تم اب صبر کرو یا نہ کرو' تمہارے لیے برابر ہے' بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں پر سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے O

---

۱۴- ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ یہ دوزخ کی آگ کا وہ عذاب ہے جس کو دنیا میں تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۵- ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ﴾ تو کیا یہ جادو ہے یعنی تم قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ جادو ہے تو تمہاری اس بکواس پر تمہیں جو عذاب دیا جارہا ہے کیا یہ بھی جادو ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ مصداق (دوزخ کا عذاب) بھی جادو ہے؟ [اور اسی معنی کی بناء پر ''فا'' کو داخل کیا گیا ہے اور ''هٰذَا'' مبتدا ہے اور ''اَسِحْرٌ'' اس کی خبر ہے] ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یا تم نہیں دیکھتے جیسا کہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے یعنی کیا تم مخبر عنہ (عذاب دوزخ) سے اندھے ہو جیسا کہ تم دنیا میں اس کی خبر سے اندھے بن گئے تھے اور یہ دراصل انہیں ڈانٹنا اور ان کا مذاق اُڑانا ہے۔

۱۶- ﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ﴾ تم اس میں داخل ہو جاؤ' سو اب تم صبر کرو یا تم صبر نہ کرو تم پر برابر ہے' تمہارا عذاب کسی صورت میں ختم نہیں ہوگا۔ ''سوآء'' کی خبر محذوف ہے یعنی ''سوآء عَلَيْكُمُ الْاَمْرَانِ'' تم پر دونوں عمل صبر کرنا یا چیخنا چلانا برابر ہیں اور بعض نے کہا کہ معاملہ برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر اور بے صبری کے برابر و یکساں ہونے کی علّت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کی سزا دی جارہی ہے جو تم کرتے رہے تھے کیونکہ مصیبت پر صبر کرنا فضیلت ہے کہ آخرت میں اس کا نفع ہوگا کہ صابر کو جزائے خیر عطا کی جائے گی لیکن عذاب الٰہی پر صبر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ تو خود سزا ہے' اس لیے اس مصیبت پر صبر کرنا فضیلت نہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ
وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

بے شک پرہیز گار بہشتوں اور نعمتوں میں ہوں گے O وہ ان نعمتوں پر خوش ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا فرمائے گا' اور انہیں ان کا پروردگار دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا O (انہیں کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک اعمال کا صلہ ہے جو تم کرتے تھے O قطار در قطار بچھائے گئے پلنگوں پر وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے' اور ہم بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے O اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے' ہر شخص اسی کے ساتھ گروی ہے جو کچھ اس نے کمایا O اور ہم پھلوں اور گوشت سے ان کی مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گے O

## پرہیزگار مسلمانوں کے لیے آخرت کے انعامات کا بیان

۱۷- ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ﴾ بے شک پرہیز گار حضرات بہشتوں میں آرام کریں گے اور وہ کس قدر عمدہ اور اعلیٰ ہوں گی اور وہ مختلف نعمتوں میں لذت و مزہ حاصل کریں گے اور وہ کس قدر لذیذ و مزہ دار ہوں گی یعنی وہ اپنی ہر صفت میں کامل ترین ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ وہ ایسی بہشتوں اور ایسی نعمتوں میں ہوں گے جو صرف پرہیز گاروں کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور خاص انہیں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

۱۸- ﴿فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ﴾ وہ خوش ہو کر ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جو انہیں ان کے پروردگار نے عطاء کی ہوں گی [''فاکھین'' ظرف کی ضمیر سے حال ہے اور ظرف خبر ہے] ﴿وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا [یہ ''فِیْ جَنّٰتٍ'' پر معطوف ہے یعنی بے شک پرہیز گار باغوں میں اور نعمتوں میں ٹھہریں گے اور انہیں ان کے رب تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب سے محفوظ کر دیا' یا پھر یہ ''مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ'' پر معطوف ہے اس بناء پر کہ ''مَا'' مصدریہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بخشش پر اور دوزخ سے محفوظ ہونے پر خوش ہوں گے یا پھر واؤ حال کے لیے ہے اور اس کے بعد ''قَدْ'' مضمر ہے]۔

۱۹- ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان (پرہیز گاروں) سے فرمایا جائے گا کہ تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو' یہ ان نیک کاموں کا صلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے ''ھنیئا'' کا معنی ہے: ایسا خوشگوار ہاضمہ دار طعام اور مشروب کہ اس کے بعد بدہضمی نہ ہو [''هَنِيْٓئًا'' ''اَكْلًا وَّشُرْبًا'' کی صفت ہے' اصل میں ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا اَكْلًا وَّشُرْبًا هَنِيْٓئًا اَوْ طَعَامًا وَّشَرَابًا هَنِيْٓئًا'' ہے]۔

۲۰- ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگوں پر تکیے لگا کر وہ بیٹھے ہوں گے۔ ''مصفوفة'' کا معنی ہے: ایک دوسرے کے قریب صف بستہ ہوں گے [''مُتَّكِـِٕيْنَ''، ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے اور ''سُرُرٌ''، ''سَرِيْرٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾ اور ہم نے بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ان کا بیاہ کر دیا (یعنی) ہم نے پرہیز گاروں کو حوروں کے ساتھ ملا دیا۔ ''حور''، ''حوراء'' کی جمع ہے'

''عین'' کا معنی ہے: بڑی بڑی حسین وجمیل آنکھیں۔

## مسلمان والدین کی مسلمان اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے گا

۲۱- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے یعنی ہم اولاد کو ایمان اور نیک اعمال کے سبب ان کے باپ دادوں کے درجات میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اگرچہ اولاد کے اعمال ماں باپ کے اعمال سے کم تر ہوں گے[1] اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ بے شک اولاد اگرچہ استدلال کے ذریعے اپنے ماں باپ کے ایمان کے درجہ

[1] اس آیت مبارکہ کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے چار روایات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے ساتھ جنت کے درجہ میں بلند فرمائے گا' خواہ مؤمن کی اولاد کا عمل اس سے کم ہو' تا کہ اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھ کر مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو مؤمن کے ساتھ اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا خواہ اس کی اولاد کا عمل اس کے برابر نہ ہو' تا کہ اولاد کی وجہ سے مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸ تا ۱۲۲۴۸)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور ''ذریۃ'' سے مراد تابعین ہیں اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر آباء کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ ''ابناء'' کو آباء کے درجہ میں رکھ دے گا اور اگر ''ابناء'' کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ آباء کو ''ابناء'' کے درجہ میں رکھ دے گا' پھر آباء ''ذریۃ'' کے لفظ میں داخل ہو جائیں جیسا کہ اس آیت میں آباء ''ذریۃ'' میں داخل ہیں: ''وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِO'' (یٰسین: ۴۱) ''اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء کو (یعنی نسل انسانی کے آباء کو) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیاO''۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ماں باپ' اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے متعلق سوال کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ انہوں نے وہ درجہ نہیں پایا جو تمہیں حاصل ہے' پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے بھی عمل کیا ہے اور ان کے لیے بھی عمل کیا ہے' پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ ان کو اس کے درجہ کے ساتھ ملا دیا جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۴۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمان بن غزوان ضعیف راوی ہے)۔

(نوٹ) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور احادیث میں یہ بھی ہے کہ نابالغ اولاد کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس مسلمان کو جنت میں داخل کر دیں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی ان بچوں پر شفقت و رحمت اور اس کا فضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

(۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک نہ پہنچے بلکہ انہوں نے محض اپنے ماں باپ کی تقلید کر کے ایمان قبول کیا ہو تو پھر بھی انہیں اپنے ماں باپ کے ساتھ ملا دیا جائے گا [نافع مدنی کی قراءت میں پہلا مفرد مرفوع ''ذُرِّیَّتُھُمْ'' اور دوسرا جمع ''تا'' مکسور کے ساتھ ''ذُرِّیَّاتِھِمْ'' ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں جگہ جمع پڑھا گیا ہے مگر پہلے میں ''تا'' مرفوع ''ذُرِّیَّاتُھُمْ'' ہے اور دوسرے میں ''تا'' مکسور ''ذُرِّیَّاتِھِمْ'' ہے (ابن کثیر مکی اور کوفیوں کی قراءت میں دونوں جگہ مفرد ہے اور ''تا'' مرفوع ہے)] ﴿وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ﴾ اور ہم مؤمنوں کے عمل میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے یعنی ہم ان کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''اَلِتْنَا'' پڑھا گیا ہے کیونکہ ''اَلَتَ یَاْلِتُ'' (باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'') اور ''اَلِتَ یَاْلَتُ'' (باب ''سَمِعَ یَسْمَعُ'') دونوں لغتیں مستعمل ہیں' نیز اس میں پہلا حرف ''مِنْ''، ''اَلَتْنٰھُمْ'' کے متعلق ہے اور دوسرا حرف ''مِنْ'' زائدہ ہے (معنی سے خالی صرف تحسین کلام کے لیے ہے)] ﴿کُلُّ امْرِیءٍۢ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ﴾ ہر شخص اس میں گروی ہے جو اس نے کمایا ہے۔ یہاں ''رھین'' بہ معنی مرہون ہے' سو ہر مؤمن اپنے عمل کے ساتھ گروی ہے اور اسے اس کے عمل کے مطابق جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۲۲۔ ﴿وَاَمْدَدْنٰھُمْ بِفَاکِھَۃٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ﴾ اور ہم ان کی پھلوں اور گوشت سے مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گے (یعنی) اور ہم پھل فروٹ' میوہ جات اور گوشت ان کو وقتاً فوقتاً بڑھ چڑھ کر عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور پسند کریں گے' اگرچہ وہ سوال نہیں کریں گے۔

یَتَنَازَعُوْنَ فِیْھَا کَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْھَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَیَطُوْفُ عَلَیْھِمْ غِلْمَانٌ لَّھُمْ
کَاَنَّھُمْ لُؤْلُؤٌ مَّکْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا کُنَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وعظ کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے' سو آپ نے ان کو وعظ کیا اور فرمایا: جس عورت کے بھی تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے' ایک عورت نے کہا: اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بندے کا جنت میں مرتبہ بلند فرماتا ہے' وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مجھے یہ مرتبہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہاری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۶' دار الفکر' بیروت) شیخ قنوجی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۴۳۵) (مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۶ ص ۳۵۶' رقم الحدیث: ۱۰۶۱۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۶۔ ج ۳ ص ۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸۔۷۹)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲) (نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۴۴۔۴۴۷)

قَبْلُ فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ﴿۲۸﴾ ع

وہ اس میں ایک دوسرے سے جام لیں گے اس میں نہ فضول گفتگو ہو گی اور نہ گناہ ہو گا O اور ان کے خدام ان کے اردگرد خدمت کے لیے گھوم رہے ہوں گے گویا وہ (خوب صورتی میں) چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں O اور وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے احوال دریافت کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف خدا رکھنے والے تھے O سو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں زہریلے عذاب سے بچا لیا O بے شک ہم اس سے پہلے اسی کی عبادت کرتے رہے تھے' بے شک وہ بہت احسان کرنے والا بے حد مہربان ہے O

۲۳- ﴿ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا ﴾ وہ ایک دوسرے سے اس میں جام لیں گے (یعنی) جنتی جنت میں ایک دوسرے سے جنتی پاکیزہ شراب سے بھرے ہوئے جام اور گلاس لیں گے۔ دراصل جنتی حضرات اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ بیٹھے ہوں گے اور محبت و پیار اور ہنسی خوشی میں ایک دوسرے کو شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر پلائیں گے اور ہر جنتی اپنے دوست کے ہاتھ سے جنتی شراب کے جام لے گا' یہ اس سے لے گا اور وہ اس سے لے گا ﴿ لَّا لَغْوٌ فِیْهَا ﴾ اس شراب کے پینے میں کوئی بے ہودگی کی گفتگو نہیں ہو گی (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے پر بے ہودہ بکواس کی جاتی ہے) ﴿ وَّلَا تَاْثِیْمٌ ﴾ اور نہ کوئی گناہ کی بات ہو گی یعنی ان کے درمیان کوئی لغو اور باطل بات نہیں ہو گی اور نہ کوئی ایسا کام ہو گا جس میں گناہ ہو' اگر اسے کرنے والا دنیا میں کرے جیسے جھوٹ بولنا اور گالیاں دینا وغیرہ وغیرہ جیسے دنیا کے شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کیونکہ ان کی عقلیں صحیح سلامت اور ثابت و قائم رہیں گی' چنانچہ جنتی حضرات شراب پینے کے باوجود حکمت بھری اور عمدہ اچھی گفتگو کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لَا'' کے اسم دونوں جگہ بغیر تنوین مفتوح ''لَا لَغْوَ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمَ'' پڑھے گئے ہیں]۔

۲۴- ﴿ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ ﴾ اور نوجوان خدام شراب کے جام لے کر خدمت کے لیے ان کے اردگرد گھوم رہے ہوں گے اور یہ جنتی نوجوان خدام ان کی ملکیت میں ہوں گے یعنی ان کے مملوک ہوں گے ﴿ لَّهُمْ ﴾ وہ غلمان انہیں (جنتیوں) کے ساتھ مخصوص ہوں گے ﴿ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ وہ رنگ کی سفیدی اور جسم کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے گویا سیپی میں چھپائے ہوئے چمک دار موتی ہیں کیونکہ وہ تر و تازہ ہونے کی وجہ سے حسین و جمیل اور پاکیزہ ترین ہوں گے یا وہ ذخیرہ کردہ خزانے ہیں جو بہت گراں قدر قیمتی اثاثہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی کی شان یہ ہو گی کہ جب وہ اپنے خدام میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو دروازے پر ایک ہزار خادم اسے جواب دیتے ہوئے کہے گا: ''لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ'' میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں[1]

۲۵- ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں پوچھیں گے (یعنی) جنتی حضرات آپس میں ایک دوسرے سے اس کے احوال پوچھیں گے اور ایک دوسرے سے نیک اعمال کے بارے میں اور ان نعمتوں کے بارے میں پوچھیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانے اور حاصل کرنے کے مستحق ہوئے۔

۲۶- ﴿ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴾ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ بے شک ہم اس سے پہلے دنیا میں

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب: ۲۶' مسلم فی کتاب الاستسقاء رقم الحدیث: ۱۷' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۸

اپنے گھر والوں میں خوف زدہ رہتے تھے یعنی وہ دلوں کے نرم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوا کرتے تھے یا وہ ایمان کے چھن جانے اور امانِ الٰہی کے فوت ہونے سے خوف زدہ رہتے تھے یا وہ نیکیوں کے ردّ کیے جانے سے اور بُرائیوں پر گرفت سے ڈرتے رہتے تھے۔

۲۷- ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت و بخشش اور ہم پر رحمت و مہربانی فرما کر بہت بڑا احسان کیا ہے ﴿وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ اور اس نے ہمیں زہریلی گرم ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ''سموم'' ایسی تیز گرم ہوا ہے جو جسم کے تمام مسامات میں داخل ہو جائے گی اور زہر کی طرح فوراً اثر کرے گی' سو دوزخ کی آگ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ بھی اسی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

۲۸- ﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے اور اس کی طرف لوٹ کر آنے سے پہلے دنیا میں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے تھے' اس کے علاوہ کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے تھے اور ہم دوزخ کے عذاب سے بچنے کی درخواست اسی سے کرتے تھے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ﴾ بے شک وہی احسان کرنے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ بڑا مہربان ہے' جب اس کی عبادت کی جاتی ہے تو وہ ثواب عطا فرماتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جائے تو وہ شرفِ قبولیت سے جواب عطاء فرماتا ہے [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ ''اَنَّهٗ'' ہے یعنی اصل میں ''بِاَنَّهٗ'' ہے یا ''لِاَنَّهٗ'' ہے]۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ؕ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ ﴿۳۶﴾

سو آپ نصیحت کیجئے' پس آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیںO کیا وہ کہتے ہیں کہ (آپ) شاعر ہیں ہم ان پر زمانہ کی مصیبت کا انتظار کر رہے ہیںO آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو' سو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوںO کیا ان کی عقلیں انہیں اسی بات کا حکم دیتی ہیں یا وہ سرکش ہیںO کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود آپ قرآن کو گھڑ لیا ہے' (ایسا نہیں) بلکہ وہ ایمان نہیں لاتےO سو وہ اس کی مثل کوئی ایک بات بنا کر لائیں اگر وہ سچے بنتے ہیںO کیا وہ کسی چیز کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیںO کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (ہرگز نہیں!) بلکہ وہ یقین نہیں رکھتےO

## کفار کے فاسد نظریات اور ان کی الزام تراشیوں کی تردید

۲۹- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ نصیحت کرتے رہیں اور آپ لوگوں کو بھلائی کی خاطر وعظ و نصیحت جاری رکھیں ﴿فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾ پس آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون و

دیوانہ ہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت ومہربانی کی بدولت اور آپ پر نبوت ورسالت اور وافر مقدار میں عقل و دانش کے انعامِ الٰہی کی بدولت نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں جیسا کہ کفار نے گمان کر رکھا ہے [اور یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''لَسْتَ كَاهِنًا وَلَا مَجْنُوْنًا مُلْتَبِسًا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ''] آپ نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں بلکہ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ متصف ہیں۔

۳۰- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ ''هُوَ'' ﴿شَاعِرٌ﴾ کیا کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی آپ) شاعر ہیں (''شَاعِرٌ'' مبتدا محذوف ''هُوَ'' کی خبر ہے) ﴿نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ ہم ان پر زمانہ کی گردش اور اس کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں یعنی ہم ان (حضور) پر زمانے کے مصائب وآلام کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں جیسے ان سے پہلے کے شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ ہلاک ہو گئے [ان آیات کے شروع میں حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور وہ ''بَلْ'' اور ہمزہ کے معنی میں ہے]۔

۳۱- ﴿قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ تم انتظار کرو' سو میں بھی یقیناً انتظار کرنے والوں میں سے ہوں یعنی میں بھی تمہاری ہلاکت کا انتظار کر رہا ہوں' جس طرح تم میری ہلاکت کا انتظار کر رہے ہو۔

۳۲- ﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ﴾ کیا ان کی عقلیں انہیں اسی متضاد بات کا حکم دیتی ہیں کہ وہ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر کہتے ہیں اور کبھی مجنون کہہ دیتے ہیں اور قریشِ مکہ اپنے آپ کو عقل مند اور دانش ور کہلواتے تھے۔ ''احلام'' بہ معنی ''عقول'' ہے ﴿اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو بغض وعناد میں حد سے بڑھ جانے والے ہیں' اس کے باوجود کہ ان پر حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے [اور امر کا ''احلام'' کی طرف اسناد مجازی ہے]۔

۳۳- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ﴾ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے خود گھڑ لیا ہے (یعنی) کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس قرآن مجید کو اپنی طرف سے خود گھڑ لیا ہے ﴿بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ ''بَلْ'' سے ان کے قول کی تردید کی گئی ہے یعنی یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے' جس طرح ان بدطینت کفار نے گمان کر لیا ہے بلکہ وہ اپنے کفر وعناد کی وجہ سے ایسے طعنوں کے ذریعے الزام تراشی کرتے ہیں باوجود یہ کہ وہ اپنے قول کو باطل وجھوٹا جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قرآن کریم کو خود نہیں گھڑ سکتے کیونکہ تمام عرب قرآن سے عاجز آ چکے ہیں اور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عرب میں سے ایک فرد ہیں۔

۳۴- ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس قرآن مجید کی مثل کم از کم ایک بات گھڑ کر پیش کریں' اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے بنتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کیا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم ان کی زبان میں ہے اور وہ اپنے آپ کو فصحاء سمجھتے ہیں۔

۳۵- ﴿اَمْ خُلِقُوْا﴾ کیا وہ خود بہ خود ایجاد کیے گئے ہیں اور کیا اس تقدیر اور انداز پر خود بہ خود پیدا کیے گئے جس پر ان کی فطرت ہے ﴿مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ بغیر کسی پیدا کرنے والے مدبر اور منصوبہ ساز کے ﴿اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں (یعنی) یا انہوں نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے' اس لیے وہ خالق کی عبادت نہیں کرتے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ کیا وہ عبث اور بے مقصد پیدا کیے گئے ہیں' نہ ان کے لیے جزاء وسزا ہوگی اور نہ ان کا حساب وکتاب ہوگا یا وہ خود خالق و پیدا کرنے والے ہیں' پس اس لیے وہ اطاعت وفرماں برداری نہیں کرتے۔

۳۶- ﴿اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ سو اس لیے وہ ان آسمانوں

اور زمین کے خالق و مالک کی عبادت نہیں کرتے ﴿بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ تو یقین ہی نہیں رکھتے یعنی وہ لوگ آیات مبارکہ میں غور وفکر اور تدبر نہیں کرتے' ورنہ یہ جان لیتے کہ خود ان کا خالق اور آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہی کے پاس ہیں یا وہی نگران ہیں O کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمانی خبریں) سن لیتے ہیں' سو ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے O کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں' پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس غیب ہے' پس وہ لکھ لیتے ہیں O

۳۷- ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ﴾ کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جیسے نبوت و رسالت اور رزق وغیرہ' پس وہ جتنا چاہیں جس کو چاہیں اس کے ساتھ مخصوص کر دیں ﴿اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ﴾ یا وہ غالب و زبردست ارباب و خدا ہیں یہاں تک کہ وہی ربوبیت کے معاملے کی تدبیر و منصوبہ بندی کریں گے اور وہی دیگر اُمور کی اپنی مشیت و ارادے کے مطابق وضاحت کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں سین کے ساتھ "المسیطرون" پڑھا جاتا ہے]۔

۳۸- ﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ﴾ کیا ان کے لیے کوئی سیڑھی نصب کی گئی ہے جس کے ذریعے وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں ﴿يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ کہ وہ اس میں پہنچ کر فرشتوں کا کلام اور جو علم غیب میں سے ان کی طرف وحی کی جاتی ہے' اس کو کان لگا کر غور سے سن لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کی ہلاکت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو جائیں گے اور آخرت میں آپ نہیں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اس کلام میں "فِيْهِ" بہ معنی "عَلَيْهِ" ہے یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کا کلام سن لیتے ہیں ﴿فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سو ان کا سننے والا ایک روشن دلیل اور واضح حجت پیش کرے جو ان کے سننے والے کی سماعت کی تصدیق کرے۔

۳۹- ﴿اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ﴾ کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں کفارِ عرب کی عقلوں کی حماقت پر تنبیہ فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ان چیزوں کو (یعنی بیٹیوں کو) پسند کیا جن کو خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں بڑا دانا سمجھتے ہیں۔

۴۰- ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا﴾ کیا آپ اسلام کی تبلیغ پر اور عذابِ الٰہی سے ڈرانے پر ان سے اجرت طلب کرتے ہیں؟ ﴿فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴾ پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ "مغرم" وہ تاوان جو کسی انسان پر لازم کر دیا جائے جو اس پر لازم نہ ہو یعنی ان پر ایسا بھاری بوجھ لازم کر دیا گیا جس نے انہیں بوجھ تلے دبا دیا' سو اس لیے وہ آپ کی اتباع سے دور بھاگتے ہیں۔

۴۱- ﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ یا ان کے پاس غیب ہے یعنی کیا لوحِ محفوظ انہیں کے پاس ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ پس وہ لکھ لیتے ہیں جو کچھ اس میں درج ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے اور اگر ہم مرنے کے

بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے بھی گئے تو ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۳ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝۴۴ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝۴۵

کیا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں' سو کفار خود ہی دھوکے کا شکار ہو جائیں گے O کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جسے وہ شریک کرتے ہیں O اور اگر وہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے: یہ تو اوپر تلے کیا ہوا بادل ہے O سو آپ انہیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملاقات کریں جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے O

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی فریب کاریوں پر صبر کرنے کا حکم

۴۲- ﴿اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ﴾ کیا کفارِ مکہ فریب دینا چاہتے ہیں اور ان کی فریب کاری اور دھوکہ دہی یہ تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے دارالندوہ میں میٹنگ بلائی' جس میں قریش مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے یا قید کرنے یا ملک بدر کرنے کی سازش تیار کی تھی ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اس میں اشارہ تو کفارِ مکہ کی طرف ہے لیکن ان سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور کی رسالت کا انکار کیا ﴿هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ﴾ وہی لوگ فریب و سازش اور دھوکہ دہی کا شکار ہو جائیں گے (یعنی) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کی سازش کا وبال خود انہیں لوگوں پر پڑے گا اور ان کی سازش ان کو گھیر لے گی اور یہ اس طرح ہوا کہ یہ لوگ غزوۂ بدر کے دن قتل کیے گئے یا یہ معنی ہے کہ یہ کفارِ مکہ اپنی سازش میں مغلوب و ناکام ہو جائیں گے۔ یہ ''کَایَدْتُہٗ ' فَکِدْتُہٗ'' سے ماخوذ ہے یعنی میں نے فلاں کو دھوکہ دینا چاہا تو میں خود اس کا شکار ہو گیا۔

۴۳- ﴿اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے گا ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

۴۴- ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ﴾ اور اگر وہ آسمان سے اس کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے: یہ بادل ہے۔ ''کِسْفٌ'' کا معنی ہے: ٹکڑا۔ اور یہ ان کے اس (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ''اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا'' (الاسراء: ۹۲) ''یا آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں جیسا کہ آپ نے گمان کر رکھا ہے (کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے گا)'' مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ اپنی سخت سرکشی اور انتہائی بغض و عناد کی وجہ سے اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں تو یہ لوگ اسے گرتا ہوا دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بادل ہے ﴿مَّرْكُوْمٌ﴾ بے شک اسے تہ در تہ اکٹھا کر دیا گیا ہے یعنی اس کے بعض حصوں کو بعض حصوں پر جمع کر دیا گیا جو ابھی برسنے لگے گا اور وہ ہٹ دھرم تصدیق نہیں کریں گے کہ یہ گرنے والا ٹکڑا عذاب کے لیے ہے۔

۴۵- ﴿فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ﴾ سو اے محبوب! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اپنا وہ دن پالیں جس میں انہیں بے ہوش کر دیا جائے گا [امام عاصم اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یَـا'' مضموم

کے ساتھ ''یُصْعَقُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) ہے جب کہ باقیوں کے نزدیک ''یا'' مفتوح ہے] چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: ''صَعَقَهٗ ، فَصَعِقَ'' اس نے فلاں کو بے ہوش کر دیا تو وہ بے ہوش ہو گیا اور یہ پہلی دفعہ صور پھونکنے پر ہو گا۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع

جس دن ان کی دھوکے بازی ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ ایک عذاب ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے' سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے جب آپ کھڑے ہوں O اور رات کے کچھ حصے میں اور ستاروں کے چھپنے کے وقت (صبح) اس کی تسبیح بیان کیجئے O

۴۶- ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ جس دن انہیں ان کا مکر وفریب کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

۴۷- ﴿وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ہے' اس کے علاوہ ایک عذاب ہے (یعنی) بے شک ان ظالموں کے لیے قیامت کے عذاب کے علاوہ اس سے پہلے ایک اور عذاب ہے اور وہ عذاب ایک تو بدر میں ان کا قتل کیا جانا اور دوسرا قحط کے سات سال اور تیسرا عذابِ قبر مراد ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

۴۸- پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفارِ مکہ کی ایذاء رسانیوں پر اس وقت تک صبر کرنے کا حکم دیا ہے جب تک ان پر یہ عذاب نہیں آ جاتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی خاطر ان کو مہلت دینے پر اور اس دوران ان کی طرف سے جو مشقتیں اور تکلیفیں آپ کو پہنچیں گی ان پر صبر کیجئے ﴿فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں یعنی چونکہ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں [اور ''عین'' کی جمع ''اعین'' کو اس لیے لایا گیا ہے کہ ضمیر متکلم جمع کی ہے' کیا تم اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْO'' (طٰہٰ:۳۹) (چونکہ اس میں ضمیر متکلم مفرد ہے تو لفظ ''عین'' بھی مفرد لایا گیا ہے)] ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں اور یہ تسبیح مراد ہے جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے' یعنی ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ'' یا یہ معنی ہے کہ آپ جس جگہ بھی کھڑے ہوں یا یہ کہ جب آپ نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔

۴۹- ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ اور آپ رات کے کچھ حصے میں اس کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں

کے ڈوبنے کے وقت بھی اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) جب رات کے آخر میں ستارے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں (اور صبح کا وقت ہو جاتا ہے)۔ زید کی قراءت میں الف مفتوح کے ساتھ ''اَدْبَار'' ہے یعنی ستاروں کے غروب ہو جانے کے بعد اور مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ'' پڑھنے کا حکم ہے اور بعض کا قول ہے: اس سے نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہو کر نماز کی تسبیح (ثناء) مراد ہے اور ''وَمِنَ الَّیْلِ'' سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں اور ''اِدْبَارَ النُّجُوْمِ'' سے نمازِ فجر مراد ہے۔

| آیاتہا ۶۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتہا ۳ |
|---|---|---|
| سورۃ النجم مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی باسٹھ آیات' تین رکوع ہیں |

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾

روشن ستارے محمد کی قسم کہ جب وہ نیچے اترے○ تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ وہ بھٹکے○ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے○ ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر صرف وحی جوان کی طرف کی جاتی ہے○ بہت سخت قوتوں والے نے آپ کے پاس علم پہنچایا○ حسین وجمیل منظر والے نے' پھر وہ جلوہ گر ہوا○ اور وہ اس وقت آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھا○ پھر وہ قریب ہو گیا' پھر اور زیادہ قریب ہو گیا○ سو وہ دو کمان کی مقدار قریب ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا○ سو اس نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو کچھ بھی وحی فرمائی○ دل نے اسے نہیں جھٹلایا جو آنکھوں نے دیکھا○ تو کیا تم ان سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں○

## سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر

(نوٹ) سورۃ النجم مکی ہے اور اس کی باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔

۱۔ ﴿وَالنَّجْمِ﴾ قسم ہے روشن ستارے کی۔ اللہ تعالیٰ نے ثریا (کہکشاں) کی قسم فرمائی یا پھر ستاروں کی جنس کی قسم فرمائی[1] ﴿اِذَا هَوٰى﴾ جب وہ غروب ہو گیا یا جب وہ قیامت کے دن بکھر جائے گا اور اس قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:)

۲۔ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ تمہارے آقا حق کی سیدھی راہ سے نہیں بھٹکے یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔ یہ قریش کو خطاب ہے ﴿وَمَا غَوٰى﴾ اور آپ نے نہ سرکشی کی کیونکہ آپ نے کبھی باطل کی پیروی نہیں کی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''ضلال'' (اقوال' افعال اور اعتقادتینوں میں راہِ راست سے بھٹک جانا) ہدایت کا متضاد ہے

[1] خیال میں رہے کہ یہاں مفسرین کرام نے ''النجم'' کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: (۱) ثریا نامی ستاروں کی قسم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ''غَیّ'' (صرف اعتقاد میں راہِ راست سے بھٹک جانا) ''رُشد'' کا متضاد ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت یافتہ صاحبِ رُشد ہیں اور آپ اس طرح ہرگز نہیں ہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ تم انہیں ''ضلال و غیّ'' (گمراہی و بداعتقادی) کی طرف منسوب کرتے ہو۔

۳'۴- ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ۝ ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اور وہ تمہیں قرآن مجید میں سے جو کچھ دیتے ہیں وہ ان کے اپنے بول نہیں ہوتے کہ وہ اپنی خواہش اور اپنی رائے سے بیان کرتے ہوں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے' اور جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں سمجھتے' وہ اس آیت مبارکہ کو بطورِ حجت و دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دے دیا ہے اور ان کو اجتہاد پر مقرر فرما دیا تو ان کا اجتہاد وحی کی طرح ہو گیا اور اپنی خواہش سے بولنا نہ ہوا۔

۵- ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى﴾ ان کو بڑی سخت قوتوں والے نے علم سکھایا (یعنی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک فرشتے نے علم پہنچایا جو بڑی سخت قوتوں کا مالک ہے [اور یہ اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ صفت مشبہ کی اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے] اور ''شدید القوی'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں' جمہور کے نزدیک اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ انہوں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) مطلق ستاروں کی قسم (۳) قرآن مجید کی نازل شدہ آیات کی قسم (۴) علمائے دین کی قسم (۵) صحابہ کرام کی قسم (۶) زمین پر پھیلنے والی بیل بوٹیوں کی قسم (۷) سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم۔ ان معانی میں سے یہاں آخری معنی سب سے زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس کے بعد جوابِ قسم میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے' چنانچہ علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں' علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اور علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری نے تفسیر مظہری میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''والنجم'' میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی قسم مراد ہے جب آپ شبِ معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۴۴-۲۴۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۰۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نیز علامہ خازن نے ایک قول یہی بیان کیا ہے۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۲۰۴' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر)

ان کے علاوہ: علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ''النجم'' کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے: امام جعفر صادق بن محمد باقر بن علی اوسط بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ''النجم'' سے مراد سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم ہے' جب آپ شبِ معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے اور یہ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے قرب ''دنا فتدلی'' اور اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کا تعلق شبِ معراج سے ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۷' البحر المحیط ج ۱۰ ص ۹' روح البیان ج ۹ ص ۲۴۹' روح البیان جز ۲۷ ص ۷۰' روح المعانی جز ۲۷ ص ۷۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ) نیز علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ ''اذا ھوٰی'' سے یہ مراد ہو کہ شبِ معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج لامکاں تک ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ آپ راہِ راست سے گم ہونے اور راہِ راست کے بغیر چلنے کے شائبہ سے بھی مبرا' منزہ اور پاک ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۷۷۴)

نے قوم لوط کی بستیوں کو زمین کی گہرائی میں سیاہ پانی کی جگہ سے اکھیڑا اور ان کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھالیا' پھران بستیوں کو اٹھا کر اوپر آسمان تک لے گیا (یہاں تک کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں) پھر اس نے ان تمام بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے پھینک دیا اور اس نے زوردار چیخ مار کر ثمود کی قوم کو ایسا پچھاڑا کہ وہ سب ہلاک ہو کر گھٹنوں کے بل پڑے تھے۔

٦- ﴿ذُوْمِرَّةٍ ؕ﴾ بڑے خوب صورت حسین وجمیل شکل وصورت والے اور یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے ﴿فَاسْتَوٰی﴾ پھر وہ اپنی اصلی اور حقیقی صورت پر قائم ہو گیا' اس صورت کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ متشکل ہو کر وحی لے کر نیچے اترا کرتا تھا اور وہ حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نازل ہوتا تھا اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھیں جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے' پھر وہ آپ کے لیے سب سے بلند کناروں میں قائم ہو گیا اور وہ اس وقت سورج کے طلوع ہونے والے کناروں پر تھا' سو اس نے تمام کناروں کو بھر دیا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے سوا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی پیغمبر نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی حقیقی صورت میں نہیں دیکھا جب کہ حضور نے دو دفعہ دیکھا' ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔

٧- ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ﴿بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی﴾ سب سے بلند کناروں پر تھا (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں۔

٨- ﴿ثُمَّ دَنَا﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو گئے ﴿فَتَدَلّٰی﴾ پھر وہ نیچے اتر کر اور زیادہ قریب ہو گئے اور ''تدلی'' کا معنی ہے: کسی چیز کے قرب میں اترنا۔

٩- ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ سو حضرت جبریل دو کمانوں کی مقدار حضور کے قریب ہو گئے (یعنی) عربوں کی دو کمانوں کی مقدار مراد ہے کیونکہ عرب میں پیمائش' کمان' نیزہ' کوڑا' ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی مقدار سے کی جاتی تھی (اس لیے کہ عرب کے پاس پیمائش کا کوئی اور آلہ نہیں تھا) اور اسی سے یہ کلام ماخوذ ہے کہ ''لَا صَلٰوةَ اِلٰی اَنْ تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ مِقْدَارَ رُمْحَيْنِ'' یعنی اس وقت تک نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جائے' اور حدیث شریف میں ہے کہ ''لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَوْضَعُ قَدِّهٖ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا'' [1] البتہ تم میں سے کسی کو جنت میں ایک کمان کی مقدار کے برابر اور ایک کوڑے کی مقدار کے برابر جگہ مل جانا تمام دنیا اور اس میں تمام ساز و سامان سے بھی بہت بہتر ہے۔ اور ''قد'' بہ معنی ''سوط'' (کوڑا) ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(فَكَانَ) مِقْدَارُ مُسَافَةِ قُرْبِهٖ مِثْلَ (قَابَ قَوْسَيْنِ)'' پھر ان تمام مضافات کو حذف کر دیا گیا ہے (ترجمہ:) سو حضرت جبریل کے قرب کی مسافت کی مقدار دو کمانوں کی طرح تھی ﴿اَوْ اَدْنٰی﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے یعنی تمہارے اندازے پر (کیونکہ اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے' لہٰذا انسانوں کے اعتبار سے ''اَوْ'' کا لفظ استعمال فرمایا) جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ O'' (الصافات: ١٤٧) ''اور ہم نے اس کو (حضرت یونس علیہ السلام کو) سو ہزار (ایک لاکھ) یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O'' اور یہ اس لیے کہ اہل عرب کو ان کی اپنی لغت اور زبان کے مطابق اور ان کی فہم و فراست کے مطابق مخاطب کیا گیا ہے اور جب کہ وہ کہتے ہیں: ''هٰذَا قَدْرُ رُمْحَيْنِ اَوْ اَنْقَصَ'' یعنی یہ دو نیزوں کے برابر

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٢٧٩٣' الترمذی فی کتاب صفۃ الجنۃ باب: ٢٣' احمد فی مسندہ ج ٣ ص ٦٧

ہے یا کچھ کم ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لفظ ''اَوْ'' شک کے لیے نہیں بلکہ یہ ''بَلْ'' کے معنی میں ہے یعنی ''فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ بَلْ اَدْنٰی'' سو حضرت جبریل علیہ السلام حضور کے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے بلکہ اس سے زیادہ قریب ہو گئے۔

۱۰۔ ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے کی طرف وحی بھیجی اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر اس سے پہلے نہیں کیا گیا لیکن اس کی طرف ضمیر لوٹانے سے التباس نہیں ہوتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّی'' (الفاطر:۴۵) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں پر ان کی گرفت کرتا تو زمین کی پشت پر چلنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انہیں ڈھیل دیتا ہے'' (''عَلٰی ظَهْرِهَا'' میں اضمار قبل الذکر ہے لیکن التباس نہیں) ﴿مَآ اَوْحٰی﴾ اس نے جو کچھ وحی بھیجی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی وحی کی عظمت و بڑائی کی خاطر اسے مخفی رکھا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور کی طرف یہ وحی کی گئی کہ بے شک جنت دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ سب سے پہلے آپ اس میں داخل ہوں اور تمام امتوں پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ پہلے آپ کی امت اس میں داخل ہو گی۔

۱۱۔ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے قلب مبارک نے اسے نہیں جھٹلایا جو حضور نے اپنی آنکھوں سے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی اور حقیقی صورت میں دیکھا یعنی جب حضور نے اسے دیکھا تو آپ کے دل مبارک نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا اور اگر بفرضِ محال وہ یہ کہہ دیتا تو وہ جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس نے پہچان لیا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دل اقدس سے اسے پہچانا اور آپ نے اس میں ہرگز شک نہیں کیا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا وہ حق ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جسے دیکھا تھا وہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا لیکن دل سے دیکھا تھا[1]

[1] واضح ہو کہ سورۃ النجم کی ان آیات میں اس بات کی صراحت اور وضاحت نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم دینے والا اور قرب بخشنے والا اور وحی بھیجنے والا اور دیدار کرانے والا کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا خود اللہ تعالیٰ مراد ہے' اس لیے مفسرین کرام میں اختلاف ہو گیا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت جبریل مراد ہیں' چنانچہ انہوں نے ''عَلَّمَهٗ' فَاسْتَوٰی'' اور ''دَنَا فَتَدَلّٰی'' اور ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی'' کا فاعل حضرت جبریل کو قرار دیا' صاحبِ مدارک نے اسی قول کے مطابق ان آیات کی تفسیر بیان کی ہے جب کہ دوسرے مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مراد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○'' (الرحمٰن:۱۔۲) ''رحمٰن نے ○ حضور کو قرآن کی تعلیم دی ○''۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضور کو تعلیم دینے والا اور آپ کا معلم اللہ تعالیٰ ہے اور اسی طرح حضور کو قرب ''دَنَا فَتَدَلّٰی'' بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ متفق علیہ حدیث میں ہے: ''وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی'' اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۲)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کرنے والا اور وحی بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کر کے حضور تک پہنچانے والے ہیں اور لے جانے والے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ'' (النساء:۱۶۳) ''بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح ہم نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲- ﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴾ تو کیا تم (اے کفارِ مکہ!) آپ سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ ''اَفَتُجَادِلُوْنَهٗ'' کے معنی میں اور یہ ''مراء'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جھگڑنا اور بحث و تکرار کرنا' اور یہ ''مراء' مَرْىُ النَّاقَةِ'' سے مشتق ہے کہ اونٹنی کا ظاہر کرنا' گویا جھگڑنے والے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک اپنے مدِ مقابل فریق کی رائے کو ظاہر کر دیتا ہے [حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف اور یعقوب کی قراءت میں ''اَفَتَمْرُوْنَهٗ'' پڑھا جاتا ہے] یعنی کیا تم باہمی جھگڑے میں آپ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ یہ ''مَارَيْتُهٗ فَمَرَيْتُهٗ'' سے ماخوذ ہے کہ میں نے فلاں سے باہمی جھگڑا کیا تو میں اس پر غالب آ گیا اور چونکہ اس میں غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے' اس لیے ''عَلٰى مَا يَرٰى'' فرمایا' پس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نوح علیہ السلام اور ان کے بعد تمام نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی' باقی رہا حضرت جبریل کو دیکھنا تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ مراد لینا زیادہ بہتر و مناسب ہے کیونکہ اس سورت کی ابتدائی آیات میں بھی معراج شریف کی طرف اشارہ ہے' چنانچہ صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ سیّد عالم ﷺ کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا' معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رؤیت و معرفت میں شک و تردد نے جگہ نہیں پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا' بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کو دیکھا لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا۔ چشمِ سر (سر کی آنکھ) سے یا چشمِ دل سے' اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دو بار دیکھا۔ (رواہ مسلم) ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزوجل کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا' یہ قول حضرت انس بن مالک' حضرت حسن اور حضرت عکرمہ کا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلت اور حضرت موسیٰ کو کلام اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم)۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ (ترمذی) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا اور سند میں ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' (الانعام: ۱۰۳) (آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں) تلاوت فرمائی۔ یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں' ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اثبات میں ہے اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیونکہ نافی کسی چیز کی نفی اس لیے کرتا ہے کہ اس نے نہیں سنا اور مثبت اثبات اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا ہے' تو علم مثبت کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط (قیاس) پر اعتماد فرمایا' اس لیے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی رائے ہے اور آیت میں ''ادراك'' یعنی احاطہ کی نفی ہے۔ رؤیت (دیدار) کی نفی نہیں ہے۔

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ حضور ﷺ دیدارِ الٰہی سے مشرف فرمائے گئے ہیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے: ''رَاَيْتُ رَبِّىْ بِعَيْنِىْ وَبِقَلْبِىْ'' میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا قائل ہوں' حضور نے اپنے رب کو دیکھا اور اس کو دیکھا اور اس کو دیکھا' امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ ان کا سانس ختم ہو گیا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۹۴۸-۹۴۹' حاشیہ نمبر: ۱۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

"تمارونه" کو حرف "علٰی" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: "غَلَبْتُهٗ عَلٰی کَذَا" میں نے اس پر اسی طرح غلبہ پالیا اور بعض نے فرمایا کہ "اَفَتَمْرُوْنَهٗ" بہ معنی "اَفَتَجْحَدُوْنَهٗ" ہے یعنی تو کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو یا یہ معنی کہ کیا تم ان کی بات کا انکار کرتے ہو؟ چنانچہ کہا جاتا ہے: "مَرَیْتُ حَقَّهٗ" میں نے فلاں کے حق کا انکار کر دیا [اور اس کو حرف "عَلٰی" کے ساتھ متعدی کرنا صحیح نہیں مگر تضمین کے مذہب پر]۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ﴿۱۸﴾

اور بے شک انہوں نے اسے دوبارہ دیکھاO سدرۃ المنتہیٰ کے پاسO اسی کے پاس جنت الماویٰ ہےO جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھاO آنکھ نہ درماندہ ہوئی اور نہ وہ حد سے بڑھیO اور بے شک آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیںO

۱۳- ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ﴾ اور بے شک آپ نے اسے دیکھا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ﴿نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ دوسری دفعہ [ "نَزْلَةً" کو ظرف کی وجہ سے نصب دی گئی اور وہ ظرف "مَرَّةً" ہے کیونکہ "فَعْلَةٌ" کے وزن پر جو مصدر آتا ہے وہ فعل سے "مَرَّةً" کے معنی کے لیے آتا ہے' سو وہ اس کے حکم میں ہوتا ہے] یعنی حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے' پس آپ نے اسے اصلی صورت پر دیکھا اور یہ دوبارہ اصلی صورت میں دیکھنا معراج کی رات ہوا تھا۔

۱۴- ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک بیری کا درخت ہے' جو عرش کی دائیں جانب سے ساتویں آسمان میں اُگا ہوا ہے اور "منتهٰی" اسم مکان ہے' معنی یہ ہے کہ انتہاء کی جگہ اور آخری مقام یا مصدر میمی ہے' اس کا معنی ہے: انتہاء' گویا یہ جنت کی انتہاء اور اس کے آخر میں ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ کو کوئی شخص عبور کر کے آگے نہیں جا سکتا اور فرشتوں وغیرہ کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اسے کوئی نہیں جانتا اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں یہاں تک آ کر رُک جاتی ہیں' آگے نہیں جا سکتیں۔

۱۵- ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی﴾ اس کے پاس جنت ماویٰ ہے یعنی ایسی جنت جس میں متقین اور پرہیز گار حضرات واپس لوٹ کر آرام کریں گے گویا یہ جنت پرہیز گاروں کے لیے آرام گاہ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اس میں آرام کرنے کے لیے پناہ حاصل کرتی ہیں۔

۱۶- ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی﴾ جب سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اسے دیکھا تو اس وقت اس کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا اور یہ ابہام "سدرة المنتهٰی" کو ڈھانپنے والی چیزوں کی کثرت وعظمت کے بیان کے لیے ہے' سو اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت پر رہنمائی کرنے والی مخلوقات میں سے جن اشیاء نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا ہے ان کی تعریف و توصیف کا احاطہ نہیں ہو سکتا' چنانچہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ سدرہ کو فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے گھیر رکھا ہے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسے سونے کے پتنگوں (یعنی پروانوں) نے

ڈھانپ رکھا تھا۔

۱۷- ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ آنکھ نہیں پھری (یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن عجائبات کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا' ان کو دیکھنے سے آپ کی آنکھوں نے عدول نہیں فرمایا اور ان کے دیکھنے سے نہیں پھریں اور آپ کی مبارک آنکھیں عجائبات الٰہی کو اِدھر اُدھر پھرے بغیر ثابت رہ کر اور جم کر دیکھتی رہیں ﴿وَمَا طَغٰی﴾ اور نہ سرکشی کی اور جن کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا' ان سے تجاوز نہیں کیا۔

۱۸- ﴿لَقَدْ رَاٰی﴾ "وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاٰی" اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ نے دیکھا ﴿مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو' ایسی نشانیاں جو بہت بڑی اور عظیم الشان تھیں یعنی جب آپ کو آسمانوں کی طرف اوپر لے جایا گیا تو آپ کو سلطنت الٰہی کے عجائبات دکھائے گئے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ ع ۵

سو کیا تم نے لات اور عزیٰ کو غور سے دیکھا O اور تیسری منات کو دیکھا O کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں O تب تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O یہ تو نہیں مگر محض نام' جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نہیں اتاری' وہ تو صرف گمان کی اور ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جن کو ان کے نفس چاہتے ہیں' اور بے شک ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے O کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O سو آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں O

## بتوں کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا بیان

۱۹' ۲۰- ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى O وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ﴾ پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ O اور تیسرے منات کو غور سے دیکھا ہے یعنی تم مجھے ان اشیاء کے بارے میں بتاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا ان کو قدرت و اختیار اور عظمت و شان اور بڑائی حاصل ہے' جس کے ساتھ اللہ رب العزت کو موصوف کیا گیا ہے اور لات' منات اور عزیٰ یہ سب کفار کے بت تھے اور یہ مادہ ہیں یعنی مؤنث ہیں' چنانچہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں نصب تھا جہاں اس کی پرستش اور پوجا کی جاتی تھی اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ لات بت (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) نخلہ کے مقام پر نصب تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے [اور یہ "فَعْلَةٌ" (کے وزن پر "لَوْيَةٌ" تھا' پھر "یا" کو ساکن کر کے التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واؤ کو ماقبل مفتوح کی وجہ سے الف سے تبدیل کر دیا گیا اور "لَاةٌ" ہو گیا جو) "لـوی" سے ماخوذ ہے] کیونکہ مشرکین اس کے آگے جھکتے اور سجدے کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے اس کے پاس دھرنا دیتے اور معتکف رہتے اور عزیٰ قبیلہ غطفان کی دیوی کا بت تھا اور یہ ایک کیکر یا ببول کا درخت تھا' جس کی

پرستش کی جاتی تھی اور یہ اصل میں ''اَعَزّ'' کی تانیث ہے اور اس کو حضرت خالد بن ولید نے (مصطفےٰ کریم کے حکم پر) کاٹ دیا تھا اور منات قبیلہ ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا اور یہ پتھر کا بنا ہوا بت تھا اور بعض کا قول ہے کہ یہ بت بھی قبیلہ ثقیف کا بت تھا اور اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس کے پاس قربانیوں کا خون بہایا جاتا تھا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''مناء ۃ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''مفعلة'' کے وزن پر ''نوء'' سے مشتق ہے] گویا وہ لوگ تبرک کے طور پر اس کے پاس آ کر خوش حالی اور ہریالی کے لیے بارش طلب کرنے کی دعا کرتے تھے ﴿الْأُخْرٰى﴾ یہ صفت ذم ہے یعنی پچھلی گھٹیا قدر والی جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قَالَتْ اُخْرٰهُمْ لِاُوْلٰهُمْ'' (الاعراف:۳۸) ''ان کی پچھلی جماعت نے ان کی پہلی جماعت سے کہا'' یعنی ان کے کمزوروں اور کمیوں نے اپنے رئیسوں اور اپنے سرداروں سے کہا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے نزدیک لات اور عزیٰ مرتبہ کے لحاظ سے اوّل اور مقدم ہوں۔

۲۱'۲۲- مشرکین کہتے تھے کہ بے شک فرشتے اور یہ بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ یہ بت اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں گے جب کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور وہ لوگ ان بیٹیوں کو اپنے لیے ناپسند کرتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں ۝ یہ تب تو ظالمانہ تقسیم ہے' یعنی ''ضیزیٰ'' کا معنی ہے: ظلم کرنے والی' ظالمانہ' یہ ''ضازہ''' ''یضیزہ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص کسی کو حقیر و ذلیل خیال کر کے اس پر ظلم کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''ضازہ فلان'' [''ضیزی''' ''فُعْلٰی'' کے وزن پر ہے کیونکہ صفت میں ''فِعْلٰی'' نہیں آتا' پس اس لیے ضاد کو ''یا'' کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا ہے جیسا کہ (''ابیض'' کی جمع) ''بیض'' ہے اور یہ بھی اصل میں ''بوض'' تھا جیسے (''احمر'' کی) ''حُمْر'' اور (''اَسْوَدُ'' کی جمع) ''سُوْدٌ'' ہے ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''ضیزی'' ہمزہ کے ساتھ ہے' یہ ''ضازہ'' سے ماخوذ ہے جیسے ''ضازہ'' ہے]۔

۲۳- ﴿اِنْ هِيَ﴾ وہ نہیں ہیں یعنی وہ بت نہیں ہیں ﴿اِلَّآ اَسْمَآءٌ﴾ مگر محض نام کیونکہ حقیقت میں ان ناموں کے تحت ان کے مسمیات کچھ نہیں ہیں اس لیے کہ تم بتوں کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو حالانکہ یہ چیز ان سے بہت بعید ہے اور بہت سخت ان کے منافی ہے ﴿سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے یہ نام رکھے ہوئے ہیں یعنی ''سمیتم بھا'' ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''سَمَّيْتُهٗ زَيْدًا' وَسَمَّيْتُهٗ بِزَيْدٍ'' ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور دلیل نازل نہیں فرمائی ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ مشرکین صرف ظن و گمان اور وہم کی پیروی کرتے ہیں کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں وہی حق ہے ﴿وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ اور وہ ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے نفس چاہتے ہیں یعنی وہ نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ اور بے شک ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے (یعنی) رسول اور کتاب لیکن انہوں نے اسے ترک کر دیا اور چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔

۲۴- ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى﴾ کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جو وہ تمنا کرتا ہے [''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے] یعنی کافر کی بتوں کی شفاعت کے بارے میں جو تمنا ہے وہ کبھی پوری نہیں ہو گی یا اس کا یہ کہنا کہ ''وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۝'' (فصلت:۵۰) ''اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک میرے لیے اس کے پاس ضرور بھلائی ہو گی ۝'' اور بعض کا قول ہے کہ مشرکین میں سے کسی کی یہ تمنا تھی کہ وہ نبی بن جائے۔

۲۵- ﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى﴾ پس آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی ان دونوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ان میں اسی کا حکم چلتا ہے اور وہی جس کو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے' اسے نبوت اور شفاعت عطا فرما دیتا ہے' لیکن یہ چیزیں تمنا اور آرزو سے حاصل نہیں ہوتیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ ۚ

اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی' مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا اور پسند کرے گا O بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ ضرور فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیں O اور انہیں اس کا بالکل علم نہیں' وہ تو پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی' اور بے شک گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا O

## کفر و شرک کی نحوست و مذمت اور نیک و بد کے مختلف انجام کا بیان

۲۶- ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے دے جس کے لیے وہ چاہے اور پسند کرے یعنی بے شک شفاعت کا معاملہ محدود و مشکل ہے' سو بے شک فرشتے اپنی قربت اور کثرت کے باوجود اگر سب مل کر کسی کافر و مشرک کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت اسے ہرگز کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ کوئی نفع دے گی' مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملنے کے بعد جب وہ شفاعت کریں گے تو وہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے مفید ہوگی جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت چاہے گا اور اسے پسند کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ شخص اس کا اہل ہے کہ اس کے لیے شفاعت کی جائے' سو بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے پجاریوں کی شفاعت کیسے کر سکیں گے؟

۲۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیں یعنی کفار میں سے ہر شخص فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ دیتا ہے کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ان میں سے ہر ایک نے بیٹی نام رکھ دیا اور یہ عورت کا نام ہے۔

۲۸- ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں یعنی وہ جو کچھ کہتے ہیں جہالت و بے علمی کی بناء پر کہتے ہیں اور ایک قراءت میں ''بِهٖ'' کی بجائے ''بِهَا'' پڑھا گیا ہے یعنی فرشتوں کے بارے میں یا ان کے مؤنث نام رکھنے کے بارے میں انہیں بالکل علم نہیں ہے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور وہ اپنے مشرک باپ دادا کی تقلید ہے ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ اور بے شک گمان حق سے بالکل بے نیاز اور مستغنی نہیں کر سکتا

یعنی بے شک صرف وہی حق پہچانا جاتا ہے جو کسی چیز کی حقیقت ہوتا ہے اور وہ صرف علم اور یقین کے ذریعے پہچانا جاتا ہے محض گمان اور وہم کی بناء پر نہیں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

سو آپ اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیر لیا ہے اور اس نے دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہاO یہی ان کے علم کی رسائی ہے' بے شک آپ کا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے' اور وہ اس شخص کو بھی جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہےO

۲۹'۳۰- ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ سو (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر اور ہماری یاد سے منہ پھیر لیا ہے (یعنی) اے محبوب! آپ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی قرآن مجید سے منہ پھیرنے والا دیکھ لیں تو آپ بھی اس سے منہ پھیر لیجئے (اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ) ﴿وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ اور وہ دنیا کی زندگی کے ماسوا اور کچھ نہیں چاہتاO یہی ان کے علم کی رسائی ہے یعنی ان کا دنیا کو اختیار کر لینا اور اسی پر راضی رہنا ان کے علم کی انتہاء ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى﴾ بے شک آپ کا پروردگار ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت پا گیا یعنی وہی گمراہ اور ہدایت یافتہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کو سزا اور جزاء عطا کرے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' تا کہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال پر سزا دے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے نیکیاں کی ہیں بہترین جزاء دےO جو لوگ بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے رہے سوائے چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب تعالیٰ بڑا وسیع بخشنے والا ہے' وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس وقت تم اپنے ماؤں کے پیٹوں میں نہایت چھوٹے سے بچے تھے' سو تم اپنے آپ کو پاکیزہ قرار نہ دو' وہ اسے خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہےO

۳۱- ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے برائیاں کیں ان اعمال پر سزا دے جو

انہوں نے کیے (یعنی) انہوں نے جو بُرے اعمال کیے ہیں ان پر انہیں سزا دے یا انہیں ان کے بُرے اعمال کے سبب سزا دے ﴿ وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴾ اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزاء دے (یعنی) اچھا ثواب عطا فرمائے اور وہ جنت ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اور نیک اعمال کے سبب انہیں اچھی جزاء عطا فرمائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور اس بادشاہی کو درست فرمایا تاکہ مکلفین میں سے نیکوں کو نیک جزاء عطا فرمائے اور ان میں سے بُروں کو سخت سزا دے کیونکہ بادشاہ اپنے دوستوں کی امداد کرنے اور دشمنوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۳۲- ﴿ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ ﴾ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں یعنی گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں کیونکہ ''اِثم'' جنس ہے جو بڑے اور چھوٹے سب گناہوں پر مشتمل ہے اور ''کبائر'' ان گناہوں کو کہا جاتا ہے جن کی سزا بڑی اور سخت مقرر کی گئی ہے [''الذین'' ماقبل سے بدل ہے یا پھر مدح کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اصل میں ''هم الذين'' ہے اور قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''کبير الاثم'' پڑھا جاتا ہے یعنی گناہ کی بڑی قسم] ﴿ وَالْفَوَاحِشَ ﴾ اور وہ بے حیائیوں سے بچتے ہیں جو بڑے گناہوں میں سے بدتر اور حیاء سوز کرتوت ہیں گویا فرمایا کہ ان بڑے گناہوں میں سے خاص کر بے حیائی کے گناہوں سے۔ بچتے ہیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بڑے گناہ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کی دھمکی دی اور ان کے ارتکاب پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور ''فواحش'' وہ حیاء سوز گناہ ہیں جن پر شریعت میں حد مقرر کی گئی ہے ﴿ إِلَّا اللَّمَمَ ﴾ سوائے چھوٹے گناہوں کے۔ ''لمم'' کا معنی ہے: چھوٹے گناہ جنہیں عربی میں ''صغائر'' کہا جاتا ہے اور یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ صغیرہ گناہ نہ ''کبائر'' میں سے ہیں اور نہ ''فواحش'' میں سے ہیں اور یہ صغیرہ گناہ جیسے بُری نظر سے دیکھنا' بوس و کنار' چھونا' ہاتھ لگانا اور آنکھوں سے بُرے اشارے کرنا ﴿ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ﴾ بے شک آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے' پس وہ گناہوں میں سے جو چاہتا ہے بغیر توبہ کے بخش دیتا ہے ﴿ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ﴾ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہیں خوب جانتا ہے جب کہ اسی نے تمہیں یعنی تمہارے آباء واجداد کو زمین سے پیدا فرمایا ﴿ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ ﴾ اور اس وقت تم ابھی ''جنین'' یعنی ماں کے شکم میں پوشیدہ ننھے منے بچے تھے ﴿ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ﴾ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے ﴿ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ﴾ سو تم اپنے آپ کو پارسا قرار نہ دو' چنانچہ تم اپنے آپ کو پاکیزہ اور نیک اعمال اور عبادات وطاعات اور بھلائی کے زیادہ سے زیادہ کاموں کی طرف منسوب نہ کرو' یا تم اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف ہونے کی طرف منسوب نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال پر اپنی تعریف نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال کو اور اپنے آپ کو کم تر خیال کرو اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا کرنے سے پہلے اور تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرنے سے پہلے تم میں سے ہر ایک پاک صاف اور متقی و پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ بعض مسلمان نیک اعمال کرتے تھے' پھر کہتے: ہماری نمازیں اور ہمارے روزے اور ہمارے حج ہیں' سو ان کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ اس وقت ہے جب یہ باتیں خود پسندی اور تکبر و غرور اور ریا اور دکھاوے کے لیے کہی جائیں ورنہ نعمت الٰہی کے اعتراف و اقرار کے طور پر کہی جائیں تو جائز ہیں کیونکہ عبادت پر مسرور و خوش ہونا بھی عبادت ہے اور اس کا ذکر کرنا شکر ہے ﴿ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کو خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کر لیا' سو پرہیزگاروں نے لوگوں کے علم سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفاء کیا اور لوگوں کی

تعریف سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی جزاء پر اکتفاء کیا۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ
يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ
وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾
ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾

تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو (حق سے) پھر گیا O اور اس نے تھوڑا سا مال دیا اور روک لیا O کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے' پس وہ دیکھا رہا ہے O کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے O اور ابراہیم کے صحیفوں میں ہے جس نے وفا کی O وہ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی O اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر جو اس نے کوشش کی O اور بے شک عنقریب اس کی کوشش کو دیکھا جائے گا O پھر اسے پوری جزاء دی جائے گی O بے شک آپ کے رب تعالیٰ ہی کی طرف (سب کے لوٹ جانے کی) انتہاء ہے O

## کفار کی مذمت اور کلیم و خلیل کی شریعت کے چند مسائل کا بیان

۳۳'۳۴- ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ﴾ سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے (حق سے) منہ پھیر لیا اور ایمان سے اعراض کیا ﴿وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ﴾ اور اس نے تھوڑا سا مال عطا کیا اور روک لیا (یعنی) اس نے اپنا عطیہ دینا ختم کر لیا اور مالِ دنیا روک لیا' اور اس کی اصل ''اکداء الحافر'' ہے اور وہ یہ ہے کہ تم جانور کے کھر کا سخت حصہ کاٹ ڈالو جب کہ وہ پتھر کی طرح سخت ہو جائے اور پس وہ زور سے پاؤں مار کر گڑھے بنانے سے باز آ جائے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیات اس شخص کے بارے میں نازل ہوئیں' جس نے اسلام قبول کر لینے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا اور جب کہ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور بے شک اس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا فیصلہ کر لیا تو بعض کفار نے اس کو عار دلائی اور اس کو ملامت کی اور اس سے کہا کہ کیا تو نے اپنے بزرگوں اور اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا اور ان کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور تو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے' پھر وہ شخص ولید کا اس شرط پر ضامن بن گیا کہ اگر ولید اس کو اس قدر اپنا مال دے دے اور حضور کی اتباع کا ارادہ ترک کر کے کفر و شرک کی طرف لوٹ آئے تو وہ شخص اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو خود برداشت کر لے گا' چنانچہ ولید نے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنے ملامت کرنے والے ضامن کو اپنا کچھ مال بھی دے دیا' پھر اس کے ساتھ بخل کیا اور اس کو اپنا باقی مال دینے سے روک لیا۔

۳۵- ﴿أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ﴾ کیا اس (ولید) کے پاس غیب کا علم ہے؟ پس وہ دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ضامن بنا ہے وہ حق ہے۔

۳۶- ﴿أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ﴾ کیا اس کو ان مسائل کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں

یعنی تورات میں۔

۳۷۔ ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ﴿الَّذِيْ وَفّٰى﴾ جس نے وفا کی یعنی اس نے مکمل اور پورا کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَاَتَمَّهُنَّ'' سو ابراہیم نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کو پورا کیا اور مطلق اس لیے فرمایا گیا ہے تا کہ یہ ہر قسم کی وفا اور ہر عہد کو شامل ہو جائے اور اس کو تخفیف کے ساتھ ''وَفٰى'' بھی پڑھا گیا ہے اور تشدید کے ساتھ ''وَفّٰى'' پڑھنا وفا میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس چیز کا حکم دیا' آپ نے اسے پورا کیا۔

اور حضرت عطاء بن سائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ مخلوق سے ہرگز سوال نہیں کریں گے' چنانچہ جب آپ کو نارِ نمرود میں پھینکا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اَلَكَ حَاجَةٌ'' کیا آپ کی کوئی حاجت ہے کہ میں پوری کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا'' یعنی لیکن مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ دن کے پہلے حصے میں چار رکعت نماز پڑھ کر اپنا عمل پورا کرتے تھے اور وہ چاشت کی نماز ہوا کرتی تھی[1]

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے لیے ''اَلَّذِيْ وَفّٰى'' کیوں فرمایا' دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ صبح اور شام کو ''فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○'' (الروم: ۱۷۔۱۸) پڑھا کرتے تھے[2] اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے تمام حصوں کو مکمل اور پورا ادا کیا تھا اور وہ کل تیس حصے ہیں' دس سورۃ التوبہ (آیت: ۱۱۲) میں ''اَلتَّائِبُوْنَ'' (آخر آیت تک) اور دس سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) میں ''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ'' (آخر آیت تک) اور دس سورۃ المؤمنون (آیت: ۱ سے ۱۰ تک)۔

۳۸۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں جو مسائل تھے ان سے آگاہ کیا اور فرمایا: ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ بے شک کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی [''تَزِرُ'' اصل میں ''وَزَرَ يَزِرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ''وزر'' کا معنی گناہ ہے اور ''اَنْ'' مخففہ ہے' پہلے ثقیلہ تھا اور معنی یہ ہے کہ ''اَنَّهُ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ'' اور اس میں ضمیر شان کی ہے اور ''اَنْ'' اور اس کا مابعد ''مَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ''هُوَ اَنْ لَّا تَزِرَ'' ہے] گویا کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ ایک یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی۔

۳۹ تا ۴۲۔ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ اور (دوسرا) یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی عمل جس کی اس نے کوشش کی (یعنی) مگر اس کی اپنی کوشش و محنت اور اپنا عمل مفید ہوگا اور یہ حکم بھی انہیں احکام میں سے ہے جو حضرت موسیٰ اور

---

1. قال الحافظ: اخرجہ الطبرانی وابن ابی حاتم (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۲۷)

2. رواہ احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۴۳۹

حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں درج ہیں۔[1]

اور لیکن جو صحیح احادیث میں وارد ہے کی میت کی طرف سے صدقہ وخیرات اور حج وغیرہ کیا جائے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (۱) غیر کی کوشش اور اس کا عمل اس وقت فائدہ اور نفع دیتا ہے جب وہ میت کے اپنے ذاتی عمل پر مبنی ہو اور اپنا ذاتی

[1] مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے چند معانی بیان فرمائے ہیں' ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا اور وہ یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کا یہ حکم صرف حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص ہے اور لیکن رہی یہ امت محمدیہ تو اس میں مسلمان کو اپنے غیر کے عمل کا ثواب ملتا ہے' اس کی دلیل حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے' آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہے' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ اور خیرات کروں تو کیا اس کو اجروثواب ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں!

(۲) خراسان کے حاکم عبد اللہ بن طاہر نے علامہ حسین بن فضل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے: ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' (البقرہ:۲۶۱) اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر کئی گنا اجروثواب بڑھا کر عطا فرمائے گا' حضرت حسین بن فضل نے فرمایا کہ بطورِ عدل تو انسان کو صرف اپنے ذاتی عمل کا ثواب ملے گا اور بطورِ فضل دوسرے انسان کے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر اسے دس گنا سے سات سو گنا تک اجروثواب بڑھا کر عطا فرمائے گا۔

(۳) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا کہ یہاں اس آیت مبارکہ میں انسان سے کافر مراد ہے (کہ اسے اپنے ذاتی نیک عمل کا فائدہ صرف دنیا میں ملے گا لیکن آخرت میں نہ اپنا عمل اسے فائدہ دے گا نہ غیر کا عمل) لیکن مسلمان کو اپنے عمل کا اجروثواب بھی ملے گا اور دوسرے کے عمل کا اجروثواب بھی ملے گا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ'' (الطور:۲۱) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۷' ص ۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۵۴' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' لبنان)

علامہ آلوسی نے مذکورہ بالا وضاحت سے پہلے ایصالِ ثواب پر تین احادیث بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور میں اس کے بارے میں گمان رکھتا ہوں کہ اگر وہ بات چیت کرتی تو صدقہ کرنے کا کہتی ''فَهَلْ لَّهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا'' تو کیا اس کو اجروثواب ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ وخیرات کروں' آپ نے فرمایا: ہاں! (بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک بہن نے نذر مانی کہ وہ حج کرے گی اور اب وہ فوت ہوگئی ہے' تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے۔ اس آدمی نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (بخاری' مسلم' نسائی)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ (ایک کافر) عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ ایک سو اونٹ قربان کرے گا (اور اس نے مرتے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو سو غلام آزاد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمل یہ ہے کہ میت مسلمان اور مؤمن ہو تو اس صورت میں اس کے غیر کا عمل گویا اس کا اپنا ذاتی عمل ہے کیونکہ دوسرے کا عمل اس کے ذاتی عمل ایمان کے تابع اور اس کا قائم مقام ہوگا (۲) اور بے شک غیر کا عمل اس کو اس وقت نفع نہیں دے گا جب وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرے لیکن جب دوسرا آدمی اپنے عمل میں میت کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت کر لے گا تو پھر یہ دوسرا آدمی شریعت کے حکم میں میت کی طرف سے اس کا نائب اور وکیل اور اس کا قائم مقام ہو جائے گا' اس لیے اس کے عمل کا ثواب میت کو پہنچے گا ﴿وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى﴾ اور بے شک اس کی کوشش اور اس کے عمل کو عنقریب دیکھا جائے گا یعنی قیامت کے دن انسان کے میزان میں اس کی محنت و کوشش اور اس کے عمل کو دیکھ لیا جائے گا ﴿ثُمَّ يُجْزٰىهُ﴾ پھر اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرنے کی وصیت کی) پھر اس کے بیٹے ہشام (صحابی) نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ قربان کیے (مشکوٰۃ کی روایت میں پچاس غلام لکھا ہے) اور حضرت عمرو بن عاص (بڑے بیٹے) نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تیرا باپ مسلمان ہو جاتا' پھر تو اس کی طرف سے غلام آزاد کرتا اور روزے رکھتا اور صدقہ وخیرات کرتا یا حج کرتا تو ان چیزوں کا ثواب اور نفع اسے ضرور پہنچتا۔

(مسند احمد' نیز مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد) (تفسیر روح المعانی جزء ۲۷ ص ۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایصالِ ثواب پر بہت سی احادیث مبارکہ بیان کی ہیں۔ یہاں قارئین کی سہولت کے لیے ان میں سے چند احادیث مبارکہ کا ترجمہ بیان کیا جا رہا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مسلمان بندے کی روح قبض کرتا ہے تو (اعمال نامہ لکھنے والے) دونوں فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں اپنے مسلمان بندے پر مقرر کیا تھا' سو ہم اس کے اعمال لکھتے رہے اور اب آپ نے اس کی روح قبض فرمالی تو ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم زمین پر رہا کریں' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں' لیکن تم دونوں میرے اس بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ اور تم میری تسبیح ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' اور میری تہلیل ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور میری تکبیر ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' قیامت کے دن تک پڑھتے رہو اور تم اس کا ثواب میرے اس بندے کے لیے لکھتے جاؤ۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے عمل ختم ہو جاتے ہیں ماسوا تین اعمال کے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳) نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔ (مسلم' مسند احمد)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کر دیتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! یہ بلند درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے لیے تیرے بیٹے کی دعائے مغفرت کے سبب۔ (رواہ الطبرانی نیز الادب المفرد للبخاری)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میت قبر میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے' مرنے والا دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اسے ماں باپ یا اولاد یا بھائی یا دوست کی طرف پہنچے' پھر جب دعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور دنیا کے تمام ساز وسامان سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا کو پہاڑوں کے برابر کر کے اہل قبول پر داخل فرماتا ہے: ''وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ'' بے شک مرجانے والوں کے لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جزاء اور صلہ دیا جائے گا (یعنی) پھر اس بندے کی کوشش و محنت اور اس کے عمل کا بدلہ اس کو دیا جائے گا [حرف جار مفعول پر ذکر کر کے ''جزاه الله علی عمله'' بھی کہا جاتا ہے' حرف جار حذف کر کے ''جزاه الله عمله'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر جزاء کے لیے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے جزاء کی وضاحت کی خاطر ارشاد فرمایا:] ﴿الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ مکمل اور پورا پورا بدلہ ﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ اور بے شک سب کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے یعنی یہ تمام احکام پہلے صحیفوں میں تحریر شدہ ہیں اور ''منتھٰی'' مصدر میمی ہے اور یہ انتہاء کے معنی میں ہے یعنی تمام مخلوق کی انتہاء اسی کی طرف ہوگی اور سب اس کی طرف لوٹ جائیں گے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُO'' (آل عمران:۲۸) ''اور سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہےO''۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى
وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا ࣙ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ
اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ
اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) زندوں کا تحفہ ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرنا ہے۔ (رواہ البیہقی والدیلمی)

(۵) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت مرحومہ گناہوں کے ساتھ قبروں میں داخل ہوگی اور بروزِ قیامت قبروں سے نکلے گی تو اس پر گناہ نہیں ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے لیے دعائے مغفرت طلب کرنے کے سبب ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (الطبرانی)

(۶) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ دفعہ ''قل هو الله احد'' پوری سورت پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (رواہ ابو محمد السمر قندی)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور وہ سورۃ الفاتحہ اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' اور ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' پڑھے' پھر کہے: اے اللہ! بے شک میں نے تیرے کلام میں سے جو کچھ پڑھا ہے' اس کا ثواب اس قبرستان کے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو میں نے بخش دیا تو قیامت کے دن تمام مُردے اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ (رواہ ابو القاسم سعد بن علی)

(۸) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورتِ یٰسین پڑھ کر اہل قبور کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا اور پڑھنے والے کے لیے مُردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ میت کو دفن کر کے قبر کے سرہانے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ ابتدائی آیات اور پائنتی کی طرف سورۃ البقرہ کی آخری آیات تلاوت کی جائیں۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۷۔۱۲۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اور بے شک اسی نے رلایا اور ہنسایاO اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیاO اور بے شک اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیےO نطفہ سے جب وہ رحمِ مادر میں ڈالا گیاO اور بے شک اسی کے ذمہ ہے دوبارہ زندہ کرناO اور بے شک اسی نے غنی کیا اور مال دار بنایاO اور بے شک وہی شعریٰ ستارے کا مالک ہےO اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیاO اور ثمود ( کی قوم کو ہلاک کیا) سو اس نے کسی کو باقی نہیں چھوڑاO اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا)' بے شک وہ بہت بڑے ظالم اور سرکش تھےO اور اس نے ( قومِ لوط کی) بستیوں کو الٹا کر نیچے پھینک دیاO پھر اس کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیاO سو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گاO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت وگرفت اور کفارِ مکہ کی حماقت کا بیان

۴۳- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى﴾ اور بے شک اسی (اللہ تعالیٰ) نے ہنسایا اور رلایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ہنسنے اور رونے کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرحت وخوشی اور غم ورنج کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو آخرت میں عطیات وانعامات کے ساتھ ہنسائے گا اور خوش کرے گا اور اسی نے دنیا میں مؤمن کو مصائب وآلام کے ذریعے رلایا اور آزمایا۔

۴۴- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا﴾ اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کو مارا اور ان کے بیٹوں کو زندہ کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کے سبب مارا (مردہ دل کر دیا) اور ایمان کے ذریعے زندہ کیا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں (دنیا میں) مارتا ہے اور وہاں (آخرت میں) زندہ کرے گا۔

۴۵'۴۶- ﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىO مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى﴾ اور بے شک اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیے نطفہ سے جب رحم میں ٹپکایا گیا' چنانچہ ''مَنٰی'' اور ''اَمْنٰی'' دونوں کا ایک معنی ہے کہ وہ منی لایا' دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

۴۷- ﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى﴾ اور بے شک دوبارہ اٹھانا اسی کے ذمہ ہے (یعنی) مرنے کے بعد زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

۴۸- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى﴾ اور بے شک اسی نے دولت مند اور مال دار بنایا اور اس نے ''قنیہ'' (''اَقْنٰی'' کا مجرد مصدر) عطاء کیا اور یہ وہ مال ہے جسے تم ذخیرہ کر کے رکھ لیتے ہو اور تم پختہ ارادہ کر لیتے ہو کہ اسے تم اپنے ہاتھ سے نہیں نکالو گے۔

۴۹- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ اور بے شک وہی شعریٰ کا مالک ہے اور ''شِعْرٰی'' ایک ستارہ ہے جو سخت گرمیوں میں جوزا نامی ستارہ کے بعد طلوع ہوتا ہے اور قبیلہ خزاعہ اس کی عبادت کرتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ان کے اس معبود کا پروردگار اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

۵۰- ﴿وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادًا الْاُوْلٰى﴾ اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیا اور دوسرا عاد ارم تھا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری ماسوا سہل کے ان کی قراءت میں ''عـاد لُّـولی'' پڑھا گیا ہے کیونکہ تنوین کو لام میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ''اُولٰی'' کے ہمزہ کو گرا دیا گیا اور اس کا ضمہ لام تعریف کو دے دیا گیا]۔

۵۱- ﴿وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) ثمود کی تمام قوم کو (ہلاک کیا) اور ان کو باقی نہیں چھوڑا [قاری حمزہ ...

امام عاصم کی قراءت میں تنوین کے بغیر پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں تنوین کے ساتھ ''وَثَمُوْدًا'' ہے اور یہ ''عَادًا'' پر معطوف ہے اور ''فَمَا اَبْقٰی'' کی وجہ سے وہ منصوب نہیں ہے کیونکہ ''فا'' کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل میں نہیں کرتا' اس لیے تم ''زَیْدًا فَضَرَبْتُ'' نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح نفی کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا] اور معنی یہ ہے: ''وَاَهْلَكَ ثَمُوْدَ فَمَا اَبْقَاهُمْ'' اور اللہ تعالیٰ نے ثمود کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا' سو ان کو باقی نہیں چھوڑا۔

۵۲- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ ''ای: وَاَهْلَكَ قَوْمَ نُوْحٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان وسرکش اور کافر قوم کو ہلاک فرمایا ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ عاد اور ثمود کی قوموں کے ہلاک کرنے سے پہلے کیونکہ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی﴾ بے شک وہ لوگ عاد اور ثمود کی قوموں سے بہت زیادہ ظالم اور سرکش تھے' اس لیے کہ وہ ظالم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا زیادہ مارا کرتے تھے کہ آپ میں حس وحرکت ختم ہو جاتی اور آپ ان کی مار کی وجہ سے کتنی دیر تک بے حس اور بے حرکت بے ہوش رہتے اور یہ ظالم قوم لوگوں کو آپ سے متنفر کرتی' یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو ڈراتی تھی کہ کہیں وہ آپ کی آواز نہ سن لیں (اس کے باوجود آپ صابر وشاکر بن کر دین حق کی تبلیغ ساڑھے نو سو سال انہیں کرتے رہے)۔

۵۳- ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ﴾ اور وہ بستیاں جن کو ان کے باشندوں سمیت الٹا دیا گیا تھا اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی' جس کو اس کے ظالمانہ اور خبیث عمل کی وجہ سے ان کی بستیوں کو ان سمیت الٹا دیا گیا تھا' چنانچہ ''اَفَكَهٗ ' فَائْتَفَكَ'' بولا جاتا ہے' دونوں ہم معنی ہیں ﴿اَهْوٰی﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جا کر الٹا کر نیچے زمین پر پھینک دیا [''المؤتفكة'' ''اهوٰی'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۵۴- ﴿فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی﴾ سو ان بستیوں کے باشندوں کو ڈھانپ لیا یعنی گھیر لیا جس نے بھی گھیر لیا۔ اس میں اس خطرناک عذاب سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور اس عذاب کی سختی اور بڑائی بیان کی گئی جو ان لوگوں پر برسایا گیا تھا اور مسلسل قطار در قطار تہ بہ تہ پتھروں کی بارش ان لوگوں پر برسائی گئی تھی۔

۵۵- ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی﴾ سو اے مخاطب! تم اپنے رب تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرو گے۔ کیا تم ان میں شک کرو گے جو اس نے اپنی بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں یا ان میں شک کرو گے جو اس نے ناراض ہو کر عذاب کی صورت میں تم نازل کیں یا پھر تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں میں شک کرو گے جو اس کی وحدانیت پر اور اس کی ربوبیت پر دلالت ورہنمائی کرتی ہیں۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة

السجدة ۱۲ ع ۶

یہ (رسولِ عربی) پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے O نزدیک آنے والی نزدیک آ گئی O اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی کھولنے والا نہیں O تو کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو O اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم غافل ہو O سو تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو O

۵۶- ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ﴾ یعنی یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے ہیں ﴿مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾

سابق و پہلے ڈرانے والوں میں سے اور ''الاولیٰ'' جماعت کی تاویل پر فرمایا گیا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ قرآن مجید پہلی ڈرانے والی کتابوں کی جنس میں سے ایک ڈرانے والی کتاب ہے ان کتابوں کے ذریعے تم سے پہلے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے۔

۵۷- ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴾ قریب آنے والی قریب آ چکی ہے جس کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں قرب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے: ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ'' (القمر:۱) ''قیامت کی گھڑی قریب آ گئی ہے''۔

۵۸- ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴾ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں یعنی اس کو کوئی شخص کھولنے والا نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں یہ بات کوئی بیان نہیں کر سکتا کہ قیامت کب قائم ہوگی جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ'' (الاعراف:۱۸۷) ''قیامت کو اس کے وقت پر کوئی شخص ظاہر نہیں کر سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے'' یا یہ معنی ہے کہ اس کے کھولنے اور اس کے ظاہر کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہے کہ وہ کب واقع ہوگی ماسوا اللہ تعالیٰ کے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہیں فرماتا۔

۵۹- ﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴾ تو کیا تم اس بات پر یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو اور تم اس کا انکار کرتے ہو۔

٦٠- ﴿ وَتَضْحَكُوْنَ ﴾ اور اس کا مذاق اُڑانے کے لیے تم اس پر ہنستے ہو ﴿ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴾ اور تم خوف وڈر کی وجہ سے روتے نہیں ہو۔

٦١- ﴿ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴾ اور تم غافل و بے خبر ہو اور تم سرکش و نافرمان ہو اور تم کھیل تماشا کرنے والے اور لہو ولعب میں مشغول رہنے والے لوگ ہو اور جب کفارِ مکہ کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا تو وہ لوگ زور زور سے گانا گا کر اس کا مقابلہ شروع کر دیتے تاکہ لوگ قرآن مجید نہ سن سکیں اور گانوں میں مشغول ہو جائیں۔

٦٢- ﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو یعنی پس تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور تم باطل معبودوں کی عبادت ہرگز نہ کرو۔

| سورۃ القمر مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتها ... رکوعاتها |
|---|---|---|
| سورۃ القمر مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی پچپن آیات، تین رکوع ہیں |

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ
مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ
الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ
يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ
جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے ○ اور اگر (کفارِ مکہ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور

کہتے ہیں: یہ دائمی جادو ہےO اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہےO اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں کافی روک ہےO انتہائی کامل حکمت ہے' سو ڈرانے نے کوئی فائدہ نہیں دیاO سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے جس دن بلانے والا ایک اجنبی چیز کی طرف بلائے گاO وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکا لیں گے' قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیںO وہ گردنیں اٹھا کر بلانے والے کی طرف دوڑ پڑیں گے' کفار کہیں گے: یہ دن بڑا سخت ہےO

## معجزۂ شقِ قمر کے انکار پر کفارِ مکہ کی مذمت

(نوٹ) سورۃ القمر مکی ہے اور اس کی پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

۱- ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قیامت قریب آ گئی ہے ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا' اور ''وَقَدْ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ'' بھی پڑھا گیا ہے یعنی قیامت قریب آ گئی ہے اور اس کے قریب آ جانے کی علامات میں سے ایک یہ علامت حاصل ہو چکی ہے کہ بلا شک وشبہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ظاہر ہو چکا ہے' جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ''اَقْبَلَ الْاَمِيْرُ وَقَدْ جَآءَ الْمُبَشِّرُ بِقُدُوْمِهٖ'' امیر آ گیا ہے اور بے شک اس کے آنے کی خوش خبری دینے والا پہلے آ چکا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حرا نامی پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا اور جمہور مسلمان علماء (یعنی مسلمانوں کی اکثریت) پہلے قول پر متفق ہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ عہد نبوت میں ظاہر ہو چکا ہے اور یہی صحیحین میں مروی ہے[1] اور یہ نہ کہا جائے کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جاتا تو تمام اطراف کے لوگوں پر مخفی نہ رہتا اور اگر سب پر

---

[1] شق القمر کے متعلق احادیث: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۵۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ نے ان کو چاند کا دو ٹکڑے ہونا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا' لوگوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے' پھر ان میں سے بعض نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں (یعنی مکہ سے باہر کے لوگوں) پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا تھا' کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا' حتیٰ کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابو داؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا کہ ہر طرف سے مکہ مکرمہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے شہادت دی اور گواہی دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ظاہر ہو جاتا تو وہ لوگ اس کو تواتر کے ساتھ نقل کرتے کیونکہ عجیب وغریب معاملات کی تشہیر پر انسانی طبیعتیں پیدا کی گئی ہیں' اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بادل کے سبب ان سے مخفی کر دیا ہو۔

۲- ﴿وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا﴾ اور اگر وہ لوگ کوئی معجزہ دیکھتے تو اس سے منہ پھیر لیتے یعنی اگر اہل مکہ کوئی ایسا معجزہ دیکھ لیتے جو سرورِ عالم حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے تو وہ اس پر ایمان لانے سے اعراض کرتے اور اس سے منہ پھیر لیتے ﴿وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ اور وہ کہتے کہ یہ مضبوط جادو ہے (یعنی) محکم وقوی جادو ہے۔ یہ ''مِرَّۃٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: قوت وطاقت اور مستحکم ومضبوط ہونا' یا اس کا معنی ہے: ہمیشہ جاری وساری رہنے والا جادو' یا یہ معنی ہے کہ گزر جانے والا' آنے جانے والا جو جلد زائل ہو جائے گا اور برقرار وباقی نہیں رہے گا۔

۳- ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کی نبوت ورسالت کو جھٹلایا ﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور شیطان نے حق سے دور کرنے کی غرض سے جو باطل شہوات وخواہشات ان کے لیے مزین وآراستہ کر دیں انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی اور حق کو ظاہر اور واضح ہونے کے بعد بھی چھوڑ دیا ﴿وَكُلُّ اَمْرٍ﴾ اور ہر ایسا کام جس کا اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کر چکا ہے ﴿مُّسْتَقِرٌّ﴾ وہ اپنے وقت میں ضرور ہونے والا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہر وہ کام جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کا ہر معاملہ واقع ہو کر رہے گا یعنی ثواب اور عذاب کے ظہور کے وقت ان کا انجام کار ثابت ہو جائے گا۔

٤- ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ﴾ اور بے شک ان کے پاس کچھ خبریں آ چکی ہیں (یعنی) بے شک اہل مکہ کے پاس گزشتہ قوموں کی وہ خبریں جو قرآن مجید میں ودیعت رکھی گئی ہیں' آ چکی ہیں یا پھر آخرت کی خبریں اور وہ خبریں جو کفار کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے متعلق احادیث صحیحہ بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے متواتر ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ شرح مواقف میں علامہ سیّد میر شریف نے لکھا ہے کہ یہ احادیث متواتر ہیں' اسی طرح علامہ سبکی نے مختصر ابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے: اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا متواتر ہے' قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا بہ کثرت ذکر ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ چاند کی چودھویں شب میں واقع ہوا تھا' مشہور یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت مبارکہ سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا لیکن میں نے اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھا۔
(تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۳' ملخصاً دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

البتہ امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے' ان میں ولید بن مغیرہ' ابوجہل بن ہشام' عاص بن وائل' عاص بن ہشام' اسود بن عبد یغوث' اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ' زمعہ بن اسود' نضر بن حارث وغیرہم تھے' پس انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں' اس کا نصف ابوقبیس (مکہ کا ایک پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی' پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے' ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ ﷺ پکار کر فرما رہے تھے: اے ابو سلمہ بن عبد الاسد! اور اے ارقم بن ابی الارقم! تم گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۰' رقم الحدیث: ۲۰۹' دار النفائس' بیروت)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۷۴-۵۷۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' ۳۸ اُردو بازار لاہور

عذاب کے بارے میں بیان کی گئی ہیں ان کے پاس آ چکی ہیں ﴿ مَافِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴾ وہ خبریں جن میں کفر وشرک سے ممانعت ہے کہتے ہیں: ''زَجَرْتُهٗ ' وَازْدَجَرْتُهٗ اَیْ مَنَعْتُهٗ ''یعنی میں نے اسے روکا [اور اصل میں ''اِزْتَجَرَ'' ہے لیکن ''تا'' جب ''زا'' ساکنہ کے بعد واقع ہو تو اس کو دال سے تبدیل کر دیا جاتا ہے کیونکہ ''تـــا'' حرف مہموس ہے اور ''زا'' حرف مجہور ہے سو اس لیے ''تـــا'' کو حرف مجہور سے بدل دیا گیا اور وہ دال ہے تا کہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب ہو جائیں اور یہ سیبویہ کی کتاب کے آخر میں درج ہے]۔

٥- ﴿ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ﴾ [یہ ''مَا'' سے بدل ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں ''هو حكمة بالغة'' ہے] یعنی وہ (قرآن) راہِ راست دکھانے میں انتہائی کامل اور سراسر حکمت ہے یا یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اہل مکہ کی طرف پہنچنے والی انتہائی کامل حکمت ہے ﴿ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴾ سو ڈرانے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ حرف ''مَـا'' نافیہ ہے اور ''نـذر'' مصدر ہے اور بہ معنیٰ ''انذار'' (ڈرانا) ہے۔

٦- ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ﴾ سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ بے شک ڈرانا دھمکانا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا ﴿ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ﴾ جس دن بلانے والا بلائے گا [''یَوْمَ''، ''یَخْرُجُوْنَ'' کے لیے ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور قاری سہل یعقوب اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ''الـداعـی'' (''یـا'' کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی اور ابو عمرو نے وصل میں ان کی موافقت کی ہے اور جس نے ''یـــا'' کو گرا دیا اس نے صرف کسرہ پر اکتفاء کیا اور لکھنے میں ''یـدع'' سے واؤ کو لفظ کی متابعت کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور ''الـداعـی'' سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں] ﴿ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴾ اجنبی و ناگوار چیز کی طرف (کفار کو بلایا جائے گا) جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس قسم کی چیز غیر معروف و غیر مانوس ہوتی ہے اور وہ قیامت کے دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (کاف کو ساکن کر کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

٧- ﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ﴾ وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکا لیں گے [امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقی قراء کی قراءت میں ''خَـاشِـعًـا اَبْـصَـارُهُمْ'' ہے اور یہ ''یَخْرُجُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور وہ ''ابـصـارهـم'' کا فعل ہے جیسے تم کہو: ''یَخْشَعُ اَبْصَارُهُمْ'' اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''خُشَّعًا'' ہے ''یَخْشَعْنَ اَبْصَارُهُمْ'' کی بناء پر اور یہ ان کی لغت ہے جو (فعل اور فاعل دونوں جمع ذکر کرتے ہیں جیسے) کہتے ہیں: ''اَكَلُوْنِیَ الْبَرَاغِیْثُ'' مجھے پسوؤں نے کھایا اور یہ بھی جائز ہے کہ ''خُشَّعًا'' میں ''هم'' ضمیر ہو اور ''ابـصـارهـم'' اس سے بدل واقع ہو رہا ہو] اور ''خشوع الابصار'' (آنکھیں جھکانے) سے ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذلیل کی ذلت اور عزیز کی عزت ان کی دونوں کی آنکھوں سے ظاہر ہو گی ﴿ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ ﴾ وہ (اس روز) اپنی قبروں سے باہر نکل پڑیں گے ﴿ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴾ گویا وہ لوگ اپنی کثرت میں اور ہر طرف متفرق ہونے میں پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں اور کثرت اور موج در موج ہونے میں ''جـراد'' کی مثال دی جاتی ہے چنانچہ بہت بڑے لشکر کے بارے میں جس کے افراد ایک دوسرے میں گھستے جا رہے ہوں کہا جاتا ہے کہ وہ ٹڈیوں کا لشکر آ گیا ہے۔

٨- ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ﴾ وہ لوگ اپنی گردنوں کو اوپر اٹھا کر بلانے والے کی طرف جلد از جلد دوڑیں گے ﴿ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴾ کفار کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت اور مشکل ترین ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا
رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝١١ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ
عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝١٢ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝١٣
تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝١٤ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝١٥
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝١٦ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝١٧

ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا' سو انہوں نے ہمارے ایک بندے کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا: یہ تو دیوانہ ہے اور اسے جھڑ کا گیا ہے O سو اس نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ بے شک میں مغلوب ہوں' سو تو میرا بدلہ لے O پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار پانی کے ساتھ کھول دیئے O اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے' سو دونوں پانی اس مقدار پر جمع ہو گئے جو (ان کے لیے) مقدر کی گئی تھی O اور ہم نے نوح علیہ السلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا O وہ ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی' اس کے لیے صلہ تھی جس کا انکار کیا گیا O اور بے شک ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے O

## حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کی ہلاکت کا بیان

۹- ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ﴾ ان سے یعنی اہل مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا ﴾ پھر انہوں نے ہمارے مقدس بندے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تکذیب کے تکرار کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بار بار جھٹلایا کیونکہ جب ان میں سے ایک جماعت جھٹلانے والی گزر جاتی تو اس کے پیچھے دوسری جھٹلانے والی جماعت آ جاتی' یا یہ معنی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تو انہوں نے ہمارے بندے کو بھی جھٹلایا یعنی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور نبوت و رسالت کا بالکل انکار کر دیا تو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی جھٹلا دیا کیونکہ آپ بھی یقیناً جملہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں ﴿ وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴾ اور انہوں نے کہا: ''هُوَ مَجْنُونٌ'' وہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑ کا گیا ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو گالیاں دے کر رسالت کی ادائیگی سے جھڑکا اور ڈانٹا گیا اور قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں یا یہ بھی ان کے مجموعہ اقوال میں سے ایک قول ہے' یعنی انہوں نے کہا کہ وہ دیوانہ ہے اور بے شک اسے شیطان نے جھڑکا اور اسے مخبوط بنا دیا اور اس کی عقل زائل کر دی۔

۱۰- ﴿ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ ﴾ پھر آپ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں (یعنی) میری قوم مجھ پر غالب آ چکی ہے اور انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی اور مجھے ان کی طرف سے دعوت قبول کرنے سے سخت مایوسی ہوئی ہے اور اب ان کی اجابت و دعوت قبول کرنے سے میری مایوسی اور ناامیدی بہت مستحکم اور پکی ہو گئی' اب ان سے کوئی اُمید باقی نہیں رہی ﴿ فَانْتَصِرْ ﴾ سو تو ہی میرا ان سے انتقام اور بدلہ لے کہ تو ان پر عذاب بھیج۔

١١- ﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ﴾ سو ہم نے ان پر موسلا دھار مسلسل زور سے برسنے والی بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے' چنانچہ یہ بارش مسلسل چالیس روز تک بغیر کسی وقفہ کے برستی رہی۔ ''منھمر'' کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے لگاتار پانی بہانا [ابن عامر شامی' یزید' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مشدد مفتوح (باب تفعیل سے) ''ففتّحنا'' پڑھا جاتا ہے]۔

١٢- ﴿وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا﴾ اور ہم نے زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور ہم نے تمام روئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ گویا ہر جگہ پانی کے چشمے پھوٹ کر بہ رہے ہیں اور یہ کلام مبارک عرب کے قول ''وَفَجَّرْنَا عُيُوْنَ الْاَرْضِ'' سے بہت زیادہ بلیغ ہے ﴿فَالْتَقَى الْمَآءُ﴾ سو پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین دونوں کے پانی باہم مل گئے اور جمع ہو گئے اور ایک قراءت میں ''اَلْمَآءَ انِ'' پڑھا گیا ہے' یعنی سماوی اور ارضی پانی کی دونوں قسمیں باہم مل گئیں ﴿عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾ ایک مقدار پر جو مقدر کی گئی (یعنی) ایسے حال پر جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مقدار مقرر کی' جیسے اس نے چاہا یا ایسے امر پر جو لوحِ محفوظ میں مقدر کر دیا گیا کہ بے شک یہ ضرور ہوگا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان و کافر قوم کا طوفان کے ذریعے ہلاک کیا جانا مراد ہے۔

١٣- ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ اور ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو تختوں والی اور میخوں والی (کشتی) میں سوار کر دیا۔ مراد کشتی ہے کیونکہ ''ذات الالواح'' اور ''دسر'' کشتی کی صفات ہیں جن سے خود کشتی مراد ہے اور یہ اس لیے کہ یہ ان صفات میں سے ہیں جو اپنے موصوفات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور یہ اپنے موصوفات کی جگہ پر استعمال ہوتی ہیں اور ان کا معنی و مفہوم ادا کرتی ہیں' یہاں تک کہ ان کے درمیان اور ان کے موصوفات کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا جیسے متنبّی کے شعر کا یہ مصرع ہے: ''وَلٰكِنَّ قَمِيْصِىْ مَسْرُوْدَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ'' (ترجمہ:) اور لیکن میری قمیص لوہے سے تیار کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میری قمیص میری زرہ ہے' کیا تم دیکھتے نہیں اگر سفینہ اور ان صفات کو جمع کیا جائے تو پھر یہ درست نہیں ہوگا اور یہ اس کلام مبارک کی فصاحت و بلاغت اور امتیازی شان ہے اور ''دُسُر''، ''دِسَار'' بروزن ''فِعَال'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کیل اور میخیں اور یہ ''دَسَرَ'' سے ماخوذ ہے' جس کا لغوی معنی دفع کرنا ہے کیونکہ کیلوں اور میخوں کے ذریعے تختوں کو باہم جوڑ کر ان کے سوراخ دفع اور بند کیے جاتے ہیں۔

١٤- ﴿تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا﴾ وہ کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی یا وہ ہماری حفاظت میں محفوظ رواں دواں رہی [''باعیننا''، ''تجری'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی وہ کشتی ہماری وجہ سے محفوظ چلتی رہی] ﴿جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ یہ (کشتی کا بہ حفاظت چلنا) انعام اور صلہ تھا' اس مقدس ذات کے لیے جس کا انکار کیا گیا اور اس کے ساتھ کفر کیا گیا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ''مکفور'' قرار دیا ہے کیونکہ نبی اور رسول' اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت ہوتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○'' (الانبیاء:١٠٧) ''اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے پیکرِ رحمت بنا کر○'' سو اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نعمتِ مکفورہ ہیں۔

١٥- ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً﴾ اور بے شک ہم نے اس کو یعنی کشتی کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنا کر چھوڑا یعنی ہم نے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی سبق آموز نشانی بنا دیا تاکہ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو سرزمین جزیرہ میں باقی رکھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جودی پہاڑ پر طویل و دراز زمانہ تک باقی اور ثابت رکھا یہاں تک کہ اس امت کے اوائل کے لوگوں نے اس کشتی کو دیکھا اور اس کی

زیارت کی ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ تو کیا کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا ہے جو عبرت ونصیحت حاصل کرے [اور اصل میں "مذتکرھا" ہے ذال اور "تا" کے ساتھ پھر "تا" کو دال سے بدل دیا اور دال اور ذال ایک جگہ جمع ہو گئے تو ذال کو دال میں مدغم کر دیا گیا تو "مُدَّكِرٌ" ہو گیا]۔

۱۶- ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ [اور "نذر"، "نذیر" کی جمع ہے اور یہ "انذار" مصدر کے معنی میں ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یائے متکلم کے ساتھ "وَنُذُرِي" ہے اور قاری سہل نے وصل کی صورت میں اس کی موافقت کی ہے' ان کے علاوہ کی قراءت میں "یا" کے بغیر پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ کلمہ اس سورت میں تمام جگہ اسی اختلاف پر پڑھا جائے گا]۔

۱۷- ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے' وہ اس طرح کہ ہم نے اس کو شفاء بخش مواعظ سے پُر کر دیا اور ہم نے اس میں وعدوں اور وعیدوں (دھمکیوں) کو بار بار مختلف انداز سے بیان کیا ہے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے' جو نصیحت حاصل کرے۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور ہم ہر اس شخص کی حفظ قرآن پر مدد کرتے ہیں' جو اس کو حفظ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو کیا کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے تا کہ حفظ قرآن پر اس کی مدد کی جائے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مذاہب کی کتابیں جیسے تورات' انجیل اور زبور وغیرہم ان کے ماننے والے ان کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے ہیں اور ان کتابوں کو قرآن مجید کی طرح حفظ کر کے زبانی نہیں پڑھ سکتے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۲

عاد نے (پوری کافر قوم سمیت) تکذیب کی' سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا ○ بے شک ہم نے ان پر ایک دائمی منحوس دن میں سخت تند و تیز آندھی بھیجی ○ وہ لوگوں کو جگہ سے اکھاڑ کر پھینکتی' گویا وہ جڑ سے اکھڑنے والے کھجور کے درخت کے تنے ہیں ○ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا ○ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ○

## قوم عاد کی تکذیب و ہلاکت کا بیان

۱۸- ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ قوم عاد نے جھٹلایا' سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا یعنی میرا ان کو عذاب کے نزول سے پہلے عذاب سے ڈرانا یا میرا انہیں عذاب دینے سے ان لوگوں کو ڈرانا جو ان کے بعد ہوئے۔

۱۹- ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا﴾ بے شک ہم نے ان پر سخت تند و تیز آندھی بھیجی جو انتہائی سخت سرد تھی یا سخت

زوردار آواز والی آندھی تھی ﴿فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ﴾ منحوس و بد بخت دن میں [1]۔

۲۰- ﴿تَنْزِعُ النَّاسَ﴾ وہ (آندھی) لوگوں کو ان کی جگہوں سے اکھیڑ کر اور اوپر لے جا کر زمین پر پھینک دیتی اور اس وقت انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پکڑ کر صف بندی کر لی اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر غاروں میں داخل ہو گئے اور کئی لوگوں نے زمین دوز گڑھے کھودے اور ان میں چھپ گئے لیکن آندھی نے سب کو اکھیڑ دیا اور غاروں اور گڑھوں کو ان پر الٹا کر انہیں اندر ہلاک کر دیا اور ان کی گردنیں توڑ دیں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ گویا وہ لوگ جڑ سے اکھیڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں''اعجاز نخل'' کا معنی ہے: کھجور کا زمین سے نکلا ہوا بنیادی تنا اور''منقعر'' کا معنی ہے: جڑ سے اکھڑنا' قوم عاد کے کفار کو کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے تنے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس تند و تیز آندھی نے انہیں غاروں' خندقوں اور گڑھوں سے اکھیڑتے ہوئے ان کے سروں کو جسموں سے کاٹ دیا اور وہ لوگ بغیر سروں کے اپنے باقی جسموں کے ساتھ زمین پر گرے ہوئے پڑے تھے اور وہ مر کر مُردوں کی صورت میں زمین میں ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑے تھے حالانکہ وہ بڑے طاقتور دراز قد اجسام والے لوگ تھے [''كَاَنَّهُمْ''،''اَلنَّاس'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور ''نَخْلٍ'' کی صفت کو اس کے لفظ پر محمول کر کے مذکر لایا گیا ہے اور اگر اس کی صفت کو معنی پر محمول کیا جاتا تو پھر صفت کو مذکر کے بجائے مؤنث ذکر کیا جاتا' جیسا کہ ارشاد فرمایا:''كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ'']۔

۲۱- ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا۔

﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ ہمیشہ کی برائی سو ان کفار پر ہمیشہ نحوست و برائی جاری و ساری رہی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ عذاب ان پر ماہ (شوال کے) آخر میں بدھ کے روز آیا تھا۔

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے' حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور فرمایا: بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے' اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حیہ ہے' امام دار قطنی نے کہا: یہ روایت متروک ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۷۳)

اور بر تقدیر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل (مطلب) یہ ہے کہ بدھ کا دن کفار' فساق' فجار اور مفسدین پر منحوس ہوتا ہے جب کہ یہ دن مسلمانوں اور نیک لوگوں پر منحوس نہیں ہوتا کیونکہ جن ایام میں قوم عاد پر آندھی چل رہی تھی اور ان کو ہلاک کر رہی تھی' ان ایام میں حضرت ہود علیہ السلام اور دیگر مؤمنین بھی موجود تھے اور ان کو ان ایام میں آندھی کے عذاب سے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا تھا' پس اس سے واضح ہوا کہ یہ ایام صرف عاد کی نافرمان قوم کے حق میں منحوس تھے لیکن انبیائے کرام اور صالحین کے لیے منحوس نہیں تھے۔

نیز دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:''فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا''(حٰم السجدہ:۱٦)''سو ہم نے ان پر تند و تیز آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھا دیں''۔

نیز عاد کے متعلق فرمایا:''وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍO سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍO''(الحاقۃ:٦-۷)''اور لیکن عاد والوں کو خوفناک آواز والی تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیاO ان پر اللہ تعالیٰ نے لگاتار سات راتوں اور آٹھ دنوں تک عذاب مسلط رکھا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۲- ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۲۴ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝۲۵ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝۲۶ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝۲۷ؗ

ثمود نے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا O سو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور جنون میں ہوں گے O کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا بہت متکبر ہے O وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا بہت زیادہ متکبر ہے O بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو (اے صالح) آپ ان کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئے O

## قومِ ثمود کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۲۳،۲۴- ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ O فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ ﴾ ثمود کی قوم نے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا O سو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک انسان کی پیروی کریں [''بَشَرًا'' ایسے مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد والا فعل یعنی ''نَتَّبِعُهٗ'' کر رہا ہے] اصل میں ''اَنَتَّبِعُ بَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا'' ہے یعنی کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک آدمی کی پیروی شروع کر دیں؟ ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴾ بے شک تب تو ہم گمراہی اور جنون و دیوانگی میں ہوں گے۔ دراصل حضرت صالح علیہ السلام ثمود کی قوم سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میری اتباع اور پیروی نہیں کی تو تم راہِ حق سے بھٹک کر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آخر کار تم دوزخ کی آگ میں جا پڑو گے۔ ''سُعُرٌ''، ''سَعِيْرٌ'' کی جمع ہے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ' چنانچہ ان بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی بات کا برعکس جواب دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی تب تو ہم گمراہ ہو جائیں گے جیسے آپ فرماتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ''ضلال'' کا معنی ہے: خطاء اور غلطی کرنا اور حق کی راہ سے دور ہو جانا اور ''سعر'' کا معنی ہے: جنون یعنی دیوانہ ہو جانا اور ان کا ''بَشَرًا'' کہنا جنسیّت میں اپنے جیسے آدمی کی پیروی کرنے سے انکار کرنا ہے اور یہ مطالبہ کرنا ہے کہ نبی اور رسول فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اور انہوں نے ''مِنَّا'' اس لیے کہا کہ جب نبی اور رسول انہیں میں سے ہوگا تو مماثلت اور ہم جنسیّت زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہوگی اور انہوں نے ''وَاحِدًا'' اس بات کا انکار کرنے کے لیے کہا کہ پوری امت صرف ایک آدمی کی پیروی کرے یا ان کی مراد ''وَاحِدًا'' کہنے سے یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں O''۔

ان پر بدھ سے عذاب شروع ہوا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر عذاب جاری رہا اور حٰمٓ السجدہ: ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام دنوں کو منحوس فرمایا' پس صرف بدھ کے دن کو منحوس قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں رہی' کیونکہ ان کفار کے حق میں تو ہفتہ کے ساتوں دن منحوس و بے برکت تھے۔ اور تمام دنوں کے منحوس ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے' پس واضح ہو گیا کہ یہ ایام صرف کفار کے حق میں منحوس تھے نہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۸۶-۵۸۷)

ان کے خاندان اور ان کی قوم کے ایک فرد ہیں' ان سے افضل و اعلیٰ اور ان سے برتر نہیں ہیں اور اس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کرتی ہے۔

۲۵- ﴿ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا﴾ کیا ہم میں سے صرف اسی پر ذکر نازل کیا گیا ہے یعنی کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی جاتی ہے حالانکہ ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبوت کے لیے انتخاب کا حق اس سے زیادہ رکھتے ہیں ﴿بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا بہت متکبر ہے (یعنی) بہت اترانے والا متکبر ہے۔ دراصل اس کا اِترانا اور ہم پر بڑائی چاہنا نبوت کے دعویٰ کرنے کا داعی اور سبب ہے' یہی خواہش اس میں ادعائے نبوت پر تحریک پیدا کرتی ہے۔

۲٦- ﴿سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا﴾ وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہوگا یا عنقریب قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا ﴿مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ کون بہت بڑا جھوٹا متکبر ہے' آیا حضرت صالح علیہ السلام یا وہ لوگ جنہوں نے اس کی تکذیب کی اور اسے جھوٹا قرار دیا۔ ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''سَتَعْلَمُوْنَ'' ہے اس بناء پر کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے یہ کلام بیان فرمایا یا پھر التفات و خطاب کے طریقہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۲۷- ﴿اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ﴾ بے شک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں اور ہم اسے بہت بڑے پہاڑ سے نکالنے والے ہیں' جیسا کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے صحیح اور سالم اونٹنی پہاڑ سے نکالنے کا مطالبہ اور سوال کیا تھا ﴿فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ ان کا امتحان لینے اور ان کی آزمائش کرنے کے لیے [اور یہ ''مرسلوا'' کا مفعول لہ ہے یا حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ سو (اے صالح!) آپ ان کا انتظار کیجئے اور دیکھتے رہیے کہ وہ کیا کرنے والے ہیں ﴿وَاصْطَبِرْ﴾ اور آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کیجئے اور جلدی نہ کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس میرا حکم پہنچ جائے۔

| |
|---|
| وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ |
| فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً |
| فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ |

اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے' پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا O سو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا تو اس نے (اونٹنی کو) پکڑنے کی جراءت کی' پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چنگھاڑ بھیجی' پس وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند چورا چورا ہو گئے O اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O

۲۸- ﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ﴾ اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے' ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کے لیے ہوگی اور ایک دن پانی پینے کی باری قوم ثمود کے لیے ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے عقلاء کو غالب قرار دے کر (''ھم'' ضمیر مذکر کے ساتھ) ''بَیْنَهُمْ'' فرمایا ﴿كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾ پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا' ایک دن پانی پینے کے لیے قوم ثمود حاضر ہوگی اور ایک دن اونٹنی پانی پینے کے لیے

حاضر ہوگی۔
۲۹۔ ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ﴾ سو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا جس کا نام قدار بن سالف تھا اور اس کی حقارت کی بناء پر اس کا لقب احیمر ثمود تھا ﴿فَتَعَاطٰى﴾ پس اس نے بڑی ہولناک چیز کو پکڑنے کی جراءت کی اور اپنے انجام کی پرواہ نہیں کی ﴿فَعَقَرَ﴾ تو اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں یا یہ معنی ہے کہ قدار نے بڑی مشکل سے اونٹنی کو پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں یا یہ کہ اس نے تلوار کو ہاتھ میں پکڑا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ میں جمع کے ساتھ ارشاد فرمایا: ”فَعَقَرُوا النَّاقَةَ“ (الاعراف:۷۷) ”سو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں“ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اونٹنی کو صرف قدار بن سالف نے قتل کیا تھا لیکن وہ سب لوگ اس پر راضی تھے یا اس لیے کہ قدار نے ان کی مدد سے اونٹنی کو ہلاک کیا تھا۔
۳۰۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔
۳۱۔ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چیخ اور ایک زبردست چنگھاڑ بھیجی‘ اس ہولناک چیخ سے حضرت جبریل علیہ السلام کی پر ہیبت اور ہولناک چنگھاڑ مراد ہے جو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور ہلاک کرنے کے چوتھے روز قوم ثمود کے پاس جا کر ماری تھی جس کی وجہ سے ﴿فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ وہ لوگ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور ”هَشِيْم“ کا معنی ہے: خشک گھاس اور سوکھی جھاڑیاں اور ”مُتَهَشِّم“ کا معنی ہے: ٹوٹی ہوئی اور روندی ہوئی چیز اور ”محتظر“ وہ شخص ہے جو باڑ تیار کرتا ہے اور وہ جس کے ساتھ باڑ تیار کرتا ہے وہ عرصہ دراز کے بعد خشک ہو جاتا ہے اور اسے جانور روند ڈالتے ہیں‘ پس وہ ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جاتا ہے اور حضرت حسن نے اس میں ”ظا“ کو مفتوح پڑھا ہے اور وہ باڑ بنانے کی جگہ ہے یعنی باڑہ۔
۳۲۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی حفظ قرآن کا طالب اور نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ
بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا
فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۱۸ ۹

لوط کی قوم نے ڈرسنانے والے رسولوں کو جھٹلایا O بے شک ہم نے ان پر پتھروں کی بارش بھیج دی ماسوا لوط علیہ السلام کی آل کے‘ ہم نے ان کو سحری کے وقت بچالیا O یہ ہماری طرف سے ایک احسان تھا‘ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو شکر ادا کرتا ہے O اور بے شک اس نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا‘ سو انہوں نے ڈراوے میں شک کیا O اور بے شک انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا‘ سو تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ

چکھو○ اور بے شک صبح سویرے ان کو ٹھہرنے والے عذاب نے ہلاک کر ڈالا○ سو اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو○ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے○

## قومِ لوط کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۳۳- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم نے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا۔

۳٤- ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا﴾ بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ بھیجا (یعنی) بے شک ہم نے ان پر ایسی شدید تیز ترین آندھی بھیجی جو پتھروں اور کنکروں کو اُڑا کر ان پر مارتی تھی یعنی ان پر پتھریلے کنکر پھینکتی تھی ﴿إِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ﴾ سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی آل کے' یعنی ان کی بیٹیاں اور وہ مسلمان جو آپ پر ایمان لائے تھے ﴿نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ﴾ ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا (یعنی) رات کے آخری اوقات میں سے کسی آخری وقت میں اور اسی وجہ سے ''بِسَحَرٍ'' کو منصرف لایا گیا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''لَقِيْتُهٗ بِسَحَرٍ'' میں نے اس سے سحری کے وقت ملاقات کی۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اس روز صبح سویرے اس سے ملاقات کی ہو' اور بعض حضرات نے کہا کہ سحر دو ہیں' ایک اعلیٰ سحر جو فجر کے نمودار ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور دوسری سحر جو فجر کے نمودار ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

۳۵- ﴿نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ یہ ہماری طرف سے نعمت ہے یعنی یہ ہمارا انعام ہے [''نِعْمَةً''، ''نَجَّيْنَا'' کا مفعول لہ ہے] ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ﴾ ہم اسی طرح ہر اس آدمی کو بدلہ اور صلہ عطاء کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔

۳٦- ﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا﴾ اور بے شک حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعے ہمارے گرفت کرنے سے ڈرایا ﴿فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾ سو انہوں نے ڈرانے والے رسولوں کے ڈراوے میں شک کیا تو انہوں نے اسی شک کی بناء پر ڈرانے والوں کو اور ان کے ڈراوے کو جھٹلایا۔

۳۷- ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ﴾ اور بے شک ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا اور انہوں نے آپ کے مہمانوں (فرشتوں) کے ساتھ بے حیائی کے کام کا مطالبہ کیا ﴿فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ﴾ پس ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا ڈالا (یعنی) ہم نے ان کو اندھا اور نابینا کر دیا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی آنکھوں کو بالکل مٹا دیا اور آنکھوں کی جگہ کو باقی چہرے کی طرح برابر کر دیا یہاں تک کہ ان کے چہروں میں چشم خانے نظر نہیں آتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے پر پہنچے تاکہ گھر کے اندر گھس جائیں تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ دروازہ کھول دیں اور اندر داخل ہونے دیں کیونکہ ہم بلاشبہ آپ کے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں' یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں اپنا ایک پَر مارا تو سب اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگے مگر انہیں دروازہ کی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو نکال دیا ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ﴾ سو تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو (یعنی) میں نے ان سے فرشتوں کی زبانی کہا کہ اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

٣٨- ﴿ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴾ اور بے شک صبح سویرے یعنی دن کے آغاز میں ان لوگوں کو قائم و ثابت عذاب نے ہلاک کر ڈالا (یعنی) وہ عذاب ان لوگوں پر برقرار رہے گا کبھی ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ عذابِ دنیا انہیں آخرت کے عذاب تک پہنچا دے گا۔

٣٩، ٤٠- ﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ سو اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۝ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے' اور ان آیات کے تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ قریش مکہ پہلے لوگوں کی خبروں میں سے ہر خبر کی سماعت کے وقت نئے سرے سے نصیحت و موعظت حاصل کریں اور جب وہ نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب و تحریک سنیں گے تو وہ نئے سرے سے تنبیہ اور آگاہی حاصل کریں گے اور سورۂ رحمٰن میں ہر نعمت کی گنتی کے وقت آیت کریمہ ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ'' کے تکرار اور سورۃ المرسلات میں ہر آیت مبارکہ کے ورود کے وقت ''وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ'' کے تکرار کا بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح قصوں اور خبروں کے تکرار کا یہی حکم ہے تاکہ یہ عبرت دلوں میں حاضر رہے اور ذہنوں میں نقش ہو جائے اور تمام اوقات میں یاد رہے کبھی بھولنے نہ پائے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ
مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ
وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ وقف لازم
فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

اور بے شک فرعونیوں کے پاس عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے رسول آئے۝ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایک غالب اقتدار رکھنے والے کی پکڑ کی طرح پکڑ لیا۝ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے کفار ان لوگوں سے زیادہ بہتر ہیں یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے نجات لکھ دی گئی ہے۝ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لینے والے ہیں۝ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۝ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت بڑی ہولناک اور بہت ہی تلخ ہے۝ بے شک مجرم لوگ گمراہی میں ہیں اور دوزخ میں ہوں گے۝ جس دن وہ اپنے مونہوں کے بل اوندھے کر کے دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے' (اور انہیں کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھو۝ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۝

## فرعونیوں کی تکذیب و ہلاکت اور کفارِ مکہ کی مذمت

٤١- ﴿ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴾ اور بے شک فرعون والوں کے پاس عذابِ الٰہی کا ڈر سنانے والے رسول آئے (یعنی) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ان دونوں کے علاوہ دیگر انبیائے کرام میں سے یا یہ ''نذیر'' کی

جمع ہے اور وہ ''انذار'' کے معنی میں ہے۔

٤٢- ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا' اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو (۹) معجزات مراد ہیں ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ﴾ سو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک بہت ہی غالب کی پکڑ ہوتی ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿مُّقْتَدِرٍ﴾ بہت بڑی قدرت والا جسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔

٤٣- ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ﴾ (یعنی) اے اہل مکہ! کیا تمہارے کفار زیادہ بہتر ہیں ﴿مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ﴾ ان کفار سے جن کا اس سے پہلے گنتی کے ساتھ ذکر ہو چکا جیسے قوم نوح' قوم ہود' قوم صالح' قوم لوط اور آل فرعون یعنی کیا وہ قوت وطاقت' آلات اور دنیاوی مرتبہ کے لحاظ سے تم سے زیادہ بہتر ہیں یا وہ کفر وشرک اور عناد و بغض میں کم ہیں یعنی بے شک تمہارے کافر انہیں سابق کافروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدترین ہیں ﴿اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ﴾ یا تمہارے لیے کتابوں میں نجات لکھی ہوئی ہے (یعنی) اے اہل مکہ! کیا پہلی کتابوں میں لکھا ہوا نجات نامہ تم پر نازل کر دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو کفر وشرک کرتا ہے اور رسولوں کو جھٹلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا اور کیا تم لوگ اس نجات نامے کی وجہ سے پر امن اور بے خوف ہو چکے ہو؟

٤٤- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ﴾ یا وہ (اپنی جہالت کی وجہ سے یا پھر اپنی طاقت کے گھمنڈ میں) کہتے ہیں: ہم بہت بڑی جماعت ہیں ہمارا ہر کام مجتمع و متفق اور مضبوط ہوتا ہے' ہم سب پر غالب و منتقم ہیں اور ہمیں نہ مغلوب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہمیں دبایا جا سکتا ہے۔

٤٥- ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی (یعنی) اہل مکہ کی جماعتِ کفار عنقریب (بدر کی جنگ میں) شکست کھائے گی ﴿وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے یعنی ''الادبار'' ہے جیسا کہ شاعر نے کہا: ''كُلُوْا فِىْ بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعِفُّوْا'' تم اپنے پیٹوں کے بعض حصے میں کھانا کھاؤ تم خیر و عافیت میں رہو گے (اصل میں ''فِىْ بَعْضِ بُطُوْنِكُمْ'' ہے) مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے یعنی غزوۂ بدر کے دن اور یہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی علامات میں سے ایک عالی شان علامت و نشانی ہے[1] (کہ آپ برحق اور سچے نبی ہیں)۔

---

[1] صحیح بخاری شریف میں ہے' جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں اگر تو یہی چاہتا ہے کہ روئے زمین پر آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے' بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور کہا: یارسول اللہ! بس کیجئے! آپ کے لیے اتنی دعا کافی ہے' آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کی ہے' اور اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے' پھر آپ یہ دونوں آیتیں تلاوت کرتے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے: ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ○'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو میں نہیں جانتا تھا کہ کافروں کی کون سی جماعت شکست کھائے گی' لیکن جب بدر والے دن میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ یہی آیت مبارکہ ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ'' تلاوت کر رہے تھے تو اس دن اس کی تفسیر میری سمجھ میں آ گئی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۲۶۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٤٦۔ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ﴾ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے یعنی دنیا میں میدانِ بدر میں شکست کے عذاب کے بعد آخرت میں ان کے عذاب کی وعدہ گاہ قیامت ہے ﴿وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى﴾ اور قیامت بدر کی شکست سے زیادہ سخت ہولناک ہے ''الداهية'' کا معنی ہے: وہ ہولناک امر جس سے نجات پانے کی کوئی راہ دکھائی نہ دے ﴿وَأَمَرُّ﴾ اور قیامت کے عذاب کا مزہ عذابِ دنیا کے مزہ سے زیادہ کڑوا ہے یا زیادہ سخت ہے اگر اسے ''مِرَّةٌ'' (میم مکسور) سے ماخوذ مانا جائے۔

٤٧۔ ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلٰلٍ﴾ بے شک مجرم لوگ دنیا میں حق کی راہ سے دور گمراہی میں مبتلا تھے ﴿وَّسُعُرٍ﴾ اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہوں گے یا وہ دوزخ کی آگ میں اور ہلاکت وتباہی میں ہوں گے۔

٤٨۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ﴾ جس دن انہیں چہروں کے بل اوندھا کر کے دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾ تم دوزخ کی تکلیف کا مزہ چکھو جیسے یہ کہنا کہ ''وَجَدَ مَسَّ الْحُمّٰى'' فلاں آدمی نے بخار کی حرارت وگرمی کی تکلیف کو محسوس کیا اور مار کا ذائقہ چکھا' اس لیے کہ دوزخ کی آگ جب انہیں پہنچے گی تو گویا وہ آگ ان کو اپنی حرارت وگرمی اور درد والم کے ساتھ چھوئے گی ﴿سَقَرَ﴾ اپنی تپش سے جھلسانے والی دوزخ [یہ غیر منصرف ہے' اس میں دو سبب تانیث اور معرفہ ہونا پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ جہنم کا علم ہے ''سَقَرَتْهُ النَّارُ'' اس کو آگ نے جھلسا دیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ جلا کر آدمی کا رنگ وروپ تبدیل کر دے]۔

٤٩۔ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک معین ومقرر انداز ے کے ساتھ پیدا کیا۔ ''قَدْر'' (دال ساکن) اور ''قَدَر'' (دال مفتوح) دونوں کا معنی معروف تقدیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق ہر چیز نے دنیا میں آ کر جو کچھ کرنا تھا' اس کو ہر چیز کی پیدائش سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ لینا تقدیر ہے' یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایسے طریقہ پر محکم ومرتب مقدر کر کے پیدا فرمایا جس کا حکمت تقاضا کرتی تھی' یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے' اس لیے وہ اپنے ہونے سے پہلے ہمیں معلوم ہے کیونکہ ہم اس کے ہر حال اور اس کے تمام زمانوں کو لوحِ محفوظ میں تحریر کرنے سے پہلے جان چکے ہیں[1]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضور سرورِ عالم ﷺ کے معجزات میں سے ہے ''لِاَنَّهُ اَخْبَرَ عَنْ غَيْبٍ فَكَانَ كَمَا اَخْبَرَ'' اس لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غیب کی خبر دی تو ویسے ہوا جیسے آپ نے خبر دی۔

فائدہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے درمیان اور غزوۂ بدر کے درمیان سات سال گزرے کیونکہ غزوۂ بدر سات سال بعد واقع ہوا' اس لیے یہ آیت بھی مکیہ ہے۔ (تفسیر روح البیان اُردو جزء ۲۷ ص ۳۳۴)

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت تقدیر کے بارے میں درج ذیل احادیث مبارکہ بیان کی ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ لیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ (رواہ مسلم)

(۲) حضرت طاؤس بن مسلم یمانی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے میں نے بہت سے صحابہ کو پایا جو یہ کہتے تھے کہ ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ عجز اور عقل مندی۔ (رواہ البغوی بسندہ)

(۳) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لے آئے: (۱) وہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی اکیلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شانِ نزول: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مشرکینِ قریش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں آپ سے بحث کرنے اور جھگڑنے لگے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم اٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ یقیناً قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ["کُلَّ" اپنے سے پہلے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ظاہر کر رہا ہے اور اس کو خلاف قانون مرفوع بھی پڑھا گیا ہے لیکن نصب ہی بہتر ہے کیونکہ اگر اسے مرفوع قرار دیا جائے تو اس میں دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں: (۱) ایک یہ کہ ممکن ہے کہ "خَلَقْنَاهُ" محلاً مجرور ہو اور "شَیْءٍ" کی صفت ہو اور "بِقَدَرٍ" خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ مَخْلُوْقٍ لَّنَا کَائِنٌ بِقَدَرٍ" بے شک ہماری ہر مخلوق ایک اندازے کے ساتھ ہوتی ہے (۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "خَلَقْنَاهُ" خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی: "اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ مَخْلُوْقٌ لَّنَا بِقَدَرٍ" بے شک ہر چیز ہماری مخلوق ہے جو ایک اندازے کے ساتھ ہے' پھر جب "کُل" کا معاملہ رفع کی صورت میں دو احتمالات میں متردد ہو گیا تو نصب کی طرف رجوع کیا گیا اور اب نصب کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی:] "اِنَّا خَلَقْنَا کُلَّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ" بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے' سو اب تخلیق (پیدا کرنا) ہر چیز کو شامل ہو جائے گی اور یہی اس آیت مبارکہ سے مراد ہے [اور اب نصب کی صورت میں یہ جائز نہیں کہ "خَلَقْنَاهُ"، "شَیْءٍ" کی صفت ہو کیونکہ "خَلَقْنَاهُ" فعل ناصب مقدر کی تفسیر ہے اور صفت اپنے موصوف میں عمل نہیں کرتی]۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۱۵/۱۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معبودِ برحق ہے (۲) وہ گواہی دے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۳) اور وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لائے (۴) اور وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(۴) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا' آپ فرمانے لگے کہ میری امت میں بھی زمین میں دھنسنا اور شکلوں کا بگڑنا پایا جائے گا اور یہ تقدیر کو جھٹلانے والوں کے لیے ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد وروراہ الترمذی نحوہ)

(۵) اور یہ روایت بھی انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قدریہ فرقہ اس امت کے مجوس ہیں' اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی عیادت و بیمار پرسی نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کی نماز جنازہ پڑھنے نہ جاؤ۔ (رواہ ابوداؤد واحمد)

(۶) حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو تعویذ گنڈا اور دَم وغیرہ کرتے ہیں اور ہم جو دَوا اور علاج کرتے ہیں اور ہم پرہیز استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

اور اس کے بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں اور اسی پر تمام صحابہ اور ان کے بعد تمام اہل سنت و جماعت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۳' مطبوعہ دہلی)

[1] مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۷-۳۲۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳

اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ کُن آنکھ جھپکنے کی طرح○ اور بے شک ہم نے تمہاری طرح کفر کرنے والی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے○ اور ہر چیز جو انہوں نے کی ہے کتابوں میں درج ہے○ اور ہر چھوٹا اور بڑا عمل لکھا ہوا ہے○ بے شک پرہیز گار لوگ جنتوں اور نہروں میں ہوں گے○ سچ کے مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس○

۵۰- ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ﴾ اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ یعنی جب ہم کسی چیز کی تکوین اور تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اس چیز کے لیے ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر یہی کہ ہم اس سے کہہ دیتے ہیں: ''کُنْ'' ہو جا ''فَيَكُوْنُ'' تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے ﴿كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ آنکھ کے جھپکنے کی طرح (یعنی) جتنی دیر میں تم اپنی آنکھ جھپکاتے ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَمْرُنَا'' سے قیامت مراد ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ'' (النحل:۷۷) ''اور قیامت کا معاملہ نہیں ہوگا مگر آنکھ جھپکنے کی مانند''۔

۵۱- ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ﴾ اور بے شک پہلی امتوں میں سے تمہاری طرح کفر میں مبتلا بہت سے گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

۵۲- ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ اور ہر چیز جس کو انہوں نے کیا ہے کتابوں میں ہے یعنی ان کفار نے جو کچھ کیا ہے ان کا ہر عمل محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت و موجود (لکھا ہوا) ہے [''كُلُّ شَيْءٍ'' مفعول ہے اور ''فَعَلُوْهُ'' محلاً مجرور ''شَيْءٍ'' کی صفت ہے اور ''فِي الزُّبُرِ'' ''کل'' کی خبر ہے]۔

۵۳- ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ﴾ اور اعمال میں سے ہر چھوٹا اور بڑا عمل اور ہر وہ چیز جو وقوع پذیر ہونے والی ہے' اس میں سے ہر چھوٹی اور بڑی چیز ﴿مُسْتَطَرٌ﴾ لوحِ محفوظ میں تحریر ہو چکی ہے۔

۵۴- ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ بے شک پرہیز گار حضرات بہشتوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ مراد انہار ہے لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''نهر'' سے وسعت و کشادگی اور روشنی مراد ہے اور اسی سے ''نَهَارٌ'' (دن' اجالا) ماخوذ ہے۔

۵۵- ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ سچ کے مقام میں (یعنی) اپنی پسند کے مکان میں ہوں گے ﴿عِنْدَ مَلِيْكٍ﴾ بہت بڑے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے قریب اور پاس ہوں گے۔ ''عِنْدَ'' (نزدیک و قریب) سے منزلت و مرتبت اور عزت و کرامت کا قرب مراد ہے لیکن مکان و مسافت اور چھونے اور ساتھ ملنے کا قرب مراد نہیں ہے ﴿مُّقْتَدِرٍ﴾ زبردست قدرت رکھنے والے قادرِ مطلق کے پاس ہوں گے' اور ان دونوں اسم صفات کو نکرہ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں اور اس کی ملکیت و سلطنت میں داخل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الرحمٰن مدنی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی اٹھہتر آیات' تین رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا

تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝٨ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝١٠ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝١٣

رحمٰن نے (اپنے محبوب کو) O قرآن سکھایا O انسان (کامل) کو پیدا فرمایا O اسے بیان سکھایا O سورج اور چاند مقرر حساب سے (گردش کرتے) ہیں O بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں O اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان (عدل) کو زمین پر رکھا O تاکہ تم میزان کے بارے میں سرکشی نہ کرو O اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو O اور اس نے زمین کو لوگوں کے لیے نیچے رکھا O اس میں پھل اور غلاف والی کھجوریں ہیں O اور بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

## ''عَلَّمَ الْقُرْاٰن'' اور ''عَلَّمَهُ الْبَيَان'' کی تشریح

نوٹ: اس سورت کی اٹھہتر آیات ہیں۔

۱ تا ۴۔ ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ ﴾[۱] رحمٰن نے O قرآن سکھایا O اسی نے انسان کو پیدا کیا O یعنی جنس مراد ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا) یا حضرت آدم یا حضرت محمد مصطفٰے علیہما الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں ﴿ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان کی تعلیم دی۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کو شمار

[۱] رحمٰن نے قرآن سکھایا' لیکن کس کو سکھایا' اس کا ذکر آیت مبارکہ میں نہیں ہے' اس لیے مفسرین نے کم وبیش تین اقوال بیان کیے ہیں: (۱) انسان مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قرآن کی تعلیم دی (۲) جبریل علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن کی تعلیم دی (۳) سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفٰے ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن سکھایا اور اس کی تعلیم دی' لیکن ان میں صحیح ترین آخری قول ہے کیونکہ اگرچہ تمام کمالات انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی عطاء سے ملتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمام کمالات رسول کے واسطے سے عطاء کرتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تعلیم بھی رسولِ عربی کے واسطے سے انسانوں کو عطاء کی ہے' پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست رسولِ عربی حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کا معلم قرآن ہے اور رسولِ عربی تمام انسانوں کے لیے معلم قرآن ہیں' اس لیے پہلا قول درست نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید نے متعدد مقامات پر حضور کو معلم انسانیت قرار دیا ہے' چنانچہ سورۃ البقرہ:۱۲۹ میں حضرت ابراہیم کی دعا میں قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے بنو اسماعیل کا معلم قرار دیا گیا اور اسی سورت کی آیت:۱۵۱ میں تمام امت کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ آل عمران:۱۶۴ میں حضور کو تمام مسلمانوں کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ الجمعہ:۲ میں حضور کو تمام عرب کا معلم قرار دیا گیا بلکہ ''وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ'' (الجمعہ:۳) فرما کر قیامت تک آنے والے انسانوں کا معلم قرار دیا گیا اور حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' بے شک مجھے معلم واستاذ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور رہا دوسرا قول تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو قرآن سکھایا حالانکہ حضرت جبریل کا کام صرف وحی کے ذریعے حضور تک قرآن پہنچانا تھا۔ قرآن کی تعلیم اور اس کے الفاظ' معانی' احکام ومسائل وغیرہ کا سکھنا صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا' جنہوں نے آگے اپنی امت کو تعلیم دینی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینۂ اقدس میں قرآن مجید کو محفوظ وجمع کرنا اور پڑھانا' سکھانا' نیز اس کے معانی' احکام ومسائل' اسرار ورموز کا بیان اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا' سواس نے چاہا کہ اپنے تمام انعامات و احسانات کی تمام اقسام میں سے سب سے پہلے اس انعام اور احسان کا ذکر کرے جو سب سے مقدم ہو اور وہ دین کی نعمت ہے جو سب سے مقدم انعام ہے اور دین کی نعمت میں سے سب سے مقدم وہ انعام ہے جو تمام دینی نعمتوں میں سب سے بلند مرتبہ اور سب سے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ انعام قرآن مجید ہے اور اس کو نازل کرنا اور اس کی تعلیم دینا' اس لیے کہ یہ قرآن مجید مرتبہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان وحی ہے اور منزلت کے اعتبار سے سب سے بلند وحی ہے اور یہ دین کے ابواب میں تاثیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ اور بہترین ہے اور یہ قرآن مجید تمام آسمانی کتب کی کوہان ہے اور ان کی سچائی کی گواہ ہے اور ان کی محافظ و نگران ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر قرآن مجید کے ذکر سے مؤخر کیا ہے' پھر انسانی خلقت کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے بعد اس کے ساتھ کیا ہے تا کہ انسان یہ بات اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دین کے لیے پیدا کیا ہے اور تا کہ وہ اپنے خداداد علم کی بدولت وحی الٰہی اور اس کی کتب میں مہارت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن مجید کی تقدیم کا اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لے لیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖO اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ Oفَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ O ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗO'' (القیامۃ: ۱۶۔۱۹) ''آپ اس (قرآن کی تلاوت) کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تا کہ آپ اس کو جلدی یاد کر لیں O بے شک اس کو (آپ کے سینہ مبارکہ میں) جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے O سو جب ہم اسے پڑھا دیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں O پھر اس کو کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے O'' پس ان آیاتِ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معلم قرآن ہے' نیز ارشاد ہے کہ ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO'' (النساء: ۱۱۳) ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھلا دیا جو آپ (اس سے پہلے) نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے O'' اس آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور کا معلم قرآن ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا معلم محمد مصطفیٰ ﷺ ہونا اور پہلے سے تمام نامعلوم علوم کی آپ کو تعلیم دینا' آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ لہٰذا ''اَلرَّحْمٰنُO عَلَّمَ الْقُرْاٰنَO'' کا معنی یہی بہتر و مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کو قرآن سکھایا ہے۔ (۱) چنانچہ علامہ بغوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امام کلبی نے فرمایا: رحمٰن نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن سکھایا۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۲۶۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان) (۲) علامہ خازن لکھتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ ''اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ'' (النحل: ۱۰۳) ''بے شک آپ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو نازل فرما کر ان کو جواب دیا: ''اَلرَّحْمٰنُO عَلَّمَ الْقُرْاٰنَO'' یعنی ''عَلَّمَ مُحَمَّدًا الْقُرْاٰنَ'' رحمٰن نے قرآن سکھایا یعنی رحمٰن نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے۔ (لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری میں بھی قاضی صاحب نے علامہ خازن والی روایت بیان کی ہے' ملاحظہ فرمائیں: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱) علامہ بغوی ''خَلَقَ الْاِنْسَانَO عَلَّمَهُ الْبَيَانَO'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن کیسان نے فرمایا: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ يَعْنِيْ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِيْ بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ لِاَنَّهٗ كَانَ يُبَيِّنُ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل یعنی محمد عربی ﷺ کو پیدا فرمایا اور انہیں بیان سکھایا یعنی ''مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ'' (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا) کا بیان سکھایا' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے لوگوں کے احوال اور بعد میں آنے والے لوگوں کے احوال اور قیامت کے دن کے احوال بیان کرتے تھے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بعد انسان کی تخلیق کا ذکر کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بیان کا ذکر کیا جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہایت فصیح و بلیغ اور عمدہ صاف الفاظ میں اپنی زبان سے اپنے دل کی بات کا اظہار کر لیتا ہے [اور ''الرحمن'' مبتدا ہے اور یہ افعال اپنی ضمیروں سمیت مترادف خبریں ہیں اور ان کو حروفِ عاطفہ سے اس لیے خالی رکھا گیا ہے کہ ان کو گنتی کرنے اور شمار کرنے کے طریقے پر لایا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: زید نے غربت کے بعد تمہیں دولت مند بنا دیا' ذلت کے بعد تمہیں معزز بنا دیا' قلت کے بعد تمہیں بڑھا دیا' اس نے تمہارے ساتھ ایسی نیکی کی جو کسی نے کسی کے ساتھ نہیں کی' سو تم اس کے احسان پر ناشکری کر کے انکار نہ کرو]۔

## چاند و سورج' نباتات' زمین و آسمان اور میزانِ عدل کے فوائد کا بیان

۵- ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ سورج اور چاند مقرر حساب کے مطابق (گردش کرتے) ہیں (یعنی) سورج اور چاند معلوم و مقرر حساب اور مقرر کردہ اندازہ کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں رواں دواں چلتے رہتے ہیں اور ان کی گردش میں لوگوں کے لیے بہت سے منافع و فوائد وابستہ ہیں' ان میں سے (دن رات' ہفتوں' مہینوں اور) سالوں کا حساب اور علم حاصل ہو جاتا ہے۔

۶- ﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾ بیلیں اور درخت سجدہ ریز رہتے ہیں۔ ''نجم'' سے وہ بیلیں مراد ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں اور نمودار ہو کر زمین پر پھیل جاتی ہیں' ان کی پنڈلی یعنی تنا نہیں ہوتا جیسے سبزیاں اور ترکاریاں (مثلاً کدو' کریلے' گھیا توری' ٹنڈے' انگور' تربوز اور خربوزے وغیرہ) اور ''شجر'' سے وہ پودے اور درخت مراد ہیں جن کے چھوٹے بڑے تنے اور پنڈلیاں ہوتی ہیں' جن پر وہ قائم ہوتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ''نجم'' سے آسمان کے ستارے مراد ہیں اور ''یسجدان'' سے اطاعت و فرماں برداری مراد ہے کہ تمام جمادات و نباتات اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کر رہے ہیں جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے' انہیں مکلفین میں سے سجدہ ریزیاں کرنے والوں کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری میں تشبیہ دی گئی ہے اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن کیسان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور ''بیان'' سے مراد یہ ہے کہ حضور قرآن کی وضاحت فرماتے ہیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' (النحل: ۴۴) ''اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (یعنی قرآن مجید) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اسے واضح بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے''۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۹۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(۳) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''جَازَ اَنْ يُّقَالَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ يَعْنِىْ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِى الْقُرْاٰنَ فِيْهِ بَيَانُ مَا كَانَ وَيَكُوْنُ مِنَ الْاَوَّلِ اِلَى الْاَبَدِ'' یعنی یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور آپ کو بیان سکھایا یعنی قرآن مجید سکھایا جس میں ازل سے اَبد تک جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا سب کا بیان ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۴) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی لکھتے ہیں کہ ''خلق الانسان'' میں انسان سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور ''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o'' سے ''مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ'' کا بیان مراد ہے کیونکہ حضور ﷺ اوّلین و آخرین اور قیامت کے احوال بیان فرماتے تھے۔ (تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

(۵) علامہ عارف باللہ صوفی احمد بن محمد صاوی مالکی نے مذکورہ بالا بیان کے مطابق لکھا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

(تفسیر صاوی حاشیہ بر تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۴۵' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

دونوں جملے معنوی اعتبار سے رحمٰن کے ساتھ متصل و متعلق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ''حسبان'' اور سجدہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہیں' کسی غیر کے لیے نہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ سورج اور چاند اسی کے حساب کے مطابق گردش کرتے ہیں اور آسمان کے ستارے' نباتات و جمادات اور درخت اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور پہلے جملوں میں حرفِ عاطف کا ذکر نہیں کیا گیا' پھر بعد والے جملوں میں حرفِ عاطف کو ذکر کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انعاماتِ الٰہی کے منکرین کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے پہلے جملوں کو گنتی اور شمار کے طور پر وارد کیا گیا ہے جیسا کہ لوگوں میں سے اپنے محسن و منعم کی نعمتوں کے منکر کو ان کی گنتی سے مذکور مثال میں ڈانٹا اور دھمکایا جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے بعد کلام کو اس کے اصل طریقے کی طرف لوٹا دیا اور جن کو باہم ملانا واجب ہے ان کو حرفِ عاطف کے ذریعے تناسب اور تقارب کے لیے ملا دیا اور تناسب کا بیان یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں آسمانی نعمتیں ہیں جب کہ نباتات اور درخت زمینی نعمتیں ہیں' سو ان دونوں قبیلوں کے درمیان تقابلی مناسبت ہے اور آسمان اور زمین کا ہمیشہ اکٹھے ذکر کیا جاتا رہے گا اور سورج اور چاند کا ایک مقرر حساب کے مطابق گردش کرنا اللہ تعالیٰ کے حکمِ اطاعت کی جنس سے ہے' پس اس لیے وہ نباتات اور درختوں کے سجدہ ریز ہونے کے لیے مناسب ہے۔

۷۔ ﴿ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا ﴾ اور آسمان کو بلند کیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند و بالا چھت کی طرح پیدا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام اور اپنے فیصلوں کا مرکز و منبع بنایا اور اپنے ان فرشتوں کے لیے مسکن و آرام گاہ بنایا جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لے کر اترتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اپنی شان کی کبریائی اور اپنی بادشاہت اور اپنی سلطنت کی عظمت پر آگاہ فرمایا ﴿ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴾ اور اس نے میزانِ عدل رکھا یعنی ہر وہ چیز جس سے اشیاء کا وزن کیا جائے اور ان کی مقدار کو پہچانا جائے جیسے وزن کے لیے میزان اور ترازو اور ناپ کر دینے کے آلات وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے میزانِ عدل کو پیدا کر کے زمین پر رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کے بہت سے احکام کو وابستہ کر دیا جیسے باہمی لین دین میں عدل و انصاف اور برابری کو قائم رکھنا اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرنا بلکہ دیتے وقت بھی اور لیتے وقت بھی برابری اور انصاف قائم رکھنا۔

۸۔ ﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴾ وزن کرنے میں سرکشی نہ کرو [اصل میں ''لِئَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ'' ہے یعنی تاکہ تم تولنے میں حد سے نہ بڑھو یا پھر اصل میں ہے: ''اَنْ لَّا تَطْغَوْا'' ہے اور اس میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے]۔

۹۔ ﴿ وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ اور تم انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو (یعنی) تم صحیح تولا کرو اور انصاف کے ساتھ وزن پوری طرح قائم رکھا کرو ﴿ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴾ اور تم تولنے اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو اور تم کم تول کر نہ دو۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں برابر سے لینے دینے کا اور انصاف کرنے کا حکم دیا اور ناپ تول میں سرکشی اختیار کرنے اور حد سے بڑھنے سے منع کیا کیونکہ یہ حق سے تجاوز و زیادتی اور ظلم ہے اور اس آیت میں ''خسران'' یعنی کمی کرنے اور نقصان کرنے سے منع کیا اور لفظ ''میزان'' کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' ایک تو ناپ تول کی وصیت کی تاکید و تشدید کے لیے اور دوسرا وزن میں عدل و انصاف کے حکم کی تقویت کے لیے اور تیسرا ناپ تول میں انصاف کرنے پر اُبھارنے اور رغبت دینے کے لیے۔

۱۰۔ ﴿ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو نیچے رکھا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کے اوپر (آسمان سے) نیچے بچھایا ﴿ لِلْاَنَامِ ﴾ لوگوں کے لیے یعنی مخلوقات کے لیے اور اس سے وہ تمام جاندار مراد ہیں جو زمین کی سطح پر رہتے ہیں

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے جن اور انسان مراد ہیں' پس زمین ان کے لیے فرش اور بچھونے کی طرح ہے' جس کے اوپر جن اور انسان اپنا تصرف واختیار استعمال کرتے ہیں۔

۱۱ - ﴿ فِيهَا فَاكِهَةٌ ﴾ اس میں مختلف اقسام کے بے شمار میوہ جات اور پھل پائے جاتے ہیں جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے ﴿ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴾ اور اس (زمین) میں غلاف والی کھجوریں ہیں اور یہ غلاف پھل اور میوے کے ظرف اور برتن ہوتے ہیں' جن کے اندر کھجور کے پھل یعنی کھانے والی کھجوریں ہوتی ہیں اور ''اکمام'' کا واحد ''کِمٌّ'' کاف کے نیچے کسرہ ہے یا ہر وہ چیز مراد ہے جو نظروں سے چھپی ہوتی ہے جیسے چھال' شاخیں اور شگوفے کے غلاف وغیرہ اور ان سب سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسا کہ کھجور کے مخفی اور پوشیدہ پھل اور اس کی گرمی اور اس کے تنے سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۲ - ﴿ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ﴾ اور بھوسے والا اناج ہے۔ ''عصف'' سے زراعت کے پتے یا بھوسہ مراد ہے ﴿ وَالرَّيْحَانُ ﴾ اور رزق اور وہ خالص غذا ہے' مطلب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو غذا کے لیے نہیں بلکہ صرف لذت حاصل کرنے کے لیے کھایا جاتا ہے جیسے پھل وغیرہ اور بعض چیزیں غذا اور لذت دونوں کی جامع ہوتی ہیں جیسے کھجوروں کا پھل' یہ بھوک مٹانے کے لیے بطورِ غذا بھی کھایا جاتا ہے اور بطورِ لذت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض چیزیں صرف غذا کے لیے کھائی جاتی ہیں جیسے اناج خواہ وہ ''حب'' دانے ہوں یا ''ریحان'' (خالص غذا) اور بعض حضرات نے کہا کہ ''الریحان'' کا معنی ہے: خوشبودار پھول جسے سونگھا جاتا ہے [ قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''الرَّيْحَانِ'' مجرور پڑھا جاتا ہے یعنی بھوسہ مویشیوں کا چارہ ہے اور ''ریحان'' انسانوں کی خوراک ہے اور مرفوع ہونے کی صورت میں ''وَذُو الرَّيْحَانِ'' ہے' پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَالْحَبَّ ذَا الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانَ'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کا عامل ''خَلَقَ'' یا ''اَخَصَّ'' فعل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بھوسے والے دانے اور ''ریحان'' کو پیدا فرمایا' یا انہیں مخصوص فرما لیا ]۔

۱۳ - ﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی ان نعمتوں کو جن کو اس سورت کے آغاز سے اب تک شمار کیا گیا ہے [ اور ''الاء'' جمع ہے اس کا واحد ''اَلًى'' (ہمزہ مفتوح) اور ''اِلًى'' (ہمزہ مکسور) ہے ] یہ خطاب جنوں اور انسانوں دونوں کو ہے کیونکہ ان دونوں پر لفظ ''اَنَام'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ﴿۱۵﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ﴿۲۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۳﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۵﴾ ع النصف ۱۱

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا O اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا O سوائے

جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہی دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہے O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو دیکھنے میں آپس میں ملے ہوئے ہیں O جب کہ دونوں کے درمیان آڑ ہے جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے O اور اے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور دریاؤں میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

## جن وانس کی تخلیق اور سمندروں اور دریاؤں کے فوائد کا بیان

۱۴- ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خشک بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ ''صلصال'' ایسی خشک مٹی جس کو ہاتھ لگانے سے آواز نکلے ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ ٹھیکرے کی طرح یعنی ایسی مٹی جسے آگ میں پکایا گیا ہو اور اسے ٹھیکرا کہتے ہیں اور یاد رکھو کہ اس میں اور ارشاد ''مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍO'' (الحجر:۲۶) اور ''مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍO'' (الصافات:۱۱) اور ''مِنْ تُرَابٍ'' (آل عمران:۵۹) میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ ان سب کا معنی متفق ہے کیونکہ یہ افادہ کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان (کے باپ) کو مٹی سے پیدا کیا' اس کا گارا بنایا' پھر اسے سڑی ہوئی سیاہ مٹی بنایا' پھر اسے بجنے والی مٹی بنایا۔

۱۵- ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا (یعنی) جنوں کے باپ کو پیدا کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ ابلیس کو پیدا کیا ﴿مِنْ مَّارِجٍ﴾ آگ کے شعلے سے' یہ وہ شعلہ مراد ہے جو دھوئیں کی آمیزش سے صاف ستھرا ہو' جس میں دھواں بالکل نہ ہو اور بعض کا قول ہے کہ ایسا شعلہ جو آگ کی سیاہی سے مخلوط ہو۔ یہ ''مَرَجَ الشَّیْءُ'' جب کوئی چیز متحرک اور مخلوط ہو جائے ﴿مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ سے۔ یہ ''مارج'' کا بیان ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ جنوں کو آگ کے صاف شفاف شعلے سے یا آگ سے مخلوط شعلے سے پیدا کیا اور ''مِنْ نَّارٍ'' سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىO'' (اللیل:۱۴) ''سو میں نے تمہیں ایسی آگ سے ڈرایا ہے جو بھڑکتی رہتی ہے O''۔

۱۶- ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۷'۱۸- ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گرمی کے مشرق اور سردی کے مشرق دونوں کا رب تعالیٰ ہے اور اسی طرح گرمی کے مغرب اور سردی کے مغرب دونوں کا رب تعالیٰ اور مالک ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۹- ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ اللہ تعالیٰ نے دو دریا جاری کر دیئے جو باہم ملے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک نمکین پانی کا دریا بہایا اور ایک میٹھے پانی کا دریا بہایا دونوں باہم متصل وِمل کر چلتے ہیں' دیکھنے میں دونوں پانیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا بلکہ یوں نظر آتا ہے کہ نمکین اور میٹھا دونوں پانی باہم متصل اور ملے ہوئے ہیں۔

۲۰'۲۱- ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ﴾ ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک آڑ اور ایک پردہ حائل ہے[1]

[1] قدرتِ خداوندی کے ایک اور حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ پانی دو قسم کے ہیں: میٹھا' خوش ذائقہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿لَا يَبْغِيٰنِ﴾ وہ دونوں پانی اپنی اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھتے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک مخلوط ہونے اور مل جانے کے لیے دوسرے پر نہیں چڑھتا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۲‘۲۳- ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ﴾ ان دونوں میں سے موتی نکلتے ہیں اور یہ بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مرجان نکلتے ہیں‘ یہ ان سے چھوٹے موتی ہوتے ہیں اور ’’مِنْ هُمَا‘‘ فرمایا حالانکہ وہ دونوں نمکین پانی سے نکلتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کھارا اور میٹھا دونوں پانی باہم آپس میں ملتے ہیں تو ایک چیز کی طرح ہو جاتے ہیں‘ اس لیے جائز ہے کہ کہا جائے کہ چھوٹے بڑے موتی ان دونوں میں سے نکلتے ہیں‘ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ موتی اور مونگے سمندر سے نکلتے ہیں لیکن تمام سمندر سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے بعض میں سے نکلتے ہیں‘ جیسے تم کہتے ہو: میں شہر میں سے نکلا ہوں حالانکہ تم تو اس کے محلوں میں سے کسی ایک محلہ سے نکلے ہو‘ اور بعض حضرات نے کہا کہ موتی وغیرہ صرف نمکین اور میٹھے پانی کے آپس میں ملنے کے وقت نکلتے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۴‘۲۵- ﴿وَلَهُ﴾ اور اس کے لیے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿الْجَوَارِ﴾ رواں دواں کشتیاں (اور بحری جہاز) [’’الجواری‘‘‘ ’’جاریة‘‘ کی جمع ہے‘ علامہ زجاج نے کہا: اس پر ’’یا‘‘ کے ساتھ وقف ہوگا اور وقف کی بجائے وصل کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے اور اگر کوئی وقف کرنے والا اس پر بغیر ’’یا‘‘ کے وقف کردے تو بعید از قیاس ہونے کے باوجود جائز ہے لیکن ’’رَا‘‘ کے کسرہ پر وقف بالروم (موقوف علیہ کی حرکت کا ایک تہائی حصہ پڑھنا جس کو قریب والا سن سکے) کیا جائے گا] ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ بلند و بالا کشتیاں [قاری حمزہ کوفی اور یحییٰ کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ’’الْمُنْشِئٰتُ‘‘

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور تلخ و نمکین‘ لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان کو الگ الگ رکھنے کے لیے قدرت نے رکاوٹیں قائم کر دی ہیں تاکہ یہ باہم مل نہ سکیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگایا تو پانی میٹھا نکلا‘ پھر چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگایا گیا تو پانی کھارا نکلا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوار کے اندر والا پانی میٹھا اور باہر والا کھاری۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مَد ہوتا ہے تو سمندر کا آبِ شور دور تک خشکی کے دریاؤں‘ ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان کے میٹھے پانی کے ساتھ مخلوط نہیں ہوتا اور جذر کے وقت وہی آبِ شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا میٹھا پانی حسبِ سابق رواں رہتا ہے اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دریائے نیل جب بحرِ روم میں جا گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی جوں کا توں چلا جاتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے آخر میں لکھتے ہیں: اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے کھاری پانی سے مراد باطل ہے۔ باطل اپنی ساری کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو مٹا نہیں سکتا۔ گمراہی کے گھپ اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ ضرور فروزاں رہیں گے۔ ان طوفانوں اور اندھیروں کے باوجود حق کا علم لہراتا رہے گا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۶۹۔ ۳۷۰)

یہ دو سمندر ایک بحرِ روم ہے اور دوسرا بحرِ فارس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا بحرِ ہند ہے اور ان کے درمیان جو آڑ ہے وہ جزیرۂ عرب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۱۵‘ فرید بک سٹال‘ اردو بازار‘ لاہور)

پڑھا جاتا ہے' جس کا معنی اونچی اور اٹھی ہوئی کشتیاں یا وہ کشتیاں جو سمندر میں چلتے ہوئے موجوں کو اوپر اٹھاتی ہیں ] ﴿ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴾ سمندر میں پہاڑوں کی طرح۔ ''اعلام'' ''علم'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: بڑے اونچے لمبے پہاڑ ﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۸﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴿۳۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۲﴾

زمین پر رہنے والا ہر کوئی فنا ہونے والا ہے○ اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والی ہے○ سوتم دونوں (جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اسی سے مانگتے ہیں وہ ہر لحہ نئی شان میں ہوتا ہے○ سوتم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ اے جن وانس کے دو گروہو! ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لیے قصد فرمائیں گے○ سوتم دونوں (اے جن و انس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

## تمام مخلوق کے فنا اور محتاج ہونے کا بیان

۲۶'۲۷- ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾ جو بھی اس پر (یعنی) زمین پر ہے وہ ہر کوئی فنا ہونے والا ہے ﴿ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔ یہاں ''وَجْہ'' کا معنی ذات مراد ہے ﴿ ذُو الْجَلَالِ ﴾ عظمت و بڑائی اور سلطنت و بادشاہت والا ہے' اور یہ ''وَجْہُ'' کی صفت ہے ﴿ وَالْإِكْرَامِ ﴾ حسن سلوک اور عفو و درگزر کر کے فضل و کرم فرمانے والا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین صفات میں سے ایک عظیم الشان صفت ہے اور حدیث شریف میں ہے: تم (اپنی دعاؤں میں) ہمیشہ ''يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ'' پکارا کرو[1]

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت نماز ادا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ'' تو آپ نے فرمایا: بے شک تیری دعا قبول ہو گئی۔[2]

۲۸- ﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے' اور فنا اس اعتبار سے نعمت ہے کہ بے شک مؤمنین اس کے ذریعے دائمی نعمت اور آرام میں پہنچیں گے اور حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا: موت بہت اچھی ہے کیونکہ یہی تو دوست کو دوست کے قریب لے جاتی ہے۔

۲۹'۳۰- ﴿ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب اسی (اللہ تعالیٰ) سے سوال کرتے ہیں اور اسی سے مانگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام آسمانوں والے اور تمام زمین والے اللہ تعالیٰ کے محتاج

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات باب:۹۱' رقم الحدیث:۳۵۲۵

[2] رواہ احمد ج ۵ ص ۲۳۶' الترمذی رقم الحدیث:۳۵۲۷

اور اس کے منگتے ہیں' چنانچہ تمام آسمانوں میں رہنے والے اپنے دین سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں اور تمام زمین میں رہنے والے اپنے دین اور دنیا سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں [ قاری نافع مدنی کی قراءت میں اس جگہ پر وقف کیا جاتا ہے ] ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ وہ ہر لحہ نئی شان میں ہوتا ہے یعنی وہ ہر وقت اور ہر آن مختلف اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے اور نئے حالات پیدا کرتا ہے' جیسا کہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب اس آیت کو تلاوت کیا تو آپ سے عرض کی گئی کہ وہ شان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں کو کھولتا اور دُور کرتا ہے اور وہ کسی قوم کو سر بلند کر دیتا ہے اور عزت وغلبہ عطا کرتا ہے اور کسی قوم کو پست اور ذلیل وخوار کر دیتا ہے[1] اور امام ابن عیینہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دھر (زمانہ) صرف دو دن ہے' ان دو دنوں میں سے ایک آج کا دن جو دنیا کی پوری مدت ہے (یعنی دنیا کی ابتداء سے لے کر اس کے آخر تک ایک دن ہے ) سو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اس میں امر ونہی بھیجتا ہے اور زندگی اور موت دیتا ہے اور کسی کو عطا کرتا اور کسی سے روکتا ہے اور دوسرا دن آخرت کا دن ہے' سو اس میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس دن جزاء وسزا' ثواب وعقاب اور حساب وکتاب ہوگا۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب یہود نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ہفتے کے روز کسی کا کوئی فیصلہ نہیں کرتا تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی' اور کسی بادشاہ نے اپنے ایک وزیر سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا تو اس وزیر نے بادشاہ سے ایک دن کی مہلت طلب کی اور پریشان وغمگین ہو کر اپنے گھر چلا گیا اور گھر میں جا کر اس آیت کریمہ کے بارے میں غور وفکر کرنے لگا' اس کے ایک حبشی غلام نے اسے غمگین وفکر مند دیکھ کر کہا: اے میرے مالک! آپ اپنی مشکل مجھے بتائیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں آپ کی مشکل کو آسان کر دے' وزیر نے اسے ساری بات بتائی تو غلام نے کہا: اس آیت مبارکہ کی تفسیر بادشاہ کے سامنے میں خود بیان کروں گا' چنانچہ وزیر اپنے غلام کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور ساری صورتِ حال بیان کی اور غلام کو پیش کیا تو غلام نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ جاندار کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو جاندار سے پیدا کرتا ہے اور وہ بیمار کو شفاء دیتا ہے اور صحیح سلامت کو بیمار کر دیتا ہے اور وہ خیر وعافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور مصیبت میں مبتلا شخص کو عافیت عطاء کر دیتا ہے اور وہ ذلیل کو عزت دار بنا دیتا ہے اور عزت دار کو ذلیل کر دیتا ہے اور وہ فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور غنی کو فقیر بنا دیتا ہے' چنانچہ بادشاہ نے یہ سب تفسیر سن کر کہا کہ تم نے بہت اچھی تشریح کی ہے اور اس کو وزیر بنا دیا اور اپنے وزیر سے کہا کہ فوراً اسے وزارت کا لباس پہنا دو۔ اس پر حبشی غلام نے کہا: اے میرے آقا! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے' اور بعض حضرات نے کہا کہ تقادیر کو مقررہ اوقات تک لے جانا مراد ہے اور بعض حضرات کا بیان ہے کہ خراسان کے بادشاہ عبد اللہ بن طاہر نے اپنے وقت کے ایک عالم دین حضرت حسین بن مفضل کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تین آیات کے سبب مجھ پر تین اشکال وارد ہوئے ہیں' جن کی وجہ سے میں نے آپ کو بلایا ہے' تاکہ آپ ان کی وضاحت کر دیں: (۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ○" (المائدہ: ۳۱) "پس قابیل ہابیل کو قتل کر کے نادم ہو گیا ○" اور یہ بات یقیناً صحیح اور ثابت ہے کہ گناہ پر نادم وپشیمان ہونا توبہ ہے (تو پھر قابیل کو عذاب کیوں ہوگا؟) (۲) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ○" (الرحمٰن: ۲۹) "وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے ○" اور بے شک یہ بات صحیح ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا

1 رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۲' ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۶۸۹

ہے اسے قلمِ تقدیر لکھ کر خشک ہو چکا ہے (۳) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' (النجم:۳۹) ''اور انسان کو صرف اسی عمل پر اجر ملے گا جو اس نے خود کیاO'' تو ہر نیک عمل پر دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب کا وعدہ کیوں؟ چنانچہ حضرت حسین بن مفضل نے فرمایا: ممکن ہے کہ اُس امت میں ندامت و شرمندگی توبہ نہ ہوتی ہو اور اِس امت میں ندامت و شرمندگی توبہ ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قابیل‘ جناب ہابیل کے قتل پر نادم و شرمندہ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو جناب ہابیل کو دفن کرنے کے لیے اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتے رہنے پر نادم و شرمندہ ہوا تھا اور ''وَاِنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' کے بارے میں بھی یہی بات ہے کہ یہ قانون حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص تھا (اور اس امت کے لیے نہیں) اور لیکن باقی رہا ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍO'' تو یہ وہ شانیں ہیں (جو ازل میں طے شدہ ہیں اور) اللہ تعالیٰ ان کے طے شدہ فیصلوں کا اظہار کرتا ہے اور ان کو نافذ کرتا ہے‘ یہ وہ شانیں نہیں ہیں جن کو از سرِ نو پیدا کرتا ہے‘ چنانچہ عبداللہ بن طاہر یہ جوابات سن کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اس عالمِ دین کا سر چوم لیا اور اس کو بڑے انعام و اکرام سے نوازا [''کُلَّ یَوْمٍ'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

## عبرت آموز خطابِ الٰہی اور جن و انس کی بے بسی کا بیان

۳۱‘۳۲- ﴿سَنَفْرُغُ لَکُمْ﴾ ہم عنقریب تمہارے حساب و کتاب کے لیے متوجہ ہوں گے۔ دراصل جب عرب کا کوئی آدمی کسی شخص کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے: ''سَاَفْرُغُ لَکَ'' میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تجھے کسی ایسی مصیبت اور سزا میں مبتلا کر دوں گا کہ تو ہر شغل کو بھول جائے گا اور اس سے دشمن کو مغلوب کر کے اس پر غلبہ حاصل کرنا اور اس سے انتقام لینا مراد ہوتا ہے اور یہ کلامِ مبارک بھی اسی مقولہ سے مستعار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ عنقریب یہ دنیا اپنی انتہاء اور اپنے آخری انجام کو پہنچ جائے گی اور اس وقت مخلوق کے وہ تمام اُمور اپنی انتہاء کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جائیں گے‘ جن اُمور کا اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍO'' سے ارادہ فرما چکا ہے‘ پس اس وقت ایک شان کے علاوہ اور کوئی شان باقی نہیں رہے گی اور وہ ایک شان تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دینا ہے اور اسی کو بطورِ تمثیل ان کے لیے فراغت قرار دیا گیا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں نون کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''سَیَفْرُغُ'' پڑھا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے متوجہ ہوگا] ﴿اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ اے جن و انس کی دو بھاری جماعتو! یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان دونوں نے زمین کو (اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے) بوجھل اور بھاری کر دیا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جن وانس کے گروہو! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ' تم (اس کی سلطنت سے ) نہیں نکل سکتے مگر قوت وغلبہ کے ساتھ O سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (اے جن وانس!) تم دونوں پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا' پس تم روک نہیں سکو گے O سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

۳۴،۳۳- ﴿ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ'' کے ترجمہ کی مانند ہے ﴿ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ﴾ اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ' یعنی اگر تم یہ قدرت و طاقت رکھتے ہو کہ تم میرے فیصلے سے بھاگ کر آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ گے تو نکل جاؤ' پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ﴿ لَا تَنْفُذُوْنَ ﴾ تم نہیں نکل سکو گے یعنی تم بھاگ کر نکل جانے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾ مگر قوت و طاقت اور زبردست غلبہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ چیزیں تمہیں کہاں حاصل ہو سکتی ہیں' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج اس دنیا میں اس کے اطراف سے جن وانس کے نکل جانے کی عاجزی و بے بسی پر اور کل قیامت کے دن حساب کے لیے ان کے عجز پر دلالت و رہنمائی بیان فرمائی' اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہ انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا جب فرشتے انہیں گھیر لیں گے' چنانچہ جب جنات اور انسان فرشتوں کو دیکھیں گے تو بھاگیں گے مگر وہ جس طرف بھی جائیں گے وہاں فرشتوں کو ہر طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے پائیں گے ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۳۶،۳۵- ﴿ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ﴾ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (یعنی) دھوئیں کے بغیر خالص شعلہ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ''شِوَاظٌ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں شین کو مضموم پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿ وَّنُحَاسٌ ﴾ اور دھواں (تم پر چھوڑا جائے گا)' یہاں ''نحاس'' بہ معنیٰ ''دخان'' ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم اپنی قبروں سے نکلو گے تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا تاکہ یہ تمہیں میدانِ محشر میں ہانک کر لے جائیں [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''نحاس'' کو ''نار'' پر عطف کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ مرفوع ہونے کی حالت میں ''شواظ'' پر معطوف ہوگا] ﴿ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴾ سو تم ان دونوں کو روک نہیں سکو گے ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾
یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ
بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

وقف لازم
ع ۲

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گاO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO سو اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سےO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO جرم کرنے والوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچان لیا جائے گا اور انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گاO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھےO وہ (اس دن دوزخ میں جا کر) اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان دوڑتے پھریں گےO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO

## قیامت کی ہولناکی اور گناہ گاروں کی ذلت کا بیان

۳۸٬۳۷- ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ پھر جب قیامت کے وقوع کے وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ہو جائے گا اور بکھر جائے گا ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً﴾ تو وہ سرخ ہو جائے گا (یعنی) سرخ گلاب کے رنگ کی طرح ہو جائے گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اصل میں آسمان کا رنگ سرخ ہے لیکن اس تبدیلی کے بعد گہرا سرخ ہو کر نیلا نظر آئے گا ﴿كَالدِّهَانِ﴾ جیسے زیتوں کا تیل جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''كَـالْمُهْلِ'' (الکہف:۲۹) ''پگھلے ہوئے تانبے کی طرح'' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''الدِّهَان'' کا معنی ہے: رنگا ہوا سرخ چمڑا (ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے) ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۰٬۳۹- ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ پس اس دن یعنی جس دن آسمان پھٹ جائے گا ﴿لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سے یعنی ''جان'' سے جنات مراد ہیں' پس جان لو کہ تمام جنوں کا باپ ہے جسے ''ابو الجن'' کہتے ہیں اس کو جن کی جگہ اس طرح رکھا گیا ہے جس طرح ہاشم کہا جاتا ہے اور مراد اس کی اولاد ہوتی ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''لَا يُسْـَٔلُ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ عَنْ ذَنْۢبِهٖ'' اس آیت مبارکہ میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا' جب کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَO'' (الحجر:۹۲) ''سو (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور ضرور سوال کریں گےO'' نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَO'' (الصافات:۲۴) ''اور (اے فرشتو!) تم انہیں ٹھہراؤ بے شک ان سے سوال کیے جائیں گےO''۔ ان آیات میں موافقت اور مطابقت اس طرح ہے کہ قیامت کا دن بڑا طویل اور دراز ہوگا اور اس میں مختلف جگہیں ہوں گی' چنانچہ بعض جگہ ان سے سوال کیا جائے گا اور بعض دوسری جگہ میں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا' اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے ان سے سوال کیا جائے گا' پھر تمام لوگوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے' اس کے بارے میں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بول کر گواہی دیں گے' اور بعض حضرات نے کہا کہ ان سے سوال اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے لیکن انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے ان سے سوال کیا جائے گا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۲٬۴۱- ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾ گناہ گاروں کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیا جائے گا (یعنی) ان کے

کالے سیاہ چہروں اوران کی نیلی آنکھوں کی وجہ سے انہیں پہچان لیا جائے گا ﴿فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ﴾ پھرانہیں پیشانیوں اورقدموں سے پکڑ لیا جائے گا یعنی کبھی توان کو پیشانیوں کے بالوں سے پکڑ کر (دوزخ میں ڈالنے کے لیے) لے جایا جائے گا اور کبھی قدموں سے پکڑ کر (مونہوں کے بل کھینچ کر) لے جایا جائے گا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۳'۴۴- ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ﴾ یہ وہ ہے جہنم جس کو مجرم و گناہ گار لوگ جھٹلایا کرتے تھے ۝ وہ لوگ اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان پھرتے ہوں گے جس کا پانی گرم ترین ہوگا اوراس کی حرارت وگرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی یعنی ان کو دوزخ کی آگ سے جلانے اورگرم ترین پانی پلانے کی سزا دی جائے گی۔

۴۵- ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اوراس میں نعمت یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے کی نجات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اوراس کی رحمت و مہربانی سے ہوگی اوراس آیت مبارکہ کے ذریعے ڈرانے میں تنبیہ ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ
اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ خوب سبز شاخوں والیاں ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ ان دونوں (جنتوں) میں دو چشمے بہتے ہوں گے ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ ان دونوں میں ہر پھل دو دو قسم کے ہوں گے ۝ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

## اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے انعامات کا بیان

۴۶'۴۷- ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ "مقام" سے وہ موقف مراد ہے جس میں قیامت کے دن حساب کے لیے تمام بندے کھڑے ہوں گے اور معنی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور وہ تمام گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا یا وہ تمام فرائض ادا کرتا رہا تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں[1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ "مقام" (صرف تحسین کلام کے لیے) زائد داخل کیا گیا ہے (اصل میں "وَلِمَنْ خَافَ رَبَّهٗ" ہے یعنی جو شخص اپنے رب سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں) اور جیسے عرب کے شاعر کا قول ہے: "وَنَفَیْتُ عَنْهُ مَقَامَ الذِّئْبِ" (لفظ "مقام" زائد ہے) "اَیْ وَنَفَیْتُ عَنْهُ الذِّئْبَ" یعنی اور میں نے فلاں آدمی سے بھیڑیا کو دور کر دیا ﴿جَنَّتٰنِ﴾ دو

1 حضرت ضحاک نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا' جوان کو بہت اچھا لگا' انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنتیں ہیں' ایک جنت انسانوں کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں کے لیے ہے کیونکہ خطاب دونوں جماعتوں کے لیے ہے'

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو پھر انہوں نے اس دودھ کی قے کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تمہارے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی۔ (تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۲۸' بحوالہ النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ ص ۱۶۱' دار الفکر' بیروت) نیز روح البیان میں بھی یہی روایت بیان کی گئی ہے۔ (روح البیان مترجم جز ۲۷ ص ۳۸۵۔۳۸۶' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

نوٹ: یہ آیت مبارکہ اگرچہ مورد اور شانِ نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے' لیکن حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے' چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی نے یہ شانِ نزول بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اب یہ آیت عام ہے کہ جو کوئی بُرائی کا ارادہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے چھوڑ دے تو اس کو بھی یہی انعام نصیب ہوگا جو اس آیت میں مذکور ہے' نیز علامہ ابن کثیر نے ایک شانِ نزول یہی بیان کیا' اس کے بعد لکھا کہ یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا' دنیا کی زندگی کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے' فرائض بجالاتا ہے' محرمات سے رُکتا ہے تو قیامت کے دن اسے ایک کی بجائے دو دو جنتیں ملیں گی۔ صحیح بخاری میں ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا تمام سامان بھی چاندی ہی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی' ان کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب سونے کا ہوگا' ان میں رہنے والے جنتیوں کے درمیان اور دیدارِ باری تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی' ماسوا عظمت و کبریائی کے پردے کے' جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ہے' یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ حدیث سنن ابوداؤد کے علاوہ صحاح کی دیگر تمام کتابوں میں بھی ہے۔ راوی حدیث حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ" اور "وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝" کی تفسیر ہے۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لیے' چاندی کی دو جنتیں اصحابِ یمین کے لیے ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم جز ۲۷ ص ۵۷۔۵۸' ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ خوفِ خدا رکھنے والوں کو دو جنتیں اس طرح ملیں گی:

(۱) دو جنتوں میں سے ایک میں اس کے بیوی بچوں اور خدام کے لیے رہائشی محل ہوگا' دوسری میں خود اس کے لیے رہائشی محل ہوگا' جہاں دوست واحباب کی زیارت وملاقات کے لیے محافلِ نشاط وسرور منعقد ہوا کریں گی۔

(۲) جنت میں دو باغ ہوں گے' ایک باغ اس کے محل کے اندر ہوگا اور دوسرا باغ محل کے باہر ہوگا۔

(۳) جنت میں دو دو منزلیں ہوں گی' جب وہ چاہیں ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہو جائیں تاکہ اس کی لذت وسرور کے اسباب میں اضافہ ہو اور اس کی عزت وکرامت کے پھل کا اظہار ہو۔

(۴) ایک جنت عقیدہ صحیحہ کے انعام میں اور دوسری اعمالِ صالحہ کے انعام میں۔

(۵) ایک جنت طاعات وعبادات کرنے پر اور دوسری جنت گناہوں کے ترک کرنے پر۔

(۶) ایک جنت اعمالِ صالحہ کے ثواب میں اور دوسری اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے۔

(۷) ایک جنت روحانی (جس میں دیدارِ الٰہی' حمدِ الٰہی کے نغمات کی سماعت سے لطف اندوزی اور اہل اللہ کی زیارت وملاقات سے شرف یابی) دوسری جنت جسمانی ہوگی (جس میں جنتی مشروبات اور جنتی ماکولات وغیرہ سے تواضع ہوگی)۔

(۸) حضرت مقاتل بن سلیمان نے فرمایا: ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم ملیں گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۶' مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر روح البیان مترجم جز ۲۷ ص ۳۸۶' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

گویا فرمایا گیا ہے کہ تم دونوں میں سے ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں' ایک جنت انسانوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۹'۴۸۔ ﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ﴾ جو پھل دار سبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں۔ ''افنان'' کا معنی ہے: ''اغصان'' یعنی ہری بھری سبز شاخیں۔ یہ یا تو ''فَنَنٌ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: دراز اور لمبی سرسبز پھل دار شاخیں اور ٹہنیاں' اور یہ اس لیے کہ ان جنتوں کے درخت دراز شاخوں اور لمبی ڈالیوں والے ہوں گے جن پر سبز پتے اور پھل بہ کثرت ہوں گے' چنانچہ ان میں سے بعض درختوں کے سائے بڑے دراز اور طویل ہوں گے اور ان میں سے بعض درخت زیادہ پھل آور ہوں گے یا پھر یہ ''فَنٌّ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: مختلف انواع واقسام کی پھل دار شاخیں یعنی خوفِ خدا رکھنے والے کے لیے ان دونوں جنتوں میں تمام اقسام کے پھل ہوں گے' اس کا جو جی چاہے گا اور جس پر اس کی آنکھیں خوش ہوں گی وہی اسے ملے گا۔ عرب کے شاعر نے کہا:

وَمِنْ کُلِّ اَفْنَانِ اللَّذَاذَةِ وَالصِّبَا ... لَهَوْتُ بِهٖ وَالْعَیْشُ اَخْضَرُ نَاضِرُ

''اور ہر قسم کے لذیذ اور پسندیدہ پھل دار لمبی شاخوں والے درختوں میں' میں اس کے ساتھ مشغول رہتا ہوں اور زندگی بڑی تروتازہ' خوب پُر رونق ہے''۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۱'۵۰۔ ﴿فِیْهِمَا﴾ ان دونوں میں یعنی ان دونوں جنتوں میں ﴿عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ﴾ دو چشمے بہتے رہتے ہیں' جہاں جنتی حضرات چاہیں گے وہیں وہ چشمے بہنا شروع کر دیں گے بالائی منزلوں میں چاہیں گے تو وہ بالائی منزلوں میں پانی سمیت اوپر جا کر بہنا شروع کر دیں گے اور اگر وہ زیریں منزلوں میں چاہیں تو وہ چشمے نیچے بہنا شروع کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ صاف ستھرے میٹھے پانی کے چشمے ہوں گے (جن کا پانی حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے گا) ان میں سے ایک کا نام آبِ تسنیم کا چشمہ ہے اور دوسرے کا نام آبِ سلسبیل کا چشمہ ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۳'۵۲۔ ﴿فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ﴾ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے پھل دو دو قسم کے ہوں گے' ایک معروف ومشہور قسم ہوگی اور دوسری قسم عجیب وغریب اور نرالی ہوگی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

| |
|---|
| مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ |
| اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ |

وہ ایسے بستروں پر تکیہ لگانے والے ہوں گے جن کے استر عمدہ ترین گاڑھے ریشم کے ہوں گے' اور دونوں جنتوں کے پھل (جھک کر) نزدیک ہوں گے ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۵۵'۵۴۔ ﴿مُتَّکِـِٕیْنَ﴾ متقین ان جنتوں میں بادشاہوں کی طرح تکیے لگا کر سہارا لیے بڑے آرام سے بیٹھے ہوں

گے [ ''متکئین''، ''خائفین'' کے لیے مدح کی بناء پر یا ان سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ''مَنْ خَافَ'' جمع کے معنی میں ہے ] ﴿ عَلٰى فُرُشٍۭ ﴾ بستروں اور بچھونوں پر' یہ ''فراش'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: پلنگوں پر یا زمین پر بیٹھنے کے لیے بچھائی جانے والی ڈبل چادریں اور بستر ﴿ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ ان کا استر نفیس ترین موٹے ریشم کا ہوگا۔ ''بَطَائِنُ''، ''بِطَانَةٌ'' کی جمع ہے' اور اس کا معنی ہے: کپڑے کے اندر کا حصہ' جسے استر کہا جاتا ہے اور ''استبرق'' کا معنی ہے: خوب صورت موٹا ریشم اور یہ معرب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان بستروں کا بیرونی حصہ سندس یعنی نفیس اور باریک کپڑے کا ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴾ اور دونوں جنتوں کے پھل جھک کر قریب آ چکے ہوں گے اور ان کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ کھڑا ہوا' بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے حاصل کر لے گا ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

ان میں نظریں نیچے رکھنے والی عورتیں (حوریں) ہوں گی' جن کو ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ گویا وہ (حوریں صاف و شفاف) یاقوت اور سفید چمک دار موتی ہیں ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ نیکی کا بدلہ نہیں مگر نیکی ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۵۶'۵۷- ﴿ فِيْهِنَّ ﴾ ان دو جنتوں میں۔ ضمیر جمع اس لیے ہے کہ یہ دونوں جنتیں بہت سے مکانات اور محلات اور بہت سی مجالس پر مشتمل ہیں یا پھر اس لیے کہ ان دونوں جنتوں میں بہت سی نعمتوں کو شمار کیا گیا ہے مثلاً بلند و بالا شاخوں والے پھل دار درختوں کے باغات' دو چشمے بہنے والے اور ہر قسم کے میوہ جات و پھلوں کی کثرت اور ان پھلوں کا جھک کر ہر جنتی کے قریب آنا ﴿ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ﴾ شرم وحیاء کے سبب اپنی نگاہیں نیچے جھکا کر رکھنے والیاں یعنی ان جنتوں میں ایسی باحیاء عورتیں ہوں گی جو اپنی نگاہیں صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی اور وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گی ﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ ''طمث'' کا لغوی معنی ہے: جماع کے ذریعے باکرہ کو خون آلود کرنا (مطلب صرف جماع کرنا ہے) [ابو عمرو دوری کی قراءت میں میم مکسور ہے جب کہ علی کسائی کی قراءت میں میم مضموم ہے] ﴿ وَلَا جَآنٌّ ﴾ اور نہ کسی جن نے انہیں ہاتھ لگایا' اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن بھی اسی طرح جماع کرتے ہیں جس طرح انسان جماع کرتے ہیں ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۸'۵۹- ﴿ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ ﴾ گویا وہ صفائی میں یاقوت (یعنی جس طرح یاقوت صاف ستھرا ہوتا ہے' اسی طرح حوروں کے بدن صاف شفاف ہوں گے ) ﴿ وَالْمَرْجَانُ ﴾ اور سفید مونگے اور یہ موتیوں سے زیادہ سفید ہوتے ہیں ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۰'۶۱- ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے (یعنی) عمل میں نیکی کا بدلہ اجر وثواب میں نیکی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے اقرار کرنے کے عمل کا بدلہ صرف جنت ہے اور حضرت ابراہیم الخواص سے اس کے متعلق یہ منقول ہے کہ اسلام قبول کرنے کا بدلہ دار السلام (بہشت) ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

اور ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہ دونوں خوب گہرے سبز رنگ کی ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں جنتوں میں دو جوش مارنے والے چشمے ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان میں نیک سیرت خوب صورت عورتیں ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O پردہ نشین حوریں خیموں میں ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

۶۲'۶۳- ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾ اور ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں (یعنی) مذکورہ بالا آیات میں مقربین کے لیے جن دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں جو اصحابِ یمین میں سے ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان مقربین کے علاوہ ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۴'۶۵- ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ وہ دونوں جنتیں خوب سرسبز وشاداب ہیں یہاں تک کہ وہاں پھولوں اور درختوں کے سبز رنگ کی شدت وکثرت کے سبب وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل گہری سبز رنگ دکھائی دیتی ہیں۔ علامہ خلیل نے فرمایا کہ "دَهْمَةٌ" کا معنی ہے: سیاہی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۶'۶۷- ﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾ ان دونوں جنتوں میں جوش مار کر اُبلتے ہوئے دو چشمے ہیں جن سے پانی چھلکتا رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ کبھی رُکیں گے بلکہ ہمیشہ جاری رہیں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۸'۶۹- ﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ﴾ ان دونوں جنتوں میں مختلف رنگوں اور مختلف قسموں کے پھل ہوں گے ﴿وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انار اور کھجوریں پھلوں میں سے نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں کا ''فَاکِهَةٌ'' (پھل) پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ کھجوروں کو صرف بہ طور پھل نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو بطورِ خوراک بھی کھایا جاتا ہے اور انار پھل بھی ہے اور دوا بھی ہے' لہٰذا کھجور اور انار خالص پھل کے لیے نہیں ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''نَخْلٌ'' اور ''رُمَّانٌ'' کا ''فَاکِهَةٌ'' پر عطف مغائرت کے لیے نہیں بلکہ ان دونوں کی فضیلت کی وجہ سے ہے' گویا یہ دونوں دوسری جنس ہیں کیونکہ انہیں فضیلت واہمیت حاصل ہے جیسا کہ فرشتوں پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی فضیلت کی بناء پر عطف کر کے ارشاد ہوا: ''وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکَالَ'' (البقرہ:۹۸)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۰'۷۱- ﴿فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ان جنتوں میں نیک سیرت نیک عادات والی خوب صورت وحسین چہروں والی ہیں۔ اصل میں ''خَیِّرَاتٌ'' ہے' پھر تخفیف کر دی گئی اور اس کو اصل کی بناء پر ''خَیِّرَاتٌ'' بھی پڑھا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حوریں اچھے اخلاق والی نیک سیرت ہیں اور ''حسان'' کا معنی ہے: خوب صورت اور حسین چہروں والی حوریں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۲'۷۳- ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ﴾ حوریں خیموں میں بند ہیں یعنی پردہ نشین ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''اِمْرَاَةٌ قَصِیْرَةٌ وَمَقْصُوْرَةٌ'' یعنی عورت پردہ نشین ہے اور ''خیام'' کا مطلب ہے کہ گنبد کی طرح گول چھتیں اندر سے خالی موتیوں کے بڑے بڑے گھر ہوں گے جن میں حوریں پردہ نشین ہوں گی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

| |
|---|
| لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ |
| خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ |
| وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾ |

ع ۱۲

انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ جن نے O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہ سبز قالینوں اور خوب صورت قیمتی بستروں پر تکیے لگانے والے ہوں گے O سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O آپ کے پروردگار کا نام بہت مبارک ہے' جو بہت عظمت وبزرگی والا ہے O

۷۴'۷۵- ﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے' یعنی جنتیوں سے پہلے کسی نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا نہ انسانوں نے نہ جنوں نے' اور اس کی دلیل ''جَنَّتَیْنِ'' کا ذکر ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۶'۷۷- ﴿مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ﴾ جنتی حضرات سبز رنگ کے قالینوں پر تکیے لگا کر شاہانہ انداز میں بیٹھے ہوں گے۔ ''رفرف'' ہر موٹے کپڑے کو کہا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ''رفرف'' سے تکیے مراد ہیں جن پر جنتی حضرات ٹیک لگا کر بیٹھیں گے [''متکئین'' اختصاص کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَّعَبْقَرِیٍّ﴾ اور قیمتی بچھونے جو ریشمی ہوں گے یا قیمتی ریشمی

چادریں ﴿حِسَانٍ﴾ حسین وجمیل اور خوب صورت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے' اور ان دو جنتوں کی صفات پہلی دو جنتوں کی صفات کے مقابلے میں کم تر بیان کی گئی ہیں' یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ ''وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ'' (جس کا ایک ترجمہ یہ ہے:) اور ان دو جنتوں سے کم تر دو جنتیں اور ہیں کیونکہ ''مُدْهَامَّتَانِ''، ''ذَوَاتَا اَفْنَانٍ'' سے کم تر ہیں اور ''نَضَّاخَتَانِ''، ''تَجْرِيَانِ'' سے کم تر ہیں اور ''فَاكِهَةٌ''، ''مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ'' سے کم تر ہے اور اسی طرح ''حور'' اور ''متکا'' کا حال ہے۔

۷۸- ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ﴾ آپ کے پروردگار کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ذوالجلال'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں اسم کی صفت ہوگا] ﴿وَالْاِكْرَامِ﴾ اور اپنے اولیاء (دوستوں) کو انعام کے ذریعہ عزت دینے والا ہے۔

## سورۃ رحمٰن کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے سورۃ رحمٰن کی تلاوت فرمائی' پھر فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں خاموش دیکھ رہا ہوں۔ سنو! میری تلاوت پر جنوں کا ردِّ عمل تم سے بہت بہتر تھا کیونکہ میں جب بھی تلاوت کرتے ہوئے ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ'' پر پہنچتا تو جنات کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' پس تمام تعریفیں صرف تیرے لیے ہیں اور تیری ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔[1]

نوٹ: اس آیت مبارکہ کو اس سورت میں اکتیس (۳۱) مرتبہ دہرایا گیا ہے' جن میں سے آٹھ مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی صنعت کے عجائب وغرائب کو شمار کیا گیا ہے اور نیز ان میں مخلوق کی ابتداء اور اس کے انجام کو شمار کیا گیا ہے' پھر ان میں سے سات مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے جن میں جہنم کے دروازوں کی تعداد کے برابر دوزخ کی آگ اور اس کی سختیوں کا ذکر کیا گیا ہے' اور ان سات کے بعد جنت کے دروازوں کی تعداد کے برابر آٹھ مرتبہ دو جنتوں اور ان میں جانے والوں کے اوصاف کے بیان کے دوران ذکر کیا گیا اور ان کے بعد اس آیت مبارکہ کو پھر آٹھ مرتبہ ان دو جنتوں کے لیے ذکر کیا گیا جو پہلی دو جنتوں کے علاوہ بیان کی گئیں' سو جس نے پہلی آٹھ پر اعتقاد کر لیا اور ان کے موجب پر عمل کر لیا تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے اور دوزخ کے دروازے اس پر بند ہو گئے۔

| سورۃ الواقعۃ مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | آیاتها ۹٦ |
|---|---|---|

سورۃ الواقعہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی چھیانوے آیات' تین رکوع ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۱۲

وقف لازم

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳

جب واقع ہو جانے والی (قیامت) واقع ہو جائے گیO اس کے وقوع کے بارے میں کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گاO وہ (کسی کو) پست کرنے والی (اور کسی کو) بلند کرنے والی ہو گیO جب زمین تھرتھرا کر کانپنے لگے گیO اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گاO سو وہ پھیلے ہوئے غبار ہو جائیں گےO اور تم تین قسمیں ہو جاؤ گےO سو دائیں طرف والے' کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والےO اور بائیں طرف والے' کتنے بُرے ہیں بائیں طرف والےO اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیںO یہی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیںO وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گےO

## قیامت کے وقوع اور انسان کی تقسیم کا بیان

نوٹ: سورۃ الواقعۃ مکی ہے' اس کی آیات چھیانوے (۹٦) اور تین رکوع ہیں۔

۱- ﴿ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴾ جب واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے گی (یعنی) جب قیامت قائم ہو گی اور بعض کا قول ہے: اس کو وقوع کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کا وقوع پذیر اور قائم ہونا ہر حال میں لازمی ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کا وقوع لازمی ہے اور کسی امر کے وقوع کا مطلب ہے اس کا نازل ہونا' جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ کام واقع ہو گیا ہے جس کی تمہیں توقع تھی یعنی وہ کام نازل ہو گیا ہے جس کے نزول کا تم انتظار کرتے تھے ["اِذَا" پوشیدہ فعل امر "اُذْكُرْ" کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب قیامت قائم ہو گی]۔

۲- ﴿ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴾ اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا یعنی جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا اور نہ اس غیبی خبر کے جھٹلانے کے بارے میں جھوٹ بولے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص تصدیق کرنے والا سچا پکا مؤمن بن جائے گا حالانکہ آج اس دنیا میں بہت سے لوگ جھوٹ بولنے والے بہت سے دینی اُمور کو جھٹلانے والے موجود ہیں ["لِوَقْعَتِهَا" میں لام تعلیل کا ہے] یعنی قیامت کے وقوع ہو جانے کی وجہ سے اس کے متعلق کوئی شخص جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا' اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ہے: "يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيO" (الفجر:۲۴) "کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتاO"۔

۳- ﴿ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴾ تہ و بالا کر دینے والی "اَىْ هِىَ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ" یعنی وہ (قیامت) پست و بلند کرنے والی ہے کیونکہ یہ قیامت بعض قوموں کو اس دن بلند کر دے گی اور بعض دوسری قوموں کو پست و ذلیل کر دے گی۔

٤- ﴿ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴾ جب زمین تھرتھرا کر کانپنے لگے گی (یعنی) جب زمین سخت ترین جھٹکے کھانے لگے گی اور زلزلے سے جھولنے لگ جائے گی' یہاں تک کہ ہر چیز خواہ پہاڑ ہوں یا مکانات و محلات اور دیگر تمام تعمیرات اوپر سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے [اور یہ "اِذَا وَقَعَتْ" سے بدل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے "خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ" کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے] یعنی زمین کے متزلزل ہو جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے وقت قیامت ہر چیز کو تہ و بالا کر دے گی۔

۵- ﴿ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴾ اور پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور ان کو چورہ چورہ بنا دیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ ستوؤں کی طرح ہو جائیں گے یا یہ معنی ہے کہ پہاڑوں کو چلایا جائے گا' یہ "بَسَّ الْغَنَمَ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکریاں ریوڑ سے چراگاہ کی طرف چل پڑتی ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًاO" (النبا:۲۰) "اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا' پس وہ چمکتی ہوئی ریت ہو جائیں گےO"۔

٦- ﴿ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴾ سو وہ غبار بن کر بکھر جائیں گے اور ریت کے ذرّوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

۷- ﴿ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ﴾ اور (اس دن) تم چند قسمیں ہو جاؤ گے۔ یہاں ''اَزْوَاجًا'' بہ معنی ''اَصْنَافًا'' ہے اور ''اصناف'' ان قسموں کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کی جنس سے ہوں یا ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہو ﴿ ثَلٰثَةً ﴾ تین قسمیں ہو جاؤ گے' جن میں سے دو قسمیں جنت میں جائیں گی اور ایک قسم دوزخ کی آگ میں جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ نے ''ازواج'' کی خود تفسیر بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸- ﴿ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴾ سو دائیں طرف والے [یہ مبتدا ہے] اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ﴿ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴾ کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے اور یہ ان کی سعادت مندی اور کامیابی و کامرانی کی وجہ سے ان کے نیک بخت حال پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کی شان کے لیے تعظیم و تکریم کا اظہار ہے گویا (سامعین و حاضرین کے تعجب کے لیے) فرمایا گیا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کا کیا حال ہے؟ [یہ مبتدا' خبر ہیں اور یہ دونوں مبتدا اور خبر باہم مل کر پہلے مبتدا ''اصحاب المیمنۃ'' کی خبر ہیں]۔

۹- ﴿ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴾ اور بائیں طرف والے یعنی وہ لوگ جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے' یا یہ معنی ہے کہ دائیں طرف والے عالی شان اور بہترین مرتبہ میں ہوں گے اور بائیں طرف والے خسیس ترین اور بدترین حال میں ہوں گے' جیسے تم کہتے ہو: ''فُلَانٌ مِّنِّیْ بِالْیَمِیْنِ وَفُلَانٌ مِّنِّیْ بِالشِّمَالِ'' فلاں آدمی میرے نزدیک بلند مرتبہ والا ہے اور فلاں آدمی میرے نزدیک کم ترین ہے۔ یہ اس وقت صحیح ہو گا جب تم ان دونوں صفات میں سے ایک صفت یمین کو اپنے نزدیک رفعت و بلندی کے لیے استعمال کرو' اور دوسری صفت شمال کو ذلت و پستی کے لیے استعمال کرو (ترجمہ اسی معنی میں کیا گیا ہے) اور یہ اس لیے کہ نیک لوگ اپنے نیک اعمال کے تیمن و برکت کی وجہ سے بابرکت ہوں گے اور بُرے لوگ اپنی بُرائیوں کی وجہ سے محروم و منحوس ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے کہا کہ اہل جنت کے لیے دائیں طرف والوں کو اور اہل دوزخ کے لیے بائیں طرف والوں کو لیا جائے گا ﴿ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴾ بائیں طرف والے کتنے بُرے لوگ ہیں یعنی ان کا کیا حال ہے' اور یہ ان کی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے ان کے حال پر تعجب کا اظہار ہے۔

۱۰'۱۱- ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں ۝ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں [پہلا ''اَلسَّابِقُوْنَ'' مبتدا ہے اور دوسرا ''اَلسَّابِقُوْنَ'' اس کی خبر ہے] اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَلسَّابِقُوْنَ اِلَی الْخَیْرَاتِ السَّابِقُوْنَ اِلَی الْجَنَّاتِ'' نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے جنتوں اور بہشتوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوسرا پہلے کی تاکید ہے اور ''اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' خبر ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے]۔

۱۲- ﴿ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴾ ''اَیْ ھُمْ فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ'' یعنی وہ لوگ نعمتوں والی پر امن جنتوں میں رہیں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ
عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَ
كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾

پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگاO اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑا سا ہوگاO سونے سے مرصع تختوں پر ہوں گےO وہ ان پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے شاہانہ انداز میں تکیے لگائے ہوئے ہوں گےO ان کے اردگرد ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گےO بڑے پیالوں اور آب خوروں اور آنکھوں کے سامنے بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام کے ساتھO نہ تو اس سے انہیں سر درد ہوگا اور نہ وہ بے ہوش ہوں گےO اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گےO اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گےO اور بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوریں ہوں گیO جیسے چھپا کر رکھے گئے موتیO یہ ان (نیک) اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھےO وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی باتO

## سبقت لے جانے والوں کا تعارف اور ان کے لیے انعامات کا بیان

۱۳'۱۴- ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ O وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگاO اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔ اصل میں ''هُمْ ثُلَّةٌ'' ہے اور ''ثُلَّةٌ'' کا معنی ہے: لوگوں کا بہت بڑا گروہ اور معنی یہ ہے کہ بے شک نیکیوں میں سبقت کرنے والے پہلے لوگوں میں سے بہت زیادہ ہوں گے اور ''اوّلین'' سے وہ تمام امتیں مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد تک گزر چکی ہیں اور ''قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ'' سے امت محمد ﷺ مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اوّلین'' سے اس امت کے متقدمین مراد ہیں اور ''آخِرِيْنَ'' سے اس امت کے متاخرین مراد ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہوں گے[1]

۱۵- ﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ﴾ وہ ایسے تختوں اور پلنگوں پر تشریف فرما ہوں گے جو سونے سے مرصع ہوں گے نیز ان پر موتیوں اور یاقوتوں کی کڑھائی کی گئی ہوگی [''سُرُرٌ'' جمع ہے اس کا واحد ''سَرِيْرٌ'' ہے جیسے ''كُتُبٌ'' جمع ہے اور ''كِتَابٌ'' واحد ہے]۔

۱۶- ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا﴾ وہ ان پلنگوں پر تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے [یہ ''عَلٰى سُرُرٍ'' کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اور وہی اس میں عامل ہے ''اَىْ اِسْتَقَرُّوْا عَلَيْهَا'' یعنی وہ مقربین ان پر براجمان ہوں گے] ﴿مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اور ایک دوسرے کے چہروں کا دیدار کریں گے' مگر وہ ایک دوسرے کی پشتوں کو نہیں دیکھیں گے اور یہ ان کی حسنِ معاشرت اور مہذب اخلاق اور صاف و پاکیزہ دوستی کے ساتھ توصیف کی گئی ہے [یہ بھی اسی سے حال واقع ہو رہا ہے]۔

۱۷- ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ ان کی خدمت کرنے کے لیے نوخیز لڑکے ان کے گرد پھرتے رہیں گے۔ ''ولدان''، ''ولید'' کی جمع ہے ﴿مُّخَلَّدُوْنَ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ نوخیز لڑکوں کی شکل و صورت پر قائم و باقی رہیں گے اور اس حال سے (پکی عمر اور بڑھاپے کی طرف) نہیں پھریں گے' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ ''مُقَرَّطُوْنَ'' یعنی زیورات سے آراستہ ہوں گے اور ''خُلْدَةٌ'' بہ معنی کنگن اور بالیاں آیا ہے۔ بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ وہ دنیا والوں کی اولاد ہوگی۔ ان کے پاس نہ

---

[1] رواہ الطبرانی وابن عدی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۵۸)

تو نیکیاں ہوں گی کہ ان پر ان کو اجر و ثواب عطا کیا جائے اور نہ ان کی بُرائیاں ہوں گی جن پر انہیں سزا دی جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ کفار کی اولاد اہل جنت کے خدام ہوں گے[1]۔

١٨- ﴿بِأَكْوَابٍ﴾ کوزہ' یہ ''كُوبٌ'' کی جمع ہے اور یہ ایک ایسا برتن ہے جس کا نہ تو پکڑنے کے لیے دستہ بنا ہوتا ہے اور نہ پانی پینے کے لیے مخصوص ٹونٹی بنی ہوتی ہے بلکہ ایک بڑا پیالہ' گلاس یا لوٹا نما برتن ہے (ہاتھوں میں لے کر جہاں سے چاہیں پانی پی لیں) ﴿وَأَبَارِيقَ﴾ آفتابے' یہ ''ابـريـق'' کی جمع ہے اور یہ وہ برتن ہے جس کا پانی پینے کے لیے زائد حصہ (ٹونٹی) بنا ہوا ہوتا ہے اور پکڑنے کے لیے دستہ بھی بنا ہوا ہوتا ہے جسے آفتابہ کہتے ہیں ﴿وَكَأْسٍ﴾ اور ایسا پیالہ جس میں شراب ہو (جسے جامِ شراب کہتے ہیں) اور اگر اس میں شراب نہ ہو تو وہ ''کـاس'' نہیں کہلائے گا (بلکہ اسے ''قدح'' کہتے ہیں) ﴿مِّن مَّعِينٍ﴾ شراب کا چشمہ۔ جنت میں شرابِ طہور چشموں سے بہتی ہوگی۔

١٩- ﴿لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا﴾ انہیں اس سے سر کا درد نہیں ہوگا یعنی اس شراب کے سبب انہیں سر درد نہیں ہوگا اور جنتی شراب کی حقیقت یہی ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں سر کا درد شروع ہی نہیں ہوگا یا اس کی وجہ سے ان میں افتراق و انتشار پیدا نہیں ہوگا (جیسے دنیا کی شراب کی مستی میں لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے انتشار پیدا ہو جاتا ہے) ﴿وَلَا يُنزِفُونَ﴾ اور نہ وہ بے ہوش ہوں گے۔ جب شراب پینے کی وجہ سے کسی آدمی کی عقل چلی جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''نُـزِفَ الـرَّجُلُ'' فلاں آدمی کی عقل زائل ہوگئی [ کوفی قراء کی قراءت میں ''لَا يُـنْـزِفُونَ'' زا مکسور (بابِ انفعال سے) پڑھا جاتا ہے] یعنی اہل جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جب کسی قوم کی شراب ختم ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ''أَنْزَفَ الْقَوْمُ''۔

٢٠- ﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ﴾ اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گے اور وہ اس سے بہترین اور اچھا پھل لے لیا کریں گے۔

٢١- ﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش اور تمنا کریں گے۔

٢٢- ﴿وَحُورٌ عِينٌ﴾ اور بڑی بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی' یعنی ان بہشتوں میں بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ ان جنتیوں کے لیے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین حوریں ہوں گی [''حـور'' ''حوراء'' کی جمع ہے اور ''عین'' ''عیناء'' کی جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ 'ولدان' پر معطوف ہو اور ''جنات النعیم'' پر عطف کر کے یزید' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''حُوْرٍ'' (''را'' مکسور) پڑھا جاتا ہے] گویا فرمایا کہ وہ حضرات جنتوں' پھلوں' پرندوں کے گوشت اور حوروں میں ہوں گے۔

٢٣- ﴿كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ﴾ وہ حوریں صفائی اور ستھرائی میں محفوظ و چھپا کر رکھے گئے موتیوں کی طرح ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ وہ سیپی سے تازہ بہ تازہ نکلے ہوئے صاف شفاف موتیوں کی طرح ہیں جنہیں ابھی نہ زمانہ نے متغیر و تبدیل کیا اور نہ استعمال کے احوال نے انہیں مختلف کیا۔

٢٤- ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے [''جـزآءً'' مفعول لہ ہے] یعنی ان کے ساتھ یہ تمام کرم نوازیاں ان کے اعمال کے بدلے میں کی جائیں گی [یا 'جـزآءً'' مصدر ہے ''اَیْ یُـجْـزَوْنَ جَزَآءً''] یعنی انہیں خوب جزائے خیر عنایت کی جائے گی۔

٢٥- ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا﴾ وہ لوگ ان جنتوں میں نہ بے ہودہ اور باطل و ناجائز بات سنیں گے اور نہ وہ

[1] رواہ البزار کما فی کشف الاستار رقم الحدیث: ٢:٢١٧٢' وانظر مجمع الزوائد رقم الحدیث: ٢١٩١٧

معصیت و گناہ کی اور فحش و بے حیائی کی کوئی بکواس سنیں گے۔

إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ﴿٢٩﴾ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

ع ۱۴

سوائے سلام سلام کہنے کے O اور دائیں طرف والے کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والے O وہ بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیریوں میں ہوں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O پھیلے ہوئے لمبے سائے میں O ہمیشہ جاری پانی میں O اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ روکا جائے گا O اور بلند بچھونوں پر O بے شک ہم نے ان حوروں کو بہترین پروان چڑھایا O سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا O شوہروں کی پیاریاں ایک عمر والیاں O دائیں طرف والوں کے لیے O پہلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا O اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا O

۲۶ - ﴿إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾ ماسوا سلام سلام کہنے کے (یعنی) صرف سلامتی والی بات سنیں گے [یہ استثناء منقطع ہے اور "سَلَامًا"، "قِيلًا" سے بدل ہے یا پھر "قِيلًا" کا مفعول لہ ہے] یعنی وہ لوگ جنتوں میں نہیں سنیں گے مگر یہ کہ وہ کہیں گے: سلام سلام، اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ آپس میں سلام کو پھیلائیں گے اور بار بار ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

## اصحابِ یمین کے لیے انعامات کا بیان

۲۷، ۲۸ - ﴿وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ﴾ اور دائیں طرف والے کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے O جو بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیریوں میں ہوں گے۔ "السِّدْر" کا معنی ہے: بیری کا درخت اور "مخضود" کا معنی ہے: بے خار درخت، جس میں کانٹے نہیں ہوتے گویا اس کے کانٹے کاٹ کر ختم کر دیئے گئے۔

۲۹ - ﴿وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ﴾ اور کیلوں کے تہ بہ تہ جھکے ہوئے گچھے۔ "طلح" کا معنی ہے: کیلے کے درخت۔ "منضود" کا معنی ہے: کیلے کے گچھے جن میں پھل نیچے سے اوپر تک ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ چڑھے ہوئے ہوتے ہیں، سو اس لیے اس کی ٹہنی ظاہر نہیں ہوتی۔

۳۰ - ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾ اور ہمیشہ رہنے والا دراز سایا (یعنی بہشتوں میں دھوپ و گرمی نہیں ہوگی بلکہ) ہمیشہ رہنے والا لمبا، ہر طرف پھیلا سایا ہوگا جیسے فجر کے طلوع ہونے اور سورج کے طلوع کے درمیان سایا ہوتا ہے۔

۳۱ - ﴿وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ﴾ اور بہتا ہوا پانی جس کی حد بندی نہیں ہوگی نہ اس کے لیے کھالوں اور نالیوں کی پابندی ہوگی یعنی زمین کی سطح پر بغیر کھالوں اور بغیر وادیوں کے مسلسل صاف شفاف پانی جاری رہے گا۔

۳۲، ۳۳ - ﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ﴾ اور پھل بہت ہوں گے یعنی بہت سی اجناس و اقسام کے گونا گوں بہ کثرت پھل ہوں گے

﴿ لَا مَقْطُوْعَةٍ ﴾ نہ ختم ہونے والے (یعنی) جنتی پھل کبھی ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا کے پھل بعض اوقات ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جنتی پھل ہمیشہ باقی رہیں گے ﴿ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴾ اور نہ روکے ہوئے (یعنی) کسی جنتی کو کسی وجہ سے کسی وقت ان پھلوں کو حاصل کرنے' استعمال کرنے اور کھانے سے نہیں روکا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں کا مطلب یہ ہے کہ جنتی پھل تمام اوقات میں سے کسی وقت میں ختم نہیں ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے کسی کو روکا جائے گا۔

۳۴- ﴿ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ اور بلند و بالا بچھونے (یعنی) شان والے بچھونے یا پھر چادروں اور بچھونوں کو تہ بہ تہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھا کر رکھا جائے گا' یہاں تک کہ وہ اونچے اور بلند ہو جائیں گے یا وہ بچھونے تختوں پر بلند ہوں گے اور بعض کا قول ہے کہ ''فرش'' سے عورتیں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو بطورِ کنایہ ''فراش'' سے مراد لیا جاتا ہے اور ''مرفوعۃ'' کا مطلب ہے کہ وہ پلنگوں پر ہوں گی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ○'' (یٰسین:۵۶) ''وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں پلنگوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے○'' اور اس معنی پر (درج ذیل) آیت دلیل ہے۔

۳۵- ﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴾ بے شک ہم نے ان کو بہترین پروان چڑھایا (یعنی) بے شک ہم نے ان کی ابتدائی تخلیق سے کی کہ ان کو بغیر ولادت کے از سرِ نو پیدا کیا' سو اب یا وہ عورتیں مراد ہیں جن کو ہم نے ابتداء میں نئی تخلیق میں یعنی بغیر ولادت کے پیدا کیا یا پھر وہ عورتیں مراد ہیں جن کو دوبارہ پروان چڑھا کر دوشیزہ پیدا کیا جائے گا اور اس تاویل کے علاوہ کی صورت میں ''هُنَّ'' کے لیے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا کیونکہ ''فرش'' سے تو بستر اور بچھونے مراد ہیں جب کہ جنتی عورتیں مراد لینے پر (درج ذیل) آیت بھی دلیل ہے۔

۳۶'۳۷- ﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾ سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا' چنانچہ ان کے شوہر ان کے پاس جب بھی آئیں گے انہیں کنواریاں پائیں گے ﴿ عُرُبًا ﴾ اپنے شوہروں کی پیاریاں خوب صورت اور اپنے شوہروں کی فرماں بردار اور ان کی خدمت گزار ہوں گی [قاری حمزہ کوفی' خلف' یحییٰ اور حماد کی قراءت میں ''عُرْبًا'' (''رَا'' مضموم ہے) پڑھا جاتا ہے اور یہ ''عروب'' کی جمع ہے (جیسے ''رُسُل'' ''رسول'' کی جمع ہے)] ﴿ اَتْرَابًا ﴾ ایک عمر والیاں کیونکہ جنتی تمام عورتیں سن اور عمر میں مساوی اور برابر ہوں گی' سب تینتیس (۳۳) سال کی ہوں گی اور ان کے شوہروں کی عمریں بھی اسی طرح ہوں گی۔

۳۸- ﴿ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾ دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی [لام جار اپنے مجرور سے مل کر ''انشانا'' کے متعلق ہے]۔

۳۹'۴۰- ﴿ ثُلَّةٌ ﴾ یعنی دائیں طرف والوں کا ایک بہت بڑا گروہ ﴿ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ○وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ''وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ'' کس طرح فرمایا' پھر یہاں ''وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ'' فرما دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے سابقین کے بارے میں فرمایا تھا اور اب اس آیت میں ''اصحاب یمین'' کے بارے میں فرمایا ہے اور بے شک ''اصحاب یمین'' یعنی دائیں طرف والے پہلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ پہلی تمام امتوں کے سابقین ہماری امت کے سابقین سے بہت زیادہ ہوں گے اور پہلی امتوں کے تابعین اس امت کے تابعین کے برابر ہوں گے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾
لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی
الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾
اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ
یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

اور بائیں طرف والے‘ کیسے بدترین ہیں بائیں طرف والے O زہریلی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سایا میں ہوں گے O نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت دے گا O بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نعمتوں والے تھے O اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے O اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک پہلے لوگ اور پچھلے لوگ O ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت O

## توحید و قیامت کے انکار کی وجہ سے ’’اصحاب شمال‘‘ کی سزاؤں کا بیان

۴۱- ﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف والے کیسے بُرے لوگ ہیں بائیں طرف والے۔ ’’الشمال‘‘ اور ’’المشأمة‘‘ ایک چیز ہیں (اس سورت کی آیت: ۸‘۹ کی تفسیر میں ’’اصحاب یمین‘‘ اور ’’اصحاب شمال‘‘ کی وضاحت کردی گئی ہے)۔

۴۲- ﴿فِیْ سَمُوْمٍ﴾ دوزخ کی آگ کی زہریلی گرم ہوا میں ہوں گے جو مسامات بدن میں داخل ہوجائے گی (جو اندرون اجسام کو بھی جلائے گی) ﴿وَّحَمِیْمٍ﴾ اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور یہ گرم ترین پانی ہوگا جو حرارت وگرمائش کی انتہاء تک پہنچ چکا ہوگا۔

۴۳- ﴿وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ ’’ظل‘‘ کا معنی سایا اور ’’یَحْمُوْم‘‘ بہ معنی ’’دُخَانٌ اَسْوَدُ‘‘ یعنی سیاہ دھواں۔

۴۴- ﴿لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ﴾ نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت وسکون دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سایا کی دونوں صفات کی اس سے نفی کردی ہے‘ مطلب یہ کہ بے شک وہ سایا ہے لیکن دیگر سایوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کا نام تو سایا رکھ دیا لیکن پھر اس سے سایا کی ٹھنڈ اور اس کی راحت اور اس کے نفع کی نفی کردی‘ جو شخص گرمی کی تپش کی تکلیف سے اس سایا کی پناہ میں آئے اور اسی طرح اس سایا کا کرم ہے تاکہ سایا کے مفہوم میں جو راحت وغیرہ کا تصور ہوتا ہے اسے بالکل مٹادیا جائے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہوا کہ بے شک وہ سایا گرم ترین انتہائی نقصان دہ ہے۔

۴۵- ﴿اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا میں نعمتوں والے دولت منداور خوش حال تھے‘ سو یہ چیز تھی جس نے انہیں سرکشی ونافرمانی سے باز آجانے سے روک دیا اور عبرت حاصل کرنے سے انہیں دُور کر

دیا۔

۴۶- ﴿ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴾ اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی وہ لوگ بہت بڑے گناہ یعنی کفر وشرک پر ہمیشہ قائم رہے کیونکہ انہوں نے میثاق کے دن کا عہد توڑ دیا تھا اور ''حنث'' کا معنی ہے: قسم کے ذریعے پختہ کیا ہوا عہد توڑ دینا' یا مرنے کے بعد قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جانے سے کفر کرنا مراد ہے جس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ'' (النحل:۳۸) ''اور انہوں نے اپنی پکی اور پختہ قسموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا''۔

۴۷- ﴿ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے [تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَنُبْعَثُ اِذَا مِتْنَا'' جب ہم مر جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ظرف میں یہی ''نُبْعَثُ'' عامل ہے اور اس کا حذف کرنا جائز ہے کیونکہ ''مَبْعُوْثُوْنَ'' اس پر دلالت ورہنمائی کرتا ہے لیکن ''مَبْعُوْثُوْنَ'' اس میں عمل نہیں کر سکتا اس لیے کہ حرف ''اِنَّ'' اور حرف استفہام اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے روک دیتے ہیں]۔

۴۸- ﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا [ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے جب کہ ''لَمَبْعُوْثُوْنَ'' میں مضمر پر ''نَحْنُ'' کی تاکید کے بغیر عطف کرنا اچھا ہوتا فاصل کے آجانے کی وجہ سے اور وہ شروع میں ہمزہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا'' (الانعام:۱۴۹) میں نفی کی تاکید کے لیے حرف ''لَا'' کے فصل کی وجہ سے عطف اچھا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (واؤ ساکن کے ساتھ) ''اَوْ اٰبَاؤُنَا'' پڑھا جاتا ہے]۔

۴۹'۵۰- ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک پہلے اور پچھلے سب لوگ ○ ایک مقرر دن کے وقت ضرور جمع کیے جائیں گے (یعنی) ایک مقرر دن کے اس وقت سب لوگ جمع کیے جائیں گے جس کی آمد تک دنیا کی اختتامی مدت معین کر دی گئی [''میقات'' کی ''یوم معلوم'' کی طرف اضافت بہ معنی ''مِنْ'' ہے جیسے ''خَاتَمُ فِضَّةٍ'' میں ہے اور ''میقات'' اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو مقرر کیا جائے یعنی یہ ایک حد ہوتی ہے اور اسی سے ''مواقیت احرام'' ہیں اور یہ وہ حدود ہیں جن کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا بغیر احرام کے عبور نہیں کر سکتا اور ان حدود سے شرعاً آگے نہیں جا سکتا]۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

پھر بے شک اے گمراہو جھٹلانے والو! ○ تم ضرور تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو ○ سو اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو ○ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو ○ پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو ○ قیامت کے دن یہی ان کی مہمانی ہوگی ○

۵۱- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ﴾ پھر بے شک اے راہِ ہدایت سے بھٹکنے والو! ﴿الْمُكَذِّبُوْنَ﴾ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانے والو! اور یہ مکہ معظمہ میں رہنے والے کفار مراد ہیں اور نیز وہ لوگ مراد ہیں جن کا حال انہیں جیسا ہے۔

۵۲ تا ۵۵- ﴿لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ﴾ تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو [''مِنْ شَجَرٍ'' میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''مِنْ زَقُّوْمٍ'' میں حرف ''مِنْ''، ''شجر'' کے بیان کے لیے ہے] ﴿فَمَالِــُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ﴾ پس تم اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو ۝ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو [''مِنْهَا'' میں ''شجر'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو معنی کے اعتبار پر مؤنث لایا گیا ہے اور ''عَلَيْهِ'' میں شجر کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو لفظ کے اعتبار پر مذکر لایا گیا ہے] ﴿فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ﴾ پھر تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ ''الهيم'' کا معنی ہے: سخت پیاسا اونٹ جو کبھی سیراب نہیں ہوتا اور ان آیات کا معنی یہ ہے کہ ان کفار پر اس قدر سخت بھوک مسلط کر دی جائے گی کہ وہ تھوہر کا بدترین کڑوا جہنمی درخت کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ درخت زہریلی پیپ اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا' پھر جب اس سے ان کے پیٹ بھر جائیں گے تو ان پر اس قدر سخت پیاس مسلط کر دی جائے گی کہ وہ کھولتا ہوا گرم ترین پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے' یہ پانی ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا لیکن سخت پیاس کی وجہ سے یہ لوگ اسے سخت پیاسے اونٹ کی طرح پیتے جائیں گے اور ''شاربون'' کا ''شاربون'' پر عطف اس لیے صحیح ہے کہ یہ دونوں مختلف اوصاف متفقہ اشخاص کے لیے ہیں کیونکہ انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے انتہائی گرم ترین کھولتے ہوئے پانی کو پینا امر عجیب ہے اور پھر اس کے باوجود ان کا سخت پیاسے اونٹ کی طرح یہ پانی پینا بھی امر عجیب ہے' سو یہ دونوں مختلف وصف ہیں [امام عاصم' نافع مدنی' حمزہ کوفی اور سہل کی قراءت میں ''شُرْب'' شین مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقیوں کے نزدیک شین مفتوح ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں اور ''الهيم'' جمع ہے' اس کا واحد ''اهيم'' اور ''هيماء'' ہے]۔

۵۶- ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ﴾ یہ ہے ان کی مہمانی' ''نُزُلٌ'' وہ کھانا ہوتا ہے جو آنے والے مہمان کی تعظیم وتکریم کے لیے تیار کیا جاتا ہے ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ بدلے کا دن۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝۵۷ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝۵۸ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ
الْخٰلِقُوْنَ ۝۵۹ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝۶۰ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ
اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝۶۵ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝۶۶

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے ۝ پھر کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو منی تم (رحم میں) گراتے ہو ۝ کیا تم اس سے انسان پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ۝ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور

ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں اور ہم تمہیں ایسی شکل وصورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے O اور بے شک تم نے پہلی پیدائش کو خوب جان لیا ہے' سو تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے O پھر کیا تم نے غور سے دیکھا جو تم کاشت کرتے ہو O کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں' پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا O

## انسان' کھیتی' بارش اور آگ کی تخلیق کے ذریعے تصدیقِ حق کی دعوت

۵۷- ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یہاں سے یا تو حق کی تصدیق کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ بے شک وہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی تصدیق کرتے تھے مگر جب تصدیق الٰہی کے تقاضے ان کے مذہب کے خلاف ہوتے تو گویا وہ اس کی تکذیب کرتے تھے' یا پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کی ترغیب دی گئی کیونکہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا ممتنع اور ناممکن نہیں ہے۔

۵۸- ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم جو منی گراتے ہو یعنی جس نطفہ کو تم عورتوں کے رحموں میں ڈالتے ہو۔

۵۹- ﴿ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ﴾ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو (یعنی) کیا تم اسے ایک مخصوص اندازے کے ساتھ پیدا کرتے ہو اور اس کی شکل وصورت تم بناتے ہو اور اسے ایک مکمل انسان تم بناتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں۔

۶۰'۶۱- ﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم نے اس کو تم پر اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح رزق مختلف طریقہ پر اور فرق کے ساتھ کم وبیش تقسیم کیا جاتا ہے جیسا ہماری مشیت اس کا تقاضا کرتی ہے' سو اس لیے تمہاری عمریں مختلف ہوتی ہیں' چھوٹی عمریں اور لمبی عمریں اور درمیانی عمریں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ''قَدَرْنَا'' پڑھا جاتا ہے' جب تم کسی آدمی سے کسی چیز میں سبقت کر جاؤ اور اس آدمی کو اس چیز سے عاجز کر دو اور تم اس پر غالب آ جاؤ تو تم کہو گے: ''قَدَرْنَا'' ہم غالب آ گئے ہیں] ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ O عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ﴾ اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم اس پر مکمل طور پر قادر ہیں تم اس پر ہمیں مغلوب نہیں کر سکتے اور ''امثال''، ''مثل'' کی جمع ہے یعنی یہ کہ ہم تمہیں تبدیل کر دیں اور تمہاری جگہ پر تمہارے جیسی اور مخلوق پیدا کر دیں ﴿وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور ہم تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے (یعنی) اور ہم تمہیں ایسی مخلوق میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے ہو اور اس جیسی مخلوق تم میں معہود ومعروف نہ ہو یعنی ہم بہ یک وقت دونوں کاموں پر قادر ہیں' ہم چاہیں تو تمہاری مماثل مخلوق پیدا کر دیں اور اگر چاہیں تو تمہارے غیر مماثل مخلوق پیدا کر دیں تو بھلا ہم تمہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور تمہارا اعادہ کرنے سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''امثال''، ''مثل'' کی جمع ہو یعنی یہ کہ ہم تمہاری ان صفات کو تبدیل کر دیں جن پر تم تخلیق اور اخلاق واطوار کے اعتبار سے قائم ہو اور ہم تمہیں ایسی صفات میں پیدا کر دیں جن کو تم نہیں جانتے۔

٦٢- ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی﴾ اور بے شک تم نے پہلی تخلیق کو معلوم کر لیا [ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءت میں ''النشاءۃ'' ہے] ﴿فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے کہ بے شک جو ایک مرتبہ کسی چیز کی تخلیق پر قادر ہو تو اس کے لیے دوبارہ اس پر قادر ہونا ممنوع و ناممکن نہیں ہے اور اس میں قیاس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ پہلی تخلیق پر دوسری تخلیق کے قیاس کو ترک کر دینے کی وجہ سے انہیں جاہل قرار دیا گیا ہے۔

٦٣- ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو تم کاشت کرتے ہو اور تم خوراک سے متعلقہ جو کھیتی باڑی کرتے ہو یعنی تم زمین میں ہل وغیرہ چلا کر اسے تیار کرتے ہو اور اس میں بیج بوتے ہو۔

٦٤- ﴿ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ﴾ کیا تم اسے اُگاتے ہو تم اسے پروان چڑھاتے ہو اور تم اسے انگوری میں تبدیل کرتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾ یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ ''لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ زَرَعْتُ وَلْيَقُلْ حَرَثْتُ''[1] تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے کھیتی اُگائی ہے اور اسے چاہیے کہ یہ کہے: میں نے کھیتی بوئی ہے۔

٦٥- ﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے کاشت کار کے حاصل کرنے سے پہلے چورا چورا کر دیں اور اسے توڑ پھوڑ کر بھوسہ بنا دیں ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾ تو تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے اور تم تعجب کرتے رہ جاؤ گے اور تم کھیتی باڑی میں اپنی محنت مشقت اٹھانے پر اور اس پر رقم خرچ کرنے پر نادم و پشیمان ہو جاؤ گے یا تم ان گناہوں پر نادم ہو جاؤ گے جن کا تم نے ارتکاب کیا تھا اور جن کی وجہ سے تمہیں یہ تکلیف پہنچی۔

٦٦- ﴿اِنَّا﴾ ''اَیْ تَقُوْلُوْنَ'' ﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ بے شک ہم یعنی تم کہو گے: بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے' ہم نے کاشت کاری پر جو خرچ کیا ہے اس کی چٹی ہم پر لازم کر دی گئی ہے یا یہ کہو گے کہ ہم اپنی روزی کی تباہی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے ہیں۔ یہ ''غرام'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: ہلاکت [ابو بکر کوفی کی قراءت میں ''اِنَّا'' کی بجائے ''ءَاِنَّا'' پڑھا جاتا ہے]۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ ع

بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ○ سو کیا تم نے اس پانی کو غور سے دیکھا ہے جسے تم پیتے ہو ○ کیا تم نے اسے بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں ○ اگر ہم چاہیں تو اسے نمکین بنا دیں' سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے ○ پھر کیا تم نے اس آگ کو غور سے دیکھا ہے جسے تم سلگاتے ہو ○ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ○ ہم نے اس کو (دوزخ کی آگ کے لیے) یادگار بنا دیا اور مسافروں کے لیے مفید بنایا ○ پس آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۵۷۲۳' والبزار کما فی کشف الاستار رقم الحدیث: ۱۲۸۹' والبیہقی ج ٦ ص ۱۳۸' وابو نعیم فی الحلیۃ ج ۸ ص ۲٦۷

کے اسباب کو اس کے ساتھ معلق کر دیا ہے اور ہم نے اس کو سب کی ضرورت بنا دیا اور اس کی حاجت و ضرورت کو عام کر دیا ہے تا کہ لوگ جب بھی اس کو دیکھیں تو ان کے ذہنوں میں دوزخ کی آگ کی یاد تازہ ہو جائے اور وہ دوزخ کی وعیدوں کو یاد رکھیں ﴿وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ﴾ جنگلوں اور میدانوں میں اترنے والے مسافروں کے لیے مفید و نافع ہے یا ان لوگوں کے لیے یہ آگ مفید ہے جن کے پیٹ خالی ہیں اور آگ پر کھانا بناناہے یا زادِ راہ کے لیے کھانا تیار کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔ یہ اہل عرب کے قول ''اَقْوَتِ الدَّارُ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھر اپنے ساکنین سے خالی ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ'' کیا تم نے دیکھا تم عورتوں کے رحموں میں جو منی گراتے ہو' کیونکہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے مقدم ہے' پھر اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ انسان کی قوت و طاقت اور زندگی قائم ہے اور وہ خوراک ہے اور دانے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ'' کیا تم نے دیکھا تم جو کھیتی باڑی اور کاشت کاری کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ آٹا گوندھا جاتا ہے اور اسے پیا جاتا ہے اور وہ پانی ہے' پھر اس کا ذکر فرمایا جس کے ساتھ روٹیاں پکائی جاتی ہیں (ہانڈی تیار کی جاتی ہے) اور وہ آگ ہے' سو کھانے کا حصول ان تین (اناج' پانی' آگ) کے مجموعہ پر موقوف ہے اور انسانی جسم جب تک زندہ ہے' وہ ان تینوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

۷۴۔ ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام مبارک کی تسبیح بیان کیجئے جو بڑی عظمت والا ہے (یعنی) اے استدلال کے ساتھ سننے والے انسان! تو اپنے رب تعالیٰ کی ہر اس عیب اور نقص سے پاکی بیان کر جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے یا پھر اسم سے ذکر مراد ہے یعنی اپنے عظمت والے رب تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا: کہو ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' اور مرفوع حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اسے اپنے رکوع میں شامل کر لو[1]

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

سو مجھے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہوں کی قسم O اور بے شک یہ ضرور بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو O بے شک یہ قرآن ضرور بہت بڑی عزت والا ہے O محفوظ کتاب میں ہے O اس کتاب کو ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک لوگ O تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے O تو کیا تم اس کلام میں سستی کرتے ہو O اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم یقیناً (اس کتاب کو) جھٹلاتے ہو O

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۱۵۵' ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷' الدارمی ج ۱ ص ۲۹۹

کی تسبیح کرتے رہیںO

٦٧ - ﴿ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴾ بلکہ ہم بے نصیب قوم ہیں' ہم سے ہماری روزی چھین لی گئی ہے' ہمیں روزی سے محدود وممنوع کردیا گیا ہے' ہماری مالی عظمت نہیں رہی نہ ہمارا حصہ اور نصیب رہا اور نہ ہمارا بخت رہا اور اگر ہم خوش نصیب ہوتے تو ہم پر یہ آفت نہ آتی۔

٦٨'٦٩ - ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴾ پھر کیا تم نے اس پانی میں غور کیا اور نگاہِ عبرت سے اسے دیکھا جسے تم پیتے ہو اور نوشِ جاں کرتے ہو یعنی پینے کے لیے صحیح سلامت و کارآمد اور آلودگی سے صاف شفاف شیریں پانی ﴿ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ ﴾ کیا اسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے۔''مزن'' کا معنی ہے: سفید بادل اور اس کا پانی سب سے زیادہ شیریں اور ہاضمہ دار ہوتا ہے ﴿ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴾ یا ہم اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے نازل کرنے والے ہیں۔

٧٠ - ﴿ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا ﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین وکھاری یا کڑوا بنادیں جسے پیا نہ جاسکے ﴿ فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔''لَوْلَا'' بہ معنی''هَلَّا فَهَلَّا تَشْكُرُوْنَ'' سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے [اور ارشادِ باری تعالیٰ ''لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا'' میں لام تاکید داخل کیا گیا ہے اور یہاں ''جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا'' میں لام کو ہٹادیا گیا ہے' اس لیے کہ حرف''لَوْ'' جب ایسے دو جملوں پر داخل ہو جائے جن میں سے دوسرا پہلے کے ساتھ اس طرح معلق ہو جس طرح جزاء شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور وہ خالص شرط کے لیے نہیں ہوتا جیسے حرف''اِنْ'' شرط کے لیے ہوتا ہے اور نہ اس کی مثل عامل ہوتا ہے بلکہ اس میں شرط کا معنی اتفاقاً پایا جاتا ہے' چنانچہ حرف''لَوْ'' اپنے دونوں جملوں کے مضمون میں یہ فائدہ دیتا ہے کہ پہلے جملے کے امتناع کی وجہ سے دوسرا جملہ ممتنع ہو جاتا ہے (جیسے شرط کے امتناع سے جزاء کا وقوع ممتنع ہو جاتا ہے) اس لیے وہ اپنے جواب میں ایسی علامت کی طرف محتاج ہوتا ہے جو اس تعلق پر دلالت ورہنمائی کرے' سو اس لام کو زیادہ کیا گیا تاکہ یہ اس تعلق پر دلالت کرے لیکن لام کا موقع اور محل مشہور و معروف ہو تو لفظ سے اسے گرادیا جاتا ہے کیونکہ ہر شخص اسے خوب جانتا ہے اور اس کو گرانے اور ثابت رکھنے کی دونوں حالتیں مساوی اور برابر ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ اس آیت سے پہلے اس لام کا ذکر گزر چکا ہے اور فاصلہ بھی کم ہے جس نے اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے بے نیاز کردیا اور اس لیے بھی کہ یہ لام لامحالہ تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے' سو اس کو صرف خوراک اور رزق کی آیت میں داخل کیا گیا ہے' مشروب کی آیت میں نہیں تاکہ یہ اس امر پر دلالت کرے کہ خوراک ورزق کا امر مشروب کے امر سے مقدم ہے اور بے شک اس کے فقدان پر وعید زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہوتی ہے' نیز بے شک مشروب اور پانی پینے کی ضرورت واحتیاج کھانے اور خوراک کے تابع ہوتی ہے' اس لیے کھانے اور رزق کی آیت کو پانی پینے کی آیت پر مقدم کیا گیا ہے]۔

٧١ - ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴾ کیا تم نے غور سے اس آگ کو دیکھا جس کو تم جلاتے ہو' تم اسے روشن کرتے ہو اور تم اسے زناد سے نکالتے ہو کیونکہ اہل عرب دو لکڑیوں سے آگ روشن کرتے ہیں کہ ایک لکڑی کو دوسری لکڑی پر رگڑتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے اور وہ اوپر والی لکڑی کو''زند'' کہتے ہیں اور نیچے والی لکڑی کو''زندة'' کہتے ہیں' وہ ان دونوں کو نر اور مادہ کے ساتھ یا میاں بیوی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

٧٢ - ﴿ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ ﴾ کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے جس میں سے ایک زناد درخت ہے ﴿ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴾ یا ہم ہی اس کو ابتداء سے پیدا کرنے والے ہیں۔

٧٣ - ﴿ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً ﴾ ہم نے اس آگ کو جہنم کی آگ کے لیے یادگار بنادیا ہے کیونکہ ہم نے زندگی گزارنے

## ستاروں کے غروب ہونے کے وقت کی عظمت اور قرآن مجید کی فضیلت کا بیان

۷۵ تا ۷۷- ﴿فَلَآ اُقۡسِمُ﴾ سو مجھے قسم ہے [اصل میں ''فَاُقْسِمُ'' ہے' حرف ''لَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے' اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد میں ہے' چنانچہ فرمایا: ''لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتَابِ'' (الحدید:۲۹) '' تاکہ اہل کتاب جان لیں'' اور ایک قراءت میں ''فَلَاُقْسِمُ'' پڑھا گیا ہے' پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں' اور اس کا معنی ہے: ''فَلَاَنَا اُقْسِمُ'' پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں' اور یہ لام ابتداء کا لام ہے جو مبتدا اور خبر کے جملہ پر داخل کیا گیا ہے اور وہ ''اَنَا اُقْسِمُ'' ہے' پھر مبتدا ''اَنَا'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ لام قسم کا لام ہو کیونکہ لامِ قسم نون تاکید کے ساتھ مقترن و متصل ہوتا ہے] ﴿بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ﴾ ستاروں کے گرنے اور ڈوبنے کی جگہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے رات کے آخری حصے میں جب ستارے مغرب کی طرف گرتے (اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے) ہیں' اس وقت اللہ تعالیٰ کے لیے عظیم الشان مخصوص افعالِ کریمانہ ہوتے ہیں یا اس وقت فرشتوں کے لیے عباداتِ مخصوصہ کا وقت ہوتا ہے یا اس لیے کہ بے شک وہ تہجد گزاروں کا وقت ہوتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے' سو اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے ڈوبنے کی جگہوں کی قسم فرمائی اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیے ارشاد فرمایا [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''بموقع النجوم'' پڑھا جاتا ہے] ﴿وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو [یہ جملہ معترضہ ہے جو قسم اور مقسم علیہ کے درمیان بطورِ جملہ معترضہ آ گیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی عزت و عظمت والا قرآن ہے' یہ بہترین و پسندیدہ کلام ہے یا یہ معنی ہے کہ اکثر لوگوں کو بہت بڑے منافع اور فوائد پہنچانے والا ہے یا یہ کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا محترم و مکرم ہے[1] [''لَوْ تَعْلَمُوْنَ'' موصوف اور صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے]۔

۷۸- ﴿فِىۡ كِتٰبٍ﴾ یعنی لوحِ محفوظ میں ﴿مَّكۡنُوۡنٍ﴾ جو اس سے محفوظ ہے کہ اس میں باطل شامل ہو سکے یا یہ کہ لوحِ محفوظ مقربین کے علاوہ دیگر فرشتوں سے محفوظ ہے' اس پر مقربین کے سوا کوئی فرشتہ مطلع اور آگاہ نہیں ہو سکتا۔

---

[1] واضح رہے کہ قرآن مجید کو اس آیت مبارکہ میں ''کریم'' فرمایا گیا ہے' جس کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں:

(۱) قرآن مجید کو ''کریم'' اس لیے فرمایا ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جس چیز کو بار بار پڑھا جاتا ہے اس سے دل اُکتا جاتا ہے اور طبیعت مکدر ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں ایسی حلاوت اور تاثیر ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کے باوجود دل اُکتاتا ہے نہ طبیعت مکدر ہوتی ہے بلکہ روحانی لذت حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس کو ''کریم'' فرمایا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے' حتیٰ کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں' جو اس کے ''کریم'' ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو چیز طلب کی جائے وہ مل جاتی ہے' چنانچہ فقیہ اس سے احکام شرعیہ نکالتا ہے' حکیم و دانشور اس سے حکمت کے موتی نکالتا ہے' ادیب اس سے ادب حاصل کرتا ہے' عارف اس سے معارف حاصل کرتا ہے' مؤرخ اس سے تاریخ حاصل کرتا ہے' متکلم اس سے عقائد پر دلائل حاصل کرتا ہے' صوفی اس سے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے رموز حاصل کرتا ہے اور رُشد و ہدایت کا طالب اس سے رُشد و ہدایت حاصل کرتا ہے' اس سے دوزخ سے نجات کا طریقہ ملتا ہے اور جنت کے حصول کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سے جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت فرمائے گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۹- ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ اس (قرآن) کو نہ چھوئیں مگر پاک حضرات' جو تمام نجاستوں سے پاک ہوں گناہوں کی نجاستوں سے بھی اور ان کے علاوہ (عقائد ونظریات کی نجاستوں سے بھی) یہ اس صورت میں ہوگا جب اس جملہ کو "کتاب مکنون" کی صفت قرار دیا جائے جس سے لوحِ محفوظ مراد ہے (اور اس صورت میں "مُطَهَّرُوْنَ" فرشتے ہوں گے) اور اگر اس کو قرآن کی صفت قرار دیا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس قرآن کو ہاتھ لگائے مگر جب طاہر اور پاک صاف ہو اور چھونے سے مکتوب منہ مراد ہے۔[۱]

۸۰- ﴿تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یہ قرآن تمام جہانوں کے پالنے والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے اور "تنزیل" بہ معنی "مُنَزَّلٌ" ہے یعنی نازل کیا گیا ہے یا "تنزیل" مصدر کے ساتھ قرآن کو موصوف کیا گیا ہے کیونکہ قرآن دیگر تمام کتب الٰہیہ کے درمیان تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ حاجت وضرورت نازل کیا گیا ہے تو گویا قرآن مجید بذاتہٖ عین "تنزیل" ہے اور اس لیے "تنزیل" کو قرآن کے بعض اسماء کے قائم مقام کیا گیا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: "جَآءَ فِی التَّنْزِیْلِ کَذَا" قرآن میں اس طرح آیا ہے: "وَنَطَقَ بِهِ التَّنْزِیْلُ" اور قرآن نے یہی کہا ہے یا مبتدا محذوف ہے' اصل میں "هُوَ تَنْزِیْلٌ" ہے۔

۸۱- ﴿اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ﴾ سو کیا تم اس کلام یعنی قرآن مجید کے ساتھ سستی کرتے ہو (اور تم اس کی تحقیر کرتے ہو اور اے اہل مکہ! تم اس کو اہمیت کیوں نہیں دیتے سستی کیوں کرتے ہو) جیسے بعض کاموں میں سستی کی جاتی ہے یعنی نرم گوشہ اختیار کیا جاتا ہے اور سستی کی وجہ سے اس میں سخت مضبوطی اختیار نہیں کی جاتی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے عامل حفاظ کو دس دوزخیوں کی شفاعت کر کے دوزخ سے جنت لے جانے کا اذن عطاء کیا جائے گا۔

(۷) ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے والوں سے عذابِ قبر دور ہوتا ہے۔

(۸) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

(۹) نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی محبت وعزت سے جنت ملے گی۔

(۱۰) دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی برکت سے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

(۱۱) گیارہویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو حفظ کرنے والے کی میدانِ محشر میں عزت افزائی ہوگی اور اس کے والدین کو عزت وکرامت کا نورانی تاج پہنایا جائے گا۔

نوٹ: ان وجوہات کی تفصیل اور ان کے دلائل پڑھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۸۳-۶۸۶)

[۱] "لَا یَمَسُّهٗۤ" میں اگرچہ "لا" نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنبی' حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھوسکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو زبانی تو پڑھ سکتا ہے لیکن قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ نابالغ بچے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا فرض اور ضروری نہیں البتہ بہتر ہے۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف ومعارف' اسرار ورموز اور باطنی معانی تک رسائی کی سعادت ہر کس وناکس کو نہیں بخشی جاتی بلکہ یہ صرف ان نفوسِ قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر وباطن' جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف ہے۔ اس صورت میں "لا" نفی کا ہوگا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۰۰)

۸۲- ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم (قرآن مجید کو) جھٹلاتے ہو یعنی تم اپنے رزق (نعمت قرآن) کے شکر کو تکذیب بناتے ہو' مطلب یہ ہے کہ تم نے شکر ادا کرنے کی بجائے تکذیب اور جھٹلانے کو اختیار کر لیا ہے (قرآن پر ایمان لا کر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو من گھڑت اور انسانی کلام قرار دے کر جھٹلا دیا) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قراءت ہے کہ ''وَتَجْعَلُوْنَ شُكْرَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ'' اور تم اپنے شکر کو یہ بناتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو یعنی تم قرآن کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے اسے جھوٹا قرار دیتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ''انواء'' (ستاروں) کے بارے میں اور کفار کے ان کی طرف بارش کے نزول کو منسوب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور رزق سے بارش مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جو بارشیں عطاء کرتا ہے ان پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم جھٹلاتے ہو کہ تم ان بارشوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہےO اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہوO اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتےO سو اگر تم کسی کے تابع حکم نہیں ہوO تو تم اس (روح) کو واپس لوٹا دیا کرو اگر تم سچے ہوO پھر اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہو گاO تو (اس کے لیے) راحت اور بہترین رزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہو گیO اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہو گاO تو (اسے کہا جائے گا:) تجھ پر دائیں طرف والوں کی طرف سے سلام ہوO

## جان کنی کے وقت کفار کی بے بسی کا بیان

۸۳'۸۴- ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے یعنی جب موت کے وقت روح کھانے پینے کے گزرنے کی جگہ (نرخرے) تک پہنچ جاتی ہے ﴿ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴾ اور تم اس وقت دیکھتے رہتے ہو۔ یہ اس وقت مرنے والے کے پاس حاضرین کے لیے خطاب ہے۔

۸۵- ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ﴾ اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی) اس شخص کی طرف جس کے پاس موت کے فرشتے جان کنی کے لیے حاضر ہوتے ہیں ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴾ اور لیکن تم نہیں دیکھتے (یعنی) تم نہیں سمجھتے ہو اور نہ تم جانتے ہو۔

۸۶'۸۷- ﴿ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴾ سو اگر تم اللہ تعالیٰ کے پرورش کردہ اور اس کے مملوک و بندے نہیں ہو۔ یہ ''دَانَ السُّلْطَانُ الرَّعِيَّةَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بادشاہ رعایا کو غلام بنا لیتا ہے اور ان پر اپنی سیاست

چکا تا ہے ﴿ تَرْجِعُوْنَهَآ ﴾ تم اس جان کو واپس لوٹا دو! اور اس سے روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد اسے جسم کی طرف واپس لوٹانا مراد ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم کسی کے پروردہ اور کسی کے مملوک ومغلوب اور کسی کے محکوم نہیں ہو۔ ''فَلَوْلَا'' دونوں آیتوں میں مخصوص فعل کی طلب کی ترغیب دینے کے لیے ہے اور وہ فعل ''ترجعونها'' ہے اور اس کو ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور آیت کی ترتیب یوں ہے: ''(فَلَوْلَا) تَرْجِعُوْنَهَا (اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ) اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ'' سو تم روح کو واپس جسم میں کیوں نہیں لوٹا دیتے جب وہ گلے تک پہنچ جاتی ہے اگر تم کسی کے مملوک ومحکوم نہیں ہو! اور دوسرا ''فَلَوْلَا'' محض تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ اے مرنے والے کے عزیزو! تم سب ہماری قدرت واختیار میں اور ہمارے علم میں ہو اور ہم تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں یا موت کے فرشتے تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر دیتے ہو! اگر تم پر سراپا معجزہ کتاب نازل کی جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادو اور جھوٹ ہے اور اگر تمہاری طرف سچا رسول بھیج دیا جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادوگر اور جھوٹا ہے اور اگر تمہیں بارشیں عطاء کی جائیں تو تم کہتے ہو: فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارشیں ہوتی ہیں' اہل تعطیل کے مذہب کی طرح' پھر روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد تم اسے جسم کی طرف واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے' اگر تمہارے خیال میں وہاں کوئی روح قبض کرنے والا نہیں ہے۔ اگر تم اہل تعطیل کی طرح اللہ تعالیٰ کو معطل ماننے میں اور زندگی اور موت دینے والے اور پیدا کرنے والے اور دوبارہ اٹھانے والے کے ساتھ کفر وانکار کرنے میں سچے ہو۔

## نیکوں کے لیے انعام اور گمراہوں کے لیے سزا کا بیان

۸۸'۸۹ - ﴿ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴾ پھر اگر وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا (یعنی) اس سورت کے شروع میں جن تین اقسام کے بندوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں سے اگر پہلی قسم کے سابقین میں سے ہوگا ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴾ تو اس کے لیے راحت وسکون اور پھل ورزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہوگی۔

۹۰'۹۱ - ﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴾ اور اگر وفات پانے والا دائیں طرف والوں میں سے ہوگا تو اسے کہا جائے گا کہ تجھ پر دائیں طرف والوں کی جانب سے سلام ہو یعنی اے دائیں طرف والے! تجھے تیرے دائیں طرف والے مسلمان بھائیوں کی جانب سے سلام ہو یعنی وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝'' (الواقعہ:۲۶) یعنی ''مگر جنت میں صرف سلام سلام کہا جائے گا ۝''۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾

ع ۳ ۱۴

اور اگر وہ جھٹلانے والوں' گمراہوں میں سے ہوگا ۝ تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی ۝ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا ۝ بے شک ضرور یہی اعلیٰ ترین یقینی حقیقت ہے ۝ سو (اے محبوب!) آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے ۝

۹۲ - ﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴾ اور اگر وفات پانے والا جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہو

گا۔ یہ تین اقسام میں سے تیسری قسم ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اس سورت میں ان سے کہا گیا ہے کہ ''ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ'' پھر بے شک تم اے جھٹلانے والو گمراہو!

۹۳'۹۴۔ ﴿فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ۝ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ﴾ پس اس کی مہمانی کھولتے ہوئے گرم ترین پانی سے کی جائے گی ۝ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہو گا یعنی اس میں اسے داخل کیا جائے گا اور ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام کفر ایک ملت ہے اور بے شک بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمان دائیں طرف والوں میں سے ہوں گے کیونکہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کو جھٹلانے والے نہیں ہیں۔

۹۵'۹۶۔ ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ جو اس سورت میں نازل کیا گیا ہے ﴿لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ﴾ البتہ وہ یقینی حق ہے یعنی ایسا حق ہے جو یقین سے ثابت ہے ﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرضِ موت کے وقت عیادت کے لیے ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو انہوں نے کہا: مجھے صرف گناہوں کی تکلیف ہے' تو آپ نے فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے عرض کیا: میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں' حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم طبیب کو بلالیں تاکہ آپ کا علاج کرے؟ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ طبیب نے تو مجھے بیمار کیا ہے' حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم آپ کی مدد کرنے کے لیے دراہم و دنانیر کی بخشش کا حکم دے دیں؟ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں' حضرت عثمان نے فرمایا: تو پھر ہم آپ کی بیٹیوں کو دے دیں؟ کہا: انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے انہیں حکم دے رکھا ہے کہ وہ روزانہ سورۃ واقعہ پڑھا کریں اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جو شخص روزانہ رات کے وقت سورۃ واقعہ پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں پہنچے گا[1] اور ان تینوں سورتوں (القمر' الرحمٰن' الواقعہ) میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام (اللہ تعالیٰ) کا ذکر نہیں کیا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

سورۃ الحدید مدنی ہے　　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝　اس کی انتالیس آیات' چار رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ‌ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝

جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کی ہے' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۝ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے' وہی زندگی عطاء کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ وہی اول اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے' اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝

[1] رواہ الضریس فی فضائل القرآن رقم الحدیث: ۲۲۶' الحارث بن ابی اسامہ کما فی المطالب العالیۃ ج ۳ ص ۳۸۳

## اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت واختیار کا بیان

نوٹ: سورۃ الحدید مکی ہے اور اس کی آیات انتیس ہیں۔

۱۔ ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1] آسمانوں اور زمین میں رہنے والی ہر چیز نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی ہے [یاد رہے کہ بعض سورتوں کا آغاز ''سَبَّحَ'' فعل ماضی کے لفظ سے ہوا۔ اور بعض میں فعل مضارع کے لفظ سے آغاز ہوا اور سورۃ بنی اسرائیل میں مصدر کے لفظ سے اور سورۃ الاعلیٰ میں فعل امر کے لفظ سے آغاز ہوا' تا کہ اس کلمہ کا تمام جہات سے احاطہ ہو جائے اور وہ چار جہات ہیں: (۱) مصدر (۲) ماضی (۳) مضارع (۴) امر۔ اور یہ فعل کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور کبھی براہِ راست متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَتُسَبِّحُوْهُ'' اور اس کی اصل بغیر کسی حرف کے واسطے کے براہِ راست (یعنی بعینہٖ) متعدی ہونا ہے' کیونکہ ''سَبَّحْتُهٗ'' کا معنی ہے: ''بَعَّدْتُهٗ عَنِ السُّوْءِ'' میں نے اس کو برائی سے دور کر دیا۔ اور یہ فعل مجرد ''سَبَحَ'' سے منقول ہے جب کوئی چلا جائے اور دور ہو جائے۔ پھر اس میں لام یا تو (زائد ہے) جیسے ''نَصَحْتُهٗ وَنَصَحْتُ لَهٗ'' میں ہے اور یا (یہ لام تعلیلیہ ہے اور) ''سَبَّحَ لِلّٰهِ'' سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز نے خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کی رضا کی خاطر تسبیح بیان کی ہے اور ''مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز کی طرف سے جو تسبیح حاصل ہوتی ہے اور جو صحیح طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے] ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾

---

[1] تسبیح کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ و مبرا اور پاک سمجھنا جو اس کی شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو' وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی گواہی دے رہا ہو: ''اَلتَّسْبِيْحُ عَلَى الْمَشْهُوْرِ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِعْتِقَادًا وَّقَوْلًا وَّفِعْلًا عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِهٖ سُبْحَانَهٗ'' (روح المعانی) آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے' ان میں سے ذوی العقول کی شہادت و گواہی تو قولاً ہے' فرشتے' انسان اور جنات سب کہہ رہے ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ' سُبْحَانَ اللّٰهِ'' البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبانِ حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں' لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے' ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہوگا: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' (الاسراء: ۴۴) یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبانِ حال سے تسبیح کرنا مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگ ریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبانِ قال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں' فرماتے ہیں:

نفسِ ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسب حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں ''وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلٰى ثُبُوْتِ النُّفُوْسِ النَّاطِقَةِ وَالْاِدْرَاكِ بِسَائِرِ الْحَيْوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ عَلٰى مَا يَلِيْقُ لِكُلٍّ'' (روح المعانی) صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔ یہاں سورۂ حدید' نیز سورۂ الحشر اور الصف کی ابتداء ''سَبَّحَ'' صیغۂ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۂ جمعہ اور تغابن کا افتتاح ''يُسَبِّحُ'' مضارع سے کیا گیا ہے تا کہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے' اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا' یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۰۷)

اور وہ (اللہ تعالیٰ) ہر اس مکلّف شخص سے زبردست انتقام لینے والا ہے' جو عناد اور دشمنی کی وجہ سے اس کی تسبیح اور پاکی بیان نہیں کرتا ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ ہر اس شخص کو بدلہ اور جزائے خیر عطاء کرنے میں بڑا حکمت والا ہے' جو اطاعت وفرماں برداری اور عاجزی کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

۲- ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ وہی زندگی اور موت عطاء کرتا ہے یعنی وہی (قیامت کے دن) مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی زندوں کو مارتا ہے [''یُحْیٖی'' محلاً مرفوع ہے یا منصوب ہے' اَیْ (لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) مُحْیِیًا وَّمُمِیْتًا'' یعنی آسمانوں اور زمین کی حکومت وسلطنت صرف اسی کے لیے ہے' دراں حالیکہ وہ زندگی عطاء کرنے والا اور موت دینے والا ہے] ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر مکمل قادر ہے۔

۳- ﴿هُوَ الْاَوَّلُ﴾ وہی اوّل ہے (یعنی) وہ قدیم ہے جو ہر چیز سے پہلے ہے[1] ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ آخر ہے' جو ہر چیز کے ہلاک اور فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا ﴿وَالظَّاهِرُ﴾ اور وہ ایسے دلائل کی وجہ سے ظاہر وعیاں ہے جو اس کے ظہور پر

[1] یہ کلماتِ اعجاز (''اوّل و آخر' ظاهر و باطن'' اور ''علیم'') اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پر بھی مشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مجید میں اپنی عظمت وکبریائی کا خطبہ ان کلمات میں ارشاد فرمایا اور حضور سیّد عالم ﷺ کی نعت اور توصیف کا مضمون بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کے ساتھ حضور کی توصیف بیان فرمائی ہے اور یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو (قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (احادیث مبارکہ) میں اپنے محبوب ﷺ کو ان اسماء مبارکہ کے ساتھ موسوم فرما کر آپ کے حلیہ مبارک' حسن وجمال اور کمالات وفضائل اور خصائل کو ظاہر فرمایا' نیز اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ متخلق اور متصف ہیں لیکن ان میں سے بعض اسماء خصوصی طور پر آپ کے ساتھ نامزد اور مشہور ہو چکے ہیں جیسے ''نور' حق' علیم' حکیم' مؤمن' مهیمن' ولی' هادی' رؤوف' رحیم'' وغیرہم اور یہ چاروں اسم ''اوّل' اخر' ظاهر' باطن'' بھی اسی قبیل سے ہیں۔

آپ کے ''اوّل'' ہونے کی وجوہات کا بیان

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''اوّل'' اس لیے ہیں کہ عالم وجود میں سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا (۲) وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہونے میں آپ سب سے اوّل ہیں' چنانچہ آپ نے فرمایا: ''كُنْتُ نَبِيًّا وَّاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِهٖ'' میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں تھے (۳) اور اقرار ربوبیت میں بھی آپ سب سے اوّل ہیں کیونکہ عالمِ ارواح میں میثاق کے روز جب اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے سوال کیا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' تو اس وقت سب سے پہلے آپ نے ''بَلٰی'' کہا تھا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے (۴) اور ایمان لانے میں بھی سب سے اوّل آپ ہیں کیونکہ آپ نے خود فرمایا: ''وَاَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' اور سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (۵) روزِ محشر قبر مبارک سے باہر تشریف لانے میں آپ سب سے اوّل ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر مبارک شق ہوگی اور سب سے پہلے میں برآمد ہوں گا' پھر دوسرے لوگ نکلیں گے (۶) بارگاہِ الٰہی میں سب سے پہلے سجدہ کرنے اور شفاعت کرنے والے آپ ہی ہوں گے' چنانچہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے کا دروازہ مجھ پر کھلے گا (۷) جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے' اس لیے کہ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دلالت ورہنمائی کرتے ہیں ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ اور وہ باطن ہے کیونکہ حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وہ سب پر عیاں ہے اور پہلی واؤ کا معنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّلیت اور آخریت دونوں صفات کا جامع ہے اور تیسری واؤ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت ظہور اور صفت خفا دونوں کا جامع ہے اور درمیانی (دوسری) واؤ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلی دونوں صفات کے مجموعہ اور آخری دونوں صفات کے مجموعہ کا جامع ہے' سو اس لیے وہ تمام گزشتہ اور آئندہ اوقات میں ہمیشہ موجود ہے اور وہ تمام اوقات اور تمام زمانوں میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَلظَّاهِرُ'' کا معنی ہے کہ تمام چیزوں سے بلند و بالا اور وہ تمام چیزوں پر غالب وحاوی ہے۔ یہ ''ظَهَرَ عَلَيْهِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر غالب وحاوی ہو جائے اور اس سے بلند ہو جائے اور ''اَلْبَاطِنُ'' جو ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہو یعنی وہ جو ہر چیز کے باطن کو بھی جانتا ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

**هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ**

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **آپ کی شانِ آخر کی وجوہات**

(۱) وصف نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہونے میں اوّل و سابق ہونے کے باوجود نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہونے میں آپ سب انبیائے کرام علیہم السلام سے آخر اور خاتم ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' (الاحزاب: ۴۰) ''اور لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں'' (۲) آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید سب سے آخری کتاب ہے (۳) آپ کا دین تمام دینوں میں آخری دین ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا: ''نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ'' یعنی درجات میں سبقتوں کے باوجود ہم آخر میں آنے والے ہیں۔ اور حقیقت میں بعثت کے اعتبار سے اوّلیت و سابقیت کی بہ نسبت' آخریت و خاتمیت میں فضیلت ہے' کیونکہ آپ تمام کتب اور ادیان کے ناسخ اور ماحی ہیں' اور سب پر غالب اور قوی ہیں۔

**آپ کے ظاہر و باطن ہونے کا بیان**

آپ تمام کائنات پر ظاہر و عیاں ہیں کیونکہ آپ کے انوار نے تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے اور تمام عالم کو روشن کر دیا ہے (نیز آپ کی نبوت و رسالت' معجزات و کمالات اور سیرت و اخلاق سب پر عیاں ہیں) اس لیے آپ کے ظہور کی مثل کسی کا ظہور نہیں اور آپ کے نور کی مثل کسی کا نور نہیں البتہ آپ کے اسرار و رموز باطن ہیں' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص آپ کے باطنی احوال کو نہیں جانتا (نیز آپ کی کنہ اور حقیقت سب سے مخفی اور باطن ہے جسے کوئی شخص نہیں جانتا) اور دور و نزدیک کی ہر چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے حد و بے شمار کمالات اور حسن و جمال کے نظارہ اور مشاہدہ میں حیران و متحیر ہے۔

**آپ کے علیم ہونے کی شان کا بیان**

''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' اور آپ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام شیونات الٰہی' تمام احکام' صفات حق' تمام اسماء و افعال اور آثار اور تمام علوم ظاہر و باطن' اوّل و آخر جانتے ہیں اور آپ ان پر محیط ہیں اور آپ اس آیت مبارکہ کے مصداق ہیں ''فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ O'' (یوسف: ۷۶) ''ہر علم والے سے بڑھ کر زیادہ علم والا ہوتا ہے O''۔

(ماخوذ از: مدارج النبوت ج ۱' آغاز خطبہ)

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۴ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝۵ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۶

وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر اپنی شان کے لائق مستویٰ ہوا' وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے' اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو ۝ آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی بادشاہی ہے' اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۝ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے' اور وہی سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ۝

۴- ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ان دنوں سے دنیا کے دن مراد ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا چاہتا تو ضرور کر لیتا لیکن اس نے چھ دنوں کو بنیاد بنایا تاکہ تمام کاموں کا اس پر مدار ہو جائے (کہ جلد بازی کی بجائے حسنِ تدبیر کے ساتھ تدریج کو اصول بنایا جائے' یہی سنت الٰہی ہے) ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ﴾ پھر وہ اپنی شان کے لائق عرش پر مستویٰ ہوا ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے (یعنی) بیج وغیرہ اور بارش کے قطرات وغیرہ اور دفن کیے گئے خزانے اور مردے وغیرہ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے ﴿وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے جیسے کھیتیاں پھلوں وغیرہ کے باغات (پانی کے چشمے وغیرہ' نیز زمین دوز سونے' چاندی' تانبے وغیرہ کی کانیں اور پٹرول' گیس وغیرہ) ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ اور جو کچھ آسمان میں سے اترتا ہے (یعنی) فرشتے' بارشیں (کتب سماوی جو اتر چکیں اور فیصلہ جات' رزق' توبہ کرنے والوں پر رحمت و مغفرت کا نزول) ﴿وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے (یعنی) اعمال' دعائیں (اعمال نامے لکھنے والے فرشتے' نیک ارواح اور بخارات' دھوئیں وغیرہ) ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ﴾ اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ وہ عمومی طور پر اپنے علم اور قدرت کے ساتھ اور خصوصی طور پر اپنے فضل و کرم اور رحمت و مہربانی کے ساتھ تمہارے قریب ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

۶'۵ - ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی کے لیے ہے اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۝ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ رات کے کچھ اوقات کو (موسم گرما میں) کم کر دیتا ہے اور دن کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے ﴿وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے (کہ موسم سرما میں دن کے اوقات کم کر کے رات کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے) اور وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ
يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ هُوَ
الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾

تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے' سو تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (نیک کاموں میں) خرچ کیا ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہےO اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں تا کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے اگر تم ایمان لانے والے ہوO وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے' اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا بے حد مہربان ہےO

## کفارِ مکہ کو ایمان لانے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت وترغیب

۷- ﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا ﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں خرچ کرو۔ ''اَنْفِقُوْا'' زکوٰۃ کا احتمال بھی رکھتا ہے (کہ مسلمان ہو کر زکوٰۃ ادا کرو) اور زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات وخیرات اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم بھی ہو سکتا ہے ﴿ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ ﴾ اس مال میں سے (خرچ کرو) جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے یعنی بے شک وہ اموال جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں' وہ صرف اللہ تعالیٰ کے اموال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی نے انہیں پروان چڑھا کر ان اموال میں اضافہ فرمایا اور بے شک صرف اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان اموال کا مالک بنایا تا کہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان میں تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا نائب بنایا' اس لیے حقیقت میں وہ تمہارے اموال نہیں ہیں اور تم ان مالوں میں وکیل اور نائب کے قائم مقام ہو' پس تم ان مالوں میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں خرچ کرو اور تم پر ان مالوں میں سے خرچ کرنا سہل اور آسان ہونا چاہیے جیسا کہ آدمی دوسروں کا مال آسانی سے خرچ کرتا ہے جب اسے اس مال میں سے خرچ کرنے کی اجازت مل جائے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنا دیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہیں ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور عنقریب یہ مال تم سے تمہارے بعد آنے والوں کو منتقل ہو جائے گا' پس ان کے حال سے عبرت حاصل کرو اور مال کے خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو ﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾ سو جو لوگ تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کیے (جیسے حضرت عثمان غنی وغیرہ) تو ان کے لیے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

۸- ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہو اور اس پر ایمان نہیں لاتے [''لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ'' پہلا حال ہے جو ''مَالَكُمْ'' میں فعل کے معنی سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''مَا لَكَ قَائِمًا'' بہ معنی ''مَا تَصْنَعُ قَائِمًا''] ﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾ حالانکہ یہ رسول کریم تمہیں ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آؤ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور یہ دوسرا حال ہے' پس یہ دونوں حالِ متداخل ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ایمان کو ترک کرنے میں تمہارے لیے کون سا معقول عذر ہے حالانکہ رسول مکرم تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ﴾ اور بے شک اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' (الاعراف:۱۷۲) کے ساتھ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقلیں عطاء کی ہیں اور دلائل میں غور و فکر کرنے کی تمہیں قوت و قدرت بخشی ہے پھر جب عقلی دلائل اور رسول مکرم کی تنبیہ کے بعد تمہارے لیے کوئی علت باقی نہیں رہی تو اب تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم کسی سبب کی وجہ سے ایمان لانے والے ہو تو یہ سبب ایسا ہے جس پر اضافہ کی ضرورت نہیں رہی [ابو عمرو کی قراءت میں ''اُخِذَ مِيْثَاقُكُمْ'' (فعل ماضی مجہول کے ساتھ) پڑھا گیا ہے]۔

۹- ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشن آیتیں نازل کرتا ہے یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہے ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ یا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا ہے [حجازی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''لَرَءُوْفٌ'' مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد رحم فرمانے والا'' رأفت'' کا معنی ہے: بہت زیادہ شفقت و رحمت کرنا۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی' یہی لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی' اور اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھنے والا ہے○

۱۰- ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اصل میں ''فِيْ اَنْ لَّا تُنْفِقُوْا'' ہے ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' وہی ان دونوں میں ہونے والی ہر چیز کا وارث ہے۔ مال وغیرہ میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی کے لیے باقی ہو یعنی تمہاری

کون سی غرض ہے جس کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے' پھر وہی تمہارے اموال کا وارث ہوگا اور یہ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں ترغیب کے لیے سب سے زیادہ بلیغ کلام ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل کلام کے ذریعے) مسلمانوں میں سے خرچ کرنے والوں کے درمیان فرق کو بیان کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ﴾ تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا یعنی اسلام کے غالب آنے اور اہل اسلام کے قوت حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کے گروہ در گروہ داخل ہونے سے پہلے اور فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا' ''وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدَ الْفَتْحِ'' اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا' وہ برابر نہیں ہیں پھر ''وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ'' اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جو مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے (التوبہ:۱۰۰) اور جن کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ'' اگر تم میں سے کوئی شخص (فی سبیل اللہ) احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے فی سبیل اللہ خرچ کیے ہوئے ایک کلو جَو کے برابر نہیں اور نہ ان کے آدھا کلو جَو کے برابر ہے[1] ﴿اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ﴾ وہ درجے میں بہت بڑھ کر ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا ﴿وَكُلًّا﴾ اور سب یعنی صحابہ کرام کے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق سے ﴿وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ اللہ تعالیٰ بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے یعنی بہترین ثواب کا وعدہ اور وہ جنت ہے اگرچہ ان کے درجوں میں فرق ہوگا [''كُلًّا''، ''وَعَدَ'' کا پہلا مفعول ہے اور ''اَلْحُسْنٰى'' دوسرا مفعول ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''كُلٌّ'' مرفوع ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل کی گئی ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام قبول کیا اور انہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور اس میں آپ کی فضیلت اور تقدم پر دلیل ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی مقدار کے مطابق بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۚ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴿۱۲﴾

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے' سو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا کر عطاء کرے گا اور اس

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:۳۶۷۳' مسلم رقم الحدیث:۲۵۴۰

کے لیے محترم ثواب ہوگا○ اس روز آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (انہیں کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی خوش خبری ہو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے○

## قرضِ حسنہ کے انعام کا بیان

۱۱ - ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے (یعنی) خوش دلی سے دے۔ بہترین قرض سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے اور قرض حسنہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ یہ اجر و ثواب کے لازماً ملنے پر دلالت کرے ﴿فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس کے قرضِ حسنہ کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قرضِ حسنہ دینے والے آدمی کو اس کے خرچ کرنے پر کئی گنا بڑھا چڑھا کر اجر و ثواب عطاء فرمائے گا ﴿وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ اور اس کے لیے عزت کا اجر و ثواب ہوگا یعنی وہ اجر و ثواب جس کے ساتھ کئی گنا ثواب ملایا جائے گا' وہ بذاتِ خود عزت والا ہوگا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَیُضَعِّفُهٗ'' (باب تفعیل'' فا'' مرفوع) پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں (باب تفعیل) ''فا'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور امام عاصم اور سہل کی قراءت میں ''فَیُضَاعِفَهٗ'' (باب مفاعلہ ''فا'' منصوب پڑھا جاتا) ہے ان کے علاوہ کے نزدیک (باب مفاعلہ) ''فا'' مرفوع ہے' پس نصب تو استفہام کے جواب پر مبنی ہے اور رفع ''یقرض'' پر عطف کی وجہ سے ہے یا رفع اس لیے ہے کہ اصل میں ''فَھُوَ یُضَاعِفُهٗ'' ہے]۔

## مؤمنوں کے انعام اور منافقوں کی محرومی کا بیان

۱۲ - ﴿یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے [یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِیْمٌ'' کے لیے ظرف ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' (فعل امر) مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' یہ فعل کا اضمار اس دن کی تعظیم کے لیے ہے] ﴿یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ ان کا نور یعنی ان کی توحید و عبادات کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' مطلب یہ کہ ان کے ساتھ چلتا ہوگا' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر صرف ''بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ'' اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن نیک بختوں کو ان کے اعمال کے صحیفے ان ہی دو طرفوں سے عطاء کیے جائیں گے جیسا کہ بدبختوں کو ان کے بائیں ہاتھوں میں اور ان کے پیچھے دیئے جائیں گے' سو اس لیے ان کے نور کو انہیں دو جہتوں میں ان کی نیک بختی کی علامت اور نشانی قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نیکیوں کی وجہ سے کامیاب و کامران اور نیک بخت قرار پائے اور اپنے سفید اور روشن صحیفوں کی وجہ سے فلاح حاصل کی' چنانچہ جب ان کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ پل صراط پر گزرنے لگیں گے تو دوڑ پڑیں گے اور ان کا نور بھی ان کے ساتھ دوڑ رہا ہوگا اور فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ﴾ آج تمہیں جنتوں کی بشارت و خوش خبری ہو یعنی جنتوں میں داخل ہونے کی بشارت ہو' کیونکہ بشارت دوبارہ زندہ کیے گئے آدمیوں کے لیے ہوگی مردہ لاشوں کے لیے نہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿۱۳﴾

اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہم پر نظر کرم کرو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں' انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر (وہاں) نور تلاش کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی اس میں ایک دروازہ ہوگا' اس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا○

۱۳۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا﴾ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم انتظار کرو کیونکہ مسلمانوں کو جنت کی طرف تیز بجلی کی طرح بہت جلدی لے جایا جائے گا [''انظرونا'' بہ معنی ''انتظرونا'' ہے جب کہ قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''اَنْظِرُوْنَا'' (''ظا'' مکسور باب افعال سے) ہے اور یہ ''نَظِرَةٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مہلت دینا ہے' منافقین ست رفتاری کی وجہ سے مسلمانوں سے مہلت مانگیں تا کہ ان کے ساتھ مل جائیں] ﴿نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں اور اس نور سے کچھ حصہ ہم بھی پا لیں' یہ اس بناء پر کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں اور ان سے نور حاصل کر لیں ﴿قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ﴾ منافقین کو دھتکارنے اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے کہا جائے گا: تم واپس اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر وہاں روشنی حاصل کرو یعنی فرشتے ان سے کہیں گے یا مؤمنین کہیں گے کہ تم واپس موقف میں چلے جاؤ جہاں سے ہمیں نور عطاء کیا گیا' سو تم وہاں جا کر نور تلاش کرو' پس اس سبب سے نور حاصل کیا جا سکتا ہے' یا یہ معنی ہے کہ انہیں کہا جائے گا: تم واپس دنیا میں لوٹ جاؤ اور نور حاصل کرنے کے سبب کو تلاش کرو اور وہ خالص ایمان ہے ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ﴾ پھر ان کے درمیان کھڑی کر دی جائے گی یعنی مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان ﴿بِسُوْرٍ﴾ ایک دیوار جو جنت اور دوزخ کی آگ کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ بعض کا قول ہے: وہ اعراف ہے ﴿لَّهٗ بَابٌ ؕ﴾ اس دیوار میں اہل جنت کے لیے ایک دروازہ ہے جس سے اہل جنت' جنت میں داخل ہوں گے ﴿بَاطِنُهٗ﴾ اس دیوار کا یا دروازے کا اندرون اور یہ وہ جانب ہے جو جنت سے متصل ہے ﴿فِيْهِ الرَّحْمَةُ﴾ اس میں رحمت ہے یعنی نور ہے یا جنت ہے ﴿وَظَاهِرُهٗ﴾ اور اس کے باہر جو دوزخیوں کے لیے ظاہر ہے ﴿مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ اس کے پاس یا اس طرف سے عذاب ہے یعنی اندھیرا ہے یا آگ ہے۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال دیا تھا اور تم (مسلمانوں کی ہلاکت کا) انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے تھے اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دینے والے (شیطان) نے دھوکا دیاO سو آج تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے کفر کیا' تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' وہی تمہاری رفیق ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہےO

۱۴- ﴿ يُنَادُوْنَهُمْ ﴾ وہ انہیں پکاریں گے یعنی منافقین مؤمنوں کو پکار کر کہیں گے کہ ﴿ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ دنیا میں بہ ظاہر وہ مسلمانوں کے رفیق اور ساتھی بنے رہے تھے ﴿ قَالُوْا بَلٰى ﴾ یعنی جنتی مسلمان ان سے کہیں گے: کیوں نہیں! ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ اور لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال دیا یعنی منافقت کر کے تم نے اپنے آپ کو محنت و مشقت میں ڈال دیا اور تم نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ﴿ وَتَرَبَّصْتُمْ ﴾ اور تم مسلمانوں پر مصائب کا انتظار کرتے رہے ﴿ وَارْتَبْتُمْ ﴾ اور تم توحید میں شک کرتے رہے ﴿ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ﴾ اور تمہیں لمبی لمبی آرزوؤں اور بڑی بڑی عمروں کے طمع نے فریب میں ڈالے رکھا ﴿ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا یعنی موت آ پہنچی ﴿ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے جو چاہو کرو وہ تمہیں عذاب نہیں دے گا یا یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ حساب و کتاب ہوگا۔

۱۵- ﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ ﴾ سوائے منافقو! آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔ ''فدیہ'' وہ تاوان ہے جو کسی شخص کی رہائی کے عوض ادا کیا جائے ﴿ وَلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور نہ ان لوگوں سے فدیہ لیا جائے گا جنہوں نے کفر کیا ﴿ مَاْوٰىكُمُ ﴾ تمہارا ٹھکانا اور تمہاری واپس لوٹ کر جانے کی جگہ ﴿ النَّارُ ﴾ دوزخ کی آگ ہے ﴿ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ﴾ وہی تمہارے لائق ہے۔ ''مولاکم'' کا معنی ہے: تمہارا وہ مکان جس کے بارے میں کہا جائے: ''هِيَ اَوْلٰى بِكُمْ'' یہی تمہارے لائق ہے' جیسے ''هُوَ مَئِنَّةٌ لِلْكَرَمِ'' کہا جاتا ہے یعنی کرم کی جگہ' یہ ''اِنَّهٗ كَرِيْمٌ'' کے جواب میں بولا جاتا ہے ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور وہ دوزخ کی آگ ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے' اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی' سو ان پر زمانہ دراز ہو گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے' اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیںO جان رکھو! بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک ہم نے واضح کر کے نشانیاں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھ لوO

کاہل مسلمانوں کے لیے انتباہ

۱۶- ﴿ اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾ کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل نرم پڑ جائیں اور خشوع وخضوع کے ساتھ جھک جائیں۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان بہت تنگ تھے اور تنگ دستی اور غربت کی وجہ سے پریشان رہتے تھے' پھر جب یہ مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں آ گئے تو انہوں نے یہاں آ کر رزق اور مال و دولت کو خوب کمایا اور خوش حال ہو گئے تو ان میں پہلے جیسا خشوع وخضوع نہ رہا' عبادات میں پہلے جیسی چستی اور اہتمام نہ رہا اور ان میں کاہلی اور سستی آ گئی (لیکن فرائض میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ صرف نفلی عبادات اور تلاوتِ قرآن میں کمی آ گئی تھی) تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے ہمیں عتاب کیے جانے کے درمیان چار سال گزرے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روز ان کے سامنے یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل یمامہ کی ایک قوم موجود تھی' سو وہ لوگ یہ آیت سن کر بہت روئے تو حضرت ابوبکر نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ پہلے ہم بھی اسی طرح تھے' پھر لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ "یَاْنِ. اَیِ الْاَمْرُ یَاْنِیْ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کام کا وقت آ جائے "اَیِ الْاَمْرُ" یعنی کام کا وقت آ گیا ﴿ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَـقِّ ۙ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس حق کے لیے جو نازل ہو چکا ہے۔ ذکر اور حق سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ یہ دونوں کا جامع ہے' ذکر کا بھی اور وعظ ونصیحت کا بھی اور بے شک یہ وہ حق ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں "نَزَلَ" تخفیف کے ساتھ ہے اور باقی قراء کی قراءت میں "نَزَّلَ" (تشدید کے ساتھ) ہے لفظ "مَا" بہ معنی "اَلَّذِیْ" ہے] ﴿ وَلَا يَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ ﴾ اور مسلمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں کو ملامت کرنے اور تنبیہ کرنے کے بعد دلوں کے سخت ہونے میں اہل کتاب کے ساتھ مماثلت سے انہیں منع کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ بے شک بنی اسرائیل کے درمیان اور ان کی خواہشاتِ نفسانی کے درمیان حق حائل ہو گیا اور جب انہوں نے تورات اور انجیل کو سنا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھک گئے اور ان کے دل نرم پڑ گئے' پھر جب ان پر زمانہ طویل اور دراز ہو گیا تو ان پر بے وفائی اور سخت دلی غالب آ گئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف شروع کر دیا اور انہوں نے تحریف وغیرہ کر کے اپنی طرف سے مسائل گھڑ لیے اور نئے نئے مسائل کا اضافہ کر لیا ﴿ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ ﴾ سو ان پر مدت یا زمانہ طویل اور دراز ہو گیا ﴿ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾ تو شہوات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے ﴿ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾ اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں جو اپنے دین سے خارج ہو چکے ہیں اور انہوں نے جو کچھ کتابوں میں تھا اس کو ترک کر دیا یعنی ان میں سے بہت تھوڑے سے ایمان دار رہ گئے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک ہم نے اپنی توحید اور قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیوں کو خوب واضح کر کے بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ بے شک دلوں میں ذکر الٰہی کی تاثیر کے لیے یہ مثال ہے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ غافل ومردہ دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش بنجر زمین کو زندہ (سرسبز وشاداب) کر دیتی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ ع ۹ ۱۸

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ان کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر وثواب ہوگاO اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں ان کا اجر وثواب اور ان کا نور صرف انہیں کے لیے ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیںO

## صدقہ دینے والوں اور ایمان لانے والوں کے انعام اور کفار کی سزا کا بیان

۱۸- ﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں [ابن کثیر کی اور ابوعمرو کی قراءت میں صرف دال مشدد ہے اور "صَدَّقَ يُصَدِّقُ تَصْدِيقًا" سے اسم فاعل ہیں] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں یعنی مؤمنین اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے [اور دیگر قراء کی قراءت میں دال اور شین دونوں مشدد ہیں اور یہ "تَصَدَّقَ يَتَصَدَّقُ تَصَدُّقًا" سے اسم فاعل ہیں پھر تا کو صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ان کو اپنی اصل پر "إِنَّ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ" بھی پڑھا گیا ہے] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک صدقہ خیرات دینے والے مرد اور صدقہ خیرات دینے والی عورتیں ﴿وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ان کے لیے ان کے اجر وثواب کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر عطاء کیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر وثواب ہوگا یعنی جنت ملے گی اور قرضِ حسن یہ ہے کہ پاکیزہ مال میں سے خوش دلی کے ساتھ اور صحیح نیت کے ساتھ مستحق کو صدقہ دیا جائے ["أَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" "اَلْمُصَّدِّقِيْنَ" میں فعل کے معنی پر معطوف ہے کیونکہ اس میں لام موصول کا ہے اور "اَلَّذِيْنَ" کے معنی میں ہے اور اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے اور وہ "اِصَّدَّقُوْا" ہے گویا فرمایا گیا: "إِنَّ الَّذِيْنَ اصَّدَّقُوْا وَاَقْرَضُوْا" بے شک جن لوگوں نے صدقہ دیا اور قرض دیا]۔

۱۹- ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ صدیقوں اور شہیدوں کی طرح ہیں اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سب سے پہلے تصدیق کی اور کفار سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ ان کا اجر اور ان کا نور انہیں کے لیے ہوگا یعنی ان کا اجر اور ان کا نور صدیقوں اور شہیدوں کے اجر اور ان کے نور کی طرح ہوگا [اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَالشُّهَدَآءُ" مبتدا ہو اور "لَهُمْ اَجْرُهُمْ" اس کی خبر ہو]

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا' وہی بھڑکتی ہوئی دوزخ والے ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

تم جان لو! بے شک دنیوی زندگی صرف کھیل اور تماشا اور زیب و زینب اور تمہارا آپس میں فخر و غرور کرنا اور مال و اولاد میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنا ہے' جیسے بارش جس کی پیداوار کافروں کو عجیب لگی' پھر وہ خشک ہو گئی تو (اے انسان!) تم اسے زرد دیکھتے ہو' پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' اور آخرت میں سخت عذاب ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش و رضامندی ہے' اور دنیوی زندگی تو نہیں مگر دھوکے کا سامان O

## دنیا کے حقیر کاموں اور مغفرت و جنت کی ترغیب کا بیان

۲۰۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ﴾ تم جان رکھو! بے شک دنیوی زندگی کھیل ہے جیسے بچوں کا کھیل ہوتا ہے ﴿وَّلَهْوٌ﴾ اور تماشا ہے جیسے نوجوان کے تماشے اور بے ہودہ مشغلے ہوتے ہیں ﴿وَّزِيْنَةٌ﴾ جیسے عورتوں کے سنگھار ﴿وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ﴾ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا جیسے اپنے مد مقابل اور ہم سر پر باہمی فخر کرنا اور ہم عمر ہم زمانہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا ﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر اضافہ چاہنا جیسے چودھریوں' سرداروں اور رئیسوں کا آپس میں ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں کثرت و اضافہ کی حرص و طلب کرنا یعنی ان میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنا۔ اور ''تکاثر'' کا معنی ہے: زیادہ سے زیادہ مال اور اولاد طلب کرنا ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ جیسے بارش جس کا سبزہ کفار کو عجیب لگا' پھر وہ خشک ہو گیا' پس تم اسے زرد دیکھتے ہو حالانکہ اس سے پہلے وہ ہرا بھرا سرسبز و شاداب تھا ﴿ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا﴾ پھر وہ چورا چورا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس آیت میں دنیا اور اس کے عارضی ہونے' جلد ختم ہونے اور بہت کم مفید ہونے کے حال کو ایسے سبزہ جات کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسے بارش نے اُگایا' پھر برابر ہو گیا اور لہلہانے لگا اور مضبوط ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے کافروں کو بہت عجیب لگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بارش اور ہرا بھرا سبزہ عطاء فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر آفت بھیج دی' سو وہ خشک ہو گیا اور وہ زرد و پیلا ہو گیا اور پھر چورا چورا ہو گیا' یہ صرف کافروں کو ان کے انکار پر سزا دینے کے لیے ہوا' جس طرح اہل جنت کے ساتھ کیا گیا (جس کا ذکر جنتیوں کے انعام کے بیان میں سورۃ واقعہ میں گزر چکا ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار سے کاشت کار مراد ہیں (کیونکہ کفر کا معنی ہے: چھپانا' تو جس طرح کافر حق کو باطل کے پردے میں چھپاتا ہے' اسی طرح کاشت کار بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے) ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور آخرت میں کافروں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا ﴿وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ﴾ اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور

خوشنودی اور رضا مندی ہوگی یعنی دنیا کے یہ سارے کام حقیر ہیں[1] (۱) ''لعب ''یعنی کھیل تماشے (۲) ''لھو ''یعنی بے ہودہ اور باطل مشغلے (۳) ''زینۃ ''یعنی ہار سنگھار' زیب وزینت اور زیبائش وآرائش (۴) ''تفاخر '' آپس میں ایک دوسرے پر حسب ونسب میں فخر وغرور کرنا (۵) ''تکاثر ''یعنی مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت وکثرت طلب کرنا' اور آخرت کے یہ تمام کام عظیم ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) کافروں کے لیے سخت ترین عذاب (۲) حمد وثناء کے لائق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنوں کے لیے مغفرت وبخشش (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی [''کمثل غیث ''میں کاف محلاً مرفوع ہے اس بناء پر کہ یہ خبر کے بعد خبر ہے] یعنی یہ دنیا بارش کی طرح عارضی ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس کی طرف مائل ہوا' اور اس پر اعتماد کیا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: اے مریدین کی جماعت! تم دنیا کو طلب نہ کرو اور اگر ضرورت کے تحت اسے طلب کرنا ہو تو اس سے محبت نہ کرو کیونکہ دنیا سے آخرت کے لیے زادِ راہ لینا ہے اور آرام کرنے کی جگہ اس کے علاوہ میں ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

تم اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے' وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے عطاء فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہےO

۲۱-اور جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر اور اس کے کام کو ذلیل قرار دیا اور آخرت کے کام کو عظیم اور بہت بڑا قرار دیا تو اپنے بندوں کو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنے پر اُبھارا جس کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے اور وہ سخت ترین عذاب سے نجات دینے والی مغفرت وبخشش ہے اور جنت میں داخل ہونے کی کامیابی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

[1] حضرت سیّدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم دنیا کا غم نہ کرو کیونکہ یہ دنیا چند عارضی اور حقیر چیزوں کا نام ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) مطعومات (کھانے کی چیزیں) (۲) مشروبات (۳) ملبوسات (۴) مشمومات (سونگھنے کی چیزیں) (۵) مراکب (سواریاں) (۶) منکوحات (بیویاں) خوردنی چیزوں میں سب سے اہم اور خوش ذائقہ شہد ہے جو ایک مکھی کا لعاب ہے اور سب سے زیادہ پینے والی چیز پانی ہے جس میں انسان اور تمام حیوان مشترک اور برابر ہیں اور ملبوسات میں سب سے اہم لباس ریشم کا ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کے تھوک سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ خوشبو مشک ہے اور وہ ہرن کی ناف کا جما ہوا خون ہے اور سب سے اچھی سواری گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر انسانوں کو قتل کیا جاتا ہے (اس زمانہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی جاتی تھی) اور نکاح کی اہم چیز عورت ہے جس میں دو پیشاب گاہوں کا ملاپ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض' میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں سایادار درخت کے نیچے آرام کرنے اور گرمی دور کرنے کے لیے چند لمحات ٹھہر کر چل پڑے اور درخت کو چھوڑ دے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جزء ۲۷ ص ۵۵۸' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ تم نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی مغفرت وبخشش کی طرف آگے بڑھو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مغفرت وبخشش حاصل کرنے کے لیے اس طرح جلدی کرو جس طرح مقابلے کے میدان میں جیتنے کے لیے اپنے ساتھیوں سے سبقت کرنے والے جلدی کرتے ہیں ﴿ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے۔ امام سدی نے فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی چوڑائی کی مثل ہے اور لمبائی کو چھوڑ کر صرف چوڑائی کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ لمبائی کے مقابلے میں چوڑائی کم ہوتی ہے، جب جنت کی چوڑائی اتنی فراخ ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی بہت زیادہ فراخ ہو گی یا چوڑائی سے وسعت وفراخی مراد ہے اور یہ اس شخص کے قول کی نفی کرتی ہے جو کہتا ہے: جنت چوتھے آسمان میں ہے کیونکہ جو آسمانوں میں سے ایک آسمان کے اندر ہے وہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے برابر کیسے ہو سکتی ہے ﴿ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مغفرت وجنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اسے عطاء کرتا ہے اور وہ مؤمنین ہیں اور یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا ﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا
بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝۲۳ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴

کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں، بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے O تاکہ تم اس پر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہا اور نہ تم اس پر اتراؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا، اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا O وہ جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور جو شخص روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل تعریف ہے O

## قضاء وقدر کی حکمت کا بیان

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلے کے تحت ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ ﴾ کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور زمین کی مصیبت سے مراد خشک سالی وقحط سالی اور کھیتوں اور پھلوں میں نازل ہونے والی آفات وبیماریاں اور نفوس اور جانوں کی مصیبت بیماریاں، جسمانی تکلیفیں اور دردیں اور اولاد میں موت آ جانا [''فِى الْاَرْضِ'' محلاً مجرور ہے ''اَىْ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ ثَابِتَةٍ فِى الْاَرْضِ '' یعنی کوئی مصیبت زمین میں ثابت نہیں ہوتی مگر لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔ ''اِلَّا فِىْ كِتَابٍ'' محلاً حال ہے ''اَىْ اِلَّا مَكْتُوْبًا فِىْ كِتَابٍ'' یعنی مگر کتاب میں لکھا ہوا ہے ]

یہاں ''کتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ﴾ اس سے پہلے کہ ہم جانوں کو پیدا کریں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس کی تقدیر اور اس کا کتاب میں اثبات ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے اگرچہ بندوں پر مشکل ہے۔

۲۳- پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت وسبب اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تم سے جاتا رہے (یعنی) دنیا اور اس کی وسعت وخوش حالی یا امن وعافیت اور صحت وتندرستی کے چھن جانے اور ختم ہو جانے پر اس قدر غم نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں بغاوت وسرکشی پر اُکسانے لگے ﴿وَلَا تَفْرَحُوْا﴾ اور تم اس طرح (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر) نہ اتراؤ جس طرح تکبر کرنے والے اور فخر وغرور کرنے والے اتراتے ہیں ﴿بِمَآ اٰتٰكُمْ ؕ﴾ ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطاء کی ہیں۔ یہ ''ایتـآء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: دینا اور عطاء کرنا' جب کہ ابوعمرو کی قراءت میں ''اَتَاکُمْ'' ہے اور ''اتیان'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: آنا' تو ''بِمَا اَتَاکُمْ'' کا معنی ہوا: جو کچھ تمہارے پاس آیا اور تمہیں ملا یعنی جب تم نے یہ جان لیا کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس مقدر کر کے لکھ دی گئی ہے تو تمہیں کسی نعمت کے فوت ہونے پر غم ورنج کم ہوگا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی کم ملے گی اور تکبر پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جس کو معلوم ہو گیا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ لامحالہ ایک دن ختم ہو جائے گا تو کسی نعمت کے ختم ہو جانے پر اس کا جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی اس پر غالب وحاوی نہیں ہوگی' اس لیے کہ اس کا نفس اس پر آمادہ رہے گا اور اسی طرح جس کو معلوم ہو گیا کہ کچھ خیر وبھلائی اسے ضرور ملے گی اور اس کا حاصل ہونا کسی حال میں اس سے فوت نہیں ہوگا تو اس خیر وبھلائی کے ملنے پر اس کی خوشی اس قدر نہیں بڑھے گی کہ وہ تکبر کرنے والے اور ہر آدمی کو ملنے والی منفعت پر خوش ہوتا ہے' یہ اس کا فطری تقاضا ہے اور اسی طرح نازل ہونے والی مصیبت پر غمگین ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس کا فطری تقاضا ہے' لیکن مناسب یہ ہے کہ خوشی شکر کی صورت میں ظاہر کی جائے اور رنج وغم پر صبر کا مظاہرہ کیا جائے گا اور بے شک رنج وغم پر صبر کے منافی جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی کا مظاہرہ کرنا مذموم اور بُرا ہے اور خوشی ملنے پر شکر ادا کرنے کی بجائے تکبر وغرور اور سرکشی کرنا اور لہو ولعب اور کھیل تماشے کرنا مذموم اور بُرا ہے ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے فخر وغرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ جو شخص دنیا سے ملنے والے نصیب پر خوش ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا آدمی خیال کر لیتا ہے تو وہ اتراتا ہے اور دنیا کے ملنے والے نصیب کے ساتھ فخر کرتا اور لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

۲۴- ﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو بخل کرتے ہیں [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ''كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ'' سے بدل ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں جب دنیا میں سے وافر نصیب اور مال ورزق عطاء کیا جاتا ہے تو اس پر اتراتے ہیں اور سرکشوں اور اترانے والوں کی طرح تکبر کرتے ہیں اور سرکشی پر اُتر آتے ہیں اور وہ مال ودولت کی محبت میں اور اس کو اپنے ہاں عزت کا معیار سمجھ کر حقوق اللہ ادا کرنے سے اس کو روک لیتے ہیں اور اس کے ساتھ بخل کرتے ہیں ﴿وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ﴾ اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو بخل کرنے پر اُکساتے ہیں اور ان کو مال روکنے اور ذخیرہ کر کے رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جو شخص روگردانی کرتا ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سے اعراض کرتا ہے اور وہ اس سے باز نہیں آتا جس سے منع کیا گیا ہے جیسے کسی نعمت کے فوت ہونے پر صبر کرنا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی نہ کرنا اور تکبر وغرور نہ کرنا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے تو اس روگردان

سے بھلا کیونکر بے نیاز نہیں ﴿الْحَمِیْدُ﴾ وہ اپنے تمام افعال میں سراہا گیا ہے اور تعریف کیا گیا ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ھُوَ'' کو ترک کر کے ''فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِیُّ'' پڑھا جاتا ہے]۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ ع ۱۹

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت قوت والا بڑا غالب ہے O

## نزولِ وحی کی اہمیت اور لوہے کے فوائد کا بیان

۲۵- ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا یعنی ہم نے فرشتوں کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجا ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی یعنی وحی نازل کی' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''رسل'' سے انبیائے کرام مراد ہیں اور پہلا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ''معھم'' فرمایا جب کہ انبیائے کرام پر کتابیں نازل ہوتی ہیں' ساتھ نہیں ﴿وَالْمِیْزَانَ﴾ اور ہم نے میزان نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام میزان لے کر نازل ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کے سپرد کر دی اور کہا کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس کے ساتھ وزن کیا کریں ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کیا کریں' پورا تول کر دیں اور پورا تول کر لیں اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کیا کرے ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ﴾ اور ہم نے لوہے کو نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اترے تو ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں نازل ہوئی تھیں: (۱) اہرن (۲) چمٹا (۳) ہتھوڑا (۴) چابک (۵) سوئی' اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ بیلچہ اور درانتی بھی تھی' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا ﴿فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ﴾ اس میں بڑی سخت قوت ہے اور اس سے مراد لوہے کے آلات حرب کے ساتھ جنگ کرنا ہے ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں (یعنی) ان کے مصالح اور ان کے معاش کا قیام اور حرفت کی مصنوعات میں ان کے لیے فوائد ہیں' غرض یہ کہ ہر صنعت میں لوہا آلہ' کار بنتا ہے یا پھر لوہے کے ساتھ ہر کام وابستہ ہوتا ہے ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو تلواروں' نیزوں' بھالوں اور دیگر اسلحہ جات کو دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد میں استعمال کر کے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو اس کے رسول کے ساتھ مل کر اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں ﴿بِالْغَیْبِ﴾ بن دیکھے کیونکہ وہ ان سے غائب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت والا ہے' وہ اپنی قوت کے ذریعے اس شخص کی قوت کو دفع کر دیتا ہے جو اس کی ملت سے روگردانی کرتا ہے ﴿عَزِیْزٌ﴾ بہت

غالب ہے' وہ اپنی عزت سے اس شخص کی شجاعت و بہادری کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کے درپے رہتا ہے اور ان تین چیزوں میں مناسبت یہ ہے کہ کتاب شریعت کا قانون اور احکام وحدود دینیہ کا دستور ہے' یہ کتاب رُشد وہدایت اور معاہدوں کی راہ بیان کرتی ہے اور تمام احکام وحدود کی جامع کتاب ہے اور یہ عدل وانصاف اور احسان کا حکم دیتی ہے اور بغاوت وسرکشی سے منع کرتی ہے اور عدل کے استعمال اور ظلم سے اجتناب کا حکم دیتی ہے اور یہ کتاب ایک ایسے آلہ (ترازو) کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس کے ذریعے باہمی معاملات طے ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے آپس کے لین دین میں برابری اور باہمی عدل قائم ہو جاتا ہے اور وہ میزان ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ کتاب اوامر الہیہ کی جامع ہے اور وزن کا آلہ برابری کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور بے شک علامۃ الناس کو ان دونوں کی اتباع کرنے پر ایسی تلوار کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے جو ہر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے جو حق کا انکار کرتا ہے اور دین سے عناد رکھتا ہے اور اس نے جماعت سے ہاتھ کھینچ رکھا ہے اور وہ لوہا ہے جس کا وصف ''بأس شدید'' بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّیْنَا بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِیَّةَ ﰳابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی' سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہوئے O پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے طریقے پر اپنے رسولوں کو لگاتار بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء فرمائی' اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت ورحمت رکھ دی' اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیا' پھر انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی جیسا اس کی حفاظت کا حق تھا' سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر دے دیا' اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں O

## حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا تذکرہ

۲۶۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ﴾ اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا تھا' اور انہیں دونوں کو ذکر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے باپ ہیں ﴿وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت و کتاب یعنی وحی رکھ دی۔ کتاب سے وحی مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''كَتَبَ كِتَابًا وَ كِتَابَةً'' ﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ﴾ سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے یعنی اولاد میں سے کچھ لوگ یا پھر ان قوموں میں سے کچھ لوگ ہدایت یافتہ ہوئے جن کی

طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور اس کی دلیل ارسال اور رسولوں کا ذکر ہے ﴿ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ونافرمان ہوئے۔ یہ ان کے حال کی تفصیل ہے یعنی پس ان میں سے بعض لوگوں نے رسولوں کی اتباع اختیار کر کے ہدایت پالی اور ان میں سے بعض لوگوں نے نافرمانی کی یعنی اطاعت سے خارج ہو گئے اور غالب اکثریت فاسقوں کی تھی۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا تذکرہ

۲۷۔﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد انہیں کے طریقے پر بہت سے رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور انبیائے کرام میں سے جو گزر چکے ﴿ وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء کی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت یعنی محبت و پیار اور نرم دلی رکھ دی ﴿ وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ اور رحمت یعنی اپنے بھائیوں پر مہربان ہونا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کے بارے میں فرمایا: ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' (الفتح:۲۹) یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان تھے ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا ﴾[1] اور انہوں نے رہبانیت (ترکِ دنیا) کو خود ایجاد کیا۔ رہبانیت یہ ہے کہ انہوں نے دین کو فتنہ سے بچانے کے لیے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی اور وہیں اپنے آپ کو عبادت کے لیے خالص کر لیا [اور یہ وہ فعل ہے جو ''رهبان'' کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: ڈرنے والا' ''فَعْلَان'' کے وزن پر ہے اور ''رَهَبَ'' سے ماخوذ ہے' جیسے ''خشیان'' ہے' یہ ''خَشِيَ'' سے ماخوذ ہے اور یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد ظاہر فعل کر رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَابْتَدَعُوْا رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا''] یعنی انہوں نے یہ عمل خود ایجاد کیا اور اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ﴿ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ہم نے اس کو ان پر نہیں لکھا (یعنی) ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا ﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے یعنی لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد کیا تھا [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ ﴾ پھر انہوں نے اس کی کما حقہ رعایت نہیں کی' جیسا کہ منت ماننے والے پر اپنی منت کی رعایت

---

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مطلقاً بدعت مذموم اور بُری ہے بلکہ یہ آیت بہ ظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا ایک بدعت کو اختیار کر کے اور اپنے اوپر لازم کر کے' پھر اس کی رعایت نہ کرنا اور اس کو نہ نبھانا مذموم اور بُرا ہے اور امام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں بدعت کے بارے میں تفصیلی کلام ذکر کیا ہے کہ علمائے اسلام نے فرمایا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہ (۵) مباحہ' سو بدعت واجبہ جیسے ملحدوں اور بدعتیوں کی تردید کرنے کے لیے متکلمین کے دلائل سیکھنا' اور بدعتِ مستحبہ جیسے علم کی کتابوں کی تصنیف اور مدارس کی تعمیر اور سرائیں وغیرہ بنانا اور بدعت مباحہ جیسے طرح طرح کے کھانے تیار کرنے کی وسعت و گنجائش وغیرہ اور بدعت حرام اور مکروہ ظاہر ہیں' پھر اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور کا ارشاد ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' عام نہیں خاص ہے کہ صرف بدعت سیئہ گمراہی ہے' بدعتِ حسنہ نہیں' اور صاحب جامع الاصول (علامہ ابن اثیر جزری) نے فرمایا: مخلوق کی بدعت اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو تو مذموم و بُری اور قابل انکار ہے اور اگر ان احکام کے تحت داخل ہو جن کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے مستحب قرار دیا ہے تو وہ بدعت مستحبہ ہے' اگرچہ اس کی مثال موجود نہ بھی ہو جیسے جود و سخا اور نیک کام اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کی نماز کے بارے میں یہ قول ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے: ''نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ'' یہ بہترین اور اچھی بدعت ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳)

کرنا واجب ہوتی ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہوتا ہے' اس کو توڑنا جائز نہیں ہوتا ﴿ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ﴾ سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر وثواب عطاء کیا یعنی شفقت ومہربانی کرنے والے حضرات جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی اور جو لوگ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لائے ﴿ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ونافرمان ہیں یعنی کافر ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ ع

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں دو حصے عطاء فرمائے گا اور تمہارے لیے نور مقرر کردے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (اختیار) میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطاء فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل وکرم والا ہےO

## اہل کتاب کو دعوتِ اسلام قبول کرنے پر خوش خبری

٢٨- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ﴾ یہ خطاب اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے لیے ہے (یعنی) اے سابق انبیائے کرام پر ایمان رکھنے والو! ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول (سرورِ انبیاء) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لاؤ ﴿ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تمہیں ثواب کے دو حصے عطاء فرمائے گا' ایک سیّد عالم حضور محمد عربی ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا آپ سے پہلے پیغمبروں پر ایمان لانے کی وجہ سے ﴿ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا ﴾ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نور مقرر کردے گا ﴿ تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ جس کے ساتھ تم چلو گے اور یہ وہ نور ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے: ''يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' (الحدید:١٢) ''مؤمنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا'' ﴿ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

٢٩- ﴿ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ﴾ تاکہ وہ اہل کتاب جان لیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا [اصل میں ''لِيَعْلَمَ'' ہے ''لا'' تحسین کلام کے لیے زیادہ کیا گیا] ﴿ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ ﴾ [اس میں ''اَنْ'' ثقیلہ سے مخففہ ہے' اس کی اصل ''اَنَّهُ (لَا يَقْدِرُوْنَ)'' ہے] یعنی بے شک شان یہ ہے کہ وہ قدرت نہیں رکھتے ﴿ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن دو حصوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس میں سے کچھ حاصل نہیں کریں گے اور وہ نور اور مغفرت وبخشش ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے' سو اس لیے آپ سے پہلے ان کا ایمان انہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل بالکل حاصل نہیں ہوگا ﴿ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ﴾ اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ

کے ہاتھ میں ہے یعنی اس کی ملکیت میں اور اس کے اختیار و تصرف میں ہے ["اَنَّ الْفَضْلَ" "اَنْ لَّا یَقْدِرُوْنَ" پر معطوف ہے] ﴿یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطاء فرما دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

| سورۃ المجادلۃ مدنیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | آیاتہا ۲۲ رکوعاتہا ۳ |
|---|---|---|

سورۃ المجادلۃ مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی بائیس آیات، تین رکوع ہیں

الربع

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ① اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو اپنے شوہر کے بارے میں آپ سے بحث کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور بے شک وہ ضرور بُری بات اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ○

## ظہار کے احکام

نوٹ: سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

۱۔ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں اور اس کی شان میں آپ سے بحث کرتی ہے۔

شانِ نزول: اور یہ عورت حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی، ایک دفعہ وہ نماز پڑھ رہی تھی کہ حضرت اوس نے اسے دیکھا اور وہ بہت حسین وجمیل جسم والی عورت تھی، پھر جب اس نے سلام پھیرا تو حضرت اوس نے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے اسے راغب کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان کے شوہر ناراض ہو گئے اور اس سے ظہار کر لیا (یعنی اس نے کہا: تم مجھ پر اس طرح (حرام) ہو جس طرح میری ماں کی پشت مجھ پر (حرام) ہے) اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اوس بن صامت نے مجھ سے شادی کی جب کہ اس وقت میں نوجوان، خوب صورت، مرغوب عورت تھی، پھر اب جب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میرا پیٹ بڑھ کر پھیل گیا ہے یعنی میری اولاد بہت زیادہ ہو گئی ہے تو اب اس نے مجھے اپنے اوپر اپنی ماں کی طرح (حرام) قرار دے دیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت خولہ نے عرض کیا: میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر میں ان کو شوہر کے سپرد کر دوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ابھی تیرے معاملے میں کوئی حکم نہیں ہے۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اس وقت کے دستور کے مطابق) حضرت خولہ سے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا' بے شک وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' تو آپ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' اس نے عرض کیا: اب میں اپنے فقر و فاقہ اور اپنی پریشانی کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' تو وہ چلائی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿ وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اور اسے جو ناگواری اور کراہت و تکلیف پہنچی ہے' وہ اس کا اظہار کرتی ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے (یعنی) تم دونوں کے تبادلۂ کلام کو سن رہا ہے' یہ ''حــار'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کلام کو ایک دوسرے کی طرف لوٹایا جاتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر مجبور اور ہر مظلوم کی شکایت کو خوب سننے والا ہے ﴿ بَصِيْرٌ ﴾ اس کے حال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

۲۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ ﴾ تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (کہ اپنی بیویوں کو ماں کی طرح کہہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور ''نســاء'' سے بیویاں مراد ہیں' مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں مائیں صرف ''والــدات'' (جن سے پیدا ہوئے) ہیں اور ''مــرضــعــات'' (جن عورتوں کا دودھ پیا ہے وہ) بھی رضاعت کے واسطہ سے مائیں ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات حرمتِ نکاح اور تعظیم و تکریم کی زیادہ مستحق ہونے کی بناء پر امت کی مائیں ہیں لیکن بیویاں تو مائیں ہونے سے بہت دُور ہیں' چنانچہ اس لیے فرمایا: ﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ ﴾ اور بے شک وہ ضرور بُری بات کہتے ہیں یعنی جس بات کا حقیقت اور احکامِ شریعت انکار کرتے ہیں ﴿ وَزُوْرًا ؕ ﴾ اور جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی' باطل اور حق سے انحراف کی بات کہتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اہل عرب کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لیے ''مِــنْـكُـمْ'' فرمایا گیا ہے کیونکہ ظہار کو طلاق شمار کرنا زمانۂ جاہلیت میں صرف اہل عرب کا عقیدہ تھا دیگر امتوں کا نہیں ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ظہار کرنے والوں کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے

[امام عاصم کی قراءت میں (''یَا'' مضموم اور ''ظَا'' مخفف بعد میں الف اور ''ھَا'' مکسور باب مفاعلہ سے) ''یُظَاھِرُوْنَ'' ہے اور ابو عمرو اور حجازی کی قراءت میں (''یَــا'' مفتوح اور ''ظَــا'' مشدد بغیر الف کے ''ھَــا'' مفتوح کے ساتھ باب تفعل سے) ''یَظَّھَّرُوْنَ'' ہے اور ان کے علاوہ (ابن عامر شامی' حمزہ کوفی اور علی کسائی) کی قراءت میں (''یَا'' مفتوح اور ''ظَا'' مشدد بعد میں الف ''ھَا'' مفتوح کے ساتھ باب تفاعل سے) ''یَظَّاھَرُوْنَ'' ہے]۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں' پھر وہ اس سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ سخت بُری بات کہہ چکے ہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں' یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہےO سو جو شخص غلام کو نہ پائے تو دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں' پھر جو شخص روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ (حکم) اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان قائم رکھو' اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں' اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہےO

---

۳- ﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ (ظہار) کہنے والے کی بُری بات اور جھوٹی بات ہے اور اس دوسری آیت مبارکہ میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ﴿ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ﴾ پھر وہ اس بُری بات سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ کہہ چکے ہیں۔ ''عـود'' کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کا ابتداءً اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا' دوسرا معنی ہے کہ کسی چیز کا دوبارہ کسی حالت کی طرف لوٹنا' سو پہلے معنی کی مثال یہ ارشاد ہے کہ ''حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِO'' (یٰسین:۳۹) ''یہاں تک کہ چاند (آخری تاریخوں میں) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہےO'' اور دوسرے معنی کی مثال یہ ہے: ''وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا'' (الاسراء:۸) ''اور اگر تم دوبارہ فساد برپا کرو گے تو ہم تمہیں سزا دیں گے'' [اور یہ براہِ راست بھی متعدی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''عُدْتُهٗ'' میں واپس اس کی طرف لوٹ آیا ہوں' اور حرف جر ''اِلٰى' عَلٰى' فِيْ'' اور لام کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ'' (الانعام:۲۸) ''اور اگر مشرکین کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو جس کفر و شرک سے انہیں منع کیا گیا ہے اسی کی طرف دوبارہ لوٹ جائیں گے'' اور اسی سے یہ ارشاد ''ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا'' ہے] یعنی وہ اپنی کہی ہوئی بُری بات کو ختم کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں یا اس کے تدارک کے لیے رجوع کرنا چاہیں [یہ حذف مضاف کی بناء پر ہے] اور ثعلب نے کہا کہ ''يَعُوْدُوْنَ لِتَحْلِيْلِ مَا حَرَّمُوْا'' جس کو انہوں نے حرام کر لیا ہے اسے حلال کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں [یہ بھی حذف مضاف کی بناء پر ہے] مگر یہ کہ ''مَا قَالُوْا'' سے یہ مراد ہو کہ ''مَا حَرَّمُوْهُ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِلَفْظِ الظِّهَارِ'' یعنی انہوں نے جس کو اپنے آپ پر ظہار کے لفظ سے حرام کر لیا ہے' اس سے رجوع کرنا چاہیں اور اس صورت میں ''قالوا'' میں قول مقول فیہ کے قائم مقام ہوگا' جیسے ارشاد ہے: ''وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ'' (مریم: ۸۰) اس میں مقول فیہ مراد ہے اور وہ مال اور اولاد ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ ظہار کے خلاف رجوع کرنا کس چیز سے حاصل ہوگا' سو ہمارے (احناف کے) نزدیک بیوی کے ساتھ جماع کے عزم سے حاصل ہوگا اور حضرت ابن عباس' حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محض امساک سے ثابت ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ خاوند ظہار کے بعد بیوی کو طلاق نہ دے ﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ تو غلام آزاد کرنا ہے (یعنی) ظہار کرنے والے

خاوند پر غلام آزاد کرنا واجب ہے' خواہ مؤمن ہو یا کافر' اور مدبر اور ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کتابت کی رقم ادا کر دی ہو وہ جائز نہیں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں [اس میں "ھما" ضمیر "مُظَاھِر" (ظہار کرنے والا خاوند) اور "مُظَاھَرٌ مِنْھَا" (بیوی جس سے ظہار کیا گیا) کی طرف لوٹتی ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے] اور چھونے اور ہاتھ لگانے سے مراد بیوی سے فائدہ اٹھانا ہے خواہ جماع کے ساتھ ہو خواہ نفسانی خواہش سے چھونا' بوس و کنار کرنا ہو یا شہوت و نفسانی خواہش کے تحت بیوی کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا ہو ﴿ذٰلِکُمْ﴾ یہ ہے وہ حکم ﴿تُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کیونکہ کفارہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کی دلیل ہے' پس واجب ہے کہ اس حکم کی تمہیں نصیحت کی جائے تا کہ تم دوبارہ ظہار کی طرف نہ لوٹو اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

**ظہار کی تعریف:** اور ظہار یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے: "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ" تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے اور جب "اَنْتِ" کی جگہ شوہر اپنی بیوی کے کسی عضو کو استعمال کرے جس کے ساتھ اس کے وجود کو تعبیر کیا جا سکتا ہے تو ظہار ہو جائے گا (جیسے تیرا سر یا شرم گاہ یا چہرہ یا گردن یا بدن یا تیرا جسم میری ماں کی پشت کی طرح ہے) یا ماں کی پشت کی بجائے اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا حرام ہو' جیسے خاوند بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح یا میری ماں کی ران کی طرح ہے تو ظہار ہو گا یا پھر ماں کی جگہ کسی ایسی رشتہ دار عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دے جو نسب کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے یا جماع کی وجہ سے حرام ہو جیسے خاوند اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری رضاعی بہن کی پشت یا نسبی پھوپھی یا میرے بیٹے کی بیوی یا میرے باپ کی بیوی یا میری بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کی پشت کی طرح ہے تو ان تمام صورتوں میں شوہر "مظاھر" (ظہار کرنے والا) ہو جائے گا[1]

اور جب "مظاھر" کفارہ ادا نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ عدالت سے رجوع کرے اور قاضی پر لازم ہے کہ وہ "مظاھر" کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور اسے قید کر دے اور دیگر کفارات میں سے کسی کفارہ کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا' البتہ اگر ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے تو اس پر اسے قید کیا جائے گا کیونکہ کفارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت کا نقصان ہے اور ظہار عورت سے مخصوص فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے' پھر اگر خاوند کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے' معافی مانگے اور دوبارہ ایسا نہ کرے یہاں تک کہ پہلے کفارہ ادا کرے اور اگر شوہر نے آدھا غلام آزاد کیا' پھر اپنی بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

---

[1] جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے' ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں' جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے' اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار بار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہیں تھا' قابل تسلیم نہیں ہو گا۔

اور اگر وہ بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہو گا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہو گا' اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر اظہار کی نیت سے کہا ہو گا تو ظہار ہو گا' اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۳۸)

اس پر دوبارہ پورا غلام آزاد کرنا واجب ہے۔
۴- ﴿ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ ﴾ ''الرَّقَبَةَ'' سو جو شخص غلام کو نہ پائے ﴿ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ﴾
تو اس پر لگاتار دو ماہ روزے رکھنا لازم ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ﴿ فَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ ﴾
''الصِّيَامَ'' سو جو شخص روزوں کی طاقت نہیں رکھتا ﴿ فَاِطۡعَامُ ﴾ ''فَعَلَيۡهِ اِطۡعَامُ'' تو اس پر کھانا کھلانا واجب ہے
﴿ سِتِّيۡنَ مِسۡكِيۡنًا ﴾ ساٹھ مسکینوں کو۔ ہر مسکین کے لیے گندم نصف صاع (تقریباً دو کلو پچاس گرام) یا ایک صاع اس کے علاوہ کے لیے اور شوہر کا اپنی بیوی کے پاس ہم بستر ہونے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرنا واجب ہے' لیکن اگر خاوند نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو از سر نو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ بیان اور احکام کی تعلیم اس لیے کی گئی ہے ﴿ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ﴾ تاکہ ان مسائل پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو جو اللہ تعالیٰ نے ظہار وغیرہ کی صورت میں مشروع قرار دیئے ہیں اور ان عادات کو ترک کر دو جن پر تم زمانہ جاہلیت میں قائم تھے ﴿ وَتِلۡكَ ﴾ اور وہ یعنی وہ احکام جو ہم نے ظہار اور کفارہ کی صورت میں بیان کیے ہیں ﴿ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ﴿ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے جو حدود اللہ کی اتباع نہیں کرتے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ كُبِتُوۡا كَمَا كُبِتَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَقَدۡ
اَنۡزَلۡنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۚ ۝۵ يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا
فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝۶ ع ۱

بے شک جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت و مخالفت کرتے ہیں انہیں ذلیل کیا گیا' جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے اور بے شک ہم نے واضح آیتیں نازل کیں اور کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ○ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو انہیں وہ سب کرتوت بتا دے گا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کر رکھا ہے' اور وہ خود ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے ○

## دشمنانِ خدا اور رسول کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت

۵- ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ كُبِتُوۡا ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں (یعنی) عداوت و دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں' انہیں ذلیل و رسوا کیا گیا اور انہیں ہلاک کر دیا گیا ﴿ كَمَا كُبِتَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ﴾ جیسا کہ ان سے پہلے دشمنانِ رُسل کو ذلیل و خوار اور ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿ وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ﴾ اور بے شک ہم نے واضح آیتیں نازل کیں ہیں جو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صداقت اور وہ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے' ان کی صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں ﴿ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ اور ان آیات کے ساتھ کفر کرنے والے کافروں کے لیے ﴿ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴾ ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے' جو ان کی جھوٹی عزت و بڑائی اور تکبر و غرور کو ختم کر دے گا۔
۶- ﴿ يَوۡمَ ﴾ [یہ ''مھین'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر اس دن کی تعظیم کی خاطر ''اُذۡكُرۡ'' مضمر ہے جس کی وجہ سے یہ منصوب ہے] یعنی اس بڑے دن کو یاد کرو جس دن ﴿ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا ﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے

گا' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے بغیر نہیں چھوڑے گا بلکہ سب کو اٹھائے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک حالت میں جمع کر کے اٹھائے گا ﴿ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو شرمندہ کرنے اور ڈانٹنے اور ان کے حال کی تشہیر کرنے کے لیے ان کے تمام کرتوت بتا دے گا جو انہوں نے دنیا میں کیے تھے اور جب انہیں سرعام سب لوگوں کے سامنے ذلت و رسوائی لاحق ہوگی' اس وقت وہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں دوزخ کی آگ کی طرف بہت جلد لے جایا جائے ( تاکہ مزید ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے ) ﴿ أَحْصَاهُ اللَّهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے اور شمار کر کے ان کا احاطہ کر رکھا ہے' کوئی چیز اس میں سے فوت یا ضائع نہیں ہوئی ﴿ وَنَسُوهُ ﴾ اور وہ خود انہیں بھلا چکے ہیں کیونکہ جب انہوں نے ان اعمال کا ارتکاب کیا تو انہیں حقیر و صغیر خیال کیا حالانکہ بڑے بڑے معاملات کو یاد رکھا جاتا ہے ﴿ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ( اپنے بے حد علم و قدرت کے اعتبار سے ) ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ
ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن
ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(اے انسان!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' تین شخصوں میں کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر ان کا چوتھا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ پانچ میں کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر ان کا چھٹا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝

۷- ﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ﴾ تین شخصوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے [''یَکُوْنُ کَانَ'' تامہ سے ہے اور ''نجوی'' بہ معنی ''تناجی'' ہے یعنی ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا' اور ''نجوی'' کو ''ثلاثۃ'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے ''اَیْ مِنْ نَّجْوٰی ثَلَاثَۃِ نَفَرٍ'' یعنی تین افراد کی باہمی سرگوشی ] ﴿ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ ﴾ اور نہ پانچ شخصوں کی کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے ﴿ أَيْنَ مَا كَانُوا ﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ وہ آپس میں جس قدر سرگوشیاں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سب کو خوب جانتا ہے اور وہ لوگ جن کاموں میں مشغول ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ مکان سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے۔ ''اَدْنٰی'' بہ معنی ''اَقَلُّ'' ہے اور تین اور پانچ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ

آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کو بھڑکانے' غصہ دلانے اور انہیں جلانے کے لیے اسی تعداد میں حلقے بنا کر مسلمانوں کے خلاف آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے' سو اس لیے فرمایا گیا کہ ان میں سے تین افراد کوئی سرگوشی نہیں کرتے اور نہ پانچ افراد اور نہ اس تعداد سے کم اور نہ زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے' وہ لوگ جو کچھ سرگوشی میں کہتے ہیں وہ خوب جانتا ہے اور اس لیے بھی کہ عام طور پر عادت یہ ہے کہ سرگوشیاں کرنے والے تجربہ کار اہل رائے ایک گروہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کی پہلی تعداد دو ہوتی ہے پھر بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ جاتی ہے' جیسے حالات اس کا تقاضا کرتے ہیں' چنانچہ اللہ عزوجل نے تین اور پانچ کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا: ''وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ'' اور نہ اس سے کم' سو یہ فرمان تین سے کم دو پر اور پانچ سے کم چار پر دلالت کرتا ہے اور یہ فرمایا: ''وَلَا اَكْثَرَ'' اور نہ اس سے زیادہ' سو یہ فرمان اس عدد کے قریب پر دلالت کرتا ہے ﴿ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو انہوں نے اعمال کیے تھے' پس انہیں اعمال پر ان کو سزا دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ
اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۸ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بُری سرگوشی سے منع کیا گیا' پھر وہ اسی کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ گناہ اور ظلم وسرکشی اور رسول کریم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں' اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا' اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں' ان کو دوزخ کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگو تو تم گناہ اور ظلم وزیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور تم آپس میں نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ○

## مجرمانہ سرگوشی کی ممانعت اور مجلس میں کشادگی کا حکم

۸- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بُری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا ہے' پھر انہیں جس سے منع کیا گیا ہے' اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں اور وہ گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ دراصل یہود اور منافقین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے تھے اور جب مسلمان انہیں دیکھتے تو وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اشارے کرتے اور وہ مسلمانوں کو غصہ دلانے اور انہیں جلانا چاہتے اور وہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا چاہتے تھے کہ ان کی سرگوشیاں اور ان کی آنکھوں کے اشارے مسلمانوں کے خلاف ہیں اور یہ کہ مسلمان مجاہدین جنگوں میں مغلوب ہو جائیں گے اور ان کے عزیز و اقارب قتل کر دیئے جائیں گے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ دوبارہ اسی طرح کرنے لگے اور ان کی سرگوشیاں گناہ اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے اور رسول اکرم کی نافرمانی اور مخالفت کرنے کی وصیت پر مشتمل ہوتی تھیں [حمزہ کوفی کی قراءت میں (الف کے بغیر جیم مشدد کے ساتھ) ''یَتَنَجَّوْنَ'' ہے اور یہ پہلے کے ہم معنی ہے]

﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾ اور جب وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ آپ کو ایسے الفاظ کے ساتھ سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا یعنی وہ آپ کو سلام کرنے کے لیے ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ'' کہتے ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ''السام'' کا معنی موت ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى'' (النمل:۵۹) ''اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو'' اور فرمایا: ''يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ'' (المائدہ:۴۱) اور فرمایا: ''يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ'' (الاحزاب:۵۹) ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ﴾ اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا یعنی یہود و منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے: اگر یہ نبی ہوتے تو ہم جو کچھ ان کے خلاف کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور عذاب دیتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ ان کو عذاب دینے کے لیے دوزخ کافی ہے ﴿ يَصْلَوْنَهَا ﴾ وہ اس میں داخل ہوں گے [یہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (یعنی) دنیا سے لوٹ کر جانے کی جگہ اور وہ جہنم ہے۔

۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ اے زبانی کلامی ایمان لانے والو! اور یہ منافقین کے لیے خطاب ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مؤمنوں کے لیے خطاب ہے ﴿ اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾ جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو یعنی جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو یہود اور منافقین کی مشابہت اختیار نہ کرو کیونکہ وہ آپس میں مجرمانہ اور بُری سرگوشیاں کرتے ہیں ﴿ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ ﴾ اور تم آپس میں نیکی کی سرگوشی کرو یعنی فرائض کو ادا کرنے اور عبادات بجالانے اور اطاعت و فرماں برداری کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿ وَالتَّقْوٰى ﴾ اور گناہوں کو ترک کرنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تمہیں حساب کے لیے جمع کیا جائے گا' پھر وہ تمہیں نیک یا بُری جیسی سرگوشیاں تم نے کی ہوں گی' ان پر بدلہ عطاء فرمائے گا۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

بے شک بُری سرگوشی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو رنجیدہ کرے اور وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا رکھنا چاہیے O اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں وسعت وکشادگی کرو تو تم کشادہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کر دے گا' اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرما دے گا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبر دار ہے O

۱۰ - ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰی﴾ بے شک گناہ کی اور ظلم وزیادتی اور سرکشی کی سرگوشی ﴿مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی طرف سے ایسی بُری سرگوشی کو سنوارنے اور مزین وآراستہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے ﴿لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تا کہ وہ یعنی شیطان اہل ایمان کو غمگین ورنجیدہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یَا'' مضموم (اور ''زَا'' مکسور) کے ساتھ ''لِیُحْزِنَ'' ہے] ﴿وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور وہ یعنی شیطان یا وہ رنج وغم مسلمانوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اس کے علم اور اس کے فیصلے اور اس کے مقدر کرنے سے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا رکھنا چاہیے یعنی وہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور وہ شیطان مردود سے بچنے کے لیے صرف اسی کی پناہ طلب کریں۔

۱۱ - ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ﴾ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں کشادگی کرو اور مجلس میں وسعت کرو' اور امام عاصم کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''فِی الْمَجَالِسِ'' ہے لیکن اس سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس مراد ہے۔ دراصل صحابہ کرام علیہم الرضوان' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب بیٹھنے کی خواہش وتمنا اور آپ کا کلام مبارک سننے کی حرص کی وجہ سے آپ کے قریب ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مل کر بیٹھتے تھے' اس لیے آپ کی مجلس میں انہیں کشادہ ہونے کا حکم دیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے لڑائی اور جنگ کرنے کی مجالس مراد ہیں اور وہ جنگ کے مراکز اور مورچے ہیں' جیسے ارشاد ہے: ''مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ'' (آل عمران: ۱۲۱) یعنی ''جنگ کے مورچے''۔ حضرت مقاتل نے فرمایا: اس سے نمازِ جمعہ کی مجلس مراد ہے ﴿فَافْسَحُوْا﴾ مجلس میں جگہ کشادہ کرو ﴿يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ یہ مطلق ہے' ہر وہ چیز جس کی لوگ وسعت وکشادگی چاہتے ہیں' مراد ہے جیسے مکان' رزق' اولاد' سینہ اور قبر وغیرہ میں کشادگی چاہنا ﴿وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا﴾ اور جب (تمہیں) کہا جائے کہ تم کھڑے ہو جاؤ اور آنے والوں کے لیے جگہ میں کشادگی پیدا کرو ﴿فَانْشُزُوْا﴾ تو تم کھڑے ہو جاؤ' یا جب تمہیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے تو تم کھڑے ہو جاؤ' یا نماز اور جہاد اور دیگر اعمالِ خیر کی طرف کھڑے ہو جاؤ [امام عاصم' نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعل امر میں شین مضموم (بابِ ''نَصَرَ یَنْصُرُ'') سے ''اُنْشُزُوْا'' ہے جب کہ حماد وغیرہ کی قراءت میں شین مکسور (بابِ ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'') سے ''اِنْشِزُوْا'' ہے] ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرما دے گا یعنی تم میں سے ان مسلمانوں

کے درجات بلند فرمادے گا جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسولِ اکرم کے احکام کو بجالائے اور ان میں سے خاص علمائے دین کے درجات کو بلند فرمائے گا' اور درجات میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ وشان اور شرف و بزرگی کو بڑھادے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات و مراتب کو بلند فرمادے گا۔

## علمائے دین کی فضیلت

(۱) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو فرماتے: اے لوگو! اس آیت مبارکہ کو سمجھو اور علم دین میں رغبت پیدا کرو۔

(۲) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے' جس طرح چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔[1]

(۳) حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کی ایک دن کی عبادت عابد کی چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

(۴) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: (۱) انبیائے کرام علیہم السلام (۲) پھر علمائے دین (رحمہم اللہ) (۳) پھر شہدائے اسلام (رحمہم اللہ)۔[2] سو علمائے دین کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ یہ حضرات نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم اور مال و دولت اور بادشاہت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو اختیار فرمالیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مال و دولت اور بادشاہت بھی عطاء فرمادی۔

(۶) حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! بے شک میں خود علیم ہوں اور میں ہر علیم (علم والے عالم) سے محبت کرتا ہوں۔[3]

(۷) بعض حکماء نے کہا: جس شخص سے علم فوت ہو گیا تو اس نے کچھ نہیں پایا اور جس نے علم حاصل کر لیا اس نے سب کچھ پالیا۔

(۸) علامہ زبیری نے فرمایا: علم نر ہے' سواسے نر آدمی ہی پسند کرتے ہیں اور علوم کی کئی اقسام ہیں' ان میں سے افضل و اعلیٰ علم وہ ہے جس کا معلوم افضل و اعلیٰ ہو (اور وہ دین کا علم ہے جس سے معرفتِ الٰہی اور احکامِ دین حاصل ہوتے ہیں)۔[4]

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبر دار ہے۔

---

[1] رواہ احمد ج ۵ ص ۱۹۶' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۳' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳

[2] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۳

[3] رواہ ابن عبد البر فی العلم (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۹۳)

[4] قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اس آیت مبارکہ کے تحت چند احادیث نقل کی ہیں' ان میں سے جو صاحبِ مدارک نے نقل نہیں کیں' وہ یہاں حاشیہ میں قارئین کرام کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک علماء دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اور انبیائے کرام نے دینار و درہم (مال و دولت) کا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم دین کا واث بنایا ہے' سو جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے نیک بختی کا وافر حصہ حاصل کر لیا۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے جس طرح تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں دو مجلسوں کے پاس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ
ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ
تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۲

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کی بات کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرلیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے' پھر اگر تم کچھ نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دے دیا کرو' پس جب تم نے (صدقہ) نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہےO

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم

۱۲- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ اے ایمان والو! جب تم رسول اکرم سے سرگوشی کرو (یعنی) جب تم آپ سے سرگوشی کرنا چاہو ﴿فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ﴾ تو تم اپنی سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دو۔ اور یہ اس سے استعارہ ہے جس کے دو ہاتھ ہوں جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اہل عرب کو جو افضل نعمت عطاء کی گئی ہے وہ شعر کہنا ہے' جس کو آدمی اپنی ضرورت سے پہلے کریم وسخی کے سامنے پیش کرتا ہے تو کریم اس پر دولت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے گزرے تو فرمایا: یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے لیکن یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس کو رغبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عطاء فرمادے اور اگر چاہے تو روک لے لیکن یہ علم والے تو فقہ اور علم حاصل کرتے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں' سو اس لیے یہ افضل ہیں' "وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" اور بے شک میں استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں' پھر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۴-۱۲۵)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو طالب علم دینِ اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے علمِ دین حاصل کر رہا ہو اور اس دوران اس کو موت آجائے تو اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: عالم دین اور عابد کے درمیان سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں طے کرتا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علمائے دین کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے اپنی حکمت (علمِ دین) کو تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھا ہے کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہوں' سو میں نے تمہاری تمام خطائیں بخش دی ہیں' لہٰذا تم جنت میں چلے جاؤ۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کی بارش برساتا ہے اور اس سے بخیل کے بخل کا اظہار بھی ہو جاتا ہے' مراد یہ ہے کہ شاعر اپنی حاجت سے پہلے اشعار پیش کرتا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ پہلے صدقہ دینا' یہ ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ تمہارے لیے تمہارے دین میں سب سے بہتر ہے ﴿ وَاَطْهَرُ ﴾ اور زیادہ پاکیزہ ہے کیونکہ صدقہ پاک کرنے والا ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ﴾ پھر اگر تم کوئی ایسی چیز نہ پاؤ جس کے ساتھ تم صدقہ کرو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے بغیر صدقہ کے سرگوشی کی اجازت دینے میں۔
بعض کا قول ہے کہ یہ حکم صرف دس راتیں قائم رہا' پھر منسوخ ہو گیا جب کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم دن کا صرف ایک گھنٹہ قائم رہا' پھر منسوخ ہو گیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) کی یہ ایک ایسی آیت مبارکہ ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کسی نے عمل کیا۔ میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے فروخت کر کے دس درہم خرید لیے' پھر میں جب آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو پہلے ایک درہم صدقہ کرتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس مسائل دریافت کیے' جن کے آپ نے مجھے جوابات عطاء فرمائے' چنانچہ میں نے عرض کیا: (۱) وفا کیا ہے' آپ نے فرمایا: توحید کا اقرار اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا (۲) میں نے عرض کیا: فساد کیا ہے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا (۳) میں نے عرض کیا: حق کیا ہے' آپ نے فرمایا: اسلام اور قرآن اور ولایت جب تجھے ملے (۴) میں نے عرض کیا: حیلہ کیا ہے' فرمایا: ترکِ حیلہ (۵) میں نے عرض کیا: مجھ پر کیا لازم ہے' فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیسے مانگوں' فرمایا: صدق و یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا: اور میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں' فرمایا: عافیت (۸) میں نے عرض کیا: میں اپنی نجات کے لیے کیا کروں' فرمایا: حلال کھاؤ اور سچ بولو (۹) میں نے عرض کیا: سرور کیا ہے' فرمایا: جنت (۱۰) میں نے عرض کیا: راحت کیا ہے' فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دیدار' سو جب میں فارغ ہوا تو اس (کے وجوب) کا نسخ نازل ہو گیا۔

۱۳- ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ﴾ کیا تم اس سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقات دیا کرو (یعنی) تم صدقات کی تقدیم سے اس لیے ڈر گئے ہو کہ اس میں رقم خرچ کرنی پڑتی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو ﴿ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا ﴾ پھر جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا جب اسے تم نے نہیں کیا اور وہ حکم تم پر دشوار ہو گیا ﴿ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی کر دی اور مناجات سے پہلے صدقہ نہ دینے پر تم سے مواخذہ اور گرفت کو ختم کر دیا' جس طرح گناہ سے توبہ کرنے والے کا مواخذہ ختم کر دیا ﴿ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ سو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو یعنی پس تم نماز میں اور زکوٰۃ میں اور باقی عبادات میں کوتاہی نہ کرو ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے خوب خبردار ہے۔ اور یہ (اطاعت گزاروں کے لیے) وعدہ ہے اور (نافرمانوں کے لیے) وعید ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا وہ تم میں سے نہیں اور نہ ان میں سے ہیں اور وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں O اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے O انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا' سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پس ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

## منافقین کی مذمت اور رسوا کن انجام کا بیان

١٤- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا۔ منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے حالانکہ یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ'' (المائدہ:٦٠) ''یہ وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور اس پر غضب فرمایا'' اور یہ منافقین مسلمانوں کے راز یہود کی طرف منتقل کرتے تھے ﴿ مَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ اے مسلمانو! وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿ وَلَا مِنْهُمْ ﴾ اور نہ وہ یہود میں سے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ'' (النساء:١٤٣) ''وہ اس کے درمیان سرگرداں ہیں نہ اِدھر ہیں اور نہ اُدھر ہیں'' ﴿ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ ﴾ اور وہ جھوٹ پر قسمیں اٹھاتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! بے شک ہم مسلمان ہیں' منافق نہیں ہیں ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ جھوٹے بھی ہیں اور منافق بھی ہیں۔

١٥- ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' یہ رسوا کن ذلت ناک عذاب کی ایک قسم ہے ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے یعنی وہ ماضی کے زمانہ (دنیا) میں بُرے کاموں پر اصرار کرتے تھے اور یہ حکایت ہے جو آخرت میں ان کے متعلق کہا جائے گا۔

١٦- ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ سو انہوں نے اپنے امن وسلامتی کے دوران لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے' اس کی عبادت واطاعت کرنے سے روکا ﴿ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ پس ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (یعنی) ان کے کفر ونفاق اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے سبب ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت ناک رسوا کن عذاب کا وعدہ کیا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ'' (النحل:٨٨) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہے' ہم عذاب پر عذاب بڑھا کر ان کو دوگنی سزا دیں گے''۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ
يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٨﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ہرگز نہیں بچا سکیں گے' یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ کسی چیز پر ہیں' سن لو! بے شک وہی جھوٹے ہیں O ان پر شیطان غالب آ چکا ہے' سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں' سن لو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے O بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت و مخالفت کرتے ہیں' یہی لوگ سب سے زیادہ ذلیل ہیں O اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول' بے شک اللہ تعالیٰ زبردست طاقتور بہت غالب ہے O

---

۱۷- ﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی ہرگز کفایت نہیں کریں گے نہ انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکیں گے ﴿شَيْئًا﴾ بہت تھوڑی سی کفایت کرنا ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۸- ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور قسمیں کھائیں گے کہ بے شک وہ دنیا میں مخلص و سچے مسلمان تھے' وہ ہرگز منافق نہیں تھے ﴿كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ﴾ جس طرح وہ دنیا میں تمہارے سامنے اس پر قسمیں کھاتے ہیں ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ دنیا میں نافع اور مفید چیز پر قائم ہیں یا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ وہاں آخرت میں بھی اپنی جھوٹی قسموں سے کچھ نفع اور کچھ فائدہ حاصل کر لیں گے جس طرح وہ یہاں (دنیا میں) نفع اور فائدہ حاصل کرتے رہے ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک وہی جھوٹے ہیں کیونکہ جھوٹ بولنے میں ان کا حال دنیا اور آخرت میں برابر ہے۔

۱۹- ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ﴾ ان پر شیطان غالب آ چکا ہے (اور) شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے ﴿فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾ سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا۔ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کسی بندے پر شیطان کے غلبے اور مسلط ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ بندے کو اس کے ظاہری کھانے پینے اور لباس و رہائش وغیرہ کی چیزوں کی تعمیر و ترقی میں مشغول کر دیتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کی زبان اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے اور بہتان تراشی میں مشغول ہو جاتی ہے اور اس کا دل غور و فکر اور مراقبہ کی بجائے دنیا بنانے اور اس کو جمع کرنے کی تدبیر و منصوبہ بندی میں مشغول ہو جاتا ہے ﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ﴾ یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں ﴿أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ خبردار! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲۰- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

عداوت ومخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل ترین گروہ میں ہوں گے'ان سے زیادہ ذلیل وخوارتم کسی کونہیں دیکھو گے۔

## اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے غلبہ کا اعلان

۲۱- ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے ﴿ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ بے شک میں ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے' حجت ودلیل اور تلوار کے ساتھ یا ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قوت والا ہے وہ جو چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ﴿ عَزِيْزٌ ﴾ بہت بڑا غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

| |
|---|
| لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ |
| وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ |
| الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ |
| فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ |
| الْمُفْلِحُوْنَ ع ﴿۲۲﴾ |

ع ۳

آپ ایسی قوم ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان ویقین رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت ودوستی کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے عداوت ومخالفت کی اور اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے والے ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کولکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی' اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے ہیں' یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں' سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے O

## اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہ کرنے والوں کی شان

۲۲- ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ آپ ایسی قوم کو ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت اور دوستی کرتے ہوں' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ودشمنی کی اور ان کی مخالفت کی یعنی یہ ممتنع اور محال ہے کہ آپ ایمان دار قوم کو پائیں کہ وہ مشرکین وغیرہ سے دلی دوستی کرتے ہوں اور مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس کا حق تو یہ ہے کہ دشمنانِ خدا ورسول سے دوستی ممتنع اور محال ہو اور کسی صورت میں ان سے محبت ودوستی ہرگز نہ پائی جائے اور آیت میں کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنے میں مبالغہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے عقیدہ کو مضبوط رکھنے اور سخت روّیہ اختیار کرنے اور ان سے دُور رہنے اور ان کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھنے سے احتراز کی وصیت

کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے مزید ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ﴾ اور اگر چہ وہ (خدا اور رسول کے دشمن) باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں[1] اور نیز ارشاد فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو ثبت اور نقش فرما دیا۔ اور منافقین کے متعلق ارشاد ہوا: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ'' یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ'' یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں ﴿ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی یعنی اپنی کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ (ان کی مدد فرمائی) جسے اللہ تعالیٰ نے خود نازل فرمایا جس میں مسلمانوں کے لیے حیات ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مِنْهُ'' کی ضمیر ایمان کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ایمان کی روح سے مدد فرمائی' اس بناء پر ایمان بذاتِ خود دلوں کی حیات کے لیے روح ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض مفسرین فقہاء کرام فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بادشاہوں کی صحبت کے حریص ہیں۔ حضرت عبد العزیز بن روّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (دورانِ طواف عباسی خلیفہ) منصور کی ملاقات ہوگئی' جب آپ نے اسے پہچان لیا تو اس سے بہت دُور نکل گئے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

---

[1] یاد رہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے دشمنوں اور مخالفوں سے تعلق توڑا بلکہ رشتہ داری کے باوجود انہیں قتل بھی کیا تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایسے لوگوں کو قتل کرنا صحابہ کرام کی سنت ہو جائے' چنانچہ حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبد اللہ بن الجراح نے غزوۂ بدر میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے غزوۂ بدر میں اپنے بیٹے (حضرت عبد الرحمٰن جو اس وقت مسلمان نہیں تھے) کو مقابلہ کے لیے للکارا اور حضور سے اجازت مانگی کہ مجھے جانے دیجئے تاکہ مجاہدین کی پہلی صف میں شامل ہو جاؤں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو' تم نہیں جانتے کہ بے شک تم میرے نزدیک میرے کانوں اور میری آنکھوں کی جگہ ہو' اور حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو غزوۂ احد کے دن قتل کیا اور حضرت عمر فاروق نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو بدر کے دن قتل کیا' اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث نے اپنے رشتہ داروں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر کے دن قتل کیا۔ تفسیر صاوی میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ (صحابی) نے اپنے منافق باپ عبد اللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنا چاہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کی مگر آپ نے منع فرما دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور کے بارے میں کوئی گستاخی کی تو حضرت ابوبکر نے انہیں ایک زوردار طمانچہ مارا' جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر پڑے اور اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر مظہری' روح المعانی اور روح البیان میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اے ابوبکر! کیا تم نے ایسا کیا ہے' تو انہوں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ السَّیْفُ قَرِیْبًا مِّنِّیْ لَقَتَلْتُهٗ'' اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کی گردن مار کر قتل کر دیتا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۳۶۔ ۳۷' مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۲۸' ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۴۹۳' مترجم جز ۲۸ ص ۷۴۔ ۷۶' تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۳۱۲' مکتبہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۶۱' مکتبہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۱۷۶' شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ' مصر)

(۱) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس نے اپنے ایمان کو درست اور صحیح کیا اور توحید کو خالص کیا تو کسی بدعتی (بدمذہب) سے مانوس نہیں ہوگا اور نہ اس کے پاس بیٹھے گا اور وہ اپنی طرف سے اس کے ساتھ عداوت و بغض کا اظہار کرے گا۔

(۲) جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ دین میں نرمی اختیار کرے گا' اللہ تعالیٰ اس سے سنن کی حلاوت ولذت سلب کر لے گا۔

(۳) جو شخص دنیا کی عزت اور مال و دولت کی طلب میں کسی بدعتی کو خوش کرے گا' اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس عزت کی بجائے ذلیل کرے گا اور اس دولت کی بجائے اس کو فقیر کر دے گا۔

(۴) جو شخص کسی بدعتی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس کر ملے گا' اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نورِ ایمان چھین لے گا اور جو شخص ان باتوں کی تصدیق نہیں کرتا وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان کی خالص توحید اور عبادت واطاعت کے سبب ان سے راضی ہو گیا ہے ﴿ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ﴾ اور وہ (مؤمنین) آخرت میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اجر وثواب عنایت کرنے پر اور دنیا میں ان کے بارے میں جو کچھ فیصلہ کیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ﴿ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں' اس کے حق کے مددگار اور اس کی مخلوق کی رعایت کرنے والے ہیں ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے اور وہ دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' ہر مرغوب و محبوب چیز کے پانے میں کامیاب وکامران اور ہر خوف وڈر سے محفوظ و مامون ہوں گے۔

سورۃ الحشر مدنیۃ ۵۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۲۴ رکوعاتہا ۳

سورۃ الحشر مدنی ہے  اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○  اس کی چوبیس آیات' دو رکوع ہیں

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ○ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کافروں کو پہلے حشر کے وقت جلاوطن کر کے ان کے گھروں سے نکال دیا' تم نے کبھی گمان نہیں کیا کہ وہ نکل جائیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچا لیں گے' سو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے انہوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کرنے لگے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے' سواے آنکھوں والو! عبرت حاصل کروO

## غزوۂ بنونضیر اور ان کی جلاوطنی کا بیان

۱- ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور وہ بہت غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ یہ پوری سورت بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنونضیر نے آپ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ نہ وہ آپ کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ آپ ان کے خلاف جنگ کریں گے' پھر جب غزوۂ بدر کے دن مسلمان کفارِ مکہ پر غالب آ گئے تو انہوں نے کہا: یہ وہی نبی ہیں جن کی نعت اور صفت تورات شریف میں بیان کی گئی ہے' لیکن جب مسلمان اُحد کی جنگ میں تھوڑی سی شکست کھا گئے تو یہ لوگ شک میں پڑ گئے اور انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا اور کعبہ معظمہ کے پاس مسلمانوں کے خلاف ابوسفیان سے معاہدہ کر لیا تو حضور سید عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کر دیا (تاکہ سردار کے قتل سے یہود کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان کی قوت کمزور ہو جائے)' پھر حضور سرورِ عالم ﷺ اپنا ایک لشکر ان کی طرف لے گئے اور اکیس روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور ان کے کھجوروں کے باغ کو کاٹنے کا حکم دیا اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب اور دبدبہ ڈال دیا تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کا مطالبہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کر دیا اور فرمایا: اب تو تمہیں صرف جلاوطن ہونا پڑے گا' البتہ ہر تین گھروں میں سے ایک اونٹ کا بوجھ اٹھا کر جو چاہو اپنے سامان میں سے لے جاؤ' پھر انہیں شام کے ملک میں اریحاء اور اذرعات کے علاقوں کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

۲- ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ﴾ وہی ہے اللہ تعالیٰ جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا یعنی بنونضیر کے یہود کو مدینہ منورہ سے نکال دیا ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ پہلے حشر کے لیے [اس کا لام "اخرج" کے متعلق ہے اور یہی لام اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں ہے:] "یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْO" (الفجر: ۲۴) "اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتاO" اور عرب کا قول ہے: "جِئْتُهٗ لِوَقْتِ كَذَا" "میں اس کے پاس فلاں وقت آؤں گا" "اَیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عِنْدَ اَوَّلِ الْحَشْرِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو پہلے حشر کے وقت نکالا۔ اور "اوّل الحشر" کا معنی یہ ہے: یہ پہلا موقع ہے جب ان کو جمع کر کے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور یہ بنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے' ان کو کبھی جلاوطنی نہیں پہنچی تھی اور وہ پہلی جماعت تھی کہ اہل کتاب میں سے ان کو جزیرۂ عرب سے ملک شام کی طرف جلاوطن کر کے نکال دیا گیا' یا یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر اس وقت ہوا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا تھا یا یہ کہ یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر قیامت کے دن ہوگا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس کو شک ہو کہ محشر ملک شام میں قائم ہوگا تو وہ یہ آیت مبارکہ تلاوت کر لے' پس یہ پہلا حشر ہے اور باقی لوگ دوسرا حشر ہوں گے' اور جب وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم چلے جاؤ' سو بے شک تم پہلا حشر ہو اور ہم تمہارے بعد (محشر کے دن شام میں) آئیں

گے۔[۱]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: جب قرب قیامت آخر زمانہ میں ہوگا' اس وقت ایک آگ مشرق کی طرف سے آئے گی اور وہ تمام لوگوں کو سرزمین شام کی طرف جمع کر کے لے جائے گی' اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی ﴿مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا﴾ تم نے کبھی یہ گمان نہیں کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے کیونکہ ان کی طاقت اور دفاع سخت تھا اور ان کے قلعے بہت مضبوط تھے اور ان کی تعداد اور ان کی تیاری بہت زیادہ تھی ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے یعنی انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے روک لیں گے [یہود کے کلام یعنی ''اَنَّ حُصُوْنَهُمْ تَمْنَعُهُمْ مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ'' کے درمیان اور کلامِ الٰہی کے درمیان جس کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے لایا ہے' ان میں فرق یہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں خبر کا مبتدا پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے قلعوں پر بڑا اعتماد تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور (''اَنَّهُمْ'' میں) ضمیر ''هُمْ'' کو ''اَنَّ'' کا اسم اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کی طرف جملے کا اسناد ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے دلوں میں اعتماد و یقین تھا کہ وہ غالب اور محفوظ رہیں گے اور انہیں ان قلعوں کے ساتھ کسی اور کی پرواہ نہیں کہ وہ ان کا پیچھا کرے گا یا اپنے غلبہ کی امید تھی اور تمہاری اس بات میں وہ وزن نہیں یعنی ''وَظَنُّوْا اَنَّ حُصُوْنَهُمْ تَمْنَعُهُمْ'' میں' اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے قلعے انہیں بچالیں گے] ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا (عذاب) آ گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا عذاب آ گیا اور بہت شاذ قراءت میں ''فَاٰتَاهُمُ اللّٰهُ'' ہے یعنی پس ان پر اللہ تعالیٰ ہلاکت لے آیا ﴿مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا﴾ جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) جہاں سے انہوں نے نہ کبھی گمان کیا تھا اور نہ ان کے دل میں خیال آیا تھا اور وہ یہ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کا تلوار کے ساتھ اپنے رضاعی بھائی کے ہاتھوں سے قتل ہو جانا ﴿وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا ﴿یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ وہ لوگ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران و برباد کرنے لگے [ابوعمرو کی قراءت میں (''را'' مشدد باب تفعیل سے) ''یُخَرِّبُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے] اور ''تخریب'' اور ''اِخراب'' دونوں کا معنی کسی چیز کو توڑ کر اور گرا کر تباہ و برباد کرنا' اور ''خوبة'' کا معنی فساد و ویران اور برباد کرنا' چنانچہ یہود اپنے گھروں کو اندر سے ویران کر رہے تھے اور مسلمان باہر سے انہیں تباہ کر رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جڑ سے کاٹ دینے کا ارادہ کر لیا اور یہ کہ مدینہ منورہ میں ان کے لیے ایک گھر بھی صحیح سلامت اور باقی نہ رہے اور نہ ان کی طرف سے گھروں کو باقی رکھا گیا اور جس چیز نے انہیں اپنے گھروں کو برباد کرنے کی دعوت دی وہ لکڑیوں اور پتھروں کی طرف ان کی حاجت و ضرورت تھی تا کہ وہ اپنی گلیوں' کوچوں اور بازاروں کے منہ لکڑیوں اور پتھروں سے بند کر دیں اور یہ کہ ان کے جلاوطن ہو جانے کے بعد مکانوں کے باقی رہنے اور مسلمانوں کی رہائش کے کام آنے پر انہیں حسرت و افسوس نہ ہو اور یہ کہ وہ اپنے مکانوں کی نئی اور عمدہ قسم کی لکڑیوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے منتقل ہو جائیں اور رہے مسلمان تو ان کے لیے یہود کے گھروں کو ویران کرنے کا داعیہ اور سبب یہ تھا کہ ان کے قلعوں میں پناہ گزیں ہونے کو ختم کیا جائے اور جنگ کے لیے میدان کشادہ کیا جائے اور ان کا اپنے گھروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں ویران کرنے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کو مشتعل کیا اور وہ خود اس بربادی کا سبب بنے' اس لیے گویا انہوں نے خود مسلمانوں کو اپنے گھر برباد کرنے کا حکم دیا اور ان کو اس کا مکلف و

[۱] رواہ البزار والبیہقی کما فی الدر المنثور ج ۸ ص ۸۹

پابند بنایا ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو یعنی تم ان کی بربادی میں غور کرو اور سوچو جو ان لوگوں پر مصیبت نازل ہوگئی اور تم اس سبب میں غور کرو جس کی وجہ سے وہ لوگ اس بربادی اور جلاوطنی کے مستحق ٹھہرے سوتم ڈرو اور بچو کہ تم بھی کہیں انہیں کی طرح کام کرنے لگو پھر تمہیں بھی ایسی سزا دی جائے جیسی ان کو سزا دی گئی ہے اور یہ قیاس کے جائز ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو نہ لکھ دیا ہوتا تو دنیا میں انہیں ضرور عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے ۝ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۝ کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ دیئے یا جن کو تم نے ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے ۝

۳۔ ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی (یعنی) اہل و عیال سمیت وطن سے نکلنا نہ لکھ دیا ہوتا تو ﴿ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ﴾ انہیں دنیا میں قتل و غارت اور قید و بند کے ذریعے عذاب ضرور دیتا جیسا کہ بنوقریظہ کے ساتھ کیا گیا ﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴾ اور انہیں جلاوطن کیا جائے خواہ انہیں قتل کیا جائے بہرحال ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے جس سے زیادہ سخت کوئی عذاب نہیں۔

۴۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی یعنی یہود کو یہ جلاوطنی اس لیے پہنچی اور اس کا سبب یہ ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ﴿ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب دینے والا ہے۔

۵۔ ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا یعنی ان درختوں میں سے بعض کا کاٹا جانا اور بعض کو چھوڑ دینا سب اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوا۔ ''لینۃ'' کا معنی ہے: پھل دار کھجوریں [اور یہ ''لِوْنَۃٌ'' ہے اس کی جمع ''الوان'' ہے اس کی واؤ ماقبل مکسور کی وجہ سے ''یا'' سے تبدیل کر دی گئی ہے اور ''مِنْ لِّيْنَةٍ''، ''مَا قَطَعْتُمْ'' کا بیان ہے اور لفظ ''مَا''، ''قَطَعْتُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تَرَكْتُمُوْهَا'' میں ''مَا'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ وہ ''لِيْنَةٍ'' کے معنی میں ہے] اور بعض حضرات نے کہا کہ ''لِيْنَةٍ'' عمدہ کھجوروں کو کہا جاتا ہے گویا انہوں نے ''لِيْنَة'' کو ''لِيْنٌ'' سے مشتق کیا ہے ﴿ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل کر دے (یعنی) تاکہ اللہ

تعالیٰ یہود کو ذلیل وخوار کرے اور ان کی کھجوریں کٹوانے کی اجازت دے کر ان کو جلائے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّ
لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ
اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۷ وقف لازم

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو تم نے ان کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے اپنے رسول کو مسلط کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O اللہ تعالیٰ نے جو مال بستیوں والوں سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہیں' تاکہ وہ تم میں سے صرف دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں' اور رسول تمہیں جو کچھ دے دیں تو تم وہ لے لو' اور وہ جس چیز سے تمہیں منع کر دیں تو تم اس سے رُک جاؤ' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے O

## مالِ فئے کا بیان

٦۔ ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ﴾ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر لوٹا دیئے۔ اس آیت مبارکہ میں یہود کے مال کو خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مالِ فئے (واپس لوٹایا ہوا مال) قرار دیا[1] ﴿مِنْهُمْ﴾ ان سے یعنی بنونضیر سے ﴿فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ سو (اے اصحابِ رسول!) تم نے اس مال کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (بلکہ بنونضیر خود مرعوب و مجبور ہو کر بغیر جنگ کے اپنا مال چھوڑ گئے) پس یہ مال تمہارے گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے حاصل نہیں ہوا' اور ''رکاب'' کا معنی اونٹ ہے' اور معنی یہ ہے کہ تم نے اس مال کی تحصیل اور اس کو غنیمت کا مال بنانے کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور نہ تم نے اس مال کے حصول کے لیے جنگ کر کے کوئی مشقت و

[1] تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ یہ مال ناحق یہود کے قبضہ میں تھا اور حقیقت میں یہ مال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہیں' جو آپ کو واپس لوٹا دیئے گئے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب و نائب اور خلیفۂ اعظم ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک ہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ O'' (الکوثر:۱) ''بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں O'' اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضائل کثیرہ غیر محدودہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل و اعلیٰ بنایا' حسن ظاہر بھی دیا' حسن باطن بھی دیا' نسب عالی بھی' نبوت و رسالت بھی' کتاب بھی' حکمت بھی' علم بھی' شفاعت بھی' حوضِ کوثر بھی' مقامِ محمود بھی' کثرتِ امت بھی' اعدائے دین پر غلبہ بھی' کثرتِ فتوحات بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)
حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ'' ''بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔ (متفق علیہ' مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اٹھائی بلکہ تم تو صرف اس مال کو لینے کے لیے پیدل چل کر گئے کیونکہ بنونضیر کی بستی مدینہ منورہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر واقع تھی' البتہ حضور نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور بس ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال میں سے جو کچھ اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے' اس کو تم نے جنگ کر کے اور غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر اور ان کے ان اموال پر مسلط کر دیا جو ان کے قبضے میں تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان کے دشمنوں پر مسلط کرتا ہے' پس ان کے اموال میں معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیا گیا ہے' آپ جس طرح چاہیں استعمال کریں اور آپ ان اموال کو غنیمت کے اموال کی طرح تقسیم نہیں کریں گے' جن کو جنگ میں کفار پر فتح و غلبہ پا کر لوٹایا جاتا ہے اور ان سے زبردستی لیا جاتا ہے' چنانچہ آپ نے یہ سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو ان کے فقر کی وجہ سے عطا فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷ - ﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کی طرف سے جو اموال اپنے رسول کو واپس لے کر عطا فرمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول اکرم کے لیے اور آپ کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں [اس کلام مبارک کے شروع میں حرف عطف صرف اس لیے داخل نہیں کیا گیا کہ یہ پہلی آیت مبارکہ کے لیے بیان ہے' پس یہ آیت مبارکہ اسی میں سے ہے' اس سے الگ اور اجنبی نہیں ہے] اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اموال آپ کو عطا فرمائے ہیں' وہ آپ کس طرح خرچ کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو حکم دیا کہ آپ اس کو اس طرح استعمال کریں' جس طرح غنیمتوں کے مال میں سے پانچویں حصے کو پانچ قسم کے افراد پر تقسیم کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین کرام نے اس قول کو ضعیف و کمزور قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس سے پہلی آیت مبارکہ یہود کے قبیلہ بنونضیر کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو اپنے محترم و مکرم رسول کے لیے مخصوص قرار دیا اور یہ آیت مبارکہ ہر بستی کی ان غنیمتوں کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کفار سے جنگ میں فتح و غلبہ حاصل کر کے لوٹایا جاتا ہے اور اس میں انہیں اموال کے پانچویں حصہ کے مصارف کا بیان ہے' لہٰذا یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ سے الگ مشروع کی گئی ہے' اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ﴿ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ تاکہ یہ مال تم میں سے صرف دولت مندوں میں نہ گردش کرتا رہے (یعنی) تاکہ یہ مالِ فئے جس کا حق یہ ہے کہ اسے فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہ مال ان کی روزمرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مال حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا تھا' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف واپس لوٹا دیا' یہود کا قبضہ تو ناحق تھا حق تو یہ ہے' اب حق دار کو حق پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور باقی تمام اشیاء انہیں کے لیے پیدا کی ہیں تاکہ وہ عبادت و اطاعت گزاری میں ان اشیاء کو وسیلہ اور معاون و ممد بنائیں' اس لیے تمام کفار کے تمام اموال کے مالک اس کی توحید کا اقرار کرنے والے نیک و عبادت گزار مسلمان ہیں اور ان سب کے رئیس اور سردار حضور سرور عالم ﷺ ہیں' اس لیے یہ تمام اموال درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مِلک ہیں کیونکہ آپ جیسا مطیع الٰہی نہ کوئی ہوا' نہ ہوگا (باقی انبیاء و اولیاء اور مؤمنین آپ کے طفیل مالک ہیں)۔ علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے' ملاحظہ ہو: تفسیر روح البیان' عربی ج ۹ ص ۴۲۴' مترجم جز ۲۸ ص ۱۰۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور' تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۴۴' مکتبہ رشیدیہ' لاہور۔

زندگی کے گزارے کا ذریعہ بن جائے' جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی آرام سے گزار سکیں اور صرف دولت مندوں کے درمیان نہ گھومتا رہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال دار ہوتے جائیں [ قاری یزید کی قراءت میں "تکون دولۃ" ("یا" کے بجائے "تا" کے ساتھ "تکون" اور منصوب کی بجائے "دولۃ" کو مرفوع پڑھا جاتا) ہے اس بناء پر کہ "کان" تامہ ہے ] ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ اور رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں یعنی حضور تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں خواہ مالِ غنیمت کا حصہ دیں یا مالِ فئے کا حصہ دیں ﴿ فَخُذُوْهُ ﴾ سو تم اسے لے لو اور اس کو قبول کر لو ﴿ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ﴾ اور وہ جس چیز سے تمہیں روک دیں (یعنی) جس چیز کو لینے سے روک دیں ﴿ فَانْتَهُوْا ﴾ تو تم اس سے رُک جاؤ اور اس کو طلب نہ کرو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم آپ کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم حضور کے اوامر و نواہی میں سُستی نہ کرو (بلکہ تم آپ کے احکام پر عمل کرو اور آپ کی نواہی سے بچو) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کو عام رکھا جائے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرما دیں (خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو خواہ اعمال سے ہو اور خواہ اس کا تعلق اُمورِ شرعیہ سے یا اُمورِ تکوینیہ سے ہو) اسے لے لیا جائے اور ہر وہ چیز جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرما دیں اس سے پرہیز کیا جائے (خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو) اور مالِ فئے اس کے عموم میں داخل ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

(یہ فئے کا مال) ضرورت مند مہاجرین کے لیے ہے جنہیں ان کے اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیا گیا وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی سچے لوگ ہیں O اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان سے پہلے دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں' وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے چلا جاتا ہے اور وہ اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اور وہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود شدید ضرورت ہوتی ہے' اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

## مالِ فئے مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے ہے

۸- ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ﴾ (مالِ فئے) نادار و محتاج مہاجرین کے لیے ہے [ یہ ذی القربی اور اس کے معطوفات سے بدل ہے اور اس کو "لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ" سے بدل بنانا ممنوع ہے' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ معنی ہو کہ بے شک اللہ

تعالیٰ نے اپنے رسول کو فقراء سے اس ارشاد میں نکال دیا ہے: ''وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' اور وہ فقراء اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو فقیر کے نام سے بہت بلند و بالا قرار دیتا ہے اور لفظ کے ظاہر سے بدل بنانا اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کے خلاف ہے جب کہ تعظیمِ الٰہی واجب ہے:] ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾ جن کو مکہ مکرمہ میں ان کے گھروں اور جائیدادوں اور مالوں سے نکال دیا گیا ہے اور یہ کلامِ الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ کفار غلبہ پانے اور قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین مکہ کو اس آیت میں فقراء قرار دیا ہے' اس کے باوجود کہ ان کے گھر بھی تھے اور ان کے مال و جائیدادیں بھی تھیں ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رضا طلب کرتے ہیں یعنی وہ جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہیں [یہ جملہ ''اخرجوا'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یعنی مہاجرین مکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اور وہ اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی لوگ اپنے ایمان میں اور اپنے جہاد میں سچے ہیں۔

۹- ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ اور (یہ مالِ فئے) ان لوگوں کا حق ہے جو دارِ ہجرت مدینہ منورہ کو اپنا وطن اور ٹھکانا بنا چکے ہیں [یہ جملہ ''المهاجرين'' پر معطوف ہے] اور اس آیت سے انصارِ مدینہ مراد ہیں ﴿وَالْاِيْمَانَ﴾ اور انہوں نے ایمان کو خالص کر لیا' جیسے کسی قائل کا قول ہے کہ ''عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَآءً بَارِدًا'' میں نے اس کو چارے میں گھاس کھلائی اور ٹھنڈا پانی پلایا (''سَقَيْتُهَا'' محذوف ہے) یا یہ کہ انہوں نے ایمان کو قرارگاہ اور سکونت گاہ بنا لیا کیونکہ وہ اپنے ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے اور اس پر ثابت و قائم ہیں' جس طرح انہوں نے مدینہ منورہ کو اپنی قرارگاہ بنا لیا ہے [یا ''دار الهجرة'' اور ''دار الايمان'' مراد ہے اور ''الدار'' میں لامِ تعریف کو مضاف الیہ کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ''دار الايمان'' میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے (یعنی) مہاجرین سے پہلے کیونکہ انصارِ مدینہ' مہاجرین مکہ سے پہلے دارِ ہجرت (مدینہ شریف) کو اپنا وطن بنا چکے تھے اور ان سے پہلے کھلم کھلا اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار کر چکے تھے (جب کہ مہاجرین ایمان میں مقدم ہونے کے باوجود اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے) اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ انصارِ مدینہ مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینہ شریف کو اپنا وطن بنا چکے تھے' ایمان بھی لا چکے تھے ﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾ وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے نصف مال مہاجرین کو دے دیئے اور انہیں اپنے مکانوں میں ٹھہرایا اور جس انصاری مسلمان کے پاس دو بیویاں تھیں' اس نے ایک کو طلاق دے کر آزاد کر دیا تاکہ مہاجرین میں سے بے نکاح آدمی اس سے شادی کر لے ﴿وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا﴾ اور وہ اپنے سینوں اور اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت و ضرورت نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا (یعنی) وہ ضرورت و احتیاج کے باوجود اپنے دلوں میں مالِ فئے وغیرہ کی طلب اور خواہش محسوس نہیں کرتے اور محتاج الیہ مال کو ''حَاجَةً'' نام دیا گیا ہے' کیونکہ انصار کے دل اس مال کا پیچھا نہیں کرتے تھے جو مہاجرین کو دے دیا گیا اور نہ وہ اس مال میں لالچ کرتے تھے' جس کی انہیں خود احتیاج ہوتی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''حَاجَةً'' کا معنی ''حَسَدًا'' ہے یعنی مہاجرین کو دیئے گئے مالِ فئے پر وہ حسد نہیں کرتے تھے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مالِ فئے کو مہاجرین کے ساتھ مخصوص فرما دیا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اصل میں ''(لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ) مَسَّ (حَاجَةٍ مِنْ) فَقْدِ (مَا اُوْتُوْا)'' ہے یعنی وہ اپنے دلوں میں مہاجرین کو دیئے گئے مالِ فئے کے نہ ملنے پر حاجت کے باوجود طلب محسوس نہیں کرتے [پھر ''مَسَّ'' اور

"فَقَد" دونوں مضافوں کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اور وہ اپنے آپ پر (مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود اشد ضرورت واحتیاج ہوتی ہے "خصاصة" کا معنی ہے: فقر واحتیاج' اور اس کی اصل "خصاصة البيت" ہے' گھر کا روشن دان' اور یہ جملہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے یعنی سخت حاجت وضرورت۔

مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کے پاس ایک مہمان آ کر ٹھہرا لیکن گھر میں بہت تھوڑا سا کھانا تھا تو میزبان نے اپنے بچوں کو کھانا کھلائے بغیر بہلا کر سلا دیا اور کھانا اٹھا کر مہمان کے سامنے پیش کر دیا اور چراغ درست کرنے کے بہانے اس کے قریب جا کر بجھا دیا تا کہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور خود کچھ نہیں کھایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے گھر بکری کی بھنی ہوئی سری بطور ہدیہ بھیجی گئی اور وہ خود ضرورت مند بھی تھے لیکن اپنے ایک نادار ہمسایہ کے گھر وہ سری بھیج دی اور اس نے بھی اپنے ایک ضرورت مند پڑوسی کے گھر وہ سری بھیج دی' یہاں تک کہ اس طرح بکرے کی وہ سری نو (۹) گھروں میں گھومتی پھرتی پہلے گھر میں واپس آ گئی۔

حضرت ابوزید نے بیان فرمایا کہ ایک دن بلخ کے رہنے والے ایک نوجوان دوست نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں زہد (ترکِ دنیا) کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ جب ہمیں کھانا وغیرہ کچھ مل جاتا ہے تو ہم کھا لیتے ہیں اور جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں' سو اس نوجوان نے سن کر کہا کہ ہمارے ہاں بلخ کے کتے اس طرح کرتے ہیں جب کہ ہم لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں اور جب ہم کھانا وغیرہ کچھ پا لیتے ہیں تو خود کھانے کی بجائے دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ہم ایثار کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور جو حضرات اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے سو وہی فلاح پانے والے کامیاب و کامران ہیں اور اپنی مرادوں میں کامیابی پانے والے ہیں' اور "شُحّ" کا معنی لؤم ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا نفس خود پر بھی خرچ نہ کرے اور دوسرے پر خرچ کرنے سے منع کرنے پر بہت سخت حریص ہو اور لیکن بخل تو وہ یہ ہے: اپنے آپ کو دوسروں پر خرچ کرنے سے منع کرے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "الشح" کا مطلب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال زبردستی چھین کر کھا جانا اور بخل یہ ہے کہ اپنے مال کو روک رکھنا۔

امام کسری نے فرمایا: "الشح" فقر سے بڑھ کر نقصان دِہ ہے کیونکہ فقیر جب مال حاصل کر لیتا ہے تو خوش حالی کا اظہار کر لیتا ہے بخلاف "الشحيح" (بخیل کے)۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع ۱۲

اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رہنے دے' اے ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا بے حد مہربان ہے ○

۱۰۔ ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور جو لوگ ان کے بعد آئے [یہ بھی "المهاجرين" پر معطوف ہے] اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد میں ہجرت کی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار کی نیکی اور اخلاص کے ساتھ پیروی

کرنے والے تابعین مراد ہیں اور بعض اہل علم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمان مراد ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مالِ فئے میں قیامت کے دن تک پیدا ہونے والے اہل اسلام داخل ہیں [ان دونوں آیات میں واؤ عطف کے لیے ہے اور دونوں جگہ "للذین" بھی پڑھا گیا ہے ] ﴿ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ﴾ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا: ان سے مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ مراد ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی مغفرت و بخشش کی دعا کریں مگر کئی اسلام کے دعوے دار انہیں گالیاں دیتے ہیں ﴿ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کینہ اور کھوٹ نہ رکھنا یعنی صحابہ کرام کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ اور کھوٹ نہ رہنے دینا۔ "غِلًّا" بہ معنی "حقدًا" یعنی کینہ اور بغض رکھنا ہے ﴿ رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔

حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں: آپ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں وہ اہل کتاب میں سے اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکال دیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کی بات نہیں مانیں گے' اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے' اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے' اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے' اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

## منافقین کی منافقانہ چالوں کا بیان

۱۱- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم نبی کو تعجب دلایا اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ نے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی طرف نہیں دیکھا ﴿ یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ وہ اہل کتاب میں سے اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا یعنی بنونضیر سے کہتے ہیں' "اخوان" سے مراد یہ ہے کہ بنونضیر کفر میں منافقین کے بھائی ہیں (نسبی بھائی

مراد نہیں) ﴿ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ ﴾ ''مِنْ دِيَارِكُمْ'' اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا ﴿ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ ﴾ تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے۔ مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنونضیر کا محاصرہ کرلیا تو عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ایک سازش کے ساتھ بنونضیر سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے کہا کہ تم اپنے قلعہ سے ہرگز نہ نکلو سو اگر مسلمان تم سے جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور ہم تمہیں ذلیل نہیں ہونے دیں گے اور اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے ﴿ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ﴾ اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے (یعنی) اگر تمہارے ساتھ جنگ کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا یا تمہیں ذلیل ورسوا کر کے نکالنے پر ہمیں اُکسایا گیا' یا ہم نے تم سے جو مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے' اس کے خلاف کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا تو ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' نہ رسول اللہ کی اور نہ مسلمانوں کی ﴿ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی (یعنی جنگ) کی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ اپنے تمام وعدوں میں جھوٹے ہیں' اور یہ آیت مبارکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نبوت کی صحت کی عمدہ ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں غیب کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔

۱۲- ﴿ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور البتہ اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں یہ خبر دینے کے بعد کہ وہ یہود کے قبیلہ بنونضیر کی مدد نہیں کریں گے' پھر اس کے بعد یہ ارشاد (وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ) صرف بطور فرض اور تقدیر کے ہے (یعنی یہ فرضِ محال اور بر تقدیر تسلیم اگر منافقین بنونضیر کی مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے) جیسے یہ ارشاد ہے: ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ'' (الزمر:۶۵) ''بہ فرضِ محال اگر آپ بھی شرک کر لیتے تو ضرور آپ کے عمل ضائع ہو جاتے'' اور جس طرح اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ وہ کام ہو جائے گا' اسی طرح یہ بھی جانتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا' اگر ہوگا تو کس طرح ہوگا اور معنی یہ ہے کہ اگر بہ فرضِ محال منافقین نے یہود کی مدد کی تو منافقین شکست کھا کر بھاگ جائیں گے' پھر اس کے بعد ان کی مدد نہیں کی جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کے کفر کے ظہور کے بعد ان کا نفاق ان کو نفع اور فائدہ نہیں دے گا یا یہ کہ یہود ضرور شکست اٹھائیں گے' پھر انہیں منافقین کی مدد نفع نہیں دے گی۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا
يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ
جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ
اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ فَكَانَ
عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰ ع ۵

البتہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے' یہ اس لیے کہ بے شک وہ نا سمجھ قوم ہیں O وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے' ان کی آپس میں بڑی سخت لڑائی ہوتی رہتی ہے' آپ انہیں متحد خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں' یہ اس لیے کہ بے شک وہ نا سمجھ قوم ہیں O ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے پہلے قریب زمانہ میں اپنے کیے کا وبال چکھ چکے ہیں' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا کہ کفر اختیار کر' پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا مالک ہے O سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہی ظالموں کی سزا ہے O

---

۱۳ - ﴿لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ بے شک ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہے۔ ''فِیْ صُدُوْرِهِمْ'' ان کے نفاق پر دلالت کر رہا ہے یعنی تمہارے سامنے علانیہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا خوف ظاہر کرتے ہیں جب کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہوتا ہے [''رهبة''، ''رَهَبَ'' کا مصدر ہے اور یہ بمعنی للمفعول ہے یعنی ''اَشَدُّ مَرْهُوْبِيَّةً''] ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایک ایسی بدنصیب قوم ہے جو نہیں سمجھتے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو اور اس کی عظمت و رفعت کو نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

۱۴ - ﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا﴾ وہ تم سے اکٹھے ہو کر بھی نہیں لڑیں گے یعنی یہود اور منافقین دونوں مل کر بھی تم سے لڑنے اور جنگ کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ﴾ مگر بستیوں میں قلعہ بند ہو کر خندقوں' غاروں اور کشادہ گلیوں کی اوٹ میں چھپ کر لڑیں گے ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ یا دیواروں کے پیچھے چھپ چھپا کر [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''جِدَارٍ'' ہے] ﴿بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ﴾ ان کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ اور لڑائی بہت سخت ہوتی ہے یعنی سخت جنگ جس کے ساتھ ان کو موصوف کیا جاتا ہے' وہ صرف ان کی آپس میں باہمی جنگ اور لڑائی ہوتی ہے' جب وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں اور اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ جنگ اور لڑائی کریں گے تو ان کے لیے وہ جنگ اور سختی باقی نہیں رہے گی کیونکہ بڑے سے بڑے بہادر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے وقت بزدل' ڈرپوک اور کمزور ہو جاتے ہیں ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا﴾ آپ ان کو اکٹھا خیال کریں گے یعنی آپ یہود اور منافقین کو مجتمع اور متفق و متحد خیال فرمائیں گے ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ اور ان کے دل متفرق ہیں' ان کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد اور الفت و پیار نہیں ہے یعنی بے شک ان کے درمیان باہمی دشمنیاں اور عداوتیں ہیں' پس وہ ایک دوسرے کی اس طرح مدد نہیں کرتے جس طرح ایک دوسرے کی مدد کا حق ہوتا ہے اور اس کلام کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنے اور جنگ کرنے پر جرأت دلانا اور ان کے دلوں کو دلیر کرنا مقصود ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ وہ (یعنی) ان کے دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا جدا ہونا ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (یعنی) بے شک دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو ان کے قویٰ کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے اور ان کی ارواح کو مجروح کر دیتا ہے۔

۱۵ - ﴿كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے ہوئے یعنی ان (منافقین) کی مثال مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والے اہل بدر (کفارِ مکہ) کی طرح ہے [پھر ''مَثَلُهُمْ'' مبتدا کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿قَرِيْبًا﴾ نزدیک یعنی ان سے پہلے قریب زمانہ میں وہ (کفارِ مکہ) بدر میں آ کر ٹھہرے تھے ﴿ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ انہوں نے اپنے کیے کا

وبال چکھ لیا (یعنی) اپنے کفر کے بُرے انجام اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت کے وبال کا مزہ انہوں نے چکھ لیا۔ وبال عرب کے اس قول سے ہے: ''کَلَاءٌ وَبِیْلٌ وَخِیْمٌ سَیِّئُ الْعَاقِبَةِ'' فلاں سبزہ مضر ونقصان دہ ہے' انجام کار بُرا ہے یعنی انہوں نے دنیا میں قتل کے عذاب کا مزہ چکھا ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے یعنی اس کے باوجود آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

۱۶- ﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی جنگ کرنے پر یہود کو اُکسانے اور ان کی مدد کرنے کے وعدہ میں منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے' جب اس نے انسان سے کہا کہ تو کفر اختیار کر' پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' پھر منافقین کا یہود سے متارکت اختیار کرنا اور ان کے خلاف چلنا شیطان کی طرح ہے' جب وہ انسان کو اپنے مکر وفریب کے ذریعے اغوا کر لیتا ہے تو پھر وہ آخر میں اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد ایک تو شیطان کا بدر کے دن قریش کو اغوا کرنا اور دوسرا ان سے یہ کہنا ہے: ''لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ'' (الانفال:۴۸) ''آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں'' پھر اس نے آخر میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ'' (الانفال:۴۸) ''بے شک میں تم سے بیزار ہوں''۔

۱۷- ﴿ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ ﴾ سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا (یعنی) کافر انسان اور شیطان کا انجام یہ ہوا ﴿ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ﴾ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [''عَاقِبَتَهُمَا'' ''كَانَ'' کی خبر مقدم ہے اور ''اَنَّ'' اپنے اسم اور اپنی خبر سمیت یعنی ''فی النار'' سمیت اسم ''كَانَ'' کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''خالدین'' حال ہے] ﴿ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرے کہ اس نے آنے والے کل (قیامت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا' یہی لوگ نافرمان ہیں O دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں' جنت والے ہی کامیاب ہیں O اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے جھکتا ہوا (اور) اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتے' اور یہ وہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں O

## خوفِ خدا‘ فکرِ آخرت اور عظمتِ قرآن کا بیان

۱۸ -﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کے احکام کے بارے میں اس سے ڈرتے رہو‘ سو تم ان کے مخالف نہ چلو ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ ﴾ اور چاہیے کہ ہر جان غور کرے [''نفس'' کو نکرہ لایا گیا ہے] کیونکہ بہت کم نفوس ہیں جو ان چیزوں میں غور و فکر کرنے والے ہیں جنہیں آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے ﴿ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ جو اس نے آنے والے کل کے لیے آگے بھیجا یعنی قیامت کے دن کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا نام وہ دن (غد) رکھا جو تمہارے دن کے تقریباً متصل آئے گا‘ یا آخرت کو ''غد'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا دنیا اور آخرت صرف دو دن ہیں‘ آج اور کل اور قیامت کے معاملے کی عظمت کی وجہ سے ''غد'' کو نکرہ ذکر کیا گیا یعنی آنے والا ایسا کل (غد) جس کی عظمت کی وجہ سے اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا‘ اور حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ ہم نے جو کچھ عمل کیا‘ اس کو ہم نے پالیا اور ہم نے جو آگے بھیجا اس کا نفع حاصل کر لیا اور ہم جو کچھ اپنے پیچھے (دنیا میں) چھوڑ آئے اس کا خسارہ اور نقصان ہم نے دیکھ لیا ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کے حکم کو دوبارہ تاکید کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا پھر یہ معنی ہے کہ تم واجبات کو ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ عمل کا ذکر کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ تم گناہوں کو چھوڑنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وعید (ڈراوے) کے قائم مقام کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔ اور اس میں خوفِ خدا رکھنے پر ترغیب ہے کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام گناہوں سے آگاہ ہوتا ہے‘ جن کا انسان ارتکاب کرتا ہے تو پھر وہ ان سے رُک جاتا ہے۔

۱۹ -﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ ﴾ اور مسلمانو! تم ان لوگوں (یہود و منافقین اور دیگر کفار) کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور انہوں نے اللہ عزوجل کے ذکر کو اور انہیں جن چیزوں کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا سب کو ترک کر دیا ﴿ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا (تو انہوں نے اپنے فائدے اور بھلائی کے اعمال چھوڑ کر نقصان دہ بُرے اعمال اختیار کر لیے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و توفیق کے ساتھ ان پر توجہ کرنا ترک کر دیا ﴿ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ یہی لوگ فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے نکل جانے والے ہیں۔

۲۰ -﴿ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴾ دوزخ کی آگ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں‘ جنت والے ہی کامیاب و کامران ہیں۔ یہ لوگوں کے لیے ایک انتباہ اور خبردار کرنا ہے کہ بے شک وہ غفلت کی کثرت اور آخرت کے بارے میں غور و فکر کی قلت و کمی اور دنیا کی آخرت پر ترجیح اور شہوات و خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی وجہ سے گویا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان فرق کو نہیں پہچانتے‘ حالانکہ جنت والوں اور دوزخ والوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور بے شک بہت بڑی کامیابی جنت والوں کے ساتھ ہے اور دردناک عذاب جہنم والوں کے ساتھ ہے‘ سو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو جانیں اور اس فرق سے آگاہ رہیں جیسے اپنے باپ کی نافرمانی کرنے والے سے کہا جاتا ہے: ''هُوَ اَبُوْكَ'' وہ تو تیرا باپ ہے۔ اس وقت اس نافرمان بیٹے کو اس شخص کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے جو اپنے باپ کے حق کو نہیں پہچانتا‘ سو اسی وجہ سے اس کو باپ کے اس حق پر تنبیہ کی جاتی ہے جو باپ کے ساتھ نیکی اور رحمت و شفقت کا تقاضا کرتا ہے اور

شافعی مسلک کے پیروکار اس آیت مبارکہ سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے قصاص (بدلے) میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک نہیں بن سکتا' اور ہم نے اس کا جواب اصولِ فقہ اور الکافی میں دے دیا ہے[1]

۲۱- ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے جھکتا ہوا (اور) پھٹتا ہوا دیکھتے۔ یعنی قرآن مجید کی شان اور اس کی عظمت کے پیش نظر پہاڑ گر کر پھٹ جاتا' (مطلب یہ ہے کہ) بے شک اگر پہاڑ میں عقل و تمیز رکھ دی جاتی اور پھر اس پر قرآن مجید نازل کر دیا جاتا تو البتہ وہ گر جاتا یعنی جھک جاتا اور سر کے بل نیچے گر جاتا اور پھٹ جاتا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا' اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر اور اس کی ہیبت کی وجہ سے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمثیل ہو' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ'' (الاحزاب:۷۲) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اور یہ (تِلْكَ) اس مثال کی طرف اور دیگر ان مثالوں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں اور اس سے مراد انسان کو ڈرانا' دھمکانا اور ڈانٹنا ہے کہ اس کا دل بہت سخت ہو گیا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کی قلت ہے اور قرآن مجید کی ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کی آیات میں غور و فکر اور تدبر نہ ہونے کے برابر ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے' وہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ بادشاہ ہے بہت پاک ہے سلامتی والا ہے امان دینے والا ہے حفاظت فرمانے والا ہے بہت غالب ہے بہت عظمت والا ہے سب سے بڑا ہے' اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک قرار دیتے ہیں ○ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو (سب کو) پیدا فرمانے والا ہے ایجاد کرنے والا ہے

[1] یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دوزخ والوں کا جنت والوں کے برابر نہ ہونا آخرت کا معاملہ ہے جب کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کرنا اور کافر کا (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک بن جانا دنیا کا معاملہ ہے' اس لیے یہ قیاس فاسد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (الزمر:۹) ''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)'' تو کیا کسی علم والے کو بے علم شخص کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا؟ یہ کیسا انصاف ہوگا؟

صورتیں بنانے والا ہے اس کے تمام نام اچھے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہی بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے O

## شرک کی تردید اور چند صفاتی ناموں کا بیان

۲۲- پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید بیان فرمائی جو شرک کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مماثل و مشابہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ نہاں اور عیاں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور علانیہ چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ ہر معدوم اور ہر موجود کو جاننے والا ہے ﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ وہ سب پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

۲۳- ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے جس کی بادشاہی کبھی زائل اور ختم نہیں ہوگی ﴿الْقُدُّوْسُ﴾ پاک ہے تمام قباحتوں اور عیبوں سے منزہ اور پاک ہے اور فرشتوں کی تسبیح میں ہے: ''سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ'' وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ اور مبرا ہے وہ تمام فرشتوں اور خاص کر روح الامین حضرت جبریل علیہم السلام کا پروردگار ہے ﴿السَّلٰمُ﴾ یہ ذاتِ خود سلامتی والا ہے اور دوسروں کو سلامتی عطا فرمانے والا ہے۔ علامہ زجاج سے منقول ہے کہ ''السلام'' وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے مخلوق کو اپنی طرف کے ظلم سے سلامت و محفوظ رکھا ہوا ہے ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ امن و امان بخشنے والا اور علامہ زجاج سے منقول ہے: ''المومن'' وہ ہستی ہے جس نے اپنی طرف کے ظلم سے تمام مخلوق کو امن و امان عطا فرمایا یا یہ کہ ''المومن'' وہ ذاتِ مقدس ہے جو ہر اس شخص کو اپنے عذاب سے امن عطا فرمانے والا ہے جو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے ﴿الْمُهَیْمِنُ﴾ ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے [یہ ''مُفیعل'' کے وزن پر ''امن'' سے ماخوذ ہے مگر اس کا ہمزہ ''ھا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے] ﴿الْعَزِیْزُ﴾ وہ سب پر بہت غالب ہے کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿الْجَبَّارُ﴾ وہ زبردست بلند و بالا ہے اس کے سوا ہر چیز اس کے سامنے عاجز و کمزور ہے یا یہ کہ وہ قدرت و سلطنت میں عظیم الشان ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ زبردست غالب ہے اور بہت بڑی قدرت والا ہے ﴿الْمُتَكَبِّرُ ؕ﴾ وہ بہت عظمت و بڑائی والا سب سے بڑا ہے ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں اپنی ذاتِ اقدس کو ان تمام عیبوں سے منزہ و مبرا قرار دیا جن کے ساتھ مشرکین اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دیتے ہیں۔

۲۴- ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام اشیاء کو مقدر کرنے والا ہے جن کو تخلیق کرتا ہے ﴿الْبَارِئُ﴾ وہ تمام کائنات کا ایجاد کرنے والا ہے ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ وہ ماؤں کے رحموں میں مختلف صورتیں بنانے والا ہے ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ﴾ اس کے تمام مبارک نام اچھے ہیں جو اس کی عالی شان صفات پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں [1] ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتا ہے اور وہ سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس مضمون کے ساتھ

[1] اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے فضائل و خصوصیات اور اس کی برکات و وظائف اور اسم اعظم کی تحقیق کے لیے فقیر کی کتاب ''خصائص الاسماء الحسنٰی'' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور کا مطالعہ فرمائیں۔

سورت کا آغاز کیا' اسی مضمون پر سورت کا اختتام فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم سورۃ الحشر کی آخری آیات کی تلاوت کو اپنے اوپر لازم کر لو' سو میں ان تین آخری آیات کو بہت زیادہ پڑھتا ہوں' پھر میں نے دوبارہ آپ پر یہی سوال دہرایا تو آپ نے دوبارہ بھی یہی جواب دیا' پھر میں نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو آپ نے پھر وہی جواب مجھ پر دہرا دیا[1]

| | | |
|---|---|---|
| آیاتہا ۱۳ رکوعاتہا ۲ | بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ | (۶۰) سورۃ الممتحنۃ مدنیۃ (۹۱) |

سورۃ الممتحنہ مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی تیرہ آیات' دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ ۗ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ ۗ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ بے شک انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا جو تمہارے پاس آ چکا ہے' وہ رسولِ اکرم کو اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو' اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو (تو کفار سے دوستی نہ کرو) تم ان کی طرف محبت کے خفیہ پیغام بھیجتے ہو' اور میں وہ سب کچھ خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپالیا اور جسے تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے ○

## کفار سے دوستی اور خفیہ پیغام رسانی کی ممانعت کا بیان

شانِ نزول: مروی ہے کہ (۸ ہجری میں) عمرو بن صیفی بن ہاشم کی لونڈی جسے سارہ کہا جاتا تھا' وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اس وقت آپ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو کیا ہجرت کر کے آئی' اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تو کس ضرورت کے تحت آئی' اس نے کہا: میں بہت تنگ دست وغریب ہوں اور فقر و فاقہ سے تنگ ہو کر آپ کے پاس مالی امداد کے لیے حاضر ہوئی ہوں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنو عبد المطلب کو اس عورت کی مالی امداد کرنے کی بہت ترغیب دی اور بہت تاکید کی تو انہوں نے اس عورت کی خوب مدد کی' اسے کپڑے دیئے اور ایک سواری دی اور زادِ راہ کے لیے کھانے پینے کا سامان دیا۔ اس دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی اس عورت سے ملے اور اسے دس دینار

[1] رواہ الثعلبی کما فی حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۱۰

(سونے کے سکے) دیئے اور ایک قیمتی چادر پیش کی اور اس کی معرفت اہل مکہ کے لیے ایک خط لکھ کر بھیجا' جس کی تحریر یہ تھی کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کی جانب' اے اہل مکہ! یاد رکھو اور جان لو کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' سو تم اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہو جاؤ' چنانچہ سارہ یہ خط لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوگئی اور حضرت جبریل علیہ السلام یہ خبر لے کر آپ کے پاس نازل ہوئے تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عمار' حضرت عمر' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت مقداد اور حضرت ابو مرثد کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا اور یہ حضرات جب سوار ہو کر جانے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم جاؤ! یہاں تک کہ جب تم روضہ خاخ کے مقام پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں یہ مسافر عورت ملے گی' جس کے پاس حاطب کی جانب سے اہل مکہ کو لکھا گیا خط ہے' سو تم اس سے وہ خط لے لو اور اس کو چھوڑ دو اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا' چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے وہیں جا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور خط مانگا تو اس نے انکار کر دیا اور اس نے قسم کھالی کہ اس کے پاس خط نہیں ہے' چنانچہ یہ صحابہ کرام واپس جانا ہی چاہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم سے جھوٹ نہیں بولا گیا' بلکہ ہمیں جو پیغام دیا گیا وہ سچا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صادق و امین ہیں' آپ کو جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا' پھر آپ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اس عورت سے فرمایا کہ تو خط نکال کر ہمیں دے دے یا پھر اپنا سر جھکا لے میں تیری گردن مار دوں گا' تو اس نے خوف زدہ ہو کر اپنے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر دے دیا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم نبی اعظم ﷺ نے فتح مکہ کے دن تمام لوگوں کو امان دے دی ماسوا چار افراد کے۔ ان میں سے ایک یہ عورت تھی' پھر جب یہ صحابہ کرام خط لے کر واپس آ گئے اور حضور کو پیش کر دیا تو آپ نے حضرت حاطب کو حاضر ہونے کا حکم دیا تو وہ فوراً حاضر ہو گئے' اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہ پیغام رسانی کا کام کس وجہ سے کیا ہے' تو حضرت حاطب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی کفر نہیں کیا اور جب سے میں نے خیر خواہی شروع کی ہے کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کیا اور نہ آپ کو دھوکا دیا ہے اور جب سے میں نے کفار کو چھوڑ کر ہجرت کی ہے کبھی ان سے دوستی نہیں کی اور میں قریش سے منسلک ضرور رہا ہوں لیکن میں ان کے خاندان میں سے نہیں ہوں (میں نے غیر ملکی ہونے کے باوجود مکہ میں قریش کے ساتھ سکونت اختیار کر لی) اور آپ کے ساتھ رہنے والے تمام مہاجرین کی اہل مکہ کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں' جس کی وجہ سے اہل مکہ ان مہاجرین کے اہل و عیال اور ان کے مالوں اور جائیدادوں کی حفاظت کرتے ہیں ماسوا میرے (کیونکہ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں)' سو اس لیے میں اپنے گھر والوں کے بارے میں خوف زدہ رہتا ہوں' بہر حال میں نے صرف یہ چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کروں تا کہ میرے بیوی بچے محفوظ ہو جائیں لیکن میں پورے یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرا خط انہیں عذابِ الٰہی سے ہرگز نہیں بچا سکے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطب کی تمام باتوں کی تصدیق فرمائی اور ان کی معذرت قبول فرمالی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں' اس پر حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل بدر کے حالات کو خوب جانتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَکُمۡ'' تم جو چاہو عمل کرو' سو میں نے تمہیں یقیناً بخش دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں[1]

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۳-۲۸۱

۱۔﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ﴾ اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سلب نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے کی طرح برقرار رہتا ہے ( کیونکہ حضور اور صحابہ کے جنگی تیاری کے راز افشاں کرنے کے باوجود حضرت حاطب کو مؤمن صادق قرار دیا گیا ) [ ''تَتَّخِذُوْا'' فعل کو دو مفعلوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور وہ دونوں ''عدوی'' اور ''اولیاء'' ہیں اور ''عُدُوٌّ'' فعول کے وزن پر ''عَدَا'' سے ماخوذ ہے جیسے ''عَفُوٌّ'' ''عَفَا'' سے ماخوذ ہے لیکن یہ مصدر کے وزن پر جس طرح جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح واحد کے معنی پر بھی واقع ہوتا رہتا ہے ] ﴿ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ تم ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [ یہ جملہ ''لَا تَتَّخِذُوْا'' میں ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے ] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ مُلْقِیْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ'' تم ان کو دوست نہ بناؤ حالانکہ تم تو ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [ یا دھمکانے ڈرانے کی بناء پر وقف کے بعد یہ ایک نیا مستقل جملہ ہے ] اور ''القاء'' کا معنی ہے: محبت کا پیغام پہنچانا اور محبت کا پیغام ان کی طرف لے جانا [ ''بِالْمَوَدَّةِ'' میں با زائدہ ہے تعدیہ کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا' جیسے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یعنی ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ'' (البقرہ:۱۹۵) یا پھر یہ ''با'' ثابتہ ہے زائدہ نہیں ہے' اس بناء پر کہ ''تُلْقُوْنَ'' کا مفعول محذوف ہے ] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی خبریں ان کی طرف اس محبت کے سبب پہنچاتے ہو' جو کبھی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان قائم تھی ﴿ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ حالانکہ انہوں نے بلاشبہ اس حق کے ساتھ کفر اختیار کر لیا ہے جو تمہارے پاس آ چکا ہے یعنی انہوں نے دین اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا [ یہ جملہ بھی ''لَا تَتَّخِذُوْا'' کی ضمیر سے یا پھر ''تُلْقُوْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے ] یعنی تم ان کو دوست نہ بناؤ' یا یہ کہ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے دین اسلام اور قرآن مجید کا انکار کر دیا ہے ﴿ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾ وہ تو رسول اکرم اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو [ یہ حصہ بھی الگ مستقل مستانفہ کلام ہے اور ان کے کفر اور سرکشی کی تفسیر و توضیح کی طرح بیان کیا گیا ہے یا یہ ''كَفَرُوْا'' سے حال ہے اور ''اَنْ تُؤْمِنُوْا یُخْرِجُوْنَ'' کی تعلیل ہے ] یعنی اے مسلمانو! وہ تمہیں مکہ مکرمہ سے محض اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ ﴾ اگر تم (میری راہ میں ) نکلے ہو [ یہ ''لَا تَتَّخِذُوْا'' کے متعلق ہے ] یعنی تم میرے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ اگر تم میرے دوست ہو [ اور نحویوں کا اس قسم کے بارے میں یہ قول ہے کہ یہ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے ] ﴿ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ ﴾ میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے [ ''جِهَادًا'' مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے ] یعنی اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ﴾ اور میری رضا طلب کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ تم ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجتے ہو یعنی تم ان کی طرف پوشیدہ طور پر محبت کے پیغام پہنچاتے ہو' یا یہ معنی ہے کہ تم پرانی محبت کے سبب رسول اللہ ﷺ کے خفیہ راز ان کی طرف پہنچاتے ہو [ یہ جملہ بھی الگ مستقل کلام ہے ] ﴿ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ﴾ اور اسے بھی خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپالیا اور جسے تم نے ظاہر کیا' اور معنی یہ ہے کہ تمہیں اپنے رازوں کے افشاں کرنے میں کون سا فائدہ حاصل ہوتا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ اخفاء اور اظہار میرے علم میں برابر ہیں اور تم جو کچھ چھپاتے ہو' میں اس پر اپنے رسول کو آگاہ کر دیتا ہوں ﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے گا یعنی کفار سے دوستی کرنے کے لیے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے مسلمانوں کے راز بتائے گا ﴿ فَقَدْ

﴿ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ تو بے شک وہ شخص سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور بے شک اس نے حق سچ کے راستے کو چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

معانقة ۱۲ السماع الوقف على التحقيق ۱۲ عند البعض غفران ۱۲

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور وہ بُری تکلیف دینے کے لیے تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ O قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی اور نہ تمہاری اولاد' وہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے O

۲- ﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ﴾ اگر وہ تم کو پالیں (یعنی) اگر وہ تم پر کامیاب ہو جائیں اور تم پر فتح یاب ہو جائیں اور تمہیں قابو کر لیں تو ﴿يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً﴾ وہ تمہارے کھلم کھلا دشمن ہو جائیں گے' خالص دشمنی ظاہر کر دیں گے اور وہ کبھی تمہارے دوست نہیں بنیں گے جس طرح تم دوست بن جاتے ہو ﴿وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ﴾ اور وہ تم پر بہت بُری تکلیف کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کریں گے یعنی قتل اور لڑائی کے ساتھ اور گالیوں کے ساتھ ﴿وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اور وہ چاہتے ہیں کاش! تم کافر ہو جاؤ (یعنی) وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم اپنے دین سے پھر جاؤ' پس اس وقت ثابت ہو گیا کہ تم میں سے کسی شخص کا ان جیسے لوگوں سے دوستی کرنا بہت بڑی غلطی ہے [اور فعل ماضی (جیسے ''وَدُّوْا'') اگر شرط کے باب میں آ جائے تو وہ فعل مضارع کے قائم مقام ہوتی ہے] سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ گویا فرمایا کہ کفارِ مکہ ہر چیز سے پہلے تمہارا کافر ہو جانا اور تمہارا مرتد ہو جانا چاہتے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا دونوں کا نقصان پہنچے' جانیں بھی قتل ہو جائیں اور عزتیں بھی داغ دار ہو جائیں اور تم کفر کی طرف بھی لوٹ جاؤ' یا یہ کہ ان کے نزدیک سب سے اہم اور سب سے پہلا نقصان تمہارا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ تم اس کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کر دیتے ہو اور عداوت یہی ہوتی ہے کہ دشمن کے نزدیک سب سے اہم چیز یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مدمقابل کی سب سے اہم چیز کو برباد کرنا چاہتا ہے۔

۳- ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ﴾ تمہاری قرابت داریاں اور رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی ﴿وَلَآ اَوْلَادُكُمْ﴾ اور تمہاری اولاد تمہیں نفع نہیں دے گی جن کی خاطر تم کفار سے دوستی کرتے ہو اور جن کی حفاظت وحمایت کی خاطر تم ان کا قرب چاہتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ﴾ وہ قیامت کے دن تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی تمہارے رشتے داروں اور تمہاری اولاد کے درمیان' جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ O وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ O وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ O'' (عبس:۳۶-۳۴) ''جس دن آدمی بھاگتا پھرے گا اپنے بھائی سے O اور اپنی ماں اور اپنے باپ O اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے O'' سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس کے حق کی رعایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑتے ہو' جو کل قیامت کے دن تم سے بھاگ جائے گا [امام عاصم کی قراءت میں (''یـا'' مفتوح اور ''فـا''

ساکن اور ''صاد'' مکسور کے ساتھ) ''یَفْصِلُ'' ہے جب کہ حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں (''یا'' مضموم اور ''فا'' مفتوح اور ''صاد'' مکسور مشدد کے ساتھ) ''یُفَصِّلُ'' (باب تفعیل سے) ہے اور اس کا فاعل اللہ عزوجل ہے اور ابن ذکوان کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے) ''یُفَصَّلُ'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'' سے) ''یُفْصَلُ'' ہے] ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ضرور جزا دے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۵

بے شک ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے' جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں' ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ (چچا ابو) کے لیے یہ کہنا کہ میں تیرے لیے ضرور مغفرت چاہوں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا' اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا ہوا ہے اور تیری ہی طرف لوٹ آنا ہے O اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال دینا اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے' بے شک تو سب پر بہت غالب بڑا حکمت والا ہے O

## کفار سے دوستی کی ممانعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہترین نمونہ

٤۔ ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک مشرک قوم سے بیزاری کے اعلان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے ﴿فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یعنی ان کے اقوال و ارشادات میں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال میں سے ایک قول کا (اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ) فرما کر استثناء کر دیا ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی مؤمنین' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن ساتھیوں کی زندگی اور ان کے اقوال بہترین نمونہ ہیں' اس سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں ﴿اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ﴾ جب انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تم سے بیزار ہیں [''بُرَءٰٓؤُا'' ''بریء'' کی جمع ہے جیسے ''ظرفاء'' ''ظریف'' کی اور ''شرفاء''

''شریف'' کی جمع ہے ] ﴿وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ﴾ اور ہم ان سے بھی بیزار ہیں جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو' ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان افعال و اعمال کے سبب عداوت ودشمنی ظاہر ہوگئی ہے ﴿وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا﴾ اور دلوں میں باہمی بغض وکینہ ہمیشہ کے لیے عیاں ہو گیا ہے ﴿حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اس صورت میں ہم تمہاری عداوت ودشمنی کوترک کردیں گے ﴿اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور یہ ''مَوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ'' (التوبہ:١١٤) ''ایک وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا جو حضرت ابراہیم نے اس سے کیا ہوا تھا'' یعنی تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اقوال میں ان کی پیروی کرو' لیکن اپنے کافر باپ کی مغفرت طلب کرنے میں ان کو نمونہ نہ بناؤ اور نہ اس میں ان کی پیروی کرو ﴿وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا یعنی رشد وہدایت اور مغفرت وبخشش اور توفیق عطا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ جملہ استثناء کے مناسب نہیں' کیا (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ''قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا'' (الفتح:١١) ''اے محبوب! فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کون کچھ اختیار رکھتا ہے؟'' لیکن استثناء سے مراد صرف ''قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ'' ہے اور اس کے لیے مغفرت کے وعدہ کا قصد اور جو اس کے بعد ہے وہ اس کے تابع ہے' گویا فرمایا: میں تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور میرے اختیار وقوت میں صرف مغفرت طلب کرنا ہے ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا ہوا ہے' یہ استثناء کے ماقبل کے ساتھ متصل ومرتبط ہے اور یہ بھی اسوۂ حسنہ کے مجموعہ میں سے ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یوں ہے: ''قُوْلُوْا رَبَّنَا الخ'' تم کہو: اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا ہوا ہے' سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے حکم کی ابتداء ہے کہ وہ یہ کہا کریں ﴿وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا﴾ اور ہم نے تیری ہی طرف رجوع کرلیا ہے اور ہم تیری ہی طرف متوجہ رہتے ہیں ﴿وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ اور صرف تیری طرف واپس آنا ہے (یعنی) تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

٥۔ ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے ہمارے مالک! تو ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنانا جنہوں نے کفر کا بازار گرم کر رکھا ہے یعنی تو ان کو ہم پر مسلط نہ کرنا کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کردیں گے ﴿وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے بے شک تو بہت عزت والا بڑا حکمت والا ہے یعنی غالب حاکم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ؀٦ ع

بے شک ان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے خصوصاً ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی ملاقات کی اُمید رکھتے ہیں' اور جو شخص منہ پھیر لے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز (اور) تمام خوبیوں میں تعریف کے لائق ہے O

٦۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ البتہ بے شک تمہارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے ملنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ

السلام اور ان کی مسلمان قوم کی پیروی کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کو تاکید کرنے کے لیے دوبارہ اس کو دہرا دیا اور اس لیے قسم کے ساتھ آغاز کیا کیونکہ اس میں انتہائی تاکید ہوتی ہے اور اس آیت میں ''لکم'' کے بدلے ''لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ الخ'' فرمایا یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے[1] اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ﴾ اور جو شخص ہمارے حکم سے منہ پھیر لے گا اور کفار سے دوستی کر لے گا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہی حمد وثناء کا مستحق ہے' سو اس نے تاکید کی کوئی قسم ترک نہیں کی مگر ہر قسم کی تاکید بیان فرما دی۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨
اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ
ظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان دوستی کرا دے گا جن سے تمہاری دشمنی ہے' اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو' بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے' سو وہی لوگ ظالم ہوں گے O

---

[1] برھان القرآن میں ہے: تکرار اس لیے ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں اقوال کی طرف اور دوسرے میں افعال کی طرف اشارہ ہے اور فتح الرحمان میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں عداوت کفار کی طرف اور دوسرے میں خوف وخشیت الٰہی کی اقتداء کی طرف اشارہ ہے' اور کشف الاسرار میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں کفار سے بیزاری کی طرف اور دوسرے میں حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی پیروی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مسلمانوں کو وہی اجر وثواب حاصل ہو' جو انہیں نصیب ہوا' اور مسلمانوں کو آخرت کی طرف اسی طرح باعزت جانا نصیب ہو' جس طرح انہیں نصیب ہوا۔ (تفسیر روحان البیان' مترجم' جز ۲۸ ص ۲۴۲)

دوبارہ اسوۂ حسنہ کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے' جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر ''عالم الغیب والشهادة'' کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا' جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی' وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے' وہی ان پاک بازوں کے نقشِ قدم کو خضرِ راہ بناتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۹۸)

## کفار سے مشروط دوستی کی اجازت

۷-اور جب گزشتہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنے مشرک باپوں اور بیٹوں اور تمام رشتہ داروں کی عداوت و دشمنی میں سختی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کو محبت و پیار میں تبدیل کرنے کی اُمید دلائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ﴾ امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کر دے گا' ان میں سے جن لوگوں سے تم نے عداوت و دشمنی کی ہے' یعنی تم نے اہل مکہ میں سے جن اپنے قرابت داروں سے دشمنی کی' ان کی محبت پیدا کر دے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی توفیق عطا فرما دے گا' پھر جب فتح مکہ میسر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آرزوؤں کو پورا کیا اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے درمیان باہمی محبت والفت مکمل ہوگئی اور بادشاہوں کی عادات کے مطابق ''عَسٰی'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے لیے ہے' صرف اُمید کے لیے نہیں جیسے بادشاہ بعض حوائج میں ''عَسٰی'' یا ''لَعَلَّ'' کہہ دیتے ہیں' لیکن محتاج وضرورت مند کو اس کے پورا ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا (بلکہ یقین ہوتا ہے ایسے ہی ''عَسٰی'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے یقین کے معنی میں ہوتا ہے) یا اس کے ساتھ مؤمنوں کو اُمید دلانا مراد ہے ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بدلنے پر اور احوال کو تبدیل کرنے پر اور محبت ومودت کے اسباب کو آسان کرنے پر بہت قادر ہے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جس نے مشرکین میں سے اسلام قبول کر لیا' بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۸ - ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرو اور ان پر احسان کرو اور تم ان کی عزت کرو خواہ زبان سے ہو یا فعل سے [اور ''اَنْ تَبَرُّوْهُمْ'' ''اَلَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ'' سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے اور یہ بدل اشتمال ہے اور تقدیر یہ ہے: ''عَنْ بَرِّ الَّذِيْنَ''] ﴿وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ﴾ اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو' اور تم ان کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور ان پر ظلم نہ کرو اور جب اللہ تعالیٰ نے مشرک کے حق میں ظلم کرنے سے منع کیا تو مسلمان کے حق میں انصاف کرنے کی کیسی تاکید ہوگی؟ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۹ - ﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی کہ تم ایسے لوگوں سے دوستی کرنے لگو [''اَنْ تَوَلَّوْهُمْ'' ''اَلَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ'' سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے تمہیں منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے نہ جنگ کی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا اور اللہ تعالیٰ تو تمہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہوں گے' کیونکہ انہوں نے دوستی کو اس کی اصل جگہ کی بجائے غیر مناسب جگہ پر رکھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مسلمان عورتیں تمہارے پاس آ جائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کرلو' اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کا حال سب سے بہتر جانتا ہے' پھر اگر تمہیں ان کا ایمان دار ہونا معلوم ہو جائے تو تم ان کو کفار کی طرف واپس نہ بھیجو' نہ مسلمان عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں' اور تم ان کو (حق مہر کا) وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا' اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان (مسلمان عورتوں) سے نکاح کرلو جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو' اور تم (بھی) کافرہ عورتوں کو اپنے نکاحوں میں نہ روکے رکھو اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ (کافروں سے) مانگ لو اور انہوں نے جو خرچ کیا ہے وہ (تم سے) مانگ لیں' اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے' وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے O

## کفرستان سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں اور ان کے شوہروں کے مسائل

۱۰- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ ﴾ اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مؤمنہ عورتیں تمہارے پاس آ جائیں۔ ان کو ''مؤمنات'' اس لیے فرمایا گیا کہ انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا یا اس لیے کہ امتحان میں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ایمان کے شرف سے مشرف ہو گئیں [''مهاجرات'' حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ ﴾ سو تم ان کے ایمان کا امتحان لو اور ان کی جانچ پڑتال کرو' اور تم ایمان کی علامات میں نظر اور غور وفکر کر کے ان کو آزماؤ تا کہ تمہارے گمانوں پر ان کے ایمان کا سچ غالب آ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ کہیں: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' ﴿ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو تم سے بہتر اور زیادہ خوب جانتا ہے' سو تم اگر چہ ان کے احوال کو آزماؤ گے لیکن تم ایمان کی حقیقت نہیں جان سکتے اور البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی حقیقت کا علم ہے ﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ ﴾ سو اگر تم ان کو مسلمان معلوم کرلو۔ علم یہ ہے کہ جس چیز کے جاننے میں تمہاری طاقت صرف ہو اور وہ غالب گمان ہے جو علامات کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور ظن (گمان) کو علم کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ظن غالب اور جو قیاس ظن غالب کے مساوی ہو' وہ علم کے قائم مقام ہوتا ہے' اس لیے قیاس کرنے والا (درج ذیل) ارشاد میں داخل نہیں: ''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'' (الاسراء:۳۶) ''اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو'' ﴿ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ ﴾ تو تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ' اور تم انہیں ان کے مشرک شوہروں کے پاس واپس نہ لوٹاؤ ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ ﴾ نہ وہ (مؤمنہ عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (مشرک شوہر) ان کے لیے حلال ہیں یعنی مسلمان عورت اور مشرک مرد کے درمیان نکاح حلال نہیں کیونکہ جب عورت مسلمان ہو کر خاوند کے گھر سے نکلی تو ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق و

جدائی واقع ہوگئی ﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ﴾ اور تم ان کو وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی) تم ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے مشرک شوہروں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے مہروں کی صورت میں اپنی بیویوں کو دیا تھا۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ مکہ والوں میں سے جو مسلمان مرد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا' اسے اہل مکہ کے پاس واپس کر دیا جائے گا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو یہ بیان کرنے کے لیے نازل فرمایا کہ صلح حدیبیہ کی یہ شرط صرف مسلمان مردوں کے بارے میں تھی' عورتوں کے بارے میں نہیں تھی کیونکہ مسلمان عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں مسلمانوں سے گناہ کی نفی فرما دی ﴿ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ جب تم ان (عورتوں) کے مہر ادا کر دو۔ ''اجور'' سے عورتوں کے مہور مراد ہیں کیونکہ مہر ملک بضع کی اُجرت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے استدلال کیا کہ مہاجرہ عورت پر کوئی عدت نہیں ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ اور تم کافرہ عورتوں کو عقد نکاح میں نہ روکے رکھو۔ ''عصمۃ'' کا معنی ہے: وہ عقد یا سبب جسے مضبوط کیا جائے اور ''کوافر''، ''کافرۃ'' کی جمع ہے اور یہ وہ غیر مسلمہ عورت ہے جو دار الحرب (کفرستان) میں کفر پر ثابت وقائم رہے یا وہ عورت جو مرتدہ ہو کر (دین اسلام سے پھر جانے والی) دار الحرب میں چلی جائے یعنی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عقد نہیں رہا اور نہ میاں بیوی کا تعلق رہا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جس مسلمان (مدنی) کی کافر بیوی مکہ مکرمہ میں رہ رہی ہو تو اس کو اس (مدنی) مسلمان خاوند کی عورتوں میں سے شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اختلاف ''دارین'' (کہ بیوی دار الکفر میں اور خاوند دار الاسلام میں) ہونے کی وجہ سے اس مکی بیوی کا نکاح مدنی مسلمان خاوند سے ٹوٹ گیا ﴿ وَاسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ ﴾ اور تم وہ مال طلب کرو جو تم نے خرچ کیا ہے (یعنی) جن عورتوں سے تم نے نکاح کر کے مہر کی رقم ادا کر دی' پھر وہ کفار میں جا کر شامل ہو گئیں تو تم اپنی ان بیویوں کی مہر کی رقم ان عورتوں کے سربراہ کفار سے طلب کر لو ﴿ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ﴾ اور وہ (کفار) اپنا وہ مال مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا (یعنی) کفار ہجرت کرنے والی اپنی بیویوں کے مہروں کی رقم ان کے خاوندوں سے مانگ لیں ﴿ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی اس آیت مبارکہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے' وہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ﴾ وہی تمہارے درمیان حکم جاری کرتا ہے [یہ مستانفہ کلام ہے یا ''حکم اللہ'' سے حذف ضمیر کی بناء پر حال ہے'' ای یحکمہ اللّٰہ'' یعنی اس کا حکم اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے یا پھر حکم کو بطور مبالغہ حاکم قرار دیا گیا ہے] اور یہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے' سو اب مہر کی رقم واپس لینے کا سوال باقی نہیں رہا' نہ ہماری طرف سے اور نہ ان کی طرف سے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت علم والا بڑا حکمت والا ہے۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت کفار کی طرف چلی جائے' پھر تم تعاقب کر کے انہیں حاصل کر لو تو جن کی بیویاں چلی گئی تھیں تم ان کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو○

۱۱- ﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ ﴾ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں کی طرف چلی جائے (یعنی) اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت اچانک چپکے سے کفار کی طرف نکل جائے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں "وَاِنْ فَاتَكُمْ اَحَدٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ" ہے ﴿ فَعَاقَبْتُمْ ﴾ پھر تم نے ان (کفار) کو جنگ میں سزا کے طور پر پکڑ لیا' یہاں تک کہ تم نے انہیں غنیمت میں شامل کر لیا' علامہ زجاج سے یہی منقول ہے ﴿ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ﴾ تو جن لوگوں کی بیویاں کفار کی طرف چلی گئیں ان کو تم اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی) تم اس مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں مرتد ہو گئیں اور دارالحرب میں جا کر کفار سے مل گئیں' ان کی مرتدہ بیویوں کے مہروں کی رقم ادا کر دو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا
وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع ۲ ۸

اے عالی شان پیغمبر! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے ان (شرائط) پر بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور وہ چوری نہیں کریں گی اور وہ زناکاری نہیں کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور وہ کسی نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا بے شک وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبروں والوں سے مایوس ہیں ○

## عورتوں سے بیعت لینے کا جواز اور اس کی شرائط کا بیان

۱۲- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ اے غیب کی خبریں دینے والے عالی شان پیغمبر! ("نبی" "نَبَاءٌ" سے ہو تو غیب کی خبریں دینا' اور "نَبْوٌ" سے ہو تو بلند شان معنی ہوتا ہے) جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے بیعت ہونا چاہتی ہوں[1] ["يُبَايِعْنَكَ"' "اَلْمُؤْمِنَاتُ" سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ

[1] علامہ سید محمود آلوسی نے عورتوں سے بیعت لینے کے تین طریقے لکھے ہیں:

(۱) امام احمد' نسائی' ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اس روایت کو بیان کیا اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ (ان شرائط) پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ زنا کاری کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ اولاد کو قتل کرنے سے مراد بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا ہے (کیونکہ عرب میں اسلام سے قبل بچیوں کو زندہ دفن کرنا عزت و افتخار کا باعث تھا) ﴿ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ﴾ اور وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی۔ بہتان یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورت کسی کا نومولود بچہ اٹھا لیتی تھی اور اپنے خاوند سے کہہ دیتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں حاضر ہوئی تاکہ ہم آپ سے بیعت ہوں تو آپ نے قرآن مجید میں ان مذکورہ شرائط پر ہم سے زبانی بیعت لی اور جب آپ نے "وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ" تلاوت فرمائی تو فرمایا: تم اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ ہم اپنی استطاعت و طاقت سے جہاں تک ممکن ہوگا نیکی میں نافرمانی نہیں کریں گی' ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا محترم رسول ہم پر ہماری جانوں سے زیادہ مہربان ہیں اور ہم نے یہ عرض بھی کیا کہ "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تُصَافِحُنَا" اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے ساتھ مصافحہ (ہاتھوں سے ہاتھوں کو باہم ملانا) نہیں کریں گے" قَالَ اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ" فرمایا: بے شک میں عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرتا' میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے۔

(۲) حضرت سعید بن منصور اور حضرت ابن سعد نے امام شعبی سے روایت نقل کی' انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تو آپ کے ہاتھ مبارک پر کپڑا ہوتا جب کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے ہاتھوں کے اور عورتوں کے ہاتھوں کے درمیان قطوی بڑی چادر ہوتی تھی' جس کا ایک کونہ حضور کے ہاتھوں پر ہوتا اور دوسرا کونہ عورتوں کے ہاتھوں پر ہوتا تھا۔

(۳) حضرت ابن سعد اور ابن مردویہ نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی اور انہوں نے اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی سے بھرا پیالہ منگاتے اور اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے' پھر آپ کے ہاتھ مبارک نکالنے کے بعد عورتیں اپنے اپنے ہاتھ اس میں ڈبو دیتیں گویا یہ مصافحہ کا بدل ہے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۸۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی بیعتِ خواتین کے طریقے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ بیعت لیتے وقت مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ملاتے لیکن عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے' اس لیے کہ شارع علیہ السلام کے مقام و منصب کا تقاضا احتیاط کرنا اور امت کو تعلیم دینا ہے (ورنہ آپ تو عورتوں کے معنوی باپ تھے' آپ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن آپ نے احتیاط کی تاکہ پیرانِ عظام عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی اور اس کے علاوہ بھی اجنبی عورتوں کو اپنے قریب نہ آنے دیں) خلاصہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے بیعت لینے کو جائز اور مشروع فرمایا تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور آپ کے عمل کی وجہ سے یہ فعل سنت قرار پایا' اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ عوام کو بیعت کے وقت توبہ کراتے ہیں اور برائیوں کو ترک کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور ایمان پر ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں اور ایمان اور ایقان کی تنویر کے لیے کلمہ پڑھا کر تجدید ایمان کراتے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر روح البیان جز ۲۸ ص ۲۸۴' مترجم' مکتبہ رضویہ اویسیہ' بہاولپور)

حضرت علامہ پیر ضیاء الامت علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا' اور دھڑا دھڑ لوگ حضور ﷺ کی بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ یہ میرا بچہ تجھ سے ہوا ہے اور عورت کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے درمیان بہتان گھڑنے سے اس بچے کی طرف اشارہ ہے' جس کو عورت کہیں سے اٹھا کر اور جھوٹ بول کر اپنے خاوند کا قرار دے دیتی تھی کیونکہ عورت کا پیٹ جس میں وہ بچے کو اٹھاتی ہے' وہ دونوں ہاتھوں اور اس کی شرم گاہ کے درمیان ہوتا ہے اور وہ عورت اپنے پیٹ سے بچے کو دونوں پاؤں کے درمیان جنم دیتی ہے ﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ﴾ اور وہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی ﴿ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ﴾ سو آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا' کبھی تو زبانی ان اُمور کی پابندی کا وعدہ لیا' کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ ڈبونے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی' جن اُمور پر بیعت لی گئی' ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی' دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی' تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی' چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت وافتخار تھا' نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے'اسی میں اسقاطِ حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو' جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے' پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں' اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں' کسی کے نوزائیدہ بچے کو اُچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے' اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے' اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا' نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا' یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں' اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور ﷺ حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ فقہائے اسلام نے ''فِي مَعْرُوفٍ'' کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرماں برداری میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''فی معروف'' کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور ﷺ غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے تھے' حضور ﷺ کا تو جو ارشاد بھی ہوگا وہ حق ہوگا وہ سچ ہوگا' اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا' یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور ﷺ کسی غیر معروف کا حکم دیں' یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے' جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں تو اور کون ہے' جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔ امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔ جب افضل البشر ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے' نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی' ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا' کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۴-۲۰۵)

ان کو بیعت کرلیں اور آپ ان کی گزشتہ زندگی کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا کریں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں کو مٹانے کے لیے بہت بخشنے والا ہے ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ (گزشتہ کفر وشرک کی زندگی کے برعکس) آئندہ ایمان و توحید کی زندگی کو نئے سرے سے گزارنے کے لیے توفیق عطا فرمانے میں بے حد مہربان ہے۔

مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا اور اس وقت آپ صفا (پہاڑ) کے اوپر تشریف فرما تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کے حکم پر آپ کی طرف سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت کی باتیں سن کر ان کو پہنچا رہے تھے اور ھند بنت عتبہ' حضرت ابوسفیان کی بیوی نقاب اوڑھے ہوئے اجنبی بن کر حاضر ہوئیں' اس خوف سے کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو پہچان نہ لیں کیونکہ اس نے آپ کے محبوب چچا جان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوۂ احد کے دن (ان کے شہید ہونے کے بعد اعضاء کاٹ کر) مثلہ کیا تھا' چنانچہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم آئندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی اور حضرت عمر نے عورتوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اور نہ وہ چوری کریں گی تو اس بات پر ھند بنت عتبہ نے کہا کہ ابوسفیان کم خرچ آدمی ہے اور میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی' اس پر حضرت ابوسفیان نے کہا کہ اب تک تم نے جو کچھ لیا ہے' وہ سب تمہارے لیے حلال ہے' اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور ھندہ کو پہچان لیا اور اس سے فرمایا: بے شک تم تو ھندہ ہو' اس نے کہا: جی ہاں! اے اللہ تعالیٰ کے نبی! جو اس سے پہلے غلطیاں ہو چکیں وہ سب آپ معاف فرما دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' پھر حضور نے فرمایا: اور وہ زنا کاری نہیں کریں گی' اس نے اس پر حیران ہو کر کہا کہ کیا ایک آزاد اور شریف عورت زنا کاری کر سکتی ہے؟ پھر حضور نے فرمایا: اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی' اس پر ھندہ نے کہا: ہم نے بچپن میں اولاد کی پرورش کی جب وہ بڑے ہو کر جوان ہو گئے تو آپ نے انہیں بڑا ہونے کے بعد قتل کرا دیا' سو اب تم اور وہ خوب جانتے ہیں' دراصل ھندہ کا ایک بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات سن کر بہت ہنسے' یہاں تک کہ لوٹ پوٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ صرف مسکرائے' پھر فرمایا: اور وہ بہتان تراش کر نہیں لائیں گی' اس پر ھندہ نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان تراشی بہت بُرا کام ہے اور آپ تو ہمیں صرف رشد و ہدایت اور اچھے اخلاق اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اور وہ کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہیں کریں گی' اس پر اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کی اس مجلس میں بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں بالکل یہ خیال نہیں کہ ہم آپ کے کسی حکم کی نافرمانی کریں گی' اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت بُرے کاموں میں ہرگز جائز نہیں ہے۔[1]

١٣- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام اسی ممانعت پر فرمایا جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا (یعنی کفار سے دوستی کی ممانعت)' بعض حضرات کا قول ہے کہ قوم سے مشرکین مکہ مراد ہیں ﴿ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں یعنی وہ آخرت کے اجر وثواب سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ وہ مرنے کے بعد کی

[1] رواہ احمد ج ٦ ص ٣٩ - ج ٥ ص ٢٠٦' ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٣٢' ٣٥٣٢' نسائی ج ٨ ص ٢٤٦' وفی اسد الغابہ ج ٥ ص ٥٦٢' الاصابہ ج ٤ ص ٤٠٩' الطبقات ج ٨ ص ٢٣٦

زندگی کے منکر ہیں ﴿ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ ﴾ جیسے کفار مایوس ہیں [اصل میں ''كَمَا يَئِسُوْا'' ہے مگر اسم ظاہر (الکفار) کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴾ قبروں میں رہنے والوں سے کہ یہ قبروں والے ان کی طرف واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے یا یہ معنی ہے کہ جیسے ان کے بڑے جو قبروں میں ہیں آخرت سے مایوس ہیں یعنی یہ کفار بھی اپنے بڑوں کی طرح آخرت کے اجر وثواب سے مایوس ہو چکے ہیں اور بعض نے کہا کہ قوم سے یہود مراد ہیں یعنی اے مسلمانو! تم یہود کی قوم کو دوست مت بناؤ' بے شک وہ تو اس سے مایوس ہو چکے ہیں کہ انہیں آخرت میں اجر وثواب سے کچھ حصہ نصیب ہوگا کیونکہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد رکھتے ہیں حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں' جن کی تورات میں تعریف کی گئی ہے جیسا کہ کفار اپنے مردوں کے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھنے اور واپس لوٹ آنے سے مایوس ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ''مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ'' کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح قبروں والے کفار آخرت کی بھلائی سے مایوس ہیں کیونکہ ان کے سامنے ان کی بدحالی اور آخرت میں ان کے بُرے ٹھکانے کا بیان کر دیا گیا ہے۔

| آیاتہا ۱۴ رکوعاتہا ۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ |
|---|---|---|
| اس کی چودہ آیات' دو رکوع ہیں | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | سورۃ الصف مدنی ہے |

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی' اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے○ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم عمل نہیں کرتے○ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سخت ناپسند ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو○ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں○

## مسلمانوں کو قول وفعل کے تضاد سے روکنے اور جہاد کرنے کی ترغیب کا بیان

۱- ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی اور وہ سب پر غالب ہے' بہت حکمت والا ہے۔

۲- ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جہاد کا حکم ملنے سے پہلے مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال میں سے فلاں عمل پسندیدہ اور محبوب ترین ہے تو اس پر ہم ضرور عمل کریں گے' چنانچہ ان کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی تاکید کی گئی' پھر اس کے بعد کچھ مسلمانوں نے سستی اور تاخیر کا مظاہرہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی جس میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے [''لِمَ'' میں لام حرف جارہ' حرف استفہام ''مَا'' پر بڑھایا گیا ہے جیسا کہ اس کے علاوہ اس پر دیگر حروف

جارہ داخل کیے جاتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''بِمَ' فِیْمَ'' اور ''مِمَّ'' اور ''عَمَّ'' اور ''اِلَامَ'' اور ''عَلَامَ'' اور بے شک اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ ''ما'' اور ''لام'' یا اس کے علاوہ ایک چیز کی طرح ہیں' نیز استفہامیہ کلام میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا اصل استعمال بہت کم آتا ہے' جیسے شاعر نے کہا: ''عَلٰی مَا قَامَ یَشْتِمُنِیْ جَرِیْرٌ'' جریر کس بناء پر مجھے گالی دینے کھڑا ہوا ہے؟ اور وقف کرتے وقت اس پر ہائے سکتہ زیادہ کی جاتی ہے یا اسکان کیا جاتا ہے اور جس نے وصل کی صورت میں ساکن کیا تو وہ وقف کے قائم مقام ہونے کی بناء پر کیا]۔

۳- ﴿ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رویّہ بہت سخت ناپسندیدہ اور غضب خدا کا سخت باعث ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو۔ ''کَبُرَ'' میں تعجب کے معنی کا قصد کیا گیا ہے اگرچہ یہ تعجب کا لفظ نہیں ہے' اس لیے اس کو تعجب من غیر لفظہ کہا جاتا ہے' اور تعجب کا معنی یہ ہے کہ سامعین کے دلوں میں تعجب والی چیز کی عظمت و بڑائی کا اظہار کیا جائے کیونکہ کسی چیز پر تعجب اس وقت ہوتا ہے جب وہ چیز اپنے نظائر و امثال اور ہم پایہ چیزوں سے خارج ہو جاتی ہے [اور یہ ''کَبُرَ اَنْ تَقُوْلُوْا'' کی طرف مسند ہے اور ''مَقْتًا'' کی نصب تمیز کی بناء پر ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لوگوں کا ایسی باتیں کہنا جن پر خود عمل پیرا نہ ہوں' سخت قابل نفرت اور ناپسندیدہ معاملہ ہے' جس میں کوئی ملاوٹ و مبالغہ نہیں اور معنی یہ ہے کہ تمہارا ایسی باتیں کہنا جن پر تمہارا خود عمل نہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابل نفرت اور شدید ناراضگی کا باعث ہیں اور لفظ ''مَقْتٌ'' اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ انتہائی سخت بغض و نفرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت کی بات بیان کیجئے تو اس بزرگ نے فرمایا: کیا تم لوگ مجھے حکم دیتے ہو کہ میں تمہیں کوئی ایسی بات کہہ دوں جس پر میں خود عمل نہ کرتا ہوں تو میں بہت جلد اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤں۔

٤- پھر اللہ تعالیٰ نے اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں لوگوں کو اس عمل سے آگاہ فرمایا جس کو وہ خود پسند کرتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان سے پیار کرتا ہے اور انہیں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں (یعنی اسلام کی تقویت و اشاعت میں) صف بستہ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں یعنی وہ مجاہدین ترتیب اور نظم و ضبط قائم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو صف اور قطار میں کھڑا کرنے والے ہیں [''صَفًّا'' مصدر ہے اور حال کی جگہ واقع ہے] ﴿ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں یا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں' جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کرنے میں سب کی نیتیں اور ارادے اسلام کی سربلندی اور رضائے الٰہی میں مساوی اور برابر ہیں' یہاں تک کہ وہ سب کے سب ایک کلمۂ توحید میں مجتمع و متفق ہیں' جیسے ایک عمارت یا دیوار ہوتی ہے جس کے بعض حصے بعض کو مضبوط رکھتے ہیں [یہ بھی حال ہے]۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ وَاِذْ

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم یقیناً جانتے ہو کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا' اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہے' پھر جب ان کے پاس وہ رسول روشن دلائل کے ساتھ آ گئے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا جادو ہے O

## یہود و نصاریٰ اور کفارِ مکہ کی مذمت اور حضور کی آمد کا اعلان

٥- ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے اذیت اور دکھ کیوں پہنچاتے ہو (یعنی) آیات کا انکار کر کے اور مجھ پر ایسے عیبوں کو الزام و بہتان لگا کر جو مجھ میں نہیں ہیں مجھے اذیت اور تکلیف و دکھ کیوں پہنچاتے ہو [''اِذْ''، ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے' اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ'' اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا] ﴿وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ اور بے شک تم جانتے ہو کہ میں یقیناً تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول مقرر کر کے بھیجا گیا ہوں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس منصب کو جان لینے کے بعد تم میری تعظیم و توقیر کرو' میرا ادب و احترام اور اطاعت و فرماں برداری کرو نہ یہ کہ تم مجھے اذیت اور دکھ پہنچاؤ [یہ ''لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ'' سے محلاً حال ہے] یعنی تم مجھے اذیت و دکھ کیوں پہنچاتے ہو حالانکہ تم یقیناً یقینی علم کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہو ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی اور انہوں نے حق سے روگردانی کی اور وہ دین حق سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا (یعنی) ہدایت سے پھیر دیا' یا یہ کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے ایمان کے نور کو چھین لیا' نیز جب انہوں نے کج روی کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج بنا دیا یعنی انہیں ذلیل و رسوا اور حق کی اتباع کی توفیق سے محروم کر دیا ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور فاسقوں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا' جن کے بارے میں اسے ازل سے معلوم ہے کہ وہ فاسق و فاجر اور نافرمان ہوں گے۔

٦- ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنابِ مریم کے بیٹے نے فرمایا: اے اولادِ یعقوب! یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''یا قوم'' نہیں فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے' اس لیے آپ کا بنی اسرائیل سے نسبی تعلق نہیں تھا اور نہ وہ لوگ آپ کی قوم ہوئے ﴿اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا

بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ﴾ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا' جس کا نام احمد ہے[1] یعنی مجھے تمہاری طرف اس حال میں بھیجا گیا ہے کہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں

[1] علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چند صحابہ کرام کو نجاشی کے پاس بھیجا اور حضرت ابوموسیٰ نے پورا واقعہ ذکر کیا' جس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ نجاشی نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے کہا: ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّهُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ عِیْسٰی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور بے شک آپ وہی رسول ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ نیز نجاشی نے کہا: اگر اُمورِ سلطنت کی پابندی نہ ہوتی اور عوام کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نعلین برداری کی خدمت بجالاتا۔ (ابوداؤد)

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت وصفت بیان کی گئی اور اس میں آپ کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے' چنانچہ حضرت ابوداؤد مدنی نے فرمایا کہ حضور کے روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

(۳) حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے روح اللہ! کیا ہمارے بعد بھی کوئی اور امت ہے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے بعد ایک امت آئے گی جس میں بڑے بڑے حکماء' علماء' ابرار اور اتقیاء ہوں گے' گویا وہ فقہ (دستور اسلامی) میں انبیائے کرام علیہم السلام کے نائب ہوں گے' وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہوجائے گا۔

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹادے گا اور میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگ میرے نقش قدم پر جمع ہوں گے اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) آپ کا نام رؤف اور رحیم بھی رکھا ہے اور احمد کے معنی میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ یہ اسم فاعل حامد سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ عزوجل کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسم مفعول محمود سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ان کے خصائلِ حمیدہ پر تعریف بیان کی گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومحاسن اور اخلاقِ حمیدہ سب سے زیادہ ہیں' اس لیے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر آپ کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ (تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن ج ۴ ص ۲۸۲' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

(۵) ایک مرتبہ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ حضور! آپ ہمیں اپنے بارے میں کوئی خبر سنایئے' آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے' میں تمہیں اپنی ابتداء بیان کررہا ہوں' میں تو اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات روشن ہوگئے اور چمک اٹھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۸ مترجم' مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین عن عرباض بن ساریہ ص ۵۱۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

اور مجھے اس حال میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے کہ میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں اور آخری کتاب اور اس کے پہلے انبیائے کرام اور آخری نبی مکرم کی تصدیق کرنا میرا فرض ہے [حجازی ابوعمرو اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یا" (مفتوح کے ساتھ) "بَعْدِیَ" پڑھا جاتا ہے اور خلیل اور سیبویہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور "مُصَدِّقًا" اور "مُبَشِّرًا" دونوں رسول کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ اس میں ارسال کا معنی ہے] ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پھر جب ان کے پاس حضرت عیسیٰ اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام روشن معجزات لے کر تشریف لائے تو ﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ انہوں نے کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "سَاحِرٌ" پڑھا جاتا ہے]۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اور اگرچہ کفار ناپسند کریں ○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اگرچہ مشرکین ناپسند کریں ○

۷- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی لوگوں میں اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کا پروردگار اپنے نبی کی زبانی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے' جس میں اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی اور سعادت ہے لیکن اس ظالم نے اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگا دیا اور اس کے مقدس کلام کے بارے میں کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اس کے بندوں کو حق کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ "سحر" کا معنی جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا ہے۔

۸- ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ وہ لوگ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسلام کو مٹانے کے ارادہ سے قرآن مجید میں (هٰذَا سِحْرٌ) کہنے پر ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے' نیز ان کے اس حال کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے منہ سے پھونکیں مار کر سورج کے نور کو بجھانا چاہتا ہو [مفعول محذوف ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يُرِيْدُوْنَ الْكَذِبَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ" وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں تا کہ وہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں یعنی وہ اپنے جھوٹے کلام

کے ساتھ نورِ الٰہی کو بجھانا چاہتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کفار بُرا منائیں [ابن کثیر مکی' حمزہ کوفی' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ''مُتِمُّ نُوْرِهٖ'' اضافت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں ''مُتِمٌّ'' تنوین کے ساتھ اور ''نُوْرَهٗ'' کو نصب کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نور کو پورا کرنے والا اور اس کو اس کی انتہاء تک پہنچانے والا ہے۔

۹- ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین یعنی ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا ہے ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخالف دینوں پر اسلام کو غالب کر دے یعنی اسلام کو سب پر بلند کر دے' اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر کے دکھا دیا' چنانچہ عہد نبوی وصحابہ میں تمام دینوں میں کوئی دین باقی نہیں رہا مگر وہ دین اسلام کے سامنے مغلوب ومقہور ہو گئے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے تو اس وقت تمام روئے زمین پر صرف دینِ اسلام باقی رہ جائے گا ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ اور اگرچہ مشرکین بُرا منائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت پر رہنمائی کر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے O اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ تمہیں دائمی جنتوں میں پاکیزہ مکانات عطا فرمائے گا' یہی بڑی کامیابی ہے O

## جہاد کی اہمیت وفضیلت اور دینِ حق کی مدد کرنے کا بیان

۱۰- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے [ابن عامر شامی کی قراءت میں (نون مفتوح اور جیم مشدد مکسور باب تفعیل سے) ''تُنَجِّيْكُمْ'' ہے]۔

۱۱- ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ ایک الگ مستقل کلام (جملہ

مستانفہ ) ہے گویا مسلمانوں نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم کیسے عمل کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''تُؤْمِنُوْنَ الخ'' اور یہ فعل سیبویہ کے نزدیک بہ معنی امر ''اٰمِنُوْا'' ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) اور اس لیے اس کا جواب (یَغْفِرْ لَکُمْ) کے ارشاد کے ساتھ دیا گیا ہے اور اس معنی کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے کہ ''اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ'' تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اور یہاں امر کی بجائے خبر کے لفظ سے فعل اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ اس کی تعمیل واجب وضروری ہے گویا صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہو چکے ہیں' اب تو اللہ تعالیٰ ان میں موجود ایمان اور جہاد کی صرف خبر سنا رہا ہے ﴿ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے یعنی جس ایمان اور جہاد کا ذکر کیا گیا ہے' یہ تمہارے مالوں سے اور تمہاری جانوں سے تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو کہ بے شک یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تو پھر اس وقت یہ تمہارے لیے بہت بہترین ثابت ہو گیا کیونکہ جب تم اس پر عمل کرو گے اور اس کی سچائی پر اعتقاد رکھو گے تو تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کی محبت سے بڑھ کر ایمان اور جہاد سے محبت کرو گے تو پھر مخلص بن جاؤ اور تم کامیاب وکامران ہو جاؤ۔

۱۲ - ﴿یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ محلات عطا فرمائے گا یعنی ہمیشہ قائم ودائم اور ثابت وباقی رہنے والی جنتوں میں' چنانچہ جب کوئی آدمی کسی مکان میں مستقل قیام پذیر اور رہائش پذیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''عَدَنَ بِالْمَکَانِ'' کہ فلاں آدمی اس مکان میں مستقل ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو گیا' اسی طرح کہا گیا ہے: ﴿ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ
لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۭ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ
اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدْنَا
ع ۲ ۵ ۱۰ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع

اور ایک دوسری نعمت عطا فرمائے گا جسے تم پسند کرتے ہو' (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح عنقریب حاصل ہونے والی ہے' اور آپ مسلمانوں کو خوش خبری سنا دیں ○ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی طرف میرے مددگار کون ہیں' حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار ہیں' سو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا' پھر ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد فرمائی' پس وہ غالب ہو گئے ○

١٣ - ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا﴾ اور ایک دوسری نعمت (تمہیں عطا کی جانے والی ہے) جسے تم بہت چاہتے ہو (یعنی) آخرت میں اجروثواب اور مغفرت وبخشش کی ملنے والی مذکورہ بالا نعمت کے ساتھ ایک اور نعمت اس دنیا میں تمہیں عطا کی جانے والی ہے جو تمہیں بہت محبوب و پسند ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتوضیح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و مدد اور فتح و کامیابی عنقریب ملنے والی ہے یعنی بہت جلد ملنے والی ہے اور وہ فتح مکہ اور قریش مکہ کے خلاف نصرت و مدد مراد ہے یا پھر فارس اور روم کی فتح مراد ہے اور ''تُحِبُّوْنَهَا'' میں دنیوی نعمت کی محبت پر کچھ زجروتوبیخ اور ڈانٹنا بھی ہے اور صاحب کشاف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی تجارت بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے اور کیا میں تمہیں دوسری تجارت بتادوں جس کو تم بہت چاہتے اور پسند کرتے ہو' پھر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح ہے ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوش خبری سنادیں [یہ ''تُؤْمِنُوْنَ'' پر معطوف ہے کیونکہ یہ بھی فعل امر کے معنی میں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجروثواب عطا فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور اے اللہ کے رسول! آپ مؤمنوں کو اس کی خوش خبری سنادیں [اور بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ''قُلْ'' پر معطوف ہے جو ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ الخ'' سے پہلے مراد ہے]۔

١٤ - ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ [ابوعمرو اور حجازی کی قراءت میں ''اَنْصَارًا لِلّٰهِ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ جیسا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرے مددگار کون ہیں' بہ ظاہر یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ'' کہنے پر حواری ان کے مددگار بن گئے' لیکن یہ تشبیہ معنی پر محمول ہے یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کے دین کے اس طرح مددگار بن جاؤ' جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار بن گئے' جب انہوں نے ان سے فرمایا: ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے لشکر میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف متوجہ ہوتا کہ یہ حواریوں کے جواب کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے: ﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں یعنی ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے اور ''مَنْ اَنْصَارِیْ'' کا معنی ہے کہ وہ کون سے مددگار ہیں جو میرے ساتھ مخصوص ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے میں میرے ساتھ شامل ہو جائیں اور حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص و برگزیدہ ساتھی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے تھے اور یہ کل بارہ (١٢) آدمی تھے اور کسی آدمی کا حواری وہ ہوتا ہے جو خالص و مخلص ساتھی ہو اور یہ ''حـــور'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: خالص سفید اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر صاف ستھرا اور سفید و چمک دار کر دیتے تھے ﴿فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا ﴿وَكَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ﴾ اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا ﴿فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ﴾ سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد کی اور ہم نے ان میں سے مسلمانوں کو کفار پر تقویت پہنچا کر غالب کر دیا ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ﴾ پس وہ مسلمان ان کفار پر غالب ہو گئے۔

سورۃ الجمعۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۱۱ رکوعاتہا ۲

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی گیارہ آیات' دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ وَّاٰخَرِيْنَ
مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کرتا ہے جو بڑا بادشاہ ہر عیب سے پاک سب پر غالب بہت حکمت والا ہے○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج دیا وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتے ہیں اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے○ اور وہ ان میں سے اَوروں کو پاک کرتے اور تعلیم دیتے ہیں جو ابھی تک ان پہلے لوگوں سے نہیں ملے' اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے○ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل وکرم والا ہے○

## اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا بیان

۱۔ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتی ہے جو سب کا بادشاہ ہے' ہر عیب سے پاک ہے' بہت غالب ہے' بڑا حکمت والا ہے۔ اس تسبیح سے یا خلقی تسبیح مراد ہے یعنی جب تم ہر چیز کو غور سے دیکھو تو اس کی خلقت اور اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اس کے ہر عیب سے پاک ہونے پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے یا معرفت کی تسبیح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ایک ایسی قوت و ذہانت اور استعداد وصلاحیت اپنے فضل وکرم اور اپنی مہربانی سے پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کو پہچانتی ہے اور اسے ہر عیب سے منزہ اور پاک قرار دیتی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' (الاسراء:۴۴) ''اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے'' یا یہ ''ضرورۃ'' کی تسبیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر جوہر پر تسبیح کو جاری کر دیتا ہے' اسے اس کی معرفت عطا کیے بغیر۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ایک عظیم الشان رسول انہیں میں سے بھیجا یعنی اللہ تعالیٰ نے اَن پڑھ قوم میں ایک ایسے باعظمت آدمی کو مبعوث فرمایا جو بے پڑھے علوم وحی کا رازدان ہے[1] اور بعض علماء کا قول ہے کہ ''مِنْهُمْ'' ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنْ اَنْفُسِكُمْ'' (التوبہ:۱۲۸) کی طرح ہے کہ آپ بنی

[1] علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اُمی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوعِ انسان میں سے ہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کے حسب ونسب کو جانتے ہیں اور آپ کے احوال سے بہ خوبی واقف ہیں اور آپ کا لقب اُمی اس لیے ہے کہ آپ اُمۃ العرب کی طرف منسوب ہیں کیونکہ وہ لوگ نہ لکھتے تھے اور نہ وہ پڑھتے تھے اور بعض اہلِ علم حضرات نے کہا کہ کتابت (لکھنا) طائف میں شروع ہوا تھا اور وہاں کے لوگ حیرہ والوں سے لکھنا سیکھتے تھے اور حیرہ والے انبار والوں سے سیکھتے تھے ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ﴾ آپ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں (یعنی) انہیں قرآن مجید پڑھ کر سناتے ہیں ﴿ وَیُزَكِّیْهِمْ ﴾ اور آپ ان کو کفر وشرک اور جاہلیت کی دیگر خباثتوں اور گناہوں کی گندگیوں سے پاک کرتے ہیں ﴿ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ اور آپ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور آپ حکمت یعنی سنت یا دین میں فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اور بے شک حضرت محمد مصطفےٰ سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے (یعنی) کفر وشرک اور جہالت کی تاریکی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم ومعارف سے لبریز کر دیتا ہے تو اسے تحصیلِ علم کے مروّجہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ ''اِشَارَةٌ اِلٰی عَظِیْمِ قُدْرَتِهٖ عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّ اِفَاضَةَ الْعُلُوْمِ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَی الْاَسْبَابِ الْعَادِیَةِ'' اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: اُمی ولی بھی ہو سکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوارِ الٰہیہ کا القاء کیا جاتا ہے اور انہیں انوار سے وہ علومِ ربانیہ اور معارفِ لدنیہ کا ادراک کر سکتا ہے: ''وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَلَصَتْ رُوْحُهٗ اُفِیْضَ اِلٰی قَلْبِهٖ اَنْوَارُ اِلٰهِیَّةٍ تَهَیَّاَتْ بِهَا بِاِدْرَاكِ الْعُلُوْمِ الرَّبَّانِیَّةِ وَالْمَعَارِفِ اللَّدُنِّیَّةِ'' علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب لکھا ہے: ''لَمْ یَحْتَجْ اِلَیْهِ مَنْ كَانَ الْقَلَمُ الْاَعْلٰی یَخْدُمُهٗ وَاللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ مُصْحَفُهٗ وَمَنْظَرُهٗ وَعَدَمُ كِتَابَةٍ مَعَ عِلْمِهٖ بِهَا مُعْجِزَةٌ بَاهِرَةٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ'' یعنی قلمِ اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوحِ محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو لکھنے اور پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح اور روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے لکھا ہے:

فیض ام الکتاب پرورش — لقب اُمی ازاں خدا کردش

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی رکھا ہے۔

لوحِ تعلیم ناگرفتہ بہ بر — ہمہ ز اسرارِ لوح دادہ خبر

اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوحِ محفوظ کے تمام رازوں کی خبر دی ہے۔

برخط اوست انس وجاں را سر — کہ نہ خواندست خط ازاں چہ حذر

انس وجن نے حضور کے خط پر اپنے سر رکھ دیئے ہیں اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور ﷺ کو امی مبعوث کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھا رہے ہیں' وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جب اہلِ نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا' کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا' پھر جو حکیمانہ کلام آپ سناتے ہیں یہ آپ کا اپنا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۱-۲۳۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ امیّین میں مبعوث ہوئے' دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں بعثت ہوئی تھی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ کثرتِ امت کی وجہ سے آپ کو امی کہا جاتا ہے' یہ اصل میں امتی ہے' پھر ''تا'' کو گرا دیا گیا جیسے مکی اور مدنی سے ''تا'' کو گرا دیا گیا ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۵)

میں مبتلا تھے یعنی وہ لوگ اتنی بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے کہ تم اس سے بڑھ کر کوئی گمراہی کبھی نہیں دیکھو گے [ ''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے اور اس کی دلیل لام ہے جو ''اِنْ'' نافیہ اور مخففہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے]۔

۳۔ ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ اور حضور ان میں سے دوسروں کو تعلیم دیتے اور پاک کرتے ہیں [''اخرین'' کا ''الامیین'' پر عطف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو امیین میں بھیجا جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور دوسروں میں مبعوث فرمایا جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے یعنی وہ دوسرے لوگ ابھی تک ان سے نہیں ملے اور عنقریب وہ ان سے ملیں گے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین ہیں یا پھر صحابہ کرام کے بعد قیامت کے دن تک آنے والے مسلمان مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ عجم کے لوگ مراد ہیں [یا یہ ''يُعَلِّمُهُمْ'' کی ضمیر مفعول منصوب پر معطوف ہے] یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل مکہ کو تعلیم دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اس لیے کہ جب آپ کی تعلیم مسلسل ترتیب سے آخر زمان تک جاری رہے گی تو تمام کی تعلیم اوّل ہی کی طرف منسوب ہوگی تو گویا آپ سب کے متولی ہیں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ سب پر غالب بڑا حکمت والا ہے جس نے اپنی حکمتِ کاملہ کے تحت اس عظیم تبلیغی کام کے لیے ایک اُمی مرد کو مقرر فرما دیا اور اس کو تمام انسانوں میں سے منتخب کر لیا ہے اور کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لیے اپنے حبیب کی تائید فرما دی۔

٤۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ فضل وکرم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا کہ آپ اپنے زمانہ میں تمام انسانوں وغیرہم کے نبی ہیں اور قیامت تک مستقبل میں تمام انسانوں وغیرہم کے بھی آپ ہی نبی ہیں سو یہ ﴿فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے جس کے لیے اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ
بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷
قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
ع ۸ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

ان لوگوں کی مثال جن کو تورات (پر عمل پیرا ہونے) کا حامل بنایا گیا' پھر انہوں نے اس (پر عمل پیرا ہونے) کا بوجھ نہ اٹھایا اس گدھے کی طرح ہے جس نے بھاری کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو' ان لوگوں کی مثال بہت زیادہ بُری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا' اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے

ہوO اور وہ لوگ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہےO (اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے' پھر تمہیں ہر مخفی اور ظاہر چیزوں کو خوب جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس پھیرا جائے گا' سو وہ تمہیں سب بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھےO

## یہودیوں کی بدعقیدگی اور بدعملی پر مذمت

۵- ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ﴾ ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا (یعنی) جن کو تورات کا علم حاصل کرنا اور اس کے احکام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا مکلف و ذمہ دار بنایا گیا ﴿ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا﴾ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (یعنی) پھر انہوں نے اس کی تعلیمات و احکام پر عمل نہیں کیا تو گویا انہوں نے اسے نہیں اٹھایا ﴿کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ﴾ اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابوں کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا ہو ["اَسْفَار" "سفر" کی جمع ہے اور اس سے بڑی بڑی کتابیں اٹھانا مراد ہیں اور "یَحْمِلُ" حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا صفت کی بناء پر مجرور ہے کیونکہ "الحمار"، "اللئیم" کی طرح موصوف ہے' جیسے شاعر کا قول ہے: "وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ" اور بے شک میں ایک ایسے بخیل و ذلیل شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے] یہودیوں کو تورات کا حامل بنایا گیا اور اس کو پڑھنے اور اس کے احکام یاد کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا' جس پر انہوں نے نہ تو عمل کیا اور نہ انہوں نے اس کی آیات سے فائدہ اٹھایا اور یہ اس لیے کہ اس تورات میں رسول اکرم نبی محترم ﷺ کی نعت اور آپ کی آمد کی بشارت مذکور تھی' لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لائے تو ان کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس پر علم کی کتب میں سے بڑی بڑی وزنی اور بھاری کتابوں کا بوجھ ڈال دیا گیا' پس وہ اس بوجھ کو اٹھا کر چلتا پھرتا ہے' لیکن اسے ان کتابوں میں سے کچھ معلوم نہیں' ماسوا اس کے کہ وہ اپنی پشت اور اپنے پہلوں پر بوجھ اٹھانے کے سبب مشقت و تکلیف برداشت کرتا ہوا چلتا رہتا ہے اور ہر وہ آدمی جس نے علم حاصل کیا اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا تو وہ بھی گدھے کی طرح ہے ﴿بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ﴾ بہت زیادہ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا "اَیْ بِئْسَ مَثَلًا مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ" یعنی سب سے زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا' یا یہ معنی ہے کہ بہت زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جو ان ہی کی طرح جھٹلانے والے ہیں اور وہ یہودی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو جھٹلایا جو سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی تھیں ﴿وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جس وقت لوگ ظلم و ستم اختیار کر لیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس وقت ان کو ظلم کی بناء پر ہدایت عطا نہیں کرتا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کے بارے میں پہلے سے (ازل میں) اس کے علم میں ہے کہ یہ ظالم ہوں گے۔

۶-۷- ﴿قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ ہَادُوۡۤا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے وہ لوگو! جو یہودی ہو گئے ہو۔ یہ "ھاد یھود" سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی یہودی ہو جاتا ہے ﴿اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ دیگر لوگوں کے سوا صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو' کیونکہ وہ کہتے تھے: "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ" (المائدہ:۱۸) "ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں"' یعنی اگر تمہارا یہ کہنا سچ ہے اور تم یقین و اعتماد پر قائم ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمنا اور آرزو پیش کرو کہ وہ تمہیں

موت دے دے اور بہت جلد تمہیں اپنی عزت و کرامت کے گھر میں منتقل کر دے' جس کو اُس نے اپنے دوستوں اور پیاروں کے لیے تیار کر رکھا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اور وہ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی کفر و شرک کے سبب جو انہوں نے آگے بھیجا [اور حرف ''لَا'' اور حرف ''لَنْ'' کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے مگر حرف ''لَنْ'' میں تاکید اور مبالغہ ہوتا ہے جب کہ حرف ''لَا'' میں یہ چیز نہیں ہوتی' چنانچہ کبھی اس کو لفظ تاکید کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے ''وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ'' (البقرہ:۹۵) اور کبھی لفظ تاکید کے بغیر لایا جاتا ہے جیسے ''وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ''] ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ جملہ ظالموں کے لیے وعید اور دھمکی ہے۔

۸- ﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک جس موت سے تم بھاگ رہے ہو اور تم اس کی تمنا کرنے کی جراءت نہیں کرتے ہو' محض اس خوف و ڈر سے کہ کہیں تمہیں تمہارے کفر کے وبال کی بناء پر پکڑ لیا جائے ﴿ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ﴾ تو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے [اور یہ جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس پر حرف ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''اَلَّذِيْ'' شرط کے معنی کو متضمن ہے] ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر تمہیں باطن و ظاہر ہر چیز کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا جائے گا' سو وہ تمہیں سب ایسے اعمال بتا دے گا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے اور وہ تمہیں سزا دے گا جس کے تم اہل ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا رَاَوْا
تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ
اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ ع

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور تم خرید و فروخت کو چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O پھر جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تم اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو O اور جب انہوں نے کسی تجارت یا کھیل کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور انہوں نے آپ کو کھڑا چھوڑ دیا' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہت بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O

## نمازِ جمعۃ المبارک کی فرضیت و اہمیت کا بیان

۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے (تو فوراً حاضر ہو جاؤ)۔ ''النداء'' سے اذان مراد ہے اور ''مِنْ'' کا حرف ''اِذَا'' کا بیان اور اس کی تفسیر ہے اور

جمعۃ المبارک کا دن تمام دنوں کا سردار ہے[1]

اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ مَّاتَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ اَجْرَ شَہِیْدٍ وَّوُقِیَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ'' جو شخص جمعہ

1. زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا' بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جدامجد حضرت کعب بن لؤی اس روز قریش کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و آمد کی خوش خبری سناتے اور انہیں تاکید کرتے کہ وہ حضور پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں اور حضور کی نصرت و مدد میں غفلت سے کام نہ لیں' ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے:

یَالَیْتَنِیْ شَاہِدًا نَجْوٰی دَعْوَتِہٖ اِذَا قُرَیْشٌ تَبْتَغِ الْحَقَّ خُذْلَانًا

کاش! میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام ''یَوْمُ الْجُمُعَۃِ'' رکھا لیکن اس نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی' اہلِ عرب اسے ''یَوْمُ الْعُرُوْبَۃِ'' ہی کہتے رہے۔ حضرت کعب بن لؤی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ سے مدینہ منورہ کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا' ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن (''یوم السبت'' یعنی سنیچر) میں مل کر عبادت کرتے ہیں' اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں' ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کر لیں' اس دن چھوٹے بڑے سب مل کر اور جمع ہو کر اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں' نماز پڑھیں اور اس کا شکر ادا کریں' انہوں نے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا' چنانچہ اس روز مدینہ منورہ کے سارے مسلمان جمع ہوئے اور حضرت اسعد بن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی' یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب بن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ! ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما' چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف رہنمائی کی' ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت' ذکر اور شکر ادا کرنے کے لیے مخصوص کرنا چاہیے' دوسری چیز یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے تاکہ ہماری ملّی انفرادیت برقرار اور نمایاں رہے' یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے ''یوم الجمعۃ'' ہو گیا اور اسی نام کو پھر مقبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی' پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ پیر' منگل' بدھ' جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے' جب بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا اور خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور نمازِ جمعہ پڑھائی' یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمایا۔ (ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۵) (نوٹ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۷۸' مطبوعہ دہلی' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴۱' تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۹۹۔ ۱۰۰' مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''جُمُعَۃٌ'' کا لفظ ''جَمْعٌ'' سے مشتق ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی' چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے' چھٹا دن جمعہ کا تھا' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے' اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے' اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس وقت مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے۔ چند سطور بعد لکھتے ہیں: اس دن کو پہلے ''یوم العروبہ'' کہا جاتا تھا' پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن عطا کیا گیا تھا لیکن جمعہ کے دن کی ہدایت کسی کو نہیں دی گئی' یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے دن فوت ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک شہید کا اجر و ثواب لکھ دیتا ہے اور اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے[1]
﴿فَاسْعَوْا﴾ سوئم (جمعہ کی اذان سنتے ہی) فوراً چل پڑو۔ اور ایک قراءت میں ''فَاسْعَوْا'' کی بجائے ''فَامْضُوْا'' پڑھا گیا ہے اور (علم نحو کے امام) فرّاء نے کہا کہ ''سَعْیٌ'' اور ''مَضِیٌّ'' اور ''ذِهَابٌ'' سب کا ایک معنی ہے: جانا' تو ''فَامْضُوْا'' کا معنی ہے: پس تم چلے جاؤ۔ یہاں سعی سے دوڑ کر یا بہت جلد بازی سے جانا مراد نہیں (بلکہ پہلی اذان ہوتے ہی فوراً بغیر کسی تاخیر کے مسجد کی طرف چلے جانا چاہیے) ﴿اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف (چل پڑو) یعنی جمعۃ المبارک کے خطبہ کی طرف جاؤ اور جمہور کے نزدیک یہی مراد ہے اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے یہ استدلال کیا کہ خطیب اپنے خطبہ میں جب صرف ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پڑھنے پر اکتفاء کر لے تو یہ جائز ہے (کیونکہ اتنے کلام سے ذکر اللہ ادا ہو جاتا ہے) ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ اور تم خرید فروخت چھوڑ دو۔ امر سے مراد دنیا کے مشاغل میں سے ہر وہ شغل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے' اُسے ترک کرنا اور چھوڑنا لازم اور واجب ہے اور دنیا کے دیگر معاملات میں سے صرف بیع (یعنی خرید و فروخت) کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن میں زوال کے وقت خرید و فروخت کثرت سے ہوتی ہے' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا کہ تم آخرت کی تجارت میں جلدی کرو اور دنیا کی تجارت اس وقت چھوڑ دو اور تم اللہ تعالیٰ کے اس ذکر کی طرف جلدی سے جاؤ جس سے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے اور تم اس خرید و فروخت کو چھوڑ دو جس کا نفع بہت کم ہے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ یعنی اذان سنتے ہی فوراً اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلے جانا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے خرید و فروخت سے بہت بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو۔

١٠- ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ پھر جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو تم (حصولِ رزق کے لیے) زمین میں پھیل جاؤ۔ یہ حکم اباحت و اجازت کے لیے ہے (کہ کاروبار کی ممانعت پہلی اذان سے نمازِ جمعہ کی ادائیگی تک تھی) ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو یا علم کی طلب میں نکلو یا بیمار کی عیادت یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی مسلمان بھائی کی زیارت کرنے نکلو ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو' اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نمازِ جمعہ کے ادا کرنے کے لیے جو توفیق عطا فرمائی ہے' اس پر تم اس کا شکر ادا کرو ﴿لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح اور نجات حاصل کر لو۔

١١- ﴿وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا﴾ اور جب انہوں نے کسی تجارت کو یا کھیل تماشا کو دیکھا تو وہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شروع بھی نہیں ہوئی تھی' نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتداء ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جمعۃ المبارک کو منتخب اور پسند فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ٦٦ مترجم' ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

عارف باللہ علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

اس روز کو جمعۃ المبارک اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں نمازِ جمعہ کے لیے مساجد میں لوگوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اہل عرب نے پہلے اس کو ''یوم العروبہ'' کا نام دے رکھا تھا اور یاد رکھو کہ تمام راتوں میں افضل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات ہے' پھر شب قدر' پھر شب معراج' پھر شب عرفہ' پھر شب جمعہ' پھر شب براءت نصف شعبان کی رات' پھر شب عید۔

(تفسیر صاوی ج ۴ ص ١٩٦' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

[1] رواہ ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ۴۱۱۳' ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ١٥٥

کی طرف دوڑ پڑے (یعنی) وہ آپ کو چھوڑ کر اس کی طرف منتشر ہو گئے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَاِذَا رَاَوْا
تِجَارَةً انْفَضُّوْا اِلَيْهَا (اَوْ لَهْوًا) انْفَضُّوْا اِلَيْهِ" پھر ان دونوں میں سے ایک حذف کر دیا گیا کیونکہ مذکور محذوف
پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تجارت کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ ان لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت والی ہے۔
مدینہ والوں کو ایک دفعہ قحط سالی، خشک سالی اور فقر و فاقہ اور مہنگائی نے گھیر لیا اسی دوران جمعہ کے دن دحیہ بن خلیفہ کلبی ملک
شام سے تجارت کر کے زیتون کا تیل وغیرہ لایا اور اس وقت حضور نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے (جب اعلان
ہوا) تو خطبہ سننے والے مسلمان اس کی طرف چلے گئے ماسوا آٹھ یا بارہ آدمیوں کے باقی سب مسجد سے باہر نکل گئے۔ حضور
سید عالم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تمام
لوگ باہر نکل جاتے تو ان پر اللہ تعالیٰ آگ برساتا، جس سے مدینہ کی ساری وادی بھر جاتی۔[1] دراصل جب کوئی سامان تجارت کا
قافلہ آتا تو لوگ رسم و رواج کے مطابق ڈھول بجا کر اور تالیاں بجا کر اس کا استقبال کرتے تھے اور اس آیت مبارکہ میں
"لھو" سے یہی مراد ہے ﴿وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ﴾ اور وہ لوگ آپ کو منبر پر کھڑا چھوڑ جاتے جب کہ آپ خطبہ سنا رہے ہوتے
تھے اور یہ کلام مبارک اس بات کی دلیل ہے کہ خطیب کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کھڑے ہو کر خطبہ سنائے ﴿قُلْ مَا عِنْدَ
اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر و
ثواب ہے، وہ کھیل تماشے اور سامانِ تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام رزق دینے والوں سے بہت بہتر رزق دینے
والا ہے یعنی جمعہ کے وقت خرید و فروخت ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا رزق ان لوگوں سے ختم اور ضائع نہیں ہوتا کیونکہ
وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| سورۃ المنافقون مدنیۃ ۶۳ — ۱۰۴ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | رکوعاتہا ۲ |

سورۃ المنافقون مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی گیارہ آیات، دو رکوع ہیں

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وقف لازم
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ۝١ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ز
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤

(اے محبوب!) جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں،

---

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۶

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں' اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے' سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' بے شک وہ بہت بُرے کام کر رہے ہیں○ یہ اس لیے کہ بے شک وہ زبان سے ایمان لائے' پھر دل سے کفر کیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' پس وہ نہیں سمجھتے○ اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو اچھے لگیں گے' اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنیں گے' گویا وہ بے کار لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ لگا دی گئیں' وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر گمان کرتے ہیں' وہ تو دشمن ہیں' سو آپ ان سے ہوشیار رہیں' اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے' کہاں بہکے جا رہے ہیں○

## منافقوں کی منافقانہ چالوں اور ان کی دشمنی کا بیان

۱- ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ ﴾ جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (یعنی) ان کی مراد گواہی دینا ہے حالانکہ اس میں ان کے دل ان کی زبانوں کے خلاف اور ان سے دور ہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک بات ایسی ہی ہے جس طرح ان کا یہ قول اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ''اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق لوگ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ان کے دل ان کی زبانوں کے موافق ہیں یا یہ کہ بے شک وہ گواہی میں جھوٹے ہیں کیونکہ جب گواہی دل اور زبان کی مطابقت سے خالی ہو تو وہ حقیقت میں گواہی نہیں ہوتی' پس وہ زبانی اقرار کو گواہی کا نام دینے میں جھوٹے ہیں یا یہ کہ بے شک وہ اپنے دلوں میں بھی جھوٹے ہیں کیونکہ وہ یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا ''اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہنا جھوٹ ہے اور خبر اس کے خلاف ہے جس پر مخبر عنہ کا حال ہے۔

۲- ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ انہوں نے قید و بند اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''اَشْهَدُ'' کہنا قسم ہے ﴿ فَصَدُّوْا ﴾ ''الناس'' ﴿ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''عن الاسلام بالتفقير والقاء الشبه'' سو انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام سے نفرت دلا کر اور شکوک و شبہات ڈال کر روک دیا ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ اپنے نفاق اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کے ذریعے بہت بُرے عمل کر رہے ہیں اور ''سَآءَ'' میں تعجب کا معنی ہے' جس سے مقصود سامعین کے نزدیک ان کے معاملہ کو بڑا خطرناک ہونا ثابت کرنا ہے۔

۳- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ''سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' میں مذکور ان کے بُرے اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ گواہی والی بات خود ان کے خلاف ہے کیونکہ تمام لوگوں میں ان کے اعمال سب سے زیادہ بدترین ہیں ﴿ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے وہ ایمان لائے' پھر کافر ہو گئے' یا ''ذٰلِكَ'' سے ان کے اوصاف بد کی طرف اشارہ ہے جو نفاق' جھوٹ اور ایمان کو چھپانے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں یعنی یہ سب کچھ اس سبب سے ہوا کہ وہ پہلے ایمان لائے یعنی انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر زبانی ایمان کا اظہار کیا اور انہوں نے تمام اعمال اسلامی اسی طرح ادا کیے' جس طرح اسلام میں داخل ایک مسلمان کرتا ہے' پھر انہوں نے کفر کیا کہ اس کے بعد ان کا کفر اس بات سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے کہا: اگر جو کچھ (سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھے ہیں' اور اسی طرح کی دوسری باتیں' یا وہ مسلمانوں کے پاس ایمان کی باتیں کرتے' پھر اپنے شیاطین (سرداروں) کے پاس اسلام کا مذاق اُڑانے کے لیے کفر کی باتیں کرتے' جیسے ارشادِ

باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا'' (البقرہ:١٤) ''اور جب منافقین مسلمانوں سے ملتے تو کہتے: ہم مسلمان ہیں' اور جب اپنے شیاطین (سرداروں) سے ملتے تو کہتے: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں' ہم صرف مذاق اُڑانے کے لیے مسلمانوں کے سامنے اقرار کرتے ہیں○ ﴿ فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ پھر ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی' یہاں تک کہ اب ان کی منافقت کی سزا یہ ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا ﴿ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے اور نہ وہ غور وفکر کرتے ہیں' یا یہ معنی ہے کہ وہ ایمان کی صحت اور اس سچائی کو نہیں پہچانتے۔

٤۔ ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ﴾ اور جب آپ ان کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام آپ کو بھلے معلوم ہوں گے' اور اس آیت مبارکہ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا پھر ہر انسان کے لیے عام خطاب ہے ﴿ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ﴾ اور اگر وہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں سنیں گے۔ دراصل رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول جسیم وجیم' موٹا تازہ اور روشن چہرہ' چمک دار بال' فصیح وبلیغ' چرب زبان شخص تھا اور منافقین کی قوم چرب زبانی میں اسی کی مثل تھی' چنانچہ یہ لوگ جب حضور نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو اس محفل میں دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ لوگ بلند آواز' خوش شکل اور چرب زبان تھے' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے حاضرین ساتھی ان کی شکل و شباہت کو دیکھ کر تعجب کرتے اور حیران ہو جاتے اور ان کے کلام کو بڑے غور سے سنتے ﴿ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ ﴾ گویا وہ لوگ جامد و خشک اور بے کار شہتیر ہیں [یہ محلاً مرفوع (مبتدا محذوف کی خبر) ہے' اصل میں ''هُمْ''، ''كَاَنَّهُمْ'' ہے یا پھر یہ مستانف کلام (الگ مستقل کلام) ہے' اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں] ﴿ مُّسَنَّدَةٌ ﴾ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی کی گئی۔ اس میں منافقین کو خشک اور بے کار لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور یہ لوگ ایمان اور خیر و بھلائی سے خالی اجسام ہیں' جس طرح یہ خشک و بے کار لکڑیاں جو دیوار کے سہارے کھڑی کردی گئیں کیونکہ جب لکڑیوں سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے تو انہیں چھت میں یا دیوار وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں نفع کا گمان ہوتا ہے اور جب ان سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا تو انہیں دیوار کی طرف ٹیک لگا کر چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس لیے کہ منافقین بغیر ارواح کے لاشے ہیں اور بغیر عقول کے اجسام ہیں [ابوعمرو کی قراءت میں عباس اور علی کسائی کے علاوہ ''خُشْبٌ'' (شین ساکن) ہے اور یہ ''خُشْبَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''بُدْنَةٌ'' کی جمع ''بُدْنٌ'' ہے اور ''خُشُبٌ'' (بضمتین) ''خَشَبَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''ثَمَرَةٌ'' کی جمع ''ثُمُرٌ'' ہے] ﴿ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ﴾ وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑتی گمان کرتے ہیں یعنی منافقین ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑنے والی گمان کرتے ہیں اور اسے اپنے لیے ضرر رساں اور نقصان دِہ گمان کرتے ہیں' اپنی بزدلی و کمزوری اور خوف و ڈر کی وجہ سے یعنی جب کوئی پکارنے والا شخص لشکر میں بلند آواز سے پکارتا ہے یا کوئی جانور بھاگ جاتا ہے یا کوئی جانور گم ہو جاتا ہے تو وہ اس کے متعلق یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ انہیں پر پڑنے والا ہے [''كل صيحة'' پہلا مفعول ہے اور ''عليهم'' دوسرا مفعول ہے اور اس پر کلام تام ہو جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ هُمُ الْعَدُوُّ ﴾ وہ تو دشمن ہیں یعنی وہ لوگ عداوت و دشمنی میں پکے اور پورے دشمن ہیں کیونکہ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو نقصان پہنچانے اور تیری کمر توڑنے اور ذلیل وخوار کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے ﴿ فَاحْذَرْهُمْ ﴾ سو آپ ان سے ہوشیار رہیے اور ان کے ظاہر سے دھوکا نہ کھایئے ﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ یہ ان کے خلاف دعائے ضرر ہے یا یہ مسلمانوں کے لیے تعلیم ہے کہ وہ ان کے خلاف اس جملہ کے ساتھ بددعا کریں ﴿ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ وہ کدھر پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے کیسے پھرے جا رہے ہیں' یہ ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کیا گیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

اور جب ان سے کہا جاتا: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے معافی کی دعا کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں O ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا آپ ان کے لیے مغفرت طلب نہ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا' بے شک اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

## عبداللہ بن اُبیّ کا توبہ سے انکار اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخی

۵- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ آؤ! تمہارے لیے رسول اللہ معافی طلب کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں' وہ معافی مانگنے سے روگردانی کرنے اور تکبر کرنے کے لیے اپنے سروں کو ہلاتے اور انہیں مٹکاتے ہیں [نافع مدنی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "لَــوَوْا" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ روگردانی کرتے ہیں (یعنی) وہ منہ پھیر لیتے ہیں ["یَصُدُّوْنَ" بہ معنی "یُعْرِضُوْنَ" ہے] ﴿وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ معذرت کرنے اور معافی مانگنے سے تکبر کرنے والے ہیں۔

شانِ نزول: حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کے ایک چشمہ مریسیع نامی کے پاس قبیلہ بنی مصطلق سے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان کو قتل کیا' پھر بعد ازاں اس چشمہ کے پانی لینے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملازم جہجاہ اور عبداللہ ابن ابی کے ساتھی سنان جہنی کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور دونوں آپس میں لڑ پڑے اور جہجاہ نے چیخ کر مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا' جب کہ سنان جہنی نے انصار کو پکارا' چنانچہ فقراء مہاجرین میں سے جعال جہجاہ کی مدد کو پہنچ گئے اور سنان کو ایک تھپڑ مار دیا' جس پر عبداللہ بن اُبی نے آ کر جعال سے کہا کہ تم غریب و فقیر ہو کر بھی ہمارے آدمی کو مارنے لگے ہو' اور پھر بکواس کرتے ہوئے کہا: ہم نے (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کی صحبت و سنگت اس لیے اختیار نہیں کی کہ ہمیں طمانچے اور تھپڑ رسید کیے جائیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! ہماری اور ان مسلمانوں کی مثال تو اس طرح ہے جس طرح کسی نے کہا ہے کہ تم اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا کر لو' وہ تمہی کو کاٹے گا' پھر اس نے ساتھیوں سے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا' اور زیادہ عزت دار سے اپنے آپ کو مراد لیا اور زیادہ ذلیل (نعوذ باللہ من ذالک) سے رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا' پھر اس نے قوم سے کہا: اگر تم جعال اور اس کے ساتھیوں پر اپنا بچا ہوا کھانا دینا بند کر دو تو وہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں' سو تم آئندہ ان لوگوں پر اپنا خرچ بند کر دو اور ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ لوگ (حضور) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اردگرد سے منتشر ہو جائیں اور اس کی یہ ساری بکواس حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لی اور یہ اس وقت جوشیلے نوجوان تھے تو انہوں نے کہا: اے عبداللہ ابن ابی! اللہ تعالیٰ کی قسم! تو ذلیل بھی ہے اور قلیل و کمتر بھی ہے' تو اپنی قوم میں بغض و کینہ ڈالنے والا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے معزز ترین ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی آپ کو قوت و عزت حاصل ہے۔ اس پر

عبداللہ بن ابی نے حضرت زید سے کہا: خاموش ہو جاؤ! اور چپ رہو سو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا' چنانچہ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری حقیقت حال بیان کی' جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں' مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر تو یثرب (مدینہ) میں بہت سے ناک رگڑے جائیں گے' حضرت عمر نے عرض کیا: اگر آپ اس کو کسی مہاجر سے قتل کرانا ناپسند کرتے ہیں تو آپ کسی انصاری کو حکم دیجئے' آپ نے فرمایا: یہ کیسے! تب تو لوگ باتیں بنا کر کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں' پھر حضور نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر فرمایا کہ تو نے وہ باتیں کہی ہیں جو تیرے متعلق مجھے پہنچی ہیں' اس نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا' میں نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کہی اور بے شک زید جھوٹا ہے' اور ''اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً'' سے اس کی یہی قسم والی بات مراد ہے' چنانچہ اس کے تمام ساتھی حاضرین نے کہا: عبداللہ ہمارے بزرگ اور ہمارے بڑے اور عمر رسیدہ ہیں' ان کے خلاف ایک نوجوان کی بات کی تصدیق نہ کیجئے' ممکن ہے اسے وہم ہوا ہو اور غلطی لگی ہو' پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: اے نوجوان! بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے اور منافقین کی تکذیب کی ہے' جب عبداللہ بن ابی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تیرے خلاف سخت آیات نازل ہو چکی ہیں' لہٰذا تو رسول اکرم نور مجسم نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں جا' تاکہ آپ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت و بخشش کی دعا کریں تو اس نے تکبر سے اپنا سر گھمایا اور انکار کر دیا تو یہ آیت مبارکہ ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' نازل ہوئی اور اس کے بعد وہ چند روز زندہ رہا یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور مر گیا[1]

٦- ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے استغفار کریں یا آپ ان کے لیے استغفار نہ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یعنی جب تک وہ لوگ اپنی منافقت پر قائم رہیں گے' ان کی بخشش نہیں ہو گی اور معنی یہ ہے کہ استغفار کرنا نہ کرنا ان کے حق میں برابر ہے کیونکہ وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اپنے کفر کی وجہ سے اس کو معتبر نہیں سمجھتے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا ['' اٰسْتَغْفَرْتَ '' بھی پڑھا گیا' ہمزہ مفتوح استفہام کو حذف کر کے ہمزہ وصل مکسور کے ساتھ کیونکہ ''اَمْ'' معادلہ ہے جس پر درج ذیل دلالت کرتا ہے] یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر اور نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨ ع

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں' اور

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۷' واصل القصۃ فی الصحیحین

تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور لیکن منافقین نہیں سمجھتے O وہ کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مؤمنوں ہی کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O

۷- ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور متفرق ہو کر یہاں سے چلے جائیں ﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی رزق عطا کرنے اور تقسیم کرنے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں پس وہی اپنے خزانے میں سے ان کو رزق عطا کرے گا اگرچہ اہل مدینہ ان پر خرچ کرنے سے انکار کرتے ہیں ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں سمجھتے (یعنی) عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جاہل ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے پس وہ وہی کچھ بکتے ہیں جو کچھ شیطان ان کے لیے آراستہ کرتا ہے۔

۸- ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ وہ کہتے ہیں: اگر ہم غزوۂ بنی مصطلق سے واپس مدینہ لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلت والے کو یہاں سے نکال دے گا ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ﴾ اور عزت یعنی غلبہ اور قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے اور جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے اور اسے قوت و تائید عطا فرمائے اور وہ اس کے رسول اور مسلمان ہیں اور وہی اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ ذلت و رسوائی اور اہانت شیطان کے لیے ہے اور اس کے ساتھی کفار و منافقین کے لیے ہے۔

ایک نیک اور بزرگ خاتون سے منقول ہے کہ کسی نے اسے معمولی حالت میں اور سادہ اور پرانے لباس میں دیکھا تو کہا: کیا آپ مسلمان نہیں ہیں اور عزت وہی ہے جس کے ساتھ ذلت نہ ہو اور غناء وہی ہے جس کے ساتھ فقر و فاقہ نہ ہو۔ حضرت حسن ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ میں تکبر و غرور ہے (آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں) فرمایا: یہ تکبر و غرور کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت اور وقار ہے اور انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں جانتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ یہ کریں گے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہوں گے O اور ہم نے جو کچھ رزق تمہیں عطا کیا ہے تم اس میں سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی مدت اور کیوں نہیں دی پس میں صدقہ خیرات کر لیتا اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا O اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں

دے گا جب اس کی اجل (موت کا وقت) آ جائے گی' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خوب خبردار ہے O

## ذکر الٰہی سے غفلت کی ممانعت اور موت سے پہلے صدقہ خیرات کرنے کا حکم

٩- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تمہارے اموال تمہیں (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے) غافل نہ کردیں' نہ تمہیں مشغول کردیں کہ اس میں تصرف کرنے اور اس کے اُمور کی تدبیر میں کوشاں رہنے اور اس کی ترقی و اضافے اور منافع کمانے میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ﴾ اور نہ تمہاری اولاد اور تم ان کے ساتھ مشغول و مسرور ہونے اور ان پر شفقت و مہربانی کرنے اور ان کی خوراک کے انتظام کرنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یعنی پنجگانہ نمازوں سے یا قرآن مجید سے (غافل نہ ہو جاؤ) ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ﴾ اور جو یہ کام کریں گے' اس سے مراد دین سے غافل ہو کر دنیا میں مشغول ہو جانا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو اپنی اولاد کی اخروی اصلاح سے غافل ہو کر اپنے اموال کے بڑھانے میں اور اس کے احوال کی تدبیر کرنے میں اور اپنی اولاد کی خوشنودی میں مشغول ہو جائے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ سو یہی لوگ اپنی تجارت میں نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے فانی کے عوض میں باقی کو فروخت کر دیا۔

١٠- ﴿ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ اور ہم نے تمہیں جو کچھ رزق عطا کیا ہے' تم اس میں سے کچھ خرچ کرو [حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] خرچ سے واجب و لازمی صدقہ مراد ہے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے یعنی موت کے دلائل اور علامات دیکھنے سے پہلے اور اس مہلت کا مشاہدہ کرنے سے پہلے جس کے ساتھ مایوسی آ جاتی ہے اور مرنے والے پر خرچ کرنا مشکل ہو جاتا ہے ﴿ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ ﴾ پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے مہلت کیوں نہیں دی (یعنی) آپ نے میری موت کو مؤخر کیوں نہیں کیا ﴿ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ﴾ نزدیک مدت تک یعنی قلیل زمانہ تک اور تھوڑے عرصہ کے لیے ﴿ فَاَصَّدَّقَ ﴾ تو میں صدقہ خیرات کر لیتا [یہ اصل میں ''فَـاَتَـصَـدَّقَ'' ہے اور یہ ''لـولا'' کا جواب ہے] ﴿ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا یعنی میں مؤمنین و مسلمین میں سے ہو جاتا کیونکہ یہ آیات مؤمنوں کے حق میں ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں [ابوعمرو کی قراءت میں لفظ پر عطف کر کے منصوب ''اَكُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''فَاَصَّدَّقَ'' کے محل پر عطف کر کے جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے' گویا کہا گیا: ''اِنْ اَخَّرْتَنِيْ اَصَّدَّقْ وَاَكُنْ'']۔

١١- ﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو موت سے ہرگز مہلت نہیں دے گا' جب اس کا مقرر وقت آ جائے گا جو لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ موت کا اپنے وقت سے مؤخر ہونا ناممکن ہے' اس کے لیے کوئی راہ ممکن نہیں' یہ لازماً آنی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے' سو وہ ان پر ضرور بدلہ دے گا' واجبات وغیرہ ترک کرنے پر' تو اب واجبات سے عہدہ برا ہونے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کے لیے جلد از جلد تیاری کرنی ضروری ہے [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''يَعْمَلُوْنَ'' ہے]۔

التغابن مدنیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

سورۃ التغابن مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی اٹھارہ آیات' دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٤

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتے ہیں' اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' سو تم میں سے کچھ کافر ہیں اور تم میں سے کچھ مسلمان ہیں' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے○ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت حسین صورتیں بنائیں' اور اسی کی طرف لوٹنا ہے○ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے○

## اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتخلیق اور وسعتِ علم کا بیان

نوٹ: اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور سلطنت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر زبردست قادر ہے۔ دونوں ظرفوں کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ ان کی تقدیم اللہ عزوجل کے ساتھ سلطنت و بادشاہت اور تمام اقسام کے محامد کی تخصیص پر دلالت و رہنمائی کرے اور یہ اس لیے کہ سلطنت و بادشاہت درحقیقت اسی کی ہے کیونکہ وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کو قائم و باقی رکھنے والا ہے اور اسی طرح حمد وثناء کا حال ہے' اس لیے کہ تمام بڑی اور چھوٹی نعمتیں اور اسی طرح نعمتوں کے تمام اصول اور فروع اسی کی طرف سے عنایت ہوتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی بادشاہت تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح غیر کی حمد وثناء اس اعتبار پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے ہاتھ پر جاری وساری ہوگئی ہے۔

۲- ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں یعنی پس تم میں سے بعض کفر لانے والے ہیں اور اسی کو اختیار کرنے والے اور

اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں اور تم میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں اور اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں' جس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کفر اور تمہارے ایمان کو خوب دیکھنے والا اور خوب جاننے والا ہے جو تمہارے اعمال میں سے دو عمل ہیں اور معنی یہ ہے: ''هُوَ الَّذِیْ'' وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی بنیادی نعمتوں کے ذریعے تم پر احسان فرمایا اور اس نے عدم و نیست اور نہ ہونے سے تمہیں پیدا کر کے اور ایجاد کر کے وجود اور ہستی بخشی' لہٰذا تم پر واجب و لازم ہے کہ تم سب مل کر شکر ادا کرو' سو تمہیں کیا ہوا کہ تم مختلف امتوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے' چنانچہ تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا ذکر پہلے اس لیے کیا ہے کہ انسانوں پر کفر غالب ہے اور ان میں اکثر و بیشتر کافر ہوتے ہیں اور اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو گئی' جو کہتے ہیں کہ ان دو درجوں (کافر اور مؤمن) کے درمیان ایک اور درجہ بھی ہے (کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ کافر اور نہ مؤمن حالانکہ یہ غلط ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے' پھر تم میں سے بعض نے اپنے خالق کی تخلیق کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ دہریہ ہیں اور تم میں سے بعض اپنے خالق کی تخلیق پر ایمان لے آئے۔

۳- ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (یعنی) زبردست حکمت و دانائی کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مکلفین (فرشتوں' انسانوں اور جنوں) کے لیے قرارگاہ' پناہ گاہ اور مسکن و رہائش گاہ بنا دیا' تاکہ یہ تمام مکلفین ان میں رہ کر عمل کریں' پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال خیر و شر کے مطابق جزا اور سزا دے ﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت بہترین صورتیں بنائیں یعنی تمہیں تمام جان داروں میں حسین و جمیل اور بہترین و خوب صورت بنایا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی عقل مند انسان کبھی یہ تمنا اور آرزو نہیں کرتا کہ اپنی موجودہ صورت کے برعکس دیگر جان داروں میں سے کسی کی صورت پر ہوتا اور انسان کے حسنِ صورت میں سے ایک حسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا سیدھا قد' مناسب اعضاء اور معتدل جسم بنایا' جھکا ہوا' ٹیڑھا اور کبڑا نہیں بنایا اور باقی جس قدر جان دار ہیں ان کی صورتیں مختلف بنائیں (جیسے اونٹ' گھوڑا' بیل' بھیڑ' بکری اور دیگر جانور و حشرات الارض) اور انسان کی بہ نسبت دیگر جانوروں کو قبیح اور بدصورت بنایا' البتہ انسان میں قباحت نہیں رکھی لیکن انسان کے حسن و جمال کے مختلف طبقات ہیں' سو اس لیے کم درجہ کا حسن رکھنے والا زیادہ حسین و جمیل کے مقابلہ میں خوب صورت نہیں لگتا' لیکن وہ حسن و جمال کی حد سے بالکل خارج نہیں ہوتا اور حکماء اور دانشوروں نے کہا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں' ایک حسن ہے دوسرا بیان ہے ﴿ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ اور سب نے اسی کی طرف واپس لوٹ جانا ہے' سو تم اپنے باطنوں اور اندرونی حالات کو اور اپنی نیتوں اور اپنی سوچوں کو درست کرو' جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب صورت اور درست پیدا فرمایا۔

٤- ﴿ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہے' پھر اپنے تمام بندوں کے تمام ظاہر و باطن کے اعمال و اسرار کو خوب جانتا ہے' پھر وہ دلوں کے تمام پوشیدہ ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک تمام کلیات اور تمام جزئیات میں سے کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے' پس یہ اسی کا حق ہے کہ اس سے ڈرا

جائے اور اس کی گرفت سے بچا جائے اور اس کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف جرأت نہ کی جائے اور علم کا تکرار وعید و دھمکی کے تکرار کے معنی میں ہے اور ارشاد ''فَمِنکُمْ کَافِرٌ وَّمِنکُمْ مُّؤْمِنٌ'' کے بعد جو کچھ ذکر کیا گیا ہے' وہ کفر پر وعید کے معنی میں ہے اور خالق کی معصیت و نافرمانی اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۞٥
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا
وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۞٦ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ
قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۞٧ فَآمِنُوا
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۞٨

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا' سو انہوں نے اپنے کفر کی سزا (دنیا میں بھی) چکھ لی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آیا کرتے تھے تو وہ کہہ دیتے کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے' سو انہوں نے کفر کیا اور انہوں نے منہ پھیر لیے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز رہا' اور اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے O کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ مرنے کے بعد انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا' آپ فرمائیے کہ کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا' پھر تمہیں ضرور بہ ضرور وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا' اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے O پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے O

## کفارِ مکہ کو تنبیہ کے ساتھ ایمان کی دعوت اور حشر برپا کرنے کی حکمت کا بیان

٥- ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ﴾ کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبر نہیں آئی۔ یہ کفارِ مکہ کے لیے خطاب ہے یعنی اے کفارِ مکہ! کیا تمہارے پاس حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی نافرمان قوموں کی خبر نہیں آئی ﴿فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے کام کی سزا کو چکھ لیا یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے کفر کے وبال کا مزہ چکھ لیا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

٦- ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ اس مذکورہ بالا وبال کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے دنیا میں چکھا اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کو آخرت میں دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے ﴿بِأَنَّهُ﴾ اس لیے کہ بے شک شان اور بات یہ ہے کہ ﴿كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آتے رہے ﴿فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا﴾ سو انہوں نے کہا کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے' انہوں نے بشر کے لیے رسالت کا انکار کیا لیکن پتھروں کے لیے عبادت کا انکار نہیں کیا ﴿فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا﴾ پس انہوں نے رسولوں کا انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا ﴿وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس میں تخصیص نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ کس چیز میں بے پرواہ ہے بلکہ مطلق ذکر فرمایا تا کہ یہ کلامِ مقدس

تمام چیزوں کو شامل ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اور ان تمام چیزوں میں کفار کے ایمان و عبادت اور ان کی اطاعت سے بے نیاز ہونا بھی شامل ہے ﴿ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿ حَمِیْدٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات پر اس کی تعریف کی گئی۔

۷-﴿ زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ﴾ کافروں نے گمان کیا یعنی اہل مکہ کا گمان ہے اور ''زعم'' کا معنی ہے: علم کا دعویٰ کرنا [اور یہ اس طرح متعدی ہوتا ہے جس طرح علم متعدی ہوتا ہے] ﴿ اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ﴾ کہ انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا [''اَنْ'' (جو اصل میں ''اَنَّ'' ثقیلہ سے مخففہ ہے) اس کے ساتھ جو اس کے حیز میں ہے' دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَنَّھُمْ لَنْ یُّبْعَثُوْا'' ہے] ﴿ قُلْ بَلٰی ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیوں نہیں' اس میں ''بَلٰی'' حرف ''لَنْ'' کے بعد کے لیے اثبات ہے اور وہ ہے: مرنے کے بعد اٹھایا جانا ﴿ وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ﴾ اور میرے رب تعالیٰ کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ اس خبر کو قسم کے ساتھ پختہ کیا گیا ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس چیز پر قسم کھانے کا کیا فائدہ جس کا انہوں نے انکار کر دیا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ مؤکد چیز سے ڈرانا دل میں زیادہ تاثیر پیدا کرتا ہے تو گویا ان سے فرمایا گیا کہ تم اس چیز کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے ہر حال میں ہونا ہوتا ہے ﴿ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِکَ ﴾ پھر تمہیں ضرور بہ ضرور آگاہ کر دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے تھے اور یہ یعنی مرنے کے بعد اٹھانا ﴿ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

۸-﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آؤ ﴿ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ ﴾ اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید پر کیونکہ یہ ہر چیز کی حقیقت کو کھول کر بیان کرتا ہے' سو اس سے اس طرح ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور سے ہدایت حاصل ہوتی ہے ﴿ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے' سو تم اپنے معاملات کو درست رکھو۔

یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۰﴾ ع

جس دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ (کفار کے لیے) ہار کا دن ہوگا' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں مٹا دے گا اور انہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

۹-﴿ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں جمع فرمائے گا [ظرف ''لَتُنَبَّؤُنَّ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اُذْکُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ﴾ جمع ہونے کے دن جس میں اگلے اور پچھلے سب لوگ جمع کیے جائیں گے

﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ یہ کفار کی شکست کا دن ہوگا اور یہ ''تَغَابَنَ الْقَوْمُ فِي التِّجَارَةِ'' (کہ قوم نے تجارت میں نقصان اٹھایا) سے مستعار ہے اور وہ یہ کہ ایک دوسرے کو نقصان دینا (اور کفار کا نقصان اور ہار یہ ہوگی کہ) کفار بدبختوں کے وہ تمام جنتی مکانات نیک بخت جنتیوں کو دے دیئے جائیں گے' جن میں کفار رہتے اگر وہ نیک بخت ہوتے اور نیک بختوں کے وہ تمام دوزخی مکانات بدبخت کفار کو دیئے جائیں گے' جن میں نیک بخت رہتے' اگر وہ دنیا میں بدبخت بن جاتے' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور ''یوم التغابن'' کا معنی جب کہ لوگ اس دن کے علاوہ دنیا میں ایک دوسرے سے غبن کرتے ہیں' صرف یہ ہے کہ ''یوم التغابن'' کی اہمیت اور اس کی عظمت و بڑائی بیان کرنے کے لیے یہ کہا گیا ہے' نیز یہ بتانے کے لیے کہ حقیقی اور اصلی غبن تو قیامت کے دن کا غبن ہے نہ کہ دنیا کے اُمور میں غبن کرنا ﴿ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور وہ نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی تمام بُرائیاں مٹا دے گا [''صَالِحًا'' مصدر کی صفت ہے' اصل میں ''عَمَلًا صَالِحًا'' ہے] ﴿ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعلوں میں نون کے ساتھ ''نُكَفِّرْ'' اور ''نُدْخِلْهُ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بدترین ٹھکانا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو' سو اگر تم پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے O اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے O

## مصیبت پر مؤمن کی مدد اور اطاعت و توکل کا حکم

۱۱۔ ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ ﴾ کوئی مصیبت کسی کو نہیں پہنچتی جیسے تنگ دستی و سختی اور پریشانی اور بیماری اور بیوی بچوں میں سے کسی کی موت یا کسی ایسی چیز کا ضائع ہو جانا جو غم اور پریشانی کو لاحق کر دے' ان میں سے کوئی تکلیف کسی شخص کو نہیں پہنچتی ﴿ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم' اس کے علم اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے سے پہنچتی ہے' گویا اللہ تعالیٰ مصیبت کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کو پہنچے (تو تب وہ پہنچتی ہے) ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مصیبت کے وقت اپنی طرف رجوع کرنے کی ہدایت و رہنمائی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ

مؤمن کہتا ہے: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ O'' (البقرہ:۱۵٦) ''بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس لوٹ جانے والے ہیںO'' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت مؤمن کے دل کو پہلے سے زیادہ عبادت واطاعت اور بھلائی کے کاموں کے لیے کھول دیتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل کی رہنمائی کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ کامل یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اسے جو مصیبت پہنچ چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے اسے بچالیا گیا ہے وہ کبھی اسے نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر کرے اور اگر اسے کوئی نعمت عطا کی جائے تو اس پر شکر ادا کرے اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ معاف کر دے اور بخش دے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۲- ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو' سو اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرنے سے پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی آپ پر صرف احکام کی تبلیغ فرض ہے اور آپ نے اسے پورا کر دیا ہے۔

۱۳- ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو اور دیگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کے خلاف مدد فرمائے جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ سے روگردانی کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں' سو تم ان سے ہوشیار رہو' اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں' اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہےO

## بیوی بچوں کی دشمنی سے ہوشیار رہنے اور اولاد کی آزمائش میں پورا اترنے کا بیان

۱۴- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ﴾ اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں یعنی بے شک تمہاری بیویوں میں سے بعض بیویاں اپنے شوہروں سے عداوت ودشمنی کرتی ہیں اور ان سے جھگڑتی اور لڑتی ہیں' کہنا نہیں مانتیں اور اسی طرح اولاد میں سے بعض اولاد اپنے ماں باپ سے عداوت ودشمنی رکھتی ہے اور ان کی نافرمانی کرتی ہے ﴿فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ [اس کی ''ھم'' ضمیر ''عدو'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی تم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہو' یا یہ ضمیر ازواج اور اولاد سب کی طرف لوٹتی ہے] یعنی تم اپنی بعض دشمن بیویوں اور اپنی بعض دشمن اولاد سے ہوشیار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ عداوت ودشمنی

سے خالی نہیں ہیں تو تم ان سے بچو اور ان سے محتاط رہو اور ان کی دشمنی اور ان کی شرارت سے بے خوف نہ ہو جاؤ ﴿ وَاِنْ تَعْفُوْا ﴾ اور اگر تم ان کو معاف کر دو جب تم ان کی عداوت و دشمنی سے آگاہ ہو جاؤ اور تم ان کی طرح دشمن بن کر ان کا مقابلہ نہ کرو ﴿ وَتَصْفَحُوْا ﴾ اور تم درگزر کر کے ان کو ڈانٹنے اور ڈرانے دھمکانے سے اعراض کر لو ﴿ وَتَغْفِرُوْا ﴾ اور تم ان کے گناہوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے انہیں بخش دو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے وہ تمہیں بخش دے گا اور تمہاری بُرائیاں مٹا دے گا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب بعض مکی مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے انہیں روک لیا اور کہا: تم چلے جاؤ گے اور ہمیں ضائع کر دو گے جس کی وجہ سے ان کے دل بیوی بچوں کے لیے نرم ہو گئے اور وہ ہجرت سے رُک گئے' پھر جب کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں پہنچے اور انہوں نے ان لوگوں کو دیکھا جو ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ کر دین میں مہارت حاصل کر چکے ہیں تو انہیں پہلی دفعہ ہجرت نہ کرنے پر افسوس ہوا اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو سزا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں عفو و درگزر کرنے اور معاف کر دینے کو مزین و آراستہ کر دیا۔

۱۵ - ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں (یعنی) امتحان و آزمائش اور جانچ ہیں کیونکہ یہ اموال اور اولاد آدمی کو گناہوں میں ڈال دیتے ہیں (ان کی خوش حالی کے لیے رشوت' سود اور دیگر بے ایمانیاں کی جاتی ہیں) اور انہیں کی وجہ سے آدمی سزائیں اور مصیبتیں جھیلتا ہے اور ان سے بڑھ کر کوئی آزمائش نہیں ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی آخرت میں اور یہ تمہارے اموال اور اولاد سے بہت بڑا منافع ہے اور یہاں حرف ''مِنْ'' داخل نہیں کیا گیا جیسا کہ عداوت میں داخل کیا گیا کیونکہ تمام مال اور تمام اولاد آزمائش اور امتحان ہیں' اس سے کوئی مال اور بچہ خالی نہیں ہے' انہیں کی وجہ سے دل دنیا میں مشغول رہتا ہے لیکن بعض بیویاں اور بعض اولاد عداوت سے خالی اور بَری ہوتی ہیں' ان میں کوئی عداوت و دشمنی نہیں ہوتی بلکہ محبت ہوتی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع ۲ ۱۶

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور غور سے سنو اور اطاعت کرو اور (نیک کاموں میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے' اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اگر اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لیے کئی گناہ بڑھا دے گا اور وہ تمہیں بخش دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان بے حد حلم والا ہے O وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر کا خوب جاننے والا سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہے O

## خوف و اطاعت کا حکم اور راہِ خدا میں خرچ کرنے اور قرضِ حسنہ دینے کی ترغیب

۱۶ - ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ تم اپنی پوری جد و جہد اور محنت و وسعت خوفِ خدا میں صرف کر دو۔ بعض حضرات نے کہا: یہ ''حَقَّ تُقٰتِهٖ'' کی تفسیر ہے ﴿ وَاسْمَعُوْا ﴾ اور تمہیں جو

نصیحت کی جائے اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو ﴿ وَاَطِیۡعُوۡا ﴾ اور تم اطاعت کیا کرو (یعنی) جس کا تمہیں حکم دیا جائے اسے بجالاؤ اور اس پر عمل کرو اور جس سے تمہیں منع کیا جائے اس سے تم رُک جاؤ اور اس سے باز آ جاؤ ﴿ وَاَنۡفِقُوۡا ﴾ اور تم اپنا مال ان جگہوں میں خرچ کرو جہاں خرچ کرنا تم پر واجب ہے ﴿ خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ﴾ ''اَیۡ اِنۡفَاقًا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ'' یعنی یہ خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور امام کسائی نے کہا: ''یَکُنِ الۡاِنۡفَاقُ خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ'' ہے یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ثابت ہوگا اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی مقدر عبارت یہ ہے: ''اِئۡتُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ'' تم اپنی بھلائی کے لیے راہِ خدا میں دو اور تم وہ کام کرو جو تمہارے لیے بہتر ہو' یہ احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ترغیب دینے کی تاکید ہے کیونکہ یہ اوامر و احکام تمہارے لیے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد سے بہت بہتر ہیں اور تم جس دنیا کی خوب صورتیوں اور شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی محبت و چاہت پر قائم ہو' ان سے یہ اوامر بہتر ہیں ﴿ وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ ﴾ اور جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچالیا گیا ہے یعنی صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بخل سے بچالیا گیا ﴿ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴾ تو یہی لوگ فلاح اور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کو صحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ قرضِ حسنہ دو گے' اور قرض کا ذکر دعوتِ خیر دینے میں محض محبت و پیار اور لطف و کرم کے لیے ہے ﴿ یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے کئی گنا بڑھا کر عنایت فرمائے گا (یعنی) تمہارے لیے کسی ایک چیز کے خرچ کرنے پر دس نیکیاں لکھی جائیں گی یا سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی' آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ مزید دینا چاہے گا ﴿ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوۡرٌ ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان ہے' وہ تھوڑا عمل بھی قبول فرمالیتا ہے اور وہ اجر و ثواب بہت عطا فرماتا ہے ﴿ حَلِیۡمٌ ﴾ بڑا حلم والا بردبار ہے' وہ بخیل کے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دیتا ہے یا یہ معنی ہے کہ صدقہ دینے والے کے صدقہ کو کئی گنا بڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے اور صدقہ خیرات نہ دینے والے کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

۱۸- ﴿ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ ﴾ وہ غیب دان ہے یعنی وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتا ہے ﴿ وَالشَّھَادَۃِ ﴾ اور ظاہر کا جاننے والا ہے یعنی حالات و واقعات کے ظواہر جو ہر طرف منتشر ہیں سب کو جانتا ہے ﴿ الۡعَزِیۡزُ ﴾ سب پر غالب و عزت دار ہے' اور وہ مال و دولت دینے والوں کی عطائیں اور بخششیں ظاہر فرما کر انہیں عزت دینے والا ہے ﴿ الۡحَکِیۡمُ ﴾ اور وہ بہت بڑا حکمت والا ہے۔

| آیاتہا ۱۲ — رکوعاتہا ۲ | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ | سورۃ الطلاق مدنیۃ |
|---|---|---|

سورۃ الطلاق مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی بارہ آیات' دو رکوع ہیں

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡھُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِھِنَّ وَلَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ
بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ
لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ①

اے نبی! (اور اے مسلمانو!) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تم (عدت کے دوران) انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں ماسوا اس کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے تمہیں معلوم نہیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نیا حکم جاری کر دے O

## طلاقِ رجعی اور تقویٰ کی فضیلت کا بیان

۱- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ اے نبی! اور مسلمانو! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو۔ اس آیت مبارکہ میں نداء کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص کیا گیا ہے اور خطاب تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے کیونکہ نبی اپنی امت کا امام اور اس کا پیشوا ہوتا ہے جیسا کہ قوم کے سردار سے کہا جاتا ہے: ''يَا فُلَانُ افْعَلُوا كَذَا'' اے فلاں! تم اس طرح کرو آپ کے تقدم واوّلیت کے اظہار کے لیے اور آپ کی سیادت کے اعتبار کے لیے آپ کو نداء کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور بے شک آپ اپنی قوم کے رہبر و رہنما اور قائد ہیں سو اس لیے آپ اکیلے تمام مسلمین کے حکم میں ہیں اور سب کے قائم مقام ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ) وَالْمُؤْمِنُونَ'' اور ''إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ'' کا معنی ہے: ''إِذَا أَرَدْتُمْ تَطْلِيقَهُنَّ'' جب ان کو طلاق دینا چاہو۔ یہ عنقریب کام کرنے والے کو اس میں شروع کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ''[۱] جو مجاہد کسی مقتول (عنقریب قتل ہو کر مقتول ہونے والے) کو قتل کرے گا تو اس کا سلب شدہ مال و اسباب اسی مجاہد کے لیے ہوگا اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ نماز کی طرف چل کر جانے والا اور اس کا انتظار کرنے والا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ سو تم ان کو عدت کے وقت طلاق دو (یعنی) پس تم انہیں عدت شروع ہونے سے پہلے طلاق دو (کیونکہ عدت تین حیض ہوتی ہے اور جب حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے گی تو حیض سے عدت شروع ہوگی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک قراءت میں ''فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ'' ہے اور جب عورت کو اس کے تین حیضوں میں سے اوّل حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تو بلاشبہ اسے عدت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مقصد یہ ہے کہ حیض کے ساتھ عدت گزارنے والی مدخولہ خواتین کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ان سے جماع نہ کیا گیا ہو پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور یہ احسن طلاق ہے یعنی سب سے بہترین طلاق ہے ﴿وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ اور تم عدت کو شمار کرو اس کو اچھی طرح یاد رکھو اور تم اس کے لیے طلاق کے بعد آنے والے کامل تین حیض مکمل کرو ان میں ذرہ بھر کمی نہ ہو اور عورتوں کی غفلت کی وجہ سے مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ﴾ اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ان کو باہر نہ نکالو یہاں تک کہ وہ اپنی عدت ختم کر لیں ﴿مِنْ بُيُوتِهِنَّ﴾ ان کے گھروں اور ان کی رہائش گاہوں سے جن میں وہ عدت سے پہلے رہائش پذیر تھیں اور وہ ان کے شوہروں کے گھر مراد ہیں اور ان گھروں کو ان عورتوں کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ رہائش کے اعتبار سے وہ مکانات انہیں کے ساتھ مختص ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عدت گزارنے کے لیے عورتوں کو گھر میں رہائش دینا خاوند پر واجب ہے چنانچہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر وہ اس آدمی کے ایسے گھر میں داخل ہو جائے جس میں وہ آدمی صرف رہائش پذیر ہو اور اس کا مالک نہ ہو تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی (اور اسے کفارہ دینا پڑے گا کیونکہ اعتبار ملکیت کا نہیں صرف سکونت کا ہے) اور گھر سے

[۱] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۱۴۔ ۱۹۰۔ ۲۷۹ البخاری رقم الحدیث: ۳۰۵۱ مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۹

باہر نکالنے کا معنی یہ ہے کہ شوہر اس سے ناراض ہو کر اور اسے اپنے گھر میں ٹھہرانے کو ناپسند و ناگوار قرار دے کر یا اپنی کسی حاجت کی بناء پر اپنے گھر سے دوسری رہائش گاہوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے نہ نکالے محض یہ بتانے کے لیے طلاق کے بعد اب شوہر کی اجازت کسی ممانعت کے ختم کرنے میں مؤثر نہیں رہی ﴿ وَلَا یَخْرُجْنَ ﴾ اور وہ مطلقہ عورتیں خود بھی ان گھروں سے باہر نہ نکلیں اگرچہ وہ نکلنا چاہتی ہوں ﴿ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ﴾ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلم کھلا برائی کر لیں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ زنا کاری کریں یعنی مگر یہ کہ وہ زنا کاری کا ارتکاب کر لیں تو ان پر حد قائم کرنے کے لیے انہیں گھروں سے نکالا جائے گا اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا اپنے گھر سے باہر نکلنا بذاتِ خود بے حیائی اور گناہ ہے ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں یعنی مذکورہ بالا احکام حدودِ الٰہیہ ہیں ﴿ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ﴿ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴾ اے مخاطب! تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ شوہر کے دل کو اپنی مطلقہ بیوی سے بغض رکھنے کے بعد اس کی محبت میں تبدیل کر دے اور اس کی نفرت کو محبت و رغبت میں تبدیل کر دے اور طلاق کے ارادے کی بجائے اس پر ندامت و شرمندگی پیدا کر دے سو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لے اور تمہیں اپنی عورتوں کو عدت کے قریب طلاق دینے اور ان کی عدت شمار کرنے اور ان کو گھروں سے نہ نکالنے کے احکام دینے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ تا کہ تم اپنے فعل پر نادم و شرمندہ ہو جاؤ اور اپنی مطلقہ بیویوں سے دوبارہ رجوع کر لو۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا
ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ
لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ
اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝۳

پھر جب وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں تو تم انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور تم اپنوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو اور تم گواہی کو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم کرو یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○ اور وہ اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اسے کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے تقدیر مقرر فرما دی ہے ○

۲-۳۔ ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچنے لگیں یعنی وہ اپنی عدت کے آخر کے قریب پہنچ جائیں ﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ تو تم ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو

یعنی تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو رجوع کر لو اور بھلائی اور نیکی کے جذبے کے تحت انہیں اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو رجوع ترک کر دو اور انہیں چھوڑ دو اور تم انہیں ضرر اور نقصان پہنچانے سے پرہیز کرو اور وہ یہ ہے کہ خاوند عدت کے آخر میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لے' پھر اس کی عدت کو طویل اور دراز کرنے کے لیے اور اسے تکلیف پہنچانے کے لیے طلاق دے دے ﴿ وَّاَشۡهِدُوۡا ﴾ اور تم گواہ بنا لو یعنی اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے اور الگ کرنے کے دونوں وقتوں میں گواہ بنا لو تاکہ بعد ازاں میاں بیوی کے درمیان باہمی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے اور مرد کے لیے گواہ بنا لینا مستحب عمل ہے ﴿ ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ﴾ اپنوں میں سے دو عادل گواہ یعنی مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں ﴿ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی قائم کرو (یعنی) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے گواہی دو' اور وہ یہ ہے کہ گواہی دینے والے گواہی کو نہ اس شخص کے لیے ادا کریں جس کے لیے دی جائے گی اور نہ اس شخص کے لیے جس کے خلاف گواہی دی جائے گی اور نہ دیگر اغراض میں سے کسی غرض کے لیے ادا کریں بلکہ محض حق کو قائم کرنے اور ظلم کو دفع کرنے کی نیت سے گواہی ادا کریں ﴿ ذٰلِكُمۡ ﴾ یہ (یعنی) انصاف قائم کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے گواہی کو قائم کرنے کی ترغیب دینا ﴿ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ﴾ اس کی نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اس نصیحت سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے ﴿ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے [یہ جملہ معترضہ ہے جو سنت طلاق کے اجراء کا معاملہ گزر چکا ہے' اس کی تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر رکھتا ہے' وہ سنت کے مطابق طلاق دے اور عدت گزارنے والی عورت کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچائے اور نہ اس کو اس کی رہائش گاہ سے نکالے اور احتیاط کرے' پھر رجوع یا فرقت کے وقت گواہ مقرر کر لے ﴿ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ﴾ تو اللہ تعالیٰ شوہروں کے متعلق آنے والے غموں اور مشکلات اور تنگیوں میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے نجات کی کوئی راہ نکال دے گا اور وہ اس سے غموں اور تکلیفوں کو دور کر دے گا اور اسے نجات و خلاصی عطا فرمائے گا ﴿ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کے دل میں کبھی خیال پیدا نہیں ہوگا اور نہ کبھی اس نے گمان کیا ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ارشادِ باری تعالیٰ ''ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ'' کے ذکر کے ساتھ شامل کیا جائے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت کے غموں سے خلاصی اور نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقین کو دنیا کے شکوک و شبہات سے نجات دیتا ہے اور موت کی سکرات سے اور قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات عطا فرمائے گا[1] اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں ایک آیت کریمہ کو جانتا ہوں اگر لوگ اسے لے لیں تو وہی ان کو کافی ہو جائے اور وہ آیت ''وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ ... مَخۡرَجًا'' پھر آپ اس کو مسلسل پڑھتے رہے اور اس کو بار بار دہراتے رہے[2] اور مروی ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کو مشرکین مکہ نے قید کر لیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کو قید کر لیا گیا ہے اور آپ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت بھی کی' تو آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت سے آلِ محمد (ﷺ) کے پاس صرف سوا سیر طعام ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو اور ''لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

1. رواہ الثعلبی والواحدی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۵٦)

2. رواہ ... [illegible]

العلي العظيم'' کو کثرت سے پڑھا کرو' چنانچہ وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور تجھے ان کلمات کو کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا' تو اس نے کہا: حضور نے بہت اچھی چیز کا ہمیں حکم دیا ہے' سو وہ دونوں میاں بیوی ان کلمات کو پڑھنے لگ گئے' ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بیٹے نے دروازہ کھٹکھٹایا' حضرت عوف دروازے پر آئے تو دیکھا کہ ان کا بیٹا ایک سو اونٹ اور بہت سی بکریاں لے کر پہنچ چکا ہے' دریافت کرنے پر بتایا کہ دشمن غافل ہوگیا تھا' جس کی وجہ سے موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے اونٹ اور بکریاں لے کر وہاں سے بھاگ آیا ہوں[1] ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے اور غیر سے طمع رکھنے کی بجائے اپنا ہر معاملہ اور اپنی ہر تدبیر اسی کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اسے دونوں جہانوں میں کافی ہو جاتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے یعنی وہ اپنا حکم نافذ و جاری کرنے والا ہے [یہ امام حفص کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کے ہاں ''بَالِغٌ اَمْرَهٗ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اپنا جو کام چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے اور اس کا کوئی کام ضائع نہیں جاتا اور نہ وہ اپنے کسی مطلوب میں عاجز ہوتا ہے ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (یعنی) تقدیر اور توقیت کے اعتبار سے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور اپنا ہر معاملہ اس کے سپرد کرنے کے وجوب کا بیان ہے کیونکہ جب معلوم ہوگیا کہ رزق وغیرہ میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی توقیت کے ساتھ وابستہ ہے تو تقدیر کو تسلیم کرنے اور توکل اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں ان کے حکم میں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں' اور جن عورتوں کو حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)' اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں' اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے O یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی بُرائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا کرتا ہے O

## غیر حیض والی اور حاملہ خواتین کی عدت کا بیان

٤۔ ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے حیض والی عورتوں کی عدت کو پہچان لیا ہے' سو جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت کیا ہے؟ تو اس پر ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ نازل ہوئی کہ اگر تم پر ان کا حکم مشکل و مشتبہ ہو گیا ہے اور تمہیں معلوم

[1] رواہ الثعلبی والبیہقی نحوہ (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۵٦)

نہیں کہ وہ عورتیں کیسے عدت گزاریں گی؟ ﴿ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے یعنی پس یہ ان کا حکم ہے۔
بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں نا اُمیدی کی عمر کو پہنچنے والی عورتوں کے خون کے بارے میں شک وشبہہ ہو اور نا اُمیدی کی عمر پچپن (۵۵) سال سے ساٹھ تک ہے کہ آیا وہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا؟ ﴿ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جب یہ حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے خون میں شک وشبہہ ہو تو جن عورتوں کے خون کے متعلق شک نہیں ہے' ان کی عدت تین ماہ بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگئی ﴿ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾ اور جن کو حیض نہیں آتا اور یہ وہ لڑکیاں ہیں جو سن بلوغت کو نہیں پہنچیں اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: '' (وَالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ) فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ '' اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں [ پھر اس جملہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مذکورہ بالا جملہ اس محذوف پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے ] ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ اور حاملہ عورتوں کی مدت (یعنی) ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور یہ کلام پاک ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کو دورانِ حمل طلاق دے دی گئی اور ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کے خاوند فوت ہوگئے ہوں' اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: بیوہ حاملہ عورت کی عدت دونوں مقررہ عدتوں میں سے جو بعید ہوگی' وہ اس کی عدت ہوگی (یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو بعید ہوگی وہ بیوہ حاملہ کی عدت ہوگی) ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اس کے تقویٰ کے سبب اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے اور اس کی گرہ کھول دیتا ہے۔

۵۔ ﴿ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی ان عدت والی عورتوں کا جو حکم معلوم ہو چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴾ اور جو شخص ان احکام پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جن کو اس نے نازل فرمایا اور جو حقوق اس پر واجب ہیں' ان کی وہ حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں مٹا دے گا اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۗ وَاِنْ
كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ
اُخْرٰى ۝٦ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ
اللّٰهُ ۗ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ۗ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝٧ ع ١٧

تم اپنی وسعت کے مطابق ان عورتوں کو وہاں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور تم ان کو تکلیف نہ دو تاکہ تم ان پر تنگی کرو' اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن لیں' پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو اور تم آپس میں حسن سلوک کے ساتھ باہمی مشورہ کر لو اور اگر تم ایک دوسرے سے دشواری محسوس کرو تو عنقریب اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس

کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے جس قدر اسے مال و دولت دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے' اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جس قدر اسے دیا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

## مطلقہ عورتوں کے مسکن و نفقہ اور رضاعت کے مسائل کا بیان

٦- جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ'' میں تقویٰ کو بیان فرمایا تو گویا کہا گیا کہ ہم تقویٰ کے اعتبار سے عدت گزارنے والی عورتوں کے بارے میں کیسے عمل کریں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿ أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ ﴾ تم ان کو اس طرح اور اس طرح ٹھہراؤ جس طرح تم خود ٹھہرتے ہو [حرف ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے اور اس کا مُبَعَّض محذوف ہے یعنی ''مَكَانًا''] یعنی تم ان کو اسی مکان میں ٹھہراؤ جس میں تم خود ٹھہرتے ہو یعنی تم اپنے رہائشی مکان کے بعض حصہ میں (کسی ایک کمرے میں) ٹھہراؤ ﴿ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ﴾ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق۔ گویا کہا گیا ہے کہ تم اپنی رہائش گاہ میں سے کسی مکان میں انہیں ٹھہراؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور ''وُجْد'' کا معنی وسعت و گنجائش اور طاقت و قدرت ہے [یہ ''مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' کا عطف بیان اور اس کی تفسیر ہے اور واؤ پر تینوں حرکات (زبر' زیر' پیش) کے ساتھ پڑھا گیا اور اس کو ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھنا مشہور ہے] اور نان نفقہ اور مکان ہر مطلقہ عورت کے لیے اس کے شوہر پر واجب ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی بناء پر مطلقہ مغلظہ (جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) کے لیے نان نفقہ نہیں ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاقِ مغلظہ دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے فاطمہ بنت قیس! اب تیرے لیے نہ نفقہ اور نہ مکان[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر اپنے رب تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اپنے پیغمبر کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے' ممکن ہے وہ بھول گئی ہو یا اسے شک و شبہ پڑ گیا ہو کیونکہ میں نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: ایسی عورت کے لیے مکان بھی ہے اور نفقہ بھی ہے۔[2] ﴿ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ ﴾ اور تم ان کو ضرر و تکلیف نہ دو اور نہ تم ان کے ساتھ ضرر رساں اور

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۰' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳٦

[2] رواہ احمد ج ٦ ص ۴۱۲' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰۔ ۴۴' ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۸۔ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں' ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاقِ رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں ہے' خاوند نے اسے طلاقِ رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے' خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں' خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ دین متفق ہیں کہ اگر عورت طلاقِ رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے' کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنیٰ خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنیٰ دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرات سیّدنا عمر' ابن مسعود' امام زین العابدین' قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کی ذمہ داری خاوند پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرات سعید بن مسیب' سلیمان بن یسار' امام مالک' امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کا سکنیٰ تو خاوند کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حضرت حماد ہیں' ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نقصان دِہ معاملہ کرو ﴿ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ تا کہ تم ان پر مشقت وتنگی کرو کہ تم ان کی رہائش گاہ میں بعض اسباب کے ذریعے ایسی مداخلت کرو جو ان کے موافق نہ ہو (مثلاً ان کے رہائشی مکان میں ایسے افراد کو ٹھہرا لینا جو ان کے موافق نہ ہوں) یا ان کے مکان میں کوئی تصرف کرنا (جیسے غیر ضروری سامان سے ان کے مکان کو بھر دینا) یا اس کے علاوہ کوئی اور کام کرنا یہاں تک کہ تم انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دو ﴿ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ اور اگر وہ یعنی طلاق یافتہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور حمل کی شرط کا فائدہ یہ ہے کہ حمل کی مدت بعض اوقات طویل اور لمبی ہو جاتی ہے تو کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ نفقہ اس وقت ساقط ہو جائے گا جب حاملہ کی عدت کی مقدار گزر جائے گی (تین ماہ) تو اس وہم وگمان کی نفی کر دی گئی ہے ﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ ﴾ پھر اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں یعنی اگر یہ طلاق یافتہ عورتیں زوجیت (بیوی ہونے) کے تعلق کے ختم ہو جانے کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائیں خواہ وہ بچہ انہیں کا اپنا ہو یا ان کے علاوہ تمہاری کسی دوسری بیوی کا بچہ ہو ﴿ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ تو تم ان کو ان کی اجرت ادا کرو کیونکہ اب اس مسئلہ میں ان کا حکم دائیوں کے حکم کی طرح ہے اور کسی عورت کو اجرت پر طلب کرنا جائز نہیں جب کہ بچہ انہیں طلاق یافتہ عورتوں میں سے کسی نے جنا ہو جب تک وہ ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں ﴿ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ ﴾ اور تم آپس میں مشورہ کر لو یعنی رضاعت کی اجرت مقرر کرنے میں باہمی رضامندی کے لیے آپس میں مشورہ کر لو یا تم ایک دوسرے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور یہ خطاب باپوں اور ماؤں دونوں کو ہے ﴿ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ مشورہ بھلائی کے ساتھ ہو جو سنت نبوی کے مناسب وموافق ہو اور مروت میں بہت اچھا ہو سو نہ باپ اجرت دینے میں بخل سے کام لے اور نہ ماں اجرت لینے میں تنگی کرے کیونکہ بچہ ان دونوں کا ہے اور وہ دونوں بچہ میں مشترک ہیں اور اس پر شفقت کرنا دونوں ماں باپ پر واجب ہے ﴿ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ ﴾ اور اگر تم ایک دوسرے پر دشواری محسوس کرو (یعنی) اگر تم میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر تنگی کرو کہ ماں دودھ پلانے کے لیے اس اجرت پر راضی نہ ہو جس پر اجنبی عورت راضی ہے اور باپ اُجرت میں اضافہ نہ کرتا ہو ﴿ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى ﴾ تو عنقریب اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلا دے گی سو عنقریب دوسری عورت مل جائے گی اور ماں کے علاوہ دوسری عورت پر سختی نہیں کی جائے گی کہ وہ ضرور بچہ کو دودھ پلائے اور اس میں ماں کے لیے کچھ عتاب ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے پر اور ''لہ'' کی ضمیر باپ کی طرف لوٹتی ہے یعنی باپ عنقریب تنگ نہ کرنے والی عورت کو پالے گا جو اس کے لیے اس کے بیٹے کو دودھ پلا دیا کرے گی اگر بچے کی ماں اس کے باپ کو تنگ کرے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ'' (دارقطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نان نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور اقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے: ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ'' حضرت عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابق خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے تو یہ علت مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۸۲۔ ۲۸۳)

۷- ﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ﴾ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے یعنی خوش حال اور تنگ دست میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت و ہمت کے مطابق خرچ کرے اور مقصد اور مراد یہ ہے کہ خاوندوں کو طلاق یافتہ بیویوں اور دودھ پلانے والیوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ''قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ'' کا معنی یہ ہے کہ اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف روزمرہ کی خوراک کے برابر رزق عطا کیا ہے ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ﴾ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اس کو دیا ہے (یعنی) جتنا اس کو رزق عطا فرمایا ہے ﴿سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا (یعنی) معیشت میں تنگ دستی کے بعد وسعت و خوش حالی عطا فرمائے گا اور یہ تنگ دست کے لیے خوش حالی کا وعدہ ہے۔

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۛ۫ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا ۙ۝۱۰

اور کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی' سو ہم نے ان سے بہت سخت حساب لیا اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیا O سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہوا O اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' سوائے ایمان دار عقل والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایا O

## کفار کا بُرا انجام' نیک مسلمانوں کا نیک انجام اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق وقدرت کا بیان

۸- ﴿وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ﴾ اور بہت بستیاں (یعنی) بہت سی بستیوں والے ایسے ہوئے ہیں کہ ﴿عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی (یعنی) انہوں نے تکبر و سرکشی اور بغض وعناد کی وجہ سے روگردانی کی اور منہ پھیر لیا ﴿فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا ۙ﴾ پس ہم نے سختی و تنگی اور دشواری کے ساتھ ان سے بہت سخت حساب لیا (کہ خشک سالی وقحط سالی اور امراض ووبائیں' قتل وہلاکت بھیجیں) ﴿وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكُرًا﴾ اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیا [نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں نون اور کاف دونوں مضموم ہیں' باقیوں کے ہاں کاف ساکن ہے یعنی بہت بڑا عذاب]۔

۹- ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا﴾ سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہوا یعنی ہلاکت و بربادی اور نقصان وگھاٹا اور اس سے مراد آخرت کا سخت ترین حساب اور بدترین عذاب ہے اور نیز اس میں وہ لوگ اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے وبال کا جو مزہ چکھیں گے اور جو نقصان وگھاٹا پائیں گے وہ مراد ہے اور اس کو فعل ماضی کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کا منتظر حقیقت میں اسے ضرور پانے والا ہے اور جو

کچھ ہونے والا ہے وہ گویا ہو چکا ہے کیونکہ اس کا نقصان و وبال یقینی ہے۔

۱۰-﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس میں وعید (دھمکی) کا تکرار ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوری پوری نگرانی کر رہا ہے ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ ﴾ سوائے ایمان لانے والے عقل مندو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' سوائے مؤمنین عقل مندو! تمہارے لیے یہی وصف ہونا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ میں اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے تم پر لطف و کرم کیا جائے' اور یہ ممکن ہے کہ عذابِ شدید سے کفار کی برائیوں کا شمار رکھنا اور دنیا میں ان پر سختی کرنا اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت رکھنا اور دنیا ہی میں ان کو قتل و غارت اور ہلاکت و بربادی کا عذاب پہنچانا مراد ہو [''عَتَتْ'' اور جو اس پر معطوف ہیں وہ ''قَرْيَةٍ'' کی صفت ہیں اور ''اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ''، ''كَاَيِّنْ'' کا جواب ہے] ﴿ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایا یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا۔

| |
|---|
| رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ |
| مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ |
| تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ |
| الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ |
| لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ۬ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ |
| عِلْمًا ع ⑫ |

ع ۵ ۱۸

(دوسرا) رسول کو بھیجا جو تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن آیات تلاوت کرتے ہیں تا کہ وہ ان لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بہترین رزق تیار کر رکھا ہے○ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور انہیں کے برابر زمینیں پیدا کیں' ان کے درمیان حکمِ الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے تا کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے○

۱۱-﴿ رَّسُوْلًا ﴾ رسول کو بھیجا [یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَرْسَلَ رَسُوْلًا'' یا یہ ''ذِكْرًا'' سے بدل ہے گویا حضور بذاتِ خود بعینہٖ سراپا ذکر اور نصیحت ہیں یا پھر یہ بتقدیر حذف مضاف پر منصوب ہے] ''اَیْ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذَا ذِكْرٍ رَسُوْلًا'' یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نصیحت و خیر خواہی کرنے والے رسول کو نازل فرمایا اور ذکر سے شرف و عظمت اور بزرگی مراد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ'' (الزخرف:۴۴) ''اور بے شک یہ قرآن مجید آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث عظمت و فضیلت ہے'' یعنی یہ رسول

اللہ کے نزدیک بڑی عظمت وفضیلت والا ہے اور رسول سے حضرت جبریل یا سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ علیہما السلام مراد ہیں
﴿ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ ﴾ وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن اور واضح آیتیں تلاوت کر کے سناتے ہیں یعنی رسول اکرم یا اللہ عزوجل قرآنی آیات پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں ﴿ لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ تاکہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نکال لے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی تاکہ انہیں وہ ایمان اور عمل صالح حاصل ہو جائے جس پر وہ اب تک قائم ہیں یا یہ معنی ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ ازل سے جن کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ایمان لے آئیں گے انہیں ﴿ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ کفر وشرک اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "يُدْخِلْهُ" کی بجائے نون کے ساتھ "نُدْخِلْهُ" ہے اور "مَنْ" کے لفظ پر محمول کر کے واحد ذکر کیے گئے اور اس کے معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیے گئے ہیں] ﴿ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہترین رزق (یعنی اجر وثواب) تیار کر رکھا ہے۔ اس جملہ میں مؤمنوں کو جو اجر وثواب عطا کیا جائے گا اس کی تعظیم وتکریم اور تعجب کا معنی پایا جاتا ہے۔

١٢- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس پر تمام مفسرین متفق ہیں کہ سات آسمان ہیں [اسم جلالہ مبتدا ہے باقی خبر ہے] ﴿ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ اور ان کے برابر زمینیں پیدا کیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس آیت مبارکہ کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت و رہنمائی کرے کہ زمینیں سات ہیں اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی ہے اور زمینیں بھی آسمانوں کی طرح ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ زمین صرف ایک ہے البتہ اس کے اقالیم اور براعظم سات ہیں ﴿ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور جاری وساری رہتا ہے اور اس کی سلطنت و بادشاہت ان میں نافذ وجاری ہے ﴿ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے ["لِتَعْلَمُوْا" کا لام "خَلَقَ" کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ["عِلْمًا" تمیز ہے یا غیر لفظ سے مصدر ہے]۔

سورۃ التحریم مدنیۃ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — آیاتہا ١٢ رکوعاتہا ٢

سورۃ التحریم مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی بارہ آیات دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ

وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③

اے پیارے نبی! آپ اس چیز کو کیوں ترک کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے' آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے' اور سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہےO اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی' پھر جب اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نبی پر ظاہر فرمادیا تو نبی کریم نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا' اور کچھ سے چشم پوشی فرمالی' پھر جب آپ نے اسے یہ خبر سنائی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے علیم وخبیر خدا نے خبر دی ہےO

## شہد نہ کھانے کی قسم کا کفارہ ادا کرنے اور بعض ازواج کو تنبیہ کرنے کا بیان

1- ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ ﴾ اے پیارے نبی! آپ اس چیز سے کیوں رُکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے[1]

[1] عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

''هٰذَا الْخِطَابُ مُشْعِرٌ بِاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی غَایَةٍ مِنَ التَّفْخِیْمِ وَالتَّعْظِیْمِ حَیْثُ عَاتَبَهٗ عَلٰی اِتْعَابِ نَفْسِهٖ وَالتَّضْیِیْقِ عَلَیْهَا مِنْ اَجْلِ مَرْضَاةِ اَزْوَاجِهٖ کَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَهٗ لَا تُتْعِبْ نَفْسَكَ فِیْ مَرْضَاةِ اَزْوَاجِكَ بَلْ اَرِحْ نَفْسَكَ وَلَا تُتْعِبْهَا وَاَزْوَاجُكَ یَسْعَیْنَ فِیْ مَرْضَاتِكَ فَاِنْ یَّسْعَیْنَ فِیْ مَرْضَاتِكَ سَعِدْنَ وَاِلَّا فَلَا'' (ترجمہ) ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ'' کا یہ پیارا خطاب اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعظیم وتکریم اور فضیلت وعظمت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں (کیونکہ ایک اہم ترین مسئلہ پر تنبیہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرف نداء سے سرفراز فرما کر اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ اے محبوب و محترم نبی! جو چیز میں نے آپ کے لیے محبوب ومرغوب اور پسندیدہ بنادی ہے' آپ اس کے استعمال سے کیوں رُکتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عتاب وانتباہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنے آپ کو مشقت وتنگی میں ڈال دیا' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کے لیے اپنی ذات کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں بلکہ آپ اپنی جان کو آرام وراحت پہنچایئے اور آپ مشقت میں ہرگز نہ پڑیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات خود آپ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کیا کریں' کیونکہ اگر وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی تو وہ نیک بخت و سعادت مند ہو جائیں گی ورنہ نہیں۔ (تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین ج ۴ ص ۲۰۸' مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

حضرت ضیاء الامت لکھتے ہیں:

علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ نِدَاءُ اِقْبَالٍ وَتَشْرِیْفٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ'' سے خطاب فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرف نداء سے سرفراز فرمایا ہے: ''لِمَ تُحَرِّمُ سُؤَالُ تَلَطُّفٍ'' یعنی ازراہِ لطف ومحبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا' اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا' پھر سوال کیا' جس طرح ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' میں ہے' پھر فرماتے ہیں: تحریم سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلوت فرمائی اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا علم ہو گیا تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تم نے اس کو مخفی رکھنا ہے (حضور پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا' جس بیوی سے چاہیں خلوت فرمائیں لیکن آپ نے تعلیم امت اور اپنی ازواج مطہرات کی دل جوئی کے لیے باریاں مقرر کر دی تھیں) اور بے شک میں نے ماریہ کو اپنے آپ پر ممنوع فرما دیا اور میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ میرے وصال کے بعد میری امت کے اُمورِ مملکت کے والی ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہوں گے' لیکن حضرت حفصہ نے یہ خبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنا دی کیونکہ یہ دونوں آپس میں سہیلیاں تھیں۔

(۲) اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ سے خلوت فرمائی تھی (کیونکہ اس روز حضرت حفصہ' حضور سے اجازت لے کر اپنے والدین سے ملنے میکے چلی گئی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رُک جانا' جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ امتناع کسی کی دل جوئی کے لیے ہوتا ہے' جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۹۴۔۲۹۵)

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

"وَفِیْ نِدَائِهٖ ﷺ بِیَا اَیُّهَا النَّبِیُّ فِیْ مُفْتَتَحِ الْعِتَابِ مِنْ حُسْنِ التَّلَطُّفِ بِهٖ وَالتَّنْوِیْهِ بِشَانِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَالَا یَخْفٰی وَنَظِیْرُ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی (عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ) وَالْمُرَادُ بِالتَّحْرِیْمِ الْاِمْتِنَاعُ وَبِمَا اَحَلَّ اللّٰهُ الْعَسَلُ عَلٰی مَا صَحَّحَهُ النَّوَوِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی" (ترجمہ) اور عتاب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کو "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ" کے خطاب کے ساتھ نداء کے شرف سے مشرف فرما کر آپ کے ساتھ بہت حسین و جمیل لطف و کرم اور شفقت و محبت اور نرمی و مہربانی کا برتاؤ کیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہونے کا اظہار کیا گیا ہے جو کسی پر مخفی نہیں اور اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" (التوبہ: ۴۳) اور تحریم سے امتناع مراد ہے اور "مَا اَحَلَّ اللّٰهُ" سے شہد مراد ہے' اسی کو امام نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسی اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں:

"فِیْهِ تَعْظِیْمُ شَانِهٖ ﷺ بِاَنَّ تَرْكَ الْاَوْلٰی بِالنِّسْبَةِ اِلٰی مَقَامِهِ السَّامِی الْكَرِیْمِ یُعَدُّ كَالذَّنْبِ وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ فِیْ نَفْسِهٖ كَذٰلِكَ" (ترجمہ) اس آیت مبارکہ میں تو حضور سیّد عالم ﷺ کی شانِ مبارک کی رفعت و عظمت اور فضیلت و بزرگی کا اظہار ہے کیونکہ آپ کے عالی شان بلند و بالا اور کریم و عظیم مقام کی نسبت سے ایک اولیٰ کام کا ترک گناہ کی طرح شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ بہ ذات خود گناہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۱۴۷ 'مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول میں تین روایات ذکر کی گئی ہیں لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پینے سے روک لیا تھا' چنانچہ علامہ قرطبی' علامہ ابن کثیر' علامہ ابن حجر عسقلانی' علامہ شہاب الدین خفاجی' علامہ قاضی عیاض مالکی' علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی اور علامہ سیّد محمود آلوسی کی یہی تحقیق ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۔۱۰۶۔

تھیں) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ کو اس پر راضی کر لیا تھا اور اس بات کو مخفی رکھنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس کو مخفی نہ رکھا اور بتا دیا تو حضور نے انہیں ایک طلاق دے دی اور اپنی ازواجِ مطہرات سے الگ ہو کر صرف حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں رہائش اختیار کر لی اور اس گھر میں آپ نے انتیس (٢٩) راتیں قیام فرمایا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حکم خداوند سناتے ہوئے عرض کیا: حضور! آپ حضرت حفصہ سے رجوع فرما لیجئے کیونکہ وہ یقیناً روزہ دار' شب بیدار عورت ہے' نیز بے شک وہ آپ کی جنتی خواتین میں سے ہے۔

(٣) اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا' جس پر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں (غیرتِ طبعی کی وجہ سے) متفق ہو گئیں اور دونوں نے حضور سے عرض کیا کہ ہم آپ سے مغافیر (ایک قسم کی گوند جس کی بو حضور کو ناپسند تھی) کی بو محسوس کر رہی ہیں اور رسول اکرم نورِ مجسم ﷺ بو کو بہت ناپسند کرتے تھے' چنانچہ آپ نے شہد پینا ترک فرما دیا[1] سو آپ اس سے کیوں رُکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر رکھا ہے (یعنی) لونڈی سے تمتع یا شہد سے لطف اندوز ہونا ﴿تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ﴾ آپ تو اپنی بیویوں کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور یہ آپ کی لغزش تھی کیونکہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی چیز کو ممنوع قرار دے دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے[2] ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' بے شک اس نے آپ کی اس لغزش کو بخش دیا ہے ﴿رَّحِیْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' بے شک اس نے آپ پر رحم و کرم فرمایا' سو اس نے اس پر آپ کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

٢- ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ﴾ (اے مسلمانو!) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے ذریعہ تم اپنی قسموں سے بَری ہو جاؤ گے اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے قسموں سے بَری ہونے کے لیے تمہارے لیے کفارہ کو مشروع فرما دیا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں میں استثناء ("اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" کہنے) کو مشروع فرما دیا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "حَلَّلَ فُلَانٌ فِیْ یَمِیْنِهٖ اِذَا اسْتَثْنٰی فِیْهَا" فلاں آدمی اپنی قسم سے بَری ہو گیا' جب اس نے اپنی قسم میں استثناء کہا اور استثناء یہ ہے کہ آدمی قسم کے بعد متصل "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" کہہ دے تا کہ قسم نہ ٹوٹے اور کسی حلال چیز کو اپنے اوپر ممنوع قرار دینا ہمارے (احناف) کے نزدیک قسم ہے۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جانے کی قسم میں ایک غلام آزاد کیا تھا۔

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٥٢٦٧' مسلم رقم الحدیث: ١٤٧٤

[2] یہ علامہ نسفی کا تسامح ہے کیونکہ حضور پر شہد پینا نہ فرض تھا اور نہ واجب بلکہ مباح اور جائز تھا اور کسی مباح چیز کو استعمال کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں تو لغزش کیسی؟ نیز بیویوں کی دل جوئی کرنا نہ حرام ہے اور نہ مکروہ ہے بلکہ امت کے لیے مستحب ہے' دراصل اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت و ہمدردی کی کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کی خاطر اپنی پسندیدہ چیز کو کیوں ترک فرماتے ہیں اور اسے اپنے آپ پر کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں' آپ جب چاہیں جتنا چاہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کو استعمال کریں' آپ مخلوق میں سے کسی کی رضا جوئی کی فکر نہ کریں بلکہ تمام جن و انس کا فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں' لہٰذا آپ کی ازواجِ مطہرات کا بھی فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں۔ غوثوی ١٢

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مغفور ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام خلافِ اولیٰ اُمور کو بخش دیا ہے خواہ وہ پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں اور آپ کا غلام آزاد کرنا صرف مسلمانوں کی تعلیم کے لیے تھا (تاکہ مسلمان قسم توڑنے پر کفارہ ادا کریں) ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارا آقا اور تمہارے تمام معاملات کا متولی اور منتظم ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جانوں سے زیادہ تمہارا مالک ہے' پس اپنے آپ کے لیے تمہاری نصیحت و خیر خواہی سے اللہ تعالیٰ کی نصیحت و خیر خواہی تمہارے لیے زیادہ مفید ہے ﴿ وَهُوَ الْعَلِيْمُ ﴾ اور وہ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ تمہارے لیے مناسب احکام مشروع فرماتا ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ اپنے اوامر و نواہی میں بے شمار حکمتیں رکھتا ہے' جن کو وہ حلال قرار دیتا ہے اور جن کو وہ حرام قرار دیتا ہے۔

۳- ﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ ﴾ اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی (یعنی) حضرت ماریہ کے پاس نہ جانے کی بات اور حضراتِ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت و امامت کی بات ﴿ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ ﴾ پھر جب اس (بیوی حضرت حفصہ) نے وہ راز کی بات بتا دی (یعنی) اس نے وہ راز کی بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے افشاء کر دی ﴿ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے وہ خبر آپ پر ظاہر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی حضور نبی کریم ﷺ کو مطلع اور آگاہ فرما دیا کہ حضرت حفصہ نے آپ کی راز کی بات افشاء کر دی ہے ﴿ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ ﴾ آپ نے بات کا بعض حصہ بتا دیا اور بعض حصہ کے بتانے سے اعراض فرما لیا یعنی آپ نے بات کا بعض حصہ محض درگزر اور شرافت کے تحت نہ بتایا۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چشم پوشی کرنا اور درگزر سے کام لینا ہمیشہ شرفاء کا عمل رہا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "عَرَفَ" ہے یعنی درگزر فرمایا جیسے تم کسی بُرائی کرنے والے سے کہو: "لَاَعْرِفَنَّ لَكَ ذَالِكَ" میں تیرے لیے اس کو خوب جانتا ہوں] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بات ظاہر کر دی گئی تھی وہ خلافت و امامت کی بات تھی اور جس بات سے اعراض کیا گیا اور نہیں بتائی گئی وہ حضرت ماریہ کے متعلق بات تھی اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس بات کو چھپائے رکھنا ظاہر نہ کرنا؟ حضرت حفصہ نے عرض کیا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کرامت و بزرگی کے باعث خوشی کے مارے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کو مخصوص فرمایا۔ (تفسیر کشاف ج ۴ ص ۵۶۶) ﴿ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ ﴾ پھر جب آپ نے اس کو یہ بات بتائی (یعنی) حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو وہ بات بتا دی جو اس نے راز کی بات چپکے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ظاہر کر دی تھی ﴿ قَالَتْ ﴾ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ ﴾ آپ کو یہ بات کس نے بتا دی؟ حضور نے فرمایا: مجھے رازوں کے جاننے والے خدا نے بتا دیا ہے ﴿ الْخَبِيْرُ ﴾ وہ دلوں کے بھیدوں سے پوری طرح خبردار ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ

طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) سو تم دونوں کے دل راہِ اعتدال سے منحرف ہو گئے ہیں' اور اگر تم دونوں ان (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان' اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں ۝ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا رب تعالیٰ ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے گا مسلمان' ایمان دار' فرماں بردار' توبہ کرنے والیاں' عبادت گزار' روزہ دار' شوہر دیدہ اور کنواریاں ۝

٤- ﴿اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اگر تم دونوں توبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ خطاب حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے التفات کے طریقہ پر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان دونوں کے عتاب کے لیے زیادہ مؤثر ہو [اور اس شرط کا جواب محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَهُوَ الْوَاجِبُ'' اور اس پر درج ذیل کلام دلالت کرتا ہے] ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ سو بے شک تم دونوں کے دل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو خلوص تم پر واجب تھا' اس سے منحرف ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہ تم اس سے محبت رکھتیں جس سے حضور محبت کرتے ہوں اور تم اسے ناپسند کرتیں جسے حضور ناپسند کرتے ہوں ﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ اور اگر تم دونوں حضور کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں (یعنی) اگر حضور کے راز کو افشاء کر کے اور غیرت میں حد سے بڑھ کر تم دونوں آپ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں جس سے حضور کو تکلیف پہنچے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا حامی و ناصر اور مددگار ہے اور لفظ ''هُوَ'' کے اضافہ کا مطلب اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ حضور کا متولی و محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَجِبْرِيْلُ﴾ اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامی اور مددگار ہیں ﴿وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نیک مسلمان آپ کے حامی و مددگار ہیں یعنی وہ تمام لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص مراد ہے جو نفاق سے بَری اور پاک ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا: اس سے صحابہ کرام مراد ہیں [اور اگرچہ لفظ ''صالح'' واحد ہے مگر اس سے جمع مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی اصل ''صَالِحُوا الْمُؤْمِنِيْنَ'' ہے' پھر لفظ کی موافقت کے لیے واؤ کو خط اور کتابت سے حذف کر دیا گیا ہے] ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں (یعنی) اور تمام فرشتے اپنی عددی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کی مدد کے بعد حضور کے معاون و مددگار ہیں' پس دو عورتوں کی باہمی مدد اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جس کے یہ سارے مددگار ہوں اور جب فرشتوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد و تعاون کی تعظیم کے لیے ''بَعْدَ ذٰلِكَ'' ارشاد فرمایا۔

٥- ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا پروردگار تم سے بہتر تمہارے بدلے میں عطا فرما دے گا' سو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو خواتین ازواج مطہرات کے بدلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں دی جائیں گی' وہ ان سے بہتر کس طرح ہو سکتی ہیں حالانکہ روئے زمین پر امہات المؤمنین سے بہتر خواتین نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات رسولِ خدا ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو

اس بناء پر طلاق دے دیں گے کہ وہ آپ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتی ہیں تو پھر وہ اس ''خیر نساء'' کی صفت پر باقی نہیں رہیں گی اور ان کے علاوہ وہ خواتین جو حضور کے نکاح میں آ کر اس صفت ''خیر نساء'' سے متصف و موصوف ہو کر ان سے بہتر ہو جائیں گی ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ﴾ اسلام کا اقرار و اعتراف کرنے والیاں' ایمان دار اخلاص والیاں ﴿قٰنِتٰتٍ﴾ اطاعت و فرماں برداری کرنے والیاں سو ''قنوت'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لیے کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی صحت و قبولیت اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت و غلامی کے ساتھ مشروط ہے ﴿تٰٓئِبٰتٍ﴾ گناہوں سے توبہ کرنے والیاں' یا اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم و معظم رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنے والیاں ﴿عٰبِدٰتٍ﴾ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اسی کی عبادت کرنے والیاں ﴿سٰٓئِحٰتٍ﴾ ہجرت کرنے والیاں یا روزے رکھنے والیاں' کیونکہ روزہ دار کو ''سائح'' کہا جاتا ہے کیونکہ سیر و سیاحت کرنے والے کے پاس بھی سامانِ خرچ نہیں ہوتا' پس وہ دورانِ سفر رُکا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ کوئی کھانا وغیرہ پالے جسے کھا سکے' سو اس لیے اس کے ساتھ روزے دار کو کھانے سے رُکے رہنے میں تشبیہ دی جاتی ہے' یہاں تک کہ اس کے افطار کا وقت آ جائے ﴿ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ شوہر دیدہ و بیاہی ہوئیں اور کنواریاں [اور صرف ''ثَیِّبَاتٍ'' اور ''اَبْکَارًا'' کے درمیان حرفِ عطف اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے متنافی و متضاد ہیں جب کہ باقی صفات نہیں]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ ع ۱۹

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جس پر سخت دل بہت طاقتور فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے O اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو' بے شک تمہیں صرف ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کرتوت تم کرتے تھے O

## مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال سمیت اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا حکم

٦- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم گناہوں کو چھوڑ کر اور عبادات و طاعات کر کے اپنے آپ کو (دوزخ سے) بچاؤ ﴿وَاَهْلِيْكُمْ﴾ اور تم اپنے گھر والوں کو انہیں چیزوں کے ذریعے بچاؤ جن کے ذریعے تم اپنے آپ کو بچاتے ہو ﴿نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ایسی آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے یعنی آگ کی اس قسم سے بچو جو نہیں جلتی مگر انسانوں اور پتھروں کے ذریعے جیسا کہ اس قسم کے علاوہ دیگر آگیں لکڑیوں سے جلیں گی ﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ﴾ اس پر فرشتے مقرر ہیں جو اس کے تمام اُمور کے متولی اور منتظم ہیں اور اس میں داخل ہونے والوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں یعنی زبانیہ فرشتے جن کی تعداد انیس (١٩) ہے اور ان کے معاون و رفقائے کار فرشتے بھی ہیں ﴿غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ وہ اپنے اجسام میں سخت مضبوط و مستحکم اور قوی و طاقتور ہیں یا وہ گفتگو اور بات چیت میں سخت گیر اور کاموں میں بڑے طاقتور ہیں ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا

ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے'' اَیْ امرہ ''یعنی اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جیسے ارشاد ہے: ''اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ'' (طٰہٰ: ۹۳) ''تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے'' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جو کچھ حکم دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے ''لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ'' صفت ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''مَا اَمَرَهُمْ'' اسم جلالت سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے ﴿ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴾ اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے ادا کرتے ہیں اور یہ دونوں جملے ایک معنی میں نہیں ہیں کیونکہ پہلے جملے کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قبول کرتے ہیں اور انہیں ضرور حاصل کر لیتے ہیں اور دوسرے جملے کا معنی ہے کہ انہیں جن احکام کا حکم دیا جاتا ہے وہ انہیں فوراً ادا کرتے ہیں اور وہ ان احکام سے نہ تو غفلت کرتے ہیں اور نہ وہ ان میں سستی کرتے ہیں۔

۷- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو' بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کام تم دنیا میں کرتے تھے یعنی انہیں دوزخ کی آگ میں داخل ہوتے وقت یہ کہا جائے گا کہ آج تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ آج تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں یا یہ کہ آج تمہارا کوئی عذر تمہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞۸

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف خالص و سچی توبہ کرو' عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا' ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمارے لیے ہمارے نور کو کامل کر دیں اور ہمیں بخش دیں' بے شک آپ ہر چیز پر بہت قادر ہیں ○

## مسلمانوں کو توبہ کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان

۸- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں سچی پکی توبہ کرو۔ امام اخفش رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ''توبہ نصوح'' کا معنی ہے: سچی توبہ یعنی ''نَصُوْحٌ'' بہ معنی ''صَادِقَةٌ'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''نصوح'' کا معنی ہے: خالص یعنی خالص توبہ' چنانچہ جب شہد کو موم سے الگ کر لیا جائے تو پھر کہا جاتا ہے: ''عَسَلٌ نَاصِحٌ'' شہد خالص ہے اور بعض کا قول ہے: یہ ''نصاحة الثوب'' سے ماخوذ ہے کہ کپڑے کی پھٹن

کورفو کرنا یعنی تم اپنے دین میں نافرمانی کے پھٹن کو سچی اور خالص توبہ سے پُر کرو اور نافرمانی کے خلل کو مکمل کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ایسی توبہ مراد ہو جو لوگوں کے لیے نصیحت بن جائے یعنی توبہ کرنے والے میں توبہ اس قدر تاثیر پیدا کردے کہ اب وہ دوسرے لوگوں کو اپنی طرح توبہ کرنے کی دعوت دے اور ان کو سچی اور خالص توبہ کی نصیحت کرتا پھرے اور خود توبہ کے تقاضوں پر عمل کرنے میں خوب جدوجہد کرے۔

(۱) مرفوع حدیث میں ہے کہ "توبۃ نصوح" یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کی طرف ہرگز نہ لوٹے یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے۔ (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۲۲۷)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر اس میں مبتلا ہو جائے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ توبہ کہ تین شرطیں ہیں: (الف) زبان سے استغفار کرتا رہے (ب) دل میں نادم ہو (ج) اور اعضاء سے گناہ نہ کرے۔[1]

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری بُرائیاں مٹادے گا۔ یہ ("عَسٰی" کا استعمال) بادشاہوں کی عادت کے مطابق جاری ہوا ہے کیونکہ بادشاہانِ وقت اپنی رعایا کو انعامات سے نوازنے کے لیے "عَسٰی" اور "لَعَلَّ" کے ساتھ جواب دیتے ہیں اور ان کی طرف سے ان الفاظ کا استعمال قطعی اور یقینی معنی کی جگہ ہوتا ہے ﴿وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا' اس میں کفار پر طعن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل ورسوا اور خوار کرے گا ["یَوْمَ" کا نصب "یُدْخِلَکُمْ" کی وجہ سے ہے] ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا ["نورھم" مبتدا ہے اور باقی خبر ہے] ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو مکمل کر دیجئے۔ مسلمان یہ بات اس وقت عرض کریں گے جس وقت منافقین کا نور بجھ جائے گا ﴿وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور ہمیں بخش دیجئے بے شک تو ہر چیز پر بہت قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۗ

[1] سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی سے سنا' وہ کہہ رہا تھا: "اَللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: صرف زبان سے توبہ واستغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے' اس نے عرض کی: تو پھر میں حقیقی توبہ کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا: حقیقی توبہ کی چھ شرائط ہیں: (۱) گذشتہ گناہوں پر ندامت ہو (۲) فرائض کا اعادہ کرے اگر وہ قضا ہو گئے ہوں مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ ادا کرنا (۳) پختہ ارادہ کرنا کہ آئندہ پھر وہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا (۴) گذشتہ تمام مظالم کا لوٹانا (۵) حقوق العباد کی ادائیگی یعنی جس کے حق میں غلطی ہوئی اسے راضی کرنا (۶) اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں لگا دینا کہ لمحہ بھر مہلت نہ ملے جیسے اسے کسی غلطی پر سزا دی جاری ہے اور اسے عبادت واطاعت کا مزہ چکھانا جیسے اس نے گناہوں کے مزے لوٹے تھے۔ (تفسیر روح البیان مترجم' بہاولپور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۴۵' مطبوعہ دہلی)

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩

اے غیب کی خبریں سنانے والے پیغمبر! کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہےO اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے' وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' سو انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو وہ دونوں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہ بچا سکے اور فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤO

## کفار و منافقین سے جہاد اور دو عبرت آموز مثالوں کا بیان

۹-﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ﴾ اے عالی شان پیغمبر! کفار سے تلوار وغیرہ (یعنی جنگی ہتھیاروں) کے ساتھ جہاد کیجئے ﴿ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور منافقین سے وعید اور دھمکانے والی اور سخت ڈرانے والی بات چیت کے ساتھ اور مؤثر وعظ ونصیحت کے ساتھ جہاد کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان پر اسلامی حدود نافذ و قائم کر کے ان سے جہاد کیجئے ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ اور جنگ ولڑائی اور زبان سے حجت و دلیل کے ذریعے جہاد کر کے ان دونوں فریقوں پر سختی کیجئے ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۱۰-﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوح کی بیوی اور حضرت لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے' وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' پھر انہوں نے ان دونوں کے ساتھ خیانت کی تو وہ دونوں نیک بندے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہیں بچا سکے اور ان سے فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے کفار کے حال کی ایک مثال بیان فرمائی کہ کفار کو اپنے کفر وشرک کرنے پر اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت و دشمنی کرنے پر سخت سزادی جائے گی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان خاندانی اور سُسرالی قرابت و رشتہ داری انہیں کوئی نفع اور فائدہ نہیں دے گی اور اگر چہ وہ مؤمن جس کے ساتھ کافر کا رشتہ جڑا ہوا ہے وہ نبی بھی ہو تو کافر کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا حال ہوا' جب انہوں نے منافقت کی اور ان دونوں کی بیویوں نے دونوں رسولوں کے راز کفار کے سامنے افشاء کر کے ان سے خیانت کی تو انہیں رسولانِ گرامی بھی نہ بچا سکے یعنی ان دو عورتوں اور دونوں رسولوں کے درمیان زوجیت کا رشتہ تھا' اس کے باوجود وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے اور ان دونوں عورتوں کو ان کی موت کے وقت یا پھر قیامت کے دن فرمایا جائے گا کہ تم دونوں دیگران داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ' جن کے درمیان اور انبیائے کرام کے درمیان کوئی رشتہ موجود نہیں یا انہیں فرمایا جائے گا کہ تم دونوں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں میں سے اپنے کافر بھائیوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ 11
عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ 12
رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ ع

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے‘ جب اس نے کہا: اے میرے پروردگار! جنت میں اپنے پاس میرے لیے ایک گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دیجئے O اور اللہ تعالیٰ نے عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی ہے جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی‘ سو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی O

۱۱- ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی ایک مثال بیان کی ہے۔ یہ عورت حضرت آسیہ بنت مزاحم تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں‘ جس پر فرعون ظالم نے دھوپ میں گرم ترین ریت پر لٹا کر حضرت آسیہ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں اور کیل ٹھونکوا کر انہیں عذاب دیا تھا ﴿اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ جب حضرت آسیہ کو فرعون کی طرف سے عذاب دیا جا رہا تھا اس وقت حضرت آسیہ نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دیجئے تو گویا حضرت آسیہ نے عالی اور بلند درجہ طلب کرنا چاہا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ اور پاک ہے جب کہ حضرت آسیہ نے عالی شان بلند و بالا درجہ کو اپنی دعا میں ''عِنْدَكَ'' سے تعبیر کیا ہے ﴿وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ﴾ اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما یعنی مجھے فرعون کے عمل سے نجات عطا فرما‘ یا یہ معنی ہے کہ مجھے فرعون کی خبیث و ناپاک ذات سے اور خاص کر اس کے عمل سے نجات دے دے اور اس کا عمل کفر و ظلم کرنا اور بغیر کسی جرم کے سزا دینا ہے ﴿وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما‘ تمام قبطی قوم سے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مصائب و آلام اور مشقتوں اور تکلیفوں کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنا اور اس کی بارگاہ میں التجاء و عاجزی کرنا اور نجات و خلاصی کی دعا کرنا‘ نیک و پاک باز لوگوں کی عادات میں سے ایک عادت ہے۔

۱۲- ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریم کی (ایک مثال بیان کی ہے) جس نے مردوں سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ سو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی (یعنی) ہمارے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی شرم گاہ میں ہماری پیدا کردہ روح پھونکی تھی ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا﴾ اور اس نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کی یعنی اس نے ان الہامی آسمانی صحیفوں کی تصدیق کی جو حضرت ادریس علیہ السلام اور ان کے دیگر پیغمبروں پر نازل کیے گئے تھے ﴿وَكُتُبِهٖ﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تصدیق کی یعنی چاروں کتابوں (تورات‘ زبور‘ انجیل اور قرآن مجید) کی تصدیق کی تھی [امام حفص اور ابوعمرو

بصری کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''کُتُبِہٖ'' پڑھا جاتا ہے (جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں واحد کے ساتھ ''کِتَابِہٖ'' پڑھا جاتا ہے)] ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ اور وہ فرماں برداروں میں سے تھیں۔ جب ''قنوت'' ایک ایسی صفت ہے (جو مذکر ومؤنث) دونوں صنفوں کے فرماں برداروں کو شامل ہے تو مذکر کی صنف کو مؤنث پر غالب قرار دے دیا گیا اور حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ابتدائے غایت کے لیے ہو اس بناء پر کہ حضرت مریم ابتداء سے فرماں برداروں میں پیدا ہوئیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں' اور یہاں مسلمانوں کے حال کی مثال بیان کی گئی کہ انہیں کافروں کی رشتہ داری اور تعلق کوئی نقصان نہیں دے گا اور ان کے اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں سے کسی میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا حال ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ایک دشمن کی بیوی تھی اور حضرت مریم بنت عمران کا حال ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کرامت وعزت عطا کی گئی اور اپنے زمانہ میں تمام خواتین پر فضیلت وشان عطا کی گئی' اس کے باوجود کہ ان کی قوم کافر تھی۔

اور ان دو مثالوں کے بیان میں ان دو امہات المؤمنین کے لیے تنبیہ ہے' جن کا اس سورت کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور جن دونوں کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنے کی وجہ سے کوتاہی ہو گئی تھی جسے حضور نے سخت ناپسند کیا تھا اور ان دونوں کو سخت انداز میں ڈرایا گیا ہے اور یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں بیبیوں کا فرض تھا کہ وہ اخلاص میں ان دو مؤمنہ عورتوں کی طرح ہوتیں اور وہ دونوں اس بات پر بھروسا اور تکیہ نہ کرتیں کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔

سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | آیاتہا ۳۰ رکوعاتہا ۲

سورۃ الملک مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۝ — اس کی تیس آیات' دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۝۱ الَّذِيْ
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲
الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ
فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا
رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر بہت قادر ہے۝ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں' اور وہ بہت غالب بے حد بخشنے والا

ہےO جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان پیدا کیے' تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے' سو تم دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھو' کیا تمہیں کوئی شگاف نظر آتا ہےO پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو تو نظر عاجز ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہو گیO اور بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کر دیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہےO

## اللہ تعالیٰ کی قدرت' موت وحیات کی حکمت اور شیاطین کی ذلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الملک مکی ہے اور اس کی تیس (٣٠) آیات ہیں۔

(١) اور اس سورت کا نام "واقیه" اور "منجیه" بھی ہے کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذابِ قبر سے بچائے گی اور اس کو نجات دلائے گی (٢) جس نے اس سورت کو رات میں پڑھا' بے شک اس نے خیر کثیر حاصل کی اور اس نے سب سے عمدہ نیکی کی۔ (تفسیر در منثور ج ٨ ص ٢٣٢)

١- ﴿تَبٰرَكَ﴾ بڑی برکت والا بہت بلند و بالا ہے اور مخلوق کی صفات سے بہت اونچا اور ارفع و اعلیٰ ہے ﴿الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے یعنی تمام سلطنت اس کے تصرف اور قبضہ میں ہے اور وہ ہر موجود پر غالب و قابض ہے اور وہی ساری بادشاہی کا مالک و مختار ہے' جس کو چاہتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ﴾ اور وہ تمام مقدورات میں سے ہر چیز پر بہت قادر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ انعام دینے اور انتقام لینے میں ہر ایک پر بہت قادر ہے (یعنی) وہ ہر کمال پر قادر ہے۔

٢- ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ﴾ جس نے موت کو پیدا کیا [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا اس سے پہلے جو "اَلَّذِیْ" ہے یہ اس سے بدل ہے] ﴿وَالْحَيٰوةَ﴾ اور حیات کو پیدا فرمایا' یعنی جس کے وجود کا احساس (چلنا پھرنا' دیکھنا سننا اور بولنا وغیرہ) صحیح اور سلامت ہو اور موت اس کے برعکس ہے اور "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" کا مطلب ہے' اس "مُصَحَّح" (صحیح سلامت وجود) کو ایجاد کرنا اور اس کو معدوم کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے مکلفین! تمہاری موت کو اور تمہاری حیات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے' نیز تا کہ وہ اپنے ہر امر اور ہر نہی کے ذریعے تمہارا امتحان لے' اس موت کے درمیان جو حاکم و محکوم اور امیر و اسیر کے لیے عام ہے اور اس حیات کے درمیان جو نہ کسی بیماری کی وجہ سے اور نہ کسی طبیب کی وجہ سے پوری ہوتی ہے' پھر تم سے وہی ظاہر ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک تم سے وہی ہو گا پھر وہ قیامت کے دن تمہارے اعمال پر جزاء دے گا' اپنے علم پر نہیں جو اسے تمہارے بارے میں ازل سے تھا ﴿اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں ["اَيُّكُمْ" مبتدا ہے اور "اَحْسَنُ عَمَلًا" اس کی خبر ہے] یعنی تم میں سے کس کے عمل زیادہ خالص اور زیادہ درست و بہتر ہیں' سو خالص عمل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو اور صواب و درست اور بہتر و اچھا عمل وہ ہے جو سنت نبوی کے مطابق ہو' اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی عطا فرمائی جس کے ذریعے تم عمل پر قادر ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر موت کو مسلط کیا جو بُرے عمل کی بجائے نیک اور اچھے عمل کو اختیار کرنے کے لیے تمہیں دعوت دینے والی ہے اور موت کے بعد اور کچھ نہیں ہو گا ماسوا حشر کے اور جزاء کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور موت کو حیات پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ عمل کی طرف دعوت دینے والا اقوی وہ شخص ہے جو اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر رکھتا ہے' پس موت کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ جس مقصد کے لیے آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے' اس مقصد کی طرف لے جانے والی اہم ترین موت ہے اور پھر جب موت کو جو

صفتِ قہر کا اثر ہے اس حیات پر مقدم کیا گیا جو صفتِ لطف وکرم کا اثر ہے تو (درج ذیل) ارشاد میں صفت قہر کو صفت لطف پر مقدم کیا گیا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اسے کوئی آدمی ہرگز عاجز نہیں کر سکتا جس نے بُرے عمل کر لیے ہیں ﴿الْغَفُورُ﴾ وہ بہت بخشنے والا ہے بہت پردہ پوشی فرمانے والا ہے جس سے بدترین گناہ گار بھی مایوس نہیں ہوتے۔

۳۔﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ جس نے ایک دوسرے کے اوپر برابر سات آسمانوں کو پیدا کیا' ہر زیریں آسمان بالائی آسمان کے برابر ہے' یہ "طَابَقَ النَّعْلَ" سے ماخوذ ہے' جب موچی جوتے کے دو پتوں میں سے ایک پتے کو دوسرے پتے پر برابر رکھ کر سیتا ہے [اور یہ مصدر "سبع" کی صفت ہے یا "ذَاتَ طِبَاقٍ" ہے یا پھر "طوبقت طباقا" ہے اور بعض کا قول ہے کہ "طِبَاقٌ"، "طَبَقٌ" کی جمع ہے' جیسے "جَمَلٌ" کی جمع "جِمَالٌ" ہے] ﴿مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ تم رحمٰن کی تخلیق میں خلل اور فرق نہیں دیکھو گے۔ یہ خطاب رسول اکرم کے لیے ہے یا پھر ہر مخاطب کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی اختلاف وفرق اور خلل نہیں پاؤ گے' اور امام سدی نے فرمایا کہ "تفاوت" کا عیب ہے کہ تم تخلیق الٰہی میں کوئی عیب نہیں دیکھو گے اور حقیقت میں "تفاوت" کا معنی عدم تناسب ہے گویا چیز کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے موافق اور اس کے مناسب نہ ہو اور اس کی اصل "مَا تَرٰى فِيهِنَّ مِنْ تَفَاوُتٍ" ہے یعنی تم ان (آسمانوں) میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے' پھر ضمیر "فیھن" کی جگہ "خلق الرحمٰن" کو رکھا گیا ہے تاکہ آسمانوں کی تخلیق کے لیے عظمت کا اظہار ہو اور خلل اور فرق سے آسمانوں کے سلامت رہنے کے سبب پر تنبیہ ہو جائے اور وہ یہ کہ انہیں رحمٰن نے پیدا کیا ہے اور وہ زبردست قدرت والا ہے' وہی اس قسم کی متناسب وموزوں مخلوق کو پیدا کرتا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "تَفٰوُتٍ" کی بجائے "تَفَوُّتٌ" ہے' دونوں کلموں کا ایک معنی ہے جیسے "تَعَاهُدٌ" اور "تَعَهُّدٌ" ہے اور یہ جملہ "طِبَاقًا" کی صفت ہے] ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ﴾ سو تم نظر لوٹا کر دیکھو (یعنی) تم اپنی نظر آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو یہاں تک کہ جس کی تمہیں خبر دی گئی ہے' وہ تمہارے نزدیک معائنہ سے صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے بارے میں تمہارے ساتھ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے ﴿هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ کیا تمہیں کوئی پھٹن اور کوئی شگاف نظر آتا ہے اور "فطور"، "فطر" کی جمع ہے اور وہ شگاف ہوتا ہے۔

٤۔﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ پھر تم دوبارہ نگاہ آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو' نظر کو دوبارہ پھیر کر دیکھو یعنی پہلی مرتبہ کے ساتھ دوسری مرتبہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ پہلی دفعہ کے علاوہ' سو اس طرح تین دفعہ ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دو دفعہ پر اکتفاء کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ بار بار دیکھنا یعنی تم اپنی نگاہ کو بہت زیادہ بار بار آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھو اور اسے غور سے باریک بینی سے دیکھو کیا تمہیں کوئی خلل یا کوئی عیب نظر آتا ہے' اور اس امر کا جواب یہ (درج ذیل) ہے: ﴿يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا﴾ تمہاری نگاہ عاجز اور تمہارے مقصد سے بہت دور ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی ["خَاسِئًا"، "اَلْبَصَرُ" سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ اور وہ تھکی ہاری کمزور و بے بس اور تم اس میں کوئی خلل نہیں پاؤ گے۔

۵۔﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا﴾ اور بے شک ہم نے نزدیک ترین دنیا کے آسمان کو مزین وآراستہ کر دیا ہے یعنی جو آسمان تمہارے نزدیک ہے ﴿بِمَصَابِيحَ﴾ روشن کرنے والے چراغوں (ستاروں) کے ساتھ جیسے صبح آتے ہی اُجالا کر دیتی ہے "مصابیح"، "مصباح" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: چراغ' عربی میں "مصباح" کو "سراج" بھی کہا جاتا

ہے'سو" مصابیح" کے ساتھ ستاروں کے نام رکھے گئے ہیں اور لوگ اپنی مسجدوں اور اپنے گھروں کو چراغوں کو روشن کر کے آراستہ کرتے ہیں (جیسے شبِ قدر'شبِ میلاد اور شبِ معراج کے موقع پر)' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے فلاں گھر کی چھت کو چراغوں سے آراستہ اور مزین کر دیا ہے' جس میں تمہارا اجتماع ہونا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے چراغوں سے آسمانِ دنیا کو (میلاد کی خوشی میں پہلے سے[1]) مزین و آراستہ کر دیا ہے جن کا مقابلہ تمہارے چراغوں کی روشنی نہیں کر سکتی ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے یعنی تمہارے دشمنوں کے لیے جو تمہیں نورِ ایمان سے نکال کر کفر و شرک کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (۱) آسمان کے لیے زینت (۲) شیطانوں کے لیے شعلہ زن ہو کر مار بھگانے والے (۳) رہبری کی علامات و نشانیاں جن کے ذریعہ رات کو (مسافروں اور رات کو کام کرنے والوں کے لیے) رہنمائی حاصل کی جاتی ہے' سو جس نے اس کے علاوہ غور و فکر کیا اس نے ایسا تکلف کیا جس کا اسے خود علم نہیں' اور "رُجُوْمٌ"'"رَجْمٌ" کی جمع ہے اور "رجم" مصدر ہے اور یہ نام اسے دیا جاتا ہے' جس کے ذریعے سنگ باری کی جاتی ہے اور ستاروں کا شیاطین کے لیے "رجوم" ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان سے شعلے نکلتے ہیں جیسے آگ سے شعلے نکلتے ہیں' پھر وہ ستاروں سے نکلے ہوئے شعلے جنوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں یا انہیں لنگڑا کر دیتے ہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ ستارے اپنی جگہوں سے منتقل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں اپنے اصل حال پر گڑے ہوئے ہیں ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (یعنی) ہم نے دنیا میں شیطانوں کو ستاروں کے شعلوں کے ذریعے جلانے کے بعد آخرت میں ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا
سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ
سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ
اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ جب انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی خوف ناک بلند چیخ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی ○ قریب ہے کہ وہ غضب

[1] کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا" اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوقات کو پیدا نہ کرتا' تو گویا زمین و آسمان' چاند سورج اور ستارے سب حضور کی وجہ سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ (الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ ص ۱۵' مطبوعہ حکمۃ الحقوق فی بیروت' حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹' مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ' لائلپور)

سے پھٹ جائے گی' جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھاO وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بلکہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا' سو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میںO اور وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا ہم عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتےO سو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا' پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہےO بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہےO

## کفار کے کفر پر سزا اور مسلمانوں کے لیے خوفِ خدا پر انعام کا بیان

٦- ﴿ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾ اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا (یعنی) ہر اس شخص کے لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا خواہ وہ شیطانوں میں سے ہو یا ان کے علاوہ انسانوں میں سے ہو' اس کے لیے ﴿ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ ﴾ دوزخ کا عذاب ہے۔ اس عذابِ دوزخ کے ساتھ صرف وہی شیاطین مخصوص نہیں ہیں جنہیں ستاروں کے شعلوں کے ذریعے مار بھگایا جائے گا ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (یعنی) دوزخ واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

٧- ﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا ﴾ جب ان کو اس میں ڈالا جائے گا (یعنی) جب کافر جنوں اور کافر انسانوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا' جس طرح بہت بڑی آگ میں لکڑیوں کو پھینکا جاتا ہے ﴿ سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا ﴾ وہ دوزخ سے ایک مکروہ آواز سنیں گے جیسے گدھے کی مکروہ آواز ہوتی ہے۔ دوزخ کی مکروہ اور قبیح و بدترین آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے ﴿ وَّهِيَ تَفُوْرُ ﴾ اور وہ کافروں پر جوش مار رہی ہوگی جیسے ہانڈی کے اندر کی چیز جوش مارتی ہے۔

٨- ﴿ تَكَادُ تَمَيَّزُ ﴾ قریب ہے کہ وہ پھٹ جائے گی۔ اصل میں "تَتَمَيَّزُ" ہے یعنی پھٹ جائے گی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی ﴿ مِنَ الْغَيْظِ ۖ ﴾ کفار پر غضب کی وجہ سے پھر دوزخ کو کفار پر غضب ناک قرار دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو جلانے کے لیے بہت سخت جوش مار رہی ہوگی ﴿ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ ﴾ جب کبھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا (یعنی) جب کفار کی کسی جماعت کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ﴿ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ ﴾ اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے (یعنی) مالک فرشتہ اور زبانیہ فرشتوں میں سے اس کے معاونین فرشتے کفار کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ان سے پوچھیں گے: ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا رسول نہیں آیا جو تمہیں اس عذاب سے ڈراتا۔

٩- ﴿ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس ڈرسنانے والا آیا تھا۔ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے لیے اعتراف ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسولوں کو بھیج کر اور جس کفر و شرک اور گناہوں میں وہ مبتلا تھے' ان سے انہیں ڈرا کر ان کے دلائل اور بہانوں کو دور کر دیا ﴿ فَكَذَّبْنَا ﴾ سو ہم نے جھٹلا دیا یعنی ہم نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا تھا ﴿ وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ ﴾ اور ہم نے کہا: وہ رسول جو کچھ وعدے اور وعید وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴾ تم نہیں ہو مگر بہت بڑی گمراہی میں یعنی کفار نے ڈرانے والے رسولوں سے کہہ دیا: تم بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو پس "نـذيـر" بہ معنی "انـذار" ہے' پھر اس کے ساتھ "مُـنْـذِرُوْن" کو متصف کیا گیا تاکہ "انـذار" (ڈرانے) میں مبالغہ کیا جائے گویا وہ پیغمبرانِ خدا صرف ڈرانے والے نہیں بلکہ وہ سراپا "انـذار" تھے' اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام کفار

کے لیے دوزخ کے فرشتوں نے کہا ہو یعنی دوزخ کے محافظ فرشتوں نے کافروں کے لیے کہا ہو کہ تم صرف بڑی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو' اور ''ضلال'' سے ہلاکت مراد ہے یا پھر ''ضلال'' کی جزاء کو ''ضلال'' کا نام دیا گیا ہے' جیسا کہ برائی اور ظلم کی جزاء کو بُرائی اور ظلم کا نام دیا جاتا ہے اور علم البیان میں اسے مشاکلت کہا جاتا ہے یا یہ کہ یہ کلام کفار کے لیے رسولوں نے فرمایا ہو کہ تم بہت بڑی گمراہی میں ہو' جیسے کفار نے بطورِ حکایت محافظ فرشتے کے لیے بیان کیا ہو یعنی انہوں نے ہمارے لیے یہ فرمایا تھا جسے ہم نے قبول نہیں کیا۔

۱۰- ﴿ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ ﴾ اور وہ (کفار) کہیں گے: کاش! ہم نے ڈرانے کی باتوں کو اس طرح غور سے سنا ہوتا جس طرح حق کا طالب غور سے سنتا ہے ﴿ أَوْ نَعْقِلُ ﴾ یا ہم نے عقل سے کام لیا ہوتا یعنی کاش! ہم اس کو اس طرح سمجھتے جس طرح غور وفکر اور سوچ بچار کرنے والا سمجھتا ہے تو ﴿ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴾ ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے (یعنی) دوزخیوں کی جماعت میں' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکلیف (مکلّف ہونے) کا مدار شرعی دلائل اور عقل سلیم ہے اور بے شک یہ دونوں لازمی حجتیں ہیں۔

۱۱- ﴿ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ ﴾ پھر وہ اپنے گناہ یعنی رسولوں کو جھٹلانے کے متعلق اپنے کفر کا اعتراف کرلیں گے ﴿ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴾ پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہے [قاری یزید اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''حا'' ساکن کی بجائے مضموم ہے یعنی ''فَسُحُقًا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: پس ان دوزخ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عزت و کرامت سے دوری ہو' خواہ وہ اعتراف کریں یا انکار کردیں کیونکہ یہ اعتراف جرم بھی انہیں کوئی نفع نہیں دے گا اور ''فَسُحْقًا'' کا نصب اس کے مصدر ہونے کی بناء پر ہے کیونکہ یہ دعائے ضرر کے موقع پر واقع ہے۔

۱۲- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ﴾ بے شک جو لوگ بن دیکھے یعنی عذاب کے معائنہ اور مشاہدہ کرنے سے پہلے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ﴿ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ﴾ ان کے لیے ان کے گناہوں کی مغفرت و بخشش ہے ﴿ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴾ اور ان کے لیے بہت بڑا اجر وثواب ہو گا یعنی جنت میں جائیں گے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۳﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا ع ۱۴
وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾ أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ
الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿۱۶﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ
فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿۱۷﴾

اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے' حالانکہ وہ بہت باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنایا' پس تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ' اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے O کیا تم اس

سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے پس وہ اچانک لرزنے لگےO کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہےO

## اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کی وسعت اور کفار کی مذمت کا بیان

١٣- ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ﴾ اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں امروں میں سے کسی ایک کا حکم ہے آہستہ بولنا اور بہ آوازِ بلند بولنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا آپس میں آہستہ بولنا اور بلند آواز میں بولنا اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہے کیونکہ وہ دونوں حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ناگوار باتیں کہتے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کو وہ سب کچھ بتا دیتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بارے میں بکواس کی ہوتی تھی' سو اس لیے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: تم آہستہ بات کہا کرو تاکہ (سیّد عالم حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خدا سن نہ لے' تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے اسرار اور اس میں مخفی رازوں کو خوب جانتا ہے' اس سے پہلے کہ زبانیں ان کی ترجمانی کریں تو بھلا وہ ان باتوں کو کیسے نہیں جانتا جن کو بولا جاتا ہے؟

١٤- ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا [کلمہ ''مَنْ'' اس بناء پر محلاً مرفوع ہے کہ یہ ''یَعْلَمُ'' کا فاعل ہے] ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ بہت باریک بین سب کی خبر رکھنے والا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے' اس خالق و مالک کا علم دلوں کے رازوں اور مخفی باتوں اور اعلانیہ باتوں کو محیط نہ ہو' حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ بہت باریک بین ہے یعنی تمام اشیاء کی باریکیوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ بہت خبردار ہے کہ وہ تمام اشیاء کی حقیقتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس آیت مبارکہ سے اقوال کے مخلوق ہونے کا اثبات ہو گیا' سو ''خَلْقِ اقوال'' کا مسئلہ بندوں کے افعال کے ''خَلْق'' ہونے پر دلیل ہو جائے گا [اور ابوبکر بن اصم اور جعفر بن حرب نے کلمہ ''مَنْ'' کو مفعول قرار دیا ہے اور ''یعلم'' کے فاعل کو مضمر قرار دیا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے' پھر انہوں نے اس طریقہ سے یہ حیلہ کیا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں ہیں]۔

١٥- ﴿هُوَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا﴾ جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کو نرم و آسان اور مسخر و تابع بنایا جس پر چلنا پھرنا دشوار و مشکل نہیں رہا ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ پس تم اس کے جوانب و اطراف میں فوائد کے حصول اور رزق کی طلب میں چلو پھرو' یا یہ معنی ہے کہ تم اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو یا یہ کہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو ﴿وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ اور تم اس کے رزق میں سے کھاؤ یعنی تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ ﴿وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے یعنی تم سب نے اٹھ کر اسی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے' سو وہ تم سے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے متعلق سوال کرے گا اور پوچھے گا جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی تھیں۔

١٦- ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ کیا تم اس ذات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے: ''اَیْ مَنْ مَلَكُوْتُهٗ فِي السَّمَآءِ'' یعنی وہ ذات پاک جس کی حکمرانی آسمان میں بھی ہے کیونکہ آسمان تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن

ہے اور اسی آسمان سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی کتابیں اور اس کے اوامر اور نواہی نازل ہوتے ہیں تو گویا فرمایا کہ کیا تم آسمان کے خالق اور اس کے بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو اور اس لیے بھی کہ کفار مکہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور بے شک رحمت اور عذاب دونوں آسمان سے نازل ہوتے ہیں' سو ان کے اعتقاد کے مطابق ان سے کہا گیا کہ کیا اس ذات پاک سے بے خوف ہو گئے ہو جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ وہ آسمان میں ہے حالانکہ وہ تو مکان میں رہنے سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے ﴿ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے جیسا کہ قارون کو دھنسا دیا تھا ﴿ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴾ پس اچانک وہ لرزنے لگے' ہلنے لگے اور کانپنے لگے۔

۱۷- ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ﴾ کیا تم اس ذاتِ اقدس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان کا خالق و مالک ہے کہ وہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے۔ ''حَاصِبًا'' بہ معنی ''حجارة'' ہے یعنی پتھر ['' اَنْ یُّرْسِلَ '' بدل اشتمال میں سے بدل واقع ہو رہا ہے اور اسی طرح '' اَنْ یَّخْسِفَ '' ہے] ﴿ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا رہا یعنی جب تم وہ عذاب دیکھ لو گے جس سے تمہیں ڈرایا گیا ہے تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا مگر اس وقت جان لینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

وقف لازم / وقف غفران / وقف منزل

اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا' سو میرا انکار کیسا رہا O اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پَر پھیلائے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا اور (کبھی) وہ سمیٹ لیتے ہیں' انہیں ماسوا رحمٰن کے کوئی نہیں روک سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے O کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو رحمٰن کے علاوہ تمہاری مدد کر سکے' کفار صرف دھوکے میں مبتلا ہیں O کیا کوئی ایسا ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ڈٹے ہوئے ہیں O تو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے O

۱۸- ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا (یعنی) آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں انہوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی ان پر میرا عذاب کیسا سخت تھا' جب میں نے ان (منکرین) کو ہلاک کر دیا تھا۔

۱۹- زمین میں دھنسانے اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسانے کی قدرت کے ذکر کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی

مزید قدرت پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفار مکہ نے اپنے اوپر ہوا میں پرندوں کو نہیں دیکھا جب وہ اُڑتے وقت فضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے اپنے پَروں کو پھیلاتے ہوئے اُڑتے ہیں [''طیر'' ''طائر'' کی جمع ہے] ﴿ وَّیَقْبِضْنَ ؕ ﴾ اور وہ کبھی سمیٹ لیتے ہیں (یعنی) وہ پرندے کبھی اپنے پَروں کو سمیٹ لیتے ہیں' جب وہ پَروں کو پہلوؤں پر مارتے ہیں [اور ''یَقْبِضْنَ'' کو اسم فاعل ''صآفّات'' کے معنی پر محمول کر کے معطوف کیا گیا ہے یعنی ''یَصْفُفْنَ وَیَقْبِضْنَ'' یا پھر ''صآفّاتٍ وَّقَابِضَاتٍ'' ہے اور یہ ترکیب اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اُڑنے کی اصل پَروں کو پھیلانا ہے] کیونکہ ہوا میں اُڑنا پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ہوا اُڑنے والے کے لیے اس طرح ہوتی ہے جس طرح تیرنے والے کے لیے پانی ہوتا ہے اور تیرنے میں اصل بازوؤں اور ہاتھوں کو دراز کرنا اور پھیلانا ہوتا ہے' لیکن ہاتھوں کو پھیلانے کے بعد کبھی سمیٹنا کبھی کھولنا حرکت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ہوا میں اُڑنے کے لیے اصل تو پَروں کو پھیلانا ہوتا ہے لیکن حرکت کے اظہار کے لیے کبھی سمیٹنا اور کبھی کھولنا ہوتا ہے' اس لیے فعل کا کلمہ لایا گیا ہے ﴿ مَا یُمْسِکُهُنَّ ﴾ ان کو پَروں کے سمیٹتے وقت اور پھیلاتے وقت گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ﴿ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ ﴾ ماسوا رحمٰن کے جو اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں روکے رکھتا ہے ورنہ ثقیل اور بوجھ والی چیز طبعی طور پر زمین کی طرف نیچے گر جاتی ہے' اوپر بلندی کی طرف اپنے آپ نہیں جاتی اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی اور اس کی تدبیر و منصوبہ بندی جہان سے رُک جائے تو تمام آسمان گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں [اور ''مَا یُمْسِکُهُنَّ'' جملہ مستانفہ ہے اور اگر اس کو ''یَقْبِضْنَ'' کی ضمیر ''هُنَّ'' سے حال بنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے] ﴿ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍۢ بَصِیْرٌ ﴾ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے' وہ جانتا ہے کہ وہ کیسے پیدا کرتا ہے اور کیسے عجائبات کی تدبیر کرتا ہے۔

۲۰۔ ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہارے لیے ایسا لشکر ثابت ہو کہ وہ رحمٰن کے علاوہ تمہاری مدد کرے [''اَمَّنْ'' مبتدا ہے ''هٰذَا'' اس کی خبر ہے ''هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ'' اپنے سے پہلے ''هٰذَا'' سے بدل ہے جب کہ اپنے مابعد کے لیے موصوف ہے اور ''یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ'' محلاً مرفوع ''هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ'' کی صفت ہے اور واحد لفظ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مدد کرنے کے لیے وہ کون ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے] ﴿ اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴾ کفار صرف دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں [حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے ''اَیْ مَا هُمْ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ'' یعنی وہ نہیں مگر دھوکا میں]۔

۲۱۔ ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ ۚ ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچائے اگر وہ اپنا رزق روک لے [''اَمْ مَّنْ'' ''مُشَارٌ اِلَیْهِ'' ہے اور کہا جائے گا کہ کیا یہ ہے وہ جو تمہیں رزق دیا کرے گا' اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر دے؟ اور یہ اس تقدیر پر ہے] اور یہ بھی جائز ہے کہ اشارہ تمام بتوں کی طرف ہو رہا ہو کیونکہ کفار کا یہ اعتقاد تھا کہ بے شک مصائب و آلام سے ان کی حفاظت اور ان کا رزق انہیں ان کے معبودوں کی برکت سے دیا جاتا ہے' پس گویا بت ان کے مددگار اور ان کے رازق ہیں' پھر جب انہوں نے کوئی نصیحت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کر کے ارشاد فرمایا: ﴿ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴾ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ہٹ دھرم اور ضدی ہو چکے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے تکبر کر کے اور اس سے دور بھاگ کر حد سے بڑھ چکے ہیں کیونکہ حق ان پر ثقیل اور بوجھ بن چکا ہے' سو اس لیے انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی۔

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے لیے ایک مثال بیان کی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی

وَجْهِهٖٓ ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل جھک کر چلتا ہے یعنی وہ ہر لحہ منہ کے بل اوندھا گر پڑتا ہے اور چلتے وقت راہ سے بھٹک جاتا ہے ﴿ اَهْدٰٓى ﴾ وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور وہ زیادہ سیدھی راہ پر ہے؟ [''فَاَكَبَّ''، ''كَبَّهٗ'' کا مطاوع ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ''كَبَبْتُهٗ فَاَكَبَّ'' میں نے اسے الٹایا تو وہ الٹ گیا اور ''مَنْ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اَهْدٰى'' ہے] ﴿ اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا ﴾ یا وہ (زیادہ ہدایت یافتہ ہے) جو سیدھا ہو کر چلتا ہے جو بالکل برابر سیدھا چلتا ہے نہ گرتا ہے اور نہ منہ کے بل جھکتا ہے ﴿ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ سیدھے راستے پر اور حضرت (محمد بن سائب) کلبی سے مروی ہے کہ ''مُكِبٌّ'' سے ابو جہل مراد ہے اور ''سَوِيٌّ'' سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مراد ہیں [''مَنْ'' کی خبر محذوف ہے جس پر اس سے سابق ''اَهْدٰى'' دلالت کر رہا ہے]۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور بے شک میں تو صرف کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O پھر جب وہ اس کو قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں فرمادیا جائے گا: یہ ہے وہ جس کو تم بار بار مانگا کرتے تھے O

۲۳۔ ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں ابتداء میں حسین و جمیل صورت میں پیدا کیا ﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین اعضاء کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ یہی اعضاء علم کے آلات ہیں ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم ان نعمتوں پر بہت کم شکر ادا کرتے ہو کیونکہ (اے کفار مکہ) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور اس کی خالص عبادت نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تم بہت تھوڑا سا شکر کرتے ہو، اور حرف ''مَا'' زائدہ ہے (یعنی تحسینِ کلام کے لیے زیادہ کیا گیا ہے) اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قلت سے عدم مراد ہے ''اَلْقَلِيْلُ كَالْمَعْدُوْمِ'' یعنی تم بالکل شکر نہیں کرتے۔

۲۴۔ ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور تم سب حساب و کتاب اور جزاء کے لیے اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

۲۵۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہتے ہیں: یعنی کفار مکہ مسلمانوں سے مذاق اڑانے کے لیے کہتے: ﴿ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾

یہ وعدہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو کب پورا ہوگا یعنی عذاب کے آنے کا وعدہ ﴿إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر اس وعدہ کے پورا ہونے میں تم سچے ہو تو تم ہمیں اس کا وقت بتا دو۔

٢٦- ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک یہ علم یعنی عذاب کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَإِنَّمَآ أَنَا نَذِيْرٌ﴾ اور بے شک میں صرف ڈر سنانے والا ہوں ﴿مُّبِيْنٌ﴾ (اور) اسلامی قوانین اور شرعی احکام وتعلیمات بیان کرنے والا ہوں (لہٰذا میں اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہا ہوں لیکن عذاب کے وقت کا تعین نہ میرے منصب وفرض میں شامل ہے نہ میرے ذمہ لازم ہے)۔

٢٧- ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر جب وہ لوگ اسے اپنے قریب دیکھیں گے یعنی جب وہ اس وعدہ کو یا اس عذاب کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اپنے قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی وعدہ کو دیکھتے ہی ان کے چہرے بگڑ جائیں گے کہ ان پر غم ورنج چڑھ جائے گا اور ان پر سیاہی چھا جائے گی اور ان کے چہرے کالے سیاہ غمگین ہو جائیں گے [''زُلْفَةً'' حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ﴾ اور انہیں کہا جائے گا: یہی وہ وعدہ ہے جس کا تم مطالبہ کرتے تھے اور بار بار مانگا کرتے تھے۔ ''تَدَّعُوْنَ'' دعا سے ماخوذ ہے یعنی جس کے جلد آنے کی تم درخواست کرتے تھے یا پھر یہ ''دعویٰ'' سے ماخوذ ہے یعنی جس کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تمہیں مرنے کے بعد بالکل نہیں اٹھایا جائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تَدْعُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّأْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا رحم وکرم فرما دے، تو پھر کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا O (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسا کیا، سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین میں جذب ہو کر نیچے اتر جائے تو پھر کون تمہارے لیے جاری پانی لائے گا O

٢٨- ﴿قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یعنی ہمیں موت دے دے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ'' (النساء:١٧٦) میں ''هَلَكَ'' بہ معنی ''مَاتَ'' ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے: اگر کوئی آدمی مر جائے ﴿أَوْ رَحِمَنَا﴾ یا وہ ہم پر رحم وکرم کر دے کہ ہماری مدتِ حیات کو بڑھا دے اور موت کو مؤخر کر دے ﴿فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا۔ دراصل کفارِ مکہ رسولِ اکرم نبی معظم ﷺ کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف ہلاکت کی بددعا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں: ہم مسلمان دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کا انتظار کر رہے ہیں یا

تو ہم فوت ہو جائیں گے جیسا کہ تمہاری تمنا اور آرزو ہے' پھر تو ہم اس دنیا سے جنت میں منتقل ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی فرمائے گا کہ تمہارے خلاف ہماری مدد کر کے غالب و فتح یاب کر دے گا جیسا کہ ہم اُمید رکھتے ہیں' سو تم کیا کرو گے؟ تمہیں عذابِ دوزخ سے کون بچائے گا؟ حالانکہ تم تو کافر ہو' تمہارے لیے دوزخ کا عذاب لازمی اور ضروری ہے [اور "یُجِیْرُ" بہ معنی "یُنْجِیْ" ہے]۔

٢٩ - ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی رحمٰن ہے یعنی جس ذاتِ پاک کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں وہ رحمٰن ہے ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم اسی پر ایمان لا چکے ہیں' ہم نے اسی کی تصدیق کی ہے اور ہم نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور ہم نے صرف اسی پر بھروسا کر رکھا ہے اور ہم نے اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیئے ہیں ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم جان لو گے کہ ﴿مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کون کھلی گمراہی میں ہے ہم یا تم [قاری علی کسائی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "فَسَیَعْلَمُوْنَ" ہے]۔

٣٠ - ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور و فکر سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین کے نیچے گہرائی میں چلا جائے جس کو آلات بھی نہ کھینچ سکیں۔ "غَوْرًا" بہ معنی "غَائِرًا" ہے' کسی چیز کا گہرائی میں چلا جانا اور اس کو مبالغہ کے لیے مصدر لایا گیا ہے جیسے "عدل" بہ معنی "عادل" آتا ہے ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ تو تمہارے پاس جاری پانی کو کون لائے گا یعنی بہتا ہوا پانی' جو چاہے اس تک پہنچ جائے' اور کسی ملحد و زندیق کے پاس یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو اس نے کہا کہ کدال اور مزدور لاؤ' زمین سے پانی نکال لیں گے' چنانچہ اسی رات اس کی دونوں آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا' اور بعض حضرات نے کہا: وہ محمد بن زکریا متطبب تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری بصارت میں اضافہ فرمائے! آمین ثم آمین!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ القلم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی باون آیات' دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا
غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّكُمُ
الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨

نون اور قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں○ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں○ اور بے شک آپ کے لیے بے شمار اجر و ثواب ہے○ اور بے شک آپ بہت بڑے خلق پر فائز ہیں○ سو آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے○ کہ تم میں سے کون مجنون ہے○ بے شک آپ کا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے' اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے○ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں○ وہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں○

## حضور ﷺ سے جنون کی نفی اور کفار کی مذمت

۱- ﴿نٓ﴾ ظاہر یہ ہے کہ اس سے حروفِ معجمہ میں سے حرفِ تہجی مراد ہے اور لیکن حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس سے دوات مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مچھلی مراد ہے جس کی پشت پر زمین قائم ہے اور اس مچھلی کا نام یہموت ہے لیکن یہ مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے اعراب (زبر زیر اور پیش) ضروری ہے خواہ یہ اسم جنس ہو یا اسم علم ہو البتہ سکون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حروفِ تہجی میں سے ہے ﴿وَالْقَلَمِ﴾ قسم ہے قلم کی یعنی اس قلم کی قسم جس کے ساتھ لوحِ محفوظ میں لکھا گیا' یا پھر فرشتوں کے قلم کی قسم یا ہر اس قلم کی قسم جس کے ساتھ بھلائی کی تحریریں لکھی جاتی ہیں' ایسے قلم کی قسم اس لیے کھائی گئی کہ اس میں بے شمار منافع اور فوائد ہیں جن کا تعریف وتوصیف احاطہ نہیں کر سکتی ﴿وَمَا یَسْطُرُوْنَ﴾ اور اس کی قسم جو کچھ وہ لکھتے ہیں یعنی جو کچھ محافظ فرشتے لکھتے ہیں یا کتابوں میں جو کچھ خیر و بھلائی لکھی جاتی ہے [اور اس میں "مَا" موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت میں) ہے]۔

۲- ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجنون و دیوانہ نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت وغیرہ کی صورت میں جو انعام فرمایا ہے اس کی برکت سے آپ مجنون اور دیوانہ نہیں ہیں ["اَنْتَ" حرف "مَا" کا اسم ہے اور اس کی خبر "بِمَجْنُوْنٍ" ہے اور "بِنِعْمَةِ رَبِّکَ" اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "بِنِعْمَةِ" میں حرف "با" محذوف کے متعلق ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کا عامل "بِمَجْنُوْنٍ" ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "مَا اَنْتَ بِمَجْنُوْنٍ مُنْعَمًا عَلَیْکَ بِذٰلِکَ" اور حرف "با"، "مَجْنُوْنٍ" کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا کیونکہ یہ نفی کی تاکید کے لیے زائد لایا گیا ہے] اور یہ آیت مبارکہ کفار کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے:
"وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ ۝" (الحجر:٦) "اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بے شک تم مجنون ہو ۝"۔

۳- ﴿وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ اور بے شک آپ کے لیے بے انتہاء اجر وثواب ہے (یعنی) بے شک اس بہتان تراشی کے برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے کی بناء پر آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا دائمی اجر وثواب ہے یا یہ کہ آپ پر احسان جتلائے بغیر بے شمار دائمی اجر وثواب ہے۔

٤- ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ اور بے شک آپ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں' اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے وہ خوبیاں مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں حکم دیا ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
"خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ۝" (الاعراف:۱۹۹) "(اے محبوب!) درگزر کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجئے ۝" اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ" حضور سید عالم ﷺ کا خلق مبارک قرآن مجید ہے [1] یعنی قرآن مجید میں جن آداب اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے' وہ سب کے سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بہ طریق اتم واکمل موجود تھے اور بے شک آپ کے خلق کو صرف اس لیے عظیم الشان اور بڑا عالی شان قرار دیا گیا ہے کہ آپ نے ہمیشہ دونوں جہانوں میں سخاوت و بخشش اور عمدہ آداب واخلاق کا مظاہر کیا اور آپ نے پوری زندگی کونین کے خالق و مالک پر بھروسا رکھا [2]

---

۱ رواہ مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب:۱۸' رقم الحدیث:٧٤٦

۲ (۱) حضور سید عالم رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جتنا مجھے ستایا گیا ہے اتنا کسی کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵-﴿ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴾ سوعنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے یعنی عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے اور یہ آیت مبارکہ آپ کے لیے تو وعدہ ہے (اس دنیا میں غلبۂ دین فتح ونصرت کا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی اور حسن ثواب کا) اور جب کہ کفار کے لیے وعید اور دھمکی ہے (دنیا میں ذلت وشکست کی اور آخرت میں ناکامی و شرمندگی اور عذاب جہنم کی)۔

۶-﴿ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴾ تم میں سے کون مجنون ودیوانہ ہے۔ "مفتون" بہ معنی مجنون ہے کیونکہ دیوانہ شخص جنون کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے یعنی جنون کی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے [اور اس میں "با" زائدہ ہے یا "مفتون" مصدر ہے بہ معنی جنون جیسے "معقول" مصدر بہ معنی عقل استعمال ہوتا ہے" "اَىْ بِاَيِّكُمُ الْجُنُوْنُ" یعنی تم میں سے کس کو جنون لاحق ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: حرف "با" بہ معنی "فِيْ" ہے جیسے کہا جاتا ہے: "كُنْتُ بِبَلَدِ كَذَا اَىْ فِيْ بَلَدِ كَذَا" یعنی میں فلاں شہر میں رہتا ہوں اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "فِيْ اَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ"] یعنی تمہارے دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مجنون ہے مسلمانوں کا گروہ یا کفار کا گروہ۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ستایا گیا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مشرکین کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں تو آپ نے فرمایا: "اِنِّىْ مَا اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً" (صحیح مسلم) بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں اور بے شک میں تو صرف پیکر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک سب سے زیادہ حسین تھا اور آپ کا خلق مبارک سب سے عمدہ اور بہترین تھا آپ نہ تو بہت زیادہ دراز قد تھے اور نہ بالکل پست قامت تھے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے مسلسل دس سال حضور کی خدمت کی ہے آپ نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا اور میں نے جو کام کیا اس کے متعلق آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور آپ سب سے زیادہ عمدہ اور حسین اخلاق کے مالک تھے اور میں نے کسی اطلس اور ریشم اور کسی دوسری چیز کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا اور میں نے رسول خدا ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک اور کوئی عطر نہیں سونگھا۔ (متفق علیہ)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْخُلُقِ" بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ میں حسن خلق کو مکمل کر دوں۔

(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور بھاری اور کوئی چیز نہیں ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بدزبان سے بغض ونفرت رکھتا ہے۔ (ترمذی ابوداؤد)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ کس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں حضور نے فرمایا: سب سے زیادہ جس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف وتقویٰ اور حسن خلق ہے۔

(ماخوذ مع انتخاب واختصار از: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۳-۳۱)

۷-﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بہت زیادہ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے' یعنی وہی اللہ تعالیٰ حقیقت میں مجنونوں اور دیوانوں کو خوب جانتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ (دین حق) سے بھٹک چکے ہیں ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہی عقل مندوں کو خوب جانتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۸-﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں اور ان کی اطاعت ہرگز نہ کریں' اور اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں پر مضبوط موقف اور سخت رویہ اختیار کرنے کی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے کیونکہ کفارِ مکہ نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور کچھ عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کیا کریں تو وہ آپ سے شرارتیں کرنا اور آپ کو تکلیفیں دینا بند کر دیں گے۔

۹-﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ ان کے لیے نرمی کریں تو وہ آپ کے لیے نرم پڑ جائیں گے [''يُدْهِنُوْنَ'' ''اَنْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب نہیں ہے اور یہ ''تمنی'' کا جواب ہے کیونکہ اس کو دوسرے طریقے کی طرف پھیرا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا گیا ہے: ''اَیْ فَهُمْ يُدْهِنُوْنَ'' یعنی پس وہ اس وقت نرم پڑ جائیں گے کیونکہ وہ آپ کی نرمی کے متمنی ہیں]۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

اور (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہےO بہت طعنے دینے والا چلتا پھرتا چغل خور ہےO بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا بہت گناہ گار ہےO سخت مزاج بعد ازاں وہ حرام زادہ ہےO اس لیے کہ وہ بڑا مال دار اور بہت بیٹوں والا ہےO جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیںO ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گےO

## ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کا بیان

۱۰-﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ﴾ اور آپ بہت قسمیں کھانے والے ہر شخص کی بات نہ مانیں (یعنی) حق اور باطل میں بہت زیادہ قسمیں کھانے والا اور قسمیں کھانے کے عادی شخص کی زجر و توبیخ اور اسے ڈانٹنے کے لیے یہی آیت کافی ہے ﴿مَّهِيْنٍ﴾ حقیر رائے والا' گھٹیا تدبیر والا' ذلیل شخص اور بدتمیز شخص۔ یہ ''مهانة'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی قلت و حقارت ہے یا اس سے ''كَذَّاب'' یعنی بہت جھوٹ بولنے والا شخص مراد ہے کیونکہ ایسا شخص جھوٹ کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک حقیر اور غیر معتبر ہوتا ہے۔

۱۱-﴿هَمَّازٍ﴾ بہت عیب بیان کرنے والا' بہت طعنے دینے والا' نیز لوگوں کی پیٹھ پیچھے بہت غیبت کرنے والا شخص ﴿مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ﴾ چلتا پھرتا چغل خور (یعنی) لڑائی جھگڑا اور فساد برپا کرنے اور چغل خوری کرنے کے لیے ایک قوم کی باتیں دوسری قوم کو بتانے والا یعنی دو قوموں کے درمیان فساد ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف چغل خوری کرنے والا اور

''نمیم''اور''نمیمة''کامعنی چغل خوری کرنا ہے۔

۱۲-﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ بھلائی کو بہت روکنے والا یعنی بخیل آدمی اور''خیـر''سے مال مراد ہے یا یہ کہ اپنے اہل و عیال کو خیر سے بہت روکنے والا اور وہ اسلام ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے کیونکہ اس کے دس بیٹے تھے اور وہ ان تمام بیٹوں کو کہتا تھا کہ تم میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا میں اس کی امداد روک لوں گا اور اسے اپنے مال سے عاق کر دوں گا ﴿مُعْتَدٍ﴾ ظلم و ستم کرنے میں اس کی حد سے تجاوز کرنے والا اور حد سے بڑھ کر ظالم شخص ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہوں کا بہت زیادہ ارتکاب کرنے والا اور بہت بڑا گناہ گار شخص۔

۱۳-﴿عُتُلٍّ﴾ بدخو' بدمزاج' سخت طبیعت' سخت دل اور خشک مزاج ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ ان عیبوں کے بعد جن کو مذکورہ بالا آیات میں شمار کیا گیا ہے ﴿زَنِيْمٍ﴾ حرام زادہ' ولد الزنا' حرام کا نطفہ' جس کا باپ مشکوک ہو اور وہ غیر قوم کی طرف منسوب ہو' اور ولید بن مغیرہ قریش کی طرف منسوب کیا جاتا تھا لیکن ان کے نسب و خاندان اور ان کی اصل میں سے نہیں تھا چنانچہ اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے لیے اپنے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ کی ماں نے زنا کاری اور حرام کاری کی' جس کا کسی کو علم نہیں تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور جب نطفہ خبیث ہوتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والا عموماً خبیث ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو ولید بن مغیرہ اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا: بے شک (سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے دس عیب بیان فرمائے ہیں' جن میں سے نو (۹) عیب مجھ میں پائے جاتے ہیں' میں انہیں جانتا ہوں لیکن ولد الزنا والا عیب میں نہیں جانتا' سو اگر تو مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دے اور مجھے سچ سچ بتا دے تو ٹھیک ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا' چنانچہ اس نے بتایا کہ تیرا باپ نامرد تھا اور مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ جب وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو اس لیے میں نے ایک چرواہے کو بلایا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا' لہٰذا تو اسی چرواہے کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

۱٤-﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اس لیے کہ وہ مال دار اور بیٹوں والا ہے [یہ ارشادِ باری تعالیٰ''وَلَا تُطِعْ''کے متعلق ہے] یعنی ان عیبوں کے باوجود اس کی بات محض اس لیے نہ مان لیں کہ وہ مال دار اور اولاد والا ہے یعنی اس کے خوش حال ہونے اور دنیادار ہونے کی وجہ سے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے مابعد کے متعلق ہو یعنی اس لیے کہ وہ مال دار اور بہت اولاد والا ہے' اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا جس پر (درج ذیل آیت) دلالت کرتی ہے]۔

۱۵-﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید تلاوت کیا جاتا ہے ﴿قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں [اور''اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ''میں''قَالَ''عمل نہیں کر سکتا کیونکہ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قاری حمزہ کوفی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں''ءَاَنْ''ہے یعنی کیا محض اس لیے کہ وہ مال دار ہے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا' جب کہ ابن عامر شامی اور یزید اور یعقوب اور سہیل کی قراءت میں الف مدہ کے ساتھ ''آن''ہے] مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ جب ولید بن مغیرہ گستاخ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک جھوٹا عیب لگایا اور وہ آپ کو مجنون کہنا مراد ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دس سچے عیوب بیان فرما دیئے' پھر جب اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف اور دکھ پہنچانے والے شخص کو دس گنا زائد سزا دیتا ہے تو اس کا فضل و کرم بھی یہ ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

۱۶- ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ عنقریب ہم اس کو ذلیل ورسواء کرنے کے لیے اس کی ناک پر داغ کا نشان لگا دیں گے تا کہ اس کو اس داغ کے نشان سے پہچانا جائے اور صرف ناک کے ذکر کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس پر داغ کا نشان بہت بُرا لگتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے دن ولید بن مغیرہ کی ناک پر تلوار کا زخم لگا تھا' جس کا نشان اس کی ناک پر اس کے مرتے دم تک باقی رہا۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا
يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ
كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾
فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا
عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ باغ والوں کو آزمایا تھا' جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی اس کے پھل کاٹ لیں گے O اور وہ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے O سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا اور وہ اس وقت سو رہے تھے O پس وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا O پھر انہوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا O کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح سویرے ہی چل پڑو اگر تم اس کے پھل کاٹنا چاہتے ہو O پھر وہ چل پڑے اور وہ ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ کہنے لگے O کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں داخل نہ ہو سکے O اور وہ صبح سویرے اپنے ارادہ پر اپنے آپ کو قادر سمجھ کر چل پڑے O پھر جب انہوں نے اپنے باغ کو (ویران) دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں O بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں O

## ضروان کے باغ والوں کا عبرتناک قصہ

۱۸٬۱۷- ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان کو آزمایا (یعنی) بے شک ہم نے اہل مکہ کا قحط سالی وخشک سالی اور فقر وفاقہ اور بھوک میں مبتلا کر کے امتحان لیا' اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی کہ اے اللہ! قبیلہ مضر کی سخت گرفت فرما اور ان پر سات سال قحط سالی وخشک سالی کے نازل فرما' جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں اہل مصر پر سات سال قحط سالی کے مسلط فرمائے تھے[1] ﴿كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' یہ پرہیز گار نمازی مسلمان تھے' یہ باغ ان کے باپ کا تھا جو ایک گاؤں میں تھا جس کو ضروان کہا جاتا تھا اور یہ گاؤں ملک یمن کے شہر صنعاء سے دو فرسخ (چند کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا اور ان کا باپ اپنے لیے سال بھر کی روزی اس باغ سے حاصل کر کے باقی فقیروں' محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیتا تھا' پھر جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو اس کے (تینوں) بیٹوں نے کہا: اگر ہم نے اسی طرح صدقہ وخیرات کا سلسلہ جاری رکھا' جس طرح ہمارا باپ کیا کرتا تھا تو ہم

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵-۲۹۴

لوگ تنگ دست ہو جائیں گے کیونکہ ہم تو عیال دار ہیں' سو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے تاریکی میں مسکینوں اور ناداروں سے چھپ چھپا کر اپنے باغ کے پھل کاٹ لیں گے اور انہوں نے اپنی قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو جلا دیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر تھے جب کہ جمہور اہل اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ وہ نمازی مسلمان تھے ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ﴾ جب انہوں نے قسم کھالی کہ وہ فقراء و مساکین کے منتشر ہونے سے پہلے صبح سویرے اپنے باغ کے پھل توڑ لیں گے ["مُصْبِحِیْنَ"، "یَصْرِمُنَّهَا" کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ﴾ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا [اور اس کو استثناء کہا گیا ہے حالانکہ بہ ظاہر یہ شرط ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شاء اللہ بھی استثناء کا معنی ادا کرتا ہے جیسے "لَاَخْرُجَنَّ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" اور "لَا اَخْرُجُ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ" دونوں کا ایک معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو میں باہر جاؤں گا]۔

۱۹'۲۰۔ ﴿فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا کہ اس باغ پر ایک بلا اور مصیبت نازل ہو گئی اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ پر آسمانی آگ نازل فرمائی' جس نے تمام باغ کو جلا ڈالا ﴿وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ حالانکہ وہ لوگ سو رہے تھے یعنی رات کے وقت ان کے سونے کی حالت میں یہ واقعہ پیش آیا ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِیْمِ﴾ پس وہ باغ تاریک رات کی طرح ہو گیا یعنی وہ جل گیا اور سیاہ ہو گیا' یا یہ کہ وہ صبح کی طرح ہو گیا یعنی باغ کی جگہ بغیر درختوں کے چٹیل میدان کی طرح سفید زمین باقی رہ گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا یعنی اس باغ کے پھل تباہ و برباد ہو جانے کے بعد گویا وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔

۲۱'۲۲۔ ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ﴾ سو انہوں نے صبح سویرے پکارا یعنی انہوں نے صبح ہوتے وقت ایک دوسرے کو پکارا ﴿اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ﴾ کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح تڑکے تڑکے نکل پڑو' اور "اِلٰی حَرْثِكُمْ" نہیں فرمایا کیونکہ صبح سویرے باغ کی طرف پھل توڑنے کے لیے جانا باغ پر ہی جانا ہوا' یا پھر "غُدُوٌّ"، "اقبال" کے معنی پر مشتمل ہے یعنی صبح تڑکے تڑکے اپنے باغ پر توجہ دو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ﴾ اگر تم کاٹنے والے ہو (یعنی) اگر تم پھل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

۲۳'۲۴۔ ﴿فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ﴾ پھر وہ چل پڑے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہنے لگے تا کہ ان کی آواز مسکینوں' ناداروں اور محتاجوں کو نہ پہنچ جائے ﴿اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ﴾ کہ آج تمہارے پاس باغ میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے' اور مسکینوں کے دخول کی نہی دراصل اختیار و قدرت دینے کی نہی ہے یعنی تم مسکینوں کو داخل ہونے کا اختیار اور اجازت نہ دو اور حرف "اَنْ" تفسیر یہ ہے' نیز قول کے اضمار کے ساتھ اس کو ترک کر کے پڑھا گیا ہے: "اَیْ یَتَخَافَتُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ" یعنی وہ لوگ آہستہ اور چپکے سے کہتے: آج باغ میں تمہارے پاس کوئی مسکین داخل نہ ہو سکے۔

۲۵۔ ﴿وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ﴾ اور وہ صبح سویرے اپنے ارادے پر قادر ہونے کا خیال کر کے روانہ ہو گئے' اور "حَرْد" کا معنی ہے: کسی کو سختی کے ساتھ روکنا کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو سختی سے روکنے پر پوری طرح قادر و با اختیار خیال کر کے روانہ ہوئے تھے۔ نفطویہ سے اسی طرح منقول ہے' یا "حَرْد" کا معنی ہے: قصد اور سرعت یعنی وہ لوگ صبح سویرے اپنے باغ کا قصد و ارادہ کر کے جلد از جلد روانہ ہو گئے جب کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے باغ کے پھل توڑنے پر اور اس کی منفعت سے مسکینوں کو روکنے پر پوری طرح قادر ہیں' یا "حَرْد" باغ کا نام ہے یعنی وہ صبح سویرے اپنے باغ کی

طرف چل پڑے اپنے دلوں میں یہ خیال کر کے کہ وہ اس باغ کے پھل توڑنے پر پوری طرح قادر ہیں۔

۲۷،۲٦- ﴿فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ﴾ پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں یعنی جب انہوں نے اپنا باغ جلا ہوا دیکھا تو انہوں نے فوراً بغیر سوچ بچار کے کہہ دیا کہ ہم یقیناً اپنے باغ کو جانے والا راستہ بھول گئے ہیں اور یہ وہ باغ نہیں کیونکہ انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا (حالانکہ ان کا باغ تو پہلے صحیح سلامت تھا)' پھر جب انہوں نے غور کیا اور اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا تو پہچان لیا کہ یہ وہی باغ ہے' چنانچہ انہوں نے باغ کو پہچان کر کہا: ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم تو اپنے باغ کی خیر و برکت اور اس کے منافع و فوائد سے بالکل محروم ہو گئے اور یہ سب کچھ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا۔

| |
|---|
| قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا |
| ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا |
| طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ |
| الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع |

وقف لازم ۔ ع

ان میں سے ایک اچھے آدمی نے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کہتے O انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ظالم تھے O پھر وہ ایک دوسرے کو آپس میں ملامت کرنے لگے O وہ کہنے لگے: ہائے ہماری خرابی! بے شک ہم سرکش ہو گئے تھے O عنقریب ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا' بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں O عذاب اسی طرح ہوتا ہے' اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے' کاش! یہ لوگ جان لیتے O

۲۹،۲۸- ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ ان کے متوسط آدمی نے کہا (یعنی) اپنے بھائیوں میں زیادہ انصاف کرنے والے اور ان سے زیادہ اچھے اور نیک آدمی نے کہا کہ ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ﴾ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے (یعنی) تم ان شاء اللہ تعالیٰ کیوں نہیں کہتے کیونکہ یہ بھی تسبیح ہے' اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے معنی پر متفق ہیں کیونکہ ان شاء اللہ میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا ہے اور تسبیح میں اللہ تعالیٰ کو اپنے معاملہ کے لیے ہر عیب و کمزوری سے پاک قرار دیا جاتا ہے اور تفویض اور تنزیہ میں سے ہر ایک میں تعظیم ہے' یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں نہیں کرتے اور اپنی بُری نیت سے اس کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے گویا ان میں سے ایک عادل اور اچھے آدمی نے ان سے یہ اس وقت کہا جب انہوں نے یہ بُری نیت کی تھی (کہ وہ اپنے باغ میں سے عشر وغیرہ نہیں نکالیں گے) کہ تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور مجرموں سے اس کے انتقام کو یاد کرو اور اس بُری نیت سے توبہ کرو لیکن انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو باغ کے تباہ ہونے کے بعد اب اس عادل آدمی نے ان کو عار دلائی اور شرمندہ کیا تو اس لیے ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ بہر حال انہوں نے یہ تسبیح اور اعتراف جرم باغ کے خراب ہونے کے بعد کیا کیونکہ انہیں پہلے عادل اور اچھے آدمی نے تسبیح کرنے اور توبہ کرنے کا کہہ دیا تھا اور انہوں نے نیکی کے روکنے اور

ان شاء اللہ نہ کہنے اور تسبیح نہ پڑھنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کا اقرار کرلیا اور انہوں نے تسبیح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ظالم ہونے سے پاک قرار دیا۔

۳۰'۳۱- ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر آپس میں ملامت کرنے لگے اور وہ مساکین سے دور بھاگنے اور ان سے صدقہ وخیرات روکنے کے فعل پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے بہانہ بنانے لگا' پھر سب نے متفق ہوکر اعتراف کیا کہ بے شک انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم نے فقراء کا حق روک کر اور ان شاء اللہ نہ کہہ کر اور تسبیح ترک کرکے بہت بڑی سرکشی کی تھی۔

۳۲- ﴿عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ﴾ عنقریب ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں اس باغ سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ''یُبَدِّلَنَا'' پڑھا جاتا ہے] ﴿اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں' اسی سے خیر طلب کرنے والے ہیں اور اسی سے عفو و درگزر کی اُمید رکھتے ہیں۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے توبہ کرلی تو انہیں اس تباہ شدہ باغ سے بہت بہتر باغ بدلے میں عطا کیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے ان کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے خالص اور سچی توبہ کرلی تھی اور مخلص بن گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کے بدلے میں انہیں اس سے بہتر باغ عطا فرمایا جو ''اَلْحَیَوَانُ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہوگیا' اس میں بہترین قسم کے انگور تھے' اس کا ایک گچھا اس قدر وزنی ہوتا تھا جس قدر خچر وزن اور بوجھ اٹھاتا ہے۔

۳۳- ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾ دنیا کے عذاب میں سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اسی طرح کا عذاب ہر اس شخص پر ہوگا جو ان باغ والوں کی راہ پر چل کر سرکشی کرے گا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور اس سے بہت بڑا ہوگا ﴿لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش! وہ لوگ اس کو جان لیں جو ایسے کام کرتے ہیں جو انہیں اس عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿٤١﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں O تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کردیں گے O تمہیں کیا ہوگیا ہے' تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ O کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو O

کہ بے شک اس میں تمہارے لیے وہی ہے جو تم پسند کرتے ہوO کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسموں سے مؤکد کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا' کہ بے شک تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گےO آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ضامن ہےO. کیا ان کے لیے کچھ شریک ہیں' تو وہ اپنے شریکوں کو لے کر آئیں اگر وہ سچے ہیںO

## نیک مسلمانوں کے انعام اور کفار کے خیالات کی تردید اور ان کی اُخروی ذلت کا بیان

۳٤- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اس کی طرف سے مؤمنوں کو حاصل ہوں گی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾ بے شک پرہیز گاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں یعنی بے شک کفر و شرک سے بچنے اور پرہیز کرنے والوں کے لیے آخرت میں ان کے پروردگار کے ہاں ایسی نعمتوں والی جنتیں ہیں جن میں صرف خالص نعمتیں ہوں گی بہ خلاف دنیا کے باغات کے۔

۳٦٬۳۵- ﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴾ تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کر دیں گے۔ یہ استفہام وسوال ان کے اس قول کے انکار کے لیے ہے کہ اگر جو کچھ (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہمیں آخرت میں اس سے بہت بہتر عطا کیا جائے گا جو کچھ انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں ہمیں ان سے بہت بہتر خوش حالی دی گئی ہے' پس ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ کیا فیصلہ کرنے میں ہم ظلم کریں گے کہ ہم مسلمانوں کو کافروں جیسا کر دیں گے؟ پھر ان سے التفات اور خطاب کے طریقہ پر فرمایا گیا ہے کہ ﴿ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو' کیونکہ تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے اور وہ ہے فرماں بردار اور نافرمان کو برابر قرار دینا۔ گویا جزاء کا معاملہ تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ تم جو چاہو اس میں فیصلہ کرو۔

۳۸٬۳۷- ﴿ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ تم اس کتاب میں پڑھتے ہو ﴿ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴾ کہ بے شک اس میں تمہارے لیے لکھا ہوا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے یعنی بے شک تم جو چاہو گے اور تم جس چیز کی خواہش کرو گے وہی تمہیں مل جائے گا [اور اصل میں ''اَنَّ'' (کے ہمزہ) مفتوح کے ساتھ ''تَدْرُسُوْنَ اَنَّ لَكُمْ مَا تَخَیَّرُوْنَ'' ہے کیونکہ ''درس'' ''مدروس'' پر واقع ہوتا ہے اور آیت میں ''اِنَّ'' کو (ہمزہ) مکسور کے ساتھ لام کے آنے کی وجہ سے لایا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''مدروس'' کی حکایت ہو جیسا کہ وہ ہے جس طرح (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَOسَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَO'' (الصافات:۷۹۔۷۸) اور ''تخیّر الشیء'' کا معنی ہے: کسی چیز کو پسند کرنا اور اس میں سے بہتر کو لے لینا]۔

٤۰٬۳۹- ﴿ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴾ کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے مؤکد و مضبوط کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا [''بَالِغَةٌ'' ''اَیْمَانٌ'' کی صفت ہے اور ''اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ'' ''بَالِغَةٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ معاہدہ قیامت تک پہنچے گا اور اس دن تک جا کر پورا ہوگا اور کوئی قسم نہیں ٹوٹے گی یہاں تک کہ وہ فیصلہ جس پر قسم کھا کر عہد ہوا وہ حاصل ہو جائے [یا پھر وہ ظرف میں مقدر کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ هِیَ ثَابِتَةٌ (اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ)''] یعنی وہ عہد قیامت کے دن تک ثابت رہے گا اور ہم اپنے عہد سے بری الذمہ نہیں ہوں گے مگر جب ہم تمہارے حق میں فیصلہ کر دیں اور ہم تمہیں وہ سب کچھ عطا کر دیں جو تم خود فیصلے کرتے ہو ﴿ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴾ بے شک تمہارے لیے ضرور وہی ہوگا جس کا تم اپنے حق میں فیصلہ کرتے ہو اور یہ قسم کا جواب ہے' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے کوئی مضبوط عہد ہو چکا ہے یا ہم نے تاکید میں انتہاء کو پہنچی ہوئی مضبوط قسم کھا رکھی

ہے کہ تم جو اپنے حق میں فیصلہ کرو گے وہی ہوگا ﴿سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ﴾ ان سے پوچھیے کہ ان میں سے کوئی اس کا ذمہ دار ہے یعنی (اے محبوب!) آپ مشرکین مکہ سے پوچھیے کہ ان میں سے اس فیصلہ کا کفیل کون ہے کہ بے شک یہی ہوگا۔

٤١- ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ﴾ کیا ان کے شریک ہیں یعنی کیا بہت سے لوگ اس قول میں ان کے ساتھ شریک ہیں؟ اور وہ اس قول میں ان کے مذہب پر چلتے ہیں؟ ﴿فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ سو وہ اپنے شرکاء کو ضرور لے کر آئیں' اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یعنی کوئی شخص ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور نہ کوئی شخص اس بات پر ان کا مددگار بن سکے گا جیسا کہ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں جو یہ بات بیان کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے متعلق ان کے لیے کوئی معاہدہ ہے اور نہ ان کا کوئی کفیل ہے' جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے لیے اس بات کی ضمانت دے سکے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً
اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾
فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۖ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ
مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی (یعنی جس دن معاملہ سخت ہو جائے گا) اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جائے تو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے O ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور بے شک ان کو (دنیا میں) سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ اس وقت صحیح سالم ہوتے تھے O اور جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے' پس آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں' عنقریب ہم آہستہ آہستہ ان کو (عذاب کے) قریب کر دیں گے جہاں انہیں علم بھی نہیں ہوگا O اور میں ان کو مہلت دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے O کیا آپ ان سے کوئی اُجرت مانگتے ہیں کہ پس وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے' پس وہ لکھ رہے ہیں O

٤٢- ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ پنڈلی کے کھلنے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب و کتاب کے حوالے سے معاملہ بہت سنگین ہوگا اور حالات بڑے سخت ہوں گے' پس اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ بہت سخت و شدید اور بڑا مشکل ہوگا اور نہ وہاں کھلنا ہوگا اور نہ پنڈلی ہوگی لیکن اس کلام سے شدتِ قیامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب لوگوں کو کسی سختی (جنگ وغیرہ) میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ لوگ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھا کر سختی سے نمٹنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دیتے ہیں اور یہ اس طرح ہے جس طرح تم کسی سخت بخیل کے بارے میں کہو: ''يَدُهٗ مَغْلُوْلَةٌ'' اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا ہے حالانکہ نہ وہاں ہاتھ ہوتا ہے اور نہ زنجیر ہوتی ہے اور یہ تو بخل سے کنایہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت بخیل ہے لیکن رہے تشبیہ کا عقیدہ اور نظریہ رکھنے والے تو یہ علم البیان میں ان کی عقل و خرد کی تنگ دامانی اور غور و فکر کی کمی کی وجہ سے ہے اور اگر معاملہ اس طرح ہوتا جس طرح تشبیہ والوں نے گمان کیا ہے تو

''ساق'' کا حق تھا کہ اسے معرفہ ذکر کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ معین و معہود ہوگی [اسم ظرف ''یوم'' کا ناصب ''فلیاتوا'' ہے یا پھر اس سے پہلے ''اذکر'' مضمر و پوشیدہ ہے] ﴿ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ ﴾ اور ان کو یعنی کفار و مشرکین کو وہاں بروز قیامت سجدے کی طرف بلایا جائے گا۔ یہ حکم سجدہ تکلیفی اور تعبدی نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرنے پر انہیں ڈرانا' دھمکانا اور ڈانٹنا ہوگا ﴿ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴾ سو وہ لوگ یہ سجدہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی پشتیں بیل کے سینگوں کی طرح سخت ہو جائیں گی' جھکنے اور اٹھنے کے لیے دوہری نہیں ہو سکیں گی۔

۴۳- ﴿ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ﴾ رسوائی کے مارے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی' ان پر ذلت و خواری چڑھی ہوئی ہوگی [''خَاشِعَةً''، ''يُدْعَوْنَ'' میں ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی کفار کو جس وقت سجدے کی طرف بلایا جائے گا' اس وقت ان کی آنکھیں ذلت و رسوائی کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی ﴿ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴾ اور بے شک دنیا میں ان کو رسولوں کی زبانی سجدے کی طرف بلایا جاتا رہا حالانکہ اس وقت وہ سلامت تھے یعنی حالانکہ اس وقت وہ تندرست اور صحیح تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے تھے' سو اسی طرح وہاں آخرت میں ان کو سجدے سے روک دیا گیا۔

۴۴- ﴿ فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ﴾ سو آپ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے جو اس کلام یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے یعنی اسے میرے سپرد کر دیجئے میں تمہاری مدد کے لیے کافی ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیں' اس کے درمیان اور میرے درمیان نہ آئیں' سو میں خوب جانتا ہوں کہ ان میں کون کس کام (عذاب) کے لائق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور آپ اپنے دل مبارک کو اس کے بارے میں مشغول نہ کریں اور اس سے انتقام لینے میں مجھ پر بھروسا کیجئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے اور جھٹلانے والوں کے لیے وعید و تہدید اور دھمکی ہے ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُم ﴾ عنقریب ہم ان کو مہلت و ڈھیل دیں گے' کہا جاتا ہے: ''اِسْتَدْرَجَهُ اِلٰی کَذَا'' اس کو وقفہ وقفہ سے تھوڑی تھوڑی مہلت دے گا' یہاں تک کہ اس کو عذاب دے کر عقوبت و سزا میں مبتلا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں اور نافرمانوں کو مہلت و ڈھیل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی اور احسان و نعمت اور مال و دولت عطا کرتا ہے' پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رزق کو گناہوں اور نافرمانیوں میں اضافہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ﴿ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ جہاں سے انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا ایسی جہت سے جہاں سے وہ سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔ بعض حضرات نے کہا: جب کفار و نافرمان لوگ کوئی نیا گناہ کرتے ہیں تو ہم ان کو نئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں اور ہم اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے عمل کو ان سے بھلا دیتے ہیں' جس کی بناء پر وہ شکر ادا نہیں کرتے۔

حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر احسان و انعام کر رہا ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پر قائم ہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے رہا ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی[1]

۴۵- ﴿ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴾ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میرا خفیہ منصوبہ بہت مضبوط اور بہت سخت ہے' سو اللہ تعالیٰ کے احسان کو اور ڈھیل دینے اور ان کو اختیار و قوت دینے کو ''کید'' کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ ''کید'' کی صورت میں ہے جیسا کہ اس کا نام استدراج رکھا گیا کیونکہ یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور اصل میں ''کید'' کا معنی مکر و فریب ہے اور استدراج کا معنی ہے: امن و سکون کی جہت سے کسی چیز کی گرفت کرنا' اور اللہ تعالیٰ کو ''کائد'' اور

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۱۰۷۳

"ماکر" اور "مستدرج" کہنا جائز نہیں ہے۔

٤٦- ﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴾ کیا آپ ان سے تبلیغ رسالت پر اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں' سو اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی آپ تو تبلیغ وحی پر ان سے اجرت کی تمنا نہیں رکھتے تا کہ یہ بات ان پر بوجھ بن جاتی اور وہ ایمان سے رُک جاتے۔

٤٧- ﴿ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک غیب سے لوحِ محفوظ مراد ہے یعنی کیا ان کے پاس لوحِ محفوظ ہے ﴿ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾ کہ وہ اس میں لکھ لیتے ہیں' پھر جو کچھ لکھ لیتے ہیں اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿٥٢﴾

سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جایئے' جب انہوں نے (اپنے رب تعالیٰ کو) پکارا اور وہ بہت غمگین تھے○ اگر ان کے پروردگار کی نعمت و رحمت انہیں نہ پہنچی ہوتی تو انہیں ضرور چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا اور وہ (لوگوں کی طرف سے) قابل ملامت ٹھہرائے جاتے○ سو ان کے پروردگار نے ان کو معزز و برگزیدہ بنالیا اور انہیں نیک بندوں میں سے کرلیا○ اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو گرادیں جب وہ قرآن سنتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: بے شک وہ دیوانہ ہیں○ اور وہ تو نہیں ہیں مگر تمام جہانوں کے لیے سراپا نصیحت○

## حضور ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلد بازی نہ کرنے کا حکم اور کفار کی مذمت

٤٨- ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے رب تعالیٰ کے فیصلہ پر صبر کیجئے' اور وہ کفار کو مہلت دینے اور ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے کی تاخیر کا فیصلہ ہے اور یہ اس لیے کہ اگر چہ ان کو (اتمامِ حجت کے لیے) مہلت دے دی گئی لیکن انہیں بغیر گرفت کے چھوڑا نہیں جائے گا ﴿ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ اور آپ جلد بازی میں اور اپنی قوم پر غضب ناک ہونے میں مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جایئے تا کہ آپ کو بھی کسی آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے جس طرح ان کے ساتھ ہوا [ "الحوت" پر وقف لازم ہے کیونکہ "اِذْ" اپنے سے مقدم ماقبل کا ظرف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نداء اطاعت ہے جس سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ مفعول محذوف ہے] "اَیْ اُذْكُرْ" ﴿ اِذْ نَادٰی ﴾ یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار کو پکارا: "اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○" (الانبیاء: ۸۷) "کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں آپ ہر عیب سے پاک ہیں بے شک میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو گیا ہوں○" ﴿ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴾ اور وہ غم وغیظ سے بھرا ہوا

تھا اور یہ ''کَظَمَ السِّقَاءُ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کو بھر کر منہ باندھ دیا جاتا ہے۔

۴۹۔﴿ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ اگر انہیں ان کے پروردگار کی نعمت (یعنی) اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی نہ پہنچی ہوتی یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر اور ان کی معذرت قبول فرما کر ان پر احسان نہ فرمایا ہوتا ﴿ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ ﴾ تو البتہ انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا ﴿ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴾ اور بے اذنِ الٰہی قوم سے ناراض ہو کر چلے جانے کی کوتاہی پر ان کو عتاب کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم و کرم فرمایا اور انہیں بغیر مذمت و ملامت اور بغیر کسی عتاب کے مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا۔

۵۰۔﴿ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ ﴾ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا اور ان کی معذرت کرنے پر انہیں معزز و برگزیدہ بنالیا ﴿ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نیکوں میں سے کرلیا (یعنی) نیک صفات کی تکمیل کرنے والوں میں سے کرلیا اور ان کی کوئی کوتاہی باقی نہیں رہی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیائے کرام میں سے بنالیا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مُرسلین میں سے بنالیا لیکن پہلی وجہ صحیح ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی رسول اور نبی تھے' اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝'' (الصافات: ۱۳۹۔۱۴۰) ''اور بے شک یونس (علیہ السلام) ضرور رسولوں میں سے تھے ۝ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف جلدی نکل گئے ۝''۔

۵۱'۵۲۔﴿ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ ﴾ اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو ہلاک کر دیں [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''لَيَزْلِقُوْنَكَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اِنْ'' ثقیلہ (مشدد نون کے ساتھ ''اِنَّ'') سے مخفف (نون ساکن ''اِنْ'') ہے اور اس کی دلیل لام تاکید ہے] ''زَلَقَهٗ'' اور ''اَزْلَقَهٗ'' کا معنی ہے: اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا یعنی قریب ہے کہ کفار اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضب ناک ہو کر سخت تیز نگاہوں اور ترچھی نگاہوں سے' نیز آپ کو نظرِ بد سے دیکھتے ہیں تاکہ وہ اپنی بدنظروں سے آپ کو اپنی جگہ گرا دیں یا آپ پر سخت ناراض ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ آپ کو ہلاک کر دیں اور قبیلہ بنواسد میں بدنظری مشہور تھی' چنانچہ ان میں سے جب کوئی آدم تین دن بھوکا رہتا' پھر وہ جس چیز کے پاس سے گزرتا اور تیز نگاہ سے اُسے دیکھتا اور اس کے بارے میں کہتا کہ میں نے آج اس جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ چیز فوراً ہلاک ہو جاتی' پھر کفارِ مکہ نے ایک بدنظر شخص کو بلایا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی اس طرح کی بات کہے' چنانچہ اس بدبخت شخص نے آپ کو نظرِ بد سے دیکھ کر کہا کہ میں نے آج ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نظرِ بد سے محفوظ رکھا اور حدیث شریف میں ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور بے شک نظرِ بد اونٹ کو ہانڈی میں اور آدمی کو قبر میں داخل کر دیتی ہے[1] حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظرِ بد لگ جائے اس پر اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر دم کیا جائے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اثر زائل ہو جائے گا ﴿ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ ﴾ جب وہ ذکر کو سنتے یعنی قرآن کو سنتے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت کے ملنے پر حسد و بغض کی وجہ سے وہ کہتے ہیں: ﴿ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴾ بے شک وہ مجنون و دیوانہ ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے معاملہ میں حیرت زدہ ہونے اور آپ سے نفرت کرنے کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ بے شک (سیّدِ عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں ﴿ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور وہ نہیں مگر تمام جہانوں

[1] مسند فردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۲۱۴' فیض القدیر رقم الحدیث: ۵۷۴۸' تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۷

کے لیے نصیحت ہے یعنی قرآن مجید تمام جنوں اور انسانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے' مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ کو قرآن مجید کی وجہ سے مجنون کہا حالانکہ قرآن مجید تو تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے تو بھلا جو ہستی اس جیسی کتاب لے کر تشریف لائے تو وہ مجنون کیسے ہو سکتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ" میں ذکر سے حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں یعنی جب وہ لوگ آپ کا ذکر مبارک سنتے تو غضب ناک ہو کر تیز نگاہوں سے آپ کو نظر لگاتے اور "وَمَا هُوَ" میں "هُوَ" ضمیر کا مرجع حضور ہیں یعنی حضرت محمد عربی ﷺ تو تمام جہانوں کے لیے باعث عزت و شرف اور سراپا نصیحت ہیں' بھلا ان کی طرف جنون و دیوانگی کو کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

| سورة الحاقة مکیة | بسم الله الرحمن الرحيم ○ | آیاتها ٥٢ رکوعاتها ٢ |
|---|---|---|

سورۃ الحاقۃ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی باون آیات' دو رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ﴿١﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٢﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾

ضرور واقع ہونے والی ہے ○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ○ اور تمہیں کیا معلوم ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ○ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی (قیامت) کو جھٹلایا ○ سو رہے ثمود تو انہیں ایک خوف ناک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ○ اور رہے عاد تو انہیں بہت سخت گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل مسلط رکھا' سو تم ان لوگوں کو اس میں گرا ہوا دیکھتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے گرے ہوئے تنے ہیں ○ تو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو ○ اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور جن لوگوں کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں ان سب نے گناہ کیے ○

## قیامت کے ہولناک منظر اور منکرین کے انجامِ بد کا بیان

١- ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ یہ ایسی قیامت ہے جس کا وقوع واجب اور ضروری ہے' جس کا آنا ثابت ہو چکا ہے یہی وہ نشانی ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [یہ "حَقَّ' يَحِقُّ" بکسر الحاء سے ماخوذ ہے] "اَىْ وَجَبَ" یعنی قیامت کا وقوع واجب و لازم اور ضروری ہے۔

٢- ﴿مَا الْحَآقَّةُ﴾ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ دونوں مل کر "الْحَاقَّة" کی خبر ہیں اور اصل میں "اَلْحَاقَّةُ (مَا هِيَ اَىُّ شَيْءٍ هِيَ)"] ضرور واقع ہونے والی وہ کیا ہے یعنی وہ کیا چیز ہے۔ یہ سوال اس کی شان کی بلندی اور اس کی ہولناکی کی عظمت و بڑائی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے یعنی قیامت اس بات کی حق دار ہے اور اس لائق

ہے کہ اس کی عظمت و بڑائی کی وجہ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے اور اس کے متعلق پوچھا جائے' پھر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے تا کہ اس کی ہولنا کی کی تاکید ہو جائے۔

۳- ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ ﴾ اور کیا تمہیں معلوم ہے؟ اور تمہیں کس نے سکھایا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے یعنی تمہیں اس کی کنہ اور اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے اور نہ اس کی بڑائی کی غایت کا تمہیں علم ہے کیونکہ قیامت اتنی بڑی ہولناک اور سخت ہے کہ مخلوق کی عقل وخرد کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی [اور ''مَا'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''اَدْرٰاكَ'' خبر ہے اور اس کے بعد جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ وہ ''اَدْرٰی'' کا دوسرا مفعول ہے]۔

٤- ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴾ قوم ثمود اور قوم عاد نے ''قارعة'' (کھڑکھڑانے والی) کو جھٹلایا یعنی ''الحاقة'' کو جھٹلایا' پھر ''القارعة'' کو ''الحاقة'' کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں قیامت کے ناموں میں سے دو نام ہیں اور قیامت کا نام ''قارعة'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ مختلف انواع کی گھبراہٹوں اور ہولناکیوں کے ذریعے انسانوں کے کانوں کو کھٹکھٹائے گی۔

۵'۶- اور جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور اس کی بہت بڑی ہولناکی کا ذکر کیا تو اس کے بعد قیامت کے جھٹلانے والوں اور تکذیب کے سبب ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر فرمایا تا کہ مکہ والوں کو عبرت ونصیحت حاصل ہو اور ان کو جھٹلانے کے سبب جھٹلانے والوں کے انجام سے خوف وڈر حاصل ہو ﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴾ سو لیکن ثمود تو ان کو ایک سخت بلند ترین چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔ ''طاغية'' کا معنی ہے کہ شدت وسختی میں حد سے بڑھ کر تیز آواز اور ایسی سخت بلند چیخ جس سے زمین کانپ اُٹھے' اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے' چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا: اس سے زلزلہ مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے چیخ مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس سے چنگھاڑ مراد ہے۔ ''طاغية'' مصدر ہے جیسے ''عافية'' ہے یعنی ان کی سرکشی کے سبب انہیں ہلاک کیا گیا لیکن یہ (درج ذیل) ارشاد کے مطابق نہیں ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا ﴾ ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ ﴾ اور لیکن عاد کی قوم تو انہیں سخت آندھی سے ہلاک کیا گیا یعنی پچھوائی ہوا سے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ'' میری بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد دَبور (مغربی یا پچھوائی ہوا) سے ہلاک کی گئی ہے[1] ﴿ صَرْصَرٍ ﴾ سخت گرجتی ہوئی ہوا' اگر ''صَرَّة'' (بفتح الصاد) سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی ہوگا: بہت سخت اونچی چیخ اور اگر ''صِرَّة'' (بکسر الصاد) ہو تو معنی ہوگا: سخت ٹھنڈ اور شدت کی سردی گویا ایسی آندھی جس میں بار بار سردی اور ٹھنڈ ہوتی رہے اور بہت زیادہ سردی بڑھ جائے یہاں تک کہ سردی اور ٹھنڈ کی شدت کے سبب جلانے لگے ﴿ عَاتِيَةٍ ﴾ سخت آندھی جو اپنے مرکز سے بے قابو ہو کر نکلے جسے کفار اللہ تعالیٰ کے حکم کے سبب روک نہ سکیں اور نہ اس سے بچ سکیں' یہ آندھی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غضب بن کر آئی۔

۷- ﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلط رکھا' ''سَخَّرَهَا'' بہ معنی ''سَلَّطَهَا'' ہے اور اس عذاب کی ابتداء مہینے کے آخر میں بدھ کے دن سے ہوئی اور دوسرے بدھ تک مسلسل عذاب ہوتا رہا ﴿ حُسُوْمًا ﴾ متواتر اور لگاتار ہوا جو منقطع نہ ہوتی تھی [یہ ''حاسم'' کی جمع ہے جیسے ''شهود''، ''شاهد'' کی جمع ہے] یہ تسلسل اور تواتر کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا بیمار جانور کی بیماری کی جگہ پر بار بار داغتا رہتا ہے یہاں تک کہ داغنا مکمل ہو جائے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو] ﴿ فَتَرَى ﴾ پس اے مخاطب! (یعنی اے انسان!) تم دیکھتے

1 رواہ احمد ج ۱ ص ۳۲۴' البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵' مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰

کہ ﴿الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى﴾ یہ قوم ان تیز آندھی کے چلنے کی جگہوں میں یا ان راتوں اور دنوں میں زمین پر پچھاڑے ہوئے گرے پڑے ہیں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ گویا وہ لوگ (بڑے بڑے اجسام کی وجہ سے) کھجوروں کے گرے پڑے کھوکھلے تنے ہیں ["صَرْعٰی"، "صَرِيْعٌ" کی جمع ہے اور "اَلْقَوْمَ" سے پہلا حال ہے اور "كَاَنَّهُمْ" اس کا دوسرا حال ہے "نَخْلٍ"، "نَخْلَةٌ" کی جمع ہے] اور "اَعْجَازٌ" کا معنی ہے: درختوں کے تنے اور جڑیں اور "خَاوِيَةٍ" کا معنی ہے: گری پڑی ہوئی چیز یا بہت پرانی چیز۔

۸- ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ تو کیا تم ان میں سے کسی شخص کو سلامت اور باقی بچا ہوا دیکھتے ہو (ہرگز نہیں!) ["بَاقِيَةٍ" صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے یعنی "مِنْ نَّفْسٍ بَاقِيَةٍ" ہے یا یہ "بَقَاءٌ" سے ماخوذ ہے اور مصدر کے معنی میں ہے جیسے "طَاغِيَةٌ" بہ معنی طغیان ہے یعنی کیا تم ان میں سے کسی شخص کے لیے بقا دیکھتے ہو؟]۔

۹- ﴿وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ﴾ اور فرعون اور وہ قومیں جو اس سے پہلے گزر چکیں (جیسے عاد وثمود وغیرہ) [ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں "وَمَنْ قِبَلَهٗ" (بکسر القاف وبفتح الباء) پڑھا جاتا ہے] یعنی فرعون اور جو اس کے پاس اس کے پیروکار تھے وہ سب کفر وشرک کے گناہ کرتے رہے ﴿وَالْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ اور وہ لوگ جن کی بستیاں الٹا دی گئیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد ہیں' سو انہیں کو الٹا دیا گیا تھا یعنی ان بستیوں کو اٹھا کر ان کے باشندوں پر الٹا دیا گیا تھا (تاکہ تمام نافرمان وسرکش لوگ نیچے دب کر ہلاک ہو جائیں) ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ گناہ یا گناہ کا کام یا بہت بڑے گناہ (کفر وشرک) والے افعال۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰

سو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرفت میں پکڑ لیا ○ بے شک جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا ○ تاکہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت وعبرت بنا دیں اور اسے محفوظ کرنے والے کان محفوظ کر لیں ○ پھر جب صور میں ایک پھونکی پھونکی جائے گی ○ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور ایک دفعہ باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی ○ اور آسمان پھٹ جائے گا' سو وہ اس دن بالکل کمزور ہوگا ○ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے' اور اس دن آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو اٹھائیں گے ○

۱۰۔ ﴿فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی یعنی قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی ﴿فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت ترین گرفت میں پکڑ لیا جس طرح ان کے گناہ قباحت و بے حیائی میں سب سے بڑھ کر قبیح اور بدترین تھے اسی طرح ان کی پکڑ بھی سخت ترین تھی اور ''رَابِيَةً'' کا معنی ہے: شدید ترین و سخت ترین پکڑ۔

۱۱'۱۲۔ ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ بے شک جب پانی طغیانی میں آ گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا یعنی جب طوفان کے وقت پانی دنیا کے بلند ترین پہاڑوں سے پندرہ (۱۵) ہاتھ اونچا اور بلند ہو گیا تو اس وقت ہم نے تمہارے آباء و اجداد کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کر دیا تھا ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً﴾ تاکہ ہم اسے یعنی کافروں کو غرق کرنے اور مسلمانوں کو نجات دینے کے کام کو تمہارے لیے نصیحت و عبرت بنا دیں ﴿وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾ اور تاکہ اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں جب وہ یہ واقعہ سنیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ کان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تعلیم کو عقل و خرد سے کام لے کر سمجھتے ہیں اور پھر جو کچھ سنتے ہیں اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

۱۳ تا ۱۵۔ ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ پھر جب صور میں ایک پھونکی پھونکی جائے گی' اسے نفخہ اُولیٰ کہتے ہیں اور اس پہلے صور پھونکنے کے وقت تمام لوگ مر جائیں گے' پھر جب دوبارہ دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت تمام لوگ زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ﴿وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے اوپر بلندی کی طرف اٹھائے جائیں گے ﴿فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ پھر وہ ایک ضرب سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ چورا چورا ہو جائیں گے اور ریت کے باریک ٹیلوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھیلے ہوئے غبار بن جائیں گے ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ پس اس دن اور اس وقت واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور نازل ہونے والی نازل ہو جائے گی اور وہ قیامت ہے [''اِذَا'' کا جواب ''وَقَعَتْ'' ہے اور ''يَوْمَئِذٍ''، ''اِذْ'' سے بدل ہے]۔

۱۶'۱۷۔ ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا' سو وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا' اس کے دروازے کھل جائیں گے' قوت و استحکام ختم ہو جائے گا جب کہ اس سے پہلے بہت مضبوط و مستحکم تھا ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا﴾ اور فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے کیونکہ یہ فرشتوں کا مسکن و قیام گاہ ہے' لہٰذا جب یہ پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کے کناروں کی طرف پناہ حاصل کریں گے [''الملك'' اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے اور ''مَلٰٓئِكَةٌ'' سے عام ہے یعنی تمام فرشتے اور ''اَرْجَآء'' جمع ہے' اس کا واحد ''رَجَا'' ہے الف مقصورہ کے ساتھ ہے] ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ اور جو فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے ان میں سے آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو ان فرشتوں کے اوپر اٹھا کر رہیں گے اور آج تو صرف چار فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن چار مزید بڑھا دیئے جائیں گے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی اور بعض حضرات کا قول ہے: فرشتوں کی آٹھ انواع و اقسام ہوں گی۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

بِیَمِیْنِهٖۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْۚ(۱۹) اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْۚ(۲۰)
فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍۙ(۲۱) فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍۙ(۲۲) قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ(۲۳) كُلُوْا
وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ(۲۴) وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ
كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْۚ(۲۵) وَ لَمْ اَدْرِ مَا
حِسَابِیَهْۚ(۲۶)

اس دن تمہیں پیش کیا جائے گا تم میں سے کوئی چھپنے والی جان نہیں چھپ سکے گی O پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو وہ کہے گا: آؤ! میرا اعمال نامہ پڑھو O بے شک مجھے معلوم تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں O پس وہ پسندیدہ زندگی میں رہے گا O بلند و بالا جنت میں O جس کے پھل قریب ہوں گے O تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے O اور لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو وہ کہے گا: اے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا O اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے O

## حساب و کتاب کے لیے حاضری اور جنت اور دوزخ والوں کے انجام کا بیان

۱۸- ﴿یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ﴾ اس دن تمہیں حساب و کتاب اور سوال و جواب کے لیے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا' یہاں روزِ قیامت کی حاضری کو بادشاہ کے سامنے لشکر کی حاضری کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ اس کے احوال سے آگاہی حاصل ہو جائے ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ﴾ تم میں سے کوئی شخص اپنا راز اور بھید اور اپنا حال نہیں چھپا سکے گا جسے وہ دنیا میں چھپایا کرتا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن تین بار پیش کیا جائے گا' ایک بار سوال و جواب اور باز پرس کرنے کے لیے اور دوسری بار معذرت و عذر پیش کرنے کے لیے اور تیسری بار ان کے صحائف کھولے جائیں گے' کامیاب ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے اور ہلاک ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے[1]

۱۹- ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ﴾ یہاں سے بارگاہِ الٰہی میں لوگوں کی حاضری کی تفصیل بیان کی جارہی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ خوش ہو جائے گا جب اس میں نیکیاں پائے گا اور اپنی جماعت سے خطاب کر کے کہے گا: ﴿هَآؤُمُ﴾ لو! اور پکڑو۔ یہ اسم فعل ہے ''اَیْ خُذُوْا'' یعنی لو اور پکڑو ﴿اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ﴾ میرے اعمال نامہ کو پڑھو' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(هَاؤُمْ) كِتَابِیْ (اقْرَؤُوْا كِتَابِیَهْ)'' ''میرا نامۂ اعمال لو (اور) میرا نامہ اعمال پڑھو [پھر پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے اور بصریوں کے نزدیک ''كِتَابِیَهْ'' میں ''اِقْرَؤُوْا'' عامل ہے کیونکہ وہ اقرب کو عامل قرار دیتے ہیں اور ''كِتَابِیَهْ'' اور ''حِسَابِیَهْ'' اور ''مَالِیَهْ'' اور ''سُلْطَانِیَهْ'' میں ''هَا'' سکتہ کی ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اسے حالتِ وقف میں ثابت

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۴۱۴' والترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۵' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۷

رکھا جائے اور حالت وصل میں گرا دیا جائے اور وقف کو ترجیح دینا مستحب ہے' اس کے ثبات کو قائم رکھنے کے لیے کیونکہ یہ
''ھَا'' مصحفِ عثمانی میں ثابت ہے]۔

۲۰-﴿اِنِّیْ ظَنَنْتُ﴾ بے شک مجھے غالب گمان تھا (یعنی) مجھے معلوم تھا میں یقیناً جانتا تھا اور ظن کو علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ ظن غالب احکام میں اور عادات و اطوار میں علم کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لیے جو مسائل و احکام اجتہاد کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں وہ توہمات اور وسوسوں سے بہت کم خالی ہوتے ہیں اور یہ چیزیں ظن کی طرف لے جاتی ہیں' سو اس لیے ''ظــن'' کے لفظ کا اطلاق اجتہاد پر جائز ہے کیونکہ اجتہاد ظن سے خالی نہیں ہوتا ﴿اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ﴾ بے شک میں حساب سے ملنے والا ہوں یعنی میں اپنے حساب کا ضرور معائنہ اور مشاہدہ کرنے والا ہوں۔

۲۱-﴿فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ﴾ سو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے یعنی مسرت و خوشی والی جس پر زندگی والا خوش اور مسرور ہوگا۔

۲۲-﴿فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ﴾ بلند ترین جنت میں ہوں گے جس کے مکان بلند ہوں گے یا بلند درجات والی جنت میں ہوں گے یا بلند ترین عمارتوں اور اونچے اونچے محلات والی جنت میں ہوں گے [اور یہ خبر کے بعد خبر ہے]۔

۲۳-﴿قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ﴾ جنتی درختوں کے پھل پک کر اس قدر نیچے قریب آ جائیں گے کہ جو چاہے گا انہیں حاصل کر لے گا' چنانچہ بیٹھا ہوا شخص بھی کھڑے ہوئے شخص کی طرح پھل حاصل کر لیا کرے گا۔

۲۴-﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا﴾ ان (جنتیوں) سے کہا جائے گا کہ تم جنت کے ماکولات و مشروبات خوب مزے سے کھاؤ اور پیو (یعنی) جنتی کھانے پینے کی چیزیں عمدہ خوش گوار' دل پسند' مزے دار ہوں گی' ان میں کسی قسم کی کوئی کراہت و ناخوش گواری نہیں ہوگی اور نہ ان کے کھانے پینے سے تکلیف ہوگی یا مصدر کی بناء پر ''هَنِئْتُمْ هَنِیْٓـًٔا'' ہے ﴿بِمَآ اَسْلَفْتُمْ﴾ ان اعمالِ صالحہ کے سبب جن کو تم نے آگے بھیجا ہے ﴿فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ دنیا کے دنوں میں سے گذشتہ دنوں میں۔

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ روزے رکھنے والوں کی شان میں نازل ہوئی یعنی بروزِ قیامت روزہ داروں کو کہا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھ کر کھانے اور پینے سے دنیا میں رُکے رہتے تھے' اب تم ان روزوں کے صلے میں جنتی کھانے کھاؤ اور جنتی مشروبات پیو اور خوب مزے لو۔

۲۵-﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ﴾ اور لیکن جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس میں رسوا کن بُرائیاں دیکھ کر غم کے مارے حسرت کے ساتھ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔

۲۶-﴿وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ﴾ اور میں نہیں جانتا کہ میرا حساب کیا ہے' یعنی اے کاش کہ میں یہ نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ
سُلْطٰنِیَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ

ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ؕ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ۙ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ﴿۳۴﴾ فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ۙ﴿۳۶﴾ لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿۳۷﴾ ع

اے کاش! وہ (موت) میرا کام تمام کر دیتیO میرے مال نے میری کوئی کفایت نہیں کیO میرا تسلط مجھ سے جاتا رہاO (پھر حکم ہو گا:) اس کو پکڑ لو اور اسے طوق پہنا دوO پھر اسے دوزخ میں داخل کروO پھر ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہو اسے جکڑ دوO بے شک وہ بڑے عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھاO اور نہ وہ کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھاO سو آج یہاں اس کا کوئی سرگرم دوست نہیں ہےO اور (اس کے لیے) کوئی کھانا نہیں ہو گا ماسوا دوزخیوں کی پیپ کےO اس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گاO

۲۷-﴿يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ﴾ اے کاش! میری وہ موت جس کے سبب میں مر کر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا گیا ہوں، میرا فیصلہ کر دیتی یعنی میری زندگی کا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی تاکہ میں اس موت کے بعد کبھی نہ اٹھایا جاتا اور میں وہ سب کچھ نہ پاتا جو کچھ میں نے اعمال نامہ میں پایا ہے۔

۲۸-﴿مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ﴾ میرے مال نے میری کفایت نہیں کی یعنی میں دنیا میں جو کچھ مال و دولت جمع کرتا رہا اس نے مجھے کوئی نفع اور کوئی فائدہ نہیں دیا ["مَا" نافیہ ہے اور "اَغۡنٰى" کا مفعول محذوف ہے یعنی "شَيۡئًا"]۔

۲۹-﴿هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ﴾ میری سلطنت مجھ سے ختم ہو گئی (یعنی) میرا ملک اور لوگوں پر تسلط و غلبہ جاتا رہا اور اب میں فقیر و بے نوا اور ذلیل و خوار ہو گیا ہوں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کہے گا: میری حجت گم ہو گئی ہے یعنی میری وہ حجت ختم ہو گئی ہے جس کے ذریعے میں لوگوں پر حجت بازی کرتا اور جس کے ذریعے میں لوگوں پر اپنی چودھراہٹ قائم کرتا تھا۔

۳۰ تا ۳۲-پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے محافظ دربان فرشتوں سے فرمائے گا: ﴿خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ﴾ اس (کافر) کو پکڑ لو اور اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ ملا کر بیڑیوں اور زنجیروں سے کس کر باندھ دو ﴿ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ﴾ پھر تم اسے دوزخ میں داخل کر دو یعنی پھر تم اس کو دوزخ ہی میں ڈال دو اس کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں اور وہ بہت بڑی سخت ترین جلانے والی آگ ہے ["الجحیم" کی نصب ایک ایسے فعل کی وجہ سے ہے جس کی تفسیر "صلوه" کر رہا ہے] ﴿ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ﴾ پھر اسے ایسی زنجیروں میں جکڑ دو جن کی لمبائی ستر (۷۰) ہاتھ ہے۔ حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ اس ہاتھ سے فرشتہ کا ہاتھ مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس ہاتھ کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ["فِىۡ سِلۡسِلَةٍ" کو "فَاسۡلُكُوۡهُ" سے اس طرح مقدم کیا گیا ہے جس طرح "ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ" کو "صَلُّوۡهُ" پر مقدم کیا گیا ہے (یعنی تخصیص کے لیے)]۔

۳۳، ۳۴-﴿اِنَّهٗ﴾ یہ تعلیل کے لیے ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس کافر کو اس قدر شدید اور سخت ترین عذاب کیوں دیا جائے گا تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کیونکہ بے شک وہ شخص ﴿كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ۙ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ﴾

عظمت و بزرگی والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا O اور نہ وہ مسکین و نادار کو کھانا دینے کی ترغیب دیتا (یعنی) مسکین کے لیے کھانا خرچ کرنے پر ترغیب نہیں دیتا اور اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے کہ وہ حشر نشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ لوگ مسکینوں کو جو کچھ کھانا کھلاتے ہیں' ان سے جزاء کے طلب گار نہیں ہوتے بلکہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے انہیں کھانا کھلاتے ہیں' پھر جب وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب کیوں کر دے گا یعنی بے شک وہ اپنے کفر کے ساتھ ساتھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا اور اس میں بہت قوی اور پختہ دلیل ہے کہ مسکینوں کو محروم رکھنا بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس کو کفر پر عطف کر کے ذکر کیا اور اس کو کفر کی دلیل قرار دیا اور اس کا قرینہ بنا دیا اور اس لیے بھی کہ ترغیب نہ دینے کا ذکر کیا لیکن کھانے نہ دینے کے عمل کا ذکر نہیں کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب ترغیب کا تارک اس قدر بُرا ہے تو عمل کا تارک زیادہ بُرا ہوگا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ جب وہ گوشت کا سالن تیار کرنے لگیں تو شوربہ زیادہ تیار کر لیا کریں تاکہ اس میں سے مسکینوں کو کھلایا جا سکے اور فرمایا کرتے کہ ہم اس سورت میں بیان کی گئی زنجیر کے آدھے حصے کو ایمان کی قوت سے اتار پھینکیں گے اور آدھے حصے کو صدقہ خیرات اور مسکینوں کو کھانے کھلانے کے ذریعے اتار پھینکیں گے اور یہ آیاتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ تمام مؤمنوں پر رحم و کرم کیا جائے گا اور کافروں پر بالکل رحم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں' ان میں سے ایک دائیں ہاتھ والوں کی قسم ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے وصف کے ساتھ متصف فرمایا اور یہ ارشاد ان کے لیے کافی ہے: ''اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ'' بے شک مجھے یقین تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں' اور ان میں سے دوسری قسم بائیں ہاتھ والوں کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کفر کے ساتھ متصف فرمایا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ'' بے شک وہ عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں میں سے جن کو سزا دی جائے گی' وہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دینے سے پہلے سزا دی جائے گی۔

۳۵- ﴿فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ﴾ سو آج یہاں اس کا کوئی گہرا دوست نہیں جو اس سے عذاب کو دور کر سکے اور اس کی خاطر اپنے دل کو مغموم کرے اور اپنے دل کو اس کی خاطر جلانے لگے۔

۳۶- ﴿وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ﴾ اور نہ کچھ کھانا ہوگا مگر دوزخیوں کی پیپ۔ ''غِسْلِیْنَ'' ''فِعْلِیْنَ'' کے وزن پر ہے ''غِسْلٌ'' سے ماخوذ ہے' نون زائد ہے اور یہاں اس سے وہ خون اور پیپ مراد ہے جو آگ کی حرارت اور تپش کی وجہ سے دوزخیوں کے جسموں سے بہے گی۔

۳۷- ﴿لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ﴾ اس کو نہیں کھائیں گے مگر گناہ گار کفار' اور ''خَطِیءَ الرَّجُلُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی جان بوجھ کر قصد و ارادہ کے ساتھ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

سو میں ان چیزوں کی قسم اٹھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہوO اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتےO بے شک یہ قرآن عزت والے رسول کا قول ہےO اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں' تم بہت کم ایمان لاتے ہوO اور نہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہوO یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہےO اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر بہتان لاتاO تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے ضرور انتقام لے لیتےO پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتےO پھر تم میں سے کوئی اسے بچانے والا نہ ہوتاO

## قرآن ورسول ﷺ کی عظمت اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸'۳۹- ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ﴾ سو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو جیسے تمام اجسام اور زمین اور آسمان ﴿وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے جیسے تمام فرشتے اور ارواح' پس خلاصہ یہ ہے کہ مجھے تمام اشیاء کی قسم۔

۴۰- ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ بے شک وہ عزت والے رسول کا قول ہے یعنی بے شک یہ قرآن مجید محترم و مکرم رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا یا حضرت جبریل علیہ السلام کا بولا ہوا کلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قرآن مجید کو رسالت و پیغام رسانی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت جبریل علیہ السلام بول کر سناتے ہیں اور اس کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔

۴۱'۴۲- ﴿وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ تم بہت کم ایمان لاتے ہو ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو'اور ''قَلِيْلٌ''، ''قِلَّةٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''قِلَّةٌ'' کا معنی عدم ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''هٰذِهٖ اَرْضٌ قَلَّمَا تَنْبُتُ'' یہ زمین بہت کم سبزہ اُگاتی ہے''اَیْ لَا تَنْبُتُ اَصْلًا''، یعنی بالکل نہیں اُگاتی' اور آیات کا معنی یہ ہے کہ تم بالکل ایمان نہیں لاتے اور تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۴۳- ﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ (قرآن) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ دونوں مذکورہ بالا آیات کا بیان ہے کیونکہ رسول کریم کا قول وہی کلام ہے جو پروردگار عالم کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے [''تَنْزِيْلٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هُوَ تَنْزِيْلٌ'' الخ]۔

۴۴ تا ۴۶- ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴾ اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر افتراء کرتا (یعنی) اگر وہ ہم پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا جسے ہم نے ان کی طرف منتقل نہیں فرمایا ﴿لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ﴾ تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے انتقام لے لیتے (یعنی) ہم اسے اپنی گرفت اور اپنی قید میں پکڑ کر ضرور ہلاک کر دیتے جیسا کہ بعض بادشاہ ان لوگوں کو سخت مار مارنے اور ان سے سخت انتقام لینے کے لیے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹا افتراء اور بہتان لگاتے ہیں' چنانچہ مجرم کو گرفتار اور قید کر کے ہاتھ باندھ کر تلوار سے قتل کرنا زیادہ ہولناک ہوتا ہے اور ''یمین'' کے ساتھ تخصیص اس لیے کی گئی ہے

کہ جب قاتل مجرم یا مخالف کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اگر اس کی گردن کی پچھلی جانب گدی پر تلوار چلاتا ہوتا ہے تو قاتل اپنی تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر پیچھے سے آ کر مخالف کی گردن پر چلاتا ہے اور اگر وہ اس کی اگلی جانب ذبح کی جگہ گردن مارنا چاہتا ہے تو تلوار اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر مخالف کے سامنے سے آتا ہے اور یہ صورت قتل ہونے والے قیدی کے لیے بہت شدید اور سخت ہوتی ہے کیونکہ قاتل دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر سامنے سے آتا ہوا نظر آتا ہے جس سے دہشت وخوف بڑھ جاتا ہے اور ''لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ'' کا معنی یہی ہے کہ ہم اسے پوری قوت وسختی کے ساتھ ہلاک کر دیتے اور اسی طرح اس (درج ذیل) آیت کا معنی ہے: ﴿ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾ پھر ہم اس کی شہ رگ ضرور کاٹ دیتے اور یہ دل کی رگ ہوتی ہے جب اسے کاٹ دیا جائے تو آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

٤٧- ﴿ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴾ پھر تم میں سے کوئی شخص اس سے دفاع کرنے والا نہیں ہوتا (یعنی) اے لوگو! یا اے مسلمانو! تم حضور سیّد عالم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دفاع کرنے والے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والے نہیں ہو سکتے تھے [''منکم'' میں تمام لوگوں کو یا صرف مسلمانوں کو خطاب ہے اور ''مِنْ اَحَدٍ'' میں ''مِنْ'' زائد ہے اور ''عَنْهُ'' میں ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ''حَاجِزِيْنَ'' اگرچہ ''اَحَدٍ'' کا وصف ہے لیکن اس کو جمع اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ''اَحَدٍ'' جماعت کے معنی میں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ:١٨٥) ''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے'']۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع

اور بے شک یہ قرآن پرہیز گاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت ہےO اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں بعض ضرور جھٹلانے والے ہیںO اور بے شک یہ قرآن کافروں کے لیے باعث حسرت ہےO اور بے شک یہ یقینی حق ہےO سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئےO

٤٨ ،٤٩- ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَO وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید پرہیز گاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت وخیر خواہی ہےO اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ ضرور جھٹلانے والے ہیں۔

٥٠- ﴿ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید جھٹلانے والے اور انکار کرنے والے کافروں کے لیے اس وقت باعث حسرت وافسوس ہوگا جب وہ تصدیق کرنے والے ایمان داروں کے اجر وثواب کو دیکھیں گے۔

٥١- ﴿ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) بے شک قرآن مجید یقینی اور قطعی حق ہے (یعنی) عین یقین اور محض یقین ہے۔

٥٢- ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ سو آپ اپنے عظمت وبزرگی والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی)

پس آپ اللہ تعالیٰ کے عظمت و بزرگی والے نام کے ذکر کے ساتھ اس کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہیے اور وہ اس کا قول ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' ہے۔

| سورۃ المعارج مکیۃ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | آیاتہا ۴۴ رکوعاتہا ۲ |
|---|---|---|

سورۃ المعارج مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی چوالیس آیات' دو رکوع ہیں

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا ﴿۷﴾ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾

ایک سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو ضرور واقع ہونے والا ہے○ کافروں کے لیے جس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے○ بلندیوں والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا○ فرشتے اور روح الامین اس کی طرف چڑھتے ہیں (وہ عذاب) اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے○ سو آپ خوب صبر جمیل کیجیے○ بے شک وہ اسے دور خیال کرتے ہیں○ اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں○ جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا○ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے○ اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا○

## قیامت کا منظر' کفار کی تمنا اور ان کی حالتِ زار کا بیان

۱-﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا۔ یہ نضر بن حارث کافر تھا' جس نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ○'' (الانفال: ۳۲) ''اگر یہ (نبی' قرآن اور دین) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے دے○'' یا پھر سائل سے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں کہ آپ نے کفار کے تقاضے پر قحط سالی کے عذاب کے نزول کی دعائے ضرر فرمائی تھی اور چونکہ ''سَاَلَ''، ''دَعَا'' کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کو متعدی کیا گیا ہے گویا کہا گیا: ''دَعَا دَاعٍ'' یعنی دعا مانگنے والے نے دعا مانگی ﴿بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ واقع ہونے والا عذاب' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''دَعَا بِكَذَا'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی سے دعا مانگتا ہے اور اس سے کچھ طلب کرتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ''یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ'' (الدخان: ۵۵) ''وہ جنت میں ہر پھل مانگیں گے'' [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''سَالَ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی ''سؤال'' سے ماخوذ ہے' مگر اس میں نرمی کے لیے تخفیف کی گئی ہے اور ''سَآئِلٌ'' ہمیشہ متفقہ طور پر مہموز پڑھا جاتا ہے]۔

۲'۳-﴿لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ یہ عذاب کی صفت ہے یعنی وہ عذاب کافروں کے لیے واقع ہونے والا ہے ﴿لَیْسَ لَهٗ

﴿دَافِعٌ﴾ اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا یعنی اسے رد کرنے والا اور دور کرنے والا نہیں ہوگا ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ متصل ہے یعنی وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوگا' یا پھر یہ ''دَافِعٌ'' کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہوگا جب اس کی آمد کا وقت آجائے گا ﴿ذِی الْمَعَارِجِ﴾ بلند درجوں والے یعنی فرشتوں کے چڑھنے کے لیے آسمان کی طرف جانے والے ترتیب وار بلند درجے (سیڑھیاں) [''مَعَارِج''، ''مَعْرَج'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اوپر کی طرف چڑھنے کی جگہیں]۔

٤- پھر اللہ تعالیٰ نے سیڑھیوں اور چڑھنے کے درجوں کو بلندی اور اونچائی میں پھیلانے کے بعد ان کا وصف بیان کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ﴾ فرشتے اور روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھتے ہیں' عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر محض ان کی فضیلت و بزرگی کی بناء پر کیا گیا ہے یا ان فرشتوں سے ایسی مخلوق مراد ہے جو دوسرے فرشتوں پر محافظ و نگران ہیں' جیسا کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہمارے اوپر محافظ و نگران ہوتی ہے یا ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو موت کے وقت مؤمنوں کی ارواح اوپر لے جاتے ہیں ﴿اِلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف (یعنی) اللہ تعالیٰ کے عرشِ اعظم کی طرف اور اس مہبط و مرکز کی طرف جہاں سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کا نزول ہوتا ہے ﴿فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ''فِیْ يَوْمٍ'' کا تعلق ''تَعْرُجُ'' کے ساتھ ہے یعنی جس دن میں فرشتے اوپر چڑھتے ہیں' اس کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے' اگر اس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور اوپر چڑھنا چاہے یا پھر ''فِیْ يَوْمٍ'' کا تعلق ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ ہے یعنی کافروں کے لیے عذاب اس دن واقع ہوگا جس کی مقدار لمبائی میں تمہارے (دنیاوی) سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور وہ قیامت کا دن ہے' سو اس دن کی لمبائی کفار پر شدت و سختی کی وجہ سے ہوگی یا حقیقت میں اسی طرح ہوگا' پھر قیامت کے دن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس دن پچاس مؤقف ہوں گے اور ہر مؤقف ایک ہزار سال کا ہوگا اور لیکن مؤمنوں پر اس دن کی مقدار صرف ظہر سے عصر تک کے برابر ہوگی۔

٥- ﴿فَاصْبِرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے۔ اس کا تعلق ''سَاَلَ سَآئِلٌ'' کے ساتھ ہے کیونکہ نضر بن حارث کا عذاب کے لیے جلدی مطالبہ کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑانے اور وحی الٰہی کو جھٹلانے کی بناء پر تھا اور اس رویہ سے حضور نبی اکرم رسول محترم و معظم ﷺ کو دکھ اور ایذاء پہنچا تا تھا' سو اس لیے حضور کو اس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ﴿صَبْرًا جَمِيْلًا﴾ عمدہ اور بہترین صبر اختیار کیجئے جس میں نہ جزع فزع اور واویلا ہو اور نہ اس میں کسی قسم کا شکوہ شکایت ہو۔

٦'٧- ﴿اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا﴾ بے شک وہ لوگ اس کو دور دیکھتے ہیں یعنی کفار و مشرکین اس عذاب کو یا قیامت کے دن کو بہت دور اور محال و ناممکن خیال کرتے ہیں ﴿وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا﴾ اور ہم اس کو لامحالہ اور ضرور نزدیک ہونے والا دیکھ رہے ہیں' پس بعید سے امکان سے بعید ہونا اور قریب سے امکان سے قریب ہونا مراد ہے۔

٨- ﴿يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ﴾ اس دن آسمان زیتون کے گاڑھے تیل کی طرح یا پھر پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سفید رنگ کا ہو جائے گا [''یوم'' کو ''قَرِيْبًا'' کے ساتھ متعلق ہونے کی بناء پر نصب دیا گیا ہے یعنی اس دن اس کا امکان ظاہر ہو جائے گا' متعذر و مشکل نہیں رہے گا' یا پھر یہ اس ''فِیْ يَوْمٍ'' سے بدل ہے جو ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ متعلق ہے]۔

٩- ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ پہاڑوں کے حصے اور ٹکڑے مختلف ہوتے ہیں بعض پہاڑ سفید ہوتے ہیں اور بعض پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعض پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے

ہیں اور بعض پہاڑ کالے سیاہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورۂ فاطر: ۲۷ میں بیان کیا گیا ہے: پھر جب یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ہوا کے ذریعے فضا میں اڑنے لگیں گے تو دھنکی ہوئی رنگ برنگی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

۱۰۔﴿وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ اور کوئی دوست کسی دوست کی بابت نہیں پوچھے گا اور نہ کوئی قرابت دار کسی قرابت دار کی بابت پوچھے گا کیونکہ ہر کوئی اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔ البزی اور البرجمی سے ''یُسْـا'' مضموم کے ساتھ منقول ہے ''اَیْ (لَا یُسْئَلُ) قَرِیْبٌ عَنْ قَرِیْبٍ'' یعنی کسی رشتہ دار سے کسی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا یعنی اس کے متعلق مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے گناہ کے بارے میں کسی دوسرے رشتہ دار کو نہیں پکڑا جائے گا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚۖ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

وہ انہیں دکھا دیئے جائیں گے، مجرم آرزو کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلے میں اپنے بیٹے دے دےO اور اپنی بیوی اور اپنا بھائیO اور اپنا کنبہ جو اس کو (دنیا میں) پناہ دیتاO اور تمام روئے زمین کے لوگ، پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دے دےO ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہےO وہ سراپا کھال کو اُدھیڑنے والی ہےO وہ اس کو بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیر لی اور منہ موڑ لیاO اور اس نے مال جمع کیا اور جوڑ کر برتن میں بند رکھاO

۱۱ تا ۱۴۔﴿يُّبَصَّرُوْنَهُمْ﴾ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ یہ ''حَمِيمًا'' کی صفت ہے یعنی دوست احباب اور عزیز و اقارب ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے اور ان کا باہمی تعارف کرایا جائے گا، یا یہ صفت کی بجائے جملہ مستانفہ (الگ مستقل نیا جملہ) ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا'' تو عرض کیا گیا کہ شاید دوست ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے، اس لیے کوئی دوست کسی دوست کی بات نہیں پوچھے گا، سو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے لیکن اپنے آپ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے سوال جواب اور بات چیت نہیں کر سکیں گے [''یبصرونھم'' میں واؤ ''حمیم'' اوّل کے لیے ضمیر ہے اور ''ھُمْ''، ''حمیم'' ثانی کے لیے ضمیر ہے یعنی دوست احباب ایک دوسرے کو دیکھیں گے، سو وہ ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہیں گے اور دونوں ضمیروں کو جمع کر کے لایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں صرف دو ''حمیم'' کے لیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حمیم'' بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن پر اسم جمع کی جگہ استعمال ہوتا ہے] ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِO وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِO وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُـْٔوِيْهِO وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِO﴾ مجرم یعنی کافر و مشرک تمنا اور آرزو کرے گا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائیوں اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا ہے اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو فدیہ (بدلے) میں دے دے، پھر وہ فدیہ اسے نجات دلا دے [''يَوَدُّ الْمُجْرِمُ'' جملہ مستانفہ ہے یا پھر ''يُبَصَّرُوْنَهُمْ'' کی ضمیر مرفوع یا اس کی ضمیر منصوب سے حال واقع ہو رہا ہے

اور ''یَوْمِئِذٍ'' میں نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں میم مفتوح ہے کیونکہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہے اور یزید کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''تُوِیْهِ'' ہے اور ''ثُمَّ یُنْجِیْهِ'' ''یَفْتَدِیْ'' پر معطوف ہے]۔

۱۵- ﴿ کَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! ''کَـــلَّا'' کے لفظ سے مجرم کو آرزو سے روکا گیا ہے اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ فدیہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ اسے عذاب سے نجات دے گا ﴿ اِنَّهَا ﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ کی آگ اور عذاب کا ذکر اس پر دلیل ہے [یا یہ مبہم ضمیر ہے جس کی وضاحت اس کی خبر کر رہی ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے] ﴿ لَظٰی ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ یہ ''نار'' (آگ) کا علم اور نام ہے۔

۱٦- ﴿ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی ﴾ وہ آگ کھال کھینچنے والی ہے یعنی انسان کے اعضاء اُدھیڑنے والی ہے جیسے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو جلا کر ان کی کھال اُتارنے والی ہے یا یہ ''شواۃ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: سر کا چمڑا جسے آگ اُتار لے گی' پس وہ ان تمام اعضاء کو الگ الگ کر دے گی' پھر وہ بکھرنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئیں گے' یوں ہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا [امام حفص اور مفضل کی قراءت میں حالِ مؤکدہ ہونے کی بناء پر یا ڈرانے دھمکانے کے لیے اختصاص کی بناء پر ''نَزَّاعَةً'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں مرفوع (پیش کے ساتھ) ''نَزَّاعَةٌ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۷'۱۸- ﴿ تَدْعُوْا ﴾ وہ (آگ) ان کے نام لے کر پکارے گی کہ اے کافر! اے منافق! میری طرف آؤ میری طرف آؤ' یا ''تدعوا'' کا یہ معنی ہے کہ وہ تباہ و برباد اور ہلاک کر دے گی۔ یہ معنی اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: ''دَعَاکَ اللّٰهُ اَیْ اَهْلَکَ'' یعنی تجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے' یا یہ کہ جب ہر کافر و منافق کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور اسے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو دوزخ کی آگ کو ''داعی'' قرار دیا گیا' گویا وہ آگ ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی ﴿ مَنْ اَدْبَرَ ﴾ جس نے حق سے پیٹھ پھیر لی ﴿ وَتَوَلّٰی ﴾ اور اس نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے سے اور عبادت کرنے سے منہ پھیر لیا ﴿ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی ﴾ اور وہ مال و دولت جمع کرنے میں لگ گیا اور اس کو خزانے میں بند کر کے محفوظ کرتا رہا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا رہا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ
فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾

بے شک انسان سخت حریص پیدا کیا گیا ہےO جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سخت گھبرانے والا ہو جاتا ہےO اور

جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا بن جاتا ہے O ماسوا نمازیوں کے O جو اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ ادا کرتے ہیں O اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقرر حق ہے O مانگنے والوں اور نہ مانگنے والے محتاجوں کے لیے ہے O اور جو لوگ قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O بے شک ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O ماسوا اپنی بیویوں کے یا اپنی مملوکہ لونڈیوں کے بے شک اس میں ان کو ملامت نہیں کیا جائے گا O

## انسان کے تخلیقی وطبعی نقص اور معیاری نمازیوں کی پہچان کا بیان

۱۹ تا ۲۱- ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾ بے شک انسان سخت حریص اور جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ انسان سے جنسِ انسان اور مطلق انسان مراد ہے تاکہ نمازیوں کا اس سے استثناء صحیح ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ''ھَلُوْعًا'' کی تفسیر وتوضیح اس کے بعد آنے والی دو آیات سے ہو جاتی ہے ﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ جب اس کو تکلیف ومصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اس کو بھلائی و دولت پہنچتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے' اور ''ھلع'' کا معنی ہے: تکلیف کے ملنے پر بہت جلد گھبرا جانا اور مال و دولت کے ملنے پر اسے اپنے پاس روک لینا۔[1]

مروی ہے کہ محمد بن عبداللہ بن طاہر نے جناب ثعلب سے ''ھَلَعْ'' کے معنی دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تفسیر سے زیادہ واضح تفسیر کسی کی نہیں ہوسکتی اور وہ تفسیر یہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت سخت گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے اور جب اس کو مال و دولت کی صورت میں بھلائی وخوش حالی مل جاتی ہے تو وہ اس میں بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے روک لیتا ہے اور یہ اس کی طبعی حالت ہے اور جب کہ اسے اپنی طبع کی مخالفت پر مامور کیا گیا ہے اور شریعت اسلامی کی موافقت کرنے پر مامور کیا گیا ہے' اور ''اَلشَّرُّ'' سے مراد نقصان و

[1] ان تین آیات کو دوبارہ پڑھیے' ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں: ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے' ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں' اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں' خواہ دولت رشوت سے ملے' لوٹ کھسوٹ سے ملے' چوری ورہزنی سے ملے' قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے' وہ باز نہیں آتا۔ ایسے خود غرض اور لالچی انسان کو عربی میں ''ھَلُوْعٌ'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ ''جَزُوْعٌ'' ہے' بہت گھبرا جانے والا' جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے اُفق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں' اوسان خطا ہو جاتے ہیں' اُمید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس اور سخت بخیل ہے' کسی ملّی یا قومی مقصد کے لیے کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچیے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال وحرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو' جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مال دار ہو تو کنجوس مکھی چوس بن جائے' تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک وملّت کے لیے باعثِ ننگ وعار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے نفرت کرتے ہیں' اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے' جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے' جب اپنی زندگی کے روز وشب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے' وہ حریص نہیں رہتا' وہ غنی ہو جاتا ہے' اس کا دل غنی ہو جاتا ہے' اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں' مصائب کے تند وتیز طوفان جب اس سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اور فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی ہے اور ''اَلْخَیْرُ'' سے وسعت و خوش حالی اور دولت و غناء مراد ہے' یا ''شَرٌّ'' سے بیماری اور ''خَیْرٌ'' سے صحت و تندرستی مراد ہے۔

٢٢'٢٣- ﴿ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴾ ماسوا ان نمازیوں کے ۝ جو اپنی نمازوں یعنی اپنی پنجگانہ نمازوں کو ہمیشہ پابندی سے ادا کرتے ہیں یعنی وہ اپنی نمازوں کو ان کے اصل اوقات میں ادا کرنے کی حفاظت و پابندی کرتے ہیں' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

٢٤'٢٥- ﴿ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴾ اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک حق (حصہ) مقرر ہے یعنی زکوٰۃ کیونکہ یہ مقرر و معلوم ہے یا عام نفلی صدقہ و خیرات کرنا مراد ہے جس کو آدمی اپنی ذات کے لیے وظیفہ بنالیتا ہے اور اسے مقررہ اوقات میں ادا کرتا ہے (جیسے آج کل ہر ماہ ختم گیارہویں' ختم خواجگان اور محافلِ میلاد پر خرچ کرنا) ﴿ لِّلسَّآئِلِ ﴾ مانگنے والے کے لیے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے ﴿ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ اور نہ مانگنے والے کے لیے جو شرم و حیاء کی وجہ سے لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور لوگوں سے مانگنے سے بچتا رہتا ہے' سو لوگ اسے غنی گمان کرتے ہیں' اس لیے وہ ضرورت کے باوجود صدقات و خیرات سے محروم رہتا ہے۔

٢٦- ﴿ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ اور جو لوگ روزِ جزاء کی تصدیق کرتے ہیں یعنی جزاء اور حساب کے دن کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔

٢٧'٢٨- ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے اور خوف رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴾ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب امن و امان کی چیز نہیں ہے یعنی کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے' اگرچہ وہ عبادت و اطاعت اور اجتہاد میں خوب مبالغہ کرتا ہو بلکہ واجب ہے کہ ہر انسان خوف و ڈر اور اُمید کے درمیان رہے [''مَاْمُوْن'' کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' ماسوا ابوعمرو کے کہ ان کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''مَامُوْن'' پڑھا جاتا ہے]۔

٢٩'٣٠- ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں آچکی ہیں یعنی اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے جماع جائز ہے ﴿ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴾ سو ان دو قسم کی خواتین کے ساتھ حفاظت ترک کرنے اور ان دونوں قسموں سے جماع کرنے میں انہیں ملامت نہیں کی جائے گی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آ کر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں' ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہوتا ہے' سیلِ حوادث سے وہ نہیں گھبراتا بلکہ اس وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں' وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے' اور جب اس پر خوش حالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے' وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا' جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کر دے' اسے چین نہیں آتا۔ یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ عبادت پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومئ قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ' ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے' اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آئی ہیں اور پوری قوت سے انہوں نے ہمارے قلب و نظر پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ٣٦٤-٣٦٥)

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

سو جو شخص اس کے سوا طلب کرتا ہے تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیںO یہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے O

۳۱- ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ پھر جو شخص اس کے علاوہ سے جماع طلب کرے یعنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ سو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں (یعنی) حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ متعہ حرام ہے اور لڑکوں' مردوں اور جانوروں اور ہاتھ سے جماع اور منی نکالنا بھی حرام ہے (کیونکہ اس آیت میں اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے سوا سے جماع کی طلب کو ''عدوان'' اور ظلم قرار دیا گیا ہے اور ظلم حرام ہے)۔

۳۲- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ شریعت کی تمام امانتوں اور بندوں کی تمام امانتوں کو شامل ہیں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''لِاَمَانَتِهِمْ'' مفرد پڑھا جاتا ہے] ﴿وَعَهْدِهِمْ﴾ اور وہ اپنے وعدہ کی پابندی کرتے ہیں ''اَیْ عُهُوْدِهِمْ'' یعنی وہ اپنے وعدوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس میں مخلوق کے وعدے اور منتوں اور نذروں کے وعدے اور قسموں کے وعدے سب داخل ہیں ﴿رٰعُوْنَ﴾ رعایت کرنے والے ہیں (یعنی) وہ اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' خیانت کرنے والے نہیں ہیں اور نہ اپنے عہدوں کو توڑنے والے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانتیں وہ ہیں جن پر عقلیں دلالت و رہنمائی کرتی ہوں اور عہد وہ ہیں جنہیں رسول لے کر تشریف لائے۔

۳۳- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ وہ حکام کے پاس عدل و انصاف کے ساتھ صحیح طریقہ پر گواہیاں ادا کرتے ہیں اور غیر رشتہ کے مقابلے میں رشتہ دار کی طرف اور رذیل کے مقابلے میں شریف کی طرف نہیں جھکتے اور نہ وہ کسی قوی اور طاقتور شخص کو ضعیف و کمزور پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ گواہی دیتے وقت مسلمانوں کے حقوق کو زندہ کرنے میں راغب رہتے ہیں جس سے ان کی دین اسلام میں صلابت و مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے [حضرت حفص اور یعقوب کی قراءت میں الف کے ساتھ (جمع کی بناء پر) ''بِشَادَاتِهِمْ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ باقیوں کی قراءت میں (مفرد کی بناء پر) الف کے بغیر ''بشادتِهِمْ'' ہے]۔

۳۴- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کا ذکر دوبارہ یہ بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ نماز تمام عبادات میں اہم ترین عبادت ہے یا اس لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک دفعہ فرض نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسری دفعہ نفلی نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نمازوں میں دوام یہ ہے کہ نمازیں کثرت کے ساتھ پڑھی جائیں (نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد' اشراق' چاشت اور

اوّابین کی نمازیں بھی پڑھی جائیں) اور نمازوں کی حفاظت یہ ہے کہ انہیں اپنے اوقات سے ضائع نہ کیا جائے بلکہ بروقت ادا کیا جائے' یا نمازوں میں دوام یہ ہے کہ ان کو اپنے اوقات میں ہمیشہ ادا کیا جائے اور نمازوں میں محافظت یہ ہے کہ ان کے ارکان' واجبات' سنن اور آداب کی حفاظت کی جائے۔

۳۵- ﴿أُولٰٓئِكَ فِي جَنّٰتٍ مُّكْرَمُونَ﴾ یہی لوگ جو ان مذکورہ بالا صفات کے حامل ہیں جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے [یہ دونوں خبریں ہیں]۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿۳۷﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ إِنَّا لَقٰدِرُونَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى أَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۱﴾

سو ان کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف تیز دوڑے آ رہے ہیں O دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ O کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا O ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں O سو مجھے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی قسم ہے کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں O اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں O

## کفار کے باطل گمان کی تردید اور حشر کے دن ان کی ذلت کا بیان

۳۷'۳۶- ﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ سو ان کافروں کو کیا ہوا کہ وہ (آپ کا کلام مبارک سننے اور اس کا مذاق اُڑانے کے لیے) آپ کی دائیں طرف سے اور آپ کی بائیں طرف سے گروہ در گروہ بڑی جلدی بھاگ کر آپ کی طرف آ جاتے ہیں۔ ''مھطعین'' کا معنیٰ ''مُسْرِعِيْنَ'' ہے یعنی بہت جلد بھاگنے والے اور ''عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ'' کا معنی ہے: حضور نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب اور آپ کی بائیں جانب اور ''عِزِيْنَ'' کا معنی ہے: مختلف گروہ' گویا ہر گروہ جس قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ دوسرے گروہ کے منسوب الیہ قبیلے سے مختلف اور اس سے الگ ہوتا ہے' سو اس لیے وہ تمام گروہ ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتے ہیں [''فَمَالِ'' میں لام جارہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف شریف کی اتباع میں جدا لکھا گیا ہے' اور ''مُهْطِعِيْنَ''، ''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور ''عِزِيْنَ'' بھی حال ہے اور یہ ''عِزَةٌ'' کی جمع ہے اور اس کی اصل ''عِزْوَةٌ'' ہے جس کا معنیٰ مختلف گروہ کے ہیں]۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ' حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گروہ در گروہ ہو کر آتے اور آپ کے ارگرد حلقہ بنا کر آپ کو گھیر لیتے اور آپ کا کلامِ مبارک سنتے اور آپ کے کلام کا مذاق اُڑاتے اور کہتے: اگر یہ مسلمان جنت میں جائیں گے جیسا کہ (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں تو پھر ہم ان سے پہلے ضرور جنت میں جائیں گے' چنانچہ ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۸- ﴿ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴾ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع اور اُمید رکھتا ہے کہ وہ مؤمنوں کی طرح نعمتوں والی جنت میں داخل ہوگا [مفضل کے علاوہ کی قراءت میں ''یــا'' مضموم اور ''خــا'' مفتوح کے ساتھ ''اَنْ يُّدْخَلَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۳۹- ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! ''كَلَّا'' کے لفظ سے انہیں جنت میں جانے کی اُمید سے منع کر دیا گیا ہے ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴾ بے شک ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں یعنی نطفہ کے چند قطروں سے پیدا کیے گئے ہیں اور اس لیے اس کو مبہم رکھا گیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ وہ ایسی حقیر چیز ہے کہ اس کے ذکر سے شرم آتی ہے تو بھلا یہ لوگ کیسے بزرگ و معزز ہو گئے اور وہ تقدم کا دعویٰ کیسے کرتے ہیں اور کیسے کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے پہلے جنت میں ضرور جائیں گے؟ یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کو نطفہ سے پیدا کیا جیسا کہ ہم نے تمام بنی آدم کو پیدا کیا اور ہمارا حکم یہ ہے کہ جنت میں بغیر ایمان کے کوئی شخص نہیں جائے گا تو بھلا وہ شخص جنت میں جانے کی اُمید کیوں رکھتا ہے جس کے پاس ایمان نہیں ہے۔

۴۰، ۴۱- ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ ﴾ سو مجھے قسم ہے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی تمام جگہیں اور سورج کے غروب ہونے کی تمام جگہیں[1] ﴿ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴾ بے شک ہم ضرور قادر ہیں ﴿ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں جو ان سے بہت بہتر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گزار ہوں ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴾ اور نہ ہم عاجز ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾
يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع

سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ وہ بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشوں میں مشغول رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے

---

[1] اس سورۃ المعارج: ۴۰ میں ''مشــارق'' اور ''مغــارب'' کا ذکر ہے' قرآن مجید میں مشرق اور مغرب واحد کے صیغے کے ساتھ بھی ذکر ہے اور تثنیہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے۔

واحد کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ'' (البقرہ: ۱۱۵)

تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ O'' (الرحمٰن: ۱۷)

جمع کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا'' (الاعراف: ۱۳۷)

سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے بھی اتنے ہی مقام ہیں' گویا ہر روز کا ایک الگ مشرق اور ایک الگ مغرب ہوتا ہے' اس اعتبار سے جمع کے صیغہ کے ساتھ مشارق اور مغارب فرمایا اور سردی اور گرمی میں نمایاں فرق کے ساتھ دو مشرق اور دو مغرب ہوتے ہیں' ایک انتہائی آخری مشرق اور مغرب اور دوسرا ابتدائی قریب ترین مشرق اور مغرب' اس لحاظ سے ''مَشْرِقَيْنِ'' اور ''مَغْرِبَيْنِ'' فرمایا اور ایک مطلق طلوع اور غروب کے مقام جن میں اس تفصیل سے قطع نظر ہو' اس اعتبار سے مشرق اور مغرب فرمایا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۳۹)

اس دن سے ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہےO اس دن وہ قبروں سے بڑی تیزی کے ساتھ نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیںO ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت ورسوائی چڑھی ہوئی ہو گی' یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھاO

۴۲'۴۳- ﴿فَذَرۡهُمۡ يَخُوضُواْ وَيَلۡعَبُواْ﴾ سو آپ ان کو یعنی جھٹلانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ اپنی باطل اور بے ہودہ باتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ دنیا کے دھندوں میں کھیل رہے ہیں ﴿حَتَّىٰ يُلَٰقُواْ يَوۡمَهُمُ ٱلَّذِي يُوعَدُونَ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے ﴿يَوۡمَ يَخۡرُجُونَ مِنَ ٱلۡأَجۡدَاثِ سِرَاعٗا كَأَنَّهُمۡ إِلَىٰ نُصُبٖ يُوفِضُونَ﴾ اس دن وہ لوگ قبروں سے بڑی جلدی نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگ رہے ہیں [''یَوۡمَ'' اپنے سے پہلے ''یَوۡمَهُمُ'' سے حال ہے اور اعشیٰ کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' مفتوح اور ''را'' مضموم کے ساتھ ''یَخۡرُجُونَ'' (باب ''نَصَرَ یَنۡصُرُ'' سے) پڑھا جاتا ہے اور ''اجداث'' بہ معنی قبور ہے اور ''سِرَاعًا'' ''سَرِیۡعٌ'' کی جمع ہے اور یہ حال ہے اور ''كَأَنَّهُمۡ'' بھی حال ہے اور ابن عامر شامی' امام حفص اور سہل کی قراءت میں نون اور صاد مضموم کے ساتھ ''نُصُبٍ'' ہے جب کہ مفضل کی قراءت میں صاد ساکن کے ساتھ ''نُصۡبٍ'' اور ان کے علاوہ کی قراءت میں نون مفتوح اور صاد ساکن کے ساتھ ''نَصۡبٍ'' ہے] ''نُصُبٍ'' کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو زمین میں نصب کر کے اللہ تعالیٰ کی بجائے اس کی عبادت کی جائے اور ''یُوۡفِضُوۡنَ'' بہ معنی ''یُسۡرِعُوۡنَ'' جلدی چلنا اور بھاگنا ہے۔

۴۴- ﴿خَٰشِعَةً أَبۡصَٰرُهُمۡ﴾ ان کی آنکھیں ذلت سے جھکی ہوئی ہوں گی یعنی وہ لوگ اپنی ذلت و رسوائی کی وجہ سے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھائیں گے [''خَاشِعَةً'' ''یَخۡرُجُوۡنَ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی پست و ذلیل] ﴿تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٞۚ﴾ ان پر بہت سخت ذلت وخواری چڑھی ہو گی ﴿ذَٰلِكَ ٱلۡيَوۡمُ ٱلَّذِي كَانُواْ يُوعَدُونَ﴾ یہ وہی دن ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اسے جھٹلا دیتے تھے۔

| آیاتہا ۲۸ رکوعاتہا ۲ | بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ O | سورۃ نوح مکیۃ ۷۱ |
|---|---|---|

سورۃ نوح مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO — اس کی اٹھائیس آیات' دو رکوع ہیں

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦٓ أَنۡ أَنذِرۡ قَوۡمَكَ مِن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَهُمۡ
عَذَابٌ أَلِيمٞ ﴿١﴾ قَالَ يَٰقَوۡمِ إِنِّي لَكُمۡ نَذِيرٞ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ
وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغۡفِرۡ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ إِلَىٰٓ أَجَلٖ
مُّسَمًّىۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُۚ لَوۡ كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ (وقف لازم)
رَبِّ إِنِّي دَعَوۡتُ قَوۡمِي لَيۡلٗا وَنَهَارٗا ﴿٥﴾ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِيٓ إِلَّا
فِرَارٗا ﴿٦﴾

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آ جائےO اس نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوںO کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کروO وہ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دے گا' بے شک اللہ تعالیٰ کی مدت جب آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ہوتےO اس نے فرمایا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دیO سو میری دعوت سے ان کے بھاگنے میں ہی اضافہ ہواO

## حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت وتبلیغ پر قوم کی سرکشی کا بیان

۱-﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ﴾ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سریانی زبان میں نوح کا معنی ساکن ہے ( کیونکہ آپ کو ذکر الٰہی سے سکون ملتا) ﴿ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ ﴾ یہ کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اور انہیں خوفِ الٰہی دلائیں [اس کی اصل ''بِـاَنْ اَنْذِرْ'' ہے' پھر حرفِ جار کو حذف کر دیا گیا اور ''اَنْ'' کو فعل کے ساتھ ملا دیا گیا اور امام خلیل کے نزدیک یہ محلاً مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک منصوب ہے یا ''اَنْ'' مفسرہ بہ معنی ''اَیْ'' ہے کیونکہ ارسال میں قول کا معنی پایا جاتا ہے] ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آن پہنچے یعنی طوفان یا آخرت کا عذاب۔

۲-﴿ قَالَ يٰقَوْمِ ﴾ فرمایا: اے میری قوم! حضرت نوح علیہ السلام نے ان پر اپنی شفقت کا اظہار کرنے کے لیے اپنی قوم فرما کر ان کو اپنی طرف منسوب کیا ﴿ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا اور خوف دلانے والا ہوں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہارے لیے ایسی زبان میں بیان کرتا ہوں جسے تم خود بھی جانتے اور پہچانتے ہو۔

۳-﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (یعنی) تم اس کو واحد لاشریک تسلیم کرو اور عقیدۂ توحید اختیار کرو (پھر اس کی عبادت کرو) [اور یہ ''اَنْ'' بھی دو وجہوں میں ''اَنْ اَنْذِرْ'' کی طرح ہے] ﴿ وَاتَّقُوْهُ ﴾ اور تم اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ اور تم میری ان تمام اُمور میں اطاعت وفرماں برداری کرو جن کا میں تمہیں حکم دوں اور جن اُمور سے میں تمہیں منع کروں اور حضرت نوح علیہ السلام نے اطاعت کو اپنی طرف اس لیے منسوب کیا کہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے جائز ہے لیکن عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

٤-﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا [یہ امر کا جواب ہے اور اس میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:۳۰) ''سو تم بتوں کی نجاست سے بچو'' یا پھر یہ حرف ''مِـنْ'' تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور مخلوق کے درمیان کسی نافرمانی پر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بندوں کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے جیسے قصاص وغیرہ (یعنی حدِ زنا' حدِ شراب' حدِ قذف)' شرح التاویلات میں اسی طرح ہے ﴿ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے گا اور وہ تمہاری موت کا وقت ہے ﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی اجل (یعنی) موت جب آ جائے گی تو مؤخر نہیں کی جائے گی' کاش! تم جان لیتے' یعنی اگر تم اس ندامت و پشیمانی اور شرمندگی کو جان لیتے جو تمہاری اجل کے ختم ہونے کے وقت تمہیں پہنچے گی تو تم ضرور ایمان لے آتے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ نے مثلاً فیصلہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اگر ایمان قبول کر لے گی تو ایک ہزار سال تک ان کی عمر بڑھادی جائے گی اور اگر وہ ایمان نہیں لائے گی تو انہیں نو سو سال کے آخر پر ہلاک کر دیا جائے گا' پھر ان سے کہا گیا کہ تم ایمان لے آؤ تو تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دی جائے گی یعنی تمہاری عمر ایک ہزار سال تک دراز کر دی جائے گی' پھر یہ خبر دی گئی کہ جب ایک ہزار سال پورے ہو جائیں گے تو پھر مہلت نہیں دی جائے گی جیسا کہ ایمان لانے کے وقت تمہیں مہلت دی جائے گی اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان لوگوں کو اپنے بارے میں یہ خوف تھا کہ اگر وہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ایسا نہ ہو کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے تو گویا حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اس خوف سے امن دلایا اور ان سے وعدہ کیا کہ ایمان لانے پر انہیں اس مدت تک باقی رکھا جائے گا جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے یعنی بے شک اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو تمہیں تمہارے دشمن سے مقررہ مدت تک امن کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور تمہیں صحیح سلامت باقی رکھا جائے گا۔

۵-۶- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے رات اور دن اپنی قوم کو دعوت دی ہے (یعنی) میں رات دن مسلسل بغیر کسی وقفہ کے انہیں دعوت دیتا رہا ہوں ﴿فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا﴾ سو میری دعوت نے ان میں کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کیا سوائے فرار کی راہ اختیار کرنے اور بھاگ جانے کے یعنی تیری اطاعت سے' اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس فرار کو اپنی دعوت کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ فرار دعوت دینے کے وقت حاصل ہوتا تھا اگر چہ دعوتِ حق دینا حقیقت میں فرار کا سبب نہیں ہے اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے: ''وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا'' (التوبہ: ۱۲۵) ''اور لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو (قرآن نے) ان کی نجاست و پلیدی کو بڑھا دیا'' حالانکہ قرآن مجید تو پلیدی کے اضافہ کا سبب نہیں ہے' اور ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاتا تھا تو فرماتے: تم اس بچے سے ہوشیار رہنا کہ کہیں تمہیں دھوکا میں نہ ڈال دے کیونکہ میرا باپ مجھے یہی وصیت کرتا تھا۔

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

اور بے شک میں نے جب بھی انہیں دعوت حق دی تا کہ آپ انہیں بخش دیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور اپنی ضد پر اصرار کیا اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا○

پھر میں نے ان کو سب کے سامنے بہ آواز بلند دعوت دیO پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا اور میں نے انہیں آہستہ اور خفیہ بھی بلایاO سو میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو' بے شک وہ بہت بڑا بخشنے والا ہےO وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گاO اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کردے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کردے گاO تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے نہیں ڈرتےO حالانکہ بے شک اس نے تمہیں بار بار مختلف مراحل میں پیدا کیا ہےO

۷- ﴿وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ ''اِلَی الْاِیْمَانِ بِكَ'' اور بے شک میں نے جب بھی انہیں تجھ پر ایمان لانے کی دعوت دی ﴿لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ تا کہ آپ انہیں بخش دیں ''اَیْ لِیُؤْمِنُوْا فَتَغْفِرَ لَهُمْ'' یعنی تا کہ وہ ایمان لائیں تو آپ انہیں بخش دیں (چونکہ ایمان مغفرت کا سبب ہے) سو اس لیے یہاں سبب کے ذکر کی بجائے صرف مسبب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے ﴿جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں داخل کر لیں اور اپنی سماعت کی جگہیں بند کر لیں تا کہ میرا کلام انہیں سنائی نہ دے ﴿وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور خود اپنے کپڑوں کے اندر چھپ گئے تا کہ وہ مجھے دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ لوگ ایسی ہستی کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی نصیحت کرے ﴿وَاَصَرُّوْا﴾ اور ضد اور ہٹ دھرمی پر اصرار جاری رکھا اور اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہے اور باطل پر قائم رہے ﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا اور میری دعوت قبول کرنے کی بجائے سرکشی کی اور غرور کیا اور یہاں فعل کے بعد مصدر کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ تکبر کیا۔

۸- ﴿ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ پھر میں نے ان کو کھلم کھلا دعوت دی۔ ''جِهَارًا'' مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی اعلانیہ دعوت دینا' یا یہ ''دَعَوْتُهُمْ'' کا مصدر ہے جیسے ''قَعَدَ الْقُرْفُصَاءَ'' فلاں آدمی اکڑوں بیٹھا کیونکہ ''جہار'' بھی دعوت کی دو قسموں میں سے ایک قسم ہے یعنی میں نے محافل و مجالس میں جا کر سب کے سامنے کھلم کھلا انہیں دعوت دی۔

۹- ﴿ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ پھر میں نے ان کو اعلانیہ دعوت دی اور میں نے ان کو آہستہ اور مخفی بھی دعوت دی یعنی میں نے ان کی اعلانیہ دعوت کو سرّی اور مخفی دعوت کے ساتھ ملا کر نصیحت کی' پس خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو رات دن سرّی اور آہستہ دعوت دیتے رہے' پھر آپ نے ان کو کھلم کھلا دعوت دینا شروع کیا' پھر کچھ عرصہ بعد آپ نے ان کو مخفی اور اعلانیہ دونوں طرح دعوت دینا شروع کی اور نیکی کا حکم دینے والا اسی طرح کرتا ہے کہ پہلے آسان اور نرم طریقہ اختیار کرتا ہے' پھر سخت طریقہ اختیار کرتا ہے' اس کے بعد پھر سخت ترین طریقہ اختیار کر لیتا ہے' چنانچہ آپ نے بھی پہلے سرّی اور مخفی دعوت کا آغاز کیا لیکن جب انہوں نے اسے قبول نہ کیا تو آپ نے دوبارہ ان کو کھلم کھلا دعوت دی' جب پھر بھی وہ لوگ متاثر نہ ہوئے تو آپ نے تیسری بار مخفی اور اعلانیہ دعوت کو جمع کر کے ان کو نصیحت کی اور لفظ ''ثُمَّ'' احوال کے مختلف ہونے پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے کیونکہ مخفی دعوت و تبلیغ سے اعلانیہ دعوت دینا اور تبلیغ کرنا زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہے' پھر ان دونوں میں سے ایک کی بجائے دونوں کو ملا کر دعوت دینا اور تبلیغ کرنا سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہے۔

۱۰- ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ سو میں نے (انہیں) کہا کہ تم کفر و شرک کرنے پر اپنے پروردگار سے معافی اور مغفرت و بخشش طلب کرو' کیونکہ ''استغفار'' کا معنی ہے: مغفرت و بخشش طلب کرنا' سو اگر استغفار کرنے والا کافر ہوگا تو وہ اپنے کفر کرنے پر مغفرت و معافی طلب کرے گا اور اگر استغفار کرنے والا گناہ گار مسلمان ہوگا تو وہ اپنے گناہوں کی مغفرت و معافی طلب کرے گا ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا ہے' وہ ہمیشہ ہر اس شخص کے گناہوں کو بخش

دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۱۱۔۱۲۔﴿ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ﴾ اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔ ''مدرارًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ برسنے والی بارش [ یہ مفعال کے وزن پر ہے اس میں مذکر اور مؤنث مساوی و برابر ہوتے ہیں ] ﴿ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ ﴾ اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں میں اور تمہارے بیٹوں میں اضافہ فرما دے گا ﴿ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا ﴾ وہ تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تمہارے باغوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں جاری کر دے گا اور وہ لوگ مال و دولت اور اولاد سے بہت محبت کرتے تھے سو اس لیے ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب عرصہ دراز تک بار بار دعوت دینے کے بعد بھی ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک دیا اور ان کی عورتوں کے رحموں کو چالیس سال یا ستر سال تک بانجھ کر دیا' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خشک سالی کو ختم کر کے انہیں خوش حالی عطا فرما دے گا اور جس بانجھ پن کی مصیبت میں وہ لوگ مبتلا ہیں وہ ان سے دُور فرما دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ استسقاء پڑھانے نکلے اور آپ نماز کے بعد صرف استغفار کرتے رہے' اس سے زیادہ کوئی دعا وغیرہ نہ مانگی تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بارش طلب کرنے کے لیے دعا مانگتے نہیں دیکھا' تو آپ نے فرمایا: میں نے ایسے ذریعہ سے بارش طلب کی ہے جس کے سبب آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے استغفار کو خالص اور سچے عطیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کبھی خطا نہیں جاتے اور آپ نے یہی آیات تلاوت کیں۔

حضرت ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے اولاد کی کمی کی شکایت کی' ایک اور شخص آیا اور اس نے اپنی زمین کی پیداوار کی کمی کی شکایت کی' حضرت حسن بصری نے سب کو یہی حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' حضرت ربیع نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس مختلف لوگوں نے مختلف شکایات بیان کیں مگر آپ نے سب کو استغفار کا حکم دے دیا تو آپ نے بھی یہی آیات تلاوت کر کے سنائیں۔

۱۳۔۱۴۔﴿ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا خیال نہیں کرتے (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے کیوں نہیں ڈرتے اور امام اخفش سے منقول ہے کہ یہاں ''رجاء'' خوف کے معنی میں ہے کیونکہ ''رجاء'' میں ایک طرف خوف و نا اُمیدی ہوتی ہے اور دوسری طرف اُمید و بھروسا ہوتا ہے اور ''وقار'' کا معنی عظمت ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توقیر یعنی اس کی تعظیم میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایسے حال پر نہیں ہوتے جس میں تم دار الثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے متعلق سوچو ﴿ وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں کئی مراحل میں پیدا کیا یعنی بار بار اور کئی مرتبہ طرح طرح سے پیدا کیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت سے' پھر گوشت اور ہڈیوں کی صورت میں پیدا کیا یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ تمہارا حال تو یہی ہے جو بیان ہوا' اور یہ حال تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہے کیونکہ

اس نے تمہیں مختلف مراحل میں بہ تدریج پیدا فرمایا ہے [ ''اطوارًا'' حال کی جگہ پر واقع ہے ]۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۱۵ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ
نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۱۶ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۱۷ ثُمَّ
يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۱۸ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۱۹
لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۲۰ ع

کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح اوپر نیچے پیدا کیاO اور چاند کو ان میں روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایاO اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے خوب اُگایاO پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور وہ تمہیں (دوبارہ) نکال کر باہر لائے گاO اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایاO تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھروO

۱۵- اللہ تعالیٰ نے پہلے (مذکورہ بالا آیات میں) کفار کو اپنے نفوس کے بارے میں غور وفکر کرنے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ وہ قریب ہیں' پھر (اب درج ذیل آیات میں) کائنات کے بارے میں اور صانع وخالق کی ذات پر دلالت کرنے والے جو عجائبات پیدا کیے ہیں ان میں غور وفکر کرنے پر تنبیہ فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴾ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح تہ بہ تہ پیدا کیا (یعنی) بعض کو بعض کے اوپر پیدا کیا۔

۱۶- ﴿ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے چاند کو ان میں یعنی آسمانوں میں روشن کر دیا اور وہ صرف آسمانِ دنیا ہے کیونکہ آسمانوں کے درمیان تعلق وربط ہے' اس لیے کہ یہ ایک دوسرے پر منطبق ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ چاند کی روشنی اسی طرح تمام آسمانوں میں ہوتی ہے اگرچہ خود چاند تمام آسمانوں میں نہیں ہوتا جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی مدینہ میں ہے حالانکہ وہ تو اس کی کسی ایک طرف میں رہتا ہے (پورے مدینہ میں نہیں)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور ان دونوں کی پشتیں زمین کی طرف ہیں (ورنہ ان کی حرارت سے زمین کی ہر چیز سڑ جائے) چنانچہ چاند کا نور تمام آسمانوں کو محیط ہے کیونکہ نور لطیف ہوتا ہے اس کے لیے کوئی حجاب نہیں ہوتا (جب کہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف ہیں) ﴿ وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج کو چراغ بنایا کہ تمام دنیا والے اس کی روشنی میں تمام چیزیں دیکھ لیتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھر کے اندر کی ہر اس چیز کو دیکھتے ہیں جس کے دیکھنے کی انہیں احتیاج وضرورت ہوتی ہے اور البتہ سورج کی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور تمام اہل علم متفق ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

۱۷'۱۸- ﴿ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا (یعنی) تمہیں زمین میں سے (مٹی سے) پیدا کیا۔ ''اِنْبَات'' (اُگانا) کو ''اِنْشَاء'' (پیدا کرنا) کے لیے بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا ہے ﴿ نَبَاتًا ﴾ سو تم اُگ گئے ﴿ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں اسی زمین میں واپس لوٹا دے گا

﴿ وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں زمین سے مکمل طور پر نکال کر باہر لائے گا [''یُخْرِجُ'' فعل کو مصدر ''اِخْرَاجًا'' کے ساتھ مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے یعنی مکمل اور کامل طور پر نکالا جائے گا]۔

۱۹، ۲۰- ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنا دیا (یعنی) نرم بچھونے کی طرح بنایا ﴿ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا ﴾ تا کہ اس پر اس طرح چلو پھرو جس طرح تم گھر میں بچھے ہوئے قالین وغیرہ پر چلتے ہو ﴿ سُبُلًا فِجَاجًا ﴾ کشادہ اور وسیع مختلف راستوں پر چلتے پھرتے رہو۔ ''سُبُل'' کا معنی راستے اور ''فِجَاج'' کا معنی کشادہ' وسیع اور مختلف' جدا جدا۔

| |
|---|
| قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا |
| خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا |
| وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا |
| تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِمَّا خَطِيٓـَٔاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوا |
| لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ |

نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی اختیار کر لی جن کے مال اور اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا O اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی O اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور نہ تم وَدّ کو چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو O اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' اور (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت میں O وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے' پھر وہ دوزخ کی آگ میں داخل کر دیئے گئے' سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے O

## قوم کی سرکشی پر حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت' دعائے ضرر اور مؤمنوں کے لیے دعائے مغفرت

۲۱- ﴿ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے (یعنی میری قوم نے) میری نافرمانی کی ہے کہ میں نے ان کو ایمان لانے اور استغفار کرنے کا جو حکم دیا تھا اس میں انہوں نے میری مخالفت کی (نہ ایمان لائے اور نہ استغفار کیا) ﴿ وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴾ اور انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا یعنی قوم کے کم عقل و بے وقوف اور فقیر و غریب لوگوں نے اپنی قوم کے ان سرداروں اور صاحب اولاد مال داروں کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے آخرت میں ان کے صرف نقصان ہی میں اضافہ کیا [ابن کثیر مکی اور امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقیوں کی قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ''وَوُلْدُهٗ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''وَلَدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسْدٌ''، ''اَسَدٌ'' کی جمع ہے]۔

۲۲- ﴿ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور سازش کرنے والے وہی ان کے سردار تھے اور

ان کی سازش یہ تھی کہ لوگوں کو دین حق سے روکا جائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو اذیت ونقصان پہنچانے اور ان کی طرف رغبت رکھنے والوں کو ان کے پاس آنے سے روکنے کے لیے لوگوں کو متحرک وتیار کیا جائے۔ ''مکر'' کا معنی ہے: فریب و سازش کرنا' اور ''کُبّار'' کا معنی ہے: بہت بڑا' اور یہ ''کُبّار'' ''کِبار'' سے بڑھ کر ہے اور یہ ''کِبار'' ''کبیر'' سے بڑھ کر ہے [اور ایک قراءت میں ''کُبّار'' (مشدد) کی بجائے (مخفف) ''کِبار'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''وَمَکَرُوْا'' ''لَمْ یَزِدْهُ'' پر معطوف ہے اور اس جمع کی ضمیر ''مَنْ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَنْ'' لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے]۔

۲۳- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے کہا یعنی سرداروں نے اپنے کم عقل پیروکاروں سے کہا: ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا یعنی ان کی عبادت کرنا کبھی نہ چھوڑنا۔ یہ عام ہے سب بتوں کو شامل ہے ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا﴾ اور نہ تم وَدّ کو چھوڑنا [''وَدّ'' کو واؤ مفتوح اور مضموم کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور یہ حضرت نافع مدنی کی قراءت ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] اور یہ بت ایک آدمی کی صورت پر تیار کیا گیا تھا ﴿وَّلَا سُوَاعًا﴾ اور نہ سواع کو چھوڑنا۔ یہ بت ایک عورت کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَّلَا يَغُوْثَ﴾ اور نہ یغوث کو چھوڑنا۔ یہ بت شیر کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَيَعُوْقَ﴾ اور نہ یعوق کو چھوڑنا۔ یہ بت گھوڑے کی صورت پر بنایا گیا تھا' اور یہ دونوں ''یَغُوْثُ'' اور ''یَعُوْقُ'' منصرف نہیں ہیں' معرفہ اور وزن فعل ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عربی قرار دیا جائے اور معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عجمہ قرار دیا جائے ﴿وَنَسْرًا﴾ اور نہ نسر کو چھوڑنا' اور یہ بت گدھ کی صورت پر بنایا گیا تھا یعنی ان بتوں کی عبادت خصوصی طور پر بالکل ترک نہ کرنا گویا یہ بت ان کے نزدیک ان کے بتوں میں سب سے بڑے اور سب سے عظیم بت تھے' عمومی حکم کے بعد ان کو مخصوص کر لیا گیا اور یہ بت قوم نوح علیہ السلام سے عرب میں منتقل کیے گئے تھے' چنانچہ وَدّ بنو کلب کا بت تھا اور سواع ھمدان کا اور یغوث مذحج کا اور یعوق مراد کا اور نسر حمیر کا بت تھا' اور بعض حضرات نے کہا: یہ نیک آدمیوں کے نام ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گزر چکے ہیں' لوگ اس زمانہ میں ان کی پیروی کرتے تھے' پھر جب یہ نیک حضرات فوت ہو گئے تو انہوں نے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیے تا کہ ان یادگار تصویروں اور مجسموں کی وجہ سے ان لوگوں میں عبادتِ الٰہی کرنے کا ذوق وشوق زیادہ بڑھ جائے' پھر جب زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے عقیدت مند موحد بھی فوت ہو گئے تو بعد ازاں نسل در نسل گزرنے پر شیطان ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ ان کے آباء واجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے تو اس وقت سے ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

۲۴- ﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی ان کے بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ'' (ابراہیم:۳۶) ''بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے'' یا یہ کہ ان کے سرداروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اے میرے رب تعالیٰ!) ظالموں کو نہ بڑھانا [یہ ''رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ'' پر معطوف ہے اس بناء پر کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت ہے' ''قَالَ'' کے بعد اور اس واؤ کے بعد جو اس کی نائب ہے] اور اس کا معنی ہے: ''قَالَ نُوْحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ (وَ) قَالَ (لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ)'' حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور کہا کہ (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا' یعنی یہ دونوں کلام حضرت نوح علیہ السلام کے ہیں [اور یہ دونوں محلاً منصوب ہیں کیونکہ یہ دونوں ''قَالَ'' کے مفعول ہیں] ﴿اِلَّا ضَلٰلًا﴾ مگر ہلاکت وگمراہی میں' جیسا کہ ارشاد ہے:

"وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا" اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت وتباہی میں۔

۲۵۔ ﴿مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ﴾ ابو عمرو بصری کی قراءت میں "خطایاهم" ہے یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿اُغْرِقُوْا﴾ ان کو طوفان میں غرق کر دیا گیا ﴿فَاُدْخِلُوْا نَارًا﴾ پھر ان کو بہت بڑی آگ میں داخل کیا گیا اور "مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ" کی تقدیم یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ ان کو طوفان میں غرق کرنا اور انہیں آگ کے عذاب میں داخل کرنا صرف ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوا اور اس معنی کو "مَا" کے اضافہ کے ساتھ مؤکد کیا گیا اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے یہی دھمکی کافی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے گناہوں میں سے ایک گناہ ان کا کفر بھی تھا اور وہ سب سے بڑا گناہ تھا اور "فَاُدْخِلُوْا" میں حرف "فَا" یہ تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ انہیں طوفان میں غرق کیے جانے کے بعد آگ میں جلانے کا عذاب دیا گیا جو عذابِ قبر کے اثبات پر روشن دلیل ہے ﴿فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑنا O بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفار O اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوا اور تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر تباہی میں O

---

۲۶۔ ﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ جو زمین پر چلتا پھرتا آتا جاتا ہے [اور "دیار" فیعال کے وزن پر ہے اور "دور" سے ماخوذ ہے اور یہ ان اسماء میں سے ہے جو عام نفی میں استعمال کیے جاتے ہیں]۔

۲۷۔ ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ﴾ بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کو ہلاک نہ کیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلائیں گے ﴿وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفار کو (یعنی) مگر جب وہ بالغ ہوں گے تو فسق و فجور شروع کر دیں گے اور کفر و شرک کریں گے اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بات صرف اس لیے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے باخبر کر دیا تھا چنانچہ ارشاد ہے: "لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ" (ھود: ۳۶) "آپ کی قوم میں سے آئندہ کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا ماسوا ان کے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں"۔

۲۸- ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور آپ کے والدین مؤحد و مسلمان تھے اور آپ کے باپ کا نام لمک تھا اور آپ کی ماں کا نام شمخا تھا اور بعض کا قول ہے: وہ دونوں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام مراد ہیں اور ایک قراءت میں ''لِوَلَدَیَّ'' یعنی میری اولاد کو بخش دے اس سے آپ کے بیٹے سام اور حام مراد ہیں ﴿وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ﴾ اور اس کو بخش دے جو میرے گھر میں داخل ہوا یا میری مسجد میں یا میری کشتی میں داخل ہوا ﴿مُؤْمِنًا﴾ ایمان دار کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جو مؤمن آپ کے گھر میں داخل ہوا ہے وہ کفر کی طرف نہیں لوٹے گا ﴿وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ قیامت کے دن تک تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے ان کو خاص کیا جو آپ کے ساتھ قرابت میں متصل تھے کیونکہ وہ آپ کی دعا کے زیادہ مستحق تھے پھر عام مسلمان مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾ اور ظالموں یعنی کافروں کو نہ بڑھانا مگر تباہی اور ہلاکت میں چنانچہ تمام کافروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دو دعائیں کیں ان میں سے ایک مؤمنوں کی مغفرت و بخشش کی دعا اور دوسری کافروں کی ہلاکت کی دعا اور کفار کی ہلاکت کی دعا یقیناً قبول ہوگئی تو اب یہ محال ہے کہ مؤمنوں کے حق میں آپ کی دعا قبول نہ کی جائے اور جب کفار کو طوفان میں غرق کر دیا گیا تو ان کے بچوں کے بارے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عورتوں کے رحموں کو طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا' سو اس لیے جب انہیں غرق کیا گیا تو اس وقت کوئی بچہ نہیں تھا اور بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ان بچوں کی بے گناہی کو خوب جانتا ہے' سو انہیں بغیر عذاب کے ہلاک کیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ الجن مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی اٹھائیس آیات' دو رکوع ہیں

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور انہوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ○ وہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے' سو ہم اس پر ایمان لے آئے' اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے ○ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان بہت بلند ہے اور نہ اس

نے کوئی بیوی بنائی اور نہ بیٹا بنایا○اور بے شک ہمارا بے وقوف شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھا○اور بے شک ہم نے گمان کیا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے○اور بے شک انسانوں میں کچھ آدمی جنوں میں سے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے' سوانہوں نے ان (جنوں) کی سرکشی بڑھا دی○اور بے شک انہوں نے گمان کیا جیسا کہ تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو نہیں اٹھائے گا○

## جنات کے ایمان لانے کا بیان

۱۔﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اپنی امت سے فرمادیں کہ میری طرف وحی کی گئی کہ بے شک شان یہ ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا ہے۔ تین افراد سے لے کر دس افراد تک کی جماعت کو عربی میں ''نَفَرٌ'' کہتے ہیں اور یہاں جنوں کی جماعت سے نصیبین کے جنات مراد ہیں[1] [''اَنَّهُ'' میں ضمیر شان کی ہے اور تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ ''اَنَّهُ'' کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ یہ ''اُوْحِیَ'' کا (نائب) فاعل ہے اور ''اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا'' (الجن:۱۶) اور ''اَنَّ الْمَسَاجِدَ'' (الجن:۲۸) میں ''اَنَّهُ اسْتَمَعَ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح ہے

[1] کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے' فرماتے ہیں: ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی' مسجد سے باہر تشریف لے آئے' پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام (الحجون) پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا' چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے' حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے' پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں یہاں تک کہ حضور پہنچ گئے' میں نے عرض کیا: میرے آقا! رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے' فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا' میں نے دریافت کیا: یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا: یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں' وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔

جنات کی کیفیت: جن جمع ہے اور اس کا واحد ''جِنِّیٌّ'' ہے' جس طرح روم کا واحد رومی ہے' اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''اَصْلُ الْجِنِّ سَتْرُ الشَّیْءِ عَنِ الْحَاسَّةِ'' (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے' ان سب میں یہ معنی موجود ہے' ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں' دل کو جنان کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ ''مِجَنَّةٌ'' ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں' ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں وہ فرشتے ہیں' دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں وہ شیاطین ہیں' تیسری قسم وہ ہے جس میں کچھ نیک ہیں اور کچھ شریر ہیں وہ جن ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں رقم فرمایا ہے (ترجمہ) جن اجسام ہیں جن میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقل مند ہوتے ہیں' لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے' ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے حضرت آدم کی مٹی سے' ان میں نر مادہ بھی ہیں' ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات' شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے' ان مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی یہ آیتیں پڑھیے: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ○وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ'' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور "اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا" (الجن:۲۸) میں "اَنْ" ثقیلہ سے مخففہ ہے تا کہ "لِیَعْلَمَ" کو اس طرف متعدی کیا جا سکے اور "فا" جزائیہ اور قول کے بعد ہمزہ مکسور ہوتا ہے جیسے "فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ" (الجن:۲۳) اور "قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا" کیونکہ یہ مبتدا ہوتا ہے جس کو قول کے بعد بیان کیا جاتا ہے اور "اَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا" سے لے کر "وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ" (الجن:۳۔۱۴) تک ہمزہ کے مفتوح اور مکسور ہونے میں اختلاف ہے' چنانچہ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ ہمزہ کو مفتوح پڑھتے ہیں کیونکہ یہ "اَنَّهُ اسْتَمَعَ" پر عطف کرتے ہیں یا پھر "فَاٰمَنَّا بِهٖ" (الجن:۲) میں جار مجرور کے محل پر عطف کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے "اِنَّا سَمِعْنَا" پر عطف کر کے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے' اور وہ آیات کے آخر میں وقف کرتے ہیں]

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ سو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے یعنی جب جنات حضور نبی ﷺ کی نمازِ فجر میں تلاوتِ قرآن سن کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئے تو اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم نے عجیب وغریب اور بے مثال قرآن سنا ہے' جو اپنے معانی کی صحت اور نظم کے حسن وجمال کے اعتبار سے باقی تمام کتابوں سے ممتاز اور انوکھا ہے۔ اور "عجب" کا معنی ہے: ایسی نرالی اور انوکھی چیز جو اپنی ہم جنس وہم شکل چیزوں کی عادات واطوار سے خارج اور ماوراء ہو' اور یہ "عَجَبًا" مصدر ہے جو عجیب کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ ﴿يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ﴾ وہ قرآن نیکی' بھلائی اور صراطِ مستقیم کی طرف یا توحید و ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ سو ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور چونکہ قرآن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا ہے اور کفر وشرک سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے' اس لیے انہوں نے کہا: ﴿وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ اور ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍO" (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیاO اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیاO"۔

اگر جن نوعِ انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے (جیسا کہ بعض مغرب زدہ جدت پسندوں کا خیال ہے) تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی' حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔ جب دونوں کا مادۂ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوعِ انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے' اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آیاتِ قرآنی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا' اس کے بارے میں ارشاد ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ" شیطان جنوں میں سے تھا' پھر اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کر لی' تو جن جو نوعِ انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے' انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جنات نوعِ انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں' چنانچہ ارشاد ہے: "اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" (الاعراف:۲۷) (ترجمہ) "بے شک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے"۔ کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند آیات پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانب داری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۸۴۔۳۸۶)

اپنے پروردگار کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے[1] اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِہٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہو یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ ''بِرَبِّنَا'' ارشاد اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

۳۔﴿وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا﴾ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان یعنی اس کی عظمت و بزرگی بہت بلند ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''جَدَّ فُلَانٌ فِیْ عَیْنِیْ اَیْ عَظُمَ'' فلاں آدمی میری نگاہ میں بہت بزرگ ہے یعنی بہت بڑی عظمت والا ہے اور اسی سے حضرت عمر فاروق یا حضرت انس کا قول ہے کہ ''(کَانَ الرَّجُلُ اِذَا قَرَاَ الْبَقَرَۃَ وَ آلَ عِمْرَانَ جَدَّ فِیْنَا) اَیْ عَظُمَ فِیْ عُیُوْنِنَا'' جب کوئی آدمی سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھتا رہتا تو وہ ہمارے ہاں بزرگ ہو جاتا یعنی وہ ہماری نظروں میں بہت بڑی عظمت و شان والا ہو جاتا ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی بیوی نہیں بنائی۔ ''صَاحِبَةً'' بہ معنی ''زَوْجَةً'' ہے اور نہ اس نے اپنے لیے کوئی بیٹا بنایا جیسا کہ جنوں اور انسانوں کے کفار کہتے ہیں۔

٤۔﴿وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا﴾ اور بے شک ہمارا بے وقوف کہتا تھا (یعنی) ہمارا جاہل آدمی یا ابلیس کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی احمق و بے وقوف نہیں ﴿عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھا (یعنی) کفر بکتا تھا کیونکہ کفر حق سے نیکی سے اور صراطِ مستقیم سے دور ہوتا ہے اور ''شَطَطٌ'' کا معنی بہت دور ہونا ہے (اور جو بات حق سے بہت دور ہو اُسے ''قَوْلٌ شَطَطٌ'' کہتے ہیں) اور یہ ''شَطَّتِ الدَّارُ'' سے ماخوذ ہے یعنی گھر بہت دور ہے یا ایسی بات کہنا جو حق سے تجاوز کر جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کو منسوب کرنا لہٰذا اس صورت میں ''شَطَطٌ'' کا معنی ہوگا: ظلم وغیرہ میں حد سے تجاوز کرنا اور حد سے بڑھ جانا۔

۵۔﴿وَاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے یعنی ہمارے خیال میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کر کے اس پر کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا اور ہم ان کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرتے تھے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید نے ہمارے لیے ان کے جھوٹ کو کھول کر بیان کر دیا [''كَذِبًا'' قول کی صفت مؤکدہ ہے اصل میں ''قَوْلًا كَذِبًا'' ہے یا ''مَكْذُوْبًا'' (مبنی للمفعول) ہے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ''کذب'' قول کی ایک قسم ہے]۔

٦۔عرب میں ایک شخص تھا جب وہ دورانِ سفر کسی خوف ناک سرزمین پر اترتا تو کہتا: ''اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الْوَادِیْ مِنْ سُفَھَاءِ قَوْمِہٖ'' میں اس وادی کے سردار جن کی پناہ طلب کرتا ہوں اس کی قوم کے احمقوں کی شرارت سے اس کی مراد سب سے بڑا جن ہوتا سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ اور بے شک انسانوں میں سے کچھ آدمی جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے سو انہوں نے ان کی سرکشی کو بڑھا دیا یعنی انسانوں نے جنات کی پناہ طلب کر کے ان کی سرکشی اور حماقت اور تکبر کو بڑھا دیا یہی وجہ ہے کہ ان

---

[1] ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید سننے سے جب نور ایمان ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔ سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور اہل کتاب تھے اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جدا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مؤمن ہوتے ہیں اور بعض کافر اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں نیز یہ کہ ان میں سے نبی اور رسول مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں اور رسولوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۸۸)

جنوں نے کہا: ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے یا یہ معنی ہے کہ جنوں نے انسانوں کو سرکش اور گناہ گار بنا دیا' اس بناء پر کہ انسانوں نے ان کی پناہ طلب کی اور'' رھق '' کا اصل معنی کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ہے۔

۷-﴿ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ ﴾ اور بے شک ان جنوں نے اسی طرح گمان کر رکھا تھا جس طرح اے اہل مکہ! تم نے گمان کرلیا ﴿ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مرنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا یعنی جنات بھی تمہاری طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور وہ بھی تمہاری طرح حشر ونشر کو نہیں مانتے تھے' پھر جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنا تو ہدایت حاصل کر لی اور حشر ونشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اقرار کرلیا' سو جس طرح جنوں نے اقرار کرلیا تم نے اقرار کیوں نہیں کیا؟

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾

اور بے شک ہم آسمان پر پہنچے تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور آگ کے شعلوں والے ستاروں سے بھرا ہوا پایاO اور بے شک ہم (پہلے) فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے اس میں بیٹھنے کی جگہوں میں بیٹھا کرتے تھے' سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے آگ کے شعلے برسانے والے محافظوں کو تیار پاتا ہےO اور بے شک ہم نہیں جانتے آیا زمین کے مکینوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ ہدایت کا ارادہ فرمالیا ہےO اور بے شک ہم میں سے بعض نیک ہیں اور ہم میں سے بعض اس کے خلاف ہیں' ہم مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیںO اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے اور نہ ہم بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیںO

## جنات کے آسمان پر جانے کی ممانعت اور ان کے مختلف فرقوں کا بیان

۸-﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ ﴾ اور بے شک ہم نے آسمان پر پہنچنا چاہا تا کہ وہاں کے رہنے والے فرشتوں کا کلام سن سکیں' اور'' لَمْس '' اور'' مَسّ '' سے بطور استعارہ طلب مراد ہے کیونکہ چھونے والا اس چیز کا طالب اور اس کا حال معلوم کرنے والا ہوتا ہے جس کو وہ چھوتا ہے اور ہاتھ لگاتا ہے ﴿ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا ﴾ سو ہم نے اس کو سخت محافظوں سے بھرا ہوا پایا (یعنی) ہم نے فرشتوں میں سے ایک قوی اور سخت طاقتور جماعت کو پایا جو حفاظت کرتے ہیں [ '' حَرَسًا ''، '' حَارِسٌ '' کی جمع ہے اور تمییز کی بناء پر منصوب ہے اور بعض کا قول ہے کہ '' حَرَسٌ '' اسم مفرد ہے اور '' حُرَّاسٌ '' کے معنی میں ہے' جیسے '' خَدَمٌ ''، '' خُدَّامٌ '' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو '' شدید '' کے اسم موصوف کیا گیا ہے اور اگر اس کے معنی میں نظر کی جاتی تو '' شِدَادٌ '' کہا جاتا ] ﴿ وَّشُهُبًا ﴾ '' شہاب '' کی جمع ہے یعنی

شعلے مارنے والے اور روشنی بکھیرنے والے ستارے۔

۹۔﴿ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ﴾ اور بے شک ہم اس سے پہلے آسمان میں انتظار گاہوں میں بیٹھا کرتے تھے تاکہ ہم آسمان کی خبریں سن لیا کریں یعنی ہم بعثت نبوی سے پہلے آسمان کی بعض جگہیں محافظوں اور آگ کے شعلے برسانے والے فرشتوں سے خالی پایا کرتے تھے ﴿ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴾ سو جو شخص اب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت و آمد کے بعد فرشتوں کا کلام سننا چاہے گا' وہ اپنے لیے آگ کے گولے برسانے والے محافظوں کو پائے گا[''رَصَدًا''، ''شِهَابًا'' کی صفت ہے اور یہ بہ معنیٰ ''راصد'' (نگران) ہے یعنی وہ اپنے لیے اور اپنی وجہ سے آگ کے گولے برسانے والے نگران پائے گا یا یہ اسم جمع ہے''راصد'' کا بہ معنیٰ ''ذوی شِهَابٍ رَاصِدِيْنَ بِالرَّجْمِ'']یعنی آگ کے گولے پھینکنے والے نگران اور وہ فرشتے ہیں جو آسمان پر جانے والے سرکش جنات کو آگ کے گولے مارتے ہیں اور ان کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیتے ہیں اور جمہور اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کارروائی حضور سیّد عالم حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت و آمد سے پہلے نہیں تھی اور بعض اہل اسلام نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں ستاروں کا ٹوٹنا اور آگ کا برسنا موجود تھا لیکن شیاطین بعض اوقات چوری چھپے آسمانی خبریں سن لیتے تھے' پھر حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان کو چوری چھپے جانے سے بھی ہر طرح بالکل روک دیا گیا۔

۱۰۔﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ آسمانی خبریں چوری چھپے سننے کی ممانعت کے بعد زمین کے مکینوں کے ساتھ آیا کسی بُرائی یعنی عذاب دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا پھر ان کے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر و بھلائی اور رحمت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

۱۱۔﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم میں سے کچھ لوگ نیک اور پرہیزگار ہیں ﴿ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ اور ہم میں سے یعنی ہماری قوم میں سے کچھ لوگ اس کے علاوہ ہیں' سو موصوف حذف کر دیا گیا ہے اور اس سے وہ جنات مراد ہیں جو نیک ہونے میں کم درجہ والے ہیں پہلوں کی طرح کامل نیک نہیں ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالکل نیک نہیں بلکہ شریر و بدکار ہیں ﴿ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ ہم جدا جدا فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا (نیک و بدگروہ) کی تقسیم کا بیان ہے یعنی ہم مختلف مذاہب اور مختلف مسالک والے ہیں[1] [اور ''قِدَدٌ''، ''قِدَّة'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: ٹکڑا' اور یہ ''قَدَدْتُ السَّيْرَ'' یعنی میں نے سفر کو طے کیا اور قطع کیا' سے ماخوذ ہے]۔

۱۲۔﴿ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ ﴾ اور بے شک ہم نے گمان کر لیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے (یعنی) بے شک ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز کسی صورت میں نہیں ہرا سکتے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ یہ حال ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز و بے بس نہیں کر سکتے' درآں حالیکہ ہم زمین کے تمام اطراف و اکناف میں سے کسی سمت یا کسی کونہ

---

[1] امام سدی نے کہا کہ جنات میں بھی انسانوں کی طرح مختلف عقائد کے حاملین ہیں' ان میں مرجۂ قدریہ' روافض اور خوارج ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۷۱) حضرت ضحاک نے کہا کہ ان میں مؤمن متقی بھی ہیں اور مؤمن فاسق بھی ہیں۔ حضرت مسیب نے کہا کہ ان میں یہود' نصاریٰ' مجوس بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں اور ان میں وہ جنات بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی ہیں جو رحمت عالمیاں حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۵)

اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سنی بھی ہوں اور دیوبندی بھی ہوں اور وہابی بھی ہوں۔

(ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۸۴)

میں چلے جائیں یا کہیں بھی رہیں ﴿وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا﴾ اور ہم بھاگ کر بھی اسے ہرگز عاجز نہیں کر سکتے [''هَرَبًا'' مصدر ہے اور محلًا حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اس حال میں بھی ہرگز عاجز نہیں کر سکتے کہ ہم زمین سے آسمان کی طرف بھاگ جائیں اور یہ (اللہ تعالیٰ سے راہِ فرار اختیار کرنا) ان جنوں کی صفت ہے اور ان کی بھی جو عقائد میں اور دیگر احوال میں جنات کی راہ پر قائم ہیں۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا
رَهَقًا ۝١٣ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ
تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝١٤ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝١٥ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا
عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۝١٦ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝١٧

اور بے شک جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر (فوراً) ایمان لے آئے' سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی کسی زیادتی کا○ اور بے شک ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور ہم میں سے بعض ظلم کرنے والے ہیں' سو جس نے اسلام قبول کر لیا' پس انہی لوگوں نے ہدایت کو حاصل کر لیا○ اور لیکن رہے ظلم کرنے والے تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں○ اور اگر وہ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ان کو ضرور وافر پانی سے سیراب کرتے○ تاکہ ہم ان کی اس میں آزمائش کرتے' اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا○

۱۳ - ﴿وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ﴾ اور بے شک جب ہم نے ہدایت (یعنی) قرآن مجید سنا تو ہم اس پر (یعنی) قرآن مجید پر یا اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ﴿فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا﴾ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان رکھتا ہے تو وہ نہ نقصان سے ڈرتا ہے اور نہ زیادتی سے ڈرتا ہے (یعنی) اس کو نہ اپنے اجر و ثواب میں کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ظلم و زیادتی کا یعنی اس پر ذلت و رسوائی نہیں چھائے گی۔ ''رَهَقًا'' (درج ذیل) ارشادات سے ماخوذ ہے: ''وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ'' (یونس:۲۷) ''اور ان (کفار) پر ذلت چھائی ہوگی''۔ ''وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ'' (یونس:۲۶) ''اور ان (مسلمانوں) کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت'' [اصل میں ''فَهُوَ لَا يَخَافُ'' ہے' اس طرح یہ مبتداء اور خبر ہیں] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہیں۔

۱٤ - ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں سے کچھ فرماں بردار' مسلمان اور مؤمن ہیں ﴿وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور ہم میں سے کچھ کافر و ظالم اور راہِ حق سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ''قَسَطَ'' کا معنی ظلم کیا اور ''اَقْسَطَ'' کا معنی انصاف کیا ﴿فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا﴾ سو جس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو انہی لوگوں نے بہت بڑی بھلائی کو حاصل کر لیا' ہدایت کو طلب کر لیا۔ ''تحری'' کا معنی ہے: لائق ترین چیز (حق) کو طلب کرنا یعنی بہترین چیز۔

۱۵ - ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ اور لیکن رہے ظالم لوگ تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں دوزخ کا ایندھن

ہیں۔''حطب'' بہ معنی ''وَقُوْد'' (یعنی ایندھن) ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جنوں کو دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا اور ان کے ثواب کی کیفیت میں توقف کیا گیا ہے۔

۱۶۔﴿ وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ ﴾ اور بے شک اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے [اور ''اَنْ'' ثقیلہ سے مخففہ ہے یعنی اصل میں ''وَاَنَّهٗ'' تھا اور یہ بھی وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے] یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ اگر وہ لوگ یعنی ظالم لوگ اسلام کی راہ پر قائم رہتے تو ﴿ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴾ ہم ان کو ضرور کثیر اور بہت زیادہ پانی سے سیراب کرتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ان پر رزق کو وسیع اور کشادہ کر دیتے اور کثیر و زیادہ پانی اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ یہ رزق کی وسعت کا سبب ہے۔

۱۷۔﴿ لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ﴾ تا کہ ہم ان کو آزمائیں اور ان کا امتحان لیں کہ اس وافر پانی کی وجہ سے خوش حال و دولت مند ہو جانے پر وہ کس طرح شکر ادا کرتے ہیں ﴿ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ ﴾ اور جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ذکر (یعنی) قرآن مجید سے یا اس کی توحید سے یا اس کی عبادت سے منہ پھیر لے گا تو ﴿ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔''صَعَدًا'' کا معنی ہے: شاق و سخت [یہ ''صَعِدَ'' کا مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''صَعِدَ صَعَدًا وَصُعُوْدًا''] لغوی معنی اوپر چڑھنا ہے لیکن عذاب کو اس کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ عذاب بھی ''مُعَذَّبْ'' (جس کو عذاب دیا جاتا ہے) کے اوپر چڑھ جاتا ہے یعنی اسے ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے پس وہ شخص اس کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا اور اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: ''مَا تَصَعَّدَنِیْ شَیْءٌ مَا تَصَعَّدَتْنِیْ خِطْبَةُ النِّكَاحِ'' مجھ پر کوئی چیز اس قدر دشوار نہیں ہوتی جس قدر مجھ پر نکاح کا پیغام دینا دشوار ہوتا ہے۔

**وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ۝۱۹**

اور تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو ۝ اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ کھڑے ہو کر اس کی عبادت کرنے لگا تو قریب تھا کہ جنات گروہ در گروہ جمع ہو کر ان کو گھیر لیتے ۝

۱۸۔﴿ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ﴾ اور بے شک تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک مساجد یعنی وہ گھر جو نماز پڑھنے اور دیگر عبادت کرنے کے لیے تعمیر کیے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: ''وَلِاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا'' اس بناء پر کہ لام ''لَا تَدْعُوْا'' کے متعلق ہے یعنی ﴿ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ سو تم مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کے لیے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ مساجد سے اعضائے سجدہ مراد ہیں (جن پر سجدہ کرنے کا حکم ہے) اور وہ پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں (ناک پیشانی میں شمار ہوتی ہے)۔

۱۹۔﴿ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا عبدِ خاص حضرت محمد ﷺ نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ'' سو مجھے وحی کی گئی ہے کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کا

عبدِ خاص کھڑا ہوا ﴿ یَدْعُوْهُ ﴾ ''یَعْبُدُهٗ وَیَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ'' (یعنی) وہ عبدِ خاص اس لیے کھڑا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ علامہ نسفی نے ''یَدْعُوْهُ'' کا معنیٰ ''یَعْبُدُهٗ'' کیا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ''نَبِیُّ اللّٰهِ'' یا ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' نہیں فرمایا بلکہ ''عبد اللّٰه'' فرمایا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام ناموں میں سے ''عبد'' بہت پسند ہے اور اس لیے بھی کہ جب یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلامِ مبارک میں آپ کی طرف سے واقع ہوا ہے تو اسم ''عبد'' کو لایا گیا جس کا تواضع تقاضا کرتی ہے یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کی عبادت عقل و دانش سے بعید نہیں ہے یہاں تک کہ جنات گروہ در گروہ آ کر آپ کے پاس جمع ہو جاتے ﴿ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ قریب تھا کہ جنات گروہ در گروہ جماعت در جماعت جمع ہو کر آپ کی عبادت اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام کی اقتداء اور قرآن مجید کی تلاوت پر تعجب کرنے کے لیے آپ کو گھیر لیتے کیونکہ انہوں نے عبادتِ الٰہی کا ایسا حسین و جمیل اور انوکھا منظر دیکھ لیا تھا' جو اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ ؕ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ نفع کا○ (اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا' اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتا○ مگر (اس صورت میں کہ میں) اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے○ یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ بہت جلد جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی تعداد بہت کم ہے○

## اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں حضور کا اظہارِ عجز اور علمِ غیب کا بیان

۲۰۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں جو واحد و یکتا ہے (اس کا کوئی شریک نہیں) [امام عاصم اور حمزہ کوفی کے علاوہ کی قراءت میں ''قُلْ'' کی بجائے ''قَالَ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴾ اور میں اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کرتا' سو تم تعجب کیوں کرتے ہو اور تم مجھ پر مشکلات اور دشواریاں کیوں کرتے ہو؟

۲۱ - ﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) میں تمہارے لیے کسی ضرر ونقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ نفع کا۔ ''رَشَدًا'' بہ معنی ''نَفْعًا'' ہے یا پھر ''ضَرًّا'' سے ''غَیٌّ'' (گمراہی) مراد ہے یعنی میں از خود نہ تمہاری گمراہی کا مالک ہوں اور نہ ہدایت کا مالک ہوں' مطلب یہ ہے کہ میں نہ تو تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہوں اور نہ میں تمہیں نفع دینے کی طاقت رکھتا ہوں کیونکہ حقیقت میں نقصان اور نفع دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور ''ضَرٌّ'' بہ معنی ''غَیٌّ'' کی دلیل حضرت ابی بن کعب کی یہ قراءت ہے: ''اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ غَیًّا وَّلَا نَفْعًا''۔

۲۲ - ﴿قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا (یعنی) اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو مجھے اس کے عذاب سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکے گا جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ'' (ھود:۶۳) ''سو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں'' ﴿وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤں گا۔ ''مُلْتَحَدًا'' بہ معنی ''مُلْتَجًا'' (پناہ گاہ) ہے۔

۲۳ - ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی تبلیغ کرنا [یہ ''لَا اَمْلِكُ'' سے استثناء ہے] یعنی میں تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں' مگر اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے کی صورت میں [اور ''قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ'' جملہ معترضہ ہے جو حضور سے استطاعت کی نفی کی تاکید اور آپ کے عجز کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بَلَاغًا مُلْتَحِدًا'' سے بدل ہے] یعنی میں اس کے سوا ہرگز کوئی نجات دہندہ نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ میں اس کی طرف سے وہ احکام لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ اس نے مجھے بھیجا ہے یعنی مجھے نجات نہیں دے گی مگر یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان احکام کو لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے' پس یہ عمل مجھے نجات دلائے گا [اور فراء نے کہا: یہ شرط اور جزاء ہے اور استثناء نہیں ہے اور ''اِنْ'' شرطیہ ''لا'' نافیہ سے منفصل ہے اور اس کی تقدیر اس طرح ہے: ''اِنْ لَّا اُبَلِّغْ بَلَاغًا'' یعنی اگر میں احکامِ اسلامی کی تبلیغ نہ کرتا تو میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو پناہ گاہ نہ پاتا اور نہ اپنے لیے کسی کو بچانے والا پاتا' جیسے کہا جاتا ہے: ''اِنْ لَّا قِیَامًا فَقُعُوْدًا'' اگر قیام نہ ہوتا تو قعود ہوتا' اور ان تمام وجوہ میں ''بلاغ'' بہ معنی تبلیغ ہے] ﴿وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ [یہ ''بَلَاغًا'' پر معطوف ہے] گویا کہا گیا ہے کہ میں تمہارے لیے مالک نہیں ہوں مگر تبلیغ کرنے کا اور اس کے پیغامات پہنچانے کا یعنی مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کروں اور یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے' اپنے قول کو اس کی طرف منسوب کر کے اور یہ کہ میں اس کا وہ پیغام پہنچا دوں جس کے ساتھ مجھے اس نے بھیجا ہے بغیر کسی کمی اور زیادتی کے [حرف ''مِنْ'' تبلیغ کا صلہ نہیں ہے کیونکہ ''بَلِّغْ عَنْهُ'' بھی کہا جاتا ہے بلکہ یہ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ'' (التوبہ:۱) میں جو حرف ''مِنْ'' ہے اس کے قائم مقام ہے یعنی ''(بَلَاغًا) كَائِنًا (مِّنَ اللّٰهِ)''] ﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کہ وہ ان تعلیمات کے قبول کرنے کو ترک کر دے گا جو رسول خدا پر نازل کی گئی ہیں کیونکہ اس کو تبلیغ رسالت کے بعد ذکر کیا گیا ہے ﴿فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ پس اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ''لَهٗ'' میں ضمیر کو واحد ذکر کیا گیا ہے اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''خَالِدِیْنَ'' کو جمع کیا گیا ہے]۔

۲۴ - ﴿حَتّٰۤی﴾ یہ محذوف کے متعلق ہے جس پر حال دلالت کر رہا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ کفار اپنی روش پر ہمیشہ

قائم رہیں گے یہاں تک کہ ﴿ اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ ﴾ جب وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿ فَسَیَعْلَمُوْنَ ﴾ تو وہ بہت جلد جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہوگا کہ ﴿ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴾ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی گنتی کم ہے' آیا وہ مشرکین یا مسلمان یعنی اس دن کافر کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور مسلمان کی اللہ تعالیٰ خود مدد فرمائے گا اور اس کے فرشتے اور اس کے انبیائے کرام علیہم السلام مدد کریں گے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾
عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾
لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ
وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں اپنے آپ نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرا رب تعالیٰ اس کی مدت کو دراز کر دے گا ○ وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا ○ ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے' پس وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے نگران مقرر کر دیتا ہے ○ تاکہ وہ ظاہر کر دے کہ بے شک انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ○

۲۵۔ ﴿ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں ازخود نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب قریب آ چکا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا پروردگار اس کی مدت کو لمبا کر دے گا یعنی یہ بات تو یقینی ہے کہ بے شک تمہیں عذاب ضرور دیا جائے گا لیکن میں ازخود یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب ابھی حال میں آنے والا ہے یا اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے [ابوعمرو بصری اور اہل حجاز نے ''رَبِّیْ'' میں ''یا'' کو مفتوح ''رَبِّیَ'' پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے ''یا'' کو ساکن کر کے ''رَبِّیْ'' پڑھا ہے اور ''اَمَدًا'' کا معنی ہے: بہت دور]۔

۲۶'۲۷۔ ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ ﴾ اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ'' ہے] یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) ہر غیب کا جاننے والا ہے ﴿ فَلَا یُظْهِرُ ﴾ ''فَلَا یُطْلِعُ'' ﴿ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴾ ''مِنْ خَلْقِهٖ'' سو وہ اپنے غیب پر اپنی مخلوق میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا ﴿ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ مگر جس کو اس نے پسند کر لیا جو اس کے رسول ہیں (یعنی) مگر اس نے رسول کو بعض علم غیب کے لیے پسند کر لیا تاکہ رسول کے لیے غیب کی خبر دینا معجزہ بن جائے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنے غیب پر جس قدر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے[1] [اور ''مِنْ رَّسُوْلٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان ہے ''مَنِ ارْتَضٰی'' کا] اور جب اللہ تعالیٰ کا ولی کسی چیز کی خبر دیتا ہے اور وہ ظہور پذیر ہو

[1] واضح رہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض علم غیب کی بات فرمائی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے تو ولی اس پر یقین کامل نہیں رکھتا (کیونکہ وہ ظنی ہوتی ہے) لیکن وہ اپنے خواب یا اپنی دینی فراست و بصیرت کی بناء پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علوم غیبیہ کے اعتبار سے بعض علوم غیبیہ مراد ہیں' جو مخلوق کے کلی اور جزئی دونوں کو شامل ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم "ما کان و ما یکون" اور علوم کلی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں جیسا کہ ذیل میں ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔
یہاں دو باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں: ایک یہ کہ یہ علوم کلی متناہی اور حادث ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی اور قدیم ہیں' اس لیے حضور کے لیے علوم کلی ماننے سے مساوات و شرک لازم نہیں آتا' دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام علوم تمام اوقات میں دیگر صفات کی طرح ہمیشہ ثابت و قائم اور حاضر رہتے ہیں' کسی وقت ذہول و انقطاع نہیں ہوتا جب کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے بعض اوقات بعض حکمتوں کی بناء پر عدم توجہ اور عدم التفات اور انقطاع ہوتا رہا ہے' جس کی وجہ سے بعض مواقع پر علوم غیبیہ وغیرہ کی نفی ثابت ہوتی ہے تو وہ عدم علم کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم توجہ اور عدم التفات کی بناء پر ہوتی ہے۔
(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے' آپ نے وہاں اپنے بیان میں قیامت تک ہونے والی کسی ایک چیز کو بھی نہیں چھوڑا مگر آپ نے سب کچھ بیان کر دیا' اسے یاد رہا جس نے اسے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جس نے اسے بھلا دیا' بے شک میرے یہ سارے ساتھی اس کو جانتے ہیں اور بے شک ان چیزوں میں سے جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جس کو میں یقیناً بھول چکا ہوں تو جب میں اسے دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آ جاتی ہے جس طرح آدمی کسی واقف کار آدمی کے چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور وہ اسے یاد آ جاتا ہے جو کافی عرصہ اس سے غائب رہا ہو۔
(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز بتا دی' سو میں نے آپ سے ہر سوال کیا جس کا آپ نے جواب دیا مگر میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کو مدینہ منورہ سے کیا چیز نکالے گی۔
(۳) حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا' سو آپ منبر سے نیچے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا' "فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ" سو آپ نے ہمیں وہ تمام چیزیں بیان کر دیں جو ہو چکی تھیں اور جو آئندہ ہونے والی تھیں (یعنی "ما کان و ما یکون" کی خبریں بیان کر دیں) سو ہم میں زیادہ عالم وہ تھا جو زیادہ حافظہ رکھنے والا تھا۔ (یہ تینوں احادیث مبارکہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء کراچی میں ملاحظہ فرمائیں)
(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنی منازل میں داخل ہونے تک تمام حالات ہمیں بیان فرما دیئے' جس نے اسے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا اسے بھول گیا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)
(۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا' رب کریم نے پوچھا کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں' میں نے عرض کیا: آپ ہی خوب جانتے ہیں' فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی' "فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سو میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ (دارمی' ترمذی' مشکوٰۃ ص ۷۰' مطبوعہ دہلی)
(۶) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز میں تاخیر کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خبر دیتا ہے نیز وہ اس بناء پر خبر سناتا ہے کہ ولی کی ہر کرامت نبی اور رسول کا معجزہ ہوتی ہے اور کتاب التاویلات میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ نجومیوں کی تکذیب پر دلالت کرتی ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نجومیوں میں بعض لوگوں کی خبریں سچی ثابت ہو جاتی ہیں اور اسی طرح طبیبوں اور حکیموں کا حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں کے خواص کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دی قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں پھر آپ جلدی تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی اور نماز مختصر پڑھائی جب سلام پھیر لیا تو آپ نے بلند آواز سے پکار کر ہمیں فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو جیسے ہو پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں کہ صبح کس چیز نے مجھے روک لیا تھا بے شک میں رات کو اٹھا اور وضو کیا جس قدر مقدر میں تھا میں نے نماز پڑھی سو مجھے نماز میں اونگھ آ گئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آ گئی پس اچانک میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں اے میرے مالک! فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو از خود نہیں جانتا یہ تین بار فرمایا آپ فرماتے ہیں: پھر میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی ''فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ'' تو میرے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے سب جان لیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲۔۷۱ مطبوعہ اصح المطابع کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کے پاس گیا اور ان بکریوں میں سے ایک پکڑ لی اور چرواہے نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ بکری کو اس سے چھین لیا چرواہا نے کہا کہ وہ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ گیا اور دُم دبالی پھر اس بھیڑیا نے کہا: میں نے اس رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا میں نے اسے پکڑ لیا پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا (بھیڑیے کا بولنا سن کر) پھر اس چرواہے نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا آج تو بھیڑیا بھی باتیں کر رہا ہے اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان (یعنی مدینہ منورہ میں) کھجوروں کے باغ میں ایک آدمی ہیں (یعنی حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء) ''يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ'' وہ تمہیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے سب بتا دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: وہ چرواہا یہودی تھا چنانچہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سارا واقعہ بیان کیا اور مسلمان ہو گیا اور حضور نے اس کی بات کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا کہ یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۵۴۱ مطبوعہ اصح المطابع دہلی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

دیوبندیوں کے مستند عالم علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

بہرحال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا ہے کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں ہاں! شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے اس نوع میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اوّلین و آخرین سے فائق ہیں آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء (شمار) کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

اسی حاشیہ کے شروع میں لکھا: سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علوم اوّلین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۲۲۶ مطبوعہ دار التصنیف کراچی)

پہچانتے ہیں اور یہ خبریں صرف غور وفکر سے نہیں پہچانی جاتیں' سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بعض علوم غیبیہ پر رسول کی جہت اور وساطت سے آگاہ ہوتے ہیں جس کا نشان منقطع ہو چکا ہے لیکن اس کا علم مخلوق میں باقی ہے ﴿ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴾ سو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے آگے اور اس کے پیچھے فرشتوں میں سے محافظ مقرر کر دیتا ہے' جو شیطانوں کی شرارتوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ فرشتے رسول کو شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے میل جول سے بچاتے ہیں یہاں تک کہ وحی رسول تک پہنچا دی جاتی ہے۔

۲۸- ﴿ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دے کہ بے شک اس کے رسولوں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات مکمل طور پر بغیر کسی زیادتی اور کمی کے لوگوں تک پہنچا دیئے ہیں یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا کہ وہ آئندہ موجود ہوگا [''مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ'' میں ''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ضمیر کو مفرد ذکر کیا گیا ہے اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''اَبْلَغُوْا'' میں ضمیر کو جمع ذکر کیا گیا ہے] ﴿ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ ﴾ اور رسولوں کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے خواہ وہ بارش کے قطرے ہوں یا ریت کے ذرے ہوں' درختوں کے پتے ہوں اور دریاؤں اور سمندروں کی جھاگ ہوں تو بھلا وہ اس وحی اور کلام کا احاطہ کیوں نہیں کر سکتا جو رسولوں کے پاس ہے [اور ''عَدَدًا'' حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گنتی کردہ اور شمار کردہ سمیت جانتا ہے [یا مصدر ہے' شمار کرنے کے معنی میں ہے]۔

| آیاتہا ۲۰ رکوعاتہا ۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | (۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (۳) |
|---|---|---|
| اس کی بیس آیات' دو رکوع ہیں | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | سورۃ المزمل مکی ہے |

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

اے چادر اوڑھ کر آرام کرنے والے محبوب! ○ رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا ○ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر لیجئے ○ یا اس پر اضافہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے ○ بے شک ہم عنقریب آپ پر بھاری کلام نازل کریں گے ○ بے شک رات کا قیام (نفس پر) سخت دشوار ہوتا ہے اور کلام کو خوب درست رکھنے والا ہوتا ہے ○ بے شک دن میں آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں ○ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جایئے ○ وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو آپ اسی کو اپنا کارساز بنا لیں ○

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان

۱ تا ٤۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴾ اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی ''متزمل'' اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتا ہے یعنی وہ کپڑوں میں لپٹ جاتا ہے۔ ''متزمل'' میں ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کر کے ''مُزَّمِّل'' پڑھا جاتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو چادر لپیٹ کر اپنے کپڑوں میں چھپ کر سو جاتے تھے' سو اس لیے اسی کیفیت کے ساتھ نماز کے لیے قیام کا حکم دیا گیا' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ ﴾ رات کو نماز کے لیے قیام کیجئے مگر تھوڑا آدھی رات [''نِصْفَهٗ''، ''اَلَّیْلَ'' سے بدل ہے اور ''اِلَّا قَلِیْلًا''، ''نِصْفَهٗ'' سے استثناء ہے] اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''قُمْ نِصْفَ الَّیْلِ اِلَّا قَلِیْلًا مِنْ نِصْفِ الَّیْلِ'' آدھی رات قیام کیجئے مگر آدھی رات سے کچھ کم ﴿ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴾ یا اس سے تھوڑا سا کم (یعنی) نصف رات سے کم ایک تہائی رات تک ﴿ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ ﴾ یا اس پر زیادہ کیجئے (یعنی) نصف رات پر اضافہ کر کے دو تہائی رات عبادت کیجئے' اور اس سے مراد دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا یعنی نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا قطعی اور یقینی ہے اور دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اور وہ دو یہ ہیں: نصف رات سے کم اور نصف رات سے زیادہ' اور اگر ''نصفه'' کو ''قلیلا'' سے بدل قرار دیا جائے تو پھر تین چیزوں کے درمیان اختیار ہوگا (۱) پوری نصف رات قیام کرنا (۲) نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا (۳) نصف رات سے زیادہ قیام کرنا (قیام سے نمازِ تہجد مراد ہے) اور نصف کو قلیل کے ساتھ کل کے اعتبار سے موصوف کیا گیا ہے کیونکہ لفظ قلیل کا اطلاق نصف سے کم پر ہوتا ہے اور اس لیے ہم نے کہا کہ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا: ''اَنَّ لِفُلَانٍ عَلَیْهِ اَلْفُ دِرْهَمٍ اِلَّا قَلِیْلًا'' بے شک فلاں آدمی کے لیے اس پر ایک ہزار درہم (چاندی کا سکہ) واجب الادا ہیں مگر تھوڑے سے کم تو اس پر نصف ہزار سے زیادہ واجب الادا ہوں گے [امام عاصم اور حمزہ کوفی کے علاوہ کی قراءت میں واؤ مضموم کے ساتھ ''اَوُ انْقُصْ مِنْهُ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ﴾ اور آپ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں (یعنی) حروف کو ظاہر کر کے اور واضح کر کے پڑھا کریں یا یہ معنی ہے کہ حروف کو واضح ادا کر کے پڑھیں اور وقوف کا خیال رکھیں اور قوانین کے مطابق حرکات کو پُر کر کے پڑھا کریں ﴿ تَرْتِیْلًا ﴾ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ یہ امر کے وجوب کی تاکید ہے' اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے تصحیح حروف کے ساتھ پڑھنا واجب و لازم ہے۔

۵۔﴿ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ ﴾ بے شک ہم عنقریب آپ پر ڈالیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ پر نازل کریں گے ﴿ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴾ بھاری کلام یعنی قرآن مجید کیونکہ اس میں اوامر (احکام) اور نواہی (ممنوعات) کا بیان ہے جو مکلفین (مسلمانوں) پر سخت دشوار اور بھاری تکالیف کا باعث ہیں یا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید منافقین پر بھاری ہے (کیونکہ ان کے سینے ایمان سے خالی ہیں) یا یہ کہ قرآن مجید معانی اور اسرار و رموز اور اجر و ثواب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بڑا وزنی اور راجح کلام ہے' کوئی ہلکا ردی اور ناکارہ کلام نہیں ہے۔

٦۔﴿ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ﴾ بے شک رات کو عبادت کے لیے اٹھنا (نفس پر بھاری ہوتا ہے) اس سے نمازِ تہجد کے لیے رات کو اٹھنا مراد ہے' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے[1] یا وہ عبادت مراد ہے جو رات میں ادا کی

---

[1] نمازِ تہجد کے فضائل و کیفیت کا بیان: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات آسمانِ دنیا پر اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے' فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اسے عطا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے یعنی جو عبادت رات میں وقوع پذیر ہوتی ہے (یعنی مغرب وعشاء کی نمازیں) یا رات کے اوقات مراد ہیں کیونکہ ان میں بھی لحہ بہ لحہ قیام کیا جاتا ہے چنانچہ امام زین العابدین حضرت علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز (اوّابین) پڑھتے تھے اور فرماتے: یہی رات کی نماز ہے [ قاری ورش کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "نَاشِئَةَ" ہمزہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت وبخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ (بخاری ومسلم)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے حضور فرماتے ہیں کہ رات میں ایک وقت ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی مسلمان آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے کام کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور عطا فرما دیتا ہے۔ (مسلم)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نصف رات سوتے تھے اور ایک تہائی رات عبادت کرتے تھے اور پھر چھٹا حصہ رات کا سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ رات کی عبادت (۱) تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے (۲) اور یہ تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے (۳) اور برائیوں کو مٹانے والی ہے (۴) اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (سنن ترمذی)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ خدا حبیب کبریاء سرورِ انبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) مسکراتا ہے (۱) جب کوئی آدمی رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے (۲) جب کوئی قوم نماز باجماعت کے لیے صف بندی کرتی ہے (۳) جب مجاہدین دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(۶) حضرت عمرو بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ بندے کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا اگر اس حصے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جانا تم سے ہو سکے تو تم ضرور ہو جاؤ۔
(رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

(۷) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں معزز ترین قرآن مجید کے حاملین اور رات کو نماز تہجد پڑھنے والے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)
(ماخوذ از: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۰۸۔۱۰۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۸) حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے، نو رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور فجر کی دو رکعات سنت اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

(۹) حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: رسول اللہ ﷺ رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مصدر ہے ''فَاعِلَة'' کے وزن پر جیسے ''عافیة'' ہے اور یہ ''نَشَأ'' سے مشتق ہے'' نَشَأ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے اور اٹھ جاتا ہے ] ﴿هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا﴾ یہ رات کی عبادت (نفس پر) دشوار ہوتی ہے [ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''وِطَاءً'' پڑھا جاتا ہے جس کا معنی موافقت ہے ] یعنی رات کی عبادت میں عبادت گزار کا دل اس کی زبان کے موافق رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رات کی عبادت مخفی اور علانیہ عبادات کے درمیان زبردست موافقت پیدا کرنے والی ہے کیونکہ یہ مخلوقات کے دکھاوے سے مبرا ہے [مذکورہ بالا قاریوں کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''وَطْئًا'' پڑھا جاتا ہے ] یعنی رات کی عبادت دن کی عبادت کے مقابلے میں نمازی پر سخت دشوار اور بھاری ہوتی ہے کیونکہ رات کے وقت نیند غالب ہوتی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مضر'' اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ میں گرفتار فرما[1] ﴿وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴾ اور (رات کو اٹھ کر عبادت کرنا) کلام کو بہت درست رکھنے والا اور قراءت کو خوب ثابت رکھنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آوازیں بند ہوتی ہیں اور لوگوں کی آمد و رفت' چلنا پھرنا اور حرکات وغیرہ موقوف ہو جاتی ہیں۔

۷- ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ بے شک آپ کے لیے دن میں بہت سے کام ہوتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ دن کے وقت آپ کو اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آنا جانا ہوتا ہے اور اپنے مشاغل کے لیے آپ کو مصروف رہنا پڑتا ہے' سو اس لیے آپ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے رات کو فارغ کر لیجئے یا یہ معنی ہے کہ دن کے وقت آپ کو سونے اور آرام کرنے کے لیے لمبی فراغت ہوتی ہے۔

۸- ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور رات اور دن میں اس کے ذکر پر ہمیشہ قائم و ثابت رہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' نماز' تلاوتِ قرآن اور علم دین کی تعلیم کو شامل ہے ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ﴾ اور آپ اسی کی طرف متوجہ رہیے اور ہر چیز سے الگ ہو کر اسی (اللہ تعالیٰ) کی عبادت میں مشغول ہو جائیے اور ''تَبَتُّلٌ'' کا معنی ہے: اور سب سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینا' اسی سے خیر و بھلائی کی اُمید رکھنا' اس کے غیر سے اُمید نہ رکھنا' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''تَبَتُّلٌ'' کا معنی ہے: دنیا اور دنیا کے مال و متاع سے تعلق توڑ لینا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کا طلب گار رہنا ﴿تَبْتِيْلًا﴾ سب سے الگ رہنا [فعل سے مختلف مصدر لانے میں تاکید میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے ] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت و محبت کے لیے سب سے الگ کر لیا ہے' سو آپ بھی صرف اسی کے ہو کر رہیے یا اس کو اس لیے لایا گیا ہے کہ آیات کے فواصل کے حق کی رعایت ہو جائے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے رات میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں' آپ چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' آپ پھر چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے' حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۹۳) (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۳۹)

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۳' مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵

۹۔﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ وہ مشرق اور مغرب کا مالک و پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے' اصل میں ''هُوَ رب المشرق والمغرب'' ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) یا پھر یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''لا الله الا هو'' ہے اور ابن عامر شامی اور حضرت حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''رَبِّكَ'' سے بدل واقع ہونے کی بناء پر مجرور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: حرف قسم کے مضمر کے ساتھ قسم کی بناء پر مجرور ہے (یعنی اصل میں ''وَرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ'' ہے) اور اس قسم کا جواب ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''وَاللّٰهِ لَا اَحَدَ فِي الدَّارِ اِلَّا زَيْدٌ''] ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ سو آپ اسی (اللہ تعالیٰ) کو اپنا کارساز بنائے رکھیں اور آپ کے ساتھ نصرت و مدد کا جو وعدہ کیا گیا ہے' اس پر آپ اپنے پروردگار کو مددگار اور کفیل وضامن بنائے رکھیں' یا یہ معنی ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بے شک مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو آپ اپنے تمام اُمور و معاملات میں اسی کو کافی قرار دیں اور حرف ''فا'' کو لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اب اس حقیقت کو پہچان لینے کے بعد تمام اُمور و معاملات واحد و قہار کے سپرد کرنے میں تاخیر نہ کیجئے کیونکہ اقرار کے بعد انتظار کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ
كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى
فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

اور آپ ان باتوں پر صبر کیجئے جو کفار کہتے ہیں اور آپ انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O اور آپ مجھ پر جھٹلانے والے مال داروں کو چھوڑ دیں (میں خود ان سے انتقام لے لوں گا) اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیں O بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور جلانے والی آگ ہے O اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے O جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا کر کانپیں گے اور پہاڑ ریت کے بہتے ہوئے ٹیلے ہو جائیں گے O بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے' جو تم پر گواہی دینے والا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا O سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت گرفت میں پکڑ لیا O

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفارِ مکہ کی تکالیف پر صبر کی تلقین اور کفار کے لیے تنبیہات

۱۰۔﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور آپ ان باتوں پر صبر کریں جو کفار میرے بارے میں بیوی اور بیٹوں کے ہونے کی اور آپ کے بارے میں جادوگر اور شاعر ہونے کی باتیں کہتے ہیں ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ اور آپ ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں اور آپ ان کو اپنے دل سے دور کر دیں اور مخالفت کا بہتر طریقہ کار اختیار کر کے اور ان کے

ساتھ انتقام کی کارروائی چھوڑ کران کی مخالفت کریں اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت مبارکہ جہاد اور قتال کی آیت مبارکہ کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے۔

۱۱- ﴿وَذَرۡنِیۡ﴾ اور آپ مجھ پر چھوڑ دیں یعنی آپ ان کفار کو میرے سپرد کر دیں سو میں انتقام لینے کے لیے ان کو کافی ہوں ﴿وَالۡمُكَذِّبِيۡنَ﴾ اور جھٹلانے والے قریش مکہ کے سرداروں کو مجھ پر چھوڑ دیں [یہ مفعول معہ ہے یا پھر ''ذَرۡنِیۡ'' پر معطوف ہے] یعنی مجھے اور ان کو چھوڑ دیں میں خود ان سے نپٹ لوں گا ﴿اُولِی النَّعۡمَةِ﴾ نعمتوں والے مال داروں کو (یعنی) ناز و نعم میں پلنے والے خوش حال لوگ [نون مکسور کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا: انعام دینا' اور نون مضموم کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا: لطف و سرور اور پُر آسائش زندگی گزارنا] ﴿وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِيۡلًا﴾ اور آپ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں' بدر کے دن تک یا قیامت کے دن تک [''قلیلا'' صفت ہے' اس کا موصوف محذوف ہے' اصل میں ''اِمۡهَالًا قَلِيۡلًا'' ہے]۔

۱۲- ﴿اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا﴾ بے شک ہمارے پاس آخرت میں کافروں کے لیے بھاری بیڑیاں ہیں ''انکال'' ''نِكۡلٌ'' کی جمع ہے ﴿وَّجَحِيۡمًا﴾ اور بھڑکتی ہوئی جلانے والی آگ ہے۔

۱۳- ﴿وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ﴾ اور گلے میں اٹک کر رہ جانے والا کھانا یعنی وہ کھانا جو حلق میں پھنس جائے' پس وہ نہ نگلا جائے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی ''ضریع'' (خاردار جھاڑیاں) اور ''زقوم'' (تھوہر کا مہلک و زہریلا درخت) ﴿وَّعَذَابًا اَلِيۡمًا﴾ اور دردناک عذاب جس کا درد ظاہر جسم کے ساتھ ساتھ جسم کے اندر دل تک پہنچ جائے گا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو آپ بے ہوش ہو گئے[1] اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے شام تک روزہ رکھا اور افطاری کے وقت کھانا پیش کیا گیا تو اس وقت آپ کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ یہ کھانا اٹھالو اور دوسرے روز شام کے وقت افطار کے لیے کھانا پیش کیا گیا تو یہی آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی تو آپ رونے لگے اور فرمایا: کھانا اٹھالو اور اسی طرح تیسرے روز ہوا تو حضرت ثابت بنانی اور اس کے دیگر ساتھی خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو کھانا کھانے کے لیے مجبور کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے کھانا کھانے کی بجائے چند گھونٹ ستو کے شربت کے پی لیے اور بس!

۱۴- ﴿يَوۡمَ﴾ [''لَدَيۡنَا'' میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے جس سے ''يَوۡمَ'' منصوب ہے اور وہ ''اِسۡتَقَرَّ'' ہے] یعنی کفار کے لیے ہمارے پاس ایک اس طرح کا سخت و الم ناک دن مقرر ہو چکا ہے جس دن ﴿تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ﴾ زمین اور پہاڑ بہت لرزنے لگیں گے یعنی بہت سخت متحرک و متزلزل ہو جائیں گے ﴿وَكَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِيۡبًا﴾ اور اس دن تمام پہاڑ جمع شدہ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے۔ ''کثیب'' اصل میں ''كَثَبَ الشَّيۡءَ'' سے ماخوذ ہے' جب کسی چیز کو جمع کیا جائے گا [گویا یہ فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے] ﴿مَّهِيۡلًا﴾ جمع ہو جانے کے بعد کسی چیز کا بہنے لگ جانا (جیسے قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر باریک ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوا میں اُڑتے ہوئے بہتے سمندر کی طرح نظر آئیں گے)۔

۱۶'۱۵- ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا﴾ اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے یعنی (سیّد عالم) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ﴿شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ﴾ تم پر گواہی دینے والے ہیں جو قیامت کے دن تم پر تمہارے کفر و شرک اور تمہاری تکذیب و جھٹلانے کی گواہی دیں گے ﴿كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا﴾ جس طرح

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ (۱۴/ ۱۳۵)

ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ سو فرعون نے رسول یعنی اس رسول کی نافرمانی کی' کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لوٹایا جائے تو دوسرا بعینہٖ پہلا ہوتا ہے ﴿فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا﴾ پھر ہم نے اس کو اپنی بہت سخت ترین گرفت میں لے لیا اور یہاں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ ان دونوں کا واقعہ اور ان کی خبر مکہ والوں کے درمیان مشہور و معروف ہو کر پھیل چکی تھی کیونکہ اہل مکہ یہودیوں کے پڑوسی تھے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ اِۨالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۹/۱۴

سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن (کے عذاب سے) کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا O آسمان اس (کی شدت) کے سبب پھٹ جائے گا' اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا O بے شک یہ ایک نصیحت ہے' سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے O

۱۷-﴿فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا﴾ سو اگر تم نے کفر کر لیا تو اس دن تم کس طرح بچو گے ["يَوْمًا"، "تَتَّقُوْنَ" کا مفعول ہے] یعنی تم اس دن کے عذاب سے کس طرح بچو گے اگر تم نے یہاں کفر اختیار کر لیا [یا اسم ظرف ہے] یعنی قیامت کے دن میں تمہارے لیے کس طرح بچاؤ ممکن ہو سکے گا اگر تم نے دنیا میں کفر اختیار کر لیا [یا "کفرتم" کی وجہ سے منصوب ہے اس بناء پر "كَفَرْتُمْ" بہ معنیٰ "جَحَدْتُمْ" ہے] یعنی تمہارے لیے کس طرح ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر لو اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگ جاؤ' اگر تم نے قیامت کے دن کا اور جزاء و سزا کا انکار کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے اس کے عذاب کا خوف لاحق ہوتا ہے ﴿يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی اپنی سختی اور ہولناکی کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا کہ تم اٹھو اور اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کی جماعت کو الگ نکال دو ["يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ" صفت ہے "يَوْمًا" کی اور "یوم" کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی "فِيْهِ" اور "شِيْبًا"، "اشیب" کی جمع ہے] اور بعض کا قول ہے کہ یہ صرف ڈرانے کے لیے بطور تمثیل کہا گیا ہے اور شدید ترین دن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں دن اتنا سخت ہے کہ وہ بچوں کی پیشانیوں کو سفید کر دے گا۔

۱۸-﴿اِۨالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ﴾ آسمان اس دن کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں بھی قیامت کے دن کی شدت کا وصف بیان کیا گیا ہے یعنی آسمان اپنی عظمت و بڑائی اور اپنی وسعت اور اپنی مضبوطی کے باوجود اس دن پھٹ جائے گا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اس کے علاوہ دیگر مخلوقات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے [اور خبر کا مذکر ہونا اس بناء پر ہے کہ "السماء" بہ معنیٰ "السقف" ہے (چھت) یا اصل میں "اَلسَّمَآءُ شَيْءٌ مُّنْفَطِرٌ" اور ارشاد "(بِهٖ) ای بیوم القیامۃ"] یعنی قیامت کے دن کے سبب' مطلب یہ ہے کہ آسمان اس دن کی شدت اور اس کی ہولناکی کی وجہ سے پھٹ

جائے گا جیسا کہ کوئی چیز اس سے پھٹ جاتی ہے جس سے اس کو کاٹا جاتا ہے ﴿كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ اس کا وعدہ ہو کر رہتا ہے۔ ''مَفْعُوْلًا'' بہ معنی ''كَائِنًا'' ہے ضرور ہونے والا [''وعد'' مصدر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور وہ ''الیوم'' ہے یا فاعل کی طرف مضاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے]۔

۱۹۔﴿اِنَّ هٰذِهٖ﴾ بے شک یہ آیات جو وعید (دھمکی) کو بیان کرنے والی ہیں یہ ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ سراسر نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ سو جو چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے یعنی جو شخص چاہے ان آیات سے نصیحت حاصل کر لے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقویٰ اور خشیت کے ساتھ راستہ اختیار کر لے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ
لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ
سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ
فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ
مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا
تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ
اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۱۴

بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) ایک تہائی رات اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت قیام کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم اس کو ہرگز شمار نہیں کر سکو گے تو اس نے اپنی مہربانی سے تم پر رجوع فرما لیا سو تم قرآن میں سے اُتنا پڑھا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے زمین میں سفر کریں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے سو تم اس میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو اور تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہترین قرض دو اور تم اپنے لیے نیکی میں سے جو آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اور اجر و ثواب میں زیادہ پاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

### نمازِ تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان

۲۰۔﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے

شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام (عبادت) کرتے ہیں۔ ''ادنٰی'' کا معنی اقرب یعنی قریب ترین ہوتا ہے لیکن یہاں بطورِ استعارہ ''اَقَلّ'' کے معنی میں ہے کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان مسافت قریب ہو جاتی ہے تو فاصلہ کم ہو جاتا ہے اور جب دو چیزوں کے درمیان مسافت دور ہوتی ہے تو فاصلہ زیادہ ہوتا ہے [قاری ہشام کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''ثُلُث'' میں لام مضموم پڑھا جاتا ہے] ﴿وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ﴾ اور آپ آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات میں عبادت و قیام کرتے ہیں [ابن کثیر مکی اور کوفی قراء کی قراءت کے مطابق یہ دونوں کلمے ''اَدْنٰی'' پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہیں اور جس نے ان دونوں کو مجرور پڑھا ہے اس نے ''ثلثی'' پر عطف کیا ہے] ﴿وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾ اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت یعنی آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک جماعت اتنی مقدار قیام کرتی ہے [اور ''طَائِفَةٌ'' ''تَقُوْمُ'' میں ضمیر پر معطوف ہے اور فاصلہ کے پائے جانے کی وجہ سے بغیر تاکید کے عطف جائز ہے] ﴿وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ کوئی شخص نہ تو رات اور دن کے اندازہ کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے اور نہ ان دونوں کے اوقات ولمحات کی مقداروں کا بالکل صحیح اندازہ لگا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی تقدیم کے ساتھ آغاز اس بناء پر ہے کہ ''یُقَدِّرُ'' اس پر موقوف ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ تقدیر و اندازہ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے' پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام اتنی مقدار میں قیام و عبادت کرتے تو ان کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ﴾ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس مقدار کو شمار نہیں کر سکو گے (یعنی) تم اتنی بڑی مقدار میں قیام کی طاقت ہرگز نہیں رکھ سکتے مگر بہت بڑی شدت و مشقت کے ساتھ اور اس میں تو بہت بڑا حرج اور تنگی ہے ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور تم پر تخفیف فرما دی اور تم سے رات کے قیام کا فرض ساقط کر دیا ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ سو اب تم قرآن مجید میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو' اور نماز میں قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور نماز کے علاوہ باقی اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان فرمائی کہ آپ نے فرمایا: جو شخص رات میں ایک سو آیات پڑھ لے گا وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص دو سو آیات پڑھے گا' وہ عبادت گزاروں میں سے لکھا جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے نماز مراد ہے کیونکہ قراءتِ قرآن نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یعنی جس قدر آسانی سے تم پڑھ سکتے ہو' اسی قدر نماز پڑھ لیا کرو اور رات کی نماز میں مشقت و تکلیف نہ اٹھاؤ اور یہ آیت مبارکہ پہلے حکم کے لیے ناسخ ہے' پھر یہ حکم بھی پنجگانہ نمازوں کی آمد پر منسوخ ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے نسخ کی حکمت بیان فرمائی اور وہ حکمت یہ ہے: (۱) بیماروں کے لیے رات کو اٹھ کر نمازِ تہجد کے لیے قیام کرنا مشکل و متعذر اور باعث تکلیف ہے (۲) اور مسافروں کے لیے دن بھر سفر کرنے کے بعد رات کو آرام کرنے کی بجائے عبادت کے لیے اٹھنا باعث مشقت ہو جاتا ہے (۳) اور مجاہدین کے لیے دن بھر جہاد کی مصروفیت کے سبب رات کو اٹھنا بھی مشقت و تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ عنقریب تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے جن پر رات کو قیام کرنا دشوار ہو جائے گا [''اَنْ'' اصل میں ''اَنَّهٗ'' تھا' پھر ثقیلہ سے مخففہ بنا دیا گیا اور تخفیف کے عوض سین کو ''یکون'' پر داخل کیا گیا اور اسم حذف کر دیا گیا] ﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کریں گے' ''فضل اللّٰہ'' سے تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رزق

تلاش کرنا یا علم کی طلب کے لیے سفر کرنا مراد ہے ﴿وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کریں گے اور کفار سے لڑیں گے اور جہاد کرنے والے مجاہدوں اور رزق کمانے والوں کو برابر بیان کیا گیا ہے کیونکہ رزقِ حلال کمانا بھی جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص کوئی سامان لے کر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں جائے' سفر میں مشقت اٹھانے پر صبر کرے اور اس پر ثواب کی نیت کرے اور اپنا سامان اسی روز کے بھاؤ فروخت کردے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں شمار ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے کے بعد مجھے کوئی موت اس سے زیادہ پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی طلب میں دورانِ سفر مرجاؤں ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ﴾ سو تم اس میں سے جس قدر آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ تیسیر وآسانی کے حکم کا تکرار ان کی احتیاطِ شدید کے لیے کیا گیا ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ﴾ اور تم پنجگانہ فرض نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ واجبہ ادا کرو ﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور تم نفلی صدقات و خیرات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کو بہترین اور سب سے اچھا قرض یعنی رزقِ حلال میں سے خلوصِ دل کے ساتھ دو' اور قرض کا لغوی معنی کاٹنا ہے' سو قرض دینے والا رقم وغیرہ کی مقرر مقدار اپنے مال میں سے کاٹ لیتا ہے اور اپنے غیر کو دے دیتا ہے اور اسی طرح صدقہ وخیرات کرنے والا صدقہ کی مقدار اپنے مال میں سے علیحدہ کر لیتا ہے' پھر اسے اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ کوئی مخیّر آدمی فقیر کو صدقہ دیتے وقت اس پر احسان نہ جتائے اور یہ اس لیے کہ فقیر تو اس قربت وعبادت میں مال دار کا معاون ہے' پس مال دار کا فقیر پر کوئی احسان نہیں بلکہ فقیر کا مال دار پر احسان ہے ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور تم نیکی میں سے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے تم اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور پاؤ گے یعنی اس نیکی کا ثواب ضرور پاؤ گے اور یہ شرط کی جزاء ہے ﴿هُوَ خَیْرًا﴾ وہ ثواب اس سے بہت بہتر ہوگا جو مال ودولت تم نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے [اور ''تجدوہ'' کا دوسرا مفعول ''خیرًا'' ہے اور ''ھُوَ'' ضمیر فاصل ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ دو معرفوں کے درمیان واقع نہیں ہوئی کیونکہ افعل معرفہ کے مشابہ ہے' اس لیے کہ اس پر حرفِ تعریف داخل کرنا ممنوع ہے] ﴿وَّاَعْظَمَ اَجْرًا﴾ اور اجر بہت بڑا ہوگا یعنی ثواب بہت زیادہ ملے گا ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ اور تم برائیوں پر اور نیکیوں میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت وبخشش طلب کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے وہ گناہ گار اور کوتاہی کرنے والے کی پردہ پوشی فرمالیتا ہے ﴿رَّحِیْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے جو جدوجہد کرنے والوں اور توقیر والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ المدثر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی چھپن آیات' دو رکوع ہیں

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ③ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ ④

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِی

النَّاقُوْرِ ﴿٨﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿١٠﴾

اے چادر اوڑھنے والے محبوب! O اٹھو اور ڈر سناؤ O اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو O اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو O اور بتوں سے دور رہو O اور زیادہ لینے کے لیے احسان نہ کرو O اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو O پھر جب صور میں پھونکا جائے گا O سو وہ دن بہت سخت دن ہوگا O کافروں پر آسان نہیں ہوگا O

## حضور ﷺ کو چند ہدایات کا حکم اور قیامت کے دن کی شدت کا بیان

١-٢۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کوہِ حراء پر تھا' پس مجھے پکارا گیا: ''يَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اے محمد (ﷺ)! بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' چنانچہ میں نے اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھا' لیکن میں نے کچھ نہ پایا' پھر میں نے اپنے اوپر دیکھا کہ ایک شخص آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یعنی وہی فرشتہ جس نے آپ کو پکارا' سو مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لوٹ آیا اور میں نے کہا: ''دَثِّرِيْنِيْ دَثِّرِيْنِيْ'' مجھے چادر اُڑھاؤ! مجھے چادر اُڑھاؤ! چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ کو چادر اُوڑھا دی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ پڑھا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[1] اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی کپڑوں میں لپٹنے والا' یہ ''دثار'' سے ماخوذ ہے اور ''دثار'' ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو شعار کے اوپر پہنا جاتا ہے اور شعار وہ کپڑا ہوتا ہے جو جسم کے ساتھ لگا ہوتا ہے [''مُدَّثِّر'' اصل میں ''مُتَدَثِّر'' تھا' پھر ''تا'' کو دال میں مدغم کر دیا گیا] ﴿قُمْ﴾ آپ اپنے بستر سے اٹھ جائیے یا یہ معنی ہے کہ آپ عزمِ مصمم اور مضبوط ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں ﴿فَاَنْذِرْ﴾ سو آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اگر وہ ایمان نہیں لاتے یا یہ کہ آپ کسی فرد اور قوم کی تخصیص کے بغیر ڈر سنانے کا عمل جاری رکھیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور نے قریش مکہ کی طرف سے کوئی ایسی بات سن لی جو آپ کو ناگوار گزری اور آپ غمگین ہو گئے اور آپ نے فکر مند ہو کر چادر لپیٹ لی جیسا کہ مغموم آدمی کرتا ہے' سو آپ کو فرمایا گیا: اے اپنے آپ سے کفار کی اذیت کو چادر کے ذریعے دور کرنے والے محبوب! اٹھئے اور ڈر سنانے کے ساتھ مصروف ہو جائیے' اگرچہ سرکش اور نافرمان لوگ آپ کو اذیت و تکلیف پہنچائیں۔

٣۔ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرتے رہیں اور آپ اپنے پروردگار کو بڑائی کے ساتھ مختص کر دیں اور تکبیر و بڑائی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہے یعنی آپ کی نگاہ میں کسی غیر اللہ کی بڑائی اور عظمت نہیں ہونی چاہیے اور آپ کا کسی غیر اللہ سے آمنا سامنا ہو جائے تو اس وقت آپ فرما دیں: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پھر یہ سن کر حضرت خدیجہ نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور خوش ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی الٰہی نازل ہوئی ہے اور اس کو نماز کی تکبیر (تحریمہ) پر محمول کیا جاتا ہے اور ''كَبِّرْ'' پر ''فا'' شرط کے معنی کی وجہ سے داخل کی گئی ہے گویا فرمایا گیا کہ اور جو کچھ ہو جائے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی نہ چھوڑیں۔

٤۔ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو' یعنی تم اپنے کپڑوں کو پانی کے ذریعے نجاست سے پاک رکھو کیونکہ نماز بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی اور یہ طہارت نماز کے علاوہ بھی بہت بہتر ہے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ عرب کی مخالفت

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٤٩٢٤-٤٩٢٣' مسلم رقم الحدیث: ٢٥٨-٢٥٧-١٦١

کرتے ہوئے اپنے کپڑے چھوٹے رکھیں کیونکہ عرب کی طرح لمبے کپڑے پہننے اور کپڑوں کے نچلے کنارے زمین پر لگنے کی وجہ سے نجاست آلود ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ اپنی ذات کو گندے افعال سے پاک رکھیں' چنانچہ جب لوگ کسی آدمی کو عیبوں سے پاک بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں آدمی پاک دامن ہے اور خیانت کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی پاک دامن نہیں اور اس لیے کہ جو آدمی اپنے باطن کو پاک کرلے گا' اس کا ظاہر بھی پاک ہوگا۔

۵- ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اور آپ بتوں سے دور رہیں یعنی آپ بتوں سے ترکِ تعلق پر پہلے کی طرح آئندہ بھی ثابت وقائم رہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بتوں سے بیزار اور دور رہتے تھے اور ''رِجْزٌ'' کا ایک معنی عذاب بھی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے اعمال سے بچتے رہو جو عذاب تک پہنچادیں [حضرات حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''راء'' مضموم پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقیوں کے نزدیک ''راء'' مکسور ہے]۔

۶- ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ اور آپ زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کریں یعنی آپ اس نیت سے کسی کو کوئی عطیہ نہ دیں کہ آپ اس سے زیادہ لیں گے یا یہ کہ آپ نے جو کچھ عطیہ عنایت کیا ہے اس سے زیادہ کی طلب نہ رکھیں کیونکہ آپ کو عظیم الشان اور بڑے جلیل القدر اخلاقِ عالیہ اور بہترین اور اعلیٰ ترین آداب کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور یہ ''تَمْنُنْ''، ''مَنَّ عَلَيْهِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر کوئی انعام واحسان کرتا ہے [''تَسْتَكْثِرُ'' مرفوع ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سکون کے ساتھ ''تَسْتَكْثِرْ'' پڑھا ہے اور یہ اس صورت میں نہی کا جواب ہوگا]۔

۷- ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے لیے صبر کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی (فرائض اور ممنوعات) پر اور ہر وہ عمل جس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہر وہ عمل جس سے رکنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے' ان سب پر محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر صبر پر عمل کیجئے۔

۸ تا ۱۰- ﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ﴾ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا' اور اس سے پہلا نفخہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر تمام مخلوقات فنا ہو جائے گی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوسرا نفخہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے ﴿فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ پس وہ دن بہت سخت دن ہوگا○ کافروں پر آسان نہیں ہوگا۔ ''فَذَٰلِكَ'' سے صور پھونکنے کے وقت کی طرف اشارہ ہے' گویا کہا گیا ہے کہ صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! آپ ان کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر کریں کیونکہ ان کے آگے ایک سخت ترین دن آنے والا ہے جس میں وہ لوگ اپنی ایذاؤں اور تکلیفوں کا انجام بد پائیں گے اور آپ ان پر صبر کرنے کا انجامِ خیر پائیں گے' یہ دن کافروں پر سخت ہوگا آسان نہیں ہوگا' اس لیے فرمایا تاکہ یہ بتایا جائے کہ یہ دن مسلمانوں پر سخت نہیں ہوگا دوسرا یہ کہ اس دن کے آسان ہو جانے کی اُمید نہیں کی جاسکتی جیسا کہ دنیا کے معاملات میں سے بعض سخت معاملات کے آسان ہو جانے کی اُمید کی جاسکتی ہے [''ذَٰلِكَ'' اسم اشارہ مبتدا ہے اور ''يَوْمَئِذٍ'' محلاً مرفوع ''ذَٰلِكَ'' کا بدل ہے اور ''يَوْمٌ عَسِيرٌ'' خبر ہے اور ''فَإِذَا'' میں ''فا'' سبب کا ہے اور ''فَذَٰلِكَ'' میں ''فا'' جزاء کا ہے اور ''غَيْرُ يَسِيرٍ'' تاکید ہے ''عَلَى الْكَافِرِينَ'' کی اور ''فَإِذَا'' میں عامل وہ ہے جس پر جزاء دلالت کرتی ہے یعنی ''فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ عَسُرَ الْأَمْرُ'']۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿٭ۙ۱۵﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿ؕ۱۶﴾ سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ﴿ؕ۱۷﴾ اِنَّہٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿ۙ۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿ۙ۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿ۙ۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَکۡبَرَ ﴿ۙ۲۳﴾

(اے محبوب!) آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہےO اور میں نے اس کے لیے بہت زیادہ مال مہیا کیاO اور سامنے حاضر رہنے والے بیٹے دیئےO اور میں نے اس کے لیے ہر قسم کا سامان تیار کیاO پھر بھی وہ یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوںO ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہےO عنقریب میں اس کو آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گاO بے شک اس نے سوچا اور ایک بات کا فیصلہ کرلیاO سو اس پر لعنت کی جائے اس نے کیسا فیصلہ کرلیاO پھر اس پر لعنت کی جائے اس نے کیسا فیصلہ کرلیاO پھر اس نے غور سے دیکھاO پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑاO پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر کیاO

## ولید بن مغیرہ کی مذمت اور دوزخ کی سختی کا بیان

۱۱ تا ۱٤- ﴿ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا﴾ آپ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے یعنی اس کو میرے سپرد کر دیں اور اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے اور اس کی قوم میں اسے وحید کے لقب سے پکارا جاتا [''وَمَنۡ خَلَقۡتُ'' معطوف ہے یا مفعول معہ ہے اور ''وَحِیۡدًا'' یا تو ''ذَرۡنِیۡ'' کی ''یا'' سے حال ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے:] یعنی اس کے ساتھ مجھے اکیلا چھوڑ دیں کیونکہ آپ کا انتقام لینے کے لیے میں اسے کافی ہوں [یا پھر ''وَحِیۡدًا'' ''خَلَقۡتُ'' کی ''تا'' ضمیر متکلم سے حال ہے] یعنی میں نے اکیلے اس کو پیدا کیا ہے اس کی تخلیق میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں تھا [یا ''ھا'' محذوفہ سے یا ''مَنۡ'' سے حال ہے] یعنی میں نے اس کو بغیر اہل و عیال اور بغیر مال و دولت کے تنہا پیدا کیا ہے' پھر بعد ازاں میں نے اس پر احسان اور انعام فرمایا ﴿وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا﴾ اور میں نے اس کو وسیع و کشادہ اور ہر طرف بہت زیادہ پھیلا ہوا مال عطا کیا' یا یہ کہ میں نے اس کے مال کو ترقی دے کر اور بڑھا کر بہت زیادہ وسیع کر دیا اور پھیلا دیا' چنانچہ اس کی کھیتیاں بہت تھیں اور دودھ دینے والے جانور اس کے پاس بہت زیادہ اور تجارت کا کاروبار بہت وسیع تھا' اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس ایک لاکھ دینار (سونے کے سکے) تھے اور انہیں سے مروی ہے کہ طائف میں ولید کی اتنی زرخیز زمین تھی' جس کا پھل ختم نہیں ہوتا تھا ﴿وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا﴾ اور میں نے اس کو بیٹے دیئے جو اس کے سامنے حاضر رہتے (یعنی) ولید کے بیٹے مکہ مکرمہ میں اس کے ساتھ نظروں کے سامنے رہتے تھے کیونکہ وہ کاروباری سلسلے میں سفر سے بے نیاز تھے اور ولید بن مغیرہ کے دس بیٹے تھے' ان میں سے تین بیٹے حضرت خالد بن ولید' حضرت ہشام بن ولید اور حضرت عمارہ بن ولید مسلمان ہو گئے تھے ﴿وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا﴾ اور میں

نے اس کو بہت زیادہ سامان مہیا کیا اور میں نے اس کو علاقہ بھر میں جاہ وجلال عزت ووقار اور قریش میں ریاست وسرداری اور چودھراہٹ مہیا کی سو میں نے جاہ وجلال اور مال ودولت اس کو دے کر اپنی نعمت تمام اور مکمل کر دی اور دنیاداروں کے نزدیک کسی شخص کے پاس ان دونوں کا اجتماع کمال شمار ہوتا ہے۔

۱۵، ۱۶۔ ﴿ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ﴾ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد اس کا طمع اور حرص ولالچ کا انکار کرنے اور اسے عقل وخرد سے بعید قرار دینے کے لیے بیان فرمایا ہے یعنی ولید بن مغیرہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے شکر ادا کیے بغیر میں اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں اور اضافہ کردوں جیسا کہ اس نے کہا تھا: ''لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا'' (مریم: ۷۷) ''مجھے (بروزِ قیامت) مال اور اولاد ضرور دیا جائے گا'' ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے اسے جھڑکا گیا ہے اور اس کی طمع کو ختم کیا گیا ہے یعنی آج کے بعد اس کے کفر وشرک کے ساتھ مزید نعمتیں جمع نہیں ہو سکتیں چنانچہ اس آیت مبارکہ کے بعد مسلسل اور ہمیشہ اس کے مال ودولت میں اور اس کے جاہ وجلال میں نقصان ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا ﴿اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا﴾ بے شک وہ ہماری آیتوں یعنی قرآن مجید سے عناد وبغض رکھنے والا اور اس کا منکر ہے اور یہ مستقل نئے کلام کے طور پر اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے علت ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے مزید کیوں نہیں دیا جائے گا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ اس لیے کہ اس نے اپنے منعم اور اپنے محسن کی آیات کا انکار کر دیا ہے اور اس نے اس انکار کی وجہ سے اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا ہے اور کافر مزید کا مستحق نہیں ہوتا۔

۱۷۔ ﴿سَاُرْهِقُهٗ﴾ عنقریب میں اس کو اپنے قہر سے ڈھانپ لوں گا ﴿صَعُوْدًا﴾ دشوار گزار گھاٹی سے آگ کے بلند ترین اور مشکل ترین صعود پہاڑ پر چڑھاؤں گا اور حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ میں آگ کا ایک بلند ترین پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ستر سال کی مسافت ہے پھر نیچے آنے کی مسافت بھی ستر سال کی ہے اس پہاڑ پر ولید کو زنجیروں میں جکڑ کر چڑھایا جائے گا پھر اس کو اس میں نیچے گرایا جائے گا ہمیشہ یوں ہی ہوتا رہے گا[1]

۱۸ تا ۲۰۔ ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ بے شک اس نے سوچا۔ یہ آیت مبارکہ وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے علت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بغض وعناد اور اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اسے عزت ودولت کے بعد بہت جلد ذلت ورسوائی اور فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیا اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو شدید ترین عذاب کی سزا دے گا کیونکہ وہ بغض وعناد میں انتہاء تک پہنچ چکا تھا اور اس نے قرآن مجید کا نام جادو رکھا ہوا تھا یعنی اس نے سوچا اور غور وفکر کیا کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں کیا کہے ﴿وَقَدَّرَ﴾ اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ قرآن مجید کو جادو کہے گا اور وہ تیار ہو گیا ﴿فَقُتِلَ﴾ سو وہ مارا جائے اور اس پر لعنت ہو ''قُتِلَ'' بہ معنی ''لُعِنَ'' ہے ﴿كَيْفَ قَدَّرَ﴾ کیسا فیصلہ کیا۔ اس کے فیصلہ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ پھر اس پر لعنت ہو اس نے کیسا فیصلہ کر لیا۔ دوبارہ تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے اور حرف ''ثُمَّ'' آگاہ کر رہا ہے کہ دوسری دعائے ضرر پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲۱ تا ۲۳۔ ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ پھر اس نے لوگوں کے چہروں میں دیکھا یا اس نے اپنے فیصلے میں غور کیا ﴿ثُمَّ عَبَسَ﴾ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ماتھے پہ شکن ڈال کر ترش روئی کا اظہار کیا ﴿وَبَسَرَ﴾ اور اس نے اپنا منہ بگاڑا (یعنی) اس نے منہ چڑھانے اور تیوری چڑھانے میں اضافہ کیا ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر اس نے حق سے پیٹھ پھیر لی اور حق کو پس پشت ڈال دیا ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ اور اس نے حق سے تکبر وغرور کیا یا اس کے مقام ومرتبہ سے تکبر وغرور کیا اور حق بات کہنے میں تکبر کیا [اور

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۶

''ثُمَّ نَظَرَ''، ''فَكَّرَ وَقَدَّرَ'' پر معطوف ہے اور ان دونوں کے درمیان دعائے ضرر معترضہ ہے اور ''ثُمَّ'' کو تمام معطوفات میں یہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ افعال معطوفہ کے درمیان تراخی ہے]۔

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

پھر اس نے کہا: یہ نہیں ہے مگر محض جادو جو پہلوں سے منقول چلا آ رہا ہے○ یہ نہیں مگر ایک انسان کا کلام○ عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا○ اور تمہیں کیا معلوم دوزخ کی آگ کیا ہے○ وہ نہ باقی رکھتی ہے اور نہ وہ چھوڑتی ہے○ وہ آدمیوں کی کھال جلا دیتی ہے○ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں○

۲۴، ۲۵- ﴿فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾ پھر اس نے کہا: یہ قرآن مجید نہیں ہے مگر جادو جو پہلے لوگوں سے منقول چلا آ رہا ہے' اس کو جادوگروں سے نقل کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ولید نے قبیلہ بنو مخزوم سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کے کلام میں سے ہے اور نہ جنوں کے کلام میں سے ہے' بے شک اس میں حلاوت و مٹھاس ہے اور وہ بڑا حسین و جمیل کلام ہے اور اس کا ظاہر پھل دار فصیح و بلیغ اور اس کا باطن پُرکشش شیریں کلام ہے اور بے شک یہ غالب رہے گا اور مغلوب نہیں ہوگا' چنانچہ قریش مکہ نے سن کر کہا: اللہ کی قسم! ولید بے دین ہو گیا ہے تو ابو جہل جو ولید کا بھتیجا تھا' اس نے کہا: تم سب کے مقابلے میں اکیلا میں اسے کافی ہوں' پھر وہ رنجیدہ اور غمگین بن کر ولید کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے گفتگو کی اور اسے قومی غیرت وحمیت یاد دلائی اور اسلام سے نفرت دلائی' چنانچہ ولید قریش کے پاس آیا اور کہا: تم گمان کرتے ہو کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجنون و دیوانہ ہیں تو کیا تم نے ان کو دیوارنہ وار باتیں کرتے ہوئے سانس پھولتے ہوئے اپنا یا کسی کا گلا دباتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم کہتے ہو: وہ کاہن ہیں تو کیا تم نے ان کو کہانت کی باتیں کرتے ہوئے محض عقل وقیاس اور گمان کی بناء پر تُکے بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم یہ بھی گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہیں تو کیا تم نے ان کو شعر بناتے ہوئے اور شاعرانہ منظوم کلام کہتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں (**نعوذ باللہ من کل ذالك**) تو کیا تم نے ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ چنانچہ سب لوگوں نے کہا کہ ان تمام عیبوں میں سے کوئی عیب آپ میں نہیں ہے' پھر ان لوگوں نے ولید سے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ولید نے غور وفکر کیا اور سوچ و بچار کیا' پھر کہا: وہ جادوگر ہیں' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ میاں بیوی' ماں باپ اور اولاد میں اور دوست واحباب میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جادو ہے جو مسیلمہ اور بابل والوں کی طرف سے منتقل کیا جاتا ہے' سو یہ سن کر اہل مجلس خوشی سے جھوم اٹھے اور ولید کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے منتشر ہو گئے [''فَقَالَ'' میں حرف ''فا'' کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جب یہ بات اس کے دل میں پیدا ہوئی تو اس نے بغیر کسی سوچ کے فوراً کہہ دی] ﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ یہ تو نہیں مگر ایک انسان کا کلام [ان دو جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے قائم مقام ہے]۔

۲۶ تا ۲۸- ﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾ عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا [یہ ''سَأُرْهِقُهُ صَعُوْدًا''

سے بدل ہے اور ''سَقَرَ'' جہنم کے لیے اسم علم ہے اور معرفہ اور تانیث کی وجہ سے منصرف نہیں پڑھا جاتا] ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ دوزخ کی آگ کس قدر خطرناک ہے اور یہ کلام دوزخ کے پرخطر اور ہولناک حال سے ڈرانے کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ﴾ وہ نہ باقی رہنے دے گی اور نہ وہ ہڈی کو چھوڑے گی یا یہ معنی ہے کہ وہ کسی چیز کو باقی نہیں رہنے دے گی جو چیز بھی اس میں ڈالی جائے گی مگر وہ اسے ہلاک کر دے گی اور اس کو ہلاک کر کے نہیں چھوڑے گی بلکہ ہلاک ہونے والا اصل حال میں لوٹ آئے گا جیسا وہ تھا۔

۲۹- ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ وہ جسم کی کھال کو جھلسانے والی ہے۔ ''بَشَرٌ''، ''بُشْرَةٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: جسم انسانی کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی دوزخ کی آگ انسانوں کے چمڑوں کو کالا سیاہ کر دے گی یا انہیں جلا دے گی [''لَوَّاحَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ''هِیَ لَوَّاحَةٌ'' ہے]۔

۳۰- ﴿عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اس پر انیس ہیں یعنی دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اُمور کے منتظم اور اس کے متولی ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کے مطابق انیس فرشتے مقرر ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس قسمیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس صفیں مراد ہیں اور بعض نے فرمایا: انیس محافظ مراد ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع ۱۵

اور ہم نے دوزخ کے محافظ نہیں بنائے مگر فرشتے' اور ہم نے فرشتوں کی تعداد نہیں بنائی مگر کافروں کے لیے آزمائش' تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان مزید بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں' اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ اور کفار کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب بات سے کیا ارادہ فرمایا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو ماسوا اس (اللہ تعالیٰ) کے کوئی نہیں جانتا' اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے ○

## دوزخ پر انیس فرشتوں کے تقرر کی حکمتوں کا بیان

۳۱- ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ اور ہم نے دوزخ کا محافظ و منتظم صرف فرشتوں کو بنایا ہے۔ ''اَصْحٰبَ النَّارِ'' سے دوزخ کے محافظ و منتظم اور متولی فرشتے مراد ہیں جو دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے

ہیں (یعنی ''اصحاب الجنة'' کا مقابل مراد نہیں ہے) اور دوزخ پر فرشتوں کے تقرر کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ''معذبین'' (جنوں اور انسانوں میں سے جن کو عذاب دیا جائے گا) کی جنس سے نہیں ہیں بلکہ مخالف جنس سے تعلق رکھتے ہیں' اس لیے دوزخیوں کو عذاب دیتے وقت ان کو ان پر رحم' ترس اور رقت و نرمی نہیں آئے گی کیونکہ تمام مخلوقات میں فرشتے سب سے زیادہ قوی' طاقتور اور توانا ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ گرفت کرنے والے ہوتے ہیں' چنانچہ فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے پاس تمام انسانوں اور تمام جنوں کی قوت کے برابر قوت و طاقت ہوتی ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہم نے ان کی گنتی کو نہیں بنایا مگر کافروں کے لیے آزمائش یعنی دوزخ پر انیس محافظ و منتظم فرشتوں کے تقرر کی تعداد کو ہم نے صرف کافروں کے لیے آزمائش اور امتحان بنایا ہے یہاں تک کہ جب آیت کریمہ ''عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ'' نازل ہوئی تو ابوجہل نے کفارِ مکہ سے کہا: کیا تم میں سے دس آدمیوں کا ہر گروہ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو نہیں پکڑ سکے گا حالانکہ تم بہت بڑی تعداد ہو' سو یہ بات سن کر ابوالاشد نے کہا: اور یہ بڑا طاقتور اور سخت و مضبوط گرفت رکھنے والا پہلوان تھا کہ میں اکیلا سترہ فرشتوں کو کافی ہوں اور دو کو تم قابو کر لینا' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ہم نے دوزخ کے محافظ فرشتے بنائے ہیں یعنی ہم نے فرشتوں کو تمہاری جنس کے مردوں میں سے نہیں بنایا کہ وہ تمہاری طرح طاقت رکھتے ہوں اور مفسرین نے فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ اعداد (گنتی) کے بارے میں علت اور سبب کا مطالبہ نہیں کیا جاتا' اس کے باوجود دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس فرشتوں کی تعداد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان میں چھ فرشتے کفار کے آگے چلتے ہوئے انہیں دوزخ کی آگ کی طرف لے جائیں گے اور چھ فرشتے کفار کو پیچھے سے ہانکیں گے اور چھ فرشتے لوہے کے گرزوں کے ساتھ انہیں لے جاتے وقت مارتے جائیں گے اور ایک فرشتہ دوزخ کا متولی ہوگا جو سب سے بڑا فرشتہ ہے' جس کا نام مالک ہے' اس طرح کل انیس فرشتے ہوئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخ میں انیس درجے ہوں گے اور ہر درجہ پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوزخ میں انیس اقسام کے عذاب ہوں گے اور ہر قسم پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور بعض نے کہا کہ دوزخ کی حفاظت انیس فرشتوں سے اس طرح کی جاتی ہے جس طرح زمین کی حفاظت پہاڑوں کے ذریعے کی جاتی ہے اور وہ انیس ہیں اور اگرچہ ان کی اصل تعداد ایک' سو نوے ہے مگر انیس کے علاوہ باقی پہاڑ انہیں سے متفرق ہوتے ہیں ﴿لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں کیونکہ ان کی دونوں کتابیں تورات و انجیل میں دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس تھی' پھر جب وہ قرآن مجید میں اس طرح سنیں گے تو انہیں یقین آ جائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾ اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں' ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا کیونکہ وہ اس کی تصدیق کریں گے جس طرح انہوں نے باقی نازل کردہ کلام کی تصدیق کی ہے یا اس لیے کہ ان اہل ایمان کا یقین زیادہ ہو جائے گا کہ ان کی کتاب (قرآن مجید) ان کی کتابوں کے موافق ہو جائے گی [یہ کلام ''لِيَسْتَيْقِنَ'' پر معطوف ہے] ﴿وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اہل کتاب اور مسلمان شک و شبہ نہیں کریں گے اور اس میں یقین کے حصول اور ایمان کے اضافے کی تاکید ہے کیونکہ یقین کا حصول اور ایمان کا زیادہ ہو جانا شک و شبہ کی نفی کی دلیل ہے [یہ بھی ''لِيَسْتَيْقِنَ'' پر معطوف ہے' نیز درج ذیل کلام بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ﴾ اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور کفار و مشرکین کہیں' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نفاق تو مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا' اور یہ سورت مکیہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ منافقین جن کا نفاق ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی سرزمین پر مستقبل میں ظاہر ہوگا اور مکہ مکرمہ کے کفار و

مشرکین کہیں گے: ﴿ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے اور یہ دیگر غیبی خبروں کی طرح عنقریب ظہور پذیر ہونے والی غیبی خبر ہے اور یہ اس سورت کے مکی ہونے کے خلاف نہیں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''مَرَضٌ'' سے شک وشبہہ مراد ہے کیونکہ اکثر اہلِ مکہ شک کرنے والے تھے [''مَثَلًا''، ''هٰذَا'' کی تمیز ہے یا پھر اس سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً'' (الاعراف: ۷۳) ''یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے''] اور جب اس عدد کا ذکر نہایت عجیب وغریب ہے اور اس طرح کے عدد کو مثال کہنا مناسب و موزوں ہے کیونکہ مسافر سوار حضرات اس قسم کے عجیب وغریب عدد کو خوب لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں جیسا کہ وہ دیگر مثالوں کو مشہور ومعروف کر دیتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عجیب وغریب عدد کا ارادہ فرمالیا اور کس معنی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بیس عدد کی بجائے انیس عدد مقرر فرمایا اور ان کی غرض اس تعداد کا بالکل انکار کرنا ہے اور یہ کہ بے شک یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اگر یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس ناقص عدد کے ساتھ نہ آتا ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ یوں ہی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے [''كَذٰلِكَ'' میں کاف منصوب ہے اور ''ذٰلِكَ'' سے اس کے ماقبل میں گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرف اشارہ ہے] یعنی مذکورہ بالا گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور مشرکین کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے وہی کچھ کہا جو کچھ انہوں نے کہنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کی تصدیق کی ہدایت عنایت کی اور اس گنتی کی حکمت سمجھا دی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں کو گمراہ کرتا ہے جن کے بارے میں اسے ازل سے علم ہے کہ یہ گمراہی کو اختیار کریں گے ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے جن کے بارے میں ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کریں گے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے ساتھ انہیں متصف فرمایا اور جب ابوجہل نے کہا کہ کیا محمد (سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب تعالیٰ کے لیے صرف انیس معاون ومددگار ہیں تو یہ (درج ذیل) کلام مبارک نازل ہوا: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کے لشکروں کو ان کی بہت زیادہ کثرت کی وجہ سے کوئی نہیں جانتا[1] ﴿ اِلَّا هُوَ ﴾ مگر وہ خوب جانتا ہے لہٰذا انیس محافظوں کی تکمیل اس پر کوئی دشوار نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے اس خاص عدد میں حکمت ہے جسے تم نہیں

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ خشکی کی مخلوقات سمندری مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان (دونوں) کا مجموعہ فضائی مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک کے فرشتوں کی تعداد ہے اور ان سب کا مجموعہ کرسی کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ حاملین عرش کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماسوا کتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اور اس کی مثل دیگر آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجسام علویہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں اور ان کے حقائق اور احوال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے دائرہ کا کلام احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے مرکز کی طرف طائر فکر کی پرواز پہنچ سکتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۲۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

جانتے ﴿وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت [یہ ''سقر'' کے وصف کے ساتھ متصل ہے اور ''ھِیَ'' ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ دوزخ اور اس کی صفت نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے یا پھر ''ھِیَ'' ضمیر ان آیات کی طرف لوٹتی ہے جن کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے]۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ﴿ قف ﴾ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾

ہرگز نہیں! چاند کی قسم! O اور رات کی جب وہ پیچھے جانے لگےO اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائےO بے شک وہ (دوزخ) بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہےO انسانوں کو ڈرانے والی ہےO تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو (نیکی) میں آگے بڑھ جائے یا وہ پیچھے رہ جائےO ہر شخص جو کچھ کما چکا ہے اس کے بدلے میں گروی ہےO ماسوا دائیں طرف والوں کےO وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے سوال کریں گےO مجرموں کے بارے میںO تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیاO وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھےO اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھےO اور ہم بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھےO

## دوزخ کی اہمیت اور کفار کے اعمالِ بد کا بیان

۳۲ تا ۳۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! دوزخ کو نصیحت قرار دینے کے بعد اس بات سے انکار ہے کہ یہ دوزخ کفار کے لیے بھی نصیحت بن جائے گی کیونکہ کفار تو اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَالْقَمَرِ﴾ چاند کی قسم! اللہ تعالیٰ نے چاند کی قسم اس لیے فرمائی کہ اس کے منافع اور فوائد بہت بڑے ہیں ﴿وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ﴾ اور رات کی (قسم)! جب وہ پیچھے جانے لگے [نافع مدنی، حفص، حمزہ، یعقوب اور خلف کی قراءت میں ''اَدْبَرَ'' ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ''دَبَرَ'' ہے] اور ''دَبَرَ'' بہ معنی ''اَدْبَرَ'' ہے اور ان دونوں کا معنی ہے: ''وَلّٰی وَمَضٰی'' یعنی پیٹھ پیچھے پھرا، اور چلا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَدْبَرَ'' کا معنی ہے کہ پیٹھ پیچھے پھرا، اور چلا گیا اور ''دَبَرَ'' کا معنی ہے: دن کے بعد آیا ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ اور صبح کی (قسم)! جب وہ روشن ہو جائے اور اُجالا ہو جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے) ﴿اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ ''کُبریٰ'' کی جمع ہے یعنی بڑی بلاؤں یا بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی بلا اور مصیبت یہ دوزخ ہے اور اس کے ایک ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بڑائی میں ان بڑی بلاؤں میں سے ایک ہے جس کی کوئی چیز مثال نہیں، جیسے ''هُوَ اَحَدُ الرِّجَالِ'' وہ مردوں میں سے ایک مرد ہے اور ''هِيَ اِحْدَى النِّسَآءِ'' وہ

عورتوں میں سے ایک عورت ہے ﴿نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ﴾ انسانوں کو ڈرانے والی ہے یعنی بے شک دوزخ ڈرانے کے اعتبار سے بڑی ہولناک چیزوں میں سے ایک بہت بڑی ہولناک چیز ہے جیسے تم کہو: ''هِیَ اِحْدَی النِّسَآءِ عَفَافًا'' وہ عفت و پاک دامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک بڑی عفت مآب عورت ہے [''نَذِیْرًا''، ''اِحْدٰی'' سے تمیز ہے]

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ﴾ (دوزخ ڈرانے والی ہے) تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو نیکی کی طرف بڑھنا چاہتا ہے یا اس سے پیچھے رہنا چاہتا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: جو شخص ماموارت کی طرف بڑھنا چاہتا ہے اور منہیات سے رُکنا چاہتا ہے [اور ''لِمَنْ شَآءَ'' میں ''مَنْ'' کو ''بَشَر'' سے بدل بنایا جاتا ہے]۔

۳۸۔﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ﴾ ہر شخص اس کے عوض گروی ہے جو کچھ اس نے کمایا [یہ ''رَهِیْنَةٌ''، ''رَهِیْنٌ'' کی تانیث نہیں ہے کیونکہ ''نَفْس'' مؤنث ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ O'' (الطور:۲۱) اس لیے کہ اگر اس کو صفت قرار دیا جاتا تو ''رَهِیْنٌ'' کہا جاتا کیونکہ فَعِیل بہ معنی مفعول آتا ہے اس میں مذکر اور مؤنث مساوی ہوتے ہیں اور یہ اسم ہے اور بہ معنی ''رِهْنٌ'' ہے (اس لیے اس کی ''تا'' اسمیت کی ہے یا مبالغہ کی ہے) جیسے ''شَتِیْمَةٌ'' بہ معنی ''شتم'' ہے گویا کہا گیا: ''(كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ) رِهْنٌ'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال میں گروی ہے اس سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا]۔

۳۹۔﴿اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ﴾ دائیں طرف والوں کے سوا یعنی مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے سوا کیونکہ ان کے اعمال ہی نہیں جن کے بدلے میں وہ گروی ہوتے یا یہ کہ ماسوا مسلمانوں کے کیونکہ یہ اپنی عبادات و طاعات کے ذریعے اپنی گردنیں چھڑا لیں گے جیسا کہ راہن (گروی دینے والا) اپنی گروی کو حق ادا کر کے چھڑا لیتا ہے۔

۴۰ تا ۴۲۔﴿فِیْ جَنّٰتٍ﴾ یعنی وہ دائیں طرف والے ایسی جنتوں میں ٹھہریں گے جن کی کنہ اور حقیقت اور ان کی وسعت کو بیان نہیں کیا جا سکتا ﴿یَتَسَآءَلُوْنَ O عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ وہ مجرموں کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کریں گے (یعنی) وہ آپس میں مجرموں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے یا یہ کہ وہ اپنے علاوہ اوروں سے مجرموں کے بارے میں پوچھیں گے ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ﴾ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ ''مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ'' کا ارشاد جس میں مجرموں کے لیے سوال کیا گیا ہے ''یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ'' کے ارشاد کے مطابق نہیں جس میں مجرموں کے متعلق سوال ہے اور یہ صرف اس صورت میں اس کے مطابق ہوگا کہ اگر یہ کہا جاتا: ''یَتَسَآءَلُوْنَ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَكَكُمْ''، جنتی حضرات مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا کیونکہ ''مَا سَلَكَكُمْ'' مجرموں کے بارے میں باہمی سوال کا بیان نہیں بلکہ یہ تو مجرموں کے بارے میں جن سے سوال کیا جائے گا ان کے قول کا بیان ہے کیونکہ مسئولین سائلین کو وہی بات بتائیں گے جو ان کے درمیان اور مجرموں کے درمیان جاری ہوگی' چنانچہ وہ کہیں گے: ہم نے مجرموں سے پوچھا ہے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے' مگر اسے مختصر کر کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کا انداز بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''عَنْ'' حرفِ زائد ہے (یعنی ''یَتَسَآءَلُوْنَ الْمُجْرِمِیْنَ'' ہے)۔

۴۳ تا ۴۵۔﴿قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے یعنی ہم نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے ﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ﴾ اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے جیسا کہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں ﴿وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىٕضِیْنَ﴾ اور ہم لغو اور بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ باطل

وبے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔ ''خـــوض'' کا معنیٰ ہے: باطل و ناجائز اور لغو کام میں مشغول ہو جانا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی آیات کے متعلق باطل اور جھوٹ بولا کرتے تھے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ
شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ
حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ
مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾
كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع ۲۵ ۱۴

اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھےO یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئیO سو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں دے گیO سو انہیں کیا ہوا ہے کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیںO گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیںO جو شیر سے بھاگے ہیںO بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے صحیفے اسے دے دیئے جائیںO ہرگز نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتےO ہرگز نہیں! بے شک وہ تو ایک نصیحت ہےO پس جو شخص چاہے اسے یاد رکھےO اور وہ یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ اس سے مغفرت طلب کی جائےO

۴۶ تا ۴۸- ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یعنی ہم حساب و کتاب اور جزاء وسزا کے دن کا انکار کرتے تھے ﴿حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ''یقین'' سے موت مراد ہے ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی (یعنی) فرشتوں اور نبیوں اور نیکوں میں سے کسی کی شفاعت ان کو فائدہ نہیں دے گی کیونکہ ان حضرات کی شفاعت صرف مسلمانوں کو نفع اور فائدہ دے گی لیکن کافروں کو کوئی فائدہ نہیں دے گی اور یہ آیت مبارکہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے ثبوت کی دلیل ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک میرے ایک امتی کی شفاعت کی برکت سے قبیلۂ ربیعہ اور قبیلۂ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے[1] (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۲)

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے تحت لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے' نیز احادیث مبارکہ تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں' پھر قاضی صاحب نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں' جن میں سے چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بروزِ قیامت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٤٩-﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴾ سو انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ ''تذکرۃ'' سے ''تذکیر'' مراد ہے اور ''تذکیر'' کا معنی ہے: نصیحت' یعنی وہ لوگ قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے ہیں جو سراسر نصیحت ہے [''مُعْرِضِيْنَ''، ''هُمْ'' ضمیر سے حال ہے جیسے ''مَالَكَ قَائِمًا؟''']۔

٥٠'٥١-﴿ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ ﴾ گویا وہ گدھے ہیں یعنی وحشی گدھے ہیں [یہ ''معرضین'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴾ سخت بدکنے والے اور بہت جلد بھڑک اٹھنے والے گویا وہ اپنے نفوس سے بدکنا اور بھڑکنا طلب کرتے ہیں [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فا'' مفتوح (اسم مفعول) ہے یعنی ان کو ان کے غیر نے بھڑکا دیا اور مشتعل کر دیا ہے] ﴿ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴾ شیر سے بھاگ گئے۔ ''قَسْوَرَةٌ'' کا معنی ہے: تیرانداز (تیر پھینکنے والے) اور شیر۔ یہ ''فَعْوَلَةٌ'' کے وزن پر ''قَسْرٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''قسر'' کا لغوی معنی ہے: قہر اور غلبہ' شیر بھی تمام درندوں پر غالب و زبردست ہوتا ہے۔ کفار کو قرآن مجید سے اعراض کرنے میں اور نصیحت نہ سننے میں گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو بدکنے اور بھڑکنے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں' تو میں عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! میں راضی ہوں۔ (مسند بزار' طبرانی' ابونعیم)

(٢) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ'' میری شفاعت میری امت میں سے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔ (ترمذی' ابوداؤد' حاکم' ابن حبان' احمد)

(٣) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم دین کو اور ایک صرف صالح اور نیک آدمی کو جنت کے پاس لایا جائے گا' پھر صرف نیک آدمی سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم دین سے کہا جائے گا: تم ٹھہرو یہاں تک کہ تم اپنوں کی شفاعت کرلو۔ (رواہ الاصبہانی)

(٤) اور انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے بُرے لوگ بھی خوش نصیب ہوں گے' آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: لیکن رہے میری امت کے بُرے لوگ تو اللہ تعالیٰ انہیں میری شفاعت کے ذریعے جنت میں داخل فرمادے گا اور لیکن رہے ان کے نیک لوگ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کے سبب جنت میں داخل فرمادے گا۔ (رواہ الطبرانی وابونعیم)

(٥) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موقوف روایت بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن عالم دین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے تلامذہ کے بارے میں سفارش کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہی ہو۔ (رواہ الدیلمی)

(٦) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید اپنے اہل خانہ کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

(٧) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی بہت سی صفیں ہوں گی' پھر ایک نیک و پرہیزگار جنتی آدمی ایک بدکار دوزخی شخص کے پاس سے گزرے گا تو وہ دوزخی جنتی آدمی سے کہے گا: کیا آپ کو فلاں دن یاد ہے جس میں آپ نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا تو میں نے آپ کو پانی پلایا تھا تو وہ جنتی آدمی اس کی شفاعت کرے گا' پھر ایک اور آدمی کسی دوزخی کے پاس سے گزرے گا تو دوزخی کہے گا: کیا آپ کو یاد ہے فلاں دن ایک حاجت کے لیے آپ میرے پاس چل کر آئے تھے تو میں نے آپ کی حاجت پوری کر دی تھی' تو یہ جنتی آدمی بھی اس کی شفاعت کرے گا۔
(تفسیر مظہری ج ١٠ ص ١٣٣' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' ١٣٨٤ھ)

بہت جدو جہد کرتے ہیں۔

۵۲-﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ انہیں کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں (یعنی) ایسے کاغذات جو کھولے جائیں اور پڑھے جائیں اور یہ اس لیے کہ کفارِ مکہ نے ایک دفعہ رسول اکرم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم آپ کی اتباع ہرگز نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ آسمان سے ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک کتاب لاکر پیش کریں جس میں یہ لکھا ہو کہ یہ رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے ہم تمہیں اس کتاب میں حکم دیتے ہیں کہ تم میرے اس رسول کی پیروی کرو اور اس کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے: ''وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ'' (الاسراء: ۹۳) ''اور ہم آپ کے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اُتار کر لے آئیں جسے ہم پڑھ لیں'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفارِ مکہ نے کہا تھا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں تو پھر ہم میں سے ہر ایک شخص کے سرہانے کے پاس صبح سویرے ایک ایک صحیفہ اترنا چاہیے جس میں لکھا ہو کہ یہ شخص دوزخ کی آگ سے بَری اور محفوظ و مامون ہے۔

۵۳-﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اس ارادے سے باز کرنے اور آیاتِ الٰہیہ (یعنی قرآن مجید) سے روگردانی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور ڈرایا دھمکایا گیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے' اس لیے انہوں نے نصیحت سے اعراض و روگردانی کر لی' صحیفے نہ دینے کی وجہ سے نہیں۔

۵۴-﴿كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ﴾ ہرگز نہیں! بے شک یہ یعنی انہیں نصیحت سے اعراض کرنے اور اس سے منہ موڑنے سے روکنا اور ڈانٹنا بھی نصیحت کرنا ہے اور اس لیے فرمایا: بے شک یہ قرآن مجید انتہائی زبردست کفایت کرنے والا سراسر نصیحت ہے۔

۵۵-﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ سو جو شخص چاہے اسے یاد رکھے یعنی جو شخص اس کو یاد رکھنا چاہتا ہے اور اس کو بھلانا نہیں چاہتا تو وہ اس کو ضرور یاد رکھے کیونکہ اس کا نفع اور فائدہ اسی کو ملے گا۔

۵۶-﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اسے یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے (یعنی) مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے وقت یا یہ کہ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں ''یَـا'' کی بجائے ''تَـا'' کے ساتھ ''وَمَـا تَذْكُـرُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) خوف و تقویٰ کے لائق ہے اور مغفرت و بخشش کرنے کے لائق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ وہ ہر اس شخص کو بخش دے جو اس سے ڈرتا رہتا ہے[1]

آیاتہا ۴۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | سورۃ القیٰمۃ مکیۃ | رکوعاتہا ۲

سورۃ القیامۃ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی چالیس آیات' دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۸' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۹

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿٥﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾

میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوںO اور میں ملامت کرنے والی جان کی قسم اٹھاتا ہوںO کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہیں کریں گےO کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم اس کے پوروں کو اپنی جگہ پر درست کر دیںO بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بُرے کام کرتا رہےO وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہوگاO سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گیO اور چاند کو گہن لگ جائے گاO اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گاO اس دن انسان کہے گا کہ جائے فرار کہاں ہے؟O

## قیامت کے دن کی اہمیت اور کافر کی مذمت کا بیان

١- ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں ''اَیْ اُقْسِمُ'' یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حرف ''لَا'' نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید قسم کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور یہ ''لا'' صلہ ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لِئَلَّا يَعْلَمَ'' (الحدید:٢٩) ''تا کہ اہل کتاب جان لیں'' اور شاعر کا قول ہے:

تَذَكَّرْتُ لَيْلَىٰ فَاعْتَرَتْنِيْ صَبَابَةٌ وَكَادَ ضَمِيْرُ الْقَلْبِ لَايَتَقَطَّعُ

''میں نے اپنی رات کو یاد کر رکھا ہے جس میں مجھے عشق لاحق ہوا تھا اور قریب تھا کہ میرے دل کا ٹکڑا کٹ جاتا''۔

اور جمہور اس بات پر متفق ہیں' البتہ علامہ فراء نے کہا کہ مشرکین مکہ نے حشر ونشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا تھا' ان کی تردید کے لیے یہ حرف ''لا'' نفی لایا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ (اے مشرکینِ مکہ!) جس طرح تم نے گمان کر رکھا ہے اس طرح معاملہ نہیں ہے' پھر فرمایا گیا: ''اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ'' میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں' اور بعض حضرات نے کہا: اس کی اصل ''لَاُقْسِمُ'' ہے جیسا کہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے' یہ اس بناء پر کہ لام ابتداء کے لیے ہے اور ''اُقْسِمُ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''لَاَنَا اُقْسِمُ'' میں ضرور قسم کھا کر کہتا ہوں (تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا) اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مصحف امام میں بغیر الف کے تھا' پھر اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا گیا تو اشباع کی وجہ سے الف ظاہر ہو گیا اور اکثر اس لام کے ساتھ نون تاکید بھی آتا ہے اور کبھی اس سے جدا کیا جاتا ہے]۔

٢'٣- ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اور مجھے ملامت کرنے والے نفس کی قسم[1] جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دوسری قسم ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قیامت کے دن کی قسم فرمائی ہے اور

[1] ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور وہ کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا؟

(٢) نفس لوّامہ سے مراد نفوسِ متقیہ ہیں یعنی متقی اور پرہیز گار لوگ' وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں فرمائی [سو اس صورت میں یہ صفت ذم ہوگی جب کہ قسم کے معنی کی صورت میں یہ صفت مدح ہوگی] یعنی نفس متقیہ وہ ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری میں کوتاہی کرنے پر ملامت کرے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نفسِ آدم علیہ السلام ہے جو جنت سے نکالے جانے پر اپنے آپ کو ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے ''اَیْ لَتُبْعَثُنَّ'' یعنی تمہیں قیامت کے دن ضرور بزندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس کی دلیل (درج ذیل) ہے ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ ﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا انکار کرنے والا کافر انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ﴿ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ کیا ہم اس کی ہڈیوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر متفرق و منتشر ہو جانے اور چورا چورا ہو جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد ہرگز جمع نہیں کریں گے۔

٤۔﴿ بَلٰى ﴾ کیوں نہیں! ''بلٰی'' نفی کے بعد ثبوت کے لیے آتا ہے یعنی کیوں نہیں! بلکہ ہم انسانوں کو ہڈیوں سمیت ضرور جمع کریں گے ﴿ قٰدِرِیْنَ ﴾ یہ ''نَجْمَعُ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی ہم اس کو ضرور جمع کریں گے کیونکہ ہم اس کے جمع کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں تھا یا یہ کہ ہم پوری طرح

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیز گاری کو کیوں اختیار نہیں کیا؟

(٣) نفس لوّامہ سے مراد نفوسِ شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ہوں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل آدمی برے کاموں میں مشغول ہو تو پھر بھی وہ اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

(٤) نفس لوامہ سے مراد بدفطرت نفوس ہیں جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں مبتلا رہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

''اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ'' (الزمر:٥٦) ''افسوس! میں نے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی برتی''۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ٣٠٤ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

صوفیائے کرام نے نفس کی سات اقسام بیان کی ہیں:

(١) نفس امّارہ جو برائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کفار کے نفوس ہیں۔

(٢) نفسِ لوامہ جو برے کاموں پر اور نیکیوں میں کوتاہی کرنے پر انسان کو ملامت کرتا ہے۔

(٣) نفسِ مُلہمہ جو انسانوں کو نیکی اور برائی دونوں کا الہام و القاء کرتا ہے۔

(٤) نفسِ مطمئنہ جو تعلیماتِ اسلام پر مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے اور شکوک و شبہات سے دور اور پاک ہوتا ہے اور صفاتِ محمودہ سے متصف ہوتا ہے۔

(٥) نفسِ راضیہ جو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہے۔

(٦) نفسِ مرضیہ جو نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ از خود اس کی رضا پر راضی ہو۔

(٧) نفسِ کامل جو آخری تینوں نفوس کی صفات کا جامع ہو اور انتہائی اعلیٰ درجات پر فائز ہو۔

(ماخوذ از: تفسیر صاوی حاشیہ علیٰ تفسیر الجلالین الجزء الرابع ص ٣٥٥ مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی، مصر ١٣٦٠ھ/١٩٤١ء)

قادر ہیں کہ ﴿عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ﴾ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کر دیں (یعنی) اس کے باوجود کہ انسان کی انگلیاں اور اس کے پورے چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن ہم بغیر کسی فرق کے اور بغیر کسی کمی و بیشی کے اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کرنے پر پوری طرح قادر ہیں تو بھلا بڑی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر ہم کیوں کر قادر نہیں ہو سکتے۔

۵-﴿بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ بلکہ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ حال اور مستقبل میں بُرے اعمال کرتا رہے [یہ ''ایحسب'' پر معطوف ہے' سو اس لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کی طرح استفہام ہو]۔

٦-﴿یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ﴾ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہوگا۔ دراصل کفار یہ سوال قیامت کے قیام کو ناممکن و بعید قرار دینے کے لیے کرتے تھے۔

۸'۷-﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر حیران و مضطرب اور پریشان ہو کر اِدھر اُدھر گھومتی پھریں گی [نافع مدنی کی قراءت میں ''را'' پر فتح پڑھا جاتا ہے یعنی اس وقت کافروں کی آنکھیں پریشانی کی وجہ سے کھلی رہ جائیں گی] ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ اور چاند کو گرہن لگ جائے گا اور اس کی روشنی چلی جائے گی یا اس کی روشنی غائب ہو جائے گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَخَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضَ'' (القصص:۸۱) ''سو ہم نے قارون کو زمین میں دھنسا کر غائب کر دیا'' [ابوحیاۃ نے ''خا'' پر ضمہ پڑھا ہے]۔

۱۰'۹-﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیا جائے گا یعنی مغرب سے طلوع ہونے میں انہیں اکٹھا کر دیا جائے گا یا روشنی کے چلے جانے میں اور بے نور ہونے میں دونوں کو جمع کر دیا جائے گا یا یہ کہ ان دونوں کو پہلے جمع کیا جائے گا' پھر انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا' پھر وہ سمندر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی آگ بن جائے گا ﴿یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ﴾ انسان یعنی کافر کہے گا: آج فرار ہونا کہاں ہوگا۔ یہ مصدر ہے یعنی دوزخ کی آگ سے فرار کہاں ہوگا یا قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کی وجہ سے مسلمان بھی یہی کہے گا [اور حضرت حسن بصری نے ''فا'' کو مکسور پڑھا ہے اور اس صورت میں یہ ظرف مکان اور مصدر میمی دونوں کا احتمال رکھتا ہے]۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

ہرگز نہیں! کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی O اس دن آپ کے پروردگار کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی O اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا O بلکہ انسان اپنے آپ پر خود بصیرت کی نگاہ رکھنے والا ہے O اور اگرچہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرلے O

۱۲'۱۱-﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے فرار کی طلب سے روکا گیا ہے (یعنی قیامت کے دن کوئی شخص ہرگز فرار نہیں ہو سکے گا) ﴿لَا وَزَرَ﴾ کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ﴾ صرف آپ کے پروردگار کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہوگی (یعنی) بندوں کے ٹھہرنے کی جگہ یا ان کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں ہوگا' یہ اسی کی

مشیت کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے' جس کو وہ چاہے گا جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا۔

١٣- ﴿ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ ﴾ اس دن انسان کو ہر وہ عمل بتا دیا جائے گا جو اس نے کر کے آگے بھیجا ﴿ وَاَخَّرَ ﴾ اور جس کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس عمل کو نہیں کیا۔

١٤- ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴾ بلکہ انسان اپنے آپ پر پوری نگاہ رکھنے والا ہے (یعنی) گواہ ہے [''بصیرۃ'' میں ''ھا'' مبالغہ کے لیے جیسے ''عَلَّامَةٌ'' میں ہے یا اس کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے انسان کے اعضاء مراد ہیں کیونکہ انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے یا پھر خود انسان اپنے آپ پر حجت ہے اور ''بصیرۃ'' کا معنی حجت ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ'' (الانعام: ١٠٤) ''بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیلیں آ چکیں'' اور تم اپنے غیر سے کہہ سکتے ہو کہ ''اَنْتَ حُجَّةٌ عَلٰی نَفْسِكَ'' تم اپنے آپ پر حجت ہو'' ''بصیرۃ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر اس سے مقدم ''عَلٰی نَفْسِهٖ'' ہے اور یہ مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر ''الانسان'' کی خبر ہے] جیسے کہا جاتا ہے: ''زَیْدٌ عَلٰی رَاْسِهٖ عَمَامَةٌ'' اور اس صورت میں یہ جائز ہے کہ ''بصیرۃ'' سے وہ فرشتہ مراد ہو جو انسان پر مقرر کیا گیا ہے۔

١٥- ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴾ اور اگرچہ وہ اپنی معذرتیں اور بہانے پیش کرے (یعنی) اور اگرچہ وہ اپنے گناہوں پر پردے ڈالے۔ ''معاذیر'' ، ''معذار'' کی جمع ہے اور ''معذار'' کا معنی پردہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگرچہ وہ ہر قسم کے تمام بہانے پیش کرے تو بھی اس کے بہانے اور معذرتیں قبول نہیں کی جائیں گی بلکہ اس کے جھوٹے عذر کا وبال بھی اسی پر ہوگا [اور ''معاذیر'' ، ''مَعْذِرَةٌ'' کی جمع نہیں ہے کیونکہ اس کی جمع ''معاذر'' آتی ہے بلکہ یہ تو اس کا اسم جمع ہے اور اس کی مثال ''المناکیر'' ہے جو ''منکر'' کی اسم جمع ہے]۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

(اے محبوب!) آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو جلد یاد کر لیں O بے شک اس کو محفوظ کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O پھر بے شک اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو O اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو O بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے O اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O اور بہت سے چہرے اس دن ترش و سیاہ ہوں گے O وہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والی سختی کی جائے گی O

## قرآن کو محفوظ کرنے اور نیک و بد کی پہچان اور موت کی سختی کا بیان

۱۶'۱۷۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی زبانِ مبارک کو اس کے ساتھ (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ حرکت نہ دیں تا کہ آپ اس کو (یعنی) قرآن مجید کو جلدی وصول کر لیں۔ دراصل حضور نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کے فارغ ہونے سے پہلے اس کی قراءت کے دوران وحی کی قراءت شروع کر دیتے' محض اس اندیشے کی بناء پر کہ کہیں قرآن مجید کا کوئی کلمہ رہ نہ جائے' سو اس لیے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ وحی کی قراءت کے دوران اپنی زبان کو حرکت نہ دیں جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں تا کہ آپ اس کو جلدی سے یاد کر کے حاصل کر لیں اور تا کہ اس کا کوئی حرف یا لفظ رہ نہ جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے جلدی سے روکنے کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ﴾ بے شک اس قرآن مجید کو آپ کے سینہ مبارک میں جمع کرنا اور محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَقُرْاٰنَهٗ﴾ اور اس قرآن مجید کی قراءت کو آپ کی زبان مبارک میں ثابت و قائم رکھنا ہمارے ذمہ ہے اور قرآن سے قراءت کرنا مراد ہے اور اس کی مثال یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے: ''وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ'' (طٰہٰ: ۱۱۴) ''اور آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ اس کی وحی آپ پر پوری نازل کر دی جائے''۔

۱۸'۱۹۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ سو جب ہم اس کو پڑھ لیں تو پھر آپ اس کی اتباع کریں یعنی جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر ہماری وحی پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو پھر اس کی اتباع کریں یعنی اس کے پڑھے ہوئے کلام کو جو اس نے آپ پر پڑھا ہے' پڑھیں' یاد کریں اور اس پر عمل کریں' سو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے (یعنی) جب قرآن مجید کے معانی میں سے کوئی معنی آپ پر مشکل و دشوار ہو جائے گا تو اس کو واضح کر کے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

۲۰'۲۱۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے سے انکار کرنے پر کفار کا رَدّ کیا گیا ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کو بہ وقتِ نزول پڑھنے میں جلد بازی سے منع کیا گیا ہے اور جلدی پڑھنے سے آپ کو روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے اس کو مؤکد کیا گیا ہے ﴿بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ بلکہ تم جلد بازی کو پسند کرتے ہو' گویا فرمایا گیا کہ اے بنی آدم! بلکہ تم لوگ جلد بازی کو پسند کرتے ہو کیونکہ تم جلد باز پیدا کیے گئے ہو اور تمہاری طبیعتوں میں جلد بازی سما چکی ہے' اس لیے تم ہر چیز میں جلدی کرتے ہو اور اسی وجہ سے تم ''عاجلہ'' (یعنی) دنیا اور اس کی شہوات کو پسند کرتے ہو ﴿وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) تم دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو چھوڑ دیتے ہو' سو تم اس کے لیے نیک اعمال نہیں کرتے ہو [نافع مدنی اور کوفی قراء کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۲۲'۲۳۔ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے خوب صورت' حسین و جمیل اور خوش و خرم اور تر و تازہ ہوں گے اور یہ مؤمنوں کے چہرے ہوں گے ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ مسافت کے ثبوت کے بغیر اور جہت و سمت کے بغیر اور کیفیت کے بغیر اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے اور دیدار کرنے والے ہوں گے[۱] اور یہاں نظر کو اپنے

[۱] علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) اس دن بہت سے لوگ وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش' تر و تازہ اور خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب تعالیٰ کو کھلم کھلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پروردگار کے حکم کے لیے یا اس سے ثواب کے حصول کے لیے انتظار کرنے پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ (حرف ''فِی'' کے ساتھ) کہا جاتا ہے: ''نَظَرْتُ فِیْهِ'' یعنی میں نے اس میں غور و فکر کیا اور (بغیر کسی ''فِیْ'' کے براہِ راست متعدی کر کے کہا جاتا ہے) ''نَظَرْتُهٗ'' میں نے اس کا انتظار کیا لیکن جب یہ حرف ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس وقت صرف رؤیت اور دیدار کرنے کا معنی مراد ہوتا ہے (جیسے یہاں ہے) نیز ''دار القرار'' یعنی جنت میں ''نَاظِرَةٌ'' کا معنی انتظار غیر مناسب ہے کیونکہ وہاں بغیر انتظار کے ہر نعمت حسب خواہش حاصل ہو جائے گی۔

۲۴، ۲۵۔ ﴿وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ﴾ اور بہت چہرے اس دن بگڑے ہوئے تیوری چڑھائے سخت ترش رو ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صاف صاف اپنے سامنے عیاں دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں' ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے' ان حدیثوں کو نہ تو کوئی جھٹلا سکے گا اور نہ کوئی ان کا انکار کر سکے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان بالکل صاف ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی بادل وغیرہ نہ ہو تو سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی چیز مزاحمت ہوتی ہے' صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا کہ اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔

(۲) صحیحین میں ہی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا کہ تم اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو' سو اگر تم سے ہو سکے تو تم سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (نمازِ فجر) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی نمازِ عصر) میں کسی طرح بھی سستی نہ کرو۔

(۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہی دونوں معتبر و متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور بھانڈے وغیرہ اور اس کی ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور بھانڈے وغیرہ اور ہر چیز چاندی کی ہے' ان جنتوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کوئی چیز آڑ نہیں ہوگی اور یہ جنت عدن کا ذکر ہے۔

(۴) صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو تا کہ میں اور زیادہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! آپ نے ہمارے چہرے سفید اور نورانی کر دیئے' ہمیں جنت میں پہنچا دیا' جہنم سے بچا لیا' اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی وقت حجابات ہٹا دیئے جائیں گے اور ان جنتیوں کی نگاہیں جمالِ باری تعالیٰ سے منور ہوں گی' اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی اور چیز میں حاصل نہ ہوگی' سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدارِ باری تعالیٰ ہوگا' اسی نعمت کو اس آیت میں لفظ ''زِیَادَةٌ'' سے تعبیر کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ''لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ'' (یونس: ۲۶) یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدارِ خدا بھی ملے گا۔

(۵) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا' پس اس سے معلوم ہوا کہ ایمان دار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدارِ خدا سے مشرف کیے جائیں گے۔

(۶) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: سب سے ہلکے درجے کا جنتی جنت میں اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا' دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی' ہر طرف اور ہر جگہ اسی کی بیویاں اور خدام نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ (صبح و شام) اللہ تعالیٰ کے مبارک و بزرگ تر چہرے کا دیدار کریں گے۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے' نیز یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گے اور یہ کفار کے چہرے ہوں گے ﴿ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴾ ہر کافر خیال کرے گا کہ اس کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سخت ترین معاملہ کیا جائے گا (یعنی) اسے ایسی سخت سزا دی جائے گی جو اس کی پشت کے مہرے کو توڑ دے گی۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

ہرگز نہیں! جب روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی O اور کہا جائے گا: کوئی دَم کرنے والا ہے O اور وہ خیال کرے گا کہ بے شک یہ جدائی کا وقت ہے O اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی O اس دن آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سب نے جانا ہو گا O

۲۶- ﴿ كَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے سے منع کیا گیا ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تم اس عمل سے باز آ جاؤ اور تم آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرنے سے رُک جاؤ اور تم اپنے آگے آنے والی موت کو یاد کرو جس کے آ جانے کے بعد تم سے یہ دنیا چھوٹ جائے گی اور تم سے الگ ہو جائے گی اور تم آخرت کی طرف منتقل ہو جاؤ گے جس میں تم ہمیشہ باقی رہو گے ﴿ اِذَا بَلَغَتِ ﴾ یعنی جب روح پہنچ جائے گی' اور یہاں روح مراد لینا جائز ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر یہ آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کر رہی ہے ﴿ التَّرَاقِيَ ﴾ ہنسلی کی وہ ہڈیاں جو سینے کے اردگرد دائیں بائیں محیط ہوتی ہیں اور سینے کے راستے گلے تک پہنچ جاتی ہیں۔ ''تراقی'' ''ترقوۃ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: ہنسلی کی ہڈی۔

۲۷- ﴿ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴾ اور کہا جائے گا کہ کیا کوئی دَم کرنے والا اور جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ [امام عاصم کے شاگرد حضرت حفص کی قراءت میں ''مَنْ'' پر ہلکا سا وقف (یعنی سکتہ) کیا جاتا ہے یعنی مرنے والے کے پاس حاضرین ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے جو اس پر دَم کر دے ''رَاقٍ''، ''رُقْيَةٌ'' سے ماخوذ ہے اور یہ باب ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' سے ہے] یا یہ ان فرشتوں کا کلام ہے جو روح نکالنے والے وہاں موجود ہوتے ہیں' وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بہت سی صحیح اور حسن اور مسند حدیثیں سنن کی کتابوں میں مروی ہیں جن میں سے اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات میں آ چکی ہیں' خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم' تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے' تمام ائمہ اسلام اور ہُداۃِ امت سب اس پر متفق ہیں۔ جو لوگ اس کی تاویل کر کے کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا مراد ہے' ان کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور ہے' ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جس میں بدکاروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ''كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ O'' (المطففین: ۱۵) ''یعنی ہرگز نہیں! بے شک فاسق و فاجر لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے O''۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدارِ الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیک اور پرہیزگار لوگ دیدارِ الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے اور یہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی روانی صاف اور واضح دلالت کر رہی ہے کہ ایمان دار حضرات دیدارِ باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۸۰-۸۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

کہیں گے کہ تم میں سے کون سے فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جائیں گے آیا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے [اس صورت میں "رَاقِ"، "رُقِیٌّ" سے ماخوذ ہوگا اور باب "عَلِمَ یَعْلَمُ" سے ہوگا]۔

۲۸۔﴿ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴾ اور مرنے والا یقین کر لیتا ہے کہ یہ جدائی کا وقت ہے (یعنی) بے شک یہ موت جو اس پر نازل ہوگئی ہے اس کا آنا محبوب وپسندیدہ دنیا سے جدا ہونے اور کوچ کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ "ظَنَّ" بہ معنی "اَیْقَنَ" ہے۔

۲۹۔﴿ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (یعنی) مرنے والے کی دونوں پنڈلیاں موت کے وقت آپس میں باہم مل جائیں گی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میت کی دونوں پنڈلیاں مراد ہیں جب میت کو کفن پہنایا جاتا ہے تو اس کی دونوں پنڈلیوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دو سختیاں مراد ہیں ایک دنیا کے فراق وجدائی کی شدت وسختی مراد ہے اور دوسری آخرت کے آنے کی شدت وسختی مراد ہے' یہ دونوں سختیاں موت کے وقت میت سے مل جاتی ہیں' یہ معنی کی اس بناء پر ہے کہ "ساق" کا لفظ شدت وسختی کے معاملے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے دو غم مراد ہیں: ایک دنیا اور اولاد کی جدائی کا غم اور دوسرا واحد وبے نیاز خدا کی بارگاہ میں (جواب دہی کے خوف سے) حاضری کا غم ورنج۔

۳۰۔﴿ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف اس دن سب کو جانا ہوگا۔ یہ "سَاقَةٌ" کا مصدر ہے یعنی قیامت کے دن بندوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف یا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جانا ہوگا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً
فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ
ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۱۸

سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی O لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا O پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا O تیرے لیے خرابی ہو' سو تیرے لیے خرابی ہو O پھر تیرے لیے خرابی ہو' سو تیرے لیے خرابی ہو O کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا O کیا وہ منی کی ایک حقیر سی بوند نہیں تھا جسے (رحم میں) گرایا جاتا ہے O پھر وہ جمے ہوئے خون کا لوتھڑا ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا' پھر اس کو درست بنایا O پھر اس سے دو جوڑے مرد اور عورت کو بنایا O کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کر دے O

## انسان کی تکذیب و ہلاکت اور تخلیق کے بعد حشر کا بیان

۳۱'۳۲-﴿ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ﴾ سو اس نے رسول اکرم اور قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس نے نماز پڑھی اور یہاں تصدیق نہ کرنے اور نماز نہ پڑھنے والے شخص سے کافر انسان مراد ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں گزر چکا ہے ارشاد فرمایا: ''اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ'' کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہیں کریں گے ﴿ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴾ اور لیکن اس نے رسول کریم اور قرآن مجید کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا' یا یہ معنی ہے کہ اس نے اپنے مال میں سے صدقہ نہیں دیا یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور نہ نماز پڑھی لیکن اس نے زکوٰۃ اور نماز کو جھٹلایا اور ان کی ادائیگی سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا۔

۳۳-﴿ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ﴾ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا (یعنی) تکبر و غرور کی چال چلتا ہوا چلا گیا [یہ اصل میں ''یَتَمَطَّطُ'' تھا] ''اَیْ یَتَمَدَّدُ'' یعنی ہاتھ پاؤں کو دراز کر کے فخر و ناز سے مٹکتا ہوا چلا گیا کیونکہ تکبر سے اکڑ کر چلنے والا اپنے پاؤں کو کھینچ کر اور ہاتھوں کو آگے پیچھے مٹکا کر چلتا ہے [پھر آخری ''طا'' کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا کیونکہ تین حروف متماثل و متجانس جمع ہو گئے]۔

۳۴'۳۵-﴿ اَوْلٰی لَكَ ﴾ تیرے لیے خرابی ہو۔ یہ بہ معنی ''وَیْلٌ لَّكَ'' ہے یعنی تیرے لیے ہلاکت و تباہی ہو اور یہ کافر انسان پر دعائے ضرر ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ خرابی اس کے نزدیک کر دے جو اسے ناپسند و ناگوار ہو ﴿ فَاَوْلٰی ○ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ﴾ سو خرابی ہی ہو O پھر تیرے لیے خرابی ہو' سو خرابی ہی ہو۔ تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ تیرے لیے خرابی ہو' پس خرابی ہی ہو' پھر تیرے لیے خرابی ہو' پس خرابی ہی ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تیرے لیے موت کے دن خرابی ہو اور تیرے لیے قبر میں خرابی ہو اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت تیرے لیے خرابی ہو اور دوزخ کی آگ میں تیرے لیے خرابی ہو۔

۳۶-﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا (یعنی) کیا کافر یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ اسے کسی کام سے منع کیا جائے گا اور نہ اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور نہ اسے جزاء اور سزا دی جائے گی؟

۳۷-﴿ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ﴾ کیا وہ منی کا ایک حقیر سا قطرہ نہیں تھا جسے ٹپکایا جاتا ہے [ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یُمْنٰی'' پڑھا جاتا ہے] یعنی منی کو عورت کے رحم میں گرایا اور بہایا جاتا ہے [اور دیگر قراء نے ''تا'' کے ساتھ ''تُمْنٰی'' پڑھا ہے' اس صورت میں ضمیر ''نطفۃ'' کی طرف لوٹے گی]۔

۳۸-﴿ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً ﴾ پھر وہ خون کا لوتھڑا بن گیا یعنی چالیس دن کے بعد وہ منی جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا بن جاتی ہے ﴿ فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور درست بنایا (یعنی) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر و بدبودار منی سے مکمل اور درست انسان بنایا۔

۳۹-﴿ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے نر اور مادہ (مرد و زن) دو جوڑے بنائے یعنی دونوں صنفیں اور دونوں قسمیں اسی منی سے بنائیں۔

۴۰-﴿ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ﴾ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ (یعنی) کیا ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ اور حضور سیّد عالم ﷺ جب یہ

آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو ارشاد فرماتے: "سُبْحَانَکَ بَلٰی" [1] اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں کیوں نہیں! آپ ضرور قادر ہیں۔

| سورۃ الدھر مکی | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | آیاتہا ۳۱ رکوعاتہا ۲ |
|---|---|---|
| سورۃ الدھر مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی اکتیس آیات' دو رکوع ہیں |

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۱
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﳓ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا
بَصِیْرًا ۲ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۳ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ۴

بے شک زمانہ میں سے ایک ایسا وقت انسان پر آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا○ بے شک ہم نے انسان کو (مرد وزن کے) ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا کہ ہم اسے آزمائیں' سو ہم نے اس کو سننے والا (اور) دیکھنے والا بنایا○ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا وہ ناشکرا ہو○ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقیں اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے○

## انسان کی تخلیق اور ہدایت کا راستہ دیکھنے کے بعد مؤمن وکافر ہونے کا بیان

۱- ﴿هَلْ اَتٰى﴾ "قَدْ مَضٰى" بے شک گزر چکا ہے ["هَلْ"، "قَدْ" کے معنی میں ہے اور "اَتٰى"، "مَضٰى" کے معنی میں ہے] ﴿عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ انسان پر (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام پر ﴿حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ زمانے میں سے کچھ وقت (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے پہلے کا عرصہ اور وقت کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام چالیس سال تک صرف مجسمہ کی شکل میں بغیر روح کے رہے' پھر ان میں روح پھونکی گئی تھی ﴿لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾ قابل ذکر چیز نہیں تھے کیونکہ نہ ان کے اسم مبارک کا ذکر تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان سے کیا مراد ہے اور کیا مقصود ہے کیونکہ اس وقت صرف مٹی کا مجسمہ تھے جس پر اتنا عرصہ بیت گیا اور اگر اس وقت موجود نہ ہوتے تو ان کی یہ صفت بیان نہ کی جاتی کہ ان پر زمانہ میں سے ایک عرصہ گزر چکا ہے [اور "لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا" محلاً منصوب ہے کیونکہ "الْاِنْسَان" سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی انسان پر کچھ عرصہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ مذکور نہیں تھا]۔

۲- ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ بے شک ہم نے انسان کو (مخلوط نطفہ سے) پیدا کیا یعنی اولادِ آدم علیہ السلام اور بعض حضرات کا قول ہے: پہلے انسان سے بھی اولادِ آدم مراد ہے اور "حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ" کا مطلب اس قول کی بناء پر یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں جب تک رہا اس وقت تک غیر مذکور چیز تھا یہاں تک کہ ولادت کے بعد وہ لوگوں کے درمیان قابل ذکر چیز قرار پایا (کہ اس کا نام رکھا گیا جس سے پکارا جانے اور پہچانا جانے لگا) ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ (ہم

[1] رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۷

نے انسان کو) نر اور مادہ کے مخلوط نطفہ سے (پیدا کیا ہے) یعنی ہم نے اولادِ آدم کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا جس میں (مرد و زن کے) دو پانیوں کی آمیزش کی گئی ہے اور ''مشج'' اور ''مزج'' دونوں کا ایک معنی (ملانا) ہے [یہ ''نطفة'' کی نعت ہے یا اس سے بدل ہے اور یہ ''نطفة امشاج'' اس طرح ہے جس طرح ''بُرْمَة اعشار'' ''دسویں ہانڈی'' ہے سو یہ ''اَمْشَاج'' مفرد لفظ ہے جمع نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ مفرد ''نُطْفَةٍ'' کی صفت واقع ہو رہا ہے] ﴿نَّبْتَلِیْهِ﴾ ہم اس کو آزماتے ہیں [یہ ''خلقنا'' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو پیدا کیا اس حال میں کہ ہم اس کو آزمانے والے ہیں یعنی ہم اس کو امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے ذریعے آزمانا چاہتے ہیں ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا﴾ سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا ہے (یعنی) ہم نے اس کو کانوں سے سننے والا اور آنکھوں سے دیکھنے والا بنا دیا ہے۔

۳۔ ﴿اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ﴾ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا ہے (یعنی) ہم نے عقلی اور سمعی دلائل کے ذریعے اس کے لیے ہدایت کا راستہ واضح طور پر بیان کر دیا ہے ﴿اِمَّا شَاكِرًا﴾ خواہ وہ مسلمان ہو کر شکر ادا کرنے والا بن جائے ﴿وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ اور یا وہ کفر اختیار کر کے کافر و ناشکرا بن جائے [یہ دونوں ''هَدَیْنَاهُ'' کی ضمیر مفعول سے حال ہیں] یعنی اگر وہ چاہے تو شکر ادا کرے (اور مسلمان ہو جائے) یا وہ چاہے تو کفر اختیار کر لے' بے شک ہم نے اپنی طرف سے دونوں حالتوں میں اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیا (اختیار کرنا اور نہ کرنا اس کی اپنی مرضی ہے) [یا یہ دونوں ''اَلسَّبِیْلَ'' سے حال ہے] یعنی ہم نے اس کو راستے کی پہچان کرا دی ہے خواہ وہ سبیل شاکر اختیار کرے اور خواہ وہ سبیل کفور اختیار کرے [اور ''سبیل'' کو شکر اور کفر کے ساتھ موصوف کرنا مجاز ہے]۔

٤۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے دو گروہوں کا ذکر کیا تو ان دونوں کے ذکر کے بعد اب ان کے اس انجام کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے تیار کر رکھا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقیں اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے [''سَلَاسِلًا''، ''سلسلة'' کی جمع ہے اور اس کو حضرت حفص' ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور حمزہ کوفی نے بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء (یعنی نافع مدنی' علی کسائی' ابوبکر کوفی اور ہشام) نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ ''اَغْلَالًا'' اور ''سَعِیْرًا'' کے مناسب ہو جائے کیونکہ غیر منصرف کو مناسبت کی خاطر منصرف پڑھنا جائز ہے اور ''اغلال''، ''غل'' کی جمع ہے اور ''سعیر'' کا معنی بھڑکتی ہوئی اور شعلہ مارنے والی آگ ہے]۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَیْنًا
یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝٦ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ
یَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ۝۷ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ
مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝۹

بے شک نیک لوگ ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی○ وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے پئیں گے وہ اسے جہاں چاہیں گے لے جائیں گے○ وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیلی ہوئی ہے○ اور وہ اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں○ (اور وہ کہتے ہیں:) بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ○

## نیک لوگوں کے اوصاف وانعامات کا بیان

۵-۶۔﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک نیک لوگ پاکیزہ شراب کے جام بھر کر پئیں گے [''ابرار''، ''بِرٌّ'' کی یا ''بَـآرٌّ'' کی جمع ہے جیسے ''رب'' کی جمع ''ارباب'' اور ''شاھد'' کی جمع ''اشھاد'' ہے] اور یہ نیک لوگ وہی ہیں جو اپنے ایمان میں مخلص اور سچے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو مخلوقِ خدا کو ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچاتے اور نہ وہ اپنے دلوں میں کھوٹ اور برائی کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ ''كَـاْسٌ'' کا معنی ہے: شیشے کا پیالہ یا گلاس لیکن یہاں اس سے خود شراب مراد ہے جو پیالوں اور گلاسوں میں بھر کر پلائی جائے گی' سو ''خَـمْرٌ'' کو ''كَاْسٌ'' کا نام دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ''كَـاْسٌ'' سے وہ بلوری گلاس مراد ہے جس میں شراب انڈیل کر پلائی جاتی ہے ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴾ اس شراب طہور میں کافور کا پانی ملایا جائے گا' اور کافور جنت میں ایک چشمے کا نام ہے جس کا پانی کافور کی طرح سفید اور اس کی خوشبو کافور کی خوشبو کی طرح اور اس کا پانی کافور کی طرح سرد اور ٹھنڈا ہوگا ﴿ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ ﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے پانی پی کر سیراب ہوں گے [حرف ''بـا'' ''مِنْ'' کے معنی میں ہے یعنی ''مِنْهَا'' ہے یا یہ ''بـا'' زائدہ ہے یا پھر یہ معنی پر محمول ہے یعنی جنتی لوگ اس کے ذریعے لذت حاصل کریں گے یا اس کے ذریعے سیراب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے (''مِنْ كَاْسٍ'' میں) حرف ''مِنْ'' اور دوسرے میں حرف ''با'' اس لیے فرمایا کہ ان کے مشروب کے پینے کی ابتداء ''کاس'' (جام) سے ہوگی اور اس کی پہلی غرض ہوگی اور لیکن رہا چشمہ تو اس میں ان کی شراب کو مکس کیا جائے گا تو گویا فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس چشمہ سے شراب پئیں گے] ﴿ یُفَجِّرُوْنَهَا ﴾ وہ اس چشمہ کو اپنی منازل میں سے جس منزل میں لے جانا چاہیں گے لے جائیں گے ﴿ تَفْجِیْرًا ﴾ سہولت وآسانی کے ساتھ لے جائیں گے' ان پر کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں ہوگی۔

۷۔﴿ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ﴾ وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنے اوپر واجب ولازم کیا ہے۔ یہ اس سائل کے لیے جواب ہے جو ممکن ہے کہ سوال کرتے ہوئے کہے کہ انہیں یہ بلند مرتبہ کیونکر عطا کیا جاتا ہے اور واجبات کو زیادہ سے زیادہ خوب ادا کرنے کی وجہ سے ان کو نذر اور منت پوری کرنے کے ساتھ متصف کر کے ان کے وصف وفائے نذر میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ جو شخص اپنی اس نذر کو جسے اس نے اپنے آپ پر واجب ولازم کر لیا' اسے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پورا کرتا ہے تو وہ شخص اس نذر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب ولازم فرما دیا بطریق اولیٰ اور زیادہ بڑھ چڑھ کر پورا کرتا ہے ﴿ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ﴾ اور وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولنا کی پھیلی ہوئی ہے (یعنی) اس دن کے شدائد اور سختیاں اور ہولنا کیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ''مستطیر'' ''اِسْتَطَارَ الْفَجْرُ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے کہ فجر تمام اطراف میں پھیل گئی۔

۸۔﴿ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں یعنی وہ کھانے کی محبت اور اس کی خواہش وحاجت رکھنے کے باوجود کھانا کھلاتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ

کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ مسکین سے مراد وہ فقیر و محتاج ہے جو محنت مزدوری کرنے اور کمانے سے عاجز ہو' اور یتیم سے وہ نابالغ بچہ مراد ہے جس کا باپ نہ ہو' اور اسیر سے قیدی مراد ہے خواہ غلام ہو یا غلام نہ ہو۔

۹۔ پھر انہوں نے کھانا کھلانے کی علت اور سبب بیان کیا' چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾ بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے' یا ان کے دلوں میں پوشیدہ نیتوں اور ارادوں کا اظہار ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے تو ان کے اس عمل پر تعریف بیان فرمائی ہے اگرچہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا ﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً﴾ ہم تم سے کوئی صلہ اور بدلہ نہیں چاہتے نہ اس صدقہ پر تم سے کوئی ہدیہ چاہتے ہیں ﴿وَّلَا شُكُوْرًا﴾ اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں (یعنی) ہم اپنی تعریف نہیں چاہتے اور یہ شکر کی طرح مصدر ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

بے شک ہم اپنے پروردگار سے ایک ایسے دن کا خوف رکھتے ہیں جس میں بدنصیب بہت ترش رُو بگڑے ہوئے چہرے والے ہو جائیں گے ○ سو اللہ تعالیٰ ان (نیک لوگوں) کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور ان کو تروتازگی اور فرحت و شادمانی عطا فرمائے گا ○ اور انہوں نے جو صبر کیا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا ○ وہ اس میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ اس میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی ○ اور اس کے درختوں کے سائے ان پر جھک کر قریب آ جائیں گے اور اس کے پھل مسخر کر کے نیچے جھکا دیئے جائیں گے ○

۱۰۔ ﴿اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک ہم تم سے صرف اس لیے بدلہ اور صلہ کا مطالبہ نہیں کرتے کہ ہم صدقہ کا عوض اور بدلہ طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' سو اس لیے ہم اس کی خوشنودی اور رضا طلب کرنے کے لیے صدقہ و خیرات کرتے ہیں تاکہ ہم اس خوف و ڈر سے مامون و محفوظ ہو جائیں ﴿يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا﴾ سخت ترین اور بہت ترش رو دن۔ دراصل بدبخت لوگ تیوری چڑھا کر ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی اس صفت کے ساتھ دن ''یوم'' کو متصف کیا گیا جیسے ''نَهَارُكَ صَائِمٌ'' تیرا دن روزہ دار ہے' اور ''قمطریر'' کا معنی ہے: ترش رو ہونا اور یہ وہ تیوری ہے جو کسی ناگواری پر دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ ﴿فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا ﴿وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ فساق و فجار اور بدبختوں کی ترش روئی اور

تیوری کے بدلے ان نیک مسلمانوں کو چہروں میں حسن وخوبصورتی اور تروتازگی اوران کے دلوں میں فرحت وخوشی عطافرمائے گا۔

۱۲۔﴿ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایثار وقربانی کرنے پر صبر کرنے کی وجہ سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

شانِ نزول: یہ آیات مبارکہ حضرت علی مرتضیٰ' حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء اور ان کی لونڈی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئیں' کیونکہ جب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو انہوں نے تین دن روزہ رکھنے کی نذر (منت) مانی (تاکہ دونوں شہزادے شفاء یاب ہو جائیں)' پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے تین صاع جو بطورِ قرض ادھار لیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر روز ایک صاع جو پیستیں اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکاتیں' پھر یہ حضرات مسکین اور یتیم اور قیدی کو ترجیح دے کر کھانا انہیں پیش کر دیتے رہے اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر لیتے تھے[1]۔﴿ جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنت یعنی باغ عطا فرمائے گا جس میں اللہ تعالیٰ ہر قسم کے بہترین ہضم ہو جانے والے من پسند خوب کھانے عطا فرمائے گا۔

۱۳۔﴿ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ وہ اس جنت میں پلنگوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے [''مُتَّكِـِٕيْنَ'' (جَزَاهُمْ) میں ''هُمْ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے نیز ''اَرَآئِكِ'' ''اَرِيْكَة'' کی جمع ہے]﴿ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان حضرات کو خود حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم منت مانو تو صاحب زادے شفاء یاب ہو جائیں گے' چنانچہ ان حضرات نے ان کے صحت یاب ہو جانے پر تین روزوں کی نذر مانی اور اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت عطا فرمادی اور نذر کی وفا کا وقت آیا تو ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحب زادوں کی صحت کے شکرانے میں تین روزے رکھے' چنانچہ پہلے روز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع جو پیس کر کھانا پکایا اور افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سب کے سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا اور عرض کیا: اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں ایک مسکین مسلمان ہوں اور بھوکا ہوں' تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا کھلا دو' اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے' اور چونکہ خاتونِ جنت نے پانچ روٹیاں پکا کر ہر ایک کے سامنے ایک ایک روٹی رکھ دی تھی' اس لیے سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا' پھر دوسرے روز ایک سائل نے آ کر عرض کیا کہ اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں' میرا باپ عقبہ کے دن شہید ہو گیا تھا' برائے کرم تم مجھے کھانا کھلا دو' اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے' چنانچہ تمام صاحبان نے جو کھانا سامنے رکھا ہوا تھا اٹھا کر یتیم کو دے دیا اور خود پانی پی کر بھوکے سو گئے' پھر تیسرے روز حضرت خاتونِ جنت نے جو پیس کر کھانا تیار کیا اور شام کو تمام حضرات جمع ہوئے' کھانا سامنے رکھا' ابھی افطار کرنے والے ہی تھی کہ باہر سے آواز آئی کہ اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں تم مجھے کھانا کھلاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے' چنانچہ سب نے کھانا اٹھا کر قیدی کو دے دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا: اے خدا کے حبیب! اللہ تعالیٰ آپ کو اہل بیت کے بارے میں خوش گوار رکھے' یہ آیات مبارکہ لیجئے اور ان کو پڑھ کر سنا دیجئے۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان مترجم)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے اس روایت کو (بغیر کسی دلیل کے) موضوع قرار دیا ہے اور علامہ سیوطی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے (جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی) جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کا حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہجرت کے دو سال بعد ہوا تھا' میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اعتراض تو حضرت مقاتل کی روایت پر بھی وارد ہوتا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آیات ایک انصاری مرد کے حق میں نازل ہوئیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَلَا زَمْهَرِيرًا﴾ وہ اس جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی اور ٹھنڈ دیکھیں گے' کیونکہ اس میں سورج نہیں ہوگا اور نہ اس میں ٹھنڈ ہوگی بلکہ اس کا اپنا سایہ ہمیشہ رہے گا اور اس کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ سورج کی تپش ہوگی جو گرما سکے اور نہ سخت سردی ہوگی جو ایذاء پہنچا سکے اور حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ تو سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی ہوگی' پس ''زمھریر'' کا معنی ہے: سخت سردی اور بعض حضرات نے ''قمر'' پڑھا ہے یعنی جنت از خود روشن ہوگی' اس میں نہ سورج کی ضرورت ہوگی اور نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔

۱۴- ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا﴾ اور ان پر اس کے سائے نزدیک ہوں گے یعنی جنت کے درختوں کے سائے ان کے قریب ہوں گے [''وَدَانِيَةً'' کو ''جَنَّةً'' پر معطوف کیا گیا ہے] یعنی ایک اور دوسری جنت ہوگی جس کے درختوں کے سائے ان کے نزدیک ترین ہوں گے گویا ان نیک بندوں سے دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا'' میں ان حضرات کو خوفِ الٰہی کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝'' (الرحمٰن:۴۶) ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝'' ﴿وَذُلِّلَتْ﴾ اور اس کے پھلوں کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے کے لیے مسخر کر دیا جائے گا [اور یہ ''دَانِيَةً'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی جنت کے درختوں کے سائے اس حال میں ان کے نزدیک ہوں گے کہ اس کے پھل ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [یا یہ ''دَانِيَةً'' پر معطوف ہے] ''اَیْ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَمُذَلَّلَةً'' ﴿قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا﴾ یعنی ان پر جنت کے سائے نزدیک ترین ہوں گے اور اس کے پھل مسخر و تابع ہو کر ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [اور ''قُطُوْفٌ''، ''قِطْفٌ'' کی جمع ہے اور ''قِطْفٌ'' کا معنی ہے: پھل]۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیہما والوقف علی الاول بالالف و علی الثانی بغیر الالف ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس نے ایک دن میں مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا حالانکہ اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ آیات مدنی ہوں اور اسی طرح حضرت مجاہد اور حضرت عطاء کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت پر یہی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ اس میں منقول ہے کہ حضرت علی نے یہودی سے جَو لیے تھے کیونکہ یہودی صرف مدینہ منورہ میں متصور ہو سکتا ہے کیونکہ یہود مکہ میں نہیں تھے' بلکہ ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مدنی ہوں کیونکہ قیدی صرف مدینہ شریف میں ہوتے تھے' مکہ مکرمہ میں نہیں کیونکہ مکہ میں نہ جہاد تھا نہ قیدی ہوتے تھے' سو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس سورت کا بعض حصہ مدنی ہے (جو ہجرت کے بعد نازل ہوا) اور اگرچہ اس کا بعض حصہ مکی بھی ہے اور اگر اس پوری سورت کو صرف مکی قرار دیا جائے تو پھر ان آیات میں ہجرت کے بعد اہل بیت نبوت اور دیگر نیک مسلمانوں کے جود و سخا کے حال کی قبل از وقت غیب کی خبر بیان کی گئی ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۵۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

ان آیات کے اوّلین مصداق خاندانِ نبوت کے یہی حضرات ہیں' جن لوگوں نے ان نفوسِ قدسیہ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندانِ نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کو فوقیت دی' خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا' اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اوّلین مصداق یہی حضرات ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۴۵)

زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾

اوران پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کو گردش میں لایا جائے گا وہ شیشے کی مانند شفاف ہوں گے O یہ شیشے چاندی کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں مناسب وصحیح اندازہ پر رکھا ہوگا O اوران کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں ادرک کی ملاوٹ ہوگی O یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے O اور ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان پر چکر لگاتے رہیں گے' اور جب تم انہیں دیکھو گے تو تم انہیں بکھرے ہوئے موتی گمان کرو گے O

۱۵'۱٦ - ﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ﴾ اوران پر چاندی کے برتنوں کو بار بار گھمایا جائے گا یعنی جنت کے خدام نوجوان لڑکے شراب کے جام بھر کر جنتیوں کو پلانے کے لیے بار باران کا طواف کریں گے' اور ''انیة''، ''اِنَـآء'' کی جمع ہے اور یہ پانی کا ایک برتن ہے ﴿وَّاَكْوَابٍ﴾ اور کوزے اور آبخورے یعنی چاندی کے بڑے پیالے اور یہ ''کـوب'' کی جمع ہے اوراس کا معنی وہ لوٹا بھی ہوتا ہے جس کا دستہ نہیں ہوتا اوراسے چھاگل بھی کہتے ہیں ﴿كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ﴾ وہ برتن اور کوزے شیشے کی طرح شفاف ہوں گے [یہ ''کَانَ'' تامہ ہے یعنی جنت کے تمام برتن اللہ تعالیٰ کی تکوین وتخلیق سے شیشے کی طرح صاف وشفاف چمک دار ہوں گے ''قواریرا''، ''کانت'' کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہورہا ہے] ﴿قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ﴾ وہ شیشے چاندی کے ہوں گے یعنی وہ چاندی سے تیار کیے ہوئے ہوں گے' سواس لیے وہ تمام برتن چاندی اور شیشے کی خوبیوں کے جامع ہوں گے' چنانچہ وہ چاندی کی طرح سفید ونرم اور حسین وچمک دار بھی ہوں گے اور شیشے کی طرح صاف وشفاف بھی ہوں گے' یہاں تک کہ اس کے اندر کی شراب کو اس کے باہر سے دیکھا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر زمین کا شیشہ اس کی مٹی اور ریت سے تیار کیا جاتا ہے لیکن جنت کی سرزمین کا شیشہ چاندی سے تیار کردہ ہوگا [نافع مدنی' علی کسائی اور امام عاصم نے اور ایک روایت کے مطابق ابوبکر کوفی نے بھی دونوں کو تنوین کے ساتھ ''قَوَارِيْرًا O قَوَارِيْرًا'' پڑھا ہے جب کہ حمزہ کوفی' ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری اور حضرت حفص نے دونوں کو بغیر تنوین کے ''قَوَارِيْرَا O قَوَارِيْرَا'' پڑھا ہے اور ابن کثیر مکی نے پہلے کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے' سو پہلے ''قواریرا'' میں تنوین سابق و لاحق آیات کی مناسبت کی وجہ سے پڑھی گئی ہے اور دوسرے ''قـواریـرا'' پر وقف کرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے لیکن یہ قول قابل وثوق نہیں کیونکہ دوسرا پہلے سے بدل واقع ہورہا ہے] ﴿قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا﴾ وہ ان کو ٹھیک ٹھیک مخصوص اندازے پر رکھیں گے [یہ ''قواریر''، ''من فضة'' کی صفت ہے] یعنی جنت والے ان برتنوں کو مخصوص شکلوں اور مخصوص مقداروں پر اور ٹھیک اندازوں پر رکھیں گے' پھر وہ نیک لوگوں کی تعظیم وتکریم کے لیے اسی طرح پیش کیے جائیں گے جس طرح مخصوص مقداروں اور اندازوں پر رکھے گئے یا یہ معنی ہے کہ شراب پلانے والے خدام ان برتنوں کو پینے والے جنتی حضرات کی حسب خواہش ان ہی کے اندازوں پر رکھیں گے' پس وہ اس طرح ان کے لیے لذیذ ومزے دار اوران پر زیادہ آسان ہوگی اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پاکیزہ شراب پینے والے جنتیوں کی حسب خواہش ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہوکر پینے کے اندازے کے مطابق ہوگی' نہ اس سے زائد ہوگی اور نہ اس سے کم ہوگی۔

۱۷'۱۸ - ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا﴾ اور انہیں اس میں پیالے بھر کر پلائے جائیں گے یعنی نیک لوگوں کو جنت

میں پاکیزہ شراب کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴾ اس (شراب) میں ادرک کی آمیزش ہوگی ﴿ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴾ جنت میں یہ ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے'اس چشمہ کا نام ''زنجبیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ادرک کا ذائقہ ہوگا اور عرب کے لوگ اس مشروب کو لذیذ ومزے دار اور عمدہ قرار دیتے ہیں جس میں ادرک ملایا جائے اور اس چشمہ کا نام ''سلسبیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ادرک کی آمیزش والا مشروب حلق میں جلد اُتر جاتا ہے اور بڑی سہولت کے ساتھ پیا جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''مَآءٌ سَلْسَبِيْلٌ'' یعنی شیریں ومیٹھا اور عمدہ و پاکیزہ ترین پانی۔

۱۹۔﴿ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ ﴾ اور نوخیز لڑکے ان کے لیے گردش کرتے رہیں گے (یعنی) ایسے نوخیز لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیدا کرے گا' وہ ان کی خدمت کے لیے متحرک وچست ہوکر ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے یا یہ کہ کفار کے لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کی خدمت کرنے کے لیے مقرر فرمائے گا' وہ ان کے آس پاس خدمت کے لیے پھرتے رہیں گے ﴿ مُخَلَّدُونَ ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ اہل جنت کی خدمت کرتے رہیں گے' انہیں جنت میں موت نہیں آئے گی ﴿ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا ﴾ (اے مخاطب!) جب تم ان کے حسن و جمال کو اور ان کے رنگ وروپ کی صفائی اور شفاف پن کو اور اہل جنت کی مجلس میں ان کی خدمت کرنے کے لیے ان کو چستی اور تیز رفتاری کے ساتھ متحرک آتا جاتا دیکھو گے تو تم ان کو بکھرے ہوئے موتی خیال کرو گے اور بکھرنے کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ منظوم کی بجائے ''منثور'' (بکھرے ہوئے) موتی زیادہ خوب صورت نظر آتے ہیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع

اور جب تم وہاں دیکھو گے تو تم بے شمار نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے O ان پر باریک سبز ریشم اور موٹے ریشم کے لباس ہوں گے' اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے' اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا O بے شک یہ تمہارے لیے صلہ ہے اور تمہاری محنت و کوشش مقبول ہوگئی ہے O

۲۰۔﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴾ اور جب تم وہاں (جنت میں) نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تم کثیر نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے [''رَأَيْتَ'' کا نہ ظاہری کوئی مفعول ہے اور نہ کوئی مقدر مفعول ہے اور ''ثَمَّ'' ثاء پر زبر ہے زیر نہیں ہے' اسم ظرف ہے' اس سے جنت مراد ہے اور مفعول کو اس لیے مخصوص نہیں کیا گیا تا کہ ''رَأَيْتَ'' ہر دکھائی دینے والی چیز کے لیے عام ہو جائے] یعنی جب تم جنت میں اس کی نعمتیں دیکھنے کے لیے جدھر نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تمہیں ہر طرف حدنگاہ تک بے شمار نعمتیں نظر آئیں گی اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے۔

مروی ہے کہ ادنیٰ جنتی کا مرتبہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی سلطنت میں ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا اور وہ سب سے زیادہ دور دور جگہ کو بھی ایسے دیکھے گا جیسے اپنے قریب ترین جگہ کو دیکھتا ہوگا[1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جنتیوں کو ایسی

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۶۴' الترمذی رقم الحدیث:۲۵۵۶

مملکت ملے گی جس کے بعد کبھی ہلاکت وفنا نہیں ہوگی یا یہ کہ جنت میں انہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے یا یہ بھی ہوگا کہ فرشتے ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں گے اور ان پر سلام بھیجیں گے۔

۲۱-﴿عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ﴾ ان کے جسموں پر باریک ریشم کا لباس ہوگا یعنی اہل جنت کا جسمانی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور ''سندس'' کا معنی ہے: ریشم کا باریک کپڑا [''یَطُوْفُ''، ''عَلَیْهِمْ'' کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر ''عَالِیَهُمْ'' منصوب ہے یعنی اہل جنت حضرات کے پاس نوخیز لڑکے گردش کرتے ہوں گے جب کہ ان جنتیوں کے جسموں پر جن پر خدام لڑکے طواف کریں گے بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور نافع مدنی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں سکون کے ساتھ ''عَالِیْهِمْ'' پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''ثِیَابُ سُنْدُسٍ'' ہے یعنی ان کے بدن پر بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا] ﴿خُضْرٌ﴾ سبز رنگ کا لباس ہوگا [''خُضْرٌ''، ''اَخْضَرُ'' کی جمع ہے] جس کا معنی سبز رنگ ہے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ اور موٹے ریشم کا لباس [امام حفص اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ان دونوں (''خُضْرٌ'' اور ''اِسْتَبْرَقٌ'') کو ''ثِیَابُ'' پر محمول کر کے مرفوع پڑھا جاتا ہے اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ان دونوں کو ''سُنْدُسٍ'' پر محمول کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں پہلے کو مرفوع اور دوسرے کو مجرور یا اس کے برعکس پڑھا جاتا ہے] ﴿وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ اور ان (جنتیوں) کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سورۂ ملائکہ میں ارشاد ہے: ''یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا'' (فاطر: ۳۳) ''ان کو جنت میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے'' حضرت ابن مسیب نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ہر ایک جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا کنگن اور دوسرا سونے کا کنگن اور تیسرا موتی کا کنگن ہوگا ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ اور ان کو ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا اور شراب طہور کی نسبت واضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص وتعظیم کے لیے ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب جنتیوں کو فرشتے شراب پیش کریں گے تو وہ ان سے شراب قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور وہ کہیں گے: واسطوں سے لینا بہت طویل ہو گیا ہے تو اچانک غیب سے بغیر کسی بندے کے ہاتھوں کے ان کے مونہوں سے پاکیزہ شراب کے بھرے ہوئے جام لگا دیئے جائیں گے' جنت کی شراب پاک صاف ہوگی' دنیا کی شراب کی طرح نجس وناپاک نہیں ہوگی کیونکہ دنیا کی شراب شریعت کی بناء پر نجس وپلید ہے' عقل کے اعتبار سے نہیں اور مکلف ہونے کی ذمہ داری بھی نہیں ہو گی یا وہ اس لیے پاک وطاہر ہوگی کہ اسے نچوڑا نہیں جائے گا نہ اسے ہاتھوں کی میل کچیل لگے گی اور نہ پاؤں کی گندگی پہنچے گی۔

۲۲-﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ بے شک یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش ومحنت مقبول ہوگئی ہے۔ جب جنتی حضرات جنت میں داخل ہوں گے اور نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت ان سے کہا جائے گا: بے شک یہ تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں اور یہ تمام نعمتیں تمہارے اعمال حسنہ کا صلہ اور بدلہ ہیں اور تمہاری محنت وکوشش ہمارے ہاں قابل ستائش اور مقبول وپسندیدہ قرار پائی ہے کیونکہ تم نے مسکین ونادار اور یتیم اور قیدی سے کہا تھا کہ ہم صدقہ وخیرات دینے پر تم سے نہ بدلہ وصلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ

الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَہٗ وَسَبِّحۡہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ وَیَذَرُوۡنَ وَرَآءَہُمۡ یَوۡمًا ثَقِیۡلًا ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہےO سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے اور آپ ان (کفار) میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجئےO اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر صبح وشام کیجئےO اور رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کیجئے اور رات کے طویل حصہ تک اس کی تسبیح بیان کیجئےO بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پسِ پشت ڈال دیتے ہیںO

## نزولِ قرآن اور کفار کی اطاعت نہ کرنے اور ذکر الٰہی کرنے کی تاکید

۲۳'۲۴- ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا﴾ بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ ضمیر متکلم کو "اِنَّ" کا اسم واقع کرنے کے بعد مکرر اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس کا تکرار قرآنِ مجید کے نزول کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے کے معنی کی تاکید در تاکید پر دلالت کرتا رہے' نیز تا کہ یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں مستحکم ومضبوط ہو جائے کہ جب اس قرآن مجید کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کا بہ تدریج حسب ضرورت نازل کیا جانا ضرور کسی حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اور ایک حکمت صبر کرنے کا حکم دینا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ﴾ سو (اے محبوب!) توحید ورسالت کی تبلیغ پر اور کفار کی اذیتوں کو برداشت کرنے پر' نیز اہل مکہ میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد کی تاخیر پر آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے ﴿وَلَا تُطِعۡ مِنۡہُمۡ﴾ اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے (یعنی) فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی کی تاخیر کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غمگین وبے چین ہو جانے پر کفار میں سے کسی گناہ گار اور ناشکرے کی اطاعت سے منع کر دیا گیا ہے ﴿اٰثِمًا﴾ گناہ گار جو ایسے کام کا مرتکب ہو جو بہ ذاتِ خود گناہ ہو اور وہ آپ کو اس گناہ کی طرف بلانے والا ہو ﴿اَوۡ کَفُوۡرًا﴾ یا ناشکرا جو ایسے کام کرنے والا ہو جو موجب کفر ہوں اور آپ کو اس کفر کی طرف بلانے والا ہو' اس لیے کہ کفار یا تو آپ کو اپنی مدد کے لیے ایسے فعل کی طرف بلاتے جو گناہ یا پھر کفر ہوتا یا وہ فعل نہ تو گناہ ہوتا اور نہ وہ کفر ہوتا' سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے دو کاموں سے روکا گیا ہے تیسرے سے نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "اٰثِم" (گناہ گار) سے عتبہ مراد ہے کیونکہ یہ شخص گناہ اور فسق وفجور کا ارتکاب کرتا تھا اور "کفور" (ناشکرے) سے ولید مراد ہے کیونکہ وہ کفر وانکار کرنے میں بہت غلو اور اصرار کرتا تھا اور ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے ہر گناہ گار وبدکردار اور ہر کافر ومنکر اور ناشکرا مراد ہے یعنی اے محبوب! آپ ان دونوں قسم کے افراد میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے اور جب ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین شخص کی اطاعت سے عمومی طور پر منع کیا گیا ہے تو ان دونوں کی اکٹھے اطاعت کرنے سے اور ان دونوں کی الگ الگ اطاعت کرنے سے یقیناً منع کیا گیا ہے اور اگر "اَوۡ" کی بجائے واؤ کے ساتھ "اٰثِمًا وَّ کَفُوۡرًا" ہوتا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی اطاعت جائز ہو جاتی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے تو اس صورت میں ان دونوں کی اطاعت ممنوع ہوتی لیکن کسی ایک کی اطاعت ممنوع نہ ہوتی اور بعض کا قول ہے کہ "اَوۡ" بہ معنی "وَلَا" ہے "اَیۡ وَلَا تُطِعۡ اٰثِمًا وَّلَا کَفُوۡرًا" یعنی آپ نہ تو گناہ گار کی اطاعت کریں اور نہ ناشکرے کی۔

۲۵- ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے لیے نماز قائم کرتے رہیں ﴿بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ صبح و شام یعنی فجر کی نماز اور ظہر و عصر کی نمازیں قائم کریں۔

۲٦- ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ﴾ اور آپ رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کرتے رہیں (یعنی) اور رات کے بعض حصہ میں آپ اپنے رب تعالیٰ کے لیے مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے رہیں ﴿وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا﴾ اور آپ اس (اللہ تعالیٰ) کی رات کے طویل حصہ تک تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ اس کے لیے رات کے طویل حصہ تک نمازِ تہجد ادا کرتے رہیے' رات کے دو تہائی حصہ یا رات کے نصف حصہ یا رات کے ایک تہائی حصہ میں نماز تہجد ادا کیجئے۔

۲۷- ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (یعنی دنیا) کو پسند کرتے ہیں یعنی کفارِ مکہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرتے ہیں ﴿وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾ اور وہ ایک سخت بھاری دن کو اپنے سامنے چھوڑ دیتے ہیں یا وہ لوگ اس کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اور وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کی سختیاں کفار پر بہت سخت بھاری ہوں گی۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

ع ۲

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی تخلیق کو مضبوط بنایا اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے ان جیسے اور لوگ لے آئیں گے O بے شک یہ نصیحت ہے' سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے O اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے O وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے' اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۲۸- ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ﴾ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی خلقت کو مضبوط بنایا۔ ''شَدَدْنَا'' بہ معنی ''اَحْكَمْنَا'' ہے اور ''اَسْرَهُمْ'' بہ معنی ''خَلْقَهُمْ'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور فراء سے یہی مروی ہے ﴿وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا﴾ اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے انہیں جیسے اور لے آئیں گے یعنی جب ہم ان کو ہلاک کرنا چاہیں گے تو ہم ان کو ہلاک کر دیں گے اور ہم ان کے بدلے خلقت میں انہیں جیسے اور لوگ لے آئیں گے جو اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے۔

۲۹- ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ﴾ بے شک یہ سورت سراسر نصیحت ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ سو جو شخص اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ اس کی عبادت اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہوئے اس کی راہ

اختیار کر لے۔

۳۰-﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی راہ کو اپنانا نہیں چاہ سکتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے اور اللہ تعالیٰ اسی کو چاہتا ہے جس کے بارے میں وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اس کی راہ کو اختیار کرلے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں عموم ہے' وہ اطاعت و نافرمانی اور کفر و ایمان سب کو شامل ہے' سو یہ آیت مبارکہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف ہمارے لیے مضبوط دلیل ہے کہ خیر و شر سب افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَمَا يَشَآءُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' ظرف کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے جو ان سے رونما ہوتے ہیں ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت و مصلحت والا ہے' وہ اپنے تمام اقوال اور تمام افعال میں مصیب و درست اور صحیح ہے' اس کا ہر قول و فعل حکمت و دانائی اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۳۱-﴿يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت میں داخل کر دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی جنت میں داخل فرمائے گا کیونکہ جنت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے حاصل ہوگی (نیک اعمال حصولِ رحمت کا سبب ہیں) اور یہ کلام مبارک معتزلہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو جنت میں داخل کرنا چاہا ہے کیونکہ اس نے سب کا ایمان چاہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دے دی ہے کہ وہ جسے چاہے گا اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور یہ وہی ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا ﴿وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے یعنی کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جس طرح اس نے وعدہ فرمایا ہے اسی طرح پورا فرمائے گا کیونکہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی بجائے بتوں وغیرہ کی عبادت اختیار کر کے عبادت کو غیر موزوں جگہ میں استعمال کیا [''وَالظّٰلِمِيْنَ'' اپنے ماقبل فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل ''اَعَدَّ'' کر رہا ہے]۔

| آیاتها ۵۰ (۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۳۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | ركوعاتها ۲ |
|---|---|---|

سورۃ المرسلٰت مکی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی پچاس آیات' دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝١١ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝١٢ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٥

نیکی (کے احکام) کے ساتھ بھیجے گئے فرشتوں کی قسم! ○ پھر آندھی کی طرح تیزی سے آنے جانے والے فرشتوں کی

قسم!O اور (وحی کے ساتھ) پروں کو پھیلا کر اترنے والے فرشتوں کی قسم!O پھر حق اور باطل میں فرق کرنے والے فرشتوں کی قسم!O پھر (نبیوں پر) ذکر القاء کرنے والے فرشتوں کی قسم!O حجت قائم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیےO بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہوگیO سو جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گےO اور جب آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گاO اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گےO اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گاO کس دن کے لیے تاخیر کی گئیO فیصلے کے دن کے لیےO اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہےO اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہےO

## فرشتوں کی قسمیں اٹھا کر قیامت کے ہولناک منظر اور مجرموں کی ہلاکت کا بیان

۱ تا ۷ - ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاO فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاO وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًاO فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاO فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًاO عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے مختلف گروہوں کی قسمیں اٹھائیں جن کو اس نے اپنے احکام دے کر روانہ فرمایا' سو وہ بجا آوری کے لیے تیز آندھی کی طرح چلتے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو وحی لے کر اترتے وقت فضاء میں اپنے پَروں کو پھیلا دیتے تھے یا وہ زمین پر خدائی احکام نشر کرتے ہیں یا وہ کفر و جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو وحی کے ذریعے متحرک و زندہ کرتے ہیں اور وہ حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں' سو انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف ذکر الٰہی القاء کیا' اہل حق کے لیے حجت کو پورا کرنے اور اہل باطل کو ڈرانے کے لیے' یا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تو عذاب کی ہواؤں کی قسم فرمائی جنہیں اس نے کفار کی ہلاکت کی طرف بھیجا اور وہ تیز آندھی بن کر ان پر برس پڑیں اور دوسرا رحمت کی ہواؤں کی قسم فرمائی جو فضاء میں بادلوں کو پھیلا دیتی ہیں اور انہیں مختلف ٹکڑیوں میں جدا کر دیتی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا'' (الروم:۴۸) ''اور اللہ تعالیٰ اس بادل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے'' چنانچہ وہ ہوائیں ذکر کا القاء کرتی ہیں یا تو ان لوگوں کے لیے حجت پوری کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کر کے معذرت پیش کرتے ہیں' جب وہ بارش میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا پھر یہ ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے جو شکر ادا نہیں کرتے اور وہ اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہواؤں کو ذکر القاء کرنے والیاں صرف سبب کے اعتبار سے قرار دیا گیا ہے [''عُرْفًا'' حال ہے] یعنی فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے متصل اور ساتھ ساتھ بھیجے جاتے ہیں جیسے گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں [یا ''عُرْفًا'' مفعول لہ ہے] یعنی وہ فرشتے نیکی اور بھلائی بتانے کے لیے لگاتار بھیجے جاتے ہیں [اور ''عَصْفًا'' اور ''نَشْرًا'' دونوں مصدر ہیں اور ''عُذْرًا اَوْ نُذْرًا'' بھی دونوں مصدر ہیں اور ابوعمرو اور کوفی قراء ماسوا ابوبکر کوفی کے اور حماد کی قراءت میں ذال ساکن ہے اور ''عُذْرًا''، ''عَذَرَ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی بُرائی کو مٹانا ہے اور ''نُذْرًا''، ''اَنْذَرَ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوف دلانا اور ڈرانا ہے' یہ دونوں ''فُعْلٌ'' کے وزن پر ہیں جیسے ''كُفْرٌ'' اور ''شُكْرٌ'' ہے اور ''ذِكْرًا'' سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہیں یا پھر دونوں مفعول لہ ہیں] ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی) بے شک جس قیامت کے دن کے آنے کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿لَوَاقِعٌ﴾ وہ ضرور واقع ہوگی' اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے اور یہاں وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جواب قسم کے ساتھ متصل ہے]۔

۸- ﴿فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ﴾ سو جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے یا ان کا نور ختم کر دیا جائے گا (تو قیامت کا دن

واقع ہو جائے گا)[اور ''فَاِذَا'' کا جواب محذوف ہے اور اس کا عامل اس کا جواب ہے اور وہ فیصلے کے دن کا واقع ہونا مراد ہے اور اسی طرح ''اَلنُّجُوْمُ'' ایسے فعل کا فاعل مراد ہے جو خود محذوف ہے اور اس کی ''طُمِسَتْ'' مذکور فعل تفسیر کر رہا ہے]۔

۹-﴿وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ﴾ اور جب آسمان میں شگاف ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جانے کی وجہ سے کھل جائے گا اور اس میں جگہ جگہ دروازے بن جائیں گے۔

۱۰-﴿وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ اور جب پہاڑوں کو اپنی اصل جگہوں سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور انہیں غبار کی طرح فضا میں بکھیر دیا جائے گا۔

۱۱-﴿وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ﴾ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گا [یعنی اصل میں ''وُقِّتَتْ'' ہے جیسا کہ ابو عمرو بصری کی قراءت میں ہے' پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے] اور ''توقیتِ رسل'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ مقررہ وقت ظاہر ہو جائے گا جس میں انہیں اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

۱۲-﴿لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ﴾ کس دن کے لیے تاخیر کی گئی اور کس دن کے لیے مہلت دی گئی' اور اس آیت مبارکہ میں قیامت کے دن کی عظمت و بڑائی بیان کی گئی ہے اور اس دن کے ہولناک' ہلاکت خیز اور خطرناک ہونے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور ''تَاجِیْلٌ''، ''اَجَلٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: مہلت دینا اور تاخیر کرنا' جیسے ''تَوْقِیْتٌ''، ''وقت'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: معین وقت۔

۱۳-﴿لِیَوْمِ الْفَصْلِ﴾ فیصلے کے دن کے لیے۔ یہ روزِ قیامت کی تاخیر کا بیان ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ ہوگا۔

۱۴-﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ﴾ اور اے انسان! تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے' اور یہ دوسرا تعجب ہے اور اس دن کے معاملے کی عظمت و بڑائی کا اظہار ہے کیونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک و خطرناک اور سخت دہشت ناک ہوگا اور اس دن بہت زیادہ خوف وڈر اور گھبراہٹ و پریشانی ہوگی۔

۱۵-﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت وتباہی ہوگی (یعنی) اس روز (قیامت) کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی [''وَیْلٌ'' مبتدا ہے اور اگرچہ یہ نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مصدر منصوب ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے لیکن اس کو نصب سے رفع کی طرف معدول (پھیرا) کیا گیا ہے تاکہ یہ جھٹلانے والوں کی ہلاکت کے ثبات ودوام کے معنی پر دلالت و رہنمائی کرے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''سَلَامٌ عَلَیْكُمْ'' (القصص:۵۵) اور ''یَوْمَئِذٍ'' اس کا ظرف ہے اور ''لِلْمُكَذِّبِیْنَ'' اس کی خبر ہے]۔

| |
|---|
| اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ |
| بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ |

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا○ پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے○ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

۱۶-﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا (یعنی) جھٹلانے والی گزشتہ قوموں کو (ہم

نے ہلاک کر دیا تھا)۔

۱۷۔ ﴿ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ﴾ پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں (کفارِ مکہ) کو ان کے پیچھے لگا دیں گے اور یہ ارشاد اہل مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے یعنی پھر ہم بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں سے انہیں کی طرح روّیہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جس طرح ہم نے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا کیونکہ کفارِ مکہ نے بھی اسی طرح جھٹلایا جس طرح پہلی قوموں نے جھٹلایا تھا [یہ آیت مبارکہ وقف کے بعد الگ مستقل جملہ مستانفہ ہے]۔

۱۸۔ ﴿كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں (یعنی) ہم اس ہلاکت خیز گرفت کی طرح ہر اس شخص کی گرفت کرتے ہیں جو جرم و گناہ کرتا ہے۔

۱۹۔ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہو گی کیونکہ ہم نے انہیں ڈر سنا دیا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى
قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا
رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا
اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا O پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا O ایک معلوم اندازے تک O پھر ہم نے اندازہ فرمایا، سو ہم بہت اچھا اندازہ فرمانے والے ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والا نہیں بنایا O مُردوں اور زندوں کو O اور ہم نے اس میں بلند و بالا پہاڑوں کو قائم فرمایا اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (کفار سے کہا جائے گا:) تم اس (دوزخ کی آگ) کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O تم تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو O نہ وہ سایا دینے والا ہوگا اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچائے گا O

## انسان کی تخلیق، زمین کے فوائد اور قیامت کی تکذیب کے انجام کا بیان

۲۰۔ ﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ اور وہ نطفہ ہے۔

۲۱۔ ﴿فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ﴾ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرار گاہ میں رکھا یعنی ہم نے اس حقیر پانی کو ایک ایسی جگہ میں رکھ دیا جس میں وہ محفوظ ہو گیا اور وہ جگہ بچہ دانی ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔

۲۲۔ ﴿اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک معلوم و معین اندازے تک یعنی اس کو وقت کی ایک معلوم و مقرر مقدار تک مؤخر کیا گیا

ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی نے یہ فیصلہ کیا ہے اور وہ نو مہینے ہیں یا کچھ زیادہ یا کچھ کم۔

۲۳- ﴿ فَقَدَرۡنَا ﴾ سو ہم نے اسی مقررہ مدت تک اس کی تخلیق کو مقدر فرما دیا ﴿ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴾ سو ہم اس کے لیے سب سے اچھی تقدیر مقرر کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ سو ہم نے اس معلوم ومعین اور مقرر مدت پر اس کی تخلیق کا اندازہ مقرر فرما دیا ہے پس ہم اس کا سب سے بہتر اندازہ مقدر فرمانے والے ہیں [پہلا معنی حضرت نافع مدنی کی قراءت کے مطابق ہے جب کہ قاری علی کسائی نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ''مِنۡ نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ'' (عبس:۱۹)]۔

۲۴- ﴿ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴾ فطرت وتخلیق کی نعمت کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن بڑی ہلاکت وتباہی ہے۔

۲۶٬۲۵- ﴿ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا ۙ اَحۡیَآءً وَّاَمۡوَاتًا ﴾ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والا نہیں بنایا۔ یہ ''کَفَتَ الشَّیْء'' سے ماخوذ ہے جب کسی چیز کو ملایا جائے اور جمع کیا جائے تو اس وقت یہ بولا جاتا ہے اور یہ جمع کردہ چیز کا نام ہے جیسے ''ضمام'' اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو جمع کیا جائے [اور اسی کی وجہ سے ''اَحۡیَآءً وَّاَمۡوَاتًا'' منصوب ہیں گویا کہا گیا کہ زمین زندوں اور مُردوں کو جمع کر کے رکھنے والی ہے یا پھر یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہیں جس پر ''کِفَاتًا'' دلالت ورہنمائی کر رہا ہے اور وہ فعل ''تَکۡفِتُ'' ہے] یعنی یہ زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مُردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کر کے رکھتی ہے [اور ان دونوں کو نکرہ صرف ان کی تعظیم وبڑائی کے لیے لایا گیا ہے] یعنی یہ زمین اپنی پشت پر اتنے زیادہ زندوں کو جمع رکھتی ہے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور اپنے پیٹ میں اتنے زیادہ مُردوں کو جمع رکھتی ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۸٬۲۷- ﴿ وَّجَعَلۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ ﴾ اور ہم نے اس میں ثابت وجامد پہاڑوں کو قائم کر دیا ہے۔ ''رواسی'' بہ معنی ''جِبَالًا ثَوَابِتَ'' ہے یعنی ایک جگہ پر جم کر کھڑے رہنے والے پہاڑ ﴿ شٰمِخٰتٍ ﴾ ''عَالِیَاتٍ'' یعنی بہت اونچے اور بلند وبالا پہاڑ ﴿ وَّاَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴾ اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ ''فُرَاتًا'' کا معنی ہے: میٹھا اور شیریں پانی (یعنی نمکین وکھارا پانی نہیں) ﴿ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴾ ان نعمتوں کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت وتباہی ہے۔

۲۹- ﴿ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴾ تم اس چیز کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے یعنی قیامت کے دن کافروں کو کہا جائے گا کہ تم اس آگ کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

۳۰- ﴿ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ﴾ تم سائے کی طرف چلو یعنی دوزخ کی آگ کے سائے کی طرف چلو [اور ''اِنۡطَلِقُوۡا'' کا تکرار تاکید کے لیے ہے] ﴿ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴾ تین شاخوں والے دراصل دھواں بہت زیادہ بڑا ہونے کی بناء پر تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اسی طرح بہت بڑا دھواں ہمیشہ تین حصوں میں الگ الگ ہو کر (پہاڑوں کی طرح) اٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔

۳۱- ﴿ لَّا ظَلِیۡلٍ ﴾ وہ سایا نہیں دے گا یعنی دوزخ کی آگ کی حرارت وگرمی اور اس دن کی گرمی سے بچاؤ کے لیے وہ دھواں سایا کا کام نہیں دے گا ﴿ وَّلَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴾ اور نہ وہ آگ کی لپٹ (شعلے) سے بچائے گا یعنی وہ سائبان نما دھواں دوزخیوں کو دوزخ کی آگ کے شعلوں اور لپٹوں سے بچاؤ کے لیے کچھ فائدہ نہیں دے گا [یہ محلاً مجرور ہے]۔

اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝۳۲ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝۳۳ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۴ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۳۵ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝۳۶

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۷ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸

ع ۴۰/۲۱ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝۳۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۰

بے شک وہ (آگ) بلند و بالا محل کی طرح بڑی بڑی چنگاریاں پھینکتی ہوگی O گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ وہ دن ہے جس میں وہ بول نہیں سکیں گے O اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کر سکیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلے کا دن ہے جس میں ہم نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے O پھر اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو تم اسے میرے خلاف چلا لو O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

---

۳۲ تا ۳۴- ﴿اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ﴾ بے شک وہ یعنی بے شک وہ آگ چنگاریاں پھینکتی رہے گی۔ ''شرر'' کا معنی ہے: وہ چنگاریاں جو ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی آگ سے نکل کر اِدھر اُدھر اوپر نیچے ہر طرف اُڑتی پھرتی ہیں ﴿كَالْقَصْرِ﴾ وہ چنگاریاں بلندی اور بڑائی میں اونچے محل کی طرح ہوں گی اور بعض حضرات نے کہا: ''اَلْقَصَر'' سے درختوں کی موٹی موٹی اور بڑی بڑی لکڑیاں مراد ہیں (جن کو تین تین ہاتھ یا کم و بیش کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لیے دھوپ میں رکھ دیتے ہیں پھر بوقت ضرورت باریک چیر کر یا کاٹ کر آگ میں جلاتے ہیں یا پھر بالے بنا کر چھتوں میں استعمال کرتے ہیں) اور اس کا واحد ''قَصَرَةٌ'' ہے ﴿كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ﴾ گویا وہ اونٹ ہیں [ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''جِمَالَةٌ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''جَمَلٌ'' کی جمع ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''جِمَالَاتٌ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ جمع الجمع ہے] ﴿صُفْرٌ﴾ [یہ ''اَصْفَر'' کی جمع ہے] یعنی زردی مائل سیاہ اونٹ، یاد رہے کہ چنگاریوں کو بڑا ہونے میں اور بلند و بالا ہونے میں اونچے محلات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور رنگ میں اور لمبائی میں، نیز بڑا ہونے میں اونٹوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ دوزخ کی آگ کی اس صفت کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۵- ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ یہ وہ دن ہے جس میں وہ لوگ بول نہیں سکیں گے [اور ''یَوْم'' کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے] ''اَیْ هٰذَا الَّذِیْ قُصَّ عَلَیْكُمْ وَاقِعٌ یَوْمَئِذٍ'' یعنی یہ جو کچھ تم پر بیان کیا گیا ہے اس دن وقوع پذیر ہوگا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ اور درج ذیل آیت مبارکہ ''ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ O'' (الزمر: ۳۱) ''بے شک قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے O'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس دن مختلف مواقف و مواقع ہوں گے، بعض جگہ وہ لوگ جھگڑا کریں گے اور بعض جگہ وہ نہیں بول سکیں گے یا پھر یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اس دن مفید اور نفع بخش بات نہیں کر سکیں گے، سو اس لیے ان کے بولنے کو نہ بولنے کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

۳۶، ۳۷۔ ﴿ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ ﴾ اور ان کو معذرت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ﴿ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴾ کہ وہ معذرت پیش کر سکیں [اور اس کا ''یؤذن'' پر عطف ہے اور یہ بھی نفی کے تحت داخل ہے] یعنی نہ ان کو اجازت ملے گی اور نہ اس کے بعد معذرت ہو گی ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اس دن اس روزِ قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۸ تا ۴۰۔ ﴿ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴾ یہ جزاء کے اعتبار سے حق پرستوں اور باطل پرستوں اور نیکوں اور بُروں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے ﴿ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴾ اے (سیّد عالم حضرت) محمد عربی ﷺ کے جھٹلانے والو! ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو جمع کر لیا ہے ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ ﴾ سو اگر تمہارے پاس عذاب آخرت کو دور کرنے کے لیے کوئی چال ہے ﴿ فَكِيْدُوْنِ ﴾ تو تم اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑانے کے لیے وہ چال میرے خلاف چلا لو [''کید'' متعدی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''کِدْتُ فُلَانًا'' میں نے فلاں کے خلاف سازش کی' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کے خلاف سازش کی جاتی ہے] ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اس دن حشر و نشر کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

بے شک پرہیزگار حضرات سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ اور ایسے لذیذ پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ چاہیں گے ○ (انہیں کہا جائے گا) کہ تم خوب خوش ہو کر کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے صلے میں جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے ○ بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت و تباہی ہے ○ تم (دنیا میں) تھوڑے عرصہ تک کھاؤ اور پیو بے شک تم مجرم ہو ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے ○

## نیکوکاروں کے نیک اور بدکاروں کے بُرے انجام کا بیان

۴۱، ۴۲۔ ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے عذاب سے بچنے والے حضرات جنت میں جاری و ساری اور بہتے ہوئے چشموں اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں ایسے پھلوں سے لطف اندوز ہوں گے جن کو وہ خود چاہیں گے یعنی لذیذ و مزے دار اور دل پسند' جیسے

من بھاتے پھلوں سے محظوظ ہوں گے [''ظِلَال''، ''ظِلٌّ'' کی جمع ہے]۔

۴۳-﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا ﴾ تم خوب پیٹ بھر کر ہاضمے دار خوشگوار کھاؤ اور پیو [یہ کلام ظرف ''فی ظلال'' میں متقین کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے محلاً حال واقع ہو رہا ہے ''اَیْ هُمْ مُسْتَقِرُّوْنَ (فِیْ ظِلَالٍ) مَقُوْلًا لَهُمْ ذَالِكَ''] یعنی وہ لوگ (پرہیزگار) سایوں میں جب ٹھہرائے جائیں گے تو اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم خوب خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ان اعمال کے صلہ اور عوض میں جو تم دنیا میں بجالاتے تھے۔

۴۴-﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم نیکیاں کرنے والوں کو اسی طرح جزائے خیر عطا فرماتے ہیں؛ سو تم نیکیاں بجالاؤ تو تمہیں یہی جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۴۵-﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اس دن جنت اور اس کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۴۶-﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا ﴾ تم کھا پی لو اور دنیا کے مال ومتاع سے خوب فائدہ اٹھا لو [یہ ایک مستقل الگ کلام ہے جس کے ذریعہ دنیا میں ڈرانے کے لیے جھٹلانے والوں کو خطاب کیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O'' (فصلت: ۴۰) ''تم جو چاہو عمل کرو بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے O'' ﴿ قَلِيْلًا ﴾ تھوڑا سا کیونکہ دنیا کا تمام ساز وسامان (آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں) بہت تھوڑا ہے ﴿ اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ بے شک تم مجرم و گناہ گار اور تم کافر و مشرک ہو یعنی بے شک ہر مجرم و نافرمان دنیا میں کچھ عرصہ تک کھاتا پیتا اور دنیا کے مال و دولت سے فائدہ اٹھاتا ہے؛ پھر دائمی ہلاکت و تباہی میں باقی رہتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سزا میں مبتلا رہتا ہے۔

۴۷-﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ تمام نعمتیں عطا فرمانے والے اپنے محسن اور منعم کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہے۔

۴۸-﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رکوع کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع اختیار کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی وحی کو قبول کر کے اور اس کے دین اسلام کی اتباع و پیروی اختیار کر کے اس کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کر لو اور اس تکبر و غرور اور انکار کی روش کو ترک کر دو ﴿ لَا يَرْكَعُوْنَ ﴾ تو وہ لوگ نہ خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین و پیغام کو قبول کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے تکبر و غرور پر اصرار کرتے ہیں؛ یا یہ معنی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے اور اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔

۴۹-﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی (یعنی احکام وممنوعات) کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت و بربادی ہے۔

۵۰-﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ سو وہ اس قرآن مجید کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اگر کفارِ مکہ قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے باوجودیکہ یہ یقیناً آنکھیں کھول دینے والا معجزہ ہے اور تمام آسمانی کتابوں کے درمیان واضح اور روشن معجزہ ہے تو بھلا وہ اس کے بعد کس کتاب پر ایمان لائیں گے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

سورۃ النبا مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چالیس آیات ٗ دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣
كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ
اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا
وَّهَّاجًا ۝١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝١٥
وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝١٦

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں ○ بہت بڑی خبر کے بارے میں ○ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں ○ ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے ○ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے ○ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ○ اور پہاڑوں کو میخیں ○ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا ○ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا ○ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ○ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا ○ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے ○ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا ○ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی ○ تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے اور سبزہ اُگائیں ○ اور گھنے باغات ○

## قیامت کے متعلق شکوک کی تردید اور تکوینی دلائل کا بیان

۱- ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں (یعنی) کفارِ مکہ آپس مین ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں یا پھر یہ لوگ اپنے علاوہ مسلمانوں سے قیامت کے بارے میں استہزاء اور مذاق اُڑانے کے طور پر سوال کرتے ہیں ٗ کیونکہ "يَتَسَآءَلُوْنَ" میں "هُمْ" ضمیر اہلِ مکہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اہل مکہ آپس میں ایک دوسرے سے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے اور وہ قیامت کا مذاق اُڑانے کے لیے مسلمانوں سے بھی اس کے بارے میں سوال کرتے تھے۔

۲- ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں اور یہ مسئول عنہ (جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کی عظمت و بڑائی کا بیان ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "(عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ) يَتَسَآءَلُوْنَ (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ)" وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ وہ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔

۳- ﴿الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ جس کے بارے میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں ٗ چنانچہ ان میں سے بعض

لوگ یقین کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ اس وقوع کے بارے میں شک کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "یَتَسَآءَلُوْنَ" میں ضمیر مسلمانوں اور کافروں دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور وہ سب لوگ ایک دوسرے سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے تھے' سو مسلمان تو اس لیے ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے تاکہ قیامت کا خوف و ڈر ان کے دلوں میں بڑھ جائے اور ایمان و یقین مزید مضبوط و پختہ ہو جائے اور کفار محض قیامت کے وقوع کا مذاق اُڑانے کے لیے سوال کرتے تھے۔

٤'٥- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو باہمی اختلاف کرنے پر اور قیامت کے وقوع کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک دوسرے سے سوال کرنے پر زجر و توبیخ کرنا اور انہیں ڈانٹنا مقصود ہے ﴿سَيَعْلَمُوْنَ﴾ عنقریب وہ جان لیں گے۔ اس میں کفار کے لیے وعید (اور دھمکی) ہے کہ وہ عنقریب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے قیامت کے وقوع کو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھنے کو یقینی طور پر جان لیں گے کہ بے شک وہ لوگ جس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے وہ حق اور سچ ہے ﴿ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے۔ زجر و توبیخ کا تکرار مبالغہ میں تشدید و تاکید کے لیے ہے اور حرف "ثُمَّ" اس بات کی علامت ہے کہ دوسرا جملہ پہلے سے زیادہ بلیغ اور زیادہ شدید ہے۔

٦'٧- ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ﴾ کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا؟ جب کفارِ مکہ نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کیا تو (ان آیات میں) ان سے کہا گیا ہے کہ کیا ان عجیب و غریب مخلوقات کو اسی خالق و مالک نے پیدا نہیں کیا جس کی طرف مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے کی نسبت کی گئی ہے' سو تم مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے پر اس خالق و مالک کی قدرت کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ یہ بھی اسی کی ایک ایجاد ہے' جس طرح یہ تمام مخلوقات اس کی ایجادات ہیں یا ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام کائنات کو کیوں پیدا کیا ہے؟ حالانکہ حکیم و دانا کوئی کام عبث و بے کار اور بے فائدہ نہیں کرتا جب کہ حشر و نشر اور قیامت کا انکار تو اس طرف لے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عبث اور بے کار و بے فائدہ پیدا کیا ہے؟ ﴿مِهٰدًا﴾ فرش اور بچھونا (یعنی) ہم نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور بچھونا بنا دیا ہے تاکہ تم اطمینان اور سکون کے ساتھ اس پر رہ سکو ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ اور ہم نے پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ متزلزل اور متحرک نہ ہو اور لرزنے اور کانپنے نہ لگ جائے (بلکہ ساکن و جامد رہے)۔

٨'٩- ﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا' نر اور مادہ (یعنی مرد اور عورت بنایا) ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا (یعنی) نیند کو تمہارے (دن بھر کے) اعمال کے لیے ختم کرنے والا اور تمہارے بدنوں اور جسموں کے لیے راحت بنایا' اور "سبت" کا معنی ہے: قطع کرنا' کاٹنا اور ختم کرنا۔

١٠- ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ اور ہم نے رات کو لباس یعنی پردہ بنایا جو تمہیں لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتی ہے جب تم ایسی چیزوں کو چھپانا چاہو' جن کا لوگوں کے سامنے اظہار تم پسند نہیں کرتے ہو۔

١١- ﴿وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے وقت مقرر کر دیا تاکہ تم اپنی حاجات و ضروریات اور اپنی کمائیوں کے لیے دن میں مختلف جگہوں میں حسب ضرورت چلتے پھرتے اور آتے جاتے رہو۔

١٢- ﴿وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ﴿شِدَادًا﴾ "شَدِيْدَةٌ" کی جمع ہے یعنی مضبوط و قوی اور مستحکم بنائے تاکہ مختلف زمانوں کا بار بار گزرنا ان میں اثر انداز نہ ہو سکے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے

تمہارے اوپر بہت موٹے سات آسمان بنا دیئے ہیں جن میں سے ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

۱۳۔ ﴿وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾ اور ہم نے ایک انتہائی گرم اور روشن ترین چراغ بنایا یعنی وہ روشنی اور حرارت و گرمی کا جامع ہے اور اس روشن ترین چراغ سے سورج مراد ہے۔

۱٤ تا ۱٦۔ ﴿وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے بہت زیادہ موسلا دھار بارش برسائی یعنی ایسے بادل جب انہیں نچوڑا جائے یعنی قریب ہے کہ تیز ہوائیں انہیں نچوڑیں تو وہ بارش برسا دیں اور اسی سے یہ مقولہ ماخوذ ہے: ''اَعْصَرَتِ الْجَارِيَةُ'' نوخیز لڑکی (خونِ حیض کی وجہ سے) نچوڑ دی جائے گی' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نوخیز لڑکی کے ایام ماہواری قریب آ چکے ہوں' یا پھر ''اَلْمُعْصِرَاتِ'' سے ''رِيَاحٌ'' (یعنی ہوائیں) مراد ہیں کیونکہ یہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف انہیں لے جاتی ہیں' سو اس لیے یہ درست ہے کہ ہواؤں کو بارشوں کے نزول کا مبداء قرار دیا جائے اور بے شک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ آسمان سے پانی اٹھا کر بادلوں کی طرف لے جاتی ہیں' اور ''مَآءً ثَجَّاجًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے برسنے والا پانی ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا﴾ تا کہ ہم اس کے ذریعے دانے نکالیں (یعنی) تا کہ ہم بارش کے پانی کے سبب گندم اور جو وغیرہ دانے دار اناج اُگائیں ﴿وَّنَبَاتًا﴾ اور گھاس اور چارہ وغیرہ ﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ اور گھنے باغات (یعنی) ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے درخت [''الفاف'' کا واحد ''لِفٌّ'' ہے جیسے ''اَجْذَاعٌ'' کا واحد ''جِذْعٌ'' ہے یا اس کا واحد ''لَفِيْفٌ'' ہے جیسے ''شریف'' اور ''اَشْراف'' ہے یا پھر اس کا کوئی واحد نہیں ہے جیسے ''اَوْزَاعٌ'' ہے یا یہ جمع الجمع ہے یعنی ''لَفٌّ'' کی جمع ''لُفَّاءٌ'' ہے اور ''لُفَّاءٌ'' کی جمع ''اَلْفَافٌ'' ہے جس کا مطلب ہے: گھنے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے درختوں کے باغ' اور ''اَلَمْ نَجْعَلْ'' سے ''اَلْفَافًا'' تک وقف نہیں ہے البتہ ''اَوْتَادًا'' اور ''مَعَاشًا'' پر وقف ضروری ہے]۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾
وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ
جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا
يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ ع

بے شک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہو چکا ہے ○ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج ہو کر آؤ گے ○ اور آسمان کو کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے ○ اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا تو وہ پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکیلے ریتے کی طرح ہو جائیں گے ○ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے ○ سرکشوں کے لیے وہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ○ جس

میں وہ ہمیشہ رہیں گے O وہ اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے والی چیز کا O مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی ہوئی پیپ O یہ (ان کے اعمال کے) موافق بدلہ ہے O بے شک وہ حساب کی اُمید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بھرپور جھٹلایا O اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے O پس اب تم (اپنی سزا کا مزہ) چکھو' سو ہم تمہارے لیے عذاب کے ماسوا کچھ نہیں بڑھائیں گے O

## قیامت کے ہولناک منظر اور کفار کی سزاؤں کا بیان

۱۷- ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ بے شک نیکوں اور بُروں اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے اور اس کا وقت معین و محدود ہے اور انسانوں کو ان کے اعمال پر جزاء و سزا دینے کے لیے اس دن کی انتہاء معلوم و مقرر ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک فیصلہ کا دن نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بُرے اعمال پر عقاب و عذاب دینے کے لیے مقرر و معین کردہ وعدہ ہے۔

۱۸- ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا﴾ جس دن صور میں (یعنی) پھونک مارنے کے آلہ نورانی سینگ میں پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ بن کر مختلف جماعتوں یا مختلف امتوں یا ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ چلے آؤ گے ["يَوْمَ يُنْفَخُ" یا تو "يَوْمَ الْفَصْلِ" سے بدل واقع ہو رہا ہے یا پھر اس کا عطف بیان ہے]۔

۱۹- ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ﴾ اور اس روز فرشتوں کے اُترنے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا (یعنی) شگافوں کے ساتھ پھٹ جائے گا ﴿فَكَانَتْ اَبْوَابًا﴾ سو اس میں بہت سے دروازے اور راستے اور شگاف بن جائیں گے حالانکہ آج اس میں کسی قسم کے شگاف نہیں ہیں۔

۲۰- ﴿وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ﴾ اور پہاڑوں کو زمین کی سطح سے بلند کر کے فضاء میں اُڑا کر چلا دیا جائے گا ﴿فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ سو وہ دور سے پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکتے ریتے کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۱- ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے (یعنی) یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کے اوپر تمام مخلوق نے گزر کر جانا ہے' سو مسلمان تو صرف اس کے اوپر سے گزر کر چلے جائیں گے اور کفار اس میں داخل کیے جائیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "مِرْصَاد" وہ حد ہے جس میں انتظار ہوتا ہے یعنی وہ سرکشوں کی حد ہے' جس میں عذاب دینے کے لیے کفار کا انتظار کیا جاتا ہے اور یہی جہنم ان کا ٹھکانا ہے یا یہ کہ یہ جہنم اہل جنت کے لیے بھی انتظار گاہ ہے کیونکہ اس کے پاس فرشتے اہل جنت کا استقبال کرنے کے لیے ان کا انتظار کرتے ہوں گے' اس لیے کہ بے شک جنتیوں نے دوزخ کے اوپر قائم پل صراط سے گزرنا ہے۔

۲۲- ﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾ سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے (یعنی) کافروں کے لیے (دنیا سے) واپس لوٹ کر جانے کا ٹھکانا ہے۔

۲۳- ﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ وہ لوگ اس دوزخ میں غیر متناہی زمانوں تک ٹھہریں گے۔ "اَحْقَابٌ" "حُقُبٌ" کی جمع ظرف ہے جس کا معنی زمانہ اور دہر ہے اور اس سے محدود و معین زمانہ مراد نہیں ہوتا بلکہ دوام و استمرار اور ہمیشہ کا زمانہ مراد ہوتا ہے' چنانچہ جب بھی ایک زمانہ گزرتا ہے تو اس کے متصل دوسرا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ بغیر کسی انتہاء کے مسلسل جاری رہتا ہے اور "حُقُبٌ" اور "حُقْبَةٌ" جب بھی استعمال ہوتے ہیں تو مسلسل و لگاتار زمانے مراد ہوتے ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ "حقب" کا معنی اسی سال ہے اور بعض علمائے کرام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا

گیا تو انہوں نے بیس سال کے بعد جواب دیا: ''لابثین فِیْهَا اَحْقَابًا'' کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲٤- ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ وہ لوگ اس (دوزخ) میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مزہ چکھیں گے یعنی کسی چیز کا مزہ نہیں چکھیں گے [یہ ''لَابِثِيْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے] پھر جب یہ ''احقاب'' یعنی مدت ہائے دراز پر مشتمل یہ زمانے ختم ہوں گے جن میں کافروں کو ٹھنڈک اور ہر قسم کے مشروبات کے مزے چکھنے سے محروم رکھا گیا تو ان کو دوسرے زمانوں میں دیگر عذابوں میں مبتلا کر دیا جائے گا اور یہ زمانے در زمانے عذابوں کے ساتھ بدلتے رہیں گے کبھی ختم نہ ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ ''احقاب'' ماخوذ ہے ''حَقِبَ عَامُنَا'' سے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سال بارش کم برسی ہو اور اس سال خیر و برکت کم ہو گئی ہو نیز یہ ''حَقِبَ فُلَانٌ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شخص رزق سے محروم ہو جاتا ہے [پس یہ ''حُقُبٌ'' ہے اور اس کی جمع ''اَحْقَابٌ'' ہے اور اس کی نصب حال واقع ہونے کی بناء پر ہے یعنی ''لَابِثِيْنَ فِيْهَا حَقِبِيْنَ'' ہے اور ''لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا'' اس کی تفسیر ہے]۔

۲۵- ﴿اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا﴾ مگر گرم ترین کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کی پیپ پئیں گے یعنی سرکش کفار دوزخ میں یا غیر متناہی زمانوں میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ آرام پائیں گے۔ ''بَرْدًا'' (ٹھنڈک) سے ایسا آرام مراد ہے جس کی وجہ سے دوزخ کی آگ کی حرارت و گرمی کفار سے دور ہو جائے یا اس سے نیند مراد ہے جس کی وجہ سے سونے والے کو آرام و سکون نصیب ہوتا ہے اور اسی سے ''منع البرد'' ماخوذ ہے یعنی آرام و سکون ختم ہو گیا اور نہ کفار دوزخ میں کسی قسم کے مشروب کا مزہ چکھیں گے جس کی وجہ سے انہیں پیاس سے تسکین حاصل ہو سکے بلکہ وہ دوزخ میں گرم ترین کھولتا ہوا پانی پئیں گے جو جن اعضاء سے گزرتا جائے گا انہیں جلاتا جائے گا اور وہ دوزخیوں کے جسموں سے بہتی ہوئی پیپ پئیں گے [یہ استثناء منقطع ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ''غَسَّاقًا'' کی سین مشدد پڑھی جاتی ہے]۔

۲۷'۲٦- ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ پورا پور بدلہ دیا جائے گا (یعنی) کفار کو ان کے اعمال کے موافق و مطابق پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ''وِفَاقًا'' مصدر ہے اور صفت کے معنی میں ہے یا پھر ''ذَا وِفَاقٍ'' ہے پھر اللہ تعالیٰ نے علت بیان کرتے ہوئے الگ مستقل جملہ استعمال کیا اور ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ بے شک وہ حساب کی اُمید نہیں رکھتے تھے (یعنی) کفار اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال پر محاسبہ کرے گا' یا یہ معنی ہے کہ وہ حشر و نشر اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان نہیں لائے تا کہ وہ حساب و کتاب کی اُمید رکھیں۔

۲۸- ﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا﴾ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو پورا پورا جھٹلایا [''كِذَّابًا''، ''تَكْذِيْبٌ'' کے معنی میں ہے اور ''فِعَّال'' کا استعمال باب تفعیل میں عام شائع ہے]۔

۳۰'۲۹- ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا﴾ اور ہم نے ہر چیز کو شمار کر کے لکھ رکھا ہے [''كُلَّ شَيْءٍ'' فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اَحْصَيْنَا'' اس مضمر فعل کی تفسیر کر رہا ہے اور ''كِتَابًا''، ''مکتوب'' کے معنی میں ہے یعنی ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے' یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مصدر ہے اور ''اِحْصَاءً'' کی جگہ میں استعمال ہوا ہے یا ''اَحْصَيْنَا'' بہ معنی ''كَتَبْنَا'' ہے' اس لیے کہ ''اِحْصَاءٌ''، ''کتابت'' کے معنی میں عموماً استعمال ہوتا رہتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿فَذُوْقُوْا﴾ کفار کے اس کفر کا مسبب ہے جو حساب و کتاب اور حشر و نشر اور آیاتِ الٰہیہ کے جھٹلانے کے سبب ان سے صادر ہوا] یعنی پس تم اپنے کفریہ اعمال کی سزا کا مزہ چکھو اور غائب سے خطاب کی طرف عدول غضبِ خدا کی

شدت کی دلیل ہے ﴿فَلَنۡ نَّزِيۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا﴾ سو ہم تو صرف تمہارا عذاب ہی بڑھائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ دوزخیوں پر سب سے زیادہ شدید وسخت ہے[1]

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاۡسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

بے شک نجات وکامیابی صرف پرہیزگاروں کے لیے ہےO باغات اور انگور ہیںO اور نوجوان ہم عمر لڑکیاں ہیںO اور بھرپور چھلکتے ہوئے جام ہیںO وہ اس میں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات (سنیں گے)O یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے کامل جزاء (اور) کافی عطا ہےO جو آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے بے حد مہربان ہے وہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گےO

## پرہیزگاروں کے انعام' رب تعالیٰ کی شان اور کافروں کی حسرت کا بیان

۳۱- ﴿اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا﴾ بے شک پرہیزگاروں کے لیے ہی نجات وکامیابی ہے۔ ''مَفَازًا'' ''مَفۡعَلٌ'' کے وزن پر مصدر میمی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے یعنی پرہیزگاروں کے لیے تمام مکروہ وناپسندیدہ چیزوں سے نجات اور تمام محبوب ومطلوب اور پسندیدہ چیزوں کے ساتھ کامیابی ہے اور ''مَفَازًا'' ظرف مکان کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ جنت ہے۔

۳۲- ﴿حَدَآئِقَ﴾ باغات ہیں (یعنی) اس جنت میں مختلف انواع واقسام کے پھل دار درختوں کے باغات ہیں [''حدائق''، ''حديقة'' کی جمع ہے اور یہ ''مَفَازًا'' سے بدل البعض ہے] ﴿وَاَعۡنَابًا﴾ اور انگور ہیں [اور یہ ''حدآئق'' پر معطوف ہے]۔

۳۳- ﴿وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا﴾ اور نوجوان ہم عمر لڑکیاں۔ ''كَوَاعِبَ'' کا معنی ہے: اُبھرتے ہوئے دائرہ دار پستانوں والی اُٹھتے جوبن والی کنواری لڑکیاں' اور ''اَتۡرَابًا'' کا معنی ہے: ہم عمر وہم سن اور ہم جولی لڑکیاں' جو ولادت و پیدائش اور نشوونما میں برابر ہوں۔

۳۴- ﴿وَّكَاۡسًا دِهَاقًا﴾ اور چھلکتے ہوئے جام۔ ''كَاۡسٌ'' کا معنی ہے: گلاس' جام اور پیالہ' اور ''دِهَاقًا'' کا معنی ہے: بھرا ہوا چھلکتا ہوا (یعنی جنت میں پاکیزہ شراب کے پُر چھلکتے جام پیش کیے جائیں گے)۔

۳۵- ﴿لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا﴾ وہ جنت میں کوئی لغو اور باطل وبے ہودہ بات نہیں سنیں گے ﴿وَّلَا كِذّٰبًا﴾ اور نہ وہ بہت جھوٹی بات سنیں گے یعنی وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں سنیں گے یا یہ کہ وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے [قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی ہے: جھٹلانا' اور یہ پورا جملہ ''اِنَّ'' کی خبر کی ضمیر سے حال

[1] رواہ ابن ابی حاتم والثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۶۹۰)

واقع ہو رہا ہے]۔

۳۶۔ ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ مصدر ہے ''اَیْ جَزَاھُمْ جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ'' یعنی آپ کے پروردگار کی طرف سے انہیں پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا ﴿عَطَآءً حِسَابًا﴾ نہایت کافی انعام و بخشش یا یہ کہ انہیں ان کے اعمال پر کافی اور وافر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا [''عَطَاءً'' مصدر ہے یا ''جَزَآءً'' سے بدل ہے اور ''حسابا'' اس کی صفت ہے]۔

۳۷۔ ﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ﴾ وہ تمام آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے' وہ بے حد مہربان ہے [ابن عامر شامی اور عاصم کوفی کی قراءت میں ''رَبِّكَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے اور جن قراء کے نزدیک مرفوع پڑھا گیا ہے ان کے نزدیک ''رَبُّ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ خود مبتدا ہے اور ''رَحْمٰنُ'' اس کی خبر ہے یا اس کی صفت ہے اور ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ﴾ اس کی خبر ہے یا پھر یہ دونوں خبریں ہیں اور ''لَا يَمْلِكُوْنَ'' میں ضمیر ''اَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ﴿مِنْهُ خِطَابًا﴾ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے باشندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے عذاب سے نجات کے لیے کسی کی شفاعت کی بات نہیں کر سکیں گے مگر اس کی اجازت کے بعد' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کی وجہ سے کوئی شخص اس سے مخاطب ہونے کی قدرت و اختیار نہیں رکھے گا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۚ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ
الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى
رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ
يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جس دن روح الامین (حضرت جبریل) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے' وہ بات نہیں کریں گے مگر وہی (بات کرے گا) جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کہے گا○ وہ دن برحق ہے' سو جو شخص چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف ٹھکانا بنالے○ بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' جس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: ہائے افسوس! کاش! میں مٹی ہو جاتا○

۳۸۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ﴾ جس دن روح الامین اور تمام فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ''الروح'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''الروح'' سے سب سے بڑا فرشتہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش اعظم کے بعد کوئی مخلوق اس فرشتے سے بڑی پیدا نہیں فرمائی [اگر ''يَوْمَ يَقُوْمُ'' کو ''لَا يَمْلِكُوْنَ'' کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ''خِطَابًا'' پر وقف نہیں کیا جائے گا اور اگر اسے ''لَا يَتَكَلَّمُوْنَ'' کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ''خِطَابًا'' پر وقف کیا جائے گا اور ''صَفًّا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا يَتَكَلَّمُوْنَ﴾ وہ لوگ بات نہیں کر سکیں گے یعنی تمام خلائق اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہاں بات نہیں کر سکیں گے ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ مگر جس کو اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم بات کرنے کی یا شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرما دے گا (تو وہی بات اور

شفاعت کرے گا) ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ اور اس نے حق اور سچ کہا ہو اور وہ اس طرح کہ جس کی شفاعت کرنی ہے اس نے دنیا میں ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار واعتراف کیا ہو یا یہ معنی ہے کہ شفاعت کی اجازت صرف اسی کو دی جائے گی جو شفاعت کے معاملہ میں صحیح اور سچی بات کرے گا۔

۳۹۔ ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ وہ دن برحق ہے اس کا وقوع پذیر ہونا متحقق و ثابت اور واجب و لازم ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ سو جو شخص چاہے وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا ٹھکانا بنالے۔

۴۰۔ ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ اے کافرو! بے شک ہم نے عنقریب آخرت میں آنے والے عذاب سے تمہیں ڈرسنا دیا ہے کیونکہ جو یقیناً آنے والا ہے وہ قریب ہے ﴿يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ اس دن آدمی دیکھے گا یعنی کافر دیکھے گا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّـآ اَنْـذَرْنَـاكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا'' بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے ﴿مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ ہر وہ بُرا کام جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ذُوْقُـوْا عَـذَابَ الْحَرِيْقِ ○ ذٰلِكَ بِـمَا قَـدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ'' (آل عمران: ۱۸۱۔۱۸۲) ''تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو○ یہ ان بُرے اعمال کی وجہ سے ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' اور ہاتھوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر و بیشتر اعمال انہیں ہاتھوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہے ان میں ہاتھوں کا دخل نہ ہو ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ﴾ اور کافر کہے گا (کاش! میں مٹی ہو جاتا) [اسم ظاہر ''الکافر'' کو اسم مضمر کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ کافروں کی مذمت میں اضافہ ہو جائے یا ''اَلْمَرْءُ'' عام ہے (جو مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے) اور اس میں سے ''اَلْكَافِرُ'' کو خاص کرلیا گیا ہے اور ''مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ'' سے ہر عمل مراد ہے خواہ نیک ہو خواہ بُرا ہو یا پھر ''اَلْمَرْءُ'' سے مؤمن مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ''اَلْـكَـافِـرُ'' کا ذکر ہے اور ''مَـا قَـدَّمَـتْ'' سے نیک عمل مراد ہے اور حرف ''مَـا'' استفہامیہ ہے جو ''قَـدَّمَتْ'' کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مؤمن دیکھے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کون سے نیک عمل آگے بھیجے ہیں یا پھر ''مَا'' اسم موصول ہے جو ''يَنْظُرُ'' کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ''نَـظَرْتُـهٗ'' کہا جاتا ہے یعنی میں نے اس کی طرف دیکھا اور لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اصل میں ''قَـدَّمَتْهُ'' ہے] ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ اے کاش! میں دنیا میں ہی مٹی ہو جاتا اور مجھے پیدا نہ کیا جاتا اور نہ مجھے مکلف بنایا جاتا' یا یہ معنی ہے کہ کاش! میں آج اس دن مٹی ہو جاتا اور مجھے زندہ کر کے نہ اٹھایا جاتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غیر مکلف حیوانات کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا یہاں تک کہ بے سینگ (مظلوم) جانور کے لیے سینگ والے (ظالم) جانور سے قصاص اور بدلہ لیا جائے گا' پھر اس کو واپس مٹی میں ملا دیا جائے گا' چنانچہ کافر اس کا یہ حال دیکھ کر اپنے لیے یہی آرزو کرے گا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں ''اَلْـكَـافِـرُ'' سے ابلیس مراد ہے' وہ تمنا کرے گا کہ کاش! وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے پیدا کیا جاتا تاکہ اس کی مؤمن اولاد کو بھی اجر و ثواب عطا کیا جاتا۔

سورۃ النّٰزعٰت مکی ہے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی چھیالیس آیات' دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴

(کافر کی) روح سختی سے کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! O اور (مؤمن کی) جان نہایت نرمی سے قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم! O اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! O پھر خوب آگے بڑھنے والے فرشتوں کی قسم! O پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! (تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا) O جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی O اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O اس دن بہت سے دل دھڑ کتے ہوں گے O ان کی آنکھیں (خوف کے مارے) جھکی ہوئی ہوں گی O وہ کہتے ہیں: کیا ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے O کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے O وہ کہتے ہیں: پھر تو یہ بڑے نقصان کی واپسی ہو گی O سو بے شک وہ تو فقط ایک جھڑک ہو گی O پھر وہ اچانک ایک کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے O

## مختلف تاکیدی قسموں کے ساتھ روزِ محشر کا بیان

۱ تا ۵ - ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ بہت سختی سے جان کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! O اور بہت نرمی سے جان نکالنے والے فرشتوں کی قسم! O اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! O پھر بہت جلد آگے بڑھ جانے والے فرشتوں کی قسم! O پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! O یاد رہے کہ یہاں تک ہر آیت پر وقف نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں آخر میں ''اَمْرًا'' پر وقف کرنا لازم اور واجب ہے کیونکہ اگر وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''(يَوْمَ تَرْجُفُ) اَلْمُدَبِّرَات'' کا ظرف بن جائے گا حالانکہ اس روز تو فرشتوں کی تدبیر ختم ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات میں فرشتوں کے ان تمام گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو بہت سختی کے ساتھ کھینچنے میں ڈوب کر کفار کی ارواح ان کے اجسام سے سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں یعنی بڑی سختی سے جسموں کے تمام اعضاء اور تمام جوڑوں سے روحوں کو کھینچ لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں' پاؤں اور ان کی انگلیوں اور ان کے ناخنوں سے بھی کھینچ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مؤمنوں کے اجسام کے تمام بند نہایت نرمی اور آسانی کے ساتھ

کھول دیتے ہیں یعنی ان کی ارواح کو نہایت نرمی و آسانی سے ان کے اجسام سے نکالتے ہیں اور ''نَاشِطَات''، ''نُشِطَ الدَّلْوُ مِنَ الْبِئْرِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کنویں سے ڈول نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مرنے والوں کی ارواح کو لے کر تیرتے ہوئے گزرتے ہیں یعنی بہت تیزی کے ساتھ لے جاتے ہیں' پھر انہیں لے کر وہاں تک بڑھ جاتے ہیں جہاں تک انہیں حکم دیا جاتا ہے' پھر وہ فرشتے بندوں کی بھلائی کے لیے ان کے دینی اور دنیاوی اُمور کی اسی طرح تدبیر کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم کیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور غازیوں کے جہادی گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں جو بہت زور آور ہوتے ہیں' جن کی لگامیں خوب زور لگا کر کھینچی جاتی ہیں' چونکہ وہ عربی نسل گھوڑے ہوتے ہیں' اس لیے ان کی گردنیں طویل اور دراز ہوتی ہیں اور ان کی لگامیں خوب زور سے کھینچی جاتی ہیں اور ان گھوڑوں کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں' جو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف نکلتے ہیں یعنی جو اسلامی مملکت سے کفرستان کی طرف میدانِ جنگ میں لڑنے کے لیے روانہ کیے جاتے ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''ثَوْرٌ نَاشِطٌ'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بیل ایک شہر یا ملک سے دوسرے شہر یا ملک کی طرف نکلتا ہے اور روانہ ہوتا ہے اور جو اپنی رفتار میں تیرتے ہوئے بھاگتے ہیں' پھر اپنی منزلِ مقصود کی طرف تیزی سے آگے بڑھ جاتے ہیں' پھر دشمنانِ دین پر فتح و کامیابی حاصل کرنے اور غلبہ پانے کی تدبیر کرتے ہیں اور تدبیر کی نسبت ان کی طرف محض اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اس کے اسباب میں سے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی قسمیں اٹھائی ہیں جنہیں مشرق سے مغرب کی طرف کھینچا جاتا ہے اور ان کے کھینچنے میں خوب زور لگایا جاتا ہے' اس لیے وہ تمام آسمان کو قطع کرتے ہوئے عبور کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مغرب کے انتہاء میں غروب ہو جاتے ہیں اور وہ ستارے جو ایک برج سے نکل کر دوسرے برج کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ سیارے جو آسمان میں تیرتے رہتے ہیں' پھر وہ آگے بڑھ جاتے ہیں پھر علم حساب کے مطابق دینی اور دنیاوی اُمور کی تدبیر کی جاتی ہے اور ان قسموں کا جواب محذوف و مخفی ہے اور وہ ہے ''لَتُبْعَثُنَّ'' کہ تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا کیونکہ اس کے بعد قیامت کے دن کا تذکرہ اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

۶- ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی اور سخت متحرک و متزلزل ہوگی' اور ''رَجْفٌ'' کا معنی ہے: شدید و سخت ترین حرکت و زلزلہ اور ''اَلرَّاجِفَةُ'' سے نفخۂ اوّل (پہلا صور پھونکنا) مراد ہے اور اس کو ایسے وصف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے حدوث سے ہر چیز حادث ہو جائے گی کیونکہ اسی نفخہ کی وجہ سے پوری روئے زمین تھرتھرائے گی اور لرزنے لگ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے تمام باشندے ہلاک و فنا ہو جائیں گے اور سب کے سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۷- ﴿تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی' اس سے نفخۂ ثانی (دوبارہ صور پھونکنا) مراد ہے کیونکہ یہ پہلے کے بعد آئے گا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا اور پہلی مرتبہ صور میں پھونکنے سے تمام مخلوق موت کی آغوش میں چلی جائے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور چالیس سال کے بعد دوسری مرتبہ صور میں پھونکنے سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔

۸- ﴿قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾ اس روز قیامت کے منکروں کے دل مضطرب و لرزتے اور دھڑکتے ہوں گے۔ ''وَاجِفَةٌ''، ''وَجِيْفٌ'' سے لیا گیا ہے اور یہ ''وَجِيْب'' کے ہم معنی ہے یعنی خوف و پریشانی کی وجہ سے دل کا گھبرانا اور مضطرب و بے قرار ہونا [''يَوْمَ تَرْجُفُ'' کا منصوب ہونا اس فعل کی وجہ سے ہے جس پر ''قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ''

دلالت کرتا ہے یعنی جس دن دل تھرتھرائیں گے اور لرزیں گے اور ''قُلُوْبٌ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''وَّاجِفَةٌ'' اس کی صفت ہے اور (درج ذیل آیت یعنی) ''اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ'' اس کی خبر ہے]۔

٩- ﴿اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ ان کی آنکھیں یعنی قیامت کے منکروں کی آنکھیں قیامت کے دن کا ہولناک منظر دیکھ کر عاجز و ذلیل ہو کر نیچے جھکی ہوئی ہوں گی۔

١٠، ١١- ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ وہ کہتے ہیں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا انکار کرنے والے کفار حشر و نشر کا مذاق اڑانے اور انکار کرنے کے لیے دنیا میں کہتے ہیں کہ ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ﴾ کیا ہم یقیناً اُلٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے۔ یہ استفہام وسوال انکار کے معنی میں ہے یعنی کیا ہم مرنے کے بعد پہلی حالت کی طرف پلٹائے جائیں گے' چنانچہ ہم اسی طرح زندہ ہو کر لوٹیں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے اور ''حَافِرَةٌ'' کا معنی ہے: پہلی حالت' جب کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو اور اس سے نکل جائے' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹ آئے تو کہا جاتا ہے: ''رَجَعَ اِلٰی حَافِرَتِهٖ'' یعنی وہ شخص اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا' اور کہا جاتا ہے کہ ''اَلنَّقْدُ عِنْدَ الْحَافِرَةِ'' یعنی نقد پہلی حالت کے وقت ہوتا ہے اور وہ سودا طے کرنے کا وقت ہے' بہرحال کفار نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا' پھر انہوں نے اس کو بہت زیادہ بعید اور محال قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾ کیا جب ہم پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟ [امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ''نَاخِرَةً'' پڑھا جاتا ہے جب کہ ''فَعِلٌ'' ''فَاعِلٌ'' سے زیادہ بلیغ ہے اور ''اِذَا'' فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ ''نُبْعَثُ'' ہے] اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے جب کہ ہم اس وقت پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے۔

١٢- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے یعنی حشر و نشر کے منکروں نے کہا: ﴿تِلْكَ﴾ یہ ہمارا لوٹ کر جانا ﴿اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾ تب تو نقصان دہ پلٹنا ہوگا (یعنی) گھاٹے والا رجوع ہوگا یا لوٹنے والا نقصان و خسارہ پانے والے ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے اور ہمیں ہر حال میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا ہے تو پھر ہم خسارے میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو جھٹلایا ہے' اور یہ لوگ یہ مقولہ بھی مذاق اُڑانے کے لیے کہتے تھے۔

١٣- ﴿فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ سو بے شک وہ تو صرف ایک جھڑک ہوگی [یہ محذوف کے متعلق ہے] یعنی تم اس دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے کو اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہ سمجھو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہت آسان ہے' سو یہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ' اس سے نفخۂ ثانی (دوسری مرتبہ صور میں پھونکنا) مراد ہے اور یہ ''زَجْرُ الْبَعِیْرِ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص اونٹ کو جھڑک اور ڈانٹ دے۔

١٤- ﴿فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ پس اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے (یعنی) پس وہ لوگ زندہ ہو کر زمین کی بالائی سطح کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ وہ اس سے پہلے زمین کے پیٹ میں مُردہ تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک جانب شام کے علاقہ میں ایک معین و مقرر زمین ہے' جہاں حشر برپا ہوگا یا خود بیت المقدس مراد ہے یا پھر سرزمین مکہ مکرمہ مراد ہے یا دوزخ مراد ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی ﴿١٨﴾ وَاَهْدِیَكَ

اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ
اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ
اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ع ٢٦/٣

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ؟O جب انہیں ان کے پروردگار نے طویٰ کی پاک وادی میں پکارا O کہ فرعون کے پاس جائیں بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے O سو آپ اس سے کہیں کہ کیا تجھے پاک ہونے کی طرف رغبت ہے؟O اور میں تجھے تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں' سو تو ڈرے O پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی O سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی O پھر اس نے پیٹھ پھیر لی (اور مخالف) کوشش کرنے لگا O سو اس نے لوگوں کو جمع کر لیا' پھر پکارا O اور کہنے لگا: میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں O پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں پکڑ لیا O بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو خوفِ خدا رکھتا ہے O

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور فرعون کی سرکشی وانجام کا بیان

١٥ - ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچ چکی ہے؟ یہ استفہام ایک تنبیہ پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ یہ خبر ان چیزوں میں سے ہے جن کا شائع کرنا اور سنانا واجب ہے (تا کہ کفارِ مکہ عبرت حاصل کریں اور تکذیب وانکار سے باز آ جائیں) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی عظمت و بڑائی کا اظہار ہے۔

١٦ - ﴿ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ ﴾ جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے مبارک اور پاک وادی میں پکارا ﴿ طُوًى ﴾ جس کا نام طویٰ ہے۔

١٧ - ﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ ﴾ آپ فرعون کے پاس جائیں' یہاں قول محذوف مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے موسیٰ!) آپ فرعون کے پاس جائیں ﴿ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس نے کفر وانکار اور فتنہ وفساد میں حد سے تجاوز کر لیا ہے۔

١٨ - ﴿ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ﴾ سو آپ اسے کہیں کہ کیا تجھے اس طرف رغبت ہے کہ تو ایمان واطاعت اختیار کر کے کفر وشرک اور نافرمانی وگناہوں سے پاک ہو جائے [حجازی قراء کی قراءت میں کاف کے ساتھ ''زا'' کو بھی مشدد ''تَزَّكّٰى'' پڑھا جاتا ہے]۔

١٩ - ﴿ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ اور میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کروں اور میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کر کے اس کی معرفت و پہچان کی طرف تیری رہنمائی کر دوں تا کہ تو اسے اچھی طرح پہچان لے ﴿ فَتَخْشٰى ﴾ اور تو اس سے ڈر جائے کیونکہ خشیت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (فاطر:٢٨) ''بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم اور معرفت رکھنے والے اس سے ڈرتے ہیں اور بعض حکماء سے منقول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو' سو

جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ لمحہ بھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کر سکے گا' پس خشیت اور خوفِ الٰہی ہر کام کی بنیاد ہے' چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا وہ ہر بھلائی کو اپنائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو جائے گا' وہ ہر برائی کے ارتکاب پر جرأت کرتا رہے گا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ڈرتا ہے' وہ شروع رات کو سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور جو شخص شروع رات میں سفر کرتا ہے' وہی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو استفہام کے ساتھ خطاب کے آغاز کا حکم دیا' جس کا معنی عرض کرنا اور گزارش کرنا ہے جیسا کہ کئی آدمی اپنے مہمان سے کہتا ہے: ''هَلْ لَّكَ اَنْ تَنْزِلَ بِنَا؟'' کیا تم ہمارے پاس ٹھہرو گے؟ اور اس گزارش کے بعد نرم گفتگو کرتا ہے تاکہ مہمان نرم و ملائم گفتگو کی وجہ سے اس کی دعوت قبول کر لے اور نفرت و انکار کی بجائے محبت و شفقت کے ساتھ ٹھہر جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں اسی کا حکم دیا ہے: ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا'' (طٰہٰ: ۴۴) ''سو تم دونوں اس (فرعون) سے نرم و ملائم بات کہو''۔

۲۰- ﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾ سو (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو اپنا عصا یا پھر عصا اور روشن ہاتھ کا معجزہ دکھایا کیونکہ یہ دونوں معجزے ایک نشانی کے حکم میں ہیں۔

۲۱- ﴿فَكَذَّبَ﴾ پس اس نے جھٹلایا (یعنی) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بڑی نشانی کو جھٹلایا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور اس نشانی کو جادو قرار دیا ﴿وَعَصٰى﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

۲۲- ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیٹھ پھیر لی ﴿يَسْعٰى﴾ (اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اپنی فریب کاریوں میں مشغول ہو گیا اور آپ کی مخالفت کی کوشش شروع کر دی یا جب فرعون نے عصا کو اژدھا بنا ہوا دیکھا تو اس نے خوف زدہ ہو کر پیٹھ پھیر لی اور بھاگ پڑا جب کہ فرعون غصہ کا تیز' عقل کا کمزور اور چھچھورے پن والا تھا۔

۲۳'۲۴- ﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى﴾ پھر فرعون نے تمام جادوگروں اور اپنے تمام لشکر کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس مقام میں سب کو جمع کر کے بہ آوازِ بلند پکار کر اعلان کیا: ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ اور کہا کہ میں تم سب کا سب سے بڑا خدا ہوں' مجھ سے بڑھ کر تمہارا کوئی خدا نہیں جب کہ فرعونیوں کے پاس بتوں کی بھرمار تھی' جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

۲۵- ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی اور ''نکال'' بہ معنی ''تنکیل'' ہے جیسے سلام بہ معنی تسلیم آتا ہے اور اس کی نصب (زبر) مصدر کی بناء پر ہے کیونکہ ''اَخَذَ'' بہ معنی ''نَكَّلَ'' ہے گویا کہا گیا ہے کہ ''نَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ (نَكَالَ الْاٰخِرَةِ) اَيِ الْاِحْرَاقِ'' اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی یعنی دوزخ کی آگ میں جلایا ﴿وَالْاُوْلٰى﴾ اور دنیا میں سمندر میں غرق کرنے کی سزا دی یا یہ کہ فرعون کو اس کے دو کلمات کہنے پر سزا دی گئی اور اس کا پہلا کلمہ (یعنی پہلا دعویٰ) یہ تھا: ''مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ'' (القصص: ۳۸) ''میں اپنے ماسوا تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں جانتا'' اور فرعون کا دوسرا کلمہ (یعنی دوسرا دعویٰ) یہ تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' ''میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں' اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال یا تیس سال یا پھر بیس سال کا فاصلہ تھا۔

۲۶- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ بے شک مذکورہ بالا واقعہ میں ہر اس شخص کے لیے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر رکھتا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی فی کتاب القیامۃ' باب: ۱۸' رقم الحدیث: ۲۴۶۷

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ
لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ ؕ اَخْرَجَ مِنْهَا
مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ ؕ
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ
بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ ؕ

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا' اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہےO اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند کیا' پھر اس کو ہموار بنایاO اور اس کی راتوں کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو روشن بنایاO اور اس کے بعد زمین کو پھیلایاO اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالاO اور پہاڑوں کو اس میں نصب کیاO تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیےO پھر جب سب سے بڑی غالب مصیبت آ جائے گیO اس دن انسان اسے یاد کرے گا جو کچھ اس نے کوشش کی ہوگیO اور دوزخ ہر اس شخص کے لیے ظاہر کر دی جائے گی جو دیکھتا ہوگاO سو جس شخص نے سرکشی کیO اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دیO تو بلاشبہ دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہےO

## قدرتِ الٰہی' نیک و بد کا انجام اور قیامت کا تذکرہ

۲۷'۲۸- ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ﴾ اے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے اور حشر و نشر کے منکرو! کیا تمہیں پیدا کرنا اور پروان چڑھانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا [''اَلسَّمَآءُ'' مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں ''اَمِ السَّمَاءُ اَشَدُّ خَلْقًا'' ہے] یعنی یا آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت مشکل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس نے آسمان کو کیسے پیدا فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿بَنٰىهَا﴾ ''اَیْ اَللّٰہُ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کو بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند و بالا کیا' اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلندی کی طرف آسمان تک پہنچنے کی مقدار کو پانچ سو سال کی مسافت کے برابر بلند پیدا کیا ہے ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار اور برابر بنایا ہے' اس میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ کوئی رخنہ اور شکن ہے۔

۲۹- ﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی رات کو تاریک بنایا۔ ''اَغْطَشَ'' بہ معنی ''اَظْلَمَ'' ہے جس کا معنی ہے: اس نے تاریک بنایا ﴿وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا﴾ اور اس کی روشنی کو نکالا (یعنی) اس کے سورج کی روشنی کو ظاہر فرمایا' اور رات اور سورج کی اضافت و نسبت آسمان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ رات آسمان کا سایا ہے اور سورج اس کا چراغ ہے۔

۳۰'۳۱- ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور زمین پہلے پیدا کی جا چکی تھی' لیکن اسے تمام اطراف میں پھیلایا اور بچھایا نہیں گیا' پھر آسمان کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد مکہ مکرمہ کی جگہ سے (ہر طرف شرقاً غرباً جنوباً شمالاً) پھیلایا گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کے پھیلانے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا﴾

اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں سے اس کا پانی نکالا (یعنی) اس میں سے پانی کے چشمے جاری فرمادیئے ﴿وَمَرْعٰىهَا﴾ اور اس میں سے اس کا چارہ اور گھاس پیدا کیا [اور اس لیے ''اَخْرَجَ'' پر حرف عطف داخل نہیں کیا' یا پھر ''اَخْرَجَ'' پوشیدہ اور مضمر ''قَدْ'' کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے]۔

۳۲'۳۳- ﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں نصب اور ثابت وقائم کر دیا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے کیا ہے [''شریطة التفسیر'' کی بناء پر ''اَلْاَرْضَ''، ''دَحَا'' مضمر کی وجہ سے اور ''اَلْجِبَالَ''، ''اَرْسٰى'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہیں]۔

۳۴- ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ پھر جب بڑی آفت آ جائے گی اور ایسی بڑی عام مصیبت جو تمام مصیبتوں پر حاوی ہو جائے گی یعنی سب پر غالب ومحیط ہو جائے گی اور وہ نفخۂ ثانی مراد ہے یا اس سے وہ وقت مراد ہے جس میں اہل جنت کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں لے جایا جائے گا۔

۳۵- ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ اس دن انسان وہ یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی تھی یعنی جب انسان اپنے اعمال کو اپنی نامۂ اعمال کی کتاب میں لکھا ہوا دیکھے گا تو انہیں یاد کرے گا حالانکہ وہ انہیں بھول چکا ہوگا [یہ ''اِذَا جَآءَتْ'' سے بدل ہے اور ''مَا سَعٰى'' میں لفظ ''مَا'' مصدریہ ہے یعنی انسان کی کوشش یا پھر موصولہ ہے]۔

۳۶- ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے لیے ظاہر کر دی جائے گی اور اس کا ظہور مکمل و تام اور واضح ہو جائے گا۔

۳۷ تا ۳۹- ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ سو لیکن جس شخص نے سرکشی کی (یعنی) حد سے تجاوز کیا اور کفر اختیار کر لیا ﴿وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور اس نے خواہشات وشہوات کی پیروی اختیار کر کے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کی زندگی اپنا کر آخرت کو پس پشت ڈال دیا ﴿فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے [''فَاَمَّا' فَاِذَا'' کا جواب ہے یعنی جب بڑی عام مصیبت آئے گی تو معاملہ اسی طرح ہو جائے گا اور ''اَلْمَاْوٰى'' اصل میں ''مَاْوَاهُ'' ہے اور الف لام اضافت کے بدلے میں لایا گیا ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک ہے جب کہ سیبویہ اور بصریوں کے نزدیک ''(هِيَ الْمَاْوٰى) لَهٗ'' ہے]۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ
هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ
ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ
يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع

ربع

اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا O تو بلاشبہ جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا O اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق O اس کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے O بے شک آپ تو صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو

اس سے ڈرتا ہےO گویا جس دن وہ اسے دیکھیں گے (تو خیال کریں گے کہ) وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کی ایک صبحO

٤٠۔﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے ہر انسان کے لیے ایک مقام متعین ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو حساب دے گا ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ اور اس نے بُرائی کا حکم دینے والے نفس (نفسِ امارہ) کو مہلک خواہشات سے روکا یعنی اس نے نفسِ امارہ کو شہوات کی اتباع اور پیروی کرنے سے ڈانٹ کر روکے رکھا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ آدمی مراد ہے جو گناہ کا ارادہ کرتا ہے' پھر اسے حساب کے لیے اپنا مقام یاد آ جاتا ہے تو وہ گناہ کو ترک کر دیتا ہے اور ''ھَوٰی'' کا معنی ہے: نفس کا اپنی شہوات وخواہشات کی طرف راغب ہونا اور ان کی طرف مائل ہونا۔

٤١۔﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ پس یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے یعنی لوٹ کر جانے کی جگہ۔

٤٢۔﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا اور وہ کب قائم ہوگی؟ یعنی اللہ تعالیٰ اسے کب قائم کرے گا اور اسے کب ثابت و برپا کرے گا؟

٤٣۔﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا﴾ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کا بھلا اس سے کیا تعلق ہے کہ آپ کفارِ مکہ کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور انہیں قیامت کے وقوع کا وقت بتائیں یعنی آپ کا اس سے کوئی تعلق اور ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کفار کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور اس کا معین ومقرر وقت بیان کریں' جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْسَ فُلَانٌ مِنَ الْعِلْمِ فِيْ شَيْءٍ'' کہ فلاں کا علم سے کچھ تعلق نہیں ہے' اور دراصل رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قیامت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پس اس بناء پر اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے قیامت کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی بے شک کفارِ مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ان کے جواب دینے کے بہت زیادہ خواہش مند ہونے کی وجہ سے قیامت کا بہت زیادہ ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس لیے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے' بھلا آپ کے مشن سے اس کا کیا تعلق ہے (آپ کا منصب توحید ورسالت اور ضروریاتِ دین کی تبلیغ کرنا ہے' قیامت کی تاریخ اور وقت بتانا نہیں)۔

٤٤۔﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ اس قیامت کے وقوع کے علم کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے' وہی جانتا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی' اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

[1] حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قربِ قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دابۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی۔ (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔
(الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا پھر قیامت کے بارے میں کفار کے سوال کرنے کا انکار ہے یعنی یہ سوال کیوں اور کس لیے کیا جاتا ہے؟ پھر فرمایا: ''اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا'' حالانکہ آپ تو اس کی یاد دہانیوں میں سے ایک یاد دہانی کرار ہے ہیں یعنی آپ کا نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہو کر مبعوث کیا جانا اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں تشریف لانا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے پس قیامت کے متعلق کفار مکہ کا سوال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس معنی کی بناء پر ''فِيْمَ'' پر وقف کیا جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا'' سوال سے متصل ہے یعنی کفار مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب قائم ہوگی اور وہ کہتے ہیں کہ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے الگ مستقل کلام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا'' اس کے علم کی انتہاء آپ کے رب تعالیٰ کی طرف ہے۔

٤٥-﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا﴾ بے شک آپ صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو قیامت کا ڈر رکھتا ہے یعنی آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کا وقت بتائیں بلکہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا کہ آپ ہر اس شخص کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس کی سختیوں سے ڈرائیں جو اس کی سختیوں سے ڈرتا ہے [یزید اور عیاش کی قراءت میں ''مُنْذِرٌ'' تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

٤٦-﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا﴾ گویا جس دن کفار مکہ اس کو یعنی قیامت کو دیکھیں گے (تو وہ خیال کریں گے کہ) ﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے تھے مگر صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح یعنی اسی شام کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً'' (الاعراف:١٨٧) ''قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی''۔

''فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O'' (الشعراء:٢٠٢) ''ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا O''۔

اگر حضور نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے مُصدِّق (تصدیق کرنے والے) بن کر آئے تھے' اس کے مُکذِّب (تکذیب کرنے والے) بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن مجید کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں' مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ٩ ص ٢٩٠) واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی' پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے وقوع کا علم عطا فرما دیا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علمِ ذاتی کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ٥٦٥)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد مالکی صاوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''وَهٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِيْ اَنَّهٗ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلٰكِنْ اُمِرَ بِكَتْمِ اَشْيَآءٍ مِّنْهَا'' اور یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے وقوع کا وقت بتانے اور اس کی خبر دینے سے پہلے کی ہے۔ سو یہ اس بات کے منافی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبوں سے آگاہ کر دیا لیکن آپ کو ان میں سے بہت سی چیزوں کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(تفسیر صاوی برحاشیہ تفسیر جلالین ج ٤ ص ٢٧٥' مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی' مصر' ١٣٦٠ھ/١٩٤١ء)

صبح۔ دراصل جب کفار قیامت کی ہولناکی اور اس کی سختی کو دیکھیں گے تو وہ دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو بہت قلیل اور تھوڑا خیال کریں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ'' (یونس:۴۵) ''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ خیال کریں گے کہ) گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی صرف ایک گھڑی'' اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ'' (الکہف:۱۹) ''انہوں نے کہا: ہم ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے'' اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت ایک کامل دن کو بھی نہیں پہنچتی بلکہ دن کی دونوں طرفوں میں سے صرف ایک طرف ہے' دن کی شام یا اسی دن کی صبح۔

| عبس ۸۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتھا ۴۲ رکوعھا ۱ |
|---|---|---|

سورۂ عبس مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی بیالیس آیات' ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶

وقف لازم

تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ○ (اس بناء پر) کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوا ○ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ○ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اسے یہ نصیحت نفع دیتی ○ لیکن جس نے پرواہ نہیں کی ○ تو آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں ○ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں کہ وہ پاک نہیں ہوتا ○ اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ○ اور وہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے ○ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں ○ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے ○ سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے ○ (یہ) عزت والے صحیفوں میں ہے ○ عالی قدر پاکیزہ تر ہیں ○ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں ○ جو بزرگ تر نیکوکار ہیں ○

## فقیر و نابینا صحابی کی فضیلت اور کافر مالدار کی مذمت

۱-۲- ﴿عَبَسَ﴾ تیوری چڑھائی یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے ناگواری کی وجہ سے اپنی جبینِ سعادت پر شکن ڈالی ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور آپ نے منہ پھیر لیا اور اعراض فرمالیا ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ اس بناء پر کہ آپ کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا' اور یہ نابینا شخص حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم تھے اور ان کی دادی کا نام اُم مکتوم تھا (جس کی طرف منسوب کر کے انہیں ابن اُم مکتوم کہا جاتا ہے) اور ان کے باپ کا نام شریح بن مالک ہے۔

شانِ نزول: ایک روز حضور نبی کریم ﷺ قریش مکہ کے سرداروں کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے اور ان سے محو گفتگو تھے کہ اس دوران حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم حاضر ہوئے اور قطع کلامی کرتے ہوئے عرض کیا: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ'' اے اللہ کے رسول! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھائیں' اور انہوں نے اس کو بار بار دُہرایا کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں' چنانچہ حضرت ابن اُم مکتوم کی قطع کلامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناگوار گزری اور آپ کے چہرۂ انور پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ کی جبینِ سعادت پر شکن پڑ گئی اور آپ نے اپنا رخِ زیبا ان سے پھیر لیا اور ان سے اعراض فرما لیا تو یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں' چنانچہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت عبد اللہ ابن اُم مکتوم کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور ان کی آمد پر فرماتے تھے: ''مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِیْ فِیْهِ رَبِّیْ'' خوش آمدید! اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے محبوبانہ عتاب فرمایا ہے[1] اور آپ نے ان کو مدینہ منورہ میں دو دفعہ اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا[ ''اَنْ جَآءَهُ'' اصل میں ''لِاَنْ جَآءَهُ''

[1] واضح ہو کہ عتاب کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا' عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے غلط یا بُرے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان) کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی خلافِ اولیٰ اور ترکِ افضل کام پر لطف و کرم اور محبت و پیار سے ان کو متنبہ فرمانا' گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے' جیسا اس آیت مبارکہ میں ہے:

''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' (التوبہ: ۴۳) ''اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے منافقین کو (ان کے صدق کے ظہور سے پہلے) کیوں اجازت دے دی؟'' کسی صحیح یا مستند حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب کیا گیا' البتہ علامہ قرطبی نے ثوری کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابن اُم مکتوم کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تیوری چڑھانے پر لطف و کرم اور محبت و پیار کے ساتھ تنبیہ فرمائی تاکہ مخالفینِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ پیغمبر اسلام امیر کافروں کو غریب مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۷۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

پھر اس محبوبانہ عتاب میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لطف و کرم اور محبت و پیار کے جلوے دمک رہے ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کو قائم رکھتے ہوئے ''عَبَسَ وَتَوَلّٰی'' فرما کر غائب کے صیغے استعمال فرمائے اور براہِ راست ''عَبَسْتَ وَتَوَلَّیْتَ'' فرما کر آپ کو خطاب کے صیغے سے مخاطب نہیں فرمایا بلکہ غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ روبرو عتاب حضور کے خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا' البتہ بعد ازاں ''وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی'' میں آپ کو براہِ راست خطاب کے صیغے سے مخاطب فرمایا گیا کیونکہ اس میں غائبانہ اعراض کے بعد اقبال و التفات اور عتاب کی وحشت و گھبراہٹ کے بعد انس و الفت اور محبت و پیار کا اظہار ہے کہ اے محبوب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید وہ نابینا غلام آپ کی تعلیم سے مزید پاکیزہ ہو جاتا' نیز حضرت عبد اللہ کو نابینا فرمانے میں معذرت پیش کی جا رہی ہے یعنی وہ نابینا معذور تھا نہ محفل کو دیکھ سکا نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے پتا چلا کہ آپ کس قدر ایک اہم ترین کام میں مصروف ہیں' لہٰذا آپ کا ان سے اعراض فرمانا آپ کے شایانِ شان نہیں۔

(ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۲۷۵' مطبوعہ مکتبہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' ۱۹۴۰ھ' تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۹۲)

عثمانی لکھتے ہیں: اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرم و استحیاء متکلم کا اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لیے اختیار فرمایا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ بر قرآن ص ۷۶۱' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

ہے اور یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول لہ ہے اور دونوں مذہبوں کے اختلاف کی بناء پر اس میں عامل ''عَبَسَ'' ہے یا ''تَوَلّٰی'' ہے]۔

۳، ۴۔﴿وَمَا یُدْرِیْكَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کو کیا معلوم ہے اور آپ کو اس نابینا شخص کا حال کس نے بتایا اور آپ کو اس کا حال کس طرح معلوم ہوا ﴿لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى﴾ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا (یعنی) شاید یہ نابینا آدمی آپ سے جو کچھ سنتا اس کے سبب جہالت کی میل کچیل سے پاک ہو جاتا ﴿اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اس کو نصیحت فائدہ دیتی یعنی آپ کا وعظ و نصیحت اسے فائدہ دیتا' مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا حاصل ہوتا؟ پاکیزگی یا نصیحت اور اگر آپ کو معلوم ہوتا تو آپ سے یہ کوتاہی ہرگز نہ ہوتی [اور ''یَزَّكّٰی'' اصل میں ''یَتَزَكّٰی'' تھا' پھر ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کر دیا گیا اور اسی طرح ''یَذَّكَّرُ'' ہے (کہ اصل میں ''یَتَذَكَّرُ'' تھا پھر ''تا'' کو ذال میں مدغم کر دیا گیا) اور ''فَتَنْفَعَهُ'' امام عاصم کی قراءت میں ''لَعَلَّ'' کا جواب ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ نے اس کو ''یَذَّكَّرُ'' پر معطوف قرار دے کے مرفوع پڑھا ہے]۔

۵، ۶۔﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾ لیکن جو شخص بے پرواہ رہا یعنی جو شخص مال و دولت کی وجہ سے بے پرواہ ہو گیا ﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾ تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے درپے ہوتے ہیں محض اس کے ایمان لانے کی خواہش اور حرص کی بناء پر [''تَصَدّٰی'' میں ''تا'' کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اہل حجاز کے نزدیک]۔

۷۔﴿وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰى﴾ اور آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں کہ وہ پاک نہ ہو (یعنی) آپ کو اس میں کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا اگر وہ اسلام کے ذریعے (کفر و شرک سے) پاک نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ کرنا ہے اور بس!

۸ تا ۱۰۔﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰى﴾ اور لیکن جو شخص خیر و بھلائی طلب کرنے کے لیے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ﴿وَهُوَ یَخْشٰى﴾ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا کفار سے ڈرتا ہے یا وہ آپ کے پاس آتے ہوئے راستے کے نشیب و فراز میں گر پڑنے سے ڈرتا ہے جیسا کہ نابینوں اور اندھوں کی عادت ہوتی ہے ﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں' اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضور سیّد عالم ﷺ نے کسی غریب و فقیر کے سامنے تیوری نہیں چڑھائی اور نہ کسی مال دار کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کی مجلسِ شوریٰ (مشاورتی کمیٹی) میں فقراء بھی مشیر ہوا کرتے تھے [''تَلَهّٰی'' اصل میں ''تَتَلَهّٰی'' تھا (پھر تخفیف کی وجہ سے ایک ''تا'' کو گرا دیا گیا)]۔

۱۱۔﴿كَلَّاۤ﴾ ہرگز نہیں! یہ کلمہ روکنے اور باز کرنے کا ہے یعنی ایسی حرکت دوبارہ نہیں ہونی چاہیے ﴿اِنَّهَا﴾ وہ سورت یا آیات ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ نصیحت ہے جس سے نصیحت حاصل کرنا واجب ہے اور اس کے موجب پر عمل کرنا لازم ہے۔

۱۲۔﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ سو جو چاہے اسے یاد کرے اور اس سے نصیحت پائے (یا یہ معنی ہے کہ) سو جو اللہ تعالیٰ کو چاہے وہ اسے یاد کرے اور اس کا ذکر کرے [یا مذکر کی ضمیر اس لیے استعمال کی گئی ہے کہ ''تَذْكِرَةٌ'' سے ذکر اور وعظ مراد ہیں] اور معنی یہ ہے کہ سو جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنے ذکر کی توفیق الہام فرما دیتا ہے اور جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نصیحت قبول کرنے کی توفیق الہام فرما دیتا ہے۔

۱۳ تا ۱۶۔﴿فِیْ صُحُفٍ﴾ [یہ ''تَذْكِرَةٌ'' کی صفت ہے] یعنی بے شک یہ نصیحت ایسے صحیفوں اور کتابوں میں ثابت و قائم ہے جنہیں لوحِ محفوظ سے لکھا گیا ہے [یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هِیَ فِیْ صُحُفٍ''] ﴿مُّكَرَّمَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے محترم اور قابل عزت ہیں ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ آسمان میں بلند ہیں یا یہ کہ یہ صحیفے قدر و منزلت اور شان و مرتبہ میں

بہت بلند ہیں ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ فرشتوں کے ماسوا چھونے سے پاک ہیں یا کلام الٰہی کے ماسوا سے پاک ہیں ﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ﴾ لکھنے والے ہاتھوں سے یعنی یہ صحیفے ان فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے کتابوں کو لوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں [''سَفَرَةٌ''، ''كَتَبَةٌ'' کے ہم معنی ہے اور ''سافر'' کی جمع ہے] ﴿كِرَامٍ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم ومعزز اور بزرگ ہیں یا وہ گناہوں سے پاک ہیں ﴿بَرَرَةٍ﴾ بڑے نیک ہیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے پرہیزگار ہیں [یہ ''بَارٌّ'' کی جمع ہے]۔

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ
فَقَدَّرَهُ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٢٢﴾
كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ
صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾
وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

انسان ہلاک کیا جائے وہ کیسا ناشکرا ہے O (اللہ تعالیٰ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا O اسے پانی کی بوند سے پیدا کیا' پھر اسے مناسب اندازوں پر رکھا O پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا O پھر اس کو موت دے دی اور اس کو قبر میں رکھوایا O پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے باہر نکالے گا O ہرگز نہیں! اس نے وہ حکم پورا نہیں کیا جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا O سو انسان کو چاہیے وہ اپنے کھانے کو غور سے دیکھے O بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا جیسا کہ بہانے کا حق ہے O پھر ہم نے زمین کو چیر کر پھاڑا O سو ہم نے اس میں سے دانے اُگائے O اور انگور اور سبزہ O اور زیتون اور کھجوریں O اور گھنے باغات O اور میوے اور چارہ O تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے O

## انسان کی ناشکری وتخلیق اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان

۱۷- ﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ﴾ انسان ہلاک کیا جائے (یعنی) کافر انسان پر لعنت و پھٹکار کی جائے یا امیہ بن خلف پر لعنت کی جائے یا عتبہ بن ابی لہب پر لعنت کی جائے ﴿مَا أَكْفَرَهُ﴾ وہ کس قدر ناشکرا ہے [استفہام کا حرف ''مَا'' زجر وتوبیخ کرنے اور ڈانٹنے کے لیے ہے] یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے اسے کفر اختیار کرنے پر برانگیختہ کیا [یا یہ تعجب کے لیے ہے] یعنی اس کا کفر کس قدر شدید وسخت ترین ہے۔

۱۸'۱۹- ﴿مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ اسے کس چیز سے پیدا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اسے کیسی حقیر چیز سے پیدا فرمایا [اور یہ استفہام ہے اور اس کا معنی تقریر ہے] (یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر چیز سے پیدا فرمایا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو وضاحت سے بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر وناپاک پانی کی ایک بوند سے پیدا فرمایا ﴿فَقَدَّرَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کو جیسا چاہا مختلف اندازوں پر بنایا (گورا' کالا' سانولا' دراز قد' کوتاہ قد' حسین وجمیل اور قبیح وبدصورت' مناسب ومساوی یا غیر مناسب اعضاء بنائے)۔

۲۰- ﴿ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے راستہ آسان کر دیا یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و شر' نیکی اور بدی کے راستے کو واضح کر کے بیان فرما دیا [''السَّبِيلَ'' مضمر و مخفی فعل ''يَسَّرَ'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۱- ﴿ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی اور اسے قبر میں رکھوایا (یعنی) اس کو قبر میں دفن کرا کے قبر والا بنایا' یہ محض اس کی عزت و کرامت کی خاطر کرایا تا کہ اسے قبر میں دفن کر کے چھپا دیا جائے' اسے چوپایوں کی طرح زمین پر بے پردہ نہیں چھوڑ دیا اور ''قَبَرَ الْمَيِّتَ'' کے معنی ہیں: میت کو قبر میں دفن کر دیا اور ''أَقْبَرَهُ'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا اور اس کو دفنانے کی قدرت و توفیق عطا کی۔

۲۲- ﴿ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ﴾ پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا (یعنی) جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے مرنے کے بعد زندہ کر دے گا۔

۲۳- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے انسان کو کفر اختیار کرنے پر جھڑکا گیا ہے اور کفر سے باز رکھنے کے لیے ڈانٹا گیا ہے ﴿لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا' اس نے اس کو پورا نہیں کیا (یعنی) اس کافر نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا اسے حکم دیا۔

۲٤- جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک پہلے ان نعمتوں کو شمار کیا' جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں تو اب ان کے بعد (درج ذیل آیات میں) ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کی طرف انسان زندگی بھر محتاج رہتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ﴾ سو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف غور سے دیکھے جسے وہ کھاتا ہے اور جس کے ساتھ وہ زندہ رہتا ہے کہ ہم نے اس کے کھانے پینے کے کام کی کس طرح تدبیر کی ہے۔

۲۵- ﴿أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا﴾ بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی بہایا جیسا کہ اس کے بہانے کا حق ہے یعنی ہم نے بادلوں سے بارش برسائی [کوفیوں کی قراءت میں ''أَنَّا'' کو طعام سے بدل اشتمال ہونے کی بناء پر مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ دوسرے قراء کی قراءت میں استیناف کی بناء پر مکسور پڑھا جاتا ہے]۔

۲٦- ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا﴾ پھر ہم نے زمین سے اُگنے والی نباتات کے لیے زمین کو خوب چیر دیا۔

۲۷- ﴿فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا﴾ پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا جیسے گندم اور جَو کے دانے وغیرہ' نیز وہ تمام اناج و غلہ جات جن کو بطورِ غذا استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۸- ﴿وَعِنَبًا﴾ اور انگوروں کو اُگایا۔ انگوروں کے پھل یعنی طعام اور پھل (کیونکہ انگوروں کو بطور غذا بھی کھایا جاتا ہے اور میوہ کے طور پر لذت حاصل کرنے کے لیے بھی اسے کھایا جاتا ہے) ﴿وَقَضْبًا﴾ اور (ہم نے) تر و تازہ گھاس اور چارہ اُگایا [یہ مصدر ہے جسے گھاس وغیرہ کے لیے علم (نام) قرار دیا گیا ہے] یعنی اس کو کاٹا کیونکہ گھاس اور چارہ کو بار بار کاٹا جاتا ہے (پھر اسے بار بار چبایا جاتا ہے)۔

۲۹'۳۰- ﴿وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا﴾ اور زیتون اور کھجوریں ۝ اور گھنے اور گنجان باغات (ہم نے اُگائے)۔ ''غُلْبًا'' کا معنی ہے: ''غلاظ الاشجار'' یعنی گنجان اور گھنے درختوں کا باغ' اس کی جمع ''غلباء'' ہے۔

۳۱'۳۲- ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ اور تمہارے لیے پھل اور تمہارے جانوروں کے لیے چارہ کی چراگاہ اُگائی ﴿مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾ یہ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے ہے [''مَتَاعًا'' مصدر ہے' اس کا معنی ہے: منفعت]۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾ ع

پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والی چیخ دار آواز آئے گی O اس دن ہر آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور اپنے باپ O اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھاگے گا) O اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی O اس دن کئی چہرے روشن ہوں گے O مسکراتے ہوئے مسرور و خوش ہوں گے O اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی O یہی لوگ کفار (اور) بدکار ہیں O

## قیامت کے دن کفار کی ذلت اور نیک مسلمانوں کی عزت کا بیان

۳۳- ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ﴾ پھر جب قیامت کی چیخ آئے گی کیونکہ یہ کانوں کو توڑ دے گی یعنی قیامت کی چیخ کانوں کو بہرا کر دے گی' اور اس کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

۳۴ تا ۳۶- ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ O وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ﴾ اس دن ہر آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا کیونکہ اس آدمی کے درمیان اور ان کے درمیان ایک دوسرے پر حقوق و تاوان ہوں گے یا پھر اس لیے کہ اسے اپنی فکر پڑی ہوگی اور وہ اپنی ذات کی فکر و پریشانی میں مشغول ہوگا ﴿وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ پہلے بھائی' پھر ماں باپ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہی حضرات آدمی کے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں' پھر بیوی اور بیٹوں کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات آدمی کو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے بھائی (قابیل) سے ھابیل اور اپنے ماں باپ (چچی امی اور چچا ابو آزر) سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنی بیوی سے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام اور اپنے بیٹے سے حضرت نوح علیہ السلام بھاگیں گے (یعنی بیزار اور دور ہوں گے)۔

۳۷- ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے اپنی ذات کے بارے میں ایسی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی (یعنی) اسے اپنے بارے میں ایک ایسی ہولناک اور پریشان کن حالت لاحق ہو جائے گی جس کے اہتمام میں وہ پھنسا ہوگا اور وہی اسے کافی ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز ہوگا اور اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔

۳۸' ۳۹- ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے روشن و چمک دار ہوں گے' رات بھر عبادت کی وجہ سے یا وضو کے آثار سے ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ مسکراتے ہوئے خوش و خرم ہوں گے یعنی یہ روشن چہرے والے حضرات مسکراتے ہوں گے اور مسرور و شادمان اور خوش ہوں گے اور یہ مؤمن حضرات ہوں گے۔

۴۰' ۴۱- ﴿وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ﴾ اور کئی چہرے اس دن ایسے ہوں گے جن پر گرد و غبار پڑی ہوگی

﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی' غبار پر سیاہی غالب ہوگی' دھوئیں کی طرح اور چہرے میں اس جیسی سیاہی اور گردوغبار کے اجتماع کی وجہ سے کوئی اور قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا۔

۴۲۔﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ یہی لوگ کافر و فاجر ہیں (یعنی) اس بدترین و قبیح ترین حال والے یہی لوگ ہیں جو حقوق اللہ میں کافر ہیں اور حقوق العباد میں فاسق و فاجر اور بدکار و نافرمان ہیں یا یہ کہ جب انہوں نے فسق و فجور' کفر و شرک کے ساتھ جمع کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کی سیاہی کے ساتھ گردوغبار کو جمع فرما دیا۔

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۲۹ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ التکویر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی انتیس آیات' ایک رکوع ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے ○ اور جب حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ○ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے ○ اور جب دریا بھڑکا دیئے جائیں گے ○ اور جب جانوں کے جوڑے ملائے جائیں گے ○ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا ○ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی ○ اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے ○ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا ○ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا ○ اور جب جنت کو نزدیک کر دیا جائے گا ○ ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے پیش کیا ○

## قیامت کے دن ہر انسان اپنا اچھا یا برا عمل دیکھ لے گا

۱۔﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ یہ ''كُوِّرَتْ الْعِمَامَةَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنے سر پر عمامہ لپیٹ لیا ہو یعنی قیامت کے روز اس کی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا' چنانچہ آفاق و اطراف میں اس کا انتشار و پھیلاؤ ختم ہو جائے گا اور اس کی وسعت ختم ہو جائے گی [''الشمس'' فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور اس کو رفع دینے والا عامل اس سے پہلے فعل مضمر و مخفی ہے' اس کے بعد والا فعل ''كُوِّرَتْ'' اس کی تفسیر کر رہا ہے اس لیے کہ ''اِذَا'' فعل کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے]۔

۲۔﴿وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) آسمان سے گر پڑیں گے اور بکھر جائیں گے۔

٣- ﴿ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴾ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے' زمین کی سطح سے چلائے جائیں گے اور روئے زمین سے دور کر دیئے جائیں گے یا انہیں فضاء میں اس طرح چلایا جائے گا جس طرح بادلوں کو چلایا جاتا ہے۔

٤- ﴿ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴾ اور جب گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی' ان کے مالک انہیں چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ اپنی فکر میں مشغول ہو جائیں گے' حالانکہ وہ لوگ ان اونٹنیوں کو اس حالت میں گھر میں روک لیا کرتے تھے کیونکہ جب وہ دس ماہ کی حاملہ ہو جاتی تو ان کی اہمیت ان کے مالکوں کے ہاں بڑھ جاتی تھی اور وہ لوگ ان دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں کے علاوہ دوسری اونٹنیوں کو چرنے پھرنے کے لیے جنگل میں اکیلا چھوڑ دیتے تھے [''عِشَار'' جمع ہے ''عُشَرَاء'' کی اور یہ وہ اونٹنی ہوتی ہے جس کے حمل کے دس ماہ پورے ہو چکے ہوں' پھر اس کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سال تمام ہونے پر بچے کو جنم دے دے' نیز ''عُطِلَتْ'' کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے' یزیدی سے یہی منقول ہے]۔

٥- ﴿ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴾ اور جب وحشی جانوروں کو جمع کیا جائے گا (یعنی) وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر چیز کو قصاص اور بدلہ دلوانے کے لیے جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی جمع کیا جائے گا' پھر جب ان کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تو دوبارہ انہیں مٹی میں لوٹا دیا جائے گا' پس ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی ماسوا اس کے جس میں انسانوں کو سرور حاصل ہوگا جیسے مور وغیرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لوگوں کو اور ان کے مالوں کو قحط سالی ہلاک و برباد کر دے گی تو ان کا حشر وہی قحط سالی ہوگی۔

٦- ﴿ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴾ اور جب دریا اور سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ یہ ''سُجِّرَ التَّنُّوْرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور کو لکڑیوں سے بھر دیا جاتا ہے یعنی جب دریا اور سمندر آگ سے بھر دیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف جاری کیے جائیں گے' یہاں تک کہ روئے زمین کے تمام دریا اور تمام سمندر ایک سمندر میں ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے تمام دریا اور سمندر آگ سے بھر دیئے جائیں گے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ ''سُجِرَتْ'' پڑھا جاتا ہے]۔

٧- ﴿ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴾ اور جب جانیں ملائی جائیں گی' چنانچہ ہر جان اپنی ہم شکل سے ملائی جائے گی کہ نیک جان کو نیک جان کے ساتھ جنت میں ملایا جائے گا اور بُری جان کو بُری جان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا' یا یہ معنی ہے کہ روحوں کو اپنے جسموں کے ساتھ ملایا جائے گا' یا یہ کہ ہر شخص کو اس کی اپنی کتاب اور اپنے اعمال نامہ کے ساتھ ملایا جائے گا' یا یہ کہ مؤمنوں کی جانوں کو حور عین کے ساتھ اور کافروں کی جانوں کو شیطانوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔

٨'٩- اور عرب کے لوگ بھوک و تنگ اور لونڈی بننے کے خوف و ڈر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اس لیے یہاں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴾ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے نہایت لطف و کرم اور بڑی نرمی کے ساتھ سوال کیا جائے گا تا کہ وہ یہ بتا سکے کہ اسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قتل کیا گیا ہے یا تا کہ اپنے قاتل کے بارے میں رہنمائی کر سکے اور یہ لڑکی کے قاتل کے لیے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اس سے خطاب پھیر لیا گیا ہے (حالانکہ لڑکی کے قاتل سے خطاب کر کے پوچھا جاتا کہ تو نے بے گناہ لڑکی کو کیوں قتل کیا) جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (المائدہ:١١٦) ''اور جب اللہ تعالیٰ (بروزِ قیامت) فرمائے گا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا

لو" (حالانکہ یہ سوال عیسائیوں سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو میرے سوا معبود بنا لیا تھا، مگر انہیں خطاب کا اہل نہیں سمجھا گیا) ﴿ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ﴾ کہ اسے کس گناہ میں قتل کیا گیا' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشرکین کے بچوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور نیہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بغیر کسی جرم و گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا [یزید کی قراءت میں تشدید کے ساتھ "قُتِّلَتۡ" (باب تفعیل سے) پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰-﴿ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ﴾ اور جب اعمال نامے کے صحیفے اور کتابیں کھولی جائیں گی اور صحیفوں سے اعمال نامے کے رجسٹر مراد ہیں جن کو انسان کی موت کے وقت لپیٹ دیا جاتا ہے' پھر انہیں اس وقت کھولا جائے گا جب انسان کا حساب لیا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ صحیفوں کو اعمال نامے والے لوگوں کے درمیان کھولا جائے گا یعنی ان کے درمیان انہیں تقسیم کر دیا جائے گا [نافع مدنی' ابن عامر شامی' امام عاصم کوفی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "نُشِرَتۡ" پڑھا جاتا ہے][1]

۱۱-﴿ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ﴾ اور جب آسمان کو کھینچ لیا جائے گا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ آسمان کو اپنی جگہ سے اس طرح اکھیڑ لیا جائے گا' جس طرح چھت کو اکھاڑا جاتا ہے۔

۱۲-﴿ وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ﴾ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا (یعنی) قیامت کے روز دوزخ کو بہت زیادہ سخت جلایا اور بھڑکایا جائے گا [ابن عامر شامی' نافع مدنی' امام عاصم کوفی کی قراءت میں حماد اور یحییٰ کے علاوہ مبالغہ کے لیے عین کو تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) "سُعِّرَتۡ" پڑھا جاتا ہے][2]

۱۳-﴿ وَاِذَا الۡجَـنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ﴾ اور جب جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَاُزۡلِفَتِ الۡجَـنَّـةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ○" (ق:۳۱) "اور جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا دور نہیں رکھا جائے گا○" سو یہ بارہ علاماتِ قیامت ہیں جن میں سے چھ علامات دنیا میں رونما ہوں گی اور باقی آخرت میں وقوع پذیر ہوں گی [شروع سورت سے لے کر "مَـآ اَحۡضَرَتۡ" تک کسی آیت پر مطلق وقف نہیں ہے کیونکہ "اِذَا الشَّـمۡـسُ" اور اس پر معطوفات کا جواب "عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ" ہے البتہ سانس ختم ہونے پر ضرورت کے تحت ہر آیت پر وقف جائز ہے]۔

۱۴-﴿ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ ﴾ "اَیۡ کُـلُّ نَـفۡـسٍ" یعنی ہر شخص جان لے گا ﴿ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴾ جو نیک و بد عمل اس نے حاضر و پیش کیا۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝۱۵ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ۝۱۶ وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۝۱۷ وَالصُّبۡحِ
اِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۝۱۹ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ
مَكِيۡنٍ ۝۲۰ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ۝۲۱ وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝۲۲ وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ

[1] جب کہ ابو عمرو' ابن کثیر مکی' حمزہ کوفی' علی کسائی' یحییٰ' اعمش اور خلف کی قراءت میں شین کو تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) "نُشِّرَتۡ" پڑھا جاتا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۳)

[2] ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور ابن عامر شامی وغیرہم کی قراءت میں عین کو تخفیف کے ساتھ "سُعِرَتۡ" پڑھا جاتا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۴)

الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾
فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ
يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

سو مجھے قسم ہے واپس پیچھے لوٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپ جانے والوں کی O اور رات کی جب وہ جانے لگے O اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے O بے شک یہ (قرآن) ضرور عزت والے رسول کا (لایا ہوا) کلام ہے O بہت بڑی قوت والا ہے مالکِ عرش کے نزدیک بہت بلند شان والا ہے O وہاں (آسمانوں میں اس کی) اطاعت کی جاتی ہے (نیز وہ) امانت دار ہے O اور تمہارے صاحب مجنون نہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں O اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں (بہکے) جارہے ہو O وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت O اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہتا ہے O اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے O

## قسموں سے مؤکد قرآن مجید اور حاملِ قرآن مجید کی عظمت وشان کا بیان

۱۵'۱۶- ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ﴾ سو مجھے قسم ہے پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی! (یعنی) واپس اپنے پہلے مدار میں لوٹنے والے۔ تم دیکھو گے کہ ستارہ آخر برج میں پہنچ کر اسی وقت پھر اپنے پہلے برج کی طرف واپس پیچھے لوٹنے لگتا ہے ﴿الْجَوَارِ﴾ گردش کرنے والے اور چلنے پھرنے والے ستارے ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والے۔ یہ ''كَنَسَ الْوَحْشُ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہرن اپنی پناہ گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ گردش کرنے والے پانچ ستارے مراد ہیں جن کے نام یہ ہیں: بہرام (مریخ)' زحل' عطارد' زہرہ اور مشتری' یہ سورج اور چاند کے ساتھ چلتے ہیں اور واپس پیچھے لوٹ آتے ہیں یہاں تک کہ سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں' سو ان کا ''خنوس'' ان کا واپس لوٹنا ہے اور ان کا ''کنوس'' ان کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔

۱۷- ﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾ اور رات کی قسم! جب وہ جانے لگے (یعنی) جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ آگے آنے لگے یا پیچھے جانے لگے۔ ''عَسْعَسَ'' لغت الاضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہوتے ہیں۔

۱۸- ﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے! (یعنی) جب اس کی روشنی ہر طرف پھیل جائے اور چونکہ جب صبح کی آمد ہوتی ہے تو دلوں کو اس کے اجالے سے راحت وخوشی حاصل ہوتی ہے' اس کا نام نفس رکھا گیا ہے اور ان تمام قسموں کا جواب (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے۔

۱۹ تا ۲۱- ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ﴾ بے شک یہ (قرآن) ضرور رسول کا کلام ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام ہے اور قرآن مجید کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ اس قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے حضرت جبریل علیہ السلام لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا کرتے تھے ﴿كَرِيْمٍ﴾ حضرت جبریل اپنے

پروردگار کے ہاں بڑے معزز ومحترم ہیں ﴿ذِی قُوَّۃٍ﴾ بڑی قوت والے ہیں' جن احکام کے بجالانے کا انہیں مکلف بنایا جاتا ہے' وہ ان کے بجالانے پر پوری قدرت وطاقت رکھتے ہیں' نہ ان سے عاجز ہوتے ہیں اور نہ کمزور ہوتے ہیں ﴿عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ﴾ عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑے مرتبے اور شان والے ہیں اور چونکہ مرتبہ اور شان کا حال مرتبہ اور شان بخشنے والے کے حال کے مطابق ہے' اس لیے ''عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ'' فرمایا تاکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے بلند مرتبے اور بڑی شان کی عظمت وفضیلت کا اظہار ہو جائے ﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ﴾ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے یعنی آسمانوں میں وہاں کے باشندے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں یا عرش کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں ﴿أَمِیْنٍ﴾ حضرت جبریل وحی الٰہی پر بڑے امانت دار ہیں' کسی قسم کی کمی وبیشی نہیں کرتے۔

۲۲-﴿وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ﴾ اور تمہارے صاحب یعنی حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مجنون و دیوانہ نہیں ہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں اور یہ جواب قسم پر معطوف ہے (اس لیے یہ بھی قسم کا جواب ہے)۔

۲۳-﴿وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾ اور بے شک آپ نے اسے روشن کنارے میں دیکھا یعنی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں آسمان کے مشرقی کنارے سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں دیکھا ہے۔

۲۴-﴿وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾ اور وہ غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں (یعنی) سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وحی بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔ ''ضَنِیْنٌ'' بہ معنی بخیل ہے اور یہ ''ضَنٌّ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: بخل کرنا یعنی حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وحی الٰہی کے بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے جیسا کہ کاہن نذرانے اور معاوضے کے لالچ اور شوق میں غیب کے بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ آپ تو وحی اور غیب کی باتیں اسی طرح بعینہٖ بتادیتے ہیں جس طرح آپ کو سکھایا اور بتایا جاتا ہے اور آپ کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے' آپ اس میں سے کچھ نہیں چھپاتے[1] [ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں ''بظنین'' پڑھا جاتا ہے] یعنی آپ پر غیب کے بتانے میں تہمت نہیں لگائی گئی کہ آپ وحی الٰہی میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا اس میں اضافہ کرتے ہیں' یہ ''ظِنَّۃٌ'' سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: تہمت اور الزام لگانا۔

۲۵-﴿وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ﴾ اور وہ (یعنی) قرآن مجید شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ ''رجیم'' کا معنی ہے: پھینکا ہوا' رد کیا ہوا اور مردود' اور یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیَاطِیْنُ ○'' (الشعراء:۲۱۰)'' اور اس کو شیطان لے کر نہیں اترتے ○'' یعنی یہ قرآن چوری چھپے سن کر اپنے کاہن دوستوں کی طرف القاء کرنے والا شیطانوں کا کلام نہیں ہے۔

۲۶-﴿فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ﴾ سو تم کہاں جا رہے ہو؟ اس آیت مبارکہ میں کفارِ مکہ کی گمراہی کا بیان ہے کہ تم برحق کتاب قرآن مجید کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو' جیسا کہ سیدھے راستے کو ترک کرنے اور بڑے اور واضح راستے کی بجائے تنگ اور چھوٹے راستوں پر چلنے والے شخص کو اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ چنانچہ ان لوگوں کے حال کو حق کے ترک کرنے اور اس سے روگردانی کر کے باطل کی راہ پر چلنے کی وجہ سے ایسے شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ جو راستہ میں نے تمہارے لیے بیان کیا ہے' اس سے

زیادہ واضح راستہ کون سا ہے جس پر تم چل رہے ہو؟ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ ہمارے پاس ہے (یعنی ہر چیز ہمارے پاس ہے)۔

۲۷'۲۸- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے نصیحت ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہے یعنی قرآن مجید ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو استقامت چاہتا ہے' مطلب یہ ہے کہ بے شک جو لوگ اسلام میں داخل ہو کر استقامت چاہتے ہیں وہی اس نصیحت (قرآن) سے فائدہ حاصل کریں گے تو گویا ان کے علاوہ اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ انہیں نصیحت کی جائے [''لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ''' ''اَلْعَالَمِيْنَ'' سے بدل ہے]۔

۲۹- ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم استقامت کامل نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (یعنی) وہ تمام مخلوق کا مالک ہے۔

| سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۱۹ رُكُوْعُهَا ۱ |
|---|---|---|

سورۃ الانفطار مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی انیس آیات' ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳

جب آسمان پھٹ جائے گا○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے○ اور جب سمندر بہا دیئے جائیں گے○ اور جب قبروں کو زیروزبر کر کے مُردوں کو نکالا جائے گا○ تو ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا○ اے انسان! تجھے تیرے مہربان پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دیا○ جس نے تجھے پیدا کیا' پھر اس نے تجھے درست کیا اور تجھے مناسب بنایا○ جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دیا○ ہرگز نہیں! بلکہ تم جزاء وسزا کو جھٹلاتے ہو○ اور بے شک تم پر محافظ مقرر ہیں○ معزز لکھنے والے○ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو○ بے شک نیک لوگ ضرور (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے○

## قیامت کی علامات اور انسان کی ناشکری' نیز نیک و بد کے انجام کا بیان

۱ تا ۵- ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ جب آسمان کھل جائے گا (یعنی) پھٹ جائے گا' ''اِنْفَطَرَتْ'' بہ معنی ''اِنْشَقَّتْ'' ہے ﴿وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) گر پڑیں گے ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ اور جب دریا اور سمندر بہا دیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف کھول دیئے جائیں گے اور تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے۔

﴿وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾ اور جب قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا (یعنی) جب قبروں کو کریدا اور شق کیا جائے گا اور ان کے اندر سے مُردوں کو نکالا جائے گا اور ''اِذَا'' کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:) ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾ جان کو معلوم ہو جائے گا یعنی ہر نیک و بد جان جان لے گی ﴿مَّا قَدَّمَتْ﴾ عبادت میں سے جو کچھ آگے بھیجا ﴿وَاَخَّرَتْ﴾ اور جو کچھ چھوڑ دیا اور عمل نہ کیا' یا یہ معنی ہے کہ اس نے صدقات و خیرات میں سے جو کچھ آگے بھیجا اور میراث میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا۔

۶-۷ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ﴾ اے انسان! بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ خطاب حشر ونشر اور قیامت کے منکرین کے لیے ہے یعنی اے قیامت کے منکرو! ﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ﴾ تیرے کرم فرمانے والے پروردگار کے متعلق تجھے کس چیز نے فریب و دھوکا دیا یعنی کس چیز نے تجھے دھوکا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اپنے کریم و رحیم پروردگار کے ان تمام احکام و فرائض کو ضائع کر دیا جن کی ادائیگی تجھ پر واجب و لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کر کے اور تمام اعضاء ہموار و برابر بنا کر اور معتدل و مناسب انسان بنا کر تجھ پر بہت بڑے احسانات فرما دیئے ہیں: (۱) حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو ارشاد فرماتے کہ انسان کو اس کی جہالت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انسان کو اس کی نادانی اور حماقت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (۳) اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان کو اس کے شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے (۴) اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خطاب کیا گیا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم پروردگار! مجھے تیرے فضل و کرم کے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کر دیا (۵) اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے رب تعالیٰ نے یہ فرمایا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم و رحیم خدا! مجھ پر تیرے گزشتہ اور موجودہ احسانات نے مجھے فریب میں ڈال دیا ﴿فَسَوّٰىكَ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تجھے ٹھیک ٹھاک بنایا اور تجھے تخلیق میں مساوی و برابر اور سالم اعضاء والا بنایا ﴿فَعَدَلَكَ﴾ سو اس نے تجھے ہموار بنایا اور پیدائش میں تجھے مناسب و معتدل بنایا' اس میں کسی قسم کا تفاوت و فرق نہیں رکھا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک کو زیادہ طویل و لمبا بنایا اور نہ دونوں آنکھوں میں سے کسی ایک آنکھ کو زیادہ بڑا اور زیادہ کشادہ بنایا اور نہ بعض اعضاء کو بہت سفید اور بعض کو بہت کالا سیاہ بنایا (بلکہ سب میں توازن قائم رکھا) یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تخلیق میں مناسب و موزوں اور معتدل بنایا کہ تم کھڑے ہو کر سیدھے چلتے ہو' چوپایوں کی طرح منحنی نہیں بنایا [کوفی قراء کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''عَدَلَ'' پڑھا گیا ہے[1] اور یہ بھی مشدد کے معنی میں ہے یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیرے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ یکساں اور مساوی بنایا یہاں تک کہ تو معتدل انسان بن گیا اور خلقت میں مناسب و معتدل اور موزوں آدمی بن گیا۔

۸- ﴿فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تمہیں بنا دیا۔ لفظ ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے یعنی خوب صورتی و بدصورتی اور لمبا اور چھوٹا قد ہونے کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں سے جس صورت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نے تقاضا کیا اسی صورت میں تمہیں بنا دیا [اس جملہ کا اس کے مقابل پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ یہ جملہ ''عَدَلَكَ'' کے لیے بیان ہے اور حرف جار ''رَكَّبَكَ'' کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بعض صورتوں میں بنایا اور اس میں ثابت و متمکن فرمایا' یا پھر یہ حرف جار محذوف کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس حال میں بنایا کہ ان

---

[1] جب کہ ابوعمرو' ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور جعفر وغیرہم کی قراءت میں دال کو مشدد (باب تفعیل سے) ''فَعَدَّلَكَ'' پڑھا گیا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۹)

مختلف صورتوں میں سے بعض صورتیں تجھے حاصل ہوگئیں]۔

۹- ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمۂ تہدید کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے غفلت برتنے پر جھڑکا اور ڈانٹا گیا ہے ﴿ بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴾ بلکہ تم اصل میں انصاف کو جھٹلاتے ہو اور وہ ہے اعمال پر جزاء دینا یا تم دین اسلام کو جھٹلاتے ہو' سو تم نہ ثواب کی تصدیق کرتے ہو اور نہ عذاب کی۔

۱۰ تا ۱۲- ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴾ اور بے شک فرشتوں میں سے بعض فرشتے تمہارے اعمال اور اقوال کی حفاظت پر محافظ و نگہبان مقرر ہیں ﴿ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴾ معزز لکھنے والے یعنی بے شک تم تو جزاء کو جھٹلاتے ہو حالانکہ لکھنے والے فرشتے تم پر تمہارے اعمال کو لکھ رہے ہیں تاکہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزاء عطا کی جائے ﴿ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ وہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اور تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے اور لکھنے والے فرشتوں کی تعریف و توصیف میں ان کی عظمت کے ساتھ اعمال پر ملنے والے معاوضے کی عظمت کا اظہار بھی ہے اور یہ کہ بے شک اعمال پر ملنے والا معاوضہ اور جزاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اور اہم ترین اُمور میں سے ہے اور اس میں مجرموں کے لیے دھمکی اور ڈراوا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے لطف و کرم ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جب اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے کہ ''غافلین'' کے لیے اس آیت سے بڑھ کر کوئی اتنی سخت نہیں جتنی یہ آیت مبارکہ سخت ہے۔

۱۳- ﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴾ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک مؤمنین ضرور جنت کی نعمتوں میں چین سے رہیں گے۔

وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع

اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے ○ وہ اس میں قیامت کے دن داخل ہوں گے ○ اور وہ اس سے کبھی غائب نہیں ہوسکیں گے ○ اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ پھر کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھے گا اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کا ہوگا ○

۱۴ تا ۱۶- ﴿ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴾ اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک کفار دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے ﴿ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ وہ اس میں جزاء اور معاوضہ کے دن داخل ہوں گے ﴿ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴾ اور وہ لوگ اس سے غائب نہیں ہوں گے یعنی ان کو اس دوزخ میں سے نکالا نہیں جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا'' (المائدہ: ۳۷) ''اور وہ لوگ اس میں سے باہر نہیں نکالے جائیں گے''۔

۱۷ تا ۱۹- پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی شان و مرتبہ کی عظمت و اہمیت بیان کی اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴾ اور (اے انسان!) کیا تم جانتے ہو کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ پھر کیا تم جانتے ہو کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ سو اللہ تعالیٰ نے تاکید اور قیامت کی ہولناکی و سختی کے اظہار کے لیے مکرر فرمایا اور اپنے (درج ذیل) ارشاد

میں روزِ جزاء کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ﴾ اس روز کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہیں رکھے گی یعنی کوئی جان کسی جان کا دفاع نہیں کر سکے گی اور نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکے گی اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کر سکے گی [ ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یَوْمٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا جاتا ہے'' اَیْ ھُوَ یَوْمٌ'' یا یہ ''یوم الدین'' سے بدل واقع ہو رہا ہے اور جن کی قراءت میں منصوب ہے وہ ''اُذْکُرْ'' مخفی و مضمر کی وجہ سے یا ''یُدَانُوْنَ'' مضمر کی وجہ سے ہے کیونکہ لفظ ''دین'' اس پر رہنمائی کرتا ہے ] ﴿ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا یعنی اس دن حکم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اور اس دن صرف وہی فیصلہ کرے گا اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

| سورۃ المطففین مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتها ٣٦ رکوعها ١ |
|---|---|---|
| سورۃ المطففین مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | اس کی چھتیس آیات' ایک رکوع ہے |

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا
كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④
لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ
لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ⑪

کم تولنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ وہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں○ اور جب وہ لوگوں کو ماپ کر دیتے ہیں یا ان کو وزن کر کے دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں○ کیا وہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا○ ایک بہت بڑے دن کے لیے○ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک و پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے○ کیوں نہیں! بے شک بدکاروں (یعنی کافروں) کا اعمال نامہ ضرور سجین میں ہے○ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے؟○ وہ جلی حروف سے لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ جو روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں○

## ناپ تول کم کرنے اور قیامت کو جھٹلانے والوں کی مذمت اور بُرے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ المطففین میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ہے۔

۱- ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴾ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے (یعنی) ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو ناپ تول میں دوسرے لوگوں کے حقوق کو گھٹا دیتے ہیں [ ''وَيْلٌ'' مبتدا ہے ''لِلْمُطَفِّفِيْنَ'' اس کی خبر ہے ]۔

۳،۲- ﴿ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴾ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں یعنی جب وہ

لوگوں سے خریداری کرتے وقت کوئی چیز لیتے ہیں تو اپنے حقوق مکمل اور پورے لے لیتے ہیں اور چونکہ جب یہ لوگوں سے ناپ تول کرتے ہیں تو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں اور وہ اس معاملہ میں ان پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں اس لیے "عَلَى النَّاس" میں "مِنْ" کی بجائے "عَلٰی" استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ ضرر کے معنی پر دلالت کرتا ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ "عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ" کے متعلق ہو اور مفعول کو فعل پر مقدم کیا گیا ہو تا کہ اختصاص کا افادہ حاصل ہو] یعنی وہ صرف چیزیں لیتے وقت لوگوں سے پوری لیتے ہیں (لیکن دیتے وقت پوری نہیں کم کر کے دیتے ہیں) [اور فراء نے کہا کہ حرف "مِنْ" اور "عَلٰی" اس جگہ ایک دوسرے کے پیچھے استعمال ہوتے ہیں] چنانچہ جب کوئی شخص کہتا ہے: "اِكْتَلْتُ عَلَيْكَ" تو گویا وہ کہتا ہے: "اَخَذْتُ مَا عَلَيْكَ" جو تیرے ذمہ بنتا ہے وہ میں نے لے لیا ہے اور جب وہ کہتا ہے: "اِكْتَلْتُ مِنْكَ" تو گویا وہ کہتا ہے: "اِسْتَوْفَيْتُ مِنْكَ" میں نے تجھ سے اپنا حق پورا لے لیا ہے ﴿وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ﴾ اور جب وہ ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں (تو کم کر کے دیتے ہیں) [اور اس میں ضمیر منصوب "هُمْ"، "النَّاس" کی طرف لوٹتی ہے اصل میں "كَالُوْا لَهُمْ اَوْ وَزَنُوْا لَهُمْ" ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے اور فعل کو اپنے معمول تک براہِ راست پہنچا دیا گیا ہے] اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں کو صرف ناپ کے آلات سے لیتے تھے جن کو ناپ کر بھی اور تول کر بھی لین دین میں دیا جاتا تھا تا کہ یہ لوگ ناپ کر کے لیتے وقت اپنا حق پورا پورا لینے کے ساتھ ساتھ چرا بھی لیں کیونکہ وہ ماپنے کے آلہ کو حرکت دیتے اور بھرتے وقت اسے ہلایا کرتے اور اناج وغیرہ بھرنے میں حیلہ سازی سے کام لیتے تھے اور جب وہ لوگوں کو دیتے تو ماپ کر دیتے یا تول کر دیتے تا کہ دونوں صورتوں میں نقصان سے محفوظ رہیں ﴿يُخْسِرُوْنَ﴾ وہ گھٹا کر دیتے اور کم کر کے دیتے تھے کہا جاتا ہے: "خَسَرَ الْمِيْزَانَ وَاَخْسَرَهٗ" اس نے ترازو کو کم کیا اور اسے گھٹایا۔

٤ تا ٦- ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ کیا وہ یہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں ایک بڑے دن کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یعنی قیامت کے دن کے لیے [ہمزہ استفہام کا "لا" نافیہ پر محض لوگوں کو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے داخل کیا گیا ہے اور یہ "اَلَا" تنبیہ کے لیے نہیں ہے] اور دراصل اس میں ناپ تول میں کمی کرنے کی جرأت پر ان لوگوں کے حال پر بہت بڑے تعجب اور انکار کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ بڑی عجیب وغریب حرکت نہیں کرنی چاہیے (کیونکہ اس سے اعتماد اور عزت ووقار ختم ہو جاتا ہے) گویا وہ اپنے دلوں میں اس حرکت سے نہیں ڈرتے اور نہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ایک ایک ذرّے کا ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر وہ یہ گمان کر لیتے کہ انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ ناپ تول میں کمی نہ کرتے۔

روایت: اور عبدالملک بن مروان کے بارے میں منقول ہے کہ ایک اعرابی نے اس سے کہا: بے شک تم نے وہ کلام سن لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے تو اب تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کے مال بغیر ناپ تول کے لے لیتے ہو۔ اس سے اعرابی کا مقصد عبدالملک بن مروان کو ڈرانا اور خوفِ خدا دلانا تھا کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید ہے (تو جو مسلمانوں کا سارا مال ناحق لے گا اسے کس قدر عذاب ہوگا) ﴿يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک کے حضور اس کے حکم پر جزاء وسزا کے لیے کھڑے ہوں گے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اس سورت کو پڑھا جب اس آیت مبارکہ پر پہنچے تو اسے پڑھ کر بہت روئے اور اس قدر زیادہ روئے کہ

اس کے بعد آگے پڑھنے سے عاجز آ گئے اور پڑھ نہ سکے اور رُک گئے [''یَوْمٌ'' کا نصب ''مبعوثون'' کی وجہ سے ہے]۔

۷ تا ۹۔ ﴿ كَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! کیوں نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ ڈرایا دھمکایا اور متنبہ و خبردار کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب و کتاب سے غفلت برتنے پر اور ناپ تول میں کمی کرنے پر ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور انہیں اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا ہے کہ ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس گھناؤنے گناہ سے توبہ کریں اور اس پر نادم و پشیمان ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے فوراً بعد عمومی طور پر فاجروں' فاسقوں اور نافرمانوں کے لیے اپنی وعید و ڈراوے کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴾ بے شک بدکاروں کے اعمال کے صحیفے ضرور سجین میں ہیں ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے ○ وہ ایک خوش خط مہر شدہ کتاب ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فجار و بدکاروں کی کتاب کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ سجین میں ہے اور سجین کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ کتاب مرقوم ہے' تو گویا فرمایا گیا ہے کہ فجار کی کتاب مرقوم کتاب میں ہے' سو اس کا کیا معنی ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سجین ایک جامع کتاب ہے' وہ بُرائی کا بہت بڑا رجسٹر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شیطانوں اور انسانوں اور جنوں میں سے کافروں کے اعمال درج کر دیئے ہیں اور یہ ایک مہر شدہ لکھی ہوئی کتاب ہے' جس کی کتابت خوب واضح اور خوش خط کی گئی ہے یا وہ ایک ایسی علامت والی کتاب ہے کہ اسے جو شخص دیکھتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔ یہ ''رَقْمُ الثِّيَابِ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: کپڑوں کی علامت و نشانی اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک فجار و بدکاروں کے اعمال میں سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس دیوان اور رجسٹر میں موجود و ثابت ہے اور اس کا سجین نام رکھا گیا ہے اور سجین فعیل کے وزن پر ''سِجْنٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: محبوس رکھنا اور قید میں روکے رکھنا اور تنگی و سختی کرنا کیونکہ یہ کتاب فجار کے لیے دوزخ میں سختی و تنگی اور قید کا سبب بنے گی یا اس لیے کہ اسے ساتوں زمینوں کے نیچے ایک ایسے مکان میں پھینکا جائے گا جو ڈراؤنا اور سیاہ تاریک ہوگا اور یہ ابلیس اور اس کی اولاد کا مسکن و ٹھکانا ہے [اور یہ اسم علم ہے جو وصف سے منقول ہے جیسے حاتم ہے اور یہ منصرف ہے کیونکہ اس میں صرف ایک سبب ہے اور وہ فقط علمیت ہے]۔

۱۰' ۱۱۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی جس دن ان کا اعمال نامہ نکال کر انہیں دیا جائے گا ﴿ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں (یعنی) جزاء اور حساب کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش و گناہ گار شخص ○ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں○ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے بُرے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جن کو وہ کمایا کرتے تھے○ یقیناً بلاشبہ وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار (کے دیدار) سے محروم رہیں گے○ پھر بے شک وہ دوزخ میں ضرور داخل ہوں گے○ پھر (انہیں) کہا جائے گا: یہ ہے وہ (عذاب) جسے تم جھٹلاتے تھے○

۱۲'۱۳- ﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ﴾ اور اس دن کو نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش اور حد سے بڑھنے والا ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہ گار (یعنی) گناہ کمانے والا ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ﴿قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں یعنی یہ پہلے لوگوں کی باتیں ہیں اور علامہ زجاج نے کہا: ''اساطیر'' بہ معنی ''اباطیل'' ہے؛ جس کا مطلب ہے: جھوٹی اور غلط باتیں۔ اس کا واحد ''اسطورۃ'' جیسے ''احدوثۃ'' اور ''احادیث'' ہے۔

۱۴- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے والے گناہ گار کو اس باطل قول سے اور آیات کی تکذیب سے روکنا مقصود ہے ﴿بَلْ ۜ﴾ کفار نے قیامت کے دن اور قرآن مجید کے بارے میں جو کہا یہ اس کی نفی کے لیے ہے اور امام حفص اس پر تھوڑا سا وقف کرتے ہیں (اور اس کا معنی ہے بلکہ) ﴿رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ان کے دلوں پر ان کے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جنہیں وہ کمایا کرتے تھے (یعنی) ان کی کمائی نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے یعنی ان کے کمائے ہوئے گناہ ان کے دلوں پر غالب آ گئے یہاں تک کہ ان کو ڈھانپ دیا۔

(۱) حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ گناہ پر گناہ کا ارتکاب کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۲) حضرت ضحاک نے فرمایا کہ گناہوں کا زنگ' دل کی موت ہے۔

(۳) حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گناہوں کے زنگ اور دل کی سختی غفلت کی لگام ہیں اور ان دونوں کا علاج مسلسل اور ہمیشہ روزے رکھنا ہے' پھر اگر اس کے بعد بھی دل میں سختی محسوس کرے تو سالن کھانا چھوڑ دے۔

۱۵- ﴿كَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! دل پر زنگ چڑھانے والے کاموں سے روکنا اور ڈرانا دھمکانا مقصود ہے ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ بے شک وہ اپنے پروردگار سے یعنی اس کے دیدار سے اس دن ممنوع و محروم رہیں گے۔ ''محجوب'' بہ معنی ممنوع ہے اور ''حجب'' کا معنی ہے: منع کرنا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیک مسلمان اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے ورنہ تخصیص مفید نہیں رہے گی۔

(۱) علامہ حسین بن الفضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح کفار دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید سے محروم رہے' اسی طرح وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

(۲) حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کے دیدار سے محروم رہیں گے اور وہ اس کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ اپنے دوستوں پر ضرور جلوہ فرمائے گا یہاں تک کہ وہ اس کا دیدار کر لیں گے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی عزت و کرامت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کی کرامت سے محروم رہیں گے' لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح ہے' اس لیے کہ دیدار تمام کرامات و اعزازات سے زیادہ قوی اعزاز و کرامت ہے' پس دیدار سے محروم ہونا عزت و کرامت سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔

۱٦- ﴿ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾ پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو جانے کے بعد دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے۔

۱۷- ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا: یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے یعنی یہ عذاب وہی ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور جس کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کرتے تھے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ
مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ
يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ
مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ
مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

کیوں نہیں! بے شک نیک لوگوں کا نامۂ اعمال ضرور علیّین میں ہے O اور تمہیں کیا معلوم کہ علیّین کیا چیز ہے O وہ لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے O جس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں O بے شک نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں رہیں گے O مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے O آپ ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے O انہیں سربمہر شفاف و خالص شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہوگی' اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے O اور اس میں آبِ تسنیم کی ملاوٹ ہوگی O وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین پئیں گے O

## نیک مسلمانوں کے لیے انعامات اور ان کا مذاق اُڑانے پر کفار کی سزا کا بیان

۱۸- ﴿كَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو روزِ جزاء اور عذابِ آخرت کے جھٹلانے پر زجر و توبیخ کرنا اور ڈانٹنا مقصود ہے ﴿إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ﴾ بے شک نیک لوگوں کی کتاب جس میں ان کے اعمال لکھے گئے ہیں اور نیک لوگ وہ اطاعت گزار فرماں بردار مسلمان ہیں' جو ناپ تول میں کمی نہیں کرتے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حشر و نشر پر ایمان رکھتے ہیں' یہ اس لیے کہ ان کا ذکر فجار و بدکاروں کے مقابلہ میں کیا گیا ہے اور فجار کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیک وہ شخص ہے جو مخلوقِ خدا کو ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچاتا ﴿لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ ضرور علیّین میں ہے اور یہ نیک اعمال کے رجسٹر اور دفتر کا علم اور نام ہے' اس میں وہ تمام اعمالِ خیر لکھ دیئے گئے ہیں جن کو فرشتے اور جن و انس میں سے نیکوکار حضرات بجالائے اور یہ ''فِعِّيْلٌ'' کے وزن پر ''عِلِّيٌّ'' کی جمع سے منقول ہے اور ''عِلِّيٌّ''، ''عُلُوٌّ'' سے ماخوذ ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ جنت میں عالی شان بلند و بالا درجوں تک بلندی کا سبب ہے یا اس لیے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے' اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہے' اس کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس میں کرّوبیین رہتے ہیں۔

۱۹' ۲۰- ﴿وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ O كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ کو کس نے سکھلا دیا کہ علیّین کیا

چیز ہے؟Oوہ سربمہر لکھی ہوئی ایک کتاب ہے۔

۲۱-﴿ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ اس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر آسمان کے مقرب فرشتے نیک لوگوں کے ہر اس عمل کی زیارت کرتے ہیں جسے اوپر بلندی پر لے جایا جاتا ہے۔

۲۲-﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴾ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

۲۳-﴿ عَلَی الْاَرَآئِكِ ﴾ وہ جنت میں دلہن کے کمرے کی طرح آراستہ اور خوب صورت تختوں اور مسندوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿ یَنْظُرُوْنَ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت و کرامت اور اس کی نعمتوں کی طرف اور اپنے دشمنوں کی طرف دیکھتے ہوں گے کہ انہیں کس طرح عذاب دیا جا رہا ہے۔

۲۴-﴿ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴾ آپ ان کے چہروں میں جنتی نعمتوں کی رونق و خوشی اور ان کی تروتازگی پہچان لیں گے۔

۲۶٬۲۵-﴿ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴾ انہیں سربمہر شفاف و خالص شراب پلائی جائے گی ﴿ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ﴾ اس کی مہر مشک ہوگی' دنیا میں جس گوندھی ہوئی مٹی کے ساتھ شراب کے برتنوں پر مہر لگائی جاتی تھی' اس کے بدلے جنت میں شراب کے برتنوں پر مشک کی مہر لگائی جائے گی' جنتی شراب پینے والوں کی تعظیم و تکریم کی خاطر شراب پر مشک کی مہر لگانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا ''خِتَامُهٗ مِسْكٌ'' کا معنی یہ ہے کہ شراب پینے کے اختتام پر مشک کی خوشبو ہوگی یعنی شراب پینے کے خاتمہ پر مشک کی خوشبو محسوس کی جائے گی [قاری علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''خَاتَمُهٗ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَفِیْ ذٰلِكَ ﴾ اور اس میں (یعنی) خالص و شفاف شراب میں یا جنتی نعمتوں میں ﴿ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ پس رغبت کرنے والے ضرور رغبت کریں اور یہ رغبت نیکیوں کو جلد از جلد اپنانے اور برائیوں سے رکنے کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

۲۷-﴿ وَمِزَاجُهٗ ﴾ اور اس کی ملاوٹ و آمیزش (یعنی) شراب کی آمیزش ﴿ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴾ تسنیم کے پانی سے ہوگی اور یہ ایک جاری چشمہ کا علم اور نام ہے اور اس کو مصدر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلند و بالا کیونکہ یہ شراب جنت میں بلند قدر ہوگی یا اس لیے کہ یہ شراب ان پر اوپر سے آئے گی اور ان کے برتنوں میں بہائی جائے گی۔

۲۸-﴿ عَیْنًا ﴾ وہ ایک چشمہ ہے [یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مدح کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ ''اَیْ مِنْهَا'' یعنی شراب کے اس چشمہ میں سے (نیکیوں کے ذریعے قرب پانے والے) اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے پئیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس کو صرف مقربین پئیں گے اور یہ شراب دائیں جانب والوں کو دی جائے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا
بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا
رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْیَوْمَ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

بے شک مجرم لوگ مسلمانوں پر ہنستے تھے O اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے O اور جب وہ اپنے گھر لوٹتے تو خوش ہوتے ہوئے لوٹتے O اور جب وہ ان کو دیکھتے تو کہتے: بے شک یہ گمراہ لوگ ہیں O حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے O سو آج مسلمان کافروں پر ہنسیں گے O مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے O کیا کافروں کو ان کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے O

۲۹۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ﴾ بے شک جن لوگوں نے جرم کیا ہے (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ﴿ كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴾ وہ دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اُڑانے کے لیے ان پر ہنستے تھے۔

۳۰۔ ﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴾ اور جب وہ مسلمانوں کے پاس سے گزرتے تو ان پر طعن وطنز کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے کے لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند مسلمان ساتھیوں کے ساتھ منافقین کے پاس سے گزرے تو منافقوں نے ان کا مذاق اُڑایا اور ان پر خوب ہنسے اور آپس میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیے اور کہا: کیا تم اس گنجے کو دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت علی مرتضٰی کے پہنچنے سے پہلے یہ آیت مبارکہ آپ پر نازل ہوگئی۔

۳۱۔ ﴿ وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمُ ﴾ اور جب وہ اپنے گھر کی طرف لوٹتے یعنی جب کفار اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاتے ﴿ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴾ تو وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے لوٹتے (یعنی) وہ مسلمانوں کا مذاق اُڑا کر اور ان کا تحقیر کے ساتھ ذکر کر کے لذت وخوشی محسوس کرتے اور امام حفص نے ''فاکھین'' پڑھا ہے جس کا معنی ہے: خوش ہونے والے یعنی وہ خوش ہوتے ہوئے لوٹتے۔

۳۲۔ ﴿ وَاِذَا رَاَوْهُمْ ﴾ اور جب وہ ان کو دیکھتے یعنی جب کفار مسلمانوں کو دیکھتے ﴿ قَالُوْا اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴾ کہتے: بے شک یہ ضرور گمراہ لوگ ہیں یعنی (سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے سو یہ لوگ گمراہ ہوگئے ہیں اور انہوں نے دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ آخرت میں اعزازات کی امید رکھتے ہیں اور بلاشبہ انہوں نے خیالی باتوں کے بدلے حقیقت کو ترک کر دیا ہے اور یہ بعینہٖ گمراہی ہے۔

۳۳۔ ﴿ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴾ اور انہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا (یعنی) کفار کو مسلمانوں پر محافظ و نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ وہ ان پر ان کے احوال کی حفاظت ونگہبانی کریں اور ان کے اعمال کی نگرانی کریں بلکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کی اور اپنوں کی اصلاح کریں (اور کفر وشرک ترک کر کے موحد ومسلمان اور نیک وپرہیزگار بن جائیں) کیونکہ ان کا اپنی اصلاح میں مشغول رہنا ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے علاوہ مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہیں اور ان کی عقل مندیوں پر حماقت وبے وقوفی کے فتوے لگائیں۔

۳۴۔ ﴿ فَالْيَوْمَ ﴾ سو آج یعنی قیامت کے دن ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴾ مسلمان کفار پر ہنسیں گے

جیسا کہ کفار دنیا میں مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

۳۵-﴿عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ بہترین مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے [یہ "یضحکون" سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مسلمان کافروں کو ذلت و رسوائی میں مبتلا دیکھ کر ان پر اور ان کے اس حال پر ہنسیں گے کہ یہ بدنصیب لوگ دنیا میں عزت و وقار اور تکبر و غرور کے بعد آج کس قدر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں اور اس وقت مسلمان امن و سکون کے ساتھ خوب صورت و آراستہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: تم جنت کی طرف چلو پھر جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو ان کے سامنے جنت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اور مسلمان ان کی یہ ذلت و رسوائی دیکھ کر ان پر ہنسیں گے۔

۳۶-﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ کیا کفار کو ان کے ان کاموں پر بدلہ دے دیا گیا ہے جو وہ کرتے تھے۔ جب کفار کے ساتھ وہ رسوا کن عمل کیا جائے گا جس کا ذکر (جنت کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا) ہو چکا ہے تو اس وقت کہا جائے گا کہ کیا کفار کو دنیا میں مسلمانوں کے مذاق اُڑانے کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟

| (۸۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (۸۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۲۵ رُكُوْعُهَا ۱ |
|---|---|---|
| سورۃ الانشقاق مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی پچیس آیات' ایک رکوع ہے |

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَ
اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ
كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹

جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گا اور اس کا یہی حق ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ○ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گی اور اس کا یہی حق ہے ○ اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کی بہت کوشش کرنے والا ہے' سو تو اس سے ملاقات کرنے والا ہے ○ سو لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ تو عنقریب اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش و خرم ہوتا ہوا لوٹے گا ○

## زمین و آسمان کے فنا و مطیع ہونے اور مسلم و کافر کے حساب و انجام کا بیان

۱'۲-﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم سنے گا اور اسے قبول کرلے گا اور اطاعت کرتے ہوئے پھٹ جائے گا اور انکار نہیں کرے گا اور نہ پھٹنے سے رُکے گا ﴿وَحُقَّتْ﴾ اور اس کا یہی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنے اور اسے قبول کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔

۳ تا ۵- ﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴾ اور جب زمین کو دراز کر کے وسیع و کشادہ کیا جائے گا اور اسے ہر طرف پھیلا دیا جائے گا اور زمین کے پہاڑوں اور اس میں موجود اونچے ٹیلوں اور مکانوں کو ہموار کر کے زمین کو برابر کر دیا جائے گا ﴿ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا ﴾ اور جو کچھ اس میں ہو گا وہ اُسے باہر ڈال دے گی (یعنی) خزانوں اور مُردوں میں سے جو کچھ زمین کے اندر مدفون مخفی ہو گا وہ اسے باہر پھینک دے گی ﴿ وَتَخَلَّتْ ﴾ اور وہ بالکل خالی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کے اندر کچھ باقی نہیں بچے گا گویا زمین نے اپنی انتہائی کوشش کر کے اپنے اندر کو خالی کرنے کی مشقت اٹھائی ﴿ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا ﴾ اور زمین اپنے اندر کی ہر چیز کو باہر پھینکنے اور اپنے آپ کو خالی کرنے میں اپنے پروردگار کا حکم سن کو قبول کر لے گی ﴿ وَحُقَّتْ ﴾ اور وہ اسی لائق ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے اور بجا آوری سے نہ رُکے' اور ''اِذَا'' کا جواب صرف اس پر اکتفاء کرنے کے لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس طرح کا جواب سورتِ انفطار اور سورتِ تکویر میں معلوم ہو چکا ہے یا اس کا جواب وہ ہے جس پر ''فَمُلٰقِیْهِ'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا تو انسان اپنی محنت و کوشش کو پا لے گا۔

٦- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ ﴾ جنس انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے انسان! ﴿ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا ﴾ بے شک تو اپنے پروردگار کی طرف (یعنی) اپنے پروردگار کی ملاقات کی طرف خوب جدوجہد اور کوشش کرنے والا ہے اور وہ موت ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ ملاقات کے لیے حالِ ممثلہ ہے ﴿ فَمُلٰقِیْهِ ﴾ سو وہ اس سے ملنے والا ہے' اس کی ضمیر ''کدح'' کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ہے انسان کا عمل میں کوشش کرنا اور اس میں محنت و مشقت اٹھانا یہاں تک کہ وہ اس میں مؤثر ہو جائے اور ''کدح'' سے اس کی جزاء مراد ہے' پھر اگر کدح و محنت اور کوشش نیک عمل کے لیے ہو گی تو جزاء نیک اور خیر و بھلائی ہو گی اور اگر محنت و کوشش بُرے عمل کے لیے ہو گی تو اس کی جزاء بھی بُری ہو گی اور بعض حضرات نے فرمایا: ''لقائے کدح'' سے کتاب مراد ہے جس میں ''کدح'' بھی شامل ہے جس پر یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت و رہنمائی کرتا ہے۔

۷'۸- ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴾ سو لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی یعنی اس کے عمل کی کتاب ﴿ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ﴾ سو عنقریب اس کا حساب آسان لیا جائے گا سہولت و نرمی کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ اسے نیکیوں پر بہترین جزاء اور صلہ عطا کیا جائے گا اور بُرائیوں سے درگزر کیا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے: جس شخص کا حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا' سو اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ پھر اس آیت مذکورہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے: اعمال اس کے سامنے پیش کرنا (پھر نیکیوں پر نیک جزاء جب کہ بُرائیوں سے درگزر) اور حدیث کا مطلب ہے کہ جس شخص پر حساب لینے میں سختی کی جائے گی تو اسے عذاب دیا جائے گا۔[1]

۹- ﴿ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴾ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش لوٹے گا (یعنی) وہ اپنے خاندان کی طرف لوٹے گا' اگر وہ نیک مسلمان ہوں گے یا مؤمنوں کی جماعت کی طرف لوٹے گا یا جنت میں حورِ عین کی طرف لوٹے گا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّیَصْلٰى سَعِیْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ۝۱۵

معانقہ ۱۴ عند المتأخرین ۱۴

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳' مسلم رقم الحدیث: ۸۰۔۲۸۷۶

اور لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا○ تو عنقریب وہ موت کی دعا کرے گا○ اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا○ بے شک وہ اپنے گھر والوں میں خوش رہا کرتا تھا○ بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گا○ کیوں نہیں! بے شک اس کا پروردگار اسے خوب دیکھنے والا ہے○

۱۰ تا ۱۲ - ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴾ اور لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دی جائے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کی گردن کی طرف باندھ دیا جائے گا اور اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور اس کی کتاب اس کی پشت کی طرف سے اس کے بائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی ﴿فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ پس وہ عنقریب موت کی دعا مانگے گا اور کہے گا: ''وَا ثبوراہ'' ہائے موت! اور ''ثبور'' کا معنی ہے: ہلاکت ﴿وَّیَصْلٰى سَعِیْرًا﴾ اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا یعنی وہ جہنم میں داخل ہو گا [قاری علی کسائی کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں ''یَصْلٰی'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۳ - ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ بے شک وہ دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کفر و شرک پر بڑا مسرور و خوش رہتا تھا اور ان پر ہنسا کرتا تھا' جو حشر و نشر پر ایمان لاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنے نفس کا پیروکار تھا اور اپنی خواہشات کو آسودہ رکھنے میں مشغول رہتا تھا۔

۱٤ - ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ﴾ بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کی تکذیب کی وجہ سے اس نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں ہرگز نہیں لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ''یحور'' کی تفسیر نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی (دیہاتی) عورت سے سنا جو اپنی بیٹی سے کہنے لگی: ''حوری'' یعنی تو واپس لوٹ کر آ جا!

۱۵ - ﴿بَلٰۤى﴾ کیوں نہیں! یہ ''لَنْ یَّحُوْرَ'' میں نفی کے مابعد کے لیے اثبات ہے یعنی کیوں نہیں! وہ ضرور لوٹے گا ﴿اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا﴾ اس کا پروردگار اسے اور اس کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے' پس وہ ضرور اسے لوٹائے گا اور اسے اس کے (مشرکانہ) اعمال پر سزا دے گا۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ ۩ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع

السجدۃ ۱۳ — ع ۲۵

سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم!○ اور رات کی قسم! اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے○ اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے!○ تم ضرور منزل بہ منزل چڑھو گے○ سو انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہیں لاتے○ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو

وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ جھٹلاتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں O سو (اے محبوب!) آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر وثواب ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O

۱۶- ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم! (یعنی) مغرب کے وقت سرخی کے بعد پھیلنے والی سفیدی اور روشنی کی قسم! یا پھر خود سرخی کی قسم! (جو آسمان کے کناروں پر ہوتی ہے' تازہ غروبِ آفتاب کی وجہ سے اُجالا اور روشنی موجود ہوتی ہے' پھر بعد از مغرب' عشاء کے آتے ہی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے)۔

۱۷- ﴿وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ اور رات کی قسم! اور ان چیزوں کی قسم جن کو وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے! جمع کر لیتی ہے اور ملا لیتی ہے اور ان چیزوں سے ظلمت وتاریکی اور ستارے مراد ہیں جن کو رات اپنے اندر جمع کر لیتی ہے یا پھر نمازِ عشاء' تہجد' تلاوتِ قرآن' ذکر وفکر اور تسبیحات وغیرہ عبادات واعمال مراد ہیں جو رات میں ادا کیے جاتے ہیں۔

۱۸- ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ﴾ اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے! مجتمع اور کامل ہو جائے جیسے چودھویں رات کا چاند ["اِتَّسَقَ" بابِ افتعال بروزن "اِفْتَعَلَ" "وَسْقٌ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: جمع کرنا]۔

۱۹- ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ اے انسان! تم ضرور سوار ہوگے۔ یہاں انسان سے اس کی جنس مراد ہے (عام انسان مراد ہے مسلم ہو یا کافر' مطیع ہو یا عاصی) ﴿طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ درجہ بہ درجہ' منزل بہ منزل یعنی ایک حال کے بعد دوسرے حال پر چڑھو گے' ہر حال شدت وسختی میں اپنے دوسرے حال کے مطابق وموافق ہوگا' پس "طبق" وہ ہے جو اپنے غیر کے مطابق ہو' چنانچہ کہا جاتا ہے: "مَا هٰذَا بِطَبَقِ هٰذَا" یعنی یہ اس کے مطابق نہیں اور اسی وجہ سے پردے کو "طبق" کہا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "طَبَقَةٌ" کی جمع ہو' جس کا معنی ہے: مرتبہ' جیسے عرب کا قول ہے: "هُوَ عَلٰى طَبَقَاتٍ" وہ بڑے مراتب پر فائز ہے یعنی تم احوال کے بعد دوسرے احوال پر چڑھو گے اور یہ طبقات واحوال شدت وسختی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے اور یہ احوال موت اور موت کے بعد قیامت کے مواطن ومقامات اور اس کے ہولناک مناظر ہیں ["عَنْ طَبَقٍ" محلاً منصوب ہے' اس بناء پر کہ یہ "طَبَقًا" کی صفت ہے یعنی ہر طبق دوسرے طبق سے بڑھ کر ہوگا' یا یہ "لَتَرْكَبُنَّ" میں ضمیر سے حال ہے یعنی تم ایک دوسرے سے بڑھ کر احوال پر چڑھو گے] حضرت مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم ہر بیس سال کے بعد ایسے نئے اُمور ایجاد کرو گے جن پر تم پہلے نہیں تھے [ابن کثیر مکی' علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "لَتَرْكَبَنَّ" میں "با" مفتوح ہے اور فعل واحد مخاطب ہے] اور اس قراءت کے مطابق خطاب حضور سیّد عالم ﷺ کے لیے ہے' یعنی اے محبوب! آپ شبِ معراج میں تمام آسمانوں کے تمام طبقات پر چڑھیں گے (اور تمام مقامات طے کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں پہنچیں گے)۔

۲۰'۲۱- ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اصل میں "فَمَا لَهُمْ اَلَّا يُؤْمِنُوْا" ہے' پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ﴾ اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے (یعنی) وہ عاجزی اختیار نہیں کرتے۔

۲۲'۲۳- ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾ بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں' وہ حشر ونشر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قرآن مجید کو جھٹلاتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں محفوظ

رکھتے ہیں (یعنی) وہ لوگ جو کچھ اپنے سینوں میں (کفر و شرک اور بغض و حسد اور بغاوت و سرکشی) جمع کرتے ہیں اور وہ دلوں میں کفر اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کو چھپاتے ہیں یا وہ بُرے اعمال میں سے جو کچھ اپنے صحیفوں میں جمع کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کے لیے مختلف اقسام و انواع کے عذابوں کا ذخیرہ کر رہے ہیں۔

۲۴'۲۵۔ ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنادیں (یعنی) آپ انہیں ایسے دردناک عذاب کی خبر سنادیں جس کا اثر ان کے اجسام کے ظاہری حصے (چمڑے) پر ظاہر و نمودار ہو جائے ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک اعمال کیے [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ ان کا اجر و ثواب کبھی ختم نہ ہونے والا ہے یا ان کا اجر و ثواب کبھی کم نہیں ہوگا۔

سورۃ البروج | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۲۲ رکوعہا ۱

سورۃ البروج مکی ہے    اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی بائیس آیات' ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸

برجوں والے آسمان کی قسم! ○ اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا گیا ہے! ○ اور حاضر (کی قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا! ○ خندقوں والے لوگ ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○ جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے ○ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں ○ اور مسلمانوں کی طرف سے انہیں کوئی بات بُری نہیں لگی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہر طرح قابل حمد و ستائش ہے ○

## اصحاب اخدود کی مذمت و سزا' اور نیک مسلمانوں کی کامیابی کا بیان

۱۔ ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ برجوں والے آسمان کی قسم! یہ بروج بارہ ہیں (جو یہ ہیں: (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "بروج" سے ستارے مراد ہیں یا بڑے ستارے مراد ہیں۔

۲۔ ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے! اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۳۔ ﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ﴾ اور اس دن (یعنی قیامت کے روز) میں حاضر ہونے والے کی قسم! اور جس کو اس دن میں حاضر کیا جائے گا' اور "شاهد" سے وہ تمام مخلوق مراد ہے جو اس دن میں حاضر ہوگی' اور "مشهود فيه" سے وہ تمام عجائب و غرائب مراد ہیں جو اس دن میں حاضر کیے جائیں گے اور ان دونوں کو نکرہ (عام) لانے کا طریقہ یا تو وہی ہے جو ارشادِ باری تعالیٰ "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○" (التکویر: ۱۴) میں بیان ہوا' گویا فرمایا گیا ہے کہ "شاهد و مشهود"

کس قدر کثرت کے ساتھ بہت زیادہ ہوں گے اور یا پھر ان کے وصف کو مبہم رکھنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''شاهد و مشهود'' ایسی دو چیزیں ہیں جن کی کنہ اور حقیقت کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور ان دونوں کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں' چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ (۱) ''شاهد'' سے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور ''مشهود'' سے قیامت کا دن مراد ہے (۲) ''شاهد'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ''مشهود'' سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ'' (المائدہ:۱۱۷) ''اور میں ان پر اس وقت تک نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا'' (۳) ''شاهد'' سے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور ''مشهود'' سے باقی تمام امتیں مراد ہیں (۴) ''شاهد'' سے حجر اسود مراد ہے اور ''مشهود'' سے تمام حجاج کرام مراد ہیں (۵) ''شاهد'' سے دن اور راتیں مراد ہیں اور ''مشهود'' سے تمام بنو آدم مراد ہیں' کیونکہ حدیث شریف میں ہے: کوئی ایسا دن نہیں آتا مگر وہ اعلان کرتا ہے: میں نیا دن ہوں اور میرے اندر جو کچھ کیا جائے گا' میں اس کی گواہی دوں گا' سو تم مجھے غنیمت سمجھو (۶) ''شاهد'' سے محافظ فرشتے مراد ہیں اور ''مشهود'' سے تمام بنو آدم مراد ہیں (۷) ''شاهد'' سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ''مشهود'' سے مخلوق مراد ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝'' (الفتح:۲۸) ''اور اللہ تعالیٰ کافی نگہبان ہے۝'' (۸) ''شاهد'' سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں (جو اپنے اپنے زمانے میں حضور کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے رہے) اور ''مشهود'' سے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور قسم کا جواب محذوف ہے' جس پر (درج ذیل آیت مبارکہ) دلالت و رہنمائی کرتی ہے۔

٤۔ ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ خندقوں والے ہلاک ہو جائیں یعنی ان پر لعنت و پھٹکار ہو' گویا فرمایا گیا ہے کہ میں ان تمام چیزوں کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ بے شک یہ لوگ لعنتی اور ملعون ہیں یعنی قریش مکہ کے کفار جیسا کہ خندقوں والوں پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے اور ''اُخْدُوْدٌ''، ''خَدٌّ'' کی جمع ہے اور ''خد'' کا معنی ہے: زمین میں بہت بڑا شگاف و گڑھا۔

حضور نبی کریم ﷺ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک بت پرست قوم کا خدائی کا دعوے دار بادشاہ تھا' جس کے پاس ایک جادوگر تھا جس کے جادو پر حکومت کا دارومدار تھا' جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: ایک لڑکا میرے سپرد کر دیں تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد تیرے کام آئے' چنانچہ بادشاہ نے ایک ذہین و ہوشیار لڑکا اس کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس لڑکے کو جادو سکھا دے اور لڑکے کے راستے میں ایک راہب (دین دار بزرگ) تھا جس کے پاس یہ لڑکا بیٹھ جاتا اور اس سے دین کی باتیں سنتا' یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنے راستے میں ایک خونخوار جانور (سانپ وغیرہ) دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا' اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے میرے اللہ! اگر یہ راہب تجھے جادوگر سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے تو جانور کو ہلاک کر دے اور اس کا خاتمہ فرما' اور یہ کہہ کر اس نے زور سے وہ پتھر اس جانور کو مارا جس سے وہ جانور مر گیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی لڑکا مادرزاد نابیناؤں کو شفاء یاب کرنے لگا اور برص کے داغ والے کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور بادشاہ کا ایک ہم نشین مصاحب بھی نابینا تھا' اسے پتا چلا تو وہ بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اس لڑکے نے اسے بھی شفاء یاب کر کے تندرست کر دیا اور وہ انکھیارا ہو گیا' جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تیری بینائی تجھے کس نے لوٹا دی ہے؟ اس نے کہا: میرے اللہ تعالیٰ نے جو میرا پروردگار ہے' یہ بات سنتے ہی بادشاہ غضب ناک ہو گیا اور اسے سخت ترین سزا دی تو اس نے لڑکے کے متعلق سب کچھ بتا دیا

اور بادشاہ نے اس لڑکے کو بلا کر سخت سزا دی تو اس نے راہب کا پتا بتا دیا' چنانچہ اسے بلایا گیا اور اس نے اپنے دین سے پھرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ڈٹ گیا تو بادشاہ نے آرہ منگوا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا اور لڑکے نے بھی اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیا' چنانچہ بادشاہ کے حکم پر اسے ایک بلند ترین پہاڑ پر لے جایا گیا تا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا کر ہلاک کر دیا جائے' سو لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور لے جانے والے سارے لوگ ہلاک ہو گئے اور وہ لڑکا صحیح سلامت نجات پا کر واپس آ گیا' پھر بادشاہ کے حکم پر اسے کشتی کی طرف لے جایا گیا' چنانچہ لوگوں نے دریا کے پاس لے جا کر کشتی میں سوار کیا تا کہ وہ اسے دریا میں غرق کر دیں تو لڑکے نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی' چنانچہ کشتی الٹ گئی اور لے جانے والے سارے ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ تم مجھے اس طرح ہرگز قتل نہیں کر سکتے' یہاں تک کہ تم تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کر لو اور مجھے کھجور کے تنے کے ساتھ سولی پر لٹکا دو اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال لو اور کہو: ''بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ'' اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا پروردگار ہے' پھر تم مجھے وہ تیر مارو' چنانچہ بادشاہ نے اس طرح اسے تیر مارا تو وہ اس کی کنپٹی پر جا لگا اور لڑکے نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور فوت ہو گیا تو لوگوں نے یہ دیکھ کر بہ یک آواز کہا: ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ'' ہم سب اس لڑکے کے رب تعالیٰ پر ایمان لائے' چنانچہ بادشاہ سے کہا گیا کہ جس بات سے تم ڈرتے تھے وہی ہو گیا کہ سب لوگ مسلمان ہو گئے' تو بادشاہ نے زمین میں گہری اور چوڑی خندقیں کھدوائیں اور لکڑیاں ڈلوا کر انہیں آگ سے بھر دیا اور جو شخص اپنے دین سے نہ پھرتا' بادشاہ اسے اسی آگ میں پھینکوا دیتا یہاں تک کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ آئی اور وہ اپنے بچے کی وجہ سے اس آگ کی خندق میں گرنے سے گھبرا گئی تو اس کے بچے نے کہا: اے اماں جان! صبر کیجئے بے شک آپ حق پر ہیں' چنانچہ بچے کو اس کی ماں سمیت آگ میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۵)

۵- ﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ بے شک یہ ایک بہت بڑی آگ تھی کیونکہ لوگوں کے بدنوں' جسموں اور لکڑیوں کی کثرت کے باعث اس آگ کے بھڑکنے کی وجہ سے اس کے شعلے جوش مارتے ہوئے بہت بلندی تک جاتے تھے [''النار''' ''الاخدود'' کا بدل الاشتمال ہے اور ''ذات الوقود'' اس کی صفت ہے]۔

٦- ﴿اِذْ﴾ [یہ ''قُتِلَ'' کا ظرف ہے] یعنی ان پر اس وقت لعنت کی گئی جب انہوں نے مسلمانوں کو آگ میں جلایا جب کہ خود اس کے اردگرد بیٹھے تھے ﴿هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ﴾ وہ لوگ اس پر بیٹھے تھے یعنی کفار خندقوں کے کناروں پر آگ کے نزدیک کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

۷- ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں یعنی کفار مسلمانوں کو آگ میں جلانے کا جو کام کر رہے تھے اس پر وہ بادشاہ کے پاس ایک دوسرے کے لیے گواہی دیتے کہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی کوتاہی نہیں کی جو اسے حکم دیا گیا تھا اور جو سزا دینے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے پورا کیا ہے' اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر کرنے کی اور اہل مکہ کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کی ترغیب دی ہے اور انہیں اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

۸- ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا﴾ اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے کوئی چیز ناگوار نہیں لگی مگر یہ کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کے ایمان کے سوا انہیں کوئی چیز بری نہیں لگی جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

وَلَا عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوْفَهُمْ
فَلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

''اور ان میں اور کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے ٹکرانے سے کند ہو چکی ہیں''۔

اور ایک شاعر کا قول ہے:

مَا نَقِمُوْا مِنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ　　اِلَّا اَنَّھُمْ یَحْلُمُوْنَ اِنْ غَضِبُوْا

''انہیں بنوامیہ میں کوئی عیب نظر نہیں آیا ماسوا اس کے کہ جب انہیں غضب ناک کیا جاتا ہے تو وہ بڑے حوصلے اور بردباری سے کام لیتے ہیں''۔

[قاف کے کسرہ کے ساتھ ''نَقِمُوْا'' بھی پڑھا جاتا ہے جب کہ فتح (زبر) فصیح ہے] ﴿بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ اللہ تعالیٰ پر جو غالب و قابلِ ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف کا ذکر کیا جن کے باعث وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا زبردست غالب و قادر ہونا جس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور حمید و محمود' منعم و محسن ہونا' اس کی نعمت و احسان پر اس کی حمد و ثناء واجب و لازم ہے اور اس بناء پر اس سے ثواب کی اُمید رکھنی چاہیے۔

| |
|---|
| الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۟ؕ اِنَّ |
| الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ |
| وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۟ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ |
| تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ۟ؕ |

جس کے لیے آسمانوں اور زمین میں حکومت و سلطنت ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے O بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف دِہ آزمائش میں مبتلا کیا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے آگ میں جلنے کا عذاب ہے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

۹- ﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ وہی ایک ذات ہے جس کی آسمانوں میں اور زمین میں حکومت و سلطنت ہے' سو اس کی عبادت ہر اس ہستی پر واجب و لازم ہے جو ان دونوں کے درمیان موجود ہے' نیز اس کا عاجز و محتاج بندہ بننا بھی لازم ہے کیونکہ مسلمانوں کی جو چیز کافروں کو بُری اور ناگوار لگی وہ حق تھا جس کو بُرا نہیں سمجھتے مگر باطل پرست کافر اور بُرا منانے والے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر کے مسلمانوں کی طرف سے انتقام لے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ یہ کفار کے لیے وعید و دھمکی ہے یعنی وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے' وہ انہیں اس پر ضرور سزا دے گا۔

۱۰- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنہ میں ڈال دیا' اور یہ ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں سے صرف خندقوں والے لوگ مراد ہوں اور مسلمانوں سے صرف وہی اہل ایمان مراد ہوں جنہیں آگ کی خندقوں میں پھینکا گیا تھا اور انہیں فتنے میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ انہیں آگ کا عذاب دیا گیا اور انہیں آگ میں جلایا گیا ﴿ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا﴾ پھر انہوں نے توبہ کر کے کفر و شرک سے رجوع نہیں کیا ﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾

تو ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ اور ان کے لیے دنیا میں آگ میں جلانے کا عذاب ہوا' کیونکہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ وہی خندقوں والی آگ ان لوگوں پر بھی پلٹ گئی تھی اور انہیں جلا دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں یعنی اذیتیں اور تکلیفیں دینے والوں سے عمومی طور پر تمام کفار مراد ہوں اور مسلمانوں سے وہ تمام اہل ایمان مراد ہوں جنہیں ایمان لانے پر اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں اور دردناک اذیتوں کے فتنے میں مبتلا کرنے والوں کو آخرت میں دو عذاب دیئے جائیں گے' ایک عذاب ان کے کفر و شرک کرنے پر اور دوسرا عذاب مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانے پر۔

۱۱ - ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے یعنی وہ مسلمان جنہوں نے خندقوں کے عذاب پر صبر کیا تھا یا یہ عام ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾ ع ۲۲/۱۰

بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے O بے شک پہلی مرتبہ وہی ایجاد کرتا ہے اور دوبارہ وہی لوٹائے گا O اور وہی بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے O عرش والا بڑی عظمت و بزرگی والا ہے O وہ جسے چاہتا ہے اسے خوب ایجاد کرتا ہے O کیا لشکروں کی خبر آپ کے پاس آ چکی ہے O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار جھٹلانے میں ہیں O اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ وہ عظمت و بزرگی والا قرآن ہے O لوحِ محفوظ میں O

## اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور قرآن مجید کی عظمت کا بیان

۱۲ - ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ''بَطْشٌ'' کا معنی ہے: سختی کے ساتھ پکڑنا' پھر جب اس کو شدت کے ساتھ متصف کیا گیا تو اس کے معنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا' اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جابر و ظالم لوگ سزا دینے اور انتقام لینے کے لیے بہت زیادہ سختی سے پکڑتے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کفارِ مکہ کو بہت سختی کے ساتھ پکڑے گا۔

۱۳ - ﴿إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ﴾ بے شک پہلی بار وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی پیدا کر کے اُٹھائے گا یعنی وہی ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی ان کو مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا پہلی بار پیدا کرنا اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اعادہ کر کے اٹھانے پر قادر و غالب ہونا' اس کی سخت ترین گرفت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا اور دھمکایا کہ وہ انہیں یقیناً مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے اٹھائے گا جیسا کہ انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا تاکہ سخت ترین گرفت و پکڑ میں لے کر سخت عذاب دے کیونکہ انہوں نے پہلی بار پیدا ہونے کی نعمت کا شکر ادا نہیں

کیا اور دوبارہ پیدا ہونے کو جھٹلا دیا۔

۱۴-﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ﴾ اور وہ عیبوں کو بہت چھپانے والا اور گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿الْوَدُوْدُ﴾ اپنے دوستوں سے بہت محبت کرنے والا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں کے ساتھ وہی کرے گا جو محبت کرنے والا اپنے پیاروں کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

۱۵-﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ عرش والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ عرش کا خالق و مالک ہے ﴿الْمَجِيْدُ﴾ بڑی بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی سے اس کی عظمت و کبریائی مراد ہے اور عرش کی بزرگی سے اس کی عظمت و بلندی مراد ہے ["مجید" قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "عرش" کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے]۔

۱۶-﴿فَعَّالٌ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] "ای هُوَ فَعَّالٌ" ﴿لِّمَا يُرِيْدُ﴾ "تکوینہ" یعنی وہ جس چیز کی تکوین و ایجاد چاہتا ہے اسے بہت اچھی طرح پیدا کرتا ہے پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ تمام بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۸،۱۷-﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ﴾ کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر آ چکی ہے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سرکشی و نافرمانی کرنے والی جماعتوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ چکی ہے ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ یعنی فرعون اور ثمود وغیرہ قوموں کی خبر ["یہ "الجنود" سے بدل ہے] فرعون سے وہ خود اور اس کی قوم مراد ہے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ (اے محبوب!) آپ تو گزشتہ رسولوں اور ان کے جھٹلانے والے لشکروں (یعنی قوموں) کو اور ان لشکروں اور قوموں کے جھٹلانے کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

۱۹-﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ آپ کی قوم میں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ﴿فِيْ تَكْذِيْبٍ﴾ جھٹلانے میں اور اپنے اوپر عذاب واجب کرنے میں مشغول ہیں اور وہ گزشتہ امتوں کے سرکش و نافرمان لشکروں اور قوموں سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتے۔ ان پر گزشتہ سرکش و نافرمان لشکروں کا حال مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے لیکن وہ آپ کو عناد و بغض کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔

۲۰-﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے احاطہ کرنے والا ہے ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے اور ان پر قادر و غالب ہے جب کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کا پیچھے سے احاطہ کرنا بطور مثال اور بطور محاورہ بولا گیا کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بچ نہیں سکتے جیسا کہ احاطہ کرنے والے سے کوئی چیز بچ کر نہیں نکل سکتی۔

۲۲،۲۱-﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ بلکہ یہ جسے انہوں نے جھٹلایا ہے عظمت و بزرگی والا قرآن ہے جو تمام کتابوں میں عالی مرتبت ہے اور اپنے نظم و اعجاز میں بے مثال ہے۔ جس طرح کفار مکہ گمان کرتے ہیں کہ یہ من گھڑت اور پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے ﴿فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ یہ لوح محفوظ میں شیطانوں کے وصول سے محفوظ ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں قرآن کی صفت ہونے کی بناء پر "مَحْفُوْظٌ" مرفوع پڑھا جاتا ہے] یعنی تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ ہے اور حضرت حسن بصری کے نزدیک "لوح" ایک ایسی چیز ہے جو فرشتوں کے لیے روشن اور ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے پڑھتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "لوح" ایک سفید موتی ہے جس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کا قلم نور کا ہے اور اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب پر ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ

بندھا ہوا ہے اور اس کا زیریں حصہ ایک معزز فرشتہ کی گود میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورۃ الطارق مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی سترہ آیات ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣ اِنْ
كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ
دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨
يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝١١
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝١٢ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ اِنَّهُمْ
يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝١٥ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝١٦ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝١٧

قسم ہے آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے کی! ۝ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ۝ (وہ) خوب چمکنے والا ستارہ ہے ۝ کوئی جان ایسی نہیں مگر اس پر محافظ مقرر ہوتا ہے ۝ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے پیدا کیا گیا ہے ۝ وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ۝ وہ (مرد کی) پیٹھ اور (عورت کے) سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ۝ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے واپس اعادہ کرنے پر ضرور قادر ہے ۝ جس دن دلوں کے پوشیدہ بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے ۝ سو اس وقت اس کے پاس نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا ۝ بارش برسانے والے آسمان کی قسم! ۝ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! ۝ بے شک وہ (قرآن حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ۝ اور وہ لغو نہیں ہے ۝ بے شک وہ (کفار) بہت خفیہ سازش کرتے ہیں ۝ اور میں خوب خفیہ تدبیر کرتا ہوں ۝ سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں ۝

## مؤکد بہ قسم انسان کی حفاظت وتخلیق اور قرآن کی عظمت اور کفار کی سازش کا بیان

۱ تا ۳- ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے ستارہ کی قسم! اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ۝ وہ خوب چمکنے والا ستارہ ہے۔ مخلوق کی نگاہوں میں آسمان کی قدر وشان کو بڑھایا گیا ہے کیونکہ وہ مخلوق کے رزق کا معدن ومنبع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن و ٹھکانا ہے اور اس میں جنت کو پیدا کیا گیا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے اس کی اور ''طارق'' کی قسم اٹھائی ہے اور ''طارق'' سے تمام ستارے مراد ہیں کوئی مخصوص ستارہ نہیں' کیونکہ ''طارق'' سے ''نجوم'' کی جنس مراد ہے (یعنی ہر چمکنے والے ستارے کی قسم!) یا جنس ''شہب'' مراد ہے (یعنی) ہر وہ ستارہ جس کے ساتھ شیاطین کو مار کر بھگایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی بہت بڑی منفعت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''طارق'' کی ''نجم ثاقب'' کے ساتھ تفسیر وتوضیح فرمائی یعنی چمکنے والا اور خوب روشن ستارہ گویا

وہ تاریکی میں سوراخ کر دیتا ہے اور اس میں گھس جاتا ہے اور اس کو "طـارق" کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا کہ یہ ستارہ رات کے وقت طلوع ہوتا ہے اور رات کو نمودار ہوتا ہے چنانچہ رات کے وقت آنے والے کو طارق کہا جاتا ہے۔

٤۔﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ ہر جان پر محافظ مقرر ہے جو اس کی آفات و بلیات سے حفاظت کرتا ہے یا وہ اس کے عمل اور اس کے رزق اور اس کی زندگی کی حفاظت کرتا ہے پھر جب اس کی یہ چیزیں پوری ہو جاتی ہیں تو وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس محافظ سے اعمال لکھنے والا فرشتہ مراد ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ "لَـمَّا" اگر مشدد بہ معنیٰ "اِلَّا" ہو جیسا کہ امام عاصم کوفی' قاری حمزہ کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہے تو پھر "اِنْ" نافیہ ہوگا یعنی کوئی جان نہیں ہے مگر اس پر محافظ مقرر ہے' اور اگر "لَـمَّا" مشدد کی بجائے مخفف "لَـمَا" ہو جیسا کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ہے تو پھر "اِنْ" ثقیلہ سے مخففہ ہوگا یعنی بے شک ہر جان پر محافظ ضرور ہوتا ہے' اس صورت میں حرف "مَـا" زائدہ ہوگا اور لام "اِنْ" نافیہ اور "اِنْ" خفیفہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہوگا اور "حَـافِظٌ" مبتدا مؤخر ہے اور "عَـلَيْهَا" خبر مقدم ہوگی اور مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر "كُلٌّ" کی خبر ہوگی اور ان دو صورتوں میں جو بھی صورت ہو قسم کا جواب یہی ہوگا]۔

٥'٦۔﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ ہر انسان پر محافظ ہوتا ہے تو اسے اس آیت مبارکہ میں حکم دیا کہ وہ اپنی پہلی حالت کو غور سے دیکھے تا کہ وہ یہ جان لے کہ بے شک جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اس کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر اور اس کے اعمال پر جزاء و سزا دینے پر بھی قادر ہے' پس روزِ جزاء کے لیے عمل کرے اور وہ اپنے محافظ سے صرف ایسے اعمال لکھوائے جو اسے آخرت میں خوش و خرم اور کامیاب و کامران کر دیں [اور "مِـمَّ خُـلِقَ" استفہام (سوالیہ کلام) ہے یعنی اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور اس سوال کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے:] ﴿خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ "دفق" کا معنی ہے: تیزی سے دفعۃً گرنا اور یک دم بہنا اور ٹپکنا' اور حقیقت میں یہ صفت پانی گرانے والے انسان کی ہے اور یہاں "مَـآءٍ" کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے اور بعض اہل لغت سے منقول ہے: "دَفَـعْتُ الْمَـآءَ" کا معنی ہے: میں نے پانی کو بہا دیا اور "دَفَقَ الْمَـآءُ بِنَفْسِهٖ" پانی خود بخود بہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے "مِنْ مَّـآءَيْنِ" دو پانی نہیں فرمایا کیونکہ مرد اور عورت کے پانی رحم میں جا کر متصل ہو جاتے ہیں' مل جاتے ہیں اور مکس ہو جاتے ہیں اور دونوں کے متحد ہونے سے بچہ کی پیدائش کی ابتداء ہوتی ہے۔

٧۔﴿يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ وہ پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے (یعنی) مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہ سینے کی ہڈیاں ہیں جہاں ہار ٹھہرتا ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہڈیاں اور پٹھے مرد کی منی سے پیدا ہوتے ہیں اور گوشت اور خون عورت کی منی سے پیدا ہوتا ہے۔

٨۔﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ بے شک وہ اسے دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کر کے لوٹانے پر ضرور قادر ہے ["اِنَّـهٗ" کی ضمیر خالق کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اس پر "خُـلِقَ" دلالت و رہنمائی کر رہا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جس نے انسان کو ابتداء میں نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ خصوصاً اس کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے' جس کی قدرت واضح اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز عاجز نہیں ہے جیسا کہ یہ قول ہے: "اِنِّیْ لَفَقِیْرٌ" بے شک میں فقیر و محتاج ہوں یعنی یہ فقر واضح اور ظاہر ہے۔

٩۔﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ جس دن دلوں میں چھپے عقائد و نیات اور ارادے اور مخفی اعمال ظاہر ہو جائیں گے ["يَوْمَ"

کی نصب ''رَجْعِہٖ'' کی وجہ سے ہے یا پھر فعلِ مضمر کی وجہ سے ہے جس پر ''رَجْعِہٖ'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ''اَیْ یَبْعَثُہٗ''] ۔

۱۰ - ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾ سو اس کے لیے نہ طاقت ہو گی اور نہ کوئی مددگار ہو گا (یعنی) انسان کے پاس نہ ذاتی قوت و طاقت ہو گی جس کے سبب اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت و عذاب کا دفاع کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہو گا جو اس کی مدد کر سکے اور اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

۱۱ - ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ رجوع کرنے والے آسمان کی قسم! یعنی بارش والے آسمان کی قسم! اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ بارش بار بار گاہے بہ گاہے لوٹ کر برستی رہتی ہے۔

۱۲ - ﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! جو نباتات و سبزہ جات کے اُگنے کی وجہ سے کھل جاتی ہے اور اُگنے والی نباتات زمین کو چیر کر باہر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

۱۳'۱۴ - ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ بے شک یہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے (یعنی) بے شک یہ قرآن حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا کلام ہے' جیسا کہ اسے ''فرقان'' کہا گیا ہے ﴿وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ اور وہ لغو بات نہیں ہے (یعنی) قرآن مجید لہو و لعب' کھیل تماشا اور باطل کلام نہیں ہے' مطلب یہ کہ قرآن مجید سارے کا سارا عمدہ برحق اور سچا اور کھرا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یہی وصف بیان کیا ہے اور اس کا یہی حق ہے کہ سینوں میں اس کا خوف و دبدبہ اور رعب ہو اور دلوں میں اس کی عظمت و رفعت ہو اور جب اس کا پڑھنے والا یا سننے والا پڑھتے وقت یا سنتے وقت اس کا مذاق اُڑاتا ہے یا اس کے مذاق اُڑانے پر خوش ہوتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۱۵ - ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا﴾ بے شک وہ لوگ یعنی مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باطل قرار دینے اور حق کے نور کو بجھانے کے لیے بہت سی سازشیں کرتے ہیں۔

۱۶ - ﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں اور میں ان کے مکر و فریب اور سازش کے بدلے میں انہیں مہلت دے کر ایسی سزا دوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہو سکے گا' سو ''کید'' (مکر و فریب) کے بدلے کو کہا گیا ہے جیسا کہ زیادتی کے بدلے کو زیادتی اور بُرائی کے بدلے کو بُرائی کہا گیا ہے اگرچہ بدلہ لینا زیادتی اور بُرائی نہیں ہے اور اس وصف کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں مگر جزاء اور انتقام و بدلہ لینے کے معنی میں جیسا کہ ارشاد ہے: ''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' (التوبہ:۶۷) ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھولنے کی سزا دی''۔ ''يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ'' (النساء:۱۴۲) ''وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ کی سزا دے گا''۔ ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' (البقرہ:۱۵) ''اللہ تعالیٰ انہیں استہزاء (مذاق اُڑانے) کی سزا دے گا۔

۱۷ - ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس آپ کافروں کو چھوڑ دیں یعنی آپ ان کی ہلاکت کی دعا نہ کریں اور نہ اس کی جلدی کریں ﴿اَمْهِلْهُمْ﴾ آپ انہیں مہلت دے دیں' یہاں امر کو مکرر ذکر کیا لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاکہ دونوں کے تکرار سے صبر و تسکین کا اضافہ کیا جائے ﴿رُوَيْدًا﴾ تھوڑی سی مہلت' اور اس کو فقط تصغیر کے کلمہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور یہ ''رَادَتِ الرِّیحُ' تَرُوْدُ' رَوْدًا'' سے ماخوذ ہے' ہوا بہت آہستہ اور کمزور چلی یعنی تھوڑی چلی۔

سورۃ الاعلیٰ مکیۃ　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○　　آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے　　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی انیس آیات' ایک رکوع ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (۱) الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى (۲) وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى (۳)
وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (۴) فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (۵) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (۶) اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (۸) فَذَكِّرْ اِنْ
نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (۹) سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۱)

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند و برتر ہے○ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا' پھر درست بنایا○ اور جس نے مقدر بنایا' پھر (اس کی) ہدایت دی○ اور جس نے چارہ اُگایا○ پھر اسے خشک سیاہ بنا کر ریزہ ریزہ کر دیا○ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' سو آپ ہرگز نہیں بھولیں گے○ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا' بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور اسے بھی جو پوشیدہ ہے○ اور ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے○ سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت فائدہ دے○ عنقریب وہ شخص نصیحت قبول کر لے گا جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے○ اور اس سے بدترین بدبخت دور رہے گا○

## حضور کے لیے تسبیح پڑھنے' قرآن نہ بھولنے اور نصیحت کرنے کا بیان

۱-﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند ہے (یعنی) آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان تمام چیزوں سے پاک بیان کیجئے جو اس کی ذاتِ اقدس کے لائق نہیں ہیں اور ''اسم'' صلہ ہے اور یہ اس بناء پر کہ ''اعلیٰ'' کی تفسیر علومرتبی کے ساتھ کی جائے' جس کا معنی غلبہ اور اقتدار ہے' یعنی اے محبوب! آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب پر غالب و قادر ہے' اس کی علومکانی کے ساتھ تفسیر نہ کی جائے' جس کا معنی ہے کہ وہ مکان اور جگہ کے اعتبار سے سب سے بلند ہے اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی ہے کہ اے محبوب! آپ ''سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى'' پڑھا کریں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اسے اپنے سجدوں میں پڑھا کرو[1]

۲-﴿الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ جس نے پیدا کیا' پھر درست اور ٹھیک بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' پھر اس کی تخلیق کو یکساں اور برابر درست اور ٹھیک بنایا اور نہ تو کم و بیش بنایا اور نہ متفرق و جدا جدا بنایا بلکہ مضبوط و مستحکم اور مربوط و منتظم اور اس بات پر دلالت و رہنمائی کرنے والا بنایا کہ وہ ایک عالم و حکیم کی تخلیق کا نمونہ ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح درست و ٹھیک پیدا فرمایا جس میں اس کی منفعت اور مصلحت تھی۔

۳-﴿وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ اور جس نے مقدر بنایا اور ہدایت دی یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر جان دار کے لیے وہی مقدر کیا جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہے' پھر اسی کی طرف اس کو ہدایت عطا کی اور اس سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ اس کو سکھایا' بتلایا

[1] رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷' الدارمی ج ۱ ص ۲۹۹

اور اس کی پہچان کرادی' یا یہ معنی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت کا راستہ اور گمراہی کا راستہ بتلایا لیکن ''فَهَدٰی'' پر اکتفاء کرتے ہوئے ''وَاَضَلَّ'' کو حذف کر دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ'' (النحل: ۹۳) ''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پہ ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے'' [قاری علی کسائی کی قراءت میں بغیر شد کے ''قَدَرَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

٤- ﴿وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی﴾ اور جس نے چارہ اُگایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ اُگایا جو جانور چرتے ہیں۔

٥- ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً﴾ پھر اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیا ﴿اَحْوٰی﴾ سیاہ کر دیا [سو ''اَحْوٰی''، ''غُثَآءً'' کی صفت ہے]۔

٦'٧- ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی﴾ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' پس آپ ہرگز نہیں بھولیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ کو قرآن مجید سکھائیں گے یہاں تک کہ آپ اسے ہرگز نہیں بھولیں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ اسے منسوخ کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی کو محفوظ رکھے گا یہاں تک کہ آپ کو کوئی چیز نہیں بھولے گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہے گا تو اس کا حکم اور تلاوت اٹھا لے گا اور اسے آپ کے حفظ سے لے جائے گا اور ابن کیسان نحوی نے حضرت جنید سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''فَلَا تَنْسٰٓی'' کا معنی ہے کہ آپ اس پر عمل کرنے کو نہیں بھولیں گے' پھر فرمایا کہ تمہارے جیسے آدمی سے ترکِ عمل صادر ہو جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''فَلَا تَنْسٰٓی'' فعل نہی ہے اور اس کے آخر میں فاصلہ کے لیے الف زائدہ ہے جیسے ارشاد ہے: ''اَلسَّبِیْلَا'' (الاحزاب: ٦٧) یعنی پس آپ اس کے پڑھنے سے اور اس کے دہرانے سے غافل نہ ہونا ورنہ بھول جائیں گے اور ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت اٹھا کر اس کو آپ کے حفظ سے بھلا دے گا ﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کو جانتا ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے یعنی بے شک آپ بھول جانے کے خوف سے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ساتھ آپ کے بلند آواز سے پڑھنے کو بھی خوب جانتا ہے اور آپ کے دل کی اس کیفیت کو بھی خوب جانتا ہے جو آپ کو بلند آواز سے پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے یا یہ کہ آپ بھول جانے کے خوف کی وجہ سے جو کچھ اپنے دل میں پڑھتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یا یہ معنی ہے کہ (اے بنی نوع انسان!) تم اپنے اقوال اور افعال میں سے جو پوشیدہ کرتے ہو انہیں بھی اور جو تم اعلانیہ کرتے ہو انہیں بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' نیز وہ تمہارے ظاہری احوال کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے باطن کے احوال کو بھی جانتا ہے۔

٨- ﴿وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی﴾ اور ہم آپ کے لیے آسانی مہیا کر دیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو ایسے طریقہ کی توفیق عطا کریں گے جو سب سے زیادہ سہل اور آسان ترین ہو گا یعنی وحی کو حفظ کرنے کا طریقہ اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہم آپ کو شریعت مبارکہ کے لیے توفیق عطا کریں گے جو تمام شریعتوں میں سے آسان ترین شریعت ہے یا ہم آپ کو جنت کے اعمال کی توفیق عطا کریں گے [یہ ''سَنُقْرِئُكَ'' پر معطوف ہے اور یہ ارشاد کہ ''اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی'' جملہ معترضہ ہے]۔

٩- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو آپ قرآن کریم کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے ﴿اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی﴾ اگر وعظ و نصیحت نفع دے[1] بعض حضرات نے فرمایا: یہ بہ ظاہر شرط ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار میں وعظ و نصیحت کا اثر کرنا بہت بعید اور ناممکن

---

[1] فضیلۃ الشیخ علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: وعظ و نصیحت کو نفع کے ساتھ مقید کرنا اس لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے اور بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ وعظ و نصیحت کا یہ امر مطلق ہے' نفع دینے کے ساتھ مشروط و مقید نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌO'' (الغاشیہ:٢١) ''سو آپ نصیحت کیجئے بے شک آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیںO''۔

١٠-﴿سَيَذَّكَّرُ﴾ عنقریب نصیحت حاصل کرلے گا اور نصیحت قبول کرلے گا ﴿مَنْ يَّخْشٰى﴾ جو اللہ تعالیٰ سے اور بُرے انجام سے اور عذاب آخرت سے ڈرتا ہے۔

١١-﴿وَيَتَجَنَّبُهَا﴾ اور اس سے کنارہ کشی کرتا ہے (یعنی) وعظ و نصیحت سے دور رہتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا ﴿الْاَشْقَى﴾ سب سے زیادہ بد بخت و کافر یا وہ شخص جو کفر میں سب سے زیادہ بد بخت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے میں غلو کرتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ
تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾ ع ٩ / ١٢

جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگاO پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گاO بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے تزکیہ کیاO اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہاO بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوO اور آخرت سب سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہےO بے شک یہ پہلے صحیفوں میں (مذکور) ہےO ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میںO

١٢-﴿الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا (یعنی) وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا کیونکہ دنیا کی آگ چھوٹی (صغریٰ) ہے۔

١٣-﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا﴾ پھر وہ اس (دوزخ کی آگ) میں کبھی نہیں مرے گا کہ وہ عذاب سے راحت و آرام پا سکے ﴿وَلَا يَحْيٰى﴾ اور نہ وہ جئے گا (یعنی) ایسی زندگی کے ساتھ نہیں جئے گا جس کے ساتھ عذاب و تکلیف کی بجائے لذت و آرام اور نفع حاصل کر سکے اور ''ثُمَّ'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ موت و حیات کے درمیان تردد دوزخ میں داخل ہونے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے یہاں تک کہ آپ اپنی تمام جدوجہد اس پر صرف کر دیتے محض اس خواہش میں کہ کفار مسلمان ہو جائیں لیکن اس سے نفع کی بجائے بعض کفار کے کفر و عناد میں اضافہ ہو جاتا' اس لیے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ وعظ و نصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی اُمید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کلی یا جزوی طور پر اسے فائدہ کی اُمید ہو تو وعظ و نصیحت کرو ورنہ خود کو تکلیف و مشقت میں نہ ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفر و سرکشی اور لذتِ دنیا میں حد سے بڑھ چکا ہو کہ جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِO'' (ق:٤٥) ''سو آپ قرآن مجید کے ساتھ اس کو نصیحت کیجئے جو میری وعید (ڈراوے) سے ڈرتا ہےO'' حرف ''اِنْ'' شرط ہے جو شک کا فائدہ دیتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں۔ (تفسیر روح البیان ج ١٠ ص ٢٩٣' مترجم)

زیادہ بُرا ہے پس یہ تراخی شدت کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔

## کامیابی کے اوصاف کا بیان

۱۴-﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ بے شک کامیابی حاصل کرلی ﴿مَنْ تَزَكّٰى﴾ جس نے اپنے آپ کو کفر وشرک سے پاک کرلیا' یا اپنے آپ کو نماز کے لیے پاک کرلیا' یا جس نے زکوٰۃ ادا کی۔ ''تَـزَكّٰى'' بروزن ''تَـفَعَّلَ''، ''زَكٰوة'' سے ماخوذ ہے جیسے ''تَصَدَّقَ''، ''صدقة'' سے ماخوذ ہے۔

۱۵-﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ اور اس نے اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا اور نماز کے افتتاح کے لیے تکبیر پڑھتے ہوئے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہا ﴿فَصَلّٰى﴾ اور نمازِ پنجگانہ ادا کرتا رہا اور اس آیت مبارکہ سے تکبیرِ افتتاح اور تکبیرِ تحریمہ کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے اور اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ تکبیر نماز کے ارکان میں سے نہیں ہے (بلکہ نماز کی شرائط میں سے ہے) کیونکہ ''صلٰوة (فَصَلّٰى)'' کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے اور نیز اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ نماز کا آغاز کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے کو اور اپنی آخرت کو یاد رکھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھی' اور حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ اس نے عید کے روز عیدگاہ میں جانے کے لیے راستے میں تکبیریں پڑھیں اور وہاں پہنچ کر نمازِ عید ادا کی۔

۱۶-﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ بلکہ تم آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جب کہ کامیابی کے لیے دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینا واجب ہے) سو تم وہ کام نہیں کرتے جن کے ساتھ تم کامیابی حاصل کرلو اور اس کے مخاطب کفار ہیں' اس کی دلیل ابوعمرو کی قراءت ''يُـؤْثِرُوْنَ''، ''يَا'' کے ساتھ ہے۔

۱۷-﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ اور آخرت سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے اور وہ بذاتِ خود افضل واعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

۱۸-﴿اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ بے شک یہ پہلے صحیفوں میں مذکور ہے' اور ''هٰذَا''، ''قَدْ اَفْلَحَ'' سے لے کر ''اَبْـقٰى'' تک کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک اس کلام کا معنی پہلے صحیفوں میں وارد ہو چکا ہے' یا ''هٰـذا'' کا اشارہ اس تمام کلام کی طرف ہے جو اس سورت میں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قراءت فارسی زبان کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے صحیفوں میں مذکور قرار دیا ہے حالانکہ ان صحیفوں میں ان الفاظ کے ساتھ اور اس عربی زبان میں مذکور نہیں تھا۔

۱۹-﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں مذکور ہے [اور یہ ''الصحف الاولٰى'' سے بدل ہے] اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ نصیحت بھی درج ہے کہ عقل مند آدمی کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت ونگرانی کرتا رہے اور وہ اپنے زمانہ کا عارف ہو اور وہ اپنے حال اور شان کے سنوارنے پر متوجہ رہے۔

سورۃ الغاشیۃ مکیۃ ۸۸ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۲۶ رکوعہا ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی چھبیس آیات' ایک رکوع ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣
تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ
ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا
رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥
وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦

کیا آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے O اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے O کام کرنے والے مشقت اٹھانے والے O وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O انہیں کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی پلایا جائے گا O ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر کانٹے دار زہریلی جھاڑی O وہ نہ فربہ کرے گا اور نہ وہ بھوک سے بے نیاز کرے گا O اس دن بہت سے چہرے خوش وخرم ہوں گے O اپنی کوشش پر راضی ہوں گے O عالی شان جنت میں ہوں گے O وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے O اس میں بہت سے بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے O ترتیب سے رکھے ہوئے پیالے ہوں گے O اور ایک دوسرے کے پہلو میں برابر برابر رکھے ہوئے گاؤ تکیے ہوں گے O اور بہترین بچھی ہوئی چاندنیاں ہوں گی O

## آخرت میں کافروں کے لیے سزاؤں اور نیک مسلمانوں کے لیے انعامات کا بیان

۱۔﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ "هَلْ" بہ معنی "قَدْ" ہے یعنی بے شک آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے (یعنی) دہشت ناک چیز جو لوگوں کو اپنے شدائد و مصائب کے ساتھ ڈھانپ لے گی اور اس کی ہولناکیاں لوگوں کو گھیر لیں گی' اس سے قیامت مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ" (ابراہیم: ۵۰) "اور ان کے چہروں پر آگ چھا جائے گی"۔

۲۔﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ﴾ بہت سے چہرے اس دن ذلیل و عاجز ہوں گے یعنی جس دن قیامت چھا جائے گی اس دن کفار کے چہرے ذلیل ہو کر جھکے ہوئے ہوں گے کیونکہ ان کے چہروں پر ذلت و رسوائی اور حقارت وخجالت چھائی ہوئی ہوگی اور چہروں کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ غم و رنج اور مسرت وخوشی جب آدمی میں مستحکم ہو جاتی ہیں تو ان کا اثر چہروں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

۳۔﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ کام کرنے والے مشقت ومحنت برداشت کرنے والے۔ وہ لوگ دوزخ کی آگ میں ایسے

کام کریں گے جن کی وجہ سے اس میں تھک جائیں گے اور وہ کام پاؤں میں ڈالی گئی زنجیروں' بیڑیوں اور گلے میں ڈالے گئے طوقوں کو کھینچنا اور دوزخ کی آگ میں غوطے لگانا ہے جیسے اونٹ کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور آگ کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور اس کے گہرے گڑھوں میں اترنا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار دنیا میں بُرے اعمال کرتے تھے اور ان پر خوش ہوتے اور محظوظ ہوتے' پس آخرت میں ان کے بدلے میں یہ مشقتیں اٹھائیں گے اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ ان سے بدمذہب و بدعقیدہ' گرجوں' مندروں اور کلیساؤں وغیرہ میں مشقتیں اٹھانے والے لوگ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتے اور ریاضتیں کرتے اور وہ اپنے اعمال میں روزوں کی مشقتیں اٹھاتے اور ہمیشہ تہجد کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔

٤-﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ وہ بھڑکتی ہوئی دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ ایسی آگ میں داخل ہوں گے جس کو عرصہ دراز تک جلایا اور بھڑکایا جائے گا یہاں تک کہ اس کی حرارت وتپش اور گرمی کے برابر کوئی حرارت و گرمی نہیں ہوگی [ابوبکر کوفی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تا'' مضموم کے ساتھ (فعل مضارع مجہول) ''تُصْلٰی'' پڑھا جاتا ہے]۔

٥-﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴾ انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا (یعنی) ایسے چشمے سے پانی پلایا جائے گا جس کے پانی کی حرارت وتپش اور گرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی [اور ان صفات اور افعال میں تانیث ''وُجُوْهٌ'' (چہروں) کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے اصحاب (چہروں والے) مراد ہیں جس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے]۔

٦-﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴾ ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر زہریلی خاردار جھاڑیاں۔ ''ضـریـع'' خودرو پودا' جھاڑی اور بوٹی ہوتی ہے اور جب ہری بھری اور تروتازہ ہوتی ہے تو اسے ''شبرق'' کہا جاتا ہے' پھر جب یہ خشک ہوجاتی ہے تو اسے ''ضـریـع'' کہا جاتا ہے اور یہ بڑی زہر قاتل ہوتی ہے اور آخرت میں مختلف عذاب ہوں گے اور عذاب پانے والے بھی مختلف طبقات میں ہوں گے' چنانچہ ان میں سے بعض ''زقوم'' کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض ''غسلین'' کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض ''ضریع'' کھانے والے ہوں گے اور اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشاد میں کوئی تناقض وتضاد نہیں ہے: ''وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍO'' (الحاقہ:٣٦) ''اور دوزخیوں کا کھانا صرف غسلین ہوگاO''۔

٧-﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ نہ وہ موٹا کرے گا اور نہ وہ بھوک مٹائے گا یعنی غذا کے دونوں فائدے اس سے منتفی ہوں گے اور وہ یہ ہیں: بھوک کا مٹانا اور بدن کا توانائی کے ساتھ موٹا پا ہونا [''لَا يُسْمِنُ'' محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''ضریع'' کا وصف ہے]۔

٨-﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ خوش وخرم ہوں گے' نرم و ملائم' عیش وعشرت میں خوش اور ہشاش بشاش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے چہروں کی ذلت و رسوائی بیان کرنے کے بعد اب پھر اس آیت مبارکہ میں مؤمنوں کے چہروں کا وصف بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''وَوُجُوْهٌ'' نہیں فرمایا کیونکہ پہلا کلام بہت طویل و دراز اور منقطع ہو چکا ہے۔

٩-﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ﴾ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے (یعنی) جب وہ آخرت میں عزت وکرامت اور اجر وثواب کو دیکھیں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل اور عبادت کے صلہ میں عطا فرمائے گا تو اس پر راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

١٠-﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ عالی شان جنت میں۔ یہ جنت مکان کی وجہ سے یا مقدار کی وجہ سے بلند و بالا اور عالی

شان ہوگی۔

١١- ﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا﴾ اے مخاطب! یا اے جنتی چہرے والو! تم اس میں ہرگز نہیں سنو گے ﴿لَاغِيَةً﴾ یعنی کوئی لغو بات یا لغو بات والا کوئی کلمہ یا تم خود کوئی لغو اور بے ہودہ بات نہیں کرو گے کیونکہ جنتی حضرات صرف حکمت و دانائی کی بات کریں گے یا جو دائمی انعامات اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''لَا يُسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةٌ'' اور نافع مدنی کی قراءت میں ''لَا تُسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةٌ'' (فعل مضارع مجہول اور ''لاغية'' نائب فاعل مرفوع) پڑھا جاتا ہے]۔

١٢- ﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾ اس میں بہنے والے چشمے ہوں گے یعنی بہت زیادہ چشمے بہتے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ''عَلِمَتْ نَفْسٌ'' (التکویر:١٤)۔

١٣- ﴿فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ اس میں بلند تخت اور پلنگ ہوں گے۔ یہ تخت اور پلنگ مسافت اور مرتبہ و شان دونوں لحاظ سے بلند ہوں گے یا یہ فضاء میں بلند ہوں گے (لفٹ سسٹم کی طرح' جب جنتی بیٹھنا چاہیں گے تو وہ نیچے آ جائیں گے جب وہ بیٹھ جائیں گے تو یہ بلند ہو جائیں گے) تا کہ ان پر مؤمنین بیٹھ کر وہ تمام نعمتیں اور سلطنت دیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہوں گی۔ ''سُرُرٌ''، ''سَرِيْرٌ'' کی جمع ہے۔

١٤- ﴿وَّاَكْوَابٌ﴾ اور خوب صورت پیالے ہوں گے۔ ''اَكْوَابٌ''، ''كُوْبٌ'' کی جمع ہے اور ''كُوْبٌ'' بہ معنی ''قدح'' ہے یعنی پیالہ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ ایسے برتن ہوں گے جن کے دستے نہیں ہوں گے (ان میں جنتی شراب پیش کی جائے گی) ﴿مَّوْضُوعَةٌ﴾ جنتیوں کے ہاتھوں کے آگے رکھے ہوئے ہوں گے تا کہ جنتی حضرات انہیں دیکھ کر لذت پائیں یا شراب پلانے کے لیے تیار کر کے انہیں چشموں کے کناروں پر رکھا جائے گا۔

١٥- ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ﴾ اور قالینوں کو بچھا کر گاؤ تکیے پہلو بہ پہلو ترتیب وار برابر رکھے ہوئے ہوں گے جنتی حضرات جہاں بیٹھنا چاہیں گے' وہاں تکیے کے اوپر بیٹھ کر دوسرے گاؤ تکیے پر ٹیک لگا لیں گے۔

١٦- ﴿وَّزَرَابِيُّ﴾ اور قیمتی چاندنیاں اور خوب صورت چادریں۔ ''زَرَابِيُّ''، ''زِرْبِيَّةٌ'' کی جمع ہے ﴿مَبْثُوثَةٌ﴾ تختوں اور پلنگوں پر بچھائی جائیں گی یا خوب صورتی کے لیے ان پر (پلنگ پوشوں کی طرح) بکھیر دی جائیں گی۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى
الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ
مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ
الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

سو کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے O اور آسمان کی طرف کہ اسے کس طرح بلند و بالا بنایا گیا ہے O اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح قائم کیا گیا ہے O اور زمین کی طرف کہ اسے کس طرح پھیلایا گیا ہے O سو آپ نصیحت کیجئے' بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں O مگر جس

نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیا O سو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O بے شک ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O پھر بے شک ان کا حساب لینا ہماری ہی ذمہ داری ہے O

## قدرتِ الٰہی کے عجائبات اور نصیحت کے لیے منکرین کے عذاب وحساب کا بیان

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی توصیف وتعریف میں یہ مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے جنت کے تختوں کی بلندی کی تفسیر وتوضیح ایک سو فرسخ (تین سو میل ہاشمی) بیان فرمائی اور بتایا کہ جنت میں اس قدر زیادہ پیالے رکھے گئے ہیں کہ ان کی کثرتِ تعداد مخلوق کے حساب میں نہیں آ سکتی اور نیز اس طرح گاؤ تکیوں کی طوالت ودرازی اور اس طرح تختوں اور پلنگوں پر بچھائی گئی قیمتی چاندنیوں اور خوب صورت چادروں کی چوڑائی بیان فرمائی تو کفار نے انکار کیا اور انہوں نے کہا: اتنے بلند ترین تختوں پر کس طرح چڑھا جائے گا اور اس بیان کردہ کثرت کے ساتھ پیالوں کی اتنی زیادہ تعداد کس طرح ہو سکتی ہے اور اس قدر زیادہ گاؤ تکیوں کی طوالت ودرازی اور قیمتی چاندنیوں کی اس قدر زیادہ چوڑائی کس طرح ہو سکتی ہے اور ہم نے ایسی چیزیں دنیا میں نہیں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو دعوتِ غور وفکر دیتے ہوئے (درج ذیل آیات نازل کر کے) ارشاد فرمایا:

۱۷-﴿ اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴾ سو کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح طویل ولمبا اور دراز قد پیدا کیا گیا ہے' اس کے باوجود پھر وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سواری کی جاتی ہے اور اس پر بھاری سامان لادا (رکھا) جاتا ہے' پھر وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے' سو اسی طرح جنتی بلند و بالا تخت مؤمن کے لیے نیچے جھک جائے گا' جس طرح اونٹ دراز قد ہونے کے باوجود نیچے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔

۱۸-﴿ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴾ اور کیا وہ آسمان کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بلند اور اونچا بنایا گیا ہے اور اسے بغیر ستونوں کے بہت دور فاصلے تک بلند بنایا گیا ہے' پھر اس میں اتنی زیادہ تعداد میں ستارے روشن کیے گئے کہ ان کی کثرت مخلوق کے شمار وحساب میں نہیں آ سکتی' سو اسی طرح پیالوں کا حال ہے۔

۱۹-﴿ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴾ اور کیا وہ پہاڑوں کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ انہیں زمین میں جما کر کس طرح قائم کیا گیا ہے' سو وہ اس قدر مضبوط ومستحکم ہیں کہ وہ طویل ودراز ہونے کے باوجود کسی طرف نہیں جھکتے بلکہ سیدھے اور اونچے کھڑے رہتے ہیں' پس جنتی گاؤ تکیوں کا یہی حال ہے۔

۲۰-﴿ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴾ اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بچھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھونے اور بستر کی چادر کی طرح ہر طرف برابر وہموار اور نرم بنا کر بچھایا تو گویا پوری روئے زمین ایک بچھونا ہے جو ایک اُفق سے دوسرے اُفق تک ہر طرف بچھا دی گئی' سو اسی طرح جنت میں تختوں اور پلنگوں پر بے شمار چاندنیاں بچھائی جائیں گی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہو کہ کیا کفارِ مکہ ان مخلوقات کی طرف نہیں دیکھتے جو خالقِ کائنات کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ مرنے کے بعد اٹھانے پر اس کی قدرت کا انکار نہ کریں اور رسول اکرم ﷺ کے ڈراوے کو غور سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کریں اور ان چاروں کی تخصیص اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ یہ خطاب اہل عرب کے لیے ہے اور ان کو استدلال کرنے کی ترغیب وتحریک دینا ہے اور ہر آدمی اسی چیز سے استدلال کرتا ہے جس کا وہ کثرت سے مشاہدہ کرتا ہے اور عرب کے لوگ صحراؤں' جنگلوں اور دیہاتوں' گاؤں اور خیمہ بستیوں میں رہتے تھے اور ان کا ان علاقوں میں آسمان' زمین' پہاڑوں اور اونٹوں کا مشاہدہ کرنا عام اور کثرت سے ہوتا تھا جب کہ اونٹ تو

ان کے مالوں میں سے اہم ترین مال تھا اور عرب کے لوگ دیگر جانوروں میں سے زیادہ اونٹ سے کام لیتے ہیں کیونکہ یہ جانوروں کے تمام مطلوبہ فوائد ونوافع کا جامع جانور ہے' چنانچہ بعض جانور دودھ دیتے ہیں' بعض بوجھ اٹھاتے ہیں' بعض سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے اور یہ اونٹ نسل بھی بڑھاتا ہے' دودھ بھی دیتا ہے' بوجھ بھی اٹھاتا ہے' سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور اس کے چمڑے اور بالوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا مسخر کیا ہے کہ یہ ہر اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جو اس کی نکیل پکڑ کر لے چلتا ہے نہ کمزور پر سختی کرتا ہے اور نہ بچے سے سرکشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو لمبی گردن والا پیدا کیا تا کہ وہ بھاری بوجھ اٹھا سکے اور سواری اور سامان اٹھانے والے دوسرے جانور کھڑے رہتے ہیں بیٹھتے نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس طرح بنایا ہے کہ یہ بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سخت اور نرم بوجھ لادا جاتا ہے' پھر یہ بوجھ کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر دور دراز شہروں اور ملکوں تک لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو پیاس برداشت کرنے کا ایسا صبر عطا کیا ہے کہ یہ پانی پیئے بغیر دس دن تک سامان اٹھا کر سفر کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہ جنگلوں میں اُگنے والی ہر قسم کی جڑی بوٹیاں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے جن کو دوسرے جانور نہیں کھاتے۔

۲۱- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ انہیں دلائل کے ساتھ وعظ ونصیحت کیجئے تا کہ وہ لوگ اس میں غور وفکر کریں اور سوچیں ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا اور حق بات پہنچانا ہے اور بس!

۲۲- ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ آپ ان پر جبر کرنے کے لیے مسلط نہیں کیے گئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ'' (ق:۴۵) ''اور آپ ان پر جبر اور زبردستی کرنے والے نہیں ہیں'' [نافع مدنی' ابوعمرو بصری' امام عاصم کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں صاد کے ساتھ ''بِمُصَيْطِرٍ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۲۳' ۲۴- ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ○ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾ مگر جس نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیا○ تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی ان کے خلاف آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا لیکن ان میں سے جس نے منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس پر پورا اختیار اور غلبہ حاصل ہے' سو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے [اور بعض کا قول ہے کہ یہ ''فَذَكِّرْ'' سے استثناء ہے] یعنی آپ انہیں وعظ ونصیحت کیجئے مگر جس کے ایمان لانے کی اُمید ختم ہو جائے اور وہ منہ پھیر لے تو وہ بہت بڑے عذاب کا مستحق ہے [اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے]۔

۲۵- ﴿اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ﴾ بے شک انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور ظرف کی تقدیم کا فائدہ ان کے ڈرانے اور دھمکانے میں شدت وسختی کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ انہیں انتقام کی پوری قدرت رکھنے والے جابر وغالب خدا کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

۲۶- ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ پھر بے شک ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ پر ہے' پس ان کے اعمال پر ان سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ان کے اعمال پر ان جیسے لوگوں کی سزا کی طرح انہیں سزا دی جائے گی' اور حرف ''عَلٰى'' وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ وعید وڈراوے کی تاکید کرنے کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں ہے۔

سورۃ الفجر مکی ہے | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اس کی تیس آیات' ایک رکوع ہے

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

فجر کی قسم!○ اور دس راتوں کی!○ اور جفت کی اور طاق کی!○ اور رات کی جب وہ گزر جائے!○ بے شک اس میں عقل مند کے لیے بہت بڑی قسم ہے○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا○ وہ اِرم کے باشندے اونچے ستونوں والے○ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا○ اور ثمود جنہوں نے وادی میں (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا○ اور میخوں والا فرعون○ جنہوں نے شہروں میں بغاوت و سرکشی کی○ پھر انہوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا○ سو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا○ بے شک آپ کا پروردگار ضرور (ان کی) گھات میں ہے○

## قسموں کے ساتھ مؤکد عاد و ثمود اور فرعونیوں کی سرکشی و ہلاکت کا بیان

۱- ﴿وَالْفَجْرِ﴾ فجر کی قسم! اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم اٹھائی ہے اور اس سے صبح کا وقت مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ○" (المدثر: ۳۴) "صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے!○" یا پھر نمازِ فجر کی قسم مراد ہے۔

۲- ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ اور دس راتوں کی قسم! ان راتوں سے ذی الحج کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا محرم الحرام کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں' اور ان کو نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں اضافہ ہو۔

۳- ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ اور جفت اور طاق کی قسم! تمام چیزوں کے جفت اور ان کے طاق کی قسم مراد ہے یا ان راتوں کے جفت (دو' چار' چھ' آٹھ اور دس راتیں) اور ان راتوں کے طاق (ایک' تین' پانچ' سات اور نو راتیں) کی قسم یا جفت نمازوں (فجر' ظہر' عصر اور عشاء) کی قسم اور طاق نمازوں (نمازِ مغرب اور عشاء کی نمازِ وتر) کی قسم یا قربانی کے دن کی قسم کیونکہ یہ دسواں دن ہے اور عرفہ کے دن کی قسم کیونکہ یہ نواں دن ہے یا جفت سے مخلوق (نر مادہ) اور طاق سے خالق مراد ہے [حمزہ کوفی' علی کسائی کی قراءت میں "وَالْوِتْرِ" (واؤ مکسور کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ کی قراءت میں واؤ مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں' چنانچہ واؤ مفتوح کے ساتھ حجازی لغت ہے اور واؤ مکسور کے ساتھ تمیمی لغت ہے]۔

٤۔اللہ تعالیٰ نے مخصوص راتوں کی قسم کے ذکر کے بعد عمومی طور پر رات کی قسم فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّيْلِ﴾ رات کی قسم! اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس رات سے شب قدر مراد ہے ﴿إِذَا يَسْرِ﴾ جب گزر جائے [''یسر'' کی آخری ''یا''، ماقبل کے کسرہ پر اکتفاء کر کے لکھنے میں حذف کر دی گئی ہے ] اور کسی ایک شخص نے اخفش سے اس ''یا'' کے سقوط کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: جب تک تم میری ایک سال تک خدمت نہیں کرو گے میں اس کا جواب نہیں بتاؤں گا' چنانچہ اس شخص نے ایک سال تک خدمت کرنے کے بعد یہی سوال دہرایا تو اخفش نے جواب دیا کہ ''اَللَّيْلُ لَا يَسْرِيْ، اِنَّمَا يُسْرٰى فِيْهِ'' رات نہیں چلتی بلکہ رات میں چلا جاتا ہے' سو جب اس کے معنی سے عدول کیا گیا تو اس کی موافقت میں اس کے لفظ سے بھی عدول کیا گیا اور بعض کا قول ہے کہ ''يَسْرِ'' کا معنی ہے: ''يُسْرٰى فِيْهِ'' کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْلٌ نَائِمٌ اَیْ يُنَامُ فِيْهِ'' کہ رات سونے والی ہے یعنی رات میں سویا جاتا ہے۔

٥۔﴿هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ﴾ کیا اس میں عقل مند کے لیے قسم ہے؟ یعنی مذکورہ بالا چیزیں جن کی قسم کھائی گئی وہ یقیناً عقل مند کے لیے لائق قسم ہیں۔ ''حجر'' کا معنی عقل ہے اور عقل کا نام ''حجر'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ عقل انسان کو بے کار و لایعنی کام میں مشغول ہونے سے روکتی ہے جیسا کہ اس کا نام عقل اور ''نُهيه'' رکھا گیا ہے کیونکہ یہ روکتی اور منع کرتی ہے' مقصد یہ ہے کہ کیا عقل مند کے نزدیک یہ حق ہے کہ ان قسموں کو عظیم الشان قرار دیا جائے؟ یا یہ کہ کیا یہ ایسی بڑی اہم ترین قسمیں ہیں کہ ان جیسی قسموں کے ساتھ مقسم علیہ کو مؤکد و مضبوط اور مستحکم کیا جائے' یا یہ کہ کیا ان چیزوں کی قسم عقل و خرد رکھنے والے انسان کے لیے کفایت کرنے والی قسم ہے؟ اور مقسم علیہ محذوف ہے اور وہ ''لَيُعَذَّبُنَّ'' ہے یعنی ان تمام چیزوں کی قسم! کفار کو ضرور عذاب دیا جائے گا' اور اس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ''اَلَمْ تَرَ'' سے لے کر ''فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ'' تک ہے۔

٦'٧۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان امتوں کو عذاب دینے کا ذکر کیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی رسالتوں کا انکار کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے لمبے ستونوں والے اِرم کے رہنے والے عاد کی قوم کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ یعنی اے محمد (ﷺ)! کیا آپ ایسا علم نہیں جانتے جو یقین میں مشاہدہ اور معائنہ کے مساوی اور برابر ہوتا ہے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ ضرور یقینی طور پر جانتے ہیں۔ عاد بن عوص بن اِرم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل کو عاد کہا گیا ہے جیسا کہ بنو ہاشم کو ہاشم اور بنو تمیم کو تمیم کہا جاتا ہے' پھر ان میں سے پہلے لوگوں کو عادِ اُولیٰ کہا جاتا ہے اور ان کے ایک بزرگ اِرم نامی شخص کے نام پر ان کو اِرم کہا جاتا ہے اور ان کے بعد آنے والوں کو عادِ اخیرہ کہا جاتا ہے' پس اِرم عاد کا عطف بیان ہے اور اس نام کے ذریعے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ عادِ اُولیٰ قدیم ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اِرم ان کے شہر اور ان کے علاقے کا نام ہے جس میں وہ رہتے تھے اور اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اضافت کے ساتھ ''بِعَادِ اِرَمَ'' کی قراءت دلالت و رہنمائی کرتی ہے اور اس کی تقدیر عبارت ''بِعَادِ اَهْلِ اِرَمَ'' ہے یعنی اِرم کی رہنے والی عاد کی قوم' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف:۸۲) اور اِرم قبیلہ ہو یا شہر ہو بہر حال یہ تانیث اور معرفہ کی بناء پر غیر منصرف ہے اور ''ذَاتِ الْعِمَادِ'' جب قبیلہ کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ بدوی (جنگلی) لوگ ستونوں والے تھے (کہ جہاں پانی کا چشمہ ملتا وہیں ستونوں پر خیمے لگا کر بستیاں بسا لیتے) یا وہ دراز اور لمبے جسموں والے لوگ تھے' جس کی بناء پر ان کے قدوں کو ستونوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اگر یہ بلد (شہر) کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ لوگ صاحب

اساطین (کھبوں والے) تھے۔

مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شدّاد تھا اور دوسرے کا نام شدید تھا' چنانچہ یہ دونوں بادشاہ بنے اور انہوں نے لوگوں پر بڑا ظلم و جبر کیا' پھر شدید تو مر گیا اور حکومت و بادشاہت صرف شداد کے ساتھ مخصوص ہو گئی' پھر اس نے کافی دنیا پر حکومت و بادشاہی قائم کر لی اور وہاں کے بادشاہ اور حکمران اس کے ماتحت زیر فرمان ہو کر اطاعت گزار بن گئے اور جب اس نے جنت کا ذکر سنا تو اس نے کہا کہ اس کی مثل تم ایک شہر آباد کرو' چنانچہ ارم نامی یہ شہر عدن کے کسی ایک جنگل میں تین سو سال کے عرصہ میں تعمیر کیا گیا اور شدّاد کی عمر نو سو سال تھی اور یہ بہت بڑا شہر تھا' اس کے محلات سونے اور چاندی کے تھے اور اس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے تھے اور جب اس شہر کی تعمیر مکمل ہو گئی تو شدّاد اپنی مملکت کے اراکین کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا' پھر جب وہ اس شہر سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آسمان سے ایک گرج دار آندھی بھیجی' جس کی گرج و چیخ کی وجہ سے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن قلابہ عدن کے صحرا میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور وہاں سے جس قدر سونے اور چاندی کی اینٹیں اور جواہرات و موتی وغیرہ اٹھا کر لا سکتے تھے لائے اور ان کی یہ خبر حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے ان کو بلوالیا اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ کو سارا قصہ سنایا اور امیر معاویہ نے ایک آدمی بھیج کر حضرت کعب احبار کو بلوالیا اور آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ اِرم ذات العماد ہے اور عنقریب آپ کے زمانہ میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی سرخ رنگ کا' کوتاہ قد جس کے اَبرو پر تل کا نشان ہوگا اور اس کے عقب میں بھی تل کا نشان ہوگا' وہ اس شہر میں داخل ہوگا اور وہ اپنے اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے گا' پھر جب حضرت کعب' حضرت عبداللہ بن قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ وہی آدمی ہے۔

۸- ﴿ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴾ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں ہوا یعنی عاد کی مثل کیونکہ قوت و طاقت میں اور قد و قامت میں عاد کی قوم جیسی کوئی قوم پیدا نہیں ہوئی' چنانچہ ان میں سے ایک آدمی کا قد چار سو ہاتھ ہوتا تھا یا یہ معنی ہے کہ دنیا کے تمام شہروں میں شدّاد کے شہر جیسا پیدا نہیں ہوا۔

۹- ﴿ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ ﴾ اور ثمود (کے ساتھ آپ کے رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) جنہوں نے (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا' انہوں نے پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹا اور ان میں گھر بنائے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس نے پہاڑوں اور پتھروں کو تراشا وہ ثمود تھا اور انہوں نے ایک ہزار سات سو شہروں کو تعمیر کیا جو سب کے سب پتھروں کے تھے ﴿ بِالْوَادِ ﴾ وادی قریٰ (جو مدینہ منورہ کے قریب ملک شام کی جانب تھی)۔

۱۰- ﴿ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴾ اور میخوں والے فرعون (کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) یعنی بہت زیادہ لشکروں والے فرعون اور فرعونیوں کے پاس کثیر تعداد میں ہتھوڑے ہوتے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو مارا کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ فرعون کے پاس بہت زیادہ میخیں تھیں جن کے ساتھ لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں جیسا کہ حضرت آسیہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

۱۱- ﴿ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴾ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور انہوں نے حد سے تجاوز کیا [" الذین " مخصوص بالذم ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے' اصل میں " هُمُ الَّذِیْنَ " ہے یا پھر مذکور عاد اور ثمود اور

فرعون کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے]۔

۱۲۔﴿فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ﴾ سو انہوں نے ان شہروں میں کفر وشرک اور قتل و غارت اور ظلم وستم کے ساتھ بہت فساد پھیلایا۔

۱۳۔﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ سو آپ کے ربِ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ دراصل یہ ان کو عذاب پہنچانے سے مجاز ہے اور یہ سب سے زیادہ بلیغ و فصیح طریقہ ہے کیونکہ ''صَبٌّ'' (بہانا) دوام وہمیشگی کی نشاندہی کرتا ہے اور ''سَوْطٌ'' (کوڑا) تکلیف و درد پہنچانے کے اضافہ پر دلالت کرتا ہے یعنی ان کو ہمیشہ سخت ترین دردناک عذاب دیا جائے گا۔

۱٤۔﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار گھات میں ہے۔ ''مِرصاد'' وہ جگہ ہوتی ہے جس میں بیٹھ کر انتظار کیا جائے یعنی جس میں کسی کی نگرانی کرنے کے لیے انتظار کیا جائے اور یہ مفعال کے وزن پر ''رَصَدَهُ'' سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بندوں کی نگرانی کر رہا ہے' اس کے لیے یہ مثال ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے بھاگ کر یا نکل کر بچ نہیں سکتے اور نہ اس سے غائب ہو سکتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ان تمام اعمال کو خوب جانتا ہے جو ان سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خوب محافظ ہے' سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور جزا دے گا' اگر نیک اعمال ہوں گے تو انہیں نیک جزاء عطا فرمائے گا اور اگر بُرے اعمال ہوں گے تو انہیں بدترین سزا دے گا۔

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾
كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے اور اسے عزت و نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ○ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ○ ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ○ اور تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ○ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ○ اور تم مال سے بہت شدید محبت کرتے ہو ○

## مال و دولت عزت کا معیار نہیں

۱۵'۱٦۔﴿فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ○ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے ○ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے تو اس پر اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کا رزق کم کر دیتا ہے اور اس کو صرف اس قدر رزق عطا کرتا ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے [ابن عامر شامی اور یزید کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ ''فَقَدَّرَ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ تو وہ کہتا ہے: میرے

پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے یعنی جس شخص کا خالق و مالک اور پروردگار اس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہو اس پر تو واجب ہے کہ وہ اپنی عاقبت و آخرت سنوارنے کی کوشش کرے اور وہ دنیا کے غم و فکر میں نہ رہے لیکن اس نے اس کا برعکس کر دیا (کہ آخرت کی بجائے دنیا میں مشغول ہو گیا)' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نعمت و وسعت (مال و دولت اور خوش حالی) عطا کر کے اس کو آزماتا ہے تاکہ وہ شکر ادا کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے یعنی مجھے مال و دولت عطا فرما کر مجھے دوسروں پر فضیلت و برتری دے دی ہے' پس وہ دنیاوی نصیب کی وسعت و کثرت کو عزت خیال کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو فقر و غربت کے ذریعے آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تاکہ وہ صبر کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے' پس وہ دنیاوی نصیب کی کمی کو ذلت خیال کرتا ہے کیونکہ دنیا اور دنیا کی لذتیں اور اس کی نعمتیں اسے فکر مند رکھتی ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گمان کی تردید کرتے ہوئے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ارشاد فرمایا:

۱۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یعنی عزت مال و دولت کی کثرت میں اور ذلت و رسوائی مال و دولت کی کمی میں ہرگز نہیں ہے بلکہ عزت نیکی کی توفیق میں ہے اور ذلت و اہانت نیکی سے محرومی میں ہے [''فَيَقُوْلُ'' خبر ہے اور اس کا مبتدا ''الْاِنْسَانُ'' ہے اور ''فا'' کا دخول اس لیے ہے کہ ''اَمَّا'' شرط کے معنی میں ہے اور مبتدا اور خبر کے درمیان ظرف متوسط تاخیر کی تقدیر پر ہے گویا یوں کہا گیا: ''فَاَمَّا الْاِنْسَانُ فَقَائِلٌ رَبِّىْ اَكْرَمَنِىْ وَقْتَ الْاِبْتِلَاءِ'' اور اسی طرح دوسرا ''فَيَقُوْلُ'' بھی مبتدا کی خبر ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَاَمَّا هُوَ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ''] اور رزق کی وسعت اور رزق کی تنگی دونوں چیزوں کو ابتلاء اور آزمائش کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک چیز انسان کے لیے امتحان ہے' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو خوش حالی اور مالی وسعت عطا کرتا ہے تو اس کے حال کو آزماتا ہے کہ آیا وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے اور جب اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو اس کو اس حال میں بھی آزماتا ہے کہ آیا وہ صبر و استقامت سے کام لیتا ہے یا وہ جزع و فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کی مثل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء:۳۵) ''اور ہم تمہیں امتحان کی غرض سے سختی اور بھلائی کے ساتھ آزماتے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے قول ''رَبِّىْ اَكْرَمَنِ'' کا انکار کر دیا جب کہ خود اپنے ارشاد ''فَاَكْرَمَهٗ'' کو ثابت رکھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے اس کے برعکس قصد کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے صحیح قرار دیا اور اسے ثابت رکھا اور وہ یہ ہے کہ انسان نے یہ قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت کے لیے جو کچھ مال و دولت اسے عطا کیا ہے' وہ محض اس کے استحقاق کی بناء پر اسے عطا کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ'' (القصص:۷۸) ''قارون نے کہا کہ مجھے جس قدر مال و دولت دیا گیا ہے وہ صرف میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے'' اور بے شک اللہ تعالیٰ انسان کو جو مال و دولت عطا کرتا ہے وہ محض آزمائش کے لیے اس کے استحقاق کے بغیر اسے عطا کرتا ہے ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۝ اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو یعنی بلکہ یہاں تو انسان کا عمل اس کے قول سے بدتر ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ تو مال و دولت اور غنا کے ساتھ انہیں عزت عطا کرتا ہے لیکن وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے جو ان پر لازم ہیں کہ وہ یتیم کے ساتھ نیکی کر کے اس کی عزت کریں اور اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے رہیں۔

۱۸- ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھاتے ہو۔ ''لَمٌّ'' کا معنی ہے: جمع کرنا' اصل میں ''ذَا لَمٍّ'' ہے اور اس کا مطلب ہے: حلال اور حرام کو جمع کرنا اور عرب کے لوگ عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے ان کا

حق وراثت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی وراثت کو اپنی وراثت کے ساتھ ملا کر کھا جاتے تھے۔

۲۰۔ ﴿وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ﴾ اورتم مال سے محبت کرتے ہو۔ ''حَبَّۃ'' اور ''اَحَبَّۃ'' دونوں ہم معنی ہیں ﴿حُبًّا جَمًّا﴾ ایسی زیادہ سخت محبت جس میں حرص ولالچ اور لوگوں کے حقوق کو روک لینا ہو [ابو عمرو اور اہل حجاز کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''رَبِّیَ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''(لَا یُکْرِمُوْنَ) (وَلَا یَحَاضُّوْنَ) (وَیَاْکُلُوْنَ) (وَیُحِبُّوْنَ)'' پڑھا جاتا ہے]۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾

ہرگز نہیں! جب زمین توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی ○ اور آپ کے پروردگار کا حکم آ جائے گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے ○ اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اس کے لیے نصیحت کا فائدہ کہاں ○ وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا ○

## قیامت کا منظر اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب کا بیان

۲۱۔ ﴿كَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! قریش مکہ کو اس عمل سے روکا گیا ہے اور ان کے اس فعلِ بد سے انکار کیا گیا ہے، پھر اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں وعید (ڈرانے دھمکانے) کو لایا گیا اور ان کی حسرت وافسوس کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کوتاہیوں پر اس وقت کریں گے جب ان کی حسرت انہیں نفع نہیں دے گی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ﴾ جب زمین کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا (یعنی) جب زلزلے کے ذریعے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا ﴿دَكًّا دَكًّا﴾ توڑنے کے بعد توڑنا یعنی اسے بار بار توڑنا یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتے ہوئے غبار کی طرح ہو جائے گی۔

۲۲۔ ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی علامات کے ظہور کے لیے اور اس کی حکومت وسلطنت اور اس کے قہر وغلبہ کے آثار کے ظہور کے لیے تمثیل ہے کیونکہ بادشاہوں میں سے جب کوئی بادشاہ بنفس نفیس تشریف لاتا ہے تو اس کے خود آنے کی وجہ سے رعب ودبدبہ اور ہیبت کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کی افواج اور اس کے خواص کے حاضر ہونے سے ظاہر نہیں ہوتے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا فیصلہ مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اور اس کا فیصلہ آ جائے گا ﴿وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور فرشتے صف بہ صف، قطار در قطار حاضر ہوں گے یعنی ہر آسمان کے فرشتے نازل ہوں گے اور تمام فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صف بستہ قطار در قطار اُتریں گے اور انسانوں اور جنوں کو چاروں اطراف سے گھیر لیں گے۔

۲۳۔ ﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ﴾ اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بے شک دوزخیوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ○'' (الشعراء:۹۱) ''اور دوزخ گمراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی ○'' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ اپنی حقیقت پر جاری وساری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کو اس دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے لیے ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام

کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جوان ستر ہزار لگاموں کے ساتھ اسے کھینچ کر لائیں گے[1] ﴿یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ﴾ اس دن انسان یاد کرے گا یعنی نصیحت کو یاد کر کے تسلیم کرلے گا ﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ اور اس کے لیے نصیحت کی یاد کس کام کی کیونکہ اس دن نصیحت یاد کرنے کا کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں ہوگا۔

۲۴- ﴿یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ﴾ وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا اور یہ آخرت کی زندگی ہے یعنی اے کاش! میں نے فانی زندگی (دنیا) میں نیک اعمال کر کے باقی رہنے والی زندگی کے لیے آگے بھیجے ہوتے۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ ع

سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہیں دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا O اے اطمینان والی جان! O تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی O پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O

۲۵- ﴿فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی شخص متولی اور منتظم ومختار نہیں ہوگا (تو وہ کسی کو عذاب کیسے دے گا) کیونکہ اس دن حکم اور فیصلہ صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا نافذ ہوگا۔

۲۶- ﴿وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾ اور زنجیروں اور طوقوں میں اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح کوئی نہیں جکڑ سکے گا۔ تفسیر کشاف کے مصنف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح عذاب نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا [قاری علی کسائی کی قراءت میں فعل مضارع مجہول کے ساتھ "وَلَا یُعَذَّبُ" اور "وَلَا یُوْثَقُ" پڑھا جاتا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت ہے اور ابو عمرو نے اپنی آخری عمر میں اسی قراءت کی طرف رجوع کرلیا تھا اور ضمیر انسان موصوف کی طرف لوٹتی ہے] اور اس سے کافر مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے اُبی بن خلف مراد ہے' جس طرح ابی بن خلف کو سخت ترین اور بدترین عذاب دیا جائے گا' اس طرح کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور جس طرح زنجیروں اور طوقوں میں اس بے ایمان اور بدبخت کو جکڑا جائے گا' اس طرح کسی کو نہیں جکڑا جائے گا کیونکہ یہ شخص انتہائی بدترین کافر اور انتہائی بدترین عناد و بغض رکھنے والا شخص تھا۔

## مؤمن کی شانِ آخرت کا بیان

۲۷- پھر اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے ارشاد فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ اے اطمینان والی جان! ندا کے ساتھ براہِ راست خطاب وکلام اس کی تعظیم وتکریم کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے براہِ راست کلام فرمایا تھا یا پھر فرشتے کی زبان پر خطاب وکلام فرمایا اور "مطمئنة" کا معنی ہے: امن والی جو نہ خوف وڈر سے

[1] رواہ مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۲' الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۷

گھبراتی ہے اور نہ غم و رنج سے مضطرب ہوتی ہے اور اس سے نفسِ مؤمنہ مراد ہے یا حق تعالیٰ کی طرف اطمینان پانے والی جان مراد ہے' یہ وہ جان ہے جس میں یقین نہایت راسخ ہو چکا ہے' پس اب اس میں شک وشبہ داخل نہیں ہو سکتا اور حضرت ابی بن کعب کی قراءت پہلی تفسیر کی گواہی دیتی ہے' وہ یہ ہے: ''یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْاٰمِنَةُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' اے ایمان واطمینان والی جان! اور بلاشبہ یہ اسے موت کے وقت کہا جائے گا یا مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت کہا جائے گا یا جنت میں داخل ہونے کے وقت یہ کہا جائے گا۔

۲۸۔﴿ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ﴾ تو اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کی طرف لوٹ جا' یا اپنے رب تعالیٰ کے اجر وثواب کی طرف لوٹ جا ﴿رَاضِيَةً﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نعمتیں تجھے دی گئی ہیں ان پر تو اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہے ﴿مَّرْضِيَّةً﴾ جس قدر تو نے نیک اعمال کیے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور خوش ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۲۹۔﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ سو تو میرے بندوں میں داخل ہو جا (یعنی) تو میرے نیک اور مخلص بندوں کی جماعت میں داخل ہو جا اور میرے ان مخصوص بندوں میں شامل ہو جا اور ان کے سلسلہ سے وابستہ ہو جا۔

۳۰۔﴿وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ اور تو ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی میرے بندوں کے ساتھ اور میرے بندوں کے درمیان یعنی میرے خواص کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ○'' (النمل:۱۹) ''(حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما○'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نفس سے روح مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے روح! پس میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جا' جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے: ''فَادْخُلِيْ فِيْ جَسَدِ عَبْدِيْ'' سوائے روح! تو میرے بندے کے جسم میں داخل ہو جا' اور جب حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں فوت ہوئے تو ایک پرندہ آیا جب کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کبھی کوئی پرندہ نہیں دیکھا گیا' چنانچہ وہ پرندہ آپ کی نعش مبارک میں داخل ہو گیا' پھر جب آپ کو قبر میں دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کے کنارے پر یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی اور جس نے آپ کی قبر پر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی اس کا علم نہیں ہو سکا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جن کو اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمام مؤمنوں کے لیے عام ہے کیونکہ عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصِ سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔

سورۃ البلد مکیۃ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ — آیاتھا ۲۰ رکوعھا ۱

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی بیس آیات' ایک رکوع ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

مَالًا لُّبَدًا ⓺ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ⓻ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ⓼ وَ لِسَانًا
وَّ شَفَتَیْنِ ⓽ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ⓾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا
الْعَقَبَةُ ⑫ فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ⑭ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮
اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ
تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰

مجھے اس شہر کی قسم! O اور آپ اس شہر میں رہائش پذیر ہیں O اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی (قسم)! O بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا O کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی غالب نہیں ہوسکتا O وہ کہتا ہے: میں نے بہت زیادہ مال (خرچ کر کے) ختم کردیا ہے O کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا O کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں O اور ایک زبان اور دو ہونٹ O اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے O پھر وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا O اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے O گردن آزاد کرانا ہے O یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے O کسی رشتہ دار یتیم کو O یا کسی خاک نشین مسکین کو O پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو رحم و کرم کرنے کی وصیت کی O

## قسموں کے ساتھ مؤکد نیک بختی اور بدبختی کے اسباب کا بیان

۲'۱- ﴿ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴾ مجھے قسم ہے اس شہر کی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرمت والے شہر مکہ معظمہ کی اور اس کے مابعد کی قسم فرمائی ہے اور یہ اس بات کی تاکید ہے کہ انسان کو تکالیف و شدائد اور مصائب و آلام کے برداشت کرنے میں مقہور و مغلوب پیدا کیا گیا ہے ﴿ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴾ حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور یہ کلام مبارک قسم اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آپ کی حرمت و عزت کی عظمت کے باوجود آپ جیسی عظیم الشان محترم و مکرم ہستی (کے قتل) کو اس شہر یعنی مکہ معظمہ میں حلال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ حرم کے باہر شکار حلال سمجھا جاتا ہے۔ شرحبیل سے منقول ہے کہ قریش مکہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام قرار دیتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال سمجھتے تھے اور اس میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت و قائم رہنے پر اور اہل مکہ کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کے برداشت کرنے پر تلقین و تحریک اور برانگیختہ کرنا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے کی وجہ سے قریش مکہ کے حال پر تعجب کا اظہار ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر تسلی دی کہ بے شک کوئی انسان شدائد و تکالیف اور مصائب و آلام کی آزمائش سے خالی نہیں ہے اور اس معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم رسول معظم ﷺ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے جو تکالیف و شدائد کے غموں سے نجات و رہائی حاصل کرنے اور تسلی و تشفی کے لیے تکمیل ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' یعنی اے محبوب! آپ مستقبل میں اس شہر مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے نزول اجلال فرمانے والے اور تشریف فرما ہونے

والے ہیں اور آپ اس شہر میں کفارِ مکہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لیے جو چاہیں گے کر سکیں گے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور آپ کے لیے اس کو حلال قرار دے دیا حالانکہ آپ سے پہلے کسی کے ہاتھ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا اور آپ کے علاوہ کسی کے لیے مکہ مکرمہ کو حلال قرار نہیں دیا گیا مگر آپ نے جو چاہا حلال قرار دیا اور جو چاہا حرام قرار دیا اور آپ نے ابن خطل کو قتل کرا دیا حالانکہ وہ کعبہ معظمہ سے لپٹا ہوا تھا اور مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کرایا تھا اور ابوسفیان کے گھر کو حرم قرار دے دیا تھا اور ''وَاَنْتَ حِلٌّ'' کا یہ معنی کہ آپ مستقبل میں مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوں گے' کی نظیر اور مثال یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ O'' (الزمر: ٣٠) ''بے شک آپ وفات پانے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں O'' اور اس آیت مبارکہ کے معنی استقبال کے لیے ہونے پر تمہیں یہی دلیل کافی ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ مکی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سورت کے نزول کے وقت نہ ہجرت تھی اور نہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔

٣- ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم! یاد رہے کہ والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے یا اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے یا پھر والد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے[1] اور لفظ ''مَا'' بہ معنی ''مَنْ'' ہے یا بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے۔

٤- ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ﴾ بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کے شدائد کی مشقت اٹھاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ انسان ہمیشہ قضاء کی رسی میں بندھا ہوا اور امر و نہی کا پابند کیا ہوا ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

٥'٦- ﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ﴾ کیا وہ (انسان) یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہیں ہے۔ ''یَحْسَبُ'' کی ضمیر قریشِ مکہ کے سرداروں میں سے کسی ایک سردار کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ قریش مکہ کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچایا کرتے تھے جو تکالیف اور مشقتیں پہنچا سکتے تھے' پھر بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ حضور کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچانے والے سے ابوالاشد مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ مخزومی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا اپنی قوم کا یہ طاقتور سردار مسلمانوں کو کمزور سمجھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی اور اس سے انتقام لینے کی ہرگز کوئی قدرت نہیں رکھتا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وہ بات ذکر کی جو وہ اس دن کہے گا اور وہ یہ ہے: بے شک ﴿يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ وہ کہے گا: میں نے بہت زیادہ مال خرچ کر کے ختم کر دیا ہے یعنی کثیر مال خرچ کر دیا۔ ''لُبَدًا''، ''لُبْدَةٌ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: زیادہ اور بہت سا مال یعنی ڈھیروں مال جمع ہو گیا' وہ سردار اس سے یہ کہنا

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ علامہ طبری اور علامہ ماوردی نے فرمایا کہ والد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے آپ کی امت مرحومہ مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قراءت میں ہے: ''وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ'' یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور ہی کا ذکر ہوا ہے اور علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے حضور کی ازواج مطہرات کا مسلمانوں کی مائیں ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ حضور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جز ٣٠ ص ١٣٥' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر روح البیان جز ٣٠ ص ٣٥٨-٣٥٧' مترجم' مکتبہ اویسیہ' بہاولپور)

چاہے گا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ مال خرچ کرتا رہا تھا کیونکہ عرب کے لوگ زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کو مکارم ومعالی (اچھی عادات اور بلند ہمتی) خیال کرتے تھے۔

۷- ﴿ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا' جب وہ اپنا مال خرچ کرتا تھا تو وہ ریا اور دکھاوے کے لیے اور فخر وغرور اور تکبر کے ساتھ خرچ کرتا تھا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اسے ضرور دیکھ رہا تھا اور وہ اس پر محافظ ونگہبان تھا۔

۸ تا ۱۰- پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اسے عطا کیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴾ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں جن کے ذریعے وہ دکھائی دینے والی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے ﴿ وَلِسَانًا ﴾ اور ایک زبان بنائی جس کے ذریعے وہ اپنے دل کی تمام باتیں بیان کرتا ہے ﴿ وَّشَفَتَيْنِ ﴾ اور دو ہونٹ بنائے جن کے ذریعے وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں کی مدد سے بولتا اور کھاتا اور پیتا ہے اور ان کی مدد سے پھونکتا ہے ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں (یعنی) خیر وشر کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں' خیر و بھلائی کا راستہ اسے جنت کی طرف لے جانے والا ہے اور شر و برائی کا راستہ اسے دوزخ کی آگ کی طرف لے جانے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''نجدین'' سے دونوں پستان مراد ہے۔

۱۱ تا ۱۷- ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ پھر وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا ۝ اور آپ کو کیا معلوم کہ گھاٹی کیا چیز ہے ۝ وہ گردن چھڑانا ہے ۝ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ۝ رشتہ دار یتیم کو ۝ یا خاک نشین مسکین کو ۝ پھر وہ ایمان والوں میں سے ہو جاتا' یعنی وہ ان نعمتوں کا نیک اعمال کے ذریعے شکر ادا نہیں کرتا جیسے گردن چھڑانا یا یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا' پھر ایمان لانا جو ہر عبادت کی اصل ہے اور ہر نیکی کی بنیاد ہے بلکہ وہ نعمتوں پر ناشکری کرتا ہے اور انعام عطا فرمانے والے اپنے منعم اور محسن کے ساتھ کفر کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اس طریقہ پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مفید و نافع عمل ہے' نہ یہ کہ اپنا مال حد سے بڑھ کر بہت زیادہ ریا' دکھاوے اور فخر وغرور کے لیے خرچ کر کے ہلاک کر دے اور حرف ''لَا'' فعل ماضی کے ساتھ بہت کم استعمال ہوتا ہے اور جب استعمال ہوتا ہے تو مکرر استعمال ہوتا ہے اور یہاں فصیح ترین کلام میں اس لیے مکرر استعمال نہیں ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھاٹی میں داخل ہونے کی تفسیر وتوضیح تین چیزوں کے ساتھ فرما دی تو گویا حرف ''لَا'' کا تین مرتبہ اعادہ کر دیا اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''فَلَا فَكَّ رَقَبَةً وَّلَا اَطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَّلَا اٰمَنَ'' سو اس نے نہ گردن چھڑائی اور نہ اس نے مسکین کو کھانا کھلایا اور نہ وہ ایمان لایا' اور ''اقتحام'' کا معنی ہے کہ شدت وسختی اور مشقت کے ساتھ داخل ہونا اور گزر جانا اور ''قُحْمَةٌ'' کا معنی شدت ہے' سو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو گھاٹی قرار دے دیا اور اس کے عمل کو اس میں داخل ہونا قرار دے دیا کیونکہ اس میں مشقت کا معنی پایا جاتا ہے اور نفس کا مجاہدہ پایا جاتا ہے' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم شدید ترین گھاٹی انسان کا اپنے نفس اور اپنی خواہشات اور اپنے بدترین دشمن شیطان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''مَا الْعَقَبَةُ'' سے یہ مراد ہے کہ اس گھاٹی میں داخل ہونا کس قدر مشکل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفس پر اس کی شدت ومشقت کی حقیقت کو تم نہیں جانتے اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اجر وثواب کی حقیقت کو جانتے ہو اور ''فَكُّ رَقَبَةٍ'' کا معنی ہے: غلام کو آزاد کرانا' یا مکاتبت کے مال میں اعانت وامداد کرنا [ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں (فعل ماضی کے ساتھ) ''فَكَّ رَقَبَةً اَوْ اَطْعَمَ''

پڑھا جاتا ہے یہ اس بناء پر کہ یہ ''اِقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ'' سے بدل ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ'' پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ ''اِقْتِحَامُ الْعَقَبَةِ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ'' ہے یعنی گھاٹی میں داخل ہونا گردن چھڑانا اور کھانا کھلانا ہے] اور ''مَسْغَبَةٌ'' کا معنی بھوک ہے اور ''مَقْرَبَةٌ'' کا معنی قرابت و رشتہ داری ہے اور ''مَتْرَبَةٌ'' کا معنی فقر و محتاجی ہے' یہ سب ''مَفْعَلَةٌ'' کے وزن پر ہیں اور ''مَسْغَبَةٌ''، ''سَغِبَ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بھوکا ہو' اور ''مَقْرَبَةٌ''، ''قَرُبَ فِي النَّسَبِ'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ نسب میں قریب ہوا' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ ذُوْ قَرَابَتِيْ' وَذُوْ مَقْرَبَتِيْ'' کہ فلاں آدمی میرا قرابت دار اور رشتہ دار ہے اور ''مَتْرَبَةٌ''، ''تَرِبَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی محتاج و نادار ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ہے کہ وہ مٹی سے چپک گیا' پس اس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہے اور ''یوم'' کو ''ذِيْ مَسْغَبَةٍ'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول ''هَمٌّ نَاصِبٌ'' یعنی وہ حصہ والے اور ''ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے: ''ثُمَّ'' بہ معنی واوَ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ''ثُمَّ'' اس لیے آیا ہے کہ ایمان فضیلت اور رتبہ میں غلام آزاد کرانے اور صدقہ و خیرات کرنے سے بہت دور اور پیچھے ہے' وقت میں نہیں کیونکہ ایمان تمام اعمال سے پہلے ہے اور کوئی نیک عمل ایمان کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ گناہوں سے بچنے اور عبادات بجالانے اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین اور وصیت و تاکید کرتے رہے' ایسی مشقتیں جن کے ساتھ مؤمنوں کو آزمایا جاتا ہے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو آپس میں باہمی رحم و کرم اور مہربانی کرنے کی وصیت و تاکید کرتے رہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ
نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰ ع ۲۰ ۱۵

یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہی بائیں طرف والے ہیں O ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی آگ ہوگی O

۱۸- ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں یعنی جو ان مذکورہ بالا صفات کے ساتھ متصف ہیں' وہ دائیں طرف والے ہیں۔

۱۹'۲۰- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ یا ہمارے دلائل کے ساتھ کفر کیا ﴿اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ وہی بائیں طرف والے ہیں اور ''المیمنة'' کا معنی ''الیمین'' دائیں طرف ہے اور ''المشئمة'' کا معنی ''الشمال'' یعنی بائیں طرف ہے یا ''مَيْمَنَة'' بہ معنی ''يُمْنٌ'' خیر و برکت ہے اور ''مَشْئَمَة'' بہ معنی ''شُؤْمٌ'' نحوست ہے یعنی دائیں طرف والے اپنی جانوں کے لیے خیر و برکت پانے والے ہیں اور بائیں طرف والے اپنی جانوں پر نحوست ڈالنے والے ہیں ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ان پر آگ بند کی گئی ہے یعنی انہیں آگ میں ڈال کر ان پر ہر طرف سے آگ بند کر دی گئی [ابوعمرو' حمزہ کوفی اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ ''مُؤْصَدَةٌ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''اَوْصَدْتُ الْبَابَ' وَاٰصَدْتُهٗ'' (میں نے دروازہ بند کر دیا) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دروازہ بند کر دیا جائے]۔

سورۃ الشمس مکیۃ ۹۱ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ — آیاتہا ۱۵ رکوعہا ۱

سورۃ الشمس مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پندرہ آیات ایک رکوع ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا
يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

سورج اور اس کی روشنی کی قسم!○ اور چاند کی (قسم) جب وہ اس کے پیچھے آئے○ اور دن کی (قسم) جب وہ اسے روشن کردے!○ اور رات کی (قسم) جب وہ اسے ڈھانپ لے!○ اور آسمان کی (قسم) اور جس نے اسے بنایا!○ اور زمین کی (قسم) اور جس نے اسے پھیلایا!○ اور جان کی (قسم) اور جس نے اسے درست بنایا!○ پھر اس نے اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری اس کے دل میں الہام فرمادی○ اور بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا○ اور بے شک وہ شخص ناکام ہوگیا جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈبودیا○

## قسموں کے ذریعے انسان کے لیے ترغیب وترہیب کا بیان

۱- ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا﴾ سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم! جب وہ طلوع ہوکر پوری طرح روشن ہوجائے اور اس کا اقتدار قائم ہوجائے۔

۲- ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا﴾ اور چاند کی قسم! جب وہ روشنی اور نور میں اس (سورج) کے پیچھے آتا ہے اور یہ ہر مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے کہ چاند روشنی میں سورج کے پیچھے آتا ہے۔

۳- ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا﴾ اور دن کی قسم جب وہ اسے روشن کردیتا ہے! (یعنی) جب سورج کو روشن کردیتا ہے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے ظاہر کردے اور یہ دن کے کھلنے اور اس کے پھیلنے کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت سورج پوری طرح روشن ہوجاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ "جَلّٰىهَا" میں ضمیر مؤنث ظلمت کی طرف لوٹتی ہے کہ دن کے اُجالے کے سبب جب تاریکی روشنی میں تبدیل ہوجاتی ہے یا یہ ضمیر دنیا کی طرف لوٹتی ہے یعنی اور دن کی قسم جب وہ دنیا کو روشن کردیتا ہے! یا یہ ضمیر "اَرْض" (زمین) کی طرف لوٹتی ہے یعنی دن کی قسم جب وہ زمین کو روشن کردیتا ہے! اگرچہ اس سے پہلے زمین کا ذکر نہیں ہوا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ" (فاطر:۴۵) "اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو وہ زمین کی پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا"۔

٤- ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا﴾ اور رات کی قسم جب وہ اسے ڈھانپ لے! (یعنی) جب رات سورج کو چھپالے اور تمام آفاق واکناف کو تاریک کردے [اور اس طرح کی جگہ میں متفقہ طور پر پہلی واؤ قسم کے لیے ہوتی ہے اور اسی طرح دوسری واؤ بھی بعض کے نزدیک قسم کے لیے ہوتی ہے اور علامہ خلیل کے نزدیک دوسری واؤ عطف کے لیے ہوتی ہے اس لیے کہ پہلی کے تمام ہونے سے پہلے قسم پر قسم داخل کرنا جائز نہیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر اس کی جگہ پر "فا" یا "ثم" کا کلمہ داخل کیا جاتا تو پھر بھی معنی اپنے حال پر رہتا حالانکہ وہ دونوں حروف عطف ہیں' پس واؤ بھی اسی طرح ہے اور جس نے کہا کہ بے شک یہ

قسم کے لیے ہے' اس نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر یہ واؤ عطف کے لیے ہو تو دو عاملوں پر عطف لازم آئے گا کیونکہ ارشاد ''وَالَّیْلِ''[1] مثلاً واؤ قسم کی وجہ سے مجرور ہے اور ''اِذَا یَغْشٰی'' فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جو ''اُقْسِمُ'' ہے پس اگر ''وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی'' میں واؤ عطف کے لیے ہو تو ''اَلنَّهَارِ''، ''اَلَّیْلِ'' پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہوگا اور ''اِذَا تَجَلّٰی''، ''اِذَا یَغْشٰی'' پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا' پس یہ تمہارے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہو جائے گا: ''اِنَّ فِی الدَّارِ زَیْدًا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًوا'' اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بے شک قسم کی واؤ حرف ''با'' اور فعل کے قائم مقام ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے ساتھ فعل کا اظہار جائز نہیں ہوتا' سو گویا وہ نصب اور جر دونوں میں عامل ہوتی ہے اور وہ ایسے ایک عامل کی طرح ہو جاتی ہے جس کے دو عمل ہوتے ہیں اور ہر ایسا عامل جس کے دو عمل ہوں تو متفقہ طور پر اس میں جائز ہوتا ہے کہ اسے اس کے دو معمولوں پر ایک عطف کے ساتھ معطوف کیا جائے جیسے ''ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا وَبَكْرٌ خَالِدًا'' سو ''بَكْرٌ'' واؤ کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''خَالِدًا'' منصوب ہے کیونکہ یہ واؤ ''ضَرَبَ'' کے قائم مقام ہے جو اس کا عامل ہے' پس یہاں بھی اسی طرح ہے]۔

۵ تا ۸- ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا﴾ آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا! ○ اور زمین کی قسم اور جس نے اسے پھیلایا! ○ اور جان کی قسم اور جس نے اسے درست کیا! بعض اہل علم حضرات کے نزدیک ان آیاتِ مبارکہ میں لفظ ''مَـا'' مصدریہ ہے یعنی آسمان اور اس کے بنانے کی قسم! اور زمین کی اور اس کے بچھانے اور ہر طرف پھیلانے کی قسم! اور جان کی اور بہترین صورت میں اس کی تخلیق کے درست کرنے کی قسم! اور اس صورت میں ارشادِ باری تعالیٰ ''فَاَلْهَمَهَا'' کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں نظم کا فساد لازم آتا ہے اور اس میں یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ لفظ ''مَا'' موصولہ ہو اور بے شک کلمہ ''مَنْ'' پر ''مَا'' کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ اس میں وصفیت کے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ آسمان کی قسم اور اس عظیم الشان قادر کی قسم! جس نے اس کو بنایا ہے اور جان کی قسم اور زبردست غالب حکمت والے حکیم کی قسم! جس نے اس کو حسین ترین صورت میں درست وٹھیک بنایا اور نفس کو نکرہ اس لیے لایا گیا کہ تمام نفوس میں سے ایک مخصوص اور معروف نفس مراد ہے اور وہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کا نفس' گویا فرمایا گیا ہے کہ تمام نفوس میں سے ایک نفس وجان کی قسم یا پھر اس سے ہر نفس مراد ہے اور نکرہ کثرت کے لیے لایا گیا ہے جیسے ''عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ○'' (التکویر: ۱۴) ''ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے ○'' ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ سو اس نے اس کا فسق و فجور اور اس کا تقویٰ اسے الہام فرمایا (یعنی) پس اللہ تعالیٰ نے ہر جان کو اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی معصیت و نافرمانی اور گناہ کا طریقہ سکھا دیا یعنی اسے سمجھا دیا کہ بے شک ان دونوں (اطاعت و معصیت) میں سے ایک اچھا ہے اور دوسرا بُرا ہے۔

۹- ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ بے شک کامیاب ہو گیا [یہ قسم کا جواب ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَقَدْ اَفْلَحَ'' زجاج نے کہا کہ کلام کی طوالت لام کے عوض میں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قسم کا جواب محذوف ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَیُدَمْدِمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ''] مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر ضرور تباہی ڈالے گا یعنی اہل مکہ پر کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود پر تباہی ڈالی تھی کیونکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور لیکن رہا ''قَدْ اَفْلَحَ'' تو یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

[1] دراصل یہ سورۃ واللیل کی پہلی دو آیات کی نحوی بحث ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

وَتَقْوٰاهَا'' کے تابع کلام ہے اور اس کا قسم کے جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے ] ﴿مَنْ زَكّٰهَا﴾ جس نے اسے ستھرا کیا (یعنی) وہی شخص کامیاب ہے جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اور اس کو سنوارا' اور اس کو پاکیزہ بنایا۔

١٠- ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ اور بے شک وہ شخص ناکام ہوگیا جس کے نفس کو گناہوں میں ڈبو دیا (یعنی) جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک بنایا اور وہ شخص ناکام ہوگیا جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی پہ ڈال دیا' اور یہ بھی جائز ہے کہ نفس کو گناہوں سے آلودہ کرنا اور اسے پاک کرنا بندے کا فعل ہو اور ''تَدْسِيَةٌ'' کا معنی ہے: نقص اور گناہوں میں چھپانا اور ''دَسّٰى'' اصل میں ''دَسَّسَ'' تھا اور حرف ''یا'' مکررہ سین سے تبدیل ہوا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾ ع ١٥/١٦

ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا O جب اس کا سب سے زیادہ بدبخت اٹھ کھڑا ہوا O سو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کی مخالفت) سے بچو O پس انہوں نے اسے جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی' پھر ان کی بستی کو برابر کر دیا O اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا O

## قومِ ثمود کی تکذیب وسرکشی اور ہلاکت کا بیان

١١- ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ﴾ ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا کیونکہ تکذیب و جھٹلانے پر ان کو ابھارنے والی چیز خود ان کی اپنی سرکشی تھی۔

١٢- ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ﴾ جب اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے کھڑا ہوا ﴿اَشْقٰىهَا﴾ ثمود کی قوم میں سب سے زیادہ بدبخت شخص قدار بن سالف تھا اور یہ بدبخت رنگ کا سرخ نیلی آنکھوں والا چھوٹے قد والا تھا [''كَذَّبَتْ'' کی وجہ سے یا ''بِطَغْوٰى'' کی وجہ سے ''اِذْ'' منصوب ہے]۔

١٣- ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿نَاقَةَ اللّٰهِ﴾ یہ تحذیر کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے بچو ﴿وَسُقْيٰهَا﴾ اور اس کی پانی پینے کی باری کی مخالفت سے بچو' اور یہ ایسے ہے جیسے ''الاسد الاسد'' ہے۔

١٤- ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ سو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان تمام باتوں میں جھٹلا دیا جن سے اس نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پس انہوں نے اس کی یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ فعل کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی اگرچہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے والا ایک شخص تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ O'' (القمر:٢٩) ''سو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا' پس اس نے دست درازی کر کے پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں O'' کیونکہ وہ سب لوگ اس کے اس فعل پر راضی تھے ﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ﴾

پھر ان کے پروردگار نے ان پر تباہی ڈال دی کہ انہیں جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کر دیا ﴿بِذَنْۢبِهِمْ﴾ ان کے گناہ کے سبب اور وہ گناہ ان کا رسول کو جھٹلانا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنا تھا ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ پس ان پر ہلاکت وتباہی کو پوری طرح برابر کر دیا اور اس سے نہ ان کا کوئی چھوٹا بچا اور نہ ان کا کوئی بڑا بچا' سب ہلاک ہو گئے۔

۱۵-﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اس ہلاکت وتباہی کے فعل کے انجام سے نہیں ڈرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ کام کیا تو اسے کسی کا خوف اور ڈر نہیں تھا کہ اس کا کوئی پیچھا کرے گا جیسا کہ ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے تعاقب وانتقام لینے کا خوف واندیشہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مملوکات اور اپنی مملکت وبادشاہت میں جو کچھ کیا اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ O'' (الانبیاء: ۲۳) ''اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا اور ان لوگوں سے ان کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گاO'' [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فا'' کے ساتھ ''فَلَا يَخَافُ'' پڑھا جاتا ہے]۔

سورۃ اللیل مکی ہے — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O — آیاتہا ۲۱ رکوعہا ۱

سورۃ الیل مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO — اس کی اکیس آیات' ایک رکوع ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ⑪ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬

رات کی قسم جب وہ چھا جائے!O اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے!O اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا!O بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہےO سو لیکن جس نے (راہِ خدا میں) عطا کیا اور وہ پرہیزگار ہو گیاO اور اس نے اچھی باتوں کی تصدیق کیO تو عنقریب ہم اس کے لیے آسانی کا سامان مہیا کر دیں گےO اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بن گیاO اور اس نے اچھی باتوں کو جھٹلایاO تو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گےO اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گاO بے شک البتہ ہدایت دینا ہمارے ذمہ کرم پر ہےO اور بے شک آخرت اور دنیا ضرور ہماری ملکیت ہیںO

## قسموں کے ساتھ مؤکد انسانوں کے مختلف اعمال کی بناء پر مختلف انجاموں کا بیان

۱-﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے! رات یا تو سورج کو ڈھانپ لینے والی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا O'' (الشمس: ۴) ''اور رات کی (قسم) جب وہ سورج کو ڈھانپ لے!O'' یا پھر

وہ دن کو ڈھانپنے والی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ'' (الاعراف:۵۴) ''اللہ تعالیٰ دن رات کو ایک دوسرے سے ڈھانپ لیتا ہے'' یا ہر وہ چیز جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِذَا وَقَبَ O'' (الفلق:۳) ''جب رات چھا جائے O''۔

۲- ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴾ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے! رات کے اندھیرے اور اس کی تاریکی کے زائل ہونے کی وجہ سے خوب ظاہر ہو جائے۔

۳- ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا! اور عظیم الشان قدرت والے قادر کی قسم! جو ایک پانی سے نر اور مادہ کے پیدا کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے۔

۴- ﴿اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى﴾ بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے اور اختلاف کا بیان اسی میں ہے' جس میں اختلاف کی حدیث پر تفصیل کی گئی ہے۔

۵ تا ۷- ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى﴾ سو لیکن جس نے اپنے مال کے حقوق ادا کیے ﴿وَاتَّقٰى﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے ڈر گیا اور اس کے محارم سے پرہیز کیا ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ اور اس نے اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی) اچھے مذہب کی تصدیق کی اور وہ مذہب اسلام ہے یا اچھے ثواب کی تصدیق کی اور وہ جنت ہے یا اچھے کلمہ کی تصدیق کی اور وہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' ہے ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴾ تو ہم عنقریب اس کو آسان خصلت مہیا کریں گے اور وہ ایسے اعمال بجا لانا ہے جن پر اس کا پروردگار راضی ہو جائے۔

۸ تا ۱۰- ﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ اور لیکن جس نے اپنے مال میں بخل کیا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کیا ﴿وَاسْتَغْنٰى﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے بے پرواہ ہو گیا اور اس سے نہ ڈرا' یا وہ دنیا کی خواہشات وشہوات میں مشغول ہو کر آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہ ہو گیا ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ اور اس نے اچھی چیز (یعنی) اسلام کو یا جنت کو جھٹلا دیا ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ سو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گے (یعنی) ہم اسے ایسی خصلت وعادت پہ ڈال دیں گے جو اسے دوزخ کی آگ میں پہنچا دے گی' چنانچہ عبادت وریاضت اور اطاعت وفرماں برداری اس پر سب سے زیادہ مشکل ترین اور سب سے زیادہ سخت ترین ہو جائے گی' یا نیکی اور بھلائی کے راستے کو ''یُسْرٰی'' کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام آسان ہے اور بُرائی کے راستے کو ''عُسْرٰی'' کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام سخت مشکل ہے اور ان دونوں سے جنت کا راستہ اور دوزخ کا راستہ مراد ہیں۔

۱۱- ﴿وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى﴾ اور اس کو اس کا مال اس وقت کوئی فائدہ نہیں دے گا جس وقت وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے گا (یعنی) جب وہ ہلاک ہو گا اس وقت اس کا مال اسے کوئی نفع نہیں دے گا اور ''(تَرَدّٰی) تَفَعَّلَ'' کے وزن پر ہے اور ''رَدٰی'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا' یا اس کا معنی ہے کہ جب وہ قبر میں یا دوزخ کے گڑھے میں داخل ہو گا یعنی گرے گا۔

۱۲'۱۳- ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ بے شک شریعت کے احکام بیان کر کے اور دلائل قائم کر کے حق کی طرف رہنمائی ورہبری کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾ اور بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہماری ملکیت میں ہیں' پس کسی گمراہ کی گمراہی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی ہدایت یافتہ کی ہدایت ہمیں کوئی نفع نہیں دے گی' یا یہ معنی ہے کہ بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہمارے پاس ہیں' پس جس شخص نے ان دونوں کو ہمارے غیر سے طلب کیا تو بلاشبہ وہ راستہ بھول گیا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾
وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ
مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۱۴

سو میں تمہیں اس آگ سے ڈرا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہےO اس میں داخل نہیں ہوگا مگر سب سے بڑا بد بختO جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیاO اور عنقریب اس سے سب سے بڑا پرہیز گار دور رکھا جائے گاO جو اپنا مال (اس لیے خدا کی راہ میں) دیتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائےO اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائےO مگر اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضا جوئی کے لیےO اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گاO

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ابوجہل کی مذمت کا بیان

۱۴ تا ۱۶- ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى﴾ سو میں تمہیں ایسی آگ سے ڈرا چکا ہوں اور خوف دلا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہے اور بلند شعلے مار رہی ہے ﴿لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل نہیں ہوگا مگر بڑا بد بخت' جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا (یعنی) اس میں کافر داخل ہوگا جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے منہ پھیر لیا۔

۱۷'۱۸- ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ اور عنقریب اس سے بڑا پرہیز گار دور رکھا جائے گا (یعنی) مؤمن دوزخ کی آگ سے بہت دور رکھا جائے گا ﴿الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ جو اپنا مال فقیروں' غریبوں کو عطا کرتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاک ہونا چاہتا ہے' اس لیے وہ اس مال سے نہ تو ریا اور دکھاوا چاہتا ہے اور نہ وہ شہرت و ناموری چاہتا ہے[1] [ ''يَتَزَكّٰى'' بروزن ''يَتَفَعَّلُ'' ''زکوٰۃ'' سے ماخوذ ہے اور اگر اس کو ''يُؤْتِىْ'' سے بدل قرار دیا

[1] شانِ نزول: جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو بہت حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا' شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جس کا بدلہ چکانے کے لیے انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس میں واضح طور پر ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرما دیا' چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرما دیا تھا' جن کے نام یہ ہیں: (۱) عامر بن فہیرہ (۲) ان کا بھائی (۳) عبید (۴) حضرت زنیرہ بی بی (۵) ان کی بیٹی اُم عمیس (۶) بنی المؤمل کی کنیز (۷) ان کی بیٹی نھدیہ۔
مشرکین مکہ ان مذکورہ بالا حضرات کو اذیتیں اور سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تا کہ یہ دین اسلام سے پھر جائیں جس کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ یہ سورت مبارکہ دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے: (۱) سب سے بڑے متقی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو تمام صدیقوں کے سردار اور امام ہیں (۲) سب سے بڑا شقی و بدبخت ابوجہل ہے جو تمام زندیقوں اور بے دینوں کا سردار ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح البیان جز ۳۰ ص ۳۹۶ ـ ۳۹۷' مترجم مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

جائے تو اس کے اعراب کے لیے کوئی محل نہیں کیونکہ یہ صلہ کے حکم میں داخل ہے اور صلوں کے لیے کوئی محل نہیں اور اگر اس کو ''یُؤْتِیْ'' کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس کا محل نصب ہے]۔

حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''اَشْقٰی'' بہ معنی شقی ہے اور وہ کافر ہے جو بد بخت ہے اور ''اَتْقٰی'' بہ معنی تقی ہے اور وہ مؤمن ہے جو پرہیز گار و نیک بخت ہے کیونکہ دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کے ساتھ صرف سب سے بڑا بد بخت مخصوص نہیں ہے اور نہ نجات کے ساتھ سب سے بڑا متقی اور پرہیز گار مخصوص ہے اور اگر یہ گمان کیا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ''نـــار'' کو نکرہ ذکر فرمایا ہے اس لیے اس سے ''اَشْقٰی'' (سب سے بڑا بد بخت) کے لیے مخصوص نار (آگ) مراد ہے تو پھر ''وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی'' کا معنی کیا کیا جائے گا کیونکہ ہر متقی کو اس مخصوص آگ سے دور رکھا جائے گا نہ یہ کہ ان میں سے صرف ''اَتْقٰی'' (سب سے بڑے متقی) کو اس سے دور رکھا جائے گا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ مشرکین کی بڑی بُری حالت کے درمیان اور نیک مسلمانوں کی بڑی اچھی حالت کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے وارد کی گئی ہے' سو اس لیے ان دونوں فریقوں کی صفات میں مبالغہ کیا گیا ہے' چنانچہ مشرکین کے لیے شقی کی بجائے ''اَشْقٰی'' کہا گیا اور اس کو دوزخ میں داخلہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا گویا دوزخ کی آگ صرف اسی کے لیے مخصوص کی گئی ہے اور نیک مسلمان کے لیے تقی کی بجائے ''اَتْقٰی'' فرمایا گیا ہے اور اس کو نجات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے گویا جنت صرف اسی کے لیے پیدا کی گئی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اَشْقٰی'' (سب سے بڑے بد بخت) سے ابوجہل مراد ہے اور ''اَتْقٰی'' (سب سے بڑے متقی) سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور اس آیت مبارکہ میں مرجئہ فرقہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ میں صرف کافر جائیں گے۔

۱۹'۲۰۔ ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ﴾ اور اس کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے ۝ سوائے اپنے پروردگار کی رضا کی طلب کے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں جس پر اسے بدلہ دیا جائے مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جس سے وہ اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہو تو ایسے عمل پر اسے جزائے خیر اور اچھا صلہ عطا کیا جائے ﴿الْاَعْلٰی﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہت میں بلند و برتر ہے' وہ اپنی شان اور اپنی برہان میں خوب قوت و شوکت والا ہے اور یاد رہے کہ مکان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رفعت و بلندی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو حدوث کی علامت ہے۔

۲۱۔ ﴿وَلَسَوْفَ یَرْضٰی﴾ اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گا (یعنی) ثواب کے وعدہ پر جو اسے راضی اور خوش کر دے گا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم نبی ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا: ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝'' (الضحیٰ:۵) ''اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں ۝''۔

سورۃ الضحیٰ مکیۃ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ — آیاتها ۱۱ رکوعها ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

وَالضُّحٰی ۝۱ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝۴ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝۵ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا

فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۪﴿۷﴾ وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ
فَلَا تَقْهَرْ ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۠﴿۱۱﴾ ع ۱۱/۱۸

چاشت کے وقت کی قسم!O اور رات کی (قسم) جب وہ (ہر سو پھیل کر) ٹھہر جائے!O آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ تو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہےO اور بے شک آپ کے لیے آنے والی ہر گھڑی پہلی سے بہت بہتر ہےO اور البتہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گےO کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر اس نے (آپ کو) ٹھہرنے کے لیے پناہ دے دیO اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود (مقامِ بقاء) تک پہنچا دیاO اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیاO سو رہا یتیم تو آپ (اس پر) سختی نہ کیجئےO اور رہا سوال کرنے والا تو آپ (اس کو) مت جھڑکیےO اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو (اسے) خوب بیان کیجئےO

## سورۃ الضحٰی میں حضور سیّد عالم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بیان

۱ تا ۳- ﴿وَالضُّحٰی﴾ [۱] چاشت کے وقت کی قسم! واضح رہے کہ ''ضُحٰی'' سے چاشت کا وقت مراد ہے اور یہ دن کے شروع کا وقت ہے' جب سورج بلند ہو جاتا ہے اور قسم کے ساتھ وقت چاشت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسی چاشت کے وقت

[۱] واضح ہو کہ مفسرین کرام نے ''ضُحٰی'' اور ''لیل'' کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں' ان میں سے چند معانی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:
(۱) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''ضحٰی'' سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شبِ معراج ہے۔ (تفسیر قرطبی)
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہلِ شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:
''بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحٰی روزِ ولادتِ پیغمبر است ﷺ و مراد از لیل شب معراج است و بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی روئے پیغمبر است ﷺ و از لیل موئے او کہ درسیاہی ہمچو شب است اور بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی نور علمے است کہ آنجناب را دادہ بودو بسبب آن پردہ نشینانِ عالمِ غیب منجلی و منکشف گشتند۔ و مراد از شب خلق عفو اوست کہ عیوبِ امت راپوشید۔ وبعضے گویند کہ مراداز روز علانیہ آنحضرت ﷺ است یعنی احوالِ ظاہرہ آنجناب ست کہ خلق براں مطلع شد و مراد از شب سرّ آنجناب یعنی احوالِ باطن او کہ غیر از علّام الغیوب کسے براں مطلع نیست''۔
(ترجمہ) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ (۲) ''ضحٰی'' سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور ''لیل'' سے شبِ معراج مراد ہے (۳) اور بعض فرماتے ہیں کہ ''ضحٰی'' سے مراد حضور کا رخِ انور ہے اور ''لیل'' سے آپ کی زلف عنبریں مراد ہیں جو سیاہی میں رات کی طرح ہیں (۴) اور بعض نے فرمایا کہ ''ضحٰی'' سے مراد نورِ علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالمِ غیب کے مخفی اسرار بے نقاب اور منکشف ہوئے اور ''لیل'' سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا (۵) اور بعض علماء کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور ﷺ کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوالِ باطن ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور اسی چاشت کے وقت فرعونی جادوگر مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے گر گئے تھے' یا پھر پورے دن کی قسم ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں پوری رات کی قسم فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ اور رات کی قسم جب وہ ہر چیز پر پھیل کر ٹھہر جائے! یعنی ''سَجٰی'' بہ معنیٰ ''سَکَنَ'' ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہو گئیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:) ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی﴾ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار فرما لیا اور آپ کو پسند و منتخب کر لیا تب سے اس نے آپ کو کبھی نہیں چھوڑا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب و پیارا بنا لیا تب سے وہ آپ پر کبھی ناراض نہیں ہوا [اور ''تودیع'' (باب تفعیل سے) ''ودع'' میں مبالغہ ہے کیونکہ جس نے جدائی اختیار کر کے تمہیں چھوڑ دیا' اس نے تمہارے لیے ترک وجدائی میں بہت مبالغہ کیا اور ''قَلٰی'' کی ضمیر مفعول مخاطب اس طرح حذف کر دی گئی ہے جس طرح (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی اور امام فخر الدین رازی نے مزید معانی بھی بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں: (٦) ''ضحٰی'' سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے مرد ہیں اور ''لیل'' سے آپ کے اہل بیت کی خواتین مراد ہیں (٧) ''ضحٰی'' سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت مراد ہے اور ''لیل'' سے وحی کی بندش کا زمانہ مراد ہے کیونکہ نزولِ وحی کی حالت میں انس ورغبت حاصل ہوتی ہے جب کہ وحی کے وقفہ کی حالت میں وحشت وگھبراہٹ حاصل ہوتی ہے (٨) ''ضحٰی'' سے اسلام کا ظہور اور غلبہ مراد ہے اور ''لیل'' سے قربِ قیامت میں اسلام کا لوگوں میں مخفی ومتروک اور غریب واجنبی ہو جانا مراد ہے (٩) ''ضحٰی'' سے اللہ تعالیٰ کا نورِ علم مراد ہے جس کے سبب مخفی غیوب متعارف ومنکشف ہوتے ہیں اور ''لیل'' سے اللہ تعالیٰ کا عفو ودرگزر مراد ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے (١٠) ''ضحٰی'' سے کمالِ عقل مراد ہے اور ''لیل'' سے حالت موت مراد ہے (١١) ''ضحٰی'' سے دن کی ایک ساعت (یعنی ایک حصہ وقتِ چاشت) مراد ہے اور رات سے اس کی تمام ساعات (یعنی تمام اوقات) مراد ہیں' اس کے بارے میں اہل علم کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس تفریق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت وعظمت کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک جس طرح دن کی ایک ساعت رات کی تمام ساعتوں کے مساوی وبرابر ہے' اسی طرح اکیلے حضور کے کمالات ومعجزات تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات ومعجزات کے (نہ صرف) مساوی وبرابر ہیں (بلکہ ان سے افضل واعلیٰ اور زیادہ ہیں)۔

(١٢) نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ طیبی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان دو وقتوں کی قسم اس لیے فرمائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کے قرب وانس کے اضافہ کا سبب قرار دی گئی ہیں' ایک نمازِ چاشت ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی نے المجتبیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر قربانی فرض کر دی گئی ہے جب کہ تم پر فرض نہیں کی گئی اور مجھے نمازِ چاشت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اور دوسری رات کی نمازِ تہجد ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ'' (بنی اسرائیل: ٧٩) ''اور آپ رات کے کچھ حصہ میں نمازِ تہجد پڑھا کریں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۵۴۔ ۱۵۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ'' (الاحزاب:٣٥) میں ''الذاکرات'' سے حذف کی گئی ہے کیونکہ اصل میں ''الذّٰكِرٰتِهٖ'' مراد ہے اور اسی طرح ''فَاٰوٰى'' اور ''فَهَدٰى'' اور ''فَاَغْنٰى'' میں ضمیر مفعول مخاطب محذوف ہے اور یہ لفظی اختصار ہے کیونکہ محذوف کا حذف ظاہر و عیاں ہے]۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے نزول میں چند دنوں تک تاخیر ہوگئی تو اس پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (سرورِ عالم حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے تو ان کے ردّ میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔

٤۔ ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ اور آنے والی ہر گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ نے آخرت میں آپ کے لیے جو بے شمار عظمتیں اور نعمتیں تیار کر رکھی ہیں مثلاً مقام محمود پر فائز ہونا اور حوضِ کوثر پر ورود اور دیگر جن بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے' وہ سب ان چیزوں سے بہتر ہیں جو دنیا میں آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کے اپنے ماقبل کے ساتھ ربط اور تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب ''تودیع وقلی'' (چھوڑنے اور ناراض ہونے) کی نفی کے ضمن میں یہ ثابت ہو گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی پہنچاتا رہے گا اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کوئی عزت و کرامت نہیں تو اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنائی ہے کہ آخرت میں آپ کا حال اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ہوگا کیونکہ وہاں آپ تمام انبیائے کرام کے پیشوا اور سب کے قائد ہوں گے اور وہ سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور آپ کی امت سابقہ تمام امتوں پر گواہ ہوگی اور اس کے علاوہ بھی بہت سے اعزازات آپ کو حاصل ہوں گے۔

٥۔ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ اور البتہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کو آخرت میں اجر وثواب اور مقامِ شفاعت اور اس کے علاوہ دیگر اس قدر اعزازات و انعامات عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ کی آگ میں ہوگا [1] [اور ''سَوْفَ'' پر داخل ہونے والا لام ابتداء کالام ہے جو مضمون جملہ کی تاکید کے لیے ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کر دیئے گئے جس پر آپ بہت خوش ہوئے تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ٧٢' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میری امت کو جو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سب مجھ پر پیش کی گئیں جن کو دیکھ کر میں بہت مسرور و خوش ہو گیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ''وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى'' نازل فرمائی یعنی ہماری نوازشات انہی فتوحات پر ہی منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بہتر ہوگی۔

(تفسیر روح المعانی جز ٣٠ ص ١٥٨' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

[1] حضرت صدر الافاضل مراد آبادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کیا خوب لکھا ہے' فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور مبتدا محذوف ہے اور اس کی تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''وَلَاَنْتَ سَوْفَ يُعْطِيْكَ'' اور جس نے ''لَاُقْسِمُ'' پڑھا ہے وہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: ''لَاَنَا اُقْسِمُ'' اور یہ اس لیے کہ جب لامِ قسم ہوتا ہے تو اس وقت یہ لام فعل مضارع پر داخل نہیں ہوتا مگر نون تاکید کے ساتھ سو اس لیے متعین ہو گیا کہ یہ لامِ ابتداء ہے اور یہ لام داخل نہیں ہوتا مگر مبتداء و خبر پر پس مبتدا اور خبر کو مقدر ماننا ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے صاحبِ کشاف نے اس کو اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کریمہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں کمالِ نفس اور علومِ اوّلین و آخرین اور ظہورِ امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور جو عہد صحابہ کرام میں ہوئیں اور جو تا قیامت مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی اور آپ کی دعوت کا تمام مخلوق کے لیے عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا تمام اُمم سے بہترین و برتر ہونا اور آپ کے وہ کرامات و کمالات جن کا اللہ تعالیٰ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت و تکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعتِ عامہ و خاصہ اور مقامِ محمود و حوضِ مورود و خیرِ موعود اور تمام انبیاء و رسل پر تقدم وغیرہ عظیم و جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا: ''اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ'' اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو کہ رونے کا سبب کیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر اور دانا ہے حضرت جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا تو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حال بتایا اور اپنی امت کے غم کا اظہار فرمایا۔ حضرت جبریل امین نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔ یہ آیت کریمہ صاف دلالت (رہنمائی) کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسولِ اکرم راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گناہ گارانِ امت بخش دیئے جائیں تو آیت مبارکہ و احادیث طیبہ سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گناہ گارانِ امت بخشے جائیں گے۔

سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے عطائے عام کرتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۷۵، ۱۰۹۷ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں خوب لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ وعدہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں یعنی کمالِ نفس علومِ اوّلین و آخرین اور دین کا غلبہ اسلام کی سربلندی اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں ہوئیں اور ان کے علاوہ دیگر اسلامی بادشاہوں کے دور میں ہوئیں اور آپ کی دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور یہ وعدہ ان کرامات و اعزازات کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

(۱) حضرت حسن بصری اور بعض اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے: عطا سے شفاعت مراد ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذکر کیا ہے اور صاحب کشاف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ لامِ قسم ہے اور یہ نونِ تاکید سے مستغنی ہے کیونکہ نونِ تاکید تو اس لیے داخل کیا جاتا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ یہ لام لامِ قسم ہے لامِ ابتداء نہیں ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ لامِ ابتداء نہیں ہے کیونکہ یہ لام ''سَوْفَ'' پر داخل ہوا ہے اور لامِ ابتداء ''سَوْفَ'' پر داخل نہیں ہوتا اور اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کلام مبارک کا حرفِ تاکید اور حرفِ تاخیر کے ساتھ جمع ہونا اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ بے شک عطا ہر حال میں ضرور حاصل ہوگی اگرچہ یہ عطا تاخیر میں حاصل ہوگی]۔

۶۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو شمار فرمایا جو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن سے اب تک عطا فرماتا رہا تا کہ اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) ابن المنذر' ابن مردویہ اور ابونعیم نے حرب بن شریح سے نقل کیا کہ حرب بن شریح نے کہا: میں نے حضرت ابوجعفر محمد باقر بن زین العابدین علی اوسط بن امام حسین علی جدھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اہل عراق جس شفاعت کا ذکر کرتے ہیں' کیا یہ حق ہے؟ حضرت محمد باقر نے فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم! یہ حق ہے' مجھے حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیَ رَبِّیْ اَرَضِیْتَ یَامُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ'' میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں' تو میں عرض کروں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہوں' پھر حضرت محمد باقر نے مجھ سے فرمایا: اے اہل عراق! تم کہتے ہو کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ اُمید افزا آیت ''یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا'' (الزمر: ۵۳) ہے' میں نے عرض کیا کہ ہم تو یہی کہتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ ہم سب اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزاء آیت مبارکہ ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی'' ہے اور فرمایا: یہ آیت شفاعت ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ شفاعت وغیرہ تمام نعمتوں کے لیے عام ہے' چنانچہ علامہ ابوحیان نے فرمایا: سب سے اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ دنیا اور آخرت کے تمام انعامات وعنایات کے لیے عام ہے۔

(۳) علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ رضائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک آدمی بھی دوزخ میں نہ جائے۔

(۴) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں جائے۔

(۵) خطیب بغدادی نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا کوئی اُمتی دوزخ میں رہے۔

(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ'' (ابراہیم: ۳۶) ''سو جس نے میری پیروی کی تو بے شک وہ میری جماعت میں سے ہے'' پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ'' (المائدہ: ۱۱۸) ''اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں'' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کی: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' پھر آپ زار و قطار رونے لگ گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم فرمایا کہ تم فوراً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ''اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ'' بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے حق میں راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو رسوا نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۰۔۱۶۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کے فضل و کرم پر نگاہ رکھنے والے یہ محبوب اندازہ کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں آپ کی ابتدائی حالت سے لے کر اب تک آپ پر کس قدر فضل و کرم کیا تا کہ آپ آئندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ خیر و بھلائی کی توقع اور اُمید رکھیں اور آپ کا سینہ مبارک تنگ نہ ہو اور آپ کا صبر کم نہ ہو' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا﴾ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ ''یَجِدْ''، ''وجود'' سے ماخوذ ہے جو بہ معنی علم ہے [اور دونوں منصوب اس کے مفعول ہیں] اور معنی یہ ہے کہ جب آپ کے دونوں ماں باپ انتقال کر گئے تو کیا اس وقت آپ یتیم نہیں تھے ﴿فَاٰوٰی﴾ تو اس نے آپ کو پناہ دی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے چچا جناب ابوطالب کے پاس پناہ دی اور آپ کو اس کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ اس نے آپ کی کفالت کی اور آپ کی تربیت کی[1]

۷- ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار پایا[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی علامات اور شریعت کے احکام اور اس کے معروف راستے سے ناواقف پایا ﴿فَهَدٰی﴾ تو آپ کو احکام شریعت اور قرآن مجید سکھا دیا

---

[1] حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے' دو ماہ کا حمل تھا کہ آپ کے والد ماجد نے مدینہ شریفہ میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا اور نہ کوئی جگہ چھوڑی اور آپ کی خدمت کے کفیل آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب ہوئے' جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی' پھر جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا جان نے بھی وفات پائی' انہوں نے وفات سے پہلے اپنے فرزند ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے' آپ کی نگرانی اور خدمت کی وصیت فرمائی' جناب ابوطالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ یتیم کا معنی یکتا و بے نظیر ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''دُرَّةٌ یَتِیْمَةٌ'' (خالص و بے مثل موتی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں آپ کو عز و شرف کے اعتبار سے یکتا و منفرد اور بے مثل و بے نظیر پایا اور آپ کو مقامِ قرب میں جگہ دی اور آپ کے دشمنوں کے اندر اپنی حفاظت میں آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت و رسالت اور اصطفاء (برگزیدہ ہونے) کے ساتھ مشرف فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' بحوالہ تفسیر خازن' جمل' روح البیان)

[2] ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:
اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدعیانِ علم نے بُری طرح ٹھوکر کھائی ہے' اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔
''ضَآلًّا'' ضلالت سے اسم فاعل ہے' عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے: راہِ راست سے بھٹک جانا' گمراہ ہونا' عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ حضور نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا' حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے: ''فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ0'' (یونس:۱۶) ''میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے0''۔ سورۃ النجم کی اس آیت میں ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی0'' بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے' ان آیات کی موجودگی میں' تاریخ کی اٹل شہادت کے باوجود یہاں ''ضَآلًّا'' کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے' العیاذ باللہ۔ علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں' ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اوران کی آپ کو پہچان کرادی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جب ابوطالب تجارت کی غرض سے آپ کو لے کر ملک شام روانہ ہوئے تو آپ راستے میں گم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ حق سے پھر گئے اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے (نعوذ باللّٰہ من ذالك) کیونکہ آپ اپنی زندگی کے آغاز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے: ''لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى۝'' (طٰہٰ: ۵۲) ''ای لَا يَغْفِلُ'' میرا رب تعالیٰ نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ''ضَآلًّا'' بہ معنی غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکامِ شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکامِ شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ''اَیْ لَمْ تَكُنْ تَدْرِیْ الْقُرْاٰنَ وَالشَّرَائِعَ فَهَدَاكَ اللّٰهُ اِلَى الْقُرْاٰنِ وَشَرَآئِعِ الْاِسْلَامِ'' ضحاک شہر بن حوشب وغیرہما سے یہ قول منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی)

(۲) جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آ جائے تو عرب کہتے ہیں: ''ضَلَّ الْمَآءُ فِی اللَّبَنِ'' کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا' اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہوگا: ''كُنْتَ مَغْمُوْرًا بَيْنَ الْكُفَّارِ بِمَكَّةَ فَقَوَّاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى اَظْهَرْتَ دِيْنَهٗ'' (تفسیر کبیر) ''یعنی آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کر دیا''۔

(۳) ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں ''الضَّآلُّ'' کہتے ہیں: ''اَلْعَرَبُ تُسَمِّی الشَّجَرَةَ الْفَرِيْدَةَ فِی الْفَلَاةِ ضَآلَّةً'' اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرۂ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھل دار درخت کی مانند تھی' پس ہم نے آپ کے ذریعے سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ (تفسیر کبیر)
''فَاَنْتَ شَجَرَةٌ فَرِيْدَةٌ فِیْ مَفَازَةِ الْجَهْلِ فَوَجَدْتُكَ ضَآلًّا فَهَدَيْتُ بِكَ الْخَلْقَ''۔

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے' یہاں بھی یہی معنی ہے: ''اَیْ وَجَدَ قَوْمَكَ ضَآلًّا فَهَدَاهُمْ بِكَ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعے سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں' میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے' اصل میں عبارت یوں ہے: ''وَجَدَ رَهْطَكَ ضَآلًّا فَهَدَاهُمْ بِكَ'' پھر میں نے کہا کہ جس طرح ''وَاسْئَلُوا الْقَرْيَةَ'' اصل میں ''وَاسْئَلُوْا اَهْلَ الْقَرْيَةِ'' ہے اور ''اہل'' جو مضاف ہے محذوف ہے' اسی طرح یہاں بھی ''رَهْط'' (قوم) مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

(۵) حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ''ضَآلًّا'' کا معنی ''مُتَحَيِّرًا'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرما دی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ ''اَلضَّلَالُ بِمَعْنَى الْمَحَبَّةِ كَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّكَ لَفِیْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ۝'' یعنی یہاں ''ضلال'' سے مراد محبت ہے جس طرح سورۂ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوبِ حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں۔ علامہ پانی پتی نے اس قول کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''قَالَ بَعْضُ الصُّوْفِيَّةِ مَعْنَاهُ وَجَدَكَ مُحِبًّا عَاشِقًا مُفْرِطًا فِی الْحُبِّ وَالْعِشْقِ...... فَهَدَاكَ ......اِلٰى وَصْلِ مَحْبُوْبِكَ حَتّٰى كُنْتَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى'' یعنی بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے لے کر وحی کے نزول تک ہمیشہ بتوں کی عبادت اور فاسقوں، فاجروں اور نافرمانوں کی نجاستوں اور ناپاکیوں سے معصوم ومحفوظ اور پاک صاف رہے ہیں۔

۸۔﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیر ومحتاج اور ضرورت مند پایا ﴿ فَاَغْنٰی ﴾ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کے ذریعے آپ کو غنی ومال دار کر دیا، یا پھر غنیموں کے اموال عطا فرما کر آپ کو غنی کر دیا۔

۹۔﴿ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴾ سو رہا یتیم تو آپ اس پر ہرگز سختی نہ کریں اور اس کی کمزوری کی وجہ سے اس کے حق اور اس کے مال پر غلبہ پا کر ہرگز قبضہ نہ کر لیں۔

۱۰۔﴿ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴾ اور رہا مانگنے والا تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں اور نہ اس کو ڈانٹیں بلکہ تھوڑا بہت اس پر خرچ کر دیں یا عمدہ طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ جواب دے دیں۔ اور امام سدی سے منقول ہے کہ ''سائل'' سے علم کا متلاشی مراد ہے یعنی جب آپ کے پاس کوئی طالب علم آ جائے تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں (بلکہ آپ اسے خداداد علوم سے مالا مال فرما دیں)۔

۱۱۔﴿ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو آپ اسے بیان کر کے اس کا خوب چرچا کریں یعنی آپ اپنی نبوت ورسالت کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے خوب بیان کریں اور یہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو شامل ہے اور ان سب کے لیے عام ہے جو اس نے اپنے محبوب کو عطا کی ہیں اور اس کے تحت قرآن مجید کی تعلیم اور شریعت کے احکام بھی داخل ہیں[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں حد سے بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کے مقام پر فائز ہوئے۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس کی وجہ سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے کہ اسی اثناء میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اتر کر حضور کو جا لیا اور اپنے پیچھے بٹھا لیا اور خود آگے بیٹھ گیا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی، جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوتِ گویائی بخشی اور اس نے کہا: ''یَا اَحْمَقُ هُوَ الْاِمَامُ وَكَيْفَ يَكُوْنُ خَلْفَ الْمُقْتَدِیْ'' اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جدِّ امجد تک پہنچایا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۹۔۵۹۰)

[1] جب اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے اور حضور سیّد عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہیں تو آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر فضول رسموں سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر محافل میلاد منعقد کر کے آپ کے فضائل وکمالات بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے، اس لیے ایسی محافل کو کم از کم مستحسن ومحمود قرار دینا واجب وضروری ہے کیونکہ نعمت الٰہی کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا تحدیث نعمت ہے جو اس آیت مبارکہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اور درج ذیل احادیث مبارکہ سے اسی کی تائید وتوثیق ہوتی ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ الم نشرح مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا ○ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا ○ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھا ○ اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیا ○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ سو جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں مشغول ہو جایئے ○ اور صرف اپنے پروردگار کی طرف راغب ہو جایئے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس پر کوئی احسان کیا جائے تو اسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس نعمت پر محسن کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرے' سو جس نے ثناء اور تعریف بیان کی تو وہ یقیناً شکر گزار ہوا' اور جس نے اس نعمت کو چھپایا اور اس کا اظہار نہ کیا تو اس نے بے شک کفرانِ نعمت کیا اور ناشکری کی۔

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے برسر منبر رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تھوڑی اور کم نعمت پر شکر ادا نہیں کیا' اس نے زیادہ پر بھی شکر ادا نہیں کیا' جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اس کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے اور جماعت کا ساتھ دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور فرقہ بازی خدا کا عذاب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل المعروف بغوی ج ۴ ص ۵۰۰' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۱۶' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' مصر' تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(۳) علامہ ابن کثیر نے اس جگہ ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے کہ "اَلتَّحَدُّثُ بِالنِّعَمِ شُكْرٌ وَتَرْكُهٗ كُفْرٌ" یعنی نعمتوں کو خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اسے ترک کر دینا اور بیان نہ کرنا ناشکری ہے۔
(تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۴۲۱' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:
"اَلشُّكْرُ عَلٰى كُلِّ نِعْمَةٍ دِيْنِيَّةٍ كَانَتْ اَوْ دُنْيَوِيَّةٍ وَاجِبٌ" یعنی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب و لازم ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

## حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مزید احسانات الٰہیہ کا بیان

۱- ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کیا ہم نے آپ کا سینہ مبارک آپ کے لیے کھول نہیں دیا[۱] اس آیت مبارکہ میں شرح صدر کی نفی کو انکار کے طریقہ پر سوالیہ بیان کیا گیا ہے' سو اس لیے اس نے شرح صدر کے اثبات کا فائدہ دیا ہے' گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ مبارک کشادہ اور وسیع کر دیا ہے اور اس لیے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ''وَضَعْنَا'' کا اس پر عطف کیا گیا ہے یعنی ہم نے آپ کے سینہ انور کو اس لیے کشادہ کر دیا ہے تا کہ ہم اس میں علوم و معارف اور حکمتوں اور بصیرتوں کو ودیعت فرما دیں یہاں تک کہ وہ ثقلین (جن و انس) کی دعوت و تبلیغ اور فرائض نبوت کی بجا آوری میں آنے والی مشکلات پر غموں کو برداشت کر سکے اور ہم نے آپ کے سینہ اقدس سے وہ تنگی اور حرج دور کر دیا ہے جو جاہلوں کی جہالت اور گمراہوں کی گمراہی کے ساتھ پیش آئے گا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

۲- ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا اور ہم نے نبوت اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں درپیش مشکلات و مشقتوں کو آپ سے کم کر دیا اور ان میں تخفیف کر دی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ''وِزْرٌ'' سے قصور و کوتاہی مراد ہے جس کو ہم بعینہٖ نہیں جانتے اور وہ افضل و اعلیٰ اور بہترین عمل کو کسی حکمت کی بناء پر ترک کر کے جائز عمل کو اپنا لینا ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح کے معاملہ میں بھی عتاب و انتباہ کیا جاتا ہے اور آپ سے اس بوجھ کو اتارنے کا مطلب آپ کی مغفرت و بخشش ہے اور ''وِزْرٌ'' کا معنی ہے: بھاری بوجھ برداشت کرنا۔

۳- ﴿الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ جس نے آپ کی پشت مبارک کو بوجھل کر دیا تھا (یعنی) اس نے آپ کی پشت مبارک کو ثقیل و بھاری اور وزنی بنا دیا یہاں تک کہ اس کی نقیض سنی گئی اور وہ انقاض کی آواز مراد ہے (جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے کجاوے سے کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے' یہ ایک تمثیل ہے)۔

۴- ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا ہے۔[۲] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر

---

[۱] یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو ہدایت و معرفت اور نبوت و رسالت اور موعظت و نصیحت اور علم و حکمت کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے یہاں تک کہ غیب و شہادت کے دونوں جہاں اس کی وسعت میں سما گئے اور افادہ اور استفادہ کی دونوں مملکتیں جمع ہو گئیں اور علائق جسمانیہ سے تعلق انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکا اور خلق کی اصلاح کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہ ہو سکا اور علوم لدنیہ و حکم الٰہیہ اور معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ آپ کے سینہ اقدس میں جلوہ نما ہو گئے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۲۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹۰' مطبوعہ دار المصنفین' دہلی' تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا' ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج میں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے' اس کی شکل یہ تھی کہ حضرت جبریل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا اور زریں طشت میں آب زمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

[۲] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیَ'' یعنی جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا اور حضرت حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اذان' اقامت' تشہد اور منبروں پر خطبوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبارک کو یوں بلند کیا گیا ہے کہ کلمہ شہادت میں' اذان میں' اقامت میں' خطبوں میں اور تشہد میں اور قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کے ساتھ آپ کا ذکر ملا کر بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' (المائدہ:۹۲) ''تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو''۔ ''وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ○'' (النساء:۱۳) ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے○''۔ ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ'' (التوبہ:۶۲) ''اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ (منافقین) انہیں راضی کریں''۔ اور آپ کا نام ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اور ''نَبِیُّ اللّٰهِ'' رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور کا نام ملا ہوا ہے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت و بلندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کا ذکر تمام پہلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے' اور ''لَكَ'' کے اضافہ میں وہی فائدہ ہے جو ابہام اور ایضاح کے طریقہ میں معروف و مشہور ہے کیونکہ ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ'' فرمانے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہاں کسی کی شرح اور کشائش ہوئی ہے (مگر اس میں ابہام ہے اس لیے) پھر ''صَدْرَكَ'' فرمانے میں اس کی وضاحت ہوگئی جو پہلے مبہم معلوم ہوئی تھی اور اسی طرح ''لَكَ ذِكْرَكَ'' اور ''عَنْكَ وِزْرَكَ'' میں ہے۔

۵'۶- ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے یعنی بے شک ہر ایسی سختی و مشقت جس میں آپ مشرکین کی طرف سے دکھ' تکلیف اور اذیت برداشت کرتے ہیں' کے ساتھ آسانی ہوتی ہے کہ میں آپ کو ان پر غلبہ کی قوت دے دیتا ہوں یہاں تک کہ آپ ان پر غالب آجاتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو فقر و فاقہ اور غربت و ناداری پر عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے یہاں تک کہ بسا اوقات حضور کے دل میں یہ خیال سبقت کر جاتا کہ اہل اسلام کے فقر و غربت کی وجہ سے ممکن

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملایا گیا ہے' چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور دین اسلام کی ہر ضروری بات کی تصدیق کرتا ہو لیکن وہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم نہ کرتا ہو تو اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور وہ کافر ہی رہے گا اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک دنیا میں بھی بلند کر دیا اور آخرت میں بھی بلند کر دے گا' چنانچہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اور ہر کلمہ شہادت پڑھنے والا کلمہ شہادت میں اور ہر نمازی اپنی نماز (کے تشہد) میں ''اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ساتھ ''وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھتا ہے' اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ کوئی نماز اور کوئی خطبہ اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔
(تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۱۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اور اس سے بڑھ کر آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ملا دیا اور حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا' اور فرشتوں کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مؤمنوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور آپ کو معزز و محترم القاب کے ساتھ مخاطب فرمایا جیسے ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ' یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ' یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ' یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ'' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر فرمایا ہے اور تمام انبیائے کرام اور ان کی امتوں سے یہ وعدہ لیا کہ وہ حضور سید عالم ﷺ پر ضرور ایمان لائیں۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۳۰ ص ۱۶۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

ہے بعض لوگ اسلام سے پھر جائیں' سو اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو وہ جلیل القدر نعمتیں یاد دلائیں جو آپ پر انعام فرمائیں' پھر فرمایا: "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ضرور ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں جس قدر بھی ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں' سو آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہرگز مایوس نہ ہوں کیونکہ جس مشکل میں آپ اور صحابہ کرام مبتلا ہیں' اس کے ساتھ بھی آسانی ضرور آئے گی اور یہاں "عسر" کے ساتھ لفظ "مع" اس لیے لایا گیا ہے کہ مشکل و تنگی کے ساتھ آسانی کے انتہائی قرب کا اظہار ہو جائے تاکہ آپ اور مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو جائے اور ان کے دلوں کو تقویت و استحکام حاصل ہو جائے' چنانچہ اس کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب کبھی کوئی مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آ سکے گی کیونکہ "العسر" کو معرفہ کر کے دوبارہ لوٹا دیا گیا ہے' اس لیے عسر و تنگی ایک ہے اس لیے کہ معرفہ کو جب دوبارہ دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے (یعنی دوسرے سے بعینہٖ پہلا مراد ہوتا ہے) اور "یُسْر" کو نکرہ کر کے دہرایا گیا ہے اور نکرہ کو جب دوبارہ نکرہ کر کے دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے' پس اب معنی یہ ہوگا کہ بے شک ہر ایک مشکل و تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہوتی ہیں اور جناب ابو معاذ نے کہا کہ جب "اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ غُلَامًا اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ غُلَامًا" کہا جاتا ہے تو اس وقت ایک امیر اور دو غلام ہوتے ہیں اور جب "اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ الْغُلَامَ اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ الْغُلَامَ" تو ایک امیر اور ایک غلام ہوگا اور جب "اِنَّ مَعَ اَمِیْرٍ غُلَامًا' اِنَّ مَعَ اَمِیْرٍ غُلَامًا" کہا جائے گا تو دو امیر اور دو غلام ہوں گے' شرح التاویلات میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔

۷- ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ سو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت و کوشش کیجئے' یعنی جب آپ مخلوق کو دعوتِ حق دینے سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد اور محنت و کوشش کیجئے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں جدوجہد اور کوشش کیجئے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دعا سلام سے پہلے نماز کے اندر مانگنی ہے یا پھر نماز پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگنے کا حکم ہے اور اس کے ماقبل کے ساتھ تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور پر سابقہ نعمتوں کو شمار کیا اور آئندہ نعمتوں کے عطا کرنے کا آپ سے وعدہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کو شکر ادا کرنے اور عبادت میں کوشش کرنے کی ترغیب دی اور بعض کو بعض کے ساتھ ملانے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ کے اوقات میں سے کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گزرے' پس جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد فوراً دوسری عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

۸- ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رغبت کیجئے اور آپ خصوصی طور پر صرف اسی طرف اپنی رغبت کر دیجئے اور کسی سے کچھ نہ مانگئے' صرف اسی سے اس کا فضل و کرم مانگئے اور اسی پر بھروسا کیجئے۔

سورۃ التّین مکیّۃ ۹۵ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

سورۃ التین مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ع

انجیر اور زیتون کی قسم!O اور طور سینا کی (قسم)!O اور اس امن والے شہر کی (قسم)!O بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیاO پھر ہم نے اس کو سب سے پست حالت میں لوٹا دیاO ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' پس ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہےO سو اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گاO کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیںO

## اہم قسموں کے ساتھ انسان کی حسین تخلیق اور اس کے اشرف واسفل ہونے کا بیان

۱۔ ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ انجیر اور زیتون کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی قسم اس لیے فرمائی کہ یہ پھل دار درختوں میں سے عجیب ترین پھل ہیں[1]

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں انجیر سے بھری ہوئی ایک پلیٹ پیش کی گئی' چنانچہ آپ نے بھی اس میں سے کچھ کھایا اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ تم اسے کھاؤ' سو اگر میں یہ کہوں کہ جنت سے پھل نازل کیا گیا ہے تو میں

[1] ''تین'' کا معنی انجیر ہے' انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں' انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے' اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا' اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے' یہ زود ہضم ہے' نفع آور دوا ہے' طبیعت کو نرم کرتا ہے' بلغم کو تحلیل کرتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے' مثانہ کی پتھری توڑتا ہے' جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ اور مضبوط کرتا ہے۔ انجیر یونان' ترکی' اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے' انجیر قبض کشاء ہے' انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے' اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بہ خود دور ہو جاتا ہے اور مستا جھڑ جاتا ہے' بلغم کو پکا کر خارج کر دیتا ہے' اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے' پسینہ آور ہے' اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

زیتون مشہور پھل ہے' یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے مثلاً یونان' فلسطین اور اسپین وغیرہ میں' اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے' اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغنِ زیتون کہتے ہیں۔ روغنِ زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا' اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

''وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ O'' (المؤمنون: ۲۰) ''اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے وہ تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہےO''۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور طور سیناء اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۰)

ملک شام کے اکثر لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں اور اسی سے سالن پکاتے ہیں اور پیٹ کے امراض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۶۹۔۸۷۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

کہوں گا: یہ وہ پھل ہے جو جنت سے اتارا گیا ہے کیونکہ جنت کا پھل (انجیر کی طرح) بغیر گٹھلی کے ہوتا ہے' سو تم اسے کھایا کرو کیونکہ یہ بواسیر کو ختم کرتا ہے اور گیٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے' اور فرمایا کہ بہترین مسواک زیتون کے مبارک درخت کی ہوتی ہے جو منہ کو پاک اور خوشبودار صاف کرتی ہے اور بدبو کو ختم کر دیتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ زیتون میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مسواک ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارا انجیر یہی ہے اور تمہارا زیتون یہی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں شام کے دو پہاڑ ہیں جہاں انجیر اور زیتون کے درخت اُگتے ہیں۔

۲- ﴿ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ اور سینین کے پہاڑ طور کی قسم! طور کا معنی پہاڑ ہے اور ''سینین'' کا معنی ہے: جگہ [''طور'' کو ''سینین'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور واؤ اور ''یا'' کے ساتھ اعراب کے جواز میں ''سینون'' بیرون کی طرح ہے اور اعراب بالحرکت کی صورت میں ''یا'' برقرار رہے گی اور نون کو متحرک بحرکات ثلاثہ پڑھا جائے گا (اور آخری نون کو آیات کی موافقت میں بڑھایا گیا ہے جیسے ''سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ○'' (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) میں بڑھایا گیا ہے)]۔

۳- ﴿ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴾ اور اس شہر یعنی مکہ مکرمہ کی قسم جو امن والا ہے اور ''امین''، ''اَمَنَ الرَّجُلُ اَمَانَةً فَهُوَ اَمِيْنٌ'' سے ماخوذ ہے یعنی آدمی نے امانت کی حفاظت کی' پس وہ ''امین'' ہے اور اس شہر مکہ کی امانت داری یہ ہے کہ یہ شہر ہر اس شخص کی حفاظت کرتا ہے جو اس میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح امین اپنے پاس رکھی گئی امانت کی حفاظت کرتا ہے اور ان چیزوں کی قسم کا مطلب مبارک و مقدس جگہ کی فضیلت وعظمت کا اظہار کرنا ہے اور انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے اس جگہ میں جو خیر و برکت کا ظہور ہوا ہے' اس کی فضیلت وعظمت کا اظہار کرنا ہے' سو انجیر اور زیتون کی پیداوار کا علاقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ اور تربیت و پرورش گاہ بھی ہے اور طور وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے لیے پکارا گیا اور مکہ اس محترم گھر کی جگہ ہے جو تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہمارے محترم و مکرم نبی کی ولادت گاہ بھی ہے اور اعلانِ نبوت کا مقام بھی ہے یا پہلے دو (انجیر و زیتون) میں اس جگہ کی قسم فرمائی گئی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور تیسری طور سینا کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور چوتھی جگہ مکہ مکرمہ کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضور نبی کریم حضرت محمد عربی ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔

۴- ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے (یعنی) انسان کی شکل وصورت حسین وجمیل اور معتدل و مناسب ہے اور اس کے تمام اعضاء مساوی و برابر اور مکمل ہیں[1] [یہ آیت مبارکہ جواب قسم ہے اور ''الانسان'' سے جنسِ انسان (مطلق انسان) مراد ہے]۔

۵- ﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴾ پھر ہم نے اس کو سب سے زیادہ نچلی حالت میں لوٹا دیا ہے یعنی جب انسان نے

[1] انسان کی بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے' اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے' وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے' منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم' قدرت' ارادہ کرنے' باتیں کرنے' سننے' دیکھنے' تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی ہے اور یہ تمام رب تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں' گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ حدیث شریف میں ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی معتدل ومناسب اور برابر و یکساں اور سیدھی قامت اور حسین وجمیل خلقت کی نعمت پر شکر ادا نہیں کیا تو پھر ہم نے آخر کار اس کا انجام یہ کیا کہ اس کو تخلیق وترکیب کے اعتبار سے سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یعنی قبیح و بدترین صورت میں لوٹا دیا اور اس سے دوزخی لوگ (یعنی کفار) مراد ہیں یا یہ کہ ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں کر دیا' یا یہ معنی ہے کہ پھر ہم نے حسین وجمیل شکل وصورت اور بہترین ساخت کے بعد اس کو شکل وصورت اور خلقت وساخت میں سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یہاں تک کہ ہم نے اس کو خلقت میں برعکس والٹ کر دیا' چنانچہ معتدل وسیدھی قامت ہونے کے بعد اس کی پشت جھک گئی اور اس کے بال سیاہ ہونے کے بعد سفید ہو گئے اور اس کی جلد خشک ہو گئی اور اس کی قوتِ ساعت اور اس کی قوتِ بصارت کمزور ہو گئی اور اس کی ہر چیز متغیر وتبدیل ہو گئی اور اس کے چلنے کی رفتار کم ہو گئی کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم چلنے لگا اور اس کی آواز پست و ہلکی ہو گئی اور اس کی قوت کمزور ہو گئی اور اس کے حواس معطل ہو گئے اور اس کی قوتِ عقل فاسد ہو گئی۔

٦۔﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴾ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہے [اور یہاں (''فَلَهُمْ'' میں) حرف ''فا'' داخل کیا گیا ہے لیکن سورۃ الانشقاق میں داخل نہیں کیا گیا' اس لیے کہ دونوں لغتوں کو جمع کیا گیا ہے اور پہلی صورت میں استثناء متصل ہے اور دوسری صورت میں استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن جو لوگ بڑھاپے کی عمر تک ایمان پر اور نیک اعمال کرتے رہنے پر قائم رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے' یہ ان کی اطاعت وفرماں برداری اور عبادت وریاضت کرتے رہنے اور صبر کرتے رہنے پر عطا کیا جائے گا کیونکہ وہ بڑھاپے اور بہت بڑی عمر میں مبتلا ہو جانے کے باوجود مشقتوں کے برداشت کرنے پر صبر کرنے اور عبادت کرنے پر قائم رہے۔

٧۔﴿ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴾ سو اب اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں التفات کے طور پر یا تو انسان کو خطاب کیا گیا ہے یعنی (اے انسان!) اس یقینی اور قطعی بیان کے بعد اور جزاء کی روشن دلیل کے بعد تیرے جھٹلانے کا سبب کیا ہے' تو قیامت کو کیوں جھٹلاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور ایک مکمل انسان کی شکل وصورت دی گئی ہے اور اس کو تدریجی مراحل میں بڑھایا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایک مکمل ویکساں انسان بن گیا' پھر اس کو الٹ کر دیا گیا یہاں تک کہ بڑھاپے کی آخری عمر کو پہنچ گیا' (اے انسان!) تم خالق ومالک کی قدرت پر اس سے زیادہ واضح دلیل نہیں دیکھو گے اور بے شک جوان تمام مراحل کے ساتھ انسان کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے زندہ لوٹانے پر بھی قادر ہے' سو اب روزِ جزاء کو جھٹلانے کے لیے کیا سبب ہے؟ یا یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یعنی اس قدر واضح اور روشن دلیل کے بعد اب آپ کو قیامت کے بارے میں کون جھٹلائے گا اور کون آپ کی طرف کذب وجھوٹ کو منسوب کرے گا؟ [سو یہاں (''فَمَا'' میں) ''مَا'' بہ معنی ''مَنْ'' ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ٦٢٢٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٤١) علمائے اسلام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے' انسان عالمِ صغیر ہے اور عالمِ کبیر کی ہر نشانی اس عالمِ صغیر میں موجود ہے۔
(تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ٨٧٢)

۸- ﴿ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں (یقیناً اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے) یہ کفار کے لیے سخت وعید (دھمکی) ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے خلاف وہی فیصلہ فرمائے گا جس کے وہ اہل اور مستحق ہیں اور یہ "حکم" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: فیصلہ۔

سورۃ العلق ۹۶　　بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○　　آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سورۃ العلق مکی ہے　　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی انیس آیات' ایک رکوع ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ⑥ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ⑦ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ⑧ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ⑩ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ⑫ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ⑬ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ⑭

(اے محبوب!) اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ○ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ○ پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے ○ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنا) سکھایا ○ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ○ ہاں ہاں! بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے ○ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے ○ بے شک (تجھے) اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے ○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے ○ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ○ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہوتا ○ یا وہ پرہیزگاری کا حکم دیتا ○ کیا آپ نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ○ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے ○

## انسان کی تخلیق و تعلیم اور ابوجہل کی مذمت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی' وہ یہی سورۃ العلق ہے اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی' پھر سورۃ القلم نازل ہوئی[1]

[1] امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں اور عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے:
مفسرین کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یہی سورت علق ہے اور سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورۃ العلق کی ایک سے پانچ آیات "اِقْرَاْ" سے "مَا لَمْ یَعْلَمْ" تک ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۰۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)
حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:
مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی آیات نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱-﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے[ ''بِـاسْـمِ رَبِّكَ'' حال واقع ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ''اَیْ اِقْرَاْ مُفْتَتِحًا بِاسْمِ رَبِّكَ'' یعنی آپ اپنے پروردگار کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے پڑھیے' گویا فرمایا گیا کہ پہلے ''بِسْمِ اللّٰه'' کہو' پھر پڑھو ﴿الَّذِیْ خَلَقَ﴾ جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا[ یہاں ''خَلَقَ'' کا مفعول ''اَلْخَلْقَ'' کو ذکر نہیں کیا گیا] اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس سے تمام مخلوق کی تخلیق حاصل ہوئی ہے اور تخلیق خلق کے ساتھ صرف وہی مختص ہے' اس کے سوا کوئی خالق کائنات نہیں ہے یا اس کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ'' اس نے ہر چیز کو پیدا کیا' پس ''خَلَقَ'' تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ یہ مطلق ہے اور ''بَعْضَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں' جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۱۱)

حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی اور اس کی پہلی پانچ آیتیں ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک غارِ حرا میں نازل ہوئیں' فرشتے نے آ کر حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: ''اِقْرَاْ'' یعنی پڑھیے' فرمایا: ہم پڑھے نہیں' اس نے سینہ سے لگا کر بہت زور سے دبایا' پھر چھوڑ کر ''اِقْرَاْ'' کہا' آپ نے وہی جواب دیا' تین مرتبہ ایسا ہی ہوا' پھر اس نے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' کہا اور ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک پڑھ دیا تو آپ نے اس کے ساتھ ساتھ ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک پڑھا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۷۶' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

عمدۃ المحققین حضرت استاذی المکرم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے تین بار ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا' دوسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھتا نہیں ہوں اور تیسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں کیا پڑھوں؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوالاسود نے مغازی میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے: ''کَیْفَ اَقْرَءُ'' میں کیسے پڑھوں' اور سیرت ابن اسحاق میں حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے: ''مَاذَا اَقْرَءُ'' میں کیا پڑھوں؟ اور دلائل بیہقی میں امام زہری سے مرسل روایت میں ہے: ''کَیْفَ اَقْرَءُ'' میں کیسے پڑھوں؟ اور ان تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ''ما'' استفہامیہ (سوالیہ) ہے۔

(تبیان القرآن بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۲۴-۲۳' دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور)

شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اس لیے مجھ سے پڑھا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو دہشت و رعب اور خوب لاحق ہوا ہو اور اس خوف و دہشت کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا کیونکہ جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو' وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا اُمّیت کے منافی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے' ہاں کسی کی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا امیت کے منافی ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل جواہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے' انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا: پڑھیے! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے پڑھوں؟ یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔ (تبیان القرآن' اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۰۶-۵۰۷)

"اَلْمَخْلُوْقَاتِ" مقدر ماننا بہتر نہیں ہے۔

۲- ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کے ذکر کی تخصیص کی وجہ اس کی فضیلت و شرف ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس لیے بھی کہ کتب سماوی اور وحی کا نزول انسان کی طرف ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "اَلَّذِیْ خَلَقَ" میں انسان مراد ہو مگر پہلے مبہم ذکر کیا گیا ہے پھر اس آیت مبارکہ میں انسانی تخلیق کی تعظیم و تکریم کی بناء پر اس کی تفسیر بیان کی گئی اور اس کی عجیب و غریب فطرت پر دلالت کرنے کی بناء پر اس کی تفسیر کی گئی ﴿مِنْ عَلَقٍ﴾ جمے ہوئے خون سے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے "عَلَقٍ" جمع ذکر کیا ہے اور واحد "عَلَقَةٍ" نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جمع کے معنی میں مذکور ہے۔

۳ تا ۵- ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (اے محبوب!) پڑھئے اور آپ کا پروردگار سب سے بڑا کریم ہے' اسے یہ کمال حاصل ہے کہ وہ ہر کریم سے زیادہ کریم ہے' وہ اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے اور ان سے حلم کے ساتھ پیش آتا ہے اور ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا اور ان کے کفر و شرک اور نعمتوں کے انکار کرنے کے باوجود ان کو سزاء و عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انہیں راہِ راست پر آنے کی مہلت دیتا ہے اور گویا علمی فوائد کے افادہ کے تکرم سے بڑھ کر کوئی تکرم نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ﴾ "الکتابة" ﴿بِالْقَلَمِ﴾ جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ اس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا[1] یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ کرم اور کثرتِ کرم پر واضح دلیل ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کے نور کی طرف منتقل کر دیا اور کتابت کے علم کی فضیلت و اہمیت سے آگاہ فرمایا کیونکہ اس میں عظیم منافع اور کثیر فوائد ہیں اور صرف کتابت کے ذریعہ علوم کو مدوّن کیا گیا اور حکمتوں کو مقید کیا گیا اور پہلے لوگوں کی خبروں اور واقعات کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آسمانی کتب کو محفوظ

---

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں "الانسان" سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد لینا بھی جائز ہے' پھر آگے لکھتے ہیں: سو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے تین بار سینے سے لگا کر بھینچنے سے اپنے محترم و مکرم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اوّلین و آخرین کے تمام علوم سکھا دیئے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرما کر اسے آپ کے لیے شمار کیا اور فرمایا: "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو کچھ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝" (النساء: ۱۱۳) "اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیئے جو اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہے۝"۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۰۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۲۲' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۳۱۷' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنے علوم عطا فرمائے گا جن کا عقول احاطہ نہیں کر سکیں گی اور اس قدر علوم عطا فرمائے گا کہ آپ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہے گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

کیا گیا اور اگر یہ کتابت ولکھائی نہ ہوتی تو دین و دنیا کے معاملات و احکام قائم نہ رہتے اور اگر اللہ تعالیٰ کی لطیف و باریک حکمت پر قلم اور خط و کتابت کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہی قلم کی کتابت دلیل کے لیے کافی ہو جاتی۔

۶۔﴿ کَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ہر اس شخص کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے جس نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کیا اور اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کیا ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ﴾ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے لے کر آخر سورت تک یہ تمام آیات شریفہ ابوجہل کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔

۷۔﴿ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ﴾ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے [افعال قلوب میں ''رَاَیْتُنِیْ وَعَلِمْتُنِیْ'' کہا جاتا ہے اور یہاں ''رُؤْیَةٌ'' کا معنی علم ہے اور اگر وہ دکھانے کے معنی میں ہوتا تو اس کے فعل میں دو ضمیریں جمع کرنا ممنوع ہوتا اور ''اِسْتَغْنٰی'' دوسرا مفعول ہے اور یہ مفعول لہ ہے]۔

۸۔﴿ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ﴾ بے شک (تجھے) اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یہاں التفات کے طریقہ پر سرکشی کے انجام سے انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور ''اَلرُّجْعٰی'' مصدر ہے' اس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹ جانا یعنی اے انسان! تجھے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تجھے تیری سرکشی اختیار کرنے پر سخت سزا دے گا۔

۹ تا ۱۴۔﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے یعنی کیا آپ نے ابوجہل کو دیکھا ہے کہ وہ (سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے[1] ﴿ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰٓی ﴾ کیا آپ نے دیکھا ہے اگر وہ ہدایت پر ہوتا یعنی اگر یہ روکنے والا اور منع کرنے والا صحیح اور سیدھے راستہ پر ہوتا جس میں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے ﴿ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ﴾ یا وہ نیکی اور پرہیزگاری کا حکم دینے والا ہوتا جس میں وہ نیکی اور تقویٰ کی بجائے بتوں کی عبادت کا حکم دیتا ہے جیسا کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے ﴿ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴾ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ تکذیب کرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے (یعنی) کیا آپ نے دیکھا اگر یہ منع کرنے والا (ابوجہل) حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴾ تو کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے تمام احوال سے' اس کی ہدایت اور اس کی گمراہی سے پوری طرح آگاہ ہے' سو وہ اسے اس کے حسب حال بدلہ دے گا اور یہ وعید (یعنی دھمکی) ہے [''الذی ینھٰی''

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ابوجہل نے ایک روز اپنے بتوں لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو (العیاذ باللہ) وہ حضور کی گردن روند دے گا اور آپ کے منہ مبارک کو خاک آلود کر دے گا' چنانچہ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تا کہ وہ اپنا کام کرے' جب وہ اس بُری نیت سے ڈگ بھرتے ہوئے آپ کے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے' لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ کیا ہوا تم پیچھے کیوں ہٹ آئے؟ کہنے لگا: جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان آگ سے بھری ہوئی ایک خندق دکھائی دی جس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے' اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۸' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۴۲۲' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ)

جملہ شرطیہ سمیت ''اَرَءَیْتَ'' کا مفعول ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰی اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی، اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی'' اور اس کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ شرط ثانی کے جواب میں اس کا ذکر اس کے حذف پر دلالت کر رہا ہے اور یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ ''اِنْ اَکْرَمْتُكَ اَتُکْرِمُنِیْ'' اگر میں تیری عزت کروں تو کیا تم میری عزت کرو گے اور دوسرا ''اَرَءَیْتَ'' تاکید کے لیے دوبارہ زیادہ کیا گیا ہے]۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ (السجدة) (ع)

ہاں ہاں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹیں گے O ایسی پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے O پس اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو پکارے O عنقریب ہم جہنم کے فرشتوں کو بلالیں گے O ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کیجئے اور آپ (اپنے رب تعالیٰ کو) سجدہ کیجئے اور (اس کا) قرب حاصل کیجئے O

١٥- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابوجہل کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے اور بتوں کی عبادت کا حکم دینے پر ڈرایا دھمکایا اور ڈانٹا گیا ہے، پھر ارشاد فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ﴾ اگر وہ (ابوجہل) اس حرکت سے باز نہ آیا جس میں وہ مشغول ہے تو ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ہم ضرور (اس کی) پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچیں گے (یعنی) ہم ضرور اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑیں گے اور ہم ضرور اسے کھینچتے ہوئے گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے[1] ''سفع'' کا معنی ہے: کسی چیز پر قبضہ کرنا اور زور سے کھینچنا [''لَنَسْفَعًا'' کے آخر میں مصحف عثمانی میں وقف کے حکم کی بناء پر الف لکھا جاتا ہے اور ''بِالنَّاصِيَةِ'' میں اضافت کے عوض میں لام عہد پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ مذکور شخص کی پیشانی ہے]۔

١٦- ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ جھوٹی گناہ گار پیشانی [یہ ''الناصية'' سے بدل ہے کیونکہ یہ ''كَـٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ'' کے ساتھ موصوف ہے اور ''كَـٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ'' میں مجاز اسنادی ہے کیونکہ یہ دونوں حقیقت میں ''كَاذِبٌ وَخَاطِیءٌ'' کی صفات ہیں (جب کہ ''نَاصِيَةٍ'' کی مجازی صفات ہیں) اور اس میں جو حسن ہے وہ تمہارے قول ''نَاصِيَةِ كَاذِبٍ خَاطِیءٍ'' میں نہیں ہے]۔

١٨'١٧- ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ سو اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلالے O عنقریب ہم فرشتوں کی سپاہ بلالیں گے۔ ''نادی'' مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں ساری قوم جمع ہوتی ہے اور مراد اہل مجلس ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ایک دن ابوجہل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ نے اس کو سخت جواب دیا تو کہنے لگا:

[1] مروی ہے کہ جب سورۃ الرحمٰن نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریش کے سرداروں کے سامنے اس سورت کو کون پڑھ کر سنائے گا؟ تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے' عرض کی: یارسول اللہ! میں سناؤں گا' مگر حضور نے انہیں اجازت نہ دی کیونکہ حضرت ابن مسعود دبلے پتلے' کمزور بدن اور چھوٹی عمر کے تھے' یہاں تک کہ حضور نے تین بار یہ اعلان فرمایا اور تینوں مرتبہ حضرت ابن مسعود عرض کرتے رہے کہ یارسول اللہ! میں سناؤں گا' آخر کار حضور نے انہیں اجازت دے دی اور وہ قریش کے سرداروں کے ہاں پہنچے جب کہ وہ لوگ کعبہ معظمہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے' چنانچہ حضرت ابن مسعود نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ مجھے ڈانٹتے ہیں حالانکہ میں اس مکہ کی وادی میں سب سے زیادہ مجلس والا ہوں (یعنی میرے معاون و مددگار بہت ہیں)' تو اس موقع پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں یلغت میں ''زَبَانِیَةٌ'' کا معنی ہے: سپاہیوں کا گروہ اور اس کا واحد ''زِبْنِیَةٌ'' ہے' یہ ''زَبْنٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: دفع کرنا' اور ''زَبَانِیَةٌ'' سے عذاب کے فرشتے مراد ہیں' حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو مدد کے لیے بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے سب کے سامنے پکڑ لیتے۔[2]

۱۹۔﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابوجہل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے ﴿ لَا تُطِعْهُ ﴾ آپ اس کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے یعنی ابوجہل کی نافرمانی سے دور رہ کر آپ اسی حال پر ثابت قدم رہیں جس پر آپ پہلے قائم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ O'' (القلم:۸) ''سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں O'' ﴿ وَاسْجُدْ ﴾ اور سجدہ کیجئے (یعنی) اور آپ اپنے سجدہ پر قائم و دائم رہیے اور سجدہ سے نماز پڑھنا مراد ہے یعنی ہمیشہ نماز پڑھتے رہیے ﴿ وَاقْتَرِبْ ﴾ اور قریب ہو جایئے (یعنی) سجدہ کے ذریعے اپنے پروردگار کا قرب حاصل کیجئے' بے شک بندہ اپنے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اس وقت قریب ہو جاتا ہے جب وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتا ہے۔[3]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑی سریلی آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی' ابوجہل اٹھا اور حضرت ابن مسعود کو زوردار طمانچہ رسید کر دیا اور ان کا کان چیر دیا اور لہولہان کر دیا' وہ روتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے بات کی اور مسکرانے کا سبب پوچھا تو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ عنقریب آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا' چنانچہ غزوۂ بدر کے دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے صحابہ! مقتولوں میں جا کر ابوجہل کو تلاش کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ بدر میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل زخموں سے چور ہے اور آخری سانس لے رہا ہے' آپ فوراً اس کے سینہ پر چڑھ گئے' ابوجہل نے کراہتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں اور آپ کو پہچان لیا تو یہ لعین کہنے لگا: اے بکریاں چرانے والے لڑکے! تو ایک اونچے اور سخت پہاڑ پر چڑھ بیٹھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اسلام ہمیشہ غالب رہتا ہے اور اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا' پھر آپ اس کا سر کاٹنے لگے تو اس لعین نے کہا: ٹھہر جا! اور میری تلوار سے کاٹ کیونکہ میری تلوار تیزی سے کاٹنے والی ہے' چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کا سر قلم کر دیا اور کمزوری کی وجہ سے اس کا سر نہ اٹھا سکے تو اس کا کان چیر کر اس میں مضبوط دھاگا ڈالا اور اسے گھسیٹتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کان کے بدلے کان رہا اور سر کاٹنا اور کھینچ کر لانا مزید ہوا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۴۶۴۔ ۴۶۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۹
[2] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۰۷' مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۷
[3] رواہ مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲

سورۃ القدر مکیۃ ۹۷ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ — آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ‌ۖ ① وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِؕ ② لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍؕ ③ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛۙ ④ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ⑤ ع

وقف النبی علیہ السلام — معانقۃ ۲۰ عند المتاخرین ۱۲ — القدر ۱ ع

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ○ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے ○ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ○ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں ○ وہ سلامتی ہی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ○

## شبِ قدر کی اہمیت وفضیلت کا بیان

نوٹ: سورۃ القدر مکی ہے اور ایک قول میں مدنی ہے۔

1- ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن کریم کی عظمت وشرف اور اس کی فضیلت و بزرگی کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کے نازل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے' اس کے علاوہ کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی اور قرآن مجید کو اسمِ ظاہر کے ساتھ ذکر کرنے کی بجائے اس کی طرف ضمیر لوٹائی گئی ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ قرآن مجید اس قدر عظمت ورفعت رکھتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اس پر اسمِ ظاہر کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ جس وقت میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اس وقت کی قدر وعظمت بہت بلند ہے۔

مروی ہے کہ قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف (بیت العزۃ میں رکھنے کے لیے) بہ یک وقت شبِ قدر میں نازل کیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام تیئس سال کے عرصہ میں رسول اللہ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کرتے رہے' اور "لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ" کا معنی ہے: تمام طے پانے والے کاموں کی تقدیر اور ان کے فیصلے کی رات اور "قدر" بہ معنی تقدیر ہے یا اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ رات باقی تمام راتوں پر شرف وعظمت اور فضیلت و بزرگی رکھتی ہے اور یہ ماہِ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے اور جمہور اہل اسلام اس پر متفق ہیں[1] اور اس رات کے مخفی اور پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جو شخص شب قدر میں عبادت کرنا چاہتا ہے' وہ اس کو طلب کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت کرتا رہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح پنجگانہ نمازوں میں نمازِ وسطیٰ (یعنی

---

1. حضرت ابی بن کعب' امام احمد بن حنبل اور جمہور علمائے اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درمیانی نماز) کو اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو اور جمعۃ المبارک میں مقبول ساعت کو اور عبادات میں اس کی رضا کو اور گناہوں میں اس کے غضب کو (مؤمنوں میں ولی کو اور موت کو نیز قیامت کے دن کو) مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا ہے' اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس رات کو پائے وہ یہ دعا مانگے: ''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ'' اے اللہ! بے شک تو عفو و درگزر کرنے والا (اور) عفو و درگزر کو تو پسند کرتا ہے' پس تو مجھ سے عفو و درگزر فرما۔[1]

۳۰۲۔ ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ [2] اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ یعنی اس رات کی فضیلت و بزرگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سات اعضاء پر سجدہ مشروع فرمایا' طواف کعبہ کے سات پھیرے مقرر کیے اور ہفتہ کے سات دن بنائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات ماہِ رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجر اور امام رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ استدلال بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حروف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین بار ذکر کیا گیا ہے جن کا حاصل ضرب ستائیس ہے' اس لیے یہ ستائیسویں رات ہونی چاہیے۔ امام رازی نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی اس سورتِ مبارکہ میں ''هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ'' (القدر:۵) میں ''هِیَ'' ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے' اس اشارے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۹۳)

[1] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۰

[2] واضح ہو کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب قدر اور اس کی تعیین کا علم تھا لیکن دو مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے اس کی تعیین کا علم مسلمانوں کو بتانے سے اٹھا لیا گیا اور اسے مخفی رکھا گیا تا کہ مسلمان اس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں' یہاں اس سلسلہ میں چند احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ رمضان کے پہلے دس دن اعتکاف کیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے' پھر آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ جسے تلاش کرتے ہیں وہ آگے ہے' پھر آپ نے دس سے بیس رمضان تک اعتکاف کیا' ہم بھی آپ کے ساتھ تھے' پھر حضرت جبریل آئے اور عرض کیا: جسے آپ تلاش کرتے ہیں یعنی لیلۃ القدر وہ آگے (آخری دس دنوں میں) ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماہِ رمضان کی بیسویں کی صبح کو کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والے دوبارہ اعتکاف بیٹھ جائیں کیونکہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی ہے لیکن میں اسے بھول گیا ہوں' سو اب تم لیلۃ القدر کو ماہِ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گویا مٹی اور پانی یعنی کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں' حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجوروں کے پتوں کی تھی اور اس وقت آسمان پر بادل وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا' پھر اچانک بادل آیا اور بارش شروع ہو گئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب سچا ہو گیا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی مبارک پر تر مٹی لگی ہوئی تھی' اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

(۲) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تا کہ آپ ہمیں شب قدر کے بارے میں بتلائیں کہ وہ کون سی رات ہے لیکن دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے آیا لیکن فلاں' فلاں کے جھگڑے کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھا لی گئی ہے' ممکن ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہو' سو اب تم اسے انتیس' ستائیس اور پچیس کی رات میں تلاش کرو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی انتہا تک آپ کی فہم وفراست اور عقل وخرد نہیں پہنچتی' پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴾ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہیں اور اس قدر اس رات کی فضیلت و بزرگی کی بلندی کا سبب یہ ہے کہ اس رات میں رحمت کے فرشتے اور حضرت روح الامین اترتے ہیں اور اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس مدت کی تخصیص کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار مجاہد آدمی کا ذکر فرمایا کہ وہ ایک ہزار مہینے تک روزانہ دن کو مسلح ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جہاد کرتا اور رات کو عبادت کرتا رہا' پس یہ بات سن کر صحابہ کرام کو اس پر بہت تعجب ہوا اور انہیں اپنے اعمال اس شخص کے اعمال کے مقابلے میں کم نظر آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اپنے محبوب کو یہ رات عطا فرمائی جو اس غازی کی مدتِ عبادت سے بہتر ہے۔

٤- ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ فرشتے آسمانِ دنیا کی طرف یا زمین کی طرف اترتے ہیں ﴿ وَالرُّوْحُ ﴾ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام اترتے ہیں یا فرشتوں کا ایک خاص گروہ صرف اس رات میں اترتا ہے جنہیں دیگر فرشتے بھی اس رات کے علاوہ نہیں دیکھتے یا اس رات میں رحمتِ خدا سرشام سے شروع ہو کر صبح تک اترتی ہے ﴿ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اس قدر والی رات میں یعنی فرشتے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اس قدر والی رات میں ہر اس کام کے لیے اترتے ہیں جس کے نفاذ کا اللہ تعالیٰ اس سال سے لے کر آئندہ سال تک فیصلہ فرما چکا ہے [اس پر وقف کرنا چاہیے]۔

٥- ﴿ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾ یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی والی ہے (یعنی) اس رات میں صرف سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے [''سَلٰمٌ'' خبر مقدم ہے''هِيَ'' مبتدا مؤخر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اس قدر و مرتبہ والی رات میں صرف سلامتی اور خیر و بھلائی مقدر فرماتا ہے اور اس رات کے علاوہ دیگر راتوں میں مصیبت اور سلامتی دونوں کا فیصلہ فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اس رات میں صرف سلام ہی ہوتا ہے کیونکہ اس رات کثیر تعداد میں فرشتے عبادت کرنے والوں کو سلام

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) حضرت مسروق' ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے (یعنی عبادت میں خوب کوشش کرتے) اور رات کو بیدار رہ کر عبادت کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگا دیتے تھے۔

(۴) ابوسہیل اپنے باپ کے واسطے سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ماہِ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو۔

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں شب قدر کو خواب دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں متفق ہیں' سو تم شب قدر کو ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں تلاش کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۱۰۔۵۱۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۵۔۸۷' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

فائدہ: شارحین نے (حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث کی تشریح میں) کہا ہے کہ صرف اس سال نبی کریم ﷺ سے لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھا لیا گیا تھا اور دوسرے سال آپ کو پھر اس کا علم عطا کر دیا گیا۔

(تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۹۲' بحوالہ فتح الباری ج ۴ ص ۲۶۸' عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۷' فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۳)

کرتے ہیں، بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس رات میں فرشتے جس مسلمان مرد وعورت سے ملاقات کرتے ہیں اسے سلام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ فجر کے طلوع ہونے تک رات بھر جاری رہتا ہے مگر کفار ومشرکین اس رات کی خیر و بھلائی اور سلامتی سے محروم رہتے ہیں [قاری علی کسائی اور قاری خلف کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''مَطْلِع'' پڑھا جاتا ہے]۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ البینہ مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجائے○ (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے تلاوت کرتے ہیں○ ان میں برحق پختہ احکام لکھے ہوئے ہیں○ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر ان کے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد○ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے عقیدۂ توحید پر قائم رہیں، اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سیدھا دین ہے○ بے شک اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہو گئے اور مشرکین دوزخ کی آگ میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں○

## اہل کتاب ومشرکین کے عناد و ہٹ دھرمی اور بُرے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ البینہ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ﴾ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین (اپنے باطل دین کو) چھوڑنے والے نہیں یعنی یہود و نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے (سرورِ عالم حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا اور بتوں کی عبادت و پوجا کرنے والے کفر کو چھوڑنے اور اس سے جدا ہونے والے نہیں، سو ''اھل الرجل'' کہنے سے ''رجل'' یعنی آدمی اہل کی وجہ سے لوگوں میں خاص ہو جاتا ہے اور اہل اسلام کہنے سے مسلمان اہل کی وجہ سے دیگر مذاہب والوں سے خاص ہو جاتا ہے [''مُنْفَكِّيْنَ'' کے بعد ''عَنِ الْكُفْرِ'' محذوف ہے کیونکہ ''الذین'' کا صلہ اس پر دلالت کرتا ہے] ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل اور واضح حجت آجائے اور اس

سے مراد حضور سیّد عالم فخرِ آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اس وقت تک اپنے کفر کو نہیں چھوڑیں گے جب تک سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت و رسالت کے ساتھ ان کے پاس نہیں بھیجا جاتا' پھر جب آپ کو نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا تو بعض لوگ ایمان لا کر مسلمان ہو گئے اور بعض لوگ اپنے کفر پر قائم رہے۔

٢- ﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول (ان کے پاس تشریف لائے) یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے [اور یہ ''اَلْبَیِّنَةُ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ وہ رسول ان کو باطل سے پاک اوراق میں لکھے ہوئے صحیفے (قرآن مجید جو تمام صحیفوں کے علوم و اسرار کا جامع ہے) پڑھ کر سنائے۔

٣- ﴿ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ﴾ ان میں سیدھی باتیں لکھی ہوئی ہیں (یعنی) ان صحیفوں میں (یعنی قرآن مجید میں) مضبوط و مستحکم اور سیدھے احکام لکھے ہوئے ہیں جو حق سچ اور عدل و انصاف بولتے ہیں۔

٤- ﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ ﴾ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے' مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی' چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے بغض و حسد اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا اور ان میں سے بعض لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور یہاں صرف اہل کتاب کا الگ ذکر کیا گیا ہے جب کہ اس سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین دونوں کو جمع کر کے بیان کیا گیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب اہل علم تھے اور مشرکین جاہل و اَن پڑھ لوگ تھے' اور اہل کتاب کی کتابوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا ذکر موجود تھا' لیکن جب یہ اہل علم ہونے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو بھلا جن کے پاس کتاب کا علم نہیں تھا' ان کا کئی گروہوں میں بٹ جانا اس قدر معیوب اور قبیح نہیں' جس قدر اہل علم کا گروہوں میں بٹ جانا معیوب و قبیح ہے۔

٥- ﴿ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا ﴾ اور ان اہل کتاب کو حکم نہیں دیا گیا یعنی تورات اور انجیل میں ﴿ اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾ مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے جب کہ وہ کفر و شرک اور نفاق کے بغیر اپنی بندگی کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہوں گے ﴿ حُنَفَآءَ ﴾ جب کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ پھیرنے والے بغیر کسی تفریق کے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے ہوں گے ﴿ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور یہی دین و ملت ہمیشہ قائم رہنے والی اور مضبوط و مستحکم اور ہر اعتبار سے درست ہے۔

٦- ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ﴾ بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ ⑦ جَزَآؤُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ
رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۠ ⑧ ع ٢٢/٨

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں O ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اس سے راضی ہو چکے یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا O

## نیک اہل ایمان کی فضیلت و برتری اور اچھے انجام کا بیان

۷- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں [قاری نافع مدنی نے ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ "اَلْبَرِیْئَةِ" پڑھا ہے اور دیگر قراء نے (بغیر ہمزہ کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور "نَبِیّ" اور "بَرِیَّةٌ" ان کلمات میں سے ہیں جن کو ہمیشہ تخفیف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اصل کو ترک کر دیا گیا ہے]۔

۸- ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ قائم رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ "عدن" بہ معنی اقامت و دوام ہے ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال قبول فرما کر ان سے راضی اور خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب پا کر اس سے راضی اور خوش ہو گئے ﴿ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾ یہ باہمی رضا اور خوشنودی ہر اس شخص کے لیے ہے جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا اور ارشادِ باری تعالیٰ "خَیْرُ الْبَرِیَّةِ" اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے کہ انسانوں میں سے نیک مسلمان عام فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ "بَرِیَّةٌ" کا معنی ہے: خلق اور یہ "بَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ "بَرٰی" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مٹی اور اگر یہ اسی طرح ہوتا تو عرب کے لوگ اور قراء اس کو ہمزہ کے ساتھ "بَرِیْئَةٌ" نہ پڑھتے۔ علامہ زجاج نے بھی اس کے بارے میں اسی طرح کہا ہے۔

سورۃ الزلزال مدنی ہے — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O — آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ (۱) وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ (۲) وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ (۳) یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ (۴) بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا ؕ (۵) یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ (۶) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ (۷) وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (۸) ع

جب پوری زمین شدید زلزلہ کی وجہ سے تھرتھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے O اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی O اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے O اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی O اس لیے کہ بے شک آپ کے پروردگار نے اسے حکم دیا ہے O اس دن لوگ جدا جدا ہو کر (اپنی قبروں سے) نکلیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے

جائیں O پس جو شخص ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا O اور جو شخص ذرّہ برابر بُرائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا O

## قیامت کے زلزلہ اور حشر برپا کر کے جزاء وسزا کا بیان

نوٹ: سورۃ الزلزال کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ جب پوری زمین شدت کے ساتھ تھرتھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے یعنی شدید زلزلہ کی وجہ سے پوری زمین جھٹکوں سے ہلادی جائے گی جس کے بعد پھر زلزلہ نہیں آئے گا [''زا'' پر فتح کے ساتھ ''زَلْزَالَهَا'' بھی پڑھا گیا ہے' پس ''زا'' مکسور کی صورت میں یہ مصدر ہے اور مفتوح کی صورت میں یہ اسم ہے]۔

۲- ﴿وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ اور زمین سارے بوجھ باہر نکال دے گی (یعنی) قیامت آنے پر زمین اپنے اندر تمام پوشیدہ خزانے اور مُردے باہر نکال دے گی' اور ''اَثْقَال''، ''ثِقْل'' کی جمع ہے اور یہ گھر کے سامان پر بولا جاتا ہے اور گھر کے اندر جو کچھ دفن کیا جاتا ہے' ان دفائن کو گھر کا ''اثقال'' یعنی سامان کہا جاتا ہے۔

۳- ﴿وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا﴾ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا (یعنی) شدید ترین زلزلے کی وجہ سے زمین تھرتھر کانپنے لگے گی اور سخت ترین جھٹکے کھانے لگ جائے گی اور اپنے اندر تمام پوشیدہ چیزوں کو باہر پھینک دے گی اور یہ سب کچھ نفخۂ ثانی کے وقت ہوگا[1] جب شدت کے ساتھ زلزلہ آئے گا اور زمین تمام مُردوں کو زندہ باہر پھینک دے گی' سو اس وقت انسان کہیں گے کہ اسے کیا ہوا ہے؟ کیونکہ اس وقت خوف ناک اور دہشت ناک حالات ان کے سامنے ظاہر ہوں گے جیسا کہ وہ یہ بھی کہیں گے: ''مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا'' (یٰسین:۵۲) ''کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھا دیا''۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ بات کافر انسان کہے گا' کیونکہ وہ حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن رہا مسلمان تو وہ یہ کہے گا: ''هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ O'' (یٰسین:۵۲) ''یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا اور رسولوں نے حق فرمایا O''۔

۴- ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کرے گی یعنی مخلوق اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ اس کے بیان سے مقصود خبروں کا ذکر ہے نہ کہ مخلوق کا ذکر۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دن زمین کو قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور وہ اپنے اوپر کیے گئے نیک و بدعمل کے بارے میں بتائے گی اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر ایک آدمی کے بارے میں گواہی دے گی جو کچھ اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا[2] [''يَوْمَئِذٍ''، ''اِذَا'' سے بدل ہے اور ان دونوں کا ناصب ''تُحَدِّثُ'' ہے]۔

---

[1] قیامت کے دن جب پہلی بار حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو اس وقت شدید زلزلہ آئے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) جس سے زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی' لمبے لمبے درخت اور اونچے اونچے پہاڑ اور ٹیلے زمین دوز ہو جائیں گے اور تمام روئے زمین ہموار چٹیل میدان بن جائے گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا O لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا أَمْتًا O'' (طٰہٰ:۱۰۶-۱۰۷) ''سو وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان بنا دے گا O تم اس میں نہ کوئی کجی دیکھو گے اور نہ اونچ نیچ O''۔

پھر چالیس سال بعد دوبارہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو شدید ترین زلزلہ آئے گا جس سے پوری زمین تھرتھر کانپے گی اور تمام دفینوں اور مُردوں کو باہر پھینک دے گی' اسی کو نفخۂ ثانی کہا جاتا ہے۔ غوثوی

[2] رواہ احمد ج ۲۔ رقم الحدیث: ۸۷۴۳' الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۳' الحاکم ج ۲۔ رقم الحدیث: ۵۳۲' ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۷۳۶۰۔

٥-﴿ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴾ اس لیے کہ آپ کا پروردگار اس کو حکم دے گا یعنی زمین اس بناء پر اپنی خبریں بیان کرے گی کہ آپ کا رب تعالیٰ اس کی طرف الہام کرے گا اور اسے خبریں بیان کرنے کا حکم دے گا۔

٦-﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ ﴾ اس دن تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے مؤقف کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿ اَشْتَاتًا ﴾ جدا جدا اور متفرق ہو کر بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے' وہ امن وسکون میں ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ کالے ہوں گے' وہ پریشان ومغموم اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ لوگ مؤقف سے مختلف گروہوں میں متفرق ہو کر جنتی لوگ جنت کے راستے پر روانہ ہو کر جنت کی طرف اور دوزخی دوزخ کے راستے پر روانہ ہو کر دوزخ کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴾ تا کہ ان کے اعمال دکھائے جائیں یعنی تا کہ انہیں ان کے اعمال پر جزائے خیر یا جزائے شر دکھائی جائے۔

٧-﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾ سو جو شخص ذرہ برابر (یعنی) چھوٹی چیونٹی کے برابر بھی کوئی نیک عمل کرے گا تو اسے دیکھ لے گا یعنی اس نیک عمل کی جزائے خیر دیکھ لے گا [''خَیْرًا'' تمیز ہے]۔

٨-﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ اور جو شخص ذرہ برابر کوئی برا عمل کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور پہلی آیت مبارکہ مؤمنوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

حکایت: اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے تلاوت کرتے ہوئے ''شَرًّا یَّرَهٗ'' کو پہلے اور ''خَیْرًا یَّرَهٗ'' کو اس کے بعد مؤخر کر دیا (یعنی ایک دوسرے کی جگہ پڑھ دیا) تو اس سے کہا گیا کہ تم نے اس کلام کو آگے پیچھے کر دیا ہے' سو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ''خُذَا بَطْنَ هَرْشٰی اَوْ قَفَاهَا فَاِنَّهٗ كِلَا جَانِبَیْ هَرْشٰی لَهُنَّ طَرِیْقٌ'' ہرشی نامی وادی کے نشیب سے چلو یا اس کے بالائی عقب سے' سو وہ یقیناً ہرشی کی دو سمتیں ہیں' ان کے لیے یہی راستہ ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرزدق کے دادا حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تا کہ وہ آپ سے قرآن مجید میں سے کچھ کلام پاک کی تلاوت سنیں تو آپ نے ان کو یہ دونوں آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ سن کر کہنے لگے: ''حَسْبِیْ حَسْبِیْ'' مجھے کافی ہے! مجھے کافی ہے! (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۵۹٦) اور یہ سب سے زیادہ محکم ہیں اور ان کا جامعہ نام رکھا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ١١ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ العادیات مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ
بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ
عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا
فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ

لَخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱/۱۱ ۲۵

قسم ہے تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی!O پھر پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑانے والوں کی!O پھر صبح کے وقت حملہ آور ہونے والوں کی!O سو وہ اس وقت غبار اڑاتے ہیںO اور وہ اس وقت دشمن کی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیںO بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بہت بڑا ناشکرا ہےO اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہےO اور بے شک وہ مال کی محبت میں ضرور سخت (حریص) ہےO تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب اٹھا لیے جائیں گے جو بھی قبروں میں ہیںO اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے ظاہر کر دیا جائے گاO بے شک ان کا پروردگار اس دن (بھی) ضرور خبر رکھنے والا ہےO

## جہادی گھوڑوں کی قسم کے ساتھ انسان کی ناشکری اور مال سے محبت کا بیان

نوٹ: سورۃ العادیات کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾ تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی قسم! ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی جنگ میں کفار سے جنگ کرنے والے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم فرمائی ہے کہ جب وہ تیز دوڑتے ہیں تو ہانپتے ہیں' اور ''ضَبْحٌ'' کا معنی ہے: گھوڑوں کے سانسوں کی آواز جو ان کے دوڑنے کے وقت ان کے سینوں سے برآمد ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے اس آواز کو اپنے الفاظ میں بیان کیا' چنانچہ فرمایا: ''اَحْ اَحْ'' [''ضَبْحًا'' محذوف فعل سے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے' اصل میں ''یَضْبَحْنَ ضَبْحًا'' ہے]۔

۲۔﴿فَالْمُوْرِيٰتِ﴾ اور آگ نکالنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) جیسے حباحب نامی (بخیل) شخص کے گھر میں کمزور اور ہلکی آگ کا نکلنا (کہ کہیں زیادہ آگ کے ظاہر ہونے کی صورت میں مہمان نہ آ جائے) اور یہ وہ آگ ہے جو گھوڑوں کے پتھریلی زمین پر سم مارنے کی وجہ سے پتھروں سے نکلتی ہے ﴿قَدْحًا﴾ اصل میں ''قَادِحَاتٍ'' کے معنی میں ہے کہ اپنے سم پتھروں پر مارنے والے گھوڑے اور ''قَدْحٌ'' کا معنی ہے: کھر یا سم پتھر پر مارنا' اور ''ایراء'' کا معنی ہے: آگ کا نکالنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''قَدَحَ فَاَوْرٰی'' چقماق رگڑا تو اس نے آگ نکالی' اور ''قَدَحَ فَاَصْلَدَ'' اس نے چقماق رگڑا تو چقماق نے آگ نکالے بغیر آواز نکالی [''قَدْحًا'' بھی ''ضَبْحًا'' کی طرح فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳۔﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾ اور صبح کے وقت حملہ کرنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرنے والے گھوڑوں پر سوار مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم!

۵٬۴۔﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ سو وہ غبار اُڑاتے ہیں (یعنی) پس اس صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوڑتے ہوئے غبار اُڑاتے ہیں ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ پھر وہ اس وقت دشمنوں کی جماعتوں میں سے مدمقابل آ کر لڑنے والی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ ''وسط'' بہ معنی درمیان ہے [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بِهٖ'' کی ضمیر غارت گری کی جگہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسلامی فوج دشمن کے لشکر سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ کے درمیان گھس جاتے ہیں یا پھر دشمن کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''وَالْعَادِيَاتِ'' دلالت و رہنمائی کرتا ہے اور ''فَاَثَرْنَ'' کو اس فعل پر معطوف کیا گیا ہے جس کی جگہ پر اسم فاعل رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: ''وَاللَّاتِیْ عَدَوْنَ فَاَوْرَیْنَ فَاَغَرْنَ فَاَثَرْنَ'' قسم ہے ان گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے ہیں! اور سم مار کر چنگاریاں اُڑاتے ہیں! پھر حملہ کرتے ہیں اور غبار اُڑاتے ہیں' اور قسم کا جواب (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ ہے:]

٦- ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴾ بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بڑا ناشکرا ہے یعنی بے شک انسان خصوصی طور پر اپنے رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی بجائے بہت سخت ناشکرا ہے۔ ''كَنُوْدٌ'' بہ معنیٰ ''كَفُوْرٌ'' ہے یعنی بہت ناشکرا۔

٧- ﴿ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴾ اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے یعنی بے شک وہ انسان اپنی اس ناشکری پر خود گواہ ہے کہ وہ اپنے خلاف گواہی دے گا' یا یہ معنیٰ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ناشکری پر گواہ ہے۔ یہ کلام مبارک انسان کی وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے۔

٨- ﴿ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴾ اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے (یعنی) بے شک انسان مال کی محبت کی وجہ سے سخت بخیل ہے' اپنے مال و دولت کو روک کر ذخیرہ کرنے والا اور کنجوس ہے' یا یہ معنیٰ ہے کہ بے شک انسان مال و دولت کی محبت میں بہت قوی اور طاقتور ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی محبت میں نہایت کمزور ہے۔

٩'١٠- ﴿ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب باہر نکالا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ۝ اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ سب ظاہر کر دیا جائے گا یعنی کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ بروزِ قیامت جب قبروں میں سے تمام مُردوں کو زندہ کر کے (حساب و کتاب کے لیے) باہر نکالا جائے گا اور لوگوں کے دلوں اور سینوں میں جو کچھ نیکی اور برائی ہوگی اسے الگ الگ کر کے ظاہر کر دیا جائے گا اور ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا اور یہاں ''مَا'' بہ معنیٰ ''مَنْ'' استعمال ہوا ہے۔

١١- ﴿ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴾ بے شک ان کا پروردگار اس دن بھی ان سے پوری طرح باخبر ہوگا اور وہ انہیں ان کے نیک اعمال پر جزائے خیر اور بُرے اعمال پر سزا دے گا اور یہاں ''يَوْمَئِذٍ'' کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے اعمال و احوال کو خوب جاننے والا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے نیک و بد اعمال پر جزاء و سزا اس (قیامت کے) دن واقع ہوگی۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | اٰيَاتُهَا ١١ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ القارعہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

اَلْقَارِعَةُ ۙ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ ﴿٢﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۗ ﴿٣﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ ﴿٤﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۗ ﴿٥﴾ فَاَمَّا
مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ ﴿٦﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۗ ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ
مَوَازِيْنُهٗ ۙ ﴿٨﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۗ ﴿٩﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۗ ﴿١٠﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿١١﴾ ع

کھڑکھڑانے والی ۝ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ ۝ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ ۝ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے ۝ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے ۝ سو لیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے ۝ تو وہ پسندیدہ زندگی میں مسرور ہوگا ۝ اور لیکن جس شخص (کی نیکیوں)

کے پلڑے ہلکے ہوں گےO تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگاO اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟O وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہےO

## قیامت کے خوف ناک منظر اور جزاء وسزا کا بیان

۱'۲-﴿اَلْقَارِعَةُO مَا الْقَارِعَةُ﴾ کھڑکھڑانے والیO کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟[''اَلْقَارِعَةُ'' پہلا مبتدا ہے اور ''مَا'' دوسرا مبتدا ہے اور ''القارعة'' دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور یہ جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا حق یہ تھا کہ یہ ''مَا الْقَارِعَةُ'' کی بجائے ''مَا هِيَ'' ہوتا لیکن ''القارعة'' کو دوبارہ صرف اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کے حال کی بڑائی بیان کی جائے]۔

۳-﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ یعنی آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور آپ نے اس کو کہاں سے معلوم کرلیا ہے؟

٤-﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔ لوگوں کی کثرت و زیادہ ہونے میں اور منتشر و بکھرنے اور ضعف و کمزوری اور ذلت و حقارت میں اور ہر طرف سے بلانے والے کے پاس بہت جلد پہنچنے میں پتنگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس طرح پتنگے آگ کے پاس بہت جلد اُڑ کر پہنچ جاتے ہیں اور پتنگوں کو ''فراش'' کے نام سے اس لیے یاد کیا گیا ہے کہ وہ اُڑتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں [''يَوْمَ'' فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ''القارعة'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے یعنی ''تَقْرَعُ'']۔

٥-﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ اور (اس دن) پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے یہاں پہاڑوں کو ''عِهْنٌ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ''عِهْنٌ'' کا معنی ہے: مختلف رنگوں کی رنگین اُون کیونکہ پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌO'' (فاطر:۲۷) ''اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ جدا جدا ہیں اور بہت سے پہاڑ گہرے کالے سیاہ ہوتے ہیںO''۔ ''منفوش'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دھنکی ہوئی روئی کے اجزاء بکھر جاتے ہیں' اسی طرح قیامت کے روز پہاڑ بھی مختلف اجزاء اور مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بکھر جائیں گے۔

٦-﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ سولیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے یعنی حق کی اتباع اور پیروی کرنے کی وجہ سے جن کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے۔ ''موازین''، ''موزون'' کی جمع ہے' اور اس سے وہ عمل مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے پاس وزن و قدر و منزلت ہوگی یا یہ میزان کی جمع ہے اور اس کے ثقیل و بھاری ہونے سے اس کا راجح اور زیادہ وزنی ہونا مراد ہے۔

٧-﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ دل پسند زندگی میں ہوگا جس میں زندگی گزارنے والا خوش اور راضی رہے گا یا بذاتِ خود زندگی پسندیدہ خوش و خرم ہوگی۔

۹'۸-﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور جن لوگوں کے پلڑے باطل کی اتباع کی وجہ سے ہلکے ہوں گے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگی' پس اس کا مسکن اور پناہ گاہ دوزخ کی آگ ہوگی اور ''ماوٰی'' کو تشبیہ کے طور پر ''اُمٌّ'' کہا گیا ہے کیونکہ ''اُمٌّ'' (یعنی ماں) بچے کے لیے جائے سکون اور جائے پناہ ہوتی ہے۔

۱۱'۱۰-﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کیا ہے [''هِيَ'' کی ضمیر ''هَاوِيَة'' کی طرف لوٹتی ہے اور سکتہ (ہلکا وقف) کی صورت میں آخر میں ''هَـا'' پڑھا جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و توضیح بیان کی' چنانچہ ارشاد

فرمایا ہے﴿ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ جس کی حرارت وگرمی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔

| | | |
|---|---|---|
| سورۃ التکاثر مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | ایاتہا ۸ رکوعہا ۱ |

سورۃ التکاثر مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸ ع

تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر دیا O یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی O ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لوگے O پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لوگے O ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے (تو غافل نہ رہتے) O بے شک تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے O پھر البتہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ اس کو ضرور دیکھو گے O پھر البتہ اس دن نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا O

## دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہونے پر انسان کی مذمت

۱-﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر رکھا ہے (یعنی) مال و دولت کی کثرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی حرص نے اور اموال و اولاد کی کثرت پر فخر و مباہات کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیا[1]

---

[1] یہ آیت مبارکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس فکر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' اس وقت آپ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" کی تلاوت فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال' اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تو نے کھا لیا اور جس کو فنا کر دیا' یا جس کو تو نے پہن کر استعمال کر لیا' پھر اس کو بوسیدہ کر دیا' یا تو نے اس کو صدقہ کر دیا اور اس کو اپنے لیے آگے بھیج دیا (تا کہ قیامت کے دن کام آئے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲)

ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے سوا جو بھی مال ہے اس کو تم لوگوں کے لیے چھوڑ کر (دنیا سے) جانے والے ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں اور اس کا منہ مٹی کے سوا ہرگز نہیں بھرے گا اور جو آدمی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷)

ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا۔

اس آیت مبارکہ میں کثرت کو طلب کرنے کی مذمت فرمائی ہے لیکن مطلق کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے بلکہ اطاعات' عبادات اور محاسنِ اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا مطلوب ہے اور مال میں کثرت طلب کرنا اگر فسق و فجور کے لیے ہو تو مذموم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن و بہتر ہے' حدیث شریف میں ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲- ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی (یعنی) یہاں تک کہ اس غفلت و دنیاداری کے حال میں موت نے تمہیں گھیر لیا' یا یہ معنی ہے کہ یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھا اور قبروں میں دفن ہونے والے مُردوں کو تم نے گن گن کر دفن کیا۔

۳- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس میں انسان کو کثرتِ اموال و اولاد کے خیال سے روکنا اور اس پر ڈانٹنا اور ناراضگی کا اظہار کرنا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ اپنے آپ پر نظر رکھنے والے عقل مند آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس کا تمام کا تمام مقصدِ حیات صرف دنیا ہو اور وہ اپنے دین کا اہتمام نہ کرے اور نہ اس کی تیاری کرے ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ تم عنقریب قبر میں پہنچ کر جان لو گے' یا تم عنقریب موت کے وقت جس حال پر تم دنیا میں رہے اس کے بُرے انجام کو جان لو گے۔

٤- ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔

٥- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! لفظ ''كَلَّا'' کا دوبارہ تکرار محض انسان کو ڈرانے دھمکانے اور اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿لَوْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جان لیتے [''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی جو کچھ تمہارے سامنے ہو رہا ہے اس کو تم اگر جان لیتے ﴿عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ یقینی علم کے ساتھ یعنی جیسے دوسرے اُمور کو یقینی طور پر جانتے ہو تو تمہیں مال و دولت کی کثرت غافل نہ کرتی' یا یہ معنی ہے کہ اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے تو تم ایسے عمدہ کام کرتے جن کا کما حقہ وصف بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن تم تو جہالت کے سبب گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو۔

٦- ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾ البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے [یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور یہ قسم محض وعید (ڈرانے دھمکانے) کی تاکید کے لیے ہے' ابن عامر شامی اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''تا'' مضموم کے ساتھ ''لَتُرَوُنَّ'' پڑھا جاتا ہے]۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستے میں خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور وہ لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵)

اسی طرح اولاد میں کثرت اگر صرف اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہو تو یہ مستحسن نہیں ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ کی امت میں اضافہ کے لیے ہو تو یہ مستحسن ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے جس کا خاندان بھی اچھا ہے اور وہ بہت خوب صورت بھی ہے لیکن اس کی اولاد نہیں ہوتی' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ پھر دوسری بار آیا' آپ نے پھر منع فرمایا' وہ پھر تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جو ''تکاثر'' مذموم و بُرا ہے' وہ یہ ہے کہ فسق و فجور کے لیے مال و دولت میں کثرت کو طلب کیا جائے اور علم میں زیادتی اور اطاعت اور عبادت میں کثرت اور اخلاقِ حمیدہ میں اضافہ محمود و مستحسن اور بہتر ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۵۸)

۷۔﴿ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ﴾ پھر تم اسے البتہ ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے یعنی ایسا مشاہدہ جو یقین کا عین ہے (بعینہٖ یقین ہے) اور وہ خالص یقین ہے' اور ڈرانے دھمکانے میں سختی کرنے اور خوف دلانے اور ہولناک کرنے میں اضافہ کرنے کے لیے "لَتَرَوُنَّهَا" کو "ثُمَّ" کے ساتھ معطوف کر کے دوبارہ لایا گیا ہے اور پہلے کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اس دوسرے کا تعلق آنکھ اور مشاہدہ کے ساتھ ہے۔

۸۔﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا (یعنی) امن وسکون اور صحت وتندرستی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو کیسے خرچ کر کے فنا کیا' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا جن کی لذتوں نے تمہیں دین اسلام اور اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے سے غافل کر دیا تھا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ماسوا اس رہائش کے مکان کے جس میں وہ سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے پناہ لیتا ہے اور ماسوا اس لباس کے جس کو جسم ڈھانپنے کے لیے پہنتا ہے اور ماسوا روٹی کے ان ٹکڑوں کے جن سے (عبادت کے لیے) قوت حاصل کرتا ہے (اور ماسوا پانی کے جو بقدرِ ضرورت استعمال کرتا ہے) باقی سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا' اور یہ روایت مرفوع بھی بیان کی گئی ہے۔

| آیاتها ۳ رکوعها ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | العصر مکیۃ |
|---|---|---|
| اس کی تین آیات' ایک رکوع ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ | سورۃ العصر مکی ہے |

وَالْعَصْرِ ۙ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ ع ۳ ۲۸

زمانۂ نبوی کی قسم !○ بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے○ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی○

## انسان کی کامیابی کے لیے چار اہم ترین خوبیوں کا بیان

نوٹ: سورۃ العصر مکی ہے یا مدنی ہے۔

۱۔﴿ وَالْعَصْرِ ﴾[۱] اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نمازِ عصر کی قسم فرمائی ہے کیونکہ یہ نمازِ عصر دیگر نمازوں پر فضیلت و برتری رکھتی ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصحف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ" اور درمیانی نماز (یعنی) نمازِ عصر کی حفاظت کرو' اور اس لیے بھی اس کی زیادہ فضیلت ہے کہ اس

[۱] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: بعض مفسرین کے نزدیک "العصر" سے زمانۂ نبوت مراد ہے کیونکہ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذاتِ خود تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں' اسی طرح آپ کا زمانۂ نبوت بھی تمام زمانوں سے افضل واعلیٰ ہے اور بعض دیگر اہل علم حضرات کا قول ہے کہ "العصر" سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کا سارا زمانہ مراد ہے کیونکہ آپ کی حیاتِ مبارکہ سے قیامت تک کا پورا زمانہ گزشتہ تمام زمانوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح عصر سے مغرب تک کا زمانہ پورے دن کے مقابلے میں ہے اور اس کی تصدیق وتائید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ادا کرنے میں زیادہ مشقت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ لوگ دن کے آخر میں اپنی اپنی تجارت اور کاروبار میں بہت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس حدیث مبارکہ سے ہوجاتی ہے جس کو امام بخاری نے حضرت سالم بن عبد اللہ کے ذریعے ان کے والد سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ (اے مسلمانو!) بے شک تمہاری زندگی پہلی امتوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح پورے دن کے مقابلے میں عصر سے مغرب تک کا زمانہ ہے اور اس کی عظمت و فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ مبارک ہے اور آپ کی امت کا زمانہ ہے جو تمام امتوں سے افضل و بہتر ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے ایک دوسری حدیث شریف کی تصدیق و تائید سے یہ قول اسی طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی اور ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○'' (البلد: ۱۔۲) میں آپ کے مکان و مسکن اور شہر کی قسم فرمائی' اور ان دو آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ ''میں اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم اٹھاتا ہوں○اس لیے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں○'' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی جانِ اقدس اور حیاتِ مبارکہ کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا: ''لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ○'' (الحجر: ۷۲) ''(اے محبوب!) آپ کی جان کی قسم! بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں○'' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم! اور آپ کے شہر اقدس کی قسم! اور آپ کی معظم و مکرم جان کی قسم!

علامہ علاؤ الدین علی صوفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق ''العصر'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ مبارک مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی اس طرح قسم فرمائی ہے جس طرح ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○'' میں آپ کے پیدائشی اور اقامتی شہر مکہ مکرمہ کی قسم فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ذریعہ اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ آپ کا زمانہ اقدس دیگر تمام زمانوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

عارف باللہ علامہ صاوی مالکی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''العصر'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ اقدس مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' میں آپ کے مکان و مسکن اور آپ کے شہر کی قسم فرمائی ہے اور ''لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ○'' (الحجر: ۷۲) میں آپ کی مقدس زندگی کی قسم فرمائی' پس اس میں تنبیہ ہے کہ آپ کا زمانہ مبارک تمام زمانوں سے افضل ہے اور آپ کا شہر تمام شہروں سے افضل ہے اور آپ کی حیاتِ طیبہ تمام زندگیوں سے افضل و برتر ہے' اور بعض حضرات کا یہ مؤقف ہے کہ ''العصر'' سے آپ کا اور آپ کی امت کا زمانہ مراد ہے کیونکہ یہ زمانوں کا خاتم اور آخری زمانہ ہے اور یہی سب زمانوں سے افضل و برتر ہے اور اسی کے آخر میں قیامت اور اس کے عجائبات کا ظہور ہوگا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۷۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۳۳۵' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۳۳۱' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی' مصر)

حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

اور سب سے لذیذ و راجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مراد ہے جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ ہے اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت و شرف والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسکن و مکان کی قسم یاد فرمائی اور جیسا کہ ''لَعَمْرُكَ'' میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شانِ محبوبیت کا اظہار ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور اپنے اپنے معاش میں مشغول ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شام (عصر سے مغرب تک) کی قسم فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ''وَالضُّحٰی'' میں فجر کی قسم فرمائی کیونکہ اس میں قدرت کے دلائل ہیں یا اللہ تعالیٰ نے مطلق زمانہ کی قسم فرمائی کیونکہ اس کے گزرنے میں مختلف اقسام کے عجائبات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ بے شک انسان نقصان میں ہے یعنی جنس انسان اپنی تجارت میں سراسر نقصان و خسارے میں ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

۳۔ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کیونکہ انہوں نے دنیا کے عوض میں آخرت کو خرید لیا' سو انہوں نے اپنی تجارت میں نفع حاصل کر لیا اور وہ کامیاب و کامران اور نیک بخت و سعادت مند ہو گئے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت و تاکید کرتے رہے (یعنی) ایسے کام کی تاکید کرتے رہے جو ثابت و برحق اور مبنی برصداقت ہے جس کا انکار جائز نہیں اور وہ سراسر تمام کا تمام خیر و بھلائی پر مشتمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی اتباع و پیروی ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (یعنی) وہ لوگوں کو گناہوں سے بچنے اور عبادات و اطاعات پر قائم رہنے اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا رہتا ہے [''وَتَوَاصَوْا'' دونوں جگہ فعل ماضی ہونے کی بناء پر اپنے سے پہلے ''وَعَمِلُوْا'' فعل ماضی پر معطوف ہے]۔

| (سورۃ الھمزۃ مکیۃ) | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | (رکوعہا ۱) |
|---|---|---|

سورۃ الھمزہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی نو آیات' ایک رکوع ہے

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:
بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ''وَالْعَصْرِ'' سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے جب یہ جہاں حضرت محمد عربی ﷺ کے وجودِ مسعود سے منور ہوا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی اٹل' ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی' جن لوگوں نے دعوتِ محمدی ﷺ کو قبول نہ کیا' وہ اپنی امارتوں' ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود دنیا سے مٹ گئے' نیست و نابود ہو گئے' انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے' لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادیٔ برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا' وہ انسانیت کی آبرو بن گئے' چشم گیتی کا نور' گلشنِ ہستی کی بہار اور فخر روزگار بن گئے' ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاکبازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے' ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوشِ پا کو خضرِ راہ بنانے والے' کاروانِ انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں' انہوں نے اپنی للّٰہیت اور خلوصِ عمل سے انسان کے سرِ افتخار کو بلند کر دیا ہے اس لیے اگر ''والعصر'' سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۳۔ ۶۵۴)

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾
فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

ہر طعنہ زنی کرنے والے چغل خور کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ ضرور توڑ کر ریزہ ریزہ کرنے والی (آگ) میں پھینکا جائے گا O اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ توڑ پھوڑ کر کے ریزہ ریزہ کرنے والی کیا چیز ہے؟ O وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے O جو دلوں پر چڑھ جائے گی O بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی O لمبے لمبے ستونوں میں O

## طعنہ دینے والے چغل خوروں اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کی مذمت

۱- ﴿وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ﴾ ہر زبان طعن دراز کرنے والے کے لیے ہلاکت و تباہی ہے یعنی جو شخص لوگوں کے پیچھے ان کی غیر موجودگی میں ان کے عیب بیان کرتا ہے ﴿لُّمَزَةٍ﴾ عیب جوئی کرنے والا ہے یعنی جو شخص لوگوں کے سامنے ان کی عیب جوئی کرتا ہے اور یہ ''فُعَلَةٌ'' کے وزن پر ہے' جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عیب جوئی کرنا اس بدبخت کی عادت ہے [''وَیْلٌ'' مبتدا ہے جب کہ ''لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ'' اس کی خبر ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیاتِ مبارکہ اخنس بن شُریق کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیاتِ مبارکہ اُمیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیاتِ مبارکہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ ممکن و جائز ہے کہ ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کا سبب خاص ہو اور ان کی وعید و دھمکی عام ہو' تا کہ یہ آیاتِ مبارکہ ہر اس شخص کو شامل ہوں جو اس قبیح و بدترین بُرائی میں مبتلا ہو[1]۔

۲- ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ جس نے مال کو جمع کیا اور اسے گن گن کر ذخیرہ کر رکھا یعنی وہ اپنا مال گن گن کر جمع کرتا رہا تا کہ اس کا یہ مال زمانہ کے مصائب و آلام اور حوادثات میں کام آ سکے [''اَلَّذِیْ''، ''كُلِّ'' سے بدل ہے یا پھر ذم کی بناء پر منصوب ہے اور قاری ابن عامر شامی' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے لیے (میم مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ''جَمَّعَ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ارشادِ باری تعالیٰ ''عَدَّدَهٗ'' کے مطابق ہے]۔

۳- ﴿یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ﴾ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ زندہ و جاوداں رکھے گا' وہ کبھی نہیں مرے گا یا پھر یہ کلام مبارک نیک اعمال اپنانے کے لیے

[1] کفارِ مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرورِ عالم ﷺ سے بغض و عناد رکھتے تھے لیکن ان میں چند ایسے گستاخ و بدباطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی' کچھ ایسے تھے جو پسِ پشت تو غیبت و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے لیکن روبرو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے۔ بعض بدبخت اور بے حیاء ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ یہ آیاتِ مبارکہ انہیں کفار کے بارے میں نازل ہوئیں جو حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام پر زبانِ طعن کھولتے تھے اور ان حضرات کی غیبت و عیب جوئی کرتے تھے' جیسے اخنس بن شریق' امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہم اور اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا اور یہ حکم ہر غیبت کرنے والے کے لیے عام ہے۔
(ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۶' تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

تعریض ہے کہ اسے مال جمع کرنے کی بجائے نیک اعمال کرنے چاہئیں اور بے شک یہ نیک اعمال ہی ہیں جو اپنے ساتھی کو دائمی نعمتوں میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے لیکن رہا مال تو یہ کسی کو ہمیشہ زندہ نہیں رکھ سکتا۔

٤۔﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اسے گمانِ باطل اور خیالِ فاسد سے روکا گیا ہے ﴿ لَيُنۢبَذَنَّ ﴾ البتہ اسے ضرور پھینکا جائے گا جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر ذخیرہ کرتا رہا ﴿ فِي الْحُطَمَةِ ﴾ توڑ پھوڑ کر چورہ چورہ کرنے والی آگ میں جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جو اس میں ڈال دی جائے۔

٥۔﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ چورہ چورہ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ اس کلام مبارک سے دوزخ کی آگ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور اس آگ کی سخت ترین بڑائی کا اظہار کیا گیا ہے۔

٦'٧۔﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے ["نَارُ اللّٰهِ" مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں "هِيَ نَارُ اللّٰهِ" ہے "اَلْمُوْقَدَةُ" اس کی صفت ہے] ﴿ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴾ وہ دلوں پر چڑھ جائے گی یعنی بے شک یہ آگ ان کے پیٹوں میں داخل ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ ان کے سینوں میں پہنچ جائے گی اور ان کے دلوں کے درمیان میں پہنچ کر ان پر چھا جائے گی۔ "اَفْئِدَةٌ"، "فُؤَادٌ" کی جمع ہے اور "فُؤَاد" روح کے متصل دل کے وسط اور درمیان میں ہوتا ہے اور انسان کے بدن میں "فؤاد" سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور انسان کے جسم میں ادنیٰ سی اذیت پہنچنے پر یہ سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے' پھر بھلا جب اس پر دوزخ کی آگ چڑھ جائے گی اور اس پر غالب آ جائے گی اور ہر طرف سے گھیر لے گی تو اس وقت اس کی کیا حالت ہو گی[1] اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دلوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہی دل کفر و شرک اور عقائد باطلہ اور فاسدہ کا مرکز و منبع ہوتے ہیں اور ان پر آگ کے چڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور ان پر چھا جائے گی۔

---

[1] یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی' یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے جو آخر کار بجھ جاتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے' حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے' عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ پر انہتر درجہ زیادہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا اور تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی' پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی' پھر اس کو ایک ہزار سال بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی' پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی و بدبخت داخل ہو گا' پوچھا گیا: یارسول اللہ! شقی (بدبخت) کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے کوئی عبادت و طاعت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

(ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۷۷)

۸- ﴿اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ﴾ یعنی بے شک ان لوگوں پر دوزخ کی آگ یا حطمہ بند کی جائے گی (نہ نکل سکیں گے نہ نجات حاصل کر سکیں گے بلکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

۹- ﴿فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ لمبے لمبے ستونوں میں ہوں گے یعنی ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور دروازوں پر لمبے لمبے مضبوط و پختہ ستون ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن عقل مند' ہوشیار' ذہین و سمجھ دار' خوب آگاہی رکھنے والا' صائب رائے رکھنے والا' بردبار ہوتا ہے' وہ جلد بازی نہیں کرتا' وہ علم والا پرہیز گار ہوتا ہے اور منافق زبانِ طعن دراز کرنے والا' چغل خور' عیب جوئی کرنے والا' لوگوں کو لڑانے والا فسادی ہوتا ہے' وہ کلام میں رطب و یابس ملانے والے شخص کی طرح ہر سنی سنائی باتوں کے ذریعے لگائی بجھائی میں لگا رہتا ہے' وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا [امام حفص کی قراءت میں "فِیْ عَمَدٍ" میں عین اور میم کو مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر کوفیوں کی قراءت میں عین اور میم کو مضموم کے ساتھ "فِیْ عُمُدٍ" پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں اور یہ "عِمَاد" کی جمع ہے' جیسے "اِھَاب" اور "اُھُب" اور "حِمَار" اور "حُمُر" ہے]۔

| | | |
|---|---|---|
| آیاتہا ۵ رکوعہا ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | (۱۰۵) سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ (۱۹) |
| اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | سورۃ الفیل مکی ہے |

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ﴿۵﴾ ع

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ○ کیا اس نے ان کے مکر و فریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا؟ ○ اور اس نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ○ وہ ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے ○ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ○

## کعبہ شریف کی عظمت اور حملہ آور ہاتھی والوں کی ہلاکت کا بیان

۱- ﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اور "اَلَمْ تَرَ" میں استفہام (سوالیہ کلام) کے ذریعے تعجب دلایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی کریم ﷺ کو عرب کے کفر پر تعجب دلایا ہے (کہ عرب کے لوگ اس واقعہ کے مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ابھی تک کفر پر قائم ہیں) حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس عظیم ترین نشانی کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک حبشہ والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور گرفت کے آثار آپ دیکھ چکے ہیں اور اس کے متعلق آپ متواتر خبریں سن چکے ہیں' سو یہ واقعہ آپ کے لیے مشاہدہ کے قائم مقام ہو چکا ہے۔[1]

[1] واضح ہو کہ پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مروی ہے کہ حبشہ (جسے ایتھوپیا کہا جاتا ہے) کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کی طرف سے یمن کے گورنر ابرہہ بن صبّاح نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ایک بہت بڑا قیمتی گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام قلیس رکھا اور اس نے چاہا کہ حج کرنے والے لوگ بجائے کعبہ شریف میں جانے کے صنعاء میں آ کر اس گرجے کا طواف کیا کریں (جب یہ خبر عرب کو پہنچی) تو قبیلہ بنو کنانہ کا ایک آدمی گھر سے روانہ ہو کر صنعاء میں پہنچا اور رات کو گرجا میں ٹھہرا اور اس میں بول و براز کر دیا' پھر اسے آگ لگا دی' جس کی وجہ سے ابرہہ غضب ناک ہو گیا' ایک اور روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ عرب کے چند نوجوانوں نے گرجا میں جا کر آگ جلائی اور ہوا بہت تیز تھی جس کی وجہ سے آگ زبردست بھڑک اٹھی اور سارے گرجے کو جلا دیا' سو ابرہہ نے قسم کھالی کہ وہ کعبہ معظمہ کو ضرور گرا دے گا' پھر وہ ایک بھاری لشکر لے کر حبشہ سے روانہ ہوا' اور اس کے ساتھ ایک ہاتھی تھا' جس کا نام محمود تھا اور یہ ہاتھی بہت قوی و طاقتور اور بہت بڑا تھا اور اس کے علاوہ ابرہہ کے ساتھ مزید بارہ ہاتھی بھی تھے' چنانچہ جب ابرہہ (مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلے پر) مغمّس کے مقام پر پہنچا تو اس کے پاس حضرت عبدالمطلب تشریف لائے اور وادئ تہامہ کے اموال میں سے ایک تہائی مال دینے کی اسے پیش کش فرمائی تاکہ ابرہہ کعبہ معظمہ کو گرائے بغیر واپس لوٹ جائے' سو اس نے انکار کر دیا اور اپنے لشکر کو پیش قدمی کی تیاری کا حکم دے دیا اور محمود نامی ہاتھی کو سب سے آگے رکھا' چنانچہ جب وہ لوگ اس ہاتھی کا منہ حرم شریف کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ جاتا اور کوشش کے باوجود نہ اٹھتا اور جب اس کا منہ یمن کی طرف کرتے تو وہ دوڑ پڑتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ابابیل نامی پرندوں کو بھیج دیا' ہر پرندہ کے ساتھ تین کنکریاں ہوتی تھیں' ایک اس کی چونچ میں اور دو کنکریاں اس کے دونوں پنجوں میں ہوتی تھیں اور یہ کنکریاں مقدار میں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے قدرے چھوٹی ہوتی تھیں (لیکن زخمی کرنے اور کاٹنے میں ایٹم بم کی طرح تیز تھیں)' چنانچہ جس شخص کے سر پر کنکری گرتی تو وہ پورے جسم کو چیرتے ہوئے اس کی مقعد (پاخانہ کی جگہ) سے پار نکل جاتی اور پتھر کی ہر کنکری پر اس شخص کا نام درج ہوتا جس پر وہ کنکری گری' سو تمام لوگ ابابیل کو حملہ آور دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن ان پرندوں کے حملوں کی زد میں آ کر سب کے سب ہلاک ہو گئے اور رہا ابرہہ تو وہ نہ مرا یہاں تک کہ اس کا سینہ اس کے دل کی جانب سے پھٹ گیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقعہ ہو گئی اور ابرہہ کا وزیر ابویکسوم چپکے سے بھاگ نکلا' لیکن ایک پرندہ اس کے سر کے اوپر اس کے اردگرد حلقہ کی صورت میں اُڑتا رہا یہاں تک کہ وہ نجاشی کے پاس پہنچ گیا اور اسے سارا قصہ بیان کیا اور جب وہ یہ قصہ پورا بیان کر چکا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور نبی کریم ﷺ کے شرف و عظمت کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلاف عادت اور خلاف معمول امر (معجزہ) ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں' اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کوئی شعبدہ یا کوئی حیلہ ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا' اسی سال ہمارے محترم و مکرم نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور اس کے کچھ دنوں بعد مکہ مکرمہ میں یہ سورت نازل ہوئی' اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے' وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' نہ ابرہہ ہاتھیوں کے ساتھ فوج لے کر آیا تھا نہ اس کی فوج کے اوپر پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں' ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی اور اس کو نہیں جھٹلایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور مشہور و معروف تھا' لہٰذا یہ واقعہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ظاہر ہوا۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۱۔۹۸۲)

پرندے نے اس کے سر پر کنکری گرادی جس کے سبب وہ نجاشی بادشاہ کے سامنے مر کر گر پڑا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لیے تھے اور حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لینے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی نظر اور دل میں آپ کی ہیبت وعظمت موجزن ہوگئی کیونکہ آپ گورے چٹے' سڈول اور مضبوط قویٰ والے نہایت حسین وجمیل اور بارعب انسان تھے اور ابرہہ کو بتایا گیا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ مکرمہ میں آنے والے قافلوں کے منتظم ہیں' جو میدان میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کو کھانا کھلاتے ہیں' پھر آپ نے اس کے سامنے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو ابرہہ نے کہا کہ آپ کے محترم ومعزز ہونے کے باوجود اب میری نظر میں آپ کی وقعت گر گئی ہے کیونکہ میں تو اس گھر کو مٹانے اور گرانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباء واجداد کا دین ومذہب ہے اور زمانہ قدیم سے تمہاری عظمت وفضیلت کا سبب ہے لیکن آپ کو چند اونٹوں نے اس گھر سے غافل کر دیا ہے جن کو میں نے پکڑ لیا ہے' حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس مقدس گھر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے' وہ عنقریب اس کی ضرور حفاظت فرمائے گا اور اس کو ضرور بچائے گا۔

۲- ﴿ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا (یعنی) ان کے مکروفریب کو ضائع اور نیست ونابود کر دیا' چنانچہ جب کوئی شخص کسی کے مکروفریب کو ضائع اور باطل کر دے تو کہا جاتا ہے: ''ضَلَّلَ كَيْدَهٗ'' اور امراء القیس کے لیے ''اَلْمَلِكُ الضَّلِيْلُ'' کہا گیا کیونکہ اس نے اپنے باپ کی بادشاہی کو ضائع کر دیا تھا یعنی حبشہ والوں نے پہلے قُلّیس نامی عظیم الشان قیمتی گرجا تعمیر کر کے بیت اللہ شریف کے خلاف مکروفریب کیا تاکہ حج کرنے والوں کو بیت اللہ شریف کی بجائے گرجا کی طرف متوجہ کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں آگ بھڑکا کر اسے جلادیا اور ان کے مکروفریب کو ضائع اور نیست ونابود کر دیا' پھر بعد ازاں انہوں نے بیت اللہ شریف کو گرانے اور اسے مٹانے کا ارادہ کر کے دوسری بار اس کے ساتھ مکروفریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر ان کے مکروفریب کو ضائع اور باطل کر دیا۔

۳- ﴿ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرندے بھیج دیئے۔ ''ابابیل'' کا معنی ہے: مختلف ومتفرق جماعتیں' گروہ در گروہ اور جھنڈ کے جھنڈ' اس کا واحد ''اِبَالَةٌ'' ہے' علامہ زجاج نے کہا کہ اِدھر سے اُدھر سے (چاروں اطراف سے) پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اور گروہ در گروہ ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آنے والے۔

٤- ﴿ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ وہ (پرندے) ان پر پتھریلے کنکر مارتے تھے [حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں ''يَرْمِيْهِمْ'' پڑھا گیا ہے' اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر پتھر کے کنکر مارتا تھا' یا اس کا فاعل ''طَيْرًا'' ہے یعنی پرندے ان پر پتھریلی کنکریاں پھینکتے تھے کیونکہ ''طَيْرًا'' اسم جمع مذکر ہے اور یہ صرف معنی کی تاویل پر مؤنث ہے اور ''سِجِّيْل'' سنگِ گل سے معرب ہے اور جمہور مفسرین اسی پر متفق ہیں یعنی پکی اینٹ]۔

۵- ﴿ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا (یعنی) ایسی کھیتی کی طرح جس کو کیڑے کھا جائیں۔

(۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ (۲۹) | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۴ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ قریش مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی چار آیات' ایک رکوع ہے

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍۙ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِۚ ﴿۲﴾ فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ
ع ۱۴ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ ﴿۳﴾ الَّذِيۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾

قریش کو مانوس کرنے کے لیے○ ان کو سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر کی الفت عطا کی گئی○ سو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کیا کریں○ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن عطا کیا○

## قریش کی فضیلت اور عظیم ترین احسان کے سبب انہیں عبادت کا حکم

۱-﴿لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ﴾ قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے۔ اس کا ''فَلۡيَعۡبُدُوۡا'' سے تعلق ہے (یعنی) دو تجارتی سفروں کے لیے قریش کو راغب و مانوس کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کیا کریں[1] [''فَلۡيَعۡبُدُوۡا'' میں حرف ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ اس کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے] یعنی بے شک ان پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر بے حساب نعمتیں ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا' سو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی عبادت نہیں کر سکتے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس ایک عظیم الشان نعمت (یعنی تجارتی سفر کی رغبت دلانے) پر صرف اسی کی عبادت کریں' یہ نعمت ظاہر و عیاں ہے [یا ''لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ'' کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی ''فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ'' (الفیل:۵) سے تعلق ہے] (ترجمہ:) سو اللہ تعالیٰ نے قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے ہاتھی والوں کو ہلاک کر کے کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا یعنی وہ ہلاکت قریش کو رغبت و انس دلانے کے لیے تھی اور یہ اس طرح ہے جس طرح شعر میں تضمین ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بیت اللہ شریف جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کے معنی کا صحیح تعلق اس کے بغیر ہو نہیں سکتا اور ان دونوں سورتوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں بغیر کسی فاصلہ کے ایک سورت قرار دیا گیا ہے اور قاری علی کسائی سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف کو ترک کر کے متصل پڑھنا روایت کیا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کو ہلاک کر دیا جنہوں نے قریش کو رسوا کرنے کا قصد و ارادہ کر لیا تھا تا کہ لوگ (ہلاکت کی) یہ

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرر کو دور کرنا' (۲) نفع عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ نے قریش پر دونوں قسم کے انعامات فرمائے اور چونکہ دفع ضرر' حصول نفع پر مقدم ہے' اس لیے سورۃ الفیل میں ان کے دشمن ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا جو بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا تھا جس کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں ان کی عزت اور وقار تھا اور سورۃ القریش میں ان کو تجارتی سفر کے لیے راغب کرنے کی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسم گرما میں اور موسم سرما میں ان کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا جس کی وجہ سے وہ خوش حال ہو گئے' گرمیوں میں وہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور چونکہ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب و لازم ہوتا ہے' اس لیے فرمایا: چونکہ ہم نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کے رب تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔
(ماخوذ مع تقدیم و تاخیر از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۹-۹۸۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

خبر سنیں تو وہ قریش کا اس طرح احترام کریں جس طرح صاحب فضیلت بزرگ کا احترام کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے ان کے دونوں سفروں میں امن وسکون کا انتظام فرما دیا' چنانچہ کوئی شخص ان پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کی جراءت نہیں کر سکتا تھا (جب کہ دیگر قافلوں کو دورانِ سفر لوٹ لیا جاتا تھا) اور بعض حضرات کا فرمان ہے کہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے قریش کی تجارتی سفر کے لیے ترغیب وتحریک پر تعجب کیا اور جب کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ''اَلْفَتْهُ اِلْفًا وَاِلَافًا'' (فعل لازم سے) بولا اور پڑھا جاتا ہے' اور قریش حضرت نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جاتا ہے[1]

---

[1] قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے' اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے' ارشاد ہے:

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں' نہ ہم اپنی ماؤں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ ہم اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت و پاک دامنی اور اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی پر ناز ہے۔

دوسرا ارشاد ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد کو اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرما لیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلائی۔ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) قریش میں نہیں ہوتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۷۱)

قریش کے فضائل: (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک لوگ دین میں قریش کے تابع ہیں' مسلمان مسلمان کے تابع ہیں اور کافر کافر کے تابع ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ خیر اور شر (یعنی نیکی اور بدی) میں قریش کے تابع ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹)

(۳) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین اسلام بارہ خلفاء تک مسلسل غالب رہے گا' وہ تمام خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۱)

(۳) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا' اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱)

(۴) حضرت ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات وجوہ سے قریش کو فضیلت دی ہے: (۱) میں قریش میں ہوں (۲) نبوت ان میں ہے (۳) حجابت ان میں ہے (۴) زمزم سے پانی پلانے کا منصب ان میں ہے (۵) اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی (۶) انہوں نے دس سال اللہ سبحانہ کی عبادت کی' اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی عبادت نہیں کرتا تھا (۷) اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق قرآن مجید کی ایک سورت نازل فرمائی' پھر آپ نے سورۂ قریش کی تلاوت فرمائی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۷۵' المکتبۃ العصریۃ' کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷)

(نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۷' نیز تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۴۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱) اور اہل عرب نے ان کا یہ نام قریش سے تصغیر کی بناء پر رکھا ہے اور قریش سمندری جانوروں میں سب سے بڑا اور طاقتور جانور ہے (جو مقابلہ میں ہمیشہ غالب رہتا ہے' مغلوب نہیں ہوتا) اور وہ کشتیوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور انہیں الٹا دیتا ہے اور اسے صرف آگ کے ذریعے پکڑا جا سکتا ہے' اور یہ تصغیر تعظیم کے لیے ہے اور اہل عرب نے اس قبیلہ کا قریش نام اس لیے رکھا ہے کہ یہ قبیلہ بڑا طاقتور اور مخالفین کی گرفت کرنے میں بہت سخت تھا اور اپنی حفاظت و دفاع میں بہت ہوشیار تھا' اس لیے اسے سمندری طاقتور اور غالب رہنے والے قریش نامی جانور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (۲) بعض حضرات نے کہا ہے کہ قریش بہ معنی کسب (یعنی کمانا) ہے کیونکہ قریش کے لوگ اپنی تجارت اور مختلف ممالک کے سفر کے ذریعہ خوب کماتے تھے' اس لیے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔

۲- ﴿اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ ان کو سردیوں میں اور گرمیوں میں تجارتی سفر کے لیے راغب کیا گیا ہے [پہلے "ایلاف" مطلق بیان کیا گیا' پھر دو سفروں کے ساتھ مقید "ایلاف" کو اس سے بدل بنایا گیا تاکہ "ایلاف" کے عمل کے لیے تعظیم کا اظہار ہو جائے اور اس میں عظیم الشان نعمت کی یاد دہانی ہو جائے اور "رِحْلَةَ" کا نصب "اِيْلٰفِهِمْ" کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر ہے اور اس سے "رِحْلَتَيِ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ" مراد ہے اور التباس و اشتباہ سے امن ہونے کی بناء پر مفرد ذکر کیا گیا ہے] اور قریش کے لیے دو تجارتی سفر تھے کیونکہ سردیوں میں وہ یمن کی طرف تجارت کے لیے سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے' سو اس لیے وہ سفر کے لیے بہت آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور ان کے سفروں میں امن ہوتا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرم شریف کے پڑوس میں رہنے والے اور اس کے متولی تھے' اس لیے ان کا تعاقب نہیں کیا جاتا تھا اور جب کہ ان کے علاوہ دوسرے قافلوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا جاتا تھا۔

۴،۳- ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ۝ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور انہیں خوف سے امن و سکون بخشا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں تجارتی سفروں کے ذریعے سخت بھوک میں کھانا کھلایا اور انہیں خوش حال کر دیا جب کہ ان تجارتی سفروں سے پہلے وہ سخت بھوک و افلاس میں مبتلا رہتے تھے' اور انہیں ایک بہت بڑے خوف سے امن و سکون عطا فرمایا اور وہ اصحاب فیل (یعنی ہاتھی والوں) کا خوف تھا یا انہیں شہروں میں اغوا ہونے کے خوف سے اور دورانِ سفر لوٹ مار کے خوف سے امن عطا فرمایا' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ایک دفعہ قریش مکہ کو سخت قحط سالی اور خشک سالی کا شکار ہونا پڑا تھا یہاں تک کہ انہوں نے مردار کھایا اور ہڈیاں جلا کر کھائیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جذام کی بیماری کے خوف سے امن بخشا' سو اس لیے جذام کا مرض ان کے شہر میں نہیں پہنچا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سہولتیں اور نعمتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں۔

| | | |
|---|---|---|
| آیاتہا ۷ رکوعہا ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | (۱۰۷) سورۃ الماعون مکیۃ (۱۷) |

سورۃ الماعون مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی سات آیات' ایک رکوع ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝۵ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝۶ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝۷ ع

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے O سو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے O اور وہ مسکین کو کھانے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا O سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں کو بھولنے والے ہیں O وہ جو دکھاوا کرتے ہیں O اور عام برتنے والی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے O

## کافروں اور منافقوں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورۃ الماعون کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱ تا ۳- ﴿ أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی کیا آپ نے اس شخص کو پہچان لیا ہے جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہ کون ہے؟ اگر آپ نے اس کو نہیں پہچانا ﴿ فَذَٰلِكَ ﴾ تو وہ جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہی ہے ﴿ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴾ جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی وہ یتیم کو سختی کے ساتھ اور اذیت دے کر بہت زور سے دھکے دیتا ہے اور وہ اسے بدسلوکی کے ساتھ ڈانٹ کر بہت بُرے طریقے سے واپس لوٹا دیتا ہے[۱] ﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴾ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی) وہ اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ جزاء کے جھٹلانے کے علم کو نیکی سے روکنا اور کمزور کو اذیت دینے کا اقدام قرار دیا گیا ہے یعنی اگر وہ جزاء پر ایمان لاتا اور عذاب پر یقین رکھتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے ڈرتا اور یتیم کو دھکے دینے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کے عمل پر جراءت نہ کرتا لیکن جب یہ اقدام کر لیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یقیناً جزاء کو جھٹلانے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متصل منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

۴ تا ۷- ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴾ سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں O وہ جو ریاکاری اور دکھاوا کرتے ہیں O اور عام استعمال کی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے یعنی ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو تنہائی میں اور پوشیدہ طور پر نمازیں نہیں پڑھتے کیونکہ وہ نمازوں کو فرض اعتقاد نہیں کرتے اور وہ اعلانیہ اور لوگوں کے سامنے ریاکاری اور دکھاوے کے

---

[۱] شانِ نزول: علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے ابوجہل مراد ہے' جو ایک یتیم بچے کا وصی اور سربراہ مقرر کیا گیا' چنانچہ ایک دفعہ وہی یتیم بچہ ابوجہل کے پاس کپڑوں سے عاری اور برہنہ آیا اور ابوجہل سے نئے کپڑوں کا سوال کیا تو ابوجہل نے اسے ڈانٹا اور دھکے دے کر مایوس کر دیا' قریش کے سرداروں نے بچے سے کہا کہ ابوجہل کے پاس (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سفارش کے لیے لے جا۔ اس سے ان کا مقصد استہزاء اور مذاق اُڑانا تھا' کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سائل کو محروم نہیں لوٹاتے تھے' اس لیے آپ اس یتیم کے کہنے پر اس کے ساتھ سفارش کے لیے ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے' ابوجہل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر (مجبوراً تعظیم کے لیے) کھڑا ہو گیا اور آپ کے سفارش کرنے پر یتیم کو بہت سامال دے دیا۔ قریش کے سرداروں نے ابوجہل کو شرم و عار دلائی اور کہا کہ تو صابی (بے دین) ہو گیا ہے' ابوجہل نے کہا: بخدا! میں صابی نہیں ہوا' دراصل بات یہ ہوئی کہ میں نے ان کے (یعنی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام) ساتھ ان کے اردگرد نیزے ہی نیزے بردار دیکھے اگر میں ان کی بات نہ مانتا تو وہ نیزے بردار مجھ پر نیزوں سے حملہ کر دیتے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۵۷۹' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

لیے نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے آپ کو صورت اور ظاہر کے اعتبار سے نمازیوں کی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور ان میں شامل ہو کر اپنے آپ کو نمازی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں اور وہ ان نمازوں کے ساتھ اپنے پروردگار کے قرب و رضا کا ارادہ نہیں کرتے اور نہ وہ فرض کی ادائیگی کا اعتقاد رکھتے ہیں' سو وہ یوں ہی اٹھتے بیٹھتے اور جھکتے اور سیدھے ہوتے رہتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فرائض ادا کر رہے ہیں اور وہ زکوٰۃ اور اس کی منفعت کو روکتے ہیں۔

حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''عَنْ صَلَاتِهِمْ'' فرمایا اور ''فِيْ صَلَاتِهِمْ'' نہیں فرمایا کیونکہ ''عَنْ'' کا معنی ہے کہ وہ نمازوں سے غافل ہو چکے ہیں' اس غفلت کی وجہ سے انہوں نے نمازوں کو ترک کر دیا ہے اور ان کی توجہ نمازوں کی طرف کم ہو گئی ہے اور یہ پکی اور سخت غفلت منافقوں کا فعل ہے جب کہ ''فِيْ'' کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ سے یا نفس امارہ کے اُکسانے کی وجہ سے ان پر غفلت عارضی طور پر طاری ہو جاتی ہے اور اس غفلت سے کوئی مسلمان خالی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر نماز میں عارضی طور پر بھی سہو لاحق ہو جاتا تھا تو بھلا دوسرے لوگ اس سے کیسے خالی رہ سکتے۔

اور ''يُرَاءُوْنَ'' باب مفاعلة ''مُرَاءَاةٌ'' سے ماخوذ ہے اور یہ ''اِرَاءَةٌ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ ''مُرَائِي'' (دکھاوا کرنے والا) لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے جس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے عمل پر تعجب کرتے ہیں اور فرائض کو ظاہر کر کے ادا کرنے والا ریاکار نہیں ہوتا کیونکہ فرائض کا حق ہے کہ انہیں اعلانیہ ادا کیا جائے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''وَلَا غُمَّةَ فِيْ فَرَائِضِ اللّٰهِ'' اور اللہ تعالیٰ کے فرضوں میں اخفاء نہیں اور اخفاء نوافل میں بہتر ہوتا ہے' پھر اگر کوئی شخص نفلی عبادت کو اس لیے اعلانیہ ادا کرے تاکہ اس کی پیروی کی جائے تو یہ بھی بہتر ہے اور ''ماعون'' سے زکوٰۃ مراد ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''ماعون'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جو لوگوں کے عرف و عادت میں ایک دوسرے سے استعمال کے لیے مانگ کر لی جاتی ہے مثلاً ہانڈی' ڈول' بالٹی' چمچہ' کف گیر' نمک' مرچ' جگ' گلاس وغیرہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ''ماعون'' سے پانی' آگ' نمک وغیرہ مراد ہیں۔

| سورۃ الکوثر مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۳ رکوعہا ۱ |
|---|---|---|
| سورۃ الکوثر مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی تین آیات' ایک رکوع ہے |

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣ ع ۳۳

بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ○ سو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور قربانی کرتے رہیں ○ بے شک آپ کا دشمن ہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے ○

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وفضیلت اور آپ کے دشمن کی مذمت کا بیان

۱-﴿اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ (اے محبوب!) بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمادی ہیں۔ ''کَوْثَر''، ''فَوْعَل'' کے وزن پر ''کثرۃ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: بے حد زیادہ اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ کوثر سے جنت میں ایک عظیم الشان نہر مراد ہے جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور دودھ سے زیادہ سفید ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے اور مکھن سے زیادہ نرم ہے' اس کے کنارے زبرجد کے ہیں اور اس کے برتن چاندی کے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر (بہت زیادہ خیر وبھلائی) مراد ہے' سوان سے کہا گیا کہ بے شک لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے' تو آپ نے فرمایا: جنت کی وہ نہر بھی خیر کثیر میں سے ہے[1]

---

[1] واضح رہے کہ کوثر کے متعلق بہت سے اقوال بیان کیے گئے ہیں اور درحقیقت ان اقوال میں جو کمالات اور انعامات ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کو عطا فرمادیے ہیں' اس لیے مفسرین کرام نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں۔ قارئین کرام کے ذوق وشوق کے لیے انہیں یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) جنت میں ایک نہر ہے جس کو کوثر کا نام دیا گیا جو آپ کو عطا فرمائی گئی ہے' چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج) جنت میں داخل ہوا تو میں نے اچانک ایک نہر دیکھی جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے' جس کے دونوں کناروں پر بے شمار موتیوں کے خیمے نصب تھے' سو میں نے پانی کے بہنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ مارا تو اس سے مشک کی خوشبو مہکنے لگی' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

(۲) حوضِ کوثر مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں' جو شخص ایک دفعہ اس کا پانی پی لے گا تو کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر مراد ہے اور جنتی نہر اور حوضِ کوثر اسی میں شامل ہیں۔

(۴) آپ کی اولاد یعنی اہل بیت اطہار مراد ہیں کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادگان کے وصال کے بعد آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا' چنانچہ آپ کے شاہزادگان حسنین کریمین اور ان کی اولاد واقارب کو بے دریغ شہید کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج پوری دنیا سادات کرام سے بھری پڑی ہے' مگر بنوامیہ کا کوئی نام ونشان نہیں رہا' نیز اہل بیت پاک میں اکابر علماء پیدا ہوئے جیسے حضرت امام محمد باقر' حضرت امام جعفر صادق' حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۵) حضور کی امت کے علمائے اسلام مراد ہیں' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ'' میری امت کے علمائے دین (منصب تبلیغ میں) بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی طرح ہیں کہ دین اسلام کے احکام کی نشر واشاعت اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں اور ذکر رسول سے محبت کرتے ہیں۔

(۶) حضور سیّد عالم ﷺ کی نبوت ورسالت مراد ہے کیونکہ آپ کی نبوت ورسالت کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے' اور یہ قول حضرت عکرمہ کا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٢- ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے (یعنی) پس آپ اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے جس نے آپ کو یہ کوثر (بے شمار خوبیاں) عطا فرما کر عزت و شرافت بخشی اور سب پر فضیلت و بزرگ عنایت فرمائی اور آپ کو مخلوق کے احسانات سے محفوظ رکھا اور آپ کی اس قوم کو ذلیل و پست کر دیا جو غیر خدا کی عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿وَانْحَرْ﴾ اور آپ اسی کی رضا کے لیے اور اسی کا نام مبارک لے کر قربانی کرتے رہیے اور آپ جب بھی قربانی دینے لگیں تو بت پرستوں کی طرح جانوروں پر بوقتِ ذبح بتوں کا نام لینے کے بجائے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے برعکس آپ صرف اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لے کر قربانی کیا کریں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (٧) حضرت حسن بصری نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید مراد ہے جو تمام جہان والوں کے لیے سرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔

(٨) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوثر سے قلب مصطفےٰ ﷺ کا نور مراد ہے۔

(٩) کوثر سے حضور فخر عالم ﷺ کے فضائل کثیرہ مراد ہیں جن کے ساتھ آپ کو متصف کر کے بھیجا گیا ہے۔

(١٠) کوثر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین کی کثرت مراد ہے۔

(١١) کوثر سے علم و حکمت مراد ہے کیونکہ سورۃ النساء میں آپ کے علم کو فضل عظیم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو خیر کثیر فرمایا گیا ہے۔

(١٢) کوثر سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہ اقتصادیات' معاشیات' اخلاقیات' معاملات' عبادات' عقائد و نظریات اور حقوق و فرائض غرضیکہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا جامع دین ہے۔

(١٣) حضرت الحسین بن الفضل نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید کو آسان کرنا اور احکامِ شریعت میں تخفیف کرنا مراد ہے۔

(١٤) مقام محمود مراد ہے جہاں آپ حمد الٰہی بجالانے کے بعد شفاعت فرمائیں گے۔

(١٥) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن خلق مراد ہے۔

(١٦) ابن کیسان نے کہا: کوثر سے ایثار و قربانی مراد ہے۔

(١٧) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت و بلندی مراد ہے۔

(١٨) ھلال بن سیاف نے کہا کہ کوثر سے کلمہ توحید و رسالت ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' مراد ہے۔

(١٩) کوثر سے تمام دینوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرما دیں اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

(٢٠) امام ثعلبی نے کہا: کوثر سے آپ کے معجزات مراد ہیں جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(٢١) دین کی فہم و فراست اور اس کی بصیرت مراد ہے۔

(٢٢) پانچ فرض نمازیں مراد ہیں۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٢٤۔ ٢٢٥' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ٨ ص ٤٩٨۔ ٥٠١' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٩٧٨ء' تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ١٠٠١۔ ١٠٠٥' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

حضرت صدر الافاضل مراد آبادی لکھتے ہیں:

اور (اللہ تعالیٰ نے حضور کو) فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا' حسن ظاہر بھی دیا' حسن باطن بھی' نسب عالی بھی' نبوت و رسالت بھی' کتاب بھی' حکمت بھی' علم بھی' شفاعت بھی' حوضِ کوثر بھی' مقامِ محمود بھی' کثرتِ امت بھی' اعدائے دین پر غلبہ بھی' کثرتِ فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائیں جن کی نہایت نہیں۔

(تفسیر خزائن القرآن ص ١٠٨٤' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور۔ کراچی)

۳۔﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور خیر و بھلائی سے محروم ہے (یعنی) بے شک آپ کی قوم میں سے جس نے آپ سے محض اس بناء پر بغض و عناد اور کینہ رکھا کہ آپ ان کے مشرکانہ عقائد و نظریات کی مخالفت کرتے ہیں تو بلاشبہ وہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے اور آپ نہیں۔ کیونکہ قیامت تک مسلمانوں میں جس قدر مسلمان اولاد پیدا ہوتی رہے گی وہ سب آپ کی اولاد ہیں اور آپ کے (تبلیغی مشن میں) جانشین ہیں اور قیامت تک آپ کا ذکر مبارک منبروں پر اور ہر عالم دین کی زبان پر جاری و ساری اور بلند سے بلند ہوتا رہے گا اور ہر عالم و ذاکر قیامت تک جب اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کرے گا تو اس کے بعد متصل آپ کا ذکر اور آپ کی ثناء و تعریف کرتا رہے گا اور آخرت میں آپ کو اس قدر بے شمار شانیں، عظمتیں، فضیلتیں اور نعمتیں ملیں گی، جو وصف و بیان میں نہیں آ سکتیں، پس آپ جیسے عظیم الشان پیغمبر کو ''اَبْتَر'' نہیں کہا جا سکتا اور نہ کہا جائے گا کیونکہ ''اَبْتَر'' تو صرف آپ کا دشمن ہے جسے دنیا اور آخرت میں بھلا دیا جائے گا اور اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

شانِ نزول: بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عاص بن وائل کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی کیونکہ (جب آپ کے صاحبزادگان ایک ایک کر کے انتقال کر گئے تو) عاص بن وائل نے آپ کو ''ابتر'' کہا کہ آپ کا سلسلہ نسل ختم ہو گیا تو اس موقع پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی (جس کی پہلی آیت میں حضور کی فضیلت و عظمت بیان کی گئی اور دوسری آیت میں آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا گیا اور اس آخری آیت میں عاص بن وائل کی مذمت بیان کی گئی) اور ''ابتر'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے انتقال کے بعد سلسلۂ نسل باقی نہ رہے (جسے پنجابی میں اوتر کہا جاتا ہے) [''اَلْاَبْتَرُ''، ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''هُوَ'' ضمیر فصل ہے]۔

| سورۃ الکافرون مکیۃ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ | آیاتہا ۶ رکوعہا ۱ |
|---|---|---|
| سورۃ الکافرون مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی چھ آیات، ایک رکوع ہے |

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے کافرو!○ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو○ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں○ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو○ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں○ تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے ہے○

## کافروں اور ان کے معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اعلان

۱۔﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے کافرو! اس آیت مبارکہ میں مخصوص کافروں کو خطاب کیا گیا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قریش مکہ کے ایک گروہ نے حضور سے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے دین کی پیروی اختیار کرلیں اور ہم آپ کے دین کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں' ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرتے رہیں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرتے رہیں گے' سو حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہراؤں' انہوں نے کہا: پس آپ ہمارے بعض معبودوں پر اپنا ہاتھ مبارک مس فرمالیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور ہم آپ کے معبود کی عبادت شروع کر دیں گے' سو اس موقع پر یہ سورتِ مبارکہ نازل ہوئی' چنانچہ آپ صبح سویرے مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور اس میں قریش کے سردار موجود تھے تو آپ نے یہ سورت ان کو پڑھ کر سنائی اور وہ مایوس ہو گئے۔

۲-﴿ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو یعنی میں موجودہ زمانہ حال میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

۳-﴿ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ ﴾ اور نہ تم اس وقت (زمانہ حال میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو ﴿ مَآ اَعْبُدُ ﴾ جس کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ وعز برھانہ۔

٤-﴿ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴾ اور نہ میں آئندہ (زمانہ مستقبل میں) ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے رہتے ہو۔

۵-﴿ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴾ اور نہ تم آئندہ (زمانہ مستقبل میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں' اور لفظ ''مَـا'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے صفت مراد ہے یعنی میں باطل کی کبھی عبادت نہیں کروں گا اور تم حق کی عبادت نہیں کرو گے یا لفظ ''مَا'' ذکر کیا گیا ہے تا کہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں اور پہلے کلام (یعنی ''لَا اَعْبُدُ مَـا تَـعْبُدُوْنَ'') میں لفظ ''مَا'' کی بجائے لفظ ''مَنْ'' لانا صحیح نہیں اور دوسرے کلام (یعنی ''وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ'') میں لفظ ''مَنْ'' کو لانا صحیح ہے اور لفظ ''مَا'' بہ معنیٰ ''اَلَّذِیْ'' ہے۔

٦-﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴾ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے (یعنی) تمہارا کفر و شرک تمہارے لیے ہے اور میرا عقیدۂ توحید میرے لیے ہے [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''وَلِیَ'' پڑھا جاتا ہے ][1]

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس وقت حضور نبی کریم ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: اے ابن مسعود! تھوڑا سا قرآن مجید سناؤ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''قُلْ یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ'' پڑھ کر سنائی' پھر آپ نے دوبارہ ان سے فرمایا کہ تم دوسری رکعت میں سورتِ اخلاص پڑھ کر سناؤ تو حضرت ابن مسعود نے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ کر سنائی' پھر جب ابن مسعود نے سلام پھیرا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابن مسعود! اب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تمہارا سوال قبول کر لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

---

[1] جب کہ قاری ابو عمرو' ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی وغیرہم کی قراءت میں ''یا'' ساکن کے ساتھ ''وَلِیْ'' پڑھا جاتا ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۲۵۷)

سورۃ النصر مدنی — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ — آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ النصر مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی تین آیات ایک رکوع ہے

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ
أَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے ○ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ گروہ در گروہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ○ تو آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ (اس کی) تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے' بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ○

## دین اسلام کے غلبہ کی بشارت

۱- ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔ ''نصر'' سے امداد و اعانت اور دشمنوں پر غلبہ پانا مراد ہے اور ''فتح'' سے شہروں اور ملکوں کو فتح کرنا مراد ہے اور اس کا (ایک) معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عرب پر یا قریش پر مدد کی گئی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا' یا (دوسرا) یہ معنی ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جنس نصرت اور مطلق فتح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے عرب میں کفر و شرک کے تمام شہروں اور ملکوں کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کو نصرت و مدد عطا فرمائے گا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایامِ تشریق میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی [''اِذَا'' کا عامل ''سَبِّحْ'' ہے جس کی وجہ سے ''اِذَا'' منصوب ہے اور یہ مستقبل کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قبل از وقت اس کے ساتھ فتح و نصرت کی اطلاع دینا نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے]۔

۲- ﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں یعنی جب آپ کو آپ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت مل جائے اور شہر اور ملک فتح ہو جائیں اور یمن والوں کو دیکھیں کہ وہ بڑے بڑے گروہوں کی صورت میں ملت اسلام میں داخل ہو رہے ہیں جب کہ اس سے پہلے لوگ دین اسلام میں ایک ایک اور دو دو کر کے داخل ہوتے رہے [''یَدْخُلُوْنَ''' 'النَّاسَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اس بناء پر کہ ''رَاَیْتَ'' بہ معنی ''اَبْصَرْتَ'' ہے یا بہ معنی ''عَرَفْتَ'' ہے یا پھر ''یَدْخُلُوْنَ''' 'رَاَیْتَ'' کا دوسرا مفعول ہے اس بناء پر کہ ''رَاَیْتَ'' بہ معنی ''عَلِمْتَ'' ہے اور ''اَفْوَاجًا''' 'یَدْخُلُوْنَ'' کے فاعل سے حال ہے اور ''اِذَا'' کا جواب ''فَسَبِّحْ'' ہے]۔

۳- ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ سو آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ حَامِدًا لَّہٗ'' کہا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے' میں اسی کی حمد و ثناء کرنے والا ہوں' یا آپ اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھا کریں ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ اور آپ تواضع و عاجزی اور کسر نفسی کے لیے اس سے مغفرت و بخشش طلب کیجئے یا آپ استغفار کرنے پر ہمیشہ قائم رہیں[1] ﴿إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیشہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے' اور یہاں لفظ ''کَانَ'' بہ معنی ''لَمْ یَزَلْ'' ہے یعنی ہمیشہ۔

[1] واضح رہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے سرور انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو استغفار کا حکم کیوں دیا؟ سو اس کے متعلق علامہ سیّد محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آیاتھا ۵ سورۃ اللھب مکیۃ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سورۃ اللّھب مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ‏ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ‏ ﴿۲﴾ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖ ۚ‏ ﴿۳﴾ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ‌ ۚ‏ ﴿۴﴾ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے○ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے کوئی فائدہ پہنچایا○ عنقریب وہ سخت شعلے مارنے والی آگ میں داخل ہوگا○ اور اس کی بیوی بھی' لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی○ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا ہوگا○

## ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کا بیان

۱۔ ﴿تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ﴾ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ ''تباب'' کا معنی ہلاکت ہے اور اسی سے عرب کا یہ قول ہے کہ ''اَشَابَّۃٌ اَمۡ تَابَّۃٌ'' کیا وہ نوجوان ہے یا بوڑھا ہے؟ یعنی بڑھاپے کی وجہ سے ہلاک ہونے والا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابولہب' سرور انبیاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر میں درج ذیل چند حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مراتب میں ترقی کرتے رہتے ہیں' چنانچہ جب آپ ترقی کر کے پہلے سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے ہیں۔

(۲) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ کے عالی شان منصب و مرتبہ کے اعتبار سے آپ کی نظر مبارک میں خلاف اولیٰ ہوتا۔

(۳) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ سے سہواً صادر ہوا ہوتا اگرچہ وہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہوتا۔

(۴) آپ اپنی امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تاکہ آپ کی امت آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کیا کرے۔

(۵) آپ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرتے: ''اَیۡ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ لِاُمَّتِكَ'' یعنی آپ اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔

(۶) آپ کی عبادت اگرچہ تمام عابدین کی عبادتوں سے بلند و برتر ہوتی تھی لیکن آپ اپنی عبادت کو کما حقہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان اور اس کی جلالت و کبریائی کے لائق نہیں سمجھتے تھے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنی عبادت کو کم تر خیال فرما کر شرم و حیاء محسوس کرتے ہوئے استغفار کرتے رہتے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سورت مبارکہ کی تلاوت کو سنا تو رونے لگ گئے اور فرمایا کہ کمال زوال کی دلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت مبارکہ کے نزول کے بعد دو سال تک ظاہری حیات مبارکہ کے ساتھ زندہ رہے' اس کے بعد آپ وصال فرما گئے۔

کو پتھر مارنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو پتھر اٹھا کر مارنے لگا (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو روک دیا) ﴿وَّتَبَّ﴾ اور وہ ہلاک ہو جائے (یعنی) وہ تمام کا تمام ہلاک ہو جائے' تباہ و برباد ہو جائے یا اس کے دونوں ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے والا قرار دیا گیا ہے اور اس سے اس کے پورے وجود کا ہلاک ہو جانا مراد ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ" (الحج:۱۰) "یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے" اور "وَتَبَّ" کا معنی ہے: اور وہ ہلاک ہو گیا' جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

جَزَانِی جَزَاهُ اللّٰهُ شَرَّ جَزَائِهٖ جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

اس نے مجھ سے بدلہ لیا' اللہ تعالیٰ اس کے بُرے بدلہ کا بدلہ لے جیسے بھونکنے والے کتوں سے بدلہ لیا جاتا ہے اور بے شک وہ کر چکا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس پر قوی دلیل ہے جس میں "وَقَدْ تَبَّ" پڑھا گیا ہے۔

مروی ہے کہ جب "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O" (الشعراء:۲۱۴) اور (اے محبوب!) آپ اپنے سب سے زیادہ قریبی قبیلہ والوں کو ڈرسنائیں O" نازل ہوئی تو حضور سیّد عالم ﷺ صفا نامی پہاڑ پر چڑھ گئے اور آپ نے بہ آوازِ بلند اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکارا تو ہر طرف سے آ کر لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے بنی عبد المطلب! اے بنی فہر! اگر میں تمہیں یہ خبر سناؤں کہ بے شک اس پہاڑ کے پیچھے گھڑ سواروں کا بہت بڑا حملہ آور لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم ضرور تصدیق کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو سنو! بے شک میں تمہیں قیامت آنے سے پہلے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہوں (کہ اگر تم نے کفر و شرک ترک نہ کیا تو تم خدا کے شدید عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے) چنانچہ ابولہب نے یہ بات سن کر کہا کہ تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ تو اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تھی[1]

اللہ تعالیٰ نے نام کی بجائے ابولہب کہہ کر کنیت کے ساتھ ذکر فرمایا حالانکہ کنیت میں تعظیم و تکریم ہوتی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ابولہب اپنے نام کی بجائے کنیت کے ساتھ بہت مشہور و معروف تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نام سے کراہت کی اور اسے ناپسند کرنے کی بناء پر نام کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس کا نام عبد العزیٰ تھا (یعنی عُزیٰ بت کا بندہ) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ابولہب کا انجام بھڑکتی شعلے مارنے والی آگ تھا' اس لیے کہ لہب کا معنی آگ کا شعلہ ہے تو اس طرح اس کی کنیت اس کے حال کی ترجمان ہو گئی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ھا" ساکن کے ساتھ "اَبِیْ لَھْبٍ" ہے]۔

۲۔ ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾ نہ اس کے مال نے اس کو فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا [پہلا حرف "مَا" نافیہ ہے اور دوسرا "مَا" موصولہ مرفوع ہے یعنی اس کا مکسوب (کمایا ہوا مال) یا "مَا" مصدریہ مرفوع ہے] یعنی اس کا کسب (کمانا) یعنی جو مال اسے اس کے باپ کی طرف سے وراثت میں ملا' اس نے اسے کوئی نفع نہیں پہنچایا اور جو مال اس نے بذاتِ خود کمایا اس نے بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دیا' یا یہ معنی ہے کہ نہ اسے اس کے پرانے موروثی مال نے فائدہ دیا اور نہ اس کے اپنے حاصل کردہ نئے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "مَا كَسَبَ" سے ابولہب کی اولاد مراد ہے' مروی ہے کہ ابولہب کہا کرتا تھا کہ اگر میرا بھتیجا (حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ) جو کچھ کہتا ہے وہ سچ اور حق ہے تو میں اپنی جان چھڑانے کے لیے اپنا مال اور اپنی

[1] صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸

اولاد بطور فدیہ دے دوں گا۔

۳۔﴿سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ﴾[۱] عنقریب وہ شعلے مارنے والی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور سین وعید (یعنی ڈرانے دھمکانے کے لیے) ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ضرور ہوگا اور ہر حال میں ابولہب بھڑکتی ہوئی آگ میں ضرور داخل ہو گا اگرچہ اس کا وقت مؤخر ہے [ابوبکر کوفی کی روایت سے البرجمی نے ''سَیُصْلٰی'' (فعل مضارع مجہول یعنی ''یا'' مضموم کے ساتھ) پڑھا ہے]۔

---

[۱] حضرت ابورافع بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا' حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا' اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا' اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے' اسی بیماری میں وہ مرگیا' اس کے جسم سے سخت بدبو آرہی تھی' تین دن تک اس کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی' لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا: تم کو شرم وحیاء نہیں آتی' تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی لاش سے بدبو پھیل رہی ہے اور تم اس کو دفن نہیں کرتے' انہوں نے کہا: ہم ڈرتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگانے سے کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے' اس نے کہا: تم اس کو دفن کرو' میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔ حضرت ابورافع نے کہا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! انہوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے۔ نعوذ باللہ منہ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۰' بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۲۔۳۵۳)

گستاخِ رسول کی سخت مذمت: جب کسی شریف اور مہذب انسان کو کوئی شخص بُرا کہے یا گالی دے تو وہ صبر کرتے ہوئے برداشت کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے عزیز دوست یا اس کے محبوب کو کوئی بُرا کہے تو پھر وہ ضبط نہیں کرتا اور ایک کی دس سناتا ہے' چنانچہ جب ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب کا دفاع کیا اور فرمایا: اے محبوب! آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور آخری عیب یہ بیان فرمایا کہ وہ بداصل ہے یعنی ولد الحرام ہے۔

اسی طرح کسی معزز شخص کے محبوب کو کوئی بُرا کہے تو وہ اس کی بھی مذمت کرتا ہے اور اس کے متعلقین کی بھی مذمت کرتا ہے کہ تم ایسے ہو اور تمہاری اولاد ایسی ہے اور تمہاری بیوی ایسی ہے۔ اسی طریقے پر جب ابولہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود ہلاک ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا بھی ہلاک ہوگیا اور آخرت میں وہ دونوں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور اس کی بیوی بھی دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جائے گی اور اس کے گلے میں رسّی پڑی ہوگی۔

اس سورت سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگر ہمیں بُرا کہا جائے تو ہم اس پر صبر کریں لیکن اگر کوئی بدبخت حضور نبی کریم ﷺ کو بُرا کہے تو ہم اس پر بالکل صبر نہ کریں اور بُرا کہنے والے کو ایک کی دس سنائیں' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں کی کتابوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین آمیز عبارات تھیں ان پر صبر نہیں کیا اور ایک کی بجائے دس سنائیں' ان کی زبردست تکفیر کی اور ان کے خلاف ''الکوکبۃ الشہابیۃ'' ''تمہید ایمان'' اور ''حسام الحرمین'' وغیرہ لکھیں' اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے موقف پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

٤- ﴿وَّامْرَاَتُهٗ ط﴾ اور اس کی بیوی (بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گی) وہ اُم جمیل بنت حرب ہے اور ابوسفیان کی بہن ہے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی۔ مروی ہے کہ اُم جمیل (اس کا نام اروی تھا) خاردار پودوں اور خاردار لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے اٹھا کر لاتی اور پھر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے راستے میں اس خاردار گٹھے کو پھیلا کر بچھا دیتی تا کہ آپ کو ایذاء اور تکلیف پہنچے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغل خوری میں لگی رہتی تھی اور لوگوں میں عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکاتی رہتی تھی' اور جس شخص نے اُم جمیل کی مذمت کو پسند کیا' اس نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بہترین وسیلہ پیش کیا [اور اسی بناء پر ''اِمْرَاَتُهٗ'' پر وقف کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ''سیصلی'' میں ضمیر فاعل پر معطوف ہے: ''اَیْ سَیَدْخُلُ هُوَ وَامْرَاَتُهٗ'' یعنی عنقریب وہ خود اور اس کی بیوی نارِ دوزخ میں داخل ہوں گے' اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَعْنِیْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' میری مراد گٹھا اٹھانے والی ہے' اس کا سبّ وشتم اور مذمت کے طور پر منصوب ہونا امام عاصم کی قراءت میں ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع (پیش) کے ساتھ ''حَمَّالَةُ الْحَطَبِ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ ''وَامْرَاَتُهٗ'' کی خبر ہے یا پھر ''هِیَ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ'' ہے]۔

٥- ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ اس کے گلے میں کھجور کے چھال سے بٹ دے کر بنی ہوئی رسّی ہے اور ''مسد'' اس رسّی کو کہا جاتا ہے جو سخت طریقے سے بٹی گئی ہو خواہ وہ رسّی کھجور کی چھال سے بٹی گئی ہو خواہ چمڑے سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور چیز سے بُنی گئی ہو اور معنی یہ ہے کہ اس کے گلے میں رسّی ہے جو کھجور کی چھال سے تیار کی گئی ہے اور اُم جمیل خاردار لکڑیوں کا گٹھا تیار کر کے اٹھاتی اور اپنے گلے میں باندھ لیتی جیسا کہ لکڑیاں اٹھانے والے مزدور کرتے ہیں۔ یہ بیان اس کی تحقیر کرنے کے لیے کیا گیا ہے اور بعض لکڑیاں اٹھانے والوں کی صورت میں اس کا ہتک آمیز نقشہ بیان کیا گیا ہے تا کہ وہ خود اس عار والے کام سے ڈرے اور گھبرا جائے اور اس کا خاوند ابولہب بھی عار و شرم محسوس کر کے گھبرا جائے اور ڈر جائے کیونکہ وہ دونوں عزت دار اور مال دار گھرانے سے وابستہ تھے اور بڑے دولت مند اور خوش حال تھے۔

| سورۃ الاخلاص مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ | ایاتہا ۴ رکوعہا ۱ |
| --- | --- | --- |
| سورۃ الاخلاص مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی چار آیات' ایک رکوع ہے |

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ③ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ○ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ○ نہ اس کی کوئی اولاد ہے' اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ○ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے ○

## اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کا بیان

نوٹ: سورۃ الاخلاص جمہور کے نزدیک مکی ہے' بعض کے قول کے مطابق اہل بصرہ کے نزدیک مدنی ہے۔

١- ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے لیے اپنے رب تعالیٰ کا نسب بیان کیجئے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے اور دعوت دیتے ہیں' تو اس موقع پر یہ سورتِ مبارکہ نازل ہوئی یعنی تم نے جس ذاتِ اقدس کے نسب کے متعلق مجھ سے سوال کیا ہے' "ھُوَ اللّٰہُ" وہ اللہ تعالیٰ ہے اور [اس بناء پر "اَحَدٌ" "مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں "ھُوَ (اَحَدٌ)" ہے] یعنی وہ ایک ہے' اب اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محبوب! فرما دیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے اور "اَحَدٌ" بہ معنی واحد ہے اور اس کی اصل "وَحَدٌ" ہے پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ واؤ ایک طرف واقع ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے اور اس کے ایک اور یکتا ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے (کہ دو معبودوں کے فرض کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے) کہ ایک معبود یا تو تمام عالم کی تدبیر میں اور اس کی تخلیق میں کافی ہوگا یا کافی نہیں ہوگا' پھر اگر ایک معبود تمام عالم کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی ہے تو دوسرا معبود بے کار اور فضول ہوگا اور اس کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ دوسرے معبود کے لیے نقص و عیب ہے اور ناقص و عیب دار معبود نہیں ہو سکتا (تو دو معبودوں کا ہونا باطل ہو گیا اور ایک معبود کا ہونا ثابت ہو گیا) اور اگر ایک معبود تمام عالم (جہاں) کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی نہ ہو تو پھر یہ ناقص ہوگا کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مفعول و مصنوع ایک فاعل اور ایک صانع کی طرف محتاج ہو اور ایک فاعل ہی کافی ہو اور ایک کے علاوہ باقی اعداد میں کوئی عدد کسی سے قابل ترجیح اور بہتر و اولیٰ نہیں ہے' سب عدد یکساں ہیں (تو دو معبودوں کی صورت میں دوسرا عدد قابل ترجیح ہو جائے گا ورنہ تیسرا اور چوتھا' پانچواں' چھٹا وغیرہ وغیرہ اعداد معبود کیوں نہیں ہوئے دوسرا کیوں ہوا ہے) سو یہ بات تو اعداد غیر متناہی کے وجود کی طرف لے جاتی ہے اور یہ محال اور ناممکن ہے' پس دو معبودوں کا قول باطل اور محال ہو گیا اور اس لیے بھی کہ دو معبودوں میں سے ایک معبود یا تو اپنے افعال میں سے کسی فعل کو دوسرے معبود سے چھپانے پر قادر ہوگا یا قادر نہیں ہوگا' سو اگر وہ قادر ہے تو دوسرا معبود جس سے کسی فعل کو چھپایا گیا ہے' اس کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور اگر وہ قادر نہ ہوا تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا' اور اس لیے کہ اگر ہم کسی معدوم (غیر موجود) کو ممکن الوجود فرض کر لیں' پھر اگر ان دونوں معبودوں میں سے کوئی بھی اس کے ایجاد کرنے پر قادر نہ ہوا تو ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور عاجز معبود نہیں ہوتا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قادر ہو اور دوسرا قادر نہ ہو تو دوسرا عاجز ہونے کی بناء پر معبود نہیں ہوگا اور اگر وہ دونوں معبود مل کر اس پر قادر ہوں تو پھر اگر وہ معدوم دونوں معبودوں کی باہمی امداد سے موجود و مخلوق ہوا تو ان دونوں میں ہر ایک دوسرے کی امداد کا محتاج ہوگا' سو اس طرح ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور اگر ان دونوں معبودوں میں سے ہر معبود مستقل اس معدوم کے ایجاد کرنے پر قادر ہوا تو پھر جب ان میں سے ایک نے اسے ایجاد کر لیا تو دوسرے معبود کی قدرت اگر باقی ہے تو وہ محال ہے (کیونکہ محل قدرت باقی نہیں رہا) اور اگر اس کی قدرت باقی نہیں رہی تو پھر لازم آئے گا کہ پہلے معبود نے دوسرے معبود کی قدرت زائل کر دی' پس وہ عاجز و مغلوب ہو کر پہلے کی قدرت کے زیر ہو جائے گا' سو وہ معبود نہیں رہے گا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک معبود نے بذاتِ خود کسی مقدور کو ایجاد کر لیا تو اس کی قدرت زائل ہو گئی تو لازم آئے گا کہ اس ایک نے بھی اپنے آپ کو عاجز کر لیا ہے۔

سو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب ایک معبود نے کسی مقدور کو بذاتِ خود ایجاد کر لیا تو بلاشبہ اس کی قدرت نافذ ہو گئی اور جس کی قدرت نافذ ہو جائے وہ عاجز نہیں ہوتا اور لیکن رہا شریک معبود تو اس کی قدرت نافذ نہیں ہوئی بلکہ اس کی قدرت تو غیر کی قدرت کے سبب زائل ہو گئی جس کی وجہ سے وہ عاجز ہو گیا تو ایک معبود صاحب قدرت باقی رہ گیا اور عقیدۂ توحید ثابت

ہو گیا[1] [ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں "هُوَ" ضمیر شان ہے اور "اَللّٰهُ اَحَدٌ" کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے' یہ شان ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: "هُوَ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ" گویا فرمایا گیا کہ شان یہ ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں اور "هُوَ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "اَللّٰهُ اَحَدٌ" جملہ اس کی خبر ہے اور یہ ضمیر عائد کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے قول "زَيْدٌ غُلَامُكَ" کی طرح مفرد کے حکم میں ہے' اس بات میں کہ معنی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور یہ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "اَللّٰهُ اَحَدٌ" یہ "هُوَ" ضمیر شان کی شان ہے تو گویا یہ بعینہٖ ضمیر شان ہے اور "زَيْدٌ اَبُوْهُ مُنْطَلِقٌ" اس طرح نہیں ہے کیونکہ "زَيْدٌ" اور "اَبُوْهُ مُنْطَلِقٌ" کا جملہ دو مختلف معنوں پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں' سو اس لیے ان دونوں کے درمیان رابطہ کے لیے ضمیر عائد ضروری ہے ]۔

۲- ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ یہ "فَعَلٌ" کے وزن پر بہ معنی "مَفْعُوْلٌ" ہے اور ( "صَمَدَ اِلَيْهِ" باب "نَصَرَ يَنْصُرُ" ) سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کا ارادہ کرتا ہے اور "اَلصَّمَدُ" کا معنی ہے: "هُوَ السَّيِّدُ الْمَصْمُوْدُ اِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ" وہ آقا جس کی طرف حاجات کے وقت قصد اور ارادہ کیا جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کو تم پہچانتے ہو اور تم یہ اقرار کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمہارا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی تو ہے جس کی طرف تمام مخلوق رجوع اور قصد کرتی ہے اور تمام مخلوق اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتی جب کہ وہ ان سے مستغنی اور ان سے بے

[1] (۱) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت اور تغیر و تبدل ایک ہی نظام پر چل رہا ہے' چنانچہ سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوتا ہے' اسی طرح چاند اور ستارے بھی ایک ہی نظام کے موافق طلوع اور غروب ہو رہے ہیں' نیز زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور موت ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے' سو اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام بھی متعدد ہوتے' ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں ایک مربوط نظام ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا منتظم اور خالق اور موجد بھی واحد لاشریک ہے۔

(۲) اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے' اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے' صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے' وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم ایک ہوتا ہے' اور جس ملک میں صدارتی نظام ہو' وہاں صدر ایک ہوتا ہے تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں' رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا' سو اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق ہوتا تو اس پر لازم ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا جو آ کر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے' لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا اور ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کا دعویٰ مبنی برحق اور سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم و واجب نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر و بھلائی کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور دوسرا شر و برائی کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں: اللہ تعالیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم' اور مشرکین کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۷)

نیاز ہے۔

۳۔ ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ اس نے کسی کو نہیں جنا اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے' اس لیے کہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں ہے تا کہ اس کے لیے اس کی جنس سے کوئی بیوی ہو اور وہ (میاں بیوی) بچے جنیں' اور اس معنی پر یہ (درج ذیل) ارشاد دلیل ہے: "اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ" (الانعام:۱۰۱) "اس کی اولاد کہاں ہوگی حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے"۔ ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ اور نہ وہ جنا گیا ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ ہر مولود حادث اور جسم والا ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے وہی سب سے پہلے موجود ہے' اس سے پہلے کوئی موجود نہیں کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہوتا تو وہ ضرور حادث ہوتا ورنہ باپ بیٹے کے درمیان واسطہ نہیں رہتا اور اگر وہ حادث ہوتا تو وہ محدث کا محتاج ہوتا اور وہ دوسرے محدث کا محتاج ہوتا اور دوسرا تیسرے کا اور یہ طریقہ تسلسل کی طرف لے جائے گا اور تسلسل باطل ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم کئی اجزاء سے مرکب کا نام ہے' سو اگر اللہ تعالیٰ جسم والا ہو تو پھر وہ مرکب ہوگا اور اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں ہوگا' یا اس کا ہر جز صفاتِ کمال سے متصف ہوگا تو پھر ہر جز معبود ہو جائے گا اور یہ قول فاسد و غلط ہے جیسا کہ دو معبودوں کا قول باطل ہے' یا اس کا ہر جز صفاتِ کمال سے متصف نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف کے ساتھ متصف ہوگا اور وہ حدوث کی علامات میں سے ہے اور وہ بھی محال و ناممکن ہے۔

٤۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ اور اس کا کوئی ہم سر نہیں ہے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے مشابہ اور مماثل نہیں بلکہ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

ایک دفعہ قریش میں سے کفار نے حضور سیّد عالم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر یہ سورت نازل فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے' جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "هُوَ اللّٰهُ" اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے اور ان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بھی شامل ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا عالم ہے کیونکہ کسی چیز کی تخلیق خالق کے علم و قدرت کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ ہر چیز کی تخلیق نہایت محکم و مضبوط اور مربوط و منظم طریقہ پر واقع ہوئی ہے اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ "حَیٌّ" (یعنی ہمیشہ کے لیے از خود زندہ ہے) کیونکہ قدرت و علم کے ساتھ متصف ہونے کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ "حَیٌّ" یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ از خود زندہ ہو' اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع' بصیر' مرید اور متکلم وغیرہ تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہو کیونکہ اگر وہ ان صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف نہیں ہوگا تو ان کی اضداد (برعکس صفات) کے ساتھ موصوف ہوگا اور وہ نقائص ہیں اور یہ حدوث کی علامات ہیں' پس ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا محال اور ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کا حدوث کے ساتھ موصوف ہونا محال ہے اور ناممکن ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ "اَحَدٌ" میں اللہ تعالیٰ کے لیے وحدانیت کے ساتھ انصاف اور شرک کی نفی بیان کی گئی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام معدومات کے ایجاد و تخلیق کرنے میں منفرد و یکتا ہے اور وہ تمام مخفیات (پوشیدہ چیزوں) کے علم کے ساتھ متوحد اور اکیلا متصف ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "اَلصَّمَدُ" میں یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور بے نیاز ہے اور کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور جب کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہے تو وہ غنی اور بے نیاز ہوا' سو اس لیے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہر چیز اس کی محتاج ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "لَمْ يَلِدْ" میں مشابہت اور مجانست کی نفی کی گئی ہے کہ کائنات میں کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم شکل اور ہم جنس نہیں ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "وَلَمْ يُوْلَدْ" میں

اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز مماثل ومشابہ نہیں اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے مماثل ومشابہ کی نفی زمانہ ماضی میں کی گئی ہے جو زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل ومشابہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور کفارِ عرب زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل ومشابہ کا دعویٰ کرتے ہیں تو بے شک وہ اپنی سرکشی میں گمراہ ہو گیا ہے اس لیے کہ جب زمانہ ماضی میں اللہ تعالیٰ کے مماثل ومشابہ اور اس کے مساوی وہم پلہ کوئی نہیں ہوا تو واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زمانہ حال میں بھی بطریق اولیٰ اس کی مثل اور مساوی کوئی نہیں ہے کیونکہ حادث کسی زمانہ میں قدیم کے مماثل اور مساوی نہیں ہو سکتا اور کفار کے کلام کا حاصل اشراک وتشبیہ اور تعطیل کی طرف لوٹتا ہے اور یہ سورتِ مبارکہ ان تمام باتوں کا رڈ کرتی ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں[1]

[1] سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا اور شرک کا رڈ کیا ہے' اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب اور قدیم ماننا اور اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا اور اسے مستحق عبادت ماننا شرک ہے' اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ اہل سنت وجماعت' صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں یا اسنادِ مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں' جیسے حضرت ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبریل کی آواز سنی تو کہا: ''اَغِثْ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ خَیْرٌ'' اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳)

یا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: ''اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّاO'' (مریم: ۱۹) ''بے شک میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوںO''۔

جب حضرت جبریل بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسنادِ مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے' ورنہ حضرت ہاجرہ اور حضرت جبریل کو بھی مشرک قرار دینا ہو گا۔ العیاذ باللہ! مخالفین اس قسم کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت وجماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں' نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے یا ان کی عبادت کرتے تھے' بلکہ قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ (یعنی فرشتوں) کی' جنات کی' ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے' مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

''وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَO وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَO'' (الزخرف: ۱۹۔ ۲۰) ''اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کی عبادت کرنے والے ہیں عورتیں قرار دیا' کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعلق باز پرس کی جائے گیO اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیںO''۔

اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[سیبویہ نے اس آیت مبارکہ میں ظرف ''لَـهٗ'' کی تقدیم کو مستحسن قرار دیا ہے جب یہ ظرف مستقر ہو یعنی خبر واقع ہو رہی ہو کیونکہ جب اس کی ضرورت ہوئی تو اسے مقدم کیا گیا تا کہ پہلی مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ کلام میں خبر واقع ہو رہی ہے کوئی زائد اور اضافی معمول نہیں ہے اور اس ظرف کی تاخیر کو مستحسن قرار دیا جب یہ ظرف لغو ہو یعنی زائد معمول ہو (منصوبات میں سے ہو) کیونکہ تاخیر کے مستحق فضلات (زوائد معمولات) ہوتے ہیں اور رہا یہ کہ فصیح ترین کلام پاک میں ظرف کو مقدم کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام پاک ذاتِ باری تعالیٰ سے مشابہت و مماثلت کی نفی کرنے کے لیے چلایا گیا ہے اور اس معنی کا منبع و مرکز یہی ظرف ہے اور ابو عمرو ''اَحَدٌ'' پر وقف کو پسند کرتے تھے اور وصل کو پسند نہیں کرتے تھے اور عبد الوارث نے کہا کہ ہم نے قراء کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور جب اسے وصل کے ساتھ پڑھا جائے گا تو اس وقت اس پر تنوین کی بجائے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

''وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○'' (الانعام: ۱۰۰) ''اور انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بغیر علم کے ان کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا لیا' اللہ تعالیٰ ان کی بیان کی ہوئی صفات سے پاک اور بہت بلند ہے○''۔

''وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا'' (الصّٰفّٰت: ۱۵۸) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا''۔

مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں سے کوئی چیز صالح انسان نہیں ہے' قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔

مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے' ان کی نذر کو ایصالِ ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے' ہمارے نزدیک نذر اللہ تعالیٰ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفاء دے دی تو میں تیری رضا کے لیے اتنا طعام صدقہ کروں گا' پھر اس طعام کو صدقہ کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۹۔۱۰۴۱)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس سورت ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سے تیری محبت تجھے جنت میں داخل کرے گی۔ (رواہ الترمذی)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضور نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونا چاہتا ہو تو وہ اپنی دائیں طرف سو جائے اور سورت ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ لے تو جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو اپنی دائیں طرف سے جنت میں داخل ہو جا۔ (رواہ الترمذی)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص روزانہ ایک سو (خازن میں ہے کہ دو سو) مرتبہ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' (پوری سورت) پڑھتا رہے گا تو اس شخص کے پچاس سال کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے ماسوا قرض کے۔ (رواہ الترمذی) (ماخوذ: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۷۴' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۵۷)

(۵) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ''قل ھو اللہ احد'' (پوری سورت) کو دس مرتبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لیے جنت میں دو محل اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں تین محلات بنا دے گا' سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم اللہ تعالیٰ کی! پھر تو ہمارے محلات بہت زیادہ ہوں گے' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۷۴)

اس کے نیچے نون مکسور پڑھا جائے گا ("قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ اللّٰهُ الصَّمَدُ" اور "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدُ بِسْمِ اللّٰهِ الخ" پڑھا جائے گا) یا پھر تنوین کو حذف کر دیا جائے گا جیسے "عُزَيْرُ بْنُ اللّٰهِ" (التوبہ: ۳۰) کی قراءت ہے اور حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں "فا" ساکن اور واؤ کی بجائے ہمزہ کے ساتھ "كُفْؤًا" پڑھا جاتا ہے اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کی بجائے واؤ اور "فا" متحرک کے ساتھ "كُفُوًا" پڑھا جائے گا اور باقی قراء کی قراءت میں "فا" متحرک مہموز پڑھا جائے گا]۔

## سورۃ الاخلاص کی تلاوت کے فضائل

(۱) اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے صرف سورۃ الاخلاص کو پڑھ لیا تو بے شک اس نے قرآن مجید کا ایک تہائی (یعنی تیسرا حصہ) پڑھ لیا[۱] کیونکہ قرآن مجید تین مضامین پر مشتمل ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات (۲) اوامر اور نواہی (۳) قصص اور مواعظ' اور یہ سورت صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر مشتمل ہے' سو اس لیے یہ قرآن مجید کی ایک تہائی کو متضمن ہے اور اس حدیث شریف میں علم توحید کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس طرح کیسے نہیں ہوسکتا حالانکہ علم معلوم کی فضیلت کے مطابق فضیلت رکھتا ہے' اور اس علم کا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی صفاتِ مبارکہ ہیں اور جو اس پر جائز ہیں اور جو اس پر جائز نہیں ہے' سو اس علم کے محل کی جلالت وعظمت اور اس کے مرتبہ وشان کی فضیلت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے' اے اللہ تعالیٰ! آپ ہمیں ان لوگوں کے گروہ میں اٹھانا جو تیری معرفت رکھنے والے اور تیری رضا کے لیے عمل کرنے والے اور تیرے ثواب کی اُمید رکھنے والے اور تیرے عذاب سے ڈرنے والے' تیرے دیدار کے ساتھ معزز ومحترم ہونے والے ہیں۔

(۲) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" شریف پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: بے شک واجب ہوگئی' چنانچہ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔[۲]

| سورۃ الفلق مکیۃ ۱۱۳ | بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ | آیاتہا ۵ رکوعہا ۱ |
|---|---|---|
| سورۃ الفلق مکی ہے | اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ | اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے |

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ ع

(اے محبوب!) فرمایئے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ○ اس کی تمام مخلوق کے شر سے ○ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے ○ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے ○ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ○

## سرکشوں کی شرارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورۃ الفلق کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱ رواہ النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۱۱۸

۲ رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۷

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی "فَلَق" سے مراد صبح ہے یا خلق مراد ہے یا یہ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے یا جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے۔

۲۔ ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ مخلوق کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں) یعنی دوزخ کی آگ سے یا شیطان کے شر سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں [اور "مَا" موصولہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یا یہ "مَا" مصدریہ ہے اور "خلق" بہ معنی مخلوق ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مِنْ شَرٍّ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قراءت کی بناء پر "مَا" اپنے فعل سمیت مصدر کی تاویل میں ہو کر محلاً مجرور ہوگا اور "مِنْ شَرٍّ" سے بدل ہوگا یعنی اس کی مخلوق کے شر سے یا شریر مخلوق سے یا "مَا" زائدہ ہے]۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن مسعود پر انکارِ معوذتین کے الزام کی تحقیق

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو قرآن مجید میں شمار نہیں کرتے تھے جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا' اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہیں تھیں' لہٰذا علمائے اسلام نے اس کے چند جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) یہ حضرت ابن مسعود پر جھوٹا الزام ہے۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

وہ قرآن جو اس وقت شرقاً غرباً تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے' اس میں سورۂ فاتحہ سے لے کر معوذتین تک جو مصاحف میں بیان کیا گیا ہے' وہ سب اللہ تعالیٰ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے' جس شخص نے اس میں سے ایک حرف کا بھی انکار کیا وہ کافر ہے' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ ان کے مصحف میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھیں سو وہ جھوٹ ہے' موضوع (من گھڑت روایت) ہے صحیح نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت زر بن حبیش' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین موجود تھیں۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۳۲' مسئلہ: ۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں واضح دلیل ہے کہ معوذتان قرآن مجید میں سے ہیں اور جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا ہے اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۸۲' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کتب قدیمہ میں یہ منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس مسئلہ میں بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے پر نقل متواتر حاصل تھی اور حضرت ابن مسعود کو اس کا علم تھا اور پھر انہوں نے اس کے قرآن ہونے کا انکار کیا تو یہ انکار ان کے کفر کو یا ان کی عقل کی کمی کو واجب کرے گا اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں ان کے قرآن ہونے پر نقل متواتر نہیں تھی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصل میں قرآن مجید نقل متواتر سے ثابت نہیں ہے' اس سے قرآن مجید یقینی حجت اور مستحکم دلیل نہیں رہے گا' اس لیے ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ مذہب منقول ہے یہ نقل کاذب (جھوٹی) ہے اور باطل ہے اور اسی بات سے اس اشکال کا حل نکل سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۹۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳-﴿ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴾ اور رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا ہر طرف چھا جائے۔ ''غَاسِقٍ'' کا معنی ہے: رات جب اس کا اندھیرا اور تاریکی بہت سخت ہو جائے اور ''وَقَبَ'' کا معنی ہے کہ اس کا اندھیرا ہر چیز میں داخل ہو جائے اور کوئی چیز رات کے اندھیرے سے خالی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھوں کو پکڑا اور چاند کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر' سو بے شک یہ اندھیرا لانے والا ہے جب یہ ڈوبے' اور اس کا ''وقوب'' یعنی ڈوبنا گہن میں داخل ہونا اور اس کا سیاہ ہونا ہے۔

٤-﴿ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴾ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔ ''نَفَّاثَات'' (مؤنث اس لیے ہے کہ اس) سے عورتیں مراد ہیں یا نفوس (اشخاص) مراد ہیں یا پھر جادو کرنے والی عورتوں کی جماعتیں مراد ہیں جو دھاگوں میں گرہ لگاتی ہیں اور وہ ان پر پھونکیں مارتی ہیں اور وہ منتر وغیرہ پڑھتی ہیں۔ ''نفث'' کا معنی ہے: لعاب کی آمیزش کے ساتھ پھونک مارنا' اور یہ آیت مبارکہ واضح دلیل ہے کہ جادو کے تحقق اور اس کے اثر کے ظہور کا انکار کرنے والے معتزلہ کا قول باطل اور غلط ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم شریف کی حدیث: ۸۱۴ میں اس پر واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور حضرت ابن مسعود سے جو اس کے خلاف منقول ہیں وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس شخص نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا' اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شیخ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے' صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان دو سورتوں کے جزء ہونے کے قائل نہیں' یہ غلط ہے' اس لیے کہ انہوں نے اپنے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھول جانے کا خطرہ تھا اور ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے اور بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کو یاد تھیں اور ان کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں۔ (تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۶۳۸' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

(۲) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور شرح المواقف میں مذکور ہے کہ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے بارے میں بعض صحابہ کرام کا اختلاف اخبار احاد سے مروی ہے' جو صرف ظن و گمان کا فائدہ دیتی ہیں اور مکمل قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے منقول ہے جو یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور یقین کے مقابلہ میں ظن و گمان ختم ہو جاتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے اور غیر معتبر ہوتا ہے' سو اس لیے ان اخبار احاد کو غیر معتبر و کالعدم قرار دے کر ان کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۹' مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(۳) اس میں تو کلام نہیں کہ یہ سب اخبار احاد ہیں' علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار احاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار احاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بداہت عقل کے خلاف نہ ہوں' اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵- ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی جب اس کے حسد کا ظہور ہو اور وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے کیونکہ جب تک حسد ظاہر نہیں ہوگا تو اس کا ضرر اور نقصان حاسد کی طرف سے اس شخص پر وارد نہیں ہوگا جس پر حسد کیا گیا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان دے گا' اس لیے کہ حاسد اپنے غیر کی مسرت وخوشی پر غمگین ہو جائے گا اور اپنے غیر کے پاس خیر وبھلائی پر افسوس کرے گا' اور تمام مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے بعد اس کے علاوہ دیگر چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا' اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ ان دیگر چیزوں کا شر بہت زیادہ سخت ہے اور اس سورت مبارکہ کو حسد پر اس لیے ختم کیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حسد بھی شر ہے اور یہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے آسمان میں ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور زمین میں قابیل کی طرف سے اسی حسد کی بناء پر نافرمانی کی گئی' اور بے شک جن چیزوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے ان میں سے بعض کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور بعض کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے' چونکہ ہر جادو بُرا ہے' سو اس لیے ''اَلنَّفّٰثٰتِ'' کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور ''غَاسِقٍ'' اور ''حَاسِدٍ'' کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ہر ''غاسق'' میں بُرائی نہیں ہوتی بلکہ بعض میں شر اور بُرائی ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر حاسد مضر اور نقصان دِہ نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات حسد محمود اور پسندیدہ ہوتا ہے جیسے نیکی اور خیر وبھلائی کے کاموں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانش مندی نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے' آپ کا شمار اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور کی زیارت' خدمت میں حاضری' ارشادات رسالت کو سننا' ان کو یاد رکھنا اور قرآن مجید کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا' ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہیں چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ کرام نے اپنے کانوں سے اسے سنا' یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش' ہر نماز حضور کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کریم کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔ علامہ سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے: (ترجمہ) طبرانی نے اوسط میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئیں اور وہ معوذتین ہیں۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرما دیا۔

(۴) ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ (دونوں سورتیں) محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جملے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا تو وہ بھی دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۲۰۔۷۲۱)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اور فقہائے اسلام نے کہا ہے کہ اب معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے اور شاید کہ حضرت ابن مسعود نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۹۔۷۲۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود کے رجوع کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے خود حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنانے میں سبقت کرنے کے لیے حسد (یعنی رشک) کرنا۔

(۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱)    بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○    اٰيَاتُهَا ۶ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الناس مکی ہے    اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○    اس کی چھ آیات' ایک رکوع ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ع

(اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ○ تمام انسانوں کے بادشاہ کی ○ تمام انسانوں کے معبود کی ○ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ کر دبک جانے والے کے شر سے ○ جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے ○ جنوں اور انسانوں میں سے ○

## سرکشوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورۃ الناس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان سورتوں کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے ان کو پڑھا' سو تم بھی ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۵' بحوالہ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے' لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا' وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے' مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ (یعنی ان کو پڑھ کر دَم کرنا) اور علاج تھا' معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی ہیں یا نہیں' اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اُس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے' خلاف احتیاط ہے' اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآنِ متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں (بلکہ رجوع کر لیا ہو) اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواترِ قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ از: تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۸۰۴' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

[1] اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں (الفلق اور الناس) ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری' عطاء' عکرمہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا' حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' لیکن حضرت قتادہ' ابو صالح اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم' نیز ان کے علاوہ علمائے اسلام کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں' اس لیے مرفوع احادیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے' ایک مرفوع حدیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی میں ان کے مربّی اوران کے مُصلح کی پناہ لیتا ہوں جوان کی تربیت فرمانے اوران کی اصلاح کرنے والا ہے۔

۲۔﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے مالک کی (میں پناہ لیتا ہوں) جوان سب کا مالک وخالق ہے اوران کے تمام معاملات کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

۳۔﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے معبود کی (میں پناہ لیتا ہوں) جوان کا اصل اور برحق معبود ہے'اور اللہ تعالیٰ نے مضاف الیہ ''اَلنَّـــاس'' کے اظہار کے لیے ایک دفعہ ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا (بلکہ تین دفعہ ذکر فرما کر اس کا اظہار فرمایا ہے) کیونکہ ''مَلِكِ النَّاسِ'' اور ''اِلٰهِ النَّاسِ'' کا ارشادِ باری تعالیٰ ''رَبِّ النَّاسِ'' کا عطف بیان ہے'اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو (مجازی طور پر) ''رَبُّ النَّاسِ'' اور ''مَالِكُ النَّاسِ'' کہا جاتا ہے'لیکن رہا ''اِلٰـهِ النَّاسِ'' تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے'اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ بہرحال بیان کے لیے عطف بیان گویا اظہار کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ اضمار کا'اور اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے'لیکن رب کی اضافت ونسبت خاص کر ''الناس'' کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ انسان کی فضیلت وشرف کا اظہار کیا جائے[1]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جسے مسلم'ترمذی'نسائی اوراحمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ فرماتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ آيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ' اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' یعنی کیا تمہیں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی' وہ ''اعوذ برب الفلق'' اور ''اعوذ برب الناس'' ہیں۔

حضرت عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی' یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث مبارکہ جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شانِ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغوی'نسفی' بیہقی اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ (یعنی کتب عظیمہ) میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا اس وقت جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ بن عامر کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۱۹)

[1] اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں انسانوں کے رب تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک' مربّی اور مصلح ہے'اس میں تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے'اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود برحق کا ذکر فرمایا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں' عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے' وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے' وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے' پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَلِكِ النَّاسِ'' (الناس: ۲) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے' اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے' اس نے ارشاد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) -

اور اس لیے کہ انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ طلب کرنا واقع ہوا' سو گویا کہا گیا ہے کہ میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے ان کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو ان پر ان کے تمام اُمور و معاملات کا مالک و منتظم ہے اور وہی ان کا ''اِلٰـہ'' اور معبود برحق ہے' اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ پہلی آیت مبارکہ میں ''النّاس'' سے اطفال (یعنی بچے) مراد ہیں اور اس پر ربوبیت کا معنی (پرورش کرنا) دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور دوسری آیت مبارکہ میں ''النـاس'' سے شباب (یعنی نوجوان) مراد ہیں ''مَلِكِ'' سیاست (یعنی ملکی تدبیر و انتظام) سے آگاہ کرنے والا' اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تیسری آیت مبارکہ میں ''الـنـاس'' سے شیوخ (یعنی عمر رسیدہ بزرگ) مراد ہیں' اور لفظ ''اِلٰہ'' عبادت و بندگی کی خبر دینے والا اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور پانچویں آیت مبارکہ میں ''النـاس'' سے صالحین مراد ہیں کیونکہ شیطان اپنے اغوا و دھوکا اور وسوسہ کے ذریعے انہیں راہِ حق سے روکتا ہے اور چھٹی آیت مبارکہ میں ''النـاس'' سے فساد پھیلانے والے لوگ مراد ہیں کیونکہ اس کا عطف معوذ منہ پر ہے۔

٤- ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں)' یہ اسم بہ معنی وسوسہ ہے جیسے ''زلـزال'' بہ معنی زلزلہ ہے لیکن مصدر کی صورت میں پہلی واؤ مکسور کے ساتھ ''وِسْوَاس'' پڑھا جائے گا جیسے ''زِلْزَال'' ہے اور اس سے شیطان مراد ہے' اس کو مصدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گویا شیطان بذاتِ خود وسوسہ ہے کیونکہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا اس کا شغل ہے جس پر وہ ہمیشہ جھکا رہتا ہے یا پھر اس سے ''ذُو الْوَسْوَاسِ'' مراد ہے' جس کا معنی ہے: وسوسہ ڈالنے والا اور وسوسہ کا معنی ہے: پوشیدہ آواز ﴿الْخَنَّاسِ﴾ پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا۔ یہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یہ ''خـنـوس'' کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانا' جیسے ''عَوَّاجٌ'' (ہاتھی دانت بیچنے والا) اور ''بَتَّاتٌ'' (موٹا کپڑا بیچنے والا) ہے اس لیے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پیٹھ پھیر کر مڑ جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر شیطان واپس لوٹ آتا ہے اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

٥- ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو انسانوں کے سینوں میں اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [یہ اسم موصول ''خَنَّاسِ'' کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے یا پھر ذم و شتم کی بناء پر مرفوع یا منصوب ہے اور ان دونوں صورتوں میں ''اَلْخَنَّاسِ'' پر وقف کرنا بہتر ہے]۔

٦- ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ یہ آیت مبارکہ ''اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ'' کا بیان ہے' یہ اس بناء پر کہ شیطان دو قسم کے ہیں: (۱) جن (۲) انسان' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا'' (الانعام:۱۱۲) ''اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا کہ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف جھوٹی اور بناوٹی باتیں ڈالتے ہیں''۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ کیا تم نے انسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا: ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' (الانعام:۵۷) ''حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے''۔
جب سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے ان کی تربیت اور پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' نیز فرمایا: ''اِلٰـهِ النَّاسِ'' یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے خواہ انسان کسی کی عبادت کرے تمام لوگوں کی عبادت کا مستحق صرف وہی واحد لاشریک ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴)

شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر لی؟
شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا تو آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے پاس دو فرشتے (بعض روایات کے مطابق حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) حاضر ہوئے اور آپ اس وقت نیند کی حالت میں آرام فرما رہے تھے' ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم یہودی نے کیا ہے' پوچھا کہ اس نے آپ پر کس چیز کے ساتھ جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کی کنگھی اور آپ کے چند بال لے کر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں لپیٹ کر ذی اروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیئے گئے ہیں' چنانچہ جب حضور نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر' حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذی اروان کے کنویں کی طرف بھیجا' سو انہوں نے وہاں کنویں کا پانی نکالا اور انہوں نے غلاف نکالا تو دیکھا کہ اس میں آپ کے سر مبارک کے چند بال شریف اور آپ کی کنگھی مبارک کے چند دندانے لپٹے ہوئے تھے اور اس میں چمڑے کا تانت نما ایک دھاگا تھا' جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ میں سوئی چبھوئی ہوئی تھی' سو اس موقع پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ہر آیت پر ایک ایک گرہ کھلتی گئی اور سوئیاں بھی نکلتی گئیں یہاں تک کہ دونوں سورتوں کی تلاوت کے اختتام پر آخری گرہ کھلتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحیح سلامت ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ ہشاش بشاش ہو گئے اور جادو کا اثر زائل ہو گیا[1] (اور کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا)۔
حدیث شریف: ایک روایت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دَم

---

[1] اس جادو سے حضور نبی کریم ﷺ کو کس قسم کی تکلیف ہوتی تھی' اس کے بارے میں تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:
(ترجمہ) یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی' نقاہت بڑھنے لگی اور کمزوری محسوس ہونے لگی' لیکن بہ ظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔
علامہ آلوسی لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا' اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔
کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں' ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو' یا تلاوت قرآن مجید کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو' یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو (ہرگز نہیں) لیکن معتزلہ اور عقل کے جدید و قدیم پرستار جادو کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ ارکان پر سے وثوق و اعتماد اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو' قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو' نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں: ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے' جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔
ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں: ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا' بخار' درد' چوٹ لگنا' دندانِ مبارک کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہوئے یہ پڑھا کرتے تھے: ''بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ، وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ'' (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹) ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میں آپ پر دَم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفاء عطا فرمائے جو آپ کو اذیت و تکلیف دیتی ہے'' اور اسی لیے علمائے اسلام نے کلام اللہ یعنی قرآن مجید اور کلام رسول اللہ یعنی احادیث مبارکہ سے دَم کرنا، تعویذ لکھ کر دینا اور جھاڑ پھونک کرنا جائز قرار دیا ہے اور سریانی، عبرانی اور ہندی وغیرہ کلام سے دَم وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے (جب کہ اس کا معنی اور مفہوم معلوم نہ ہو یا وہ شرکیہ کلمات ہوں) کیونکہ ایسے کلام پر اعتقاد جائز نہیں اور نہ اس پر اعتماد جائز ہے۔[1]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور اُحد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا، یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا۔ شانِ رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا بلکہ آپ کی شانِ رسالت و نبوت معصوم و محفوظ تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے، یا قرآن مجید میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے، یا نماز کے ارکان میں ردّ و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! بطلانِ رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی، لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں، ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ حضور کی صرف صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

(ماخوذ مع الانتخاب از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۲۳۔۷۲۵)

[1] واضح ہو کہ جادو کے کلمات پڑھ کر گرہوں میں پھونک مارنا باطل اور حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول) کا کلام پڑھ کر کسی بیمار پر پھونک مارنا مستحب ہے اور اس کے استحباب میں حسب ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر پر لیٹتے تو آپ اپنی ہتھیلیوں پر ''قل ھو اللہ احد'' اور معوذتین پڑھ کر پھونک مارتے، پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرے مبارک پر ملتے اور ان ہتھیلیوں کو جہاں تک آپ کے ہاتھ مبارک پہنچتے وہاں تک اپنے جسم پر ملتے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب حضور بیمار ہو گئے تو آپ مجھے اس طرح پھونک مار کر اپنی ہتھیلیوں کو ملنے کا حکم دیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایک سفر میں گئے اور عرب کے کسی قبیلہ میں پہنچے انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا: ہماری مہمانی کرو (یعنی ہمیں کھانا کھلاؤ) قبیلہ والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کیا، اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنگ مارا ہوا تھا، انہوں نے اس کے علاج کے بہت جتن کیے لیکن کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، ان میں سے کسی نے کہا: یہ لوگ جو تمہاری بستی میں آئے ہیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفا ہو جائے، سو ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا: اے نو واردوں کی جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈنگ مارا ہے، ہم نے اس کے علاج کی پوری کوشش کر لی لیکن اس کو فائدہ نہیں ہوا، کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں ہے، اللہ کی قسم! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ہم اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال واقوال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم نے جو کام کیے ان کے شر سے بھی اور جو کام نہیں کیے ان کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور اس کے رسول اور اس کے آخری نبی اور اس کے برگزیدہ ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین ناخوش ہوں۔ (التوبہ: ۳۳) اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کامل ترین درود ورحمت نازل فرمائے اور آپ کی آل پر جو لوگوں کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بے شک میں ضرور دَم کرتا ہوں' لیکن اللہ کی قسم! ہم نے مہمانی طلب کی تھی تم نے ہماری مہمانی نہیں کی' لہٰذا اب میں تمہیں دَم کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ تم ہمیں معاوضہ دو' پس انہوں نے بکریوں کے ایک ریوڑ پر صلح کر لی (وہ تیس بکریاں تھیں)۔ (ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲) پھر وہ صحابی گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس سردار پر لعاب آمیز پھونک ماری حتیٰ کہ وہ ایسے ہو گیا جیسے رسی سے (بندھا ہوا) کھل گیا ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی' پھر قبیلہ والوں نے ان کو بکریوں کا ریوڑ دے دیا۔ بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو' دَم کرنے والے صحابی نے کہا: نہیں! حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق معلوم کر لیں' ہم آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے' پھر دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دَم ہے' بہر حال تم نے درست کیا' ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶) بعض روایات میں دم کرنے کی ممانعت ہے' اس سے مراد شرکیہ کلمات پڑھ کر دَم کرنا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۰)

(۳) نیز امام بخاری' امام احمد' ترمذی' ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیّدنا امام حسن اور سیّدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے: "اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ"۔

(۴) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یارسول اللہ! جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے' یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ درد جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو' پھر تین بار بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ"۔

(۵) مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا' حضور نے مجھے دَم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

(۶) مسند امام احمد میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے' میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دَم کیا کرتی تھی' حضور نے فرمایا: شفاء تم یہ دَم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا' پڑھنا سکھایا ہے' نملہ کا دَم بھی سکھا دو۔
(مسند امام احمد' ابوداؤد' نسائی)

(۷) صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے' اب اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دَم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ' جھاڑ پھونک میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے چراغِ ہدایت ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو دارالسلام (جنت) کی چابیاں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا' پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو' سانپ کے کاٹے کو دَم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرمادیا ہے' پھر انہوں نے وہ دَم پڑھ کر سنایا' حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا' تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ ضرور پہنچائے۔ (مسند احمد' صحیح مسلم' ابن ماجہ) (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۶-۷۲۷)

## ختمِ قرآن کے وقت مستحب اعمال کا بیان

(۱) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ قرآن مجید ختم کرتا ہے تو قرآن کے ختم کے وقت اس پر ستر ہزار فرشتے نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۵۵' بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی)

(۲) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان شخص دن کے آغاز میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو شام تک سارا دن فرشتے اس پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص دن کے آخر میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو ساری رات صبح ہونے تک فرشتے اس پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۶' بحوالہ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

(۳) حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ختمِ قرآن کے وقت تلاوت کرنے والے آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک درخت عطا کیا جاتا ہے' جس کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی پرندہ اس کی جڑ سے اس کی بلندی کی طرف اُڑتا رہے تو اس کی شاخوں تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو جائے گا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۷' بحوالہ کتاب التاریخ للخطیب البغدادی)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک قرآن مجید پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے' سو اگر وہ چاہے تو اسے دنیا میں مانگ لے اور اگر چاہے تو اسے آخرت تک مؤخر کردے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۸)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر ختم پر دعا قبول کی جاتی ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۱' بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی محفل کے آغاز میں حاضر ہوا تو وہ گویا مسلمانوں کی فتح میں حاضر ہوا اور جو شخص ختم قرآن کی محفل میں حاضر ہوا تو وہ گویا غنیموں کے احوال میں حاضر ہوا جب انہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۸)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے' بعض احادیث صحیحہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے' اس وقت اپنے اہم کاموں اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۸-۵۹) نیز ابن ابی داؤد نے دو صحیح سندوں کے ساتھ حضرت قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور (اجتماعی) دعا کرتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۲۔ ج ۲ ص ۱۲۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کی تلاوت فرمالیتے تو (دوبارہ) "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے پڑھنا شروع کر دیتے (پوری سورت پڑھ کر) پھر آپ سورۃ البقرہ کے شروع سے لے کر "هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" تک پڑھتے' پھر آپ ختم قرآن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ ہی حق وصواب کو خوب جاننے والا ہے اور وہی سب کی پناہ گاہ اور رجوع گاہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی دعا کرتے' پھر آپ کھڑے ہوتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ١١٥١۔ج ٣ ص ١٢٢٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۹) حضرت داؤد بن قیس تابعی نے مرسل روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ ختم قرآن کے وقت یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ' وَاجْعَلْهُ لِيْ إِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ' وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ' وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ''(ترجمہ) اے اللہ! قرآن عظیم کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور اس کو میرے لیے پیشوا اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا' اے اللہ! اس میں سے جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد کرا دے اور میں جس سے بے خبر رہا ہوں وہ مجھے سکھا دے اور رات اور دن کے تمام اوقات میں اس کی تلاوت کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے تمام جہانوں کے پروردگار! تو اسے میرے لیے حجت و دلیل بنا۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ١١٥٤۔ج ٣ ص ١٢٢٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر روح البیان ج ١٠ ص ٥٥٢' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ)

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ بقرہ کو تمام حقائق و دقائق اور تمام اسرار و رموز کے ساتھ پورے بارہ سال تک پڑھتے رہے اور جس روز اسے مکمل پڑھ کر فارغ ہوئے تو ختم کے روز ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور تمام اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانا کھلایا۔
(تفسیر فتح العزیز ج ١ ص ٦٦' مطبوعہ افغانی دار الکتب' لال کنواں' دہلی' بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

فائدہ: حفظ و ناظرہ اور تفسیر و تجوید قرآن کے اختتام پر اور تراویح میں اختتامِ قرآن پر اور جشن نزولِ قرآن پر مسلمانانِ عالم جو اہتمام اور تبرکات تقسیم کرتے ہیں' ان سب معمولات کی اصل دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی ہے۔

(۱۱) قاری ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے آخر میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر قرآن ختم کرتے تو اس کے ساتھ ہی سورۂ ''اَلْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' پڑھ کر سورۂ بقرہ کی پہلی پانچ آیات ''هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تک پڑھ کر آئندہ کے لیے تلاوتِ قرآن کا آغاز کر دیتے تاکہ شیطان مردود ذلیل و رسوا ہو کر مایوس ہو جائے اور اسی عمل کو حدیث شریف میں ''حال المرتحل'' کہا گیا ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا اپنی تلاوت میں قرآن کو آخر تک ختم کر کے' پھر شروع قرآن سے آغاز کرتے ہوئے دوسرے ختم کی طرف کوچ کرنے والا (یہ طریقہ کار مسنون ہونے کی بناء پر مستحب و پسندیدہ اور پیارا عمل ہے) اور تمام اسلامی ممالک میں ابن کثیر مکی کے معمول کے مطابق عمل ہوتا ہے' اور امام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق یہ مستحب عمل ہے۔

(۱۲) عراق کے مشائخ نے ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا مستحسن قرار دیا ہے البتہ فرض نماز میں قرآن مجید کا ختم ہو تو پھر سورۂ اخلاص کو نہیں دہرایا جائے گا۔

(۱۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے اور جب آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے اور جو شخص ختم کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کی بخشش نہیں ہوتی۔

(۱۴) حضرت امام احمد بن حنبل اور اسی طرح سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت نے ختم قرآن کے وقت دعا مانگنے کو مستحب قرار دیا ہے' سو جو چاہے دعائے خیر کرے' تلاوت کرنے والا قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ دعا کی قبولیت پر مکمل یقین کرتے ہوئے دعا کرے اور دعا میں تکلف نہ کرے بلکہ اس سے اجتناب کرے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کرے' پھر اس کے بعد حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھے اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے محبوب مکرم کے توسل سے آج بروز جمعۃ المبارک ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۱۱ اپریل ۲۰۰۸ء میں قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ اور اس پر حواشی مکمل ہوئے۔ فالحمد علٰی ذالک

بندۂ ناچیز نے ۲۴ مئی ۲۰۰۱ء میں تفسیر مدارک التنزیل اور قرآن مجید کا ترجمہ اور حسب ضرورت حواشی کا آغاز کیا تھا' الحمد للہ! آج بروز جمعۃ المبارک ۱۱' اپریل ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا ہے' تقریباً سات سال صرف ہوئے ہیں' اس کی ایک وجہ تدریسی مصروفیت' دوسری وجہ دمہ کی بیماری اور گھٹنوں کی تکلیف ہے اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بندۂ ناچیز پر تفسیر' علومِ عربیہ کی مہارت میں تہی دست ہے' البتہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا ہی بہتر ہے' اسی جذبہ کے تحت خدمت دین اور اپنی مغفرت کی نیت سے یہ کام شروع کیا تھا' اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ اس کی عطا کردہ زندگی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ صحت وتندرستی اور مزید زندگی عطا فرمائے تا کہ احادیث مبارکہ کی خدمت کر سکوں۔ آمین ثم آمین!

میں اپنے محترم جناب سید محسن اعجاز شاہ صاحب کا شکر گزار ہوں' جنہوں نے قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ کرنے کی پیش کش کر کے مجھے اس کام کی طرف راغب کیا اور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلہ شاہ صاحب کو دین و دنیا میں دن دگنی رات چگنی مزید ترقی وخوش حالی عطا فرمائے اور جس طرح وہ تفاسیر واحادیث اور دیگر اسلامی کتب کی طباعت میں انتہائی گہری دلچسپی لے کر بہت محنت' جاں فشانی اور باریک بینی کے ساتھ حسن طباعت میں امتیازی شان سے خدمت دین کا کام کر رہے ہیں' آئندہ بھی اسی لگن کے ساتھ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ادارہ کو خوب ترقی عطا فرمائے۔

آخر میں اپنے عزیز القدر فاضل جلیل حضرت علامہ قاری فدا حسین صاحب کا بھی ممنون ہوں' جو علمی تعاون کے ذریعہ میرا حوصلہ بڑھاتے رہے' اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

طالب دعا: حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی
سابق مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ' گڑھی شاہو' لاہور
موبائل: 0322-4042114

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱۵) سید الانام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ختم قرآن کے وقت یہ (درج ذیل) دعا مانگنے کا حکم فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِخْبَاتَ الْمُخْبِتِیْنَ وَاِخْلَاصَ الْمُوْقِنِیْنَ وَمُرَافَقَةَ الْاَبْرَارِ وَاسْتِحْقَاقَ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَوُجُوْبَ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالْخَلَاصَ مِنَ النَّارِ" (ترجمہ) اے اللہ! بے شک میں تجھ سے عجز وانکساری کے ساتھ عبادت کرنے والوں کی عبادت جیسی عجز وتواضع والی عبادت اور یقین رکھنے والوں کے اخلاص اور نیکوں کی رفاقت اور ایمان کے حقائق کے استحقاق اور ہر نیکی سے حصہ پانے اور ہر گناہ سے بچنے اور تیری بہت بڑی رحمت اور تیری مستحکم ویقینی مغفرت وبخشش اور جنت کی کامیابی اور دوزخ کی آگ سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔

(۱۶) ابن المصنف کی کتاب شرح الجزری میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ انسان آہ وزاری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرے اور وہ تمام اہم کاموں کے لیے جامع الفاظ کے ساتھ دعا کرے اور جملہ اُمورِ آخرت اور مسلمانوں کے معاملات کی دعا کرے اور اسلامی بادشاہوں اور دیگر حکامِ بالا کی اصلاح کی دعا کرے اور ان کے لیے عبادات کے بجالانے اور اسلام کی مخالفتوں سے بچنے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق کی دعا کرے اور دشمنانِ دین اور دیگر مخالفین پر ان کے لیے غلبہ کی دعا کرے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۵۱-۵۵۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ' ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۹۲ء)